احیاء العلوم

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ

جلد چہارم

مکتبہ رحمانیہ
اردو بازار لاہور
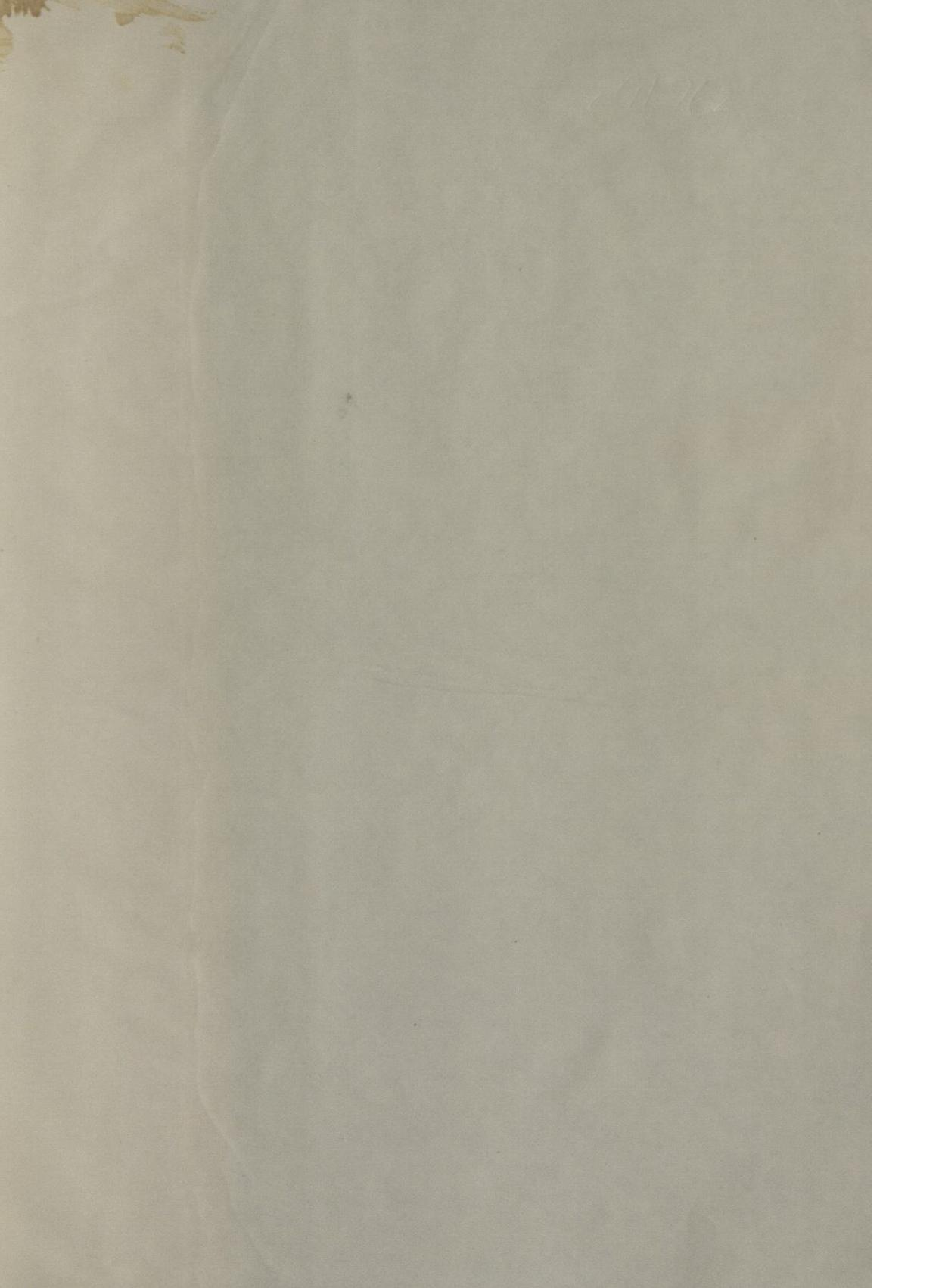
بسم اللہ الرحمن الرحیم

حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد غزالی رحمہ اللہ

کے معرکہ آرا فکر انگیز مرقع ہدایت

احیاء علوم الدین

کا مستند اردو ترجمہ

مذاق العارفین

جلد چہارم

ترجمہ

مولانا محمد احسن نانوتوی

عنوانات

مولانا سعید الرحمن علوی

مکتبہ رحمانیہ ۵ اردو بازار لاہور۔۲

فون ۵۶۵۳۹

نام کتاب : احیاء العلوم

نام مصنّف : حجۃ الاسلام امام غزالیؒ

نام مترجم : مولانا محمّد احسن نانوتویؒ

عنوانات : مولانا سعید الرحمٰن علوی

ناشر : مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور

پرنٹرز : زاہد بشیر پرنٹرز

قیمت مکمل ۴ جلد : ۳۰۰/- روپے

فہرست مضامین

احیاء العلوم اردو جلد چہارم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قطعہ

خداوند اکرم سے اپنے تو عاجز نوازی کر نہیں ہے آسرا تیرے سوا اصناف مردم کا
پلا دے بادۂ ادراک سے اک جام تو الیسا بآسانی ہو جس سے ترجمہ جلد چہارم کا

پہلا باب: توبہ کا بیان

رباعی

یارب میں ہوں شیطان کی شرارت سے تباہ اور نفس کی شامت سے ہے رگ رگ میں گناہ
توفیق دے تو اپنی احمد کے طفیل میں توبہ نصوح پر مروں یا اللہ!

بعد حمد و صلوٰۃ کے واضح ہو کہ گناہوں سے توبہ کر کے خدا تعالیٰ کی جناب میں رجوع کرنا سالکین کے راستے کی ابتدا اور واصلین کی متاعِ گراں بہاء، مرید اول اسی راہ پر قدم دھرتے ہیں اور حق سے پھرے ہوؤں کے لیے مفتاح استقامت اسی کو تصور کرتے ہیں۔ مقربین کے لیے یہی مطلع اصطفا ہے۔ اور انبیاء کے واسطے خصوصاً ہمارے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام کے لیے یہی منبع اجتبا۔ اور چونکہ مثل مشہور ہے کہ باپ پر پوت پتا پر گھوڑا بہت نہیں تو تھوڑا تھوڑا۔ اگر آدمی سے قصور اور گناہ ہو تو بعید نہیں اس لیے کہ آدم زاد ہے لیکن اگر باپ نے جبر نقصان کیا ہو اور تلافی مافات میں دل دیا ہو تو بیٹے کو بھی مناسب ہے کہ دونوں باتوں میں باپ کا مشابہ ہو اب حضرت آدم علیہ السلام کا حال جو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی خطا کے بعد سلسلۂ ندامت ہلایا اور مدتوں تک اشکِ خجالت بہایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص ان کو صرف خطا کرنے میں اپنا مقتدا سمجھے اور توبہ کے گرد نہ پھٹکے وہ خطاوار ہے اور خلف ونا ہنجار ہے بلکہ اصل یہ ہے کہ صرف خیر ہی کا ہو رہنا طریقہ ملائکہ مقربین کا ہے اور محض شر کرنا رویہ شیاطین کا اور شر میں پڑنے کے بعد خیر کی طرف پھرنا انسان کا کام ہے اس لیے کہ انسان کی سرشت میں دونوں خصلتوں کی آمیزش پائی جاتی ہے۔ محض خیر کرنے والا فرشتہ کہلاتا ہے اور صرف شر کرنے والا شیطان۔ اور رجوع الی الخیر سے شر کی تلافی کرنے والا واقع میں انسان ہے اب اس کو دو باتیں تو حاصل ہو سکتی ہیں یعنی اپنا نسب شیطان سے صحیح کرے خواہ انسان سے، مثلاً اگر گناہ کے بعد توبہ کرے تو آدم سے پیدا ہونے کی حجت قوی ہے کہ جو تعریف انسان کی تھی وہ اس پر صادق آتی اور جو شخص سرکشی پر مصر رہے اور اپنے نفس پر شیطان کا نسب ثابت کرتا رہے، باقی رہا محض خیر کرنے سے فرشتے کی طرف منسوب ہونا سو یہ انسان سے ممکن ہے نہیں اس واسطے کہ اس کے خمیر میں شر خیر کے ساتھ ایسی مضبوط ملی ہے کہ اس کا جدا ہونا دو ہی طرح ممکن ہے یا ندامت کی حرارت سے یا دوزخ کی آنچ سے حاصل یہ کہ جوہر انسانی کو خباثتِ شیطانی سے علیحدہ کرنے کے لیے دونوں آتشوں میں سے ایک میں جلنا ضروری ہے پس جب تک انسان کا قابو چل سکتا ہے اس کو چاہیے کہ دونوں آگوں میں سے جو نسی کی برداشت

کر سکے اس کو اختیار کرے اور جو ہلکی سمجھے اس کی طرف مبادرت کرے ورنہ بعد موت کے پھر مہلت کہاں بجز اس کے کہ جنت یا دوزخ میں ٹھکانا ہو جائے، اور جب توبہ دین میں یہ رتبہ رکھتی ہے تو منجیات کے شروع میں اسی کا لانا اور اس کی مہلت اور شروط اور سبب و علامت اور ثمرہ و آفت مانع توبہ اور علاج جس سے کہ توبہ آسان ہو جاتے اس کا بیان کرنا واجب ہوا اور یہ سب باتیں چار فصلوں میں بیان ہوں گی

پہلی فصل: توبہ کی تعریف اس کی حقیقت اور ہر شخص پر اسکے لازم ہونے کا ذکر

حقیقت و تعریف

جاننا چاہیئے کہ توبہ تین چیزوں کا نام ہے جو بہ ترتیب پائی جاتی ہیں ان میں سے اول علم ہے دوسرا حال تیسرا فعل اور اول دوسرے کا موجب ہے اور دوسرا تیسرے کا اور یہ انتظام خدا کی عادت کے باعث سے ہے جو اس نے عالم اجسام و ارواح میں جاری کر رکھا ہے اب ان میں سے ہر ایک کو سننا چاہیئے کہ علم سے یہ غرض ہے کہ اس بات کو جانے کہ گناہوں کا ضرر بہت بڑا ہے اور کہ گناہ آدمی میں اور اس کے محبوب کے درمیان میں حجاب ہوتے ہیں۔ جب یہ بات یقین غالب سے دل پر جم جاتی ہے تو اس کے جاننے سے دل کو محبوب کے فوت ہو جانے کا رنج ہوتا ہے اس لیے کہ دل کو جب یہ خبر ہو گی کہ محبوب نہ ملے گا تو بیشک رنج کرے گا پس اگر محبوب کے نہ ملنے کا باعث اور کوئی اسی کا فعل ہو گا تو اس فعل پر افسوس کرے گا اور اس افسوس کا نام ندامت ہے اور اسی کو دوسری چیز توبہ کی یعنی حال سمجھنا چاہیے۔ پھر جب یہ رنج دل پر غالب ہوتا ہے تو اس سے اور حالت دل میں پیدا ہوتی ہے جس کو ارادہ و قصد کہتے ہیں اور یہ ارادہ ایسے فعل کا ہوتا ہے جس کو تعلق تینوں زمانوں سے ہے۔ زمانہ حال سے تو اس طرح تعلق ہے کہ جو گناہ پیشتر کرتا تھا اس کو چھوڑ دے اور زمانہ مستقبل سے اس طرح کہ جس گناہ سے محبوب نہ ملے اس کو عمر بھر ترک کر دے اور زمانہ ماضی سے اس طرح کہ اگر کوئی چیز قابل قضا اور تلافی کے فوت ہوئی ہو تو اس کا جبر نقصان کرے۔ غرضکہ ان سب باتوں کا منشا اول علم ہوتا ہے یعنی ایمان اور یقین کیونکہ ایمان اسباب کے سچ جاننے کا نام ہے کہ گناہ زہر مہلک ہے اور یقین اس تصدیق کی مضبوطی کا نام ہے کہ دل پر ایسی طرح غالب ہو کہ اس میں مجال شک نہ رہے پس اس ایمان کا نور دل پر چھا جاتا ہے تو اس کا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ دل میں ندامت کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اور دل پر صدمہ گزرتا ہے اس لیے کہ نور ایمان کی چمک سے اس کو سوجھتا ہے کہ میں اپنے محبوب سے محجوب ہو گیا، جیسے کوئی اندھیرے میں ہو اور یکایک ابر میں سے خواہ پردے میں سے آفتاب کھل جاتے اور اس کی چمک میں اپنے محبوب کو دیکھ لے کہ یہ مرا جاتا ہے اسی وقت اس کے دل میں آتش محبت شعلہ زن ہو گی اور یہ حرارت اس کو اسباب پر آمادہ کرے گی کہ کوئی نہ کوئی تدبیر ضرور چاہیے۔ اسی طرح جہاں بھی ندامت کے وقت نور ایمان سے اپنے محبوب کے نہ ملنے کا رنج اس بات کا مقتضی ہوتا ہے کہ کچھ تدارک اس کا عمل میں لانا چاہیئے۔ اسی وجہ سے آدمی قصد تدارک مافات کرتا ہے کہ توبہ ان تین مرتب چیزوں کا نام ہے جو ایک دوسرے کے بعد بتدریج ہوتی ہیں۔ اول علم

دوم ندامت سوم قصد ترک گناہ زمانۂ حال واستقبال میں اور تلافی ایام ماضی ان سب کے مجموعے کو توبہ کہتے ہیں اور اکثر یہ بھی ہوتا ہے کہ توبہ صرف معنی ندامت پر بولتے ہیں اور علم کو اس کا مقدمہ اور ترکِ گناہ کو اس کا ثمرہ قرار دیتے ہیں اسی اعتبار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے الندامۃ توبۃ ح۱ اس لیے کہ ندامت کے واسطے ضروری ہے کہ کسی وجہ سے ہوتی ہوگی اور بعد کو اس پر کچھ ثمرہ بھی مرتب ہوگا تو گویا ندامت جو درمیان کی شی تھی یہ ہی قائم مقام اپنے سبب اور مسبب کے ہوگئی اور ضمناً علم اور قصد ترک اس کے دونوں طرفیں اس میں شامل ہوگئیں اور اسی اعتبار سے کسی نے توبہ کی تعریف کی ہے کہ توبہ یہ ہے کہ خطائے سابق پر آتش ندامت سے باطن کا پگھلنا، اس تعریف میں صرف رنج دل کا اشارہ پایا جاتا ہے اور بعضوں نے اس کی تصریح بھی کردی ہے اور کہا ہے کہ توبہ ایک آگ ہے کہ دل میں بھڑکتی ہے اور ایک درد ہے کہ جگر سے جدا نہیں ہوتا اور بعضوں نے بلحاظ ترک گناہ کے تعریف یوں لکھی ہے کہ توبہ اس کو کہتے ہیں کہ جفا کا لباس دور کر کے بساطِ وفا بچھائے۔ اور سہل بن عبداللہ تستریؒ یوں فرماتے ہیں کہ حرکاتِ مذمومہ کو افعال محمودہ سے بدل دینے کا نام توبہ ہے اور یہ بات بدون عزلت اور خاموشی اور اکل حلال کے میسّر نہیں ہوتی۔ غالباً اس تعریف میں تیسری بات کی طرف اشارہ ہے اور توبہ کی تعریف میں اور بہت سے اقوال ہیں اور جبکہ یہ تینوں باتیں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے آدمی کو معلوم ہو جائیں اور ان کا تلازم اور ترتیب بھی جان لے تو معلوم کرلے کہ لوگوں نے جو کچھ اس کی تعریف میں کہا ہے کسی میں سب باتوں کا انحصار اور احاطہ نہیں پایا جاتا حالانکہ مقصود اہم یہی ہے کہ واقعی حقیقت توبہ کی معلوم ہو صرف لفظوں سے غرض نہیں ہے۔

فضیلت اور توبہ کا واجب ہونا

توبہ کا واجب ہونا آیات واحادیث سے ثابت ہے اور جس کی چشم بصیرت کھلی ہوئی ہو اور خدا تعالیٰ نے اس کا سینہ نور ایمان سے منور کر رکھا ہو اس کے نزدیک بھی وجوب توبہ واضح ہے حتیٰ کہ ایسا شخص جہالت کی تاریکیوں میں اپنے سامنے کے نور کے باعث چل سکتا ہے اس کو یہ حاجت نہیں کہ ہر قدم پر کوئی آگے بتانے والا ساتھ ہو اور جس طرح کہ چلنے والے دو قسم کے ہیں بعضے اندھے ہوتے ہیں کہ بدون کسی کے آگے ہوئے قدم نہیں بڑھاتے اور بعضے آنکھوں والے ہوتے ہیں کہ جب راہ پر پڑ لیے تو اپنے آپ چلے جاتے ہیں اسی طرح طریق دین کے چلنے میں آدمیوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک لوگ تو ایسے قاصر ہیں کہ تقلید سے ایک قدم بھی نہیں ٹل سکتے اور ہر قدم پر نص کتاب اللہ خواہ حدیث کے سننے کے محتاج رہتے ہیں اور ایسے لوگوں کا بعض اوقات یہ حال ہوتا ہے کہ اگر نص صریح کے ملنے میں دشواری ہوتی ہے تو حیران رہ جاتے ہیں پس اس قسم کے لوگوں کی سیر باوجود محنت شاقہ اور طول عمر کے مختصر ہوتی ہے اور قدم بھی چھوٹے پڑتے ہیں اور ایک لوگ سعید ہیں جن کے سینے خدا تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیئے ہیں وہ اپنے رب کی طرف سے نور کی سیر میں ادنیٰ اشارے سے مشکل مشکل سلوک کی راہ کے چلنے کے لیے خبردار ہو جاتے ہیں اور بڑی

ح۱ نادم ہونا توبہ ہے ۱۲ ابن ماجہ وحاکم بروایت ابن مسعود وانس ۱۲

ح۲ مسلم نے بروایت اغر مزنی روایت کیا جو یاایہا الناس توبوا الی اللہ الحدیث تو امر فرمانا مفید وجوب ہے ۱۲

سخت گھاٹیاں طے کر ڈالتے ہیں۔ ان کے دل میں نورِ قرآن اور نورِ ایمان کی چمک رہتی ہے اور شدتِ نور کے باعث ادنیٰ بتلانا ان کے حق میں کافی ہو جاتا ہے ان کی مثال ایسی ہے یکاد زیتها یضیئ ولو لم تمسسه نار[ت] اور اگر آگ[ع] لگاؤ یعنی بتلانے کے بعد تو یہ مثل ہے نور علیٰ نور یهدی الله لنوره من یشآء[ت۲] ایسے لوگوں کے لیے حاجت نصِ منقول کی ہر واقعہ میں نہیں اس طرح کا شخص اگر توبہ کا واجب ہونا جاننا چاہتا ہے تو اول نورِ بصیرت سے توبہ کو دیکھتا ہے کہ وہ کیا چیز ہے پھر وجوب کے معنی سمجھتا ہے پھر دونوں کو ملا کر جو دیکھتا ہے تو معلوم کر لیتا ہے کہ بیشک توبہ کے لیے واجب ہونا ثابت ہے۔ مثلاً اول یہ جاننا کہ واجب اور ضروری وہی چیز ہے جو سعادتِ ابدی تک پہنچنے اور ہلاکِ ابدی سے بچنے کے لیے ضروری ہو اس لیے کہ اگر کسی چیز کے کرنے یا نہ کرنے سے سعادت خواہ شقاوت کا تعلق نہ ہو تو اس کے واجب ہونے کے کچھ معنی نہیں اور یہ جو کہتے ہیں کہ فلاں فعل واجب کرنے سے واجب ہو گیا یہ صرف ایک بات ہی بات ہے کیونکہ جن چیزوں سے ہماری غرض حال میں یا استقبال میں متعلق نہیں ان کے کرنے خواہ نہ کرنے میں ہم کو مشغول ہونے سے کیا فائدہ خواہ کوئی ہم پر ان کو واجب کرے یا نہ کرے اس سے معلوم ہوا کہ واجب سے وہی چیز مراد ہے جو ذریعہ حصول سعادتِ ابدی کا ہو۔ پھر جب وہ یہ معنی واجب کے سمجھ لے اور یہ بھی جان لے کہ قیامت میں سوائے دیدارِ الٰہی کے اور کوئی سعادت نہیں اور جو اس سے محجوب رہا وہ بدبخت ہے اس کے درمیان اور اس کی آرزوں کے درمیان آڑ ہو گی آتشِ فراق اور نارِ دوزخ سے جلے گا اور یہ بھی جان لے کر سوائے اتباعِ شہوات اور اس دنیا کی الفت اور ان لذاتِ فانی، قطعاً جدا ہونے والی کی محبت کے اور کوئی چیز خدائے تعالیٰ سے دور نہیں کرتی سوائے کاٹ ڈالنے علاقۂ قلبی کے اس دنیا کی زیب و زینت سے اور تمام متوجہ ہونے کے اللہ کی طرف تا کہ اس کے ذکر سے ہمیشہ انس رہے اور اس کے جلال اور جمال کو اپنی طاقت کے موافق جان کر اس سے محبت حاصل ہو اور کوئی چیز اس سے نزدیک کرنے والی نہیں اور یہ بات بھی دلنشین کر لے کہ جن گناہوں سے خدا سے منہ پھیرنا اور اس کے دشمن شیاطین لعین کی اتباع کرنی ہوتی ہے انہیں کے باعث میں بھی محجوب اور راندۂ درگاہ ہو جاؤں گا۔ اتنی باتوں کے جاننے کے بعد وہ شخص ہرگز اس بات میں شک نہ کرے گا کہ قربِ الٰہی تک پہنچنے کے واسطے دوری کی راہ سے پھرنا واجب ہے اور طریق بعد سے پھرنا انہیں تین باتوں سے حاصل ہو گا یعنی علم اور ندامت اور عزم سے اس لیے کہ جب تک یہ نہیں جانے گا کہ گناہ محبوب سے دور ہونے کے اسباب ہیں ندامت نہیں آنے کی اور نہ اپنی دوری کی راہ چلنے سے کچھ درد ہو گا اور جب تک درد نہ ہو گا تب تک راہ سے رجوع کرنا معلوم اور رجوع کرنے کے معنی ترک اور عزم ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ محبوب تک پہنچنے کے لیے وہ تینوں باتیں ضروری ہیں اور جو ایمان کے نورِ بصیرت سے حاصل ہوتا ہے وہ تو ایسا ہی ہوتا ہے مگر جو شخص کہ اس مرتبے کے قابل نہ ہو۔ چنانچہ اکثروں کا یہی حال ہے تو اس کے لیے تقلید و اتباع میں بہت گنجائش ہے اس کے ذریعہ سے ورطۂ ہلاکت سے ساحلِ نجات پر پہنچ سکتا پس اس توبہ کے باب میں قول خدائے پاک اور رسول کریمؐ اور سلفِ صالحین کا دیکھے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

ت لگتا ہے اس کو تیل کہ سلگ اٹھے گو نہ لگی ہے اس کو آگ ت۲ روشنی پر روشنی اللہ راہ دیتا ہے اپنی روشنی کی جس کو چاہے ۱۲

ع یعنی روشنی کر دو تو وہ نور علیٰ نور ہو جائے گا ۱۲

وَتوبوا الی اللہِ جمِیعًا ایھا المُؤمنُون لعلکم تفلحون[1] اس میں سب ایمان والوں کو توبہ کا حکم عام ہے اور دوسری جگہ ارشاد ہے یَآ اَیُّھا الذِیْنَ اٰمنوا توبوا الیَ اللہ توبۃً نصوحًا[2] معنی نصوح کے یہ ہیں کہ خالص اللہ کے واسطے ہو اور آمیزش کسی طرح نہ ہو، مشتق ہے نصح بمعنی خلوص سے اور فضیلت توبہ پر یہ آیت شریف دال ہے انَّ اللہ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ المتَطَھِّرِیْنَ[3] اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں التَّائب حبیب اللہ[4] اور التَّائبُ من الذنب کمن لَّا ذنب لَہٗ[5] اور ایک حدیث[6] میں یہ مذکور ہے کہ اگر کوئی شخص کسی سرزمین ناموافق اور مہلک میں فروکش ہو اور اس کے ساتھ اس کی سواری ہو جس پر اس کا کھانا پینا وغیرہ لدا ہوا ہو یہ شخص اپنا سر رکھ کر سو رہے اور پھر جو جاگے تو سواری نہ پائے اور اس کو ڈھونڈنے لگے یہاں تک کہ جب اس پر دھوپ اور پیاس اور جو کچھ خدا کو منظور ہو اس کی شدت اور غلبہ ہو تو کہے کہ میں جہاں تھا وہاں ہی لوٹ چلوں اور سو رہوں تاکہ مر جاؤں اور وہاں پہنچ کر مرنے کیلیے اپنے ہاتھ کو سر تلے رکھ کر سو رہے اور پھر جو آنکھ کھلے تو دیکھے کہ جس سواری پر توشہ وغیرہ تھا وہ پاس کھڑی ہے تو جتنی خوشی کہ اس شخص کو اپنی سواری ملنے کی ہے اس سے زیادہ خدا تعالیٰ بندۂ مومن کی توبہ سے خوش ہوتا ہے اور ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ یہ شخص شدت خوشی میں جو شکر خداوندی بجالائے تو مارے خوشی کے زبان سے بول نکلے کہ الٰہی تو میرا بندہ ہے میں تیرا پروردگار ہوں یعنی خوشی میں الفاظ کی تقدیم و تاخیر کی تمیز نہ رہے اور حضرت حسنؓ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول کی تو ان کو فرشتوں نے تہنیت دی اور حضرت جبریل اور میکائیل علیہما السلام ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ اے آدم خدائے تعالیٰ نے جو آپ کی توبہ قبول فرمائی تو آپ کا کلیجہ ٹھنڈا ہوا حضرت آدم علیہ السلام نے جواب دیا کہ اے جبریلؑ اگر بعد قبول توبہ کے بھی مجھ سے سوال ہو تو پھر میرا ٹھکانا کہاں ہے اسی وقت ان پر وحی ہوئی کہ اے آدم تو نے اپنی اولاد کے لیے رنج و مشقت بھی ارث چھوڑی اور توبہ بھی تو جو کوئی ان میں سے مجھ کو پکارے گا میں اس کی سنوں گا جیسی تیری سُنی اور جو کوئی مجھ سے مغفرت کا سوال کرے گا اس پر بخل نہ کروں کیونکہ میرا نام قریب اور مجیب ہے، اے آدم توبہ کرنے والوں کو قبروں سے ہنستے ہوئے اور بشارت سنتے ہوئے اُٹھاؤں گا جو دُعا کریں گے قبول ہوگی۔ اور اخبار و آثار اس باب میں بے شمار ہیں اور امت کا اتفاق ہے کہ توبہ واجب ہے اس لیے کہ معنیٰ اس کے یہ ہیں کہ اس بات کا علم ہو کہ گناہ و معاصی مہلک چیزیں ہیں اور خدا تعالیٰ سے دور کرنے والی ہیں۔ یہ بات وجوب ایمان میں داخل ہے مگر کبھی اس سے غفلت ہو جاتی ہے تو توبہ کی تعریف میں جو علم مذکور ہے اس علم سے یہی غرض ہے کہ غفلت دور ہو جائے اور اس کے واجب ہو جانے میں کچھ اختلاف نہیں اور منجملہ تعریف توبہ کے چھوڑ دینا معاصی کا زمانہ حال میں اور عزم ان کے ترک کا استقبال میں اور تدارک تقصیرات زمانہ گذشتہ کا ہے اس کے واجب ہونے میں بھی کسی طرح کا شک باقی نہیں رہا، ندامت اور حزن

ت[1] اور توبہ کرو اللہ کے آگے سب مل کر اے ایمان والو شاید بھلا پاؤ ت[2] اے ایمان والو توبہ کرو اللہ کی طرف صاف دل کی توبہ ۱۲ ت[3] اللہ کو خوش آتے ہیں توبہ کرنے والے اور خوش آتے ہیں ستھرائی والے ۱۲ ح[4] توبہ کرنے والا اللہ کا پیارا ہے ابن ابی الدنیا بروایت انسؓ ۱۲ ح[5] گناہ سے توبہ کرنے والا مثل اس شخص کے ہے جس پر گناہ نہ ہو ۱۲ ابن ماجہ بروایت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲ ح[6] مسلم بروایت انسؓ ۱۲

افعالِ گذشتہ پر پس وہ بھی واجب ہے کیونکہ حزن وندامت تو توبہ کی جان ہے تلافی اسی سے پوری ہوتی ہے وہ کس طرح واجب نہ ہوگی۔ اس لیے کہ وہ تو ایک طرح کا رنج ہے کہ جب آدمی کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اتنی عمر خدا تعالیٰ کی مرضی کے خلاف میں ضائع ہوئی اس کے بعد ضروری ہوتا ہے کہ اب اگر کوئی کہے کہ دل کا حزن کرنا امر ضروری ہے قبضہ اختیار میں نہیں تو اس کو واجب کہنا کس طرح مقصود ہو، اس کا جواب یہ ہے کہ سبب اس رنج کا یہی ہوتا ہے کہ محبوب کے نہ ملنے کا علم قطعی ہو جاتا ہے اور آدمی اس علم کے سبب کے حاصل کرنے کا اختیار رکھتا ہے اسی جہت سے علم وجوب میں داخل ہوا نہ اس جہت سے کہ بندہ خود نفس علم کو پیدا اور حادث کر سکتا ہے کیونکہ یہ امر محال ہے بلکہ علم اور ندامت اور فعل اور ارادہ اور قدرت اور قدرت والا اور سب چیزیں خدا کی مخلوق ہیں اور اس کے فعل سے موجود چنانچہ ارشاد ہے[۱] اَللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ ارباب بصیرت کے نزدیک یہی ٹھیک ہے باقی سب گمراہی ہے۔ پھر یہاں سوال ہوتا ہے کہ بندے کو کیا اختیار کرنے اور نہ کرنے کا نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں اختیار ہے مگر اس اختیار ہونے سے یہ تصور نہ کرنا چاہیئے کہ کل چیزیں خدا کی مخلوق نہیں بلکہ اس اختیار کو بھی مخلوق خدا سمجھنا چاہیئے جو اختیار کہ بندے کو عنایت ہوا ہے اس میں وہ مجبور ہے مثلاً خدا تعالیٰ آدمی کا ہاتھ صحیح وسالم پیدا کیا ہے اور لذیذ کھانے کو پیدا کیا ہے اور معدے میں خواہش کھانے کی اور دل میں یہ صلاحیت پیدا کی ہے کہ اس کھانے سے خواہش کو تسکین ہوگی اور یہ تردد پیدا کیا کہ باوجود تسکین خواہش کے اس کھانے میں کچھ ضرر ہے یا نہیں اور اس کے مقابل یہ تردد پیدا کیا کہ اس کھانے کے ساتھ کوئی ایسا امر مانع ہے یا نہیں جس سے غذا کا کھانا معذور ہو پھر یہ علم پیدا کیا کہ کوئی مانع نہیں پس جب اتنے اسباب جمع ہوتے تب ارادہ کھانے کا پکا ہوتا ہے تو یہی ارادہ پکا ہونا پکنا بعد ان ترددات کے اور بعد غلبہ خواہش غذا کے اختیار کہلاتا ہے اور جب اس کے سبب پورے ہو جاتے ہیں تو وہ بھی ضرور ہی موجود ہو جاتا ہے مثلاً جب خدا تعالیٰ کے پیدا کرنے سے ارادے میں پختگی آتی ہے اس وقت ہاتھ کھانے کی طرف ضرور بڑھتا ہے کیونکہ بعد تمام ہوتے ارادہ اور قدرت کے فعل کا بروئے کار آنا ضروری ہوتا ہے اسی لیے ہاتھ کو حرکت ہوتی ہے تو جب حصولِ قدرت اور پختگی ارادہ خدا کے پیدا کرنے سے تھیں تو حرکت ہاتھ کی بھی اسی کی مخلوق ہوئی اور پختگی ارادہ جب ہوتی ہے جب اول خواہش صحیح اور موانع کے نہ ہونے کا علم ہو چکے اور یہ دونوں بھی خدا کی مخلوق ہیں لیکن ان مخلوقات میں ایک ترتیب خاص خداوندِ کریم نے رکھ دی کہ خلق میں اسی ترتیب وعادت کے موافق ہمیشہ انتظام رہتا ہے مثلاً ہاتھ میں حرکت لکھنے کے لیے نہیں پیدا کرتا جب تک کہ اس میں قدرت اور حیات پیدا نہیں کرتا اور ارادہ مصمم نہیں پیدا کرتا جب تک کہ خواہش اور رغبت نفس میں نہیں پیدا کرتا اور یہ رغبت جب تک خوب نہیں اٹھتی جب تک اسباب اس بات کا علم نہیں پیدا کرتا کہ لکھنا نفس کے موافق ہے خواہ حال میں خواہ انجامِ کار میں اور علم کو بھی جو پیدا کرتا ہے تو اور اسباب سے پیدا کرتا ہے جن کا مآل حرکت اور ارادہ اور علم پر آرہتا ہے غرضکہ علم اور خواہش طبع کے بعد پکا ارادہ ہوتا ہے اور قدرت وارادے کے بعد حرکت واقع ہوتی اور ہر فعل میں اسی طرح کی ترتیب ہے اور یہ سب چیزیں خدا کی پیدائش سے ہیں لیکن چونکہ بعض مخلوقات بعض کے واسطے شرط ہے اسی لیے بعض کا مقدم ہونا

---

[۱] اور اللہ نے بنایا تم کو اور جو تم بناتے ہو ۱۲

اور بعض کا مؤخر ہونا واجب ہے مثلاً ارادہ بعد علم ہی کے پیدا کرنا اور علم بعد حیات کے اور حیات بعد جسم کے تو جسم کی پیدائش شرط ہے حدوث حیات کے لیے نہ یہ کہ حیات جسم میں سے پیدا ہوتی ہے اور حیات کی پیدائش شرط ہے علم کی پیدائش کے لیے نہ یہ کہ علم حیات سے نکلتا ہے بلکہ محل مقبول استعداد جب ہوتی ہے جب وہ زندہ ہو اسی طرح علم کی پیدائش شرط ہے پختگی ارادہ کی نہ یہ کہ علم سے پختگی ارادہ نکلتی ہے بلکہ ارادے کو وہی جسم قبول کرتا ہے جو زندہ اور عالم ہو غرضکہ ممکن کے سوا کوئی چیز وجود دنیاوی میں داخل نہیں ہوتی اور امکان میں ایسی ترتیب ہے جس میں تبدیلی نہیں ہوتی اس واسطے کہ اس کی تبدیلی محال ہے۔ پس جب کسی وصف کی شرط پائی جاتی ہے تو اس شرط کے سبب سے محل میں لیاقت وصف کے قبول کرنے کی ہو جاتی ہے پھر وہ وصف خدا کی عنایت اور قدرت ازلی سے لیاقت آجانے کے بعد موجود ہو جاتی ہے اور چونکہ شرطوں کے سبب سے لیاقت میں ترتیب ہوتی ہے تو خدا تعالیٰ کے کرنے سے ممکنات کے موجود ہونے میں بھی ترتیب ہوگی اور بندہ ان ترتیب ممکنات اور حوادث کے لیے محل ہے اور یہ حوادث قضاء الٰہی میں جو پل مارنے کے مانند ایک دم کی بات ہے ترتیب کلی سے مرتب ہیں جس میں تبدیلی نہیں ہوتی اور ان کا ظہور تفصیل وار متعلق حکم و اندازۂ الٰہی سے ہے کہ اس سے تجاوز نہیں کرتے چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے انا کل شیئ خلقنه بقدر[1] قضائے کلی ازلی کو اس آیت میں ارشاد فرمایا[2] وما امرنا الا واحدة کلمح بالبصر اور بندے اس قضاء و قدر کے جاری ہونے کے لیے مسخر ہیں اور منجملہ قدر کے پیدا کرنا حرکت کا ہے کاتب کے ہاتھ میں بعد پیدا کرنے ایک صفت مخصوص کے اس کے ہاتھ میں جس کو قدرت کہتے ہیں اور بعد پیدا کرنے میل قوی اور مصمم کے اس کے نفس میں جس کا نام قصد ہے اور بعد پیدا کرنے واقفیت مرغوب چیز کے جو ادراک کہلاتا ہے پس جب باطن ملکوت سے یہ چاروں باتیں کسی بندے کے جسم پر ظاہر ہوتی ہیں جو زیر فرمان تقدیر مسخر ہے تو چونکہ علم ظاہری کے لوگ عالم غیب اور اسرار سے محجوب ہیں یوں کہنے لگتے ہیں کہ اے شخص تو نے حرکت کی اور تو نے پھینکا اور تو نے لکھا وغیرہ مگر سرادقات ملکوت اور پردہ ہائے غیب سے یہ ندا ہوتی ہے[3] وما رمیت اذ رمیت ولکن الله رمی اور قاتلوهم یعذبهم الله بایدیکم یہاں ان لوگوں کی عقل حیران ہوتی ہے جو والبتہ عالم ظاہری ہیں اسی جہت سے بعضے یوں کہتے ہیں کہ بندہ محض مجبور ہے اور بعضے اس بات کے قائل ہیں کہ وہ اپنے افعال کا مخترع ہے کچھ علاقہ تقدیر سے نہیں اور بعض متوسط اس بات پر جھکے ہیں کہ بندے کے افعال کسب کے طور پر ہیں اور اگر ان لوگوں کے واسطے آسمان کے دروازے کھل دیئے جائیں اور عالم غیب و ملکوت ان کو سوجھے تو جان لیں کہ ان میں سے ہر ایک فرقہ من وجہ سچا ہے مگر قصور سب کو شامل ہے کہ اس امر کی کسی کو نہیں سوجھی اور نہ تمام پہلو پر کسی کا علم محیط ہوا اور اس کا پورا علم جب حاصل ہو جب اس روزن سے جو عالم غیب کی طرف کھلا ہوا ہے نور کی چمک آئے اور سمجھے کہ اللہ تعالیٰ ظاہر و باطن سب کچھ جانتا ہے اپنی غیب کی بات پر کسی کو واقفیت نہیں کرتا سوا اس رسول کے جس کو اس نے پسند کیا ہے اور ظاہر پر ایسے شخصوں کو بھی مطلع کر دیتا ہے جو زمرۂ پسندیدگان میں داخل نہ ہو اور جو شخص سلسلۂ

---

[1] ہم نے ہر ایک چیز کو پیدا کیا ہے پہلے ٹھہرا کر ۱۲ [2] اور ہمارا کام ہے ایک دم کی بات جیسے لپک نگاہ کی ۱۲ [3] اور تو نے نہیں پھینکا لیکن اللہ نے پھینکا ۱۲

[4] لڑو ان سے تا عذاب کرے اللہ ان کو تمہارے ہاتھوں کا ۱۲

اسباب اور مسببات کو حرکت دے اور ان کے تسلسل کی کیفیت اور ارتباط کی وجہ معلوم کرے اور یہ کہ انتہا اس سلسلے کی مسبب الاسباب پر کس طرح ہے تو ان پر راز تقدیر آشکارا ہو جاتے اور یقیناً جان لے کہ سوائے خدا کے اور کوئی خالق اور موجد نہیں۔ اب چونکہ ہمارے بیان میں ایک طرح کا تناقض ظاہر میں معلوم ہوتا ہے یعنی جب مسئلہ جبر اور اختراع اور اختیار کو من وجہ سچا بتلایا اور پھر ہر ایک قصور بھی ثابت کیا تو بظاہر صدق اور قصور میں منافات ہے۔ اس لیے ہم اس کو بسہولت سمجھ میں آنے کے لیے مثال سے سمجھاتے ہیں۔ فرض کرو کہ چند اندھوں نے یہ سنا کہ فلاں شہر میں ایک عجیب جانور جس کا نام ہاتھی ہے آیا ہے اور انہوں نے کبھی پہلے نہ ہاتھی کا نام سنا نہ اس کو دیکھا تھا اس لیے انہوں نے آپس میں کہا کہ اس کو پہچاننا اور ٹٹول کر دیکھ لینا ضروری ہے غرض ان میں سے چند اندھے تلاش کر کے اس کے پاس پہنچے اور اس کو ٹٹولنا شروع کیا بعضوں کا ہاتھ تو اس کے پاؤں پر پڑا اور بعضوں کا دانت پر اور بعضوں کا کان پر اور جان لیا کہ ہم نے ہاتھی کو دیکھ لیا اور جب وہ پھر کر باقی اندھوں کے پاس آتے تو انہوں نے کیفیت ہاتھی کی ان سے پوچھی ہر ایک نے مختلف جواب دیا جس نے پاؤں ٹٹولا تھا اس نے تو یہ کہا کہ ہاتھی ایک کھردرے ستون کی مانند ہوتا ہے مگر اس سے کچھ نرم ہوتا ہے۔ جس نے دانت کو چھوا تھا اس نے یہ کہا کہ جیسا یہ شخص کہتا ہے ہاتھی ویسا نہیں بلکہ وہ سخت ہوتا ہے نرمی اس میں نام کو نہیں اور چکنا ہوتا ہے کھردرا نہیں اور موٹائی میں ستون جیسا نہیں موسل جیسا ہوتا ہے۔ جس نے کان ٹٹولا تھا اس نے کہا کہ وہ تو نرم اور کھردرا ہوتا ہے مگر ستون اور موسل کی طرح نہیں ہوتا موٹے چمڑے کی طرح پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ تو نرمی اور کھردرا پن میں پاؤں کے چھونے والے کو سچا کہا اور پھر اپنے دریافت کے بموجب بتلایا کہ وہ ایسا ہوتا ہے۔ اب اگر ان سب کے بیان کو دیکھو تو من وجہ سچ ہے۔ کیونکہ جس قدر جس کو معلوم تھا اس نے بیان کیا اور سب نے ہاتھی ہی کے اوصاف کہے مگر سب کے بیان میں قصور ہے کہ کنہ صورت کسی کو معلوم نہ ہوئی، اس مثال کو خوب سمجھ لینا چاہیئے اس لیے کہ اکثر اختلافات کی مثال یہی ہے اور چونکہ یہ بیان علوم مکاشفہ میں جا پہنچتا ہے اور اس کی امواج کو جنبش دیتا ہے اور ہماری غرض اس کے بیان سے نہیں لہٰذا مناسب ہے کہ جس بیان کے در پے تھے اسی کو لکھیں یعنی توبہ واجب ہے اور اس کے تینوں اجزاء جو علم اور ندامت اور ترک ہیں وہ بھی واجب ہیں اور ندامت اس وجہ سے وجوب میں داخل ہے کہ یہ ان افعال الٰہی میں واقع ہے جو بندے کے علم اور ارادے میں گھرے ہوتے ہیں یعنی ندامت کی ایک طرف بندے کا علم ہے اور دوسری طرف ارادۂ ترک اور جس فعل کی یہ صفت ہو تو وجوب اس کو شامل ہوتا ہے۔

ہر حال میں توبہ کا فوراً واجب ہونا

توبہ کے فوراً واجب ہونے میں کسی طرح کا شک نہیں اس لیے کہ معاصی کا مہلک سمجھنا نفس ایمان میں داخل ہے اور یہ اسی وقت واجب ہے اور اس واجب سے عہدہ برآ وہی ہوگا جو اس بات کو ایسی طرح جانے کہ اس کے سبب معاصی سے باز رہے کیونکہ یہ معرفت متعلق علوم مکاشفہ سے نہیں جن میں لگاؤ عمل کا نہیں ہوتا بلکہ علم معاملہ سے متعلق ہے اور جو اس غرض سے مقصود ہوتا ہے کہ اس سے ترغیب عمل پر ہو تو جب تک اس کی علت غائی ظہور میں نہ آوے گی اس سے عہدہ برآئی بھی نہ ہو گی اب یہاں گناہوں کے ضرر کا علم اسی غرض سے مقصود ہوتا ہے کہ اس سے ترغیب گناہوں کے ترک کی ہو پس جو شخص گناہوں کو نہ چھوڑے اس میں یہ حصہ

ایمان کا نہ ہوگا اور یہی مراد ہے اس حدیث شریف میں [ح] لا یزنی الزانی حین یزنی وھو مؤمن اس میں ایمان سے مراد یہ ہے کہ زنا جو موجب نارضامندی خدا کا ہے اور اس سے دور کرتا ہے اس بات کا ایمان زنا کار میں نہیں رہتا یہ غرض نہیں کہ اس سے وہ ایمان جاتا رہا ہے جو متعلق بعلوم مکاشفہ ہے مثلاً خدا کو جاننا اور اس کی وحدانیت اور صفات اور کتب اور رسولوں پر جو ایمان ہے وہ منافی زنا نہیں اسی جہت سے یہ ایمان زنا سے نہ جاتے گا اور اس کی مثال یہ ہے کہ کسی طبیب نے مریض کو کہا کہ یہ زہر ہے اس کو مت کھانا پس اگر وہ شخص کھالے گا تو اس کو یوں کہیں گے کہ یہ طبیب کا معتقد نہیں اس سے یہ غرض نہیں ہوتی کہ وہ شخص طبیب کے وجود پر یا اس کے معالج ہونے پر ایمان نہیں رکھتا بلکہ یہ غرض ہوتی ہے کہ طبیب نے جو کہا تھا کہ یہ زہر مہلک ہے اس قول کو نہیں مانتا کیونکہ اگر اس کو مہلک جانتا تو کبھی نہ کھاتا اس سے معلوم ہوا کہ گناہگار ناقص الایمان ہوتا ہے اور ایمان ایک ہی چیز کا نام نہیں بلکہ اس کی کچھ اوپر ستر قسمیں ہیں جن میں کی ایک اعلیٰ قسم گواہی کلمہ طیبہ کی ہے اور ادنیٰ قسم راہ میں سے ایذا کو دور کرنا ہے۔ جیسے کوئی یوں کہے کہ انسان ایک ہی طرح کے موجود نہیں بلکہ کچھ اوپر ستر طرح کے ہیں۔ ان میں اعلیٰ قسم قلب اور روح ہے اور ادنیٰ قسم دور کرنا ایذا کا جلد سے بایں طور کہ مونچھیں کتری ہوئیں ناخن کٹے ہوتے چرک میل سے جلد صاف ہو تا کہ بہائم سے متمیز اور علیحدہ ہو جاتے جو چھوٹے ہوتے اور اپنے پاخانہ میں آلودہ بری صورت کے رہتے ہیں ناخن اور کھُر بڑھ جاتے ہیں اور یہ مثال بہت ٹھیک ہے کیونکہ ایمان مثل انسان کے ہے اور اس میں شہادت توحید اگر نہ ہو تو بالکل باطل ہو جاتا ہے جیسا انسان روح کے نہ ہونے سے بیکار ہے اور جو شخص صرف شہادت توحید اور رسالت رکھتا ہو وہ ایسا ہے جیسا کہ انسان میں روح تو ہو مگر ہاتھ پاؤں آنکھ اور دوسرے اعضا ظاہری و باطنی کچھ نہ رکھتا ہو اور جیسا کہ اس طرح کا شخص جس کا یہ حال ہو قریب بمرگ ہوتا ہے اس واسطے کہ اس کی روح ضعیف جو اعضا سے علیٰحدہ رہ گئی ہے اور کسی طرح مدد اور قوت اعضا سے اس کو نہیں پہنچتی وہ جلد پرواز کر جاتے گی، اسی طرح جس کو صرف کلمہ طیب اور رسالت ہی کی شہادت ہو مگر اعمال میں قاصر ہو وہ بھی اس حال کے نزدیک ہے کہ ذراسی تند ہوا سے اس کے ایمان کا درخت جڑ سے اکھڑ جائے یعنی ملک الموت کے آنے کے وقت جو اہوال پیش آتے ہیں ان کے صدمے کے باعث ایمان ہل جاتا ہے ایسا ایمان ان کی برداشت نہیں کر سکتا پس جس ایمان کی جڑ یقین میں نہ جمی ہوگی اور اعمال میں اس کی شاخیں نہ پھیلی ہوں گی وہ ملک الموت کے ظاہر ہونے کے وقت خوف کے جھونکوں میں نہ ٹھہر سکے گا کہ یہ ڈر ہے کہ اس کا خاتمہ اچھا نہ ہو خاتمے کے وقت ایسا ہی ایمان باقی رہتا ہے جس کی بنا طاعات پر ہمیشہ رہی ہو اور آبیاری اعمال سے مضبوطی پکڑ گیا ہو اور گناہگار جو اطاعت کرنے والے کو کہا کرتے ہیں کہ ہم میں تم میں فرق کیا ہے تم بھی ایماندار ہو ہم بھی ایماندار ان کی مثال ایسی ہے جیسے کدو کے پیڑ نے صنوبر سے کہا تھا کہ تو بھی پیڑ ہے اور میں بھی مگر اس نے بھی خوب جواب دیا کہ نام کی شرکت کا مغالطہ تجھ کو جب معلوم ہوگا جب خریف کی آندھی چلے گی کہ تیری جڑ اکھڑ جاتے گی اور پتے بکھر جائیں گے اور معلوم ہو جائے گا کہ شرکت نام کے سبب

ح نہیں زنا کرتا ہے زنا کرنے والا جب کبھی کرے اس حال میں کہ وہ مومن ہے ۱۲ بخاری و مسلم بروایت ابوہریرہ رضی ۱۲

سے تجھ کو دھوکہ ہوا اور جس سبب سے کہ درخت جما رہتا ہے اس سے غافل رہا۔ سچ ہے شعر

ہوتے سیرت سے ہیں مردانِ دلاور ممتاز ورنہ صورت میں تو کچھ کم نہیں شہباز سے چیل

اور اس کا حال خاتمے پر کھلتا ہے اسی واسطے موت کی مصیبت اور اس کے مقدمات ہائلہ کے ڈر سے عارفین کے جگر ٹکڑے ہوتے ہیں اسی لیے کہ وہ وقت ہی ایسا ہے کہ اس میں بہت کم ثابت اترتے ہیں پس اگر گنہگار اپنے گناہ کے باعث آگ میں ہمیشہ رہنے سے خوف نہ کرے اس کا حال مثل تندرست شخص کے ہے کہ اپنی صحت کے سبب اور اس وجہ سے کہ موت اکثر یکایک نہیں آتی مضر شہوات میں ڈوبا رہے اور موت سے نہ ڈرے تو اس سے کہا جائے گا کہ تندرست آدمی کو مرض کا خوف ہوتا ہے اور جب مریض ہو جاتا ہے تو موت کا خوف ہوتا ہے اسی طرح گنہگار کو بھی خوف خاتمے کے بُرا ہونے کا لگا ہوا ہے اور اگر خدانخواستہ خاتمہ بُرا ہوا تو آگ میں ہمیشہ رہنا ضروری ہے کیونکہ ایمان کے حق میں گناہ ایسے ہیں جیسے بدن کے حق میں مضر غذائیں کہ معدے میں جمع ہو کر اخلاط کے مزاج کو بدلتی رہتی ہیں اور آدمی کو خبر نہیں ہوتی ایک دفعہ ہی مزاج بگڑ کر بیمار پڑ جاتا ہے اور یکایک مر جاتا ہے۔ یہی تاثیر گناہوں کی ایمان پر ہوتی ہے۔ پس جبکہ دنیائے فانی میں ہلاک ہونے کے ڈر سے زہر کا کھانا اور ماکولات مضر کا استعمال نہ کرنا ہر حال میں اسی وقت آدمی پر واجب سمجھا جاتا ہے تو ہلاکت ابدی کے ڈر سے مہلکات کا استعمال نہ کرنا بطریق اولیٰ فوراً واجب ہوگا اور جس طرح کہ زہر کھانے والا جب اپنے فعل پر پشیمان ہوتا ہے تو ضروری سمجھتا ہے کہ فوراً اس کو معدے سے قے کر کے یا اور کسی حیلے سے نکال ڈالنا چاہیے اور یہ اسی واسطے کرتا ہے کہ گناہ ہے کہ درصورت تاثیر زہر کے یہ بدن جو خواہی نخواہی چند روز بعد فنا ہوگا ضائع نہ ہونے پائے۔ اسی طرح جو شخص دین کے زہر کھاتا ہے یعنی گناہ کرتا ہے اس پر بطریق اولیٰ واجب ہے کہ ان سے رجوع کرے اور ان کا تدارک جب تک اس سے بن سکے یعنی ایامِ حیات تک عمل میں لائے اس لیے کہ اس زہر سے یہ خوف ہے کہ کہیں آخرت نہ جاتی رہے حالانکہ وہ ایک شئی باقی ہے اور اس میں دوست پائیدار اور سلطنت و ناز و نعم باقی ہے اور اس کے نہ ملنے میں آگ دوزخ کی اور عذاب جہنم اتنے دنوں بھگتنا پڑے گا کہ دنیا کی زندگی کے ایام کو اس سے کچھ بھی نسبت نہیں اس لیے کہ اس کی مدت کی انتہا ہی نہیں۔ جب یہ حال ہے تو گنہگار کو چاہیے کہ توبہ کی طرف بہت جلد مبادرت کرے ایسا نہ ہو کہ گناہوں کا زہر ایمان کی روح میں تاثیر کر جائے اور پھر طبیبوں کے ہاتھ سے اس کا علاج نکل جائے اور اس کے بعد نہ کوئی پرہیز اثر کرے نہ وعظ و نصیحت کام آئے اور تباہ کاروں میں لکھ دیا جائے اور اس آیت کا مصداق بنے انا جعلنا فی اعناقھم اغلالا فھی الی الاذقان فھم مقمحون ۞ وجعلنا من بین ایدیھم سدا[1] و من خلفھم سدا فاغشینٰھم فھم لا یبصرون وسوآء علیھم ءانذرتھم ام لم تنذرھم لا یؤمنون ۞ اور ایسا نہ ہو کہ لفظ ایمان سے مغالطہ کھا جائے اور کہنے لگے کہ اس آیت سے مراد کافر ہیں کیونکہ یہ تو بیان کر دیا گیا کہ ایمان کچھ اوپر ستر طرح پر ہے اور یہ کہ زانی حالتِ ایمان میں زنا نہیں کرتا اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص ایسے

---

[1] ہم نے ڈالے ہیں ان کی گردنوں میں طوق سو وہ ہیں ٹھوڑیوں تک پھر وہ الل رہے ہیں اور بنائی ہم نے ان کے آگے دیوار اور ان کے پیچھے دیوار پھر اوپر سے ڈھانک دیا سو اُن کو نہیں سوجھتا اور برابر ہے تو نے ان کو ڈرایا یا نہ ڈرایا یقین نہیں کرتے ۱۲

ایمان سے محجوب ہوگا جو شاخ اور فرع کے مثل ہے وہ خاتمہ کے وقت اصل ایمان سے بھی محجوب ہوگا جس طرح وہ شخص کہ جس کے اعضاء نہ ہوں باوجودیکہ اعضاء فروع روح کے ہیں مگر ان کے نہ ہونے سے آدمی مر جاتا ہے اور اصل روح بھی جاتی رہتی ہے کیونکہ اصل بدوں شاخوں کے قائم نہیں رہتی اور بدون اصل کے شاخوں کا وجود ہی نہیں ہوتا اور اصل اور فرع میں سوائے ایک فرق کے اور کچھ فرق نہیں وہ یہ ہے کہ وجود اور بقائے فرع دونوں وجود اصل کا چاہتے ہیں مگر وجود اصل وجود فرع پر منحصر نہیں لیکن بقائے اصل کے واسطے فرع کا ہونا ضرور ہے اور وجود فرع کے واسطے کا ہونا لازم اور علوم مکاشفہ اور علوم معاملہ آپس میں لازم وملزوم ہیں، ایسا نہیں کہ ایک کو دوسرے کی حاجت نہ ہو اگرچہ علوم مکاشفہ رتبۂ اصل رکھتے ہیں اور علوم معاملہ بجائے فرع کے۔ اور علوم معاملہ اگر آدمی کو عمل پر آمادہ نہ کریں تو ان کے ہونے سے نہ ہونا ہی اچھا ہے اس لیے کہ جو تاثیر اسے چاہیے تھی اگر وہ نہ کریں گے تو ناحق وبال جان ہوں گے اور حجت بنیں گے اور اسی بنا پر اگر عالم شخص فجور کرے تو اس کا عذاب بہ نسبت جاہل بدکار کے زیادہ ہوگا۔ چنانچہ اس باب میں جو اخبار وارد ہیں وہ ہم باب العلم میں لکھ چکے ہیں۔

ہر شخص پر توبہ کا لازم ہونا

جاننا چاہیے کہ عموم وجوب توبہ اس آیت سے ثابت ہے جس میں کہ خطاب عام ہے وتوبوا الی اللہ جمیعا ایھا المومنون لعلکم تفلحون [1] اور نور بصیرت سے بھی ایسا ہی کچھ سمجھ میں آتا ہے اس واسطے کہ توبہ کے معنی یہ ہیں کہ جو طریق خدا سے دور کرے اور شیطان سے نزدیک اس سے رجوع کرنا چاہیے اور یہ رجوع شخص عاقل ہی سے ہو سکتا ہے اور اصل عقل کی جب کمال کو پہنچتی ہے جب شہوت اور غضب اور تمام صفات مذمومہ جو انسان کے بہکانے کے لیے شیطان کے وسیلے ہیں ان کی اصل کامل ہو چکتی ہے کیونکہ کمال عقل آدمی کے چالیس برس پر پہنچنے سے ہوتا ہے اور بنائے عقل سن بلوغ ہی پر پہنچنے سے پوری ہو جاتی ہے اور اس کا آغاز سات برس کی عمر کے بعد سے ظاہر ہونے لگتا ہے مگر شہوت وغضب وغیرہ پہلے سے ہوتے ہیں اور یہ سب لشکر شیطان ہے اور عقل لشکر ملائکہ ہے جب دونوں اکٹھے ہوتے ہیں تو ان میں بالضرور لڑائی ہوتی ہے کیونکہ یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں ایک کے ہوتے دوسرا قائم نہیں رہ سکتا جیسے رات و دن اور نور و تاریکی جمع نہیں ہوتی پس جو ان میں سے غالب ہو جاتا ہے دوسرے کی بیخ کنی کر دیتا ہے اور چونکہ شہوت صغر سن ہی میں کامل ہو جاتی ہے تو شیطان کا مورچہ عقل سے پہلے ہی جم جاتا ہے اس لیے دل کو عادتاً مقتضیات شہوت سے انس والفت غالب ہو جاتی ہے اور ان سے نکلنا دشوار ہو جاتا ہے پھر جب عقل ظاہر ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے گروہ و جماعت میں سے ہے اور اس کے اولیاء کو اس کے دشمنوں سے بتدریج بچاتی ہے پس اگر اس میں قوت و کمال نہ ہو تو کھیت شیطان کے ہاتھ رہا اور اس نے اپنا وعدہ پورا کیا جو قرآن مجید میں مذکور ہے لاحتنکن ذریتہ الا قلیلا [2] اور اگر عقل کامل اور قوی ہوئی تو اول کام اس کا یہ ہوتا ہے کہ لشکر شیطانی کی بیخ کنی شروع کرتی ہے اس طرح کہ شہوت کو توڑتی ہے اور عادات کو

ت[1] اور توبہ کرو اللہ کے آگے سب مل کر اے ایمان والو شاید بھلا پاؤ ۱۲ ت[2] البتہ اسکی اولاد کو بہکاؤں گا میں مگر تھوڑی سی ۱۲

چھوڑاتی ہے طبیعت کو زبردستی عبادات پر لاتی ہے اور یہی غرض توبہ سے ہے یعنی توبہ میں جو رجوع پایا جاتا ہے وہ بہاں بھی متحقق ہوا کہ جس راہ کا رہبر شہوت اور رفیق شیطان ہے اس راہ سے عقل نے آدمی کو پھیر کر خدا کی راہ میں ڈالا اور چونکہ یہ امر ہر انسان میں ضروری ہے کہ اس کی شہوت عقل پر مقدم ہوتی ہے یعنی لشکر شیطان کا تھانہ ہر انسان میں عقل کے لشکر سے پہلے بیٹھ جاتا ہے تو جو کام شہوات کی موافقت سے اس وقت کیے ہوں ان سے رجوع کرنا ہر انسان کے حق میں ضروری ہے خواہ وہ نبی ہو یا غیر نبی، اس لحاظ سے یہ گمان نہ کرنا چاہیئے کہ ضرورت رجوع حضرت آدم علیہ السلام ہی کو مخصوص تھی بلکہ یہ تو حکم ازلی ہے کہ جنس انسان پر لکھ دیا گیا ہے اس کے خلاف ہونا ممکن نہیں جب تک کہ سلسلہ عادت الٰہی کا اس طرح جاری ہے اور اب توقع نہیں کہ بدلے۔ غرضنکہ جو شخص بالغ ہوا اگر وہ کفر وجہالت پر ہے تو ان باتوں سے توبہ اس پر واجب ہے اور اگر ماں باپ کی تبعیت سے مسلمان ہے مگر حقیقتِ اسلام سے غافل اور نادان تو اس پر اس غفلت سے توبہ لازم ہے اس طرح کہ معنیٔ اسلام کے سمجھے اس لیے کہ اس کے ماں باپ کا اسلام اس کو کچھ فائدہ نہ کرے گا جب تک کہ خود مسلمان نہ ہوگا پھر اسلام کو سمجھنے کے بعد اپنی عادات سے اور شہوات کے لیے بلاوجہ مطلق العنان رہنے کی الفت سے رجوع کرنا لازم ہے یعنی رعایت اللہ تعالیٰ کے حدود کی ہر ایک حال میں خواہ حکم دیتا ہو یا روکتا اور کسی کام سے باز رہتا ہو خواہ اس میں لگا رہتا سب میں ملحوظ رکھے کہ ایک قدم حدود سے باہر نہ پڑے اور یہ قسم توبہ کی سب اقسام سے دشوار تر ہے اس میں اکثر لوگ عاجز ہو کر تباہ ہوتے غرضنکہ یہ سب اقسام رجوع اور توبہ کے ہیں۔ پس اس تقریر سے معلوم ہوا کہ توبہ ہر شخص کے حق میں فرض عین ہے۔ ایسا کوئی شخص خیال میں نہیں آتا کہ جس کو توبہ کی پرواہ نہ ہو جس طرح حضرت آدم علیہ السلام اس سے بے پرواہ نہ ہوتے اسی طرح ان کی اولاد بھی اس سے بے پرواہ نہیں اور بیان توبہ کے وجوب کا ہمیشہ اور ہر حال میں یہ ہے کہ ہر ایک شخص اعضا کے گناہ سے خالی نہیں اس لیے کہ اس سے انبیاء تک نہیں بچے جیسا کہ قرآن وحدیث میں انبیاء کی خطا اور ان کی توبہ اور خطاؤں پر رونے کا ذکر موجود ہے اور اگر بعض اوقات میں آدمی اعضاء کے گناہ سے محفوظ رہے گا تو دل سے قصد گناہ کرنے سے نہ بچے گا اور اگر دل میں بھی قصد نہ ہوگا تو وسوسۂ شیطان سے نہ بچے گا کہ وہ خیالات پریشان دل میں ڈالتا رہتا ہے جن سے یادِ الٰہی سے غفلت ہوتی ہے اور اگر وسواس سے بھی خالی رہے گا تو اس بات سے نہ بچے گا کہ خدا تعالیٰ اور اس کے صفات وافعال کی واقفیت میں غفلت اور قصور ہو اور یہ سب باتیں نقصان کی ہیں اور ہر نقصان کا کوئی سبب ہے اس سبب کو چھوڑنا اور اس کی ضد اختیار کرنی اس نقصان سے بہتری کی طرف رجوع کرنا ہے اور یہی غرض توبہ سے ہے اور آدمی کے حق میں تصور نہیں ہو سکتا کہ اس نقصان سے خالی ہو البتہ مقدارِ نقصان میں لوگ متفاوت ہیں، اصل نقصان کچھ نہ کچھ ہر ایک میں موجود ہے اس سے زیادہ اور کیا ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ انہ[ح۱] لیران علیٰ قلبی حتی استغفر اللہ فی الیوم واللیلۃ سبعین مرۃ اور اسی وجہ سے خدا تعالیٰ نے ان کو بزرگی عنایت فرمائی کہ ارشاد فرمایا [ت۱]لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر پس جب آپ کا

ح۱ بیشک میرے دل پر زنگ آجاتا ہے یہاں تک کہ میں دن رات میں ستر بار استغفار پڑھتا ہوں ۱۲ مسلم بروایت اغر مزنی مگر اس میں فی الیوم مائۃ مرۃ ہے ۱۲

ت۱ تا معاف کرے تجھ کو تیرے گناہ اللہ جو کہ آگے ہو تیرے اور جو پیچھے رہے ۱۲

یہ حال ہو تو دوسروں کا کیا حال ہوگا۔ یہاں ایک اعتراض ہے وہ یہ ہے کہ قلب پر جو خواطر وغیرہ طاری ہوتے ہیں یہ ایک نقصان کی بات ہے اور کمال اس میں ہے کہ قلب ان سے خالی رہے اسی طرح کُنہِ جلالِ الٰہی کی معرفت میں قصور ہونا نقصان ہے مگر جس قدر معرفت زیادہ ہو اسی قدر کمال ہے ایسا ہی ہر ایک اسبابِ نقصان سے کمال کی طرف ترقی کرنی ظاہر ہے کہ رجوع کہلاتے گی اور ہر ایک رجوع کو توبہ کہہ سکتے ہیں اور مطابق مذکورۂ بالا کے توبہ واجب ہونی چاہیئے حالانکہ یہ چیزیں فضائل میں داخل ہیں فرض نہیں کیونکہ کمال کا حاصل کرنا واجب نہیں تو پھر ان امور سے ہر حال میں توبہ واجب ہونے کے کیا معنیٰ ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے گذر چکا کہ انسان ابتدائے پیدائش میں اتباعِ شہوات سے ہرگز نہیں بچتا اور اس سے توبہ کرنے سے یہ غرض نہیں کہ اتباعِ شہوات صرف آگے کو چھوڑ دے بلکہ کمال تو اس میں ہے کہ زمانِ ماضی کا بھی تدارک ہو اور آدمی جو کسی شہوت کا اتباع کرتا ہے اس سے دل پر ایک تاریکی آجاتی ہے جیسے آئینے میں منہ کی بھاپ سے تیرگی آتی ہے پس اگر یہ اتباعِ شہوات پے در پے ہوتا ہے تو سیاہی دل رین یعنی زنگ آلود ہو جاتے گی۔ جیسے منہ کی بھاپ اگر برابر آئینے پر پڑتی رہے تو زنگ لگ جاتا ہے اور شہوات سے زنگ لگنا دل پر قرآن مجید میں مذکور ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کَلَّا[۱] بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ ۝ اور زنگ اگر بہت ہوگا تو پھر دل پر مہر ہو جاتی ہے جیسے آئینے پر زنگ بہت دنوں چھوڑ دیئے جانے سے مورچہ ہو جاتا ہے اور اس کو بگاڑ دیتا ہے کہ پھر قابل صیقل اور جلا نہیں رہتا یہی معلوم ہوتا ہے کہ میل ہی کا بنا ہوا ہے تو جس طرح کہ آئینہ کی صفائی کے واسطے یہ کافی نہیں کہ اس پر آگے کو بھاپ اور سیاہی نہ ڈالیں بلکہ پہلے بھاپ اور سیاہی کا مٹانا اس میں صورت نظر آنے کے لیے ضروری ہے اسی طرح جلائے دل کے لیے بھی اسی قدر کافی نہیں کہ اتباعِ شہوات آگے کو چھوڑے بلکہ ضروری ہے کہ جو تاریکی پہلے گناہوں کی دل پر آگئی ہے اس کو بھی مٹا دے اور جس طرح کہ دل پر گناہ کے باعث تاریکی آتی ہے اسی طرح طاعت اور ترکِ شہوت سے نور پیدا ہوتا ہے جس سے وہ تاریکی دُور ہوتی ہے اور اس کی طرف اشارہ ہے اس حدیث شریف میں اَتْبِعِ[۲] السَّیِّئَةَ بِالْحَسَنَةِ تَمْحُهَا اس سے معلوم ہوا کہ بندے کو ہر حال میں اپنے دل پر سے آثار گناہوں کے مٹانے کی حاجت ہے کہ نیکیاں کر کے ان کو دور کرے کیونکہ نیکیوں کے آثار گناہوں کے آثار کی ضد ہیں اوّل ہوں گے تو پچھلے جاتے رہیں گے یہ اس دل کا حال ہے جس میں اوّل صفائی اور جلا ہو مگر پھر اسباب عارضی سے تاریک ہو جاتے لیکن اوّل ہی اول جلا کرنا بہت محنت چاہتا ہے جیسے آئینے پر سے زنگ اٹھانا بڑا کام نہیں مگر اول ہی اوّل اس کا آئینہ بنانا بہت دیر اور محنت چاہتا ہے۔ غرضکہ یہ اشغال طول طویل کبھی آدمی سے علٰحدہ نہیں ہوتے اور ان سب کا مآل توبہ ہی ہے اس سے ایک شق جواب کی معلوم ہوئی کہ ہر حال میں آدمی توبہ کا محتاج ہے۔ اب دوسری شق کو لکھتے ہیں کہ ہر حال میں وجوب توبہ کے کیا معنی ہیں تو جاننا چاہیئے کہ واجب کے دو معنیٰ ہیں، ایک واجب تو وہ ہے جو شرع کے احکام میں مشہور ہے اور اس میں سب لوگ شریک ہیں اور وہ اتنا ہوتا ہے کہ اگر تمام خلق اس کو ادا کرے تو عالم خراب نہ ہو مثلاً نماز و روزہ وغیرہ اور مدارج کمال اس قسم کے واجب میں داخل نہیں ہو سکتے کیونکہ اگر بالفرض سب لوگوں پر یہ امر واجب

۱۔ بلکہ زنگ لگ گیا بوجہ جو کچھ کماتے تھے"

۲۔ برائی کے پیچھے بھلائی کر بھلائی اس کو مٹا دے گی، ترمذی بروایت ابوذر باندک زیادت در اول و آخر ۱۲

ہو کہ اللہ سے حق ڈرنے کا ڈریں تو سب اپنی معیشت اور دنیا کو ترک کر دیں گے اور پھر سرے سے تقویٰ ہی نہ رہے گا کیونکہ معیشت کے جاتے رہنے سے تقویٰ کی فرصت کس کو ملے گی۔ ہر ایک شخص اپنی ضروریات کے شغل سے مہلت نہ پائے گا۔ عمر بھر بونے جوتنے پکانے بننے میں مصروف رہے گا۔ غرضکہ شرع میں واجب اسی قدر ہے کہ سب لوگ اگر اس کو کرتے ہیں تو نظام عالم میں خلل نہ ہو۔ اور دوسرا واجب وہ ہے کہ مقام محمودہ صدیقین اور قرب رب العالمین تک پہنچنے کے لیے ہو اور جن چیزوں سے ہم نے توبہ کرنے کو لکھا ہے وہ سب اس درجہ کے پہنچنے کے لیے واجب ہیں اور اس کی مثال ایسی سمجھنی چاہیے جیسا کہ نماز نفل میں طہارت واجب ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ جو نفل پڑھنے چاہے اس کے لیے طہارت ضروری ہے کیونکہ بدون اس کے اس نفل کا ثواب نہیں مگر جو شخص کہ نماز نفل ہی سے محروم رہے اور اس سعادت سے بہرہ اندوز نہ ہو تو اس پر نفل کی جہت سے طہارت واجب نہیں یا جس طرح کہتے ہیں کہ آنکھ اور کان اور ہاتھ پاؤں انسان کے وجود میں شرط اور ضروری ہیں یعنی اگر کوئی پورا انسان ہونا چاہے تو اس کے واسطے یہ اعضاء ہونے ضروری ہیں کہ اپنی انسانیت سے منتفع ہو اور اعضاء کی بدولت دنیا میں درجاتِ عالیہ کو پہنچ سکے پھر اگر کوئی شخص صرف زندگی پر قانع ہو کہ گوشت کے لوتھڑے یا کپڑے کے چیتھڑے کی طرح منظور کرے تو ایسی زندگی کے واسطے یہ اعضاء ضروری نہیں پس اصل واجبات جو سب لوگوں پر واجب ہیں ان سے صرف نجات مل جاتی ہے اور محض نجات کو مثل زندگی محض کے تصور کرنا چاہیے اور نجات محض کے سوا جو اور سعادات ہیں ان کو بجائے اعضاء سمجھنا چاہیے کہ زیبائش اور آرائش نجات کی انہیں سے ہے اور انہیں کے واسطے انبیاء اور اولیاء اور علماء وا کابر سعی کرتے رہے اور انہیں کے حصول کے لیے لذائذ دنیاوی کو یک لخت چھوڑ دیا۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک بار لیٹنے کے وقت اپنے سر کے نیچے پتھر رکھ لیا تھا آپ کے پاس شیطان حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ نے تو دنیا ترک کی تھی آپ نے فرمایا کہ پھر تو نے کیا دیکھا جو خلاف ترک دنیا ہوا اس نے عرض کیا کہ پتھر کو تکیہ بنانا دنیا کی لذت ہے زمین پر سر کیوں نہیں رکھتے آپ نے پتھر سر کے نیچے سے نکال کر پھینک دیا اور زمین پر سر رکھ لیا۔ آپ کا پتھر پھینک دینا اس لذت سے توبہ کرنا تھا اب ہم پوچھتے ہیں کہ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معلوم نہ تھا کہ زمین پر سر رکھنا حکم عام شرع میں واجب نہیں اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چادر مخطط کو نماز میں مخل پا کر اتار ڈالا[1] اور جوتے کے نئے تسمے کو باعث شغل جان کر پرانا پھر ڈال لیا[2]۔ پھر کیا آپ کو معلوم نہ تھا کہ یہ باتیں اس شریعت میں جو آپ نے عام لوگوں پر مقرر کی ہیں واجب نہیں اور اگر معلوم تھا تو ان سے رجوع کیوں کیا اس سے معلوم ہوا کہ یہ ترک اسی جہت سے واقع ہوا کہ آپ نے ان باتوں کو اپنے دل میں ایسا مؤثر پایا کہ ان کی تاثیر مقام محمود موعود تک مانع تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے جب دودھ پینے کے بعد معلوم کیا کہ وجہ ناجائز سے آیا تھا حلق میں انگلی ڈال کر اتنی قے کی کہ اس کے ساتھ قریب تھا کہ روح نکل جائے کیا ان کو فقہ کا یہ مسئلہ معلوم نہ تھا کہ بھول کر پی لینے میں گناہ نہیں اور پی ہوئی چیز کا نکالنا واجب نہیں پھر اس کے پینے سے کیوں رجوع کیا اور حتی الامکان معدے کو اس سے خالی کرنا کیوں چاہا اس کا سبب یہی تھا کہ ان کے دل میں یہ بھید تھا کہ عوام کا حکم اور ہے اور طریق آخرت کا خطرہ اور چیز ہے اس خطرے کو بجز صدیقوں کے اور کوئی نہیں جانتا۔ پس ان لوگوں کے حالات پر تامل کرنا چاہیے جو سب لوگوں سے زیادہ خدا تعالیٰ اور راہِ خدا اور عذاب خدا اور خفیہ مغالطوں کو خوب جانتے اور ان احوال کو

---

[1] [2] باب اسرار نماز جلد اول میں گذری ۱۲

سوچ کرو زندگانی دنیا کے مغالطے سے تو ایک دفعہ بچنا چاہیے اور خدائے تعالیٰ پر مغالطہ کھانے سے ہزار بار۔ غرضکہ یہ وہ اسرار ہیں کہ اگر کسی شخص کے دماغ میں ان کی بو پہنچ جاتی ہے اس کو معلوم ہوجاتا ہے کہ سلوک راہ خدا کے واسطے ہر شخص پر توبہ نصوح ہر دم واجب ہے اگرچہ عمر نوح اس کو ملے اور توبہ بھی فوراً بدون مہلت کرے سچ فرمایا ہے ابو سلیمان دارانی نے کہ اگر عاقل آدمی بقیہ ایام حیات میں صرف اس وجہ سے رویا کرے کہ زمان ماضی بدون طاعت کے ضائع ہو گیا تب بھی شایاں ہے کہ اس کو یہ رنج موت تک رہے۔ تو جو لوگ کہ بقیہ عمر میں بھی جہل کے باعث انہی باتوں کے مرتکب ہوں جن کے زمانہ گذشتہ میں ہوتے تھے ان کا کیا حال ہوگا اور یہ انہوں نے اس واسطے فرمایا کہ آدمی عاقل کی ملک میں کوئی عمدہ جوہر آجاتا ہے اور بے فائدہ ضائع ہو جاتا ہے تو اس پر ضرور روتا ہے اور اگر اس کے جانے کے ساتھ خود مالک کی بربادی بھی ہو تو ظاہر ہے کہ گریہ بہت زیادہ ہوگا۔ اب اگر غور کرو تو ہر ساعت عمر کی بلکہ ہر ایک سانس ایک جوہر نفیس ہے کہ اس کا کچھ عوض اور بدل نہیں اس واسطے کہ اس میں یہ صلاحیت ولیاقت ہے کہ آدمی کو سعادتِ ابدی پر پہنچائے اور شقاوت دائمی سے بچائے اس سے بڑھ کر اور کونسا جوہر نفیس ہوگا پھر جب آدمی ایسے جوہر کو غفلت میں رائگاں کر دے تو ظاہر ہے کہ بڑا ہی خسارہ ہے اور اگر اس کو معصیتِ الٰہی میں ضائع کرے تو سراسر اپنی بربادی کرے پھر بھی اگر آدمی اس مصیبت پر نہ روتے تو جہالت ہے اور جہالت کی مصیبت سب مصائب سے بڑھ کر ہے مگر مصیبت جہل مصیبت والوں کو معلوم نہیں ہوتی کیونکہ خواب غفلت اس ہیں اور اس کی معرفت میں حائل ہوتی ہے اور افسوس کہ سب آدمی خواب میں سرشار ہیں جب موت آئے گی تب جاگیں گے اس وقت مفلس کو اپنے افلاس کی خبر ہوگی اور مصیبت والے کو اپنی مصیبت کی مگر اس وقت تدارک کہاں میسر ہو سکتا ہے بجز دامانِ حسرت و ناامیدی کے اور کچھ ہاتھ میں نہ ہوگا۔ بعض عارفین فرماتے ہیں کہ ملک الموت علیہ السلام جب کسی بندے پر ظاہر ہو کر تبلادے کہ تیری زندگی کی ایک ساعت رہی ہے اس سے ایک لمحے کی بھی تاخیر نہ ہوگی تو بندے کو اس قدر حسرت اور ندامت ہوتی ہے کہ اگر بالفرض اس کے پاس تمام دنیا ہو تو اس کو دے ڈالنا قبول کرے بشرطیکہ عمر میں ایک ساعت کا اضافہ ہو جائے جس میں تدارک اپنی تقصیر کا کرلے مگر اس وقت مہلت کہاں اور یہ آیت وحیل بینھم وبین ما یشتھون سے اول یہی معنی ظاہر ہوتے ہیں اور اس کی طرف اشارہ ہے اس آیت میں من قبل ان یأتی احدکم الموت فیقول رب لولا اخرتنی الیٰ اجل قریب فاصدق واکن من الصالحین ولن یؤخر اللہ نفسا اذا جآء اجلھا...[2] اجل قریب مطلوب کے یہ معنی ہیں کہ جب بندہ پر ظہور ملک الموت کا ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ اے ملک الموت مجھ کو ایک دن کی مہلت دے کہ اس میں اپنے پروردگار کے سامنے عذر تقصیر اور توبہ کروں اور اپنے نفس کے واسطے توشہ عمدہ لے لوں ملک الموت جواب دیتا ہے کہ تو نے اتنے دن مفت برباد کیے اور کچھ نہ کیا اب ایک دن کہاں مل سکتا ہے پھر کہتا ہے کہ ایک ساعت ہی کی مہلت دے فرشتہ کہتا ہے بہت سی ساعتیں رائگاں

---

[1] اور اٹکاؤ پڑ گیا ان میں اور جو نکالی چاؤ ۱۲۔ [2] اس سے پہلے کہ پہنچے کسی کو موت تم میں تب کہے اے کیوں نہ ڈھیل دی مجھ کو ایک تھوڑی مدت کہ میں خیرات کرتا اور ہوتا نیک لوگوں میں اور ہرگز نہ ڈھیل دے گا اللہ کسی جی کو جب پہنچا اس کا وعدہ ۱۲

کر چکے اب ایک ساعت کی بھی مہلت نہ ملے گی اس کے بعد اس پر دروازہ توبہ کا بند کر دیا جاتا ہے اور جان حلق میں آ جاتی ہے سانس سینے میں بولنے لگتا ہے اور تدارک مافات سے نا امیدی اور حسرت ندامت کے گھونٹ پیتا ہے کہ میں نے ناحق عمر کھوئی ان دہشتوں کے صدمات میں اصل ایمان میں اضطراب واقع ہوتا ہے پس جب روح نکلنے لگتی ہے تو اگر خدا نے اس کے لیے تقدیر میں اچھا لکھ رکھا ہے تو روح توحید پر نکلتی ہے اسی کا نام حسن خاتمہ ہے اور اگر معاذ اللہ سابقہ ازلی میں شقاوت کا قلم اس کے نام جاری ہے تو شک اور اضطراب پر روح پرواز کرتی ہے اور یہ خاتمہ بد ہے اسی خاتمے کی شان میں یہ ارشاد الٰہی ہے ولیست التوبۃ للذین یعملون السیئاتِ حتی اذا حضر احدھم الموت قال انی تبت الاٰن ط[1] اور یہ جو ارشاد ہے انما التوبۃ علی اللہ للذین یعملون السوء بجھالۃ ثم یتوبون من قریب ؕ[2] اس کے معنی یہ ہیں کہ زمانہ توبہ کا گناہ کے زمانہ سے متصل ہو یعنی اگر گناہ سرزد ہو تو فوراً اس پر ندامت کرے اور اس کے متصل ہی عمل نیک بجالائے ایسا نہ ہو کہ زیادہ مدت گزرنے سے دل پر اس گناہ کا زنگ اثر کر جائے اور پھر قابل مٹنے کے نہ رہے اسی لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے اتبع السیئۃ بالحسنۃ تمحھا[3] اور اسی واسطے حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو ارشاد کیا کہ جان پدر توبہ میں تاخیر مت کرنا کیونکہ موت ناگہاں آجاتی ہے جو شخص توبہ کی طرف سبقت نہیں کرتا اور آج کل پر ٹالتا رہتا ہے وہ دو بڑے خطروں میں مبتلا ہوتا ہے ایک تو یہ کہ گناہوں کی تاریکی اگر پے در پے دل پر آتے گی تو زنگ اور مہر ہو کر پھر قابل محو نہ رہے گی۔ دوسرے یہ کہ اگر اس عرصے میں مرض یا موت کے پنجے میں اسیر ہو جائے گا تو مہلت تدارک کی نہ ملے گی اور اسی جہت سے حدیث شریف میں ہے ان اکثر صیاح اھل النار من التسویف اور جو شخص ہلاک ہوتے وہ ٹالنے ہی کے سبب ہوئے غرضکہ دل کا سیاہ ہونا تو سردست اور دم نقد اس کو موجود ہے اور اطاعت سے اس کی جلا کرنی ادھار ہے یہاں تک کہ موت آدباتے اور خدا کے پاس روگی دل لے کر جانا پڑے حالانکہ نجات اس شخص کو ہوگی جس کے دل میں روگ نہ ہو علاوہ ازیں بندے کے پاس دل خدا تعالیٰ کی امانت ہے اور زندگی بھی اسی کی امانت اسی طرح سب اسباب طاعت امانت خداوندی ہیں پس جو شخص امانت میں خیانت کرے گا اور اس خیانت کا تدارک نہ کرے گا تو اس کا انجام خطرناک ہے۔ بعض عارفین ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دو بھید بطریق الہام سُنا دیتا ہے ایک تو یہ کہ جب ماں کے پیٹ سے نکلتا ہے تو اس سے ارشاد فرماتا ہے کہ اے بندے تجھ کو میں نے دنیا میں پاک وصاف بھیجا ہے اور تیری عمر تیرے پاس امانت ہے اور تجھ کو اس کا امین مقرر کیا اب میں دیکھوں گا تو کس طرح امانت کی حفاظت کرے گا اور مجھ سے کس حال میں ملے گا اور دوسرا بھید رُوح نکلنے کے وقت ہوتا ہے کہ یہ ارشاد فرماتا ہے کہ اے

---

[1] اور ان کی توبہ نہیں جو کرتے جاتے ہیں بُرے کام جب تک کہ سامنے آتے ان سے کسی کو موت کہنے لگا میں نے توبہ کی اب ۱۲ [2] توبہ قبول کرنی اللہ کو ضرور سو ان کی جو کرتے ہیں بُرا نادانی سے پھر توبہ کرتے ہیں شتاب سے [3] برائی کے پیچھے بھلائی کرو کہ وہ بھلائی اس کو مٹا دے گی ۱۲ اسکی سند اوپر گذری ۱۲

[4] بیشک دوزخیوں کا زیادہ چینا تاخیر کے باعث ہوگا اور یہ ارشاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب مجھ کو نہیں ملا۔ ابن ابی الدنیا نے قول ابیعق کا بیان کیا

میرے بندے جو امانت میں نے تیرے پاس رکھی تھی تو نے اس میں کیا کیا آیا اس کی اس وقت تک حفاظت کی اور عہد پر جما رہا تو میں بھی اپنا قول پورا کروں یا اس کو ضائع کر دیا تو میں مطالبہ اور عقاب کروں اور اسی بات کی طرف اشارہ ہے اس آیت میں اوفوا بعھدی اوف بعھدکم[1] اور اس آیت میں والذین ھم لاماناتھم و عھدھم راعون[2] ○

شرائط کے ساتھ توبہ کی مقبولیت

جاننا چاہیے کہ جب آدمی قبول کے معنی سمجھ لے تو پھر اس بات میں شک نہ رہے کہ ہر صحیح توبہ مقبول ہوتی ہے کیونکہ جو لوگ نور بصیرت سے دیکھتے ہیں اور انوار قرآنی سے فیضیاب ہیں وہ جانتے ہیں کہ قلب سلیم یعنی جس میں مرض نہ ہو وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہوتا ہے اور آخرت میں اس کے قرب میں مزہ اٹھائے گا اور دیدار الٰہی عز وجل کو اپنی چشم غیر فانی سے دیکھنے کی لیاقت اسی میں ہے اور نیز ان لوگوں کو معلوم ہے کہ باعتبار اصل فطرت کے دل بے روگ پیدا ہوتا ہے اور اس کی سلامتی صرف گناہوں کی تاریکی اور غبار کے چھا جانے سے جاتی رہتی ہے اور ان کو یہ بھی معلوم ہے کہ آتش ندامت اس کدورت کو جلا دیتی ہے اور نیکی کا نور چہرۂ دل سے بدی کی تاریکی کو دور کر دیتا ہے اور اس نور کے سامنے تاریکی معاصی کی کچھ تاب نہیں جیسے کہ رات کا اندھیرا دن کے اجالے کے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتا یا جیسے میل کی کدورت صابون کی سفیدی کے سامنے باقی نہیں رہتی اور جس طرح کہ میلا کپڑا بادشاہ اپنے پہننے کے لیے پسند نہیں کرتا اسی طرح بادشاہ حقیقی بھی قلب کدورت آگین کو اپنے قرب میں رہنے کے لیے نہیں پسند کرتا اور جس طرح ادنی کاموں میں کپڑے کا استعمال کرنے سے میل اس پر جلد آجاتا ہے اور پھر گرم پانی اور صابون سے دھونے سے صاف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح دل کا استعمال اگر شہوات میں کیا جاتا ہے تو اس پر میل آجاتا ہے اور حرارت ندامت اور آب سرشک سے طاہر و نظیف ہو جاتا ہے اور جو دل کہ پاک و صاف ہو وہ مقبول ہوتا ہے۔ جیسے صاف و شستہ کپڑا مقبول ہوا کرتا ہے۔ تو اب آدمی کو صرف دل کا پاک و صاف اور لائق قبول رکھنا چاہیے تاکہ بموجب حکم ازلی مقبول ہو جائے اسی قبول کا نام فلاح ہے جو اس آیت میں مذکور ہے قد افلح من زکٰھا[3] اور جو شخص بر سبیل تحقیق آنکھ کے دیکھنے سے بھی زیادہ اس بات کو نہیں جانتا کہ قلب پر تاثیر معاصی اور طاعات کی ایک دوسرے کی ضد ہوا کرتی ہے کہ ایک کو اگر مجازاً اندھیرا کہیں جیسے جہالت کو کہا کرتے ہیں تو دوسرے کو لفظ نور سے تعبیر کریں گے جیسے علم کو کہا کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ نور اور ظلمت میں ضد ہے اکٹھے ہرگز نہیں ہو سکتے تو ایسا شخص ناواقف دین ہے گویا صرف پوست پر قانع ہے اور فقط نام ہی دین کا سن لیا ہے حقیقت دین سے دل پر بڑا گاڑھا پردہ پڑا ہوا ہے بلکہ ایسا شخص اپنے نفس کی حقیقت اور اس کی صفات سے بھی جاہل ہے اور جو اپنے نفس یعنی قلب ہی کو نہ جانے وہ دوسرے کو بطریق اولیٰ نہ جانے گا کیونکہ قلب سے دوسری چیز کو پہچانتا ہے پس جو اپنے قلب ہی کو نہ جانے گا وہ

---

[1] پورا کرو قرار میرا میں پورا کروں قرار تمہارا ۱۲ [2] اور جو اپنی امانتوں اور عہدوں کی حفاظت کرتے ہیں ۱۲ [3] مراد کو پہنچا جس نے اس کو سنوارا ۱۲

دوسرے کو کیسے پہچانے گا۔ پس جس کو یہ وہم ہے کہ توبہ درست و صحیح ہو کر قبول نہیں ہوتی وہ ایسا ہے جیسے کوئی یہ وہم کرے کہ آفتاب کے نکلنے سے اندھیرا نہیں جاتا، یا صابون سے کپڑا دھونے سے میل نہیں دور ہوتا۔ ہاں اگر میل نہ جم کر کپڑے کے جگہ میں گھس جائے گی تو پھر صابون سے اس کو دور نہیں کر سکتے۔ اسی طرح اگر گناہوں کے پے درپے ہونے سے دل پر زنگ اور مہر ہو جائے گی تو ایسا دل نہ رجوع کرتا ہے اور نہ توبہ، بلکہ کبھی زبان سے صرف توبہ توبہ کہتا ہو اس سے کیا ہو سکتا ہے یہ تو ایسا ہے جیسا دھوبی زبان سے کہے کہ میں نے کپڑا دھویا اس کے صرف کہنے سے تھوڑا ہی صاف ہو جائے گا جب تک کپڑے میں جو میل ہے اس کے چھوڑانے کی تدبیر استعمال میں نہ لائے گا۔ مگر یہ حال اصل توبہ سے باز رہنے والے کا ہے اور کچھ بعید بھی نہیں بلکہ اکثر خلق پر جو دنیا پر گرے ہوتے ہیں اور خدا تعالیٰ سے بالکل پھرے ہوئے۔ یہی حالت غالب ہے۔

اب اگرچہ اس قدر بیان قبول توبہ کے لیے کافی ہے مگر چونکہ جس بات پر کتاب اللہ اور حدیث کی دلیل نہیں ہوتی اس کا کچھ اعتماد نہیں ہوتا لہٰذا ہم بیانِ مذکورہ کو آیات و اخبار و آثار سے تقویت دیتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وھو الذی یقبل[1] التوبۃ عن عبادہٖ ویعفوعن السیئات اور فرمایا غافر الذنب وقابل التوب[2] اور سوا اس کے بہت سی آیات قبول توبہ میں وارد ہیں اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ خدا تعالیٰ بندے کی توبہ سے زیادہ خوش ہوتا ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اور ظاہر ہے کہ خوشی کا مرتبہ قبول سے بڑھ کر ہے۔ تو یہ حدیث قبول پر کچھ زیادتی کے ساتھ دلیل ہوئی اور ایک حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو شخص رات میں صبح تک گناہ کرے اور جو دن میں رات تک گناہ کرے ایسے گنہگاروں کی توبہ قبول کرنے کے واسطے خدا تعالیٰ اپنا ہاتھ پھیلایا کرتا ہے یہاں تک کہ آفتاب مغرب سے نکلے۔ اب ظاہر ہے کہ ہاتھ کے پھیلانے سے کنایۃً توبہ کی طلب معلوم ہوتی ہے اور طالب شی کا قبول کرنے والے سے بڑھ کر ہے کیونکہ بعض قبول کرنے والے طالب نہیں ہوتے مگر طالب کو قبول کرنے والا ہونا لازم ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ لو عملتم الخطایا حتی تبلغ[4] السماء ثم ندمتم لتاب اللّٰہ علیکم اور فرمایا بندہ کوئی گناہ کرتا ہے اور اس کی وجہ سے جنت میں داخل ہوتا ہے لوگوں نے عرض کیا کہ یہ بات کس طرح ہے آپ نے فرمایا کہ گناہ سے تائب ہو کر اسی کو پیش نظر رکھتا ہے اور اس سے گریز کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ جنت میں داخل ہوتا ہے اور فرمایا کہ کفارۃ الذنب ندامۃ[5] اور فرمایا التائب من الذنب[6] کمن لا ذنب لہ اور روایت میں ہے کہ ایک حبشی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میں گناہ کیا کرتا تھا فرمائیے کہ میری توبہ قبول ہوگی آپ نے فرمایا کہ بیشک توبہ قبول ہوگی وہ چلا گیا اور پھر لوٹ کر عرض کیا کہ یارسول اللہ جب میں خطا کرتا تھا تو مجھ کو خدا تعالیٰ دیکھتا تھا یا نہیں آپ نے فرمایا کہ ہاں دیکھتا تھا یہ سنتے ہی حبشی نے ایک ایسا نعرہ مارا

---

[1] اور وہی ہے جو قبول کرتا ہے توبہ اپنے بندوں سے اور معاف کرتا ہے برائیاں ۱۲ ت [2] گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ۱۲ ح [3] مسلم بروایت ابوموسیٰ مع اختلاف ۱۲ ح [4] اگر تم اتنی خطائیں کرو کہ آسمان تک پہنچ جائیں پھر نادم ہو تو اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ قبول کرے ۱۲ ابن ماجہ بروایت ابوہریرہ لیکن اس میں عملتم کی جگہ اخطاتم اور ندمتم کی جگہ تبتم ہے ۱۲ ح [5] گناہ کا کفارہ ندامت ہے ۱۲ احمد و بیہقی بروایت ابن عباس اور اس کی سند میں ایک راوی ضعیف ہے ۱۲ ح [6] گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ جس پر گناہ نہیں ۱۲ یہ حدیث اوپر گذری ۱۲

کہ اسی کے ساتھ اس کی روح پرواز کر گئی۔ اور روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب شیطان کو اپنی درگاہِ عزت سے نکال دیا تو وہ خواستگار مہلت ہوا اس کو قیامت تک کی مہلت ملی، پھر اس نے عرض کیا کہ قسم ہے تیری عزت کی جب تک آدمی کے بدن میں جان رہے گی جب تک میں اس کے دل سے نہیں نکلوں گا۔ ارشاد ہوا کہ مجھ کو بھی اپنی عزت و جلال کی قسم ہے کہ جب تک ان میں جان رہے گی تب تک ان سے توبہ نہ روکوں گا اور ایک حدیث شریف میں وارد ہے کہ ان[ح۲] الحسنات یذھبن السیئات کما یذھب الماء الوسخ اسی طرح اخبار بیشمار قبول توبہ میں وارد ہیں اور آثار بھی بہت ہیں چنانچہ حضرت سعید بن المسیب فرماتے ہیں کہ شان نزول اس آیت کی فانہ[ح۳] کان للاوابین غفوراً یہ ہے کہ کوئی شخص گناہ کرے پھر توبہ کرے پھر گناہ کرے پھر توبہ کرے تو میں قبول کروں گا اور صدیقین کو ڈراؤ کہ اگر ان پر میں اپنا عدل کروں گا تو عذاب دوں گا اور طلق بن حبیب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حق اتنے بڑے ہیں کہ بندوں سے ادا نہیں ہو سکتے مگر صبح کو توبہ کرتے ہیں شام کو توبہ کرتے ہیں اس وجہ سے امید عفو ہے۔ اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جس نے کوئی قصور کیا ہو اگر اس کو یاد کرکے دل میں خائف ہو تو وہ قصور اس کے نامۂ اعمال سے محو ہو جاتا ہے۔ اور روایت ہے کہ انبیائے بنی اسرائیل میں سے کسی نبی سے کوئی قصور سرزد ہوا اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ قسم ہے اپنی عزت کی اگر تو نے پھر ایسا کیا تو عذاب دوں گا۔ انہوں نے عرض کیا کہ الٰہی تو تو ہے اور میں میں ہوں قسم ہے تیری عزت کی کہ اگر تو مجھ کو نہ بچائے گا مجھ سے دوبارہ قصور بیشک ہوگا اللہ تعالیٰ نے ان کو دوبارہ قصور کرنے سے محفوظ کر دیا۔ اور بعض اکابر کا قول ہے کہ بندہ بعض اوقات گناہ کرتا ہے اور تمام عمر نادم رہتا ہے یہاں تک کہ جنت میں داخل ہوتا ہے۔ اس وقت شیطان کہتا ہے کہ کیا خوب ہوتا جو میں اس کو گناہ میں مبتلا نہ کرتا اور حبیب بن ابی ثابتؒ فرماتے ہیں کہ قیامت کے روز آدمی پر اس کے گناہ پیش کیے جائیں گے جو خطا اس کے سامنے آئے گی یہی کہے گا میں اسی سے ڈرا کرتا تھا اس کا قصور اسی سے معاف ہو جائے گا۔ اور روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن مسعودؓ سے سوال کیا کہ میں نے ایک گناہ کیا ہے میری توبہ بھی قبول ہو گی یا نہیں آپ نے اوّل اس کی طرف سے منہ پھیر لیا پھر متوجہ ہو کر باچشم تر اس سے فرمانے لگے کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں سب کھلتے ہیں اور بند ہوتے ہیں مگر دروازۂ توبہ پر ایک فرشتہ معین ہے وہ بند نہیں ہوتا تجھ کو چاہیئے کہ عمل کرے اور ناامید نہ ہو۔ رباعی

بازآ بازآ ہر آنچہ ہستی بازآ	گر کافر و گبر و بت پرستی بازآ
ایں درگاہ ما درگاہ نومیدی نیست	صد بار اگر توبہ شکستی بازآ

اور عبدالرحمٰن بن ابی القاسم سے روایت ہے کہ ایک بار ان کی مجلس میں ذکر توبہ کا فر اور اس آیت کا ہوا ان ینتھوا یغفر لھم

ح۱ اس کی اصل مجھ کو نہیں ملی ۱۲ ح۲ احمد و حاکم بروایت ابو سعید ۱۲ عہ ابن المبارک بروایت حسن مرسلاً ۱۲ ح۲ نیکیاں برائیوں کو ایسا دور کرتی ہیں جیسا پانی میل کو ۱۲ یہ حدیث ان الفاظ سے نہیں ملی یہ مضمون البتہ مروی ہے چنانچہ حدیث ترمذی کی اتبع السیئۃ الحسنۃ پیشتر بیان ہوئی ۱۲ ت۴ رجوع کرنے والوں کو بخشتا ہے ۱۲ ت۵ الخ اگر یہ باز آئیں تو معاف ہو ان کو جو ہو چکا ۱۲ عہ متوجہ ہو کر الخ اصل میں یہ ہے ثم التفت الیہ فرای عینیہ تذرفان الخ اور میرے نزدیک صحیح ترجمہ یہ کہ پھر اس کی جانب نظر فرمائی تو دیکھا کہ وہ آنکھوں سے آنسو بہاتا ہے اس سے فرمایا کہ الخ ۱۲ امیر علی عفی عنہ

مافات سلف ہوا۔ انہوں نے فرمایا کہ مجھے توقع ہے کہ مسلمان کا حال خدا کے نزدیک اچھا ہو اور مجھ کو یہ روایت پہنچی ہے کہ مسلمان کا توبہ کرنا ایسا ہے جیسا اسلام کے بعد پھر اسلام لانا۔ اور حضرت عبداللہ بن سلام نے فرمایا کہ میں تم سے جو حدیث کہتا ہوں وہ یا نبی مرسل سے سنی ہوئی کہتا ہوں یا کتاب آسمانی سے دیکھی ہوئی بیان کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ بندہ گناہ کرنے کے بعد اگر ایک لمحہ ندامت کرتا ہے تو پل مارنے سے بھی جلد تر وہ گناہ اس سے دور ہو جاتا ہے۔ اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ توبہ کرنے والوں کے پاس بیٹھو اس واسطے کہ ان کے دل زیادہ نرم ہوتے ہیں اور بعض اکابر کا قول ہے کہ مجھے خوب معلوم ہے کہ خدائے تعالیٰ میری مغفرت کب عـــہ کرے گا۔ لوگوں نے پوچھا کب کرے گا۔ انہوں نے کہا جب میری توبہ قبول کرے گا اور بعضوں کا قول ہے کہ اگر میں توبہ سے محروم رہوں تو زیادہ خوف کرتا ہوں بہ نسبت اس کے کہ مغفرت سے محروم رہوں اور یہ اسلیے کہا کہ مغفرت توبہ کو لازم ہے توبہ قبول ہوگی تو مغفرت ہو ہی جاتی ہے گی۔ اور روایت ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک جوان تھا جس نے خدائے تعالیٰ کی عبادت بیس برس کی تھی پھر اس کی نافرمانی بھی بیس برس تک کی پھر آئینے میں جو دیکھا تو داڑھی میں سفیدی نظر آئی اور برا معلوم ہوا جناب الٰہی میں عرض کیا کہ خدایا میں نے بیس برس تک تیری اطاعت کی اور بیس برس تک نافرمان رہا۔ اب اگر اپنی حرکات سے باز آکر تیری طرف رجوع کروں تو تو قبول فرمائے گا اسی وقت ایک آواز سنی، مگر کہنے والا نظر نہ آیا۔ مطلب اس کا یہ تھا کہ تو نے ہم سے دوستی کی تو ہم نے بھی تجھ سے محبت رکھی اور جب تو نے ہم کو چھوڑ دیا اور تو نے نافرمانی کی تو ہم نے مہلت دی اب اگر رجوع کرے گا تو پذیرائی فرمائیں گے۔ اور حضرت ذوالنونؒ مصری فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں جنہوں نے گناہوں کے پیڑ ایسے لگائے جیسے دلوں میں جان ہے اور ان کو توبہ کا پانی دیتے رہے یہاں تک کہ ندامت اور حزن کا پھل ان پر لگا پس بدون جنون کے دیوانہ ہو گئے اور بدون عاجزی اور گونگے پن کے عیی بن گئے حالانکہ بڑے بلیغ اور فصیح اور خدا و رسول کے عارف وہی ہیں، پھر جام صفا نوش کیا تو باوجود زیادتی مصیبت کے صبر ہی کرتے رہے پھر ان کے دل جو سیر عالم ملکوت کے مشتاق ہوتے اور پردہ ہائے جبروت کے خفیہ امور میں فکر دوڑانے لگے اور ندامت کے جھروکے میں بیٹھ کر اپنے گناہوں کا صحیفہ پڑھنا شروع کیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے نفسوں پر خوف چھا گیا یہاں تک کہ ورع کی سیڑھی لگا کر زہد کی بلندی پر چڑھ گئے اور ترک دنیا کی تلخی شیریں اور بستر کی سختی نرم معلوم ہونے لگی حتیٰ کہ نجات اور سلامتی کی کمند ہاتھ لگی اور ان کی روحیں چرتی چرتی بستان نعیم میں پہنچ گئیں اور دریائے حیات میں جو گھسے اور ناامیدی اور واویلا کی خندقوں کو پاٹا اور ہوائے نفسانی کے پلوں کے پار اترے تو میدان علم میں جا پہنچے اور چشمۂ حکمت سے سیراب ہوتے پھر ہوشیاری کی کشتی پر سوار ہو کر نجات کا بادبان چڑھایا اور بحر سلامت میں لنگر اٹھا کر ساحل راحت و عزت اور کرامت پر پہنچ گئے۔ اس قدر بیان کافی ہے اس باب میں کہ توبہ صحیح بیشک مقبول ہوتی ہے اب اگر کوئی کہے کہ یہ تو وہ بات ہے جو معتزلہ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ پر توبہ کا قبول کرنا واجب ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم جو توبہ کا قبول ہونا واجب کہتے ہیں تو اس طرح کا وجوب ہے جیسا

عـــہ کب کرے گا الخ اس میں تردد ہے کیونکہ کیونکر معلوم ہوا کہ توبہ قبول کی پس صحیح ترجمہ یہ ہے کہ کب کرتا ہے یعنی مجھے اپنی مغفرت کا وقت معلوم ہو جاتا ہے لوگوں نے پوچھا کب تو فرمایا کہ جب مجھے توبہ کی توفیق دیتا ہے ۱۲ امیر علی

کوئی کہے کہ کپڑا اگر صابون سے دھویا جاوے تو میل کا چھٹنا واجب ہے یا پیاسا اگر پانی پیے تو پیاس کا جانا واجب ہے یا پانی اگر مدت تک کسی سے روک لیا جاوے تو پیاس لگنی واجب ہے اور اگر ہمیشہ پیاسا رہے تو مر جانا واجب ہے غرضکہ اس واجب کے معنی ضروری کے ہیں، معتزلہ کی مراد کے موافق ان باتوں میں سے کسی میں ایسا وجوب نہیں جیسا وہ خدائے تعالیٰ پر ثابت کرتے ہیں۔ ہماری مراد یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے طاعت کو کفارۂ گناہ بنایا ہے اور نیکی کو مٹانے والی بدی کی پیدا کیا، جس طرح کہ پانی کو پیاس بجھانے کے لیے بنایا ہے اور اس کی قدرت سے اس کے خلاف کی بھی گنجائش ہے بشرطیکہ اس کی مشیت سابقۂ ازلی میں بھی ایسی ہی ہو۔ حاصل یہ کہ کوئی چیز خدا پر واجب نہیں مگر جس چیز پر اس کا ارادہ ازل سے ہو چکا ہے اس کا ہونا بیشک واجب ہے۔ یہاں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ توبہ کرنے والوں میں سے تو ہر ایک کو قبول توبہ میں شک ہوتا ہے اور پانی پینے والے کو پیاس بجھنے میں شک نہیں ہوتا تو توبہ والا کیوں شک کرتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ وجہ شک کی یہ ہے کہ شرائط جو صحتِ توبہ کے لیے ضروری ہیں ان کے وجود میں شک ہوتا ہے کہ توبہ کے ارکان اور شرائط دقیق جن کا بیان عنقریب آئے گا سب موجود ہوتے یا نہیں اور سب شرطیں اکثر موجود نہیں ہوتیں اسی لیے قبول میں بھی شک رہتا ہے جیسا کہ جلاب پینے والا دستوں کے آنے میں شک کیا کرتا ہے کہ آئیں گے یا نہیں، اس کا شک اسی جہت سے ہوتا ہے کہ شرائط اسہال کی باعتبار حال اور موسم کے پائی گئیں یا نہیں۔ کیفیت ترکیب دوا اور اس کے جوش دینے کی بن پڑی یا نہیں۔ اسہال کی مفرد دوائیں سب اچھی ہیں یا نہیں۔ اسی طرح کی باتیں توبہ میں بھی ہیں جو کہ خوف دلاتی ہیں اور قبول ہونے میں شک ڈالتی ہیں۔ چنانچہ اس کی شرطوں میں آگے مذکور ہو گا۔

دوسری فصل، جن امور سے توبہ کی جاتی ہے

واضح ہو کہ توبہ کے معنی گناہ چھوڑنے کے ہیں اور کسی چیز کا چھوڑنا جب ممکن ہے جب اس کو جان لیا جائے۔ اور چونکہ توبہ واجب ہے تو جس چیز سے کہ توبہ کے درجے کو پہنچتے ہیں وہ بھی واجب ہے اس سے معلوم ہوا کہ گناہوں کا پہچاننا واجب ہے گناہ اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے سے مخالفت امر الٰہی پائی جائے اور اس کی تفصیل اس بات کی مقتضی ہے کہ تمام احکامِ الٰہی کو ابتداء سے انتہا تک بیان کیا جائے حالانکہ ہماری غرض یہ نہیں ہے اس لیے بطریقِ اجمال گناہ کے اقسام و روابط تین بیانوں میں لکھے دیتے ہیں۔

بندوں کی صفات کے اعتبار سے گناہوں کی قسمیں

یہ تو پہلے باب عجائبِ قلب میں لکھا گیا کہ انسان کے اوصاف اور اخلاق بہت سے ہیں مگر جن سے کہ گناہ وجود میں آتے ہیں وہ صفات منحصر چار وصفوں میں ہیں ربوبیت اور شیطانیت اور بہیمی اور سبعی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ خمیر انسانی مختلف اخلاط سے بنا ہوا ہے اس لیے ہر ایک خلط انسان میں اپنا اثر جداگانہ چاہتی ہے۔ مثلاً سکنجبین اگر شکر اور سرکہ اور زعفران سے تیار کی جائے تو اس میں ہر ایک کا اثر جدا جدا ہو گا اسی طرح ان چاروں صفتوں صفتوں کا اثر جدا جدا ہوتا ہے۔ صفت ربوبیت مقتضی ایسے امور کی ہوتی ہے جیسے کبر اور فخر اور جابر ہونا اور محبت مدح و

ثنا اور عزت و توانگری اور محبت ہمیشہ باقی رہنے کی اور سب خلق پر بلندی چاہتا ہے یہاں تک کہ گویا یہ کہنا چاہتا ہے ... انا ربکم الاعلیٰ[1] اور اس صفت سے ایسے گناہ کبیرہ پھوٹتے ہیں کہ لوگوں کو ان کی خبر بھی نہیں ہوتی اور ان کو گناہوں میں شمار نہیں کرتے حالانکہ وہ بڑے مہلک اور اکثر گناہوں کی جڑ ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان کو بالاستیعاب جلد ثالث میں ہم لکھ چکے ہیں۔ دوسری صفت شیطانی سے یہ باتیں پھوٹتی ہیں حسد اور سرکشی اور حیلہ اور مکر اور جھگڑے اور بُری بات کا حکم کرنا اور اس میں داخل ہے کھوٹا پن اور نفاق اور بدعت کی طرف بلانا اور گمراہی۔ تیسری صفت بہیمی ہے اس سے یہ قباحتیں متفرع ہوتی ہیں۔ شدتِ حرص اور طمع اور شہوت شکم و شرمگاہ کے پورا کرنے کی خواہش اور اسی کی شاخیں ہیں زنا اور اغلام اور چوری اور مال یتیم کا کھا جانا اور شہوت کے واسطے مال حرام کا اکٹھا کرنا۔ چوتھی صفت سبعی ہے اس سے یہ برائیاں نکلتی ہیں غضب اور کینہ اور لوگوں کو مار پیٹ اور گالی سے چڑھ جانا اور قتل کرنا اور کسی کا مال ضائع کرنا اور اس میں سے بھی کئی گناہ متفرع ہوتے ہیں اور اصل پیدائش میں یہ چاروں صفتیں بتدریج آتی ہیں سب سے پہلے صفت بہیمی غالب ہوتی ہے اس کے بعد صفت سبعی ظاہر ہوتی ہے اور یہ دونوں جمع ہو کر عقل کو مکر اور فریب اور حیلے لگاتے ہیں اور اسی سے صفت شیطانی کا زور ہوتا ہے پھر سب سے آخر میں صفاتِ ربوبیت یعنی فخر اور تعلّی و عزت و کبریائی کی خواہش اور سب لوگوں پر حاوی ہونے کا قصد ابھرتا ہے۔ غرضکہ مبدا گناہوں کا اور منبع عصیاں تو یہی چار باتیں ہیں پھر ان میں سے اعضا پر گناہ پھیل پڑتے ہیں تو بعضے گناہ خاص متعلق بدل ہیں مثلاً کفر اور بدعت اور نفاق اور لوگوں کی برائی دل میں رکھنی وغیرہ اور بعضے متعلق بہ آنکھ و کان ہیں اور بعضے متعلق بہ شکم و شرمگاہ اور بعضے ہاتھ و پاؤں سے متعلق ہیں اور بعضے تمام بدن سے اور چونکہ یہ سب واضح ہیں اس لیے ان کی تفصیل کی کچھ ضرورت نہیں۔

دوسری تقسیم: گناہوں کی یہ ہے کہ گناہ دو قسم کے ہیں ایک وہ جو خدائے تعالیٰ کے اور بندے کے درمیان ہیں اور ایک وہ کہ بندوں کے حقوق سے متعلق ہیں۔ پس جو گناہ حقوق خدائے تعالیٰ کے متعلق ہیں جیسے نماز و روزہ اور دوسرے واجبات خاص کا چھوڑ دینا اور جو حقوق عباد سے متعلق ہیں وہ ایسے ہیں جیسے زکوٰۃ نہ دینا اور کسی کو مار ڈالنا اور مال چھین لینا اور گالی دینا حاصل یہ کہ جو شخص کسی غیر کا حق لیتا ہے یا اس کے نفس کو یا عضو کو یا مال کو یا آبرو کو یا دین کو یا جاہ کو لینا چاہتا ہے اور دین کا لینا ایسا ہے کہ بہکا کر بدعت کی طرف راغب کرے اور گناہوں کی طرف مائل کرے اور ایسے اسباب کا باعث ہو کہ جیسے اللہ پر جرأت کرنے لگے جیسے بعض واعظوں کا دستور ہے کہ رجا کی جانب کو خوف کی جانب پر اتنا غلبہ دیتے ہیں کہ آدمی گناہ پر دلیر ہو جاتا ہے۔ غرضکہ جو گناہ متعلق بندوں سے ہیں ان میں بہت دشواری ہے اور جو خدا کے اور بندے کے درمیان ہیں بشرطیکہ شرک نہ ہو ان میں عفو کی توقع زیادہ ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں بیان ہے الدواوین ثلثۃ دیوان یغفر و دیوان لا یغفر و[2]

---

[1] میں ہوں رب تمہارا سب سے اوپر ۱۲

[2] نامہ اعمال کی تین قسمیں ہیں ایک بخشا جائے گا ایک نہ بخشا جائے گا اور ایک نہ چھوڑا جائے گا۔ احمد و حاکم بروایت عائشہ رض ۱۲

دیوان لا یترکہ پس دیوان اوّل سے غرض وہی گناہ ہیں جو بندے کے اور خدا کے درمیان ہیں اور دیوانِ ثانی سے مراد شرک ہے اور دیوانِ سوم سے حقوق عباد مقصود ہیں کہ ان کی باز پرس ضرور ہوگی تا آنکہ معاف کیے جائیں۔

تیسری تقسیم گناہوں کی یہ ہے کہ گناہ صغیرہ یا کبیرہ اور ان کی تعریف میں لوگوں کے قول بہت مختلف ہیں، بعضے کہتے ہیں کہ صغیرہ کوئی گناہ نہیں بلکہ جس میں مخالفت امر الٰہی کی ہوگی وہ کبیرہ ہی ہے اور یہ قول ضعیف ہے اس لیے کہ وجود گناہ صغیرہ کا کلام اللہ اور حدیث سے ثابت ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان تجتنبوا کبائر ما تنہون عنہ نکفر عنکم سیئاتکم وندخلکم مدخلا کریما[1] اور فرمایا تجتنبون کبائر الاثم والفواحش الا اللمم[2] اور حدیث شریف میں ہے الصلوٰۃ الخمس والجمعۃ الی الجمعۃ یکفرن ما بینھن ان اجتنب الکبائر[3] اور روایت میں یوں ہے کفارات لما بینھن الا الکبائر اور نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عبداللہ بن عمرو بن العاص روایت کرتے ہیں کہ الکبائر[4] الاشراک باللہ وعقوق الوالدین وقتل النفس ویمین الغموس اور صحابہ اور تابعین کو گنتی میں کبائر کی چار سے لے کر سات اور نو اور دس تک اور اس سے زیادہ تک اختلاف ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ شمار چار بتلاتے ہیں اور حضرت عمرؓ سات کہتے ہیں اور عبداللہ بن عمرؓ نو فرماتے ہیں اور حضرت ابن عباسؓ کو جب یہ معلوم ہوا کہ حضرت ابن عمرؓ گناہ کبیرہ کی شمار سات فرماتے ہیں تو آپ فرماتے ہیں کہ ان کو ستر کہنا بہ نسبت سات کہنے کے قریب بصواب ہے اور یہ بھی حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ نے منع فرمائی ہے وہ کبیرہ ہے اور بعضوں کا یہ قول ہے کہ جس گناہ پر خدا تعالیٰ نے وعدہ دوزخ کا کیا ہے وہ کبیرہ ہے اور بعض سلف کا یہ قول ہے کہ جس گناہ پر دنیا میں حد واجب ہوتی ہے وہ کبیرہ ہے اور بعضوں نے فرمایا ہے کہ اس کا شمار معلوم نہیں جیسے لیلۃ القدر اور جمعہ کی ساعت مبہم ہے معین نہیں ویسے ہی اس کا عدد بھی معین نہیں اور حضرت ابن مسعودؓ سے جب سوال شمار کا کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ سورۃ نساء کے شروع سے پڑھو اور تیس آیت تک پڑھتے جاؤ یہاں تک کہ یہ آیت آجاتے۔ ان تجتنبوا کبائر ما تنہون عنہ تو جتنے گناہ کہ خدا تعالیٰ نے اس سورت میں شروع سے اس آیت تک منع فرمائے ہیں وہ کبیرہ ہیں۔ اور ابو طالب مکی فرماتے ہیں کہ کبیرہ گناہ سترہ ہیں کہ ان کو میں نے احادیث سے جمع کیا ہے اور اقوال حضرت ابن عباسؓ اور ابن مسعودؓ اور ابن عمرؓ وغیرہم سے اکٹھے کیے ہیں۔ چار تو ان میں سے دل میں ہیں یعنی اللہ کا شریک کرنا اور گناہوں پر اصرار کرنا اور خدا کی رحمت سے ناامید ہونا اور اس کے عذاب سے بے خوف ہونا اور چار متعلق بزبان ہیں اوّل جھوٹی گواہی دینی دوسرے پارسا مرد کو گالی یعنی تہمت زنا لگانی۔ تیسرے جھوٹی قسم کھانی جس کو یمین غموس کہتے ہیں اس کی تعریف یہ ہے کہ اس سے ناحق کو حق کیا جاوے یا حق کو ناحق کرنا منظور ہو اور بعضوں نے یہ تعریف لکھی ہے کہ جس سے کسی مسلمان کا مال ناحق علیحدہ کرنا منظور ہو خواہ جال کی مسواک ہی

---

[1] اگر تم بچتے رہو گے بڑی چیزوں سے جو تم کو منع ہوتیں اور ہم اتار دیں گے تم سے تمہاری تقصیریں اور داخل کریں گے تم کو عزت کے مقام میں ۱۲ [2] بچتے ہیں بڑے گناہوں سے مگر کچھ آلودگی ۱۲

[3] پانچوں نمازیں اور جمعہ دوسرے جمعہ تک دور کرتی ہیں ان گناہوں کو جو ان کے درمیان ہوں اگر اجتناب کیے جاویں بڑے گناہ ۱۲ مسلم بروایت ابوہریرہؓ ۱۲ [4] دور کرنے والے ہیں بیچ کے گناہوں کو سوائے کبائر کے ۱۲ [5] بڑے گناہ شرک کرنا اور ماں باپ کی نافرمانی اور قتل نفس اور جھوٹی قسم ہیں۔

کیوں نہ ہو اور اس کو غموس اس لیے کہتے ہیں کہ غموس کے معنی غوطہ دینے والے کے ہیں گویا یہ قسم اپنے مرتکب کو دوزخ میں غوطہ دیتی ہے۔ چوتھے جادو اور اس کی تعریف یہ ہے کہ جو کلام کسی انسان خواہ کسی جسم کو اصلی خلقت سے بدل دے۔ اور تین پیٹ کے متعلق ہیں اول شراب پینا اور شراب میں ہر ایک چیز نشے کی داخل ہے۔ دوم مال یتیم کا ظلم سے کھانا سوم دانستہ سود کھانا اور دو متعلق شرمگاہ سے ہیں اور وہ دونوں زنا اور اغلام ہیں اور دو متعلق ہاتھوں سے ہیں یعنی قتل اور چوری اور ایک متعلق پاؤں سے ہے یعنی لشکر سے بھاگنا اس طرح کہ ایک مقابل دو کے بھاگ جائے اور دس مقابل بیس کے اور ایک متعلق تمام بدن سے ہے یعنی نافرمانی والدین کی اس طرح کہ اگر وہ کسی بات پر قسم کھائیں تو بیٹا ان کی قسم پوری نہ کرے اور اگر کچھ حاجت چاہیں تو پوری نہ کرے اور اگر برا کہیں تو ان کو مارے اور بھوکے ہوں تو کھانا نہ دے انتہی یہ قول اگرچہ قریب ہے مگر خوب تشفی اس سے بھی نہیں ہوتی اس لیے کہ اس سے کمی اور بیشی بھی ہو سکتی ہے مثلاً اس قول کی رو سے سود کھانا اور مال یتیم کا کھانا کبیرہ ہے اور یہ گناہ متعلق بہ مال ہے اور گناہ متعلق نفس بہ نفس سے صرف قتل کو کبیرہ لکھا ہے۔ آنکھ پھوڑنے اور ہاتھ کاٹنے وغیرہ اقسام عذاب اہل اسلام کو نہیں لکھا۔ اسی طرح یتیم کا مارنا اور اس کو عذاب دینا خواہ اس کا ہاتھ یا کوئی عضو کاٹ ڈالنا بلاشک بڑا گناہ کبیرہ ہے بہ نسبت اس کے مال کے کھانے کے۔ علاوہ ازیں حدیث[۱] شریف میں گناہ اس کو بھی لکھا ہے کہ ایک گالی کے عوض دو دے یا کسی مسلمان کی آبرو میں دست درازی کرے اور یہ تہمت زنا سے علاوہ بات ہے۔ اور حضرت ابو سعید خدریؓ وغیرہ اصحاب کا قول ہے کہ[۲] تم لوگ ایسے عمل کرتے ہو جو تمہاری نظروں میں بال سے زیادہ باریک ہیں مگر ہم لوگ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں گناہ کبیرہ سمجھتے تھے اور بعض لوگوں کا یہ قول ہے کہ جو گناہ آدمی عمداً کرے وہ کبیرہ ہے اور جو گناہ خدا تعالیٰ نے منع فرمادیا ہے وہ کبیرہ ہے۔ یہ اقوال ہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص مثلاً چوری کو دریافت کرنا چاہے کہ یہ کبیرہ ہے یا نہیں اس کو اس کا حال خوب نہ معلوم ہوگا جب تک کہ کبیرہ کے معنوں سے آگاہ نہ ہو جائے کہ اس سے کیا مراد ہوتی ہے۔ جیسے کوئی کہے کہ چوری حرام ہے یا نہیں تو جب تک حرام کے معنی نہ مقرر ہوں گے تب تک اس پر حکم نہیں[۳] کر سکتے یا یہ معلوم ہو کہ جو گناہ ہے وہ چوری میں بھی داخل ہے تو اس صورت میں البتہ اس پر حکم حرمت کا ہو سکتا ہے۔ بہرحال لفظ کبیرہ لفظاً مبہم ہے لغت میں خواہ شرع میں اس کے واسطے کوئی معنی خاص نہیں اس واسطے کہ کبیرہ اور صغیرہ امور اضافی میں سے ہیں جو گناہ ہے وہ بعض کی نسبت بڑا ہو سکتا ہے اور بعض کی نسبت چھوٹا یعنی اگر اس کے اوپر کی جانب دیکھو گے تو چھوٹا معلوم ہوگا اور اگر اس سے کم تر کو دیکھو گے تو بڑا معلوم ہوگا مثلاً اجنبی عورت کے ساتھ لیٹنا زنا کی نسبت کم ہے اور صرف آنکھ سے دیکھنے کی نسبت زیادہ ہے۔ اور مسلمان کا ہاتھ کاٹ ڈالنا مار پیٹ کی نسبت بڑا ہے اور قتل کی نسبت چھوٹا۔ علاوہ ازیں اصطلاح میں کچھ مضائقہ نہیں، ہو سکتا ہے کہ کوئی ایسے گناہوں کو جن پر وعدہ عذاب دوزخ ہے کبیرہ کہے اور وجہ بیان کرے کہ چونکہ آتش دوزخ کی سزا بہت بڑی ہے اس لیے وہ گناہ کہ جس سے یہ سزا ملے وہ بھی بڑا ہوا یا یوں کہے کہ جو گناہ موجب حد ہیں وہ کبیرہ ہیں اس وجہ سے کہ جو سزا دنیا

---

[۱] ابو منصور نے اس حدیث کو مسند فردوس میں احمد کیطرف منسوب کیا ہے ۱۲ [۲] احمد و بزار بروایت ابو سعید و بخاری بروایت انس رضہ ۱۲ [۳] حکم نہیں کر سکتے الخ یعنی سرقہ پر حرام کا حکم لگانے سے پہلے حرام کے معنی جانے پھر غور سے دیکھے کہ یہ معنی سرقہ میں موجود ہیں تب سرقہ حرام ہونے کا حکم کر سکتا ہے یہ اصل احیاء میں موجود ہے ۱۲ امیر علی عفی عنہ۔

میں ان پر ملتی ہے وہ واجبی اور بڑی سزا ہے یا یوں کہے کہ جو گناہ قرآن میں مذکور ہیں وہ کبیرہ ہیں اس لیے کہ ان کے ذکر کی تخصیص قرآن میں ہوئی، ان کی عظمت کی دلیل ہے پھر ان کی بڑائی اور عظمت میں فرق اضافی ہوگا کیونکہ کلام مجید کی منصوص چیزوں میں تفاوت درجات موجود ہے اور کبیرہ کی تعریف میں جو اقوال صحابہ کے ہیں وہ بھی کچھ ایسے ہی ہیں جیسے یہ اقوال بیان ہوتے ان احتمالات پر ان کا مطابق کرنا بعید نہیں اور از آنجا کہ قرآن مجید میں حکم ہے ان[1] تجتنبوا کبائر ما تنھون عنہ نکفر عنکم سیئاتکم اور حدیث شریف میں وارد ہے[2] الصلوٰۃ کفارات لما بینھن الا الکبائر تو معنی کبیرہ معلوم کرنے نہایت ضروری ہوتے ورنہ تعمیل حکم کس طرح ہوگی۔ پس امر تحقیق اسباب میں یہ ہے کہ باعتبار شریعت کے گناہوں کی تین قسمیں ہیں اوّل وہ جن کا بڑا ہونا معلوم ہے دوسرے وہ جو صغیرہ میں شمار ہیں تیسرے وہ کہ ان میں حکم شرعی کچھ نہیں معلوم تو وہ ایسے مشکوک اور مبہم گناہ کے دریافت کرنے کے لیے کسی تعریف جامع اور مانع کے ملنے کی توقع کرنی امر ناممکن کی طمع کرنی ہے اس لیے کہ یہ بات تو جبھی ممکن تھی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس باب میں کچھ وارد ہوتا یعنی آپ فرما دیتے کہ ہماری غرض کبائر سے دس یا پانچ چیزیں ہیں اور پھر ان کی تفصیل فرماتے کہ وہ یہ ہیں اور چونکہ اس طرح نہیں ہوا بلکہ بعض روایات میں کبائر کا شمار تین اور بعض میں سات[3] واقع ہے اور پھر یہ وارد ہے کہ ایک گالی کے بدلے دو گالیاں دینی[4] منجملہ کبائر ہیں۔ حالانکہ یہ نہ ان تین میں داخل ہیں نہ سات میں اس سے معلوم ہوا کہ آپ کو اس کا حصر کسی شمار خاص میں کرنا منظور نہیں پس جب شارع ہی نے اس کی شمار نہیں مقرر کی تو دوسرے شخص کو گنتی کی طمع کیسے ہو سکتی ہے۔ اور شاید شارع نے اس کی گنتی اس واسطے معین نہ کی ہو کہ بندے کبیرہ سے ڈرتے رہیں اور اس کے خوف سے صغیرہ پر بھی مبادرت نہ کریں۔ جیسے شب قدر کو مبہم اس لیے کر دیا گیا ہے کہ لوگ اس کے لیے محنتیں کریں ہاں اتنا ہم سے ہو سکتا ہے کہ اجناس اور اقسام کبائر کے تو ٹھیک ٹھیک تبلا دیں اور اس کے جزئیات کو غلبۂ ظن اور تخمین سے جتا دیں اور جو سب میں بڑا گناہ کبیرہ ہے اس کی بھی تعریف کر دیں لیکن جو سب صغیروں میں چھوٹا گناہ ہے اس کی تعریف اور اس کو تبلانا ممکن نہ ہو۔ اور تقریر اس مطلب کی یہ ہے کہ ہم کو دلائل شرعی اور انوار بصیرت سے دونوں سے معلوم ہے کہ مقصود سب شریعتوں کا یہ ہے کہ خلق کو خدا تعالیٰ کا قرب میسر ہو اور سعادت دیدار الٰہی حاصل، لیکن جب تک وہ لوگ خدا تعالیٰ کو اور اس کی صفات اور کتابوں اور رسولوں کو نہ پہچانیں گے تب تک یہ سعادت ان کو نہیں مل سکتی اور اسی کی طرف اشارہ ہے اس آیت میں[5] وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون یعنی پیدائش جن و انس سے مجھ کو یہ غرض ہے کہ وہ میرے بندے ہو جائیں اور بندہ اس وقت بندہ ہوتا ہے جب اپنے مالک کی ربوبیت اور اپنے آپ کی بندگی کو پہچانے اور اپنے رب کو اپنے نفس کو ضرور ہی جانے پس رسولوں کے بھیجنے سے مقصود اصلی اور عمدہ و اعلیٰ یہی ہے۔ لیکن یہ مقصود بدوں حیات دنیاوی کے پورا نہیں ہوتا اور یہی مراد ہے اس حدیث سے[6] الدنیا

---

[1] اس کا ترجمہ پہلے ورق میں ہے ۱۲ [2] اس کا ترجمہ اور سند اوپر گذری ۱۲ [3] بخاری و مسلم بروایت ابی بکرہ ۱۲ [4] طبرانی در اوسط بروایت ابو سعیدؓ

[5] اور میں نے جو بنائے جن اور آدمی سو اپنی بندگی کو ۱۲

[6] دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ یہ حدیث ان لفظوں کے ساتھ مرفوعاً مجھ کو نہیں ملی ۱۲

مزرعة الاٰخرة اس سے معلوم ہوا کہ دنیا کی حفاظت بھی دین کی تبعیت میں مقصود ہے اس لیے کہ دنیا وسیلہ ہے دین کا اور جو چیز دنیا سے متعلق بآخرت ہے وہ دو چیزیں ہیں ایک جان دوسری مال تو مقصود ع اصلی کے پہنچنے کے لیے تین چیزوں کا حفظِ مراتب ہوا اول معرفت الٰہی کی حفاظت دلوں پر، دوم جان کی حفاظت بدنوں پر، سوم مال کی حفاظت لوگوں کے پاس اور انہیں چیزوں پر تفریق گناہ کی بھی ہے یعنی سب سے بڑا گناہ وہ ہے جو معرفتِ الٰہی کا مانع ہو اور اس سے اتر کر وہ ہے جو جان میں لوگوں کے خلل انداز ہو اور اس سے کم تر وہ ہے جس سے بابِ معیشت کہ اسی پر مدارِ حیات ہے بند ہو جاتے اور یہ تین باتیں ایسی ہیں کہ کسی ملت میں ان میں اختلاف نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ خدا تعالیٰ کسی پیغمبر کو بھیجے اور اس کے بھیجنے سے دین و دنیا میں اصلاح خلق کا ارادہ کرے اور پھر اس کو ایسی بات کا حکم کر دے جو مانع اس کی معرفت اور اس کے رسولوں کی معرفت کا ہو یا جانوں خواہ مالوں کے تلف ناحق کا حکم فرما دے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مراتب کبائر کی تین قسم ہیں۔ اول وہ جو مانع معرفت الٰہی اور معرفت رسول ہو وہ کفر ہے۔ اور اس سے بڑھ کر کوئی کبیرہ نہیں۔ کیونکہ حجاب جو اللہ کے اور بندے کے درمیان ہے وہ جہالت ہے اور جس ذریعہ سے کہ قرب الٰہی ہوتا ہے وہ علم و معرفت ہے اور جس قدر معرفت ہوتی ہے اسی قدر قرب ہوتا ہے اور جتنی جہالت ہوتی ہے اتنا ہی بعد ہوتا ہے اور قرب بجہالت جس کو کفر بھی کہتے ہیں مامون ہونا عذابِ خداوندی سے اور ناامید ہونا اس کی رحمت سے کیونکہ یہ باتیں بھی عین جہل ہیں اسلیے کہ جو خدائے تعالیٰ کو جانتا ہے اس سے نہیں ہو سکتا کہ اس کے عذاب سے مامون ہو یا اس کی رحمت سے ناامید اور اسی رتبے کے قریب سب اقسامِ بدعت ہیں جو خدا تعالیٰ کی ذات وصفات و افعال سے متعلق ہیں۔ ان میں سے بعض ایک دوسرے سے شدید ہیں اور ان کا تفاوت اسی قدر ہے جس قدر کہ ان سے جاہل رہنے میں فرق ہے اور جس قدر کہ ان کا تعلق خدائے تعالیٰ کی ذات پاک اور اس کی شریعتوں اور اوامر و نواہی سے ہے اور ان کے مراتب بیشمار ہیں اور باعتبار قرآن میں مذکور ہونے کے تین قسمیں ہیں۔ ایک وہ کہ قطعاً معلوم ہے کہ جو کبائر قرآن شریف میں مذکور ہیں ان میں داخل ہیں۔ اور ایک وہ کہ معلوم ہے کہ کبائر مذکورۂ قرآنی کے ذکر میں داخل ہیں۔ تیسری قسم وہ ہے جس کے کبائرِ قرآنی میں داخل ہونے میں شک ہے اور اس قسم میں سے شک کا دور کرنا طمع لاحاصل ہے۔ دوسرا مرتبہ کبائر کا تعلق جانوں سے ہے کیونکہ جان کے باقی رہنے سے زندگی کا قیام ہے اور زندگی سے معرفت حاصل ہوتی ہے تو بالضرور قتل کر ڈالنا بھی گناہ کبیرہ ٹھہرا اگرچہ کفر کی نسبت کم ہے اس لیے کہ کفر سے اصل مقصود فوت ہو جاتا ہے اور قتل سے ذریعہ مقصود جاتا رہتا ہے بایں لحاظ کہ حیاتِ دنیاوی وسیلۂ معرفت الٰہی ہے اور قتل سے اس کا ضائع کرنا ہوتا ہے۔ اور قریب القتل ہاتھ پاؤں کا کاٹ ڈالنا یا اور کسی فعل کا جو ہلاکت کو پہنچاتے۔ حتیٰ کہ زد و کوب سے اگر دوسرے کو ہلاک کرے گا تو کبیرہ ہوگا مگر قتل عمد شدید تر ہے اور باقی افعال جو ہلاکت کا

ع تو مقصود اصلی الخ اصل میں یہاں ایک سطر زائد اس طرح ہے دوسرے مال پس جس سے معرفت الٰہی کا دروازہ بند ہو وہ سب کبیرہ سے بڑھ کر کبیرہ ہے اور اس کے بعد کبیرہ کا مرتبہ ہے جس سے جان کی زندگی فوت ہو اور اس کے بعد وہ جس سے معاش کا دروازہ بند ہو کہ جس سے جان کی زندگی ہوتی ہے تو مقصود اصلی شرائع کے واسطے ان تینوں مراتب کی حفاظت ضروری ہے ۱۲ امیر علی عفی عنہ

موجب ہو جائیں متفاوت ہیں کسی میں شدت زیادہ ہے کسی میں کم اور اسی مرتبہ میں حرمت زنا اور اغلام بھی داخل ہے۔
اغلام تو اس وجہ سے کہ اگر بالفرض تمام آدمی قضائے شہوت مردوں ہی سے کرنے لگیں تو نسل انسانی منقطع ہو جائے تو جس
طرح کہ وجود انسان کا نابود کرنا کبیرہ ہے ویسے ہی نسل کا منقطع کرنا بھی کبیرہ ہوگا۔ باقی رہا زنا پس اس سے اگرچہ اصل وجود
نابود نہیں ہوتا مگر نسب پریشان ہو جاتا ہے اور ایک دوسرے سے وراثت جاتی رہتی ہے اور آپس میں مددگار ہونا وغیرہ
امور کہ انہیں انتظامِ زندگی وابستہ ہے، سب برطرف ہو جاتے ہیں بلکہ زنا کے مباح ہونے کی صورت میں انتظام ہونے کی کونسی صورت
ہے۔ بہائم میں تو رہتا ہی نہیں جب تک کہ ان کے نر ایک خاص مادہ کے ساتھ علیحدہ نہ ہوں، اس سے معلوم ہوا کہ جس شریعت سے
اصلاح مقصود ہو اس میں اصلاً زنا مباح نہیں ہو سکتا اور قتل سے رتبے میں کم ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اس سے نہ دوامِ وجود میں خلل
ہے نہ اصل وجود کا مانع۔ مگر تمیز نسب کو ضائع کرتا ہے اور ایسے اسباب کا باعث ہوتا ہے جو موجب اس کے کشت وخون
کے ہوں اور اغلام کی نسبت اس کا رتبہ سخت ہونا چاہیئے کیونکہ داعیہ شہوت اس میں دونوں طرف سے ہوتا ہے اس لیے کہ اس
کا وقوع کثرت کے ساتھ ہے اور ضرر بھی زیادہ۔ تیسرا مرتبہ اموال کا ہے کہ باعث معیشت خلق ہیں، تو جائز نہیں کہ آدمی
دوسرے کا مال جس طرح چاہے چرا کر یا چھین کر خواہ کسی اور طرح لے لے بلکہ ان کی حفاظت بھی ضروری ہے کہ نفوس کا باقی رہنا
انہیں سے ہے۔ مگر اتنی بات ہے کہ مال اگر کوئی لے لیتا ہے تو اس کا واپس کرنا ممکن ہے اور اگر کھا لے تو شے ماکول کے دام
لے سکتا ہے تو اس لحاظ سے مال کے لینے میں کچھ عظمت نہیں پائی جاتی ہاں اگر ایسی طرح لیا جائے کہ تدارک مشکل پڑے اس
وقت کبیرہ ہونا چاہیے اور اس طرح کے لینے کی چار صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ چھپا کر لے اس کو چوری کہتے ہیں۔ اس میں عدم
اطلاع کی جہت تدارک نہیں ہو سکتا۔ دوسرے مال یتیم کا کھانا۔ یعنی اگر ولی یا اور کوئی سرپرست جس کے پاس یتیم کا مال امانت
ہے کھا جاتے تو یہ بھی پوشیدہ صورت میں داخل ہے اور اس کو کبیرہ ہی ہونا چاہیے کیونکہ اس مال کا حقدار سوائے یتیم کے
اور کوئی نہیں وہ صغر سنی کے باعث نالشی نہیں ہو سکتا اور نہ اس کو اطلاع ہے بخلاف غصب کے اور خیانت کے اس لیے
کہ غصب گو علانیہ ہوتا ہے اور خیانت میں مال کا مالک مدعی ہو کر اپنا حق امانت دار سے لے سکتا ہے اس لیے ان کو کبیرہ
نہیں کہہ سکتے۔ تیسری صورت جھوٹی گواہی سے کسی کا مال تلف کرنا۔ چوتھی ودیعت وغیرہ کو جھوٹی قسم سے لے لینا یہ چاروں
صورتیں ایسی ہیں کہ ان میں تدارک ممکن نہیں، اور نہ ان کی حرمت میں شریعتیں مختلف ہو سکتی ہیں، اور ان میں سے بعض بہ نسبت
بعض کے بڑھ کر ہیں مگر سب کے سب مرتبہ دوم سے جو جانوں کے متعلق تھا رتبے میں کم ہیں اور اگرچہ ان میں سے
بعض میں شریعت نے کچھ حد نہیں واجب کی ہے لیکن چونکہ وعید کثرت سے کیا ہے اور انتظامِ دنیاوی میں ان چاروں کی تاثیر
بہت بڑی ہے۔ اس لیے ان کا کبیرہ ہونا شایاں ہے اور سود کے کھانے میں صرف یہی بات ہے کہ دوسرے کا مال اس کی
رضامندی سے کھایا جاتا ہے مگر جو شرط کہ شریعت نے مقرر کر دی ہے اس میں خلل واقع ہوتا ہے اور اس جیسے امر میں عجب
نہیں کہ شرائع مختلف ہوں اور چونکہ غصب یعنی مال کا چھین لینا باوجود دو باتوں کے پائے جانے کے کبیرہ نہیں کہ مال غیر کو
بدون اس کی رضا کے کھانا ہے اور اس کے کھانے میں رضائے شرع بھی نہیں تو سود کھانا جس میں مالک کی رضا موجود ہے اور صرف
رضائے شرع مفقود ہے کیسے کبیرہ ہوگا اور اگر یہ کہو کہ شرع نے سود کے باب میں بہت بڑی زجر و توبیخ کی ہے اس سے

کبیرہ ہوا تو غصب وغیرہ ظلم کے باب میں اور خیانت کے باب میں بھی ایسا ہی زجر واقع ہے وہ بھی کبیرہ ہونے چاہیئیں اور یہ کہنا کہ خیانت اور غصب کی ایک کوڑی بھی کبیرہ ہے اس میں تامل وشک ہے، غالب ظن اسی طرف میل کرتا ہے کہ کبائر کے زمرے میں داخل نہ ہو بلکہ یوں چاہیئے کہ کبیرہ خاص اس کو کہیں جس میں شرائع کا اختلاف نہ ہو سکے تاکہ دین کے اُمور ضروریہ میں سے ہو۔ ابو طالب مکی رح کے بیان کیے ہوتے کبائر سے گالی دینا اور شراب خوری اور سحر اور صفِ جہاد سے بھاگنا اور والدین کی نافرمانی باقی رہے ان میں سے شراب خوری کا کبیرہ ہونا شایاں ہے دو وجہ سے اوّل تو یہ کہ شرع نے اسباب میں بہت سخت وعید کیے ہیں۔ دوسرے دلائل عقلی سے بھی ایسا ہی کچھ معلوم ہوتا ہے دلیل عقلی یہ ہے کہ جس طرح نفس کی حفاظت ضروری ہے اسی طرح عقل کی بھی حفاظت چاہیئے بلکہ نفس بدون عقل کے نکما ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عقل کا دور کرنا بھی کبیرہ ہے مگر یہ دلیل ایک قطرۂ شراب میں جاری نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس سے زوالِ عقل نہیں ہوتا۔ مثلاً اگر کوئی شخص پانی پیتے اور اس میں ایک قطرہ شراب بھی ہو تو یہ کبیرہ نہ ہونا چاہیئے بلکہ نجس پانی کا پینا ہوا۔ تو ہر چند صرف قطرۂ شراب محل شک میں ہے۔ مگر چونکہ شرع نے اس پر حد واجب کی ہے اس لیے اس کی بُرائی معلوم ہوتی ہے اور شرع کے اعتبار سے کبیرہ گناہ ہو جاتا ہے اور آدمی کی تاب نہیں کہ جمیع اسرار شریعت پر واقف ہو جاتے۔ پس اگر اجماع اس کے کبیرہ ہونے پر ثابت ہو تو اتباع واجب ہے ورنہ مجال توقف باقی ہے اور قذف کا حال یہ ہے کہ اس میں صرف آبرو کا دور کرنا ہے اور رتبۂ آبرو بہ نسبت مال کے کم ہے۔ پھر اس کے بہت سے مراتب ہیں۔ سب میں بڑا یہ ہے کہ تہمتِ زنا لگاتے اور اس کی عظمت شرع میں بہت ہے یہاں تک کہ حد واجب کی ہے لہٰذا مجھ کو گمان غالب یہ ہے کہ صحابہؓ ان گناہوں کو کہ جن پر حد واجب ہوتی ہے کبیرہ شمار کیا کرتے تھے اس اعتبار سے قذف بھی کبیرہ ہے یعنی ایسا گناہ ہے جو نماز پنجگانہ سے اس کا کفارہ نہیں ہو سکتا اور اب کبیرہ سے ہماری غرض یہی ہے کہ جس کا کفارہ نماز پنجگانہ سے نہ ہو لیکن چونکہ کبیرہ میں اختلاف شرائع ممکن ہے تو اس لحاظ سے اس میں کچھ کبر اور عظمت معلوم نہیں ہوتی بلکہ ہو سکتا تھا کہ شریعت کا حکم یوں ہوتا کہ جب ایک شخص عادل کسی شخص کو زنا کرتے دیکھ لیتا تو اس پر اس کی گواہی دینی درست ہوتی اور زانی کو صرف اسی کی شہادت پر سزائے زنا دی جاتی اور اگر اس کی شہادت مقبول نہ ہوتی تو مصلحت دنیاوی میں حد بھی ضروری نہ ہوتی گو بعض مراتب حاجات کی جہت سے مستحسن ہوتے تو ایسی صورت میں اس شخص کے حق میں جس کو حکم شرع کا معلوم ہوتا قذف بھی منجملہ کبائر منصور ہوتا مگر جو شخص صرف یہی گمان رکھتا کہ مجھ کو محض گواہی دینی جائز ہے یا یہ گمان کرتا کہ گواہی پر میرا ساتھ دوسرا بھی دے گا تو ایسے کے حق میں اس کو کبیرہ قرار دینا نہیں چاہیئے تھا۔ اور جادو کا حال یہ ہے کہ اگر اس میں کفر کی باتیں نہ ہوں تو گناہ کبیرہ ہے ورنہ اس کی عظمت اسی قدر ہو گی جس قدر ضرر اس سے پیدا ہو گا۔ جان کے جانے یا بیماری وغیرہ کا۔ اور صفِ قتال سے بھاگنا اور ماں باپ کی نافرمانی بھی قیاس کی رو سے محل توقف میں رہنی مناسب ہیں اور اتنا نجا کہ قطعاً معلوم ہے کہ سوائے زنا کے لوگوں کو اور کسی قسم کی گالی دینی اور مارنا اور ظلم کرنا یعنی مال چھین لینا اور گھروں سے نکال دینا اور وطن اور شہر چھڑوا دینا داخل کبیرہ نہیں کیونکہ زیادہ سے زیادہ تعداد کبیرہ گناہوں کی سترہ منقول ہیں اور یہ چیزیں ان سترہ میں مذکور نہیں تو پھر بھاگنے اور عقوق والدین کو بھی اگر کبیرہ کہنے میں توقف کیا جاتے تو کچھ بعید نہیں۔ لیکن البتہ حدیث میں ان کو

کبیرہ کے ساتھ مسمیٰ کرنا پایا جاتا ہے اس لحاظ سے کبیرہ کے شمار میں داخل کرنا چاہیئے۔ حاصل اس سب تقریر کا یہ ہوا کہ کبیرہ سے ہماری غرض یہ ہے کہ جس کا کفارہ پنجگانہ نماز نہ ہو سکے اس کی تین قسمیں ہیں ایک تو وہ کہ قطعاً معلوم ہے کہ نماز پنجگانہ اس کا تدارک نہیں کر سکتی اور ایک کہ کفارہ ہو جانا چاہیئے اور ایک وہ کہ اس میں توقف کیا جاتے اور جن کے باب میں توقف ہے وہ بھی دو قسم ہیں ایک تو ایسے ہیں کہ جن کے کبیرہ ہونے نہ ہونے کی طرف گمان غالب ہے اور ایک یہ کہ مشکوک ہے اور یہ شک ایسا ہے کہ بدون نص کتاب و سنت جان نہیں سکتا۔ اور چونکہ اب نص جدید کے آنے کی توقع نہیں اس لیے اس کا شک نکالنا محال ہے۔ اب اگر یوں کہو کہ تمہاری دلیل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تعریف کبیرہ کی معلوم کرنا محال ہے تو پھر شریعت کا حکم ایسی چیز سے متعلق کس طرح ہوا جس کی تعریف جاننی محال ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ جتنے گناہ کہ ان پر دنیا میں کوئی حکم متعلق ہے ابہام تو ان میں بھی آسکتا ہے اس لیے کہ احکام شرعی کی جگہ تو دنیا ہی ہے اور کبیرہ گناہ پر کبیرہ ہونے کی جہت سے کوئی خاص حکم دنیا میں نہیں بلکہ جن پر حد مقرر ہے ان کے نام جدا ہیں جیسے چوری اور زنا وغیرہ۔ یہ نہیں کہ صرف کبیرہ ہونے کی کوئی خاص سزا ہو اور حکم کبیرہ کا یہی ہے کہ نماز پنجگانہ سے ان کا کفارہ نہ ہو اور یہ امر متعلق آخرت سے ہے اس لیے اس کا مبہم رکھنا لائق تر ہے تاکہ لوگ بے خوف و خطر رہ کر نماز پنجگانہ پر تکیہ کر کے صغیرہ گناہوں پر بھی جرأت نہ کریں اور یہ آیت[1] اِن تجتنبوا کبائرَ ما تنهون عنه نکفر عنکم سیئاتکم سے جو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کبیرہ کے اجتناب سے صغیرہ کا کفارہ ہو جاتا ہے سو یہ بات ہر صورت میں نہیں بلکہ اس شرط سے مشروط ہے کہ باوجود قدرت و ارادہ کے اجتناب کرے۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی عورت پر قادر ہو اور اس سے مباشرت بھی کر سکتا ہو مگر اپنے نفس کو روکے اور صرف دیکھنے اور ہاتھ لگانے پر قناعت کرے تو جو تاریکی کہ اس کے دل میں نظر کرنے خواہ ہاتھ لگانے سے ہوگی اس کی نسبت نفس کو زنا سے مجاہدے کے ساتھ بچانے سے نور زیادہ ہوگا اور یہی معنی کفارہ یعنی عوض ہونے کے ہیں لیکن اگر وہ شخص نامرد ہوگا یا کسی اور ضرورت کے باعث عاجز ہوگا یا کسی خوف کی جہت سے باز رہا ہوگا تو ایسے حال میں کفارہ نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح جو شخص شراب کی خواہش نہیں رکھتا حتیٰ کہ اگر اس کو مباح بھی ہو جاتے تو نہ پیئے تو ایسے شخص کا شراب سے محترز ہونا ان چھوٹے گناہوں کا کفارہ نہ ہوگا جو شراب خوری کی ابتدا میں ہوتے ہیں جیسے مزامیر وغیرہ کا سننا، ہاں جو شخص کہ شراب کی خواہش رکھتا ہے اور مزامیر کو بھی سننا چاہتا ہے مگر مزامیر سے تو باز نہیں آتا اور شراب کو نفس پر زور دے کر نہیں پیتا تو البتہ شراب خوری سے اجتناب کرنا غالب ہے کہ اس کے دل سے اس تاریکی کو دفع کر دے جو راگ سننے سے دل پر آتی ہے اور یہ سب کام احکام اخروی ہیں اور ہو سکتا ہے کہ ان میں سے بعض محل شک میں باقی رہیں اور متشابہات کی قسم میں داخل ہوں کہ جن کی تفصیل بدون نص کے نہ معلوم ہو اور نص میں گنتی اور تعریف جامع کبیرہ کی کچھ نہیں بلکہ الفاظ مختلفہ سے مذکور ہے۔ چنانچہ ابوہریرہؓ سے روایت[2] ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک نماز سے دوسری نماز تک کا کفارہ ہوتی ہے اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک کا کفارہ ہوتا

---

[1] اگر تم بچتے رہو بڑے گناہوں سے جو تم کو منع ہوئے تو ہم اتار دیں گے تم سے تمہاری تقصیریں ۱۲
[2] ح حاکم بروایت ابوہریرہؓ ۱۲

ہے سوائے تین گناہوں کے یعنی شرک اور ترکِ سنت اور نقض عہد۔ لوگوں نے پوچھا کہ ترک سنت و نقض عہد سے کیا مراد ہے آپ نے فرمایا کہ جماعت سے نکل جانا تو ترکِ سنت ہے۔ عہد یہ ہے کہ کسی سے بیعت کرے اور پھر تلوار لے کر اس سے لڑنے کو نکلے۔ غرض اس طرح کے الفاظ وارد ہیں کہ نہ شمار کو محیط ہیں اور نہ تعریف جامع ان سے نکلتی ہے تو ظاہر ہے کہ مبہم ہی رہے گا۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ شہادت اسی کی قبول ہوتی ہے جو کبائر سے بچے اور قبول شہادت میں صغیرہ گناہوں سے بچنا شرط نہیں اور قبول شہادت ایک حکم دنیوی ہے اور تم نے کہا تھا کہ کبیرہ پر کوئی حکم دنیوی متعلق نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ شہادت کا قبول نہ ہونا خاص کبیرہ کے ساتھ نہیں بلکہ ہو سکتا ہے کہ صغیرہ گناہ سے بھی آدمی کی شہادت معتبر نہ ہو مثلاً دیکھو جو شخص مزامیر سنتے اور حریر پہنے اور سونے کی انگوٹھی ہاتھ میں رکھے اور چاندی سونے کے برتنوں میں کھاتے پیتے تو سب ائمہ کے نزدیک اس کی گواہی قبول نہ ہو گی۔ حالانکہ ان چیزوں میں سے کوئی بھی کسی کے نزدیک کبیرہ نہیں اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی حنفی نبیذ پیئے تو میں اس کو حد ماروں گا مگر اس کی شہادت کو رد نہ کروں گا۔ اس مسئلے میں حد لگانے کے اعتبار سے تو نبیذ پینے کو کبیرہ ٹھہرایا مگر اس کے باعث شہادت کو رد نہیں فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ شہادت کا قبول کرنا یا نہ کرنا منحصر صغیرہ یا کبیرہ پر نہیں بلکہ گناہ ہر قسم کے خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے عدالت کے ناقص ہیں۔ بجز ایسی باتوں کے کہ ان سے آدمی بسبب عادت بچ نہیں سکتے۔ مثلاً غیبت کرنی اور دوسرے کی برائی کی تلاش کرنی اور بدگمان ہونا اور بعض باتوں میں جھوٹ بولنا اور غیبت سننا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑنا اور شہادت کی چیزوں کا کھانا اور لڑکے اور غلام کو گالی دینا اور غصے کے وقت ضرورت مصلحت سے زیادہ ان کو مار بیٹھنا اور ظالم بادشاہوں کی تعظیم کرنی اور بدکاروں سے دوستی کرنی اور زن و فرزند کے امور دینی ضروری کی تعلیم سے سستی کرنی وغیرہ یہ سب اس قسم کے گناہ ہیں کہ ہر ایک گواہ میں ان میں سے تھوڑے یا بہت ضرور پائے جاتے ہیں مگر البتہ اگر کوئی شخص صرف آخرت کو مدنظر رکھ کر لوگوں سے علیحدہ جا رہے اور مدت تک نفس کے ساتھ مجاہدہ کرے یہاں تک کہ اگر پھر لوگوں میں آملے تب بھی ویسا ہی رہے جیسا خلوت میں تھا تو ایک شخص اس قسم کے گناہوں سے خالی ہو سکتا ہے۔ اور اگر گواہی میں ایسے ہی لوگوں کے قول کا اعتبار ہوا کرے تو اوّل تو ملنا مشکل، دوسرے احکام اور شہادات جاتے رہیں۔ حاصل یہ کہ حریر پہننا اور مزامیر کا سننا اور نرد کھیلنا اور شراب خوروں کے پاس وقت میخوری بیٹھنا اور اجنبی عورتوں کے پاس علیحدہ رہنا اور اسی طرح کے صغائر اس قسم میں داخل نہیں اور یاں لحاظ چاہیئے کہ قبول شہادت میں نہ کبیرہ پر نظر کی جاتی نہ صغیرہ پر مگر اتنی بات ہے کہ ان صغائر میں سے بھی اگر کوئی شخص کسی پر مواظبت اور اصرار کرے گا تو ردِ شہادت میں اس کی تاثیر ہو جاتی ہے۔ مثلاً اگر کوئی لوگوں کی غیبت و عیب چینی کو اپنی عادت بناتے یا بدکاروں کی صحبت و اتحاد پر اصرار کرے تو شہادت اس کی معتبر نہ ہو گی۔ غرضکہ صغیرہ گناہ مواظبت و اصرار سے کبیرہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح امر مباح اصرار سے گناہ صغیرہ ہو جاتا ہے۔ جیسے کوئی شطرنج کھیلنے یا راگ گانے پر اصرار و مداومت کرے تو صغیرہ ہوں گے۔ ف۔ مترجم کہتا ہے کہ شطرنج کھیلنا مذہب امام شافعیؒ میں گاہ گاہ مباح ہے اور چونکہ مصنفؒ مذہب امام شافعیؒ رکھتے ہیں اس واسطے مثال میں شطرنج کو لکھا۔ اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کوفی کے نزدیک اس قسم کے سب کھیل حرام ہیں جیسے کتب فقیہہ میں تصریح موجود ہے۔

جنت و دوزخ کے درجات کا انحصار نیکی اور بدی کے درجات پر ہے

واضح ہو کہ دنیا عالمِ ظاہری کا نام ہے اور آخرت عالمِ اسرار و غیب کا نام ہے اور ہماری مراد دنیا سے آدمی کی حالت قبل موت ہے اور آخرت سے مراد وہ حالت ہے جو بعد موت ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ دنیا و آخرت آدمی کی دو صفتوں اور دو حالتوں کا نام ہے جن میں سے قریب کو دنیا کہتے ہیں اور اس کے بعد والی کو آخرت۔ اور اب ہم دنیا کے ذکر سے آخرت کا ذکر چھیڑتے ہیں۔ یعنی اب اگرچہ ہم کلام دنیا میں کریں گے لیکن غرض ہماری یہ ہے کہ بیان آخرت یعنی عالم اسرار کا کریں اس لیے کہ بیان عالمِ ظاہر میں بیان عالمِ باطن بدون مثال بیان کرنے کے ہو نہیں سکتا اور اسی واسطے خدائے تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے وتلک الامثال نضربہا للناس وما یعقلہا الا العالمون ط اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بموجب اس قول شاعر کے ؎

دنیا خوابیست زندگانی در وے خوابیست کہ در خواب بہ بینی آں را

دنیا کی زندگی آخرت کے مقابل میں ایسی ہے جیسے آدمی کا خواب مقابل جاگنے کے اور یہی مضمون حدیث شریف سے بھی ثابت ہے جیسا کہ فرمایا الناس نیام فاذا ماتوا انتبہوا ط اور جو بات کہ بیداری میں ہوتی ہے وہ خواب میں جب معلوم ہوتی ہے تو مثال کی طرح معلوم ہوتی ہے یہاں تک کہ اس کی تعبیر کی جاتی ہے اور تعبیر کی حاجت ہوتی ہے۔ اسی طرح آخرت کی بیداری میں جو حالات ہوں گے وہ دنیا کے خواب میں بطور مثال ہی کے ظاہر ہو سکتے ہیں یعنی خواب کی طرح ان کی پہچان بھی بے تعبیر نہیں ہو سکتی اور تعبیر خواب کی تین حکایتیں بطور نمونہ ہم بیان کیے دیتے ہیں کہ اصل بات خواب میں کس طرح معلوم ہوا کرتی ہے۔ روایت ہے کہ ایک شخص حضرت ابن سیرین کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ میں نے یہ خواب دیکھا ہے کہ میرے ہاتھ میں مہر ہے اس سے میں لوگوں کے منہ پر اور شرمگاہوں پر مہر کرتا ہوں۔ آپ نے یہ تعبیر فرمائی کہ تو مؤذن ہے معلوم ہوتا ہے کہ رمضان میں صبح صادق ہونے سے پہلے اذان دیتا ہے اس نے عرض کیا کہ آپ سچ فرماتے ہیں۔ اور ایک دوسرا شخص آیا اس نے کہا کہ میں نے خواب دیکھا کہ تیل کو تلوں میں ڈال رہا ہوں آپ نے فرمایا کہ تو نے اگر کوئی لونڈی خریدی ہو تو اس کا حال دریافت کر وہ تیری ماں معلوم ہوتی ہے کیونکہ تیل کی اصل تل ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی اصل یعنی ماں کے پاس جاتا ہے، اس شخص نے جو تحقیق کیا تو معلوم ہوا کہ اس کی لونڈی واقع میں اس کی ماں تھی کہ اس کے صغر سن میں پکڑی گئی تھی۔ اور ایک اور شخص نے پوچھا کہ میں نے دیکھا ہے کہ میں موتیوں کے کنٹھے سؤروں کی گردن میں پہناتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تو حکمت کی باتیں نااہلوں کو سکھاتا ہے اور واقع میں ایسا ہی تھا جیسا کہ آپ نے ارشاد فرمایا تھا۔ ان تعبیروں سے معلوم ہوتا ہے کہ مثل کو کس طرح بیان کرتے ہیں۔ اور مثل سے ہماری یہ مراد ہے کہ اگر اس کو

ف[1] اور یہ کہاوتیں بیان کرتے ہیں ہم لوگوں کے لیے اور نہیں سمجھتے ان کو مگر دانا ۱۲ ح آدمی سوتے ہیں پس جب مریں گے تو جاگیں گے ۱۲ یہ حدیث مرفوعاً مجھے نہیں ملی بلکہ قول حضرت علی مرتضیٰ رضہ کا ہے ۱۲

باعتبار مصداق اور مفہوم کے دیکھا جائے تو صحیح اور درست ہو اور اگر اس کی صورت ظاہری پر خیال کریں تو جھوٹی ہو۔ مثلاً اس کی تعبیر میں اگر مؤذن صرف ظاہر کی انگوٹھی کو دیکھتا اور اس سے مہر کرنا سمجھتا تو اس خواب کو جھوٹا سمجھتا کیونکہ ایسا فعل اس سے کبھی صادر نہیں ہوا تھا۔ لیکن اس کے مفہوم اور مصداق کو جو دیکھا تو سچ تھا۔ کیونکہ مہر کرنے کا اصل مقصود روک دینا ہے اس کام مرتکب یہ شخص ہوا تھا۔ اور چونکہ انبیاء علیہم السلام کو حکم ہے کہ لوگوں سے ان کی عقل کی مقدار کے مطابق کلام کریں اور لوگوں کا اندازۂ عقل یہ ہے کہ وہ سوتے ہوتے ہیں اور سوتے آدمی کو کسی چیز کا کشف اس شے کی مثال سے ہوتا ہے۔ اس لیے انبیاء علیہم السلام بھی لوگوں سے مثال کے طور پر گفتگو کرتے ہیں جس سے اصل معنی مقصود سمجھ جائیں گو لفظوں سے کچھ اور نکلتا ہو مگر لوگوں کو مرنے کے بعد جب جاگیں گے تو معلوم ہوگا کہ ان کا فرمانا بجا ہے اور اس سے غرض صحیح فلاں چیز تھی۔ مثلاً حدیث شریف میں وارد ہے قلب المؤمن بین اصبعین من اصابع الرحمٰن[1] ایسی مثال ہے کہ جس کو عالموں کے سوا اور کوئی نہیں سمجھتا، جاہل کی سمجھ اسی قدر پر رہتی ہے جو ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ وہ اس تفسیر سے جس کو تاویل کہتے ہیں محض ناواقف ہے۔ خواب کی تفسیر کو تعبیر کہتے ہیں۔ اور حدیث شریف و قرآن کی تفسیر امثال کا نام تاویل ہے۔ تاویل کی ناواقفیت کا ثمرہ جاہل پر یہ ہوتا ہے کہ الفاظ حدیث کے بموجب خدائے تعالیٰ کے ہاتھ اور انگلیاں قرار دیتا ہے معاذاللہ من ذالک، اسی طرح دوسری حدیث ان اللہ خلق آدم علی صورتہ[2] میں جاہل صرف ظاہر کی شکل و صورت و رنگ سمجھ کر خدا تعالیٰ کو بھی ویسا ہی سمجھتا ہے۔ حالانکہ وہ ان سب باتوں سے منزہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ صفات الٰہی میں لغزش کھا گئے یہاں تک کہ کلام الٰہی کو از قبیل حرف و آواز سمجھ گئے۔ اسی طرح دوسری صفات کو بھی قیاس کرنا چاہیے اور امر آخرت میں جو مثالیں حدیث میں وارد ہیں تو منکر ان کی تکذیب کرتے ہیں اس وجہ سے کہ ظاہر الفاظ ان کے نزدیک مقصود ہیں اور ان میں تناقض پایا جاتا ہے۔ مثلاً حدیث شریف میں وارد ہے[3] یوتی بالموت یوم القیامۃ فی صورۃ کبش املح فیذبح تو ملحد احمق اس کو نہیں مانتا اور انبیاء کی تکذیب کرتا ہے اس دلیل سے کہ موت ایک عرض یعنی قائم بالغیر چیز ہے اور مینڈھا جسم ہے تو عرض کا جسم بن جانا بجز محال کے اور کیا بات ہے۔ مگر خداوند کریم نے ان بے وقوفوں کو اپنے اسرار کی معرفت سے بمراحل دور رکھا ہے اور فرمایا وما یعقلھا الا العالمون۔ بے چارہ جاہل یہ بھی نہیں جانتا کہ اگر کوئی کسی سے کہے کہ میں نے یہ خواب دیکھا ہے کہ ایک مینڈھا ہے کہ لوگ اس کو وبا کہتے ہیں اور وہ ذبح ہوگیا ہے اور معبر سن کر جواب دیوے کہ تو نے خواب اچھا دیکھا معلوم ہوتا ہے کہ وبا علیحدہ ہو جائے گی اور پھر کبھی نہ آئے گی۔ کیونکہ ذبح کی ہوئی چیز کے واپس آنے سے ناامیدی ہو جاتی ہے تو اس مثال میں تعبیر دینے والا بھی سچا ہے اور خواب دیکھنے والا بھی سچا اور اس کی اصل یہ ہے کہ جو فرشتہ خواب پر مؤکل ہے اور سونے کے وقت

---

[1] مومن کا دل درمیان دو انگلیوں کے ہے خدا کی انگلیوں میں سے اس کی سند جلد سوم میں گذری ۱۲

[2] اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی صورت پر بنایا ۱۲ اس کی سند پہلے گذری [3] قیامت کے روز موت کو سفید مینڈھے کی صورت پر لائیں گے اور ذبح کریں گے بخاری و مسلم بروایت ابوسعید ۱۲

روحوں کو لوح محفوظ کی باتوں پر مطلع کرتا ہے۔ اس نے جو بات لوح محفوظ میں بھی اس شخص کو مثال کی طرح سمجھادی اسلیے کہ سونے والے کو بدوں مثال سمجھنا ممکن نہ تھا۔ پس اس کا مثال دینا صحیح تھا اور معنی بھی صحیح اسی طرح انبیاء علیہم السلام بھی دنیا کے لوگوں سے باتیں مثال کے طور پر فرماتے ہیں کیونکہ دنیا بھی آخرت کی نسبت حالتِ خواب کی سی ہے۔ اگر مثال کے طور پر نہ فرمائیں تو آسانی سے معانی کہاں سمجھ میں آئیں اس طرح کے سمجھانے میں اگر غور کرو تو کمال حکمت خداوندی اور لطف وعنایت ہے کہ جو طریق سمجھنے کا آسان تھا اسی طرح پر انبیاء نے سمجھایا پس حدیث یوتی بالموت میں مثال اس بات کی ہے کہ موت سے یاس ہو جاتے گی جیسے ذبح کی ہوئی چیز سے یاس ہوتی ہے اسی طرح قرآن شریف میں کمال قدرت کو ان الفاظ سے فرمایا کن فیکون[ت۱] اور دل کے جلد بدلتے رہنے کو حدیث شریف میں ان الفاظ سے اشارہ فرمایا اصبعین من اصابع الرحمٰن[ح۲] اس لیے کہ دلوں پہ تاثیر ہونی اور معانی کا جمنا مثالوں ہی سے خوب ہوتا ہے یہ بات دلوں کی سرشت میں داخل ہے اور ہم نے اس کی حکمت جلد اوّل کے باب میں قواعد العقاید کے بیان میں لکھی ہے اب ہم اصل مقصود کی طرف توجہ کرتے ہیں کہ ہماری غرض بھی یہی ہے کہ تقسیم درجات جنت وطبقاتِ دوزخ کی بذریعہ حسنات وسیئات پر بدون مثال کے سمجھنی ناممکن ہے۔ تو جو مثال ہم بیان کریں اس سے معنی اور مقصود سمجھنے چاہئیں صورت اور الفاظ غرض نہ رکھنی چاہیئے۔ پس ہم کہتے ہیں کہ آخرت میں لوگوں کے بہت سے اقسام ہوں گے اور سعادت اور شقاوت میں ان کے درجات اور درکات میں ایسا تفاوت ہوگا جس کا حصر نہیں ہو سکتا جیسے کہ دنیا کی سعادت و شقاوت میں مختلف ہیں اور اس باب میں دنیا و آخرت میں ہر گز کچھ فرق نہیں کیونکہ مدبّر عالم ظاہری اور ملکوت کا واحد لاشریک ہے اور اس کا طریق جو ارادۂ ازلی سے ہوتا چلا آیا ہے وہ بھی یکساں ہے مگر چونکہ ہم درجات کے افراد کے شمار سے عاجز ہیں اس لیے اجناس کے حصر لکھتے ہیں کہ آدمی قیامت میں خواہ مخواہ چار قسم پر منقسم ہوں گے اوّل تباہ کار و ہالک دوسرے معذب اور تیسرے ناجی اور چوتھے فائز اور مثال اس کی دنیا میں یہ ہے کہ ایک بادشاہ کسی ولایت کو مسخر کرے تو بعضوں کو قتل کرے۔ وہ اوّل فرقہ ہے اور بعضوں کو مدت تک ایذا دے۔ وہ دوسرا فرقہ ہے اور بعضوں کو چھوڑ دے وہ تیسرا فرقہ ہے اور بعضوں کو خلعت عنایت کرے وہ چوتھا فرقہ ہے۔ پھر اگر بادشاہ عادل ہے تو یہ باتیں اس کی بے موجب نہ ہوں گی۔ قتل اسی کو کرے گا جو اس کی سلطنت کے استحقاق کا منکر اور اس کے دوست کا دشمن ہوگا اور ایذا اسی کو دے گا جس کو اس کی سلطنت کا اقرار تو تھا مگر خدمت میں قصور کرتا تھا اور رہا اسی کو کرے گا جس کو اس کے رتبۂ شاہی کا اقرار ہوگا مگر خدمت نہ کرنے سے نہ مستحق خلعت ہے اور نہ قصور خدمت سے مستحق عذاب اور خلعت الیسوں کو دے گا جنہوں نے عمر بھر اس کی خدمت ونصرت میں بسر کی ہو۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ جیسی جس نے خدمت کی ہوگی ویسی ہی ان کو خلعت حسبِ مدارج ملے اور قتل کے بھی درجات متفاوت ہوں گے کہ بعضوں کی

ت۱ تو ہو جا تو ہو جاتا ہے ۱۲ ح۲ اس کی سند پہلے گذری ۱۲

صرف گردن ماری جائے اور بعضوں کو ناک کان ہاتھ پیر کاٹ کر ہلاک کیا جائے یعنی ان کے عناد و انکار کے درجات کے موجب ان کا قتل بھی ہوگا۔ اسی طرح جن کو عذاب دیا جائے گا ان کے درجات بھی متفاوت ہوں کسی کو کم کسی کو زیادہ بعضوں کو تھوڑی مدت بعضوں کو بہت دنوں تک کسی کو کسی طرح کا اور کسی کو کسی طور کا، غرضکہ بحسب تقصیر عذاب کی بھی تفریق ہوگی۔ اس صورت میں ظاہر ہے کہ ہر ایک رتبے کے درجات بے حد و شمار ہو سکتے ہیں اسی طرح قیامت میں ان چاروں فریق کے درجات بیشمار ہوں گے۔ مثلاً فرقہ چہارم جو فائز یعنی فلاح یاب ہوں گے یعنی کوئی جنت عدن میں کوئی جنت ماوٰی میں کوئی جنت فردوس میں ہوں گے اور فرقہ معذب میں سے کسی کو تھوڑے دنوں عذاب رہے گا کسی کو ہزار برس کسی کو سات ہزار برس اور یہ شخص سب سے پیچھے دوزخ سے نکلے گا۔ جیسا کہ حدیث[1] میں وارد ہے۔ اسی طرح فرقہ ہالک یعنی جو خدا تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہیں ان کے درجات مختلف ہوں گے غرض جس طرح کی طاعت و عصیان جس سے ہوتی ہوگی اسی طرح کے درجات و درکات کے مستحق ہوں گے۔ اب ہم کیفیت تقسیم درجات کو ان فرقوں کی ذکر کرتے ہیں۔ اوّل درجہ ہالکین کا ہے اور ان سے ہماری غرض وہی لوگ ہیں جو خدائے تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہیں کیونکہ مثال مذکورۂ بالا میں بادشاہ نے جس کو قتل کیا وہ وہی تھا جو بادشاہ کی خوشنودی و اکرام و انعام سے ناامید ہوا۔ پس مثال کے معنی و مقصود سے غافل نہ رہنا چاہیے۔ آخرت میں ہالک وہی لوگ ہوں گے جو خدائے تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہیں اور وہ فرقہ منکروں کا ہے جو خدا سے منہ پھیر کر صرف دنیا کے ہو رہے ہیں اور اللہ کو اور اس کے رسولوں کو اور اس کی کتابوں کو جھٹلاتے ہیں، اس لیے کہ مدار سعادتِ اُخروی کا خدا تعالیٰ سے قریب ہونے اور اس کے دیدار سے مشرف ہونے پر ہے جیسا کہ مولوی روم فرماتے ہیں ؎

آدمی دید است باقی پوست است　　دید آں دیدہ کہ دیدِ دوست است

اور حصول اس نعمت عظمیٰ کا بدون اس معرفت کے ممکن نہیں جس کو ایمان و تصدیق کہتے ہیں۔ اور چونکہ منکر اس کی تکذیب و انکار کرتے ہیں اس لیے اس رحمت سے ابدالآباد تک محروم رہیں گے اور پروردگارِ عالم اور انبیاء کرامؑ کی تکذیب کے باعث انھم عن ربھم یومئذ لمحجوبون[2] کے مصداق بنیں گے اور ظاہر یہ ہے کہ جو اپنے محبوب سے جدا رہتا ہے تو اس میں اور اس کی دلی آرزوں میں حجاب رہتا ہے اسی لیے منکر لوگ آتش فراق الٰہی میں بیشک مدام جہنم میں جلتے رہیں گے اور اسی جہت سے عارفوں کا مقولہ ہے کہ ہم کو نہ آتش دوزخ سے خوف ہے نہ حوران بہشت کا چاؤ بلکہ مطلب ہمارا دیدارِ الٰہی سے ہے اور گریز صرف حجاب سے۔ اور ان کا یہ بھی قول ہے کہ جو شخص خدائے تعالیٰ کی عبادت کسی عوض کی توقع پر کرے وہ کمینہ ہے یعنی اگر عبادت طلب جنت یا خوف دوزخ سے کرے تو کمینہ پن ہے بلکہ عارف خدا کی عبادت اس کی ذات کے واسطے کرتے ہیں اور سوا اس کی ذات کے اور کسی چیز کے طالب نہیں ہوتے مومن دہلوی کیا خوب کہتے ہیں ؎

غضب سے تیرے ڈرتا ہوں رضا کی تیری خواہش ہے　　نہ میں بیزار دوزخ سے نہ میں مشتاق جنت کا

---

[1] اس کی سند پہلے گذری ۱۲　[2] وہ اپنے رب سے اس دن روکے جائیں گے ۱۲

حوروں اور میووں کی تمنا عارف کو نہیں ہوتی نہ آتشِ دوزخ سے ڈرتا ہے۔ کیونکہ آتشِ فراق مابین سینہ میں جب مشتعل ہوتی ہے تو پھر اس آگ پر جس سے کہ بدن جلتے ہیں غالب آجاتی ہے آتشِ فراق کی صفت یہ ہے نار اللہ[1] الموقدۃ التی تطلع علی الافئدۃ اور آتشِ دوزخ کا اثر صرف اجسام پر ہوگا اور ظاہر ہے کہ دل کے دہکتے ہوتے بدن کا درد ہیچ معلوم ہوتا ہے تو دل کی آگ کے سامنے آتشِ دوزخ کا کیا شمار ہے سچ کہا ہے کسی شاعر نے ؎

دل میں عاشق کے بھری ہے وہ محبت کی شرر
گرم سے گرم آتشِ دوزخ ہے جس سے سرد تر

اور آخرت میں اس حال کا انکار کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ بات تو دنیا میں بھی دیکھی جاتی ہے اور اس کی نظیر پائی جاتی ہے۔ دیکھو غلبۂ عشق میں آدمی آگ میں اور کانٹوں میں چلتا ہے اور صدمۂ دل کی جہت سے یہ رنج جسمانی کچھ نہیں سمجھتا۔ غصے والا حالتِ غضب میں معرکے میں گھس پڑتا ہے اور زخم لگتے جاتے ہیں مگر اس وقت کچھ تکلیف نہیں معلوم ہوتی کیونکہ غصہ بھی دل میں ایک آگ ہوتی ہے، چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ الغضب قطعۃ من النار[2] اور دل کی سوزش بدن کی سوزش کی نسبت بہت سخت ہوتی ہے سخت درد کے ہوتے ہوتے کمتر کا دھیان نہیں رہتا۔ علاوہ ازیں آدمی جو آگ یا تلوار سے رنج پاتا ہے تو صرف اسی جہت سے ہے کہ ان دونوں سے آدمی کے بدن کے دو ٹکڑے جو ظاہر میں پیوستہ تھے علیحدہ ہو جاتے ہیں، تو جس چیز سے کہ دل اور اس کا محبوب علیحدہ ہو جاتے جن میں کہ اجسام کی پیوستگی کی نسبت زیادہ اتصال ہوتا ہے اس سے خواہ نخواہ رنج زیادہ ہوگا بشرطیکہ آدمی ذی شعور و اہل بصیرت ہو اور جو دل ہی نہ رکھتا ہو اس سے بعید نہیں کہ اس رنج کی شدت کو کچھ بھی نہ سمجھے اور جسم کی تکلیف کی نسبت حقیر جانے۔ مثلاً اگر کسی لڑکے کو اختیار دیا جائے کہ تو بادشاہت چھوڑ دے یا گیند بلا چھوڑ دے تو اس کو بادشاہت چھوڑنے کا رنج نہ ہوگا بلکہ یہ کہے گا کہ گیند لے کر میدان میں دوڑتا مجھ کو ہزار آفت شاہی سے بہتر ہے اسی طرح جس شخص پر شہوتِ شکم غالب ہو اس کو کہا جاوے کہ تو حریسہ یا حلوا کھا یا کوئی ایسا کام کر جس سے دشمن مغلوب اور دوست راضی ہوں تو وہ حلوے ہی کو ترجیح دے گا اس کی وجہ یہی ہے کہ اس شخص میں وہ بات نہیں جس سے جاہ و شوکت اچھی معلوم ہوتی ہے۔ اس میں وہ بات صرف موجود ہے جس سے لذت کھانے کی معلوم ہوتی ہے اور یہ ایسے شخصوں کا حال ہوتا ہے جن کو صفاتِ بہیمی اور سبعی اپنا بندہ کر لیتی ہیں اور صفات ملائکہ جو ان کی ضد ہیں ان میں ظاہر نہیں ہوتیں اور صفات ملکی جب انسان میں ہوتی ہیں تو بدوں قرب الٰہی کے لذت نہیں پاتا اور نہ کوئی چیز سوا بُعد و حجاب کے اس کو باعثِ رنج و ایذا ہوتی ہے۔ اور جس طرح کہ ہر ایک عضو ایک صفت خاص کے لیے ہے۔ مثلاً زبان ذائقے کے لیے ہے اور کان سننے کے لیے اسی طرح یہ صفت قلب کے لیے ہے اور جس کے قلب نہ ہوگا اس کو قرب کی لذت اور بُعد کی کلفت کا ادراک بھی نہ ہوگا۔ جیسے کہ اگر کسی کے کان اور آنکھ نہ ہو تو لذت آواز اور حسن و

---

[1] آگ ہے اللہ کی سلگائی وہ جو جھانک لیتی ہے دل ۱۲ [2] غصہ ایک ٹکڑا ہے آگ کا ۱۲ ترمذی بروایت ابوسعید ۱۲

وصورت و رنگ معلوم نہیں ہو سکتی اور یہ ضروری نہیں کہ ہر ایک انسان یہ قلب رکھتا ہو۔ اگر سب آدمیوں کے یہ دل ہوتا تو اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا یہ قول کیسے بنتا اِنَّ[1] فِی ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَہٗ قَلْبٌ اس میں یہ ارشاد فرمایا کہ جو شخص قرآن سے نصیحت نہ مانے وہ قلب کا نادار ہے اور ہماری غرض قلب سے وہ گوشت کا ٹکڑا نہیں جو سینے کی ہڈیوں میں ہے بلکہ اس سے وہ لطیفہ مراد ہے جو عالم امر سے ہے۔ اور یہ گوشت کہ عالم خلق سے ہے اس لطیفے کا عرش ہے اور سینہ اس کی کرسی ہے اور تمام اعضاء اس کے عالم اور مملکت ہیں اور ہر چند خلق اور امر دونوں خدا ہی کے ہیں۔ لیکن لطیفۂ مذکورہ جس کی شان میں قُلِ[2] الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وہ امیر اور سلطان ہے اس واسطے کہ عالمِ امر اور عالمِ خلق میں ترتیب ہے اور اوّل دوسرے پر امیر ہے اور قلب وہ لطیفہ ہے کہ اگر وہ اچھا ہو تو تمام بدن اچھا ہو اور جو اس کو پہچان لے وہ اپنے نفس کو جان لے اور جو نفس کو جان لے وہ رب کو پہچان لے اور اس وقت بندے کے دماغ جان میں ان معانی کی ادنیٰ لپٹ پہنچے گی جو اس حدیث میں مراد ہیں اِنَّ[3] اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ اور جو لوگ اس حدیث کے ظاہر الفاظ ہی کو اٹھائے ہوتے ہیں یا جو کہ تاویل کے طریقوں میں بھٹکے ہوتے ہیں دونوں کے حال پر رحم کرے گا کہ دونوں فریق حقیقتِ امر سے محروم رہے مگر الفاظ ظاہری والوں پر زیادہ رحم کرے گا اس لیے کہ رحم بقدر مصیبت ہوا کرتا ہے اور جو لوگ کہ پابند الفاظ ظاہری ہیں ان پر زیادہ تر مصیبت ہے اور حقیقت امر اللہ کا فضل اور حکمت ہے جس کو چاہے دیوے اس میں کسی کا اختیار نہیں۔ اب چونکہ ہم ایسے مطالب میں آ پڑے کہ حکم معاملات کی بہ نسبت اعلیٰ ہیں اور ہم کو بیان علم معاملات کا منظور ہے اس لیے اصل مقصود کی طرف عنانِ التفات پھیر کر کہتے ہیں کہ اس بیان سے معلوم ہوا کہ درجۂ ہلاکت انہیں لوگوں کا ہو گا جو جاہل خدائے تعالیٰ کے جھٹلانے والے ہیں اور اس کی دلیلیں کتاب اللہ اور حدیث میں زائد از حد شمار ہیں ہمارے لکھنے کی کچھ ضرورت نہیں۔

دُوسرا رتبہ ان لوگوں کا ہے جن کو عذاب ہو گا یہ وہ فرقہ ہے کہ اصل ایمان تو رکھتے تھے مگر ایمان کے مقتضا کے موافق وَفا کرنے میں قصور کیا۔ مثلاً ایمان توحید ہے یعنی سوائے خدا کے اور کسی کی عبادت نہ کرنی۔ اب اگر کوئی شخص اپنی خواہش نفس کا اتباع کرے تو اس کا معبود وہی خواہش ہو گی اور وہ شخص صرف زبان سے توحید کہتا ہے اصل توحید اس کو حاصل نہیں توحید جب ہو جب کلمۂ[4] لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور اس قول خداوندی قُلِ[5] اللّٰہُ ثُمَّ ذَرْھُمْ فِیْ خَوْضِھِمْ یَلْعَبُوْنَ کے معنی ایک سمجھے اس طرح کہ غیر اللہ بالکل چھوڑ دے اور اس آیت کے معنی وہی جانے اِنَّ[6] الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا جس میں سوائے توحید کے راہ راست پر مستقیم ہونا بھی مذکور ہے اور از انجا کہ صراطِ مستقیم جس پر قائم ہونے سے توحید کامل ہوتی ہے بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے جیسا کہ پل صراطِ آخرت ہو گا۔ اس واسطے ہر ایک آدمی میں کچھ نہ کچھ میل اس راہِ راست سے ضرور ہوتا ہے کیونکہ ہر ایک بشر کسی قدر

---

[1] اس میں چوچنے کی جگہ ہے اس کو جس کو دل ہو ۱۲ [2] تو کہہ روح ہے میرے رب کے حکم سے ۱۲ [3] اللہ نے بنایا انسان کو اپنی صورت پر ۱۲ اس کی سند پہلے گذری ۱۲ [4] کسی کی بندگی نہیں سوائے اللہ کے ۱۲ [5] کہو پھر چھوڑ دے ان کو اپنی بک بک میں کھیلا کریں ۱۲ [6] مقرر جنہوں نے کہا رب ہمارا اللہ ہی ہے پھر ثابت رہے ۱۲

اتباع خواہش نفس کا ضرور ہی کرتا ہے گو کسی ذرا سے ہی کام میں ہو اور اتباع خواہش نفس سے توحید کے کمال میں فرق
آتا ہے جس قدر کہ آدمی کا میل راہ راست سے ہو اور یہ بات مقتضی اس امر کی ہے کہ درجات قرب میں بھی نقصان بیشک
واقع ہو۔ اور ہر نقصان کے ساتھ دو آگ لگی ہوتی ہیں۔ ایک آگ اس نقصان کی باعث کمال کے جدا ہو جائے گی اور
ایک آگ دوزخ کی جس کا وصف قرآن مجید میں موجود ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص راہ راست سے مائل ہوگا اس
کو دوہرا عذاب دو طرح سے ہوگا مگر اس عذاب کی شدت اور ہلکا پن اور زیادہ دنوں تک رہنا خواہ کم مدت رہنا
دو باتوں پر منحصر ہے۔ اول تو ایمان کی قوت وضعف پر دوم اتباع خواہش کی کثرت وقلت پر کیونکہ کوئی آدمی اکثر کے
اعتبار سے ان دونوں باتوں میں سے ایک ضرور ہی رکھتا ہے اور اسی جہت سے آتش کا گذر بھی ضروری ہے۔ چنانچہ
خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وان منکم الا واردھا کان علیٰ ربک حتما مقضیا ثم ننجی الذین اتقوا
ونذر الظالمین فیھا جثیا[1] اور باین لحاظ اکابر سلف خوف کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اس وجہ سے ڈرتے ہیں
کہ ورود آتش تو بموجب وعدہ الٰہی یقیناً ہے اور اس سے نجات ملنے میں شک ہے، حضرت حسنؓ نے جب وہ حدیث[2]
بیان کی جس میں اس شخص کا حال ہے کہ دوزخ سے ہزار برس کے بعد نکلے گا اور یا حنان یا منان کہہ کر پکارے گا تو فرمایا
کہ کیا خوب ہو جو وہ شخص میں ہی ہوں یعنی اس کا نکلنا تو قطعاً ہوگا گو مدت ہی کے بعد ہو اب یہ معلوم کرنا چاہیئے کہ
احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سب کے آخر میں جو دوزخ سے نکلے گا وہ سات ہزار برس کے بعد نکلے گا اور بعضے ایک
لحظہ ہی میں دوزخ کے پار ہو جائیں گے۔ چنانچہ روایتوں سے ثابت ہے کہ بعضے لوگ بجلی کی طرح گذر جائیں گے اور ان کو
ذرہ بھی توقف دوزخ میں نہ ہوگا اور ایک لحظہ اور سات ہزار برس کے درمیان بہت سے درجات مختلف ہیں۔ مثلاً
لحظہ سے زیادہ پھر اس سے زیادہ دن اور پھر ہفتہ اور پھر مہینہ اور سال وغیرہ تو مدت عذاب کا تفاوت اس حساب سے
بحساب معلوم ہوتا ہے اور کمی زیادتی کا حال یہ ہے کہ عذاب کی شدت کی کوئی انتہا نہیں اور ادنیٰ عذاب یہ ہے کہ حساب
میں الجھا دیا جائے۔ جیسے بادشاہان دنیا میں بعض کارندوں اہل تقصیر کے حساب میں تنگ گیری کیا کرتے ہیں اور پھر
معاف کر دیتے ہیں یا کوڑے لگوا کر یا اور کسی کا عذاب دے کر چھوڑ دیتے ہیں اور سوا ان دو اختلاف کے عذاب میں
ایک اور اختلاف ہے کہ وہ نہ مدت کا اختلاف ہے نہ شدت کا بلکہ قسم کا اختلاف ہے کہ کسی کو مثلاً جرمانہ ہی کیا اور کسی
کا مال منضبط ہوا اور اولاد قتل ہوئی اور اس کے گھر کی عورتیں لونڈی بنائی گئیں اور رشتہ داروں کو تکلیف دی گئی، زبان
اور ہاتھ اور ناک کان کاٹ ڈالے گئے وغیرہ اسی طرح آخرت کے عذاب میں بھی اختلاف ہوگا۔ جیسا کہ دلائل شرعی سے
ثابت ہوتا ہے۔ مگر اختلاف عذاب بحسب اختلاف قوت وضعف ایمان اور کثرت وقلت طاعات اور کمی بیشی گناہوں
کے ہوگا پھر جس قدر گناہوں کی برائی شدید اور کثیر ہوگی اسی قدر عذاب بھی شدید اور کثیر ہوگا اور جس قسم کی خطا ہوگی

ت[1] اور کوئی نہیں تم میں جو نہ پہنچے گا اس پر ہو چکا تیرے رب پر ضرور، پھر بچاویں گے ہم ان کو جو ڈرتے رہے اور چھوڑیں گے گنہگاروں کو اس میں اوندھے
گرے ۱۲ ح[2] احمد و ابو یعلیٰ بروایت آخر ۱۲

اسی قسم کا عذاب مختلف ہوگا۔ ارباب کشف کو باوجود آیات قرآنی یہ امر نورِ ایمان سے بھی منکشف ہوا ہے اور یہی مراد ہے اس آیت سے وما ربك بظلام للعبيد[1] اور اس سے اليوم تجزى كل نفس بما كسبت[2] اور اس سے وان ليس للانسان الا ما سعىٰ[3] اور اس سے فمن يعمل مثقال ذرة خيراً يره ومن يعمل مثقال ذرة شراً يره[4] اور سوا ان کے اور بہت سی آیات و احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اعمال کی جزا میں ثواب و عقاب عدل کے ساتھ ہوں گے جس میں ظلم نہ ہوگا اور عفو و رحمت کی جانب ترجیح رہے گی جیسا کہ حدیث قدسی میں ارشاد ہے کہ سبقت رحمتي غضبي[5] اور کلام مجید میں فرمایا وان تك حسنة يضاعفها ويؤت من لدنه اجراً عظيماً[6] اس سے معلوم ہوا کہ ارتباط درجات اور درکات کا حسنات اور سیئات سے دلائل شرعی اور نور معرفت دونوں سے کلیۃً ثابت ہے مگر تفصیل دار کے لیے صرف ظن غالب ہے اور اس کی دلیل حدیثیں ظاہر اور ایک طرح کا الہام ہے جو بچشم عبرت دیکھنے کے نور سے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ اب ہم کہتے ہیں کہ جو شخص اصل ایمان کو مضبوط کرکے تمام کبائر سے اجتناب کرے اور سب فرائض کو یعنی ارکان پنجگانہ اسلام کو اچھی طرح ادا کرے اور اس کے ذمے صرف چند صغیرہ ہوں گے جن پر اس نے اصرار نہ کیا ہو، تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس سے صرف مناقشہ حساب ہی ہوگا اور کسی قسم کا عذاب نہ ہوگا جب اس کے ہوتے پلہ حسنات کا سیئات سے بھاری پڑ جائے گا کیونکہ اخبار میں وارد ہے کہ نماز ہائے پنجگانہ اور جمعہ اور رمضان مبارک کے روزے بیچ کی خطاؤں کا کفارہ ہو جاتے ہیں اور کبائر سے بچنا تو قرآن سے ثابت ہے کہ صغائر کا کفارہ ہوتا ہے اور ادنیٰ درجہ کفارہ ہونے کا یہ ہے کہ اگر حساب کو دفع نہ کرے تو عذاب کو دفع کرے اور جس شخص کا حال مثل مرقومۂ بالا ہوگا اس کا پلہ بھاری ہوگا تو قیاس یہ چاہتا ہے کہ بعد پلہ بھاری ٹھہرنے کے اور حساب سے فارغ ہونے کے اچھی چین میں ہو جاتے۔ ہاں زمرۂ مقربین یا اصحاب یمین میں لاحق اور جنت عدن خواہ فردوس میں داخل ہونا منحصر اقسام ایمان پر ہے اس لیے کہ ایمان کی دو قسمیں ہیں ایک تقلیدی جیسے ایمان عوام کا ہے کہ جو کچھ سنتے ہیں اس کو سچ جانتے ہیں اور ہمیشہ اسی پر رہتے ہیں۔ دوسرا ایمان کشفی کہ نور ایمان سے سینہ کھل جانے پر حاصل ہوتا ہے اور اس میں سب موجودات جس طرح پر کہ اصل میں ہیں منکشف ہوتے ہیں اور واضح ہو جاتا ہے کہ سب کا مرجع خدائے تعالیٰ کی طرف ہے اس لیے کہ موجود سوا خدائے تعالیٰ اور اس کی صفات و افعال کے اور کچھ نہیں تو اس قسم کے ایمان والے مقرب ہوں گے اور ملاء اعلیٰ سے قرب نہایت درجے کا رکھتے ہوں گے اور فردوس اعلیٰ میں ان کا مقام ہوگا پھر ان کے بہت سے اصناف ہوں گے بعضے آگے بڑھے ہوں گے بعضے نہیں ہوں گے۔ غرضکہ جتنا تفاوت ان کی معرفت میں ہوگا اتنا ہی ان کے قرب میں ہوگا۔ معرفت میں درجات عارفین کے بے حد ہیں اس لیے کہ جلال خداوندی کی کنہ کو معلوم کرنا ناممکن ہے اس

---

[1] اور تیرا رب ایسا نہیں کہ ظلم کرے بندوں پر ۱۲ [2] آج بدلہ پاوے گا ہر جی جیسا کمایا تھا [3] اور یہ کہ آدمی کو وہی ملتا ہے جو کمایا تھا [4] سو جس نے ذرہ بھر بھلائی کی وہ دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی وہ دیکھ لے گا [5] بڑھ گئی میری رحمت میرے غضب سے مسلم بروایت ابوہریرۃ رض [6] اور اگر نیکی ہو تو اس کو دونا کرے اور دیوے اپنے پاس سے بڑا ثواب ۱۲

کی معرفت دریا تے ناپیدا کنار ہے جس کا نہ ساحل ہے نہ تھاہ۔ پھر اس میں جو لوگ غوطے لگاتے ہیں وہ اپنی طاقت کے موافق ہاتھ پاؤں مارتے ہیں یا جس قدر کہ ازل میں ان کے نام لکھ دیا ہے اسی قدر بہرہ یاب ہوتے ہیں۔ پس چونکہ طریق الی اللہ کے منازل بے نہایت ہیں تو سالکین کے درجات بھی بے نہایت ہوں گے۔ اب جو شخص ایمان تقلیدی رکھتا ہوگا وہ اصحاب یمین کے زمرے میں تو ہوگا مگر اس کا درجہ مقربین کے درجے سے کم ہوگا پھر اصحاب یمین کے بھی بہت مدارج ہوں گے۔ ان میں کا اعلیٰ رتبے والا مقربین کے ادنیٰ درجے والے کے قریب قریب ہوگا بہرحال اس شخص کا بیان ہوا جس نے تمام کبائر سے اجتناب کیا اور سب فرائض کو یعنی پانچوں ارکان اسلام نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، کلمہ شہادت زبان سے ادا کیا۔ اب اس شخص کا حال معلوم کرنا چاہیئے جس نے ایک یا زیادہ کبیرہ گناہ کیا ہو اور بعض ارکان اسلام کو چھوڑ دیا ہو ایسا شخص اگر موت کے وقت سے پہلے توبہ خالص کرے گا تب تو ایسا ہوگا جیسا وہ شخص تھا جس نے کبیرہ نہیں کیا تھا اس لیے کہ التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ[1] اور واقع ہے کہ کپڑا دھونے کے بعد میلا نہیں رہتا گویا کہ سرے سے میل اس پر لگا ہی نہ تھا اور اگر توبہ سے پیشتر مرے گا تب البتہ موت کے وقت اس کے حال کا خوف ہے کیونکہ موت اگر اس گناہ کے اصرار پر ہوگی تو کیا عجب ہے کہ ایمان لغزش کھا جاتے اور انجام ہو بُرا۔ خصوصاً جبکہ ایمان تقلیدی ہو کہ تقلید اگرچہ پختہ ہوتی ہے مگر ادنیٰ شبہ اور خیال سے ڈھیلی ہو جاتی ہے اور عارف اہل بصیرت پر خوف خاتمے کے بگڑنے کا نہیں اور یہ دونوں اگر ایمان پر مریں گے تو اگر معاف نہ ہوں گے حساب کی باز پرس کی نسبت کچھ زیادہ عذاب ہوگا اور اس عذاب سابق کی کثرت بقدر زیاتی مدت اصرار کے ہوگی اور شدت بحسب کبائر کے بُرائی کی اور قسم عذاب کا اختلاف موافق اختلاف اقسام خطاؤں کے ہوگا اور مدت عذاب کی پوری ہونے کے بعد بھولے مقلد تو اصحاب یمین کے درجات میں مل جائیں گے اور عارف اہل بصیرت اعلیٰ علیین میں چلے جائیں گے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص آخر کو دوزخ میں سے نکلے گا اس کو ساری دنیا کے دس گنا کے برابر ملے گا[2] اس سے غرض پیمائش اجسام نہ سمجھنی چاہیئے کہ اگر دنیا مثلاً ایک ہزار کوس کی ہو تو اس کو دس ہزار کوس زمین ملے گی۔ اس میں مثال بیان کرنے کے طریق سے ناواقفیت پائی جاتی ہے بلکہ اس کو یوں سمجھنا چاہیئے۔ مثلاً کوئی کہے کہ اس نے اونٹ لیا اور اس کا دس گنا اس کو دے دیا یعنی اگر اونٹ دس روپیہ کا تھا تو اس کو سو روپے دیئے اور اگر اس کے مثل ہی سمجھے تو ظاہر ہے کہ سو روپیہ اونٹ کا دسویں حصے کے بھی وزن میں برابر نہیں ہو سکتے البتہ مثال میں مقابلہ معانی اور ارواح اجسام کا ہوتا ہے نہ ان کے وجود اور شکل کا مثلاً اونٹ سے غرض اس کا وزن اور طول و عرض نہیں بلکہ مقصود اس کی مالیت ہے پس اس کی روح مالیت ہے اور گوشت و پوست اس کا جسم ہے تو سو روپیہ اس کے دس گنے باعتبار وزن روحانی کے ہیں نہ باعتبار وزن جسمانی کے اور جو شخص کہ مالیت نقد کی اور اونٹ کی جانتا ہے اس کے نزدیک سو روپیہ کو دس گنا اونٹ کا کہنا صحیح ہے۔ یہاں تک کہ اگر اس کو سو روپیہ کے عوض ایک جوہر جس کا وزن چند ماشہ اور مول سو روپیہ ہوتا دے دیتا اور کہتا کہ میں نے اس کو دس گنا دیا تو درست تھا مگر اس قول کی

---

[1] گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسا جس کے گناہ نہ ہوں ۱۲ اس کی سند گزر گئی ۱۲ [2] بخاری و مسلم بروایت ابوسعید رضہ ۱۲

راستی سوائے جوہریوں کے اور کوئی نہیں جان سکتا کیونکہ جوہر کی روح صرف آنکھ سے نہیں معلوم ہوتی اس کے لیے سوائے نظر ظاہری کے ایک اور دانائی کی بھی حاجت ہے اسی جہت سے اس قول کو لڑکا اور گنوار نہ مانے گا وہ کہیں گے کہ جوہر کا وزن تو چند ماشہ ہے اور اونٹ کا وزن اس سے ہزار گناہ زیادہ ہے۔ تو یہ شخص جو کہتا ہے کہ میں نے دس گنا دیا جھوٹ بولتا ہے۔ حالانکہ حقیقت میں یہ دونوں جھوٹے ہیں مگر ان کے نزدیک یہ بات جب سچی ہو جب ان دونوں کو وہ نور دل میں آجاتے جس سے کہ روح جوہر اول کی معلوم ہوتی ہے اور یہ بات لڑکے کو بعد بلوغ کے اور گنوار کو بعد تعلم کے آتی ہے اس وقت ان کو اس قول کی راستی معلوم ہوگی۔ اسی طرح عارف آدمی مقلد کو راستی اس حدیث شریف کی نہیں سمجھا سکتا کہ دنیا کی دس گنا جنت کس طرح ملے گی۔ مقلد یہ تقریر کرتا ہے کہ بموجب احادیث[1] جنت آسمانوں میں ہے اور آسمان دنیا میں شمار ہوتے ہیں تو پھر جنت اس کی دس گنی کس طرح ملے گی۔ یہی حال اس بالغ کا ہے جو لڑکے کو سمجھانے لگے کہ جوہر کس طرح بڑا ہے یا جوہری گنوار کو سمجھا دے کہ جوہر میں یہ قیمت ہوتی ہے اور جس طرح کہ جوہری کسی گنوار یا ناواقف کو قدر جوہر سمجھانے میں قابل رحم ہے اسی طرح جو عارف کہ کسی غبی جاہل کو یہ تقریر حدیث کی سمجھاتے تو وہ بھی قابل رحم ہے اور اسی جہت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے ارحموا[2] ثلاثۃ عالما بین الجھال و غنی قوم افتقر وعزیز قوم ذل ٭ اور اس سبب سے انبیاء بھی اپنی امت میں قابل رحم ہیں کہ نقصان عقل امت کی جہت سے جو کچھ ان کو صدمے ہوتے وہ ان کے حق میں اللہ کی طرف سے امتحان اور آزمائش تھی کہ بحکم تقدیر ازلی ان پر آپڑی تھی اور یہی مراد ہے اسی حدیث شریف میں کہ البلاء[3] موکل بالانبیاء والاولیاء ثم الامثل فالامثل ٭ پس بلا کو اس حدیث میں مثل مصیبت حضرت ایوب علیہ السلام کے نہ سمجھنا چاہیے جو بدن پر نازل ہوتی ہے بلکہ بلا سے وہی مصیبت و ایذا مراد ہے جو ناسمجھوں کے ساتھ معاملہ پڑنے سے ہوتی ہے۔ جیسے حضرت نوح علیہ السلام کو ایسے لوگوں سے کام پڑا تھا کہ جتنا انہوں نے ان کو خدا کی طرف بلایا اتنا ہی ان کو نفرت وگریز زیادہ ہوئی یا جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض لوگوں کے کلام سے ایذا ہوئی تو فرمایا کہ خدائے تعالیٰ رحم کرے میرے بھائی موسیٰ[4] پر کہ لوگوں نے ان کو اس سے زیادہ ستایا مگر انہوں نے صبر کیا۔ پھر جس طرح کہ انبیاء کو منکروں سے کام پڑتا ہے اور اس سے ان کی آزمائش ہوتی ہے اسی طرح اولیاء اور علماء کو بھی جاہلوں سے کام پڑتا ہے اور ان کے امتحان کا باعث ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اولیاء کسی نہ کسی طرح کی ایذا سے خالی نہیں ہوتے ان کا بھی امتحان لیا جاتا ہے بایں طور کہ شہر سے نکال دیتے جاتے تھے۔ سلاطین وقت کے سامنے ان کی چغلی کھاتے ہیں کچھ لوگ ان کے کفر پر گواہی دیتے ہیں اور کچھ بددین کہتے ہیں اور یہ تو ضروری ہے کہ جو لوگ اہل معرفت ہیں وہ جاہلوں کے

---

[1] بخاری بروایت ابوہریرہؓ ۱۲ [2] رحم کرو تین شخصوں پر عالم پر درمیان جاہلوں کے اور کسی قوم کے غنی پر جو فقیر ہوگیا اور کسی قوم کے عزیز پر جو ذلیل ہوگیا ہو ۱۲ ابن حبان در ضعفا بروایت انس اور اس کی سند میں عیسیٰ ضعیف ہے ۱۲ [3] بلا معین ہے انبیاء پر اور اولیاء پر پھر جو ان کے مشابہ ہوں پھر جو ان جیسے ہو ۱۲ ترمذی و ابن ماجہ بروایت سعید بن ابی وقاص اور اس میں اور ذکر نہیں ۱۲

[4] بخاری بروایت ابن مسعود ۱۲

نزدیک کافر ہیں۔ جیسے کہ کوئی اپنا اونٹ جوہر کے بدلے دے ڈالے تو جاہل اس کو بیوقوف اور مال اڑاؤ کہیں گے۔ جب تم کو یہ تحقیق معلوم ہو چکی اب ایمان لانا چاہیے کہ واقع میں جو مضمون حدیث[ح] شریف میں مذکور ہے کہ دوزخ سے پچھلا شخص جو نکلے گا اس کو دس گنا دنیا کے برابر ملے گا، بیشک درست و بجا ہے اور خبردار کہیں ایسا نہ ہو کہ تصدیق کو منحصر ایسی چیزوں پر کرو جو حواس سے اور آنکھ سے معلوم ہوتی ہیں ایسا کرو گے تو خاصے دو پاؤں کے گدھے بنو گے اس لیے کہ حواس خمسہ سے جاننے میں تو گدھا بھی تمہارا شریک ہے تم کو جو گدھے سے تمیز ہے تو اسی لطیفے کی جہت سے ہے جو آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں پر پیش ہوا اور سب نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور جو چیز عالم حواس سے خارج ہے وہ اسی لطیفے سے معلوم ہوتی ہے جس سے آدمی گدھے اور تمام حیوانوں سے ممتاز ہے پس جو شخص اس کو بیکار کر دے اور اس سے کام نہ لے اور محسوسات تک اپنی معلومات محدود کر دے آگے نہ بڑھے صرف بہائم کے درجے پر قانع ہو وہ اپنے نفس کو خرابی میں ڈالتا ہے۔ اے برادران دینی تم ایسے نہ ہو اس لیے کہ جو شخص صرف محسوسات ہی کو ادراک کرے گا تو خدا کو بھول جائے گا۔ کیونکہ خدا کی ذات تو حواس سے قابل ادراک نہیں اور جو خدا کو بھولے گا خدا تعالیٰ اس کو اس کا نفس بھلا دے گا۔ یعنی پھر ترقی اوپر کو نصیب نہ ہو گی، بہائم ہی میں رہ جائے گا اس وجہ سے کہ جو امانت خداوندی تھی اس میں اس نے خیانت کی اور اس کی نعمت کا منکر ہوا اور اپنے آپ کو اس کے انتقام کے لیے پیش کیا بلکہ ایسے شخص کا حال تو بہیمہ سے بھی برا ہو گا اس واسطے کہ بہیمہ کو مرنے پر چھٹی تو ہو جائے گی اور اس شخص کا یہ مآل ہو گا کہ امانت مالک کے سپرد کرنی پڑے گی کیونکہ امانت کا ٹھکانا اور رجوع اسی کی طرف ہے اور یہ امانت آفتاب تاباں کی طرح تھی اس بدن فانی میں آ کر غروب ہو گئی مگر جب یہ قالب بگڑے گا تو وہی امانت پھر غروب ہونے کی جگہ سے نکلے گی اور اپنے پیدا کرنے والے کے پاس چلی جائے گی۔ یا تو دھندلی کسوف لگی نکلے گی یا چمکتی دمکتی ہوئی ہو گی۔ چمکتی کو تو دربار کی حضوری سے کچھ حجاب نہ ہو گا اور دھندلی بھی وہاں ہی پہنچے گی کیونکہ وہ دربار تو مرجع کل ہے مگر اوندھے منہ پہنچے گی اس کا رخ اعلیٰ علیین کی طرف سے اسفل السافلین کی طرف کو پھرا ہو گا اور اسی واسطے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:[ت۲] "وَلَوْ تَرٰی اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ" اس آیت سے معلوم ہوا کہ مجرم بھی پروردگار کے پاس ہوں گے مگر اوندھے منہ ہوں گے کہ ان کے چہرے پشت کی طرف بدل گئے ہوں گے اور اس میں کچھ اختیار نہیں جو شخص توفیق سے محروم رہتا ہے اس پر خدا کا حکم اسی طرح ہے۔ خدا تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے جاہلوں کے مقام پر نہ پہنچائے اور گمراہی سے بچائے یہ ہے بیان تفریق ان لوگوں کا جو دوزخ سے نکل کر دنیا سے دس گنا زیادہ پائیں گے۔ اب یہ معلوم کرنا چاہیئے کہ دوزخ سے بجز موحد کے اور کوئی نہیں نکلے گا اور ہماری غرض اس توحید سے یہ نہیں کہ زبان سے کہہ لیا لا الٰہ الا اللہ، کیونکہ زبان عالم ظاہری سے ہے اس کا فائدہ فقط دنیا ہی تک ہوتا ہے مثلاً جو صرف زبان سے یہ کلمہ کہتا ہے اس کی گردن نہیں ماری جاتی اس کا مال لوٹ سے محفوظ رہتا ہے اور ظاہر ہے کہ گردن اور مال کی مدت زندگی تک ہے تو جس جگہ کہ نہ گردن ہو گی نہ مال وہاں زبان سے لا الٰہ الا اللہ کہنا کیا فائدہ دے گا وہاں توحید کا کمال اور اس کا سچا ہونا کام آئے گا اس طرح کہ

ح اس کی سند اوپر گزری ۱۲ ت۔ ۲ اور کبھی تو دیکھے جس وقت منکر سر ڈالے ہوں گے اپنے رب کے پاس ۱۲

تمام امور کو خدا کی طرف سے جانے اور پہچانے اور اس کی پہچان یہ ہے کہ خلق میں سے کسی پر غصہ نہ ہو گو اس کے ساتھ کوئی کچھ سلوک کرے کیونکہ جب سب چیزیں خدا کی طرف سے ہیں تو خلق خدا صرف ذریعہ ہیں، مسبب الاسباب سب کی تو وہی ایک ذات ہے۔ چنانچہ اس کی تحقیق باب توکل میں آئے گی۔ اس توحید میں بھی لوگ مختلف درجے کے ہیں بعضوں کی توحید پہاڑ کے برابر ہے اور بعضوں کی مثقال کے برابر اور بعضوں کی رائی کے برابر پس جس کی توحید دینار کے برابر ہو گی وہ دوزخ سے اول نکلے گا۔ حدیث شریف میں ہے کہ اخرجوا من النار من فی قلبہ مثقال دینار من الایمان اور سب سے پیچھے جو دوزخ سے نکلے گا وہ وہ ہو گا کہ اس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہو گا اور مثقال اور ذرے کے درمیان بہت تفاوت اور مدارج ہیں کہ ان کے بموجب نکلتے جائیں گے یعنی اول مثقال کے طبقے کے لوگ پھر اس سے کم پھر اس سے کم حتیٰ کہ آخر میں ذرہ برابر ایمان والوں کی جماعت نکلے گی اور وزن مثقال و ذرہ کو بطور ضرب المثل سمجھنا چاہیئے جیسا کہ ہم جنس و نقد کے عوض کے باب میں لکھ چکے ہیں۔ اور موحدین جو دوزخ میں جائیں گے تو اس کی غالباً وجہ یہی ہو گی کہ لوگوں کے حق ان کے ذمے ہوں گے اور یہ حقوق بموجب حدیث شریف کے چھوٹنے کے نہیں۔ باقی اقسام گناہوں کی قابل عفو و تکفیر ہیں چنانچہ روایت ہے کہ بندہ خدا تعالیٰ کے سامنے کھڑا کیا جائے گا اور اس کی نیکیاں پہاڑوں کے برابر ہوں گی کہ اگر اس کے پاس رہتیں تو جنتی ہوتا مگر اس وقت اہل حقوق جن پر اس نے ظلم کیا ہو گا کھڑے ہوں گے بعضوں کو تو گالی دی ہوں گی اور بعضوں کو مارا ہو گا، بعضوں کا مال لے لیا ہو گا پس اس کی نیکیوں میں سے ان لوگوں کو دیا جائے گا یہاں تک کہ اس کے پاس ایک نیکی بھی نہ بچے گی، فرشتے عرض کریں گے کہ خداوندا اس شخص کی نیکیاں تو ختم ہو چکیں اور ابھی طالب بہت باقی ہیں اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ ان لوگوں کی بدیوں میں سے اس کی بدیوں پر اضافہ کر دو اور دوزخ کے نام ایک قبالہ اس کے لیے لکھ دو۔ اور جس طرح کہ آدمی دوسرے کے بدلے اس کی بدیوں کے سبب ہلاک ہوتا ہے اسی طرح مظلوم آدمی کے پاس جب ظالم کی نیکیاں ظلم کے بدلے میں آتی ہیں تو اس کی نجات ہو جاتی ہے۔ ابن جلاء صوفی کے حال میں لکھا ہے کہ ان کے کسی بھائی نے ان کی غیبت کی بعد اس کے معاف کرانے کے لیے آدمی بھیجا انہوں نے فرمایا کہ میں معاف نہیں کروں گا میرے نامۂ اعمال میں اس سے بڑھ کر کوئی نیکی نہیں میں اسے کیسے مٹا دوں اور یہ بھی کہا کہ یہ غیبت اور جو بھائیوں نے مجھ سے کہا تو ان کے حق میں گناہ ہیں مگر میرے لیے حسنات ہیں تو میں چاہتا ہوں کہ اپنے نامۂ اعمال کو ان سے زینت دوں، یہ ہے جو آخرت میں درجات سعادت و شقاوت میں لوگ مختلف ہوں گے۔ مگر ہم نے جو حکم ہر ایک فرقے کا لکھا تو باعتبار ظاہر اسباب کے لکھا ہے۔ جیسے طبیب ایک بیمار کو کہہ دیتا ہے کہ یہ بیشک مر جائے گا اس کا مرض قابل علاج نہیں اور دوسرے بیمار کو کہتا ہے کہ اس کی بیماری بہت خفیف ہے اور علاج بھی آسان تو یہ قول طبیب کا ان دونوں کے حق میں باعتبار اکثر احوال کے ہے ورنہ بعض اوقات قریب مرگ زندہ ہو جاتا ہے اور خفیف مرض والا چل دیتا ہے طبیب کو خبر نہیں ہوتی۔ غرضکہ یہ امر اللہ تعالیٰ کے خفیہ اسرار میں سے ہے جو زندہ آدمیوں کی روحوں میں رکھے ہیں اور ایسے دقیق اسباب

ح ا نکالو دوزخ میں سے اس شخص کو جس کے دل میں دینار کے برابر ایمان ہو ۱۲ اس کی سند اوپر گذری جلد سوم میں ۱۲

ہیں کہ مسبب الاسباب نے ایک وقت و اندازہ مقرر پر ان کو مرتب کر رکھا ہے آدمی کی طاقت نہیں کہ ان کی کنہ کو جان سکے اسی طرح آخرت کی نجات و فلاح کے بھی اسباب خفیہ ہیں کہ ان کی اطلاع آدمی کی طاقت سے باہر ہے جس سبب خفی سے نجات ہوتی ہے اس کو عفو اور رضا کہتے ہیں اور جو موجب ہلاکت ہے اس کو غضب اور انتقام سے تعبیر کرتے ہیں اور ان کے سوا ایک اور مشیت ازلی الٰہی کا بھید ہے جس کی اطلاع خلق کو نہیں ہوتی اس لیے ہم پر واجب ہے کہ گنہگار پر عفو کو جائز جانیں گو اس کی خطائیں ظاہری بہت ہوں اور غضب کو مطیع پر روا سمجھیں اگرچہ طاعات ظاہری زیادہ ہوں اس لیے کہ اعتبار تقویٰ کا ہے اور تقویٰ ایسی چیز دقیق دل میں ہے کہ خود متقی کو اس پر اطلاع نہیں ہوتی دوسرے کو کس طرح ہو پھر بھی ارباب قلوب پر یہ بات منکشف ہوتی ہے کہ جب بندے میں کوئی سبب خفی عفو کا مقتضی ہوتا ہے جب ہی عفو ہوا کرتا ہے اور غضب بھی جبھی ہوتا ہے جب کوئی سبب باطنی مقتضی بعد کا خدا سے ہو اور اگر یہ بات نہ ہو تو عفو اور غضب اعمال و اوصاف کی جزا نہ ہو اور اگر جزا نہ ہو تو عدل نہ ہو اور عدل نہ ہو تو یہ آیت نہ بنے وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ[1] اور یہ آیت اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ[2] حالانکہ یہ سب قول صحیح ہیں اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو وہی ملے گا جو اس نے کیا ہوگا اور اپنی کمائی کو خود وہی بھگتے گا۔ کردنی خویش آمدنی پیش اگر انسان کجروی کرے گا تو خدائے تعالیٰ اس کے دل کو کج کر دے گا جب وہ اپنے نفس کو بدلتا ہے تو خدا تعالیٰ بھی اس کی حالت بدل دیتا ہے چنانچہ ارشاد فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ[3] اور یہ سب باتیں اہل دل کو آنکھ کے دیکھنے سے بھی زیادہ واضح ہوئی ہیں۔ کیونکہ آنکھ کے دیکھنے میں غلطی کا احتمال ہے کہ کبھی بڑے کو چھوٹا دیکھتا ہے اور دور کو نزدیک اور دل کے مشاہدے میں غلطی نہیں ہوتی اس کو یہ کیفیت بعد بصیرت کے کھلنے کے حاصل ہوتی ہے اور اس کے بعد ہی دیکھا کرتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کذب کا تصور نہیں ہو سکتا اور اس کی طرف اشارہ ہے اس آیت میں مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى[4]

تیسرا رتبہ: نجات والوں کا ہے اور نجات سے ہماری غرض صرف بچنے سے ہے نہ سعادت و فلاح سے یہ لوگ ایسے ہوں گے کہ نہ انہوں نے خدمت کی کہ خلعت ہو اور نہ قصور کیا جو عذاب ملے اور غالب ہے کہ یہ حال کفار میں سے مجنونوں اور لڑکوں کا اور بیہوشوں اور ان لوگوں کا ہوگا جن کو دعوت اسلام نہ پہنچی ہو اور شہروں سے علیحدہ رہتے ہوں اور جہالت اور عدم معرفت پر ان کی عمر کٹ گئی ہو ایسے لوگ کو نہ معرفت ہے نہ انکار نہ طاعت ہے نہ معصیت نہ کوئی وسیلہ ہے کہ قرب الٰہی حاصل ہو نہ کوئی خطا ہے جو خدا سے دور کرے اسی لیے اس قسم کے لوگ نہ اہل جنت ہیں نہ دوزخی بلکہ ایک ایسی جگہ رہیں گے جو جنت دوزخ کے درمیان ہے اور جس کو شرع میں اعراف کہتے ہیں اس مقام میں کچھ فرقوں کا خلق میں سے رہنا تو آیات و احادیث سے یقیناً ثابت ہے اور نور بصیرت سے ایسا ہی کچھ پایا ہے مگر کسی خاص فرقے کو یہ کہنا کہ یہ بھی اعراف میں قطعاً رہیں گے یہ امر ظنی ہے۔ مثلاً لڑکوں کو کفار کے اعراف میں رہنے کا امر مظنون ہے یقینی نہیں اور اس کی

---

[1] اور تیرا رب ایسا نہیں کہ ظلم کرے بندوں پر ۱۲ [2] اللہ حق نہیں رکھتا کسی کا ذرہ کے برابر ۱۲ [3] اللہ نہیں بدلتا کسی قوم کو جب تک وہ نہ بدلیں جو ان کے بیچ میں ہے ۱۲ [4] جھوٹ نہ دیکھا دل نے جو دیکھا ۱۲ ح حاکم بروایت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲

اطلاع ٹھیک ٹھیک عالم نبوت میں ہے اولیاء وعلماء کے رتبے کی ترقی اس درجے تک بعید ہے۔ علاوہ ازیں لڑکوں کے باب میں اخبار بھی مختلف ہیں یہاں تک کہ جب ایک لڑکا مر گیا حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا کہ جنت کی چڑیوں میں سے ایک چڑیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا اس صورت میں اشتباہ اس مقام میں غالب تر ہے۔

چوتھا رتبہ فلاح والوں کا ہے یہ لوگ بدون تقلید کے عارف ہوں گے اور وہی مقرب اور سابق ہیں اس لیے کہ مقلد کو اگر فی الجملہ کسی مقام میں جنت کے فوز ہو گا بھی تو اصحٰب یمین میں ہی سے رہے گا اور یہ لوگ مقرب ہوں گے اور جو کچھ ان کو ملے گا حد بیان سے باہر ہے اور جس قدر بیان ہو سکتا ہے وہ وُہ ہی ہے جو قرآن شریف میں مذکور ہے خدائے تعالیٰ کے بیان سے زیادہ کیا کوئی کہے گا اور جس بات کی تعبیر اس عالم میں نہیں ہو سکتی اس کو خدائے تعالیٰ نے بطور اجمال ارشاد فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ[۱] اور حدیث قدسی میں ارشاد فرمایا اُعْدَدْتُ لِعِبَادِيَ الصَّالِحِيْنَ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ اور عارفوں کا مقصود وہی حالت ہوتی ہے جو کسی بشر کے دل پر اس عالم میں نہیں گذر سکتی اور حور وقصور ومیوہ جات اور دودھ اور شہد اور شراب اور کنگن وزیور جو جنت کی اشیاء ہیں ان پر عارفوں کو حرص نہیں ہوتی اور اگر ان کو یہ چیزیں دی جائیں گی تو انہیں پر قناعت نہ کریں گے بلکہ طالب لذت دیدار الٰہی ہوں گے کہ غایت سعادت اور انتہائے لذت وہی ہے اور اسی واسطے جب رابعہ عدویہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کی رغبت جنت میں کیا ہو گی انہوں نے فرمایا کہ اوّل صاحبِ خانہ پھر خانہ، حاصل یہ کہ ان لوگوں کے دلوں میں صاحبِ خانہ یعنی خداوند کریم کی محبت ایسی بسی ہوتی ہے کہ ان کو خانہ یعنی جنت اور اس کی آرائش کی کچھ پرواہ نہیں بلکہ سوائے محبوب کے کسی چیز کی تمنا نہیں یہاں تک کہ اپنے نفس سے بھی اس کے عشق میں بےخبر ہوتے ہیں اور ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی عاشق اپنے معشوق کے دیکھنے کی فکر میں ڈوبا ہو اس حال میں اس کو اپنے نفس کی خبر نہیں ہوتی اور جو صدمہ ان کو بدن پر پہنچتا ہے ذرا نہیں معلوم ہوتا اس حالت کو فنا فی المحبوب کہتے ہیں یعنی اس کی نوبت اس درجے کو پہنچ گئی کہ سوائے محبوب کے اور کوئی چیز اس کے پیش نظر نہیں، نہ دل میں غیر محبوب کی گنجائش باقی تاکہ اس کی طرف التفات کرے وہ غیر ہو خواہ اس کا نفس ہو یا دوسری کوئی چیز ہو اس حالت سے آخرت میں وہ چیز عنایت ہو گی جو اس دنیا میں کسی بشر کے دل میں نہیں آسکتی جیسے کہ صورت رنگ وآواز کی بہرے اندھے آدمی کے دل پر مفہوم نہیں ہوتی لیکن اگر اس کے کان اور آنکھ کا حجاب دور ہو جائے تو ان چیزوں کا حال معلوم کرنے لگے گا اور جان لے گا کہ واقع میں پیشتر میرے دل میں ان کا آنا متصور نہ تھا، اسی طرح دنیا بھی درحقیقت ایک حجاب ہے اس کے اٹھنے سے آدمی کو لذت حیات طیب کی معلوم ہوتی اور اس مضمون کا ادراک ہوتا ہے کہ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ[۲] لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ پس اس قدر

---

[۱] سو کسی جی کو معلوم نہیں جو چھپا دھرا ہے ان کے واسطے جو ٹھنڈک ہے آنکھوں کی ۱۲ ع تیار کیا میں واسطے اپنے بندوں کے جو نہ آنکھ نے دیکھا اور نہ کان نے سنا نہ کسی آدمی کے دل پر گذرا ۱۲ ق [۲] اور پچھلا گھر جو ہے وہی ہے جینا اگر ہوتے جانتے ۱۲ ۔

بیان تقسیم درجات کا حسنات پر کافی ہے اور اللہ ہی کے ہاتھ توفیق ہے۔

صغیرہ گناہ کیونکر کبیرہ ہو جاتے ہیں

جاننا چاہیے کہ صغیرہ چند اسباب سے کبیرہ ہو جاتا ہے ان میں سے ایک اصرار و مواظبت ہے اور اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ اصرار کے ساتھ کوئی سا گناہ صغیرہ نہیں اور نہ استغفار کے ساتھ کوئی کبیرہ اس کا حاصل یہ ہوا کہ اگر آدمی ایک کبیرہ کر کے باز رہے اور پھر دوسرا کبیرہ نہ کرے اگر یہ ممکن ہو تو توقع عفو کی اس صورت میں زیادہ بہ نسبت گناہ صغیرہ کے جس پر مداومت کی جائے اور اس کی مثال یہ ہے کہ اگر پتھر پر پانی کا ایک ایک قطرہ پے در پے گرتا رہے تو اس میں نشان پڑ جاتے گا اور اگر سارا پانی اسی مقدار جتنا قطروں میں گرا ہے ایک دفعہ پتھر پر ڈال دیا جائے تو کچھ نشان نہ ہوگا اسی تاثیر کی جہت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ خیر الاعمال ادومہا وان قل[ح۱] اور چونکہ چیزیں اپنی ضدوں سے معلوم ہوا کرتی ہیں تو جب اس حدیث سے یہ پایا گیا وہ عمل دائم گو قلیل ہو نافع ہوتا ہے اس لیے معلوم ہوا کہ بہت سا عمل جو آدمی ایک ہی بار کرے اس سے دل کی جلا و تطہیر میں نفع کم ہوتا ہے اسی طرح گناہ صغیرہ پر اگر آدمی دوام کرے تو اس کی تاثیر دل کو میلا اور تاریک کرنے میں زیادہ ہوگی۔ مگر اتنی بات ہے کہ آدمی کا گناہ کبیرہ پر یکبارگی مرتکب ہو جانا بدون اس کے کہ اس سے پہلے اور پیچھے گناہ صغیرہ نہ کرے کمتر پایا جاتا ہے۔ مثلاً زانی جب زنا کرتا ہے تو یہ کم ہوتا ہے کہ پہلے ارادہ اور مقدمات زنا کرے اسی طرح قاتل یکایک قتل نہیں کر بیٹھتا جب تک کہ پہلے سے دشمنی اور عداوت نہ ہو اور اسی طرح ہر ایک کبیرہ کے ارتکاب میں ضمناً ابتداء و انتہاء میں صغیرہ بھی پائے جاتے ہیں اور اگر بالفرض کوئی ایسا کبیرہ سرزد ہو جائے کہ اس کے ارتکاب میں صغیرہ نہ کرنا پڑے یکایک کبیرہ ہی ہو جاوے اور دوبارہ اس کے کرنے کی نوبت نہ آئے تو غالباً اس کے معاف ہونے کی توقع زیادہ ہے بہ نسبت اس صغیرہ کے جس پر انسان عمر بھر مواظبت کرے۔ اور ایک سبب صغیرہ کے کبیرہ ہو جانے کا یہ ہے کہ گناہ کو چھوٹا جانے کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جتنا آدمی اپنے گناہ کو زیادہ سمجھے گا وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک چھوٹا ہوگا اور جتنا گناہ کو صغیرہ جانے گا وہ خدا کے نزدیک کبیرہ ہوگا۔ اس واسطے کہ گناہ کو بڑا سمجھنا اس بات کی دلیل ہے کہ دل میں کراہت و نفرت اس گناہ کی موجود ہے۔ اسی لیے اس کی تاثیر بھی دل میں خوب نہیں ہوتی۔ اور گناہ کو چھوٹا جاننے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دل کو اس کے ساتھ الفت ہے اور اسی وجہ سے دل میں اس کا اثر بہت ہوتا ہے اور طاعات سے مطلب یہی ہے کہ دل میں روشنی ہو جائے اور خطاؤں سے یہی خوف ہے کہ دل پر سیاہی نہ آئے اور یہی وجہ ہے کہ جب آدمی سے کوئی بات غفلت میں ہو جائے تو اس پر مؤاخذہ نہیں ہوتا کیونکہ غفلت میں دل پر تاثیر نہیں ہوتی۔ اور حدیث شریف[ح۲] میں وارد ہے کہ مومن اپنے گناہ کو ایسا جانتا ہے کہ گویا ایک پہاڑ اوپر آگیا ہے اب سر پر گر پڑے گا۔ اور منافق اپنی خطا کو ایسا سمجھتا ہے جیسے ناک پر مکھی بیٹھی اور اس کو اڑا دیا اور بعض اکابر کا قول ہے کہ جس گناہ کی مغفرت نہیں ہوتی وہ

ح۱ بہتر اعمال کے وہ ہیں جو ہمیشہ کو رہیں گو تھوڑے ہوں ۱۲ بخاری و مسلم بروایت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بلفظ احب الاعمال ۱۲

ح۲ بخاری بروایت حارث بن سعید ۱۲

وہ گناہ ہے کہ جس کے بعد آدمی یہ کہے کہ کیا اچھا ہوتا جو تمام گناہ میں نے کیے ہیں سب ایسے ہی ہوتے اور ایمان دار کے دل میں گناہ کی عظمت کی یہ وجہ ہے کہ اس کو خدا تعالیٰ کے جلال کا علم ہوتا ہے جب اس کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ میں نے اس گناہ سے کس کی نافرمانی کی تو صغیرہ بھی نظروں میں کبیرہ سوجھتا ہے۔ روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی پہ وحی بھیجی کہ ہدیہ کی کمی کا لحاظ مت کر بلکہ یہ دیکھ کہ جس نے بھیجا ہے وہ کتنا بڑا ہے اور اپنی خطا کے چھوٹا ہونے کو مت دیکھ بلکہ اس بات کا لحاظ کر کہ اس خطا سے تو نے کس کا مقابلہ کیا ہے اور اسی اعتبار سے بعض عارفوں کا مقولہ ہے کہ صغیرہ گناہ کا وجود ہی نہیں جس امر میں مخالفت الٰہی ہو وہ کبیرہ ہی ہے اسی طرح بعض صحابہؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے تابعین کو ارشاد فرمایا کہ تم ایسے عمل کرتے ہو کہ تمہاری نظروں میں وہ بال سے بھی زیادہ باریک ہیں حالانکہ ہم ان کو زمانۂ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مہلکات میں سے سمجھتے تھے اس کی وجہ یہی ہے کہ صحابہ کو جلال کبریائی بوجہ کامل معلوم تھا اسی لیے صغیرہ گناہ بھی ان کے نزدیک باعتبار جلال خداوندی کے کبیرہ تھے اور اسی وجہ سے عالم شخص سے بعض باتیں بری معلوم ہوتی ہیں بہ نسبت جاہل کے اور عامی سے بعض باتیں درگزر کر دی جاتی ہیں حالانکہ عارف سے ویسی ہی باتوں میں درگزر نہیں ہوتی کیونکہ گناہ اور مخالفت اسی قدر بڑے ہوتے ہیں جس قدر کہ کرنے والے کی معرفت زیادہ ہوتی ہے۔ اور ایک سبب صغیرہ کے کبیرہ ہونے کا یہ ہے کہ گناہ کر کے خوش ہو اور فخر کرے اور جانے کہ مجھ سے جو یہ کام ہوا تو خدا کی نعمت کے سبب سے ہوا اور اسباب سے غافل ہو کہ یہ قصور بموجب شقاوت ہے پس جس قدر کہ صغیرہ کا آدمی کو مزہ معلوم ہوگا اتنا ہی وہ بڑا ہوگا اور دل کی تاریکی میں اس کی تاثیر بھی قوی ہوگی یہاں تک کہ بعض گناہ گار ایسے ہوتے ہیں کہ اپنی خطا کی داد چاہتے ہیں اور اس کے ارتکاب سے نہایت شیخی بگھارتے ہیں۔ مثلاً مناظرہ والا کہتا ہے کہ کیوں تم نے دیکھا کہ ہم نے فلاں شخص کو کیسا فضیحت کیا اور کیسے عیب بیان کیے کہ خجالت زدہ کر دیا اور کیسا بنایا اور خفیف کیا۔ اور تاجر کہتا ہے کہ دیکھو ہم نے کھوٹی چیز کیسی دے ڈالی اور اس کو فریب دے دیا اور اس کے مال میں کیسا اس کو دم دیا اور الو بنایا وغیرہ اس قسم کی باتیں ایسی ہیں کہ ان سے صغیرہ گناہ کبیرہ ہو جاتا ہے اس لیے کہ گناہ مہلکات میں سے ہیں جب آدمی ان میں مبتلا ہو جاتے اور شیطان کی بن پڑے کہ اس سے اپنی مرضی کے موافق کام لے تو اس امر میں مقام افسوس اور مصیبت کا ہے کہ دشمن اپنے اوپر غالب ہوا اور اپنے آپ کو دوری خدائے تعالیٰ سے حاصل ہوتی۔ دیکھو اگر بیمار کسی برتن میں دوا پیتا ہے اور وہ اتفاق سے ٹوٹ جاتے اور اس کے ٹوٹنے سے بیمار کو اس وجہ سے خوشی ہو کہ اب رنج دوا پینے کا جاتا رہا تو اس کے اچھا ہونے کی توقع نہ رہے گی۔ اور ایک وجہ صغیرہ کے کبیرہ ہونے کی یہ ہے کہ خدا کی پردہ پوشی اور مہلت دینے اور حلم کرنے کا اس کی عنایت کا باعث سمجھے اور بایں لحاظ گناہ کے ترک کرنے میں کاہلی کرے اور یہ نہ جانے کہ مہلت دینے سے خدائے تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ اور زیادہ گناہ کر لے تو یہ مہلت دلیل خفگی کی ہے جس کو یہ شخص موجب عنایت سمجھا ہے پس معلوم ہوا کہ خدائے تعالیٰ کے عذاب سے مامون ہے اور خدا پر مغالطہ کھانے سے ناواقف ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ویقولون[1] فی انفسھم لو لا

---

[1] اور کہتے ہیں اپنے دل میں کیوں نہیں عذاب کرتا ہم کو اللہ اس پر ہم کہتے ہیں بس ہے ان کو دوزخ بیٹھیں گے سو بری جگہ ہے

یعذ بنا اللہ بما نقول حسبھم جھنم یصلونھا فبئس المصیر ط اور ایک سبب صغیرہ کے کبیرہ ہونے کا یہ ہے کہ گناہ کر کے اس کو کہتا پھرے یا دوسرے کے سامنے کرے اس لیے کہ اس میں اوّل تو خدا کی پردہ پوشی کو دور کرنا ہے اور دوسرے غیر شخص کو اس گناہ کی رغبت دینی، تو گویا ایک گناہ کے ضمن میں دو خطائیں ہوئیں اسی جہت سے وہ قصور زیادہ ہو گیا اور اگر دوسرے سے کہنے پر اتنی بات اور کرے کہ اس کے لیے سامان اس کے قصور کا جمع کر دے تو چوتھا قصور ہو گا اور نہایت خراب بات ہو گی۔ اور حدیث شریف میں وارد ہے[ح ۱] کہ سب آدمیوں کے قصور معاف ہوں گے مگر ان لوگوں کے جو افشا کرتے ہیں کہ رات کو کوئی قصور کیا جس کو خدا نے پوشیدہ رکھا مگر انہوں نے صبح کو اُٹھ کر خدا کے پردے کو توڑ ڈالا اور اپنے گناہ کو کہہ دیا اور ایسے شخص کے قصور معاف نہیں ہوں گے۔ یہ وجہ ہے کہ صفات و انعامات خداوندی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اچھی بات کو ظاہر کرتا ہے اور عیوب کو چھپاتا ہے اور پردہ فاش نہیں فرماتا تو اپنے عیب کو ظاہر کرنا اس نعمت کی ناشکری ہے اور بعض اکابر فرماتے ہیں کہ اوّل تو آدمی کو گناہ ہی نہ کرنا چاہیئے اور اگر کرے بھی تو دوسرے کو ترغیب نہ دے ورنہ دو گناہ کا مرتکب ہو گا اور بایں لحاظ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے[ت ۲] المنافقون والمنافقات بعضھم من بعض یامرون بالمنکر وینھون عن المعروف اور بعض سلف کا قول ہے کہ آدمی اپنے بھائی مسلمان کی پردہ دری اس سے بڑھ کر نہیں کرتا کہ اس کی مدد کسی گناہ میں کرے اور پھر اس قصور کو اس پر آسان کر دے۔ اور ایک وجہ کبیرہ ہو جانے کی یہ ہے کہ گناہ کرنے والا عالم مقتدا ہو تو عالم شخص جب کوئی صغیرہ گناہ کرے اس طرح کہ اس کی دیکھا دیکھی اور لوگ بھی کرنے لگیں تو یہ گناہ اس کے حق میں کبیرہ ہو جائے گا۔ مثلاً اگر حریری کپڑا پہنے یا سونے کی سواری میں سوار ہو یا شبہے کا مال لے لے یا بادشاہوں کے پاس آمد و رفت رکھے اور ان کے حال کو بُرا نہ جانے بلکہ ان کی موافقت کرے یا مسلمانوں کی عزت میں زبان درازی کرے یا مناظرے میں سخت سُست بکے یا کسی کو خفیف کرنے کا ارادہ ہو یا علوم میں سے ایسے علوم سیکھے جن سے صرف جاہ حاصل ہوتا ہے جیسے علم مناظرہ اور مجادلہ وغیرہ پس اس طرح کے قصور عالم کے ایسے ہیں کہ لوگ ان کی سند پیش کیا کرتے ہیں، عالم تو مرجاتا ہے مگر اس کی بُرائی باقی رہتی ہے اور مدتوں تک جہان میں پھیلتی ہے تو کیا خوب آدمی ہے وہ شخص کہ جس کے گناہ بھی اس کے ساتھ ہی مر جائیں اور حدیث شریف میں ہے[ح ۳] کہ جو شخص طریق بد نکالے تو اس پر خود اس کے کرنے کا گناہ ہو گا اور ان لوگوں کا گناہ جو اس فعل کے مرتکب ہوں حالانکہ ان کے وبال سے بھی کچھ کم نہ کیا جاتے گا یعنی مجرم کو جدا گناہ ہو گا اور بانی کو جدا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[ت ۴] ونکتب ما قدموا واثارھم۔ آثار انہیں اعمال کو کہتے ہیں کہ بعد گزر جانے عمل اور عامل کے عامل کو پہنچتے رہیں۔ اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ عالم کی خرابی دوسروں کے اتباع سے ہوتی ہے اس سے اگر لغزش ہو جاتی ہے تو توبہ کر لیتا ہے مگر لوگ اس بات کو کرنے لگتے ہیں اور جہان میں منتشر کر دیتے ہیں اور بعضوں کا قول ہے کہ عالم کا قصور مثل کشتی کے ٹوٹنے کے ہے کہ وہ

ح ۱ بخاری و مسلم بروایت ابو ہریرہ بلفظ کل امتہ بجائے کل آدمیوں کے ۱۲ ت ۲ منافق مرد اور عورتیں سب کی ایک چال ہے سکھائیں بُری بات اور چھوڑائیں بھلی ۱۲

ح ۳ مسلم بروایت جریر بن عبداللہ ۱۲　　ت ۴ اور لکھتے ہیں ہم جو آگے بھیج چکے ہیں اور ان کے پیچھے نشان رہے ۱۲

خود بھی ڈوبتی ہے اور جو لوگ اس پر سوار ہوں ان کو بھی ڈبوتی ہے اور بنی اسرائیل کی حکایتوں میں مذکور ہے کہ ایک عالم لوگوں کو بدعت سکھا کر گمراہ کیا کرتا تھا پھر اس کو توبہ نصیب ہوئی تو ایک مدت تک خلق کی اصلاح کی۔ خدائے تعالیٰ نے اس وقت کے پیغمبر پر وحی بھیجی کہ اس سے کہہ دو کہ اگر تو نے صرف میرا ہی قصور کیا ہوتا تو البتہ میں معاف کر دیتا لیکن اس کا کیا علاج ہے کہ تو نے میرے بندوں کو گمراہ کیا اور ان کو گمراہی کے باعث میں نے دوزخ میں ڈال دیا۔ اس تقریر سے صاف ظاہر ہے کہ علماء کے لیے بڑا خطرہ ہے اسی لیے ان کو دو باتیں کرنی چاہئیں۔ اول توبہ کہ گناہ کو سرے سے ترک کریں اور دوسرے یہ کہ اگر سرزد ہو جاتے تو مخفی ہو ظاہر نہ ہونے پاتے اور جس طرح کہ علماء کے حق میں گناہوں کے باعث وبال زیادہ ہوتا ہے اسی طرح ان کی نیکیوں کا ثواب بھی دوسروں کی اتباع کے باعث زیادہ ہوتا ہے۔ مثلاً اگر عالم زینت ظاہری اور دنیا کی رغبت چھوڑ دے اور دنیا سے تھوڑی شے پر قناعت کرے اور کھانا بقدر بسر اوقات کھاتے اور کپڑا پرانا پہنے اور یہ باتیں اس کی اتباع میں اور لوگ عالم خواہ عوام اختیار کر لیں تو جتنا ثواب اوروں کو ملے گا وہ سب اس کو بھی ملے گا اور اگر خود عالم زینت کا راغب ہوگا تو اس سے کم رتبے والے اس کی دیکھا دیکھی ضرور ادھر کو جھکیں گے اور تکلیف ظاہری بدون خدمت حکام ظالم اور مال حرام کے اکٹھا کرنے کے ہو نہیں سکتا تو گویا یہی عالم ان امور کا باعث ہوگا۔ غرضکہ عالم کی حرکات سے جیسے کہ نفع زیادہ ہوتا ہے ویسا ہی نقصان بھی زیادہ ہی ہوتا ہے اور تفصیل گناہوں کی جن سے توبہ کرنی چاہیے اسی قدر کافی ہے جو یہاں تک مذکور ہوئی۔

تیسری فصل، کامل توبہ اس کی شرائط اور دم واپسیں تک اس پر استقامت

توبہ کامل کی کیفیت

یہ بات ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ توبہ اس ندامت کو کہتے ہیں جو موجب عزم و قصد کا ہو اور یہ ندامت اس وجہ سے ہوتی ہے کہ علم گناہوں کے حائل ہونے کا اپنے آپ میں اور اپنے محبوب میں ہو جاتا ہے۔ اب یہ جاننا چاہیے کہ ان تینوں اجزاء توبہ یعنی علم اور ندامت اور عزم میں سے ہر ایک کے لیے دوام اور کمال ہے اور کمال کی پہچان ہے اور دوام کے لیے شرطیں ہیں تو ضروری ہوا کہ سب کو مذکور کیا جاتے علم کا بیان تو سبب توبہ کا بیان ہے جو عنقریب آئے گا۔ اول ندامت کو سننا چاہیئے کہ ندامت دل کے درد کا نام ہے جو محبوب کے فوت ہونے کی اطلاع سے اس کو ہوتا ہے اور اس کی پہچان یہ ہے کہ حسرت و اندوہ بے پایاں کا ہونا اور آنسوؤں کا بہانا اور بہت رونا اور فکر میں رہنا جیسے کوئی اپنی اولاد یا کسی دوسرے عزیز قریب کی مصیبت سے واقف ہو کر اس پر یہ بلا نازل ہوگی تو ظاہر ہے کہ اس پر بھی بڑا صدمہ گزرے گا اور خوب روتے گا۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ نفس سے زیادہ آدمی کا کونسا عزیز ہے اور آتش دوزخ سے بڑھ کر کونسی بلا ہے اور گناہوں سے زیادہ کونسی دلیل عذاب کے نازل ہونے کی ہے اور خدا و رسول سے بڑھ کر کونسا مخبر صادق ہے بلکہ ایک انسان جس کو طبیب کہتے ہیں اگر کسی شخص سے کہہ دے کہ تیرے بیٹے کو ایسا مرض ہے کہ اس سے جانبر نہ ہوگا اور عنقریب مر جاتے گا تو اسی وقت اس پر رنج ٹوٹ پڑے گا اب یہ دیکھ لو کہ نہ تو بیٹا اپنے نفس سے زیادہ عزیز ہے اور نہ طبیب خدا و رسولؐ کی نسبت زیادہ جانتا ہے اور نہ

زیادہ سچا ہے اور نہ موت دوزخ کی آنچ سے زیادہ سخت ہے اور نہ مرض زیادہ تر دلالت موت پر رکھتا ہے بہ نسبت گناہوں کی دلالت کے خدا کے غضب پر اور دوزخ میں پڑ جانے پر۔ اس سے معلوم ہوا کہ آدمی کو اپنے حال پر زیادہ حسرت و اندوہ کرنا چاہیئے جس قدر رنج و ندامت زیادہ ہو گا اسی قدر گناہوں کے دور ہونے کی توقع زیادہ ہو گی بہرحال ندامت صحیح کی پہچان یہ ہے کہ دل نرم ہو آنسو کثرت سے نکلیں اور حدیث شریف[1] میں وارد ہے کہ توبہ کرنے والوں کے پاس بیٹھا کرو کہ ان کے قلب نرم ہوتے ہیں اور ایک پہچان یہ ہے کہ گناہوں کی حلاوت کے بدلے تلخی دل میں جم جائے کہ میل کے عوض کراہت اور رغبت کے عوض نفرت کرنے لگے۔ اور بنی اسرائیل کے حالات میں مذکور ہے کہ ایک شخص نے بہت برسوں تک عبادت میں کوشش کی مگر اثر توبہ کے قبول کا ظاہر نہ ہوا اس لیے وہ پیغمبر وقت سے خواہاں سفارش ہوا انہوں نے جناب باری میں اس کے لیے دعا کی خدائے تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے اپنے عزت و جلال کی کہ اگر تمام زمین و آسمان کے رہنے والے اس کی سفارش کریں تب بھی اس کی توبہ قبول نہ کروں گا جب تک جس گناہ سے توبہ کی ہے اس کا مزہ اس کے دل میں رہے گا۔ اب یہاں اگر کوئی کہے کہ گناہ تو طبعاً آدمی کو مرغوب ہوتے ہیں ان کی تلخی دل میں کس طرح جاگزیں ہو گی اور اس کا جواب یہ ہے کہ فرض کرو کہ کسی نے شہد کھایا جس میں زہر ملا ہوا تھا اور مزے کے وقت معلوم نہ ہوا بلکہ لذیذ معلوم ہوا مگر پھر بیمار پڑا اور مرض بڑھ گیا بال بکھر گئے اعضاء اینٹھ گئے اب اگر پھر اس کے سامنے شہد آئے جس میں ویسا ہی زہر ملا ہوا ہو اور اس کو نہایت درجے کی بھوک اور خواہش شیرینی ہو تو بتاؤ کہ اس کا نفس اس شہد سے نفرت کرے گا یا نہیں اگر کہو کہ نہ کرے گا تو یہ تجربہ اور امتحان کے خلاف ہے۔ دستور یہ ہے کہ بعد اس تکلیف کے اگر پھر شہد خالص بھی آئے گا تو رنگ کے یکساں ہونے سے اس سے بھی نفرت کرے گا۔ چنانچہ مثل مشہور ہے کہ دودھ کا جلا چھاچھ کو پھونک کے پیتا ہے پس توبہ کرنے والا جو گناہوں کی تلخی دل میں پاتا ہے اس کو بھی اسی طرح سمجھنا چاہیئے کہ اول اس کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک گناہ کا مزا تو شہد کی طرح لذیذ ہے مگر اس کی تاثیر زہر کی سی ہے اور جب تک اس طرح کا اعتقاد نہ ہو تب تک توبہ صحیح اور سچی نہیں ہوتی اور چونکہ اس جیسا ایمان بہت کمیاب ہے اس لیے توبہ کا وجود اور توبہ کرنے والے بھی کمیاب ہیں سب کا یہی حال ہے کہ اللہ کی طرف سے روگردان اور گناہوں پر مصر اور کسل کرنے والے ہیں۔ غرضکہ شرط کمال ندامت کی وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی اس کی ندامت موت تک چاہیئے اور تلخی مذکورہ کو جمیع گناہوں میں یکساں جاننا چاہیئے گو پہلے ان کا مرتکب نہ ہوا ہو۔ مثلاً اگر شہد کے ساتھ زہر کھانے والا ٹھنڈے پانی میں ویسا ہی زہر جان لے تو ہرگز اس کو بھی نہ پیئے گا۔ اس لیے کہ اس کو ضرر شہد سے نہیں ہوا تھا بلکہ ضرر کی چیز جو شہد میں تھی وہ پانی میں بھی موجود ہے۔ اسی طرح تائب آدمی کا نقصان کسی خاص گناہ سے مثلاً چوری یا زنا سے اس وجہ سے نہیں تھا کہ یہ گناہ اس سے سرزد ہوا بلکہ اس وجہ سے ہے کہ مخالفت امر الٰہی کی ہوئی اور یہ بات ہر ایک گناہ میں موجود ہے۔ باقی رہا قصد جو ندامت سے پیدا ہوتا ہے یعنی ارادۂ تدارک تو اس کو تینوں زمانوں سے علاقہ ہے

---

[1] یہ حدیث مرفوعاً نہیں ملی اور یہ قول عون بن عبداللہ کا ہے ابن ابی الدنیا نے اس کو روایت کیا ہے ۱۲

ارادہ تدارک زمانۂ حال میں اس بات کا موجب ہے کہ جو ممنوع بات کر رہا ہو اس کو چھوڑ دے اور جس فرض کے ادا کرنے
پر متوجہ ہو اس وقت ادا کرے اور زمانہ گذشتہ سے تعلق اسباب کا خواہاں ہے کہ جو پہلے قصور ہو گیا اس کا تدارک کرے
اور زمانہ مستقبل سے اس بات کا مقتضی ہے کہ موت کے وقت تک مدام طاعت کرتا رہے اور گناہ کا تارک اور شرط صحت
توبہ کی زمانہ گذشتہ کے تعلق کے اعتبار سے یہ ہے کہ فکر کر کے یہ بات معلوم کرے کہ میں کس روز بالغ ہوا تھا خواہ عمر
کی رو سے یا احتلام کی نظر سے جب یہ بات معلوم ہو جائے تو روز بلوغ سے اس وقت تک جتنی عمر اس کی ہوتی اس کا
ایک ایک سال اور مہینہ اور دن اور سانس تلاش کر کے ان میں کونسی طاعات میں مجھ سے قصور ہوا یا کتنے گناہ مجھ سے
سرزد ہوتے۔ پس جب معلوم ہو کہ کوئی نماز نہیں پڑھی یا ناپاک کپڑے میں پڑھی تھی یا شرط نیت کی ناواقفیت سے بدون
نیت صحیح ادا کی تھی تو اس نماز کو پھر سے پڑھے اور اگر نماز جو فوت ہو گئی ہوں ان کی شمار معلوم نہ ہو تو مدت بلوغ سے
حساب کرے اور جس قدر یقینی ادا کی ہوں ان کی تعداد چھوڑ کر باقی کی قضا پڑھے اور تعداد باقی کی غالب ظن اور اٹکل
سے مقرر کر لینی جائز ہے اور اگر روزہ حالت سفر میں افطار کیا ہو اور پھر اس کے عوض کا نہ رکھا یا قصداً افطار کیا ہو یا
رات کو نیت نہ کی ہو اور ایسے روزوں کی قضا نہ کی ہو تو اس طرح کے جتنے ہوں ان کا شمار تخمین اور اٹکل سے معلوم
کر کے ان کی قضا رکھے۔ اور زکوٰۃ اگر نہ دی ہو تو اپنے سارے مال کو دیکھے کہ کب سے میری ملک میں آیا کیونکہ زکوٰۃ
تو لڑکے کے مال پر بھی واجب ہے اس میں بلوغ کی قید نہیں پھر حساب سے جس قدر گمان غالب کی رو سے اپنے ذمے
نکلے اس کو ادا کر دے اور اس کے ادا کرنے کے لیے اپنے مذہب کے مطابق پر خیال نہ کیا۔ مثلاً کوئی شخص شافعی مذہب
تھا اس نے زکوٰۃ مال آٹھوں مصرف میں صرف نہ کیا یا مال زکوٰۃ کا عوض دے دیا تو اس کو چاہیے کہ زکوٰۃ از سر نو دے
کیونکہ اس کے امام کے نزدیک اس کی ادا درست نہیں ہوئی اور چونکہ مسائل زکوٰۃ کے طویل ہیں اور ان کے حساب
معلوم کرنے میں خوب تامل چاہیے اس لیے تائب کو لازم ہے کہ اس کو علماء سے پوچھ لے کہ ایسی ایسی صورت میں عہدہ
برآئی کا کیا طور ہے اور حج کا حال یہ ہے کہ اگر کسی برس میں اس کو قدرت حج کی تھی مگر نہ کیا اور اب مفلس ہو گیا تو اب
اس پر جانا واجب ہے اگر افلاس کے باعث قدرت جانے کی نہیں رکھتا تو چاہیے کہ مال حلال سے مقدار زاد کے کمالے
اور اگر مال نہ ہو نہ کوئی تدبیر کمانے کی جانتا ہو تو چاہیے کہ لوگوں سے کہے کہ مجھ کو اپنی زکوٰۃ و صدقات میں سے اتنا دو
کہ حج ہو سکے اس لیے کہ اگر یہ شخص بدون حج کے مر جائے تو گنہگار مرے گا۔ حدیث شریف میں ہے [ح۱] من مات ولم
یحج فلیمت ان شاء یھودیا و ان شاء نصرانیا اور بعد قدرت کے جو عاجز ہو گیا اس سے فرضیت حج کی ساقط
نہیں ہوتی۔ یہ طور ہے طاعات کی تفتیش اور ان کے تدارک کا۔ اور معاصی کی صورت یہ ہے کہ شروع بلوغ سے توبہ
کے دن تک اپنے سب اعضا کان آنکھ اور زبان اور پیٹ اور ہاتھ پاؤں اور شرمگاہ وغیرہ کے گناہ چھوٹے بڑے تمام
دنوں اور گھنٹوں میں سوچے اور دفتر معاصی کھول کر جدا جدا گناہ پر واقف ہو پھر یہ بات دیکھے کہ ان گناہوں میں سے

ح۱ جو مرے اور حج نہ کرے تو چاہے یہودی مرے اور چاہے نصرانی، یہ حدیث باب الحج جلد اول میں گذری ۱۲

صرف خدا کے حقوق کے متعلق کونسے ہیں جو اس طرح کے پائے مثلاً غیر محرم کی طرف دیکھنا اور ناپاکی کی حالت میں مسجد میں بیٹھنا اور بے وضو کلام مجید چھونا اور کسی بدعت کا معتقد ہونا اور شراب پینا اور مزامیر سننا وغیرہ جن کا تعلق لوگوں کے حقوق سے نہیں تو ایسے گناہوں سے توبہ کی صورت یہ ہے کہ ان پر ندامت اور حسرت کرے اور ہر ہر گناہ کے لیے ایک برابر مقدار بری ہونے کی مقرر کرلے اور مدت بھی ہر ایک کے لیے ٹھہرا لے اب ہر ایک کی عوض ایسی نیکی کرے جو مقدار اور وقت میں اس گناہ کے مقدار اور وقت کے برابر ہو۔ اس حساب سے جتنی بدیاں کی ہوں گی اتنی ہی نیکیاں کرنی پڑیں گی اور اس کی وجہ یہ حدیث شریف ہے اتق اللہ حیث کنت واتبع السیئۃ الحسنۃ[ح۱] بلکہ یہ آیت ہے انّ الحسنات یذھبن السیئات[ح۲] اب تدارک کی مثالیں سن لینی چاہئیں۔ مثلاً اگر مزامیر سنے ہوں تو ان کے عوض اتنی ہی دیر قرآن یا وعظ یا ذکر سُنے اور اگر مسجد میں ناپاکی کی حالت میں بیٹھا تو اعتکاف کی نیت سے بیٹھ کر مشغول عبادت ہو اور اگر بے وضو کلام مجید کو ہاتھ لگایا ہو تو اس کی تعظیم زیادہ کرے اور کثرت سے اس میں تلاوت کرے اور کثرت سے اس کو بوسہ دیا کرے اور ایک قرآن مجید کو اپنے ہاتھ سے لکھے اور وقف کر دے۔ اور شراب پی ہو تو شربت عمدہ حلال کمائی کا جو شراب سے بھی زیادہ محبوب ہو صدقہ کرے۔ سب گناہوں کا شمار غیر ممکن ہے۔ مقصود یہی ہے کہ جو طریق گناہوں کے خلاف ہو اس کا سلوک میسر ہو کیونکہ مرض علاج اس کی ضد سے ہوتا ہے تو جو تاریکی دل پر کسی گناہ سے آگئی ہو وہ بجز ایسی نیکی کے نور کے جو اس گناہ کے مقابل ہو مرتفع نہ ہو گی اور ضدین میں آپس میں مناسبت ہوا کرتی ہے اسی لیے یوں چاہیے کہ ہر ایک گناہ کو اسی طرح کی نیکی سے محو کیا جائے مگر یہ نیکی ان کی ضد سے ہو۔ اس لیے کہ سیاہی مثلاً سفیدی ہی سے جاتی ہے گرمی اور سردی سے نہیں جاتی اور یہ تدریج اور تحقیق طریق محو میں بہت آسان ہے اور اسی وجہ سے اس طرح عمل کرنے سے توقع گناہوں کے دور ہونے کی زیادہ ہے بہ نسبت اس کے کہ ایک ہی طرح کی عبادت پر مواظبت کرے گو یہ بھی گناہوں کے محو کرنے میں خالی تاثیر سے نہیں۔ اب رہی یہ بات کہ گناہ اپنی ضد سے کیوں دور ہو جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے اور دنیا کے اتباع کا اثر دل میں یہ ہوتا ہے کہ دنیا سے خوش ہو اور اس کی طرف اشتیاق کرے تو ضروری ہوا کہ اگر کوئی ایسی مصیبت مسلمان پر پڑے کہ جس سے دل اس کا دنیا سے علیحدہ ہو تو وہ بھی اس کے حق میں کفارہ ہو گا کیونکہ رنج و غم سے دل کو دنیا سے علیحدگی ضرور ہوتی ہے چنانچہ یہ مضمون حدیث[ح۳] شریف میں موجود ہے کہ بعضے گناہ ایسے ہیں کہ ان کا کفارہ صرف رنج ہی ہوتا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ فکر طلب معیشت اس کا کفارہ ہوتا ہے اور حضرت عائشہ رضؓ سے جو حدیث[ح۴] مروی ہے اس میں یوں ارشاد ہے کہ جب بندے کے گناہ زیادہ ہوتے ہیں اور اعمال ان کے کفارے کے لیے نہیں ہوتے تو اللہ تعالیٰ اس پر بہت رنج ڈال دیتا ہے وہی اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتے ہیں۔ اور کسی کا

ح ۱ ڈر اللہ سے جہاں ہے تو اور پیچھے کر برائی کے بھلائی ہٹا دے گی بھلائی برائی کو ۱۲ ترمذی بروایت ابوذر ۱۲ ح ۲ البتہ نیکیاں دور کرتی ہیں گناہوں کو ۱۲

ح ۳ طبرانی و ابونعیم و خطیب بروایت ابوہریرہ رضؓ بسند ضعیف ۱۲ ح ۴ احمد بروایت عائشہ رضؓ ۱۲ ...

قول ہے کہ جو رنج کہ بندے کے دل پہ آتا ہے اور وہ اس کو نہیں پہچانتا وہ گناہوں کی تاریکی ہے اور ان سے رنج کرنا یوں ہوتا ہے کہ دل حساب کے لیے توقف کرے اور حشر کی دہشت سے واقف ہو، یہاں یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ انسان کا رنج اکثر مال اور اولاد اور جاہ کے لیے ہوتا ہے اور یہ گناہ ہے پس گناہ کا کفارہ گناہ کس طرح ہو گا تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان چیزوں کی محبت گناہ ہے اور ان سے محروم رہنا اس کا عوض ہے۔ اگر محبت کی اقتضا کے بموجب متمتع ہوتا تو پورا قصور ہوتا۔ چنانچہ روایت ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس قید خانے میں گئے آپ نے ان سے پوچھا کہ اس دردمند بوڑھے یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کو کس حال میں چھوڑا حضرت جبرئیل نے فرمایا کہ تم پر اتنا رنج کیا جتنا سو عورتوں کو ہو جن کے بچے مر گئے ہوں۔ آپ نے پوچھا کہ پھر اس کا ثواب خدا کے یہاں ان کو کتنا ہو گا انھوں نے فرمایا کہ شہیدوں کا ثواب ملے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ رنج بھی خدا کے حقوق کا کفارہ ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک حال ان گناہوں کا ہوا جو بندے میں اور خدا تعالیٰ میں ہوں۔ اب حقوق عباد کو سننا چاہیے کہ ان میں بھی خدائے تعالیٰ کا حق ہوتا ہے۔ اس لیے کہ خدائے تعالیٰ نے بندوں پہ ظلم کرنے سے منع فرمایا ہے۔ پس جو شخص کہ دوسرے پہ ظلم کرے گا وہ خدائے تعالیٰ کی مخالفت پہلے کرے گا۔ غرض جو قصور اس قسم کے ہوں ان میں سے حقوق الٰہی کا تدارک تو یہ ہے کہ ندامت اور حسرت کرے اور آگے ویسا کام نہ کرے اور جو نیکیاں ان قصوروں کی ضد ہوں ان کو بجا لائے۔ مثلاً اگر لوگوں کو ستایا ہو تو ان پر احسان کرے اور مال چھین لیا ہو تو اپنی ملک حلال اس کے کفارے کے لیے خیرات کرے اور اگر کسی کی غیبت یا طعن و تشنیع کی ہو تو اس کی ثنا کرے بشرطیکہ دیندار ہو اور اپنے ہمسروں کی جو بات اچھی ہو اس کو ظاہر کرے اور اگر کسی کو قتل کیا ہو تو بردہ آزاد کرے اس میں بھی گویا ایک طرح کا زندہ کرنا پایا جاتا ہے اس لیے کہ غلام اپنے نفس کے اعتبار سے نابود ہے اور مالک کے اعتبار سے موجود، آزاد کرنے میں وہ حیات اس کو حاصل ہوتی ہے جو خاص اس کے نفس کے لیے ہو اسی لیے آزاد کرنا ایک طرح کا ایجاد ہے کہ مقابل من وجہ نیستی کے ہے اور انسان اس سے بڑھ کر اور کوئی ایجاد نہیں کر سکتا اور کفارہ اور محو کے باب میں ہم نے طریق مخالف کا چلنا لکھا ہے اور شریعت میں اس کی نظیر موجود ہے۔ مثلاً کفارہ قتل نفس میں آزاد کرنا غلام کا اسی وجہ سے ہے کہ ایجاد مقابل فنا کرنے کے ہو۔ بہرحال حقوق عباد میں صرف یہی کافی اور موجب نجات نہ ہو گا کہ ندامت و حسرت کرے یا اس کے مقابل نیکی کرے بلکہ اس کے لیے حقوق عباد کا ادا کرنا بھی ضروری ہے اور حقوق عباد یا متعلق جان سے ہیں یا مال سے یا عزت سے یا دل سے اور متعلق بہ دل سے ہماری غرض ایذائے محض ہے۔ اب ہر ایک کی تفصیل سننی چاہیے کہ اگر ظلم جان پہ ہوا ہے بایں طور کہ قتل خطا کا مرتکب ہوا تھا تو اس کی توبہ یہ ہے کہ خونبہا مستحق شخصوں کو دے خواہ پاس سے دے یا اپنے رشتہ داروں سے دلا دے جب تک مستحق کو خونبہا نہ پہنچے گا تب تک اس خطا سے بری نہ ہو گا اور اگر قتل عمد موجب قصاص کا مرتکب ہو تو اس کی توبہ قصاص سے مقبول ہو گی اور اگر کسی کو قتل کا حال معلوم نہ ہو تو قاتل پر واجب ہے کہ مقتول کے ولی سے جا کر حال کہہ دے اور اپنی جان اس کے اختیار میں کر دے چاہے وہ معاف کرے چاہے مار ڈالے اور بدون اس بات کے اور کسی طرح بری الذمہ نہ ہو گا اور اس کا چھپانا ہرگز درست نہیں اور اس کی صورت ایسی

نہیں جیسے زنا اور چوری اور شرابخوری اور رہزنی یا اور کسی فعل کی جس پر خدائے تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی سزا واجب ہوتی ہے
ان صورتوں میں توبہ کے لیے یہ ضروری نہیں کہ اپنے نفس کو فضیحت کرے اور پردے کو فاش کر دے اور ولی سے سوال کرے
کہ خدائے تعالیٰ کا جو حکم ہے مجھ پر جاری کرے بلکہ یہ واجب ہے کہ جیسا خدائے تعالیٰ نے اس کا پردہ رکھا ہے ویسا ہی رہنے
دے اور اپنے نفس پر ان اعمال کی سزا قائم کرے طرح طرح کے مجاہدے اور عذاب نفس کے لیے تجویز کرے اس لیے
کہ محض حقوق خداوندی کا عفو توبہ اور ندامت سے ہو سکتا ہے۔ اور اگر ان صورتوں میں بھی حاکم تک نوبت پہنچا دے
گا اور اپنے اوپر حد جاری کرا دے گا تب بھی توبہ صحیح اور اپنے موقع پر ہوگی اور خدائے تعالیٰ کے نزدیک مقبول ٹھہرے
گی۔ چنانچہ مروی ہے[ع۱] کہ ماعز بن مالک رضی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے
بڑا ستم اپنے نفس پر کیا کہ مجھ سے زنا ہو گیا اور میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ مجھ کو اس قصور سے پاک کر دیں۔ آپ نے ان کا
کہنا قابل پذیرائی نہ فرمایا دوسرے روز پھر آکر اسی طرح عرض کیا اس روز بھی آپ نے ٹال دیا۔ جب تیسرے روز پھر عرض
کیا تو آپ نے ان کے لیے گڑھا کھدوایا اور سنگسار کرا دیا۔ ان کے باب میں لوگوں کے دو فریق ہو گئے۔ ایک فرقہ
یہ کہتا تھا کہ ان کی موت ایسے حال میں ہوئی کہ گناہوں نے چار طرف سے گھیر لیا تھا اور ایک فرقہ کا قول یہ تھا کہ اس
کی توبہ سے سچی توبہ اور کوئی نہیں پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرقہ دوم کی تصدیق کے لیے فرمایا کہ اس شخص نے ایسی
توبہ کی ہے کہ اگر تمام امت میں اس کی توبہ تقسیم کی جاوے تو منقسم ہو سکتی ہے۔ اسی طرح غامدیہ کا حال مشہور ہے[ع۲] کہ اس
نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ مجھ سے زنا صادر ہوا آپ مجھ کو پاک کر دیجیے آپ نے اس
کی پذیرائی نہ فرمائی دوسرے روز اس نے پھر عرض کیا کہ آپ مجھ کو کیوں نہیں پاک فرماتے کیا مجھ کو ماعز کی طرح آپ سمجھتے
ہیں مجھ کو تو بخدا زنا کا حمل موجود ہے آپ نے فرمایا کہ جب تک تیرے بچہ نہ ہولے گا تب تک حد جاری نہ ہوگی جب اس
کے بچہ ہوا اس کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر لائی اور عرض کیا کہ بچہ بھی ہو چکا آپ نے فرمایا جا اس کو دودھ پلا جب دودھ
چھٹے گا تب دیکھا جائے گا۔ جب اس بچے کا دودھ چھٹا تو وہ عورت اس کو لائی اس کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا اور عرض
کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا دودھ چھوٹ گیا اور یہ غذا کھانے لگا۔ آپ نے اس لڑکے کو ایک مسلمان کے حوالہ
کر دیا اُس عورت کے لیے سینے تک گڑھا کھدوایا اور لوگوں کو حکم سنگسار کرنے کا دیا۔ جب خالد بن ولید رضی نے آکر جو ایک
پتھر اس کے سر میں مارا تو خون کی چھینٹیں ان کے چہرے پر پڑیں انہوں نے اس کو گالی دی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان
کی گالی سُنکر فرمایا اے خالد گالی مت دے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ اس عورت
نے ایسی توبہ کی ہے کہ ایسی توبہ صاحب مکس کرے تو اس کی بھی مغفرت ہو جاتے۔ پھر آپ نے حکم دیا تو اس کی نماز پڑھی
گئی اور دفن کی گئی **فائدہ** مکس اس ڈانڈ کو کہتے ہیں جو عشر لینے والا لوگوں سے لیا کرتا ہے اور حدیث شریف
میں مذکور ہے کہ مکس لینے والا جنتی نہ ہوگا۔ اس حدیث میں مذکور فرمایا کہ اگر مکس والا بھی ایسی توبہ کرے تو ہر چند قابل

ع۱ مسلم بروایت بریدہ ۱۲ ع۲ یہ ٹکڑا پچھلی حدیث کا ہے ماعز کی ۱۲

دخول جنت نہیں مگر اس کی بھی مغفرت ہو جاتے فقط۔ غرضکہ حقوق الٰہی کی توبہ بدون معاف کرانے بندوں کے بھی ہو سکتی ہے مگر قصاص اور حد قذف میں مستحق شخص کو اپنے اوپر اختیار دے دینا ضروری ہے۔ اور مال کا حال یہ ہے کہ اگر کسی کا مال غصب یا خیانت یا معاملے میں غبن کرنے سے لے لیا ہو مثلاً کسی کو فریب دیا ہو یا اپنی چیز کا عیب خریدار سے نہ کہا ہو یا کھوٹا دام چلا دیا ہو یا مزدور کی مزدوری کم دی ہو یا نہ دی ہو تو ایسی قسم کی سب باتوں کی تلاش واجب ہے اور ان میں کچھ قید حد بلوغ کی نہیں بلکہ روز پیدائش سے توبہ کے دن تک جو مال اس طرح آیا ہو سب کی تلاش کرے اس لیے کہ لڑکے کے مال میں اگر اس قسم کا مال آجاوے تو بعد بلوغ اس کا علیحدہ کرنا واجب ہے بشرطیکہ اس کے ولی نے اس میں کوتاہی کی ہو اور اگر بعد بلوغ ایسا نہ کرے گا تو ظالم ٹھہرے گا اور اس کا مواخذہ گردن پر رہے گا۔ حقوق مالی میں لڑکا اور جوان یکساں ہیں اس لیے شروع پیدائش سے توبہ کے دن تک کوڑی کوڑی کا حساب کرلے ایسا نہ ہو کہ اس کا حساب قیامت پر جا پڑے اور مؤاخذے میں پھنس جاتے اس لیے کہ جو شخص اپنے نفس کا حساب دنیا میں نہیں کرتا اس کا حساب قیامت میں بہت لمبا ہوتا ہے۔ جب اس طرح حساب کرنے سے گمان غالب اور قدر طاقت کے بموجب معلوم ہو جائے کہ میرے ذمے لوگوں کا اتنا مال ہے تو چاہیے کہ وہ مال جس جس کا ہو اسامی وار لکھے اور پھر شہر و دیار میں گھومتا پھرے اور ہر ایک کی تلاش کرے اور پھر یا معاف کرالے یا اس کا حق جتنا ہو حوالہ کرے اور یہ توبہ ظالموں اور تاجروں پر دشوار ہے اس لیے کہ ان سے سب اہل معاملہ کا تلاش کرنا نہیں ہو سکتا، نہ ان کے وارثوں کی تلاش کر سکتے ہیں۔ لیکن ان پر واجب ہے کہ حتی الامکان اس باب میں سعی کریں اور اگر اس سے عاجز ہو تو اس کا اور کوئی علاج نہیں بجز اس کے کہ حسنات اس کثرت سے کرے کہ قیامت کے روز حقدار کا حق ان سے ادا ہو سکے اور اس کے نامۂ اعمال میں سے حقداروں کے پلے میں رکھ لیے جاویں، تو ضروری ہوا کہ جتنے حق لوگوں کے اپنے ذمے ہوں انہیں کے موافق حسنات بھی ہوں، ورنہ اگر حسنات حقوق کو وفا نہ کریں گی تو حقداروں کے گناہ اس کے ذمے کر دیئے جائیں گے اور دوسروں کے گناہوں کے بدلے مارا پڑے گا پس جو شخص حقداروں کے حقوق ادا کرنا چاہے اس کی توبہ کا یہ طریق ہے اور اس سے یہ نکلتا ہے کہ تمام عمر حسنات ہی میں کاٹے بشرطیکہ بقیہ عمر اتنی ہو کہ جتنی حق دبانے میں گذری مگر چونکہ عمر کا حال معلوم نہیں شاید موت تک کا زمانہ بہ نسبت ایام ظلم کے قلیل ہو اس لیے ضروری ہوا کہ جس قدر سیئات کے واسطے مستعد تھا اس سے زیادہ حسنات کے واسطے مستعد رہے کیونکہ گناہوں کے لیے وقت بہت تھا اور حسنات کے لیے معلوم نہیں شاید تھوڑا ہی وقت ہو۔ اور جو مال کہ پاس موجود ہو اور اس کا مالک موجود ہو تو اس کے حوالہ کر دینا چاہیے اور اگر مال حلال اور حرام مل گیا ہو تو اٹکل سے جس قدر مال حرام ہو اس کو نکال کر خیرات کر دینا چاہیئے۔ چنانچہ اس کی تفصیل باب حلال اور حرام میں ہو چکی ہے۔ باقی رہا دلوں کو ایذا دینا کہ لوگوں کے سامنے ایسی باتیں کرے جن سے ان کو ایذا ہو یا غیبت کسی کی کرے تو اس کا تدارک یہ ہے کہ جس پر کچھ زبان درازی کی ہو یا دل دکھایا ہو تو ایک ایک کو ڈھونڈ کر معاف کراتے اور اگر ان میں سے کوئی مر گیا ہو یا مفقود الخبر ہو گیا ہو تو اس کا تدارک کچھ نہیں بجز اس کے کہ حسنات بہت سی کرے تاکہ قیامت میں عوض کے وقت حسنات دے سکے اور جو کوئی مل جائے اور بخوشی خاطر معاف کر دے تو اس کی نسبت جو قصور کیا ہو گا اس کا کفارہ ہو جائے گا مگر اس پر واجب ہے

کہ جتنا قصور کیا ہو اور جو کچھ زبان سے اسے کہا ہو وہ بیان کر دے مبہم معاف کرانا کافی نہ ہوگا۔ کیونکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب کسی دوسرے شخص کی زیادتی اپنے اوپر معلوم ہوتی ہے تو اس کا دل معاف کرنے کو نہیں چاہتا ہے اور قیامت پر چھوڑتا ہے کہ اس روز اس کی حسنات میں سے عوض لے لوں گا یا میرے قصور اس کے ذمے چلے جائیں گے پس اگر منجملہ قصور کوئی ایسا ہو کہ اس کے بیان کرنے سے دوسرے کو ایذا ہوگی۔ مثلاً کسی کی لونڈی سے زنا کیا ہو یا کسی کی منکوحہ سے، یا زبان سے اس کو ایسا عیب لگایا ہو جو اس کے خفیہ عیبوں میں سے ہو تو ظاہر ہے کہ ان باتوں کو اگر اس کے سامنے بیان کرے گا تو اس کو بہت بڑی ایذا ہوگی۔ ایسی صورت میں راہ معاف کرانے کی مسدود ہے مگر یہ ہو سکتا ہے کہ مبہم معاف کرالے پھر جو کسر رہ جائے گی اس کو حسنات سے پورا کرے جیسا کہ مردہ اور مفقود الخبر کے حق کے لیے بیان ہوا لیکن ذکر کرنا اور مشہور کرنا ایک نیا قصور ہے اس کو بھی معاف کرانا واجب ہے اور اگر جس کا قصور کیا ہے اس کے سامنے قصور کا ذکر کیا اور معاف کرنے پر راضی نہ ہوا تو اس کا وبال مجرم کے ذمے رہے گا اس لیے کہ دوسرے کا حق ابھی باقی ہے اس صورت میں مجرم کو چاہیئے کہ اس کے ساتھ نرمی سے پیش آئے اور اس کا کار خدمت اور حاجات میں کام آئے اور اس کے ساتھ اپنی محبت اور شفقت ظاہر کرے جس سے اس کا دل اس کی طرف مائل ہو جائے کیونکہ انسان بندۂ احسان ہوتا ہے جیسا کہ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں، شعر

بخشش اے پسر کادمی زادہ صید
باحساں تواں کرد وحشی بقید

تو جب کوئی شخص خطا کے سبب سے اچٹ جاتا ہے وہ سلوک سے راضی ہو جاتا ہے، غرضکہ جب اس شخص کا دل مجرم کی طرف سے نرمی اور دوستی دیکھے گا تو معاف کرنے کے لیے راضی ہو جائے گا اور اگر اس پر بھی اصرار معاف نہ کرنے پر کیے جائے گا تو مجرم کی نرمی اور معذرت منجملہ ان حسنات کے ہوگی جس سے قیامت میں قصور کا عوض ہو سکے مگر اہل حق کی خوشی اور رضامندی اور دلجوئی اور نرمی میں اسی قدر سعی کرے جتنی کہ اس کی ایذا میں کی تھی تاکہ مقابلہ کے وقت اگر برابر خواہ زیادہ ٹھہرے تو قیامت میں عوض ہو سکے، مثلاً اگر دنیا میں کوئی شخص کسی کا مال ضائع کر دے اور اتنا ہی مال لاکر مالک کو دے اور وہ نہ لے اور نہ اپنا مال معاف کرے تو حاکم اس مال کے لیے مالک کو اجازت لے لینے کی کر دے گا خواہ اس کی مرضی ہو یا نہ ہو اسی طرح میدان قیامت میں جب احکم الحاکمین اور عادل تر منصفین کا حکم جاری ہوگا تو وہاں بھی ایسا ہی حکم ہوگا۔ بخاری اور مسلم میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلی امتوں میں ایک شخص تھا جس نے ننانوے لوگوں کو قتل کیا تھا۔ اس نے پوچھا کہ جہان میں سب سے بڑا عالم کون شخص ہے لوگوں نے کہا کہ فلاں راہب ہے وہ اس کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے ننانوے آدمی جان سے مار ڈالے ہیں میری توبہ بھی مقبول ہوگی؟ راہب نے جواب دیا کہ نہیں اس نے راہب کو بھی مار ڈالا اور سو قتل پورے کیے۔ پھر لوگوں سے پوچھا کہ اب زیادہ عالم کون ہے لوگوں نے تبلایا کہ فلانا عالم ہے وہ اس کے پاس گیا اور کہا کہ میں نے سو آدمی قتل کیے ہیں میری توبہ مقبول ہوگی یا نہیں؟ عالم نے فرمایا کہ توبہ قبول ہونے کے واسطے کون چیز مانع ہے جب توبہ کرے گا قبول ہوگی تو فلاں سرزمین میں جا وہاں کچھ لوگ

خدا کی عبادت کیا کرتے ہیں تو بھی ان کے ساتھ عبادت کیا کرنا اور اپنے وطن میں نہ آنا وہ زمین اچھی نہیں وہ شخص جب نصف راہ طے کر چکا اس کو موت نے آلیا۔ اب رحمت اور عذاب کے فرشتے آتے اور ان میں بحث ہوئی رحمت کے فرشتوں نے کہا کہ یہ شخص تائب ہو کر دل سے متوجہ الی اللہ ہو کر آیا ہے اس کی رُوح کے مستحق ہم ہیں اور عذاب کے فرشتوں نے کہا کہ اس نے کبھی کوئی کام اچھا نہیں کیا اس لیے اس کی روح کے مستحق ہم ہیں۔ اس اثنا میں ایک اور فرشتہ بصورتِ انسان وہاں پہنچا دونوں فریق نے اس کو اپنے معاملے کا پنچ کر دیا اس نے کہا کہ دونوں زمینوں کا فاصلہ معلوم کر لینا چاہیے جس طرف کا فاصلہ کم ہو یہ اسی طرف شمار کرنا چاہیے۔ جب فاصلہ دیکھا گیا تو جس زمین میں اس کو جانا منظور تھا اس کا فاصلہ کم ٹھہرا۔ اسی جہت سے رحمت کے فرشتوں نے اس کی روح لے لی۔ اور ایک روایت میں ہے کہ موضع صالح تک ایک بالشت کم نکلا اور اسی کے لوگوں میں متصور ہوا۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس زمین کو دور ہونے کا اور اس کو قریب ہو جانے کا حکم کیا اور پھر فرشتوں کو حکم فرمایا کہ دونوں کا فاصلہ دیکھو تو جس سرزمین کو جاتا تھا وہ ایک بالشت کم فاصلے پر تھی اس لیے معاف کر دیا گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نجات کی صورت اسی میں ہے کہ حسنات کا پلہ جھکا رہے گو ذرا ہی سا ہو۔ اسی جہت سے تائب کے واسطے کثرت سے حسنات کرنی ضروری ہیں۔ یہاں تک بیان اس قصد کا تھا جو زمانہ گذشتہ سے متعلق ہو۔ اب جو قصد کہ زمانہ آئندہ سے متعلق ہے اس کو سننا چاہیے کہ تائب کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ عہد مستحکم کرے کہ ان گناہوں کی طرف کبھی رجوع نہ کروں گا اور نہ ان جیسوں کا کبھی مرتکب ہوں گا۔ جیسے بیمار آدمی اپنے مرض میں یہ جانے کہ فلاں میوہ مجھ کو ضرر کرتا ہے اور پکا ارادہ کرے کہ جب تک بیماری سے اچھا نہ ہوں گا کبھی میوہ نہ کھاؤں گا یہ ارادہ اس وقت تو پکا ہی ہوتا ہے گو ممکن ہے کہ دوسرے وقت اس پر غلبۂ شہوت ہو جائے مگر تائب جب ہی کہلائے گا جب توبہ کے وقت پکا ارادہ کرے گا اور تائب کو یہ بات ابتداء میں پوری جب ہوگی جب گوشہ نشینی اور سکوت اور قلتِ غذا اور کم خوابی اور قوتِ حلال اختیار کرے گا پس اگر اس کے پاس مال موروثی حلال موجود ہو یا کوئی پیشہ ایسا کرتا ہو جس سے بسر اوقات کے موافق حاصل کر لیتا ہے تو اسی پر اکتفا کرنی چاہیئے اس لیے کہ حرام کھانا تمام گناہوں کی جڑ ہے اگر حرام خوری پر اصرار کیے جاتے گا تو تائب کیسے ہوگا اور جو شخص غذا اور لباس میں سے اپنے من مانی چیزیں نہیں چھوڑ سکتا اس سے مال حلال پر کفایت نہیں ہو سکتی اور نہ مال شبہ اس سے چھوٹ سکے گا۔ اور بعض اکابر کا قول ہے کہ جو شخص خواہش کے چھوڑنے میں سچا ہو اور خدا کے واسطے سات دفعہ اپنے نفس پر جہاد کرے تو پھر اس میں مبتلا نہ ہوگا۔ اور ایک دوسرے بزرگ فرماتے ہیں کہ جو شخص گناہ سے توبہ کر کے سات برس تک پکا رہے تو پھر کبھی اس سے وہ گناہ نہ ہوگا۔ اور تائب کے واسطے یہ بھی ضروری ہے کہ اگر نہ جانتا ہو تو جو اس کو زمانۂ آئندہ میں کرنی واجب ہے یا اس پر حرام ہے اس کو سیکھ لے تاکہ راہ راست پر چل سکے اور اگر عزلت اختیار نہ کرے گا تو استقامت جس کا نام ہے وہ بھی کامل نہ ہوگی صرف یہ ہوگا کہ کچھ گناہوں سے توبہ کرلے گا مثلاً شراب اور زنا اور غصب سے توبہ کر لی لیکن یہ مطلق توبہ نہیں بلکہ ایسی توبہ کو بعض لوگ کہتے ہیں کہ درست ہی نہیں

اور بعض کہتے ہیں کہ درست ہے اور درست کا لفظ اس جگہ مجمل ہے۔ اس کی تفصیل چاہیئے۔ اب ہم اوّل فرقہ سے پوچھتے ہیں کہ تم جو نادرست کہتے ہو اس سے اگر تمہاری یہ غرض ہے کہ آدمی اگر بعض گناہوں کو چھوڑ دے تو اس کے لیے مفید نہیں بلکہ چھوڑنا اور نہ چھوڑنا دونوں یکساں ہیں تو یہ تمہاری صریح غلطی ہے اس لیے کہ ہم یہ جانتے ہیں کہ گناہوں کی کثرت عذاب کی کثرت کا سبب ہے اور ان کی کمی موجب کمی عذاب کا ہے۔ اور جو درست بتلاتے ہیں ان سے ہم پوچھتے ہیں کہ تمہاری یہ غرض ہے کہ بعض گناہوں سے توبہ کرنا موجب ایسے قبول کا ہے جس سے آدمی نجات اور فوز کے درجے کو پہنچ جاتے تو یہ بھی غلطی ہے کیونکہ نجات اور فوز بحسب ظاہر تین گناہوں کے چھوڑنے سے حاصل ہوتی ہے اور خفیہ اسرار عفو الٰہی میں ہم کلام نہیں کرتے مگر ظاہر کے اعتبار سے قرین قیاس یہی ہے۔ اب اگر فریق اول یوں کہے کہ ہماری غرض نادرستی سے یہ ہے کہ توبہ ندامت کا نام ہے اور گناہ پر جو آدمی ندامت کرتا ہے اسی جہت سے کرتا ہے کہ اس میں نافرمانی خدائے تعالیٰ کی ہے۔ مثلاً چوری پر چوری ہونے کی جہت سے ندامت نہیں کرتا بلکہ اس وجہ سے کہ معصیت الٰہی کا سبب ہے۔ جب علت خدا کی نافرمانی ٹھہری تو پھر یہ نہیں ہو سکتا کہ چوری پر ندامت کرے اور زنا پر نہ کرے۔ کیونکہ دونوں میں خدا کی نافرمانی موجود ہے تو ندامت جیسی ایک پر چاہیئے ویسی ہی دوسرے پر چاہیے۔ مثلاً جو شخص اپنے بیٹے کے تلوار سے مقتول ہونے پر درد کرے گا چھری سے قتل ہونے پر بھی اس کو ضرور درد ہوگا اس لیے کہ درد صرف محبوب کے جانے کا ہے وہ تلوار سے ضائع ہو جب گیا اور چھری سے ذبح ہو جب گیا اسی طرح بندے کو محبوب کے جاتے رہنے کا درد ہوتا ہے اور نافرمانی سے محبوب جاتا رہتا ہے تو پھر کوئی سی نافرمانی ہو سب پر درد یکساں چاہیئے ایک پر ہو اور ایک پر نہ ہو اس کے کیا معنی اس لیے کہ ندامت اسی حال کا نام ہے جو اس علم کے بعد آتی ہے کہ نافرمانی سے محبوب ہاتھ سے نکل جاتا ہے تو اب ممکن نہیں کہ بعض گناہوں پر توبہ ندامت ہو اور بعض گناہوں پر نہ ہو اور اگر یہ ممکن ہو تو اس کا بھی قائل ہونا پڑے گا۔ کہ اگر کوئی شخص یوں توبہ کرے کہ دو مٹکوں میں سے ایک مٹکے کی شراب سے توبہ کرتا ہوں نہ دوسرے کی تو یہ توبہ درست ہو اور اگر یہ بات محال ہے اس وجہ سے کہ نافرمانی دونوں مٹکوں کی شراب میں ایک سی ہے اور مٹکے صرف ظرف ہیں ان کے جدا ہونے سے حکم جدا نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح چوری و زنا وغیرہ سب گناہ اسباب نافرمانی کے ہیں اور مخالفت امر سب میں مشترک ہے تو ہم جو توبہ کو نادرست کہتے ہیں اس کے یہ معنی ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے تائبوں کے لیے جس رتبے کا وعدہ کیا ہے وہ رتبہ بے ندامت نہیں ملے گا اور ایک سی چیزوں میں سے نہیں ہو سکتا کہ ایک پر ندامت ہو اور ایک پر نہ ہو۔ تو توبہ کا حاصل ہونا ندامت کے بعد ایسا ہے جیسا ایجاب و قبول کے بعد ملک حاصل ہوتی ہے اور جب تک ایجاب و قبول تمام نہیں ہوتے تو معاملہ بھی نادرست رہتا ہے یعنی جو ثمرہ ملک کا اس پر مترتب ہونا چاہیے وہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح جب تک ندامت اس جہت سے نہ ہوگی کہ گناہ باعث نافرمانی ہیں تب تک اس کا ثمرہ توبہ بھی نادرست ہوگا اور گناہوں کا نافرمانی الٰہی ہونا سب معاصی کو شامل ہے کسی کی تخصیص نہیں اور اس کی تحقیق یہ ہے کہ ترک اور ندامت میں فرق ہے صرف چھوڑ دینے کا ثمرہ تو ہے کہ جس کو چھوڑ دے اسی کا عذاب منقطع ہو جاتے گا

اور ندامت کا ثمرہ یہ ہے کہ پہلے گناہ کا کفارہ ہوتا ہے۔ مثلاً اگر چوری چھوڑ دے گا تو جس چوری کو چھوڑے گا اسی کا عذاب منقطع ہو جائے گا۔ یہ نہیں ہو گا کہ پہلے جو چوری کی تھی اس چھوڑنے سے وہ بھی محو ہو جائے بلکہ اس کے محو ہونے کے واسطے ندامت ضروری ہے تو یہ تقریر البتہ سنجیدہ ہے اور اس بات کو چاہیئے ہے کہ منصف آدمی ایسی تفصیل بیان کرے جس سے صاف مطلب کھل جائے اس لیے ہم کہتے ہیں کہ بعض گناہوں سے توبہ کرنے کی تین صورتیں ہیں یا تو صرف گناہ کبیرہ سے ہو صغیرہ سے نہ ہو یا صغیرہ سے ہو کبیرہ سے نہ ہو یا بعض کبیرہ سے ہو اور بعض سے نہ ہو۔ صورت اول ممکن ہے اس طرح کہ توبہ کرنے والا جان لے کہ گناہ کبیرہ خدا کے نزدیک بڑے ہوتے ہیں اور ان سے اس کا غصہ جلد ہوتا ہے اور صغائر پر عفو جلد راہ پاتا ہے تو اب ہو سکتا ہے کہ وہ شخص بڑے گناہوں سے توبہ کرلے انہیں پر نادم ہو۔ جیسے کوئی بادشاہ کی حرم کے ساتھ کوئی قصور کرے اور اس کے جانور کو بھی مثلاً مارے تو اس کو حرام پر گستاخی کا خوف زیادہ ہو گا جانور کے مارنے کو حقیر جانے گا اور جتنا بڑا گناہ ہوتا ہے اور جس قدر اس کے باب میں خدا تعالےٰ سے دُور کرنے کا اعتقاد زیادہ ہوتا ہے اسی قدر ندامت زیادہ ہوتی ہے اور شرع میں ایسا ہونا ممکن ہے۔ پہلے زمانوں میں تائب بہت گذرے ہیں حالانکہ کوئی ان میں معصوم نہ تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ توبہ کے لیے عصمت ضروری نہیں اور اس کی مثال یہ کہ کوئی طبیب بیمار کو شہد سے تو زیادہ ڈرائے اور شکر سے کم ڈرائے اور اس طرح شکر کا بیان کرے جس سے مریض کو معلوم ہو کہ بعض مرتبہ کچھ بھی ضرر نہیں کرتی تو بیمار مذکور طبیب کے کہنے سے توبہ شہد سے تو کرے گا مگر شکر سے نہیں کرے گا اور شہوت کے غلبہ میں دونوں کو کھالے گا۔ تو ندامت شہد کے کھانے پر کرے گا شکر پر نہیں کرے گا۔ غرضکہ اس صورت کا پایا جانا محال نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ بعض کبائر سے توبہ کرے اور بعض سے نہ کرے یہ بھی ممکن ہے کیونکہ آدمی کے اعتقاد میں یہ بات ہوتی ہے کہ بعض کبیرہ بہ نسبت بعض کے شدید اور سخت ہیں۔ مثلاً کوئی شخص قتل اور غارت اور ظلم اور لوگوں کے حق دبانے سے توبہ کرے اس خیال سے کہ حقوق عباد ہرگز فروگذاشت نہ ہوں گے اور جو حقوق صرف خدا تعالیٰ کے ہیں ان پر عفو آسکتا ہے۔ غرضکہ جیسا کبیرہ اور صغیرہ میں فرق تھا اور اس لحاظ سے صورت اول ممکن ہوئی تھی ویسا ہی گناہ کبیرہ بھی ایک دوسرے سے شدت میں کم و بیش ہیں اور ان میں خود بھی تفاوت متحقق ہے اور مرتکب کے اعتقاد کی رُو سے بھی تفاوت ممکن اور اسی لحاظ سے آدمی کبھی ایسے گناہوں سے بھی توبہ کرلیتا ہے جن کا تعلق بندوں سے نہ ہو مثلاً شراب پینے سے تائب ہوتا ہے زنا سے نہیں ہوتا کیونکہ اس کو اس بات کا اعتقاد ہوتا ہے کہ شراب سب برائیوں کی کنجی ہے اور اگر اس کے پینے سے عقل لغزش کھا جائے گی اسی قدر اس کو خوف پیدا ہو گا جس سے آگے کو بچے اور گذشتہ پر ندامت کرے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ ایک صغیرہ یا چند صغائر سے توبہ کرے مگر کبیرہ پر باوجود جاننے کے کہ یہ گناہ کبیرہ ہے اصرار کیے جائے مثلاً کوئی شخص غیبت یا غیر محرم کی طرف دیکھنے سے یا اور کسی ایسے ہی گناہ سے توبہ کرے مگر شرابخوری پر مصر ہو تو یہ صورت بھی ممکن ہے اور اس کے امکان کی وجہ یہ ہے کہ کوئی ایماندار ایسا نہیں جو اپنے گناہوں سے نہ ڈرتا ہو اور اپنے افعال پر ندامت نہ کرتا ہو کسی کو تھوڑی ہوتی ہے کسی کو زیادہ لیکن جسقدر گناہ میں اس کو لذت ہوتی ہے اسی قدر

خوف کے باعث دل میں رنج نہیں ہوتا بلکہ لذت قوی ہوتی ہے اور خوف ضعیف اور وجہ خوف کے کمزور ہو
جانے کی جہالت خواہ غفلت یا اور کوئی سبب ہوتا ہے۔ اور غلبۂ شہوت اس باب سے لذت قوی رہتی ہے اسی
واسطے گو ندامت ہوتی ہے مگر اتنی نہیں ہوتی کہ اس سے آدمی تحریک عزم پر قادر ہو۔ پس اگر شہوت قوی سے
بچ رہے اور بمقابلہ خوف شہوت ضعیف پڑے تو خوف غالب ہو کر شہوت کو دباتے گا اور اس کا انجام یہ ہوگا
کہ آدمی معصیت کو چھوڑ دے۔ اور کبھی فاسق کو شراب کی ایسی رغبت ہوتی ہے کہ اس سے صبر نہیں ہو سکتا مگر غیبت
اور عیب جوئی اور غیر محرم کے دیکھنے کی خواہش چنداں نہیں ہوتی اور خوفِ خدا اس درجہ کا رکھتا ہے کہ رغبت ضعیف
کا استیصال اس سے ہو سکتا ہے قوی کا نہیں ہو سکتا تو اس خوف کے باعث عزم و ترک ایسے افعال کا کر لیتا ہے
جن کی رغبت کم ہوتی ہے اور اپنے دل میں کہتا ہے کہ اگر شیطان بعض گناہوں میں غلبۂ شہوت کے باعث مجھ پر
غالب ہو گیا تو مجھے یہ نہ چاہیئے کہ اسی کے قابو کا ہو رہوں اور باگ ڈھیلی چھوڑ دوں بلکہ بعض گناہوں میں تو اس سے
مجاہدہ کروں اور غالب آؤں تاکہ شاید انہیں میں غالب آنا کفارہ بعض گناہوں کا ہو اور اگر فاسق کو یہ خیال نہ ہو تو
پھر نماز پڑھنا اور روزہ رکھنا اس کی سمجھ میں نہیں آتا اور اگر اس سے یہ کہا جاتے کہ تو جو نماز پڑھتا ہے اگر غیر خدا کے
لیے ہے تو ناجائز ہے اور اگر خدا کے لیے ہے تو فسق کو بھی خدا کے واسطے چھوڑ دے کیونکہ خدا کا حکم دونوں چیزوں کو
ایک سا ہے۔ پھر نماز سے تقرب الی اللہ کا قصد کرنا اور ترک فسق سے نہ کرنا غیر ممکن ہے تو اس کا جواب وہ یہ دے گا
کہ خدائے تعالیٰ نے میرے اوپر دو حکم کیے اور میں اگر دونوں کو نہ مانوں تو دو عذاب مجھ پر ہوں لیکن امر کی بجا آوری میں تو
میں قدرت شیطان کے دبانے کی رکھتا ہوں اور دوسرے کی بجا آوری میں عاجز ہوں تو جس پر میں قادر ہوں اس سے
شیطان کو مغلوب کرتا ہوں اور اپنے مجاہدے سے مجھے توقع ہے کہ خدائے تعالیٰ اس مجاہدے کو کفارہ اس تقصیر کا کر دے
جس میں میں عاجز ہوں غرضکہ اس بات کے امکان میں کچھ شک نہیں بلکہ ہر مسلمان کا یہی حال ہے۔ کونسا مسلمان
ہے جو جامع طاعات و معصیت کا نہ ہو اور اس کی وجہ سوائے تقریر مذکورہ بالا کے کچھ اور نہیں اور جب یہ بات سمجھ چکے
تو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ خوف کا غالب آنا شہوت پر بعض گناہوں میں ممکن ہے اور یہ کہ خوف اگر فعل گذشتہ سے ہوگا
تو موجبِ ندامت ہوگا اور ندامت مورث عزم ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں حدیث شریف میں جو مذکور ہے الندم توبۃ [1]
اس میں یہ شرط نہیں کہ سب گناہوں پر ندامت ہو۔ اسی طرح دوسری حدیث التائب [2] من الذنب کمن لا
ذنب لہ میں سب گناہوں سے تائب نہیں فرمایا اس تحقیق سے وہ قول مذکورہ بالا جاتا رہا کہ دو مٹکوں میں سے
ایک مٹکے کی شراب سے توبہ کرنی غیر ممکن ہے اس وجہ سے کہ ان دونوں کا حال شہوت کے باب میں اور خدائے تعالیٰ
کے غضب میں گرفتار کرنے کے باب میں یکساں ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ آدمی شراب خوری سے توبہ کرے اور
نبیذ سے نہ کرے اس لیے کہ غضبِ الٰہی کے اقتضا کے اعتبار سے ان دونوں میں فرق ہے اسی طرح بہت سے
گناہوں سے توبہ کرے اور تھوڑے سے نہ کرے تو ہو سکتا ہے اس لیے کثرت گناہوں کو کثرت عقوبت میں تاثیر
ہوتی ہے تو خوف زیادتی عقوبت سے بعض شہوتیں خدا کے واسطے چھوڑ دیتا ہے اور جس خواہش میں اس خوف کا

[1] پشیمان ہونا توبہ ہے ۱۲ [2] توبہ کرنیوالا گناہ سے ایسا ہے کہ جیسا کہ وہ شخص جس نے گناہ نہ کیا ہو ۱۲ یہ حدیث پہلے گزر گئی ۱۲

کچھ اثر نہیں ہوتا اس کو نہیں چھوڑتا جیسے کسی بیمار کو طبیب میوے کی ممانعت کر دے تو وہ کم کھانے پر تو جرأت کر بیٹھتا ہے اور زیادہ جرأت نہیں کرتا زیادتی طبیب کے کہنے کے بموجب چھوڑ دیتا ہے اور کم کو چنداں مضر نہیں جانتا اس واسطے اس کو نہیں چھوڑتا حاصل اس سے یہ ہوا کہ یہ بات غیر ممکن ہے کہ آدمی ایک چیز سے تو توبہ کرے اور اس کے مثل سے توبہ نہ کرے بلکہ ضروری ہے کہ جس سے توبہ کی ہو وہ مخالف ہو سکے جس سے توبہ نہیں کی خواہ مخالفت باعتبار شدت کے ہو یا باعتبار غلبۂ شہوت کے اور جب یہ فرق توبہ کرنے والے کے اعتقاد میں موجود ہو جاتا ہے تو اسی کے بموجب اس کا حال بھی خوف اور ندامت میں مختلف ہوتا ہے اور اسی سے ترک آئندہ کا حال بھی مختلف ہوتا ہے۔ پس توبہ کرنے والا اگر گناہ گزشتہ پر نادم ہو اور عزم ترک کو نباہ دے تو ان لوگوں میں مل جائے گا جنہوں نے یہ گناہ نہ کیا ہو گو اس نے اطاعت الٰہی سب اوامر و نواہی میں نہ کی ہو۔ اب اگر کوئی یہ پوچھے کہ اگر کوئی نامرد پہلے نامردی سے زنا کر بیٹھے اور حالت نامردی میں اس سے توبہ کرے تو اس کی توبہ درست ہو گی یا نہیں تو اس کے سوال کا جواب یہ ہے کہ جائز نہ ہو گی اس لیے کہ توبہ اس ندامت کا نام ہے جس سے عزم ترک ایسے افعال کا پیدا ہو جن کے کرنے کی آدمی کو قدرت ہے اور جن پر قدرت ہی نہیں وہ خود بخود جاتے رہے کچھ اس کے چھوڑنے سے نہیں گئے۔ لیکن ایک بات ہے کہ اگر بعد نامردی کے اس کو اپنے زنا کے ضرر کی واقفیت اچھی طرح ہوتی اور اس جہت سے ایسی حسرت و ندامت جوش زن ہوئی کہ اگر بالفرض اس کو شہوت باقی بھی ہوتی تو اس ندامت سے جاتی رہتی یا مغلوب ہو جاتی تو ایسی صورت میں ہم کو توقع ہے کہ اس کا قصور معاف ہو جائے اور یہ ندامت اس کا کفارہ ہو جائے۔ کیونکہ اس میں تو کچھ اختلاف نہیں کہ اگر پہلے نامردی کے توبہ کر لیتا اور توبہ کے بعد مر جاتا تو تائبوں میں سے ہوتا گو اس پر کوئی ایسی حالت طاری نہیں ہوتی جس میں ہیجان شہوت ہوتا اور قضائے شہوت کے سامان میسر ہوتے مگر اس کو تائب اسی نظر سے کہتے ہیں کہ اس کی ندامت ایسے درجہ کو پہنچ گئی ہے کہ اگر بالفرض قصد زنا ظاہر بھی ہوتا تو ندامت کے سبب اس سے باز رہتا اس سے معلوم ہوا کہ نامرد کے حق میں ندامت کا اس درجے کو پہنچنا محال تو نہیں مگر یہ کہ اس کو اپنے نفس کا حال معلوم نہیں اس لیے کہ جو شخص کسی چیز کی خواہش نہیں رکھتا وہ اپنے نفس کو ادنیٰ خوف سے اس کے ترک پر قادر فرض کر لیتا ہے حالانکہ خدائے تعالیٰ اس کے دل کا اور مقدار ندامت کا حال خوب جانتا ہے شاید اس کی توبہ قبول کر لے اور ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ قبول فرمائے اور حاصل اس سبب کا یہ ہے کہ گناہ کی تاریکی دل سے دور ہونے کے لیے دو باتیں چاہئیں اول سوزش ندامت دوم ترک معصیت کے لیے آئندہ کو مجاہدے کی شدت اور صورت معروض میں زوال شہوت کی جہت سے مجاہدہ نہیں ہو سکتا لیکن اگر ندامت ہی اتنی قوی ہو کہ بدون مجاہدے کے گناہ کی ظلمت دور کر دے تو کچھ محال نہیں اور اگر ایسا نہ ہو تو اس کا قائل ہونا پڑے گا کہ تائب کی توبہ جب قبول ہوتی ہے جب بعد توبہ کے کچھ دنوں زندہ رہے اور ان دنوں میں چند بار عین اس قصور کی تمنا میں اپنے نفس پر مجاہدہ کرے مگر ظاہر شرع سے ہرگز یہ شرط مفہوم نہیں ہوتی۔ اب اگر وہ تائب فرض کیے جائیں جن میں سے ایک کو تو میل گناہ کی طرف نہیں رہا اور

ایک کو خواہش ہے مگر وہ نفس پر مجاہدہ کرکے اس کو روکتا ہے تو ان کے ایک دوسرے کی فضیلت میں علماء کا اختلاف ہے۔ احمد بن ابی الحواریؒ اور ابو سلیمان دارانی کے ہمراہی تو مجاہد کو افضل بتلاتے ہیں اس وجہ سے کہ اس میں توبہ کے ساتھ مجاہدے کی زیادتی ہے اور علمائے بصرہ اول شخص کو افضل بتلاتے ہیں اس نظر سے کہ وہ توبہ میں سستی بھی کرے تو سلامتی کی طرف قریب ہے بہ نسبت مجاہد کے کہ اس میں مجاہدے کی ایک چخ لگی ہوتی ہے اور ان دونوں فریق کے قول میں کچھ ایک راستی ہے مگر نفس الامر اچھی طرح کسی میں بھی نہیں اور اسباب میں تحقیق یہ ہے کہ جس شخص کا میل گناہ کی طرف نہیں رہا اس کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ نفس شہوت کے قصور سے میل نہ رہا ہو تب تو ایسے شخص سے مجاہد ہی افضل ہے کیونکہ گناہ کو مجاہدے سے چھوڑنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ شخص بڑا زبردست ہے اور اس کا دین شہوت پر غالب ہے تو ظاہر ہے کہ اس کا یقین بھی قوی ہوگا اور دین بھی، اور دین کے قوی ہونے سے ہماری غرض اس ارادہ کا قوی ہونا ہے جو یقین کے اشارہ سے پیدا ہوتا ہے اور اس شہوت کی بیخ کنی کرتا ہے جو شیاطین کے اشارے سے پیدا ہوتی ہے۔ غرضکہ مجاہدے سے دین و یقین کی قوت یقیناً معلوم ہوتی ہے باقی رہی یہ بات کہ بے خواہش والا سلامتی کی طرف زیادہ قریب ہے اس لیے کہ اگر توبہ میں سستی کرے تو گناہ نہ کرے گا تو یہ درست ہے مگر افضل کا لفظ استعمال کرنا اس مقام میں صحیح نہیں بلکہ ایسا ہے جیسا کوئی کہے کہ نامرد افضل ہے مرد سے اس لیے کہ نامرد شہوت کے خطرے سے مامون ہے اور لڑکا افضل ہے بالغ سے اس وجہ سے کہ وہ اسلم ہے۔ اور مفلس آدمی اس بادشاہ سے افضل ہے جو اپنے دشمنوں کا استیصال کرتا ہے۔ اس لیے کہ مفلس کا کوئی دشمن ہی نہیں اور بادشاہ کو یہ خطرہ موجود ہے کہ اگر آپ چند بار غالب ہوگا تو ایک روز مغلوب بھی ہوگا۔ اس طرح کی باتیں ایسے شخص کیا کرتے ہیں جو سیدھے سادے ہوں اور ظاہر پر ہی اپنی نظر رکھتے ہوں اور یہ نہ جانتے ہوں کہ عزت اور برتری خطرے کی جگہوں میں گھستے سے حاصل ہوتی ہے "ہر جا کہ گل است آنجا خار است" خود مشہور ہے بلکہ ان لوگوں کا قول ایسا ہے جیسا کوئی کہے کہ جس شکاری کے پاس گھوڑا اور کتا نہ ہو وہ فن شکار میں افضل ہے اس شخص کی بہ نسبت جس کے پاس یہ دونوں ہوں اس لیے کہ گھوڑے اور کتے والے کو یہ خطرہ ہوتا ہے کہ گھوڑا شرارت کرکے کہیں پٹک دے اور ہاتھ پاؤں توڑ دے اور کتا شرارت کرکے کہیں کاٹ کھاتے حالانکہ یہ بات غلط ہے صحیح یہی ہے کہ گھوڑے اور کتے والا جب زبردست ہوگا اور ان دونوں کو سدھانا جانتا ہوگا وہ رتبے میں دوسرے سے اعلیٰ ہوگا اور شکار ملنا اسی کو زیبا ہوگا۔ دوسری حالت یہ ہے کہ نہ ہونا میل گناہ کا اس وجہ سے ہے کہ یقین قوی ہوگیا ہو اور اول مجاہدہ سچا کرکے شہوت کا استیصال کر دیا ہو۔ یہاں تک کہ شریعت کے ادب کی محکوم ہوگئی ہو اور بدون اشارہ دین کے ہیجان میں نہ آتی ہو اور غلبۂ دین کے باعث ساکن ہوگئی ہو تو ایسا شخص البتہ اس کی نسبت اچھا ہے جس کو ہیجان شہوت کا رنج کھینچنا پڑتا ہے اور جو یہ کہتے ہیں کہ ایسے شخص کو مجاہدے کی زیادتی ہے تو ان کا مقصود مجاہدہ کی خبر نہیں ورنہ ایسا نہ کہتے اصل یہ ہے کہ مجاہدہ خود تو مقصود نہیں بلکہ اس سے دشمن کا اپنے آپ سے علٰحدہ کرنا منظور ہے تاکہ وہ اپنی شہوت کی طرف نہ کھینچ لیجائے اور اگر کھینچ نہ سکے تو راہ دین کے چلنے سے نہ روکے پس اگر دشمن کو دبا پایا اور مقصود حاصل ہوگیا تو تمہاری جیت ہے

اور اگر اس سے لڑائی جھگڑا قائم ہے تو فتح نہیں ہوئی، ابھی دلی دور ہے۔ مثلاً اگر ایک شخص دشمن کو پکڑ کر غلام بنالے اور ایک ابھی اپنے دشمن سے لڑتا ہے اور طریق نجات نہیں جانتا تو ظاہر ہے کہ اول شخص نہایت اعلیٰ ہوگا۔ اسی طرح اگر ایک شخص کتے اور گھوڑے کو اتنا سدھالے کہ دونوں اپنی اپنی حرکات ناشائستہ چھوڑ کر اس کے پاس سور ہیں اور دوسرا شخص ان کی تادیب ہی میں ابھی مشغول ہے تو رتبے میں اول ہی شخص بڑھ کر ہوگا اور اسباب میں بعض لوگوں نے غلطی کی ہے انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ مقصود اعلیٰ صرف مجاہدہ کرنا ہے اور یہ نہ جانا کہ مجاہدہ صرف اس لیے ہے کہ راستے کے عوائق سے نجات ہو جائے اور بعض لوگوں کو یہ گمان ہو گیا کہ مقصود یہ ہے کہ شہوات کی بیخ کنی ہو اور بالکل ان کو نابود کر دیا جائے اور اسی گمان پر انہوں نے اپنے نفس کا امتحان لیا اور جب یہ بات نہ حاصل ہوئی تو اس بات کے قائل ہوئے کہ یہ امر محال ہے اور شریعت کو چھوڑ جانا اور اباحت کا راستہ اختیار کیا اور شہوات کے اتباع میں ڈھیلی باگ کر دی حالانکہ یہ سب باتیں جہالت اور گمراہی کی ہیں اور اس کی تقریر ہم نے جلد ثالث کے باب ریاضت نفس میں لکھی ہے۔ اب اگر یہ کہو کہ ایک تائب تو اپنے گناہ کو بھول گیا اور اس کا ذکر نہیں کرتا اور دوسرے نے گناہ کو پیش نظر رکھا ہے اور ہمیشہ اس کو سوچ کر ندامت کی آگ میں جلتا رہتا ہے تو ان دونوں میں افضل کونسا شخص ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسباب میں بھی لوگ مختلف قول کہتے ہیں بعضوں کا قول یہ ہے کہ توبہ کی حقیقت یہی ہے کہ آدمی اپنے گناہ کو پیش نظر رکھے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ توبہ اس کا نام ہے کہ گناہ کو نسیاً منسیاً کر دے اور یہ دونوں قول ہمارے نزدیک درست ہیں مگر دو حالوں سے متعلق ہیں اور صوفیوں کے کلام میں ہمیشہ قصور رہتا ہے اس واسطے کہ ان میں ہر ایک کی یہ عادت ہے کہ صرف اپنے نفس کا حال بیان کیا کرتے ہیں دوسرے کے حال سے ان کو غرض نہیں ہوتی حالانکہ احوال کے اختلاف سے جواب بھی مختلف ہوتے ہیں اور علم کے اعتبار سے یہ بات صوفیوں کی داخل نقصان ہے. کیونکہ اشیاء کی اصل حقیقت کو جاننا افضل و اعلیٰ ہے لیکن اگر ہمت و ارادہ کی نظر سے ان کے قول کو دیکھو تو کامل ہے بایں وجہ کہ جب آدمی اپنے ہی نفس کو دیکھتا رہے گا تو اس کو دوسرے کے حال سے غرض نہ ہوگی کیونکہ طریق الی اللہ اس کے حق میں اس کا نفس ہے اور منازل اس راستے کے نفس کے حالات ہیں تو اس نظر سے دوسرے کے حالات جاننے کی کچھ ضرورت نہیں اور کبھی بندے کا راستہ خدا کی طرف سیکھنے سکھانے سے ہوتا ہے اس لیے کہ اس کی طرف راستے بہت ہیں گو بعضے نزدیک ہیں اور بعضے دور اور اصل ہدایت میں سب شریک ہیں مگر خدا کو معلوم ہے کہ سب سے زیادہ ہدایت پر کون ہے۔ اب ہم کہتے ہیں کہ گناہ کا سامنے رکھنا اور اس پر درد کرنا مبتدی کے حق میں کمال ہے اسلیے کہ اگر مبتدی گناہ کو بھول جائے گا تو اس کو خوب سوزش نہ ہوگی اور اسی وجہ سے اس کا ارادہ بھی قوی نہ ہوگا اور شوق زیادہ نہ ابھرے گا اور اگر گناہ کو یاد رکھے گا تو اس کا خوف و اندوہ اس بات کا مقتضی ہوگا کہ پھر ویسی حرکت نہ کرے۔ غرضیکہ یاد رکھنا گناہ کا مبتدی غافل کی نسبت داخل کمال ہے اور سالک طریق کے لیے نقصان ہے اس لیے کہ یاد کرنا بھی ایک شغل مانع راہ چلنے کا ہے۔ سالک طریق کو سوا راہ چلنے کے اور طرف دھیان نہیں چاہیئے۔ مثل مشہور ہے کہ راہ بے کاٹے نہیں کٹتی۔ اگر سالک کی نظروں میں پہنچنے کے آثار معلوم ہوں اور انوار معرفت اور غیب کی چمک منکشف

ہو جائے تو اس میں مستغرق ہو جائے گا اور پھر اس کو یہ گنجائش نہ ہوگی کہ اپنے پہلے حالات پر التفات کرے یہ درجہ کمال کا ہے بلکہ کوئی مسافر اپنے راستے میں نہر پائے کہ جس کا پل پہلے سے توڑ ڈالا پھر پار اترنے کے واسطے مدت تک حیران و پریشان رہے اور کسی وجہ سے پار اتر کر نہر کے کنارے بیٹھ کر رونا شروع کرے کہ ہائے افسوس میں تے اس کا پل کیوں توڑا تھا تو اس رونے سے اور زیادہ حرج ہوگا اتنے میں جو وقت ہوئی اس سے یہ حرج علاوہ ہے ہاں اگر پار اترنے کے وقت سفر کا وقت نہ رہے مثلاً رات کا وقت ہو کہ اس میں نہیں چل سکتا یا راستے میں اور بہت سی نہریں ہوں جن کے پار ہونے میں رات کو خطرہ ہو تو اس وقت اگر رات کو نہر کے کنارے بیٹھ کر خوب سا اندوہ و ملال و گریہ زاری پل کے لیے کرے تاکہ پھر ویسی حرکت عمل میں نہ لائے تو کیا مضائقہ ہے لیکن اگر اس کو ایک ہی خرابی میں تنبہ ہو گیا ہو جس سے اس کو اعتماد ہو کہ پھر ایسی حرکت نہ کروں گا تو ایسے شخص کے حق میں راہ کا چلنا ہی بہتر ہے اس بات سے کہ پل کو توڑنے سے یاد کر کے روتا رہے اور وہاں ہی کا ہو رہے اور یہ بات وہی شخص جانتا ہے جو طریق اور مقصد اور عائق اور چلنے کے طور کو جانتا ہو اور ان امور کو ہم نے اشارۃً باب علم میں اور جلد ثالث میں بیان کیا ہے بلکہ ہمارے عندیے میں تو دوام توبہ کی شرط یہ ہے کہ آدمی آخرت کی دولت کو بہت سوچتا رہے تاکہ رغبت آخرت اور زیادہ ہو لیکن اگر جوان آدمی ہو تو ایسی چیزوں میں جن کا نظیر دنیا میں موجود ہو مثلاً حور و قصور میں بہت فکر نہ کیا کرے۔ کیونکہ اس فکر سے کبھی رغبت مجازی حور و قصور کی پیدا ہو جاتی ہے حقیقی کی طرف نہیں رہتی۔ مناسب یہ ہے کہ صرف لذت دیدار الٰہی کی فکر کیا کرے جس کی نظیر دنیا میں نہیں۔ اسی طرح گناہ کا یاد کرنا بھی کبھی محرک شہوت ہوتا ہے اور مبتدی کو اس سے نقصان ہوتا ہے اسی وجہ سے بھول جانا گناہ کا مبتدی کے حق میں افضل معلوم ہوتا ہے اور ایسا نہ ہو کہ اس تحقیق کی تصدیق میں تم کو بایں وجہ تامل ہو کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے گناہ پر گریہ و نوحہ کیا تھا اس لیے کہ اپنے نفس کو انبیاء کے نفس پر قیاس کرنا بڑی کج فہمی ہے کیونکہ انبیاء اپنے اقوال و احوال میں کبھی اس درجے کی کمی کرتے ہیں جو ان کی امت کے حال کے لائق ہو اس نظر سے کہ ان کی بعثت صرف امت کے ارشاد کے لیے ہے تو جس فعل و قول سے کہ امت دیکھ کر منتفع ہو وہ ان کو کرنا پڑتا ہے گو ان کے درجے سے وہ اتر کر ہو۔ دیکھو بعض شیوخ ایسے تھے کہ اپنے مرید کو جو ریاضت بتاتے تھے اس کو آپ بھی اس کے ساتھ کرتے تھے گو ان کو اس کی حاجت نہ تھی وہ مجاہدہ اور تادیب نفس سے فارغ تھے مگر ان کا یہ فعل اس وجہ سے تھا کہ مرید کو ریاضت سہل ہو جاتے اسی بنا پر حدیث شریف میں وارد ہے اِمَّا اِنِّیْ لَا اَنْسٰی وَلٰکِنِّیْ اُنَسّٰی لِاُشَرِّعَ[12] اور ایک روایت میں ہے کہ اِنَّمَا اَسْھُو لِاَسُنَّ[12] اور اس امر کا تعجب نہ کرنا چاہیے اس لیے

[12] آگاہ ہو کہ میں خود نہیں بھولتا بلکہ بھلا دیا جاتا ہوں تاکہ اوروں کے لیے سند ہو جاوے مالک مرسل در موطا۔ اگر کہو یہ کیسے ہوگا کیونکہ صحیح متصل مرفوع میں ہے کہ میں تو بشر ہوں جیسے تم بھولتے ہو میں بھی بھولتا ہوں جب بھولوں تو یاد کرا دو جواب یہ کہ دونوں مرسل و متصل میں کچھ مخالفت نہیں ہے جبکہ یہ اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اقوال کا خالق ہے اور بھولنے کے واسطے عمداً قصد نہیں ہوتا ہے فافہم ۱۲ امیر علی عفی عنہ [12] میں اس لیے بھولتا ہوں کہ سنت مقرر کر دوں ۱۲

کرامت انبیاء کے سایۂ لطف میں ایسی ہوتی ہے جیسے لڑکا اپنے باپ کے ظلِ عاطفت میں ہوتا ہے یا جیسے مویشی اپنے چرواہے کے سایۂ حمایت میں ہوتے ہیں باپ اپنے بیٹے کو جب بولنا سکھاتا ہے تو جانتے ہی ہو کہ کیسی اپنی آواز توتلاتا ہے مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امام حسنؓ کو جب کہ انہوں نے چھوہارا صدقے کا اٹھا کر لڑکپن میں اپنے منہ میں رکھ لیا تھا آپ نے فرمایا کخ کخ یعنی چھی چھی حالانکہ آپ کی فصاحت اس بات سے قاصر نہ تھی کہ کوئی اور لفظ فصیح چھوہارے کے پھینکنے کے لیے فرماتے مگر چونکہ آپ نے جان لیا تھا کہ ہماری گفتگو نہ سمجھیں گے تو فصاحت کو ترک فرما کر ان کی ہی سی توتلی زبان کر کے ارشاد فرمایا۔ اسی طرح جو شخص بکری یا کسی پرند کو تعلیم کر دیتا ہے تو ان کے لیے سیٹی یا آواز مثل بہائم و پرند کے استعمال کرتا ہے تاکہ ان کے سکھانے میں سہولت ہو۔ اس طرح کے دقائق سے غفلت نہ کرنی چاہیے اس لیے کہ یہ مقام ایسا ہے کہ اس میں عارفوں کے قدم لغزش کھا جاتے ہیں غافلوں کا تو کیا ذکر ہے اللہ تعالیٰ اپنے کرم اور الطاف سے حسنِ توفیق عنایت فرمائے۔

توبہ کے معاملہ میں لوگوں کی قسمیں

جاننا چاہیئے کہ توبہ کرنے والے توبہ کے باب چار طبقہ ہیں اول طبقہ تو یہ ہے کہ گنہگار گناہ سے توبہ کر کے آخر عمر تک اسی پر جما رہے جو کچھ پہلے قصور کیا ہے اس کا تدارک کرے اور گناہوں کے دوبارہ کرنے کا خیال بھی دل میں نہ لائے سوائے ان لغزشوں کے جن سے کہ آدمی بشرطیکہ نبی نہ ہو بحسب عادت خالی نہیں ہوتا اور کسی گناہ کا خطرہ نہ گزرے پس توبہ جما رہنا اسی کا نام ہے اور ایسے ہی تائب کو کہتے ہیں کہ خیرات میں آگے آگے نکل گیا اور اپنی برائیوں کو بھلائیوں سے بدل لیا اسی توبہ کو توبۃ النصوح کہتے ہیں اور ایسے ہی نفس کو نفس مطمئنہ بولتے ہیں جو اپنے پروردگار کے سامنے ایسی طرح جائے گا کہ یہ اس سے راضی اور وہ اس سے خوش اور ایسے ہی لوگوں کی طرف اشارہ ہے اس حدیث شریف میں کہ سبق المفردون[ح۲] المستهترون بذکر الله تعالیٰ وضع الذکر عنهم اوزارهم فوردوا القیامة خفافاً۔ کیونکہ اس ارشاد میں یہ اشارہ ہے کہ ان پر بوجھ تھا مگر ذکر کرنے سے ان کا بوجھ اتار دیا پھر اس طبقے کے کئی مراتب ہو سکتے ہیں مثلاً بعض تو ایسے ہو سکتے ہیں کہ جس وقت توبہ کی اس وقت ان کی شہوات معرفت کے قہر میں دب گئیں اب نہ ان کو ان کے نفس سے چنداں اختلاف ہے نہ سلوک طریقت کے لیے اس سے مزاحمت۔ اور بعض ایسے ہوں گے کہ شہوات کا نزاع ان کے نفس میں رہے گا مگر وہ مجاہدۂ نفس اور ردِ شہوات میں تاخیر و دیر کرتا ہے۔ پھر نزاع کے درجات بھی باعتبار کثرت اور قلت اور اختلافِ مدت اور اختلافِ نوع کے متفاوت ہیں اسی طرح عمر کی کمی بیشی سے بھی تفاوت ہو جاتا ہے مثلاً بعض آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ توبہ کرتے ہی مر جاتے ہیں ایسوں کے حال پر غبطہ ہوتا ہے کہ سلامت چلے گئے اور کچھ فتور توبہ میں نہ ہوا اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ توبہ کے بعد مدتوں جیتے ہیں اور نفس پر مجاہدہ اور صبر کرتے ہیں اور توبہ پر

ح۱ بخاری بروایت ابوہریرہؓ ۱۲ ح۲ آگے بڑھ گئے ہیں مفردین اللہ تعالیٰ کا ذکر کے حریص کہ ان کے بوجھ اتار رکھے اس لیے قیامت میں ہلکے پھلکے پہنچے، ترمذی بروایت ابوہریرہ رضہ ۱۲

جمے رہتے ہیں اور بہت سے حسنات بجالاتے ہیں ایسے لوگوں کا حال اعلیٰ اور ارفع ہے۔ اس واسطے کہ ہر ایک خطا کے مٹانے کے لیے ایک نیکی ہوتی ہے بلکہ بعض علماء کا تو یہ قول ہے کہ گنہگار جس گناہ کا مرتکب ہوتا ہے وہ جب تک محو نہیں ہوتا جب تک عاصی دس بار اس گناہ پر قدرت پا کر خدا کے خوف سے اپنی شہوت نہ توڑ دے۔ ہر چند یہ شرط لگانی دور از قیاس ہے۔ ہاں اگر ایسی صورت ہو تو اس میں شک نہیں کہ اس کی تاثیر بڑی ہوگی۔ پھر بھی مرید کمزور کو نہ چاہیے کہ اس حال پر چلے یعنی اوّل شہوات کو ہیجان میں لاتے اور سب اسباب موجود کر لے یہاں تک کہ قدرت گناہ کرنے کی بخوبی ہو جاتے پھر طمع کرے کہ میں اس سے محفوظ رہوں تو ایسا نہ کرنا چاہیے اس لیے کہ ایسی صورت میں غالب یہی ہے کہ شہوت کی باگ اپنے اختیار سے باہر ہو جاتے اور توبہ کو توڑ کر گناہوں میں مبتلا ہو بلکہ ایسے شخص کے حق میں توبہ کا طریق یوں مناسب ہے کہ ایسے اسباب پیدا کرنے سے گریز کرے جن سے کہ گناہ آسان ہو جاتا ہے یہاں تک کہ راہ شہوت اس کے نفس پر بالکل بند ہو جاتے اور اس کے ساتھ ہی جتنا ہو سکے شہوت کے توڑنے میں کوشش کرے تاکہ اس کی توبہ محفوظ رہے۔

دوسرا طبقہ ایسا توبہ کرنے والا ہے جو اصول طاعات کی بجا آوری اور کل گناہ کبیرہ کے ترک پر استقامت کرے مگر تاہم ایسے گناہوں سے خالی نہیں جو اس سے بے قصد و ارادہ صادر ہو جاتے ہیں۔ یعنی اپنے کام کاج میں ان گناہوں میں پھنس جاتا ہے یہ نہیں کہ پہلے سے ان کا ارادہ پکا کیا ہو اور جب کبھی اس سے اس طرح کا گناہ سرزد ہوتا ہے تو اپنے نفس کو ملامت کرتا ہے اور شرمندہ ہوتا ہے اور افسوس کرتا ہے اور نئے سر سے ارادہ مصمم کرتا ہے کہ اب ان اسباب سے بچتا رہوں گا جو مجھے گناہوں میں مبتلا کر دیں۔ ایسے نفس کو نفس لوامہ کہنا زیبا ہے اس لیے کہ جو احوال ذمیمہ آدمی پر بے قصد و ارادہ آجاتے ہیں ان پر اس کو ملامت کرتا ہے۔ ہر چند طبقۂ اوّل اعلیٰ تھا۔ اس طبقے کے عالی رتبہ ہونے میں بھی تامل نہیں اور اکثر تائبوں کا حال ایسا ہی ہوتا ہے اس لیے کہ بدی انسان کی سرشت میں خمیر ہے اس سے جدا ہونا قریب بمحال ہے مگر انسان سے اتنا ہو سکتا ہے کہ کوشش کر کے اپنی خیر بہ نسبت شر کے زیادہ کر لے یہاں تک کہ پلۂ حسنات بھاری ہو جاتے مگر پلۂ بدیوں کا بالکل خالی رہنا نہایت مشکل ہے۔ بہرحال ایسے لوگوں کے لیے خدا تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ اِنَّ رَبَّکَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَۃِ[ت] پس جو صغیرہ کہ آدمی سے بیدل جاتے سرزد ہو جائے چاہیے کہ وہ لمم میں داخل ہو جو معاف ہے اور فرمایا وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَۃً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ ذَکَرُوا اللّٰہَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِھِمْ پس باوجود لوگوں کے ظلم کرنے کے اپنی جانوں پر جو ان کی ثنا فرمائی اسی وجہ سے ہے کہ ان لوگوں نے بعد کو ندامت کی اور اپنے نفس کو ملامت۔ اور اسی جیسے رتبے کی طرف اشارہ ہے اس حدیث شریف میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے

ت۔ جو بچتے ہیں بڑے گناہوں سے اور بےحیائی کے کاموں سے مگر کچھ آلودگی۔ بےشک تیرے رب کی بخشش میں سمائی ہے ۱۲ ت ۲ اور وہ لوگ کہ جب کریں کچھ کھلا گناہ یا برا کریں اپنے حق میں تو یاد کریں اللہ کو اور بخشش مانگیں اپنے گناہوں کی ۱۲

ہیں خیارکم[ح۱] کل مفتن توّاب ط اور دوسری حدیث میں ہے المؤمن[ح۲] کالسنبلۃ یعنی احیانا دیمیل احیانا اور حدیث[ح۳] میں ہے کہ ایماندار کے لیے یہ ضروری ہے کہ کبھی کبھی گناہ کا مرتکب ہو جائے۔ ان سب روایتوں سے قطعاً ثابت ہے کہ اس مقدار قصور سے توبہ نہیں ٹوٹتی اور نہ ایسے قصور کرنے والا زمرے میں اصرار کرنے والوں کے داخل ہے اور جو شخص ایسے لوگوں کو درجہ تائبین سے مایوس کرے وہ ایسا ہے جیسے کوئی طبیب کسی ایسے شخص کو جو تندرست ہو کہے جو میوے اور گرم غذا کبھی کبھی کھا لیتا ہو اور مداومت ان پر نہ کرتا ہو، کہ تو ہمیشہ اچھا نہ رہے گا یا کوئی فقیہ کسی طالب فقہ کو مایوس کر دے کہ تجھ کو فقہا کا درجہ نہ ملے گا اس وجہ سے کہ تو کبھی کبھی سبق کو دہراتا نہیں نہ یاد کرتا ہے حالانکہ اس سے یہ امر بہت کم اور تھوڑے ہی وقت کے لیے اتفاقاً ہو جاتا ہے پس ایسے کو مایوس کرنا نہ چاہیے ورنہ ظاہر ہوگا کہ فقیہ اور طبیب خود ناقص ہیں دین کا فقیہ اسے کہتے ہیں جو خلق کو اس وجہ سے کہ ان سے لغزشیں ہوتی ہیں اور گناہ کرتے رہتے ہیں، درجہ سعادت پر پہنچنے سے مایوس نہ کرے دیکھو حدیث شریف میں وارد ہے کل[ح۴] بنی آدم خطاؤن وخیر الخطائین التوابون المستغفرون اور فرمایا المؤمن[ح۵] واہٍ واقع فخیرھم من مات علیٰ دقعتہ یعنی گناہوں کے سبب اپنے ایمان کو پھاڑتا ہے اور توبہ اور ندامت سے پھر پیوند لگاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اولٰئک الذین یؤتون اجرھم مرتین بما صبروا ویدرؤن بالحسنۃ السیئۃ اس میں یہ وصف بیان کیا کہ خطا کے بعد نیکی کرتے ہیں یہ نہیں فرمایا کہ بالکل خطا نہیں کرتے۔

تیسرا طبقہ یہ ہے کہ توبہ کر کے ایک مدت تک اس پر جما رہے پھر کسی گناہ کی خواہش اس پر غالب ہو جاتے اور اس کو قصداً اور ارادۃً کر بیٹھے اس وجہ سے کہ اس خواہش کے دبانے سے عاجز ہے مگر باوجود اس کے طاعات کی بجا آوری ہمیشہ کرتا رہتا ہے اور گناہوں کا بھی باوجود قدرت و خواہش کے تارک ہے صرف ایک خواہش یا دو خواہشوں سے مجبور رہے کہ وہ اس پر غالب آجاتی ہیں تاہم یہ چاہتا ہے کہ اگر خدائے تعالیٰ مجھ کو اس شہوت کے روکنے پر بھی قادر کر دے تو کیا خوب ہو یہ آرزو قبل معصیت ہو اور بعد سرزد ہونے خطا کے اس پر نادم ہو اور کہے کہ کیا اچھا ہوتا جو میں اس کام کو نہ کرتا اور اب میں مجاہدہ نفس پر کر کے اس کو اس شہوت سے روکوں گا اور اس خطا سے توبہ کروں گا مگر اس کا نفس ٹالتا رہتا ہے اور آج کل کیا کرتا ہے اس طرح کے نفس کو وہ نفس سمجھنا چاہیے

ح۱ تم میں بہتر وہ لوگ ہیں کہ معصیت میں اگر مبتلا ہوں تو توبہ کریں ۱۲ بیہقی در شعب بسند ضعیف ۱۲ ح۲ مومن مثل بالی کے ہے کبھی معصیت سے رجوع کرتا ہے کبھی اس کی طرف جھکتا ہے ۱۲ ابو یعلی و ابن حبان بروایت انس ۱۲ ح۳ بیہقی در شعب بروایت ابن عباس ح۴ آدمی سب خطاوار ہیں اور خطاواروں میں سے بہتر وہ ہیں جو توبہ کریں اور عفو کے خواہاں ہوں ۱۲ ترمذی و حاکم بروایت انس مگر التوابون بجاے المستغفرون کے روایت کیا ح۵ کہ ایماندار پھاڑنے والا ہے اور پیوند لگانے والا ہے سو بہتر وہی ہے جو پیوند لگا کر مرے ۱۲ طبرانی و بیہقی بروایت جابر بسند ضعیف اور اس میں سعید بجائے فخیرھم کے ہے ۱۲ ت ۶ وہ لوگ پائیں گے اپنا حق دہرا اس پر کہ ٹھہرے رہے اور بھلائی دیتے ہیں برائی کے جواب میں ۱۲

جس کا نام مسولہ ہے اور ایسے لوگ وہ ہیں جن کی شان میں خدائے تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا تو ایسا شخص جو کہ اپنی طاعات پر مداومت رکھتا ہے اور اپنے کردار کو بُرا جانتا ہے اس نظریئے سے تو توقع ہے کہ خدائے تعالیٰ اس کی توقع قبول فرمائے مگر بدیں لحاظ کہ توبہ میں تاخیر اور لیت ولعل کرتا ہے اس کا انجام پُرخطر ہے کیا معلوم ہے جو موت پہلے ہی توبہ سے آدبائے پھر جو خدا کو منظور تھا ویسا ہی ظہور میں آئے یعنی اگر خدا تعالےٰ نے اپنے فضل سے اس کا تدارک کیا اور اس کے جبر نقصان کے لیے قبول توبہ سے سرفراز فرمایا تو وہ شخص زمرۂ سابقین میں لاحق ہوگا اور اگر خدا نخواستہ بدبختی غالب ہوگی اور شہوت دبالے گی تو یہ خوف ہے کہ کہیں اس پر خاتمے کے وقت قول ازلی صادق نہ آجائے کیونکہ یہ معمول ہے کہ اگر کسی طالب علم سے ایسی باتوں سے نہ بچا جاوے تو مانع تحصیل ہے تو اس سے یہی سمجھا جائے گا کہ اس کی قسمت میں علم نہیں اور اگر اس کے لیے سامانِ تحصیل کا سب خاطر خواہ میسر ہو تو دلالت اس پر ہو گی کہ ازل میں اس کا نام عالموں میں لکھا ہوگا یہ حال آخرت کی سعادت حسنات سے اور وہاں کا عذاب سیئات سے ایسے متعلق ہیں جیسے مرض اور صحت غذا اور دوا سے مرتبط ہیں یا حاصل ہونا فقہ کا جس سے دنیا کے مراتب اعلیٰ ملتے ہیں۔ کاہلی کے ترک کرنے اور نفس کو ہمیشہ فقہ کا عادی رکھنے سے متعلق ہے۔ پس جس طرح کہ منصب ریاست اور قضا اور علم میں بڑھنا اسی نفس کو حاصل ہوتا ہے جو مدت تک محنت کر کے پاک وصاف ہوا ہو۔ خدائے تعالیٰ نے اپنی تدبیر ازل سے اسی طرح مقرر فرمائی ہے اور اسی واسطے ارشاد فرمایا[ت۲] وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا پس جب بندہ کسی گناہ میں مبتلا ہو اور گناہ نقد اور توبہ ادھار ہو تو یہ علامت رسوائی کی ہے اور ایک حدیث[ح۳] میں وارد ہے کہ بندہ ستر برس تک عمل اہل جنت کا سا کرتا ہے یہاں تک کہ لوگ اس کو جنتی کہنے لگتے ہیں اور اس میں اور جنت میں ایک بالشت کا فاصلہ رہ جاتا ہے لیکن نوشتۂ ازلی غالب ہوتا ہے پھر وہ شخص دوزخیوں کے سے کام کرتا ہے اور دوزخ میں جاتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ خوف خاتمے کا توبہ سے پیشتر ہے اور ظاہر ہے کہ ہر ایک سانس آدمی کی عمر گذشتہ کا خاتمہ ہے کیونکہ ممکن ہے کہ اسی سانس سے موت ملی ہوئی ہو اس لیے ضروری ہوا کہ انفاس کی محافظت کی جائے ورنہ ممنوع چیز میں مبتلا ہو جائے گا اور حسرت دائمی ایسے وقت میں کرے گا جس وقت کچھ فائدہ نہ ہو۔ شعر

کر لے غافل زندگی میں نیکی جتنی ہو سکے

ورنہ وقت نزع تو ارمان ہی لے جائے گا

چوتھا طبقہ وہ ہے کہ توبہ کر کے کچھ روز جمار ہے پھر گناہ کا یا گناہوں کا مرتکب ہو بدون اس کے کہ دل میں

ت ۱ اور بعضے مانیں اپنا گناہ یا ایک کام نیک اور دوسرا بد ۱۲ ت ۲ اور قسم ہے جی کی اور جیسا اس کو ٹھیک بنایا پھر سمجھ دی اسکو ڈھٹائی کی اور بچ چلنے کی بہتری کو پہنچا جس نے اسکو سنوارا اور نامراد ہوا جس نے اس کو خاک میں ملایا ۱۲ ح ۳ بخاری و مسلم بروایت سہیل ابن سعد اور اس میں ستر برس نہیں احمد نے بروایت ابو ہریرہؓ یہ حدیثیں روایت کی ہیں ۱۲

توبہ کرنے کا خیال ہو یا گناہ کرنے پر افسوس ہو بلکہ غافل آدمی کی طرح اتباع شہوت میں ڈوبا رہے تو ایسا شخص گناہ پر اصرار کرنے والوں کے زمرے میں ہے اور اس کا نفس امّارہ بالسّوء یعنی بدی کا حکم کرنے والا ہے اور خیرات سے بھاگنے والا ایسے شخص پر خوف انجام کے برا ہونے کا ہے خدا جانے کیا ہو اگر معاذاللہ برائی پر خاتمہ ہوا تو ایسا بدبخت ہوگا جس کی بدبختی کی کچھ انتہا نہیں اور اگر بھلائی پر انجام ہوا یہاں تک کہ توحید پر مرا تو اس کو توقع دوزخ کی آگ سے رہائی کی ہوگی گو کچھ مدت کے بعد اور یہ بھی محال نہیں کہ خدائے تعالیٰ کسی سبب خفیہ کے باعث جس کی اس شخص کو اطلاع نہ ہو اس کو معاف فرما دے جیسے کوئی شخص کسی اجاڑ جگہ میں جائے اس نیت سے کہ خزانہ پائے تو محال نہیں کہ اتفاق سے اس کو مل جائے یا مثلاً کوئی شخص گھر میں بیٹھ رہے اس قصد سے کہ علوم بدوں تحصیل کے آجائیں جیسے انبیاء علیہم السلام کو حاصل تھے تو یہ بھی محال نہیں خدائے تعالیٰ کی قدرت سے ممکن ہے مگر طاعات کے عوض میں خدا کی مغفرت کا خواہاں ہونا تو ایسا ہے جیسا کوئی محنت اور بحث سے علم کا خواہاں یا تجارت کی مشقتیں خشکی و تری کی اٹھانے سے مال کا طالب ہو اور باوجود اعمال کی خرابی کے مغفرت کا طالب ہونا اور اس کا متوقع ہونا ایسا ہے جیسا ویرانوں میں خزانوں کا ڈھونڈنا اور فرشتوں کی تعلیم سے علم کا سیکھنا کہ ہرچند محال نہیں مگر بعید از عقل ہے اور کوشش کرنے کے بعد ہی اگر علم آجائے اور تاجر غنی ہو جائے اور جو نماز روزہ ادا کرتا ہو اس کی مغفرت ہو جائے تب بھی غنیمت ہے۔ کسی بزرگ کا قول ہے کہ آدمی سب محروم ہیں سوائے عالموں کے اور عالم سب محروم ہیں سوائے عاملوں کے اور عامل سب محروم ہیں سوائے مخلصوں کے اور مخلص لوگ بڑے خطرے میں ہیں اور جس طرح کہ ارباب دانش کے نزدیک وہ شخص خارج از عقل گنا جاتا ہے جو اپنا گھر اجاڑ کر مال ضائع کر دے اور اپنے نفس اور خاندان کو بھوکا چھوڑ دے اس توقع پر کہ کیا تعجب ہے کہ خدائے تعالیٰ اپنے فضل سے اس کھنڈر میں زمین کے تلے سے خزانہ عنایت فرما دے گو اس شخص کی یہ توقع خدائے تعالیٰ کی قدرت سے محال نہیں ہے اسی طرح جو شخص اللہ تعالیٰ کے فضل سے مغفرت کی توقع رکھے اور بجاآوری طاعت میں قصور اور گناہوں پر اصرار کرتا ہے مغفرت کی راہ نہ چلتا ہو تو وہ ارباب دل کے نزدیک بیوقوف اور مغالطے میں پڑا ہوا ٹھہرے گا اور بڑا تعجب اس ناقص العقل کی عقل پر ہے کہ اپنی حماقت کی بات کو خوبی کے پیرائے میں رواج دیتا ہے یعنی کہتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کریم ہے اور مجھ سے ایسے آدمی سے اس کی جنت کچھ تنگ نہیں ہوگی اور میرے گناہ سے اس کا کچھ ضرر نہیں لیکن باوجود اس قول کے روپیہ کی تلاش میں خشکی اور تری کے سخت مشکل سفر اختیار کرتا ہے اور اگر اس سے کہا جائے کہ خدائے تعالیٰ کریم ہے اس کے خزانے کے روپے تمہاری حاجت سے قاصر نہیں اور تم بھی اگر تجارت میں سستی کرو تو تمہارا کیا ضرر ہے اس لیے کہ تم گھر میں بیٹھ رہو خدائے تعالیٰ تم کو ایسی جگہ سے روزی دے گا جہاں سے تم نہ جانتے ہو۔ پس کہنے والے کو احمق بنا دے گا اور اس سے تمسخر کرے گا اور کہے گا کہ آسمان سے سونا اور چاندی تو نہیں برستا یہ چیزیں ہاتھ پاؤں ہلانے سے حاصل ہوتی ہیں۔ خدا تعالیٰ کی عادت اسی طرح جاری ہے جو راہ مقرر کر دی اس میں کچھ تبدیلی نہیں ہوتی اب اس احمق سے کہنا چاہیئے کہ دنیا و آخرت کا خدا ایک ہی ہے اور جو طریق اس نے ان

دونوں میں مقرر کر رکھا ہے اس میں کچھ تبدیلی نہ ہو گی اور اس نے یہ ارشاد فرمایا ہے وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی[ت ۱] تو پھر تم نے یہ اعتقاد کیسے لیا کہ خدائے تعالیٰ آخرت میں کریم ہے اور دنیا میں نہیں اور اس بات کے کیسے قائل ہوتے کہ اس کے کرم کے بھروسے پر حصول مال کے لیے قصور نہیں کرنا چاہیئے مگر آخرت کی سلطنت جاوید اور دولت پائدار کے ملنے کے لیے کرنا چاہیے اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خدائے تعالیٰ اپنے کرم سے اتنی دولت پائدار تو آخرت میں بے محنت دے گا اور دنیا کا مال فانی جس میں اکثر بہت مشقتیں اٹھانی پڑتی ہیں، نہیں دے گا، تم اس ارشادِ خداوندی کو بھول گئے[ت ۲] وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ خدا اس جہالت سے بچائے یہ اعتقاد کرنا تو سر کے بل چاہِ ضلالت اور گورِ حماقت میں گرنا ہے۔ اسی طرح کے لوگ اگر اس آیت کے مصداق ہوں تو زیبا ہے وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ رَبَّنَاۤ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا یعنی ہم نے معلوم کر لیا کہ تیرا قول درست تھا وان لیس للانسان الا ما سعیٰ اب تو ہم کو دنیا میں لوٹا دے کہ ہم کوشش کریں پھر اس وقت پھرنا کہاں بلکہ عذاب ہو گا اور اس کی جان خدائے تعالیٰ جہالت اور شک سے بچائے جن کے سبب ضرور ہی انجام خراب ہوتا ہے۔

تائب سے گناہ ہو جائے تو کیا کرے

واضح ہو کہ جب تائب شخص کسی گناہ کا مرتکب ہو جاتے تو اس پر دو باتیں واجب ہیں اوّل یہ کہ توبہ اور ندامت کرے دوسرے یہ کہ اس گناہ کے محو کرنے کے لیے کوئی نیکی اس کی ضد میں کرنے جیسا کہ ہم اوپر اس کا طریق لکھ چکے ہیں پس اگر نفس نے عزم آئندہ کے چھوڑنے کا بسبب غلبۂ شہوت کے نہ کیا تو گویا ایک واجب کی بجا آوری سے عاجز ہے اس صورت میں نہیں چاہیئے کہ دوسرے واجب کو بھی ترک کر لے بلکہ نیکی کر کے بدی کے محو کرنے کی تدبیر کرے اور حسنات سے ان سیئات کا کفارہ کر دے تا کہ اور کچھ نہ ہو تو یہ تو ہو کہ عمل صالح اور عمل بد دونوں کا عامل ٹھہرے اور حسنات جن سے کہ سیئات محو ہوتے ہیں وہ یا دل سے ہوتے ہیں یا زبان سے یا اعضاء سے پس جس جگہ سے کہ بدی کا مرتکب ہوا یا بدی کا سبب یہاں سے پیدا ہوا ہو نیکی بھی اسی جگہ سے کرنی چاہیے مثلاً اگر بدی کا ظہور دل سے ہوا ہو تو اس کو اس طرح مٹا دے کہ خدا تعالیٰ کی جناب گریہ وزاری کرے اور مغفرت اور عفو کا خواہاں ہو اور جیسے غلام بھاگا ہوا ذلیل ہوتا ہے ویسا ہی اپنے آپ بنے حتیٰ کہ سب لوگوں پر ذلت ظاہر ہو جائے۔ اور اس کا طور یہ ہے کہ جس قدر برائی ان میں کرتا ہو اس کو کم کر دے اس واسطے کہ بھاگے ہوئے غلام کو دوسرے غلاموں پر تکبر کرنے کی کیا وجہ ہے اس کو تو ہر دم یہ خیال چاہیئے۔ ع

ت ۱ اور یہ کہ آدمی کو وہی ملتا ہے جو کمایا ۱۲ ت ۲ اور آسمان میں روزی تمہاری اور جو کچھ تم سے وعدہ کیا ۱۲ ت ۳ اور کبھی تو دیکھے جس وقت منکر سر ڈالے ہو اپنے رب کے پاس اے رب ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا اب ہم کو پھیر دے ہم کریں بھلائی ۱۲ منہ

بر در آمد بندۂ بگریختہ   آبروئی خود ز عصیاں ریختہ

اور نیز دل سے عزم طاعات کا اور اہل اسلام پر خیرات کا رکھے اور زبان سے کفارہ کا طور یہ ہے کہ اپنے ظلم کا اقرار کرے اور یوں کہے رب انی ظلمت نفسی وعملت سوءً فاغفرلی ذنوبی جس کا مضمون ان اشعار میں ہے اشعار

پادشاہا جرم ما را در گذار   ما گنہگاریم و تو آمرزگار

تو نکوکاری و ما بد کردہ ایم   جرم بے اندازہ بیحد کردہ ایم

مغفرت دارم امید از لطف تو   زانکہ خود فرمودۂ لا تقنطوا

اور اقسام استغفار کے جو ہم نے باب دعا و ذکر میں لکھے ان کو بہت کہتا رہے اور اعضاء سے کفارہ ادا کرنے کا طور یہ ہے کہ طاعات ان سے بجا لاتے اور صدقات اور اقسام عبادات ادا کرے اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آدمی گناہ کے پیچھے آٹھ کام کرلے تو توقع ہے کہ وہ گناہ معاف ہو جاتے چار کام تو دل کے اعمال میں سے ہیں اوّل توبہ کرنا یا قصد توبہ کرنا دوم گناہ سے احتراز اچھا معلوم ہونا سوم گناہ پر عذاب سے ڈرتے رہنا چہارم اس کے بخشے جانے کی توقع کرنی۔ اور چار کام اعضا کے اعمال میں سے ہیں اوّل یہ کہ گناہ کے بعد دو رکعت نماز پڑھے دوم اس دوگانے کے بعد ستر بار استغفار اور سو مرتبہ سبحان اللّٰہ العظیم وبحمدہٖ پڑھے سوم کچھ صدقہ دے۔ چہارم ایک روزہ رکھے اور بعض روایات[ح۱] میں ہے کہ وضو کامل کر کے مسجد میں جاتے اور دوگانہ نماز پڑھے۔ اور بعض[ح۲] میں چار رکعتوں کا ذکر ہے۔ اور ایک حدیث[ح۳] شریف میں ہے کہ جب کوئی برائی کرے اس کو چاہیئے کہ اس کے بعد بھلائی کرے تا کہ اس کی مکافات ہو جاتے۔ پوشیدہ برائی کے عوض پوشیدہ بھلائی کرے اور ظاہر کے عوض ظاہر اور اسی بنا پر یہ قول ہے کہ پوشیدہ صدقہ دینے سے رات کے گناہ محو ہو جاتے ہیں اور ظاہر صدقہ دینے سے دن کے اور ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت[ح۴] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے ایک عورت سے کچھ کیا مگر زنا نہیں کیا جو خدائے تعالیٰ کا حکم ہو وہ آپ میرے اوپر جاری فرمایئے۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ تو نے ہمارے ساتھ کیا صبح کی نماز نہیں پڑھی اس نے عرض کیا کہ پڑھی ہے آپ نے فرمایا کہ نیکیاں بدیوں کو کھو دیتی ہیں۔ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زنا سے کم مباشرت عورتوں کی گناہ صغیرہ ہے اس لیے کہ نماز کے باعث سے جاتا رہا ہے اور کبیرہ گناہ نماز سے نہیں محو ہوتا چنانچہ حدیث[ح۴] شریف میں ہے لہ الصلوٰۃ الخمس کفارات ما بینھن الا الکبائر۔ بہر حال آدمی کو چاہیے کہ اپنے نفس کا حساب ہر روز کیا کرے اور اپنی خطاؤں کو جمع کیا کرے اور ان کے دور کرنے میں محنت کر کے اتنی ہی حسنات کیا کرے۔ اب اگر یہ کہو کہ حدیث شریف میں مذکور[ح۵] ہے کہ جو شخص گناہ سے استغفار کرے اور اس پر اصرار کرتا جائے وہ گویا خدا تعالیٰ کے ساتھ ہنسی کرتا ہے پس جب تک کہ اصرار کا عقدہ حل نہ ہوگا تب تک استغفار

ح ۱۔ اصحاب سنن بروایت ابوبکر صدیق رضی ۱۲ بیہقی در شعب بروایت ابن عباس ۱۲ ح ۲ بیہقی در شعب بروایت معاذ ۱۲ ح ۳ مسلم بروایت انس رضی

ح ۴۔ اس کا ترجمہ اور سند پہلے گذری ۱۲ ح ۵ بیہقی در شعب بروایت ابن عباس بسند ضعیف ۱۲

کیسے مفید ہوگا اور بعض اکابر فرماتے ہیں کہ میں اپنی زبانی استغفار سے بھی استغفار کرتا ہوں اور بعض کا قول ہے کہ صرف زبان سے استغفار پڑھنا جھوٹوں کی توبہ ہے اور حضرت رابعہ عدویہؒ فرماتی ہیں کہ ہمارے استغفار کے لیے بہت سا استغفار چاہیئے۔ ان روایات میں کونسا استغفار مراد ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ استغفار کی فضیلت میں اخبار بے شمار وارد ہیں چنانچہ ان کا ذکر باب ادعیہ اور اذکار میں لکھا گیا اور اس سے بڑھ کر اور کیا فضیلت ہوگی کہ خداوند کریم نے استغفار کا اثر وہی ارشاد فرمایا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریف رکھنے سے فرمایا چنانچہ ارشاد ہوا وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَھُمْ وَاَنْتَ فِیْھِمْ وَمَا کَانَ اللّٰہُ مُعَذِّبَھُمْ وَھُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ اسی جہت سے بعض صحابہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے لیے دو پناہیں تھیں ایک پناہ تو چلی گئی یعنی وجود باوجود جناب سرور کائناتؐ کا ہم میں نہ رہا اور ایک ابھی باقی ہے یعنی استغفار موجود ہے اگر وہ بھی نہ رہے گا تو ہم ہلاک ہو جائیں گے۔ اب ہم کہتے ہیں کہ جو استغفار کہ جھوٹوں کی توبہ ہے وہ صرف زبانی استغفار موجود ہے اس طرح کہ دل کی شرکت اس میں کچھ نہ ہو جیسے عادتاً براہِ غفلت کہہ دیا کرتے ہیں کہ استغفر اللہ یا جب آگ دوزخ کا بیان سُنا تو کہہ دیا کہ نعوذ باللہ منہا بدون اس کے کہ دل میں کچھ اس کی تاثیر ہو اس میں صرف زبان کی حرکت ہوتی ہے اس سے کچھ فائدہ نہیں ہاں اگر اس کے ساتھ دل سے خدا کی طرف تضرع و انکسار کرے اور ارادہ صادق اور نیت خالص اور رغبت کامل سے مغفرت کا سائل ہو تو یہ البتہ ایک حسنہ ہے اور اس میں لیاقت اس بات کی ہے کہ بُرائی کو دور کر سکے اور اخبار جو فضائل استغفار میں وارد ہیں ان میں اسی استغفار سے غرض ہے یہاں تک کہ ارشاد فرمایا۔ مَا اَصَرَّ مَنِ اسْتَغْفَرَ وَلَوْ عَادَ فِی الْیَوْمِ سَبْعِیْنَ اس حدیث میں استغفار سے استغفار قلبی مراد ہے اور توبہ اور استغفار کے بہت سے درجات ہیں اوائل درجات بھی خالی از فائدہ نہیں گو آخر تک نوبت نہ پہنچے اسی بنا پر حضرت سہل تستریؒ فرماتے ہیں کہ بندے کو ہر حال میں ضرورت اپنے مالک کی ہوتی ہے تو اس کے حق میں بہتر یہی ہے کہ سب چیزوں میں مالک ہی کی طرف رجوع کرے۔ مثلاً گناہ میں مبتلا ہو تو التجا کرے کہ الٰہی میرا پردہ فاش نہ کر اور گناہ کر چکے تو دعا مانگے کہ الٰہی میری توبہ قبول فرما اور توبہ کے بعد عرض کرے کہ مجھے بہت عصمت نصیب کر اور جب کوئی عمدہ کام کرے تو التماس کرے کہ خداوندا اس عمل کو مجھ سے قبول کر۔ اور کسی شخص نے ان سے پوچھا کہ وہ استغفار کونسا ہے جو گناہوں کو مٹاتا ہے، آپ نے جواب دیا کہ شروع تو استجابت ہے پھر انابت پھر توبہ استجابت سے اعمال اعضاء کے مراد ہیں مثل دوگانہ و دعا اور انابت سے اعمال قلوب یعنی صدق ارادت اور خلوص نیت وغیرہ مراد ہیں اور توبہ سے یہ غرض ہے کہ خلق کو چھوڑ کر مالک کی طرف متوجہ ہو اور نعمتِ الٰہی کی ناواقفیت اور اس کے شکر گذار نہ ہونے کا جو قصور اس میں ہے اس سے مغفرت کا خواہاں ہوتا کہ وہ قصور معاف ہو اور مالک کے پاس اس کا ٹھکانا بنے پھر توبہ کے بعد تنہائی اختیار کرنی

ت اور اللہ ہرگز نہ عذاب کرتا ان کو جب تک تو ان میں تھا اور اللہ عذاب نہ کرے گا ان کو جب تک بخشواتے رہیں گے ۱۲ ح م ترمذی بروایت ابوموسیٰ ۱۲ ح م جو استغفار کرتا ہے وہ گناہ کا مصر نہیں کہلاتا گو دن میں ستر بار دہرائے ۱۲ جلد اول باب الدعا میں گزری ۱۲ +

پھر توبہ پر ثابت رہنا، پھر بیان، اس کے بعد فکر، اس کے بعد مغفرت اس کے بعد مناجات اس کے بعد مصافات اس کے بعد موالات اس کے بعد راز کی گفتگو جس کو خلت کہتے ہیں یہ سب نتائج استغفار پر مرتب بتدریج ہوتے ہیں اور یہ بات اسی بندے کے دل میں ٹھہرتی ہے جس کی غذا علم ہو اور قوام ذکر الٰہی توشہ رضا اور اس کا رفیق توکل ہو ایسے دل کی طرف خدا تعالیٰ نظر عنایت سے دیکھ کر اس کو عرش پر اٹھا لیتا ہے۔ اس کا مقام اور عرش کے اٹھانے والوں کا مقام ایک ہو جاتا ہے اور نیز ان سے کسی نے اس حدیث کا حال پوچھا کہ اَلتَّائِبُ حَبِیْبُ اللّٰہِ[1] آپ نے فرمایا کہ حبیب جب ہوتا ہے جب وہ باتیں اس میں پائی جائیں جو اس آیت میں مذکور ہیں[2] اَلتَّائِبُوْنَ الْعَابِدُوْنَ الْحَامِدُوْنَ السَّائِحُوْنَ الرَّاكِعُوْنَ السَّاجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَافِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ط[3] اور فرمایا کہ حبیب اس کو کہتے ہیں کہ جو چیز اپنے حبیب کو بُری معلوم ہو اس کے گرد نہ پھرے حاصل یہ ہے کہ توبہ کے ثمرے دو ہیں اوّل گناہوں کا مٹانا یہاں تک کہ ایسا ہو جاتے کہ گویا گناہ کیا ہی نہیں اور دوسرا ثمرہ درجات کا ملنا ہے تاکہ حبیب ہو جائے اور گناہ کے مٹانے کے درجات مختلف ہیں بعضوں سے اصل گناہ بالکل زائل ہو جاتا ہے اور بعض میں صرف گناہ کی تخفیف ہوتی ہے۔ ان درجات کا اختلاف بحسب اختلاف توبہ کے درجات کے ہوتا ہے حاصل یہ کہ دل سے استغفار کرنا اور حسنات سے تدارک کرنا اگرچہ ابتدائے درجات میں اصرار کے عقدے کو حل نہ کریں تاہم فائدے سے خالی نہیں پس یہ گمان نہ کرنا چاہیے کہ ایسے استغفار و حسنات کا وجود و عدم برابر ہے۔ بلکہ اربابِ مشاہدہ اور اہل دل کو قطعاً معلوم ہو گیا ہے کہ قول خداوندی فمن یعمل مثقال ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ط[4] بیشک درست ہے ہر ذرہ خیر میں کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہوتا ہے جیسے کانٹے میں ایک طرف ایک چاول ڈال دو تو کچھ نہ کچھ جھک جائے گا اور اس کی کچھ تاثیر نہ ہو تو چاہیے کہ دوسرا چاول اگر ڈال دیں جب بھی کچھ اثر نہ ہو اور اس سے یہ لازم آتا ہے کہ چاول اگر زیادہ بھی اس میں ڈالے جائیں تب بھی پلہ نہ جھکے حالانکہ قطعاً محال ہے یہی حال حسنات اور ذرات خیر کا ہے کہ ان سے بھی میزان اعمال میں پلہ حسنات پر ضرور ہی اثر ہوتا ہے اور بہت سی ہو کر سیئات کا پلہ ان کے مقابل میں اُٹھ جاتا ہے پس آدمی کو چاہیے کہ کسی حال میں تھوڑی سی خیر کو اور ذرہ بھر طاعت کو حقیر جان کر فروگذاشت نہ کرے اور نہ کسی ادنیٰ گناہ کو قلیل سمجھ کر اس کا مرتکب ہو جیسے کوئی بے وقوف عورت کاتنے کے لیے بہانہ کرے کہ میں ایک گھڑی میں صرف ڈورا کات سکتی ہوں اس ایک دھاگے سے کونسا مال جمع ہو جائے گا یا کیا کپڑا تیار ہو گا اس احمق کو یہ معلوم نہیں کہ دنیا کے جتنے کپڑے ہیں سب ایک ایک تار ہی سے بنے ہیں اور تمام دنیا خود بھی باوجود اتنی وسعت کے ذرات ہی سے بنی ہے۔ غرضکہ تضرع اور استغفار کہنا بھی حسنہ میں داخل ہے کیونکہ زبان کو غفلت کے ساتھ استغفار کے لیے ہلانا اس سے تو بہتر ہے کہ اس وقت میں کسی مسلمان کی غیبت یا کلام فضول

ح۱ توبہ کرنیوالا اللہ کا حبیب ہے ۱۲ ح۲ پہلے گذری ح۳ توبہ کرنیوالے بندگی کرنیوالے شکر کرنیوالے بے تعلق رہنے والے رکوع کرنیوالے سجدہ کرنے والے حکم کرنیوالے نیک بات کا اور منع کرنیوالے بُری بات سے اور تھامنے والے حدیں باندھی ہوئی اللہ کی ۱۲ ح۴ سو جس نے کی ذرہ بھر بھلائی وہ دیکھ لے گا ۱۲

کے لیے حرکت دے اور چپ رہنے کی نسبت بھی بہتر ہے گو عمل قلبی کی نسبت ناقص ہے مگر زبان کے سکوت اور لغویات سے بہر صورت افضل ہے۔ چنانچہ بعض مریدین نے اپنے مرشد ابو عثمان مغربی سے عرض کیا کہ میری زبان بعض اوقات ذکر و قرآن پر جاری ہو جاتی ہے حالانکہ میرا دل غافل ہوتا ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ خدا کا شکر کرو کہ اس نے تمہارے ایک عضو کو خیر میں لگایا اور ذکر کا عادی بنایا اور شر میں نہ لگایا نہ فضول کا عادی بنایا اور بیشک ان حضرات کا قول درست ہے اس لیے کہ اعضا کو اگر خیر کی عادت مثل امور طبعی ہو جاتی ہے تو موجب بہت سے گناہوں کے دفع کی ہوا کرتی ہے مثلاً ایک شخص استغفار کا عادی ہے وہ جب کسی سے کوئی جھوٹ بات سنے گا فوراً کہہ بیٹھے گا استغفر اللہ اور جس کی عادت لغوگوئی کی ہو، وہ جلدی سے یہی کہے گا تم بڑے بے وقوف ہو یا کیسا بڑا جھوٹ تمہارا ہے یا ایک شخص عادی نعوذ باللہ منہ کہنے کا ہے وہ جب کسی شریر کی شرارت کے افعال سنے گا۔ عادت کے طور پر کہہ دے گا کہ نعوذ باللہ منہ البتہ اگر فضول و لغو کا عادی ہوگا تو کہے گا خدا اس پر لعنت کرے ان میں سے ایک کلمہ کہنے میں گنہگار ہوگا اور دوسرا کہنے میں بچا رہے گا اور بچاؤ کی صورت زبان کے عادی خیر ہونے کا اثر ہے اور منجملہ معانی اس آیت کے ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ہ[1] اور اس آیت کے وَاِنْ تَکُ حَسَنَۃً یُّضٰعِفْھَا وَیُؤْتِ مِنْ لَّدُنْہُ اَجْرًا عَظِیْمًا ط[2] تو دیکھنا چاہیئے کہ صورت مذکورۂ بالا میں کس طرح حسنہ کو دوچند کیا یعنی غفلت میں استغفار پڑھنا زبان کی عادت کر دی یہاں تک کہ اس عادت کے باعث گناہ کے شر کو دفع کیا کہ غیبت اور لعن اور فضول سے روک دیا یہ زیادتی تو دنیا میں اس ادنیٰ طاعت کی ہے اور آخرت کی بڑھوتری کا کچھ ٹھکانا ہی نہیں بہرحال آدمی کو نہیں چاہیئے کہ طاعات میں صرف اوقات کا لحاظ کر کے ان کی رغبت کم کر دے اس لیے کہ ایک مکر شیطانی ہے کہ شیطان اس سے مغالطہ کھانے والوں کو دم دیا کرتا ہے۔ ان کو یہ سمجھاتا ہے کہ تم ارباب دانش ہو کہ خفیہ اسرار و رازوں کو پہچانتے ہو زبان سے ذکر کرنا اور دل کا غافل رہنا محض بے فائدہ ہے اس مکر کے باعث خلق کی تین قسمیں ہو گئیں۔ ایک تو وہ جنہوں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور ایک خیرات میں آگے بڑھنے والے اور ایک میانہ رو جو سبقت خیرات میں کرتے ہیں وہ تو شیطان کے جواب میں کہتے ہیں کہ تو راست و درست کہتا ہے مگر اس کلمہ حق سے مطلب تیرا باطل ہے ہم تم کو دوبار ستائیں گے اور دو طور سے تجھے ذلیل بنا دیں گے اس کے بعد حرکت زبان کے ساتھ حرکت دل بھی شامل کر لیتے ہیں اور ان کی مثال اسباب میں ایسی ہوتی ہے جیسے کوئی شیطان کے زخم کا علاج کرے اور اس پر نمک چھڑک دے اور ظالم اپنے نفس کے وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو واقف دقیقہ سمجھ کر چونکہ اخلاص قلبی سے عاجز ہوتے ہیں تو زبان کی عادت بھی ذکر کے ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ ان لوگوں پر شیطان کی بن پڑتی ہے اور کمال درجے کی موافقت ہو جاتی ہے بلکہ سگ زرد برادر شغال دونوں ایک سے ہو جاتے ہیں اور میانہ رو وہ ہے جو شیطان کے برخلاف اپنے دل کو عقل میں شریک تو نہیں کر سکتا مگر یہ جانتا

---

[1] التحقیق کہ اللہ نہیں کھوتا حق نیکی والوں کا ۱۲ [2] اور اگر نیکی ہو تو اس کو دونا کرے اور دیوے اپنے پاس سے بڑا ثواب ۱۲

ہے کہ ذکر لسانی بہ نسبت قلبی کے ناقص ہوتا ہے مگر پھر بھی سکوت اور لغو گوئی کی بہ نسبت افضل ہے اس خیال سے حرکت زبانی نہ چھوڑے اور خدا سے دُعا کرے کہ جیسے میری زبان کو عادتِ خیر ڈالی ہے ایسا ہی دل کو بھی شریک اس کا فرمادے اور ان میں سے اوّل شخص کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی جولاہہ اپنے کام کو بُرا سمجھ کر محرر بن جائے اور دوسرے کی مثال یہ ہے کہ جولاہہ اپنا پیشہ بُرا جان کر حلال خور کا کام کرنے لگے اور میانہ رو کی مثال یہ ہے کہ پیشۂ نور بافی والا جو کتابت سے عاجز ہو یہ کہے کہ میں اس پیشہ کی مذمت کا منکر نہیں ہوں مگر بہ نسبت کتابت کے یہ بُرا ہے بہ نسبت پاخانہ اُٹھانے کے بُرا نہیں اور چونکہ میں کتابت سے عاجز ہوں اس لیے اپنا پیشہ کیوں چھوڑ دوں۔ اب ہم کہتے ہیں کہ قول حضرت رابعہ عدویہؒ کا یعنی ہمارے استغفار کے لیے بھی بہت سا استغفار چاہیئے اس سے یہ غرض ہے کہ از انجا کہ ہمارے استغفار میں دل غافل رہتا ہے اور صرف زبان حرکت کرتی ہے اس جہت سے بباعثِ غفلتِ دل کے اس استغفار سے بھی استغفار چاہیئے یہ معنی نہیں کہ زبان کی حرکت کی مذمت اس قول سے پائی جاتی بلکہ غفلت دل ہی کی قباحت مراد ہے جس سے حاجت استغفار کی ہوتی ہے ذکر زبانی سے حاجت استغفار کرنے کی نہیں، پس اگر بالفرض کوئی زبانی نہ بھی کرے تو اس صورت میں دو استغفاروں کی حاجت ہوگی ایک تو استغفار سے غفلت کے باعث اور پھر استغفار میں غفلتِ قلبی کے باعث۔ غرضکہ مذمت مذموم چیز کی اور تعریف عمدہ چیز کی اسی طرح سمجھنی چاہیئے نہیں تو اس حدیث کے معنی سمجھ میں نہ آئیں گے [ح۱] حسنات الابرار سیئات المقربین کیونکہ یہ باتیں باضافت پائی جاتی ہیں ان کو بدون اضافت نہ لینا چاہیے بلکہ کسی ذرہ بھر طاعت اور گناہ کو حقیر و ناچیز نہ سمجھنا چاہیے۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تین چیزیں تین چیزوں میں مخفی رکھی ہیں اول اپنی رضامندی کو اپنی طاعت میں پس کسی طاعت کو حقیر مت جانو شاید خدائے تعالیٰ کی رضامندی اس میں ہو۔ دوئم اپنے غضب کو معاصی میں تو کسی گناہ کو چھوٹا مت سمجھو شاید اس کا غضب اسی میں ہو۔ سوم اپنی ولایت کو بندوں میں مخفی رکھا ہے تو بندوں میں سے کسی کو حقیر مت سمجھو شاید اللہ کا ولی وہی ہو۔ شعر

خاکساران جہان را بحقارت منگر — توچہ دانی کہ درین گرد سوارے باشد

پھر ان تین باتوں پر آپ نے یہ اور زیادہ فرمایا کہ اجابت کو بھی خدائے تعالیٰ نے دعا میں پوشیدہ رکھا ہے پس دُعا مانگنی ترک نہ کرو شاید قبولیت اس میں ہو۔

چوتھی فصل توبہ کی دوا اور گناہوں پر اصرار کا علاج

واضح ہو کہ آدمی دو قسم کے ہیں ایک تو وہ کہ جن کو میل بُری بات کا نہ ہوا ان کا نشو و نما شر سے احتراز کرنے اور خیر ہی پر ہوا ہو ایسے ہی لوگوں کی شان میں یہ حدیث وارد ہے [ح۲] یعجب ربک من شاب لیس له صبوة الی الجھل واللھو

ح۱ نیکیاں نیکوں کی بدیاں ہیں پاس والوں کی ۱۲ ح۲ تیرا پروردگار عجب کرتا ہے ایسے جوان سے جس کو میل جہل و لہو نہ ہو ۱۲ احمد طبرانی بروایت عقبہ بن عامر اور اس مسند میں ابن لہیعہ ہے ۱۲

مگر ایسے لوگ نادر و کمیاب ہیں اور دوسری قسم وہ ہے کہ ارتکاب گناہ سے نہیں بچتے۔ پھر اس قسم کے دو طریق ہیں ایک اصرار کرنے والے دوم تائب۔ اور ہماری غرض یہ ہے کہ اصرار کے دور کرنے کا علاج بیان کریں اور اسی کی دوا بتادیں اس لیے ہم کہتے ہیں کہ شفا تو بغیر علاج میسر نہیں ہوتی اور از انجا کہ اسباب مرض کے خلاف کرنے کا نام علاج کرنا ہے تو جو شخص مرض سے واقف نہ ہوگا وہ علاج سے بھی جاہل رہے گا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو مرض کسی سبب سے پیدا ہو اس کی دوا یہی ہے کہ اس سبب کو دور اور بیکار کیا جائے اور ظاہر ہے کہ ہر ایک چیز اپنی ضد سے بیکار ہوتی ہے۔ اب اگر مرض اصرار کو لحاظ کرو تو دریافت ہوگا کہ اس کا سبب غفلت اور شہوت ہے جس میں غفلت سب برائیوں کی جڑ ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغَافِلُوْنَ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ[ت] ○ بہرحال جو چیز غفلت اور شہوت کی ضد ہوگی اسی سے اس کا علاج بن پڑے گا اور چونکہ غفلت کی ضد علم ہے اور شہوت کی ضد محرکات شہوت کے چھوڑنے پر صبر کرنا اسی واسطے توبہ کا علاج بھی اسی معجون سے ہوگا جس میں حلاوت علم کی اور تلخی صبر کی موجود ہو اور جس طرح کہ سکنجبین میں شیرینی شکر کی اور ترشی سرکے کی اکٹھی رہتی ہے مگر اس سے علاج کرنے میں مقصود اور فائدہ دونوں چیزوں کا ملحوظ رہتا ہے اور اسباب صفراء کے ہیجان میں آنیوالے مستاصل ہو جاتے ہیں اسی طرح جس دل میں مرض اصرار ہے اس کے علاج میں فائدہ معجون کے دونوں اجزا کا یعنی علم اور صبر کا جدا جدا سمجھنا چاہیے۔ علم میں تو یہ بات قابل تحقیق کرنے کے ہے کہ اصرار کے دور کرنے میں ہر ایک علم کار آمد ہے یا کوئی علم مخصوص اس کے لیے ضروری ہے تو معلوم کرنا چاہیئے کہ علوم سب کے سب امراض دل کے علاج ہیں مگر ہر ایک مرض کے لیے ایک علم مخصوص ہے جیسا کہ علم طب سب مرضوں کے علاج میں فی الجملہ نافع ہے مگر ہر علت کے لیے ایک خاص علم چاہیئے اسی طرح اصرار کے علاج کو سمجھنا چاہیئے پس ہم خاص وہی علم لکھتے ہیں جو اس علاج میں کام آئے اور اس کو بدن کے امراض کی مثال پر لکھتے ہیں تاکہ سمجھ میں جلد آئے۔ اب ہم کہتے ہیں کہ مریض آدمی کو کئی باتیں تصدیق کرنی پڑتی ہیں اول تو یہ کہ اس بات کو مانے کہ مرض اور صحت دونوں کے لیے کچھ اسباب ہیں اور وہ سبب خداوند کریم نے ہمارے لیے اختیار میں رکھ دیئے ہیں۔ اس سے اصل طب کا یقین ہوتا ہے جس کو یہ یقین نہیں ہوتا وہ علاج بھی نہیں کراتا اور مستحق موت کا ہوتا ہے اسی طرح اصرار میں اول ایمان اصل شرع پر ہونا چاہیئے یعنی اس بات کو جانے کہ سعادت اخروی کا بھی ایک سبب ہے جس کو طاعت کہتے ہیں اور شقاوت کا بھی ایک سبب ہے جس کو معصیت کہتے ہیں۔ اس ایمان کا ہونا ضروری ہے خواہ بطور تحقیق ہو یا بطور تقلید دوسرے یہ کہ مریض کو کسی طبیب خاص کا اعتقاد چاہیئے کہ وہ طب کا عالم اور حاذق ہے جو دوا بتلاتا ہے ٹھیک ہوتی ہے جھوٹ نہیں کہتا نہ کچھ لاگ لپیٹ رکھے اس لیے کہ صرف علم طب پر یقین کرنے سے کیا ہوتا ہے۔ اسی طرح اصرار والے کو ایمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صادق ہونے پر چاہیئے کہ جو کچھ آپ نے فرمایا بیشک ویسا ہی ہوگا اس کے خلاف سر مو نہ ہوگا۔ تیسرے یہ کہ مریض کو طبیب کا قول سننا چاہیئے کہ

ت وہی ہیں بے ہوش آپ ہی ثابت ہوا کہ آخرت میں وہی خراب ہیں ۱۲

کس کس میوے کے کھانے اور کون سے اسباب مضر کو منع کرتا ہے تا کہ بد پرہیزی کا خوف دل میں سماتے اور اس کے باعث پرہیز پر آمادہ ہو اسی طرح اصرار والے کو ان آیات و اخبار کو سننا چاہیئے اور ماننا چاہیئے...... جن میں ترغیب تقویٰ کی اور ڈرانا گناہوں کے مرتکب ہونے اور خواہش نفس کی پیروی سے مذکور ہے جو کچھ اس باب میں سنے اس کو بلا تردد مان لے تا کہ اس سے خوف پیدا ہو جس سے کہ صبر کو قوت پیدا ہوتی ہے اور یہی صبر پچھلا رکن علاج میں ہے۔ چوتھے یہ کہ مریض کو چاہیے کہ طبیب جو کچھ اس کے مرض خاص کے لیے بتا دے اور جس پرہیز کو خود اس کے لیے لازم کر دے اس پر خوب دھیان کرے یعنی اول تفصیل اپنے احوال اور افعال اور اکل و شرب کی معلوم کر لے کہ ان میں سے میرے مرض خاص کے لیے کون سی چیز مضر ہے اس واسطے کہ ہر ایک مریض کو ہر چیز سے پرہیز ضرور نہیں نہ ہر ایک دوا مفید بلکہ ہر ایک مرض خاص کے لیے علم بھی خاص ہے اور علاج بھی خاص اسی طرح ہر ایک انسان تمام شہوات کا اور کل معاصی کا مرتکب نہیں ہوتا بلکہ ہر مومن کے لیے ایک گناہ یا چند گناہ خاص ہوتے ہیں اس کو سر دست اس قدر جاننا ضروری ہے کہ یہ گناہ ہیں پھر یہ جاننا چاہیئے کہ ان گناہوں کے آفات کیا ہیں اور ان سے دین میں کس قدر نقصان ہوتا ہے۔ پھر علم اسباب کا چاہیئے کہ ان سے صبر کس طرح ہو سکتا ہے پھر یہ معلوم کرنا چاہیے کہ پہلے جو گناہ ہوئے ان کا محو کیسے ہو تو یہ علوم وہ ہیں جن کو خاص علمائے دین جو وارث مرسلین ہیں جانتے ہیں۔ پس گنہگار کو جب اپنا گناہ معلوم ہو اس کو چاہیئے کہ اپنے روگ کا علاج کسی طبیب سے یعنی عالم دین سے شروع کرے اور اگر اس کو نہ معلوم ہو کہ جس فعل کا میں مرتکب ہوں وہ گناہ ہے تو عالم کو چاہیے کہ اس کو یہ بات سوجھائے اور اس کی صورت یہ ہے کہ ہر عالم ایک ولایت یا شہر یا محلہ یا مسجد یا مجمع کا کفیل ہو جائے کہ وہاں کے لوگوں کو دین بتلائے اور جو بات ان کے حق میں مضر ہو اور جو مفید ہو سب جدا جدا سمجھائے۔ اسباب سعادت اور شقاوت کو واشگاف کہدے اور اس بات کا منتظر نہ رہے کہ کوئی پوچھے تو بتاؤں بلکہ خود لوگوں کو اپنے پاس بلا کر فہمائش کا کفیل ہو اس لیے کہ علماء وارث انبیاء ہیں اور انبیاء علیہم السلام نے لوگوں کو ان کی جہالت پر نہ چھوڑا بلکہ عین مجمعوں میں ان کو پکارتے اور شروع میں ان کے گھر گھر پھرتے اور ایک ایک کو تلاش کر کے ہدایت کرتے کیونکہ دل کے مریضوں کو اپنے مرض کا حال معلوم نہیں ہوتا مثلاً کسی کے منہ پر اگر برص کے داغ ہوں اور آئینہ اس کے پاس نہ ہو تو اس کو اپنے مرض کا حال معلوم نہ ہو گا جب تک کہ کوئی دوسرا شخص نہ بتلائے اور یہ بات سب علماء پر فرض عین ہے اور تمام سلاطین پر فرض ہے کہ ایک گاؤں اور محلہ میں ایک فقیہ متدین مقرر کر دیں جو لوگوں کو دین سکھلایا کرے کیونکہ آدمی سب جاہل ہی پیدا ہوتے ہیں تو دعوت اسلام اصل اور فرع کے لیے بھیجنی ضروری ہے اور دنیا ایک بیمار خانہ اس لیے کہ جو اس کے اندر ہے وہ تو مردہ ہے اور جو اس پر موجود ہے وہ بیمار ہے اور دل کے بیمار بہ نسبت جسم کے بیماروں کے زیادہ ہیں اور علماء طبیب ہیں اور سلاطین اس بیمار خانے کے منتظم، پس جو بیمار کہ علاج نہ مانے اور عالم کی بتائی ہوئی دوا کو قابل پذیرائی نہ سمجھے وہ سلطان کے سپرد ہونا چاہیئے تا کہ اس کے شر سے لوگوں کو بچائے جیسے کوئی مریض پرہیز نہیں کرتا یا دیوانہ ہو جاتا ہے تو طبیب اس کو پاگل خانے کے داروغہ کے سپرد کر دیتا ہے تا کہ اس کے بیڑیاں اور ہتھکڑیاں ڈال کر اپنے آپ کو اور تمام خلق کو اس کے

شر سے بچاتے اور دل کے مرض جو بدن کی بہ نسبت زیادہ ہو گئے ہیں اس کی تین وجہیں ہیں۔ اول تو یہ کہ دل کے مریض کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ میں مریض ہوں دوسری یہ کہ انجام اس مرض کا دنیا میں مشاہدہ نہیں ہوتا بدن کے مرض کا انجام تو سب دیکھتے ہیں کہ موت ہوتی ہے جس سے طبیعت کو نفرت ہے اور موت کے بعد کا احوال کسی کو نہیں سوجھتا اور گناہوں کا انجام دل کی موت ہے جو دنیا میں معلوم نہیں پڑتی اسی واسطے نفرت گناہوں سے کم ہوتی ہے گو مرتکب کو معلوم بھی ہو کہ میں گناہ کرتا ہوں اور یہی وجہ ہے کہ دل کے مرض کے لیے تو خدا کے فضل پر توکل سوجھتا ہے اور بدن کے مرض کے لیے علاج میں خوب کوشش کرتے ہیں کسی دوا پر بس نہیں کرتے اور تیسری وجہ جو مرض لاعلاج ہے وہ یہ ہے کہ طبیب نایاب ہے اس لیے کہ اس مرض کے طبیب عالم ہیں اور وہ اس زمانے میں مرض سخت میں مبتلا ہیں کہ جس کے علاج سے تھک گئے ہیں اور چونکہ یہ مرض سب میں موجود ہے اس لیے ان کا نقصان ظاہر نہیں ہوتا تو خواہ مخواہ خلق کو بہکاتے ہیں اور ایسی بات ان کو بتاتے ہیں جن سے ان کا مرض اور زیادہ ہو کیونکہ مرض مہلک تو محبتِ دنیا ہے اور یہی مرض طبیبوں پر غالب ہے پس یہ مضمون مریضوں کے لیے ہو رہا ہے ؎

مژدہ باد اے مرگ عیسیٰ آپ ہی بیمار ہے

یہ لوگ خلق کو محبت دنیا سے نہیں ڈراتے اس خیال سے کہ کوئی یہ نہ کہے اوروں کو تو علاج بتاتے ہو اپنے آپ تو اس سے بچو۔ اسی وجہ سے یہ مرض پھیل گیا اور بڑی وبا چھا گئی لوگ تباہ ہو گئے دوا کا نام نہ رہا نہ طبیب کا نشان بلکہ طبیب بہکانے میں طرح طرح سے مشغول ہو گئے کیا خوب ہوتا جو یہ لوگ نصیحت نہ کرنے تو خیانت ہی چھوڑ دیتے اگر اصلاح نہ کرتے تو بگاڑ ہی ترک کر دیتے بلکہ اگر چپ رہتے اور کچھ نہ بولتے جب بھی بہت خوب تھا۔ کیونکہ جب کچھ کہتے ہیں تو تمام وعظ میں زیادہ تر غرض یہ ہے کہ کسی طرح لوگوں کے دل ہماری طرف رجوع ہوں اور اس بات کا حاصل ہونا بدون اس کے نہیں ہو سکتا کہ ان کو توقع مغفرت کی بندھوا دیں اور اسباب رجا کو ترجیح دیں اور رحمت کے دلائل ذکر کریں اس لیے کہ یہ باتیں کانوں کو اچھی معلوم ہوتی ہیں اور طبیعت پر ہلکی گزرتی ہیں، ایسے وعظ سن کر جو لوگ گھروں کو لوٹتے ہیں تو اور زیادہ جراَت گناہوں کی ہو جاتی ہے اور اللہ کے فضل پر تکیہ بڑھ جاتا ہے اور از انجا کہ "نیم حکیم خطرہ جان" مشہور ہے تو ظاہر ہے کہ جو طبیب جاہل یا خائن ہو گا تو اس کا نسخہ سم قاتل ہو گا کیونکہ جہاں موقع کسی دوا کا ہے وہاں اور کچھ لکھ دے گا۔ ہر چند رجا اور خوف دونوں دوائیں ہیں مگر دو شخصوں کے لیے ہیں جن کو جدا جدا مرض ہو۔ پس جس شخص پر خوف اتنا غالب ہو کہ دنیا کو ترک کر دے اور اپنے نفس کو جو بات نہ ہو سکے اس کی تکلیف دے اور بالکل عیش و زندگی کو نفس پر تنگ کر دے تو ایسے شخص کی کثرتِ خوف کو اسباب رجا بیان کرنے سے کم کرنا چاہیے تاکہ حد اعتدال پر آ جائے اسی طرح جو شخص گناہوں پر مصر ہو اور توبہ کا متمنی ہو مگر ناامیدی اور یاس کے سبب توبہ نہ کرتا ہو اور گناہوں گزشتہ کو بڑا جانتا ہو تو ایسے شخص کے علاج میں بھی اسباب رجا کا ذکر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں تاکہ اس کو طمع توبہ کے قبول کی ہو اور توبہ کرے لیکن جو شخص کہ گناہوں میں خوب ڈوبا ہوا ہو اور باوجود اس کے خدا کے فضل پر مغرور ہو اس کا علاج اسباب رجا کے ذکر کرنے سے ایسا ہے جیسا حرارت والے کا علاج شہد سے

سے کرنا کہ شفا حاصل ہو یہ طریق جاہلوں اور غبی لوگوں کا ہے۔ غرضکہ طبیبوں کا فساد مرض کو لاعلاج کیے ہوئے ہے کہ اس کی کچھ تدبیر نہیں اب ہم وعظ کا طریق بتلاتے ہیں کہ جس سے مرض اصرار میں لوگوں کو نفع ہو۔ ہر چند وہ بہت طویل ہے کہ اس کا بیان کامل ممکن نہیں تاہم اس کے وہ اقسام جس سے لوگوں کو گناہ ترک کرنے پر آمادگی ہو اور اصرار کو چھوڑ دیں لکھتے ہیں۔ پس جاننا چاہیئے کہ واعظ کو چار قسمیں بیان کرنی وعظ میں ضروری ہیں۔ اوّل یہ کہ قرآن مجید میں جو آیات عاصیوں اور گنہگاروں کو خوف دلانے کے لیے مذکور ہیں ان کو ذکر کرے۔ اسی طرح احادیث میں جو روایات اس طرح کی ہیں ان کو بیان کرے مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر روز جب فجر[ا] ہوتی ہے اور ہر شب جب شفق ڈوبتی ہے دو فرشتے چار آوازوں میں ایک دوسرے کا جواب دیتے ہیں اوّل ایک کہتا ہے کہ کیا خوب ہوتا جو یہ خلق پیدا نہ ہوتی، پھر دوسرا کہتا ہے کہ کیا خوب ہوتا جو اہل خلق بعد پیدا ہونے کے جان لیتے کہ کس واسطے پیدا ہوتے ہیں، پھر پہلا کہتا ہے کہ کاش ان لوگوں کو جب یہ معلوم نہ ہوا کہ کس واسطے پیدا ہوتے ہیں تو اپنے علم کے بموجب ہی عمل کرتے اور ایک روایت میں آیا ہے کہ کیا اچھا ہوتا جو لوگ آپس میں بیٹھ کر جو کچھ جانا تھا اس کا چرچا کرتے پھر دوسرا کہتا ہے کہ خوب ہوتا اگر یہ لوگ اپنے علم کے بموجب عمل نہ کرتے تو اپنے عملوں سے توبہ ہی کر لیتے اور بعض اکابر کا قول ہے کہ جب بندہ گناہ کرتا ہے تو داہنا فرشتہ بائیں سے کہتا ہے بائیں وجہ کہ وہ اس پر حاکم ہے کہ چھ ساعت تک اس عمل کو مت لکھنا پس اس عرصہ میں اگر اس نے توبہ و استغفار کیا تو نہیں لکھتا ہے ورنہ لکھ لیتا ہے اور بعض اکابر فرماتے ہیں کہ جب کوئی بندہ گناہ کرتا ہے تو زمین پر جس جگہ ہوتا ہے وہ خدا سے اجازت چاہتی ہے کہ مجھ کو حکم ہو تو اس کو دھنسا دوں اور اس کے سر پر کا آسمان اجازت چاہتا ہے کہ مجھ کو حکم ہو تو اس پر ٹوٹ پڑوں ان دونوں کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے سے باز رہو اور اس کو چھوڑ دو تم نے اس کو نہیں پیدا کیا اگر تم اس کو پیدا کرتے تو تم کو اس پر رحم آتا شاید وہ توبہ کرے اور میں اس کو معاف کر دوں یا اس گناہ کے عوض کوئی عمل صالح کرے اور میں اس گناہ کو بھی اس کے پاداش میں نیکی سے بدل دوں، پس اس آیت شریف میں یہی معنی مراد ہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ یُمْسِکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا وَلَئِنْ زَالَتَا اِنْ اَمْسَکَہُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ بَعْدِہٖ[۲] اور حضرت عمرؓ سے یہ حدیث مروی ہے کہ مہر کرنے والا عرش کے پایہ سے لٹکا ہوا ہے جب[۳] بہت سی بے حرمتیاں ہوتی ہیں اور حرام چیزیں حلال سمجھی جاتی ہیں اللہ تعالیٰ مہر کرنے والے کو بھیج دیتا ہے وہ دلوں پر مہر لگا جاتا ہے جو چیزیں دلوں کے اندر ہوتی ہیں وہ ان میں رہ جاتی ہیں۔ اور حضرت مجاہد[۴] اس حدیث کے راوی ہیں کہ دل کی مثال ایسی ہے جیسے ہتھیلی کھلی ہوتی۔ جب آدمی گناہ کرتا ہے تو ایک انگلی بند ہو جاتی ہے یہاں تک کہ سب انگلیاں بند ہو جاتی ہیں۔ جب دل بند ہوتا ہے تو وہی اس کا قفل ہے اور حضرت حسنؒ کا قول ہے کہ بندے

ح[ا] ابو منصور نے مسند فردوس میں بروایت ابن عمرؓ بسند ضعیف یہ مضمون ادا الفاظ میں لکھا ہے ۱۲ ت[۲] تحقیق اللہ تھام رہا ہے آسمانوں کو اور زمین کو کہ ٹل نہ جائیں اور اگر ٹل جائیں تو کوئی تھام نہ سکے ان کو اس کے سوا ت ۱۲ ح[۳] ابن عدی و ابن حبان بروایت ابن عمرؓ اور یہ حدیث منکر ہے ۱۲ ح[۴] یہ حدیث مرفوعاً نہیں ہے۔ بیہقی نے اس کو حضرت حذیفہ کا قول لکھا ہے ۱۲

کے اور خدا تعالیٰ کے درمیان گناہوں کی ایک حد معلوم ہے جب بندہ اس پر پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر کر دیتا ہے اور پھر کبھی توفیق نیک کام کی نہیں دیتا۔ اسی طرح اخبار و آثار گناہوں کی مذمت اور تائبین کی مدح میں بے شمار ہیں واعظ کو چاہیئے کہ اس طرح کی روایات کثرت سے بیان کرے۔ اگر دعوائے وراثت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ کیونکہ آپ نے روپیہ اشرفی تو چھوڑا ہی نہیں تھا صرف علم حکمت کو چھوڑا ہے اور ہر ایک عالم کو اس میں سے اسی قدر ملا ہے جس قدر اس نے قبول کیا اور دستور العمل بنایا۔ دوسری قسم قابل بیان حکایات انبیاء علیہم السلام اور سلف صالحینؒ کی ہیں کہ گناہوں کے سبب ان پر کیسے مصائب گذرے اس طرح کی حکایات دل پر بہت تاثیر کرتی ہیں اور نفع محسوس ہوتا ہے مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کا حال کہ گناہ کی بدولت کیا تکلیفیں اٹھائیں جنت سے نکالے گئے یہاں تک کہ روایت ہے کہ جب آپ نے درخت میں سے کھایا تو لباس بہشتی بدن پر سے اڑ گیا اور سب شرم گاہ ننگی ہو گئی مگر تاج اور سر پیچ کو شرم آئی کہ آپ کے سر سے مفارقت کریں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے تشریف لا کر تاج سر سے اتارا اور سر پیچ کو پیشانی پر سے کھولا، پھر عرش کے اوپر سے آواز آئی کہ تم دونوں میرے پاس سے اتر جاؤ جو میرا نافرمان ہے اس کا میرے پاس ٹھکانا کہاں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے رو کر حضرت حوا علیہا السلام کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ گناہ کی اول شامت یہ ہے کہ حبیب کے پاس سے نکالے گئے۔ اور روایت ہے کہ سلیمان بن داؤد علیہ السلام پر جب خطا کے باعث عتاب ہوا یعنی اس تصویر پر جو ان کے گھر میں چالیس روز پوجی گئی۔ اور بعضوں کا یہ قول ہے کہ وہ خطا یہ تھی کہ ایک عورت نے آپ سے درخواست کی تھی کہ میرے باپ کی مرضی کے موافق حکم فرمانا اور آپ نے وعدہ کیا تھا کہ اچھا مگر پھر ویسا نہ کیا۔ اور بعض فرماتے ہیں کہ قصور یہ تھا کہ اس عورت کی خاطر دل میں یہ آیا تھا کہ فیصلے میں اس کے باپ کو جتا دیں۔ بہر حال خطا کے عوض چالیس روز کے لیے آپ کی سلطنت چھن گئی اور آپ برے حال سے بھاگے۔ پھر تو یہ حال تھا کہ اگر کھانے کے لیے ہاتھ پھیلاتے تو ٹکڑا نہ ملتا اگر لوگوں سے کہتے کہ مجھ کو کھانا دو میں داؤد کا بیٹا سلیمان ہوں تو لوگ مار کر اور گالیاں دے کر نکال دیتے۔ روایت ہے کہ ایک بڑھیا[عہ] کے گھر سے آپ نے کھانا مانگا اس نے جھڑک دیا اور منہ پر تھوک دیا اور ایک روایت میں ہے کہ ایک بڑھیا نے ایک پیشاب کا گھڑا آپ کے سر پر الٹ دیا۔ سچ ہے شعر ؎

عزیزے کہ از در گہش سر بتافت بہر در کہ شد ہیچ عزت نیافت

پھر جب حکم الٰہی سے آپ کی انگوٹھی مچھلی کے پیٹ میں سے نکلی اور چالیس روز یعنی مدت عقوبت کے بعد آپ نے اس کو پہنا تب کو پرند جدا آپ کے سر پر سایہ کر کے کھڑے ہوتے، اور جن اور شیطان اور وحوش جدا پاس آ گئے ان میں سے بعض نے جو آپ کی خدمت میں کسی طرح کا قصور یا گستاخی کی تھی معذرت کی آپ نے فرمایا کہ میری طرف سے نہ تمہارے اشغالِ گذشتہ پر ملامت ہے نہ اس بات پر مذمت یہ بات ایک آسمانی تھی جس کا ہونا ضروری تھا۔ اور

عہ اصل میں یہ ہے کہ من بیت لامرئۃ یعنی اپنی بی بی کے ایک گھر سے ۱۲

بنی اسرائیل کے قصوں میں یہ بھی مذکور ہے کہ ایک شخص نے کسی دوسرے شہر میں نکاح کیا تھا اپنے غلام کو اس عورت کے لانے کے لیے بھیجا اثناءِ راہ میں اس کے نفس نے براہ نفسانیت اس عورت سے اپنا مقصود چاہا مگر اس غلام نے اپنے نفس پر مجاہدہ کر کے روک لیا اور اس کی خواہش کا مغلوب نہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے تقویٰ کی بدولت اس کو بنی اسرائیل کا پیغامبر کر دیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصوں میں مذکور ہے کہ آپ نے حضرت خضر علیہ السلام سے پوچھا کہ خدائے تعالیٰ نے آپ کو علم غیب کس لیے عنایت فرمایا انہوں نے فرمایا کہ اس وجہ سے کہ میں نے خدائے تعالیٰ کے واسطے گناہ چھوڑ دیئے۔ اور روایت ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ ہوا چلتی تھی آپ نے اپنی نئی قمیص کی طرف دیکھا اور گویا کہ اس کو اچھا جانا ہوا نے اس کو گرا دیا۔ آپ نے پوچھا کہ تو نے یہ کیوں کیا میں نے تجھ کو نہیں حکم کیا تھا۔ اس نے عرض کیا کہ ہم آپ کی اطاعت جبھی کرتے ہیں جب آپ خدا کی اطاعت کرتے ہیں۔ اور روایت ہے کہ خدائے تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ تجھ کو معلوم ہے کہ میں نے تمہارے لختِ جگر یوسفؑ کو تم سے کیوں جدا کیا انہوں نے عرض کیا کہ مجھ کو معلوم نہیں ارشاد ہوا کہ اس وجہ سے کہ تم نے اس کے بھائیوں سے کہا تھا اَخَافُ اَنْ یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ[1] تم نے بھیڑیے کا خوف کیوں کیا مجھ سے توقع کیوں نہ کی اور نہ بھائیوں کی غفلت کو کیوں دھیان کیا میری حفاظت کی طرف کیوں نہ دیکھا۔ پھر ارشاد ہوا کہ تم کو معلوم ہے کہ میں نے یوسفؑ کو تم پر کیوں واپس کیا عرض کیا معلوم نہیں۔ فرمایا کہ تم نے جب مجھ سے توقع کی اور یہ کہا عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّاْتِیَنِیْ بِهِمْ جَمِیْعًا[2] اور نیز یہ کہا کہ اِذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ یُّوْسُفَ وَاَخِیْهِ وَلَا تَایْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ[3] میں نے ان کو تم سے ملایا۔ اسی طرح جب حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہی مصاحب سے مجلس میں ارشاد فرمایا کہ میرا ذکر اپنے آقا سے کرنا تو اللہ تعالیٰ نے اس قصہ کو اس طرح ارشاد فرمایا ہے فَاَنْسٰىهُ الشَّیْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِی السِّجْنِ بِضْعَ سِنِیْنَ[4] اور اس طرح کی حکایات بے شمار ہیں۔ قرآن و احادیث میں جو یہ حکایات وارد ہیں تو کچھ کہانی اور قصہ خوانی کے طور پر نہیں بلکہ ان سے عبر لاولی الابصار اور بصیرت مردان ہوشیار مقصود ہے کہ ان کو دیکھ کر جانیں کہ سب انبیاء علیہم السلام سے چھوٹے گناہ فروگذاشت نہیں ہوتے تو اور لوگوں سے کبیرہ کس طرح درگذر کیے جائیں گے البتہ ان کی سزا دنیا ہی میں ہو گی آخرت پر کچھ خرخشہ نہ رہا۔ یہ بات ان کی سعادت کے باعث ہوئی تھی۔ شقی آدمیوں کو مہلت دی جاتی ہے تاکہ خوب گناہ کر لیں اور یہ بھی وجہ ان کی مہلت کی ہے کہ دنیا کی سزا خفیف ہے اور آخرت کا عذاب شدید اور بڑا ہے ان کے عمل کی پاداش ایسے ہی سخت عذاب کو چاہتی ہے اس لیے مہلت دی جاتی ہے۔ اس قسم کی باتیں مصر لوگوں کے سامنے زیادہ کہنی چاہئیں اس لیے کہ توبہ پر آمادہ

---

[1] اور ڈرتا ہوں کہ کھا جاوے اس کو بھیڑیا اور تم اس سے بےخبر رہو ۱۲ [2] شاید اللہ لے آوے میرے پاس ان سب کو ۱۲ [3] جاؤ اور تلاش کرو یوسف کی اور اس کے بھائی کی اور مت نا امید ہو اللہ کے فضل سے ۱۲ [4] سو بھلا دیا اس کو شیطان نے ذکر کرنا اپنے خداوند سے پھر رہ گیا قید میں کئی برس ۱۲

کرنے کے لیے اکثر مفید پڑتی ہیں۔

تیسری قسم یہ کہ لوگوں کے سامنے یہ بیان کرے کہ گناہوں پر دنیا میں عقوبت ہونے کی توقع انگاری ہوتی ہے اور جس قدر کہ بندے پر مصائب پہنچتے ہیں وہ گناہوں کے سبب ہوتے ہیں اس لیے اکثر آدمی امر آخرت میں سہل انگاری کرتے ہیں مگر خدائے تعالیٰ کے عذاب دنیاوی سے جہالت کے باعث زیادہ ڈرتے ہیں تو ضروری ہوا کہ ایسے لوگوں کو اسی قسم کی باتوں سے راہ راست پر لایا جائے کیونکہ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ گناہوں کی نحوست دنیا ہی میں آدمی پر آتی ہے جیسا کہ قصہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام میں گذرا یہاں تک کہ بعض اوقات شامت گناہوں میں روزی تنگ ہو جاتی ہے کبھی لوگوں کے دلوں سے اپنی منزلت گر جاتی ہے دشمن غالب ہو جاتے ہیں۔ اور حدیث شریف[ح] میں ہے کہ بندہ گناہ کرنے کے باعث رزق سے محروم ہوتا ہے اور حضرت ابن مسعودرض فرماتے ہیں کہ میری دانست میں گناہ کے باعث آدمی علم بھول جاتا ہے اور یہی مراد ہے حدیث[ح] شریف میں کہ جو شخص گناہ کا مرتکب ہوتا ہے اس کی عقل اس سے علیحدہ ہو جاتی ہے اور پھر کبھی اس کے پاس نہیں آتی۔ اور بعض اکابرؒ کا قول ہے کہ لعنت منہ کے سیاہ ہونے اور مال کے ناقص ہونے کا نام نہیں بلکہ لعنت یہ ہے کہ آدمی ایک گناہ سے نکل کر دوسرے اسی جیسے یا اس سے زیادہ بڑے گناہ میں مبتلا ہو اور واقع میں بھی انہوں نے درست فرمایا اس واسطے کہ لعنت کے معنی محروم کر دینا اور رحمت سے دور کرنا ہے پس جب آدمی کو توفیق خیر نہ ملی اور بدی کے لوازم مہیا ہوتے تو ظاہر ہے کہ رحمت سے دور ہوا اور توفیق کا عنایت نہ ہونا کیسا بڑا حرمان ہے علاوہ ازیں ہر ایک گناہ دوسرے گناہ کی طرف بلاتا ہے اور بڑھتا جاتا ہے یہاں تک کہ آدمی اس کے باعث اس رزق سے محروم رہتا ہے جو اس کی غذائے روحانی ہوتی ہے اور کارآمد ہوتا ہے یعنی پاس بیٹھنا علماء کا جو منکر گناہوں کے ہیں اور ہمنشینی صلحاء کی میسر نہیں ہوتی بلکہ ایسے شخص سے خدائے تعالیٰ ناخوش رہتا ہے تاکہ صلحاء بھی اس سے ناراض رہیں بعض عارفین کے حال میں لکھا ہے کہ وہ اپنے کپڑے اٹھاتے ہوئے کیچڑ میں جاتے تھے اور پاؤں گڑا کر رکھتے تھے کہ پھسل نہ جاتے مگر ان کا پاؤں پھسل گیا اور گر پڑے۔ پھر اٹھ کر عین کیچڑ میں روتے ہوئے جاتے تھے اور کہتے تھے کہ یہی حال بندے کا ہے کہ ہمیشہ گناہوں سے بچتا جاتا ہے اور کنارہ کشی کرتا ہے یہاں تک کہ ایک یا دو گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے پھر تو بالکل گناہوں میں دھنس جاتا ہے۔ اس قول سے یہ بات پائی جاتی ہے کہ گناہ کی عقوبت ہی میں یہ بھی داخل ہے کہ دوسرے گناہ کا مرتکب ہو۔ بہرحال دنیا کے مصائب عارفین کے نزدیک داخل عقوبت گناہ ہیں۔ چنانچہ حضرت فضیلؒ نے فرمایا کہ آدمی پر جو گردش زمانہ یا ستم ابنائے جنس ہو تو جانے کہ سب میرے گناہوں کی بدولت ہے۔ اور بعض اکابرؒ کا قول ہے کہ اگر میرے گدھے کی عادت بھی بگڑ جاتے تو میں یہی جانوں کہ میرے ہی قصور کی جہت سے ہے۔ ایک عارف فرماتے ہیں کہ میں اپنے گناہ کی عقوبت اپنے گھر کے چوہے میں بھی جانتا ہوں۔ اور بعض صوفی راوی ہیں کہ میں نے شام کے ملک میں ایک غلام نصرانی خوبصورت

ح ابن ماجہ و حاکم بروایت ثوبان ۱۲ ح یہ حدیث پہلے تیسری جلد میں گذری ۱۲

کو دیکھا اور کھڑا ہو کر اس کے جمال کو تاکنے لگا اتنے میں میرے پاس ابن الجلاء دمشقی آئے اور میرا ہاتھ پکڑا مجھ کو شرم آئی اور بات بنا کر ان سے عرض کیا کہ مجھے اس کی صورت دیکھ کر یہ تعجب تھا کہ نجانے خدا کی کیا حکمت ہے کہ ایسی صورت بھی آگ میں جائے گی انہوں نے میرا ہاتھ دبا دیا اور فرمایا کہ چند روز بعد اس کی سزا تم کو ملے گی۔ راوی کہتے ہیں کہ تیس برس بعد مجھ کو اس کی سزا ملی کسی مصیبت میں گرفتار ہوا اور حضرت ابو سلیمان دارانی فرماتے ہیں کہ احتلام ہونا بھی ایک عقوبت ہے اور فرمایا کہ کسی آدمی کو جو نماز جماعت نہیں ملتی تو کسی گناہ کے مرتکب ہونے سے یہ امر ظہور میں آتا ہے اور حدیث شریف میں ہے[اح] ما انکرتم من زمانکم فبما غیرتم من اعمالکم سچ کہا ہے جس نے کہا ہے ع

شامت اعمال ما این صورت نادر گرفت

اور ایک حدیث قدسی[۲ح] میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب بندہ اپنی شہوت کو میری طاعت پر مقدم سمجھتا ہے تو اس کی ادنیٰ حالت یہ ہے کہ اس کو اپنی مزہ دار مناجات سے محروم کر دیتا ہے۔ اور ابو عمرو بن علوان سے ایک قصہ منقول ہے سب قصہ تو بہت طویل ہے مگر اس میں انہوں نے لکھا ہے کہ میں ایک روز نماز پڑھتا تھا اثنائے نماز میں میرے دل میں خواہش ابھری اس کی سوچ بہت دیر تک کیے گیا۔ یہاں تک کہ اس سے خواہش لونڈے بازی کی پیدا ہوتی فوراً میں زمین پر گر پڑا اور تمام جسم سیاہ ہو گیا لوگوں کی شرم سے میں تین دن گھر چھپا رہا اور بدن کو صابون سے حمام میں جا کر دھوتا مگر سیاہی بڑھتی گئی تین دن کے بعد رنگ صاف ہوا پھر میں حسب الطلب حضرت جنید بغدادی کے موضع رقہ سے بغداد کو گیا جب ان کی خدمت میں پہنچا تو فرمایا کہ تجھے شرم نہ آئی کہ خدا کے سامنے کھڑا ہو کر تیرا نفس ایسی شہوت میں ڈوبا کہ تجھ کو مغلوب کر کے حضوری الٰہی سے نکال دیا اگر میں تیرے لیے دعا نہ کرتا اور تیری طرف سے خدا کے سامنے تائب نہ ہوتا تو تُو خدا کے سامنے اسی کالے رنگ سے جاتا۔ مجھے بڑا تعجب ہوا کہ حضرت جنید نے میرا حال کس طرح معلوم کیا میں تو رقہ میں تھا اور آپ بغداد میں تشریف رکھتے تھے۔ اب جاننا چاہیے کہ آدمی جو گناہ کرتا ہے تو اس کا چہرہ دل سیاہ ہو جاتا ہے پس اگر نیک بخت ہوتا ہے تو سیاہی ظاہر بدن پر بھی معلوم ہونے لگتی ہے تاکہ وہ اپنی حرکت سے باز رہے اور اگر بدبخت ہوتا ہے تو سیاہی اندر ہی اندر رہتی ہے یہاں تک کہ تمام باطن سیاہ ہو کر مستحق آتش ہو جاتے اور دنیا میں گناہوں کی آفات فقر و مرض وغیرہ آنے کے باب میں بہت اخبار وارد ہیں۔ بلکہ دنیا میں یہ بھی کچھ گناہ ہی کی شامت ہے کہ گناہ کے بعد اسی کی صفت حاصل کرے یعنی اگر مصیبت میں مبتلا ہو تو گناہ عقوبت میں ہو اور اس پر اچھی طرح صبر کرنے سے بھی محروم رہے تاکہ بدبختی دوبالا ہو جائے اور اگر کوئی نعمت ملے تو اس کے حق میں مہلت ہو اور اس پر شکر سے محروم کیا جائے تاکہ ناشکرہ پر عقوبت کی جائے۔ مگر مطیع کا حال اس کے حق میں

اح زمانہ سے جو بات تم کو بری معلوم ہو اس کو اپنے اعمال کے بدل ڈالنے سے سمجھو ۱۲ بیہقی در زہد بروایت ابو درداء اور کہا ہے کہ غریب ہے ۱۲

۲ح اس کی سند مجھے نہیں ملی۔

طاعت کی برکت سے جو نعمت ہوتی ہے وہ جزاء طاعت ہوتی ہے اور اس کے شکر کی توفیق اس کو مرحمت ہوتی ہے اور جو مصیبت اس پر آتی ہے تو اس کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے اور اس پر صبر کرنے سے درجات بڑھتے ہیں۔

چوتھی قسم جو وعظ میں بیان کرنے کی ہے یہ ہے کہ جو جو عقوبت علیحدہ علیحدہ گناہوں پر وارد ہے اس کو بیان کرے مثلاً شراب خوری کی برائی اور زنا اور چوری اور قتل اور غیبت اور کبر اور حسد کی برائی جدا جدا کہے کہ ہر ایک میں بیشمار روایتیں وارد ہیں مگر اتنا خیال چاہیئے کہ جو شخص جس چیز کا اہل ہو اس سے اسی چیز کا حال بیان کرے۔ بے موقع بیان کرنا ایسا ہے کہ بیماری ہو کچھ اور دوا کرے کچھ بلکہ عالم کا حال بھی اسی طرح مثل طبیب حاذق کے ہونا چاہیئے۔ کہ اول نبض اور رنگ اور حرکات اور سکنات سے علت باطنی پر واقف ہو کر علاج کیا کرتا ہے۔ عالم بھی اسی طرح قرائن احوال سے صفات پوشیدہ آدمی کے معلوم کر کے انہی کا حال بیان کرے تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اقتدار کامل ہو۔ چنانچہ روایت ہے کہ ایک شخص نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھ کو کچھ وصیت فرمایئے مگر بہت نہ ہو آپ نے فرمایا کہ غصہ نہ کرو۔[1] اور ایک اور شخص نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھ کو وصیت کیجیئے تو آپ نے فرمایا[2] علیکم بالیاس مما فی ایدی الناس فان ذلک ھو الغنی وایاک والطمع فانہ الفقر الحاضر وصل صلوتک صلوۃ مودع وایاک ما تعتذر منہ اور ایک شخص نے آپ سے وصیت کے لیے عرض کیا تو فرمایا کہ جھوٹ مت بولا کر اور ایک شخص نے حضرت محمد بن واسع سے کہا کہ مجھے وصیت فرمایئے آپ نے فرمایا کہ میں وصیت کرتا ہوں کہ تو دنیا اور آخرت میں بادشاہ رہنا اس نے عرض کیا کہ یہ بات مجھے کیسے میسر ہوگی آپ نے فرمایا کہ دنیا میں زہد کو اپنے اوپر لازم کرنا پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گویا سائل اول میں علامات غضب معلوم فرماتے تھے اس لیے اس کو غصہ کرنے سے منع فرمایا اور دوسرے سائل میں علامات لوگوں سے طمع کی اور طول امل کی ملاحظہ فرماتے اس لیے اس کو ویسا ہی حکم فرمایا۔ تیسرے میں علامات کلام کے بدل ڈالنے کی پائیں اس کو اسی کے مناسب جھوٹ نہ بولنے کو فرمایا۔ اور حضرت محمد بن واسع نے بھی اپنے سائل میں علامات حرص بفراست معلوم کر کے اسی کے موافق وصیت فرمائی اور ایک شخص نے حضرت معاذ سے عرض کیا کہ مجھ کو وصیت فرمایئے آپ نے فرمایا اگر تو رحم کیا کرے تو میں تیرے لیے جنت کا کفیل ہوں۔ گویا آپ کو بفراست اس کا سخت دل ہونا معلوم ہو گیا تھا اس لیے رحم کی وصیت کی۔ اور ایک شخص نے حضرت ابراہیم بن ادہم سے وصیت چاہی تو آپ نے فرمایا کہ آدمیوں سے علیحدہ رہا کر اور برے آدمیوں کے ساتھ رہا کر اور اچھے آدمیوں کی ضرورت اس لیے ہے کہ بھول چوک آدمی کا کام ہے اور سب آدمی آدمی نہیں ہوتے آدمی گذر گئے اور بھوت رہ گئے ان کو آدمی کیسے جانیں کہ آدمیوں کی ہتک کرتے رہتے ہیں شعر

آنچہ بس جستیم وکم دیدیم وبسیار است نیست　　نیست جز انسان دریں عالم کہ بسیار است ونیست

---

[1] اس کی سند بھی جلد سوم میں گذری ۱۲ [2] تجھ کو چاہیے کہ لوگوں کے مال سے ناامید ہو کہ اسی کا نام تونگری ہے اور طمع سے دور رہیو کہ وہ سردست کی مفلسی ہے اور نماز رخصت ہونیوالے کی طرح پڑھنا اور بات سے اپنے آپ کو بچانا جس سے عذر کرنا پڑے ابن ماجہ وحاکم اور یہ حدیث پہلے گذری ۱۲

تو گویا حضرت ابراہیم بن ادہمؒ نے اپنی فراست سے اس شخص میں علامت آفت ملاقات معلوم کی اور جو حال اس پر اس وقت غالب تھا اس کو سُنایا اور غالب حال اس پر یہی تھا کہ لوگوں کو ایذا دیتا تھا۔ غرضکہ گفتگو مناسب حال سائل کے ہونی چاہیئے نہ لائق شان قائل کے اور حضرت معاویہؓ نے حضرت عائشہؓ کو لکھا کہ میرے واسطے ایک نوشتہ لکھ کر بھیجیں جس میں کوئی مختصر وصیت ہو حضرت عائشہؓ نے جواب میں لکھا کہ بعد حمد و صلوٰۃ کے معلوم ہو کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ فرماتے تھے کہ جو شخص کہ خدائے تعالیٰ کی رضامندی لوگوں کی ناراضی سے چاہے اللہ تعالیٰ لوگوں کی مشقت سے اس کو بچا دیتا ہے۔ اور جو شخص کہ خدا کی ناراضی لوگوں کی رضامندی میں چاہتا ہو اللہ تعالیٰ اس کو لوگوں ہی کے حوالہ کر دیتا ہے والسلام اس خط سے فہم و فراست حضرت عائشہؓ کی دیکھنی چاہیئے کہ کس طرح پر اسی آفت کو لکھا جس کے درپے حکام و امرا ہوتے ہیں یعنی لوگوں کی طرفداری اور ان کی رضاجوئی اکثر لوگوں کو ملحوظ رہتی ہے۔ اور ایک دفعہ آپ نے حضرت امیرؓ کو خط لکھا تھا کہ بعد حمد و صلوٰۃ کے معلوم ہو کہ خدا سے ڈرتے رہو کیونکہ جب خدا سے ڈرو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو لوگوں سے بچائے گا اور جب لوگوں سے ڈرو گے تو اللہ کے سامنے تمہارے لیے کچھ پیش نہ جاوے گی والسلام۔ ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ناصح و واعظ پر ضروری ہے کہ اس کی توجہ اس بات کی طرف مصروف ہو کہ صفات پوشیدہ کو فراست سے جانے اور احوال مناسب اور مصلحتِ وقت کو پہچانے تاکہ جو امر ضروری ہو اسی کا بیان کرے ورنہ ساری نصیحتوں کو ہر ایک شخص سے کہنا غیر ممکن ہے۔ علاوہ ازیں جس چیز کی حاجت بیان کرنے کی نہ ہو اس میں مشغول ہونا تضیع اوقات ہے یہاں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ اگر واعظ مجمع میں وعظ کہتا ہو یا اس سے کوئی ایسا شخص وعظ کرے جس کے باطن کا حال معلوم نہیں تو واعظ کو کیا کرنا چاہیئے تو اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں واعظ ایسا بیان کرے جس میں تمام خلق شریک ہو یعنی ایسی ضروری باتیں کہے جن کی طرف سب کو حاجت ہوتی ہے خواہ ہر وقت کارآمد ہوں یا اکثر اوقات ضروری ہوتی ہوں اور علوم شرع میں یہ بات ممکن ہے اس لیے کہ وہ علوم غذا اور دوا دونوں ہیں۔ غذا تو سب لوگوں کے لیے ہیں اور دوا ان کے لیے ہیں جو روگی ہیں اور ایسے وعظ کی مثال یہ ہے کہ کسی شخص نے حضرت ابو سعید خدریؓ سے عرض کیا کہ مجھ کو وصیت فرمایئے آپ نے ارشاد فرمایا کہ خدا کا خوف اپنے اوپر لازم کر ہر ایک بہتری کی جڑ یہی ہے اور جہاد کرنا اپنے اوپر لازم کر کہ اسلام میں رہبانیت اسی کو کہتے ہیں۔ اور قرآن مجید کو ہمیشہ پڑھا کر وہ تیرے لیے زمین والوں میں نور ہوگا اور آسمان کے لوگوں میں تیری یاد رہے گی اور بہتر بات کے سوا سکوت اختیار کر کہ اس کے باعث شیطان پر غالب ہو جائے گا۔ اور ایک شخص نے حضرت حسنؒ سے پوچھا کہ مجھ کو وصیت فرمایئے آپ نے فرمایا کہ خدا کی بات کی بڑائی کر خدا تعالیٰ تیری عزت کرے گا۔ اور لقمانؑ نے اپنے بیٹے سے کہا کہ علماء سے اپنے زانو بھڑا مگر ان سے مجادلہ مت کر ورنہ تجھ کو بُرا سمجھیں گے اور دنیا میں مقدار قوت بشری رکھ لے اور باقی جو کمائی بچے اس کو آخرت کے لیے خرچ کر اور دنیا کو بالکل ترک مت کر کہ اپنا بوجھ لوگوں کے ذمہ ڈالے اور ان کی گردن کا وبال بنے اور روزہ ایسا رکھ جس سے شہوت ناقص ہو ایسا مت رکھ جس سے نماز میں خلل ہو اس لیے کہ نماز روزہ سے افضل ہے اور بے وقوف کے پاس مت بیٹھ اور نہ دو رویہ آدمی سے مل اور یہ بھی انہی کی نصیحت اپنے فرزند کو ہے کہ بدون تعجب کے

مت ہنسنا اور بدوں حاجت کے مت پھرنا اور جس چیز سے تجھے کچھ فائدہ نہ ہو اس کا حال مت پوچھنا اور اپنے مال کو کھو کر دوسرے کا مال مت سنوارنا اس سے یہ مراد ہے کہ تیرا مال وہ ہے جو مرنے سے پہلے لوگوں کو دے جاتے اور دوسرے کا مال وہ ہے جو چھوڑ جاتے۔ اے فرزند جو رحم کرتا ہے اس پر رحم ہوتا ہے اور جو چپ رہتا ہے وہ سلامت رہتا ہے اور جو اچھی بات کہتا ہے وہ غنیمت پاتا ہے اور جو بُری بات کہتا ہے وہ گنہ گار ہوتا ہے اور جو اپنی زبان نہیں روکتا وہ ندامت اُٹھاتا ہے۔ شعر ؎

زبان بریدہ بکنجے نشستہ صم وبکم به از کسے کہ نباشد زبانش اندر حکم

اور کسی شخص نے ابوحازم سے کہا کہ مجھے وصیت کیجیے انہوں نے فرمایا کہ جو کام ایسا ہو کہ اگر بالفرض اس میں تجھ کو موت آجاتے تو اس پر مرنا اچھا معلوم ہو ایسے کام کو ضرور کیا کر اور جو فعل اس طرح کا ہو کہ شاید اگر اس کے ارتکاب کے وقت موت آجاتے تو مرنے کو مصیبت جانے ایسے کام سے اجتناب کیا کر۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے کہا کہ مجھ کو وصیت فرمایئے، انہوں نے فرمایا کہ ہنستی صورت رہا کرو غصہ مت کیا کرو اور ایسے رہو کہ دوسروں کو تم سے فائدہ ہو کسی کو ضرر نہ پہنچے اور خصومت سے کنارہ کرو بے حاجت مت پھرو اور بدون اچنبھے کی چیز کے مت ہنسو اور اہل قصور کو ان کی خطاؤں کا عیب وطعنہ مت دو بلکہ اے ابن عمران اپنی خطا پہ رونا چاہیئے۔ اور ایک شخص نے محمد بن کرام سے وصیت چاہی تو انہوں نے فرمایا کہ اپنے خالق کی رضامندی میں اتنی کوشش کرنی چاہیئے جتنی اپنے نفس کی رضامندی میں کوشش کرتے ہو۔ اور ایک شخص نے حامد لفاف سے وصیت کے لیے عرض کیا تو انہوں نے فرمایا کہ اپنے دین کا غلاف ایسا بناؤ جیسا کلام مجید کے لیے بناتے ہو کہ کسی طرح کی گرد اس پہ نہ پڑنے پائے، سائل نے پوچھا کہ دین کے غلاف سے کیا مراد ہے آپ نے فرمایا طلب دنیا کو چھوڑ دینا مگر بقدر ضرورت اور کثرت کلام فائدہ اِنہ ضرورت کا بھی تارک ہونا اور بے ضرورت لوگوں سے ملاقات ترک کرنی۔ اور حضرت حسنؒ بصری نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو نامہ لکھا کہ بعد حمد وصلوٰۃ کے معلوم کرنا چاہیئے کہ جس چیز سے اللہ تعالیٰ خوف دلاتا ہے اور ڈراتا ہے اس سے ڈرنا اور خوف کرنا چاہیئے اور جو تمہارے پاس اب موجود ہے اس میں سے آگے کے واسطے لے لو اور موت پر یہ حال ٹھیک ٹھیک معلوم ہو گا والسلام۔ اور ایک بار حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے حضرت بصری کو لکھا کہ آپ مجھ کو کچھ وعظ و نصیحت کیجیے اس کے جواب میں آپ نے ان کو لکھا کہ بعد حمد وصلوٰۃ کے واضح ہو کہ سب سے بڑی ہول اور اُمور دہشت ناک تمہارے آگے ہیں اور تم کو ان کو دیکھنا ضرور پڑے گا یا نجات سے یا تباہی کے ساتھ اور یہ بھی جان لو جو شخص اپنے نفس کو جانچتا رہتا ہے اور جو اس سے غافل رہتا ہے وہ نقصان اُٹھاتا ہے اور جو شخص انجام کار پر نظر رکھتا ہے وہ نجات پاتا ہے اور جو ہوائے نفس کی اطاعت کرتا ہے وہ گمراہ ہوتا ہے اور جو شخص حلم کرتا ہے اس کو غنیمت ملتی ہے اور جو ڈرتا رہتا ہے وہ بچ جاتا ہے اور جو مامون رہتا ہے وہ عبرت پکڑتا ہے اور عبرت والا صاحب بصیرت ہوتا ہے اور اہل بصیرت فہیم ہوتا ہے اور فہیم آدمی واقف کار ہوتا ہے۔ پس جب تم سے کوئی لغزش ہو جاتے تو اس سے باز آنا چاہیئے اور جب ندامت کرو تو خطا کو جڑ سے اُکھاڑ دو اور اگر کوئی بات نہ آتی ہو تو پوچھ لو اور جس وقت

تم کو غصہ آ تے اس کو روکو۔ انتہی اور مطرف بن عبداللہ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں لکھا کہ بعد حمد وصلوٰۃ کے معلوم کرنا چاہیئے کہ دنیا عقوبت کا گھر ہے اس کو وہی جمع کرتا ہے جس کو عقل نہیں اور اس سے مغالطہ اسی کو ہوتا ہے جس کو علم نہیں۔ اے امیر المؤمنین اس میں ایسے رہو جیسے کوئی اپنے زخم کا علاج کرتا ہے کہ خوف انجام کے درد سے شدت دوا پر صبر کرتا ہے اور حضرت عمر بن عبدالعزیز نے عدی بن ارطاط کو لکھا کہ بعد حمد وصلوٰۃ کے واضح ہو کہ دنیا خدا کے اولیاء کی اور اس کے اعداء کی دونوں کی دشمن ہے اس کے اولیاء کو رنج پہنچاتی ہے اور اعداء کو مغالطہ دیتی ہے اور نیز اپنے بعض عاملوں کو آپ نے لکھا کہ تم کو قدرت بندوں پر ظلم کرنے کی حاصل ہے مگر جب کسی پر ظلم کا ارادہ کرو تو یاد کرنا تمہارے اوپر بھی خدا قادر ہے اور اس بات کو خوب سمجھ لینا کہ جو کچھ لوگوں پر تم جور وستم کرو گے وہ ان پر گذر جائے گا مگر تم پر باقی رہے گا اور یہ بھی جان لو کہ خدائے تعالیٰ مظلوموں کے انتقام میں ظالموں کو پکڑے گا والسلام، حاصل یہ کہ وعظ عام اس طرح کا ہونا چاہیئے۔ اور جس کا حال معلوم نہ ہو اس کو بھی اسی طرح کی نصیحت کرنی چاہیئے اس لیے کہ یہ نصیحتیں مثل غذاؤں کے ہیں جس سے ہر ایک کو فائدہ ہو سکتا ہے اور ازانجا کہ اس طرح کے واعظ نایاب ہیں اسی لیے باب وعظ بالکل مسدود ہو گیا اور معاصی وفساد غالب ہو گئے۔ لوگوں کو ایسے واعظوں سے کام پڑا جو سجع اور قافیے سے باتیں چکناتے ہیں اور اشعار سناتے ہیں اور جو بات کہ ان کے حوصلہ علمی کے موافق نہیں اس کو بھی تبکلف ذکر کرتے ہیں۔ اور دوسرے کے مشابہ ہونے پر مرتے ہیں اسی وجہ سے عوام کے دلوں سے ان کا وقار جاتا رہا ان کا کلام دلوں پر اثر نہیں کرتا اس لیے کہ وہ خود دل سے نہیں کہتے۔ "آنچہ از دل خیزد بر دل ریزد" سے عاری ہیں کہنے والے خالی از لاف نہ سننے والے تکلف سے صاف دونوں کے دونوں دین سے ردگردان اور متخالف ہیں اور چونکہ اوّل علاج مریض کا تلاش طبیب ہے تو گنہگاروں کے لیے بھی اوّل تدبیر علماء کا طلب کرنا ہے ایک رکن علاج کا اور اس کی اصل یہ ہے جو مذکور ہوئی، دوسری اصل اصرار کے علاج کی صبر ہے اور صبر کی طرف حاجت کی وجہ یہ ہے کہ مریض کا مرض جو بڑھتا ہے تو صرف مضر چیزوں کے استعمال سے بڑھتا ہے اور استعمال مضر چیزوں کا دو سبب سے ہوتا ہے یا تو اس سبب سے کہ اس کے ضرر سے غافل ہو یا اس سبب سے کہ غلبۂ شہوت میں ضرر کا خیال نہ کرے اوپر جو مذکور ہوا وہ تو علاج غفلت کا تھا۔ اب صرف شہوت کا علاج باقی ہے اور اس کے علاج کا طریق ہم باب ریاضت نفس میں لکھ چکے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ مریض کو جب اشتیاق کسی مضر غذا کا بہت ہو تو اس کی تدبیر یہ ہے کہ اوّل اس کے ضرر کی زیادتی سے واقف ہو پھر وہ چیز اس کی آنکھ سے پوشیدہ کر دی جائے اور کبھی سامنے نہ آنے پائے اور اس کے بدلے میں کوئی چیز اسی کے قریب جو صورت میں مشابہ اور ضرر میں کمتر ہو استعمال کرے پھر درد و تکلیف جو اس کے استعمال سے اس کے جوف کی قوت سے اسے بھی چھوڑ دے اور اس کے چھوڑنے پر صبر کرے۔ پس مریض کو بہر حال تلخی صبر ضرور ہے اسی طرح معاصی کی شہوت کا علاج ہونا چاہیئے، مثلاً اگر کسی جوان آدمی کو شہوت کا جوش ہو اور وہ اپنی آنکھ اور دل اور اعضاء کو مقتضائے شہوت سے نہ روک سکے تو اس کو چاہیئے کہ اول اپنے گناہ کے ضرر سے واقف ہو یعنی وہ وعید جو کتاب اللہ اور احادیث میں اس باب میں وارد ہیں ان کو تلاش کرے

خواہ کسی سے پڑھوا کر سُنے پس جب خوف زیادہ ہو گا تو اُن اسباب سے دور بھاگے گا جو شہوت کو جوش میں لاتے ہیں اور جوش شہوت کا سبب یا تو خارج سے ہوتا ہے یعنی جس کی خواہش ہے اس کو دیکھنے اور سامنے ہونے سے اس سبب کا علاج تو یہ ہے کہ اس کے پاس نہ رہے اور بھاگ کر تنہائی اختیار کرے۔ اور یا سبب شہوت داخل سے ہوتا یعنی لذیذ اور مقوی غذاؤں سے تو اس کا علاج بھوکا رہنا اور ہمیشہ روزہ دار رہنا ہے اور یہ دونوں علاج صبر کے محتاج ہیں اور صبر بدون خوف کے اور خوف بدون علم کے اور علم بدون بصیرت و تامل کے حاصل نہیں ہوتا یا سننے یا تقلید سے بھی علم حاصل ہو سکتا ہے۔ پس اوّل سب باتوں سے ذکر کی مجلسوں یعنی وعظ کے مجمع میں حاضر ہونا چاہیئے پھر دل کو سب شغلوں سے خالی کر کے سننے کی طرف مصروف ہو اور جو سُنے اس کو خوب سمجھنے کیلئے غور کرے اس تدبیر سے بیشک خوف پیدا ہو گا۔ اور جب خوف قوی ہو جاتے گا تو اس کی اعانت سے صبر میسّر ہو گا اور اسباب طلب علاج کے پیدا ہوں گے اس کے بعد خدائے تعالیٰ کی توفیق اور اس امر کو اس پر آسان کر دینا اضافہ ہو گا پس جو شخص اپنا دل لگا کر سُنے گا اور خوف سے واقف ہو کر خدائے تعالیٰ سے ڈرے گا اور منتظر ثواب ہو گا اور بھلی بات کو سچ جانے گا تو خدائے تعالیٰ اس کو رفتہ رفتہ آسانی پر پہنچا دے گا اور جو شخص اسباب میں بخل کرے گا اور اپنا کان نہ دھرے گا اور بے پرواتی برتے گا اور عمدہ بات کو جھٹلاتے گا۔ اس کو خدا تعالیٰ آہستہ آہستہ سختی میں پہنچا دے گا۔ پھر دنیا کی لذیذ چیزوں سے اس کے کچھ کام نہ آئے گا۔ جب ہلاک ہو کر گڑھے میں جا پڑے گا انبیاء کا کام یہی تھا کہ ہدایت کے طریق بیان کر دیں باقی دنیا و آخرت دونوں خدا ہی کے ہیں۔ اب اگر کوئی یوں کہے کہ اس تقریر کا مآل ایمان پر جا رہا، اس واسطے کہ ترک گناہ بدوں اس سے صبر کیسے ممکن نہیں اور صبر بدون واقفیت خوف کے ممکن نہیں اور خوف بدون علم کے نہیں ہوتا اور علم جب حاصل ہوتا ہے جب زیادتی ضرر گناہوں کی تصدیق ہو اور زیادتی ضرر کی تصدیق یعنیہ اللہ و رسول کی تصدیق ہے جس کا نام ایمان ہے تو گویا خلاصۂ تقریر یہ ہے کہ جو کوئی گناہ پر اصرار کرتا ہے وہ اس لیے کرتا ہے کہ اس کو ایمان نہیں حالانکہ یہ بات قیاس کے خلاف ہے کہ اصرار والے کو ایماندار نہ کہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اصرار میں ایمان مفقود تو نہیں ہوتا بلکہ ضعف ایمان سے یہ حرکت ظاہر ہوتی ہے اس لیے کہ یہ بات تو ہر ایک ایمان دار مانتا ہے کہ گناہ کرنا سبب خدا کی دوری کا اور عذاب اخروی کا ہونا ہے۔ پھر جو گناہ میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کی کئی وجہیں ہیں۔ وجہ اوّل تو یہ کہ جس عذاب کی وعید ہے وہ موجود نہیں نظر سے غائب ہے اور نفس انسانی کی سرشت اس طور پر ہے کہ اس پر جتنا اثر حاضر سے ہوتا ہے اتنا غائب سے نہیں ہوتا اس لیے موعود چیز کی تاثیر اس پر بہ نسبت حاضر چیز کے ضعیف ہوتی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ شہوات جو گناہوں کی باعث ہوتی ہیں۔ ان کی لذتیں نقد ہیں جو آدمی کے گلے کا ہار ہوتی ہیں ان کی عادت والفت ہونے سے قوت و غلبہ پا جاتی ہیں اس لیے کہ عادت بھی ایک طبیعت دوسری ہوتی ہے اور حال کی لذت آئندہ کے خوف سے چھوڑنی نفس پر دشوار ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ...... كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُونَ الْآخِرَةَ

ت اکوئی نہیں پر تم چاہتے ہو شتاب ملتی اور چھوڑتے ہو دیر آتی ۱۲

اور فرمایا بَلۡ تُؤۡثِرُوۡنَ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا[ت ۱] اور اس امر کی سختی حدیث شریف سے بھی ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا[ح ۲] حفّتِ الجنۃ بالمکارہ وحفتِ النّارُ بالشہوات اور ایک حدیث[ح ۳] میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دوزخ کو پیدا کر کے حضرت جبریلؑ کو حکم کیا کہ جا کر اس کو دیکھ انہوں نے دیکھ کر عرض کیا کہ قسم ہے تیری عزت کی جو کوئی اس کا حال سُنے گا کبھی اس میں نہ جائے گا پھر اس کو شہوات سے ڈھانک دیا اور حضرت جبریلؑ کو ارشاد ہوا کہ اب جا کر دیکھ آپ نے دیکھ کر عرض کیا کہ قسم ہے تیری عزت کی کہ اب مجھے یہ خوف ہے کہ کوئی بدوں اس میں داخل ہوئے نہ رہے گا۔ اور جنت کو پیدا کر کے حضرت جبریلؑ کو حکم کیا کہ جا کر دیکھ انہوں نے دیکھ کر عرض کیا کہ قسم ہے تیری عزت کی جو کوئی اس کا حال سُنے گا وہ اس میں داخل ہوگا پھر جنت کو خدائے تعالیٰ نے مکروہات میں چھپا کر حضرت جبریلؑ کو ارشاد فرمایا کہ اب جا کر دیکھ انہوں نے دیکھ کر عرض کیا کہ اب مجھے یہ خوف ہے کہ اس میں کوئی داخل نہ ہوگا۔ انتہیٰ۔ اس سے معلوم ہوا کہ شہوات کا سردست موجود ہونا اور عذاب کا انجام کو دیر سے ہونا اصرار کے لیے دو سبب کھلے ہوتے ہیں باوجودیکہ اصل ایمان موجود رہتا ہے۔ دیکھ ہر ایک شخص جو اپنے مرض میں برف کا پانی شدت پیاس کے باعث پیتا ہے وہ اصل طب کا منکر نہیں ہوتا نہ اس بات کا منکر کہ یہ پانی میرے حق میں مضر ہے۔ مگر چونکہ شہوت غالب ہے اور اس صبر کرنے کا رنج بالفعل موجود ہے اس لیے جو تکلیف و مضرت کہ آیندہ ہوگی وہ آسان معلوم ہوتی ہے۔ تیسری وجہ یہ کہ گنہگار مومن اکثر توبہ کا ارادہ رکھتا ہے اور اپنی بُرائیوں کو حسنات سے مٹانا چاہتا ہے اور وعدہ بھی شرع میں موجود ہے کہ حسنات سے سیئات دور ہو جاتی ہیں۔ مگر چونکہ طول امل طبیعتوں پر غالب رہتی ہے اس واسطے وہ ہمیشہ توبہ میں تاخیر کرتا رہتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ باوجود ایمان کے توفیق توبہ کی امید میں گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ کوئی مسلمان بالیقان نہیں جس کو یہ اعتقاد نہ ہو کہ گناہ موجب ایسی عقوبت کے نہیں ہوتے جن کا معاف ہونا ممکن نہ ہو۔ پس گناہ کرتے ہیں اور خدا کے فضل پر بھروسا کر کے اس کے معاف ہو جانے کی توقع رکھتے ہیں۔ چنانچہ کسی کا شعر ہے شعر ؎

ہم بھی کہیں گے داورِ محشر سے روزِ حشر   کیا کیا گناہ کیے تیری رحمت کے زور پر

یہ چار وجہیں ہیں کہ باوجود باقی رہنے اصل ایمان کے موجب اصرار گناہوں کی ہوتی ہیں۔ ہاں بعض اوقات مجرم ایک پانچویں سبب سے مرتکب گناہ ہوتا ہے جس سے اصل ایمان ہی میں خلل واقع ہوتا ہے اور وہ سبب یہ ہے کہ سرے سے مجرم کو رسول کے صادق ہونے میں شک ہوتا ہے اس کا نام کفر ہے جیسے کوئی طبیب کسی مریض کو بتلائے کہ فلاں چیز تمہارے حق میں مضر ہے اور مریض اس طبیب کا معتقد نہ ہو کہ اس کو طب آتی ہے تو وہ بالضرور اس کے قول کو جھوٹ جانے گا یا شک کرے گا۔ بہر حال اس کے کہنے کی کچھ پرواہ نہ کرے گا نہ اس کی بات مانے گا اسی

[ت ۱] کوئی نہیں تم آگے رکھتے ہو دنیا کا جینا ۱۲ [ح ۲] گھیری گئی ہے بہشت مکروہ چیزوں سے اور گھیری گئی ہے دوزخ خواہشوں سے بخاری ومسلم بروایت ابوہریرہ [ح ۳] ترمذی وحاکم بروایت ابوہریرہؓ ۱۲

کا نام کفر ہے۔ اب ان پانچوں اسباب کا علاج معلوم کرنا چاہیئے۔ سبب اوّل یعنی عقاب کے غائب ہونے میں یہ سوچے کہ جو چیز شدنی ہے وہ ہو کر رہے گی۔ آنے والی چیز چلی جاتی ہے۔ اگر تامل سے دیکھو تو فردا نزدیک ہے اور موت ہر ایک کی جوتی کے تسمے سے نزدیک تر تو کیا معلوم ہے شاید قیامت بھی نزدیک ہو جس وقت آکھڑی ہو جب بھی موجود ہو جائے گی اور یہ بھی اپنے دل میں سوچے کہ دنیا میں آئندہ کے خوف کے لیے فی الحال تعب و مشقت اٹھاتے ہیں۔ مثلاً اس خوف سے کہ شاید کبھی محتاج ہو جائیں، خشکی و تری کا سفر کر کے نفع حاصل کرتے ہیں کہ اس وقت کام آئے۔ بلکہ اگر کوئی طبیب نصرانی کسی مریض سے کہدے کہ ٹھنڈا پانی تیرے حق میں مضر ہے اس سے تو مر جائے گا تو گو مریض کے نزدیک ٹھنڈا پانی سب چیزوں سے لذیذ ہی کیوں نہ ہو مگر موت کے خوف سے اس کو چھوڑ دے گا باوجودیکہ موت کا رنج صرف ایک لحظہ کا ہوتا ہے۔ بشرطیکہ اس کے بعد کا خوف نہ ہو اور دنیا کی مفارقت بھی ضروری ہے اور دنیا کے وجود کو ازل اور ابد کے ساتھ کچھ نسبت نہیں، پس مقامِ غور ہے کہ ایک نصرانی کے قول سے کس طرح آپ لذت کی چیز چھوڑ دیتے ہیں حالانکہ اس کی طبابت پر کوئی معجزہ قائم نہیں ہوا تو دل میں یہ کہے کہ میری عقل کے شایاں نہیں کہ میرے نزدیک قول انبیاء علیہم السلام کا جن کو معجزات سے تائید تھی ایک نصرانی کے قول سے بھی کم ہو جو صرف اپنے آپ کو طبیب بتاتا ہے اور اس کی طب پر کوئی معجزہ قائم نہیں نہ عوام کے سوا کوئی اور اس کا گواہ۔ اور یہ کہ میرے نزدیک دوزخ کا عذاب بہ نسبت مرض کی تکلیف کے ہلکا ہو۔ حالانکہ قیامت کا ہر روز دنیا کے دنوں کی نسبت پچاس ہزار برس کا ہو گا اور اسی طرح کی فکر سے سبب ثانی کا علاج ہو سکتا ہے۔ یعنی اگر وجہ گناہ کی غلبۂ لذت ہو تو بزور اس کو نفس سے چھڑائے اور یوں کہے کہ جب میں اس لذت کو زندگی بھر نہیں چھوڑ سکتا حالانکہ زندگی کے دن بہت تھوڑے ہیں تو ابدالآباد کی لذت مجھ سے کیسے چھوٹے گی اور یہ ذرا سا رنج صبر کا اگر نہیں اٹھ سکتا تو دوزخ کی تکلیف کی برداشت کیسے ہو گی اور جب دنیا کی زیبائش کی چیزوں پر جن میں کدورت اور تغیر ہوتا ہے اور کوئی خالی از رنج نہیں، مجھ سے صبر نہیں ہو سکتا تو آخرت کے مرنے سے کیسے صبر ہو گا۔ اور وجہ سوم یعنی توبہ کرنے کے لیے آج کل کرنے کا علاج یہ ہے کہ یوں سوچے کہ دوزخیوں کی اکثر فریاد اسی سے ہو گی کہ ہم نے توبہ کے وقت کو کیوں ٹالا۔ علاوہ ازیں ٹالنے والا اپنے کام کی بنا ایسی چیز پر رکھتا ہے جو اس کے اختیار میں نہیں یعنی فرض کر لیتا ہے کہ میں آگے کو موجود رہوں گا اور توبہ کر لوں گا کیسے معلوم ہوا کہ زندہ ہی رہے گا شاید جب تک مر جائے اور اگر زندہ بھی رہے تو گناہ نہ چھوڑ سکے جیسا کہ اب تک نہیں چھوڑ سکا۔ اس لیے کہ وجہ گناہ نہ چھوڑنے کی جو اس وقت ہے یعنی غلبۂ شہوت وہ آگے کو بھی رہے گی بلکہ عجب نہیں کہ اتنے دنوں عادی ہونے سے اور زیادہ مضبوط ہو جائے کیونکہ جب شہوت کا آدمی عادی ہوتا ہے وہ زیادہ قوی ہوتی ہے بہ نسبت اس کے کہ جس کی عادت نہیں ہوتی اور اسی وجہ سے ٹالنے والے تباہ ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ ایک سی صورت کی دو چیزوں میں فرق سمجھتے ہیں یہ نہیں جانتے کہ دن ایک دوسرے سے مشابہ ہیں ترک شہوات ان میں ہمیشہ دشوار ہے اور ٹالنے والوں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی ایک پیڑ کو جڑ سے اکھاڑنا چاہے اور جب اس کو دیکھے کہ یہ تو مضبوط ہے بدون محنت شدید کے نہیں اکھڑے گا تو یوں کہے کہ اسے

برس روز اور چھوڑ دوں پھر اکھاڑوں گا اور یہ جانتا ہے کہ درخت جتنے دنوں زمین میں رہے گا مضبوط ہوتا جائے گا اور میں جتنا بڑا ہوتا جاؤں گا مجھ میں کمزوری آتی جائے گی۔ تو اب دنیا میں اس کے برابر کوئی احمق نہ ہوگا کہ جب اپنے بدن میں جان تھی اور درخت کمزور تھا جب تو اس کو نہ اکھاڑا ایسے وقت پہ چھوڑا کہ وہ تو مضبوط ہو جائے گا اور آپ کمزور پس ایسے وقت میں کیسے عہدہ برآ ہوگا۔ اور چوتھی وجہ یعنی توقع خدا کے عفو کی اس کا علاج پہلے گذر چکا۔ اس کی وہی مثل ہے کوئی شخص اپنا سب مال خرچ کر ڈالے اور اپنے آپ کو اور عیال کو فقیر رہنے دے اور توقع کرے کہ خدا تعالیٰ اپنے فضل سے کسی ویرانے میں خزانہ تبلا دے گا۔ یا کوئی شخص ایسے شہر میں ہو کہ وہاں کے لوگ زبردستی مال لوٹ لیتے ہو تو یہ شخص اپنا مال گھر کے صحن میں ڈال دے اور باوجود قدرت دفن اور پوشید کرنے کے کچھ نہ کرے اور کہے کہ مجھے خدا کے فضل سے توقع ہے کہ غارت گروں کو غافل کر دے یا ان پر کوئی ایسی مصیبت ڈالے کہ میرے گھر میں نہ آئیں اور اگر آئیں تو دروازے ہی پر مر جائیں۔ پس ان مثالوں میں خزانے کا ملنا اور غارت گروں کا غافل رہنا خواہ مرجانا ممکن ہے اور بعض اوقات ایسا ہو بھی گیا ہے مگر جو کوئی اس پر تکیہ کر کے اپنا مال ضائع کرے وہ نہایت احمق ہے، اسی طرح گناہ کا معاف ہونا ممکن ہے مگر اس پر خواہ مخواہ تکیہ کرنا جہالت ہے رہی پانچویں وجہ یعنی شک کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صادق ہونے میں پس اس کا علاج ہو سکتا ہے، وہ اسباب ہیں جن سے صدق رسولؐ کا جانا جاتے اور وہ اگرچہ طول طویل ہیں مگر جو ایسے شخص کی عقل کے قریب ہوں ان سے اس کا علاج ہو سکتا ہے مثلاً اس سے یوں کہا جاتے کہ جس امر کو انبیاء علیہم السلام کہ معجزات ان سے صادر ہوتے ہیں سچا کہا ہے وہ بات یعنی امر آخرت تیرے نزدیک ممکن ہے یا اس کو تو ایسا محال جانتا ہے جیسا دو جگہ میں ایک ہی وقت ایک شخص کا ہونا محال ہو۔ پس اگر وہ جواب دے کہ مجھے اس امر میں شک ہے تو اس سے یہ کہنا چاہیئے کہ اگر تو اپنے گھر میں کھانا چھوڑ جاتے اور کوئی اجنبی آدمی تجھ سے یہ کہے کہ تیرے پیچھے اس کھانے میں سانپ نے منہ ڈال کر زہر اگل دیا ہے اور تجھ کو اس کی بات میں شک ہو کہ نہیں معلوم سچ کہتا ہے یا جھوٹ تو ایسی صورت میں اس کھانے کو تو کھاتے گا یا باوجود لذیذ ہونے کے چھوڑ دے گا پس وہ یہی جواب دے گا کہ میں اس کھانے کو نہ کھاؤں گا۔ اس واسطے کہ میں یہ سوچوں گا کہ اگر بالفرض اس نے جھوٹ کہا ہے تو صرف اسی قدر نقصان ہے کہ وہ کھانا جاتا رہا اور اس پر صبر کرنا اگرچہ مشکل ہے مگر ہو سکتا ہے اور اگر اس نے سچ کہا ہے تو میری زندگی جاتی رہے گی اور موت ظاہر ہے کہ بہ نسبت کھانے پر صبر کرنے اور اس کے تلف ہو جانے کے بہت سخت ہے تو اس سے کہنا چاہیئے..... کہ سبحان اللہ ایک مجہول آدمی کا کہنا تو تُو مانتا ہے کہ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ شاید کسی لاگ سے کہدیا ہو اور تمام انبیاء علیہم السلام کا قول باوجود معجزات کے اور سب اولیاء اور علماء اور حکماء بلکہ تمام اقسام عقلاء کا قول نہیں مانتا جاہلوں سے تو ہم کو بحث نہیں عاقلوں میں کوئی ایسا بتا دو جس کو قیامت کا یقین نہ ہو اور ثواب وعذاب کو درست نہ جانتا ہو گو کیفیت میں ان اشیاء کی ان میں اختلاف ہو مگر ان کے وجود کے سب قائل ہیں۔ اب اگر

یہ لوگ سچے ہیں تو بیشک تجھ پر ایسا عذاب ہوگا جو ہمیشہ ابدالآباد تک رہے گا اور اگر جھوٹے ہیں تو تیرا کچھ ہرج نہیں صرف اتنا ہوگا کہ بعض شہوات اس دار فانی پر کدورت کے تجھ سے فوت ہو جائیں گی۔ پس اگر وہ شخص عاقل ہوگا تو اس تقریر کے بعد اس کو کچھ گنجائش توقف نہ رہے گی اس واسطے کہ مدت زندگی کو ابدالآباد کے ساتھ کچھ نسبت نہیں بلکہ اگر تمام دنیا میں چینا بھرا ہوا ہو اور فرض کرو کہ ایک پرندہ دس لاکھ برس کے بعد ان میں سے ایک دانہ اٹھالے تب بھی انجام کو فنا ہو جائے گی بخلاف ابدالآباد کے کہ وہ کبھی فنا نہ ہوگا۔ پس عاقل آدمی دنیا کے تھوڑے دن شہوات سے صبر کرکے سعادت ابدالآباد کی حاصل کرنے میں کیسے سستی کرے گا اور تقریر اور بحث مذکور بالا ویسے ہی ہے جیسے حضرت علی رضؓ نے اس شخص سے فرمائی تھی جس کی عقل امور واقعی کے سمجھنے سے قاصر تھی اور اس کو امر آخرت میں شک تھا۔ آپ نے اس سے ارشاد فرمایا کہ اگر تیرا کہنا ٹھیک ہے تو ہم اور تو دونوں بچیں گے اور اگر ہمارا کہنا درست ہے ہم بچیں گے اور تو تباہ ہوگا۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ عاقل آدمی سب احوال ودہشت کے مقامات میں وہ راہ اختیار کرے جس میں امن ہو اب اگر یہ پوچھو کہ یہ باتیں بدیہی ہیں مگر بدون تامل کے حاصل نہیں ہوتیں تو دلوں پر کیا آفت ہے کہ اس باب میں فکر چھوڑ دی ہے اور اس کو گراں جانتے ہیں اور دلوں کے پھیرنے کا علاج اس فکر کی طرف کیا ہے خصوصاً ایسے شخص کا جو ایمان اصل شرع اور اس کی تفصیل پر رکھتا ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ فکر کی مانع دو باتیں ہیں ایک یہ کہ فکر نافع آدمی کے لیے وہ ہے جو عذاب اخروی اور اس کے احوال وشدائد اور گنہگاروں کی حسرت اور ان کے جنت سے محروم رہنے کے باب میں کرے مگر یہ فکر آدمی کے دل میں کانٹا ہے اسی وجہ سے دل کو اس سے نفرت ہوتی ہے اور دنیاوی امور میں فکر کرنے سے لذت پاتا ہے اور فرحت وراحت اٹھاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ فکر بھی ایک ایسا شغل ہے کہ جس وقت آدمی پر مسلط ہوتا ہے تو لذائذ دنیاوی اور قضائے شہوات سے روک دیتا ہے کیونکہ کوئی انسان ایسا نہیں جس کو ہر ایک حال اور ہر ایک دم میں شہوت کسی چیز کی نہ ہوتی ہو یہی شہوت کبھی اس پر مسلط ہو کر عقل کو مغلوب کر لیتی ہے۔ اسی وجہ سے اس شہوت کے حیلے کی تدبیر میں لگا رہتا ہے اور یہی اس کو اچھا معلوم ہوتا ہے کہ یا کوئی تدبیر نکالے یا دادِ شہوت دے اور فکر میں یہ بات کہاں ہو سکتی ہے بہرحال ان دونوں مانع کا علاج یہ ہے کہ آدمی اپنے دل سے کہے تو کتنا سخت اور غبی ہے کہ موت اور اس کے مابعد کی فکر سے بچتا ہے اور اس کی یاد سے رنج اٹھاتا ہے اور اس کے آنے کو حقیر جانتا ہے جب آپڑے گی تو کیسے سہے گا تجھ سے تو موت اور مابعد کے ماننے کی ہی برداشت نہیں ہوتی اسی سے رنج پاتا ہے اور فکر کے باعث جو لذات دنیا کے فوت ہو جانے کا خوف ہوتا ہے اس کا علاج یہ ہے کہ یہ بات یقیناً جان لے کہ آخرت کی لذات کا جاتا رہنا بہت گراں ہوگا اس لیے کہ اول تو ان لذات کی کچھ پایاں نہیں۔ دوسرے ان میں کسی طرح کی مشقت یا کدورت نہیں اور لذاتِ دنیاوی نہ پائدار ہیں اور نہ خالی از کدورت تو ان میں لذت خالص بے کدورت بھی نہیں ہو سکتی البتہ گناہوں سے توبہ کرکے طاعتِ الٰہی پر متوجہ ہونے سے لذت مناجاتِ الٰہی اور اس کی معرفت وطاعت سے آرام ملنا اور زیادہ انس پاتا بڑی عمدہ لذت ہے کہ اگر مطیع کو عمل کی جزا سوا اس حلاوت کے اور کچھ نہ ملتی تب بھی

کافی تھی پھر جب اس پر مزید جنت کی نعمتیں بھی دی جائیں گی تو اس لذت کا کیا کہنا ہے۔ اتنا ہے کہ یہ لذت توبہ کے بعد ہی نہیں میسّر آتی لیکن توبہ کے بعد اگر مدت تک اس پر صابر رہے گا اور خیر کا اتنا عادی ہو جائے گا جتنا شر کا عادی پہلے تھا تو البتہ شاہد مقصود سے ہم آغوش ہو سکتا ہے کیونکہ نفس اسی چیز کو قبول کرتا ہے جس کا عادی ہو۔ خیر کا بھی عادی ہو سکتا ہے اور شر کا بھی۔ حاصل یہ کہ فکر اس طرح کی ہیں جن سے خوف اُبھرتا ہے جو باعث خوش قوت صبر ہے اور فکر واعظوں کے وعظ سے اور ایسی تنبیہات سے جو کبھی اتفاقاً اسباب بے شمار سے دل پر آتی ہیں اور پھر موافق طبع ہو جاتی ہیں اور دل کو ان کی طرف رغبت ہو جاتی اور جو سبب کہ طبیعت اور ان فکر دل میں موافقت ڈالتا ہے اس کو توفیق کہتے ہیں اس لیے کہ توفیق نام اسی کا ہے کہ ارادہ میں اور مطلوب یعنی اس اطاعت میں جو آخرت میں نافع ہو موافقت ہو جائے۔ چنانچہ ایک حدیث طویل میں مذکور ہے کہ حضرت عمار بن یاسرؓ کھڑے ہوئے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی خدمت میں عرض کیا کہ کفر کی بنا کس چیز پر ہے ارشاد فرمایئے آپ نے فرمایا کہ چار ارکان پر اس کی بنا ہے اول جفا، دوم نابینائی، سوم غفلت، چہارم شک، پس جو جفا کرے گا وہ حق کو حقیر جانے گا اور باطل کو کھلم کھلا کرے گا اور علماء کو بُرا جانے گا اور جو اندھا ہو گا ذکر کو بھول جائے گا اور جو غفلت کرے گا وہ راہ راست سے پھرے گا اور جو شک کرے گا وہ آرزوؤں سے مغالطے میں پڑے گا پھر حسرت اور ندامت اس کو گرفتار کرے گی اور جس چیز میں اس کو شک تھا وہ خدا کی طرف سے اس پر ظاہر ہو جائے گی۔ یہ بیان ہے بعض آفات کا جو فکر کی غفلت سے ہوتی ہیں اور اس قدر توبہ کے باب میں کافی ہے اور از انجا کہ صبر ایسا رکن ہے جس پر دوام توبہ منحصر ہے اس لیے اس کا بیان علیحدہ باب میں ضروری ہوا باب توبہ، خدا کے حسن توفیق سے تمام ہوا والحمد للہ اولاً وآخراً وصلی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ واصحابہ وسلم ٭

دوسرا باب، صبر و شکر

رباعی

گر دولت سرمدی تجھے ہے منظور کر صبر و شکر دل سے حتی المقدور
ہوتا ہے خدا تئے پاک صابر کا رفیق نعمت اسے دیتا ہے جو ہوتا ہے شکور

یہ بات حدیث[اح] و آثار سے ثابت ہے کہ ایمان کے دو حصے ہیں نصف صبر ہے اور نصف شکر اور از انجا کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں صبور اور شکور دونوں نام ہیں۔ تو صبر و شکر کا اوصاف الٰہی اور اسمائے حسنیٰ میں داخل ہونا بھی متحقق ہے اور ان دونوں سے جاہل رہنا گویا ایمان کے دونوں حصوں سے جاہل رہنا ہے یا خدا کے دو وصفوں سے غافل رہنا

اح ابومنصور در مسند فردوس بروایت یزید رقاشی عن انسؓ اور یزید ضعیف ہے ۱۲

اور بدون ایمان کے قربِ خدا کے حاصل ہونے کی کوئی صورت نہیں اور طریق ایمان پر چلنا بدون اس بات کے پہچاننے کے کہ کس چیز پر اور کس شخص پر ایمان چاہیئے۔ غیر ممکن ہے۔ جو اس بات کے پہچاننے میں سستی کرے گا وہ صبر اور شکر کی معرفت سے بھی بیٹھ رہے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بیان ہوجانا ایمان کے دونوں حصّوں کا بہت ضروری ہے اس لیے ہم اس باب میں صبر اور شکر کو اکٹھا لکھتے ہیں بایں خیال کہ دونوں میں ارتباط و مناسبت زیادہ ہے اس باب میں دو فصلیں ہیں:

پہلی فصل: صبر کا بیان

صبر کی فضیلت

اللہ تعالیٰ نے صابرین کو بہت سے اوصاف سے ذکر فرمایا ہے اور صبر کا ذکر قرآن مجید میں کچھ اوپر ستر جگہ کیا ہے اور بہت سے درجات اور خیرات کو صبر کی طرف منسوب کیا ہے اور اس کا ثمرہ ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا[۱]: وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا اور فرمایا[۲] وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ بِمَا صَبَرُوا اور فرمایا[۳] وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِينَ صَبَرُوا أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ اور فرمایا[۴] أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا اور فرمایا[۵] إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اور نیکیوں کا ثواب سوائے صبر کے کسی مقدار خاص اور حساب کے موافق ہوگا اور صبر کا ثواب بحساب ہوگا اور ازانجا کہ روزہ بھی صبر ہی میں داخل ہے کیونکہ نصف صبر ہے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ الصوم لی وانا اجزی بہ اس حدیث قدسی میں روزہ کو اپنی طرف منسوب فرمایا اور کسی عبادت کو اپنے لیے مخصوص نہیں فرمایا اور ثواب صبر میں ارشاد فرمایا کہ میں ان کے ساتھ ہوں جیسا کہ ارشاد فرمایا[۶] وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝ اور دوسری جگہ اپنی نصرت کو صبر پر مشروط فرمایا[۷] بَلَىٰ إِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُمْ مِنْ فَوْرِهِمْ هَٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ اور تیسری جگہ صابرین کے لیے ایسی باتیں اکٹھی فرمائیں جو اوروں کے واسطے نہیں چنانچہ ارشاد ہے[۸] أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ۝ اس آیت میں ہدایت اور رحمت اور صلوٰۃ صابرون کے لیے یکجا ہیں غرضکہ صبر کی فضیلت میں جتنی آیات وارد ہیں سب کا لکھنا طول چاہتا ہے۔ اخبار اس باب میں بہت وارد ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ

---

[۱] اور کیے ہم نے ان میں سردار جو راہ چلاتے تمہارے حکم سے جب وہ ٹھہرے رہے ۱۲ [۲] اور پورا ہوا نیکی کا وعدہ تیرے رب کا بنی اسرائیل پر اس پر کہ وہ ٹھہرے رہے ۱۲ [۳] اور ہم بدلے میں دیں گے ٹھہرنے والوں کا حق بہتر کاموں پر جو وہ کرتے تھے ۱۲ [۴] ٹھہرنے والوں ہی کو ملتا ہے ان کا نیگ ان گنت ۱۲ [۵] روزہ میرے لیے ہے اور میں اس کی جزا دوں گا یا اس کا بدلہ میں خود دوں گا ۱۲ [۶] اور ٹھہرے رہو اللہ ساتھ ہے ٹھہرنے والوں کے ۱۲ [۷] البتہ اگر تم ٹھہرے رہو اور پرہیزگاری کرو اور وہ آئیں تم پر اسی دم تو مدد بھیجے تمہارا رب پانچ ہزار فرشتے پلے ہوؤں گھوڑوں پر ۱۲ [۸] ایسے لوگ انہی پر شاباشی ہے اپنے رب کی اور مہربانی اور وہی ہیں راہ پر

علیہ وسلم نے فرمایا اَلصَّبْرُ نِصْفُ الْاِیْمَانِ[ح ۱] اور اس کے نصف ہونے کی وجہ عنقریب مذکور ہو گی اور ایک حدیث شریف میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ جو چیزیں کہ تم کو کم عنایت ہوتی ہیں[ح ۲] انہیں میں سے یقین اور صبر ہیں اور جس کو ان دونوں میں سے بہرۂ وافر ملا ہے اس کو اگر تہجد اور روزۂ نفل نہ ملے تو کچھ پرواہ نہ کرے گا اور جس حال پر تم اب ہو اگر اس پر صبر کرو تو مجھ کو اس بات کی نسبت زیادہ محبوب ہے کہ تم میں سے میرے پاس ایک ایک آدمی اتنے عمل لاتے جتنے تم سب کرتے ہو لیکن مجھے ڈر ہے کہ میرے بعد تم پر دنیا مفتوح ہو گی اور تم ایک دوسرے کو برا جانو گے اس وقت آسمان کے لوگ تم کو برا جانیں گے اور جو شخص اس حال میں صبر کریگا اور ثواب کی نیت کرے گا اس کو ثواب پورا ملے گا بعد اس کے آپ نے یہ آیت پڑھی[۳] مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ اور حضرت جابرؓ[ح ۴] روایت کرتے ہیں کہ کسی شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایمان کو پوچھا کہ کیا چیز ہے آپؐ نے فرمایا صبر کرنا اور سخاوت کرنا۔ اور ایک حدیث میں فرمایا اَلصَّبْرُ كَنْزٌ مِّنْ كُنُوْزِ الْجَنَّةِ[ح ۵] اور ایک مرتبہ کسی نے عرض کیا کہ ایمان کیا ہے آپ نے فرمایا کہ صبر ہے[ح ۶] اور ایمان کو صبر فرما دینا آپ کا ایسا ہے جیسا ایک بار آپ نے حج کے باب میں فرمایا تھا[ح ۷] کہ حج عرفہ ہی ہے یعنی بڑا رکن حج کا عرفہ ہے اسی طرح بڑا رکن ایمان کا صبر ہے۔ اور ایک حدیث[ح ۸] میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سب عملوں میں بہتر وہ ہیں جن پر نفسوں کو جبر ہو۔ اور ایک روایت[ح ۹] ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ میرے اخلاق کی طرح تم بھی اپنے اخلاق درست کرنا اور ایک میرا خلق یہ ہے کہ میں صبور ہوں۔ اور عطاءؒ ابن عباسؓ سے یہ حدیث[ح ۱۰] روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصار پر داخل ہوئے تو ان سے پوچھا کہ تم ایماندار ہو سب چپ ہو رہے پھر حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ ہم ایماندار ہیں آپؐ نے فرمایا کہ تمہارے ایمان کی پہچان کیا ہے؟ تو انصار نے عرض کیا کہ ارزانی پر شاکر رہتے ہیں اور مصیبت پر صابر اور حکم الٰہی پر راضی آپ نے فرمایا کہ قسم ہے خدائے کعبہ کی ایماندار ہیں اور ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[۱۱] اَلصَّبْرُ عَلٰى مَا تَكْرَهُ خَيْرٌ كَثِيْرٌ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جس چیز کو تم محبوب جانتے ہو وہ تم کو جبھی ملے گی جب اس چیز پر صبر کرو گے جو بری

ح ۱ صبر آدھا ایمان ہے　جلد اوّل بالعموم میں گذری ۱۲ ح ۲ جلد اول باب العلم میں گذری ۱۲ ف ۳ جو تم پاس ہے نبڑ جاتے گا اور جو اللہ پاس ہے سو رہتا ہے اور ہم بدلے میں دیں گے ٹھہرنے والوں کا حق بہتر کاموں پر جو کرتے ہیں ۱۲ ح ۴ طبرانی اور کبیر بروایت عبداللہ بن عمیس عن ابیہ عن جدہ ۱۲ ح ۵ صبر ایک خزانہ ہے جنت کے خزانوں سے ۱۲ یہ حدیث غریب ہے مجھ کو نہیں ملی ۱۲ ح ۶ ابو منصور بروایت یزید رقاشی عن انسؓ اور یزید ضعیف ہے ۱۲ ح ۷ جلد اول باب الحج میں گذری ۱۲ ح ۸ مرفوعاً اس کی اصل نہیں بلکہ یہ قول عمر بن عبدالعزیز کا ہے ابن ابی الدنیا نے اس کو روایت ہے کیا ہے ۱۲ ح ۹ طبرانی در اوسط بروایت یوسف بن میمون اور بروایت عطا منکر ہے ۱۲ ح ۱۰ جو چیز تجھ کو بری معلوم ہوتی ہے اس پر صبر کرنے میں بہت خیر ہے ۱۲ ترمذی بروایت ابن عباس رضؓ

جانتے ہو۔ اور ایک حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[1] لو کان الصبر رجلا لکان کریما واللہ یحب الصّٰبِرِیْنَ اس باب میں احادیث بے شمار ہیں اور آثار سے بھی اس کی فضیلت ثابت ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے جو خط حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا تھا اس میں یہ بھی تھا کہ اپنے اوپر صبر کو لازم کرو اور جان لو کہ صبر کی دو قسمیں ہیں ایک دوسری سے بہتر ہے صبر کرنا مصیبتوں پر اچھا ہے مگر اس سے افضل یہ ہے کہ جو چیز خدا تعالیٰ نے مقسوم کی ہے اس پر صبر ہو اور جان لو کہ صبر ایمان کی اصل ہے کیونکہ نیکیوں میں سے عمدہ تقویٰ ہے اور وہ صبر سے حاصل ہوتا ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں کہ ایمان کی بقا چار ارکان پر ہے یقین اور صبر اور جہاد اور عدل، اور نیز فرمایا کہ صبر کو ایمان سے وہ نسبت ہے جو سر کو ہے بدن سے پس جس طرح کہ بدون سر کے بدن نہیں ہوتا اسی طرح جس کو صبر نہ ہو اس کا ایمان نہیں ہوتا اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں صابروں کے لیے دونوں گٹھڑیاں بھی خوب ہیں اور ان پر اضافہ بھی اچھا ہے گٹھڑیوں سے مراد صلوٰۃ اور رحمت ہے اور اضافہ سے ہدایت یعنی یہ جو ثواب صبر کا قرآن مجید میں مذکور ہے[2] اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۗ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ۝ اس کی طرف آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ صابروں کے لیے صلوٰۃ اور رحمت ایسی ہیں جیسے سواری کے لیے دونوں طرف کا بوجھ اور ہدایت بمنزلہ ایک چھوٹی گٹھڑی کے ہے جو اوپر رکھ دیتے ہیں۔ اور حضرت حبیب بن حبیب جب اس آیت کو پڑھتے[3] اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ۚ نِّعْمَ الْعَبْدُ ۖ إِنَّهٗٓ أَوَّابٌ ۝ تو روتے اور کہتے کہ سبحان اللہ عنایت بھی کیا اور تعریف بھی کی یعنی خود ہی خداوند کریم نے صبر عطا فرمایا اور آپ ہی تعریف فرماتا ہے اور حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں کہ ایمان کا کنگورہ حکم پر صبر کرنا اور تقدیر پر راضی رہنا ہے۔

یہاں تک کہ بیان فضیلت کا نقلی تھا اب اگر باعتبار چشم بصیرت کے اس کی فضیلت معلوم کرنی ہو تو بدون حقیقت اور معنی صبر کے معلوم کیسے سمجھ میں نہ آتے گی اس لیے کہ فضیلت اور رتبہ کسی چیز کا اس کی صفت ہوتی ہے اس کا جاننا بدون موصوف کے جاننے کے نہیں ہو سکتا ہے اسی واسطے صبر کی حقیقت اور معنی کو ذکر کیا جاتا ہے۔

صبر کی حقیقت

واضح ہو کہ صبر دین کے ایک مقام اور سلوک کی ایک منزل کا نام ہے اور دین کے جتنے مقام ہیں تین چیزوں سے منتظم ہوتے ہیں، اول معارف دوم احوال، سوم اعمال، معارف سب کی اصل ہیں اور ان کی جہت سے احوال پیدا ہوتے ہیں اور احوال سے اعمال بروئے کار آتے ہیں۔ پس معارف کو مثل درخت کے اور احوال کو مثل شاخوں کے اور اعمال کو مثل پھلوں کے سمجھنا چاہیے۔ اور یہ بات سالکین کی سب منزلوں میں پائی جاتی ہے۔ اور لفظ ایمان کبھی تو معارف ہی پر بولا جاتا ہے اور کبھی ان تین چیزوں کے مجموعے پر۔ چنانچہ اختلاف لفظ ایمان اور اسلام کے بیان میں جو بات قواعد عقاید جلد اوّل میں مذکور ہے ہم

---

[1] اگر صابر کوئی آدمی ہوتا تو کریم ہوتا اور اللہ تعالیٰ کو اچھے معلوم ہوتے ہیں صبر کرنے والے طبرانی بروایت عائشہؓ ۱۲ [2] ایسے لوگ انہیں پر شاباشیں ہیں اپنے رب کی اور مہربانی اور وہی ہیں راہ پر ۱۲ [3] ہم نے اس کو پایا سہارنے والا بہت خوب بندہ ہے رجوع کرنے والا ۱۲

اس کو بھی لکھ چکے ہیں۔ اسی طرح صبر کامل جب ہی ہوتا ہے جب اوّل معرفت ہو اور اس کے بعد ایک حالت آدمی پر قائم ہو اور واقع میں صبر انہیں دونوں چیزوں کا نام ہے۔ عمل تو مثل ثمرے کے ہے کہ انہیں دونوں سے صادر ہوتا ہے اور یہ امر بدون دریافت ترتیب فرشتوں اور انسانوں اور بہائم کے معلوم نہیں ہو سکتا اس واسطے کہ صبر خاصۂ انسان ہے ملائک اور بہائم میں نہیں ہو سکتا ملائکہ میں ان کے کمال کی جہت سے اور بہائم میں ان کے نقصان کے سبب سے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ بہائم پر شہوات مسلط کر دیتے گئے ہیں وہ انہیں کے مغلوب ہیں ان کی حرکت و سکون کا باعث سوائے شہوت کے اور کچھ نہیں اور ان میں کوئی ایسی قوت نہیں جو شہوت کی مزاحم ہو کر اس کو اس کے مقتضی سے روکے اور شہوت کے مقابلے میں اس قوت کا ثابت رہنا صبر کہا جائے گا اور ملائکہ علیہم السلام صرف اس لیے پیدا ہوتے ہیں کہ شوق حضرت ربوبیت کا ان کو رہے اور درجۂ قرب سے خوش رہیں۔ ان کے اندر شہوت نہیں رکھی گئی جو اس درجہ اور شوق سے ان کو روکے اور نہ اُن کو کسی ایسے لشکر کی احتیاج کہ اس کی مدد سے ان موانعات پر غالب ہوں جو ان کی حضوری سے باز رکھتے ہوں اس لیے کہ مقتضائے شہوات ہی موانع ہیں جو سرے سے موجود نہیں اور انسان کا حال یہ ہے کہ ابتدائے لڑکپن میں ناقص مثل بہیمہ کے پیدا ہوا اس وقت سوا خواہش غذا کے جس کی اس کو احتیاج ہوتی ہے اور کسی چیز کی خواہش پیدا نہیں ہوتی پھر بعد چندے اس میں خواہش کھیل اور آرائش کی پیدا ہوتی ہے پھر نکاح کی شہوت ظاہر ہوتی ہے اور یہ شہوات بترتیب ظاہر ہوتی ہیں اور شروع میں قوتِ صبر نہیں ہوتی اس لیے کہ صبر اس کا نام ہے کہ جن دو لشکروں میں اختلافِ مطالب اور ضدیت مقصود کے باعث لڑائی ہو تو ایک لشکر ان میں سے دُوسرے کے مقابل جمارہے اسی جمنے کا نام صبر ہے مگر لڑکپن میں صرف ایک لشکر شہوات کا ہوتا ہے جیسے بہائم میں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم اور جود کے باعث انسان کو اشرف بنایا ہے اور اس کا درجہ بہائم سے اعلیٰ رکھا ہے اس لیے جب اس کا وجود کامل ہو جاتا ہے اور بلوغ کے قریب پہنچتا ہے اس پر دو فرشتے مقرر کرتا ہے کہ ایک اس کو ہدایت کرے اور دوسرا اس کی کمک کرتا رہے انہیں دو فرشتوں کی مدد سے انسان بہائم سے متمیز ہوتا ہے علاوہ اس کے انسان میں دو وصف خاص ہیں جو انہیں دو فرشتوں کی جہت سے حاصل ہوتے ہیں، اول صفت تو معرفت خدا و رسول دوم شناخت انجام کے مصلحتوں کی یہ باتیں اس فرشتے سے حاصل ہوتی ہیں جن کو کام ہدایت اور شناخت کرانے کا ہے۔ بہیمہ کو تو نہ پہچان خدا اور رسولؐ کی ہے نہ شناخت انجام کی بہتری کی بلکہ اس کو اسی چیز کی راہ سوجھتی ہے جو بالفعل اس کی خواہش کے موافق ہو اور اسی وجہ سے سوائے لذیذ چیز کے اور کسی چیز کی تلاش اس کو نہیں ہوتی یہاں تک کہ اگر کوئی دوا نافع اس کے لیے ہو مگر حال میں مضر ہو تو اس کی طالب ہرگز نہ ہو گی اور نہ اس کو پہچانے گی۔ اور انسان نورِ ہدایت سے یہ جانتا ہے کہ اتباعِ شہوات کا میرے حق میں انجام بُرا ہے لیکن صرف یہ ہدایت کافی نہیں جب تک کہ اس کو قدرت مضر چیزوں کے چھوڑنے کی نہ ہو بہت سی مضر چیزیں ایسی ہیں کہ انسان ان کو جانتا ہے مگر دفع نہیں کر سکتا جیسے مریض ہو جانا مثلاً تو ایسے حال میں اس کو ایک ایسی قدرت و قوت

کی حاجت پڑے جس سے شہوات کو دھکا دے اور اس سے اس قدر مجاہدہ کرے کہ ان کی دشمنی کو اپنے نفس سے علیحدہ کرے اسی غرض کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ اور مقرر کیا جو انسان کو بہتری پر رکھے اور اس کی تائید و تقویت ایسے لشکروں سے کرے جو نظر نہ آتے ہوں اور یہ لشکر اس بات پر مامور ہے کہ لشکر شہوت سے لڑے پس کبھی تو دب جاتا ہے اور کبھی قوت پکڑتا ہے اور اس کا کمزور اور زور آور ہونا اسی قدر ہے جس قدر کہ بندے کو اللہ کی طرف سے تائید غیبی کی کمک ہوتی ہے جس طرح کہ نور ہدایت خلق میں اتنا مختلف ہے کہ جس کی کچھ انتہا نہیں اب ہم اس صفت انسانی کا جس سے کہ اس کو شہوات کی بیخ کنی اور مغلوب کرنے میں بہائم پر امتیاز ہے باعث دینی نام رکھتے ہیں اور شہوات کے مطالبہ مقتضیات کو باعث شہوت کہتے ہیں اور تصور کرنا چاہیے کہ ان دونوں چیزوں یعنی باعث دینی اور باعث شہوت میں لڑائی برپا ہے اور کبھی وہ غالب ہوتا ہے اور کبھی یہ اور اس جنگ کا میدان بندے کا دل ہے اور باعث دینی کو کمک فرشتوں سے پہنچتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی جماعت کے مددگار ہیں اور باعث شہوت کو مدد شیاطین سے ملتی ہے جو اللہ کے دشمنوں کی مدد کرتے ہیں۔ پس صبر کی حقیقت یہ ہے کہ باعث شہوات کے مقابلے میں باعث دینی ثابت قدم رہے پھر اگر ثابت رہ کر حریف کو مغلوب کرے اور شہوت کی مخالفت پر مدام آمادہ رہے تو اللہ کی جماعت کی نصرت کرے گا اور زمرۂ صابرین میں لاحق ہوگا اور اگر ضعیف و خفیف ہوا اور شہوت نے دبا لیا اور اس کو دفع نہ کر سکا تو شیطان کے تابعین میں داخل ہوگا اس بیان سے معلوم ہوا کہ افعال شہوت کا چھوڑنا وہ عمل ہے جو حالت صبر سے پیدا ہوتا ہے یعنی حالت صبر کا ثمرہ یہ ہے کہ آدمی شہوت کے مقتضیات کو چھوڑ دے اور صبر باعث دینی کے ثابت رہنے کا نام ہے باعث شہوت کے مقابلے میں۔ اور اس کا ثابت رہنا ایک ایسا حال ہے جو شہوات کی عداوت اور ضدیت کے جاننے سے پیدا ہوتا ہے یعنی اس معرفت سے کہ شہوات اسباب سعادت کے لیے دنیا و آخرت میں دشمن اور طریق خدا کے راہزن ہیں پس جب اس معرفت کا یقین جسے ایمان کہتے ہیں قوی ہوتا ہے تو باعث دینی بھی قوی ہوتا ہے اور جب اس باعث کا استقلال اور ثبات خوب ہوتا ہے تو افعال انسانی خواہش شہوت کے خلاف سرزد ہوتے ہیں۔ غرضکہ ترک شہوت کمال کو جبھی پہنچے گا جب باعث دینی جو باعث شہوت کا مقابل اور حریف ہے قوی ہوگا اور انجام شہوات کی برائی کا یقین بھی قوی ہوگا اور وہ دونوں فرشتے جن کا اوپر ذکر ہوا خدا کے فضل سے ان دونوں لشکروں کے کفیل رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو اس لیے پیدا کیا ہے اور ہر ہر شخص پر آدمیوں میں سے دو فرشتے اسی طرح مقرر ہیں اور ان کو کراماً کاتبین کہتے ہیں اور چونکہ رتبہ ہادی فرشتے کا تقویت دینے والے فرشتے کی نسبت زیادہ ہے تو ظاہر ہے کہ داہنی طرف جو آدمی میں اشرف ہے اس کو ملنی چاہیے اسی لیے ہادی داہنی طرف پر ہے اور مقوی بائیں طرف پر اب غفلت کرنے اور فکر کرنے میں اور گناہوں میں مطلق العنان رہنے اور مجاہدہ کرنے میں بندے کے دو حال ہیں جب غفلت کرتا ہے تو داہنے فرشتے سے گویا منہ پھیرتا ہے اور اس کے ساتھ بدی کرتا ہے اس لیے وہ اس کے منہ پھیرنے کو بدی لکھ لیتا ہے اور جب فکر کرتا ہے تو اس کی طرف متوجہ

ہوتا ہے کہ اس سے ہدایت کا مستفید ہو تو اس صورت میں گویا اس فرشتے کے ساتھ سلوک کرتا ہے اس لیے وہ اس کے متوجہ ہونے کو نیکی لکھتا ہے اسی طرح جب گناہوں میں مطلق العنان رہتا ہے تو بائیں فرشتے سے اعراض کرتا ہے اور اس کی مدد کا خواہاں نہیں ہوتا اور اپنی اس حرکت سے اس کے ساتھ بدی کرتا ہے بایں لحاظ وہ اس پر برائی لکھ لیتا ہے اور اگر نفس پر مجاہدہ کرتا ہے تو گویا اس فرشتے سے مدد کا خواہاں ہوتا ہے اسی نظر سے وہ اس کے لیے نیکی لکھ لیتا ہے اور چونکہ نیکیوں اور بدیوں کا وجود انہیں دو فرشتوں کے لکھنے سے ہوتا ہے۔ اسی واسطے ان کو کراماً کاتبین کہتے ہیں۔ کرام تو اس وجہ سے کہ بندے کو ان کے کرم سے نفع ہوتا ہے اور نیز فرشتے سب کے سب بزرگ اور پاک ہیں اور کاتب اس لحاظ سے کہ حسنات و سیئات کو لکھتے ہیں اور جن صحیفوں پر کہ یہ لکھتے ہیں وہ سر قلب میں لپٹے ہیں مگر سر قلب سے مخفی ہیں یہاں تک کہ اس عالم میں ان پر اطلاع نہ ہو گی اس لیے کہ وہ دونوں فرشتے اور ان کے خط اور نوشتے اور جو کچھ ان سے متعلق ہے عالم غیب اور ملکوت سے ہیں، عالم ظاہری سے نہیں اور کوئی چیز عالم ملکوت کی قابل محسوس ہونے کے چشم ظاہری سے اس عالم میں نہیں پھر یہ نامجات مخفی دو دفعہ کھولے جائیں گے ایک بار قیامت صغریٰ میں اور ایک بار قیامت کبریٰ میں اور قیامت صغریٰ سے ہماری غرض حالت موت ہے چنانچہ حدیث شریف[1] میں وارد ہے مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهُ اس قیامت میں بندہ اکیلا ہوتا ہے اور اس میں اسے کہا جاتا ہے[2] لَقَدْ جِئْتُمُونَا فُرَادَىٰ كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ اور ارشاد ہوتا ہے[3] كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا۔ اور قیامت کبریٰ جو تمام خلق کی جامع ہو گی وہاں آدمی تنہا نہ ہو گا بلکہ غالباً حساب مجمع کے سامنے لیا جائے گا اور اس قیامت میں متقی جنت میں اور مجرم دوزخ میں پرے کے پرے جائیں گے ایک ایک نہیں بھیجا جائے گا اور سب سے پہلے وحشت چھوٹی قیامت کی ہے اور جتنی وحشتیں اور حالات کہ بڑی قیامت کے ہوں گے ان کی سب کی مثال اور نظیر چھوٹی قیامت میں موجود ہے۔ مثلاً زمین کا ہلنا جو قیامت کبریٰ میں ہو گا اس کی نظیر موت انسانی میں یہ ہے کہ جو زمین خاص اس کے لیے ہے یعنی اس کا بدن وہ مرنے پر ڈگمگا جاتا ہے تو اس کے حق میں زلزلہ زمین کا موجود ہو گیا اس لیے کہ اگر کسی ملک میں زلزلہ آئے تو یہی کہیں گے کہ فلاں جگہ بھونچال آیا گو اس کے پاس پڑوس والوں کو اس کا صدمہ نہ ہو غرضکہ زلزلے کا ہونا انہیں لوگوں کے حق میں شمار ہو گا جن کو اس سے صدمہ پہنچا ہو اس اعتبار سے جس کے گھر خواہ اور کسی چیز کو اس سے صدمہ ہوا ہو گا اس کے حق میں زلزلہ پکا ہوا کیونکہ تمام زمین کے زلزلے سے اس کو نقصان جبھی ہے جب اس کا گھر ہل جائے دوسرے کے مکان وغیرہ کے زلزلے سے اس کا کیا نقصان ہے۔ اب اگر موت کو دیکھو تو بدن پر اس کا صدمہ کسی طرح کم نہیں زلزلے سے بڑھ کر ہے اور بدن کو زمین پر قرار دینا اس وجہ سے ہے کہ آدمی خاکی ہے اور مٹی ہی سے بنا ہے اس کے حصے میں جس قدر مٹی خاص

---

[1] جو کوئی مرتا ہے اسکی قیامت برپا ہو جاتی ہے ۱۲ ابن ابی الدنیا بروایت انس بسند ضعیف ۱۲ [2] اور تم ہمارے پاس آئے ایک ایک جیسے ہم نے بنائے تھے پہلی بار ۱۲ [3] تو ہی بس ہے آج کے دن اپنا حساب لینے والا ۱۲

ہے وہ اس کا بدن ہے غیر کا بدن اس کے حصہ میں نہیں اور جس زمین پر کہ آدمی بیٹھا ہوا ہے وہ بدن کا ظرف اور مکان ہے اور ساری زمین کے ہلنے سے جو آدمی کو ڈر لگتا ہے اس کی یہی وجہ ہے کہ کہیں بدن اس کے سبب سے نہ لغزش کھا جائے ورنہ ہوا تو ہمیشہ چلتی ہے اور ہلتی رہتی ہے اس سے کبھی خوف نہیں لگتا اس لیے کہ اس سے بدن میں کچھ اضطراب نہیں ہوتا بہر حال تمام زمین کی جنبش سے آدمی کا حصہ اسی قدر ہے کہ اس کے بدن کو جنبش ہوتی ہو جو اس کی مٹی اور زمین خاص ہے اب جس طرح زمین کے واسطے اور سامان ہوتے ہیں اسی طرح زمین بدن میں انہیں چیزوں کی نظیریں موجود ہیں ہڈیاں مثل پہاڑوں کے ہیں اور سر بمنزلہ آسمان کے اور دل آفتاب ہے اور آنکھ اور کان اور ناک اور دوسرے حواس اس زمین کے ستارے ہیں اور پسینے کا بہنا دریا ہے اور بال روئیدگی اور ہاتھ پاؤں درخت اس زمین کے ہیں اسی طرح سب اجزاء کو قیاس کرنا چاہیے پس جب موت کے باعث ارکان بدن منہدم ہو جاتے ہیں تو یہ قول صادق آتا ہے اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا[1] اور جب ہڈیاں گوشت سے علیحدہ ہوتی ہیں تو یہ واقعہ قیامت کا ٹھیک ہوتا ہے وَحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً[2] اور جب ہڈیاں گل جائیں گی تو مضمون اِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ[3] کا اور جب دماغ پھٹے گا تو اِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ[4] صادق ہوگا اور جب موت کے وقت دل پر تاریکی چھا جاتے گی تو مضمون اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ[5] کا اور کان اور آنکھ کا اور دوسرے حواس کے بیکار ہونے سے مضمون اِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ[6] کا اور خوف و موت کے باعث پیشانی پر عرق آنے سے مضمون اِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ[7] کا اور ایک پنڈلی کا دوسری پنڈلی سے لپٹنے سے مضمون اِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ[8] کا اور جسم سے روح کی مفارقت ہونے سے مضمون وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ وَاَلْقَتْ مَا فِيهَا وَتَخَلَّتْ[9] کا واقع ہوگا یعنی جو جو واقعے کہ کلام مجید میں احوال و حالات قیامت کے باب میں موجود ہیں موت انسانی میں ان میں سے ہر ایک کی نظیر پائی جاتی ہے سب حالات و احوال کا بیان طویل ہے پھر بھی یہ کہہ سکتے ہیں کہ مرنے کے بعد ہی آدمی پر یہ چھوٹی قیامت ٹوٹ پڑتی ہے اور اس موت سے قیامت کبریٰ کی کوئی چیز جو خاص اس کے لیے ہوگی وہ اس سے فوت نہ ہوگی مگر جو چیز دوسروں کے لیے خاص ہے وہ البتہ اس سے فوت ہو جائے گی۔ مثلاً دوسرے کے حق میں ستاروں کا باقی رہنا مردے کو کیا فائدہ دے سکتا ہے جب اس کے حواس بینائی میں ابتری ہو گئی ہو جیسے اندھے آدمی کے سامنے رات اور دن برابر ہوتے ہیں آفتاب کی روشنی اور اس کا گہن اس کے نزدیک یکساں ہیں کیونکہ اس کے حق میں ایک ہی بار آفتاب کو گویا گہن لگ گیا اس کو اسی قدر اس سے بہرہ ہے اب جو آفتاب صاف اور روشن ہوگا تو وہ دوسرے کے حصے میں ہوگا اور جس کا سر پھٹ جائے اس کا گویا آسمان پھٹ گیا کیونکہ

---

[1] ہلائی جاوے زمین اپنے بھونچال سے [2] اور اٹھائے زمین اور پہاڑ پھر پٹکے جائیں ایک چوٹ [3] جب پہاڑ اڑائے جائیں، [4] جب آسمان پھٹ جائے [5] جب سورج کی دھوپ تہ ہو جائے [6] اور جب تارے میلے ہو جائیں [7] جب دریا بہہ پڑیں [8] جب بیائی اونٹنیاں چھوٹی پھریں [9] جب زمین پھیلائی جائے اور نکال ڈالے جو کچھ اس میں ہے اور خالی ہو جائے۔

آسمان اس کو کہتے ہیں جو جانبِ سر ہو پس جب کسی کا سر ہی نہ ہو تو دوسرے کے لیے آسمان کا ہونا اس کے کس کام آئے گا یہ حال ہے چھوٹی قیامت کا اور ہنوز دلی دور ہے خوف اور وحشت تو آگے ہو گی یعنی جب بڑی قیامت کی ہل چل پڑے گی اور خصوصیت کسی کی نہ رہے گی آسمان و زمین بیکار ہو جائیں گے پہاڑ جاتے رہیں گے اور خوف واہوال کمال کو پہنچیں گے اور واضح ہو کہ قیامت صغریٰ کا حال اگرچہ ہم نے بہت سا لکھا ہے مگر ہنوز عشر عشیر بھی اس کے اوصاف میں سے نہیں لکھا اور یہ قیامت بڑی قیامت کے سامنے ایسی ہے جیسے ولادتِ صغریٰ ولادتِ کبریٰ کے سامنے، یعنی آدمی کے لیے دو پیدائش ہیں اول تو نکلنا پشت پدر سے رحم مادر میں کہ یہاں پہنچ کر ایک مدت مقررہ تک جیسے ٹھہراؤ میں رہتا ہے اور پورا ہونے تک کئی کئی حالتیں بدلتا رہتا ہے گویہ حالتیں اس کے حق میں کمال کی منازل ہیں پہلے نطفہ ہوتا ہے پھر خون جما ہوا پھر لوتھڑا وغیرہ ہو کر تنگی رحم سے وسعت سے آباد عالم میں قدم رکھتا ہے اس کا نام ولادت دوم ہے، اب قیامت کبریٰ کے عموم کو قیامت صغریٰ کے خصوص کی طرف وہ نسبت تصور کرنی چاہیے جیسے وسعت عالم کو ہے رحم سے اور جس عالم میں کہ بندہ بعد موت کے پہنچتا ہے اس کی وسعت کو دنیا کی وسعت سے وہ نسبت ہے جو دنیا کی وسعت کو ہے رحم کی وسعت سے بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے اسی سے آخرت کو دنیا کی نسبت قیاس کرنا چاہیے اس لیے قرآن مجید میں ارشاد ہے مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ[ت۱] دوسری دفعہ کا پیدا کرنا بھی مثل اوّل بار کے پیدا کرنے کے ہے بلکہ اگر تامل کیا جاتے تو شمار پیدائشوں کی منحصر دو میں نہیں رہتی اور اس کی طرف اشارہ ہے اس قول میں وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○[ت۲] غرضکہ جو شخص دونوں قیامتوں کا مقر ہے وہ دونوں عالم ظاہری و باطنی کا معتقد ہے اور ملک و ملکوت دونوں کا یقین رکھتا ہے اور جو شخص صرف قیامت صغریٰ کا مقر ہے اور کبریٰ کو نہیں مانتا اس کی ایک آنکھ پھوٹی ہے کہ ایک ہی جہان سوجھتا ہے اس کا نام جہل اور گمراہی ہے اور یک چشم دجال کی پیروی پس آدم بیچارہ کتنا غافل ہے اور اس غفلت میں ہم سب برابر ہیں لوگو جب سامنے تمہارے اس طرح کے خوف کے مقامات درپیش ہیں تو پھر غفلت کے کیا معنی اگر بالفرض جہالت اور گمراہی کے باعث قیامت کبریٰ کا اعتقاد نہیں تو قیامتِ صغریٰ کیا تھوڑی ہے۔ کیا تم نے یہ حدیث نہیں سنی كَفٰى بِالْمَوْتِ وَاعِظًا[ح۳] کیا یہ نہیں سنا کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو موت کے وقت کیا کیا کرب تھا کہ فرماتے تھے اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلٰى مُحَمَّدٍ سَكَرَاتِ الْمَوْتِ[ح۴]۔ کیا اس بات کی شرم نہیں آتی کہ موت کے آنے میں توقف سمجھ کر بے وقوفوں اور غافلوں کی پیروی کرتے ہیں جن کی شان میں یہ آیت ہے مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا

ت۱ تم سب کا بنانا اور مرنے پر جلانا نہیں ہے مگر جیسے ایک جی کا ۱۲ ت۲ اور اٹھا کر کھڑا کریں گے جہاں تم نہیں جانتے ۱۲ ح۳ بس ہے موت نصیحت کو طبرانی بروایت عقبہ بن عامر ۱۲

ح۴ الٰہی آسان کر محمدؐ پر موت کی سختیاں ۱۲ ترمذی نے غریب کہا ہے اور نسائی اور ابن ماجہ نے بروایت عائشہ رضی اللہ عنہا اَللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلٰى سَكَرَاتِ الْمَوْتِ کہا ہے

ت۵ یہ راہ دیکھتے ہیں چنگھاڑ کی جو ان کو پکڑے گی جب آپس میں جھگڑ رہے ہوں گے پھر نہ سکیں گے کہ کچھ کہہ مریں اور نہ اپنے گھر کو پھر جائیں گے ۱۲

صَیْحَۃً وَّاحِدَۃً تَاْخُذُھُمْ وَھُمْ یَخِصِّمُوْنَ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ تَوْصِیَۃً وَّلَآ اِلٰٓی اَھْلِھِمْ یَرْجِعُوْنَ ۝
ان غافلوں کا یہ حال ہے کہ اگر مرض ان کے خوف دلاتے کو ان پر آتا ہے تو اس سے نہیں ڈرتے اور اگر بڑھاپا موت کا پیغام سُناتا ہے تو اس سے عبرت نہیں پکڑتے اسی لحاظ سے خدا تعالیٰ فرماتا ہے یٰحَسْرَۃً عَلَی الْعِبَادِ مَا یَاْتِیْھِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا کَانُوْا بِہٖ یَسْتَھْزِءُوْنَ۔ پھر اگر ان کو یہ گمان ہو کہ ہم دنیا میں ہمیشہ رہیں گے تو ان کو یوں ارشاد فرمایا اَلَمْ یَرَوْا کَمْ اَھْلَکْنَا قَبْلَھُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّھُمْ اِلَیْھِمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ۝ اور اگر یہ سمجھتے ہوں کہ مردے ہمارے پاس سے نیست و نابود ہو گئے تو معدوم ہی ہیں ان کا وجود کہیں نہیں تو اس خیال کے دفع کے لیے فرمایا وَاِنْ کُلٌّ لَّمَّا جَمِیْعٌ لَّدَیْنَا مُحْضَرُوْنَ پھر آیاتِ خداوندی سے ان کے اعراض اور روگردانی کی وجہ سے ہر ایک آیت سے اعراض کرنے میں وہ یہ ہے کہ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْھِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِھِمْ سَدًّا فَاَغْشَیْنٰھُمْ فَھُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ۝ وَسَوَآءٌ عَلَیْھِمْ ءَاَنْذَرْتَھُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝
اب بات کہیں چلی گئی یہ تقریر ایسے امور کی طرف اشارہ کرتی ہے جو علم معاملہ سے اعلیٰ ہیں اس لیے غرض اصلی کی طرف رجوع کر کے ہم کہتے ہیں کہ یہ معلوم ہو گیا کہ صبر باعث دینی کے جمے رہنے کا نام ہے مقابلے میں باعث ہوا کے اور یہ مقابلہ خاصا آدمیوں کا ہے اس وجہ سے کہ ان پر کراماً کاتبین مقرر ہیں اور وہ فرشتے لڑکوں اور دیوانوں پر کچھ نہیں لکھتے کیونکہ پہلے ہم لکھ چکے ہیں کہ اگر ان کی طرف استفادہ کے لیے توجہ کی جائے تو وہ حسنہ لکھتے ہیں اور اگر ان سے روگرانی کی جائے تو بدی لکھتے ہیں اور چونکہ لڑکوں اور مجنونوں میں استفادے کی استعداد نہیں ہوتی تو ان سے ظہور متوجہ ہونے کا خواہ روگردانی کا بھی متصور نہیں ہو سکتا اور کرام کاتبین سوائے توجہ اور روگرانی کے اور کچھ نہیں لکھتے اور یہ بھی ایسے لوگوں کے لیے لکھتے ہیں جن کو قدرت متوجہ ہونے اور روگردانی کرنے کی ہو۔ ہاں بعض اوقات نورِ ہدایت کا آغاز سن تمیز ہی سے شروع ہوتا ہے اور بتدریج حالت بلوغ تک بڑھتا جاتا ہے جیسے صبح کی روشنی کہ آفتاب نکلنے تک آناً فاناً زیادہ ہو جاتی ہے مگر یہ ہدایت ناقص ہے اس کے بموجب عمل نہ کرنے سے آخرت کے ضرر سے محفوظ رہتا ہے دنیا کے ضرر سے نہیں بچتا مثلاً اگر ایسے وقت میں نماز نہ پڑھے تو اس پر زد و کوب کی جائے گی مگر آخرت میں کچھ عقاب اس پر نہ ہو گا اور نہ اس کے لیے کوئی نامۂ اعمال لکھا جاتا ہے جو آخرت میں کھولا جائے گا بلکہ جو شخص کسی لڑکے کا کفیل خواہ مربی خواہ ولی شفیق ہو اور کرام کاتبین کی طرح نیک بخت ہو تو اس کو چاہیئے کہ لڑکے کی بھلائی اور برائی اس کے دل کے صحیفے پر لکھ دیا کرے یعنی اول اس کو خوب یاد کرا دے کہ دل پر نقش حجر ہو جائے پھر اس

ت[۱] کیا افسوس ہے بندوں پر کوئی رسول نہیں آیا ان پاس مگر اس کے ساتھ ٹھٹھا کرتے تھے ۱۲ ت[۲] کیا نہیں دیکھتے کتنی کھپا چکے ہم ان سے پہلی سنگتیں کہ ان کے پاس پھر نہیں آتے ۱۲ ت[۳] اور سارے میں کوئی نہیں جو اکٹھے نہ آئیں ہمارے پاس پکڑے ۱۲

ت[۴] ہم اور بنائی ہم نے ان کے آگے دیوار اور ان کے پیچھے دیوار پھر اوپر سے ڈھانک دیا سو ان کو نہیں سوجھتا اور برابر ہے تو نے ان کو ڈرایا یا نہ ڈرایا یقین نہیں کرتے ۱۲

صحیفے کا پھیلانا یہ ہے کہ اگر کام قابل تعریف ہے تو اس کی تعریف کرے ورنہ زود کوب سے سزا دے جس مربی کا لڑکے کے حق میں یہ طور ہوگا تو وہ شخص فرشتوں کی عادت کا وارث ہے اور ان کو لڑکے کے حق میں استعمال کر کے درجہ قرب الٰہی کا فرشتوں کی طرح حاصل کرے گا اور انبیاء اور صدیقین اور مقربین کی جماعت میں ہوگا اور اسی کی طرف اشارہ ہے اس حدیث میں اَنَا وَ کَافِلُ الْیَتِیْمِ کَہَاتَیْنِ۔ کہاتین سے اشارہ آپ نے اپنی دو انگشت مبارک کی طرف فرمایا

صبر کے نصف ایمان ہونے کا بیان

واضح ہو کہ ایمان کبھی تو اصول دین کی تصدیقات پر بولتے ہیں اور کبھی ان اعمال پر بولتے ہیں جو ان تصدیقات کے باعث سرزد ہوتے ہیں اور کبھی دونوں کے مجموعے پر بولتے ہیں اور چونکہ معارف کے بھی بہت اقسام ہیں اور اعمال کے بھی اور لفظ ایمان سب پر بولا جاتا ہے اسی لیے ایمان کچھ اوپر ستر قسم کا ہوا ہے چنانچہ اس کی تقریر باب قواعد العقائد جلد اوّل میں لکھی گئی ہے مگر صبر کو جو نصف ایمان کہتے ہیں صرف دو اعتبار سے کہتے ہیں اور ایمان کے دو معنی ہی اس بات کے مقتضی ہیں کہ صبر نصف ایمان ہو اوّل معنی تو یہ کہ ایمان کو تصدیقات یعنی معارف اور اعمال دونوں پر بولا جائے اس صورت میں ایمان کے دو رکن ہوگئے ایک یقین دوسرا صبر یقین سے مراد وہ معارف قطعی اصول دین کے ہیں، جو بندے کو خدائے تعالیٰ کی ہدایت سے حاصل ہوتے ہیں اور صبر سے مقصود عمل کرنا ہے بموجب یقین۔ کے اس لیے کہ یقین آدمی کو یہ بات بتلا دیتا ہے کہ گناہ مضر ہے اور طاعت مفید اور ترک معصیت اور مداومت طاعت کی بدون صبر کے نہیں ہو سکتی اس کے لیے باعث دینی کو باعث ہوا اور کسل کے مغلوب کرنے کے لیے کام میں لانا پڑتا ہے اور اسی کا نام صبر ہے پس اس اعتبار سے صبر نصف ایمان ٹھہرا اور اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صبر اور یقین کو یکجا ارشاد فرمایا جیسا کہ اوپر مذکور ہوا مِنْ اَقَلِّ مَا اُوْتِیْتُمْ اَلْیَقِیْنُ وَعَزِیْمَۃُ الصَّبْرِ[2] دوسرے معنی یہ ہیں کہ ایمان ان احوال پر بولا جاتے جو موجب اعمال ہوں نہ معارف پر اب جمیع حالات بندہ کی دو قسم ہیں ایک وہ یہ کہ دنیا و آخرت میں اس کی نافع ہو دوسری وہ کہ مضر ہو اور بندے کو باعتبار مضر چیزوں کے لحاظ سے حالت صبر ہے اور نافع چیزوں کی نسبت گر دیکھے تو حالت شکر ہے اس سے معلوم ہوا کہ اس معنی کی رو سے شکر ایک نصف ایمان کا ہے جیسے کہ پہلے معنی کے اعتبار سے یقین نصف ایمان تھا اور اسی بنا پر حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ ایمان کے دو نصف ہیں ایک نصف صبر ہے اور یہ روایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی مرفوعاً روایت کی گئی ہے اور ازانجا کہ صبر رکنا ہے باعث ہوی سے باعث دینی کے ثابت رہنے کے، باعث ہوی کی دو قسمیں ہیں ایک باعث شہوت کی طرف سے اور ایک غضب کی طرف سے کیونکہ اگر لذیذ چیز کی طلب کے لیے ہوگا

ع تعریف الخ اس میں ہے ثم نیشرہ علیہ بالتعریف ظاہر معنی یہ کہ پھر اس صحیفہ خاطر میں جو باتیں منقوش ہیں ہر ایک کو شناخت کرا دے کہ یہ معنی ہیں ثم یعذبہ علیہ بالضرب پھر اس کو مارنے کی سزا دے یعنی جب عمل نہ کرے مثلاً نماز نہ پڑھے ۱۲ امیر علی عفی عنہ ۱۲ ح اور یتیم کا کفیل اور میں مثل ان دو انگلیوں کے ہیں بخاری بروایت ابن سعد ۱۲

[2] جن چیزوں میں سے تم کم تر دیئے گئے ہو وہ یقین اور قصد صبر ہے ۱۲ اوپر گذری

تو شہوت کی طرف سے ہوگا اور اگر درد دینے والی چیز سے گریز کے لیے ہوگا تو غضب کی طرف سے ہوگا اور رکنا مقتضائے شہوت یعنی فرج و شکم کی خواہش سے پایا جاتا ہے مقتضائے غضب سے صبر کرنا اس میں داخل نہیں اسی لیے حدیث شریف میں وارد ہے کہ الصوم نصف الصبر[1] کیونکہ کمال صبر اس صورت میں ہے کہ دواعی شہوت اور مقتضیات غضب دونوں سے صبر کیا جاتے اور روزہ میں صرف ایک شق سے صبر ہے اس لیے روزہ نصف صبر ہوا اور چونکہ صبر نصف ایمان تھا اس سے معلوم ہوا کہ روزہ ایک چوتھائی ایمان کی ہے۔ حاصل یہ کہ شریعت میں جو اعمال اور احوال کے حدود مقرر ہیں اور ان کی نسبت ایمان کی طرف آدھی یا چوتھائی وغیرہ بیان ہوئی ہے ان کو اسی طرح سمجھنا چاہیئے اور اس بات میں یہ اصل ہے کہ اول ایمان کے اقسام معلوم ہونے چاہیئیں تاکہ معلوم ہو کہ ایمان کے کونسے معنی کی رو سے یہ نسبت بیان کی گئی ہے ورنہ سمجھنا دشوار ہے اس لیے کہ لفظ ایمان بہت سے معانی مختلفہ پر بولا جاتا ہے۔

ان چیزوں کا ذکر جن پر صبر کے سبب اس کے مختلف نام ہو جاتے ہیں

جاننا چاہیئے کہ صبر کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم: صبر بدن سے کرنا مثلاً بدن پر مشقتوں کا متحمل ہونا اور اس پر مستقل رہنا وغیرہ پھر اس کی بھی دو صورتیں ہیں یا تو خود کوئی فعل کرنا یا دوسرے کے فعل کی برداشت کرنی، اول کی مثال جیسے کوئی مشکل کام یا عبادت بجا لانا اور دوسرے کی مثال جیسے سخت مار کو پی جانا یا بڑے مرض کو اور زخم مہلک کو سہنا وغیرہ یہ قسم کبھی عمدہ ہوا کرتی ہے بشرطیکہ موافق شرع ہو مگر کمال عمدگی دوسری قسم صبر میں ہے یعنی صبر نفس سے کرنا کہ نفس کو طبیعت کے مقتضیات اور باعث ہوا سے روکے رہے پھر اس قسم میں اگر صبر شہوت شکم اور شرمگاہ سے ہوگا تو اس کا نام عفت ہے اور اگر کسی بری بات سے ہو تو ہر ایک مکروہ چیز سے صبر کے لیے جدا نام ہے مثلاً اگر کسی مصیبت پر ہو تو اس کو صبر ہی کہتے ہیں اور اس کی ضد وہ حالت ہے جس کو جزع فزع کہتے ہیں یعنی مقتضائے ہوی کو مطلق العنان کر دینا کہ خوب چیخے اور پیٹے اور گریبان پھاڑے وغیرہ اور اگر تونگری کی برداشت کرنے میں صبر ہو تو اس کو ضبط نفس کہتے ہیں اور اس کی ضد اترانا، اور اگر صبر مقام جنگ اور صف قتال میں ہو تو اس کو شجاعت کہتے ہیں جس کا مقابل نامردی و بزدلی ہے اور اگر غصے کے پینے میں ہو تو اس کا نام حلم ہے جس کی ضد غضبناکی ہے، اور اگر زمانے کی کسی آفت پر صبر ہو تو اس کا نام فراخی حوصلہ ہے اور اس کی ضد کم حوصلگی ہے اور اگر کلام کے خفیہ رکھنے میں ہو تو اس کو رازداری اور جس شخص میں یہ صفت ہو اس کو رازدار کہتے ہیں اور اگر صبر زائد از حاجت سے ہو تو اس کا نام زہد ہے جس کی ضد حرص ہے اور اگر ہر ایک حظ نفسانی سے قدر قلیل پر صبر ہو تو اس کو قناعت کہتے ہیں اس کا مقابل شہوۃ ہے۔ حاصل یہ کہ ایمان کے اکثر اخلاق صبر میں داخل ہیں اسی جہت سے جب ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے ایمان سے سوال کیا کہ وہ کیا ہے آپ نے فرمایا[2] کہ صبر ہے

---

[1] روزہ آدھا ہے صبر کا ۱۲ باب الصوم جلد اول میں گذری ۱۲

[2] اوپر گذری ۱۲

اور یہ اس لیے ارشاد فرمایا کہ ایمان کے اعمال میں سے سب سے بڑا اور گراں صبر ہی ہے جس طرح کہ حج کو آپؐ نے اسی لحاظ سے عرفہ[اح] فرمایا کہ وہ بھی حج کے ارکان میں سب سے زیادہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان اقسام کو اکٹھا ذکر فرمایا ہے اور سب کا نام صبر ہی رکھا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ بَاْساء سے غرض وقت مصیبت ہے اور ضرّاء سے وقت افلاس اور حین الباس سے وقت مقاتلہ یہ ہیں اقسام صبر کے اختلاف متعلقات کے باعث جدا نام سے مسمّٰی ہوتے ہیں اور جو شخص کہ الفاظ کے معانی سمجھا کرتا ہے وہ یہ جانتا ہے کہ چونکہ یہ الفاظ مختلف ہیں اس لیے ضروری ہے کہ ان کے معانی میں بھی فی الحقیقت اختلاف ہو یعنی جو حالتیں کہ ان الفاظ سے سمجھی جاتی ہیں ان کی ذات و ماہیت علیحدہ علیحدہ ہونی چاہیئے اور جو شخص کہ صراط مستقیم پر چلتا ہے اور نور الٰہی سے دیکھتا ہے اس کی نظر اول معانی پر پڑتی ہے پھر ان کی حقیقت سے باہر ہو کر الفاظ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس لیے کہ الفاظ معانی کے لیے وضع ہوتے ہیں تو اصل معانی ہیں اور الفاظ تابع ہیں اور جو شخص فرع سے اصل کا طالب ہو وہ بیشک لغزش کھاتے گا اور ان دونوں فریق کی طرف اشارہ کلام مجید میں مذکور ہے، چنانچہ ارشاد ہے۔ اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُكِبًّا عَلٰی وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤی اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ[ت] اور اگر غور سے دیکھو تو کفار کو جو پہلے غلطی ہوتی تو اسی طرح کے انعکاس سے ہوئی اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے حسن توفیق عطا فرماتے۔

قوت و ضعف کے نقطہ نظر سے صبر کی اقسام

واضح ہو کہ اگر باعث دینی کو باعث ہوای کی نسبت سے دیکھیں تو اس کے تین احوال ہوتے ہیں ایک حال تو یہ ہے کہ داعیۂ ہوای کو بالکل زیر کر دے اس میں کچھ قوت نزاع کی باقی نہ رہے اور یہ بات دوام صبر سے حاصل ہوتی ہے، ایسی ہی صورت میں یہ جملہ کہا جاتا ہے من صبر ظفر اور اس رتبے کے پہنچنے والے بہت کم ہیں اور اگر ہیں تو وہ صدیق و مقرب ہیں کہ خداوند کریم کو اپنا رب جان کر اسی عقیدے پر جمے رہے اور راہ راست کو کبھی نہ چھوڑا اور نہ اس کی طرف سے منہ موڑا اور ان کے نفسوں کو باعث دینی کے مقتضائے اطمینان ہے انہیں لوگوں کا پکارنے والا پکارے گا یَاۤ اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىٕنَّةُ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً[ث] ہ دوسری حالت یہ ہے کہ ہوای کے دواعی غالب ہو جائیں اور باعث دینی کی منازعت ان کے ساتھ بالکل نہ رہے پس آدمی اپنے نفس کو لشکر شیطانی کے حوالے کرے اور مجاہدے سے مایوس ہو کر کوشش سے باز رہے یہ لوگ زمرۂ غافلین میں ہیں اور

اح اصحاب سنن بروایت عبدالرحمن بن احمد ۱۲ ت اور ٹھہرنے والے سختی میں اور تکلیف میں اور وقت لڑائی کے وہی لوگ ہیں جو سچے ہوتے اور وہی بچاؤ میں آئے ۱۲ ت بھلا ایک جو چلے اوندھا اپنے منہ پر وہ سیدھی راہ پر آتے یا وہ جو چلے سیدھا ایک سیدھی راہ پر ۱۲ ث جس نے صبر کیا وہ جیتا ۱۲ ث اے جی چین پکڑے پھر چل اپنے رب کی طرف تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی ۱۲

کثرت سے ایسے لوگ پاتے جاتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں کہ بندہ شہوات ہو گئے ہیں اور بدبختی کا جو زور ان پر ہوا تو اپنے دلوں پر جو اسرار الٰہی اور امر ربانی میں سے نفحے اعدائے الٰہی کو مسلط کر دیا انہیں کی طرف اشارہ ہے اس آیت میں وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا وَلَٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۔ انہیں لوگوں نے آخرت کے بدلے میں زندگی دنیا کو مول لیا اور گھٹی کھائی اور جب کوئی شخص ایسوں کو ہدایت کرنا چاہے تو اس کو یہ حکم ہے۔ فَأَعْرِضْ عَن مَّن تَوَلَّىٰ عَن ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ذَٰلِكَ مَبْلَغُهُم مِّنَ الْعِلْمِ اور اس حالت کی پہچان یاس اور ناامیدی مجاہدے سے اور آرزوؤں سے مغرور رہنا ہے اور یہ نہایت درجے کی بے وقوفی ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الكيس من دان نفسه وعمل لما بعد الموت والاحمق من اتبع هواها وتمنى على الله اور اہل حالت والے کو اگر کوئی نصیحت کرے تو یہ جواب دیتا ہے کہ میں توبہ کرنی تو بہت چاہتا ہوں مگر مجھ سے ہو نہیں سکتی اس واسطے اس کی طمع بھی نہیں کرتا یا اشتیاق توبہ نہ ہو تو کہتا ہے کہ خدا تعالیٰ غفور الرحیم ہے اور کریم ہے پھر توبہ کی کیا حاجت ہے اس بیچارے کی عقل شہوات کی غلام ہو گئی اس کو صرف ایسے باریک حیلے نکالنے میں لگاتا ہے جن سے اپنی شہوت پوری کر سکے اس کی عقل شہوات کے ہاتھ میں ایسی گرفتار ہوتی ہے جیسے کوئی مسلمان کافروں کی قید میں پڑے اور وہ اس سے سؤر چرواویں اور شراب کی حفاظت اور اس کا اٹھانا اس کے ذمے کر دیں ایسے شخص کا حال خدا کے نزدیک ایسا ہی ہوگا جیسا اس شخص کا جو کسی مسلمان کو زبردستی پکڑ کر کفار کے حوالے کرے اور ان کو مقید کر دے اس واسطے کہ اس شخص کی بڑی خطا یہی ہے کہ جس شخص کو غالب رہنا چاہیئے تھا اس کو ایسا مسخر کر دیا جس کو مسخر اور مغلوب رہنا زیبا تھا یعنی مسلمان کا حاوی اور غالب رہنا اس واسطے شایان ہے کہ اس میں معرفت دین اور باعث دینی موجود ہے اور کافر کو مغلوب رہنا بہتر ہے کہ اس میں دین کی جہالت اور باعث شیاطین پایا جاتا ہے اور مسلمان کا حق اپنے نفس پر بہ نسبت دوسروں کے زیادہ تر واجب ہے پس جب اس شریف بات کو جو اللہ کی جماعت اور لشکر ملائک میں سے ہے یعنی عقل کو ایک ایسی رذیل چیز کا مسخر کر دے گا جو گروہ شیاطین میں سے نہ ہو اور خدا تعالیٰ سے دور کرتی ہو تو یہ شخص بعینہ ویسا ہی ہوگا جیسا کوئی مسلمان کو کافروں کے حوالے کر دے بلکہ جیسے کوئی بادشاہ محسن اور منعم پر چڑھائی کر کے اس کے سب سے عزیز لڑکے کو پکڑ کے سب سے زیادہ بغض رکھنے والے دشمن کے حوالے کر دے اب تامل کیا چاہیئے کہ اس بات میں کیسی

۱؎ اور اگر ہم چاہتے تو دیتے ہر جی کو سوجھ اپنی راہ کی لیکن ٹھیک پڑی میری کہی بات کہ مجھ کو بھرنی ہے دوزخ جنوں سے اور آدمیوں سے اکٹھی ۱۲ ؎ سو تو دھیان نہ کر اس پر جو منہ موڑے ہماری یاد سے اور کچھ نہ چاہے مگر دنیا کا جینا یہاں تک پہنچی ان کو سمجھ ۱۲ ح ۳؎ دانا وہ ہے جو اپنے نفس کو دبا دے اور موت کے بعد کے لیے عمل کرے اور احمق وہ ہے جو اپنے نفس کو اس کی خواہشوں کا تابع کرے اور اللہ پر تمنا کرے اس کی سند جلد سوم باب غرور کی مذمت میں گذری ۱۲

ناشکری پائی جاتی ہے اور کتنے بڑے انتقام شاہی کا یہ شخص سزاوار ہے اور یہ مثال اس لیے مناسب تر ہے
کہ ہوائے نفسانی سب سے بڑا معبود ہے جو زمین پر پرستش کیا جاتا ہے اور تمام روئے زمین میں عمدہ چیز اللہ
کی مخلوق میں سے عقل ہے تو ایسی عمدہ چیز کو ایسی بری چیز کے حوالے کرنا نہایت ناشکری ہے، تیسری حالت یہ
ہے کہ لڑائی برابر کی ہو کبھی فتح باعث دینی کو ہو اور کبھی باعث ہوای کو ایسا شخص مجاہدین ہی میں سے فتح پاتے
والوں میں نہیں اور اس قسم کے لوگوں کا حال اس آیت میں مذکور ہے۔ خَلَطُوْا[۱] عَمَلًا صَالِحًا وَّ اٰخَرَ سَیِّئًا
تو اس تیسری حالت والوں کی شان میں کتنا بہتر ہے اور جو لوگ شہوات کے ساتھ مجاہدہ نہیں کرتے وہ چوپاؤں
کے مانند بلکہ ان سے بھی گمراہ تر ہیں اس واسطے کہ بہیمہ کے واسطے معرفت اور قدرت پیدا نہیں ہوئی جس سے کہ
مقتضائے شہوات کا مجاہدہ کرے اور انسان کے لیے قدرت پیدا ہوئی مگر اس کو بیکار رکھا پس واقع میں ناقص
اور بدبخت بلاشک ایسا ہی شخص ہے جو قدرت پا کر درجہ کمال کو حاصل نہ کرے۔ اور آسانی اور دشواری کی راہ
سے بھی صبر کی دو قسمیں ہیں ایک وہ کہ نفس پر شاق گزرے اور بدون بہت سی محنت اور سخت مشقت کے اس پر
مداومت ممکن نہ ہو اس کا نام بزور صبر کرنا ہے۔ دوسری وہ کہ بدون شدت اور محنت کے حاصل ہو جائے یعنی
نفس پر ادنیٰ زور دینے سے متحمل صبر کا ہو جائے کچھ مشقت نہ معلوم ہو اس صورت کا نام صبر ہے۔ اور جب
آدمی ہمیشہ تقویٰ کرتا ہے اور انجام کی بہتری کا یقین قوی ہوتا ہے تو صبر آسان ہو جاتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ
ارشاد فرماتا ہے فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی[۲] اور اس کی مثال
یوں جاننی چاہیئے جیسے پہلوان کی قدرت دوسرے شخص پر کہ اگر آدمی قوی اور کشتی گیر ہوگا تو کمزور کو ذرا سے
حملے اور ادنیٰ قوت سے پچھاڑ دے گا اسی طرح کہ پچھاڑنے میں نہ کچھ تھکن ہوگی نہ ماندگی نہ سانس چڑھے گی
اور نہ کسی طرح کا اضطراب پیش آئے گا لیکن اگر مدمقابل بھی سخت اور قوی ہوگا تو اس کے پچھاڑنے کے لیے بہت
محنت چاہیئے۔ اسی طرح باعث دینی اور باعث ہوای کی کشتی کو خیال کرنا چاہیئے کہ درحقیقت وہ بھی لشکر
ملائکہ اور لشکر شیاطین کا مقابلہ ہے۔ غرضکہ جب شہوات بالکل دفع ہو جاتے ہیں اور باعث دینی مسلط ہو کر
حاوی ہو جاتا ہے اور طول مواظبت سے صبر کرنا آسان پڑ جاتا ہے تو اس کے باعث مقام رضا ملتا ہے چنانچہ
باب رضا میں عنقریب مذکور ہوگا۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ رضا کا رتبہ صبر سے بڑھ کر ہے اسی لیے آنحضرت صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اُعْبُدُ[۳] اللّٰهَ عَلَی الرِّضَاءِ فَاِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَفِی الصَّبْرِ عَلٰی مَا تَكْرَهُ خَیْرٌ
كَثِیْرٌ۔ اور بعض عارفین کا قول ہے کہ صبر والوں کے تین درجے ہیں اول چھوڑنا شہوت کا یہ درجہ توبہ کرنے والوں کا ہے

---

[۱] ملایا ایک کام نیک اور دوسرا بد شاید اللہ معاف کرے ان کو ۱۲ [۲] سو جس نے دیا اور ڈر رکھا اور سچ جانا بھلی بات کو تو اس
کو ہم سہج سہج پہنچاویں گے آسانی میں ۱۲ [۳] عبادت کر اللہ کی رضا سے اور اگر تو رضا نہ کر سکے تو جو چیز تجھ کو بری معلوم ہو اس پر صبر
کرنے میں بہت سی بہتری ہے ۱۲ ترمذی بروایت ابن عباس رضؓ ۱۲

دوسرا راضی ہونا تقدیر پر یہ درجہ زاہدین کا ہے تیسرا درجہ محبت کرنا ہے اس کام سے جو خدا تعالیٰ اس کے ساتھ کرے اور یہ درجہ صدیقین کا ہے اور باب محبت میں ہم عنقریب بیان کریں گے کہ مرتبہ محبت رضا کے مرتبہ سے بڑھ کر ہے جس طرح کہ مقام رضا صبر سے اشرف ہے اور یہ مراتب ایک صبر خاص میں ہو سکتے ہیں یعنی مصائب اور بلا پر صبر کرنے میں۔ اب معلوم کرنا چاہیئے کہ صبر باعتبار حکم کے بھی کئی قسم ہے بعض فرض ہے اور بعض نفل اور بعض مکروہ اور بعض حرام پس ممنوعات شرعی سے صبر کرنا فرض ہے اور مکروہات سے صبر کرنا نفل ہے اور جو ایذا کہ شرعاً ممنوع ہو اس پر صبر کرنا حرام ہے۔ مثلاً کوئی شخص اس کا ناحق ہاتھ کاٹے یا اس کے بیٹے کا ہاتھ کاٹے اور یہ اس پر چپ چاپ صبر کرے یا کوئی شخص اس کی منکوحہ سے قصد شہوت رانی کرے اس کو جوش غیرت ہو مگر اظہار غیرت پر صبر کرے اور چپکا دیکھا کرے تو یہ بھی صبر حرام ہے اور اگر وہ ایذا شرعاً مکروہ ہو حرام نہ ہو تو اس پر صبر کرنا مکروہ ہے۔ حاصل یہ کہ شریعت کو صبر کی کسوٹی جاننی چاہیئے فقط اس صبر کو نصف ایمان جان کر یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ تمام صبر اچھے ہی ہوتے ہیں بلکہ اچھے صبر کے اقسام مخصوص ہیں۔

ہر حال میں صبر کی ضرورت

جاننا چاہیئے کہ جو حالات بندے کو اس کی زندگی میں پیش آتے ہیں وہ دو حال سے خالی نہیں ہوتے یا تو اس کی خواہش کے موافق ہوتے ہیں یا ناموافق اور اس کو حاجت صبر کی دونوں حالتوں میں ہے اس سے معلوم ہوا کہ آدمی کو ہر حال میں صبر کی حاجت ہے۔ اب اس کو مفصل بیان کرتے ہیں۔ قسم اول یعنی وہ احوال جو خواہش کے موافق ہوں وہ صحت اور تندرستی اور مال و جاہ کا ہونا اور بہت سا جتھا ہونا اور کثرت سے اسباب کا ہونا اور یار و مددگار خدمت گزار بہت سے ہونے اور تمام لذائذ کا موجود ہونا ہے۔ ان احوال میں بندے کو صبر کی بڑی حاجت ہے اس واسطے کہ آدمی اگر لذات دنیاوی میں پڑ کر اپنے نفس کو نہ روکے گا اور ان میں مطلق العنان اور ڈھ بار ہے گا تو گو وہ لذائذ مباح ہی ہوں مگر آخر کو سرکشی اور اترانے پر پہنچائیں گے اس واسطے کہ انسان کا قاعدہ ہے کہ جب اپنے آپ کو غنی جانتا ہے تو طغیان کرتا ہے۔ چنانچہ کلام مجید میں ہے اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰۤى اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى[ت۱]۔ یہاں تک کہ بعض عارفین فرماتے ہیں کہ بلا پر تو ایماندار صبر کرتا ہے مگر عافیت پر صبر کرنا صرف صدیق کا کام ہے اور حضرت سہلؒ تستری فرماتے ہیں کہ صبر کرنا عافیت پر بہ نسبت بلا پر صبر کرنے کے بہت سخت ہے اور جب اموالِ دنیا صحابہؓ کے پاس آتے تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ ہمارا امتحان مصیبت اور فقر میں مبتلا ہونے سے جو لیا گیا تو ہم نے صبر کیا مگر جب فتنہ عافیت و توانگری میں مبتلا ہوئے تو ہم نے صبر نہ کیا اور ہمیں بچا خداوند کریم نے مال اور اولاد اور زوج کے فتنے سے اپنی کتاب پاک میں خوف دلایا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ[ت۲]

ت۱ آدمی سر چڑھتا ہے اس سے کہ دیکھے آپ کو محفوظ ۱۲

ت۲ اے ایمان والو غافل نہ کریں تم کو تمہارے مال اور تمہاری اولاد اللہ کی یاد سے ۱۲

اور فرمایا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ[ت۱] اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اَلْوَلَدُ مَبْخَلَۃٌ مَجْبَنَۃٌ مَحْزَنَۃٌ[ح۲] اور جب آپؐ نے اپنے لخت جگر حضرت امام حسنؓ کو دیکھا کہ کرتے میں اٹک کر گرا چاہتے ہیں تو منبر سے اتر کر گود میں اٹھالیا اور فرمایا کہ خدائے تعالیٰ سچ فرماتا ہے کہ اِنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَۃٌ[ت۳] میں نے جب اپنے فرزند کو لڑکھڑاتے دیکھا تو اپنے آپ کو نہ روک سکا یہاں تک کہ اس کو اٹھالیا۔ اس کا نتیجہ ارباب دانش سوچیں کہ کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ بڑا مرد وہی ہے جو عافیت پر صبر کرے اور عافیت پر صبر کرنے کے یہ معنی ہیں کہ اس کی طرف رغبت نہ کرے اور جانے کہ یہ چند روزہ ودیعت ہے جلد مجھ سے جاتی رہے گی اور اس سے زیادہ خوش نہ ہو اور تنعم اور لذت اور لہو ولعب میں ڈوبا نہ رہے بلکہ جو جو انعام اللہ کے اس پر ہیں ان سے حقوق اللہ تعالیٰ کے ادا کرے مثلاً مال کو خدا کی راہ میں دے کر اس کا حق ادا کرے اور بدن سے دوسروں کی اعانت کرکے اس کا حق ادا کرے اور زبان سے سچ بول کر اس کا حق ادا کرے اور اس طرح کا صبر شکر کے متصل ہے جب تک آدمی شکر پر قائم نہ ہو تب تک یہ صبر کامل نہ ہوگا۔ چنانچہ عنقریب مذکور ہوگا اور عافیت پر صبر کرنا اس لیے سخت تر ہے کہ اس میں قدرت موجود ہے ورنہ عصمت بی بی بے چادری مشہور ہے جس کو قدرت ہی نہ ہو اور اگر صبر نہ کرے تو کیا کرے اس کی مثال یوں سمجھنی چاہیئے کہ اگر ایک شخص کسی کی فصد کھولے یا پچھنے لگادے تو مریض کو صبر کرنا آسان ہوگا بہ نسبت اس کے کہ خود یہ کام اپنے اوپر کرے اور بھوکا آدمی اگر کھانا اس کے سامنے نہ ہو تو صبر آسانی سے کرسکتا ہے بہ نسبت اس صورت کے کہ عمدہ کھانا لذیذ اس کے سامنے ہو اور اس کو قدرت بھی کھانے کی ہو۔ اسی لحاظ سے فتنہ عافیت کا سخت تر ہے۔ دوسری قسم جو خواہش اور طبیعت کے ناموافق ہو اس کی تین صورتیں ہیں اول تو وہ بندے کے اختیار سے مربوط ہوں جیسے طاعات اور معاصی، دوم وہ کہ اس کے اختیار میں نہ ہوں جیسے مصائب اور حوادث، سوم یہ کہ شروع میں تو اختیار کو کچھ دخل نہ ہو مگر اس کا دور کرنا اختیار میں ہو جیسے موذی سے بدلہ لینا، صورت اول وہ افعال کہ بندہ کے اختیار سے وابستہ ہوں اور اس میں بندے کے تمام افعال جو طاعت و معصیت ہوسکتے ہیں داخل ہیں ان کی دو نوع ہیں نوع اول طاعت اور دوسری نوع معصیت ہے اور ہر ایک میں صبر کی حاجت ہے۔ طاعت پر صبر کرنا دشوار ہے اس واسطے کہ نفس کو طبعاً عبودیت سے نفرت ہے یہ ربوبیت کو چاہتا ہے اسی واسطے بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ کوئی نفس ایسا نہیں کہ جس میں وہ بات چھپی نہ ہو جس کو فرعون نے اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى[ت۴] کہہ کر ظاہر کی تھی مگر فرعون کو اس کے ظاہر کرنے کا موقع مل گیا کہ جب اپنی قوم کو حقیر جانا تو انہوں نے اس کی اطاعت کرلی اور جو کچھ کہا مان لیا اور اس کو ظاہر کرنے سے تو انکار ہے مگر خفیہ سب میں وہی

ت[۱] بعضی تمہاری جوروئیں اور اولاد دشمن ہیں تمہارے سو ان سے بچتے رہو ۱۲ ح[۲] لڑکا بخل اور نامردی اور غم میں مبتلا کرتا ہے ۱۲ ابو یعلی موصلی بروایت ابو سعید خدری ۱۲ ت[۳] تمہارے مال اور اولاد یہی ہیں جانچنے کو ۱۲ ع[۵] اصحاب سنن بروایت بریدہ ۱۲ ت[۴] میں ہوں رب تمہارا سب سے اوپر ۱۲

بات ہے۔ دیکھو آدمی اپنے غلام اور نوکر اور محکوم اور زیردست اور مطیع سے ان کے قصور کے وقت کیسا نیلا پیلا ہوتا ہے اور قصور خدمت کو ان سے بعید جانتا ہے اس کی وجہ اگر کبر باطنی اور دعوئے ربوبیت نہیں تو اور کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ عبودیت نفس پر مطلقاً شاق ہے پھر عبادات میں سے بعض باعث ایسے ہیں جو کسل کے باعث بُرے معلوم ہوتے ہیں جیسے نماز اور بعضے بخل کے باعث جیسے زکوٰۃ اور بعضے کسل اور بخل دونوں کے باعث جیسے حج اور جہاد پس اطاعت پر صبر کرنا بہت سے شدائد پر صبر کرنا ہوتا ہے اور مطیع کو اپنی طاعت پر صبر کرنے میں تین وقت کی احتیاج ہوتی ہے اوّل اطاعت سے پیشتر اس وقت تو درستی نیت اور اخلاص پر اور شوائب ریا اور لوازم آفات سے صبر کرنا اور عزم و اخلاص و وفا پر جمنا ضروری ہے اور جو شخص کہ حقیقتِ نیت اور اخلاص کو اور آفات ریا اور مکائد نفس کو سچا جانتا ہے اس کو خوب معلوم ہے کہ یہ قسم صبر کی بڑی سخت ہے اور نیت کی عظمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمادی کہ انما الاعمال بالنیات ولکل امرءٍ ما نوی[ا] اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ[۲] اور اسی وجہ سے اللہ تعالےٰ نے صبر کو عمل پر مقدم فرمایا چنانچہ ارشاد ہے کہ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ[۳] دوسرے عین عمل کے وقت پر صبر کرنا کہ اثنائے عمل میں خدا سے غافل نہ رہے اور اس کے سنن و آداب کی بجا آوری میں کسل کو دخل نہ دے اور شرط ادب کو عمل کے آخر تک ملحوظ رکھے یعنی عمل سے فارغ ہونے تک جن لوازم سے کہ عمل میں نہیں ہوتا ہے ان سے صبر کرنا پڑے گا اور یہ صبر بھی سخت ہے اور غالباً اس آیت میں یہی صبر مراد ہے نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ الَّذِیْنَ صَبَرُوْا[۴] یعنی جن لوگوں کے عمل کے پورا ہونے تک صبر کیا۔ تیسرے بعد عمل سے فارغ ہونے کے یعنی اب صبر کی حاجت یہ ہے کہ عمل کا افشانہ کرے اور شہرت اور ریا کا خواہاں نہ ہو اور اپنی طرف عجب کی نظر سے نہ دیکھے۔ غرض جو چیزیں مبطل عمل بعد عمل کے ہوتی ہیں ان سے صبر کرے ورنہ عمل باطل ہوگا اور اس کا اثر نہ رہے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تُبْطِلُوْا اَعْمَالَکُمْ[۵]، فرمایا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِکُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی[۶] پس جو شخص کہ صدقہ دینے کے بعد احسان جتانے اور ایذا دینے پر صبر نہ کرے گا، اس کا عمل باطل ہوگا۔ اب اطاعت کی دو قسمیں ہیں فرض اور نفل اور بندے کو دونوں میں صبر کی حاجت ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اس آیت میں جمع فرمایا ہے اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی[۷]۔ عدل کرنا فرض ہے اور احسان نفل ہے اور اقارب کو دینا مروّت اور صلہ رحم، اور ہر ایک میں صبر کی حاجت ہے اور نوع دوم یعنی معصیت پر بھی صبر کرنا اور اللہ تعالےٰ نے جمیع اقسام معاصی کو اس آیت میں جمع کر دیا ہے وَیَنْہٰی عَنِ الْفَحْشَآئِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ[۸]۔

ا؎ اعمال کا اعتبار نیتوں سے ہے ۱۲ بخاری و مسلم بروایت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ۱۲ ت ۲ اور ان کو یہی حکم ہوا کہ بندگی کریں اللہ کی نری کر کر اسی کے واسطے بندگی ۱۲ ت ۳ مگر جو لوگ ثابت ہیں اور کرتے ہیں نیکیاں ۱۲ ت ۴ خوب نیگ ملا کام والوں کو جو ٹھہرے رہے ت ۵ اور ضائع مت کرو اپنے کیے کو ۱۲ ت ۶ مت ضائع کرو اپنی خیرات احسان رکھ کر اور ستا کر ۱۲ ت ۷ اللہ حکم کرتا ہے انصاف کو اور بھلائی کو اور دینے کو ناتے والے کے ۱۲ ت ۸ اور منع کرتا ہے بیحیائی سے اور نامعقول کام سے اور سرکشی سے ۱۲

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اَلْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ السُّوْءَ وَالْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ هَوَاهُ[ح] اور معاصی باعث مانوسیت کے لوازم سے ہیں اور صبر کے اقسام میں زیادہ شدید ان معاصی پر صبر کرنا ہے جو عادت کے باعث مالوف ہو گئے ہوں۔ اس لیے کہ عادت بھی ایک دوسری طبیعت ہوتی ہے جب خواہش نفس پر عادت زیادہ ہو جاتی ہے تو گویا شیطان کے دو لشکر آپس میں مل کر ایک دوسرے کی کمک کرتے ہیں اور باعث دینی کا مقابلہ کرتے ہیں۔ اس لیے وہ ان کے قلع قمع پر قادر نہیں ہوتا۔ پھر اگر وہ گناہ ان افعال میں سے ہوں جن کے کرتے میں کچھ دقت نہیں ہوتی باآسانی ہو سکتے ہیں تو اس سے صبر کرنا نہایت دشوار ہے۔ مثلاً زبان کے گناہوں مثل غیبت اور جھوٹ اور خصومت اشارۃً یا صراحتۃً اپنے نفس کی تعریف کرنے وغیرہ سے صبر کرنا یا اقسامِ مزاج سے جو دلوں کو ایذا دیں اور ان کلمات سے جو بقصد تحقیر و تذلیل بولے جائیں اور مُردوں کا ذکر کرنا اور ان پر خواہ ان کے علوم اور بصیرت و منصب پر اعتراض کرنا ان سب پر صبر کرنا بہت دشوار ہے اس لیے کہ ظاہر میں تو یہ غیبت ہیں مگر باطن میں اپنے نفس کی ثناخوانی ہے ایسے گناہ میں نفس کو دو چاٹ ہوتی ہیں ایک تو دوسرے کا نہ ہونا دوسرے اپنا ہونا (انہیں) دونوں باتوں سے ربوبیت پوری ہوتی ہے جو نفس کی سرشت ہے اور ربوبیت عبودیت کی ضد ہے جس کا آدمی کو حکم ہے۔ انہیں دو شہوتوں کے اجتماع اور زبان کے ہلانے میں دقت نہ ہونی اور محاورات میں عادی ہو جانے سے صبر ایسی باتوں سے مشکل ہے بلکہ لوگ ان کو بُرا نہیں جانتے نہ دلوں میں ان امور کی کچھ قباحت ہے کیونکہ اکثروں کا روزمرہ یہی ہو گیا ہے اور سب لوگوں میں یہ بلا پھیلی ہوئی ہے۔ اگر کوئی مسلمان آدمی ریشم کا کپڑا پہنے تو لوگ نہایت بعید جانیں لیکن اگر تمام دن اپنی زبان سے لوگوں کو بُرا کہے جائیں تو کوئی بُرا نہ مانے حالانکہ حدیث شریف[ح] میں ہے کہ غیبت زنا سے بھی سخت تر ہے اور جو شخص گفتگو میں اپنی زبان نہ روک سکے اور اس کے معاصی سے صبر کر سکے تو اس پر گوشہ نشینی اور تنہائی واجب ہے، اس کے سوا اس کے لیے اور کوئی صورت نجات کی نہیں اس لیے کہ اکیلے رہنے پر صبر کرنا اس سے آسان ہے کہ لوگوں میں رہ کر سکوت پر صبر کرے اور جیسا جس معصیت کا سبب قوی یا ضعیف ہو گا ویسا ہی صبر کرنا بھی سخت یا آسان ہو گا اور زبان ہلانے کی نسبت وسوسوں کے خلجان سے دلوں کی حرکت اور بھی زیادہ سہل ہے یہ آفت تنہائی میں بھی باقی رہتی ہے وساوس سے صبر ہونا ہرگز ممکن نہیں مگر اس صورت میں کہ دل پر کوئی اور فکر دینی غالب ہو جائے اور سب طرف سے خالی الذہن ہو کر ایک ہی فکر کا ہو رہے ورنہ جب تک کسی خاص شئے میں اپنی فکر کو نہ لگا دے گا وسواس کا دُور ہونا اس سے ممکن نہ ہو گا۔ صورت دوم وہ افعال جن کا آنا اختیار سے وابستہ نہ ہو مگر ان کے دفع کرنے کا اختیار ہو مثلاً اگر کسی کو کسی نے فعل سے یا قول سے ایذا دی یا اس کے نفس یا مال میں کوئی قصور کیا تو اس پر صبر کرنا اور مکافات کا چھوڑنا کبھی تو واجب ہوتا ہے اور کبھی صرف فضیلت کا موجب بعض صحابہؓ

ح ہجرت کرنے والا وہ ہے جو برائی کو چھوڑ دے اور جہاد کرنے والا وہ ہے جو اپنے خواہش نفس سے لڑے ابن ماجہ نے اول ٹکڑا نسائی دوسرا دونوں نے بروایت فضالہ بن عبیدہ سے کیا ہے ۱۲ ح جلد سوم باب آفات زبان میں گذری ۱۲

نے فرمایا کہ ہم آدمی کے ایمان کو نہ جانتے تھے جب تک کہ ایذا پر صبر نہ کرتا تھا اور کلام مجید میں انبیاء کی طرف سے مخالفین کے جواب میں ارشاد ہے وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَا اٰذَيْتُمُوْنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ؁ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار کچھ مال تقسیم فرمایا تو بعض مسلمان اعراب نے کہا کہ یہ ایسی تقسیم نہیں جس سے خدا کی رضا منظور ہو یہ خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی آپ کے رخسار مبارک سرخ ہو گئے پھر فرمایا اللہ رحم کرے میرے بھائی موسیٰ علیہ السلام پر کہ ان کو لوگوں نے اس سے بھی زیادہ ستایا مگر انہوں نے صبر کیا اور کلام مجید میں جابجا آپ کو صبر کا ارشاد فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے، وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اور فرمایا وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ؁ اور فرمایا وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ اور فرمایا لَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْۤا اَذًى كَثِيْرًا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ؁ اس صبر سے غرض یہی ہے کہ مکافات سے صبر کرو اور اسی وجہ سے مکافات سے صبر کرنے کا بڑا رتبہ ہے اللہ تعالیٰ نے قصاص وغیرہ میں حقوق کے معاف کرنے والوں کی مدح فرمائی چنانچہ ارشاد ہے وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صِلْ مَنْ قَطَعَكَ وَاَعْطِ مَنْ حَرَمَكَ وَاعْفُ عَمَّنْ ظَلَمَكَ ؂ اور میں نے انجیل میں دیکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم کو پہلے سے یہ حکم ہے کہ دانت کے بدلے دانت اور ناک کے بدلے ناک یعنی جتنی برائی کوئی تم سے کرے اسی قدر تم اس سے کرو لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ شر کا بدلہ شر سے نہ دو جو کوئی تمہارے داہنے رخسار پر مارے تو اس کے سامنے بایاں کرو اور جو کوئی تمہاری چادر لے لے تو اس کو تہمد بھی دے دو اور جو تم کو ایک میل بیگار لے جائے تو تم دو میل اس کے ساتھ جاؤ انتہی ان سب روایتوں میں ایذا پر صبر کرنا مراتب صبر میں سے اعلیٰ ہے اس کے ساتھ صورت میں باعث دینی کے مقابلے میں غضب اور باعث شہوت دونوں ہوتے ہیں تو دونوں کو مغلوب کرنا تھوڑا کام نہیں۔ صورت سوم ایسے امور جن کی ابتدا و انتہا کچھ بھی بندے کے اختیار میں نہیں، جیسے عزیزوں کا مرنا اور مال تلف ہونا اور مرض سے تندرستی کا جاتا رہنا اور اعضاء کا بگڑ جانا اور تمام اقسام مصائب کہ ان پر صبر کرنا مقامات صبر میں سے ہے اعلیٰ مقام ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں صبر تین صورت پر ہے اول ادائے فرض پر، اس کا ثواب تین سو درجے ہے، دوم

؂ اور ہم صبر کریں گے ایذا پر جو ہم کو دیتے اور اللہ پر بھروسہ چاہیے بھروسے والوں کو ۱۲ ؂ بخاری و مسلم بروایت ابن مسعود ۱۲ ؂ اور چھوڑ دے ان کا ستانا اور بھروسا کر اللہ پر ۱۲ ؂ اور سہارا پورا رکھتے اور چھوڑ ان کو بھلی طرح چھوڑنا ۱۲ ؂ اور ہم جانتے ہیں کہ تیرا جی رکتا ہے ان کی باتوں سے سو تو یاد کر خوبیاں اپنے رب کی اور رہ سجدہ میں، ۱۲ ؂ اور البتہ سنو گے اگلی کتاب والوں سے اور مشرکوں سے بدگوئی بہت اور اگر تم ٹھہرے رہو اور پرہیزگاری کرو یہ ہمت کے کام ہیں ۱۲ ؂ اور اگر بدلہ لو تو اسی قدر جتنی تم کو تکلیف پہنچے اور اگر صبر کرو تو یہ بہتر ہے صبر والوں کو ۱۲ ؂ مل اس سے جو تجھے چھوڑے اور دے اس کو جو تجھے نہ دے اور معاف کر اسکو جو تجھ پر ظلم کرے ۱۲ جلد دوم میں گذری ۱۲

صبر خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں سے اس کے لیے چھ سو درجے ہیں، تیسرا صبر مصیبت پر پہلے صدمہ کے وقت اس کے لیے نو سو درجے ہیں اور یہ رتبہ باوجودیکہ فضائل میں سے ہے دوم کی نسبت باوجودیکہ وہ فرائض میں سے ہے اس وجہ سے افضل ہے کہ محرمات میں سے تو ہر ایک ایماندار صبر کر سکتا ہے مگر مصیبت پر صبر وہی کرے گا جس کو سرمایہ صدیقوں کا حاصل ہوگا اس لیے کہ یہ نفس پر بہت سخت ہوتا ہے اور اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یوں دعا مانگتے کہ[اح] اسئلك من اليقين ما تهون علي به مصائب الدنيا اس سے معلوم ہوا کہ اس صبر کا منشا حسن یقین ہوتا ہے اور حضرت سلیمان فرماتے ہیں کہ قسم بخدا جس چیز کو ہم محبوب جانتے ہیں اس پر صبر نہیں کرتے تو جو ہم کو بری معلوم ہوتی ہے اس پر کیسے صبر کریں گے اور ایک حدیث قدسی[ح] میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میں اپنے بندوں کے بدن، مال یا اولاد میں مصیبت بھیجتا ہوں اور وہ اسے صبر جمیل سے برداشت کرتا ہے تو قیامت میں مجھے شرم آتی ہے کہ اس کے لیے ترازو کھڑی کروں یا نامۂ اعمال پھیلاؤں اور ایک حدیث شریف میں ہے[۳ح] انتظار الفرج بالصبر عبادة اور ایک حدیث[۴ح] میں کہ جب کسی بندے کو مصیبت پہنچے اور وہ بموجب حکم الٰہی انا للہ وانا الیہ راجعون[۵ح] کہے اور پھر کہے[۶ح] اللهم اجرني في مصيبتي واعقبني خيرا منها تو خدا تعالیٰ ویسا ہی کرتا ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ خدائے تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا کہ اے جبریل جس کی میں دونوں آنکھیں لے لوں اس کا بدلہ کیا ہے انہوں نے عرض کیا[۷ح] سبحانك الله لا علم لنا الا ما علمتنا۔ ارشاد ہوا کہ اس کا بدلہ یہ ہے کہ ہمیشہ میرے گھر میں رہے اور میرے دیدار سے مشرف ہو اور ایک حدیث[۸ح] قدسی میں وارد ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میں اپنے بندوں کو کسی بلا میں مبتلا کروں اور وہ صبر کرتا ہے اور اپنے عیادت کرنے والوں سے میری کچھ شکایت نہیں کرتا تو میں اس کے گوشت سے بہتر گوشت بدل دیتا ہوں اور خون کے عوض عمدہ خون عنایت کرتا ہوں اور جب اس کو شفا دیتا ہوں تو کوئی گناہ اس کے ذمہ نہیں ہوتا اور اس کو وفات دیتا ہوں تو اس کو اپنی رحمت میں لا ڈالتا ہوں۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام نے جناب باری میں عرض کیا کہ الٰہی اس غم زدہ کا بدلہ کیا ہے کہ جو تیری رضا کی خواہش کے باعث مصائب پر صبر کرے ارشاد ہوا کہ اس کا بدلہ یہ ہے کہ اس کو لباس ایمان پہنا کر کبھی اس کے بدن سے نہ نکالوں اور ایک بار حضرت عمر بن عبدالعزیز رح نے اپنے خطبے میں فرمایا کہ جب کبھی اللہ تعالیٰ کسی بندے پر انعام کرتا ہے اور پھر وہ نعمت

اح میں تجھ سے اس یقین کی درخواست کرتا ہوں جس سے تو مجھ پر دنیا کی مصیبتیں آسان کر دے ۱۲ ترمذی ونسائی وحاکم بروایت ابن عمر ۱۲ ح ابن عدی بروایت انس رض بسند ضعیف ۱۲ ۳ح صبر کے ساتھ کشادگی کا منتظر رہنا عبادت ہے قضاعی در مسند عقاب بروایت ابن عمر رض و ابن عباس رض ۱۲ ۴ح مسلم بروایت ابوسلمہ ۱۲ ۵ح ہم اللہ کا مال ہیں اور ہم کو اسی کی طرف پھر جانا ہے ۱۲ ۶ح الٰہی تو مجھ کو اجر دے میری مصیبت میں اور اسکے پیچھے اس سے بہتر چیز عنایت کر ۷ح تو سب سے نرالا ہے ہم کو معلوم نہیں مگر جتنا تو نے سکھایا ۱۲ طبرانی در اوسط بروایت بلال بن میمون ۱۲ ۸ح امام مالک در موطا بروایت عطا ابن یسار مرسلاً ۱۲

اس سے لے لیتا ہے اور اس کے عوض میں صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس نعمت کے عوض میں جو کچھ عنایت کرتا ہے وہ اس پہلی نعمت سے افضل ہوتی ہے بعد اس کے یہ آیت پڑھی اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۝ اور حضرت فضیلؒ سے صبر کی حقیقت پوچھی گئی تو فرمایا کہ وہ راضی ہوتا ہے خدا کے حکم پر لوگوں نے پوچھا کہ یہ کیسے آپ نے فرمایا کہ جو شخص راضی ہوتا ہے وہ اپنے رتبے سے زیادہ تمنا نہیں کرتا۔ اور روایت ہے کہ حضرت شبلیؒ قید خانے میں محبوس ہوئے تو ان کے پاس کچھ لوگ گئے آپ نے پوچھا کہ تم کون ہو انہوں نے عرض کیا کہ آپ کے دوست ہیں زیارت کو آتے ہیں آپ نے ان کو ڈھیلوں سے مارنا شروع کیا یہاں تک کہ وہ بھاگنے لگے پھر فرمایا اگر تم میرے آشنا ہوتے تو میری مصیبت پر صبر کرتے۔ اور بعض عارفین کی جیب میں ایک رقعہ تھا کہ ہر گھڑی اس کو نکال کر دیکھ لیا کرتے تھے اس میں یہ لکھا تھا وَاصْبِرْ لِحُکْمِ رَبِّکَ فَاِنَّکَ بِاَعْیُنِنَا[ا] اور روایت ہے کہ فتح موصلیؒ کی بی بی ایک بار پھسل پڑیں اور ان کا ناخن ٹوٹ گیا وہ ہنس پڑیں لوگوں نے پوچھا کہ تم کو تکلیف نہیں معلوم ہوتی انہوں نے کہا کہ اس کے ثواب کے مزے میں میرے دل سے تلخی درد کی جاتی رہی۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام نے حضرت سلیمانؑ سے فرمایا کہ مومن کے تقویٰ پر تین باتوں سے استدلال کیا جاتا ہے اول جو چیز نہیں ملی اس میں اچھی طرح توکل کرنا دوسرے جو چیز اس کو پہنچی اس میں اچھی طرح راضی ہونا، تیسرے جو چیز مل کر جاتی رہے اس پر اچھی طرح صبر کرنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا[۲] مِنْ اِجْلَالِ اللّٰہِ وَمَعْرِفَۃِ حَقِّہٖ اَنْ لَّا تَشْکُوْا وَجَعَکَ وَلَا تَذْکُرَ مُصِیْبَتَکَ[۳] اور کہتے ہیں کہ ایک نیک بخت ایک روز آستین میں تھیلی لے کر نکلے پھر جو تلاش کیا تو ہمیانی نہ پائی معلوم ہوا کہ وہ چوری ہو گئی آپ نے فرمایا کہ جس نے لی ہو خدا تعالیٰ اس کو اس میں برکت دے شاید اس کو مجھ سے زیادہ اس کی ضرورت ہو گی۔ اور ایک شخص بزرگ راوی ہیں کہ میں سالم مولی ابی حذیفہ کے پاس اس حال میں گیا کہ ان میں کچھ جان باقی تھی میں نے پوچھا کہ تمہیں پانی پلاؤں انہوں نے کہا کہ مجھ کو تھوڑا سا دشمن کی طرف سرکا دو اور پانی میری ڈھال میں رکھ دو کیونکہ میں روزے سے ہوں اگر شام تک جیتا رہوں گا تو پی لوں گا۔ سالکین طریق آخرت کا صبر ایسا ہوتا تھا جیسا اوپر مذکور ہوا۔ اب اگر کوئی کہے کہ مصیبت میں درجۂ صبر کس طرح ملے کہ امر اختیاری نہیں اضطرار کی صورت ہے اس لیے کہ اگر صبر سے یہ مراد ہے کہ دل میں مصیبت کی کراہت نہ ہو تو یہ بات آدمی کے اختیار میں داخل نہیں پس اس کا جواب یہ ہے کہ صابروں کے درجے سے آدمی جب ہی خارج ہوتا ہے جب جزع و فزع کرے اور منہ پیٹے اور گریبان پھاڑے اور شکایت بہت کرے اور رنج کو ظاہر کرے اور لباس اور فرش اور غذا میں عادت کے خلاف کرے اور یہ سب باتیں آدمی کے اختیار میں ہیں ان سب سے

[ا] ٹھہرنے والوں ہی کو ملتا ہے ان کا نیگ ان گنت ۱۲ ت ۲ اور تو ٹھہرا رہ، منتظر اپنے رب کے حکم کا تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے ۱۲ [۳] خدا تعالیٰ کی اور اس کے حق کی شناخت میں سے ہے یہ بات کہ تو اپنے درد کا شکوہ نہ کرے اور مصیبت کا مذکور نہ کرے ۱۲ یہ حدیث مرفوعاً نہیں ملی ابن ابی الدنیا نے بروایت سفیان بعض کا قول نقل کیا ہے ۱۲

اعتراض واجب ہے اور بجز حکم خدا پر راضی ہونے کے اور کچھ بیان نہ کرے اور جس طرح عادت کھانے پینے وغیرہ کی تھی ویسی ہی دستور رہنے دے کسی طرح کا فرق نہ کرے اور یہ جانے کہ وہ شے میرے پاس ودیعت تھی اب مالک نے واپس لے لی چنانچہ رمیصا ام سلیم سے روایت ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ میرا ایک لڑکا گذر گیا اور میرے شوہر حضرت ابو طلحہ رضہ موجود نہ تھے میں نے اٹھ کر گھر کے ایک گوشے میں کر کے اس پر کپڑا ڈال دیا بعد اس کے حضرت ابو طلحہ تشریف لائے اٹھی اور ان کا کھانا تیار کیا وہ کھانے لگے پھر پوچھا کہ لڑکا کس طرح ہے میں نے کہا الحمد للہ اچھے حال میں ہے اور یہ اس لیے کہا کہ جب سے وہ بیمار ہوا تھا کسی رات ایسی چین نہ ملی تھی جیسے اس شب وفات کو تھی پھر میں نے اپنے آپ کو اور روزوں کی نسبت زیادہ بنایا سنوارا یہاں تک کہ وہ مجھ سے ہمبستر ہوئے پھر میں نے ان سے کہا کہ دیکھو ہمارے ہمسائے کی بات کہ اس کو ایک چیز مانگے ملی تھی جب مالک نے مانگی اور واپس لے لی تو غل مچانے لگا حضرت ابو طلحہ رضہ نے فرمایا کہ ہمسایہ نے بہت برا کیا اگر ایسا کیا پھر میں نے کہا کہ تمہارا فرزند خدا کی طرف سے عاریت تھا اللہ تعالے نے اس کو لے لیا انہوں نے اللہ کا شکر کیا اور اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن[1] پڑھا پھر صبح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر حال بیان کیا آپ نے فرمایا کہ الٰہی اس رات کے معاملہ میں برکت دے راوی کہتے ہیں کہ بعد اس دعا کے مسجد میں میں نے ان کے سات لڑکے دیکھے کہ سب کے سب قاری قرآن تھے۔ اور حضرت جابر رضہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں خواب میں جنت کے اندر گیا اور حضرت طلحہ رضہ کی بی بی رمیصا کو جنت میں دیکھا۔ اور بعض اکابر فرماتے ہیں کہ صبر جمیل یہ ہے کہ مصیبت والا دوسروں سے پہچانا نہ جاتے اور مرد سے پہ دل دکھنے اور آنسو بہانے سے صابرین کی حد سے نہیں نکلتا اس لیے کہ یہ باتیں بشریت کے تقاضے سے ہیں اور موت کے وقت تک انسان ان سے علیحدہ نہیں ہو سکتا اور یہی وجہ جب حضرت ابراہیم لخت جگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو آپ کی آنسو نکلتے تھے لوگوں نے عرض کیا کہ آپ نے اس سے ہم کو منع فرمایا آپ نے فرمایا کہ اِنَّ ھٰذِہٖ رَحْمَةٌ وَاِنَّمَا یَرْحَمُ اللّٰہُ مِنْ عِبَادِہِ الرُّحَمَآءَ[2] بلکہ یہ امر مقام رضا سے بھی خارج نہیں کرتا مثلاً جو شخص پچھنے لگواتا ہے یا فصد کھلواتا ہے وہ راضی ہوتا ہے اور درد بھی معلوم ہوتا ہے اور کبھی شدت درد میں آنسو بھی نکل پڑتے ہیں اور انشاء اللہ اس کا بیان باب رضا میں آئے گا۔ اور ابن ابی نجیح نے بعض خلفاء کی تعزیت میں یہ لکھا کہ جو شخص خدائے تعالیٰ کا حق اس چیز پر پہچانتا ہے جو خدا تعالے نے اس سے لے لی وہ اس بات کا مستحق زیادہ ہے کہ جو چیز خدائے تعالیٰ نے اس کے لیے باقی رکھی ہے اس میں اس کے حق کی عظمت جانے اور جان لو کہ جو تم سے پہلے گذر گیا وہ تمہارے لیے باقی ہے اور جو تمہارے بعد رہے گا اس کو تمہارے باب میں ثواب ملے گا اور جان لو کہ صابروں کا ثواب مصیبت میں اس نعمت کی نسبت سے بڑھ کر ہے جو مصائب

---

[1] ہم اللہ کا مال ہیں اور ہم کو اسی کی طرف پھر جانا ہے ۱۲ اخ نسائی در کبیر ۱۲ [2] یہ رحمت ہے اور اللہ اپنے بندوں میں رحم کرنے والوں ہی پر رحم کیا کرتا ہے ۱۲ بخاری و مسلم بروایت انس مع ادنیٰ اختلاف ۱۲

بچے رہنے سے اس پر ہوتی ہے۔ غرضکہ ثواب کی نعمت کو سوچنے سے اگر نفس کی کراہت ٹالے گا تو صابروں کا درجہ پائے گا۔ ہاں صبر کا کمال اس میں ہے کہ مرض اور افلاس اور تمام مصیبتوں کو چھپائے۔ اور بعض اکابر کا قول ہے کہ احسان کے خزانوں میں سے ہے مصائب اور دردوں اور صدقات کا پوشیدہ رکھنا ان تقسیمات سے ظاہر ہوا کہ سب احوال و افعال میں صبر واجب ہے، اس لیے کہ جو شخص سب شہوات سے تنہا عزلت نشین ہو وہ بھی صبر سے بے پرواہ نہ ہوگا ظاہر میں تو عزلت اور تنہائی پر صبر کرنا پڑے گا اور باطن میں وساوس شیطانی سے کیونکہ وساوس کا خلجان چین نہیں لینا اور اکثر باتیں جو دل میں آتی ہیں وہ یا ایسی چیزوں کے باب میں ہوتی ہیں جو گذر چکیں اور ان کا تدارک ممکن نہیں یا آئندہ چیزوں کے باب میں کہ اگر مقدر ہیں ہوں گی تو ضرور ملیں گی۔ بہرحال ان دونوں صورتوں میں وقت کا تلف کرنا اور آدمی کا اوزار اور سرمایہ اس کا قلب ہے پس اگر ایک سانس بھی دل ذکر اور فکر سے غافل رہے گا تو خسارہ ہوگا اور ذکر سے وہ مراد ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ انس پیدا ہوتا ہے اور فکر سے ایسا فکر غرض ہے جس سے خدا تعالیٰ کی معرفت ہو اور معرفت سے محبت الٰہی حاصل ہو یہ صورت جب ہے کہ جب فکر اور وسواس مباحات ہی میں منحصر ہو اور ایسا اکثر وقوع میں نہیں آتا بلکہ شہوات کے پورا کرنے کے لیے حیلوں کی صورتیں سوچا کرتا ہے کیونکہ ہمیشہ ایسے شخصوں سے نزاع کرتا ہے جو تمام عمر میں ایک دفعہ بھی اس کے خلاف مرضی ہوئے ہوں یا جس کی طرف وہم بھی نزاع کا ہو یہ مجھ سے میرے مقصود میں مخالفت کرے گا اور اس سے کوئی علامت بھی اسباب میں ظاہر ہوتی ہو بلکہ جو آدمی سب لوگوں سے زیادہ اپنا مخلص ہو گو اپنے اہل اور اولاد ہی کیوں نہ ہو اس کو مخالف فرض کر لیتا ہے پھر یہ سوچتا ہے کہ ان کو کس طرح زجر اور قہر کیجیے اور کیسے ان کے مخالف کے حیلوں کا جواب دیجیے اسی طرح ایک شغل دائمی میں رہتا ہے اس واسطے کہ شیطان کے دو لشکر ہیں ایک طائر اور ایک سائر لشکر طائر کی حرکت کا نام وسواس ہے اور سائر کی حرکت کا نام شہوت اور اس کی وجہ یہ ہے کہ شیطان آگ سے مخلوق ہوا اور انسان کھنکھناتی مٹی ٹھیکری جیسی سے اور ٹھیکری میں آگ کے ساتھ مٹی اکٹھی ہے اور مٹی کی طبیعت سکون ہے اور آگ کی سرشت حرکت پس کوئی آگ ایسی نہیں ہو سکتی کہ بھڑکے اور نہ ہلے بلکہ ہمیشہ اپنی طبیعت کے مقتضا سے حرکت کرتی رہتی ہیں اور شیطان لعین کو جو آگ سے مخلوق ہے اس بات کا حکم ہوا تھا کہ جس چیز کو خدائے تعالٰے نے مٹی سے پیدا کیا اس کو سجدہ کرکے مطمئن ہو اور ٹھہرے مگر اس نے انکار کیا اور نافرمانی کی اور اپنی نافرمانی کی وجہ کو یوں بیان کیا کہ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ[1]۔ پس جب اس ملعون نے ہمارے جد امجد آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کیا تو پھر ان کی اولاد کو کیسے سجدہ کرے گا ان کو سجدہ کرنے سے مقصود یہی ہے کہ دل پر جو وسواس اور طیران اور جولانی کرتا رہتا ہے اس سے باز رہے اس لیے کہ ان حرکات سے اس کا باز رہنا گویا منقاد و مطیع انسان کا بننا ہے کہ انسان سے دب کر یہ حرکتیں چھوڑ دے اور واقع میں سجدے کی جان انقیاد اور اطاعت ہی ہے، پیشانی کا

---

[1] مجھ کو تو بنایا تو نے آگ سے اور اس کو بنایا مٹی سے ۱۲

زمین پر رکھنا سجدے کا جسم ہے اور اسی کو اصطلاحی پہچان سجدے کی مقرر کر لی ہے ہو سکتا ہے کہ اصطلاح میں اسی سر رکھنے کو حقارت کی علامت ٹھہرا لیتے جیسے منہ کے بل گر پڑنا کسی امیر کبیر کے سامنے عادتاً گستاخی متصور ہوتا ہے غرضکہ آدمی کو چاہیئے کہ قلب اور روح اور صدف اور مروارید اور پوست اور مغز میں تمیز کرے ایسا نہ ہو کہ صرف عالم ظاہری کا مقید ہو کر عالم غیب سے غافل ہو جاتے۔ اور اس تقریر سے یہ بھی ثابت ہوا کہ شیطان کو مہلت مل گئی ہے تو قیامت تک ایسا نہ ہو گا کہ آدمی کو وسواس دلانے سے باز رہے اور اس کا منقاد ہو جائے۔ اگر سوائے خدا کے اور فکر آدمی کو نہ رہے تب البتہ اس ملعون کی گنجائش آدمی میں نہیں رہتی بلکہ ایسا شخص اللہ کے مخلص بندوں میں داخل ہوتا ہے جو موجب نص قرآنی کے شیطان لعین کے تسلط سے خارج ہیں اور گمان نہ کرنا چاہیئے کہ دل میں فکر الٰہی بھی نہ ہو اور شیطان بھی اس میں نہ ہو اس واسطے کہ شیطان انسان میں خون کی طرح پھرتا ہے ایک سیال چیز ہے اور اس کا میلان ایسا ہے جیسے پیالے میں ہوا پس اگر کوئی چاہے کہ پیالے میں سے ہوا بھی نکل جاتے اور پانی وغیرہ اس میں کچھ نہ بھرا جاوے تو ظاہر ہے کہ یہ امر ناممکن ہے بلکہ جس قدر پانی پیالے میں نہ رہے گا اسی قدر ہوا اس میں بھر جائے گی اسی طرح جو دل کہ کسی عمدہ فکر دینی سے پُر ہو گا وہ البتہ شیطان کی جولانی سے خالی ہو گا، ورنہ جو شخص ایک لحظہ بھی خدا سے غافل ہو گا اس کا جلیس سوائے شیطان کے کچھ نہ ہو گا، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ[1] اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَبْغَضُ الشَّابَّ الْفَارِغَ[2] اور یہ اس لیے فرمایا کہ جب جوان آدمی ایسا کام نہ کرے گا جس سے اس کا دل امر مباح میں مشغول ہو اور دین پر اعانت ملے تو گویا ظاہر میں وہ بیکار ہو گا ورنہ دل اس کا خالی نہ ہو گا اس میں شیطان گھونسلا بنا کر انڈے بچے دے گا پھر اس کے بچے جفتی کھا کر دوبارہ انڈے بچے نکالیں گے اسی طرح اس کی نسل سب حیوانات کی نسل سے زیادہ بڑھتی جائے گی اس لیے کہ اس کی سرشت آگ سے ہے اور آگ کے سامنے اگر سوکھا گھاس آجاتے تو کیسے پھیلتی ہے اور آگ سے آگ نکلتی چلی جاتی ہے اور کہیں نہیں ٹھہرتی بلکہ تھوڑی تھوڑی بڑھتی جاتی ہے تو جوان آدمی کے نفس میں شہوت کا ہونا شیطان کے لیے ایسا ہے جیسا سوکھا گھاس آگ کے واسطے اور جس طرح کہ آگ کی غذا نہ رہنے سے وہ بجھ جاتی ہے یعنی لکڑی وغیرہ نہ رہنے سے جاتی رہتی ہے اسی طرح شہوات کے نہ رہنے سے شیطان کی مجال بھی معدوم ہو جاتی ہے۔ اب اگر غور سے دیکھو تو معلوم ہو جائے گا کہ سب سے زیادہ دشمن آدمی کا اس کی شہوت ہے اور وہ نفس کی ایک صفت ہے اور اسی واسطے جب کسی نے منصور حلاج سے دار پر چڑھنے کے وقت تصوف سے سوال کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ وہ آدمی کا نفس ہے کہ اگر اس کو مشغول نہ رکھے تو وہ آدمی کو مشغول کر دیتا ہے یعنی نفس سے اگر کچھ کام آخرت نہ لے تو وہ اپنے دھندے میں پھنسا دیتا ہے حاصل اس سبب کا یہ ہوا

ت ۱ اور جو کوئی آنکھیں چرائے رحمٰن کی یاد سے تو اس پر تعین کریں ہم شیطان پھر وہ رہے اس کا ساتھی ۱۲ ح ۲ اللہ تعالیٰ بغض رکھتا ہے جوان بیکار کو ۱۲ یہ حدیث غریب ہے مجھ کو نہیں ملی ۱۲

کہ صبر کی حقیقت اور کمال یہی ہے کہ ہر ایک حرکتِ بد سے صبر کیا جائے اور حرکتِ باطن سے صبر کرنا بطریق اولیٰ چاہیئے اور یہ صبر دائمی ہے کہ بجز موت کے منقطع نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اس کی توفیق نیک اپنے کرم و احسان سے عنایت فرمائے۔

صبر کا علاج اور وہ چیزیں جن کے ذریعہ صبر میں مدد ملتی ہے

واضح ہو کہ جس شخص نے بیماری بھیجی ہے اس نے اس کی دوا بھی اتاری ہے اور شفا کا وعدہ فرمایا ہے اس نظر سے گو صبر بہت مشکل اور امر دشوار ہے مگر اس کا حاصل کرنا معجون علم و عمل سے ممکن ہے اور علم و عمل ایسے مفردات ہیں کہ امراض قلوب کی سب دوائیں ان سے بنتی ہیں مگر ہر مرض کے لیئے علم و عمل جداگانہ چاہیئے اور ازانجا کہ اقسام صبر کے مختلف ہیں تو جو علتیں کہ مانع صبر ہیں وہ بھی مختلف ہیں اسی واسطے علاج بھی مختلف ہے کیونکہ علاج علت کی ضد ہوتا ہے اور جو ہو اس کی بیخ کنی علاج سے مقصود ہوتی ہے اور اس کا بیان بالاستیعاب کرنا تو طوالت چاہتا ہے مگر طریق علاج ہم بعض مثالوں میں بتلا دیتے ہیں مثلاً آدمی شہوت زنا سے صبر کرنے کا محتاج ہے اور یہ شہوت اس پر اتنی غالب ہے کہ اس سے اپنی شرمگاہ کو روکتا ہے آنکھ کے روکنے پر قادر نہیں یا اس پر بھی قادر ہے نفس پر قادر نہیں کہ وہ ہمیشہ مقتضیات شہوت میں پھنساتے رکھتا ہے اور ذکر اور فکر اور اعمال صالحہ کی مواظبت بایں وجہ نہیں ہو سکتی تو اس کا علاج یہ ہے کہ پہلے مذکور ہو چکا کہ باعثِ دینی اور باعثِ ہوای میں کشتی ہوتی رہتی ہے اب اگر ہم کو یہ منظور ہو کہ دونوں کشتی والوں سے ایک جیت جائے اور دوسرا ہار جائے تو جس کو جتانا منظور ہو اس کی تقویت کرنی چاہیئے اور دوسرے کو دبانا چاہیئے اور چونکہ مثال مفروض میں صبر کا حاصل کرنا منظور ہے اور صبر جب ہی حاصل ہوتا ہے جب باعث دینی کو اپنے حریف پر غلبہ ہو اس لیے ضروری ہوا کہ باعثِ دینی کو تقویت دی جائے اور دوسرے کو کمزور کیا جائے تاکہ مدعا حاصل ہو باعثِ شہوت کے کمزور کرنے کے تین طریق ہیں اول تو یہ کہ اس کی قوت اصل دیکھیں کہ کہاں سے اس کو زور پہنچتا ہے تو معلوم ہو گا کہ شہوت کی حرکت اور قوت کی اصل عمدہ غذائیں ہیں باعتبار اقسام اور کثرت کے بس اصل ہی کو لینا چاہیئے، یعنی غذا کو منقطع کرنا چاہیئے اس طرح کہ ہمیشہ روزہ رکھیں اور افطار کے وقت کچھ تھوڑی سی غذا کمزور جنس کی کھالیں، مثلاً گوشت وغیرہ غذائیں جن سے شہوت ہو ترک کر دیں، دوسرے یہ کہ جو اسباب شہوت بالفعل موجود ہوں ان کو دور کرنا چاہیئے یعنی ہیجان شہوت کا باعث نظر ہوتی ہے اس لیے کہ نظر سے دل کو حرکت ہوتی ہے اور دل سے شہوت کو تو اس سے احتراز ضروری ہے بایں طور کہ عزلت اختیار کریں اور جہاں شبہ بھی اچھی صورتوں کے دیکھنے کا ہو وہاں سے کوسوں بھاگیں حدیث شریف میں ہے[اح] النظر سھم من سھام ابلیس اور یہ تیر وہ ملعون ایسا پھینکتا ہے کہ جس کے لیے کوئی ڈھال نہیں بجز اس کے کہ آنکھیں بند کی جائیں یا جس سمت سے وہ پھینکتا ہے وہاں سے ٹل جائیں اور یہ تیر وہ ملعون قوس ابرو سے خوباں سے مارتا ہے پس جب

اح دیکھنا ایک تیر ہے زہر کا بجھا شیطان کے تیروں سے، یہ حدیث کئی بار گذری ۱۲

آدمی خوبصورتوں کی سمت سے ٹل جائے گا تو تیر شیطانی اس کو نہ لگے گا۔ تیسرے یہ کہ نفس کو مباح چیز اسی جنس کی جس کی خواہش ہے دے کر تسلی دی جائے۔ مثلاً صورتِ مفروضہ میں نکاح سے نفس کو تسلی دی جائے اس واسطے جس چیز کو طبیعت چاہتی ہے وہ مباح میں موجود ہے پھر ممنوع کی کیا ضرورت ہے یہ علاج اکثر لوں کے حق میں مفید ہے پھر بھی اکثر مردوں کی شہوت کا استیصال اس سے نہیں ہوتا اسی واسطے حدیث شریف میں ہے عَلَيْكُمْ بِالْبَاءَةِ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّ الصَّوْمَ لَهُ وِجَاءٌ[ا ح] غرضکہ غذا موقوف کرنی سب کاموں سے آدمی کو کم زور کر دیتی ہے اور غذا کا موقوف کرنا ان تین علاجوں میں سے ایسا ہے جیسا سرکش جانور یا ایذا دہندہ کتے کو کھانا نہ دیں تاکہ ضعیف ہو کر اس کی قوت جاتی رہے۔ اور دوسرا علاج ایسا ہے جیسا کتے سے گوشت کو چھپا دیں اور جانور سے دانہ تاکہ نہ دیکھے نہ خواہش کرے اور تیسرا علاج ایسا ہے جیسا جانور یا کتے کی مرغوب چیز میں سے تھوڑی سی اس کو دیں تاکہ اتنی قوت اس میں رہے کہ تادیب پر صبر کر سکے اور باعث دینی کی تقویت دو طرح سے ہوتی ہے۔ اوّل تو نفس کے فوائد مجاہدہ اور دین و دنیا میں اس کے ثمرات کی طمع دلانی اس طرح کہ جو اخبار کہ صبر کی فضیلت میں اور دین و دنیا میں اس کے انجام کے بہتر ہونے میں ہم نے لکھے ہیں ان میں کثرت سے تامل کرے اور ایک روایت میں آیا ہے کہ ثواب مصیبت پر صبر کا فوت ہونے والی چیز سے زیادہ ہوتا ہے اور اسی وجہ سے ایسی مصیبت پر اس کی غبطہ کی جاتی ہے اس واسطے کہ اس کے پاس سے ایسی ہی چیز گئی ہے جو صرف زندگی بھر اس کے پاس رہتی اور اس کو حاصل ایسی چیز ہوتی جو بعد موت اس کے ساتھ ابدالآباد تک رہے گی اس کی مثال ایسی ہی ہوئی کہ کوئی شخص بیع سلم اس طرح کرے کہ نکمی چیز دیدے اور آئندہ عمدہ چیز لینی طے کرے تو ظاہر ہے کہ اس کو اس ادنیٰ شئے پر غم نہ کرنا چاہیئے مگر یہ امر متعلق معرفت سے ہے اور از قبیل ایمان ہے اور کبھی یہ معرفت قوی ہوتی ہے اور کبھی ضعیف۔ اس کی قوت سے باعثِ دینی کو بڑی قوت ہو جاتی ہے اور بہت جوش اس میں پیدا ہوتا ہے اور اس کے ضعف سے اس میں ضعف آجاتا ہے اور اس معرفت یعنی قوتِ ایمانی کو یقین کہا کرتے ہیں جو عزیمتِ صبر کا محرک ہے۔ مگر بفحوائے حدیث مذکورہ سابق آدمیوں کو یقین اور عزیمتِ صبر کم تر عنایت ہوئے ہیں۔ دوسرا طریق یہ ہے کہ باعثِ دینی کی باعثِ ہویٰ کے پچھاڑنے کا آہستہ آہستہ ربط ڈالے یہاں تک کہ مزہ فتح کا اس کو معلوم ہو اور یکبارگی اس پر دلیر ہو جائے اور اس کا پچھاڑنا کچھ بڑی بات نہ سمجھے کیونکہ عادت اور مہارت محنت کے کاموں کی ان قویٰ کو مضبوط کر دیتی ہے جن سے وہ اعمال صادر ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے طاقت پلہ داروں اور کسانوں اور سپاہیوں کی زیادہ ہوتی ہے اور جو محنت کا کام کرتے ہیں وہ درزیوں اور عطاروں اور فقہاء صلحاء سے زور آور ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ ان لوگوں کے قویٰ مہارت سے مضبوط نہیں ہوتے۔ ان دو علاجوں میں سے پہلا علاج تو ایسا ہے جیسا کشتی گیر کو وعدہ کیا جائے کہ اگر پچھاڑو گے تو تم کو خلعت ملے گی۔

[ا ح] لازم پکڑو اپنے اوپر نکاح کو اور جسکو طاقت نہ ہو تو وہ روزہ اپنے اوپر لازم کرے کہ روزہ رکھنا اس کے حق میں خصی ہونا ہے ۱۲ جلد دوم باب النکاح میں گزری ۱۲

اور انواع و اقسام کے انعام دیئے جائیں گے۔ جیسے فرعون نے ساحروں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابل کہا تھا کہ اگر تم جیتو گے تو تم کو مقرب کروں گا اور دوسرا علاج ایسا ہے کہ اگر کسی لڑکے کو کشتی اور سپہ گیری سکھانی منظور ہو تو لڑکپن ہی سے اس کو ان فنون کے لوازم کا عادی کرتے ہیں تاکہ ان سے الفت ہو اور جرأت و قوت بڑھے۔ پس جو شخص سرے سے صبر کے ساتھ مجاہدہ ہی چھوڑ دے اس میں باعث دینی کمزور ہو جاوے گا اور ایسا دب جاوے گا کہ شہوت گو ضعیف اور قلیل ہی ہو اس پر غالب نہ آوے گا اور جو شخص اپنے نفس کو خواہش نفسانی کے خلاف پر عادی کرے گا وہ جس وقت چاہے گا شہوت پر غالب ہو سکتا ہے۔ یہ طریق علاج کا صبر کے تمام اقسام میں ہے اور ہر چند سب کا بیان کرنا دشوار ہے مگر سب میں سخت باطن کا روکنا ہے حدیث نفس سے خصوصاً ایسے شخص پر جو اسی کا ہو رہے یعنی شہوات ظاہری کا استیصال کر کے عزلت نشینی اختیار کرے اور مراقبہ اور ذکر و فکر کے نیچے بیٹھ رہے کیونکہ ایسے شخص کو وسواس ادھر سے ادھر لیے پھرتا ہے اور اس کا کوئی علاج بجز اس کے نہیں کہ ظاہری و باطنی علاقوں کو توڑ کر زن و فرزند و مال و جاہ و دوست آشنا سے یکسو ہو اور قدر قلیل قوت لے کر کسی گوشے میں بیٹھ رہے اور اسی پر قانع ہو اور سب امور جب کافی ہوں گے جب ہمہ تن ہمت ایک ہی طرف کرے گا یعنی دھیان بجز خدائے تعالیٰ کے اور کسی چیز کا نہ رہے گا، اور جب دل پر یہ خیال غالب ہو گا تو یہ بھی کارآمد نہیں جب تک کہ فکر کی جولانی سے ملکوت آسمان و زمین اور عجائب صنع خالق اور تمام اقسام معرفت الٰہی کی سیر باطنی نہ کرے جب یہ معاملہ نصیب ہو گا تب البتہ شیطان کے وسواس کی کشاکشی میں مشغول ہونا دور ہو گا اور اگر سیر باطنی میسر نہ ہو تو صورت نجات یہ ہے کہ اوراد و وظائف ہر لحظہ میں برابر پڑھتا رہے مثلاً تلاوت اور ذکر اور نماز سے کوئی دم خالی نہ رہے اور اس کے ساتھ ہی تکلیفِ دل کو حاضر کرے کیونکہ ظاہر کے ورد و وظیفہ سے مشغولی دل نہیں ہوتی باطن کی فکر ہی سے ہوتی ہے جب یہ سب باتیں کر لے گا تو صرف بعد وفات کا فکر رہ جاوے گا اس لیے کہ تمام اوقات میں کوئی نہ کوئی حادثہ ایسا بھی پیدا ہو جاتا ہے جو مانع ذکر و فکر ہو۔ مثلاً مرض اور خوف اور کسی کی ایذا رسانی اپنے آپ کو اور ملنے والے کی نافرمانی وغیرہ کو عزلت میں خواہ مخواہ ایسے شخص سے ملنے کی ضرورت پڑتی ہی ہے جو اسباب معیشت میں اعانت کرے غرض یہ سب باتیں مانع ذکر و فکر ہیں۔ اور چند امور اور بھی ہیں کہ ان کی نسبت کرنا زیادہ ضروری ہے مثلاً کھانے اور لباس اور اسباب معاش میں مشغول ہونا کہ ان کے لیے بھی ایک وقت چاہیے بشرطیکہ خود کفیل ان کی تیاری کا ہو اور اگر کوئی دوسرا شخص کفیل ہو تو یہ امور اس کے دل کے مانع ہوں گے مگر بعد کل علاقوں کے قطع کر ڈالنے کے اکثر اوقات صاف ہی رہیں گے اگر کوئی مصیبت نہ آجاوے۔ اور ان اوقات میں دل صاف ہو جاتا ہے اور فکر آسان ہو جاتا ہے اور اسرارِ الٰہی ملکوت آسمان و زمین کے ایسے منکشف ہوتے ہیں کہ باوجود علائق کے مدت دراز میں ان کا سوال حصہ بھی منکشف نہیں ہوتا اور اس رتبے پر عارف کا پہنچنا

اقصائے مراتب میں سے ہے جس پر کہ انسان اپنی کوشش سے پہنچ سکتا ہے لیکن مقدار منکشف ہونے کی اور الطاف الٰہی کے وارد ہونے کی احوال و اعمال میں معلوم نہیں اس کا حال شکار اور رزق کا سا تصور کرنا چاہیئے کہ بعض اوقات تھوڑی سی محنت میں بڑا شکار ہاتھ لگ جاتا ہے اور بعض اوقات بہت سی محنت میں تھوڑا ہی ملتا ہے اور اس میں اپنی کوشش کو کچھ دخل نہیں صرف کشش الٰہی پر اعتماد ہے جو ثقلین کے اعمال کے مقابل ہے اور بندے کا اختیار اس پر کچھ نہیں، ہاں بندے کا اختیار اتنا ہے کہ اپنے آپ کو مستعد اس کشش کا کر دے بایں طور کہ اپنے دل سے جو باتیں کہ دنیا کی طرف کھینچتی ہیں ان کو قطع کر دے اس لیے کہ کشش اوپر کو جب ہی ہو گی جب نیچے کے تنے کاٹ ڈالے جاویں گے چنانچہ حدیث شریف میں انہیں علائق دنیاوی کے قطع کا اشارہ ہے کہ فرمایا اِنَّ لِرَبِّکُمْ فِی اَیَّامِ دَھْرِکُمْ نَفَحَاتٍ اَلَا فَتَعَرَّضُوْا لَھَا[1]۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان نفحات اور جذبات الٰہی کے لیے اسباب آسمانی ہیں کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُکُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ[2] اور کشش الٰہی اور معرفت سے بڑھ کر کون سا رزق ہے اور امور آسمانی ہماری نظروں سے غائب ہیں ہم کو معلوم نہیں کہ کس وقت اللہ تعالیٰ رزق کے اسباب ہم کو میسر کرے گا تو صرف ہم کو اسی قدر چاہیئے کہ جگہ کو خالی کر کے منتظر نزول رحمت اور وقت معین کے رہیں جیسے کوئی زمین کو جوت کر اور گھاس کوڑے کو صاف کر کے بیج ڈالے تو اس کو یہ مفید نہ ہو گا جب تک کہ مینہ نہ برسے اور اس کو معلوم بھی نہیں کہ سامان باران رحمت کب ہو گا مگر چونکہ خدا کے فضل پر اعتماد ہوتا ہے کہ کوئی برس مینہ سے خالی نہیں رہتا اس لیے یہ سب محنت گوارا کرتا ہے۔ اسی طرح کوئی سال اور مہینہ اور دن جذبۂ یزدانی اور کشش و نفحۂ رحمانی سے خالی نہیں گذرتا پس بندے کو چاہیئے کہ اپنے دل کو شہوات کے کوڑے سے صاف کرے اور اس میں تخم ارادت بو دے اور مہب ریاح رحمت کے سامنے کر دے اور جس طرح کہ بادل دیکھ کر خواہ اوقات برسات میں مینہ برسنے کی زیادہ توقع ہوتی ہے اسی طرح ان نفحات کے نزول کی توقع اوقات شریفہ اور اجتماع ہمت اور قلوب کی مساعدت کے وقت زیادہ تر ہے۔ مثلاً عرفہ کے روز یا جمعہ کے روز یا رمضان وغیرہ ساعات اجابت میں اس لیے کہ ہمتیں اور انفاس بھی خدا کے حکم سے اسباب نزول رحمت الٰہی ہیں کہ ان کے طفیل سے قحط سالی میں مینہ برس جاتا ہے۔ جب پہاڑوں کے اطراف اور سمندروں کے جوانب ان کے طفیل پانی کے قطرات کی درخواست ہوتی ہے تو خزائن ملکوت سے بارش مکاشفات اور معارف لطیفہ کی استدعا کرنی زیادہ تر مناسب ہے، بلکہ احوال و معارف آدمی کے ساتھ دل میں موجود ہیں مگر اس وجہ سے کہ علائق اور شہوات اس میں اور ان معارف میں حجاب ہو رہے ہیں اسی لیے ان کی

---

[1] تمہارے رب کو تمہارے زمانے کے دنوں میں نفحات ہیں سن لو کہ تم ان کے سامنے ہو جاؤ ۱۲ جلد اول جمعہ کے بیان میں گذری ۱۲

---

[2] اور آسمان میں ہے روزی تمہاری اور جو کچھ تم سے وعدہ کیا ۱۲

طرف پرواہ نہیں کرتا اس صورت میں آدمی کو اتنی ہی حاجت ہے کہ اس حجاب کو دُور کر دے تا کہ انوارِ معارف دل کے اندر سے چمکنے لگیں۔ اور ظاہر ہے کہ زمین کے پانی کا نمود کرنا اس طرح سہل اور قریب تر ہے کہ کھود کر پانی ظاہر کر دیا جائے اور دُور دراز جگہ سے پانی کا اس میں لانا وقت رکھتا ہے خصوص ایسی جگہ سے جو اس سرزمین کی نسبت پست ہو اور چونکہ معارفِ ایمانی دِل میں حاضر ہیں اور انسان ان کی طرف سے بے پرواہ ہو کر ان کو بھولا ہوا ہے۔ اس لیے خدا تعالیٰ نے تمام معارفِ ایمانی کو لفظ تذکرہ سے بیان فرمایا۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ت١ اور فرمایا وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ت٢ پس وسواس اور شواغل کا یہ علاج ہے اور یہ مرتبہ درجاتِ صبر میں سے سب سے بعد ہے اور تمام علائق سے صبر کرنا خواطر اور وساوس پر صبر کرنے سے مقدم ہے۔ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ دنیا سے آخرت کی طرف چلنا سہل ہے مگر حق کے مقابل میں خلق کا چھوڑنا سخت ہے اور نفس سے گریز کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف جانا اور بھی سخت ہے اور اللہ کے ساتھ صبر کرنا سب سے زیادہ سخت ہے۔ اس قول میں اوّل آپ نے شدّت اور سختی صبر کی شواغل دلی سے بیان فرمائی اس کے بعد خلق کے چھوڑنے کی سختی کا ذکر کیا اور نفس پر سب علائق سے زیادہ شدید خلق کا علاقہ اور محبت جاہ ہے اس واسطے کہ ریاست اور غلبہ اور تعلّی اور حاکم ہونے کا مزہ دنیا کی سب لذّات سے عاقلوں کے نفس پر غالب ہے اور یہ چسکا کس طرح غالب نہ ہوگا حالانکہ مقصود اس سے ایک ایسی صفت ہے جو قلب انسانی کو طبعاً محبوب اور مطلوب ہے اور صفت اوصافِ الٰہی میں سے ہے جس کو ربوبیّت کہتے ہیں اور وجہ ربوبیت کے محبوب ہونے کی قلب کو یہ ہے کہ اس میں مناسبت امور ربوبیّت سے پائی جاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ت٣ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ اور قلب کو محبت ربوبیّت کی ہوتی بُری نہیں بلکہ اس کی مذمّت اس وجہ سے ہوتی ہے کہ شیطان لعین جو عالم امر سے دور کرنے والا ہے اس کو بہکا کر دھوکے میں ڈال دیتا ہے یعنی وہ مردود قلب پر اس وجہ سے حاسد ہے کہ یہ عالمِ امر سے کیوں ہے اس وجہ سے کہ اس کو بہکا کر گمراہ کرتا ہے ورنہ طلب ربوبیت میں دل کے لیے کچھ بُرائی نہیں بلکہ وہ تو عین سعادتِ اخروی ہے کیونکہ اگر واقع میں ربوبیت کا طالب ہے تو گویا ایسی بقا چاہتا ہے جس کو فنا نہ ہو ایسی عزت کا طالب ہے جس میں ذلت نہ ہو اور ایسا امن چاہتا ہے جس میں خوف نہ ہو اور ایسی تونگری کا خواہاں ہے جس میں افلاس نہ ہو اور اس کمال کا متمنی ہے جس میں نقصان نہ ہو یہ سب باتیں ربوبیت کی ہیں اگر انسان ان کا طالب ہو تو کسی طرح قابل مذمّت نہیں۔ بلکہ بندے پر فرض ہے کہ ایسے ہی ملک یعنی سلطنت کا طالب ہو جس کا اور چھور نہ ملے اور جو شخص طالب ملک ہوتا ہے وہ برتری اور عزت کمال

ت١ اور تا سوچ کریں عقل والے ۱۲ ت٢ اور ہم نے آسان کیا قرآن سمجھنے کو پھر ہے کوئی سوچنے والا ۱۲

ت٣ تو کہہ روح ہے میرے رب کے حکم سے ۱۲

کا خواہاں پہلے ہوتا ہے۔ لیکن ملک دو ہیں ایک ملک تو وہ ہے جس میں اقسام کے رنج ملے ہوئے ہیں اور پا بر کاب مگر جلد دستیاب ہے یہ ملک تو دنیا میں ہے اور ایک ملک وہ ہے جس میں دوام اور بقا ہے اور کدورت والم نام و نشان کو اس میں نہیں نہ کسی کے روکنے سے موقوف ہو مگر وہ دیر کو ملے اس کا نام ملک آخرت ہے اور از انجا کہ انسان جلد باز پیدا ہوا ہے اور حال کی چیز کو مآل پر ترجیح دیتا ہے۔ تو شیطان نے اس کی طبیعت جلدی کی طرف راغب دیکھ کر اسی ملک موجود دنیاوی کو اس کی نظروں میں آراستہ کیا اور اس کے مزاج میں حمق معلوم کر کے آخرت کے باب میں اس کو مغالطہ دے دیا اور ملک دنیا کے ہوتے ہوئے ملک آخرت کی توقع اس کے دل میں ڈال دی۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے[1] والاحمق من اتبع نفسه هواها وتمنى على الله تعالى پس جس کو توفیق رفیق نہ ہوئی وہ تو اس کے مغالطے میں پڑ کر حتی الوسع دنیا کی عزت و سلطنت کی طلب میں مشغول ہوا اور جو شخص توفیق سے بہرہ یاب ہوا وہ اس کے جال میں نہ آیا کیونکہ اس کو اس لعین کی گھاتیں خوب معلوم تھیں اس لیے اس نے اس سلطنتِ حال سے روگردانی اختیار کی خداوند کریم نے اوّل قسم کے لوگوں کا حال کلام مجید میں یوں ارشاد فرمایا ہے[2] كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُونَ الْآخِرَةَ اور فرمایا[3] إِنَّ هَٰؤُلَاءِ يُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُونَ وَرَاءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيلًا اور فرمایا[4] فَأَعْرِضْ عَمَّنْ تَوَلَّىٰ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ذَٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِنَ الْعِلْمِ اور جبکہ مکر شیطان کا تمام خلق میں پھیل گیا اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اپنے رسولوں کے پاس بھیجا اور ان کو طریق اس دشمن کے ہلاک کرنے اور بہکانے کا بتلایا اسی لیے تمام انبیاء علیہم السلام خلق کو ملک و سلطنت مجازی سے کہ اگر بالفرض مل بھی جاوے تو بے اصل اور مطلقاً فانی ہے حقیقی ملک کی طرف بلانے میں مشغول ہوئے چنانچہ انہیں کا ارشاد خلق کو کلام مجید میں مذکور ہے کہ انہوں نے یہ فرمایا ہے[5] يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ انْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ أَرَضِيتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ۝ غرضکہ توریت اور انجیل اور زبور اور قرآن اور صحیفے حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے اور ہر ایک آسمانی کتاب اسی لیے اتری ہیں کہ خلق کو سلطنت دائمی کی طرف بلادیں اور منظور یہی ہے کہ سب لوگ دنیا میں بھی شاہ رہیں اور آخرت میں بھی بادشاہ، دنیا کی شاہی سے یہ غرض ہے کہ اس میں زہد اختیار کریں اور تھوڑی سی شے پر قناعت کریں اور آخرت کی بادشاہی سے یہ مقصود ہے

---

[1] احمق وہ ہے کہ اپنے نفس کو اس کی خواہشوں کا تابع کرے اور اللہ تعالیٰ پر تمنا کرے ۱۲ جلد سوم میں گذری [2] ت کوئی نہیں پر تم چاہتے ہو شتاب ملتے اور چھوڑتے ہو دیر آنے ۱۲ [3] ت یہ لوگ جانتے ہیں شتاب ملنے والے کو اور چھوڑ رکھا ہے اپنے پیچھے ایک دن بھاری ۱۲ [4] ت سو تو دھیان نہ کر اس پر جو منہ موڑے ہماری یاد سے اور کچھ نہ چاہے مگر دنیا کا جینا یہاں ہی تک پہنچی ان کی سمجھ ۱۲ [5] ت اے ایمان والو کیا ہوا ہے تم کو جب کہا جاتا ہے تم سے کوچ کرو اللہ کی راہ میں دبے جاتے ہو زمین پر کیا ریجھے ہو دنیا کی زندگی پر آخرت چھوڑ کر سو کچھ نہیں دنیا کا برتنا آخرت کے حساب میں مگر تھوڑا۔

کہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر کے وہ بقا حاصل کریں جس کو فنا نہ ہو اور وہ عزت پاویں جس میں ذلت نہ ہو اور مستحق ایسی خنکیٔ چشم کے ہوں جو اس عالم سے مخفی ہے اور کوئی نفس اس کو نہیں جانتا اور شیطان خلق کو سلطنتِ دنیا کی طرف بلاتا رہتا ہے۔ اس لیے کہ جانتا ہے کہ اس کی وجہ سے سلطنتِ اخروی ان سے فوت ہو جاوے گی کیونکہ دنیا اور آخرت دو سوتیں ہیں۔ ایک کے ہوتے دوسری نہیں رہتی اور یہ بھی اس کو معلوم ہے کہ دنیا کسی کے پاس نہیں رہتی اسی وجہ سے اس کی طرف راغب کرتا ہے اور اگر کسی کے پاس رہتی تو اس پر بھی حسد کرتا مگر طرح طرح کے جھگڑے اور کدورتیں اور بڑی بڑی مشقتیں اور تدبیرات کرنی پڑتیں اور تمام اسباب جاہ کے لیے ایسا ہی کچھ سامان ہوتا ہے پھر اگر اسباب درست ہوئے اور دنیا بھی مل گئی تو عمر فنا ہو جاتی ہے گویا یہ صورت پیش آتی ہے حَتّٰی اِذَا اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّیَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَیْهَآ اَتٰهَآ اَمْرُنَا لَیْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِیْدًا کَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ [ت ۱] اور اس کی مثال اور بھی خدائے تعالیٰ نے بیان فرمائی وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا کَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِیْمًا تَذْرُوْهُ الرِّیٰحُ [ت ۲] اور زہد دنیا میں چونکہ سر دست کی سلطنت ہے اس لیے شیطان نے اس پر حسد کی اور آدمی کو اس پر روک دیا اور زہد کو سلطنت اس وجہ سے کہتے ہیں کہ زہد کے معنی ہیں کہ آدمی اپنی شہوت اور غضب کا مالک ہو جاوے اور یہ دونوں چیزیں باعثِ دینی اور اشارہ ایمان کے مطیع ہو جاویں تو واقع میں سلطنت اسی کو کہنا چاہیے اس لیے کہ اس کے باعث آدمی آزاد ہو جاتا ہے ورنہ اگر شہوت غالب ہووے تو انسان بندۂ شکم خواہ بندہ شرمگاہ خواہ اور کسی غرض کا ہو جاتا ہے اور چوپایہ کی طرح اسی کی قید میں پڑ جاتا ہے شہوت کی رسی گردن میں ہوتی ہے جدھر چاہتی ہے ادھر لیے پھرتی ہے، مقام غور ہے کہ انسان کو کیسا بڑا دھوکا ہے کہ شہوت کے غلام ہونے کو تو سلطنت کا ملنا خیال کرتا ہے اور دوسری چیز کا بندہ ہو کر گمان کرتا ہے کہ ربوبیت کو پہنچ جاوے گا پس ایسا شخص بجز اس کے کہ دنیا میں بھی معکوس رہے اور آخرت میں بھی منکوس اور کیا تصور ہو سکتا ہے۔ اسی وجہ سے جب کسی بادشاہ نے ایک زاہد سے کہا کہ تم کو کچھ حاجت ہے انہوں نے جواب دیا کہ میں تم سے کیا حاجت مانگوں میری سلطنت تمہاری سلطنت سے بڑی ہے اس نے پوچھا کہ کس طرح انہوں نے کہا جس کے تم غلام ہو وہ میرا غلام ہے اس نے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے انہوں نے کہا کہ تم اپنی شہوت اور غضب اور فرج و شکم کے بندے ہو اور میں ان سب کا مالک ہوں وہ میرے غلام ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ واقعہ میں دنیا میں سلطنت زہد ہی ہے اور اسی کے باعث سلطنت اخروی ملتی ہے پس جو شخص کہ شیطان کے

ت ۱ یہاں تک کہ جب پکڑی زمین نے چمک اور سنگار پر آئی اور اٹکلے زمین والے کہ یہ ہمارے ہاتھ میں لگی ہے اس پر پہنچا ہمارا حکم رات کو یا دن کو آیا سو کر ڈالا اس کو کاٹ کر ڈھیر گویا کل کو یہاں نہ تھی بستی ۱۲ ت ۲ اور بتا ان کو کہاوت دنیا کی زندگی کی جیسے پانی اتارا ہم نے آسمان سے پھر بڑھ کر نکلا اسی زمین کا سبزہ پھر کل کو ہو رہا چورا باد میں اڑتا ہوا ۱۲

مغالطے میں آ گئے ان کو دنیا و آخرت دونوں میں خسارہ ہوا اور جن کو راہِ راست پر قائم رہنے کی توفیق ملی وہ دونوں چیزوں پر کامیاب ہوئے اور جس وقت کہ معنی سلطنت اور ربوبیت اور تسخیر اور عبودیت کے معلوم ہوتے اور شیطان کے دھوکا دینے کا طریق اور اس کا تعمیہ اور تلبیس بھی معلوم ہوا تو آدمی پر ملک وجاہ دنیاوی سے اعراض کرنا اور اس کے فوت ہونے پر صابر ہونا آسان ہو گیا۔ اس واسطے کہ ان کے چھوڑنے سے سردست سلطنت پاوے گا اور سلطنت اخروی کی توقع ہو گی اور جو شخص کہ ان باتوں کو جاہ کے ساتھ مالوف و مانوس ہونے کے بعد جانے اور اس کے اسباب کا مباشر ہونا عادت کی وجہ سے اس کے دل میں جما ہوا ہو تو ایسے کے لیے فقط ان باتوں کا جاننا ہی علاج کے واسطے کافی نہ ہو گا جب تک کہ اس علاج پر کچھ عمل نہ بڑھاوے اور عمل کے واسطے تین باتیں ہیں اوّل یہ کہ جاہ کی جگہ سے بھاگ جاوے۔ ان صورتوں کے دیکھنے سے بھاگنا ضروری ہے جو محرک شہوت ہوں اور جو شخص ایسا نہ کرے گا وہ وسعت زمین کی نعمت میں جو خدائے تعالیٰ نے دی ہے اس کا ناشکر ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ت ۱ الم تکن ارض اللہ واسعۃ فتھاجروا فیھا۔ دوسرے یہ کہ اپنے نفس کو ایسے اعمال کا بتکلف پابند کرے جو خلاف عادت سابقہ ہوں مثلاً اگر بناؤ سنگار کا عادی ہو تو اس کو یک لخت موقوف کرے اور ذلیلوں کی سی طرح ہو جاتے اور پُر تکلف لباس کو چھوڑ کر تواضع اور مسکنت کا جامہ اپنے بدن پر راست کرے اسی طرح ہر ایک صورت اور ہر حالت اور فعل کو مکان اور لباس اور اکل و شرب اور نشست و برخاست میں بدل ڈالے صرف مقتضائے حاجت کے موافق ہر ایک رکھے اور عادتِ گذشتہ کی ضدیت ملحوظ رکھے یہاں تک کہ یہ نئے افعال و احوال ہی طبیعت میں جم جاویں اور انہیں کا عادی ہو جاوے اس واسطے کہ علاج سے غرض یہی ہے کہ جن عادات سے کوئی خرابی ہوتی ہو ان کی ضد اختیار کرے۔ تیسرے یہ کہ علاج کرنے میں تلطف اور آہستگی کا لحاظ رہے۔ ایسا نہ کرے یکبارگی پرلے سرے کی حقارت و ذلت اختیار کر لے اس لیے کہ طبیعت انسانی میں وحشت بھی ہوتی ہے اس کیلئے اخلاق کو چھڑانا بدون آہستگی ممکن نہیں پس بہتر یہ ہے کہ اوّل بعض افعال کو ترک کرے اور جب بقیہ پر قانع ہو جاتے تو ان میں سے کچھ اور چھوڑ دے اسی طرح تھوڑے تھوڑے چھوڑ کر بالکل کا استیصال کرے یہاں تک کہ جو صفات اس میں جمے ہوئے ہوں وہ سب جاتے رہے اور اسی تدریج اور آہستگی کی طرف اشارہ ہے اس حدیث[ح] شریف میں کہ ان ھذا الدین متین فاوغل فیہ برفق ولا تبغض الی نفسک عبادۃ اللہ اور اس حدیث[ح] میں بھی اسی کی طرف اشارہ ہے لا تشادو ھذا الدین فان من یشادہ یغلبہ اب اس بیان کو جو ہم نے وسواس اور شہوات اور جاہ سے صبر کرنے میں ذکر کیا ہے اس بیان پر اضافہ کر لو جو ہم

ت ۱ کیا نہ تھی زمین اللہ کی کشادہ کہ وطن چھوڑ جاؤ وہاں ح یہ دین مضبوط ہے اس میں نرمی سے داخل ہوا اور اپنے نفس پر خدا تعالیٰ کی عبادت کو گراں مت کرو ۱۲ جلد اول باب دہم میں گذری ۱۲ ح اس دین کا مقابلہ مت کرو جو اس کا مقابلہ کرے گا اس پر یہ غالب ہو جاوے گا ۱۲ جلد اول باب دہم میں گذری ۱۲ عـہ فاوغل الخ ایغال در درپہنچنا با تیزی و مبالغہ کرنا ۱۲

جلد ثالث کے باب ریاضتِ نفس میں طریقِ مجاہدہ کے قوانین کے حال میں لکھ آئے ہیں۔ اور پھر سب کو دستور العمل کر لو تاکہ سب اقسام صبر مفصلۂ سابق کا علاج معلوم ہو جاوے کیونکہ تفصیل ہر ہر فرد کی جدا گانہ طویل ہے اور جو شخص کہ تدریج کی مراعات مدنظر رکھے گا صبر اس کو ایسے حال پر پہنچا دے گا کہ بدون اس کے چین نہ پڑے گا جیسا کہ پہلے صبر کی چیز کے بدون چین نہ تھا۔ غرض معاملہ بالکل برعکس ہو جاوے گا کہ جو چیز پہلے محبوب تھی وہ مبغوض ہو جاوے گی اور جو ناپسند تھی اس کے بدون صبر نہ آسکے گا اور یہ بات ایسی عیاں ہے کہ تجربہ اور مشاہدے سے بھی ثابت ہو سکتی ہے دیکھو لڑکے کو اوّل روز پڑھنے بٹھلاتے ہیں اور جبراً قہراً سیکھتا ہے اور کھیلنے سے صبر کرنا اس کو نہایت شاق ہوتا ہے اور علم میں مشغول رہنے پر صبر نہیں کر سکتا اور اسی کی طرف اشارہ ہے اس روایت میں جو بعض عارفین سے منقول ہے کہ انہوں نے حضرت شبلیؒ سے سوال کیا کہ کونسا صبر سخت زیادہ ہے انہوں نے فرمایا کہ خدا کے باب میں صبر کرنا۔ عارف نے کہا کہ یہ نہیں انہوں نے فرمایا کہ خدا کے واسطے صبر کرنا اس نے جواب دیا کہ یہ بھی نہیں آپ نے فرمایا کہ خدا کے ساتھ صبر کرنا یعنی مشغول بخدا رہنا عارف نے کہا یہ بھی نہیں تب آپ نے پوچھا کہ پھر کونسا صبر سخت ہے آپ ہی بتلائیں عارف نے فرمایا خدا سے صبر کرنا یہ سنکر شبلیؒ نے ایک ایسی چیخ ماری کہ قریب تھا کہ روح فنا ہو جاتے۔ سچ ہے شعر

عشق شور انگیز باید مرد را ناصلاتے در زہد ایں درد را

ارشادِ خداوندی[ت۱] اصبروا وصابروا ورابطوا کے معنوں میں بعضوں نے یہ فرمایا ہے کہ صبر کرو خدا کے باب میں اور مصابرت کرو بخدا اور لگے رہو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور بعض اکابر کا قول ہے کہ خدا کے واسطے صبر کرنا رنج و عنا ہے اور صبر بخدا دوام اور صبر از خدا جفا شعر

صبر کرنا جملہ چیزوں میں گنا جاتا ہے خوب لیک تم سے صبر کرنا رکھتا ہے انجام بد

علوم و اسرار صبر کی شرح ہو چکی، اب بیان شکر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

دوسری فصل شکر کا بیان

اوّل میں خود شکر کا بیان ہے۔ دوسرے میں نعمت کی تعریف اور اس کے اقسام خاص و عام کا ذکر، تیسرے میں اس بات کی کیفیت کہ صبر اور شکر میں سے افضل کونسی چیز ہے

شکر کا ذکر ——— اس کی فضیلت

جاننا چاہیے کہ خداوند کریم نے اپنی کتاب مجید میں شکر کو ذکر کے ساتھ بیان فرمایا باوجودیکہ یہ بھی ارشاد فرمایا ہے ولذکر اللہ اکبر یعنی ذکر خدا بہت بڑا ہے۔ پس ارشاد ہے

ت ۱ ثابت رہو مقابلے میں اور مضبوطی کرو اور لگے رہو ۱۲

فَاذْکُرُوْنِیْ اَذْکُرْکُمْ وَاشْکُرُوْا لِیْ وَلَا تَکْفُرُوْنِ[ت۱] ۔ ایسی بڑی چیز کے ساتھ اس کا ذکر کرنا کمال فضیلت پر دال ہے اور فرمایا[ت۲] مَا یَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِکُمْ اِنْ شَکَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ اور فرمایا[ت۳] وَسَنَجْزِی الشّٰکِرِیْنَ اور ابلیس لعین کے قول کو جو نقل فرمایا ہے[ت۴] لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِیْمَ اس میں صراطِ مستقیم کے معنی بعض مفسرین نے طریق شاکرین کہے ہیں اور چونکہ شکر رتبہ عالی رکھتا ہے اس لیے اس ملعون نے خلق کو یہ طعن کیا[ت۵] وَلَا تَجِدُ اَکْثَرَهُمْ شٰکِرِیْنَ اور خدا تعالیٰ نے ارشاد فرمایا[ت۶] وَقَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّکُوْرُ اور شکر کے ساتھ زیادتی نعمت کو قطعاً ارشاد فرمایا اور اس میں استثناء نہیں کیا جیسا کہ ارشاد فرمایا ہے[ت۷] لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ حالانکہ پانچ اور نعمتوں میں یعنی غنی کرنے اور دعا قبول فرمانے اور روزی دینے اور مغفرت کرنے اور توبہ قبول کرنے میں استثناء کا ذکر فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔[ت۸] فَسَوْفَ یُغْنِیْکُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖۤ اِنْ شَآءَ اور[ت۹] فَیَکْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَیْهِ اِنْ شَآءَ اور[ت۱۰] یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ اور[ت۱۱] وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ اور[ت۱۲] وَیَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ اس سے معلوم ہوا کہ شکر نہایت عمدہ چیز ہے کہ اس میں قید اپنی مشیت کی نہیں رکھی قطعی وعدہ زیادتی نعمت فرمایا اور کیوں نہ ہو کہ شکر ایک خلق ہے اخلاق ربوبیت میں سے اس لیے کہ خدا تعالیٰ اپنے آپ کو فرماتا ہے وَاللّٰهُ شَکُوْرٌ حَلِیْمٌ یعنی خدا تعالیٰ صاحب شکر اور حلم والا ہے۔ علاوہ ازیں شروع کلام اہل جنت کا شکر ہی ہے چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔[ت۱۳] وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ اور[ت۱۴] وَاٰخِرُ دَعْوٰهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اور احادیث بھی فضیلت شکر میں بہت ہیں چنانچہ ایک حدیث[ح۱۵] میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ[ح۱۶] اَلطَّاعِمُ الشَّاکِرُ بِمَنْزِلَةِ الصَّائِمِ الصَّابِرِ اور حضرت عطاءؒ سے روایت ہے[ح۱۷] کہ میں ایک بار حضرت عائشہؓ کی خدمت میں گیا اور عرض کیا کہ جو سب سے زیادہ عجیب حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آپ نے دیکھا ہو وہ مجھ سے بیان فرمایئے وہ رونے لگیں اور فرمانے لگیں کہ کونسی حالت آپ کی عجیب نہ تھی سب عادتیں عجیب ہی تھیں۔ ایک رات وہ میرے پاس تشریف لائے اور بستر پر یا لحاف میں میرے ساتھ لیٹے یہاں تک کہ ان کا بدن

ت ۱ تو تم یاد رکھو مجھ کو میں یاد رکھوں گا تم کو اور احسان مانو میرا اور ناشکری مت کرو ت ۲ کیا کرے گا اللہ تم کو عذاب کر کر اگر تم حق مانو اور یقین رکھو ت ۳ اور ہم ثواب دیں گے احسان ماننے والوں کو ۱۲ ت ۴ میں بیٹھوں گا ان کی تاک میں تیری سیدھی راہ پر ۱۲ ت ۵ اور نہ پاوے گا تو اکثر ان میں شکر گزار ۱۲ ت ۶ اور تھوڑے ہیں میرے بندوں میں حق ماننے والے ۱۲ ت ۷ اگر حق مانو گے تو اور دوں گا تم کو ۱۲ ت ۸ تو آگے غنی کرے گا تم کو اللہ اپنے فضل سے اگر چاہے ۱۲ ت ۹ پھر کھول دیتا ہے جس پر پکارتے تھے اگر چاہتا ہے ت ۱۰ روزی دیتا ہے جس کو چاہتا ہے بے قیاس ۱۲ ت ۱۱ اور اس کے نیچے بخشتا ہے جس کو چاہے ۱۲ ت ۱۲ اور اللہ توبہ دے گا جس کو چاہے ۱۲ ت ۱۳ اور وہ بولے شکر اللہ کا جس نے سچ کیا وعدہ اپنا ۱۲ ت ۱۴ اور تمام ان کی دعا اس پر کہ سب حمد ہے اللہ کو جو صاحب ہے سارے جہان کا ۱۲ ح ۱۵ کھانے والا شکر گزار مثل روزہ دار صابر کے ہے ۱۲ بخاری تعلیقاً و ترمذی و ابن ماجہ بروایت ابی ہریرہؓ ۱۲ ح ۱۶ ابن حبان بروایت عبدالملک ابن ابی سلیمان عن عطاء و مسلم بروایت عروہ عن عائشہؓ ۱۲

مبارک میرے بدن سے لگا پھر فرمایا کہ اے ابوبکرؓ کی بیٹی مجھے چھوڑ دے کہ عبادت اپنے پروردگار کی کروں، میں نے عرض کیا کہ میں تو آپؐ کے پاس ہی رہنا چاہتی ہوں الاّ آپ کی مرضی کے تابع ہوں، میں نے اجازت دیدی آپ اُٹھے اور ایک پانی کے مشکیزہ کے پاس تشریف لے گئے اس سے وضو کیا اور پانی بہت نہیں ڈالا۔ پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے، پھر اتنا روئے کہ آنسو چھاتی مبارک پر بہنے لگے پھر رکوع میں روئے پھر سجدے میں روئے پھر دونوں سجدوں کے درمیان روئے اسی طرح آپؐ روتے رہے یہاں تک کہ حضرت بلالؓ نے آپؐ کی خدمت میں نماز کی اطلاع کی میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ خدا تعالےٰ نے تو آپؐ کے اگلے پچھلے گناہ سب معاف کر دیئے ہیں پھر آپ کے گریہ کا کیا باعث ہے آپ نے ارشاد فرمایا کیا میں بندہ شکر گذار نہ بنوں اور کیسے گریہ نہ کروں حالانکہ خدا تعالیٰ نے مجھ پر یہ آیت اتاری ہے۔ [ت ۱] اِنَّ فِی خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّیْلِ وَالنَّھَارِ آخر تک اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رونا کبھی موقوف نہ ہونا چاہیئے اور اسی راز کی طرف اشارہ ہے اس روایت میں کہ بعض انبیاء علیہم السلام کا گذر ایک چھوٹے پتھر پر ہوا جس میں سے بہت پانی نکلتا تھا آپ کو اس سے تعجب ہوا خداوند کریم نے اس کو گویا فرمایا اس نے عرض کیا کہ جب سے میں نے قول خداوندی سنا ہے کہ آتش دوزخ کی چھپٹیاں آدمی اور پتھر ہوں گے تب سے خوف کے مارے روتا ہوں، انہوں نے خدا تعالیٰ سے دعا مانگی کہ الٰہی اس پتھر کو آگ سے بچادے ان کی دعا مقبول ہوئی پھر مدت کے بعد آپ نے اس پتھر کا وہی حال دیکھا اور پوچھا کہ اب کیوں روتا ہے اس نے عرض کیا کہ گریہ سابق خوف کا تھا اور یہ شکر اور سرور کا ہے۔ اور چونکہ بندے کا دل بھی مثل پتھر کے یا اس سے سخت تر ہے اس لیے اس کی سختی بدون اس کے دور نہیں ہوتی کہ حالت خوف اور شکر دونوں میں رویا کرے اور ایک حدیث میں آیا ہے [ح ۲] کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز ندا ہو گی کہ بہت حمد کرنے والے کھڑے ہوں چنانچہ ایک گروہ کھڑا ہو گا پھر ان کے لیے ایک نشان کھڑا کیا جاویگا اور اسی صورت سے جنت میں داخل ہوں گے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ بہت حمد کرنے والے سے کون لوگ مراد ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ جو ہر حال میں خدائے تعالیٰ کا شکر کرتے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ جو خوشی اور تکلیف میں شکر الٰہی کرتے ہیں اور ایک حدیث میں ہے [ح ۳] اَلْحَمْدُ رِدَاءُ الرَّحْمٰنِ یعنی شکر خدا کی چادر ہے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی جس میں اور بھی بہت کچھ تھا اور یہ بھی ارشاد تھا کہ میں اپنے اولیاء کے مکافات میں شکر سے راضی ہوتا ہوں اور یہ بھی وحی صابروں کے وصف میں انہیں پر ہوتی ہے کہ ان کا گھر دار السلام ہے جب اس میں داخل ہوں گے میں ان کو شکر کا الہام کروں گا جو سب کلاموں سے بہتر ہے اور شکر کرنے کے وقت اور زیادہ کی طلب کروں گا اور اپنی طرف نظر کرنے سے ان کو زیادتی رتبہ عنایت کروں گا اور جب دفینہ ول

ت ۱ آسمان اور زمین بنانا اور رات دن کا بدلتے آنا ان میں نمود ہے عقل والوں کو ۱۲ ح ۲ طبرانی و ابو نعیم و بیہقی در شعب بروایت ابن عباسؓ ح ۳ اس کی سند مجھے نہیں ملی ۱۲

کے باب میں آیت اَلَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ اتری تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ کونسا مال ہم رکھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا[1] لیتخذ احدکم لسانا ذاکرا وقلبا شاکرا یعنی مال کے عوض میں قلب شاکر کا ذخیرہ کرنا ارشاد فرمایا اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ شکر نصف ایمان ہے۔

شکر کی تعریف اور ماہیّت

واضح ہو کہ شکر سالکین کی منازل میں سے ایک منزل کا نام ہے اور وہ بھی تین باتوں سے مرکب ہے علم اور حال اور عمل علم ہی اصل ہے علم ہی سے حال پیدا ہوتا ہے اور حال سے عمل۔ علم سے یہ غرض ہے کہ نعمت کو منعم کی طرف سے جانے اور حال اس کا نام ہے کہ منعم کے انعام سے خوش ہو اور عمل سے یہ مراد ہے کہ جو مقصود اور محبوب منعم کو ہو اس پر قائم رہے۔ پھر عمل متعلق قلب سے بھی ہے اور اعضا اور زبان سے بھی پس ان سب کا بیان ضروری ہے تاکہ سب سے شکر کی ماہیّت پوری معلوم ہو کیونکہ جتنے اقوال شکر کی تعریف میں منقول ہیں کسی میں پورے معنی شکر کے نہیں۔ اب امر اول علم ہے وہ تین باتوں کا علم چاہیے ایک تو خود نعمت دوسرے اس نعمت کا اپنے حق میں نعمت ہونا، تیسرے ذات منعم کا اور اس کے صفات کا جن سے انعام کا صدور پورا ہو سکتا ہے اور منعم سے صدور اس انعام کا اس پر ہو اس لیے کہ انعام کے لیے یہی چیزیں ضروری ہیں، ایک نعمت اور ایک نعمت کا دینے والا اور ایک وہ جس پر منعم کے قصد و ارادے سے نعمت پہنچتی ہے، ان سب کا جاننا ضروری ہے لیکن یہ امر سوائے خدا کے اوروں کے لیے ہے خدا کے باب میں علم ایسی بات کا چاہیے کہ تمام نعمتیں خدا کی طرف سے ہیں اصل نعمت دینے والا وہی ہے درمیانی لوگ سب اس کی طرف سے مسخر ہیں اور یہ معرفت تقدیس اور توحید سے بڑھ کر ہے اس لیے کہ وہ دونوں اس میں داخل ہیں کیونکہ ایمان کی معرفتوں میں شروع کا رتبہ تقدیس یعنی خدا کو پاک جاننے کا ہے اور جب ایک ذات کو پاک جان لیا تو پھر یہ معرفت ہوتی ہے کہ ذات مقدس ایک ہی ہے اس کے سوا جتنی ہیں وہ اس صفت کی نہیں اس کا نام توحید یعنی خدا کو ایک جاننا ہے پھر اس کے بعد یہ علم ہوتا ہے کہ جتنی چیزیں عالم میں موجود ہیں وہ اسی واحد سے موجود ہیں یعنی ہر شئی اس کی طرف سے نعمت ہے تو یہ معرفت ان دونوں معرفتوں کے بعد ہوتی ہے اس لیے اس کا رتبہ ان دونوں سے بڑھ کر ہوا کیونکہ اس میں توحید اور تقدیس کے سوا کمال قدرت اور افعال میں یکتا ہونا بھی پایا جاتا ہے اور اسی بات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث[2] میں بیان فرمایا ہے کہ جو شخص سبحان اللہ کہے اس کو دس نیکیاں ہیں اور جو لا الٰہ الا اللہ کہے اس کو بیس اور جو الحمد للہ کہے اس کو تیس اور ایک حدیث[3] میں فرمایا ہے افضل الذکر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ افضل الدعاء الحمد للہ اور فرمایا[4] لیس شئی من الاذکار یضاعف ما یضاعف الحمد للہ ط اور یہ گمان نہ کرنا چاہیے کہ یہ نیکیاں صرف ان کلمات کو زبان پر ہی جاری کرنے سے ہیں بدون اس کے کہ ان کے معانی دل میں آویں بلکہ اصل

---

[1] چاہیے کہ تم میں سے کوئی زبان ذاکر اور دل شکر گذار حاصل کرے ۱۲ [2] جلد دوم باب النکاح میں گذری ۱۲ [3] جلد اول باب نہم میں گذری ۱۲ [4] ترمذی و نسائی و ابن ماجہ بروایت جابر اور اس کے معنی یہ ہیں ذکر میں سے افضل لا الٰہ الا اللہ ہے اور دعا میں افضل الحمد للہ ہے [4] کوئی ذکر اتنا نہیں بڑھتا جتنا الحمد للہ بڑھتا ہے ۱۲ یہ حدیث مرفوعاً نہیں ملی ابن نخعی نے ابراہیم نخعی کا قول اس کو بیان کیا ہے ۱۲

یہ کہ سبحان اللہ کلمۂ تقدیس ہے اور لا الٰہ الا اللہ کلمۂ توحید اور الحمد للہ وہ کلمہ ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ تمام نعمتیں خدائے واحد برحق کی طرف سے ہیں۔ پس نیکیاں ان تین باتوں کی معرفت کے عوض ہوتی ہیں جو ایمان و یقین کے اقسام میں سے ہیں نہ صرف زبان کے ہلانے کے عوض میں۔ اب یہ معلوم کرنا چاہیئے کہ یہ معرفت پوری جب ہوتی ہے جب افعال میں شرک نہ ہو۔ مثلاً اگر کسی شخص کو کسی بادشاہ نے کچھ انعام دیا تو یہ شخص اگر اس انعام کے ملنے اور اپنے پاس پہنچنے میں بادشاہ کے وکیل یا وزیر کا بھی دخل جانے گا تو اس کی نعمت میں دوسرے کو شریک جانے گا۔ اور ہر وجہ سے اس نعمت کو بادشاہ کی طرف سے نہیں سمجھے گا بلکہ کچھ اس کی طرف سے اور کچھ کسی دوسرے امیر خواہ وزیر کی طرف سے اور اسی وجہ سے اس کی خوشی بھی دونوں پر بٹ جاوے گی۔ غرضکہ بادشاہ کے حق میں موحد نہ رہے گا۔ ہاں اگر یہ جانے گا کہ جو نعمت مجھ کو ملی وہ بادشاہ کے فرمان کی جہت سے ہے جس کو اس نے اپنے قلم سے کاغذ پر لکھا تو اس سے بادشاہ کے حق میں توحید کو کچھ خلل نہ آوے گا نہ کمال شکر میں نقصان ہوگا اس لیے کہ اس کو قلم اور کاغذ کے باعث تو خوشی نہیں نہ ان کا مشکور کیونکہ ان کا خود کا دخل ہی اس انعام میں کچھ نہیں اگر ہے تو اس وجہ سے ہے کہ یہ دونوں چیزیں بادشاہ کے زیر حکم ہیں اسی طرح اگر آدمی وکیل بادشاہی یا خزانچی کو جانے کہ ان کو بادشاہی دیا ہوا ہے تو دیتے ہیں ورنہ اگر خود ان کا اختیار ہوتا اور بادشاہ کا زور نہ ہوتا عدول حکمی کا ان کو خوف نہ ہوتا تو کچھ بھی نہ دیتے تو ایسی طرح جاننے سے توحید میں شرک لازم نہ آوے گا یعنی وہ نعمت صرف بادشاہ کی طرف منسوب رہے گی۔ وکیل خزانچی مثل کاغذ و قلم متصور ہوں گے اسی طرح جو شخص خدائے تعالیٰ کو جانے اور اس کے افعال کو پہچانے اس کو معلوم ہو جاوے کہ آفتاب اور چاند اور ستارے سب اس کے امر کے تابع ہیں جیسے قلم کاتب کے ہاتھ میں۔ اور جن حیوانات کو اختیار ہے وہ اپنے نفس کے زیر حکم ہیں اس لیے کہ خدائے تعالیٰ نے ان پر افعال کے دواعی کو مسلط کر دیا ہے کہ کام کریں خواہ چاہیں یا نہ چاہیں، جیسا کہ خزانچی بادشاہ کے حکم کے خلاف نہیں کر سکتا اور اگر خود اس کا اختیار ہو تو کسی کو خاک بھی نہ دے اسی طرح اگر کسی شخص کو خدائے تعالیٰ کی نعمت دوسرے شخص کے ہاتھوں پہنچے تو جاننا چاہیے کہ وہ اس کے پہنچانے کے لیے مضطر تھا، اس لیے کہ خدائے تعالیٰ نے اس پر ارادے کو مسلط کر دیا ہے اور اس کے اسباب کا ہجوم ہوا اور اس کے دل میں یہ بات ڈالی کہ میری بھلائی دارین میں اسی میں ہے کہ یہ چیز فلاں شخص کو دوں بدون اس کے میرا مقصود حال و مال کا پورا نہ ہوگا۔ جب خدائے تعالیٰ نے یہ اعتقاد اس کے دل میں پیدا کیا تو اب اس کو فعل نہ کرنے کی کیا وجہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ وہ جو کسی کو کچھ دیتا ہے وہ اپنا فائدہ نکلتا دیکھ کر دوسرے کو کچھ دیتا ہے تو وہ دوسرے پر انعام نہیں کرتا بلکہ اس کو کچھ وسیلہ کسی دوسری نعمت کا جس کی اس کو توقع ہے کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ منعم اصل میں وہی ہے جس نے اس کو انعام کے واسطے مسخر کیا اور اس کے دل میں اعتقاد و ارادہ خیر ڈالا جس کے باعث اس نے دوسرے کو کچھ پہنچایا۔ جب ان باتوں کو آدمی اسی طرح جان لے تو خدا کو اور اس کے افعال کو بھی جان لے گا اور موحد ہو کر اس کی شکر گزاری پر بھی قادر ہوگا۔ بلکہ صرف اسی معرفت سے شاکر ہو جاوے گا چنانچہ روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی مناجات میں جناب باری

سے عرض کیا کہ الٰہی تو نے آدمؑ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور کیسے کیسے حالات کیئے انہوں نے تیرا شکر کس طرح ادا کیا اللہ جل شانہ، نے ارشاد فرمایا کہ اس نے ان تمام باتوں کو میری ہی طرف سے جانا یہی جاننا اس کی شکر گزاری تھی اس سے ظاہر ہوا کہ شکر گذاری میں ضرور ہے کہ سب نعمتوں کو خدا کی طرف سے جانے اور اگر اس میں کچھ شک کرے گا تو نہ نعمت کا عارف ہو گا نہ منعم کا اسی لیے انسان کو چاہیئے کہ صرف منعم ظاہری ہی پر نہ بھولے اس کے سوا کا بھی دھیان رکھے ورنہ نقصان علم سے نقصانِ حال فرحت ہو گا اور فرح کی حالت ناقص ہونے سے عمل ناقص ہو گا۔ اَمر دوم وہ حال ہے جو اصل معرفت نعمت سے حاصل ہوتا ہے یعنی منعم سے خوش ہونا اور صورت خضوع و تواضع کی اس کے ساتھ اختیار کرنی اور یہ بھی جداگانہ شکر ہے جیسا کہ معرفت اکیلی شکر تھی مگر یہ حالت شکر اس وقت میں ہوتی ہے کہ عادی اپنے مشروط کی ہو اور شرط اس کی یہ ہے کہ خوشی صرف منعم سے ہو نہ نعمت سے ہو نہ انعام سے اور شاید یہ بات کسی کی سمجھ میں نہ آوے اس کے لیے ہم ایک مثال لکھتے ہیں کہ مثلاً کوئی بادشاہ سفر کو نکلا چاہتا ہے اس نے کسی شخص کو گھوڑا انعام میں دیا تو وہ شخص اس گھوڑے کے ملنے سے تین وجہ سے خوش ہو سکتا ہے۔ صورتِ اول تو یہ ہے کہ صرف گھوڑے سے ہو کہ یہ مال فائدہ مند ہے اور سواری کے قابل اور غرض کے موافق اور نفیس اور اصیل ہے پس اس قسم کی خوشی تو وہ شخص کرے گا جس کو بادشاہ سے کچھ غرض نہ ہو صرف گھوڑے ہی سے غرض ہو۔ حتیٰ کہ اگر گھوڑا اس کو جنگل میں مل جاتا تب بھی اتنا ہی خوش ہوتا جتنا اب ہوا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ خوشی اس وجہ سے نہ ہو کہ گھوڑا پایا بلکہ اس وجہ سے ہو کہ بادشاہ کا عنایت فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ بادشاہ کو اس شخص پر نظرِ عنایت و شفقت ہے اور دل فیض منزل شاہی میں اس کی جگہ ہے یہاں تک کہ اگر یہ گھوڑا بادشاہ کے سوا کوئی اور اس کو دیتا یا جنگل میں پھرتا مل جاتا تو ہرگز خوش نہ ہوتا کیونکہ اس کا مطلب صرف گھوڑا تو نہ تھا بلکہ بادشاہ کے دل میں جگہ کا ہونا مقصود تھا وہ حاصل نہیں ہوتا اور گھوڑے کی اس کو ضرورت نہ تھی یا مطلب اصلی کے سامنے اس کا ملنا امر حقیر سمجھتا ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ خوشی اس وجہ سے ہو کہ اس پر سوار ہو کر محنت سفر کو برداشت کروں گا اور بادشاہ کی خدمت کروں تاکہ رتبہ تقرب حاصل ہو اور کیا عجب ہے کہ درجۂ وزارت پر ترقی ہو جاوے یعنی وہ صرف اسی بات پر قناعت نہ کرے کہ بادشاہ کے دل میں میری اتنی جگہ ہے کہ گھوڑا عنایت فرمایا اسی قدر توجہ شاہی کافی ہے بلکہ یہ چاہتا ہے کہ بادشاہ جو کچھ اپنا مال کسی کو مرحمت کرے وہ میرے ہی ذریعہ سے کرے پھر وزارت کا جو خواہاں ہے تو وزارت بھی مقصود بالذات نہیں بلکہ اس میں بھی اس کا مقصود یہ ہے کہ بادشاہ کا دیدار اور قرب منزلت میسر ہوں گے یہاں تک کہ اگر اس سے کہہ دیا جاوے کہ خواہ وزیر ہو کر پاس نہ رہو خواہ پاس رہو اور وزارت کے مستدعی نہ ہو تو دوسری ہی شق کو اختیار کرے گا یہ تین درجے ہوتے جن سے اوّل میں تو معنی شکر پائے ہی نہیں جاتے اس واسطے کہ درجے والے کی نظر صرف گھوڑے ہی پر ہے اور اس کی خوشی بھی گھوڑے ہی تک ہے دینے والے سے نہیں اور یہ حال ایسے لوگوں کا ہے جو نعمت پر اس وجہ سے خوش ہوتے ہیں کہ وہ لذیذ اور غرض کے موافق ہے ایسے لوگ شکر سے بمراحل دور ہیں اور درجۂ دوم

اگرچہ معنی شکر میں داخل ہے اور اس کی خوشی منعم کے ساتھ پائی جاتی ہے مگر منعم کی ذات کے اعتبار سے یہ خوشی نہیں بلکہ اس جہت سے ہے کہ عنایت سلطانی کا یقین ہوا جو آگے کو انعام کا باعث ہوگی اور یہ حال ان صلحاء کا ہے جو اللہ تعالیٰ کا شکر وعبادت کرتے ہیں اس وجہ سے کہ اس کے عقاب سے خائف اور ثواب کے متوقع ہیں۔ جب ان دونوں درجوں میں شکر ناقص رہا تو معلوم ہوا کہ شکر کامل کے معنی تیسرے درجے کے پائے جاتے ہیں۔ یعنی بندے کی خوشی نعمت الٰہی پر اس نظر سے ہو کہ اس نعمت کے باعث خدا کا تقرب حاصل کر سکتا ہے اور اس کے جوار رحمت میں فروکش ہو کر مدام دیدار سے مشرف رہ سکتا ہے یہ بہت بڑا مرتبہ ہے اور اس کی پہچان یہ ہے کہ آدمی دنیا کی کسی چیز پر خوش نہ ہو سوا ایسی اشیاء کے جو آخرت کی کھیتی اور اسی کی معین ہوں، اور جو چیز خدا کی یاد سے بھلاوے اور اس کی راہ سے روکے ایسی چیزوں سے رنج کرے اس واسطے کہ اس کی غرض نعمت سے کچھ یہ نہیں کہ نعمت مذکور لذیذ ہے خواہ عمدہ و نفیس جیسے تیسرے درجے والے کو گھوڑے سے غرض نہ تھی بلکہ اس کی خوشی اسی وجہ سے تھی کہ اس پر سوار ہو کر بادشاہ کے ساتھ رہنا اور ہمیشہ مشاہدہ وقرب سے بہرہ ور ہونا ہوگا۔ یہی حال یہاں بھی سمجھنا چاہیئے۔ چنانچہ حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں کہ شکر سے غرض دیدار منعم ہے نہ دیدار نعمت، اور حضرت ابراہیم خواصؒ فرماتے ہیں کہ عوام ادائے شکر کھانے پینے پوشاک وغیرہ پر کرتے ہیں اور خواص دلوں کے احوال پر اور یہ رتبہ ایسے شخص کو نہیں معلوم ہو سکتا جو لذات کو منحصر شکم اور شرمگاہ اور اشیائے محسوسہ رنگ اور آواز وغیرہ میں جانتا ہے اور دل کے مزے سے خالی ہے اس لیے کہ دل تندرستی کے وقت سوائے ذکر خدا اور اس کے دیدار و معرفت کے اور کسی چیز سے لذت نہیں پاتا اور غیر چیز سے جب ہی اس کو مزہ ملتا ہے جب بیمار ہو اور بری عادتوں کا روگ رکھتا ہو جیسے بعضے لوگوں کو مٹی کھانے سے مزہ ملتا ہے۔ بعض بیمار شیریں چیز سے منہ بناتے ہیں اور تلخ کو شیریں جانتے ہیں اسی طرح دل کے مریض کو اچھی بات مزہ نہیں ملتا، غرضکہ شکر نعمت خداوندی ایسا چاہیئے جیسا اوپر مذکور ہوا اور اگر کسی کو یہ رتبہ میسر نہ ہو تو پھر بفحوائے ؏

گندم اگر بہم نہ رسد جو غنیمت است

دوسرے درجے کو اختیار کرے اور پہلا تو کسی گنتی میں ہی نہیں، دوسرے اور تیسرے درجے میں بہت فرق ہے درجہ دوم والے کا مطلوب بادشاہ ہے بایں لحاظ کہ گھوڑا دے اور تیسرے والے کی غرض گھوڑے کا ملنا ہے تاکہ خدمت سلطان کرے۔ دونوں مقصودوں میں فرق زمین وآسمان ہے۔ اسی طرح جو شخص اللہ کا طالب اس لیے ہے کہ اس پر انعام کرے اور دوسرا خدا کی نعمتوں کا طالب اس لحاظ سے ہے کہ ان کے ذریعے سے مدارج قرب الٰہی حاصل ہوں، ان دونوں میں بہت فرق ہے۔ تیسرا امر یہ ہے کہ جو خوشی معرفت منعم سے حاصل ہوتی ہے اس کے موافق عمل کرنا اور یہ عمل قلب اور زبان اور اعضا سب سے متعلق ہے دل سے تو یہ چاہیئے کہ خیر کا قصد کرے اور تمام خلق کے حق میں نیت خیر اور سلوک کرنے کا ارادہ خفیہ رکھے اور زبان سے اظہار شکر خدا ایسے الفاظ حمد سے جو شکر پر دال ہوں چاہیے اور دوسرے اعضاء سے اس طرح کہ ان کو نعمت الٰہی جان کر اس کی طاعت میں لگا دے

اور ان سے اس کی نافرمانی پر مدد نہ لے۔ مثلاً آنکھوں سے ادائے شکر یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان کا عیب دیکھے تو اس کو چھپاوے اور کانوں کا شکر یہ ہے کہ جو عیب کسی بھائی کا سُنے اس کو افشا نہ کرے اور زبان کا شکر یہ ہے کہ ایسے الفاظ منہ سے نکلیں جن سے اظہار خدا سے راضی ہونے کا پایا جاوے اس طرح کرنے سے ان خدا کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا ہوتا ہے اور اسی کا حکم بھی ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں مروی[۱] ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے پوچھا کہ آج کیسے ہو اس نے جواب میں عرض کیا کہ مع الخیر خدا کی حمد کرتا ہوں اور اس کا شکر گذار ہوں، آپ نے فرمایا کہ مجھے یہی منظور تھا کہ تم یہ کہو اور اکابر سلف آپس میں جو مزاج پرسی کرتے تھے ان کا مدعا بھی یہی تھا کہ کسی طرح زبان سے شکر الٰہی نکلے اس میں دو فائدے ہیں۔ اول تو شاکر کا مطیع ہونا دوسرے جس نے باعث ہو کر کہلایا اس کا مطیع ہونا، ان کی غرض یہ نہ تھی کہ ظاہر کے اظہار شوق سے ریا کریں اور جس شخص کا حال کوئی پوچھے تو تین حال سے خالی نہیں یا شکر کرے گا یا شکایت یا سکوت اوّل صورت میں مطیع ہوگا اور دوسری صورت اہل دین سے بہت بری ہے اس لیے کہ شکایت شاہنشاہ جس کے قبضۂ قدرت میں سب کچھ ہے اس کے کسی بندہ سے جس کو کچھ بھی قابو نہیں نہایت قبیح ہے بندہ کے حال کے شایاں یہی ہے کہ اگر مصیبت اور حکم الٰہی پر اچھی طرح صبر نہ کر سکے اور کمزوری کے باعث شکایت ہی کی نوبت پہنچے تو خدا تعالیٰ ہی سے شکایت کرے کیونکہ بلا کا بھیجنے والا اور اس کے ٹالنے پر قدرت رکھنے والا وہی ہے بندہ اگر اپنے مالک کے سامنے ذلیل بنے تو اس کی عزت ہے اور دوسرے سے اس کی شکایت کرنے میں ذلت خصوص ایسی صورت میں کہ جب دوسرا بھی اسی جیسا ہو اور کچھ نہ کر سکتا ہو اس سے شکایت مالک کی نہایت بیجا ہے اس لیے ضرور ہوا کہ ہر حال میں اسی کی طرف رجوع کرے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا ہے۔ ان[۲] الذین تعبدون من دون اللہ لا یملکون لکم رزقا فابتغوا عند اللہ الرزق واعبدوہ واشکروا لہ اور دوسری جگہ فرمایا۔ ان[۳] الذین تدعون من دون اللہ عباد امثالکم حاصل یہ کہ زبان سے شکر کا کہنا بھی شکر گزاری میں داخل ہے۔

روایت ہے کہ کچھ لوگ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان میں سے ایک جوان آدمی کچھ عرض کرنے کو اُٹھا آپ نے فرمایا کہ اوّل جو عمر رسیدہ ہو وہ کلام کرے اور پھر اس سے چھوٹا اس طرح بترتیب گفتگو کرنی چاہیئے اس نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین اگر ہر ایک بات عمر ہی پر منحصر ہوتی تو مسلمانوں کا حاکم کوئی ایسا شخص ہوتا جو آپ سے بڑا ہوتا۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا جو کچھ کہنا ہو کہو اس نے عرض کیا کہ ہم کچھ آپ سے مانگنے نہیں آتے، نہ خوف کے باعث آتے ہیں اس لیے کہ آپ کی سخاوت ہم کو گھر بیٹھے پہنچ گئی تو مانگنے کی کیا حاجت اور آپ کی عدالت کے سامنے ڈرنے کی کیا ضرورت ہم جو آتے ہیں تو صرف آپ کا شکر ادا کرنے کے لیے

ح[۱] مالک در موطا وقوف علی عمر رض ۱۲ ت[۲] بیشک جن کو پوجتے ہو اللہ کے سوا مالک نہیں تمہاری روزی کے سو تم ڈھونڈو اللہ کے یہاں روزی اور اس کی بندگی کرو اور اس کا حق مانو ۱۲ ت[۳] جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوا بندے ہیں تم جیسے ۱۲

آتے ہیں۔ زبان سے اداتے شکر کر کے چلے جاویں گے۔ غرض کہ یہ تینوں امور مذکورۂ بالا شکر کے معنٰی کے اصول ہیں کہ ان سے سب حقیقت شکر کی محدود ہو جاتی ہے۔ اب بعض لوگوں نے جو شکر کی یہ تعریف کی ہے کہ شکر اس کا نام ہے کہ منعم کی نعمت کا خضوع کے طور پر اقرار کرے اس کی تعریف میں قول زبانی اور بعض احوال قلب کا لحاظ ہے اور جس نے یہ کہا کہ شکر یہ ہے کہ محسن کا احسان ذکر کے اس کی ثنا کرے اس میں صرف عمل زبانی ہی ملحوظ ہے اور جس نے یہ کہا ہے کہ شکر یہ ہے کہ بساطِ شہود پر معتکف ہو اور حرمت منعم کی ہمیشہ یاد رکھے یہ تعریف اکثر باتوں کو شکر کے شامل ہے۔ اس میں سے صرف عمل زبان کا نکل جاتا ہے اور حمدون پارچہ شو کا قول اس باب میں یہ ہے کہ شکرِ نعمت اس کو کہتے ہیں کہ آدمی اپنے نفس کو شکر کرنے میں طفیلی جانے اس میں صرف یہ بات پائی جاتی ہے کہ معانی شکر میں معرفت بھی داخل ہے۔ اور حضرت جنیدؒ نے تعریف شکر کی ارشاد فرمائی ہے کہ شاکر اپنے آپ کو نعمت کا فائق تصور کرے اس میں صرف ایک خاص حال دل کا پایا جاتا ہے ان سب لوگوں کے اقوال سے ان کے احوال معلوم ہوتے ہیں اور چونکہ حالات ہر ایک کے مختلف تھے اسی واسطے اقوال بھی مختلف ہیں بلکہ ایک ہی شخص کا قول دو حالتوں میں دو طرح کا ہوگا اس لیے کہ ان لوگوں کا دستور ہے کہ جو حالت ان پر غالب ہوتی ہے یا تو اس کے بموجب ارشاد کیا کرتے ہیں تاکہ اپنی کارآمد باتیں میں مصروف رہیں اور نکمی بات میں مشغول نہ ہوں خواہ ایسا کلام فرمائیں جو سائل کے لائق ہو تو جس قدر کی حاجت اس کو دیکھتے ہیں اسی قدر کہہ دیتے ہیں۔ غیر حاجت بیان نہیں فرماتے اس وجہ سے ناظرین کو یہ وہم نہ ہو کہ ہم یہ باتیں ان پر طعن کی وجہ سے لکھتے ہیں یا یہ شکر میں جو تحقیق ہم نے لکھی ہے اس میں ان کو انکار تھا بلکہ اس کا انکار تو کوئی عاقل نہ کرے گا۔ ہاں غایت مافی الباب یہ ہے کہ لغت کی راہ سے کوئی نزاع کرے کہ لفظ شکر اصل زبان میں ان سب سب امور پر حاوی ہے یا نہیں یا بعض معانی ان میں سے مقصود بالذات ہیں اور باقی اس کے لوازم اور توابع میں سے ہیں اور چونکہ تحقیق لغت کا کام طریق آخرت میں کچھ نہیں۔ اس لیے ہم کو بیان لغت بھی کچھ ضروری نہیں معلوم ہوتا نہ ہم کو اس سے کچھ مطلب فقط۔

اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں شکر کا کیا معنی ہے؟

شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ شکر ایسی جگہ متصور ہو سکتا ہے جہاں منعم ہو اور اس کو شکر سے کچھ فائدہ ہو۔ مثلاً بادشاہوں کا شکر جو ہم کرتے ہیں تو کئی طرح سے ہو سکتا ہے اور ہر ایک طرح میں ان کا کچھ نہ کچھ مطلب ہے اوّل تعریف کرنے سے شکر ہوتا ہے تو اس میں بادشاہوں کو یہ فائدہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں ان کی جگہ زیادہ ہو جاتی ہے اور خلق میں ان کا کرم مشہور ہو جاتا ہے اس شہرت سے آوازہ اور جاہ بڑھ جاتا ہے، دوم بجاآوری خدمت سے شکر کرتے ہیں تو اس میں ان کی بعض غرضوں پر اعانت ہو جاتی ہے۔ سوم نوکروں کی صورت سے ان کے سامنے کھڑا ہونے سے جو شکر کرتے ہیں تو اس امر سے ان کے جتھے کو کثرت ہوتی ہے اور جاہ بھی بڑھتا ہے۔ غرضکہ شکر کے سبب کوئی نہ کوئی بات اس قسم کی منعم کے لیے ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ کے باب میں اس امر کا ہونا دو وجہ سے محال ہے اوّل

تو یہ کہ خدائے تعالیٰ سب غرضوں اور مطلبوں سے پاک ہے اس کو حاجت خدمت اور اعانت اور زیادتی جاہ و حشمت اور کثرت توکر چاکر کی نہیں اس کے سامنے رکوع سجدہ کرتے ہیں تو اس صورت میں ہمارا شکر کرنا خدا کے واسطے ایسی طرح کہ اس کو کچھ بہرہ اس میں نہ ہو ایسا ہے جیسا کسی بادشاہ منعم کے شکر کرنے کے لیے ہم اپنے گھروں میں آکر سو رہیں یا رکوع اور سجدہ کریں کیونکہ یہ اشیاء ایسی ہی ہیں جن میں اس بادشاہ کو کچھ بہرہ نہیں۔ اس لیے کہ اس کو کچھ علم غیب نہیں کہ ہمارا حال جان لے اور خداوند کریم کو بندے کے کسی فعل میں سے کچھ بہرہ اور حظ نہیں اس لیے شکر بھی اس کے حق میں چاہیے کہ نہ ہو دوسری وجہ یہ کہ جتنے افعال ہم اپنے اختیار سے کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے دوسری نعمت ہیں کیونکہ ہمارے اعضا اور قدرت اور ارادہ وہ جو خواہش اور جتنے اسباب ہماری حرکت کے ہیں اور خود حرکت سب کے سب اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے اور اسی کی نعمت ہیں پس اس کی نعمت کا شکر اسی کی نعمت سے کیسے ہو سکتا ہے فرض کرو کہ کسی بادشاہ نے ہم کو ایک گھوڑا دیا اور ہم نے ایک دوسری سواری اسی کی لے کر سواری کی یا خود بادشاہ نے دوسرا گھوڑا بھی ہمیں دیا تو ظاہر ہے کہ دوسرا گھوڑا پہلی عطا کا شکر نہ ہو گا بلکہ ہم کو اول و دوم دونوں عطاؤں کے شکر کی حاجت رہے گی پھر اس نعمت ثانی کے واسطے اور شکر اگر ہو گا وہ بھی نعمت ہی ہو گی اور اسی طرح سلسلہ وار کارخانہ رہے گا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے حق میں ان دونوں وجہوں مذکورہ سے شکر محال ہے شعر

زدست و زبان کہ برآید کز عہدہ شکرش بدر آید

اور ان دونوں باتوں میں ہم کو کچھ شک نہیں کیونکہ شرع[ع] سے ان دونوں کا ثبوت پایا جاتا ہے پس کوئی ایسی سبیل چاہیئے جس میں یہ خرابی بھی لازم نہ آوے اور ادائے شکر بھی ہو۔ اس شبہے کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی یہی شبہ ہوا تھا کہ انہوں نے جناب باری میں عرض کیا کہ الٰہی ہم تیری نعمت کا شکر کس طرح ادا کریں کیونکہ جب شکر کریں گے تو تیری نعمتوں میں سے ایک نعمت ہی سے کریں گے یعنی ہمارا شکر کرنا تیری دوسری نعمت ہو گی جس پر شکر واجب ہو۔ خدا تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ جب تم نے یہ جان لیا تو گویا شکر میرا کر چکے۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ جب تجھ کو معلوم ہو گیا کہ نعمت میری ہی طرف سے ہے تو میں تجھ سے شکر کے عوض اسی بات سے خوش ہوں۔ اب اگر یہ کہو کہ سوال حضرات انبیاء علیہم السلام کا تو ہم سمجھ گئے مگر مضمون وحی کے سمجھنے سے ہماری سمجھ قاصر ہے یعنی یہ تو ہم سمجھ گئے کہ خدا تعالیٰ کا شکر کرنا محال ہے اور یہ نہیں سمجھے کہ اس محال ہونے کو جان لینا شکر کیسے ہو گیا۔ کیونکہ جان لینا بھی ایک نعمت الٰہی ہے وہ شکر کیسے ہو جاوے گی ورنہ

ع قولہ کیونکہ الخ اصل عبارت یہ ہے لسنا نشك فی الامرین جمیعًا والشرع ورد بہ اس کے معنی یہ کہ ہم کو ان دونوں باتوں میں کچھ شک نہیں اور شرع میں شکر کرنا وارد ہوا ہے مطلب یہ کہ شکر شرعًا واجب ہے حالانکہ ان دونوں باتوں سے محال معلوم ہوتا ہے تو اس میں موافقت کی کیا صورت ہو گی ۱۲ امیر علی عفی عنہ

اس کا حاصل یہ ہوگا کہ جو شکر نہ کرے وہ شاکر کہلاوے یا جو کوئی بادشاہِ وقت سے دوسری خلعت قبول کرے وہ خلعت اوّل کا شکر ہوا کرے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی اگر اس میں کوئی راز ہے تو اس کو کسی مثال سے سمجھنا چاہیے کہ یہ بڑی مہم چیز ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس بھید کے بیان کرنے سے معارف میں بات جا پڑتی ہے اور علومِ معاملہ سے وہ بڑھ کر ہیں۔ ان کا بیان ان علوم کے مناسب نہیں تاہم اشارات کے طور پر ہم کچھ مختصر بیان کیے دیتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اسباب میں دو اعتبار ہیں ایک اعتبار تو صرف توحید و وحدتِ وجود کا ہے جس سے یقینی یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاکر اور مشکور اور محب اور محبوب ایک ہی چیز ہے اور یہ نظیر ایسے لوگوں کی ہے جو جانتے ہیں کہ سوائے خدائے تعالیٰ کے اور کوئی موجود نہیں کل شیء ھالک الا وجھہ ان کے دل میں ٹھنی ہے اور اس بات کو ہر حال اور ہر زمانہ میں ازلاً اور ابداً سچ جانتے ہیں اور در حقیقت بھی یہی ہونا چاہیئے اس لیے کہ غیر وہ ہو سکتا ہے جس کو بذاتِ خود قیام ہو اور اس طرح کا غیر کوئی موجود نہیں بلکہ اس کا پایا جانا محال ہے کیونکہ موجود حقیقی وہ ہے جو اپنی ذات سے قائم ہو اور جس کو کہ بذاتِ خود قیام ہی نہ ہو وہ بذاتِ خود موجود بھی نہ ہوگا اور ازانجا کہ اس کا قیام غیر سے ہے تو اس کا وجود بھی غیر سے ہوگا یہاں تک کہ اگر صرف اسی کی ذات پر لحاظ کریں اور غیر کا دھیان نہ کریں تو اس کو وجود یقیناً نہ ہوگا کیونکہ موجود تو وہی ہے جس کو اپنی ذات سے قیام ہے اور قائم بالذات اس کو کہتے ہیں کہ اگر اس کے غیر کو معدوم فرض کیا جاوے تو اس کے وجود میں کسی طرح کا خلل نہ آوے وہ بدستور قائم رہے اور پھر اگر اس طرح موجود قائم بالذات اپنے وجود میں اپنے غیر کے وجود کو قائم رکھتا ہے تو اس کو قیوم کہتے ہیں اور قیوم سوائے ذات یکتا کے اور کوئی نہیں اور نہ ہو سکتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ سوائے حی قیوم کے اور کوئی موجود حقیقۃً نہیں اور وہ ذات واحد پاک کی ہے پس جب اس اعتبار سے دیکھو تو معلوم ہوتا ہے کہ سب کا مصدر اور مرجع وہی ذات واحد ہے اسی لیے وہی شاکر ہے اور وہی مشکور اور وہی محب ہے اور وہی محبوب۔ یہی وجہ تھی کہ جب حبیب ابن حبیب نے[ت۱] انا وجدناہ صابرًا نعم العبد انہ اواب پڑھا تو فرمایا کہ عجیب بات ہے کہ آپ ہی صبر دیا اور آپ ہی تعریف کی اس میں یہ اشارہ ہے کہ جب اپنی دی ہوئی چیز پر تعریف ان کی کی تو گویا اپنی ذات پاک کی تعریف کی اس لیے جس نے ثناء کی اور جس کی ثنا کی وہ ایک ہی ہوئے۔ اسی طرح شیخ ابو سعید میہنیؒ نے جب یہ آیت سنی یحبھم و یحبونہ تو فرمایا بیشک ان کو چاہتا ہے اور چاہنے بھی دو وہ تو حق پر چاہتا ہے کیونکہ اپنے نفس ہی کو چاہتا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہی محب اور وہی محبوب ہے اور یہ مقام نہایت اونچا ہے جب تک اس کی کوئی مثال عام فہم نہ کہی جاوے جب تک سمجھ میں نہ آوے گا اس کو یوں سمجھنا چاہیئے کہ مصنف کو جب اپنی تصنیف محبوب ہے تو واقع میں اپنا نفس محبوب ہے اور صانع جب اپنی صنعت سے محبت رکھتا ہے تو اپنے آپ سے محبت رکھتا ہے اب جو تامل

ت ۱ ہم نے اس کو پایا سہارنے والا بہت خوب بندہ وہ ہے رجوع کرنے والا ۱۲

کرو تو جو چیزیں سوائے خدا تعالیٰ کے موجود ہیں وہ سب خدا تعالیٰ کی تصنیف اور صنعت سے ہیں پس اس میں سے اگر کسی کو خدائے تعالیٰ محبوب جانے تو یہ محبت صرف اپنی ذات پاک سے ہوگی اور جب اس کو اپنی ہی ذات مقدس کی محبت ہوتی تو ظاہر ہے کہ یہ محبت حق پر ہے۔ غرض کہ یہ حالات چشم توحید سے دیکھنے کی صورت میں ہیں اور صوفیائے کرام اس حال کو فنائے نفس کہتے ہیں (یعنی سالک اپنے نفس اور غیر اللہ سے فنا ہو کر سوائے خدائے تعالیٰ کے اور کچھ نہیں دیکھتا اور جس شخص کی فہم میں یہ بات نہیں آتی وہ اس حالت کا انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ بھلا جس شخص کا سایہ چار ہاتھ لمبا ہوتا ہے اور دن بھر میں سیروں روٹیاں چٹ کر جاتا ہو وہ فنا کیسے ہو جاتا ہے اور باتیں جہالت کی کہہ کر ان پر ہنستے ہیں اور ان کی تقریر کے معانی نہیں سمجھتے۔ عارفوں کے لیے یہ بھی ضرور ہے کہ جاہلوں کے لیے باعث خندہ بنیں اور اسی کی طرف اشارہ ہے اس آیت میں ان[ت۱] الذین اجرموا کانوا من الذین اٰمنوا یضحکون واذا مروا بھم یتغامزون واذا انقلبوا الی اھلھم انقلبوا فکھین واذا راوھم قالوا ان ھؤلاء لضالون وما ارسلوا علیھم حفظین پھر فرمایا کہ عارفوں کا ہنستا کل کو ان کے خندہ سے بڑھ کر ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے[ت۲]۔ فالیوم الذین اٰمنوا من الکفار یضحکون علی الارائک ینظرون ہ اسی طرح جب حضرت نوح علیہ السلام کشتی بناتے تھے تو ان کی امت ان سے تمسخر کرتی تھی آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اگر تم ہم سے تمسخر کرتے ہو تو ہم بھی اس کے عوض تم سے تمسخر کریں گے دوسرا اغنیا یہ ہے کہ وجود کی طرف نظر مذکورۂ بالا سے نہ دیکھا جاوے یعنی دیکھنے والے کو مقام فنائے نفس حاصل نہ ہوا ہو پس جو لوگ اس رتبے پر نہیں پہنچے ان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے کہ اپنے وجود کے سوا اور کسی کو موجود ہی نہیں مانتے اور اس بات کو بُرا جانتے ہیں کہ ان کا کوئی معبود ہو ایسے لوگ بالکل اوندھے اور دونوں آنکھوں کے اندھے ہیں، اندھے اور الٹے اس جہت سے ہیں کہ جو چیز کہ تحقیقاً ثابت تھی یعنی ذات قیوم کہ قائم بالذات ہے اور ہر ایک شخص کے اعمال کا قائم رکھنے والا اور جتنی چیزیں موجود ہیں وہ سب اسی کے باعث موجود ہیں اس کو نہ مانا اور ان نامعقول نے اسی پر اقتصار نہ کیا بلکہ اس کے مقابل میں اپنے نفسوں کو قائم بالذات ٹھہرایا اور اگر سوچتے تو معلوم ہوتا کہ ہم کو کچھ قیام نہیں نہ وجود ہے ان کا وجود اس لیے ہے کہ دوسرے نے ان کو ایجاد فرمایا ہے اپنے آپ سے موجود نہیں ہوتے اور ظاہر ہے کہ موجود اور ایجاد کی ہوتی چیز میں بہت فرق ہے اور موجود وہی چیزیں ہیں یا موجود یکتا ایجاد کی اشیاء ان میں سے موجود حق ہے اور ایجاد کی ہوتی چیزیں بذات خود باطل اور موجود حقیقی قائم اور قیوم ہے اور ایجاد کی چیز ہالک اور فانی یہاں تک کہ جب کوئی بھی نہ رہے گا۔ تب ذات پاک ہی رہے گی۔ دوسری قسم کے لوگ اندھے تو نہیں مگر

ت۱ وہ جو گنہگار ہیں وہ تھے ایمان والوں سے ہنستے اور جب ہو نکلتے ان پاس آپس میں تسکین کرتے اور جب پھر کر جاتے اپنے گھر پھر جاتے باتیں بناتے اور اور جب ان کو دیکھتے کہتے بیشک یہ لوگ بہک رہے ہیں اور ان کو بھیجا نہیں ان پر نگہبان ۱۲ ت۲ سو آج ایمان والے منکروں سے ہنستے ہیں تختوں پر بیٹھے دیکھتے ہیں ۱۲

کانے ہیں یعنی ایک آنکھ سے وجود موجود حقیقی کا دیکھتے ہیں اور اس کے منکر نہیں مگر دوسری آنکھ اگر بالکل چوپٹ ہوئی تو یہ نہیں سوجھتا کہ سوائے موجود برحق کے اور سب فانی ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے کو بھی موجود ثابت کرتے ہیں۔ یہ لوگ مشرک ہیں جیسے کہ اول منکر تھے اور اگر دوسری آنکھ میں کچھ بینائی ہوتی تو چندھے ہوتے تو اس بینائی کے باعث دونوں موجودوں میں فرق ثابت کرتے ہیں۔ ایک کو رب اور ایک کو بندہ کہتے ہیں اور اسی قدر تفاوت ثابت کرنے اور دوسرے موجود کو ناقص سمجھنے سے حد توحید میں داخل ہوتے ہیں۔ گو پورے موحد نہیں ہوتے پھر اگر آنکھ میں سرمہ لگایا جاوے اور چندھاپن کم ہو تو جتنا نور آنکھ کا بڑھتا جاوے گا اتنا ہی وجود ماسوی اللہ کا کم ہوتا جاوے گا اور سلوک راہ معرفت میں یہی حال اگر رہا تو کم ہوتے ہوتے دوسرا وجود محو ہو جاویگا اور خدا کے سوا کچھ نہ سوجھے گا اس وقت پوری توحید کا رتبہ حاصل ہوگا اور جہاں سے کہ دوسرے وجود کو ناقص سمجھا تھا وہ ابتدائے توحید تھی اور ان دونوں مرتبوں کے درمیان میں درجات بے انتہا ہیں اور اسی سے درجات موحدین کے مختلف ہوتے ہیں اور جس سرمے سے کہ نور بصر زیادہ ہوتا ہے وہ خدا کی کتابیں ہیں جو اپنے رسولوں پر نازل کی ہیں اور پیغمبر سرمہ لگانے والے ہیں کہ سب کو توحید محض کی طرف بلاتے ہیں جس کا مضمون لا الٰہ الا اللہ میں موجود ہے یعنی اس کلمۂ طیب کے معنی یہ ہیں کہ سوائے خدائے تعالیٰ واحد برحق کے اور کچھ نہ دیکھے اور جو لوگ کمال توحید پر پہنچے ہوں وہ بہت کم ہیں اور منکر اور مشرک بھی کم اور یہ دونوں توحید کی طرف مقابل کے پرلے سرے پر ہیں۔ کیونکہ بت پرستوں کا قول تو یہ ہے کہ ت۱ ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفی۔ پس ادائل توحید میں کچھ ضعیف طور پر داخل ہیں اور وہ دونوں فرقے کسی طرح داخل توحید نہیں ہو سکتے اور متوسط درجے کے لوگ بہت ہیں جو نہ موحد کامل ہیں نہ مشرک نہ منکر۔ پھر ان میں بعض ایسے ہیں کہ کسی حال میں ان کی بصیرت کھل جاتی ہے تو بجلی کی طرح حقائق توحید ان پر ظاہر ہوتے ہیں مگر ان کو قیام نہیں ہوتا اور بعضے ایسے ہیں کہ ان پر حقائق ظاہر ہو کر ٹھہرتے ہیں الا ہمیشہ نہیں رہتے اور دوام اس کا نادر چیز ہے ؎

عالی رتبہ کی طرف ہوتے ہیں سب کو حرکات
ایک کمتر ہیں جنہیں ہوئے دوام اور ثبات

اور جب خداوند کریم نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قرب کے لیے حکم فرمایا کہ ت۲ واسجد واقترب تو آپ نے سجدے میں یہ دعا پڑھی اعوذ بعفوک من عقابک واعوذ برضاک من سخطک واعوذ بک منک لا احصی ثناء علیک کما اثنیت علی نفسک اول جملہ اس دعا کا اعوذ بعفوک من عقابک۔ ح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف

ت ۱ کہ ہم ان کو پوجتے ہیں اس واسطے کہ ہم کو پہنچادیں اللہ کی طرف پاس کے درجے ۱۲ ت ۲ اور سجدہ کر و اور نزدیک ہو ۱۲ ح میں پناہ مانگتا ہوں تیرے عفو کی تیرے عذاب سے اور تیری رضا کی تیرے غصہ سے اور تیری ہی پناہ مانگتا ہوں تجھ سے نہیں پورا کر سکتا میں تیری تعریف تو ایسا ہے جیسا تو خود اپنی تعریف کرے ۱۲ مسلم نے بروایت عائشہؓ یوں روایت کیا ہے اعوذ برضاک من سخطک ومعافاتک من عقوبتک ۱۲

خدائے تعالیٰ کے فعل کو مشاہدہ فرما کر عرض کیا گویا کہ اس وقت بجز خدا تعالیٰ کے اور اس کے افعال کے اور کچھ ملاحظہ نہیں فرمایا تھا اس لیے اسی کے فعل کی مدد سے اسی کے فعل سے پناہ مانگی پھر اس درجے سے ترقی کی اور مشاہدہ افعال سے فنا ہو کر ان افعال کے مصادر کو مشاہدہ فرمایا یعنی صفات کو تو یہ عرض کیا کہ اعوذ برضاك من سخطك رضا اور سخط دونوں صفات ہیں پھر اس میں بھی نقصان توحید ملاحظہ فرمایا تو اور نزدیک ہوئے اور مشاہدۂ صفات سے مشاہدۂ ذات پر ترقی فرما کر فرمایا اعوذ بك منك اس میں ذاتِ الٰہی کی طرف گریز ہے کسی فعل وصفت کا لحاظ نہیں مگر چونکہ اس میں بھی اتنی بات تھی کہ اپنے نفس کو گریز کرنے والا اور پناہ چاہنے والا اور ثنا گو دیکھا تو اس کو بھی خلل انداز توحید سمجھ کر اور نزدیک ہوئے اور عرض کیا لا احصی ثناءً علیك انت کما اثنیت علیٰ نفسك پس لا احصی سے تو یہ نکلتا ہے کہ آپ اپنے نفس سے فنا ہو کر اس کے مشاہدے سے متجاوز ہو گئے اور انت کما اثنیت علیٰ نفسك سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ثنا کرنے والا اور جس کی ثنا کی جاوے وہ ذات واحد ہے مادح اور ممدوح ایک ہی ہیں اور سب ماسوا اسی سے نکلے اور اسی کی طرف مرجع رکھتے ہیں اور سوا اس کی ذات کے اور سب فانی ہیں۔

غرضکہ جو مقام کہ موحدین کے لیے انجام کو حاصل ہوتا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شروع ہی میں حاصل ہوا یعنی اوّل ہی اول بجز اللہ تعالیٰ اور اس کے افعال کے اور کچھ نہ دیکھا اور آپ کا دستور تھا کہ جب ایک رتبے سے دوسرے پر ترقی فرماتے تھے تو رتبہ اوّل کو بہ نسبت دوم کے بعد اور دوری خدا تعالیٰ سے سمجھتے تھے اسی لحاظ سے کہ پہلے رتبے سے استغفار فرماتے اور اس کو اپنے سلوک اور مقام میں نقصان تصور فرماتے اور اسی کی طرف اشارہ ہے اس حدیث میں انہ لیغان علیٰ قلبی حتی استغفر اللہ فی الیوم واللیلۃ سبعین مرۃ[ح] اور ستر دفع کی تخصیص اس لیے ہے کہ ہر روز آپ ستر مقام پر ترقی فرماتے تھے جو ایک دوسرے سے اوپر تھے اور ان میں جو مقام پہلا تھا وہ اگرچہ خلق کی طاقت کے باہر تھا مگر چونکہ پچھلے مدارج کی نسبت اس میں نقصان تھا اسی لیے آپ استغفار کرتے تھے اور جب حضرت عائشہ نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ خدا تعالیٰ نے کیا آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف نہیں فرمائے کہ جو آپ سجدے میں اتنا روتے ہیں اور اتنی سخت محنت فرماتے ہیں تو آپ نے ارشاد فرمایا[ح] کہ کیا میں بندۂ شاکر نہ ہوں اس کے یہ معنی ہیں کہ کیا میں طالب زیادہ مقامات کا نہ ہوں کیونکہ شکر سے زیادتی نعمت کی ہوتی ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے لئن شکرتم لازیدنکم[۳] اب چونکہ ہم دریائے ناپیدا کنار مکاشفہ میں جا گھسے اس لیے وہاں سے باگ روک کر جو بات علوم معاملہ کے شایاں ہے اس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام اس غرض سے بھیجے گئے ہیں کہ خلق کو توحید کامل کی طرف جس کا بیان اوپر گذرا بلاویں مگر لوگوں کے اس تک پہنچنے میں بہت سی مسافت

ح میرے دل پر میل ہو جاتا ہے یہاں تک کہ میں دن اور رات میں ستر مرتبہ خدائے تعالیٰ سے مغفرت کی درخواست کرتا ہوں ۱۲ مسلم بروایت اغر مزنی اور اس میں فی الیوم مائۃ مرۃ ہے ۱۲ ح یہ حدیث بقیہ حدیث عطا کی ہے جو موحد میں پیشتر گذری ۱۲ [۳] اگر حق مانو گے تو اور دوں گا تم کو

اور سخت گھاٹیاں ہیں اور شریعت تمام و کمال طریق اس مسافت کے چلنے اور ان گھاٹیوں کے طے کرنے کا بتلاتی ہے تو یہ نظر اور ہی مشاہدہ اور مقام کی ہے اس مشاہدے کے اعتبار سے البتہ شکر اور شاکر اور مشکور جدا جدا معلوم ہوتے ہیں اور یہ بات بدوں مثال سمجھ میں نہ آوے گی اس لیے اس کی مثال سے سمجھتا اس طرح ممکن ہے کہ فرض کرو کہ کسی بادشاہ نے اپنے کسی غلام کے پاس جو اس سے دور تھا سواری اور لباس اور نقد زادِ راہ کے واسطے بھیجا کہ قطع مسافت کر کے درگاہ سلطانی سے قریب ہو جاوے اور اس قرب کی دو صورتیں ہیں یا تو بادشاہ کو یہ منظور ہے کہ اگر دربار میں آجاوے گا تو کچھ کام کرے گا اور بعض خدمات سے بے فکری ہو جاوے گی اور تیسری صورت یہ ہے کہ قرب سے بادشاہ کو کچھ فائدہ نہیں نہ اس کو غلام کی ضرورت دربار میں ہے نہ اس کے آنے سے سلطنت بڑھے گی کیونکہ اس سے کوئی ایسی خدمت نہیں ہو سکتی جس سے بادشاہ کو بے فکری ہو جاوے اور اس کے غائب رہنے سے سلطنت ناقص ہو پس اس کو سواری اور زاد راہ جو عنایت ہوا تو صرف یہی منظور ہے کہ وہ قریب ہو کر سعادت حضوری سے مشرف ہو اور خود اس اس کا فائدہ ہو یہ غرض نہیں کہ بادشاہ کو کچھ نفع ہو تو بندوں کو خدا تعالیٰ کی نسبت صورت دوم کے رتبے میں تصور کر لینا چاہیئے اول صورت تو خدا تعالیٰ پر محال ہے اس لیے کہ خدا تعالیٰ کو کسی کی طرف کچھ حاجت نہیں اور دوسری صورت محال نہیں پھر یہ جاننا چاہیئے کہ پہلی صورت میں بندہ صرف سوار ہو کر بادشاہ کے پاس چلے آنے سے شاکر نہ ہو گا جب تک کہ وہ خدمت جو بادشاہ کو اس سے لینی منظور ہے بجا نہ لاوے اور دوسری صورت میں تو بادشاہ کو خدمت کی مطلق پروا ہی نہیں مگر پھر بھی شاکر اور کافر ہو سکتا ہے۔ شکر تو اس طرح ہو گا کہ جو چیز بادشاہ نے دی ہے اس کو ایسے مصارف میں لگاوے جو اس کو محبوب ہوں نہ اپنی من مانی چیزوں میں، اور کفر اس طرح ہے کہ جو مالک کو منظور تھا اسی میں استعمال اس کے انعام کا نہ کیا یعنی یا تو اس کی عطا کو بیکار محض رہنے دیا یا ایسے مصارف میں لگایا جن سے اس کا بعد زیادہ ہو جاوے۔ پس اگر بادشاہی خلعت پہنا اور گھوڑے پر سوار ہوا اور زادِ راہ کو راہ ہی میں خرچ کیا تو آقا کا شاکر ہو گا کیونکہ اس کی نعمت کو اسی کی چاہتی بات میں خرچ کیا یعنی جس طرح پر کہ غلام کا نفع اس کو محبوب تھا اسی طرح ان اشیاء کا استعمال کیا اور اگر غلام مذکورہ اس کی سواری پر سوار ہو کر بادشاہ کی سمت سے پشت پھیر کر چل دے اور زیادہ دور ہوتا جاوے تو کافر ہو گا اس لیے کہ اس نے اس کے انعام کو ایسے امور میں خرچ کیا جو اس کے آقا کو اس کے حق میں برے معلوم ہوتے ہیں نہ اپنے حق میں اور اگر بیٹھ رہا اور سوار نہ ہوا نہ طلب قرب اور نہ تلاش بعد تب بھی کافر نعمت ہو گا کہ آقا کے انعام کو مہمل و بے کار رکھا مگر بعید ہونے والے کی نسبت یہ کافر کم ہے۔ اسی طرح خداوند کریم نے خلق کو پیدا کیا اور وہ ابتدائے پیدائش میں شہوات کے استعمال کے محتاج ہیں تاکہ ان کے بدن پورے ہو جاویں اور شہوات کے سبب دربار اعلیٰ سے بعید ہو جاتے ہیں اور ان کی سعادت اس میں ہے کہ اسی کے قریب رہیں۔ پس ان کے لیے ایسی نعمتیں بھی مہیا فرمائیں کہ درجہ قرب کے ملنے کے لیے ان کے استعمال پر قادر ہیں اور اسی بعد و قرب کو خدا تعالیٰ نے اس طرح ارشاد فرمایا ہے لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ[۱] فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

ت ۱ ترجمہ اگلے صفحہ پر ہے۔

فلهم اجر غیر ممنون[1] اس سے معلوم ہوا کہ خدائے تعالیٰ کی نعمتیں ایسے آلات ہیں جن سے بندہ اسفل السافلین سے ترقی کر کے درجۂ سعادت قرب الٰہی حاصل کرے اور اس سے نفع بندے ہی کو ہے خدا تعالیٰ کو کچھ نفع نہیں چاہے بندہ قریب ہو چاہے بعید ہو سچ ہے ؎

من نکردم امر تا سودے کنم بلکہ تا بر بندگاں جودے کنم

اب بندے کو اختیار ہے اگر اس کی نعمت کا استعمال طاعت میں کرے گا تو شاکر ہوگا کہ مولیٰ کی مرضی کے موافق کام کیا اور اگر اس کی نافرمانی میں استعمال کرے گا تو کافر ہوگا کہ جو بات اس کو اس کے لیے منظور نہ تھی اور اس کے حق میں اس کے نزدیک بُری تھی وہ اس نے اختیار کی ولا یرضیٰ لعبادہ الکفر[2] خود فرمایا ہے اور اگر ان نعمتوں کو بیکار رکھے نہ طاعت میں لگا دے نہ معصیت میں تو یہ بھی کفرانِ نعمت ہے کہ نعمت کو تلف کرتا ہے اور جو چیز دنیا میں مخلوق ہوتی ہے وہ اس لیے ہے کہ بندہ اس کے سبب سعادت اخروی تک پہنچے اور قرب الٰہی حاصل کرے اس سے معلوم ہوا کہ ہر ایک اطاعت کرنے والا اپنی طاعت کے بموجب شکر ان نعمتوں الٰہی کا کرتا ہے جن کو طاعت میں استعمال کیا ہے اور جو کسلمند ہے کہ سرے سے استعمال ہی نہیں کرتا یا نافرمان ہے کہ ان کو طریق بعد میں صرف کرتا ہے وہ ناشکر ہے اور اس کی مرضی کے موافق کام نہ کرنے میں زیادتی کرتا ہے غرضکہ طاعت اور معصیت کو دونوں کو مشیئت ایزدی شامل حال ہے مگر اچھا معلوم ہونا اور برا معلوم ہونا مشیت کے علاوہ ہے یعنی خواہش کی چیز محبوب ہوتی ہے یعنی مکروہ اور اس دقیقے کے بیان کی آڑ میں تقدیر کا راز ہے جس کے افشاء کا حکم نہیں اس تقریر سے اعتراض اول جاتا رہا یعنی یہ کہ اگر مشکور کو بہرہ شکر سے نہیں تو شکر کیسے ہوگا اس کا جواب یہ ہے کہ نعمت الٰہی کو اس کی مرضی کے موافق استعمال کرنا بھی شکر ہے اور دوسرے اعتراض کا جواب بھی ہو گیا اس لیے کہ شکر سے تو ہماری مراد وہی ہے کہ نعمتِ الٰہی کو جس طرح اس کو محبوب ہو اس طرح صرف کرے پس جب نعمتِ الٰہی اس کے فعل سے ایسی جگہ صرف ہوتی جو اس کو محبوب تھی تو مراد حاصل ہے اور آدمی کا فعل اللہ تعالیٰ کی عطا ہے مگر چونکہ محل اس فعل کا انسان ہے اسی واسطے انسان کی ثنا جاتی وصف اور ثنا کا ہونا یہ دوسری نعمت خدا کی ہے انسان پر کیونکہ وہی دیتا ہے اور وہی وصف کرتا ہے اور اسی کے دو کاموں میں سے ایک کام اس بات کا باعث ہوا کہ دوسرا فعل وجہ محبت میں صرف کیا جاوے تو ہر حال میں اسی کو شکر چاہیئے اور انسان کو جو شاکر کہتے ہیں تو اس غرض سے کہتے ہیں کہ وہ محل شکر ہے نہ اس وجہ سے کہ وہ موجد شکر ہے مثلاً کہا کرتے ہیں کہ انسان عارف یا عالم ہے اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ وہ عرفان وعلم کا موجد ہے بلکہ یہ مقصود ہوتا ہے کہ عرفان اور علم کا محل ہے حالانکہ ان کا وجود

ت ۱ ہم نے بنایا آدمی خوب سے خوب انداز سے پر پھر پھینک دیا اس کو نیچوں سے نیچا مگر جو یقین لائے اور کیں بھلائیاں ان کو نیگ ہے بے انتہا ۱۲

ت ۲ اور پسند نہیں کرتا اپنے بندوں کی منکری ۱۲

آدمی میں قدرتِ ازلیہ سے ہے وہ خود ایجاد نہیں کر سکتا پھر اس کو شاکر کہنے سے یہی مطلب ہے کہ وہ بھی کوئی چیز ہے اور کچھ شے اس لیے ہے کہ خالق اشیا نے شے بنا دیا اور اگر خود اپنے جی میں گمان کرے کہ میں اپنی ذات کے باعث سے چیز ہوں تو محض ناچیز ہے لیکن اگر اس ذات کے اعتبار سے دیکھیں جس نے کہ اشیاء کو شے ہونا عنایت فرمایا ہے تب تو انسان شے ہے کہ اسی نے شئ بنایا ہے اور اگر اس کے بنانے کا لحاظ اُٹھا دیا جاوے تو واقع میں لا شے ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جب صحابہؓ نے پوچھا کہ جب سب چیزوں سے پہلے ہی فراغت ہو چکی تو عمل سے کیا فائدہ آپ نے فرمایا کہ[ع] اعملوا فکل میسر لما خلق لہ اس حدیث سے بھی اشارہ مطلب مذکورہ بالا کی طرف ہے پس ظاہر ہوا کہ خلق اللہ تعالیٰ کی قدرت کے جاری ہونے کی جگہ اور اس کے افعال کا محل ہے گو خلق خود بھی اس کے افعال میں سے ہے لیکن خدائے تعالیٰ کا بعض فعل بعض کا محل ہوتا ہے مثلاً حدیث شریف میں لفظ اعملوا ہر چند زبان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکلا مگر افعالِ الٰہی میں سے وہ بھی ایک فعل ہے اور اس بات کا سبب ہے کہ خلق کو معلوم ہو جاوے کہ عمل کرنا مفید ہے۔ اب لوگوں کا جاننا بھی ایک خدا کا فعل ہے اور وہ بھی ایک اور بات کا سبب ہے یعنی علم ہی کے باعث ارادہ پختہ حرکت و طاعت کا پیدا ہوتا ہے پھر ارادہ و شوق بھی فعل الٰہی ہے اور حرکتِ اعضا کا سبب ہے اور حرکتِ اعضا بھی خدا کے افعال میں سے ہے اسی طرح یہ سب باتیں اس کے افعال میں ہیں مگر ایک دوسرے کا سبب ہوتی ہیں یعنی فعل اول شرط ہوتا ہے دوسرے کی جیسے جسم کا پیدا ہونا غرض کے لیے شرط ہے یعنی غرض پہلے جسم کے نہیں پیدا ہوتا اور زندگی کا پیدا ہونا علم کی پیدائش کے لیے شرط ہے اور علم کا پیدا ہونا ارادے کی پیدائش کے لیے شرط ہے۔ یہ سب افعال خدائے تعالیٰ کے ہے اور ایک دوسرے کے لیے اسی اعتبار سے سبب ہیں۔ ان کے سبب ہونے سے یہ مقصود نہیں کہ وہ ایک دوسرے کے موجد ہیں۔ بلکہ یہ غرض ہے کہ غیر کے حاصل ہونے کے لیے شرط ہیں کہ اوّل یہ ہو چکے تو دوسرا امر ہو جیسے زندگی جب ہو جب اوّل جوہر ہو چکے اور علم کے قبول کی استعداد جب ہو جب پہلے حیات ہو لے اور ارادہ اس وقت ہو جس وقت علم پیشتر آ چکے۔ اس طرح اگر آدمی تحقیق کرے گا تو رتبہ توحید ہم اوپر لکھ آتے ہیں اس تک ترقی کر جائے گا۔ اب یہاں یہ اعتراض ہے کہ جب ہمارے اختیار میں کچھ نہیں سب کچھ خدا تعالیٰ ہی کو اختیار ہے تو ہم کو یوں کیوں حکم ہوا ہے کہ عمل کرو ورنہ نافرمانی پر عتاب و عقاب ہوگا۔ ہم پر عتاب کی وجہ کیا ہے۔ شعر

ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی
جو چاہتے ہیں سو آپ کریں ہیں ہم کو عبث بدنام کیا

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم الٰہی ہم میں ایک اعتقاد کے آنے کا سبب ہوتا ہے اور اعتقاد سبب ہے

[ع] عمل کرو اسلیے کہ ہر ایک شخص کو وہی کام میسر ہوگا جس کے لیے وہ پیدا ہوا ہے ۱۲ بخاری و مسلم بروایت علیؓ مرتضیٰ و عمران بن حصین ۱۲

ہیجان خوف کا اور جوش خوف باعث ہے ترک شہوات اور دنیا سے احتراز کا جس سے خدائے تعالیٰ مسبب الاسباب کا قرب نصیب ہوتا ہے یہی ترتیب اسباب میں خدائے تعالیٰ نے مقرر فرمائی ہے پس جو شخص کہ ازل میں سعید لکھا گیا ہے اس کے لیے یہ اسباب اسی ترتیب سے میسّر ہوتے ہیں یہاں تک کہ سلسلہ وار اس کو جنت میں پہنچا دیتے ہیں اور اسی سے اشارہ ہے حدیث مذکورۃ بالا میں کہ کل میسر لما خلق لہ اور جس کے نام پر نیکی کا قلم ازل میں جاری نہیں ہوا وہ کلامِ خدا اور حدیثِ مصطفےٰ اور نصائح علماء سے دور بھاگتا ہے اور کان نہیں دھرتا اور نہ سننے کی جہت سے جانتا نہیں اور نہ جاننے کے باعث خوف نہیں کرتا اور جب خوف نہیں کرتا تو میل دنیا کیسے چھوڑے گا اور جب تک رغبت دنیا نہ چھوڑے گا تب تک زمرۂ شیطانوں میں رہے گا جن کا قرار گاہ دوزخ ہے۔ اس تقریر گذشتہ کو اگر تامل سے دیکھو تو عجیب بات معلوم ہو کہ ایک قوم جنت میں زنجیروں سے کھینچی جاتی ہے اور ایک گروہ دوزخ میں زنجیروں سے کھینچا جاتا ہے یعنی جس شخص کو جنت ملے گی وہ بھی اس کے اسباب کی زنجیروں کی پابند ہے کہ علم اور خوف اس پر مسلط ہیں اور جو دوزخی ہے وہ بھی زنجیروں میں پابند ہے کہ اس پر غفلت اور خدا کے عذاب سے نڈر رہنا اور اسی پر مغرور رہنا مسلط ہیں غرضکہ متقی تو جنت میں بزور کھینچے جاتے ہیں اور مجرم دوزخ میں زیر دستی گھسیٹے جاتے ہیں اور یہ زبردست سوائے اس ذات واحد قہار کے اور کوئی نہیں نہ اس کے سوا کسی کو کچھ قدرت مگر غافلوں کی آنکھ پر پردہ ہے جس روز یہ پردہ ان کی آنکھ سے دور ہو گا اس روز اس کیفیت کو جوں کی توں دیکھ لیں گے اور اس سرادقات جلال سے آواز ہو گی لمن الملک الیوم للہ الواحد القہار۔[1] ہر چند ملک و سلطنت ہر روز واحد قہار ہی کے لیے ہے کچھ تخصیص اس روز کی نہیں لیکن غافلوں کو یہ آواز اسی روز سنائی دے گی پس اس روز کی تخصیص اس بات پر مبنی ہے کہ کشف احوال ان کو ایسے وقت میں ہو گا کہ کچھ مفید نہ ہو خدائے تعالیٰ جہالت اور غفلت سے بچاوے کہ اصل اسباب ہلاک یہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ اور ناپسندیدہ چیزوں میں امتیاز

واضح ہو کہ فعل شکر اور ترک ناشکری بدون پہچاننے خدائے تعالیٰ کی محبوب چیزوں کے پورا نہیں ہوتا اس لیے کہ شکر کے معنی یہ ہیں کہ نعماتے الٰہی کو ایسی چیزوں میں استعمال کرے جو اس کو محبوب ہوں اور کفر یعنی ناشکری کے معنی یہ ہیں کہ ان نعمتوں کو یا تو بالکل استعمال ہی نہ کرے یا ایسی چیزوں میں کرے جو اس کو بُری معلوم ہوتی ہوں پھر خدا تعالیٰ کی محبوب اور مکروہ چیزوں کے دریافت کے لیے دو مدرک ہیں ایک سننا جس کا مستند آیات و احادیث ہیں اور دوسرے دل کی بصیرت یعنی چشم اعتبار سے دیکھنا اور یہ پچھلا امر دشوار ہے اور بہمیں لحاظ نادر و کمتر پایا جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے رسولوں کو بھیجا اور ان کے باعث خلق پر طریق آسان کر دیا اور اس طریق کی پہچان تمام احکام شرع کے متعلق بافعال عباد جاننے پر موقوف ہے پس جو شخص اپنے سب افعال میں احکام شرع سے مطلع نہ ہو گا وہ ہرگز شکر کے عہدے سے

---

[1] کس کا راج ہے اس دن اللہ کا ہے جو اکیلا ہے دباؤ والا

بری الذمہ نہ ہوگا۔ رہی دوسری بات یعنی چشم اعتبار سے دیکھنا اس کے یہ معنی ہیں کہ جو موجود خدا کی مخلوق ہے اس میں حکمت معلوم کرے کیونکہ دنیا میں کوئی ایسی شئی نہیں جس میں کچھ حکمت نہ ہو اور اس حکمت سے کچھ مقصود نہ ہو تو جو مقصود ہر شئے سے ہے وہی خدائے تعالیٰ کو محبوب ہے۔ اب اس حکمت کی دو قسمیں ہیں ایک ظاہر اور ایک پوشیدہ، حکمت ظاہر یعنی یہ جاننا کہ آفتاب کی پیدائش میں یہ حکمت ہے کہ اس سے دن اور رات پیدا ہوتے ہیں یعنی دن سے مقصود تحصیل معاش ہے اور رات سے آرام و چین کا حاصل ہونا، کیونکہ سوجھنے کے وقت حرکت ہو سکتی ہے اور اندھیرے کے وقت سکون پیدا ہوتا ہے۔ غرضکہ آفتاب کی حکمتوں میں سے ایک یہ ہے جو مذکور ہوئی اور اس کے سوا اس میں اور بہت سی حکمتیں دقیق ہیں اسی طرح بادل اور مینہ کی حکمت کو معلوم کرنا ہے کہ ان سے زمین میں طرح طرح کا سبزہ اُگتا ہے جو حیوانوں اور انسانوں کی غذا بنتا ہے اور ظاہری حکمتیں جو خلق کی سمجھ میں آویں خدا تعالیٰ نے بھی ابر و مینہ کی قرآن مجید میں ارشاد فرمادی ہیں وہ حکمتیں جس سے کہ خلق کی فہم قاصر ہو ارشاد نہیں فرمائیں چنانچہ ارشاد فرمایا[ت۱] فلینظر الانسان الی طعامہ انا صببنا الماء صبا ثم شققنا الارض شقا فانبتنا فیھا حبا وعنبا وقضبا و زیتونا ونخلا وحدائق غلبا وفاکھۃ وابا متاعا لکم ولانعامکم اور ستاروں یعنی ثوابت اور سیاروں کی حکمت پوشیدہ ہے کہ اس کو عام لوگ نہیں جانتے اور جس قدر کہ ان کی سمجھ میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ ان سے آسمان کی زینت ہے تاکہ آنکھ ان کو دیکھ کر لذت یاب ہو اور اسی کی طرف خدائے تعالیٰ نے بھی اشارہ فرمایا ہے اس آیت میں[ت۲] انا زینا السماء الدنیا بزینۃ ن الکواکب حاصل یہ کہ تمام اجزائے عالم کے خواہ آسمان ہو یا ستارے یا ہوا یا سمندر یا پہاڑ یا کان یا روئیدگی یا حیوانات اعضا حیوانات سب کے ہر ایک ذرے میں بہت سی حکمتیں ہیں، ایک سے لیکر ہزار اور دس ہزار تک حکمتیں ہر ذرّے میں پائی جاتی ہیں اعضائے حیوانات کی حکمتیں بھی بعضی ایسی ہیں کہ معروف ہیں جیسے یہ معلوم ہے کہ آنکھ دیکھنے کے لیے ہے پکڑنے کو نہیں ہاتھ گرفت کو ہے چلنے کو نہیں پاؤں رفتار کے واسطے ہے سونگھنے کو نہیں اور علیٰ ہذالقیاس لیکن اعضائے باطنی مثلاً آنتیں اور پتہ اور جگر اور گردہ اور رگیں اور پٹھے اور مچھلیاں وغیرہ اور جو باتیں کہ ان اعضا میں ہیں یعنی بعضوں میں خلو ہے اور بعضوں میں پیچ ہے، بعضے ایک دوسرے میں جال کی طرح ہیں بعضوں کا رُخ اور طرف کو ہے، بعضے پتلے ہیں مثلاً بعضے گاڑھے یا اور اسی طرح کے صفات تو ان کی حکمتیں سب لوگوں کو معلوم نہیں اور جو لوگ جانتے ہیں وہ بھی خدا کے علم کی نسبت کر کچھ تھوڑا ہی جانتے ہیں چنانچہ خود فرماتا ہے[ت۳] وما اوتیتم من العلم الا قلیلا بیان مذکورہ بالا سے معلوم ہوا کہ جو شخص کسی چیز کو ایسی

ت ۱ اب نگاہ کرے آدمی اپنے کھانے کو کہ ہم نے ڈالا پانی اوپر سے پھر چیرا زمین کو پھاڑنے کو پھر اگایا اس میں اناج اور انگور اور ترکاری اور زیتون اور کھجوریں اور باغ گھنے اور میوے اور دوب کام چلانے کو تمہارا اور تمہارے چوپایوں کا ۱۲

ت ۲ ہم نے رونق دی دنیاوی آسمان کو ایک رونق جو تارے ہیں ۱۲

ت ۳ اور تم کو خبر دی ہے تھوڑی سی ۱۲

وجہ سے استعمال نہ کرے گا جس کے لیے وہ مخلوق ہوئی ہے اور نہ اس طرح پر جو اس سے مقصود ہے تو وہ اس چیز میں نعمت الٰہی کی ناشکری کرے گا۔ مثلاً کسی شخص نے دوسرے شخص کو اپنے ہاتھ سے مارا تو اول شخص ہاتھ کی نعمت کا ناشکرگذار ہوگا اس واسطے کہ ہاتھ اس کو اسی لیے دیئے گئے ہیں کہ مضر چیز کو اپنے پاس سے دفع کرے اور مفید چیز کو لیوے اس واسطے مخلوق نہیں ہوئے کہ دوسرے کو ان سے ہلاک کرے اور جو شخص کسی غیر محرم کی طرف دیکھے گا وہ آنکھوں کی نعمت میں ناشکرا ہوگا اور نعمت آفتاب کا بھی ناشکرہ ہوگا۔ کیونکہ سوجھنا انہی دو چیزوں سے ہوتا ہے اور یہ دونوں اس واسطے پیدا ہوئی ہیں کہ اس سے ایسی چیزیں دیکھے جو دین و دنیا میں اس کو مفید ہیں اور جو چیزیں مضر دین و دنیا کی ہوں ان سے بچے پس اس شخص نے ان دونوں کو ایسی جگہ استعمال کیا جو ان سے مقصود نہ تھا اس وجہ سے کہ مقصود پیدائش خلق اور دنیا اور اس کے اسباب سے یہ ہے کہ تمام لوگ ان اسباب کی استعانت سے خدا تک پہنچیں اور بدون محبت الٰہی اور انس خداوندی کے دنیا میں اور دنیا کے مغالطے سے علیحدہ رہنے کے خدا تک پہنچ نہیں سکتے اور انس بدون ذکر دائمی کے اور محبت بدون ایسی معرفت کے جو دوام فکر سے حاصل ہوئی ہو حاصل نہیں ہوتی اور ذکر اور فکر پر دوام بغیر بدن کی پائیداری کے ممکن نہیں اور بدن بے غذا کے باقی نہیں رہتا اور غذا زمین اور پانی اور ہوا کے سوائے تیار نہیں ہو سکتی اور بدون پیدائش آسمانوں اور زمین اور پیدائش تمام خلق کے اعضائے ظاہری اور باطنی کے تمام نہیں ہو سکتی اور سب چیزیں بدن کے لیے ہیں اور بدن نفس کی سواری ہے اور خدا کی طرف رجوع کرنے والا وہی نفس ہے جس نے مدت تک عبادت اور معرفت کر کے اطمینان حاصل کیا ہو اور اسی واسطے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[ت ا] وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ غرضکہ جو شخص کسی کو ان اشیاء میں سے سوائے طاعت الٰہی کے اور کسی چیز میں استعمال کرے گا تو وہ خدا تعالیٰ کی نعمت کا ان لوازم و اسباب میں ناشکرہ ہوگا جو ارتکاب معصیت کے لیے ضروری تھے۔ اب خفیہ حکمتوں کی ہم ایک مثال لکھتے ہیں جس میں بہت خفا نہیں تاکہ آدمی اس سے اور باتوں پر قیاس کر کے طریق ناشکری اور شکر نعمتوں کا معلوم کرے۔ پس ہم کہتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک یہ ہے کہ روپیہ اور اشرفی کو پیدا کر کے ان سے انتظام دنیا قائم ہے اور ہر چند وہ دونوں پتھر ہیں کہ خود ان سے کوئی نفع نہیں ہوتا نہ کھانے میں آویں نہ پینے اور پہننے میں مگر خلق کو ان کی درجۂ غایت احتیاج ہے اس واسطے کہ ہر ایک انسان کو کھانے اور پینے اور لباس اور دوسری حاجات میں بہت سی چیزوں کی ضرورت رہتی ہے اور کبھی حاجت کی چیز سے خود عاجز ہوتا ہے اور کبھی بدون حاجت کی چیز اپنے پاس رکھتا ہے۔ مثلاً اس کے پاس زعفران ہے اور اس کو ضرورت سواری کے اونٹ کی ہے اور جس کے پاس اونٹ ہے شاید اس کو اس کی ضرورت نہ ہو اور زعفران کی حاجت ہو تو ان دونوں میں مبادلہ بھی ہونا چاہیئے اور مقدار عوض بھی معین ہونی ضرور ہے کیونکہ یہ تو ہوگا نہیں کہ اونٹ کا مالک ہر ایک مقدار زعفران کے بدلے اونٹ حوالہ کر دے اور

ت ا اور میں نے جو بنائے جن اور آدمی سو اپنی بندگی کو ۱۲

اونٹ اور زعفران میں کچھ مناسبت بھی نہیں جس سے وہ یہ کہہ سکیں کہ اونٹ کے برابر وزن میں یا صورت میں دینی چاہیے۔ اسی طرح جو شخص کپڑے کے عوض میں گھر مول لیا چاہے یا گھوڑے کے عوض آٹا یا موزے کے عوض غلام لیا چاہے تو ان چیزوں میں کچھ تناسب نہیں، اسی لیے یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ مبادلہ کے اسباب میں مساوات کس طرح ہو گی اور معاملات بند رہیں گے اس دقت کے دور کرنے کے لیے حاجت متوسط چیز کی ہو گی جو ایسی اشیا غیر متناسب میں حکم مساوات کر سکے کہ اگر اس کی نسبت کر دونوں چیزوں کو دیکھا جاوے تو مساوی غیر مساوی معلوم ہو جاوے نظر بریں خداوند کریم نے روپیہ اور اشرفی کو پیدا فرمایا تاکہ یہ دونوں سب مالوں میں متوسط ہو سکیں اور ان سے مال کا اندازہ ہو سکے۔ مثلاً کہہ سکیں کہ یہ اونٹ سو روپے کا ہے اور اتنی زعفران سو روپے کی ہے اور دونوں چونکہ مساوی ایک ہی چیز معین کے ہیں اس لیے آپس میں مساوی ہیں اور روپے اشرفی سے اس لیے مساوات ممکن ہوئی کہ ان سے خود سے کوئی غرض متعلق نہیں اور اگر یہ بھی کسی کام خورد و نوش وغیرہ میں آتے تو جس مطلب کے ہوتے اسی مطلب والے کے حق میں ان کو ترجیح ہوتی۔ دوسرے کے حق میں نہ ہوتی اور انتظام نہ ہوتا۔ پس جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس واسطے پیدا کیا کہ ہر ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں جاویں اور اموال غیر متناسبہ کے درمیان مساوات پیدا کریں اور یہ حکمت بھی ان میں رکھی کہ ان سے تمام اشیاء حاصل ہو سکیں کیونکہ یہ دونوں محبوب ہیں اور ان کی ذات سے کوئی غرض نہیں نکلتی اور ان کی نسبت سب مالوں کی طرف ایک سی ہے تو ان دونوں کا مالک ہونا گویا تمام چیزوں کا مالک ہونا ہے ایسا نہیں جیسا کوئی کپڑے کا مالک ہو کیونکہ اس کے پاس صرف کپڑا ہی ہے۔ اگر مثلاً اس کو حاجت کھانے کی ہو تو شاید کوئی کپڑے کے عوض نہ دے اس لیے کہ جس سے کھانا لیا چاہتا ہے شاید اس کو حاجت کپڑے کی نہ ہو بلکہ سواری کی ضرورت ہو تو ایسی چیز کی حاجت ہوئی کہ ظاہر میں تو کچھ نہ ہو اور باطن میں سب کچھ ہو اور جب کوئی ایسی چیز ہوتی ہے کہ ظاہر میں اس کی صورت خاص نہیں ہوتی تو اس کی نسبت مختلف چیزوں کی طرف یکساں ہوتی ہے۔ مثلاً آئینہ میں کوئی خاص رنگ نہیں ہوتا مگر ہر ایک رنگ اس میں آ سکتا ہے اسی طرح نقد روپیہ اشرفی بھی بظاہر کسی مطلب کی نہیں مگر ان کے ذریعہ سے ہر ایک مطلب نکل سکتا ہے جیسے صرف کہ بذات خود اس کے معنی مستقل نہیں ہوتے مگر اس کے وسیلے سے اور کلمات میں معنی ظاہر ہوتے ہیں غرضیکہ روپیہ اشرفی کا ذریعہ حصولِ اغراض ہونا دوسری حکمت ہے اور ان دونوں میں اور بھی بہت سی حکمتیں ہیں جن کا ذکر طول چاہتا ہے۔ اب جو کوئی روپیہ اشرفی میں وہ بات کرے جو ان کے لائق نہ ہو بلکہ جس مطلب کے لیے یہ پیدا ہوئے ہیں اس کے مخالف ہو تو خدا تعالیٰ کی نعمت کا ان دونوں میں ناشکرہ ہو گا۔ مثلاً جو کوئی ان کو داب رکھے تو ان کے ساتھ ناانصافی کرے گا اور جس حکمت کے لیے یہ پیدا ہوئے ہیں اس کو بیکار کرے گا اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی مسلمانوں کے حاکم کو قید کر لے، قید کے مارے وہ حکم نہ کر سکے اسی طرح روپیہ اشرفی بھی مسلحات اموال کے لیے حاکم ہیں جو ان کو گاڑ رکھے گا وہ ان کا حکم تلف کرے گا اور جو غرض مقصود ان سے تھی وہ حاصل نہ ہو گی اور روپیہ اشرفی کی کسی خاص فرد بشر زید و عمر کے واسطے پیدا نہیں ہوئے کیونکہ ان کی ذات سے کسی کی غرض کھانے پینے کے متعلق

نہیں وہ تو پتھر ہیں اسی لیے مخلوق کیا اس ایک ہاتھ سے دوسرے میں جاویں اور لوگوں کے معاملات میں مساوات کے حاکم رہیں۔ یہ حکمتیں صفحات موجودات پر قدرتی خط سے منقوش رہتی ہیں۔ ان میں حرف و آواز نہیں نہ آنکھ سے سوجھیں بلکہ چشم بصیرت چاہیئے جس سے یہ نوشتے معلوم پڑیں ؎

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

اور جو لوگ ان نقوش کے پڑھنے سے عاجز ہیں تو ان کو حرف اور صورت کے ذریعے سے اپنے رسولؐ مقبول کی زبان سے وہ بات خدائے تعالیٰ نے سنادی جو ان کی فہم میں نہ آئی تھی، چنانچہ ارشاد فرمایا [ت۱] الذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم اور جو شخص چاندی سونے کے برتن بنوائے وہ بھی کافر نعمت ہوگا اور دابنے والے کی نسبت کہ اس کا برا حال ہے اس لیے کہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص حاکم شہر سے نوربافی یا جاروب کشی یا کوئی اور ہیچ ذات کا کام لے کہ اس کی نسبت قید ہی اس کے حق میں مفید ہے اور چاندی سونے کے برتن بنوانے اس لیے برے ہیں کہ برتن صرف چیزوں کی حفاظت کے لیے ہوتے ہیں اور سیال چیزوں کے روکنے میں مستعمل ہیں پس اس مطلب کے لیے مٹی اور لوہا اور جست اور تانبا کام میں آسکتے ہیں اور چاندی سونے کے قائم مقام ہو سکتے ہیں۔ مگر جس مقصود کے لیے چاندی سونا ہیں ان کے لیے لوہا اور جست وغیرہ کافی نہیں اور جس کو یہ حکمت معلوم نہیں ہوتی اس کو زبان رسالت مآبؐ سے سنوا دیا کہ [ح۲] من شرب فی انیۃ من ذھب او فضۃ فکانما یتجرجر فی بطنہ نار جھنم اسی طرح جو شخص کہ روپیہ اشرفی میں معاملہ سود جاری کرے وہ بھی کافر نعمت اور ظالم ہے اس واسطے کہ یہ دونوں چیزیں وسیلہ دوسری چیزوں کا بنی ہیں اپنی ذات خاص سے فائدے کے لیے نہیں بنیں تو جو کوئی انہیں میں خود تجارت کرے گا تو ان کو خلاف وضع حکمت مقصود بنادے گا۔ کیونکہ نقد کو ایسی چیز کے واسطے لینا جس کے واسطے وہ موضوع نہیں ظلم ہے۔ اور جس شخص کے پاس کپڑا ہے اور نقد نہیں تو کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کے عوض غذا اور سواری نہیں لے سکتا کیونکہ ہو سکتا ہے غذا اور سواری کپڑے کے عوض نہ بکتی ہو تو خواہ مخواہ وہ کپڑے کو نقد کے عوض بیچے گا تاکہ نقد کے باعث اپنے مقصود پر پہنچ سکے اس لیے کہ نقد حصول اغراض کا ذریعہ ہوتا ہے اس کی ذات سے کچھ غرض نہیں ہوتی اس کا حال مال میں ایسا ہے جیسا حرف کلام میں جس کی تعریف نحو والے کہتے ہیں کہ حرف وہ ہے جو ایسے معنوں کے لیے آوے جو غیر میں ہوں یا نقد کو اموال میں مثل آئینے کے رنگوں کے لیے سمجھنا چاہیئے۔ لیکن جس کے پاس نقد ہے اور اس کو اس کا بیچ ڈالنا دوسرے نقد کے عوض درست ہو اور اپنا کاروبار اسی پر منحصر کر دے تو نقد اس کی قید میں رہے گا گویا دابنے کے برابر ہو جاویگا

ت۱ اور جو لوگ گاڑ رکھتے ہیں سونا اور روپیہ اور خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں سو ان کو خوشخبری سنا دکھ والی مار کی ۱۲ ح۲ جو شخص چاندی سونے کے برتنوں میں پیتا ہے گویا وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ کو غٹ غٹ ڈالتا ہے، بخاری و مسلم بروایت ام سلمہؓ ۱۲

اور حاکم کا قید کرنا یا قاصد کا محبوس رکھنا داخل ظلم ہے اور نقد کو بدلے نقد کے بیچنے کے یہی معنی ہیں کہ اس کے
جمع کرنے کے لیے مقصود ٹھہرا لے اور یہ صاف ناانصافی ہے۔ اب اگر یہ کہو کہ پھر اشرفی بھناتے اور روپیہ سے
اشرفی مول لینی اور روپیہ کے عوض ویسا ہی اور لینا کیوں درست ہوئے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہر ایک نقد
سے جدا جدا مطلب نکلتا ہے ایک کا کام دوسرے سے نہیں نکلتا۔ مثلاً اشرفی کے اگر روپے کیے جائیں تو بہت
سے اغراض کا وسیلہ ہو سکتے ہیں اور تھوڑا تھوڑا کر کے سب حاجات پوری ہو سکتی ہیں ورنہ ایک ہی حاجت
میں اشرفی رک جاوے گی۔ غرضکہ جو کام اشرفی سے نکلتا ہے وہ روپیہ سے نہیں اور جو روپیہ سے مقصود ہے
وہ اشرفی سے نہیں پس اگر اس کے مبادلہ سے منع کیا جاوے تو مقصود خاص میں خلل ہوگا یعنی بآسانی ذریعہ دوسری
چیز کے حاصل ہونے کا نہ رہے گا اور ایک روپیہ کی بیع اسی جیسے روپیہ سے اس لیے درست ہے کہ اس میں کسی
عاقل کو رغبت نہیں ہوتی، نہ کوئی تاجر اس میں مشغول ہوا اس لیے کہ یہ حرکت لغو ہے اور ایسی ہے جیسے کوئی روپیہ
زمین پر رکھ کر پھر اٹھا لے پس جس شے کی طرف نفسوں کو شوق نہیں اس سے ہم منع بھی نہیں کرتے مگر اس صورت
میں کہ ایک کھرا ہو اور ایک کھوٹا، گو یہ بات بھی چلتی نہیں معلوم ہوتی، کیونکہ کھرے روپیہ والا اپنے اچھے روپے کو
دے کر اس کے برابر برا لینے پر کیوں راضی ہوگا اور ان میں معاملہ بننے کی کیا صورت ہے اور اگر وہ کچھ بٹا مانگے گا
تو یہ مقصود چیز ہے اس میں بیشک ہم منع کریں گے اور کہیں گے کہ روپیہ میں کھرا کھوٹا برابر ہے کیونکہ کھرا اور
کھوٹا ان اشیاء میں دیکھنا چاہیے جو بذات خود مقصود ہوتی ہیں اور جن میں ذات سے کچھ غرض نہ ہو ان میں سے
ایسے باریک تغیرات کا لحاظ نہ چاہیئے اس جا ظلم اس شخص کا ہے جس نے روپیوں کو مختلف بنایا یا کسی کو کھرا کسی کو
کھوٹا یہاں تک کہ وہ بذاتِ خود مقصود ہو گئے حالانکہ چاہیئے یوں تھا کہ مقصود نہ ہوتے اور روپیہ کی عوض نسیئہ[ع]
اس واسطے ناجائز ہے کہ اس پر وہی شخص اقدام کرے گا جس کو کچھ مسامحت احسان کرنے میں منظور ہو تو قرض دینے
کی صورت میں اس بیع کی کچھ حاجت نہیں رہتی اور قرض کی فضیلت بھی زیادہ ہے تو ایسی ہی بات نہ کرے جس میں
مقصود احسان بھی نکلے اور ثواب بھی ہو اور بیع کی صورت میں نہ حمد ہے نہ ثواب اس لیے کہ وہ داخل ظلم ہے
کیونکہ اس میں مسامحت خاص کا معاوضہ کے پیرایہ میں برباد کرنا ہے۔ اسی طرح غلے اس لیے پیدا ہوتے کہ ان سے
غذائیں اور دوائیں ہو سکیں تو ان کو ان کی جہت مقصود سے پھیرنا نہ چاہیے اگر ان میں باب تجارت مفتوح کیا
جاوے تو ان کا ہاتھوں قید کر دینا لازم آوے گا اور کھانا جو ان سے مقصود ہے وہ مؤخر پڑ جاوے گا اور
چونکہ غلے کھانے ہی کے لیے پیدا ہوتے ہیں اور غذا کی طرف حاجت سخت ہے اس لیے ضرور ہوا کہ جس کو
غلے کی احتیاج نہ ہو اس کے قبضے سے غلہ نکال لیا جاوے اور غلے کا کاروبار وہی کرے جس کو اس کی حاجت نہ
ہو اس واسطے کہ جس کے پاس غلہ ہے وہ اس کو کھا کیوں نہیں لیتا اگر حاجت مند ہے اور سرمایہ تجارت کیوں

[ع] یعنی ادھار۔

کرتا ہے اور اگر سرمایہ تجارت کرتا ہے تو جو شخص سوائے غلہ کے اور کسی چیز کے بدلے میں جس کی ضرورت اس کو ہو بیچ ڈالنا چاہیئے لیکن جو شخص غلہ کا طالب ویسے ہی غلہ کے عوض میں ہے تو وہ غلے کا محتاج نہیں بلکہ صرف روکنا غلہ چاہتا ہے اسی واسطے شرع میں محتکر یعنی غلے کے جمع کرنے والے پر لعنت وارد ہے۔ اس باب میں اور بھی سخت وعید ہے جن کو ہم نے باب آداب کسب میں لکھا ہے۔ ہاں جو گیہوں تمر کے عوض بیچے وہ معذور ہے کیونکہ جو غرض ایک سے نکلتی ہے وہ دوسرے سے نہیں نکلتی اور جو شخص گیہوں کا پیمانہ اسی کے پیمانہ کے عوض بیچے تو وہ شخص معذور نہیں بلکہ حرکت لغو کرنے والا ہے اسی لیے اس کے منع کرنے کی ضرورت نہیں کہ نفس ایسی باتوں کو خود گوارا نہیں کرتا جب تک کہ اچھے ہونے میں فرق نہ ہو اور اگر اچھے اور برے کا مقابلہ ہو گا تو اچھے والا اتنے ہی برے لینے پر کیوں راضی ہو گا۔ لیکن اچھے کا ایک پیمانہ دے کہ برے کے دو پیمانے لینے گو مقصود بالذات ہو سکتے ہیں لیکن از انجا کہ غذا ضروری چیز ہے اور اصل فائدے میں اچھا برا غلہ برابر ہے صرف لذت کی راہ سے علیحدہ ہے اس لیے شارع نے غرض لذت کو ایسی چیز میں سے جو باعث قوام انسان ہے اُڑا دیا یہی حکمت شرعی سود کے حرام ہونے کی ہے اور یہ حکمت فن فقہ سے اعراض کرنے کے بعد سوجھی تو اس کو بھی فقہیات میں شامل کیے دیتے ہیں کیونکہ جتنی باتیں ہم نے خلافیات میں لکھی ہیں ان سب میں یہ قوی تر ہے اور اسی سے مذہب امام شافعیؒ کا غلبہ ربا کے باب میں پایا جاتا ہے کہ انہوں نے تخصیص غلے کی کی ہے۔ یہ نہیں کہ جو چیز کیلی ہو اس میں ربا ہو۔ ورنہ اگر چونا مثلاً ربائی چیزوں میں داخل ہو تو کپڑے اور جانور بطریق اولیٰ داخل ہوں گے اور اگر حدیث شریف میں نمک مذکور ہی نہ ہوتا تو مذہب امام مالکؒ کا سب مذاہب میں درست ہوتا کہ انہوں نے ربا کے لیے تخصیص قوت کی لگائی ہے لیکن جن معنوں کی شرع رعایت کرتی ہے ان کا کسی تعریف وحد سے منضبط ہونا ضرور ہے اور اس جگہ قوت سے حد مقرر کرنی ممکن ہے اور طعام سے بھی، تو شرع نے جنس مطعوم سے حد کرنی ایسی اشیاء جن کے لیے بقا ضروری ہے مناسب سمجھی اور شرع کا حد مقرر کرنا کبھی ایسے اطراف کو محیط ہوتا ہے جن میں اصل معنی جو باعث حکم ہوتے ہیں قوی نہیں ہوتے مگر ضرورت کے باعث اسی طرح حد کر دی جاتی ہے ورنہ درصورت حد مقرر نہ ہونے کے خلق کو اصل معنی کے اتباع میں بڑی حیرانی پڑتی ہے کہ ایک ہی حکم احوال اور اشخاص کے مختلف ہونے سے متعدد ہو جاتا ہے گو کیسا ہی قوی ہو اس لیے حد مقرر کرنی ضروری ہے۔ اسی جہت سے خدائے تعالیٰ فرماتا ہے [۱] وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ط اور یہ بھی وجہ ہے کہ اصل حکم میں تو اختلاف شریعتوں کا ہوتا نہیں بلکہ اختلاف حد مقرر کرنے کی صورتوں میں ہوتا ہے مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں شراب کی حرمت کی حد نشہ پر ہے تو جس قدر سے نشہ نہ ہو وہ حد حرمت میں داخل نہیں ہے اور ہماری شریعت نے اس کی حرکت کی وجہ جنس سکر ٹھہرائی ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر کیونکہ تھوڑی سے بہت

---

[۱] اور جو کوئی بڑھے اللہ کی حدوں سے تو اس نے برا کیا اپنا ۱۲

کی رغبت ہوتی ہے پس قطع مادۂ فساد کے لیے تھوڑی بھی حرمت میں داخل ہو گی کہ حد میں داخل ہے یعنی نشہ اور ہے جس طرح کہ اصل حرمت حکمت اصلی کے باعث تھی یہ حکمت خفیہ کی جو تقدیر میں ہے ایک مثال ہے اسی سے شکر نعمت اور ناشکری کو سمجھ لینا چاہیئے یعنی جو چیز کہ کسی حکمت کے لیے بنی ہے اس کو اس حکمت سے پھیر نا نہ چاہیے۔ اور یہ بات وہی جانے گا جو حکمت کو جانتے گا جس کی شان میں یہ آیت ہے ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا[ت۱] اور جن دلوں میں کہ شہوات کے ڈھیر لگے اور شیطان کے کھیلنے کی جگہ ہیں وہ ان حکمتوں کے موتیوں کے لیے صدف نہیں بن سکتے ان کے سمجھنے کے لیے اہل عقل ہی ہیں اسی لیے حدیث[ح۲] شریف میں وارد ہے کہ اگر بنی آدم کے دلوں پر شیطان نہ گھومتے ہوں تو وہ آسمان کے ملکوت یعنی اسرار غیب دیکھنے لگیں اور جب یہ مثال معلوم ہو چکی تو اسی پر اپنی حرکت اور سکون اور کلام و سکوت اور ہر فعل کو صادر کر لینا چاہیئے کہ وہ بھی یا شکر ہو گا یا ناشکری ان دونوں سے سوا کوئی تیسری چیز نہ ہو گی اور ناشکری میں سے بعض کو زبان فقہ جو عوام کی فہمائش کے لیے ہے مکروہ اور بعض کو حرام کہتی ہے۔ حالانکہ اہل دل سب کو حرام جانتے ہیں مثلاً اگر کوئی داہنے ہاتھ سے استنجا کرے تو دونوں ہاتھوں کی نعمت کا ناشکر ہو گا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے دو ہاتھ پیدا کیے ہیں اور ایک ان میں سے زیادہ قوی دوسرے کی نسبت کر بنایا تو جو قوی ہے وہ زیادہ تر فضیلت اور شرف کا مستحق ہے اور کمتر کو فضیلت دینی عدل کے خلاف ہے[ت۳] ان اللہ یامر بالعدل واقع ہے پھر جس نے دو ہاتھ دیئے اسی نے انسان کو ایسے اعمال کا محتاج کیا جن میں سے بعض شریف ہیں مثلاً کلام مجید کا لینا اور کمتر ہیں مثلاً نجاست کا دور کرنا پس اگر آدمی قرآن مجید بائیں ہاتھ سے لے اور نجاست داہنے ہاتھ سے دھووے تو جو شریف چیز تھی اس سے خسیس کام لے گا اور جس بات کا وہ مستحق تھا اس سے اس کو کم رتبہ پر رکھے گا اور اس سے شریف پر ظلم، اور عدل سے عدول پایا جاتا ہے، اسی طرح اگر کوئی قبلہ کی طرف کو تھوکے یا پاخانہ پھرتے وقت اس کی طرف کو منہ کرے تو جو نعمت کہ اللہ تعالیٰ نے اطراف اور سمت عالم میں پیدا کی ہے اس کا ناشکر ہو گا اس لیے کہ اس نے سمتیں جو بنائیں تو اسی لیے کہ آدمی اپنی حرکات میں تنگ نہ ہو جدھر چاہے حرکت کرے اور جہات کو ایسی طرح تقسیم کیا کہ بعضے طرف میں کچھ شرف نہیں رکھا اور بعض میں یہ شرف رکھا کہ اس طرف ایک مکان بنایا جس کو اپنے نفس کی طرف منسوب فرمایا تاکہ آدمی کا دل اس طرف مائل ہو اور جب اپنے پروردگار کی عبادت کرے تو قلب اسی کا متقید رہے اور قلب کے سبب سے تمام بدن سکون اور وقار کے ساتھ اسی طرف متقید رہے۔ اسی طرح افعال کو بھی تقسیم فرمایا کہ بعض افعال شریف ہیں جیسے عبادت اور بعض کمتر جیسے قضائے حاجت اور تھوکنا پس جب آدمی قبلہ کی طرف تھوکے گا تو قبلہ پر ظلم ہو گا اور خدا تعالیٰ نے جو نعمت قبلہ کی عبادت کے پورا ہونے

ت ۱ اور جس کو سمجھ ملی بہت خوبی ملی ۱۲ ح ۲ جلد اول باب الصوم میں گذری ۱۲ ت ۳ اللہ حکم کرتا ہے انصاف کو ۱۲

کے لیے بنائی ہے اس کا نام شکر ہوگا۔ اسی طرح جب آدمی جوتا پہنے اور شروع بائیں پاؤں سے کرے تو ناانصافی ہے کیونکہ جوتا پاؤں کے بچاؤ کے لیے ہے پاؤں کو اس سے کچھ بہرہ اور حظ ہے اور جتنی چیزیں حظ کی ہیں ان میں اشرف کا لحاظ ضرور ہے اگر لحاظ کرے گا تو موافق عدل و حکمت کے ہوگا اور درصورت خلاف کے ظلم اور ناشکری جوتے اور پاؤں کی ہوگی اور فقہاء اس مسئلہ کو اگرچہ مکروہ کہتے ہیں مگر عارفین کے نزدیک گناہ کبیرہ ہے۔ چنانچہ منقول ہے کہ کسی عارف نے بہت سے پیمانے گیہوں کے جمع کیے اور پھر ان کو صدقہ کیا کرتے کسی نے ان سے سبب پوچھا تو فرمایا ایک بار میں نے جوتا پہننے میں سہواً بائیں طرف سے شروع کر لیا تھا اس لیے میں چاہتا ہوں کہ اس کا تدارک خیرات سے کروں۔ ہاں فقیہ کا منصب نہیں کہ وہ اس طرح کی باتیں کبیرہ لکھ دے اس واسطے کہ اس بیچارے کے ذمے اصلاح عوام کی ہے جن کا درجہ پاؤں کے قریب ہے اور عوام ایسے گناہوں میں مبتلا ہیں کہ ان کے سامنے ان ادنیٰ باتوں کی کچھ حقیقت ہی نہیں مثلاً جو شخص بائیں ہاتھ میں پیالہ لے کر شراب پیئے اس کو یہ نہ کہیں گے کہ اس نے دو وجہ سے حد شرعی سے تجاوز کیا ایک تو شراب پی دوسرے پیالہ بائیں ہاتھ لیا یا کسی شخص نے اذان جمعہ کے وقت ایک آزاد کی۔ بیع کی تو اس کو یہ کہنا اچھا نہیں کہ اس نے مخالفت شرع دو وجہ سے کی اوّل تو آزاد کی بیع دوسرے اذان کے وقت فروخت کرنا یا جس شخص نے مسجد کی محراب میں قبلہ کی طرف پشت دے کر پاخانہ پھر دیا تو اس سے یہ کہنا بُرا ہے کہ اس نے پاخانہ پھرنے میں ادب کا لحاظ نہ کیا قبلہ کو داہنی طرف کیوں نہ کر لیا غرضکہ گناہ سب کے سب اندھیر ہیں بعضے زیادہ بعضے کم بڑے اندھیر میں چھوٹا اندھیر چھپ جاتا ہے مثلاً اگر کوئی غلام اپنے آقا کی چھری بدون اجازت استعمال کرے تو آقا اس کو تو بیخ کرے گا لیکن اگر غلام مذکور اس چھری سے اس کے نہایت پیارے لڑکے کو ذبح کر ڈالے تو اس صورت میں آقا کو چھری کے بدون اذن لینے کا کچھ بھی خیال نہ ہوگا نہ اس کے عوض کوئی حکم جداگانہ اور عذاب فرماوے گا بلکہ اسی بڑے گناہ کی پاداش اس کو پہنچاوے گا۔ حاصل یہ کہ جو آداب و مستحبات کہ اولیاء اور انبیاء نے ان کی مراعات کی ہے اور ہم نے فقہ میں عوام کے حق میں ان سے درگزر کی ہے تو اس کی وجہ یہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی ورنہ جتنے مکروہات ہیں کونسا ایسا ہے جس میں عدل سے عدول اور ناشکری نعمت کی اور نقصان درجۂ قرب الٰہی کا نہیں ہے اتنی بات ہے کہ بعض باتیں تو صرف نقصان درجہ اور انحطاط منزلت ہی کرتی ہیں اور بعضی بالکل حدود قرب سے نکال کر عالم بعد میں جو مسکن و ماوائے شیاطین ہے پہنچا دیتی ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص کسی درخت کی شاخ بدون حاجت کامل اور غرض صحیح کے توڑ لے تو وہ ہاتھ کی نعمت اور پیدائش اشجار کی نعمت کا ناشکرہ ہوگا، ہاتھ کا تو اس وجہ سے کہ ہاتھ لغو کے واسطے نہیں بنا بلکہ طاعت کے لیے اور ایسے اعمال کے لیے جو طاعت پر مددگار ہوں بنا ہے اور درخت کا اس طرح کہ خدا تعالیٰ نے اس کو پیدا کیا اور اس کی رگیں بنائیں اور اس کو پانی پہنچایا اور اس میں قوت غذا لینے اور بڑھنے کی پیدا کی تاکہ جتنا نشوونما اس کو ہونا ہے اتنا بڑھے اور پھر اس سے لوگ منتفع ہوں، پس نشوونما کامل کے پہلے توڑ ڈالنا اور کچھ غرض اور نفع

لوگوں کا اس سے نہ ہونا، صریح مخالفت مقصود حکمت کے اور مباین عدل کے ہے۔ البتہ اگر کوئی غرض صحیح ہو تو آدمی کو شاخ کا توڑنا جائز ہے۔ اس لیے کہ درخت اور حیوان آدمی کے اغراض کے فدیہ ہیں کیونکہ وہ دونوں فانی اور ہالک ہیں۔ پس کمتر کا فنا کرنا کچھ دنوں شرف کے باقی رہنے کے لیے عدل کے قریب ہے اور اس سے بہتر ہے۔ کہ ان کو مفت بے فائدہ برباد کرے اور اسی کی طرف اشارہ ہے اس آیت میں وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ[ت] ہاں اگر باوجود حاجت کے غیر کے ملک سے توڑے گا تب بھی ظالم ہوگا اس واسطے کہ ہر ایک درخت تو سب بندوں کی حاجات کو کافی نہیں ہو سکتا بلکہ ایک درخت سے ایک ہی شخص کی حاجت پوری ہوگی اور اگر بے کسی ترجیح کے کسی شخص کی خصوصیت کسی خاص درخت پر کی جاوے تو ظلم ہوگا پس صاحب اختصاص وہ ہے جس نے تخم پیدا کر کے زمین میں بویا اور پانی دیا اور اس کی پرداخت کی تو غیر کی نسبت یہ شخص ان افعال کے بجالاتے سے زیادہ تر مستحق اس درخت سے فائدہ لینے کا ہے۔ پھر اگر وہ درخت زمین غیر مملوک میں جما ہو اور کسی کے بونے سے نہ ہوا ہو بلکہ خودرو ہو گیا ہو تو اب کسی اور خصوصیت کی حاجت ہے یعنی جس نے اس کو اول لیا ہو وہ اس کا مستحق ہے، کہ اول ہونا بھی خصوصیت ایک طرح کی ہے تو قرین عدل یہی ہے کہ وہی اس کا مستحق ہو اور اس ترجیح کو فقہاء ملک سے تعبیر کرتے ہیں حالانکہ ملک کہنا صرف مجازی ہے اس لیے کہ شایان ملک وہ شہنشاہ ہے جو مالک آسمان اور زمین کا ہے، بندہ کس طرح مالک ہو سکتا ہے۔ وہ اپنے نفس کا تو مالک ہی نہیں بلکہ خود ملک غیر ہے ہاں خلق اللہ کے بندے ہیں اور زمین اس کا دسترخوان ہے ع

ادیم زمین سفرۂ عام اوست

اس نے ان کو اجازت دی ہے کہ اس دسترخوان پر سے بقدرِ حاجت کھاوے جیسے کوئی بادشاہ اپنے غلاموں کی دعوت کرے۔ پس اگر ایک شخص لقمہ اپنے ہاتھ میں لے اور اگر انگلیوں میں دبالے اتنے میں ایک اور غلام آوے اور اس کا چھیننا چاہے تو نہ ہو سکے گا[ع] نہ اس لیے کہ لینے کے سبب لقمہ غلام اول کی ملک ہو گیا کیونکہ قبضہ اور صاحب قبضہ دونوں مملوک ہیں بلکہ اس وجہ سے کہ ایک لقمہ معین سب غلاموں کی حاجت کو کافی نہیں تو عدل اسی کا مقتضی ہے کہ جب کوئی سی ترجیح اور اختصاص ایک کو ہو جاوے تو وہ لقمہ اس کے لیے خاص ہو اور قابض ہونا ایسی خصوصیت ہے کہ اول غلام سے متعلق ہو گئی اس لیے جس غلام میں وہ خصوصیت نہ ہوگی اس لقمے سے منع کیا جاوے گا اور پہلے شخص کی مزاحمت نہ کرنے پاوے گا۔ اسی طور پر خدا کا امر بندوں میں سمجھنا چاہیے اور اسی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ جو شخص مال دنیاوی زائد از حاجت لے کر گاڑ رکھے اور جن اللہ کے بندوں کو

ت ۱ اور کام لگاتے تمہارے جو کچھ ہیں آسمانوں میں اور زمین میں سب اس کی طرف سے ۱۲

ع نہ ہو سکے گا یہ ترجمہ ہے اصل قولہ لم یمکن منہ، مترجم نے امکان سے سمجھ کر یہ ترجمہ کیا ہے اور درحقیقت تمکین سے ہے یعنی دوسرے غلام کو یہ قابو نہیں دیا جاتے گا ۱۲ امیر علی عفی عنہ

اس کی حاجت ہو ان کو نہ دیوے تو وہ شخص ظالم ہے اور ان لوگوں میں سے ہے جن کی شان میں یہ آیت ہے۔
ت۱ والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم۔ اور اللہ کا راستہ اس کی طاعت ہے اور خدا کی طاعت خلق کا توشہ مال دنیاوی ہے کیونکہ ان کے سبب ان کی ضرورت مند نفع اور حاجات مرتفع ہوتی ہیں۔ ہاں یہ بات فقہ کی حد میں داخل نہیں اس واسطے حاجات کی مقادیر پوشیدہ ہیں اور زمان آئندہ میں افلاس پر مطلع ہونے میں نفوس مختلف ہیں اور عمروں کی انتہا معلوم نہیں اس لحاظ سے عوام کو اس امر کی تکلیف دینی ایسی ہے جیسے لڑکوں سے کہیں کہ وقار کے ساتھ رہو کہ سوائے کلام ضروری کے اور کچھ مت بولو حالانکہ وہ اپنے نقصان عقل کے باعث اس حکم کی تعمیل نہیں کر سکتے اس لیے ہم نے ان پر کھیل کود کا اعتراض بھی چھوڑ دیا اور لڑکوں کے لیے جو ہم نے کھیل کود کو مباح کیا تو کوئی یہ نہ سمجھے کہ کھیل کود جائز اور حق ہے۔ اسی طرح عوام کو مال کی حفاظت اور خرچ میں میانہ روی اور دینے میں بقدر زکوٰۃ جو مباح کیا ہے بایں لحاظ کہ ان کی سرشت میں بخل ہے تو اس سے یہ نہ جاننا چاہیئے کہ یہ امور نہایت حق ہیں اس بخل سرکشی پر خدائے تعالیٰ نے بھی ارشاد فرمایا ہے ت۲ اِن یَسئَلکُمُوھَا فیحفکم تبخلوا بلکہ جو بات بے کدورت حق ہے اور اس میں تمام کو ظلم نہیں عدل ہی عدل ہے وہ یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ کے بندوں میں مال خدا میں سے اسی قدر لے جس قدر کہ توشہ سوار کا ہو یعنی ہر ایک بندۂ خدا اپنے بدن کی سواری کا سوار ہے تاکہ حضور میں بادشاہ حقیقی کے پہنچے پس جو شخص حاجت سے سوا مال لے لے اور دوسرے سوار محتاج کو نہ دے وہ ظالم ہوگا اور عدل کا تارک اور مقصود حکمت سے علیحدہ اور اللہ کی نعمت کا ناشکر اور یہ امر قرآن اور حدیث اور عقل کی رو سے ثابت ہے کہ توشہ کے سوا جس قدر آدمی کے پاس ہوگا وہ دنیا و آخرت میں اس پر وبال ہوگا پس جو شخص تمام اقسام موجودات میں خدائے تعالیٰ کی حکمتوں کو سمجھتا ہے وہ وظیفۂ شکر کے ادا پر قدرت رکھتا ہے اور اس کا پورا بیان اگر کیا جاوے تو بہت سے دفتر چاہئیں اور پھر بھی تھوڑا ہی بیان ہوگا۔ یہاں اس قدر ہم نے اس واسطے لکھ دیا کہ وجہ صادق ہونے اس آیت کی معلوم ہو جاوے ت۳ وقلیل من عبادی الشکور اور سبب ابلیس کی خوشی کا اس اپنے قول سے مفہوم ہو ت۴ ولا تجد اکثرھم شاکرین تو جو شخص ان سب باتوں مذکورۂ بالا کو نہ جانے گا اس کو معنی اس آیت کے معلوم نہ ہوں گے اور ان سب کے سوا یہاں اور بھی امور ہیں کہ ان کی انتہا کا تو ذکر کیا ہے مبادی ہی بیان کرنے کے لیے عمر نوح چاہیے اور تفسیر آیت کی اور معنی لفظی تو ہر ایک شخص جو لغت سے واقف ہے جانتا ہے۔ اور اس تقریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ معنی الفاظ اور تفسیر

ت۱ اور جو لوگ گاڑ رکھتے ہیں سونا اور روپیہ اور خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں سو ان کو خوشخبری سُنا دکھ والی مار کی ۱۲
ت۲ اگر مانگے تم سے وہ مال پھر تنگ کرے تو بخیل ہو جاؤ۔ ت۳ اور تھوڑے ہیں میرے بندوں میں حق ماننے والے ۱۲
ت۴ اور نہ پاوے گا تو اکثر ان میں شکر گذار ۱۲

میں کیا فرق ہے اب اگر یہ کہو کہ حاصل تمہاری تقریر کا یہ ہوا کہ خدائے تعالیٰ نے ہر شے میں ایک حکمت رکھی ہے اور اس کے تمام ہونے کا باعث بندوں کے بعض افعال کو بنایا ہے کہ غایت مراد حکمت ان سے حاصل ہو اور بعض افعال کو مانع اس حکمت کے کمال کا بنایا تو جو فعل مقتضائے حکمت کے موافق ہو اس سے حکمت اپنی مراد و علت غائی کو پہنچ جاوے تو وہ شکر ہے اور جو فعل کہ مخالف ہو اور اسباب کو علت غائی تک نہ پہنچنے دے وہ ناشکری ہے یہ تو سمجھ میں آیا مگر اعتراض ابھی تک باقی ہے۔ وہ ہے کہ بندے کا فعل جو دو شق کا ہے ایک حکمت کا پورا کرنے والا اور دوسرا اس کا مخالف یہ بھی خدائے تعالیٰ کا فعل ہے، تو بندہ بیچ میں آلودہ کبھی شاکر کہلاتا ہے اور کبھی کافر اس کا جواب دینا چاہیئے۔ اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ اس کی تحقیق بوجہ کمال کے لیے ایک موج بحر ناپیدا کنار علوم مکاشفہ کی چاہیئے اور پہلے ہم کچھ رموز و اشارات کے طور پر اس کے مبادی لکھ چکے ہیں اب بھی ایک عبارت مختصر میں اس کا سب حال اور غایت لکھے دیتے ہیں، جو شخص کہ پرندوں کی گفتگو سمجھتا ہے وہ اس کو بھی سمجھے گا اور جو تیز نہیں چل سکتا وہ اس کا منکر ہوگا اور یہ تو ممکن ہی نہیں کہ ملکوت کو جو میں پرندوں کی طرح اڑتا پھرتے دیکھے پس ہم کہتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کے جلال اور کبریا میں ایک صفت ہے جس سے خلق اور اختراع نکلتا ہے اور یہ صفت ایسی نہیں کہ واضع لغت کی آنکھ اس کو دیکھ سکے اور کسی ایسے لفظ سے اس کو بیان کر دے جس سے کنہ اور حقیقت خاص اس کے جلال کی سمجھی جاوے اور چونکہ اس صفت کی شان عالی ہے اور واضعین لغت کا رتبہ اس سے کمتر ہے کہ ان کی آنکھ اس کے مبادی اشراق پر بھی پڑ سکے اسی لیے عالم میں اس کے لیے کوئی لفظ نہیں جس سے وہ بیان ہو سکے۔ بلحاظ واضعین لغت کی آنکھ اس سے نیچے پڑ گئی جیسے شپرہ کی آنکھ سورج کے نور سے لپیٹ ہو جاتی ہے کچھ اس جہت سے نہیں کہ کوئی قصور نور میں ہوتا ہے بلکہ اس جہت سے کہ خود شپرہ دل کی آنکھ میں ضعف ہوتا ہے تو جن لوگوں نے اس صفت کے جلال کے دیکھنے کے لیے آنکھیں کھولی تھیں وہ اس بات کی طرف مضطر ہوئے کہ ہر چند لفظ حقیقی اس کے واسطے ملنا معلوم مگر جو زبان کہ اہل لغت میں مروج ہے اس میں سے کوئی لفظ مجازاً بطور استعارہ ہی ایسا مقرر کرنا چاہیئے جس سے کچھ بہت ہی ضعیف حال اس حقیقت کی مبادی کا سمجھ میں آوے اسی لیے اس کے واسطے لفظ قدرا استعارہ کرنے کے باعث ہم کو بھی جرأت گفتگو ہوئی اور کہنے لگے کہ خدا تعالیٰ کی ایک صفت قدرت ہے جس سے کہ پیدا کرنا اور اختراع صادر ہوتا ہے۔ پھر خلقت وجود میں آ کر بہت سے اقسام اور صفات خاص میں منقسم ہوتی ہے اور جس صفت سے خلقت میں یہ انقسام اور اختصاص ہوتا ہے وہ دوسری صفت خدائے تعالیٰ کی ہے اور اس کا حال بھی ویسا ہی ہے جیسا پہلی صفت کا گذرا اس کے لیے بھی حسب ضرورت مذکورۂ بالا استعارہ کی حاجت ہوئی اور اس کے لیے لفظ مشیت مقرر کیا اس لفظ میں اس صفت الٰہی کا حال ان لوگوں کو جو زبان یعنی حروف و اصوات سے گفتگو کرتے ہیں مجملاً مفہوم ہوتا ہے اور مشیت اس صفت کی اصل حقیقت سے اتنا ہی قاصر ہے جیسا کہ لفظ قدرت صفت خلق و اختراع کی کنہ ماہیت سے قاصر تھا پھر جو افعال کہ قدرت سے صادر ہوتے ہیں وہ بھی دو قسموں میں منقسم ہوتے ہیں ایک وہ کہ منتہی تک جو غایت

حکمت ہے اس تک پہنچ جاویں اور ایک وہ کہ غایت کے اسی طرف رہ جاویں اور ان میں سے ہر ایک کو صفت مشیت کے ساتھ علاقہ ہے کیونکہ انجام تو ان کا یہی ہے کہ اختصاصوں کے باعث قسمت اور اختلافات کامل ہو جاویں پس جو فعل کہ غایت کو پہنچنے والا ہے اس کے علاقہ کے لیے لفظِ محبت کو استعارہ کیا اور جو غایت کے اس طرف توقف کرنے والا ہے اس کی نسبت کے واسطے لفظِ کراہت ٹھہرا لیا اور بعضوں کا یہ قول ہے کہ یہ دونوں وصف مشیت میں داخل ہیں۔ مگر نسبت کی رُو سے ہر ایک میں وہ خاصیت ہے جو مجملاً لفظ محبت اور کراہت سے اربابِ لغت و الفاظ کی سمجھ میں آتی ہے۔ پھر بندگانِ خدا اسی کی خلق و اختراع میں سے ہیں ان کی بھی دو قسمیں ہیں ایک وہ کہ مشیتِ ازلی ان کے حق میں اسی طور پر ہوئی ہے کہ وہ کام کریں جن سے حکمت اپنی غایت پر پہنچے اور یہ امر اُن کے حق میں قہراً ہوتا ہے کہ دواعی اور بواعث ویسے ہی ان پر مسلّط کر دیئے جاتے ہیں اور ایک وہ کہ مشیت ازلی ان کے باب میں یوں ہوئی کہ ان سے ایسے کام لے جو حکمت کو بعض امور میں غایت تک پہنچا دیں غرض دونوں فریقوں کو مشیت کی طرف ایک نسبت خاص ہے جو نسبت کہ فریق ثانی کو ہے اس کا نام رضا ٹھہرا لیا ہے اور پہلے فریق کی نسبت کے لیے لفظ غضب استعارہ کیا ہے تو جس شخص پر کہ ازل میں غضب ہوا تھا اس سے وہ فعل ظاہر ہوا کہ اس کے باعث حکمت متوقف ہوتی اور اپنی غایت کو نہ پہنچنے سے اس کو کفران کہنے لگے اور اس کے بعد لعن اور مذمت اضافہ کی گئی اور جس شخص پر کہ ازل میں رضا تھی اس سے وہ فعل سرزد ہوا کہ اس سے حکمت اپنے کمال غایت کو پہنچ گئی اس کو شکر کہنے لگے اور زیادتی رضا کے لیے اس پر خلعت مدح و ثنا کا عنایت ہوا۔ حاصل یہ ہوا کہ جمال بھی خدائے تعالیٰ نے دیا اور اس پر ثنا کی اور بدبختی بھی اسی نے دی اور اس کو بُرا کہا اس کی مثال یہ ہوئی کہ کوئی بادشاہ اپنے غلام کو میل اور کدورت سے صاف کرے اور خلعت فاخرہ اس کے زیب بدن فرما دے اور جب سب طرح کی زینت کر چکے تو اس سے ارشاد کرے کہ او خوبصورت تو کتنا بھلا معلوم ہوتا ہے اور تیری صورت کتنی صاف ہے، تو حقیقت میں وہ آپ ہی زیبائش دینے والا ہے اور آپ ہی تعریف کرنے والا ہے۔ اور اگر واقع میں غور کرو تو وہ اپنی ہی تعریف کرتا ہے۔ غلام صرف بحسب ظاہر ہدف مدح و ثنا ہے اور اسی طرح ازل میں سب امور کا حال ہے اور اسباب اور مسببات کا تسلسل یوں ہی چلا آیا ہے جس طرح کہ ارب الارباب اور مسبب الاسباب نے مقرر کر دیا ہے۔

اور یہ امور کچھ اتفاقی نہیں بلکہ ارادہ اور حکمت اور حکم محکم اور امر یقینی سے ظہور میں آتے ہیں جس کے لیے استعارہ لفظ قضا کا کیا ہے اور کہتے ہیں کہ قضا کا حکم مثل پلک جھپکنے کے یا اس سے بھی کم تر میں ہوتا ہے اور اس کے باعث سب کارخانہ اور انتظام جیسے تقدیر میں ہو چکا ہے ہوتا ہے اور اس ترتیب واقعات کے لیے لفظ قدر ٹھہرا لیا ہے۔ پس گویا کہ قضا ایک امر واحد کلی کا نام ہے اور قدر اس تفصیل کے لیے ہوا ہے جو لے نہایت ہوتی چلی جاتی ہے اور بعض فرماتے ہیں کہ ان امور میں سے کوئی سی چیز خارج قضا و قدر سے نہیں اسی بنا پر بعض عابدین کو یہ وسوسہ ہوا کہ قسمت مقتضی اس تفصیل کی کیوں ہوئی اور باوجود اسی قدر تفاوت کے تفصیل عدل

کیسے بنا رہا اور بعض اشخاص اپنے قصور کی جہت سے اس امر کی اصل ماہیت کے ملاحظے کی تاب نہ رکھتے تھے نہ اس کو بالتفصیل حیطۂ خیال میں لا سکتے تھے تو جس خط میں گھسنے کی ان کو طاقت نہ تھی اس سے ان کو روک دیا گیا اور مہر خاموشی ان کے منہ پر لگ گئی اور حکم ہوا کہ چپ رہو تم اس واسطے نہیں بنے ہو اس دربار کی شان یہ ہے ت[۱] لا یسئال عما یفعل وھم یسئلون اور بعضوں کے دلوں پر جو ایک لمعہ انوار الٰہی سے پڑا اور پہلے سے ان کی سرشت صاف تھی پھر اس نے خورشید حقیقت سے تجلی پائی تو ان کا نور دوبالا ہو گیا اور اس نور کبریائی سے اطراف عالم ملکوت کے ان کی نظروں میں چمکنے لگے اور سب چیزوں کو انہوں نے ویسا ہی جانا جیسے وہ واقع میں تھیں ان کے لیے یہ حکم ہوا کہ خدائے تعالیٰ کے آداب سے متادب ہو اور چپ رہو اور جب ح[۲] ذکر تقدیر کا ہو تو زبان بند کرو کیونکہ دیوار کے بھی کان ہیں اور تمہارے پیچھے وہ لوگ ہیں جن کو ضعف بصر ہے تم بھی ضعیفوں کی سی چال چلو اور آفتاب کے اوپر سے شپر چشموں کے لیے پردہ مت ہٹاؤ ورنہ وہ ہلاک ہو جاویں گے۔ پس اللہ تعالیٰ کے اخلاق اختیار کرو اور اپنے منتہائے اوج سے آسمان دنیا پر اترو تاکہ تم سے ضعفاء انس کریں اور تمہارا نور جو پردے کی آڑ میں ہے اس کی جھلک سے بہرہ یاب ہوں جیسے شپریں بقیہ نور آفتاب اور ستاروں کے نور سے شب میں مقتبس ہوتے ہیں اور جس زندگی کو ان کے وجود اور احوال برداشت کر سکتے ہیں اس سے زیست کرتے ہیں گو ویسی زیست ان کو میسر نہیں جو بھرپور نور آفتاب میں آمد و رفت کرنے والوں کی ہوتی ہے اور ایسے لوگوں کے مانند ہو جاؤ جن کی شان میں یہ شعر ہے ؎

شراب پاک پئیں تو گرا دیں اس میں سے　　سخی کے جام سے ہوتا ہے زمین کو نصیب

غرضکہ ابتداء اور انتہا اس خلق و اختراع کی یوں ہوتی ہے جیسے اوپر مذکور ہوا اور اس کو وہی سمجھے گا جو اس کا اہل ہو گا اور جب کوئی اس کا اہل ہو گا تو آنکھ کھول کر خود دیکھ لے گا اس کو حاجت کسی کے لے چلنے کی نہیں اور اندھا شخص بھی دوسرے کے پیچھے جا سکتا ہے مگر اس کے لیے ایک حد معین ہے۔ جب راستہ ایسا تنگ ہو کہ تلوار سے تیز اور بال سے باریک ہو تو پرند اس پر اڑ سکتا ہے مگر اندھے کو اپنے پیچھے نہیں گھسیٹ سکتا اور جب گذرگاہ کم ہو اور پانی موجزن ہو جاوے کہ بدون شناوری کے اس سے گذرنا دشوار ہو تو ظاہر ہے کہ جو شخص فن شناوری میں یکتا ہو گا وہ اپنے آپ پار ہو سکتا ہے مگر یہ ضرور نہیں کہ ہمیشہ اندھے کو پار اتار سکے کبھی ایسا بھی ہو گا کہ اندھے کو اتارنے کی قدرت نہ رکھتا ہو۔ یہ ایسی باتیں ہیں کہ جو کوئی ان پر سیر کرتا ہے اس کی سیر کو عامہ خلائق کی سیر کی طرف وہ نسبت ہے جو پانی پر چلنے کو زمین پر چلنے سے ہے اور تیرنا تو آدمی بھی سیکھ لیتا ہے مگر پانی پر چلنا سیکھنے سے نہیں آتا بلکہ بزور یقین حاصل ہوتا ہے اور اسی وجہ سے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

ت ۱ اس سے پوچھا نہ جاوے جو وہ کرے اور ان سے پوچھا جاوے ۱۲

ح ۲ طبرانی نے بروایت ابن مسعودؓ اس مضمون کو نقل کیا ۱۲

کی خدمت اقدس میں عرض کیا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مشہور کرتے ہیں کہ پانی پر چلتے تھے آپ نے فرمایا کہ اگر یقین اور زیادہ ہوتا تو ہوا پر چلتے۔ یہ رموز و اشارات ہیں محبت اور کراہت اور رضا اور غضب اور شکر اور کفران کے معنوں میں علم معاملہ میں اس سے زیادہ لکھنا شایاں نہیں۔ خداوند کریم نے لوگوں کے سمجھانے کے لیے ایک مثال کے طور پر ارشاد فرمایا کہ ماخلقت الجن والانس الا لیعبدون یعنی لوگوں کا عبادت کرنا ہی ان کے حق میں غایت حکمت ہے پھر یہ بتلایا کہ ہمارے دو بندے ہیں ایک سے محبت رکھتے ہیں اس کا نام جبرائیل اور روح القدس اور امین ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب اور مطاع اور امین اور مکین ہے اور دوسرے سے اس کو بغض ہے جس کا نام ابلیس ہے وہ راندۂ درگاہ ہے اور قیامت تک کی مہلت پاتے ہوئے ہے۔ پھر راہ راست دکھانے کو جبرئیل پر حوالہ کرتا ہے قل نزلہ روح القدس من ربک بالحق اور یلقی الروح من امرہ علی من یشاء من عبادہ اور بہکانے کو ابلیس کی طرف منسوب فرما کر ارشاد فرماتا ہے لیضلھم عن سبیلہ اور بہکانا کیا ہے کہ بندوں کو غایت حکمت پر پہنچنے سے روک دینا ہے، تو دیکھو اس بہکانے کو کیسے اس بندے کی طرف منسوب کیا ہے جس پر غضب کیا تھا اور راہ دکھانے کے یہ معنی ہیں کہ بندوں کو غایت حکمت تک پہنچا دینا یہاں بھی مقام غور ہے کہ اس کو منسوب اس بندے کی طرف کیا ہے جو اس کا محبوب تھا اور عادتاً بھی اس کی مثال ہو سکتی ہے۔ فرض کرو کہ کسی بادشاہ کو دو آدمیوں کی ضرورت ہے ایک پانی پلانے والا اور ایک پچھنے لگانے والا اور جھاڑو دینے والا اور اس کے پاس دو غلام ہیں تو وہ جھاڑو اور پچھنے کا کام ایسے کو دے گا جو ان دونوں میں برا اور کمتر ہوگا اور پانی پلانے کا کام اسی کو دے گا جو ان میں اچھا اور کامل اور اس کے نزدیک محبوب تر ہوگا۔ اب کوئی یہ نہ کہے کہ میں جو فعل کرتا ہوں وہ میرا ہی ہے اور فعل سے لذت یاب تو میں ہوتا ہوں پھر خدا کا فعل کیسے ہو سکتا ہے اس لیے کہ کسی فعل کو اپنی طرف منسوب کرنا خطا ہے بلکہ خدا تعالیٰ ہی آدمی کا ارادہ پھیر دیتا ہے کہ برے فعل کو مخصوص برے شخص سے کرنے لگتا ہے اور اچھے فعل کو اچھے شخص سے یہ بھی تتمہ اس کے عدل کا ہے، اس لیے کہ اس کا عدل کبھی تو ایسی باتوں سے پورا ہوتا ہے جن میں انسان کو کچھ دخل نہیں اور کبھی انسان ہی عین کامل ہو جاتا ہے کیونکہ وہ بھی منجملہ اس کے افعال کے ہے یعنی اس کا ارادہ اور قدرت اور علم و عمل اور تمام اسباب حرکات تعین ہیں سب اسی کے فعل ہیں جن کو اس نے عدل کے ساتھ ایسی ترتیب پر رکھا ہے کہ اس سے افعال معتدلہ سرزد ہوتے ہیں مگر چونکہ آدمی کو اپنے نفس کے سوا اور کچھ نہیں سوجھتا، اس لیے اس کو یہی گمان

ح ۱ اس حدیث کو ابن ابی الدنیا نے اور طرح پر قول بکر بن عبداللہ سے روایت کیا ہے اس طور پر منکر ہے ۱۲ ت ۲ میں نے جو بنائے جن اور آدمی سو اپنی بندگی کو ۱۲ ت ۳ تو کہہ اس کو اتارا ہے پاک فرشتے نے تیرے رب کی طرف سے تحقیق ۱۲ ت ۴ اتارتا ہے بھید کی بات اپنے حکم سے جس پر چاہے اپنے بندوں میں ۱۲ ت ۵ کہ اوروں کو بہکاوے اس کی راہ سے ۱۲

ہے کہ جو کچھ مجھ پر دنیا میں ظاہر ہوتا ہے اس کا کوئی سبب عالم غیب اور ملکوت سے نہیں اور اسی واسطے اس کو اپنے نفس کی طرف منسوب کرتا ہے حالانکہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے لڑکا رات کو کٹھ پتلیوں کا ناچ دیکھتا ہے کہ وہ پردے کے پیچھے سے نکل نکل کر ناچتی اچھلتی ہیں اور طرح طرح کے حرکات کرتی ہیں حالانکہ وہ کپڑے کی بنی ہوئی ہوتی ہیں اپنے آپ سے ان کو کچھ حرکت نہیں ہوتی بلکہ ان کو حرکت تاروں خواہ بالوں سے ہوتی ہے جو رات کی تاریکی میں نہیں سوجھتے اور ان کے سر بازی گر کے ہاتھ میں ہوتے ہیں اور وہ لڑکوں کی آنکھ سے چھپا ہوا پردے کے پیچھے رہتا ہے لڑکے خوش ہوتے ہیں اور تعجب کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ پتلیاں ہی ناچتی ہیں اور یہی اُٹھتی بیٹھتی ہیں مگر عقلمند جانتے ہیں کہ یہ خود متحرک نہیں ان کو کوئی اور حرکت دیتا ہے لیکن ان کو مفصل معلوم نہیں ہوتا کہ کس طرح حرکت دیتا ہے اور اگر کسی کو تفصیل کچھ معلوم بھی ہوتی تو جیسے بازی گر کو معلوم ہوتی ہے ویسی نہیں جانتا۔ اسی طرح دنیا کے لوگوں کو قیاس کرنا چاہیے یہ بھی سوائے علماء کے سب لڑکے ہیں جب اپنے آپ کو اور اشخاص کو دیکھتے ہیں تو گمان کرتے ہیں کہ یہی اشخاص حرکت کرتے ہیں اور اس حرکت کو منسوب متحرک کی طرف کرتے ہیں اور علماء جانتے ہیں کہ ان کا کوئی حرکت دینے والا ہے۔ یہ خود متحرک نہیں مگر کیفیت حرکت دینے کی نہیں جانتے اور اس سے اکثر علماء ناواقف ہیں مگر عارفین اور علمائے راسخ کو اس حرکت کی کیفیت بھی مشاہدہ ہوتی ہے۔ یعنی وہ لوگ اپنی تیز نظر کے باعث دیکھتے ہیں کہ مکڑی کے جالے کے سے تار بلکہ اس سے بھی نہایت باریک آسمان سے لٹکے ہوتے ہیں اور زمین والوں کے اشخاص میں ان کے سرے لگے ہوتے ہیں اور باریکی کے سبب چشم ظاہری سے نہیں سوجھتے پھر دیکھتے ہیں کہ ان تاروں کے دوسرے سرے دستگیوں سے بندھے ہوئے لٹک رہے ہیں اور ان دستگیوں کے قبضے ان فرشتوں کے ہاتھ میں ہیں جو آسمانوں کو حرکت دیتے ہیں اور یہ فرشتے حاملین عرش کی تاک میں مصروف ہیں کہ حضرت ربوبیت سے کیا حکم محکم ہوتا ہے تاکہ جس بات کا حکم ہو اس کی نافرمانی نہ ہونے پاوے اور جیسا ارشاد ہوا ویسا بجا لاویں۔ اور ان مشاہدات کو قرآن مجید میں خدائے تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ وَفِی السَّمَاءِ رِزْقُکُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ اس سے اس کیفیت مرقومۂ بالا کی طرف اشارہ ہے اور آسمانوں کے فرشتوں کا قدر اور امر کے واسطے منتظر رہنا بھی مذکور فرمایا چنانچہ ارشاد فرمایا ہے[ت۱] خلق سبع سموت ومن الارض مثلھن یتنزل الامر بینھن لتعلموا ان اللہ علی کل شیئ قدیر وان اللہ قد احاط بکل شیئ علما اور یہ وہ باتیں ہیں کہ ان کی تاویل سوائے خدا اور راسخین علماء کے اور کوئی نہیں جانتا۔ حضرت ابن عباسؓ نے علم میں راسخون سے یہ مراد فرمائی ہے کہ ایسے علوم جانتا ہو جن کو خلق کی فہم برداشت نہ کر سکے اور جب

ت۱ اور آسمان میں ہے روزی تمہاری اور جو کچھ تم سے وعدہ کیا ت۲ بنائے سات آسمان اور زمینیں بھی اتنی اترتا ہے حکم ان کے بیچ تاکہ تم جانو کہ اللہ ہر چیز کر سکتا ہے اور اللہ کے علم میں سماتی ہے ہر چیز کی ۱۲

آپ کے سامنے یتنزل الامر بینھن پڑھا گیا تو فرمایا کہ جو کچھ اس آیت کے معنی مجھے معلوم ہیں اگر میں بیان کروں تو تم مجھ کو رجم یعنی سنگسار کردو اور ایک روایت میں ہے کہ تم مجھے کافر کہو۔ اللہ اللہ ع

کجا بود اشہب کجا تاختم

عنانِ کلام قبضۂ اختیار سے نکل گئی، مطلب سے بہت دور جا پڑا علم معاملہ میں وہ بات مل گئی جو اس میں شمار نہیں ہوتی اس لیے اس بیان کو اسی قدر پر تمام کر کے اصل مقصد جو اول سے بیان کر رہے تھے، اس کے در پے ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب حقیقت شکر یہ ٹھہری کہ بندہ ایسا عمل کرے جس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت پوری ہو جاوے تو سب میں زیادہ جو بندہ شاکر ہوگا وہی اللہ کا محبوب اور اس سے زیادہ نزدیک ہوگا اور سب سے زیادہ قریب اللہ سے اس کے فرشتے ہیں اور ان میں بھی ترتیب ہے، ہر ایک کا درجہ جدا مقرر ہے اور رتبۂ قرب میں سب سے بڑھ کر حضرت اسرافیل علیہ السلام ہیں اور فرشتوں کے درجہ اس وجہ سے اعلیٰ ہیں کہ وہ بذاتِ خود کرام اور بررہ ہیں اور ان کے باعث سے اللہ تعالیٰ نے انبیا علیہم السلام کو صالح کیا جو زمین کے پردہ پر سب مخلوق سے زیادہ اشرف ہیں اور ملائکہ کے رتبے قریب درجہ انبیاء علیہم السلام کا ہے کہ وہ بھی اپنی ذات سے بہتر ہیں اور ان کے باعث اللہ تعالیٰ نے تمام خلق کو ہدایت کی اور ان سے اپنی حکمت پوری کی اور انبیاء علیہم السلام میں سب سے اعلیٰ رتبہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے جن کی ذات پاک سے اللہ تعالیٰ نے دین کو پورا کیا اور انبیاء کو ختم فرمایا اور انبیاء کے درجے کے متصل رتبۂ علماء کا ہے جو وارث انبیاء ہیں وہ بھی بذات خود اہل صلاح ہیں اور ان کے ذریعے سے بھی خدا تعالیٰ ساری خلق کی اصلاح کرتا ہے اور عالموں میں سے ہر ایک کا درجہ اس قدر ہوگا جس قدر کہ اس نے اپنے نفس اور غیر کی اصلاح کی ہوگی اور علماء کے متصل درجہ سلاطین عادل کا ہے اس لیے کہ جیسے علماء نے لوگوں کے دین کی اصلاح کی سلاطین نے لوگوں کے دنیا کی اصلاح کی۔ اور چونکہ دین اور سلطنت دونوں ہمارے حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع تھیں اس لیے تمام انبیاء سے آپؐ کا رتبہ زیادہ ہوا کیونکہ خداوند کریم نے آپ کے باعث دین و دنیا کی اصلاح کی حالانکہ تلوار اور سیف پہلے کسی نبی کے لیے نہیں ہوتی تھی اور نبیوں کو تمنا آپ کے امتی ہونے کی تھی۔ جیسا مولانا رومؒ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مناجات نقل فرماتے ہیں ؎

غوطہ و موسیٰ خود را در تجار — در میان دورۂ احمد برار

پھر علماء اور سلاطین کے رتبے کے متصل وہ نیک بخت ہیں جنہوں نے اپنے ہی دین اور نفس کی اصلاح کی اور اپنے آپ ہی حکم الٰہی کو پورا کیا اور جو ان کے سوا ہیں وہ کس مپرس ہیں، تنبیہ واضح ہو کہ سلطان سے دین کی تقویت اور بقا ہوتی ہے ان کو حقیر نہ جاننا چاہیے گو ظالم و فاسق ہی ہو، حضرت عمرو بن عاص فرماتے ہیں کہ امام ظالم فتنہ و فساد دائم سے بہتر ہے اور حدیث شریف میں ہے [۱۳]سیکون بعدی علیکم امراء تعرفون منھم و تنکرون منھم ویفسدون وما یصلح اللہ بھم اکثر فان احسنو فلھم الاجر وعلیکم الشکر

[۱۳] ترجمہ اگلے صفحہ پر۔

وان اساءوا فعلیھم الوزر وعلیکم الصبر[۱۷] اور حضرت سہل فرماتے ہیں کہ جو شخص سلطان کی امت کا منکر ہو وہ کافر ہے جس کو بادشاہ بلاوے اور وہ نہ جاوے وہ بدعتی ہے اور جو اس کے پاس بن بلائے جاوے وہ نادان ہے اور جب ان سے کسی نے پوچھا کہ آدمیوں میں کون شخص بہتر ہے انہوں نے فرمایا کہ سلطان، لوگوں نے عرض کیا کہ ہم تو سلطان کو سب لوگوں سے بُرا جانتے تھے انہوں نے فرمایا کہ ایسا نہ چاہیے اللہ تعالیٰ ہر روز دو باتیں اس کی دیکھتا ہے ایک تو یہ کہ اس کے باعث مسلمانوں کا مال سلامت ہے، دوسرے یہ کہ ان کو کسی طرح کا فکر و تردد نہیں پس یہ دونوں باتیں اس کے صحیفے میں پاتا ہے اور اس کے سب گناہ بخش دیتا ہے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ سیاہ لکڑیاں ان کے دروازوں پر لٹکی ہوئی ستر واعظوں سے بہتر ہیں جو وعظ کہیں یعنی حاکموں کی سیاست وعظ کی نسبت کر زیادہ ہے۔

وہ چیز جس پر شکر واجب ہے

نعمت کے ذکر میں اور اس رکن میں نعمت کی حقیقت اور اس کے اقسام و درجات کا ذکر ہے اور یہ کہ کس چیز میں نعمت خاص ہے اور کس میں عام اس لیے کہ شمار کرنا خدا کی نعمتوں کا اس کے بندوں پر انسان کی طاقت سے خارج ہے جیسا کہ خود ارشاد فرماتا ہے وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا اسی وجہ سے ہم اوّل چند امور کلی ذکر کرتے ہیں تاکہ وہ قائم مقام قوانین معرفت نعمتوں کے ہوں پھر ذکر جدا جدا ہر ایک نعمت کا کریں گے، واللہ الموفق للصواب اور اس رکن میں تین بیان ہیں۔

نعمت کی حقیقت اور اسکے اقسام

واضح ہو کہ ہر ایک خیر اور لذت اور سعادت بلکہ ہر ایک مطلوب اور مؤثر[۱۸] کا نام نعمت کہہ سکتے ہیں مگر واقع میں نعمت سعادت اخروی ہی کا نام ہے اور اس کے سوا اوروں کو نعمت کہنا یا تو غلط ہے یا بطور مجاز کے ہے مثلاً سعادت دنیاوی جس سے آخرت پر کچھ مدد نہ ملے اس کو جو نعمت کہتے ہیں محض غلط ہے اور کبھی کسی چیز کو نعمت کہنا درست ہوتا ہے مگر نعمت کا اطلاق سعادتِ اخروی پر درست و صادق تر ہے تو جو سبب کہ سعادت اخروی تک پہنچاوے اور اس پر اعانت کرے خواہ ایک واسطہ سے یا کئی واسطوں سے اس کا نام نعمت رکھنا صحیح اور درست ہے اس لیے کہ اس کے باعث نعمت حقیقی ملتی ہے۔ اور جو اسباب و لذات سعادت اخروی کی معین ہوتی ہیں اور جن کا نام نعمت ہے ان کی شرح ہم کئی تقسیموں سے کرتے ہیں پہلی تقسیم جتنے امور ہیں ان کو ہم اگر اپنی طرف خیال کر کے دیکھیں تو چار طرح کے ہیں اول وہ کہ دنیا و آخرت میں دونوں میں نافع ہوں جیسے علم اور حسن خلق، دوم وہ کہ دونوں میں مضر ہوں جیسے جہل اور بد خلقی، سوم وہ کہ دنیا میں مفید ہوں اور آخرت میں مضر ہوں جیسے اتباع شہوات سے لذت پانا، چہارم وہ کہ دنیا میں مضر ہوں اور آخرت

---

[۱۷] قریب ہے کہ میرے بعد تم پر حاکم ہوں گے کہ بعضوں کو تم جانتے ہو گے اور بعضوں کو نہ جانتے ہو گے اور وہ فساد کریں گے اور جس قدر اللہ تعالیٰ ان کے باعث اصلاح فرماوے گا اور وہ بہت ہو گا پس اگر وہ بھلائی کریں تو ان کو ثواب ہے اور تم پر شکر اور اگر وہ بُرائی کریں تو ان کو گناہ ہے اور تم پر صبر ۱۲ ترمذی و بزار بروایت ابن عمر بالفاظ جداگانہ اور ما یصلح اللہ بہم اکثر اس حدیث میں مجھ کو نہیں ملا ۱۲ ات ۲ اور اگر گنو نعمتیں اللہ کی نہ پورا کر سکو ان کو ۱۲

[۱۸] مؤثر جو چیز اختیار کی گئی اور انتخاب کی گئی ہو، ماخوذ از ایثار ۱۲ امیر علی عفی عنہ

میں مفید جیسے شہوات کا استیصال اور نفس کی مخالفت ان میں سے اوّل جو حال و مآل میں نافع ہے وہ نعمت حقیقی ہے مثلاً علم اور حسن خلق اور جو دونوں میں مضر ہے وہ اس کی ضد ہے اور مصیبت حقیقی ہے اور جو حال کی نافع اور مآل کی مضر ہے وہ ارباب بصیرت و ذکائے کے نزدیک نری مصیبت ہے مگر جاہل اس کو نعمت گمان کرتے ہیں اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بھوکا شخص شہد پاوے جس میں زہر ملا ہو تو وہ اگر زہر سے ناواقف ہوگا تو اس شہد کو نعمت جانے گا اور جب بیمار ہو جاوے گا تو جانے گا کہ یہ میرے حق میں بلا ہے اور جو چیز حال میں مضر اور مآل میں مفید ہے وہ ارباب عقل کے نزدیک نعمت ہے اور جہال کے نزدیک بلا ہے اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے کڑوی دوا کہ حال میں اس کا ذائقہ بُرا ہوتا ہے مگر انجام کو اچھا عہ

کہ دارُوی تلخست دفع مرض

کا مضمون ہوتا ہے اور صحت اور تندرستی کا مثمر ہوتا ہے۔ پس لڑکے ناواقف کو اگر ایسی دوا پلائی جاتی ہے تو اس کو وبال جانتا ہے اور عاقل اس کو نعمت تصور کرتا ہے اور جو شخص اس کو وہ دوا بتلاتا ہے یا اس کا سامان مہیا کر دیتا ہے اس کا ممنون و مشکور رہتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ مادر مشفقہ پچھنے سے اپنے بچے کا خون نہیں نکلوانے دیتی اور باپ اس کا خواہاں ہوتا ہے کیونکہ باپ اپنی عقل کے کمال سے دیکھتا ہے اور مادر کو فرطِ محبت اور نقصان عقل کے باعث حال ہی پر نظر ہوتی ہے اور لڑکا ناواقفیت کے باعث ماں کا ممنون ہوتا ہے اور اسی سے مانوس ہوتا ہے اس کو اپنا شفیق سمجھتا ہے اور باپ کو دشمن تصور کرتا ہے لیکن اگر اس کو عقل ہو تو معلوم کرے کہ ماں باطن میں دشمن ہے اور ظاہر میں دوست، اس لیے کہ پچھنے سے روک لینا انجام کو ایسے امراض پیدا کرتا ہے جن کی تکلیف خون نکلنے کی نسبت بہت زیادہ ہو گی، علاوہ ازیں جاہل دوست عاقل دشمن سے بُرا ہوتا ہے اور ہر ایک انسان اپنے نفس کا دوست ہے مگر دوست جاہل، یہی وجہ ہے کہ اس کے ساتھ ایسا کام کرتا ہے جو دشمن بھی نہ کرے گا یعنی نفس کی خواہشوں کو پورا کرتا ہے جو انجام کو وبال ہو گا۔ دوسری تقسیم واضح ہو کہ دنیا کے جتنے اسباب ہیں وہ سب ایک دوسرے میں ملے جلے ہوئے ہیں۔ بھلائی کے ساتھ بھلائی ہر ایک میں ملی ہوئی ہے ایسا کم ہے کہ جو اسباب بہتر ہیں وہ صاف و پاک ہوں مثلاً مال اور اہل مال اور اولاد اقارب اور جاہ اور دوسرے اسباب میں سے بقدر حاجت اور کفایت ہونا دوسرے یہ کہ اکثر لوگوں کے حق میں اس کا ضرر نفع کی نسبت زیادہ ہو، مثلاً مال کثیر اور بہت سا جاہ، تیسرے یہ کہ ضرر و فائدہ دونوں مساوی ہوں اور یہ وہ باتیں ہیں کہ لوگوں کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہیں بہت سے آدمی

عہ فی الاصل لیکن بات یہ ہے کہ جاہل دوست الخ ۱۲ امیر علی عفی عنہ

نیک بخت اس طرح کے ہیں کہ اچھے مال سے گو بہت سا فائدہ ہو اٹھاتے ہیں یعنی اللہ کے راستے میں اور خیرات میں اس کو خرچ کرتے ہیں تو ایسا مال اگر اس توفیق کے ساتھ آدمی کے پاس ہو تو اس کے حق میں نعمت ہے۔ اور بہت آدمی ایسے بھی ہوتے ہیں کہ تھوڑے مال سے ضرر پاتے ہیں یعنی ہمیشہ اس کو کم جانتے ہیں اور خدا سے شکوہ اور طلب زیادتی کی کیا کرتے ہیں تو اس طرح کا مال اس عدم توفیق کے ساتھ اس کے حق میں مصیبت ہے۔ تیسری تقسیم جتنی خیرات یعنی نیک باتیں ہیں وہ ایک اور اعتبار سے تین قسم کی ہیں اول وہ جو بذاتہ مقصود اور محبوب ہوں دوسری وہ جو غیر چیز کے لیے محبوب ہوں، تیسری وہ کہ بذات خود ہی محبوب ہوں اور غیر کے حاصل کرنے کی جہت سے بھی مقصود ہوں، اوّل کی مثال جیسے دیدارِ الٰہی کی لذت اور اس کے وصال کی سعادت یعنی سعادت اخروی کہ کبھی منقطع نہ ہو گی اس سعادت کی طلب اس لیے نہیں ہوتی کہ یہ ذریعہ کسی دوسری سعادت کے حاصل ہونے کا ہو بلکہ اس کی طلب خود مقصود بالذات ہونے کی جہت سے ہے۔ دوسری وہ کہ اس کو دوسری چیز کے پیدا کرنے کے لیے چاہتے ہیں خود اس سے کچھ سروکار نہیں جیسے روپیہ اشرفی کہ اگر حاجات اس سے پوری نہ ہوا کریں تو یہ دونوں اور کنکر برابر تھے مگر چونکہ لذات کا ذریعہ ہیں اور ان کی طرف جلد آدمی کو پہنچا دیتی ہیں اسی لیے جہاں کے نزدیک روپیہ اشرفی خود ہی محبوب ہو گئے ہیں یہاں تک کہ ان کو جمع کر کے گاڑتے ہیں اور ربا کے ساتھ خرچ کرتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ مقصود بالذات یہی دونوں ہیں اور ان لوگوں کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کو چاہتا ہے اور اس کی محبت کے باعث اس کے قاصد کو بھی چاہتا ہے جس کے باعث پیام آپس کے ایک دوسرے کو پہنچتے ہیں پھر ہوتے ہوتے قاصد کے ساتھ اتنی محبت کرے کہ اصل محبوب کو بھول جاوے اور عمر بھر اس سے روگرداں ہی رہے اور ہمیشہ قاصد کی خبر گیری اور رعایت اور شفقت کیا کرے حالانکہ یہ نہایت جہالت اور گمراہی ہے۔ تیسرے وہ کہ بذاتہ اور لغیرہ دونوں ہو۔ مثلاً صحت اور سلامتی کہ انسان اس لیے چاہتا ہے کہ اس کے باعث مشغول بذکر و فکر ہو سکے جس سے دیدارِ الٰہی ملتا ہے یا کہ لذت دنیاوی تمام و کمال کے حاصل ہونے کا ذریعہ ہوتی ہے اس لیے چاہتا ہے لیکن بعض اوقات صحت فی نفسہٖ ہی مطلوب ہوتی ہے اس غرض سے نہیں کہ وہ دوسری چیز کے حاصل ہونے کا ذریعہ ہو یا نہ ہو مثلاً جس شخص کو کہ پیادہ چلنے کی حاجت نہ ہو وہ بھی اپنے پاؤں کی سلامتی چاہتا ہے حالانکہ پاؤں کی سلامتی اس لیے ہوتی ہے کہ چلنے کے لیے ذریعہ ہے مگر چونکہ سلامتی خود بھی ایک محبوب چیز ہے اس لیے بذاتہ بھی مقصود ہے۔ اب تینوں اقسام میں سے خیر و نعمت حقیقی صورت اوّل ہے جو بذاتہ محبوب ہے اور جو چیز کہ لذاتہ اور لغیرہ مقصود ہے وہ بھی نعمت ہے مگر اوّل سے کمتر ہے لیکن جو چیز کہ مطلوب غیر ہی کے واسطے ہوتی ہے جیسے سونا چاندی تو ان کو بذاتِ خود معدنی ہونے کی جہت

عہ اصل میں ہے یتصارفون علیہا بالربا مترجم نے ربا بیائے تحتیہ پڑھا تو یتصارفون کے معنی خرچ کرنے کے بتائے اور میرے نزدیک صحیح ترجمہ یہ کہ بیاج کے طور پران کا لین دین کرتے ہیں یعنی لفظ ربا بائے موحدہ بیاج کے معنی میں ہے اور تصارف کا اصراف ہے۔ قائل ۱۲ امیر علی۔

سے نعمت نہیں کہتے بلکہ اس جہت سے نعمت کہلاتے ہیں کہ وہ وسیلے اور اغراض سے ہیں تو اس صورت میں یہ ایسے ہی شخص کے حق میں نعمت ہوں گے جو اپنی مراد کو بدون ان کے ذریعہ کے نہ پہنچ سکے پس اگر اس کی مراد علم اور عبادت ہے اور اس کے پاس مقدار ضرورت اس کی زندگی کی بسر اوقات کے لیے موجود ہے تو اس کے نزدیک سونے اور ڈھیلے میں کچھ فرق نہ ہو گا اور اس کا وجود و عدم یکساں معلوم ہو گا اور اگر سونے چاندی کے ہونے سے یہ نوبت پیش ہوتی ہو کہ فکر و عبادت نہ ہوتے دیتی ہو تو ایسے شخص کے حق میں یہ مال نعمت نہیں زحمت ہے۔ چوتھی تقسیم ایک دوسرے اعتبار سے خیرات کی تین قسمیں ہیں اول لذیذ جن کا نفع اسی وقت معلوم ہو۔ دوسرے نافع جو آخر کو مفید ہو، تیسرے جمیل جو سب احوال میں اچھی معلوم ہو اور برائی بھی تین قسم کی ہیں ضار اور قبیح اور ایذا رساں، پھر خیر و شر کی دو قسمیں ہیں مطلق اور مقید، خیر مطلق اس کو کہتے ہیں جس میں تینوں اوصاف خیر کے جمع ہوں جو اوپر مذکور ہوتے مثلاً علم و حکمت کہ ارباب علم و حکمت کے نزدیک یہ نافع بھی ہیں اور جمیل اور لذیذ بھی اور شر مطلق جیسے جہل کہ وہ مضر اور قبیح اور ایذا رساں سب کچھ ہے مگر جاہل کو اپنے جہل کی ایذا کی جب خبر ہو جب اس کو یہ معلوم ہو کہ میں جاہل ہوں اس طرح کہ دوسرے شخص اپنے ہم عمر، ہم مرتبہ کو عالم دیکھے اور اپنے نفس کو جاہل پس فوراً رنج نقصان یاد دے گا کہ میں کیوں کم ہوں اور اس رنج سے شوق علم کا ابھرے گا کیونکہ وہ مزیدار ہوتا ہے پھر بعد شوق کے کبھی مانع تحصیل علم سے حسد اور کبر اور شہوت ہوتے ہیں۔ اب دو چیزوں کی کشاکش میں یہ شخص پڑ گیا اگر سیکھنا ترک ہے تو جہالت کا الم رہے گا اور اپنے آپ کو ناقص جان کر جلے گا اور اگر سیکھنے میں مشغول ہو گا تو شہوات کے چھوڑنے یا کبر کے چھوڑنے اور تعلیم کی ذلت اٹھانے کا رنج سہے گا غرض کہ یہ شخص ہمیشہ بے شک عذاب دائم میں رہے گا اور دوسری قسم مقید ہے کہ جس میں کچھ اوصاف خیر کے اور کچھ اوصاف شر کے ملے ہوں مثلاً بعض اوقات ایک نافع چیز سے ایذا ہوتی ہے جیسے کوئی انگلی بیکار[ف] یا رسولی وغیرہ کٹوا دے اور کبھی نافع چیز قبیح ہوتی ہے جیسے حمق کہ بعض احوال کے اعتبار سے نافع ہوتا ہے اور اسی بنا پر یہ قول مشہور ہے کہ استراح من لا عقل لہ یعنی بے عقل چین سے رہتا ہے کیونکہ اس کو انجام کا اہتمام نہیں ہوتا۔ اسی واسطے سر دست راحت میں رہتا ہے یہاں تک کہ وقت وفات پہنچے اور کبھی جو چیز کہ من وجہ مضر ہوتی ہے من وجہ نافع ہوتی جیسے ڈوبنے کے خوف کے وقت مال کو دریا میں پھینک دینا ہر چند کہ اس سے مال کو ضرر ہوتا ہے مگر نفس کو نفع ہے کہ اس کی نجات ہو جاتی ہے یعنی بوجھ کے اتار ڈالنے سے کشتی بچ جاتی ہے۔ پھر نافع چیز دو قسم پر ہے ایک ضروری جیسے ایمان اور حسن خلق سعادت اخروی تک پہنچانے میں اور ان سے ہماری غرض علم اور عمل اور ان کا ضروری ہونا اس وجہ سے ہے کہ کوئی دوسری چیز ان کے قائم مقام نہیں اور دوسری غیر ضروری

[ف] بیکار اصل میں المتآکلہ ہے یعنی جس انگلی میں آکلہ کی بیماری ہو گئی کہ وہ زخم بڑھتا جاوے گا اچھا نہ ہو گا اور اس کا یہی علاج ہے کہ جوڑ سے جدا کر دیں تاکہ آئندہ سرایت نہ ہو ۱۲ امیر علی۔

جیسے سکنجبین صفرا کی تسکین کے لیے کہ کبھی دوسری چیزیں بھی اس کو ساکن کر سکتی ہیں۔ پانچویں تعلیم یہ پہلے معلوم ہو چکا کہ نعمت نام لذت کا ہے اور لذتیں اس اعتبار سے کہ انسان سے مخصوص ہیں یا غیر میں بھی شریک ہیں تین طرح کی ہیں اول عقلی دوم بدنی کہ بعض حیوانات کے ساتھ مشترک ہیں سوم بدنی کہ سب حیوانات ان میں مشترک ہیں، عقلی لذتوں کی مثال جیسے علم اور حکمت کی لذت کہ صرف قلب کو اس سے لذت ہوتی ہے کان اور آنکھ اور باقی حواس خمسہ کو اور پیٹ اور شرمگاہ کو کچھ بہرہ اس سے نہیں اور قلب کو جو لذت علم و حکمت سے ہوتی ہے اس وجہ سے کہ وہ ضعیف جس کا نام عقل ہے قلب کے ساتھ خاص ہے اور اس لذت کا وجود باوجودیکہ سب لذتوں میں اشرف ہے نہایت کمتر ہے اس کے کم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ علم و حکمت سے سوائے عالم اور کوئی لذت نہیں پاتا اور اہل علم اور ارباب حکمت بہت ہی کم ہیں گو نام کو بہتیرے عالم و حکیم ہیں اور اس کے اشرف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ لذت آدمی کے ساتھ ہمیشہ رہتی ہے نہ دنیا میں اس کو زوال نہ آخرت میں اور اس سے طبیعت پر ملال نہیں ہوتا کھانا اگر خوب تن کر کھاؤ تو سستی لاتا ہے اور صحبت سے فارغ ہونے کے بعد ثقالت اور تھکن پیدا ہوتی ہے مگر علم و حکمت سے تھکن و سستی کبھی نہیں ہوتی اور جو شخص ایسی دائمی شریف و باقی چیز کے حاصل کرنے پر قادر ہو کر ادنی چیز چند روز کے بعد فنا ہونے والی پر راضی ہو جاوے تو وہ مجنون ہے اور اپنی بدبختی کے باعث محروم۔ ادنیٰ بات علم کی یہ ہے کہ علم و عقل کے لیے حاجت مددگاروں اور چوکیداروں کی نہیں بخلاف مال کے علم آدمی کی حفاظت کرتا ہے اور مال کی حفاظت خود آدمی کو کرنی پڑتی ہے علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے اور مال کم ہوتا ہے مال چوری جاتا ہے عہدہ موقوفی سے جاتا رہتا ہے مگر علم پر نہ چوروں کا داؤ چلے کہ لے سکیں نہ حاکموں کا زور کہ موقوف کر سکیں اسی لیے اہل علم ہمیشہ چین میں رہتا ہے اور مالدار کو مدام خوف لگا رہتا ہے۔ پھر علم بہر حال لذیذ اور نافع اور جمیل ہے اور مال کبھی تو نوبت ہلاک کی پہنچاتا ہے اور کبھی نجات کی اسی وجہ سے ہر چند جناب باری نے مال کو لفظ خیر سے چند جا ذکر فرمایا مگر اس کی برائی بھی چند جا مذکور فرمائی۔ اب رہی یہ بات کہ اکثر لوگ لذت علم سے کیوں قاصر ہیں تو ان کا قصور یا تو اس وجہ سے ہے کہ ان کو ذوق نہیں اور جس کو ذوق نہ ہوگا وہ کس طرح جانے گا اور کیسے مشتاق ہوگا کیونکہ اشتیاق تو ذائقہ کے بعد ہوتا ہے یا اس وجہ سے کہ ان کے مزاج خراب ہیں اور دل بباعث اتباع شہوات کے روگی ہو رہے ہیں تو جیسے بیمار کو شہد کا مزہ نہیں معلوم ہوتا اور اس کو کڑوا جانتا ہے ایسے یہ لوگ بھی علم کو اچھا نہیں سمجھتے یا یہ کہ ان کی طبیعت و دانائی میں قصور ہے کہ ابھی تک وہ صفت جس سے کہ علم کی لذت معلوم ہوتی ہے ان میں پیدا نہیں ہوتی جیسے شیر خوار لڑکا شہد اور پیڑوں کا مزہ نہیں جانتا اس کو سوائے دودھ کے اور کوئی چیز اچھی نہیں معلوم ہوتی سب چیزوں سے منہ بناتا ہے اور اس کو اچھا نہ معلوم ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ چیزیں مزہ دار نہیں اور نہ اس کے دودھ کو اچھا جاننے سے یہ معلوم ہو کہ سب سے لذیذ تر وہی ہے غرض کہ جو لوگ لذت علم کے ادراک سے قاصر ہیں وہ تین طرح کے ہیں ایک وہ کہ ابھی تک ان کا باطن زندہ ہی نہیں جیسے لڑکے کا

باطن ہوتا ہے دوم وہ کہ اتباعِ شہوات کے باعث زندگی کے بعد ان کا دل مردہ ہو گیا ہو۔ سوم وہ کہ اتباع شہوات کے سبب دل مریض ہو رہا ہو اور ارشادِ الٰہی[1] فی قلوبھم مرض الخ اشارہ ہے عقلوں کی بیماری کی طرف اور یہ قول[2] لینذر من کان حیاً اشارہ ہے اس شخص کی طرف جو زندگی باطنی سے زندہ ہو اور جو شخص کہ بدن کا زندہ اور دل کا مردہ ہو وہ خدا کے نزدیک مردہ ہے گو جاہلوں کے نزدیک زندہ ہو اور اسی بنا پر شہداء خدا تعالیٰ کے نزدیک زندہ ہیں اور کھاتے ہیں خوش ہوتے ہیں اگرچہ بدن سے مردہ ہیں۔ دوسری لذت جس میں انسان بعض حیوانات کے شریک ہیں جیسے ریاست اور غلبہ کی لذت کہ شیر اور چیتے اور بعض حیوانات میں بھی پائی جاتی ہے۔ تیسری لذت جس میں انسان سب حیوانات کا شریک ہے جیسے پیٹ اور شرمگاہ کی لذت، یہ لذت سب لذتوں سے ادنیٰ اور خسیس ہے مگر وجود اس کا بہت ہے اور اسی وجہ سے جتنے حیوانات زمین پر ہیں سب اس میں شریک ہیں یہاں تک کہ کیڑے اور حشرات الارض بھی اس میں شریک ہیں اور جو اس رتبے سے تجاوز کرتا ہے وہ پنجۂ لذت غلبہ میں گرفتار ہوتا ہے اور یہ لذت غافلوں سے بہت ہی چسپاں ہے۔ جب اس سے تجاوز کرتا ہے تو اوّل لذت پر پہنچتا ہے۔ اس وقت آدمی پر سب لذتوں سے زیادہ لذت علم و حکمت غالب ہوتی ہے۔ خصوصاً معرفت الٰہی اور اس کی صفات و افعال کی معرفت کی لذت غالب تر ہوتی ہے اور یہ رتبہ صدیقین کا ہے اور یہ رتبہ بوجہ کمال جب ملتا ہے جب دل میں سے غلبۂ حب ریاست نکل جاتا ہے۔ چنانچہ مشہور ہے کہ جو چیز صدیقین کے سر میں سے سب میں آخر کو نکلتی ہے وہ محبت ریاست ہے اور پیٹ اور شکم کی حرص کے توڑتے پر تو اور صلحا بھی قدرت رکھتے ہیں مگر خواہش ریاست کو دبا دینا صدیقوں ہی کا کام ہے پھر بھی اس شہوت کا بالکل استیصال کر دینا کہ کبھی معلوم ہی نہ ہو اور کسی حال میں اس کا احساس نہ ہونے پاوے، اغلب ہے کہ انسان کے مقدور سے خارج ہے ہاں یہ صورت ہو جاتی ہے کہ اس کے باعث لذت ریاست کچھ نہیں سوجھتی لیکن یہ حالت دائمی نہیں کہ عمر بھر ایسی ہی رہے بلکہ اس میں کچھ کمی بھی ہو جاتی ہے[3] اور ایسی صورت میں انسان کی طرف صفات بشریہ رجوع کر آتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ محبت غلبہ ریاست رہتی ضرور ہے مگر دبی ہوئی رہتی ہے ایسی نہیں ہوتی کہ نفس کو وہ غلط کر عدل سے انحراف کر دے پس اسی اعتبار سے دل کی چار قسمیں ہیں، ایک دل وہ ہے کہ سوائے خدا تعالیٰ کے اور کسی سے محبت نہیں کرتا اور نہ بدون زیادتی معرفت الٰہی اور اس کی فکر کے آرام پاوے، دوسرا وہ دل کہ اس کو خبر ہی نہیں کہ لذت معرفت کس کو کہتے ہیں اور خدائے تعالیٰ سے انس ہونے کے کیا معنی ہیں اس کی لذت صرف جاہ و ریاست اور مال اور تمامی شہوات بدنیہ سے ہے۔ تیسرا وہ دل کہ اکثر تو خدائے تعالیٰ سے مانوس

---

[1] ان کے دل میں روگ ہے ۱۲

[2] تاکہ ڈر سناوے اس کو جس میں جان ہے ۱۲ [3] یعنی درمیان میں فتور ہی طاری ہو جاتے ہیں ۱۲

ہی رہتا ہے اور اس کی معرفت اور لذت سے فکر پاتا ہے مگر کبھی بعض اوقات اس کو اوصاف بشری پیش ہو جاتے ہیں۔ چوتھا وہ دل کہ اکثر حالات میں تو اوصاف بشریہ سے لذت پاتا رہتا ہے الا کبھی کبھی علم و حکمت سے بھی لذت پاتا ہے۔ ان میں سے اوّل قسم کا دل تو غیر ممکن کا سا ہے اگر اس کا وجود ممکن ہو تو بہت ہی بعید معلوم ہوتا ہے بشر کی طاقت سے باہر ہے کہ اس صفت سے متصف ہو، اور دوسرے دل سے دنیا پُر ہے اور تیسرے اور چوتھے دل بھی موجود ہیں مگر کم ہیں اور یہ ہمیشہ شاذ و نادر ہی رہیں گے اور باوجود قدرت کے قلت و کثرت میں فرق ہر زمانہ میں ہوتا جاوے گا۔ یہاں تک کہ اس قسم کے دل ان زمانوں میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے قریب تھے بہت پاتے جاتے تھے۔ اب جتنا وہ زمانہ دور ہوتا جاتا ہے اتنا ہی یہ دل کم ہوتے جاتے ہیں یہاں تک کہ قیامت آجاوے اور اللہ تعالیٰ کو جو امر کرنا ہے وہ کر دے اور وجہ اس قسم کے دلوں کے کمتر ہونے کی یہ ہے کہ ایسا دل ہوتا آغازِ سلطنت آخرت ہے اور ظاہر ہے کہ بادشاہ بہت نہیں ہوا کرتے گو ملک سب کو اچھا معلوم ہوتا ہے تو جیسا دنیا میں ملک اور جمال میں فائق ایک ہی دو ہوتے ہیں اور باقی لوگ ان سے کم ہوتے ہیں اسی طرح ملک آخرت کے فائق بھی کم ہی ہونے چاہئیں اس لیے کہ دنیا آخرت کا نمونہ ہے کیونکہ دنیا عالم ظاہری کا نام ہے اور آخرت عالم غیب کا اور جس طرح کہ آئینے کے اندر کا عکس دیکھنے والے کی صورت کے مطابق ہوتا ہے اسی طرح دنیا بھی آخرت کے مطابق ہی ہوتی ہے اور آئینے کے اندر کی تصویر اگرچہ وجود میں مرتبۂ ثانی رکھتی ہے کہ پہلے دیکھنے والا ہوتا ہے تب اس کی صورت بنتی ہے۔ مگر دیکھنے کے اعتبار سے وہی اوّل ہے کیونکہ دیکھنے والا اپنے نفس کو دیکھ ہی نہیں سکتا بلکہ اپنی صورت کو جو آئینے میں ہے اوّل دیکھتا ہے اور اس عکس سے اپنا چہرہ جو دھڑ پر ہے اس کو سمجھتا ہے کہ وہ بھی ایسا ہی ہے تو دیکھنا چاہیئے کہ جو چیز وجود میں تابع تھی یعنی عکس وہ جاننے کے باب میں متبوع اور اصل ہوگئی اور جو چیز وجود میں پیچھے تھی وہ شناخت میں مقدم ہوگئی لیکن اس طرح کا اختلاف اور تغیر ایسی دنیا میں ہو سکتا ہے اور دنیا کے لیے یہ ضرور بھی ہے۔ اسی طرح دنیا مشابہ عالم غیب کا ہے پس بعض لوگ جن کو چشم بصیرت سے دیکھنا نصیب ہوا تو اس ملک کی کسی چیز کو نہیں دیکھتے جس سے عالم ملکوت پر عبور نہ کر جاتے ہوں اسی گذر کا نام عبرت ہے جس کا خدا تعالیٰ نے خلق کو ارشاد فرمایا[ت۱] فاعتبروا یا اولی الابصار اور بعضے ایسے ہیں کہ ان کی بینیے کی پھوٹی ہے اس جہت سے عبرت نہ کی اور دنیا ہی میں محبوس رہے ان کے قید خانے کی طرف عنقریب دروازے جہنم کے کھل جاویں گے اور یہ قید خانہ ایسی آگ سے بھر رہا ہے جو دلوں ہی پر جھانکتی ہے مگر آدمی کو جو اس کی تکلیف معلوم نہیں ہوتی اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے اور اس آگ کے درمیان میں حجاب ہے جب وہ حجاب موت سے دور ہو جاوے گا تب اس کی تکلیف معلوم ہو گی

ت۱ سو دہشت مانو اے آنکھ والو ۱۲

اور یہی بات خدائے تعالیٰ نے ان لوگوں کی زبان سے نکلوا دی جن کو امر حق ہی سے گویا کرتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ جنت اور دوزخ دونوں مخلوق ہیں مگر دوزخ کبھی تو ایسے ادراک سے معلوم ہوتی ہے جس کو علم الیقین کہتے ہیں اور کبھی ایسے ادراک سے جس کو عین الیقین کہتے ہیں اور عین الیقین سوائے آخرت کے اور کہیں نہ ہوگا۔ اور علم الیقین دنیا میں بھی کبھی ہوتا ہے مگر انہیں لوگوں کو جو نور یقین سے بہرۂ کامل رکھتے ہیں اسی واسطے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[ت ۱] کلا لو تعلمون علم الیقین لترون الجحیم یعنی دنیا میں ثم لترونها عین الیقین۔ یعنی آخرت میں، اس بیان سے اب معلوم ہوا کہ جو قلب صلاحیت سلطنت آخرت کی رکھتا ہے وہ کمتر ہی ہوگا جیسا کہ ملک دنیا کے قابل کمتر ہوا کرتا ہے۔ چھٹی تقسیم جو سب نعمتوں کو حاوی ہے یہ ہے کہ نعمتیں دو قسم کی ہیں یا تو غایت مطلوب بالذات یا وسیلے اس غایت مقصود بالذات کے۔ غایت سے سعادت آخرت مراد ہے جو چاروں باتوں کو شامل ہے۔ اوّل بقا جس کو فنا نہ ہو، دوم سرور جس میں غم نہ ہو، سوم علم جس میں جہل نہ ہو، چہارم توانگری جس کے بعد افلاس نہ ہو انہیں چار باتوں کو نعمت حقیقی جاننا چاہیئے اور اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[ح ۲] لا عیش الا عیش الاٰخرۃ یہ الفاظ ایک بار سختی کے وقت ارشاد فرماتے تاکہ نفس کو سختی ناگوار نہ گذرے یعنی جس وقت غزوہ خندق میں خندق کی تیاری کے وقت شدت سے تکلیف تھی، اس وقت آپ نے فرمایا کہ نفس کو تسلی ہو اور ایک بار یہی الفاظ وقت سرور[ح ۳] بھی فرمائے تاکہ نفس مائل سرور دنیا نہ ہو یہ اس وقت فرماتے تھے جب حجۃ الوداع میں لوگ ہالے کی طرح اس ماہ سپہر خوبی کے گرد کھڑے ہوتے اور ایک شخص نے دعا مانگی کہ الٰہی میں تجھ سے کمال نعمت کی درخواست کرتا ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت[ح ۴] فرمایا کہ جانتا ہے کہ کمال نعمت کیا ہے اس نے عرض کیا کہ نہیں آپ نے فرمایا کہ کمال نعمت جنت میں داخل ہونا ہے۔ اور وسائل کی چار قسمیں ہیں اوّل تو وہ جو سب سے زیادہ خاص ہوں جیسے نفس کے فضائل، دوسرے جو قرب میں ان فضائل نفس کے قریب ہوں جیسے بدن کے فضائل تیسرے وہ جو ان کے قریب ہوں مگر بدن میں نہ ہوں جیسے اسباب بدن کے قریب مثل مال اور اہل اور اقربا کے، چوتھے وہ کہ ان اسباب خارج از نفس اور موجود اور نفس کے جامع ہوں جیسے توفیق اور ہدایت ہیں، پس ان چاروں کو مفصل بیان کیا جاتا ہے۔ اوّل قسم اخص وسائل یعنی فضائل نفسی ہیں اور اگرچہ اس کے فروع بہت ہیں مگر حاصل ان کا دو میں آجاتا ہے اور اوّل ایمان، دوم حسن خلق، پھر ایمان کی دو قسمیں ہیں اول علم مکاشفہ یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات اور ملائکہ اور انبیاء کا علم معاملہ اور حسن خلق کی بھی دو قسمیں ہیں ایک چھوڑنا مقتضائے شہوات و غضب کا جس کو عصمت کہتے ہیں۔ دوسرے مقتضائے شہوت کے ارتکاب اور ترک کرنے میں عدل کا لحاظ رکھنا یعنی ایسا

ت ۱ کوئی نہیں اگر جانو یقین کر جاننا بیشک تم کو دوزخ دیکھنا ہے پھر دیکھنا یقین کی آنکھ سے ۱۲ ح ۲ نہیں ہے عیش مگر آخرت کی ۱۲ بخاری و مسلم بروایت انس ح ۳ حاکم اور یہ حدیث باب الحج میں گذری ۱۲ ح ۴ ترمذی بروایت معاذ ۱۲

نہ ہو کہ جہاں دل چاہے وہاں اقدام کرے اور جہاں نہ چاہے وہاں باز رہے بلکہ جرأت کرنی اور تارک ہونا میزانِ عدل کے ساتھ جبکہ خداوند کریم نے اپنے رسول مقبول کی زبان پر اس طرح اتارا ہے[ت] اَلَّا تَطْغَوْا فِی الْمِیْزَانِ وَاَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ اس صورت میں اگر کوئی شہوت کے دُور کرنے کے لیے اپنے آپ کو خصی کرے یا باوجود قدرت نکاح کے سب آفتوں سے محفوظ رہنے کیلئے نکاح نہ کرے یا غذا چھوڑ دے یہاں تک کہ عبادت اور ذکر فکر میں ضعف آجائے تو ایسا شخص میزان عدل کے خلاف گوئی کرے گا اور جو شہوت پیٹ اور پیٹھ میں ڈوبا ہے زیادتی پر کھلاوے گا۔ اور صورت عدل یہ ہے کہ وزن کا خالی ہونا اور بھرنا زیادتی اور کمی کے ساتھ نہ ہو بلکہ دونوں پلے میزان کے تلے رہیں کوئی نہ نیچے جھکے نہ اوپر چڑھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ فضائل نفسی خاص تو خدا تعالیٰ سے قریب کرتے ہیں وہ چار چیزیں ہیں، علم مکاشفہ، اور علم معاملہ اور عفت اور عدالت اور یہ چاروں باتیں اکثر بدون فضائل بدنی یعنی دوسری قسم فضائل کے کامل نہیں ہوتی اور فضائل بدنی بھی چار ہیں اوّل تندرستی، دوسری قوت تیسری جمال چوتھی عمر کا زیادہ ہونا اور یہ فضائل بدنی تیسری قسم فضائل یعنی فضائل خارجہ فضائل از بدن اور محیط بدن سے حاصل ہوتی ہیں اور وہ بھی چار چیزیں ہیں اول مال دوم اہل سوم جاہ چہارم عمدہ ہونا نسب کا اور ان فضائل میں سے کسی سے آدمی منتفع نہیں ہو سکتا جب تک کہ چوتھی قسم کے فضائل یعنی وہ اسباب جو جامع بدنی اور خارجی اور فضائل نفسی کے ہوں، حاصل نہ ہوں اور وہ بھی چار ہیں، اوّل خدا تعالیٰ کی ہدایت دوم اس کا ارشاد، سوم اس کی تسدید، چہارم تاکید۔ اب چونکہ نعمتوں کی ہم نے چار قسمیں لکھی ہیں اور ہر ایک ان میں سے چار چار چیزیں ہوئیں تو معلوم ہوا کہ نعمتیں سب سولہ ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ان میں سے بعض نعمتیں بعض کی طرف محتاج ہیں، خواہ حاجت ضروری ہو خواہ بطور نافع ہونے کے ہو، حاجت ضروری کی مثال یہ ہے کہ سعادت اخروی ایک نعمت ہے اور اس کو ایمان اور حسن خلق کی حاجت ہے تو حاجت ضروری ہے کیونکہ اس تک رسائی انسان کی بدون ان دو باتوں کے نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کہ انسان کو وہی ملے گا جو کماوے گا اور جو دنیا میں زاد کرے گا آخرت میں وہی کام آوے گا۔ اسی طرح فضائل نفسی کو حاجت کسب علوم کی ضروری ہے اور تہذیب اخلاق کے لیے صحت بدن ضروری درکار ہے اور جس حالت میں کہ فی الجملہ فائدہ ہوتا ہے ضروری نہیں اس کی مثال یہ ہے کہ جتنی نعمتیں نفسی ہیں خواہ بدنی ان کو خارجی نعمتوں کی طرف حاجت ہوتی ہے مگر یہ حاجت ضروری نہیں بلکہ نافع ہے اور کام بہت نکلتا ہے مثلاً مال و جاہ اور اہل جو خارجی نعمتیں ہیں، اگر بالفرض آدمی کو حاصل نہ ہوں تو کیا عجب ہے بعض فضائل نفسی میں خلل واقع ہو جاوے اور طریق آخرت کے لیے جو ان خارجی نعمتوں کی حاجت پڑتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اسباب قائم مقام بازو کے سمجھنے چاہئیں کہ جن سے مقصود تک پہنچنا سہل ہو یا مثل آلہ کے تصور کرنا چاہیئے۔ مثلاً مال ہی پر غور سے دیکھو تو کتنا بڑا فائدہ اس کا ہے

ت ؛ کہ مت زیادتی کرو ترازو میں اور سیدھی ترازو تولو انصاف سے اور مت گھٹاؤ تول ۱۲

کہ کھانے پینے وغیرہ ضروریات سے بے فکر رہتا ہے ورنہ محتاج آدمی اگر تحصیل علم یا کسب کمال کیا چاہے
اور اس کے پاس قوت بشری کی صورت کچھ نہ ہو تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بدون ہتھیاروں کے لڑائی
کے لیے کوشش کرے یا کوئی باز شکار پکڑنا چاہے اور اس سے اڑا نہ جاتا ہو ایسے ہی کے لیے یہ شعر ہے ؎

شب چو عقد نماز بر بندم　　چہ خورد بامداد فرزندم

غرض اس سے یہ ہے کہ مفلسی میں کوئی کام آدمی سے نہیں بن پڑتا ہر وقت تلاش معاش اور فکر لباس اور
دوسرے ترددات میں مبتلا رہتا ہے ذکر فکر نہیں کرنے پاتا فضیلت حج و زکوٰۃ اور دوسری خیرات و صدقات
سے محروم رہتا ہے اور اگر مال اپنے پاس ہو تو یہ سب قباحتیں دور ہو جاتی ہیں اور مقصود تک پہنچنا نہایت آسان
ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے[1] نعم المال الصالح للرجل الصالح اور فرمایا نعم[2] العون علی
تقوی اللّٰہ المال اور بعض حکماء سے کسی نے پوچھا کہ نعمت کیا شی ہے انہوں نے فرمایا کہ توانگری کیونکہ میرے
نزدیک فقیر کی کچھ زندگی نہیں، سائل نے پوچھا کہ اور کہو حکیم نے جواب دیا کہ دوسری نعمت امن ہے۔ خوف والے کو
کچھ عیش نہیں، پھر سائل نے پوچھا کہ اور بیان کرو حکیم نے کہا تیسری نعمت تندرستی ہے اس لیے کہ مریض کو زندگی کی
کچھ حلاوت نہیں اس نے پوچھا کہ اور فرمایئے کہا اور نعمت جوانی ہے کہ بوڑھے کی زندگی بھی بے مزہ ہے پس اس
قول میں حکیم کے دنیا کی نعمتوں کی طرف اشارہ ہے مگر اسی اعتبار سے کہ آخرت پر معین ہوں نعمت کہلاتی ہیں۔
چنانچہ حدیث شریف میں ہے[3] من اصبح معافی فی بدنہ امنا فی سربہ عندہ قوت یومہ فکانما
حیزت لہ الدنیا بحذافیرھا اب اہل اور اولاد صالح کو دیکھو تو ان کی طرف حاجت ہونے کی وجہ مخفی نہیں
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[4] نعم العون علی الدین المرأۃ الصالحۃ اور لڑکے کے باب میں فرمایا
[5] اذا مات العبد انقطع عملہ الامن ثلث ولد صالح یدعوا لہ الحدیث اور اہل و ولد کے فوائد ہم
باب النکاح میں لکھ آئے ہیں یہاں دوبارہ لکھنے کی ضرورت نہیں حاصل یہ کہ جب آدمی کی اولاد اور اقارب
زیادہ ہوتے ہیں تو اس کے بازو اور آنکھ کی جگہ ہوتے ہیں، ان کے سبب سے اس کو وہ امور دنیاوی جو
دین میں ضروری ہوتے ہیں حاصل ہوتے ہیں اور اگر وہ اکیلا ان امور کی بجا آوری میں مشغول ہو تو ذکر و شغل بھی

ح[1] کیا اچھا ہے عمدہ مال مرد نیکبخت کے واسطے احمد و ابو یعلیٰ و طبرانی بروایت عمرو ابن العاص ۱۲ ح[2] عمدہ مددگار اللہ کے خوف پر مال ہے ۱۲ ابو منصور در مسند فردوس بروایت احمد بن المنکدر عن جابرؓ ۱۲ ح[3] جو شخص کہ صبح کرے اس حال میں کہ بدن کو تندرستی اور نفس کو امن ہو اور اس کے پاس اس روز کی غذا ہو تو گویا اس کو ساری دنیا حاصل ہے ۱۲ ترمذی و ابن ماجہ بروایت عبید بن محصن انصاری ۱۲ ح[4] عمدہ مددگار دین کا نیک بخت عورت ہے ۱۲ اس کی سند مجھ کو نہیں ملی، مگر مسلم نے بروایت عبداللہ بن عمر نقل کیا ہے یعنی خیر متاع الدنیا المراۃ الصالحۃ ۱۲ ح[5] جب آدمی مر جاتا ہے تو اس کے سارے عمل منقطع ہو جاتے ہیں مگر تین، ایک ان میں سے نیک بخت لڑکا ہے جو اس کے لیے دعائے خیر کرے ۱۲ مسلم بروایت ابو ہریرہ رضؓ ۱۲

جاتا رہے گا اور کبھی ضروریات دنیا سے دل کو فراغت نہ ہو گی جب اقارب و اہل دین پر معین و مددگار ٹھہرے تو ان کے نعمت ہونے میں کیا شک ہے اور عزت جاہ کے باعث آدمی اپنے نفس پر سے ذلت اور ظلم دفع کرتا ہے اور اس کی حاجت سب اہل اسلام کو ہے اس واسطے کوئی اہل ایمان ایسا نہیں ہوتا جس کا کوئی دشمن موذی نہ ہو یا ظالم کہ اس کو عمل نہ کرنے دے اور فراغبالی میں تشویش و پریشانی میں ڈال دے حالانکہ دل ایماندار کا راس مال ہے جب وہی تشویش و تردد میں رہے گا تو پھر کیا کر سکتا ہے مگر یہ تشویش عزت و جاہ سے دفع ہو جاتی ہے اسی واسطے اکابر کا قول ہے کہ دین اور سلطان دونوں توام ہیں یعنی ایک دوسرے کو لازم ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[ت ا] ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لفسدت الارض اور دلوں کے مالک ہونے کو جاہ کہتے ہیں جیسے کہ روپوں کے مالک ہونے کو توانگری کہتے ہیں اور جو شخص دلوں کا مالک ہو جاتا ہے تو ارباب قلوب اس کے اوپر سے ایذا دور کرنے کے لیے خود مستعد ہو جاتے ہیں اور جس طرح کہ انسان کو ضرورت چھت کی مینہ کے دفع کرنے کے واسطے ہوتی ہے اور کپڑے کی ضرورت جاڑے کے دور کرنے کے لیے اور شکاری کتے کی ضرورت اپنے مال کی حفاظت کے لیے، اسی طرح اس شخص کی بھی احتیاج ہے جو شر کو اس کے اوپر سے دفع کرے اور یہی وجہ تھی کہ انبیاء علیہم السلام ملک و سلطنت نہ رکھتے تھے وہ سلاطین کی رعایت کرتے تھے اور ان کے دلوں میں اپنی جگہ کر لیتے تھے۔ اسی طرح علمائے دین بھی بادشاہوں کے خزانوں کے طامع نہیں ہوتے نہ کچھ سلاطین کی متابعت سے طالب اپنی ترجیح یا دولت دنیا کے ہوتے ہیں بلکہ ان کی غرض یہی ہوتی ہے کہ کوئی شخص خلل انداز ان کے شغل میں نہ ہو اور یہ گمان نہ کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی وقت زیادہ تھی کہ ان کو فتح دی اور ان کے دین کو کامل کیا اور تمام اعداء پر ان کو غلبہ عنایت فرمایا اور لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت ڈالی. یہاں تک کہ ان کی عزت و جاہ پھیل گئی اور اس وقت نعمت کم تھی جب لوگ ان کو ایذا دیتے تھے اور مارتے تھے۔ یہاں تک کہ نوبت ہجرت کی پہنچی، بلکہ نعمت دونوں وقتوں میں یکساں تھی مگر ان احوال میں کچھ حکمتیں باریک تھیں، اب باقی رہا عمدہ ہونا نسب کا اور شرف خاندان سو یہ بھی نعمت ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ[۲] الائمۃ من القریش یعنی سردار قریش میں سے ہیں اور بھی لحاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنی آدم کے اشرف[ح] خاندان میں سے ہوتے اور آپ نے فرمایا[ح] کہ اپنے نطفوں کے لیے اچھی جگہ پسند کیا کرو اور فرمایا کہ ایاکم وخضراء الدمن یعنی اپنے آپ کو گھورے[ش] گندگی کے سبزے سے بچاؤ لوگوں نے عرض کیا کہ نجاست کے سبزے سے کیا مراد ہے آپ نے فرمایا کہ خوبصورت عورت جس کا نسب اچھا نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ شرف خاندان بھی ایک نعمت ہے اور ہماری غرض خاندانی ہونے سے یہ نہیں کہ ایسے شخصوں سے اس کا نسب ہو جو ظالم اور دنیا دار ہوں بلکہ اس سے یہ مراد ہے کہ

ت ا اور اگر دفع نہ کرے اللہ لوگوں کو ایک کو ایک سے تو خراب ہو جاوے ملک ۱۲ ح نسائی و حاکم بروایت انس ۱۲ ح مسلم بروایت واثلہ بن اسقع و ترمذی بروایت عباسؓ و ابن عباسؓ ۱۲ ح ابن ماجہ بروایت عائشہؓ ۱۲ ش جلد دوم باب النکاح میں گذری ۱۲

کہ کھانے پینے وغیرہ ضروریات سے بے فکر رہتا ہے ورنہ محتاج آدمی اگر تحصیل علم یا کسب کمال کیا چاہے اور اس کے پاس قوت بشری کی صورت کچھ نہ ہو تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بدون ہتھیاروں کے لڑائی کے لیے کوشش کرے یا کوئی باز شکار پکڑنا چاہے اور اس سے اڑا نہ جاتا ہو ایسے ہی کے لیے یہ شعر ہے ؎

شب چو عقد نماز بر بندم　　چہ خورد بامداد فرزندم

غرض اس سے یہ ہے کہ مفلسی میں کوئی کام آدمی سے نہیں بن پڑتا ہر وقت تلاش معاش اور فکر لباس اور دوسرے ترددات میں مبتلا رہتا ہے ذکر فکر نہیں کرنے پاتا فضیلت حج و زکوٰۃ اور دوسری خیرات و صدقات سے محروم رہتا ہے اور اگر مال اپنے پاس ہو تو یہ سب قباحتیں دور ہو جاتی ہیں اور مقصود تک پہنچنا نہایت آسان ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے[ح۱] نعم المال الصالح للرجل الصالح اور فرمایا[ح۲] نعم العون علی تقوی اللہ المال اور بعض حکماء سے کسی نے پوچھا کہ نعمت کیا شی ہے انھوں نے فرمایا کہ تونگری کیونکہ میرے نزدیک فقیر کی کچھ زندگی نہیں، سائل نے پوچھا کہ اور کہو حکیم نے جواب دیا کہ دوسری نعمت امن ہے۔ خوف والے کو کچھ عیش نہیں، پھر سائل نے پوچھا کہ اور بیان کرو حکیم نے کہا تیسری نعمت تندرستی ہے اس لیے کہ مریض کو زندگی کی کچھ حلاوت نہیں اس نے پوچھا کہ اور فرمائیے کہا اور نعمت جوانی ہے کہ بوڑھے کی زندگی بھی بے مزہ ہے پس اس قول میں حکیم کے دنیا کی نعمتوں کی طرف اشارہ ہے مگر اسی اعتبار سے کہ آخرت پر معین ہوں نعمت کہلاتی ہیں۔
چنانچہ حدیث شریف میں ہے[ح۳] من اصبح معافی فی بدنہ امنا فی سربہ عندہ قوت یومہ فکانما حیزت لہ الدنیا بحذافیرھا اب اہل اور اولاد صالح کو دیکھو تو ان کی طرف حاجت ہونے کی وجہ مخفی نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[ح۴] نعم العون علی الدین المرأۃ الصالحۃ اور لڑکے کے باب میں فرمایا[ح۵] اذا مات العبد انقطع عملہ الا من ثلث ولد صالح یدعو لہ الحدیث اور اہل و ولد کے فوائد ہم باب النکاح میں لکھ آئے ہیں یہاں دوبارہ لکھنے کی ضرورت نہیں حاصل یہ کہ جب آدمی کی اولاد اور اقارب زیادہ ہوتے ہیں تو اس کے بازو اور آنکھ کی جگہ ہوتے ہیں، ان کے سبب سے اس کو وہ امور دنیاوی جو دین میں ضروری ہوتے ہیں حاصل ہوتے ہیں اور اگر وہ اکیلا ان امور کی بجا آوری میں مشغول ہو تو ذکر و شغل بھی

ح۱ کیا اچھا ہے عمدہ مال مرد نیکبخت کے واسطے احمد و ابو یعلیٰ و طبرانی بروایت عمرو ابن العاص ۱۲ ح۲ عمدہ مددگار اللہ کے خوف پر مال ہے ۱۲ ابو منصور در مسند فردوس بروایت احمد بن المنکدر عن جابرؓ ۱۲ ح۳ جو شخص کہ صبح کرے اس حال میں کہ بدن کو تندرستی اور نفس کو امن ہو اور اس کے پاس اس روز کی غذا ہو تو گویا اس کو ساری دنیا حاصل ہے ۱۲ ترمذی و ابن ماجہ بروایت عبید بن محصن انصاری ۱۲ ح۴ عمدہ مددگار دین کا نیک بخت عورت ہے ۱۲ اس کی سند مجھ کو نہیں ملی، مگر مسلم نے بروایت عبداللہ بن عمر نقل کیا ہے یعنی خیر متاع الدنیا المراۃ الصالحۃ ۱۲ ح۵ جب آدمی مر جاتا ہے تو اس کے سارے عمل منقطع ہو جاتے ہیں مگر تین، ایک ان میں سے نیک بخت لڑکا ہے جو اس کے لیے دعائے خیر کرے ۱۲ مسلم بروایت ابو ہریرہ رضؓ ۱۲

جاتا رہے گا اور کبھی ضروریات دنیا سے دل کو فراغت نہ ہوگی جب اقارب و اہل دین پر معین و مددگار ٹھہرے تو ان کے نعمت ہونے میں کیا شک ہے اور عزت جاہ کے باعث آدمی اپنے نفس پر سے ذلت اور ظلم دفع کرتا ہے اور اس کی حاجت سب اہل اسلام کو ہے اس واسطے کوئی اہل ایمان ایسا نہیں ہوتا جس کا کوئی دشمن موذی نہ ہو یا ظالم کہ اس کو عمل نہ کرنے دے اور فراغبالی میں تشویش و پریشانی میں ڈال دے حالانکہ دل ایماندار کا راس مال ہے جب وہی تشویش و تردد میں رہے گا تو پھر کیا کر سکتا ہے مگر یہ تشویش عزت و جاہ سے دفع ہو جاتی ہے اسی واسطے اکابر کا قول ہے کہ دین اور سلطان دونوں توام ہیں یعنی ایک دوسرے کو لازم ہے اور اللہ تعالے فرماتا ہے [ت۱] ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لفسدت الارض اور دلوں کے مالک ہونے کو جاہ کہتے ہیں جیسے کہ روپوں کے مالک ہونے کو تو انگری کہتے ہیں اور جو شخص دلوں کا مالک ہو جاتا ہے تو ارباب قلوب اس کے اوپر سے ایذا دور کرنے کے لیے خود مستعد ہو جاتے ہیں اور جس طرح کہ انسان کو ضرورت چھت کی مینہ کے دفع کرنے کے واسطے ہوتی ہے اور کپڑے کی ضرورت جاڑے کے دور کرنے کے لیے اور شکاری کتے کی ضرورت اپنے مال کی حفاظت کے لیے، اسی طرح اس شخص کی بھی احتیاج ہے جو شر کو اس کے اوپر سے دفع کرے اور یہی وجہ تھی کہ انبیاء علیہم السلام ملک و سلطنت نہ رکھتے تھے وہ سلاطین کی رعایت کرتے تھے اور ان کے دلوں میں اپنی جگہ کر لیتے تھے۔ اسی طرح علمائے دین بھی بادشاہوں کے خزانوں کے طامع نہیں ہوتے نہ کچھ سلاطین کی متابعت سے طالب اپنی ترجیح یا دولت دنیا کے ہوتے ہیں بلکہ ان کی غرض یہی ہوتی ہے کہ کوئی شخص خلل انداز ان کے شغل میں نہ ہو اور یہ گمان نہ کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی وقت زیادہ تھی کہ ان کو فتح دی اور ان کے دین کو کامل کیا اور تمام اعداء پر ان کو غلبہ عنایت فرمایا اور لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت ڈالی۔ یہاں تک کہ ان کی عزت و جاہ پھیل گئی اور اس وقت نعمت کم تھی جب لوگ ان کو ایذا دیتے تھے اور مارتے تھے۔ یہاں تک کہ نوبت ہجرت کی پہنچی، بلکہ نعمت دونوں وقتوں میں یکساں تھی مگر ان احوال میں کچھ حکمتیں باریک تھیں، اب باقی رہا عمدہ ہونا نسب کا اور شرف خاندان سو یہ بھی نعمت ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ [۲] الائمۃ من القریش یعنی سردار قریش میں سے ہیں اور بہمیں لحاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنی آدم کے اشرف [۳] خاندان میں سے ہوتے اور آپ نے فرمایا [۴] کہ اپنے نطفوں کے لیے اچھی جگہ پسند کیا کرو اور فرمایا کہ ایاکم وخضراء الدمن یعنی اپنے آپ کو گھورے [۵] گندگی کے سبزے سے بچاؤ لوگوں نے عرض کیا کہ نجاست کے سبزے سے کیا مراد ہے آپ نے فرمایا کہ خوبصورت عورت جس کا نسب اچھا نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ شرف خاندان بھی ایک نعمت ہے اور ہماری غرض خاندانی ہونے سے یہ نہیں کہ ایسے شخصوں سے اس کا نسب ہو جو ظالم اور دنیا دار ہوں بلکہ اس سے یہ مراد ہے کہ

ت ۱ اور اگر دفع نہ کرے اللہ لوگوں کو ایک کو ایک سے تو خراب ہو جاوے ملک ۱۲۔ ۲ نسائی و حاکم بروایت انس ۱۲۔ ۳ مسلم بروایت واثلہ بن اسقع و ترمذی بروایت عباس و ابن عباس ۱۲۔ ۴ ابن ماجہ بروایت عائشہ ۱۲۔ ۵ جلد دوم باب النکاح میں گذری ۱۲

نسب یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شجرہ میں ملتا ہو یا ائمہ اور علماء اور صلحاء جو علم و عمل میں معروف تھے ان سے ملتا ہو۔ اب اگر یہ کہو کہ فضائل بدنی کی کیا حاجت پڑتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی بھی بہت حاجت ہے مثلاً صحت اور قوت اور طول عمر کی نہایت ضرورت ہے کیونکہ علم و عمل انہی سے تمام ہوتا ہے اور اسی وجہ سے حدیث شریف[ح] میں ہے کہ افضل سعادت یہ ہے کہ آدمی طاعت الٰہی میں مدت تک زندہ رہے لیکن جمال میں البتہ ذرا دقت ہے کہ وہ بھی نعمت ہے یا نہیں کیونکہ اس میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ بدن کا سالم ہونا امراض سے کافی ہے کہ مرض کے باعث خیرات نہیں کرتے پاتا الا بتامل، معلوم ہوتا ہے کہ ہر چند جمال کی طرف حاجت چنداں نہیں مگر اس کے بہتر ہونے میں کچھ شک نہیں، دنیا میں تو اس کا نفع ظاہر ہے چنانچہ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں، شعر

گفت خاموش ہر آنکس کہ جمالے دارد ہر کجا پائے نہد دست بدار ندش پیش

اور آخرت میں بھی دو وجہ سے نافع ہے اوّل تو یہ کہ بدصورت کو لوگ بُرا کہتے ہیں اور طبیعتوں کو اس سے نفرت ہوتی ہے بخلاف خوبصورت کے کہ اس کی حاجت جلد پوری کی جاتی ہے اور دلوں میں اس کی جگہ بھی زیادہ ہوتی ہے۔ اس نظر سے گویا جمال بھی مال و جاہ کے مانند ایک آلہ اور ذریعہ مقصود تک پہنچنے کا ہے کہ اس میں ایک طرح کی قدرت پائی جاتی ہے کہ خوبصورت اپنی حاجات پوری کرنے میں بہ نسبت بدصورت کے زیادہ قادر ہے اور جو چیز کہ حاجاتِ دنیاوی کے لیے معین ہوتی ہے وہ آخرت کے لیے بھی معین ہوتی ہے یعنی بذریعہ حاجات دنیاوی آخرت پر بھی مددگاری ممکن ہے دوسرے یہ کہ خوبصورتی سے اکثر نفس کی فضیلت پائی جاتی ہے کیونکہ جب نفس کا نور چمکتا ہے تو اس کا اثر بدن پر آجاتا ہے اکثر ظاہر و باطن ایک دوسرے کے موافق ہی ہوتے ہیں اسی واسطے اصحاب فراست نفس کی بزرگیاں معلوم کرنے کے لیے بدن کی ہیئت کا اعتبار کیا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ چہرہ اور آنکھ آدمی کے باطن کا آئینہ ہے کہ اس سے حال باطن کا کھل جاتا ہے اس لیے جو حال آدمی کے اندر ہوتا ہے اس کا اثر چہرہ اور آنکھ پر آجاتا ہے مثلاً غصہ اور سرور اور غم اگر جی میں ہوتا ہے تو اس کا اثر آنکھ اور چہرے پر معلوم ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ طلاقت وجہ یعنی کشادہ پیشانی ہونے کو عنوان نفس کے اچھے ہونے کا کہا کرتے ہیں اور بعضوں کا قول ہے کہ دنیا میں جتنے بدصورت ہیں ان کے لیے یہی کافی ہے کہ صورت بہیں حالش مپرس، روایت ہے کہ ایک بار خلیفہ مامون نے کچھ امیدوار فوج میں بھرتی کرنے کو سامنے بلائے ایک بدصورت بھی ان میں تھا اس سے خلیفہ نے جو گفتگو کی تو معلوم ہوا کہ زبان میں لکنت رکھتا ہے اس کا نام فہرست سے خارج کیا اور کہا کہ اگر روح کی چمک آدمی کے ظاہر بدن پر ہوتی ہے تو خوبصورتی حاصل ہوتی ہے اور اگر باطن پر ہوتی ہے تو فصاحت کا موجب ہوتی

ح یہ حدیث احیاء کے الفاظ سے غریب ہے مگر ترمذی نے بروایت ابی بکرہ نقل کیا ہے کہ کسی نے آپ سے پوچھا کہ سب لوگوں میں بہتر کون ہے آپ نے فرمایا من طال عمرہ وحسن عملہ جس کی عمر زیادہ ہو اور عمل اچھے ہوں ۱۲

ہے اس شخص کا نہ ظاہر ہی کچھ ہے نہ باطن اور حدیث شریف میں ہے کہ اطلبوا الخیر عند حسان الوجوہ[ح۱]
اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب تم قاصد کہیں کو بھیجو تو خوبصورت اور اچھے نام کا تلاش کیا کرو۔ اور فقہا کتب
فقیہہ میں لکھتے ہیں کہ جب نمازیوں کے درجات ہر ایک چیز میں مساوی ہوں تو امامت کے واسطے بہتر وہ ہے جو
زیادہ خوبصورت ہو، اور اللہ تعالیٰ نے خوبصورتی پر احسان جتا کر ارشاد فرمایا ہے کہ وزادہ[ت۲] بسطۃ فی العلم
والجسم۔ اور یہ روایت[ح۳] خود مشہور ہے اللہ جمیل و یحب الجمال یعنی اللہ تعالیٰ خود بھی اچھا ہے اور خوبی ہی
اس کو محبوب ہے۔ لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ ہماری غرض جمال سے وہ جمال نہیں جو محرک شہوت ہو اس طرح کا جمال
مؤنث کا ہوتا ہے، بلکہ جمال سے یہ غرض ہے کہ آدمی میانہ قد راست قامت گوشت میں معتدل، اعضاء سب
مناسب چہرہ کا متوازن اچھا ہو کہ لوگوں کو اس کی طرف دیکھنے سے نفرت نہ ہو۔ اب یہاں یہ اعتراض ہوتا ہے کہ
تقریر مذکورہ بالا سے مال اور جاہ اور نسب اور اہل اور اولاد سب نعمت میں داخل معلوم ہوتے ہیں۔ حالانکہ
خدا تعالیٰ نے مال و جاہ کی مذمت کی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا ان[ت۴] من ازواجکم و اولادکم عدوا لکم
فاحذروھم اور فرمایا انما[ت۵] اموالکم و اولادکم فتنۃ۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی
ان دونوں کی مذمت فرمائی[ح۶] ہے اور علماء بھی ان کو بُرا کہتے چلے آتے ہیں۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نسب
کی مذمت میں فرماتے ہیں کہ آدمی اپنے اعمال نیک کی اولاد ہیں اور ہر ایک انسان کی قیمت وہی چیز ہے جو اس
کو اچھا کر دے اور بعض اکابر کا قول ہے کہ آدمی اپنی ذات سے ہوتا ہے نہ اپنے باپ سے۔ جب مال و جاہ و نسب
کا یہ حال ہے تو یہ چیزیں نعمت کیسے ہوئیں اس کا جواب یہ ہے کہ جو شخص علوم کو الفاظ منقول اور ادلہ سے اور
روایات عامہ مخصوص البعض سے حاصل کرتا ہے اس پر گمراہی غالب رہتی ہے جب تک کہ نور الٰہی سے ہدایت
پاکر ان علوم کو اصل ماہیت پر حاصل نہ کرلے اور جب ان کی حقیقت معلوم ہو جاوے تو نقل کو اس کے مطابق
خواہ تاویل سے کرلے یا تخصیص سے۔ اب یہاں جو ہم دیکھتے ہیں تو ان چیزوں کے نعمت ہونے اور آخرت پر
معین ہونے میں کچھ انکار نہیں ہو سکتا۔ لیکن ان میں فتنے اور خوف بہت ہیں مثلاً مال کو ایک سانپ تصور کرنا چاہیے
جس میں تریاق نافع اور زہر ہلاہل دونوں ہیں، اب اگر اس کو کوئی منتر والا پکڑے گا جو زہر سے بچنے کی ترکیب اور
تریاق نکالنے کی تدبیر سے ماہر ہے تو اس کے لیے سانپ پکڑنا نعمت ہے لیکن اگر گنوار مغرور اس کو پکڑے گا تو
اس کے حق میں مصیبت ہے۔ یا مال کو ایک سمندر فرض کرو جس کی تہہ میں اقسام جواہر اور موتی ہیں تو جو شخص فن
شناوری اور غوطہ زنی میں یکتا ہوگا اور سمندر کی اور آفات سے بچنے کی گھاتیں جانتا ہوگا اس کو سمندر کی نعمتیں ملیں گی

ح[۱] خیر کو خوبصورتوں کے پاس تلاش کرو ۱۲ ابن حبان بروایت عائشہ ۱۲ ت[۲] زیادہ کشائش دی عقل میں اور بدن میں ۱۲ ح[۳] اللہ تعالیٰ جمال والا
ہے اور جمال کو دوست رکھتا ہے ۱۲ ت[۴] بعضی تمہاری جورویں اور اولاد دشمن ہیں تمہارے سو ان سے بچتے رہو ۱۲ ت[۵] تمہارے مال اور اولاد
یہی ہیں جانچنے کو ۱۲ ح[۶] ترمذی بروایت کعب بن مالک ۱۲

اور اگر ہر ایک امر سے ناواقف ہے تو بیشک ہلاک ہو جاوے گا جب اس میں نعمتوں کا وجود یقینیاً ہے تو اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مال کی تعریف کی اور اس کو خیر کے لفظ سے تعبیر فرمایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی تعریف کی چنانچہ حدیث مذکورۂ بالا میں گذرا کہ اللہ تعالیٰ کے خوف کے واسطے مال بہت عمدہ مددگار ہے، اسی طرح جاہ و عزت کی بھی خدا تعالیٰ نے مدح کی کہ ان کے باعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر احسان کیا یعنی اس کو سب دینوں پر غلبہ ہوا اور خلق کے دلوں میں ان کو محبوب فرمایا اور یہی غرض جاہ سے بھی ہوتی ہے ہاں اتنی بات ہے کہ ان دونوں کی مدح تھوڑی سی ہے اور مذمت بہت سی اور جہاں برائی ریا کی ہے وہ بھی جاہ کی برائی ہے اس لیے کہ ریا کا مقصود دلوں کا اپنی طرف کھینچنا ہے اور جاہ کا مقصود دلوں کا مالک ہونا، دونوں ایک ہی سے ہیں اور وجہ مدح کی اور ذم کی کثرت کی یہ ہے کہ اکثر آدمی مال کے سانپ کا منتر نہیں جانتے اور جاہ کے سمندر میں غوطہ لگانے سے ناواقف ہیں اس لیے ان کو ان سے ڈرانا ضرور ہوا۔ کیونکہ ان کو تریاق ملنے سے پہلے زہر مال کا چڑھ جاتا ہے اور جاہ کے جواہر پر اطلاع ہی نہیں ہونے پاتی کہ اس کی موج برباد کر دیتی ہے۔ اور اگر مال و جاہ بذاتِ خود ہر ایک شخص کے حق میں برے ہوتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت کے ساتھ جاہ عنایت نہ ہوتا، نہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو سلطنت ملتی بلکہ بات وہی ہے کہ اور لوگ مثل لڑکوں کے ہیں اور انبیاء علیہم السلام اور عارفین منتر دان ہیں، جس چیز سے لڑکوں کو ضرر ہوتا ہے منتر والوں کو نہیں ہوتا۔ فرض کرو کہ ایک منتر دان کا ایک لڑکا محبوب ہے جس کی صلاح اور زندگی اس کو منظور ہے اس نے ایک سانپ دیکھا اور جانا کہ اگر میں اس سانپ کو تریاق کے لیے پکڑوں گا تو یہ لڑکا بھی میری پیروی کرے گا اور جہاں سانپ دیکھے گا کھیل کے لیے پکڑے گا اور ہلاک ہو جاتے گا تو یہاں اس کو دو غرضیں پیش ہوتی ہیں، ایک سانپ میں سے تریاق نکالنا دوسرے لڑکے کی حفاظت، تو اس کو چاہیئے کہ ان دونوں غرضوں کو مقابلہ کرے اگر یہ سمجھے کہ تریاق نہ ملنے سے مجھے چنداں ضرر نہ ہوگا لیکن اگر سانپ کو پکڑوں گا تو یہ لڑکا ضرور میری دیکھا دیکھی پکڑے گا اور اس کے ہلاک ہونے سے میرا بڑا نقصان ہوگا تو اس صورت میں اس کو واجب ہے کہ جب سانپ نظر آوے اس کے پاس سے بھاگے اور لڑکے کو بھی اس کے پاس سے بھگا دے کہ خبردار اس کے گرد نہ پھرنا اس میں ایسا زہر ہوتا ہے کہ اس سے کوئی نہیں بچتا اور اس سے ہرگز تریاق کا ذکر نہ کرے کہ اس میں تریاق نافع بھی نکلتا ہے کیونکہ مبادا وہ بدون واقفیت کامل اس پر جرأت کر بیٹھے اور تباہ ہو جاتے۔ اسی طرح غوطہ خور اگر سمندر میں غوطہ لگانا چاہے اور اس کا لڑکا موجود ہو اور تصور کرے کہ میں غوطہ لگاؤں گا تو یہ لڑکا بھی میری پیروی کرے گا اور ڈوب جاوے گا تو اس کو چاہیے کہ لڑکے کو سمندر اور دریا کے کنارے سے ڈراوے کہ ان کے پاس آنا اچھا نہیں یہاں آدمی کا پتہ نہیں لگتا اور اگر صرف کہنے سے لڑکا باز نہ رہے گا بلکہ اپنے باپ کو کنارے پر دیکھ کر خود بھی اسی پر سیر کرے تو باپ پر واجب ہے کہ جب لڑکا ساتھ ہو کبھی کنارے پر نہ جاوے اس سے دور دور رہے اور چونکہ امت بھی انبیاء علیہم السلام

کی کنار شفقت میں مثل ناواقف لڑکوں کے ہوتی ہے۔ چنانچہ حدیث شریف[ح۱] میں انما انا لکم مثل الوالد لولدہ اس لیے جوش شفقت پدری اسی بات کا مقتضی ہے کہ ہلاک ہونے کی جگہ سے ان ناواقفوں کو بچائے جیساکہ حدیث شریف[ح۲] میں وارد ہے انکم تتھافتون علی النار کما تتھافت الفراش او انا اٰخذ بحجزکم یعنی تم آگ پر پروانوں کی طرح گرتے ہو اور میں تمہاری کمریں پکڑتا ہوں ع

چہ غم دیوارِ امت را کہ باشد چو تو پشتیبان

اور ازانجا کہ انبیاء علیہم السلام کا بڑا مقصد اپنی اولاد یعنی امت کا بچانا ہی تھا اور اسی لیے مبعوث بھی ہوتے تھے۔ اور مال میں ان کو بجز قوت کے اور کوئی غرض نہ تھی اسی لیے صرف بقدر قوت کے مال پر کفایت کی اور جو بچا اس کو اپنے پاس نہ رکھا بلکہ دے ڈالا کیونکہ دے ڈالنا ہی اس کا تریاق ہے اور روکنا اس کا زہر قاتل ہے۔ اگر لوگوں کے واسطے کسب مال کی اجازت دی جاتی اور اس کے راغب کیے جاتے تو امساک کے زہر کی طرف متوجہ ہوتے اور خرچ کرنے کے زہر مہرے پر دھیان نہ دھرتے اسی لیے مال کی مذمت کی گئی اور اس مذمت سے مقصود یہی ہے کہ اس کا روکنا اور اس کے زیادہ ہونے کی حرص کرنی بری بات ہے کہ اس سے دنیا کی رغبت اور اس کے لذات کا میل پایا جاتا ہے اور بقدر کفایت مال کا لینا اور باقی کو خیرات میں خرچ کرنا برا نہیں ہر مسافر پر ضرور ہے کہ سفر میں بقدر زاد ہی اپنے ساتھ لے بشرطیکہ اس امر کا ارادہ پختہ ہو کہ اس میں سے اور کسی کے صرف میں نہ آوے مگر جس صورت میں کہ اس کو دوسروں کا کھلانا اور رفقاء پر خرچ کرنا منظور ہے تو زیادہ زاد سے لینا بھی کچھ مضائقہ نہیں اور یہ جو حدیث شریف میں مذکور ہے کہ[ح۳] لیکن بلاغ احدکم من الدنیا کزاد الراکب اس کے یہ معنی ہیں کہ صرف اپنے نفسوں کے لیے اس قدر چاہیئے، ورنہ اسی حدیث کے راویوں میں سے بعض ایسے بھی تھے کہ حدیث مذکورہ پر عمل بھی کرتے تھے اور ایک جگہ میں لاکھ درہم لیتے اور اسی جگہ دے ڈالتے اور ایک کوڑی نہ بچاتے اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا کہ توانگر آدمی جنت میں دشواری سے جاویں گے تو حضرت عبدالرحمن بن عوف نے آپ سے اجازت چاہی[ح۴] کہ جو کچھ میرے پاس ہے سب دے ڈالتا ہوں آپ نے ان کو اجازت دے دی۔ اسی وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام اترے اور فرمایا کہ ان کو حکم فرمایئے کہ کھانا کھلائیں اور ننگوں کو کپڑا دیں اور مہمان کی خدمت کریں۔ حاصل یہ کہ دنیا کی نعمتوں میں دوا کے ساتھ مرض اور نفع کے ساتھ ضرر ملا ہوا ہے پس جس شخص کو اپنی بصیرت اور کمال معرفت پر اعتماد ہو اس کو چاہیے کہ دنیا کے پاس ایسی طرح جاوے کہ دوا حاصل کرے اور اس کے مرض سے بچا رہے اور جس کو اعتماد نہ ہو اس کو دنیا سے علیحدہ رہنا اور گریز

ح۱ میں تو تمہارے لیے ایسا ہوں جیسے باپ اپنے بیٹے کے لیے مسلم بروایت ابوہریرہؓ مگر اس میں لولدہ نہیں ۱۲ ح۲ بخاری و مسلم بروایت ابوہریرہؓ ۱۲

ح۳ چاہیے کہ دنیا میں تم میں سے کسی کا توشہ اتنا ہو جتنا سوار کا توشہ ہوتا ہے ۱۲ ابن ماجہ و حاکم بروایت سلمان ۱۲ ح۴ حاکم بروایت عبدالرحمن بن عوف اور اس سند میں خالد بن ابی مالک ضعیف ہے ۱۲

کرنا ہی لازم ہے کہ نہایت محل خوف ہے سلامت رہنا بہت عمدہ بات ہے۔ بموجب مثل مشہورہ تندرستی ہزار نعمت ہے ایسے لوگوں کے حق میں سلامتی کے برابر کوئی چیز نہیں اور تمام لوگ ایسے ہی ہیں صرف وہ لوگ، جن کو خدائے تعالیٰ بچائے اور اپنے طریق کی راہ بتاوے۔ وہ البتہ ارباب بصیرت ہیں۔ اب چوتھی قسم کی نعمتوں یعنی توفیقی نعمتوں کا حال بیان کیا جاتا ہے کہ ان کی طرف حاجت کس طرح ہے۔ یہ امر ظاہر ہے کہ کوئی شخص ایسا ہی نہیں جس کو توفیق کی حاجت نہ ہو اور توفیق کے معنی یہ ہیں کہ بندے کے ارادہ و قضاء و قدر الٰہی میں تالیف اور ربط کا ہونا اور اس میں خیر و شر دونوں شامل ہیں اور سعادت اور شقاوت دونوں داخل، مگر عادت یہ ہوگئی ہے کہ توفیق خاص اسی کو کہتے ہیں جو قضا اور قدر میں سے سعادت کے موافق ہو جس طرح کہ الحاد کو لغت میں میل کو کہتے ہیں مگر اصطلاح میں خاص اس میلان کا نام ہے جو صدق کی طرف سے باطل کی طرف ہو اور اسی طرح ارتداد کو بھی سمجھنا چاہیئے کہ اس کے معنی بھی لغۃً پھرنے کے ہیں مگر عادۃً امر حق سے پھر جانے کو کہتے ہیں بہر حال توفیق کی حاجت ہونے میں کچھ شک نہیں جیسا کہ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں شعر

گر از حق نہ توفیق خیرے رسد کے از بندہ خیرے بغیرے رسد

اور ہدایت کا حال یہ ہے کہ اس کے بدون کوئی شخص سعادت کا طالب نہیں ہو سکتا، اس واسطے کہ انسان کا ارادہ کبھی ایسی چیز کی طرف ہوا کرتا ہے جس میں اس کی آخرت کی بہتری ہو، لیکن جب یہی نہ جانتا ہو کہ میری صلاح و بہتری کس چیز میں ہے یہاں تک کہ فساد کی شے کو بہتری کی چیز جان لے تو صرف ارادے سے کیا نفع ہوگا، غرضکہ ارادہ اور قدرت اور اسباب سے بدون ہدایت کے کچھ فائدہ نہیں اور اسی واسطے اللہ جلشانہ نے فرمایا ربنا الذی اعطیٰ کل شیئٍ خلقہ ثم ھدیٰ اور فرمایا لولا فضل اللہ علیکم و رحمتہ مازکیٰ منکم من احد ابدًا ولکن اللہ یزکی من یشآء اور حدیث شریف[ح] میں ہے ما من احد ید خل الجنۃ الا برحمۃ اللہ یعنی کوئی شخص جنت میں بدون خدا تعالیٰ کی رحمت کے داخل نہ ہوگا اس میں رحمت سے مراد ہدایت ہے۔ اس حدیث کو سن کر لوگوں نے عرض کیا کہ آپ بھی بدون رحمت داخل جنت نہ ہوں گے آپ نے فرمایا کہ میں بھی بدون رحمت نہ جاؤں گا۔ اب یہ جاننا چاہیئے کہ ہدایت کے تین درجے ہیں، پہلا درجہ طریق خیر و شر کا بتانا ہے جو اس آیت میں مراد ہے وھدیناہ النجدین یعنی ہم نے سوجھایا دین اس کو دو گھاٹیاں اور یہ انعام خداوندی اس کے سب بندوں پر ہے۔ بعضوں کو اس نے عقل ہی سے طریق خیر و شر بتادیا اور بعضوں کے انبیاء کی زبان سے چنانچہ فرمایا واما ثمود[۲] فھدینٰھم فاستحبوا العمیٰ علی الھدیٰ غرضکہ اسباب اس ہدایت کے کتب الٰہی اور انبیاء علیہم السلام اور بینائی عقول ہیں اور ان سے کسی کو روک نہیں ان سے وہی شخص رکتا ہے جس کو حسد اور کبر اور دنیا کی محبت اور ایسے لوازم جن سے دل اندھے ہو جاویں گو آنکھیں نہ پھوٹیں

ح بخاری و مسلم بروایت ابوہریرہؓ باندک اختلاف ۱۲ ات ۲ اور وہ جو ثمود تھے جو ہم نے ان کو راہ بتائی پھران کو خوش لگا اندھے رہنا ۱۲

موجود ہوں ان میں سے عادتاً کسی چیز سے مانوس ہونا اور اس کو اچھا جاننا ہے جو اس آیت میں مراد ہے[ت۱] انا وجدنا آباءنا علیٰ امۃ وانا علیٰ اثارہم مقتدون اور کبر و حسد کو ان آیات میں ارشاد فرمایا[ت۲] وقالوا لولا نزل ھذا القراٰن علیٰ رجل من القریتین عظیم اور[ت۳] ابشراً منا واحداً نتبعہ یہ باتیں دل کو اندھا کر دیتی ہیں اور اسی وجہ سے راہ نہیں آنے دیتیں۔ دوسرا درجہ ہدایت کا جو اس ہدایت عام کے بعد ہے یہ ہے کہ خداوند کریم اس کے باعث بندہ کی مدد ہر حال میں کرتا رہتا ہے اور نتیجہ مجاہدے کا یہی ہدایت ہوتی ہے جو اس آیت میں مذکور ہے[ت۴] والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا اور اس میں بھی یہی مراد ہے[ت۵] والذین اھتدوا زادھم ھدی تیسرا درجہ ہدایت کا دوسرے کے بعد ہے اور وہ ایک نور ہے جو کمال ہدایت کے بعد عالم نبوت اور ولایت میں چمکتا ہے اس کے باعث آدمی کو وہ باتیں سوجھتی ہیں جو عقل سے نہیں معلوم ہوتیں جس پر مدار اوامر و نواہی الٰہی اور امکان تحصیل علوم کا ہے اس ہدایت کا نام ہدایت مطلق ہے اور اس کے سوا اور ہدایتیں اس کے مقدمات اور حجب ہیں یہی درجہ وہ ہے جس کو خدائے تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا اگرچہ سب اسی کی طرف سے ہے چنانچہ فرمایا[ت۶] قل ان ھدی اللہ ھو الھدیٰ اور اسی کا نام حیات ہے جو اس آیت میں مذکور ہے[ت۷] اومن کان میتا فاحییناہ وجعلنا لہ نوراً یمشی بہ فی الناس اور اس آیت میں بھی یہی مراد ہے[ت۸] افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علیٰ نور من ربہ اور رشد سے ہماری غرض وہ عنایت الٰہی ہے جو انسان کو اپنے مقصد کی طرف متوجہ ہونے کیلئے مدد کرتی ہے یعنی اگر مقصد مذکور میں اس کی بہتری ہوتی ہے تو اس کو قوت دیتی ہے اور اگر اس کے حق میں برائی ہوتی ہے تو اس کو سست کر دیتی ہے اور یہ بات باطن سے ہوتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[ت۹] ولقد اٰتینا ابراھیم رشدہ من قبل وکنا بہ علمین حاصل یہ کہ رشد اس ہدایت کو کہتے ہیں جو سعادت کی طرف کو باعث اور محرک ہو مثلاً کوئی لڑکا اگر ایسے حال میں بالغ ہو کہ مال کی حفاظت اور تجارت کے طریقے اور مال کے زیادہ کرنے کی تدبیروں سے واقف ہو مگر باوجود اس کے اسراف کرے اور قصد مال کے بڑھانے کا نہ کرے تو اس کو رشد نہ کہیں گے حالانکہ وہ طریق خیر و شر جانتا ہے مگر چونکہ اس کی ہدایت ناقص ہے کہ اس کے ارادے کو محرک نہ ہوئی اس جہت سے رشید نہ ہوا

ت۱ ہم نے پاتے اپنے باپ دادے ایک راہ پر اور ہم انہیں کے قدموں پر چلتے ہیں ۱۲ ت۲ اور کہتے ہیں کیوں نہ اترا یہ قرآن کسی بڑے مرد پر ان دو بستیوں کے ۱۲ ت۳ کیا ایک آدمی ہم میں کا اکیلا ہم اس کے لیے چلتے ہیں ۱۲ ت۴ اور جنہوں نے محنت کی واسطے ہمارے سوجھا دیں گے ان کو اپنی راہیں ۱۲ ت۵ اور جو لوگ راہ پر آتے ہیں ان کو اور بڑھی اس سے سوجھ ۱۲ ت۶ تو جو راہ اللہ دکھاوے وہی راہ ہے ۱۲

ت۷ بھلا ایک شخص کہ مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کیا اور دی اس کو روشنی کہ لیے پھرتی ہے لوگوں میں۔

ت۸ بھلا جس کا سینہ کھول دیا اللہ نے مسلمانی پر سو وہ اجالے میں ہے رب کی طرف سے ۱۲

ت۹ اور آگے دی تھی ہم نے ابراہیم کو اس کی نیک راہ اور ہم رکھتے ہیں اس کی خبر ۱۲

اسی طرح جو شخص کسی مضر چیز پر عمداً اجرأت کرے تو اس کو ہدایت تو عنایت ہوتی اور جاہل سے تمیز بھی حاصل ہوئی جو مطلق اس کے ضرر کو نہ جانتا ہو لیکن رشد عنایت نہیں ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ صرف اعمال کے طرق پر ہدایت ہونے کی نسبت رشد میں زیادہ کمال ہے اور یہ نعمت بھی بڑی ہے اور تسدید سے یہ غرض ہے کہ بندے کے حرکات کو مطلوب کی طرف متوجہ کرنا اور ان حرکات کا اس پر آسان کر دینا تاکہ بہت جلد صواب کی طرف پختہ ہو جاوے پس جیسے اکیلے ہدایت سے کام نہیں چلتا اور حاجت رشد کی جو محرک ارادہ ہے باقی رہتی ہے اسی طرح رشد بھی کافی نہیں اس میں ضرور ہے کہ حرکات کی آسانی بذریعہ مساعدت اعضاء اور آلات کے ہوتی ہے یہاں تک کہ مراد پوری ہو، غرضکہ صرف بتلا دینا اور شناخت کرا دینا تو ہدایت ہے اور ارادے کو حرکت کے واسطے متنبہ اور بیدار کرنا رشد ہے اور درستی کی طرف اعضاء کی حرکت کو مدد دینی تسدید ہے رہی تائید اس کو گویا سب کی جامع سمجھنا چاہیے یعنی اس کے معنی یہ ہیں کہ بندے کے کام میں اندر سے تو بصیرت کے باعث قوت دینی اور باہر سے بباعث موافقت اسباب ولوازم کے اعانت کرنی اور اس آیت میں یہی مراد ہے [ت۱] اِذْ ایدتک بروح القدس اور تائید کے قریب عصمت ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ آدمی کے دل میں وہ عنایت پروردگار ہو جس کے باعث آدمی خیر پر جرأت سے احتراز کرنے پر قادر ہو گویا کوئی اندر روکنے والا موجود ہے کہ معلوم نہیں ہوتا اور اسی کو برہان کے لفظ سے خدائے تعالیٰ نے مذکور فرمایا چنانچہ ارشاد فرمایا [ت۲] ولقد ھمت بہ وھم بہا لولا ان رای برھان ربہ یہ ہیں نعمتیں کلی طور پر اور یہ سب انسان میں جب جمع ہوتی ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ فہم صاف اور تیز اور گوش ہوش نیوش اور دل بصیرت منزل تواضع گزیں مرأت آئین اور استاد خیر خواہ اور مال میں سے اس قدر کہ نہ کمی کے باعث مہمات و ضروریات ہی سے قاصر ہو نہ کثرت کی جہت سے مانع اشتغال دینی ہو اور وہ عزت جس سے کہ احمقوں کی جہالت اور اعداء کے ظلم سے بچا رہے عنایت فرماتا ہے اور ان ۱۶ سولہ اسباب میں سے ہر ایک چیز بہت سے اسباب چاہتی ہے پھر ان اسباب کے اور اسباب چاہئیں یہاں تک کہ یہ سلسلہ مسبب الاسباب پر ختم ہو۔ اور ازانجا کہ وہ اسباب بہت طول طویل ہیں کہ اس جیسی کتاب میں اس کا پورا بیان کرنا ممکن نہیں۔ اس لیے ہم نمونہ کے طور پر کچھ لکھ دیتے ہیں۔ تاکہ اس سے اس آیت کے معنی سمجھ میں آجاویں [ت۳] وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا۔

۲- خدا تعالیٰ کی نعمتیں مسلسل اور بیشمار ہیں

واضح ہو کہ ہم نے تمام نعمتوں کو سولہ قسموں میں جمع کیا ہے۔ اور تندرستی منجملہ ان کے ایک نعمت ہے جو پچھلے مرتبے میں واقع ہے اگر اسی کے اسباب میں جن سے یہ نعمت پوری ہوتی ہے ہم بالکل لکھنا چاہیں تو یہ ممکن نہیں مگر اسباب صحت میں سے ایک

ت۱ جب مدد کی میں نے تجھ کو روح پاک سے ۱۲ ت۲ اور البتہ عورت نے فکر کیا اس کا اور اس نے فکر کیا عورت کا اگر نہ ہوتا یہ کہ دیکھنے قدرت رب اپنے کی ۱۲ ت۳ اور اگر گنو نعمتیں اللہ کی تو پورا نہ کر سکو ان کو ۱۲

کھانا بھی ہے اس کے وہ لوازم جن سے کھانے کی نعمت پوری ہوتی ہے کچھ تھوڑے سے لکھ دیتے ہیں تا کہ مشتے
نمونہ از خروارے ہو، یہ تو معلوم ہی ہے کہ کھانا ایک فعل ہے اور جو فعل اس قسم کا ہے وہ حرکت ہے اور ہر ایک
حرکت کے لیے ایک جسم بھی ضرور ہے جو آلۂ حرکت پر قدرت دے اور ارادہ بھی شرط ہے اور اپنی مراد کا علم و ادراک بھی
چاہیئے پھر کھانے کے لیے غذا ضروری ہے اور غذا کے لیے کوئی چیز ایسی چاہیے جس سے غذا حاصل ہو اور اس کا
کوئی بنانے والا چاہیئے جو غذا کو درست کر دے۔ بہمیں لحاظ اول ہم اسباب ادراک بیان کریں گے پھر اسباب
ارادہ پھر اسباب قدرت پھر اسباب غذا اور ان چاروں کو اشارۃً اور مجملًا بیان کرتے ہیں نہ مفصل طور پر اور چونکہ
اس بیان میں چند چیزوں کا ذکر ہے لہٰذا اس کے آٹھ نکتے مقرر کیے گئے۔

اسباب ادراک اور اللہ تعالیٰ کی نعمتیں

جاننا چاہیئے کہ خدائے تعالیٰ نے نباتات کو پتھر اور ڈھیلے اور لوہے اور تانبے اور تمام جواہر سے جو بڑھتے
اور کھاتے نہیں وجود میں کامل تر بنایا ہے بایں طور کہ نباتات میں ایک ایسی قوت رکھی ہے جس سے وہ غذا اپنی
طرف کھینچتے ہیں اور یہ قوت ان کی رگوں اور جڑ میں ہوتی ہے، جو زمین میں رہتی ہے اور ان کے لیے یہ رگ و ریشہ
آلات ہیں کہ انہیں کے ذریعہ سے غذا کو جذب کرتے ہیں اور یہ رگیں اول باریک ہوتی ہیں جو پتوں پر سوجھتی ہیں
پھر ان کی جڑیں موٹی ہو کر پھیلنے لگتی ہیں کہ موٹیوں میں سے اور پتلی رگیں متفرع ہوتی ہیں اور ان میں سے اور پتلی
یہاں تک کہ پتلی ہوتے ہوتے پتے کے اجزاء میں نظر سے غائب ہو جاتی ہیں اور باوجودیکہ نباتات کو یہ کمال ہے
مگر پھر بھی وہ ناقص ہے اس لیے کہ اس کی غذا اگر اس کی جڑ میں نہ پہنچے گی اور ان کی رگوں سے متصل نہ ہو گی تو
سوکھ جاوے گی۔ اس کو یہ قدرت نہیں کہ غذا دوسری جگہ سے تلاش کرے کیونکہ تلاش کے لیے دو چیزیں چاہیئیں،
ایک مطلوب چیز کا جاننا، دوسرے اس تک جانا اور نباتات ان دونوں باتوں سے عاجز ہے تو یہ بھی ایک
خدائے تعالیٰ کی نعمت ہے جو انسان کے لیے ذریعہ معلوم کرنے کا اور آلات حرکت واسطے تلاش غذا کے پیدا کیے
پھر ترتیب حواس خمسہ میں بھی حکمت خدا نظر آتی ہے یہ سب حواس آلۂ ادراک ہیں پہلا حاسہ لمس یعنی چھونے کا ہے
یہ اس واسطے پیدا کیا گیا ہے کہ جب آدمی پر آتش سوزاں یا تیغ براں گرے تو اس کے لگتے ہی معلوم کر لے اور علیحدہ
ہو جائے اور یہ حس حیوان میں اول پیدا ہوتی ہے بدون اس کے حیوان نہ ہوگا اور سب سے کمتر درجہ حس کا یہ ہے
کہ جو چیز بدن سے چھو جاوے اس کو معلوم کر لے کیونکہ دور کی چیز کا معلوم کرنا حس کامل میں داخل ہے اور یہ
حس ناقص ہر ایک حیوان میں ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ کیچوے میں بھی ہے کہ جب سوئی اس کے بدن پر لگا تو
فوراً بچنے کے واسطے سکڑ جاوے گا اور نباتات میں یہ بات نہیں اگر اس کو کاٹنے لگو تب بھی نہیں سکڑتا اس
واسطے کہ اس کو کاٹنے کی خبر نہیں ہوتی۔ پھر اگر آدمی میں یہی قوت لامسہ ہوتی تو یہ بھی کیڑے کی طرح ناقص
ہوتا کہ دور سے غذا کی تلاش نہ کر سکتا بلکہ جو چیز بدن کو لگتی اسی کو اپنی طرف کھینچ لیتا اس لیے حاجت ایسے حس
کی بھی ہوتی جس سے دور کی چیز معلوم ہو اس کے لیے خدائے تعالیٰ نے قوت شامہ پیدا کی کہ اس کے ذریعے سے

آدمی کو بو معلوم ہوتی ہے مگر بو سے یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ کس طرف سے آئی۔ اگر انسان بو ہی پر رہتا تو چاروں طرف پھرا کرتا جب تک بو دار چیز کے پاس نہ پہنچ جاتا جب بھی ناقص ہی رہتا اس کے واسطے بینائی پیدا کی کہ دور کی چیز کی جہت بھی معلوم ہو جاوے تاکہ اسی طرف کو حرکت کرے اور اگر صرف آنکھ ہی ہوتی جب بھی نقصان تھا کیونکہ دیواروں اور پردے کے پیچھے کی چیز معلوم نہ ہوتی۔ وہ غذا کہ جس میں کوئی آڑ حائل نہ ہوتی وہی سوجھا کرتی ایسے ہی دشمن کہ جو آنکھ کے سامنے ہوتا نظر آیا کرتا لیکن اگر اوجھل ہوتا تو نہ سوجھتا اور کبھی ایسا ہوتا کہ دشمن کے نزدیک پہنچنے تک اطلاع نہ ہوتی اور اس وقت بھاگ نہ سکتا۔ اس کے لیے کان پیدا کیے اور قوت شنوائی عنایت کی جس سے دیواروں اور پردے کے پیچھے کی آواز سُنے کیونکہ آنکھ سے تو سامنے کی چیز معلوم ہو سکتی ہے، غائب کا حال بدون کلام و آواز حرکت کے جو قوت سامعہ سے معلوم ہوتی ہے ادراک نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے قوتِ سامعہ پیدا ہوئی اور کلام کے سمجھنے کی قوت بھی دی گئی جس کے باعث اور حیوانات سے تمیز ہو گئی اور یہ سب حواس بھی کافی نہ ہوتے اگر قوتِ ذائقہ نہ ہوتی، کیونکہ غذا کے ملنے کے بعد آدمی کو کیا معلوم ہوتا کہ موافق ہے یا ناموافق کہ کھاتے ہی مر جاوے گا جیسے درخت کا حال ہوتا ہے کہ جو چیز سیال اس کی جڑ میں پہنچتی ہے اس کو کھینچ لیتا ہے۔ حالانکہ بعض اشیائ مضر ہوتی ہیں اور ان کے باعث سے سوکھ جاتا ہے۔ پھر اگر یہی حواس ہوتے تب بھی نقصان رہتا۔ اگر ایک ادراک دماغ کے اگلے حصے میں پیدا نہ ہوتا جس کو حسِ مشترک کہتے ہیں، جس کے وسیلے سے ان حواس کے محسوسات جمع رہتے ہیں اگر حسِ مشترک نہ ہوتا تو آدمی بڑی دقت میں پڑتا، مثلاً جب کوئی چیز زرد رنگ کی کڑوی کھاتا اور اس کو ناموافق طبیعت اپنی کے پاکر چھوڑ دیتا تو جب دوبارہ اس چیز کو دیکھتا تو نہ پہچانتا کہ یہ مضر ہے جب تک کہ دوبارہ نہ چکھتا کیونکہ آنکھ سے زردی سوجھتی ہے تلخی نہیں معلوم ہوتی اور ذائقہ سے تلخی معلوم ہوتی ہے زردی نہیں سوجھتی تو ضرور ہوا کہ ایک ایسی قوت بھی ہو جس سے زردی تلخی دونوں جمع رہیں۔ یہاں تک کہ جب زرد چیز نظر آوے تو وہ قوت حکم کر دے کہ یہ کڑوی ہے اور دوسری دفعہ کھانے کی نوبت نہ آوے اور یہ سب حواس مع حسِ مشترک انسان میں جیسے پاتے جاتے ہیں حیوانات میں بھی ہیں۔ مثلاً بکری میں یہ سب چیزیں موجود ہیں۔ پس اگر انسان کے لیے یہی حواس ہوتے تب بھی ناقص رہتا، جیسے حیوانات ہیں کہ حیلے سے گرفتار ہو سکتے ہیں، پھر ان کو حیلے سے دفع کی قوت نہیں کہ کسی تدبیر سے قید سے آزاد ہو جائیں اور بعض اوقات کنوئیں میں گر پڑتے ہیں اور ان کو یہ معلوم نہیں کہ اس میں گرنے سے مر جاویں گے۔ اور یہیں وجہ چوپایہ کبھی ایسی چیز کھا لیتا ہے جو اس کو بالفعل مزہ دار معلوم ہو اور آئندہ کو مضر پڑے تو کھاتے ہی بیمار ہو کر مر جاتا ہے کیونکہ اس کو اسی وقت کا ادراک ہے انجام کا سوچنا اس کو حاصل نہیں۔ اور انسان کو خدائے تعالیٰ نے ایک اور صفت سے ممتاز کیا جو سب سے اشرف و افضل ہے اور جس کو عقل کہتے ہیں اس سے انسان غذاؤں کا نفع اور ضرر پہچانتا ہے اور انجام کو جو مضر پڑے وہ معلوم کرتا ہے۔ غذا کا پکانا اور اس کو مرکب کرنا اور اس کے سامان مہیا کرنے یہ سب باتیں عقل سے ہوتی ہیں تو صرف غذا کے باب میں جو سبب آدمی کی تندرستی کا ہے عقل اتنی کافی ہے۔ حالانکہ یہ فائدہ عقل کا نہایت ادنیٰ ہے اور ایک ذرا سی حکمت ہے۔ بڑی حکمت عقل میں

خدائے تعالیٰ کی معرفت اور اس کے افعال کا جاننا اور عالم میں اس کی حکمت کو پہچاننا ہے۔ اس صورت میں فائدہ حواس کا اور ہو جاتا ہے یعنی حواس خمسہ آدمی کے حق میں مثل جاسوسوں اور مخبروں کے ہو جاتے ہیں جو سلطنت کے اطراف میں بادشاہوں کی طرف سے مقرر رہتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کو ایک خاص کام سپرد ہو جاتا ہے۔ مثلاً آنکھ کو رنگوں کی خبر اور کان کو آوازوں کی خبر اور ناک کو خوشبو کی خبر اور ذائقے کو غذا کی خبر اور لامسہ کو سردی گرمی، سختی و نرمی اور ہمواری و ناہمواری کی خبر متعین ہو جاتی ہے اور یہ جاسوس تمام مملکت میں سے خبریں لے کر حس مشترک کو حوالہ کرتے ہیں، جو دماغ کے پھاٹک پر بیٹھا ہوا ہے جیسے پرچہ نویس اور عرض بیگی بادشاہوں کی ڈیوڑھی پر رہتے ہیں کہ جو کچھ اطراف سلطنت میں سے کاغذات یا اخبار آتے ہیں ان کو بجنسہٖ بادشاہ کے حضور میں پہنچا دیتے ہیں۔ زیادہ ان کو اختیار نہیں فقط اتنے ہی واسطے ہیں کہ جوں کے توں اخبار و کاغذات سربمہر جمع کریں اور حفاظت سے بادشاہ کے پاس پہنچا دیں۔ مگر ان کے اندر کی حقیقت ان کو کچھ معلوم نہیں ہوتی، اسی طرح حس مشترک بھی تمام محسوسات حواس خمسہ کے دل کے پاس جو بمنزلہ امیر و بادشاہ کے ہے پہنچا دیتا ہے اور وہ اگر عاقل ہوتا ہے تو ان اخبارات کی تفتیش کرتا ہے اور ان میں سے اسرار مملکت پر واقف ہو کر احکام عجیبہ نافذ کرتا ہے جس کا بیان کامل یہاں نہیں ہو سکتا اور جس حکم و مصلحت کو وہ مناسب جانتا ہے اسی کے موافق اپنے لشکر یعنی اعضاء کو جنبش دیتا ہے کبھی تلاش کے لیے کبھی گریز کے لیے اور کبھی اتمام تدبیرات کے لیے جو اس کو پیش آتی رہتی ہیں۔ غرضکہ ادراک کی چیزوں میں خدائے تعالیٰ کی نعمتوں کا اسی طرح انتظام ہے اور یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ ہم نے اس کا بیان پورا لکھا ہے۔ اس لیے کہ اگر کامل بیان کیا جاوے تو دفتر کے دفتر چاہئیں، مثلاً حواس ظاہری انسان کے تھوڑے سے حواس ہیں۔ یعنی بالکل یہی نہیں ہیں، ان کے سوا اور بھی ہیں جیسے حواس باطنی مثلاً اور ان حواس میں ایک حس بینائی ہے اور اس کے لیے آنکھ ایک آلہ ہے اور اس میں اگر تامل کیا جاوے تو دس طبقات مختلف سے بنی ہوتی ہے کہ بعضے ان میں سے رطوبات ہیں اور بعض پردے ہیں اور ان پردوں میں بعضے مکڑی کے سے جالے ہیں اور بعضے رحم کی جھلی کی طرح کے ہیں اور رطوبتوں میں سے بعضے انڈے کی سفیدی کے مثل ہیں اور بعض برف کے مانند اور ان دسوں طبقات میں سے ہر ایک کے لیے ایک صفت اور صورت اور عرض اور گولائی اور بناوٹ خاص ہے کہ اگر دس میں سے ایک میں بھی خلل آجاوے یا کسی صفت ہی میں قصور ہو جاوے تو بینائی میں ایسا قصور ہو جاوے کہ اطباء اور کحال سب اس کے علاج سے عاجز ہو جاویں۔ جب ایک حس میں یہ حال ہے تو قوت شنوائی یا دوسرے حواس کو اسی پر قیاس کر لینا چاہیے۔ بلکہ اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حکمتیں اور نعمتیں آنکھ میں اور اس کے طبقات میں رکھی ہیں ان کا بیان تو بہت کتابوں میں بھی نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ سب کے سب مل کر بدن کا ایک چھوٹا سا حصہ ہیں۔ پھر سارے بدن اور اعضاء میں جو باتیں ہیں وہ کس طرح بیان ہو سکتی ہیں، حاصل یہ کہ ادراکات کی پیدائش میں جو خدائے تعالیٰ نے نعمتیں رکھی ہیں، ان کے رموز یہ ہیں جو بیان ہوئے۔

ارادے اور اللہ کی حکمتیں

واضح ہو کہ اگر آدمی میں بینائی ہوتی جس سے دور کی غذا دیکھ لیا کرتا اور طبیعت میں میل اور رغبت پیدا نہ ہوتی جس سے

کہ حرکت اس طرف کو ہوتی ہے تو بینائی بیکار ہوتی۔ دیکھو بہت مریض ایسے ہوتے ہیں کہ غذا کو دیکھتے ہیں اور سب سے زیادہ نافع چیز یہی ہے مگر چونکہ رغبت ان کے دل میں نہیں رہتی تو نہیں کھاتے۔ ان کی بینائی اس باب میں بیکار ہے اسی لیے انسان کے واسطے ضرور ہوا کہ موافق چیز کی طرف رغبت ہو جس کا نام شہوت ہے اور مخالف چیز سے نفرت ہو جس کو کراہت کہتے ہیں تاکہ شہوت کے باعث سرگرم طلب ہو اور کراہیت کے سبب مستعد گریز پس اللہ تعالیٰ نے اس میں خواہش غذا پیدا کر کے اس کو اس پر مسلط کر دیا کہ اشتہاء کے تقاضے سے خواہ مخواہ کھانے کی طرف مضطر ہو اور غذا کھا کر زندہ رہے اور اس بات میں حیوانات کو بھی انسان سے شرکت ہے مگر نباتات کو نہیں پھر مقدار ضرورت کے کھانے کے بعد اگر یہ شہوت نہ ٹھہرا کرتی اور نوبت زیادتی کی ہوتی تو آدمی مرجاتا جیسے کھیتی کہ جتنا پانی ڈالو اتنا کھینچتی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ بگڑ جاوے اس کے واسطے آدمی کی ضرورت ہے جو پانی کا اندازہ مقرر کرے اور حاجت کے وقت دیوے ورنہ روک دیوے۔ اس وقت کے دور کرنے کے لیے خدائے تعالیٰ نے آدمی میں نفرت پیدا کی کہ پیٹ بھرنے کے بعد دل پھر جاوے اور غذا ترک کرے اور جس طرح کہ انسان کے لیے کھانے کی شہوت پیدا ہوتی کہ اس کے باعث کھاوے اور بدن سلامت رہے۔ اسی طرح شہوت جماع بھی پیدا کی کہ اس کے باعث نسل قائم رہے اور اگر ہم خدائے تعالیٰ کی صنعت بیان کریں کہ رحم کو کیسے بنایا اور پیدائش حیض کی اور مرکب ہونا بچے کا منی اور خون حیض سے اور کیفیت پیدائش خصیتین کی اور جو رگیں کہ ان میں پشت کی ان ہڈیوں سے لگتی ہیں جن میں نطفہ رہتا ہے اور کیفیت عورت کی منی گرنے کی سینے کی رگوں سے اور کیفیت رحم کے اندر کے سانچوں کی جن میں سے بعض میں نطفہ جا کر مرد بن جاتا ہے اور بعض میں عورت اور کیفیت نطفہ کے تبدیل کی پھٹکی اور لوتھڑے اور ہڈی اور گوشت اور خون میں اور کیفیت اس کے اجزاء کے تقسیم کی یعنی سر اور ہاتھ اور پاؤں اور پیٹ اور پیٹھ اور تمام اعضاء کی بیان کی جاوے تو ناظرین کو اپنی ابتدائے پیدائش میں انواع و اقسام کے نعمائے الٰہی معلوم کر کے نہایت تعجب ہوگا، نہ کہ ہٹے کٹے بن کر بھی تعجب نہ کریں، لیکن چونکہ ہم کو صرف نعمتیں کھانے کی بیان کرنی منظور ہیں، اس لیے طول کلام کو ترک کر کے اسی پر اکتفا کرتے ہیں، خلاصہ یہ کہ خواہش طعام انسان میں منجملہ امدادوں کے ہے اور صرف یہی کافی نہیں اس لیے کہ اس کے گرد چہار طرف سے مہلکات بھی تو آتے ہیں پس اگر اس میں غضب نہ پیدا کیا جاوے جس سے کہ مخالف اور ناموافق کو اپنے اوپر سے دفع کر سکے تو بیسیوں آفات کا ہدف بنے گا اور جو غذا کہیں سے پیدا کرے گا چھین جاوے گی، کیونکہ ہر ایک اس کا خواہش مند ہے، اس لیے ضرور ہوا کہ ارادہ دفع اور مقاتلہ بھی آدمی میں ہو جس کا نام غضب ہے پھر شہوت و غضب سے بھی کام نہیں نکلتا اس لیے کہ ان دونوں کا فائدہ و نقصان حال ہی میں ہے مآل میں کچھ کام نہیں آتے اس لحاظ سے خدائے تعالیٰ نے آدمی میں ایک اور ارادہ پیدا کیا جو عقل کے اشارے پر چلتا ہے جس سے کہ انجام سوچا جاتا ہے اور شہوت و غضب کو جس کے ادراک کا محکوم بنایا جس سے حالت موجود معلوم ہوتی ہے

غرضکہ اس ارادے کے باعث آدمی کو عقل سے نفع کامل ہوا اس لیے کہ صرف یہ جان لینا کہ شہوت مثلاً مضر ہے اس سے بچنے کے لیے کافی نہیں جب تک کہ اس معرفت کے موافق رغبت عمل نہ ہو، اور یہ ارادہ صرف انسان کو ملا ہے، بہائم کو نہیں ملا جیسے انجاموں کا سوچنا بھی انسانوں ہی کو عنایت ہوا ہے اس میں انسان کا شرف منظور تھا۔ اسی ارادے کا نام ہم نے باعث دینی رکھا ہے اور صبر کے بیان میں یہاں سے زیادہ اس کی تفصیل کی ہے۔

قدرت اور آلات حرکت میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں

جاننا چاہیئے کہ حس سے صرف ادراک ہو جاتا ہے اور ارادے سے خواہش طلب یا گریز کی ہوتی ہے مگر جب تک آلہ طلب یا گریز نہ ہو تو ادراک و خواہش کو کیا کرے۔ دیکھو مریض درماندہ دور کی چیز دیکھ کر اس کا مشتاق ہوتا ہے لیکن پاؤں میں قوت نہ ہونے سے اس تک نہیں جا سکتا یا بعض اوقات فالج وغیرہ مارتا ہے تو ہاتھ بیکار ہو جاتا ہے۔ اگر چیز ملی بھی تو نہیں کھا سکتا اس لیے ضرور ہوا کہ آدمی کے لیے آلاتِ حرکت بھی ہوں اور حرکت پر قدرت بھی ہو تاکہ مقتضائے شہوت کے بموجب حرکت کرنی طلب کہلاوے اور کراہت کے باعث گریز، اسی حکمت کے لیے خدائے تعالیٰ نے انسان و حیوان کو اعضا عنایت فرمائے کہ جو ظاہر میں نظر آتے ہیں اور ان کے اسرار معلوم نہیں، ان میں سے بعض اعضاء ایسے ہیں جو طلب اور گریز دونوں کے لیے ہیں جیسے انسان کے ہتھیار اور حیوان کے سینگ، اور اسباب میں حیوانات بہت مختلف ہیں بعض جاندار ایسے ہیں کہ ان کے دشمن بہت ہیں اور غذا ان کی دور ہوتی ہے اسی لیے ان کو تیز حرکت کی حاجت ہوتی ہے تو ان کے پر عنایت ہوئے کہ جلد اُڑ سکیں اور بعض کو چار پاؤں عنایت ہوئے بعض ایسے ہیں کہ ان کے دو ٹانگیں ہیں بعضے زمین پر رینگتے ہیں۔ اس اختلاف کا ذکر طول چاہتا ہے۔ اسی وجہ سے ہم ان اعضا کا ذکر کرتے ہیں جن سے کھانا پورا ہوتا ہے تاکہ اور اعضاء کو بھی ان پر قیاس کر لیا جاوے۔ پس ہم کہتے ہیں کہ اگر آدمی دور سے کھانا دیکھے اور اس کی طرف حرکت کرے تو صرف حرکت نہ ہوگی۔ جب تک کہ اس کو لے نہ لے، اسی لیے حاجت ایک پکڑنے چیز کی بھی ہوتی اس کے لیے خدائے تعالیٰ نے دو ہاتھ پیدا کیے جو لینے اور چیزوں کی طرف پھیلے ہوتے ہیں اور ان میں بہت سے جوڑ ہیں تاکہ ہر طرف حرکت کر سکیں، گڑی ہوئی لکڑی کی طرح نہ ہوں اور پھیل کر سکڑ سکیں پھر ہاتھ کے سر پر ہتھیلی لگا کر اس کو چوڑا کر دیا اور ہتھیلی کا سر پانچ جگہ انگلیوں میں پھانٹ کر دیا اور انگلیوں کی دو طرف کیں ایک طرف کو انگوٹھا باقی کے چاروں پر گھومتا ہوا بنایا۔ اگر یہ سب انگلیاں ایک جانب کو یا جڑی ہوئی ہوتیں تو پورا مطلب نہ نکلتا اس لیے ان کو ایسی طرح پر رکھا کہ آدمی پھیلاوے تو بیلچے کا کام دے اور اگر ملا کر خم دیدے تو چمچہ ہو جاتا ہے اور اگر خوب بند کر لے تو مارنے کا آلہ یعنی گھونسا بن جاتا ہے اور کسی چیز پر ڈال کر بند کرنے سے پکڑنے کا آلہ ہے، پھر ان انگلیوں کے سروں پر ناخن پیدا کیے تاکہ ٹوٹنے سے بچیں۔ اور جو چیز باریک انگلیوں سے نہ اٹھے وہ ناخنوں سے لے سکیں۔ اب فرض کرو کہ غذا ہاتھ میں بھی آجاوے

تب بھی کار آمد نہیں جب تک کہ معدے میں نہ پہنچے، اور معدہ اندر ہے تو ضرور ہے کہ باہر کی طرف اس میں پہنچنے کی کوئی راہ ہونی چاہیئے تا کہ اس راہ سے غذا معدے میں جاوے، اس کے واسطے خدائے تعالیٰ نے منہ بنا دیا جس سے راستہ معدے کی طرف ہے اور منہ میں کچھ ایک یہی فائدہ نہیں کہ کھانے کو معدے تک پہنچا دیتا ہے بلکہ اس کے سوا اور بہت سی حکمتیں ہیں۔ پھر اگر غذا کے لقمے کو منہ میں بھی رکھ لیا تو ثابت کا نگلنا دشوار ہے، اس واسطے ایک چکی چاہیے جس میں غذا پس جایا کرے، پس خدائے تعالیٰ نے دو جبڑے ہڈیوں کے بنائے اور ان میں دانت لگائے اور اوپر کی ڈاڑھوں کو نیچے کی ڈاڑھوں پر مطابق کر دیا تا کہ اس میں غذا پس جایا کرے۔ پھر بعض غذا محتاج پیسنے کی ہوتی ہے اور بعض کاٹنے کی اور بعض توڑنے کے بعد محتاج پیسنے کی ہوتی ہے اس غرض کے واسطے دانتوں کی تقسیم بھی تین طرح کی ہوئی، ایک ڈاڑھیں جن کا کام پیسنے اور چبانے کا ہے، دوسرے آگے کے دانت جو تیز ہیں اور کاٹنے میں کام آتے ہیں، تیسرے کچلیاں جو غذا کے توڑنے اور جدا کرنے میں مستعمل ہوتی ہیں۔ پھر جبڑوں کا جوڑا ایلپلا بنایا تا کہ نیچے کا جبڑا آگے پیچھے ہو سکے اور اوپر کے جبڑے پر چکی کی طرح پھر سکے اگر یہ بات نہ ہوتی تو صرف دونوں جبڑے کھٹا کھٹ ہو جایا کرتے چبانے کی غرض پوری نہ ہوتی مگر خدا تعالیٰ کا انعام ہے کہ اس نے نیچے کے جبڑے میں تو حرکت دوری رکھی اور اوپر کے جبڑے کو ساکن لے حرکت رکھا یہ بھی ایک صنعت عجیب ہے۔ تمام جہان کی بنائی ہوئی چکیوں میں نیچے کا باٹ جما رہتا ہے اور اوپر کا گردش کرتا ہے۔ لیکن خدا کی بنائی ہوئی چکیوں میں نیچے گھومتا ہے۔ اوپر والے پر واقع میں اس کی شان اور برہان اور اس کے لطف و احسان کا کیا کہنا ہے۔ پھر اگر یہ بھی مان لیا جاوے کہ آدمی غذا کو منہ میں بھی رکھ لے تو کھانا دانتوں کے تلے کیسے جا سکتا ہے دانت اس کو کھینچ نہیں سکتے انگلی سے اِدھر اُدھر ہٹانے میں سے حاجت کے موافق دانتوں میں پہنچاتی رہتی ہے جیسے آٹا پیسنے میں تھوڑا تھوڑا مٹھی سے ڈالتے جاتے ہیں اور یہ فائدہ زبان کا ایک ادنیٰ فائدہ ہے۔ اور دوسرے فوائد مثلاً ذائقہ اور عجائب طاقت کلام اور دوسری حکمتیں اتنی ہیں کہ ان کو ذکر کرنے سے ہم گفتگو نہیں بڑھاتے پھر فرض کرو کہ آدمی نے غذا کو کتر کر چبا لیا اور وہ سوکھی ہے تو نگلنے پر قادر نہ ہو گا جب تک کہ کوئی رطوبت ایسی نہ ہو جس سے کہ غذا حلق میں پھسل جاوے، اس کے لیے خدائے تعالیٰ نے زبان کے نیچے ایک چشمہ رکھا ہے جس میں سے لعاب بہتا ہے اور بقدر حاجت گرتا جاتا ہے یہاں تک کہ غذا اس سے تر ہو جاتی ہے اور یہ بھی قابل غور ہے کہ زبان کو اس کام کے لیے مسخر کیا ہے کہ ابھی کھانا دور ہی ہوتا ہے مگر یہ بیچاری خدمت کے لیے اور لعاب گرانے کو تیار ہو جاتی ہے حتیٰ کہ بعض اوقات باچھوں تک رال آجاتی ہے اور کھانا ابھی دور ہی ہوتا ہے۔ پھر یہ غذا جو لعاب سے گوندا بن جاتی ہے معدہ میں اس کو کون پہنچاوے ہاتھ سے دھکیلی نہیں جاتی نہ معدہ میں ہاتھ ہے کہ منہ میں سے غذا کو گھسیٹ لے۔ اسی لیے خدائے تعالیٰ نے نرخرہ اور مری بنائے اور نرخرے کے ساتھ منہ پر کئی درجہ بنا دیئے جو غذا کے لینے کے واسطے کھل جاتے پھر بند ہو کر بھنچتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے دبنے کے باعث غذا

لڑھکتی ہوئی معدے میں جا پڑتی ہے اور جب معدے میں پہنچتی ہے تو کتری ہوئی روٹی یا چھوٹے چھوٹے ٹکڑے میوہ وغیرہ کے ہوتے ہیں ان میں یہ لیاقت نہیں ہوتی کہ بدن کا گوشت یا ہڈی اس طرح بن جاویں بلکہ ضرور ہے کہ پک کر غذا کے اجزاء مثل ان اشیاء کے ہو جاویں۔ یہیں وجہ خدا تعالےٰ نے معدے کو ہنڈیا کی صورت بنایا۔ جب کھانا اس میں پہنچتا ہے تو چار طرف کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور یہاں تک معدے میں ٹھہرتا ہے کہ ہضم اور پختگی اس میں اچھی طرح ہو جاوے اور یہ پختگی کھانے کی اس گرمی سے ہوتی ہے جو معدے کے چار طرف کے اعضائے محیط سے اس کو پہنچتی ہے کیونکہ داہنی طرف اس کے جگر ہے اور بائیں طرف تلی اور آگے کی طرف چربی کی چادر اور پیچھے پیٹھ کا گوشت ان اعضاء کی گرمی سے چار طرف سے معدے میں حرارت پہنچتی ہے۔ یہاں تک کہ غذا پک کر بہتی چیز بشکل آش جو ہو جاتی ہے اور اس قابل ہوتی ہے کہ رگوں کے اندر جا سکے گو ابھی اس قابل نہیں کہ غذائے بدن ہو۔ اب معدے سے جگر تک چند راستے رگوں کے خدائے تعالیٰ نے بناتے ہیں اور ان میں بہت سے منہ رکھے ہیں کہ غذا ان میں ہو کر جگر تک پہنچ جاتی ہے جگر کا خمیر خون سے بنا ہے گویا کہ خون ہی ہے اور اس میں بہت سی باریک رگیں ہیں کہ اس کے تمام اجزاء میں پھیلی ہوئی ہیں پس غذا جو جگر میں آتی ہے ان رگوں کے ذریعے سے تمام جگر میں پھیل جاتی ہے یہاں تک کہ جگر کی قوت اس پر غالب آ کر خون کا رنگ دیتی ہے اور یہ غذا جگر میں اتنی دیر ٹھہرتی ہے کہ اس کو ایک پختگی اور ہو جاتے اور صاف خون کی صورت ہو جاوے جس کو لیاقت غذائے اعضاء کی ہے پھر حرارت جگر جب اس کو پکاتی ہے تو اس خون میں سے دو میل نکلتے ہیں جیسے اور پکتی چیزوں میں سے نکلا کرتے ہیں ایک تو تیل کی گاد کی صورت ہوتا ہے جس کو خلط سوداوی کہتے ہیں اور ایک مسکہ کی صورت جس کو صفرا کہتے ہیں اور اگر یہ دونوں فضلے غذا میں سے علیحدہ نہ ہوں تو اعضاء کا مزاج بگڑ جاوے۔ اسی لیے خدائے تعالیٰ نے پتا اور تلی بنائی اور ہر ایک کی ان دونوں میں سے ایک گردن جگر تک لمبی ہے کہ اس کے اندر گھس رہتی ہے، بنائی پتے کا کام یہ ہے کہ فضلہ صفراوی کو کھینچ لیتا ہے اور تلی سوداوی فضلے کو جذب کرتی ہے۔ اب یہ دونوں فضلے نکل کر خون صاف رہ جاتا ہے صرف اس میں رقت اور رطوبت رہتی ہے اگر یہ رقت اور رطوبت نہ ہو تو خون نہ پتلی رگوں میں جا سکے نہ اور اعضاء میں چڑھ سکے اور زیادتی رطوبت بھی ٹھیک نہیں اس کے دور کرنے کے لیے خداوند کریم نے دو گردے پیدا کیئے اور ان میں سے بھی ایک ایک گردن جگر تک رکھ دی اور عجیب حکمت یہ رکھی کہ ان کی گردنوں کو جگر کے اندر نہیں کیا بلکہ ان رگوں کے پاس رکھا جو جگر کے اوپر کو لگی ہوتی ہیں۔ اس میں یہ حکمت ہے کہ گردے رطوبت خون اس وقت جذب کریں جب خون جگر کی باریک رگوں میں سے نکل آوے کیونکہ اگر اس سے پہلے جذب کریں تو خون گاڑھا ہو جاوے اور رگوں سے نہ نکلنے پاوے۔ بہرحال جب خون میں سے رطوبت بھی جدا ہو جاتی ہے تو تینوں فضلوں سے خون صاف ہو کر ان اشیاء سے جو غذا کی مفسد ہیں پاک و شستہ ہو جاتا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے جو جگر سے رگیں

لگاتی، میں، ان کے بہت سے اقسام کیے ہیں اور ہر ہر قسم میں سے بہت سے شعبے جدا کر کے تمام بدن میں سر سے پاؤں تک اندر اور باہر پھیلا دیئے ہیں اور وہ خون صاف ان میں سے ہو کر تمام اعضاء میں پہنچتا ہے اور ان رگوں کے شعبے پتلے ہوتے ہوتے ایسے ہو جاتے ہیں کہ آنکھ سے نہیں سوجھتے جیسے درخت کی پتیوں کی رگیں آخر کو ہو جاتی ہیں۔ غرضکہ انہی کے ذریعے سے تمام اعضاء میں سے تمام اعضاء میں غذا پہنچتی ہے۔ اور اگر پتے پر کوئی آفت آتی ہے اور فضلۂ صفراوی کو نہیں کھینچتا تو خون فاسد ہو جاتا ہے اور اس سے امراض صفراوی مثل یرقان اور پھنسیوں اور سرخ باد کے پیدا ہوتے ہیں اور اگر تلی پر کوئی آفت ہوتی ہے اور خلط سوداوی کو جذب نہیں کرتی، تب سوداوی مرض مثل چھیپ اور جذام اور مالیخولیا وغیرہ کے پیدا ہوتے ہیں اور گردوں کی طرف رطوبت نہیں جاتی تو اس وقت رطوبت کے امراض مثل جلندر وغیرہ کے ظاہر ہوتے ہیں اب حکیم مطلق کی حکمت کو دیکھنا چاہیئے کہ ان ادنیٰ چیزوں سے کیسے فائدے رکھے ہیں۔ پتا اپنی ایک گردن سے فضلہ کھینچتا ہے اور دوسری راہ سے اس فضلے کو آنتوں میں ڈال دیتا ہے تاکہ اس میں غذا کے آلنے جانے کے لیے ایک چکناہٹ رہے اور آنتوں میں خلش پیدا ہو جس سے طبیعت قضائے حاجت کو چاہے اور پاخانے کے وقت چکناہٹ کے باعث فضلہ جلد نکلے اور زردی رنگ پاخانے کی اسی وجہ سے ہے کہ اس میں خلط صفراوی کا میل ہوتا ہے اور تلی اپنے فضلے کو ایسا کر دیتی ہے کہ اس میں ترشی اور بستگی آجاوے اور اس میں سے کسی قدر ہر روز فم معدہ پر پہنچا دیتی ہے تاکہ ترشی کے باعث اشتہا جنبش میں آوے اور معدے کو غذا پر برانگیختہ کرے اور باقی فضلے کو پاخانے کے ساتھ باہر نکال دیتی ہے اور گردہ اس رطوبت میں سے جس قدر خون ہوتا ہے اس قدر کو اپنی غذا کرتا ہے اور باقی کو مثانہ میں دفع کرتا ہے۔ اب چاہیے کہ اسباب غذا کی نعمتوں کو ہم یہاں ہی تک چھوڑ دیں ورنہ اگر ذکر کریں کہ جگر کو حاجت دل اور دماغ کی کس طرح ہے اور اعضائے رئیسہ میں سے ہر ایک کو ایک دوسرے کی حاجت کیونکر ہے اور دل میں سے اچھلتی رگیں تمام بدن میں کیسے پھیلی ہیں جن کے ذریعے سے حس اعضا میں ہوتی ہے اور دوسری رگیں جن میں سے ہو کر غذا تمام بدن میں پہنچتی ہے، جگر سے کس طور متفرق ہوتی ہیں۔ پھر اس سے اعضا کیونکر بنتے ہیں اور ہڈیاں اور پٹھے اور رگیں اور اوتاد اور رباط اور کری ہڈیاں بدن میں کتنی ہیں تو کلام بہت بڑھ جاوے گا۔ حالانکہ کھانے کے واسطے ہر ایک کی احتیاج ہے اور دوسری غرضوں کے واسطے بھی ہیں، بلکہ آدمی میں ہزاروں پٹھے اور رگیں اور مچھلیاں چھوٹی اور بڑی اور پتلی اور موٹی کہ بعضی بہت پھیلاؤ رکھتی ہیں اور بعضی کم، یہ سب موجود ہیں اور ان میں سے ایسی کوئی نہیں جس میں ایک یا دو یا تین یا چار یا دس یا زیادہ حکمتیں نہ ہوں اور یہ سب خدا کی نعمتیں ہیں جو انسان پر اس نے کی ہیں۔ اگر ان سب میں سے کوئی چلتی رگ ٹھہر جاوے یا ساکن رگ حرکت کرے تو بیچارہ آدمی ہلاک ہو جاوے۔ پس آدمی کو چاہیئے کہ اوّل ان نعماتے الٰہی کو اپنے اوپر دیکھے تاکہ پھر شکر کر سکے۔ آدمی کو خدائے تعالیٰ کی نعمتوں میں سے بجز ایک ادنیٰ نعمت کے کھانے کے اور کیا معلوم ہے اور اس میں بھی یہی معلوم ہے کہ بھوک لگی تو کھا لیا اور اتنی بات گدھا

بھی جانتا ہے کہ بھوکا ہوا تو کھا لیا، اور تھک گیا تو سو رہا اور شہوت ہوئی تو دفع شہوت کر لی اور آرام سے رہا تو ٹما پتے اور لات مارنے لگا۔ جب آدمی اپنے نفس میں اسی قدر جانتا ہو جتنا گدھا جانتا ہے تو ادائے شکر الٰہی اس سے کس طرح ہے۔ یہ مقدار جو ہم نے مختصراً بطور اشارہ نعمائے الٰہی کے بیان کے ایک قطرہ بحر نعمائے الٰہی سے ہے۔ اسی پر مجملاً ان باتوں کو بھی قیاس کر لینا چاہیئے جن کو طول کلام کے خوف سے ہم نے چھوڑ دیا ہے اور نعمتوں میں سے جس قدر ہم نے بیان کی ہیں اور تمام خلق کو معلوم ہے اگر اس مقدار کو ان نعمتوں کی نسبت کر دیکھیں جن کو لوگ نہیں جانتے تو سمندر کے ایک قطرے سے بھی کم نظر آویں، مگر اتنی بات ہے کہ جو شخص ان میں کچھ جانتا ہے اس کو شمہ معنی اس آیت کا معلوم ہو جاتا ہے وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا۔ پھر یہ دیکھنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ نے قوام ان اعضاء کا اور ان کے منافع کا کیسے ایک بخار لطیف سے منتظم کر رکھا ہے جو اخلاط اربعہ سے نکلتا ہے اور دل میں اس کا قرار گاہ ہے وہاں سے تمام بدن میں بذریعہ اچھلتی رگوں کے پھیلتا ہے۔ اسی طرح کہ جس جزو بدن میں پہنچتا ہے اس کے پہنچتے ہی اس چیز میں قوت حس و ادراک اور قوت حرکت اور سب حاجت کی چیزیں پیدا ہو جاتی ہیں جیسے چراغ کو گھر میں پھراؤ تو جس کونے میں جاوے گا وہی اس کی روشنی سے بحکم خدا اور اس کے اختراع سے روشن ہو جاوے گا کہ اس نے اپنی حکمت سے چراغ کو سبب روشنی کا بنایا ہے اور یہ بخار لطیف اصطلاح اطباء میں روح کہلاتا ہے۔ اس کا محل دل ہے۔ مثال فرض میں جرم شعلہ کو بخار سمجھنا چاہیئے اور قلب مثل ظرف چراغ کے ہے اور خون سیاہ جو دل کے اندر ہے وہ مثل بتی ہے اور غذا اس کے لیے مثل روغن کے ہے اور حیاتِ ظاہری جو سب اعضاء میں اس کے باعث ہے اس کو بمنزلہ روشنی چراغ کے تمام گھر میں تصور کرنا چاہیئے اور جس طرح کہ چراغ روغن نہ رہنے سے گل ہو جاتا ہے اسی طرح چراغ روح بھی غذا نہ ملنے سے ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور جس طرح کہ بتی کبھی جل کر خاک ہو جاتی ہے اور تیل نہیں پیتی اور باوجود کثرت روغن کے چراغ سرد ہو جاتا ہے اسی طرح وہ خون جو دل میں ہے کبھی زیادتی حرارت دل سے جل جاتا ہے اور باوجود غذا روح تحلیل ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ خون دل غذا کو قبول نہیں کرتا جس سے کہ روح باقی رہے جیسے راکھ تیل کو ایسی طرح نہیں پیتی جس سے شعلہ پیدا ہو اور جیسے چراغ کبھی تو سبب داخل کے باعث بجھ جاتا ہے جیسا اوپر گذرا اور کبھی سبب خارجی سے گل ہوتا ہے۔ مثلاً آندھی چلنے کے باعث، اسی طرح روح بھی کبھی اسباب داخلی مذکورہ بالا سے فنا ہوتی ہے اور کبھی سبب خارج سے مثل قتل وغیرہ کے کہ باعث اس کی فنا کا ہوتا ہے اور جیسے کہ تیل کے نہ رہنے یا بتی کے بگڑنے یا آندھی چلنے یا کسی آدمی کے گل کرنے سے۔ چراغ کے گل ہونے کے لیے اسباب خدا تعالیٰ کے علم میں مقدر اور مرتب ہیں اور یہ سب باتیں بموجب تقدیر الٰہی کے سرزد ہوتی ہیں۔ اسی طرح کا فنا ہونا کسی علت سے بموجب حکم خدا کے ہوتا ہے

ت ۱ اگر گنو نعمتیں اللہ کی تو پورا نہ کر سکو ان کو ۱۲

جس طرح کہ چراغ کا گل ہونا اس کے وجود کی انتہا ہے تو یہی اس کی مدت ام الکتاب میں معین ہوتی ہو گی اسی طرح روح کی فنا کو تصور کرنا چاہیئے اور جس طرح کہ چراغ کے گل ہوتے ہی تمام گھر میں اندھیرا ہو جاتا ہے ایسے ہی رُوح کے رخصت ہوتے ہی بدن میں تاریکی ہو جاتی ہے یعنی وہ نور کہ بدن کو روح سے پہنچتا ہے اور اس کے باعث حس اور قدرت اور ارادہ اور دوسرے لوازم حیات اس کو میسّر تھے وہ کچھ نہیں رہتا یہ بھی ایک رمز مختصر خدائے تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کے عجائبات صنعت وحکمت کے اقسام میں سے ایک قسم کی طرف ہے۔ اس سے مضمون اس آیت کا معلوم ہوتا ہے کہ لو کان البحر مدادا لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی[ت] پس جو شخص اس پر بھی خداوند کریم کا منکر ہو اور اس کی نعمت کا ناشکر وہ خدا تعالیٰ کی رحمت سے دور ہوا اور اس کے عذاب ولعنت میں مقہور۔ اب اگر کوئی کہے کہ تم نے روح کو بتلایا اور اس کی مثال بیان کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جب روح کا پوچھا گیا تو اتنا ہی فرمایا الروح من امر ربی[ت۲] یعنی یہ ایک امر ربّانی ہے۔ آپ نے اس کی تعریف کیوں نہ فرمائی اور لوگوں کو اسی طرح کیوں نہ ارشاد کیا جیسے تم نے تقریر کی تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض اس امر پر مبنی ہے کہ لفظ روح جو بہت سے معنوں میں مشترک بولا جاتا ہے اس کے اشتراک پر دھیان نہ کیا جاوے رُوح کے سب معنوں کو ہم نہیں ذکر کرتے۔ یہاں جو ہم نے معنی روح کے بیان کیے ہیں تو ان سب معنوں میں سے ایک معنیٰ یہ بھی ہیں کہ وہ ایک جسم لطیف ہے جس کو اطباء روح کہتے ہیں اور انہوں نے اس کی صفت اور وجود اور اعضاء میں جاری ہونے کی کیفیت اور نہ اس سے حس اور قوت اعضاء میں ہونے کا حال سب بیان کیا ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی عضو بے حس ہو جاتا ہے تو جان لیتے ہیں کہ کوئی سدہ روح کے چلنے کی جگہ میں پڑ گیا ہے اور پھر بے حس جگہ کا علاج نہیں کرتے بلکہ پٹھوں کے نکلنے کی جگہ کا علاج کرتے ہیں جہاں سدہ پڑا کرتا ہے اور علاج بھی ایسا کرتے ہیں جس سے سدہ کھل جاوے اس لیے کہ یہ روح اپنی لطافت کے باعث پٹھوں کے جال میں گھس کر اس کے ذریعے سے دل میں سے تمام بدن میں پھیلتی ہے۔ پس یہ معنی روح کے جو اطباء نے لکھے ہیں یہ کچھ مشکل نہیں مگر وہ روح اصلی کہ جس کے فساد سے تمام بدن فاسد ہو جاتا ہے وہ سر ہے اسرار الٰہی میں سے۔ ہم نے اس کی تعریف بیان نہیں کی اور نہ اس کے تبلانے کی اجازت، اس لیے اتنا ہی کہہ سکتے ہیں جتنا خدا تعالیٰ نے فرمایا قل الروح من امر ربی یعنی روح امر ربانی ہے اور جتنے امور ربانی ہیں عقل کو تاب ان کے وصف کی نہیں اکثر خلق کی عقل ان میں حیران ہے اور وہم وخیال تو کسی نہج ان کو دریافت نہیں کر سکتے ان میں لیاقت ہی ان کے ادراک کی نہیں جیسے آنکھ سے آواز کا ادراک نہیں ہو سکتا، غرضکہ مبادی وصف امور ربانی کا عقل کی مجال سے باہر ہے اس لیے کہ عقل کے پاؤں میں جو ہر وعرض کی بیڑیاں پڑی ہیں وہ انہیں میں محبوس رہتی ہے، اس سے امور ربانی کس طرح دریافت ہوں

ت ا اگر دریا سیاہی ہو کر لکھے میرے رب کی باتیں بیشک دریا نبڑ چکے ابھی نہ نبڑیں میرے رب کی باتیں ۱۲ ت۲ بخاری ومسلم بروایت ابن مسعودؓ ۱۲

ہاں ان کے دریافت کے لیے ایک اور نور ہے جو عقل سے اعلیٰ اور اشرف ہے اور عالم نبوت اور ولایت میں چمکا کرتا ہے اس نور کو عقل کی طرف وہ نسبت ہے جو عقل کو ہے وہم و خیال کی طرف اور اللہ تعالیٰ نے خلق کو کئی طرح کا بنایا ہے۔ تو جس طرح کہ لڑکا سوائے محسوسات کے معقولات کو نہیں جانتا اس لیے کہ ان کے جاننے کے طور پر ابھی اس کی عقل نہیں پہنچی۔ اسی طرح بالغ بھی سوائے معقولات کے اور کچھ نہیں جانتا کیونکہ ماوراء معقولات کے جاننے کا وہ ڈھنگ ہے جو ابھی اس کو حاصل نہیں ہوا اور وہ مقام بیشک شریف اور رتبۂ عالی ہے وہاں سے نور ایمان و یقین کے باعث بارگاہِ حق سوجھتی ہے یہ رتبہ ایسا نہیں کہ ہر کسی کو مل جاوے بلکہ ایک کے بعد ایک کو ملتا ہے۔ مصرع

این دولت سرمد ہمہ کس را ندہند

اس بارگاہ حق کا ایک مقام صدر ہے اور صدر مقام کے اوپر ایک نہایت وسیع میدان ہے جس کے شروع پر ایک آستان ہے اور وہ امر ربانی اس آستان کا پاسبان تو جو شخص اس آستان تک نہ پہنچے اور نہ اس کے پاسبان کو دیکھے اس کا میدان ہی میں پہنچنا محال ہے۔ اس کے بعد کے مشاہداتِ عالیہ تو کہاں دیکھ سکتا ہے اس لیے اکابر ارشاد فرماتے ہیں کہ جس نے اپنے نفس کو نہیں پہچانا اس نے خدا کو نہیں پہچانا۔ بھلا طبیبوں کی کتابوں میں یہ بات کہاں اور طبیب کا لحاظ ان معانی کی طرف کجا بلکہ جن معنی کو طبیب روح کہتے ہیں، اس کو امر ربانی کی طرف ایسی نسبت ہے جیسے بادشاہ کے گیند کو بادشاہ کی طرف یعنی اگر بادشاہ ڈنڈے سے گیند کو حرکت دے اور کوئی شخص گیند کو دیکھ کر خیال کرے کہ میں نے بادشاہ کو دیکھ لیا تو یہ اس کی خام خیالی اور غلطی فاش گنی جاوے گی اسی طرح اگر کوئی روح طبی کو معلوم کر کے جانے کہ میں نے امرِ ربانی کو جان لیا وہ بھی بڑی غلطی پر ہوگا بلکہ شخص اوّل کی نسبت اس کی غلطی فاحش تر ہوگی اور از انجا کہ عقول انسانی کہ جن کے باعث احکامِ ربانی صادر ہوتے ہیں اور مصالح دنیاوی معلوم ہوتے ہیں ایسے نہیں جو اس امرِ ربانی کو دیکھ سکیں۔ اسی لیے خدائے تعالیٰ نے اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت نہ دی کہ اس کا حال کسی سے ارشاد فرماویں بلکہ ان کو فرمایا کہ لوگوں سے ان کی عقل کے بموجب گفتگو کرو۔ شعر

باہیچ نہ فہم لافِ معنی چہ زنی ۔۔۔ طفلا نہ بطفل گفتگو باید کرد

اور اپنی کلام مجید میں بھی خدائے تعالیٰ نے اس کی حقیقت بیان نہ فرمائی، صرف اس کی نسبت اور فعل کو ذکر فرمایا ذات کو مذکور نہ کیا، نسبت تو ان الفاظ میں یاد فرمائی الروح من امر ربی اور اس کا فعل اس آیت میں ذکر فرمایا یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الیٰ ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی

ت ۱ اے جی چین پکڑ پھر چل اپنے رب کی طرف تو اس سے راضی ہو وہ تجھ سے راضی پھر مل میرے بندوں میں اور بیٹھ میری بہشت میں ۱۲

داخلی جنتی اب کلام کہیں کا کہیں جا پڑا یہاں سے غرض کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ مقصود ذکر نعمائے الٰہی کا کھانے میں اور آلاتِ غذا کی بعض نعمتیں اوپر ذکر کر چکے۔

اغذیہ کی پیدائش کے بعد ان کی درستگی کی نعمتیں

واضح ہو کہ غذائیں بہت ہیں اور خلق خدا میں عجائب لاتعد و لاتحصیٰ اور اسباب بے شمار و بے انتہا ہیں اور ہر ایک غذا کے عجائب اور اسباب کا ذکر کرنا نہایت طول چاہتا ہے۔ اس لیے کہ کھانے کی تین قسمیں ہیں یا دوائیں ہیں یا میوے یا غذا اور ان کے اجناس بے انتہا ہیں۔ کہاں تک کوئی لکھے گا۔ اسی لیے غذا جو کہ اصل ہے اسی کو ہم اختیار کرتے ہیں اور منجملہ اس کے اجناس کے دانۂ گندم کو لیتے ہیں باقی غلات اور حبوب کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اب ہم کہتے ہیں کہ اگر آدمی کو ایک دانہ یا چند دانے گیہوں کے ملیں اور وہ ان کو کھا لے تو وہ ختم ہو چکیں گے اور بھوکا رہے گا تو ضرور ہوا کہ دانۂ گندم میں یہ خاصیت ہو کہ وہ بڑھ سکے اور کثرت سے ہوا کرے تاکہ حاجتِ انسانی کے لیے کافی و وافی ہو اس لیے حق تعالیٰ نے دانۂ گندم میں وہ قوت پیدا کی جس سے وہ بھی انسان کی طرح غذا حاصل کرے کیونکہ انسان اور روئیدگی میں فرق صرف حس و حرکت کا ہے غذا میں دونوں مساوی ہیں نبات بھی بذریعہ رگوں باطنی کے اپنے اندر غذا کو کھینچتا ہے جس طرح انسان کھینچتا ہے اور ہم نبات کی غذا کے جذب کرنے کے آلات طول کلام کے خوف سے ترک کیے دیتے ہیں۔ مگر اس کی غذا کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس طرح آدمی لکڑی اور مٹی سے پیٹ نہیں بھرتا اور ایک غذائے خاص کا محتاج ہے، اسی طرح غلہ کا دانہ بھی ہر چیز سے غذا نہیں پاتا اس کے لیے بھی غذا خاص ہے اس وجہ سے کہ اگر اس کو گھر میں رکھ چھوڑو تو نہیں بڑھے گا کیونکہ اس صورت میں اس کے لگانے کو صرف ہوا ہے اور تنہا ہوا اس کی غذا کو کافی نہیں اور اگر پانی میں ڈال دو تب بھی نہیں بڑھے گا یہ بھی اس کی غذا نہیں اور اگر زمین میں بوؤ جس میں پانی نہ ہو تب بھی سرسبز نہ ہوگا بلکہ اس کے لیے ایسی زمین چاہیے جس میں پانی پہنچا ہو اور پانی مٹی میں مل کر گارا ہو گیا ہو اور اسی کی طرف اشارہ ہے اس آیت میں[1] فلینظر الانسان الی طعامه انا صببنا الماء صبًّا ثم شققنا الارض شقًّا اور پھر پانی اور مٹی بھی کافی نہیں کیونکہ اگر بالفرض گیہوں کو زمین تر سخت اور ٹھوس میں بوؤ تو ہوا کے نہ ہونے سے نہ جمے گا۔ پس ضرور ہوا کہ اس کو نرم اور پلپلی زمین میں بویا جاوے جس میں ہوا کا گذر ہو سکے۔ پھر ہوا اپنے آپ اندر نہیں جاتی اس کے لیے ضرور ہوا کہ تیز آندھی سے اس کو دی جاوے اور آندھی اس ہوا کو ایسے زور سے زمین پر مارے کہ ہوا مذکور زبردستی اندر چلی جاوے اور اسی بات کی طرف اشارہ ہے[2] وارسلنا الریاح لواقح کہ باردار کرنے سے یہی مراد ہے

ت ۱ اب نگاہ کرے آدمی اپنے کھانے کو ہم نے ڈالا پانی اوپر سے پھر چیرا زمین کو پھاڑ کر ۱۲

ت ۲ اور چلا دیں ہم نے باویں رس بھری ۱۲

کہ ہوا اور پانی اور زمین میں خلط ملط کر دیتی ہے۔ پھر یہ سب باتیں کافی نہیں اگر شدت جاڑے میں واقع ہوں اسی لیے حاجت حرارت ربیع اور گرمی کی ہوئی اس سے معلوم ہوا کہ گیہوں کی غذا کے لیے چار چیزیں ہوا اور پانی اور زمین اور گرمی چاہئیں اور ان میں سے ہر ایک کو خیال کرنا چاہیئے کہ کس کس چیز کی حاجت رکھتے ہیں۔ مثلاً پانی کے لیے ضرور ہے کہ دریاؤں اور چشموں اور نہروں اور نالیوں سے کھیت میں جاوے اس کے لیے دیکھنا چاہیے کہ خداوند کریم نے کیسے دریا چشمے بنائے اور ان سے نہریں نکالیں، پھر قطعات زمین جو اونچے ہیں اور ان میں پانی نہیں پہنچ سکتا ان کے لیے دیکھو کہ کس طرح بادل پیدا کیے اور کیسے ان پر ہواؤں کو مسلط کر دیا کہ خدا کے حکم سے تمام روئے زمین پر ان کو لیے پھرتی ہیں حالانکہ بادل پانی میں بھرے ہوتے بھاری ہوتے ہیں پھر دیکھو کہ زمین پر ربیع و خریف ہی کے دنوں میں حاجت کے موافق برستے ہیں اور پہاڑوں کو دیکھو کہ پانی کے محافظ بنائے کہ ان میں سے بتدریج پانی بہتا ہے اگر یکبارگی نکل پڑے تو تمام شہر غرقاب ہو جاویں اور زراعت اور مواشی آشنائے لجۂ اجل ہوں اور پہاڑوں اور ابر اور سمندروں و باران میں خدائے تعالیٰ کی اتنی نعمتیں ہیں کہ ان کا شمار نہیں ہو سکتا اور چونکہ پانی اور زمین دونوں سرد ہیں، ان میں حرارت نہیں ہو سکتی اس لیے خدائے تعالیٰ نے آفتاب کو مسخر کیا اور اس کو باوجود بہت فاصلہ کے زمین سے ایسا بنایا کہ جاڑے کے وقت جاڑا اور گرمی کے وقت گرمی ہو یعنی جیسے حاجت ہو اسی کے بموجب سردی و گرمی ہو سکے۔ اور یہ آفتاب کی پیدائش میں سے ایک حکمت ہے اور اس میں حکمتیں لاانتہا ہیں پھر جب نبات زمین سے اونچا ہوتا ہے تو میووں میں ایک طرح کی بستگی اور سختی ہوتی ہے اور اسی وجہ سے حاجت ایک رطوبت کی ہے جس سے وہ پک جاویں اس کے واسطے خدائے تعالیٰ نے چاند کو پیدا فرمایا اور رطوبت دینا اس کا خاصہ کر دیا جیسے کہ حرارت پہنچانا آفتاب کی خاصیت تھی پس چاند کے باعث میووں کی پختگی اور رنگ حاصل ہوتا ہے اور یہیں لحاظ اگر درخت سایہ کے اندر ہو کہ جس پر دھوپ اور چاند اور ستاروں کی روشنی نہ آسکے تو وہ بگڑ جاتا ہے جیسے کہ چھوٹا پیڑ اگر بڑے پیڑ کے سایہ میں ہو تو خراب اور ناقص رہے گا اور چاند کی رطوبت پہنچانی اس طرح معلوم ہو سکتی ہے کہ رات کو چاند کی روشنی میں سر کھول کر بیٹھو تو سر میں رطوبت زیادہ ہو جاوے گی جس کو زکام کہتے ہیں پس جیسے آدمی کے سر میں رطوبت پہنچاتا ہے ویسے ہی میووں کو بھی رطوبت دیتا ہے اور زیادہ گفتگو ایسے امور کی جو کبھی تمام نہ ہوں کیا ضرور ہے صرف اسی قدر کافی ہے کہ آسمان میں کوئی ستارہ ایسا نہیں جس میں کوئی فائدہ نہ ہو جیسے آفتاب میں حرارت اور چاند میں رطوبت ہے۔ کیونکہ ہر ایک ستارے میں حکمتیں اتنی زیادہ ہیں کہ طاقت بشری اس کے شمار سے عاجز ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو ان کا پیدا کرنا لغو اور بیکار ہو اور ان آیتوں کے معنی درست نہ ہوں رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا[1] اور وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰت[2]

ت ۱ اے رب ہمارے تو نے یہ عبث نہیں بنایا ۱۲ ت ۲ اور ہم نے جو بنایا آسمان و زمین اور جو ان کے بیچ کھیل نہیں بنایا ۱۲

والارض وما بینھما لاعبین ہ اور جس طرح کہ آدمی کے بدن میں کوئی عضو خالی فائدے سے نہیں اسی طرح عالم کے جسم میں کوئی عضو خالی فائدے سے نہیں اور تمام عالم مثل ایک جسم کے ہے اور اجسام مثل اس کے اعضاء کے ہیں، جس طرح آدمی کے بدن میں ایک عضو سے دوسرے کو مدد پہنچتی ہے۔ اسی طرح عالم کے اجسام میں ایک سے دوسرے کو مدد پہنچتی ہے اور اس کی شرح نہایت طویل ہے۔ اب اس تقریر سے کوئی یہ گمان نہ کرے کہ آفتاب اور چاند اور ستاروں کو جن آثار کے لیے خدا تعالیٰ نے اپنی حکمت سے مسخر کیا ہے ان کے مسخر ہونے پر ایمان لانا مخالف شریعت ہے اس وجہ سے کہ شرع میں منجمین اور علم نجوم کی تصدیق سے ممانعت ہے[ح۱] کیونکہ شرع میں جو علم نجوم کی ممانعت ہے تو اس میں دو باتیں ممنوع ہیں اوّل تو یہ کہ آدمی یہ جانے کہ نجوم اپنے آثار کے خود فاعل مستقل ہیں، اپنے خالق مدبر کی تدبیر اور قہر کے مسخر نہیں پس اس طرح جاننا کفر ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ منجم جو بات مفصل ستاروں کی ایسے آثار میں سے بیان کریں جو سب خلق کو معلوم نہیں ہوتے اس کو سچ جانے تو یہ بھی ممنوع ہے اس لیے کہ وہ لوگ یہ سب خبریں جانتے نہیں اور کہہ دیتے ہیں اور وجہ ان کے نہ جاننے کی یہ ہے کہ علم نجوم کے احکام کا بعض انبیاء علیہم السلام کے واسطے معجزہ تھا پھر وہ جاتا رہا اور جو کچھ بچا ہے وہ مختلط ہے جس میں ثواب اور خطا کی تمیز نہیں ہوتی۔ حاصل یہ کہ کواکب کو ایسے آثار کا اعتقاد کرنا جو خدا تعالیٰ کے پیدا کرنے کے باعث زمین میں اور نباتات اور حیوانات میں ہوتے ہیں دین کا مخل نہیں بلکہ راست و درست ہے، باوجودیکہ نہ جاننے کے یہ دعوٰی کرنا کہ ہم سب آثار کو مفصل جانتے ہیں یہ امر مخل دین ہے اور اسی کی تصدیق کی ممانعت ہے۔ ورنہ اگر کوئی شخص اپنا کپڑا دھووے اور اس کا خشک کرنا چاہے اور دوسرا شخص اس کو کہہ دے کہ اب دھوپ نکلی ہوتی ہے اور ہوا گرم ہے کپڑا نکال کر پھیلا دو تو اس بات کو جھوٹا نہ جاننا چاہیئے اور یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اس نے آفتاب کے نکلنے سے ہوا کی گرمی کیسے کہہ دی یا کسی شخص کے رنگ پر کدورت آجاوے اور اس سے اس کی وجہ پوچھو اور وہ بیان کرے کہ راستے میں سورج کی دھوپ کے باعث رنگ متغیر ہو گیا تو یہ ضرور نہیں کہ اس کو جھوٹا ٹھہراؤ کہ آفتاب کا اثر کیسے بیان کرتا ہے اسی طرح اور آثار کو قیاس کر لو مگر آثار میں بعضے معلوم ہوتے ہیں اور بعضے نامعلوم، جو آثار کہ معلوم نہیں ان میں دعوٰی علم ناجائز ہے، اور جو معلوم ہیں ان کی بھی دو قسمیں ہیں ایک وہ کہ سب لوگوں کو معلوم ہوں جیسے دھوپ اور گرمی کا ہونا آفتاب سے، اور دوسرے وہ کہ بعض لوگوں کو معلوم ہوں جیسے چاندنی سے زکام ہونا۔ غرضکہ ستارے بے فائدہ نہیں پیدا ہوتے بلکہ ان میں بےشمار حکمتیں ہیں اور اسی وجہ سے تہجد کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آسمان کی طرف دیکھتے اور یہ آیت پڑھتے[ت۲] ربنا ما خلقت ھذا باطلا سبحانک فقنا عذاب النار اور ایک بار اس کو پڑھ

ح ۱ ابوداؤد و ابن ماجہ بروایت ابن عباس ۱۲ ت ۲ اے رب ہمارے تو نے یہ عبث نہیں بنایا تو پاک ہے عیب سے ہم کو بچا دوزخ کے عذاب سے ۱۲

کر فرمایا کہ ہلاکی[ح۳] ہے اس شخص کو جو یہ آیت پڑھے اور پھر موچھوں کو تاؤ دے اور اس سے غرض یہ ہے کہ آیت پڑھ کر اس میں تامل نہ کرے اور اسرار سماوی سمجھنے کے عوض صرف آسمان کا رنگ اور ستاروں کی روشنی ہی جان لے حالانکہ اتنی بات بہائم بھی سمجھتے ہیں۔ پس جو کوئی کہ آیت مذکورہ سے فقط ظاہری رنگ و روشنی پہ اکتفا کرے اور اسرار و عجائب کو نہ سوچے وہ ایسا ہی ہے کہ موچھوں پر تاؤ دے لیا مگر خاک نہیں سمجھا۔ خداوند تعالیٰ کے عجائب آسمانوں کے ملکوت میں اور آفاق و نفوس و حیوانات و نباتات میں بہت سے ہیں ان کے طالب وہی لوگ ہوتے ہیں جو اللہ سے محبت رکھتے ہیں اس لیے کہ دنیا میں جس شخص کو کسی عالم کے ساتھ محبت ہوتی ہے وہ ہمیشہ اس کی تصانیف کا طالب رہتا ہے تاکہ اس کی تصنیفات سے اس کے عجائب علمی پر زیادہ وقوف ہو اور اس کے باعث محبت اور زیادہ ہو۔ اسی طرح عجائب صنع الٰہی کو خیال کرنا چاہیئے کہ تمام عالم اس کی تصنیف ہے بلکہ مصنّفوں کی تصنیف بھی اسی کی تصنیف ہے بذریعہ اپنے بندوں کے دلوں کے بنائی۔ پس اگر آدمی کو کسی تصنیف پر تعجب آوے اور اچھی معلوم ہو تو اس کے مصنف پر تعجب نہ کرنا چاہیئے بلکہ اس ذات پر تعجب کرنا چاہیئے جس نے مصنف کو ایسی تصنیف کے لیے آمادہ اور مسخر کیا اور اپنے انعام و کرم سے اس کو ایسی تصنیف کی ہدایت کی اور انجام کو پہنچا دیا۔ جیسے کبھی کٹھ پتلیوں کو دیکھیں کہ ناچتی ہیں اور بہت عمدہ حرکات موزون کرتی ہیں اور کھلونوں پر تعجب نہ کرنا چاہیے وہ تو کپڑے کی گڑیا ہیں کہ اپنے آپ نہیں ہلتیں بلکہ تعجب بازی گر کی دستکاری پر چاہیئے جو ان میں پتلے پتلے تار جو آنکھ سے بھی نہیں سوجھتے باندھ کر ہلا رہا ہے۔ اسی طرح محبان خدا ہر ایک چیز دنیاوی کو دیکھ کر صنعت خدا کو اس میں تامل کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ نبات کی غذا پانی اور ہوا اور سورج اور چاند اور ستاروں سے تمام ہوتی ہے اور ان اجرام کے لیے آسمان ہیں جن میں کہ یہ گڑے ہوتے ہیں اور افلاک کے لیے حرکتیں کرتے ہیں اور حرکتوں کی تمامی آسمان کے فرشتوں سے ہے جو ان کو حرکت دیتے ہیں اور اسی طرح ایک دوسرے کا سبب ہوتا چلا گیا ہے۔

آدمی تک غذاؤں کے پہنچنے کے ضمن میں نعمتوں کا ذکر

مخفی نہ رہے کہ سب غذائیں ہر جگہ نہیں ملتیں بلکہ ان کے لیے کچھ خاص شرطیں ہیں کہ بعض جگہوں میں جہاں وہ شرطیں پائی جاتی ہیں وہاں وہ غذا بھی ملتی ہے نہیں تو نہیں، اور آدمی تمام روئے زمین پر پھیلے ہوتے ہیں کہ بعضوں سے غذا دور پڑ گئی اور ان کے اور غذا کے درمیان سمندر حائل ہو گئے مگر دیکھنا چاہیئے کہ خدائے تعالیٰ نے اس غرض کے لیے کیسا تاجروں کو مسخر کر دیا اور ان پر مال کی حرص غالب کر دی اور نفع کی توقع بڑھا دی کہ جس کے سبب تری و خشکی کے سفر کے شدائد اٹھاتے ہیں اور جان پہ کھیلتے ہیں اور غذا اور دوسرے حوائج انسانی شرق سے غرب کے لوگوں کے پاس اور غرب سے شرق والوں کے پاس پہنچاتے ہیں۔ ان پر کیسی غفلت اور جہالت خدائے تعالیٰ نے ڈال دی ہے ورنہ اگر واقع میں تامل کیا جاوے تو اکثر ان لوگوں کی محنت رائگاں ہے کیونکہ جو کچھ یہ جوڑتے ہیں

ح۳ دیلمی بروایت ابن عباس رضہ اور اس میں ایک راوی ضعیف ہے ۱۲

یا تو کشتیوں میں ڈوب جاتا ہے یا رہزنوں کے ہاتھ آتا ہے یا کہیں سفر میں مر جاتے ہیں تو لاوارثی کے صیغے میں حکام کے قبضے میں پڑتا ہے اور سب میں عمدہ حال ان کا یہ ہے کہ مال وارثوں کے ہاتھ میں نہ لگے لیکن اگر وہ سمجھیں تو وارث ہی سب سے زیادہ ان کے دشمن ہیں مگر اس میں بھی حکمت ہے کہ ان پر جہل و غفلت مسلط ہے پھر دیکھنا چاہیئے کہ خدائے تعالیٰ نے ان کو کشتی بنانے اور جہاز رانی کا کام کیسے سکھایا اور حیوانات کو سواری اور بار برداری کے لیے کس طرح مسخر کیا۔ ہر ہر جانور میں ایک وصف جداگانہ عنایت فرمایا، گھوڑے کو سرعت رفتار گدھے کو مشقت پر صبر اونٹ کو کم خوری اور کثرت بار برداری مرحمت کی۔ پھر دیکھو کہ انسانوں کو تری اور خشکی میں بذریعہ کشتیوں اور حیوانات کے کس طرح پھراتا ہے تاکہ غذا وغیرہ حوائج انسان کے پاس پہنچا دیں اور یہ بھی سوچا کہ حیوانات کے لیے اسباب اور سامان اور گھاس دانہ وغیرہ کی کیا کیا ضرورت ہوتی ہے اور کشتیوں کے واسطے کون کون لوازم کی حاجت پڑتی ہے۔ ان سب چیزوں کو خدائے تعالیٰ نے بقدر حاجت اور زائد از حاجت پیدا کیا ہے ان کا شمار کرنا غیر ممکن ہے پھر ان سے اور امور بے شمار کی نوبت پہنچتی ہے جن کا چھوڑ دینا اختصار کے لیے ہم کو مناسب معلوم ہوتا ہے۔

غذا کی اصلاح میں نعمتوں کا بیان

جاننا چاہیئے کہ جو چیزیں زمین میں از قسم نباتات پیدا ہوتی ہیں اور جو حیوانات پیدا ہوتے ہیں ان کا اسی طرح پر کھا لینا ممکن نہیں بلکہ ہر ایک میں کچھ اصلاح اور پکانے کی ضرورت ہوتی ہے کہ بعض کو پھینک دینا پڑتا ہے اور بعض کو باقی رکھنا خواہ اور اسی طرح کی بے شمار باتیں کرنا پڑتی ہیں اور ہر غذا میں ان ترکیبوں کا مفصل لکھنا دشوار ہے اس لیے ہم صرف ایک روٹی کو خاص کر کے دیکھتے ہیں کہ بیج ڈالنے کے بعد اس کے گول ہونے اور غذا کے قابل ہونے کے لیے کیا کیا کرنا پڑتا ہے پس اول جو حاجت ہوتی ہے وہ زمین کی درستی ہے جس کے لیے کسان کی حاجت ہے پھر بیلوں اور ہل کی ضرورت ہے مع جمیع لوازم کے پھر بعد اس کے مدت تک پانی دینا پھر کھیت کو بونا پھر کاٹنا پھر گاہنا اور اناج علیحدہ کرنا پھر پیسنا پھر گوندھنا پھر پکانا۔ تو سوچنا چاہیے کہ یہ کتنے کام ہوئے اور جو ہم نے نہیں لکھے وہ علاوہ رہے اور جتنے لوگ ان کاموں کو کرتے ہیں اور جتنے اوزار سے کرتے ہیں ان کو بھی تامل کرنا چاہیئے اور یہ آلات لوہے اور لکڑی اور پتھر کے ہوتے ہیں۔ کھیتی کے آلات بنانے والوں کے لحاظ کرو اور پیسنے اور پکانے والوں کو دیکھو پھر منجملہ ان کاریگروں کے لوہاروں کو دیکھو کہ لوہے اور تانبے اور سیسے کی حاجت پڑتی ہے۔ پھر دیکھو کہ خدائے تعالیٰ نے پہاڑوں اور پتھروں اور کانوں کو کیسا جدا جدا بنایا۔ غرضکہ اگر تلاش کرو تو جان لو کہ ایک روٹی گول ہو کر غذا کے قابل جب ہوتی ہے جب اس پر ہزار سے زیادہ کاریگروں نے کام کر لیا ہے۔ یعنی اس فرشتے سے شروع کر جو ابر کے لیے ہے اور آخر تک یہاں تک کہ فرشتوں کی طرف سے کام ختم ہو کر نوبت انسان کے عمل کی پہنچی اور گول ہونے پر اس کے طالب سات ہزار کاریگر ہوتے ہیں جن میں سے ہر ایک کاریگر ایسی اصل چیز بناتا ہے جس سے خلق کی مصلحت پوری ہوتی ہے۔ پھر انسان کی کثرت عمل کا لحاظ کرنا چاہیئے

کہ ان آلات میں کتنا کام کیا ہے۔ مثلاً ایک چھوٹا سا آلہ سوئی ہے کہ اس کا فائدہ لباس کا سینا ہے جو مانع سردی کا انسان سے ہے اس کو اگر دیکھو تو اس کی شکل لوہے سے جب بنتی ہے جب سوئی بنانے والے کے ہاتھ میں پچیس دفعہ گذرتی ہے اور ہر دفعہ وہ ایک ایک کام اس میں کرتا جاتا ہے۔ پس اگر خدائے تعالیٰ شہروں کو جمع نہ کرتا اور بندوں کو مسخر نہ کرتا اور آدمی کو مثلاً گیہوں کاٹنے کے لیے درانتی کی حاجت پڑتی تو تمام عمر اس میں کٹ جاتی اور نہ بن سکتی مگر خدائے تعالیٰ کی شان ہے کہ آدم خاکی کو نطفہ ناپاک سے پیدا کر کے ایسے ایسے عجیب و غریب آلات بنانے کی ہدایت کی، مقراض ہی کو دیکھو کہ دو پلے ایک دوسرے پہ منطبق رہتے ہیں مگر چیز کو لیتے ہی جلد جلد کاٹتی جاتی ہے۔ اگر خدائے تعالیٰ اس کے بنانے کا طریق پہلے لوگوں پہ واضح نہ فرماتا اور ہم کو اس کا طریق نکالنے کی حاجت اپنی فکر سے ہوتی اور طریق لوہے کے نکالنے کا پتھر سے اور پیدا کرنا ان آلات کا جن سے مقراض بنائی جاتی ہے سوچنا پڑتا۔ اور عمر بھی مثل حضرت نوح علیہ السلام کے ہوتی اور عقل بھی نہایت کامل دی جاتی تو تمام عمر اس ایک آلہ کے ایجاد کرنے ہی سے قاصر ہوتے دوسروں کا تو کیا ذکر ہے مگر خداوند کریم کا بڑا انعام و احسان ہے کہ اس نے سب کچھ اپنے کرم سے بتلا دیا۔ اب اگر فرض کرو کہ کسی شہر میں پیسنے والا نہ رہے یا لوہار یا حجام یا جولاہا یا کوئی اور ادنیٰ پیشہ ور نہ رہے تو لوگوں کو کیسی ایذا پہنچے اور کیسی ابتری کاروبار میں پڑے۔ خدا کی شان ہے کہ اس نے بعض بندوں کو بعض کا مسخر کر رکھا ہے تاکہ اس کی مشیت پوری ہو اور حکمت کامل، اب اس قول کو ہم مختصر کرتے ہیں اس نظر سے کہ مقصود نعمتوں پہ تنبیہ کرنی ہے نہ کہ ان کو نام بنام لکھنا۔

غذا کو درست کرنے والی نعمتیں

واضح ہو کہ یہ پیشہ ور جو اصلاح غذا کرتے ہیں اگر ان کی راہیں مختلف ہوتیں اور طبیعت میں وحشیوں کی سی نفرت ہوتی تو ایک دوسرے سے علیحدہ ہو کر دور رہتے اور کوئی کسی سے منتفع نہ ہوتا بلکہ جیسے وحشی ایک جگہ میں نہیں رہتے نہ ایک غرض پہ متفق ہوں ایسے ہی یہ لوگ بھی ہوتے لیکن لحاظ کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح ان کے دلوں میں الفت اور انس و محبت پیدا کی ہے چنانچہ خود فرماتا ہے۔۔۔۔

ت ا لو انفقت ما فی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبھم و لکن اللہ الف بینھم پس الفت و محبت کا ڈالنا خود اسی کا کام ہے۔ اسی الفت اور ارواح کی شناسائی کے باعث لوگ اکٹھے ہوتے اور ایک دوسرے کے ساتھ انس ہوا اور شہر و قصبات بناتے۔ اپنے مکانوں کو پاس پاس تعمیر کیا اور ان کو آرائشوں سے مزین کیا بازار اور دکانیں مرتب کیں اور تمام اقسام کے کارخانے بنائے جن کا حصر طویل ہے پھر چونکہ انسان کی سرشت میں غصہ اور حسد اور حرص حرص ہے، اس جہت سے یہ محبت جاتی بھی رہتی ہے اور جہاں

ت ا اگر تو خرچ کرتا جو سارے ملک میں ہے تمام نہ الفت دے سکتا ان کے دل میں لیکن اللہ نے الفت ڈالی ان میں ۱۲

دو آدمیوں کی غرض ایک ہی مطلب پر جمع ہوتی وہاں آپس کی نقیض و نفرت بلکہ نوبت کشت و خون بھی پہنچتی ہے تو دیکھنا چاہیئے کہ خدائے تعالیٰ نے کیسے ان پر سلاطین کو مسلط کر دیا اور قوت اور سامان سے ان کی اعانت کی اور ان کا رُعب رعایا کے دلوں میں ڈال دیا کہ جبراً قہراً فرمانبرداری کرتے تھے خواہ طبیعت چاہے یا نہ چاہے، پھر سلاطین پر بھی لحاظ کرنا چاہیئے کہ ان کو اصلاح شہروں کا انتظام کیسے ہدایت کر دیا یہاں تک کہ انہوں نے شہروں کو ایسی وضع پر بنایا اور ان کے حصے ایسے کیے جیسے ایک شخص کے اجزاء ہوتے ہیں کہ بعض کو بعض سے نفع ہوتا ہے۔ اس لیے انہوں نے ہر ایک شہر میں رئیس اور قاضی اور کوتوال اور چودھری مقرر کیے اور خلق کو بزور قاعدہ عدل کا پابند کیا اور آپس کی موافقت اور معاونت سب پر ضروری کر دی یہاں تک کہ لوہار مثلاً قصاب اور نان پز اور تمام اہل شہر سے منتفع ہوتا ہے جیسے ان سب کو لوہار سے فائدہ پہنچتا ہے، حجام کسان سے اور کسان حجام سے اور ہر ایک شخص ایک دوسرے سے منتفع ہوتا ہے۔ اسی جہت سے کہ سلطان کی ترتیب و جمع کے موافق سب متفق اور مجتمع رہتے ہیں جس طرح کہ تمام اعضائے بدن ایک دوسرے کے معاون ہوتے ہیں اور باہم منتفع ہوتے ہیں۔ پھر دیکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے سلاطین کی اصلاح کے لیے انبیاء کو مبعوث فرمایا جنہوں نے ان کو علاوہ اصلاح دین کے ارشادات کے یہ قوانین شریعت بھی سکھلاتے کہ مراعات عدل کی خلق میں رہنی چاہیئے اور انتظام کے لیے آئین سیاست جاری رہے، اسی طرح احکام سلطنت اور امامت اور احکام فقہ متعلق باصلاح دنیا سب تبلا دیتے۔ پھر یہ دیکھنا چاہیے کہ انبیاء علیہم السلام کی اصلاح خدائے تعالیٰ نے فرشتوں سے کی اور فرشتوں میں سے ایک کی اصلاح دوسرے سے ہوتی یہاں تک کہ انتہا اس سلسلے کی اس فرشتۂ مقرب پر پہنچی ہے کہ اس میں اور خدائے تعالیٰ میں کوئی واسطہ نہیں رہتا۔ مثلاً نان پز آٹے کی اصلاح پکانے سے کرتا ہے اور پیسنے والا دانہ کی اصلاح پیسنے سے اور کسان غلہ کی اصلاح کاٹنے سے اور آلات زراعت کی اصلاح لوہار کرتا ہے اور اس کے اوزار کی اصلاح بڑھئی کرتا ہے۔ اسی طرح ہر ایک پیشہ والوں کو جو آلات غذا درست کرتے ہیں، جاننا چاہیئے اور ان سب پیشہ وروں کی اصلاح سلطان کرتا ہے اور سلطان کی اصلاح علماء کرتے ہیں جو وارث انبیاء علیہم السلام ہیں اور علماء کی اصلاح انبیاء کرتے ہیں اور ان کی اصلاح عالم قدس سے بترتیب ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ سلسلہ بارگاہ احدیت پر پہنچتا ہے جو اصل ہر ایک انتظام کی اور منشا تمام ترتیب و تالیف کا ہے اور یہ سب باتیں اس رب الارباب اور مسبب الاسباب کی نعمتوں میں سے ہے اور اگر وہ اپنے فضل و کرم سے یہ نہ فرما دیتا[ت ۱] والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا تو ہم کو یہ ذرا سی نعمتیں بھی معلوم نہ ہوتیں اور اگر بحکم قہر و قدرت اس آیت کے باعث وان[ت ۲] تعدوا نعمۃ اللہ لاتحصوھا

ت ۱ اور جنہوں نے محنت کی ہمارے واسطے سو جاویں گے ہم ان کو اپنی راہیں ت ۲ اگر گنو نعمتیں اللہ کی تو پورا نہ کر سکو ان کو ۱۲

ہماری چشم طمع کو اپنی نعمتوں کے شمار سے معزول نہ فرماتا تو ہم بھی شوق ان کی کنہ کے دریافت کا اور ان کو شمار کرنے کا کرتے مگر کیا کریں پس کچھ نہیں جو کچھ بولے وہ بھی اسی کے حکم سے بولے اور جو چپ ہوتے تب بھی اسی کے روکنے سے رکے کیونکہ جو چیز وہ عنایت کرتا ہے اس کا کوئی روکنے والا نہیں اور جس چیز کو وہ نہیں دیتا اس کا کوئی دینے والا نہیں اس لیے کہ زندگی کے ہر ہر لحظہ میں گوش دل میں یہ آواز اس بادشاہ زبردست کی سنتے ہیں ت۱ لمن الملك اليوم لله الواحد القهار۔ پس خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہم کو کافروں سے متمیز کیا اور موت سے پہلے یہ ندا سنائی۔

فرشتوں کی پیدائش سے متعلق نعمتوں کا بیان

پہلے مذکور ہو چکا کہ فرشتوں کی پیدائش میں خدائے تعالیٰ نے یہ نعمت رکھی ہے کہ ان سے انبیاء علیہم السلام کی اصلاح فرماتا ہے اور ہدایت اور وحی کا پہنچانا ان پر انہیں کے ذریعے سے ہوتا ہے مگر اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ فرشتوں کے افعال صرف اسی قدر ہیں بلکہ فرشتوں کے طبقات باوجود کثرت اور ترتیب مراتب کے تین طبقات میں منحصر ہیں اول ملائک زمین کے دوم آسمان کے سوم عرش کے اٹھانے والے، اب ان طبقات میں سے ان کو دیکھنا چاہیئے جن کو خدائے تعالیٰ نے غذائے انسانی پر موکل کر رکھا ہے اوروں سے کچھ غرض نہیں جن سے ہدایت وارشاد وغیرہ متعلق ہے۔ پس مخفی نہ رہے کہ ہر ایک جزو انسان کے بدن کا بلکہ نبات کے جسم کا غذا نہیں پاتا جب تک کہ اس پر سات فرشتے جو اقل مرتبہ ہے خواہ دس خواہ سو یا زیادہ موکل نہ ہوں۔ توضیح اس کی یہ ہے کہ غذا کے معنی یہ ہیں کہ ایک جزو غذا کا دوسرے جزو کا قائم مقام ہو جو جاتا رہا ہو۔ مثلاً غذا انجام کو خون ہو کر گوشت اور ہڈی بن جاتی ہے اور جب یہ حالت ہو چکتی ہے تو غذا کامل ہو جاتی ہے اور خون اور گوشت اجسام ہیں کہ ان کو کچھ قدرت اور معرفت اور اختیار نہیں نہ اپنے آپ حرکت کر سکیں نہ اپنے آپ متغیر ہو سکیں اور صرف طبیعت اس بات کو کافی نہیں کہ کبھی کوئی چیز بنا دے کبھی کوئی جس طرح گیہوں کہ خود بخود نہ پستا ہے نہ گندھتا ہے نہ روٹی ہوتا ہے، جب تک کہ کوئی کاریگر نہ ہو اسی طرح خون بھی نہ خود بخود گوشت ہوتا ہے نہ ہڈی بنتا ہے نہ رگ و پے ہوتا ہے جب تک کہ کوئی بنانے والا نہ ہو اور باطن میں بنانے والے فرشتے ہیں جیسے ظاہر کہ پیشہ ور اہل شہر ہیں اور چونکہ خداوند کریم نے نعمتیں اپنی ظاہر و باطن دونوں میں عنایت کی ہیں، تو باطن کی نعمتوں سے غافل نہ ہونا چاہیئے۔ پس ہم کہتے ہیں کہ ایک فرشتہ تو ایسا چاہیئے جو غذا کو گوشت اور ہڈی کے پاس تک پہنچا دے اس لیے کہ غذا تو خود حرکت کرتی نہیں اور دوسرا وہ ہو جو غذا کو وہاں سے ٹلنے نہ دے انہیں کے پاس روکے رہے اور تیسرا وہ جو غذا پر سے خون کی صورت دور کرے اور چوتھا وہ جو اس کو گوشت خواہ ہڈی یا رگ کی صورت بنا دے، اور پانچواں وہ کہ جو زیادتی باقی رہ جاوے اس کو دفع کرے

ت ۱ کس کا راج ہے اس دن اللہ کا ہے جو اکیلا ہے دباؤ والا

اور چھٹا وہ جو ان چیزوں کو جہاں کی تہاں ملا دے یعنی جس جزو غذا میں صفت گوشت کی آتی ہے اس کو گوشت
میں ملا دے اور جس میں ہڈی کی ہے اس کو ہڈی میں ملا دے تاکہ علیحدہ نہ رہ جاوے اور ساتواں وہ کہ اس اتصال
میں رعایت اصل مقدار کی رکھے کہ جو چیز گول ہے اس کی گولائی نہ جاتی رہے اور جو چوڑی ہے اس کی چوڑائی
قائم رہے اور مجوف کی گہرائی بنی رہے اور ہر عضو پر مقدار حاجت بھی ملحوظ رکھے، مثلاً لڑکے کی ناک پر غذا اس
قدر جمع کر دے جس قدر ان پر نہ چاہیئے تو ناک بہت بڑی ہو جاوے اور نتھنے جاتے رہیں اور صورت ڈراؤنی
ہو جاوے، بلکہ مناسب یہ ہے کہ جو چیز یا جس کے لائق ہو وہی پہنچاوے مثلاً پلکوں میں پتلا پن ہے اور ڈیلے
میں صفائی اور رانوں میں موٹاپن اور ہڈی میں سختی تو ہر ایک کے واسطے ایسی ہی غذا پہنچانی چاہیے جو مقدار و
شکل میں ان کے مناسب ہو ورنہ صورت بگڑ جاوے گی اور بعض جگہیں بڑھ جاویں گی اور بعض کمزور رہیں گی، بلکہ
یہ فرشتہ اگر عدل کا لحاظ قسمت و تفریق میں نہ کرے اور لڑکے کے سر اور تمام بدن میں غذا پہنچاوے اور ایک
پاؤں مثلاً چھوڑ دے تو سارا بدن تو بڑھے گا مگر ایک پاؤں ویسا ہی رہے گا جیسا لڑکپن میں تھا ایسا شخص اپنے
جینے سے کیسے منتفع ہوگا جو سب اعضا بڑے آدمی کے سے رکھے اور ایک پاؤں لڑکے کا سا ہو، غرض رعایت
مقدار بھی اس قسمت میں ایک فرشتے کو سپرد ہے اور یہ نہ خیال کرنا چاہیئے کہ خون اپنی سرشت کے باعث اپنی
شکل بدل لیتا ہے اس لیے کہ جو شخص ایسے امور کا حوالہ طبیب پر کرتا ہے وہ جاہل ہے اپنے قول کو نہیں جانتا بلکہ
یہ کام زمین کے فرشتوں کے سپرد ہے کہ وہ آدمی کے اندر سب اپنے اپنے کام میں مصروف ہیں خواہ آدمی خواب
استراحت میں ہو یا کسی غفلت میں متردد ہو وہ اپنا کام کیے جاتے ہیں اور ان کو ان کی کچھ خبر نہیں اور یہ بات
اجزائے بدن کی ہر ایک چیز میں موجود ہے کیسا ہی چھوٹا جزو ہو یہاں تک کہ بعض اجزاء مثل آنکھ اور دل میں
سو سے زیادہ فرشتوں کی ضرورت ہے جن کی تفصیل بقصدِ اختصار ہم ترک کیے دیتے ہیں۔ اب ان زمین کے فرشتوں
کو آسمان کے فرشتوں سے مدد پہنچتی ہے اور ان میں وہ ترتیب معیّن ہے جس کی کنہ سوائے خدائے تعالیٰ کے اور
کوئی نہیں جانتا اور آسمان کے فرشتوں کو عرش کے اٹھانے والوں سے مدد ملتی ہے اور ان سب پر انعام تائید
اور ہدایت اور تسدید کا بارگاہ رفیع الشان قدوس مالک ملکوت و جبروت شاہنشاہ جلال عزت ولاہوت سے ہوتا
رہتا ہے اور فرشتے جو آسمانوں اور زمین پر مقرر ہیں اور اجزائے نبات و حیوانات پر مؤکل ہیں یہاں تک کہ
ہر ایک قطرۂ باران اور ہر بادل کے قطعات پر جو ادھر اُدھر پھرتے ہیں مامور ہیں ان کے باب میں احادیث بیشمار
ہیں، اسی واسطے کچھ حاجت دلیل لانے کی نہیں لیکن یہاں یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ یہ سب کام آدمی کے اندر
کے ایک ہی فرشتے کو کیوں نہ سپرد ہوتے، سات فرشتوں کی ضرورت کیوں ہوئی، گیہوں میں بھی تو بہت سے
افعال کیے جاتے ہیں اول پیسے جاتے ہیں پھر آٹا چھانا جاتا ہے پھر پانی ڈالا جاتا ہے پھر گوندھا جاتا ہے۔
پھر پیڑے بنائے جاتے ہیں پھر روٹی بنائی جاتی ہے پھر توے یا تندور میں پکائی جاتی ہے مگر بعض اوقات
ایک ہی آدمی یہ سب باتیں کر لیتا ہے، اسی طرح اعمالِ باطنی انسان کے اعمال ظاہری کی طرح کیوں نہ ہوتے

تو اس کا جواب یہ ہے کہ فرشتوں کی پیدائش آدمی کی پیدائش کے مخالف ہے جو فرشتہ ہے اس کی صفت بھی ایک ہی ہے اس میں کسی طرح کا خلط یا ترکیب نہیں، جب یہ بات ہے تو ایک فرشتے سے ایک ہی فعل ہو گا اور اسی کی طرف اشارہ ہے اس آیت میں ت۱ وما منا الا له مقام معلوم اور نہیں لحاظ ان میں آپس میں نہ ایک دوسرے سے نفرت ہے نہ باہم مقابلہ بلکہ وہ اپنے کاموں پر ایسے مامور ہیں جیسے حواس خمسہ کہ بینائی مثلاً شنوائی کی مزاحم نہیں ہوتی کہ ادراک اصوات میں اس سے پرخاش کرے نہ قوت شامہ ان دونوں کی مزاحم ہے نہ وہ دونوں اس کے مانع، حواس خمسہ کا حال اور اعضاء کا سا نہیں۔ دیکھو بعض اوقات آدمی پاؤں کی انگلیوں سے گرفت کر لیتا ہے جو ہاتھ کا کام ہے اگرچہ اس کی گرفت ضعیف ہوتی ہے مگر ہاتھ کا شریک و مزاحم تو ہو سکتا ہے۔ اسی طرح کبھی ایک شخص دوسرے آدمی کو ٹکر مارتا ہے اور جو کام ہاتھ کا ہے وہ سر سے لیتا ہے اور نہ حواس خمسہ کا حال انسان کا سا ہے کہ ایک ہی آدمی بیسیوں کام کر لیتا ہے اور یہ بات انسان میں ایک طرح کی کجی اور میلان عدل کی ہے اور وجہ اس کی یہی ہے کہ انسان کے صفات اور ارادات میں اختلاف ہے، یہ ایک ہی وصف نہیں رکھتا ہے اسی جہت سے ایک ہی فعل کا پابند بھی نہیں اور نہیں لحاظ ہم دیکھتے ہیں کہ آدمی کبھی خدا تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے اور کبھی نافرمانی کرتا ہے کیونکہ اس کے صفات و ارادات میں اختلاف ہے اور یہ بات فرشتوں کی طبیعت میں ناممکن ہے ان کی سرشت طاعت ہی پر ہے ان کو معصیت کی مجال نہیں تو بالضرور ان کا یہی حال ہے جو خداوند کریم ارشاد فرماتا ہے ت۲ لا یعصون الله ما امرهم ویفعلون ما یؤمرون ۝ اور ت۳ یسبحون اللیل والنهار لا یفترون جو ان میں رکوع کرنے والا ہے وہ ہمیشہ رکوع ہی کرتا ہے اور جو سجدہ کرنے والا ہے وہ ہمیشہ سجدہ ہی کرتا ہے اور جو کھڑا ہے وہ ہمیشہ کو کھڑا ہے کچھ اختلاف ان کے افعال میں نہیں، نہ کسی طرح کا فتور بجاآوری امور میں اور ہر ایک کے لیے ایک مقام اور رتبہ ہے کہ ان سے تجاوز نہیں کرتا ان کا اطاعت بجالانا اس طرح کہ اس میں مجال عدول حکمی کی نہ ہو ایسا ہو سکتا ہے جیسے آدمی کے ہاتھ پاؤں وغیرہ آدمی کی اطاعت کرتے ہیں اور مخالفت کی مجال متصور نہیں، مثلاً جب آدمی پلکیں کھولنی چاہے تو اگر وہ صحیح و سالم ہوں گی تو ان کو کچھ تردد کھلنے میں نہ ہو گا، نہ یہ ہو گا کہ کبھی کھلنے میں اطاعت کریں اور کبھی کہنا نہ مانیں بلکہ وہ گویا منتظر امر و نہی انسان کی ہیں کہ اشارے کے ساتھ ہی کھل جاتی ہیں اور اشارے کے ساتھ ہی بند ہو جاتی ہیں پس یہ تشبیہ اگرچہ عدول حکمی کے نہ ہونے میں ہو سکتی ہے مگر من وجہ درست نہیں، وہ یہ ہے کہ پلکوں کو علم اپنے کھلنے اور بند ہوتے اور بجاآوری حکم انسان کا نہیں اور فرشتے زندہ ہیں جو کرتے ہیں اس کو جانتے ہیں، اس وجہ سے تشبیہ ان کی اعضاء سے ناتمام ہے اصل اس سب بیان کا یہ ہے کہ زمین اور آسمان کے فرشتوں میں

ت۱ اور ہم میں جو ہے اس کو ایک ٹھکانا ہے مقدر ۱۲ ت۲ بے حکمی نہیں کرتے اللہ کی اور وہی کرتے ہیں جو حکم ہوا ۱۲ ت۳ یاد کرتے ہیں رات اور دن نہیں تھکتے ۱۲

جو خدائے تعالیٰ نے انسان پر صرف کے باب میں نعمت رکھی ہے اس کا بیان یہاں تک ہوا اور حرکات اور حاجات کا ذکر نہیں کیونکہ ان کے بیان کو طول چاہیئے، پس فرشتوں کی نعمت ایک درجہ جداگانہ ہے نعمت کے درجات میں سے اور مجموع طبقات نعمت کا بھی شمار کرنا غیر ممکن ہے ان کے اقرار کا تو کیا ذکر ہے، پس جب ثابت ہوا کہ انسان پر خدا تعالیٰ نے نعمت ظاہری اور باطنی دونوں پوری کی ہیں اور پھر فرمایا وَذَرُوا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ بَاطِنَه[ت] تو باطن کے گناہ کا چھوڑنا جس کو لوگ نہیں جانتے یعنی حسد اور بدگمانی اور لوگوں کی بدی دل میں رکھنی وغیرہ گناہان قلبی سے محترز ہونا باطنی نعمتوں کا شکر ہوگا اور ظاہری گناہوں کا ترک کرنا نعمت ظاہری کا شکر ہوگا، بلکہ ہم کہتے ہیں کہ جو شخص خدا تعالیٰ کی نافرمانی کرے اگر پلک جھپکنے ہی میں ہو مثلاً اپنی آنکھ ایسی جگہ کھول دے جہاں بند کرنا واجب ہے تو ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا جو آسمان و زمین اور ان کے درمیان میں ہیں منکر ہوگا کیونکہ جو چیز اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے یہاں تک کہ فرشتے اور آسمان اور زمین اور حیوانات اور نباتات اور سب کے سب ہر ہر بندہ کے حق میں نعمت ہیں کہ اس کا نفع ان سے پورا ہوتا ہے گو غیروں کا بھی فائدہ ہوتا ہو اور مثال مذکور میں ہر پلک جھپکنے میں خدا تعالیٰ کی نعمتیں خود پلک میں ہیں اس لیے کہ ہر پلک کے نیچے عضلات پیدا کیے ہیں اور ان میں اوتار اور رباط ہیں جو دماغ کے پٹھوں میں ملے ہیں جن کے ذریعہ سے اوپر کی پلک نیچے کو دبتی ہے اور نیچے کی اوپر کو اٹھتی ہے۔ اور ہر پلک میں سیاہ بال ہیں اور ان کے سیاہ ہونے میں یہ نعمت ہے کہ آنکھ کی روشنی کو اکٹھا رکھیں، سفید چیز روشنی کو متفرق کرتی ہے اور سیاہ مجتمع رکھتی ہے اور ان کو ایک صف میں جو رکھا ہے اس میں یہ نعمت ہے کہ چھوٹے کیڑے آنکھ کے اندر نہ جاسکیں اور جو تنکے ہوا میں اڑتے ہیں وہ آنکھ میں نہ پڑیں بالوں میں رک رہیں اور خدا تعالےٰ کی نعمتیں ہر ہر بال میں وہ ہیں کہ جڑ بالوں کی نرم بنائی اور باوجود جڑ کی نرمی کے پھر کھڑا رکھا اور دونوں پلکوں کے بال اوپر نیچے سے مل کر جو جال کی صورت ہو جاتے ہیں اس میں سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ ہوا غبار کبھی آنکھ کے کھلنے کا مانع ہوتا ہے اور آنکھ بند کرلی تو کچھ سوجھتا نہیں اس لیے ایسے وقت میں آدمی ایسی طرح آنکھ بند کر سکتا ہے کہ اوپر نیچے کی پلک کے بال بشکل جال ہو جاویں اور وہ غبار ہوا کو آنکھ میں نہ جانے دے اور بالوں کی آڑ میں سے پلکیں نیچے اوپر کی ایسی ڈھیلے سے ملی پیدا ہوئی ہے اور کنارے ان کے پتلے بنے ہیں کہ وہ ڈھیلے پر وہ اثر کرتی ہیں جو صیقل آئینہ پر کرتی ہے۔ یعنی جہاں ایک دو دفعہ پلکیں کھولیں بند کیں فوراً ڈھیلا غبار سے صاف ہو جاتا ہے اور تنکا وغیرہ کوؤں اور پلکوں میں نکل آتا ہے اور مکھی کے ڈھیلے میں چونکہ پلکیں مخلوق نہیں ہوتیں اس لیے اس کے دو پاؤں اس کے عوض زیادہ ہیں جن سے وہ ہمیشہ اپنی آنکھوں کو ملتی رہتی ہے تاکہ ڈھیلے صاف ہوں۔ اور چونکہ ہم کو مفصل بیان کرنا نعمائے الٰہی کا منظور نہیں اس لیے کہ اس میں طول بہت ہے اور کتاب بہت بڑھ جاوے گی اور شاید اگر زمانے نے فرصت دی اور توفیق یاور ہوئی تو ہم ایک کتاب جداگانہ اس باب میں لکھ کر عجائب صنع اللہ

ت ا اور چھوڑ دو کھلا گناہ اور چھپا ۱۲

نام رکھیں اس لیے ..... اب اصل غرض کی طرف رجوع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مثال مذکورۂ بالا میں جس شخص نے مثلاً غیر محرم کی طرف آنکھ کھولی تو اس نے آنکھ کھولنے میں خدا تعالیٰ کی نعمت جو پلکوں میں تھی اس کی ناشکری کی اور چونکہ پلکیں بدون آنکھ کے نہیں ہوتیں اور نہ بدون سر کے آنکھ، اور نہ سر بدون دھڑ کے اور نہ دھڑ بدون غذا کے اور نہ غذا بدون پانی کے اور زمین اور ہوا اور مینہ اور ابر اور آفتاب و ماہتاب کے اور نہ یہ چیزیں بدون آسمان کے اور نہ آسمان بدون فرشتوں کے کیونکہ یہ سب چیزیں مثل ایک شے کے ہیں جیسے اعضائے بدن ایک دوسرے سے مرتبط ہیں ویسے ہی یہ اشیاء بھی ایک دوسرے سے مرتبط ہیں تو معلوم ہوا کہ اس شخص نے ہر ایک نعمت کی ناشکری کی جو سمک سے سماک تک موجود ہیں اور بہیں لحاظ کوئی آسمان یا فرشتہ یا حیوان یا نباتات یا پتھر ایسا نہیں رہتا جو اس شخص کو لعنت نہ کرے اور اسی واسطے حدیث[ح۱] شریف میں وارد ہے کہ جس زمین پر آدمی جمع ہوتے ہیں اور پھر علیحدہ ہوتے ہیں تو وہ ان کو یا لعنت کرتی ہے یا ان کی طلب مغفرت کرتی ہے اسی طرح ایک اور حدیث[ح۲] شریف میں ہے کہ عالم کے واسطے تمام چیزیں طلب مغفرت کرتی ہیں یہاں تک کہ سمندر میں مچھلی بھی اس کے لیے بخشش کا سوال[ح۳] کرتی ہے اور فرشتے نافرمانوں کو لعنت کرتے ہیں، اسی طرح بہت سی روایتیں اس باب میں ہیں کہ ان سب کا لکھنا دشوار ہے اور ان سب روایات سے یہ پایا جاتا ہے کہ جو شخص ایک دفعہ کے پلک مارنے سے بھی گنہگار ہوگا وہ تمام ملک اور ملکوت کا قصور وار ٹھہرے گا اور اگر اس بدی کے پیچھے تدارک کے لیے نیکی نہ کرے گا تو اپنے آپ کو ورطۂ ہلاکت میں ڈالے گا اور نیکی کرنے کی صورت میں سب چیزیں لعنت کے عوض اس کے لیے طلب مغفرت کریں گی تو کیا تعجب ہے کہ خدائے تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما کر اس کی خطا سے درگزر فرما دے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ آدمیوں میں سے میرے ہر بندے کے ساتھ دو فرشتے ہیں جب وہ میرا شکر کرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں کہ الٰہی اس کو نعمت پر نعمت زیادہ کر اس واسطے کہ تو لائق حمد و شکر کے ہے تو اے ایوب تو بھی جلد شاکرین میں ہوجا کیونکہ ان کو اتنا ہی علو مرتبہ میرے نزدیک کافی ہے کہ میں خود ان کے شکر کا شکر گزار ہوتا ہوں، اور میرے فرشتے اس کے لیے دعا مانگتے ہیں اور تمام جگہیں ان سے محبت رکھتی ہیں اور آثار ان پر روتے ہیں، اور جس طرح کہ یہ معلوم کیا کہ ہر پلک مارنے میں بہت سی نعمتیں ہیں اسی طرح یہ بھی جان لو کہ جو سانس نیچے اور اوپر آتی جاتی ہے اس میں بھی دو نعمتیں ہیں یعنی سانس کے اوپر آنے سے دھواں جلا ہوا دل سے نکل جاتا ہے اگر وہ نہ نکلے تو آدمی ہلاک ہوجاوے اور سانس کے نیچے جانے سے باہر کی تازہ ہوا دل کو پہنچتی ہے کہ اگر یہ نہ پہنچے تب بھی دل جل جاوے اس لیے کہ ہوا کی روح اور سردی سانس کے ساتھ جب نہ جاوے گی تو حرارت کے باعث دل تباہ و ہلاک ہوجاوے گا۔ اب اگر رات دن کا حساب کرو تو دن رات کے چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں اور ہر گھنٹے میں قریب ہزار سانس کے ہوتے ہیں اور ہر سانس میں دس لحظے کے قریب ہوتے ہیں،

ح ۱ اس کی سند مجھے نہیں ملی ۱۲ ح ۲ جلد اول باب العلم میں گذری ۱۲ ح ۳ مسلم بروایت ابو ہریرہؓ ۱۲

اس حساب سے ہر لحظے میں آدمی کے ایک ایک جزو بدن پر ہزارہا نعمتیں ہوتی ہیں بلکہ ہر جزو عالم میں لاکھوں کروڑوں نعمتیں ہر لحظے میں ہوتی ہیں بھلا کہیں ان نعمتوں کا شمار ممکن ہے، اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر حقیقت اس قول خداوندی کی کھلی وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا تو انہوں نے عرض کیا کہ الٰہی میں تیرا شکر کیسے کروں ہر ایک بال میں میرے جسم کے تیری دو نعمتیں موجود ہیں کہ اس کی جڑ تو نے ملائم بنائی ہے اور اس کا سر اونچا بنایا اور اسی واسطے حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص خدائے تعالیٰ کی نعمت کو سوائے اپنے کھانے اور پینے کے نہ جانے تو اس کا علم کم ہے اور اس کو سخت عذاب ہوگا اور یہ سب جو ہم نے ذکر کیا کھانے اور پینے ہی کی نعمتوں کا حال ہے اس سے اور نعمتوں کا قیاس کر لینا چاہیئے کیونکہ ہوشیار دانا شخص کی آنکھ عالم میں جس چیز پر پڑتی ہے یا جو موجود چیز اس کے دل میں گذرتی ہے وہ اس میں سے اپنے اوپر کوئی نعمت متحقق کر لیتا ہے۔ اب تفصیل کو ہم موقوف کرتے ہیں کہ محال چیز کی طمع سے کچھ فائدہ نہیں۔

شکر سے غفلت کے اسباب

جاننا چاہیئے کہ خلق شکر نعمت جہالت اور غفلت کے باعث نہیں کرتی اس وجہ سے جہالت اور غفلت کے مارے نعمت کو نہیں جانتے اور جب تک نعمت معلوم نہ ہو تب تک اس کا شکر کیسے ادا ہو علاوہ ازیں جو لوگ نعمت کو جانتے بھی ہیں ان کو یہ گمان ہے کہ شکر نعمت یہی ہے کہ زبان سے الحمد للہ اور خدا کا شکر ہی کہنا ہے اور یہ نہیں جانتے کہ شکر کے معنی یہ ہیں کہ جو نعمت جس حکمت کے واسطے بنی ہے، اس کو اسی حکمت کے کامل کرنے میں مستعمل کرے اور حکمت جو نعمت سے مطلوب ہے وہ طاعت خدائے عزوجل ہے، اگر یہ دونوں باتیں لوگ جانتے ہوں تو پھر شکر کا مانع سوائے غلبہ شہوت اور استیلائے شیطان کے اور کچھ نہیں رہتا۔ اب معرفت نعمت سے غافل رہنے کے کئی سبب ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ آدمی جہالت کے باعث جو بات کہ سب لوگوں میں پائی جاتی ہے اور ہر حال میں ان کے پاس ہے اس کو نعمت نہیں جانتے اسی واسطے کوئی اس کا شکر گذار نہیں ہوتا، مثلاً جو نعمتیں ہم نے اوپر ذکر کی ہیں یعنی کھانے کے باب میں اور اعضائے متعلق غذا کے باب میں ان پر کوئی شکر نہیں کرتا اس لیے کہ نعمتیں عام ہیں سب کو ہر وقت حاصل ہیں کسی کو اپنے ساتھ ان کی خصوصیت معلوم نہیں ہوتی یہیں وجہ اس کو نہ نعمت جانیں نہ شکر ادا کریں، یا مثلاً روح ہوا پر شکر نہیں کرتے حالانکہ اگر ایک لحظہ گلا پکڑ لیا جاوے کہ ہوا باہر کی اندر میں نہ جا سکے تو مر جاویں گے یا کسی ایسے حمام میں بند کیے جاویں جس میں ہوا گرم ہے یا کسی کنوئیں میں جس کی ہوا پانی کی تری سے بھاری پڑ گئی ہو تو گھٹ کر مر جاویں۔ ہاں اگر کوئی ایسی طرح بند ہو کر پھر نکالا جاوے تو البتہ روح ہوا کو نعمت جانے گا اور پھر اس پر شکر کرے گا اسی لیے مثل مشہور ہے ع

قدر نعمت بعد زوال

ح ۱ اس حدیث کی تخریج عراقی نے نہیں کی یا سہواً کاتب سے رہ گئی ۱۲

اور یہ بڑی جہالت ہے کیونکہ اس صورت میں شکر اس بات پر موقوف ہوا کہ نعمت ان سے چھن جاوے اور پھر کسی وقت دی جاوے جب یہ قدرت اس کی جان کر شکر گزاری کریں، حالانکہ نعمت کا ہر وقت شکر گزار ہی رہنا چاہیئے۔ مثلاً بینا آدمی کو ہم نہیں دیکھتے کہ وہ اپنی آنکھوں کی سلامتی کا شکر کرتا ہو یہاں تک کہ اندھا نہ ہو جاوے، اندھا ہونے پر قدر آنکھوں کی معلوم ہوتی ہے اور پھر اگر بینائی واپس آتی ہے تو اس کو نعمت جان کر شکر کرتا ہے مگر چونکہ رحمتِ الٰہی سب پر عام ہے اور ہر حال میں ہر ایک پر مبذول، تو اس کو یہ جاہل آدمی نعمت نہیں جانتا اس جاہل کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بدذات غلام کہ ہمیشہ سزاوار زود کوب ہو یہاں تک کہ اگر ایک گھڑی اس کی مار پیٹ موقوف کی جاوے تو بڑا احسان مانے اور اگر ہمیشہ کو موقوف کر دی جاوے تو اکڑنے لگے اور شکر گذاری ترک کرے لوگوں کا یہ حال ہو رہا ہے کہ شکر صرف مال ہی کا کرتے ہیں جس پر کچھ اختصاص ان کا ہو جاتا ہے خواہ بہت مال ہو یا تھوڑا اس کے سوا اور تمام نعمتوں کو بھول جاتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے بدن میں کیا کیا نعمتیں دی ہیں۔ روایت ہے کہ بعض فقراء نے کسی اہلِ دل سے شکایت کی اپنی مفلسی کی اور اس کے باعث اپنا شدت سے غمگین رہنا بیان کیا انہوں نے فرمایا کہ تمہیں یہ منظور ہے کہ تم اندھے ہو جاؤ اور دس ہزار درہم لو، اس نے انکار کیا پھر انہوں نے فرمایا کہ تم یہ چاہتے ہو کہ دس ہزار درہم لو اور گونگے ہو جاؤ اس نے عرض کیا کہ نہیں، انہوں نے فرمایا کہ دس ہزار درہم کے عوض تم کو لنجا اور لولا ہونا منظور ہے اس نے کہا کہ نہیں، انہوں نے فرمایا کہ دس ہزار کے بدلے تم دیوانہ بننا پسند کرتے ہو اس نے کہا کہ نہیں انہوں نے فرمایا کہ تمہیں اپنے آقا کی شکایت کرتے شرم نہیں آتی کہ باوجودیکہ پچاس ہزار درہم کی مالیت اس نے تم کو دی پھر شکایت کرتے ہو۔ اور حکایت ہے کہ کوئی قاری مفلسی کے باعث نہایت تنگ دل اور مضطر ہوا خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہتا ہے کہ تم چاہو تو ہزار دینار لے لو ہم سورۂ انعام تجھ کو بھلا دیں گے۔ اس نے کہا کہ یہ مجھے منظور نہیں، پھر منادی غیب نے کہا سورۂ ہود کو بھلا دیں اس نے کہا نہیں کہا سورۂ یوسف کہا نہیں، اسی طرح دس صورتوں کے نام لیے اور یہ سب پر انکار کرتا گیا تب اس نے کہا کہ تیرے پاس ایک لاکھ دینار کی چیز ہے اور تو شکایت کرتا ہے۔ صبح کو اس کا غم افلاس جاتا رہا۔ اور حضرت ابن السماکؒ کسی خلیفہ کے پاس تشریف لے گئے وہ اس وقت پانی کا پیالہ لیے پی رہا تھا۔ اس نے عرض کیا کہ مجھ کو کچھ نصیحت کیجئے، آپ نے فرمایا کہ فرض کرو یہ پیالہ پانی کا تم کو تمہارے تمام نقدی کے عوض ملتا نہیں تو پیاسے رہتے تو تم نقدی سے دست بردار ہوتے یا نہیں اس نے عرض کیا بیشک سب نقدی دے ڈالتا، پھر آپ نے فرمایا کہ اگر اسی کی عوض تمام ملک تم کو دینا پڑتا تب بھی دیتے اس نے کہا بیشک آپ نے فرمایا کہ پھر ایسے ملک پر خوشی مت کرو جس کی قیمت ایک گھونٹ پانی ہے اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت بندے پر پیاس کے وقت گھونٹ پانی میں ساری زمین کی سلطنت سے زیادہ ہے اور چونکہ طبیعتیں اسی کی طرف مائل ہیں کہ نعمت خاص ہی کو نعمت جانتے ہیں نہ عام کو، اور ہم نے اب تک نعمت عام ہی کا ذکر کیا ہے اس لیے کچھ مختصر اشارہ نعمت خاص کا بھی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کوئی بشر ایسا نہیں کہ اگر اپنے احوال کو بغور دیکھے تو اپنے آپ میں ایک نعمت یا چند نعمتیں ایسی نہ پاوے جو اسی میں خاص ہوں

سب لوگ اس میں اس کے شریک نہ ہوں یا کوئی بھی شریک نہ ہو، اور تین باتوں میں ہر کوئی اس کا مقر ہے، اول عقل دوم خلق سوم علم، عقل کا حال تو خود اس مثل مشہور سے واضح ہے کہ ہر کس را عقل خود بکمال نماید، کوئی اللہ کا بندہ ایسا نہیں جو اپنی عقل سے خوش نہ ہو اور اپنے آپ کو عقیل تر نہ سمجھتا ہو، اور یہیں جہت خدائے تعالیٰ سے عقل کا سوال کم کرتا ہے اور اس کے لیے دعا نہیں کرتا اور یہ بات بھی شرف عقل میں داخل ہے کہ جو اس سے خالی ہے وہ بھی اس سے خوش ہے اور جو اس سے متصف ہے وہ بھی، پس جب ہر کوئی اپنے اعتقاد کے موافق سب لوگوں سے زیادہ عقل رکھتا ہے تو واقع میں اگر ایسا ہی ہے تو اس پر شکر اس نعمت کا واجب ہے اور اگر ایسا نہیں صرف اس کا اعتقاد عقیل تر ہونے کا ہے جب بھی شکر واجب ہے کہ اس کے حق میں تو نعمت موجود ہے۔ جیسے کوئی شخص زمین میں خزانہ گاڑ دے اور اس پر خوشی کا اظہار کرے اور شکر کرے پس اگر اس خزانے کو نکال لے جاوے اور اس کو معلوم نہ ہو تو اپنے اعتقاد کے موافق خوشی اس کی باقی رہے اور شکر بھی باقی رہے گا کیونکہ اس کے حق میں خزانہ گویا موجود ہے اور خلق کا حال یہ ہے کہ کوئی بشر ایسا نہیں جو دوسرے شخص میں کچھ عیب ناپسند نہ کرتا ہو اور بعض اخلاق دوسروں کے بُرے نہ جانتا ہو تو چاہیے کہ خدا کا شکر کیا کرے کہ میری عادت اچھی بنائی اور بُری عادت میں دوسرے کو مبتلا کیا۔ اور علم کا حال یہ ہے کہ کوئی بشر ایسا نہیں ہے جو اپنے نفس کے امور باطن اور افکار خفیہ ایسے نہ رکھتا ہو جو خاص اسی میں ہوں، اور اگر ان پر ایک شخص بھی مطلع ہو جاوے تو وہ فضیحت ہو جاوے اور اگر سب اس کی دل کی باتوں پر واقف ہو جاویں تو کیا صورت ہو، غرضیکہ ہر ایک بشر کو علم ایک امر خاص کا ہوتا ہے کہ اس میں کوئی خاص بندۂ خدا اس کا شریک نہیں ہوتا پس ایسی صورت میں وہ شخص خدائے تعالیٰ کی پردہ پوشی کا شکر گذار کیوں نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے عیوب پوشیدہ رکھے اور لوگوں کی نظروں سے غائب اور اچھی بات کو ظاہر کیا اور بری بات کا علم سوا اس کے اور کسی کو نہ دیا۔ تو یہ تین نعمتیں خاص ایسی ہیں جن کا اقرار ہر ایک شخص کرتا ہے خواہ سب باتوں میں یا بعض میں۔ اب ہم اس طبقے سے اتر کر اور طبقہ اختیار کرتے ہیں جو کچھ اس طبقے کی نسبت عام ہے۔ اور کہتے ہیں کہ کوئی آدمی ایسا نہیں جس کو خدائے تعالیٰ نے صورت یا وجہ دیا اخلاق یا صفات یا اہل اولاد یا مسکن یا شہر یا رفیق یا قربت وعزیز یا دوسری محبوب چیزوں میں سے ایسے امور نہ دیتے ہوں کہ اگر بالفرض وہ اس سے چھن جاویں اور جو دوسروں کو دیا گیا ہے وہ اس کو ملے تو ہرگز راضی نہ ہو مثلاً کسی شخص کو خدائے تعالیٰ نے ایماندار بنایا کافر نہیں بنایا یا زندہ بنایا نہ پتھر اور انسان پیدا کیا نہ چوپایہ اور مرد بنایا نہ عورت اور تندرست پیدا کیا نہ مریض، بھلا چنگا بنایا نہ عیبی، تو یہ سب خواص اگرچہ ان میں بھی عموم ہیں لیکن اگر ان کے مقابل سے بدلے جاویں تو ہرگز کوئی راضی نہ ہو گا بلکہ بندے کے لیے بعض امور ایسے خاص ہوتے ہیں کہ ان کو آدمیوں کے احوال سے کبھی نہیں بدلتا، اور یہ دو طرح کے ہوتے ہیں یا تو ایسے کہ کسی کے حال سے بدلنا منظور نہ کرے یا یہ کہ اکثر کے احوال سے بدلنا منظور نہ ہو، بہر حال جب اپنا حال دوسرے کے حال سے نہیں بدلتا تو معلوم ہوا کہ اس کا حال بہ نسبت غیروں کے بہتر ہے اور جب یہ حال ہے کہ کوئی شخص اپنے حال کو غیر کے حال سے فی الجملہ بدلنے پر راضی

نہیں یا کسی خاص بات میں بدلنا نہیں چاہتا تو ضرور ہوا کہ خدائے تعالیٰ کی اس پر ایسی نعمت ہے جو اس کے سوا دوسرے بندوں پر نہیں اور اگر اپنا حال بعض اشخاص کے حال سے بدلنا چاہتا ہو اور بعض سے نہیں تو جن کے احوال سے بدلنا چاہتا ہے، تو ان کے شمار کو دیکھنا چاہیئے، شمار کی رو سے ایسے لوگ بیشک کم نکلیں گے جن کے حال سے یہ شخص اپنا حال بدلنا چاہتا ہے اور اس سے یہ نکلتا ہے کہ جو لوگ اس کی بہ نسبت کم ہیں وہ بہت زیادہ ہیں ان لوگوں کی نسبت جو اس سے بہتر ہیں پس بڑے تعجب کی بات ہے کہ آدمی خدا تعالیٰ کی نعمت حقیر جاننے کے لیے اپنے آپ سے بہتر کی طرف دیکھے اور کمتر کی طرف نہ دیکھے اور دین کا معاملہ دنیا کے برابر بھی نہ کرے یعنی اگر کوئی خطا اس سے سرزد ہوتی ہے تو یہی عذر کرتا ہے کہ ایسے خطا وار بہت ہیں۔ اگر مجھ سے بھی قصور ہوا تو کیا ہوا۔ تو دین کے معاملات میں ہمیشہ نظر کمتر کی طرف کرتا ہے۔ دنیا میں ایسا کیوں نہیں کرتا کہ جب اپنے پاس مایہ کم ہو تو کہے کچھ مضائقہ نہیں مجھ سے لوگ بہت کم مایہ ہیں۔ حاصل یہ کہ جب حال اکثر خلق کا دین میں اس سے بہتر ہوا اور اس کا حال دنیا میں اکثر سے بہتر ہو تو اس کو شکر کیسے نہ واجب ہوگا اور اسی جہت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[1] کہ جو شخص دنیا میں اپنے سے کمتر کو دیکھے اور دین کے باب میں اپنے آپ سے بہتر کو تو اللہ تعالیٰ اس کو صابر و شاکر لکھتا ہے، اور جو شخص دنیا کے باب میں اپنے آپ سے زیادہ کو دیکھے اور دین کے باب میں اپنے سے کمتر کو تو اللہ تعالیٰ اس کو نہ شاکر لکھتا ہے نہ صابر۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص اپنے حال کو بنظر عبرت دیکھے اور جو اوصاف کہ خدائے تعالیٰ نے اس کے لیے خاص کیے ہیں ان کی تلاش کرے تو اللہ تعالیٰ کی بہت سی نعمتیں اپنے نفس پر معلوم کرے گا۔ خصوصاً جس شخص کو کہ حدیث اور ایمان اور علم قرآن اور فارغ بالی تندرستی اور امن وغیرہ مرحمت ہوئی ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[2] من لم یستغن بآیات اللہ القرآن فلا اغناہ اللہ اس میں اشارہ نعمت علم کا ہے اور فرمایا[3] ان القرآن ھو الغنی الذی لا غنی بعدہ ولا فقر معہ اور فرمایا[4] من آتاہ اللہ القرآن فظن ان احدا اغنی منہ فقد استھزأ بآیات اللہ اور فرمایا[5] لیس منا من لم یتغن بالقرآن اور فرمایا[6] کفی بالیقین غنی اور بعض اکابر فرماتے ہیں کہ بعض کتب آسمانی میں مذکور ہے کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر میں کسی بندے کو تین باتوں سے بے پرواہ کر دوں تو اس پر میری نعمت کامل ہو جاتی ہے اول کسی سلطان کی اس کو حاجت نہ ہو

---

[1] ترمذی بروایت عبداللہ بن عمرو اور کہا کہ غریب ہے اور ایک راوی ضعیف ہے ۱۲ [2] جو شخص خدا تعالیٰ کی آیتوں سے غنا نہ چاہے اس کو خدا تعالیٰ غنا نہ نصیب کرے۔ یہ حدیث ان لفظوں سے مجھے نہیں ملی ۱۲ [3] قرآن وہ توانگری ہے جس کے بعد نہ کوئی توانگری ہے نہ اس کے ہوتے کوئی مفلسی ۱۲ طبرانی بروایت انس بسند ضعیف ۱۲ [4] جس شخص کو خدا تعالیٰ نے قرآن دیا ہو اور وہ گمان کرے کہ مجھ سے زیادہ کوئی اور غنی ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے ٹھٹھا کیا ۱۲ بخاری نے تاریخ میں اور لفظوں سے بروایت جابر نقل کیا ہے ۱۲ [5] جو شخص قرآن سے توانگر نہ ہو وہ ہم میں سے نہیں ۱۲ یہ حدیث آداب تلاوت میں گذری ۱۲ [6] توانگری یہی یقین کافی ہے ۱۲ طبرانی بروایت عقبہ بن عامر ۱۲

دوم کسی معالج کی، سوم کسی کے مال کی اور یہی مضمون اس شعر سے مراد ہے یہ شعر

جبکہ حاصل ہو تمہیں صحت دامن اور غذا　　رنج پھر گر تم کرو تو رنج نہ جائے گا کبھی

اور ان معانی کو افصح العرب جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح پر ارشاد فرمایا کہ[ح ۱] مَن اصبح آمنا فی سربہ معافیا فی بدنہ عندہ قوت یومہ فکانما خیرت لہ الدنیا بحذافیرھا اور اگر لوگوں کے حال کو سوچو تو دیکھو گے کہ ان تینوں باتوں کے سوا اور ہی شکوہ کرتے ہوں گے حالانکہ وہ امور ان کے اوپر وبال ہیں اور ان تینوں باتوں کا شکر نہ کرتے ہوں گے۔ نہ نعمت ایمان کا شکر کرتے ہیں، جس کے باعث نعمت دائم اور ملک باقی تک پہنچیں گے۔ اب ہوشیار صاحب بصیرت کو ضرور ہوا کہ سوائے نعمت معرفت اور یقین اور ایمان کے اور کسی چیز پر خوش نہ ہو بلکہ ہم بعض علماء کو جانتے ہیں کہ اگر بالفرض تمام روئے زمین کے بادشاہوں کا مال و ملک پورب سے پچھم تک اور اتباع اور انصار ان کو دے دیا جاتے اور ان سے کہا جاوے کہ یہ سب مال و دولت وغیرہ اپنے علم کے بدلے میں بلکہ سویں حصہ علم کی عوض میں لے لو تو وہ کبھی نہ لیویں اس لیے کہ ان کو توقع ہے کہ نعمت علم آخرت میں قرب الٰہی پر پہنچاوے گی بلکہ اگر یوں کہا جاوے کہ تم کو آخرت میں تمہاری آخرت کے موافق بلا کم و کاست ملے گا تو ان لذات دنیاوی کو انہیں لذات کے بدلے میں لے لو جو تم علم سے دنیا میں پاتے ہو تب وہ ملک و مال کو لذات علمی کے عوض میں اختیار نہ کریں گے اس واسطے کہ ان کو معلوم ہے کہ لذتِ علم دائمی ہے کبھی منقطع نہ ہو گی اور اپنے ساتھ رہنے گی نہ چوری جاوے گی نہ غصب ہو گی نہ اس پر کوئی حسد کرے گا علاوہ ازیں یہ لذت صاف ہے کسی طرح کی کدورت اس میں نہیں اور دنیا کی لذات سب ناقص اور پُر کدورت اور تشویش میں ڈالنے والی ہیں نہ ان کی توقع خوف کے ہم پلہ ہو نہ لذت مساوی رنج کے نہ خوشی مقابل غم کے اب تک ایسی ہی رہی اور آئندہ کو بھی ایسی ہی رہے گی اس لیے کہ لذاتِ دنیا اسی واسطے پیدا ہوئی ہیں کہ ناقص عقلیں ان کے جال میں پھنس جاویں اور دام میں آجاویں۔ جب وہ ان کے فریب میں مقید و مبتلا ہو جاتے ہیں تو پھر وہ لذتیں ان سے انکار کرتی ہیں اور پاس نہیں پھٹکتیں، جیسے کوئی خوبصورت عورت ظاہر میں اپنے آپ کو کسی جوان رعنا مالدار کے لیے بناوے اور جب وہ اسی سے دوچار ہو کر دل سے فریفتہ اور شیفتہ ہو تو پردے میں چلی جاوے اور اس کے بس کی نہ رہے تو ظاہر ہے کہ وہ شخص ہمیشہ اس کے عشق میں رنج و مصیبت اور درد زحمت سہے گا اور کہتا پھرے گا ؎

دیدار مے نمائی و پرہیز میکنی　　بازار خویش و آتش ما تیز کنی

اور یہ سب مصیبت اس پر صرف اس جہت سے ہوئی کہ نظر کے فریب میں آگیا اگر عقل کو کار فرما کر آنکھ بند کر لیتا اور

ح ۱ جو شخص صبح کرے بدن کا تندرست اور نفس میں مامون ہو کر کہ اس کے پاس اس روز کی غذا ہو تو گویا اس کو تمام دنیا حاصل ہے ۱۲ یہ حدیث کئی بار گذر چکی ہے ۱۲

اس لحظہ بھر کی لذت کو حقیر جانتا تو تمام عمر بچا رہتا یہی حال دنیا کے جال میں ارباب دنیا کا ہے اور یہ کہنا چاہیے کہ جو لوگ دنیا سے اعراض کرتے ہیں ان کو صبر اس پر کرنے سے ایذا ہوتی ہے کیونکہ ایذا تو ایسوں کو بھی ہوتی ہے جو اس پر متوجہ ہیں کہ کہیں حفاظت کا دکھ رکھیں، تحصیل کا رنج کہیں چوروں کا خوف وغیرہ تکلیفات عائد حال رہتی ہیں اور اکثر دنیا کے تارکوں کو یہاں تکلیف ہے تو آخرت میں لذت و راحت ہو گی بخلاف دنیا داروں کے کہ یہاں کا تردد جدا اور آخرت کا رنج جدا ہو گا۔ پس جو لوگ اس کی طرف متوجہ نہیں ان کو اپنے نفس پر یہ آیت پڑھنی چاہیئے۔
ت ۱
وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ إِن تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ خلاصۂ تقریر یہ ہے کہ خلق پر جو راہ شکر مسدود ہوئی تو اسی جہت سے ہوئی کہ ان کو نعمتوں ظاہری اور باطنی اور خاص اور عام سے واقفیت نہ ہوئی۔ اب علاج غافل دلوں کا لکھا جاتا ہے اس توقع پر کہ شاید خواب غفلت سے بیدار ہوں اور شکر بجالاویں، پس ہم کہتے ہیں کہ جو دل دانا اور ہوشیار ہیں ان کا علاج تو یہ ہے کہ جو قسمیں ہم نے عام نعمتوں کی اشارۃً بیان کی ہیں، ان کو تامل کریں اور جو دل غنی ہوں کہ جب تک کوئی نعمت خاص ان پر نہ ہو تو نعمت ہی نہ جانیں یا مصیبت آنے کے بعد اس کو نعمت پہچانیں تو ان کا علاج یہ کہ ہمیشہ اپنے سے کمتر کو دیکھا کریں اور وہ تدبیر کریں کہ بعض صوفی کیا کرتے تھے ان کا دستور تھا کہ ہر روز شفا خانہ اور گورستان اور ایسی جگہ میں جہاں مجرموں کو سزا ملتی تھی جایا کرتے تھے، شفا خانوں میں اس لیے جاتے تھے کہ بیماروں کو انواع و اقسام کے امراض میں مبتلا دیکھ کر اپنی صحت و سلامتی کا دھیان کریں اور دل کو یہ لوگوں کے مصائب دیکھ کر شعور اپنی صحت کی نعمت ہونے کا ہو جاوے اور شکر نعمت بجالاوے اور مجرموں کو اس لیے دیکھتے ہیں کہ ان کو بباعث قتل و چوری وغیرہ کے طرح طرح کے عذاب دیئے جاتے تھے کوئی جان سے مار ڈالا جاتا تھا کسی کا ہاتھ کٹتا تھا کسی کا پاؤں تو ان کو دیکھ کر خدا کا شکر کرتے کہ اس نے گناہوں سے محفوظ رکھا اور ان سزاؤں کی نوبت نہ آنے دی۔ اور گورستان میں جانے کی وجہ یہ تھی کہ ان کو دیکھ کر یہ تصور آوے کہ مردوں کو سب سے زیادہ محبوب یہ ہے کہ دنیا میں واپس آویں گو ایک ہی روز کے لیے آویں، عاصی تو اس لیے رجوع پسند کرتا ہے کہ تدارک ایام گذشتہ کرے اور مطیع اس لیے کہ طاعت زیادہ کرے اس لیے کہ قیامت کا روز خسارہ کا دن ہے، مطیع کو خسارہ کی صورت یہ ہے کہ جب اپنی طاعات کا بدلہ دیکھے گا تو کہے گا کہ میں تو اس سے زیادہ طاعات کر سکتا تھا، مجھ کو بڑا خسارہ رہا کہ اپنی عمر کے بعض اوقات میں نے مباحات میں کھو دیئے اور عاصی کا خسارہ صاف ظاہر ہے پس جب آدمی مقابر کو دیکھے اور تصور مذکورۂ بالا بھی کرے تو جان لے کہ جس بات کے واسطے یہ لوگ آرزو لوٹنے کی کرتے ہیں وہ مجھ کو حاصل ہے یعنی تدارک ایام گذشتہ خواہ زیادتی طاعت میں اب کر سکتا ہوں باقی ایام حیات کو اس میں صرف کروں کہ بھلا اتنے ہی دنوں خدا تعالیٰ کی نعمت جان لوں بلکہ ایک ایک سانس کی مہلت اور زندگی نعمت

ت ۱ اور مت ہارو لوگوں کا پیچھا کرنے سے اگر تم بے آرام ہوئے ہو تو وہ بھی بے آرام ہیں جس طرح تم ہو اور تم کو اللہ سے امید ہے جو ان کو نہیں ۱۲

ہے پس جب اس نعمت کو جانے گا تو اس کا شکر بھی کرے گا، یعنی عمر کو ایسے کام میں صرف کرے گا جس کے واسطے وہ بنائی گئی ہے یعنی دنیا سے آخرت کے واسطے توشہ لینے کے واسطے زندگی دی گئی ہے اس میں صرف کرے یہ ہے علاج ان غافل دلوں کا، اس علاج سے توقع پڑتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے واقف ہو کر ان کا شکر کریں۔ حضرت ربیع ابن خثیمؒ باوجود کمال بصیرت کے اسی طریق سے مدد لیا کرتے تھے تاکہ معرفت نعمائے الٰہی پختہ ہو جائے۔ انہوں نے اپنے گھر میں ایک قبر کھود رکھی تھی اپنے گلے میں ایک طوق ڈال کر لحد میں لیٹتے اور کہتے۔ رب ارجعون لعلی اعمل صالحا[ت۱] پھر کھڑے ہو جاتے اور کہتے کہ اے ربیع تیرا سوال پورا ہوا تو اس وقت سے پہلے .... کچھ کر لے جس وقت درخواست پر رجوع کرنے کی کرے اور واپس نہ بھیجا جاوے گا اور جو دل شکر سے دور رہتے ہیں ان کا علاج یہ بھی ہے کہ اس بات کو جان لیں کہ نعمت کا شکر جب نہیں ہوتا تو وہ نعمت جاتی رہتی ہے اور پھر دوبارہ نہیں آتی، اسی واسطے حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ لوگو نعمتوں کا شکر ضرور کیا کرو، ایسا کم ہوا ہے کہ نعمت کسی قوم کے پاس سے جا کر پھر آئی ہو اور بعض اکابر کا قول ہے کہ نعمتیں وحشی ہیں ان کو شکر سے قید کرو اور حدیث[ح۲] میں ہے کہ جب کسی بندے پر خدائے تعالیٰ کی نعمت زیادہ ہوتی ہے تو اس کی طرف لوگوں کی حاجتیں بھی زیادہ ہوتی ہیں۔ پس اگر وہ ان سے سستی برتتا ہے تو اس نعمت کے کھونے کے درپے ہوتا ہے اور اللہ جل شانہ ارشاد فرماتا ہے[ت۳]۔ ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم۔

جن اشیاء میں صبر و شکر باہم مربوط ہیں

ایک ہی چیز پر صبر و شکر کے جمع ہونے کی وجہ

شاید کوئی یہ کہے کہ تمہاری تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر موجود چیز میں خدائے تعالیٰ کی نعمت پائی جاتی ہے اور اس سے یہ لازم آتا ہے کہ مصیبت کا وجود ہی سرے سے نہ ہو اور جب مصیبت نہ رہے تو صبر کس چیز پر ہوگا اور اگر مصیبت ہے تو اس پر شکر کیسے بنے گا اور یہ جو بعضے مدعی کہتے ہیں کہ ہم مصیبت پر شکر کرتے ہیں، نعمت کا تو کیا ذکر ہے تو مصیبت پر صبر کیسے خیال میں آوے یعنی جس چیز پر صبر کیا جاتا ہے اس پر شکر کیونکر ہوگا اس واسطے مصیبت پر صبر کرنے میں تو درد پایا جاتا ہے اور شکر خوشی کا مقتضی ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں اور یہ جو تم نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیز ایجاد کی ہے سب بندوں پر نعمت ہے اس کے کیا معنی ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح نعمت موجود ہے اسی طرح مصیبت بھی موجود ہے۔ جب نعمت کے

ت ۱ اے رب مجھ کو پھر بھیجو شاید کچھ میں بھلا کام کروں ۱۲ ح ۲ ابن عدی و ابن حبان در ضعفا بروایت معاذ بن جبل ۱۲ ت ۳ اللہ نہیں بدلتا کسی قوم کو جب تک وہ نہ بدلیں جو ان کے جی میں ہے ۱۲

وجود کے قائل ہو گئے تو بلا کے وجود کا بھی قائل ہونا پڑے گا اس لیے کہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں مصیبت کا دور ہونا نعمت کہلاتا ہے اور نعمت کا جاتا رہنا مصیبت، تو دونوں کا وجود ضروری ہے لیکن یہ پہلے گذر چکا ہے کہ نعمت کی دو قسم ہیں ایک مطلق کہ ہر وجہ سے نعمت ہو خواہ آخرت میں جیسے سعادت قرب الہٰی سے بندے کا مشرف ہونا خواہ دنیا میں جیسے ایمان اور حسن خلق اور جو ان دونوں پر معین و مددگار ہوں دوسرے مقید کہ ایک طرح کی نعمت ہو اور دوسری طرح سے مصیبت جیسے مال کہ اس سے من وجہ دین کی بہتری ہوتی ہے اس نظر سے نعمت ہے اور چونکہ اس سے فساد بھی دین میں ہو سکتا ہے اس اعتبار سے مصیبت ہے، اسی طرح بلا بھی دو طرح پر ہے ایک مطلق دوسری مقید، جو مصیبت کہ ہر طرح سے بلا ہے اس کی مثال آخرت میں خدا سے کچھ مدت یا ہمیشہ کو دور رہنا ہے اور دنیا میں کفر اور معصیت اور بد خلقی ہے کہ ان کا انجام ہر طرح سے مصیبت اور بلا ہے، مقید کی مثال جیسے فقر اور مرض اور خوف اور تمام انواع کے مصائب جو صرف دنیا میں ہوں اور دین میں نہ ہوں، وہ سب مقید ہیں اور نعمت پر شکر کی تفریح اس طرح ہے کہ جو نعمت مطلق ہے اس پر شکر مطلق چاہیئے اور جو مصیبت مطلق دنیاوی ہے اس پر صبر کرنے کا حکم نہیں، مثلاً کفر مصیبت مطلق دنیاوی ہے اس پر صبر کرنے کے کچھ معنی نہیں اسی طرح کسی معصیت پر صبر کرنے کو جاننا چاہیے بلکہ کافر کو لازم ہے کہ اپنا کفر چھوڑ دے اور عاصی پر ضرور ہے کہ عصیاں سے باز آوے۔ ہاں اتنی بات ہے کہ کافر کو کبھی یہ معلوم نہیں ہوتا کہ میں کافر ہوں جیسے کوئی شخص غشی اور بے ہوشی کے عالم میں اپنا مرض نہیں جانتا اور نہ اس کی تکلیف سے ایذا پاوے تو اس کے ذمے صبر نہیں اور گناہ گار جانتا ہے کہ میں گناہ کرتا ہوں اس لیے اس پر معصیت کا چھوڑنا واجب ہے، بلکہ جو مصیبت کہ آدمی اس کے دور کرنے پر قدرت نہ رکھتا ہو اس پر صبر کرنے کا مامور نہ ہوگا۔ مثلاً ایک آدمی نے پانی پینا باوجود شدت پیاس کے چھوڑ دیا یہاں تک کہ دموں کو آبنی تو اس کو صبر کی اجازت نہ دی جاوے گی، بلکہ پیاس کی تکلیف دور کرنے کا حکم ہوگا، صبر کا موقع وہ رنج ہوتا ہے جس کا دور کرنا بندے کے قابو میں نہ ہو اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں صبر کا موقع مصیبت مطلق نہیں ہے بلکہ ہو سکتا ہے کہ وہ مصیبت جس پر صبر کیا جاوے کسی وجہ سے نعمت بھی ہو، جب یہ بات ہوئی تو خیال میں آسکتا ہے کہ ایک ہی موقع پر صبر اور شکر دونوں جمع ہو سکتے ہیں، مثلاً تونگری اگرچہ نعمت ہے مگر مال کے باعث کبھی مالدار اور اس کی اولاد کی جان جاتی ہے۔ اسی طرح تندرستی نعمت ہے مگر اس پر بھی کوئی حسد کرے اور مار ڈالے تو وبال ہو سکتی ہے تو جتنی نعمتیں دنیاوی ہیں وہ نعمت والے کے حق میں مصیبت ہو سکتی ہیں اور علیٰ ہٰذا القیاس جتنے مصائب دنیا میں ہیں وہ بھی اہل مصیبت کے حال کے اعتبار سے نعمت ہو سکتے ہیں۔ مثلاً اکثر آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ فقر و مرض ہی ان کو محبوب ہوتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں اگرچہ مصیبت ہیں مگر ان کے حق میں نعمت ہیں اس وجہ سے کہ اگر مال بہت ہوتا اور بدن تندرست رہتا تو اکثر سرکشی اختیار کرتے۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے ولو بسط اللہ[ت]

ت اور اگر پھیلاوے اللہ روزی اپنے بندوں کو تو دھوم اٹھاویں ملک میں ۱۲

الرزق لبغوا فی الارض اور فرمایا کلا ان الانسان لیطغی ان راٰہ استغنیٰ[1] اور حدیث شریف میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ اپنے بندۂ ایماندار کو دنیا سے بچاتا ہے باوجودیکہ وہ بندہ کو اچھا جانتا ہے جیسے کوئی اپنے بیمار کو پانی سے بچاتا ہے اور یہی حال زوجہ اور اولاد اور قریب اور تمام ان اشیاء کا ہے جو ہم نے نعمت کے سولہ اقسام میں بیان کیا ہے سوائے ایمان اور حسن خلق کے کہ بعضوں کے حق میں یہ بھی مصیبت ہو سکتے ہیں اس لیے ضرور ہوا کہ ان کے متقابل کی اشیاء اسی صورت میں ان کے حق میں نعمت ہوں گی، مثلاً پہلے گذر چکا ہے کہ معرفت سب چیزوں کی ایک کمال اور نعمت ہے کیونکہ ایک صفت خدا کی صفات میں سے ہے مگر بعض صورتوں میں یہی نعمت وبال ہو جاتی ہے۔ اس وقت نہ جاننا ہی نعمت ہوتا ہے، مثلاً آدمی اپنی موت کو نہیں جانتا کہ کب ہوگی تو ہر چند جاننا ہر شی کا داخل نعمت کمال ہے مگر موت کا نہ جاننا ہی نعمت ہے اس لیے کہ اگر وقت موت معلوم کر لے تو زندگی تلخ ہو جاوے اور بڑا تردد ہو اور کوئی کام نہ کر سکے اسی طرح لوگوں کے دلوں کو اعتقاد اپنی نسبت اور اپنے اقارب کی نسبت نہ معلوم ہونا نعمت ہے کیونکہ اگر اعتقاد معلوم ہو جایا کرتا تو انسان کو بہت رنج اور کینہ اور حسد لوگوں سے پیدا ہوتا اور عوض لینے کے لیے آمادہ ہونا پڑتا، اسی طرح دوسرے شخص کی بری صفات کا نہ جاننا بھی نعمت ہے کیونکہ اگر ان کو جان لیا کرتے تو اس شخص سے بغض رکھتے اور اس کو ایذا دیتے اور یہی ایذا باعث خرابی دین و دنیا کی ہوتی بلکہ دوسرے شخص کی صفات عمدہ بھی نہ جاننی کبھی داخل نعمت ہیں کیونکہ بعض اوقات ایک شخص خواہ مخواہ دوسرے کو ایذا دیتا ہے اور اس کی اہانت کرنی چاہتا ہے اور فرض کرو کہ وہ شخص ولی ہے تو نادانستگی میں اگر اس کو ایذا دے گا تو اتنا گناہ نہ ہوگا جتنا جاننے کے بعد ایذا دینے سے ہوگا اسلیے کہ جو شخص نبی اور ولی کو جان کر ستاوے وہ کچھ اور ہی ہے اور جو نادانستہ ستاوے وہ اور ہے علیٰ ہذا القیاس خدائے تعالیٰ نے جو قیامت کے امر اور لیلۃ القدر اور جمعہ کی ساعت مقبول کو خفیہ رکھا اور بعض اکابر گناہ کو مبہم رکھا تو یہ بھی نعمت ہے اس لیے کہ اس کے خفیہ رہنے سے تلاش میں کوشش اور ارادہ زیادہ کرنا پڑتا ہے جب نہ جاننے کی صورت میں نعمات الٰہی کا یہ حال ہو تو علم اشیاء میں کیسے نعمت نہ ہوگی اور ہم نے یہ جو کہا ہے کہ ہر ایک موجود چیز میں خدائے تعالیٰ کی ایک نعمت ہے تو یہ امر درست ہے اور ہر شخص کے حق میں عام ہے اور اس سے کوئی بات خارج نہیں رہتی مگر ایسے تکلیفات اس سے خارج ہیں جن کو خدائے تعالیٰ نے بعض لوگوں میں پیدا کیا ہے حالانکہ وہ بھی کبھی ایذا یاب کے حق میں نعمت ہوتی ہے۔ اگر اس کے حق میں نہ ہوں، مثلاً کسی کو مصیبت کے باعث تکلیف پہنچے یعنی اپنا ہاتھ آپ ہی کاٹ لے اور اپنے چہرے کو آپ ہی گودے تو اس فعل سے مرتکب گناہ بھی ہوگا اور درد بھی پاوے گا اور کافروں کا رنج آتش دوزخ میں بھی نعمت ہے مگر ان کے حق میں نعمت نہیں بلکہ ان کے غیروں کے حق میں ہے، کیونکہ ایک قوم کی مصیبت سے دوسرے کے بہت فائدے ہوتے ہیں، اگر بالفرض خدا تعالیٰ عذاب کو پیدا نہ فرماتا اور اس

---

[1] ہرگز نہیں آدمی سر چڑھتا ہے اسلیے کہ دیکھے اپنے آپ کو مغرور ۱۲ ح [2] ترمذی و حاکم اور نیز جلد سوم میں گذری ۱۲

سے کسی فرقے کو عذاب نہ کرتا تو جن کو نعمت عنایت ہوتی ہے وہ قدر نعمت خاک نہ جانتے اور نہ اس کی جنت سے خوش ہوتے ہیں اس لیے کہ ان کی بہت سی خوشی اسی طرح بڑھے گی کہ دوزخ والوں کا رنج سوچیں گے۔ دیکھو دنیا دار آفتاب کی روشنی دیکھ کر باوجود شدت حاجت کے اس سے خوش نہیں ہوتے کیونکہ یہ نعمتیں سب پر عام ہیں اور کسی سے روک نہیں، اسی طرح آسمان کے ستاروں کو دیکھ کر خوش نہیں ہوتے حالانکہ کوئی باغ زمین کا ان کی نسبت کر اچھا نہیں جس کی تعمیر میں جان و مال کھپاتے ہیں، لیکن چونکہ آسمان کی آرائش عام ہے اس لیے اس سے واقف نہیں اور اس کے باعث خوش نہیں ہوتے۔ جب یہ بات ثابت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز ایسی نہیں پیدا کی جس میں کچھ حکمت نہ ہو اور نہ ایسی جس میں کچھ ہمت نہ ہو خواہ سب بندوں پر یا بعض پر تو اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جو مصیبت کو پیدا کیا ہے اس میں بھی نعمت ہے خواہ اہل مصیبت پر ہو یا ان لوگوں پر جو اس مصیبت میں مبتلا نہیں اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس حالت کو نہ بلائے مطلق کہہ سکتے ہیں نہ نعمت مطلق اس طرح کی حالت میں بندے کو صبر اور شکر دونوں کرنے پڑیں گے اب اگر یہ کہو کہ صبر اور شکر اکٹھے کیسے ہوں گے وہ دونوں تو ایک دوسرے کی ضد ہیں، اسلیے کہ صبر غم پر ہوتا ہے اور شکر خوشی پر تو اجتماع کی صورت کس طرح ہو سکتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آدمی ایک ہی چیز سے بعض اوقات غم بھی کرتا ہے اور خوش بھی ہوتا ہے تو غم کے لیے صبر ہو گا اور خوشی کے لیے شکر مثلاً فقر اور مرض اور خوف اور مصیبت دنیاوی میں اگرچہ رنج ہوتا ہے جو مقتضی صبر ہے مگر پانچ باتیں ایسی بھی ہیں کہ عاقل کو ان پر خوش ہونا چاہیئے اور ان پر شکر کرنا چاہیئے اوّل تو یہ کہ جو مصیبت اور مرض ہے اس سے بڑھ کر بھی کوئی دوسرا مرض اور مصیبت ممکن ہے اور از انجا کہ خدائے تعالیٰ کی قدرت میں کسی کو دخل نہیں تو اگر بالفرض اس مرض اور مصیبت کو دوچند کر دے تو کوئی کیا کر سکتا ہے اور کون مانع ہو سکتا ہے تو ہر مرض و مصیبت پر آدمی کو شکر کرنا چاہیئے۔ کہ اسی قدر پر خدائے تعالیٰ نے اکتفا کی اس سے زیادہ مصیبت نہ بھیجی، دوسرے یہ مصیبت دنیاوی ہوئی دین کی نہیں ہوئی یہ بات بھی سزاوار شکر ہے۔ چنانچہ کسی شخص نے حضرت سہل تستریؒ سے عرض کیا کہ میرے گھر میں ایک چور گھس کر تمام اسباب لے گیا آپؒ نے اس کو فرمایا کہ خدا کا شکر کر اگر شیطان تیرے دل میں گھس کر توحید کو بگاڑ دیتا تو تو کیا کرتا۔ اسی پر خیریت گذری اور اسی واسطے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی دعا میں فرمایا کہ الٰہی مصیبت میرے اوپر دین میں مت ڈالنا۔ اور حضرت عمر بن الخطابؓ فرماتے ہیں کہ کوئی مصیبت ایسی نہیں آئی جس میں خدائے تعالیٰ کے چار انعام مجھ سے نہ ہوتے ہوں اوّل یہ کہ وہ مصیبت میرے دین پر نہ تھی۔ دوم اس مقدار پر ہوئی زیادہ نہ ہوئی، سوم مجھ کو اس پر راضی رہنے سے محروم نہ فرمایا، چوتھے مجھ کو اس پر توقع ثواب کی ہوئی اور روایت ہے کہ کسی اہل دل کا کوئی دوست تھا اس کو بادشاہ نے مقید کیا اس نے یہ خبر ان بزرگ کو کہلا بھیجی اور شکوہ اپنے قید ہونے کا لکھا انہوں نے جواب میں فرمایا کہ خدا کا شکر کر و بادشاہ نے اس شخص قیدی کو پٹوایا اس نے پھر شکایت ان بزرگ کے پاس کہلا بھیجی انہوں نے پھر فرمایا کہ شکر خدا کر اتنے میں ایک مجوسی قید ہوا جس کو دستوں کی بیماری تھی، سلطان کے حکم سے ایک ہی بیڑی میں دونوں کو رکھا ایک کڑا اس شخص کے پاؤں میں اور دوسرا مجوسی کے پاؤں

میں، اس نے یہ ماجرا بھی کہلا بھیجا۔ انہوں نے فرمایا کہ شکر خدا کر۔ پھر وہ مجوسی پاخانے کے واسطے بہت دفعہ اُٹھتا اور اس شخص کو بھی اس کے ساتھ اُٹھنا پڑتا اور وقت فراغت تک اس کے سر پر کھڑا رہنا پڑتا۔ غرض اس تکلیف کو بھی اس نے بزرگ کی خدمت میں لکھا۔ انہوں نے فرمایا کہ شکر خدا کر تب اس نے دل تنگ ہو کر لکھا کہ کہاں تک شکر کیے جاؤں، اس مصیبت سے بڑھ کر کون سی مصیبت ہے، انہوں نے جواب دیا کہ جو زنار مجوسی کی کمر میں ہے اگر تیری کمر میں ڈال دیا جاتا تو کیا کرتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو فرد بشر کہ مبتلائے مصیبت ہوتا ہے اگر وہ خوب غور سے جیسا کہ چاہیے ویسا تامل کرے کہ میں نے ظاہر و باطن میں اپنے آقا کے حق میں کتنی بے ادبی کی ہے تو اس سے معلوم ہوگا کہ جس قدر مجھ کو مصیبت پہنچی وہ کم ہے اور میں سزاوار اس سے زیادہ کا تھا یعنی جس قدر جرم تھا اس قدر سزا نہیں دی۔ مثلاً سو کوڑے لگنے کے قابل گستاخی تھی تو دس ہی لگے یا دونوں ہاتھ کاٹے جانے کے لائق بے ادبی تھی مگر ایک ہی کٹا تو ظاہر ہے کہ مقام شکر ہے چنانچہ ابویزید بسطامیؒ کے حال میں لکھا ہے کہ کسی کوچے میں تشریف لیے جاتے تھے اوپر سے کسی نے راکھ کا طشت آپ کے اوپر ڈال دیا۔ آپ نے جناب الٰہی میں سجدۂ شکر کیا لوگوں نے پوچھا کہ سجدہ کیسا ہے آپ نے فرمایا کہ مجھے انتظار اپنے اوپر آگ گرنے کا تھا تو صرف راکھ کا گرنا میرے حق میں نعمت ہے۔ اور بعض اکابرؒ سے کسی نے درخواست کی کہ آپ دعائے استسقاء کے لیے باہر نہیں نکلتے، مینہ مدت سے بند ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ تم مینہ کی بارش میں تاخیر جانتے ہو اور میں پتھر کی بارش میں تاخیر سمجھتا ہوں یعنی اعمال خلق قابل پتھر برسنے کے ہیں۔ پس اس میں گویا تاخیر کا ہونا داخل انعام ہے اس لیے میں طلب باران کو نہیں نکلتا کہ مقام شکر میں اظہار مصیبت کی گنجائش نہیں۔ اب اگر کوئی کہے کہ مصیبت میں ہم خوش کیسے ہوں کیونکہ دیکھتے ہیں کہ بعضے لوگوں نے ہم سے زیادہ گناہ کیے ہیں اور ہماری سی مصیبت ان پر نہ آئی یہاں تک کہ کفار برابر کفر کرتے ہیں مگر ہماری طرح مبتلائے مصیبت نہیں ہوتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ کافر کے لیے تو بہت زیادہ مصائب ہوں گے آج نہ سہی بعد موت اس پر آویں گے اور دنیا میں اس کو مہلت اس لیے ہے کہ گناہ بہت سے کرلے اور عذاب بہت طویل دیا جاوے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتا ہے[ت ۱] انما نملی لهم ليزدادوا اثما باقی رہا گنہگار پس کہاں سے معلوم ہوا کہ جہاں میں کوئی ہم سے بھی زیادہ خطاوار ہے ظاہر کی شراب خوری اور زنا سے کچھ نہیں ہوتا بہت سے دل کے وسواس گستاخی کے حق تعالیٰ کے اور اس کی صفات کے باب میں ایسے بڑے ہوتے ہیں کہ شراب خوری اور زنا کی کچھ اصل ان کے سامنے نہیں ہوتی نہ اور کسی گناہ اعضاء کی حقیقت اور ایسے گناہوں کے باب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[ت ۲] وتحسبونه هينا وهو عند الله عظيم تو یہ

ت ۱ ہم تو فرصت دیتے ہیں تا بڑھتے جاویں گناہ میں ۱۲

ت ۲ اور تم سمجھتے ہو اس کو ہلکی بات اور یہ اللہ کے یہاں بہت بڑی ہے ۱۲

کیسے معلوم ہوا کہ دوسرا شخص ہم سے زیادہ خطاوار ہے۔ پھر اگر بالفرض واقع میں تقصیر کسی دوسرے کی زیادہ ہو تو ہو سکتا ہے کہ اس کی سزا آخرت میں زیادہ ہو اور اس کی دنیا میں تو یہ بات بھی قابل شکر ہے کہ مؤاخذہ اخروی سے نجات دی اور یہ تیسری وجہ ہے شکر کی یعنی جو سزا جرم کی ہے ہو سکتا ہے کہ وہ آخرت تک ملتوی رہے اور دنیا کی مصیبت کے تو چند اسباب ایسے بھی ہو سکتے ہیں جن سے وہ سہل اور خفیف ہو جاوے مگر آخرت کی مصیبت اوّل تو دائمی ہوتی ہے اور دائمی نہ ہو تو اتنی بات ضرور ہے کہ اس میں کچھ تخفیف نہیں ہو سکتی اس واسطے کہ اسباب تسلی کے عذاب والوں سے آخرت میں بالکل جدا ہو جاتے ہیں تو تخفیف کہاں سے آوے اور یہ بھی ثابت ہے کہ جس کو عذاب دنیا میں ہولے گا اس کو دوبارہ عذاب نہ ہوگا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[ح۱] کہ جب بندہ گناہ کرتا ہے اور اس پر کوئی شدت یا مصیبت دنیا میں پہنچ جاتی ہے تو خدا تعالیٰ اس بات سے غنی ہے کہ اس کو دوبارہ عذاب دے، چوتھی وجہ یہ ہے کہ یہ مصیبت و بلا لوحِ محفوظ میں لکھی ہوئی تھی کہ فلاں شخص پر آوے گی اور اس کا پہنچنا ضروری تھا اور جب وہ پہنچ گئی خواہ تھوڑی ہو یا سب تو جس قدر سے فراغت و راحت ہو گئی وہی نعمت ہے۔ پانچویں بات یہ ہے کہ مصیبت کا ثواب مصیبت سے بڑھ کر ہے اس لیے کہ دنیا کے مصائب دو وجہ سے آخرت کی راہ ہیں، اوّل وجہ تو یہ ہے جس سے بدمزہ اور تلخ دوائیں مریض کے حق میں نعمت ہیں اور لوازم کھیل و کود سے روک دینا لڑکے کے حق میں نعمت ہے۔ کیونکہ مثلاً اگر لڑکے کو اس کی طبیعت پر چھوڑ دیا جاوے اور کھیل میں مصروف رہنے دیں تو علم و ادب کیسے سیکھے گا تمام عمر تلف ہو جاوے گی اسی طرح مال اور اہل اور اقارب اور اعضاء یہاں تک کہ آنکھ بھی کہ سب اشیاء سے عزیز ہے کبھی سبب ہلاک بعض احوال میں ہو جاتی ہے بلکہ عقل جو سب سے زیادہ عزیز تر ہے کبھی سبب ہلاک ہوتی ہے۔ ملحد لوگ تو عقل ہی سے تباہ ہوتے ہیں۔ اسی لیے قیامت کو تمنا کریں گے کہ مجنون اور لڑکے ہوتے تو خوب ہوتا ہم نے اپنی عقلوں سے کیوں کام کیا خدائے تعالیٰ کے دین میں اگر عقل بموجب تصرف نہ کرتے تو اچھا تھا۔ غرض کہ ان سب اسباب کی ہر ایک چیز میں آدمی کے لیے دینی بہتری بھی ہو سکتی ہے تو خدائے تعالیٰ کے ساتھ حسنِ ظن کر کے ان اشیاء میں دینی بہتری مان لے اور اسی پر شکر بجا لاوے اس لیے کہ اس کی حکمت بہت وسیع ہے اور بندوں کی مصلحت کو وہ ان کی نسبت زیادہ جانتا ہے اور قیامت کے روز بندے جب دیکھیں گے کہ مصیبت پر ثواب ملتا ہے۔ تب شکر نعمت کریں گے جیسے لڑکا عقل کو بعد اپنے باپ اور استاد کا شکر مارنے اور ادب دینے پر کرتا ہے کیونکہ ثمرۂ تادیب اور تکلیف کا اس وقت پاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مصیبت کا آنا بھی تادیب اور عنایت بندوں کے حال پر ہے اور یہ عنایت الٰہی باپ کی عنایت سے زیادہ اور کامل تر ہے اس کو محض خیر و برکت جاننا چاہیئے چنانچہ حدیث[ح۲] شریف میں وارد ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں عرض کیا کہ

ح۱ ترمذی وابن ماجہ بروایت علی مرتضیٰ رض باختلاف الفاظ ۱۲ ح۲ احمد و طبرانی بروایت عبادہ اس کی اسناد میں ابن لہیعہ ہے ۱۲

مجھ کو کچھ وصیت فرمایئے آپ نے فرمایا کہ جو حکم الٰہی تیرے اوپر ہو اس میں خدائے تعالیٰ پر بدگمانی مت کر اور ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آسمان کی طرف دیکھ کر ہنسے لوگوں نے سبب ہنسنے کا پوچھا آپ[ح] نے فرمایا کہ مجھے اس بات سے تعجب ہوا کہ ایماندار کے لیے خدا تعالیٰ کا حکم اگر اس کی آسائش کا حکم ہو تو راضی رہتا ہے اور اس کے حق میں بہتر ہوتا ہے اور اگر اس کی تکلیف کا ہو تب بھی راضی رہتا ہے اور اس کے حق میں مفید ہوتا ہے ؎

آنچہ رود بر سرم چوں تو پسندی رواست
بندہ چہ دعوی کند حکم خداوند راست

دوسری وجہ یہ ہے کہ سب خطاؤں مہلک کی جڑ محبت دنیا ہے اور سب اسباب نجات کی اصل دنیا سے دل علیحدہ رہنا اور ظاہر ہے کہ اگر نعمتیں دنیاوی مراد کے موافق بے بلا و مصیبت ملا کریں تو اس سے دل کو دنیا کی طرف میل اور اس کے اسباب کے ساتھ انس ہو جاتا ہے یہاں تک کہ آدمی کے حق میں دنیا مثل جنت ہوتی ہے تو مرنے کے وقت اس کے اسباب کی مفارقت بڑی مصیبت ہو جاتی ہے اور اگر مصیبتیں آتی رہیں تو دل اس کی طرف سے کھٹا ہو جاتا ہے نہ اس سے الفت ہوتی ہے نہ رغبت بلکہ دنیا مثل زندان اس کے حق میں ہو جاتی ہے کہ یہاں سے چھوٹنا گویا قید سے چھوٹنا تصور کرتا ہے اور نہایت لذت دنیا سے خلاصی ہونے میں پاتا ہے اسی بنا پر حدیث[ح] شریف میں ہے الدنیا سجن المؤمن وجنۃ الکافر اور کافر اس کو کہتے ہیں جو خدائے تعالیٰ سے روگرداں ہو کر صرف دنیا کی زندگانی کا خواہاں ہو اور اسی پر اطمینان رکھے اور مومن وہ جو دل سے دنیا سے پھرا ہوا ہو اور اس سے نکلنے کا نہایت مشتاق ہو اور کفر کچھ ظاہر ہوتا ہے اور کچھ پوشیدہ اور جس قدر محبت دنیا کی دل میں ہوتی ہے اسی قدر شرک خفی بھی اس میں رہتا ہے۔ موحد مطلق وہ شخص ہے جو واحد مطلق ہی کو محبوب جانے۔ حاصل یہ کہ مصیبت میں ان پانچوں وجہ سے نعمت بھی ہوتی ہے اس لیے ان پر خوش ہونا ضرور ہے اور رنج کرنا تو ظاہر ہے کہ ہوتا ہی ہے اور رنج میں خوش ہونے کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کو حاجت پچھنے لگوانے کی ہو اور دوسرا شخص مفت لگاوے یا کسی مرض میں دوا مفت کڑوی پلاوے تو ظاہر ہے کہ پچھنے اور کڑوی دوا سے تکلیف ہوتی ہے مگر اس پر آدمی صبر کر کے دوسرے شخص معالج کا شکر گزار ہوتا ہے اس لیے کہ مفت علاج ہونے کی خوشی ہوتی ہے اسی طرح جو مصیبت امور دنیاوی میں ہوتی ہے اس کو کڑوی دوا کی طرح جاننا چاہیئے جو سر دست تکلیف دیتی ہے اور انجام کو راحت پہنچاتی ہے بلکہ اگر کوئی شخص سیر کے لیے کسی بادشاہ کے محل میں جاوے اور جان لے کر یہاں سے بیشک جانا پڑے گا اور وہاں کوئی اچھی صورت دیکھے جو اس کے ساتھ وہاں سے نکلنے والی نہیں ہے اور اس کے ساتھ انس کرے تو یہ بات اس پر وبال اور مصیبت کی ہے کہ ایسی جگہ انس کرتا ہے جہاں ٹھہرنے کا مقام نہیں

ح ۱۲ مسلم بروایت صہیب اور اس میں ذکر آسمان کی طرف دیکھنے اور ہنسنے اور تعجب کرنے کا نہیں ۱۲ ح دنیا قید خانہ ہے ایماندار کا اور جنت ہے کافروں کی ۱۲ مسلم بروایت ابوہریرہؓ۔

اور اگر اپنے دل میں یہ خطرہ رکھے گا کہ ایسا نہ ہو کہ بادشاہ کو اطلاع ہو تو وہ سزا دے اور اس خطرے کی جہت سے اس مقام سے نفرت کرے گا اور اس کے حق میں نعمت ہو گی اسی طرح دنیا بھی ایک مکان ہے جس میں لوگ رحم کے دروازے سے گھستے ہیں اور لحد کے پھاٹک سے نکل جاتے ہیں تو جس قدر کہ ان کا انس اس مقام سے ثابت ہو گا اسی قدر ان کے حق میں وبال و مصیبت ہے اور جس قدر دل اس کی طرف سے مائل رہے گا اور رغبت نہ ہو گی اسی قدر نعمت ہے پس جو شخص اس امر کو جانتا ہے وہ تو بلا پر بھی شکر کرے گا اور جو بلا میں ان نعمتوں سے ناواقف ہے اس کا شکر گذار ہونا ناممکن ہے۔ کیونکہ شکر بعد شناخت نعمت کے ہوتا ہے اور جس کو اس بات کا اعتقاد نہیں کہ مصیبت کا ثواب مصیبت سے بڑھ کر ہے وہ مصیبت پر شکر کیوں کرنے لگا تھا۔ اور روایت ہے کہ ایک اعرابی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو ان کے والد ماجد کی وفات میں ایک قطعہ تعزیت کا لکھا جس کا ترجمہ یہ ہے قطعہ

در صبر کوش تا بصبوری نہیم دل صبر ہمہ کہان اثر صبر مہتر است!

اجر تو بہتر است ز عباس بعد از و عباس را خدائے کریم از تو بہتر است

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس شخص کی تعزیت سے بہتر اور کسی نے میری تعزیت نہیں کی، اور احادیث مصائب پر صبر کرنے کے باب میں بہت ہیں، چنانچہ ایک حدیث[ح۱] میں ہے من یرد اللہ بہ خیرا یصیب منہ اور ایک حدیث قدسی میں روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جب میں اپنے بندے پر مصیبت بدن کی یا مال کی یا اولاد کی بھیجتا ہوں اور وہ اس کو صبر جمیل کے ساتھ سہتا ہے تو قیامت کے روز مجھ کو شرم آتی ہے کہ ایسے شخص کے عمل کے لیے ترازو کھڑی کروں یا دفتر اعمال کھولوں اور ایک حدیث شریف میں ہے کہ جب کسی بندے پر کوئی مصیبت آتی ہے اور وہ حکم الٰہی کے بموجب[ت۲] انا للہ وانا الیہ راجعون کہہ کر اللھم[ح۳] اجرنی فی مصیبتی واعقبنی خیرا منھا کہتا ہے تو خدائے تعالیٰ ویسا ہی کرتا ہے۔ اور فرمایا خدائے تعالیٰ فرماتا[ح۴] ہے کہ جس شخص کی میں دونوں آنکھیں لے لیتا ہوں تو اس کا بدلہ یہ ہے کہ وہ میرے گھر میں ہمیشہ رہے گا اور میری طرف کو تاکتا رہے گا۔ اور روایت ہے کہ ایک شخص نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ[ح۵] میرا مال جاتا رہا اور جسم بیمار ہے آپ نے فرمایا کہ جس بندے کا مال نہ جاوے اور مریض نہ ہو اس میں کچھ بہتری نہیں اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو اس کو مبتلا کرتا ہے اور جب مبتلا کرتا ہے تو صبر عنایت فرماتا ہے اور ایک[ح۶] حدیث شریف میں ارشاد فرمایا ہے کہ آدمی کے واسطے خدائے تعالیٰ کے نزدیک ایک درجہ ہوا کرتا

ح[۱] اور جس کی اللہ تعالیٰ بہتری چاہتا ہے اسکو مصیبت دیتا ہے بخاری بروایت ابوہریرہ ۱۲ ت[۲] ہم اللہ کا مال ہیں اور ہم کو اسی کی طرف پھر جانا ہے ۱۲ ح[۳] الٰہی مجھ کو بدلہ دے میری مصیبت کا اور اسکے پیچھے اس سے مجھ کو بہتر عنایت کر ۱۲ اوپر گذری ح[۴] اوپر گذری ۱۲ ح[۵] ابن ابی الدنیا بروایت ابوسعید خدری بسند ضعیف ۱۲
ح[۶] احمد و طبرانی و ابویعلیٰ بروایت محمد بن خالد و بیہقی بروایت ابراہیم سلمی عن ابیہ عن جدہ ۱۲

ہے جس پر وہ عمل کے باعث نہیں پہنچ سکتا ہے اس لیے خدائے تعالیٰ اس کے جسم پر کوئی مصیبت بھیج دیتا ہے کہ اس کے باعث وہ درجہ اس کو مل جاتا ہے اور خباب بن ارت سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہم حاضر ہوئے آپ اس وقت اپنی چادر مبارک کا تکیہ لگائے خانہ کعبہ کے سایہ میں تشریف رکھتے تھے، ہم نے آپ سے شکایت کی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ خدا سے ہمارے لیے دعا نہیں کرتے کہ وہ ہماری نصرت کرے آپ کے رخسار مبارک سُرخ ہو گئے اور اُٹھ بیٹھے اور فرمایا کہ تم سے پہلے لوگوں میں بعض لوگ ایسے تھے کہ زمین کھود کر ان کو گاڑ دیتے تھے اور آرہ لاکر سر پر رکھ کر چیر ڈالتے تھے۔ مگر باوجود اس کے وہ لوگ اپنے دین سے نہیں پھرتے تھے اور حضرت علی کرم وجہہٗ سے روایت ہے کہ جس شخص کو بادشاہ ظلم کی راہ سے قید کر دے اور وہ مرجاوے تو شہید مرے گا اور اگر اس کو اتنا مارے کہ مرجاوے تب بھی شہید ہوگا اور ایک حدیث[ح] میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من اجلال اللہ ومعرفۃ حقہ ان لا تشکو وجعک ولا تذکر مصیبتک اور حضرت ابوالدرداء فرماتے ہیں کہ تم موت کے لیے پیدا ہوتے ہو اور اجاڑ ہونے کے لیے عمارت بناتے ہو۔ فانی چیز کے حریص ہو اور باقی کے تارک، آگاہ ہو کہ یہ تینوں مکروہات بہت عمدہ اشیا ہیں یعنی فقر اور مرض اور موت، اور حضرت انس رضی فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[ح] کہ جب خدائے تعالیٰ کو کسی بندے کی بہتری منظور ہوتی ہے اور اس سے دوستی کیے چاہتا ہے تو اس پر مصیبتوں کو ڈال دیتا ہے اور حوادث کی بوچھاڑ اس پر گراتا ہے، جب وہ بندہ خدائے تعالیٰ کو پکارتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں کہ یہ آواز تو جانی بوجھی ہے اور اگر دوبارہ پکارتا ہے اور یارب کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے بندے کہہ کیا کہتا ہے میں حاضر ہوں جو کچھ تو مجھ سے مانگے گا میں دوں گا۔ اگر یہاں تجھ سے کوئی بہتر چیز ہٹا دوں گا تو تیرے لیے اس سے بہتر اپنے پاس رکھ چھوڑوں گا جب قیامت کا دن ہوگا تو عمل والے حاضر ہوں گے اور ان کے اعمال، نماز، روزہ اور صدقہ اور حج سب ترازو میں تولے جائیں گے اور پورا پورا ثواب عنایت ہوگا۔ مگر جب مصیبت والے آویں گے تو اُن کے لیے نہ ترازو کھڑی ہوگی نہ نامۂ اعمال کھولا جاوے گا اور ثواب ان پر ایسے ہی ڈالا جاوے گا جیسے بلا ڈالی گئی تھی۔ اس وقت جن لوگوں کو دنیا میں عافیت رہی تھی یہ تمنا کریں گے کہ کیا خوب ہوتا جو ہمارے جسم مقراضوں سے کاٹے جاتے اور ایسا ہی ثواب ہم کو عنایت ہوتا جیسا اہل مصائب کو ملا۔ اسی بنا پر یہ آیت قرآن مجید میں ہے[ت] انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ کسی پیغمبر نے جناب باری میں شکایت کی کہ الٰہی بندۂ مومن تیری اطاعت کرتا ہے اور گناہوں سے اجتناب کرتا

ح بخاری ۱۲ ح اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اسکے حق کی معرفت میں سے ہے کہ تو اپنے درد کی شکایت نہ کرے نہ اپنی مصیبت کا ذکر کرے ۱۲ پہلے گزری ح اصفہانی عن ضرار بن عمر عن یزید الرقاشی عن انس اور ضرار اور یزید دونوں ضعیف ہیں

ت یہ ٹھہرنے والوں ہی کو ملتا ہے ان کا نیگ ان گنت ۱۲

ہے مگر تو اس سے دنیا کو علیحدہ رکھتا ہے اور مصیبت بھیجتا ہے اور بندہ کافر تیری اطاعت نہیں کرتا اور گناہوں پر جرأت کرتا ہے اس سے تو بلا علیحدہ رکھتا ہے اور دنیا بہت سی دیتا ہے یہ کیا بات ہے خداوند کریم نے ان پر وحی بھیجی کہ بندے بھی میرے ہیں اور بلا بھی میری اور ہر ایک میری حمد میں تر زبان ہے وجہ یہ ہے کہ بندۂ مومن پر گناہ ہوتے ہیں اس واسطے میں اس سے دنیا کو علیحدہ رکھتا ہوں اور بلا بھیج دیتا ہوں کہ ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے یہاں تک کہ میرے پاس آوے تو اس کی نیکیوں کا عوض اس کو عطا کروں اور کافر کی کچھ نیکیاں ہوتی ہیں اس لیے میں اس کو رزق زیادہ دیتا ہوں اور بلا کو اس سے علیحدہ رکھتا ہوں کہ اپنے حسنات کا بدلہ دنیا میں حاصل کرے اور جب میرے پاس آوے تو اس کو سزا اس کے سیئات کی دوں، روایت ہے کہ جب آیت اتری[1] من یعمل سوء یجز بہ تو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے عرض کیا کہ اس آیت کے بعد خوشی کس طرح ہو گی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[2] کہ اے ابوبکر رضؓ خدا تجھ کو معاف کرے کیا تو بیمار نہیں ہوتا یا تجھ کو کچھ ایذا نہیں پہنچتی کہ جس پر غم ہوتا ہو یہی بدلہ ہے تمہارے اعمال کا یعنی جمیع مصائب کفارہ تمہارے گناہ کا ہوتے ہیں اور عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ اللہ تعالیٰ اس کی مراد دیئے جاتا ہے اور وہ اپنی خطا پر مصر ہے تو جان لو کہ یہ امر اس کے مہلت دینے کے لیے ہے بعد اس کے یہ آیت پڑھی فلما[3] نسوا ما ذکروا بہ فتحنا علیھم ابواب کل شیئ حتی اذا فرحوا بما اوتوا اخذنٰھم بغتۃ فاذا ھم مبلسون ٥ یعنی جب انھوں نے امر کے بموجب کام کرنا چھوڑ دیا تو ہم نے ان پر ہر طرح کی بہتری کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جب وہ اس بہتری سے خوش ہوتے تو ایک دفعہ ہی ان کو ماخوذ کر لیا۔ اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے صحابہؓ سے ایک عورت کو دیکھا جس کو جاہلیت میں جانتے تھے اس سے کچھ گفتگو کر کے چھوڑ دیا اور چلتے جاتے تھے اور اس کی طرف پھر کر دیکھتے جاتے تھے اسی اثنا میں سامنے سے ایک دیوار کا دھکا جوان کو لگا تو منہ پر نشان ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ماجرا عرض کیا آپ نے فرمایا[4] کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کی بہتری چاہتا ہے تو اس کی سزا دنیا ہی میں دے دیتا ہے۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں کہ میں تم کو ایک آیت قرآن مجید[5] کی ایسی بتائے دیتا ہوں جو سب آیات سے زیادہ توقع کی ہو۔ لوگوں نے عرض کیا کہ فرمائیے آپ نے یہ آیت پڑھی ما اصابکم[6] من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم و یعفو عن کثیر غرضکہ دنیا کے سب مصائب گناہوں کے

---

[1] جو کوئی برا کرے گا اس کی سزا پاوے گا ۱۲ [2] احمد و ترمذی و دار قطنی بروایت عمر فاروق رضؓ ۱۲ [3] پھر جب بھول گئے جو نصیحت کی تھی ان کو کھول دیئے ہم نے ان پر دروازے ہر چیز کے یہاں تک کہ جب خوش ہوئے پائی ہوئی چیز سے پکڑا ہم نے ان کو بے خبر پھر تب ہی رہ گئے ناامید ۱۲ [4] احمد و طبرانی و بیہقی در شعب ۱۲ [5] احمد و طبرانی بروایت حسن عن عبد اللہ بن خنظلہ ۱۲ [6] اور پڑے تم پر کوئی سختی سو بدلہ اس کا جو کمایا تمہارے ہاتھوں نے اور معاف کرتا ہے بہت کو ۱۲

باعث ہوا کرتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ بندے کو دنیا میں سزا دے لیتا ہے تو پھر دوبارہ عذاب دینے سے غنی ہے
اور اگر دنیا میں معاف کر دیا تو پھر اس کا کرم اس بات کا مقتضی نہیں کہ قیامت میں سزا دے اور حضرت انس
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت[ح۱] کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ خدا کے دو گھونٹوں سے زیادہ بندے کا کوئی
گھونٹ محبوب تر نہیں اول غصے کا گھونٹ کہ حلم کے باعث پی جاوے دوم مصیبت کا گھونٹ جو صبر کے سبب
پی جاوے اور نہ کوئی قطرہ محبوب تر خدائے تعالیٰ کے نزدیک دو قطروں سے ٹپکتا ہے۔ ایک قطرۂ خون جو اس
کی راہ میں گرے، دوم قطرۂ اشک جو شب تاریک میں بندے کے آنکھ سے سجدے کی حالت میں گرے اور اس کو
سوائے خدا کے اور کوئی نہ دیکھتا ہو اور نہ کوئی قدم بندے کا خدائے تعالیٰ کے نزدیک دو قدموں سے محبوب تر
ہے ایک قدم فرض نماز کے لیے دوسرا قدم قرابتیوں سے میل کرنے کے لیے، اور حضرت ابو درداء سے روایت ہے
کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کے لڑکے نے وفات پائی آپ کو نہایت قلق ہوا۔ آپ کے پاس دو فرشتے آئے
اور سامنے دو زانو بیٹھ گئے جیسے وہ مدعی اور مدعا علیہ ہوں، ایک نے ان میں سے عرض کیا کہ میں نے کھیت بویا تھا
جب وہ تیار ہوا تو اس شخص نے اس کو پامال کر دیا، آپ نے دوسرے سے فرمایا کہ تو کیا جواب دیتا ہے اس نے
عرض کیا کہ میں راستہ چلا جاتا تھا ایک کھیت پر گذر ہوا، داہنے بائیں سب طرف دیکھ کر معلوم کیا تو راہ کھیت ہی
میں کو تھی وہاں ہی کو گذرا آپ نے مدعی سے فرمایا کہ تو نے راستے میں بیج کیوں ڈالا تھا تجھے معلوم نہیں کہ لوگوں کے
لیے راستہ ضرور ہے اس نے عرض کیا کہ پھر آپ اپنے لڑکے پر غم کیوں کرتے ہیں آپ کو معلوم نہیں کہ موت آخرت
کی سڑک ہے، حضرت سلیمان نے توبہ کی اور پھر کبھی لڑکے پر رنج نہ کیا اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ ایک اپنے بیمار
لڑکے کے پاس گئے اور فرمایا کہ جان پدر اگر تو میری ترازو میں ہو تو میرے نزدیک اس سے اچھا ہے کہ میں تیری
ترازو میں ہوں اس نے عرض کیا کہ آپ کی مرضی کے موافق اگر ہو میرے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ میری مرضی
کے موافق ہو، خلاصہ حضرت عمرؓ کے قول کا یہ ہے کہ اگر تو وفات پائے اور میں صبر کروں تو اس سے اچھا سمجھتا
ہوں کہ میں وفات پاؤں اور تو صبر کرے یعنی جزائے صبر میرے نامۂ اعمال میں رہے اور حاصل لڑکے کے جواب کا
ظاہر ہے کہ جو بات والد کو محبوب دیکھی اسی کو محبوب جانا، اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ کسی نے ان کی
دختر کی وفات کی خبر سنائی آپ نے[ت۲] انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور فرمایا کہ خدائے تعالیٰ نے ایک عیب[ع۵] کو
چھپایا اور مشقت کو ٹالا اور ثواب پہنچایا پھر اتر کر دو رکعت نماز پڑھی اور فرمایا کہ جو کچھ خدائے تعالیٰ کا حکم ہم کو تھا
وہ ہم کر چکے یعنی خدائے تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ[ت۳] تو ہم نے دونوں باتیں ادا کیں۔ اور
حضرت ابن مبارکؒ کا ایک لڑکا گذر گیا تھا ایک مجوسی نے بطور تعزیت یہ جملہ ان کی خدمت میں عرض کیا کہ

ح[۱] ابن ماجہ بروایت ابن عمرؓ بالفاظ جداگانہ ۱۲ ت ۲ ہم اللہ کا مال ہیں اور ہم کو اسی کی طرف پھرنا ہے ۱۲ ت ۳ اور قوت پکڑو ثابت رہنے سے
اور نماز سے ۱۲ ع ۵ اصل میں عورۃ سترہا اللہ یعنی اللہ تعالیٰ نے پردہ ڈھک دیا ۱۲

عاقل کو چاہیئے کہ آج وہ کام کرے جو جاہل چند روز کے بعد کرتا ہے، مراد اس سے صبر ہے آپ نے فرمایا یہ جملہ اس کا لکھ لو اور بعض علماء کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے پر مصیبت ڈالے جاتا ہے حتیٰ کہ وہ زمین پر چلتا ہے اور ایک گناہ بھی اس کے ذمہ نہیں رہتا اور حضرت فضیلؒ فرماتے ہیں کہ جیسے آدمی اپنے گھر والوں کے لیے خیر کا کفیل ہوتا ہے اللہ عزوجل اپنے بندۂ مومن کے واسطے بلا کا عہد کر لیتا ہے۔ اور حاتم اصمؒ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ خلق کے چار طرح کے لوگوں پر قیامت کے دن چار چیزوں میں حجت فرمادے گا تو انگروں پر حضرت سلیمان علیہ السلام سے اور فقیروں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اور غلاموں پر حضرت یوسف علیہ السلام اور مریضوں پر حضرت ایوب علیہ السلام سے کہ ہم لوگ ایسے کیوں نہ ہوتے۔ اور روایت ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام جب کفار بنی اسرائیل سے بھاگ کر درخت کے اندر چھپ گئے اور شیطان مردود نے ان کا حال ان سے کہہ دیا تو وہ ایک آرہ لائے اور درخت کو چیرنا شروع کیا۔ جب آپ کے سر مبارک پر آرہ پہنچا تو آپ نے ایک آہ سرد دل پر درد سے نکالی وحی الٰہی نازل ہوئی کہ اے زکریا اگر دوبارہ آواز نکلی تو دفتر نبوت سے نام مٹادوں گا۔ حضرت زکریا نے دانتوں تلے زبان دے لی اور صبر کیا یہاں تک کہ دو ٹکڑے ہوگئے۔ شعر

گر کشتی ور جرم بخشی روئے وسر بر آستانم　　بندہ را فرماں نباشد ہرچہ فرمائی بر آنم

اور حضرت ابن مسعود بلخی فرماتے ہیں کہ جس کو کوئی مصیبت آوے اور وہ اس میں کپڑے پھاڑے یا چھاتی کوٹے تو ایسا ہے کہ نیزہ لے کر خدائے تعالیٰ سے لڑنے کو تیار ہوا۔ اور حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو ارشاد فرمایا کہ سونا کا آگ سے امتحان کیا جاتا ہے اور ابتلاء بندہ کا امتحان مصیبت سے ہوتا ہے پس جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو محبوب جانتا ہے تو ان کو مبتلائے مصیبت کر کے امتحان لیتا ہے اس صورت میں جو شخص اس سے راضی رہتا ہے وہ بھی اس سے راضی ہے اور جو ناراض ہے اس سے وہ ناراض ہے۔ اور احنف بن قیس کہتے ہیں کہ ایک روز میری ڈاڑھ میں بہت درد تھا میں نے اپنے چچا سے کہا کہ ڈاڑھ کے درد کے مارے مجھے رات بھر نیند نہیں آئی، اسی طرح تین بار میں نے کہا انہوں نے فرمایا کہ تو ایک رات میں ڈاڑھ کی اتنی شکایت کرتا ہے میری آنکھ تیس برس سے جاتی رہی ہے مگر کسی کو معلوم نہیں ہوا اور حضرت عزیر علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ جب تجھ پر بلا نازل ہو تو میری شکایت میری مخلوق سے مت کر جو کہتا ہو مجھی سے کہہ میں تیری شکایت اپنے فرشتوں سے نہیں کرتا جس وقت کہ تیرے عیوب وخطائیں میرے پاس آتی ہیں سچ ہے شعر

پس پردہ بیند عملہائے بد
ہم او پردہ پوشد بآلائے خود

مصیبت پر فضیلت کی نعمت

شاید کہ کوئی فضل مصائب سن کر یہ کہے کہ ان اخبار سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں نعمت کی نسبت مصیبت کا آنا بہتر ہے تو اب سب انسانوں کو چاہیے کہ مصیبت کا سوال کرنا خدا سے جائز ہوا، اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ درخواست مصیبت

ناجائز ہے اس کی کوئی وجہ نہیں جس سے درست ہو بلکہ مصائب سے پناہ مانگنا البتہ مشروع ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے[1] کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا اور آخرت دونوں کی مصیبت سے پناہ مانگا کرتے تھے اور آپ کا[2] اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کا یہی قول تھا۔[3] ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ حسنۃ اور شماتت اعداء وغیرہ سے پناہ مانگتے تھے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں، انہوں نے اپنی دعا میں فرمایا کہ الٰہی میں تجھ سے صبر کی درخواست کرتا ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا[5] کہ تم مصیبت کا سوال کرتے ہو خدا تعالیٰ سے عافیت کی دعا کرو اور حضرت ابوبکر صدیقؓ آپ سے روایت کرتے ہیں[6] کہ فرمایا خدا تعالیٰ سے عافیت مانگا کرو کیونکہ ایسا کوئی شخص نہیں جس کو عافیت سے عمدہ تر چیز سوائے یقین کے ملی ہو اور یقین سے دل کی عافیت اور صحت مراد ہے جس میں شبہ کا روگ اور مرض جہل نہ ہو اس لیے کہ دل کا اچھا رہنا بدن کی تندرستی سے اعلیٰ تر ہے۔ اور حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ جو چیز کہ جس میں شر ہی نہیں وہ تندرستی ہے شکر کے ساتھ کیونکہ بعضے لوگ نعمت پاتے ہیں مگر اس کا شکر نہیں کرتے اور مطرف بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو تندرستی ملے اور اس پر میں شکر گزار ہوں تو اس سے بہتر ہے کہ مجھ پر مصیبت آوے اور اس پر صبر کروں، اور ایک دعا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[7] وعافیتك احب الی اور یہ امر ظاہر ہے اس میں کچھ دلیل کی حاجت نہیں کیونکہ مصیبت دو اعتبار سے نعمت ہو جاتی ہے۔ اول تو اس مصیبت کی بہ نسبت جو اس سے بڑی ہو خواہ دنیا میں یا دین میں اور دوسرے اس توقع ثواب کے اعتبار سے جو خدا تعالیٰ عنایت فرمادے گا۔ اسی لحاظ سے آدمی کو چاہیے کہ خدا تعالیٰ سے دنیا میں نعمت کامل کی درخواست کرے اور اپنے اوپر سے بلا کے دور ہونے کی دعا کرتا رہے اور نیز اس کی نعمت کی شکر گزاری پر ثواب اخروی کی استدعا کرے کیونکہ وہ اس بات پر قادر ہے کہ شکر ہی کے عوض میں وہ کچھ دے ڈالے جو صبر میں دیتا ہو اب اگر کوئی کہے کہ بعض لوگوں نے ایسے مضمون لکھے ہیں جن سے استدعا مصیبت کی اپنے لیے پائی جاتی ہے۔ مثلاً لکھا ہے کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ دوزخ کا پل ہو جاؤں کہ تمام خلق مجھ پر سے اتر جاوے اور نجات پاوے اور صرف میں دوزخ میں رہ جاؤں، یا سمنون کا قول ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔ شعر

تجھ سوا اور سے کیا ہے مطلب　　جانچ لے جس طرح تو چاہے مجھے

تو یہ ان کے اقوال دلالت سوال مصیبت پر رکھتے ہیں، یہ کیا بات ہے اس کا جواب یہ ہے کہ سمنون محب کا

ح۱ احمد بروایت بسر بن ارطاط ۱۲ ح۲ بخاری و مسلم بروایت انسؓ ۱۲ ت۳ اے رب ہمارے دے ہم کو دنیا میں خوبی اور آخرت میں خوبی ۱۲
ح۴ جلد اول باب الدعا میں گذری ۱۲ ح۵ ترمذی بروایت معاذ اور اس میں نام علی مرتضیٰ کا نہیں نسائی نے یوم ولیلہ میں بروایت علی کچھ اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے ح۶ ابن ماجہ و نسائی در یوم ولیلۃ ۱۲ ح۷ اور تندرستی کو عنایت کرنا تیرا مجھ کو زیادہ تر محبوب ہے ۱۲
ابن اسحاقؒ نے نقل کیا ہے کہ یہ دعا آپ نے اس وقت مانگی تھی کہ طائف کو تشریف لیے جاتے تھے مگر اس میں احب الی کی جگہ اوسع لی ہے اور ابن ابی الدنیا نے بروایت حسان بن عطیہ مرسلاً روایت کیا ہے ۱۲

تو یہ حال ہوا کہ بعد اس شعر کے وہ قبض کی بیماری میں مبتلا ہوتے اور مکتبوں کے دروازے پر تکلیف کے مارے پھرتے اور لڑکوں سے کہتے کہ اب تم اپنے چچا کو لپاٹ پا کہا کرو، یعنی امتحان میں پورا نہیں نکلا، باقی رہی انسان کی محبت کہ فقط اکیلا دوزخ میں رہے اور تمام خلق بچ جاوے سو یہ ناممکن ہے۔ لیکن آدمی کے دل پر غلبۂ محبت کبھی اس قدر ہوتا ہے کہ اس جوش محبت میں اپنے نفس کو ایسی باتوں کے لائق سمجھ لیتا ہے کیونکہ شراب عشق میں نشہ ہوتا ہے جو شخص اس کو پیتا ہے مست ہو جاتا ہے اور عالم مستی میں بہت کچھ باتیں اس قسم کی سرزد ہو جاتی ہیں کہ اگر بالفرض اس کا نشہ جاتا رہے تو خود اس کو معلوم ہو کہ یہ کلام واقعی نہیں بلکہ ایک حالت تھی تو جو جملے اس قسم کے سُنو کلام عاشقانہ پر حمل کرنا چاہیئے جن کو افراط محبت ہوتی ہے اور عاشقوں کا کلام سننے میں اچھا ہوتا ہے مگر ان کی بات قابل اعتبار نہیں ہوتی۔ چنانچہ حکایت ہے کہ ایک فاختہ کا نر اس سے جفتی چاہتا تھا وہ مانع ہوتی تھی اس نے کہا کہ تو مجھ سے کیوں رکتی ہے اگر میں چاہوں تو تیرے واسطے سلیمان کی سلطنت زیر وزبر کردوں، یہ بات حضرت سلیمان علیہ السلام نے سُنی اور اس کو بلا کر عتاب فرمایا اس نے عرض کیا اے نبی اللہ عاشقوں کا کلام قابل کہنے کے نہیں ہوتا اور واقع میں ایسا ہی ہے اور ایک شاعر کہتا ہے۔ شعر

میں تو ہوں طالب وصل اور وہ ہے طالب ہجر
اس کی خواہش کے لیے اپنی میں خواہش چھوڑ دوں

تو یہ مضمون بھی محال ہے اس لیے اس سے لازم آتا ہے کہ جو مرضی محبوب نہیں اس کا میں طالب ہوں کیونکہ وصل مرضیٔ محبوب کے خلاف ہے جس کا اپنے آپ کو طالب قرار دیا ہے۔ اور پھر کہتا ہے کہ اس کی خواہش کے لیے میں نے اپنی خواہش چھوڑ دی اور ہجر کو چاہنے لگا تو جو شخص وصل کا خواہاں ہے وہ ہجر کا خواہاں کیسے ہو گا۔ ان دونوں میں تو ضد ہے لیکن اگر تاویل کی جاوے دو طرح سے اس کے معنی بن جاتے ہیں۔ اوّل تو یہ کہ یہ صورت بعض اوقات میں پیش آتی ہو تاکہ رضائے محبوب حاصل ہو جو وسیلۂ وصال زمان مستقبل ہے تو اب یہ معنی ہوتے کہ ہجر وسیلۂ رضا ہے اور رضا وسیلۂ وصال محبوب اور وسیلۂ محبوب بھی محبوب ہوتا ہے اس لیے ہجر کو پسند کرتا ہے جس طرح کہ مال کا چاہنے والا ایک درم دے اور بعد چند روز دو درم دے تو وہ دو درم کو چاہتا ہے مگر سردست ایک درم کا تارک ہے۔ اسی طرح عاشق بھی خواہاں وصال ہے مگر سردست اس کو ترک کرتا ہے تاکہ آئندہ کو اچھی طرح حاصل ہو۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ عاشق کو صرف رضائے دوست مطلوب ہے اگر اس کو علم ہو کہ دوست مجھ سے راضی ہے تو اتنی لذت پاوے کہ اگر مشاہدہ اس کا میسر ہو اور وہ راضی نہ ہو تو اس مشاہدے میں وہ لذت نہ ہو، ایسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ اس کی خواہش وہی

ع اصل میں ہے کہ ادعوا لعمکم الکذ اب یعنی اپنے جھوٹے چچا کے لیے دعا کرو ۱۲

جو اس میں رضا ہو۔ اسی واسطے بعض عاشقانِ خدا کا حال اس درجہ کو پہنچ گیا ہے کہ جب معلوم کر لیا کہ خدائے تعالیٰ ہم سے اس مصیبت میں راضی رہتا ہے اور عافیت میں رضا کا حال معلوم نہیں ہوتا کہ راضی ہے یا نہیں تو مصیبت میں عافیت کی نسبت زیادہ مزہ پاتے ہیں اور بلا ہی کو زیادہ محبوب جانتے ہیں۔ اور غلبۂ عشق میں اس حال کا واقع ہونا کچھ بعید نہیں مگر یہ حالت قائم نہیں رہتی اور اگر قیام کرتی ہے تو یہ معلوم کرنا کہ صحیح حالت ہے یا دوسری کسی حالت کے باعث دل پر وارد ہو گئی ہے اور اس کے باعث دل طریقۂ اعتدال سے مائل ہو گیا۔ اس میں شک ہے اور اس کی تحقیق مناسب اس مقام کے نہیں، غرضکہ تقریر سابق سے معلوم ہوا کہ عافیت بلا کی نسبت بہتر ہے۔ ؏ اللھم انا نسئلک العفو والعافیۃ فی الدین والدنیا والاٰخرۃ

صبر و شکر میں سے کون افضل ہے؟

اس باب میں لوگوں کے اقوال مختلف ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ صبر شکر سے افضل ہے اور کچھ یہ فرماتے ہیں کہ شکر افضل ہے اور بعضوں کا قول ہے کہ دونوں برابر ہیں اور چند لوگوں کی یہ رائے ہے کہ افضلیت احوال کے اعتبار سے مختلف ہے یعنی بعض احوال میں صبر کو فضل ہے اور بعض میں شکر کو اور ان لوگوں نے اپنے اپنے قول کی دلیل بھی بہت ہی غیر منتظم سی بیان کی ہے جس سے مطلب کا حاصل ہونا بعید ہے۔ اس لیے اس کی نقل سے کچھ فائدہ نہیں بلکہ اظہارِ حق بہتر ہے۔ پس ہم کہتے ہیں کہ اس باب میں دو تقریریں ہیں، اوّل تقریر مساہلت کے طور پر ہے یعنی صرف ظاہر امر پر لحاظ کرنا اور تفتیش اور تحقیق کے درپے نہ ہونا اس طرح کا بیان عوام کے سمجھانے کے لائق ہے کیونکہ ان کا فہم باریک باتوں کے سمجھنے سے قاصر ہوتا ہے۔ واعظین کے بھی حال کے مناسب ایسا ہی کلام ہے اس لیے کہ ان کا مقصود عوام سے گفتگو کرنے کا یہی ہے کہ ان کی اصلاح ہو جاوے، جیسے دایۂ مشفقہ کہ لڑکے کو موٹے اور تیار جانور اور اقسام اور انواع شیرینی کی نہیں کھلاتی بلکہ لطیف دودھ سے اس کی پرورش کرتی ہے اور یہی سلوک اس کو چاہیے بھی کہ نفیس غذائیں لڑکے کے پاس نہ لاوے جب تک کہ اس میں قوت ان کے ہضم کی نہ آوے اور ضعف جسم دور نہ ہو جاوے۔ اسی طرح یہ بیان بھی بحث و تفصیل کے لائق نہیں بلکہ صرف شرعی ادلہ سے ظاہر مفہوم جو عوام کے شایاں ہے نکال لیتا ہے۔ اور باعتبار ظاہر جو لحاظ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ صبر افضل ہے۔ ہر چند فضائل شکر کے بھی بہت سے اخبار وارد ہیں مگر جب فضائل صبر کی نسبت ان کو دیکھتے ہیں تو صبر ہی کے فضائل زیادہ پائے جاتے ہیں اور خود الفاظ میں بھی تصریح فضل صبر کی موجود ہے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے ؏ من افضل ما اوتیتم الیقین وعزیمۃ الصبر اور ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص روئے زمین سے زیادہ تر شاکر بلایا جاوے گا اور اس کو شاکرین کا ثواب عطا ہو گا، پھر جو کہ تمام لوگوں سے زیادہ صابر ہو گا وہ بلایا جاوے گا اور اس سے

ح افضل ان چیزوں میں کی جو تم کو دی گئی ہیں، یقین اور صبر کی عزیمت ہے۔ یہ حدیث اوپر گذری ۱۲

ارشاد ہوگا کہ ہم تجھ کو اتنا ثواب دیں جتنا اس شاکر کو دیا تو راضی ہوگا وہ کہے گا کہ بے شک راضی ہوں گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمادے گا کہ ایسا نہ ہوگا ہم نے تجھ پر نعمت بھیجی تو تو نے شکر کیا، اور تجھ کو مبتلائے مصائب کیا تو تو نے صبر کیا ہم تجھ کو دونا ثواب عنایت فرماویں گے۔ پھر اس کو شاکر سے دونا ثواب مرحمت کیا جاوے گا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[ت۱]۔ انما یوفی الصبرون اجرھم بغیر حساب اور یہ حدیث[ح۲] شریف وارد ہے الطاعم الشاکر بمنزلة الصائم الصابر یعنی غذا کھانے والا جو شکر کرے وہ ایسا ہے جیسا روزہ دار صبر کرے۔ تو اس سے بھی فضیلت صبر کی پائی جاتی ہے اس لیے کہ درجۂ شکر کے بڑھانے کو اس کو صبر سے تشبیہ دی اور تشبیہ دینے میں اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ مشبہ بہ رتبہ میں اعلیٰ ہووے تو اگر صبر کو فضل نہ ہوتا تو شکر کو اس کے ساتھ شریعت میں تشبیہ نہ دی جاتی۔ اور یہ تشبیہ ایسی ہے جیسے ان حدیثوں میں ارشاد ہے[ح۳] کہ الجمعة حج المساکین وجہاد المرأة حسن التبعل اور[ح۴] شارب الخمر کعابد الوثن اسی طرح یہ حدیث[ح۵] الصبر نصف الایمان سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ شکر اس کے برابر ہے اور یہ فرمانا ایسا ہے جیسے یہ فرمایا ہے[ح۶] الصوم نصف الصبر بلکہ اصل یہ ہے کہ جس چیز کی دو قسمیں ہوتی ہیں ان میں سے ایک کو اس شئے کا نصف کہہ دیا کرتے ہیں گو دونوں میں فرق ہو۔ مثلاً کہتے ہیں کہ ایمان علم و عمل کا نام ہے، اس سے معلوم ہوا کہ عمل نصف ایمان ہے اس سے یہ نہیں پایا جاتا کہ عمل برابر علم کے ہے۔ علاوہ ازیں ایک حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[ح۷] کہ نبیوں میں سے جنت میں حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی سلطنت کے باعث سب سے پیچھے داخل ہوں گے اور میرے اصحاب میں سے عبدالرحمٰن بن عوف اپنے غنا کے سبب سب سے پیچھے جنت میں جاویں گے اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام چالیس برس پیچھے نبیوں سے جنت میں داخل ہوں گے۔ یہ حال تو غنا کا فرمایا۔ اور فقراء اور اہلِ مصائب کے باب میں ارشاد ہے کہ جنت کے سب دروازوں کے دو کواڑ ہیں مگر باب صبر کا ایک ہی کواڑ ہے اوّل جو شخص اس میں گھسیں گے وہ اہل مصائب ہوں گے ان کے پیشوا حضرت ایوب علیہ السلام ہوں گے۔ تو فضائل فقر سے بھی صبر کی فضیلت معلوم ہوتی ہے اس واسطے کہ صبر فقر کے حال کا نام ہے

ت ۱ ٹھہرنے والوں ہی کو ملتا ہے ان کا نیگ ان گنت ح ۲ ترمذی و ابن ماجہ بروایت ابو ہریرہؓ عہ اس کی اصل مجھے نہیں ملی ۱۲

ح ۳ جمعہ حج ہے مسکینوں کا اور عورت کا جہاد شوہر کے ساتھ اچھی طرح رہنا ہے ۱۲ حارث ابن ابی اسامہؒ نے بروایت ابن عباسؓ اس کا پہلا ٹکڑا روایت کیا ہے اور طبرانی نے بروایت ایضاً دوسرا ٹکڑا ملایا اور دونوں کی سند ضعیف ہے ۱۲ ح ۴ شراب کا پینے والا مثل بت پرست کے ہے ۱۲ حارث بن ابی اسامہؒ بروایت عبداللہ بن عمرو بسند ضعیف ح ۵ صبر آدھا ہے ایمان کا ۱۲ پہلے گذری ح ۶ روزہ آدھا ہے صبر کا ۱۲ پہلے گذری ۱۲

ح ۷ طبرانی در اوسط بروایت معاذ بن جبل پہلا حصہ اور بزار بروایت انس اور بزار کی سند میں اغلب بن تمیم ضعیف ہے ۱۲

ح ۸ طبرانی بروایت معاذ بن جبل اس کی اصل مجھے نہیں ملی ۱۲ اور جو احادیث کہ ابواب جنت کے باب میں صحیحین میں مروی ہیں ان سے تفرقہ ثابت ہے۔ ۱۲

اور شکر غنی کے حال کا غرض یہ وہ تقریر ہے کہ عوام اس پر قانع ہوتے ہیں اور جو وعظ کہ ان کے شایاں حال ہو اس میں اس قدر تبلا دینا کافی ہے کہ اسی میں ان کے دین کی مصلحت ہے۔ دوسری تقریر وہ ہے جس سے کہ اہل علم و بصیرت کو حقائق امور پر بطریق کشف اطلاع دینا مقصود ہے اس کے لیے ہم کہتے ہیں کہ ہر ایک قسم کے دو مبہم امروں میں باوجود ابہام کے مقابلہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ ہر ایک کی حقیقت نہ واضح ہو اور جن چیزوں کی حقیقت بھی کھل جاوے اور وہ چند اقسام پر مشتمل ہوں ان میں بھی ہیئت اجتماعی برابری نہیں ہو سکتی بلکہ ضرور ہے کہ ہر ایک چیز کی ایک ایک فرد کا مقابلہ کیا جاوے تاکہ زیادتی معلوم ہو۔ اب صبر اور شکر کو جو دیکھتے ہیں تو ان کے اقسام اور فروع بہت ہیں اس لیے کمی زیادتی مجملاً نہیں بیان ہو سکتی بلکہ دونوں کے ہر ہر فرد کو مقابلہ کرنا چاہیے۔ پھر یہ امر پہلے گزر چکا ہے کہ اسی طرح کے مقامات خواہ صبر و شکر ہوں یا اور کوئی تین افراد سے مرکب ہوتے ہیں۔ علوم اور احوال اور اعمال اور ان تینوں چیزوں میں سے اگر ایک دوسرے کی مساوات پر غور کرتے ہیں تو ظاہر کے دیکھنے والوں کو تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ علوم سے مراد احوال ہیں اور احوال کی طلب اعمال کے لیے ہوتی ہے تو اس اعتبار سے اعمال افضل ٹھہرے مگر ارباب وطن کے نزدیک معاملہ برعکس ہے ان کو اعمال سے غرض حصول احوال ہے اور احوال کی طلب علوم معرفت کے لیے کرتے ہیں تو ان کے نزدیک علوم افضل ہیں اور پھر احوال ہیں پھر اعمال کیونکہ جو چیز ذریعہ کسی دوسری چیز کا پڑتی ہے تو دوسری چیز اس سے عمدہ ہوتی ہے اور ان تینوں چیزوں کے جدا جدا افراد کو اگر دیکھتے ہیں تو اعمال کے افراد اگر ایک دوسرے کی نسبت کر دیکھے جاویں تو بعضے مساوی ہیں اور بعضے کم و بیش اسی طرح احوال کے افراد کا حال ہے کہ اگر ان میں بھی ایک دوسرے کی طرف لحاظ کر کے دیکھیں تو یا برابر ہوں گے یا کم و بیش، ایسا ہی افراد علوم و معارف کو سمجھنا چاہیے اور سب معارف میں سے افضل علوم مکاشفہ ہے اور یہ علوم معاملے کے علوم سے اعلیٰ اور اشرف ہیں اور علوم معاملہ خود معاملہ کی نسبت کر بھی کم تر ہیں اس لیے کہ ان کی طلب معاملہ ہی کے لیے ہوتی ہے۔ یعنی ان کا فائدہ اصلاح عمل ہے اور حدیث میں جو فضیلت عالم کی آتی ہے اس سے یہ مراد ہے کہ علم اس کا ایسا ہو جس کا نفع عام ہو پس عالم البتہ کسی خاص عبادت کرنے والے کی نسبت افضل ہو گا ورنہ اگر علم اس کا عمل سے قاصر ہے تو یہ علم نرے عمل سے افضل نہیں ہو سکتا۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ اصلاح عمل سے فائدہ یہ ہے کہ حال قلب کی اصلاح ہو اور حال قلب کی اصلاح کا یہ فائدہ ہے کہ اہل دل پر جلال ذات و صفات و افعال الٰہی منکشف ہوں اس سے معلوم ہوا کہ علم مکاشفہ میں بڑا رتبہ معرفت الٰہی کا ہے اور یہی انتہائے مقصود ہے جو نفس نفیس مطلوب ہے اس لیے کہ سعادت اخروی اسی سے ملتی ہے بلکہ عیش سعادت یہی ہے کہ دل کو کبھی اس بات کا علم دنیا میں نہیں بھی ہوتا کہ عین سعادت معرفت الٰہی ہے۔ بلکہ آخرت میں اس سے واقف ہوتا ہے، غرضکہ معرفت الٰہی سب میں عمدہ چیز ہے اس پر کچھ روک نہیں تو غیر کے مفید بھی نہیں اور اس کے سوا جتنی معرفتیں ہیں سب اس کی تابع اور خادم ہیں کیونکہ اور معارف اس لیے مطلوب ہوتے ہیں کہ معرفت الٰہی حاصل ہو اور جب یہ بات ٹھہری کہ سب معرفتیں معرفت الٰہی کے حاصل ہونے کے لیے مطلوب ہوتی ہے۔ تو جس قدر جو معرفت اس مطلب میں بکار آمد ہو گی اسی قدر اس کا تفاوت بھی ایک دوسرے سے ہو گا

مثلاً بعض معارف ایک ہی واسطے سے معرفت الٰہی تک پہنچاتے ہیں اور بعض کو بہت سے وسائل چاہئیں تو جس معرفت میں اور معرفت الٰہی میں واسطہ کم ہوگا وہ دوسرے کی نسبت کہ افضل ہوگی اور احوال قلب سے ہماری غرض اس کا پاک وصاف ہوتا ہے دنیا کی آلودگی اور خلق کے اشتغال سے یہاں تک کہ پاک وصاف ہو کہ اس پر حقیقت حق واضح ہو جاتے اس سے معلوم ہوا کہ احوال میں فضیلت اسی قدر کہ ان کو تاثیر قلب کی اصلاح اور صفائی میں ہوگی اور جس قدر کہ اس میں لیاقت علوم مکاشفہ کے حاصل ہونے کی پیدا کر سکیں گے اور جس طرح کہ آئینہ کی جلاتے کامل ہیں ایسے ایسے احوال کے مقدم کرنے کی حاجت ہوتی ہے جن میں سے بعض جلا دینے میں قریب تر ہوتے ہیں، بعض سے اسی طرح احوال قلب کا حال ہے۔ جو حالت کہ صفائے قلب کے قریب ہوگی وہ دوسری حالتوں سے افضل ہوگی اس لیے کہ وہ اوروں کی نسبت اصل مقصود کے قریب ہوگی اور اسی ترتیب کو اعمال میں بھی تصور کرنا چاہیے اس واسطے کہ اعمال کی تاثیر ہی سے قلب کی صفائی کی تاکید ہوتی ہے اور انہیں کے باعث دل پر حالات آتے ہیں اور جو عمل ہے وہ دو صورتوں سے خالی نہیں یا تو دل پر ایسے حالات لاتا ہے جو مانع مکاشفہ کے ہو اور موجب تاریکی دل اور باعث کشش مکروہات دنیاوی کی طرف ہو یا ایسی حالت پر لاوے جس سے دل مکاشفہ کے لیے مستعد ہو اور صفائی پیدا کرے اور علائق دنیاوی برطرف ہو جاویں، حالت اوّل کا نام معصیت ہے اور دوسرے کا نام طاعت اور معاصی باعتبار قلب کے تاریک اور سخت کرنے کے متفاوت ہیں اسی طرح طاعات بھی دل کے روشن وصاف کرنے میں مختلف ہیں۔ یعنی معاصی اور طاعات کے درجات ان کی تاثیر پر منحصر ہیں اور یہ امر احوال کے اختلاف سے مختلف ہوتا ہے مثلاً ہم مطلقاً کہہ سکتے ہیں کہ نماز نفل سب نفل عبادتوں سے افضل ہے اور حج کرنا صدقہ سے بہتر ہے اور تہجد پڑھنا اور نوافل سے بہتر ہے مگر تحقیق یہ ہے کہ جو مالدار کہ اس پر بخل غالب ہو اور محبت مال کی زیادہ رکھتا ہو تو اس کے لیے ایک درم خیرات کرنا بہت سی شب بیداریوں اور روزوں سے افضل ہے۔ اس لیے کہ روزہ اس شخص کے شایان ہے جس پر شہوت شکم غالب ہو اور وہ اس کو توڑنا چاہے یا شکم سیری اس کو مانع فکر و ذکر سے ہوتی ہو اس کو دور کرنے کی تدبیر بھوک سے کرتا ہو مگر کم بخت بخیل کا تو یہ حال نہیں کہ پیٹ کی شہوت سے اس کو ضرر تھا یا شکم سیری سے فکر علوم مکاشفہ نہیں کر سکتا تھا۔ پھر اس کا روزہ رکھنا اپنی حالت چھوڑ کر دوسرے کی اختیار کرنا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی بیمار کے پیٹ میں درد ہو اور وہ علاج دردسر کا کرے تو بھلا اس علاج سے اس کو کیا فائدہ ہوگا بلکہ اس کو تو یہ مناسب ہے کہ جو بلائے مہلک اپنے اوپر مسلط ہے اس کو دور کرے اور بخل ان مہلکات میں سے ہے کہ اگر سو برس کے روزے رکھا کرے اور ہزار رات جاگے تو اس میں سے ایک ذرہ بھی کم نہ ہوگا۔ اس کو دور کرنے کی تدبیر سوائے مال کے خیرات کرنے کے اور کوئی نہیں اس کے اوپر واجب یہی ہے کہ جو کچھ اپنے پاس ہو اس کو خیرات کر دے اور اس کی تفصیل جلد سوم میں اس کتاب کی موجود ہے۔ وہاں دیکھ لینی چاہیے۔ غرض کہ تاثیر طاعت حالات کے اعتبار سے مختلف ہوا کرتی ہے۔ اب اہل ذکاء کو معلوم ہوا ہوگا کہ اسباب میں مطلق جواب کہہ دینا غلط ہے مثلاً اگر کوئی سوچے کہ روٹی افضل ہے یا

پانی تو اس کا جواب ٹھیک جب ہی ہوگا جب یہ کہو کہ بھوکے کو روٹی افضل ہے اور پیاسے کو پانی، اور اگر کسی میں دونوں چیزیں موجود ہوں تو جو ان دونوں میں سے غالب ہوگی اس کے اعتبار سے حکم فضیلت کا دیا جاوے گا یعنی پیاس غالب ہوگی تو پانی کو افضل کہیں گے اور بھوک غالب ہوگی تو روٹی کو اور اگر دونوں مساوی ہوں گے تو یہ دونوں بھی مساوی ہوں گے۔ اسی طرح اگر یہ پوچھا جاوے کہ سکنجبین اچھی ہے یا شربت نیلوفر تو مطلق جواب ہرگز نہ درست ہوگا۔ ہاں اگر کوئی یہ پوچھے کہ سکنجبین افضل ہے یا صفرا کا نہ ہونا، تب ہم صفراء کے نہ ہونے کو عمدہ بتاویں گے اس واسطے کہ سکنجبین کی ضرورت اس کے لیے ہوتی ہے اور یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ جو شئے غیر کے لیے مطلوب ہوتی ہے تو غیر چیز اس سے اچھی ہوتی ہے۔ حاصل یہ کہ شخص مذکور کے لیے بہتر مال دینا ہے اس لیے کہ مال کا دے ڈالنا ایک عمل ہے جس سے ایک حالت یعنی زوال بخل اور محبت دنیا کا دل سے نکلنا حاصل ہوتی ہے اور جب دل محبت دنیا نکل جاتی ہے تو اس کو معرفت الٰہی کی حاصل ہوتی ہے پس افضل تر معرفت اور اس سے کم تر حال اور اس سے کم تر عمل۔ اب یہاں کوئی اگر اعتراض کرے کہ تم عمل کو افضل نہیں بتلاتے، حالانکہ شرع میں ترغیب اعمال کی موجود ہے اور ان کے فضل کے ذکر میں بہت مبالغہ پایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ شارع نے خود صدقات کو طلب فرمایا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا[۱] من ذا الذی یقرض اللہ قرضًا حسنًا اور فرمایا[۲] خذ الصدقات پس کیا وجہ ہے کہ عمل افضل نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ طبیب اگر کسی دوا کی تعریف کرے تو اس کی تعریف کرنے سے یہ نہ جاننا چاہیے کہ وہی دوا بذات خود مقصود ہے اور شفا سے بڑھ کر ہے جو اس سے حاصل ہوتی ہے بلکہ اس کی تعریف میں ایک حکمت ہے کہ اگر مریض اس کا استعمال کرے گا تو شفا جو مطلوب حاصل ہوگی۔ اسی طرح اعمال بھی دل کے امراض کی دوا ہیں اور بیماری دل اکثر معلوم نہیں ہوتی جیسے کسی کے منہ پر برص کے داغ ہوں اور اس کے پاس آئینہ نہ ہو تو اس کو کبھی خبر نہ ہوگی کہ مجھ میں یہ عیب ہے اور اگر کوئی اس سے کہے گا تو اس کی بات نہ مانے گا تو ایسے شخص کا علاج یہی ہے کہ اس کے سامنے بہت مبالغہ سے تعریف مثلاً گلاب سے منہ دھونے کی کی جاوے اگر گلاب سے داغ برص دور ہوتے ہوں، یا دوسری کسی ایسی ہی چیز سے جو اس کو زائل کرتی ہو اس سے منہ دھونے کا مبالغہ کیا جاوے تاکہ بہت سی تعریف سے شخص مذکور مداومت اس شے کی کرے اور مرض اس کا دور ہو جاوے کیونکہ اگر اس سے اول ہی کہہ دیگا کہ مقصود یہ ہے کہ تیرے منہ پر سے برص زائل ہو جاوے تو وہ علاج چھوڑ دے گا اور کہے گا کہ میرے منہ پر تو کوئی عیب نہیں۔ ایک اور مثال اس سے بھی قریب تر سننی چاہیے کہ ایک شخص کے ایک لڑکا ہے جس کو اس نے قرآن پڑھایا اور علم سکھایا اور اس کو یہ منظور ہے کہ یہ دونوں چیزیں اس کو یاد رہیں اور کبھی فراموش نہ ہوں، اور یہ جانتا ہے کہ اگر میں اس کو مکرر پڑھنے کی اور مطالعہ کی تاکید کروں گا وہ جواب میں کہے گا کہ مجھے یاد ہیں،

---

[۱] کون شخص ہے ایسا جو قرض دے اللہ کو اچھا قرض ۱۲ [۲] اور لیتا ہے زمین کو ۱۲

کچھ حاجت دور و تکرار کی نہیں کیونکہ اس کو یہ گمان ہے کہ جو چیز مجھے اب یاد ہے وہ ہمیشہ کو ایسی ہی رہے گی اور فرض کرو کہ اس شخص کے یہاں کچھ غلام بھی ہیں اس نے اپنے لڑکے کو حکم کیا کہ تو ان لڑکوں کو پڑھایا کر کہ ہم تیرے ساتھ اچھی طرح پیش آیا کریں گے اور عمدہ وعدے اس کو سنا دیتے تاکہ اس کا ارادہ تعلیم مستحکم ہو جاوے تو ایسی صورت میں لڑکا سادہ لوح بھی یہی گمان کرتا ہے کہ مقصود صرف غلاموں کی تعلیم ہے کہ ان کو قرآن آجاوے اور اس خیال سے بڑا پریشان ہوتا ہے کہ عجیب طرح کا حال ہے کہ باوجودیکہ باپ کے نزدیک میرا رتبہ ان غلاموں سے بڑھ کر ہے مگر پھر بھی مجھ سے ان کی خدمت کرائی جاتی ہے کہاں میں اور کہاں یہ لوگ، اور مجھے معلوم ہے کہ اگر میرا باپ ان کو پڑھانا چاہتا اور مجھ کو تکلیف نہ دیتا تب بھی ہو سکتا تھا، اور یہ بھی جانتا ہوں کہ اگر یہ سب غلام میرے باپ کے یہاں نہ رہیں تو اس کا کچھ نقصان نہیں، تو اگر عالم قرآن نہ ہوں گے تو کونسی خرابی پیش آوے گی ایسے ایسے خیالات سے وہ بیچارہ کبھی کسل کرنے لگتا ہے کہ ان کو پڑھا کر کیا ہوگا ہمارے باپ کو ان کی کیا پرواہ اور اگر یہ کام میں نہ کروں گا تو وہ مجھے ان کے عوض میں تھوڑا ہی کچھ کہے گا بلکہ معاف کر دے گا پس علم و قرآن کی مزاولت نہ رہنے سے دونوں بھول جاتا ہے اور بدبخت و محروم رہتا ہے اور اس کو خبر بھی نہیں ہوتی بعض لوگ ایسی طرح کے خیال خام میں دھوکا کھا گئے اور طریق اباحت کو اختیار کر لیا۔ ان کی تقریر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو نہ ہماری عبادت کی پرواہ نہ ہم سے قرض لینے کی ضرورت پھر اس کے کیا معنی ہیں من ذا الذی یقرض اللہ قرضاً حسناً اور اگر خدائے تعالیٰ کو مسکین کا کھلانا منظور ہو تو کھلا سکتا ہے اس کی کیا حاجت ہے کہ ہم ہی ان کو اپنا روپیہ دیں تو ان کو غذا ملے۔ چنانچہ کفار کا اسی طرح کا قول خداوند کریم بھی نقل فرماتا ہے[ت۱] واذا قیل لھم انفقوا مما رزقکم اللہ قال الذین کفروا للذین اٰمنوا انطعم من لو یشاء اللہ اطعمہ اور دوسری جگہ یہ قول[ت۲] لو شاء اللہ ما اشرکنا ولا اٰباؤنا تو اب دیکھنا چاہیئے کہ ان کفار کا قول کیسا سچا تھا مگر اپنے سچ ہی سے کیسے تباہ ہو گئے۔ سبحان اللہ کیا شان ہے جب چاہے سچ سے ہلاک کر دے اور جب چاہے جہل سے سعادت کو پہنچاوے[ت۳] یضل بہ کثیراً ویھدی بہ کثیراً خود فرماتا ہے۔ ان لوگوں نے جب یہ خیال کیا کہ ہم سے مساکین کی خدمت کرائی جاتی ہے کہ خدا کے واسطے ان کو خیرات دو اور ہم کو نہ مساکین سے کچھ ملتا ہے نہ خدا تعالیٰ کو ہم سے اور ہمارے مال سے کچھ فائدہ ہے تو پھر دینا اور نہ دینا برابر ہے تو یہ لوگ بھی ہلاک ہو گئے جیسا کہ اوپر کی مثال میں وہ لڑکا ہلاک ہوا تھا جس نے یہ خیال کر لیا کہ باپ نے مجھ کو ان کی خدمت کرنے پر مقرر کر دیا، اس نے نہ جانا کہ باپ کا مقصود یہ نہ تھا کہ صفت علم پسر کے نفس میں خوب پختہ اور مستحکم ہو جاوے اور دل پر کنقش الحجر جم جاوے تاکہ موجب سعادت دنیاوی ہو، اور یہ بات والد کی طرف سے کمال شفقت کی تھی کہ ایسے

ت۱ اور جب کہیے ان کو خرچ کرو کچھ اللہ کا دیا کہتے ہیں منکر ایمان والوں کو ہم کیوں کھلاویں اس کو کہ اللہ چاہتا تو اسکو کھلاتا ۱۲ ت۲ اگر اللہ چاہتا تو نہ شریک ٹھہراتے ہم اور نہ ہمارے باپ ۱۲ ت۳ گمراہ کرتا ہے اس سے بہتیرے اور راہ پر لاتا ہے اس سے بہتیرے ۱۲

دھیان میں لگایا تھا جس میں سعادت پسر کی تھی۔ اس مثال سے ان لوگوں کی گمراہی جنہوں نے اس طریق کو چھوڑ دیا، ناظرین پر واضح ہے۔ اس سب تقریر سے معلوم ہوا کہ جو مسکین سے کچھ لے جاتا ہے وہ بواسطہ اس ادنی مال کے بخل کی خباثت اور دنیا کی محبت دینے والے کے دل میں سے نکالتا ہے اور یہ دونوں مہلک چیزیں ہیں تو سائل کی مثال ایسی ہے جیسے پچھنے لگانے والا کہ وہ آدمی کا خون اس لیے نکالتا ہے کہ خون کے ساتھ مرض مہلک بھی جاتا رہے۔ پس واقع میں پچھنے لگانے والا مریض کا خادم ہے نہ مریض اس کا خادم، اور اگر بالفرض حجام کو بھی کوئی غرض خون نکالنے سے مثلاً خون میں کپڑا رنگنا ہو تب بھی وہ خادم ہونے سے نہ نکل جاوے گا اور چونکہ صدقات باطن کو پاک کرتے ہیں اور اندر سے بری صفات کو دور کرتے ہیں اسی جہت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقات کو نہ لیا اور نہ اپنے لیے جائز سمجھا اور اپنے اہل بیت کو بھی ان سے شرف ضیافت عنایت فرمایا اور پچھنے لگانے والے کی مزدوری کو بھی بہیں وجہ منع فرمایا اور اس کا نام سب مالوں کا میل رکھا۔ حاصل یہ کہ اعمال دلوں پر اثر کرتے ہیں۔ جیسا کہ جلد سوم میں گذرا اور جس قدر عمل سے تاثیر دل میں ہوتی ہے اسی قدر دل کو استعداد قبول ہدایت اور نور معرفت کی حاصل ہوتی ہے۔ پس یہ ہے قول کلی اور قاعدہ اصلی جس کی طرف فضائل اعمال اور احوال اور معارف کے پہچاننے میں رجوع کرنا چاہیئے۔ اب ہم خاص ان دونوں اشیاء یعنی صبر اور شکر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور کہتے ہیں ان دونوں میں ہر ایک میں معرفت اور حال اور عمل ہی ہے اور یہ ہو نہیں سکتا کہ ایک کی معرفت کو دوسرے کے حال اور عمل سے مقابلہ کیا جاوے بلکہ مقابلہ نظیر کا نظیر سے چاہیئے تاکہ مناسبت ظاہر ہو اور تناسب کے باعث ایک کا فضل دوسرے پر ثابت ہو۔ اب معرفت شاکر اور معرفت صابر کو جو مقابلہ کیا جاتا ہے تو دونوں کا مآل ایک ہی معرفت پر آجاتا ہے۔ مثلاً معرفت شاکر کی آنکھ کے باب میں یہ ہے کہ آنکھوں کی نعمت کو خدا تعالیٰ کی طرف سے جانے اور معرفت صابر کی ان میں یہ ہے کہ نابینائی کو خدا کی طرف سے جانے اور یہ دونوں معرفتیں ایک دوسرے کے لازم اور مساوی ہیں اور یہ اس صورت میں ہے کہ صبر کو بلا اور مصائب میں لیا جاوے اور ازانجا کہ موافق بیان گذشتہ کے صبر کبھی طاعت پر بھی ہوتا ہے اور کبھی صبر معصیت سے ہوتا ہے تو ایسے مقامات میں صبر اور شکر ایک ہی ہوں گے بایں وجہ کہ طاعت پر صبر کرنا عین شکر گذاری طاعت کی ہو گی، کیونکہ شکر کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کو اس حکمت کی طرف پھیرنا جو اس سے مقصود ہے اور صبر کے یہ معنی ہیں کہ باعث ہوا کے مقابلہ میں باعث دینی کا قائم اور مستقل رہنا، تو یہاں صبر اور شکر دو الفاظ مختلف ایک معنی خاص کے ہیں دونوں میں فرق اعتباری ہے۔ دیکھو اگر باعث دین کا ثابت رہنا، مقابلہ میں باعث ہوا کے باعتبار باعث ہوا کے لحاظ کرو تو اس کا نام صبر ہو گا اور اگر باعث دین کی نسبت کر دیکھو تو شکر کہلاوے گا کیونکہ باعث دین اپنی حکمت مقصود تک پہنچ جاتا ہے۔ غرض جب دونوں مدلول ایک ہی ہوں تو ایک ہی چیز اپنے نفس سے کیسے کم زیادہ ہو گی اور ازانجا کہ صبر تین جگہ میں ہوا کرتا ہے

ح مسلم بروایت عبدالمطلب بن ربیعہ ح جلد دوم میں گذری ۱۲

طاعت اور معصیت اور بلا، اور طاعت اور معصیت میں اس کا حکم معلوم ہو چکا تو اب بلا کا حکم سننا چاہیئے کہ بلا نعمت کے جاتے رہنے کو کہتے ہیں اور نعمت یا تو ضروری ہے جیسے آنکھیں اور حاجت کے محل میں واقع ہو یعنی اس کی طرف حاجت پڑتی ہو جیسے مال مقدار کفایت سے زیادہ پس آنکھوں کے باب میں اندھے کے صبر سے یہ غرض ہے کہ شکایت ظاہر نہ کرے اور حکم خدا پر رضامندی ظاہر کرے اور اپنی نابینائی کے باعث بعض گناہوں کی اجازت نہ مانگے اور بینا آدمی کا شکر ان عمل کے اعتبار سے دو طرح پر ہے اوّل تو ان کو معصیت میں استعمال نہ کرے دوسرے یہ کہ طاعت میں استعمال کرے اور یہ باتیں دونوں صبر سے خالی نہیں مثلاً اندھے کو خوبصورتوں سے صبر کرنے کی ضرورت ہی نہیں اس واسطے کہ وہ ان کو دیکھتا ہی نہیں اور بینا آدمی کی آنکھ جو خوبصورت پر پڑے گی اور صبر کرے گا تو آنکھوں کی نعمت کا شکر گذار ہو گا اور اگر دوبارہ پھر دیکھے گا تو اس نعمت چشم کا ناشکر ہو گا اس سے معلوم ہوا کہ شکر کی حالت میں صبر داخل ہے۔ اسی طرح جب آنکھوں سے طاعت پر مدد لے گا۔ تب بھی صبر طاعت پر کرنا پڑے گا پھر کبھی آدمی آنکھوں کی نعمت کا شکر اس طرح ادا کرتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کی صنعت کے عجائبات دیکھتا ہے تاکہ اس سے معرفت خدائے پاک تک پہنچ جاوے تو اس طرح کا شکر صبر سے افضل ہے اور اگر یہ بات نہ ہو تو چاہیئے یوں کہ رتبہ حضرت شعیب علیہ السلام کا جو انبیاء علیہم السلام میں بصیر نہ تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کے رتبہ سے بڑھ کر ہوا اس لیے کہ انہوں نے بینائی کے جاتے رہنے پر صبر کیا اور حضرت موسیٰ اور دوسرے انبیاء نے نہیں کیا اور اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ کمال اسی میں ہے کہ آدمی کے سب اعضاء جاتے رہیں اور ایک مضغۂ گوشت ہو کر پڑا رہے حالانکہ یہ بات نہیں، اس لیے کہ اعضاء میں سے ہر ایک عضو ایک آلہ دین کا ہے۔ جب وہ عضو جاتا رہے گا تو وہی رکن دین جس کا یہ عضو آلہ تھا جاتا رہے گا اور شکر ہر ایک عضو کا یہ ہے کہ جس بات دینی کے واسطے وہ بنا ہے اس کو اسی میں برتے اور یہ استعمال بھی بدون صبر نہ ہو گا اور جو نعمت کہ محل حاجت میں واقع ہوتی ہے مثلاً مال میں سے قدر کفایت پر زیادہ ہونا اس کا حال یہ ہے کہ اگر آدمی کو قدر ضرورت ہی مال ملا ہے اور اس کو حاجت زیادہ کی بھی ہے تو اس زیادتی سے صبر کرنا مجاہدہ ہے اور یہ جہاد فقراء کا ہوتا ہے اور اگر قدر ضرورت سے زیادہ ملا تو زیادتی نعمت کہلاتی ہے اور اس کا شکر یہ ہے کہ خیرات میں صرف کر دی جاوے معصیت میں صرف نہ ہو پس اگر صبر کو اس شکر کی نسبت کر دیکھیں جس سے غرض صرف کرنا مال کا طاعت میں ہے تو شکر درجے میں افضل ہو گا کیونکہ ایسا شکر متضمن صبر کو بھی ہے اس لیے کہ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ اللہ کی نعمت پر خوش ہو کر فقراء پر صرف کرنے کی تکلیف گوارا کی اور عیش مباح میں صرف نہ کیا تو خلاصہ یہ ہوا کہ ایسے شکر میں دو باتیں موجود ہیں جن میں سے ایک صبر ہے اور اس صورت میں شکر کل ہوا اور صبر جزو، اور ظاہر ہے کہ کل اپنے جزو سے بڑا ہوتا ہے اور اس دلیل میں اتنا خدشہ ہے کہ مقابلہ کل کا جزو سے درست نہیں لیکن جس صورت میں کہ شکر اس طور پر ہو گا کہ اس نعمت کو معصیت میں صرف نہ کرے بلکہ عیش مباح میں صرف کرے تو یہاں صبر شکر

کی نسبت افضل ہوگا۔ اور فقیر صابر اس مالدار کی نسبت افضل ہوگا جو اپنا مال روک کر مباحات میں صرف کرتا ہو مگر اس مالدار کی نسبت افضل نہ ہوگا جو اپنے مال کو خیرات میں صرف کرتا ہو اس واسطے کہ فقیر نے اپنے نفس پر مجاہدہ کیا اور اس کی حرص کو توڑا اور خدا تعالیٰ کے امتحان پر اچھی طرح راضی رہا اور اس کے لیے ایک قوت چاہیئے بخلاف اوّل قسم کے غنی کے کہ اس نے اپنی حرص کا اتباع کیا اور شہوت کی اطاعت کی مگر صرف مباح ہی پر اکتفاء کیا اور مباح میں حرام سے بچاؤ ہے۔ ہر چند حرام سے بچنے کے لیے بھی صبر میں قوت چاہیئے۔ مگر جو قوت کہ اس سے فقر کا صبر صادر ہوتا ہے وہ اس غنی کی قوت سے بہت اعلیٰ اور کامل ہے جو صرف مباحات پر اکتفاء کرتا ہے۔ علاوہ ازیں شرف اسی قوت کو ہوتا ہے جس پر عمل دلالت کرے اس لیے کہ اعمال صرف اسی لیے مطلوب ہوتے ہیں کہ ان سے قلب کے حالات حاصل ہوں اور یہ قوت فقیر کے قلب کی ایک حالت ہے کہ جس قدر قوت ایمان میں ہوگی اسی قدر اس میں بھی ہوگی پس جو چیز کہ قوت ایمان کی زیادتی پر دلالت کرے وہ بیشک اوروں سے افضل ہوگی۔ اس سے ثابت ہوا کہ قوت صبر فقیر کی افضل ہے غنی کی قوت سے اور جس قدر کہ آیات و اخبار میں فضیلت صبر کے ثواب کی شکر کے ثواب پر وارد ہے اس سے یہی خاص مرتبہ مراد ہے کیونکہ لوگ نعمت سے ابتداءً یہی معنی سمجھتے ہیں کہ اموال اور ان سے متمتع ہونے کا نام ہے اور شکر سے بھی یہی سمجھتے ہیں کہ آدمی اپنی زبان سے الحمد للہ کہے اور نعمت سے مدد معصیت پر نہ لے۔ یہ کوئی نہیں سمجھتا کہ نعمت کو طاعت ہی میں صرف کرے پس اسی لحاظ سے صبر شکر کی نسبت افضل ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ صبر جس کو عام لوگ سمجھتے ہیں وہ اس شکر سے افضل ہے جس کو عوام جانتے ہیں اور اسی بات کی طرف جنیدؒ نے اشارہ کیا تھا۔ جب ان سے کسی نے پوچھا کہ صبر اور شکر میں سے کونسا افضل ہے تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ غنی کی مدح مال ہونے سے نہیں، نہ فقیر کی تعریف مال کے نہ ہونے سے بلکہ دونوں کی مدح اس صورت میں ہے کہ جس حالت میں وہ دونوں ہیں اس کے شرائط کا لحاظ رکھیں مگر حالت غنا کے شروط ایسے ہیں کہ نفس کے مناسب پڑتے ہیں اور تمتع اور لذت یا نفس کا حصّہ اس میں موجود ہے اور فقیر کی حالت کی شرطوں میں ایسی چیزیں جو نفس کو ایذا دیں اور اس کو رکا ہوا اور منکسر رکھیں اب ظاہر ہے کہ جب دونوں خدا کے واسطے اپنی اپنی حالت کی شرطیں ادا کرتے ہوں تو جو شخص اپنے نفس پر مشقت ڈالے گا اور منکسر رکھے گا وہ اس سے اچھا ہوگا جو اس کو تمتع اور عیش میں رکھے گا انتہیٰ، اور واقع میں ایسا ہی ہے جیسا کہ انہوں نے فرمایا مگر یہ بات صبر و شکر کے اقسام میں سے صرف اخیر میں صادق آتی ہے جو ابھی اوپر گذری اور حضرت جنیدؒ کا بھی مقصود اس قول سے یہی قسم ہے اور مشہور یوں ہے کہ ابوالعباس بن عطا اس مسئلہ میں ان کے خلاف کہتے تھے ان کا قول یہ تھا کہ غنی شاکر فقیر صابر سے افضل ہے ان کے حق میں حضرت جنیدؒ نے بددعا کی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بڑی خرابیوں میں مبتلا ہوتے مال جدا جاتا رہا اولاد جدا قتل ہوتی چودہ برس تک عقل جاتی رہی خود کہا کرتے کہ جنیدؒ کی بددعا مجھ کو لگ گئی پھر اپنے قول سے باز آتے اور فقیر صابر غنی شاکر پر ترجیح دینے لگے اور جو باتیں ہم نے لکھی ہیں اگر ان کو ملاحظہ کرو تو معلوم ہو جائے کہ ان

دونوں قول کے لیے بعض احوال میں ایک وجہ ہے یعنی بہت سے فقیر صابر غنی شاکر کی نسبت افضل ہوتے ہیں جیسا اوپر گذرا اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ غنی شاکر فقیر صابر کی نسبت افضل ہوتا ہے اور یہ وہ غنی ہے جو اپنے نفس کو فقیر کے مانند جانتا ہے اور مال اپنے نفس کے لیے قدر ضرورت کے سوا نہیں رکھتا باقی کو یا خیرات میں خرچ کر دیتا ہے یا اس لیے رکھتا ہے کہ محتاجوں اور مساکین کے کام آوے اور ان کی حاجت کو تاکتا رہتا ہے کہ جب موقع ملے تبھی صرف کر دے، پھر صرف کرنے میں بھی طلب جاہ شہرت یا استدعا قبول منت نہیں ہوتی بلکہ صرف ادائے حقوق خداوندی بندوں کے اوپر رحم کرتے میں ملحوظ رکھتا ہے تو ایسا غنی بے شک فقیر صابر کی نسبت کہ افضل ہے اب اگر کوئی یہ کہے کہ دینا تو نفس پر گراں نہیں معلوم ہوتا اور فقیر پر بھاری پڑتا ہے اس لیے کہ غنی قدرت سے واقف ہے اور فقیر صبر کی تکلیف کو جانتا ہے۔ اگر غنی کو مال کے جانے کا کچھ الم ہوتا بھی ہے تو دینے میں جو لذت قدرت ہے اس سے یہ رنج مٹ جاتا ہے پس غنی کس طرح افضل ہوگا تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہماری دانست میں وہی غنی افضل ہے جو اپنا مال رغبت اور خوشی خاطر سے دیوے ایسا شخص جو مال کا بخیل ہو اور اپنے نفس سے اس کو بتکلف جدا کرتا ہو اس کا حال خوب نہیں، چنانچہ اس کی تفصیل باب توبہ میں ہم لکھ آئے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ صرف نفس کا الم پہنچانا بذاتِ خود مطلوب نہیں بلکہ تادیب کے واسطے تکلیف دینی ہوتی ہے اور یہ بات ایسی ہے جیسے شکاری کتے کو ماریں تو جو کتا کہ آپ سیکھا ہوا ہے وہ اس سے اچھا ہے جس کو مار کی حاجت ہو گو مار پر صبر کرتا ہو، اور اسی جہت سے اول اول حاجت رنج دینے اور مجاہدے کی ہوا کرتی ہے اور آخر کو ضرورت نہیں ہوتی بلکہ انتہا میں یہ حال ہوتا ہے کہ جو چیز اول میں ناگوار گزرتی تھی وہی لذیذ معلوم ہوتی ہے۔ جیسے ہوشیار لڑکے کو پڑھنا لذیذ معلوم ہوتا ہے مگر ابتدا میں ناگوار تھا۔ اور از انجا کہ آدمی سب کے سب الا ماشاء اللہ ابتدا میں بلکہ اس سے بھی بہت پہلے سے لڑکوں کی طرح ہیں اس لیے حضرت جنیدؒ نے مطلق بیان فرما دیا کہ وہ شخص کہ اپنے نفس کو تکلیف دے افضل ہے۔ اور عوام میں آپ کا فرمانا بہت درست ہے۔ اس صورت میں اگر کسی کو جواب مفصل کہنا منظور نہ ہو اور باعتبار اکثر خلق کے مطلق بیان کرنا منظور ہو تو یہی کہنا چاہیئے کہ صبر افضل ہے شکر سے اس لیے کہ جو معنی صبر و شکر کے عوام سمجھتے ہیں ان کے اعتبار سے یہ قول ٹھیک ہے لیکن اگر تحقیق منظور ہو تو جواب مذکور کافی نہ ہوگا۔ تفصیل کرنی چاہیئے اس لیے کہ صبر کے بھی بہت درجات ہیں، کمتر یہ ہے کہ مصیبت کو برا جان کر شکایت نہ کرے اور ان درجات کے بعد مقام رضا ہے جو صبر سے اوپر ہے اور رضا کے اوپر یہ درجہ ہے کہ مصیبت میں شکر کرے اور وجہ اس شکر کے اوپر ہونے کی رضا سے یہ ہے کہ صبر تکلیف پر ہوتا ہے اور رضا ایسی چیز میں بھی ہو سکتی ہے جس میں نہ رنج ہو نہ خوشی اور شکر ایسی ہی چیز پر ہو سکتا ہے جو محبوب اور خوشی کی چیز ہو۔ تو ظاہر ہے کہ بلا پر راضی ہونا اور بات ہوئی اور اس کو خوشی کی چیز اور محبوب سمجھ کر اس پر شکر گذار ہونا اور بات۔ اور اسی طرح شکر کے بھی بہت درجات ہیں جن میں سے ہم نے سب سے اعلیٰ لکھے ہیں۔

حالانکہ ان میں کچھ باتیں ایسی بھی ہیں جو مراتب سابق کی نسبت کم ہیں۔ مثلاً اپنے اوپر خدائے تعالیٰ کی نعمتوں کے پے درپے آنے سے بندے کا شرمانا اور اپنے آپ کو شکر سے قاصر جاننا اور قدرت شکر کا عذر کرنا اور خدا تعالیٰ کے حلم اور اس کی پردہ پوشی کو سمجھنا اور اس بات کا اقرار کرنا کہ نعمتیں خدائے تعالیٰ کی جانب سے بدوں استحقاق آپ ہی آپ آتی ہیں اور یہ جاننا کہ ادائے شکر بھی ایک نعمت خدا کی طرف سے اور اس کا کرم ہے اور نعمتوں میں اچھی طرح تواضع اور انکسار کرنا اور ان کے لیے خشوع کے ساتھ رہنا یہ سب باتیں جداگانہ شکر ہیں اور جو شخص واسطہ نعمت ہو اس کا شکر گذار ہونا بھی شکر ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ[1] اور اس کی حقیقت ہم نے باب اسرار زکوٰۃ میں لکھی ہے۔ اور اعتراض کم کرنا اور منعم کے سامنے مؤدب رہنا بھی شکر ہے اور نعمتوں کو اچھی طرح قبول کرنا اور چھوٹی سی نعمت کو بڑا جاننا بھی داخل شکر ہے۔ غرضکہ جتنے اعمال اور احوال کہ لفظ شکر اور صبر کے اندر داخل ہیں وہ بے حد و شمار ہیں اور ہر ایک کا درجہ مختلف ہے تو کیسے کوئی مجملاً ایک دوسرے پر ترجیح دے سکتا ہے جب تک کہ لفظ عام سے کوئی خاص قسم کا صبر اور شکر مراد نہ کرے جیسا کہ آثار و اخبار میں وارد ہے اور بعض اکابر سے مروی ہے کہ میں نے ایک سفر میں ایک بوڑھا نہایت سالخوردہ دیکھا۔ میں نے اس کا حال پوچھا اس نے کہا کہ ابتدائے جوانی میں میں اپنے چچا کی بیٹی پر عاشق تھا اور وہ مجھ کو ایسا ہی چاہتی تھی اور اتفاق سے اس کا نکاح مجھ سے ہی ہوا شب زفاف کو میں نے اس سے کہا کہ آؤ اس رات کو نوافل شکر میں کاٹیں کہ خدا کا شکر ہے کہ ہم کو ملایا۔ غرض وہ رات ہم دونوں نے نماز میں کاٹی اور کسی کو فرصت ایک دوسرے کے پاس رہنے کی نہ ہوئی، ہر ایک کی زبان حال گویا کہہ رہی تھی ع

چلو بس ہو چکا ملنا نہ ہم خالی نہ تم خالی

جب دوسری رات ہوئی تب بھی ہم دونوں نے وہی گفتگو کی اور رات بھر شکر گذاری میں کاٹ دی، اسی طرح ستر یا اسی برس سے اسی حال پر ہم دونوں ہیں، پھر اس نے بڑھیا سے پوچھا کہ یوں ہی ہے اس نے کہا کہ واقع میں جیسا کہتا ہے ویسا ہی ہے۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ اگر بالفرض خدا تعالیٰ ان دونوں کو نہ ملاتا اور ان کو فراق میں صبر کرنا پڑتا تو اس صبر کو اس شکر وصال کی طرف جیسے انہوں نے ادا کیا نسبت کرو تو واضح ہوگا کہ بیشک یہ شکر اس صبر سے افضل ہے۔ بہر حال مشکل امور کے حقائق بدون تفصیل معلوم نہیں ہو سکتے۔ فقط۔

---

[1] جو شخص شکر نہ کرے آدمیوں کا وہ شکر نہ کرے اللہ تعالیٰ کا۔ جلد اول باب الزکوٰۃ میں گذری ۱۲

تیسرا باب خوف ورجا

رباعی

ہیں جو کہ معارف سے ذرا بھی آگاہ رہتے ہیں سدا خوف ورجا کے ہمراہ
احسن وہی عالم ہیں جو رکھتے ہیں خوف قرآن میں دیکھا انما یخشی اللہ

واضح ہو کہ خوف ورجا دو بازو ہیں جنسے مقرب آدمی عمدہ مقامات تک اُڑتے ہیں یا ان کو سواری کہنا زیبا ہے کہ جس پر سوار ہونے سے راہ آخرت کی ہر ایک گھاٹی طے ہو جاتی ہے۔ غرضکہ قرب رحمٰن اور راحت جا و دان روضۂ رضوان جو بہت دور دراز فاصلے پر اور مکروہات قلبی اور اعضا کی محنتوں سے چھپی ہوتی ہے ممکن نہیں کہ بدون ذریعۂ شدید رجا کے اس تک کوئی پہنچ سکے یا نار جحیم اور عذاب الیم جو شہوات لطیف اور لذائذ عجیبہ کے اندر مخفی ہے اس سے بدون تازیانہ خوف کے کوئی بچ سکے تو معلوم ہوا کہ ان کی حقیقت اور خوبی اور باوجود ایک دوسرے کے ضد ہونے کے تسہیل ان کے جمع کی بیان کی بہت ضروری ہے۔ لہٰذا اس باب کو دو فصلوں پر منقسم کرتے ہیں، اول فصل میں رجا کا حال، دوسری میں خوف کا حال لکھتے ہیں۔

پہلی فصل: رجا کے بیان میں

رجا کی حقیقت

رجا کی حقیقت میں واضح ہو کہ رجاء منجملۂ مقامات سالکین اور احوال طالبین کے ہے اور فرق مقام اور حال میں یہ ہے کہ جب کوئی وصف سالک میں ثابت اور قائم ہو جاتا ہے اس کو مقام کہتے ہیں اور اگر عارض اور جلد زائل ہونے والا ہو تو اس کو حال کہتے ہیں اور جیسے زردی تین طرح کی ہوتی ہے ایک پائیدار جیسے سونے کی اور ایک جلد جانے والی جیسے زردی خوف، اور ایک بین بین کہ نہ بہت جلد جاوے نہ ہمیشہ رہے جیسے زردی بیمار کے رنگ کی، اسی طرح صفات قلبی کی بھی یہی قسمیں ہیں ان میں سے جو صفت کہ ثابت نہیں رہتی اس کو حال کہتے ہیں بایں وجہ کہ جلد متغیر ہو جاتی ہے اور یہ بات اوصاف قلب میں سے ہر ایک میں جاری ہے۔ اور ہماری غرض اب رجا کی حقیقت سے ہے تو اسی کو بیان کرتے ہیں کہ رجا میں ہر چند علم اور حال اور عمل تینوں باتیں ہوتی ہیں اور علم باعث حال اور حال موجب عمل مگر گویا کہ ان میں سے رجا صرف حال ہی کا نام ہے اور اس کی توضیح یہ ہے کہ جو چیز آدمی کو محبوب یا مکروہ معلوم ہوتی ہے تو تین حال سے خالی نہیں یا وہ زمانۂ ماضی میں موجود ہے یا حال میں یا استقبال میں پس جب اس کا دھیان دل میں آتا ہے اور اس کا وجود زمانۂ ماضی میں ہو چکا تو اس دھیان کو ذکر اور تذکر کہتے ہیں اور اگر وہ چیز جو دل میں آتی ہے اس وقت موجود ہے تو اس کا نام وجد اور ذوق ہے اور ہمیں وجہ وجد کہتے ہیں کہ یہ ایک حالت ہے

جس کو آدمی اپنے نفس کی طرف پاتا ہے اور اگر دل میں کسی چیز کے وجود کا خطرہ زمانۂ آئندہ میں ہو اور یہی خطرہ دل پر چھا گیا ہو تو اس کا نام انتظار اور توقع ہے۔ پھر اگر جس چیز کا انتظار ہے وہ بُری ہو کہ اس سے دل پر صدمہ ہو تو اس انتظار کو خوف کہتے ہیں اور اگر وہ شئے محبوب ہو کہ اس کے ساتھ دل کے لگاؤ رہنے اور اس کو سوچنے سے دل کو راحت اور لذت معلوم ہوتی ہو تو اس راحت حاصل کرنے کا نام رجا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رجا کی تعریف یہ ہے کہ جو چیز دل کو محبوب ہو اس کے انتظار میں دل کا خوش ہونا۔ اور ظاہر ہے کہ جو چیز محبوب ہو گی اس کے توقع کرنے کا کچھ سبب بھی ہو گا۔ پس اگر اس جہت سے اس کا متوقع ہے کہ اس کا اکثر سامان اپنے پاس موجود ہے تو ایسی توقع پر رجا کا کہنا درست ہے اور اگر اسباب بالکل نہ ہوں یا ابتر اور بے کینڈے ہوں تو اس صورت کی توقع کا نام غرور اور بے وقوفی رکھنا چاہیئے، رجا کی نسبت اس پر بھی خوب پھبتا ہے۔ اور اگر اسباب کا وجود معلوم نہ ہو اور نہ یہ معلوم ہو کہ کوئی سبب نہیں ہے تو ایسے انتظار کو تمنی کہتے ہیں اس وجہ سے کہ انتظار بے سبب ہے۔ بہرحال رجا اور خوف ایسی اشیاء پر بولتے ہیں جن کے ہونے میں تردد ہو، اور جن کا وجود یقینی ہو وہاں رجا نہیں بولتے مثلاً طلوع کے وقت یوں نہیں کہتے کہ ہم کو آفتاب کے نکلنے کی رجا ہے اور غروب کے وقت یوں نہیں بولتے کہ مجھے خوف آفتاب کے چھپ جانے کا ہے کیونکہ طلوع و غروب یقینی چیزیں ہیں ہاں یہ کہا کرتے ہیں کہ مینہ برسنے کی رجا ہے اور خشکی کا خوف ہے اور ارباب دل پر واضح ہو چکا ہے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے اور دل مثل زمین کے ہے اور ایمان گویا تخم ہے اور طاعات ایسے ہیں جیسے زمین جوتنا اور صاف کرنا نہریں کھودنی اور اس میں پانی پہنچانا ہے اور جو دل کہ دنیا کا حریص اور اس میں ڈوبا ہوا ہے، وہ ایسا ہے جیسے زمین شور کہ جس میں بیج نہ جمے، اور چونکہ آخرت کا روز کھیت کاٹنے کا ہے تو جو کچھ کوئی بووے گا وہی کاٹے گا اور وہاں کی کھیتی بدون تخم ایمان کے نہیں بڑھتی اور ایمان خبث قلبی اور بدخلقی کے ہوتے فائدہ کم کرتا ہے جیسے شور زمین میں بیج کچھ فائدہ نہیں دیتا تو جو بندہ توقع مغفرت کی رکھتا ہے اس کا حال کھیت والے ہی کا سمجھنا چاہیئے یعنی اگر کسی کسان نے زمین عمدہ تلاش کر لی اور اس میں بیج میں قسم اوّل ڈالا جو نہ بگڑا تھا نہ بودار پھر اور حاجتیں جو کھیتی کے لیے چاہیئے تھیں وہ بھی ادا کیں کہ وقت پر پانی دیا اور کانٹوں اور گھاس سے اس کو نلایا اور جو چیز مانع بیج کے جمنے اور بڑھنے کی نظر آئی اس کو دفع کیا پھر اللہ کے فضل سے توقع کی کہ کھیتی کے تیار ہونے تک وہ آفات ارضی و سماوی سے اس کو محفوظ رکھ کر ہم کو غلہ عنایت فرماوے گا تو اس کی توقع کو رجا کہیں گے اور اگر تخم کسی اونچی شور زمین میں ڈالا کہ جہاں پانی نہیں پہنچ سکتا اور بیج کی خبر نہ لی پھر منتظر کھیت کاٹنے کا ہوا تو اس کے انتظار کو رجا نہ کہیں گے، بلکہ بیوقوفی اور حمق بولیں گے اور اگر تخم اچھی زمین میں بویا لیکن اس میں پانی نہ تھا اور منتظر مینہ کا ایسے وقت میں ہوا کہ جس میں اکثر پانی نہیں برستا لیکن برسنا منع بھی نہیں ہے تو ایسے انتظار کا نام بھی رجا نہیں اس کو تمنا کہتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ رجا صرف اس صورت میں ہوتی ہے کہ محبوب چیز کا انتظار ہو اور جتنے اسباب کہ بندے کے اختیار میں ہوں وہ

سب ہو چکیں فقط وہی باقی رہ جاویں، جو اس کے اختیار میں نہ ہوں اور وہ فضل الٰہی شامل حال ہوتا ہے کہ جس کے
مانع اور آفات دور ہوں اسی طرح بندہ اگر تخم ایمان مزرعہ دل میں بودے اور اس کو طاعت کے پانی سے سینچے
اور اخلاق بد کے کانٹوں سے زمین دل کو صاف کرے اور اللہ تعالے کے فضل سے منتظر ثبوت ایمان وقت موت
تک اور متوقع حسن خاتمہ کا جو موجب مغفرت ہے رہے تو اس کا انتظار رجاء حقیقی اور بذات خود حقیقی کہلاوے
گا اور یہ رجا اس بات کی باعث ہوگی کہ جن اسباب ایمان سے لوازم مغفرت کامل ہوتے ہیں ان کی مرتے دم تک
مواظبت کرے اور اگر تخم ایمان کی تو خبر نہ لی اور طاعات کا پانی نہ دیا دل کو اخلاق رذیلہ سے بھرا رکھا
اور لذات دنیا کی طلب میں ڈوبا رہا، اور پھر منتظر مغفرت ہو تو یہ انتظار حمق اور غرور ہے۔ چنانچہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ح۱ الاحمق من اتبع نفسہ ھواھا وتمنی علی اللہ ط اور اللہ تعالے
ارشاد فرماتا ہے ت۲ فخلف من بعدھم خلف اضاعوا الصلوٰۃ واتبعوا الشھوات فسوف
یلقون غیا ہ اور فرمایا ت۳ فخلف من بعدھم خلف ورثوا الکتٰب یاخذون عرض ھٰذا الادنیٰ و
یقولون سیغفر لنا اور باغ والے کی مذمت میں فرمایا کہ جب باغ میں گیا تو یوں کہا ت۴ ما اظن ان
تبید ھٰذہٖ ابدًا وما اظن الساعۃ قائمۃ ولئن رددت الیٰ ربی لاجدن خیرا منھا
منقلبا غ غرضکہ جو بندہ طاعت میں کوشش کرے اور گناہوں سے بچا رہے وہ سزاوار اس کا ہے کہ خدا
کے فضل سے توقع نعمت کے پورا ہونے کی کرے اور کمال نعمت بجز دخول جنت کے نہ ہوگی مگر گنہگار جب
توبہ کرے اور جو کچھ خطا ہوئی ہو اس کا تدارک کرے تو توبہ کے قبول ہونے کی رجا اس کو زیبا ہے اور اگر
توبہ سے پہلے گناہ کو برا جانتا ہو اور نیکی سے خوش ہوتا ہو اور اپنے نفس کو برا بھلا کہتا ہو اور توبہ کا خواہشمند و
مشتاق ہو تو ایسے شخص کو رجا توبہ کی توفیق کی کرنی لائق ہے کیونکہ گناہ کا برا جانتا اور توبہ کی حرص کرنی قائم
مقام اس سبب کے ہے جو توبہ تک پہنچا دیتا ہے اور رجا جبھی ہوتی ہے جب اسباب پختہ ہو جاتے ہیں اور
اسی جہت سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ت۵ ان الذین اٰمنوا والذین ھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ اولٰئک
یرجون رحمۃ اللہ ط اس کے یہ معنی ہیں کہ یہی لوگ مستحق رجائے رحمت الٰہی ہیں۔ یہ معنی نہیں کہ رجا کا

ح۱ احمق وہ ہے جو اپنے نفس کو اس کی خواہش کا مطیع کرے اور اللہ تعالے پر تمنا کرے ۱۲ ت۲ پھر ان کی جگہ آئے ایسے ناخلف
جنہوں نے گنوائی نماز اور پیچھے پڑے نمازوں کے سو ان کو ملے گی گمراہی ۱۲

ت۳ پھر ان کے پیچھے آئے ناخلف وارث کتاب کے لیتے اسباب اس ادنی زندگی کا اور کہتے ہیں کہ ہم کو معاف ہوگا ۱۲

ت۴ نہیں آتا خیال میں کہ خراب ہو یہ باغ کبھی اور مجھ کو خیال نہیں آتا کہ قیامت ہونی ہے اور اگر کبھی پہنچایا مجھ کو میرے رب کے
پاس پاؤں گا میں بہتر اس سے اس طرف پہنچ کر ۱۲

ت۵ جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور لڑے اللہ کی راہ میں وہ امیدوار ہیں اللہ کی مہر کے ۱۲

وجود صرف انہیں لوگوں میں ہے کیونکہ رجا تو اور لوگ بھی کیا کرتے ہیں جن میں یہ صفات نہ ہوں مگر ان کو استحقاق رجا نہیں استحقاق انہیں کو ہے جو اوصاف مذکورہ رکھتے ہوں اور جو شخص کہ ایسی چیزوں میں ڈوبا ہوا ہو جو خدائے تعالیٰ کو ناپسند ہوں اور اپنے نفس کی مذمت بھی نہ کرتا ہو نہ قصد توبہ اور رجوع کا رکھتا ہو تو ایسے شخص کو رجائے مغفرت کرنی بیوقوفی ہے جس طرح کہ اس شخص کو رجائے غلہ تھی جس نے زمین شور میں تخم ڈالا اور اس کی خبر گیری پانی دینے اور نلانے سے نہ کی، حضرت یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں کہ بڑی غلطی میرے نزدیک یہ ہے کہ معاف ہونے کی توقع پر بدون ندامت گناہ کیے جاتے اور بدون طاعت توقع قرب الٰہی کی رکھے اور آگ کا بیج بو کر منتظر جنت کا رہے اور گناہوں کے عوض طالب مطیعین کے مقام کا ہو اور بدون عمل ثواب کی آرزو کرے اور باوجود زیادتی کے خدائے تعالیٰ سے کسی امر کا متمنی ہو۔ سچ ہے شعر

ہر آنکہ تخم بدی کشت وچشم نیکی داشت ‏ ‏ ‏ ‏ دماغ بیہدہ پخت وخیال باطل بست

پس جب حقیقت رجا کی معلوم ہوئی تو جان لیا ہوگا کہ وہ ایک حالت ہے جو علم سے بسبب واقع ہونے اکثر اسباب کے پیدا ہوتی ہے اور یہ حالت اس امر کی مقتضی ہے کہ جو اسباب باقی رہ گئے ہوں ان کی بجاآوری میں بقدر امکان کوشش کی جاوے۔ مثلاً مثال مذکورہ میں جس شخص کا بیج اچھا ہوگا اور زمین عمدہ ہوگی اور پانی بھی بہت ہوگا اس شخص کی رجا سچی ہوگی اور یہ رجا اس شخص کو اس بات پر آمادہ کرے گی کہ زمین کا خبر گیراں رہے جو گھاس اس میں جمے اس کو صاف کرے اور خبر گیری میں کچھ کاہلی نہ کرے کاٹنے کے وقت تک دیکھتا بھالتا رہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ رجا کی ضد یاس یعنی ناامیدی ہے۔ ناامیدی میں خبر گیری نہیں ہو سکتی۔ مثلاً جو شخص جانتا ہے کہ زمین شور ہے اور پانی بھی پہنچنا دشوار ہے اور بیج جمنے کا نہیں وہ ہرگز زمین کے تردد میں نہ پڑے گا اور خبر گیری کی مشقت کا متحمل نہ ہوگا۔ اور رجا عمدہ چیز ہے کیونکہ اس سے ترغیب ہوتی ہے اور ناامیدی بری ہے اور رجا کی ضد۔ کیونکہ عمل سے باز رکھتا ہے اور خوف ضد رجا نہیں بلکہ اس کا رفیق ہے چنانچہ اس کا بیان عنقریب آوے گا بلکہ وہ ایک جداگانہ باعث عمل ترہیب کے طور پر ہے جیسے کہ رجا باعث ترغیب کے طور پر ہے۔ غرضکہ رجا کی حالت موجب اس امر کی ہے کہ اعمال میں خوب مجاہدہ کیا جاوے اور احوال کچھ ہی ہوتے رہیں طاعتوں پر مواظبت بن جاتے پاوے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمیشہ خدائے تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے میں لذت ملے اور مناجات الٰہی میں چین پاوے اور اسی کی خوشامد نرمی سے کرتا رہے اور یہ امور تو اس شخص پر بھی ظاہر ہوتے ہیں جو کسی بادشاہ وغیرہ سے رجا رکھتا ہو، تو بادشاہ حقیقی سے رجا رکھنے میں کیسے ظاہر نہ ہوں گے اور اگر ظاہر نہ ہوں تو دلیل اس بات کی ہے کہ وہ شخص مقام رجا سے ابھی محروم ہے اور پستی غرور و تمنا میں گرا ہوا ہے۔ بیان حالت رجا کا اور جس سے پیدا ہوتی ہے یعنی علم اور جو عمل اس سے پیدا ہوتے ہیں اور رجا سے ان اعمال کا پیدا ہونا اس

حدیث سے پایا جاتا ہے جو زید خیل سے مروی ہے[ا ح] کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں اس واسطے حاضر ہوا ہوں کہ آپ سے یہ پوچھوں کہ جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بہتری چاہتا ہے اس میں کیا پہچان رکھتا ہے اور جو شخص ایسا نہیں اس میں کیا علامت ہے۔ آپ نے فرمایا تیرا کیا حال ہے اس نے عرض کیا میرا حال یہ ہے کہ خیر اور اہل خیر کو دوست رکھتا ہوں اور جب کسی خیر کی بات پر قادر ہوتا ہوں تو اس کی بجا آوری میں جلدی کرتا ہوں اور اس کے ثواب کا یقین کرتا ہوں اور اگر کوئی چیز مجھ سے جاتی رہتی ہے تو اس پر غم کرتا ہوں اور اس کا اشتیاق کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ یہی پہچان ہے اس شخص کی جس کے ساتھ خدائے تعالیٰ بہتری چاہتا ہے۔ اور اگر تمہارے لیے کوئی اور چیز چاہتا تو اس کے لیے تم کو آمادہ کر دیتا اور پھر پرواہ نہ فرماتا کہ اس کے کون سے جنگل میں کھپ گئے۔ اس حدیث میں آپ نے پہچان اہل خیر کی مذکور فرمائی پس جو شخص رجا کرے کہ میں اہل خیر میں سے ہوں اور یہ علامات نہ ہوں تو وہ مغرور ہے۔

رجا کی فضیلت اور اس کیلئے رغبت دلانا

جاننا چاہیئے کہ رجا کے ساتھ عمل کرنا خوف کے ساتھ عمل کرنے سے اعلیٰ اور عمدہ ہے اس لیے کہ خدا تعالیٰ سے قریب وہی بندہ ہوتا ہے جو سب سے زیادہ محبت الٰہی رکھتا ہو اور محبت رجا سے زیادہ ہوا کرتی ہے اور اس کو ایسا سمجھو کہ دو بادشاہوں سے ایک کی خدمت تو لوگ اس کے ڈر کے مارے کریں اور دوسرے کی خدمت اس کے احسان کی امید پر کریں تو ظاہر ہے کہ محبت دوسرے ہی کے ساتھ زیادہ ہوگی اور اسی بنا پر رجا اور حسن ظن کے باب میں خصوص موت کے وقت بہت سی ترغیبیں شرع میں وارد ہیں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے لا تقنطوا من رحمۃ اللہ[ط] اس آیت میں سرے سے ناامیدی کو ممنوع و حرام فرمایا اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے حالات میں ہے کہ خدائے تعالیٰ نے ان پر وحی بھیجی کہ تم کو معلوم ہے کہ میں نے تم میں اور یوسفؑ میں کیوں جدائی کر دی اس وجہ یہ ہے کہ تم نے کہا تھا[ت] واخاف ان یاکلہ الذئب وانتم عنہ غافلون۔ تم نے بھیڑیئے کا خوف کیوں کیا مجھ سے رجا کیوں نہ کی اور یوسف کے بھائیوں کی غفلت کا لحاظ کیوں کیا میری حفاظت کا کیوں[ا] خیال نہ کیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[ا ح] لا یموتن[ت] احد کم الا وھو یحسن الظن باللہ تعالیٰ اور ایک حدیث قدسی میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[ح] انا عند ظن عبدی بی فلیظن بی ما شآء[ط] اور ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے پاس حالت نزع میں تشریف لے گئے

اح طبرانی در کبیر بروایت ابن مسعود بسند ضعیف ۱۲ ات ۲ نہ آس توڑو اللہ کی مہر سے ۱۲ ت ۳ اور ڈرتا کہ کھا جاوے اس کو بھیڑیا اور تم اس سے بے خبر ہو ۱۲ ح[۴] تم میں سے جو کوئی مرے وہ حسن ظن ہی رکھتا ہو اللہ کے ساتھ ۱۲ مسلم بروایت جابرؓ ۔
ح ۵ میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں، اب وہ جو چاہے گمان کرے ۱۲ ابن حبان بروایت واثلہ بن الاسقعؓ ۱۲

اور فرمایا کیا حال ہے اس نے عرض کیا کہ اپنے گناہوں سے ڈرتا ہوں اور رحمت الٰہی کا متوقع ہوں آپ نے فرمایا کہ اس وقت میں جس بندہ کے دل میں یہ دونوں چیزیں اکٹھی ہوتی ہیں اس کو خدا تعالیٰ اس کی توقع عنایت فرماتا ہے اور جس چیز سے وہ ڈرتا ہے اس سے مامون کر دیتا ہے۔ اور حضرت علیؓ نے اس شخص سے ارشاد ..... فرمایا جو اپنے گناہوں کی کثرت کے خوف سے ناامید ہو گیا تھا کہا کہ اے شخص تیرے سب گناہوں سے بڑھ کر یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہوتا ہے اور حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ جو شخص کوئی گناہ کرے اور یہ سمجھے کہ خدائے تعالیٰ نے مجھ کو اس پر قدرت دی اور بخشش کی رجا رکھے تو اللہ اس کو بخشش دیتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ نے ایک قوم کا عیب یوں ارشاد فرمایا[ت۱] ذٰلکم ظنکم الذی ظننتم بربکم اردٰکم[ط] اور فرمایا[ت۲] وظننتم ظن السوء وکنتم قوماً بوراً اور حدیث[ح۳] شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز بندہ کو ارشاد فرمائے گا کہ اس کی کیا وجہ تھی کہ جب تو نے بُرائی دیکھی منع کیوں نہ کیا پس اگر خدائے تعالیٰ اس وقت جواب سوجھاوے گا تو وہ عرض کرے گا کہ الٰہی میں نے تجھ سے رجا کی اور لوگوں سے خوف، خداوند کریم ارشاد فرماوے گا کہ ہم نے تیرا قصور معاف کیا اور ایک حدیث[ح۴] میں وارد ہے کہ ایک شخص لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا پھر توانگروں سے سہولت برتتا تھا اور مفلس کو معاف کر دیتا۔ جب خدا کے یہاں حاضر ہوا تو کوئی عمل خیر کبھی نہ کیا تھا یعنی کوئی اطاعت نہ کی تھی مگر خدا کے ساتھ حسن ظن اور رجا رکھتا تھا کہ گو میں اطاعت سے مفلس ہوں الّا وہ معاف کر دے گا۔ اس کو حکم ہوا کہ اس کے لیے ہم سے زیادہ کون مستحق ہوگا اور معاف کر دیا گیا۔ اور قرآن مجید میں ارشاد ہے[ت۵] ان الذین یتلون کتاب اللہ واقاموا الصلوٰۃ وانفقوا مما رزقنٰھم سراً وعلانیۃً یرجون تجارۃ لن تبور[ط] اور جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب سے ارشاد فرمایا کہ اگر تم کو اس بات کا علم ہو جس کو میں جانتا ہوں تو تم تھوڑا ہنسو اور بہت سا گریہ کرو اور جنگلوں میں چھاتی پیٹو اور اپنے رب کی طرف چلاتے پھرو تو حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کے پاس آئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میرے بندوں کو ناامید کیوں کرتے ہو، آپ لوگوں کے پاس تشریف لاتے اور ان کو رجا اور شوق کے کلمات تعلیم فرماتے اور حدیث میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ مجھ سے دوستی کر اور جو مجھ سے محبت کرے اس سے بھی محبت کر اور مجھ کو خلق کے دلوں میں محبوب کر۔ انہوں نے عرض کیا کہ خلق کے نزدیک تجھ کو

ح۱ ابن ماجہ بروایت انس ۱۲ ت۲ اور یہ وہی تمہارا خیال ہے جو رکھتے تھے تم اپنے رب کیساتھ اسی نے تم کو کھپایا ۱۲ ت۳ اور اٹکل کی تم نے بُری اٹکلیں اور تم لوگ تھے کھپنے والے ۱۲ ح۴ ابن ماجہ بروایت ابوسعید خدری ۱۲ ح۵ مسلم بروایت ابو مسعود ۱۲ ت۶ جو لوگ پڑھتے ہیں کتاب اللہ کی اور سیدھی کر کر نماز اور خرچ کیا جو کچھ دیا ہمارا چھپے اور کھلے امیدوار ہیں ایک بیوپار کے جو کبھی نہ ٹوٹے ۱۲ ح ابن حبان بروایت ابی ہریرہ رض ۱۲ ح اس کی اصل مجھے نہیں ملی ۱۲

کیسے محبوب کروں ارشاد ہوا کہ میرا ذکر نہایت خوبی سے کیا کر اور میری نعمتیں اور احسان بیان کر اور ان کو یاد دلایا کر کہ سوائے احسان کے وہ کچھ نہیں جانتے اور ابان بن ابی عیاش جو اکثر رجا کے کلمات لوگوں سے کہا کرتے تھے۔ ان کو مرنے کے بعد لوگوں نے خواب میں دیکھا کہ کہتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے مجھ کو اپنے ساتھ کھڑا کر کے پوچھا کہ اس طرح تو کیوں کہا کرتا تھا میں نے عرض کیا کہ میں چاہتا تھا کہ تجھ کو خلق کے نزدیک محبوب کر دوں، حکم ہوا کہ ہم نے تجھ کو بخش دیا۔ اور یحییٰ بن اکثم رح کو بعد موت کے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ خدائے تعالیٰ نے تم سے کیا معاملہ کیا انہوں نے کہا مجھ کو اپنے سامنے کھڑا کیا اور کہا کہ پیر مرد تو نے یہ یہ کام کیے ہیں، اس کو سن کر مجھ پر اس قدر خوف غالب ہوا کہ خدا ہی جانتا ہے، پھر میں نے عرض کیا کہ الٰہی حدیث میں تو مجھ کو تیرا اس طرح حال نہیں پہنچا حکم ہوا کہ پھر کیا حال پہنچا ہے میں نے عرض کیا کہ مجھ کو حدیث پہنچی.... عبدالرزاق سے اور اس کو معمر سے اور اس کو زہری سے اور اس کو انس سے اور اس کو تیرے نبی سے (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کو جبرئیل علیہ السلام سے کہ تو نے ارشاد فرمایا انا عند[1] ظن عبدی بی فلیظن ما شآء مجھ کو تیری طرف یہ گمان تھا کہ تو مجھ کو عذاب نہ دے گا، اللہ جل شانہٗ نے ارشاد فرمایا کہ سچ کہا جبرئیل نے اور سچ کہا میرے نبی نے اور راست کہا انس رض نے اور راست کہا زہری نے اور ٹھیک بیان کیا معمر نے اور سچ بیان کیا عبدالرزاق نے اور واقعی بیان کیا تو نے پھر مجھ پر خلعت ہوا اور جنت تک غلام میرے آگے چلے اس وقت میں نے کہا کہ خوشی اس کو کہتے ہیں۔ اور ایک خبر[2] میں ہے کہ ایک آدمی بنی اسرائیل میں سے لوگوں کو نا امید کیا کرتا اور ان پر سختی کرتا تھا قیامت کے روز خدا تعالیٰ اس کو فرماوے گا کہ جیسا تو نے میرے بندوں کو نا امید کیا میں آج تجھ کو اپنی رحمت سے نا امید کروں گا۔ اور ایک حدیث[3] میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص دوزخ میں داخل ہوگا اور اس میں ہزار برس رہے گا اور یا حنان یا منان پکارے گا اللہ تعالیٰ جبرئیل علیہ السلام کو ارشاد فرماوے گا کہ جا اور میرے بندے کو یہاں لے آ حضرت جبرئیل تعمیل حکم فرما دیں گے اور اس کو پاس لا کر کھڑا کر دیں گے اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ اپنی جگہ کا حال بیان کر کیسی ہے وہ عرض کرے گا کہ نہایت بری ہے حکم ہوگا کہ اس کو اسی جگہ لے جاؤ وہ اس طرف جاوے گا اور پھر پھر پیچھے کو دیکھتا جاوے گا حکم ہوگا کہ کیا چیز تاکتا ہے۔ عرض کرے گا کہ میں نے یہ توقع کی تھی کہ اس مکان سے نکلنے کے بعد پھر تو اس میں مجھے نہیں ڈالے گا، حکم ہوگا کہ اس کو جنت میں لے جاؤ اس سے معلوم ہوا کہ اس کی نجات کا سبب صرف رجا ہی ہوگئی۔

---

[1] میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں پس جو چاہے مجھ پر گمان کرے ۱۲

[2] بیہقی در شعب عن زید بن اسلم مقطوعاً ۱۲

[3] ابن ابی الدنیا بیہقی در شعب بروایت انس بسند ضعیف ۱۲

رجا کی تدبیر

جاننا چاہیئے کہ رجا کی ضرورت دو آدمیوں کو ہوتی ہے۔ یا تو وہ شخص جس پر ناامیدی غالب ہو اور عبادت ترک کرے یا وہ شخص جس پر خوف غالب ہو اور مواظبت عبادت میں اتنی زیادتی کرے کہ اپنے نفس اور اپنے گھر والوں کو ضرر پہنچاوے، ایسے شخص دونوں اعتدال سے تجاوز کر کے افراط و تفریط کی طرف مائل ہوتے ہیں اور ایسے علاج کے محتاج ہیں جس سے وہ اعتدال پر آجاویں لیکن جو آدمی گناہ پر مغرور ہو کہ خدا تعالیٰ پر تمنا کرے اور عبادت سے روگرداں رہے اور گناہوں میں گھسا رہے تو اس کے حق میں رجا کی دوا زہر مہلک ہو جاتی ہے، جیسے شہد کہ جس پر غلبۂ برودت ہو اس کے حق میں شفا ہے مگر جس پر غلبۂ حرارت ہو اس کے حق میں زہر ہے اس لیے مغرور کے لیے بجز دوائے خوف کے اور ان اسباب کے جن سے خوف پیدا ہو اور کچھ بکار آمد نہیں۔ نظر بریں جو شخص لوگوں میں وعظ کہتا ہے اس کو واجب ہے کہ موقع علت کو دیکھتا رہے اور ہر علت کا اس کی ضد سے علاج کرے ایسی چیز سے علاج نہ کرے جس سے بیماری زیادہ ہو جاوے اس لیے کہ مطلوب یہی ہے کہ ہر ایک صفت اور خلق میں اعتدال اور درجہ اوسط جو سب سے عمدہ ہوتا ہے، حاصل ہو جاوے اور جب اس سے تجاوز ہو جاوے، جب ہی علاج اس کا درجۂ اوسط پر لانے کا کرنا چاہیئے نہ ایسی طرح کہ اوسط سے اور زیادہ دوری ہو جاوے اور یہ وقت ایسا ہے کہ جس میں اسباب رجا کے لوگوں میں بیان نہ کرنا چاہیئیں بلکہ خوف دلانے میں بھی اگر مبالغہ کیا جاوے تب بھی راہ راست پر آنا دشوار ہے اور اسباب رجا کا ذکر کرنا بالکل ہی تباہ و برباد کر دیتا ہے مگر چونکہ ذکر رجا دلوں پر ہلکا معلوم ہوتا ہے اور نفسوں کو لذیذ تر۔ واعظوں کی غرض بھی دلوں کا پھیرنا اور ہر حال میں اپنے لیے ان کا ثنا خواں رہنا ہوتی ہے اس لیے وہ رجا کے بیان پر جھک پڑے یہاں تک کہ خرابی بڑھ گئی اور سرکشوں کو دونی سرکشی چڑھ گئی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ عالم وہ شخص ہے جو لوگوں کو خدا کی رحمت سے ناامید نہ کرے نہ اس کے عذاب سے بے خوف۔ اور ہم اسباب رجا کو جو ذکر کرتے ہیں تو ناامید کے باب میں استعمال کرنے کے لیے ذکر کرتے ہیں یا اس شخص کے حق میں جس پر خوف غالب ہو۔ کتاب اللہ اور حدیث شریف کا مقتضی یہی ہے کیونکہ دونوں میں خوف و رجا ساتھ ہی پائے جاتے ہیں یعنی قرآن شریف اور حدیث میں سب اقسام کے مریضوں کے اسباب شفا مذکور ہیں تاکہ علماء جو وارث انبیاء ہیں حاجت کے بموجب ان کو استعمال کریں۔ جیسے کوئی طبیب حاذق علاج کیا کرتا ہے۔ بیوقوف کا سا علاج نہ کریں۔ جن کو یہ وہم ہوتا ہے کہ ہر ایک دوا ہر مرض کے لیے مناسب ہے کیسا ہی مرض کیوں نہ رکھتا ہو۔ اب معلوم کرنا چاہیئے کہ حالت رجا کے غالب ہونے کی دو صورتیں ہیں۔ اوّل صورت یہ ہے کہ جو کچھ ہم اقسام نعمتوں میں لکھ آئے ہیں شکر کے باب میں اس کو خوب تامل سے دیکھے یہاں تک کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے لطیفے دنیا میں بندوں پر معلوم ہو جاویں اور جو جو حکمتیں عجیب کہ اس نے انسان کی پیدائش میں ملحوظ رکھی ہیں ان کا علم ہو جاوے کہ دنیا میں جو چیز

انسان کے ہمیشہ موجود رہنے میں ضروری تھی وہ سب اس کے لیے مہیا کر دی جیسے غذا کے آلات اور جو چیز کام کرنے میں کام کی تھی وہ بھی مثلاً انگلیاں اور ناخن اور اشیائے زینت بھی عنایت فرما دیں جیسے ابرو کا خمدار ہونا اور آنکھ میں کئی طرح کا رنگ ہونا اور لبوں کا سرخ ہونا وغیرہ کہ یہ چیزیں مثلاً نہ ہوتیں تو کسی غرض انسانی میں خلل نہ ہوتا صرف خوبصورتی جاتی رہتی عنایت الٰہی سے وہ بھی موجود رہی پس مقام غور ہے کہ جب اس نے اپنے بندوں سے ان جیسے دقائق میں قصور و کوتاہی نہیں کی اور زیادتی زینت اور حاجت اور بقا کی چیزیں بندوں سے جانے نہیں دیں تو وہ کیسے ناراض ہوگا کہ اپنے بندوں کو ہلاک ابدی میں پہنچاوے۔ علاوہ ازیں اگر دنیا ہی میں خوب تامل کرو تو معلوم ہو کہ اکثر لوگوں کے لیے دنیا میں اسباب سعادت موجود ہیں یہاں تک کہ ان کو دنیا سے جدا ہونا برا معلوم ہوتا ہے اگرچہ ان سے یہ بھی کہہ دیا جاوے کہ بعد موت کے تم کو نہ کبھی عذاب ہوگا نہ کچھ حساب کتاب، پس وہ لوگ جو نیست ہونے کو برا جانتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اسباب نعمت کے اکثر زیادہ رہتے ہیں موت کی تمنا کرنے والے بہت کم ہیں۔ اور اگر تمنا بھی کرتے ہیں تو کسی حالت شاذ و نادرہ اور حادثہ عجیب و غریب میں کرتے ہیں، تو جب اکثر خلق پر دنیا میں غالب حال خیر و سلامتی ہی ہے تو خدا تعالیٰ کا طریق بدلتا نہیں ایک سا رہتا ہے اس سے ظن غالب ہوتا ہے کہ آخرت کا امر بھی ایسا ہی ہو کیونکہ مدبر دنیا و آخرت کا ایک ہی ہے جس کا نام غفور و رحیم ہے اور لطیف ہے جیسے یہاں بندوں پر لطف و کرم کی نگاہ رکھتا ہے وہاں بھی ایسا ہی سلوک کرے گا۔ جب اس طرح سوچے گا تو اس پر اسباب رجا غالب ہو جاویں گے اور کہے گا شعر

تو مگو مارا بدیں شہ بار نیست	بر کریماں کارہا دشوار نیست

اور اسی صورت میں یہ بھی ہے کہ شریعت کی حکمت میں تامل کرے اور دنیا میں جو مصالح بروئے کار آتے ہیں ان کو دیکھے کہ بندوں کے لیے کیسی کیسی رحمت ہے بعض عارفین سورہ بقرہ کی آیت مداینت کو اسباب رجا میں سے زیادہ قوی سمجھتے ہیں لوگوں نے پوچھا کہ اس میں رجا کیا ہے فرمایا کہ دنیا سب کی سب تھوڑی ہے اور آدمی کا رزق اس میں سے تھوڑا ہے اور رزق کی نسبت قرض تھوڑا ہوتا ہے مگر خدائے تعالیٰ نے اس کے باب میں سب سے بڑی آیت اتاری تاکہ بندے دین کی یادداشت میں احتیاط کریں جب ایسی قلیل چیز کی احتیاط کا اتنا پاس کیا تو دین کی احتیاط کیسے نہیں فرماوے گا۔ تو یہ ایسی چیز ہے کہ اس کا کوئی عوض ہی نہیں، دوسری صورت تلاش کرنا آیات و اخبار و آثار کا جو رجا کے باب میں وارد ہیں اور بے شمار ہیں آیات یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے[ت] قل یا عبادی الذین اسرفوا علیٰ انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا انہ ھو الغفور الرحیم اور قرأت نبوی

ت کہہ اے بندو۔ میرے جنہوں نے زیادتی کی اپنی جان پر نہ آس چھوڑو اللہ کی مہر سے ۱۲

میں[ح۱] ولا یبالی انه هو الغفور الرحیم ہے اور فرمایا[ت۲] والملٰئکة یسبحون بحمد ربهم و یستغفرون لمن فی الارض اور ارشاد فرمایا کہ دوزخ کو دشمنوں کے لیے تیار کیا ہے اور اس سے اپنے دوستوں کو ڈرایا چنانچہ فرمایا[ت۳] لهم من فوقهم ظُلَلٌ من النار ومن تحتهم ظلل ذٰلک یخوف اللّٰه به عبادہ اور فرمایا[ت۴] واتقوا النار التی اُعدت للکٰفرین اور فرمایا[ت۵] فانذرتکم نارًا تلظی لا یَصْلٰهَا الا الاشقی الذی کذب وتولی اور فرمایا[ت۶] فان ربك لذو مغفرة للناس علی ظلمهم روایت[ح۷] ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ امت کے باب میں سوال کیا کرتے تھے یہاں تک کہ آپ پر یہ آیت فان ربك الخ اتری اور حکم ہوا کہ اب بھی تم راضی نہیں ہوتے اور ولسوف[ت۸] یعطیك ربك فترضیٰ کی تفسیر میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر ایک بھی امت محمدؐ میں سے دوزخ میں رہے گا تو محمدؐ راضی نہ ہوگا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وجزاہ اللہ عنا خیر الجزاء۔ اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرمایا کرتے کہ تم عراق والے کہتے ہو کہ کلام مجید میں سب سے زیادہ توقع کی آیت یہ ہے[ت۹] قل یٰعبادی الذین اسرفوا علی انفسهم لا تقنطوا من رحمة اللّٰه اور ہم اہل بیت کہتے ہیں کہ سب سے زیادہ توقع کی آیت و لسوف یعطیك ربك فترضیٰ ہے اور اخبارات رجا کے یہ ہیں کہ حضرت ابو موسیٰ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[ح۱۰] کہ میری امت مرحوم ہے اس پر آخرت میں عذاب نہ ہوگا اس کی سزا خدائے تعالیٰ دنیا ہی میں زلزلے اور آفات سے دے دیتا ہے قیامت کے روز ہر ایک شخص کو میری امت میں سے ایک شخص اہل کتاب سے ملے گا اور کہا جاوے گا کہ دوزخ کی آگ کا فدیہ تیرے لیے یہ شخص ہے اور ایک روایت[ح۱۱] میں اس طرح ہے کہ ہر ایک آدمی اس امت کا یہودی و نصرانی لاوے گا اور کہے گا کہ میرا عوض آگ دوزخ کے لیے یہ ہے اور اتنا کہہ کر دوزخ میں ڈال دے گا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[ح۱۲] الحمی من فیح جهنم وهی حظ المؤمن من النار اور خداوند کریم کے اس[ت۱۳] قول

ح۱ ترمذی بروایت اسماء بنت یزید اور کہا کہ یہ غریب ہے ت۲ اور فرشتے پاک بولتے ہیں خوبیاں اپنے رب کی اور گناہ بخشواتے ہیں زمین والوں کے ۱۲ ت۳ ان کے اوپر سے بادل ہیں آگ کے اور نیچے سے بادل ہیں اس چیز سے ڈراتا ہے اللہ اپنے بندوں کو ۱۲ ت۴ اور بچو آگ سے جو تیار ہے منکروں کے واسطے ۱۲ ت۵ سو میں نے سنا دی تم کو خبر ایک جلتی آگ کی اس میں وہی بیٹھے گا جو بڑا بدبخت ہے جس نے جھٹلایا اور منہ موڑا ۱۲ ت۶ تیرا رب معاف ہی کرتا ہے لوگوں کو ان کی گنہگاری پر ۱۲ ح۷ یہ روایت احیاء کے لفظوں سے مجھ کو نہیں ملی ۱۲ ت۸ اور آگے دے گا تجھ کو تیرا رب پھر تو راضی ہو گا ۱۲ ت۹ کہہ دے اے بندو میرے جنہوں نے زیادتی کی اپنی جان پر نہ آس توڑو اللہ کی مہر سے ۱۲ ح۱۰ ابن ماجہ بروایت ابو موسیٰ ۱۲ ح۱۱ بروایت ابو موسیٰ ۱۲ ح۱۲ تپ جہنم کی لپیٹ میں سے ہے اور وہ ایماندار کا حصہ ہے جہنم سے ۱۲ احمد بروایت ابو صالح اشعری عن ابی امامہ اور ابو صالح خود مشہور ہے نہ اس کا نام ۱۲ ت۱۳ جس دن اللہ ذلیل نہ کرے گا نبی کو اور جو لوگ یقین لاتے ہیں اس کے ساتھ ۱۲

یوم لا یخزی اللہ النبی والذین اٰمنوا معہ کی تفسیر میں ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی[ح۱] بھیجی کہ میں حساب تمہاری امت کا سپرد کیسے دیتا ہوں، آپ نے فرمایا کہ الٰہی ایسا نہ کر کہ میری نسبت ان کے لیے تو بہتر ہے حکم ہوا کہ اب ہم ان کے باب میں تم کو رسوا نہ کریں گے اور حضرت انس رضؓ سے اسی طرح مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب باری میں استدعا کی کہ میری امت کے گناہوں کا حساب میرے سپرد فرما دے تاکہ ان کی خطاؤں پر میرے سوا اور کوئی مطلع نہ ہو حکم ہوا کہ یہ لوگ تمہاری تو صرف امت ہیں اور میرے بندے ہیں، تمہاری نسبت میں ان پر زیادہ رحیم ہوں، ان کا حساب اپنے سوا کسی کو نہ دوں گا تاکہ ان کی خطائیں نہ تم کو معلوم ہوں نہ کسی دوسرے کو سبحان اللہ بکرمہ۔

رباعی

شاہا تو کریمے و رسول تو کریم　صد شکر رسیدیم میان دو کریم

مارا چہ غم از جزائے محشر باشد　سلطان چو کریمست و دیوان چو کریم

اور ایک حدیث[ح۳] میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری زندگی اور موت دونوں تمہارے حق میں بہتر ہیں زندگی میں تمہارے لیے طریق شریعت مسنون اور مشروع کرتا ہوں اور میرے مرنے پر تمہارے عمل مجھ پر پیش ہوں گے جو ان میں سے عمدہ ہو گا اس پر میں خدا کا شکر کروں گا اور اگر کوئی برا ہو گا تو تمہارے لیے مغفرت کی دعا کروں گا۔ شعر

جانم فدائی تو کہ تراہست بیگماں　از مہد تا بلحد ہمیں فکر امتاں

ایک اور[ح۴] روز آپ نے یا کریم العفو فرمایا، حضرت جبرئیل نے پوچھا کہ آپ کو لفظ کی تفسیر موجود ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ اول سیئات کو اپنی رحمت سے معاف کیا پھر اپنے کرم سے ان کو نیکیوں سے بدل دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو سنا کہ کہتا ہے کہ الٰہی میں تجھ سے تمام نعمت کی التجا رکھتا ہوں آپ نے پوچھا کہ تجھ کو معلوم ہے کہ نعمت کا تمام ہونا کیا ہے اس نے عرض کیا کہ نہیں آپ نے فرمایا کہ نعمت کا کمال جنت میں داخل ہونا ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے ہمارے اوپر اپنی نعمت پوری کی کہ ہمارے لیے دین اسلام کو پسند فرمایا چنانچہ خود ارشاد فرماتا ہے واتممت[ت] علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔ اور حدیث[ح۷] شریف میں ہے کہ جب بندہ کوئی گناہ کر کے طلب

ح ۱ ابن ابی الدنیا و کتاب حسن ظن باللہ ۱۲ ح۲ بزار بروایت عبداللہ بن مسعود اور اس کی سند میں عبدالعزیز بن رواد جس کو اکثروں نے ضعیف کہا ہے اور ابن معین ایسے ہیں ۱۲ ح۴ یہ حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مجھے نہیں ملا بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول ہے ابن حبان نے بقیہ بن ولید سے روایت کیا ہے ۱۲ ح۵ اس کی سند پہلے گذری ۱۲ ت۶ اور پورا کیا میں نے تم پر احسان اپنا اور پسند کیا میں نے تمہارے واسطے دین مسلمانی ۱۲ ح۷ بخاری و مسلم بروایت ابوہریرہ رضؓ ۱۲

آمرزش اور عفو کی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے کہ دیکھو میرے بندہ کو اس نے گناہ کیا اور پھر یہ جانا کہ میرا کوئی رب ہے جو گناہ بخشتا ہے اور گناہوں کے عوض پکڑتا بھی ہے۔ میں تم کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے اس کو معاف کر دیا۔ اور ایک حدیث[ح1] قدسی میں مذکور ہے کہ اگر بندہ اتنے گناہ کرے کہ اس کے گناہ بلندی آسمان تک پہنچ جاویں تو جب تک مجھ سے بخشواتا رہے گا اور مجھ سے رجا رکھے گا میں بخشش دوں گا۔ اور ایک حدیث[ح2] میں مذکور ہے کہ اگر بندہ زمین کی مقدار میرے پاس گناہ لے کر آوے گا میں بھی اس سے اسی قدر مغفرت سے ملاقات کروں گا اور ایک[ح3] حدیث میں ہے کہ جب آدمی گناہ کرتا ہے تو چھ گھڑی تک فرشتہ نامۂ اعمال میں نہیں لکھتا اس اثنا میں اگر توبہ استغفار کر لیتا ہے تو اس گناہ کو نہیں لکھتا ورنہ ایک برائی لکھتا ہے اور دوسری روایت[ح4] میں ہے کہ جب اس کی برائی لکھ لیتا ہے اور وہ کچھ عمل خیر پھر کرتا ہے تو داہنی طرف کا فرشتہ جو حاکم ہے بائیں طرف والے اپنے تابع سے کہتا ہے کہ تو یہ برائی جو لکھی ہے اپنے یہاں سے دور کر دے میں اپنے یہاں سے ایک نیکی اس کی دور کروں گا یعنی جو عمل نیک اس نے اب کیا ہے اس کو دس کی جگہ نو لکھوں گا اس طرح وہ برائی بندہ کی دور کر دی جاتی ہے اور حضرت انس رضؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بندہ گناہ کرتا ہے تو اس کے ذمہ لکھا جاتا ہے ایک اعرابی نے پوچھا کہ اگر وہ توبہ کرے آپ نے فرمایا مٹا دیا جاتا ہے۔ اس نے پوچھا کہ اگر دوبارہ " " " " کرے آپ نے فرمایا اس کے اوپر پھر لکھا جاوے گی پھر اس نے عرض کیا کہ اگر وہ توبہ کرے آپ نے فرمایا کہ نامۂ اعمال سے محو کر دی جائے گی۔ اس نے عرض کیا یہ معاملہ کب تک رہے گا آپ نے فرمایا کہ جب تک وہ شخص توبہ استغفار کرتا رہے گا خدائے تعالیٰ مغفرت سے نہیں گھبراتا یہاں تک کہ بندہ استغفار سے گھبرا جاوے۔ پھر جب کوئی بندہ نیکی کا قصد کرتا ہے تو داہنا فرشتہ عمل سے پہلے ہی ایک نیکی لکھ دیتا ہے اور اگر وہ شخص قصد کے بعد اس کام کو کرتا بھی ہے تو فرشتۂ مذکور دس نیکیاں لکھتا ہے[ح5] پھر اس کو خدائے تعالیٰ سات سو گنا تک بڑھا دیتا ہے اور جب آدمی خطا کرتا ہے تو اس پر لکھی نہیں جاتی اور جب کر گزرتا ہے تو ایک ہی قصور ذمہ لکھا جاتا ہے اور حسن عفو الٰہی اس کے بعد ہے یعنی عجیب نہیں کہ معاف ہو جاوے اور ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ میں ایک مہینہ سے زیادہ کے تو روزے نہیں رکھتا اور پانچ نمازوں سے زیادہ نماز نہیں پڑھتا اور میرے مال میں صدقہ اور حج و زکوٰۃ اور خیرات کچھ نہیں تو ایسے حال میں مروں گا تو کہاں رہوں گا آپ نے فرمایا[ح6] جنت میں اس نے عرض کیا کہ آپ کے ساتھ یا رسول اللہ آپ نے تبسم فرمایا اور کہا کہ ہاں میرے ساتھ بشرطیکہ تو دل کو دو باتوں سے محفوظ رکھے

ح[1] ترمذی بروایت انس بالفاظ دیگر ۱۲ ح[2] مسلم بروایت ابوذر باندک اختلاف الفاظ ۱۲ ح[3] بیہقی در شعب بروایت ابوامامہ بسند ضعیف ۱۲
ح[4] بیہقی در شعب اور اس میں ذکر اس بات کا نہیں کہ داہنا فرشتہ بائیں کو حکم کرتا ہے ۱۲ ح[5] طبرانی و بیہقی بروایت عقبہ بن عامر اور اس میں پھر جب کوئی بندہ قصد نیکی کا کرتا ہے الخ نہیں ہے یہ جملہ بخاری و مسلم میں بروایت ابن عباس وارد ہے ۱۲

یعنی کینہ اور حسد سے اور زبان کو دو چیزوں سے غیبت اور جھوٹ سے بچائے اور اپنی آنکھوں کو بھی دو ہی چیزوں سے روکے ایک تو دیکھنا خدائے تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو دوسرے حقارت کرنی اور چشمک مارنی کسی مسلمان پر اگر ان سب باتوں سے اپنے کو بچائے گا تو میرے ساتھ مل کر بلکہ میری ان دونوں کف دست پر تو جنت میں جاوے گا اور ایک بڑی حدیث میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ اعرابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ خلق کے حساب کا متکفل کون ہو گا آپ نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ جل شانہ ہو گا اس نے عرض کیا آیا خود حساب لے گا آپ نے فرمایا کہ ہاں اعرابی نے تبسّم کیا، آپ نے پوچھا کہ کس بات سے تبسم کرتے ہو اس نے عرض کیا کہ اس وجہ سے خوشی ہے کہ کریم جب قدرت پاتا ہے تو معاف کر دیا کرتا ہے اور اگر حساب لیتا ہے تو چشم پوشی کیا کرتا ہے آپ نے فرمایا کہ اعرابی سچ کہتا ہے جان لو کہ کوئی کریم خدائے تعالےٰ سے زیادہ کرم والا نہیں سب سے اکرم وہی ہے پھر فرمایا کہ اعرابی بات سمجھ گیا اور اسی حدیث میں یہ بھی ہے کہ خداوند تعالےٰ نے کعبہ کو شرف اور عظمت عنایت فرمائی اور اگر بالفرض اس کو کوئی بندہ ایک ایک پتھر کر کے گرا دے اور پھر پھونک دے تو اتنا گناہ نہ ہو گا جتنا کسی ولی اللہ کی حقارت کرنے سے ہوتا ہے اعرابی نے عرض کیا کہ اولیاء اللہ کون لوگ ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ایمان دار سب کے سب اولیاء اللہ ہیں کیا تو نے قول خدائے تعالیٰ کا نہیں سُنا اللہ ولی الذین اٰمنوا یخرجھم من الظلمٰت الی النور[۳] اور بعض احادیث میں ہے المومن[۴] افضل من الکعبۃ والمومن طیب وطاھر والمومن اکرم علی اللہ تعالیٰ من الملائکۃ[۵] اور ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنی رحمت کے بقیہ سے دوزخ کو ایک کوڑا بنایا جس سے بندوں کو جنت کی طرف ہنکاتا ہے اور ایک حدیث[۶] قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں نے خلق کو اس لیے پیدا کیا کہ وہ مجھ سے کچھ نفع نہ لیں اس لیے کہ میں کچھ ان سے نفع لوں۔ اسی مضمون نے قریب مولانا روم فرماتے ہیں۔ شعر

من نکردم امر تا سودی کنم بلکہ تا بر بندگان جودی کنم

اور حضرت ابو سعید خدری سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے کوئی چیز ایسی نہیں پیدا کی کہ جس سے بڑھ کر دوسری چیز نہ بنائی ہو اور اپنی رحمت کو غصہ سے غالب پیدا کیا ہے اور حدیث مشہور میں مروی ہے کہ خدائے تعالیٰ نے قبل پیدائش خلق کے اپنے نفس پر یہ جملہ لکھ لیا ہے کہ ان رحمتی تغلب غضبی اور

ح[۱] یہ حدیث پہلے گذری ۱۲ ح[۲] مجھ کو اس کی سند نہیں ملی ۱۲ ح[۳] اللہ کام بنانے والا ہے ایمان والوں کا نکالتا ہے ان کو اندھیروں سے اجالوں میں ۱۲
ح[۴] مومن کعبہ سے افضل ہے ۱۲ ابن ماجہ بروایت ابن عمر اور یہ حدیث پہلے گذری ۱۲ ح[۵] بخاری و مسلم میں بروایت حذیفہ اس طرح ہے کہ المومن لاینجس ۱۲ ح[۶] ابن ماجہ بروایت ابوہریرہ و بیہقی در شعب بروایت ابو ہریرہؓ اس سند میں ابو حزیم ضعیف ہے ح[۷] اس کے قریب مضمون بخاری نے بروایت ابوہریرہ نقل کیا ہے ۱۲ ح[۸] اس کی سند مجھ کو نہیں ملی ۱۲ ح[۹] ابن حبان در ثواب ۱۲ ح[۱۰] میری رحمت میرے غصہ پر غالب ہوتی ہے ۱۲ بخاری و مسلم بروایت ابوہریرہ ۱۲

معاذ بن جبل اور انس بن مالک سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ[1] اور من کان آخر کلامہ لا الہ الا اللہ لم تمسہ النار[2] ومن لقی اللہ لا یشرک بہ شیئا حرمت علیہ النار[3] اور ایک حدیث میں ہے کہ اگر کافر کو وسعت رحمت الٰہی معلوم ہو جائے تو خدا[4] کی بہشت سے ناامید نہ ہو، اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی ان زلزلۃ الساعۃ شیئ عظیم تو اصحاب سے پوچھا کہ تم کو معلوم ہے کہ یہ کونسا دن ہے یہ وہ دن ہے کہ آدم علیہ السلام کو حکم ہو گا کہ کھڑے ہو کر اپنی اولاد میں دوزخ کی رسد نکالو وہ عرض کریں گے کہ کتنے حکم ہو گا کہ ہزار میں سے ایک جنت کے لیے رکھو اور نوسو ننانوے دوزخ کے لیے رکھو۔ یہ سن کر سب حیران رہ گئے اور رونا شروع کیا اور اس روز کچھ شغل اور کام نہ کیا۔ اسی اثنا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے اور فرمایا کہ تم لوگ کام کیوں نہیں کرتے انہوں نے عرض کیا کہ آپ سے وہ حدیث سن کر اب کسی کو تاب ہے کہ کام میں مشغول ہو آپ نے فرمایا کہ تم کو یہ بھی معلوم ہے اور قوموں کی نسبت تم گنتی میں کتنے ہو، تاویل اور تاریس اور منسک اور یاجوج اور ماجوج کی قومیں کہاں گئیں، اتنی قومیں ہیں کہ ان کی شمار خدا تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہ جانتا تمہاری ان کے سامنے کچھ بھی شمار نہیں تم توسب کی نسبت کر ایسے ہو جیسے سیاہ بیل کے چمڑے میں ایک سفید بال ہوتا ہے یا گھوڑے کے پاؤں میں اور رنگ کا داغ ہوتا ہے اس حدیث سے معلوم کرنا چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو خوف کے تازیانہ سے کیسے ..... ہانکتے تھے اور پھر رجا کی باگ سے کیسے اللہ تعالیٰ کی طرف کھینچتے چنانچہ اول خوف کے تازیانے سے سب کو ہنکایا مگر جب معلوم کیا کہ شدت خوف نے ان کو حد اعتدال سے باہر کر دیا اور ناامیدی میں جا پڑے تو اسی وقت دوائے رجا سے ان کا علاج کیا اور ان کو پھر اعتدال کی صورت پر کر دیا اور دوسرا قول مخالف اول قول کے نہ تھا بلکہ اول جس چیز کو سبب شفا جانا اس کو بیان کر دیا اور اسی پر اکتفا فرمائی مگر جب حاجت معالجے کی رجا سے دیکھی تو اصل بات پوری ذکر فرمادی۔ پس واعظین کو بھی چاہیے کہ پیروی اس جناب مقدس کی وعظ کے باب میں ہاتھ سے نہ دیں اور استعمال اسباب خوف ورجا میں حاجت موافق کے رعایت کریں یعنی جیسی علت باطنی دیکھیں ویسی ہی تدابیر اس کے دور کرنے کی کریں اور اگر کوئی واعظ اس بات کا لحاظ نہ کرے گا تو جس قدر اس کی

---

[1] جو لا الہ الا اللہ کہے وہ جنت میں داخل ہو گا ۱۲ جلد اول باب نہم میں گذری [2] جس شخص کا آخر کلام لا الہ الا اللہ ہو اس کو آگ نہ لگے گی ابوداؤد وحاکم بروایت معاذ مگر اس میں دخل الجنۃ ہو [3] اور جو شخص خدائے تعالیٰ سے ملے اس حال میں کہ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرتا ہو تو اس پر آگ حرام ہو گی بخاری بروایت انس بلفظ دخل الجنۃ ۱۲ [4] اور آگ میں نہ داخل ہو گا وہ شخص جس کے دل میں ذرہ بھر ایمان ہو گا بخاری ومسلم بروایت ابو سعید بلفظ لابیہقی کی النار ۱۲ [5] بخاری ومسلم بروایت ابو ہریرہؓ [6] بیشک بھونچال قیامت ایک بڑی چیز ہے ۱۲ ترمذی بروایت عمران بن حصین اور بخاری ومسلم میں بھی بروایت ابو سعید یہ مضمون مروی ہے ۱۲

سے درستی اور صلاح کی توقع ہے اس سے زیادہ بگاڑ ہو رہے گا اور ایک حدیث[ح۱] شریف میں ہے کہ اگر تم گناہ نہ کرو تو خدائے تعالیٰ اور خلقت پیدا کرے وہ گناہ کریں اور ان کے قصور بخش دیئے جاویں اور ایک[ح۲] روایت میں یوں ہے کہ خدا تم کو لے جاوے اور دوسری خلقت لاوے جو گناہ کریں اور بخشے جاویں کیونکہ اس کی ذات غفور رحیم ہے۔ اور ایک[ح۳] حدیث میں ہے کہ اگر تم گناہ نہ کرو تو مجھ کو تم پر ایسی خبر کا خوف ہے کہ وہ گناہ سے بھی بڑی ہے لوگوں نے عرض کیا وہ کیا ہے آپ نے فرمایا کہ وہ عجب ہے۔ اور ایک حدیث[ح۴] شریف میں ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمدؐ کی جان ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ایسی مغفرت کرے گا کہ کبھی کسی کے دل پر نہ گذری ہو یہاں تک کہ ابلیس بھی اس کا منتظر ہوگا کہ شاید مجھ کو بھی مغفرت پہنچ جائے اسی مضمون کو سعدیؒ نے نظم کیا ہے۔ شعر

اگر در دہد یک صلائے کرم　　عزازیل گوید نصیبے برم

اور ایک حدیث[ح۵] میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سو رحمتیں ہیں جن میں سے ننانوے اپنے پاس رکھ چھوڑی ہیں اور ایک دنیا میں ظاہر کی ہے اسی ایک کے باعث تمام خلق ایک دوسرے پر رحم کرتی ہے اور والدہ اپنے لڑکے پر اور جانور اپنے بچوں پر شفقت کرتے ہیں۔ جب قیامت کا روز ہوگا تو خداوند کریم اس ایک رحمت کو ان ننانوے میں ملا کر خلق میں پھیلاوے گا ان میں سے ہر ایک رحمت مقدار سب طبقات آسمان و زمین کے ہوگی بھلا ایسی رحمت کے ہوتے اس روز بجز تباہ کار کے اور کون ہلاک ہوگا اور ایک حدیث[ح۶] میں ہے کہ تم میں سے کوئی ایسا نہیں جس کو اس کا عمل جنت میں پہنچا دے یا دوزخ سے بچا دے (یعنی بدون رحمت الٰہی کے عمل بکار آمد نہیں) لوگوں نے عرض کیا کہ آپ بھی ایسے نہیں آپ نے فرمایا کہ میں بھی ایسا نہیں مگر اس صورت میں کہ مجھ کو رحمت میرے پروردگار کی ڈھانپ لے اور ایک حدیث[ح۸] میں ارشاد فرمایا اعملوا وابشروا واعلموا ان احدا لن ینجیه عمله[ح۹] اور فرمایا[ح۱۰] کہ میں نے اپنی شفاعت اپنی امت کے گناہ کرنے والوں کے لیے چھپا رکھی ہے کیا تم یہ جانتے ہو کہ شفاعت اہل تقویٰ و طاعت کے لیے ہی نہیں بلکہ آلودگان گناہ کے لیے ہے۔ شعر

دلا خوش باش کاں محبوب جاں را　　بدرویشاں و مسکیناں سرے ہست

اور فرمایا[ح۱۰] بعثت بالحنیفیة السمحة السهلة اور فرمایا کہ مجھے اچھا معلوم ہوتا ہے کہ دونوں اہل کتاب یعنی یہود و

ح۱ مسلم بروایت ابو ایوب ۱۲ ح۲ مسلم بروایت ابو ہریرہ ۱۲ ح۳ بزار و ابن حبان در ضعفا و بیہقی در شعب بروایت انس ۱۲ ح۴ بخاری و مسلم بروایت عمر فاروق ح۵ ابن ابی الدنیا بروایت حذیفہ بسند ضعیف ۱۲ ح۶ بخاری و مسلم بروایت ابو ہریرہ ۱۲ ح۷ بخاری و مسلم بروایت ابو ہریرہؓ اور یہ حدیث اوپر گذری ۱۲ ح۸ یہ حدیث اوپر گذری ۱۲ ح۹ عمل کرو اور بشارت لو اور جانو کہ کسی کو اس کا عمل ہرگز نجات نہ دے گا یعنی بدون اس کی رحمت کے ۱۲ ح۱۰ بخاری و مسلم بروایت ابو ہریرہؓ ۱۲ ط میں بھیجا گیا ہوں ملت یکطرفی خالص اور آسان کے ساتھ احمد بروایت ابو امامہ بسند ضعیف اور بسہلۃ نہیں ہے ۱۲

نصاریٰ بھی جان لیں کہ ہمارے دین میں وسعت ہے[1] اسی معنی کی طرف یہ دلیل ہے کہ خداوند عالم نے مومن کی دعا قبول فرمائی کہ ان کی استدعا کے جواب میں لا تحمل علینا اصرا[2] ارشاد فرمایا ویضع عنھم اصرھم[3] و الاغلال التی کانت علیھم اور محمد بن حنفیہ حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جب یہ قول الٰہی نازل ہوا فاصفح الصفح الجمیل[4] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ صفح جمیل کس کو کہتے ہیں حضرت جبرائیل نے فرمایا کہ جس شخص نے تم پر ظلم کیا ہو اگر تم اس کو معاف کر دو تو پھر عتاب نہ کرو آپ نے فرمایا کہ اے جبرائیل اس سے معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کسی کو معاف کرے گا تو اس پر بھی عتاب نہ کرے گا، پس حضرت جبرئیل علیہ السلام روئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی روئے خداوند کریم نے ان دونوں کے پاس حضرت میکائیل کو بھیجا انہوں نے آ کر کہا تمہارا پروردگار تم کو سلام کہتا ہے، اور فرماتا ہے کہ جس کو میں معاف کر دوں گا، اس پر کیسے عتاب کروں گا یہ امر میرے کرم کے لائق نہیں۔ غرضکہ اخبار اسباب رجا میں بے شمار ہیں اب آثار کو سننا چاہیئے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جو شخص گناہ کرے اور دنیا میں اس کو خدا تعالیٰ پوشیدہ رکھے اس کا کرم اس بات کو نہیں چاہتا کہ اس کا پردہ آخرت میں کھولے اور جو کوئی گناہ کرے اور اس کو دنیا ہی میں سزا مل جائے تو عدلِ الٰہی اس بات کا مقتضی نہیں کہ اپنے بندہ کو دوبارہ آخرت میں سزا دے۔ اور حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ میرا حساب اگر میرے ماں باپ ہی کے حوالے کیا جاوے تب بھی میں اچھا نہیں جانتا اس لیے کہ مجھ کو یقین ہے کہ خدائے تعالیٰ میرے اوپر ماں باپ کی نسبت کہ زیادہ رحیم ہے اور بعض اکابر کا قول ہے کہ ایماندار جب نافرمانی کرتا ہے تو خدائے تعالیٰ اس کی تقصیر فرشتوں کی آنکھ سے چھپا دیتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ خطا دیکھ کر گواہ بن جاویں اور محمد بن مصعبؒ نے اپنے ہاتھ سے اسود بن سالم کو لکھا کہ جب بندہ اپنے پر زیادتی کرتا ہے اور پھر یارب کہہ کر ہاتھ اٹھاتا ہے تو فرشتے اس کی آواز روک دیتے ہیں اسی طرح دوسری بار اور تیسری بار اتفاق ہوتا ہے یہاں تک کہ چوتھی دفعہ جب یارب کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے فرشتو مجھ سے میرے بندہ کی آواز کب تک چھپاؤ گے میرے بندہ نے جان لیا ہے کہ اس کے لیے سوائے میرے اور کوئی پروردگار ایسا نہیں جو گناہ بخش دے میں تم کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے اس کو بخش دیا۔ اور حضرت ابراہیم بن ادہمؒ فرماتے ہیں کہ ایک رات خانہ کعبہ کا طواف مجھ کو تنہا نصیب ہوا اور وہ رات بہت اندھیری تھی میں نے ملتزم میں دروازۂ کعبہ کے پاس کھڑے ہو کر التجا کی کہ الٰہی مجھ کو گناہ سے محفوظ رکھ کہ کبھی تیری نافرمانی نہ کروں اسی وقت ہاتف غیبی نے خانہ کعبہ کے اندر سے آواز دی اے ابراہیم تو ہم سے سوال عصمت کرتا ہے اور سب ایماندار ایسا ہی چاہتے ہیں پس اگر میں سب کو

---

[1] ابو عبید در غریب الحدیث و احمد [2] ت ہم پر بوجھ بھاری ۱۲ [3] ت اتارتا ہے ان سے بوجھ ان کے اور پھانسیاں جو ان پر تھیں [4] ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں علی مرتضیٰ پر موقوفاً روایت کیا ہے کہ مراد صفح الجمیل سے راضی ہونا بدون عتاب کے ہے، باقی مضمون اس میں نہیں اور اس کی سند میں تامل ہے ۱۲ [5] ت سو کنارہ پکڑ اچھی طرح کنارہ ۱۲

معصوم کر دوں تو اپنا فضل اور مغفرت کس پر کروں۔ اسی کے قریب نظامی گنجوی فرماتے ہیں شعر

گناہ من ار نامدے در شمار ترا نام کے بودے آمرزگار

اور حسن بصری فرمایا کرتے کہ اگر ایمان دار گناہ نہ کرے تو عالم غیب و اسرار آسمانی میں اُڑتا پھرے مگر خدائے تعالیٰ نے گناہوں کے باعث اس کے پر کو نوچ دیا ہے۔ اور حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ اگر کرم کی نظر ہو گی تو بدوں کو نیکوں میں ملا دے گی اور حضرت مالک بن دینارؒ آبانؒ سے ملے اور ان سے فرمایا کہ کب تک لوگوں کو تم رخصتوں کی حدیثیں سناؤ گے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میاں صاحب کہ مجھ کو توقع ہے کہ قیامت کے روز خدائے تعالیٰ کا عفو تم کو اتنا نظر آوے گا کہ خوشی کے مارے جامہ میں نہ سماؤ گے اور ربعی بن خراش تابعیؒ اپنے بھائیوں کا حال جو عمدہ تابعین میں تھے اور موت کے بعد انہوں نے گفتگو کی تھی، اس طرح بیان کرتے ہیں کہ جب میرے باپ کی وفات ہوئی تو ان کو کفن دے کر جنازہ تیار کیا انہوں نے کفن اپنے منہ سے ہٹایا اور سیدھے بیٹھ کر کہا کہ میں نے اپنے رب سے ملاقات کی اس نے میری خاطر داری راحت اور روزی سے فرمائی اور خداوند کریم مجھ سے ناراض نہ تھا اور جتنا گمان ہے اس سے میں نے یہ امر آسان پایا۔ اب سستی نہ کرو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب سب میری راہ دیکھ رہے ہیں کہ میں ان کے پاس پھر کر جاؤں، یہ کہہ کر پھر گر پڑے جیسے کنکر کسی طشت میں گرتی ہے۔ ہم نے ان کو اُٹھا کر دفن کیا۔ اور حدیث یمن میں یہ قصہ مذکور ہے کہ بنی اسرائیل میں سے دو شخصوں نے آپس میں خدا کے واسطے بھائی چارہ کیا تھا۔ ان دونوں میں سے ایک اپنے نفس پر زیادتی کرتا تھا اور دوسرا عابد تھا اور ہمیشہ اول کو وعظ و ملامت کیا کرتا تھا وہ اس کے جواب میں کہہ دیتا کہ میں جانوں اور میرا پروردگار تم میرے اوپر ناظر مقرر نہیں، یہاں تک کہ ایک روز عابد نے اس دوسرے شخص کو گناہ کبیرہ کرتے دیکھ لیا اور غصہ میں آ کر کہا خدا تجھ کو نہ بخشے گا۔ خدا تعالیٰ اس عاصی سے قیامت کے روز فرمائے گا کہ کیا کسی کو یہ تاب و طاقت ہے کہ میری رحمت میرے بندوں سے روک لے جا میں نے تجھ کو بخش دیا اور عابد سے ارشاد فرماوے گا کہ تجھ پر میں نے دوزخ کو لازم کر دیا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس عابد نے ایسی بات کہی جس نے اپنی دین و دنیا خراب کر دی۔ اور روایت ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک چور چالیس برس تک رہزنی کیا کرتا تھا اس کے پاس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گذر ہوا اور آپ کے پیچھے ایک عابد حواریین میں سے تھا چور نے اپنے دل میں کہا کہ یہ پیغمبر خدا یہاں کو گذرتے ہیں اور ان کے پہلو میں ایک حواری بھی ہے اگر میں بھی اتر کر ان کے ساتھ ہو لوں تو بہتر ہے یہ ارادہ کر کے اترا اور چاہتا تھا کہ عابد کے قریب جاوے مگر اس کی تعظیم اور اپنے نفس کی تحقیر کر کے کہتا تھا کہ مجھ جیسے شخص کو اس عابد کے برابر چلنا نہیں چاہیئے۔ ادھر عابد نے جو معلوم کیا کہ میرے ساتھ چور آتا ہے تو اپنے دل میں کہا کہ یہ شخص میری برابری کرتا ہے اس خیال سے اس سے کنارہ کر کے آگے بڑھ گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے برابر چلنے لگا۔ صرف چور پیچھے رہ گیا۔ راوی کہتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ ان دونوں سے کہہ دو کہ تمہارے پہلے عمل ہم نے باطل کر دیئے اب نئے سرے سے عمل کرو۔ حواری کی حسنات جاتی رہیں

ح[۱] ابوداؤد بروایت ابوہریرہؓ ۱۲

اس وجہ سے کہ اس نے اپنے نفس پر عجب کیا اور اس دوسرے شخص کی بُرائیاں مٹا دیں اس لیے کہ اس نے اپنے نفس کو حقیر جانا حضرت نے بموجب حکم کے ان دونوں کو اطلاع کر دی اور چور کو اپنے ساتھ لیا اور اس کو حواری کیا۔ اور مسروق سے روایت ہے کہ ایک نبی انبیاء علیہم السلام سے سجدے میں تھے کہ کسی سرکش نے ان کی گردن پر پاؤں ایسے زور سے رکھا کہ کنکر ان کی پیشانی میں گھس گیا انہوں نے سر اُٹھا کر غصے میں اس کو فرمایا کہ جا خدا تجھ کو ہرگز نہ بخشے گا اسی وقت ان پر وحی آئی کہ میرے بندوں کے باب میں مجھ پر قسم کھاتے ہو میں نے اس کو بخش دیا اور اسی کے قریب وہ روایت ہے جو حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کیلیے بد دعا نماز میں کیا کرتے تھے تو آیت اتری[1] لیس لك من الامر شیء او یتوب علیهم او یعذبهم آپ نے بد دعا چھوڑ دی[2] اور اللہ تعالیٰ نے ان میں سے اکثر لوگوں کو مشرف باسلام فرمایا اور روایت ہے کہ دو شخص عابدوں میں سے عبادت میں برابر تھے جب وہ جنت میں گئے تو ایک کو بہ نسبت دوسرے کے اونچا درجہ ملا۔ اس کم رتبہ والے نے عرض کیا کہ الٰہی دنیا میں اس شخص نے مجھ سے زیادہ عبادت نہیں کی مگر تو نے اس کو بڑا رتبہ عنایت فرمایا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ شخص مجھ سے دنیا میں بڑے درجوں کی درخواست کیا کرتا تھا اور تو صرف آتش دوزخ سے نجات کی دعا مانگا کرتا تھا۔ میں نے ہر ایک بندہ کو اس کی درخواست کے بموجب عنایت کیا اس سے معلوم ہوا کہ عبادت رجا کے ساتھ کرنی افضل ہے، اس لیے کہ رجا والے پر محبت غالب ہوا کرتی ہے بہ نسبت خائف کے۔ دیکھو جو بادشاہ کہ اس کی خدمت عقاب کے خوف سے کریں اور دوسرے کی خدمت انعام کی توقع سے کریں تو ان دونوں میں بہت فرق ہوگا اسی جہت سے خدا تعالیٰ نے حکم حسن ظن کا فرمایا ہے اور نہیں لحاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا[3] ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بڑے بڑے درجات طلب کرو کیونکہ تم سخی سے مانگتے ہو اس کے نزدیک دے دینا کیا بڑی بات ہے اور فرمایا[4] کہ جب خدائے تعالیٰ سے کچھ سوال کرو تو نہایت رغبت سے مانگو اور فردوس اعلیٰ کی درخواست کرو اس لیے کہ اس کے نزدیک کوئی چیز بڑی نہیں جس کو وہ نہ دے سکے۔ بکر بن سلیم صواف فرماتے ہیں کہ ہم مالک بن انس کے پاس اس شام کو گئے جس میں ان کا انتقال ہوا ہم نے پوچھا کہ آپ کا کیا حال ہے انہوں نے فرمایا کہ مجھے نہیں معلوم کہ تم کو کیا جواب دوں مگر عنقریب تم اللہ تعالیٰ کا عفو اتنا دیکھو گے کہ جس کا تم کو گمان بھی نہ ہوگا پھر ہم وہاں ہی تھے یہاں تک کہ آپ کی آنکھیں ہم نے ہی بند کیں اور یحییٰ بن معاذ اپنی مناجات میں کہتے ہیں کہ جو توقع مجھ کو گناہوں کے ساتھ تجھ سے ہے وہ اس توقع کے ساتھ بڑی ہو جاتی ہے جو مجھ کو اعمال کے ساتھ تجھ سے ہے اس واسطے کہ اعمال

---

[1] تیرا کچھ اختیار نہیں ان کو توبہ دیوے یا ان کو عذاب کرے

[2] ح روایت احیاء کے الفاظ سے نہیں ملتی ترمذیؒ نے بروایت ابن مسعودؓ یوں نقل کیا ہے سلوا اللہ من فضله فان الله يحب ان يسأل [3] ط [4] ح مسلم بروایت ابو ہریرہؓ ۱۲

ہیں بڑا اخلاص ہے اور مجھ میں وہ کہاں سے آیا تھا میں تو معرفت میں ہوں اور گناہوں سے مجھ کو تیرے عفو پر بھروسا ہوتا ہے تو پھر تو کیسے گناہ بخشے گا تو تو جود میں موصوف ہے۔ روایت ہے کہ ایک مجوسی نے حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کے یہاں مہمان ہونا چاہا آپ نے اس سے ارشاد فرمایا کہ اگر تو مسلمان ہو جاوے تو میں کھانا کھلاؤں گا وہ مجوسی چلا گیا اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی بھیجی کہ تم نے اس کے دین کے اختلاف کے باعث اس کو کھانا نہ کھلایا، ہم اس کو ستر برس سے باوجود کفر کے کھانا دیتے جاتے ہیں اگر تم ایک رات کھلا دیتے تو کیا تھا، حضرت ابراہیمؑ اسی وقت اس مجوسی کے پیچھے دوڑتے گئے اور اس کو لوٹا لاتے اور ضیافت کی۔ مجوسی نے پوچھا کہ اب ضیافت کا کیا سبب ہے اول تو آپ نے انکار ہی کر دیا تھا، آپ نے سارا قصہ اس سے مذکور فرمایا، مجوسی نے عرض کیا کہ خدائے تعالیٰ مجھ سے یہ معاملہ کرتا ہے، پھر آپ سے عرض کر کے مسلمان ہو گیا اور استادؒ ابو سہل صلعوکی جو ہمیشہ ڈرانے میں معروف تھے انہوں نے ابو سہل زجاجی کو خواب میں دیکھا اور حال پوچھا انہوں نے جواب دیا جس قدر تم ڈرایا کرتے تھے اس سے ہم نے معاملہ سہل دیکھا اور کسی نے استاد ابو سہل کو بہت عمدہ صورت خواب میں دیکھا کہ جس کا بیان نہیں ہو سکتا اور پوچھا کہ یہ درجہ تم کو کیسے ملا انہوں نے کہا کہ میرے حسنِ ظن کے باعث یعنی خدائے تعالیٰ کے ساتھ مجھ کو گمان تھا ویسا ہی ہوا۔ اور ابو العباسؒ بن شریح نے اپنے مرضِ موت میں خواب میں دیکھا کہ گویا قیامت برپا ہے اور خداوند جبار ارشاد فرماتا ہے کہ علماء کہاں ہیں جب وہ حاضر ہوتے تو ان سے سوال ہوا کہ تم نے اپنے علم سے کیا عمل کیا۔ سب علماء نے جواب دیا کہ الٰہی ہم سے تقصیر ہوئی اور ہم نے بُرا کیا۔ راوی کہتے ہیں گویا یہ جواب جناب باری میں پسند نہ ہوا اور پھر وہی سوال ہوا تاکہ کوئی اور جواب دیویں، ابن شریح کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ میرے نامہ اعمال میں شرک نہیں اور تو نے وعدہ کر لیا ہے کہ شرک سے کمتر گناہ کو معاف کر دوں گا حکم ہوا کہ اس کو لے جاؤ ہم نے سب کو بخش دیا اور یہ بزرگ اس خواب سے تین دن بعد رحلت کر گئے اور روایت ہے کہ ایک آدمی بہت شراب خوار تھا ایک مرتبہ اپنے ہم مشربوں کو جمع کر کے چار درہم غلام کو دیتے کہ اس مجلس کے واسطے کچھ میوہ خرید لا وہ غلام منصور بن عمامہ کے دروازے پر پہنچا وہ اس وقت کسی فقیر کے لیے کچھ مانگ رہے تھے اور یہ کہتے تھے کہ جو کوئی اس فقیر کو چار درم دے گا میں اس کے لیے چار دعا مانگوں گا غلام نے یہ سنکر چار درہم اس فقیر کو دے دیئے، منصور نے غلام سے پوچھا کہ تیرا مطلب کیا ہے کس چیز کے واسطے دعا مانگوں اس نے کہا کہ میرا ایک آقا ہے میں یہ چاہتا ہوں کہ اس سے مجھ کو نجات ملے منصور نے دعا کی اور پوچھا کہ دوسرا مطلب بیان کر اس نے کہا کہ ان درموں کا عوض خدا تعالیٰ مجھ کو عنایت کرے انہوں نے یہ بھی دعا کی اور پوچھا تیری غرض کیا ہے اس نے کہا کہ خدائے تعالیٰ میرے آقا کو توبہ نصیب کرے اور اس کی توبہ قبول ہو، انہوں نے دعا کی اور چوتھی بات پوچھی اس نے کہا کہ

ف اصل میں ہے رای الاستاد ابو سہل الصلعوکی ابا سہل الزجاجی الخ اس کے معنی یہ کہ ابو سہل الزجاجی جو ہمیشہ خوف دلانے میں معروف تھے بعد موت کے ان کو استاد ابو سہل الصلعوکی نے خواب میں دیکھ کر حال پوچھا تو فرمایا کہ ہم نے اپنے تو ہم سے معاملہ سہل پایا یعنی ہمارا تو ہم سخت خوف پر تھا اس سے یہاں رحمت حق وسیع ہے جل شانہ و عز سلطانہ ۱۲ امیر علی عفی عنہ ۱۲

خدائے تعالیٰ میری اور تیری اور میرے آقا کی اور قوم کی سب کی مغفرت کرے منصور نے یہ بھی دعا کی پھر وہ غلام واپس آیا اس کے آقا نے پوچھا کہ تو نے دیر کیوں کی، اس نے تمام قصہ کہا اس نے پوچھا کہ پھر ان چاروں دعا کی تشریح کر اس نے کہا کہ اول دعا تو یہ منگوائی کہ میں آزاد ہو جاؤں آقا نے جواب دیا کہ جا تو آزاد ہے۔ دوسری دعا کیا تھی؟ اس نے کہا کہ میرے درموں کا عوض مجھ کو دے آقا نے کہا تجھ کو چار ہزار درہم میں نے دیئے۔ تیسری دعا بتلا اس نے کہا آپ کو خدا تعالیٰ توبہ نصوح نصیب کرے آقا نے کہا میں نے توبہ کی۔ اب چوتھی دعا بتلا اس نے کہا کہ چوتھی یہ تھی کہ خدا تعالیٰ مجھ کو اور تجھ کو اور قوم کو اور منصور کو بخش دے آقا نے کہا کہ یہ بات میرے اختیار میں نہیں، جب اس رات سویا تو خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہتا ہے کہ جو بات تیرے اختیار میں تھی وہ تو کر چکا کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ جو ہمارے اختیار میں ہے ہم نہ کریں گے ہم نے تجھ کو اور غلام اور منصور بن عمار اور سب حاضرین وقت کو بخش دیا اور عبدالوہاب بن عبدالمجید ثقفی سے روایت ہے کہ میں نے دیکھا کہ تین مرد اور ایک عورت جنازہ لیے جاتے ہیں میں نے عورت کی طرف کا پایہ لے لیا اور قبرستان میں جا کر نماز کے بعد اس میت کو دفن کیا، پھر میں نے اس عورت سے پوچھا کہ یہ مرد تیرا کون تھا اس نے کہا کہ میرا بیٹا تھا۔ میں نے پوچھا تمہارے کوئی پڑوسی نہ تھا اس نے کہا کہ پڑوسی کیوں نہیں ہیں مگر اس مردے کو حقیر سمجھتے تھے، میں نے پوچھا کہ اس میں کیا برائی تھی اس نے کہا کہ یہ لڑکا مخنث تھا مجھے اس عورت پر رحم آیا اور اس کو اپنے گھر لے جا کر کچھ نقد اور جنس اور کپڑا دیا اور اسی رات میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے پاس ایک شخص آیا گویا چودھویں رات کا چاند ہے اور سفید کپڑے پہنے ہے اور میرا شکر گذار ہے میں نے پوچھا کہ تو کون ہے اس نے کہا کہ میں وہی مخنث ہوں جس کو تم نے آج دفن کیا تھا لوگوں نے جو مجھ کو حقیر سمجھا اس لیے خدائے تعالیٰ نے مجھ پر رحم کیا۔ اور ابراہیم اطروش سے روایت ہے کہ ہم بغداد میں دجلہ کے کنارے حضرت معروف کرخیؒ کے ساتھ بیٹھے تھے کہ اس درمیان میں ایک چھوٹی سی ڈونگی پر کچھ جوان لوگ ڈھول بجاتے اور شراب پیتے اور کھیلتے نکلے تو لوگوں نے حضرت معروف کرخیؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ دیکھیے یہ لوگ علانیہ خدا کی نافرمانی کرتے ہیں ان پر بد دعا کیجیے آپ نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی کہ الٰہی جیسا تو نے ان کو دنیا میں خوش کیا آخرت میں بھی خوش کر۔ لوگوں نے عرض کیا کہ ہماری غرض تو یہ تھی کہ آپ ان پر بد دعا کریں۔ آپ نے فرمایا اگر خدا تعالیٰ ان کو آخرت میں خوش کرے گا تو اول دنیا میں تائب کر دے گا یعنی خلاصہ میری دعا کا یہ ہے کہ ان کو ان حرکات سے توبہ نصیب کر۔ اور بعض اکابر دعا میں یوں کہتے کہ الٰہی دنیا میں کون ایسا ہے جو تیری نافرمانی کرتا ہو مگر تیری رحمت سب کے اوپر کامل اور رزق جاری ہے۔ تیری شان بہت بڑی ہے اور حلم نہایت افزوں کہ تیری نافرمانی بھی ہوتی ہے مگر تو رزق دیتے چلے جاتا ہے اور نعمت پوری عنایت فرماتا ہے گویا تو غصہ ہی نہیں ہوتا۔ حاصل یہ کہ یہ اسباب ایسے ہیں جن سے رجا کی روح خوف والوں ۔۔۔۔۔۔ اور ناامیدوں کے دلوں میں پڑتی ہے مگر احمق و مغروروں کو ہر گز ان باتوں میں سے کچھ سنانا نہیں چاہیئے ان کے لیے وہ ہے جو ہم اس باب خوف میں عنقریب لکھتے ہیں اس واسطے کہ اکثر لوگ صرف خوف ہی سے صلاح پر آتے ہیں جیسے کہ شریر غلام اور لڑکا بدوں کوڑے اور چھڑی اور سخت کلامی

کے درست نہیں ہوتا اگر ان کے خلاف ان سے برتا جاوے تو ان کی دین دنیا کی بہتری میں خلل واقع ہو۔

خوف کا بیان

خوف کی حقیقت

واضح ہو کہ خوف درد دل اور سوزش درونی کا نام ہے۔ جو زمانِ آئندہ کسی بری توقع کے سبب ہوتا ہے اور رجا کی حقیقت کے بیان میں یہ بات خوب معلوم ہو چکی ہے۔ اور جو شخص کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ مانوس ہو اور حق تعالیٰ اس کے دل پر محیط ہو جاوے کہ ہمیشہ جمال حق کا مشاہدہ کرتا رہے اور اپنے زمانے کا یکتا عہ ہو تو ایسے شخص کو کچھ توجہ زمانہ مستقبل پر نہیں رہتی اسی جہت سے نہ اس کو خوف ہوتا ہے نہ رجا بلکہ اس کا حال ان دونوں سے اعلیٰ ہوتا ہے اس لیے کہ یہ دونوں چیزیں تو دو باگیں ہیں کہ نفس کو ان کی رعونتوں پر نہیں جانے دیتیں اور اسی کی طرف اشارہ کیا ہے واسطیؒ نے اپنے قول میں کہ خوف حجاب ہے درمیان خدائے تعالیٰ اور بندے کے۔ یہ بھی انہی کا قول ہے کہ جب باطن پر حق غالب ہوتا ہے تو دل میں گنجائش رجا اور خوف کی نہیں رہتی۔ خلاصہ یہ کہ محب کا دل اگر مشاہدہ محبوب میں خوف فراق سے مشغول ہو گا تو مشاہدے میں نقصان ہو گا بلکہ مشاہدہ کا مدام رہنا انتہائے مقامات ہے لیکن اب ہم شروع مقامات میں گفتگو کرتے ہیں جہاں خوف بھی ہوتا ہے پس کہتے ہیں کہ حالت خوف بھی تین چیزوں سے مرکب ہوتی ہے اول علم، دوم حال سوم عمل، علم سے وہ علم مقصود ہے جس سے ادراک اس سبب کا ہو جو برائی کی طرف پہنچاوے۔ مثلاً کسی شخص نے کسی بادشاہ کا قصور کیا اور پھر اس کے ہاتھ میں اسیر ہوا تو اس کو ڈر اپنے مارے جانے کا ہو گا۔ ہر چند معاف ہو جانا اور بھاگ جانا بھی ممکن ہے مگر اس کے دل کو صدمہ خوف کا اسی قدر ہو گا جس قدر علم اسباب موجب قتل کا قوی ہو گا اور وہ اسباب یہ ہیں کہ اپنے قصور کا بڑا ہونا اور بادشاہ کا بذات خاص کینہ ور اور غضبناک اور انتقام کش ہونا اس پر ایسے لوگوں کا محیط ہونا جو انتقام پر آمادہ کریں اور کسی سفارش کا اس کے باب میں وہاں نہ ہونا اور خود خائف کا تمام وسائل اور حسنات سے عاری ہونا جس سے اپنے قصور کا نشان صفحۂ خاطر پادشاہ سے مٹا سکے پس ان اسباب کا جمع ہونا اور ان کا علم مجرم کو ہونا سبب قوت خوف اور شدت صدمہ دل کا ہے اور جس قدر یہ اسباب ضعیف ہوں گے اسی قدر خوف بھی کم ہو گا اور کبھی خوف کسی قصور کے کرنے سے نہیں ہوتا بلکہ خوف کی چیز کی خاصیت کے جاننے سے ہوتا ہے مثلاً کوئی درندے کا خوف اسی جہت سے ہے کہ اس کا وصف چیر پھاڑ کا معلوم ہوتا ہے گو یا یہ وصف درندے کا اختیاری ہے اور کبھی خوف ایسے وصف سے ہوتا ہے جو ڈر کی چیز میں اختیاری نہیں ہوتا بلکہ سرشت میں ہوتا ہے۔ جیسے کوئی رو کی دھار میں جا پڑے یا جہاں پہ آگ لگی ہو اس کے پاس رہتا ہو تو پانی اور آگ کا خوف اسی جہت سے

عہ یکتا ہوا الخ اصل میں ابن الوقت ہے یعنی ہر لحظہ جو موجود اور جو آتا جاوے اس میں قدرت الٰہی سے اپنے افعال و خلق کے حالات و افعال دیکھتا رہے کیونکہ خالق اعمال بھی وہی ہے جو جان پیدا کرنے والا ہے ۱۲ امیر علی عفی عنہ۔

ہے کہ یہ چیزیں اپنی طبیعت کی رو سے ڈبونے اور جلانے پر معمول ہیں۔ غرضکہ علم بُرے اسباب کا اس بات کا سبب ہوتا ہے کہ اس سے سوزش دل اور درد درونی اُٹھے اور اسی سوزش کا نام خوف ہے اسی طرح خدا سے خوف کرنا کبھی تو خدائے تعالیٰ کی معرفت اور اس کے صفات کے جاننے سے ہوتا ہے کہ اگر وہ تمام عالم کو ہلاک کر دے تو اس کو کچھ پرواہ نہ ہو اور نہ اس کو کوئی روک سکے اور کبھی بندہ اپنے گناہوں کی کثرت کے باعث خوف کرتا ہے اور کبھی ان دونوں باتوں کے جمع ہونے سے ہوتا ہے اور جس قدر کہ اپنی بُرائیاں اور خدائے تعالیٰ کی بزرگی اور اس کا استغناء معلوم ہوگا اور یہ کہ جو کچھ وہ کرتا ہے اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں اور بندوں سے ہر ایک بات کی پرسش ہوگی اسی قدر خوف بھی ہو گا..... اس سے یہ لازم آیا کہ سب سے زیادہ خدائے تعالیٰ سے وہی شخص ڈرے گا جو اپنے نفس کو اور اپنے آپ کو سب سے زیادہ جانتا ہوگا اور اسی جہت سے حدیث شریف میں ارشاد فرمایا[ح] کہ بخدا میں تمہاری بنسبت خدا تعالیٰ کا خوف زیادہ کرتا ہوں اور ارشاد فرماتا ہے۔ انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء[آ] پھر جب یہ معرفت پوری ہوتی ہے تو مورث حالت خوف اور سوزش دل کی ہوتی ہے پھر اثر اس سوزش کا دل سے بدن اور اعضا اور صفات پر پہنچتا ہے۔ بدن میں اس کی تاثیر لاغری اور زردی اور بیہوشی اور رونا اور چیخنا ہے اور کبھی اس سوزش کے باعث پتا پھٹ جاتا ہے اور موجب موت ہوتا ہے یا اگر حرارت مذکور دماغ میں چڑھ جاتی ہے تو عقل فاسد ہو جاتی ہے اور اگر یہ حرارت قوی ہوتی ہے تو مورث ناامیدی یاس کی ہوتی ہے اور اعضا میں اس کی تاثیر یہ ہے کہ ان کو گناہوں سے روکتی ہے اور طاعات کا مقید کر دیتی ہے تاکہ تلافیٔ تقصیر گذشتہ اور استعداد آئندہ حاصل ہو اور اسی واسطے کہتے ہیں کہ خائف اس کو نہیں کہتے جو رو کر اپنی آنکھیں پونچھ ڈالے بلکہ خائف وہ ہے کہ جس چیز سے خوف سزا جانے اس کو چھوڑ دے اور ابوالقاسم حکیم کہتے ہیں کہ جو شخص کسی چیز سے ڈرتا ہے اس سے دور بھاگتا ہے مگر جو خدا سے ڈرتا ہے وہ اسی کی طرف بھاگتا ہے۔ اور ذوالنونؒ سے کسی نے پوچھا کہ بندہ خائف کب ہوتا ہے انہوں نے فرمایا جب اپنے آپ کو مریض کی طرح بنا لے جو زیادتی مرض کے خوف سے پرہیز کیا کرتا ہے اور صفات میں اثر خوف سے شہوات کی بیخ کنی ہو جاتی ہے اور لذات سب مکدر معلوم ہوتے ہیں یہاں تک کہ جو گناہ محبوب تھے وہ بُرے معلوم ہوتے ہیں جیسے کسی کو شہد کی رغبت ہو مگر جب سنے کہ اس میں زہر ہے تو خوف کے مارے رغبت اس کی نہیں رہتی اسی طرح اور شہوات کا حال ہوتا ہے کہ خوف سے ٹل جاتے ہیں اور اعضاء ادب کے پابند ہو جاتے ہیں دل میں انکسار اور خشوع اور مسکنت آتی ہے اور کبر اور حقد اور حسد دور ہوتی ہے بلکہ تمام ہمت اپنے خوف ہی میں آدمی لگ جاتا ہے اور اپنے انجام کار کا خطرہ مدنظر رکھتا ہے اور چیز کی طرف مشغول ہونے کی فرصت ہی نہیں رہتی بجز مراقبہ اور محاسبہ اور مجاہدہ کے اور کام نہیں کرتا ایک ایک سانس اور ایک ایک لمحہ

ح بخاری بروایت انس رضہ

ت ا اللہ سے ڈرتے وہی ہیں اس کے بندوں میں جن کو سمجھ ہے۔

اور قدم اور لفظ کے ضایع کرنے کا مجمل ہو جاتا ہے اور اس کا حال ایسا ہوتا ہے جیسے کوئی موذی درندے کے پنجے میں پڑ جاوے اور اس کو یہ نہ معلوم ہو کہ اس کی غفلت میں بھاگ جاؤں گا یا اس کے حملے میں لقمۂ اجل ہوں گا تو ایسی صورت میں اس شخص کا ظاہر و باطن اسی درندے کی طرف لگا رہے گا غیر چیز کو مجال اس میں آنے کی نہ ہو گی یہی حال اس شخص کا ہوتا ہے جس پر غلبۂ خوف زیادہ ہو۔ اور کچھ لوگوں کا صحابہؓ و تابعینؒ میں سے یہی حال تھا اور مراقبہ و محاسبہ و مجاہدہ اسی قدر قوی ہوتا ہے جتنا قوی خوف ہوتا ہے جو درد دل اور اس کی سوزش کا نام ہے اور خوف کی اسی قدر قوت ہوتی ہے جس قدر کہ معرفت خدائے تعالیٰ کے جلال اور صفات اور افعال کے اور اپنے نفس کے عیوب کی اور ان خطروں اور وحشتوں کی جو نفس کو پیش آمدنی ہیں قوی ہوتی ہے اور تاثیر خوف کے ظاہر ہونے کا عمل میں ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ آدمی محرمات اور ممنوعات شرعی سے باز رہے جن میں امکان حرمت کا آسکتا ہے یعنی جو اشیاء یقینی حرام نہ ہوں کچھ شبہ ان کی حرمت کا ہے ان سے بھی ہاتھ کھینچے گا اس رتبے کا نام تقویٰ ہے کیونکہ تقویٰ اسی کو کہتے ہیں کہ شبہے کی چیز کو ترک کر دے اور یقینی پر عمل کرے اور کبھی یہ حال ہوتا ہے کہ ایسی چیزوں کو جن میں کچھ مضائقہ نہیں ہوتا شبہات کے خوف کے باعث ترک کر دیتا ہے اس رتبے کا نام صدق فی التقویٰ ہے اور اگر اس پر اتنی بات اور زیادہ ہو کہ تجربہ بھی ہو یعنی محض انہیں اشیاء کو استعمال کرے جو اس کے کام کی ہیں مثلاً جس گھر میں نہ رہتا ہو اس کی تعمیر نہ کرے اور جو کھانے کی چیز نہ ہو اس کو جمع نہ کرے اور دنیا کی طرف التفات نہ کرے اور جانے کہ یہ علیحدہ ہو جائے گی اور کوئی سانس اپنی غیر خدائے تعالیٰ میں صرف نہ کرے تو اس کا نام صدق ہے اور ایسے شخص کو صدیق کہنا زیبا ہے اور یہ درجات اسی طرح ہیں کہ اوپر کا درجہ نیچے والے سے عام ہے اور اس میں نیچے کا درجہ داخل ہے۔ مثلاً صدق میں تقویٰ داخل ہے اور تقویٰ میں ورع اور ورع میں عفت کیونکہ عفت نام اسی ورع کا ہے جو صرف مقتضائے شہوت سے باز رہنے کے لیے ہو۔ غرضکہ تاثیر خوف کی اعضا میں رکنے سے بھی ہے اور اعمال پر مداومت کرنے سے بھی مگر اعضا جو اعمال سے باز رہتے ہیں تو ہر ایک چیز سے باز رہنے سے ایک نیا نام ہو جاتا ہے۔ مثلاً اگر شہوت سے باز رہیں تو اس رکنے کو عفت کہتے ہیں۔ اور اس سے اوپر مرتبہ ورع کا ہے جو اس کی نسبت عام ہے کیونکہ ورع ہر چیز ممنوع سے رکنے کو کہتے ہیں تخصیص شہوت کی نہیں اور ورع سے بڑھ کر تقویٰ ہے۔ اس واسطے کہ تقویٰ ممنوع اور شبہے کی چیز دونوں سے باز رہنے کا نام ہے اور اس سے بڑھ کر صدق اور قرب ہے کہ شبہے کے خوف سے مباح چیز سے باز رہنے کا نام ہے اور چونکہ درجات میں سے ہر ایک درجہ اپنے پہلے درجہ سے بڑھ کر ہے تو اگر سب سے آخر کا درجہ بولا جائے گا تو اس میں گویا سب درجے آجاویں گے۔ اگر یوں کہو کہ انسان عربی یا عجمی اور عربی ہے یا قرشی ہے یا نہیں اور قرشی ہاشمی ہے یا نہیں اور ہاشمی اولاد علی ہے یا نہیں، اولاد حضرت علیؓ کی حسنی ہے یا حسینی تو سب سے بڑھ کر درجہ انساب میں حسنی اور حسینی ہو گا پس اگر کسی شخص کو مثلاً حسینی کہو گے تو اس میں سب نیچے کے اوصاف ضرور ہوں گے مثلاً وہ حضرت علیؓ کی اولاد اور ہاشمی اور قرشی اور عربی ہو گا۔ اسی طرح اگر کسی شخص کو صدیق کہیں تو اس رتبے

کے نیچے جتنے اوصاف ہیں وہ سب اس میں ہوں گے یعنی صدیق کہنا ایسا ہے کہ وہ شخص متقی اور صاحب ورع اور عفت والا ہے تو یہ نہ گمان چاہیے کہ ان درجات کے جو الفاظ جدا جدا ہیں ان کے معانی بھی ایک دوسرے سے متباین اور علیحدہ ہوں گے۔ اگر ایسا سمجھا جائے گا تو امر حق مشتبہ ہو جاوے گا۔ چنانچہ جو لوگ الفاظ سے معانی کی طلب کیا کرتے ہیں ان کا یہی حال ہوتا ہے۔ اگر الفاظ کو تابع معانی کریں تو ہرگز شبہ میں نہ پڑیں گے یہ ہے اشارہ خوف کے معنیٰ کلی کا اور اس چیز کا جس کو اوپر کی طرف سے متضمن ہے یعنی وہ معرفت جو موجب خوف ہوتی ہے اور جس کو نیچے کی طرف سے شامل ہے یعنی وہ اعمال جو خوف سے صادر ہوتے ہیں یا متروک۔

خوف کے مدارج

یہ تو پہلے گذر چکا کہ خوف اچھی چیز ہے مگر کبھی قیاس اس بات کا مقتضی ہوتا ہے کہ اچھی چیز جتنی قوی اور زیادہ ہو گی اتنی ہی خوبی کی بات ہے اس اعتبار سے خوف کی قوت و شدت جس قدر ہو بہتر ہے حالانکہ یہ غلط ہے بلکہ خوف ایک تازیانہ ہے کہ جس سے خدائے تعالیٰ اپنے بندوں کو علم و عمل کی مواظبت کے لیے ہنکاتا ہے تاکہ ان دونوں سے مرتبۂ قرب الٰہی حاصل ہو اور چوپایہ اور لڑکے سے کسی دم کوڑے کو علیحدہ نہیں کرنا چاہیئے مگر اس سے یہ نہ جاننا چاہیئے کہ بہت پیٹنا اچھا ہے بلکہ اس کی ایک حد معین ہے اسی طرح خوف کے لیے بھی کمی اور بیشی ہے اور عمدہ بات اعتدال ہے جو خوف کہ کم ہو اس کو مثل عورتوں کے رونے کے جاننا چاہیئے کہ جب کوئی آیت قرآنی سنتی ہیں یا اور کوئی سبب خوفناک پیش آتا ہے تو ڈر کے مارے رونے اور آنسو بہانے لگتی ہیں۔ جب وہ سبب آنکھوں سے غائب ہوا تو دل غفلت کی طرف رجوع کرتا ہے تو اس طرح کا خوف حد اعتدال سے کم ہے اور اس میں فائدہ بھی قلیل ہے اور اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کہ بڑے قوی جانور کے ایک نرم و کمزور ٹہنی درخت کی مارو کہ اس سے نہ اس کو رنج پہنچے گا اور نہ وہ براہ ہوگا اور نہ کام خاطر خواہ دے گا اور لوگوں کا خوف سب کا اسی قسم کا ہے۔ عارف اور علماء البتہ اس سے مستثنیٰ ہیں ہماری غرض علماء سے وہ عالم نہیں کہ لباس عالموں کا سا پہن لیا اور نام کے فاضل بن گئے ایسے لوگ تو سب لوگوں سے زیادہ بے خوف ہیں بلکہ ہماری غرض عالموں سے وہ لوگ ہیں جو خدا تعالیٰ اور اس کی نعمتوں اور افعال کو جانتے ہوں اور ایسے لوگوں کا وجود اب کم ہے اور اسی جہت سے حضرت فضیل ابن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ جب تم سے کوئی سوال کرے کہ خدا تعالےٰ سے ڈرتے ہو تو اس کے جواب میں چپ رہو کیونکہ اگر کہو گے کہ ڈرتے ہیں تو جھوٹے ہوگے اور اس میں یہ اشارہ فرمایا کہ خوف وہی ہے جو اعضا کو گناہوں سے روک دے اور طاعت کا پابند کر دے اور جب تک تاثیر خوف کی اعضاء میں نہ ہو گی تو اس کا نام وسوسہ اور جنبش خاطر کہنا چاہیئے اس کو خوف کہنا زیبا نہیں اور حد اعتدال سے زیادہ خوف یہ ہے کہ آدمی ناامیدی اور یاس میں پڑ جاوے اور یہ بھی ممنوع ہے اس لیے کہ عمل کی مانع ہے۔ حالانکہ غرض خوف سے وہی ہے کہ جو کوڑے سے ہوتی ہے کہ کام پر آمادہ کرنا اور اگر خوف میں عمل ہی نہ ہو تو خوبی کی بات نہ ہوگی

کیونکہ حقیقت میں تو نقصان ہے اور وجہ نقصان کی یہ ہے کہ منشا اس خوف کا جہل اور عاجزی ہے۔ جہل تو یہ ہے کہ اپنے انجام کار کو نہیں جانتا اور اگر جانتا تو خائف نہ ہوتا کیونکہ خائف ہی کو انجام میں تردد ہوا کرتا ہے اور عاجزی یہ ہے کہ اس امر سے ایسے پیچ میں پڑ جاتا ہے کہ جس کے دور کرنے کی قدرت اس کو نہیں۔ غرضکہ اگر باعتبار نقص آدمی کے دیکھیں تب تو اس قسم کے خوف کو اچھا کہہ سکتے ہیں کہ نہ ہونے سے ہونا اچھا ہے اگر واقع میں عمدہ بذات خود علم و قدرت اور ایسی چیزیں ہیں جن سے خدا تعالیٰ کا وصف ہو سکتا ہے اور جن سے کہ نہیں ہو سکتا وہ بذات خود کمال کی اشیاء نہیں بلکہ باعتبار ایسے نقصان کے جو اس وصف سے زیادہ ہے اچھے منصور ہوتے ہیں مثلاً مشقت دوا کی اٹھانی خود اچھی نہیں بلکہ باعتبار اس کے کہ وہ مرض اور موت کی بنسبت آسان ہے اس لیے اچھی ہے بہر حال جو خوف کہ موجب ناامیدی ہو مذموم ہے اور کبھی خوف موجب مرض اور ضعف اور حیرانی اور بیہوشی اور دیوانگی اور موت کا ہو جاتا ہے اور یہ قسم بھی مذموم ہے جیسے کہ وہ مار جس سے لڑکے کی جان جاتی رہے اور کوڑا جس سے جانور ہلاک ہو جاوے یا بیمار پڑ جاوے یا کوئی عضو ٹوٹ جاوے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اسباب رجا کے مذکور فرماتے اور ان کی کثرت بیان فرماتی اسی غرض سے کہ خوف مفرط کے صدمہ کا علاج اس سے کیا جاوے جو باعث ناامیدی یا مرض وغیرہ اشیاء کا ہو اس لیے کہ جو چیز کسی دوسرے شخص کے لیے مطلوب ہوتی ہے تو اس میں سے عمدہ وہی ہوتی ہے جس سے مقصود حاصل ہو اور جب مقصود تک نہ پہنچ سکے یا اس سے بڑھ جاوے تو وہ مذموم ہوتی ہے اور از انجا کہ خوف کا فائدہ بچنا اور پرہیزگاری اور تقویٰ کرنا اور مجاہدہ و عبادت و ذکر و فکر میں مشغول ہونا اور تمام اسباب خدائے تعالیٰ تک والوں کا حاصل ہونا ہے اور ان میں سے ہر ایک امر زندگی اور تندرستی اور سلامتی عقل پر موقوف ہے اس لیے کہ جو خوف کہ ان اسباب میں خلل انداز ہو گا وہ مذموم ہی ہو گا اب اگر یہ کہو کہ جو شخص خوف خدا کرے اور خوف کے مارے مر جاوے تو وہ شہید ہوتا ہے تو ایسے شخص کا حال مذموم کیسے کہتے ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس شخص کے شہید ہونے کے یہ معنی ہیں کہ خوف کے باعث مرنے سے اس کو ایسا رتبہ ملے گا کہ اگر اس وقت میں خوف کے باعث نہ مرتا تو ویسا رتبہ نہ پاتا پس اسی نظر سے اس کو فضیلت ہے لیکن اگر فرض کرو کہ وہ زندہ رہتا ہے اور بہت عمر پاتا ہے اور خدا کی اطاعت اور سلوک راہ معرفت میں قدم مارتا ہے اور معارف کے درجات میں ترقی کرتا ہے اس کو ہر لحظہ رتبہ ایک شہید کا کیا بہت سے شہدا کا ملتا ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو لازم آوے گا کہ جو لڑکا کہ قتل ہو جاوے یا دیوانہ کہ اس کو کوئی درندہ چیر ڈالے اس کا رتبہ نبی اور ولی سے جو اپنی موت سے وفات پاویں افضل ہو حالانکہ یہ امر محال ہے پس ہرگز گمان نہ کرنا چاہیئے کہ خوف سے مر جانا افضل ہے بلکہ افضل سعادت یہی ہے کہ طاعت الٰہی میں عمر زیادہ ہو تو جس خوف سے عمر جاتی رہے یا عقل یا صحت میں فتور پڑے کہ اس سے زندگی بیکار ہو جاوے تو اس کو چند امور کی نسبت نقصان جاننا چاہیئے گو اس کے بعض اقسام کو بعض امور کے اعتبار سے فضیلت ہو جیسے شہادت کو مثلاً فضیلت ایسی باتوں پر ہے جو ان سے کمتر

ہیں نہ نبیین اور صدیقین کے درجہ کی نسبت۔ بہرحال خوف اگر عمل میں کچھ اثر نہ کرے تو اس کا وجود و عدم مساوی ہے جیسا وہ کوڑا جس سے جانور اپنی چال نہ بڑھاوے اور اگر تاثیر کرے تو جس قدر اس کی تاثیر ظاہر ہوگی ویسا ہی درجہ ہوگا۔ مثلاً اگر خوف کے باعث مقتضائے شہوت ہی سے باز رہے تو صرف عفت کا درجہ ملے گا اور اگر خوف موجب ورع ہوگا تو پہلے کی نسبت زیادہ درجہ ہوگا اور سب سے بڑا درجہ یہ ہے کہ اس کا ثمرہ صدیقین کا درجہ ہو جاوے یعنی اپنے ظاہر و باطن کو خدائے تعالیٰ کے غیر سے ہٹا دے یہاں تک کہ غیر اللہ کی اس میں گنجائش ہی نہ رہے یہ درجہ خوف کا نہایت محمود ہے اور یہ تندرستی اور عقل کی سلامتی کے ساتھ میسر ہوتا ہے پس اگر خوف اس درجہ سے بڑھ جاوے اور عقل خواہ صحت کو دور کر دے تو اس کو مرض جاننا چاہیے اور اس کا علاج ضروری ہے اگر ہو سکے اور اگر یہ درجہ اچھا ہوتا تو اسباب رجا وغیرہ سے اس کا علاج ضروری تھا کہ خوف نہ رہے اسی جہت سے حضرت سہل تستریؒ اپنے ان مریدوں سے جو بہت دنوں فاقہ کرتے تھے فرمایا کرتے تھے کہ اپنی عقلوں کی حفاظت کرتے رہنا اس لیے کہ خدائے تعالیٰ کے اولیاء میں سے کوئی شخص کم عقل نہیں ہوا

خوف کی فضیلت

پہلے معلوم ہو چکا کہ خوف کسی بری بات کی توقع سے ہوتا ہے اور بری چیز دو طرح کی ہوتی ہے یا تو یہ کہ خود اپنی ذات سے بری ہو جیسے آتش دوزخ یا یہ کہ اس میں یہ برائی ہو کر ذریعہ دوسری بری چیز کا پڑتا ہو مثلاً گناہوں کو اس جہت سے برا جانتے ہیں کہ آخرت میں ان کے ذریعہ سے تکلیف ہوگی جیسے بیمار آدمی مضر میووں کو برا سمجھتا ہے اس لیے کہ وہ موت کا باعث ہوتے ہیں پس ہر خوف کرنیوالے کو ضرورت ہے کہ اپنے نفس میں کوئی بات تکلیف دہ ان دونوں قسموں میں ٹھہرالے اور اس کی توقع دل میں اتنی بڑھے کہ دل اس کی تکلیف کو سوچ کر جلنے لگے اور خائفین کا حال باعتبار امر مکروہ کے دل پر چھا جانے کے جدا جدا ہے اوّل فرقہ وہ لوگ ہیں جن کے دل پر ایسی چیز غالب ہو جاتی ہے جو بذات خود مکروہ نہیں ہوتی بلکہ کسی دوسری چیز کے باعث مکروہ ہوتی ہے، مثلاً بعضوں پر توبہ سے پیشتر مر جانے کا خوف ہوتا ہے اور بعضوں کو توبہ شکنی اور عہد شکنی کا اسی قسم کے خوف میں یہ خوف بھی داخل ہے کہ اس بات سے ڈرنا کہ حقوق الٰہی کے پورا کرنے کے لیے ہماری قوت ضعیف ہے یا دل کی نرمی کے جاتے رہنے اور سختی میں مبدل ہونے کا خوف یا استقامت سے ٹل جانے کا خوف یا اتباع شہوات میں عادات کے مستولی ہونے کا خوف یا اس سے ڈرنا کہیں خدائے تعالیٰ ہم کو ہمارے حسنات کے حوالہ نہ کر دے جن پر ہم کو بھروسہ ہے اور بندوں میں سے ان کے باعث ہماری عزت ہے۔ یا کثرت نعمائے الٰہی سے اترانے کا ڈر یا اللہ کی طرف سے اعراض کر کے غیر اللہ کی طرف مشغول ہونے کا ڈر یا پے در پے نعمتوں کے آنے سے مہلت ملنے کا خوف یا طاعت کے مکر و فریب خدا کے حضور میں منکشف ہونے کا ڈر یا لوگوں کے باب میں جو کچھ غیبت اور خیانت اور کینہ اور بدمعاملگی کی ہو اس کی جزا کا خوف یا یہ ڈر کہ نہ معلوم بقیہ زندگی میں کیا کیا قصور سرزد ہوں گے یا گناہوں کی سزا دنیا میں ہونے اور موت سے پہلے رسوا ہونے کا خوف یا دنیا کی زیبائش سے دھوکے میں پڑ جانے کا خوف، اپنے باطن پر غفلت کی حالت میں خدائے تعالیٰ کے واقف ہونے کا ڈر یا موت کے وقت برا خاتمہ ہونے کا خوف یا اپنی تقدیر سابق ازلی کا خوف غرضکہ اس طرح کے خوف عارفین کو ہوا کرتے ہیں اور ہر ایک خوف سے ایک فائدہ خاص ہے۔ یعنی جس شے سے خوف ہو اس سے آدمی بچتا ہے۔ مثلاً جو شخص

اپنے اوپر کسی عادت کے پڑ جانے کا خوف کرتا ہے وہ اس عادت کے چھوڑنے کی مواظبت کرے گا اور جو شخص کہ اس بات سے ڈرتا ہوگا کہ خدائے تعالیٰ میرے باطن پر غفلت میں واقف ہے تو وہ اپنے دل کی صفائی کی فکر کرے گا اور اس کو وسوسوں سے پاک کرے گا اسی طرح اور اقسام کو خیال کرنا چاہیئے اور ان سب ڈر کی چیزوں سے متقیوں پر خاتمے کا خوف اکثر رہتا ہے اس لیے کہ اس میں بڑا خطرہ ہے اور اعلیٰ قسم کی جس سے کمال معرفت پر دلیل ہو وہ سابقہ ازلی کا خوف ہے کہ ع

خدا جانے قسمت میں کیا لکھا ہوگا

اس لیے خاتمہ اس سابقہ تقدیر کا ثمرہ اور فرع ہے فقط بیچ میں چند اسباب پڑ گئے ہیں۔ خاتمے سے جو بات لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ظاہر ہو جاتی ہے اور اگر دو شخص لیے جاویں کہ ایک سابقے سے ڈرتا ہے اور ایک خاتمے سے تو ان کی مثال ایسی ہوگی جیسے دو شخص جن کے حق میں بادشاہ کوئی فرمان لکھ دے اور معلوم نہ ہو کہ اس میں گردن مارنے کو لکھا ہے، یا عہدہ وزارت اور انعام خلعت دینے کو اور وہ فرمان ابھی ان دونوں کے پاس نہیں پہنچا مگر ایک شخص کا دل تو پہنچنے کے وقت پر لگا رہے کہ جب کھلے گا تو نہ معلوم کیا لکھا ہوگا اور دوسرے شخص کا دل حکم دینے کی حالت پر وابستہ ہو کہ نہ معلوم بادشاہ کا مزاج اس وقت بر سر رحم تھا یا بر سر غضب تو ظاہر ہے کہ اس دوسرے شخص کی التفات سبب حکم کی طرف ہے اور اوّل کی فرع کی طرف اسی جہت سے التفات بہ نسبت اول کے اعلیٰ ہے اسی طرح لحاظ کرنا قضائے ازلی کا جس کے کھلنے کے لیے قلم چل چکا ہے اعلیٰ ہے بہ نسبت لحاظ کرنے اس بات کے جو خاتمے پر ظاہر ہوگی اور اسی کی طرف اشارہ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت کہ آپ منبر پر تشریف رکھتے تھے۔ پس آپ نے اپنی داہنی مٹھی بند کی اور فرمایا کہ یہ نوشتۂ الٰہی ہے اس میں اہل جنت کے نام اور ان کے باپ کے نام لکھے ہیں نہ ان میں زیادہ ہوں گے نہ کم پھر بائیں مٹھی بند کی اور فرمایا کہ یہ خدائے تعالیٰ کا نوشتہ ہے اس میں دوزخیوں کے نام اور ان کے باپ کے نام مندرج ہیں کمی بیشی کچھ نہ ہوگی جو لوگ تقدیر میں اہل سعادت ہیں وہ بدبختوں کے کام کریں گے یہاں تک کہ لوگ ان کو کہیں گے کہ یہ بھی گویا بدبختوں ہی میں سے ہیں بلکہ یقیناً وہی ہیں مگر خدائے تعالیٰ مرنے سے پہلے گو ایک لمحہ پہلے ہی کیوں نہ ہوں ان کو بچا لیتا ہے اور جو ازلی بدبخت ہیں وہ نیک بختوں کے کام یہاں تک کریں گے کہ لوگ کہیں گے کہ یہ بھی گویا سعید ہیں بلکہ یقیناً ہیں مگر خدائے تعالیٰ ان کے مرنے سے پیشتر اگرچہ تھوڑا ہی پہلے ہو زمرۂ نیک بختوں سے خارج کر دیتا ہے سعید وہی ہے جو قضائے الٰہی میں سعید ہو چکا ہے اور بدبخت بھی وہی ہے جس پر قلم شقاوت ازل میں چل چکا ہے اور عملوں کا مدار خاتموں پر ہے انتہی۔ اور ان دونوں خوف کرنے والوں کو یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ان کا خوف ایسا ہے جیسے دو شخص جن میں سے ایک اپنے گناہ و تقصیر سے ڈرتا ہو اور دوسرا خود خدائے تعالیٰ سے ڈرتا ہو بایں وجہ کہ اس کا وصف اور جلال جو مقتضی ہیبت و رعب ہے جانتا ہو تو ان دونوں میں سے یہی دوسرا شخص رتبے میں اعلیٰ ہے اور اسی وجہ سے یہ خوف باقی رہتا ہے گو آدمی صدیقین کی سی طاعت میں ہو مگر شخص اول دھوکا کھانے کے مقام پر ہے اور اگر مواظبت طاعت پر کرے تو امن بھی حاصل کر سکتا ہے

غرض کہ گناہ سے ڈرنا صلحا کا خوف ہوتا ہے اور خدائے تعالیٰ سے ڈرنا موحدوں اور صدیقوں کا خوف ہے اور یہ خوف معرفت الٰہی کا ثمرہ ہے۔ جس شخص نے خدا کو پہچانا اور اس کی صفات کو جانا تو اس کے اوصاف ایسے بھی اس کو معلوم ہوں گے کہ ان کے ہوتے ہوئے ان سے ڈرنا ہی زیبا ہے گو قصور نہ کیا ہو بلکہ اگر گناہ گار خدا تعالیٰ کے حق معرفت کو پہچانے تو خدا ہی سے ڈرے اور اپنے گناہ سے نہ ڈرے اور اگر خدا تعالیٰ کو اپنی ذات سے خوف دلانا منظور نہ ہوتا تو گناہ گار کو گناہ میں قابو کیوں کرتا اور گناہ کی سبیل اس پر آسان کیوں ہوتی اس کے اسباب مہیا کیوں فرماتا۔ اسباب معصیت کے مہیا کر دینا بھی تو رحمت سے دور کرنا ہے اور مجرم سے قبل گناہ کوئی ایسی خطا نہیں ہوئی تھی جس کے باعث اس بات کا مستحق ہے کہ معصیت میں مبتلا کیا جائے اور اس کے لوازم اس پر جاری ہوں اور نہ جو شخص اطاعت گزار ہے اس کے لئے طاعت سے پہلے کوئی وسیلہ تھا جس کے باعث اس کے لئے اسباب طاعت مہیا ہو گئے اور ثواب کے طریق تبلائے گئے بہر حال گناہ گار پر حکم گناہ کا ہو گیا وہ چاہے یا نہ چاہے۔ اور مطیع پر حکم اطاعت ہو چکا اس کی مرضی ہو یا نہ ہو۔ پھر جب اس دربارِ لاپرواہ کا یہ حال ہو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بدون کسی ذریعہ سابق کے تو اتنا اونچا درجہ دے کہ اعلیٰ علیین تک پہنچا دے اور ابوجہل کو اتنا نیچے اتارے کہ اسفل السافلین میں پہنچا دے۔ حالانکہ اس نے اپنے ہونے سے پہلے کوئی قصور نہ کیا تھا۔ پس ایسی ذات سے اور ایسے جلال سے ڈرنا ہی زیبا دیتا ہے۔ دیکھو جو کوئی اطاعت کرتا ہے تو اسی طرح کرتا ہے کہ خدائے تعالیٰ اس پر ارادہ طاعت کا مسلط کر دیتا ہے اور اس کو قدرت عنایت فرماتا ہے اور بعد پیدائش ارادہ پختہ اور قدرت کامل کے فعل ضروری ہوتا ہے یعنی ظہور طاعت مطیع ہوتا ہے۔ اسی طرح جو گناہ گار جو گناہ کرتا ہے اس پر ارادہ پختہ گناہ کا مسلط کر دیا جاتا ہے اور قدرت واسباب اس کے سب دے دیئے جاتے ہیں۔ جب ارادہ مصمم اور قدرت و لوازم ہیں تو گناہ ضروری ہوگا۔ اب ہم کو یہ معلوم نہیں کہ کیا وجہ ہے کہ شخص اول کو بزرگی دی گئی اور ارادہ طاعت کو اس پر مخصوص کر دیا اور دوسرے کی اہانت اور درد کرنے کا باعث کیا ہوا کہ اس پر لوازم معصیت مسلط کئے گئے اور یہ بھی نہیں جانتے کہ ان باتوں کو بندے پر حوالہ کیسے کریں اور جب کہ انجام حوالہ قضائے ازلی ہے بدونِ تقصیر اور بدون وسیلے ٹھہرتا ہے تو ظاہر ہے کہ ایسے شخص سے خوف ہی کرنا ہر عاقل کو زیبا ہے۔ جو ہر وقت چاہے سو کرے۔ علاوہ ازیں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ اس کے بعد معاملہ تقدیر کا ہے جس کا افشا درست نہیں اور اس سے خوف کا سمجھانا خدائے تعالےٰ کی صفات میں بدون مثال کے ممکن نہیں اور اگر شرع اذن نہ دیتی تو کسی بصیرت والے کی مقدور نہ تھی۔ کہ مثال ذکر کرے۔ مگر چونکہ حدیث میں مثال مذکور ہے اس لیے اس کا نقل کرنا سمجھانے کے لئے مناسب ہے چنانچہ وارد ہے[ا] کہ خدائے تعالےٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اے داؤد مجھ سے ایسا ڈر جیسا درندہ ایذا رساں سے ڈرتا ہے۔ اس مثال سے حاصل مطلب ہوتا ہے گو سبب پر واقفیت نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ سبب سے واقف ہونا بعینہ رازِ تقدیر کا واقف ہونا ہے اور وہ سازہر

ا؎۔ یہ حدیث نہیں ہے بلکہ بنی اسرائیل کے حالات میں سے ہے ۱۲ منہ

ایک کو نہیں بتایا جاتا۔ جو اس کا اہل ہوتا ہے اسی کو بتلایا جاتا ہے اور مطلب مثال مذکور یہ ہے کہ درندے سے جو آدمی خوف کرتا ہے تو اس جہت سے نہیں کہ اس نے کوئی قصور اس جانور کا کیا ہو۔ بلکہ اس کی خاصیت گرفت اور حملہ اور کبر اور ہیبت سے ڈرتا ہے کہ جو چاہتا ہے کر بیٹھتا ہے ذرا تامل نہیں کرتا اگر آدمی کو چیر ڈالے تو دل میں کچھ رقت اور درد نہیں کرتا اور اگر چھوڑ دے تو کچھ اس جہت سے نہیں کہ اس کو آدمی پر شفقت آگئی اور جان بچانے کے مارے چھوڑ دیا۔ بلکہ آدمی کا وجود اس کے نزدیک اتنا بھی نہیں کہ حالت حیات میں یا موت میں اس کی طرف لحاظ کرے۔ ایک آدمی کیا ہزار آدمی کا مار ڈالنا اور ایک آدمی کا مار ڈالنا اس کے نزدیک برابر ہے کیونکہ دونوں میں اس کی درندگی اور قدرت اور حملے میں کچھ فرق نہیں آتا پس حاصل مطلب حدیث کا یہ ہوا۔ باقی رہا خوفِ خدا سو اس کی مثال اس سے اعلیٰ ہے اور وہ خود فرماتا ہے۔ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی ..... ۵ لیکن جس شخص نے خدائے تعالیٰ کو جانا ہے اس نے مشاہدہ باطنی سے جو کہ بہ نسبت مشاہدہ ظاہری کے قوی تر اور معتبر اور اظہر ہے۔ جان لیا کہ خداوند کریم نے حدیث میں درست فرمایا ہے۔ هٰؤُلَاءِ فِی الْجَنَّةِ وَلَا اُبَالِی وَهٰؤُلَاءِ فِی النَّارِ وَلَا اُبَالِی استغنا ۵ اور لاپرواہی ہی میں ہیبت اور خوف کے موجبات کافی ہیں۔ دوسرا فرقہ خائفین کا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جن کے دلوں میں وہ بات جم جاوے جو خود بری ہے۔ مثلاً سکرات موت کا خوف یا سوال منکر نکیر کا یا عذاب قبر کا دہشت قبروں سے اٹھنے کی یا ہیبت خدائے تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے کی اور شرم پردہ فاش ہونے کی اور تنکے تنکے سے سوال ہونے کی یا خوفِ پل صراط اور اس کی تیزی اور اس پر سے اترنے کا یا دوزخ کی آگ اور اس کے طوق اور راہوال کا یا جنت سے محروم ہونے کا جو خانہ عشرت اور سلطنت جاوید ہے۔ یا خوف درجات کے کم ہونے کا یا خوف خدائے تعالیٰ سے حجاب ہونے کا۔ اور یہ سب چیزیں بذاتِ خود بری ہیں تو بالضرور خوف کی چیزیں ہیں ان میں بھی خوف کرنے والوں کا حال جدا ہے۔ سب سے اعلیٰ مرتبہ وہ لوگ ہیں جن کو خوفِ فراق یعنی خدائے تعالیٰ سے محجوب رہنے کا ہے یہ خوف عارفین کو ہوتا ہے اور جو خوف اس سے پہلے ہیں وہ عابدین، صلحاء اور زاہدین کو اور تمام عالموں کو ہوتے ہیں اور جس کی معرفت کامل نہیں ہوتی اور اس کی چشم بصیرت نہیں کھلتی وہ لذتِ وصال سے اور رنج و فراق سے آگاہ نہیں ہوتا اور جب اس کے سامنے کہا جاوے کہ عارف دوزخ سے نہیں ڈرتا بلکہ حجاب سے ڈرتا ہے تو دل میں اس بات کو برا جانتا ہے اور تعجب سمجھتا ہے اور کبھی لذتِ دیدار الٰہی سے منکر ہی ہو جاتا ہے مگر چونکہ شرع سے انکار جائز نہیں اس واسطے۔ زبان سے اقرار تو کرتا ہے مگر دل نہیں مانتا کیونکہ اس کو تو لذت شکم اور شرمگاہ اور آنکھ کی معلوم ہے کہ رنگ اچھے دیکھ لئے۔ خوب صورت لوگ دیکھ لئے۔ غرض کہ جو لذت کہ اس میں بہائم بھی شریک ہوں اس کو لذت جانتا ہے۔ لذتِ عارفین کو نہیں جانتا جس کے واسطے مولانا روم فرماتے ہیں۔ شعر

آدمی دید ست و باقی پوست ست ❊ دید آں دیدہ کہ دید دوست ست

اور اس لذت کی تفصیل و شرح ان لوگوں سے بیان کرنی جو اس کے اہل نہیں حرام ہے اور جو لوگ اس کے اہل ہیں ان کو خود معلوم ہوتا ہے۔ اس بات کی حاجت نہیں کہ کوئی دوسرا شخص ان سے بیان کرے۔

۴ خوف کی فضیلت اور اس کی طرف رغبت دلانا

جاننا چاہیئے کہ خوف کی فضیلت ایک

تو تامل اور قیاس سے معلوم ہوتی ہے اور ایک آیات و احادیث سے تامل اور قیاس سے اس طرح کہ ہر ایک چیز کی فضیلت اسی قدر ہے جس قدر کہ وہ آخرت میں سعادت دیدار الہٰی تک پہنچانے میں مدد کرے کیوں کہ سعادت کے سوا اور کچھ مطلب نہیں۔ اور بندے کی سعادت بجز دیدار اپنے مولے اور اس سے قریب ہونے کے اور کیا ہوگی پس جو چیز کہ بندے کو اس سعادت پر اعانت دے گی تو جس قدر اعانت کرے گی اسی قدر فضیلت ہوگی اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ سعادت دیدار سے آخرت میں بہرہ ور ہونا بدون حاصل کرتے اس کی محبت اور انس کے دنیا میں ممکن نہیں اور محبت بدون معرفت نہیں ہوتی اور معرفت بے فکر نہیں ملتی اور انس بدون محبت اور ذکر دائی کے حاصل نہیں ہوتا اور ذکر کا مدام کرنا اور ہمیشہ فکر کرتے رہنا بدون دنیا کی محبت دل سے علیحدہ کرنے کے نہیں بنتا اور محبت دنیا دل سے بدون لذات وشہوات دنیاوی کے چھوڑے علیحدہ نہیں ہو سکتی اور چھوڑنے شہوت کا بدون ان کی بیخ کنی جیسی آتش خوف سے ہوتی ہے اور کسی چیز سے نہیں ہوتی اس سے معلوم ہوا کہ خوف وہ آگ ہے جس سے شہوتیں جل جاتی ہیں تو ضرور ہوا کہ اس کی فضیلت اسی قدر ہو جس قدر کہ شہوت کو جلاتا اور گناہوں سے بچاتا اور اطاعت کی ترغیب دیتا ہو اور یہ بات موافق اختلاف درجات خوف کے مختلف ہے۔ چنانچہ پہلے گزرا اور خوف میں فضیلت کیوں نہ ہوگی اس کے باعث تو عفت وورع اور تقویٰ اور مجاہدہ حاصل ہوتے ہیں یہ سب کام فضیلت کے ہیں اور عمدہ اور خدائے تعالیٰ سے قریب کرنے والے پس جو چیز ایسی باعث ایسی عمدہ اور افضل باتوں کی تو ہو تو قیاس یہی چاہتا ہے کہ وہ بھی عمدہ اور افضل ہو اور احادیث اور آیات سے جس قدر خوف کے باب میں وارد ہیں وہ زائد از حد ہیں اس کی فضیلت اسی قدر بس ہے کہ خدائے تعالےٰ نے ہدایت اور رحمت اور علم اور رضا جو اہل جنت کے کل مقام ہیں ان چاروں کو ان خائفین کے لئے تین آیتوں میں ارشاد فرمایا ہے۔ چنانچہ ہدایت و رحمت کو اس آیت میں فرمایا[ت۱] ھدی ورحمۃ للذین ھم لربھم یرھبون ط اور علم کو اس آیت میں[ت۲] انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء اور رضا کو اس آیت میں رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ ذلک لمن خشی ربہ[ت۳] ط علاوہ ازیں جو کچھ فضیلت علم میں وارد ہے اس سے فضیلت خوف بھی سمجھی جاتی ہے اس لئے کہ خوف ثمرہ علم کا ہے اسی واسطے حضرت موسیٰؑ کی حدیث میں مذکور ہے کہ خائفون کا یہ حال ہوگا کہ ان کو رفیق اعلیٰ کا ساتھ ہوگا اور اس امر میں ان کا شریک اور کوئی نہ ہوگا تو اب دیکھنا چاہیئے کہ رفیق اعلیٰ کی مرافقت خاص ان کے لئے کیسے فرمائی اس کی وجہ یہی ہے کہ خوف والے علماء ہوتے ہیں اور علماء کو درجہ انبیاء کی رفاقت کا ہے اس لئے کہ وہ وارث انبیاء ہیں اور رفیق

ت ۱۔ راہ کی سوجھ ہے اور مہران کے لئے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں ۱۲ ؛ ت ۲ اللہ سے ڈرتے وہی ہیں اس کے بندوں میں جن کو سمجھ ہے ۱۲ ت ۳ ؛

سوال کرتا ہوں تجھ سے اوپر والا رفیق ۱۲۔ بخاری و مسلم بروایت عائشہ ۱۲۔

اعلیٰ کی ہمراہی نبیوں کو اور جو لوگ اس کے لواحق ہیں سے ہیں ان کو ہوگی اور اسی جہت سے جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو آپ کے مرض موت میں اختیار دیا گیا کہ خواہ آپ دنیا میں رہیں خواہ خدائے تعالیٰ کے پاس چلے آویں تو آپ یہی فرماتے ہیں کہ اسئالك الرفیق الاعلےٰ ؎ یہ حال اگر خوف کی اصل کی طرف نظر کرو تو علم اور اگر اس کے ثمرہ کی طرف دیکھو تو ورع و تقویٰ ہے اور جو کچھ ورع اور تقویٰ کے فضائل میں وارد ہوا ہے وہ ظاہر ہے یہاں تک کہ خود عاقبت تقویٰ ــــ ــــ ــــ ــــ ــــ ــــ ــــ ــــ ــــ ــــ ــــ ــــ

ــــ ــــ ــــ ــــ ــــ ــــ ــــ کے ساتھ مخصوص ہوگئی جیسے حمد مخصوص خدائے تعالیٰ سے ہے ۔ اور درود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح عاقبت کو خصوصیت تقویٰ سے ہے یہاں تک کہ یوں لکھتے ہیں ۔ الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصّلوٰۃ علی محمد و آلہ اجمعین ؎ اور تقویٰ کو خدا تعالےٰ نے اپنی ذات پاک کے واسطے خاص فرمایا چنانچہ ارشاد ہوا ۔ . . . . لن ینال اللہ لحومہا ولا دماءھا ولکن ینالہ التقوی منکم ؎ اور تقویٰ کے معنے اوپر گزر چکے کہ مقتضائے خوف کے باعث رکنے اور باز رہنے کا نام ہے اور اس واسطے اس کی بزرگی ہے چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم ؎ اور اسی جہت سے خدائے تعالےٰ نے اولین اور آخرین سب کو وصیت تقویٰ کی فرمائی جیسا کہ فرمایا ۔ ولقد وصینا الذین اوتوا الکتاب من قبلکم وایاکم ان اتقوا اللہ ؎ اور فرمایا وخافون ان کنتم مومنین ؎ اس آیت میں خوف کا ارشاد فرمایا اور اس کو واجب کیا یعنی صیغہ امر سے بیان فرمایا اور ایمان میں اس کی شرط لگادی بایں لحاظ کوئی مومن خوف سے علیحدہ متصور نہیں ہوسکتا ۔ ہر ایک میں خوف ضرور ہوگا گو تھوڑا یا کمزور ہو اور خوف میں کمزوری اسی قدر ہوگی جس قدر معرفت اور ایمان میں کمزوری اسی قدر ہوگی ۔ جس قدر معرفت اور ایمان میں کمزوری ہوگی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فضیلت تقویٰ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ جب خدا تعالےٰ اولین و آخرین کو روز معلوم کے وعدے پر اکٹھا فرمادے گا تو یکایک ان کو ایک آواز آوے گی ۔ جس کو دور والے اور پاس والے یکساں سنیں گے اور وہ آواز یہ ہوگی کہ اے لوگو جب سے میں نے تم کو پیدا کیا اس روز سے آج تک میں چپکا رہا اب آج تم خاموش رہو تمہارے عمل تمہارے سامنے آتے ہیں اے لوگو میں نے ایک نسب مقرر کیا تھا تم نے اور نسب بنایا میرے نسب کو پست جانا اور اپنے نسب کو عالی سمجھا میں نے تو کہا تھا کہ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم ؎ تم نے نہ مانا اور کہا کہ فلاں بن فلاں زیادہ غنی ہے فلاں سے تو آؤ میں تمہارے نسب کو نیچا کروں گا اور اپنے نسب کو اونچا ۔ متقی لوگ کہاں ہیں ۔ اسی وقت ان کے جھنڈے اونچے ہوں گے اور سب اس کے ساتھ ساتھ اپنے مکانوں کے اندر جنت میں بیحساب چلے جاویں گے اور ایک

؎ سب تعریفیں اللہ کو جو رب ہے جہانوں کا اور خود انجام کی پرہیزگاروں کو ہے اور رحمت خدا کی محمد اور ان کی سب اولاد پر ۱۲ ؕ

؎ اللہ کو نہیں پہنچتے ان کے گوشت اور خون لیکن اس کو پہنچتا ہے تمہارے دل کا تقویٰ ۱۲ ۔ ؎ مقرر عزت اللہ کے یہاں اس کی بڑی ہے جس کو ادب بڑا ۱۲ ؎ اور ہم نے کہہ رکھا ہے تم سے پہلے کتاب والوں کو اور تم کو کہ ڈرتے رہو اللہ سے ۱۲ ؎ اور مجھ سے ڈرو اگر ایمان رکھتے ہو ۔ ۱۲

حدیث شریف میں ہے الحکمۃ مخافۃ اللہ[1] یعنی حکمت کی اصل خوف الٰہی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن مسعودؓ کو ارشاد فرمایا کہ اگر تم کو منظور ہو کہ مجھ سے ملو تو میرے بعد خوف بہت کیا کرنا اور حضرت فضیلؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے خوف اس کو ہر طرح کی بہتری سوجھا دیتا ہے اور حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں کہ جب میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں تو میرے سامنے ایک دروازہ حکمت و عبرت کا ایسا کھل جاتا ہے جو میں نے کبھی نہ دیکھا ہو اور یحییٰ بن معاذ کا قول ہے کہ جو مومن کچھ خطا کرتا ہے اس کے پیچھے دو نیکیاں ہوتی ہیں۔ اول عذاب کا خوف دوم معاف ہونے کی توقع۔ تو وہ برائی ان دونوں خوف و رجا کے درمیان ہو جاتی ہے۔ جیسے دو شیروں میں لومڑی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حدیث میں ہے کہ خدا تعالیٰ قیامت کے روز ارشاد فرمائے گا کہ کوئی شخص ایسا نہیں رہے گا۔ جس کا حساب میں نہ کروں اور اس کے عمل کی تفتیش نہ بجالاؤں۔ بجز اہل ورع کے کہ ان سے مجھ کو شرم آتی ہے اور ان کی قدر اس بات سے زیادہ ہے کہ ان کو حساب لینے کے واسطے کھڑا کروں اور یہ دونوں چیزیں یعنی ورع اور تقویٰ الفاظ ہیں کہ ایسے معانی سے مشتق ہیں جن میں خوف کی شرط ہے اگر خوف سے یہ دونوں خالی ہیں تو ان کا نام ورع اور تقویٰ . . . . . . نہ ہوگا اور اسی طرح جو اخبار کہ فضیلت بیان میں وارد ہیں ظاہر ہیں ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے مخصوص خائفین سے کیا ہے چنانچہ فرمایات[1] سیذکر من یخشیٰ اور فرمایات[2] ولمن خاف مقام ربہ جنتان اور ایک حدیث قدسی میں وارد ہے[3] کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ قسم اپنے عزت و جلال کی کہ میں اپنے بندے پر دو خوف جمع نہ کروں گا۔ نہ دو امن پس اگر دنیا میں مجھ سے مامون اور نڈر رہے گا تو قیامت میں اس کو ڈراؤں گا اور اگر دنیا میں مجھ سے خوف کرے گا تو قیامت میں امن اور بے خوفی دوں گا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ من[4] خاف اللہ تعالیٰ خاف منہ کل شیئ ومن خاف غیر اللہ خوفہ اللہ من کل شیئ اور دوسری حدیث شریف میں فرمایا ہے[5] انکم عقلا اشدکم خوفا من اللہ تعالیٰ واحسنکم نظرا فیما امر اللہ تعالیٰ ونہی عنہ نظر اور حضرت یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں کہ بے چارہ انسان اگر آتش دوزخ سے اتنا ڈرتا جتنا افلاس سے ڈرتا ہے تو جنت میں داخل ہوتا اور حضرت ذوالنون فرماتے ہیں کہ جو شخص خدائے تعالیٰ سے ڈرتا ہے اس کا دل نرم ہو جاتا ہے اور خدائے تعالیٰ سے محبت پختہ ہو جاتی ہے اور عقل درست ہو جاتی ہے اور یہ بھی انہی کا قول ہے کہ خوف رجاء کی نسبت زیادہ چاہیے۔ اس لئے کہ جب رجا غالب ہوتی ہے تو دل پریشان ہو جاتا ہے اور

ف[1] طبرانی در اوسط حاکم در مستدرک بروایت ابوہریرہ بسند ضعیف ۱۲۔ ح ا بیہقی در شعب بروایت ابن مسعود اور اس کو ضعیف کہا ۱۲، ح ۲ اس کی اصل مجھے نہیں ملی ۱۲ ات[2] سمجھ جاوے گا جس کو ڈر ہوگا ۱۲۔ ت[3] اور جو کوئی ڈر اکھڑا ہونے سے اپنے رب کے آگے اس کو ہیں دو باغ ۱۲۔ ح ۳ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔ ابن حبان بیہقی در شعب بروایت ابوہریرہ رض ح ۴ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اس سے ہر چیز ڈرتی ہے اور جو شخص غیر اللہ سے ڈرتا ہے اس کو اللہ ہر چیز سے ڈراتا ہے ۱۲۔ ابن حبان در ثواب بروایت ابوامامہ بسند ضعیف ۱۲ ح ۵ تم میں سے عقل کا پورا وہ ہے جو سب سے زیادہ خوف کرے اللہ کا اور جن باتوں کا اللہ تعالیٰ نے حکم کیا ہے اور جن کو منع فرمایا ہے ان کو سب سے اچھی طرح غور کرے ۱۲۔ اس کی اصل مجھے نہیں ملی۔

ابوالحسین نابینا کہا کرتے کہ سعادت کی پہچان یہ ہے کہ بدبختی کا آدمی کو خوف ہو اس لئے کہ خوف بندے کے اور خدائے تعالےٰ کے درمیان ایک باگ ہے جب وہ جاتی رہتی ہے تو بندہ تباہ ہو جاتا ہے اور کسی نے یحییٰ بن معاذ سے پوچھا کہ سب سے زیادہ قیامت میں بے خوف کون ہوگا۔ انہوں نے فرمایا کہ جو دنیا میں سب سے زیادہ خوف رکھتا ہے اور حضرت سہل تستریؒ فرماتے ہیں کہ جب تک آدمی حلال نہ کھاوے گا خوف اس کو حاصل نہیں ہوگا اور حضرت حسنؒ سے بعض لوگوں نے کہا کہ ہم کیا علاج کریں ہم ایسے لوگوں میں بیٹھتے ہیں کہ وہ ہم کو اتنا ڈراتے ہیں کہ ہمارے دل گویا اڑنے لگتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس کو خوب جان لو کہ ایسے لوگوں میں بیٹھنا کہ وہ تم کو ڈراویں یہاں تک کہ تم کو امن پہنچ جاوے اس سے بہتر ہے کہ تم ایسے لوگوں کے ساتھ بیٹھو کہ وہ تم کو بے خوف کرتے ہیں اور تم کو ایک دفعہ ہی خوف آدباوے اور حضرت ابوسلیمان دارانی فرماتے ہیں کہ جس دل سے خوف علیحدہ ہوتا ہے وہ خراب ہو جاتا ہے اور حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ اس آیت میں یؤتون ما اتوا وقلوبھم وجلۃ سے مراد وہ آدمی ہیں جو چوری کرتے ہیں یا زنا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ وہ لوگ مراد ہیں کہ نماز و روزہ ادا کرتے ہیں اور صدقہ دیتے ہیں اور اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں غیر مقبول نہ ہو اور جو جو سختیاں اور مذمت کہ خدائے تعالیٰ کے عذاب و مکر سے بے خوف رہنے کے باب میں وارد ہیں وہ بھی سب خوف کی خوبی پر دال ہیں۔ اس واسطے کہ کسی چیز کی مذمت کرنے سے خوبی اس کی ضد کی ہوا کرتی ہے اور امن ضد ہے خوف کی۔ جیسے کہ رجا ضد ہے یاس کی تو جیسے ناامیدی کی برائی سے رجا کی فضیلت معلوم ہوتی ہے ایسی ہی امن کی مذمت سے خوف کی فضیلت معلوم ہوتی ہے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ جو کچھ رجا کی فضیلت میں آیا ہے وہ بھی خوف کی فضیلت پر دال ہے۔ کیونکہ رجاء اور خوف ایک دوسرے کے ساتھ ہوتی ہیں اس لئے کہ جو شخص کسی محبوب کا متوقع ہوگا تو ضرور ہے کہ اس کے نہ ملنے کا خوف بھی اس کو ہوگا اور اگر نہ ملنے کا خوف نہ ہوگا تو اس شئے سے محبت نہیں رکھتا ہوگا تو اس کا انتظار بھی توقع کے طور پر نہ کرے گا۔ بہر حال خوف اور رجاء لازم و ملزوم ہیں کہ ایک کا جدا ہونا دوسرے سے محال ہے یہ ہو سکتا ہے کہ دونوں اکٹھے ہوں اور ایک دوسرے پر غلبہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ قلب ان میں سے ایک ہی کے ساتھ مشغول ہو اور اس وقت دوسرے کی طرف غفلت کے باعث التفات نہ کرے اور ان دونوں کے لزوم کی وجہ یہ ہے کہ رجاء اور خوف دونوں کی شرط یہ ہے کہ جس چیز میں شک ہو اس سے متعلق ہوں اس لئے کہ معلوم کی چیز نہ رجاء کی جاتی ہے نہ خوف اب اگر محبوب چیز کو خیال کرو تو جس چیز کا وجود ہو سکتا ہے اس کا عدم بھی ممکن ہے۔ پس اگر محبوب کا وجود فرض کیا جاوے تو اس سے دل کو راحت ہوگی اور اسی کا نام رجا ہے اور اگر عدم فرض کرو تو دل کو صدمہ ہوگا اور اسی کا نام خوف ہے اور ظاہر ہے کہ دونوں صورتیں ایک دوسرے کی ضد ہیں بشرطیکہ وہ امر جس کی تاک ہے مشکوک ہو وہاں یہ ہوتا ہے کہ شک کی دونوں طرفوں میں سے بعض اوقات ایک کو بعض اسباب کے

لہ ترمذی و ابن ماجہ و حاکم ۱۲ ب ت ۱ اور جو لوگ دیتے ہیں جو دیتے ہیں اور ان کے دلوں میں ڈر ہے۔ ۱۲ ف

موجود ہونے سے دوسرے پر ترجیح ہوجاتی ہے اور اس کا نام ظن ہے اور اسی ظن کے باعث رجا و خوف کو ایک دوسرے پر غلبہ ہوجاتا ہے یعنی جب ظن پر وجود محبوب کا غالب ہوتا ہے تو رجا کو غلبہ اور قوت ہوتی ہے اور خوف چھپ جاتا ہے اور اس کی نسبت کہ گویا نہیں رہتا۔ اسی طرح اگر ظن پر عدم محبوب کا غلبہ ہوتا ہے تو خوف کی قوت کے سامنے رجا دب جاتی ہے۔ بہرحال ان میں لزوم پایا جاتا ہے۔ اس لئے خدائے تعالےٰ نے دونوں کو ایک ساتھ ارشاد فرمایا۔ و یدعوننا رغبا و رھبا[ت۱] اور فرمایا یدعون ربھم خوفا وطمعا[ت۲] اور انہیں لحاظ عرب بھی خوف کو رجاء سے تعبیر کرتے ہیں۔ جیسے اس آیت میں مالکم لا ترجون للہ وقارا[ت۳] کہ لا ترجون کے معنے لا تخافون ہیں۔ اور قرآن مجید میں اکثر جا رجاء بمعنے خوف آتا ہے اور وجہ یہی ہے دونوں لازم اور ملزوم ہیں اور عادت اہل عرب کی تھی کہ ایک لفظ بولیں اور اس سے اس کا لازم خواہ ملزوم مراد لیں ایسا ہی رجا کے لفظ سے خوف مراد لینا ہے۔ بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ خوبی خوف کے باعث رونے میں ہے تو اس سے بھی خوبی خوف ہی کی معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ رونا خوف کا نتیجہ ہے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے فلیضحکوا قلیلا ولیبکوا کثیرا[ت۴] اور فرمایا یبکون ویزیدھم خشوعا[ت۵] افمن ھذا الحدیث تعجبون وتضحکون ولا تبکون وانتم سامدون[ت۶] اور رونے کے فضائل سے احادیث مملو ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے[ح۷] کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی بندہ ایماندار ایسا نہیں کہ اس کی آنکھ سے کوئی آنسو اگرچہ مکھی کے سر کے برابر ہی کیوں نہ ہو خدا کے خوف سے بہہ کر رخسارہ پر کچھ رواں ہو اور پھر اس کو خدا تعالیٰ آتش جہنم حرام نہ کرے ؎

اے خنک آنکو نکوکاری گرفت ❊ زور رابگذاشتہ زاری گرفت

اور دوسری حدیث میں[ح۸] فرمایا جب ایماندار کے دل پر خدا تعالےٰ کے خوف سے لرزہ پڑجاتا ہے تو اس کے گناہ ایسے جھڑتے ہیں جیسے درخت سے پتے جھڑتے ہیں اور ایک حدیث میں فرمایا[ح۹] لا یلج النار احد بکی من خشیۃ اللہ حتی یعود اللبن الضرع۔ ؎ اور حضرت عقبہ بن عامر فرماتے ہیں کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ نجات کی کیا صورت ہے آپ نے فرمایا کہ اپنی زبان بند رکھ اور گھر سے باہر مت نکل اور اپنی خطا پر رویا کر ؎ ہے۔

گرنباشد برقی دل زابر دو چشم ❊ کے نشیند آتش و تہدید و خشم

اور حضرت عائشہ رضؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ آپ کی امت میں سے کوئی شخص بے حساب بھی جنت میں داخل ہوگا آپ

ت ۱۔ اور پکارتے ہیں ہم کو توقع سے اور ڈر سے ۱۲ ت۲ اور پکارتے ہیں اپنے رب کو ڈر سے اور لالچ سے ۱۲ ت۳ کیا ہوا تم کو کہ کیوں نہیں رکھتے امید اللہ سے بڑائی کی ۱۲ ت۴ سو ہنسیں تھوڑا اور روئیں بہت ۱۲ ت۵ روتے ہیں اور زیادہ ہوتی ہے ان کو عاجزی ۱۲ ت۶ کیا تم اس بات سے اچنبھا کرتے ہو اور ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو تم کھلاڑیاں کرتے ہو ۱۲ ۷ ح طبرانی و بیہقی بروایت ابن مسعودؓ بسند ضعیف ۱۲ ۸ ح طبرانی و بیہقی بروایت ابن عباس بسند ضعیف ۱۲ ۹ ح جو شخص کہ خدا کے خوف سے رویا ہے وہ دوزخ میں نہ داخل ہوگا جب تک دودھ پستان میں لوٹ جاوے۔ ۱۲ ترمذی و ابن ماجہ بروایت ابوہریرہ۔

نے فرمایا کہ جو شخص اپنے گناہوں کو یاد کر کے رووے گا وہ بے حساب جنت میں جاوے گا اور ایک حدیث میں فرمایا کہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک دو قطروں سے زیادہ اچھا کوئی قطرہ نہیں۔ ایک قطرہ آنسو کا جو خدا تعالےٰ کے خوف سے نکلے اور دوسرا قطرہ خون کا جو خدا کی راہ میں بدن سے گرے ؎

اشک کان از بہر او بارند خلق ؎ گوہرست و اشک پندارند خلق

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعا مانگا کرتے اللھم ارزقنی عینین ھطالتین تشقیان بتذرفۃ الدمع قبل ان تصیر الدموع دما والاضراس جمرا ؎ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات شخص ہیں جن کو خدائے تعالےٰ اس روز سایہ میں رکھے گا۔ جس روز سوا اس کے سایہ کے اور کوئی سایہ نہ ہوگا، اور ان میں سے ایک شخص کو آپ نے فرمایا کہ ایک وہ ہوگا جو خدائے تعالےٰ کو تنہائی میں یاد کر کے رووے اور حضرت ابوبکر صدیق کا قول ہے کہ جو شخص رو سکے وہ رووے اور جس سے نہ ہو سکے وہ رونی صورت بنائے اور حضرت محمد بن منکدر جب روتے تو اپنے چہرے اور ریش پر آنسو مل لیتے اور فرماتے کہ مجھ کو خبر پہنچی ہے کہ جس جگہ آنسو لگ جاویں گے وہاں آتش دوزخ نہ پہنچے گی، اور حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ گریہ کرو اور اگر گریہ نہ کرو تو رونے کی سی صورت بنائیں۔ اس لئے کہ اگر تم میں سے کوئی حقیقت امر جان لے تو اتنا چیخے کہ دم بند ہو جاوے اور اتنی نماز پڑھے کہ کمر ٹوٹ جاوے اور حضرت ابوسلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں کہ جس کسی کی آنکھ آنسوؤں سے ڈبڈبا جاوے گی، اس کے چہرے پر غبار اور ذلت قیامت کو نہ آوے گی اور اگر اس کے آنسو بہیں گے تو اول ہی قطرے سے بہت سی آگ کے سمندر سرد ہو جاویں گے اور اگر کوئی شخص کسی جماعت میں رووے گا تو اس جماعت کو عذاب نہ ہوگا۔ یہ بھی انہی کا قول ہے کہ رونا خوف سے ہوتا ہے اور رجا طرب شوق سے اور حضرت کعب احبار فرماتے ہیں کہ بخدا مجھ کو خدا کے خوف سے اس قدر رونا کہ آنسو میرے رخسار پر بہہ نکلیں۔ اس بات سے اچھا معلوم ہوتا ہے کہ ایک سونے کا پہاڑ خیرات کروں اور حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک میری آنکھ سے آنسو نکلنا ہزار دینار کی خیرات دینے سے اچھا ہے اور حضرت حنظلہؓ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے آپ نے ہم کو ایسی نصیحت کی کہ اس سے دل نرم ہو گئے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے اور اپنے نفسوں کو ہم نے جان لیا پھر جب میں اپنے گھر آیا تو گھر والے میرے پاس آئے اور دنیا کی باتیں ہم دونوں میں جاری ہوئیں یہاں تک کہ وہ حال جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تھا وہ مجھ کو یاد نہ رہا اور دنیا میں جا پڑا۔ پھر مجھ کو یاد ہوا تو اپنے دل میں میں نے کہا کہ میں منافق ہو گیا، اس جہت سے کہ جو خوف و رقت مجھ کو تھی وہ حال نہ رہا۔ اس

ح یہ حدیث پہلے گذری ۱۲ ۲ ح اس کی اصل مجھ کو نہیں ملی ۱۲ ۳ ح ترمذی بروایت ابوامامہ اور کہا ہے کہ غریب ہے ۱۲ ۴ ح الہی مجھ کو دو آنکھیں کثرت سے پانی بہانے والی رونے والی عطا کر جو آنسو گراتے سے تسکین دے دیں پہلے اس سے کہ آنکھیں خون ہو جاویں اور داڑھیں چنگاریاں ۱۲۔ طبرانی در کبیر و ابونعیم در حلیہ بروایت ابن عمر ۱۲ ۵ ح بخاری مسلم بروایت ابوہریرہ ۱۲ ۶ ح مسلم بروایت حنظلہ مختصراً ۱۲

خیال سے میں گھر سے باہر نکلا اور پکار کر کہنے لگا حنظلہ منافق ہوگیا اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق مجھ کو سامنے سے ملے اور انہوں نے فرمایا کہ حنظلہ ہرگز منافق نہیں ہوا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور زبان سے یہی کہتا تھا کہ حنظلہ منافق ہوگیا، آپ نے فرمایا بالکل منافق نہیں ہوا میں نے عرض کیا یارسول اللہ ہم آپ کے پاس تھے آپ نے ہم کو ایسا وعظ کیا جس سے دلوں پر ترس چھا گیا اور آنکھوں سے آنسو رواں ہوئے اور اپنے نفسوں کی ہم کو اطلاع ہوگئی مگر جب میں اپنے گھر گیا اور دنیاوی باتیں شروع کیں تو وہ سب کیفیت بھول گیا جو آپ کے سامنے تھی آپ نے فرمایا کہ اے حنظلہ اگر تم ہمیشہ اسی کیفیت پر رہو تو تم سے فرشتے راستوں میں اور تمہارے بستروں پر مصافحہ کریں۔ مگر ہر ایک بات کے لئے ایک وقت ہے خلاصہ یہ کہ جو باتیں کہ رجا اور گریہ کی خوبی میں اور تقویٰ اور ورع کی فضیلت میں اور علم کی بہتری اور امن کی برائی میں وارد ہیں وہ سب خوف کی خوبی پر دلالت کرتی ہیں اس لئے کہ ان سب اشیا کو تعلق خوف سے ہے۔ بعضے تو خوف کا سبب ہیں اور بعض کا سبب خود خوف ہے۔

غلبہ خوف اور غلبہ رجا میں افضل کون ہے؟

جاننا چاہئے کہ خوف ورجا کی فضیلت میں اخبار بہت وارد ہیں اور بہیں لحاظ ناظر کو شک ہوتا ہے کہ ان دونوں میں سے افضل کون ہے اور مطلق پوچھنا کہ خوف افضل ہے یا رجا، قول فاسد ہے اور ایسا ہے جیسے کوئی پوچھے کہ روٹی بہتر ہے یا پانی اور اس کا جواب یہی ہوگا کہ بھوکے کے لئے روٹی افضل ہے اور پیاسے کو پانی اور اگر بھوک اور پیاس دونوں کسی کو ہوں تو ان دونوں میں سے جون سی غالب ہوگی، اسی کا اعتبار ہوگا، یعنے اگر بھوک غالب ہے تو روٹی افضل ہوگی اور پیاس زیادہ ہوگی تو پانی اور اگر دونوں مساوی ہوں تو روٹی اور پانی بھی مساوی ہوں گے۔ اس لئے کہ جو چیز کسی مقصود کے لئے مطلوب ہوتی ہے تو اس کی خوبی اسی مقصود کے لحاظ سے ہوتی ہے نہ خود اپنی ذات کے لحاظ سے اور از اں جا کہ خوف ورجا دو دوائیں ہیں جن سے دلوں کا علاج ہوتا ہے تو ان کی خوبی اسی قدر ہوگی۔ جس قدر روگ موجود ہوگا۔ پس اگر دل پر مرض بے خوف ہونے کا خدا کے عذاب سے اور مغرور ہونے کا اللہ پر ہوگا تو اس صورت میں خوف افضل ہوگا اور اگر دل پر یاس اور قنوط غالب ہوگا تو رجا افضل ہوگی، اسی طرح اگر بندے پر گناہ کا غلبہ ہو تو بھی خوف افضل ہوگا اور ہو سکتا ہے کہ یوں کہیں کہ خوف مطلقاً افضل ہے۔ جیسے کہہ سکتے ہیں کہ روٹی سکنجبین سے بہتر ہے اس واسطے کہ روٹی سے بھوک کا علاج ہوتا ہے اور سکنجبین سے صفرا کا مگر بھوک کا مرض بہت ہے اس لئے روٹی کی حاجت بہت ہے تو وہی افضل ہے اسی اعتبار سے غلبہ خوف بھی افضل ہے کیوں کہ گناہ اور مغالطہ کھانا خلق میں بہت پایا جاتا ہے اور اگر خوف ورجا کے مطلع کو دیکھیں تو رجا افضل ہے اس واسطے کہ رجا کا منبع بحر رحمت ہے اور خوف کا بحر غضب اور جو شخص کہ صفات الٰہی میں سے ایسے صفات پہ لحاظ رکھے گا جو مقتضی لطف و رحمت کے ہوں اس پر محبت غالب ہوگی، جس کے بعد اور کوئی مقام نہیں اور خوف کا موجب یہ ہوتا ہے کہ توجہ ایسے صفات الٰہی کی طرف ہوتی ہے جو مقتضی درشتی کی ہوں تو اس التفات میں محبت کا میل اتنا نہیں ہوتا جتنا رجا میں ہوتا ہے بہر حال جو شئے غیر کے لئے مطلوب ہوتی ہے تو اس میں مناسب یہ ہے کہ لفظ

اصلح مستعمل ہو لفظاً افضل اس بناء پر ہم کہتے ہیں کہ اکثر خلق کے حق میں رجا کی نسبت خوف اصلح ہے اس وجہ سے کہ معاصی اکثر پر غالب ہیں مگر متقی شخص جس نے گناہ ظاہری و باطنی چھوڑ دیئے ہوں تو اس کے حق میں اصلح یہ ہے کہ خوف اور رجا اعتدال کے ساتھ ہم پلہ رہیں اور اسی واسطے یہ قول مشہور ہے کہ اگر مومن کے خوف ورجا تولے جاویں تو دونوں برابر اتریں اور روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنے کسی بیٹے سے فرمایا کہ بیٹا خدا سے اتنا ڈر کہ اگر بالفرض تو اس کے پاس تمام روئے زمین کے باشندوں کی حسنات لے جاوے تو تجھ سے پذیرا نہ کرے اور رجا بھی ایسی کر کہ اگر بالفرض تمام لوگوں کی برائیاں تو اس کے پاس لے کر جاوے تو وہ تجھ کو بخش دے اور اسی واسطے حضرت عمر فرماتے ہیں کہ اگر بالفرض یوں ندا ہو کہ ایک آدمی کے سوا سب لوگ دوزخ میں جاویں گے صرف ایک آدمی نہ جاوے گا تو میں یہی رجا کروں کہ وہ اکیلا میں ہی ہوں اور اگر بہ تقدیر یوں پکارا جائے کہ سب لوگ جنت میں جاویں گے صرف ایک آدمی نہ جاوے گا تو مجھ کو یہ خوف ہو کہ کہیں وہ شخص میں ہی نہ ہوں اور یہ نہایت خوف ورجا کا درجہ ہے کہ دونوں اعتدال پر بھی ہیں اور غلبہ اور استیلاء بھی برابر برابر ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ ہی کے خوف ورجا برابر ہیں گناہگار آدمی کو جب یہ گمان ہو کہ میں دوزخ سے مستثنیٰ لوگوں میں ہوں گا تو یہ صورت اس کے مغالطہ کھانے کی ہے اب اگر کوئی یہ کہے کہ عمر جیسے شخص کے لئے خوف ورجا کا برابر ہونا نہیں چاہیئے بلکہ رجا کا غلبہ چاہیئے۔ جیسا کہ شروع باب میں رجا میں گزرا کہ قوت رجا بقدر قوت اسباب کے ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ اس کی مثال تخم اور زراعت میں بیان ہوئی اور ظاہر ہے کہ جو شخص عمدہ بیج کو صاف زمین میں ڈالے اور اس کی خبر گیری کرے اور جو شرطیں زراعت کی ہیں سب کو ادا کرے تو ایسے شخص کے دل پر رجا ہی کا غلبہ ہوگا۔ اس کا خوف رجا کے برابر ہرگز نہ ہوگا۔ پس اسی طرح حال متقیوں کا ہونا چاہیئے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو شخص الفاظ اور مثالوں سے کسی چیز کی معرفت حاصل کرتا ہے اس کو اکثر لغزش ہوتی ہے تو جو مثال ہم اوپر لکھ آئے ہیں وہ ہر وجہ سے مطابق اسی امر خاص کے نہیں جس کو ہم لکھ رہے ہیں کیونکہ سبب غلبۂ رجا، کا علم ہوتا ہے جو تجربہ سے حاصل ہوتا ہے۔ پس مثال زراعت میں تجربہ سے زمین کا اچھا اور صاف ہونا اور بیج کا عمدہ ہونا اور ہوا کی درستی اور صواعق مہلکہ کی قلت اس سرزمین میں ہو سکتی ہے۔ بخلاف مسئلہ مذکور کے کہ وہاں بیج کا امتحان نہیں ہوا اور ایک اجنبی زمین میں ڈال دیا اور ڈالنے والے نے اس کی خبر نہ لی نہ جانچا اور نہ اس کو یہ معلوم کہ اس سرزمین میں صواعق زیادہ ہوتی ہیں یا کم تو ایسے کسان کو رجا خوف پر زیادہ نہیں ہو سکتی گو اپنی تمام کوشش اور تدبیر کر چکے۔ مسئلہ سابق میں تخم ایمان ہے اور اس کے عمدہ اور سالم ہونے کی شرطیں باریک ہیں اور زمین اس تخم کے لئے دل ہے جس کی پوشیدہ خباثتیں اور صفات یعنی شرک خفی نفاق اور ریا اور پوشیدہ عادتیں بڑی دقیق ہیں اور آفات اس زمین کی شہوات ہیں اور دنیا کی زیبائش اور دل کا آئندہ کو اس کی طرف ملتفت ہو جانا گو سردست نہ ہو اور ان میں سے کوئی بھی ایسی بات نہیں جس کو تجربہ سے معلوم کیا جاوے اس لئے کہ کبھی ایسے اسباب پیش آتے ہیں کہ جن کی مخالفت کی تاب بشر سے خارج ہوتی ہے اور اس جیسے امر کا امتحان کبھی نہیں ہوا ہوتا اور صواعق مزرعہ دل کے لئے سکرات موت کے اہوال اور اس

وقت اعتدال کا متزلزل ہوتا ہے اور یہ بھی ایسی ہی چیز ہے کہ جس چیز کا تجربہ نہیں ہوا پھر اس کھیت کے پکنے اور کٹنے کا وہ وقت ہے کہ قیامت سے پھر کر جنت میں جاوے اس کا بھی تجربہ نہیں ہے۔ پس جو شخص کہ ان امور کے حقائق کو جانتا ہے تو وہ اگر دل کا ضعیف اور کچا ہوتا ہے تو اس پر خوف بہ نسبت رجا کے زیادہ ہو جاتا ہے چنانچہ ایسے شخصوں کا حال صحابہ اور تابعین سے عنقریب مذکور ہوگا اور اگر دل کا قوی اور پکا اور معرفت میں کامل ہوتا ہے تو اس کا خوف و رجاء دونوں برابر ہوتے ہیں یہ نہیں کہ رجاء کو غلبہ ہو حضرت عمرؓ اپنے دل کی تفتیش میں بہت مبالغہ کرتے تھے یہاں تک کہ حضرت حذیفہ سے پوچھا کرتے کہ تم کو کچھ مجھ میں آثار نفاق کے معلوم ہوتے ہیں یا نہیں اور وجہ ان سے پوچھنے کی یہ تھی کہ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کے پہچاننے کے لئے مخصوص فرمایا تھا اب کون ایسا ہے کہ اپنے دل کو پوشیدہ نفاق اور شرک خفی سے بچاوے اور اگر اپنے زعم میں سمجھ لے کہ میرا دل صاف ہے تو خدائے تعالیٰ کے مکر سے کہاں بچے گا ہو سکتا ہے کہ اس کے حال کو مشتبہ کر دیا ہو اور واقع میں حال کچھ اور ہو اور اس کو کچھ اور طرح اعتقاد ہو اپنے عیب نہ سوجھتے ہوں اور اگر بالفرض صفائے دلی قطعاً حاصل ہو اور بندے کو اعتقاد بھی اسی کے بموجب ہو تو یہ کہاں سے جان لیا کہ اسی طرح کا حال حسن خاتمہ تک رہے گا حالانکہ حدیث شریف[1] میں آیا ہے کہ آدمی عمل اہل جنت کے سے پچاس برس تک کرتا رہتا ہے یہاں تک اس میں اور دوزخ میں صرف ایک بالشت کا فرق رہ جاتا ہے اور بعض روایات میں مقدار فواق آیا ہے۔ یعنی دودھ نکالنے کے وقت دو دفعہ دوہنے کے بیچ میں جتنا وقت ہوتا ہے اسی قدر زمانہ جنت اس شخص میں رہ جاتا ہے مگر نوشتہ ازلی سبقت کرتا ہے اور خاتمہ اس کا دوزخیوں کے عمل پر ہوتا ہے اب ظاہر ہے کہ ایسے تھوڑے زمانہ میں آدمی کوئی عمل اعضا سے تو کر ہی نہیں سکتا ہے البتہ دل میں خلجان وسوسہ کا اتنی دیر میں ہو سکتا ہے پس اگر موت کے وقت ایسا ہی وسوسہ آجائے تو سب کمائی برباد ہو جاوے گی اور خاتمہ برا ہوگا۔ اس سے بے خوف ہونا کس طرح ہو سکتا ہے حاصل یہ کہ اقصیٰ غایت ایماندار کی یہ ہے کہ خوف و رجا دونوں مساوی ہوں اور اکثر لوگوں میں رجا کا غالب ہونا دلیل مغالطے میں پڑتے اور معرفت کے کم ہونے کی ہے اور اس واسطے خدائے تعالیٰ نے جو اپنے بندوں کے اوصاف ذکر فرمائے۔ ان میں دونوں کو ایک ساتھ ذکر کیا اور فرمایا یدعون[2] ربھم خوفا وطمعا اور فرمایا ویدعوننا رغبا ورھبا[3] مگر حضرت عمرؓ جیسے آدمی کہاں جن کے لئے خوف و رجاء برابر ہوا اس لئے جو لوگ اب موجود ہیں ان کے حق میں مناسب اور اصلح خوف کا غلبہ ہے بشرطیکہ خوف کے مارے یاس نہ چھا جاوے کہ مغفرت تو ہونے کی نہیں عمل کرنا بھی فضول ہے اور اس خیال سے تارک عمل ہو جاوے اور گناہوں میں ڈوبا ہو۔ ایسی صورت کو قنوط کہتے ہیں اس کا نام خوف نہیں کیونکہ خوف وہی ہے جس سے

---

[1] مسلم بروایت ابوہریرہؓ اور اس میں قید پچاس برس کی اور دودھ دوہنے کے عرصہ کی اور بالشت کی نہیں ۱۲ [2] پکارتے ہیں اپنے رب کو ڈر سے اور لالچ سے ۱۲ [3] اور پکارتے ہیں ہم کو توقع سے اور ڈر سے ۱۲

ترغیب عمل کی ہو اور تمام شہوات کدورت آمیز معلوم ہوں اور میل جانب دنیا نہ رہے یہ نہیں کہ دل میں تو خوف وسوسہ کسی طرح گذر گیا مگر اثر اس کا برائی سے روکنا یا بھلائی پر ترغیب دینا کچھ بھی نہ ہو اور نہ یاس کا نام خوف ہے جو موجب آس توڑنے کی ہے۔ حضرت یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں کہ جو شخص خدائے تعالیٰ کی عبادت صرف خوف سے کرے گا وہ فکر کے سمندروں میں ڈوب جائے گا اور جو کوئی اس کی عبادت محض رجا سے کرے گا تو وادی مغالطہ میں سرگشتہ رہے گا اور اگر خوف و رجا اور محبت تینوں سے عبادت کرے گا تو طریق ذکر میں مستقیم رہے گا اور مکحول دمشقی فرماتے ہیں کہ جو شخص عبادت الٰہی خوف سے کرتا ہے وہ خارجی ہے اور جو شخص رجا کے ساتھ عبادت کرے گا وہ مرجیہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جمع رہنا ان سب کا ضروری ہے مگر اصلح اور مناسب خوف کا غلبہ ہے جب تک کہ موت سامنے نہ آوے اور مرنے کے وقت غلبہ رجا کا مناسب تر ہے اور قوت حسن ظن زیبا اسلیے کہ خوف تو قائم مقام کوڑے کے ہے جو عمل پر آمادہ کیا کرتا ہے اور نزاع کی صورت میں وقت عمل تو گزر گیا سکرات موت میں بشر سے کچھ عمل نہیں ہو سکتا نہ لوازم خوف کی برداشت کر سکتا ہے اس لئے کہ اس سے تو اور زیادہ دل شکنی ہوتی ہے اور کل کا مرنا آج مرجاتا ہے۔ ہاں رجا کی صورت میں دل کو تقویت ہوتی ہے اور جس سے ذات پاک سے رجا ہوتی ہے اس کی محبت دل میں سما جاتی ہے اور آدمی کو یہی مناسب بھی ہے کہ جب دنیا سے کوچ کرے تو محبت الٰہی ہی میں سفر کرے تاکہ خدا کی ملاقات بھی اچھی معلوم ہو کیونکہ جو شخص خدا سے ملنا اچھا جانتا ہے خدا تعالےٰ اس سے ملنا اچھا جانتا ہے اور یہ صورت رجا ہی بن سکتی ہے اس لئے کہ محبت رجا سے ملی ہوتی ہے غرضکہ جو شخص اس کے کرم کا راجی ہوگا وہ محبوب ہوگا اور تمام علوم اور اعمال سے غرض معرفت الٰہی ہے یہاں تک کہ معرفت سے محبت پیدا ہو جاوے کیونکہ انجام کو اسی طرف جانا ہے اور مرنے کے بعد اسی تک آنا اور جو شخص اپنے محبوب کے پاس آتا ہے تو بمقدار محبت اس کی خوشی ہوتی ہے اور اگر جدا ہوتا ہے تو اسی قدر رنج و عذاب بھی ہوتا ہے۔ پس اگر مرنے کے وقت دل پر محبت زن و فرزند و مال اور مسکن اور اراضی اور رفقاء و احباب کی غالب ہو گی تو یہ شخص ایسا ہوگا کہ اس کی محبوب چیزیں دنیا ہی میں تھیں تو دنیا میں اس کی جنت تھی اسی واسطے کہ جنت اسی مقام کا نام جس میں سب خاطر خواہ چیزیں موجود ہوں تو ایسے شخص کا مرنا گویا جنت میں سے نکلنا اور اس کی خواہش کی چیزوں میں اور اس میں حجاب پڑ جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ آدمی کی خواہش کی اشیاء میں حجاب پڑ جانا بڑا سخت ہوتا ہے اس لئے ایسے شخص کو مرنا بھی بڑی مصیبت ہے مگر جس شخص کا محبوب سوائے خدائے تعالےٰ اور اس کے ذکر اور معرفت اور فکر کے کچھ نہیں اور دنیا اور اس کے علائق عارج اوقات ہیں تو ایسے کے حق میں دنیا قید خانہ ہے اس واسطے قید خانہ اسی کو کہتے ہیں جس میں قیدی اپنی دل چاہتی بات سے راحت نہ لینے پاوے۔ پس ایسے

کے لئے مرنا گویا قید سے چھوٹنا ہے اور اپنے محبوب کے پاس آنا ہے اور قید سے چھٹنے میں جو حال قیدی کا ہوتا ہے
اور جس شخص کو اپنے محبوب کا وصال بلا مزاحم میسر آتا ہے اس کی کیفیت معلوم ہے اسی سے قیاس کرنا چاہیئے کہ اس
شخص کو کیسی خوشی ہوتی ہوگی اور یہ ثواب و عقاب وہ ہے جو بعد موت کے آدمی کو پہلے پہلے ملتا ہے۔ اس میں نہ اس
ثواب کا ذکر ہے جو خدائے تعالےٰ نے اپنے نیک بندوں کے لئے رکھ چھوڑا ہے جو نہ آنکھوں دیکھا نہ کانوں سنا
نہ کسی بشر کے دل پر گذرا اور نہ اس میں وہ عذاب شامل ہے جو اللہ نے ان لوگوں کے واسطے تیار کر رکھا ہے۔ جو
زندگی دنیا کو آخرت کی نسبت اچھا جانتے ہیں اور اسی پر راضی اور تسلی سے بیٹھتے ہیں اور وہ عذاب طرح طرح
کا وبال اور زنجیریں اور طوق اور انواع واقسام کی ذلت و رسوائی ہے ہم خدائے تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ
ہم کو مسلمان اٹھاوے اور صلحا میں ملاوے اور اس کے قبول ہونے کے طمع بجز حاصل کرتے محبت الٰہی کے
نہیں اور حصولِ محبت الٰہی کے سبیل بدون نکالنے غیر اللہ کی محبت کے دل سے اور جتنے علاقے سوائے
خدائے تعالےٰ کے ہیں مال اور جاہ اور وطن وغیرہ ان کے قطع کرنے کے نہیں بن پڑتی تو بہتر ہے کہ ہم وہ دعا مانگیں جو
ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگی ہے چنانچہ فرماتا ہے اللھم ارزقنی حبك وحب من احبك وحب
ما یقربنی الی حبك و اجعل حبك احب الی من الماءِ البارد[1] خلاصہ یہ ہے کہ موت کے وقت غلبہ رجا کا
مناسب ہے اس واسطے کہ اس سے محبت پیدا ہوتی ہے اور موت سے پیشتر غلبہ خوف کا مناسب ہے کیونکہ
اس سے بخوبی شہوات کی آگ بجھ جاتی ہے اور دل سے محبت دنیا کا استیصال اچھی طرح ہو جاتا ہے اور
اس واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لایموتن احدکم الا وھو یحسن الظن[2] بربہ
اور یہ حدیث قدسی میں مذکور ہے۔ انا عند ظن عبدی بی فلیظن بی ماشاء اور جب حضرت سلیمان
نبی کی وفات قریب ہوئی تو اپنے بیٹے سے ارشاد فرمایا کہ مجھ سے رجا باتوں کا ذکر کرو اور جب تک میرا وصال ہو
رجا کا بیان کرتے رہو کہ میں خدا سے حسن ظن کے ساتھ ملوں اور جب حضرت سفیان ثوری کو نزع کا عالم ہوا اور
خوف بہت معلوم ہوا تو اپنے گرد علماء کو جمع کیا کہ وہ توقع دلادیں اور حضرت امام احمد بن حنبل نے اپنے لڑکے
کو نزع کے وقت ارشاد فرمایا کہ مجھے وہ حدیث بیان کر جن میں حسن ظن اور رجا کا مذکور ہے اور مقصود ان سب
سے یہی ہے کہ اس وقت اللہ تعالےٰ کے اپنا محبوب بن جاوے اور اسی بنا پر حضرت داؤد علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ و
السلام پر وحی آئی کہ مجھ کو میرے بندوں کے نزدیک محبوب کردے انہوں نے عرض کیا کہ الٰہی کس طرح۔ ارشاد
ہوا کہ ان سے میرے انعام و احسان کو بیان کر غرض کہ غایت سعادت آدمی کی اسی میں ہے کہ اللہ کی محبت میں

---

[1] الٰہی روزی کر مجھ کو اپنی محبت اور جو شخص تجھ سے محبت کرے اس کی محبت اور اس عمل کی محبت جو مجھ کو تجھ سے قریب کرے اور کر دے اپنی
محبت کو میرے نزدیک سرد پانی سے ۱۲ ترمذی بروایت معاذ ۱۲ [2] نہ مرے تم میں سے کوئی مگر اس حال میں کہ اچھا گمان رکھتا ہو اپنے رب سے اوپر
گزریں [3] میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں تو جو چاہے مجھ سے گمان کرے ۱۲ اوپر گزری۔

مرے اور محبت الٰہی دو چیزوں سے حاصل ہوتی ہے۔ اول معرفت دوم محبت دنیا کو دل ہی سے نکال لے سے یہاں تک کہ دنیا ایسی معلوم ہو گویا قید خانہ کہ محبوب سے نہیں ملنے دیتا۔ چنانچہ بعض صلحا نے حضرت ابو سلیمان دارانی کو خواب میں دیکھا کہ وہ ڈرتے ہیں انھوں نے پوچھا کہ آپ کا کیا حال ہے آپ نے فرمایا کہ میں ابھی قید سے چھٹا ہوں۔ صبح کو جاگے تو لوگوں سے ابو سلیمان کا حال پوچھا لوگوں نے کہا کہ شب گزشتہ ان کا وصال ہوا۔

حالت خوف کیسے حاصل ہو؟

جاننا چاہیئے کہ علاج ہم نے صبر کے حال میں لکھا ہے اور باب صبر و شکر میں اس کی تشریح وہ اس غرض میں کافی ہے اس لئے کہ صبر جب ہی ہو سکتا ہے جب اول خوف و رجا ہو لیں۔ کیوں کہ اول مقام دین کے مقامات سے یقین ہے یعنی اعتقاد قوی اور ایمان پکا اللہ تعالیٰ اور روز جزا اور جنت و دوزخ پر ہونا اور ظاہر ہے کہ اس اعتقاد سے خوف دوزخ اور رجا جنت کی ضرور ہیجان میں آوے گی اور رجا اور خوف صبر سے زبردست ہیں۔

کیونکہ جنت مکروہات سے ڈھانپی ہوئی ہے ان کے تحمل پر صبر کرنا بدون قوت رجا کے نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح دوزخ شہوات سے چھپی ہوئی ہے اس کے استیصال پر صبر کرنا بدون قوت خوف کے ممکن نہیں۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جو شخص مشتاق جنت کا ہوتا ہے وہ شہوات کی چیزوں کو بھول جاتا ہے اور جو شخص کے دوزخ کی آگ سے ڈرتا ہے وہ حرام چیزوں سے باز رہتا ہے پھر یہ مقام جو خوف و رجا سے حاصل ہوتا ہے۔ اس سے مقام مجاہدہ اور ذکر الٰہی اور فکر دائمی کے لئے تنہا رہنا حاصل ہوتا ہے اور دوام ذکر سے نوبت انس کی اور دوام فکر سے اور کمال معرفت وانس سے محبت کا مقام ملتا ہے اور محبت کے بعد رضا اور توکل وغیرہ مقامات ملتے ہیں پس منازل دین کے سلوک میں یہ ترتیب ہے اول اصل یقین ہے اس کے بعد کوئی مقام بجز خوف و رجا کے نہیں نہ ان کے بعد سوائے صبر کے کوئی مقام ہے اور مجاہدہ کے لئے اور خدا کے لئے ظاہر و باطن میں مجرد ہو جانا صبر ہی سے حاصل ہوتا ہے اور بعد مجاہدہ کے اگر کسی کو راہ کھلتی ہو تو سوا ہدایت اور معرفت کے اور کوئی مقام نہیں اور معرفت کے بعد انس محبت کے سوا اور کوئی مقام نہیں اور محبت کے لئے وہ ضروری ہے کہ محبوب کے فعل پر راضی رہے اور اس کی عنایت پر اعتماد رکھے جس سے رضا اور توکل کے مقامات حاصل ہوں خلاصہ یہ ہے ہر چند جو کچھ ہم صبر کے علاج میں لکھ آئے ہیں اسی قدر بیان کافی ہے مگر تاہم خوف کو ہم علیحدہ ایک مختصر کلام میں بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خوف دو صورتوں مختلفہ سے پیدا ہوتا ہے۔ جن میں سے ایک صورت دوسری کی نسبت اعلیٰ ہے اور دونوں صورتوں کی مثال یہ ہے کہ فرض کرو کہ ایک لڑکا گھر میں موجود ہے اور یکایک اس میں کوئی درندہ یا سانپ چلا آوے تو کیا عجب ہے کہ لڑکا اس سے نہ ڈرے بلکہ سانپ کے پکڑنے کو ہاتھ بڑھاوے اور اس سے کھیلنا چاہے لیکن اگر اس کے ساتھ اس کا باپ بھی ہو اور اس کو کچھ سمجھ بھی ہو اور اس کا باپ سانپ یا درندے کو دیکھ کر ڈر جاوے اور بھاگ کھڑا ہو تو لڑکا بھی جب باپ کو کانپتے اور بھاگتے دیکھے گا اور خوف اس پر چھا جاوے گا۔ پس یہاں ایک خوف تو باپ کا ہے جو سانپ کی خاصیت اور اس کا زہر جانتا

بوجھتا ہے اور درندے کی پکڑ اور جھپٹ اور بیدردی کو سمجھتا ہے اور ایک خوف لڑکے کا ہے جو صرف باپ کی
تقلید ہے اس وجہ سے کہ جانتا ہے کہ باپ کا ڈرنا کسی خوفناک چیز ہی سے ہے پس اس کی دیکھا دیکھی جانتا ہے
کہ درندہ اور سانپ خوفناک چیز ہے اور اس کی وجہ نہیں جانتا جب اس مثال کو جان چکے تو جان تو خدائے تعا
سے ڈرنے کے بھی دو مقام ہیں اول خوف اس کے عذاب سے دوم خوف اس کی ذات سے دوسرے قسم کا
خوف ان لوگوں کو ہوتا ہے جو اہل علم اور ارباب کشف ہیں اور اس کے صفات میں سے وہ امور جانتے ہیں جو
مقتضی ہیبت اور رعب اور خوف کے ہیں نیز بھید سے اس قول خداوندی کے ت[۱] ویحذرکم اللہ نفسہ
اور اس قول کے ت[۲] اتقوا اللہ حق تقاتہ خوب واقف ہیں اور قسم اول خوف خلق کا ہے جو محض جنت اور دوزخ
پر ایمان لانے اور ان کو پاداش طاعت و معصیت اعتقاد کرنے سے ہوتا ہے اور یہ خوف غفلت کے
باعث اور ضعف ایمان کے سبب کمزور ہو جاتا ہے اور یہ غفلت وعظ و نصیحت کے سننے اور قیامت کی
دہشتوں کے ہمیشہ سوچنے اور اقسام عذاب آخرت کے یاد کرنے سے جاتی رہتی ہے اور نیز خائفین کو
دیکھنے اور ان کے پاس بیٹھنے اور ان کے احوال کے مشاہدہ کرنے سے زائل ہو جاتی ہے اگر مشاہدہ نہ ہو تب
بھی سننا خالی تاثیر سے نہیں اور دوسری قسم خوف کی جو بڑھ کر ہے وہ یہ ہے کہ خود خدائے تعالیٰ سے خوف
کیا جاوے یعنے اس کی دوری اور حجاب سے خوف ہو اور قرب کی رجا حضرت ذوالنون فرماتے ہیں کہ خوف
دوزخ کا بمقابلہ خوف فراق کے ایسا ہے جیسا کہ ایک قطرہ سامنے سمندر کے اور یہ خوف علماء کو ہوتا ہے
چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ت[۳] انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء اور عام مومنین کو بھی اس
خوف سے بہرہ ہے مگر ان کا خوف صرف تقلیدی ہے جیسے لڑکے کا خوف سانپ سے اپنے باپ
کی تقلید سے تھا اور چوں کہ اس خوف تقلیدی میں بصیرت نہیں ہوتی اسی واسطے ضعیف ہوتا ہے اور
جلد جاتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ لڑکا اگر کبھی کسی منتر والے کو سانپ پکڑتے دیکھتا ہے تو خود مغالطہ کھا
کر اس کی دیکھا دیکھی آپ بھی جرأت اس کے پکڑنے کی کرتا ہے جیسے باپ کی دیکھا دیکھی خوف کرتا تھا
بہرحال عقائد تقلیدی اکثر ضعیف ہوتے ہیں مگر اس صورت میں کہ ان کے اسباب کو ہمیشہ دیکھا جاوے جن
سے کہ ان کی تاکید ہوتی ہے اور پھر مقتضائے اسباب کے بموجب طاعت کی کثرت اور معاصی سے اجتناب
پر مدت دراز تک مواظبت کی جاوے تو البتہ عقائد قوی ہو جاتے ہیں حاصل یہ کہ جو شخص درجہ معرفت
پر پہنچ کر خدائے تعالیٰ کو پہچانتا ہے وہ خواہ مخواہ خوف کرتا ہے۔ اس کے لئے کسی علاج کی ضرورت
نہیں جس سے کہ خوف حاصل ہو اس کو جیسے کوئی شخص درندے کو جان لے اور اپنے آپ کو اس کے پنجوں
میں مبتلا دیکھے تو اس کے لئے اسباب کی حاجت نہیں - کہ درندے سے ڈرنے کے لئے اس کے واسطے

ت۱ اور اللہ تم کو ڈراتا ہے تم کو آپ سے ۱۲ ت۲ ڈرتے رہو اللہ سے جیسا چاہیے اس سے ڈرنا ۱۲ ت۳ اللہ سے ڈرتے
وہی ہیں ان کے بندوں میں جن کو سمجھ ہے ۱۲

کوئی تدبیر کی جاوے بلکہ وہ درندے سے خواہ مخواہ ڈرے گا اور اسی واسطے خدائے تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ مجھ سے ایسا ڈر جیسے درندہ ایذا رساں سے ڈرتا ہے اور درندہ ایذا رساں سے ڈرنے کے لئے بجز درندے کی معرفت اور اس کے پنجوں میں واقع ہونے کی کیفیت معلوم کرنے کے اور کچھ تدبیر نہیں چاہیئے پس جو شخص خدائے تعالیٰ کو جانے گا وہ یہ جان لے گا کہ وہ جو چاہتا ہے سو کرتا ہے۔ کچھ پرواہ نہیں رکھتا جو چاہتا ہے سو حکم دیتا ہے۔ کسی سے نہیں ڈرتا۔ فرشتوں کو بدون کسی ذریعہ سابقہ کے قرب عنایت فرمایا۔ اور ابلیس کو بغیر کسی جرم گزشتہ کے راندہ درگاہ کیا اس کی صفت وہی ہے جو حدیث قدسی میں مذکور ہے۔ ت[۲] ھؤلاء فی الجنۃ ولا ابالی وھؤلاء فی النار ولا ابالی اور اگر کوئی یہ خیال کرے کہ وہ عذاب بدون معصیت کے نہیں دیتا اور نہ ثواب بدون طاعت کے تو اس کو یہ تامل کرنا چاہیئے کہ پھر مطیع کے لئے اسباب اطاعت سے کیوں اعانت کرتا ہے کہ اس کو خواہ مخواہ ہی طاعت کرنی پڑتی ہے اور عاصی کو لوازم معصیت کیوں مہیا فرماتا ہے جس سے کہ وہ طوعاً و کرہاً گناہ کرتا ہے یعنی جب خدائے تعالیٰ نے غفلت اور شہوات اور قدرت شہوت کے ادا کی پیدا کر دی تو فعل تو اس سے ضروری ہوگا اب جو اپنی درگاہ سے دور کیا تو اس لئے کیا کہ وہ مرتکب جرم ہوا مگر ہم یہ کہتے ہیں کہ اس کو جو قدرت گناہ دی اور اس سے گناہ کرایا یہ کس سبب سے ہوا کیا پہلے اس سے کوئی اور خطا ہوئی تھی جس کی سزا میں یہ گناہ اس سے سرزد ہوا۔ پھر اس خطا کو کہیں گے کہ وہ کس لئے ہوئی تھی یہاں تک کہ ایک لا انتہا سلسلہ بن جاوے یا اول قصور پر یوں کہا جاوے کہ پہلے سے بندے کا کوئی قصور نہ تھا۔ بلکہ ازل میں اس پر یونہی لکھا گیا تھا اور اس بات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس حدیث میں کہ قصہ گفتگو حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خدائے تعالیٰ کے سامنے مذکور فرمایا کہ دونوں میں گفتگو ہوئی اور حضرت آدم غالب رہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا کہ تم وہی آدم ہو جن کو خدائے تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اپنی روح ڈالی اور اپنے فرشتوں سے سجدہ کرایا اور اپنی جنت میں رکھا پھر تم نے اپنی خطا کے باعث لوگوں کو زمین پر اتارا حضرت آدم نے فرمایا کہ تم وہی موسیٰ ہو جن کو خدائے تعالیٰ نے اپنی رسالت اور کلام سے مخصوص فرمایا اور تختیاں عنایت فرمائیں جن میں ہر ایک چیز کا بیان تھا اور تم کو اپنی سرگوشی میں سرفراز فرمایا تو بھلا تو یہ تو بتاؤ خدائے تعالیٰ نے میری پیدائش سے کتنا پہلے توریت کو لکھا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ چالیس برس پیشتر۔ حضرت آدم علیہ السلام نے پوچھا کہ توریت میں یہ بھی ہے کہ نہیں و ت[۱۲] عصیٰ آدم ربہ فغویٰ انہوں نے فرمایا کہ ہاں حضرت آدم نے فرمایا کہ کیا تم مجھ کو ایسے عمل کرنے پر ملامت کرتے ہو جو چالیس برس پیشتر میرے عمل کرنے اور پیدا ہونے سے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر لکھ دیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تقریر سے حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب رہے پس جو

ت ۱ یہ لوگ جنت میں ہیں اور مجھ کو پرواہ نہیں اور یہ لوگ دوزخ میں ہیں اور مجھ کو پرواہ نہیں۔ ۲ح مسلم بروایت ابوہریرہ ۱۲-

ت ۱- اور حکم ٹالا آدم نے اپنے رب کا پھر راہ سے بہکا ۱۲-

شخص اس امر میں کبھی سبب کو معلوم کرے گا اور معلوم کرنا بھی نور ہدایت سے ہوگا تو وہ شخص خاص عارفوں میں سے ہوگا جو تقدیر کے بھید سے واقف ہیں اور جو شخص سن کر ایمان لاوے گا اور سنتے ہی یقین کرے گا وہ عام مومنین میں سے ہوگا اور ان میں سے ہر ایک فریق کو ایک طرح کا خوف ہوگا کیونکہ ہر ایک بشر قبضہ قدرت میں ایسی طرح ہے جیسے ضعیف لڑکا درندے کے جنگل میں اور درندہ کبھی تو بھول جاتا ہے اور لڑکے کو چھوڑ دیتا ہے اور کبھی غرا کر چیر پھاڑ ڈالتا ہے اور یہ صورتیں بسبب اتفاق ہوا کرتی ہیں اور اس اتفاق کے لئے بھی اسباب تقدیری معین ہوا کرتے ہیں لیکن اگر اس امر کو لحاظ نہ جاننے والے کے دیکھیں تو اتفاق کہیں گے اور اگر خدائے تعالےٰ کے علم کے اعتبار سے دیکھیں تو اتفاق نہ کہیں گے اور جو شخص کہ درندے کے جنگل میں پڑا ہے اگر اس کی معرفت کامل ہو تو وہ اس سے خوف نہ کرے گا اس واسطے کہ وہ بھی مسخر ہے اگر اس پر بھوک مسلط کی جاوے تو شکار کرے گا اور اگر غفلت حاوی کر دی جاوے گی تو چھوڑ دے گا تو مسخر سے کیا ڈرنا چاہیئے خوف اس سے چاہیئے جس نے درندے کو اور اس کی صفات کو پیدا کیا۔ اسی لئے ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ اللہ کے ڈرنے کی مثال درندے سے ڈرنا ہے بلکہ اگر پردہ اٹھا لیا جاوے تو معلوم ہو کہ درندے سے ڈرنا بعینہ خدا سے ڈرنا ہے اس واسطے کہ درندے کے ذریعہ سے ہلاک کرنے والا تو وہی ہے۔ اب یہ جاننا چاہیئے کہ آخرت کے درندے مثل دنیا کے درندوں کے ہیں اور اللہ تعالےٰ نے اسباب عذاب اور اسباب ثواب دونوں کو پیدا کیا اور دونوں کے واسطے ان کے اہل بھی پیدا کئے۔ جن کو تقدیر الٰہی بحکم فیصلۂ ازلی کے اس طرف ہنکائے لئے جاتی ہے جس کے واسطے وہ پیدا ہوئے ہیں۔ مثلاً جنت کو خدائے تعالےٰ نے پیدا کیا اور اس کے لئے کچھ لوگ بنائے کہ وہ جنت کے سامان کے لئے مسخر کر دئیے ہیں وہ چاہیں یا نہ چاہیں، اور دوزخ کو پیدا کیا اور اس کے لئے کچھ لوگ پیدا کئے اور ان کو دوزخ ہی کے اسباب کا مسخر کر دیا اور ان کو منظور ہو یا نہ ہو پس جو کوئی اپنے نفس کو گرداب تقدیر اور چار موجہ قضا میں دیکھے گا۔ اس پر خوف بے شک غالب ہوگا یہ خوف ان لوگوں کا ہے جو راز تقدیر کو پہنچاتے ہیں۔ مگر جس کو پہنچنا کنگرہ استبصار تک دشوار ہو اس کا علاج یہ ہے کہ اپنے نفس کی دوا اخبار و آثار کے سننے سے کرے یعنی خائفین اور عارفین کے احوال و اقوال کا مطالعہ کرے اور پھر ان کے عقول اور مناصب کو مغرور بہ رجا والوں کے منصب کے ساتھ نسبت دے تو کچھ شک نہ کرے گا۔ اس بات میں پیروی کرنی اول فرقہ کی اولیٰ ہے۔ کیوں کہ وہ لوگ انبیاء اور علماء ہیں اور فریق ثانی یعنی بے خوف لوگ فرعون اور جاہل اور غبی ہیں زیادہ اس سے کیا ہوگا کہ ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو سید الاولین والآخرین ہیں وہ سب سے زیادہ خائف رہتے تھے۔ یہاں تک کہ روایت ہے کہ ایک لڑکے کی نماز جنازہ آپ پڑھتے تھے کہ آپ نے کسی کو پڑھتے سنا۔ اللھم قہ[ح] عذاب القبر وعذاب النار اور

ح الٰہی اس کو بچا قبر کے عذاب اور دوزخ کے عذاب سے ۱۲ طبرانی در اوسط بروایت انس ۱۲

ایک روایت میں یہ ہے کہ کسی کو یوں کہتے سنا ھنیئاً لک عصفور من عصافیر الجنۃ آپ غصہ ہوئے اور فرمایا کہ تو نے کیسے جانا کہ یہ ایسا ہی ہے بخدا کہ میں رسول خدا ہوں مگر مجھ کو معلوم نہیں کہ میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جاوے گا۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا کیا اور اس کے واسطے کچھ لوگ بنائے کہ ان میں نہ زیادہ ہوں نہ کم اور ایک روایت یوں ہے کہ یہی ارشاد آپ نے حضرت عثمان بن مظعونؓ کے جنازے پر جو اول مہاجرین میں سے تھے۔ اس وقت فرمایا تھا کہ جب حضرت ام المومنین ام سلمہ نے ان کو کہا تھا ھنیئاً لک الجنۃ حضرت ام سلمہؓ نے بعد کو فرمایا کہ عثمانؓ کے بعد میں کسی کو پاک نہ کہوں گی اور محمد بن خولۃ الحنفیہ یعنے بیٹے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فرماتے ہیں کہ بخدا میں سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی کو پاک نہیں کہتا نہ اپنے باپ کو کہوں گا جن کا میں تخم ہوں راوی کہتے ہیں کہ اس بات سے شیعہ فرقہ نے ان پر ہجوم کیا تو آپ نے فضائل اور مناقب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بیان کرنے شروع کر دیئے اور ایک دوسری حدیث میں ایک شخص اہل صفہ کا حال مروی ہے کہ جب وہ شہید ہوئے تو ان کی ماں نے کہا بیٹا جنت مبارک ہو تو جنت کی چڑیوں میں سے ہو تو نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہجرت کی اور راہ خدا میں مارا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ماں سے کہا کہ تم کو کیسے اس کا جنتی ہونا معلوم ہوا۔ شاید وہ اپنی حیات میں کلام غیر نافع کیا کرتا ہو یا ایسی چیز کو نہ دیا کرتا ہو جو اس کو مضر نہ ہو اور ایک اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک صحابی کی عیادت کو تشریف لے گئے وہاں سنا کہ کوئی عورت کہہ رہی ہے کہ تجھ کو جنت مبارک ہو آپ نے پوچھا کہ یہ کون ہے جو خدا پر حکم کرتی ہے۔ مریض نے عرض کیا کہ یہ میری ماں ہے آپ نے اس عورت کو ارشاد فرمایا کہ تم کو کیسے معلوم ہوا۔ شاید تمہارا لڑکا کلام بے فائدہ کیا کرتا ہو اور ایسی چیز میں بخل کیا کرتا ہو جس کے پاس رہنے سے تونگر نہ ہوتا ہو۔ علاوہ ازیں سب مسلمان کس طرح خوف نہ کریں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھ کو بوڑھا کر دیا سورہ ہود اور اس کی بہنوں سورہ واقعہ اور کورت اور عم یتساءلون نے اس کی وجہ علماء یہ فرماتے ہیں کہ شاید یہ قول آپ کا اس لئے ہے کہ سورہ ہود میں دور کرنے کا مضمون بہت ہے جیسے ت ۱ الا بعداً لعاد قوم ھود اور ت ۲ الا بعداً الثمود اور ت ۳ الا بعداً لمدین کما بعدت ثمود باوجودیکہ آپ کو معلوم تھا کہ اگر خدا کو منظور ہوتا تو یہ قوم شرک نہ کرتی کیونکہ اگر وہ چاہتا تو سب کو ہدایت کر دیتا اور سورہ واقعہ میں یہ مضمون ہے کہ ت ۴ لیس لوقعتھا کاذبۃ

ل آپ نے کسی کو الخ نہیں بلکہ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ راوی نے طفل کے جنازے پر یہ دعا پڑھتے سنا کہ اس سے حجت نکلی کہ وہ طفل اس خطر کے محل میں تھا ۱۲۔ امیر علی ۲ ذکر ام سلمہ کا مجھ کو نہیں ملا ۱۲۔ ح ۱ مبارک ہو تجھے ایک چڑیا جنت کی چڑیوں میں سے ۱۲ مسلم بروایت عائشہ اور اس میں عصر کا ذکر نہیں۔ ح ۲ مبارک ہو تجھے جنت ۱۲۔ بخاری بروایت ام علاء انصاریہ اور راسی صحابیہ نے عثمان بن مظعون کے حق میں اچھا کہا تھا ۱۲۔ ح ۴ ابویعلی بروایت انس بسند ضعیف ۱۲ ح ۵ یہ جلد تیسری میں باب مذمت بخل میں گزری ۱۲ ح ۶ ترمذی و حاکم بروایت ابن عباس ۱۲۔ ت ۱ سن تو پھٹکار کو عاد کی جو قوم تھی ہود کی ۱۲ ت ۲ سن تو پھٹکار ہے ثمود کو ۱۲ ت ۳ سن تو پھٹکار مدین پر جیسے پھٹکار پائی ثمود نے ۱۲ ت ۴ نہیں اس کے ہو پڑنے میں جھوٹ آنا کرتی ہے چڑھائی ۱۲؛

خافضۃ رافعۃ یعنے جو شدنی ہے اس پر قلم خشک ہو گیا تو پہلا لکھا پورا ہوگا جب تک کہ واقعہ آوے اور وہ خافضہ یعنی پست کرنے والی ہوگی ان لوگوں کی جو دنیا میں اونچے تھے یا رافعہ ہوگی یعنی اونچا کرنے والی ہوگی ان لوگوں کی جو دنیا میں پست تھے اور سورہ کورت میں قیامت کے احوال ہیں اور خاتمہ کا ظاہر ہونا چنانچہ ارشاد ہے ت[۱] واذا الجحیم سعرت واذا الجنۃ ازلفت. علمت نفس ما احضرت اور عم یتساءلون میں بھی کچھ ایسا ہی مضمون ہے ت[۲] یوم ینظر المرء ما قدمت یدہ اور ت[۳] لایتکلمون الا من اذن لہ الرحمن و قال صوابًا اور قرآن مجید اول سے آخر تک خوف ہی ہے اگر کوئی سمجھ کر پڑھے اور اگر تمام قرآن میں صرف ایک ہی آیت ہوتی کہ ت[۴] انی لغفار لمن تاب و امن و عمل صالحًا ثم اھتدٰی تو کافی ہوتی اس لئے کہ اس میں مغفرت کو چار شرطوں پر معلق کیا ہے کہ بندہ ان میں سے ایک کو ادا کرنے سے بھی عاجز ہے بلکہ اس سے زیادہ سخت یہ قول خداوندی ہے ت[۵] فاما من تاب و امن و عمل صالحًا فعسٰی ان یکون من المفلحین یعنے باوجود بجا آوری شروط کے بھی یقین فلاح نہیں اور یہ قول [۶] لیسئل الصادقین عن صدقھم اور ت[۷] سنفرغ لکم ایھا الثقلان ت[۸] افامنوا مکر اللہ ت[۹] وکذلک اخذ ربک اذا اخذ القرٰی وھی ظالمۃ ان اخذہ الیم شدید ت[۱۰] یوم نحشر المتقین الی الرحمٰن وفدا ونسوق المجرمین الی جھنم وردًا ت[۱۱] وان منکم الا واردھا کان علی ربک حتما مقضیا ت[۱۲] اعملوا ما شئتم انہ بما تعملون بصیر ت[۱۳] من کان یرید حرث الاخرۃ نزد لہ فی حرثہ ومن کان یرید حرث الدنیا نؤتہ منھا وما لہ فی الاخرۃ من نصیب ت[۱۴] فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرًا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرًا یرہ۔

ت ۱. اور جب دوزخ دکھائی جاوے اور جب بہشت پاس لائی جاوے جان لے جو لے کر آیا ہے ۱۲ ت ۲ جس دن دیکھ لے آدمی جو آگے بھیجا اس کے ہاتھوں نے ۱۲ ت ۳ کوئی نہیں بولتا مگر جس کو حکم دیا رحمٰن نے اور بولا بات ٹھیک ۱۲ ت ۴ اور میری بخشش ہے اس پر جو توبہ کرے اور یقین لاوے اور کرے بھلا کام پھر راہ پر رہے ۱۲ ت ۵ سو جس نے توبہ کی اور یقین لایا اور کی بھلائی سو امید ہے کہ ہوئے چھوٹے والوں میں ت ۶ تا پوچھے سچوں سے ان کا سچ ۱۲ ت ۷ ہم فارغ ہوتے ہیں تمہاری طرف اے بوجھل قافلو ۱۲ ت ۸ کیا نڈر ہو اللہ کی دار سے ۱۲ ت ۹ اور ایسی ہے پکڑ تیرے رب کی. جب پکڑتا بستیوں کو اور وہ ظلم کر رہے ہیں بے شک اس کی پکڑ دکھ دیتی ہے زور کی ۱۲ ت ۱۰ جس دن ہم اٹھا کر دیں گے پرہیزگاروں کو رحمان کے پاس مہمان بلائے اور ہانک لے جاویں گے گناہگاروں کو دوزخ کی طرف پیاسے ۱۲ ت ۱۱ اور کوئی نہیں تم میں جو نہ پہنچے گا اس پر ت ۱۲ ہو چکا تیرے رب پر ضرور مقرر ۱۲ ؂ ت ۱۳ کو تے جاؤ جب تک چاہو وہ دیکھتا ہے ۱۲ ت ۱۴ جو کوئی چاہتا ہو آخرت کی کھیتی بڑھا دیں اور جو کوئی ہو چاہتا دنیا کی کھیتی اس کو دیں گے ہم کچھ اس میں سے اور اس کو نہیں آخرت میں کچھ حصہ. ۱۲ ت ۱۵ سو جس نے کی ذرہ بھر بھلائی وہ دیکھ لے گا اور جس نے کی ذرہ بھر برائی وہ دیکھ لے گا۔

اور ت اوقدمنا الی ما عملوا من عمل فجعلنٰہ ھباء منثورا [۱] اور ت والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین اٰمنوا وعملوا الصٰلحٰت وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر [۲] اس صورت میں نقصان اور خسران سے بچنے کی چار شرطیں کی ہیں اور انبیاء علیہم السلام جو باوجود انعام واحسان الٰہی کے ڈرتے تھے تو یہی وجہ تھی کہ خدائے تعالےٰ کے مکر سے بے خوف نہ تھے فلا یامن مکر اللہ الا القوم الخسرون خود خدائے تعالےٰ فرماتا ہے یہاں تک کہ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت جبریل علیہ السلام خدائے تعالےٰ کے خوف سے روئے اللہ تعالےٰ نے دونوں کو وحی کی کہ تم کیوں روتے ہو میں نے تم کو مامون کر دیا عرض کیا کہ الٰہی تیرے مکر سے بے خوف کون ہو سکتا ہے [۳] گویا کہ جب دونوں نے جان لیا کہ اللہ تعالےٰ عالم غیب ہے اور ہم کو اطلاع کاموں کے انجام کی نہیں تو اسباب سے مامون رہے کہ خدائے تعالےٰ کا فرمانا کہیں براہ امتحان اور ابتلا اور مکر نہ ہو یعنے اگر ارشاد خداوندی کے بعد خوف ساکن ہو جاتا تو معلوم ہوتا کہ مکر سے مامون ہیں اور اپنے قول سابق کی وفا نہ ہوتی جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام جب کہ گوپھن میں رکھے گئے تو فرمایا کہ حسبی اللہ یعنے خدا مجھ کو بس ہے اور یہ ایک دعوٰی تھا اسی لئے آپ کا امتحان لیا گیا اور ہوا میں حضرت جبرائیل سے ملاقات ہوئی۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے پوچھا کہ آپ کو کچھ حاجت ہے آپ نے فرمایا کہ تم سے کچھ مطلب نہیں تو یہ فرمانا آپ کا واقعہ میں اس اول قول حسبی اللہ کا پورا کرنا تھا اس قصے کو خدائے تعالےٰ نے بیان فرمایا ہے وابراھیم الذی وفی [۴] یعنی قال حسبی اللہ جیسا کہا تھا ویسا ہی بنا دیا اور اسی طرح حال حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بیان فرمایا کہ چنانچہ ارشاد فرمایا اننا نخاف ان یفرط علینا او ان یطغی قال لا تخافا اننی معکما اسمع وارٰی [۵] اور باوجود اس کے جب جادوگروں نے اپنا جادو پھیلایا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں خوف ہوا اس لئے کہ آپ خدائے تعالےٰ کے مکر سے بے خوف نہ تھے اور امر مشتبہ ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ نئے سرے سے ان کے لئے امن کا ارشاد کیا گیا کہ لا تخف انک انت الاعلیٰ [۶] اور جب شوکت مسلمانوں کی بدر کے روز کم ہو گئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب احدیت میں عرض کی کہ الٰہی اگر تو اس جماعت کو ہلاک کر دے گا تو روئے زمین پر کوئی ایسا نہیں رہے گا جو تیری عبادت کرے تو حضرت ابوبکر صدیق کو تو اعتماد اللہ تعالےٰ کے وعدے پر تھا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مقام خوف خدا کے مکر سے حاصل تھا اور یہ مقام بڑا کامل ہے اس واسطے کہ یہ جب ہی احدیت کا صادر ہوتا ہے جب اسرار الٰہی اور افعال خفیہ اور معانی صفات خداوندی کی معرفت ملا ہو ان افعال سے جو سرزد ہوتا ہے۔ اس میں سے بعض کو مکر کہتے ہیں اور بشر

ح [۱] اور ہم پہنچے ان کاموں پر جو کئے تھے۔ پھر کر دیا ان کو خاک اڑتا ۱۲ ح [۲] قسم اترتے دن کی مقرر انسان پر ٹوٹا ہے مگر جو یقین لائے اور کیئے بھلے کام اور آپس میں تاکید کیا سچے دین کا آپس میں تاکید کیا سہارا کا ۱۲ ح [۳] سو نڈر نہیں اللہ کی داؤ سے مگر جو لوگ خراب ہوں گے ۱۲ ح [۳] طبرانی در اوسط ابن شاہین بروایت عمر فاروق ۱۲ ح [۵] اور ابراہیم نے پورا کیا [۲] ح [۶] ہم ڈرتے ہیں کہ بھبکے ہم پر یا جوش میں آوے فرمایا نہ ڈرو میں ساتھ ہوں تمہارے [۴]

سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں۔ ۱۲ ح [۷] تو نہ ڈر مقرر تو ہی رہے گا۔ ۱۲ اوپر ۲ ح بخاری بروایت ابن عباس بالفاظ مختلفہ ۱۲

میں سے کسی کو طاقت نہیں کہ کنہ صفات الٰہی کو معلوم کرے اور جو شخص معرفت کی حقیقت کو جان لے اور یہ بھی سمجھ لے کہ میری معرفت کنہ امور کے احاطہ سے قاصر ہے اس کا خوف بے شک بہت زیادہ ہوگا اور اسی واسطے حضرت عیسٰی علیہ السلام سے جب سوال ہوا کہ[1] أأنت قلت للناس اتخذونی وامی الٰهین من دون الله انہوں نے جواب میں عرض کیا کہ[2] ان کنت قلته فقد علمته تعلم ما فی نفسی ولا اعلم ما فی نفسك انہوں نے جواب میں عرض کیا کہ[3] ان تعذبهم فانهم عبادك وان تغفر لهم فانك انت العزیز الحکیم آپ نے سارا کام مشیت پر سونپ دیا اور اپنے عمل کو بالکل درمیان سے علیحدہ کر دیا اس لئے کہ معلوم تھا کہ ہم کو کچھ اختیار نہیں سب کام مشیت ایزدی سے وابستہ ہیں کہ عقل و عادت کے حیطے سے خارج ہیں ان پر حکم قیاس اور گمان اور وہم سے بھی نہیں ہو سکتا چہ جائے کہ تحقیق اور یقین کسی امر کا ہو سکے اور یہی بات وہ ہے جس سے عارفوں کے دل ٹکڑے ہوتے ہیں۔ یعنے قیامت کبریٰ وہ ہے جس میں آدمی کو کام ایک ذات سے پڑے گا۔ جس کو کچھ پرواہ نہیں اگر وہ ہلاک کرے تو اس جیسے بے شمار کو ہلاک کر دیا ہے اور ہمیشہ دنیا میں ان کو انواع و اقسام کی تکلیف و امراض سے عذاب دیتا ہے اور باوجود اس کے ان کے دلوں کو کفر اور نفاق کا روگ لگا کر ابدالاباد کو ان پر عذاب مقرر فرماتا ہے پھر آپ ہی فرماتا ہے[4] ولو شئنا لاتینا کل نفس هداها ولکن حق القول منی لاملئن جهنم من الجنة والناس اجمعین اور دوسری جگہ فرمایا ہے[5] وتمت کلمة ربك لاملئن جهنم من الجنة والناس اجمعین۔ اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ جب اول میں یہ قول ہو چکا اور اس کے تدارک کی کچھ طمع نہیں تو کس طرح خوف نہ ہوگا اگر بالفرض تقدیر یہ ہوتی معاملہ حال ہی کی روئداد پر منحصر ہوتا تب بھی طمع کسی حیلے اور تدبیر کی ہوتی مگر اب تو بجز تسلیم کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ جو اسباب دل اور اعضاء پر کھلا کھلی معلوم ہوتے ہیں ان سے قرینہ سابقہ ازلی کا معلوم ہو جاوے۔ مثلاً جس شخص کے لئے اسباب شر مہیا ہوں اور اسباب خیر میں اور اس میں حجاب واقع ہو اور اس کا علاقہ دنیا سے پکا ہو تو گویا اس واقع میں راز تقدیر کا کھل گیا ہے کہ میرے نصیب میں بدبختی لکھی ہے کیونکہ جس واسطے پیدا ہوا ہے اس کے واسطے ویسے ہی سامان مہیا ہوتے ہیں اور اگر کسی کے واسطے خیرات میسر ہوں اور دل بالکل دنیا سے علیحدہ اور ظاہر و باطن دونوں سے متوجہ الی اللہ ہو تو یہ باتیں اس امر کو چاہتی ہیں کہ خوف تھوڑا ہو بشرطیکہ اسی حال پر ہمیشہ رہنے کا اعتماد ہو لیکن ایک حال پر جما رہنا دشوار ہے۔ شعر

---

[1] کیا تو نے کہا لوگوں کو کہ ٹھہراؤ مجھ کو اور میری ماں کو دو معبود سوائے اللہ کے ۱۲ [2] اگر میں نے یہ کہا ہوگا تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے جی میں ہے ۱۲ [3] اگر تو ان کو عذاب کرے تو وہ بندے تیرے ہیں اور اگر ان کو معاف کرے تو ہی ہے زبردست حکمت والا۔ ۱۲ [4] اور اگر ہم چاہتے تو دیتے ہر جی کو سوجھ اپنی راہ کی لیکن ٹھیک پڑی میری بات کہی کہ مجھ کو بھرنی ہے دوزخ جنوں سے اور آدمیوں سے اکٹھی [5] اور پورا ہو چکا لفظ تیرے رب کا کہ البتہ بھروں گا دوزخ جنوں سے اور آدمیوں سے اکٹھی۔ ۱۲ ؁

اگر درویش بر حالے بماندے ٭ سرِ دست از دو عالم برفشاندے

علاوہ ازیں خاتمے کا خطر آتش خوف کو دوبالا کرتا ہے اور اس شعلے کے بجھنے کی تدبیر نہیں حال کے بدلنے کا خوف ناخن رگ جان پر مارتا ہے اور کیوں نہ ہو کہ حدیث شریف میں وارد ہے مومن کا دل خدائے تعالےٰ کی دو انگلیوں میں ہے اور دوسری حدیث میں ہے کہ دل بدلنے میں ہنڈیا کے ابال سے بھی زیادہ ہے اور خدائے تعالےٰ نے فرمایا ہے ان عذاب ربھم غیر مامون ان اقوال کو سن کر کوئی بڑا ہی جاہل ہوگا جو بےخوف ہو جاوے گا۔ یعنے جس صورت میں خدائے تعالےٰ علانیہ امن سے ڈراتا ہے تو پھر گنجائش بے خوفی کی کہاں ہے اور خدائے تعالےٰ کا بڑا احسان ہے عارفوں پر کہ ان کے دلوں کو رجا کی روح سے تازہ رکھتا ہے ورنہ آتش خوف سے جل کر ان کے دل کباب ہو جاتے ہیں اور جس طرح رجا کے اسباب خواص الٰہی کے لئے رحمت ہیں۔ اسی طرح لوازم غفلت عام لوگوں کے حق میں من وجہ رحمت ہیں اگر غفلت دور کردی جائے اور اصل حال لوگوں کو معلوم ہو جاوے تو جان بدنوں سے رخصت ہو مقلب القلوب کے خوف سے دل ٹکڑے ہو جاویں۔ بعض عارفین کا قول ہے کہ اگر کوئی شخص میرے ساتھ پچاس برس تک موحد رہے اور فقط ایک ستون ہی کی آڑ میں ہو کر مر جاوے تو میں اس کی توحید کو یقیناً نہیں کہہ سکتا ہوں۔ اس واسطے کہ مجھے کیا معلوم ہے کہ اتنے عرصے میں کہ وہ ستون کی آڑ میں گیا اس کے دل میں کیا کیا تغیر ہوا اور بعض عارف فرماتے ہیں کہ اگر گھر کے دروازے پر مرنے سے شہادت ملتی ہو اور کوٹھڑی کے دروازے پر مرنے سے مسلمانی پر خاتمہ ہوتا ہو تو مجھ کو یہی منظور ہو کہ اسلام پر مروں اور حجرے کے باہر نہ نکلوں اس واسطے کہ حجرے کے دروازے سے گھر کے دروازے تک جانے میں مجھے کیا معلوم ہے کہ میرے دل پر تبدیل ہو جاوے گا اور حضرت ابو درداءؓ قسم سے یہ بات فرماتے ہیں کہ جو شخص موت کے وقت اپنے ایمان کے چھن جانے سے بےخوف ہو جاتا ہے اس کا ایمان ضرور ہی چھن جاتا ہے اور حضرت سہل تستری فرماتے ہیں کہ صدیقوں کو خوف ہر قدم اور ہر وسوسے پر خاتمے کے برابر ہوتے سے رہتا ہے اور ان کا وصف بھی خدائے تعالےٰ ان سے فرماتا ہے وقلوبھم وجلۃ اور جب حضرت سفیان ثوری کا وقت مرگ قریب پہنچا تو رونے لگے اور نہایت خائف تھے لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ کو رجا کرنی چاہئے خدائے تعالےٰ کا عفو تمہارے گناہوں سے بڑا ہے۔ شعر

گر عظیم ست از فرو دستان گناہ ٭ از جناب عفو کردن اعظم ست

آپ نے فرمایا کہ میں گناہوں کے واسطے نہیں روتا اگر مجھے یہ معلوم ہو جاوے کہ خاتمہ توحید پر ہوگا تو مجھے کچھ پرواہ نہیں گو میرے ساتھ پہاڑوں کے برابر گناہ جاویں حکایت ہے کہ بعض خائفین میں سے ایک شخص نے اپنے کسی بھائی کو وصیت کی کہ جب میں مرنے لگوں میرے سرہانے بیٹھنا اگر دیکھو گے کہ میرا خاتمہ توحید پر ہوا تو تمام میرا مال لے کر اس کے بادام اور شکر خرید کر شہر کے لڑکوں میں تقسیم کرنا اور کہنا کہ ایک شخص قید میں سے چھوٹا ہے اس کی شیرینی ہے اور اگر میرا خاتمہ توحید پر نہ ہو تو لوگوں کو خبر دینا کہ یہ شخص توحید پر نہیں مرا الیسانہ

ہو کہ کوئی دھوکہ میں آکر میرے جنازہ پر آوے اور مرنے کے بعد مجھ کو ریا لاحق ہو۔ اگر تم سب سے کہہ دو گے تو جس کا دل چاہے گا آوے گا ریا کے باعث کوئی نہ آوے گا۔ ان کے بھائی نے پوچھا کہ میں کیسے جانوں کہ آپ کا خاتمہ توحید پر ہوا یا نہیں انہوں نے کچھ علامت بتادی کہ توحید کی پہچان یہ ہو گی جب ان کی وفات ہوئی تو ان کے بھائی نے علامت توحید پائی اور بموجب وصیت بادام وشکر لے کر تقسیم کر دی اور حضرت سہل کا قول ہے کہ مرید کو خوف میں مبتلا ہونے کا ہوتا ہے اور عارف کفر میں مبتلا ہونے سے ڈرتے ہیں اور حضرت ابویزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میں مسجد کو جاتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے گویا میرے کمرے میں زنار ہے مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں گرجا یا آتش خانے میں نہ لے جاوے اور مسجد میں گھسنے تک وہ زنار ساتھ رہتا ہے۔ مسجد میں جانے سے علیحدہ ہو جاتا ہے یہ بات ہر روز پانچ بار ہوا کرتی ہے اور حضرت عیسٰی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اے گروہ حواریان تم گناہوں سے ڈرتے ہو اور ہم پیغمبروں کی جماعت کفر سے ڈرتے ہیں اور انبیاء کے تذکرے میں کہیں مذکور ہے کہ ایک پیغمبر نے خدائے تعالے سے برسوں تک شکایت بھوک اور برہنگی اور جوؤں کی اور ان کا لباس اون کا تھا ان پر وحی ہوئی کہ ہم نے تجھ کو کفر سے بچائے رکھا۔ اس بات سے راضی نہیں ہو کہ دنیا مانگتے ہو انہوں نے خاک اپنے سر پر ڈالی اور عرض کیا کہ الٰہی میں راضی ہوں مجھ کو کفر سے محفوظ رکھ اب غور کا مقام ہے کہ جب خاتمے کی برائی سے ایسے عارف ڈرتے ہیں جن کے قدم راسخ اور ایمان قوی ہیں تو ضعیف بے چارے کیسے نہیں ڈریں گے اور خاتمے کے بد ہونے کے چند اسباب ہیں جو موت سے پیشتر ہو جایا کرتے ہیں۔ مثلاً بدعت اور نفاق اور کبر اور کچھ اور صفات مذمومہ اور چونکہ نفاق ایک ایسی بلا ہے جس سے خاتمہ بگڑتا ہے۔ اسی جہت سے صحابہؓ نفاق سے نہایت ڈرتے تھے حتیٰ کہ حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ اگر مجھ کو یہ معلوم ہو جاوے کہ میں نفاق سے بری اور صاف ہوں تو یہ بات مجھ کو دنیا ومافیہا سے اچھی معلوم ہوتی ہے اور ان لوگوں کے نزدیک نفاق سے وہ نفاق مراد نہیں جو اصل ایمان کی ضد میں ہے بلکہ اس سے وہ نفاق مراد .... ہے جو ایمان کے ساتھ اکٹھا ہو سکتا ہے یعنے ہو سکتا ہے کہ آدمی مسلمان بھی ہو اور منافق بھی ...... اور اس نفاق کی علامت بہت ہیں چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اربع[ح] من کن فیہ فھو منافق خالص وان صلّٰی وصام وزعم انہ مسلم وان کانت فیہ خصلۃ منھن ففیہ شعبۃ من النفاق حتی یدعھا من اذا حدث کذب واذا وعد اخلف واذا ائتمن خان واذا خاصم فجر۔

ح اچار چیزیں ایسی ہیں کہ جس میں ہوں وہ نرا منافق ہوا اگرچہ نماز پڑھے اور روزہ رکھے اور کہے کہ میں مسلمان ہوں اگر اسمیں سے ایک ہو تو ان میں ایک شاخ ہو نفاق کی جب تک اس کو نہ چھوڑے جو شخص جب بات کہے جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو پورا نہ کرے اور جب امانت رکھا جاوے خیانت کرے اور جب خصومت کرے تو برا کہے بخاری ومسلم بروایت عبد اللہ بن عمر ۱۲ ح ۲ احمد بروایت حذیفہ ۱۲ ح ۳ بخاری بروایت انس ۱۲ ۴ ح جلد اول باب قواعد العقائد میں گزری ۔۱۲۔ اول باب قواعد العقائد میں گزری اور یہیں ذکر حجاج کا نہیں ملا ۱۲ ۲ ح اس کی سند مجھے نہیں ملی ۱۲ ۳ ح بندہ ایماندار وہ خوف کے درمیان ہے۔

اور ایک روایت میں واذا عاهد غدر لکھا ہوا ہے اور اصحاب اور تابعین نے نفاق کی ایسی تفسیر کی ہے جس سے بجز صدیق کے اور کوئی خالی نہیں چنانچہ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ نفاق میں سے ظاہر و باطن کا مختلف ہونا اور دل و زبان کا مختلف ہونا اور اندر اور باہر دو طرح پر ہونا اب ہم پوچھتے ہیں کہ ان باتوں سے کون خالی ہے بلکہ یہ باتیں لوگوں میں ایسی مانوس اور معتاد ہو گئی ہیں کہ کوئی ان کو برا ہی نہیں جانتا علاوہ ازیں یہ امور قرب زمانہ فیض کاشانہ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم کے جاری تھے اس زمانے کو تو کون پوچھتا ہے حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ عہد مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں آدمی ایسا لفظ کہا کرتا تھا جس سے منافق ہو جاتا تھا اور وہی لفظ میں تم سے دن میں کوئی دس دفعہ سنتا ہوں[۱] اور اصحاب[۲] فرماتے تھے کہ تم لوگ ایسے عمل کرتے رہے کہ تمہاری نظر میں وہ بال سے بھی زیادہ باریک ہیں مگر ہم ان کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کبیرہ جانتے تھے اور بعض اکابر فرماتے ہیں کہ نفاق کی علامت یہ ہے کہ جیسا کام آدمی خود کرے ویسا اگر لوگوں سے ہو جاوے تو برا جانے اور کسی سے جور کرنے کے باعث محبت رکھے اور حق بات کے باعث بغض اور بعضوں کا یہ قول ہے کہ نفاق اس کا نام ہے کہ جب کوئی تعریف ایسی بات سے کرے جو ممدوح میں نہ ہو تو اس کو یہ تعریف کرنا اچھا معلوم ہو اور ایک شخص نے حضرت ابن عمرؓ سے پوچھا کہ جب ہم امراء کے پاس جاتے ہیں تو جو کچھ وہ کہتے ہیں اس کو درست و بجا کہے جاتے ہیں اور جب ان کے پاس سے اٹھ آتے ہیں تو ان کی حقارت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ہم نفاق جانا کرتے تھے[۳] اور روایت ہے کہ آپ نے کسی کو سنا کہ حجاج کو برا کہہ رہا ہے آپ نے اس کو فرمایا کہ اگر حجاج موجود ہوتا تب بھی یہ کہتا کہ نہیں اس نے عرض کیا کہ اس کے سامنے تو نہ کہتا آپ نے فرمایا کہ ایسی بات کو ہم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد میں نفاق جانا کرتے تھے[۱] اور اس سے بھی زیادہ سخت یہ روایت ہے کہ چند لوگ حضرت حذیفہؓ کے دروازے پر بیٹھے ان کا انتظار کر رہے ہیں اور آپ کا حال کچھ آپس میں بیان کرتے تھے جب آپ گھر سے نکلے تو سب لوگ آپ سے حیا کر کے چپ ہو رہے آپ نے فرمایا تم جو باتیں کرتے تھے وہی کرو سب خاموش رہے آپ نے فرمایا کہ اس کو ہم عہد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم میں نفاق جانتے تھے[۲] اور یہ حضرت حذیفہ وہ ہیں جو منافقین کے جاننے میں اور اسباب نفاق کے پہچاننے میں مخصوص تھے آپ فرمایا کرتے تھے کہ دل پر ایک گھڑی ایسی آتی ہے کہ ایمان سے بھر جاتا ہے یہاں تک کہ اس میں نفاق کو ایک سوئی کے برابر بھی گنجائش نہیں ہوتی اور اس پر ایک ساعت ایسی آتی ہے کہ نفاق سے جی بھر جاتا ہے حتی کہ ایمان کو گنجائش سوئی چبھانے کی نہیں ہوتی[۳] حاصل اس تقریر کا یہ ہوا کہ عارفوں کو خوف خاتمے کی برائی کا لگا رہتا ہے

---

[۱] ح احمد بروایت حذیفہ ۱۲ [۲] ح بخاری بروایت انس ۱۲ [۳] ح جلد اول باب قواعد العقائد گزری ۱۲ [۱] ح۔ جلد اول باب قواعد العقائد میں گزری اور یہیں ذکر حجاج کا مجھے نہیں ملا ۔۱۲ [۲] ح ۱۲ اس کی سند مجھے نہیں ملی ۱۲ [۳] ح بندہ ایماندار و خوف کے درمیان ہے ۔۱۲

اور اس کے اسباب چند امور ہوتے ہیں جو خاتمے سے پہلے واقع ہوتے ہیں ان میں سے بدعتیں اور گناہ اور نفاق بھی ہیں اور بندہ ان میں سے کسی سے کب خالی ہوتا ہے اور اگر گمان کرے کہ میں نفاق سے خالی ہوں تو یہ بھی نفاق ہے کیونکہ یہ قول مشہور ہے کہ جو شخص نفاق سے بے خوف ہو وہ منافق ہے اور بعض اکابر نے کسی عارف سے کہا کہ میں اپنے نفس پر نفاق سے ڈرتا ہوں انہوں نے فرمایا کہ اگر تو منافق ہوتا تو نفاق سے نہ ڈرتا غرض کہ عارف کو ہمیشہ التفات سابقہ ازلی اور خاتمہ کی طرف رہتا ہے۔ اسی واسطے حدیث شریف میں ہے[1] العبد المومن بین مخافتین بین اجل قد مضی لا یدری ما اللہ صانع فیہ بین اجل قد بقی لا یدری ما اللہ قاض فیہ فوالذی نفسی بیدہ ما بعد الموت من مستعتب ولا بعد الدنیا دار الا الجنۃ او النار۔

بُرے خاتمہ کا ذکر

چونکہ بیان گزشتہ سے اکثر خوف عارفین کا سوء خاتمے سے معلوم ہوتا ہے اس لئے اس کے معنی لکھنے ضروری ہیں۔ پس جاننا چاہیئے کہ خاتمے کا برا ہونا دو طرح پر ہے۔ جن میں سے ایک طرح دوسرے کی نسبت زیادہ خوفناک ہے وہ یہ ہے کہ دل پر سکرات موت کے وقت اور شدت احوال کے ظاہر ہونے کے وقت یا تو شک یا انکار ذات الہٰی میں غالب ہو جاوے اور اسی انکار اور شک کی صورت میں جان نکل جاوے تو یہ گرہ انکار کی بندہ میں اور خدائے تعالےٰ میں حجاب ہو جاتی ہے اور ہمیشہ کی دوری اور حجاب دائمی کا مستحق کرتی ہے اور دوسری طرح خاتمے کی جو اس کی نسبت کم ہے وہ یہ ہے کہ بندے کے دل پر مرتے کے وقت محبت کسی چیز کی دنیا کی چیزوں میں غالب ہو جاوے یا کوئی شہوت دنیاوی دل پر چھا جاوے اور دل اس میں ایسا ڈوبے کہ اس حال میں اور کسی کی گنجائش اس میں نہ رہی اور اتفاق سے ایسے ہی وقت جان نکل جاوے تو ایسی صورت میں دل کے ڈوبے رہنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بندے کا منہ اور سر دنیا کی طرف پھرا ہوا ہوگا اور جب منہ خدائے تعالےٰ سے پھر گیا تو حجاب ہو گیا اور جہاں حجاب ہوا عذاب نازل ہوا اس واسطے کہ جو آگ خدائے تعالےٰ نے سلگائی ہے وہ صرف محجوب لوگوں ہی کو لگتی ہے جو ایماندار کہ ان کے دل محبت دنیا سے سالم ہیں بہمہ تن ان کی ہمت مصروف اللہ ہے ان کو آگ یوں کہے گی کہ اے مومن گزر جا کہ تیرے نور نے میرے شعلہ کو گل کر دیا غرضکہ اگر غلبہ محبت دنیا کی صورت میں اتفاق جان نکلنے کا ہوگا تو اندیشے کی بات ہے اس واسطے کہ آدمی اسی صورت پر مرتا ہے جس پر زندہ تھا مرنے کے بعد کوئی صفت حاصل نہیں ہو سکتی جو دل کے اوپر چھائی ہوئی صفت کے مخالف ہو کیونکہ دلوں میں تصرف بدون اعمال جوارح کے نہیں ہوتا اور مرنے کے بعد سب بے کار ہو گئے ان کے عمل بھی بند ہو گئے تو نہ طمع کسی عمل کی ہے نہ اسباب کی توقع دنیا میں پلٹ کر تدارک مافات کیا جائے اس صورت میں حسرت

[1] ایک وہ مدت کہ گزر گئی نہیں جانتا کہ اللہ اس میں کیا کرتا ہے اور ایک وہ مدت کہ باقی ہے نہیں جانتا کہ اللہ تعالےٰ اس میں کیا حکم کرنے والا ہے سو قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ نہیں ہے بعد مرنے کے کوئی رضا حاصل کرنے کی صورت اور نہیں ہے بعد دنیا کے کوئی گھر سوائے جنت یا دوزخ کے ۱۲ بیہقی در شعب بروایت حسن اجلی من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲

بہت بڑی ہو گئی مگر چونکہ اصل ایمان اور محبت الٰہی دل میں مدت مدید تک جمی رہی تھی اور اعمال صالحہ سے مستحکم ہوئی تھی تو ان دونوں سے وہ حالت جو آدمی کو موت کے وقت عارض ہو گئی تھی مٹ جاوے گی پس اگر ایمان قوت میں مثقال کے برابر ہو گا تب تو آدمی کو جلد دوزخ سے نکال لے گا اور اگر اس سے کم ہو گا تو بہت دنوں دوزخ میں رہنا پڑے گا کہ اگر صرف ایک رتی کے برابر ہو گا تب بھی دوزخ سے نکلے گا گو ہزاروں برس کے بعد نکلے اب اگر کوئی کہے کہ تمہاری تقریر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آتش دوزخ مجرم پر موت کے بعد ہی آجاوے پھر قیامت تک کی تاخیر اور اتنی مدت کی مہلت کیوں ہوتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو شخص عذاب قبر کا منکر ہو وہ بدعتی ہے اور نور خدا اور نور قرآن اور نور ایمان سے محجوب ہے۔ صاحبان بصیرت کے نزدیک صحیح اور درست یہی ہے کہ قبر یا ایک گڑھا ہے دوزخ کے غاروں سے یا ایک چمن ہے جنت کے باغوں سے اور یہی امر احادیث[۱] صحیح سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ پس اگر آدمی کا خاتمہ اچھا نہیں ہوا اور بدبخت جہاں سے اٹھا تو فوراً روح کے جدا ہوتے ہی مورد بلا ہوتا ہے اور قبر ہی سے عذاب شروع ہو جاتا ہے بعض اوقات اس کی قبر پر ننانوے دروازے دوزخ کے کھل جاتے ہیں اور اقسام عذاب کے بھی بحسب اختلاف اوقات کے مختلف ہوتے ہیں۔ مثلاً قبر میں رکھنے کے بعد سوال منکر نکیر کا ہوتا ہے پھر اس کے بعد سزا ہوتی ہے پھر حساب کا الجھاؤ اور سب کے سامنے قیامت میں فضیحت ہونا پھر اس کے بعد پل صراط کا خوف اور دوزخ کے فرشتوں کی ہیبت وغیرہ جو جو امور احادیث[۲] میں مذکور ہیں تو بدبخت آدمی اپنے سب احوال اور اقسام عذاب میں پھرتا رہتا ہے اور اپنے کیے کو بھگتتا ہے مگر اس صورت میں کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت میں چھپاوے اور یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ ایمان کی جگہ کو مٹی کھا لیتی ہے بلکہ مٹی تمام اعضائے ظاہری کو کھا کر متفرق کرتی ہے یہاں تک کہ وہ وقت مقرری آپہنچے اس وقت سب اجزائے متفرق جمع ہوں گے اور اس میں روح دوبارہ آوے گی جو کہ محل ایمان ہے اور یہ روح مرنے کے بعد سے لے کر اس دم تک یا تو ان جانوروں سبز کے پوٹوں میں رہے گی جو عرش کے نیچے لٹکے ہوئے ہیں بشرطیکہ سعید ہو یا اگر خدانخواستہ بدبخت ہو گی تو کسی حالت بد میں جو خلاف پہلی حالت رہے گی اب ان سببوں کا ذکر کیا جاتا ہے جو موجب سوء خاتمہ کے ہوتے ہیں۔ اگرچہ ایسی باتوں کے اسباب بے حد و شمار ہیں کہاں کا مفصل حیطۂ بیان میں آنا غیر ممکن ہے مگر کلیۃً اشارہ ہو سکتا ہے تو جاننا چاہیئے کہ جو خاتمہ شک اور انکار پر ہوتا ہے۔ اس کا سبب دو صورتوں میں منحصر ہوتا ہے۔ صورت اول کہ باوجود ورع اور زہد کامل اور اعمال میں صلاح تام مقصود ہو سکتی ہے وہ یہ ہے کہ زاہد بدعتی ہو کیونکہ بدعتی کا انجام خطرناک ہے گو عمل اچھے ہوں اور ہماری غرض بدعت سے مذہب معین کی نہیں کہ اس کو بدعت قرار دیں اس لئے اس کے بیان کے واسطے ایک قول طول طویل چاہیئے۔ بلکہ بدعت سے یہ مراد ہے کہ آدمی خدائے تعالیٰ کی ذات، صفات و افعال میں کوئی بات غیر واقع اعتقاد کرے اور یہ

---

[۱] ترمذی بروایت ابوسعید خدری ۱۲ [۲] ان امور کی حدیث جلد اول باب قواعد العقائد میں گزریں مگر مقرب دروازوں و دوزخ کا کھلنا مجھے نہیں ملا اور سب کے سامنے رسوا کرنا۔ احمد و طبرانی نے بروایت ابن عمرؓ نقل کیا ہے ۱۲؁

اعتقاد ناحق یا تو اپنی تجویز اور قیاس اور عقل سے ہو کہ جب اپنی تجویز و قیاس سے حریف کو زک دے تو عقل پر اعتماد اور غرہ کیا اور کسی امر ناحق کا عقل ہی کے اعتماد سے اعتقاد کر لیا اور یا کسی دوسرے ایسے ہی شخص کی پیروی سے یہ اعتقاد اپنے آپ میں آ گیا بہر حال جب ایسے شخص کو موت نزدیک ہوتی ہے اور ملک الموت کا چہرہ نظر آتا ہے اور دل کو اپنے اندر کی چیز سے گھبراہٹ ہوتی ہے تو بعض اوقات سکرات موت کی حالت میں اس پر یہ کھل جاتا ہے کہ جو کچھ پہلے سے اعتقاد کر رکھا تھا وہ جہالت سے تھا اور باطل محض ہے اور سکرات موت میں معلوم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ موت کا حال پردہ اٹھ جانے کا وقت ہے یعنی چیزیں جیسے حقیقت میں ہیں ویسی بعد موت کے معلوم ہوتی ہیں اور سکرات موت موت ہی میں شامل ہیں اسی جہت سے بعض باتیں واقعی سکرات موت میں کھل جاتی ہیں پس جب آدمی کو معلوم ہوا کہ یہ میرا پہلا اعتقاد جس پر میرا یقین کلی اور اعتماد قوی تھا باطل ہو گیا تو وہ صرف اسی ایک اعتقاد کو جھوٹا نہیں سمجھتا جس میں اپنی رائے ناقص کو دخل دیا تھا بلکہ یہ گمان کر لیتا ہے کہ جو چیزیں میں نے سمجھ رکھی تھی سب کی اصل نہیں یعنے پہلے سے اللہ و رسول پر ایمان رکھنے اور اپنے اعتقاد فاسد کو صحیح جاننے میں کچھ فرق نہ کرتا تھا مرنے کے وقت بعض اعتقادات کا حال جہالت کے منشا سے معلوم ہوگا اس سے اور اعتقادات جو واقع میں صحیح تھے ان کو بھی باطل سمجھے گا یا ان میں شک کرے گا اب اگر اس حالت میں اس کی روح اتفاق سے نکل جاوے اور اصل ایمان اور حالت اصلی پر رجوع کرتے پاوے تو ظاہر ہے کہ اس کا خاتمہ برا ہوگا اور اس کی روح معاذ اللہ منہا شرک پر نکلے گی پس ایسے ہی لوگ مراد ہیں اس آیت میں وبدا لهم من الله ما لم يكونوا يحتسبون (ت ۱) اور اس آیت میں قل هل ننبئكم بالاخسرين اعمالا۔ الذين ضل سعيهم في الحيوة الدنيا وهم يحسبون انهم يحسنون صنعا (ت ۲) اور جس پر کہ خواب میں کبھی حال آیندہ کا معلوم ہو جاتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ دل پر سونے کے وقت اشغال دنیا کے کم ہوتے ہیں۔ اسی طرح سکرات موت میں بھی بعض امور منکشف ہو جاتے ہیں کیونکہ کاروبار دنیاوی اور شہوات بدن قلب کو اسبات سے مانع ہیں کہ ملکوت کی طرف دیکھ کر لوح محفوظ میں سے اشیا کا مطالعہ کرے اور جس طرح پر وہ واقع میں ہیں اس کو معلوم ہو جاوے تو ایسی حالت دل کو سبب کشف ہوا کرتی ہے اور کشف کے باعث باقی اعتقادات میں شک آ جاتا ہے اور جو شخص کہ خدائے تعالےٰ میں اور اس کے صفات و افعال میں کسی امر غیر واقعی کا معتقد ہو خواہ براہ تقلید یا اپنی عقل و تجربہ سے اس کے لئے یہ خطرہ مذکورہ بالا ہے اور زہد و صلاح اس خطر کے دور کرتے کو کافی نہیں اس خطرے سے بجز اعتقاد حق کے اور کوئی صورت نجات نہیں اور بھولے آدمی اس خطر سے کنارے پر ہیں یعنے جو لوگ اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول اور آخرت پر ایمان مجمل لائے اور اسی پر بخت رہے جیسے

ت ۱ اور نظر آیا ان کو اللہ کی طرف سے جو خیال نہ رکھتے تھے ۱۲ ت ۲ کہ ہم بتا دیں تم کو کن کے لئے بہت اکارت جن کے لئے دوڑ بھٹک رہی ہے۔ دنیا کی زندگی میں وہ اور سمجھتے ہیں کہ خوب بناتے ہیں وہ کام ۱۲

بدو اور دیہاتی اور عوام جو بحث و اعتراض میں نہیں پڑتے اور نہ کلام کو مقصود بالذات جان کر شروع کرتے ہیں اور نہ متکلمین جو اقوال مختلفہ کی تقلید بیان کرتے ہیں ان میں سے کسی کی سنیں اسی واسطے لوگوں کے حق میں حدیث شریف میں آیا ہے اکثر اھل الجنۃ البلہ[ت۱] اور یہی وجہ تھی کہ بزرگان سلف بحث اور تقریر اور کلام اور ان امور کی تفتیش سے منع کرتے تھے اور خلق کو یہی کہتے تھے کہ خدائے تعالیٰ نے جو کچھ اتارا اور اس سب پر ایمان لاؤ اور جو کچھ ظاہر الفاظ سمجھ میں آتا ہو اس کو درست جانو اور تشبیہ کا اعتقاد نہ رکھو اور تاویلات میں نہ پڑو کیونکہ صفات میں گفت گو کرنی بہت بری ہے اور اس کی گھاٹیاں سخت ہیں اور راستے دشوار گزار اور عقلیں ادراک جلال الٰہی سے قاصر ہیں اور چونکہ دل محبتِ دنیا پر مشغول ہیں اس لئے نور یقین سے جو ہدایت الٰہی ان پر ہوتی ہے وہ رکی ہوئی ہے اور بحث کرنے والے جو کچھ ببساط عقل کے موافق کہتے ہیں وہ ابتر اور ایک دوسرے کے خلاف ہے اور دل انہی باتوں کے ساتھ مالوف اور متعلق ہوتے ہیں جو ابتدائے نشوونما میں ان میں پڑتے ہیں اور تعصبات جو خلق میں پھیلے ہوئے ہیں وہ عقائد موروثی کی جڑ ہیں اور نیز ان عقائد کے جو معلموں سے اول اول حسن ظن کے باعث ہوتے ہیں پھر طبیعتوں کا یہ حال ہے کہ دنیا کی محبت میں مشغوف اور اس کی طرف متوجہ ہیں اور شہوات دنیاوی ان کا گلا دبائے ہوئے ہیں اور فکر کامل سے بھرے ہوئے پس ایسے حال میں خدائے تعالیٰ کے باب میں اور اس کے صفات میں اپنی اپنی رائے کے موافق گفت گو کرنے کا دروازہ کھلا ہے تو لوگوں کی طبیعت میں اختلاف اور ذہنوں میں تفاوت تو ہوا ہی کرتا ہے اور ہر جاہل کو یہی حرص ہے کہ مدعی کمال ہوا اور نکتہ حق کا محیط نظر بریں جو جس کو سوجھے گا کہنے لگے گا اور جو کوئی ان سے سنے گا اس کا دل اس بات سے معتقد ہو جاوے گا اور رفتہ رفتہ اس عقیدے کے ساتھ مالوف ہونے سے اسی کو استحکام ہو جاوے گا غرض کہ طریق خلاصی کی ان کے لئے کوئی صورت نہ ہوگی پس خلق کی سلامتی اور خیریت اسی میں ہے کہ نیک کام کریں اور جو بات ان کی حد طاقت سے خارج ہے اس کے درپے نہ ہوں مگر کیا کیجئے معاملہ بہت سست ہو گیا۔ بے ہودگی پھیل گئی ہر جاہل کے گمان میں جو سما گیا اسی کا ہو رہا وہ اپنے اعتقاد میں اسی امر کو علم اور استیقان جانتا ہے اور اپنے آپ کو متصف بصفات ایمان سمجھتا ہے کہ جس بات پر میں نے اپنی رائے سے قناعت کی ہے علم یقین ہے اور عین یقین یہی ہے حالانکہ چند روز بعد اس کا مزہ معلوم ہو گا جب سوجھے گا کہ خود غلط بود انچہ من پنداشتم بہ اور اس بات کو یقین جان لینا چاہیئے کہ جو شخص خدائے تعالیٰ اور اس کے رسولوں اور کتابوں پر ایمان خالص کو چھوڑ کر اس بات میں پڑتا ہے وہ خطرہ مذکور میں اپنے آپ کو ڈالتا ہے اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کی کشتی ٹوٹ گئی ہو اور وہ صدمات امواج میں پڑا ہوا ہو کہ موجیں اس کو ادھر سے ادھر پھینک رہی ہوں تو اس حال میں ایسا کم اتفاق ہوتا ہے کہ آدمی سلامت کنارے پر چلا آوے بلکہ غالب صورت ہلاک ہی ہے چنانچہ سعدیؒ فرماتے ہیں

ت ۱۔ اکثر جنت والے بھولے ہیں ۱۲ ابزار بروایت انس۔

دریں ورطہ کشتی فرو شد ہزار ٭ کہ پیدا نہ شد تختہ بر کنار

پس کنہ حقیقت یا اوصاف میں پڑنا سراسر جہالت ہے علاوہ ازیں جو لوگ اپنی عقل کے بموجب کچھ کہتے ہیں اور دوسرے ان سے یہ عقیدہ سیکھتے ہیں تو دو حال سے خالی نہیں یا تو اس کی کوئی دلیل ہوگی یا بے دلیل اس عقیدے کو مانا ہے اب اگر اس فرقہ دوم کو اس میں شک ہوگا تو ان کا دین فاسد ہے اور اگر فرقہ اول کے قول کا اعتقاد ہوگا تو خدائے تعالیٰ کے فکر سے مامون ہونا اور اپنی عقل ناقص پر مغرور ہونا لازم آتا ہے اس طرح جو کوئی اس بحث میں مبتلا ہوگا اس کی بھی دو حالتیں ہو سکتی ہیں مگر یہ اس صورت میں کہ عقل کی حدود سے نکل جاوے اور نور مکاشفہ جو عالم ولایت و نبوت میں چمکتا ہے اس تک جا پہنچے یہ بات ہر چند کبریت احمر ہے مگر کہاں حاصل ہو سکتی ہے اور اس خطر سے بھولے آدمی اور عوام آزاد ہیں جو آگ کے خوف سے طاعت الٰہی میں مصروف ہیں اور اس امر فضول میں خوض نہیں کرتے حاصل یہ کہ خاتمے کی برائی میں ایک سبب اندیشہ ناک یہ بھی ہے صورت دوم شک و انکار پر خاتمہ ہونے کے سبب کی یہ ہے کہ اصل میں ایمان ضعیف ہوتا ہے پھر محبت دنیا دل پر غالب ہو جاتی ہے اور جب ایمان ضعیف ہوتا ہے تو محبت الٰہی بھی ضعیف ہوتی ہے اور محبت دنیا قوی ہوتی ہے اور اس کی قوت اس درجے کی ہوتی ہے کہ دل میں جگہ محبت الٰہی کی نہیں رہتی صرف ایسی رہ جاتی ہے جیسے دل کا وسواس اور اس خطرہ یعنے محبت الٰہی نہیں ہوتی کہ نفس کی مخالفت کرنے اور شیطان کی راہ سے پھرنے میں کچھ اس کا دل پر اثر ہو جب یہ حال ہوتا ہے تو آدمی اتباع شہوات میں ڈوب جاتا ہے یہاں تک کہ دل سیاہ اور سخت ہو جاتا ہے اور گناہوں کے پے در پے ہونے سے سیاہی کی تہہ دل پر جم جاتی ہے اور وہ نور ایمان جو ذرا سا تھا اس میں سے ہمیشہ کچھ کم ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ نوبت مہر اور زنگ کی دل پر پہنچ جاتی ہے اور جب سکرات موت شروع ہوتے ہیں تو محبت الٰہی اور بھی ضعیف ہو جاتی ہے کیوں کہ اس وقت معلوم ہوتا ہے کہ جو چیز سب سے زیادہ محبوب تھی اس کی جدائی کا وقت آ پہنچا اور اس جدائی سے دل پر شدت کا صدمہ ہوتا ہے اور وجہ جدائی کی خدائے تعالیٰ ہی جانتا ہے تو دل میں یہ بات آ جاتی ہے کہ خدائے تعالیٰ نے میرے اوپر موت کو کیوں بھیجا یہ تو ایک بری چیز ہے اور موت کا آنا اور اپنے محبوب کا جدا ہونا خدا کی طرف سے برا معلوم ہوتا ہے تو اس وقت یہ خوف ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کی محبت کے بدلے میں کہیں اس کے دل سے بغض نہ جوش کرے جیسے کوئی شخص بیٹے کو تھوڑا سا چاہتا ہو اور مال کو بہت سا اور اس کا لڑکا اس کا مال لے کر اڑا دے یا پھونک مار دے تو وہ ذرا سی محبت جو اس کے بیٹے سے تھی بغض میں بدل جاتی ہے۔ اسی طرح یہاں تصور کرنا چاہیئے پس اگر اتفاق سے آدمی کی روح اسی دم نکلے جب کہ خدا کی طرف سے اس کے دل میں بغض ہو تو ظاہر ہے کہ خاتمہ برا ہوگا اور ہمیشہ کے لئے تباہ ہوگا اور جو سبب کہ اس سے ایسا خاتمہ ہوا اور غلبہ محبت دنیا اور اس کی طرف میل کرنا اور اس کے اسباب سے خوش ہونا ہوا اس حال میں کہ ایمان ضعیف ہو جو موجب ضعف محبت الٰہی ہے اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اپنے دل میں محبت الٰہی کو بہ نسبت محبت دنیا کے غالب دیکھے اگرچہ دنیا سے بھی محبت رکھتا ہو تو وہ اس خطر سے برکنار ہے مگر دنیا کی محبت ہر ایک خطا

کی جڑ ہے یہی مرض لاعلاج ہے اور سب خلقت اس میں مبتلا ہے۔ اور وجہ یہی ہے کہ خدا کو کم پہچانتے ہیں۔ اگر پہچانتے ہوتے تو محبت ضرور کرتے جو کوئی اس کو پہچانتا ہے بے شک اس سے محبت کرتا ہے، اور اس جہت سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[ت] قل ان کان اباءکم وابناءکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال اقترفتموها وتجارة تخشون کسادها ومساکن ترضونها احب الیکم من الله ورسوله وجهاد فی سبیله فتربصوا حتی یاتی الله بامره۔

خلاصہ یہ کہ جس شخص کی روح ایسے وقت میں نکلے کہ اس کے دل میں خدائے تعالیٰ کا یہ فعل کہ اس میں اور اس کے زن وفرزند میں اور مال میں اور سب محبوب چیزوں میں جدائی ڈال دے اس کو دل سے برا معلوم ہوتا ہے تو ایسے شخص کا مرنا اسی بغض کے ساتھ جانا اور اپنی محبوب چیز چھوڑنا ہوگا اور خدائے تعالیٰ کے سامنے ایسی طرح آوے گا جیسا کہ غلام جو آقا سے بغض رکھتا ہو اور بھاگا ہو اور زبردستی گرفتار ہو کر سامنے لایا گیا ہو اب جو کچھ آقا کی طرف سے رسوائی اور درگت ایسے شخص کی ہووے گی وہ صاف ظاہر ہے اور جس شخص کی وفات محبت الٰہی پر ہوگی وہ خدائے تعالیٰ کے پاس ایسے آوے گا جیسا اچھا غلام خدمت گار مشتاق اپنے آقا کا اور کار خدمت جان کا ہی اور محنت شاقہ اٹھاوے اور اس کے دیدار کے لئے سختیاں سفر کی سہے پس ایسا شخص دربار میں پہنچتے ہی جیسا خوش ہوگا وہ اظہر من الشمس ہے اکرام و انعام انواع واقسام کے اس خوشی سے علاوہ ہوں گے اب دوسرے خاتمے کا حال سننا چاہیئے جو شک وانکار پر مرنے کی نسبت کم ہے اور مقتضی ہمیشہ دوزخ میں رہنے کا نہیں ایسے خاتمے کے بھی دو سبب ہیں اول گناہوں کی کثرت گو ایمان قوی ہو دوم ضعف ایمان اگرچہ گناہ کم ہوں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ گناہوں کا مرتکب ہونا اس سبب سے ہوتا ہے کہ شہوات غالب ہوتے ہیں اور الفت و عادت کی کثرت سے دل میں جم جاتے ہیں اور جن چیزوں سے کہ آدمی عمر بھر مانوف رہتا ہے موت کے وقت ان سب کی یاد دل میں چلی آتی ہے مثلاً اگر اکثر میل طاعتوں کی طرف ہوتا ہو تو نزع میں یاد طاعت الٰہی ہی اکثر ہوتی ہے اور اگر میل گناہوں کی طرف زیادہ ہوتا ہے تو انہیں کا ذکر دل پر موت کی حالت میں غالب ہوتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب کوئی شہوت دنیا کی شہوتوں میں سے یا کوئی گناہ دل پر غالب ہوتا ہے تو اسی حال میں اس کی روح نکلتی ہے اور دل اسی کا مقید ہو کر خدائے تعالیٰ سے محجوب ہو جاتا ہے پس جو شخص ارتکاب گناہ کا کبھی کبھی کرتا ہے تو وہ اس خطرے سے بری ہے اور جو کبھی نہیں کرتا وہ یقیناً اس سے مامون ہے مگر جس پر کہ معاصی غالب ہیں اور طاعت کی نسبت زیادہ ہیں اور ان کا دل بھی ان سے زیادہ خوش ہے بہ نسبت طاعات کے تو ایسے شخص کے حق میں یہ خطر بیشک بہت زیادہ ہے اور اس کو ایک مثال سے سمجھ لینا چاہیئے وہ یہ کہ ایک امر بدیہی ہے کہ آدمی خواب میں انہیں باتوں میں سے اکثر دیکھا کرتا ہے جن کو زندگی بھر کرتا ہے یہاں تک کہ جو

ت ا ترجمہ: یعنی کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور برادری اور مال جو کمائے ہیں اور سوداگری جس کے بند ہونے کے ڈر سے ڈرتے ہو اور حویلیاں جو پسند رکھتے ہو تم کو عزیز ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور لڑنے سے اس کی راہ میں تو راہ دیکھو جب تک بھیجے اللہ حکم اپنا ۱۲ ب

بات جاگنے کی حالت میں اس کو ہوتی ہے اس کے مشابہ خواب میں دیکھتا ہے حتی کہ مراہق یعنی مرد قریب بلوغ جس کو احتلام ہوتا ہے وہ خواب میں صورت جماع کی نہ دیکھے گا بشرطیکہ جاگنے میں اس نے جماع نہ کیا ہو اور اگر مدت تک ایسا ہی رہے تو احتلام کے وقت کبھی صورت جماع نظر نہ آوے گی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اپنی عمر فقہ سیکھنے میں صرف کرے تو ایسے حالات میں دیکھے گا جو متعلق علم اور علما سے ہوں اور اس قسم کے خواب تاجر سے زیادہ اس کو معلوم ہوں گے جو اپنی تجارت میں بسر کرتا ہے اور تاجر کو احوال متعلق تجارت اور اس کے لوازم طبیب اور فقیہ سے زیادہ سوجھیں گے کیونکہ نیند کی حالت میں دل پر وہی بات ظاہر ہوتی ہے جس کو دل کے ساتھ کثرت مہارت والفت سے مناسبت ہو گئی ہو اور موت بھی مثل نیند کے ہے مگر اس سے بڑھ کر ہے مگر الا سکرات موت اور موت سے پہلے جو بیہوشی سی آجاتی ہے وہ نیند کے قریب ہے۔

جب یہ ٹھہرا تو لازم آیا کہ نیند کی طرح اس میں بھی یاد کرنا الفت کی چیزوں کا ہو اور دل میں ان چیزوں کا آنا متحقق ہوا سو جہ سے کہ دل کو انکے ساتھ مدت سے الفت اور عادت رہی ہے یہی ترجیح اس وقت یاد ہونے کے لیے کافی ہے اور معاصی اور طاعات کے ساتھ مالوف ہونا بھی ایک ایسی وجہ ہے کہ جس سے ان کی یاد کو مرنیکے وقت ترجیح ہو اور اسی وجہ سے نیک بختوں کے خواب اور بدکاروں کے خواب میں مخالفت ہوتی ہے غرضکہ زیادہ مالوف ہونا بھی ایک سبب ہے جس سے کہ برائی کی صورت دل میں منقش ہوتی ہے اور نفس کو اسکی طرف رغبت ہوتی ہے اب اگر اتفاقاً اسی حال میں روح بدن سے پرواز کر جاوے تو خاتمہ اچھا نہ ہوگا، اصل ایمان باقی ہو جس سے کہ امید نجات وخلاص ہو اور جیسے کہ جاگنے کی حالت میں جو بات دل پر گذرتی ہے اس کا کوئی سبب خاص ہوتا ہے اسی طرح جتنی خوابیں ہوتی ہیں سب کے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسباب ہوتے ہیں کہ ہم بعض کو پہچانتے ہیں اور بعض کو نہیں جانتے اور ہم کو معلوم ہے کہ خیالات دلی ایک چیز سے دوسری کی طرف جو اول کے مناسب ہو منتقل ہو جاتے ہیں، خواہ دونوں چیزوں میں مشابہت کے باعث مناسبت ہو جیسے کسی خوبصورت کو دیکھ کر دوسرا خوبصورت یاد آوے یا دونوں میں بوجہ ضد ہونیکے علاقہ ہو مثلاً خوبصورت کو دیکھکر کسی بدصورت کا دھیان ہو اور دونوں کے تفاوت میں تامل کیا جاوے یا ان دونوں چیزوں میں صرف ایک ساتھ ہونے کا علاقہ ہو جیسے کوئی گھوڑا نظر پڑے کہ اس کو پہلے بھی کسی آدمی کے پاس دیکھا ہو اور اب اس کو دیکھ کر اس آدمی کا خیال آوے اور کبھی خیال ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف جاتا ہے مگر مناسبت کی وجہ دونوں میں کچھ معلوم نہیں ہوتی اور یہ اس طرح ہوتا ہے کہ پہلے ایک چیز سے دوسرے کا خیال ہوا اور دوسری سے تیسری کا پھر دوسری چیز کو بھول گیا اور اول اور تیسری چیز میں کچھ نسبت معلوم نہیں ہوتی اسی طرح خواب میں بھی خیالات دل کے انتقال کے لئے کچھ اسی قسم کے اسباب ہوتے ہیں اور سکرات موت کے وقت بھی ایسا ہی سمجھنا چاہیئے کہ جو چیز دماغ میں چڑھی ہوتی ہے اسی کا خیال اس وقت رہتا ہے مثلاً سلائی والا ایسے وقت سر کی طرف ہاتھ دوڑاتا ہے گویا سلائی لیتا چاہتا ہے پھر اپنے اوپر کی چادر پر بالشت رکھتا ہے گویا بیونت کے ناپتا ہے ایسے ہی اور کام والوں کے خیالات کو قیاس کرنا چاہیئے۔ پس جس شخص کو منظور ہو کہ خیال گناہوں اور شہوات کی طرف نہ جاوے اس کا طریق بجز اس کے نہیں کہ تمام عمر نفس کو شہوات میں سے علیحدہ رکھنے میں مجاہدہ کرے اور دل سے شہوات کی بیخ کنی میں جہد بلیغ کو کام میں لاوے اس لئے کہ اتنی ہی بات اختیار میں ہے کہ اس کو مرتے کے وقت اگر ہمیشہ خیر پر مواظبت رہے گی اور فکر سے پاک وصاف ہوگا تو سکرات موت کے حالت کے لئے یہ ایک ذخیرہ اور سامان ہو جاوے گا کیونکہ

آدمی اسی حالت پر مرتا ہے جس پر کہ جیتا ہے اور جس حالت پر مرتا ہے اسی حالت پر قیامت کو اُٹھے گا۔ کسی بقال کی نقل ہے کہ اس کو مرنے کے وقت کلمہ شہادت لوگ سکھانے لگے تو وہ چار پانچ چھ کہنے لگے، اس لیے کہ موت سے پہلے بہت دنوں میں حساب میں مصروف تھا اور بعض عارفین کا قول ہے کہ عرش ایک جوہر ہے کہ نور سے چمکتا جو بندہ کسی حال پر ہوتا ہے اسکی صورت اسی حال پر عرش میں منقش ہو جاتی ہے۔ پس جب سکرات موت میں ہوتا ہے تو اس کو وہی صورت عرش سے سوجھتی ہے تو کہیں ایسا بھی ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو گناہ کی صورت دیکھتا ہے اور اسی طرح قیامت کو بھی اس کو اپنی صورت سوجھے گی اور اپنے سارے احوال دیکھے گا تو اس وقت جس قدر حیا اور خوف اس کو ہوگا اس کا بیان نہیں ہو سکتا اور واقع میں قول ان صاحب کا درست ہے اور خواب صحیح کا سبب بھی اسی کے قریب ہے یعنے سونے والا معلوم کر لیتا ہے لوح محفوظ کے مطالعہ سے کہ آئیندہ کو کیا ہوگا اور خواب صحیح کا معلوم ہونا بھی ایک جزو ہے اجزائے نبوت سے ہر کسی کو میتسر نہیں ہوا کرتا۔ بہر حال یہ معلوم ہوا کہ سوئے خاتمہ کا مآل راجع ہے قلب کے احوال اور خلجان خواطر کی طرف اور ان کا دلوں کا بدلنے والا خدائے تعالےٰ ہے اور اتفاقات جو مقتضی بری خواطر کے ہیں وہ بالکلیہ داخل بندہ کے اختیار میں نہیں گو بہت دنوں کی عادت سے ان میں کچھ تاثیر ہوتی ہے مہیں لحاظ عارفین کو سوء خاتمہ سے بڑا خوف رہتا ہے کہ خاتمہ کا اچھا ہونا اختیاری نہیں کیونکہ اگر کوئی شخص چاہے کہ خواب میں بجز احوال صالحین اور صادقین کے یعنی ان کی طاعات و عبادات کے اور کچھ نہ دیکھوں تو یہ امر اس پر دشوار ہوگا کہ خود کثرت نیک بختی اور اس پر مواظبت کرنے کو اسباب میں تاثیر ہے مگر خیال کا بہکنا اپنے قابو میں نہیں اگرچہ اکثر یہی ہوتا ہے کہ جو چیز خواب میں نظر آتی ہے وہ اس کے مشابہ اور مناسب ہوتی ہے جو جاگتے میں آدمی پر غالب ہوتی ہے یہاں تک کہ میں نے اپنے استاد ابو علی فارمدیؒ سے سنا کہ مجھ سے یہ بیان فرماتے تھے کہ مرید پر واجب ہے کہ اپنے مرشد کا اچھی طرح ادب کرے اور جو کچھ مرشد کہے اس کا انکار بوجہ مجادلہ نہ زبان پر آوے نہ دل میں ہو اسی ذکر میں انہوں نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ایک بار میں نے اپنے مرشد ابو القاسم گرگانی سے ایک خواب بیان کیا اور عرض کیا کہ میں نے یہ دیکھا کہ آپ نے مجھ سے فلاں بات کہی اور میں نے خواب میں ہی کہا کہ یوں کیوں ہے انہوں نے مجھ کو مہینہ بھر چھوڑ دیا اور کچھ کلام نہ کیا اور فرمایا کہ اگر دل میں میرے قول کا انکار اور اعتراض نہ ہوتا تو خواب میں ہرگز تیری زبان پر یہ کلمہ جاری نہ ہوتا اور واقع میں ان کا قول درست ہے۔ اس واسطے کہ ایسا اتفاق کم ہوتا ہے کہ حالت بیداری میں جو چیز آدمی کے دل پر غالب آتی ہے خواب میں اس کے خلاف دیکھے اب اسرار خاتمہ کو اس سے زیادہ ہم نہیں لکھ سکتے علم معاملہ میں اسی قدر مناسب ہے اس کے سوا علم مکاشفہ میں داخل ہے اور اس سے یہ بات معلوم ہو گی کہ سوء خاتمہ سے آدمی کو اس طرح امن ہو سکتا ہے کہ جتنی چیزیں ہیں ان کا علم جیسی واقع میں ہیں بدون جہالت کے آجاوے اور تمام عمر خدا کی طاعت میں بدون معصیت کے گزرے۔ پس اگر بھائیو تم کو یقین ہو کہ یہ دونوں باتیں محال یا دشوار ہیں تو تم پر وہ خوف غالب ہونا چاہیئے جو عارفین پر غالب تھا تاکہ اس کے باعث ہر دم چشم گریاں اور دل بریاں

رہو اور ہمیشہ حزن وقلق دامن گیر خاطر رہے۔ چنانچہ کچھ احوال انبیاء اور اولیاء اور سلف صلحاء کے خوف کا آگے لکھا جاوے گا۔ **شعر**

اے خنک چشمے کہ آن گریان اوست ؛؛ وے ہمایوں دل کہ آن بریان اوست

اس گریہ وقلق دائمی سے توقع ہے کہ تمہارے دلوں میں خوف کی آگ مشتعل ہو اور اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اعمال تمام عمر کے ضائع ہیں اگر وقت جان کندنی اور دم واپسیں میں جب جان نکلتی ہے آدمی سلامت نہ رہے اور اس پر ظاہر کہ آدمی کی سلامتی باوجود ان وسوسوں کی موجوں کے نہایت دشوار ہے چنانچہ مطرف بن عبداللہ کہا کرتے کہ میں اس بات سے نہیں تعجب کرتا ہوں کہ ہلاک ہونے والا کیسے ہلاک ہوا بلکہ مجھ کو یہ تعجب ہوتا کہ نجات پانے والا کیسے نجات پا گیا اور حامد لفاف کہتے ہیں کہ جب بندہ مومن کی روح فرشتے لے کر چڑھتے ہیں اور خیر اور اسلام پر اس کا خاتمہ ہوتا ہے تو فرشتے تعجب کی راہ سے دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ شخص دنیا سے کیسے بچا جس میں ہم میں سے بہتر بگڑ گئے اور ایک روز حضرت سفیان ثوری رونے تھے ان سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ کس چیز پر روتے ہیں آپ نے فرمایا کہ کچھ دنوں ہم گناہ پر روئے اب اسلام پر روتے ہیں یعنے اندیشہ ہے کہ ساتھ دے گا یا نہیں حاصل یہ کہ جس کی کشتی گرداب میں پڑ گئی ہو اور طوفان کے باعث موجوں کا بھی کچھ ٹھیک پتہ نہ ہو اس شخص کے حق میں بچنا بہ نسبت تباہ ہونے کے بعید معلوم ہوتا ہے اور مومن کا دل کشتی کی نسبت زیادہ مضطرب ہے اور وسوسوں کی موجیں سمندر کی موجوں سے زیادہ صدمہ پہنچاتی ہیں اور ڈرنے کی صرف یہی چیز ہے کہ مرتے وقت اندیشہ بد دل میں نہ گذرے اور یہ وہی ہے جس کے باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آدمی جنت والوں کے عمل پچاس برس تک کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس میں اور جنت میں اتنا فرق رہ جاتا ہے جتنا دودھ نکالنے کی دو دھاروں میں مگر اس کا خاتمہ اس حال پر ہوتا ہے جو پہلے لکھا گیا ہے۔ انہی اور دو دھاروں کے بیچ کا وقت اتنا نہیں کہ اس میں کوئی عمل موجب شقاوت ہو سکے بلکہ اس وقت وساوس اور خواطر ہی ہو سکتے ہیں کہ بجلی کی طرح گزر جاتے ہیں حضرت سہل تستری فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں یہ دیکھا کہ گویا جنت میں گیا ہوں اور تین سو پیغمبروں سے ملاقات ہوئی ان سب سے میں نے پوچھا کہ دنیا میں آپ سب سے زیادہ کون سی چیز سے ڈرتے ہیں سبھوں نے فرمایا سوء خاتمہ سے اور اسی خوف عظیم کے باعث شہادت عمدہ اور غبطہ کی چیز ہے اور مرگ ناگہانی مکروہ وہ اس لئے کہ ناگہانی موت کبھی ایسے وقت ہو جاتی ہے کہ اندیشہ بد دل پر غالب ہو اور دل ایسے اندیشوں سے خالی نہیں رہتا مگر یہ کہ برا جان کر خواہ نور معرفت ان کو ٹال دیوے اور شہادت کا حال یہ ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ قبض روح ایسے حال میں ہو کہ دل میں سوائے محبت الٰہی کے کچھ نہ رہا ہو دنیا کی محبت گھر والوں اور مال اور اولاد اور تمام شہوات کی محبت دل میں سے نکل گئی ہو کیونکہ صف قتال میں لقمہ نہنگ اجل ہونے کو وہی جاتا ہے جو اللہ کی محبت رکھتا ہو اور اس کی رضا کا طالب اور دنیا کو آخرت کے بدلے میں بیچنا منظور رکھتا ہو اور جو معاملہ کہ خدائے تعالے نے اس سے بیع وشرا کا کیا اس پر راضی ہو جس کا مذکور اس آیت میں ہے

انّ اللہ اشترٰی من المؤمنین انفسہم واموالہم بان لہم الجنۃ[1] اور ظاہر ہے کہ جو شخص کسی چیز کو بیچتا ہے اس سے اپنا دل اٹھالیتا ہے اور اس کے عوض کی چیز کی محبت دل میں سمائی ہے اور ہر چند ایسی حالت دل پر کبھی کبھی ویسے بھی آجاتی ہے مگر اس میں جان نکلنا اختیاری نہیں اور صف قتال میں اسی حال پہ جان جانا اغلب ہے اس وجہ سے شہادت محبوب ہے لیکن یہ ایسے شخص کا حال ہے جو غلبہ اور غنیمت اور شہرت و شجاعت کا خواہاں نہ ہوں ورنہ جس کا ارادہ ان باتوں میں سے کوئی ہوگا وہ اگرچہ میدان جنگ ہی میں مارا جائے اس کو رتبہ شہادت ملنا بعید ہے چنانچہ احادیث سے ایسا ہی پایا جاتا ہے اور جب برادر تجھ کو سوء خاتمہ کی حقیقت اور جو چیز اس میں خوفناک ہے معلوم ہو چکی تو اس کی تیاری کے لئے مشغول ہو اور ذکر الٰہی کی مداومت کر اور اپنے دل سے محبت دنیا نکال دھر اور اپنے گناہ کے ارتکاب سے اور دل کو اس کی فکر سے محفوظ رکھ اور معاصی کے دیکھنے اور گنہگاروں کی ملاقات سے حتی الوسع احتراز کر کہ یہ تدبیر بھی تیرے دل پر موثر ہوگی اور تیری فکر و خاطر اور خدا کی طرف پھیرے گی اور ایسا نہ کرنا کہ کہیں اسباب میں لیت ولعل کرے اور یوں کہے کہ جب خاتمہ آوے گا تو اس کی تیاری کر لوں گا کیونکہ ہر ایک تیرے نفسوں میں سے تیرا خاتمہ ہے یعنی ہو سکتا ہے کہ اس میں تیری جان نکل جاوے اس لئے ضرور ہوا کہ ہر لحظہ دل کی نگرانی کرے اور کسی دم اس کو بے کار نہ چھوڑے شاید یہی دم آخرین ہو اور روح پرواز کر جاوے۔ یہ حال تو جاگنے کا ہے اور سونے کے وقت یہ چاہیئے کہ ظاہر و باطن کی طہارت پر سووے اور نیند کا غلبہ جبھی ہو جب دل پر غلبہ ذکر الٰہی کا ہو چکے ہماری غرض ذکر لسانی سے نہیں کیونکہ صرف زبان کی حرکت بہت کم تاثیر کرتی ہے اور اس بات کو قطعاً جان لے کہ نیند کے وقت دل پر وہی بات غالب ہوتی ہے جو نیند سے پہلے اس پر غالب تھی اور خواب میں بھی وہی غالب رہے گی جو جاگنے میں غالب تھی اور خواب سے اٹھنے میں بھی وہی غالب رہے گی جو سونے میں غالب رہی اور یاد رہے کہ موت اور سونا ایک دوسرے کے مشابہ ہیں اور جاگنا اور قیامت کو اٹھنا بھی ایک دوسرے کی مانند ہے اور جیسے آدمی نہیں سوتا ہے مگر ان خیالات پر جو بیداری میں اس پر غالب رہتے ہیں اور نہیں جاگتا مگر انہی باتوں پر جو خواب میں غالب رہتی ہیں اسی طرح نہیں مرتا مگر اس حال پر جو زندگی میں غالب رہا اور نہیں اٹھے گا مگر اسی پر جس پر مرا مصرعہ چو میرد مبتلا میرد چو خیزد مبتلا خیزد، اور موت اور اس کے بعد اٹھنے کو اپنی دو حالتیں جاننی چاہئیں جیسے کہ خواب بیداری دو حالتیں ہیں اور اس بات کو نہ دل سے سچ جاننا اور اس پر ایمان لانا چاہیئے اگر تجھ کو عین الیقین اور نور بصیرت سے اس کا مشاہدہ نہ ہو سکے اور اپنی سانس اور لحظوں کی حفاظت کرنی چاہیئے اور خبردار خدا سے ایک پل بھی غافل نہ ہونا کیونکہ باوجود ان سب باتوں گزشتہ کے کرتے کے پھر بھی بڑی خوف کی جگہ ہے جب نہ کرے گا تب کیا حال ہوگا۔ **شعر**

چونکہ بد کردی بترس ایمن مباش ✦ زانکہ تخم است و برویاند خدا اش

---

[1] اللہ نے خرید لیا مسلمانوں سے ان کی جان و مال اس قیمت پر کہ ان کو بہشت دے دی[2] ح بخاری و مسلم بروایت ابو موسیٰ اشعری ۔۱۲

✦ ✦ ✦ ✦ ✦

سچ ہے کہ آدمی سب ہلاک ہیں مگر عالم اور عالم بھی سب ہلاک ہیں مگر عامل اور عامل سب ہلاک ہیں مگر اخلاص والے اخلاص والے بڑے خوف پر ہیں اب جاننا چاہیئے کہ یہ بات تجھ کو میسر نہ ہوگی بجز اس صورت کے دنیا سے مقدار ضرورت پر قانع ہو اور دنیا کی ضرورت تین چیزیں ہیں کھانا اور پوشاک اور مکان اور باقی سب فضول ہے اور کھانے میں سے اس قدر ضروری ہے کہ جس سے تو سیدھا رہے اور جان بچی رہے تو تجھ کو چاہیئے کہ غذا ایسی کھاوے جیسے کوئی مجبوری اور نفرت کی صورت میں کھاتا ہے اور کھانے کی خواہش پاخانہ پھرنے کی خواہش سے زیادہ نہ ہو کیونکہ کھانے کا پیٹ میں ڈالنا اور اس کو پیٹ میں سے نکالنا دونوں یکساں ہیں اور دونوں ضروری داخل سرشت انسانی ہیں تو جیسے پاخانہ پھرنے میں ایسی ہمت نہیں کرتا جس سے تیرا دل بھی مصروف ہو جاوے اسی طرح کھانا کھانے میں بھی مشغول دل نہیں چاہیئے اور جان لینا چاہیئے کہ اگر آدمی کی ہمت اسی چیز میں لگی رہے جو اس کے پیٹ کو بھرے تو اس کی قیمت وہ ہوگی جو پیٹ سے نکلے یعنے اس میں اور نجاست میں کچھ فرق نہیں اور جب کھانے سے غرض بجز قوت عبادت الہٰی اور کچھ نہ ہو اور کھاتے اور پاخانے پھرنے کو داخل ضرورت یکساں جانے تو اس کی پہچان تین باتوں میں معلوم ہوتی ہے اول وقت غذا، دوم مقدار غذا سوم جنس غذا وقت میں تو یہ پہچان کہ رات دن ایک بار پر کفایت کرے اور روزے پر مواظبت کرے اور مقدار کی علامت یہ ہے کہ تہائی پیٹ سے زیادہ نہ کھاوے اور جنس کی صورت یہ ہے کہ پابند لذیذ کھانوں کا نہ رہے بلکہ جو میسر ہو اس پر قانع ہو لیں بھائی جان اگر تو ان تینوں باتوں پر قادر ہو جاوے گا اور شہوات و لذتوں کی فکر تجھ سے دور ہو جاوے گی تو بعد اس کے تو شہوات کے ترک پر قادر ہوگا اور ہو سکے گا کہ بجز حلال اور کچھ نہ کھاوے کیوں کہ حلال اول تو کم ملتا ہے دوسرے جمیع شہوات کو وافی نہیں ہوتا اس واسطے اس کے اوپر قانع ہونا ذرا دقت رکھتا ہے مگر بقدر ضرورت رکھنا اختیار کرنے سے حاصل ہو سکتا ہے اور لباس میں یہ چاہیئے کہ غرض اس سے دور کرنا گرمی اور سردی کا ہوا اور ستر عورت منظور ہو اور تکلف منظور نہ ہو مثلاً اگر ایک دمڑی کی ٹوپی سے سر کا جاڑا موقوف ہو جاوے تو اس کے سوا اور کی تلاش کرنا فضول اور تضیع اوقات ہے جس میں ہمیشہ کا شغل اور مصیبت کہیں کمائی کے کہیں حرص کے مال حرام مشتبہ سے قائم ہے۔ اسی کی قیاس پر سردی اور گرمی کو تمام بدن کو لحاظ کرنا چاہیئے کہ اگر کسی پوشاک سے باوجود کم حیثیت ہونے کے مقصود حاصل ہو کہ مقدار ستر عورت کے بھی ہو اور حرارت و برودت کو بھی جسم میں اثر نہ کرنے دے تو تیرا اس پر بس نہ کرنا خام خیال ہے بلکہ اس صورت میں تو ایسے لوگوں میں سے ہے جن کے شکم بجز خاک کے اور کوئی چیز نہ بھرے یہی حال مکان کا ہے کہ اگر اس کے مقصود پر لحاظ کی جائے تو آسمان کی چھت اور زمین رہنے کو کافی ہے اگر گرمی یا سردی غالب ہو تو مسجدوں میں جا پڑنا چاہیئے ورنہ اگر اپنا مکان خاص چاہو تو بہت دشوار ہوگا اور اکثر عمر اسی میں لگ جاوے گی اور وہی تیرا سرمایہ ہے پھر اگر تیرے لئے سامان مکان بہم پہنچ گیا اور دیوار سے تو نے سوا آڑ ہونے کے تجھ میں اور لوگوں میں کوئی اور غرض سوچی یا چھت سے تو نے سوا دور کرتے مینہ کے اور کوئی مطلب سمجھا اور اس خیال سے دیواروں کو اونچا کرنا شروع کر دیا اور چھتوں کو مزین کرنے لگا تو پھر ایسے گڑھے میں گرے گا۔

اس میں سے دشوار ہے اور یہی حال اپنے ضروری مطلبوں کا جاننا چاہیئے کہ اگر ان پر کوتاہی کرے گا تو خدائے تعالےٰ کے واسطے فارغ ہو جاوے گا اور اپنے خاتمے کی تیاری اور آخرت کی زاد کے لئے مستعد رہے گا اور اگر بالفرض مدت ضرورت سے بڑھے گا اور آرزوؤں میں مبتلا ہو گا تو سب قصد پراگندہ ہو جائیں گے اور خدائے تعالےٰ پرواہ نہ کرے گا کہ کون سے جنگل میں تجھ کو ہلاک کر دے۔ اے عزیز اس نصیحت کو قبول کر گو محبت کرنے والا تیری نسبت زیادہ تر محتاج نصیحت کا ہے اور جاننا چاہیئے کہ جتنا وقت تدبیر اور زاد راہ لینے کا اور احتیاط کا ہے وہ یہی چھوٹی سی زندگی ہے پس اگر اس کو ایک ایک روز غفلت میں ڈالتا ہو گا تو کیا عجیب ہے کہ ایسے وقت میں موت تیری آوے جس میں تیرا دل مرنے کے لئے نہ چاہتا ہو پھر تو حسرت اور ندامت کبھی نہ جاوے اب اگر جو بات مجھے کہی گئی ہے اگر خوف کی کمی کے باعث تجھ سے اس کی پیروی نہ ہو سکے اور جس قدر ہم نے خاتمے کا حال لکھا ہے وہ تیرے ڈرانے کے لئے کافی نہ ہو تو ہم کسی قدر حال خائفین کا لکھتے ہیں۔ جس سے ہم کو توقع ہے کہ کچھ سختی تیرے دل کی موقوف ہو جاوے کیونکہ یہ تجھے بھی خوب معلوم ہے کہ انبیاء اور اولیاء اور علماء کی عقل اور ان کے عمل اور ان کے رتبے خدا تعالےٰ کے یہاں تیری عقل اور تیرے رتبے سے بڑھ کر تھے تو یہ سوچنا چاہیئے کہ ان پر خوف کیوں زیادہ تھا۔ اور ان کے غم و گریہ کی کیا وجہ تھی کہ ان میں بعض چیخیں مارتے تھے اور بعض مدہوش ہو جاتے تھے۔ بعض غش کھا کر گرتے تھے بعض مردہ ہو کر زمین پر پڑ جاتے تھے اور اگر ان کے خواص سے بھی تیرے دل میں خوف پیدا ہو تو بھی کچھ تعجب نہیں اس لئے کہ غفلت والے کے دل پتھر جیسے یا ان سے بھی سخت ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ ت۱ فهی كالحجارة او اشد قسوة وان من الحجارة لما يتفجر منه الانهار وان منها لما يشقق فيخرج منه الماء وان منها لما يهبط من خشية الله وما الله بغافل عما تعملون۔

حضرات انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ کے خوف خداوندی کے حالات

حضرت عائشہ رضؓ روایت کرتی ہیں کہ جب ہوا بدلتی تھی اور آندھی چلتی تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ کے چہرے مبارک کا رنگ بدل جاتا تھا اور کھڑے ہو کر حجرے میں پھرنے لگتے تھے اور باہر اندر جاتے تھے یہ سب باتیں خدا کے خوف سے ہوتی تھیں اور ایک بار آپ سورہ حاقہ کی ایک آیت پڑھ کر بے ہوش ہو گئے اور اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وخر موسیٰ صعقا ت۲ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صورت جبریل علیہ السلام کی زمین بطحا میں دیکھی اور بیہوش ہو گئے اور روایت ت۳ ہے کہ جب آپ نماز میں ہوتے تھے تو آپ کے سینے

ت۱ سو وہ جیسے پتھر یا ان سے بھی سخت اور پتھروں میں تو وہ بھی ہیں جن سے چھوٹتی ہیں نہریں اور ان میں تو وہ بھی ہیں جو پھٹتے ہیں اور نکلتا ہے ان سے پانی اور ان میں وہ بھی ہیں جو گر پڑتے ہیں اللہ کے ڈر سے اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے کام سے ت۲ اور گر پڑے موسیٰ بے ہوش ۱۲ ت۳ احمد و بزار بروایت ابن عباس ۱۲ ت۴ ابوداؤد و ترمذی و نسائی بروایت عبداللہ بن شخیر ۱۲

کا جوش ہنڈیا کے جوش کی طرح سے سنائی دیتا تھا اور آپ ح ۱ نے فرمایا کہ میرے پاس جبریل کبھی نہیں آئے مگر اس صورت سے کہ خوف خدائے جبار سے کانپتے تھے اور روایت ہے کہ جب شیطان مردود ہوا تو حضرت جبریل ومیکائیل علیہما السلام نے رونا شروع کیا ان کو وحی الٰہی ہوئی کہ تم اتنے کیوں روتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ الٰہی ہم تیرے داؤں سے بے خوف نہیں حکم ہوا کہ تم ایسے ہی رہو میرے مکر سے بے خوف نہ رہو اور محمد بن منکدرؒ روایت کرتے ہیں کہ جب دوزخ پیدا ہوئی تو فرشتوں کے دل اپنی جگہ سے اڑ گئے مگر جب بنی آدمؑ پیدا ہوئے تو پھر دل اپنی جگہ آ گئے اور حضرت انسؓ ح ۲ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے کہ میں نے میکائیل علیہ السلام کو ہنستے نہیں دیکھا انہوں نے کہا کہ جب سے دوزخ پیدا ہوئی ہے وہ کبھی نہیں ہنستے اور روایت ح ۳ ہے کہ اللہ تعالےٰ کے کچھ فرشتے ہیں کہ جب سے آگ پیدا ہوئی ہے وہ نہیں ہنستے اس خوف سے کہ کہیں خدا تعالےٰ ہم پر غصہ ہو کر اسی سے ہم کو عذاب نہ دیوے حضرت عبد اللہ ح ۴ بن عمر فرماتے ہیں کہ ایک بار میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب باہر نکلا یہاں تک کہ آپ کسی باغ میں انصار کے تشریف لائے اور خرما اٹھا کر کھانا شروع کیا اور مجھ کو فرمایا کہ تم کیوں نہیں کھاتے میں نے عرض کیا کہ مجھ کو اس کی بھوک نہیں آپ نے فرمایا مجھ کو اس کی اشتہا ہے اور یہ چوتھا روز ہے کہ میں نے غذا نہیں چکھی اور نہ مجھ کو ملی اور اگر میں اپنے پروردگار سے مانگتا تو وہ مجھ کو روم اور فارس کی سلطنت عنایت فرما دیتا اے ابن عمرؓ تمہارا کیا حال ہوگا۔ جب تم ایسے لوگوں میں رہو گے جو اپنی خوراک برس دن ذخیرہ کر کے رکھیں گے اور ان کے دل میں یقین کمزور ہوگا۔ حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ ہم وہاں سے نہ ٹلے تھے کہ اتنے میں یہ آیت اتری ح ۵ وکاین من دابۃ لاتحمل رزقھا ...... اللہ یرزقھا وایاکم وھو السمیع العلیم آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے تم کو مال کے دابنے اور شہوات کے اتباع کا حکم نہیں دیا جو شخص دینار اس لئے رکھتا ہے کہ اس سے اس کی غرض حیات ناپائیدار ہو تو زندگی اللہ کے قبضے میں ہے۔ خبردار ہو کہ میں نہ دنیا جمع رکھتا ہوں نہ درم نہ کل کے لئے رزق کا ذخیرہ کرتا ہوں اور حضرت ابودرداءؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب نماز میں کھڑے ہوتے تھے تو ان کے دل کا جوش خدا کے خوف سے ایک کوس کے فاصلے سے سنائی دیتا تھا اور حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام چالیس روز سجدے میں رویا کیے اور اپنا سر نہ اٹھاتے تھے یہاں تک کہ ان کے آنسوؤں سے سبزہ جم آیا اور اس میں ان کا سر چھپ گیا آواز آئی کہ اے داؤد اگر تو بھوکا ہے تو کھانا ملے اور پیاسا ہے تو پانی پلایا جاوے اور ننگا ہے تو کپڑا دیا جاوے آپ نے ایسی دھاڑ ماری کہ آپ کے خوف کی حرارت سے لکڑی جل گئی پھر اللہ تعالےٰ نے

ح ۱ ان لفظوں سے مجھ کو سند نہیں ملی مگر ابن حبان نے بروایت ابن عباس قیامت کے دن کا یہ حال حضرت جبریل کا نقل کیا ہے ۱۲ ح ۲ احمد و ابن ابی الدنیا بروایت حمیدہ عن انس ۱۲ ح ۳ بیہقی در شعب اسرافیل کا حال اور ابن ابی الدنیا نے جبریل کا حال نہیں لکھا۔ ح ۴ ابن مردویہ در زہد بروایت ابن عمر باسناد مجہول ح ۵ اور کتنے جانور ہیں کہ اٹھا نہیں رکھتے اپنی روزی اللہ روزی دیتی ہے ان کو اور تم کو اور وہی ہے سنتا جانتا ۱۲۔

ان پر توبہ اور مغفرت اتاری عرض کیا کہ الٰہی میرا گناہ میرے ہاتھ میں کر دے تو فوراً ان کا گناہ ان کی ہتھیلی میں لکھ دیا گیا تو جب کھاتے یا پیتے اور کسی مطلب کے واسطے ہاتھ بڑھاتے تھے اس خطا کو دیکھ کر روتے تھے۔ راوی کہتے ہیں کہ پانی کا پیالہ جوان کے سامنے آتا تھا تو تہائی خالی ہوتا تھا جب اپنی خطا آپ دیکھتے تو ہونٹوں سے ملانے تک آنسوؤں سے لبریز ہو جاتا اور یہ بھی آپ کے احوال میں مروی ہے کہ کبھی اپنا سر مارے حیا کے آسمان کی طرف نہیں اٹھایا یہاں تک کہ وفات پائی اور دعا میں یوں عرض کیا کرتے کہ الٰہی اگر میں اپنی خطا یاد کرتا ہوں تو زمین باوجود وسعت کے مجھ پر تنگ ہوتی ہے اور جب تیری رحمت کو یاد کرتا ہوں تو جان میں جان آتی ہے تو پاک ہے بار خدایا میں تیرے بندوں میں سے جو طبیب ہیں ان کے پاس گیا کہ میری خطا کا علاج کریں وہ سب کے سب تجھ ہی بتلاتے ہیں تو خرابی ہے اس کی جو تیری رحمت سے آس توڑے اور حضرت فضیل فرماتے ہیں کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ ایک روز داؤد علیہ السلام نے اپنا گناہ یاد کیا اسی وقت چیخنے اپنا ہاتھ سر پر رکھے اٹھے یہاں تک کہ پہاڑوں میں چلے گئے آپ کے پاس درندے اکٹھے ہوئے آپ نے فرمایا تم چلے جاؤ مجھے تم سے کوئی مطلب نہیں مجھ کو وہی چاہیے جو اپنی خطا پر رووے تو میرے سامنے روتا ہی آوے اور جو خطاوار نہیں اس کا داؤد خطاکار کے پاس کیا کام ہے اور جب کوئی آپ کو کثرت گریہ کرنے سے منع کرتا تو فرماتے کہ مجھ کو رونے دو پہلے اس سے کہ رونے کا دن ہاتھ سے جاتا رہے اور ہڈیاں جل جاویں اور آنتیں بھڑک اٹھیں اور پیشتر اس سے کہ میں حوالہ ایسے فرشتوں کے ہوں جن کی شان یہ ہے اح ملائکۃ غلاظ شداد لا یعصون اللہ ما امرھم ویفعلون ما یؤمرون اور عبدالعزیز بن عمر فرماتے ہیں کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام سے خطا ہوئی تو آپ کی آواز پڑ گئی آپ نے عرض کیا کہ الٰہی صدیقین کی آواز صاف ہے اور میرا گلا پڑ گیا اور روایت ہے کہ جب آپ بہت روئے اور کچھ فائدہ نہ ہوا تو آپ کا دل تنگ گیا اور بہت رنج ہوا۔ جناب باری میں عرض کیا کہ الٰہی تو میرے رونے پر رحم نہیں کرتا حکم ہوا کہ اے داؤد اپنا گناہ بھول گیا رونا یاد ہے عرض کیا اے اللہ میرے آقا اپنے گناہوں کو کیسے بھولوں گا میرا تو یہ حال تھا کہ جب زبور پڑھتا تھا تو پانی اور ہوا چلنے سے رہ جاتے تھے اور پرندے میرے سر پر سایہ کرتے تھے وحشی میری محراب میں مانوس ہوتے تھے اے اللہ اب یہ کون سی وحشت ہے جو مجھ میں اور تجھ میں ہے حکم ہوا اے داؤد وہ انس طاعت کا تھا اور یہ وحشت گناہ کی ہے اے داؤد آدم ایک میری مخلوق ہے جس کو میں نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اپنی روح اس میں پھونکی اور اپنے فرشتوں سے اس کو سجدہ کرایا اور اپنے اکرام کا خلعت اس کو پہنایا اور تاج اپنے وقار کا اس کے سر پر رکھا اور جب مجھ سے شکایت تنہائی کی کی تو اس کا جوڑا اپنی لونڈی حوا کو بنایا اور جنت میں اس کو رہنے دیا مگر جب اس نے نافرمانی کی اس کو اپنے پاس سے ننگا اور ذلیل نکال دیا۔ اے داؤد میرا قول سن اور میں سچ کہتا ہوں کہ تو نے ہماری طاعت کی تو ہم نے تیرا کہنا کیا اور جو مانگا سو دیا اور نافرمانی کی تو ہم نے چھوڑ دیا اور باوجود اس کے اگر تو ہماری طرف رجوع کرے گا ہم تجھ کو قبول کریں

اح فرشتے تند خو زبردست بے حکمی نہیں کرتے اللہ کی جو بات ان کو فرمائی اور وہی کرتے ہیں جو حکم ہوا ۱۲۔

گے اور یحییٰ بن ابی کثیرؒ فرماتے ہیں کہ مجھ کو یہ روایت پہنچی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام جب نوحہ کرنا چاہتے تھے تو سات روز پیشتر نہ کچھ کھاتے تھے نہ پیتے تھے نہ عورتوں کے پاس جاتے تھے جب ایک روز رہتا تھا تو ان کے لئے ایک منبر جنگل میں نکالا جاتا تھا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو فرماتے تھے کہ شہروں اور حوالی شہروں میں اور جنگلوں اور پہاڑوں اور ٹیلوں اور بت خانوں اور کلیسوں سے پکار پھیریں کہ لوگو جس کو حضرت داؤد کا نوحہ اپنے نفس پر سننا منظور ہو وہ آوے تو جنگلوں اور ٹیلوں سے وحشی اور بیابانوں سے درندے اور پہاڑوں سے جانور اور گھونسلوں سے پرندے اور باکرہ عورتیں اپنے پردوں سے آتی تھیں اور لوگ وہاں جمع ہوتے تھے اور حضرت داؤد علیہ السلام آکر منبر پر چڑھتے تھے اور آپ کے گرد بنی اسرائیل ہوتے تھے اور ہر ایک قسم علیحدہ آپ کے گرد ہوتی تھی اور حضرت سلیمان علیہ السلام آپ کے سر پر کھڑے ہوتے اول آپ خدا کی ثنا شروع کرتے تھے اور لوگ رونے میں چیخیں اور دہاڑیں مارنے لگتے تھے۔ پھر آپ جنت اور دوزخ کا ذکر فرماتے تھے تو زمین کے اندر رہنے والے جانور اور کچھ وحشی اور درندے مرجاتے تھے پھر قیامت کی دہشتوں اور اپنے اوپر نوحہ کا بیان فرماتے تھے تو ہر قسم کے جانداروں میں سے پرے کے پرے اُلٹ جاتے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام مردوں کی کثرت دیکھتے تھے تو والد بزرگوار کی خدمت میں عرض کرتے تھے آپ نے سننے والوں کے ٹکڑے بکھیر دیئے اور بنی اسرائیل میں بہت سے گروہ مرگئے اور وحوش وحشرات زمین سے بہت سے فنا ہوگئے تب آپ دعا مانگنی شروع کرتے وہ دعا میں ہی ہوتے تھے کہ کوئی بنی اسرائیل کے عابدان کو پکارتا تھا کہ اے داؤد جزا کے مانگنے میں آپ نے جلدی فرمائی یہ سن کر آپ بے ہوش ہوکر گر پڑتے تھے۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام آپ کا یہ حال دیکھتے تھے تو ایک چارپائی لاتے اور اس پر ان کو اُٹھاتے پھر ایک پکارنے والے کو فرماتے کہ یوں پکار دے کہ اگر کسی کا دوست و آشنا یا قریب داؤد کے ساتھ میں تھا تو وہ چارپائی لے کر اسے اٹھا لائے کیونکہ جو لوگ ان کے ساتھ تھے ان کو جنت اور دوزخ کے بیان نے مار ڈالا تو عورت چارپائی لاتی اور اپنے رشتہ دار کو اس پر اٹھاتی اور کہتی کہ اے وہ شخص جس کو ذکر دوزخ نے مار ڈالا ہے اے وہ شخص جس کو خوف خدا نے فنا کیا پھر حضرت داؤد علیہ السلام کو افاقہ ہوتا تو کھڑے ہوتے اور اپنا ہاتھ سر پر رکھے ہوئے اپنے عبادت خانے میں جاکر دروازہ بند کرلیتے اور کہتے کہ اے داؤد کے مالک کیا تو داؤد سے ناراض ہے اور اسی مناجات میں رہتے پھر حضرت سلیمان علیہ السلام دروازے پر آکر اندر آنے کا اذن چاہتے اور ایک ٹکیہ جو کی لے کر اندر جاتے اور عرض کرتے بابا جان اس کو کھاکر جو بات چاہتے ہو اس کی قوت پیدا کرلو اس میں سے کسی قدر کھاتے پھر بنی اسرائیل میں نکل کر رہتے اور یزید رقاشی راوی ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام ایک روز چالیس ہزار آدمیوں کے ساتھ نکلے ان کو وعظ سناتے تھے اور ڈراتے تھے ان میں سے تیس ہزار مرگئے اور دس ہزار کے ساتھ آپ واپس آئے اور آپ کی دو لونڈیاں تھیں کہ ان کو یہ کام سپرد تھا کہ جب آپ پر خوف آتا اور گر کر تڑپتے تو وہ دونوں سینے اور پاؤں پر بیٹھ جاتیں کہ کہیں جوڑ علیحدہ ہوکر مر نہ جائیں اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں حضرت یحییٰ علیہما السلام بیت المقدس کے اندر آٹھ برس کی عمر میں گئے عابدین کو دیکھا، کہ بال اور اون کے کپڑے پہنے

پہنتے ہیں اور ان میں سے جو نہایت کوشش کرنے والے ہیں ان کو دیکھا کہ اپنے گلے کی ہڈیوں کو چیر کر ان میں زنجیر ڈال رکھی ہیں اور اپنے آپ کو بیت المقدس کے کونے میں باندھ رکھا ہے۔ ان کو دیکھ کر آپ کو ہول ہوئی اور اپنے ماں باپ کی طرف رجوع کیا۔ کچھ لڑکوں پر آپ کا گذر ہوا کہ وہ کھیل رہے تھے انہوں نے آپ کی خدمت میں یہی عرض کیا کہ آؤ ہمارے ساتھ کھیلو آپ نے فرمایا کہ اس واسطے نہیں پیدا ہوا کہ کھیلوں گھر پر آکر ماں باپ سے عرض کیا کہ مجھ کو کرتا بالوں کا بنا دو انہوں نے بنا دیا آپ بیت المقدس کو چلے آئے دن کو اس کی خدمت کرتے اور رات کو وہاں ہی کاٹ کر صبح کر دیتے یہاں تک کہ ان پر پندرہ برس گذر گئے تب آپ بیت المقدس سے نکل کر پہاڑوں اور گھاٹیوں کے غاروں میں جا رہے آپ کے ماں باپ ڈھونڈنے نکلے ان کو بحیرہ اردن پر پایا کہ پانی سے پاؤں تر کر رکھے ہیں اور پیاس کی شدت سے گویا جان نکلی جاتی ہے اور یہ کہہ رہے ہیں کہ قسم ہے تیری عزت اور بزرگی کی کہ ٹھنڈا پانی نہیں پیوں گا جب تک مجھے یہ معلوم نہ ہو کہ تیرے نزدیک میرا ٹھکانا کہاں ہے آپ کے ماں باپ ایک جو کی ٹکیا اپنے ساتھ لے گئے تھے ان سے کہا کہ اس میں سے کھا کر پانی پینا چاہیئے انہوں نے منظور کیا اور حکم کی تعمیل کی اور اپنی قسم کا کفارہ دیا اس لئے اللہ تعالٰے نے ان کی تعریف میں ت ادبرابوالدیہ فرمایا غرض کہ ان کو ماں باپ بیت المقدس سے ہٹا لائے تو آپ کا دستور تھا کہ جب نماز پڑھنے کو کھڑے ہوتے تو اتنا روتے کہ درخت اور پتھر رونے لگتے اور حضرت زکریا علیہ السلام بھی آپ کے رونے سے اس قدر روتے کہ بے ہوش ہو جاتے تو ہمیشہ اسی طرح رویا کرتے حتیٰ کہ ان کے آنسوؤں سے ان کے رخساروں کا گوشت جاتا رہا اور دیکھنے والوں کو آپ کی ڈاڑھیں معلوم ہونے لگیں ان کی ماں نے ان سے فرمایا کہ بیٹا اگر تم کہو تو کوئی ایسی چیز تمہارے لئے بنا دوں جس سے تم اپنی ڈاڑھیں لوگوں کی نظروں سے چھپاؤ آپ نے عرض کیا کہ بہتر انہوں نے دو ٹکڑے نمدے کے لے کر آپ کے گالوں کو چمٹا دیئے پس جب نماز کو کھڑے ہوتے تو روتے اور جب دو ٹکڑے آنسوؤں سے بھیگ جاتے ان کی مادر مشفقہ ان کو نچوڑ ڈالتیں جب اپنے آنسو اپنی ماں کی کے ہاتھوں پر بہتے دیکھتے تو فرماتے کہ الہٰی یہ میرے آنسو ہیں اور یہ میری ماں ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور تو ارحم الرحمین ہے پس ایک روز حضرت زکریا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جان پدر میں نے تو یہ دعا مانگی تھی کہ تجھ کو میری آنکھوں کی ٹھنڈک بنا دے اور تو رویا کرتا ہے۔ تیرے حال زار سے ہم کو کیسے چین ہو انہوں نے فرمایا کہ بابا جان حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھ سے کہا ہے کہ جنت اور دوزخ کے بیچ میں ایک جنگل ہے جس کو بجز رونے والے کے اور کوئی طے نہ کرے گا حضرت زکریا نے فرمایا کہ تو بیٹا اب رویا کر تاکہ اطمینان ہو اور حضرت عیسٰی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اے گروہ حوارین خدا کا خوف اور جنت کی محبت اس بات کے باعث ہیں کہ مشقت پر صبر کیا جاوے اور دنیا سے دور کرتے ہیں میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو کھانا اور خس و خاشاک پر کتوں کے ساتھ سو رہنا۔ جنت کی تلاش میں ایک ادنٰے بات ہے اور روایت ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل جب اپنی خطا یاد کرتے تھے بے ہوش ہو جاتے تھے اور آپ کے دل

ت اور نیکی کر اپنی ماں باپ سے

کی تڑپ ایک کوس یکسر سنی جاتی تھی اس وقت آپ کے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لاتے اور کہتے کہ خدائے تعالےٰ آپ کو سلام فرماتا ہے اور کہتا ہے کہ تم نے کبھی دیکھا کہ کوئی خلیل اپنے خلیل سے ڈرتا ہو آپ فرماتے کہ اے جبرئیل جب میں اپنے قصور یاد کرتا ہوں تو اپنی خلعت بھول جاتا ہوں حاصل یہ کہ انبیاء کا یہ حال تھا۔ جو سنا اس میں خوب سوچنا چاہیئے کہ جب یہ لوگ تمام خلق سے خدائے تعالےٰ کے عارف اور اس کی صفات کے عالم تھے ان کا یہ حال تھا تو ہم کو کس طرح رہنا چاہیئے۔ سعدی فرماتے ہیں **شعر**

بجائیکہ دہشت خورند انبیاء ؛ تو عذر گناہاں چہ داری بیا

صحابہ و تابعین میں خوف خدا کا غلبہ

روایت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق نے ایک پرند کو دیکھ کر اس کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ کیا اچھا ہوتا جو میں تجھ جیسا پرند ہوتا اور آدمی نہ ہوتا اور حضرت ابوذرؓ نے فرمایا کہ میں یہ بات چاہتا ہوں کہ کاش میں درخت ہوتا اور کوئی کاٹ ڈالتا۔ اور ایسا ہی حضرت طلحہؓ نے فرمایا ہے اور عثمان فرماتے ہیں کہ مجھے یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد اٹھایا نہ جاؤں اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ مجھے یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ میں نسیاً منسیاً ہو جاؤں اور روایت ہے کہ حضرت عمرؓ جب کوئی آیت قرآن مجید سنتے تو مارے خوف کے بے ہوش ہو کر گر پڑتے اور پھر چند روز ان کی عیادت ہوا کرتی اور ایک روز آپ نے ایک تنکا زمین سے اٹھایا اور کہا کہ کیا خوب ہوتا جو میں تنکا ہوتا کاش میں کوئی چیز مذکور نہ ہوتا کاش میں نسیاً منسیاً ہوتا کاش میری ماں مجھے نہ جنتی۔ **شعر**

مرا اے کاش کے مادر نزادے ؛ وگر زادے مرا شیرم ندادے

آپ کے منہ پر آنسوؤں کے دو کالے خط تھے اور فرماتے تھے کہ جو کوئی اللہ سے ڈرتا ہے وہ اپنا غصہ نہیں نکالتا اور جو کوئی اس سے تقویٰ کرتا ہے وہ اپنی جی چاہتی بات نہیں کرتا اور اگر قیامت نہ ہوتی تو ہم کچھ اور ہی ڈھنگ دیکھتے۔ اور جب آپ نے سورہ کورت پڑھی اور اس آیت پر پہنچے ؎ا واذا الصحف نشرت بے ہوش ہو کر گر پڑے اور ایک روز ایک شخص کے مکان کے پاس کو گزرے کہ وہ نماز پڑھ رہا تھا اور سورہ طور پڑھتا تھا آپ کھڑے ہو کر سننے لگے جب اس نے پڑھا ؎۲ ان عذاب ربک لواقع ماله من دافع تو اپنی سواری سے اترے اور ایک دیوار سے تکیہ لگا کر تھوڑی دیر ٹھہرے پھر مکان کو چلے آئے اور مہینہ بھر بیمار رہے لوگ عیادت کو آئے مگر کسی کو معلوم نہ تھا کہ آپ کو کیا مرض ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے نماز فجر کے سلام کے بعد فرمایا اس وقت کہ کچھ آپ کو رنج تھا اور اپنا ہاتھ پھیرتے جاتے تھے کہ میں نے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے لیکن آج کوئی چیز ایسی نہیں دیکھتا جو ان کی سی ہو ان کا دستور تھا کہ پراگندہ مو، زرد رنگ غبار آلودہ رہتے ان کی آنکھوں کے بیچ میں بکریوں کے زانو کا سا گھٹا تھا رات کو اللہ کے واسطے سجدہ کرتے اور کھڑے رہتے۔ خدا کی کتاب پڑھتے۔ عباوت

؎ا۔ اور جب نامہ اعمال کھولے جاویں ؎۲ عذاب بیشک تیرے رب کا ہونا ہے اس کو کوئی نہیں ہٹانے والا ۱۲

میں پیشانی اور پاؤں پر نوبت بہ نوبت زور دیتے اور جب صبح ہوتی تو جیسے تیز ہوا سے درخت ہلتا ہے اسی طرح کانپتے آنکھوں ہی سے اتنے آنسو بہاتے کہ ان کے کپڑے تر ہو جاتے اور کہتے اب تو بخدا گویا میں ایسے لوگوں میں ہوں جو رات کو خواب خرگوش میں رہتے ہیں پھر آپ اٹھ کھڑے ہوتے اور جب تک کہ آپ کو ابن ملجم ملعون نے زخمی نہیں کیا کبھی کسی نے اس تقریر کے بعد ہنستے نہ دیکھا اور عمران بن حصین فرماتے ہیں کہ میں اچھا سمجھتا ہوں کہ راکھ ہو جاؤں اور میرے اجزا ہوائیں آندھی کے دن میں متفرق کر دیں اور حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح کا قول ہے کہ مجھ کو اچھا معلوم ہوتا ہے کہ میں مینڈھا ہوں اور میرے گھر والے مجھے ذبح کریں اور کھالیں اور میرا شوربا پی لیں اور حضرت امام زین العابدین علیہ السلام جب وضو کرتے تو آپ کا چہرہ زرد ہو جاتا ان کے گھر والے پوچھتے کہ وضو کے وقت آپ کا یہ کیا حال ہوتا ہے تو آپ فرماتے کہ تم کو معلوم ہے کہ کس کے سامنے میں کھڑا ہوا چاہتا ہوں اور موسیٰ بن مسعودؒ کہتے ہیں کہ جب ہم حضرت سفیان ثوری کے پاس بیٹھتے تو ان کے خوف کو دیکھ کر یہ جانتے کہ گویا آگ ہمارے چار طرف محیط ہے اور ایک روز مضر قاری نے پڑھا ت ا هذا كتابنا ينطق عليكم بالحق انا كنا نستنسخ ما كنتم تعملون پس عبدالواحد بن زید اتنا روئے کہ غش آ گیا جب افاقہ ہوا تو کہا کہ قسم ہے تیری عزت کی اپنے مقدور بھر کبھی تیری نافرمانی نہ کروں گا۔ تو اپنی توفیق سے مجھ کو اپنی طاعت پر مدد کر، اور مسورؒ بن مخرمہ شدت کے باعث کلام مجید کچھ نہیں سن سکتے تھے جب کوئی ایک حرف یا ایک آیت پڑھتا تو ایک چیخ مارتے تھے اور کئی دن تک ہوش نہ آتا تھا ایک روز ایک شخص قبیلہ خثعم سے آیا اور ان کے پاس یہ آیت پڑھی ت ۲ يوم نحشر المتقين الى الرحمن وفدا ونسوق المجرمين الى جهنم وردا تو انہوں نے فرمایا کہ میں تو مجرمین میں ہوں متقی نہیں ہوں ذرا قاری صاحب پھر سے تو پڑھیے اس نے پڑھا وہ ایک نعرہ مار کر سفر آخرت کر گئے اور یحییٰ رونے والے کے سامنے کسی نے یہ آیت پڑھی ت ۳ ولو ترى اذ وقفوا على ربهم انہوں نے ایک چیخ ماری کہ اس سے چار مہینے بیمار رہے بصرہ کے نواح تک کے لوگ ان کی بیمار پرسی کو آئے اور حضرت مالک بن دینار فرماتے ہیں کہ میں طواف خانہ کعبہ کر رہا تھا کہ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک جوان عورت عابدہ کعبہ کا غلاف پکڑے کہہ رہی ہے کہ الٰہی بہت سی شہوتوں کی لذت تو جاتی رہی عذاب ان کا باقی رہا الٰہی تیرے پاس سوائے دوزخ کے کیا اور کوئی سزا اور ادب کی چیز نہیں اور یہ کہہ کر روتی تھی۔ اسی طرح روتے روتے صبح کر دی میں نے یہ حال دیکھ کر اپنا ہاتھ سر پر رکھ کر چیخ ماری کہ وائے ہمارے حال پر، اور روایت ہے کہ حضرت فضیل عرفہ کے روز خوب پھوٹ پھوٹ روتے تھے اور لوگ دعا مانگ رہے تھے کہ جب آفتاب قریب بغروب ہوا تو اپنی داڑھی مٹھی میں پکڑ کر آسمان کی طرف سر اٹھایا اور کہا کہ اگر تو بخش بھی دے گا تب بھی مجھ کو تجھ سے بڑی حیا ہے۔ پھر لوگوں کے ساتھ وہاں سے چلے آئے اور کسی نے حضرت عباسؓ

ت ا - یہ ہمارا دفتر ہے بولتا ہے تمہارے کام بیشک ہم لکھواتے جاتے تھے جو تم کرتے تھے ۱۲ ت ۲ جس دن ہم اکٹھا لا دیں گے پرہیزگاروں کو رحمٰن کے پاس مہمان، بلاتے اور ہانک لے جائیں گے گناہ گاروں کو دوزخ کی طرف پیاسے ۱۲ ت ۳ اور کبھی تو دیکھے جس وقت ان کو کھڑا کیا ہے ان کو ان کے رب کے سامنے ۱۲ ع ۵ اصل احیاء العلوم عربی میں لفظ قرحہ ہے یعنی ان کے دل خوف سے زخمی ہیں۔ ۱۲

سے حقیقت خائفین کی پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ خائف وہ ہیں جن کے دل خوف سے مشوش ہیں اور آنکھیں روتی ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ خوش ہوں اس صورت میں کہ موت پیچھے لگی ہے اور قبر سامنے ہے اور قیامت ہمارا وعدہ گاہ ہے اور دوزخ پر کو ہمارا راستہ ہے اور خدائے تعالیٰ کے سامنے ہم کو کھڑا ہونا ہے اور حضرت حسن بصری ایک جوان پر گزرے کہ اپنی ہنسی میں ڈوبا ہوا تھا۔ اور ایک مجلس میں لوگوں کے ساتھ بیٹھا تھا آپ نے اس سے فرمایا کہ تو پل صراط پر کو گزرا ہے اس نے عرض کیا کہ نہیں آپ نے پوچھا کہ.... تجھے معلوم ہے کہ تو جنت میں جاوے گا یا دوزخ میں اس نے عرض کیا کہ نہیں آپ نے فرمایا کہ پھر یہ ہنسی کیسی ہے راوی کہتا ہے کہ پھر اس شخص کو کسی نے ہنستے نہ دیکھا اور حماد بن عبدربہ جب بیٹھتے تو اس طرح بیٹھتے گویا نصف کھڑے ہیں اگر کوئی ان سے کہتا کہ آپ اطمینان سے بیٹھیں تو فرماتے کہ اطمینان کا بیٹھنا نڈر شخص کا ہوتا ہے میں تو بے خوف نہیں اس لئے کہ خدائے تعالیٰ کی نافرمانی کی ہے اور حضرت عمر بن عبد العزیز فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو اپنے بندوں پر غفلت ڈال دی ہے یہ بھی رحمت ہے تاکہ خوف خدا سے مر نہ جاویں اور حضرت مالک بن دینار فرماتے ہیں کہ میں نے ارادہ کیا ہے کہ جب مروں گا تو لوگوں سے کہہ دوں گا کہ میرے بیڑیاں اور طوق ڈال کر مجھے خدا کے پاس ایسی طرح لے جاویں جیسے کسی بھاگے ہوئے غلام کو آقا کے سامنے لے جاتے ہیں اور حاتم اصم فرماتے ہیں کہ کسی مکان اصلح پر فریفتہ مت ہو کہ جنت سے زیادہ اصلح کوئی جگہ نہیں۔ مگر آدم کا حال اس میں جو ہوا سو ہوا اور نہ کثرت عبادت پر فریفتہ ہو کہ ابلیس کا حال بعد کثرت عبادت کے خود ظاہر ہے نہ کثرت علم سے مغرور ہو کہ بلعام اسم اعظم اچھی طرح جانتا تھا مگر انجام اس کا کیا ہوا اور نہ صلحا کی زیارت پر فریفتہ ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر تو کسی کا رتبہ نہیں مگر بعض اقارب اور اعدا کو آپ کی زیارت کام نہ آئی اور سری رح فرماتے ہیں کہ میں اپنی ناک کو دن میں کئی بار دیکھ لیتا ہوں اس خوف سے کہیں میرا منہ کالا تو نہیں ہو گیا اور ابو حفص رح کہتے ہیں کہ چالیس برس سے میرا اعتقاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو نگاہ غضب سے دیکھتا ہے اور میرے اعمال اس پر دلالت کرتے ہیں اور حضرت عبد اللہ بن مالک .... ایک روز اپنے یاروں میں نکلے اور فرمایا کہ رات تو میں نے اللہ پر بڑی جرأت کی کہ اس سے جنت کا سوال کیا ہے اور محمد بن کعب القرظی کی ماں نے اپنے بیٹے کو کہا کہ میں تجھ کو جانتی ہوں کہ لڑکپن میں بھی پاک تھا اور بڑا ہو کر بھی اچھا رہا اور چونکہ رات دن تو عبادت ہی کرتا ہے تو یہ ایک عمل گویا اپنے اوپر مہلک تو نے رکھ لیا ہے۔ اتنی مشقت کیوں کرتا ہے انہوں نے کہا کہ اے مادر مشفقہ میں کون سی بات سے اس امر سے نڈر ہو جاؤں کہ اگر خدا تعالیٰ نے مجھے کوئی گناہ کرتے دیکھ لیا ہو اور ناراض ہو گیا ہو اور یہ فرما دے کہ اپنی عزت و جلال کی قسم میں تجھ کو نہیں بخشوں گا اور حضرت فضیل رح فرماتے ہیں کہ مجھے نہ کسی نبی مرسل کا غبطہ ہوتا ہے اور نہ فرشتے مقرب کا۔ نہ کسی بندے نیک کا کیونکہ ان لوگوں پر قیامت کو عتاب نہ ہوگا۔ مجھے تو غبطہ صرف اس شخص کی ہے جو پیدا ہی نہ ہوا ہو اور روایت ہے ح کہ ایک جوان کو انصار میں سے خوف دوزخ ہوا تو ہمیشہ رویا کرتے۔ یہاں تک کہ رونے کے باعث گھر سے بھی نہ نکلتے

ح ۱ - ابن ابی الدنیا بروایت حذیفہ و بیہقی در شعب بروایت سہل بن سعد بسند ضعیف ۱۲

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے یہاں تشریف لائے اور اس کو گلے لگایا وہ اسی وقت مردہ ہو کر گر پڑا۔ آپؐ نے لوگوں کو فرمایا اپنے ساتھی کو تجہیز و تکفین کرو کہ خوف آتش نے اس کے جگر کو ٹکڑے کر دیا ہے اور ابن المیسرہ کے حال میں لکھتے ہیں کہ جب اپنے بستر پر آتے تو کہتے کہ کاش میری ماں مجھ کو نہ جنتی ان کی ماں نے کہا اے میسرہ اللہ نے تو تیرے اوپر احسان کیا کہ تجھ کو مسلمان کیا پھر تو کیوں خائف ہے انہوں نے کہا کہ اس کے احسان میں شک نہیں مگر اس نے ہم سے کہا ہے کہ ہم سب دوزخ میں جاویں گے اور یہ بیان نہیں کیا کہ اس میں سے نکل آویں گے اور فرقد سبخی کو کسی نے کہا کہ بنی اسرائیل کی کوئی بڑی عجب چیز جو نہیں پہنچی ہو ہم سے کہو جواب دیا کہ مجھے یوں خبر پہنچی ہے کہ بیت المقدس میں پانچ سو باکرہ عورتیں جن کا لباس کمل اور ٹاٹ تھا آئیں اور خدا کے ثواب و عذاب کا آپس میں ذکر کیا اور سب کی سب ایک ہی روز میں مر گئیں اور حضرت عطائے سلمی بھی خائفین میں سے تھے۔ اللہ تعالےٰ سے کبھی جنت کا سوال نہ کرتے۔ صرف معاف کرنے کی درخواست کیا کرتے اور مرض میں ان سے لوگوں نے کہا کہ آپ کا دل کسی چیز کو چاہتا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ دوزخ کے خوف نے میرے دل میں کسی چیز کی خواہش کی جگہ نہیں چھوڑی کہتے ہیں کہ چالیس برس تک انہوں نے اپنا سر آسمان کی طرف نہیں اُٹھایا تھا اور نہ کبھی اس عرصے میں ہنسے تھے اور ایک روز جو سر آسمان کی طرف اُٹھایا تو اتنا ڈرے کہ گر پڑے اور انتڑی پھٹ گئی آپ کا دستور تھا کہ رات کو کسی وقت اپنا جسم ٹٹول لیا کرتے اس خوف سے کہ کہیں مسخ تو نہیں ہو گیا اور جب کبھی آندھی چلتی یا بجلی گرتی یا غلہ گراں ہوتا تو فرماتے کہ یہ سب آفتیں میری ہی باعث ہیں اگر میں مر جاؤں تو لوگ راحت پاویں اور خود فرماتے ہیں کہ ایک روز ہم عتبہ غلام کے ساتھ تھے اور ہم میں ایسے نوجوان اور ادھیڑ عمر لوگ تھے کہ عشا کے وضو سے صبح کی نماز پڑھتے۔ کثرت قیام سے ان کے پاؤں سوج گئے تھے اور آنکھیں اندر کو دھنس گئی تھیں اور پوست استخوانوں پر جا لگا تھا رگیں تار تار کی طرح معلوم ہوتی تھیں ایسے ہو گئے تھے جیسے تربوز کے چھلکے کہ اندر کچھ نہیں ہوتا گویا قبروں سے نکلے ہیں یہ کہتے تھے کہ اللہ تعالےٰ نے اطاعت کرنے والوں کو کیسی بزرگی دی اور نافرمانوں کو کیسے ذلیل کیا اسی حال میں چلے جاتے تھے کہ یکایک ان میں سے ایک شخص کا گزر ایک جگہ پر ہوا فوراً بے ہوش ہو کر گر پڑا اس کے ساتھی گرد بیٹھ کر رو تے لگے جاڑا بہت شدت سے تھا مگر اس کی پیشانی سے پسینہ ٹپکتا تھا جب منہ پر پانی کا چھینٹا دیا اس کو ہوش آیا اس سے ماجرا پوچھا اس نے کہا کہ میں نے اس جگہ خدا کی نافرمانی کی تھی جگہ دیکھ کر مجھے یاد آگئی اور خوف سے پچھاڑ کھائی اور صالح مری کہتے ہیں کہ میں نے ایک زاہد کے پاس یہ آیت پڑھی۔ یوم تقلب وجوھھم فی النار یقولون یالیتنا اطعنا اللّٰہ واطعنا الرسول وہ بے ہوش ہو گیا اور پھر جو ہوش آیا تو کہا کہ اے صالح کچھ اور پڑھ کہ مجھے رنج معلوم ہوتا ہے میں نے ارادوا ان یخرجوا منہا اعیدوا فیہا[۲] وہ شخص مردہ

ت ا۔ جس دن اوندھے ڈالے ان کے منہ آگ میں کہیں گے کسی طرح ہم نے کہا مانا ہوتا اللہ کا اور کہا مانا ہوتا رسول کا ۱۲ ت ۲ جب چاہیں کہ نکل پڑیں اس میں سے الٹے جاویں پھر اس میں ۱۲

ہو کر گر پڑا اور روایت ہے کہ زرارہ بن ابی اوفیٰ[1] نے لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی جب پڑھا ت[1] فاذا نقر فی الناقور بے ہوش ہو کر گر پڑے اور مر گئے اور یزید رقاشی حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے پاس گئے آپ نے فرمایا کہ اے یزید مجھ کو نصیحت کر انھوں نے کہا اے امیر المومنین تمہیں اول خلیفہ نہیں جو کہ مرو گے یعنی تم سے پہلے بھی بہت سے خلیفہ مر چکے ہیں آپ روئے اور فرمایا کہ کچھ اور نصیحت کیجئے فرمایا کہ اے امیر المومنین تمہارے اور حضرت آدمؑ کے درمیان تمہارا کوئی بزرگ ایسا نہیں جو مرا نہ ہو آپ روئے اور فرمایا کچھ اور فرمایئے انھوں نے فرمایا کہ اے امیر المومنین تمہارے اور جنت اور دوزخ کے درمیان میں کوئی منزل نہیں یہ سن کر آپ بے ہوش ہو گئے اور میمون بن مہران کہتے ہیں کہ جب یہ آیت اتری ت[2] وان جہنم لموعدہم اجمعین حضرت سلیمان فارسیؓ نے چیخ ماری اور اپنا ہاتھ سر پر رکھ کر باہر نکل گئے تین دن تک پتہ نہ ملا اور حضرت داؤد طائی نے ایک عورت کو اپنے لڑکے کی قبر پر روتے دیکھا یہ کہہ رہی ہے۔ بیٹا نہ معلوم تیرے کون سی گال کو پہلے کیڑے نے کھایا۔ وہ یہ سنتے ہی اسی جگہ بے ہوش ہو کر گر پڑے اور روایت ہے کہ حضرت سفیان ثوری بیمار پڑے ان کا قارورہ ایک ذمی طبیب کو دکھلایا گیا اس نے کہا کہ اس شخص کے جگر کو خوف نے ٹکڑے کر دیا ہے پھر آ کر نبض دیکھی تو کہا کہ ملت اسلام میں اس جیسا آدمی مجھے نہیں معلوم ہوا اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ میں نے خدائے تعالیٰ سے دعا مانگی کہ میرے اوپر ایک دروازہ خوف کا کھول دے۔ دعا مقبول ہوئی اور خوف کا دروازہ مفتوح ہوا کہ میں اپنی عقل پر ڈرا اور التماس کیا کہ الٰہی میری طاقت کے مقدار سے تب میرا دل ساکن ہوا اور حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ گریہ کرو اور اگر نہ رو تو رونی صورت بناؤ کہ قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے قبضے میں میرا دل ہے اگر تم کو علم ہو جاوے تو اتنا چیخو کہ گلا پڑ جاوے اور نماز اتنی پڑھو کہ پیٹھ ٹوٹ جاوے اس قول میں گویا آپ نے اسی حدیث شریف کے مضمون کی طرف اشارہ کیا ت[3] لو تعلمون ما اعلم لضحکتم قلیلا ولبکیتم کثیرا[1] اور عنبری روایت کرتے ہیں کہ ارباب حدیث حضرت فضیل ابن عیاضؒ کے دروازے پر جمع ہوئے آپ نے ایک روشندان سے ان کی طرف سر نکالا۔ داڑھی آپ کی ہلتی تھی اور روتے تھے فرمایا کہ لوگو قرآن پر مواظبت کرو اور نماز کو ہمیشہ پڑھو۔ یہ وقت حدیث کا نہیں بلکہ یہ وقت رونے اور تضرع اور مسکنت اور ڈوبنے والے کی طرح دعا مانگنے کا ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ آدمی اپنی زبان کی حفاظت کرے اور اپنی جگہ کسی کو نہ بتاوے اور اپنے دل کا علاج کرے جو معلوم اس کو دستور العمل کرے جو نہ جانتا ہو اس کو ترک کرے اور ایک بار آپ خوف کے مارے حیران چلے جاتے تھے۔ ان سے کسی نے پوچھا کہ آپ کہاں جاتے ہیں فرمایا میں نہیں جانتا اور ذر بن عمر نے اپنے باپ عمر بن ذر سے پوچھا کہ کیا بات ہے کہ اور

ت ۱ پھر جب کھڑکھڑائے وہ کھوکھرا ت ۲ اور دوزخ پر وعدہ ہے ان سب کا ۱۲ ت ۳ اگر تم جانو جو میں جانتا ہوں تو تم تھوڑا ہنسو اور بہت سا رو و ۱۲ جلد اول باب قواعد العقائد میں گزری ۱۲ [1] اصل احیاء میں بھی ابن ابی اوفی ہے لیکن صحیح ابن وفی ہے اور اس کا قصہ ترمذیؒ نے کتاب الصلوٰۃ میں روایت کیا ہے ۱۲۔

کہنے والے کچھ کہتے ہیں تو کوئی نہیں روتا مگر تم جب کچھ کہتے ہو تو سب طرف سے آواز رونے کی سنتا ہوں آپ نے فرمایا کہ جس عورت کا بچہ جاوے اس کا رونا اور جو اجرت لے کر روئے اس کا رونا برابر نہیں ہوتا غرض یہ کہ گریۂ خوف کو دل میں تاثیر زیادہ ہے اور حکایت ہے کہ کچھ لوگ ایک عابد کے پاس کھڑے ہوئے جو رو رہا تھا اس سے پوچھا کہ خدا تم پر رحم کرے اس رونے کا باعث کیا ہے اس نے کہا کہ ایک خوف ہے جس کو ڈرنے والے اپنے دلوں میں پاتے ہیں انہوں نے کہا کہ وہ کیا ہے فرمایا کہ خدا تعالےٰ کے سامنے پیش ہونے کے واسطے جو ندا ہو گی اس کا خوف ہے اور خواص رونے اور مناجات میں کہتے کہ الٰہی میں بوڑھا ہوا اور میرا بدن تیری خدمت سے کمزور ہو گیا تو مجھ کو آزاد کر دے اور صالح مری کہتے ہیں کہ ایک بار ابن السماک میرے پاس آئے اور کہا کہ مجھ کو اپنی قوم کے عابدوں کی کچھ عجیب بات دکھلاویں۔ ان کو ایک محلے میں ایک شخص کے پاس لے گیا جو ایک جھونپڑے میں رہتا تھا ہم نے اس سے اجازت پاس آنے کی چاہی اور چلے گئے دیکھا تو ایک شخص چٹائی بنا رہا تھا میں نے اس کے سامنے یہ آیت پڑھی ت١ اذا الاغلال فی اعناقھم والسلاسل یسحبون فی الحمیم ثم فی النار یسجرون وہ شخص چیخ مار کر بے ہوش ہو گیا ہم اس کو ویسا ہی چھوڑ کر نکل آئے اور دوسرے کے گھر گئے اس کے پاس میں نے وہی آیت پڑھی وہ بھی چیخا اور بے ہوش ہو کر گر گیا وہاں سے ہم تیسرے کے پاس گئے اور اس سے اجازت چاہی اس نے کہا کہ ہم کو ہمارے پروردگار سے نہ روکو تو چلے آؤ۔ اس کے پاس میں نے پڑھا ت٢ ذلک لمن خاف مقامی وخاف وعید اس نے ایک نعرہ مارا اور اس کے نتھنوں سے خون نکلنے لگا اور اسی خون میں تڑپنے لگا یہاں تک کہ خون خشک ہو گیا۔ اس کو بھی ہم ویسا ہی چھوڑ آئے غرض کہ میں نے ابن السماک کو چھ شخصوں کے پاس پھرایا کہ ہر ایک کو بیہوش چھوڑ کر اس کے پاس سے چلے آئے پھر میں ان کو ساتویں کے پاس لایا اور اجازت چاہی تو ایک جھونپڑے کے اندر سے کہا کہ چلے آؤ دیکھا تو ایک پیر فرتوت اپنے مصلّے پر بیٹھا ہوا ہے اس کو ہم نے سلام کیا وہ باخبر نہ ہوا۔ میں نے بڑی آواز سے کہا کہ خبردار لوگوں کو کل کھڑا ہونا ہے بوڑھے نے کہا کہ کم بخت کس کے سامنے، اتنا کہہ کر حیران منہ کھلا ہوا آنکھیں اوپر کو رہ گیا۔ اور ایک آواز پست سے اوہ اوہ کرنے لگا یہاں تک کہ آواز بند ہو گئی اس کی عورت نے کہا اب اس کے پاس سے جاؤ کیونکہ اس وقت تم کو اس سے کچھ نفع نہ ہوگا اس کی حالت کچھ اور ہو گئی ہے پھر کچھ دنوں بعد میں نے وہاں کے لوگوں سے ساتوں کا احوال پوچھا انہوں نے کہا کہ ان میں سے تین تو اچھے ہو گئے اور تین جاں بحق ہوئے اور بوڑھے کا یہ حال ہوا کہ تین دن تک ویسا ہی حیران اور مبہوت رہا کہ فرض بھی نہیں پڑھتا تھا مگر بعد تین دن کے ہوش آیا اور روایت ہے کہ یزید بن الاسودؒ کو لوگ ابدال میں سے جانتے تھے انہوں نے قسم کھائی تھی کہ کبھی نہ ہنسوں گا نہ کبھی لیٹ کر سوؤں گا۔ نہ کبھی گھی کی

ح ١ جب طوق پڑتے ہیں ان کی گردنوں میں اور زنجیریں گھسیٹی جاتی ہیں پھر آگ میں ان کی جھونکتے ہیں ١٢ ح ٢ یہ ملتا ہے اس کو جو ڈر اکھڑا ہونے سے میرے سامنے اور ڈرا میرے ڈر سے ١٢

چیز کھاؤں گا اور اس قسم پر اپنے مرنے تک قائم رہے اور حجاج نے حضرت سعید بن جبیرؓ سے پوچھا کہ میں سنتا ہے کہ تم کبھی نہیں ہنسے انہوں نے فرمایا کہ ہنسنے کی کیا صورت ہے دوزخ دھونک دی گئی ہے اور طوق تیار ہیں اور فرشتے دوزخ کے مستعد و آمادہ کھڑے ہیں اور ایک شخص نے حضرت حسن بصریؒ سے پوچھا کہ اے ابو سعید آپ کو صبح کیسے ہوئی آپ نے فرمایا کہ خیریت کے ساتھ اس نے پوچھا کہ آپ کا حال کیا ہے آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ تو میرا حال پوچھتا ہے یہ بتاؤ کہ اگر کچھ لوگ کشتی میں سوار ہو کر بیچ میں سمندر کے پہنچیں اور کشتی ٹوٹ جاوے اور ایک ایک آدمی ایک ایک تختے سے لگا رہ جاوے تو ان کا حال تمہارے ذہن میں کیسا ہے اس نے کہا بہت سخت مصیبت کا ہے آپ نے فرمایا کہ تو میرا حال ان کے حال سے بھی زیادہ سخت ہے اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی ایک لونڈی ان کی خدمت میں حاضر ہوئی اور سلام کر کے ان کے گھر میں جو مسجد تھی اس میں دو رکعتیں نماز کی پڑھیں اور پھر اس کو نیند آ گئی اور سو رہی اور خواب ہی میں روئی جب جاگی تو آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا امیر المومنین میں نے اس وقت عجیب معاملہ دیکھا آپ نے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے اس نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ دوزخ دوزخیوں کے واسطے دھڑا دھڑ جل رہی ہے پھر پل صراط لا کر اس کی پشت پر رکھا گیا آپ نے فرمایا کہ پھر کیا ہوا اس نے کہا کہ پھر عبد الملک ابن مروان کو لائے اور اس پل پر اس کو چڑھایا وہ تھوڑا ہی جانے پایا کہ پل الٹ گیا اور وہ دوزخ میں جا پڑا آپ نے فرمایا کہ پھر۔ اس نے کہا کہ پھر عبد الملک کے بیٹے ولید کو لائے اور اس کو پل پر سوار کیا وہ بھی تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ پل نے کروٹ لی اور دوزخ میں جا پڑا آپ نے پوچھا کہ پھر، اس نے کہا کہ پھر سلیمان بن عبد الملک کو لائے اور پل پر چڑھایا وہ بھی تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ پل ترچھا ہو گیا اور وہ دوزخ میں گر پڑا آپ نے پوچھا کہ پھر، اس نے کہا کہ پھر میں نے دیکھا کہ آپ کو لائے یہ اس کا کہنا تھا کہ آپ نے ایک دفعہ ایک ایسی چیخ ماری کہ بے ہوش ہو کر گر پڑے اور وہ لونڈی اٹھی اور ان کے کان میں پکار پکار کر کہنے لگی کہ اے امیر المومنین بخدا میں نے یہ دیکھا کہ آپ بچ گئے آپ نے نجات پائی ہر چند وہ کان میں چیختی رہی مگر آپ برابر نعرے مارتے تھے اور پاؤں دے دے مارتے تھے۔ اور روایت ہے کہ حضرت اویس قرنی قاص کے پاس آئے اور ان کے کلام سے روئے جب وہ دوزخ کا ذکر کرتے تو آپ چیخ مارتے پھر بھاگے چلے جاتے تو لوگ ان کو دیوانہ کہتے اور حضرت معاذ بن جبل فرماتے ہیں کہ مومن کا خوف جب تک نہیں ٹھہرتا جب تک کہ دوزخ کے پل کو پیچھے نہ چھوڑے اور حضرت طاؤس رحمۃ اللہ کے لئے بستر کیا جاتا تو لیٹتے تو گرم کڑاہی کے دانے کی طرح اس پر ادھر ادھر لوٹتے پھر اس پر سے اچھل کر اس کو لپیٹ دھرتے اور قبلہ کی طرف صبح تک متوجہ ہوتے اور کہتے رہتے کہ دوزخ کے بیان نے خوف والوں کی نیند اڑا دی اور حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ دوزخ میں سے ایک شخص ایک ہزار برس کے بعد نکلے گا کیا اچھا ہو کہ وہ شخص میں ہوں اور یہ اس لئے فرمایا کہ خوف دوزخ میں ہمیشہ رہنے اور سوء خاتمہ کا تھا۔ کہتے ہیں کہ آپ چالیس برس نہیں ہنسے اور راوی کہتے ہیں کہ جب میں ان کو بیٹھا دیکھتا تھا تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا قیدی ہے کہ گردن مارنے کے لئے پکڑا ہوا آیا ہے اور اگر آپ وعظ فرماتے تھے تو یہ معلوم ہوتا تھا گویا آخرت کو سامنے دیکھتے ہیں اور اس کا

حال آنکھوں دیکھا بیان کرتے ہیں اور جب چپ ہوتے تو گویا آنکھوں کے سامنے آگ بھڑک رہی ہے اور جب ان پر اس شدت خوف و غم کا لوگوں نے عتاب کیا تو فرمایا کہ میں کیسے بے خوف ہو جاؤں اس سے کہ خدا تعالیٰ نے اگر کوئی مجھ سے برائی دیکھ لی ہو اور مجھ کو برا جان کر فرمانے لگے کہ چلا جا میں تجھ کو نہ بخشوں گا تو پھر عمل کرنا میرا بیفائدہ ہے اور حضرت ابن السماک سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مجلس میں وعظ کہا ایک جوان ان میں سے اٹھا اور کہا کہ آپ نے جو فرمایا ہے آج ایک ایسا جملہ کہا ہے اگر ہم اس کے سوا اور کچھ نہ سنتے تو کچھ پروا نہیں میں نے پوچھا کہ وہ کیا جملہ ہے اس نے کہا کہ آپ نے جو فرمایا ہے کہ خائفین کے دل کے دو خلود یعنی ہمیشہ کے ٹکڑے کئے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ یا جنت میں ہمیشہ رہنا ہے یا دوزخ میں حضرت ابن السماک فرماتے ہیں کہ پھر وہ چلا گیا اور دوسرے وعظ میں میں نے اس کو نہ پایا لوگوں سے اس کا حال پوچھا تو معلوم ہوا کہ بیمار ہے میں اس کی عیادت کو آیا اور پوچھا کہ بھائی تیرا کیا حال ہے اس نے جواب دیا کہ اے ابو العباس یہ نوبت تمہارے اسی جملے سے ہوئی ہے کہ دو خلود یعنی خلود جنت خواہ خلود دوزخ نے خائفین کے دل کے ٹکڑے کر ڈالے ہیں پھر وہ شخص اسی مرض میں مر گیا میں نے اس کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ خدائے تعالیٰ نے تجھ سے کیا معاملہ کیا اس نے کہا کہ مجھ کو بخش دیا اور رحم کیا اور جنت میں داخل کیا اسی جملے کی بدولت۔ حاصل یہ کہ انبیاء اور اولیاء اور علماء اور صلحا سب کے خوف کا حال تم نے سنا جب ان لوگوں کا یہ حال ہوا تو ہم کو خوف کرنا لائق تر ہے اور یہ کچھ ضرور نہیں کہ جب بہت گناہ ہوں تبھی خوف ہو بلکہ اگر قلب صاف اور معرفت کامل ہو تب بھی خوف ہی چاہیئے ورنہ کثرت طاعت اور کمی گناہوں کی بے خوف ہو جانے کی مقتضی نہیں بلکہ مامون ہونے کی وجہ یہ ہے کہ نفس شہوات کے مطیع ہوں اور بدبختی غالب اور غفلت اور سختی دل کے مارے اپنے احوال کو نہ دیکھ سکتے ہوں نہ موت کے پاس آنے سے جاگیں اور نہ کثرت گناہوں سے ہلیں نہ خائفین کا احوال دیکھ کر عبرت پکڑیں نہ اندیشۂ خاتمہ کو دل میں جگہ دیں اس صورت میں اگر خدا ہی اپنے فضل سے ہمارے احوال کا تدارک فرماوے تو اصلاح ممکن ہے اس لئے اسی بات کی اصلاح کیلیے دعا مانگتے ہیں بشرطیکہ صرف زبانی دعا بدون استعداد کے مقبول ہو اور عجیب تر بات یہ ہے کہ جب ہم دنیا میں مال کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے کتنے لوازم جمع کرتے ہیں جوتتے اور بوتے ہیں اور تجارت کرتے ہیں اور خشکی و تری میں کیسی کیسی اندیشہ ناک باتیں اختیار کرتے ہیں اور اگر علم میں کوئی مرتبہ حاصل کیا چاہتے ہو تو اس کے واسطے کتنی مشقتیں اٹھاتے ہیں اور کتابوں کی بحث و تکرار اور یاد کرنے میں راتوں کو جاگتے اور کوشش کرتے ہیں۔ رزق کی تلاش میں کیا کیا محنتیں کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو کفالت اور ضمانت روزی دینے کی فرمائی ہے اس پر یقین کرکے گھر پر نہیں بیٹھتے اور بیٹھے خدا تعالیٰ سے نہیں عرض کرتے کہ الٰہی ہم کو روزی دے مگر جب ملک دائم اور سلطنت پائیدار آخرت پر نظر کرتے ہیں تو اس کے واسطے صرف اسی پر کفایت کرتے ہیں کہ زبان سے کہہ لیا کہ الٰہی تو معاف کر الٰہی تو رحم کر حالانکہ جس ذات کی طرف توقع ہے اور جس کے نام سے دھوکہ کھائے ہوئے ہیں وہ یوں ارشاد فرماتا ہے ت ا وان لیس للانسان الا ما سعیٰ

ت ا۔ اور یہ کہ آدمی کو وہی ملتا ہے جو کمایا ۱۲

اور ت۱ ولا یغرنکم باللہ الغرور۔ اور ت۲ یا ایھا الانسان ما غرک بربک الکریم مقام غور ہے کہ ان اقوال میں سے کسی کبھی ہم کو تنبیہ ہوتا ہے کوئی بات بھی ہم کو ہمارے مغالطوں اور جھوٹی آرزوؤں سے نکالتی ہے اگر خوب تامل کرو تو یہ کٹ رہنے کی بات ہے بشرطیکہ خدائے تعالےٰ اپنے فضل سے توبۃ نصوح مرحمت فرماوے اور اس باعث ہم کو چاہئے کہ ہم خدا سے دعا مانگتے ہیں کہ ہماری توبہ قبول کرے بلکہ یہ التجا کہ شوقِ توبہ ہمارے دلوں کے اندر ڈال دے صرف زبانی حرکت توبہ کی دعا کے لئے ہمارے لئے کافی نہ فرماوے ورنہ ہم ان لوگوں میں سے ہو جاویں گے جو کہتے ہیں اور نہیں کرتے اور سنتے ہیں نہیں مانتے جب وعظ سنا تو رو پڑے اور جب کام کا وقت آیا تو پہلو تہی کر گئے اس سے زیادہ رسوائی کی نشانی اور کیا ہو گی خدائے تعالےٰ ہم کو توفیق اور رشد اپنے کرم و فضل سے عنایت کرے اب ہم احوال خائفین کی حکایت کو اس قدر پر کفایت کرتے ہیں بموجب مثل مشہور در خانہ اگر کس ست حرفش بس ست ورنہ اسشعر

اگر صد باب حکمت پیش ناداں ٭ بخوانی آیدش بازیچہ در گوش

اور عیسیٰ بن مالک خولانی جو بڑے عمدہ عابدوں میں سے ہیں ایک راہب کا حال کہتے ہیں کہ انہوں نے اس کو بیت المقدس کے دروازے پر غمگین صورت بنائے کھڑے دیکھا سخت حیران تھا اور کثرت گریہ سے آنسو نہیں رکتا تھا راوی کہتے ہیں کہ جب میں نے اس کو دیکھا تو اس کی صورت سے ڈر گیا اور اس سے کہا کہ اے راہب مجھے وصیت کر کہ تجھے یادگار رکھوں اس نے جواب دیا کہ اے عزیز کیا نصیحت تجھ کو کروں سو کی ایک یہ ہے کہ اگر تجھ سے ہو سکے تو ایسی طرح رہیو جیسے کسی کو چار طرف سے درندوں اور کیڑوں نے گھیر لیا ہو اور وہ ہراساں اور خائف رہتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ذرا سی غفلت ہو جاوے تو درندے چیر ڈالیں یا چوک جاوے تو نیش دار کیڑے کاٹ لیویں غرضکہ رات بھر اس کا دل خوف و ہراس ہی میں رہتا ہے گو مغالطہ کھائے ہوئے بےخوف ہوا کریں اور دن بھر رنج میں گزرتا ہے گو نکمے لوگ خوش ہوا کریں پھر وہ راہب مجھے چھوڑ کر چلا میں نے کہا کہ کچھ اور تم کہتے تو شاید مجھ کو زیادہ نفع ہوتا اس نے کہا کہ پیاسے کو جتنا پانی مل جاتا ہے وہی کافی ہوتا ہے اور یہ اس نے درست کہا اس واسطے کہ صاف دل کو ادنیٰ سا خوف ہلا دیتا ہے اور گھٹل دل سے وعظ و نصیحت بمراحل دور رہتی ہے اور اس نے جو مثال بیان کی کہ اس طرح رہیو جیسے وہ شخص جس کے چار طرف درندے اور زہریلے جانور ہوں تو اس کو یوں نہ جاننا چاہئے کہ یہ مثال فرضی ہے بلکہ یہ صورت واقعی ہے کیونکہ اگر آدمی نور عقل سے اپنے باطن کو دیکھے تو معلوم ہو گا کہ انواع و اقسام کے درندے اور زہریلے جانوروں سے پُر ہے مثلاً غضب اور شہوت اور کینہ اور حسد اور کبر اور عجب اور ریا وغیرہ جو ہمیشہ اس کو چیرتے اور نیش زنی کرتے رہتے ہیں بشرطیکہ ایک لحظہ بھی ان سے غافل رہے مگر یہ کہ آدمی کو ان کا گزند اور ایذا دینا نہیں سوجھتا جب پردہ اٹھا لیا جاوے گا اور آدمی قبر میں رکھا جاوے گا اسوقت دیکھے گا کہ یہ سب صفات اپنے اپنے معانی کی صورت بن کر آویں گے اسوقت یہ نظر آوے گا کہ سانپ اور بچھوؤں نے قبر میں آ کر بدن کو گھیر لیا حالانکہ نہ سانپ ہو گا نہ بچھو بلکہ یہی صفات جو زندگی میں ہیں یہی ہوں گے ان کی صورت اس دن سوجھ پڑے گی پس اگر یہ منظور ہو کہ ان کو مار ڈالنا چاہئے اور ان پر غالب ہونا چاہئے حالانکہ مرنے سے پیشتر یہ بات آدمی کے اختیار میں ہے تو اس سے ہرگز چوکنا نہ چاہئے ورنہ ان کا کاٹنا اور نوچنا خوب اچھی طرح دل میں ٹھان لینا چاہئے۔

ت۱ اور نہ دھوکہ دے تم کو اللہ کے نام سے وہ دغاباز ۱۲ ت ۲۔ اے آدمی کاہے کو بہکا تو اپنے رب کریم سے ۱۲ ت ۳ اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اور تم محتاج ۱۲

چوتھا باب فقر اور زُہد کا بیان

گر چاہے تو دل سے ہووے سچا عابد ؛ کر فقر تو اختیار اور ہو زاہد
کہتے ہیں رسول فقر کو اپنا فخر ؛ تیرے لئے بس یہی کافی ہے شاہد

واضح ہو کہ دنیا اللہ جل شانہ کی دشمن ہے اس کے فریب میں بہت لوگ گمراہ ہوئے اس کے مکر سے بہتوں کو لغزش ہوئی تو اس کی دوستی یا خطا اور سیئات کی جڑ ہوئی اور اس کی دشمنی طاعات و قربات کی اصل اور ہم نے اس کا حال اور اس کی دوستی کی مذمت کو باب ذم دنیا کے جلد سوم میں مفصل لکھا ہے یہاں جو فضیلت اس سے باز رہنے میں اور اس میں زہد کرنے میں ہے اس کو ذکر کرتے ہیں کہ منجیات میں اصل وہی ہے کیونکہ نجات کی طمع بدون دنیا سے علیحدگی اور دوری کے نہیں ہو سکتی لیکن اس سے علیحدگی کی دو صورتیں ہیں یا تو وہ خود آدمی سے الگ رہے اس کو تو فقر کہتے ہیں یا آدمی اس سے کنارہ کش رہے اس کو زہد کہتے ہیں اور ان دونوں چیزوں کو سعادات کے حاصل ہونے کے باب میں ہے اور فوز و نجات پر مدد کرنے میں اثر اس لئے ہم ان دونوں کی حقیقت اور درجات و اقسام اور شرطیں اور احکام ذکر کرتے ہیں اور اس باب کی دو فصل کرتے ہیں اول میں فقر اور دوسری میں زہد کو لکھتے ہیں۔

پہلی فصل فقر کی حقیقت و فضیلت اور فقراء کی فضیلت و آداب

فقر کی حقیقت اور فقیر کے احوال

جاننا چاہیئے کہ فقر حاجت کی چیز کے نہ ہونے کا نام ہے اور بے حاجت چیز کے نہ ہونے کو فقر نہیں کہتے اور اگر حاجت کی چیز موجود ہو اور اس پر آدمی قادر ہو تو اس شخص کو فقیر نہ کہیں گے اور جب یہ معلوم ہو چکا تو اب ظاہر ہے کہ جو شئے سوا خدا تعالےٰ کے موجود ہے وہ فقیر ہے اس واسطے کہ ہر ایک موجود چیز کو اپنے دوسرے وقت میں موجود ہونے کی حاجت ہے اور وجود کا ہمیشہ رہنا خدا کے فضل و احسان سے ہے۔ پس اگر ہستی کے پردے پر کوئی موجود ایسا ہو جس کا وجود دوسرے سے مستفاد نہ ہو تو وہ غنی مطلق ہے اور ایسا موجود سوا ایک ذات کے ہو نہیں سکتا اس سے معلوم ہوا کہ وجود میں غنی ایک ہی ہے اور اس کے سوا جتنے ہیں وہ اسی کی طرف محتاج ہیں تاکہ ان کو دوام وجود کی مدد دے اور اسی حصر کی طرف اشارہ ہے اس قول خداوندی میں واللہ الغنی وانتم الفقراء[۱] لیکن یہ معنے فقر مطلق کے

[۱] اور اللہ تعالےٰ بے نیاز ہے اور تم محتاج ہو ۱۲

ہیں اور ہم کو غرض فقر مطلق کے بیان سے نہیں بلکہ خاص فکر مال کا بیان کرنا منظور ہے ورنہ بندے کی حاجت کو باعتبار اس کی ضروریات کے دیکھئے تو کچھ بھی شمار نہیں ہو سکتی اس لئے کہ ضروریات و حاجات آدمی کی بے شمار ہیں اور منجملہ اس کے حاجتوں کے وہ ہیں جو مال سے مل سکتی ہیں پس انہیں کا ہم کو بیان بھی اس وقت مدنظر ہے۔ اس لئے کہتے ہیں کہ جو شخص مال نہیں رکھتا اس کو ہم اس مال کے لحاظ سے فقیر کہتے ہیں جو اس کے پاس نہیں بشرطیکہ اس شخص کو اس مال مفقود کی طرف حاجت بھی ہو پھر یہ خیال میں آتا ہے کہ فقر میں آدمی کے پانچ احوال ہیں اور ہم ان سب کو تمیز کے واسطے جدا جدا نام رکھے دیتے ہیں تاکہ ان کے احکام بھی علیحدہ بیان کر سکیں۔

پہلی حالت جو سب سے عمدہ ہے یہ کہ آدمی ایسی طرح ہو کہ اگر اس کے پاس مال آوے تو اس کو برا معلوم ہو اور ایذا پاوے اور اس کے قبول سے بھاگے اور اس کے مشغول ہونے سے اجتناب کرے اور اس کے شر سے محترز رہے ایسے شخص کو زاہد کہتے ہیں۔ **دوسری حالت** یہ ہے کہ مال کی رغبت اتنی نہ ہو کہ جس کے حاصل ہونے سے خوش ہو اور نہ اتنی نفرت ہو کہ اس سے ایذا پاتا ہو یا اگر ملے تو چھوڑ دے ایسے شخص کا نام ہم راضی کہتے ہیں **تیسری حالت** یہ ہے کہ مال کا ہونا اس کے نزدیک نہ ہونے کی نسبت محبوب ہو اسی وجہ سے کچھ مال رغبت رکھتا ہے مگر رغبت اتنی نہیں کہ اس کی طلب میں سرگرم ہو بلکہ اس قسم کی ہے کہ اگر بلا محنت و کدورت ملا تو لے کر خوش ہو جاوے اور اگر طلب میں کچھ مشقت کا محتاج ہو اس میں مشغول نہ ہو ایسی حالت والے کا نام ہم قانع رکھتے ہیں کیونکہ اس نے موجود چیز پر قناعت کر کے طلب کو موقوف کیا باوجودیکہ کسی قدر رغبت بھی تھی **چوتھی حالت** یہ کہ طلب مال کو موقوف کرنا عاجزی کے باعث ہو ورنہ رغبت اتنی ہے کہ اگر کوئی سبیل تلاش کی ملے جو محنت ہی سے ملے تو اس کو ضرور طلب کرے یا طلب میں مشغول ہی ہو ایسی حالت والے کو ہم حریص کہتے ہیں **پانچویں حالت** یہ ہے کہ جو مال اس کے پاس نہیں اس ضرورت میں مضطر ہو مثلاً بھوکے کے پاس روٹی نہ ہو اور ننگے کے پاس لباس نہ ہو ایسی حالت والے کو ہم مضطر کہتے ہیں۔ اس کی رغبت طلب کے باب میں کسی طرح کی ہو ضعیف ہو یا قوی اور یہ حالت عیب سے بہت کم جدا ہوتی ہے پس یہ پانچ احوال ہیں جن میں سے اعلیٰ زہد ہے اور اضطرار کے ساتھ میں زہد ملا لیا جاوے اور یہ صورت ممکن ہو تو ایسا حال زہد کے اقصیٰ درجات میں ہے اور ان پانچوں حالتوں سے بڑھ کر ایک اور حالت ہے جو زہد سے بھی اعلیٰ ہے وہ یہ ہے کہ آدمی کے نزدیک ہونا اور نہ ہونا مال کا برابر ہو کہ آنے کی خوشی نہ گئے کا غم اور اس کا حال ایسا ہو جیسا حضرت عائشہ کا تھا جب ان کے پاس ایک درم کا کسی دہش میں آئے تو لے لئے اور اسی روز تقسیم کر دیئے اور جب ان کی خادمہ نے عرض کیا کہ اگر آج کے درہموں میں سے آپ ایک درم کا گوشت لے دیتیں تو اسی سے افطار کرتے آپ نے فرمایا کہ اگر پہلے سے یاد دلاتی تو ایسا ہی کرتی۔ پس جس شخص کا حال ایسا ہو تمام دنیا اس کے قبضے اور خزانے میں ہو تو تب بھی اس کی کو ضرر نہ کرے گی اس لئے کہ وہ شخص تمام مال کو خدائے تعالےٰ کے خزانے میں جانتا ہے نہ اپنے قبضہ میں اور اسی وجہ سے مال خواہ اس کے قبضے میں ہو یا کسی دوسرے کے اس کے نزدیک دونوں یکساں ہیں اور مناسب ہے کہ ایسی حالت والے کو مستغنی کہیں اس

لئے کہ وہ مال کے وجود اور عدم دونوں سے غنی ہے اور مستغنی کے معنی لفظ غنی سے علیحدہ سمجھنے چاہئیں جو خدائے تعالیٰ پر اور اس کے بندوں میں سے بہت سامان رکھنے والوں پر بولا جاتا ہے کیونکہ بندوں میں جس کے پاس مال زیادہ ہوتا ہے اور وہ اس سے خوش ہوتا ہے تو وہ محتاج اس بات کا ہے کہ مال مذکور اس کے پاس رہے ہرچند وہ مال کے قبضے میں آنے سے غنی ہے تاہم اس کے باقی رہنے کا محتاج ہے اس لئے وہ من وجہ فقیر ہے مگر مستغنی مال کے قبضے میں آنے اور اس کے باقی رہنے اور اس کے قبضے میں نکل جانے سے سب سے غنی ہے کیونکہ یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ اس کو مال سے ایذا نہیں ہوتی اور نہ خوشی ہوتی ہے پس احتیاج قبضے سے نکالنے اور قبضے میں رکھنے کی دونوں نہ رہی اور یہ بھی نہیں کہ اس کے پاس نہ ہوتا کہ محتاج قبضے میں آنے کا ہو بہر حال مستغنی کی غنا عام ہے اور اسی جہت سے ایسا شخص اس غنی سے جو وصف خداوندی ہے قریب تر ہے اور ظاہر ہے کہ بندے کا قرب خدائے تعالیٰ سے اسی طرح ہے کہ صفات الٰہی میں قریب ہو قریب مکانی تو ہوتا ہے نہیں لیکن ہم ایسی حالت والے کو مستغنی ہی کہتے ہیں تا کہ لفظ غنی اس بات پر بول سکیں جس کو غنا مطلق ہر چیز سے ہو اور اس قسم کا بندہ اگرچہ مال کے وجود اور عدم سے مستغنی ہے مگر سوا اس کے اور چیزوں سے مستغنی نہیں نہ مدد توفیق الٰہی سے مستغنی ہے جس سے اس کا استغناء باقی ہے استغنا بڑی نعمت ہے کہ خدائے تعالیٰ نے اس سے اس کے دل کو زینت دی ہے جو دل کہ مال کی محبت میں مقید رہتا ہے وہ غلام ہے اور جو اس سے مستغنی ہے وہ آزاد ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہی اس کو اس غلامی سے آزاد کیا ہے تو اس آزادی کے ہمیشہ رہنے کی حاجت اس کو البتہ ہے اور دل غلامی اور آزادی میں دم بدم ادلتے بدلتے رہتے ہیں کیونکہ سب دل درمیان خدائے تعالیٰ کی انگلیوں کے ہیں اس لئے ایسے شخص کو مطلقاً غنی کہہ دینا در حقیقت نہیں زیبا ہے اگر کہا جاوے تو مجازاً ہو گا اب جاننا چاہیئے کہ زاہد ابرار کے درجے کا کمال ہے اور اس حالت والا یعنی مستغنی مقربین میں سے ہے تو ضرور ہوا کہ زاہد اس کے حق میں درجہ نقصان ہو اس لئے کہ ابرار کی نیکیاں مقربین کی برائیاں ہوتی ہیں نیز دنیا کا برا جاننے والا بھی دنیا میں مشغول ہے جیسا اس کا رغبت کرنے والا ہے اور شغل ماسوائے خدائے تعالیٰ کا خدائے تعالیٰ سے حجاب ہوتا ہے کیوں کہ خدائے کچھ فاصلے پر تو نہیں ہے کہ دوری اس کا حجاب ہو جاوے بلکہ وہ تو آدمی کی رگ گردن سے بھی قریب تر ہے اور نہ خدائے تعالیٰ کسی مکان میں ہے تا کہ آسمان و زمین اس میں اور آدمی میں حجاب ہو جاویں تو اب ضرور ہے کہ حجاب اس میں اور آدمی میں بجز غیر اللہ کے ساتھ مشغول ہونے کے اور کوئی نہ ہو اور اپنے نفس کی شہوات میں مشغول ہونا بھی غیر اللہ کے ساتھ مشغول ہونے میں داخل ہے اور چونکہ آدمی ہمیشہ اپنے نفس اور شہوات میں مشغول رہتا ہے اس لئے ہمیشہ خدائے تعالیٰ سے محجوب رہتا ہے حاصل یہ کہ جو شخص اپنے نفس کی محبت میں مشغول ہے وہ خدائے تعالیٰ سے منحرف ہے اور جو شخص اپنے نفس کے بغض میں لگا ہے وہ بھی خدا کے ساتھ مشغول نہیں اس کی مثال یوں سمجھنی چاہیئے کہ جس مجلس میں عاشق و معشوق ہوں اگر رقیب بھی آ جاوے تو اگر عاشق کا دل رقیب کی طرف اور اس سے بغض رکھنے کی طرف اور اس کے آنے کو برا جاننے کی طرف متوجہ ہو گا تو چوں کہ وہ ان واہیات

میں مصروف ہے لذت مشاہدہ معشوق سے محروم رہے گا اور اگر عشق میں مستغرق ہوگا تو غیر سے غافل ہوگا اور اس کی طرف توجہ نہ کرے گا غرض کہ جس طرح معشوق کے ہوتے ہوئے دوسرے کو محبت کی راہ سے دیکھنا عشق کی راہ میں شرک ہے اور موجب نقصان ہے اسی طرح بغض کی راہ سے بھی دوسرے کو تاکنا معشوق کے ہوتے ہوئے عشق میں شرک و نقصان ہے گو یا نقصان بہ نسبت اول کے خفیف تر ہے تاہم پورا کمال نہیں اور کمال پورا یہ ہے کہ قلب محبوب کے سوا اور کسی کی طرف نہ دوستی کی راہ سے نظر کرے نہ دشمنی کی راہ سے کیونکہ جیسے ایک دل میں دو محبت ایک حالت میں نہیں جمع ہوتے ایسے ایک ہی حالت میں دوستی اور دشمنی بھی نہیں جمع ہوتی ہیں جو شخص دنیا کی دشمنی میں مشغول ہے وہ بھی خدا سے غافل ہے جیسے وہ شخص کہ اس کی دوستی میں مشغول ہے مگر اتنا فرق ہے کہ جو دنیا کی دوستی میں مشغول ہے وہ غافل ہے اور اپنی غفلت میں راہ بعد طے کرتا ہے اور جو اس کی دشمنی میں مصروف ہے وہ بھی غافل ہے مگر غفلت میں طریق قرب پر راہ چلتا ہے اس واسطے کہ ایسے شخص کے لئے توقع پڑتی ہے کہ اس کا حال انجام کو ایسا ہو جاوے کہ اتنی سی غفلت جاتی رہے اور صرف حضوری اور مشاہدہ میسر ہو جاوے غرضکہ درجہ کمال ایسے شخص کے واسطے متوقع ہے بایں وجہ کہ بغض دنیا ایک سواری ہے جو خدائے تعالے کی طرف پہنچاتی ہے تو دنیا سے محبت اور بغض والوں کی ایسی مثال ہے جیسے دو شخص راہ حج میں سواری پر چڑھتے اور اس کے گھاس دانے کی خبر گیری اور ہانکنے میں مشغول ہوں مگر ایک تو کعبے کی طرف منہ کر کے جاتا ہو اور دوسرا پیٹھ پھیر کر ایک طرف مقابل میں جاتا ہو تو یہ دونوں شخص اس بات میں برابر ہیں کہ کعبے سے محجوب اور اس سے غافل اور اپنی سواری کی فکر میں شاغل ہیں لیکن جو کعبہ رو جاتا ہے اس کا حال دوسرے کی نسبت کچھ اچھا ہے جو پشت بکعبہ چلتا ہے کیونکہ اس کو کبھی پہنچنا نصیب نہ ہوگا مگر شخص اول کا حال اگر بلحاظ اس شخص کے دیکھو جو کعبے میں معتکف ہے اور اس میں سے باہر ہی نہیں جاتا کہ حاجت سواری فکر کی پہنچنے کے واسطے پڑے تو اس کی نسبت البتہ اچھا نہیں اس سے معلوم ہوا کہ یہ تصور کرنا چاہیئے کہ دنیا کا بغض کرنا مقصود بالذات چیز نہیں ہے بلکہ یوں سمجھنا چاہیئے کہ دنیا خدا سے روکنے والی چیز ہے اس تک پہنچنا بدون اس روک کے دفع کرنے کے ممکن نہیں اسی واسطے حضرت ابو سلیمان دارانی کا قول ہے کہ جو شخص دنیا میں زہد کرے اور اسی پر کفایت کر سکے تو جلدی راحت چاہتا ہے بلکہ اس کو چاہیئے کہ آخرت میں مشغول ہو اس قول میں بتلا دیا کہ راہ آخرت کا چلنا زہد کے سوا ہے جیسے طریق حج کا چلنا اور ہے اور فرض خواہ مانع حج کا دفع کرنا اور اس تقریر سے ظاہر ہوا کہ دنیا میں زہد کرنے سے اگر مقصود یہ ہے کہ اس کے وجود اور عدم دونوں میں رغبت نہ ہو تب تو یہ نہایت درجہ کا کمال ہے اور اگر صرف اس کے نہ ہونے کی رغبت منظور ہو تو البتہ یہ درجہ بہ نسبت درجہ راضی اور قانع اور حریص کے تو کمال گنا جائے گا مگر مستغنی کے درجے کی نسبت ناقص رہے گا بلکہ مال کے حق میں کمال ہے یہی کہ آدمی کے نزدیک مال اور پانی ایک سا ہو اور پانی کی کثرت ہمسایہ میں ہونے سے اس کو کچھ ایذا نہیں ہوتی مثلاً جیسے کوئی دریا کے کنارے ہو اور نہ پانی کی قلت سے ایذا ہو بشرطیکہ مقدار ضروری سے کم نہ ہو باوجودیکہ پانی اور مال دونوں

حاجت کی چیزیں ہیں تو جیسے بہت سا پانی دیکھ کر اس کے پڑوس سے بھاگنے کی تجویز میں مشغول نہیں ہوتا نہ اس کو برا سمجھتا ہے بلکہ دل میں یہ کہتا ہے کہ اس سے بقدر حاجت میں بھی پیوں گا اور خدا کے بندوں کو بھی پلاؤں گا اور کسی پر بخل نہ کروں گا اسی طرح مال کا حال بھی ہونا چاہیئے اس لئے کہ روٹی اور پانی حاجت کے باب میں ایک ہیں فرق صرف ایک کی قلت اور دوسرے کی کثرت کا ہے اور جب آدمی خدا تعالےٰ کو پہچانے اور جس تدبیر سے اس نے انتظام عالم کیا ہے اس کو جانے تو معلوم ہو جاوے کہ جب تک وہ زندہ رہے گا اس کو بقدر حاجت روٹی ضرور پہنچے گی جیسے بقدر حاجت پانی آتا ہے۔ چنانچہ اس کا بیان عنقریب باب توکل میں انشاء اللہ ضرور آوے گا۔ احمد بن ابی الحواری کہتے ہیں کہ میں نے ابو سلیمان دارانی سے کہا کہ حضرت مالک بن دینار نے مغیرہ سے فرمایا کہ وہ گھر میں جا کر کوزہ جو تو نے مجھ کو تحفۃً دیا ہے لے لے اس لئے کہ شیطان مجھے وسوسہ ڈالتا ہے کہ اس کو چور لے گیا۔ حضرت ابو سفیان نے فرمایا کہ یہ بات صوفیا کے دلوں کی ضعف کی ہے مالک نے دنیا میں زہد کیا اگر کوئی کوزہ لے جاتا تو ان کو کیا تھا۔ اس سے غرض یہ ہوئی کہ کوزہ کے گھر میں رہنے کی کراہت میں بھی اس کی طرف التفات پایا جاتا ہے۔ جس کا سبب ضعف اور نقصان ہے اب اگر کوئی کہے کہ جب نفرت دنیا داخل کمال تو نہیں تو انبیاء اور اولیاء کیوں شدت سے متنفر اور بھاگتے رہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا بھاگنا ایسا ہے جیسے پانی سے بھاگنا یعنے پانی کو مقدار حاجت پی لیا اور جس قدر بچا اس کو مشکوں اور پکھالوں میں بھر کر اپنے ساتھ لئے نہ پھرے بلکہ نہروں اور کنوؤں اور چشموں میں ہی ان لوگوں کے واسطے چھوڑ دیا جن کو اس کی ضرورت ہو نہ اس جہت سے کہ ان کے دل اس کی دوستی یا دشمنی میں مصروف تھے دیکھو زمین کے خزانے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے پاس آئے ح اور انہوں نے لے کر ان کے محل اور موقع میں خرچ کر دیئے ان سے بھاگے نہیں کیونکہ ان کے نزدیک مال اور پانی اور سونا اور پتھر برابر تھے اور کسی سے مال کے لینے سے انکار منقول ہے تو یا تو ایسے شخص سے منقول ہے کہ اس کو خوف ہوا کہ اگر لوں گا تو شاید مال کے فریب میں آ کر دل کا مقید ہو جاؤں گا اور شہوات کی طرف بلاوے گا اور یہ حال ضعیفوں کا ہے پس ان کے حق میں مال کی دشمنی اور اس سے بھاگنا ہی کمال ہے اور سب خلق کے لئے ایسا ہی حکم ہے اس لئے کہ سوائے انبیاء و اولیاء اور علماء سب ضعیف ہیں اور یا کسی شخص قوی سے منقول ہے جو درجہ کمال کا پہنچا ہو اس کے انکار کی وجہ یہ تھی کہ نفرت اور انکار اس واسطے ظاہر کیا کہ ضعف دیکھ کر پیروی کریں اور مال نہ لیں ورنہ لینے کی پیروی میں ان کی بربادی متصور ہے جیسا کہ سانپ کا منتر والا اپنی اولاد کے سامنے سانپ سے بھاگتا ہے اس کا بھاگنا کچھ اس وجہ سے نہیں ہوتا کہ وہ سانپ پکڑنے سے عاجز ہے بلکہ اس جہت سے ہوتا ہے کہ اگر مجھ کو سانپ پکڑتے میری اولاد دیکھے گی تو وہ بھی پکڑیں گے اور ہلاک ہوں گے اسی طرح انبیاء اور اولیاء اور علماء بھی ضعیفوں میں ضعیفوں کا سا حال بنا لیتے ہیں تاکہ ان کی اقتدا کی جاوے خلاصہ اس سب بیان کا یہ ہے

ح ا بخاری و مسلم بروایت انس و جابر مضمون ثابت ہے ۱۲۔

کہ مراتب چھ ہیں جن میں سب سے اعلیٰ رتبہ مستغنی کا ہے پھر زاہد اس کے بعد راضی اس کے بعد قانع پھر حریص کا باقی رہا مضطر تو اس کے باب میں زاہد اور رضا اور قناعت کا تصور ہو سکتا ہے اور ان احوال کے اختلافات کے بموجب اس کا رتبہ مختلف ہوتا ہے مگر فقیر ان پانچوں شخصوں زاہد اور راضی و قانع و حریص و مضطر کو کہہ سکتے ہیں۔ لیکن مستغنی کو اس معنی میں فقیر نہیں کہہ سکتے اگر اس کو فقیر کہیں گے تو اس اعتبار سے کہیں گے کہ وہ خدائے تعالیٰ کی طرف ہر ایک چیز میں محتاج ہے خاص کر اپنے استغنا میں مال سے پس مستغنی کو فقیر کہنا ایسا ہے جیسا وہ شخص کہ اپنے نفس کو پہچانے کہ خدا کا بندہ ہے اور اقرار بھی عبودیت کا کرے تو ایسے شخص پر بندے کا اطلاق غافلوں کی نسبت زیادہ شایاں ہے گو بندہ کا لفظ تمام خلق کے لئے عام ہے اسی طرح لفظ فقیر بھی عام ہے اور جو شخص اپنے نفس کو جانتے کہ اللہ تعالے کا فقیر یعنے محتاج ہے تو اس کو فقیر کہنا زیادہ اچھا ہے غرضکہ لفظ فقیر دونوں معنی میں مشترک ہے اور جب یہ بات معلوم ہو چکی تو ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فقیر کے باب میں یہ فرمایا کہ ح۱ اعوذ بک من الفقر اور کاد الفقر ان یکون کفرا ح۲ مخالف اس دعائے نبوی کے نہیں ح۳ اللھم احینی مسکینا وامتنی مسکینا کیونکہ اول میں مضطر کا فقر مراد ہے جس سے کہ آپ نے پناہ مانگی ہے اور جس فقر کی دعا مانگی ہے وہ یہ ہے کہ اقرار مسکنت اور ذلت اور احتیاج کا خدا کی طرف ہے اب دونوں حدیثوں میں مخالفت نہ رہی۔

مطلق فقر کی فضیلت از روئے قرآن

آیات قرآنی سے فضیلت فقر ثابت ہے چنانچہ ارشاد ہے ت۱ للفقراء المھاجرین الذین اخرجوا من دیارھم واموالھم یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا وینصرون اللہ ورسولہ اور فرمایا ت۲ للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ لا یستطیعون ضربا فی الارض اول سیاق کلام مدح کے طور پر فرمایا پھر فقر کی صفت کو ہجرت اور گھر جانے کے وصف سے مقدم فرمایا اور اس تقویم سے ظاہر ظہور فقر کی مدح پائی جاتی ہے اور احادیث میں بھی فقر کی مدح بہت پائی جاتی ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحابؓ سے پوچھا کہ لوگوں میں سے کون بہتر ہے عرض کیا کہ جو مالدار ہو اور اللہ کا حق اپنے نفس و مال میں ادا کرتا ہو آپ نے فرمایا کہ یہ شخص اچھا ہے مگر جس کو میں نے پوچھا ہے وہ نہیں پھر اصحاب نے عرض کیا کہ پھر کون شخص بہتر ہے آپ نے فرمایا ح۴ فقیر یعطی جھدہ ح۵ اور حضرت بلال کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الق اللہ فقیرا ولا تلقیہ

ح۱ اپناہ مانگتا ہوں تیری طرف مفلسی سے ۱۲ جلد اول باب ہفتم میں گزری ۱۲ ح۲ قریب ہے کہ فقیری ہو جاوے کفر ۱۲ جلد سوم باب غضب کی برائی میں گزری ح۳ الٰہی زندہ رکھ مجھ کو مسکین اور مار مجھ کو مسکین ۱۲ ترمذی بروایت انس حاکم بروایت ابو سعید ح۴ فقیر جو اپنی جانفشانی کی چیز دیوے ۱۲۔ ح۵ خدائے تعالے سے مل فقیر ہو کر اور نہ مل غنی ہو کر ۱۲ حاکم بروایت بلال اور یہ حدیث ضعیف ہے ۱۲ ت۱ واسطے ان مفلسوں اور وطن چھوڑنے والوں جو نکالے گئے ہیں اپنے گھروں سے اور مالوں سے ڈھونڈتے آئے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی اور مدد کرنے کو اللہ کی اور اس کے رسول کی ۱۲ ت۲ دینا ہے ان مفلسوں کو جو اٹک رہے ہیں اللہ کی راہ میں اور چل پھر نہیں سکتے ملک میں ۱۲

غنیاً اور ایک حدیث میں فرمایا ح۱ ان اللہ یحب الفقیر المتعفف ابا العیال اور حدیث مشہور ہے ح۲ ید خل
فقراء امتی الجنة قبل اغنیاءھم بخمسمائة اور ایک حدیث میں چالیس خریف یعنی چالیس برس آئے ہیں تو
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فقیر حریص غنی حریص کی نسبت چالیس برس پیشتر جاوے گا اور فقیر زاہد غنی راغب کی نسبت کہ
پانسو برس پیشتر جنت میں داخل ہوگا اور ہم نے جو درجات فقر کا اختلاف ذکر کیا ہے اس سے تم کو قطعاً فرق فقرا کے
درجات کا ذہن میں آیا ہوگا اور اس تحریر بالا سے معلوم کر لوگے کہ فقیر حریص کا درجہ فقیر نسبت زاہد کی نسبت سارھے
بارا ہواں ہے جو کہ نسبت چالیس کو ہے پانسو کی طرف اور یہ گمان نہ کرنا چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مقدار
معین فرمائی تو بسبب اتفاق یا لغو کی طرح زبان سے نکل گئی ہے بلکہ آپ تو ہر بات میں حقیقت بیان فرماتے تھے
چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ت۱ وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی اور ان درجات فقر کے باب
میں جو تعین ہے وہ ایسی ہے جیسے آپ نے فرمایا ہے ح۳ الرؤیا الصالحة جزء من ستة اربعین جزء
من النبوة اس میں جو سچے خواب کو چھیالیسواں حصہ نبوت کا فرمایا ہے تو یہ انداز در حقیقت ایسا ہی ہے۔ لیکن آپ کے
سوا کسی کی مجال نہیں کہ اس نسبت کی وجہ سوائے تخمین کے جان لے کہ واقعی علت کسی کو معلوم نہیں ہو سکتی۔ اس واسطے
کہ یہ بات معلوم ہے کہ نبوت اس کو کہتے ہیں جو نبی سے خاص ہو اور اسی کے باعث نبی اور لوگوں سے علیحدہ بھی ہو اور نبی میں بہت
سے خواص ہوتے ہیں اول تو یہ کہ جو امور خدا تعالیٰ سے اور اس کی صفات اور فرشتوں اور دار آخرت سے متعلق ہوں
ان کا احوال واقعی جانتا ہو نہ اس طرح کہ جیسے اور لوگ سمجھتے ہیں بلکہ کثرت معلومات اور زیادتی یقین اور تحقیق اور
کشف میں عوام کے مخالف ہو دوسرے یہ کہ نبی کے نفس میں وہ صفت ہوتی ہے کہ جس سے افعال عادات کے خلاف
پورے ہوتے ہیں . . . . جس طرح ہم میں ایک صفت ہے کہ اس کے باعث ہمارے ارادے اور
اختیار یعنی قدرت سے پورے ہوتے ہیں گو قدرت اور مقدور سب اللہ تعالیٰ کے افعال سے ہیں تیسرے یہ
کہ نبی میں ایک ایسی صفت ہوتی ہے جس کے باعث فرشتوں کو دیکھ لیتا ہے جیسا بینا آدمی ہیں۔ مثلاً ایک صفت
ایسی ہے جو اندھوں میں نہیں وہ یہ ہے کہ محسوسات کو دیکھ لیتا ہے چوتھی صفت یہ ہے کہ نبی میں وہ خاصیت ہوتی ہے
جس سے غیب کا حال اس کو خواب یا بیداری میں معلوم ہو جاتا ہے یعنے اس خاصیت کے باعث لوح محفوظ کا
مطالعہ کر لیتا ہے اور کچھ اس میں غیب کا حال لکھا ہوتا ہے اس کو معلوم کر لیتا ہے پس یہ کمالات وصفات ایسے ہیں
کہ ان کا ثبوت انبیاء کے لئے ظاہر ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ان میں سے ہر ایک خاصیت کئی اقسام میں منقسم ہو سکتی

ح۱ اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے فقیر سوال نہ کرنے والے صاحب عیال کو ۱۲- ابن ماجہ بروایت ابن حسن ح۲ میری اُمت کے فقیر توانگروں
کی نسبت پانچ سو برس پیشتر جنت میں داخل ہوں گے ۱۲ ترمذی بروایت ابو ہریرہ ح۳ سچا خواب ایک جزء ہے نبوت کے
چھیالیس جزوں سے ۱۲ بخاری بروایت ابو سعید ۱۲
ت۱ اور نہیں بولتا اپنی چادر سے یہ تو حکم ہے جو پہنچتا ہے اس کو ۱۲

ہے اور ہم بھی اس کی تقسیم اگر چالیس اور ساٹھ وغیرہ تک کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں بلکہ اگر تکلف کریں تو ہو سکتا ہے کہ تمام صفات متعلقہ نبی کو چھیالیس ہی ثابت کر دیں تاکہ سچے خواب چھیالیسواں حصہ نبوت کا ہو لیکن مگر تقسیمات کے طریقوں کا معین کرنا بدون ظن اور تخمین[۱] کے نہ ہوگا تو ٹھیک ٹھیک معلوم نہ ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی چھیالیسواں حصہ اسی تقسیم کی رو سے مراد لیا ہے یا نہیں ہاں صفات کلی جن سے نبوت کامل ہوتی ہے وہ معلوم ہیں اور ان کے منقسم ہونے کی اصل[۲] معلوم ہے مگر اس سے مقدار خاص مقرر کرنے کی وجہ معلوم نہیں ہو سکتی اسی طرح حدیث مذکور میں ہم جانتے ہیں کہ فقرا کے بہت سے درجات ہیں جیسا پہلے معلوم ہوا مگر یہ فقیر حریص کا درجہ فقیر کی نسبت ساڑھے بارھواں حصہ کیوں ہوا جس کی جہت سے اول تو صرف چالیس برس ہی پیشتر غنی سے رہے گا اور دوسرا پانسو برس کے تقدم کا سزاوار ہوگا۔ تو اس کا جاننا سوائے انبیاء علیہ السلام کے طاقت بشری سے خارج ہے البتہ اگر کوئی کچھ کہے گا تو اٹکل سے کہے گا جس پر اعتماد و وثوق نہ ہوگا غرض کہ ہماری غرض یہ تھی کوئی ضعیف الایمان یہ نہ سمجھ لے کہ آپ نے جو مقادیر مقرر فرمائے ہیں یہ قیود اتفاقی ہیں کیونکہ منصب نبوت ایسی باتوں سے مبرا ہے تو یہی جان لینا چاہیئے کہ اندازہ جو کچھ آپ نے فرمایا ہے وہ بجا اور درست ہے اب اصل غرض کی طرف متوجہ ہوتے ہیں یعنی احادیث فقر کے مدح کی لکھتے ہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ح[۱] خیر ھذہ الامۃ فقراءھا واسرعھا تضجعا فی الجنۃ ضعفاءھا اور فرمایا ح[۲] ان لی حرفتین اثنتین فمن احبھما فقد احبنی ومن ابغضھما فقد ابغضنی الفقر والجھاد اور فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمایا کہ اے محمدؐ اللہ عزوجل تم کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ کیا تم کو پسند ہے کہ میں ان پہاڑوں کو سونے کا کردوں جہاں تم رہو تمہارے ساتھ رہا کریں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ساعت سر جھکا لیا پھر فرمایا کہ اے جبرئیل[۳] ان الدنیا دار من لا دار لہ ومال من لا مال لہ ولھا یجمع من لا عقل لہ حضرت جبرئیل نے عرض کیا کہ یا محمدؐ بے شک یثبتک اللہ بالقول الثابت اور روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے سفر میں ایک سونے آدمی کے پاس سے گزرے جو ایک کملی میں لپٹا ہوا تھا۔ آپ نے اس کو جگایا اور فرمایا کہ اے سونے والے اٹھ اور خدا کا ذکر کر اس نے کہا کہ آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں میں نے دنیا کو اس کے اہل کے لئے چھوڑ دیا ہے آپ نے فرمایا کہ اے حبیب اب تم سو رہو اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک شخص پر گزرے جو مٹی پر سوتا تھا اور سر کے تلے اینٹ تھی اور چہرہ اور داڑھی پر خاک تھی اور ایک کملی کا تہمد

---

[۱] اصل میں جزاف ہے جس کے معنی اٹکل و تخمینہ کے ہیں [۲] اصل میں ہے مگر تقسیمات ممکنہ کے طریقوں میں سے ایک ہی طریق کا ۱۲ ح ا بہتر اس امت کے فقیر ہیں اور جنت میں جلد تر لوٹ لگانے والے امت کے ضعیف لوگ ہیں ۱۲ اس کی اصل مجھے نہیں ملی ۱۲ ح ۲ میرے دو پیشے ہیں جس نے ان کو پسند کیا اس نے مجھ کو محبوب رکھا اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا ایک فقیری ہے دوسرا جہاد ۱۲ اس کی سند مجھے نہیں ملی ۱۲ ح ۳ دنیا اس شخص کا گھر ہے جس کا گھر نہ ہو اور اس کا مال ہے جس کے پاس مال نہ ہو اور اس کو وہ جوڑتا ہے جس کو عقل نہ ہو ۱۲ یہ حدیث اور حدیثوں سے مرکب کر دی ہے پہلا ٹکڑا ترمذی حدیث کا ہے جو بروایت ابو امامہ نقل کیا ہے اور الدنیا دار من لا دار لہ آخر تک احمد نے بروایت عائشہ رض روایت کیا ہے ۱۲ ح ۴ اے محمدؐ تم کو اللہ نے قول محکم پر جما دیا ۱۲

باندھے تھا آپ نے جناب باری میں عرض کیا کہ الٰہی تیرا یہ بندہ دنیا میں ضائع ہے حکم ہوا کہ اے موسیٰ تجھ کو معلوم نہیں کہ جب میں اپنے کسی بندے کی طرف سارے منہ سے توجہ کرتا ہوں تو اس سے تمام دنیا کو علیحدہ کر دیتا ہوں اور حضرت ابورافع سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں ایک مہمان وارد ہوا آپ کے پاس اس وقت اس کی خاطر داری کی کوئی چیز نہ تھی آپ نے مجھ کو ایک خیبر کے یہود کے پاس بھیجا اور فرمایا کہ اس سے کہنا کہ رجب کے مہینے کے وعدے پر ہم کو آٹا خواہ قرض دے یا پھر فروخت کر کے اس کے دام وعدے پر لے میں نے اس یہودی کے پاس آکر پیام حضرت کا ادا کیا اس نے کہا کہ میں بدون رہن کے نہیں دوں گا میں نے آپ کی خدمت میں ماجرا عرض کیا آپ نے فرمایا کہ آگاہ رہو بخدا کہ میں آسمان والوں میں امین ہوں اور زمین والوں میں امین ہوں اگر وہ شخص میرے ہاتھ بیچتا یا قرض دیتا تو میں ادا کر دیتا جا میری زرہ لے جا اور گروی کر دے پس جب میں نکلا تو یہ آیت اتری۔ ت ا ولا تمدن عینیک الی ما متعنا به ازواجا منهم زهرة الحيوة الدنيا لنفتنهم فيه ورزق ربك خير وابقى[۱] اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر مبارک کو دنیا سے تسلی دی۔ خدا تعالیٰ کو منظور ہے اور ایک حدیث میں آپ نے فرمایا اح الفقر ازین بالمومن من العذار الحسن علی خد الفرس اور فرمایا من[۲] اصبح منکم معافی فی جسمه امنا فی سربه عنده قوت یوم فکانما حیزت له الدنیا بحذافیرها اور حضرت کعب احبار فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ اے موسیٰ جب تو فقیر کو آتے دیکھے تو یوں کہہ کہ خوب ہوا کہ صلحا کا شعار آیا اور عطاء خراسانی کہتے ہیں کہ ایک نبی انبیاء علیہ السلام میں سے کنارہ دریا پر تشریف لے گئے دیکھا تو ایک شخص شکار کھیلتا تھا۔ اس نے بسم اللہ کہہ کر جال ڈالا مگر کچھ نہ نکلا۔ پھر ایک دوسرے شخص کے پاس کو گزر ہوا اس نے جال بسم الشیطان کہہ کر پھینکا تو اس میں اس قدر مچھلیاں آئیں کہ کثرت کی جہت سے ان کے پکڑنے سے پہلو تہی کرتا تھا آپ نے جناب باری میں عرض کیا کہ الٰہی یہ کیا بات ہے یہ تو میں جانتا ہوں کہ سب تیرے ہی قبضہ قدرت میں ہے خدا تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ میرے بندے کے واسطے ان دونوں کا مرتبہ دکھلا دو۔ جب آپ نے اول شخص کی بزرگی اور دوسرے کی اہانت اور ذلت کو مشاہدہ کیا تو فرمایا کہ الٰہی میرا اطمینان ہو گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے جنت میں جھانکا تو اکثر اس کے لوگوں کو فقیر دیکھا اور دوزخ میں جو جھانکا تو اس کے لوگ اکثر غنی اور عورتیں نظر آئیں اور ایک روایت میں ہے کہ میں نے پوچھا غنی کہاں ہیں حکم ہوا کہ ان کو غنا نے رد کر دیا اور مقید کیا اور ایک روایت میں ہے کہ اکثر دوزخ والوں کو میں نے عورتیں دیکھیں میں نے

ح ا طبرانی بروایت ابورافع بسند ضعیف ۱۲ ح ۲ فقر مومن پر زیادہ اچھا ہے نسبت عمدہ پوزی کے گھوڑے کے گلے پر ۱۲۔ طبرانی بروایت شداد بن اوس بسند ضعیف ح ۳ جو شخص صبح کرے تندرست اپنے بدن میں اور مامون اپنے نفس میں اور اس کے پاس اس روز کی غذا ہو تو گویا تمام دنیا اس کو حاصل ہے ۱۲ اور گزری۔ ت ا اور نہ پسار اپنی آنکھیں اس چیز پر جو برتنے کو دی ہم نے ان بھانت بھانت لوگوں کو دنیا جیتے ان کے جانچنے کو اور تیرے رب کی دی روزی بہتر ہے اور دیر رہنے والی ۱۲

پوچھا کہ ان کا کیا حال ہے یعنے یہ سب دوزخ میں کیوں گئیں حکم ہوا دو سرخ چیزوں میں لگے رہنے سے یعنی سونا اور زعفران کے شغل کے باعث اور ایک حدیث شریف میں ہے کہ مومن کا تحفہ دنیا میں فقر ہے اور یہ بھی وارد ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں سب سے پیچھے جنت میں حضرت سلیمان جاویں گے اپنی سلطنت کے باعث اور اصحابؓ میں سے حضرت عبدالرحمان بن عوف اپنی غنا کی وجہ سے سب کے بعد جنت میں جاویں گے۔ . . . . اور ایک روایت میں ہے کہ میں نے عبدالرحمان کو دیکھا کہ جنت میں آہستہ آہستہ چل کر داخل ہوا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ غنی جنت میں شدت یعنی بڑی محنت سے داخل ہوگا اور ایک حدیث میں جو اہل بیت سے مروی ہے وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[ح] اذا احب اللہ عبدا ابتلاہ فاذا احب الحب البالغ اقتناہ لوگوں نے اقتناہ کے معنی پوچھے آپ نے فرمایا کہ اس کے لئے نہ اہل چھوڑا نہ مال اور ایک حدیث میں ہے کہ جب تو فقر کو آتے دیکھے تو کہہ کہ مرحبا بشعار الصالحین اور جب غنا کو آتے دیکھے تو کہہ کہ کسی گناہ کا عذاب جلد آگیا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جناب باری میں عرض کیا کہ الٰہی تیری مخلوق میں سے تیرے دوست کون لوگ ہیں۔ مجھے معلوم ہوں تو میں بھی ان کو تیری خاطر دوست رکھوں حکم ہوا کہ کل فقیر فقیر یعنی میرے دوست ہر ایک فقیر محتاج ہیں دوبار فرمانا فقیر کا یا بغرض تاکید ہے یا دوسرے فقیر سے سخت مصیبت والا مراد ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں مسکنت کو پسند کرتا ہوں اور دولت کو برا جانتا ہوں اور اگر کوئی آپ کو یا مسکین کہہ کر پکارتا تو اس نام کو سب ناموں سے اچھا جانتے اور جب سرداروں اور عرب کے تونگروں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ ایک روز ہمارے لئے مقرر کر دیجئے اور ایک روز فقرا یعنے حضرت بلالؓ جیسے اور سلمان فارسی اور صہیب رومی اور ابوذر غفاری اور خباب بن ارت اور عمار بن یاسر اور ابوہریرہ اور فقرائے اصحاب صُفّہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لئے ٹھہرا دیجئے کہ جس روز وہ آپ کے پاس آویں تو ہم نہ آویں اور ہم آویں تو وہ نہ آویں اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ان لوگوں کا لباس اون کا ہوتا تھا گرمی کی شدت میں عرق جو نکلتا تو کپڑوں میں سے بو پیدا ہوتی اور تونگروں کو مثل اقرع بن حابس تمیمی اور عیینہ بن بدر فزاری اور عباس بن مرداس وغیرہ کہ ان کی بو سے ایذا ہوتی تھی۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کی آپ نے ان کی درخواست کی پذیرائی فرمائی کہ اچھا ایک مجلس میں دونوں فریق کو جمع نہ کریں گے پس یہ آیت اتری۔ ت ۱ واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغداۃ والعشی یریدون وجھہ ولا تعد عیناک عنھم ترید زینۃ الحیوۃ الدنیا ولا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا یعنے فقرا کے ساتھ رہو اور اغنیاء کی اطاعت نہ کرو اور

ح ۱ احمد بروایت عبداللہ بن عمرو ۱۲ ح ۲ جلد دوم باب النکاح میں گزری ۱۲ ح ۳ ابو منصور در مسند فردوس بروایت معاذ بن جبل ۱۲ ح ۴ اوپر گزری ۱۲ ح ۵ اوپر گزری ۱۲

ح ۶ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو دوست رکھتا ہو تو اس کو مبتلا کرتا ہے اور جب نہایت درجے کی اس سے محبت کرتا ہے تو اس کو چھانٹ لیتا ہے ۱۲ طبرانی بروایت عنبہ خولانی ۱۲

ت ۱ اور تھام رکھ آپ کو ان کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام طالب ہیں اس کے منہ کے اور نہ دوڑیں تیری آنکھیں ان کو چھوڑ کر تلاش میں رونق دنیا کی زندگی کی اور نہ کہا مان اس کا جس کا دل ہم نے غافل کیا اپنی یاد سے۔ ۱۲۔ ح ۷ ابو منصور بروایت مکحول عن ابی الدرداء مگر مکحول کا سننا ابو درداء سے ثابت نہیں ۱۲ ؂

دوسری جگہ ارشاد ہے ت او قل الحق من ربکم یعنے فقراء کے ساتھ ت ۲ فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر اور حضرت ابن ام مکتوم نابینا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آنے کے لئے اجازت چاہی اس وقت کہ آپ کی خدمت اقدس میں ایک شخص قریش کے روسا میں سے حاضر تھا آپ کو ان کا حاضر ہونا ناگوار ہوا اللہ تعالے نے یہ آیت نازل فرمائی ت ۳ عبس وتولی ان جاءہ الاعمی وما یدریک لعلہ یزکی او یذکر فتنفعہ الذکری یعنی ابن مکتوم کو اما من استغنی فانت لہ تصدی .... اس سے مراد وہ رئیس ہے اور ایک حدیث شریف میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دن فقیر کو اللہ تعالیٰ بلا کر ایسی طرح معذرت فرماوے گا جیسے آدمی آپس میں ایک دوسرے سے عذر کرتے ہیں ارشاد فرماوے گا کہ قسم ہے اپنے عزت وجلال کی میں نے دنیا تجھ سے اس وجہ سے علیحدہ نہیں رکھی کہ تو میرے نزدیک ذلیل تھا بلکہ اس جہت سے کہ تجھ کو یہاں کرامت اور فضیلت موجود کر رکھی تھی میرے بندے اب تو ان صفوں میں جا اور پہچان کہ جس نے تجھ کو دنیا میں میرے واسطے کھلایا ہو یا پہنایا ہو اور اس کی غرض سوائے میری رضا کے اور کچھ نہ ہو تو اس کا ہاتھ پکڑ لے اس کا میں نے تجھ کو اختیار دیا اور اس وقت لوگوں کا یہ حال ہو گا کہ عرق منہ تک آیا ہوا ہو گا یہ شخص صفوں کو چیرے گا اور دیکھے گا کس نے میرے ساتھ یہ سلوک بالا کیا تھا جس کو الیا دیکھے گا اس کا ہاتھ پکڑ کر جنت میں لے جاوے گا اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ فقیروں کی شناخت بہت کیا کرو اور ان کے پاس سے نعمت حاصل کرو اس لئے کہ ان کے پاس دولت ہے لوگوں نے عرض کیا کہ ان کے پاس کیا دولت ہے فرمایا کہ جب قیامت کا دن ہو گا تو ان سے یہ کہا جاوے گا کہ دیکھو جس نے تم کو ایک ٹکڑا کھلایا ہو یا ایک گھونٹ پانی دیا ہو یا کوئی کپڑا پہنایا ہو تو اس کا ہاتھ پکڑ وا اور جنت میں پہنچا دو اور ایک حدیث شریف میں ہے کہ میں جنت میں گیا تو اپنے آگے ایک چال سنی پھر جو دیکھا تو بلال تھا اور جنت کے اوپر کے جو طبقات دیکھے تو ان میں میری امت کے فقیر اور اولاد نظر آئی اور نیچے کو دیکھا تو اس میں تو انگر اور عورتیں دکھائی دیں اور ان کی بھی تعداد کم، میں نے پوچھا کہ ان کی قلت کی وجہ کیا ہے حکم ہوا کہ عورتوں کو تو دو سرخ چیزوں سونے اور حریر نے نقصان میں ڈالا اور تو انگر بڑے حساب میں پھنس گئے اور میں نے اپنے اصحاب کو جو وہاں تلاش کیا تو عبد الرحمان بن عوف کو نہ دیکھا پھر وہ میرے پاس روتے ہوئے آئے میں نے پوچھا کہ تم مجھ سے پیچھے کیوں رہے تھے انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھ کو آپ تک آنا میسر نہ ہوا یہاں تک کہ سب ثنیات کو طے کر گیا اور مجھے یہ شک تھا کہ دیکھئے آپ سے ملتا ہوں یا نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ یہ

ت ۱ اور کہہ کہ سچی بات ہے تمہارے رب کی طرف سے ۱۲ ت ۲ پھر جو کوئی چاہے مانے اور جو کوئی چاہے نہ مانے ۱۲ ت ۳ تیوری چڑھائی اور منہ موڑا اس سے کہ اس کے پاس اندھا آیا اور تجھ کو کیا خبر ہے شاید کہ وہ سنورتا یا سوچتا تو کام آتا اس کا سمجھانا وہ جو پرواہ نہیں کرتا سو تو اس کی فکر میں ہے ح ۸ اسباب میں حدیث خباب ارت کی اوپر گزری مگر اس میں لباس پہننے کا ذکر نہیں یہ ذکر سلیمانؓ کی حدیث میں آیا ہے ۱۲ ح ۶ ابن حبان در ثواب بروایت انس بسند ضعیف ۱۲ ح ۷ ابو نعیم در حلیہ بروایت انس ۱۲ ح ۸ طبرانی بروایت ابو امامہ بسند ضعیف ۱۲ اور حضرت بلال کا قصہ حدیث صحیح میں اور طرح پر آیا ہے ۱۲

کیوں عرض کیا انہوں نے کہ مجھ سے میرے مال کا حساب لیا جاتا تھا۔ اس بات کو دیکھنا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو بڑے سابقہ والے ہیں اور ان دس آدمیوں میں سے ہیں جو مخصوص اور قطعی جنتی ہیں اور نیز ایسے توانگروں میں سے ہیں جن کی شان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے الا من قال ھٰکذا وھٰکذا یعنے داد و دہش بموجب فحوائے اس حدیث کے آپ بہت کرتے تھے مگر یہ سب کچھ تھا اور باوجود اس کے توانگری سے اس درجہ کا ضرر پایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک فقیر آدمی کے پاس تشریف لے گئے اور اسکے پاس کچھ نہ دیکھا فرمایا کہ اگر اس کا تمام فقر زمین والوں کو تقسیم کیا جاوے تو سب کو ہی پہنچے اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ کیا نہ بتاؤں تم کو جنت والوں کے بادشاہ لوگوں نے عرض کیا کہ بتلا دیجئے آپ نے فرمایا کل ضعیف مستضعف اغبر اشعث ذی طمرین لا یعبأ له لو اقسم علی اللّٰہ لابرہ اور حضرت عمران بن حصین فرماتے ہیں کہ مجھ کو جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک عزت اور منزلت تھی آپ نے فرمایا کہ تمہاری ہم عزت و منزلت کرتے ہیں اگر کہو تو اپنی لخت جگر فاطمہؓ کی بیمار پرسی کو چلیں میں نے عرض کیا کہ بہت بہتر آپ کھڑے ہوئے اور میں بھی آپ کے ساتھ چلا یہاں تک کہ حضرت فاطمہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر دستک دی اور فرمایا السلام علیکم میں اندر آؤں حضرت فاطمہ زہرا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ تشریف لاویں آپ نے فرمایا کہ میں اور میرے ساتھ والا دونوں آتے ہیں انہوں نے پوچھا کہ آپ کے ہمراہ کون ہیں آپ نے فرمایا عمران حضرت فاطمہ نے عرض کیا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے تم کو نبی برحق کر کے بھیجا ہے میرے بدن پر سوا ایک کملی کے اور کچھ نہیں آپ نے فرمایا کہ اس کو یوں لپیٹ لو اور ہاتھ سے اشارہ کر دیا انہوں نے عرض کیا کہ میں نے اپنا بدن تو چھپا لیا مگر سر کو کیا کروں آپ کے پاس ایک پرانی چادر بدن پر تھی وہ ان کے پاس پھینک دی اور فرمایا کہ اس سے سر باندھ لو غرض جب انہوں نے بدن اور سر چھپا لیا تو اجازت اندر آنے کی دی اور السلام علیکم کہہ کر پوچھا کہ بیٹا صبح کو تمہارا کیا حال رہا انہوں نے عرض کیا کہ میں مبتلائے درد رہی اور دکھ پر زیادہ دکھ یہ ہے کہ میرے پاس کھانے کے لئے کچھ نہیں بھوک نے مجھ کو ستایا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رو پڑے اور فرمایا کہ اے جان پدر گھبراؤ مت کہ بخدا میں نے بھی تین دن سے کھانا نہیں چکھا اور میری عزت خدا کے نزدیک تجھ سے زیادہ ہے اور اگر میں اپنے پروردگار سے درخواست کرتا تو وہ مجھ کو کھلا دیتا مگر میں نے آخرت کو دنیا پر اختیار کیا پھر اپنا دست مبارک ان کے شانے پر مارا اور فرمایا کہ تجھ کو مژدہ ہو کہ تو جنت والی عورتوں کی سردار ہے انہوں نے عرض کیا کہ آسیہ فرعون کی بی بی اور مریم عمران کی بیٹی کا درجہ کہاں ہے آپ نے فرمایا

ح ۹ اسباب سنن بروایت سعید بن زید ۱۲ ح ۱۰ بخاری و مسلم بروایت ابو ذر ۱۲ ح ۱۱ یہ حدیث مجھ کو نہیں ملی ۱۲ ع یعنی ایسے ہولناک امور جن سے بچہ بوڑھا ہو جائے ۱۲ ح ۱۲ ترمذی بروایت عائشہ اور کہا ہے کہ غریب ہے ۱۲ ح ۱ ہر ایک ضعیف کہ لوگ بھی اسکو ضعیف جانیں غبار آلود پریشان مو دو چادریں رکھنے والے لوگوں کے نزدیک بے قدر اگر اللہ تعالیٰ پر قسم دے دے تو خدا اسکو سچا کر دے ۱۲ بخاری و مسلم بروایت حارثہ بن وہب مختصراً اور اس میں ملوک نہیں ہے ۱۲

کہ آسیہ اپنے وقت کی عورتوں کی سردار ہے اور مریم علیہ السلام اپنے وقت کی عورتوں کی اور خدیجہ اپنے وقت کی اور تو اپنے وقت کی عورتوں کی سردار ہے تم سب کی سب ایسے مکان میں رہو گی جو زبرجد کے بنے یا یاقوت سے جڑے ہوں گے ان میں نہ کسی طرح کی ایذا ہو گی نہ شور و غل نہ تعب و مشقت پھر فرمایا کہ اپنے چچا کے بیٹے پر یعنے حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر قانع رہ کہ میں نے تیرا نکاح ایسے سے کیا ہے جو دنیا میں سردار ہے اور آخرت میں سردار ہے۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب لوگ اپنے فقیروں کو برا جاننے لگیں گے اور دنیا کی امارت ظاہر کریں گے اور روپیہ جمع کرنے میں خصومت باہمد گر کریں گے تو اللہ تعالٰے ان کو چار خصلتوں کا نشانہ بنا دے گا اول قحط دوم ظلم سوم والیان حکام یعنے قاضی و مفتی وغیرہ کی خیانت چہارم دشمنوں کا زور اور فضل فقر میں آثار بھی بہت ہیں چنانچہ حضرت ابو درداء فرماتے ہیں کہ دو درم والا ایک درم والے کی نسبت کرسخت روکا جاوے گا یا کڑا حساب لیا جاوے گا اور حضرت عمرؓ نے سعید بن عامر کے پاس ہزار دینار بھیجے تو بہت رنجیدہ اور دردمند گھر میں آئے ان کی بی بی نے پوچھا کہ کیا کوئی نئی بات پیدا ہوئی آپ نے فرمایا کہ اس سے بھی بڑھ کر ہے پھر فرمایا کہ ذرا اپنا پرانا دوپٹہ مجھے دو جب دوپٹہ آیا تو اس کو پھاڑ کر تھیلیاں بنائیں ان میں وہ دینار بھر کر تقسیم کر دیے پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھنی شروع کر دی اور صبح تک روتے رہے پھر فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ میری امت کے فقیر جنت میں توانگروں کی نسبت پانسو برس پیشتر داخل ہوں گے یہاں تک کہ اگر کوئی غنی ان کی جماعت میں گھس جاوے گا تو اس کا ہاتھ پکڑ کر نکال دیا جاوے گا اور حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ تین آدمی جنت میں بے حساب داخل ہوں گے ایک وہ شخص کہ اپنا کپڑا دھونا چاہے تو پرانا اس کے پاس نہ ہو کہ اس کو پہن لے دوسرے وہ کہ اپنے چولہے پر دو ہنڈیاں نہ چڑھاتی ہوں تیسرے وہ کہ پانی مانگے تو اس سے یہ نہ کہا جاوے کہ کون سا پانی منظور ہے یعنے تکلف اور کثرت کھانے پینے اور لباس میں نہ ہو اور روایت ہے کہ ایک فقیر حضرت سفیان ثوری کی مجلس میں آیا تو آپ نے اس سے کہا کہ نزدیک آؤ۔ اگر تو غنی ہوتا تو کبھی پاس نہ بلاتا اور جو لوگ ان کے یاروں میں توانگر تھے وہ یہ تمنا کرتے کہ کاش ہم بھی فقیر ہوتے کیونکہ فقرا کو آپ بہت پاس بٹھلاتے تھے اور توانگروں کی طرف توجہ نہ کرتے تھے اور موملؒ کہتے ہیں کہ غنی کو جیسا ذلیل میں نے ان کی مجلس میں دیکھا ہے ایسا کہیں نہیں دیکھا اس طرح فقیر کی عزت جیسی ان کے یہاں ہوتی تھی اور کہیں نہیں دیکھی، اور بعض حکماء کا قول ہے کہ اگر بے چارہ آدمی دوزخ سے اتنا ڈرتا جتنا درویشی سے ڈرتا ہے تو دونوں سے نجات پاتا اور اگر جنت کی رغبت ایسی کرتا جیسی مالداری کی تو دونوں باتیں حاصل ہوتیں اور اگر دل میں خدا تعالٰے سے اتنا ڈرتا جتنا ظاہر میں اس کی مخلوق سے ڈرتا ہے تو دونوں جہان میں سعادت پاتا اور حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ جو شخص مالداری کی جہت سے تعظیم کرے اور فقیری کی

لح یہ حدیث پیشتر گزر چکی ہے ح ۲ ابو منصور اور اس کی سند میں جہالت ہے اور حدیث منکر ہے ۱۲ ح ۳ اس کی سند اوپر گزری ۱۲

جہت سے اہانت وہ ملعون ہے اور حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ کسی کو پرانے کپڑے ہونے کی جہت سے حقیر مت جاننا کیوں کہ تیرا اور اس کا پروردگار ایک ہی ہے۔ ~

خاکساران جہاں را بحقارت منگر ؛ تو چہ دانی کہ درین گرد سوارے باشد

اور یحیٰے بن معاذ فرماتے ہیں کہ فقرا کی محبت پیغمبروں کی عادات میں سے ہے اور ان کی ہم نشینی اختیار کرنی صلحا کی شناخت ہے اور ان کی صحبت سے بھاگنا منافقوں کی علامات میں سے ہے سچ ہے۔ شعر

گر تو خواہی ہمنشینی با خدا ؛ گو نشین اندر حضور اولیا

اور پہلی کتابوں سے یہ خبر منقول ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے بعض انبیاء علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ اس بات سے ڈرتا رہ کہ میں تجھ پر غصہ ہوں پھر تو میری نظر سے گر جاوے پھر میں دنیا تیرے اوپر یکبارگی انڈیل دوں اور حضرت عائشہ کا دستور تھا کہ ایک روز میں لاکھ لاکھ درم بانٹ دیتیں اور یہ درم آپ کے پاس حضرت معاویہ اور ابن عامر وغیرہما بھیج دیا کرتے تھے اور باوجود اس کثرت مال کے دوپٹہ آپ کا پیوند لگا رہتا تھا اور اگر آپ کی خادمہ کہتی کہ ایک درم کا گوشت اگر آپ خرید دیتیں تو روزہ اسی سے افطار کرتیں آپ فرماتیں کہ اگر تو یاد دلا دیتی تو میں ایسا ہی کرتی اور یہ سب اس لئے تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو وصیت فرمائی تھی کہ اگر تو مجھ سے ملنا چاہتی ہے تو فقرا کی سی زندگی اختیار کرنا اور توانگروں کے پاس مت بیٹھنا اور اپنا دوپٹہ جب تک مت اتارنا جب تک اس میں پیوند لگا لے اور ایک شخص حضرت ابراہیم بن ادہم کے پاس ایک ہزار درہم لایا آپ نے اس کے قبول کرنے سے انکار فرمایا۔ اس شخص نے بہت منت کی تو آپ نے فرمایا کہ کیا تجھے یہ منظور ہے کہ دس ہزار درم کے عوض میں میرا نام فقیروں کے دفتر میں سے مٹا دے سو ایسا میں کبھی نہ کروں گا۔

صادقین اور قانع لوگوں کا فقر اور اس کے فضائل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ طوبیٰ لمن هدى الى الاسلام وكان عيشه كفافا وقنع به[ح ۱، ح ۲]

اور دوسری حدیث میں ارشاد ہے ح ۳ یا معشر الفقراء اعطوا الله الرضا من قلوبكم تظفروا بثواب فقركم والا فلا ...... حدیث قانع کی فضیلت ہے اور دوسری میں راضی کی اور دوسری حدیث کے معانی سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حریص کو فقر کا ثواب نہیں ہوتا مگر عام احادیث جو فقر کی فضیلت میں وارد ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حریص کو بھی ثواب ملے گا۔ چنانچہ عنقریب اس کی تحقیق آوے گی تو شاید یہاں مراد عدم رضا سے یہ ہو گی کہ خدا تعالےٰ کے اس فعل کو کہ دنیا اس سے روک لی برا جانتے۔ اسی برا جاننے سے فقر کا ثواب جاتا رہتا ہے۔ اور بہت سے حریص ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے دل میں انکار خدا تعالیٰ کے

ح ۱ ترمذی وحاکم بروایت عائشہ رضہ ۱۲ ح ۲ خوشحالی ہے اس کو جو ہدایت کیا گیا ہو اسلام کی طرف اور اس کی معیشت بقدر گذران ہو اور اسی پر قانع ہو ۱۲ ح ۳ اے فقیروں کے گروہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی اپنے دلوں سے کرو تم کو ثواب تمہارے فقر کا ملے ورنہ نہیں ملے گا ۱۲۔ ابو منصور دیلمی در مسند فردوس بروایت ابوہریرہ بسند ضعیف ۱۲۔

فعل پر یا اس کو بُرا جانتا نہیں گزرتا تو ان کو ثواب بھی ہوگا اور حضرت عمر فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا کہ ہر ایک شئے کی ایک کنجی ہے اور جنت کی کلید مساکین کی محبت ہے اور صابر فقیر قیامت کے دن خداوند کریم
کے جلیس ہوں گے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ بندوں میں سے محبوب تر خدا تعالےٰ کے
نزدیک وہ ہے جو اس کے رزق پر قانع ہے اور خدا تعالےٰ سے خوش ہے اور ایک حدیث میں فرمایا اللّٰھم
اجعل قوت ال محمد کفافا اور فرمایا ما من احد غنی ولا فقیر الا ودّ یوم القیامۃ
انہ کان اوتی قوتا فی الدنیا ...... اور خدا تعالےٰ نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ مجھ
کو ان لوگوں کے پاس تلاش کر جن کے دل شکستہ ہوں انہوں نے عرض کیا کہ الٰہی وہ کون لوگ ہیں حکم ہوا کہ فقرائے
صادق اور ایک حدیث میں فرمایا کہ کوئی فقیر کی نسبت افضل نہیں ہے جب کہ وہ راضی ہو اور ایک حدیث میں فرمایا
کہ خدا تعالیٰ قیامت کے روز فرماوے گا کہ میری خلق میں سے برگزیدہ لوگ کہاں ہیں فرشتے عرض کریں گے کہ الٰہی
وہ کون ہیں فرماوے گا کہ مسلمان فقیر جو قانع رہے میری دہش پر اور راضی رہے میرے حکم پر ان کو جنت میں داخل
کرو پس وہ لوگ جنت میں جاکر کھاویں پیویں گے اور لوگ حساب میں پڑے ہوں گے یہ فضیلت قانع اور راضی
کی ہے اور زہد کی بزرگی ہم اسباب کی فصل دوم میں لکھیں گے اور قناعت اور رضا کے باب میں آثار بھی بہت
ہیں اور ظاہر ہے کہ قناعت کی ضد طمع ہے اور حضرت عمر فرماتے ہیں کہ طمع محتاجی ہے اور ناامید ہونا لوگوں سے
تونگری ہے اور جو شخص کہ لوگوں کے مال سے توقع منقطع کرتا ہے اور قانع ہوتا ہے وہ ایسے غنی ہو جاتا ہے

قناعت تو انگر کند مرد را ٭ خبر کن حریص جہانگرد را

اور حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ کوئی روز ایسا نہیں کہ جو ایک فرشتہ عرش کے نیچے سے یہ نہ پکارتا ہو۔
یعنے تھوڑا مال جو تجھے کافی ہو بہت مال سے بہتر ہے جو تجھ کو سرکش کرے حضرت ابو درداؔ فرماتے ہیں کہ کوئی
آدمی ایسا نہیں جس کی عقل میں کچھ نقصان نہ ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ جب دنیا بڑھتی ہے تو آدمی خوش ہوتا ہے حالانکہ
رات اور دن اس کی عمر پر آرہ پھیرتے جاتے ہیں اور اس کا غم اس کو نہیں ہوتا ارے کم بخت مال کی زیادتی کیا کام آوے
گی اگر عمر کم ہوتی ہے اور بعض حکماء سے کسی نے پوچھا کہ غنا کیا چیز ہے کہا کہ تھوڑی تمنا کرنی اور قدر کفایت پر
راضی رہنا اور روایت ہے کہ حضرت ابراہیم بن ادہم خراسان کے امراء میں سے تھے ایک روز اپنے ایک محل کی
کھڑکی سے جھانک رہے تھے دیکھا کہ اس مکان کے صحن میں ایک شخص ہے اور اس کے ہاتھ میں ایک روٹی
ہے کہ اس کو کھا رہا ہے جب کھا چکا تو سو رہا آپ نے اپنے کسی خادم سے کہا کہ جب یہ شخص اٹھے میرے پاس

اح ابن عدی در کامل بروایت ابن عمر ۱۲ ح ۲ یہ حدیث الفاظ احیا سے نہیں ملی ۱۲ ح ۳ الٰہی غذا آل محمد کی بقدر بسر اوقات کر دے مسلم بروایت ابو ہریرہ ح ۴ کوئی غنی اور فقیر ایسا نہیں کہ قیامت کو نہ چاہے کہ دنیا میں اس کو بقدر گزران ہی ملتا تو اچھا تھا ۱۲ ابن ماجہ بروایت انس ۱۲ ح ۵ یہ حدیث الفاظ احیاء سے نہیں ملی ۱۲ ح ۶ ابو منصور دیلمی ۱۲

لے آنا جب وہ اٹھا تو سامنے گیا آپ نے اس سے پوچھا کہ تو نے وہ روٹی کھائی تھی تو بھوکا تھا اس نے کہا کہ ہاں آپ نے پوچھا کہ اس سے شکم سیر ہو گیا۔ کہا کہ ہاں آپ نے کہا کہ پھر مزے میں سویا اس نے کہا ہاں۔ آپ نے اپنے دل میں کہا کہ پھر میں دنیا لے کر کیا کروں گا نفس تو اتنے پر قناعت کرتا ہے اور ایک شخص کا گزر عامر بن عبد القیس کے پاس ہوا اور وہ نمک اور ساگ کھا رہے تھے اس نے آپ سے پوچھا کہ کیا آپ دنیا سے اس قدر پر راضی ہو گئے آپ نے فرمایا کہ میں تجھ کو وہ شخص بتا دوں جو اس سے بری چیز پر راضی ہوا۔ اس نے کہا بہتر آپ نے فرمایا کہ وہ شخص وہ ہے جو آخرت کے بدلے دنیا پر راضی ہوا اور محمد بن واسع سوکھی روٹی نکالتے اور اس کو پانی میں تر کرتے اور نمک سے کھا لیتے اور فرماتے کہ جو دنیا سے اس قدر پر راضی ہو گیا وہ کسی کا محتاج نہ ہو گا اور حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ خدا کرے لعنت ان لوگوں پر جن کے لئے خدا نے تو قسم کھائی اور انہوں نے اس کو سچا نہ جانا پھر آپ نے پڑھا وفی السماء رزقکم وما توعدون فورب السماء والارض انہ لحق اور حضرت ابو ذر ایک روز لوگوں میں بیٹھے ہوئے تھے ان کی بی بی آئیں اور کہا کہ آپ یہاں ان میں بیٹھے ہیں اور گھر میں نہ سالن کا ریزہ نہ ستو کی مٹھی آپ نے فرمایا کچھ مضائقہ نہیں ہمارے سامنے ایک بڑی سخت گھاٹی دشوار گزار ہے۔ اس سے وہی بچے گا جو ہلکا ہو گا ان کی بی بی راضی ہو کر چلی گئیں اور حضرت ذو النورین فرماتے ہیں کہ لوگوں میں سے کفر کے قریب تر وہ شخص ہے کہ فاقے میں صبر نہ کرے اور بعض حکماء سے کسی نے پوچھا کہ تمہارا مال کیا ہے اس نے کہا کہ ظاہر کی زینت اور باطن کی میانہ روی اور لوگوں کے مال سے توقع منقطع کرنی اور روایت ہے کہ خداوند کریم نے بعض کتب سابقہ میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اے ابن آدم اگر تمام دنیا تیری ہو جاوے تب بھی تجھ کو دنیا میں سے بجز غذا کے اور کچھ نہ ملے گا۔ پس اگر میں تجھ کو دنیا میں سے روزی دیے جاؤں اور اس کا حساب اور پر رکھوں تو میرا احسان ہے اور قناعت اور لوگوں سے آس نہ رکھنے کے باب میں یہ اشعار ہیں جن کا ترجمہ یہ ہے قطعہ ؎

زاری بہ بارگاہ خدا کن نہ پیش خلق	قانع بیا اس باش کہ این ست عز و ناز	مستغنیانہ کن بسر از خویش و ذی رحم
آنکس غنی بود کہ شد از خلق بے نیاز	اے محو منع و جمع ترا دہر در کمین	اندازہ مے کند کہ نماید درے فراز
رائے ہمیں مدکہ بتو مرگ چون رسد	روزانہ یا شبانہ کند بر تو ترکتاز	مال و منال جمع نمودی وسلے بگو
ایام صرف نیز کنی جمع بس دراز	مخزون برائے وارث تست آنچہ جمع گشت	آخر آن نست صرف تو نے انچہ ماندہ باز
خرم دل آن کسی کہ یقین کرد بر خدا	کو سوز لیش و بد کہ کریم ست کارساز	پس ہیچ ذلتے بنزد آبروے او
در دیش ہمیشہ تازہ بر آید ز ترک آز	در ساحت قناعت خوش سایہ مرگ خفت	فکر معیشتش نہ کند گاہ دیدہ باز

رح ۱۔ یہ روایت اس طرح پر نہیں ملی اس باب میں معروف وہ روایت ہے کہ ابن ماجہ نے بروایت ابن عمر نقل کی ہے۔ ۱۲

ت ۱۔ اور آسمان میں ہے روزی تمہاری اور جو کچھ تم سے وعدہ کیا سو قسم ہے پروردگار آسمان اور زمین کی یہ بات تحقیق ہے رح بخاری و مسلم بروایت ابو ہریرہ

تونگری کے بالمقابل فقر کی فضیلت

فقر کی فضیلت میں تونگری پر جاننا چاہیئے کہ لوگ اسباب میں مختلف ہیں حضرت جنید اور خواص اور اکثر لوگ تو فقر کو فضیلت دیتے ہیں اور ابن عطا کہتے ہیں کہ غنی شاکر جو اپنے حق ادا کرتا رہے وہ فقیر صابر سے افضل ہے اور کہتے ہیں کہ حضرت جنید نے اس مخالفت کی جہت سے ابن عطا پر بد دعا کی تھی اور اس جہت سے ان کو رنج و تکلیف پہنچی اور اس کا حال ہم باب الصبر میں لکھ آئے اور صبر اور شکر میں فرق کی وجہ بھی لکھ آئے ہیں اور یہ بھی لکھ دیا ہے کہ اعمال و احوال میں فضیلت بدون تفصیل معلوم نہیں ہو سکتی اب فقر اور غنا کو اگر مطلق دیکھیں تو جس شخص نے اخبار و آثار کا مطالعہ کیا ہو گا اس کو فقر کی فضیلت میں کچھ تردد نہ ہو گا مگر اس میں تفصیل ضرور رہے اس لئے کہ دو مقاموں میں شک پڑتا ہے ایک تو یہ کہ فقیر صابر جو طلب کا حریص نہیں بلکہ قانع ہے یا راضی اس کو بمقابلہ ایسے غنی کے دیکھیں جو اپنا مال خیرات میں دیتا ہو اور مال کے امساک کا حریص نہ ہو دوسرے یہ کہ پھر فقیر حریص کو غنی حریص کی نسبت خیال کریں کیونکہ فقیر قانع تو بلاشبہ غنی حریص ممسک کی نسبت افضل ہے اور غنی خیرات کرنے والا بھی فقیر حریص کی نسبت افضل ہے تو صرف دو ہی صورتیں شک کی رہیں پہلی صورت میں بھی یہ گمان ہوتا ہے کہ غنی بہ نسبت فقیر کے افضل ہے اس لئے کہ مال کی حرص تو دونوں میں کم ہے اس میں تو برابر ہی رہے مگر غنی صدقات و خیرات سے تقرب کرتا ہے جو فقیر سے نہیں ہو سکتا کہ عاجز ہے اور ہماری دانست میں ابن عطا کے قول کا یہی منشا ہے لیکن جو غنی کہ مال سے متمتع ہو گو مباح ہی میں ہو وہ فقیر قانع پر افضل نہیں ہو سکتا اور ان کی شاہد وہ روایت ہے جو حدیث میں وارد ہوئی ہے کہ فقرا نے شکایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کی کہ غنی خیرات و صدقات اور حج اور جہاد میں ہم سے بڑھ کر ہیں آپ نے ان کو چند کلمات تسبیح میں ارشاد فرمائے اور فرمایا کہ تم کو ان کلمات سے غنیوں کی نسبت زیادہ ثواب ملے گا پھر غنیوں نے بھی وہ کلمات سیکھ لیئے اور پڑھنا شروع کئے فقرا دوبارہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اب تو غنی بھی یہ کلمات پڑھنے لگے آپ نے فرمایا ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء یعنے یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہے عنایت فرمائے اس سے ظاہرا غنی کی فضیلت معلوم ہوئی یعنی اغنیا کو جو دونوں باتوں کا ثواب مل گیا تو خدا کی عنایت ان کی شامل حال ہے اور ابن عطاء نے اپنے قول کی وجہ یہ بھی بیان کی ہے یعنی جب ان سے غنی اور فقیر کی فضیلت کا سوال کیا گیا تو کہا کہ غنی افضل ہے اس لئے کہ غنی خدا تعالےٰ کی صفت ہے اس سے معلوم ہوا کہ جو وصف حق میں ہے وہی افضل ہے ان دونوں دلیلوں سے انہوں نے غنی کا افضل ہونا ثابت کیا ہے مگر دونوں دلیلیں ٹھیک نہیں۔ دلیل اول میں تو یہ بات ہے کہ حدیث میں ایسی تفصیل پائی جاتی ہے جو دلالت ان کے مقصود کے خلاف پر کرے وہ یہ کہ تسبیح میں فقیر کا ثواب غنی کے ثواب سے زیادہ ہے اور فقیر کا اس مرتبے پر پہنچنا خدا کے فضل سے ہے جس کو وہ چاہے فضل عنایت کرے یعنی ذلک فضل اللہ کا مشار الیہ ثواب فقیر کو گرنا چاہیئے نہ حال غنی کو اس لئے کہ دوسری حدیث میں جو زید بن اسلم حضرت انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں یہ مضمون ہے کہ فقرا نے ایک شخص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیام دے کر بھیجا اس نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں فقرا کا قاصد ہوں آپ نے فرمایا کہ تجھ کو بھی مرحبا اور ان کے پاس سے تو

آیا ہے ان کو بھی مرحبا وہ ایسی قوم ہے جن کو میں چاہتا ہوں اس نے عرض کیا ہے کہ توانگر خیر لے گئے کہ حج کرتے ہیں اور ہم حج پر قادر نہیں عمرہ کرتے ہیں اور ہم کو قدرت نہیں اور جب وہ مریض ہوتے ہیں تو جو مال ان کے پاس زیادہ ہے اس کو ذخیرہ بنانے کے لئے دے ڈالتے ہیں آپ نے فرمایا کہ ان کو میری طرف سے یہ کہہ دینا کہ جو کوئی تم میں سے صبر کرے گا اور طالب ثواب ہوگا اس میں تین باتیں ہوں گی جو اغنیاء میں نہ ہوں گی ایک تو یہ کہ جنت میں بہت کھڑکیاں ہیں کہ ان کو جنت والے ایسی طرح دیکھیں گے جیسے زمین کے لوگ آسمان کے ستاروں کو دیکھتے ہیں اس میں بجز پیغمبر فقیر اور شہید فقیر اور ایماندار فقیر اور کوئی نہیں جاویگا دوسری بات یہ کہ فقرا توانگروں کی نسبت کر جنت میں پانسو برس پیشتر جاویں گے تیسرے یہ کہ غنی جب کہتا ہے سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر اور فقیر بھی یہی کلمات کہتا ہے تو غنی فقیر کے ثواب کو نہیں پہنچ سکتا اگرچہ دس ہزار درم اس کے لئے خرچ کرے اور سب اعمال نیک کو ایسا ہی خیال کرنا چاہیئے وہ قاصد یہ سن کر واپس آیا اور فقرا سے یہ ماجرا بیان کیا سبھوں نے کہا کہ ہم راضی ہوئے ہمارا اطمینان ہوا انتہی تو اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء آپ کی مراد ثواب فقرا کی زیادتی ہے اغنیا کے ذکر سے رہی دوسری کہ غنی وصف حق ہے پس اس کا جواب بعض اکابر نے ان کو یہ دیا کہ خدائے تعالے کچھ اسباب و اعراض کے باعث غنی نہیں جو غنی کو وصف حق کہتے ہو۔ ع

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

آدمی کے غنا کو خدا کے غنا سے کیا علاقہ اس بات کا جواب ابن عطا نے کچھ نہ دیا اور بعض اکابر نے یہ بھی جواب دیا کہ جیسے غنی وصف حق ہے ویسے تکبر بھی تو خدا کا وصف ہے تو چاہیئے کہ تواضع کی نسبت افضل ہو پھر ان جواب دینے والوں نے یہ فرمایا کہ نہیں یوں کہنا چاہیئے کہ فقر افضل ہے اس واسطے کہ بندے کی صفت ہے اور بندے کے حق میں صفات بندگی ہی افضل ہیں جیسے خوف و رجا وغیرہ اور صفات ربوبیت میں تو نزاع ہی نہ چاہیئے۔ اس لئے حدیث قدسی میں وارد ہے کہ کبریا میری چادر ہے اور عظمت میرا تہ بند ہے جو کوئی ان دونوں میں مجھ سے نزاع کرے گا اس کو میں توڑ دوں گا اور حضرت سہل تستری فرماتے ہیں کہ عزت اور باقی رہنے کی محبت سے ربوبیت میں شرک اور نزاع پایا جاتا ہے کیونکہ یہ دونوں صفات رب میں سے ہیں غرضکہ تفصیل غنا اور فقر میں اسی طرح گفتگوئیں ہیں اور سب کا حاصل متعلق عام روایت سے ہے جن میں تاویل کی گنجائش ہے اور ہر ایک کا دل ایسے کلمات پر ہے کہ ان سے خلاف ثابت ہونا کچھ بعید نہیں مثلاً جس طرح ابن عطا کا قول غنا کی فضیلت میں بایں وجہ کہ وصف حق ہے تکبر[ع] سے قدح کر دیا گیا اسی طرح جو لوگ فقر کو بندے کا وصف کہہ کر افضل کہتے ہیں ان کا قول بھی مردود ہو سکتا ہے کہ جہل و غفلت بندے کے اوصاف ہیں اور علم اور معرفت صفات ربوبیت میں سے ہیں تو چاہیئے کہ جہل و غفلت افضل ہوں علم اور معرفت سے حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہ ہوگا کہ جہل بہ نسبت علم کے افضل پس امر واقعی وہی ہے جو ہم نے باب صبر میں ذکر کیا ہے یعنے جو چیز خود اپنی ذات سے مقصود نہیں بلکہ اس کی طلب کسی دوسری چیز کے لئے ہے تو چاہیئے کہ اس کو

ع عزفہ کا ترجمہ بالاخانہ ہے ۱۲ ح ا جلد اول باب العلم میں گزری ۱۲

مقصود چیز ہی کے لحاظ سے دیکھیں کہ اسی سے اس کا فضل ظاہر ہوا کرتا ہے اور دنیا کا مال صرف اسی جہت سے ممنوع ہے کہ وہ خدا تک پہنچنے سے مانع ہے اسی طرح فقر بھی خود مطلوب ہے کہ اس کے سبب خدا تعالےٰ سے جو چیز مانع ہے وہ دور ہو جاتی ہے اور بہت سے غنی ایسے ہیں کہ ان کو غنا نے خدائے تعالےٰ سے نہیں روکا جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت عثمان و عبدالرحمان بن عوف اسی طرح بہت سے فقیر ایسے ہوتے ہیں کہ فقیری کے شغل میں مقصود سے بچھر جاتے ہیں اور دنیا میں غایت مقصد اللہ تعالےٰ کی محبت اور اس کے ساتھ انس کرنا ہے اور محبت و انس بدون معرفت کی راہ چلنا اور اشتغال کے ہوتے ہوئے ممکن نہیں اور فقر ہی کبھی مانع اس سلوک کا ہوتا ہے جیسے غنا کبھی عائق ہوتی ہے اور واقع میں مانع محبت دنیا ہے کہ اس کے ساتھ محبت الٰہی دل میں جمع نہیں ہوتی اور کسی چیز کا محبت رکھنے والا اس میں مشغول رہتا ہے خواہ اس کی جدائی میں ہو یا وصال میں اور بعض اوقات تو فراق میں شغل زیادہ ہوتا ہے اور بعض اوقات وصال میں اور دنیا غافل شخصوں کی معشوقہ ہے جو اس سے محروم ہے وہ اس کی حفاظت اور اس سے متمتع ہونے میں لگا ہوا ہے اس صورت میں اگر وہ شخص ایسے فرض کرو جو مال کی محبت سے خالی ہوں ایسی طرح کہ مال ان کے نزدیک پانی جیسا ہو کہ ہوا تو واہ واہ اور نہ ہوا تو واہ واہ یعنی ہر ایک مال سے اسی قدر متمتع لیتا ہے جس قدر کی اس کو حاجت ہے اور مقدار حاجت اس کے عدم کی نسبت افضل ہے اس لئے کہ فاقے والا موت کی راہ طے کرتا ہے نہ معرفت کی اور اگر بلحاظ اکثر کے دیکھو تو فقیر خطر سے دور تر ہے اس لئے غنا کا فتنہ مفلسی کے فتنے سے سخت تر ہے اور اس سے بچاؤ کی صورت بھی ہے کہ آدمی کو مقدور نہ ہو اور اسی واسطے صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ مفلسی کے فتنے میں جو ہم مبتلا ہوئے تو ہم نے صبر کیا اور توانگری کے فتنے سے جو امتحان لئے گئے تو صبر نہ کیا اور یہ بات ہر ایک آدمی کی سرشت ہے کوئی شاذ و نادر ایسا ہو گا جو اس طرح کا نہ ہو اس کا وجود بہت سے زمانوں میں کم ہوا کرتا ہے اور از آنجا کہ خطاب شرع ایک شخص نادر و کمیاب کے لئے نہیں بلکہ کل شخصوں کے لیے ہے اور مفلسی سب کے لئے مناسب ہے گو کسی نادر کے لئے نہ ہو اس لئے شرع نے غنا سے منع فرمایا اور اس کی مذمت کی اور فقر کی فضیلت و مدح بیان فرمائی یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ دنیاداروں کے مال کی طرف مت تاکو کیونکہ ان کے مال کی چمک تمہارے ایمان کے نور کو کھو دے گی اور بعض علماء کا قول ہے کہ مالوں کا لوٹ پھیر کرنا ایمان کی حلاوت چوس لیتا ہے اور حدیث میں ہے کہ ہر امت کے لئے ایک بچھڑا ہے اور میری امت کا بچھڑا دینار و درم ہیں اور گوسالہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا بھی سونے اور چاندی کے زیور کا بنا تھا حاصل یہ کہ مال اور پانی اور سونے اور پتھر کا آدمی کے نزدیک مساوی ہونا اولیا اور انبیا علیہ السلام کے لئے متصور ہو سکتا ہے پھر ان کو بھی یہ بات جب کامل ہوتی ہے جب خدا کے فضل سے بہت سا مجاہدہ کریں چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے فرماتے کہ مجھ سے علیحدہ رہ جب کہ وہ آپ کے سامنے اپنی زینت کے ساتھ مجسم بن کر آتی تھی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے کہ زرد رنگ والی میرے

ح ابو منصور دیلمی بروایت حذیفہ اور اس اسناد میں جہالت ہے ۱۲ ح ۲ یہ حدیث پہلے گزری ۱۲ ح ۳ بخاری و مسلم بروایت ابوہریرہ ۱۲

کسی اور کو فریب دے اور سفید رنگ والی کسی اور کو دھوکا دے یعنی جب دنیا سے مغالطہ کھانے کے آغاز اپنے جی میں ظاہر پاتے تو یہ کلمات ارشاد فرماتے بایں لحاظ کہ حجت اپنے پروردگار کی پیش نظر رکھتے تھے اور مال و پانی برابر ہونے کو غنا مطلق کہتے ہیں چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ غنا کثرت مال سے نہیں بلکہ نفس کی غنا سے ہے سعدی اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں توانگری بدل ست نہ بمال اور چونکہ یہ بات بہت دشوار ہے تو ضرور ہوا کہ عام خلق میں صلاح اور بہتری مال کے نہ ہونے میں ہو گو مال کے ہونے پر وہ اس کو صدقہ اور خیرات میں ہی صرف کیا کریں کیوں جب مال پر قادر ہوتے ہیں تو یہ امور ضروری ہوتے ہیں کہ مال سے انس ہو اور اس کے اوپر قدرت سے متمتع ہوں اور اس کے خرچ کرنے سے راحت پاویں اور ان سب باتوں سے اس عالم کے ساتھ انس پیدا ہوتا ہے اور جس قدر آدمی دنیا سے انس کرتا ہے اسی قدر آخرت سے وحشت کرتا ہے اور جب اسباب انس دنیا کے جاتے رہتے ہیں تو دل بھی دنیا اور اس کی زینت سے علیحدہ ہو جاتا ہے اور جب دل ماسوائے اللہ سے علیحدہ ہوتا ہے اور اللہ پر ایمان رکھتا ہے تو بالضرور خداوند کریم کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس لئے کہ دل تو خالی رہتا نہیں اور موجود دو ہی چیزیں ہیں یا اس کا غیر تو جس دل کو توجہ غیر کی طرف ہوگی وہ خدائے تعالےٰ سے علیحدہ ہوگا اور جو خدائے تعالےٰ کی طرف متوجہ ہوگا وہ غیر سے علیحدہ ہوگا اور جس قدر ایک طرف متوجہ ہوگا اسی قدر دوسرے سے منحرف ہوگا اور جتنا ایک کی طرف نزدیک ہوگا۔ اتنی ہی دوسرے سے دوری ہوگی اور ان دونوں کی مثال مشرق اور مغرب سمجھنی چاہیئے کہ یہ دونوں طرفین مختلف اور متقابل ہیں جو ان کے بیچ میں پھرے گا تو وہ جس قدر ایک سے قریب ہوگا دوسرے سے دور ہوگا بلکہ دونوں میں کسی کا قرب بعینہ بعد ہے اسی طرح عین محبت دنیا عین بغض الٰہی ہے پس نظر عارف اپنے دل پر ہی ہونی چاہیئے کہ دنیا سے زہد کرتا ہے یا نہیں اور اس سے مانوس ہے یا نہیں غرضکہ فقیر اور غنی کا فضل بلحاظ ان کے دلوں کے تعلق کے ہے مال سے پس اگر تعلق دلی مال سے دونوں سے یکساں ہوگا تو ان کا درجہ مساوی ہے مگر یہ کہ دھوکے کی جگہ اور لغزش گاہ ہے اس لئے کہ غنی اکثر خیال کرتا ہے کہ میں مال سے دل برداشتہ ہوں حالانکہ اس کی محبت دل میں گڑی رہتی ہے اور اس کو خبر نہیں ہوتی اور خبر جب ہوتی ہے جب وہ مال جاتا رہتا ہے اس لئے چاہیئے کہ اپنے نفس کا امتحان کرے خواہ تو مال کو دے ڈالنے سے خواہ جب چوری ہو جاوے پس اگر دل کو التفات پاوے تو جان لے کہ ع

خود غلط بود آنچہ من پنداشتم

دل برداشتہ ہونے کا خیال صرف وہم اور مغالطہ تھا بعض آدمیوں نے اس گمان سے کہ ہم کو لونڈی کی طرف میل نہیں اپنی لونڈی بیچ دی مگر جب بیع ہو چکی اور لونڈی دے دی تب اس کے دل سے ایک آگ شعلہ زن ہوئی جو دل میں پوشیدہ تھی پھر معلوم ہوا کہ اس شخص کو مغالطہ ہوا اور عشق اس کے دل میں ایسا چھپا تھا جیسے راکھ میں چنگاری اور یہ حال یہ سب اغنیا کا ہے بجز انبیاء اور اولیاء کے پس جب غنائے مطلق کا حاصل ہونا محال یا نہایت دشوار ہے تو ضرور یہ کہ یہی کہا جاوے کہ عام لوگوں کے لئے فقیری ہی اصلح ہے کیونکہ فقیر کا انس و علاقہ دنیا سے کم ہوتا ہے اور جسقدر علاقہ ضعیف ہوتا ہے

لے الٰہی تجھ سے سوال کرتا ہوں میں ذلت کو جس وقت میرا نفس پورا حق مانگے اور سوال کرتا ہوں زہد کا اس مقدار کو بڑھ جاوے مقدار گذر سے ۱۲

اس قدر ثواب تسبیحات کا اور عبادات کا زیادہ ہوتا ہے اس واسطے کہ تسبیحات سے زبان کی حرکت تو منظور ہی نہیں بلکہ
یہ مراد ہے کہ جس چیز کا ذکر زبان پر ہے اس سے انس پختہ ہو جاوے اور زبان ہلانے کی تاثیر خالی دل میں وارد ہوتی ہے غیر چیز دل
سے بھرے ہوئے ہیں اور اسی لئے بعض سلف کا قول ہے کہ جو شخص دنیا کی طلب میں ہو کر زہد و عبادت کرے اس کی مثال
ایسی ہے جیسے کوئی گھاس سے آگ بجھانی چاہے یا چربی دور کرنے کے لئے گھی سے ہاتھ دھووے اور حضرت سلیمان
دارانی رحہ فرماتے ہیں کہ فقیر کا سانس لینا بدون شہوت کے جس پر اس کو قدرت نہ ہو غنی کی ہزار برس کی عبادت سے
افضل ہے اور ضحاک رض فرماتے ہیں کہ جو شخص بازار میں جاوے اور اپنی جی چاہتی چیز دیکھے۔ پس صبر کرے اور طالب ثواب
ہو تو اس کے لئے ہزار دینار سے بہتر ہے گا جن کو خدا کی راہ میں دیوے اور ایک شخص نے بشر بن حارث سے
کہا کہ آپ خدا سے میرے لئے دعا مانگئے کہ مجھ کو عیال نے تنگ کر رکھا ہے آپ نے فرمایا کہ جب تیرا کنبہ تجھ سے
کہے کہ ہمارے پاس آٹا روٹی وغیرہ نہیں تو تو اس وقت میرے لئے دعا مانگنا کہ تیری اس وقت کی دعا میری دعا سے
افضل ہے اور فرمایا کرتے کہ جو غنی زاہد بننا چاہے وہ ایسا ہے جیسے باغ گھورے پر ہو اور فقیر اگر زاہد ہے تو وہ ایسا
ہے جیسے موتیوں کا ہار کسی خوبصورت کے گلے میں پڑا ہو اور اکابر سلف کا دستور تھا کہ علم معرفت کو اغنیاء سے
سننا برا جانتے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رض دعا مانگتے اللھم اح اسئالک الذل عند انتصف من نفسی
والزھد فیما جاوز الکفاف اور جب صدیق اپنے حال کے کامل ہونے پر دنیا اور اس کے وجود سے خوف
فرماتے تھے تو اب کیسے شک کیا جاوے کہ مال کا نہ ہونا بہ نسبت وجود کے اصلح ہے علاوہ ازیں غنی کے احوال
میں سے عمدہ تر یہ ہے کہ حلال حاصل کرے اور اچھی جگہ میں صرف کرے اور باوجود اس کے پھر اس کا حساب میدان
قیامت میں لمبا چوڑا ہوگا اور بہت سار کا رہنا پڑے گا اور جس کو حساب میں الجھاوا ہوا ہو گا وہ عذاب دیا جاوے گا۔
اور اسی واسطے حضرت عبدالرحمان بن عوف دیر کر جنت میں داخل ہوئے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
ان کا حال ملاحظہ فرمایا کیونکہ حساب دینے میں مبتلا رہے اور یہی جہت حضرت ابو درداء رض فرماتے ہیں کہ مجھے نہیں پسند
ہوتا کہ میری دوکان مسجد کے دروازے پر ہو اس طرح کہ کوئی نماز اور ذکر مجھ سے فوت نہ ہو اور ہر روز مجھ کو نفع پچاس
دینار حاصل ہوں اور ان کو میں اللہ کی راہ میں صرف کر ڈالا کروں لوگوں نے پوچھا کہ اس میں خرابی کیا ہے آپ کو کیا
خوف ہے آپ نے فرمایا کہ حساب کی برائی اچھی معلوم ہوتی ہے اس واسطے حضرت سفیان ثوری نے فرمایا ہے
کہ فقرا نے تین چیزیں اختیار کی ہیں اور اغنیاء نے تین چیزیں پسند کی ہیں۔ فقیروں کی اختیار کی ہوئی چیزیں یہ ہیں نفس
کا چین سے رہنا اور دل کا فارغ رہنا اور حساب کا ہلکا ہونا اور اغنیا نے یہ باتیں اختیار کی ہیں۔ نفس پر مشقت
اور دل کا مشغول رہنا اور حساب کی شدت اور ابن عطا نے کہا ہے کہ غنی وصف حق ہے اور اسی نظر سے
افضل ہے تو یہ اس صورت میں درست ہے کہ جب بندہ وجود اور عدم مال دونوں سے غنی ہو یعنے اس کے نزدیک
وجود عدم یکساں ہو لیکن اگر مال کے ہونے سے غنی ہو اور اس کے باقی رہنے کا محتاج ہو تو اس کی غنا مشابہ خدا تعالی

اح الہی تجھ سے سوال کرتا ہوں میں ذلت کو جس وقت میرا نفس پورا حق مانگے اور سوال کرتا ہوں زہد کا اس مقدار کو بڑھ جاوے مقدار گزر سے ۱۲ منہ

کی غنا کے نہ ہو گی کیونکہ اللہ تعالیٰ بذات خود غنی ہے ایسی چیز کے سبب نہیں جس کو زوال ہو سکے اور زوال ان اشیاء میں سے ہے کہ جاتا رہتا ہے مثلاً چوری ہو جاوے یا کوئی اور آفت آوے اور کسی نے جو ابن عطا کے قول پر اعتراض کیا تھا کہ خدائے تعالیٰ اعراض یعنے اموال اور اسباب کے باعث غنی نہیں وہ ایسی غنا کی مذمت میں درست ہے جس کا مطلب بقائے مال ہو اور یہ جو ایک صاحب فرماتے ہیں کہ صفات حق بندے کے شایاں نہیں صفات بندگی ہی اس کے شایاں ہیں یہ درست نہیں اس لئے کہ علم بھی تو صفات حق میں سے ہے جو بندے کے حق میں سب سے عمدہ چیز ہے بلکہ منتہی بندے کا یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کے اخلاق سے عادی ہو اور میں نے بعض مشائخ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ جو شخص خدا کا طریق یعنے راہ معرفت طے کرتا ہے ابھی راستہ قطع نہیں کر لیتا کہ ننانوے نام خدائے تعالیٰ کے اس کے اوصاف ہو جاتے ہیں۔ یعنی اس کو ہر ایک نام میں سے ایک بہرہ ملتا ہے مگر تکبر بندے کے لائق نہیں اس واسطے کہ تکبر ایسے شخص پر کرنا جس پر استحقاق تکبر کا نہ ہو وہ تو صفات الٰہی میں سے نہیں اور تکبر ایسے شخص پر کہ اس کا مستحق ہو مثلاً مومن کا تکبر کافر پر اور عالم کا تکبر جاہل پر اور مطیع کا تکبر عاصی پر یہ بندے کے شایان ہے ہاں بعض اوقات تکبر سے فخر اور بڑھ کر دعویٰ کرنا اور ایذا دینی مقصود ہوتی ہے اور یہ تکبر وصف خدائے تعالیٰ کا نہیں اس کا وصف وہی تکبر ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ وہ ہر چیز سے بڑا ہے اور اس کو خود کو معلوم ہے کہ میں ایسا ہی ہوں اور بندے کو حکم ہے کہ اگر ہو سکے تو سب سے اعلیٰ مرتبے کی طلب کرے بشرطیکہ استحقاق کما حقہٗ ہو جھوٹ اور فریب اور دغابازی سے نہ ہو اس سے یہ نکلا کہ بندے کو جائز ہے کہ جانے کہ مومن بہ نسبت کافر کے اکبر ہے اور مطیع بہ نسبت عاصی کے اور عالم بہ نسبت جاہل کے اور انسان بہ نسبت چوپایہ اور پتھر اور نبات کے بڑا ہے اور ان سب چیزوں کی نسبت قرب الٰہی زیادہ تر اسی انسان کو ہے پس اگر کوئی شخص اپنے آپ کو اس صفت کے ساتھ حقیقت میں دیکھ لے گا تو اس میں شک نہیں کہ صفت تکبر کی اس کو حاصل ہو گی اور اس صفت کے لائق بھی ہو گا اور اس کے حق میں یہ صفت بھی فضیلت ہو گی مگر مشکل یہ ہے کہ اس کو اپنی شناخت کی کوئی ترکیب نہیں اس لئے کہ یہ امر خاتمے پر موقوف ہے اور آدمی کو اپنا خاتمہ معلوم نہیں کہ کیسے ہو گا۔ اور کیا اتفاق پڑے گا پس جب خاتمے کا حال معلوم نہیں تو ضرور ہوا کہ اپنے نفس کے لئے کوئی رتبہ کافر کے رتبے سے بڑھ کر اعتقاد نہ کرے کیوں کہ ایسا ممکن ہے کہ کافر کا خاتمہ ایمان پر ہو اور اس کا خاتمہ کفر پر۔ ایسی صورت میں شخص مذکور تکبر کے لائق نہ ہو گا۔ کیونکہ اس کو اپنے انجام کی شناخت تو معلوم ہی نہیں اور جب یہ ممکن ہوا کہ چیز کو اصل حقیقت و ماہیت پر معلوم کرتے تو ایسے شخص کے باب میں وہ علم کمال ہو گا اس لئے کہ وہ صفات الٰہی میں سے ہے اور چونکہ بعض اور چیزوں کو پہچاننے سے آدمی کا ضرر بھی ہوتا ہے تو ایسا علم اس کے حق میں نقصان ہو گا کیونکہ اوصاف الٰہی میں سے ایسا علم کوئی نہیں جو اس کو ضرر پہنچاوے۔ غرض کہ ایسی باتوں کا پہچاننا کہ جن میں ضرر نہ ہو بندے میں صفات اللہ تعالیٰ میں سے ہو سکتا ہے تو ضرور ہے کہ منتہائے فضیلت یہی ہو اور اسی سے انبیاء اولیاء اور علماء کو فضیلت ہے تو ثابت ہوا کہ اگر آدمی کے نزدیک مال کا وجود اور عدم

یکساں ہو گا تو یہ وہ غنا ہے کہ ایک وجہ سے مشابہ اس غنا کے ہے جس سے خدا تعالیٰ کی صفت کی جاتی ہے اور یہی غنا داخل فضیلت ہے اور صرف وجود مال سے جو غنا ہے اس میں کسی طرح کی فضیلت نہیں۔ یہاں تک بیان صورت اول یعنے فقیر قانع اور غنی شاکر کی نسبت کا ہوا اب صورت دوم یعنی فقیر حریص اور غنی حریص کی نسبت کا ذکر ہونا ہے کہ ان دونوں میں سے کون افضل ہے اور اس کے لئے ہم فرض کرتے ہیں کہ ایک ہی شخص طالب مال ہے اور اس کے لئے سعی کرتا ہے مگر نہیں پاتا پھر اس کے پاس مال آ گیا تو اس کے لئے دونوں حالتیں ہوئیں مال کے نہ ہونے کی اور ہونے کی ان دونوں حالتوں میں سے کون سی حالت افضل ہے۔ پس ہم کہتے ہیں کہ دیکھنا چاہیئے اگر اس شخص کو مال اس قدر مطلوب ہے جو معیشت اور زندگی کے لئے ضروری ہے اس کی غرض اس سے یہ ہے کہ دین کی راہ طے کرے اور اس پر مدد چاہے تو اس صورت میں حالت وجود مال افضل ہے اس لئے کہ فقر تلاش میں مشغول رکھتا ہے اور جو شخص روزی کی طلب میں رہے گا قدرت اس کو فکر اور ذکر کی نہیں ہو گی اور اگر ہو گی تو اس میں دوسرا شغل گھسا ہوا ہو گا۔ **شعر**

شب چو عقد نماز بر بندم ؛ چہ خورد بامداد فرزندم

کا نقشہ ہو گا حالانکہ فکر و ذکر کے لئے مقدار کافی قوت کی چاہیئے اور اس واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے ح۱ اللھم اجعل قوت آل محمد کفافًا اور فرمایا ح۲ کاد الفقر ان یکون کفرًا اس میں فقر سے وہی فقر مراد ہے جس میں آدمی ضروری چیز کے لئے مضطر ہو اور اگر مال مطلوب حاجت سے زیادہ ہے یا بقدر حاجت ہی ہے مگر غرض طالب کی یہ نہیں کہ اس سے سلوک راہ دین پر مدد لے تو اس صورت میں حالت فقر کی افضل اور اصلح ہے اس واسطے کہ حرص مال اور اس کی محبت میں تو غنی اور فقیر دونوں مساوی ہوئے اور اس میں بھی کہ دونوں کی غرض دین پر استعانت لینے کی نہیں اور نہ ان میں سے کوئی معترض کسی گناہ کا ہے مگر اتنا فرق رہا کہ جس کے پاس ہو گا اس کو اس سے انس ہو گا اور اس کی محبت دل میں پختہ ہو گی اور دنیا پر اطمینان ہو گا اور جس کے پاس نہ ہو گا اس کا دل مجبوری دنیا سے کنارہ کرے گا اور دنیا اس کے نزدیک بمنزلہ زندان ہو گی کہ جس سے چھوٹنا چاہے گا اور جب دو شخص سب باتوں میں برابر ہوئے اور دنیا سے سفر کے وقت ایک کو میل دنیا زیادہ ہوا تو ظاہر ہے کہ اس کا حال بہ نسبت دوسرے کے سخت ہو گا۔ کیونکہ جس قدر اس کو انس اور التفات دنیا سے ہو گا اسی قدر آخرت سے وحشت ہو گی اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ روح القدوس نے میرے نفس میں یہ بات پھونک دی ہے کہ ح۳ احبب من احببت فانک مفارقہ اور یہ تنبیہ ہے اس بات پر کہ محبوب کی جدائی بڑی شاق ہوتی ہے تو چاہیئے کہ ایسی چیز سے دوستی کرے جو کبھی جدا نہ ہو اور وہ ذات پاک اللہ جل شانہٗ کی ہے اور جو جدا

ح۱ الٰہی کر دے غذا آل محمد کی بقدر گزران کے ۱۲ پہلے گزری ح۲ قریب ہے کہ فقیری کفر ہو جاوے ۱۲ پہلے گزری ۱۲ ح۳ جس شخص سے چاہے دوستی کرے تجھ کو اس سے جدا ہونا ضرور ہے ۱۲

ہو جائے اس سے محبت نہ کرے اور جدا ہونے والی دنیا ہے اگر آدمی دنیا سے محبت کرے گا تو خدا سے ملنے کو برا جانے گا اور اس کی موت اسی حال پر ہوگی جس کو وہ برا جانتا ہے اور محبوب چیز سے جدا ہو جاوے گا اور جو کوئی اپنے محبوب سے جدا ہوتا ہے تو اس کو درد فراق بقدر محبت اور انس کے ہوا کرتا ہے اور جس کے پاس دنیا ہے اور وہ اس پر قادر ہے اس کو دنیا سے انس بہ نسبت نادار کے زیادہ ہوا کرتا ہے اگرچہ نادار حریص ہو پس اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ فقر تمام خلق کے حق میں اشرف اور افضل ہے مگر دو جگہوں میں غنی افضل ہے اور اصلح ہے اول تو غنا حضرت عائشہ کی سی وجود اور عدم مال کا برابر ہو کیونکہ ایسی غنا موجب زیادتی کی ہوتی ہے یعنے اس سے یہ فائدہ ہے کہ دعا فقرا اور مساکین کی حاصل ہوتی ہے دوسرے یہ کہ فقر مقدار ضروری سے ہو یعنی مقدار ضروری کا بھی آدمی محتاج ہو تو اس حال میں بھی غنا اشرف ہے اس لئے کہ ایسے ہی فقر کے باب میں ہے کہ یکاد الفقر ان یکون کفراً اور اس فقر میں کچھ خیر نہیں مگر ایسی صورت میں کہ وجود مقدار ضروری کا اس کی حیات کو باقی رکھے اور یہ شخص اس ما حیات سے خدائے تعالےٰ کی معصیت اور کفر پر مدد چاہے اور اگر بالفرض بھوکا مر جاوے تو اس کے گناہ کم ہوں تو اس کے مناسب حال یہی ہے کہ بھوکا مرے اور جس چیز کی طرف مضطر ہو وہ بھی نہ ملے یہ ہے تفصیل غنی اور فقیر کے باب میں گفت گو مگر ایک صورت ہے کہ اگر کوئی فقیر حریص ہو کر مال کی طلب میں ہمہ تن میں مصروف ہو اور اس کو کوئی کام سوائے اس کے نہ ہو اور دوسرا شخص غنی ہو کہ اس کو مال کی حفاظت میں اس فقیر کی نسبت حرص کم ہو اور اگر مال اس کے پاس سے جاتا رہے تو اس کو اتنا درد نہ ہو جتنا فقیر کو فقر سے ہے تو ان دونوں کے حال میں اختلاف ہے اور ظاہرا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں کو خدائے تعالیٰ سے دوری اسی قدر ہوگی جس قدر کہ مال کے نہ ہونے سے ان کو درد ہوتا ہوگا اور جس قدر قرب الٰہی ہوگا اتنا مال نہ ہونیکا درد بھی کم ہوگا واللہ اعلم

فقیر کے آداب

جاننا چاہیئے کہ فقیر کے لئے مراعات چند آداب کی باطن میں اور ظاہر میں اور لوگوں سے ملنے میں اور اپنے افعال میں ضروری ہے

باطن کا ادب تو یہ ہے کہ جس میں کراہت اس امر کی نہ ہو جس میں خدا تعالےٰ نے اس کو مبتلا کیا ہے۔ یعنے فقر کو دل میں برا نہ مانے اور یہ نہ سمجھے کہ خدا تعالےٰ نے میرے ساتھ یہ سلوک کیا تو اس کا کام اچھا نہیں گو نفس فقر کو برا سمجھے جیسے پچھنے لگوانے والا کہ ہر چند پچھنوں کو ایذا کی جہت سے برا جانتا ہے مگر پچھنے لگا ہوا لے کے فعل کو کہ خود اس کو برا نہیں جانتا بلکہ اس کا احسان مند ہوتا ہے تو یہ درجہ ہونا اقل مرتبہ ہے فقیر کو اتنا ہونا واجب ہے اور اس کے خلاف حرام ہے اور فقیر کے ثواب کو کھو دیتا ہے اور یہی مراد ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد میں ہے، کہ اے گروہ فقرا اللہ تعالےٰ کو رضا اپنے دلوں سے دو کہ تم کو ثواب تمہارے فقر کا ملے ورنہ نہیں ملے گا اور اس سے اونچا درجہ یہ ہے کہ فقر کو بھی برا نہ جانے بلکہ اس سے راضی رہے اور اس سے بھی بڑھ کر یہ ہے کہ فقر کا طالب ہو اور اس سے خوش ہو اس لحاظ سے کہ غنا کے آفات جانتا ہو اور اپنے دل سے خدا تعالیٰ پر متوکل ہو اور اعتماد رکھتا ہو کہ مقدار ضروری بے شک مجھ کو ملے گی ہی اور بقدر ضرورت سے زیادہ کو برا سمجھتا ہو۔

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ فقر سے اللہ تعالیٰ عذاب بھی کرتا ہے اور ثواب بھی دیتا ہے۔ جب فقر سے ثواب دینا منظور ہوتا ہے تو اس کی پہچان یہ ہے کہ بندے کی عادت اچھی کر دے کہ وہ اس سے اطاعت اپنے پروردگار کی کرے اور اپنے حال کا شکوہ کسی سے نہ کرے اور فقر پر شکر خدا کرے اور جب عذاب کرنا فقر سے منظور ہوتا ہے تو اس کی علامات یہ ہیں کہ آدمی بد خلق ہو اور خدا کی نافرمانی کرے اور کثرت سے شکایت کرے اور حکم الٰہی پر غصہ ہو انتہیٰ۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر ایک فقر اچھا نہیں ہوتا بلکہ وہی فقر اچھا ہے کہ جس میں آدمی غصہ نہیں ہو یا فقر پر راضی ہو یا اس سے خوش ہو بایں وجہ کہ اس کا مزہ جانتا ہو چنانچہ یہ قول مشہور ہے کہ بندے کو جو چیز دنیا سے ملتی ہے اس سے یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ اس کو تین حصوں پر لے یعنی تین باتیں اس کے ساتھ تجھے پیش آویں گی اول مصروف رہنا دوم فکر و تردد و سوم زیادہ ہونا حساب کا اور فقیر کے ظاہر کا ادب یہ ہے کہ نہ مانگنا اور اچھی طرح رہنا ظاہر کرے اور کسی سے شکایت اور فقر ظاہر نہ کرے بلکہ اپنے فقر کو چھپا دے اور اس بات کو بھی چھپا دے کہ میں اپنا فقر پوشیدہ رکھتا ہوں کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے [1] ان اللہ یحب الفقیر المتعفف ابا العیال اور اللہ جل شانہٗ ارشاد فرماتا ہے [2] یحسبہم الجاہل اغنیاء من التعفف اور حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ افضل اعمال تحمل ہے احتیاج کی حالت میں اور بعض اکابر فرماتے ہیں کہ فقر کو چھپانا نیکی کے خزانوں میں سے ہے اور اعمال میں ادب یہ ہے کہ کسی غنی کے لئے اس کی تونگری کے باعث انکسار نہ کرے بلکہ اس پر تکبر کرے چنانچہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ عمدہ ہے غنی کا تواضع کرنا فقر کے واسطے از راہ رغبت ثواب اور اس سے بھی عمدہ فقیر کا تکبر ہے غنی پر خداوند کریم پر اعتماد کی رو سے تو ایسا حال فقیر کا ہونا تو ایک رتبہ عالی ہے مگر کمتر درجہ یہ ہے کہ اغنیا کے پاس نہ بیٹھے نہ ان کو پاس بٹھلانے کی رغبت کرے اس لئے کہ مبادی طمع کی یہی باتیں ہوتی ہیں حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ جب فقیر تونگروں سے ملنے لگے تو جانو کہ ریاکار ہے اور جب بادشاہ سے ملے تو جانو کہ چور ہے اور بعض عارفین کا قول ہے کہ جب فقیر تونگروں سے ملتا ہے تو اس کا اعتماد ڈھیلا ہو جاتا ہے اور جب ان سے طمع کرتا ہے تو عصمت جاتی رہتی ہے اور جب ان میں رہنے لگتا ہے تو گمراہ ہو جاتا ہے اور چاہیئے کہ اغنیاء کی خاطر سے اور ان کی عطا کی طمع سے ذکر حق سے خاموش نہ رہے جو بات حق ہووے بیان کرے اور افعال کا ادب یہ ہے کہ فقر کے باعث کسی عبادت سے سستی نہ کرے اور اگر کسی قدر مال بچ رہے تو اس کے خرچ کرنے سے دریغ نہ کرے کیونکہ کم مایہ کی کوشش و جہد یہی ہے اور اس کا ثواب بہت سے مالوں کے ثواب سے زیادہ ہے جو غنی کی طرف سے دیا جاوے چنانچہ زید بن اسلم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ صدقے کا ایک درم خدائے تعالیٰ کے نزدیک لاکھ درم سے افضل ہے لوگوں نے عرض کیا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ایک شخص نے اپنے بہت سے مال سے لاکھ درم نکالے اور خیرات کئے اور ایک آدمی کے پاس صرف دو

---

[1] اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے فقیر سوال نہ کرنے والے عیال دار کو ۱۲ ابن ماجہ بروایت عمران بن حصین ۱۲ [2] سمجھے ان کو بے خبر محفوظ ان کے نہ مانگنے سے ۱۲ [3] نسائی بروایت ابوہریرہ اور زید بن اسلم سے اس کی سند ثابت نہیں ۱۲

ہی درم ہیں اور کچھ نہیں اس نے اپنے جی کی خوشی سے ایک درم دے دیا تو یہ ایک درم والا اس لاکھ والے سے اچھا ہوگا۔ انتہی۔ اور چاہیئے کہ مال جمع نہ کرے بلکہ قدر حاجت لے اور باقی خرچ کر ڈالے اور جمع کرنے میں تین درجے ہیں ایک یہ ہے کہ صرف ایک دن ایک رات کا سامان رکھے یہ درجہ صدیقین کا ہے اور دوسرا یہ کہ چالیس روز کا ذخیرہ کرے اور جو اس قدر پر زیادہ طویل ہو۔ طول امل میں داخل ہے اور علماء نے یہ بات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی میعاد سے نکالی ہے جو خدائے تعالےٰ نے ان کے لئے مقرر فرمائی تھی اس سے یہ سمجھا گیا کہ زندگی کی توقع چالیس روز کرنی جائز ہے اور یہ درجہ متقین کا ہے اور تیسرا درجہ یہ ہے کہ برس روز کا ذخیرہ کرے یہ سب سے ادنیٰ مرتبہ ہے اور یہ صالحین کا درجہ ہے اور جو اس سے بھی زیادہ کے لئے ذخیرہ کرے وہ سب طمع میں داخل ہے خواص سے اس کو کچھ تعلق نہیں پس مرد صالح جو اطمینان قلبی میں کمزور ہو اس کی غنا برس روز کی غذا میں ہے اور خواص کی غنا چالیس روز کی غذا میں اور خواص سے بھی خواص کی غنا ایک دن اور ایک رات کی قوت میں ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کی غذا اس طرح تقسیم فرماتے تھے یعنے جب کچھ کہیں سے آتا تو ان میں سے بعض کو سال بھر کی اور بعض کو چلے بھر کی اور بعض کو ایک دن رات کی غذا عنایت فرما دیتے اور ایک دن رات کی غذا حضرت عائشہ اور حفصہ کو دیا کرتے تھے۔

بن مانگے کچھ آئے تو فقیر کیا کرے

واضح ہو کہ جب فقیر کے پاس کچھ آوے تو اس کو تین باتوں کا لحاظ چاہیئے اول نفس مال کا دوم دینے والے کی غرض کا سوم یعنے میں اپنی غرض کا نفس مال کا لحاظ یہ ہے کہ اگر مال حلال تمام شبہات سے خالی ہو تو لے ورنہ اگر اس میں شبہہ ہو تو لینے سے احتراز کرے اور رباب حلال اور حرام میں ہم درجات شبہہ کو لکھ آئے ہیں اور یہ بھی لکھ دیا ہے کہ کس چیز سے اجتناب واجب ہے اور کس سے مستحب اس کو وہاں دیکھنا چاہیئے اور دینے والے کی غرض تین صورتوں سے خالی نہیں یا تو دل کا خوش کرنا اور طلب محبت منظور ہے اس کو ہدیہ کہتے ہیں یا غرض ثواب سے ہے اس کو صدقہ اور زکوٰۃ کہتے ہیں یا شہرت یا ریا مراد ہے اور طلب محبت اور یہ بھی تنہا ہے یا پہلی غرضوں سے ملی ہوئی ہے۔ صورت اول یعنے ہدیہ کے قبول کرنے کا مضائقہ نہیں ہے کہ سنت ہے لیکن چاہیئے کہ اس میں منت نہ ہو ورنہ ایسے ہدیہ کا ترک اولیٰ ہے اور اگر یہ معلوم ہو کہ بعض میں منت زیادہ ہے تو اس قدر کو واپس کر دے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گھی اور پنیر اور مینڈھا آیا ہدیہ تو آپ نے گھی اور پنیر رہنے دیا اور مینڈھے کو پھیر دیا اور دستور آپ کا یہ بھی تھا کہ بعض لوگوں کا ہدیہ قبول کرتے تھے اور بعض کا پھیر دیتے تھے اور فرماتے کہ میں نے قصد کیا ہے کہ ہدیہ نہ لوں مگر قرشی اور انصاری اور ثقفی اور دوسی سے اور یہ بات بعض تابعین نے بھی کی ہے چنانچہ فتح موصلی کے پاس ایک تھیلی آئی جس میں پچاس درم تھے آپ نے فرمایا کہ مجھ سے عطار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جس شخص کے پاس اس کی روزی بدون مانگے آوے اور وہ اس کو ہٹا دے تو وہ خدائے تعالیٰ

پر واپس کرتا ہے پھر انہوں نے تھیلی کھولی اور ایک درم لے لیا اور باقی سب کو واپس کر دیا اور حضرت حسن بصریؒ بھی اس حدیث کو روایت کیا کرتے تھے مگر جب ان کے پاس ایک شخص نے ایک تھیلی اور خراسان کے باریک کپڑوں کی گٹھڑی بھیجی تو آپ نے ہٹا دیا اور فرمایا کہ جو شخص میری جگہ بیٹھے اور لوگوں سے اس قسم کی چیزیں لیوے وہ قیامت کے روز خدا سے ایسے حال میں ملے گا کہ اس کو کچھ بہرہ ثواب سے نہ ہو اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم اور واعظ کا دہش کو قبول کرنا سخت تر ہے اور حضرت حسن اپنے یاروں کا ہدیہ قبول کر لیا کرتے تھے اور حضرت ابراہیم تیمی اپنے یاروں سے درم دو درم تک مانگ لیتے اور کوئی دوسرا اگر سیکڑوں پیش کرتا تو نہ لیتے اور بعض کا یہ دستور تھا کہ اگر کوئی دوست ان کو کچھ دیتا تو کہتے کہ اس کو اپنے پاس رہنے دو اور دیکھو کہ اگر اس کے لینے کے بعد میں تمہارے دل میں لینے کی بہ نسبت افضل ہوں تو مجھ سے کہہ دینا میں لے لوں گا ورنہ نہ لوں گا اور اس حال کی پہچان یہ ہے کہ اگر لینے والا ہٹا دے تو دینے والے پر ناگوار گزرے اور قبول کر لے تو خوش ہو اور اس کے قبول کرنے کو اپنے اوپر احسان سمجھے پس اگر لینے والے کو معلوم ہو کہ اس ہدیہ میں کسی قدر احسان بھی مخلوط ہے تو ہدیہ کا لینا مباح ہے مگر فقرائے صادقین کے نزدیک مکروہ ہے اور بشرؒ فرماتے ہیں میں نے کسی سے کبھی کوئی چیز نہیں مانگی سوا سری سقطی کے اس لئے کہ میرے نزدیک اس کا زہد دنیا میں ثابت ہے تو جب ان کے قبضے سے کوئی چیز نکلتی ہے تو وہ خوش ہوتے ہیں پس ان کی خاطر خواہ چیز پر میں ان کا مددگار ثابت ہوتا ہوں اور ایک خراسانی حضرت جنید بغدادیؒ کے پاس آیا اور کچھ مال لایا اور کہا کہ آپ اس کو کھا دیں آپ نے فرمایا کو اس کو فقراء پر بانٹ دو اس نے کہا کہ مجھ کو یہ غرض نہیں آپ نے فرمایا کہ پھر میں اتنا کہاں جیوں گا جو اس قدر کھاؤں اس نے کہا کہ میری غرض یہ نہیں کہ آپ کو اس کو چٹنی اور سالن میں خرچ کریں بلکہ یہ چاہتا ہوں کہ شیرینی اور میووں وغیرہ میں صرف کر ڈالئے آپ نے قبول کر لیا۔ خراسانی نے عرض کیا کہ بغداد میں کوئی ایسا نہیں جس کا احسان مجھ پر آپ سے زیادہ ہو حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ تم جیسے سوا اور کسی کا ہدیہ قبول بھی نہیں کرنا چاہیئے۔ دوسری صورت یعنے اگر دینے والا صرف ثواب کے لئے دیتا ہو اور یا یہ صدقہ ہو گا یا زکوٰۃ تو اس صورت میں فقیر کو اپنے حال پر نظر کرنا چاہیئے کہ مستحق زکوٰۃ کا ہوں یا نہیں اگر یہ صفت مشتبہ ہو تو قبول کرنا محل شبہہ ہے اور ہم نے اس کی تفصیل باب اسرار زکوٰۃ میں بیان کی ہے اور اگر فقیر کو صدقہ دین کے باعث کوئی دیتا ہے تو چاہیئے کہ اپنے دل میں سوچے اور باطن میں اگر کسی گناہ کا مرتکب ہوا اور جانتے کہ دینے والے کو اگر اس گناہ کی اطلاع ہو گی تو اس کی طبیعت کو نفرت ہو گی اور مجھے صدقہ نہ دے گا تو ایسی

اح قبول ہدیہ کے باب میں حدیث پہلے گزری ۱۲ ح ۲ احمد بروایت یعلی بن مرہ ۲۵ ح ۳ ابوداؤد ترمذی بروایت ابوہریرہ رضہ ۱۲ ح ۴ ترمذی بروایت ابوہریرہ رضہ ۱۲ ح ۵ یہ حدیث اس طرح مرسلاً نہیں ملی مگر صحیحین میں یہ مضمون وارد ہے کہ جس شخص کے پاس مال بدون مانگے اور بے طمع آوے وہ اس کو لے لیوے ۱۲ ح

صورت میں لینا حرام ہے مثلاً اگر کسی نے اس گمان سے دیا کہ فلاں شخص عالم ہے یا حضرت علیؓ کی اولاد ہے اور
لینے والا اس صفت سے موصوف نہیں تو اس کو لینا حرام محض ہے کہ اس میں کچھ شک نہیں تیسرے یہ کہ دینے والے
کی غرض دینے سے ریا اور شہرت ہو تو لینے والے کو چاہیئے کہ اس کی چیز واپس کر دے اور اس کی غرض فاسد
میں اس کا مددگار نہ ہو حضرت سفیان ثوریؒ کو جو کوئی شخص کچھ دیتا آپ واپس کر دیتے اور فرماتے کہ اگر میں
جانتا کہ اس دینے کو یہ لوگ فخر کی راہ سے ذکر نہیں کرتے تو لے لیتے اور بعض اکابر پر جو لوگوں نے عتاب کیا
کہ جو بقصد صلہ آپ کے پاس لوگ بھیجتے ہیں آپ اس کو کیوں ہٹا دیتے انہوں نے فرمایا کہ میں ان پر شفقت
اور نصیحت کی راہ سے واپس کرتا ہوں اس لئے کہ وہ اپنی دی ہوئی چیز کو کہہ دیا کرتے ہیں اور ان کو اس کا لوگوں
میں ظاہر ہونا اچھا معلوم ہوتا ہے تو ان کا مال جاتا ہے اور ثواب نہیں ہوتا اس لئے ہٹا دیتا ہوں اور لینے
میں اپنی غرض کا لحاظ ایسے کرے کہ یہ دیکھے کہ لابدی چیزوں کی مجھ کو حاجت ہے یا نہیں اگر مقدار ضرورت کا محتاج
ہو اور پہلی آفتوں سے بھی کوئی آفت نہ ہو تو بہتر ہے کہ لے لے حدیث شریف میں ہے کہ ح۱ ما المعطی من
سعۃ باعظم اجرا من الاخذ اذا کان محتاجا اور دوسری حدیث میں ہے کہ ح۲ من اتاہ
شیء من ھذا المال من غیر مسئلۃ ولا استشراف فانما ھو رزق ساق اللہ الیہ
اور ایک روایت میں یہ ہے کہ فلا یردہ اور بعض علماء کا قول ہے کہ جس شخص کو کچھ ملے اور نہ لے وہ سوال
کرے گا اور نہیں دیا جائے گا اور سری سقطیؒ حضرت امام احمد بن حنبل کے پاس کچھ بھیجا کرتے تھے ایکبار انہوں
نے واپس کر دیا ان کو سری سقطی نے کہا اے احمد واپس کرنے کی آفت سے خوف کرو پھیرنے کی آفت سے
سخت تر ہے امام احمد صاحب نے فرمایا کہ ذرا پھر ارشاد فرمایئے انہوں نے دوبارہ بھی یہی فرمایا آپ نے
فرمایا کہ میں نے اس وجہ سے پھیرا کہ میرے پاس غذا ایک مہینے کی موجود ہے تو اس چیز کو اپنے پاس رہنے
دو بعد ایک مہینے کے میرے پاس بھیج دینا ابھی ضرورت نہیں اور بعض علما کا قول ہے کہ باوجود حاجت کے
پھیر دینے سے یہ خوف ہے کہ کہیں خدائے تعالےٰ اس کی سزا میں مبتلائے طمع کر کے کسی شبہہ وغیرہ میں نہ
ڈال دے پھر اگر جو مال آیا ہے وہ حاجت سے زیادہ ہو تو دو حال سے خالی نہیں یا تو آدمی اپنے ہی حال میں
مشغول ہو یا فقرا کے امور کا متکفل ہو کر اپنی طبیعت میں رفق و سخاوت کی جہت سے ان کو دیا کرتا ہو پس
اگر اپنے ہی حال میں مصروف ہو کہ کوئی وجہ لینے کی نہیں بشرطیکہ سالک طریق آخرت ہو اس لئے کہ قدر
حاجت سے زائد کو لے کر رکھنا محض اتباع خواہش نفس ہے اور جو عمل کہ خدا کے واسطے نہیں ہوتا وہ راہ
شیطان میں ہے یا اس کی طرف طالب اور کاجل کی کوٹھری میں گھسنے سے داغ لگتا ہے پھر اس لینے کی بھی دو

ح ۱۔ دینے والا وسعت کے ہوتے ہوئے بڑا نہیں ہے ثواب کی رو سے لینے والے سے جب وہ محتاج ہو طبرانی بروایت ابن عمرؓ
ح ۲ جس شخص کے پاس آوے کچھ اس مال میں سے بے سوال اور بدون مانگنے کے تو وہ ایک رزق ہے کہ خداوند کریم نے اس کی طرف
بھیجا ہے ۱۲ ابو یعلی وطبرانی بروایت خالد بن عدی جہنی ۱۲ ح ۳ تو اس کو واپس نہ کرے ۱۲

صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ ظاہر میں لے اور پوشیدہ ہٹا دے یا فقراء پر تقسیم کر دے یہ مقام تو صدیقین کا ہے اور وہ نفس پر نہایت ناگوار ہے اس کی تاب اس کو ہے جس کی طبیعت ریاضت پر مطمئن ہو اور دوسری صورت یہ ہے کہ نہ لیوے تاکہ مالک اس چیز کا کسی اور کو اپنے آپ سے زیادہ حاجت مند کو دے ڈالے یا خود لے کر ایسے شخص کو دے ڈالے جو اپنے آپ سے زیادہ حاجت رکھتا ہو اور یہ دونوں باتیں پوشیدہ کرے یا ظاہر میں اور باب اسرار زکوٰۃ میں ہم نے لکھا ہے کہ لینے کا اظہار بہتر ہے یا اخفا اور کچھ احکام فقر بھی وہاں لکھے ہیں دیکھ لینے چاہئیں مگر حضرت امام احمدؒ کا قبول نہ کرنا سری سقطی کے ہدیہ کو صرف اس جہت سے تھا کہ ان کو حاجت نہ تھی اس نظر سے کہ ان کے پاس مہینے بھر کی خوراک موجود تھی اور یہ طبیعت نہ چاہی کہ اس کو لے کر اپنے آپ کسی اور کو دے دیں کیوں کہ اس میں بہت سی آفات اور خطرے ہیں اور ورع اسی کا نام ہے کہ آفتوں کی جگہ سے بچے کیوں کہ شیطان کے فریب سے امن دشوار ہے اور بعض مجاور مکہ فرماتے ہیں کہ میرے پاس کچھ درم تھے جن کو میں نے خدا کی راہ میں صرف کرنے کو رکھے تھے میں نے ایک فقیر کو سنا کہ اپنے طواف سے فارغ ہو کر آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا۔ رباعی

یارب تجھے معلوم ہے میں ہوں بھوکا ؛ تن پر مرے باقی نہیں ثابت کپڑا
اس بھوک برہنگی میں کیا ہے منظور ؛ ہر حال کا میرے تو ہے دانا بینا

میں نے جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس کے پاس دو کپڑے ایسے پھٹے ہوئے ہیں کہ اس کا بدن بھی نہیں چھپتا میں نے اپنے دل میں کہا کہ اپنے درموں کے لئے اس سے عمدہ تر مصرف مجھ کو اور کوئی نہ ملے گا میں ان درموں کو اس کے پاس لے آیا اس نے دیکھ کہ اس میں سے پانچ درم لے لئے اور کہا کہ چار درم کی دو چادریں آجاویں گی اور ایک درم کو میں تین دن خرچ کروں گا باقی کی مجھ کو حاجت نہیں لے جاؤ۔ جب دوسری رات ہوئی تو میں نے اس کو دو نئی چادریں پہنے ہوئے دیکھا اور اس وقت میرے دل میں اس کی طرف سے کچھ وسوسہ شیطانی گزرا اس نے میری طرف دیکھ کر میرا ہاتھ پکڑا اور اپنے ساتھ سات بار طواف کرایا ہر ایک پھیرے میں ایک نئی قسم کا جوہر زمین کی کانوں میں سے ہمارے پاؤں کے نیچے ٹخنوں تک ہو جاتا تھا مثلاً ایک دفعہ سونا ایک دفعہ چاندی پھر یاقوت اور موتی اور گوہر اور یہ چیزیں لوگوں کو نہ سوجھتی تھیں اس نے کہا کہ خدائے تعالیٰ نے یہ سب کچھ دیا مگر میں نے زہد کیا لوگوں کے ہاتھ سے لے لیتا ہوں اس لئے کہ یہ سب چیزیں بوجھ اور وبال ہیں اور ان سے کسی قدر لے لینے سے بندوں کے لئے رحمت و نعمت ہے انتہیٰ۔ اس سے غرض یہ ہوئی کہ مقدار حاجت سے زیادہ جو آدمی کے پاس آتا ہے وہ امتحان اور ابتلا کے لئے ہوتا ہے تاکہ اللہ دیکھے کہ وہ اس میں کیا کرتا ہے اور مقدار حاجت جو عنایت ہوتا ہے وہ رفق کے طور پر عنایت ہوتا ہے تو رفق اور ابتلا کے معنوں میں فرق کو نہ بھولنا چاہیئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ت انا جعلنا ما علی الارض زینۃ لھا لنبلوھم ایھم احسن عملاً اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

ت ہم نے بنایا ہے جو کچھ زمین پر ہے اس کی رونق کی تاکہ جانچیں لوگوں کو کون اس میں اچھا کرتا ہے کام ۱۲

لے لاحق لابن آدم الا فی ثلث طعام یقیم صلبہ وثوب یواری عورتہ وبیت یکنہ فما زاد فھو حسابہ.... پس اگر آدمی مقدار حاجت ان تین چیزوں میں سے لے گا تو ثواب پاوے گا اور زیادتی کی صورت میں اگر خدا تعالےٰ کی نافرمانی نہ کرے گا تو حساب کے لئے اپنے آپ کو پیش کرتا ہے اور اگر نافرمانی کرے گا تو عذاب کا مستحق ہوگا اور ایک صورت امتحان کی یہ ہے کہ آدمی کسی لذت کو خدا تعالےٰ کی نفرت کے لئے اور اپنے نفس کی شکستگی کے لئے چھوڑ دینے کا عہد و عزم کرے پھر وہ لذت صاف و بے کدورت اس کے پاس آوے تاکہ اس کی عقل کی قوت کا امتحان کیا جاوے تو ایسی صورت میں اولیٰ یہی ہے کہ اس سے باز رہے اس لئے کہ نفس کو اگر اجازت عہد شکنی کی دے گا تو اس کی اس کو چاٹ پڑ جاوے گی اور ہمیشہ اپنی عادت پر رجوع کیا کرے گا اور اس کا دبانا پھر نہ ہو سکے گا اس لئے ایسی لذت کا ہٹا دینا بہت ضروری ہے اگر دینے والے کو ہی واپس کر دے تو تو زہد ہوگا اور اگر اس سے لے کر کسی محتاج کو دے ڈالے تو نہایت درجہ کا زہد ہے اور اس پر بجز صدیقین کے اور کوئی قادر نہیں اور اگر آدمی کا حال سخاوت اور خرچ کرنا اور فقرا کا تکفل اور فقرا اور کچھ صلحا کی خبر گیری ہو تو مقدار حاجت سے زیادہ لینے کا مضائقہ نہیں اس لئے کہ فقرا کی حاجت سے تو زائد نہیں مگر ایسے مال کو بہت جلد فقرا میں صرف کر دینا چاہیئے۔ اس کو رکھنا نہ چاہیئے اس لئے کہ اس کے ایک رات رکھنے میں بھی فتنہ اور امتحان ہے شاید رکھ چھوڑنے سے دل کو اچھا معلوم ہو اور پھر دینے کو دل نہ چاہے اور دبال جان ہو جاوے۔ بعض لوگوں نے تکفل فقرا کی خدمت کا کیا ہے اور اس پیرائے میں مال و دولت کی کثرت اور کھانے پینے کی بہتات میں پڑ گئے اس کا نام تباہی ہے اور جس شخص کی غرض رفق اور طلب ثواب ہو اس کو جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ وجہ حلال سے بھیج دے تو ادا کر دے اور اگر ادا سے پہلے مر جاوے گا تو خداوند کریم اس کی طرف سے ادا کر دے گا اور اس کے قرض خواہوں کو راضی کر دے گا لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ قرض خواہ اس کا حال خوب جانتا ہو تو چاہیئے کہ قرض دینے والے سے وعدہ وغیرہ کر کے فریب نہ کرے بلکہ اپنا حال صاف صاف کہہ دے تاکہ وہ قرض جان بوجھ کر دیوے اور ایسے شخص کا قرض چاہیئے کہ بیت المال خواہ مال زکوٰۃ سے ادا ہو اور اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ت ۲ ومن قدر علیہ رزقہ فلینفق مما اتاہ اللہ اس کے معنے بعض یہ کہتے ہیں کہ اپنے دونوں کپڑوں میں سے ایک بیچ ڈالے اور بعضے یہ کہتے ہیں کہ اپنی وجاہت پر قرض لے لے کہ یہ بھی خدا کی دی ہوئی ہے اور بعض اکابر فرماتے ہیں کہ اللہ کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں کہ جتنا ان کو حسن ظن خدائے تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے اتنا خرچ کرتے ہیں اپنے سرمایہ کے موافق اور کسی بزرگ نے مرنے کے وقت وصیت کی کہ میرا مال تین جماعتوں کو دینا اول قوی دوم سخی سوم غنی ان سے پوچھا گیا

لے آدمی کا حق صرف تین چیزوں میں ہے ایک کھانا کہ اس کی پشت کو سیدھا رکھے دوم کپڑا کہ اس کی برہنگی کو چھپاوے سوم گھر کو اس کو پناہ دو اور جو زیادہ ہو وہ حساب کی چیز ہے ۱۲۔ ترمذی بروایت عثمان رضہ بالذلک اختلاف ۱۲۔ ت ۲۔ اور جس کو کمی ملتی ہے اس کی روزی تو خرچ کرے جیسے اللہ نے دیا ۱۲:

کہ ان سے آپ کی کیا غرض ہے انہوں نے کہا کہ قوی سے غرض اہل توکل ہیں اور سخی سے مراد وہ ہیں جو اللہ تعالے پر حسن ظن رکھتے ہیں اور غنی سے وہ لوگ مراد ہیں جو اللہ ہی کے ہو رہے ہیں۔ حاصل اس بیان کا یہ کہ جب فقیر اور مال اور دینے والے میں شروط مذکورہ بالا پائے جاویں تو فقیر اس کی عطا لے لے مگر چاہیئے کہ یہ جانے کہ جو کچھ میں نے لیا وہ خدا کے پاس سے لیا دینے والے کے پاس سے نہیں اس لئے کہ دینے والا محض ایک واسطہ ہے کہ دینے کے واسطے مسخر کر دیا گیا اور وہ دینے کے لئے مجبور ہے کیونکہ اس پر ارادہ اور اعتقاد اور لوازم مسلط ہیں بدون دیئے نہیں بن سکتی حکایت ہے کہ کسی نے حضرت شقیق بلخی کے ساتھ ان کے مریدوں اور پچاس آدمیوں کے ساتھ دعوت کی اس نے بہت عمدہ کھانا تیار کرایا جب آپ بیٹھے تو اپنے مریدوں سے کہا کہ یہ شخص دعوت کرنے والا یوں کہتا ہے کہ جو شخص یہ نہ سمجھے کہ یہ کھانا میں نے تیار کیا ہے اور کھانے والے کے سامنے میں نے رکھا ہے تو اس شخص پر میرا کھانا حرام ہے یہ سن کر سب آپ کے ساتھی اُٹھ کر چلے گئے صرف ایک شخص جوان کے مرتبے سے کم تھا رہ گیا۔ صاحب دعوت نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ اس سے آپ کو کیا مقصود تھا آپ نے فرمایا کہ مجھ کو ان سب کی توحید کا امتحان منظور تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جناب باری میں عرض کیا کہ الٰہی تو نے میرا رزق بنی اسرائیل کے ہاتھوں پر اُتار دیا ہے کہ صبح کو کوئی کھلاتا ہے شام کو کوئی۔ حکم ہوا کہ میں اپنے دوستوں سے ایسا ہی کرتا ہوں ان کا رزق اپنے بندوں میں سے بڑوں کے ہاتھ سے دلاتا ہوں تاکہ ان کے باعث ان کو ثواب دیا جاوے بہر حال بندے کو چاہیئے کہ اگر اس کو کوئی دے کچھ تو جان لے کہ خدا تعالے نے اسے مسخر کر دیا ہے تو دیتا ہے۔

بلا ضرورت سوال کی حرمت اور مضطر کے سوال کے آداب

جاننا چاہیئے کہ سوال کے باب میں بہت سی مناہی اور تشدد واقع ہیں اور بعض روایات ایسی بھی وارد ہیں جن سے سوال کی اجازت پائی جاتی ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ آپ نے فرمایا [۱] للسائل حق ولو جاء علی فرس اور فرمایا [۲] ردوا السائل ولو بظلف محرق ان حدیثوں سے اجازت سمجھی جاتی ہے اس لئے کہ اگر سوال حرام مطلق ہوتا تو اس کو دینے میں اعانت برائی کرنے والے کے برے کام کے واسطے ہوتی پس امر تحقیق اس میں یہ ہے کہ سوال اصل میں حرام ہے اور کسی ضرورت یا حاجت مہم کے لئے جو ضرورت کے قریب ہو مباح ہو جاتا ہے لیکن اگر اس سے مفر موجود ہو تو حرام ہی رہے گا اور اصل میں جو ہم نے سوال کو حرام کہا تو اس وجہ سے کہ اس میں تین باتیں حرام ضروری ہوتی ہیں اول خدا تعالے کی شکایت کا ظاہر کرنا اس لئے کہ سوال یہی ہے کہ اپنی احتیاج ظاہر کرے اور اللہ کی نعمت کو اپنے اوپر کم بیان کرے اور یہ عین شکایت ہے اور جس طرح کہ کسی کا غلام دوسرے سے سوال کرے تو اس کا مانگنا آقا کی ہتک اور

---

[۱] سائل کا حق ہے اگرچہ گھوڑے پر آوے ابو داؤد بروایت حسین بن علی و علی مرتضےٰ ۱۲ [۲] سائل کو ہٹاؤ اگرچہ جلی ہوئی کھری دیکر ہو ۱۲ ابو داؤد ترمذی و نسائی بروایت ام معبد ۱۲

شکایت ہوتی ہے اسی طرح بندوں کا سوال موجب بے ادبی و شکایت خالق کا ہوتا ہے اس لئے حرام ہونا چاہیئے اور بدون ضرورت حلال نہ ہونا چاہیئے اور ضرورت کے وقت تو مردار بھی درست ہو جاتا ہے دوسرے یہ کہ سوال میں سائل اپنے نفس کو خدا کے سوا دوسرے کے سامنے ذلیل کرتا ہے اور ایماندار کو جائز نہیں کہ خدا کے سوا دوسرے کے لئے اپنے آپ کو ذلیل کرے بلکہ اس کو چاہیئے کہ صرف اپنے مولیٰ کے واسطے اپنے آپ کو ذلیل کرے کہ اس میں اس کی عزت ہے اور تمام خلق تو ایسے ہی ہیں جیسا وہ خود ہے اس کے سامنے ذلیل ہونا بے ضرورت نہ چاہیئے اور سوال میں ظاہر ہے کہ سائل بہ نسبت اس شخص کے جس سے سوال کرتا ہے ذلیل ہوتا ہے تیسرے یہ کہ سوال میں اکثر ایذا دوسرے شخص کی ہوتی ہے جس سے کہ مانگتا ہے کیونکہ بعض اوقات اس کا جی دینے پر بخوشی خاطر راضی نہیں ہوتا پس اگر اس نے سائل کی شرم سے یا ریا کے طور پر دیا تو وہ لینے والے پر حرام ہے اور اگر نہ دیا تو بعض اوقات شرمندہ ہوتا ہے اور اپنے دل میں ایذا پاتا ہے اس سبب سے کہ بخیل کی سی صورت مفت میں بنا جاتا ہے تو دینے میں تو نقصان مال ہے اور نہ دینے میں نقصان جاہ اور دونوں صورتیں ایذا دہندہ ہیں اور سبب اس ایذا کا وہی سائل ہے اور ایذا بھی بدون ضرورت حرام ہے اور جب ان تین خرابیوں کو جان چکے جو سوال میں ہوتی ہیں تو یہ ارشاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معلوم ہو گیا اح مسالۃ الناس من الفواحش ما احل من الفواحش سواہ دیکھنا چاہیئے کہ آپ نے اس کا نام فاحشہ رکھا یعنی بڑی خطا اور ظاہر ہے کہ گناہ کبیرہ بدون ضرورت مباح نہیں ہوتا جیسے شراب کا پینا کہ اگر کسی کے گلے میں لقمہ پھنس جاوے اور اس کے پاس شراب ہی اس وقت موجود ہو اور چیز نہ ہو تو لقمہ اتارنے کی مقدار پینا درست ہو جاتی ہے اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ باوجود غنا کے مانگے تو دوزخ کی چنگاری اپنے لئے زیادہ کرتا ہے اور جو شخص سوال کرے حالانکہ اس کے پاس اس قدر ہے کہ اس کو کافی ہو تو قیامت کے روز ایسی طرح آوے گا کہ اس کا منہ ایک ہلتی ہوئی ہڈی ہو گی جس پر گوشت نہ ہو گا اور دوسری روایت میں ہے اس کا سوال اس کے منہ پر داغ اور نشان ہوں گے۔ ان الفاظ سے صریح حرمت اور تشدد ثابت ہوتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں سے بیعت مسلمان ہونے کی لی اور ان سے سننے سے اور ماننے سے کی شرط کر لی پھر ایک بہت چھوٹا جملہ فرما دیا ۲ح لا تسالوا الناس شیئا یعنے آدمیوں سے کچھ مت مانگنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ اکثر سوال سے باز رہنے کا حکم فرماتے کہ جو ہم سے مانگے گا تو اس کو ہم دیں گے اور جو بے پرواہی چاہے گا خدا تعالیٰ اس کو بے پرواہ کر دے گا اور فرمایا کہ جو ہم سے سوال نہ کرے وہ ہمارا زیادہ محبوب ہے اور فرمایا

اح لوگوں سے سوال کرنا بڑے گناہوں میں سے ہے اس کے سوا بڑے گناہوں میں سے کوئی حلال نہیں ۱۲۔ اس کی سند مجھے نہیں ملی ۱۲
۲ح ابوداؤد و ابن حبان بروایت سہیل بن حنظلہ مختصراً ۳ح اصحاب سنن بروایت ابن مسعود ۱۲ اح مسلم بروایت عوف بن مالک اشجعی ۱۲ ۲ح ابن ابی الدنیا و حارث بن ابی امامہ بروایت ابوسعید خدری ۱۲ ۲ح اور نہ مانگو لوگوں سے کوئی چیز ۱۲

اح استغنوا عن الناس وما قل من السوال فهو خير لوگوں نے عرض کیا اور آپ سے سوال کرنا آپ نے فرمایا کہ مجھ سے بھی کم سوال کرنا بہتر ہے حضرت عمرؓ نے ایک سائل کو سنا کہ بعد مغرب کے سوال کرتا تھا آپ نے ایک کو اس کی قوم سے فرمایا کہ اس کو کھانا دے دو اس نے دے دیا۔ پھر آپ نے دوبارہ اس کو مانگتے سنا آپ نے فرمایا ہم نے کہا نہیں تھا کہ اس کو کھانا دے دو اس نے عرض کیا میں نے اس کو کھلا دیا ہے آپ نے سائل کی جو جھولی دیکھی تو روٹیوں سے بھری تھی فرمایا کہ تو سائل نہیں بلکہ تاجر ہے۔ پھر جھولی لے کر زکوٰۃ کے اونٹوں کے سامنے ڈال دی اور سائل کو درے مارے اور فرمایا پھر ایسا مت کرنا۔ پس اگر سوال حرام نہ ہوتا تو آپ اس کے درے کیوں مارتے اور اس کی جھولی کیوں لیتے۔ یہاں بعض فقیہ ضعیف العقل تنگ حوصلہ حضرت عمرؓ کے اس فعل کو بعید جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ کا سائل کو مارنا تو ادب کے واسطے تھا شریعت میں سیاست کا بھی حکم ہے مگر اس کا مال لے لینا ڈانٹ ہے اور شریعت میں سزا مال لینے کی نہیں تو کس وجہ سے حضرت عمرؓ نے اس کا مال لے لیا اور یہ اشکال ان لوگوں کو اس وجہ سے ہوا کہ فقہ کم جانتے ہیں بلکہ تمام فقہا کی سمجھ حضرت عمرؓ کی سمجھ کے سامنے گرد ہے آپ کو جس قدر اسرار دین الٰہی اور مصلحت اس کے بندوں کی معلوم تھی ان کو کہاں میسر ہو سکتی ہے کیا حضرت کو یہ معلوم نہ تھا کہ مال کا مصادرہ اور ڈانڈ جائز نہیں یا یہ سمجھ میں آ سکتا ہے کہ آپ کو معلوم تو تھا مگر غصے میں خدا کی نافرمانی کی یا صرف براہ مصلحت زجر کے واسطے ایسی سزا دی جو شریعت غرائے نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ ہو۔ حاشا وکلا یہ بات نہ تھی بلکہ جس منشا سے کہ آپ نے یہ فعل کیا ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے اس کو سوال سے مستغنی فرمایا اور قطعاً معلوم فرمایا کہ جن لوگوں نے اس کو کچھ دیا ہے تو اس اعتقاد پر دیا ہے کہ وہ محتاج ہے حالانکہ وہ جھوٹا تھا تو لوگوں کا دیا ہوا اس کی ملک میں نہ آیا اس لئے کہ فریب سے لیا اب ان روٹیوں کو ان کے مالک تک پہنچانا مشکل تھا اس نظر سے کہ کیا معلوم تھا کہ کون سی روٹی کس نے دی ہے پس یہ مال لاوارث رہا اسی نظر سے اس کا خرچ کرنا مصالح اہل اسلام میں واجب ہے اور زکوٰۃ کے اونٹوں کا گھاس دانہ بھی داخل مصالح ہے اور سائل نے جو اظہار حاجت کے ساتھ براہ کذب لیا اس کو ایسا سمجھنا چاہیئے جیسے کوئی جھوٹ موٹ کہہ کر میں حضرت علیؓ کی اولاد میں ہوں لے لے اس صورت میں وہ مال کا مالک نہیں ہوتا یا کوئی اور نیک بخت اس وجہ سے دیا جاوے کہ یہ نیک ہے حالانکہ باطن میں وہ ایسا گناہ کرتا ہے کہ اگر دینے والے کو معلوم ہو تو نہ دے اور چند جا لکھ چکے ہیں کہ جو مال اس طرح لوگ کھاتے ہیں وہ مالک نہیں ہوتے اور وہ ان پر حرام ہے اور واجب ہے کہ مالک کو واپس کر دیں اب اس امر کی تصدیق حضرت عمرؓ کے فعل سے ہو گئی اور اس سے بہت سے فقہا غافل ہیں اور بر نہیں

اح لوگوں سے سوال نہ کرنا اور سوال جتنا ہی کم ہو اتنا ہی بہتر ہے ۱۲ بزار و طبرانی بروایت ابن عباس اس میں وما قل من السوال سے آخر میں نہیں ہے ۱۲ عـه اصل میں ہے کہ شاید کوئی کم عقل ایسا اعتراض کرے ۱۲

چاہیئے کہ اس کلیہ کو بھول کر حضرت عمرؓ کے فعل کو لغو سمجھا جاوے غرضکہ جب معلوم ہوا کہ سوال ضرورت کے لئے
مباح ہوتا ہے تو اب یہ جاننا چاہیئے کہ کسی چیز کی طرف یا تو آدمی کو اضطرار ہوتا ہے یا حاجت مہم ہوتی ہے
یا حاجت خفیف ہوتی ہے یا اس سے بالکل استغناء ہوتی ہے یہ چار صورتیں ہیں مضطر تو ایسا کہ بھوکا آدمی
اپنے اوپر خوف موت یا مرض کا کرکے مانگے یا ننگا شخص جب اپنے پاس ستر کی چیز نہ پاوے تو سوال کرے
اس حالت اضطرار کا سوال مباح ہے بشرطیکہ بقیہ شرطیں سوال کی چیز میں موجود ہوں کہ مباح ہو اور جس سے
سوال کرتا ہے اس میں بھی کہ دل میں راضی ہو اور سائل میں بھی کہ کسب سے عاجز ہو اس لئے کہ جو کسب پر قادر
ہے اور نکما بن رہا ہے اس کو سوال جائز نہیں مگر جب کہ علم کی طلب نے اس کے تمام اوقات گھیر لئے ہوں ورنہ
جو شخص لکھنا جانتا ہے وہ کتابت سے پیدا کر سکتا ہے اور مستغنی وہ ہے کہ ایسی چیز مانگے جس کا ایک مثل یا کئی مثل
اس کے پاس ہوں مثلاً ایک روپیہ کا سوال کرے حالانکہ اس کے پاس ایک یا کئی موجود ہوں تو ایسے شخص کا
سوال حرام ہے اور یہ دونوں قسمیں واضح ہیں اور جس کو حاجت مہم ہو اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص اوپر کا
کپڑا رکھتا ہے مگر کرتہ نیچے پہننے کے لئے جاڑوں میں اس کے پاس نہیں اور اس کو جاڑا بھی ستاتا ہے اس
قدر کہ ضرر کی حد کو نہیں پہنچتا اسی طرح وہ شخص ہے کہ کرائے کے واسطے سوال کرے حالانکہ مشکل سے پیادہ
بھی چل سکتا ہے تو ایسے کے لئے سوال درجہ مباح ہے کیونکہ بلاشک حاجت تو ہے مگر صبر کرنا ایسے سوال
سے بھی بہتر ہے اگر سوال کرے گا تو تارکِ اولیٰ ہو گا لیکن اس کا سوال مکروہ نہ کہلاوے گا بشرطیکہ سوال میں سچ
بولے گا اور یوں کہے گا کہ میرے پیراہن کے نیچے کرتا نہیں اور جاڑا مجھ کو اتنا ستاتا ہے کہ جس کی میں برداشت
کر سکتا ہوں مگر مجھ کو تکلیف ہوتی ہے پس اگر سچ سچ کہہ دے گا تو انشاء اللہ اس کا سچ کہنا اس کے سوال کا
کفارہ ہو جاوے گا اور حاجت خفیف کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص کرتہ اس غرض سے مانگے کہ باہر جانے کے
وقت اوپر پہن لیا کرے تاکہ اپنے کپڑوں کی پھٹن یا پیوند لوگوں کی نظروں سے نیچے رہیں یا کسی کے پاس روٹی موجود
ہے مگر سالن کے لئے سوال کرے یا اس قدر ہے کہ گدھا کرایہ کرے لیکن گھوڑے کے کرائے کے لئے سوال
کرے یا سواری کرایہ کر سکتا ہے مگر محمل کا کرایہ چاہے تو ان جیسی حاجتوں میں اگر کچھ فریب ہو گا یعنے حاجت تو
کچھ ہے اور ظاہر کچھ کرے گا سوال حرام ہے اور اگر فریب نہ ہو گا اور کوئی خرابی ان تینوں خرابیوں اور مذکورہ بالا
یعنے شکایت خدا تعالیٰ یا اپنی ذلت یا دوسرے کی ایذا سے پائی جاوے گی تب بھی حرام ہے کیونکہ ایسی خفیف
حاجت کے لئے یہ امور مباح نہیں ہو سکتے اور اگر نہ فریب ہو نہ ان خرابیوں میں سے کچھ ہو تو البتہ سوال کراہت
کے ساتھ مباح ہے اب اگر کوئی کہے کہ پھر سوال کو ان خرابیوں سے کیسے دور کیا جاوے تو اس کا جواب یہ ہے
کہ شکایت تو اس طرح دفع ہو سکتی ہے کہ خداوند کریم کے شکر کا اظہار کرے اور خلق سے استغناء ظاہر کرے
اور بھیک مانگنے والوں کی طرح سوال نہ کرے بلکہ یوں کہے کہ جو کچھ میرے ملک میں ہے اس کی جہت سے میں
حاجت نہیں رکھتا ہوں مگر نفس کی طمع اور بیوقوفی مجھ سے ایک کپڑا اوپر کے واسطے چاہتی ہے وہ زائد از

حاجت اور نفس کی فضول باتوں میں سے ہے پس اس کہنے سے شکایت کی حد سے نکل جاوے گا اور ذلت کا دُور کرنا اس طرح ہے کہ اپنے باپ سے یا رشتہ دار سے یا کسی ایسے دوست سے مانگے جس کو جانتا ہو کہ سوال کے باعث اس کی نظروں میں حقیر نہ ہوں گا یا کسی مرد سخی سے سوال کرے جس نے اپنا مال انہیں باتوں کے لئے تیار کر رکھا ہو کہ اور سائل جیسے آدمیوں کے آنے سے خوش ہوتا ہو بلکہ کسی کے قبول کرنے سے اپنے اوپر احسان سمجھتا ہو تو ان لوگوں سے سوال کرنے میں ذلت نہیں رہنے کی اس لئے کہ ذلت احسان کے ساتھ ضرور رہتی ہے جہاں احسان سائل پر نہ ہوگا وہاں ذلت بھی نہ ہوگی اور ایذا سے بچنے کا طور یہ ہے کہ سوال میں کسی شخص معین سے سوال نہ کرے بلکہ بیان حال کی طرح پر کنایتہً سب کو سناوے تاکہ جس کو سچی رغبت دینے کی ہو وہ کچھ دیدے اور اگر اس جلسے میں کوئی ایسا شخص ہوسکتا ہے کہ جس کی طرف آنکھ اُٹھتی ہو اور اگر وہ نہ دے گا تو ہدف ملامت ہوگا تو ایسے جلسے میں سوال نہ کرنا داخل ایذا ہے اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ وہ جو کچھ دے بخوشی خاطر نہ دے بلکہ زبردستی ملامت کے خوف سے دیوے اور دل میں یہی چاہتا ہو کہ اگر ملامت بھی نہ ہو اور دینا بھی نہ پڑے تو خوب ہو اور اگر کسی شخص معین ہی سے مانگے تب بھی تصریح اس کے نام کی نہ کرے بلکہ کنائیتہً کہہ دے تاکہ وہ اگر غفلت کرنی چاہے تو بلا تردد کر سکے اور جب غفلت نہ کرے گا حالانکہ قدرت اس پر حاصل تھی تو اس کا دینا اس بات کی دلیل ہوگی کہ بخوشی خاطر دیتا ہے اور سوال سے کچھ ایذا اس کو نہیں ہوئی اور چاہیئے کہ ایسے شخص سے سوال کرے کہ اگر وہ جواب صاف دے دے تو سائل سے شرمندہ نہ ہو اس واسطے کہ سائل سے شرمندہ ہونے سے بھی ایذا ہوتی ہے جیسے غیر سائل کے ساتھ ریا موذی ہے۔ اب رہی یہ بات کہ اگر سائل یہ بات جان لے کہ دینے والی کی وجہ یہی ہوئی کہ مجھ سے یا حاضرین جلسہ سے شرما گیا اور اگر حیا نہ ہوتی تو کبھی ہاتھ نہ بڑھاتا تو ایسے مال کا لینا اس کو نہ حلال ہے نہ شبہہ حلال بلکہ حرام محض ہے کہ اس میں تمام امت میں سے کسی کو خلاف ہی نہیں اور اس کا حکم ایسا ہے جیسے کوئی دوسرے کا مال مار پیٹ کر یا ڈانڈ کی رو سے لے لیوے اس لئے کہ اس میں کچھ فرق نہیں کہ ظاہر بدن پر کوڑے مارے یا باطن دل کو حیا اور خوف اور ملامت کے تازیانہ سے ادھیڑے بلکہ عاقلوں کے دل میں باطن کی ضرب کا بڑا صدمہ ہوتا ہے اور اگر کوئی یوں کہے کہ ظاہر میں تو وہ شخص دینے پر راضی ہوچکا ہے اور حدیث شریف میں آیا کہ ؀ انما احکم بالظاھر واللہ یتولی السرائر تو ظاہر ہی کا اعتبار کرنا چاہیئے پس اس کا جواب یہ ہے کہ ظاہر حال خصومات کے فیصلے کے لئے حکام ظاہری کے واسطے ضروری ہوتا ہے اس وجہ سے باطن کا احوال ان کو معلوم نہیں ہو سکتا تو بمجبوری ظاہر کے زبانی قول پر حکم کر دیتے ہیں حالانکہ زبان اکثر جھوٹ دل کی طرف سے بولا کرتی ہے مگر ضرورت کو کیا کیا جاوے اسی کا اعتبار کیا جاتا ہے اور یہ سوال اس حال کا ہے جو بندہ اور خدا تعالےٰ کے درمیان ہے اور اس میں حاکم احکم الحاکمین ہے دلوں کا حال اس کے نزدیک ایسا ہے جیسا زبانوں کا اور حکام کے نزدیک ہوتا ہے

؀ میں ظاہر کے اعتبار سے حکم کرتا ہوں باطن کا مالک خدا تعالےٰ ہے ۱۲ اس کی اصل مجھے نہیں ملی ۱۲؂

تو آدمی کو چاہیئے کہ اس معاملے میں اپنے دل ہی کی طرف دیکھے گو مفتی وعلمائے فتوی دیا کریں کیونکہ مفتی قاضی اور بادشاہ کو سکھلاتے ہیں کہ لوگوں پر حکم کریں اور دلوں کے مفتی علمائے آخرت ہیں کہ ان کے فتوای سے سلطان آخرت کی سطوت سے نجات ہوتی ہے جیسے فقیہ کے فتوے سے دنیا کے حاکم سے نجات ملی ہے۔ اس تقریر سے معلوم ہوا کہ سائل جو مال بے دوسرے کی رضا کے لے گا اپنے اور خدائے تعالیٰ کے درمیان کے معاملے میں اس کا مالک نہ ہو گا اور اس مال کو ہٹا دینا اس پر واجب ہے پس اگر مالک اس کے واپس لینے سے شرما دے اور واپس نہ لے تو اس کو چاہیے کہ مالک کو ہٹا دے اس چیز کے برابر کی کوئی چیز ہدیہ کے طور پر بھیج دے تا کہ اس کے ذمے سے باہر ہو اگر مالک ہدیہ قبول نہ کرے تو اس کے وارثوں کے پاس اصل چیز بھیج دے اگر اس کے پاس تلف ہوگئی ہو تو خدا کے نزدیک اس کا ضمان اس پر ہے ۔۔ تصرف کرنے باعث اور ایسے سوال سے بھی کہ جس سے ایذا ہووے گنہگار ہے اور از آنجا کہ رضا کا حال امر باطن ہے اور اس پر واقف ہونا اور نجات کی صورت اس سے مشکل باینوجہ کہ سائل کو گمان ہے کہ دینے والا راضی ہے اور وہ باطن میں راضی نہو تو انہیں باتوں کے سبب متقی لوگوں نے سرے سے سوال ہی ناجائز کر دیا کسی سے کچھ لیتے ہی نہ تھے بشر کسی سے سوائے سری کے نہ لیتے اور فرماتے کہ مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ سری اپنے ہاتھ سے مال نکلنے سے خوش ہوتے ہیں اس واسطے ان کو جو بات پسند ہے اس پر میں ان کی مدد کرتا ہوں اور سوال میں زیادہ تر انکار کی وجہ اور اس سے باز رہنے کا امر مو کد اسی لئے ہے کہ یہ ایذا صرف ضرورت کے لئے حلال ہوتی ہے اور ضرورت یہ ہے کہ سائل مرنے پر آلگا ہو اور اس سے بچنے کی کوئی سبیل نہ رہی ہو اور جو شخص بدون برا ماننے اور ایذا پانے کے کچھ دے دے میسر نہ ہو اس وقت البتہ مانگنا مباح ہے جیسے کھانا سور اور مردار کا مباح ہو جاتا ہے۔ پس اس سے باز رہنا ہی اہل ورع کا طریق ہے اور بعض اہل دل اپنی بصیرت سے قرائن احوال کے خود جانتے پر خوب اعتماد رکھتے تھے اسی لئے بعض لوگوں سے لے لیتے تھے اور بعض کا دستور یہ تھا کہ جو چیز ان کو کوئی دیتا اس میں سے کچھ رکھتے اور کچھ پھیر دیتے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مینڈھے اور گھی اور پنیر میں سے مینڈھے کو پھیر دیا تھا اور یہ حال ان اکابر کا جب تھا کہ جب کوئی بدون مانگے دیتا تھا اس لئے کہ بدون مانگے دینا صرف رغبت سے ہی ہوتا ہے لیکن کبھی آدمی کی رغبت اس طمع سے بھی ہوتی ہے کہ جاہ حاصل ہو یار یا و شہرت ہو تو اس جہت سے ایسی عطا کے لینے سے بھی احتراز کرتے تھے اور سوال سے تو باز ہی رہتے تھے۔ فقط دو حالت میں سوال کرتے تھے ایک تو ضرورت کے وقت جیسے کہ حضرت سلیمان اور حضرت موسےٰ اور حضرت خضر علیہم السلام نے کیا تھا اور اس میں بھی شک نہیں کہ سوال ایسے شخص سے کیا جس کو جان لیا کہ ہمارے دینے کو دل سے چاہے گا دوسرے سوال دوستوں اور بھائیوں سے اور . . . . پہلے اکابر اپنے دوستوں اور بھائیوں کا مال بدون سوال اور استفسار کے لے لیتے تھے اس واسطے کہ جانتے تھے کہ دل کی رضا مقصود ہے گفتگو زبانی گو نہ ہو اور اپنے بھائیوں سے اس بات کا یقین تھا کہ اگر ہم ان کی چیز لیں گے اور تکلف نہ کریں گے تو وہ ہم سے خوش

ہوں گے اور جب بھائیوں کی طرف شک ہوتا تھا کہ جو ہم چاہتے ہیں اس پر وہ راضی ہوں گے یا نہیں تو نوبت سوال کی ان سے پہنچتی تھی ورنہ سوال سے غنی تھے اور سوال کے مباح ہونے کی حد یہ ہے کہ سائل کو معلوم ہو جاوے کہ جس سے میں مانگتا ہوں وہ اس صفت پر ہے کہ اگر میری حاجت معلوم ہو جاوے تو نوبت سوال کی نہ پہنچے بے سوال ہی دے گا پس ایسے شخص میں سوال کا اسی قدر اثر ہوگا کہ اس کا اثر معلوم ہو جاوے اور کسی طرح کی تحریک حیا سے یا ضرورت حیلے کی نہ ہو گی پھر سائل کے تین حال اس کے بعد ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ اس کو یقین ہوتا ہے کہ دینے والا دل سے راضی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کی ناراضی باطن کی یقیناً معلوم ہو جاوے اور یہ دو امر احوال کے قرائن سے معلوم ہو جایا کرتے ہیں تو اول صورت میں لینا حلال ہے اور دوسری میں قطعاً حرام تیسری حالت سائل کی یہ ہے کہ اس میں اس کو تردد رہے اور شک ہو کہ دینے والے نے رضائے باطن سے دیا یا کراہیت سے تو ایسی صورت میں اپنے دل سے فتویٰ لے اور شک کو دور کرے کہ وہ گناہ ہے پس دل میں جو بات بلا تردد و شک میں سمجھ آوے اسی کو اختیار کرے شک والی کو ترک کرے اور اس کا معلوم کرنا قرائن احوال سے ایسے شخص کو جس کی عقل قوی اور حرص ضعیف اور شہوت کمزور ہو آسان ہے اور اگر حرص قوی ہو گی اور عقل ضعیف تب تو وہی صورت نظر پڑے گی جو اس کی غرض کے موافق ہو اور قرائن دینے والے کی ناراضمندی کے ہرگز سمجھ میں نہ آویں گے اور ان باریک نکتوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا بھید سمجھ میں آتا ہے کہ آپؐ نے فرمایا

لہ ان اطیب ما اکل الرجل من کسبہ بخدا کہ آپ کو کلمات جامع عنایت ہوئے ہیں ہر ہر لفظ میں حکمت کوٹ کوٹ کر بھری ہے اسی حدیث میں تامل کرو کہ اپنے ہاتھ کی کمائی کو عمدہ غذا فرمایا اس وجہ سے کہ جس شخص کے پاس مال نہ ہاتھ کی کمائی کا ہے نہ اس کو اس کے باپ یا اور کسی رشتہ دار کے ترکہ سے پہنچا ہے تو وہ لوگوں کے پاس سے کھاوے گا اور اگر بے سوال اس کو ملے گا تو کوئی اسی وجہ سے دے گا کہ دیندار ہے اور جب اس کا باطن اسی طرح ہو گا کہ اگر لوگوں کو معلوم ہو جاوے تو کوئی دینداری کی وجہ سے کچھ نہ دے تو پھر جو کچھ لے گا وہ سب حرام ہو گا اور اگر سوال کرنے سے کوئی کچھ دے تو ایسا شخص کہاں ہے کہ سوال کرتے پر خوش ہو کر دے نہ ایسا سائل کہ مقدار ضرورت ہی پر سوال کرے پس جب ان لوگوں کا حال تفتیش کرو جو پرائے ہاتھ سے کھاتے ہیں تو معلوم ہو گا کہ ان کا سب کھانا یا اکثر حرام ہے اور حلال صرف اسی قدر ہے کہ جو وجہ حلال سے خود پیدا کیا ہو یا مورث کے ترکہ میں سے پہنچا ہو اور اس نے بھی حلال ہی سے پیدا کیا ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ لوگوں کے پاس سے کھانے میں احتیاط اور ورع کا رہنا بہت دشوار ہے۔ ہم اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہماری طمع اپنے غیر سے منقطع کرے اور حلال رزق کے باعث حرام سے بے پرواہ کرے

سوال کا حرام ہونا

جاننا چاہیئے کہ یہ ارشاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حرمت سوال کے باب میں صریح ہے ح۲ من سئال عن ظہر غنی فانما یسال جمرا فلیستقل منہ او لیستکثر

لہ نہایت عمدہ آدمی کا کھانا اپنی کمائی سے ہے ۱۲ پہلے گزری ح۲ تو انگری کے ہوتے سوال کرتے وہ گویا چنگاری کا سوال کرتا ہے اب چاہیے سوال کرے خواہ زیادہ یا کم مسلم بروایت ابوہریرہ رضہ مگر ان میں من ظہر غنی کی جگہ الناس تکثرا ہے ۱۲ ؛

مگر تونگری کی حد مشکل ہے اور اس کا مقرر کرنا دشوار اور مقداروں کا مقرر کرنا ہمارے اختیار میں نہیں بلکہ شارع کے بتلا دینے سے معلوم ہوتی ہیں اور حدیث شریف میں وارد ہے اح استغنوا بغنی اللّٰہ تعالیٰ عن غیرہ قالوا وما ھو قال غداء یوم وعشاء لیلۃ اور دوسری حدیث شریف میں ہے ح۲ من سال ولہ خمسون درھما او عدلہا من الذھب فقد سال الحافا اور ایک روایت میں اربعون درھما واقع ہے بجائے خمسون درہما کے غرضیکہ احادیث سب صحیح ہیں اور مقدار تونگری کی مختلف تو چاہیئے کہ یوں سمجھا جاوے کہ حالات مختلفہ کے اعتبار سے مقداریں بھی مختلف ہیں کیونکہ واقع میں تو امر حق ایک ہی ہوگا اور مقرر کرنا غیر ممکن ہے اور حسب قدر امکان ہے وہ یہ ہے کہ تخمیناً کہا جاوے اور تخمین اس وقت صحیح ہو کہ جب تقسیم ایسی کی جاوے کہ حاوی تمام احوال محتاجوں کی ہو پس ہم کہتے ہیں کہ حدیث شریف میں وارد ہے لاحق لابن ادم الا فی ثلث طعام یقیم بہ صلبہ وثوب یواری بہ عورتہ وبیت یسکنہ فما زاد فھو حساب اب ان تین چیزوں یعنے غذا لباس اور مسکن جن کا بیان اس حدیث شریف میں ہے سب حاجتوں کی اصل کیے لیئے ہیں تاکہ حاجات کی اجناس بیان کریں اور پھر اجناس اور مقادیر اور اوقات کا ذکر کریں اجناس حاجات تو یہی تین چیزیں ہیں یا جو ایسی ہی ہوں مثلاً مسافر کے لئے کرایہ بشرطیکہ پیادہ نہ چل سکے وہ بھی انہی تینوں میں ملا لیا جاوے گا یا اور کوئی ایسی ہی ضروری چیز ہو وہ بھی داخل ان اجناس میں ہوگی اور آدمی میں اس کا کنبہ یعنی زن و فرزند اور جس چیز کی کفالت اس پر ہے مثلاً سواری کا جانور وغیرہ سب داخل ہیں اور ان اجناس کی مقادیر کا حال یہ ہے کہ کپڑے میں رعایت اس مقدار کی ہوگی جو دینداروں کے لائق ہے یعنی ایک جوڑا جس میں کرتہ دوپٹہ پاجامہ ہو اور دوسرا جوڑا ہونا ضروری نہیں بلکہ ہر جنس میں دوسرے کی حاجت نہیں اور اسی پر سب گھر کے لوازم کو قیاس کرنا چاہیئے اور یہ نہ چاہیئے کہ باریک کپڑے کی تلاش کی جاوے یا جہاں مٹی کا برتن کافی ہو تو وہاں تانبے اور پیتل کے ڈھونڈھے جاویں کیوں کہ یہ امر بے حاجت ہے غرضکہ شمار میں تو ایک پر کفایت کرنی چاہیئے اور قسم میں سب سے ادنی پر کفایت چاہیئے بشرطیکہ عادت سے نہایت دور نہ ہو جائے اور غذا کی مقداروں میں رات میں ایک مد یعنے قریب ڈیڑھ پاؤ چاہیئے۔ اور یہ وہ مقدار ہے کہ شرع میں مقرر ہوئی ہے۔ اور نوع غذا وہ ہوئی چاہیئے جس کو کھاتے ہیں اگرچہ جو ہی کی ہو اور سالن کا ہمیشہ ہونا زائد از حاجت ہے اور بالکل ترک کر دینا بھی تکلیف ہے اس لئے کبھی کبھی اس کی طلب کی اجازت ہے۔ باقی رہا مسکن اس کی مقدار کم سے کم اس قدر چاہیئے

اح تونگری چاہو خدا تعالےٰ کی تونگری سے لوگوں نے پوچھا کہ وہ کیا ہے فرمایا کہ دن کا کھانا اور رات کا کھانا ۱۲ ابو منصور دیلمی در مسند فردوس بروایت ابوہریرہ رضہ ۱۲ ح۲ جو شخص سوال کرے اور اس کے پاس پچاس درم ہوں یا اس کے مساوی سونا ہو تو وہ سوال کرتا ہے لپٹ کر جلد اول باب الزکوٰۃ میں گزری ح۳ آدمی کا حق صرف تین چیزوں میں ہے اول کھانا جو اس کی پشت سیدھی رکھے دوم کپڑا کہ برہنگی چھپاوے سوم گھر کہ اس کو پناہ دے اور اگر اس سے زیادہ ہو تو وہ حساب کی چیز ہے ۱۲ اوپر گزری ؛

کہ کافی ہو اس میں زینت کی کچھ قید نہیں پس زینت یا مکان کے چوڑا کرنے کے لئے مانگنا بلا حاجت سوال میں داخل ہے
جس کی حرمت حدیث مذکورہ بالا میں گزری اور اوقات کے لحاظ سے اگر دیکھا جاوے تو جس چیز کی طرف کہ سردست
آدمی محتاج ہے وہ ایک دن اور رات کی غذا اور کپڑا جس کو پہنے اور پڑ رہنے کی جگہ ہے اس کے ضروری ہونے
میں تو کچھ شک نہیں مگر آئندہ کے لئے اگر سوال کرے تو اس کے تین درجے ہیں ایک تو یہ کہ ایسی چیز ہو جس کی احتیاج
دوسرے دن ہوگی دوم یہ کہ اس کی احتیاج چالیس یا پچاس دن میں ہوگی سوم یہ کہ برس میں اس کی حاجت ہوگی
اب اسباب میں تو ہم حکم قطعی کرتے ہیں کہ جس کے پاس اس قدر ہو کہ اس کو اور اگر عیال دار ہو تو اس کے
کنبے کو برس روز کے لئے کافی ہو تو اس کو سوال کرنا حرام ہے کیونکہ یہ نہایت درجے کی توانگری ہے اور
اور حدیث شریف میں جو پچاس درم مذکور ہیں وہ مقدار اسی توانگری کی ہے کیونکہ اکیلے آدمی کے لئے میانہ روی اگر
کرے تو پانچ دینار سال بھر کو کافی ہیں عیالدار کو کافی ہوں گے اور اگر اس کی حاجت برس کے اندر ہی ہوگی تو
دیکھنا چاہیئے کہ اگر سائل ایسا ہو کہ حاجت کے وقت بھی موقع سوال جاتا نہ رہے گا اور سوال پر قادر اس
وقت بھی ہوگا تب تو سوال حلال نہ ہوگا کیونکہ سردست اس کو اس شے سے استغناء ہے اور ہو سکتا ہے
کہ حاجت کے وقت سے پیشتر ہی مر جاوے تو ایسی چیز کا سوال جس کی حاجت نہ ہو کیا فائدہ اس صورت میں ایک دن رات
کا مقدار غنا ہے اور اسی حالت کا بیان ہے اس حدیث میں جس میں مقدار توانگری اس قدر مذکور ہے اور اگر سائل
ایسا ہو کہ پھر موقع سوال اس کو نہ ملے گا اور نہ کوئی دینے والا میسر ہوگا اگر اب نہ مانگے گا تو سوال مباح ہے اس
لئے کہ توقع زلیست کی برس روز تک کرنی کچھ محال نہیں اور سوال کی تاخیر سے اس بات کا خوف ہے کہ عاجز
اور مضطر رہ جاوے گا اور کوئی اعانت کرنے والا نہ ہوگا پس اگر خوف سوال سے عاجز ہونے کا آئندہ کو ضعیف ہو
اور جس چیز کا سوال کرتا ہے وہ بھی محل ضرورت سے خارج ہو تو سوال کرنا خالی کراہت سے نہ ہوگا اور کراہت اس قدر
مختلف ہوگی جس قدر اضطرار کی کمی اور موقع کے جاتے رہنے کے خوف اور جس زمانے میں حاجت سوال کی ہوگی۔
اس کی تاخیر میں اختلاف ہوگا اور ان باتوں میں سے ہر ایک کا ضبط نہیں ہو سکتا بلکہ یہ امور بندے کے قیاس
پر متعلق ہیں کہ اپنے نفس کو دیکھے اور جو معاملہ اس کے اور خدا تعالے کے درمیان میں ہے اس کو تامل کرے
اور دل سے فتویٰ لے کر اس کے بموجب عمل کرے اگر راہ آخرت طے کیا چاہتا ہے اور جس شخص کا یقین قوی ہو
اور اعتماد رزق کے آنے کا آئندہ کو کامل رکھے اور سردست کی قوت پر قناعت کرے تو اس کا درجہ خدا تعالیٰ کے
نزدیک بہت بڑا ہے پس جب خدا تعالیٰ نے آدمی کو آج کا رزق اس کے اور اس کے عیال کے لئے عنایت فرمایا تو پھر
کل کا خوف کرنا بجز ضعف یقین اور شیطان کے ڈرانے کے اور کسی چیز سے نہ ہوگا حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔
ف فلا تخافوهم وخافون ان كنتم مؤمنين اور فرمایا ف۲ الشيطان يعدكم الفقر ويأمركم بالفحشاء والله يعدكم مغفرة منه وفضلا

ف۱ سو تم ان سے ڈرو مت اور مجھ سے ڈرو اگر ایمان رکھتے ہو ۱۲ ف۲ شیطان وعدہ دیتا ہے تم کو تنگی کا اور حکم کرتا ہے بے حیائی کا اور اللہ
وعدہ دیتا ہے اپنی بخشش اور فضل کا ۱۲

اور سوال بھی وہ بری چیز ہے جو ضرورت کے واسطے مباح کیا گیا ہے اور جو شخص ایسی حاجت کے واسطے مانگے جو اس روز نہ رکھتا ہو گو سال میں اس کی ضرورت لاحق ہو اس کا حال اس شخص کی نسبت سخت تر ہے جس کو مال موروثی ملے اور اور اس کو برس روز کی بعد کی حالت کے واسطے رکھ چھوڑے اور یہ دونوں ظاہر شریعت کے فتوی کے رو سے مباح ہیں مگر ان دونوں کاموں کا منشاء محبت دنیا اور طول امل اور نہ اعتماد کرنا خدا تعالے کے فضل پر ہے جو اصل مہلک چیز ہے خدا تعالے ہم کو اور سب اہل اسلام کو توفیق نیک عنایت فرماوے آمین۔

سالکین اور صادقین کے حالات

حضرت بشر رح فرمایا کرتے کہ فقرا تین ہیں ایک وہ کہ سوال نہ کرے اور کوئی دے تو نہ لے ایسا شخص علیین میں روحانیوں کے ساتھ ہو گا دوسرا وہ کہ سوال نہ کرے اور اگر کوئی کچھ دے تو لے لے تو یہ شخص مقربین کے ساتھ جنات فردوس میں رہے گا تیسرا وہ کہ حاجت کے وقت سوال کرے ایسا شخص اصحاب یمین میں سے ہے سچوں کے ساتھ ہو گا۔ غرض سب کا اتفاق سوال کی مذمت پر ہے علاوہ ازیں فاقے کے ساتھ مرتبہ اور درجہ بھی کم ہو جاتا ہے حضرت ابراہیم بن ادہمؒ سے حضرت شقیق نے فرمایا کہ میں نے جب کہ آپ خراسان سے ان کے پاس تشریف لائے پوچھا کہ آپ نے اپنے بلدوں میں سے فقیر کو کیسے چھوڑا حضرت شقیقؒ نے فرمایا کہ میں نے اس حال میں چھوڑا کہ اگر ان کو کوئی کچھ دے تو شکر کریں اور نہ دے تو صبر کریں اور اپنی دانست میں چونکہ سوال نہ کرنے کا وصف بیان کیا تھا تو نہایت درجہ کی گویا تعریف کی تھی حضرت ابراہیم بن ادہم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بلخ کے کتوں کو تم نے ہمارے لئے ایسا چھوڑا ہے انہوں نے پوچھا کہ پھر آپ کے پاس فقراء کیسے ہیں آپ نے فرمایا کہ ہمارے پاس فقیر ایسے ہیں کہ اگر انہیں کوئی کچھ نہ دے تو شکر کریں اور اگر دے تو اپنے اوپر دوسرے کو ترجیح دیں اور وہ مال اسے حوالہ کریں۔ حضرت شقیقؒ نے ان کا سر چوم لیا اور کہا کہ ارشاد بجا فرماتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ ارباب احوال کے درجات رضا اور صبر اور شکر اور سوال کے باب میں بہت ہیں۔ سالک طریق آخرت کو ان کا پہچاننا اور ان کی تقسیم کا جاننا اور درجات کے اختلاف کو معلوم کرنا ضروری ہے کیوں کہ اگر نہیں جانے گا تو بیشتی درجات سے اوج کمال پر نہ پہنچ سکے گا اور اسفل السافلین سے اعلی علیین تک رسائی نہ ہو گی اور انسان احسن تقویم میں پیدا کیا گیا پھر اسفل السافلین میں اتارا گیا پھر حکم کیا گیا کہ اعلی علیین کی طرف ترقی کرے اور جو شخص پستی اور اوج میں تمیز نہ . . . . کرے گا وہ یقیناً ترقی نہ کر سکے گا بلکہ اس میں شک ہے کہ اگر جان بھی لے اور پھر کسی وجہ سے ترقی پر قادر نہ ہو اور ارباب احوال پر کبھی ایسی حالت غالب ہوتی ہے کہ وہ مقتضی اس بات کی ہوتی ہے کہ سوال کے باعث ان کے درجات کی ترقی ہو مگر یہ امر انہیں کے حال کی نسبت ہے کہ دارومدار اعمال کا نیت پر ہے مثلاً روایت ہے کہ کسی بزرگ نے حضرت ابوالحسن نوری کو دیکھا کہ اپنا ہاتھ پھیلاتے اور بعض موقع لوگوں سے سوال کر لیتے وہ بزرگ کہتے ہیں کہ مجھ کو ان کی

ع۵ اصل میں ہے فقال ابراہیم ہکذا ترکت کلاب بلخ عندنا یعنے بلخ میں جو کتے تھے ان کو بھی ہم اسی صفت پر چھوڑ آئے تھے یعنی اس میں کتوں سے زیادہ فضیلت نہیں ہے ۱۲ ع۶ یعنی اگر شک سے ایسے شخص کے حق میں ہے کہ آہ اح مسلم بروایت ابوہریرہ ۱۲

یہ بات ناپسند ہوئی کہ ایسے شخص کو سوال کرنا مناسب ہے پھر میں حضرت جنید بغدادی کے پاس آیا اور ان کی خدمت میں ان کا ماجرا ذکر کیا انہوں نے فرمایا کہ نوری کے اس فعل کو برا نہ جاننا چاہیئے کہ وہ لوگوں سے اس لئے چاہتے ہیں کہ انہیں کو دیں یعنے ان سے سوال اس لئے کیا کہ آخرت میں ان کو ثواب ملے اور ان کا کچھ ضرر نہ ہو اور گویا کہ اس قول میں اشارہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی طرف کہ آپ نے فرمایا ید المعطی ھی العلیا یعنے دینے والا کا ہاتھ اونچا ہے اس کے معنی بعضوں نے یہ فرمائے ہیں کہ معطی کے ہاتھ سے غرض مال کے لینے والے کے ہاتھ سے ہے اس واسطے کہ ثواب وہی دیتا ہے اور اعتبار ثواب ہی کا ہے مال کا نہیں پھر حضرت جنید نے فرمایا کہ ترازو لے آو جب ترازو آئی تو سو درم تولے اور ایک مٹھی بھر کر ان سو میں ملا دیا اور کہا کہ نوری کے پاس لے جاؤ اور ان کو دے دو راوی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے دل میں کہا کہ وزن تو اس لئے کیا کرتے ہیں تاکہ مقدار معین ہو جاوے مگر انہوں نے ایک سو کو تول کر اس میں بے گنتی پھر کیسے ملا دیئے یہ تو آدمی حکیم ہیں اور پوچھتے ہوئے مجھے حیا آئی آخر تھیلی کو میں حضرت نوری کے پاس لایا انہوں نے فرمایا کہ ترازو لاؤ ترازو سے سو درم تول کر فرمایا کہ ان کو جنید کے پاس واپس لے جاؤ اور کہنا کہ میں تم سے کچھ نہیں پذیرا کرتا اور سو سے جس قدر زیادہ ہوں وہ لے لیتا ہوں ان کی اس بات سے مجھے اور تعجب ہوا اور میں نے ان سے پوچھا انہوں نے فرمایا کہ جنید حکمتی آدمی ہیں وہ چاہتا ہے کہ اسی کے دونوں سرے آپ ہی پکڑے اس نے سو جو تولے تھے تو خود اپنے سمجھ کر ثواب آخرت کے لینے کے لئے تولے تھے اور ان پر مٹھی بھر بے تولے جو ڈالے وہ اللہ کی نیت سے ڈالے تو میں نے جو خدا کے واسطے تھے ان کو لے لیا اور جو ان کے خود کے تھے ان کو واپس کر دیا راوی ان روپیوں کو حضرت جنید کی خدمت میں لائے وہ رونے لگے اور فرمایا کہ نوری نے اپنا مال لے لیا اور ہمارا پھیر دیا خیر خدائے تعالیٰ مالک ہے انتہی - دیکھنا چاہیئے کہ ان لوگوں کے دل کیسے صاف تھے اور حالات کیسے خالص اللہ تعالیٰ کے لئے تھے کہ ہر ایک دوسرے دل کا حال بدون گفتگوئے زبان دلوں کے مشاہدے اور کشف راز سے معلوم ہو جاتا تھا اور یہ ثمرہ غذائے حلال اور محبت دنیا سے دل کے فارغ ہونے اور بہ تمام ہمت خدا کی طرف متوجہ ہونے کا ہے پس جو کوئی اس بات کو بدون تجربہ کے انکار کرے وہ جاہل ہے جیسے کوئی بدون دوا پیئے اس کے دست آور ہونے کا انکار کرے اور اگر کوئی شخص بہت دنوں محنت کرے اور یہ بات حاصل نہ ہو وہ دوسرے کے حق میں اس کا انکار کرنے لگے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی دوائے دست آور پیئے اور اس کو کسی اندر کے روگ سے دست نہ آویں تو وہ اس کے دست آور ہونے سے ہی انکار کرنے لگے اور یہ مرتبہ جہالت میں اگرچہ اول کی نسبت کمتر ہے مگر پھر بھی جہالت میں ایسا شخص کچھ کامل ہی ہے اہل بصیرت دو شخصوں میں سے ایک کہلاوے گا یا تو وہ شخص کہ راستہ چلے اور جو کچھ اہل اللہ کو معلوم ہوا ہے اس کو بھی معلوم ہو تو وہ صاحب ذوق و معرفت ہوگا اور عین الیقین کے درجے تک پہنچ جاوے گا وہ شخص کہ راستہ نہیں چلایا چلا اور اس مرتبہ تک نہیں پہنچا مگر اس پر ایمان و تصدیق رکھتا ہے اس شخص کو درجہ علم الیقین تک نہیں پہنچا اور یہ بھی

ایک رتبہ میں داخل ہے اور جو نہ علم الیقین رکھتا ہو نہ عین الیقین تو وہ ایمانداروں کے زمرے سے خارج ہے قیامت کے روز منکروں اور تکبر والوں کی جماعت میں اُٹھے گا جن کے دل مردہ اور شیطان کے تابع ہیں۔ خدائے تعالیٰ سے ہم دعا مانگتے ہیں کہ ہم کو علم میں پکے لوگوں میں سے کردے جن کا قول یہ نقل فرمایا ہے۔ امنا به کلا من عند ربنا وما یذکر الا اولوا الالباب۔

دوسری فصل۔ زہد

زہد اور فقر کی حقیقت

جاننا چاہیئے کہ دنیا میں زہد کرنا سالکوں کے مقامات میں سے ایک مقام عمدہ ہے اور یہ مقام بھی اور مقامات کی طرح علم اور حال و عمل سے بنتا ہے اس واسطے کہ ایمان کے سب اقسام بموجب قول بزرگان سلف کے رجوع کرتے ہیں طرف عقد اور قول اور عمل کے ان میں سے قول کی جگہ حال رکھا گیا کیونکہ قول ظاہر ہے اور اس سے باطن کا حال کھل جاتا ہے ورنہ خود قول مقصود بالذات نہیں اور اگر قول ایسی طرح پر صادر ہو کہ باطن سے نہ ہو تو اس کو اسلام کہتے ہیں ایمان نہیں کہتے اور علم سبب حال کا ہوتا ہے گویا حال اس کا ثمرہ عمل ہے تو اب ہم حال کو اس کے دونوں طرفوں یعنی علم و عمل کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ زہد کس حال کا نام ہے پس زہد سے ہماری یہ مراد ہے کہ ایک چیز سے دوسری چیز بہتر کی طرف رغبت کرے تو جو کوئی ایک شئے سے دوسری کی طرف توجہ کرتا ہے خواہ معاوضہ سے یا بیع وغیرہ سے تو ظاہر ہے کہ جس سے رغبت دور کرتا ہے اس سے منہ پھیرتا ہے اور جس کی خواہش ہوتی ہے اس کا راغب ہوتا ہے تو اول شئے کے لحاظ سے اگر اس شخص کا حال دیکھا جاوے تو اس کو زہد کہیں گے اور دوسری چیز کی نسبت کر رغبت اور محبت بولیں گے اس سے معلوم ہوا کہ زہد کے لئے دو چیزیں چاہئیں ایک وہ جس کی طرف سے رغبت ہٹائی جاوے دوسری وہ کہ جس کی طرف رغبت کی جاوے اور یہ دوسری پہلی شئے کی نسبت اچھی ہو اور وہ اول شئے میں بھی یہ شرط ہے کہ کسی نہ کسی وجہ سے اس کی رغبت ہوا کرتی ہے پس جو شخص اپنی رغبت ایسی چیز سے ہٹا دے جو خود مطلوب نہ ہو وہ زاہد نہ کہلاوے گا مثلاً پتھر اور مٹی کا چھوڑ دینے والا زاہد نہ ہوگا زاہد وہی ہوگا جو روپیہ پیسہ چھوڑ دے کیونکہ مٹی پتھر کی طرف رغبت نہیں ہوتی اور شرط دوسری چیز کی یہ ہے کہ زاہد کے نزدیک اول چیز سے بہتر ہو تاکہ اس کی رغبت غالب ہو مثلاً بائع اپنی چیز کو جب تک نہیں بیچتا جب تک کہ اس کے نزدیک بیع سے اس کا عوض بہتر نہیں ہوتا تو بائع کا حال بیع کی نسبت کر زہد میں داخل ہے اور عوض کے لحاظ سے رغبت اور محبت میں شامل اور اسی بنا پر قرآن مجید میں ارشاد ہے وشروه بثمن بخس دراهم معدودة وکانوا فيه من الزاهدين اس آیت میں شرا کے معنے بیع کے ہیں اور برادران یوسف علیہ السلام کا وصف بیان کیا کہ

ف ۱ ہم اس پر یقین لائے سب کچھ ہمارے رب کی طرف سے ہے اور سمجھائے وہ سمجھتے ہیں جن کو عقل ہے ۱۲ ت ۲ اور بیچ آئے ان کو ناقص مول کو گنتی کی گنیں بادیاں اور ہو رہے تھے اس سے بیزار ۱۲

انہوں نے یوسف میں زہد کیا یعنی انہوں نے طمع کی کہ باپ کی توجہ صرف ہماری طرف رہ جاوے اور یہ امر ان کے نزدیک یوسف علیہ السلام کی نسبت محبوب تھا۔ اسی عوض کی طمع میں ان کو بیچ ڈالا۔ اس بیان سے ثابت ہوا کہ دنیا میں زاہد وہ کہلاوے گا جو اس کو آخرت کی عوض بیچ ڈالے جو شخص اس کا عکس کرے یعنی آخرت کو دنیا کی عوض دے دے وہ آخرت کے حق میں زاہد ہو گا مگر عادت یہ ہو رہی ہے کہ جو خاص دنیا میں ہی زہد کرے اس کو زاہد کہتے ہیں جیسے الحاد اسی میل کو کہتے ہیں جو باطل کی طرف ہو حالانکہ لغت میں صرف میل کا نام الحاد ہے حق کی طرف ہو یا باطل کی اور از آنجا کہ زہد میں یہ قید ہے کہ فی الجملہ محبوب چیز کی طرف سے بے رغبت ہو تو ظاہر ہے کہ یہ جبھی متصور ہو گی جب اس شئے کی نسبت کہ دوسری چیز محبوب تر کی طرف میل پایا جاوے گا ورنہ چھوڑنا محبوب چیز کا بدون اس سے زیادہ محبوب کے محال ہے اور جو شخص کہ خدا تعالیٰ کے سوا ہر ایک چیز کی طرف سے دل اٹھائے یہاں تک کہ بہشتوں سے بھی غرض نہ رکھے صرف محبت الٰہی ہی کی رغبت ہو تو وہ زاہد مطلق ہے اور جو کہ حظوظ دنیاوی سے تو دل اٹھاوے اور حظوظ آخرت میں زہد نہ کرے بلکہ حور و قصور اور نہروں اور میووں کی طمع رکھے تو وہ بھی زاہد ہو گا مگر اول شخص کی نسبت کم ہو گا اور جو شخص دنیا کی بعض لذت کو چھوڑ دے اور بعض کو نہ چھوڑے مثلاً مال کو چھوڑے اور جاہ کو نہ چھوڑے یا غذا کے تکلفات کو ختم کرے اور زینت کا تجمل نہ چھوڑے تو ایسے شخص کو زاہد مطلق نہ کہیں گے اور درجہ اس کا زاہدوں میں ایسا ہو گا جیسا توبہ کرنے والوں میں اس شخص کا ہے جو بعض گناہوں سے توبہ کرے مگر یہ زہد اس کا درست ہے جیسے توبہ بعض گناہوں سے صحیح ہے کیوں کہ توبہ ممنوعات کے چھوڑنے کا نام ہے وہ زہد مباحات کے ترک کرنے کا جو نفس کی لذت میں سے ہوں اور یہ کچھ دشوار نہیں کہ آدمی بعض مباحات کے چھوڑنے پر تو قادر ہو اور بعض کے ترک پر نہ ہو جیسے کہ ممنوعات کے ترک میں بھی یہ امر بعید نہیں اور جو شخص کہ صرف ممنوعات کو ترک کر دے وہ زاہد نہ کہلاوے گا ہر چند اس نے ممنوعات سے زہد کیا اور ان سے دل اٹھا لیا لیکن اصطلاح میں زہد مباحات کے چھوڑنے ہی کا نام ہے پس اب معلوم ہوا کہ زہد یا اسی کو کہیں گے کہ دنیا سے رغبت ہٹا کر آخرت کی طرف میل کرے یا غیر اللہ سے محبت دور کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت کرے اور یہ درجہ بہت اونچا ہے اور جس طرح کہ دوسری چیز میں یہ شرط ہے کہ اس کے نزدیک بہتر ہو اس طرح اول چیز میں یہ قید ہے کہ وہ زاہد کی قدرت میں ہو کیوں کہ جس قدر چیز پر قدرت ہی نہ ہو اس کا چھوڑنا محال ہے اور رغبت کا دور ہونا چھوڑنے سے ہی ظاہر ہوتا ہے اور اسی جہت سے جب حضرت ابن مبارک سے کسی نے کہا کہ اے زاہد انہوں نے فرمایا کہ زاہد عمر بن عبد العزیز ہیں کہ ان کے پاس دنیا ذلیل ہو کر آئی اور انہوں نے اس کو چھوڑ دیا اور میں نے کون سی چیز میں زہد کیا ہے اب علم کا بیان سننا چاہیے جو زہد میں درکار ہے اور جس کا ثمرہ حال ہوتا ہے وہ اس بات سے واقف ہوتا ہے کہ متروک چیز بہ نسبت مرغوب کے حقیر ہے جیسے تاجر جان لیتا ہے کہ عوض بیع کی نسبت کہ بہتر ہے اس لئے اس کی رغبت کرتا ہے اور جب تک یہ علم نہیں ہو لیتا تب تک خیال میں نہیں آتا کہ رغبت بیع کی دل سے جاوے تو اس طرح پر جو شخص یہ بات جان لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس کی چیز پائیدار ہے اور آخرت بہتر چیز اور دائمی ہے یعنی اس کی لذتیں بالذات اچھی اور باقی ہیں تو اس کو ذوق آخرت اور رغبت الی اللہ ہوتی ہے اور جس طرح جواہر برف کی نسبت کہ عمدہ اور پائیدار ہوتے ہیں اور برف کے مالک کو اس کا جواہر کے بدلے میں دے ڈالنا مشکل معلوم ہونا اس طرح دنیا اور آخرت کی مثال جاننی چاہیئے۔ دنیا کو سمجھنا چاہیئے کہ برف آفتاب کے سامنے رکھی ہوئی ہے اور پگھلتی جاتی

ہے یہاں تک کہ کچھ نہ رہے اور آخرت مثل جواہر ہے جس کو کبھی فنا نہیں تو جس قدر دنیا اور آخرت میں فرق ہونے کی معرفت زیادہ ہوگی اسی قدر بیع اور معاملہ کی رغبت زیادہ ہوگی یہاں تک کہ جس کو اپنے نفس اور مال کے فروخت کرنے کا یقین کامل ہوگا بموجب فحوائے اس آیت کے ان[1] اللہ اشتری من المومنین انفسہم واموالہم بان لہم الجنۃ۔ تو اس کا حال خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کا معاملہ مفید ہے واستبشروا ببیعکم الذی بایعتم بہ[2] زہد میں علم سے اس قدر کی حاجت ہوتی ہے کہ آخرت کو بہتر اور باقی جانے اور بعض اوقات یہ امر کسی شخص کو معلوم ہوتا ہے مگر وہ دنیا کے چھوڑنے پر قدرت نہیں رکھتا اور یہ امر علم یقین کے کم ہونے یا اس وقت غلبہ شہوت میں دبے ہونے یا شیطان کے ہاتھ میں گرفتار ہونے یا شیطان کے وعدہ ہائے امروز و فردا سے دھوکا کھا جانے سے ... ہوا کرتا ہے۔ یہ اسی مغالطے میں رہتا ہے کہ موت آ دباتی ہے اور اس وقت بجز حسرت و ندامت اور کچھ ساتھ نہیں جاتا۔ دنیا کی حقارت اس قول خداوندی سے ثابت ہے فت[3] قل متاع الدنیا قلیل اور آخرت کی نفاست پر اس آیت میں اشارہ ہے ت[4] وقال الذین اوتوا العلم ویلکم ثواب اللہ خیر لمن امن اس میں بتلا دیا کہ علم جوہر کی نفاست کا اس کی عوض سے دل اٹھا دیا کرتا ہے اور چونکہ زہد بدون معاوضہ اور رغبت محبوب تر چیز کے متصور نہیں ہو سکتا اس لئے ایک شخص نے اپنی دعا میں یہ التجا کی کہ الٰہی دنیا میرے نزدیک ہے ایسی کر دے جیسی تیرے نزدیک پس اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس طرح مت کہو یوں دعا کر الٰہی دنیا میری سمجھ سے ایسی کر جیسے تو نے اپنے نیک بندوں کے نزدیک اس کو کیا ہے اور اس ارشاد کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ تو دنیا کو ایسی حقیر سمجھتا ہے جیسی وہ واقع میں ہے اور ہر ایک مخلوق اس کے جلال کی نسبت کر حقیر ہے اور بندہ جو دنیا کو حقیر اپنے لئے جانتا ہے تو اس کی نسبت کر ہے جو بندے کے لئے بہتر ہے اور یہ ہو نہیں سکتا کہ گھوڑے کا بیچنے والا گو اس سے دل برداشتہ ہو وہ گھوڑے کو ایسا جانے جیسا مثلاً حشرات الارض کو جانتا ہے کیونکہ ان چیزوں کی تو اس کو حاجت نہیں ہوگی مگر گھوڑے سے مستغنی نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ بذات خود ہر ایک ماسوا سے غنی ہے وہ ہر ایک چیز کو اپنے جلال کے سامنے ایک ہی درجے میں سمجھتا ہے اور فرق صرف ایک دوسرے کی نسبت سے جانتا ہے نہ اپنے جلال کے لحاظ سے اور زاہد وہ ہے جو فرق اشیاء کا اپنے نفس کے لحاظ سے جانتا ہے نہ دوسرے کے لحاظ سے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا کہ خدا تعالیٰ جس طرح کسی چیز کو حقیر سمجھتا ہے اس طرح کی حقارت اور شخص کے نزدیک ہوئی متصور نہیں اس کی دعا بھی نہ چاہیئے باقی رہا عمل جو حال زہد سے صادر ہوتا ہے وہ چھوڑنا اور اختیار کرنا ہے کیونکہ زہد معاملہ داد و ستد اور معاوضہ بہتر چیز سے ادنیٰ کا ہے تو جیسے بیع و شراء میں یہ مقصود ہوتا ہے کہ مبیع کو ترک کر کے اپنے قبضے سے نکال لے اور اس کے عوض

ت[1] اللہ نے خرید لی مسلمانوں سے ان کی جان و مال اس قیمت پر کہ ان کو بہشت ہے ۱۲ ت[2] سو خوشیاں کرو اس معاملت پر جو تم نے کی ہے اس سے ۱۲۔ ت[3]۔ تو کہہ دنیا فائدہ کا تھوڑا ہے ۱۲ ت[4] اور بولے جن کو ملی تھی بوجھ اے خرابی تمہاری اللہ کا دیا ثواب بہتر ہے ان کو جو یقین لائے

ح[5] ابو منصور در فردوس مختصراً بروایت ابی العیصر اور منصور نے اس کو بھی سند میں معلق لکھا ۱۲ بد

کو لے لیجئے اسی طرح زہد میں بھی یہ غرض ہے کہ جس چیز میں زہد کیا اس کو یعنی دنیا کو مع تمامی اسباب و لوازم و علائق کے ترک کرے یہاں تک کہ اس کی محبت دل سے جاتی رہے اور محبت طاعات دل میں آجاوے اور جو چیز دل میں سے نکلے وہ آنکھ اور ہاتھ اور تمام اعضا سے نکل جاوے اور آنکھ وغیرہ اعضا کو وظائف و طاعات پر مداومت کریں ورنہ صرف دنیا ترک کرنے سے ایسا ہوگا جیسا کوئی مبیع تو مشتری کو دیدے اور اس سے زرِ ثمن نہ لے اور جب جانبین کی شرائط داد و ستد حسب مذکورہ بالا ہو جائیں تو اس کو مژدہ ہو کہ یہ معاملہ نفع کا ہوا کیونکہ جس شخص سے معاملہ ہوا ہے وہ اپنے عہد کو پورا کرے گا مثلاً اگر کوئی شخص بیع سلم کرے اور موجودہ چیز غائب کے لئے دے ڈالے اور اس کی تلاش میں سرگرم ہو تو اگر عاقد یعنی معاملہ کرنے والا معتبر اور وعدے کا سچا اور دینے پر قادر ہے تو بے شک اس کو مال مطلوب دے گا۔ اسی طرح یہ معاملہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ جس میں سب صفات مذکورہ بدرجۂ کمال موجود ہیں اس معاملے کو نافع ہونے میں کیا شک ہے اور جو شخص کہ دنیا کو اپنے پاس رکھے اس کا زہد کبھی نہیں درست ہوگا۔ ع

آنکس کہ درم گرفت و دینار ؛ زاہد ترا زود گر بدست آر

دیکھو اللہ تعالیٰ نے برادران یوسف علیہ السلام کی صفت زہد بتیامین کے ذکر باب میں ذکر نہیں فرمائی ہر چند وہ لوگوں کے لئے کہتے تھے کہ یوسفؑ اور اس کا بھائی ہمارے باپ کے نزدیک ہم سے بہتر ہیں اور ان کو بھی مثل یوسف کے جدا کرنا چاہتے تھے حتیٰ کہ ایک سفارش کے باعث رہنے دیا اسی جہت سے ان کے باب میں زاہد نہ کہلائے اور جب حضرت یوسف علیہ السلام کے نکالنے کا قصد کیا تھا جب ہی زہد کے وصف سے خدائے تعالیٰ نے ان کو موصوف نہ کیا بلکہ جب دے چکے اور بیچ ڈالا تو زاہد فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ رہنے دینا علامت رغبت کی ہے اور پاس سے نکال دینا علامت زہد کی پھر اگر تم اپنے قبضے میں سے کچھ تو نکال دو اور کچھ باقی رکھو تو زاہد اسی قدر میں ہو گے جس کو قبضے میں سے نکال دیا زاہد مطلق نہیں کہلاؤ گے اور اگر تمہارے پاس کچھ مال ہی نہ ہو اور دنیا موافق نہ ہو تو پھر تم سے زہد ہونا ممکن نہیں کیونکہ جس چیز پر تم کو قدرت ہی نہیں اس کے چھوڑنے کے کیا معنے اور اگر شیطان تم کو فریب دے اور سوجھاوے کہ دنیا گو تمہارے پاس نہیں آئی تم اس میں زاہد ہو تم کو نہیں چاہیئے کہ اس کے جال میں آؤ اور اپنے آپ کو زاہد سمجھو بدون اس کے کہ اعتماد قوی اور عہد مضبوط خدا تعالیٰ کی طرف سے رکھتے ہو اس لئے کہ جب تک تم قدرت کے وقت کو امتحان نہیں کرو گے تب تک کیسے اعتبار کرو گے کہ ہم ترک پر قادر ہیں بہت آدمی ایسے ہیں کہ اپنے گمان میں گناہ کو برا جانتے ہیں جب تک کہ اس پر دسترس نہیں ہوتا مگر جب اس گناہ کے لوازم ان کو میسر ہو جاتے ہیں اور کوئی روک ٹوک یا خوف لوگوں کا نہیں ہوتا تو اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ پس جب نفس کے مغالطے کا حال گناہوں میں یہ ہو تو اگر مباحات میں یہ وعدہ کرے اس پر کیسے اعتبار کرو گے اور نفس کا عہد غلیظا اس طرح ہے کہ تم اس کا امتحان چند بار قدرت کے وقت کرو اور جب اپنے وعدے کو ہمیشہ پورا کرے حالانکہ کوئی مزاحم اور عذر ظاہری اور باطنی بھی نہ ہو تب کچھ مضائقہ نہیں کہ تم نفس پر کسی قدر اعتماد کرو لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ اس

کے بدل جانے سے بھی ڈرتے رہو اس لئے کہ وہ جلدی سے عہد توڑ کر اپنی خواہش طبعی کی طرف رجوع کر جاتا ہے حاصل یہ کہ نفس سے امن جب ہی ہے جب کہ وہ کسی چیز کو ترک کر دے اور اس صورت میں بھی امن صرف اسی متروک چیز کی نسبت کر ہو گا بشرطیکہ باوجود قدرت ترک کیا ہو ابن ابی لیلےٰ نے ابن شبرمہ سے کہا کہ تم اس نورباف زادہ یعنے امام ابو حنیفہ کوفی کو دیکھتے ہو کہ مسئلہ میں ہم فتوی دیتے ہیں اس کو رد کر دیتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے معلوم نہیں کہ وہ نورباف کے بیٹے ہیں یا کیا ہیں اتنا جانتا ہوں کہ دنیا ان کے پاس آئی تو وہ اس سے بھاگے اور ہم سے دنیا بھاگی تو ہم نے اس کی طلب کی یعنے آپ نے باوجود قدرت کے دنیا میں زہد کیا یہ کتنا فضل ہے اسی طرح زمانہ فیض نشانہ جناب رسالتمآب[۲] میں مسلمانوں نے کہا کہ ہم خدا تعالےٰ سے محبت رکھتے ہیں اور اگر ہم کو معلوم ہوتا کہ اس کی محبت کون سی چیز کرنے سے ہے تو ہم وہی کرتے اس وقت یہ آیت اُتری[۲] ولو انا کتبنا علیھم ان اقتلوا انفسکم او اخرجوا من دیارکم ما فعلوہ الا قلیل منھم حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو فرمایا کہ تو ان تھوڑوں میں سے ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو معلوم نہ تھا کہ ہم سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو دنیا سے محبت رکھتے ہیں مگر اس آیت کے اترنے سے معلوم ہوا[۳] منکم من یرید الدنیا ومنکم من یرید الاخرۃ۔

اب جاننا چاہیئے کہ زہد اس کا نام نہیں کہ مال کو ترک کرے اور اس کو سخاوت اور جوانمردی کی راہ سے خرچ کر ڈالے یا بطور دلوں کے مائل کرنے کے یا کسی اور طمع سے دے دے کیونکہ یہ باتیں اخلاق عمدہ میں سے ہیں۔ ان کو عبادت میں کچھ دخل نہیں زہد اس کا نام ہے کہ آخرت کی نفاست کے مقابل دنیا کو حقیر جان کر ترک کی ایسے شخص کی طرف سے ممکن ہے جو آخرت پر ایمان ہی نہ رکھتا ہو مگر اس کا ترک یا براہ مروت یا سخاوت یا خوش خلقی کے ہوتا ہے زہد نہیں ہوتا کیونکہ نام کا ہونا اور دلوں کا مائل ہونا یہ لذات دنیاوی ہیں اور مال سے زیادہ لذیذ ہیں اور جس طرح کہ مال کو سلم کے طور پر دینا اور عوض کی طمع رکھنے سے اس کی حفاظت سے محنت و مشقت اٹھانی پڑے گی یا اس کے حاصل کرنے کے لئے بادشاہوں کے یہاں یا امرا کے سامنے ذلیل ہونا پڑے گا یہ بھی داخل زہد نہیں بلکہ ایک لذت دنیاوی کو چھوڑ کر دوسری کا حاصل کرنا ہے زاہد وہی ہے جس کے پاس دنیا بے غل و غش ذلیل ہو کر آوے اور وہ اس سے لذت لینے پر قادر ہو اس طرح کہ نہ نقصان جاہ کا ہوتا ہے نہ بدنامی ہوتی ہے اور نہ کسی طرح کا حظ نفسانی فوت ہے اور وہ ایسی صورت میں دنیا کو اس خوف سے چھوڑے کہ اس کے ساتھ انس کرنے سے غیر اللہ سے مانوس اور ماسوا کا محب ہو جاؤں گا اور خدا تعالیٰ کی محبت میں مشرک ہوں گا اس طمع سے چھوڑے کہ آخرت کا ثواب اس کے چھوڑنے سے ملے گا مثلاً دنیا کے شربت اس طمع سے چھوڑے کہ جنت کے شربت ملیں گے اور عورتوں اور لونڈیوں سے ہم بستر اس وجہ سے نہ ہو کہ جنت میں حورعین سے صحبت رہے گی اور باغوں کی سیر جنت کے باغوں اور گلزاروں کی توقع پر ترک اور زینت

لہ اس کی اصل مجھ کو نہیں ملی ۱۲ ت ۲ ہم ان پر حکم کرتے کہ ہلاک کرو اپنی جان یا چھوڑ نکلو اپنے گھر تو کوئی نہ کرتے مگر تھوڑے ان میں ۱۲ ح ۳ بیہقی در دلائل النبوۃ بروایت ابن مسعود ۱۲ ح ہم کوئی تم میں چاہتا تھا دنیا اور کوئی تم میں چاہتا تھا آخرت ۱۲ ء

اور کلفت جنت کی آرائش و تجمل کی طمع سے چھوڑ دے یہاں کے لذیذ کھانوں پر اس وجہ سے لات مارے کہ جنت کے میوؤں پر ہاتھ مارے اور اس بات کا تردد نہ ہو کہ وہاں کوئی یہ کہے گا ت ۱ اذھبتم طیباتکم فی حیاتکم الدنیا غرض کہ جمیع ان باتوں کو جو جنت میں وعدہ ہے دنیا کی بے غل و غش چیزوں پر ترجیح دے یہ سمجھ کر کہ جو کچھ آخرت میں ہے وہی بہتر و پائدار ہے اور اس کے سوا جتنے ہیں سب معاملات دنیوی فانی اور بے فائدہ ہیں۔

زہد اور فقر کے فضائل

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فخرج علی قومہ فی زینتہ ت۲ قال الذین یریدون الحیوۃ الدنیا یالیت لنا مثل ما اوتی قارون انہ لذو حظ عظیم وقال الذین اوتوا العلم ویلکم ثواب اللہ خیر لمن امن اس آیت زہد کو علماء کی طرف منسوب کیا اور اہل زہد کو علم سے موصوف کیا یہ نہایت درجے کی تعریف ہے اور فرمایا ت ۳ اولئک یؤتون اجرھم مرتین بما صبروا اس کی تفسیر میں مفسرین نے فرمایا کہ جنہوں نے دنیا میں زہد کرنے پر صبر کیا وہ مراد ہیں اور فرمایا ت ۴ انا جعلنا ما علی الارض زینۃ لھا لنبلوھم ایھم احسن عملاً۔ احسن عملاً کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ کون سا زیادہ زاہد ہے دنیا میں اسی سے معلوم ہوا کہ زاہد کو احسن اعمال فرمایا اور فرمایا ت ۵ من کان یرید حرث الاٰخرۃ نزد لہ فی حرثہ ومن کان یرید حرث الدنیا نؤتہ منہا وما لہ فی الاخرۃ من نصیب اور فرمایا ت ۶ ولا تمدن عینیک الی ما متعنا بہ ازواجا منہم زہرۃ الحیوۃ الدنیا لنفتنہم فیہ ورزق ربک خیر و ابقیٰ اور فرمایا ت ۷ یستحبون الحیوۃ الدنیا علی الاخرۃ یہ وصف کفار کا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن وہ ہے جو موصوف اس صفت کی ضد سے ہو یعنی آخرت کی محبت دنیا پر چاہتا ہو اور احادیث میں سے جو دنیا کی مذمت میں وارد ہیں وہ بہت ہیں چنانچہ ان میں سے کس قدر ہم جلد ثالث میں لکھ آئے ہیں کیونکہ محبت دنیا مہلکات میں سے ہے جو اس جلد میں مذکور ہیں اب ہم بعض دنیا کی فضیلت لکھتے ہیں جو منجیات میں سے ہے اور وہی مراد زہد سے ہے آنحضرت صلی اللہ

ت ۱ ضائع کئے تم نے اپنے مزے اپنے دنیا کے جینے کے ۱۲ ت ۲ پھر نکلا اپنی قوم کے سامنے اپنی تیاری سے کہنے لگے جو طالب ہیں دنیا کی زندگی کے اے کسی طرح ہم کو ملے جیسا کچھ ملا ہے قارون کو بے شک اس کی بڑی قسمت ہے اور بولے جن کو ملی تھی بوجھ اے خرابی تمہاری اللہ کا دیا ثواب بہتر ہے ان کو جو یقین لائے ت ۳ وہ لوگ پاویں گے اپنا حق دوہرا اس پر کہ ٹھہرے رہے ۱۲ ت ۴ ہم نے بنایا ہے جو کچھ زمین پر ہے اس کی رونق تا جانچیں لوگوں کو کون ان میں کرتا ہے اچھا کام ۱۲ ت ۵ جو کوئی چاہتا ہے آخرت کی کھیتی بڑھا دیں ہم اس کو اس کی کھیتی اور جو کوئی چاہتی دنیا کی کھیتی اس کو دیں ہم کچھ اس میں سے اور اس کو آخرت میں کچھ حصہ نہیں ۱۲ ت ۶ اور نہ پسار اپنی آنکھیں اس چیز پر جو برتنے کو دی ہم نے بھانت بھانت لوگوں کو رونق دنیا کے جینے ان کے جانچنے کو اور تیرے رب کی دی روزی بہتر ہے اور دیر رہنے والی ۱۲ ت ۷ جو پسند رکھتے ہیں زندگی دنیا کی آخرت سے ۱۲ *

علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو دنیا کا ہی تردد ہو اللہ تعالیٰ اس کا کام ابتر اور روزی پریشان کر دیتا ہے اور
افلاس اس کے پیش نظر کرتا ہے اور اس کو دنیا سے اس قدر آتا ہے جتنا اس کے لئے لکھا ہوا ہے اور جس
شخص کو صرف آخرت کی فکر ہو اللہ تعالیٰ اس کی ہمت مجتمع رکھتا ہے اور اس کی معیشت کو محفوظ رکھتا ہے
اور تونگری اس کے دل میں ڈالتا ہے اور اس کے پاس دنیا ذلیل و خوار آتی ہے اور ایک حدیث شریف میں
فرمایا کہ جب تم کسی بندہ کو دیکھو کہ اس کو سکوت اور دنیا میں زہد ملا ہے تو اس سے قریب ہوا کرو اس لئے کہ وہ
سکھلایا جاتا ہے حکمت کو اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ت ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیراً
اور اس واسطے کہا گیا ہے کہ جو شخص چالیس روز دنیا میں زہد کرے خدائے تعالیٰ اس کے دل میں چشمے حکمت کے
جاری کرتا ہے اور وہی اس کی زبان سے نکلواتا ہے اور بعض اصحابؓ سے روایت ہے کہ ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کون سا آدمی بہتر ہے آپ نے فرمایا ح۳ کل مومن مخموم القلب وصدوق اللسان
ہم نے عرض کیا کہ مخموم القلب کس کو کہتے ہیں آپ نے فرمایا کہ وہ پرہیزگار اور صاف آدمی ہے جس میں نہ خیانت ہو
اور نہ کھوٹا پن نہ سرکشی ہو نہ حسد ہم نے عرض کیا کہ اس کے بعد کون بہتر ہے آپ نے فرمایا کہ ح۴ الذی یشنأ
الدنیا ویحب الآخرۃ اس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ برا آدمی وہ ہے جو دنیا کو دوست رکھے اور ایک حدیث میں
ارشاد فرمایا کہ ح۵ ان اردت ان یحبک اللہ فازھد فی الدنیا اس میں زہد کو سبب محبت فرمایا اور
جس کو خدا تعالیٰ دوست رکھتا ہے وہ اعلیٰ درجات میں پہنچتا ہے اس لئے ضرور ہوا کہ دنیا میں زہد کرنا افضل مقامات
میں سے ہو اور اس کا مفہوم بھی یہی ہے کہ دنیا سے دوستی کرنے والا خدا کے بغض میں مبتلا ہوتا ہے اور ایک
حدیث میں جو اہل بیت سے مروی ہے یہ ارشاد فرمایا کہ ح۶ الزھد والورع یجولان فی القلوب کل
لیلۃ فان صادفا قلبا فیہ الایمان والحیاء اقاما فیہ والا ارتحلا...
اور جب کہ حضرت حارثہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میں یقیناً ایمان دار ہوں آپ نے
فرمایا کہ تیرے ایمان کی حقیقت کیا ہے انہوں نے عرض کیا کہ میں نے اپنے نفس کو دنیا سے علیحدہ کر دیا اس کے
ڈھیلے اور پتھر اور سونا میرے نزدیک برابر ہیں گویا میں جنت اور دوزخ میں ہوں اور گویا میں اپنے رب کے عرش
کے پاس کھڑا ہوں آپ نے فرمایا کہ تو نے پہچانا اسی پر رہنا پھر فرمایا کہ یہ ایک بندہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس
کا دل ایمان سے روشن کیا ہے۔ پس دیکھنا چاہیئے کہ حضرت حارثہؓ نے اظہار حقیقت ایمان کو زہد سے شروع
کیا اور پھر اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو صاف بتلایا اور ارشاد کیا کہ یہ ایک بندہ ہے کہ اللہ تعالیٰ

ح ابن ماجہ بروایت زید بن ثابت ۱۲ ۹ح ابن ماجہ بروایت ابی خلاد بسند ضعیف ۱۲ ت ۱ اور سمجھ ملی جس کو بہت خوب ملی ۱۲ ت ۲ ابن ماجہ
بروایت عبد اللہ بن عمرو خرائطی در مکارم اخلاق ۱۲ ۳ح ہر ایماندار دل کا صاف اور زبان کا سچا ۱۲ ۴ح جو دنیا کو برا جانے اور آخرت سے
محبت کرے ۱۲ ۵ح اگر تو یہ چاہے کہ خدائے تعالیٰ تجھ سے محبت کرے تو تو دنیا میں زہد کر ابن ماجہ بروایت سہل بن سعد بسند ضعیف ۱۲ ۶ح
اس کی اصل مجھے نہیں ملی ۱۲ ۷ح بزار بروایت انس بسند ضعیف ۱۲

نے اس کا دل ایمان سے منور کیا اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت ہیں ت؟ فمن یرد اللہ ان
یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام پوچھا کہ یہ شرح کیسی ہے آپ نے فرمایا کہ نور جب داخل ہوتا ہے
تو اس کے لئے سینہ کھل جاتا ہے تو لوگوں نے عرض کیا کہ اس کی کوئی پہچان ہے آپ نے فرمایا کہ ہاں پہچان یہ
ہے کہ دار ناپائیدار سے علیحدہ رہنا اور دار خلود کی طرف رجوع کرنا اور موت سے پیشتر اس کی تیاری کرنی تو
دیکھو کیسے آپ نے زہد کو شرط اسلام فرمایا یعنی علامت اس کی دنیا سے علیحدہ اور آخرت کی رغبت کو
ارشاد فرمایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدائے تعالٰی سے جتنا حق شرمانے کا ہے شرماؤ۔
لوگوں نے عرض کیا کہ ہم اللہ تعالٰی سے شرماتے تو ہیں آپ نے فرمایا کہ ایسا تو نہیں اس لئے کہ مکان بناتے ہو
جس میں نہیں رہتے اور جمع کرتے ہو وہ چیز کہ نہیں کھاتے اس حدیث شریف میں بیان فرمایا کہ یہ دونوں
باتیں خدا تعالٰی سے حیا کرنے کے خلاف ہیں اور جب کسی جگہ کے لوگ قاصد آپ کی خدمت میں آئے تو عرض
کیا کہ ہم مومن ہیں آپ نے فرمایا تمہارے ایمان کی پہچان کیا ہے انہوں نے عرض کیا کہ صبر کرنا مصیبت کے وقت
اور شکر کرنا فراخی عیش کی حالت میں اور حکم الٰہی پر راضی رہنا اور دشمنوں پر جب مصیبت آوے تو اس پر
شماتت نہ کرنا آپ نے فرمایا کہ اگر تم واقع میں ایسے ہی ہو تو جو کھاتے نہیں اس کو مت اکٹھا کرنا اور جس
میں نہ رہنا ہو اس کو مت بنانا اور جس چیز کو چھوڑ جاؤ اس کی رغبت مت کرنا انتہی۔ اس حدیث میں زہد
کو ان کے ایمان کا تتمہ فرمایا اور حضرت جابر فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اثنائے خطبہ میں ارشاد
فرمایا کہ جو کوئی لا الہ الا اللہ کہے گا اس طرح کہ اس میں دوسری چیز نہ ملاوے تو اس کے لئے جنت واجب ہے
حضرت علیؓ نے اٹھ کر عرض کیا پدر و مادر آپ پر فدا ہوں یا رسول اللہ دوسری چیز نہ ملانے سے کیا غرض ہے
اس کی صفت یا تفسیر فرما دیجئے آپ نے فرمایا کہ دنیا کی طلب اور اس کی پیروی کے لئے اس کو دوست اور
محبوب رکھنا اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ قول تو رسولوں جیسے کہتے ہیں اور کام حکام ظالم کے سے کرتے ہیں تو جو
کوئی لا الہ الا اللہ کہے اور ان امور میں سے اس میں کچھ نہ ہو تو اس کے لئے جنت واجب ہے اور ایک حدیث
میں ہے کہ سخاوت میں یقین والا دوزخ میں نہ جاوے گا اور بخل شک میں سے ہے اور جس نے شک کیا وہ جنت
میں نہ جاوے گا اور یہ بھی ایک حدیث میں وارد ہے سخی اللہ تعالٰی سے قریب ہے لوگوں سے قریب ہے جنت
سے قریب ہے اور بخیل اللہ تعالٰی اور مخلوق سے دور ہے دوزخ سے قریب ہے اور چونکہ بخل ثمرہ رغبت
دنیا کا ہے اور سخاوت زہد کا ثمرہ تو ظاہر ہے کہ ثمرہ کی صفت کرنی بعینہ مثمر کی صفت کرنی ہے اور حضرت
ابن مسیبؒ حضرت ابوذرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص دنیا میں زہد کرے اللہ تعالٰی اس کے دل میں حکمت
داخل کرتا ہے پھر اس کی زبان سے حکمت ہی بلواتا ہے اور اس کو دنیا کا مرض اور اس کی دوا دونوں بتلا دیتا ہے

ف اسو جس کو اللہ چاہے کہ راہ دے کھول دے اس کا سینہ حکم برداری کو ۱۲ ح یہ حدیث حاکم کی پہلے گزری ۱۲ اح طبرانی بروایت ام ولید بنت عمر فاروقی بسند ضعیف ۱۲
اح خطیب و ابن عساکر در تاریخ ۱۲ اح اس کی سند جابر سے نہیں ملی ترمذی حکیم نے نوادر میں بروایت زید بن ارقم اس کو نقل کیا ۱۲ ح ابو منصور در فردوس بروایت ابو درداؓ ۱۲

اور اس کو دنیا میں سے دار السلام کی طرف سلامت نکالتا ہے اور روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحابؓ کے ساتھ ایسی اونٹنیوں پر گزرے کہ وہ بہت دودھ دیتی تھیں اور حاملہ اور ایسی اونٹنیوں کو عرب کے لوگ بہت محبوب اور نفیس مال جانتے تھے کیونکہ ان سے سب طرح کے فائدے تھے کہ باربردار اور گوشت اور دودھ اور اون کے لئے مفید تھیں اور اس وجہ سے کہ اس مال کی عظمت ان کے دلوں میں تھی کلام مجید میں ارشاد فرمایا وَاِذَا العِشَارُ عُطِّلَتْ غرضیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اونٹنیوں کی طرف سے منہ پھیر لیا اور اپنی آنکھیں بند کرلیں لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو ہم لوگوں کا بڑا عمدہ مال ہے اس کو آپ کیوں نہیں دیکھتے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے مجھ کو منع فرمایا ہے پھر یہ آیت پڑھی ت ۶ ولا تمدن عینیک الی ما متعنا بہ ازواجا منہم زھرۃ الحیوۃ الدنیا لنفتنہم فیہ اور مسروقؓ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ خدائے تعالیٰ سے غذا طلب کیوں نہیں فرماتے کہ آپ کو کھانا کھلادے اور آپ کی بھوک کی حالت دیکھ کر میں رو پڑی آپ نے فرمایا کہ اے عائشہؓ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ اگر میں اپنے پروردگار سے دعا کرتا کہ میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلیں تو اللہ تعالےٰ ان کو جہاں میں چاہتا زمین پر میرے ساتھ کردیتا لیکن میں نے دنیا کی بھوک کو میری سیری پر اور یہاں کے فقر کو غنا پر اور یہاں کے رنج کو خوشی پر اختیار کرلیا اے عائشہؓ دنیا محمدؐ اور آلِ محمدؐ کے لئے مناسب نہیں اے عائشہ اللہ تعالےٰ نے رسولوں میں سے اولوالعزموں کے لئے اور یہی میرے لئے پسند کیا کہ جس بات کا ان کو حکم کیا وہی میرے لئے پسند فرمایا جیسا کہ کلام مجید میں ارشاد ہے ت ۹ فاصبر کما صبر اولوا لعزم من الرسل قسم بخدا میں اس کی فرمانبرداری سے مفر نہیں رکھتا اور جیسا انہوں نے صبر کیا ویسا ہی میں بھی اپنے لیے حتی الوسع کروں اور بدون خدا کی توفیق کے قوت بھی اس کام کی نہیں اور حضرت عمرؓ کے حال میں کہتے ہیں کہ جب آپ کے وقت میں بہت سی فتحیں ہوئیں تو آپ کی بیٹی حضرت حفصہ ام المومنین نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ جب اور جگہ کے لوگ اطراف سے آپ کے پاس آیا کریں تو آپ نرم و باریک کپڑا پہنا کیجئے کہ آپ بھی کھاویں اور دوسروں کو بھی کھلاویں حضرت عمر نے فرمایا کہ اے حفصہ تم کو معلوم ہے کہ مرد کا حال اس کی بی بی کو زیادہ معلوم ہوتا ہے انہوں نے عرض کیا کہ درست و بجا ہے آپ نے فرمایا کہ میں تم سے بقسم

۳ح ترمذی بروایت ابوہریرہ ۱۲ ۴ح اس کی سند مجھے ابوذر سے نہیں ملی ابن ابی الدنیا نے بروایت صفوان بن ابی مسلم مرسلاً روایت کیا ہے اور ضعیف ہے ۱۲ ۵ح اس کی اصل مجھے نہیں ملی ۱۲ ت ۶ اور جب بیائی اونٹنیاں چھوٹی پھریں ۱۲ ت ۷ اور نہ پسار اپنی آنکھیں اس چیز پر جو برتنے کو دی ہم نے ان بھانت بھانت لوگوں کو رونق دنیا کی جیتے ان کے جانچنے کو ۱۲ ۸ح ابو منصور دیلمی نے اس مضمون کو اور طرح پر مختصراً بیان کیا ہے ۱۲ ت ۹ سو تو ٹھہرا رہ جیسے ٹھہرے رہے ہیں ہمت والے رسول ۱۲ ۱ح ترمذی بروایت عائشہؓ ۱۲ ۲ح بخاری بروایت انسؓ لا یاکل علی الخوان ۱۲ ۳ح ترمذی در شمائل بروایت حفصہؓ ۱۲ ۴ح بزار بروایت ابو الدرداءؓ ۱۲ ۵ح ابن ماجہ بروایت عبادہ بن صامت بسند ضعیف ۱۲۔

پوچھتا ہوں کہ بھلا تم کو معلوم ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اتنے برس نبی رہے اور کبھی آپ نے اور ان کے گھر والوں نے دن کا کھانا شکم سیر ہو کر نہ کھایا مگر یہ کہ رات کو بھوکے رہے اور رات کو کھایا تو دن کو بھوکے رہے اور تمہیں معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اتنے برس پیغمبر تھے مگر خرما سے بھی کبھی انہوں نے یا ان کے گھر والوں نے شکم سیر نہ کیا یہاں تک کہ آپ نے خیبر کو مفتوح فرمایا اور تم جانتی ہو کہ ایک روز تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دستر خوان بچھایا کہ وہ کچھ نیچے خواہ زمین پر رکھا گیا اور تم جانتی ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک کمل کو دو تہ کر کے اس پر سویا کرتے تھے ایک رات کسی نے اس کو چار تہ کر دیا کہ آپ نے اس پر خواب استراحت فرمائی جب آپ جاگے تو ارشاد فرمایا کہ تم نے مجھے رات کے جاگنے سے روک دیا اس سے کمل کی بدستور دو تہ کر کے بچھایا کرو اور تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کپڑے دھونے کے لئے اتارتے اور دھو کر پھیلاتے اتنے میں حضرت بلال آ کر نماز کی اطلاع کرتے تو آپ کے پاس دوسرا کپڑا نہیں ہوتا تھا کہ اس کو پہن کر نماز کے واسطے نکلتے جب وہی کپڑے سوکھتے تو ان کو پہن کر نکلتے اور تم کو معلوم ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک عورت نے بنی ظفر میں سے دو چادریں ایک تہمد اور ایک دوپٹہ بنایا تھا اور ان میں سے ایک اول بھیج دی تھی کہ دوسری جب تک تیار نہ تھی آپ اسی ایک چادر کو بدن پر لپیٹے ہوئے نماز کو نکلے اور دوسرا کپڑا بدن پر کوئی نہ تھا اسی کے دونوں کناروں کی گردن کے پاس گرہ لگائی تھی اور اس طرح نماز پڑھی غرض حضرت عمر نے آنحضرت[1] کا اتنا حال بیان کیا کہ حضرت ام المومنین حفصہ رضی رونے لگیں اور خود بھی روئے اور ایسی دھاڑ ماری کہ لوگوں کو معلوم ہوا کہ آپ کی جان نکل جاوے گی اور بعض روایات میں حضرت عمر کا قول اتنا اور زیادہ آیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میرے دو ساتھی تھے جو ایک راہ پر چلے اب میں اگر ان کے طریق کے سوا چلوں گا تو مجھے دوسرا ہی بیراہ طے کرایا جاوے گا اور میں بخدا کہ انہیں کی زندگی پر صبر کروں گا تاکہ ان دونوں کے ساتھ ویسا ہی عیش واسع پاؤں اور حضرت ابو سعید خدری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ مجھ سے پہلے انبیاء فقر میں مبتلا کئے جاتے وہ کمل کے سوا اور کچھ نہ پہنتے اور پھر جوؤں سے ان کا امتحان ہوتا تھا کہ اتنی جوئیں ہو جاتی تھیں کہ قریب تھا کہ ان کو مار ڈالیں مگر یہ حالت ان لوگوں کو زیادہ محبوب تھی بہ نسبت اس کے کہ تم عطا کو پسند کرتے ہو۔ اور حضرت ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین کے پانی پر پہنچے تو ساگ کی سبزی ان کی لاغری کی جہت سے پیٹ سے معلوم ہوتی تھی غرضکہ اللہ تعالیٰ کے انبیاء اور رسول جو خلق کی نسبت کر خدائے تعالیٰ کو زیادہ جانتے تھے اور آخرت کی فلاح سے زیادہ واقف تھے ان کا زہد میں یہ حال تھا اور حضرت عمر سے ایک روایت میں وارد ہے کہ جب آیت اتری والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ تو آنحضرت

۱؎ ابن ماجہ مگر اس میں ذکر جوؤں سے امتحان کا نہیں ۱۲؎ ابن ماجہ و ترمذی مگر ان میں دنیا کی خرابی اور درہم کی خرابی کا مذکور نہیں اس کو طبرانی نے بروایت ثوبان روایت کیا ہے ۱۲ ات ۸ اور جو لوگ گاڑ رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور خرچ نہیں کرتے اللہ پر ۱۲؂

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خرابی ہے دنیا کی اور خرابی ہے دینار و درم یعنی روپیہ اشرفی کی حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم سب نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ہم کو خدا تعالےٰ نے سونے اور چاندی کے ذخیرے کرنے سے منع فرمایا اب ہم کون سی چیز جوڑیں آپ نے فرمایا کہ تم کو یہ باتیں حاصل کرنی چاہئیں زبان ذاکر اور دل شاکر اور بی بی نیک بخت کہ خاوند کو امر آخرت پر اس کی مدد کرے اور حضرت حذیفہ سے یہ حدیث مروی ہے اح من اٰثر الدنیا علی الاٰخرۃ ابتلاہ اللہ بثلاث ھما لا یفارق قلبہ ابدا وفقرا لا یستغنی ابدًا وحرصًا لا یشبع ابدًا اور ایک حدیث میں مروی ہے کہ ایمان کامل نہیں ہوتا جب تک کہ نہ مشہور ہونا مشہور ہونے کی نسبت کر محبوب نہ ہو اور جب تک کہ شئے کی قلت کثرت کی نسبت کر پسند نہ ہو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ دنیا ایک پل ہے اس پر سے اتر جاؤ اس پر عمارت مت بناؤ ان سے لوگوں نے عرض کیا کہ اے نبی اللہ اگر آپ اجازت دیں تو ہم ایک گھر بنا دیں۔ جس میں اللہ تعالےٰ کی عبادت کریں۔ آپ نے فرمایا کہ جاؤ پانی پر عمارت کیسے ٹھہرے گی آپ نے فرمایا کہ عبادت کی محبت کے ساتھ کیسے بنے گی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرے پروردگار نے مجھ پر یہ معاملہ پیش کیا کہ اگر تم چاہو تو سارا سنگستان مکہ کو تمہارے لئے سونا کر دیا جاوے میں نے عرض کیا کہ الہٰی مجھ کو منظور نہیں بلکہ میں ایک روز بھوکا رہوں اور ایک روز شکم سیر ہوں تاکہ جس روز میں بھوکا رہوں تو تیری درگاہ میں تضرع اور دعا کروں اور جس دن شکم سیر ہوں اس میں تیری حمد و ثنا کروں اور حضرت ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم — — — — — — — — — — — — باہر جاتے تھے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کے ساتھ تھے آپ صفا پر چڑھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے جبرئیلؑ قسم ہے اس ذات کی جس نے تم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ شام کو آل محمدؐ کے نہ مٹھی ستو کی ہوئی نہ آٹے کی یہ کلام آپ کہنے نہ پائے تھے کہ ایک دفعہ ہی آسمان سے ایک کڑک کی آواز سنی جس سے آپ کو خوف معلوم ہوا آپ نے فرمایا کہ کیا قیامت کو حکم برپا ہونے کا ہوا حضرت جبرئیل نے عرض کیا کہ نہیں بلکہ یہ اسرافیل علیہ السلام ہیں کہ جب آپ کا کلام سنا تو نیچے اترے ہیں۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام نے عرض کیا آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر کہ اللہ تعالےٰ نے جو کچھ تم نے کہا تھا وہ سنا اب مجھ کو زمین کی کنجیاں دے کر بھیجا ہے اور حکم ہے کہ آپ سے عرض کروں کہ اگر آپ کی مرضی ہو تو تہامہ کے پہاڑوں کو زمرد اور یاقوت اور سونے چاندی کا کر کے تمہارے ساتھ پھراؤں اور اگر چاہو تو پیغمبر اور بادشاہ ہو، چاہو تو نبی اور بندہ ہو حضرت جبرائیل نے آپ کی طرف اشارا کیا کہ اللہ کے لئے تواضع کیجئے آپ نے تین مرتبہ فرمایا کہ میں رسول اور بندہ رہوں گا اور ایک حدیث میں ہے کہ جب اللہ تعالےٰ کسی بندے کی بہتری چاہتا ہے تو اس کو دنیا میں زاہد کر دیتا ہے اور آخرت کا راغب اور اپنے

اح جو شخص آخرت پر دنیا کو اختیار کرتا ہے اللہ تعالےٰ اس کو تین باتوں میں مبتلا کرتا ہے۔ اول فکر، کہ اس کے دل سے جدا نہ ہو دوم مفلسی کہ کبھی تونگری نہ ہو سوم حرص کہ کبھی پیٹ نہ بھرے ۱۲ ش

عیبوں کا بینا بنا دیتا ہے اور ایک شخص کو آپ نے فرمایا کہ دنیا میں زہد پر خدائے تعالے مجھ کو محبوب جانے گا اور لوگوں کے ہاتھ کی چیزیں زہد سے لوگ تجھ کو محبوب جانیں گے اور ایک حدیث شریف میں ہے کہ ح من اراد ان یوتیہ اللہ علما بغیر تعلم وھدی بغیر ھدایۃ فلیزھد فی الدنیا اور ایک حدیث شریف میں فرمایا کہ ارشاد ہے ۶ ح من اشتاق الی الجنۃ سارع الی الخیرات ومن خاف من النار لھا عن الشھوات ومن ترقب الموت ترک اللذات ومن زھد فی الدنیا ھانت علیہ المصیبات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مروی ہے کہ چار چیزیں ایسی ہیں کہ بدون مشقت نہیں ملتیں اول سکوت جو عبادت کا آغاز ہے دوم تواضع سوم کثرت ذکر چہارم شئے کی قلت اور راز انکا کہ انبیاء علیہم السلام خلق کو دنیا سے پھیرنے کے ہی لئے مبعوث ہوئے تھے کہ اس سے پھیر کر متوجہ آخرت کر دیں اور انہوں نے جو خلق سے کلام کئے تو اکثر متضمن دنیا کی برائی اور اس کی مذمت پر تھے اس جہت سے بعض دنیا کے سبب احادیث کا بیان کرنا غیر ممکن ہے مگر جو کچھ بیان کیا گیا اسی قدر کافی ہے اور آثار بھی اسباب میں بہت ہیں چنانچہ روایت ہے کہ لا الہ الا اللہ ہمیشہ بندوں کی طرف سے خدا تعالیٰ کے غصے کو ٹالتا رہتا ہے جب تک کہ بندے وہ چیز نہ مانگیں جوان کی دنیا میں سے کم ہوگئی ہو اور ایک روایت میں ہے کہ جب تک دنیا کے معاملے کو دین کے معاملے پر ترجیح نہ دیں اور اگر ایسا کریں گے اور پھر کہیں گے لا الہ الا اللہ۔ اللہ تعالیٰ فرماوے گا کہ تم جھوٹے ہو اس کلمہ کے کہنے میں سچے نہیں ہو اور ایک روایت میں بعض صحابہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم نے سب اعمال کو کیا مگر امر آخرت کے باب میں دنیا کے زہد سے بڑھ کر کوئی عمل نہ پایا اور بعض صحابہؓ نے ایک تابعی سے فرمایا کہ تم عمل اور کوشش اصحاب کی نسبت زیادہ کرتے ہو حالانکہ وہ تم سے بہتر تھے کسی نے پوچھا کہ اس کی وجہ کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ وہ تمہاری نسبت کہ دنیا میں زہد بہت کرتے تھے اور حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ دنیا میں زہد کرنا دل اور بدن کی راحت ہے اور بلال بن سعد فرماتے ہیں کہ ہمارا گناہ یہی کافی ہے کہ خدا تعالیٰ ہم کو دنیا میں زہد کرنے کو فرماتا ہے اور ہم اس میں رغبت کرتے ہیں اور ایک شخص نے حضرت سفیان ثوری سے عرض کیا کہ میری تمنا یہ ہے کہ کسی عالم زاہد کو دیکھوں آپ نے فرمایا کم بخت یہ تو کھوئی ہوئی چیز ہے جو ملتی نہیں اور وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں جب جنت والے ان کی طرف جاویں گے تو ان کے دربان ان سے کہیں گے کہ قسم ہے اپنے رب کے عزت کی کہ ان دروازوں میں زاہدوں سے پہلے کوئی نہ

ھا ح اس کی سند مجھے نہیں ملی ۲ ح یہ حدیث مختصراً پہلے گزری ۱۲ ۳ ح ابو منصور در مسند فردوس بروایت انسؓ بسند نہایت ضعیف ۱۲
۴ ح پہلے گزری ۵ ح جو شخص چاہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو علم بے رہنمائی کے دیدے تو اس کو چاہیئے کہ دنیا میں زہد کرے ۱۲۔ اس کی سند مجھے نہیں ملی ۱۲ ۶ ح جو شخص جو جنت کا مشتاق ہوتا ہے وہ خیرات کی طرف دوڑتا ہے اور جو دوزخ سے ڈرتا ہے وہ شہوات کو بھول جاتا ہے اور جو موت کا منتظر ہوتا ہے وہ لذت کو چھوڑ دیتا ہے اور جو دنیا میں زہد کرتا ہے اس پر مصیبتیں آسان ہو جاتی ہیں۔ ابن حبان در ضعفا بروایت علی مرتضیٰ ۱۲ ۷ ح طبرانی و حاکم بروایت انسؓ ۱۲

جاوے گا جو جنت کے عاشق اور دنیا کے تارک تھے اور یوسف بن اسباط نے فرمایا کہ میں اللہ تعالےٰ سے تین باتیں چاہتا ہوں اول یہ کہ جب میں مروں تو میرے پاس ایک درم بھی نہ ہو دوم یہ کہ مجھ پر کسی کا قرض نہ ہو سوم یہ کہ میری ہڈی پر گوشت نہ ہو کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے یہ تینوں باتیں ان کو عطا فرمائیں ۔

روایت ہے کہ بادشاہ نے فقہا کے پاس کچھ انعام بھیجا انہوں نے اس کو قبول کر لیا اور حضرت فضیل بن عیاض کے پاس جو دس ہزار درم بھیجے تو انہوں نے قبول نہ کئے ان کے بیٹوں نے ان سے عرض کیا اور فقہا نے تو قبول کر لئے اور آپ باوجود افلاس کے پھیرے دیتے ہیں حضرت فضیلؒ رو پڑے اور فرمایا کہ تم کو معلوم ہے کہ میری مثال اور تمہاری ایسی ہے جیسے کچھ لوگوں کے پاس ایک بیل تھا اس سے کھیتی کرتے تھے جب وہ بوڑھا ہو گیا تو اس کو ذبح کر ڈالا قبل اس کے کہ اس کے چمڑے سے منتفع ہوں ایسے ہی تم بھی میرا ذبح کرنا چاہتے ہو کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں ۔ بیٹو تم کو بھوک سے مر رہنا اس بات سے بہتر ہے کہ تم اپنے پدر پیر کو ذبح کرو اور حضرت عبید بن عمیر کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُون پہنتے اور درختوں کے پتے کھاتے نہ ان کے کوئی لڑکا جو مرے نہ گھر جو خراب ہو کل کے واسطے کچھ نہ رکھتے تھے جہاں شام ہوتی وہاں ہی سو رہتے اور حضرت ابوحازم کی بیوی نے ان سے کہا کہ اب موسم سرما سر پہ آ گیا ہے ہم کو غلہ اور کپڑے اور لکڑی کی ضرورت ہے کہ اس کے بدون چارہ نہیں انہوں نے فرمایا کہ ان سب چیزوں سے چارہ ہے چارہ اس سے نہیں کہ مریں گے اور اس کے بعد اٹھائے جائیں گے اور اللہ تعالےٰ کے سامنے کھڑے ہوں گے پھر جنت ہیا ہوگی یا دوزخ اور حضرت حسن سے کسی نے کہا کہ آپ اپنے کپڑے کیوں نہیں دھوتے آپ نے فرمایا کہ مرگ اس سے بھی جلد تر ہے یعنی بہت قریب ہے موت ۔ اور حضرت ابراہیم فرماتے ہیں کہ ہمارے دلوں پر تین پردے ہیں جب تک وہ دور نہیں ہوتے تب تک بندے پر یقین ظاہر نہیں ہوتا ایک موجود چیز سے خوش ہونا دوسرے مفقود پر رنج کرنا سوم تعریف سے خوش ہونا ۔ پس جب کوئی موجود چیز سے خوش ہوتا ہے تو وہ حریص ہے اور جب مفقود پر رنج کرتا ہے تو غصہ کرنے والا ہے اور غصہ کرنے والے کو عذاب ہوتا ہے اور جب تعریف سے خوش ہوتا ہے تو عُجب کرتا ہے اور عجب عمل کو باطل کر دیتا ہے اور حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ جس کا دل زاہد ہے اس کی دو رکعتیں اللہ تعالےٰ کے نزدیک بڑی کوشش سے عبادت کرنے والوں کی تمام عمر کی نسبت محبوب اور بہتر ہیں اور بعض اکابر کا قول ہے کہ جو چیزیں خدا تعالےٰ نے ہم سے پھیر دیں اور ہم کو نہیں دیں ان میں اس کا نام انعام ہمارے اوپر زیادہ ہے بہ نسبت ان اشیاء کے جو ہم کو دی ہیں اور گویا اس میں اس حدیث شریف کی طرف اشارہ ہے کہ اح

ان اللہ یحمی عبدہ المومن من الدنیا وھو یحبہ کما تحبون مریضکم الطعام و الشراب تخافون علیہ پس اگر مریض اس بات کو سمجھے تو جانے کہ لوگوں کا سلوک کھانے کے نہ دینے میں جس کا انجام صحت ہے دینے کی نسبت کر زیادہ ہے جس کا ثمرہ مرض ہے اور حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ دنیا دار

اح اللہ تعالےٰ اپنے مومن بندے کو دنیا سے بچاتا ہے حالانکہ وہ اس سے محبت رکھتا ہے جیسے تم اپنے بیمار کو کھانے سے بچاتے ہو کہ اس پر ڈرتے ہو ۔ ۱۲ اس کی سند پہلے گزر دی ۔ ۱۲

فانی ہے نہ باقی اور خانہ مصیبت ہے نہ خانہ راحت جو اس کو پہچان لیتا ہے وہ اس کی وسعت پر خوش نہیں ہوتا ہے نہ ہی تنگی پر رنج کرتا ہے اور حضرت سہل تستری فرماتے ہیں کہ کسی عابد کا عمل خالص نہیں ہوتا جب تک چار چیزوں سے فارغ نہ ہو بھوک اور برہنگی اور فقر اور ذلت اور حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ میں نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے اور ایسوں کے ساتھ رہا ہوں کہ دنیا کی کسی بات سے بھی خوش نہ ہوتے تھے کوئی شے ان پر آوے اور کسی چیز پر رنج نہ کرتے تھے جو چلی جاوے اور دنیا ان کے نزدیک خاک سے بھی ذلیل تر ہے بعضے پچاس برس اور ساٹھ برس زندگی بسر کرتے تھے اس طرح کہ نہ کبھی ان کا کپڑا تہہ ہوا نہ ان کے لئے ہنڈیا چڑھی نہ زمین پر کچھ بچھا اور نہ اپنے گھر میں کبھی کھانے کو کہا یا جب رات ہو جاتی تو کھڑے ہو جاتے سجدہ کرتے آنسو رخساروں پر بہاتے اللہ تعالیٰ سے اپنی آزادی کے لئے سرگوشی کرتے رہتے جب نیکی کرتے تو اس کے شکر میں مشغول ہو جاتے اور اللہ تعالیٰ سے اس کو قبول کی درخواست کرتے تو رنج کرتے اور درخواست مغفرت کرتے ہمیشہ ایسا ہی کیا کرتے تھے مگر بخدا کہ گناہوں سے نہیں بچے اور نہ بدون مغفرت اور رحمت الٰہی کے ساحل نجات پر پہنچے۔

زہد کے مدارج

ایک خود زاہد کی دوسری چیز کی جس چیز کی رغبت سے زہد ہوتا ہے۔ تیسری جس چیز سے زہد کرتے ہیں۔ چوتھی احکام زہد کی۔ پس تقسیم اول تو یہ ہے کہ زہد فی نفسہ بحسب تفاوت اپنی قوت کے تین درجہ رکھتا ہے اول درجہ جو سب میں نیچے ہے یہ ہے کہ زہد دنیا میں کرے مگر دنیا کی خواہش بھی ہے اور دل کو میل اور نفس کو التفات دنیا کی طرف ہو مگر زہد بہ تکلف اور مجاہدہ سے اس کو روکتا ہے ایسے شخص کو متزہد کہتے ہیں اور یہ آغاز زہد کا ہوتا ہے۔ ایسے شخص کے حق میں جو درجہ زہد پر پہنچے اپنی کوشش اور عمل پر پہنچے ایسا شخص اول اپنے نفس کو گلاتا ہے پھر تھیلی کو اور زاہد اول تھیلی کو گلاتا ہے پھر نفس کو طاعات میں پگھلاتا ہے نہ یہ کہ جو چیز جدا ہو گئی اس کے فراق کے صبر میں نفس کو گلا دے اور متزہد خطرے میں ہے کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس کا نفس بھی غالب ہو جاتا ہے اور شہوت اس کو کھینچتی ہے تو دنیا کی طرف سے اور اس سے آرام لینے کی طرف عود کرتا ہے وہ خواہ تھوڑی چیز میں ہو یا بہت میں۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ دنیا کو اپنی رغبت سے چھوڑ دے بایں وجہ کہ جس چیز کی طمع کی ہے اس کی نسبت دنیا کو حقیر جانتے جیسے کوئی ایک درم کو دو درم کی طمع میں جانے دے کہ اس کو اس کے درم کے جانے کا رنج نہیں ہوتا۔ گو تھوڑا سا انتظار کرنا پڑتا ہے لیکن یہ زاہد اپنے زہد کو سمجھتا ہے اور اس کی طرف التفات ہے جیسے بیچنے والے اپنی چیز کو دے کر جانتا ہے کہ میں نے ایسی چیز کو دے کر عوض لیا۔ اسی لحاظ سے اس طرح کا زاہد اپنے نفس پر ہو سکتا ہے کہ عجب کرے یا زہد پر عجب کرے اور جانتے کہ ہم نے ایک ایسی چیز چھوڑی جس کی کچھ قدر تھی اس کے عوض اسے اس سے زیادہ قدر کی چیز اختیار کی بہر حال یہ درجہ بھی نقصان کا ہے تیسرا درجہ جو سب سے بڑھ کر ہے یہ ہے کہ زاہد اپنی خوشی سے کرے اور زہد میں بھی زہد کرے اس کو کچھ نہ سمجھے اس لحاظ سے کہ دنیا کو محض ناچیز جانتے جیسے کوئی ٹھیکری دے اور موتی

ع۵ اصل میں الف الف ہے جس کے معنے ایک لاکھ کے ہیں ۱۲؎

لے لے تو اس کو معاوضہ نہ جانے گا اور یہ نہ سمجھے گا کہ ہیں نے یہ موتی کچھ دے کر لیا ہے اور نہ اس ٹھیکری کا کبھی خیال کرے گا اور دنیا کو اگر بلحاظ خدائے تعالےٰ اور عیش و آخرت کے دیکھو تو جیسے ٹھیکری موتی کی نسبت ادنیٰ اور خسیس ہے وہ اس سے زیادہ خسیس ہے۔ پس زہد کا کمال اس درجہ میں ہے اور سبب اس زہد کا کمال معرفت ہے یعنے اس کو خوف دنیا کی طرف التفات کا نہیں جیسے لینے والے کو خیال ٹھیکری کا نہیں آتا اور یہ دل نہیں جانتا کہ اس معاملہ کو فسخ کر کے اپنی چیز واپس لے لوں۔ حضرت ابویزید نے ابوموسیٰ عبدالرحیم سے پوچھا کہ تم کیا ذکر کر رہے تھے انھوں نے کہا کہ زہد کا پوچھا کہ کس چیز سے کہا دنیا سے انھوں نے اپنے ہاتھ جھاڑے اور کہا کہ میں جانتا تھا کہ کس چیز کی گفتگو ہوئی ہو گی۔ دنیا تو نا چیز ہے زہد اس میں کیا ہو گا اور جو شخص کہ دنیا کو آخرت کے لئے چھوڑ دے اس کی مثال اہل معرفت اور ارباب قلوب کے نزدیک جن کو مشاہدہ اور مکاشفہ ہر وقت رہتا ہے ایسی ہے جیسے کوئی شخص بادشاہی دربار میں جانا چاہے اور دروازے پر ایک کتا کھڑا ہو کہ وہ اس کو نہ جانے دے اور یہ اس کے سامنے ایک روٹی کا ٹکڑا ہی پھینک دے وہ کتا اس کے شغل میں لگے اور یہ دروازے میں گھس جائے اور بادشاہی تقرب حاصل کر کے تمام سلطنت کا کاروبار اس کے سپرد ہو جائے تو بھلا ایسا شخص اس نعمت وانعام بادشاہی کے عوض اپنا کچھ احسان بادشاہ پر جانے گا اور کہے گا کہ ہم نے بھی دروازے کے کتے کو ایک لقمہ دے دیا ہے اس طرح شیطان خدا تعالےٰ کے دروازے کا کتا ہے کہ لوگوں کو اندر نہیں جانے دیتا باوجودیکہ دروازہ کھلا ہوا ہے اور پردہ اٹھا ہوا۔ اور دنیا ایک لقمہ کی طرح ہے کہ اگر اس کو کھاؤ تو لذت صرف چاٹنے کے وقت ہوتی ہے اور نگلنے جاتی رہتی ہے پھر اس کا بوجھ معدہ میں رہتا ہے اور نوبت بدبو اور نجاست ہو جانے کی پہنچتی ہے۔ پھر حاجات اس بوجھ کے نکالنے کی پڑتی ہے۔ پس جو شخص ایسی چیز کو اس لئے چھوڑ دے کہ سلطنت ملے اس کو اس دنیا کی نسبت یعنی جو کچھ ایک شخص کو ملتی ہے گو اس کی حیات سو برس کی ہو آخرت کی نعمت کی طرف اس سے بھی کم ہے جو لقمہ کو ہے سلطنت کی طرف اس لئے کہ متناہی چیز کو بے نہایت چیز کی طرف کچھ نسبت نہیں اور اگر دنیا بالفرض ہزار برس کی زیست ہو بے غل و غش ملے جب بھی متناہی رہے گی اور عیش جاودانی آخرت سے اس کو کچھ نسبت نہ ہو گی اور جب کہ مدت عمر بھی کم اور لذت بھی ملے خالی از کدورت نہیں تو پھر بھلا اس کو آخرت سے . . . . . کیا نسبت حاصل یہ کہ زاہد اپنے زہد کو جبھی دیکھتا ہے جب جس چیز میں زہد کیا ہے اس کی طرف التفات کرے اور اس کی طرف جب التفات کرے گا جب اس کو کوئی چیز قابل قدر و قیمت جانے گا اور اس کا قدر و قیمت کے قابل جاننا نقصان معرفت سے ہوا کرتا ہے اس لئے سبب زہد کے نقصان کا معرفت کا نقصان ٹھہرا یہ ہیں درجات زہد کے اور ان میں سے پھر ایک درجے کے بہت سے درجات ہیں۔ مثلاً متزہد آدمی جو صبر دنیا پر کرتا ہے تو بعضے صبر میں مشقت زیادہ ہوتی ہے اور بعض میں کم تو اسی مشقت کی کمی بیشی پر اس درجے کے بہت میں بھی اختلاف و تفاوت ہو گا۔ اسی طرح جو شخص اپنے زہد سے عجب کرتا ہے جس قدر اس کو التفات اپنے زہد کی طرف ہو گا اسی کے بموجب اس کے درجہ میں

۱؎ امام احمد بروایت ابن عباس اور یہ حدیث منکر ہے ۱۲۔

اختلاف ہوگا۔ دوسری تقسیم زہد کی باعتبار اسی چیز کے جس کی رغبت سے زہد کرتے ہیں پس اس کے بھی تین درجے ہیں۔ سب کے نیچے کا درجہ یہ ہے کہ مرغوب فیہ آگ دوزخ اور تمام تکلیفات مثل عذاب قبر اور مناقشہ حساب اور پل صراط کے خطرے اور سب احوال سے نجات پانا یعنی جن احوال کا ذکر احادیث میں مثلاً مذکور ہے کہ آدمی حساب میں کھڑا کیا جاوے گا۔ ایسی طرح کہ اگر سو اونٹ پیاسے اس کے پسینے سے پانی پیویں تو سب کا پیٹ بھر جاوے تو ایسے احوال سے نجات پانے کی رغبت زہد ہے اور یہ زہد خوف کرنے والوں کے لئے ہوتا ہے اور وہ لوگ گویا نیست ہو جانے پر راضی ہو جاویں۔ اگر نیست ہو جائیں کیونکہ تکلیف سے چھوٹنا بجز نیستی کے حاصل ہو جاتا ہے دوسرے یہ ہے کہ زہد سے رغبت خدائے تعالےٰ کے ثواب اور انعام اور لذتوں کی جس کا وعدہ جنت میں ہے مثل حور و قصور وغیرہ کے ہو یہ زہد رجا والوں کا ہوتا ہے کیونکہ ان لوگوں نے جو دنیا کو چھوڑا تو اس لئے نہیں کہ نیستی پر قناعت کر کے رنج سے چھٹی پاویں بلکہ طمع وجود دائمی اور دولت سرمدی کی جس کی کچھ نہیں انتہا۔ تیسرا درجہ جو سب میں اعلیٰ ہے یہ ہے کہ رغبت سوا خدا اور دیدار خدا کے اور کچھ نہ ہو نہ دل کو التفات تکلیفات کی طرف ہو کہ اس سے نجات چاہے نہ توجہ لذات کی طرف ہو کہ ان کا حصول منظور ہو بلکہ ہمہ تن مستغرق خدائے تعالےٰ میں ہو اور حسب حال اس کا یہ شعر ہو گیا ہو۔

شعر

یکے بین دیکے دان دیکے گوئے ؛ یکے خواہ دیکے خوان دیکے جوئے

مُوحد حقیقی وہی ہے جو خدائے تعالےٰ کے سوا اور کسی کی طلب نہ کرے کیونکہ جو خدا تعالےٰ کے سوا دوسرے کی طلب کرتا ہے اور ہر ایک مطلوب و معبود ہے اور ہر ایک طالب اپنے معبود اور مطلوب کے لحاظ سے اس کا بندہ ہے غیر اللہ کی طلب بھی شرک خفی ہے اس قسم کا زہد محبین کا ہے اور وہی لوگ عارف ہیں کیونکہ اللہ تعالےٰ سے وہی محبت کرتا ہے جو اس کو پہچانتا اور جو شخص کہ دینار اور درم کو جانتا ہے اور اس کو معلوم ہو کہ دونوں ایک ساتھ نہ رکھ سکوں گا۔ تو وہ دینار ہی کی لذت اور محبت کرے گا اسی طرح جو شخص خدا تعالےٰ کو پہچانتا ہے اور لذت دیدار کو بھی جانتا ہے اور یہ بھی اس کو معلوم ہے کہ لذت دیدار الٰہی اور لذت آسائش جنت اور حور و قصور اور دیکھنا وہاں کے رنگ و نقش و نگار کا ایک ساتھ ممکن نہیں تو وہ صرف لذت دیدار ہی چاہے گا غیر کو ترجیح نہ دے گا شعر

دولت دیدار تیری گر نہ ہو ؛ کیا کریں گے جنت فردوس کو

اور یہ گمان نہ کرنا چاہیئے کہ اہل جنت کو دیدار الٰہی کے دیکھنے کے وقت لذت حور و قصور اور آسائش جنت کی گنجائش دل میں باقی رہے گی بلکہ لذت دیدار کو لذات جنت کی طرف ایسی نسبت ہے جیسی لذت سلطنت دنیا اور تمام لوگوں کے مالک ہونے کو ..... لذت چڑیا پکڑنے اور اس کے کھیل میں مصروف ہونے کی طرف ہے جو لوگ طالب آسائش جنت ہیں وہ اہل معرفت اور صاحبدلوں کے نزدیک ایسے ہیں جیسے کوئی لڑکا لذت سلطنت چھوڑ کر چڑیا سے کھیلنے کا طالب ہو اور یہ امر اس وجہ سے ہوتا ہے وہ لذت سلطنت سے ناواقف ہوتا ہے یہ اس جہت سے کہ چڑیا سے کھیلنا فی نفسہ سلطنت سے بڑھ کر اور لذیذ تر ہے۔ تیسری تقسیم زہد کی باعتبار اس چیز کے ہے جس سے زہد

کرتے ہیں اس باب میں اقوال بہت ہیں اور غالباً سو سے زیادہ ہوں گے سب کی نقل سے کچھ فائدہ نہیں مگر ایک نقریر ایسی لکھتے ہیں جو جامع تفصیلوں کی ہو جس سے معلوم ہو جاوے کہ جو کچھ اسباب میں منقول ہے خالی قصور سے نہیں کل کا احاطہ کسی میں نہیں پس ہم کہتے ہیں وہ چیز جس سے زہد ہو وہ یا مجمل ہے یا مفصل اور اس کی تفصیل کے لئے بھی چند مراتب ہیں کہ بعض میں تفصیل افراد کی زیادہ ہے اور بعض میں مجمل کی جمعیت بہت ہے اب اجمال درجہ اوّل میں تو یہ ہے کہ ہر چیز ماسوائے اللہ سے زہد کرنا چاہیئے یہاں تک کہ اپنے نفس سے بھی زہد کرے اور دوسرے درجہ کا اجمال یہ ہے کہ جس صفت سے نفس کو نفع ہو اس میں زہد کرے اس میں سب مقتضائے طبیعت کے مثل شہوت اور غضب اور کبر اور ریاست اور مال اور جاہ وغیرہ آگئے اور تیسرے درجہ کا اجمال یہ ہے کہ مال اور جاہ اور ان کے لوازم میں زہد کرے کیونکہ تمام حظوظ نفسانی کا مآل انہیں کی طرف آرہتا ہے اور چوتھے درجہ کا اجمال یہ ہے کہ علم اور قدرت اور دینار و درم میں زہد کرے کیونکہ مالوں کے اقسام گو کتنے ہی ہوں سب دینار و درم میں آجاتے ہیں اور جاہ کے کتنے ہی اسباب ہوں وہ علم قدرت میں شامل ہیں اور علم و قدرت سے ہماری مراد اس علم و قدرت سے ہے جس سے غرض دلوں کا مالک ہونا ہے اس لئے کہ معنی جاہ کے دلوں کا مالک ہونا ہے اور ان پر قابو پانا ہے جیسے مال کے معنے چیزوں کا مالک ہونا اور ان پر قدرت پانا ہے پس اگر اس تفصیل کو بڑھاتے جاؤ اور اس سے زیادہ شرح و بسط کرتے جاؤ تو کیا عجب ہے کہ یہ چیزیں جن سے زہد ہوتا ہے شمار سے زائد ہو جاویں خداوند کریم نے ایک آیت میں ان میں سے سات بیان کئے ہیں اور فرمایا ف ۱ زین للناس حب الشھوات من النساء والبنین والقناطیر المقنطرۃ من الذھب والفضۃ والخیل المسومۃ والانعام والحرث ذلک متاع الحیوۃ الدنیا اور پھر دوسری آیت میں ان کو پانچ کردیا ہے اور فرمایا کہ ف ۲ اعلموا انما الحیوۃ الدنیا لعب ولھو وزینۃ وتفاخر بینکم وتکاثر فی الاموال والاولاد پھر ایک جگہ دو ہی کردی ہیں اور فرمایا کہ ف ۳ انما الحیوۃ الدنیا لعب ولھو پھر سب کو ایک ہی کر کے ارشاد فرمایا کہ ف ۴ ونھی النفس عن الھوی فان الجنۃ ھی الماوی لفظ ہویٰ ایسا ہے کہ تمام حظوظ نفسانی و دنیاوی کو شامل ہے تو چاہیئے کہ زاہد اسی میں ہو اور جب تم کو حال مجمل کرتے اور مفصل کرتے کا معلوم ہوا تو جان لیا ہوگا کہ ان میں سے بعض مخالف بعض کے نہیں بلکہ فرق صرف ایک دفعہ شرح کرنے کا اور دوسری بار اجمال کا ہے حاصل یہ کہ زہد یہ ہے کہ تمام حظوظ نفسانی سے دل اٹھالیا جائے اور جب حظوظ سے دل برداشتگی ہو گی تو دنیا سے بھی ہوگی اور بالضرور امل بھی کوتاہ ہوگی کیونکہ زندگی اسی لئے مطلوب ہوتی ہے کہ دنیا سے متمتع ہو اور

ف ۱ رجھایا ہے لوگوں کو مزوں کی محبت پر عورتیں اور بیٹے اور ڈھیر جوڑے ہوئے سونے اور روپے کے گھوڑے پلے ہوئے اور مویشی اور کھیتی یہ برتنا ہے دنیا کی زندگی میں ف ۲ جان رکھو کہ دنیا کا جینا یہی ہے تماشہ اور کھیل اور بناؤ اور بڑائیاں کرنی آپس میں اور بہتایت ڈھونڈ مال کی اور اولاد کی ۱۲ ف ۳ جان رکھو کہ دنیا کا جینا یہی ہے تماشہ اور کھیل ۱۲ ف ۴ اور روکا جی سے چاؤ کو سو بہشت ہی ہے ٹھکانا ۱۲۔

بقا کا چاہنا اسی تمتع کے واسطے ہے مثلاً کوئی شخص جو ایک چیز کا ارادہ کرتا ہے اس کا دوام چاہتا ہے اور زندگی کی
محبت کے بھی یہی معنے ہیں کہ جو چیز موجود یا ممکن اس زندگی میں ہے اس کی محبت ہمیشہ کو رہے پس جب اسی سے
دل برداشتہ ہوگا تو زندگی بھی نہیں چاہے گا اور اسی بنا پر جب لوگوں پر جہاد فرض ہوا تو کہا ت۱ ربنا لم کتبت
علینا القتال لولا اخرتنا الی اجل قریب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ت۲ قل متاع الدنیا
قلیل یعنے تم جو باقی رہنا اپنا چاہتے ہو سو دنیا کے فائدے لینے کے لئے ہے اور وہ ایک بہت تھوڑی
چیز ہے اس کے بعد حال زاہدوں اور منافقوں کا کھل گیا جو اللہ کی محبت رکھتے تھے وہ تو اللہ کی راہ میں ایسے لڑے
کہ گویا سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہے اور متوقع دو عمدہ باتوں میں سے ایک کے ہوئے اور جب جہاد کے واسطے پکار
ہوتی تھی تو انکے مشام جان جنت کی خوشبو سے معطر ہو جاتے تھے اور جہاد کے واسطے جیسا پیاسا پانی پر گرتا ہے
دوڑتے تھے تاکہ دین خدا کی مدد کریں اور درجہ شہادت لیں اور اگر ان میں سے اپنی موت مرتا تھا تو اس درجہ
کے نہ ملنے کی حسرت کرتا تھا یہاں تک کہ حضرت خالد بن ولید جب اپنے مرض موت میں بستر پر حالت نزع میں
ہوئے تو فرماتے تھے کہ میں نے بتوقع شہادت اپنی جان بہت لڑائی اور صفوں میں کفار کی گھس گیا مگر وہ درجہ
نہ ملا اور آج بڑھیوں کی سی موت مرتا ہوں جب آپ کا انتقال ہوا تو آٹھ سو زخموں کے داغ بدن پر تھے ایمان
میں سچے لوگوں کا یہ حال تھا اور منافقین کا یہ حال تھا کہ موت کے خوف سے جماعت میں سے بھاگ گئے ان
سے کہا گیا ت۳ ان الموت الذی تفرون منہ فانہ ملاقیکم ان لوگوں نے جو زندہ رہنے کو
شہادت پر ترجیح دی تو ادنی چیز اعلیٰ کے بدلے میں لی ان کا یہ حال ہوا کہ ت۴ اولئک الذین اشتروا الضللۃ
بالہدی فما ربحت تجارتہم وما کانوا مہتدین اور مخلص تو خدا تعالے کے ہاتھ اپنی جان و
مال بیچ چکے ہیں اس وعدے پر کہ ان کو جنت ملے جب دیکھیں گے کہ بیس بائیس برس تمتع کے عوض عیش جاودانی
ملی تو اس وقت اپنے معاملہ سے خوش ہوں گے جب تم کو یہ حال معلوم ہو چکا کہ جس چیز سے زہد چاہیئے اس کی تفصیل
یہ ہے کہ تو جان لو گے کہ جو کچھ لوگوں نے اسباب میں یعنے تعریف زہد میں لکھا ہے ان کے اقوال میں صرف بعض
اقسام زہد کی چیزوں کے پائے جاتے ہیں۔ ہر ایک شخص نے تعریف زہد میں یا تو مخاطب کے حال کے مناسب کچھ لکھا
ہے یا جو بات اپنے نفس پر غالب پائی اس کو بیان فرما دیا ہے مثلاً حضرت بشر فرماتے ہیں کہ دنیا میں زہد کرنا یہ ہے
کہ لوگوں میں زہد کرے اس قول میں صرف جاہ سے زہد کا اشارہ پایا جاتا ہے اور قاسم جوعی فرماتے ہیں کہ زہد دنیا زہد
شکم کو کہتے ہیں جس قدر انسان اپنے پیٹ پر قابو رکھتا ہوگا اسی قدر اس میں زہد کا ہوگا اس میں اشارہ ایک خواہش کی طرف
ہے اور واقع میں یہ خواہش اور شہوات سے بڑھ کر ہے اور اکثر شہوات کا منشا یہی ہوتی ہے اور حضرت فضیل فرماتے

ت۱ اے رب ہمارے کیوں فرض کی ہم پر لڑائی کیوں نہ جینے دیا ہم کو تھوڑی سی عمر ۱۲ ت۲ تو کہ فائدہ دنیا کا تھوڑا ہے ۱۲ ت۳
موت جس سے تم بھاگتے ہو سو وہ تم سے ملتی ہے ۱۲ ت۴ وہی ہیں جنہوں نے خرید کی راہ کے بدلے گمراہی سو نفع نہ لائی ان کی
سوداگری اور نہ انہوں نے راہ پائی ۱۲

ہیں کہ زہد دنیا سے مراد قناعت ہے اس قول میں اشارہ صرف مال کے زہد کا ہے اور حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ زہد امل کے کوتاہ کرنے کا نام ہے یہ قول جامع تمام شہوات کا ہے کیونکہ جو شخص کسی شہوت کی طرف میل کرتا ہے اپنے جی میں جب تک کا باقی رہنا تجویز کرلیتا ہے اسی لئے اس کے امل میں طول ہوتا ہے اور جس کی امل کوتاہ ہوتی ہے وہ گویا تمام شہوات سے دل اُٹھا لیتا ہے اور حضرت اویس فرماتے ہیں کہ جب زاہد طلب معاش کے لئے نکلے تو اس کا زہد جاتا رہتا ہے اس سے ان کا مقصود تعریف زہد کی نہیں بلکہ توکل کو زہد میں شرط کیا ہے اور یہ بھی انہیں کا قول ہے کہ زہد اس کا نام ہے کہ رزق مضمون کی طلب نہ کرے اور ارباب حدیث کا قول ہے کہ دنیا کیا ہے کہ رائے اور عقل سے عمل کرنا اور زہد اس کا نام ہے کہ علم کا اتباع کرے اور سنت کی اقتدا لازم کرلے اس قول میں اگر رائے سے رائے فاسد اور عقل سے وہ مراد ہے جس سے کہ دنیا میں جاہ طلب کیا جاتا ہے تو واقع میں یہ قول ٹھیک ہے لیکن اس میں اشارہ یا تو صرف بعض اسباب جاہ کی طرف ہے یا ایسی شہوات کی طرف جو فضول ہیں مثلاً بعض علوم اس طرح کے ہیں کہ ان سے کچھ فائدہ نہیں اور لوگوں نے ان کو اتنا طول دیا ہے کہ اگر آدمی تمام عمر ایک ہی علم میں مصروف رہے تو پورا نہ کر پاوے تو زاہد کے لئے ضرور ہوا کہ فضول امر سے اول زہد کرے اور حضرت حسن فرماتے ہیں کہ زاہد وہ ہے کہ جب کسی کو دیکھے تو کہے کہ یہ مجھ سے بہتر ہے ان کا مذہب یہ ہے کہ زہد تواضع کا نام ہے اور یہ اشارہ ہے جاہ و عجب کے نہ ہونے کا جو بعض اقسام زہد سے ہے اور بعضوں کا قول ہے کہ زہد طلب حلال کو کہتے ہیں اور اس قول کو حضرت اویس وغیرہم کے قول سے کچھ نسبت نہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ زہد طلب کو ترک کردینے کا نام ہے اور اس میں شک نہیں کہ ان کی مراد طلب حلال ہی کو ترک کرنے سے تھی اور یوسف بن اسباط فرماتے ہیں جو شخص ایذا پر صبر کرے اور شہوات کو چھوڑدے اور روٹی وجہ حلال سے کھاوے اس کو اصل زہد حاصل ہے۔ اسی طرح ان کے سوا زہد کے باب میں بہت سے اقوال ہیں کہ ان کے لکھنے سے کچھ فائدہ نہیں کیونکہ جو شخص امور کے حقائق لوگوں کے قول سے معلوم کرنے چاہے تو قولوں میں اختلاف پاکر حیران رہ جائے گا مگر جس کو امر حق ظاہر ہو جاوے گا اور اس کا ادراک اپنے دل کے مشاہدہ سے کرے گا تو پھر سنی ہوئی بات سے کچھ مستفید نہ ہوگا اس لئے کہ حق بات پر اعتماد کرچکا اور جس شخص نے کہ اپنے قصور بصیرت سے کچھ کوتاہی کی اس پر اطلاع پائے گا اور جس نے کمال معرفت کے ہوتے ہوئے جتنی حاجت دیکھی اس قدر بیان پر اکتفا کی اس پر بھی واقف ہو جاوے گا اور ان بزرگوں نے جو اختصار پر کفایت کی تو اس وجہ سے نہیں کہ ان کی بصیرت کچھ کم تھی بلکہ اس سبب سے کہ جو کچھ انہوں نے فرمایا کہ حاجت ہی کے وقت فرمایا ہے تو جس قدر حاجت دیکھی اسی قدر بیان کیا اور چونکہ حاجات مختلف ہوتی ہیں اسی جہت سے کلمات جواب بھی مختلف ہوئے اور بعض اوقات سبب کفایت کرنے کا یہ ہوتا ہے کہ غرض ان کلمات سے خبر دینا اس حال کا ہوتا ہے جو بندے میں دائمی ہوتا ہے اور وہ حال بھی خود بندے کا ایک متقلم ہے اور ازاں جاکہ ہر ایک بندے کے لئے ایک نیا حال ہوتا ہے تو جن کلمات سے اس کی خبر دی جائے گی وہ بھی بلاشک مختلف ہوں گے لیکن امر حق واقع میں ایک ہی ہوگا اس کا مختلف ہونا ممکن نہیں اور

سب اقوال میں سے زہد کے باب میں جو جامع اور در حقیقت کامل ہے گو اس میں تفصیل نہیں قول ابو سلیمان دارانی کا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ زہد کے باب میں ہم نے بہت تقریریں سنیں اور ہمارے نزدیک زہد یہ ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ سے مانع ہو اس کو ترک کرے اور ایک قول میں تفصیل بھی بیان کی اور کہا کہ جو شخص نکاح کرے یا طلب معیشت کے لئے سفر کرے یا حدیث لکھے وہ دنیا کا مائل ہے تو ان سب چیزوں کو زہد کے خلاف کر دیا اور ایک بار انہوں نے یہ آیت پڑھی اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ت اور فرمایا کہ قلب سلیم سے وہ دل مراد ہے کہ جس میں خدا کے سوا کچھ نہ ہو اور فرمایا کہ لوگوں نے جو دنیا میں زہد کیا تو اس لئے کہ ان کے دل دنیا کے تردّدات سے چھوڑ کر آخرت کے لئے فارغ ہو جائیں اب زہد کی چوتھی تقسیم کو سننا چاہیئے کہ احکام کے لحاظ سے زہد کی تین قسمیں ہیں فرض اور نفل اور سلامت اور یہی قول حضرت ابراہیم بن ادہم کا ہے زہد فرض تو حرام میں زہد کرنا ہے اور نفل حلال میں اور شبہات میں اور ہم نے تفصیل درجات ورع کے باب حلال و حرام میں لکھی ہے اور وہ زہد میں سے ہے کیونکہ حضرت مالک بن انس سے پوچھا گیا کہ زہد کیا چیز ہے فرمایا کہ تقویٰ ہے اور اگر زہد بلحاظ خفیہ امور کے چھوڑنے کے دیکھا جاوے تو کچھ انتہا نہیں کیونکہ نفس جن چیزوں سے مثل خطرات اور تمام حالات کے خصوصاً ریا ئے خفی وغیرہ کے سوائے ... علما کے اور کوئی ان پر واقف نہیں ہوتا تو متمتع ہوتا ہے ان کی کچھ انتہا نہیں تو اس میں زہد کرنے کی بھی انتہا نہیں بلکہ امور ظاہر میں بھی درجات زہد کے غیر متناہی ہیں۔ نہایت اعلیٰ درجہ اس میں وہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حاصل تھا کہ لیٹتے وقت پتھر کو سر کے نیچے رکھ لیا۔ شیطان نے آپ سے کہا کہ آپ نے تو دنیا کو ترک کیا تھا اب یہ کیا ہوا آپ نے فرمایا کہ تو نے کون سی چیز دنیا کی دیکھی اس نے کہا سر تلے پتھر رکھا کہ سر اونچا رہے اور آسائش ملے آپ نے پتھر سر تلے سے نکال کر پھینک دیا کہ لے اس کو اور دنیا کو دونوں کو لے جا اور یحییٰ علیہ السلام کے حال میں ہے کہ آپ نے ٹاٹ اس قدر پہنا کہ آپ کی جلد میں اس کے نشان پڑ گئے اور نرم لباس کو نہ پہنا کہ جلد کو آسائش ہو گی آپ کی مادر مشفقہ نے فرمایا کہ ٹاٹ کے عوض اون کا کرتہ پہن لو آپ نے ویسا ہی کیا وحی ہوئی کہ اے یحییٰ ہمارے اوپر دنیا کو پسند کیا آپ روئے اور اس کرتے کو نکال کر اپنا پہلا ہی لباس پہن لیا اور حضرت امام احمد فرماتے ہیں زہد حضرت اویس ہی کا تھا کہ برہنگی سے یہ نوبت پہنچی تھی کہ ایک چٹائی کی تھیلی میں بیٹھے رہے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک دیوار کے سائے میں بیٹھ گئے دیوار والے نے ان کو اٹھا دیا آپ نے فرمایا تو نے مجھ کو نہیں اٹھایا۔ مجھ کو اس نے اٹھایا جس کو میرے لئے سائے میں آسائش لینا منظور نہ ہوئی غرضیکہ درجات زہد کے ظاہر و باطن کے اعتبار سے بے شمار ہیں افضل درجہ یہ ہے کہ ہر شبہ اور ممنوع چیز میں زہد کرے اور بعض اکابر فرماتے ہیں کہ زہد اسی کا نام ہے کہ حلال میں ہو، شبہ اور ممنوع چیز میں زہد کرنا تو زہد کے درجات میں سے کسی میں نہیں پھر دیکھا کہ اس زمانے میں حلال باقی نہیں رہا اس لئے ان کے نزدیک زہد غیر ممکن ہے اب اگر کوئی یہ کہے کہ جب یہ ٹھہرا کہ زہد خدا تعالیٰ کے ماسوا کا ترک کرنا ہے تو کھانے اور پینے اور لباس اور لوگوں کے ملنے اور گفت گو کرنے سے

ت اگر جو کوئی اللہ کے پاس آیا دل چنگا لے کر ۱۲

کرنے سے زہد کیسے ہو سکے گا کیونکہ ان امور میں مشغول ہونا تو ماسوا اللہ میں مشغول ہونا ہے پس اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا سے پھر کر خدائے تعالےٰ کی طرف سے تمام توجہ سے مشغول ہونے کے یہ معنی ہیں کہ خدا تعالیٰ کی طرف بتمام دل و ہمت ذکر و فکر کی رو سے متوجہ ہو اور یہ بات بدون زندگی کے ممکن نہیں اور زندگی بدون ضروریات نفس کے نہیں ہو سکتی پس جب آدمی دنیا سے مہلکات بدن کے دفع پر اقتصار کرے اور اس سے غرض عبادت پر بدن سے مدد لینی ہو تو اس حرکت سے غیر اللہ کے ساتھ مشغول نہ ہو گا اس لئے کہ جو چیز ایسی ہو کہ مقصود کی طرف بدون اس کے جانا ممکن نہ ہو وہ مقصود ہی میں گنی جاتی ہے مثلاً کوئی شخص راہ حج میں سواری کو آب و دانہ دیتا ہے تو حج سے روگردان نہ ہو گا مگر چاہیئے کہ بدن خدا تعالےٰ کے راستے میں ایسا ہی ہو جیسا سواری حج کے راستے میں یعنی آسائش سواری کی مقصود بالذات نہیں صرف اتنا مطلب ہے کہ اس سے مہلکات دور کرتا رہے تاکہ منزل مقصود تک پہنچاوے اسی طرح بدن کا محفوظ رکھنا بھوک اور پیاس اور گرمی اور سردی سے جو اس کے حق میں مہلک ہیں کھانے اور پینے اور لباس اور مسکن سے اور ان چیزوں میں سے مقدار ضرورت پر اکتفا کرے اور لذت اور آسائش مقصود نہ ہو بلکہ اطاعت الٰہی پر قوت منظور ہو تو یہ بات مخالف زہد کے نہیں بلکہ شرط کی ہے کہ زہد میں اس کا ہونا ضروری ہے اور اگر کہو کہ بھوک کے وقت کھانا کھانے میں تو لذت خواہ مخواہ ہو گی تو یہ لذت مضر نہیں بشرطیکہ مقصود لذت حاصل کرنا نہ ہو مثلاً اگر کوئی ٹھنڈا پانی پیوے تو کبھی اس کو لذت معلوم ہوتی ہے مگر انجام اس کا یہی ہے کہ تکلیف پیاس کی دفع ہو جائے اور اگر کوئی پاخانہ پھرتا ہے تو اس سے بھی راحت ہوا کرتی ہے مگر اس کو آدمی مقصود اور مطلوب نہیں سمجھتا اس لئے کہ دل کو اس کی طرف کچھ توجہ نہیں ہوتی ایسے ہی بعض اوقات آدمی تہجد کو اٹھتا ہے اور اس وقت کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا اچھی لگتی ... معلوم ہوا کرتی ہے یا صبح کو جانوروں کی بولیاں خوش معلوم ہوتی ہیں لیکن اگر مقصود بالذات نہ ہوں تو ان سے کچھ ضرر نہیں اور مقصود بالذات اس طرح ہو جاتے ہیں کہ کوئی جگہ ایسی ہی تلاش کرے جہاں کی ہوا بھی اچھی ہو اور جانوروں کی آواز بھی ہوتی ہو وغیرہ پس اگر بدون اپنے قصد کے ایسی جگہ ہاتھ آ گئی تو کچھ حرج نہیں اور خوف کرنے والوں میں بعضے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جنہوں نے ایسی جگہ تلاش کی جہاں صبح کی ہوا نہ لگے اس خوف سے کہ کہیں اس سے راحت پا کر اس سے انس ہونا دنیا کے ساتھ انس ہونا ہے اور جس قدر غیر خدا سے انس ہوتا ہے اسی قدر خدا کے ساتھ انس ہونے میں خلل پڑتا ہے اور اسی وجہ سے حضرت داؤد طائی اپنا پانی کھلے گھڑے میں رکھنے اور دھوپ سے علیحدہ نہ کرتے اور گرم پانی پیتے اور فرماتے کہ جو کوئی ٹھنڈا پانی پیوے اس پر دنیا کا چھوڑنا مشکل پڑتا ہے تو اس طرح کے خوف اختیار کرنے والوں کے ہیں اور ان سب میں احتیاط کرنی ہوشیاری کی بات ہے کیونکہ اگرچہ اس میں دقت پڑتی ہے مگر تھوڑے دنوں اس سے بچ رہنا ہمیشہ کی لذت کے واسطے اہل معرفت پر کچھ گراں نہیں جو اپنے نفس کو شرعی سیاست سے دبائے رکھتے ہیں اور حبل متین یقین کو پکڑے ہوئے ہیں اور دنیا و دین کے ایک دوسرے کے ضد ہونے کو خوب پہچانتے ہیں۔

ضروریات زندگی میں زہد اختیار کرنا

جاننا چاہیئے کہ آدمی جن چیزوں میں ڈوبے ہوئے ہیں وہ دو قسم

ہیں یا تو ضروری یا فضول، فضول تو ایسی اشیا جیسے پلے ہوئے گھوڑے کہ اکثر آدمی ان کو آرام سواری کی جہت سے رکھتے ہیں حالانکہ پیادہ بھی چل سکتے ہیں اور ضروری چیزیں ایسی ہیں جیسے کھانا اور پینا اور چونکہ ہم تفصیل فضول کی نہیں کر سکتے اس لئے کہ وہ بے حد و شمار ہیں اور ضروری چیزیں البتہ شمار ہو سکتی ہیں اور ان میں باعتبار مقدار اور جنس اور اوقات کے فضول کو دخل بھی ہے لہٰذا ان کے باب میں زہد ہونے کی صورت کا لکھنا ضروری ہے اور ضروری چیزیں چھ ہیں غذا اور لباس اور مسکن اور اسباب خانہ داری اور اہل خانہ اور مال اور غرض کے حصول کے لئے یعنی چھٹوں میں سے کسی کے ملنے کے لئے جاہ کا ہونا بھی ضروری ہے اور جاہ کے معنی اور اس سے لوگوں کی محبت کی وجہ اور اس سے بچنے کی کیفیت ہم نے جلد ثالث کے باب الریا میں لکھی ہے اور اب ہم صرف ان چھ چیزوں ضروری کے بیان پر اکتفا کرتے ہیں ضرورت اول غذا اس میں آدمی کے لئے اس قدر ضروری ہے جو اس کو توانا رکھے مگر اس میں زہد کی تکمیل کے لئے اس کا کچھ طول اور عرض کم کرنا چاہیے طول باعتبار تمام عمر کے ہے اس لئے کہ جو شخص ایک دن کا کھانا رکھتا ہے کبھی اس پر قانع نہیں ہوتا اور عرض اس کا مقدار غذا اور جنس اور وقت میں ہوا کرتا ہے پس طول کو اس طرح گھٹانا چاہیے کہ امل کو کوتاہ کرے اور کمتر درجہ زہد کا اسباب میں یہ ہے کہ جب شدت کی بھوک اور مرض کا خوف ہو اس وقت بھوک کے دفع کی مقدار پر کفایت کرے اور جس کا یہ حال ہو وہ جب کچھ پاوے گا دن کے کھانے میں سے رات کے لئے نہیں رکھے گا یہ درجہ سب سے اونچا ہے دوسرا درجہ یہ ہے کہ ایک مہینہ یا چالیس روز کے لئے ذخیرہ کرے تیسرا درجہ یہ ہے کہ ایک برس کے لئے ذخیرہ کرے اور یہ حال ضعیف زاہدوں کا ہے اور جو برس روز سے زیادہ کے واسطے ذخیرہ کرے تو اس کو زاہد کہنا محال ہے اس لئے کہ جو شخص برس دن سے زیادہ جینے کی توقع کرے وہ بیشک طویل الامل ہے اس سے زہد پورا نہیں ہوگا ہاں جس صورت میں کہ کوئی پیشہ نہیں رکھتا اور لوگوں کے مال لینے کو دل نہ چاہے تو برس روز سے زیادہ کا بھی مضائقہ نہیں جیسے حضرت داؤد طائی کو بیس دینار ترکہ میں سے ملے تو آپ نے ان کو رکھ چھوڑا اور بیس برس میں ان کو اٹھایا یہ امر ان کا اصل زہد کے خلاف نہیں لیکن ان لوگوں کے . . .

. . . . . . نزدیک جو زہد میں توکل کو شرط کہتے ہیں البتہ خلاف ہے اور غرض کی کمی مقدار کی رو سے یہ ہے کہ ایک دن رات میں کم تر درجہ پاؤ سیر ہے اور متوسط درجہ آدھ سیر اور اعلیٰ درجہ وہ مقدار ہے کہ شارع نے کفارے میں مساکین کے لئے مقرر کی ہے اور جو اس سے زیادہ کھاوے تو بسیار خوری اور پیٹ کے دھندے میں لگنے میں داخل ہے اور جو شخص ایک مدٌ پر بس نہ کرے تو شکم کے باب میں اس کو زہد ذرہ بھر نہ ہوگا اور جنس کی رو سے کمی یہ ہے کہ جو غذا ہو سکے خواہ بھوسی ہی کی روٹی ہو اور اوسط درجہ جو و چنے کی روٹی ہو اور اعلیٰ درجہ بدون چھنے گیہوں کے آٹے کی اور اگر چھنے ہوئے آٹے کا پھلکا ہوگا تو زہد کے اول درجے کا تو کیا ذکر ہے سب سے پچھلی مقام زہد سے بھی خارج ہوگا اور آسائش والوں میں داخل ہوگا اور سالن میں سے ادنیٰ نمک یا ساگ یا سرکہ ہے اور اوسط زیتون کا تیل یا کوئی اور چکنائی تھوڑی سی اور اعلیٰ گوشت ہے کسی قسم کا ہو اور یہ ہفتہ میں ایک دو دفعہ ہو . . . اگر دو دفعہ سے

ع یہ ان مد سے صاع مراد معلوم ہوتا ہے ورنہ ظاہر ہی ہے کہ چار مد کا صاع ہوتا ہے اس حساب سے مد ڈیڑھ پاؤ کے قریب ہوتا ہے جو متوسط درجے سے بھی کم ہے ۱۲ ت

زیادہ ہفتے میں ہو گا تو سب اقسام زہد سے خارج ہو جاوے گا ایسا شخص شکم کے باب میں ہرگز زاہد نہ کہلاوے گا اور وقت کے اعتبار سے کمی یہ ہے کہ رات میں اور دن میں ایک بار کھاوے یعنی روزہ رکھا کرے اور اوسط یہ ہے کہ ایک دن روزہ رکھے اور رات کو کھانا نہ کھاوے صرف پانی پی لیوے اور دوسرے روز روزہ رکھے تو کھانا کھالے پانی نہ پیوے اور بڑھ کر یہ ہے کہ تین دن یا ہفتہ بھر زیادہ طے کا روزہ رکھ سکے تو بہتر ہو۔ اور ہم نے طریق خوراک کے کم کرنے اور اس کی حرص کو توڑنے کا حال جلد ثالث میں لکھا ہے اور احوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ انہوں نے غذا میں اور سالن کے چھوڑنے میں کیسے زہد کیا حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ہم کو چالیس چالیس روز گزر جاتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں نہ چراغ جلتا تھا اور نہ آگ سلگتی تھی کسی نے پوچھا کہ پھر بسر اوقات کی کیا صورت تھی آپ نے فرمایا کہ دو سیاہ چیزوں خرما اور پانی سے انتہیٰ۔ اس سے گوشت اور شوربا اور سالن سب کا ترک پایا جاتا ہے اور حضرت حسن فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دراز گوش پر سوار ہوتے تھے اور اون کا کپڑا پہنتے تھے اور گنٹھی ہوئی جوتی کو اپنے پائے مبارک سے مشرف فرماتے تھے اور کھانا کھانے کے بعد اپنی انگلیاں چاٹتے اور زمین پر کھانا کھاتے اور فرماتے کہ میں بندہ ہوں کھانا بندوں کی طرح کھاتا ہوں اور بندوں ہی کی طرح بیٹھتا ہوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو شخص جنت کا طالب ہو تو جو کی روٹی اور گھورے پر کتوں کے ساتھ پڑ رہنا اس کو کافی ہے اور حضرت فضیل فرماتے کہ جب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے تھے کبھی تین روز پیٹ بھر کر روٹی نہ کھائی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے کہ اے بنی اسرائیل خالص پانی پیو اور جنگل کا ساگ، اور جو کی روٹی کھاؤ اور گیہوں کی روٹی سے اجتناب کرو کہ تم اس کا شکر ہرگز نہ کر سکو گے اور جلد ثالث میں ہم نے غذا اور پانی کے باب میں سیرت انبیاء اور بزرگان سلف کی لکھ دی دوبارہ بیان نہیں کرتے اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبا والوں کے پاس تشریف لائے تو وہ لوگ آپ کی خدمت میں دودھ میں شہد ملا کر لائے آپ نے پیالہ ہاتھ سے رکھ دیا اور فرمایا کہ میں اس کو حرام نہیں کرتا مگر خدا تعالےٰ کے واسطے انکسار کے لئے چھوڑتا ہوں اور حضرت عمرؓ کے پاس جو شہد کا سرد شربت لائے اور گرمی کے موسم تھے آپ نے فرمایا کہ اس کا حساب مجھ سے الگ کرو اور یحییٰ بن معاذ رازی فرماتے ہیں کہ سچا زاہد وہ ہے کہ غذا جو کچھ میسر ہو وہ کھالے اور لباس مقدار ستر عورت پہنے اور جہاں جگہ ملے وہاں رہے دنیا اس کا مجلس ہو اور قبر خوابگاہ اور خلوت مجلس عبرت پکڑنا اس کا تامل ہو اور قرآن اُس کی گفتگو اور رب اس کا انیس اور ذکر رفیق اور زہد ہمسر اور حزن اس کا حال اور حیا شعار بھوک اس کا سالن ہو اور حکمت سخن اور خاک اس کا بستر ہو اور تقوی توشہ اور سکوت غنیمت اور صبر تکیہ اور توکل حسب اور عقل راہ نما اور عبادت پیشہ اور جنت پہنچنے کا مقام ہو انشاءاللہ تعالیٰ۔ ضرورت دوم لباس ہے اس میں کمتر درجہ وہ جو گرمی اور سردی کو دور کرے اور برہنگی کو چھپاوے اور وہ جو گرمی اور سردی کو دور کرے اور برہنگی کو چھپاوے اور وہ ایک چادر ہے اور پاجامہ بھی ہو اور اگر مقدار میں اس سے زیادہ تو وہ زہد کی حد سے خارج ہے اور زاہد کی شرط یہ ہے کہ جب کپڑا دھوئے تو دوسرا کپڑا پہننے کے لئے نہ رکھتا ہو بلکہ گھر

ا؎ ابن ماجہ نے بروایت عائشہ رضی یہ مضمون روایت کیا ہے بالفاظ مختلف ۱۲ ۲؎ اس کی سند پہلے گزری ۱۲ ۴؎ یہ ٹکڑا حدیث حسن کا نہیں بلکہ بروایت عائشہ مروی ہے اس کی سند بھی پہلے گزری ۱۲ ۵؎ یہ حدیث پہلے گزری ۱۲ ۶؎ یہ اس کی سند پہلے گزری ۱۲

میں بنیچا رہے اور جب دو دو کرتے اور پاجامے اور عمامے ہوں تو سب اقسام زہد سے خارج ہو جاوے گا جو مقدار کی رو سے ہوتے ہیں اور جنس لباس میں ادنیٰ درجہ موٹا ٹاٹ ہے اور اوسط درجہ کمل اور اعلیٰ درجہ موٹا کپڑا روئی کا اور وقت کی رو سے سب سے زیادہ وقت یہ ہے اس کو ایک برس پہن سکے اور کم تر یہ ہے کہ ایک دن پہن سکے یہاں تک کہ بعض بزرگوں نے اپنے کپڑے میں پتوں کے پیوند لگائے گو بہت جلد خشک ہو جاتے ہیں مگر دفع الوقتی ممکن ہے اور اوسط وقت یہ ہے کہ لباس ایسا ہو جو ایک مہینہ یا اس کے قریب تن پر رہ سکے پس ایسے کپڑے کا ڈھونڈھنا جو برس سے زیادہ رہے طول امل میں داخل ہے جو زہد کے خلاف ہے مگر اس صورت میں کہ موٹے کپڑے کی تلاش کی اور موٹا اکثر دیرپا ہوتا ہے اور بہت رہتا ہے تو اس میں کچھ حرج نہیں پس جو شخص اس مقدار سے زیادہ کپڑا پائے چاہیے کہ اس کو دے ڈالے کیوں کہ اگر رکھ چھوڑے گا تو زہد نہ رہے گا بلکہ دنیا سے محبت کرنے والا ہوگا اور اسباب میں بھی احوال انبیاء اور صحابہؓ کا مدنظر رکھنا چاہیے کہ انہوں نے لباس کو کیسے چھوڑا تھا۔ حضرت ابو بردہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے ہم کو ایک چادر پیوندی کی اور ایک موٹا تہمد دکھایا اور فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف ان دونوں میں ہوئی تھی اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ اللہ تعالےٰ متبذل آدمی کو چاہتا ہے کہ جو کچھ پہنے اس کی پرواہ نہ کرے اور حضرت عمرو بن الاسود عنسی نے فرمایا کہ میں کبھی شہرت کا کپڑا نہ پہنوں گا اور نہ کبھی رات کو کپڑا اچھا کر سوؤں گا اور نہ کبھی عمدہ سواری پر سوار ہوں گا اور نہ اپنا پیٹ غذا سے کبھی بھروں گا پس حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جس شخص کو طریق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اچھا معلوم ہو دیکھنا وہ عمرو بن اسود کو دیکھے اور حدیث شریف میں ہے کہ جو بندہ شہرت کا لباس پہنتا ہے خدا تعالےٰ اس کی طرف سے منہ پھیر لیتا ہے یہاں تک کہ اس کو بدن سے نکالے اگرچہ اس کے نزدیک پیارا ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کپڑا مول لیا۔ جس کی چار درم یعنے تقریباً سوا روپے قیمت تھی اور آپ کا جوڑا کپڑے کا دس درم کا تھا اور ازار لمبا ساڑھے چار ہاتھ کا تھا۔ کیونکہ دونوں ایک ہی جنس سے تھے اور بعض اوقات آپ دو چادریں یمانی یا سحولی موٹی قسم کی پہنا کرتے تھے اس کا نام حلہ تھا اور آپ نے پائجامہ تین درم کو خرید فرمایا اور آپ دو شملے سفید اون کے پہنا کرتے تھے اس کا نام حلہ تھا کیونکہ وہ دونوں ایک ہی جنس سے تھے اور بعض اوقات آپ دو چادریں یمانی یا سحولی موٹی قسم کی پہنا کرتے تھے اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کرتہ تیلی کا سا کپڑا ہوتا تھا اور ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کپڑا ریشمی کا سندس کا زردکیریں کھینچا ہوا پہنا جس کی قیمت دو سو درم تھی اصحاب اس کو چھوتے تھے اور تعجب

اح جلد دوم گزری بخاری و مسلم سے ۱۲ ۲ح اس کی اصل مجھے نہیں ملی ۱۲ ۳ح احمد ۱۲ ۴ح ابن ماجہ بروایت ابوذر مختصراً ۱۲ ۵ح ابو یعلی بروایت ابوہریرہ بسند ضعیف ۱۲ ۶ح اس کا پتہ مجھے نہیں ملا ۱۲ ۷ح طبقات ابن سعد میں بروایت ابوہریرہ یہ مضمون ہے اور اس کی سند میں محمد بن عمر واقدی ہے ۱۲ ۸ح پاجامے کا مول لینا اصحاب سنن نے بروایت سوید بن قیس نقل کیا ہے مگر اس میں قیمت کی تعداد نہیں ۱۲ ۹ح حلے کا پہننا بخاری و مسلم سے بروایت ابو داؤد سے بروایت ابن عباس ثابت ہے اور چادروں کا پہننا ابو داؤد و ترمذی و نسائی نے بروایت ابی رمثہ نقل کیا ہے ۱۲ ۱۰ح ترمذی بروایت انس بسند ضعیف ۱۲ ۱۱ح مسلم نے بروایت جابر نقل کیا ہے کہ آپ نے بنائے حریر ایک روز پہن کر حضرت عمر فاروق کو دے دی کہ بیچ ڈالیں انہوں نے بزاز کے ہاتھوں بیچ ڈالی ۱۲ ۱۲ح بخاری و مسلم بروایت ابن عمر ۱۲ ۱۳ح بخاری و مسلم بروایت عائشہ رضہ ۱۲

سے کہتے تھے یا رسول اللہ آپ کے پاس جنت سے آیا ہے حالانکہ وہ کپڑا آپ کو اسکندریہ کے بادشاہ مقوقس نے ہدیے کے طور پر بھیجا تھا آپ نے چاہا کہ اس کو پہن کر اعزاز و اکرام بادشاہ کا مرعا دیں پھر آپ نے اس کو نکال کر ایک شخص کے پاس مشرکوں میں سے بھیج دیا جس سے صلہ رحم کرنا منظور تھا پھر حریر و دیبا کو مردوں کے لئے حرام فرمایا گویا اس لئے پہنا تھا کہ حرمت کی تاکید ہو جیسے سونے کی انگوٹھی ایک روز پہنی پھر نکال ڈالی اور اس کا پہننا مردوں پر حرام کر دیا اور جیسا کہ حضرت عائشہ رضی سے بریرہ ان کی لونڈی کے باب میں فرمایا کہ ولا کی شرط مالک کے واسطے کر لو جب انہوں نے شرط کر لی تو آپ منبر پر چڑھے اور اس کو حرام کیا اور جیسا کہ تین روز متع مباح فرمایا اور پھر امر نکاح کی تاکید کے لئے اس کو حرام فرمایا اور ایک بار آنحضرت نے ایک سیاہ چادر علمدار میں نماز پڑھی جب سلام پھیرا تو فرمایا کہ اس کی طرف دیکھنے نے مجھے نماز سے مشغول کر دیا اس کو ابوجہم کے پاس لے جاؤ اور اس کی چادر مجھے لادو یعنے اپنا عمدہ کپڑا دے کر اونی چادر پسند فرمائی اور آپ کے جوتے کا تسمہ پرانا ہو گیا تھا اس میں نیا تسمہ لگا کر نماز پڑھی جب سلام پھیرا تو فرمایا کہ وہی پرانا تسمہ اس میں لگا دو اور نیا نکال دو کہ نماز میں میری نگاہ اس پر جاتی ہے اور سونے کی انگوٹھی پہنی اور منبر پر اس کو جو دیکھا تو پھینک دیا اور فرمایا کہ اس نے مجھ کو تم سے روک دیا کبھی اس کو دیکھتا ہوں کبھی تم کو اور ایک بار آپ نے جوتے کا جوڑا نیا پہنا اور اچھا جو معلوم ہوا تو سجدہ کیا اور لوگوں سے فرمایا کہ مجھ کو اس کی خوبی اچھی معلوم ہوئی میں نے اس خوف سے سجدہ کیا کہ خدا تعالےٰ مجھ سے ناراض نہ ہو پھر اس کو نکال کر جو مسکین پہلے دیکھا اس کے حوالہ فرمایا اور سنان بن سعد سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم کے لئے ایک جبہ اون کا سیاہ سفید دھاریوں کا بنایا گیا اور اس کا کنارہ سیاہ رکھا گیا جب اس کو اپنے تن مبارک سے مشرف فرمایا تو لوگوں سے ارشاد فرمایا کہ دیکھو تو کیسا عمدہ اور ملائم ہے ابن سعد کہتے ہیں کہ ایک اعرابی نے کھڑے ہو کر کہا کہ یا رسول اللہ اس کو مجھے دے ڈالئے اور آپ کا دستور تھا کہ جب کوئی کچھ چیز مانگتا تو بخل اس چیز کا نہ کرتے وہ جبہ شریف اس کو دے دیا اور فرمایا کہ میرے واسطے ایک اور بنایا جاوے ابھی وہ دوسرا کارگاہ ہی میں تھا کہ آپ نے سفر آخرت اختیار کیا اور حضرت جابر فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ حضرت فاطمہ زہرا کے پاس تشریف لے گئے وہ اس وقت آٹا پیستی تھیں اور اونٹ کے بالوں کی چادر اوڑھے ہوئے تھیں جب آپ نے ان کو دیکھا تو رو پڑے اور فرمایا کہ اے فاطمہؓ آسائش جاودانی کے واسطے تلخی دنیا کی پی جا پس اللہ تعالےٰ نے یہ آیت بھیجی ولسوف یعطیک ربک فترضی اور آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ مجھ کو ساکنین عالم بالا نے یہ خبر دی ہے کہ بہترین میری امت سے وہ لوگ ہیں جو ظاہر میں وسعت رحمت الٰہی کے باعث ہنستے رہتے ہیں اور خفیہ عذاب کے خوف سے روتے ہیں ان کا بوجھ لوگوں پر ہلکا ہے اور ان کے خود کے اوپر بھاری ہے پرانے کپڑے پہنتے ہیں اور راہبوں کی پیروی کرتے ہیں۔ جسم ان کے زمین اور دل عرش بریں کے پاس غرضکہ لباس کے باب میں آپ کی عادت شریف اور اپنی امت کو سب کو حکم اپنی پیروی کا فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ

راح بروایت سلمہ بن الاکوع ۱۲ ۲ح جلد اول باب الصلوۃ میں گزری ۱۲ ۳ ح یہ بھی باب الصلوۃ میں گزری ۱۲ ۴ ح اوپر گزری ۱۲ ۵ ح باب الصلوۃ میں گزری ۱۲ ۶ ح طبرانی بروایت سنان بن اسعد اور اس میں ایک راوی ضعیف ہے ۱۲ ۷ ح ابوبکر بن بلال در مکارم اخلاق بسند ضعیف ۱۲ ۸ ح اور آگے دے گا تجھ کو تیرا رب پھر تو راضی ہوگا۔ ۱۲ ۹ ح یہ حدیث حاکم و بیہقی نے نقل کی ہے اور پیشتر گزری ۱۲

لہ من احبنی فلیستن بسنتی اور فرمایا ۲ح علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین من بعدی عضوا علیہا بالنواجذ اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ۳ح قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ اور حضورؐ نے حضرت عائشہؓ کو خاص کر ارشاد فرمایا کہ اگر تو مجھ سے ملنا چاہے تو اغنیاء کے پاس بیٹھنے سے اجتناب کرنا اور اپنا کپڑا بدن سے نہ نکالنا جب تک کہ اس میں پیوند نہ لگالے اور حضرت عمرؓ کے کرتا پر بارہ پیوند لگے ہوئے تھے جن میں سے بعض چمڑے کے تھے۔ اور حضرت علیؓ نے اپنی خلافت میں تین درم کا کپڑا مول لے کر پہنا اور اس کی آستینیں پہنچے پر سے کاٹ ڈالیں اور فرمایا کہ خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھ کو یہ لباس اپنے خلعت میں سے پہنایا اور حضرت سفیان ثوری وغیرہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ کپڑا ادہ پہننا چاہیئے جس سے نہ علماء کے نزدیک شہرت ہو نہ جہاں کے نزدیک حقارت اور فرماتے کہ فقیر میرے پاس سے نکلتا ہے اور میں نماز پڑھتا ہوں تو اس کو چلا جانے دیتا ہوں اور اگر کوئی دنیادار میں سے میرے پاس سے نکلتا ہے اور اس پر بڑھیا لباس ہو تو میں اس سے ناراض ہوتا ہوں اور پاس کو نہیں نکلنے دیتا اور بعض اکابر فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سفیان ثوری کے دونوں کپڑے اور جوتیوں کی قیمت لگائی تو ایک درم اور چار دانگ کے تھے اور ابن شبرمہ فرماتے ہیں کہ میرے کپڑوں میں سے بہتر وہ ہیں جو میری خدمت کریں اور برے کپڑے وہ ہیں جن کی خدمت میں کرتا ہوں اور بعض اکابر سلف کا قول ہے کہ کپڑے ایسے پہننے چاہئیں جن سے آدمی بازاریوں سے مل جاوے ایسے نہ پہنے جن سے شہرت ہو اور لوگوں کی نظر پڑے اور ابو سلیمان دارانی کا قول ہے کہ کپڑے تین ہیں ایک کپڑا خدا کے واسطے ہے جس سے کہ برہنگی چھپ جاوے اور ایک کپڑا النفس کے واسطے ہے کہ جس کی نرمی مطلوب ہوتی ہے اور ایک لوگوں کے واسطے ہے جس کا حسن اور جوہر منظور ہوتا ہے اور بعض بزرگوں کا قول ہے کہ جس کا کپڑا پتلا ہوتا ہے اس کا دین بھی پتلا ہوتا ہے اور علماء تابعین کے سب کپڑوں کی قیمت بیس درم سے لے کر تیس درم تک ہوتی تھی اور خواص دو کپڑوں سے زیادہ نہ پہنتے تھے ایک کرتہ اس کے نیچے تہمد اور کبھی کرتا پلٹ کر اس کا دامن سر پر ڈال لیتے تھے اور بعض اکابر فرماتے ہیں کہ اول زہد لباس کا ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ البذاذۃ من الایمان یعنے کپڑوں کا پرانا ہونا یا تواضع کی سی صورت میں رہنا ایمان میں سے ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص باوجود قدرت کے خدا کے لئے انکسار کرے اس کی مرضی کی خواہش کے واسطے خوبصورتی کا کپڑا چھوڑ دے اللہ تعالیٰ پر ضروری ہے کہ اس کے لئے جنت کے خلعت یاقوت کی جامدانیوں میں جمع رکھے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض انبیاء کی طرف وحی بھیجی کہ میرے اولیاء سے کہہ دو کہ میرے دشمنوں کا لباس نہ پہنو اور جس راہ سے میرے دشمن آتے ہیں اس راہ میں داخل نہ ہو ورنہ دشمنوں کی طرح وہ بھی میرے دشمن ہو جاویں گے اور رافع بن خدیج نے بشر بن مروان کو کوفے کے منبر پر باریک کپڑے پہنے وعظ کہتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ اپنے سردار کو دیکھو

لہ جو مجھ سے محبت کرے وہ میری سنت کو اپنا طریق بنا دے ۱۲ جلد دوم باب النکاح میں گزری ۱۲ ۲ح لازم پکڑو اپنے اوپر میری سنت اور میرے خلفائے راشدین کی سنت پکڑو اس کو دانتوں سے ۱۲ ترمذی و ابن ماجہ بروایت عرباض بن ساریہ ۳ح تاکہ اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ کی پھر راہ پر چلو کہ اللہ تم کو چاہنے ۱۲ ۴ح ترمذی و حاکم بروایت عائشہ رضہ ۱۲

کہ لوگوں کو وعظ سناتا ہے اور اس کے بدن پر کپڑے فاسقوں کے سے ہیں اور عبد اللہ بن عامر لباس فاخر پہنے حضرت ابوذر غفاریؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کچھ زہد میں گفتگو کرنے لگا۔ حضرت ابوذر نے اپنی ہتھیلی منہ پر رکھ کر پڑکی بجائی ابن عامر غصہ ہوا اور شکایت ان کی حضرت عمرؓ سے کی انہوں نے فرمایا کہ یہ تم نے خود بے جا کیا ہے کہ یہ لباس پہن کر ان کے سامنے زہد کی گفتگو کرتے ہو اور حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ائمہ ہدیٰ سے عہد لے لیا کہ لوگوں کے حالوں میں سے ادنیٰ اسی حالت میں رہا کریں تاکہ توانگر ان کا اتباع کریں اور فقر کے باعث فقیر کی حقارت نہ ہو اور جب کہ حضرت علیؓ کی خدمت میں کسی نے عرض کیا کہ آپ ایسا موٹا لباس کیوں پہنتے ہیں تو فرمایا کہ یہ لباس تواضع کے قریب ہے اور اس بات کے شایاں کہ مسلمان اس کی اقتدا کریں اور نبی اکرمؐ نے تنعم یعنی آرام طلبی سے منع فرمایا اور ارشاد کیا کہ کچھ اللہ کے بندے ایسے ہیں جو تنعم نہیں کرتے اور فضالہ بن عبید جب والی مصر تھے تو کسی نے ان کو بال بکھرے پا برہنہ دیکھ کر کہا کہ آپ سردار ہو کر ایسا کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ ہم کو [illegible] پاکؐ نے آرام طلبی سے منع فرمایا اور اس بات کا حکم کیا کبھی ننگے پاؤں بھی پھرا کریں اور حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ اگر آپ کو اپنے دونوں ساتھیوں سے ملنا منظور ہو تو کرتے میں پیوند لگائیے اور تہمد کو سرنگوں رکھئے اور جوتی گتھی ہوئی پہنئے اور شکم سیری سے کم کھائیے اور حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے کہ پرانا موٹا کپڑا پہنا کرو اور لباس عجم یعنی ایران و روم کے بادشاہوں کے لباس سے اجتناب کرو اور حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی قوم کا سا لباس پہنے وہ انہیں میں سے ہے اور نبی اکرمؐ فرماتے ہیں کہ میری امت کے برے لوگ وہ ہیں جو دولت میں پلے رنگا رنگ کے کھانے اور کپڑے تلاش کرتے ہیں اور فرمایا کہ ایماندار کی ازار نصف ساق تک ہوتی ہے اور اس سے لے کر ٹخنوں تک بھی کچھ گناہ نہیں اور جو اس سے نیچے ہو تو دوزخ میں ہے اور اللہ تعالیٰ نہیں دیکھے گا قیامت کے دن اس شخص کی طرف جو اپنی ازار شیخی سے لٹکا دے اور حضرت ابو سلیمان دارانی سے یہ حدیث مروی ہے کہ میری امت میں بال نہیں پہنے گا مگر ریاکار احمق اور اوزاعی فرماتے ہیں کہ سفر میں اون کا لباس سنت ہے اور حضر میں بدعت اور محمد بن واسع حضرت قتیبہ کے پاس اون کا کرتہ پہنے گئے انہوں نے پوچھا کہ اون کے کرتے کی تم کو کیا ضرورت ہوئی وہ چپکے ہو رہے انہوں نے کہا کہ میں تم سے کہتا ہوں جواب نہیں دیتے محمد بن واسع نے کہا کہ اگر یہ کہوں کہ زہد کی راہ سے پہنا ہے تو اپنے منہ سے میاں مٹھو بنتا ہے اور اگر مفلسی کہوں تو خدائے تعالیٰ کی شکایت ہوگی یہ دونوں باتیں مجھے ناپسند ہیں اور ابو سلیمان فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا تو حکم کیا کہ اپنی برہنگی زمین سے پوشیدہ رکھ اور آپ کا دستور تھا کہ ہر چیز میں سے ایک لیتے تھے مگر پاجامے دو بناتے تھے اور جب ایک کو دھوتے تو دوسرا پہن لیتے تھے تاکہ کوئی ایسا وقت نہ گزرے کہ آپ کی عورت کھلی ہو اور کسی نے حضرت سلیمان فارسی سے کہا کہ آپ عمدہ کپڑا کیوں نہیں پہنتے آپ نے فرمایا کہ غلام کو عمدہ کپڑا سے کیا نسبت مگر جب آزاد ہو جاوے گا تو اس کو بخدا ایسے کپڑے ملیں گے۔ کہ کبھی پرانے نہ ہوں گے اور حضرت عمر بن عبد العزیز کے حال میں لکھا ہے کہ ان کے پاس ایک جبہ ایک چادر بالوں کی تھی جب تہجد کی نماز کے واسطے اٹھتے تھے پہن کر نماز پڑھتے تھے اور حضرت حسن بصری نے فرقد سبخی سے کہا کہ تم یہ جانتے ہو گے

۱ح اس کی سند صاحب تخریجات نے سہواً نہیں لکھی ۱۲ ۲ح اس کی بھی سند نہیں لکھی ۱۲ ۳ح احمد بروایت معاذ ۱۲ ۴ح ابوداؤد ۱۲

کہ تم کو گلیم پوشی کی ہیئت سے لوگوں پر فضیلت ہے مجھ کو یہ خبر پہنچی ہے کہ اکثر دوزخی کمل والے ہوں گے نفاق کی جہت سے اور یحیٰی بن معاذ فرماتے ہیں کہ میں نے ابو معاویہ اسود کو دیکھا کہ وہ گھوروں پر چیتھڑے اٹھاتے تھے اور ان کو دھو کر اور سی کر پہنتے ہیں میں نے ان سے کہا کہ تم ان سے بہتر پہنا کرو انہوں نے فرمایا کہ ہمارا کیا نقصان ہے جو مصیبت فقیروں کو دنیا میں پہنچتی ہے اللہ تعالےٰ اس کا تدارک جنت میں کر دے گا یحیٰی بن معین ان کے اس قول کو بیان کر کے رویا کرتے: تیسری ضرورت رہنے کی جگہ ہے اس میں زہد کرنے کے تین درجات ہیں عمدہ یہ ہے کہ کوئی جگہ اپنے لئے .... تلاش نہ کرے بلکہ صرف مسجدوں کے گوشوں پر قناعت کرے جیسے اصحاب صفہ تھے اوسط یہ کہ کوئی خاص جگہ اپنے لئے کرے مثل چھپر اور پھوس وغیرہ کے اور پست درجہ یہ ہے کہ اپنے لئے خاص کوٹھڑی مخصوص مول کی یا کرایہ کی تلاش کرے پس اگر وسعت مسکن کی مقدار حاجت موافق ہو زیادہ نہ ہو اس میں زینت بھی نہ ہو تو اس قدر مسکن کے ہونے سے پچھلے درجات زہد سے نہ نکلے گا اور اگر مکان پختہ چونا گچ کیا ہوا خوب وسیع چھ ہاتھ سے اونچی چھت تلاش کرے گا۔ تو بالکل زہد کی حد سے خارج ہو جاوے گا سکونت کے باب میں زہد نہ رہے گا۔ جاننا چاہئے کہ زہد جنس مکان مختلف ہو سکتا ہے یعنی گھاس کا ہو یا گارے کا یا اینٹ کا اور اس کی .... وسعت کی مقدار بھی جدا ہو سکتی ہے اور اوقات کے لحاظ سے بھی اس میں اختلاف اس کی ملکیت کا ہو سکتا ہے مثلاً اپنی ملک ہو یا کرایہ پر لیا یا عاریت کا ہو تو ہر ایک میں ملکیت کا امتداد جداگانہ ہوتا ہے بہر حال زہد کو ان سب اقسام میں دخل ہے اور حاصل یہ ہے کہ جو چیز ضرورت کے لئے مطلوب ہو اس کا حد ضرورت سے تجاوز نہ کرنا چاہیئے دنیا میں سے مقدار ضرورت دین کا آلہ اور وسیلہ ہوتا ہے اور جس قدر متجاوز ہوتی ہے اسی قدر دین کے مخالف ہے اور غرض رہنے کے مکان سے مینہ اور جاڑے کا رکنا اور لوگوں کی نظر اور ایذا کا بچانا ہے اور جس قدر یہ بات ممکن ہے وہ معلوم ہے زیادہ اس سے فضول ہے اور فضول سب دنیا ہے اور جو فضول کا طالب اور ساعی ہے وہ یقیناً زہد سے بعید ہے اور کہتے ہیں کہ اول طول امل جو بعد رسول اکرم کے ظاہر ہوئی تو کپڑوں کی عمدہ سلائی اور چونہ اینٹ کی پختہ عمارت ہے پہلے سلائی میں بڑے بڑے ٹانکے ہوتے تھے اور مکان نرکل اور نے کے بناتے تھے اور حدیث شریف میں ہے کہ لوگوں پر ایک وقت ایسا آوے گا کہ اپنے کپڑوں کو یمن کی چادروں کی طرح منقش کریں گے اور حضرت عباس نے ایک بالاخانہ کو اونچا کیا تھا رسول اکرم نے آپ کو حکم کیا کہ گرادیں اور آنحضرت ایک اونچی گمٹی پر گزرے پوچھا کہ یہ کس کی ہے لوگوں نے عرض کیا کہ فلاں شخص کی۔ جب وہ شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا اور پھر پیشتر کی طرح کبھی اس کی طرف مخاطب نہ ہوئے اس شخص نے لوگوں سے حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خفگی کا پوچھا۔ انہوں نے بیان کر دیا اس نے جا کر اس گمٹی کو گرادیا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ وہاں سے گزرے تو اس کو وہاں نہ دیکھا اور معلوم ہوا کہ اس شخص نے اس کو ڈھا ڈالا آپ نے اس کے لئے دعائے خیر کی اور حضرت حسن فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات شریف تک نہ کوئی اینٹ اینٹ پر کبھی نہ رکھی یعنی کسی قسم

اح طبرانی بروایت ابو امامہ بسند ضعیف ۱۲ ۲ح مالک وابوداؤد ونسائی وابن حبان بروایت ابوسعید ۱۲ ۳ح اس کی سند نہیں ملی ۱۲ ۴ح اس کی سند عراقی نے نہیں لکھی ۱۲ ۵ح طبرانی بروایت ابی العالیہ اور یہ روایت منقطع ہے ۱۲ ۶ح ابوداؤد ۷ح بروایت انس ابن حبان در ثقات ابونعیم در حلیہ مرسلاً ۱۲ ۸ح عائشہ رضہ ۱۲

کا مکان نہیں بنوایا اور ایک حدیث میں مروی ہے کہ جب اللہ کسی بندے کی برائی چاہتا ہے تو اس کا مال گارے اور پانی میں تلف کرتا ہے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم ایک چھپر کی مرمت کر رہے تھے کہ رسول پاک ہمارے پاس تشریف لائے اور پوچھا کہ کیا کرتے ہو ہم نے کہا کہ ہمارا چھپر ٹوٹ گیا ہے اس کو درست کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ میں اس سے جلد امر کو دیکھتا ہوں اور حضرت نوح علیہ السلام نے ایک گھر بنایا ان سے کسی نے عرض کیا کہ اگر پختہ مکان بنوالیں تو بہتر ہو آپ نے فرمایا کہ مرنے والے کے لئے یہی بہت ہے اور حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ ہم صفوان بن محیریز کی خدمت میں گئے وہ ایک نرکل کے مکان میں تھے جو جھکا ہوا تھا کسی نے ان سے کہا کہ اگر آپ اس کو درست کر لیں تو بہتر ہے تو انہوں نے فرمایا کہ بہت سے آدمی اس میں مر چکے ہیں اور یہ بدستور موجود ہے اور ایک حدیث شریف میں ہے کہ آپ نے فرمایا[ع] من بنی فوق ما یکفیہ کلف ان یحملہ یوم القیامۃ اور ایک حدیث میں ہے کہ ہر خرچ پر آدمی کو ثواب ملتا ہے مگر جو پانی اور گارے میں خرچ ہو اس پر ثواب نہیں ہوتا[تہ] اور اس آیت کی تفسیر میں تلک الدار الاخرۃ نجعلہا للذین لا یریدون علوا فی الارض ولا فسادا مفسرین فرماتے ہیں کہ مراد ریاست اور اونچے مکان بنوانے سے ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ[ع۵] کل بناء وبال علی صاحبہ یوم القیامۃ الا ما امکن من حر وبرد اور ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت اپنے مکان کی کی آپ نے فرمایا[ع۶] اتسع فی السماء یعنے جنت میں مکان واسع طلب کرنا چاہیئے اور حضرت عمرؓ نے شام کو تشریف لے جاتے ہوئے ایک محل دیکھا کہ چونے اور اینٹ کا بنا تھا آپ نے اللہ اکبر کہہ کر فرمایا کہ مجھے گمان نہ تھا کہ اس امت میں ایسے شخص ہوں گے جو ہامان کی سی عمارت بناویں گے یعنی فرعون نے جو ہامان کو حکم دیا تھا کہ[ع۷] اوقد لی یا ہامان علی الطین اس سے غرض پختہ عمارت کی تھی اور کہتے ہیں کہ اول جس کے لئے عمارت چونہ اینٹ کی ہوئی وہ فرعون تھا اور جس نے اوّل بنایا وہ ہامان تھا پھر انہیں کا اتباع اور سلاطین نے کیا اور یہ سب زینت اور ملمع ہے اور بعض اکابر نے ایک جامع مسجد کسی شہر میں دیکھی اور فرمایا کہ میں نے اس مسجد کو شاخ خرما بنی دیکھی ہے۔ پھر کچے رد ّے کی پھر اب اینٹ کی بنی دیکھی جنہوں نے اول بنائی تھی وہ دوسرے فرقے سے بہتر تھے اور دوسری دفعہ کے بنانے والے تیسری بار کے لوگوں سے اچھے تھے اور سلف میں بعض لوگ ایسے تھے کہ اپنا مکان زندگی بھر میں کئی کئی بار بناتے تھے اس لئے کہ وہ مکان بہت کمزور ہوتا تھا اور خود امل کو تازہ رکھتے تھے اور مکان کے باب میں زاہد تھے اور بعض کا دستور یہ تھا کہ حج یا جہاد کو تشریف لے جاتے تو مکان گرا جاتے یا ہمسایہ کو دے جاتے جب وہاں سے پھر کر آتے تو اور بنا لیتے اور ان کے مکان گھاس اور چمڑے کے ہوا کرتے تھے جیسے عرب کے لوگ اب تک اسی

اع ابوداؤد ترمذی ۱۲ ۲ع جو عمارت بنا دے زیادہ اس قدر سے کہ اس کو کافی ہو قیامت کے روز تکلیف دیا جائے گا کہ اس کو اٹھا وے ۱۲۔ طبرانی بروایت ابن مسعود بسند ضعیف و منقطع ۱۲ ۳ع ابن ماجہ بروایت خباب بن الارت ۱۲ ۴ع وہ گھر کچلا ہے ہم دیں گے وہ ان کو جو نہیں چاہتے چڑھنا ملک میں اور نہ بگاڑ ڈالنا ۱۲ ۵ع ہر ایک عمارت میں قیامت کے روز اپنے مالک کے حق میں وبال ہو گا مگر جو بچاوے گرمی اور سردی سے ۱۲ ابوداؤد بروایت انس اور اس میں الامالا ہے بجائے الا ما امکن الخ کے یعنے الا ما لا بد منہ ۱۲ ۶ع ابوداؤد بروایت سبیع بن مغیرہ مرسلاً ۱۲ ۷ع آگ دے ہامان میرے واسطے گارے کو ۱۲ ؛

کے عادی ہیں اور بلندی ان کے مکان کی قد آدم اور ایک بالشت ہوتی تھی اور حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکانات میں جاتا تھا تو اپنا ہاتھ چھت میں لگا دیتا تھا اور عمرو بن دینار کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص عمارت چھ ہاتھ سے اونچی بناتا ہے تو ایک فرشتہ اس کو پکارتا ہے کہ اے بدکاروں کے بدکار کہاں تک اونچا کرے گا اور حضرت سفیان ثوری نے مضبوط عمارت کے دیکھنے سے منع فرمایا اور وجہ یہ ارشاد کی کہ اگر لوگ نہ دیکھتے تو ایسے کیوں بنتے۔ پس جو کوئی تاکتا ہے تو بنانے والے کی گویا مدد کرتا ہے اور حضرت فضیل فرماتے ہیں کہ مجھے اس شخص پر تعجب نہیں کہ اس نے عمارت بنائی اور چھوڑ گیا مجھے تعجب اس سے ہے جو اس عمارت کو دیکھ کر عبرت نہیں پکڑتا اور حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ ایک قوم ایسی آئے گی جو مٹی کو اونچا کرے گی اور دین کو پست اور برذون گھوڑوں کو کام میں لائے گی۔ نماز تمہارے ہی قبلہ کی طرف کو پڑھے گی مگر تمہارے دین کے سوا پر مرے گی۔ چوتھی ضرورت اسباب خانہ ہے۔ اس میں بھی زہد کے بہت سے درجے ہیں سب میں اعلیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حال ہے کہ آپ اپنے ساتھ ایک کنگھی ایک کوزہ رکھتے تھے۔ پس ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نہر میں پانی پی رہا تھا آپ نے کوزہ کی بھی حاجت نہ سمجھی اس کو بھی پھینک دیا اسی طرح سب اسباب کو سمجھنا چاہیئے کیونکہ ہر ایک چیز کسی مقصود کے لئے مطلوب ہوتی ہے۔ جب اس سے کوئی حاجت نہ ہو تو دونوں جہاں میں آدمی پر وبال ہے اور جس چیز سے استغنا نہ ہو اس میں سے کم تر درجے کی چیز پر اکتفا کرے۔ مثلاً جس بات کے لئے مٹی کا برتن کافی ہو اس میں بھی اسی پر اکتفا کرے اور اس بات کی پرواہ نہ کرے کہ اس برتن کا کنارہ ٹوٹا ہوا ہے بشرطیکہ مقصود اس سے بھی حاصل ہو سکتا ہو اوسط درجہ یہ ہے کہ آدمی کے پاس اسباب بقدر حاجت ثابت ہو مگر ایک چیز سے بہت کام لے مثلاً اگر پیالہ ہو تو اس میں کھا لیوے اس میں پانی پی لے اسی میں اپنی چیز رکھ لے بزرگان سلف ایک برتن کو کئی مطالب میں استعمال کرنا تخفیف کی نظر سے اچھا جانتے تھے اور زیادہ یہ ہے کہ ہر مطلب کے واسطے ایک چیز ادنیٰ جنس کی رکھتا ہو۔ پس اگر گنتی میں چیز زیادہ ہوگی تو زہد کے کسی درجے میں نہ رہے گا اور طلب فضول کی طرف مائل ہوگا۔ اور اسباب میں بھی سیرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کی مد نظر رکھنی چاہیئے۔ چنانچہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس بستر پر سوتے تھے وہ چمڑے کا گدا تھا۔ جس کے اندر خرما کے پیڑ کا پوست بھرا تھا۔ اور حضرت فضیل فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بچھونا یا دوہرا کمل ہوتا تھا یا چمڑے کا گدا جس میں خرما کا پوست بھرا ہوا تھا۔ روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ اس وقت ایک چارپائی پر جو خرما کے پوست کے بانوں کی بنی ہوئی تھی لیٹے تھے۔ جب اٹھ کر بیٹھے تو حضرت عمر نے آپ کے پہلوئے مبارک پر نشان بانوں کے دیکھے اور آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اے خطاب کے بیٹے کیا بات ہے جو روتے ہو عرض کیا کہ میں نے فارس اور روم کے بادشاہوں کو خیال کیا کہ ان کے پاس کیا کچھ ملک ہے اور آپ کو خیال کیا کہ آپ اللہ کے حبیب اور برگزیدہ ہیں آپ اس موٹے بانوں کی چارپائی پر لیٹے ہیں آپ نے فرمایا کہ تم کو یہ بات پسند نہیں کہ ان کے لئے دنیا ہو اور ہمارے واسطے آخرت حضرت عمر نے فرمایا کہ کیوں نہیں آپ نے فرمایا کہ یوں ہی ہے اور ایک شخص حضرت ابوذر کے گھر گیا اور ہر طرف دیکھنے لگا پھر

عرض کیا کہ اے ابوذر آپ کے مکان میں کچھ سامان وغیرہ نہیں نظر آتا آپ نے فرمایا کہ ہمارا ایک اور دوسرا مکان ہے اچھی چیز ہم وہاں بھیج دیتے ہیں اس نے عرض کیا کہ جب تک آپ اس مکان میں رہیں جب تک کچھ اسباب یہاں بھی چاہیئے آپ نے فرمایا کہ گھر کا مالک ہم کو اس گھر میں رہنے نہیں دے گا اور جب حضرت عمیر بن سعد جو امیر حمص تھے حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے پوچھا کہ تیرے پاس دنیا سے کیا ہے انہوں نے کہا کہ ایک لاٹھی ہے۔ جس پر میں تکیہ کرتا ہوں اور اگر سانپ مل جائے تو مار ڈالتا ہوں اور ایک توشدان ساتھ ہے جس میں کھانا رہتا ہے اور ایک پیالہ ہے جس میں کھاتا ہوں اور سر دھوتا ہوں اور ایک لوٹا ہے جس میں پینے اور وضو کرنے کے لئے پانی رکھتا ہوں اس کے سوا دنیا میں جتنی چیزیں ہیں وہ انہی کے تابع ہیں آپ نے فرمایا کہ تو نے درست کہا کہ اللہ تعالےٰ تجھ پر رحم کرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر سے تشریف لائے اور حضرت فاطمہ کے پاس جانے کا قصد کیا ان کے گھر کے دروازے پر پردہ پڑا ہوا تھا اور ان کے ہاتھ میں دو چاندی کے کنگن دیکھے ویسے ہی پھر گئے اس وقت ابو رافع حضرت فاطمہ کے پاس گئے آپ رو رہی تھیں ان سے حال حضرت کے واپس تشریف لے جانے کا بیان کیا۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سبب واپس تشریف لے جانے کا پوچھا آپ نے فرمایا کہ پردہ اور کنگنوں کی جہت سے چلا آیا۔ حضرت فاطمہ نے دونوں کنگن حضرت بلال کے ہاتھ آپ کی خدمت میں بھیج دیئے کہ میں نے ان کو خدا کی راہ میں صدقہ کیا آپ جہاں مناسب ہو وہاں خرچ کیجئے آپ نے فرمایا کہ ان کو فروخت کرو اور ان کی قیمت ارباب صفہ کو دے دو حضرت بلال نے ڈھائی درم کو فروخت کیا اور اصحاب صفہ کو بانٹ دیا تب آپ حضرت فاطمہ کے پاس گئے اور ارشاد فرمایا کہ جان پدر تو نے خوب کیا اور ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رض کے مکان پر ایک پردہ دیکھا اس کو آپ نے اُٹھا ڈالا اور فرمایا کہ جب میں اسے دیکھتا ہوں دنیا یاد آتی ہے اس کو فلاں شخص کے پاس بھیج دو اور ایک رات حضرت عائشہ رض نے آپ کے لئے نیا فرش بچھایا اور بیشتر آپ دوہرے کمل پر استراحت فرمایا کرتے تھے اس رات تک صبح تک کروٹیں لیتے رہے جب صبح ہوئی حضرت عائشہ سے ارشاد فرمایا کہ اس بستر کو علیحدہ کرو اور پرانا کمل بچھا دو اس نے تمام رات مجھے سونے نہیں دیا مگر رات بھر جاگتے رہے۔ اسی طرح آپ کے پاس پانچ یا چھ درم رات کو آئے تو آپ نے رہنے دیئے مگر رات بھر جاگتے رہے یہاں تک کہ آخر شب میں ان کو تقسیم فرمایا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اس وقت آپ کو نیند آئی۔ حتیٰ کہ میں نے آپ کے خراٹے کی آواز سنی

اح ابوداؤد ترمذی وابن ماجہ ۱۲- ۲ح ترمذی در شمائل بروایت ام المومنین صفیہ رض ۱۲- ۳ح بخاری ومسلم بروایت عمر فاروق ۱۲- ۴ح یہ حدیث بہ ہیئت مجموعی نہیں ملی مگر آپ کا تشریف لے جانا فاطمہ زہرا کے پاس اور گھر کے کونے میں پردہ منقش دیکھ کر پھر آنا ابوداؤد وابن ماجہ نے بروایت سعید نقل کیا ہے اور نسائی نے بروایت ثوبان نقل کیا ہے کہ آپ نے حضرت فاطمہ زہرا کے ہاتھ میں سونے کی زنجیر دیکھ کر فرمایا کہ لوگ کہیں گے کہ فاطمہ بنت محمد کے ہاتھ میں آگ کی زنجیر ہے اور وہاں سے چلے آئے اور نہ بیٹھے حضرت فاطمہ نے اس کو بیچ کر ایک غلام لیا اور آزاد کر دیا آپ نے سن کر فرمایا کہ خدا کا شکر ہے کہ فاطمہ کو آگ سے نجات دی ۱۲- ۵ح ترمذی ونسائی بروایت عائشہ رض ۱۲ ۶ح ابن حبان او راخلاق النبی یعنے بروایت عائشہ رض اور اس میں ایک راوی مختلف فیہ ہے اور اس باب میں معروف حدیث حفصہ کی ہے جو پہلے گزری ۱۲ ۷ح احمد نے بروایت عائشہ اس کے قریب روایت کی ہے ۱۲

پھر فرمایا کہ اگر یہ درم میرے پاس رہ جاتے اور میری وفات ہو جاتی تو میرا گمان اپنے پروردگار پر کیا ہوتا اور حضرت حسن فرماتے ہیں کہ میں نے ستر نیک بندے ایسے دیکھے ہیں کہ ان کے پاس بجز ایک کپڑے کے اور کچھ نہ تھا۔ ان میں سے کسی نے زمین پر کوئی کپڑا نہیں بچھایا جب سونا چاہا زمین ہی پر اپنا جسم لگا کر کپڑا اپنے اوپر ڈھانک لیا۔ پانچویں ضرورت نکاح ہے اس باب میں کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اصل نکاح اور کثرت نکاح میں زہد کے کچھ معنی نہیں اور یہی قول سہل تستری کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب سید الزاہدین صلی اللہ علیہ وسلم کو عورتیں پسند تھیں تو ہم ان میں زہد کیسے کر سکتے ہیں اور اسی قول پر ان کی موافقت ابن عیینہ نے کی ہے اور فرمایا ہے کہ صحابہ میں سے زاہد تر حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے ان کی چار بیبیاں اور کچھ اوپر دس لونڈیاں تھیں اور صحیح اس باب میں قول سلیمان دارانی کا ہے کہ جو چیز اللہ تعالے سے روکے خواہ بی بی ہو یا مال یا اولاد وہ آدمی کے لئے بری ہے اور کبھی عورت بھی خدائے تعالے سے روکا کرتی ہے اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ بعض احوال میں مجرد رہنا افضل ہے۔ جیسا کہ باب النکاح میں بیان ہوا تو اس صورت میں نکاح نہ کرنا داخل زہد ہے۔ اور جس جگہ زور شہوت کے دفع کے لئے نکاح افضل ہے تو ایسا نکاح واجب ہے اس کو ترک کرنا زہد میں کیسے ہو سکتا ہے۔ ہاں اگر نکاح نہ کرنے سے کوئی آفت نہ ہوتی ہو نہ اس کے کرنے سے کچھ قباحت ہو۔ مگر ترک اس لئے کرے کہ دل کا میل عورتوں کی طرف نہ ہو جائے اور ایسا مانوس نہ ہو جس میں انس الٰہی میں خلل پڑے تو البتہ چھوڑنا نکاح کا زہد میں سے ہے پس اگر یہ معلوم ہو کہ عورت خدائے تعالے سے نہ روکے مگر ترک نکاح صرف لذت نظر اور ہم بستری اور مباشرت سے بچنے کے لئے ہو تو یہ زہد نہیں ہے اس واسطے کہ مقصود نکاح اولاد ہے جو بقائے نسل اور امت محمدی کے بڑھانے میں موجب ثواب ہے اور جو لذت کہ انسان کو ایسی چیز میں حاصل ہو جو وجود میں ضروریات سے ہے وہ اگر مقصود بالذات نہ ہو تو کچھ ضرر نہیں کرتی اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی روٹی کھانے اور پانی پینا اس وجہ سے چھوڑ دے کہ کھانے اور پینے کی لذت سے بچا رہوں گا تو یہ زہد میں داخل نہیں اس واسطے کہ اس میں اپنے بدن کا ہلاک کرنا ہے ایسا ہی ترک نکاح میں اپنی نسل کو کاٹ ڈالنا ہے تو صرف لذت کے بچاؤ کی جہت سے نکاح چھوڑنا نہ چاہیئے جب تک کہ کسی اور آفت کا خوف نہ ہو اور یہی مراد حضرت سہل تستری کی ہے اور یہی وجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کی تھی اور جب یہ امر ثابت ہوا تو جس شخص کا حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سا ہو اس باب میں کثرت عورتوں کی مانع شغل قلبی نہ ہو اور دل کو ان کے اصلاح اور خرچ میں لگائے نہ رکھے تو ایسا شخص اگر صرف لذت صحبت سے بچنے کے لئے نکاح نہ کرے تو اس کا زہد کسی کام کا نہیں مگر یہ بات بدون انبیاء اور اولیاء کے دوسرے کو کہاں میسر ہے اب تو اکثر لوگوں کا یہ حال ہے کہ عورتوں کی کثرت ان کے دل کو مشغول کر دیتی ہے تو اس وقت میں بھی مناسب ہے کہ سرے سے نکاح ہی نہ کرے اور اگر خوف دل کے مشغول ہونے کا نہ ہو لیکن یہ خوف ہو کہ ایک سے زیادہ ہوں گی یا خوبصورت ہوں گی تو دل نہیں مانے گا اسی کی طرف ہو رہے گا تو چاہیئے کہ ایک عورت سے نکاح کرے جو خوبصورت نہ ہو اور اپنے دل کی رعایت اس میں ضرور کرے اور حضرت ابو سلیمان دارانی فرماتے ہیں کہ عورتوں میں زہد یہ ہے کہ جو عورت حقیر ہو یا یتیم اس کو خوبصورت اور شریف عورت پر ترجیح دے اور اسی سے نکاح

کرے اور حضرت جنید فرماتے ہیں کہ میں مرید مبتدی کے لئے یہ پسند کرتا ہوں کہ اپنا دل تین چیزوں میں نہ لگائے ورنہ اس کا حال بدل جائے گا اول پیشہ کرنا دوم طلب حدیث سوم نکاح کرنا اور فرمایا کہ صوفی کے لئے میں پسند کرتا ہوں نہ لکھے نہ پڑھے اسی لئے کہ اس سے ہمت مٹتی نہیں غرض کہ جب معلوم ہوا کہ نکاح کی لذت مثل غذا کی لذت کے ہے تو ثابت ہوا کہ ان دونوں لذتوں میں سے جون سی خدا کے روکنے والی ہوگی وہ ممنوع اور پرخطر ہے۔ چھٹی ضرورت وہ ہے جو وسیلہ ان پانچوں ضروریات کے حاصل کرنے کا ہو اور وہ مال اور جاہ ہے۔ جاہ کے معنی تو یہ ہیں کہ دلوں کا مالک ہونا اس طرح کہ ان کے اندر اپنی جگہ ڈھونڈھنی تاکہ اس کے ذریعہ سے لوگ اغراض و اعمال میں کام آئیں اور جو شخص کہ سب کام اپنے کام خود نہیں کر سکتا اور دوسرے کی خدمت کا محتاج ہے تو ضروری ہے کہ اس کا کچھ جاہ خادم کے دل میں ہونا چاہیئے اس لئے کہ اگر خدمت گزار کے دل میں اس کی قدر و منزلت نہ ہوگی تو وہ خدمت کیوں کرے گا اور اسی قدر و منزلت کا دل میں ہونا جاہ کہلاتا ہے اور اس کا آغاز تو نیک ہی . . . . ہے مگر انجام کی نوبت ایسے گڑھے تک پہنچا دیتا ہے جس کی کچھ تھاہ نہیں اور کاجل کی کوٹھری میں گھسنے سے عجب نہیں کہ داغ لگ جائے۔ اب جاننا چاہیئے کہ لوگوں کے دلوں میں جگہ کرنی یا تو کسی نفع کے حاصل کرنے کے لئے ہوتی ہے یا ضرر کے دفع کرنے کے لئے یا کسی ظلم سے چھوٹنے کے لئے پس مال کے ہوتے ہوئے تو نفع کی کچھ ضرورت نہیں اس لئے کہ اجرت پر جو شخص خدمت کرتا ہے وہ خدمت کرے گا۔ اگرچہ آقا کی قدر و منزلت اس کے دل میں نہ ہو۔ ہاں جو شخص بے اجرت خدمت کرتا ہے اس کے دل میں جگہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور دفع ضرر کے لئے حاجت جاہ کی ایسے شہر میں ہے کہ جہاں عدل خوب نہ ہو یا ایسے ہمسایوں میں رہنا ہو کہ وہ اس کو ستاتے ہوں اور یہ اس کے شر کو دفع نہ کر سکتا ہو۔ بجز اس کے کہ ان کے دلوں میں جگہ ہو جائے یا بادشاہ کے نزدیک کچھ رتبہ ہو جائے اور اس طرح کہ جاہ میں مقدار ضرورت کی کچھ معین نہیں خصوصاً جب کہ اس میں خوف اور سوء ظن انجام کا ملا ہوا ہو اور طلب جاہ میں چلنے والا طریق سالک ہلاکت کا سالک ہے۔ بلکہ زاہد کو شایاں یہی ہے کہ دلوں میں ہرگز جگہ کا طالب نہ ہو اس لئے کہ اس کا دل عبادت اور دین میں لگا رہتا ہے دلوں میں وہ جگہ کر دے گا کہ جس سے اس کو ایذاء نہ پہنچے گو کافروں ہی میں رہتا ہو۔ مسلمانوں میں تو بطریق اولیٰ ایذاء نہ ہوگی باقی توہمات اور خیالات اور مفروضات جن سے آدمی زیادتی جاہ کا خواہاں ہوتا ہے بہ نسبت اس مقدار کے کہ خود بخود حاصل ہو گیا ہو تو اس طرح کے احتمالات سب جھوٹے وہم ہیں۔ کیونکہ جو شخص طالب جاہ کا ہوگا وہ بھی تو بعض احوال میں ایذا سے نہیں بچے گا۔ پس علاج اس کا صبر اور بردباری سے کرنا اس کی نسبت بہتر ہے کہ طلب جاہ سے کیا جائے۔ حاصل یہ کہ دلوں میں جگہ کرنے کی طلب کے لئے ہرگز اجازت نہیں کہ تھوڑی مقدار اس میں سے بہت کی مقتضی ہوتی ہے اور اس کی عادت شراب کی عادت سے بھی سخت تر ہے تو اس کے تھوڑے اور بہت سب سے بچنا چاہیئے اور مال زندگی کے لئے ضروری ہے مگر تھوڑا سامان کافی ہے پس اگر کوئی شخص پیشہ ور ہو تو جب ایک روز کی حاجت کے موافق حاصل کرے تو چاہیئے کہ پھر کام نہ کرے بعض اکابر کا دستور تھا کہ جب دو حبّہ یعنے مقدار پانچ چھ آنہ کے کما لیتے تھے تو اپنا کام بڑھا کر اٹھ کھڑے ہوتے تھے یہ شرط زہد کی ہے پس اگر اس سے تجاوز

کیا اور اس قدر پر نوبت پہنچی جو برس روز سے زیادہ کے لئے کافی ہو تو یہ ضعیف زاہدوں میں رہے گا نہ قوی میں اگر اس کے پاس کوئی زمین ہو اور اس کو توکل پر خوب یقین نہ ہو اور اس قطع زمین سے اتنا رکھ چھوڑے جس کی پیدا وار سال بھر کو کافی ہو تو اس سے زہد کی حد سے خارج نہ ہوگا بشرطیکہ جو کچھ سال کے خرچ کافی سے بچے اس کو صدقہ کر دے۔ مگر ایسا شخص ضعیف زاہدوں میں سے ہے اور اگر تزہد میں سے توکل کی شرط ہو جیسے حضرت اویس قرنی کی ہے تو یہ شخص زاھد نہیں اور جو ہم کہتے ہیں کہ کوئی شخص یہ کام کرنے سے زاہدوں کی حد سے نکل جائے گا اس سے ہماری غرض یہ ہے کہ کہ جو کچھ قیامت میں عمدہ مقامات کا وعدہ زاہدین کو ہے اس کو نہ ملے گا ورنہ زہد کا نام اس پر بلحاظ اس چیز فضول کے جس چیز میں زہد کیا ہے نہ جائے گا اور تنہا آدمی کا معاملہ اسباب میں بہ نسبت عیالدار کے خفیف تر ہے اور حضرت ابو سلیمان دارانی فرماتے ہیں کہ آدمی کو نہیں چاہیئے کہ اپنے گھر والوں سے بزور زہد کرائے بلکہ چاہیئے کہ ان کو زہد کے لئے کہے اگر مانیں فبہا ورنہ ان کو رہنے دے اپنے آپ جو چاہے کرے یعنی شرط تنگی کی زاہد پر اسی پر خاص ہے۔ عیال پر اس کے ذمہ لازم نہیں کہ تنگی کرے ہاں اس کو یہ نہ چاہیئے کہ ایسی بات ان کی مانیں جو اس کو حد اعتدال سے نکال دے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو حضرت فاطمہ زہرا کے گھر سے پردہ اور دو کنگن دیکھ کر پھر گئے تھے۔ اس سے یہ امر سیکھنا چاہیے کیونکہ وہ زینت ہی تھی حاجت کی چیز نہ تھی مگر جو باتیں کہ آدمی ان کی طرف جاہ و مال سے مضطر ہوتا ہے وہ ممنوع نہیں بلکہ زائد از حاجت سم قاتل ہے اور جو کافی بقدر ضرورت ہے وہ دوا نافع ہے اور ان کے درمیان درجات متشابہ ہیں پس جو درجہ زیادتی سے قریب ہے گو سم قاتل نہ ہو مگر مضر ہے اور جو حد ضرورت سے قریب ہے اگرچہ دوائے نافع نہیں لیکن اس کا ضرر کم ہے اور زہر کا پینا حرام ہے اور دوا کا پینا فرض ہے اور ان کے درمیان کا حکم مشتبہ ہے جو احتیاط کرے گا وہ اپنے واسطے کرے گا اور جو سستی کرے گا وہ اپنے لئے کرے گا اور جو شخص اپنے دین کی صفائی مدنظر رکھ کر شبہے کی چیزوں کو چھوڑ کر یقین اختیار کرے گا اور اپنے نفس کو ضرورت کی تنگی پر روک رکھے گا تو وہ محتاط اور فرقہ ناجیہ میں سے ہے اور جو شخص قدر ضرورت پر اکتفا کرتا ہو اس کو دنیا دار کہنا جائز نہیں بلکہ اس قدر دنیا کا ہونا تو عین دین ہے اس لئے کہ دین کی شرط ہے اور شرط منجملہ مشروط کے ہی سمجھی جاتی ہے اور اس امر کی تائید پر روایت بھی دال ہے جو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حال میں منقول ہے کہ آپ کو ایک بار کچھ حاجت پیش ہوئی آپ اپنے ایک دوست کے پاس تشریف لے گئے تاکہ اس سے کچھ قرض لیں مگر اس نے کچھ قرض نہ دیا آپ نہایت مغموم پھرے اللہ تعالے نے وحی بھیجی کہ اگر اپنے خلیل سے یعنی خدائے تعالے سے مانگتے تو تم کو ضرور ملتا عرض کیا کہ الٰہی مجھے معلوم تھا کہ تجھ کو دنیا ناپسند ہے اس لئے اس میں سے مانگتے ہوئے ڈر معلوم ہوا حکم ہوا کہ حاجت یعنے مقدار ضرورت دنیا میں سے نہیں۔ انتہی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقدار ضرورت داخل دین ہے اور جو اس کے سوا ہو وہ آخرت میں وبال ہے اور دنیا میں بھی وبال ہے جو شخص اغنیا کا حال دیکھتا ہے کہ کس قدر محنت و زر و مال کے حاصل کرنے اور اس کے جوڑتے اور حفاظت کرتے اور ذلت اُٹھانے میں پڑتی ہے وہ جانتا ہے کہ مال کا دنیا میں وبال ہونا درست بات ہے نہایت

درجہ فلاح کا مال سے یہ ہے کہ وہ مالدار کے وارثوں کو پہنچے اور وہ اس کو کھائیں مگر وہ بعض اوقات مورث کے دشمن ہوا کرتے ہیں اور کبھی اس مال کو گناہ میں صرف کیا کرتے ہیں تو گویا مورث ہی ان کا مددگار اس گناہ پر ہوگا، مال دنیا کا جمع کرنے والا اور شہوات کا طالب ایسا ہے جیسے ریشم کا کیڑا کہ اول اپنے اوپر ریشم تنتا جاتا ہے پھر اس میں سے نکلنا چاہتا ہے مگر بچاؤ کی صورت نہیں پاتا اور وہاں ہی مر جاتا ہے اور باعث اپنی موت کا آپ ہی ہوتا ہے۔ خود کردہ را چہ علاج اسی طرح جو شخص شہوات دنیا کا تابع ہوتا ہے وہ اپنے دل پر زنجیریں جکڑتا ہے اور جتنے شہوات ہیں مال اور جاہ اور زن و فرزند اور اعدا کو برا کہنا اور دوستوں سے ریا کرنا وغیرہ یہ سب جدا جدا بیڑیاں ہیں کہ دل پر پڑ جاتی ہیں اب اگر اس شخص کو اپنی غلطی معلوم ہو اور دل میں خطرہ رجوع کا آئے اور نکلنا چاہئے تو نہیں نکل سکے گا۔ دل پر وہ بیڑیاں اور طوق دیکھے گا کہ ان کا کاٹنا مشکل ہے اور اگر بالفرض ایک محبوب چیز اپنی خواہش کی چیزوں میں سے اپنے اختیار سے چھوڑ دے گا تو گویا اپنی جان کو تلف کرے گا اور خود اپنے ہاتھ سے اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارے گا اور اسی حال میں رہے گا یہاں تک کہ ملک الموت یک بارگی سب محبوب چیزوں سے دم کے دم میں علیحدہ کر دے گا اور اس وقت عجب صورت پیش آئے گی کہ دل تو دنیا کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہوگا جو چھوٹنے کو ہے اور ملک الموت کے پنجے دل کی رگوں میں گھسے ہوئے اس کو آخرت کی طرف کھینچیں گے اور زنجیریں دنیاوی اس کو دنیا کی طرف کشش کریں گی تو اس شخص کا ادنیٰ حال مرنے کے وقت ایسا جاننا چاہیئے جیسے کسی شخص کے نصف جسم کو آرہ سے چیر کر دو طرف سے دو آدمی پکڑ کر کھینچیں اور علیحدہ کریں اور اس میں بھی یہ ہے کہ جو شخص آرہ سے چیرا جائے گا تو ایذا اس کے بدن کو ہوگی اور یہ ایذا دل میں بطریق سرایت پہنچے گی اور بدن کے ذریعہ سے دل کو بھی درد معلوم ہوگا۔ بخلاف اس صورت موت کے کہ اس میں تکلیف خاص دل ہی پر ہوتی ہے کسی غیر چیز سے سرایت کر کے نہیں آتی تو ایسے رنج کا کیا ٹھکانا ہے غرض کہ یہ اول عذاب ہے کہ آدمی کو ملے گا اور اعلیٰ علیین اور قرب رب العالمین کا فوت ہو جانا۔ اس کی حسرت رہنی یہ بعد کو ہوگی بس دنیا کی طرف میل کرنے سے خدائے تعالیٰ کے دیدار سے محروم رہے گا اور جو وہاں سے محجوب ہوتا ہے اس پر آگ دوزخ کی مسلط ہوتی ہے کیونکہ وہ صرف محجوب پر ہی مسلط ہوا کرتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اح کلا انھم عن ربھم یومئذ لمحجوبون ثم انھم لصالوا الجحیم اس آیت میں عذاب دوزخ کو بعد تکلیف حجاب کے فرمایا اور اگر صرف حجاب کا ہی . . . . . عذاب دیا جائے اور دوزخ کا عذاب نہ ہو تو وہی ایک کافی ہے اور جب دونوں ایک ساتھ ہی ہوں تو کیا حال ہوگا ہم خدائے تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں کہ ہمارے کانوں میں وہی بات جما دے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس مبارک میں پھونک دی تھی یعنے آپ سے فرمایا گیا تھا ۲ح احبب من احببت فانک مفارقہ اور آزا انجا کہ اولیاء اللہ کو معلوم ہو گیا تھا کہ آدمی

اح کوئی نہیں وہ اپنے رب سے روکے جائیں گے۔ پھر وہ مقرر بیٹھنے والے ہیں دوزخ کے ۱۲۔

۲ح دوست رکھ جس کو تو چاہے تجھ کو اس سے جدا ہونا ضروری ہے ۱۲ یہ حدیث پہلے گزر چکی۔

اپنے اعمال اور اتباع خواہش نفسانی سے اپنے آپ کو ریشم کے کیڑے کی طرح ہلاک کرتا ہے اس لئے انہوں نے دنیا کو یکلخت ترک کر دیا یہاں تک کہ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ میں ستر بدر کے لوگوں کو ایسا دیکھا ہے کہ جو چیز ان پر حلال تھی اس میں زہد اتنا کرتے تھے کہ تم اتنا حرام چیزوں میں بھی نہیں کرتے اور ایک روایت میں یوں ہے کہ وہ مصیبت کے وقت اتنا خوش رہا کرتے کہ تم اتنا حرام حالت ارزانی و وسعت میں بھی نہیں رہتے اگر تم ان کو دیکھو تو دیوانہ جانو اور اگر وہ لوگ تمہارے کسی اچھے شخص کو دیکھیں تو کہیں کہ اس کو دین سے کچھ بہرہ نہیں اور اگر تم میں سے برون کو دیکھیں تو کہیں کہ یہ قیامت پر ایمان نہیں رکھتے اور اگر ان میں سے کسی کے سامنے مال حلال پیش کیا جاتا تھا تو نہ لیتے تھے اور کہتے تھے کہ مجھے یہ خوف ہے کہ میرا دل نہ بگاڑ دے پس جو اہل دل ہو گا وہ بالضرور اس کے بگڑنے سے بھی نہ ڈرے گا اور جن لوگوں کے دلوں کو دنیا کی محبت کو مردہ کر دیا ہے ان کا خدائے تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے[1] ورضوا بالحیوۃ الدنیا واطمئنوا بہا والذین ھم عن ایاتنا غفلون اور فرمایا[2] ولا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا واتبع ھواہ وکان امرہ فرطا اور فرمایا[3] فاعرض عن من تولی عن ذکرنا ولم یرد الا الحیوۃ الدنیا ذلک مبلغھم من العلم ان آیتوں میں ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کی سب باتیں غفلت اور نادانستگی کی وجہ سے ہیں اور بایں لحاظ ایک شخص نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپ مجھ کو اپنے سفر میں ساتھ رکھئے انہوں نے فرمایا کہ اپنا مال دے کر میرے ساتھ ہو جانا اس نے عرض کیا کہ یہ تو مجھ سے نہیں ہو سکتا آپ نے فرمایا کہ غنی جنت میں تعجب ہے کہ داخل ہو اور ایک روایت میں یوں ہے غنی جنت میں بڑی مشکل سے داخل ہو گا اور بعض اکابر نے فرمایا کہ ہر روز جب آفتاب نکلتا ہے چار فرشتے اطراف دنیا میں چار آوازیں دیتے ہیں دو فرشتے مشرق میں اور دو مغرب میں مشرق کا ایک فرشتہ کہتا ہے کہ اے طالب خیر قدم بڑھا اور اے طالب شر بس کر اور دوسرا کہتا ہے کہ الٰہی دینے والے کو عمدہ خوش عنایت فرما اور بخیل کو بربادی مرحمت فرما اور مغرب کا ایک فرشتہ کہتا ہے کہ موت کے واسطے پیدا ہو اور اجڑنے کے لئے عمارت بناؤ اور دوسرا کہتا ہے کہ لمبے حساب کے لئے کھاؤ اور نفع اٹھاؤ۔

زہد کی علامت

جاننا چاہیے کہ کبھی یہ گمان ہوتا ہے کہ مال کا تارک زاہد ہے حالانکہ ایسا نہیں کیوں کہ مال کو چھوڑنا اور اس سے بردا شتگی ظاہر کرنی ایسے شخص پر جو زہد پر مدح کو اچھا جانے بہت آسان ہے۔ دیکھو اکثر راہب ہیں کہ انہوں نے اپنے نفسوں کو تھوڑی سی غذا کا عادی کر لیا ہے اور ایک بندی خانے میں بیٹھنا لازم کر لیا ہے ان کی خوشی صرف یہی ہے کہ لوگ ہمارا حال جانیں اور دیکھ کر تعریف کریں پس صرف مال چھوڑنے سے دلیل قطعی زہد کی کہاں رہی بلکہ زہد مال اور جاہ دونوں سے ضروری ہے تاکہ اور سب خطوط نفسانی میں زہد پورا ہو ایک اور طرف امر یہ ہے کہ بعض لوگ بڑے عمدہ پشمینے کے لباس اور بڑھیا کپڑے پہن کر دعویٰ زہد کا کرتے ہیں چنانچہ ابراہیم خواص ان مدعیوں کے وصف میں فرماتے ہیں کہ ایک کچھ لوگ دعویٰ زہد کا کرتے ہیں اور پوشاک عمدہ پہن کر لوگوں کو دھوکا دیتے

---

[1] اور راضی ہوئے دنیا کی زندگی پر اور اسی پر چین پکڑا اور جو ہماری قدرتوں سے خبر نہیں رکھتے ۱۲ ت [2] اور نہ کہا مان اس کا جس کا دل غافل کیا ہم نے اپنی یاد سے اور پیچھے لگا ہوا ہے اپنے چاؤ کے اور اس کا کام ہے اپنی حد پر نہ رہنا ۱۲ ت [3] سو تو دھیان اس پر جو منہ موڑے ہماری یاد سے اور کچھ نہ چاہے مگر دنیا کا جینا یہاں ہی تک پہنچی ان کی سمجھ ۱۲ ت

ہیں تاکہ ان کو کوئی پوشاک بھیجے تو ویسی ہی بھیجے اور ان کی طرف فقیروں کی طرح نہ دیکھے اور حقیر جان کر کچھ مسکینوں کی طرح دیدے اور ایسے لوگ اپنے آپ کو متبع علم کا کہتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ہم طریق سنت پر ہیں چیزیں ہمارے پاس آتی ہیں ہمکو ان سے سروکار کچھ نہیں حالانکہ اگر واقع میں دیکھا جائے تو دوسروں کا روگ اپنے آپ لیتے ہیں یہ سب کے سب دنیا کے بدلے دین کو کھاتے ہیں ان کی مراد اپنے باطنوں کا تصفیہ ہے اور اپنے نفسوں کے عادات کی تہذیب نہیں ان پر ان کی صفات اظاہر ہو کر غالب ہو گئیں پس انھوں نے اس کو اپنا حال کہہ دیا یہ لوگ دنیا کے راغب اور پیروے ہوائے نفسانی کے ہیں۔ انتہی غرض کہ پہچاننا زہد کا ایک مشکل بات ہے بلکہ زہد کا حال زاہد پر بھی مشتبہ رہتا ہے زاہد کو چاہیئے کہ اپنے باطن میں تین علامتوں پر اعتماد کرے اول پہچان یہ ہے کہ موجود پر خوش نہ ہو نہ مفقود پر رنجیدہ ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لکیلا تاسوا علی مافاتکم ولا تفرحوا بما اتاکم بلکہ اس کے برعکس ہونا چاہیئے کہ مال کے ہونے سے رنجیدہ ہو اور جاتے رہنے سے خوش ہو دوسری بات یہ ہے کہ اس کے نزدیک برا کہنے والا اور تعریف کرنے والا برابر ہو اول بات علامت مال میں زہد کی ہے اور دوسری جاہ میں زہد کی ہے تیسری پہچان یہ ہے کہ انس اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو اور دل پر حلاوت طاعت کی غالب رہے کیونکہ دل حلاوت محبت سے خالی نہیں رہتا ہے یا محبت دنیا کی اس میں رہتی ہے یا محبت اللہ تعالیٰ کی ان دونوں کا حال دل میں ایسا ہے جیسے پیالہ میں پانی اور ہوا کا حال ہوتا ہے کہ پانی جب اس میں آتا ہے جب تو ہوا اس میں سے نکل جاتی ہے دونوں اکٹھا نہیں ہوتے اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے مانوس ہوتا ہے وہ اس میں مصروف رہتا ہے دوسری چیز میں مشغول نہیں ہوتا اور اسی وجہ سے جب بعض اکابر سے کسی نے پوچھا کہ زہد نے زاہدوں کو کہاں تک پہنچا دیا فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مانوس ہونے تک اور خدائے تعالےٰ کا انس اور دنیا کا انس جمع نہیں ہوتے چنانچہ اہل معرفت کا قول ہے کہ جب ایمان ظاہر دل پر لگا رہتا ہے تو دنیا و آخرت دونوں سے محبت کرتا ہے اور دونوں کے لئے کام کرتا ہے مگر جب ایمان دل کے سیاہ نقطے میں چلا آتا ہے اور اس میں رہنے لگتا ہے تو دنیا سے بغض کرتا ہے اور اس کی طرف نگاہ نہیں کرتا نہ اس کے لئے عمل کرتا ہے اور اسی واسطے حضرت آدم علیہ السلام کی دعا منقول ہے اللھم انی اسالك ایمانا یباشر قلبی اور حضرت سلیمان فرماتے ہیں جو اپنے نفس میں مشغول ہوگا وہ آدمیوں سے بے خبر ہوگا اور یہ مقام عمل کرنے والوں کا ہے اور جو شخص اپنے رب میں مشغول ہوگا وہ اپنے نفس سے بے خبر ہوگا یہ رتبہ عارفین کا ہے شعر۔

اگر یارے از خویشتن دم مزن ؛ کہ شرک است با یار و با خویشتن

زاہد کے لئے ضروری ہے کہ ان دونوں مقاموں میں سے ایک میں رہے پہلا مقام یہ ہے کہ اپنے نفس میں لگا ہے اس حال میں اس کے نزدیک تعریف و مذمت اور وجود مال اور عدم برابر ہوں گے اور تھوڑا سا مال رکھنے سے اس کے زہد کا جاتا رہنا نہ پایا جائے گا۔ ابن ابی الحواری کہتے ہیں کہ میں نے ابو سلیمان سے پوچھا کہ کیا حضرت داؤد طائی زاہد تھے انھوں نے فرمایا کہ البتہ میں نے سنا ہے کہ ان کے باپ کے ترکے میں سے بیس دینار پہنچے تھے ان کو انھوں نے بیس برس میں خرچ کیا تھا وہ زاہد کیسے ہوئے وہ تو دینار رکھتے تھے آپ نے فرمایا کہ تمہاری غرض یہ ہے کہ وہ حقیقت زہد کو پہنچ جاتے۔ حقیقت سے

ف ۱۔ تم غم نہ کھایا کرو اس پر جو ہاتھ نہ آیا اور ریجھا کرو اس پر جو تم کو اس نے دیا ۱۲ ح الٰہی میں تجھ سے سوال ایسا بیان کرتا ہوں جو میرے دل کے ساتھ رہے ۱۲

مراد حضرت ابو سلیمان کی انتہا تھی یعنی زہد کی کچھ انتہا نہیں اس لئے کہ صفات نفس کے بہت ہیں اور زہد کامل جبھی ہوتا ہے جب صفات میں زہد کرے پس جو شخص کہ دنیا میں سے کسی چیز کو باوجود قدرت کے صرف اپنے دل اور دین کے خوف سے چھوڑے گا اس کو اسی قدر زہد سے بہرہ ہوگا اور انتہا یہ ہے کہ ماسوا اللہ سب کو ترک کر دے یہاں تک کہ پتھر پر بھی سر نہ رکھے جیسے حضرت عیسٰی علیہ السلام نے کیا تھا ہم خدا تعالٰے سے دعا مانگتے ہیں کہ ہم کو زہد کا اوّل ہی درجہ نصیب فرمائے انتہا کے درجات کی طمع تو ہم جیسوں کو کہاں ہو سکتی ہے اگرچہ خدائے تعالٰے کے فضل سے امید توڑنے کی اجازت نہیں اور اگر ہم اپنے اوپر عجائب نعمائے الٰہی کو لحاظ کریں تو جانیں کہ اس کے نزدیک کوئی چیز بڑی نہیں پس اگر اس کے وجود کے اعتبار سے کہ ہر ایک کمال سے بڑھ کر ہے ہم بھی اپنی حیثیت سے بڑھ کر سوال کریں تو کچھ دور نہیں جب یہ معلوم ہوا کہ زہد کی علامات فقر اور غنا اور عزت و ذلت اور تعریف اور مذمت کا یکساں ہونا ہے اور یہ بات غلبہ انس الٰہی سے ہوتی ہے تو اب جاننا چاہیئے کہ اس سے بالضرور اور علامات متفرع ہوتے ہیں مثلاً دنیا کو ترک کرے اور یہ نہ پروا ہو کہ کس کے پاس گئی اور بعضوں نے فرمایا کہ علامات زہد کی تین ہیں کہ دنیا کو جیسی کی تیسی چھوڑ دے یہ نہ کہے کہ میں سرائے بناؤں گا یا مسجد بنوا دوں گا اور یحیٰی بن معاذ کہتے ہیں کہ زہد کی علامت موجود چیز کی سخاوت ہے اور ابن خفیف کہتے ہیں کہ زہد کی علامت یہ ہے کہ جب چیز ہاتھ سے جائے تب یہ راحت پائے یہ بھی انہی کا قول کہ بلا تکلف دنیا سے علیحدہ ہونا اور اعراض کرنا زہد ہے اور حضرت ابو سلیمان فرماتے ہیں کہ اون ایک نشان ہے زہد کی نشانیوں میں سے پس نہ چاہیئے کہ تین درم کا کمل پہنے اور دل میں رغبت پانچ درم کمل کی ہو اور حضرت امام احمد بن حنبل اور حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ زہد کی علامت امل کو کوتاہ کرتی ہے۔ سری فرماتے ہیں کہ زاہد کا جینا اچھا نہیں ہوتا جب اپنے نفس سے بے خبر ہو اور عارف کا عیش اچھا نہیں ہوتا جب کہ اپنے نفس میں مشغول ہو اور نفس آبادی کہتے ہیں کہ زاہد دنیا میں مسافر ہے اور عارف آخرت میں اور یحیٰی بن معاذ فرماتے ہیں کہ زہد کی تین علامتیں ہیں عمل کرنا بلا علاقہ اور قول بدون طمع اور عزت بدون ریاست اور یہی انہی کا قول ہے کہ زاہد تم کو سرکہ اور رائی سونگھاتا ہے اور عارف مشک و عنبر ان سے ایک شخص نے پوچھا میں توکل کی دکان میں آ کر چادر زہد کی کب اوڑھوں گا اور زاہدوں میں کب بیٹھوں گا انہوں نے فرمایا کہ جب باطن میں تیرے نفس کی ریاضت اس درجہ کو پہنچ جائے گی کہ اگر اللہ تجھ سے تین دن رزق علیحدہ رکھے تو تیرے جی میں یقین ضعیف نہ ہو اور جب تک اس درجہ کو نہ پہنچے تو تجھ کو زاہدوں کے فرش پر بیٹھنا جہالت ہے پھر یہ بھی خوف ہے کہ کہیں رسوا نہ ہو اور یہ بھی فرمایا کہ دنیا مثل دلہن کے ہے اور جو اس کو طلب کرتا ہے وہ اس کی مشاطہ ہے اور جو کوئی اس میں زہد کرتا ہے وہ اس کا منہ کالا کرتا ہے اور بال نوچتا ہے اور کپڑے پھاڑتا ہے اور عارف اللہ تعالٰے سے مشغول رہتا ہے اس کی طرف التفات نہیں کرتا اور سری کہتے ہیں کہ زہد میں سے میں نے جو بات چاہی وہ مجھ کو ملی مگر آدمیوں میں زہد کرنے کو میں نہ پہنچا اور نہ اس کی مجھے طاقت ہے اور حضرت فضیل فرماتے ہیں اللہ تعالٰے نے سب برائی ایک کوٹھڑی میں بند کی اور اس کی کنجی محبت دنیا بنائی اور تمام خیر ایک کوٹھڑی میں بند کی اور اس کی کلید دنیا میں زہد کرنے کو بنایا۔ یہ بیان تھا جو ہم کو حقیقت زہد اور اس کے احکام میں لکھنا منظور تھا اور چونکہ زاہد بدون توکل تمام نہیں ہوتا اسی لئے اب ہم توکل کو شروع کرتے ہیں و باللہ التوفیق۔

پانچواں باب، توحید و توکل

رُباعی

گر تجھ کو ہے عقل رکھ توکل پہ قدم ⁂ توحید خدا کا ورنہ تو مار نہ دم
تدبیر کو کیا دخل ہے تقدیر میں جب ⁂ لکھنا تھا جو لکھ چکا تیرے حق میں قلم

واضح ہو کہ توکل دین کی منزلوں میں سے ایک منزل اور یقین کے مقامات میں سے ایک مقام بلکہ مقربین کے عالی درجات میں سے ہے اور وہ علم کی رو سے نہایت دقیق اور عمل کے اعتبار سے نہایت مشکل ہے سمجھنے کی رو سے اس کے باریک ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اسباب کا لحاظ کرنا اور ان پر تکیہ کرنا توحید میں شرک ہے اور اگر ان سے بالکل تساہل اور سستی کی جائے تو سنت پر طعن اور شریعت پر اعتراض ہوتا ہے اور اسباب کا لحاظ نہ بھی کرنا اور ان پر تکیہ بھی کرنا قیاس میں مشکل سے آتا ہے بلکہ ورطۂ جہالت میں پھنساتا ہے اسی لئے معنی توکل کے ایسی طرح سمجھنے کو مقتضائے توحید کے بھی موافق ہو اور عقل و شرع کے بھی مطابق نہایت باریک اور مشکل ہے اس کے واقف ہونے پر اس پوشیدگی اور دقت کے ہوتے ہوئے سوائے ایسے علماء کے جن کی آنکھ میں فضل الٰہی سے حقائق کا نور سمایا ہوا ہے اور کسی کی مجال نہیں البتہ بڑے علماء نے دیکھ کر معلوم کر لیا اور جو دیکھا سو بیان کیا جس طرح ان سے بیان کرایا گیا اس طرح انہوں نے کیا اور ہم اس باب میں ایک مقدمہ اور دو فصلیں لکھتے ہیں، مقدمے میں توکل کی فضیلت اور فصل اول میں توحید اور دوسری میں توکل کی حالت اور عمل لکھیں گے۔

(مقدمہ) توکل کی فضیلت

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ت۱۔ وعلی اللّٰہ فتوکلوا ان کنتم مومنین اور فرمایا ت۲ وعلی اللّٰہ فلیتوکل المتوکلون اور فرمایا ت۳ ومن یتوکل علی اللّٰہ فھو حسبہ اور فرمایا ت۴ ان اللّٰہ یحب المتوکلین پس ایسے مقام کا کیا کہنا ہے جو اس پر پہنچے وہ اللہ کا محب ہو اور اللہ تعالیٰ اس کا کفیل ہو۔ جس شخص کا خدا تعالیٰ کافی ہو اور محبت و محافظت کرے وہ بڑی فلاح والا ہے اس لئے کہ محبوب کو عذاب نہ ہوگا نہ دور رہے گا نہ محجوب ہوگا ایک آیت میں ارشاد ہے ت۵ الیس اللّٰہ بکاف عبدہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص طالب کفایت غیر سے ہو وہ توکل کا تارک ہے اور اس آیت کی تکذیب کرنے والا کیونکہ سوال استفہام اقراری کے طور پر ہے جیسے یہ آیت ہے ھل اتی علی الانسان حین من الدھر لم یکن شیئاً مذکوراً ت۶ پس غرضکہ

ت۱۔ اور اللہ پر بھروسا کرو اگر یقین رکھتے ہو ۱۲ ت۲۔ اور اللہ پر بھروسا چاہیئے بھروسے والے کو ۱۲ ت۳ اور جو کوئی بھروسا رکھے اللہ پر تو وہ اس کو بس ہے ۱۲
ت۴۔ اللہ چاہتا ہے توکل والوں کو ۱۲ ت۵ کیا اللہ بس نہیں اپنے بندوں کو ۱۲ ت۶ کبھی ہوا ہے انسان پر ایک وقت زمانے میں جو نہ تھا کچھ چیز تکرار میں آتی ۱۲

یہی ہے کہ بے شک اللہ تعالےٰ بندے کو کافی ہے اور فرمایا ت۱ - ومن یتوکل علی اللہ فان اللہ عزیز حکیم یعنی عزت والا ہے کہ جو کوئی اس کی پناہ میں آجائے اس کو ذلیل نہیں کرتا اور جو اس کی جناب میں ملتجی ہو اس کو تلف نہیں فرماتا اور ایسا حکیم ہے کہ جو اس کی تدبیر پر بھروسا کرتا ہے وہ اس کی تدبیر سے کوتاہی نہیں فرماتا ت۲ ان الذین تدعون من دون اللہ عباد امثالکم اس میں بیان فرمایا کہ ہر ایک ماسوا اللہ مسخر ہے اس کو بھی حاجت تمہاری جیسی حاجتوں کی ہوتی ہے تو اس پر توکل کیسے کیا جائے اور فرمایا ت۳ ان الذین تعبدون من دون اللہ لا یملکون لکم رزقا فابتغوا عند اللہ الرزق واعبدوہ اور فرمایا ت۴ وللہ خزائن السمٰوٰت والارض ولکن المنافقین لا یفقھون اور فرمایا ت۵ یدبر الامر ما من شفیع الا من بعد اذنہ اور سوا ان آیات کے جو کچھ قرآن مجید میں توحید کا مذکور ہے اس سب میں تنبیہہ ہے کہ غیر کا لحاظ نہ کرو اور اللہ تعالےٰ واحد قہار پر توکل کرو اور احادیث توکل کے باب میں یہ ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ح۶ نے فرمایا کہ مجھ کو موسم حج میں امتیں دکھائی گئیں میں نے اپنی امت کو دیکھا کہ ان سے سب پہاڑ اور نشیب بھر گئے ہیں مجھ کو ان کی کثرت اور ہیئت سے تعجب ہوا مجھ سے سوال ہوا کہ تو خوش ہوا میں نے کہا کہ البتہ حکم ہوا کہ ان کے ساتھ ستر ہزار اور جنت میں بے حساب داخل ہوں گے لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہوں گے آپ نے فرمایا ت۷ الذین لا یکتوون ولا یتطیرون ولا یسترقون وعلی ربہم یتوکلون اس کو سن کر عکاشہ بن محصن اٹھے اور عرض کیا کہ آپ خدائے تعالےٰ سے دعا مانگیں کہ اللہ تعالےٰ مجھ کو بھی انہیں لوگوں میں سے کرے آپ نے فرمایا ح۸ اللھم اجعلہ منہم یعنے الٰہی تو اس کو ان میں سے کر دے پھر دوسرا شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا کہ میرے واسطے بھی دعا فرمائیے کہ خدا تعالیٰ مجھ کو بھی ان میں سے کر دے آپ نے فرمایا کہ اس دعا میں تجھ سے سبقت عکاشہ کر چکا اور ایک حدیث شریف میں وارد ہے کہ اگر تم لوگ اللہ تعالےٰ پر جیسا چاہیئے ویسا توکل کرو تم کو خدائے تعالیٰ ایسی طرح روزی دے جیسے پرندوں کو دیتا ہے کہ صبح کو بھوکے اٹھتے ہیں اور شام کو شکم سیر ہو جاتے ہیں اور فرمایا ح۹ من انقطع الی اللہ عزوجل کفاہ اللہ تعالی کل مؤنۃ ویرزقہ من حیث لا یحتسب ومن انقطع الی الدنیا وکلہ اللہ الیہا اور ایک حدیث میں ارشاد ح۱۰ فرمایا کہ جس کو یہ اچھا معلوم ہو کہ سب لوگوں میں غنی زیادہ ہو جائے اس کو چاہیئے کہ اپنے سامنے کی چیز کی نسبت خدائے

ت۱ - اور جو کوئی بھروسا کرے اللہ تعالےٰ پر تو اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے ت۲ جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوائے بندے ہیں تم سے ۱۲- ت۳ - بے شک جن کو پوجتے ہو اللہ کے سوائے مالک نہیں تمہاری روزی کے سو تم ڈھونڈو اللہ کی روزی اور اس کی بندگی کرو ۱۲ ت۴ اور اللہ کے لئے ہیں خزانے آسمانوں کے اور زمین کے لیکن منافق نہیں بوجھتے ۱۲ ت۵ تدبیر کرتا کام کی کوئی سفارش نہ کر سکے مگر جو پہلے اس کا حکم ہو ۱۲ - ح۶ ابن منیع بروایت ابن مسعود و بخاری و مسلم بروایت ابن عباس ۱۲ ح۷ جو لوگ داغ نہیں کھاتے اور نہ شگون بد لیں اور نہ منتر چاہیں اور اپنے رب پر متوکل ہیں ۱۲ ح۸ ترمذی و حاکم بروایت بخاری و مسلم عمر فاروق ۱۲ ح۹ جو شخص اللہ تعالیٰ کا ہو رہتا ہے اس کو اللہ تعالےٰ ہر ایک مشقت سے بچا دیتا ہے ایسی جگہ سے اس کو دیتا ہے کہ وہ نہ جانے اور جو شخص دنیا کا ہو رہتا ہے اللہ تعالےٰ اسے اسی کے حوالہ کر دیتا ہے ۱۲ طبرانی در صغیر و بیہقی در شعب بروایت حسن عن عمران حصین اور اس اسناد میں ابراہیم بن الاشعث ہے اور ابو حاتم نے اس کو ضعیف کہا ہے ۱۲ ح۱۰ حاکم و بیہقی در زہد بروایت ابن عباس بہ سند ضعیف ۱۲ ۔

تعالیٰ کے پاس کی چیز پر زیادہ اعتماد کرے اور روایت[اح] ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کو جب فقر و فاقہ ہوتا تو ارشاد فرماتے کہ نماز کے واسطے کھڑے ہو جاؤ اور فرماتے کہ اسباب کا حکم مجھے میرے پروردگار نے دیا چنانچہ ارشاد فرمایا ت۲ وامر اھلک بالصلوٰۃ واصطبر علیھا اور ایک حدیث میں[۳ح] ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے تعویذ کرایا یا داغ دیا اس نے توکل کیا نہیں۔ یعنی ہر چند تعویذ کرنا قرآن مجید یا اور الفاظ سے جو شرع میں وارد ہیں اور جائز ہے مگر توکل چاہتا ہے کہ سرے سے اس بات کی طرف التفات نہ رہے کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو گوپھن میں رکھ کر آگ میں پھینکا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ آپ کو کچھ حاجت ہے تو آپ نے فرمایا کہ ہے مگر تم سے نہیں یہ اس واسطے کہا کہ جب ان کو آگ میں پھینکنے کے لئے پکڑا تھا تو انہوں نے فرمایا تھا[۴ح] حسبی اللہ ونعم الوکیل پس اس قول کا نباہ منظور تھا اسی وفا کے لئے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وابراھیم الذی وفی یعنی وہ ابراہیم جس نے بات کو پورا کیا اور حضرت داؤد علیہ السلام پر خدائے تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ اے داؤد جو شخص کہ صرف میری حبل متین سے تمسک کرے گا خلق سے سروکار نہ رکھے گا اگر اس کے ساتھ تمام آسمان و زمین دغا کریں گے تو میں اس کے لئے نکلنے کی راہ پیدا کر دوں گا اور آثار و اسباب میں یہ ہے کہ حضرت ...... سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ مجھ کو بچھو نے کاٹا ہے میری ماں نے مجھے قسم دلوائی کہ تو جھڑ والے میں جھاڑنے والے کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیدیا جس میں نہیں کاٹا تھا اور ابراہیم خواص نے یہ آیت پڑھی ت ۵ وتوکل علی الحی الذی لایموت آخر تک، پھر فرمایا کہ بندے کو بعد اس آیت کے خدا کے سوا کسی کیطرف التجا کرنی نہ چاہیئے اور بعض اکابر کو خواب میں کسی نے یہ جملہ کہہ دیا کہ جس نے اعتماد کیا اللہ تعالیٰ پر اس نے اپنا رزق جمع کر لیا اور بعض علماء نے فرمایا کہ ایسا نہ ہو کہ آدمی رزق مذموم کی تلاش میں اپنے فرض اعمال سے بے خبر ہو جائے اور آخرت کا معاملہ ابتر کر دے اور اس کو دنیا میں اسی قدر ملے گا جتنا کہ لکھا گیا ہے اور یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں کہ جب آدمی کے پاس بے طلب رزق آتا ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رزق کو بھی حکم ہے کہ آدمی تلاش کرے اور حضرت ابراہیم بن ادہم فرماتے ہیں کہ میں نے ایک راہب سے پوچھا کہ تو کہاں سے کھاتا ہے اس نے کہا کہ یہ بات میرے جاننے کی نہیں میرے پروردگار سے پوچھ لو کہ مجھ کو کہاں سے کھلاتا ہے اور ہرم بن حبان نے حضرت اویس قرنی سے پوچھا کہ میں کہاں رہوں انہوں نے شام کی طرف کو اشارہ فرما دیا پھر ہرم نے پوچھا کہ معیشت یعنی بسر اوقات کی کیا صورت ہوتی ہے حضرت اویس نے فرمایا کہ تف ہے ان دلوں پر ان میں شک ملا ہوا ہے ان کو نصیحت سے کیا فائدہ ہوگا اور بعض اکابر کا قول ہے۔

کہ جب اللہ تعالیٰ کو آدمی نے اپنا وکیل جان لیا تو ہر ایک بہتری کی راہ اس کو مل گئی۔

اح درا وسط بروایت محمد بن حمزہ عن عبداللہ بن سلام اور یہ سند غالباً موصول نہیں ۱۲ ۲ح اور حکم کر اپنے گھر والوں کو نماز کا اور آپ قائم رہ اس پر ۱۲ ۳ح ترمذی ونسائی وابن ماجہ بروایت مغیرہ بن شعبہ ۱۲ ۴ت بس کافی ہے مجھ کو اللہ اور اچھا ذمہ دار ۱۲- ت ۵ اور بھروسہ کر اس جیتے پر جو نہیں مرتا اور یاد کر اس کی خوبیاں اور وہ بس ہے اپنے بندے کے گناہوں سے خبردار ہے ۱۲۰

پہلی فصل - توحید کی فضیلت

جاننا چاہیئے کہ ایمان کے اقسام میں سے توکل بھی ہے اور اس کے سب اقسام علم اور حال اور عمل سے بنتے ہیں پس توکل ضرور انہی چیزوں سے حاصل ہوتا ہے اول علم جو اصل ہے پھر عمل جو ثمرہ ہے تیسرا حال جو توکل کے لفظ سے مراد ہے پس اول ہم اس علم کا بیان شروع کرتے ہیں جو اصل ہے اور اسی کا قول اصل لغت میں ایمان ہے اس لئے کہ ایمان کے معنے تصدیق کے ہیں اور جو تصدیق دل سے ہوگی وہ علم ہے اور اگر تصدیق قوی ہو جاتی ہے تو اس کو تصدیق کہنے لگتے ہیں مگر چونکہ اقسام یقین کے بہت ہیں اور ہم کو ان میں سے صرف وہ بیان کرنے ہیں جن کے اوپر مدار توکل کا ہے اور وہ قسم وہ توحید ہے جو اس کلمہ طیبہ میں سمجھی جاتی ہے لاالہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہ اور نیز وہ ایمان قدرت پر ہے جس کا بیان ان کلمات میں ہے لہ الملک اور اسی میں ایمان جو دو حکمت الٰہی پر بھی ہے جس پر یہ قول دلالت کرتا ہے ولہ الحمد پس جب شخص نے کہا لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیئ قدیر[1] اس کا وہ ایمان جو توکل کی اصل ہے پورا ہو گیا اور اس کہنے سے ہماری یہ غرض ہے کہ معنی اس کلمے کے ایک وصف لازم آدمی کے دل کے ہو جائیں اور دل پر غالب ہی رہیں۔ توحید وہ اصل اصول ہے مگر اس میں کلام طویل ہے اور وہ علم مکاشفہ سے ہے لیکن بعض علوم مکاشفہ احوال کے ذریعہ سے اعمال سے بھی متعلق ہیں اور علم معاملہ بدون ان کے کامل نہیں ہوتا اس صورت میں ہم توحید میں سے اسی قدر بیان کریں گے جو متعلق معاملے سے ہے ورنہ توحید ایک دریائے ناپیدا کنار ہے اس کی کچھ انتہا نہیں۔

اب جاننا چاہیئے کہ توحید کے چار مراتب ہیں ایک مغز دوسرے مغز کا مغز تیسرے پوست چوتھے پوست کے اوپر کا پوست اور کم فہموں کو سمجھانے کے لئے ہم اس کی ایک مثال فرض کر لیتے ہیں کہ توحید کو مثل اخروٹ کے اپنے اوپر کے چھلکے میں سمجھنا چاہیئے کہ اس پر دو چھلکے ہوتے ہیں اور ایک مغز ہوتا ہے پھر مغز کے اندر تیل ہوتا ہے۔ پس مرتبہ اول توحید کا تو یہ ہے کہ آدمی اپنی زبان سے تو لاالہ الا اللہ کہے مگر اس سے غافل ہو یا منکر مثل توحید منافقوں کے اور دوسرا درجہ یہ ہے کہ معنی اس لفظ کے اس کا دل بھی سچ جانتا ہو جیسے عوام مسلمان اس کی تصدیق کرتے ہیں یہ توحید عوام کی ہے۔ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ بذریعہ نور حق کے یہ معنی کشف کے طور پر مشاہدہ ہو جائیں یہ مقام مقربین کا ہے اور اس کا حال اس طرح ہے کہ اشیاء کو بہت تو جانتا ہے مگر باوجود اشیاء کی کثرت کے ان کو واحد قہار سے ہی صادر سمجھتا ہے اور چوتھا مرتبہ یہ ہے کہ وجود میں سوا ذات واحد یکتا کے اور کسی کو نہ دیکھے۔ شعر ؎

چو سلطان عزت علم برکشد
جہاں سر بجیب عدم درکشد

کا مضمون ہو جائے اور یہ مشاہدہ صدیقوں کا ہے اور اس کا نام صوفیائے کرام فنا در توحید کہتے ہیں یعنی از انجا کہ اس رتبہ والا سوا ایک ذات کے اور کچھ نہیں دیکھتا تو اپنے نفس کو بھی نہیں دیکھتا اور جب احد یکتا میں مستغرق ہوئے

[1] نہیں کوئی معبود سوا خدا کے وہ ہے اکیلا کوئی اس کا شریک نہیں اسی کو سلطنت ہے اور اسی کی تعریف اور ہر چیز پر قادر ہے ۱۲

کی جہت سے اپنے نفس کو نہیں دیکھتا تو توحید میں اپنے نفس سے فانی ہو گیا یعنے اپنے نفس کے دیکھنے سے جگتا نہیں رہا پس ان مراتب میں سے اول شخص تو صرف موحد زبان کا ہے اس کا فائدہ دنیا میں یہ ہے کہ قتل سے بچ جاتا ہے اور دوسرا شخص ان معنوں کر موحد ہے کہ اپنے دل سے لفظ کے معنی سمجھتا ہے اور دل سے تکذیب اپنے اعتقاد کی نہیں کرتا اور اس طرح کی توحید دل پر ایک گرہ ہے اس میں بسط اور کشادگی نہیں ہوتی تاہم اس توحید والا عذاب آخرت سے محفوظ رہتا ہے بشرطیکہ اسی پر خاتمہ ہو اور گناہوں کے باعث اس کو ضعیف نہ کر دیا ہو پھر اس گرہ کے لئے چند حیلے تو اس قسم کے ہیں جن سے اس کا ڈھیلا کرنا اور کھولنا منظور ہوتا ہے ان کو بدعت کہتے ہیں اور کچھ تدبیریں ایسی ہیں جن سے اس گرہ کا مضبوط کرنا اور اس کے ڈھیلے کرنے والے اور کھولنے والے حیلوں کا دور کرنا مقصود ہوتا ہے ان کو کلام کہتے ہیں جو علم کلام جانتا ہے اس کو متکلم کہتے ہیں اور اس کے .... مقابل کو مبتدع اور غرض متکلم کی یہ ہوتی ہے کہ مبتدع کو عوام کے دلوں سے وہ گرہ نہ کھولنے دے اور متکلم کو کبھی موحد بھی کہتے ہیں اس نظر سے کہ وہ اپنے کلام کے باعث معنی لفظ توحید کے عوام کے دلوں میں حفاظت کرتا ہے "تاکہ توحید کی گرہ کھلنے نہ پائے اور تیسرا شخص ان معنوں کا موحد ہے کہ اس نے صرف ایک ہی فاعل کا مشاہدہ کیا یعنے اس کو امر حق جوں کا توں کھل گیا واقع میں فاعل ایک ہی نظر آتا ہے اور حقیقت جیسی ہے ویسی ہی سوجھ پڑتی ہے مگر اس نے بزور اپنے دل کو معتقد معنی لفظ حقیقت کا رکھا ہے تو یہ رتبہ عوام اور متکلمون کا ہے کیونکہ عامی اور متکلم کے اعتقاد میں کچھ فرق نہیں بلکہ فرق یہ ہے کہ متکلم ایسے کلام کے بنانے پر قادر ہے کہ جو کوئی اس سے اعتقاد کو ضعیف کرنا چاہے تو اس کی تقریر بر رفع کردے اور چوتھا شخص اس نظر سے موحد ہے کہ اس کے مشاہدے میں بجز واحد یکتا کے اور کوئی نہیں آیا وہ سب کو کثرت کی راہ سے نہیں دیکھتا۔ بلکہ وحدت کی راہ سے۔ شعر۔

وحدت میں تیری غوف دوئی کا نہ آسکے
آئینہ کیا مجال تجھے منہ دکھا سکے

یہ مرتبہ توحید میں سب سے اعلیٰ ہے پس پہلا مرتبہ تو اوپر کا ساچھلکا اخروٹ ہے اور دوسرا مرتبہ مثل دوسرے چھلکے کے ہے اور تیسرا مغز کی مانند ہے اور چوتھا مثل تیل کے ہے جو مغز میں سے نکلتا ہے اور جس طرح کہ اوپر کے چھلکے سے کوئی فائدہ نہیں اگر کھائیے تو تلخ ہے اور اگر اس کا باطن دیکھا جائے تو بری صورت کا ہے اگر جلائیے تو آگ بجھائے اور دھواں زیادہ کرے اور اگر مکان میں رکھئے تو جگہ روکے غرض کسی قابل بجز اس کے کہ چند روز اخروٹ کی حفاظت اس سے رہے اور جب مغز نکال لیا جائے تو پھینک دیا جائے اسی طرح توحید زبانی کا حال ہے۔ جس میں دل کی تصدیق نہ ہو کہ ایسی توحید سے کچھ فائدہ نہیں نقصان بہت ہے ظاہر و باطن میں بری ہے چند روز کا فائدہ یہ ہے کہ نیچے کے چھلکے یعنی دل اور بدن کے بچاؤ کے لئے موت کے وقت تک کام آتی ہے اور منافق کے بدن کو طعمہ سیف مجاہدین نہیں ہونے دیتی اس لئے کہ ان کو حکم دلوں کے چیرنے کا نہیں ہے ظاہر کے اسلام کو دیکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے منافقوں کا بدن تلوار سے محفوظ رہ جاتا ہے۔ مگر موت کے وقت یہ

توحید ان کے بدن سے علیحدہ ہو جائے گی اس کے بعد پھر اس سے کچھ کام نہ چلے گا اور جس طرح کہ بیچ کا چھلکا بہ نسبت اوپر کے چھلکے کے ظاہر میں مفید ہے یعنی اس سے مغز کی حفاظت ہوتی ہے اور رکھ چھوڑنے سے بگڑنے نہیں دیتا اور اگر جدا کر لیا جائے تو ایندھن کے بھی کام کا ہے مگر بہر حال مغز کی نسبت کم کم ہے اسی طرح صرف اعتقاد بدون کشف کے زبانی قول کی نسبت بہت مفید ہے مگر کشف و مشاہدہ کی بہ نسبت جو سینے کی کشادگی اور نور حق کی اس میں تابش سے حاصل ہوتا ہے اس کی قدر کم ہے کیونکہ یہی کشادگی اس آیت شریف میں مراد ہے [1] فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام اور اس آیت میں بھی [2] افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علی نور من ربہ اور جس طرح کہ مغز بذات خود پوست کی نسبت کہ نفیس ہے اور گویا مقصود وہی ہے مگر پھر بھی تیل نکالنے پر کچھ کھلی وغیرہ آمیزش سے خالی نہیں اس طرح توحید فعل یعنی فاعل کا ایک جاننا بھی سالکوں کے حق میں بڑا مقصد عالی ہے مگر اس میں کچھ نہ کچھ التفات غیر کی طرف پایا جاتا ہے اور اس شخص کی نسبت جو ایک کے سوا دوسرے کو دیکھتا ہی نہیں ایسے شخص کا لحاظ کثرت کی طرف ہے پس اگر یہ کہو کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آدمی بجز ایک ذات کے مشاہدہ نہ کرے حالانکہ آسمان و زمین اور تمام اجسام محسوسہ کو دیکھتا ہے اور یہ چیزیں بہت ہیں تو بہت سی چیزیں ایک کس طرح ہوں گی اس کا جواب یہ ہے کہ نکتہ انتہائے علوم مکاشفات میں کا ہے ان علوم کے اسرار کا کسی کتاب میں لکھنا جائز نہیں عارفین فرماتے ہیں کہ راز ربوبیت کا افشا کرنا کفر ہے علاوہ ازیں اس امر کو علم معاملہ سے کچھ علاقہ بھی نہیں ہاں ابتدائے نظر جو کثرت کا واحد جاننا بعید معلوم ہوتا ہے اس کو سمجھا دینا ممکن ہے اور وہ اس طرح ہے کہ بعض چیزیں کسی خاص مشاہدہ سے دیکھو تو بہت ہیں اور کسی اور اعتبار سے دیکھو تو واحد ہیں مثلاً اگر انسان کو اس کی روح اور جسم اور ہاتھ اور پاؤں اور رگوں اور ہڈیوں اور آنتوں کے لحاظ سے دیکھو تو بہت ہیں اور اگر دوسرے اعتبار سے مشاہدہ کرو تو ایک ہے یعنی انسانیت کے لحاظ سے دیکھو تو ایک ہے اور بہت شخص ایسے ہیں کہ انسان کو دیکھتے ہیں تو ان کے دل میں یہ خیال اس کی رگوں کی کثرت کا اور آنتوں اور ہاتھ پاؤں کا اور جدا ہونے روح و جسم اور اعضا کا نہیں گزرتا اور دونوں صورتوں میں فرق یہی ہے کہ جب آدمی کی حالت استغراق واحد کے ساتھ ہوتی ہے تو وہ واحد میں تفریق اور جدائی نہیں دیکھتا اور جب عین کثرت کی طرف التفات کرتا ہے تو خیال علیحدہ ہوتے ان اشیاء کا گزرتا ہے اسی طرح جتنی اشیاء موجود ہیں خواہ خالق ہے یا مخلوق سب کے لئے اعتبارات اور مشاہدات بہت اور جدا جدا ہیں کہ کسی اعتبار سے وہ واحد ہیں اور کسی اعتبار سے بہت.

پھر بعض اعتبارات سے کثرت زیادہ ہوتی ہے اور بعض سے کم اور انسان کو جو ہم نے مثال میں لکھا ہے ہر چند مطابق مطلب کے نہیں تاہم اس سے فی الجملہ مشاہدہ میں کثرت کا واحد ہو جانا معلوم ہو جاتا ہے اور قسم اس طرح کے موحدین پر محل انکار نہیں رہتا اور جس مقام پر کہ آدمی کی ابھی رسائی نہیں ہوئی اس کی تصدیق کرنے لگتا ہے اور اس تصدیق کی بدولت اس میں توحید اعلیٰ مرتبہ والے سے کچھ بہرہ ہو جاتا ہے گو جس قسم کی توحید پر ایمان لایا ہے

---

[1] سو جس کو چاہے اللہ کہ راہ کھول دے اس کا سینہ حکم برداری کو ۱۲ [2] بھلا جس کا سینہ کھول دیا اللہ نے مسلمانی پر سو وہ اجالے میں ہے اپنے رب کی طرف ۱۲

وہ حالت حاصل نہ ہوئی ہو جیسے مثلاً کوئی نبوت پر ایمان لائے تو ہر چند خود نبی نہ ہو مگر نبوت سے اس کو اسی قدر بہرہ ہو گا جس قدر کہ اس پر ایمان قوی ہو گا اور یہ مشاہدہ جس میں کہ بجز ذات واحد مطلق کے اور کچھ نہیں سوجھتا کبھی تو ہمیشہ رہتا ہے اور کبھی بجلی کی طرح کوند جاتا ہے اور اکثر ایسا ہی ہوتا ہے ہمیشہ یہ حال رہنا بہت ہی کم ہے روایت ہے کہ حسین بن منصور حلاج نے ابراہیم خواص کو سفر کرتے دیکھا تو پوچھا کہ تم کس فکر میں ہو انہوں نے فرمایا کہ میں سفر میں پھرتا ہوں تاکہ توکل میں اپنا حال درست کروں اور خواص متکلمین میں سے تھے حسین بن منصور نے فرمایا کہ تم نے اپنی تمام عمر اپنے باطن کی آبادی میں ضائع کی فنا در توحید کہاں گئی۔ اس کو کیوں نہیں اختیار کرتے۔ شعر

اگر یارے از خویشتن دم مزن
کہ شرک ست با یار و با خویشتن

گویا حضرت خواص توحید میں تیسرے مقام کی درستی کرتے تھے اور حسین نے ان کے چوتھے مقام پر ترغیب دی غرض کہ مقامات موحدین کا حال بر سبیل اجمال بیان کیا گیا اب اس قدر توحید کی شرح سننی چاہیئے جس پر توکل مبنی ہے پس چوتھے مقام کے بیان میں تو خوض ہی کرنا نہ چاہیئے اور نہ توکل اس پر مبنی ہے بلکہ حال توکل تیسری قسم کی توحید سے حاصل ہوتا ہے اور قسم اول کی توحید نفاق ہے اس کا حال ظاہری ہے اور دوسری قسم کی توحید عام مسلمانوں میں موجود ہے اس کے پختہ کرنے کا طور علم کلام میں مذکور ہے اور بدعتیوں کے اعتراضات کا جواب بھی اس علم میں موجود ہے اس میں سے کہ جس قدر ضروری ہے ہم نے اس کا ذکر کتاب اقتصاد فی الاعتقاد میں لکھا ہے باقی رہی تیسری قسم توحید کی سو اسی پر توکل مبنی ہے اس لئے کہ صرف توحید اعتقادی تو موجب حال توکل کے نہیں ہے اس میں کچھ کشف و مشاہدہ کا ہونا بھی چاہیئے۔ پس تیسری قسم میں سے جس قدر پر توکل موقوف ہے اس کو ہم بیان کرتے ہیں اس کی تفصیل تو اس جیسی کتاب میں نہیں ہو سکتی مگر مختصراً یہ ہے کہ آدمی پر یہ امر ظاہر ہو جائے کہ فاعل سوائے خدائے تعالے کے اور کوئی نہیں اور جتنی موجود چیزیں ہیں یعنی خلق اور رزق اور بخشش اور دنیا اور موت و حیات اور تونگری و مفلسی وغیرہ جن کو کسی نام سے کہہ سکتے ہیں ان کا موجد اور مبدع اور مخترع اللہ تعالی ہی ہے کوئی اس کا شریک نہیں جب آدمی پر یہ بات کھل جائے گی تو پھر اور کی طرف نہ دیکھے گا خدائے تعالے سے ہی خوف کرے گا اور اسی سے توقع رکھے گا اور اسی پر اعتماد و توکل کرے گا اس لئے کہ کرنے والا کاموں کا تو صرف وہی ہے دوسرا اور کوئی نہیں اور جو اس کے سوا ہیں وہ سب مسخر ہیں خود ایک ذرہ بھی آسمانوں اور زمین کے ملکوت میں سے نہیں ہلا سکتے اور جب باب مکاشفہ آدمی کے اوپر کھل جاتا ہے تو یہ امر اس کو آنکھ کے مشاہدے سے بھی واضح ہو جاتا ہے اب جاننا چاہیئے کہ اس توحید سے آدمی کو شیطان ایسی جگہ میں روک دیتا ہے جہاں اس کو یہ معلوم ہو کہ انسان کے دل پر کچھ ملاؤ شرک کا بھی چلا جائے گا اور اس کی دو صورتیں ہیں اول حیوانات کے اختیار پر التفات کرنے سے دوم جمادات کے التفات سے۔ جمادات کے التفات سے شرک ایسے کراتا ہے کہ مثلاً آدمی کھیتی کے نکلنے اور جمنے میں مینہ پر اعتماد کرتا ہے اور مینہ کے برسنے کے لئے ابر پر اور ابر کے اکٹھا ہونے کے واسطے سردی پر اعتماد کرے

اور کشتی کے برابر بہنے اور چلنے میں ہوا پر اعتماد کرے تو یہ سب باتیں توحید کے باب میں شرک ہیں اور حقیقت امور سے جہالت کی دلیل ہیں اسی واسطے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے [1] فاذا رکبوا فی الفلک دعوا اللہ مخلصین لہ الدین فلما نجاھم الی البر اذا ھم یشرکون اس کے معنی بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ کشتی کے سوار کہنے لگتے ہیں اگر ہوا اچھی نہ ہوتی تو ہم نہ پہنچتے اور جس شخص پر حال عالم کا واقعی معلوم ہو گیا ہے وہ جانتا ہے کہ ہوا ئے موافق بھی ایک ہوا ہے اور ہوا اپنے آپ سے نہیں چلتی جب تک اس کو کوئی حرکت دینے والا نہ ہو اسی طرح اس کے محرک کو ایک اور محرک چاہیئے یہاں تک کہ سلسلہ محرک اول پر پہنچے کہ اس کو کوئی محرک نہیں اور نہ وہ بذات خود متحرک ہے بس نجات کے باب میں بندے کا التفات ہوا کی طرف ایسا ہے جیسا کوئی شخص گردن مارا جانے کو پکڑا جائے اور بادشاہ اس کی رہائی اور عفو قصور کا حکم لکھ دے تو یہ شخص دوات اور کاغذ اور قلم کو جن سے لکھا گیا ہے یاد کرے اور کہے کہ اگر قلم نہ ہوتا تو میں نہ بچتا اور اپنی نجات قلم سے سمجھے۔ جس نے قلم کو ہلایا اس سے نہ سمجھے تو یہ نہایت جہالت ہے اور جو شخص جانتے کہ قلم کچھ حکم ہم کو نہیں دے سکتا بلکہ وہ کاتب کے ہاتھ میں مسخر ہوتا ہے تو وہ قلم کی طرف التفات نہیں کرے گا اور سوا کاتب کے اور کا شکر گزار نہ ہو گا بلکہ بعض اوقات نجات کی خوشی اور بادشاہ کے شکر میں دل پر قلم اور سیاہی وغیرہ کا بھی خطرہ نہ ہو گا۔ پس آفتاب اور چاند اور ستارے اور مینہ اور ابر اور زمین ہر ایک حیوان اور پتھر وغیرہ سب خدائے تعالےٰ کے قبضہ قدرت میں اس طرح مسخر ہیں جیسے کاتب کے ہاتھ میں قلم بلکہ یہ مثال بھی صرف سمجھانے کے لئے کر دی گئی کہ لوگ یہی اعتقاد رکھتے ہیں کہ دستخط بادشاہ کرتے ہیں اور واقع میں کاتب خدائے تعالیٰ ہی ہے چنانچہ ارشاد فرماتا ہے [2] وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی پس جب آدمی پر یہ بات کھل جاتی ہے کہ تمام چیزیں آسمان و چیز زمین کی اس طرح مسخر ہیں تو شیطان اس سے ناامید پھرتا ہے کہ اب اس کی توحید میں یہ شرک جمادات کا تو نہیں ملا سکتا مگر دوسری صورت سے پیش آتا ہے یعنی التفات حیوانات کے اختیار کا اپنے افعال اختیاری میں دل میں ڈالتا ہے۔ ——— ——— ——— ——— ——— ——— ——— ——— ——— اور کہتا ہے کہ تو سب باتوں کو اللہ کی طرف سے کیسے اعتقاد کرتا ہے دیکھ فلاں شخص تجھ کو اپنے اختیار سے رزق دیتا ہے اگر چاہے دے اور چاہے بند کر دے اور بادشاہ کو اختیار ہے چاہے تیری گردن تلوار سے اڑا دے چاہے معاف کر دے تو خوف بادشاہی چاہیئے اور اسی سے توقع رکھنی چاہیئے کیونکہ تو اس کے قابو میں ہے اور یہ بات تو اپنے آنکھ سے دیکھتا ہے اور اس میں کچھ شک نہیں اور یہ بھی کہتا ہے کہ اگر قلم کو تو کاتب نہیں جانتا اس خطرے میں اکثر لوگوں کے قدم لغزش کھا جاتے ہیں بجز اللہ تعالےٰ کے مخلص بندوں کے جن پر شیطان مردود کو غلبہ نہیں وہ لوگ البتہ چشم بصیرت سے کاتب کو مسخر اور مضطر دیکھتے ہیں جیسے ضعفا قلم کو مسخر دیکھتے ہیں اور ان کو معلوم ہو گیا ہے کہ ضعفائے

---

[1] پھر سوار ہوئے کشتی میں پکارنے لگے اللہ کو نری اسی پر رکھ کر نیت پھر جب بچا لایا ان کو زمین کی طرف اسی وقت لگے شریک پکڑنے ۱۲ ت

[2] اور تو نے نہیں پھینکی مٹھی خاک جس وقت پھینکی لیکن اللہ نے پھینکی

اس باب میں ایسی غلطی کی جیسے چیونٹی مثلاً کاغذ پر پھرتی ہو اور دیکھے کہ قلم کی نوک کاغذ کو سیاہ کر رہی ہے اور اس کی بینائی ہاتھ اور انگلیوں پر نہ پہنچتی ہو جو جائے کہ کاتب کو دیکھے تو وہ غلطی سے یہی کہے جائے گی کہ کاغذ کی سفیدی کو قلم ہی سیاہ کرتا ہے اور اس کی غلطی کی وجہ یہی ہے کہ اس کی بینائی قلم کی نوک سے اوپر نہیں جا سکتی اس واسطے کہ آنکھ کا حدقہ بہت تنگ ہے پس اسی طرح جس شخص کا سینہ اسلام کے لئے خدائے تعالیٰ کے نور سے نہیں کھلا اس کی بصیرت آسمان و زمین کے جبار کے دیکھنے سے قاصر ہے وہ دیکھ نہیں سکتا کہ وہ واحد یکتا سب کے اوپر غالب ہے اسی لئے کاتب کی پر اثنائے راہ میں ٹھہر گیا اور یہ صرف جہالت ہے اور ارباب قلوب اور مشاہدات کا حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے لئے آسمان و زمین کے ہر ذرے کو اپنی قدرت کاملہ سے گویا کر دیتا ہے یہاں تک کہ وہ لوگ ان ذرات کی تقدیس اور تسبیح خدائے تعالیٰ کے لئے سنتے ہیں اور ان کے گوش حق نیوش میں آواز ان اشیاء کے اقرار کی اپنی عاجزی پر بدون کسی حرف اور صوت کے سنائی دیتی ہے جن کے کان ہی نہیں وہ اس کو البتہ نہیں سنتے پس ہے شعر ؎

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

ہماری غرض کان سے یہ کان نہیں جو آواز کی چیزوں کے سوا نہیں سن سکتے ایسے کان تو گدھے کے بھی ہوتے ہیں اور نہ ایسی چیزوں کی کچھ قدر ہے جس میں کہ بہائم شریک ہوں بلکہ ان کانوں سے یہ مراد ہے جن سے وہ کلام سمجھے جائیں جس میں نہ حروف ہوں نہ آواز نہ عربی نہ عجمی پس اگر کوئی کہے کہ یہ تو ایک تعجب کی بات ہے۔ عقل اس کو قبول نہیں کرتی اشیاء کے بولنے کی کیفیت کو بیان کرنا چاہیئے کہ وہ کیسے بولتی ہے اور کیا کہتی ہے تسبیح اور تقدیس خدائے تعالیٰ کی کس طرح کرتی ہے اور اپنے نفسوں کے عاجز ہونے کی شہادت کیسے دیتی ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ آسمان و زمین کے ہر ذرے کو قلوب کے ساتھ باطن میں ایک مناجات ہے اور اس کا کچھ حصر و انتہا نہیں اس لئے کہ وہ کلمات خدائے تعالیٰ کے کلام کے سمندر سے جس کی کچھ حد نہیں مدد پاتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قل لو کان البحر مدادا لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی ولو جئنا بمثلہ مددا[1] پھر یہ سب ذرات اسرار ملک اور ملکوت کے بیان کرتے ہیں اور بھید کا افشا کرنا برا ہے بلکہ سینہ احرار قبر اسرار ہوتا ہے اور تم نے کبھی نہ دیکھا ہوگا کہ جو شخص بادشاہ کے راز کا امین ہو اور بادشاہ اس سے اپنے خفیہ امور کہے تو وہ سب کے سامنے بیان کر دے اور اگر بھید کا افشا کرنا درست ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہ فرماتے لو تعلمون ما اعلم لضحکتم قلیلا ولبکیتم کثیرا[2] بلکہ ذکر فرما دیتے کہ روویں اور خندہ نہ کریں اور نیز تقدیر کے راز فاش کرنے سے منع نہ فرماتے اور یہ ارشاد نہ فرماتے کہ جب ستاروں کا ذکر ہوا کرے تو چپ رہو اور تقدیر کا مذکور رہو تو سکوت کرو

ف ۱- تو کہہ اگر دریا سیاہی ہو کہ لکھے میرے رب کی باتیں بے شک دریا نبڑ جائے پھر بھی نہ نبڑیں میرے رب کی باتیں اور اگرچہ دوسرا لائیں اس کی مدد کو ۱۲ ح اگر تم جانتے ہو جو میں جانتا ہوں تو تھوڑا ہنستے اور بہت روتے ۱۲ اس کی سند کئی بار گزر چکی ۳ ح ابن عدی و ابو نعیم در حلیہ بروایت ابن عمر اور یہ ضعیف ہے ۱۲ ۴ ح طبرانی و ابن حبان اور باب العلم میں گزر چکی ۱۲

اور میرے اصحاب کا جب ذکر ہو تو خاموش ہو جاؤ اور نیز حضرت حذیفہؓ کو بعض اسرار کے لئے خاص نہ فرماتے غرضیکہ ذرات ملک وملکوت کے جو اہل دل سے مناجات کرتے ہیں ان باتوں کو مذکور نہ کرنے کی دو وجہ ہیں۔ اول محال ہونا افشائے راز کا دوم بے انتہا ہونا ان کے کلمات وحکایات کا تاہم جو مثال ہم نے اوپر لکھی ہے۔ یعنی حرکت قلم میں اس کی تھوڑی سی گفت گو برسبیل اجمال لکھے دیتے ہیں تاکہ مجملاً توکل کے مبنی ہونے کی کیفیت اس سے سمجھ میں آجائے اور ہر چند یہ گفت گو حروف و آواز کے متعلق نہیں مگر اس کو ہم حروف و آوازیں سمجھانے کی ضرورت کے لئے بنائے لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک شخص سالک نے جو نور الٰہی کو مشعل راہ رکھتا تھا کاغذ کو دیکھا کہ اس کا رخ سیاہی سے کالا ہے۔ اس نے کہا تیرا منہ تو سفید تھا اب تو نے کالا کیوں کیا اس کی وجہ کیا ہے۔ کاغذ نے جواب دیا کہ یہ کیا انصاف ہے کہ یہ بات مجھ سے پوچھتا ہے میں نے اپنے آپ تو کالا نہیں کیا روشنائی سے پوچھ کہ وہ دوات میں جہاں اس کا ٹھکانا اور وطن تھا بیٹھی تھی وہاں سے نکلی اور میرے صفحہ رخ پر زبردستی تاخت کی اس نے کہا کہ تو سچا ہے۔ پھر روشنائی سے پوچھا کہ کیا سبب ہے جو تو نے کاغذ کا منہ سیاہ کیا اس نے کہا کہ بھلا مجھ سے پوچھتے ہو میں تو دوات میں چپ چاپ بیٹھی تھی میرا قصد نہ تھا کہ اس جگہ سے نکلوں مگر قلم نے اپنی طمع فاسد سے مجھ پر زیادتی کی اور مجھ کو وطن سے بے وطن کر دیا اور میری جماعت کو تتر بتر کر ڈالا اسارے صفحے پر تم کو متفرق ہی معلوم ہوتی ہوں عیان را چہ بیان تو اس کی وجہ قلم سے پوچھنی چاہیئے مجھ سے کیا علاقہ اس نے کہا کہ تو درست کہتی ہے پھر قلم سے وجہ اسکے ظلم وزیادتی کی روشنائی پر پوچھی اس نے کہا کہ یہ امر مجھ سے پوچھتے ہو میں تو ایک سینٹھا تھا کہ نہروں کے کنارے ہرے ہرے درختوں میں کھڑا اٹھا تھا چھری لے کر پہنچا اور مجھ کو جڑ سے اکھاڑ کر میرا پوست اتارا اور کپڑے پھاڑے پوریاں جدا کیں پھر تراشا اور سر چیرا اور قط لگایا پھر سیاہی میں ڈبو دیا اب مجھ سے خدمت لیتا ہے اور مجھ کو سر کے بل چلاتا ہے تو مجھ سے پوچھ کر کیوں زخم پر نمک چھڑکتا ہے الگ رہ اور ہاتھ سے پوچھ جس نے مجھے دبا رکھا ہے اس نے کہا کہ تیرا قول درست ہے ہاتھ سے پوچھا کہ تو نے قلم پر کیوں ظلم کیا ہے اس سے خدمت کیوں لیتا ہے ہاتھ نے کہا کہ میاں صاحب میں گوشت اور ہڈی اور خون ہوں تم نے کہیں دیکھا ہے کہ گوشت ظلم کرتا ہو یا جو کوئی جسم اپنے آپ حرکت کرتا میں تو ایک سواری ہوں مجھ پر ایک سوار قدرت نامی سوار رہتا ہے مجھے وہی پھراتا ہے اور دوڑاتا ہے تمام زمین پر لئے پھرتا ہے دیکھو درخت اور پتھر کوئی بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلتا اور نہ اپنے آپ حرکت کرے کیونکہ ان پر یہ زبردست سوار نہیں مردوں کے ہاتھ میں اور مجھ میں صورت و شکل میں کچھ فرق نہیں وہ کیوں نہیں قلم پکڑتے غرضکہ مجھ سے اور قلم سے کچھ واسطہ نہیں یہ سوال قدرت سے کرنا چاہیئے میرا کچھ قصور نہیں میں صرف سواری ہوں سوار ہی مجھے ہلاتا ہے اس نے کہا بجا ہے۔ پھر قدرت سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ تو ہاتھ سے خدمت لیتی ہے اور ادھر ادھر پھراتی ہے اس نے کہا کہ تم مجھے عتاب وملامت مت کرو بہت ایسا ہوتا ہے کہ ملامت گر پر خود ملامت عائد ہوتی ہے اور جس کو ملامت کرنے

؎ جلد اول میں گزری ۱۲

ہیں اس کا قصہ نہیں نکلتا تم کو میرا حال کیا معلوم نہیں کیسے جانا کہ میں نے ہاتھ پر سوار ہونے سے زیادتی کی میں تو
اس پر ہلنے سے پہلے بھی سوار تھی مجھے اس کے ہلانے سے کیا مطلب تھا میں تو چپ چاپ سوتی تھی اور ایسے
خواب خرگوش میں تھی کہ لوگ یہ جانتے کہ مردہ ہے یا معدوم ہے یعنی نہ خود متحرک تھی نہ دوسرے کو حرکت
دیتی تھی یہاں تک کہ ایک موکل آیا اور اس نے مجھ کو ہلایا اور زبردستی اس نے مجھ سے یہ کام لیا۔ جس پر
تم ملامت کرتے ہو۔ مجھ کو طاقت اس کے موافقت کی تھی نہ تاب مخالفت اس موکل کا نام ارادہ ہے۔ میں
اس کو نام سے ہی جانتی ہوں یا اس سے پہچانتی ہوں کہ ایک بارگی اس نے چڑھائی کر کے مجھ کو گہری نیند سے
جگا دیا اور بزور مجھ سے وہ کام لیا اگر میری تجویز پہ تنہا کوئی پوچھتا تو مجھ کو گنجائش تھی کہ میں کچھ بھی نہ کرتی اس نے کہا
کہ درست ہے پھر ارادے سے پوچھا کہ تجھ کو کیا ہوا تھا کہ قدرت پر جو چپ چاپ اطمینان سے سو رہی تھی
جا پڑا اور اس کو حرکت دینے میں لگا دیا اور ایسی زبردستی کی کہ اس کو تاب مخالفت نہیں ہوئی اور بدون تیری
طاعت کے کوئی گریز اور مفر نظر نہ آیا ارادے نے کہا کہ جلدی مت کرو شاید تمہارے عتاب کا عذر میرے پاس موجود
ہے یعنی میں اپنے آپ نہیں اٹھا بلکہ مجھ کو ایک زبردست کے حلم نے اٹھایا اور بھیجا میں اس کے آنے سے پیشتر
ٹھہرا ہوا تھا مگر بارگاہ حضرت دل سے علم کا قاصد عقل کی زبانی میرے پاس آیا اور یہ پیام سنایا کہ قدرت کو اٹھا
دے میں نے بمجبوری قدرت کو حرکت دی اس لئے کہ میں بے چارہ تابع علم و عقل کا ہوں مجھے خبر نہیں کہ مجھ کو
ان کی خدمت گزاری کا حکم کیوں ہے اور کس لئے میں ان کی اطاعت کے لئے مجبور رہوں اتنا جانتا ہوں کہ جب تک
یہ ایلچی نہیں آتا تب تک چین چان سے رہتا ہوں یہی میرا حاکم ہے خواہ عادل ہے یا ظالم ہے اسی کے لئے میں مستعد
ہوں اور اسی کی اطاعت مجھ پر واجب و لازم ہے بلکہ جب یہ حکم قطعی کر دیتا ہے تو مجھ کو تاب مخالفت نہیں رہتی
اپنی جان کی قسم ہے کہ جب تک وہ خود اپنے جی میں متردد اور حکم میں متحیر رہتا ہے تو میں چپکا رہتا ہوں۔ مگر چوکنا
اور حکم کا منتظر رہتا ہوں اور جب اس کا حکم یقینی ہوتا ہے تو اپنی شرکت کی رو سے میں اس کی اطاعت اور فرمانبرداری
کے لئے مضطر ہو جاتا ہوں اور قدرت کو تعمیل مقتضائے حکم کے لئے اٹھا دیتا ہوں اب تم اپنا سوال اور عتاب مجھ سے الگ
رکھو علم سے میرا حال پوچھو بقول شخصے مردہ بدست زندہ حکم حاکم مرگ مفاجات محکوم کو بجز اطاعت اور کیا چارہ ہے سالک
نے کہا سچ ہے پھر علم اور عقل اور دل سے جا کر مقابلہ اور عتاب کیا کہ تم نے ارادے کو اپنا تابع قدرت کو اٹھانے کے لئے کیوں
کیا اور اس سے خدمت کیوں لی عقل نے تو جواب دیا کہ میں ایک چراغ ہوں خود روشن نہیں ہوا کسی اور نے روشن کیا ہے اور
دل نے کہا کہ میں ایک تختی ہوں خود نہیں پھیلی کسی نے پھیلایا ہے اور علم نے کہا کہ میں ایک نقش ہوں اور میں خود منقوش
نہیں ہوا بہت دنوں یہ تختی مجھ سے پیشتر خالی ہی تھی۔ پس جس قلم نے مجھ کو نقش کیا اس سے پوچھو کیونکہ نقش بدون قلم کے
نہیں اس وقت سائل عاجز ہو کر جواب پر قانع نہ ہوا اور کہنے لگا کہ اس راہ میں میں بہت پھرا اور بہت سی منزلیں طے کیں
اور جس سے مجھے توقع ہوئی کہ یہ بتلا دے گا وہ دوسرے پر ہی حوالہ کرتا گیا مگر پھر بھی کثرت سے میں خوش ہی ہوتا تھا اس
لئے کہ ہر کوئی ایک جواب معقول دل پسند تو دیتا تھا اور رفع سوال میں ایک عذر ظاہر بیان کرتا تھا مگر تو جو کہتا ہے

کہ میں خط اور نقش ہوں مجھ کو قلم نے لکھا ہے یہ بات میں نہیں سمجھتا اس لئے میں قلم صرف نے وغیرہ کا جانتا ہوں اور تختی بھی لوہے لکڑی کی دیکھی ہے اور نقش سیاہی و سرخی وغیرہ کا معلوم ہے چراغ آگ سے روشن دیکھا ہے مگر اب جو ذکر تختی اور چراغ اور خط اور قلم کا ہے ان میں سے کوئی چیز نہیں دیکھتا عجیب بات ہے کہ گھور سنتا ہوں اور چکی نہیں دیکھتا علم نے کہا کہ تم جو کہتے ہو ٹھیک ہے اس کی وجہ ہے کہ تمہارے پاس مایہ اور زاد کم ہے اور سواری کمزور اور جس راہ کے طے کرنے کا قصد رکھتے ہو اس میں مہلکے اور مخاوف بہت ہیں بہتر یہ ہے کہ اب اس خیال سے درگزر کرو اور اپنی راہ لو تم مرد اس میدان کے نہیں ہو جس کا کام اسی کو ساجے اور اگر تم مقصد کی راہ پوری ہی کرنی چاہتے ہو تو کان لگاؤ اور سنو کہ تمہارے اس رلستے کے عالم تین ہیں اول عالم ملک و شہادت ہے جس میں کی چیزیں کاغذ اور قلم اور روشنائی اور ہاتھ وغیرہ تھے ان سے تم بتدریج بڑھ آئے دوسرا عالم ملکوت ہے وہ میرے بعد ہے جب تم مجھ سے آگے چلو گے تو اس عالم کی منزلوں میں جا پہنچو گے۔ اسی عالم میں جنگل وسیع اور بڑے بڑے دریا اور اونچے اونچے پہاڑ ہیں مجھے نہیں معلوم کہ تم ان میں کیسے بچو گے اور تیسرا عالم جبروت ہے وہ ملک اور ملکوت کے درمیان میں ہے اس میں سے تین منزلیں تم طے کر چکے ہو اسی لئے کہ اس کے شروع میں منزل قدرت اور ارادہ اور علم ہے اور یہ عالم ملک، اور ملکوت میں واسطہ ہے یعنی عالم ملک کا راستہ بہ نسبت اس کے سہل ہے اور عالم ملکوت کا راستہ اس کی نسبت نہایت سخت اور دشوار گزار ہے اس عالم کو ان دونوں عالم کے درمیان ایسا جاننا چاہیئے جیسے کشتی کی چال زمین اور پانی کے درمیان ہے یعنی نہ تو وہ مضطرب پانی کی طرح ہوتی ہے نہ ساکن زمین کی طرح اور جو شخص زمین پر چلتا ہے پس اگر اس کی قوت زیادہ ہو اور کشتی پر سوار ہو سکے تو ایسا ہوگا کہ گویا عالم جبروت میں سیر کرتا ہے اور اگر اس سے بھی زیادہ قوی ہو اور پانی پر بے کشتی چلنے لگے تو بلا تردد عالم ملکوت میں سیر کرے گا پس اگر تم پانی پر بدون کشتی کے نہیں چل سکتے تو پھر جاؤ کہ زمین سے تجاوز کر چکے کشتی کو پیچھے چھوڑا اب صرف نرا پانی ہی رہ گیا ہے اور آغاز عالم ملکوت کا یہ ہے کہ جس قلم سے کہ دل کی تختی پر علم لکھا جاتا ہے وہ نظر پڑے اور جس یقین سے کہ پانی پر چل سکتے ہیں وہ حاصل ہو جائے تم نے یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حال میں نہیں سنی کہ جب آپ کے سامنے مذکور ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پانی پر چلتے تھے تو آپ نے فرمایا لو ازداد یقینا لمشی علی الھواء[1] یعنے اگر ان کو یقین اور زیادہ ہوتا تو ہوا پر چلتے۔ سالک نے کہا کہ میں اپنے معاملہ میں حیران ہوں اور تو نے جو راستے کا خوف بتایا اس سے میرا دل بھر آتا ہے مجھے معلوم نہیں کہ جو جنگل تو نے بتائے ہیں مجھ میں طاقت ان کی قطع کی ہے یا نہیں اس کی کچھ پہچان بھی ہے علم نے کہا کہ علامت کیوں نہیں یہ علامت ہے تم اپنی آنکھ خوب نظر سادہ کر میری طرف کھولو اگر تم کو وہ قلم جس سے میں دل پر منقوش ہوتا ہوں نظر آئے تو ایسا لگتا ہے کہ تم اس راہ کے اہل ہو گے کیونکہ جو شخص عالم جبروت سے بڑھ کر ملکوت کے دروازے پر دستک دیتا ہے اس کو وہ قلم سوجھنے لگتا ہے دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتدائے نبوت میں وہ قلم معلوم ہوا تھا جب کہ یہ آیت اتری اقرا وربک الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان ما لم یعلم[2] سالک نے کہا کہ میں نے آپ کی آنکھ کھولی اور خوب تاکا

---

[1] یہ حدیث پہلے گزری [2] پڑھ تیرا رب بڑا کریم ہے جس نے علم سکھایا قلم سے سکھایا آدمی کو جو نہ جانتا تھا ۱۲

مگر مجھ کو تو نہ کلک نظر آتی ہے نہ لکڑی اور میں نے تو قلم انہیں چیزوں کے دیکھے ہیں علم نے کہا کہ تم کیسی بات کہتے ہو تم نے نہیں سنا کہ گھر کا سامان مثل مالک مکان کے ہوا کرتا ہے تمہیں معلوم نہیں کہ اس کی ذات کسی ذات سے مشابہ نہیں نہ اس کا ہاتھ ہاتھوں کے مانند نہ قلم اس کا قلموں کی صورت نہ اس کا خط اور خطوں کی طرح نہ اس کا کلام اور کلاموں کے موافق یہ امور الٰہی ہیں اور عالم ملکوت میں سے ہیں جس طرح کے اور اجسام مکان میں ہوتے ہیں خدائے تعالیٰ کی ذات نہ تو جسم ہے نہ کسی مکان میں نہ اس کا ہاتھ مرکب گوشت اور ہڈی اور خون سے ہے جیسے اور ہاتھ ہوتے ہیں نہ قلم اس کا نے کا نہ تختی لکڑی کی نہ کلام حروف و آواز کا نہ کتابت نقش و نگار کی نہ روشنائی پھٹکری اور مازو وغیرہ کی پس اگر تم کو یہ باتیں ایسی نہیں سوجھتیں تو ہماری دانست میں تم مخنث ہو یعنی جو لوگ خدائے تعالیٰ کو منزہ اور پاک سمجھتے ہیں تو وہ مرد ہیں اور جو اس کو تشبیہ اور اجسام سے دیتے ہیں وہ مونث ہیں اور تم ان دونوں کے درمیان مخنث ہو نہ ادھر ہو نہ ادھر ہو بتاؤ تو خدا تعالیٰ کی ذات و صفات کو اجسام سے کیسے منزہ کیا اور اس کے کلام کو معانی حروف و آوازوں سے کس طرح پاک سمجھا کہ اب اس کے ہاتھ اور قلم اور تختی اور کتابت پر توقف کرتے ہو اور ان کو نہیں سمجھتے ہو پس اگر ارشاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ خلق آدم علی صورتہ[1] کے یہ معنی سمجھے ہو کہ جیسے صورت ظاہری حضرت آدم علیہ السلام کی آنکھ سے محسوس ہوتی تھی خدائے تعالیٰ اسی صورت کا ہے تو تمہارے مشبہ ہونے میں کیا شبہ ہے۔ جیسے کہتے ہیں کہ صرف یہودی ہو جاؤ ورنہ توریت سے مت کھیلو یعنی توریت سے کھیلنا دلالت خاص یہودی ہونے کی ہے اسی طرح جو شخص خدائے تعالیٰ کو اجسام ظاہری جیسا جانے وہ بھی نرا مشبہ ہے اور اگر تم اس حدیث سے صورت باطنی جو چشم باطن سے معلوم ہوتی ہے نہ چشم ظاہر سے سمجھتے ہو تو بے شک تم خدائے تعالےٰ کو پاک سمجھتے ہو کہ نرے منزہ اور پاکی کے میدان کے مرد ہو اور اب منزل طے کر دو تم طوی کی وادی مقدس میں ہو اور سر قلبی سے سنو کہ کیا حکم ہوتا ہے شاید اس بات سے تم کو تجلی پر راہ ملے اور کیا عجب عرش سے تم کو بھی وہی آواز پہنچے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہنچی تھی وانی انا ربک فاخلع نعلیک[2] - جب سالک نے علم کی تقریر سنی اپنے قصور سے واقف ہوا اور معلوم کیا کہ واقع میں میں تشبیہ اور تنزیہ کے درمیان میں مخنث ہوں اور اس کا دل عین نفس کو عین نقصان میں دیکھ کر مارے غصے کے جل گیا اور چونکہ اس کے دل کا تیل ایسا تھا کہ بدون آگ لگے ہی قریب جلنے کے تھا جب علم کی اشتعالک اس کو پہنچی وہ تیل روغن ہو گیا اور نور علی نور بن گیا علم نے اس سے کہا لو اب موقع غنیمت جانو اور اپنی آنکھ کھولو شاید تجلی کی راہ ملے۔ سالک نے جو آنکھ کھولی تو اس کو وہ قلم الٰہی معلوم ہونے لگا دیکھا تو جیسا علم نے بتایا تھا۔ ویسے ہی ہے کہ نہ وہ کانے کا ہے نہ لکڑی کا نہ اس کے نوک ہے نہ ہونٹ وہ سب آدمیوں کے دلوں پر طرح طرح کے علوم لکھتا ہے اور اس کی ایک نوک ہر ایک دل پر ہے حالانکہ اس کے کوئی نوک نہیں سالک کو اس سے بڑا تعجب ہوا اور کہا کہ علم عجیب رفیق ہے اللہ تعالیٰ اس کو میری طرف سے جزائے خیر دے کہ جو کچھ اوصاف اس نے قلم کے بتائے تھے وہ سب مجھ پر ظاہر ہو گئے واقع میں یہ قلم اور قلموں کی طرح کا نہیں پھر سالک علم کا شکر گزار ہو کر رخصت ہوا اور کہا کہ میں تیرے پاس بہت ٹھہرا اور بہت

[1] اللہ تعالےٰ نے بنایا آدم کو اپنی صورت ۱۲ [2] یہ حدیث پہلے گزری ت ۲ میں ہوں تیرا رب سو اتار اپنی پاپوشیں ۱۲

کچھ پوچھا اب میرا قصد ہے کہ قلم کی خدمت میں جا کر اس کا حال دریافت کروں غرض وہاں سے چل کر قلم سے پوچھا کہ تیرا کیا حال ہے تو ہمیشہ لوگوں کے دلوں پر ایسے علم لکھتا ہے جن سے ارادہ جاگ کر قدرت اٹھا دیتا ہے اور افعال اختیاری سرزد ہونے لگتے ہیں قلم نے کہا کہ تم نے عالم ملک و شہادت میں جو کچھ دیکھا تھا اور وہاں کے قلم کا جواب سنا تھا وہ تم بھول گئے یعنی جب تم نے اس قلم سے پوچھا تھا تو اس نے ہاتھ پر حوالہ کر دیا تھا اس نے کہا کہ میں بھولا نہیں قلم نے کہا تو وہی جواب میرا ہے جو اس قلم کا تھا اس نے کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے تو تو اس کی صورت کا نہیں قلم نے کہا کہ تم نے نہیں سنا کہ ان الله خلق آدم على صورته سالک نے کہا میں نے سنا ہے قلم نے کہا کہ میرا حال بادشاہ کے داہنے ہاتھ سے پوچھو کہ میں اسی کے قبضہ میں رہتا ہوں وہی مجھ کو پھیرتا ہے میں اس کے قابو میں مسخر ہوں یعنی قلم الٰہی اور قلم آدمی میں مسخر ہونے کی رو سے کچھ فرق نہیں اگر فرق ہے تو ظاہر صورت کا ہے سالک نے پوچھا کہ بادشاہ کا داہنا ہاتھ کیا ہے قلم نے کہا کہ جس کا مذکور ہم نے اس آیت میں سنا ہے والسموٰت مطویات بیمینه[1] اقلام بھی اس کے داہنے ہاتھ کے قبضہ میں ہیں جس طرح چاہتا ہے ان کو پھیرتا ہے سالک قلم کے پاس سے یمین کے پاس گیا اور اس میں قلم سے بھی زیادہ عجائب دیکھے کہ جن میں سے کسی کا وصف نہیں ہو سکتا بلکہ ہزار ہا دفتر میں اس کی شرح و وصف کا دسواں حصہ بھی نہیں لکھا جا سکتا خلاصہ یہ کہ وہ یمین یعنی داہنا ہاتھ ہے نہ اور داہنوں کی طرح کا اور بازو ہے نہ اور بازوؤں کی طرح کا انگلیاں ہیں نہ اور انگشتوں کے موافق اس ہاتھ میں قلم کو حرکت کرتے ہوئے دیکھ کر معلوم کیا کہ قلم کا عذر درست ہے تب داہنے ہاتھ سے اس کا حال پوچھا کہ قلم کو حرکت کیوں دیتے ہو اس نے جواب دیا کہ میرا وہی جواب ہے جو عالم شہادت کے ہاتھ نے دیا تھا۔ یعنی حوالہ قدرت پر کیا کیونکہ ہاتھ کو خود بخود حرکت نہیں اس کا محرک قدرت ہوتی ہے۔ سالک قدرت کے عالم کو گیا اور وہاں ایسے عجائب دیکھے جن کے سامنے پیشتر کے عجائب گرد تھے قدرت سے حال حرکت یمین کا پوچھا اس نے جواب دیا کہ میں صرف صفت ہوں قادر سے پوچھ کہ اس کا بنانا موصوف کا کام ہے نہ صفت کا اور اس وقت قریب تھا کہ سالک کو لغزش ہو جاتی اور زبان سوال کشادہ کر بیٹھتا مگر اس کو استقلال مرحمت ہوا اور سرادقات عظمت قادر مطلق سے آواز آئی کہ لا یسئل عما یفعل وهم یسئلون[2] اس امر کو سن کر سالک پر ہیبت چھا گئی اور پچھاڑ کھا کر بے ہوش ہو گیا۔ اور اسی بے ہوشی میں دیر تک تڑپتا تھا جب ہوش آئے تو کہا کہ الٰہی تو پاک ہے تیری شان کیا بڑی ہے میں نے تیرے سامنے توبہ کی اور تجھ پر بھروسا کیا اور اس بات پر ایمان لایا کہ تو بادشاہ جبار قہار یکتا کردگار ہے۔ میں تیرے سوا کسی سے نہ ڈروں گا نہ دوسرے سے توقع کروں گا اور پناہ نہ مانگوں گا مگر تیرے عفو کی تیرے عذاب سے اور تیری رضا کی تیرے غصے سے اور مجھے اب کچھ کام نہیں بجز اس کے کہ تیرے سامنے گڑگڑا کر سوال کروں اور منت و سماجت سے یہ کہوں کہ میرا سینہ کھول دے تاکہ میں تجھ کو پہچان لوں اور میری زبان کی گرہ دور کر دے تاکہ میں تیری تعریف کروں۔ حجاب کی آڑ سے خطاب ہوا کہ خبردار ثنا کی طمع مت کر اور سرور کائنات مفخر انبیاء سے آگے بڑھ کر قدم مت دھر انہیں کے پاس جا جو تجھ کو وہ دیں لے لے اور جس چیز سے روکیں اس سے باز رہ اور جو

---

[1] اور آسمان لپٹے ہیں اس کے داہنے ہاتھ میں ۱۲ [2] اس سے پوچھا نہ جائے جو وہ کرے اور ان سے پوچھا جائے ۱۲

جو کچھ انہوں نے کہا ہو وے زبان پر لا دیکھو انہوں نے اس درگاہ میں اس قول کے سوا کچھ نہیں کہا [۱] سبحانك لا احصی ثناء علیك انت کما اثنیت علی نفسك سالک نے عرض کیا کہ الٰہی اگر زبان کو یارا تیری ثنا کا نہیں تو یہی معلوم ہو جائے کہ دل کو بھی تیری معرفت کی توقع ہو سکتی ہے یا نہیں آواز آئی کہ کیا صدیقوں کی گردن پر سے کودا چاہتا ہے خبردار اور ہوش سنبھال۔ صدیق اکبرؓ کا حال دیکھ اور ان کی پیروی اس لئے کہ سید الانبیاء کے اصحاب ستاروں کے مثل ہیں۔ جن کی اقتدا کرے گا راستہ ملے گا صدیق اکبر کہتے ہیں [۲] العجز عن درك الادراك ادراك خلاصہ یہ کہ ہماری درگاہ سے تیرا بہرہ اسی قدر بہت ہے کہ تو یہ جان لے کہ میں اس دربار سے محروم ہوں اور جمال اور جلال کے ملاحظے سے عاجز ہوں کیونکہ شعر

که خاصان درین ره فرس رانده اند

بلا احصے از تگ فرو مانده اند

اس کے بعد سالک پھرا اور اپنے سوال اور عتاب کا عذر یمین اور قلم اور ارادہ اور قدرت اور بعد کی چیزوں سے کیا اور کہا کہ مجھ کو معذور رکھو اس لئے کہ میں اجنبی تھا اور ان ملکوں میں نیا آیا تھا اور جو شخص اجنبی چلا آتا ہے اس کو دہشت ہوتی ہی ہے میرا انکار تم پر صرف قصور اور جہالت سے تھا اب مجھ کو تمہارا عذر معلوم ہو گیا اور ظاہر ہوا کہ ملک اور ملکوت اور عزت و جبروت میں یگانہ ذات اور حکم کی رو سے وہ خدائے واحد و قہار ہے تم لوگ اس کے قبضہ قدرت میں مسخر اور متحرک ہو وہی اول ہے اور وہی آخر وہی باطن ہے اور وہی ظاہر جب سالک نے یہ بات عالم ظاہری میں بیان کی تو لوگوں نے تعجب کیا اور اس سے پوچھا کہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہی اول ہو وہی آخر ہو یہ دونوں وصف تو ایک دوسرے کی ضد ہیں اسی طرح ظاہر اور باطن کس طرح ہو گا اس لئے کہ جو اول ہو گا وہ آخر نہ ہو گا اور جو چیز ظاہر ہے وہ باطن نہ ہو گی سالک نے کہا کہ وہ ذات اول موجودات کی نسبت کر ہے یعنی سب چیزیں مرتب ایک دوسرے کے بعد اسی سے صادر ہوئی ہیں اور آخر چلنے والوں کی سیر کے لحاظ سے ہے کہ وہ ہمیشہ ایک منزل سے دوسری منزل تک ترقی کرتے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ انتہا اس درگاہ عالی پناہ پر ہوتی ہے اور اس کے بعد کوئی سفر باقی نہیں رہتا سفر کا آخر وہی ہے۔ پس وہ وجود میں اوّل اور مشاہدے میں آخر ہے اسی طرح وہ ان لوگوں کی نسبت کر جو عالم شہادت میں بیٹھ کر اس کے طالب حواس خمسہ سے ہیں۔ باطن ہے اور جو لوگ اس کو اپنے دل کے چراغ روشن میں باطن کی بصیرت سے جو عالم ملکوت تک پہنچی ہوئی ہے طلب کرتے ہیں ان کی نسبت کر ظاہر ہے پس توحید فعلی سالکین کی اس طرح تھی یعنی جن لوگوں پر کھل گیا تھا کہ فاعل ایک ہی ہے ان کا طریق توحید اس طرح تھا اب اگر یہ کہو یہ توحید اس درجے کو پہنچی کہ عالم ملکوت پر ایمان لائے پر اس کی بنا ہے تو اگر کوئی شخص عالم ملکوت کو نہ سمجھے یا انکار کرے تو اس کا طریق کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ منکر کا تو کچھ علاج نہیں بجز اس کے کہ اس سے یہ کہا جائے کہ تیرا ملکوت سے انکار کرنا ایسا ہے جیسے فرقہ سمینہ عالم جبروت کے منکر ہیں کہ عالم کو منحصر پانچوں حواس میں کرتے ہیں۔ اور

---

[۱] پاک ہے تو میں نہیں پوری کر سکتا ہوں تیری تعریف تو ایسا ہے جیسے تو خود کرے اپنے نفس کی تعریف ۱۲ یہ حدیث پہلے گزری ۱۲ [۲] ادراک کے دریافت کرنے سے عاجز ہونا ہی ادراک ہے ۱۲

قدرت اور ارادہ اور علم کے منکر ہیں اس لئے کہ وہ حواس خمسہ سے محسوس نہیں ہوتے یعنی انہوں نے پستی عالم شہادت ہی کو پکڑ لیا ہے اس کی چیزوں کو جانتے ہیں اس کے ماوراء نہیں جانتے پس اگر منکر مذکور کہے کہ میں بھی انہیں میں سے ہوں یعنے صرف عالم شہادت کے سوا اور چیز کو نہیں جانتا یہی حواس خمسہ سے معلوم ہوتا ہے تو اس سے یہ کہنا چاہیئے کہ تو جو ماورا حواس کی چیزوں کا انکار کرتا ہے اور ہم نے اس کا مشاہدہ کر لیا ہے تو تیرا انکار ایسا ہے جیسے فرقۂ سوفسطائی حواس خمسہ کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو کچھ ان سے محسوس ہوتا ہے قابل اعتبار نہیں شاید ہم خواب میں ہی دیکھتے ہیں۔ پھر اگر وہ کہے کہ میں بھی سوفسطائی ہوں مجھے بھی محسوسات میں شک ہے تو کہنا چاہیئے کہ اس شخص کا مزاج بگڑ گیا اور اس کا علاج غیر ممکن ہے اور اس کو چند روز چھوڑ دینا چاہیئے اس لئے کہ طبیب ہر ایک مریض کا تو علاج کر ہی نہیں سکتے بلکہ جس مریض کا مرض علاج پذیر ہوتا ہے اس کا علاج کرتے ہیں۔ یہ حال تو منکر کا ہوا لیکن اگر کوئی منکر تو نہ ہو بلکہ سمجھتا نہ ہو تو سالکوں نے اس کی تدبیر یہ نکالی ہے کہ اس کی وہ آنکھ جس میں عالم ملکوت سوجھ پڑتا ہے دیکھتے ہیں اگر اس کو درست پاتے ہیں اور اس میں پانی اترا ہوتا ہے جو قابل دور کرنے اور صاف کرنے کے ہو تو اس کی صفا اور دور کرنے میں لگ جاتے ہیں جیسے کحال ظاہری آنکھوں میں کیا کرتے ہیں پھر جب اس کی بینائی ٹھیک ہو جاتی ہے تو اس کو راستہ بتلا دیا جاتا ہے تاکہ اس پر چلا جائے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے اصحاب کے باب میں یہی تدبیر استعمال فرمائی پھر اگر علاج کے قابل نہ ہو جو طریق ہم نے توحید کے باب میں لکھا ہے اس کا چلنا اس سے ممکن نہیں اور نہ یہ ہو سکتا ہے کہ ذرات ملک و ملکوت کا کلام شہادت توحید پر سنے پس ایسے شخص کو حروف و آواز سے سمجھانا چاہیئے اور ایسی تقریر توحید کی پست کرنی چاہیئے جو اس کی فہم کے موافق ہو اس لئے کہ عالم شہادت میں بھی توحید موجود ہے مثلاً ہر کوئی جانتا ہے کہ شرکت کی ہنڈیا چوراہے میں پھوٹتی ہے تو اس سے اس کی عقل کے مناسب یہ تقریر کرنی چاہیئے کہ عالم کا معبود اور مدبر ایک ہی ہے اس واسطے کہ اگر سوائے خدا کے زیادہ معبود زمین و آسمان میں ہوتے تو زمین و آسمان خراب ہو جاتے بموجب مثل مشہور کے کہ دو بادشاہ در اقلیمے نہ گنجند تو چونکہ یہ تقریر اس شخص کے تجربے اور مشاہدہ شہادت کے مناسب ہوگی، اسی لئے اس کے دل میں توحید کا اعتقاد جم جائے گا اور اللہ تعالیٰ نے بھی انبیاء علیہم السلام کو یہی حکم فرمایا کہ لوگوں سے ان کی فہم کے بموجب گفتگو کرو اور اسی وجہ سے قرآن شریف بھی زبان عربی میں عرب کے محاورات جس بات کے عادی تھے انہیں الفاظ سے نازل ہوا باقی رہی یہ بات کہ یہ توحید اعتقادی توکل کی بنا اور اصل ہونے کی لیاقت رکھتی ہے یا نہیں تو اس کا حال یہ ہے کہ ہو سکتی ہے اس لئے کہ اعتقاد جب زبردست ہوتا ہے تو احوال کے برانگیختہ کرنے میں کشف ہی کا سا کام کرتا ہے مگر ازاں جا کہ اکثر ضعیف ہی ہوتی ہے اور اس کو تزلزل غالب ہے، اسی واسطے توحید اعتقادی والا ایک متکلم کا محتاج ہے جو اپنی تقریر سے اس کو بچائے رکھے یا خود علم کلام سیکھے جس کے باعث جو توحید ماں باپ یا استاد وغیرہ سے سیکھی ہے وہ محفوظ رہے مگر جو شخص کہ راہ دیکھ کر خود چلے گا اس کو کچھ خوف تزلزل وغیرہ کا نہیں بلکہ اگر پردہ اٹھا لیا جائے تو اس کو یقین

بدستور رہے گا کچھ زیادہ نہ ہوگا۔ گو وضاحت زیادہ ہو جائے جیسے کوئی شخص کسی آدمی کو صبح کے وقت دیکھے اور پھر آفتاب کے نکلنے پر دیکھے تو دوبارہ دیکھنے سے کچھ یہ یقین اس کے آدمی ہونے کا زیادہ نہ ہوگا صرف اتنا فرق ہوگا کہ اول بار میں تفصیل اس کے خط و خال کی معلوم نہ تھی وہ دوبارہ خوب معلوم ہو جائے گی اسی طرح اہل مکاشفہ کی توحید کے یقین کو سمجھنا چاہیئے کہ اول ہی سے ایسا یقین ہوتا ہے جس کو کچھ تزلزل نہ ہو اہل کشف کی مثال ایسی سمجھنی چاہیئے جیسے فرعون کے جادوگر تھے کہ اول سے چونکہ انتہائے تاثیر سحر کو طول مشاہدہ اور تجربے کے باعث جانتے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایسی بات دیکھی جو حد سحر سے بڑھ کر تھی اور امر حق ان پر کھل گیا تو اس بات کی پرواہ نہ کی کہ فرعون مردود نے یہ وعید کیا ہے لاقطعن[1] ایدیکم وارجلکم من خلاف ولاصلبنکم فی جذوع النخل بلکہ یہ کہا کہ لن نؤثرك علی ما جاءنا من البینات والذی فطرنا فاقض ما انت قاض انما تقضی ھذہ الحیوۃ الدنیا حاصل یہ کہ کشف اور ظاہر ہو جانے کے بعد جو بات ہوتی ہے اس میں تغیر نہیں ہوتی اس طرح اہل کشف کی توحید میں کسی طرح کا تزلزل نہیں ہوتا اور توحید اعتقادی کا حال ایسا ہے۔ جیسے سامری کے ساتھ والے تھے کہ ان کا ایمان چونکہ ظاہر کے سانپ دیکھنے پر تھا تو جب سامری کا بچھڑا دیکھا اور اس کی آواز سنی تو پھر بیٹھے اور سامری کا یہ قول سننے لگے ھذا الھکم واله موسیٰ فنسی اور اس بات کا خیال نہ کیا کہ یہ بچھڑا نہ بات کا جواب دے نہ کچھ فائدہ اور نقصان پہنچائے غرضیکہ جو شخص سانپوں کے دیکھنے پر اعتقاد رکھتا ہوگا جب بچھڑے کو دیکھے گا تو بالضرور پھر جائے گا اس لئے کہ دونوں چیزیں عالم شہادت سے ہیں اور اختلاف اور تغیر عالم شہادت میں بہت ہے اور ازل جا کہ عالم ملکوت خدائے تعالیٰ کی جانب سے ہے تو اسی وجہ سے اس میں بھی خلاف اور تغیر ہرگز کچھ نہیں ہوتا یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ جو کچھ توحید کا حال تم نے لکھا ہے وہ اس صورت میں ہے جہاں یہ ثابت ہو کہ واسطے اور اسباب سب مسخر ہیں اور یہ اور جگہ تو ظاہر ہے مگر انسان کی حرکت میں نہیں اس واسطے کہ انسان جب چاہتا ہے حرکت کرتا ہے اور جس وقت چاہتا ہے ٹھہر جاتا ہے تو یہ مسخر کیسے ہوا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یوں ہوتا کہ اگر انسان ارادہ اپنے چاہنے کا کرے تو چاہتا ہے اور اگر خواہش کا ارادہ نہ کرے تو نہیں چاہتا تب البتہ پاؤں پھسلنے کی جگہ اور غلطی کا موقع تھا مگر اب تو تم کو معلوم ہو چکا کہ انسان فعل جب کرتا ہے جب چاہتا ہے لیکن یہ نہیں کہ چاہنا اس کے اختیار میں ہو کہ چاہے تو چاہے اور چاہے نہ چاہے۔ اس لئے کہ اگر خواہش انسان کے اختیار میں ہو تو دوسری مشیئت پر موقوف ہوگی اور وہ تیسری پر اسی طرح غیر متناہی سلسلہ ہو جائے گا اور جب کبھی اس کی وہ خواہش ہو تو جو قدرت کو مقدور کی چیز کی طرف پھیرتی ہے موجود ہوگی تو قدرت بلاشک اسی کام میں مصروف ہوگی اور اس کو تاب مخالفت نہ ہوگی۔ حاصل یہ

---

[1] اب میں کٹواؤں گا تمہارے ہاتھ اور دوسرے پاؤں اور سولی دوں گا۔ تم کو کھجور کے ڈھنڈ پر ۱۲ [2] ہم تم کو زیادہ سمجھیں گے اس چیز سے جو ہم کو پہنچی صاف اور اس سے جس نے ہم کو بنایا سو تو کر چک جو کرتا ہے تو یہی کرے گا اس دنیا کی زندگی میں ۱۲ ف صاحب تمہارا اور صاحب موسیٰ کا سو وہ بھول گیا۔ ۱۲

یہ کہ اتنی باتیں ضروری ہیں قدرت کے ہوتے ہوئے حرکت ضرور ہو گی مشیت کے پختہ ہونے پر قدرت ضرور محرک ہو گی۔ اور مشیت دل میں بے اختیار پیدا ہونی بھی ضروری ہے یہ سب امور اسی ترتیب سے ضروری ہیں۔ بندے کو یہ اختیار نہیں کہ مشیت کو روک دے نہ یہ اختیار ہے کہ بعد مشیت کے قدرت کے مقدور چیز کی طرف نہ پھرنے دے یہ کہ بعد برانگیختہ کرنے مشیت کے قدرت کو حرکت نہ ہونے دے غرض کہ سب امور میں بندہ ناچار ہے اب اگر کوئی کہے کہ اس تقریر سے تو محض جبر ثابت ہوتا ہے جو اختیار کے خلاف ہے اور ہم لوگ قائل اختیار کے ہیں پس جب آدمی ہر طرح سے مجبور ہوا تو مختار کیسے ہو گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر حقیقت حاصل کھول دی جائے تو معلوم ہو کہ انسان عین اختیار ہی میں مجبور ہے مگر جو شخص اختیار کو نہیں سمجھا وہ کیسے سمجھے گا کہ انسان کو اختیار میں مجبوری ہے پس اوّل ہم اختیار کا بیان متکلموں کے طور پر مختصراً بیان کئے دیتے ہیں جو اس مقام کے شایان ہے ورنہ اس کتاب میں ہماری غرض بجز علم معاملہ کے بیان کے اور کچھ نہیں۔ پس ہم کہتے ہیں کہ لفظ فعل انسان میں تین طرح بولا جاتا ہے مثلاً کہتے ہیں کہ انسان انگلیوں سے لکھتا ہے اور پھیپھڑے اور گلے سے سانس لیتا ہے اور جب پانی پر کھڑا ہوتا ہے تو اسے اپنے جسم سے چیر دیتا ہے ان تینوں جملوں میں فعل پانی کے چیرنے اور سانس لینے اور لکھنے کا آدمی ہی کی طرف منسوب ہوتا ہے اور یہ تینوں فعل اضطرار اور جبر میں یکساں ہیں مگر اس کے سوا اور باتوں میں جدا جدا ہیں جن کا حال ہم تین عبارتوں میں لکھتے ہیں پس پانی کے چیرنے کا فعل طبیعی نام رکھتے ہیں اور سانس لینے کو فعل ارادی کہتے ہیں اور کتابت کو فعل اختیاری فرض کرتے ہیں اب ہر ایک کا حال سنو کہ فعل طبیعی نام رکھنے میں جبر ظاہر ہے اس لئے کہ جب انسان پانی کی سطح پر کھڑا ہو گا یا ہوا میں چلے گا تو پانی اور ہوا دونوں چر جاویں گے غرضیکہ چلنے کے بعد چرنا ضروری ہے اور سانس لینا بھی ایسا ہی اس لئے کہ گلے کی حرکت کو سانس لینے کے ارادے کی طرف وہی نسبت ہے جو پانی کے پھٹنے کو ہے بدن کے بوجھ کی طرف پس جب ثقل موجود ہو گا تو اس کے بعد چرنا پایا جائے گا۔ جیسے سانس لینے کے ارادے کے ہوتے ہوئے سانس موجود ہوتا ہے مگر ثقل کا ہونا آدمی کے اختیار میں نہیں اسی طرح ارادہ فعل ارادی کا بھی آدمی کے بس میں نہیں اسی واسطے دیکھتے ہو کہ جب سوئی لے کر کسی آنکھ کی طرف کو کرو تو پلکیں بے اختیار بند ہو جاتیں ہیں اگر وہ شخص چاہے کہ کھلی رکھے نہیں رکھ سکے گا باوجودیکہ پلکوں کا بند کرنا فعل ارادی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ادراک سامنے صورت سوئی کی بندھ جاتی ہے تو ارادہ بند کرنے پلکوں کا ضروری پیدا ہو جاتا ہے اور اسی ارادہ سے حرکت پیدا ہو جاتی ہے اگر اس حرکت کو روکنا چاہے گا تو نہ ہو سکے گا گو یہ فعل قدرت و ارادہ سے ہے اس سے معلوم ہوا کہ اس طرح کے افعال بھی ضروری ہونے میں فعل طبیعی میں داخل ہیں رہا فعل اختیاری وہی محل شبہ میں ہے یعنی کتابت اور کلام وغیرہ کو کہہ سکتے ہیں کہ اگر چاہے کرے اور چاہے نہ کرے اور کبھی ان کی خواہش کرتا ہے کبھی نہیں کرتا ہے اس سے گمان ہوتا ہے کہ ان کا امر مفوض انسان کی طرف ہے اور وجہ اس گمان کی اختیار کے معنی سے ناواقفیت ہے اسی لئے ہم اس کو واضح کئے دیتے ہیں اس کا بیان یہ ہے کہ ارادہ تابع اس علم کا ہوتا ہے جو یہ حکم کرتا ہے کہ یہ چیز آدمی کے موافق ہے اور اس اعتبار سے اشیاء کی دو قسمیں ہیں بعض تو ایسی

ہیں کہ آدمی کا مشاہدہ ظاہر یا باطن بدون حیرت و تردد کے کہہ دیتا ہے کہ یہ تیرے موافق ہیں اور بعض ایسی ہیں کہ عقل ان میں متردد ہوتی ہے اوّل کی مثال یہ ہے کہ مثلاً کوئی شخص تمہاری آنکھ میں سوئی مارنی چاہے یا شمشیر علم کر کے تم پر جھکے تو تم کو اسی بات کا علم ہو گا کہ اس بلا کا ٹالنا میرے حق میں بہتر اور موافق ہے اس میں کچھ تردد نہ کرو گے۔ اور فوراً اس علم کے سبب ارادہ پیدا ہو گا اس کے باعث قدرت متحرک ہو گی اور سوئی کے دفع کرنے کے لئے پلکیں جھپک جائیں گی اور تلوار کے روک کو ہاتھ اٹھ جائیں گے اور گو یہ باتیں ارادہ سے ہوئیں مگر بلا تامل و تفکر ہوئیں اور جن باتوں میں کہ عقل و تمیز کو تامل ہوتا ہے اور نہیں جانتے کہ موافق ہیں یا نہیں ان میں حاجت فکر کی ہوتی ہے یہاں تک کہ عقل پر کھل جائے کہ اس کا کرنا اچھا ہے یا نہ کرنا پس جب فکر سے علم اس کے بہتر ہوتے کا حاصل ہو جاتا ہے تو یہ بھی ایسا ہی ہو جاتا ہے جیسے اوّل قسم کی اشیاء میں بلا تفکر تھا اور اسی واسطے یہاں بھی اس علم کے باعث ارادہ پیدا ہوتا ہے جیسے وہاں تلوار سوئی کی روک کے لئے پیدا ہوا تھا پس جس وقت یہ ارادہ ایسے فعل کے واسطے اٹھتا ہے جس کی بہتری ...... عقل کو معلوم ہو چکی ہو اس صورت میں اس کا نام اختیار ہوتا ہے جو خیر سے مشتق ہے یعنی اختیار کیا چیز ہے کہ برانگیختہ ہونا ایسے فعل کی طرف جو عقل کے نزدیک خیر ہے اور یہ وہی ارادہ بعینہٖ ہے فرق یہی ہے کہ اس ارادے کے ابھرنے میں فعل کے خیر ہونے کا انتظار اپنے حق میں نہیں کرنا پڑا تھا مگر یہ کہ تلوار کے دفع کرنے میں بہتری بدون تفکر بلکہ بداہۃً ظاہر ہوئی اور اس میں حاجت فکر کی ہوئی۔ پس اختیار ایک ارادہ خاص ہے۔ یعنی وہ ارادہ کہ عقل کے اشارے سے ایسی چیزوں میں اٹھتا ہے جن کے ادراک میں عقل کو تامل ہوتا ہے اور اسی بنا پر یہ کہا گیا ہے کہ اختیار میں عقل کو حاجت اس بات کی ہوتی ہے کہ دو بہتر کاموں میں سے زیادہ بہتر کو تمیز کرے اور دو بری باتوں میں سے زیادہ بری کو۔ اور یہ ہو نہیں سکتا کہ ارادہ بدون حکم حس اور خیال کے یا بے ناطق عقل کے اُٹھ کھڑا ہو اسی واسطے اگر کوئی شخص مثلاً اپنے ہاتھ سے اپنی گردن جدا کرنی چاہے تو نہیں ہو سکے گا نہ اس جہت سے کہ اس کے ہاتھ میں زور نہیں یا چھری موجود نہیں بلکہ اس وجہ سے کہ یہاں وہ ارادہ نہیں جو قدرت کو اٹھایا کرتا ہے اور ارادہ کے نہ ہونے کی یہ جہت ہے کہ جب ہوا کرتا ہے جب عقل یا حس سے معلوم ہو جائے کہ فعل موافق ہے اور ظاہر ہے کہ اپنے آپ کو مار ڈالنا عقل کے موافق نہیں اسی لئے باوجود قوت اعضاء کے ممکن نہیں کہ آدمی اپنے آپ کو قتل کر ڈالے مگر اس صورت میں کہ ایسی تکلیف دردناک میں مبتلا ہو جس کی اس کو تاب نہ ہو کیونکہ اس صورت میں عقل کو حکم میں تردد و توقف ہوتا ہے یعنی اپنا مار ڈالنا بھی برا ہے اور مبتلائے آلام و مصائب رہنا بھی برا تو عقل کو ان دونوں برائیوں میں تردد ہوتا ہے کہ کون سی بہتر ہے اگر بعد فکر کے اس کے نزدیک اس امر کو ترجیح ہوتی ہے کہ قتل نہ کرنے میں برائی کم ہے تب تو اپنے آپ کو قتل نہیں کر سکتا اور اگر عقل قتل میں برائی کم پاتی ہے اور حکم قطعی ایسا کرتی ہے کہ اس سے پھر نے اور مائل ہو جانے کی گنجائش نہ ہو تو ارادہ اور قدرت پیدا ہوتے ہیں اور آدمی اپنے آپ کو ہلاک کر دیتا ہے جیسے کوئی شخص پیچھے تلوار لے کر دوڑے تو دوسرا آدمی کبھی چھت پر سے خوف کے مارے گر پڑتا ہے اگرچہ وہاں سے گر کر مر جائے مگر اس کی کچھ پرواہ نہیں کرتے اور نہ یہ ہو سکے کہ

چھت پر سے اپنے آپ کو نہ گرادے اگر کوئی پیچھے سے ہلکی چوٹ مارتا ہوا جاتا ہو تو چھت کے کنارے پر پہنچ کر عقل حکم کرتی کہ مار کا سہنا بہ نسبت گرنے کے آسان ہے اور اعضاء توقف کرتے پھر ممکن نہیں تھا کہ اپنے آپ کو گرادے اور نہ اس کا ارادہ پیدا ہوتا کیونکہ ارادہ تابع عقل اور حس کے حکم کا ہوتا ہے اور قدرت ارادے کی تابع ہے اور حرکت اعضاء قدرت کے تابع اور یہ سب آدمی میں ضروری پیدا ہوتے ہیں ایسی طرح کہ اس کو خبر نہیں ہوتی کیونکہ آدمی ان امور کا محل ہوتا ہے اور یہ ہرگز نہیں کہ اس سے صادر ہوتے ہیں۔ اس تقریر سے معلوم ہوا کہ آدمی کے مجبور ہونے کے یہ معنی ہیں کہ سب افعال اس میں غیر سے حاصل ہوتے ہیں خود اس سے نہیں ہوتے ہیں اور مختار ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ محل اس ارادے کا ہے جو اس میں جبراً پیدا ہوا بعد اس کے کہ عقل نے کسی کام کو خیر محض اور موافق ہونے کا حکم کر دیا اور حکم بھی جبراً ہوا۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ آدمی اختیار پر مجبور ہے مثلاً آگ کا فعل جلانے میں صرف جبر ہے اور خدائے تعالےٰ کا فعل محض اختیار ہے اور انسان کا فعل ان دونوں مراتب کے درمیان ہے۔ یعنی جبر ہے اور راز اں جاکہ یہ ایک تیسری قسم ہے تو اہل حق نے اس کے لئے نام بھی جدا ڈھونڈا اور اسباب میں اقتداء کتاب اللہ تعالےٰ کا کر کے اس کو کسب کہا اور یہ نہ جبر کے خلاف ہے نہ اختیار کے بلکہ سمجھ والوں کے نزدیک دونوں باتوں کا جامع اور خدائے تعالیٰ کا فعل جو اختیار کہلاتا ہے اس میں یہ شرط ہے کہ وہ اختیار نہ ہو جو ارادہ بعد حیرت اور تردد کے ہوا کرتا ہے اس لئے کہ یہ بات خدائے تعالےٰ کی شان میں محال ہے اور جتنے الفاظ کے لغات میں مذکور ہیں ان کا استعمال خدائے تعالیٰ کے حق میں استعارہ اور مجاز ہی کی راہ سے ہے اور اس بات کا ذکر کرنا طویل ہے اور قابل اس مقام کے نہیں اب اگر کوئی کہے کہ علم نے ارادہ پیدا کیا اور ارادے نے قدرت اور قدرت نے حرکت یعنے ہر ایک پچھلی چیز اول سے پیدا ہوئی اس سے تمہاری اگر یہ غرض ہے کہ بدون قدرت الٰہی کے ایک نے دوسری چیز کو پیدا کر دیا تو یہ نہیں ہو سکتا اور اگر یہ غرض نہیں تو ان کے ایک دوسرے پر مترتب ہونے کے کیا معنی ہیں پس اس کا جواب یہ ہے کہ کہنا ان میں سے بعض نے بعض کو پیدا کیا۔ جہالت محض ہے بلکہ ان سب کا حوالہ اس بات پر ہے جس کو قدرت ازلی سے تعبیر کرتے ہیں اور سب کی اصل وہی ہے عوام اس سے واقف نہیں جو لوگ علم میں راسخ ہیں وہ البتہ اس کے معنی کی ماہیت سمجھتے ہیں۔ عوام اس لفظ ہی کو جانتے ہیں اور اس میں ایک قسم کی قدرت مشابہ انسان کی قدرت کے سمجھتے ہیں حالانکہ یہ امر حق سے بہت دور ہے اور اس کا بیان بہت طویل ہے لیکن اتنا جاننا چاہیئے کہ بعض مقدورات بعض پر مترتب ہوتے ہیں۔ اس طرح جیسے مشروط شرط پر ہوتا ہے اس جہت قدرت ازلی سے ارادہ جب ہی صادر ہوتا ہے جب علم ہو لیتا ہے اور علم بعد حیات کے اور حیات بعد محل حیات کے صادر ہوتی ہے یہ نہیں کہہ سکتے کہ حیات جسم سے حاصل ہوتی ہے جو شرط حیات ہے اسی طرح اور درجات ترتیب کو جاننا چاہیئے لیکن بعض شرطیں تو اکثر عوام پر ظاہر ہو جاتی ہیں اور بعضے بدون خواص اور کشف والوں کے جو رونق سے دیکھتے ہیں۔ ظاہر نہیں ہوتیں ورنہ جو متقدم مقدم ہوتا ہے یا جو متاخر پیچھے ہوتا ہے وہ لزوم اور حق ہی کے ساتھ ہوتا ہے سب افعال افعال

الٰہی کو ایسا ہی جاننا چاہیے اگر یہ بات نہ ہوتی تو تقدیم و تاخیر لغو اور مجنونوں کے فعل کے مانند ہوتی خداوند کریم
ان واہی خیالات سے پاک و مبرا ہے خود اس کی طرف اشارہ فرماتا ہے لہ وما خلقنا السمٰوٰت والارض وما
بینہما لاعبین ما خلقنا ھما الا بالحق اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو چیزیں آسمان و زمین کے اندر ہیں وہ
ترتیب واجب اور حق لازم کے ساتھ ہوتی ہیں جس طرح وہ ظاہر ہوتی ہیں اس کے سوا اور کسی طرح ان کا ہونا متصور نہ
نہیں ہو سکتا جو ترتیب ان میں ہے اس کے خلاف اور کوئی ترتیب ممکن نہیں اب جو کوئی متاخر چیز پیچھے ہوئی ہے
تو صرف شرط کے انتظار کے سبب ہے کہ مشروط کا ہونا شرط سے پہلے محال ہے اور محال کو تحت قدرت داخل ہونے کے
ساتھ موصوف نہیں کیا کرتے ہیں غرضیکہ علم جو نطفہ سے پیچھے ہوتا ہے تو یہی سبب ہے کہ نطفہ میں حیات نہیں جو شرط
علم ہے اور حیات کے ساتھ علم ہونے کے بعد جو ارادہ پیچھے ہوتا ہے تو شرط علم کے نہ ہونیکی جہت سے اور ان میں
سے ہر چیز کا اپنی شرط کے بعد اس طرح ہونا واجب و لازم ہے ترتیب حق یہی ہے۔ یہ بات نہیں کہ اس ترتیب میں
کچھ اتفاق و سرسری ہونے کو دخل ہو بلکہ یہ ترتیب مقتضائے حکمت کے بموجب ہے اور اس کا سمجھنا بہت مشکل
ہے لیکن ہم ایسی مثال بیان کرتے ہیں جس سے معلوم ہو کہ باوجود قدرت کے فعل مقدور اپنی شرط پر موقوف رہتا ہے اور بلا شرط
بروئے کار نہیں آتا اس مثال سے جو لوگ تھوڑی اور ضعیف فہم رکھتے ہیں ان کو بھی حق بات کے آغاز و شروع کی
باتیں سمجھنی سہل ہو جائیں گی فرض کرو کہ ایک بے وضو آدمی پانی میں گردن تک ڈوبا ہوا ہے تو باوجودیکہ پانی استعمال
کرنے اور ملے رہنے سے بے وضو ہونا جاتا رہتا ہے مگر اس کے اعضا سے حدث دور نہ ہوگا بلکہ شرط کا منتظر رہے
گا کہ جب منہ بھی دھویا جائے تو دور ہو اسی طرح جان لو کہ قدرت ازلی بھی سب مقدورات سے ملی ہوئی اور سب سے
متعلق ہے جیسے پانی تمام اعضا سے ملا ہوا تھا مگر مقدور جب ہی موجود ہوگی جب اس کی شرط پائی جائے گی۔
جیسے مثال بالا میں حدث کا دور ہونا وجود شرط پر منحصر ہے اور وہ منہ دھونا ہے پس جو شخص پانی میں کھڑا ہو کر اپنا
منہ پانی کی سطح پر رکھ دے اور پانی سب اعضا میں تاثیر کرے اور حدث جاتا رہے تو جاہل یہ خیال کرتے ہیں کہ حدث
ہاتھوں سے اس واسطے سے گیا کہ منہ سے جاتا رہا یعنے منہ کے حدث دور ہونے کو علت ہاتھوں کے حدث کے
جانے کی کہتے ہیں پانی کو رافع حدث نہیں جانتے کیونکہ دور ہونا حدث کا منہ دھونے کے بعد ہوا تو معلوم ہوا
کہ پانی پیشتر سے اعضا سے ملا ہوا تھا رافع حدث نہ تھا اور اب پانی کچھ بدل تو گیا ہی نہیں جیسا تھا ویسا ہی ہے
تو جو بات اس سے پیشتر حاصل نہ تھی وہ اب کیسے ہوگی مگر منہ دھونے سے حدث کا جانا قطعی ہے تو ثابت ہوا کہ
منہ دھونا ہی رافع حدث کا ہے پانی رافع نہیں اگر پانی ہوتا پہلے بھی رافع حدث ہوتا اور یہ خیال ان لوگوں کا
محض جہالت ہے اور ایسا ہی ہے جیسا کوئی یہ گمان کرے کہ حرکت قدرت سے حاصل ہوتی ہے اور قدرت ارادے
سے اور ارادہ علم سے حالانکہ یہ دونوں باتیں غلط ہیں بلکہ اصل یہ ہے کہ جب منہ سے حدث مرتفع ہوا تو ہاتھوں کا
حدث بھی اس پانی سے جو ہاتھوں سے ملا ہوا تھا مرتفع ہوا کچھ منہ دھونے سے مرتفع نہیں اور یہ مانا کہ پانی نہیں

لہ اور ہم نے جو بنایا آسمان و زمین اور آسمان اور جو ان کے بیچ میں ہے کھیل نہیں بنایا ان کو بنایا ہم نے ٹھیک کام پر ۱۲

بدلا اور ہاتھ نہیں بدلا اور نہ کوئی چیز نئی ہوئی مگر شرط جو مفقود تھی وہ ہوگئی اس لئے اس کا اثر بھی ظاہر ہوگیا پس مقدورات کا صادر ہونا قدرت ازلی سے اسی طرح سمجھنا چاہیئے باوجودیکہ قدرت ازلی قدیم ہے اور مقدورات سبب حادثات ہیں اور یہ ذکر ایک جداگانہ دستک عالم مکاشفات کے دروازے کی ہے اسی لئے ہم اس کو بھی چھوڑ دیتے ہیں اس لئے کہ ہمارا مقصود تو صرف توحید اور فعل کے طریق پر تنبیہہ کرنا ہے کیونکہ فاعل حقیقت میں ایک ہے اور وہی قابل خوف ورجا ہے اور اسی پر توکل واعتماد زیبا ہے جس قدر ہم نے اسباب میں لکھا ہے اس کو سب توحیدوں کے سمندروں میں تیسری قسم کے توحید کے سمندر کا ایک قطرہ جاننا چاہیئے اس کا پورا بیان تو عمر نوح میں بھی محال ہے اور ایسا ہے جیسے کوئی سمندر کے پانی کو قطرہ قطرہ کرکے سب اٹھاتا ہے۔ اور یہ تمام تقریر کلمہ لا الٰہ الا اللہ کے مضمون میں داخل ہے تو دیکھنا چاہیئے کہ یہ کلمہ زبان پر کتنا ہلکا ہے اور اس کے لفظوں کے معنوں کا اعتقاد دل میں کتنا سہل ہے اور اس کی حقیقت اور مغز علمائے راسخین کے نزدیک کتنی بڑی ہے اوروں کے نزدیک کا تو کیا ذکر ہے۔ یہاں یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ توحید کے معنی تو یہ ہیں سوائے خدائے تعالےٰ کے کوئی فاعل نہیں اور شرع سے افعال کا ثبوت بندوں کے لئے پایا جاتا ہے تو یہ دونوں اکٹھے کیسے ہو سکتے ہیں کیونکہ اگر بندہ فاعل ہوگا تو خدائے تعالےٰ کیسے ہوگا تو بندے کو کس طرح کہو گے اور ایک ہی فعل کے دو فاعل ہوں یہ سمجھ میں نہیں آتا۔ پس اس کا جواب یہ ہے کہ جب فاعل کے معنی ایک ہی لئے جائیں تب البتہ یہی بات ہے کہ ایک فعل کے فاعل دو نہیں متصور ہوتے اور اگر فاعل کے دو معنی ہوں اور لفظ مجمل ہو کہ دونوں پر ہو سکتا ہو تو کچھ دشوار نہیں مثلاً کہا کرتے ہیں کہ امیر نے فلاں شخص کو قتل کر ڈالا اور یہ بھی کہتے ہیں کہ جلاد نے مار ڈالا تو یہاں امیر اور اعتبار سے قاتل کہلاتا ہے اور جلاد اور اعتبار سے اسی طرح بندہ اپنے فعل کا اور اعتبار سے فاعل ہے اور خدائے تعالےٰ اور اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے فاعل ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ فعل کا ایجاد و اختراع کرنے والا ہے اور بندے کے فاعل ہوتے کے یہ معنی ہیں کہ بندہ وہ محل ہے جس میں قدرت پیدا ہوئی بعد اس کے کہ خدائے تعالےٰ نے بندے میں ارادہ پیدا کیا اور اس سے پہلے علم پیدا کیا یعنی ارتباط قدرت و ارادہ وحرکت کا قدرت سے تو ایسا ہے جیسے شرط کا ارتباط مشروط سے ہوتا ہے اور قدرت الٰہی سے اس طرح ہے جس طرح معلوم کو ارتباط علت سے اور موجود کا ایجاد کی ہوئی چیز سے ہوتا ہے اور جو چیز کہ اس کو قدرت سے ارتباط ہوتا ہے تو محل قدرت کو بھی فاعل کہہ دیتے ہیں خواہ کسی طرح کا انتساط ہو۔ مثلاً جلاد اور امیر دونوں کو قاتل اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ قتل دونوں کی قدرت سے ارتباط رکھتا ہے مگر ارتباط دو طرح کا ہوتا ہے اسی واسطے قتل دونوں کا فعل کہلاتا ہے اسی طرح ارتباط مقدورات کا دو قدرتوں سے سمجھنا چاہیئے اور اسی موافقت اور مطابقت کے لئے خدائے تعالےٰ نے افعال کو قرآن مجید میں کبھی فرشتوں کی طرف اور کبھی انہیں افعال کو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے چنانچہ موت کے باب میں ارشاد ہے [1] قل یتوفٰکم ملک الموت اور فرمایا [2] اللہ یتوفی الانفس حین موتہا اور فرمایا [3] افرایتم ما تحرثون اس میں

[1] تو کہہ بھر لیتا ہے تم کو فرشتہ موت کا ۱۲ [2] اللہ کھینچ لیتا ہے جانیں جب وقت ہو ان کے مرنے کا [3] بھلا دیکھو تو جو بوتے ہو ۱۲

بندوں کی طرف کاشتکاری کو منسوب فرمایا اور دوسری جگہ ارشاد ہے انا صببنا الماء صبا ثم شققنا الارض شقاً فانبتنا فیہا حبا وعنبا اور فرمایا فارسلنا الیہا روحنا فتمثل لہا بشرا سویا فنفخنا فیہا من روحنا حالانکہ پھر پھونکنے والے حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے اور ایک جگہ ارشاد ہے فاذا قرأناہ فاتبع قرآنہ تفسیر میں اس کے معنی یہ لکھے ہیں کہ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام تم پر قرآن پڑھیں قاتلوھم یعذبہم اللہ بایدیکم اس میں قتل کو تو مسلمانوں کی طرف منسوب فرمایا اور عذاب دینے کو اپنی طرف اور عذاب دینا بعینہ قتل کرنا ہے چنانچہ دوسری جگہ اس کو بصراحت فرمایا فلم تقتلوھم ولکن اللہ قتلھم اور فرمایا وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی اس میں بظاہر نفی اور اثبات کو جمع فرمایا مگر حقیقت میں یہ غرض ہے کہ نفی اس اعتبار سے ہے جس سے خدائے تعالیٰ فاعل ہو اور اثبات اس اعتبار سے جس سے کہ بندہ فاعل ہو اور یہ دونوں علیحدہ علیحدہ باتیں ہیں اور فرمایا الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم پھر فرمایا الرحمن علم القرآن خلق الانسان علمہ البیان اور فرمایا ثم ان علینا بیانہ اور فرمایا افرایتم ما تمنون ءانتم تخلقونہ ام نحن الخالقون اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رحموں کے فرشتے کے وصف میں فرماتے ہیں کہ وہ رحم میں جاکر نطفے کو ہاتھ میں لیتا ہے اور اس کو جسم کی صورت بناتا ہے اور کہتا ہے کہ الٰہی یہ مرد ہے یا عورت برابر ہو یا ٹیڑھا اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں جو چاہتا ہے ارشاد فرما دیتا ہے اور فرشتہ اسی طرح بنا دیتا ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ فرشتہ صورت بنا کر اس میں روح پھونک دیتا ہے خواہ سعادت کے ساتھ یا شقاوت کے انتہی اور بعض اکابر فرماتے ہیں کہ جس فرشتے کا نام روح ہے وہ وہ ہے جو جسموں میں روح ڈالتا ہے اور وہ اپنے کسی خاص طرح پر سانس لیتا ہے تو اس کا ہر ایک سانس روح بن کر جسم میں چلا جاتا ہے اس لئے اس کا نام روح رکھا گیا ہے۔ اس بزرگ نے جو کچھ اس جیسے فرشتے کے باب میں کہا ہے اور صفت بیان کی ہے۔ وہ درست ہے اہل بصیرت نے اپنی بصیرت سے اس کا مشاہدہ بھی کیا ہے مگر اس کا نام روح ہونا بدون سند نقلی کے نہیں ہو سکتا اور بے دلیل نقلی اس کو روح کہ دینا صرف تخمین ہے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دلائل اور آیات زمین و آسمان میں ذکر فرمائے پھر فرمایا اولم یکف بربک انہ علی کل شیء شہید اور شہد اللہ انہ لا الہ الا ھو اس میں بتلایا کہ خود خدائے سبحانہ اپنے نفس پر دلیل ہے

---

[1] ہم نے ڈالا پانی اوپر سے پھر چیرا زمین کو پھاڑ کر پھر اگایا اس میں اناج انگوری اور ترکاری ۱۲ [2] پھر بھیجا ہم نے اس کے پاس اپنا فرشتہ پھر بن آیا اس کے آگے آدمی پورا [3] پھر ہم نے پھونک دی اس میں ایک اپنی طرف کی جان ۱۲ [4] پھر جب ہم پڑھنے لگیں تو ساتھ رہ اس کے پڑھنے کے [5] لڑو ان سے تا عذاب کرے ان کو تمہارے ہاتھوں سے ۱۲ [6] سو تم نے انہیں مارا نہیں مارا لیکن اللہ تعالیٰ نے مارا ۱۲ [7] اور تو نے نہیں پھینکی تھی مٹھی خاک کہ جس وقت پھینکی تھی لیکن اللہ نے پھینکی ۱۲ [8] جس نے علم سکھایا قلم سے سکھایا آدمی کو جو نہ جانتا تھا ۱۲ [9] رحمٰن نے سکھایا قرآن بنایا آدمی پھر سکھائی اس کو بات ۱۲ [10] اور پھر مقرر ہمارا ذمہ ہے اس کو کھول کر بتانا [11] بھلا دیکھو جو پانی ٹپکاتے ہو اب تم اس کو بناتے ہو یا ہم بنانے والے ہیں ۱۲ [12] بخاری و مسلم نے بروایت ابن مسعود یہ مضمون باختلاف الفاظ نقل کیا ہے ۱۲ [13] کیا تیرا رب تھوڑا ہی ہے ہر چیز پر گواہ ۱۲ [14] اللہ نے گواہی دی کہ کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا ۱۲ [15] اس کی سند مجھے نہیں ملی ۱۲

. اور یہ امر کچھ خلاف نہیں بلکہ استدلال کی راہیں مختلف ہیں بہت طالب ایسے ہیں کہ انہوں نے موجودات کو دیکھ کر خدائے تعالےٰ کو پہچانا ہے اور بہت سے طالبوں نے اللہ تعالےٰ سے موجودات کو جانا ہے چنانچہ بعض اکابر فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے رب کو اسی کی بدولت پہچانا اگر میرا پروردگار نہ ہوتا تو میں اس کو ہرگز نہ جانتا اور یہی مراد اس آیت میں ہے اولم یکف بربک انہ علی کل شیء شہید اور اللہ تعالےٰ نے اپنے نفس کی صفت بیان فرمائی کہ زندہ کرنے والا اور مارنے والا میں ہوں مگر پھر موت اور حیات کو دو فرشتوں کی طرف مفوض فرمایا چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ موت اور حیات کے دو فرشتے نے آپس میں مناظرہ کیا ملک الموت نے کہا کہ میں زندوں کو مردہ کرتا ہوں اور حیات کے فرشتے نے کہا کہ میں مردوں کو زندہ کرتا ہوں اللہ تعالےٰ نے ان پر وحی بھیجی کہ تم دونوں جس کام پر مقرر ہوئے وہ کئے جاؤ مارنے اور جلانے والا میں ہوں میرے سوا اور کوئی مار اور جلا نہیں سکتا۔ حاصل یہ کہ فعل کا استعمال کئی طرح پر ہوتا ہے اگر سمجھو تو کچھ اس میں تناقض نہیں اور اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کو خرما عنایت فرمایا تھا ارشاد فرمایا خذہا لم تاتہا لاتتک[1] آپ نے کو اس شخص کی طرف منسوب فرمایا حالانکہ خرما انسان کی طرف ایسی طرح نہیں آتا جیسے انسان اس کی طرف جاتا ہے اسی طرح جب ایک تائب نے کہا کہ میں خدائے تعالیٰ کی طرف توبہ کرتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تو آپ نے فرمایا تو اس شخص نے حق کو حقدار کے لئے جان لیا اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص سب باتوں کو خدائے تعالےٰ کی طرف ہی منسوب کرے وہ ایسا محقق ہے کہ حق اور حقیقت کے حقدار کو جانتا ہے اور جو شخص اس کے غیر کی طرف کچھ نسبت کرے اور اپنے قول میں استعارہ اور مجاز کہتا ہے اور مجاز کے واسطے بھی ایک وجہ ہے جیسے کہ حقیقت کے لئے ایک وجہ ہے اور لفظ فاعل واضع لغت نے اختراع کرنے والے کے لئے بنایا ہے مگر چونکہ اس نے خیال کیا کہ انسان بھی اپنی قدرت سے اختراع کرتا ہے اس لئے اس کو بھی فاعل اپنے کام کا کہہ دیا اور اس کے فاعل کہنے کو معنی حقیقی سمجھ گیا اور وہم کیا کہ اس فعل کی نسبت خدائے تعالےٰ کی طرف مجازاً ہے جیسے قتل کی نسبت حاکم کی طرف مجازاً ہے اور جلاد کی طرف حقیقت میں مگر اہل حق کو عقدہ کھلا تو معلوم ہوا کہ امر بالعکس ہے اور واضع لغت سے کہا کہ اگر لفظ فاعل تو نے مخترع کے واسطے بنایا ہے تو فاعل سوائے خدائے تعالیٰ کے اور کوئی نہیں پس حقیقی معنی خاص خدائے تعالےٰ کے واسطے ہیں اور دوسرے کیلئے بولنا مجاز ہے یعنی اس مقصود سے جو واضع لغت نے لفظ بنایا تھا تجاوز کر گیا کیونکہ اختراع کا کام صرف .... خدائے تعالےٰ کا ہے اور جب کہ حقیقی معنی بعض عرب کی زبان پر قصداً یا اتفاقاً جاری ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تصدیق فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ:-

بہت سچا شعر جو شاعر نے کہا ہے قول لبید کا ہے۔ شعر

الا کل شیء ما خلا اللہ باطل ÷ وکل نعیم لامحالۃ زائل

جس کا ترجمہ یہ ہے

---

[1] طبرانی بروایت ہذیل بن سرحبیل عن ابن عمر ۱۲ ۔ اس کو لے کر اگر تو اس کے پاس نہ آتا تو یہ تیرے پاس آتا ۔ ۱۲ ۔

ہر چیز سوائے خدا کے جانو باطل ٭ سب چین یہاں کے ہونگے لامحالہ زائل

یعنی جس چیز کو قیام اپنی ذات سے نہیں دوسرے کے سبب قائم ہے وہ بذات خود باطل ہے اس کی حقیقت اور حقیقت غیر سے ہے نہ خود اس سے پس ثابت ہوا کہ حقیقت میں سوائے ذات حی و قیوم بے ہمتا کے اور کوئی نہیں کہ وہی اپنی ذات سے قائم ہے سوا اس کے سب قائم اس کی قدرت سے ہیں اسی جہت سے وہی حق ہے اور سب باطل ہیں اور اسی جہت سے حضرت سہل تستری فرماتے ہیں کہ اے مسکین خدائے تعالیٰ موجود تھا اور تو نہ تھا اور وہ ہوگا اور تو نہ ہوگا آج تو ہو گیا تو کہنے لگا میں ہوں اب بھی ایسا ہی ہو جا جیسے پہلے نہیں تھا کیونکہ آج ویسا ہی وقت ہے جیسا پہلے تھا شعر

بہشت تن آسانی آں کہ خوری ٭ کہ بردوزخ نیستی بگذری

اب اگر کوئی کہے کہ اس تقریر سے معلوم ہوا کہ بالکل کارخانہ خیر کا ہے تو پھر ثواب و عذاب کے کیا معنی ہیں اور غضب اور رضا سے کیا مراد ہے اب اپنے ہی فعل پر خدائے تعالیٰ راضی اور ناراض کیسے ہوگا تو اس کا جواب یہ ہے کہ باب الشکر میں اس بات کی طرف اشارہ کر چکے ہیں دوبارہ لکھنے کی حاجت نہیں یہ مقدار وہ ہے جو توحید مورث حال توکل کے باب میں ہم کو بطور رمز لکھنی منظور تھی اور یہ بدون ایمان اور اعتقاد کرنے رحمت و حکمت کے کامل نہیں ہوتی اس لئے کہ توحید سے لازم آتا ہے کہ مسبب الاسباب پر نظر ہو اور وسعت رحمت پر اعتماد ہونے سے اعتماد مسبب الاسباب پر ہوتا ہے اور حال توکل جیسا کہ آئندہ مذکور ہوگا جب ہی پورا ہوتا ہے جب وکیل پر اعتماد اور دل کا اطمینان اس کی شفقت پر ہو اور ایمان کی یہ قسم بھی بہت بڑی ہے۔ اہل کشف کے طریق کی صورت اسباب میں لکھنی طویل ہے مگر اس کا خلاصہ لکھے دیتے ہیں تاکہ طالب مقام توکل اس کا معتقد قطعی اعتماد سے ہو جائے اور کسی طرح کا شک نہ کرے وہ یہ ہے کہ ایسے یقین سے کہ جس میں شائبہ ضعف اور شک نہ ہو یہ تصدیق کرے اور خدائے تعالیٰ اگر تمام خلق کو سب سے زیادہ عقیل شخص کے موافق عقل دیتا اور سب سے زیادہ عالم جیسا علم عنایت کرتا اور جس قدر علم کی ان نفسوں میں سمائی ہوتی اتنی ہی عنایت فرماتا اور ان کو حکمت اس درجہ کی دیتا کہ جس کی کچھ انتہا نہیں پھر جیسے ان کی شمار بڑھتی جاتی ویسی ہی علم اور حکمت اور عقل کو ترقی بخشتا رہتا۔ . . . اور ان پر انجام کار کا حال ظاہر کر دیتا اور اسرار ملکوت بھی سب کے سب کو بتلا دیتا اور لطف و عقوبت کے دقائق سے بھی آگاہ کر دیتا یہاں تک کہ خیر و شر اور نفع ضرر پر سب واقف ہو جاتے پھر ان کو حکم کرتا کہ تم اپنے علم حکمت کے زور سے ملک اور ملکوت کا انتظام کرو اور سب بالاتفاق ہو کر تدبیر کرتے تو جو انتظام کہ خدائے تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں رکھا ہے ان سب کی تدبیر اس انتظام کے مچھر کے پر کے برابر بھی کمی و بیشی تجویز نہ کرتے نہ اس میں ذرہ برابر نشیب و فراز عمل میں لاتے نہ کوئی مرض یا عیب یا نقصان یا فقر یا ضرر ان لوگوں سے جو ان میں مبتلا ہیں دور کرتے نہ کسی کی صحت یا کمال یا تونگری یا نفع ان اشخاص سے جو ان امور سے سرفراز ہیں زائل کرتے بلکہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین میں پیدا کیا ہے اگر اس کی طرف آنکھ اٹھاتے اور مدتوں تک دیکھتے رہتے تب بھی اس میں کچھ فتور و قصور نہ دیکھتے اور اسباب کا بھی یقین چاہیئے کہ اور جو اشیاء کہ اللہ تعالیٰ نے مثل رزق اور

؎ ح جلد اول باب الزکوٰۃ میں گزری ۱۲ ؎ ح بخاری و مسلم بروایت ابو ہریرہ ۱۲ ٭

موت اور رنج اور راحت اور عجز اور قدرت اور کفر و ایمان اور اطاعت و عصیان وغیرہ کے اپنے بندوں میں تقسیم کی ہیں وہ سب محض عدل و انصاف اور حق صریح ہے اس میں کسی طرح کا ظلم اور جور نہیں اور سب اشیا ترتیب واجب اور حق پر ہیں ان کی ترتیب اور مقدار جیسی ہونی چاہیئے ویسی ہی ہے اور اس سے بہتر اور کامل تر اور عمدہ ممکن ہی نہیں اور اگر بالفرض اس ترتیب سے عمدہ ترتیب تھی اور اس کو خدا تعالٰے نے باوجود قدرت کے رکھ چھوڑا اور بندوں کو عنایت نہ کی تو یہ امر داخل بخل کے ہے جو مخالف جود کے ہے اور ظلم ہے نہ عدل اور اگر قدرت نہ تھی تو عاجزی لازم آتی ہے جو خلاف معبود ہونے کے ہے بلکہ جو فقر و ضرر دنیاوی ہے وہ دنیا میں تو کمی ہے مگر آخرت میں زیادتی ہے اور نقصان کہ آخرت میں کسی شخص کی نسبت سے وہ دوسرے کی نسبت کر عیش و آسائش ہے اس لئے کہ مثلاً اگر رات نہ ہوتی تو دن کی قدر کیسے معلوم ہوتی اور اگر مرض نہ ہوتا تو تندرست صحت سے لذت کیسے پاتے اور اگر دوزخ نہ ہوتی تو جنت والے قدر نعمت کیا جانتے اور جس طرح کہ انسانوں کی روح کے لئے بہائم کی ارواح کو فدا کرنا اور انسانوں کا ان کو ذبح کرنا ظلم نہیں بلکہ کامل کو ناقص پر ترجیح دینا عین عدل ہے اسی طرح ساکنین جنت کی زیادتی نعمت کے لئے دوزخ والوں کی سزا زیادہ کرنی اور کافروں کو ایمانداروں کا فدیہ عین عدل ہے اور اگر بالفرض ناقص پیدا نہ ہوتا تو کامل کیسے پہچانا جاتا اور اگر بہائم پیدا نہ ہوتے تو شرف انسانی کب ظاہر ہوتا اس لئے کہ کمال اور نقص کسی کی نسبت کر ظاہر ہوا کرتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ کامل اور ناقص دونوں کا پیدا کرنا مقتضائے جود و حکمت سے ہے اور جس طرح کہ جب ہاتھ سڑ جاتا ہے تو اس کا کاٹنا جان بچانے کے لئے عدل کی بات ہے اس واسطے کہ ناقص چیز کا فدیہ کامل کے واسطے کیا جاتا ہے اسی طرح جو فرق خلق میں پایا جاتا ہے کہ دنیا میں کسی کی قسمت میں کچھ ہے اور کسی کی قسمت میں کچھ تو یہ سب عدل ہے کہ اس میں جور نہیں اور حق ہے کہ اس میں جو کھیل کود نہیں اور یہ بیان بھی بڑا گہرا اور وسیع اور موج خیز سمندر ہے کہ جو ڑائی میں توحید کے سمندر سے کچھ کم نہیں اس میں بہت عقل کے کوتاہ ڈوب گئے اور یہ نہ سمجھا کہ یہ باریک بات ہے سوائے عاقلوں کے اور کوئی نہیں سمجھتا اور اس سمندر کے پار راز تقدیر کا ہے جس میں اکثر لوگ حیران ہیں اور اس کے افشا سے اہل کشف منع کر دیئے گئے ہیں اور حاصل یہ کہ خیر و شر دونوں حکمی چیزیں ہیں اور جس چیز کا حکم ہو چکا ہے وہ مشیت کے بعد ضرور ہوگی اس سے معلوم ہوا کہ اس کے پھیرنے والا کوئی نہیں نہ کوئی تقدیر کا ٹالنے والا بلکہ چھوٹی بڑی بات سب لکھی ہوئی ہے اور اس کا ہونا مدت معین کا منتظر ہے جو آدمی کو پہنچا ہے وہ البتہ نہ تھا کہ نہ پہنچے اور جو اس کو نہ پہنچا وہ پہنچنے والا نہ تھا۔ شعر

بدر دو صاف ترا حکم نیست دم در کش ٭ کہ آنچہ ساقی ماریخت عین الطاف ست

اب یہ رموز علوم مکاشفہ کے جو اصل توکل کے ہیں اسی قدر پر ختم کر دیئے جاتے ہیں اور علم معاملہ کی طرف توسن خامہ کی باگ موڑتے ہیں و باللہ التوفیق۔

دوسری فصل : توکل کے اعمال

توکل کا حال

پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ توکل کا مقام علم اور حال اور عمل سے بنتا ہے اور اس میں سے علم کو ہم لکھ چکے ہیں اور حال واقع میں توکل اسی کا نام ہے اور علم اس کی اصل اور عمل اس کا ثمرہ ہے اس کو اب لکھتے ہیں۔

واضح ہو کہ توکل کی تعریف میں اکثر لوگوں نے بہت کچھ لکھا ہے اور عبارتیں ان کی جدا جدا ہیں۔ مگر ہر ایک شخص نے اپنے نفس کے مقام کو لکھا ہے اور اسی کی تعریف کی ہے۔ چنانچہ عادت اہل تصوف کی یہی ہے اس نظر سے ان سب قولوں کے نقل کرنے میں بجز طول کلام کے اور کچھ فائدہ نہ دیکھ کر ان کو قلم انداز کرتے ہیں اور امر واقعی حوالہ قلم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لفظ توکل مشتق وکالت سے ہے جس کے معنی دوسرے پر اعتماد کر کے کام سپرد کرنے کے ہیں جس کو کام سپرد کرتے ہیں اس کو وکیل کہتے ہیں اور جو کام سپرد کرتا ہے اس کو متکل اور متوکل کہتے ہیں بشرطیکہ وکیل پر اس کے نفس کا اطمینان اور اعتقاد ہو اور اس کو متہم عجز اور قصور کا نہ سمجھتا ہو غرضیکہ توکل صرف وکیل پر اعتماد دلی کو کہتے ہیں اب ہم مقدمات کے وکیل کو بطور مثال فرض کئے لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص دوسرے پر فریب سے جھوٹا دعویٰ کرے اور مدعا علیہ اس سے لڑنے کے لئے اپنی طرف سے ایسے شخص کو وکیل کرے جو اس کا فریب واشگاف کر دے تو وہ وکیل پر متوکل اور اعتبار کرنے والا اور اس کی وکالت پر مطمئن کہلائے گا جب تک کہ چار باتوں کا اعتقاد اس میں نہ رکھتا ہو گا۔

اول نہایت درجے کی ہدایت دوم قدرت قابل سوم غایت درجہ کی فصاحت چہارم شفقت تام ہدایت اس لئے کہ اس کے باعث فریب کے مقامات جان لے یہاں تک کہ نازک و باریک حیلے بھی اس سے ہرگز نہ چھپے رہیں اور قدرت اس لئے کہ حق کی تصریح کرے حاکم کی منہ دیکھی بات نہ کرے رعب میں نہ آئے شرم اور نامردی اظہار حق میں روا نہ رکھے اس لئے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وکیل کو درجہ فریب طرف ثانی کی معلوم ہو جاتی ہے مگر خوف یا نامردی یا حیا یا کسی اور مانع کے باعث جس سے دل تصریح حق سے ضعیف ہو جاتا ہے اس کو زبان پر نہیں لاتا اور فصاحت اس لئے کہ یہ بھی ایک طرح کی قدرت ہے مگر قدرت لسانی ہے کہ دل جس بات پر جرأت کرے اور ارشاد کرے اس کو اچھی طرح بیان کر سکے کیونکہ یہ کچھ ضروری نہیں کہ جو شخص فریب کے موقع جانتا ہو وہ اپنی تیزی زبان سے اس کا عقدہ بھی حل کر پائے اور شفقت تام اس لئے چاہیئے کہ اس کے باعث جس قدر کوشش کہ وکیل سے اس کے حق میں ہو سکے اس کو بجا لائے کیونکہ صرف مقدمہ لڑنے پر وکیل کا قادر ہونا کافی نہیں جب تک کہ عنایت و توجہ متوکل کے حال پر نہ ہو اور اس کے کام کو ضروری اور قابل دل لگانے کے نہ سمجھے اور اگر ایسی صورت ہو کہ طرف ثانی جیتے تو کچھ غرض نہیں اور متوکل جیتے تو کچھ پرواہ نہیں اس کا حق مارا جائے یا باقی رہے کسی سے کچھ مطلب نہیں تو کام کی درستگی معلوم پس اگر متوکل کو ان چاروں باتوں میں خواہ ان میں سے ایک میں بھی شک ہو گا یا اس کے عندیے میں طرف ثانی ان چاروں میں کامل تر ہو گا تو اس کو اپنے وکیل پر خوب اطمینان نہ ہو گا بلکہ دل میں متردد رہے گا اور ہمہ تن اس بات کی تدبیر نکالے گا کہ کسی طرح وکیل میں جو کمی ہے

یہ دور ہو جائے اور طرف ثانی کا غلبہ فرو ہو جائے اور جس قدر متوکل کو ان چاروں باتوں کا وکیل میں اعتقاد ہوگا اسی قدر اس کا اس پر اعتماد اور اطمینان سمجھنا چاہیئے اور چونکہ لوگوں کا اعتقاد اور ظن قوی اور ضعیف ہوتے ہیں بے انتہا متفاوت ہوتے ہیں اسی جہت سے ضرور ہے کہ احوال متوکلین کے اطمینان و اعتماد میں بھی فرق بہت ہو یہاں تک کہ نوبت اس کی یقین کی پہنچ جائے جس میں ضعف نہ ہو، مثلاً اگر وکیل اپنے موکل کا باپ ہو جو سب طرح کے حلال و حرام کے لئے بیٹے کے واسطے دوڑ اپھرتا ہے تو ظاہر ہے کہ بیٹے کو یقین کمال شفقت عنایت کا اپنے حال پر ہوگا اور ایک خصلت ان چاروں خصلتوں میں سے قطعی ہو جائے گی اسی طرح اور خصلتیں بھی قطعی ہو سکتی ہیں مثلاً مدت سے کسی کو وکالت کرتے دیکھا یا لوگوں سے متواتر سنا کہ فلاں شخص بڑا خوش تقریر اور زبردست بیان اور حق دلانے کا دھنی ہے بلکہ حق کو باطل اور باطل کو حق کرنے میں ایک صورت سی باندھ دیتا ہے پس جب اس مثال میں توکل جان لیا تو اسی پر خدائے تعالے کے اوپر توکل کرنے کو قیاس کرنا چاہیئے یعنے اگر آدمی کے دل میں کشف سے یا پکے اعتقاد سے جم جائے کہ فاعل سوائے خدا تعالے کے کوئی نہیں جیسا کہ اس کی تقریر گزری اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی اعتقاد کرے کہ خداوند کریم بندوں کا حال خوب جانتا ہے اور ان کے کافی ہونے کے لئے قدرت کامل رکھتا ہے اور اس کی رحمت کامل اور عنایت شامل سب بندوں پر ایک ایک واصل ہے نہ اس کی قدرت کے بعد کوئی قدرت ہے نہ اس کے علم سے سوا کوئی علم ہے نہ اس کی عنایت و رحمت کے سوا جو مجھ پر ہے کوئی اور رحمت و عنایت ہے تو اس صورت میں بیشک اس کا دل صرف خدائے تعالے پر توکل کرے گا دوسرے کی طرف التفات نہ کرے گا بلکہ جب کوئی حرکت یا قدرت کا ذکر کرے گا تو اپنے نفس کی طاقت و قدرت پر بھی لحاظ نہ کرے گا اسی واسطے کہ بفحوائے لاحول ولاقوة الابالله[ف] کے حول و قوت خدا ہی کی بدولت ہے حول سے مراد حرکت ہے اور قوت سے مراد قدرت پس اگر آدمی اپنے نفس میں یہ حالت نہ پائے اس کے دو سبب ہیں یا تو یہ کہ ان چاروں باتوں میں سے کسی پر یقین کم ہوگا یا دل پر ضعف اور مرض نامردی اور اوہام واہی کے سبب کجی غالب ہوگی کیونکہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ یقین میں کچھ نقصان نہیں ہوتا مگر وہم کی طبیعت اور فرماں برداری سے دل میں کجی آتی جاتی ہے مثلاً کوئی شخص شہد کھاتا ہو اور اس سے کہہ دیا جائے کہ یہ تو پاخانے کی صورت ہے تو اس کی صورت طبیعت بعض اوقات نفرت ایسی کرے گی کہ کھانا دشوار ہوگا اور اگر عاقل سے کہا جائے کہ مردے کے پاس قبر میں یا بستر پر یا کوٹھری میں لیٹ جائے تو اس کی طبیعت کو نفرت ہوگی۔ اگرچہ یقین جانتا ہے کہ یہ مردہ ہے اور بالفعل جماد بے حس و حرکت ہے۔ اور خدائے تعالے کی عادت جاری ہے اب اس کو زندہ نہیں فرمائے گا گو زندہ کرنے پر قادر ہے جس طرح یہ اس کا دستور ہے کہ کاتب کے ہاتھ کے قلم کو سانپ نہیں کر دیتا نہ بلی کو شیر کرے گا گو ان کے سانپ اور شیر کر دینے پر قدرت رکھتا ہے پس باوجودیکہ عاقل شخص اس یقین میں کچھ شک و شبہ نہیں رکھتا مگر اس کی طبیعت میت کے ساتھ بستر پر خواہ بند کوٹھری میں تنہا رہنے سے نفرت کرتی ہے اگرچہ اور تمام جمادات سے

ف نہیں ہے طاقت گناہ سے باز رہنے کی اور نہ زور عبادت کا مگر خدا کی مدد سے ۱۲

نفرت نہیں کرتی اور یہ دل میں ایک نامردی ہے اور ایک قسم کا ضعف ہے کہ جس سے آدمی کم خالی ہوتے ہیں
پھر یہ کچھ ہر ایک میں ہوتا ہے یہی ضعف کبھی زیادہ ہو کر روگ ہو جاتا ہے حتیٰ کہ آدمی گھر میں علیحدہ دروازے
کو خوب بند کر کے نہیں سوتا بہر حال توکل کے کامل ہونے کو دل اور یقین دونوں کی قوت چاہیئے انہیں دونوں
کی قوت سے دل کو قرار اور اطمینان ہوتا ہے دل میں قرار اور چیز ہے اور یقین دوسری چیز بہت یقین ایسے ہوتے
ہیں جن کے ساتھ اطمینان نہیں ہوتا جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حال میں مذکور ہے[1] قال اولم تومن
قال بلی ولکن لیطمئن قلبی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا مانگی کہ زندہ کرنا میت معین کا دکھلاوے تاکہ میرے خیال
میں جم جائے اس واسطے کہ نفس تابع خیال کا ہوتا ہے اور اسی سے اس کا اطمینان ہوتا ہے اور یقین سے اول اول مطمئن
نہیں ہوتا جیسے ارباب ملت و مذہب مثلاً یہودی و نصرانی کو اپنے یہودی ہوتے اور نصرانیت پر اطمینان ہے
مگر رفتہ رفتہ آخر کو درجہ نفس مطمئنہ کا پاتا ہے شروع میں ہرگز نہیں پاتا اور بعضے مطمئن . . . . . ایسے ہیں کہ ان کو یقین
نہیں ہوتا مگر یقین دونوں میں سے کسی کو نہیں صرف غلبہ ظن اور من مانی بات پر چلتے ہیں حالانکہ خدائے تعالےٰ کے پاس سے
ان کو ہدایت جو سبب یقین کا ہے پہنچ چکی مگر وہ اس سے منحرف رہتے ہیں غرض یہ کہ نامردی اور جرات سرشت میں داخل ہیں
ان کے ہوتے ہوئے یقین مفید نہیں ہوتا تو معلوم ہوا کہ یہ بھی ایک سبب مخالف توکل ہے جیسے کہ چاروں خصلتوں پر
یقین کم ہونا ایک سبب ہے اور جب یہ اسباب یعنی یقین و اطمینان وغیرہ سب اکٹھے ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ
پر اعتماد حاصل ہو جاتا ہے روایت ہے کہ توریت میں لکھا ہوا ہے کہ جو شخص کسی اپنے جیسے انسان پر توکل کرے
وہ ملعون ہے اور ایک حدیث شریف میں . . . وارد ہے کہ جو شخص بندوں سے عزت چاہے اس کو خدا تعالےٰ
ذلیل کرتا ہے اور جب تم کو معنی توکل کے معلوم ہوئے اور وہ حالت جس کا نام توکل ہے جان چکے تو اب جاننا
چاہیئے کہ اس حالت کے قوت و ضعف کی رو سے تین درجے ہیں پہلا درجہ تو وہ ہے جو ہم نے ابھی ذکر کیا کہ حال بندے
کا توکل اور اعتماد و کفالت و عنایت الٰہی پر ایسا ہو جیسا اعتماد موکل کو وکیل پر ہوتا ہے دوسرا درجہ جو اس سے قوی ہے
وہ یہ ہے کہ حال متوکل کا خدائے تعالیٰ کے ساتھ ایسا ہو جیسا بچے کا حال ماں پر ہوتا ہے کہ وہ سوائے ماں کے اور کسی کو نہیں
پہچانتا اور سوا اس کے اور سے داد فریاد نہیں کرتا اسی پر اعتماد کرتا ہے اور اگر اس کو دیکھتا ہے تو
دامن سے لپٹ جاتا ہے اور نہیں چھوڑتا اور اگر اس کے پیچھے کوئی بات اس پر پیش آتی ہے تو وہ اول
ماں کو ہی پکارتا ہے اور اول اس کے دل میں اسی کا دھیان آتا ہے کیونکہ اس کا ٹھکانہ ماں تک ہی ہے
اور اس کو ماں کی شفقت اور کفیل و کافی ہونے کا ایسا یقین ہے جو خالی ایک قسم کے ادراک سے نہیں جتنی تمیز
اس کو حاصل ہے اس سے اسی کو سمجھتا بوجھتا ہے اور یوں گمان ہے کہ یہ امر طبعی ہو اس جہت سے کہ کرکے

---

[1] فرمایا کیا تو نے یقین نہیں کیا کہا کیوں نہیں لیکن اس واسطے کہ تسکین ہو میرے دل کو ۱۲ ۔ ح عقیلی در ضعفاء و ابو نعیم در حلیہ
بروایت عمر فاروق ۱۲ *

سے ان عادتوں کا اگر مطالبہ کیا جائے تو وہ نہ ان کی تفصیل بیان کر سکے گا نہ ان کی تفصیل اپنے ذہن میں حاصل کر سکے گا لیکن یہ سب باتیں ادراک کے سوا ہیں پس جو شخص کہ دل سے خدائے تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوگا اور نظر اور اعتماد اسی پر رکھتا ہوگا تو وہ خدائے تعالیٰ پر عاشق ہوگا جیسے لڑکا اپنی ماں پر ہوتا ہے اور وہی واقع میں اللہ تعالیٰ پر متوکل ہوگا کیونکہ لڑکا بھی اپنی ماں پر متوکل رہتا ہے اور فرق ان دونوں درجے والوں میں یہ ہے کہ اس درجے والا ایسا متوکل ہے کہ اپنے توکل میں خود توکل سے بھی بے خبر ہو گیا یعنی اس کا دل توکل اور اس کی حقیقت کی طرف ملتفت نہیں بلکہ صرف جس پر توکل ہے اس کی طرف التفات رکھتا ہے اور اس دل میں اس کے سوا اور کسی کی گنجائش نہیں اور پہلے درجے والا متکلف اور کسب سے متوکل ہے اسی واسطے اپنے توکل سے بے خبر نہیں یعنی اس کو توکل کی طرف التفات ہے اور اس کو سمجھتا ہے اور یہ امر اس بات کا مانع ہے کہ صرف خدائے تعالیٰ پر نظر ہو اور اسی درجہ اول کی طرف اشارہ حضرت سہل تستری کے قول میں ہے کہ جب ان سے کسی نے پوچھا کہ ادنیٰ درجہ توکل کا کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ آرزو کا ترک کرنا سائل نے پوچھا کہ اوسط کیا ہے انہوں نے کہا کہ اختیار کا ترک کرنا یہ اشارہ دوسرے درجے کی طرف فرمایا اور اعلیٰ درجے کو جو پوچھا تو اس کو کچھ بیان نہ کیا اور فرمایا کہ اس کو وہی جانتا ہے جو اوسط درجہ پر پہنچ جاتا ہے تیسرا درجہ توکل کا سب سے اعلیٰ ہے یہ ہے کہ متوکل اپنی حرکات و سکنات میں خدائے تعالیٰ کے سامنے ایسا ہو جیسا مردہ نہلانے والے کے سامنے ہوتا ہے کہ اپنے نفس کو مردہ سمجھو جس کو قدرت ازلیہ حرکت دیتی ہو جیسے نہلانے والے کا ہاتھ مردے کو حرکت دیتا ہے اور وہ ایسا شخص ہوتا ہے جس کا یقین اس بات پر قوی ہو کہ حرکت کا دینے والا اور قدرت اور ارادہ اور علم اور تمام صفات کا جاری کرنے والا وہی ہے اور یہ سب چیزیں جبراً پیدا ہو جاتی ہیں پس ایسا شخص عین انتظار میں رہے گا کہ مجھ پر کیا پیش آئے گا اور لڑکے سے اسباب میں جدا ہوگا کہ وہ اپنی ماں سے فریاد کرتا ہے اور دامن میں لپٹ جاتا ہے اور اس کے پیچھے دوڑتا ہے اور ایسے لڑکے کی طرح ہے کہ جانتے کہ اگر خود فریاد نہ کرے گا تو ماں اس کو ڈھونڈے گی اور اگر اس کے دامن سے نہ لپٹے گا تو وہ خود اٹھائے گی اور اگر اس سے دودھ نہ مانگے گا تو وہ خود پلائے گی یہ مقام توکل کا اس بات کا مقتضی ہے کہ متوکل خدائے تعالیٰ کے کرم اور اعتماد پر عنایت کر کے دعا اور سوال ترک کر دے اس نظر سے کہ وہ بدون سوال ہی مانگنے سے افضل چیز عطا فرمائے گا کیونکہ بہت سی نعمتیں سوال اور دعا سے پہلے بے استحقاق دے رکھی ہیں اور دوسرا مرتبہ مقتضی ترک دعا کا خدائے تعالیٰ سے نہیں بلکہ دوسرے سے سوال نہ کرنے کا مقتضی ہے باقی رہی یہ بات کہ ان احوال کا وجود بھی ہے یا نہیں تو اس کی صورت یہ ہے کہ ان کا وجود محال تو نہیں مگر البتہ بہت نادر و کمیاب ہے۔ جن میں دوسرا اور تیسرا درجہ تو دوام میں ایسا ہے جیسے خوف کی زردی کہ ادھر آئی ادھر جاتی رہی اس وجہ سے کہ دل کا کشادہ ہونا اپنی حرکت اور قدرت اور دوسرے اسباب سے ایک امر طبعی ہے اور اس کا رکنا ایک امر عارضی ہے جیسے خون کا چار طرف پھیلنا امر طبعی ہے اور رک رہنا عارضی اور خوف کے یہی معنی ہیں کہ خون ظاہر جلد سے باطن کی طرف سمٹ جائے یہاں تک کہ ظاہر جلد سے وہ سرخی جو جلد کے باریک پردے میں سے جھلکتی تھی جاتی رہی اور جلد خود ایک باریک پردہ ہے جس میں سے خون کی سرخی کی رنگت سوجھتی ہے پس خون کا

سمٹنا بالضرور زردی لائے گا مگر یہ ہمیشہ نہیں رہے گا۔ اسی طرح دل کا بالکل حرکت و قدرت کی طرف سے سمٹ جانا اور ان کو نظر انداز کرنا اور اسباب ظاہری پر التفات نہ کرنا ہمیشہ نہیں رہتا اور دوسرے درجے کا دوام الیسا ہے جیسے زردی بخار والے کی کہ وہ کبھی ایک دو روز ٹھہر جاتی اور زیادہ نہیں ٹھہرتی اور درجہ اول کا دوام مشابہ اسی بیمار کی زردی کے ہے جس کا مرض پک گیا ہو اس کا ہمیشہ رہنا بھی دشوار نہیں نہ جاتا رہنا کچھ بعید ہے باقی رہا یہ کہ بندے کو کچھ علاقہ اور تدبیر اسباب ظاہری کے ساتھ ان مقامات میں رہتا ہے یا نہیں پس تیسرے مقام میں تو سرے سے تدبیر نہیں رہتی جب تک کہ حالت مذکورہ باقی رہتی ہے بلکہ اس حالت والا حیرانوں کی طرح رہتا ہے اور دوسرے مقام میں اور کچھ تدبیر نہیں ہوتی مگر خدائے تعالے سے فریاد کرتی اور دعا اور سوال سے اسی کی طرف التجا کرتی رہتی ہے جیسے لڑکا اپنی ماں سے صرف علاقہ رکھتا ہے اور مقام اول میں نہ تدبیر نابود ہوتی ہے نہ اختیار مگر بعض تدبیرات جاتی رہتی ہیں جیسے موکل اپنے وکیل پر اعتماد کر کے بعض تدابیر جو غیر وکیل سے متعلق ہوں نہیں کرتا مگر جو تدابیر کہ اس کا وکیل بتاتا ہے یا اپنے آپ کو اس کی عادت و تجربہ سے معلوم ہے اس کو کرتا ہے مثلاً وکیل نے کہا کہ جب تو موجود ہو گا جب ہی میں مقدمے میں لب کشائی کروں گا۔ تو مؤکل خواہ اپنی حاضری کی تدبیر کرے گا اور یہ امر خلاف توکل نہیں یعنے اس میں یہ بات نہیں کہ وکیل سے منحرف ہو کر صرف اپنی قدر یا عزت کی تدبیر پر اظہار حجت میں اعتماد کیا ہو بلکہ توکل کی تمامی میں سے ہے کہ جو کچھ وکیل اس کے لئے مناسب جان کر کہہ دے وہی عمل میں لائے اگر اس پر متوکل نہ ہوتا اور اس کی بات پر اعتماد نہ کرتا کچھ وکیل اس کے لئے مناسب جان کر تو اسکے کہنے سے کیوں حاضر ہوتا اور جو امر کہ عادت سے وکیل کے معلوم ہو اس کی مثال یہ ہے کہ مثلاً موکل کو معلوم ہے کہ میرا وکیل طرف ثانی سے بدون دستاویز نہیں لڑتا تو اس کا توکل جب پورا ہو گا کہ وکیل کی عادت ہوتے کے بعد اسی کے موجب کاربند ہو اور دستاویز کا لے جانا داخل تدبیر ہے اگر ان میں سے کسی کو چھوڑ دے گا تو اس کے توکل میں نقصان نہ ہو گا تو ان دونوں کی تدبیروں کی بجاآوری کیسے توکل میں باعث نقصان ہو سکتی ہے ہاں وکیل کے اشارے کے بموجب خود حاضر ہونا یا اس کی عادت سے واقف ہو کر دستاویز کا ساتھ رکھنا اور پھر اس کی حجت اور کلام طرف ثانی سے بیٹھ کر سننا بعض اوقات مقام دوم اور سوم پر بھی پہنچا دیتا ہے یعنی روبکاری کے وقت مبہوت سارہ جاتا ہے کہ دیکھیے کیا ہو اور اپنی حول و قوت پر کچھ اعتماد نہیں کرتا اس کو اعتماد صرف اسی وقت تھا کہ چلا آیا اور دستاویز لے آیا اور اب وہ وقت پہنچا کہ اس میں صرف نفس کا اطمینان اور اعتقاد وکیل ہی ہی پر رہ گیا اور اس بات کا انتظار کہ میرے حق میں کیا ہو اب اگر اس بات کو سوچو تو تمام اعتراض توکل کے باب میں ختم ہو جاتے ہیں اور سمجھ لو کہ توکل کی کچھ یہ شرط نہیں کہ آدمی سب تدبیر اور کام چھوڑ دے کوئی تدبیر اور کام کرنے ہی نہ پائے توکل کے ساتھ کوئی درست ہی نہیں بلکہ جائز ہونا بعض کا اور ناروا ہونا بعض امور کا توکل میں تفصیل کے ساتھ ہے اعمال توکل میں عنقریب اس کا مذکور ہو گا یہاں سے یہی معلوم ہو گا کہ اگر متوکل اشارہ وکیل سے یا اس کی عادت کی واقفیت سے خود حاضر ہو یا دستاویز ساتھ لے آئے تو یہ امر مخالف توکل نہیں اس واسطے کہ اسے یہ تو معلوم ہے کہ اگر وکیل نہ ہوتا تو میرا آنا اور دستاویز لانا بے کار اور دردسری

محض تھی اس سے کیا کام نکلتا یعنی ان دونوں باتوں کا مفید ہونا کچھ اپنی تدبیر کے باعث نہیں جانتا بلکہ اس نظر سے کہ وکیل
نے ان کو لڑنے کے لئے مفید کر رکھا ہے اور اس نے یہ امر اس کے اشارے خواہ عادت سے معلوم کر لیا ہے یہ بھی ان کو مفید جانتا
ہے اس سے معلوم ہوا کہ اس کی حول و قوت صرف وکیل ہی کے باعث ہے مگر وکیل کے لئے یہ کلمہ کہنا معنے کامل نہیں بخشتا
اس واسطے کہ وکیل حول و قوت کا خالق نہیں بلکہ وکیل نے اس کی حول و قوت کو یعنی دونوں تدابیر مذکورہ کہ بذاتہا مفید
کر دیا اور اگر وہ ایسا نہ کرتا تو مفید نہ ہوتی بلکہ یہ کلمہ وکیل برحق خدائے تعالےٰ کی شان میں صادق ہے کہ وہ خالق حول و قوت
کا ہے جیسے کہ اس کی تقریر بیان توحید میں گزری اور اس نے ان دونوں کو مفید بھی بنایا کہ ان کو شرط ان فوائد مقاصد کی
کر دی جن کو ان دونوں کے بعد پیدا کرے گا اس سے معلوم ہوا کہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ بیشک درست اور ٹھیک
ہے پس جو شخص کہ ان امور کا مشاہدہ ان الفاظ سے کرے گا اس کو ثواب عظیم جو ان کلمات کے کہنے سے احادیث میں آیا ہے۔ ہو
گا ورنہ بڑا تعجب ہوتا ہے کہ اتنا ثواب سب کا سب اتنے الفاظ سے جو زبان سے سہولت سے گزر جائیں اور ان کے معانی
کا دل میں آسانی سے اعتقاد آجائے کس طرح ملتا ہے اور جب معلوم ہو کہ یہ ثواب اس مشاہدے کا ہے جو ہم نے توحید کے
ذکر میں بیان کیا ہے تو تعجب نہیں رہتا اور نسبت اس کلمے کی اور اس کے ثواب کی کلمہ لا الہ الا اللہ اور اس
کے ثواب کی طرف ایسی ہے جیسے ایک کلمے کے معنوں کو نسبت ہے دوسرے کلمے کے معنوں کی طرف یعنے لا
حول ولاقوۃ الا باللہ میں تو صرف دو چیزیں یعنی حول و قوت ہی کو خدائے تعالےٰ کی طرف منسوب کیا ہے اور کلمہ
طیبہ لا الہ الا اللہ میں سب چیزوں کی نسبت انہی کی طرف ہے جو فرق کل چیزوں اور دو چیزوں میں ہے وہی فرق ان
دونوں کلموں کے ثواب میں بھی ہے اور جیسا کہ ہم نے پہلے لکھا ہے کہ توحید متضمن دو پوست اور دو مغزوں کی طرح ہوتی
ہے ویسے ہی یہ کلمہ اور تمام کلمات بھی انہیں چاروں چیزوں پر متضمن ہیں اور اکثر لوگ صرف دو پوست کے پابند ہیں مغزوں
کی طرف نہیں جھکتے جن کی طرف اشارہ اس حدیث شریف میں ہے من قال لا الہ الا اللہ صادقا من
قلبه مخلصا وجبت له الجنة اور جس حدیث میں کہ صدق اور اخلاص کی قید نہیں وہاں مطلق سے مقید ہے
مراد ہے جیسے بعض جگہ مغفرت کو ایمان اور عمل صالح کی طرف منسوب کیا ہے اور بعض جا صرف ایمان ہی منحصر فرمایا
تو ایسی جگہ میں ایمان سے مطلق مراد نہیں بلکہ مقید عمل صالح کے ساتھ مراد ہے اس لئے کہ سلطنت اخروی صرف بات سے
نہیں ملتی زبان کا ہلنا بہت ہے اور دل کا اعتقاد بھی ایک بات ہے مگر وہ نفس کی بات ہے مگر صدق و اخلاص اور
ہی چیز ہے کہ زبان کی گفت گو ہے نہ نفس کی گفت گو اور تخت سلطنت صرف مقربین کے لئے بچھایا جائے گا اور
وہ اخلاص والے ہی لوگ ہیں ہاں جو لوگ کہ اصحاب یمین سے ان کے نزدیک رہتے ہوں گے ان کو بھی خدائے
تعالےٰ کے یہاں درجے ملیں گے مگر سلطنت کے درجے کو نہ پہنچیں گے دیکھو خدائے تعالےٰ نے سورہ واقعہ

۱؎ جلد اول باب دہم میں گزری ۱۲ ؛ ۲؎ جو شخص کہے کہ لا الہ الا اللہ اپنے دل سے سچا مخلص ہو کر اس کو جنت واجب ہے ۱۲ طبرانی بروایت
زید بن ارقم و ابو یعلی بروایت ابو ہریرہ ۱۲

ہیں جو مقربین سابقین کا ذکر فرمایا تو سریر کا ذکر بھی ان کے لئے فرمایا علی سرر موضونۃ متکئین علیہا متقبلین اور جب اصحاب یمین کی نوبت آئی تو اور کچھ نہیں بیان کیا صرف کھانے پینے دیکھنے اور نکاح کی لذات مثل میووں اور پانی اور سایہ اور درختوں اور حوروں کے بیان فرمایا اور ظاہر ہے کہ یہ لذات تو ہمیشہ بہائم کو بھی رہتی ہیں پھر کہاں لذات بہائم اور کہاں وہ سلطنت قائم اور جوار رب العالمین میں رہنا دائم ؎

ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

اگر ان لذات کی کچھ قدر ہوتی تو بہائم کو نہ ملتی اور فرشتے ان سے محروم نہ کئے جاتے نہ ان کا درجہ بہائم سے بڑھ کر ہوتا بہائم کو یہ سبھی کچھ میسر ہے باغوں میں پھرتے ہیں پانی کے چشموں کی اور درختوں کی بہار دیکھتے ہیں اقسام کی غذا کھاتے ہیں نر و مادہ میں جفتیاں ہوتی ہیں بتاؤ تو یہ سب لذتیں اعلیٰ اور اشرف اور اسباب کے لائق ہیں کہ اہل کمال کے نزدیک فرشتوں کے احوال پر ان کو ترجیح ہو اور وہ یہ جانیں کہ جیسے فرشتے قرب الٰہی سے خوش رہتے ہیں ویسے ہم نے نہ ہوں بہائم کی طرح ان لذائذ میں مبتلا ہوں یہ کہاں ہو سکتا ہے مثلاً اگر کسی شخص کو اختیار دیا جائے کہ یا تم گدھے ہو جاؤ یا حضرت جبرائیل علیہ السلام کے درجے میں ہو جاؤ تو وہ گدھے کا درجہ فرشتے کے درجے پر کیسے اختیار کرے گا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جو چیز کسی کے مشابہ ہوتی ہے وہ اسی کی طرف کھینچتی ہے مثلاً جس کا میلان کفش دوزی کی طرف بہ نسبت محرری کے زیادہ ہو گا وہ اپنے جوہر کی رو سے کفش دوزی کے ساتھ مشابہ تر ہو گا یعنی اس پر وہی پیشہ زیادہ پھبے گا اسی طرح جس کے نفس کا میلان لذت بہائم کی طرف بہ نسبت لذات ملائکہ کے زیادہ ہو گا وہ بہائم کا مشابہ زیادہ ہو گا ایسے ہی لوگوں کے حق میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے [2] اولئک کالانعام بل ھم اضل ان لوگوں کو اضل اس واسطے فرمایا کہ انعام کو تو ملکہ تلاش کرنے درجہ ملائکہ کا نہیں وہ تو اس سے مجبور ہیں اور انسان میں تو قوت اس کے طلب کی ہے پس جو شخص کسی کمال کے حاصل کرنے پر قادر ہو اور نہ کرے وہ بے شک مذمت کے لئے زیادہ شایان ہے اور عاجز کی نسبت کر گمراہ ہونے میں زیادہ ہے اور یہ کلام چونکہ جملہ معترضہ کے طور پر آپ گئے اس واسطے ہم اصل مقصود کی طرف پھر رجوع کرتے ہیں کہ ہم معنے کلمہ لا الٰہ الا اللہ اور لاحول ولا قوۃ الا باللہ کے لکھ چکے اور جو کوئی ان کو بدوں مشاہدے کے کہے اس پر توکل کا حال منتصور نہیں۔ یہاں اگر کوئی کہے کہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ میں صرف دو چیزوں کی نسبت خدائے تعالیٰ کی طرف ہے پس اگر کوئی یوں کہے کہ آسمان و زمین کو خدائے تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تو اس کا ثواب بھی لاحول کے برابر ہے یا نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا ثواب اتنا نہیں اس لئے کہ ثواب بقدر درجہ ثواب کی چیز کے ہوتا ہے اور یہاں دونوں میں کچھ مساوات نہیں کیونکہ اگر کوئی حول و قوت کو مجازاً چھوٹا کہے اور آسمان و زمین کو بڑا تو گویا جسم میں آسمان و زمین بڑے ہیں مگر انکی بڑائی ایسی ہی جاننی چاہیے۔ جیسے کہا کرتے ہیں کہ عقل بڑی یا بھینس یہ بات

---

[1] بیٹھے ہیں پلنگوں پر سوئے ہوئے سے بنے تکیے دیئے ان پر ایک دوسرے کے سامنے۔

[2] وہ جیسے چوپائے بلکہ ان سے زیادہ بے راہ ۱۲۔

ہر ایک شخص جانتا ہے کہ زمین و آسمان آدمیوں کی طرف سے نہیں بلکہ وہ دونوں خدائے تعالےٰ کی پیدائش سے ہیں مگر حول و قوت کا معاملہ ایسا مشکل ہے کہ معتزلہ اور فلاسفہ اور بہت سی جماعتیں جن کو دعوے اپنی باریک بینی اور عقل ورائے کا اور بال کی کھال نکالنے کا ہے سب اس میں دنگ ہیں اس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں بڑی مہلک اور خطرے کی جگہ اور لغزش کی جا ہیں غافل لوگ اس میں اسی لئے تباہ ہوئے کہ اپنے لئے ایک امر ثابت کیا حالانکہ یہ توحید میں شرک ہے اور سوائے خدائے تعالےٰ کے دوسرے کو خالق ٹھہرانا ہیں جو شخص اس گھاٹی کو خدا تعالیٰ کی توفیق سے طے کرتا ہے اس کا رتبہ عالی اور درجہ بلند ہوتا ہے اور وہی کلمہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ کی تصدیق کرتا ہے اور ہم یہ لکھ آئے ہیں کہ توحید میں دو ہی گھاٹیاں بڑی ہیں ایک دیکھنا آسمان اور زمین اور آفتاب اور چاند ستاروں اور ابر اور مینہ اور تمام جمادات کا دوم نظر کرنا حیوانات کے اختیار کا اور یہ دونوں میں سے بڑا اور پرخطر اور گویا کہ سرتوحید ہے اور اسی واسطے اس کلمے کا ثواب بڑا ہے یعنی ثواب اس مشاہدے کا جس کا ترجمہ یہ کلمہ ہے حاصل اس سب تقریر کا یہ ہوا کہ توکل کا یہ حال ہے کہ اپنی حول و قوت سے علیحدہ ہونا اور واحد مطلق پر توکل کرنا اور اعمال توکل کی تفصیل میں یہ بات ناظرین پر واضح ہو گی۔

توکل اور مشائخ

یہ ذکر اس واسطے کیا جاتا ہے کہ معلوم ہو جائے کہ جو کچھ کسی نے فرمایا وہ سب ہماری اس تقریر میں یعنے توکل کے تین درجوں میں شامل ہے اور ہر ایک قول میں بعض حالات کا اشارہ پایا جاتا ہے چنانچہ مروی ہے کہ ابوموسیٰ دبیلی فرماتے ہیں کہ میں نے ابویزید بسطامی سے پوچھا کہ توکل کیا چیز ہے انہوں نے فرمایا کہ تمہارا قول اسباب میں کیا ہے میں نے کہا ہمارے ساتھی تو یوں کہتے ہیں کہ اگر بالفرض سانپ اور بچھو آدمی کو داہنے اور بائیں سے گھیر لیں تو اس سے باطن میں کچھ جنبش نہ ہو انہوں نے فرمایا کہ ہاں اسی کے قریب ہے مگر بالفرض اگر اہل جنت بہشت میں بڑے مزے اڑاتے ہوں اور دوزخ والے عذاب میں گرفتار ہوں اور توکل والا ان دونوں میں تمیز کرے تو بالکلیہ توکل سے باہر ہو جائے گا۔ پس حضرت موسیٰ کا قول تو سب سے بہتر حال توکل کا یعنی تیسرا مقام بیان فرماتے ہیں اور حضرت ابویزید کا قول مشعر عمدہ انواع علم پر ہے جو اصل توکل ہے یعنی حکمت الٰہی اور یہ کہ جو کچھ خدائے تعالےٰ نے کیا وہی ہونا چاہیئے۔ اصل عدل وحکمت کے لحاظ سے اہل جنت اور دوزخ میں کچھ فرق نہیں اور یہ علم نہایت غامض ہے اور اس سے بڑھ کر راز تقدیر ہے۔ حضرت ابویزید بجز اعلیٰ مقامات اور اقصیٰ درجات سے کم کچھ نہ فرمایا کرتے تھے اور توکل کے مقام اول میں یہ شرط نہیں کہ سانپوں سے نہ احتراز کرے کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق نے غار میں ان کی راہیں بند کی تھیں اگر توکل کے خلاف یہ مخل ہوتا تو آپ کیوں کرتے لیکن ہو سکتا ہے کہ آپ نے صرف پاؤں سے سانپ کے بل بند کر دیے ہوں اور باطن میں تغیر نہ آیا ہو یا صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس نفیس کا گزند نامناسب جان کر ایسا کیا ہو اپنے واسطے نہ کیا ہو اور توکل باطن کے اس تغیر سے جاتا ہے جو خاص اپنے نفع کے لئے ہو غرض اس طرح کی تاویلات کو گنجائش ہے مگر ہم آگے لکھیں گے کہ اس جیسی باتیں اور اس سے زیادہ مخالف توکل کی نہیں کیونکہ باطن کا تغیر سانپوں سے داخل خوف ہے

اور متوکل کا حق یہ ہے کہ اس سے ڈرے جس نے سانپوں کو مسلط کیا ہے کیونکہ سانپوں کی حرکت و قدرت بدون خدائے تعالےٰ کے کچھ نہیں پس اگر احتراز کرے تو تکیہ اپنی تدبیر اور حول اور قوت پر نہ کرے بلکہ خالق حول و قوت پر کرے اور حضرت ذوالنون مصری سے جو توکل کو پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ علیحدہ ہونا ارباب سے اور قطع کرنا اسباب سے توکل ہے ارباب سے علیحدہ ہونا تو اشارہ علم توحید کی طرف ہے اور قطع اسباب سے مراد اشارہ اعمال کی طرف ہے اس میں حال کی نسبت صریح لفظ کوئی نہیں گو ضمناً حال کی تعریف پائی جاتی ہے پھر لوگوں نے ان سے پوچھا کہ اور زیادہ فرمایئے آپ نے فرمایا کہ نفس کا ڈالنا عبودیت میں اور خارج کرنا ربوبیت سے اس میں اشارہ حول و قوت سے قطع ہونے کی طرف ہے فقط اور حمدون گازر سے جو حال توکل کا پوچھا تو فرمایا کہ اگر آدمی کے پاس دس ہزار درہم ہوں اور ایک وانگ ہو قرض تو اسباب سے نڈر نہ رہے کہ مر جاؤں گا اور یہ قرض گردن پر رہے گا اور اگر دس ہزار درم قرض ہوں اور اس کے ادا کے لئے کچھ ترکہ پاس نہ ہو تو خدائے تعالےٰ سے اس کے ادا کرنے کا ناامید نہ ہو اور اس قول میں اشارہ صرف وسعت قدرت الٰہی پر ایمان لانے کا ہے اور یہ کہ مقدورات کے لئے اسباب ظاہر کے سوا اور اسباب خفیہ ہیں اور حضرت ابو عبیداللہ قرشی سے کسی نے توکل کا حال پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ ہر حال میں خدائے تعالےٰ سے متعلق رہنا۔ سائل نے پوچھا کہ اور کچھ فرمایئے آپ نے فرمایا کہ جو سبب کہ دوسرے سبب کی طرف موصول ہو اس کو چھوڑ دینا اور محض خدائے تعالےٰ ہی کو کفیل سمجھنا تو اول جملہ تو تینوں مقاموں کو عام ہے اور دوسرا جملہ اشارہ خاص مقام ثالث کی طرف ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توکل کیا تھا کہ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ کو کچھ حاجت ہے آپ نے فرمایا ہے کہ مگر تمہاری طرف نہیں کیونکہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی درخواست کا آپ کی حفاظت کے لئے ایک سبب تھا جو مقتضی دوسرے سبب کی طرف تھا آپ نے اس کو اس اعتماد سے ترک کر دیا کہ اگر خدائے تعالےٰ کو منظور ہوگا تو جبرئیل علیہ السلام کو حفاظت کے لئے مسخر فرمائے گا یعنے متولی اس کام کا وہی ہوگا اور یہ حال مبہوت کا ہوتا ہے جو اپنے نفس سے باعث خدائے تعالےٰ کے بے خبر ہو اور اس کے ساتھ کسی دوسرے کو نہ دیکھے اس حال کا وجود بہت کم اور مشکل ہے اور دوام بشرط وجود اور بھی زیادہ مشکل اور حضرت ابو سعید خراز فرماتے ہیں کہ توکل دو چیزوں کا نام ہے اضطراب بدون سکون کے اور سکون بدون اضطراب کے اس سے انکی مراد غالباً مقام ثانی ہے یعنی سکون بلا اضطراب سے تو یہ غرض ہے کہ دل کا سکون اور اعتماد وکیل پر بلا تردد ہو اور اضطراب بلا سکون سے یہ اشارہ ہے کہ التجا و تضرع و فریاد اس کے سامنے ہو جیسے لڑکا اپنے بدن سے ماں کی طرف مضطرب رہتا ہے اور اسکا دل اسکی کمال شفقت پر مطمئن ہوتا ہے اور ابو علی دقاق کہتے ہیں کہ توکل تین درجے رکھتا ہے اول توکل پھر تسلیم پھر تفویض پس متوکل تو خدائے تعالےٰ کے وعدے پر ساکن ہو جاتا ہے اور تسلیم والا اس کے جاننے پر ہی کفایت کرتا ہے اور تفویض والا اس کے حکم پر راضی ہوتا ہے اس قول میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ متوکل کا دیکھنا بلحاظ اس شخص کے جس کو دیکھتا ہے درجات مختلف رکھتا ہے

[1] اس کی سند پہلے گزری ۱۲

پس علم تو اصل ہی ہے اور وعدہ اس کا تابع ہے اور حکم وعدے کے پیچھے ہوتا ہے اور غالباً متوکل کے دل پر ان میں سے کسی نہ کسی کا ملاحظہ غالب رہتا ہے اور مشائخ کے اقوال تو توکل کے باب میں اور بھی بہت ہیں مگر ان کے لکھنے سے طول ہی ہوتا ہے اس لئے نقل کرنے سے کچھ فائدہ نہیں اس کی حقیقت حال جو کچھ تھی واشگاف بیان کر دی گئی وہی نافع بھی ہے۔

متوکل لوگوں کے اعمال

واضح ہو کہ علم مورث حال کا ہوتا ہے اور حال مورث اعمال کا اور بعضوں کو یہ گمان ہے کہ توکل کے یہ معنی ہیں کہ نہ بدن سے کوئی کام کرے نہ دل سے کوئی تدبیر اور زمین پر پھٹے کپڑے کیطرح یا گوشت کے لوتھڑے کی مثال پڑا رہے اور یہ گمان جاہلوں کا ہے اس لئے کہ یہ امر شرعاً حرام ہے اور شرع میں تعریف متوکلین کی مذکور ہے تو کیسے ہو سکتا ہے کہ جو امر حرام ہے اس کے کرنے سے کوئی رتبہ قابل تعریف مل جائے اس لئے ہم اس کی تحقیق لکھتے ہیں اور امر واقعی اس بات میں جو کچھ ہے اس کو کرسی وجود پر جلوہ گر کرتے ہیں اصل یہ ہے کہ توکل کی تاثیر بندے کے کام میں جب معلوم ہوتی ہے جب اس کا مقصود علم ہو اور بندہ جو اپنے اختیار سے کچھ کرتا ہے تو اس کی کوشش چار غرضوں کے لئے ہوتی ہے اول حاصل کرنا کسی نافع چیز کا جو اپنے پاس نہ ہو جیسے مال کا حاصل کرنا دوم حفاظت اپنی اشیا نافع کی جیسے ذخیرہ کرنا سوم کسی ایذا رساں کو پہلے ایذا سے دفع کرنا مثلاً درندہ ہو یا خواہ چور وغیرہ کو ٹالنا چہارم جو مصیبت اپنے اوپر آگئی ہو اس کو دور کرنا آدمی کی کوشش ان چاروں اقسام سے باہر نہیں پس ہم شرط توکل کی اور اس کے درجات ان چاروں طرح کے اعمال میں مع دلائل شرع چار فنوں میں لکھتے ہیں فن اول نافع چیز کے حاصل کرنے میں جن اسباب سے کہ نافع چیز آدمی تک پہنچتی ہے وہ تین قسم کے ہیں اول تو وہ جو اسباب یقینی ہیں دوم وہ جنہیں ظن غالب قابل اعتماد کے ہے سوم وہمی کہ ان پر نفس کو اعتماد کامل اور اعتماد نہیں قسم اول جو یقینی اسباب ہیں ہیں وہ وہ ہیں کہ ان کے ساتھ مسببات خدائے تعالےٰ کے حکم و مشیت سے وابستہ ہیں اور ہمیشہ اسی طرح ہوتا ہے اس کے خلاف نہیں ہوتا مثلاً جب آدمی کے سامنے کھانا رکھا ہوا ہو اور وہ بھوکا بھی ہو مگر اس پر ہاتھ نہ بڑھائے اور کہے کہ میں تو متوکل ہوں اور توکل کی شرط ہے کہ کچھ کام نہ کرے ہاتھ بڑھانا بھی ایک کام ہے اور پھر کھانے کا دانتوں سے چابنا اور دونوں جبڑوں کو چلانا اور نگلنا بھی ایک کام ہے تو اس قسم کی باتیں توکل میں داخل نہیں اس کو جنون کہتے ہیں اس واسطے کہ اس کے لئے خدائے تعالےٰ نے یہ اسباب قطعی بنا دیئے ہیں کبھی ان کے خلاف نہیں ہوتا تو ان سے دست برداری کس طرح ہو سکتی ہے مثلاً کوئی شخص اس کا منتظر رہے کہ خدائے تعالےٰ اس کا پیٹ بدون کھانا کھائے بھر دے یا روٹی میں حرکت پیدا کر دے کہ خود منہ میں چلی آئے یا کسی فرشتے کو مسخر کر دے کہ وہ کھانا چاب کر معدہ میں رکھ دے تو وہ شخص خدائے تعالیٰ کی عادت سے جو اس نے خلق میں جاری کر رکھی ہے ناواقف ہے اسی طرح اگر کوئی زمین کو جو تو بووے نہیں اور اسباب کی طمع کرے کہ اللہ تعالےٰ اس میں غلہ اگائے گا اور بیج نہ ڈالنا پڑے یا کوئی اپنی زوجہ سے اولاد کا خواہاں بدون صحبت ہو جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے تو ایسی باتیں سب جنون میں ایسی جگہ ترک عمل کا نام توکل نہیں بلکہ توکل کا حال اور علم سے ہونا چاہیئے یعنی علم تو اس بات کا ہونا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے کھانے کو ہاتھ اور دانت اور قوت اور حرکت کو پیدا کیا اور کھانا اور پانی دینا اسی کا کام ہے

ے مثلاً مرض کی دعا کرنی ۱۲

اور حال یہ ہو کہ سکون قلبی اور اعتماد خدائے تعالیٰ کے فعل پر ہو نہ ہاتھ اور غذا پر اور واقع میں بھی ہاتھ پر اعتماد کیسے کیا جائے کہ بعض اوقات فوراً خشک ہو جاتا ہے کبھی فالج مار جاتا ہے اسی طرح قوت پر بھی اعتماد نہیں ہو سکتا کیونکہ آدمی کو اکثر ایسا صدمہ پیش آتا ہے کہ اس وقت عقل جاتی رہتی اور قوت حرکت زائل ہو جاتی ہے اور کھانے کے موجود ہونے پر بھی اعتماد نہیں ہو سکتا کہ بعض اوقات کوئی زبردست اس کو چھین لیتا ہے یا کوئی سانپ وغیرہ آجاتا ہے تو آدمی کھانا چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے غرضیکہ ان چیزوں میں جب اس طرح کے احتمالات پیدا ہوتے ہیں اور ان کا کوئی علاج بجز فضل ایزدی کے نہیں تو اسی پر آدمی کو خوش ہونا اور اعتماد کرنا شایان ہو جب آدمی کا حال اور علم اسطرح پر ہو تو چاہیئے کہ ہاتھ بڑھائے کہ متوکل ہی رہے گا دوسری قسم اسباب کی وہ ہیں جو یقینی نہیں مگر غالب یہ ہے کہ مسببات بدون اس کے نہیں حاصل ہوتے یا اگر حاصل ہوتے ہیں تو بہت دشواری سے حاصل ہوتے ہیں مثلاً کوئی شخص شہروں اور قافلوں سے جدا ہو کر ایسے جنگلوں میں سفر کرے کہ اس میں آدمیوں کی آمد و رفت بہت شاذ و نادر ہو اور ایسی راہ میں توشہ ہاتھ میں نہ لے تو یہ نہ لینا توکل میں شرط نہیں بلکہ جنگلوں میں توشہ لینا ساتھ اپنے اول کے لوگوں کا دستور و سنت ہے اور اس سے توکل نہیں جاتا بشرطیکہ اعتماد فضل الٰہی پر ہو نہ زاد پر جیسا کہ پہلے بیان ہوا لیکن اگر کوئی زاد نہ لے تو جائز ہے اور یہ رتبہ مقامات توکل میں سے بہت بڑھکر اور اونچا ہے بایں جہت یہ طریق خواص کا دستور تھا اب اگر کوئی کہے کہ توشہ نہ لینے سے تو اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالنا ہے جو شرعاً ناجائز ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صورت حرام ہونے سے دو وجہ سے نکل سکتی ہے اول یہ کہ کسی شخص نے اپنے نفس پر ریاضت و مجاہدہ کر کے عادت ایک ہفتہ یا اس سے کم و بیش کی بھوک برداشت کرنے کی ڈالی ہو اس طرح کہ برداشت گرسنگی اس مدت تک بدون تنگ دلی اور پریشانی خاطر اور دشواری ذکر الٰہی کر سکے دوسرے یہ کہ گھاس اور ساگ وغیرہ کو غذا کر سکے اگر یہ دونوں شرطیں ہوں گی تو غالب یہی ہے کہ ہر ہفتے میں جنگل میں کوئی نہ کوئی آدمی مل جائے گا یا کسی گاؤں اور بستی میں گذر ہو گا یا کچھ ساگ وغیرہ ایسا مل جائے گا جس سے وقت ٹل جائے اور اپنے نفس پر مجاہدہ کر کے زندہ رہے مجاہدہ کرنا توکل کی اصل ہے اور خواص اور ان کے مثل کے اور لوگوں کا اسی پر اعتماد تھا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ خواص اپنے ساتھ سوئی اور مقراض اور رسی اور ڈولچی ضرور رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس سے توکل میں خلل نہیں اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کو معلوم تھا کہ جنگلوں میں پانی اوپر تو ہوتا نہیں ہے لیکن خدائے تعالیٰ کی عادت نہیں کہ پیاسے کے واسطے پانی کنوئیں میں سے بدون ڈول رسی اوپر کو چڑھائے اور جنگل میں اکثر ڈول رسی نہیں ملتی گھاس پتی بہت ملتی ہے اور پانی کی ضرورت سفر میں کئی بار وضو کے لئے اور پینے کے واسطے ہوتی ہے کیونکہ مسافر چلنے کی حرارت کے مارے پانی سے صبر نہیں کر سکتا گو کھانے سے صبر کر سکتا ہے اسی طرح آپ کے پاس اکثر ایک ہی کپڑا رہتا تھا تو اگر جنگل میں کپڑا پھٹتا تھا تو وہاں سوئی مقراض کہاں اور بدون ان کے ستر عورت ممکن نہیں نہ جنگل میں کوئی ایسی چیز جو قائم مقام مقراض و سوئی کے ہو جایا کرے پس جتنی چیزیں ان چاروں چیزوں کے معنوں میں ہیں یعنی ان سے برآمد مطلب ایسا ہی ہو جیسا ان چاروں سوئی مقراض ڈول رسی سے ہے تو اس کو اول قسم کا تابع سمجھنا چاہیئے اور تابع اس لئے کہا کہ ان میں احتمالات ہو سکتے ہیں کہ مثلاً کپڑا نہ پھٹے یا کوئی دوسرا آدمی کپڑا دے دے یا کنوئیں پر کوئی پانی پلانے والا مل جائے اور پہلی قسم میں احتمال نہیں کہ کھانا چبایا یا منہ میں خود چلا آئے اس واسطے ان دونوں میں

بہت فرق ہو اگر دوسری قسم کی چیزیں مذکورہ اول قسموں کے مضمون میں شریک ہیں یعنی ایسی چیزوں کو توکل کے باعث ترک کرنا جائز نہ ہوگا اس بنا پر یہ نکلا کہ اگر کوئی شخص پہاڑوں کی گھاٹیوں میں سے کسی گھاٹی میں متوکل ہو کر جائے جہاں نہ پانی ہو نہ گھاس نہ کوئی بشر رہاں کو گزرے تو وہ شخص اس فعل سے گناہگار ہوگا اور اپنی جان اپنے ہاتھ سے کھوئے گا چنانچہ روایت ہے ایک اہل شہروں سے جدا ہو کر کسی پہاڑ نے میں سات روز رہا اور کہا کہ میں کسی سے کچھ نہ مانگوں گا جب تک کہ خدائے تعالیٰ مجھ کو میرا رزق نہ پہنچائے سات روز تک بیٹھا اور مرنے کے قریب ہو گیا مگر رزق نہ آیا جناب باری میں التجا کی کہ الٰہی اگر تو مجھ کو زندہ رکھتا ہے تو جتنا رزق میری قسمت میں تو نے لکھ دیا ہے وہ مجھ کو عنایت کر ورنہ میری روح قبض کر حکم ہوا کہ قسم ہے اپنی عزت و جلال کی کہ تجھ کو رزق نہ دوں گا جب تک تو شہروں میں جا کر لوگوں میں نہ بیٹھے گا وہ شہر میں جا کر بیٹھا اس کے پاس کوئی کھانا لایا کوئی پانی لایا کھا پی کر کچھ دل میں وسوسہ اس کیا اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ تو یہ چاہتا ہے کہ اپنی دنیا میں زہد کرنے سے میری حکمت کو ضائع کرے تجھ کو معلوم نہیں کہ میں اپنے بندوں کو دوسروں کے ہاتھ سے رزق پہنچانا اس سے بہتر جانتا ہوں کہ خود اپنے ید قدرت سے دوں اس سے معلوم ہوا کہ دور رہنا تمام اسباب سے مخالف حکمت الٰہی اور متضمن ناواقفیت عادت خداوندی کے ہے اور عمل کرنا خدائے تعالیٰ کے دستور مقررہ کے بموجب اس طرح کہ توکل خدائے تعالیٰ پر ہو نہ اسباب پر توکل کے خلاف نہیں جیسا کہ ہم نے وکیل مقدمات کی مثال میں بیان کیا ہے لیکن اسباب کی دو قسمیں ہیں ظاہر اور پوشیدہ تو متوکل کو چاہیئے کہ اسباب ظاہری سے اعراض کر کے اسباب خفیہ کی طرف اکتفا کرے اور اس میں یہ بھی قید ہے کہ دل کا اطمینان اور قرار مسبب الاسباب پر ہو نہ اسباب پر باقی رہا یہ کہ بدون کسی پیشے کے شہر میں آدمی کا بیٹھ رہنا کیسا ہے حرام ہے یا مباح یا مستحب تو اس کا حال یہ ہے کہ حرام تو نہیں اس لئے کہ جب جنگلوں میں پھرنے والا اپنی جان کو تلف کرنے والا نہ ٹھیرا تو شہر میں رہنے والا کسی طرح اپنی جان ضائع کرنے والا نہیں ہو سکتا تاکہ اس فعل کی حرمت لازم آجائے بلکہ ہو سکتا ہے اس کی غذا ایسی جگہ سے پہنچا کرے جہاں سے اس کو خیال نہ ہو مگر کبھی دیر کر ملے گی اور اس پر صبر ممکن ہے یہاں تک کہ کہیں سے اتفاقاً آجائے لیکن اگر حجرے کا دروازہ ایسی طرح بند کر بیٹھے کہ کسی کا گزر اس تک نہ ہو تو ایسا کرنا حرام ہے اور اگر حجرے کا دروازہ تو کھلا رکھے مگر مصروف عبادت نہ ہو بے کار بیٹھا ہو تو ایسی صورت میں پیشہ کرنا اور نکلنا اچھا ہے گو بیٹھ رہنا حرام نہیں مگر اس صورت میں فاقے سے موت کے کنارے جا لگے گا اس وقت نکلنا اور مانگنا اور کسب معیشت کرنا لازم ہے اور اگر دل سے مشغول خدائے تعالیٰ کے ساتھ ہو آدمیوں کی طرف تاک نہ ہو کہ کون دروازے تک آتا اور رزق لاتا بلکہ خدائے تعالیٰ کے فضل ہی کی تاک ہو اور اسی سے شغل ہو تو یہ بات افضل ہے اور توکل کے مقامات میں سے ہے اور اس کا طریق یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہو اور فکر روزی نہ کرے کہ روزی بالضرور اس کو پہنچے گی اور اس صورت میں جو بعض علماء فرماتے ہیں کہ بندہ اگر اپنے رزق سے بھاگے تو رزق اس کو ڈھونڈے گا جیسے کوئی موت سے بھاگے تو وہ جا لیتی ہے شعر

ہیں توکل کن بدوزان پا و دست ✤ رزق تو بر تو ز تو عاشق تر است

اور یہ بھی ان کا قول ہے کہ بجا ہے کہ اگر آدمی خدائے تعالیٰ سے دعا مانگے کہ مجھے روزی مت دے تو قبول نہ ہوگی اور اس دعا سے گناہگار ہوگا اور اس کو بارگاہ کبریا سے حکم ہوگا کہ او جاہل یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تجھ کو پیدا کروں اور رزق نہ دوں اور اسی واسطے حضرت ابن

عباسؓ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے ہر ایک چیز میں آپس میں اختلاف کیا ہے مگر رزق اور موت میں سب کا اتفاق ہے کہ بجز خدائے تعالیٰ کے کوئی رازق اور مارنے والا نہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لو توکلتم علی اللہ حق توکلہ لرزقکم کما یرزق الطیر تغدو خماصًا وتروح بطانا ولزالت بدعائکم الجبال اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ پرندوں کی طرف دیکھو کہ وہ نہ کھیتی کرتے ہیں نہ خرمن اور ذخیرہ کرتے ہیں مگر خدائے تعالیٰ ان کو برابر ہر روز رزق دیتا ہے اور اگر تم یہ کہو کہ ہمارے پیٹ بڑے ہیں تو چوپاؤں کو دیکھو کہ ان کے لئے خدائے تعالیٰ نے رزق کے واسطے اس خلق کو کیسے مقرر کر دیا ہے اور ابو یعقوب سوسی کہتے ہیں کہ متوکلوں کا رزق بدون ان کی مشقت کے لوگوں کے ہاتھوں پر چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ ان کو بلا تردد ملتا ہے۔ اور لوگ اسی کی فکر میں لگے رہتے ہیں رزق کے واسطے رنج اٹھاتے ہیں اور بعض اکابر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ سب اپنے بندوں کو رزق دیتا ہے مگر بعض ذلت کے ساتھ کھاتے ہیں مثلاً بھیک مانگ کر اور بعض مشقت اور انتظار سے کھاتے ہیں۔ جیسے تاجر اور بعض جان کھپانے سے جیسے کاریگر اور بعض عزت سے جیسے صوفیہ کہ حاکم کے پاس گئے اور اپنا رزق اس کے ہاتھ سے لے آئے اور درمیانی کو کچھ نہ سمجھا تیسرے قسم وہ اسباب ہیں کہ ان سے مسبب پر پہنچنا وہمی بات ہے۔ کچھ ظاہر کا اعتبار نہیں جیسے بڑی باریک باریک تدبیریں تحصیل مال میں کرنی کچھ ضروری نہیں کہ جو تدبیریں جس طرح کرے تو ویسا ہی ظہور میں آئے اور اس قسم کے کرنے سے بالکلیہ درجات توکل سے نکل جاتا ہے اور تمام آدمی اسی میں مبتلا ہیں۔ مال مباح کے حاصل کرنے کے لئے بیسیوں حیلے باریک نکالتے رہتے ہیں اور مال شبہے کا لینا یا ایسے طریق سے مال کا پیدا کرنا جس میں شبہ ہو تو بطریق اولیٰ توکل کو باطل کرتا ہے کیونکہ وہ تو نہایت درجے کا گھٹا دینا ہیں اور اسباب پر توکل کرنا ہے اور اس قسم کے اسباب کو حصول سے مفید کی طرف وہ نسبت ہے جو منتر اور فال اور داغ دینے کو ایذا دہندہ چیز کے دور کرنے کی طرف ہے۔ اسی لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متوکلین کا وصف ان اشیا کے نہ کرنے کو تو فرمایا۔ مگر یہ نہیں فرمایا کہ متوکل کسب معیشت بالکل نہیں کرتے اور شہروں میں نہیں رہتے اور کسی سے کچھ نہیں لیتے بلکہ فرمایا کہ یہ سب امور کرتے ہیں اور تیسری قسم کے اسباب جن سے اعتماد مسبب کے حاصل ہونے کا نہیں اتنے ہیں کہ ان کا شمار ممکن نہیں اور حضرت سہل توکل کے باب میں فرماتے ہیں کہ تدبیر کا ترک کرنا توکل ہے اور فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے خلق کو پیدا کیا اور ان کو اپنے نفس سے محجوب نہیں رکھا ان کا حجاب ان کی تدبیر ہی ہوتی ہے ظاہری اسباب اور غالبًا انکی مراد تدبیر سے نکالنا اسباب بعید کا ہے فکر سے کیونکہ انہیں میں سوچ و تدبیر کی ضرورت ہوتی ہے ظاہری اسباب میں نہیں ہوتی اس تقریر سے معلوم ہوا کہ اسباب بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے تعلق سے توکل سے آدمی خارج ہو جاتا ہے اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے کرنے سے خارج نہیں ہوتا اور اس دوسری کی دو قسمیں ہیں ایک اسباب یقینی اور دوسرے ظنی اسباب یقینی کے کرنے سے توکل سے خارج نہیں ہوتا بشرطیکہ حال توکل اور علم موجود ہو یعنے تکیہ صرف مسبب الاسباب پر ہو پس اسباب یقینی میں توکل

لہ اگر تم اللہ تعالےٰ پر توکل کرو جیسا اس کے توکل کا حق ہے تو تم کو ایسی روزی دے جیسے پرند کو دیتا ہے کہ صبح کو بھوکا اٹھتا ہے اور شام کو شکم سیر ہو کر جاتا ہے اور تمہاری دعا سے پہاڑ ٹل جائیں۔ اس کی سند پیشتر گزری مگر اس میں لزالت بدعائکم الجبال نہ تھا اس زیادتی کو امام محمد بن نصر نے بسند ضعیف بروایت معاذ بن جبل نقل کیا ہے ۱۲

باعتبار حال اور علم کے ہے نہ عمل کے اور اسباب ظنی میں باعتبار حال اور علم اور عمل سب کے لیے ہے اور ان اسباب کے عمل میں لانے کی رو سے متوکلوں کے تین مقام ہیں۔ اوّل مقام خواص اور ان کے مثل کا ہے کہ بے توشہ جنگلوں میں پھرے اور فضل الٰہی پر اعتماد ہو کہ ایک ہفتہ یا اس سے زیادہ طاقت صبر کی عنایت فرماتے گا۔ یا کچھ ساگ وغیرہ یا غذا مل جاتے گی اور اگر کچھ نہ ملے گا تو فاقے سے مرنے پر راضی اور ثابت قدم رہے گا۔ کیونکہ توشے والے بھی بعض اوقات فاقے سے مرتے ہیں۔ کہ ان کا توشہ جاتا رہتا ہے یا کوئی راہ بھلا دیتا ہے تو موت کا آنا توشہ اور بے توشہ دونوں طرح ممکن ہے اسی لیے فضل الٰہی پر توکل اولیٰ ہوا اور دوسرا مقام یہ ہے کہ اپنے گھر یا مسجد میں بیٹھ رہے۔ مگر گاؤں یا شہر میں یہ صورت ہو اور اس مقام والا اوّل سے کم ہے۔ مگر متوکل ضرور ہے اس لیے کہ آخر کسب اور اسباب ظاہر کو ترک کر کے فضل الٰہی پر اعتماد کرتا ہے کہ وہ اسباب خفیہ سے میرا کام بنا دے گا۔ اور ہر چند یہ شخص شہروں میں بیٹھ کر اسباب رزق کا متعرض ہے کیونکہ شہر میں رہنا بھی اسباب رزق کے کھینچنے کے ہیں۔ مگر اس سے اس شخص کا توکل باطل نہیں ہوتا بشرطیکہ نظر اس ذات کی طرف ہو جو شہر کے باشندوں سے اس کو رزق دلوتا ہے۔ باشندوں کی طرف التفات نہ ہو اس لیے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ سب کے سب اس کے حال سے غافل ہو جائیں اور اگر خدائے تعالیٰ اپنے فضل سے اس کا حال ان کو نہ بتائے اور انکی خواہشوں کو اس کی طرف راغب نہ کرے تو وہ کیسے اس کو پوچھیں اور خبر گیری کریں تیسرا مقام یہ ہے۔ کہ چل پھر کر کسب معیشت اس طرح کرے جس طرح ہمنے باب آداب الکسب کی فصل سوم اور چہارم میں لکھا ہے اس طرح کہ کمانے سے بھی مقامات توکل سے نہیں نکلے گا۔ بشرطیکہ اپنا اطمینان اپنی کفایت اور قوت اور جاہ اور بضاعت پر نہ ہو۔ اس لیے کہ یہ چیزیں تو دم کے دم میں خدا تعالیٰ فنا کر دیتا ہے۔ بلکہ یوں چاہیئے کہ نظر کفیل برحق کی طرف ہو کہ اسی نے یہ سب چیزیں بجا رکھی ہیں۔ اور رزق کا سامان بہم کر دیا ہے اور اپنے کسب وبضاعت و کفایت کو خدائے تعالیٰ کی قدرت کی نسبت کر ایسا جانے جیسا قلم بادشاہ کے ہاتھ میں حکم لکھتا ہے کہ وہاں نظر قلم کی طرف نہیں ہوتی بلکہ بادشاہ کے دل کی طرف ہوتی ہے۔ کہ کیا جانے کیا دل میں آئے گا۔ اور کس طرف کو مائل ہو گا۔ کیا حکم کر بیٹھے گا۔ پھر اگر یہ کسب معیشت کرنے والا اپنے عیال کے لیے یا مساکین کے دینے کے لیے کماتا ہو تو ظاہر میں تو کمانے والا ہو گا۔ مگر باطن میں علیحدہ ہو گا اور اس شخص کا حال بہ نسبت گھر میں بیٹھنے والے کے اشرف ہے اور اس بات کی دلیل کہ کسب مخالف حال توکل کے نہیں بشرطیکہ اس میں شرطوں کی رعایت اور حال اور علم کا لحاظ رہے۔ جیساکہ بیشتر مذکور ہوا یہ ہے۔ کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو اپنی گٹھری بغل میں دبا کر بازار میں تشریف لے گئے۔ مسلمانوں کو برا معلوم ہوا اور عرض کہ آپ ایسی بات کیوں کرتے ہیں۔ اب تو آپ نبوت کی خلافت پر ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں اپنے عیال کا اگر شغل نہ کروں تو وہ تباہ ہو جائیں گے اور جب اپنے ہی عیال کو میں تلف کر دوں گا۔ اور دں کو بطریق اولیٰ ضائع کروں گا۔ لوگوں نے آپ کی فکر دور کرنے کے لیے ایک مسلمان کے گھر والوں کے موافق آپ کیلیے وظیفہ مقرر کر دیا تب۔ پس جب آپ نے ان کی مرضی اسی طرف پائی تو ان کے دل کا خوش کرنا اور مسلمانوں کے کام میں سب وقت خرچ کرنا آپ نے اولیٰ جانا اور یہ محال ہے کہ کہا جائے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مقام توکل میں نہ تھے تو ان سے بڑھ کر مقام توکل پر اور کون ہے اس لیے کہ متوکل تو یقیناً تھے پس معلوم ہوا۔ کہ آپ متوکل باعتبار کسب وسعی نہ کرنے کے نہ تھے۔ بلکہ قطع التفات کے رو سے تھے۔ کہ اپنی قوت و کفایت پر ملتفت نہ تھے۔ خدائے تعالیٰ ہی کو معیشت کا بہم کرنے والا اور مسبب الاسباب جانتے تھے اور

رعایت شرطوں کی کسب کے طریق میں ملحوظ رکھتے تھے۔ کہ مقدار حاجت پر اکتفا کرتے تھے۔ بہت کی تمنا نہ تھی نہ فخر اور رکھ چھوڑنے
کی ہوس نہ یہ بات کہ اپنا درم اور کے درم سے اچھا معلوم ہوتا ہو اس لیے کہ جو شخص بازار میں جائے اور اپنے درم کو غیر کے
درم سے بہتر و محبوب سمجھے وہ دنیا کا حریص و محب ہے اور توکل بدون دنیا میں زہد کیے درست نہیں ہوتا ہاں زہد بدون توکل
کے بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ توکل کا مقام زہد کے بعد ہے۔ ابو جعفر حداد جو حضرت جنید کے مرشد اور متوکلین میں سے تھے فرماتے
ہیں۔ کہ میں نے بیس برس توکل کو چھپایا اور بازار سے جدا نہ ہوا۔ میرا دستور تھا کہ ایک دینار ہمیشہ پیدا کرتا تھا مگر رات کے لیے درمی
نہ رکھتا تھا اور نہ اپنی راحت کے لیے اس میں سے کچھ خرچ کرتا تھا۔ اتنا بھی نہیں کہ کچھ کوڑیاں دے کر غسل ہی کر لوں بلکہ رات
آنے سے پیشتر ہی سب کو خرچ کر دیا کرتا تھا اور حضرت جنید ان کے سامنے توکل کے باب میں کچھ گفتگو نہیں فرماتے تھے۔ اور یوں
کہا کرتے تھے کہ مقام توکل میں آپ کے ہوتے ہوئے مجھ کو کچھ کہنے سے شرم آتی ہے۔ اب جاننا چاہیے کہ صوفیوں کی خانقاہوں
میں نقدی لے کر بیٹھنا توکل سے بعید ہے پس اگر نقدی نہ ہو وقف نہ کوئی بات۔ اور انہوں نے خادم کو حکم دیا کہ باہر سے نکل کر لے
آیا کرے تو اس طرح پر توکل ضعف کے ساتھ درست ہے۔ مگر حال اور علم سے قوی ہو جاتا ہے جیسے توکل پیشہ ور کا۔ اور اگر خانقاہ والے
سوال نہ کریں بلکہ جو کوئی کچھ دے جائے اسی پر قانع رہیں تو یہ بات ان کے توکل میں بہت قوی ہے۔ مگر وہ لوگ اسباب میں انگشت نما ہو
گئے۔ اور دکان کر لی پس خانقاہ میں بیٹھنا ایسا ہی ہے۔ جیسا بازار میں جانا اور بازار میں جانے والا متوکل نہیں ہوتا بدوں بہت سی
شرطوں کے جن کا بیان پہلے ہو چکا۔ باقی رہا یہ کہ آدمی کا بیٹھ رہنا افضل ہے یا چل پھر کر کچھ کمانا کھانا تو اس کا حال یہ ہے کہ کمائی چھوڑنے سے
ذکر و فکر اور اخلاص اور تمام وقت عبادت میں بسر کرنے کے لیے چھٹی مل جائے کسب معیشت میں ان امور میں ابتری ہوتی ہو اور
باوجود اس کے لوگوں سے کچھ طمع بھی نہ ہو نہ اسباب کا انتظار کہ کوئی آ کر ہمیں کچھ دے جائے۔ بلکہ صبر اور اللہ پر توکل کرنے میں دل کا
مضبوط ہو۔ تو ایسے شخص کو گھر بیٹھنا بہتر ہے اور اگر گھر میں دل گھبرائے اور لوگوں کی طرف تاک ہو۔ تو کچھ کام کر کے پیدا کرنا اچھا ہے اس لیے کہ دل
سے لوگوں کی تاک کرنی گویا دل سے سوال کرنا ہے۔ اس کا چھوڑنا کام کے چھوڑنے کی نسبت کو زیادہ مہم ہے۔ پہلے متوکلین کا دستور
تھا کہ جو چیز ان کے نفس طمع کرتے تھے اس کو نہیں لیا کرتے تھے چنانچہ حضرت امام احمد بن حنبل نے ابو بکر مروزی کو فرمایا کہ فلاں فقیر کو
اجرت معمولی سے کچھ زیادہ دینا جب وہ دینے لگے فقیر نے واپس کر دیا اور چلا گیا۔ امام صاحب نے فرمایا کہ اب جا کر اس کو دے دو
اب وہ لے لے گا۔ وہ گئے اور اس کو دیا تو لے لیا۔ امام صاحب سے پوچھا کہ یہ کیا بات تھی کہ یہاں نہ لیا اور نکل کر لے لیا۔ فرمایا کہ اول
اس کے نفع کو طمع زیادہ ملنے کی تھی اس واسطے نہ لیا جب یہاں سے چلا گیا تو نفس کو ناامیدی اور یاس ہو گئی۔ تو لے لیا اور خواص جب
کبھی اپنی رغبت کسی شخص کے دینے کی طرف دیکھتے یا نفس کے لینے کے عادی ہو جانے سے خوف کرتے تو اس سے کوئی چیز قبول
نہ کرتے اور ان سے جو کسی نے پوچھا کہ آپ نے اپنے سفر میں سب سے زیادہ عجیب کیا بات دیکھی فرمایا کہ میں نے حضرت خضر علیہ السلام
کو دیکھا اور وہ میری صحبت سے راضی ہوئے مگر میں ان سے اس جہت سے علیحدہ ہو گیا۔ کہ کہیں میرے نفس کو ان کے ساتھ سکون و قرار
نہ ہو جائے اور توکل میں نقصان نہ ہونے پائے۔ غرضیکہ کسب معیشت کرنے والا جب آداب کمانے کے اور اس کی نیت کے شرطوں
کی رعایت کرے گا۔ جس طرح کہ باب الکسب میں بیان ہوا ہے۔ یعنی مقصود استدعائے کثرت نہ ہو۔ اور نہ اپنی بضاعت اور کفایت پر اعتماد
ہو۔ تو وہ متوکل ہو گا۔ اور علامت اس کے تکیہ نہ کرنے کی اپنی بضاعت پر یہ ہے کہ اگر اس کا مال چوری ہو جائے یا تجارت میں گھٹی ہو یا

کوئی اور کام بند ہو جائے تو اس پر راضی رہے۔ دل کی طمانیت باطل نہ ہو نہ دل میں اضطراب راہ پائے۔ بلکہ دل کو قرار جیسے پہلے تھا۔ ویسا ہی رہے۔ کیونکہ دستور کی بات ہے کہ جس کا دل کسی چیز سے وابستہ نہیں ہوتا اس کے جاتے رہنے سے بھی اس کا دل مضطر نہیں ہوتا اور جو کسی چیز کے جانے سے بے قرار ہوتا ہے۔ تو وہ اس چیز سے تسکین پاتا ہے۔ بشر چرخے بنایا کرتے تھے پھر ان کو چھوڑ دیا اس لیے کہ بعلویؒ نے ان کو لکھا کہ میں نے سنا ہے کہ تم نے اپنے رزق پر مدد یہ کام اختیار کرنے سے کی ہے بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر خدائے تعالیٰ تم کو بہرا اور اندھا کر دے تب رزق کس پر ہو گا۔ اس نوشتے نے ان کے دل میں تاثیر کی سب اوزار چرخہ بنانے کے دے ڈالے اور چھوڑ دیا اور بعض کہتے ہیں کہ جب وہ چرخہ بنانے میں انگشت نما ہو گئے۔ اور لوگ اسی واسطے آنے لگے۔ چھوڑ دیا اور بعض کہتے ہیں کہ اپنے عیال کے مرنے کے بعد چھوڑ دیا جیسے حضرت سفیان ثوریؒ کے پاس پچاس دینار تھے۔ ان سے تجارت کیا کرتے جب ان کے اہل کا انتقال ہوا تو اُن کو بانٹ دیا اب اگر کوئی کہے یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ آدمی کے پاس بضاعت تو ہو اور اس کے ساتھ دل بستگی نہ ہو۔ حالانکہ اس کو معلوم ہے کہ کسب بدون بضاعت ممکن نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی صورت یہ ہے کہ یوں جانے کہ جن لوگوں کو خدائے تعالیٰ بدون بضاعت روزی دیتا ہے۔ وہ بھی بہت ہیں اور ایسے بھی بہت ہیں کہ ان کی بضاعت بہت تھی۔ مگر چوری ہو گئی اور جاتی رہی اور یہ بھی دل میں ٹھان لے کہ خدائے تعالیٰ میرے ساتھ وہی سلوک کرے گا جو اس کے نزدیک میرے حق میں بہتر ہو گا۔ اگر وہ میرا مال ضائع کر دے گا۔ تو اس کے نزدیک اس میں کچھ بہتری ہے۔ شاید اگر پاس رہتا تو موجب فساد دین کا ہوتا۔ بڑا خدائے تعالیٰ کا احسان ہوا کہ دین کے بگاڑ سے بچا دیا اور نہایت اخلاص یہ ہے کہ آدمی بھوک سے مر جائے تو چاہیے کہ اعتقاد کرے کہ بھوک سے مرنا آخرت میں میرے حق میں مفید ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ نے بدون کسی تقصیر کے میری طرف سے یہ بات میرے واسطے تجویز فرمائی ہے۔ تو میری بہتری اسی میں ہے۔ جب ان سب باتوں کا اعتقاد کریگا تو اس کے نزدیک وجود بضاعت کا اور عدم برابر ہے۔ حدیث شریف میں ہے بندہ رات کو کسی امر کا امور تجارت میں سے قصد کرتا ہے اور وہ کام ایسا ہوتا ہے کہ اگر اس کو کرے تو اس کی بربادی ہو۔ پس خدائے تعالیٰ اس کی طرف عرش کے اوپر سے نظر کرتا ہے اور اس کو کام سے باز رکھتا ہے۔ تو صبح کو وہ شخص نہایت غمگین واندوہناک ہوتا ہے اور اپنے ہمسایہ اور چچازاد بھائی کی بدشگنی لیتا ہے کہ میں نے کس کا منہ دیکھا تھا۔ کس نے میرے اوپر مصیبت ڈالی حالانکہ یہ امر صرف ایک رحمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر کی انتہیٰ اور اسی جہت سے حضرت عمرؓ فرماتے ہیں۔ کہ مجھے کچھ پرواہ نہیں خواہ میں غنی رہوں یا فقیر اس واسطے کہ معلوم نہیں کہ تونگری و فقیری میں سے میرے حق میں کون سی بہتر ہے اور جو شخص ان امور پر یقین کامل نہ رکھتا ہو اس سے توکل نہ ہو سکے گا۔ اس جہت سے حضرت ابوسلیمان دارانی نے احمد بن ابی الحواری سے فرمایا کہ مجھ کو ہر مقام سے بہرہ ہے۔ مگر حضرت توکل کہ اس کی بو بھی میں نے نہیں سونگھی۔ پس باوجود اپنے بلند قدر ہونے کے ایسا فرماتے ہیں۔ کہ مجھ کو توکل نہیں ملا یہ نہیں فرمایا کہ اس کا حصول ممکن نہیں اور غالباً ان کی مراد یہ ہو گی۔ کہ اعلیٰ درجہ توکل کا حاصل نہیں ہوا اور جب تک کہ ایمان اس بات پر پکا نہ ہو کہ خدائے تعالیٰ کے سوا کوئی فاعل ہے نہ کوئی رازق اور جو کچھ وہ بندے پر مقدر کرتا ہے۔ خواہ فقر ہو یا غنا موت ہو یا جینا اس کے حق میں وہی بہتر ہے بہ نسبت اس بات کے جس کی بندہ تمنا کرے تب تک حال توکل بھی کامل نہ ہو گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ توکل کی بنا ان امور پر ایمان کے قوی ہونے سے ہوتی ہے جیسا کہ گزرا اور ایسا ہی حال اور مقامات دین کا احوال

ے ابونعیم در حلیہ بروایت ابن عباس بسند نہایت ضعیف ۱۲

اور اعمال میں سے ہے کہ وہ بھی اپنے اصول یعنی ایمان پر مبنی ہوتے ہیں حاصل یہ کہ مقام توکل سمجھ میں آتا ہے۔ مگر دل کی قوت اور یقین کا زور چاہتا ہے۔ اس لیے حضرت سہل فرماتے ہیں کہ جو شخص طعنہ کمانے پر کرے وہ سنت پر طعنہ کرتا ہے۔ اور جو شخص ترک کمائی یعنی توکل پر کرے وہ توحید پر طعنہ زن ہے اب وہ علاج لکھتے ہیں۔ جو دل سے اسباب ظاہری سے پھرنے میں مفید ہو اور اسباب خفیہ کے بہم کرنے میں خدائے تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن پیدا کرے وہ یہ ہے کہ یوں جاننا چاہیے کہ سوء ظن تعلیم شیطان سے ہے اور حسن ظن خدائے تعالیٰ کی تلقین ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ۱؎ الشیطان یعدکم الفقر و یامرکم بالفحشاء واللہ یعدکم مغفرۃ منہ وفضلا کیونکہ انسان اپنی سرشت کی رو سے شیطان کے ڈرانے کو بہت سنتا ہے اسی واسطے کہا گیا ہے کہ جو شخص سوء ظن کے باعث ڈرے وہ حریص ہے اور جب اس پر نامردی اور ضعف دلی زیادہ ہو جائے۔ اور نیز متکلمین جو پابند اسباب ظاہری اور ان پر ترغیب دینے والے ہیں نظر پڑیں تب سوء ظن غالب ہو جاتا ہے اور توکل بالکل جاتا رہتا ہے۔ بلکہ رزق کو اسباب خفیہ سے سمجھنا بھی توکل کو باطل کر دیتا ہے۔ چنانچہ حکایت ہے کہ کوئی عابد کسی مسجد میں بیٹھ رہا اور اس کے پاس مال نہ تھا امام مسجد نے اس سے کہا کہ اگر تم کچھ کر کے کھاؤ تمہارے لیے اچھا ہو اس نے جواب نہ دیا۔ تین بار ایسا ہی ہوا چوتھی بار اس نے کہا کہ میاں صاحب مسجد کے پاس ایک یہودی ہے۔ اس نے ہر روز دو روٹیوں کی کفالت میرے لیے کر لی ہے۔ امام نے کہا کہ اگر وہ اس کفالت میں سچا ہو تو تمہارا مسجد میں رہنا بہتر ہے عابد نے کہا کیا خوب تم خدا کے سامنے اور لوگوں کے آگے ایسی ناقص توحید کے ساتھ کھڑے ہوتے ہو۔ اگر امامت نہ کرو تو تمہارے حق میں بہتر ہو۔ کیونکہ تم یہودی کے وعدے کو خدائے تعالیٰ نے جو کفالت رزق کی کی ہے۔ اس پر ترجیح دیتے ہو۔ اور ایک بار کسی مسجد کے امام نے کسی نمازی سے پوچھا کہ تم کہاں سے کھانا کھاتے ہو۔ اس نے کہا کہ ذرا ٹھہر و اول میں نے جو نماز تمہارے پیچھے پڑھی ہے وہ پھیر لوں تب جواب دوں گا۔ اور خدائے تعالیٰ کے فضل سے بواسطہ اسباب خفیہ رزق بھیجنے پر حسن ظن رکھنے کے لیے ان حکایات کا سننا مفید ہے جس میں رزق بھیجنے میں اللہ تعالیٰ کے عجیب الطاف اور احسان پائے جاتے ہیں۔ اور بعض میں خدائے تعالیٰ کا مذکور ہوا کہ تاجروں اور تونگروں کا مال غارت کر کے ان کو بھوک سے ہلاک کر دیا۔ چنانچہ روایت ہے کہ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کا ایک خادم حذیفہ مرعشی تھا۔ اس سے لوگوں نے پوچھا کہ کوئی بات آپ کی جو بہت عجیب تم نے دیکھی ہو بیان کرو اس نے کہا کہ ہم ایک بار مکہ معظمہ کے راستے میں چند روز بھوکے رہے کہ کھانا نہ ملا پھر کوفے میں گئے اور ایک ویران مسجد میں داخل ہوئے حضرت ابراہیم نے میری طرف دیکھ کر فرمایا مجھے معلوم ہوتا ہے کہ تجھ کو بھوک لگی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کی تشخیص بجا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ سیاہی اور کاغذ لے آ میں لے آیا آپ نے یہ رقعہ لکھا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہر حال میں تو ہی مقصود ہے اور ہر بات سے تو ہی مطلوب پھر کچھ شعر لکھے۔ جن کا ترجمہ یہ ہے قطعہ

حامد و شاکر ہوں اور ذاکر خدا	بھوکا اور پیاسا ہوں اور ننگا جدا
وصف چھ ہیں تین کا ضامن ہوں میں	النجا ہے تو ہو ضامن تین کا
مدح میری غیر کو ہے جلتی آگ	آگ میں گھسنے سے تو مجھ کو بچا

حذیفہ کہتے ہیں کہ پھر وہ رقعہ مجھے دیا اور فرمایا کہ باہر جا اور سوائے خدائے تعالیٰ کے اور کسی سے اپنا دل مت لگا اور جو

۱؎ شیطان وعدہ دیتا ہے تم کو تنگی کا اور حکم کرتا ہے بے حیائی کا اور اللہ وعدہ دیتا ہے اپنی بخشش اور فضل کا ۱۲

شخص اوّل ہی ملے اس کو یہ رقعہ حوالے کر دینا میں رقعہ لے کر نکلا اوّل جو شخص مجھ کو ملا وہ ایک خچر پر سوار تھا میں نے رقعہ اس کو حوالہ کیا اس نے لیا اور مضمون سے واقف ہو کر رو یا اور کہا کہ اس رقعے کے لکھنے والے کہاں ہیں۔ میں نے کہا کہ فلانی مسجد میں تشریف رکھتے ہیں۔ اس نے مجھ کو ایک تھیلی دی جس میں چھ سو دینار تھے پھر میں نے ایک دوسرے شخص کو دیکھا اور اس سے اوّل شخص کا حال پوچھا۔ اس نے کہا کہ یہ ایک شخص نصرانی ہے۔ میں نے حضرت ابراہیم کی خدمت میں حاضر ہو کر ماجرا عرض کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ ابھی ان دیناروں کو ہاتھ مت لگا۔ وہ اسی دم آیا چاہتا ہے۔ جب ایک گھڑی گزری وہ نصرانی آیا اور آپ کے سر کو بوسہ دینے لگا اور ابو یعقوب قطع بصری کہتے ہیں۔ کہ میں ایک بار حرم شریف میں دس روز بھوکا رہا مجھ کو ضعف معلوم ہونے لگا۔ دل میں آیا کہ باہر چلیے۔ جنگل کی طرف نکلا کر کوئی شئے ایسی ملے۔ جس سے ضعف کو تسکین ہو۔ میں نے دیکھا کہ ایک شلجم زمین پر پڑا ہے اس کو میں نے اٹھایا مگر دل میرا اس سے گھبرایا اور پھر یہ معلوم ہوا کہ گویا کوئی مجھ سے یوں کہتا ہے کہ تو دس روز کا بھوکا رہا اور آخر کو لیا تو ایک سڑا شلجم لیا میں اس کو پھینک کر پھر حرم شریف میں چلا آیا اور بیٹھ گیا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ ایک عجم کا آدمی چلا آتا ہے وہ آ کر میرے سامنے بیٹھ گیا۔ اور ایک خلتا میرے سامنے رکھ دیا اور کہا کہ یہ آپ کے لیے ہے۔ میں نے پوچھا کہ مجھے تم نے کیسے خاص کیا اس نے کہا کہ اصل یہ ہے کہ ہم دس روز سے سمندر میں تھے۔ اور کشتی ڈوبنے کو ہو رہی تھی میں نے نذر کی تھی کہ اگر خدائے تعالیٰ مجھ کو بچائے گا۔ تو میں یہ خلتا مجاورین میں سے اس کو دوں گا۔ جس پر اوّل میری نظر پڑے گی اب تم ہی کو اوّل میں نے دیکھا یہ وجہ خصوصیت کی ہے میں نے کہا کہ اچھا اسے کھولو اس نے کھولا تو اس میں مصر کا میدہ اور چھلے ہوئے بادام اور برفیاں تھیں میں نے ہر ایک میں سے ایک مٹھی لے لی اور اس سے کہا کہ باقی کو تم اپنے ساتھیوں کو میری طرف سے ہدیہ دینا میں نے تمہاری نذر قبول کی پھر اپنے دل میں کہا کہ تیرا رزق تو دس منزل سے چل کر تیرے پاس آتا ہے اور تو اس کو جنگل میں ڈھونڈتا ہے اور ممشاد دینوری کہتے ہیں کہ مجھ پر کچھ قرض تھا۔ اس کے باعث میرا دل اسی تردد میں مبتلا ہو گیا۔ یعنی عبادت و ذکر میں حضور اور خلوص کامل نہ رہا میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی یوں کہتا ہے کہ اے بخیل تو نے ہم پر اتنا قرض کر لیا ہے اب تیرا کام لینا ہے اور ہمارا کام دینا ہے بعد اس کے میں نے کسی بقال یا قصاب وغیرہ کا حساب نہیں کیا۔ اور بنان حمال کے حال میں لکھتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ مکہ معظمہ کی راہ میں تھا اور مصر سے جاتا تھا اور میرے پاس زاد راہ تھا میرے پاس ایک عورت آئی اور مجھ سے کہا کہ اے بنان تو لدو ہے کہ اپنی پشت پر زاد لادے پھرتا ہے اور یہ وہم کرتا ہے کہ خدائے تعالیٰ رزق نہ دے گا۔ میں نے اس کے کہنے سے اپنا توشہ پھینک دیا پھر مجھ پر تین دن گزر کہ میں نے کچھ نہیں کھایا۔ راستے میں میں نے ایک پازیب پڑی دیکھی اپنے جی میں کہا کہ اس کو اٹھا لینا چاہیے کیا عجب ہے کہ اس کا مالک آئے تو اس سے کچھ لے کر دے اتنے میں وہی عورت آئی اور مجھ سے کہا کہ اس کو اٹھا لینا چاہیئے۔ کیا عجب ہے کہ اس کا مالک آئے۔ تو اس سے کچھ لے لوں۔ پھر اس نے میری طرف چند درم پھینک دیئے۔ اور کہا کہ ان کو لے کر قریب مکہ معظمہ تک بناہ دینا۔ اور یہ بھی نبان ہی کی حکایت ہے۔ کہ ان کو ایک لونڈی کی ضرورت خدمت کے واسطے ہوئی۔ انہوں نے اپنے بھائیوں سے صاف صاف کہہ دیا۔ ان سب نے لونڈی کے دام ان کے لیے جمع کر دیئے۔ اور کہا کہ اب قافلہ آنے کو ہے۔ اس میں سے جو نسی لونڈی مناسب ہوگی۔ وہ لے لی جائے گی۔ جب قافلہ آیا تو سب لوگوں کی رائے ایک لونڈی پر متفق ہوئی کہ یہ نبان کے لائق ہے۔ اس لونڈی کے مالک سے اس کے دام پوچھے۔ اس نے کہا کہ یہ

بکاؤ نہیں ہے۔ جب لوگوں نے زیادہ اصرار کیا تو کہا کہ یہ لونڈی نبان حمال کے واسطے ہے۔ اس کو ایک سمرقند کی عورت نے ہدیہ بھیجی ہے وہ لونڈی نبان کے پاس ارسال کی گئی اور ان سے قصہ بیان کیا گیا اور کہتے ہیں کہ زمانہ گزشتہ میں ایک شخص اپنے سفر میں ایک روٹی لیے تھا اور کہتا تھا کہ اس کو اگر کھاؤں گا۔ تو مر جاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر ایک فرشتہ کو مقرر کر دیا اور فرمایا کہ اگر یہ شخص روٹی کھالے تو اسے اور رزق پہنچانا اور اگر نہ کھائے تو ہم اس کے سوا اور کچھ نہ دیں گے وہ شخص روٹی اپنے ساتھ لیے رہا یہاں تک کہ مر گیا اور نہ کھائی اور ابو سعید خراز کہتے ہیں کہ میں ایک جنگل میں بدون زادراہ کے گیا۔ اور فاقے پر فاقہ ہوا دور سے ایک منزل نظر پڑی اس کو دیکھ کر میں خوش ہوا کہ اب پہنچ گیا۔ پھر دل میں سوچا کہ میں نے غیر پر تکیہ کیا۔ اور قسم کھائی کہ اس گاؤں میں نہ جاؤں گا۔ جب تک کہ مجھے خود کوئی نہ لے جائے۔ میں نے اپنے لیے ریت میں ایک گڑھا کھودا اور اپنا جسم اس میں سینے تک چھپا دیا۔ آدھی رات کو وہاں کے لوگوں نے ایک بلند آواز سنی کہ اے بستی والو ایک اللہ کے ولی نے اپنے آپ کو اس ریت میں قید کیا ہے اسکی خبر لو وہاں سے کچھ لوگ آئے اور مجھ کو نکال کر گاؤں میں لے گئے اور روایت ہے کہ ایک شخص حضرت عمر کے دروازے پر پڑا رہتا اس کو ایک روز ناگاہ آواز آئی کہ اے شخص تو نے ہجرت عمر کے لئے کی تھی یا خدا کے لئے جا اور کلام اللہ سیکھ وہ تجھ کو عمر کے دروازے سے بے پروا کر دے گا وہ شخص اٹھ کر چلا گیا اور اس کا پتہ نہ چلا یہاں تک کہ حضرت عمر نے اس کو ڈھونڈھوایا معلوم ہوا کہ اس نے گوشہ نشینی اختیار کی اور عبادت میں لگ گیا حضرت عمر اس کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ ہمارا دل تم کو دیکھنے کو بہت چاہتا تھا کیا وجہ ہوئی کہ تم ہم سے نہیں ملتے اس نے جواب دیا کہ میں نے قرآن پڑھا اس نے مجھ کو عمرؓ اور آل عمرؓ سب سے بے پروا کر دیا حضرت عمر نے فرمایا کہ تم نے کلام مجید میں کیا دیکھا اس نے کہا کہ میں نے یہ دیکھا وفی السماء رزقکم وما توعدون[1] تب میں نے سوچا کہ میرا رزق تو آسمان میں ہے اور میں اس کو زمین پر ڈھونڈھتا ہوں حضرت عمرؓ رو پڑے اور کہا کہ تم سچ کہتے ہو۔ پھر آپکا دستور تھا کہ اس شخص کے پاس آ کر بیٹھا کرتے اور ابو حمزہ خراسانی کہتے ہیں کہ ایک سال میں نے حج کیا راہ میں چلا جاتا تھا کہ یکایک کنوئیں میں گر پڑا میرے نفس نے مجھ سے تکرار کی کہ فریاد کرنی چاہیئے مگر میں نے کہا کہ بخدا میں ہرگز فریاد نہ کرونگا اسی ملجان میں تھا کہ دو شخص اس کنوئیں پر آئے اور ایک نے دوسرے سے کہا کہ آؤ اس کنوئیں کا منہ بند کر دیں کہ کوئی اس میں گر نہ پڑے یہ کہہ کر بانس اور چٹائی لائے اور اس کا منہ بند کر دیا۔ میں نے ارادہ کیا کہ چیخوں مگر دل میں سوچا کہ جس سے چیخ کر کہوں گا وہ تو ان شخصوں کے قریب تر ہے۔ اس لئے چپکا ہو رہا اسی اثنا میں ایک گھڑی کے بعد کوئی چیز آئی اور کنوئیں کا منہ کھول کر اپنے پاؤں کنوئیں میں لٹکائے اور گنگناتی آواز میں مجھ کو کہا کہ مجھ کو لپٹ جا میں اس کی آواز سے مطلب سمجھ گیا اور لپٹ گیا اس نے باہر نکالا میں نے دیکھا کہ وہ درندہ ہے وہ مجھ کو چھوڑ کر چلا گیا اس وقت سروش غیبی نے میرے گوش ہوش میں یہ ندا کی کہ اے ابو حمزہ دیکھ کیا خوب ہوا کہ ہم نے تجھ کو مرتے سے بذریعہ موت ہی بچا لیا ابو حمزہ وہاں سے چلے اور کچھ اشعار پڑھتے جاتے جن کا ترجمہ یہ ہے نظم۔

زشرح عشق مرا شرم باز داشت ولی ٭ چو حال بر تو عیانست فارغم زخبر
گواہ سر من از لطف خویش آوردی ٭ بلے زلطف و بہ دست ورک لطف دگر
بغیب جلوہ نمودی چنانکہ پنداارم ٭ عیاں بدست من اینک درآمدی بنظر

[1] اور آسمان ہے روزی تمہاری اور جو کچھ تم سے وعدہ کیا ۱۲٭

چو بینمت ہمہ وحشت شوم زہیبت تو ⁂ پذیرم انس چو بینم ز مہر و لطف اثر
حیات من ہمہ از تست و موت من از تو ⁂ عجب کہ زندگی و موت از یکے نہ سر

اور اسی طرح کے حالات اور حکایات بے شمار ہیں اور جب ایمان آدمی کا قوی ہو اور اس کے ساتھ قدرت ایک ہفتہ بھوکا رہنے کے بدون تنگ دلی کے موجود ہو اور اس بات کا اعتقاد بھی پکا ہو کہ اگر سات روز تک اس کو رزق نہ ملے گا تو خدائے تعالیٰ کے نزدیک اس کا مرنا ہی اچھا ہے اسی واسطے رزق روک لیا ہے تب البتہ ان احوال و مشاہدات سے توکل کامل ہو گا۔ ورنہ درصورت ضعیف ایمان کے حالات و مشاہدات صرف سے ہرگز توکل کامل نہ ہو گا تنبیہ ذکر میں عیال دار کے توکل کے واضح ہو کہ عیال دار ہو اس کا حکم تنہا شخص سے علیحدہ ہے اس واسطے کہ تنہا آدمی کا توکل بدون دو باتوں کے درست نہیں اول بھوک پر ایک ہفتہ قادر ہونا اس طرح کہ نہ لوگوں کی طرف تاک ہو نہ نفس تنگ ہو دوسرے وہ اقسام ایمان کے جو ہم لکھ چکے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اگر رزق نہ ملے تو موت پر دل سے راضی ہو اس لحاظ سے کہ اپنا رزق موت کو جانے اور بھوک اگرچہ دنیا کی گھٹی ہے مگر آخرت کی زیادتی ہے تو یوں جانے کہ بھوک نہیں عنایت ہوئی بلکہ جو رزق میرے حق میں اچھا ہے یعنی رزق آخرت وہ ملا ہے اور یہ وہ مرض ہے کہ اس میں موت ہو گی اور اس سے خوش ہو اور یہ کہ میرے لئے یوں ہی حکم ہوا پس اس طرح سے توکل تنہا آدمی کے لئے کامل ہو جاتا ہے اور عیال پر دباؤ دینا کہ خواہ مخواہ بھوک پر صبر کرو درست نہیں اور نہ یہ ہو سکتا ہے کہ ان کے سامنے تقریر توحید کے طریقے کی کی جائے اور یہ کہ فاقے سے مرنا ایک رزق عمدہ ہے اور واقع میں غبطہ کرنے کے لائق ہے اگر اتفاقاً شاذ و نادر میسر ہو جائے اسی طرح اور اعتقادات ان کے عندیے میں برقرار نہیں جم سکتا اس سے معلوم ہوا کہ ان کے باب میں آدمی کو توکل کمانے والے کا سا چاہیئے جو تیسرا مقام توکل کا ہے۔ جیسے حضرت ابوبکرؓ کا توکل تھا کہ آپ کسب معیشت کے لئے نکلے تھے اور جنگلوں میں چلا جانا اور عیال کو چھوڑ جانا انکی خبرداری نہ کرنا اور یہانہ توکل کا انکے باب میں حرام ہے۔ بعض مرتبہ یہ امر ان کی تباہی کا موجب ہوتا ہے اس کا مواخذہ عیال دار ہی کے ذمہ رہتا ہے بلکہ تحقیق یہ ہے کہ آدمی میں خود میں اور اس کے عیال میں کچھ فرق نہیں اگر عیال بھی چند روز بھوکا رہنا اس کے ساتھ منظور کریں اور بھوک سے مرنے کو رزق اور غنیمت اخروی جانیں تو آدمی کو جائز ہے کہ انکے باب میں بھی توکل کرے اور خود اس کا نفس بھی اسکی عیال ہے اس کا تلف کرنا بھی اسکو درست نہیں مگر اسی صورت میں کہ مدت تک بھوک میں صبر کرنے پر موافقت کرے پس اگر نفس کو برداشت بھوک کی نہ ہو اور بھوک سے دل گھبرا جاتا ہو عبادت ٹھیک نہ ہو تو ایسے شخص کو توکل جائز نہیں اسی واسطے روایت ہے کہ ابوتراب بخشی نے ایک شخص کو دیکھا کہ تین دن کے بھوکا رہنے کے بعد ایک خربزے کے چھلکے کو کھانے کے لئے اٹھایا آپ نے اس کو فرمایا کہ تصوف تیرے مناسب حال نہیں تو بازار میں رہا کر یعنے بدون توکل کے تصوف مت کر اور توکل نہیں درست ہے مگر اسی شخص کو جو کھاتے ہیئے تین دن سے زیادہ صبر کرے اور حضرت علی رودباری فرماتے ہیں کہ جب فقیر پانچ ہی دن کے بعد کہنے لگے کہ میں بھوکا ہوں تو اس کو بازار میں رہنے دے اور اس کو کہے کہ کچھ کام کاج کیا کرے غرضیکہ آدمی کا بدن بھی اس کی عیال ہے اور بدن کی مضر چیز میں توکل کرنا ایسا ہی ہے جیسا عیال کے باب میں توکل کرنا صرف نفس و عیال میں ایک ہی چیز کا فرق ہے وہ یہ ہے کہ آدمی کو اپنے نفس پر تو دباؤ دینا بھوک پر صبر کرنے کے لئے جائز ہے اور عیال پر جائز نہیں۔ اور تقریر سے تم نے جان لیا ہو گا کہ توکل اسباب سے علیحدہ ہونے کا نام

نہیں بلکہ بھوک پر مدت تک صبر کرنے کا عادی ہونا اور اگر کبھی اتفاقاً رزق میں تاخیر ہو جائے تو موت پر راضی ہو جانا توکل ہے اور
شہروں اور قصبوں میں رہنا اور ایسے جنگلوں میں رہنا جن میں کچھ نہ کچھ ساگ پات وغیرہ میسر ہو بقا کا سامان ہے مگر کچھ
تھوڑی سی تکلیف ہوتی ہے کیونکہ ہمیشہ ساگ پات پر گزر کرنی بدون صبر کے ممکن نہیں اور شہروں میں رہ کر توکل کرنا
بہ نسبت جنگل کے توکل کے حصول اسباب کے لئے بقا کے لئے زیادہ اچھا ہے حالانکہ سب اسباب ہی ہیں مگر یہ کہ لوگوں نے
ان اسباب کو کچھ شمار نہیں کیا اور ایسے اسباب کی طرف جھک پڑے جو ان سے ظاہر تر ہیں اور اس کی وجہ یہی ہے کہ ان کا ایمان
ضعیف اور حرص زیادہ اور دنیا میں تکلیف اٹھانے پر صبر کرنا آخرت کے نفع کے لئے قلیل اور سوء ظن اور طول امل کے باعث
نامردی دلوں پر غالب ہے اور جو شخص کہ آسمان و زمین کے اسرار میں غور کرے اس کو یقیناً معلوم ہو جائے کہ خدائے تعالیٰ نے
انتظام ملک اور ملکوت کا ایسا کر رکھا ہے کہ بندے سے اس کا رزق علیحدہ نہیں ہو سکتا گو وہ تردد نہ کرے اس لئے کہ جو تردد
سے عاجز ہے اس کو بھی تو رزق ملتا ہے دیکھو بچہ اپنی ماں کے پیٹ میں تردد سے عاجز ہے تو خدائے تعالیٰ نے اس کی ناف
کیسی طرح ماں کی ناف سے ملا دی کہ ماں کی غذا اسے پچ بچا کر نال کے ذریعے سے بچے کے پیٹ میں رزق جاتا ہے اس میں بچے
کی کچھ تدبیر نہیں پھر جب وہ ماں کے پیٹ سے جدا ہوا تو ماں پر محبت اور شفقت ایسی ڈال دی گئی کہ وہ خواہ مخواہ اس کی متکفل
رہتی ہے اور اس تکفل میں وہ مجبور ہے اس لئے کہ خدائے تعالیٰ نے اس کے دل میں آتش محبت کو دوبالا کر رکھا ہے پھر چونکہ
بچے کے دانت نہیں ہوتے جن سے کھانا چبائے تو اس کی غذا دودھ مقرر کی جس میں چبانے کی حاجت ہی نہ ہو علاوہ ازیں بچہ اپنے مزاج
کی نرمی کے باعث غذائے کثیف کا متحمل نہ تھا اس جہت سے جدا ہوتے ہی پستان مادر سے لطیف شیر اس کے لیے مقدار حاجت
جاری کر دیا بھلا ان میں کچھ بچے کی تدبیر ہوئی یا ماں نے کچھ سامان کیا پھر جب ایسی عمر کو پہنچا کہ غذائے کثیف اس کو موافق
پڑے تب اس کو دانت اور کچلیاں اور ڈاڑھیں چابنے کے لئے اگائیں اور جب بڑا ہوا اور چلنے پھرنے لگا۔ اور اپنی
ضروریات آپ سے پوری کرنے لگا تو اس کے لئے سامان علم سیکھنے اور طریق آخرت کے چلنے کا آسان کر دیا اب بالغ ہونے
کے بعد نامردی کرنی عین جہالت ہے اس واسطے کہ بالغ ہونے کے کچھ اسباب معیشت کم نہیں ہوئے بلکہ زیادہ ہو گئے
یعنے اول کمانے پر قادر نہ تھا اب قدرت ہو گئی تو ایک ہی قدرت کتنی بڑھ گئی۔ ہاں پہلے شفقت کرنے والا اس پر ایک شخص
تھا یعنے ماں باپ اور اس کی شفقت واقع میں بہت تھی ایک دن میں ایک مرتبہ یا دو مرتبہ کھلاتا پلاتا تھا اور اس کا کھلانا اس
وجہ سے تھا کہ خدائے تعالیٰ نے اس پر محبت اور شفقت کو مسلط کر دیا تھا اب اللہ تعالیٰ نے شفقت اور محبت اور رحم
ترس تمام مسلمانوں بلکہ تمام شہروں پر پھیلا دی یہاں تک کہ جو کوئی ان میں سے کسی محتاج کو دیکھتا ہے تو اس کا دل بھر آتا ہے
اور اس کے حال پر ترس کھاتا ہے اور دل میں شوق اس کی حاجت روائی کا اٹھتا ہے تو پہلے تو ایک ہی مشفق تھا اب تو ہزار سے
زیادہ مشفق ہو گئے اور پہلے سے ان کی شفقت نہ ہونے کا یہ باعث تھا کہ وہ اس کو اپنے ماں باپ کی شفقت اور ان کی ظل حمایت
میں دیکھتے تھے ایک مشفق خاص اس کے واسطے موجود ہے اس کو حاجت کیا ہے اور اگر یتیم دیکھتے تو بے شک خدائے تعالیٰ
ایک شخص یا کئی شخصوں کے دل میں رحم و ترس ڈالتا۔ حتیٰ کہ اس کو اپنے یہاں لا کر کفالت کرتے چنانچہ اب تک ارزانی کے موسموں
میں کہیں نہیں سنا گیا کہ کوئی یتیم بھوک سے مر گیا ہو باوجودیکہ وہ کچھ تردد نہیں کرتا اور نہ اس کا کوئی کفیل خاص ہوتا ہے مگر اللہ تعالیٰ

اس کی کفالت بذریعہ اس شفقت کے فرماتا ہے جس کو اس نے بندوں کے دلوں میں پیدا کر دی ہے پھر بالغ ہوئے کے بعد اس کو روزی کی فکر نہ معلوم کیوں ہوتی ہے۔ لڑکپن میں کیوں نہ ہوئی حالانکہ پہلے تو ایک ہی مشفق تھا اب ہزاروں ہو گئے اور ہر چند ماں کی شفقت قوی تر اور کافی تر مگر ایک ہی تھی اور شفقت بہت سے لوگوں کی گو تھوڑی ہے مگر اندک اندک خیلے شود کے مضمون کے بموجب سب کی شفقت مل کر اتنی ہو جاتی ہے جس سے غرض نکل جائے بہت سے یتیم ایسے ہیں کہ اللہ تعالے نے ان کو ایسا حال عنایت فرمایا باپ ماں والوں کو بھی میسر نہیں تو جس قدر شفقت میں لوگوں کی کمی ہے اس کی مکافات ان کی کثرت سے ہو جاتی ہے بموجب مثل مشہور دو چار کی لاٹھی ایک آدمی کا بوجھ بہر حال تتمہ بمقدار ضرورت حاصل ہے کیا خوب... کہا ہے کسی شاعر نے قطعہ،

آنچہ نوشتہ قلم می نشود بیش و کم ؛ پس حرکت ہم سکون ہست مساوی بہم

جہل بود ہم چنوں سعی تو از بہر رزق ؛ نز انکہ خدا میدہد رزق جنین در شکم

اب اگر کوئی کہے آدمی یتیم کی تو اس جہت سے کفالت کرتے ہیں کہ اسکو لڑکپن کی جہت سے عاجز تصور کرتے ہیں مگر جو شخص بالغ کما سکتا ہو اس کی طرف کوئی التفات نہیں کرتا اس کو یہ کہتے ہیں کہ ہم جیسا ہٹا کٹا ہے آپ اپنے واسطے کیوں نہیں کماتا تو اسکے جواب میں کہتے ہیں کہ اگر وہ شخص بے کار و کاہل ہو تو لوگ سچ کہتے ہیں کہ ایسے شخص کو کمانا چاہیئے اس کے حق میں توکل کے کیا معنے توکل تو ایک مقام دین کے مقامات میں سے ہے اور اگر اس سے استعانت خدا تعالے کے لئے ہو رہنے کے واسطے کی جاتی ہے بے کار کو توکل سے کیا نسبت اور اگر وہ شخص مشغول بخدا کسی مسجد یا حجرے کا ملازم اور علم عبادت پر مداومت کرتا ہو تو ایسے کو کوئی ملامت نہیں کرتا کہ تم نہیں کماتے اور نہ اس کو تکلیف کمانے کی دیں بلکہ اسکے مشغول بخدا ہوتے سے ہی لوگوں کے دلوں میں اسکی محبت ایسی جم جاتی ہے کہ اسکی ضروریات کے خود متکفل ہوتے ہیں صرف اس کے ذمے اتنی بات چاہیئے کہ دروازہ بند نہ کرے اور لوگوں کے درمیان میں سے جنگل و پہاڑ پر بھاگے آج تک کسی نے نہ سنا ہوگا کہ جو عالم و عابد کہ شہر میں رہ کر تمام وقت مشغول بخدا ہوا ہو وہ فاقے سے مرا ہو اور نہ کبھی ایسا کوئی سنے بلکہ اس طرح کا شخص چاہے تو اور بہت سے لوگوں کو صرف اپنے ایما سے کھلا سکتا ہے اس لئے کہ جو شخص اللہ تعالے کے واسطے ہو رہتا ہے اللہ تعالے اس کا ہو رہتا ہے اور جو مشغول بخدا رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی محبت لوگوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے اور اس کے لئے دلوں کو ایسا مسخر کرتا ہے جیسے ماں کے دل کو بچے کے لئے اس لئے کہ اللہ تعالے نے انتظام ملک اور ملکوت کا ان دونوں کے رہنے والوں کیواسطے کافی بنایا ہے جو شخص اس انتظام کا مشاہدہ کرتا ہے وہ مدبر پر ایمان لا کر اس کے ساتھ مشغول ہوتا ہے اور اسباب کے مدبر ہی پر نظر کرتا ہے نہ اسباب پر بہرحال خدائے تعالیٰ نے ایسا انتظام نہیں کیا جو اسکے ساتھ مشغول ہو اس کو حلوائے تر اور طعام اور لباس فاخرہ اور عمدہ سواری ہمیشہ خواہ مخواہ ملا کرے گو بعض اوقات یہ سب کچھ مل جائے مگر ایسا انتظام کیا ہے کہ جو شخص مشغول بعبادت ہو اس کو ہر ہفتہ میں جو کی روٹی یا ساگ پات کھانے کو ضرور مل جائے اور غالب یہ ہے کہ اس سے زیادہ ملے بلکہ قدر حاجت سے زیادہ ہی ملتا ہے پس اب جو شخص توکل کو چھوڑتا ہے وہ تو صرف اس جہت سے کہ اس کا نفس ہمیشہ آسائش اور مزہ اڑانے کا راغب اور عمدہ لباس اور لطیف غذائیں کھانے کا مائل ہے اور یہ باتیں راہ آخرت میں سے نہیں اور نہ بدون تردد میسر ہوں اور اکثر تردد

سے بھی نہیں ملتیں بہت کم اور شاذ ونادر حاصل ہوتی ہیں اور شاذ ونادر ہیں کبھی بے تردد ہی مل جاتی ہیں تو جس شخص کی چشم بصیرت کھلی ہوئی ہے اس کے نزدیک سعی وتردد کا اثر ضعیف ہے اسی واسطے ایسا شخص اپنی تدبیر وتردد پر مطمئن نہیں ہوتا بلکہ ملک وملکوت کے مدبر پر اطمینان کرتا ہے جس نے ایسا انتظام خلق کر رکھا ہے کہ اس کے بندوں میں سے کسی بندے کا رزق رہ نہیں جاتا نہ اپنے رزق سے کوئی بندہ جدا ہوا اگرچہ شاذ ونادر کبھی تاخیر کر جاتا ہے اور یہ امر بہت ہی کم ہوتا ہے اور تدبیر وتردد کے ساتھ بھی کبھی تاخیر ہو جایا کرتی ہے پس جب اس شخص پر یہ باتیں منکشف ہوں گی اور اس کے ساتھ دل میں قوت اور نفس میں شجاعت بھی ہو گی تو اس کا ثمرہ وہ ہو گا جو حسن بصری فرماتے ہیں کہ میرا دل یوں چاہتا ہے کہ تمام بصرے کے رہنے والے میرے عیال میں ہوں یعنے سب کا کھانا میرے ذمے ہو اور ایک ایک دانہ ایک ایک اشرفی کو ملتا ہو اور وہب بن الورد فرماتے ہیں کہ اگر آسمان تانبے کا ہو جائے اور زمین رانگ کی اور میں اپنے رزق کا اہتمام کروں تو اپنے گمان میں میں مشرک ہوں پس جب ان باتوں کو تم نے سمجھ لیا تو معلوم کر لیا ہو گا کہ توکل ایک مقام ہے جس کے معنی فی نفسہٖ سمجھ میں آتے ہیں اور اس پر پہنچنا ایسے شخص کو جو اپنے پر اجتہاد کرے ممکن ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص منکر اصل توکل کا اور اس کے امکان کا ہے اس کا انکار سراسر جہالت سے ہے اے عزیز ان دونوں باتوں کے افلاس جمع نہ کر یعنے ذوق کی راہ سے اس مقام کے وجود سے بھی مفلس رہے اور اس کو ممکن اعتقاد کرنے سے بھی مفلس رہے ایسا نہ ہونا چاہیئے اب تجھ کو چاہیئے کہ تھوڑے سے پر قناعت کر اور بسر اوقات کی مقدار پر راضی ہو وہ تجھ کو ضرور بھیجے گا اگرچہ تو اس سے بھاگے اور اگر تو ایسا کرے گا تو خداوند کریم تیرا رزق تیرے پاس ایسے شخص کے ہاتھوں پر بھجوا دے گا کہ تجھ کو گمان بھی نہ ہو اور جب تو تقوٰی اور توکل میں مشغول ہو گا تو تجربہ سے مصداق اس آیت کا معلوم کرے گا[1] ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب مگر خداوند کریم متکفل اس بات کا نہیں کہ رزق میں مرغ اور لذیذ کھانے ہی دے بلکہ اس کی کفالت اس رزق کی ہے جس سے ہمیشہ زندگی رہے یہ رزق ہر ایک شخص کو جو ضامن کے ساتھ لگا رہے اسی پر ایمان رکھے ملا کرتا ہے اس لئے کہ جو اسباب خفیہ رزق کے خدائے تعالیٰ کے انتظام میں موجود ہیں وہ اس کی نسبت بہت زیادہ ہیں جو خلق کو معلوم ہیں بلکہ رزق کے آنے کی راہیں بے شمار ہیں ان کو کوئی بتلا نہیں سکتا کیونکہ ان کا ظہور تو زمین ہی پر ہے اور سبب آسمان پر جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[2] وفی السماء رزقکم وما توعدون اور آسمان کے اسرار کی کسی کو اطلاع نہیں اور اسی وجہ سے جب ایک جماعت حضرت جنید کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ تم کیا ڈھونڈھتے ہو انہوں نے کہا ہم رزق ڈھونڈھتے ہیں آپ نے فرمایا اگر تم کو اسکی جگہ معلوم ہو کہ کہاں ہے تو تلاش کرو انہوں نے عرض کیا کہ ہم خدا سے مانگیں گے آپ نے فرمایا اگر تم یہ جانو کہ وہ تم کو بھول جائے گا تو اسکو یاد دلاؤ انہوں نے عرض کیا اچھا ہم گھروں میں بیٹھ کر توکل کریں گے دیکھیں کیا ہو گا آپ نے فرمایا کہ تجربے کیلئے توکل کرنا شک میں داخل ہے انہوں نے عرض کیا کہ پھر کیا کریں آپ نے فرمایا کہ تدبیر چھوڑ دو اور احمد بن عیسٰی خراز کہتے ہیں کہ میں جنگل میں تھا مجھ کو بہت بھوک لگی میرے نفس پر یہ بات غالب ہوئی کہ خدائے تعالیٰ سے کھانے کی درخواست کروں مگر میں نے کہا کہ یہ فعل متوکلوں کا نہیں تب نفس نے زور ڈالا کہ خدائے تعالیٰ سے صبر کا سوال کروں جب میں نے

[1] اور جو کوئی ڈرتا ہے اللہ سے وہ کر دے اس کا گزر اور روزی دے اس کو جہاں سے اس کا خیال نہ ہو[2] اور آسمان میں ہے روزی تمہاری اور جو کچھ تم سے وعدہ کیا ۱۲ منہ

اس دعا کا قصد کیا تو ایک ہاتف نے مجھ کو پکارا اور یہ کہا قطعہ

گمان کرتا ہے ہم سے قریب ہونے کا ۔۔۔ قریب ہم سے جو ہو وہ تباہ ہو کیسے
سوال تنگی میں کرتا ہے صبر کا گویا ! ۔۔۔ نہ دیکھتے ہیں ہم اس کو نہ ہم کو وہ دیکھے

تم نے اب سمجھ لیا ہو گا۔ کہ جس شخص کا نفس منکر اور دل قوی ہو اور باطن میں ضعف نامردی نہ رکھتا ہو اور اللہ تعالیٰ کے انتظام پر اعتقاد مضبوط ہو تو وہ ہمیشہ مطمئن اور خدائے تعالیٰ پر اعتماد رکھنے والا رہے گا۔ اس لیے کہ اس کا بدتر حال مرنا ہے اور موت کسی طرح اس کو آنے سے نہ رکے گی۔ جیسے اور لوگوں پر جن کو اطمینان نہیں آتے گی۔ حاصل یہ کہ توکل کامل یہ ہے کہ بندے کی طرف سے قناعت ہو اور خدائے تعالیٰ کی طرف سے جس رزق کی ضمانت کر لی ہے۔ اس کا پہنچانا اور اس کے جو انتظام قانونوں کے رزق پہنچانے کا ان اسباب سے بنا رکھا ہے۔ اور اس کی ضمانت کی ہے وہ اپنی ضمانت میں سچا ہے جس کو تجربہ کرنا منظور ہو۔ قناعت کر کے دیکھ لے کہ اس کا وعدہ بے شک سچا ہے ایسی ایسی جگہ سے رزق عجیب پہنچائے گا۔ کہ آدمی کے وہم و خیال میں نہ ہوں۔ مگر کو اپنے توکل میں اسباب کی طرف تاک نہ ہو بلکہ تاک مسبب الاسباب ہی کی ہو جیسے لکھنے میں قلم کا خیال نہیں کرتے ہیں۔ بلکہ کاتب کے دل کا کرتے ہیں جو اصل حرکت قلم کی ہے اور چونکہ محرک اول ایک ہی ہے تو نہیں چاہیے۔ کہ اس کے سوا کسی اور کی طرف التفات بندے کا ہو اور یہ شرط توکل کی اس لیے ہے۔ جو جنگل میں بدوں زاد پھرتا ہے۔ خواہ شہروں میں گمنام بیٹھتا ہے مگر جو شخص عبادت اور علم میں مشہور ہو۔ جب وہ دن رات میں ایک دفعہ کسی طرح کے کھانے پر گو لذیذ نہ ہو اور ایک موٹے کپڑے پر جو مناسب دینداروں کے ہے کفالت کرے تو اس قدر اس کو ہمیشہ ایسی جگہ سے پہنچ جائے گا۔ جہاں سے اس کو گمان بھی نہ ہو بلکہ اس کا کئی گنا پہنچے گا پس ایسے شخص کو توکل چھوڑنا اور رزق کا اہتمام کرنا نہایت ضعف اور نقصان کی بات ہے اس لیے کہ اگر کوئی گمنام آدمی شہروں میں جا کر پیشہ کرے تو اس کو اتنا ذریعہ رزق کا نہیں جتنا عالم و عابد کو ہے کہ اس کا مشہور ہونا بڑا ذریعہ ہے۔ پس دینداروں کو اہتمام رزق کرنا برا ہے۔ اور علماء کو اور بھی برا کیوں کہ علماء کو قناعت شرط ہے اور عالم قانع کا رزق اس کے ساتھ بہت سے لوگوں کا آتا ہے۔ ہاں اگر لوگوں کو یہ منظور ہو کہ لوگوں کے ہاتھ سے نہ لوں اور اپنی کمائی کا کھاؤں تو البتہ یہ وجہ اس عالم کی شان کے شایان ہے جو ظاہر علم و عمل پر چلتا ہے۔ اور سیر باطن اس کو نہیں۔ کیونکہ فکر معیشت باطن کی سیر سے مانع ہوتی ہے تو ایسے شخص کو سلوک میں مشغول ہونا اور ان لوگوں سے کچھ لینا جو اپنی دہش سے خدائے تعالیٰ کا تقرب چاہتے ہیں بہتر ہے اس واسطے کہ اس صورت میں فکر معیشت سے فراغت رہے گی اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہو رہے گا۔ اور دینے والے کو ثواب ملنے پر معین و مددگار ہو گا۔ اور جو شخص خدائے تعالیٰ کی عادات جاری پر نظر کرے تو جان لے کہ رزق مقدار سامان کے نہیں ہوا کرتا اور اسی واسطے بعض بادشاہان فارس نے کسی حکیم سے سوال کیا کہ اس کا کیا سبب ہے کہ بعضے احمق رزق دیے جاتے ہیں اور عاقل محروم رہتے ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ صانع نے یہ چاہا کہ لوگ مجھ کو پہچانیں اس لیے کہ اگر عاقل کو رزق ملتا اور احمق محروم رہتا تو لوگوں کو یہی گمان ہوتا کہ عاقل کو عقل نے رزق دیا ہے۔ جب کہ اس کے برعکس معاملہ نظر آیا تو جانا کہ رازق کوئی اور ہے۔ جو اسباب ظاہری ہیں ان کا کچھ اعتبار نہیں شیخ سعدی شیرازی فرماتے ہیں۔

اگر روزی بدانش برفزودی ۔۔۔ زنادان تنگ تر روزی نبودی

فائدہ: متوکلین کے احوال جو اسباب کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں ان کی مثال میں واضح ہو کہ خلق کی مثال اللہ کے ساتھ ایسی ہے جیسے ایک جماعت سائلوں کی بادشاہی محل کے دروازے کے میدان میں کھڑی ہو اور وہ سب کھانے کی حاجت رکھتی ہو اور وہ بادشاہ بہت سے غلاموں کو روٹیاں لے کر بھیجے اور ان کو حکم کر دے کہ بعضوں کو دو دینا اور بعضوں کو ایک اور اسباب کی کوشش کرنا کہ کوئی رہ نہ جائے۔ اور پھر ایک منادی کو حکم کرے کہ ان لوگوں کو پکار سنا دو کہ ٹھہرے رہو اور میرے غلاموں کو جب وہ تمہارے پاس آئیں مت لپٹو بلکہ ہر ایک اپنی اپنی جگہ اطمینان سے رہیں۔ غلام حکم کے تابع ہیں۔ اور ان کو حکم ہوا ہے کہ تم کو کھانا پہنچائیں۔ پس جو کوئی غلاموں سے لپٹے گا۔ اور ان کو ستائے گا۔ اور دروازہ کھلنے پر دو روٹیاں لے کر چلا جائے گا میں اس کے پیچھے ایک غلام بھیجوں گا۔ وہ اس پر مقرر رہے گا۔ یہاں تک اس کی سزا اس روز دوں جو میں نے اپنے عندیے میں ٹھہرا لیا ہے مگر میں اس کو کہتا نہیں ہوں کہ کب سزا دوں گا۔ اور جو غلاموں کو نہ ستائے گا۔ اور ایک روٹی پر قناعت کرے گا۔ جو غلام کے ہاتھ سے اس کو ملے گی اور چپکا رہے گا اس کو اسی روز جس میں دوسرے کو سزا دوں گا۔ ایک بھاری خلعت عنایت کروں گا۔ اور جو اپنی جگہ ہی پر ٹھہرا رہے گا۔ اور دو روٹیاں پائے گا۔ تو اس کو نہ سزا ہو گی۔ نہ خلعت اور جس شخص کو میرے غلام کچھ نہ دیں اور وہ رات کو بھوکا سو رہیگا اور میرے غلاموں پر خفا نہ ہو گا۔ نہ یہ کلمہ منہ سے نکالے گا۔ کہ کاش مجھ کو بھی ایک روٹی مل جاتی تو ایسے شخص کو میں اپنا وزیر بناؤں گا۔ اور کارخانہ سلطنت اس کے سپرد کر دوں گا۔ پس اس منادی کے بعد سائلوں کی چار قسمیں ہو گئیں ایک تو وہ کہ جن پر غلبہ شکم ہوا اور انہوں نے التفات سزائے موعود کی طرف . . . . نہ کیا اور کہا کہ آج سے کل تک بہت وقت ہے۔ ہم کو بھوک اب لگ رہی ہے۔ یہ سوچ کر غلاموں پر چڑھ گئے۔ اور ان کو ستا کر دو روٹیاں لے لیں اور میعاد مذکور میں مستحق سزائے موعود کے ہوتے اس وقت پچھتائے۔ مگر کیا ہوتا ہے۔ دوسرے وہ کہ غلاموں سے تو سزا کے خوف کے مارے نہ لپٹے۔ مگر شدت گرسنگی دو روٹیاں لیں اور سزا سے محفوظ رہے اور ان کو خلعت بھی نہ ملا۔ تیسرے وہ کہ انہوں نے یہ کہا کہ ایسی جگہ بیٹھنا چاہیے۔ کہ غلاموں کے سامنے ہوں تاکہ وہ ہم کو چھوڑ نہ جائیں۔ مگر جب وہ روٹیاں دیں تو ایک ہی روٹی ہونا چاہیے۔ اور اسی پر قناعت کرنی چاہیے۔ شاید ہم کو خلعت مل جائے پس ان کو حسب وعدہ بادشاہی خلعت مل گیا۔ چوتھی قسم وہ لوگ جو صحن کے کونوں میں جا چھپے اور غلاموں کی نظر سے بچے اور آپس میں کہا . . . . کہ اگر تجھ کو ڈھونڈ بھال کر دیں گے۔ تو ایک روٹی لے کر قناعت کریں اور اگر ان کی نظر سے رہ گئے۔ تو رات بھر بھوک کی سختی کی برداشت کریں گے۔ شاید پھر رات کو اگر غلاموں پر خفگی بھی نہ آئے۔ تو رتبہ وزارت اور قرب بادشاہ کا حاصل ہو۔ مگر ان کا منصوبہ نہ چلا اور غلاموں نے ان کو ہر گز گوشے میں تجسس کر کے ایک ایک روٹی پہنچا دی اور اسی طرح ہر روز معاملہ ہوا۔ چند روز کے بعد اتفاقاً تین آدمی ایک کونے میں چھپ گئے۔ اور غلاموں کی آنکھ ان پر نہ پڑی۔ کسی وجہ سے زیادہ تفتیش وہ نہ کر سکے اور وہ تینوں آدمی سخت بھوک میں سوتے دو نے تو ان میں سے کہا کہ اچھا ہوتا تو ہم غلاموں کے سامنے ہو جاتے اور اپنا کھانا لے لیتے۔ ہم سے صبر نہیں ہو سکتا اور تیسرا آدمی چپ رہا۔ صبح تک ویسے ہی گزار دیا۔ اسی کو درجہ قرب وزارت ملا۔ اس مثال میں میدان زندگی دنیاوی ہے۔ اور اس کا دروازہ موت اور میعاد نامعلوم روز قیامت اور وزارت کے وعدے سے غرض وعدہ شہادت ہے جو متوکل کے لیے ہے۔ بشرطیکہ بھوک میں راضی وفات پائے اور اس وعدے کے وفا کے لیے تاخیر قیامت تک نہ ہو گی۔ کیونکہ

شہداء خدا تعالیٰ کے پاس زندہ رہتے ہیں اور ان کو رزق ملتا ہے اور غلاموں مطیع فرمان بادشاہی سے غرض اسباب ہیں اور غلاموں سے لپٹنے والے وہ ہیں جو اسباب میں حد سے زیادہ بڑھتے ہیں۔ اور جو شخص صحن کے بیچ میں غلاموں کی زیر نگاہ بیٹھے ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو شہروں کی خانقاہوں اور مسجدوں میں ساکن بیٹھ رہے۔ ہیں اور گوشوں میں چھپنے والے وہ ہیں جو توکل کی ہیئت پر جنگلوں میں پھرتے ہیں اور اسباب ان کے پیچھے پھرتے ہیں۔ اور رزق ملے جاتا ہے۔ مگر شاذ و نادر کبھی نہیں ملتا۔ پس اگر کوئی ان میں سے بھوکا خدا سے راضی ہو کر مرتا ہے تو اس کو شہادت اور قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے اور خلق میں جو یہ تقسیم ہے تو شاید سو میں سے نوّے آدمی تو ایسے ہیں۔ جن کا تعلق اسباب سے ہے اور سات ایسے ہیں جو شہروں میں مقیم ہیں۔ اور اپنے سامنے ہونے اور مشہور ہونے کو سبب گزر کر لینے اور تین ایسے ہیں جو جنگلوں میں پھرتے ہیں۔ ان تین میں سے دو اسباب پر خفا ہیں اور صرف ایک مرتبہ قرب پر پہنچا ہے اور شاید کہ زمانہ گزشتہ میں یہ نسبت ہوگی۔ اب تو دس ہزار میں سے ایک بھی ایسا نہیں جو تارک اسباب ہو دوسرا فن اسباب جمعیت کے بے معترض ہوتے ہیں یعنی مفید چیزوں کے رکھ چھوڑنے کے ذکر میں جاننا چاہیے کہ جس شخص کو مال وراثت یا کمانے یا مانگنے یا کسی اور سبب سے ملے تو اس کے لیے رکھ چھوڑنے میں تین حال ہیں اول یہ کہ اس میں سے بقدر حاجت سردست لے لے یعنی بھوکا ہو تو کھا لے اور ننگا ہو تو پہن لے اور حاجت مکان کی ہو تو مختصر مکان خرید ے اور باقی کو اسی وقت دے ڈالے اور سوائے اس مقدار کے جس کی طرف کسی کو حاجت یا استحقاق ہے اور نہ لے اور نہ رکھے اور اگر رکھے تو اسی نیت پر پس ایسا شخص مقتضائے توکل کا کاربند واقع میں ہے۔ اور یہ درجہ سب سے اونچا ہے۔ دوسری حالت جو اس کے برعکس اور ضد ہے۔ اور جو توکل سے آدمی کو باہر کر دیتی ہیں۔ یہ ہے کہ مال کو یا چیز کو برس روز یا اس سے زیادہ کے لیے رکھ چھوڑے۔ ایسا شخص ہرگز متوکل نہیں۔ اور بعضوں کا قول ہے کہ حیوانات میں سے صرف تین جاندار ذخیرہ کرتے ہیں۔ چوہا اور چیونٹی اور آدمی تیسری حالت یہ ہے کہ چالیس روز یا اس سے کم کے لیے رکھ چھوڑے یہ حالت آیا آدمی کو اس مقام محمود سے جس کا متوکلوں کو وعدہ ہے۔ محروم کرتی ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے حضرت سہل تستری کا مذہب یہ ہے کہ ایسی حالت حد توکل سے خارج کر دیتی ہے اور خواص فرماتے ہیں۔ کہ چالیس روز تک رکھنے سے خارج از توکل نہیں ہوتا۔ زیادہ مدت سے ہوتا ہے اور ابو طالب مکی فرماتے ہیں ——— ——— ——— ——— ——— ——— ——— ——— ——— ——— ——— ——— کہ چالیس روز سے زیادہ بھی خارج نہیں ہوتا اور جب اصل ذخیرہ کرنے کی جائز ہوئی تو پھر اس اختلاف کے کچھ معنی نہیں ہاں ہو سکتا ہے کہ کوئی گمان کرے کہ ذخیرہ کرنا سرے سے توکل کی ضد ہے اور اس کی میعاد مقرر کسی کو معلوم نہیں اور جو ثواب کہ کسی رتبے کے لیے وعدہ کیا گیا۔ وہ متفرع اس رتبے پر ہوتا ہے۔ اور اس رتبہ کا آغاز اور انجام ہے جو انجام پر اس کے ہیں۔ ان کا نام اصحاب یقین ہے اور آغاز والوں کا نام اصحاب الیمین اور اصحاب یقین اور اصحاب الیمین کے بھی بسط سے درجات ہیں اور ان کا سلسلہ ایسا ہے کہ اصحاب الیمین سے اونچے درجے والے ان کے متصل ہیں جو اصحاب یقین میں سے نیچے درجے کے لوگ ہیں۔ پس ایسی صورت میں مقرر کرنے کے کیا معنی بلکہ تحقیق یہ ہے کہ ذخیرہ نہ کرنے سے توکل جب پورا ہوتا ہے جب اَمَل کوتاہ ہو اور بالکل توقع زیست کی نہ ہو اس کی قید کرنی دشوار ہے گو ایک ہی دم کے لیے کیوں نہ ہو کیونکہ ایسا نہ ہونا گویا غیر ممکن ہے۔ پھر طول اَمَل اور اس کی کوتاہی میں لوگ متفاوت ہیں اور کم تر درجہ اَمَل کا ایک دن رات یا اس سے کم ساعات

ہیں اور غایت درجہ اس قدر ہے کہ جس قدر ان کی عمر ہوتی ہے اور ان کے بیچ میں درجات ہیں۔ جن کا شمار نہیں۔ پس جو شخص کہ زیادہ ایک مہینے سے توقع زیست نہ کرے وہ مقصود میں اس سے نزدیک تر ہوگا جو برس روز کی توقع کرے اور اس کی قید لگانی چالیس روز کی بلحاظ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معیاد کے بعید ہے۔ اس لیے کہ آپ کی معیاد سے مقصود یہ نہ تھا کہ رخصت امل کے مقدار کی ذکر کی جائے۔ بلکہ وہ معیاد اس لیے تھی کہ مستحق موعود چیز کے ملنے کے ہو جائیں۔ جو بدون چالیس روز گزرے نہیں مل سکتی تھی۔ اور چالیس روز کے بعد یہ استحقاق ایک بھید کے باعث تھا۔ خدائے تعالیٰ کی عادتوں میں سے ہے کہ ایک چلے امور میں کیا کرتا ہے چنانچہ حدیث احسنؒ ہے کہ اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی کو اپنے ہاتھ سے چالیس روز خمیر کیا یعنی استحقاق اس مٹی کے خمیر ہونے کا مدت مذکور پر موقوف تھا۔ غرضیکہ جو شخص برس روز کے سوا کے لیے جمع کرے گا۔ بجز اس کے نہیں کہ اس کے دل میں ضعف ہو۔ اور اسباب ظاہری پر مائل پس ایسا شخص مقام توکل سے خارج اور انتظام الٰہی پر جو اس نے خفیہ اسباب سے رکھا ہے غیر معتقد ہے۔ کیونکہ اسباب داخلی پیداوار وں اور زکوٰۃ کے ہر سال ہوتے ہی رہتے ہیں۔ اور جو شخص کہ برس سے کم کے لیے ذخیرہ کرے تو اس کو بقدر اس کے امل کی کمی کے درجہ ہوگا۔ اور جس شخص کو توقع دو مہینے کی ہو۔ اس کا درجہ اس کے موافق نہ ہوگا جو اپنی امل ایک مہینہ کرے اور نہ اس کے موافق جو تین مہینے کی امل رکھتا ہو۔ بلکہ اس کا درجہ ان دونوں کے بیچ میں ہوگا۔ اور اور ذخیرہ کرنے کا مانع بجز کوتاہی امل کے اور کوئی چیز نہیں تو افضل یہی ہے کہ ہرگز ذخیرہ نہ کرے۔ اور اگر دل ضعیف ہو تو بقدر ذخیرہ قلیل ہوگا۔ اتنا ہی افضل ہوگا۔ چنانچہ اس فقیر کا قصہ مشہور ہے۔ جس کے لیے حضرت علیؓ اور حضرت اسامہؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل ارشاد فرمایا تھا اور جب انہوں نے غسل دے کر اسی کی چادر کا کفن اس کو پہنایا تو آپ نے اپنے اصحابؓ سے فرمایا کہ یہ شخص قیامت کو ایسی طرح اٹھے گا کہ اس کا منہ چودھویں رات کا سا چاند ہوگا۔ اور اگر ایک خصلت اس میں نہ ہوتی تو آفتاب روشن کا سامنہ لے کر اٹھتا۔ اصحاب نے عرض کیا کہ وہ کون سی خصلت تھی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ شخص روزہ دار بھی تھا۔ تہجد گزار بھی تھا۔ خدائے تعالیٰ کا ذکر بھی بہت کرتا تھا۔ مگر جب جاڑے آتے تھے۔ تو گرمیوں کے کپڑے دوسری گرمیوں کے واسطے رکھ چھوڑتا تھا۔ اور گرمی آتی جاڑے کے کپڑے دوسرے جاڑے کے لیے رکھ چھوڑتا تھا۔ پھر آپ نے فرمایا۔ من اقل ما اوتیتم منها الیقین وعزیمة الصبر[1] اور کوزہ اور دستر خوان یا اور چیزیں جن کی حاجت ہمیشہ ہوتی ہے وہ ان میں داخل نہیں یعنی انکا رکھ چھوڑنا درجے کو کم نہیں کرتا۔ لیکن جاڑے کے کپڑوں کی حاجت گرمیوں میں نہیں رہتی اور یہ حکم اس شخص کے باب میں ہے کہ ترک ذخیرہ سے اس کا دل مضطرب نہ ہو۔ اور نفس کو لوگوں کے کپڑوں کی حاجت گرمیوں میں نہیں رہتی اور یہ حکم اس شخص کے باب میں ہے کہ ترک ذخیرہ سے اس کا دل مضطرب نہ ہو اور نفس کو لوگوں کے ہاتھوں کی طرف تاک نہ ہو بلکہ اس کا دل سوائے وکیل برحق کے اور کسی کی طرف ملتفت نہ ہو۔ پس اگر ایسی صورت ہو کہ نہ رکھنے سے نفس میں پریشانی ایسی ہوتی ہو۔ جس سے دل عبادت اور ذکر و فکر سے باز رہتا ہو۔ تو اس کے لیے رکھ چھوڑنا ہی بہتر ہے۔ بلکہ اگر کوئی متاع

---

[1] ابو منصور دیلمی در مسند فردوس بروایت ابن مسعود و سلمان بہ سند ضعیف ۱۲ ح یہ قصہ مجھ کو نہیں ملا اور اس کے آخر کے جملے اقل ما او بتیم کی سند پہلے گزری ہے ح جس چیز میں سے کہ تم کم تر دیے گئے ہو وہ یقین اور عزم صبر ہے ۱۲

رکھ چھوڑے۔ جس کی آمد اس کی ضروریات کو کافی ہو اور اس کے دل کو اطمینان بدون اس کے نہ ہوتا تو اس کیلئے یہی اولی ہے کیونکہ مقصود دلوں کی اصلاح ہے تاکہ خدائے تعالی کے ذکر کے لئے فارغ ہو جائیں اور بعض لوگ ایسے ہیں۔ جن کو مال کا ہونا دل میں پریشانی لاتا ہے اور بعض ایسے ہیں۔ کہ ان کو نہ ہونے سے پریشانی ہوتی ہے اور ممنوع وہی چیز ہے جو خدائے عزوجل سے مانع ہو۔ خواہ وجود مال ہو یا عدم ورنہ دنیا فی نفسہا ممنوع نہیں ہے اور اسی لئے آنحضرت صلعم تمام اصناف خلق پر مبعوث ہوئے تھے۔ کہ ان میں تاجر اور حرفہ والے اور دوسرے پیشے والے سب قسم کے لوگ تھے۔ پس نہ تاجر کو تجارت چھوڑنے کو حکم فرمایا نہ کسی پیشے والے کو اپنا پیشہ ترک کرنے کو کہا نہ جو شخص ان کا تارک تھا۔ اس کو حکم تجارت اور پیشے میں مشغول ہونے کا دیا۔ بلکہ سب کو اللہ تعالی کی طرف بلایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ تمہاری فوز و نجات اس میں ہے کہ اپنے دلوں کو دنیا کی طرف سے خدائے تعالی کی طرف پھیرو اور ازانجا کہ مشغول ہونا۔ خدائے تعالی کے ساتھ سب سے عمدہ دل کا ہے۔ تو ضعیف کے لئے مقدار حاجت رکھ چھوڑنا بہتر ہے۔ جیسے کہ قوی کے لئے نہ ذخیرہ کرنا ہے۔ اور یہ سب حکم تنہا آدمی کا ہے اور عیال دار کا حکم یہ ہے کہ اگر اپنے عیال کے ضعف دور کرنے اور ان کی تسکین خاطر کیلئے ایک برس کی غذا جمع کریگا۔ تو حد توکل سے خارج نہ ہوگا اور برس سے زیادہ کے لیے ذخیرہ کرنا توکل کو باطل کرتا ہے۔ اس واسطے کہ اسباب ہر برس میں مکرر ہوتے رہتے ہیں۔ تو زیادہ کے واسطے ذخیرہ کرنا ضعف قلبی پر دلالت کرتا ہے۔ جو قوت توکل کے خلاف ہے۔ کیونکہ متوکل اسی کا نام ہے جو موحد اور قوی دل خدا تعالی کے فضل پر مطمئن اور اس کے انتظام کا معتقد ہو نہ اسباب ظاہری کے ہونے پر معتمد آنحضرت صلعم نے اپنے عیال کی غذا برس روز کی ذخیرہ[۱] کی حضرت ام ایمن وغیرہا کو فرمایا[۲] کہ کل کے واسطے کچھ نہ رکھو اور حضرت بلال نے جو ایک ٹکڑا روٹی کا افطار کے لئے رکھ چھوڑا تھا۔ ان کو ارشاد فرمایا[۳] انفق بلال ولا تخش من ذی العرش اقلالا۔ اور یہ بھی انہیں کو ارشاد فرمایا[۴] اذا سئلت فلا تمنع واذا اعطیت فلا تخبأ۔ اس صورت میں اقتداء سید المتوکلین کی کرنی چاہیئے۔ کہ کوتاہی امل آپ کی اس درجے پر تھی کہ پیشاب کے بعد باوجود پانی کے قریب ہونے کے تیمم کر لیتے تھے کہ مجھے کیا معلوم[۵] ہے کہ شاید پانی تک نہ پہنچوں اور آپ نے جو ذخیرہ کیا تو اس سے کچھ آپ کا توکل کم نہیں ہوا۔ اسلئے کہ آپکو اعتماد اپنے ذخیرہ پر نہ تھا۔ بلکہ ذخیرہ کیا تو اس غرض سے کہ یہ طریق امت کے لوگوں کیلئے مسنون ہو جائے۔ کیونکہ امت کے قوی بہ نسبت آپکی قوت کے پھر بھی ضعیف ہیں اور برس روز کا ذخیرہ جو عیال کے لئے فرمایا تو نہ اس کی وجہ سے کہ آپ میں یا آپکے عیال میں کچھ ضعف قلبی ہو۔ بلکہ اس نظر سے کہ ضعفائے امت کے لئے وہ طریق مسنون ہو اور صاف تصریح فرما دی کہ ان اللہ تعالی یحب ان تؤتی رخصہ کما یحب ان تؤتی عزائمہ اس سے بھی ضعیفوں کے دلوں کی تسکین منظور تھی کہ ایسا نہ ہو کہ ضعف

۱ح۔ اس کی سند جلد اول باب الزکوٰۃ میں گزری ۱۲۔ ۲ح پہلے گزری ۱۲۔ ۳ح خرچ کر اے بلال اور مت ڈر صاحب عرش سے مفلسی سے ۱۲ بزار روایت ابن مسعود و ابوہریرہ اور اس میں ذکر روٹی کے ٹکڑے رکھ چھوڑنے کا مجھے نہیں ملا ۱۲

۴ح جب تجھ سے مانگے تو مت روک اور جب تجھ کو دیا جائے تو مت چھپا ۱۲ طبرانی و حاکم بروایت ابو سعید فقیہ ۱۲

۵ح۔ ابن ابی الدنیا بروایت ابن عباس بہ سند ضعیف ۱۲۔

کے باعث وہ لوگ درجہ یاس ناامیدی کو پہنچ جائیں اور انتہائے درجہ پر پہنچنے سے عاجز ہو کر جو کچھ ان سے بن سکتی ہو اس کو بھی ترک کریں اور اس کی وجہ یہی ہے کہ آپ کا وجود رحمت تمام عالم کے لئے تھا۔ جن کی اصناف مختلف اور درجات متفاوت ہیں۔ اور جب یہ معلوم ہو چکا تو تم نے جان لیا ہو گا۔ کہ ذخیرہ کرنا بعض لوگوں کو مضر ہے اور بعضوں کو غیر مضر اور اسکی دلیل وہ روایت ہے جو حضرت ابوامامہ باہلی سے مروی ہے کہ بعض اصحاب صفہ کا انتقال ہوا انکے پاس کفن بھی نہ نکلا آنحضرت[۲] نے فرمایا کہ اسکے کپڑوں کو تلاش کرو ڈھونڈھا۔ تو دو دینار کے اندر نکلے آپ نے فرمایا کہ یہ دو داغ ہیں۔ حالانکہ ان کے سوا مسلمان جو مرتے تھے اور بہت کچھ چھوڑ مرتے تھے۔ کسی کے حق میں یہ نہ فرماتے تھے اور چونکہ ان کا حال دو وجہ کا احتمال رکھتا ہے اسی وجہ سے اس حدیث کے بھی دو معنی ہو سکتے ہیں۔ اوّل تو یہ کہ دو داغ آتش دوزخ کے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔[۵۳] تکویٰ بہا جباہہم وجنوبہم وظہورہم اور یہ اس صورت میں ہے۔ کہ حال ان اصحاب صفہ کا زہد اور فقر اور توکل کا اظہار ہو حالانکہ واقع میں ایسے نہ تھے تو ایک طرح کا دھوکا ہوا اور دوسرا یہ کہ تلبیس اور دھوکا کچھ نہ ہو تو اس صورت میں حدیث مذکور کے یہ معنی ہیں کہ درجہ کمال سے نقصان ہے۔ یعنی جس طرح آدمی کے منہ پر داغ ہونے سے خوبصورتی میں فرق ہو جاتا ہے۔ ویسا ہی ان دونوں دیناروں سے انکے چہرہ کمال میں نقصان ہو گیا۔ اس لئے کہ آدمی کو جو کچھ چھوڑ مرتا ہے وہ آخرت میں اس کے لئے موجب نقصان ہے۔ کیونکہ جس قدر کسی کو دنیا میں سے ملتا ہے۔ اسی قدر آخرت میں سے ناقص ہو جاتا ہے اور اس بات کی وجہ سے فارغ بالی کے ساتھ جمع کرنا اور ذخیرے کی چیز پر دل نہ دھرنا ضروری نہیں کہ توکل کو باطل کر دے یہ ہے کہ حسین منازلی جو حضرت بشر کے یاروں میں سے ہیں۔ فرماتے ہیں۔ کہ میں حضرت بشر کی خدمت میں چاشت کے وقت بیٹھا تھا۔ اتنے میں ایک بزرگ آپ کے پاس ادھیڑ عمر کے گندم گوں گلے ٹیٹنے ہوئے تشریف لائے۔ حضرت بشر ان کی تعظیم کو کھڑے ہوتے اور میں نے ان کو اور کسی کی تعظیم کے لئے اٹھتے نہیں دیکھا۔ پھر آپ نے مجھ کو چند درم دیئے اور فرمایا کہ بہت عمدہ کھانا اور خوشبو جو ہماری حیثیت کے لائق ہو۔ خرید لاؤ۔ اور آپ نے ایسے الفاظ کبھی مجھ سے نہیں فرمائے تھے۔ غرضیکہ میں کھانا لے آیا۔ آپ نے ان بزرگوں کے ساتھ کھانا کھایا حالانکہ پہلے کسی کے ساتھ کھاتے میں نے ان کو نہ دیکھا تھا۔ جب بقدر حاجت کھا چکے اور کھانا بہت کچھ بچ رہا تو وہ بزرگ اسکو لے کر اپنے کپڑے میں باندھ کر ساتھ لے گئے مجھ کو تعجب ہوا اور ان کی حرکت بری معلوم ہوئی۔ حضرت بشر نے مجھ سے فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ تم کو ان کی یہ حرکت ناپسند معلوم ہوئی۔ میں نے عرض کیا کہ البتہ اسی وجہ سے کہ وہ کھانا بچا ہوا بے اجازت لے گئے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ بزرگ ہمارے بھائی حضرت فتح موصلیؒ ہیں۔ کہ آج موصل سے ہمارے ملنے کو تشریف لائے تھے۔ ان کی غرض اس فعل سے یہ تھی کہ ہم کو تعلیم کر دیں کہ جب توکل

سلہ خدائے تعالیٰ پسند کرتا ہے کہ عمل کیا جائے۔ اس کی اجازتوں پر جیسا کہ پسند کرتا ہے کہ ادا کی جائیں۔ اسکی عزیمتیں ۱۲۔ احمد طبرانی و بیہقی بروایت عمرؓ ۱۲۔ سے۵۲ احمد بروایت شہر بن حوشب عن ابی امامہ ۵۳ داغیں گے اس سے ان کے ماتھے اور کروٹیں اور پیٹھیں ۱۲۔

صحیح ہو جاتا ہے تو اس کے ساتھ ذخیرہ کرنا کچھ ضرر نہیں کرتا۔ تیسرا فن خوف کے باعث جو ضرر پیش آتا ہے اس کے دفع کرنے کے اسباب کی تدبیریں معلوم کرنا چاہیے۔ کہ ضرر کبھی نفس یا مال میں خوف کی جہت سے پیش ہوتا ہے اور توکل کی شرط نہیں کہ سرے سے اسباب دافع ترک کرے مثلاً جس زمین میں درندے بہت ہوں۔ وہاں سو رہنا یا جنگل میں سیلاب کی جگہ یا جھکی ہوئی دیوار کے یا ٹوٹی چھت کے نیچے سونا داخل توکل نہیں بلکہ یہ سب امور ممنوع ہیں۔ ایسا شخص اپنی جان کو بے فائدہ معرض ہلاکت میں ڈالتا ہے۔ یہ اسباب تین طرح کے ہیں۔ ایک تو وہ کہ قطعی ہوں۔ دوسرے ظنی تیسرے وہمی۔ پس وہمی اسباب کا چھوڑنا شرط توکل ہے اور وہمی اسباب وہ ہیں کہ ان کی نسبت دفع ضرر کی طرف ایسی ہو جیسے داغ اور منتر وغیرہ کو ہے کہ یہ دونوں بعض اوقات تو کسی خوفناک چیز کی روک کے لیے پہلے ہی سے کر دی جاتی ہے۔ اور بعض اوقات بعد اس چیز کے نازل ہونے کے کی جاتی ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متوکلوں کا وصف بجز ترک داغ اور منتر اور بدفالی کے اور کچھ نہیں بیان فرمایا۔ یہ نہیں ارشاد کیا کہ متوکل جب کسی سرد جگہ میں جاتے ہیں۔ تو جبہ نہیں پہنتے حالانکہ جبہ بھی سردی متوقع کے لیے پہنا جاتا ہے اور یہی حال ہے۔ اور چیزوں کا جو ایسی ہی ہوں ہاں نکلتے وقت جاڑے کے سفر میں اگر لہسن کھا دے اس غرض سے گرمی کی قوت پذیر کرے تو اس میں اسباب پر اعتماد اور تعلق ہو سکتا ہے۔ یہ امر قریب داغ کے ہے بخلاف جبہ کے اور اگر کسی انسان سے ضرر پہنچے تو اس کے دفع کرنے کے اسباب کو ترک کرنے کی ایک وجہ ہے۔ یعنی اگر آدمیوں کی اذیت پر صبر بھی کر سکتا ہے۔ اور ایذاء کو روک کر اپنا انتقام لے سکتا ہو تو توکل کی شرط یہ ہے کہ صبر اور برداشت کرے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[۱] فاتخذہ وکیلا واصبر علی مایقولون[۲] واھجرھم ھجرا جمیلا[۱] اور فرمایا[۲] ولنصبرن علی ما اذیتمونا وعلی اللہ فلیتوکل المتوکلون۔ اور فرمایا[۳] ودع اذاھم وتوکل علی اللہ۔ اور فرمایا[۴] فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل۔ اور فرمایا[۵] نعم اجر العاملین الذین صبروا وعلی ربھم یتوکلون اور یہ سب آیتیں انسانوں سے ضرر اور ایذا کے باب میں ہیں۔ مگر صبر کرنا سانپوں کی ایذاء اور درندوں کے ضرر اور بچھوؤں کی تکلیف پر اور ان کی روک نہ کرنی توکل میں سے کچھ بھی نہیں اس لیے کہ اس میں کچھ فائدہ نہیں حالانکہ جو کام سالک کرتا ہے۔ یا ترک کرتا ہے تو خود اس کام سے غرض نہیں ہوتی بلکہ اعانت دین پر منظور رہوتی ہے اور ترتیب اسباب کا دفع ضرر میں ایسا ہی ہے۔ جیسا فن اول میں کسب معیشت اور حصول اشیائے مفید کے اسباب میں مذکور ہوا دوبارہ لکھنے کی کچھ حاجت نہیں اور یہی حال مال کے بچانے کے اسباب میں سمجھنا چاہیے۔ مثلاً نکلتے وقت اگر حجرے کا قفل لگائے یا اونٹ کا پاؤں باندھ دے تو اس سے توکل میں فرق نہ آئے گا۔ کیونکہ یہ اسباب خدائے تعالیٰ کی عادت جاری سے قطعاً بطور ظن معلوم ہو چکے ہیں۔ ان کی تعمیل میں کچھ حرج نہیں اور اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی کو جس نے کہ اپنا اونٹ چھوڑ دیا اور کہا کہ میں نے خدا پر توکل کیا۔ ارشاد فرمایا۔[۶]

بر توکل زانوائے اشتر ببند

---

[۱] اس کو پکڑ اس کو سونپا اور سہارا جو کہتے ہیں اور چھوڑ ان کو بھلی طرح چھوڑنا[۲] اور ہم صبر کریں گے۔ ایذاء پر جو ہم کو دیتے ہو اور اللہ پر بھروسہ چاہیے بھروسے والوں کو ۱۲ [۳] اور چھوڑ دے ان کا ستانا اور بھروسا کر اللہ پر ۱۲ [۴] سو تو ٹھیرا رہ جیسے ٹھیرے رہے ہیں ہمت والے رسول۔ [۵] خوب نیک کام ملا کام والوں کو جو ٹھیرے رہے ہیں اور اپنے رب پر بھروسا رکھا۔
[۶] ترمذی بروایت انس وطبرانی بروایت عمر بن امیہ ۱۲۔

یعنی توکل کر اور اس کا پاؤں بھی باندھ دے اور خدا کریم ارشاد فرماتا ہے۔[۷] خذوا حذرکم[۸] اور نماز خوف کی کیفیت میں ارشاد فرمایا۔ ولیاخذوا اسلحتہم[۸] اور فرمایا[۹] واعدوا لہم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ارشاد ہوا۔ فاسر بعبادی لیلاً[۱۰]۔ رات کو جانا دشمنوں کی آنکھ سے چھپنا ہے۔ جس میں ایک گونہ سبب دفع ضرر کا موجود ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غار میں خفیہ ہونا دشمنوں کی آنکھ سے پوشیدہ رہنا ہے کہ ضرر نہ پہنچائیں اور نماز میں ہتھیاروں کا لینا قطعی واقع نہیں ہے۔ جیسے سانپ اور بچھو کا مار ڈالنا قطعی واقع ہے۔ لیکن ہتھیاروں کا لینا ایک سبب ظنی ہے اور ہم بیان کر چکے کہ ظنی بھی مثل قطعی کے ہے تو صرف سبب موہوم ہی ایسا رہ گیا ہو جس کے ترک کا مقتضی توکل ہے۔ اور یہ جو مروی ہے کہ بعض اولیاء کے شانے پر شیر نے پنجہ رکھ دیا اور انہوں نے جنبش نہ کی اور بعض نے شیر کو اپنا تابع کر کے اس پر سواری کی تو اس قسم کی روایات اگرچہ واقع میں درست ہیں۔ مگر بطور اقتدا ان کی سیکھنا نہ چاہیے۔ بلکہ یہ ایک مقام بلند کرامات کا ہے اور توکل کی شرائط میں سے نہیں اور اس میں راز ہے کہ جو کوئی اس پر نہیں پہنچا واقف نہیں ہوتا اب اگر کوئی پوچھے کہ اس مقام کے پہنچنے کی علامت کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ پہنچنے والے کو نشان پوچھنے کی کچھ حاجت نہیں اس کو خود معلوم ہو جاتا ہے کہ میں اس درجے پر پہنچ گیا۔ مگر اس مقام سے پہلے کے نشان کچھ ذکر کر دیے جاتے ہیں۔ پیشتر کی علامت یہ ہے کہ جو کتا آدمی کے ساتھ اس کی جلو میں رہتا ہے اور جس کا نام غضب ہے اور اس کا کام یہ ہے کہ خود مالک کو اور دوسروں کو کاٹتا رہتا ہے اول وہ مسخر اور تابع ہو جائے۔ اگر وہ اس طرح کا مطیع ہو جائے۔ کہ اشارہ ہی پر چلے بدوں اشارہ ابھرنے ہی نہ پائے۔ تب کیا عجب ہے کہ آدمی کا درجہ بلند ہوتے ہوتے یہ نوبت بھی پہنچے کہ اس کا مطیع شیر ہو جائے جو درندوں کا بادشاہ ہے اور جنگل کا کتا۔ مگر گھر کے کتے کا مطیع ہو جانا جنگل کے کتے کے زیادہ بہتر ہے اور بدن کے کتے کا تابع ہونا گھر کے کتے کی نسبت کر زیادہ اولیٰ ہے اگر باطن کا کتا آدمی کا تابع نہیں ہوا۔ تو توقع نہ کرنا چاہیے کہ ظاہر کا کتا تابع ہو رہی یہ بات کہ متوکل نے جب دشمن کے خوف سے ہتھیار لیے اور چور کے ڈر سے قفل لگایا اور چلے جانے کے خوف سے اونٹ کی ٹانگ باندھی تو اس کا توکل کس اعتبار سے کہلائے گا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ شخص متوکل علم اور حال کی رو سے کہلائے گا۔ علم تو یوں ہو کہ چور اگر دفع ہوا تو کچھ میرے قفل لگانے سے نہیں ہوا بلکہ صرف خدائے تعالیٰ کے دفع کرنے سے ہوا کیونکہ اکثر دروازوں پر قفل لگانا مفید نہیں ہوتا۔ بہت سے اونٹ ٹانگ بندھے پر مر جاتے ہیں خواہ بھاگ جاتے ہیں۔ بہت سے ہتھیار بند قتل ہو جاتے یا مغلوب ہو جاتے ہیں۔ پس ان اسباب پر تکیہ کیا رہا۔ بلکہ مسبب الاسباب پر تکیہ چاہیے۔ جیسا کہ تم نے وکیل مقدمات کی مثال میں لکھا ہے کہ موکل جب اس کے کہنے سے خود آتا ہے اور دستاویز لاتا ہے تو اس کو نہ اپنے اوپر نہ اپنی دستاویز پر تکیہ ہوتا ہے بلکہ وکیل کی تدبیر و قوت پر بھروسہ ہوتا ہے اور حال اس طرح ہونا چاہیے کہ جو کچھ خدا تعالیٰ میرے گھر اور نفس میں حکم کرے گا۔ میں اس پر راضی ہوں اور زبان سے یہ کہے کہ الٰہی اگر تو میرے گھر کی چیز پر کسی ایسے کو مسلط کرے گا۔ جو اس کو لے جائے تو وہ تیری ہی راہ میں ہے اور میں تیرے حکم پر راضی ہوں اس لیے کہ جو کچھ تو نے مجھ کو دے رکھا ہے میں نہیں جانتا کہ وہ ہبہ ہے کہ پھر تو مجھ سے واپس نہ لے گا۔ یا عاریت اور امانت ہے کہ ہٹا لے گا اور مجھ کو نہیں معلوم کہ وہ رزق ہے یا تو نے کسی اور کی قسمت میں لکھ دیا ہے بہر حال میں تیرے حکم پر راضی ہوں شعر

آنچہ رود بر سرم چون تو پسندی رواست
بندہ چہ دعویٰ کند حکم خداوند راست

[۷] کر لو اپنی خبرداری[۱۲] [۸] اور ساتھ لیویں اپنے ہتھیار [۹] اور سر انجام کرو ان کی لڑائی کو جو پیدا کر سکو زور اور گھوڑے پالو [۱۰] پھر نکل رات سے میرے بندوں کو [۱۲] [۱۱] اس کی سند پہلے گزر گئی

پس جب یہ حال اور وہ علم مذکورہ بالا ہو گا۔ تو اونٹ کی ٹانگ باندھنے اور ہتھیار لینے اور قفل لگانے سے توکل کی حد سے خارج نہ ہو گا۔ پھر جب گھر میں پھر کر آئے اور اپنی چیز گھر میں پائے۔ تو یہ تصور کرے کہ یہ ایک نئی نعمت خدائے تعالیٰ کی ہے اگرچہ چوری ہو گئی ہو تو اپنے دل کی طرف لحاظ کرے اگر دل کو راضی اور خوش پائے یہ سمجھ کر کہ خدائے تعالیٰ نے مجھ سے لے لیا تو صرف اسی لیے کہ آخرت میں میرا رزق بڑھائے گا۔ تو اس صورت میں اس کا مقام توکل ٹھیک ہے اور اس کا گمان بھی درست ہے اور اگر دل کو اس چیز کے جانے سے رنج ہوا اور بہت سا صبر درکار ہوا تو معلوم ہو گا کہ یہ شخص دعوئ توکل میں سچا نہیں اس لیے توکل کا مقام زہد کے بعد ہے اور زہد اسی کا ٹھیک ہوتا ہے جو آنے کی خوشی کرے نہ گئے کا غم بلکہ کبھی معاملہ بالعکس ہو کہ ہر چیز کے جانے سے خوش ہو اور آنے سے رنجیدہ پس جس کا حال یہ ہو کہ گئی چیز پر رنج کرتا ہو تو اس کا توکل کیسے درست ہو گا۔ ہاں بعض اوقات مقام صبر ہو سکتا ہے بشرطیکہ رنج کو پوشیدہ رکھے اور کسی سے شکایت نہ کرے نہ اس کی تجسس و تلاش میں بہت کوشش کرے۔ اور اگر ان باتوں پر قادر نہ ہو۔ حتیٰ کہ دل میں رنجیدہ ہو اور زبان سے شکایت کرے اور خوب تلاش کامل کرے تو یہ چوری گویا اس کے حق میں زیادتی گناہ کی ہوئی اس لیے کہ اس کے باعث معلوم ہوا کہ وہ شخص سب مقامات سے قاصر اور تمام دعووں میں جھوٹا ہے اس کے بعد اس کو نفس سے مجاہدہ کرنا چاہیئے اور اس کی کوئی بات نہ ماننی چاہیے اور اس کے جال میں نہ پھنسنا چاہیئے۔ کیونکہ وہ بری باتوں کا حکم کرنے والا اور خیر سے باز رکھنے والا اور نیکی کا مدعی ہے اب اگر یہ کہو کہ متوکل کے پاس کمال کہاں ہوتا ہے۔ جو چوری ہو جائے تو اس کا حال یہ ہے کہ اس کے گھر میں آخر کچھ نہ کچھ ہوتا ہے۔ مثلاً کھانے کا پیالہ اور پینے کا کوزہ اور وضو کا لوٹا اور زاد رکھنے کا توشہ دان اور لاٹھی وغیرہ سامان معیشت ضرور ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں کبھی اس کی ملک میں مال آجاتا ہے تو وہ اس کو روک رکھتا ہے۔ اس خیال سے کہ کوئی محتاج مل جائے۔ تو اسے حوالہ کروں۔ پس اس نیت سے رکھ چھوڑنا توکل کو باطل نہیں کرتا اور توکل کی شرط میں نہیں کہ پانی پینے کا کوزہ اور کھانے کا برتن بھی دے ڈالے بلکہ حکم دے ڈالنے کا ماکول چیزوں اور زائد از حاجت مال میں ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی عادت فقرائے متوکلین کو روزی پہنچانے کے لیے مساجد کے گوشوں میں جاری ہے مگر یہ نہیں کہ ان کو کوزے اور متاع بھی ہر روز اور ہر ہفتے میں پہنچ جایا کریں اور عادت الٰہی سے نکلنا توکل میں شرط نہیں اسی نظر سے خواص سفر میں رسی اور ڈولچی اور مقراض اور سوئی رکھا کرتے تھے۔ مگر کھانا نہ رکھتے تھے۔ اس لیے کہ خدائے تعالیٰ کی عادت سے دونوں چیزوں میں فرق ہے۔ پھر اگر یہ کہو کہ جب آدمی کی حاجت کی چیز جاتی رہے گی تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس پر افسوس اور غم نہ کرے اگر اس کی خواہش کی چیز وہ نہ تھی تو اس نے اس کو کیوں رکھ چھوڑا تھا۔ اور دروازے کو قفل کیوں لگایا تھا اور اگر اسی لیے رکھا تھا۔ کہ اس کو حاجت کے سبب مرغوب تھی تو پھر کیسے سمجھ میں آسکتا ہے۔ کہ مرغوب چیز چھن جائے اور آدمی کو رنج دل میں نہ ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ متوکل آدمی جو اپنی چیز کا بچاؤ کرتا ہے۔ اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ اس سے اپنے دین پر مدد لے کیونکہ اس کو یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ چیز میرے حق میں بہتر ہے اگر میرے پاس ہوتی اور بہتر نہ ہوتی تو مجھ کو اللہ تعالیٰ یہ چیز عنایت نہ فرماتا پس اس چیز کے ملنے سے استدلال اس بات کا کر لیا کہ خدائے تعالیٰ نے میرے لیے بہم کر دی اور حسن ظن خدائے تعالیٰ کے ساتھ کیا کہ میری بہتری اس کے ہونے ہی میں ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی ظن کیا کہ یہ چیز میرے اسباب دینی پر مددگار ہو گی اور یہ بات اس کے ذہن میں یقینی نہ تھی۔ کیونکہ یہ بھی تو احتمال ہے کہ بہتری اور مصلحت یوں ہو کہ یہ شے اس کے پاس سے جاتی رہے اور جو غرض اس سے نکلتی اس کو یہ مشقت اور تکلیف سے نکالے اور اس مشقت اور تکلیف کا ثواب زیادہ ہو۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے چور کو مسلط کر کے وہ چیز اس کے پاس سے نکال دی تو پہلا ظن اور کچھ ہو گیا۔ اس لیے

کہ وہ تو ہر حال میں خدائے تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن ہی رکھتا ہے۔ اب یوں کہتا ہے کہ اگر خدائے تعالیٰ اس چیز کا رہنا میرے پاس اب تک اور آیندہ کو اس کا نہ رہنا میرے لیے بہتر نہ جانتا تھا۔ تو مجھ سے نہ لیتا۔ پس ایسے ظن کرنے سے ہو سکتا ہے کہ رنج و ملال نہ رہے۔ کیونکہ اس سے آدمی کی خوشی خود اسباب کے ساتھ نہیں رہتی، بلکہ اسباب سے اس وجہ سے خوشی ہوتی ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب نے اپنی عنایت و شفقت سے بہم کر دیا ہے۔ اور اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کوئی بیمار کسی طبیب مشفق کے سامنے ہو کہ جو کچھ وہ اس کے حق میں تجویز کرے اس کو اپنی عین مصلحت جانے اور راضی رہے مثلاً اگر کھانا دے تو خوش ہو اور سمجھے کہ اگر طبیب نے اس میں میرا فائدہ نہیں جانا اور مجھ کو اس کی برداشت کی تاب نہیں دیکھی تو کیوں دیا اور اگر وہ غذا اس کے پاس سے ہٹا لے تب بھی خوش ہو اور کہے اگر غذا میرے حق میں مضر نہ تھی اور مجھ کو موت سے مہر نہیں لگائی تھی تو طبیب مجھ سے کیوں ہٹا لیتا اور جو شخص کہ اللہ تعالیٰ کے الطاف کو اتنا بھی نہ جانے جیسا مریض اپنے باپ کی شفقت کا اعتقاد رکھتا ہے جو علم طب میں مہارت کامل رکھتا ہو تو ایسے شخص سے توکل ہونا معلوم اس کا توکل ہرگز درست نہیں اور جو شخص خدائے تعالیٰ کو پہچانتا ہے اور اس کے افعال و عادات سے واقف ہے کہ بندوں کی اصلاح اس طرح پر کیا کرتا ہے تو وہ اسباب پر ہرگز خوش نہ ہوتا کیوں کہ اس کو کیا معلوم ہے کہ کون سا سبب اس کے حق میں بہت رہے۔

چنانچہ حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر میں غنی ہو جاؤں یا فقیر مجھ کو کچھ پرواہ نہیں اس لئے کہ مجھے نہیں معلوم کہ ان دونوں حالتوں میں سے میرے حق میں کون سی بہتر ہے تو اسی طرح متوکل کو بھی چاہیئے کہ اس کا اسباب چوری جائے یا باقی رہے کچھ پرواہ نہ کرے اس لئے کہ اسے کیا معلوم ہے کہ کون سا حال اس کے حق میں دنیا و آخرت میں مفید ہے کیونکہ بہت سی چیزیں دنیا کی سبب ہلاکت انسان ہوا کرتی ہیں اور بہت سے تو انگر اپنے مال کی بدولت ایسے واقع میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ فقیر ہونے کی تمنا کیا کرتے ہیں **فائدہ** متوکلوں کے باب میں چیز کے چوری جانے پر جب متوکل اپنے گھر سے نکلے تو گھر کی چیز کی باب میں اس کے چند آداب ہیں اول یہ کہ دروازے کو قفل لگا دے اور سامان حفاظت زیادہ کچھ نہ کرے مثلاً ہمسایوں سے کہنا کہ دیکھتے رہنا یا کئی قفل لگانا وغیرہ چنانچہ حضرت بن مالک دینار اپنے دروازے پر قفل نہ دیتے تھے بلکہ کھجور کی رسی سے باندھ جایا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر کتوں کا خوف نہ ہوتا تو میں کواڑوں کو باندھتا بھی نہیں دوسرے یہ کہ گھر میں کوئی ایسی چیز نہ چھوڑے جس پر چوروں کو رغبت ہو اور اپنے آپ ان کی معصیت کا سبب بنے یا اس کے رکھ چھوڑنے سے ان کی رغبت پر خوش کرے اور اسی لئے جب مغیرہ نے حضرت مالک بن دینار کو ایک لوٹا ہدیہ بھیجا تو انہوں نے فرمایا کہ اس کو لے لو مجھ کو حاجت نہیں انہوں نے پوچھا کہ کس واسطے آپ نے فرمایا کہ مجھے دشمن وسواس ڈالتا ہے کہ اسکو چور لے گئے پس گویا آپ نے اس بات سے احتراز کیا کہ چور گناہگار نہ ہو اور شیطان جو چوری کا وسواس ڈالتا ہے دل میں اس سے دل پریشان نہ ہو اور اسی جہت سے حضرت ابو سلیمان دارانی نے اس قصے کو سن کر فرمایا کہ یہ امر ضعف قلوب صوفیہ سے ہے، انہوں نے تو زہد کیا تھا تو اس کو کوئی لے جاتا انہیں کیا مطلب تھا تیسرے یہ کہ جس چیز کو مجبوری گھر میں چھوڑ جائے تو چاہیئے کہ نکلنے کے وقت نیت کرے کہ جو کچھ خدائے تعالیٰ اس میں حکم کریگا میں اس پر راضی ہوں گا کہ اگر کسی چور کو مسلط کر کے چروائے تو جو کوئی اسکو لیگا اسکو یہ چیز معاف ہے یا یہ چیز خدا کی راہ میں وقف ہے اگر لینے والا فقیر ہو تو اس پر صدقہ ہے اور اگر فقیر کی شرط نہ کرے تو بہتر ہے اور اگر اس چیز کو کوئی غنی لیگا تو دو نیتیں ہوں گی۔

اوّل تو یہ کہ اس کے مال کے سبب وہ معصیت سے باز رہے یعنی اگر اس قدر مل گیا کہ پھر چوری کرنیکی حاجت نہ رہی تو ہمیشہ جو مال حرام چور کھایا کرتا اس کا گناہ معاف کرنے سے جاتا رہا اور دوسری نیت یہ ہے کہ کسی اور مسلمان پر ظلم نہ کرے گا تو اس کا مال گویا دوسرے کے حق میں فدیہ ہوگیا۔ اور جب اپنے مال سے دوسرے کے مال بچانے کی نیت ہوگی۔ یا نیت چور کی معصیت دور کرنے خواہ کم کرنے کی ہوگی۔ تو مسلمانوں کی خیر خواہی پائی جائے گی اور اس حدیث شریف کے بموجب کاربند ہوگا۔ انصر اخاك ظالما او مظلوما اور ظالم کی مدد اس طرح ہے کہ اس کو ظلم سے باز رکھے اور ظلم کا معاف کر دینا ظلم کا نیست کرنا ہے اور آیندہ کو باز رکھنا اور یہ بھی معلوم کرنا چاہیئے کہ نیت اس کو کسی طرح پر مضر نہیں کیونکہ اس میں کوئی ایسی بات نہیں جو چور کو مسلط کر دے اور قضائے ازلی کو بدل دے مگر زہد کی وجہ سے یہ نیت ایسی درست ہوجاتی ہے کہ اگر اس کا مال چوری جائے تو ہر درم کے عوض سات سو ملیں اس لیے کہ اس کی نیت تو ہوگئی ہے

نیت ہی کے باعث ثواب ہوا کرتا ہے اور اگر مال چوری نہ جائے تو تب بھی اس کو ثواب حاصل ہوگا چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے اس شخص کے باب میں جو اپنی بی بی سے عزل ترک کرے اور نطفہ اپنے مقام میں جا رہے ارشاد فرمایا کہ اس کو اتنا ثواب ہے کہ اس صحبت سے ایک لڑکا پیدا ہوا اور بڑا ہو کر جہاد کرے اور اللہ کی راہ میں مارا جائے گو اس کے واقع میں لڑکا نہ ہو۔ کیونکہ ولد کے باب میں اس کا کام تو صرف صحبت ہی ہے، پیدا کرنا اور زندہ رکھنا اور رزق اور بقا اس کے اختیار میں نہیں۔ پس بالفرض لڑکا ہوتا تو اس کو صرف اپنے فعل کا ثواب ملتا وہ اب بھی موجود ہے اسی طرح چوری کا حال اوپر کی مثال میں سمجھنا چاہیئے۔ چوتھے یہ کہ جب جانے کہ مال چوری گیا تو چاہیئے کہ ناخوش نہ ہو۔ بلکہ اگر بن سکے تو خوش ہو اور کہے اگر اللہ تعالیٰ اس میں بہتری نہ جانتا تو مجھ سے نہ چھینتا۔ پھر اگر اس کو وقف نہ کرگیا۔ ہو تو چاہیئے کہ اس کی تلاش میں بہت کوشش نہ کرے نہ مسلمانوں سے بدظن ہو اور اگر وقف کرگیا ہو تو تلاش ترک کرے کیونکہ اس کو تو وہ پہلے ہی ذخیرہ آخرت اپنے لیے کر چکا ہے۔ پس اگر اس کو وہ چیز ملے تو نہ لے اس لیے کہ اس کو وقف کر چکا ہے اور اگر قبول کرنے تو ظاہر علم کی رو سے اس کی ملک میں آجائے گی۔ کیونکہ صرف اس نیت مشروط سے ملک ظاہر شرع میں نہیں جاتی۔ مگر متوکلین کے نزدیک یہ بات اچھی نہیں اور روایت ہے۔ کہ حضرت ابن عمر کی اونٹنی چوری ہوگئی۔ آپ تلاش کرتے کرتے تھک گئے۔ پھر اس کو خدا کی راہ میں وقف کر دیا۔ اور مسجد میں داخل ہو کر دوگانہ پڑھا اتنے میں ایک شخص آیا اور عرض کیا کہ حضرت آپ کی اونٹنی فلاں جگہ ہے آپنے اپنا جوتا پہنا اور کھڑے ہوئے پھر استغفر اللہ کہہ کر بیٹھ گئے لوگوں نے عرض کیا آپ تشریف لیجا کر اسکو لے آیئے آپنے فرمایا کہ میں اسکو فی سبیل اللہ کہہ چکا ہوں، اور بعض اکابر سے مروی ہے کہ میں نے اپنا ایک بھائی کو مرنیکے بعد خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ تمہارے ساتھ خدائے تعالیٰ نے کیا معاملہ کیا انہوں نے کہا مجھکو بخشدیا اور جنت میں داخل کیا اور جو مکان جنت میں میرے تھے وہ مجھکو تبلا دیئے انکو میں نے دیکھ لیا، راوی کہتے ہیں کہ وہ شخص باوجود اسکے رنجیدہ اور غمگین معلوم ہوتے تھے اسلیے میں نے کہا کہ تم کو خدائے تعالیٰ نے بخش دیا اور جنت میں داخل ہوگئے تم غمگین کیوں ہو انہوں نے ایک آہ سرد دل پر درد سے کھینچی اور فرمایا کہ قیامت تک غمگین رہوں گا، میں نے پوچھا کہ اسکی کیا وجہ ہے انہوں نے کہا کہ جب میں نے اپنے مکان جنت میں دیکھے تو میرے لیے علیین میں مقامات ایسے اونچے کیے گئے۔ کہ ان کے برابر میں نے جنت میں نہ دیکھے تھے میں ان سے خوش ہوا اور ان کے اندر جانے کا ارادہ کیا اسی وقت ایک پکارنے والے نے ان کے اوپر سے آواز دی

ے مدد کر اپنے بھائی کی وہ خواہ ظالم ہو یا مظلوم ۱۲ بخاری و مسلم بروایت انس ۲ ۲ اس کی سند مجھے نہیں ملی ۱۲

کہ اس کو یہاں سے ہٹا دو یہ مقامات اس کے واسطے نہیں یہ ان کے لئے ہیں۔ جو سبیل کو پورا کرے میں نے پوچھا کہ سبیل کا پورا کرنا کیا ہے
مجھ سے کسی نے کہا کہ تو چیز کو فی سبیل اللہ کہہ کر پھر پھیر لیا کرتا تھا۔ اگر تو سبیل کو پورا کرتا تو ہم بھی تجھ کو ان مقامات میں جانے دیتے اور
بعض عابد نے مکہ کے حال میں لکھا ہے کہ وہ ایک شخص کے پاس ہمیانی لیے سوتا تھا۔ جب وہ جاگا۔ تو ہمیانی نہ پائی۔ پاس والے
شخص کو متہم کیا اس شخص نے پوچھا کہ تیرا مال کس قدر تھا۔ اس نے تعداد بتلائی۔ پس گھر پر ساتھ لے جا کر اپنے پاس سے اسی قدر دے
دیا۔ پھر اس کے بعد۔ . . . . اس کے دوستوں نے کہا کہ ہمیانی تو ہم نے ہنسی کے واسطے لے لی تھی تو وہ مع ان دوستوں کے جس
پر تہمت کی تھی اس کے گھر آئے۔ اور تہمت سے معذرت خواہ ہو کر اس کا مال پھیرنا چاہا اس نے کہا کہ میں نہ لوں گا۔ یہ مال تمہیں رہنے
دو۔ حلال طیب ہے میں نے اپنی خوشی سے دیا ہے اور جو مال میں اللہ کی راہ میں نکالتا ہوں۔ اس کو واپس نہیں لیتا ہوں۔ جب
انہوں نے بہت اصرار کیا۔ اس نے بیٹے کو بلایا اور اس مال کو تھیلیوں میں رکھ کر فقرا کے پاس بھیجنا شروع کیا یہاں تک کہ اس میں سے کچھ نہ رہا
پس سلف کا حال اس طرح تھا جو کہ روٹی لے کر کسی فقیر کو دیا چاہتے۔ اور اتنے میں چلا جاتا تو اس روٹی کا واپس گھر میں لانا مکروہ جانتے
اور کسی فقیر کو دے دیتے اور یہی حال دراہم و دیناروں اور تمام خیرات و صدقات میں سمجھنا چاہیئے۔ پانچواں ادب جو سب سے کم ہے
یہ ہے کہ چور پر جس نے مال لیا بد دعا نہ کرے اور ایسا کرے گا تو توکل باطل ہو جائے گا۔ اور یہ معلوم ہوگا کہ اس نے گئی چیز پر افسوس کیا۔ اس کا
جانا اس کو برا معلوم ہوا اس لیے زہد بھی جاتا رہے گا اور اگر زیادہ بد دعا کرے گا تو جو مصیبت اس کو ہوئی اس کا ثواب بھی نہ پائے گا۔ کہ
حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو شخص اپنے ظالم پر بد دعا کرتا ہے وہ اپنا بدلہ لے لیتا ہے اور روایت ہے کہ ربیع بن خثیم کا گھوڑا
جو کہ بیس ہزار درہم کا تھا چوری گیا۔ اس وقت آپ نماز پڑھتے تھے نماز کو نہ توڑا اور نہ اس کی تلاش میں کچھ اضطراب کیا۔ لوگ ان کے پاس
تسلی دینے کو آئے آپ نے فرمایا کہ جب چور گھوڑا کھولتا تھا میں اس کو دیکھتا تھا لوگوں نے پوچھا کہ پھر آپ نے اس کو کیوں نہ للکارا آپ
نے فرمایا کہ میں ایسی چیز میں مصروف تھا کہ وہ میرے نزدیک اس سے محبوب تھی یعنی نماز پڑھتا تھا۔ لوگ چور کو بد دعا دینے لگے آپ نے
فرمایا کہ اسے کچھ مت کہو اور اس کے حق میں اچھا کہو اس لیے کہ میں نے وہ گھوڑا اس پر صدقہ کر دیا اور بعض اکابر سے ایسے وقت
میں کہ ان کی چیز چوری ہو گئی تھی۔ کسی نے کہا کہ آپ اپنے ظالم پر بد دعا کیوں نہیں کرتے آپ نے فرمایا کہ میں یہ اچھا نہیں جانتا کہ اس پر
شیطان کا مددگار بنوں۔ کسی نے پوچھا کہ بھلا اگر وہ چیز آپ کے پاس لائے آپ نے کہا کہ لینا تو درکنار میں اس کو دیکھوں بھی نہیں
اس واسطے کہ وہ چیز میں نے اس کو معاف کر دی ہے اور بعض بزرگوں سے کسی نے درخواست کی کہ اپنے ظالم پر بد دعا کرو۔ انہوں
نے فرمایا کہ مجھ پر کسی نے ظلم ہی نہیں کیا۔ پھر فرمایا کہ اس نے اپنی جان پر ظلم کیا یہ کیا تھوڑا ہے۔ میں اس بے چارے پر اور زیادہ برائی
چاہوں اور کسی شخص نے بعض اکابر کے سامنے حجاج بن یوسف کو بہت گالیاں دیں انہوں نے فرمایا کہ تو اسے گالی دینے میں مت
ڈوب اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جیسے کہ حجاج سے لوگوں کے مال اور جان پر ستم کرنے کا عوض لے گا۔ ویسے ہی جن لوگوں نے اس کی ہتک
عزت کی ہوگی۔ ان سے اس کا عوض لے گا۔ اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ بندہ بڑا ظلم کرتا ہے، کہ ہمیشہ اپنے ظالم کو گالیاں
دیتا ہے۔ اور برا بھلا کہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے ظلم کے برابر پہنچ کر جتنا زیادہ بچ رہتا ہے اس کا مطالبہ ظالم کی طرف سے

۱۔ یہ حدیث پہلے گزری ۲۔ پہلے گزری ۱۲

اس کے ذمہ پر رہتا ہے۔ ظالم کو اس قدر کا عوض مظلوم سے دلایا جائے گا۔ چھٹا ادب یہ ہے کہ چور کے لیے غمگین ہو کہ اس نے گناہ کیا اور خدائے تعالیٰ کے عذاب کا مستحق ہوا اور اللہ تعالیٰ کا شکر کرے کہ مجھ کو مظلوم کیا نہ ظالم اور نقصان دنیا ہوا نہ نقصان دین۔ چنانچہ کسی شخص نے ایک عالم سے شکایت کی کہ رہزنوں نے مجھ پر تاخت کر کے میرا مال لے لیا۔ انہوں نے فرمایا کہ تجھ کو اپنے مال کے رنج کی بہ نسبت اس بات کا زیادہ رنج ہونا چاہیئے کہ مسلمانوں میں ایسے لوگ ہو گئے، جو یہ لوٹ کھسوٹ حلال جانتے ہیں۔ اگر یہ غم نہ ہو گا تو تم مسلمانوں کے خیر خواہ نہیں ہو۔ اور علی بن فضیل رحمہ طواف کرتے تھے، ان کے دینار چوری گئے، ان کے باپ نے ان کو دیکھا کہ روتے ہیں، پوچھا کہ دیناروں کے واسطے روتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ نہیں بلکہ اس بے چارے کے حال پر روتا ہوں کہ قیامت کو اس سے سوال ہو گا۔ اس سے کچھ نہ بن پڑے گا۔ اور بعض اکابر سے جو کسی نے ظالم پر بد دعا کرنے کو کہا تو انہوں نے فرمایا کہ مجھ کو اس کا غم اتنا ہے کہ اس میں اس پر بد دعا کرنے کی مہلت نہیں۔ یہ اخلاق سلف کے تھے۔ خداوند کریم سب پر اپنی رحمت کرے۔ **چوتھا فن**۔ ضرر موجود کے دور کرنے میں سعی کرنے کے ذکر میں مثلاً مرض کی دوا کرنی وغیرہ۔ واضح ہو کہ اسباب ضرر کے دور کرنے والے بھی تین قسم ہیں اول یقینی جیسے پانی پیاس کا ضرر کھو دیتا ہے۔ اور روٹی بھوک کا دوسرے ظنی جیسے فصد اور پچھنا اور جلاب اور تمام معالجات طبی کہ برودت کا علاج حرارت سے اور حرارت کا برودت سے ہوتا ہے اور طب میں ان کو اسباب ظاہری جانتے ہیں۔ تیسرے وہمی جیسے داغ دینا اور منتر پس اسباب یقینی کا ترک کرنا توکل نہیں، بلکہ ان کا چھوڑنا بشرطیکہ خوف موت ہو حرام ہے اور اسباب وہمی کا چھوڑنا البتہ توکل کی شرط ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متوکلین کو ان کا تارک فرمایا ہے اور ان اسباب میں سے قوی تر داغ ہے اور اس کے قریب منتر ہے اور آخر درجہ شگون کا ہے۔ اور ان اسباب پر اعتماد و تکیہ اسباب کی طرف ملاحظہ کرنے میں نہایت درجہ کا تعمق ہے۔ باقی رہا درجہ متوسط یعنی اسباب ظنی مثلاً دوا کرنی ان اسباب سے جو اطباء کے نزدیک اسباب ظاہری ہیں تو ان کا کرنا مخالف توکل کے نہیں بخلاف موہوم کے نہ ان کا چھوڑنا ممنوع ہے، بخلاف اسباب یقینی کے بلکہ ان کا چھوڑنا بعض احوال میں بعض اشخاص کے حق میں کرنے کی نسبت افضل ہو جایا کرتا ہے، تو معلوم ہوا کہ یہ درجہ یقینی اور وہمی کے درمیان میں ہے اور دوا کرنی توکل کے مخالف نہیں اس کی یہ دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فعل کو کیا اور دوں کو ارشاد فرمایا اور اس کے فوائد زبان مبارک سے بیان فرمائے۔ مثلاً فرمایا[1] مامن داء الا وله دواء عرفه من عرفه وجهله من جهله الا السام سام سے مراد موت ہے۔ اور فرمایا[2] تداووا عباد الله فان الذی انزل الداء انزل الدواء اور جب کسی شخص نے آپ سے دوا اور منتر کا حال پوچھا کہ یہ دونوں خدائے تعالیٰ کا حکم کچھ ٹال دیتے ہیں آپ نے فرمایا کہ یہ بھی خدائے تعالیٰ کے حکم میں سے ہیں اور ایک حدیث مشہور میں ہے۔ کہ[3] مامررت بملاء من الملائکة الا قالوا مرامتک بالحجامة۔ اور حدیث میں ہے، کہ آپ نے حجامت کا حکم فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا کہ پچھنے لگواؤ سترہ اور انیس اور اکیس برس کی عمر میں تاکہ

---

[1] کوئی بیماری ایسا نہیں جس کی دوا نہ ہو جانتا ہے اس کو جو جانتا ہے اور نہیں جانتا۔ اس کو جو نہیں جانتا۔ بجز موت کے ۱۲ طبرانی در کبیر بروایت ابن عباس بسند ضعیف و ترمذی بروایت اسامہ بن شریک مگر اس میں الا الہرام ہے الا السام کی جگہ ہے اور مسلم میں بروایت جابر ہے۔ لکل داء یعنی ہر دلوراً دوائے ہست ۱۲ [2] دوا کرو اے اللہ کے بندو کہ جس نے مرض اتارا ہے اسی نے دوا اتاری ہے ترمذی و ابن ماجہ بروایت ابن اسامہ بن شریک [3] ترمذی و ابن ماجہ بروایت اسامہ بن شریک ۱۲ [4] میں جس جماعت پر فرشتوں کی گزرا۔ انہوں نے یہی کہا کہ اپنی امت کو پچھنے لگوانے کا حکم کر ترمذی بروایت ابن مسعود اور کہا ہے کہ حسن اور غریب ہے۔ [5] ۱۲ بروایت ابن عباس مرفوعاً ۱۲۔

خون جوش کر کے تم کو ہلاک نہ کر دے۔ اس میں دو باتیں ذکر فرمائیں ایک تو یہ کہ جوش خون سبب موت ہے اور حکم الٰہی سے وُہ مہلک ہی دوسرے یہ کہ خون کا نکالنا موت سے نجات کی صورت ہے۔ کیونکہ خون مہلک کا جلد میں سے نکالنا اور بچھو کا کپڑوں میں سے باہر کرنا اور سانپ کا گھر میں سے دور کرنا ان سب میں کچھ فرق نہیں اور توکل کی شرط بھی نہیں کہ ان چیزوں کو ترک کرے۔ بلکہ یہ تو ایسا ہے، جیسا کہ آگ پر اس کے بجھانے کے واسطے پانی ڈالا جائے۔ یا گھر میں آگ لگنے پر اس کا ضرر دور کرنے کو پانی ڈال دیا جائے اور یہ امر توکل میں ہرگز نہیں کہ جو عادت وکیل برحق کی ہے۔ اس سے باہر ہو جائے اور ایک حدیث مقطوع[۱] میں ہے کہ جو کوئی سترھویں تا رنج مہینے کی منگل کے روز پچھنے لگوا دے اس کے لئے برس روز کی بیماری کا علاج ہوگا۔ اسی طرح بہت سا کچھ فرمایا اب یہ اوروں کو حکم علاج کا دیا ہے۔ اس کو سننا چاہیئے کہ آپ نے بہت سے اصحاب رضؓ کو دوا اور پرہیز کے لیئے ارشاد فرمایا ہے[۲]۔ اور حضرت سعد بن معاذ کی فصد[۳] کھولی اور سعد بن زرارہ رضؓ کے داغ دلوایا[۴] اور حضرت علی رضؓ کو آشوب چشم تھا۔ آپ نے ان سے[۵] فرمایا کہ تم خرما مت کھاؤ اور یہ چیز کھاؤ کہ تمہارے مزاج کے مناسب ہے، یعنی ساگ جو آٹے میں پکے ہوئے کو فرمایا کہ اس میں سے کھاؤ اور حضرت صہیب رضؓ کی آنکھ میں درد تھا اور وہ خرما کھا رہے تھے سو آپ نے فرمایا کہ تم خرما کھاتے ہو۔ اور تمہاری آنکھ میں درد ہے انہوں نے عرض کیا کہ میں دوسری ڈاڑھ سے کھاتا ہوں، آپ ہنس پڑے باقی رہا فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پس ایک حدیث میں جو اہل بیت سے مروی ہے وارد ہے۔ کہ آپ ہمیشہ ہر ایک رات میں سرمہ لگاتے تھے اور ہر مہینے پچھنے اور ہر برس جلاب سنا کا لیتے تھے۔ اور کئی بار بچھو وغیرہ کا بھی آپ نے علاج کیا ہے اور یہ بھی مروی ہے کہ وحی کے اترنے کے وقت آپ کے سر میں درد ہو جاتا ہے تو سر مبارک پر مہندی کا لیپ کیا کرتے تھے اور بعض روایات میں ہے کہ آپ اپنے زخم پر مہندی رکھ دیا کرتے تھے۔ اور ایک بار کسی زخم پر آپ نے خاک ہی چھڑک دی تھی۔ غرضکہ آپ کے علاج کرنے اور لوگوں کو علاج کا ارشاد فرمانے کے باب میں روایات خارج از شمار ہیں۔ اور اسباب میں ایک کتاب بھی بنی ہے۔ جس کا نام طب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور بعض علمائے بنی اسرائیل کے قصص میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک مرض ہوا آپ کے پاس بنی اسرائیل آئے اور آپ کے مرض کی تشخیص کی اور عرض کیا کہ اگر یہ علاج آپ کریں تو اچھے ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں دوا نہ کروں گا۔ یہاں تک کہ خدائے تعالیٰ مجھ کو بدلی دوا ہی اچھا کر دے، وہ مرض بڑھ گیا پھر لوگوں نے عرض کیا کہ اس مرض کی وہی دوا ہے اور ہم نے بہت بار اس کا تجربہ کیا ہے اور یہی ہم کو مفید پڑتی ہے آپ نے اس بار بھی انکار کیا اور مرض بڑھ گیا۔ خدائے تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ قسم ہے اپنی عزت وجلال کی تجھ کو اچھا نہ کروں گا۔ جب تک لوگوں کی دوا بتائی ہوئی نہ کرے گا۔ آپ نے لوگوں کو علاج کے واسطے فرمایا انہوں نے وہی دوا کھلائی آپ اچھے ہو گئے۔ مگر دل میں کچھ وسوسہ گزرا خدائے تعالیٰ نے وحی کی کہ تم چاہتے ہو کہ میرے اوپر توکل کرنے سے میرا انتظام حکمت درہم کر دو بتاؤ تو دواؤں میں فائدہ کس نے رکھا ہے۔ وہ بھی تو میرے حکم

---

[۱] طبرانی بروایت معقل بن یسار اور اس کی سند میں ایک راوی ضعیف ہے ۱۲۔ [۲] دوا کے لیے حدیث تداووا عباد اللہ اور پرگزری اور پرہیز کا آگے آوے گا [۳] مسلم بروایت جابر ۱۲ [۴] اصلی نام اسعد بن زرارہ ہے ۱۲ [۴] طبرانی بروایت سہیل بن خلیف بسند ضعیف ۱۲ [۵] ابو داؤد ترمذی اور کہا ہے کہ حسن اور غریب ہے ۱۲ [۶] یہ حدیث پہلے گزری جلد سوم میں ۱۲ [۷] ابن عدی بروایت عائشہ رضؓ کہا ہے کہ حدیث منکر ہے ۱۲ [۸] طبرانی بروایت جیلہ بی ارزق ۱۲ [۹] بزار و ابن عدی در کامل بروایت ابو ہریرہ ۱۲ [۱۱] بخاری اور مسلم نے بروایت عائشہ رضؓ نقل کیا ہے۔ کہ جب کوئی آپ سے شکایت زخم کی کرتا وہ دست مبارک زمین پر رکھ کر اٹھاتے اور یہ دعا پڑھتے بسم اللہ تربۃ ارضنا بریقۃ بعضنا ۱۲۔

نے شفا دیتی ہے اور ایک اور روایت ہے کہ کسی نبی نے انبیا علیہم السلام سے اپنے مرض کی شکایت کی ان کو وحی ہوئی کہ انڈے کھایا کرو اور ایک پیغمبر نے شکایت ضعف باہ کی کی تو ان کو گوشت اور دودھ کھانے کا حکم ہوا کہ ان میں قوت ہے اور مروی ہے کہ کسی قوم نے اپنے نبی سے شکایت کی کہ ہماری اولاد اچھی صورت والی نہیں ہوتی انکو وحی ہوئی کہ اپنی قوم سے کہدو کہ حاملہ عورتوں کو بہی کھلایا کریں اس سے اولاد خوبصورت ہوگی اور یہ تدبیر کرنی چاہیے کہ صورت لڑکے کی خدائے تعالیٰ انہیں دنوں میں بناتا ہے وہ لوگ حاملہ کو بہی کھلایا کرتے اور زچہ ہونے کے بعد خرمائے تازہ دیا کرتے اس سے معلوم ہوا کہ خدائے تعالیٰ نے اپنی عادت اسی طرح رکھی ہے کہ مسبب کے لیے ایک سبب ہوتا ہے کہ ظہور حکمت الٰہی کا موجب ہو۔ اور دوا بھی مثل اور اسباب کے ایک سبب تابع حکم الٰہی ہے۔ تو جیسے روٹی بھوک کی دوا ہے اور پانی پیاس کی اسی طرح سکنجبین صفراء کی دوا ہے اور محمودہ دستوں کی صرف دو باتوں کا فرق ہے۔ ایک تو یہ کہ بھوک کا علاج روٹی سے اور پیاس کا پانی سے ایسا ظاہر ہے کہ کوئی فرد بشر ایسا نہیں کہ اس کو نہ جانتا ہو اور صفراء کا علاج سکنجبین سے صرف بعض لوگ جانتے ہیں مگر جس کو اس کا تجربہ ہو گیا ہو۔ اس کے نزدیک ایسا ہے کہ جیسا بھوک کا علاج روٹی سے ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ دوا جو دست لاتی ہے اور سکنجبین صفرا کو ٹھیرا دیتی ہے تو اس کے لئے کچھ شرطیں باطن میں اور بھی ہیں اور مزاج میں بھی کچھ اسباب ہیں کہ بعض اوقات ان شروط و اسباب پر واقفیت ہونی دشوار ہوتی ہے۔ پھر اگر کوئی شرط نہیں پائی جاتی تو دوا سے دست نہیں آتے مگر پیاس کے جانے کے لیے سوائے پانی کے اور کوئی شرط نہیں گو بعض اوقات اتفاقاً ایسا عارضہ لاحق ہو جاتا ہے کہ باوجود بہت سا پانی پینے کے بھی پیاس نہیں جاتی مگر یہ امر بہت ہی کم ہوتا ہے، بہر حال اسباب کا خلل پذیر ہونا نہیں دو چیزوں سے ہمیشہ ہوتا ہے ورنہ سبب کے بعد اس کا مسبب ضرور ہوگا۔ بشرطیکہ سبب کی شرطیں سب کامل ہوں اور یہ سب باتیں خدائے تعالیٰ ہی کی تدبیر اور تسخیر اور ترتیب سے بمقتضائے اس کی حکمت اور کمال قدرت کے ہوتی ہیں۔ پس توکل کو ان اشیاء کا استعمال کرنا اور مسبب الاسباب پر نظر رکھنی اور طبیب اور دوا کی طرف التفات نہ رکھنا تو یہ خلاف نہیں چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حال میں لکھا ہے۔ آپ نے دعا مانگی کہ الٰہی دوا اور شفا کس کے پاس ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے پاس ہے، آپ نے عرض کیا کہ پھر طبیب کیا کرتے ہیں سو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رزق کھاتے ہیں اور میرے بندوں کا دل خوش کرتے ہیں۔ یہاں تک میری شفا یا قضا میں سے بندے پر کوئی آجائے اس سے معلوم ہوا کہ دوا کرنے کے ساتھ توکل کے یہ معنی ہیں کہ توکل علم اور حال سے ہو نہ عمل سے جیسا کہ اس کا حال پہلے فن میں گزرا۔ مگر دوا اسرے سے نہ کرنا توکل میں شرط نہیں۔ اب اگر یہ کہو کہ داغ بھی انہیں علاجوں میں سے ہے۔ جن کا فائدہ خوب ظاہر ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا نہیں اسباب ظاہر ایسے ہیں جیسے فصد اور پچھنے اور مسہل کا پینا اور حرارت زدہ کو سرد دواؤں کا پینا وغیرہ اور اگر داغ بھی ایسا ہی ہوتا تو بہت سے ملک اس سے خالی نہیں رہتے حالانکہ بہت شہروں میں اس کی عادت لوگوں کو نہیں صرف ترک اور عرب داغ دیتے ہیں۔ پس اس کے وہمی سبب ہونے میں کچھ شک نہیں جیسے منتر وغیرہ ہیں۔ ویسے یہ بھی ہے صرف اتنا فرق ہے کہ داغ دینا آگ سے جلانا ہے اور اس کی حاجت نہیں اس لیے کہ جس کسی درد کا علاج داغنے سے کیا جاتا ہے۔ اس کی کوئی ایسی بھی دوا ہوتی ہے، جس میں جلانے کی نوبت نہ پہنچے۔ پس آگ سے جلانا ایک زخم جسم کا خراب کرنے والا ہے۔ اس کی سرایت کا بھی ڈر رہتا ہے۔ باوجودیکہ اس کی کچھ حاجت نہیں بخلاف فصد و حجامت کے کہ ان کی سرایت بعید ہے اور ان کے قائم مقام کوئی اور شے نہیں۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ نے داغ دینے سے ہی منع فرمایا[۱] اور منتر سے منع نہیں فرمایا۔ حالانکہ توکل سے دونوں بعید ہیں اور روایت ہے کہ عمران بن حصین

(حاشیہ: میسر ہو اور پیٹ کے بچے میں مستحکم ہو)

---

[۱] ح بخاری بروایت ابن عباس ۱۲ ح صحیحین میں بروایت عائشہ نبی کی اجازت منقول ہے ۱۲ ح قوم نے اپنے نبی سے شکایت کی کہ ہماری اولاد اچھی صورت نہیں ہوتی ان کو وحی ہوئی کہ اپنی ص

بیمار پڑے لوگوں نے ان کو داغ دینے کی صلاح دی مگر انہوں نے نہ مانا لوگوں نے اصرار کیا اور امیر نے ان کو قسم کھلائی یہاں تک کہ آپ نے داغ لیا۔ پھر کہا کرتے کہ میں نور دیکھا کرتا تھا اور آواز سنا کرتا تھا۔ اور مجھ کو فرشتے سلام کرتے تھے۔ جب میں نے داغ کھایا سب باتیں جاتی رہیں اور فرمایا کرتے کہ چند داغ کھانے تھے سو کھالئے مگر ان سے کچھ فائدہ نہ ہوا نہ مراد ملی پھر آپ نے توبہ کرکے اللہ کی طرف رجوع کی خدائے تعالیٰ نے جو فرشتوں کا معاملہ ان سے ہوتا تھا۔ وہ پھر جاری فرما دیا۔ اور مطرف بن عبد اللہ سے فرمایا کہ جو بزرگی اللہ تعالیٰ نے مجھ کو پہلے دے رکھی تھی اسی سے پھر سرفراز فرمایا اور اُنسے اپنی کرامت کے جاتے رہنے کی خبر بھی کہہ چکے تھے۔ حاصل یہ کہ داغ اور جو چیز اس قسم کی ہے وہ متوکل کی شان کے لائق نہیں اسواسطے کہ اس کیلئے متوکل کو تدبیر کی حاجت ہوتی ہے اور تدبیر متوکل کے حق میں اچھی نہیں اس میں اسباب کی طرف التفات اور غور زیادہ پایا جاتا ہے تنبیہ: اس بیان میں کہ دوا کرنی بعض اوقات میں اچھی ہوتی ہے اور قوت وعقل کی دلیل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کے خلاف نہیں، واضح ہو کہ سلف میں سے جن لوگوں نے دوا کی ہے وہ بے شمار ہیں۔ مگر بعض اکابر نے دوا نہیں بھی کی تو گمان ہوتا ہے کہ دوا نہ کرنی ان کے حق میں نقصان کی بات ہو اس واسطے کہ اگر یہ بات کمال کی ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ترک نہ فرماتے کیونکہ جو حال توکل میں آپ کا تھا اس سے کامل تر تو دوسرے کا ہونے سے رہا تو بجز اس کے کہ نقصان کی طرف گمان ہو اور کیا ہو سکتا ہے۔ اور اس میں بڑے بڑے اکابر ہیں۔ جیسے حضرت ابوبکرؓ کہ جب آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا۔ کہ اگر آپ فرمائیں تو کوئی طبیب ہم آپ کے لئے بلائیں۔ آپ نے فرمایا کہ طبیب نے مجھے دیکھ لیا اور فرمایا کہ میں جو چاہتا ہوں سو کرتا ہوں اور حضرت ابو ذرؓ کی آنکھیں دکھتی تھی۔ لوگوں نے کہا کہ آپ ان کا علاج کیجیے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھ کو ان کی کچھ فکر نہیں لوگوں نے کہا کہ آپ خدائے تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت بخشے آپ نے فرمایا کہ میں اس سے وہ دعا مانگوں گا جو آنکھوں کی نسبت زیادہ اہم ہو اور ربیع بن خثیمؒ کو فالج ہو گیا تھا۔ ان سے لوگوں نے کہا کہ آپ دوا کریں انہوں نے فرمایا کہ میں نے قصد تو کیا تھا۔ مگر پھر عاد اور ثمود اور دوسری قومیں بہت سی یاد آگئیں۔ کہ ان میں بہت طبیب تھے۔ لیکن نہ طبیب رہا نہ مریض نہ کچھ جھاڑ پھونک کام آئی اور حضرت احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں۔ کہ جو شخص توکل کا معتقد ہو کر یہ راہ چلے اس کے لئے میں اچھا سمجھتا ہوں کہ دوا وغیرہ پینے سے علاج نہ کرے اور ان کو خود بیماریاں ہوتیں تو طبیب کے پوچھنے پر بھی اس سے نہ کہتے اور حضرت سہل سے پوچھا گیا کہ بندے کا توکل کب درست ہوتا ہے، آپ نے فرمایا کہ جب اس کے جسم میں ضرر اور مال میں نقصان آئے۔ تو وہ اس کی طرف التفات نہ کرے اور اپنے ہی حال میں مشغول رہے اور یہی جانے کہ خدائے تعالیٰ میرے سر پر قائم ہے، بہر حال ان دوا کے تارکین میں سے بہت لوگ ہیں۔ ان کے فعل میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل میں مطابقت جب ہو سکتی ہے۔ جب موانع علاج کو بیان کر دیا جائے۔ پس ہم کہتے ہیں کہ دوا نہ کرنے کے چند اسباب ہیں۔ سبب اول تو یہ ہے کہ مریض صاحب کشف ہو اس کو مکاشفے سے دریافت ہو گیا ہو کہ میری موت قریب ہے دوا سے کچھ مجھ کو فائدہ نہ ہوگا اور یہ امر کبھی سچے خواب سے اور کبھی غلبہ ظن سے اور کبھی کشف واقعی سے معلوم ہوا کرتا ہے۔ اور غالباً حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جو علاج نہ کیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ اہل مکاشفہ سے تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ سے میراث کے باب میں فرمایا کہ تیری دو بہنیں ہیں۔ حالانکہ اس وقت ایک ہی بہن تھی مگر آپ کی زوجہ حاملہ تھیں اور بعد کو لڑکی ہی پیدا ہوئی۔ پس آپ نے پیشتر سے مکاشفے کے طور پر معلوم کر لیا تھا کہ لڑکی کا حمل ہے۔ تو کیا عجب ہے۔ کہ آپ کو کشف سے اپنی موت کا حال بھی معلوم ہو گیا ہو۔ ورنہ جب آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دوا کرتے اور دوسروں کو دوا کا حکم فرماتے دیکھا تو انکار کیسے کرتے یہ امر آپ

کی ذات سے ہرگز ممکن نہیں معلوم ہوتا دوسرا سبب یہ ہے کہ مریض کو اپنی ہی لگی ہو اور خوف انجام سے اور اپنے حال پر خدائے تعالیٰ کے واقف ہونے میں ایسا مشغول ہو کہ اس سے فراغت علاج کرنے کی نہ پاتا ہو۔ یعنی اس رنج و تردد میں مرض کی تکلیف نہ معلوم ہوئی ہو کہ نوبت اس کے دوا کی پہنچے اور اس امر پر حضرت ابوذر رضؓ کی تقریر اور حضرت ابوالدرداؓ کا کلام دال ہے۔ کہ حضرت ابوذرؓ نے فرمایا تھا کہ مجھے آنکھوں کی کچھ فکر نہیں اور حضرت ابو درداؓ نے فرمایا تھا کہ مجھ کو شکایت اپنے گناہوں کی ہے، پس گویا دل میں خوف گناہوں کا صدمہ جسم کے مرض کی تکلیف کی نسبت زیادہ تھا۔ اور ایسے مریض کا حال ایسا سمجھو جیسے کسی کا کوئی نہایت عزیز مرگیا ہو اور اس کا صدمہ اس کے دل پر ہو یا کوئی شخص کسی بادشاہ کے پاس گرفتار ہو کر گردن اڑائے جانے کو لیا جاتا ہو اور اس کے دل پر خوف چھایا ہو تو ظاہر ہے کہ ایسے شخص سے اگر کہا جائے کہ تو بھوکا ہے کھانا کیوں نہیں کھاتا تو وہ کہے گا۔ کہ مجھے اس صدمے کے باعث بھوک و پیاس کچھ نہیں معلوم ہوتی اس سے یہ نہیں جانا جاتا کہ وہ شخص بھوک کی حالت میں کھانے کو نافع کہنے سے منکر ہے اور نہ کھانے والوں پر کچھ طعن کیا پایا جاتا ہے۔ اور اسی کے قریب ہی حضرت سہل تستری کا اشتغال بحال خود یعنی جب ان سے کسی نے سوال کیا کہ قوت کیا چیز ہے آپ نے فرمایا کہ حی قیوم کا ذکر کرنا قوت ہے۔ سائل نے عرض کیا کہ میری غرض قوام انسانی سے ہے آپ نے فرمایا کہ قوام علم ہے اس نے پوچھا کہ میں غذا کو پوچھتا ہوں آپ نے فرمایا کہ غذا ذکر ہے اس نے پوچھا کہ جسم ظاہر کا کھانا پوچھتا ہوں آپ نے فرمایا کہ جسم ظاہر سے تجھے کیا کام پڑا ہے اس کو اسی پہ چھوڑ جس نے اس کی بیشتر کفایت کی ہے وہی اس کی کفایت آگے کو بھی کرے گا۔ اور جب اس میں روگ آجائے تو اس کے بنانے والے کے سپرد کر کیا دیکھتا نہیں کہ جب کسی کام میں عیب ہو جاتا ہے تو اس کے کاریگر کو دیتے ہیں کہ اس کو ٹھیک کر دے۔ تیسرا سبب یہ ہے کہ بیماری پرانی ہو اور جو دوا اس کے لیے لوگ بتلاتے ہوں اس کا نفع وہمی ہو۔ جیسے داغ اور منتر کا فائدہ وہمی ہوا کرتا ہے تو ایسی صورت میں متوکل شخص دوا نہیں کرتا اور اسی کی طرف اشارہ ہے۔ ربیع ابن خثیم کے قول میں کہ میں نے عاد اور ثمود کی قوم کو یاد کیا کہ ان میں طبیب بہت سے تھے۔ مگر نہ مریض بچا نہ طبیب اس سے ان کی غرض یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ دوا پر اعتماد یقینی نہیں ہے اور یہ امر کبھی تو واقع میں ایسا ہی ہوتا ہے اور کبھی مریض کے عندیے میں متحقق ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس کو طب میں مہارت اور تجربہ کم ہوتا ہے اس نظر سے اس کو ظن غالب دوا کے نفع کا نہیں ہوتا اور اس میں شک نہیں کہ طبیب تجربہ کار کو دوا کا اعتقاد بہ نسبت عوام کے زیادہ ہوا کرتا ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اعتماد اور ظن اعتقاد کے موافق ہوتا ہے اور اعتقاد اسی قدر ہوتا ہے جس قدر کہ تجربہ ہوتا ہے اور عابدین میں سے جن لوگوں نے دوا ترک کی ہے ان میں سے اکثر کی سند یہی ہے کہ دوا ان کے نزدیک ایک موہوم چیز نا قابل اعتبار تھی اور یہ امر ماہر علوم طبیہ پر ظاہر ہے کہ بعض دوائیں واقع میں ایسی ہی ہیں اور بعض کا حال ایسا نہیں مگر جو طبیب نہیں وہ سب کو بعض اوقات ایک ہی نظر سے دیکھتا ہے اور دوا کرنے کو مثل داغنے اور منتر وغیرہ کے پابندی اسباب جانتا ہے۔ چوتھا سبب یہ ہے کہ دوا نہ کرنے سے بیمار کو یہ غرض ہوتی ہے کہ مرض باقی رہے تاکہ اس مرض پر اچھی طرح صبر کرنے سے مرض کا ثواب پائے یا یہ منظور ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کی بلا پر اپنے نفس کو دیکھے کہ صبر کرنے کی تاب رکھتا ہے یا نہیں اس لئے کہ مرض کے ثواب میں بہت کچھ احادیث وارد ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ انبیاء کے گروہ پر اور لوگوں کی نسبت زیادہ سخت مصیبت ہوتی ہے پھر اسی طرح درجہ بدرجہ کم ہو جاتی ہے۔ مصیبت بندے پر بقدر ایمان کے ہوا کرتی ہے، پس اگر ایمان اس کا سخت اور پکا ہو گا۔ تو مصیبت بھی سخت ہو گی اور

اح احمد و ابو یعلیٰ و حاکم بروایت سعد بن ابی وقاص ۱۲ -

اور جتنا اس کے ایمان میں ضعف ہوگا۔ تو مصیبت بھی ہلکی ہوگی۔ اور ایک حدیث[1] میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کا امتحان مصیبت میں ایسی طرح لیتا ہے۔ جیسے تم میں سے کوئی شخص اپنے سونے کا امتحان آگ سے لیتا ہے پس بعض آدمی تو کندن کی طرح نکلتے ہیں اور بعض اس سے کم اور بعض کالے جلے ہوئے نکلتے ہیں اور ایک حدیث میں جو اہل بیت سے مروی ہے یہ وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو درست رکھتا ہے تو اس پر بلا بھیجتا ہے، وہ اگر اس پر صبر کرتا ہے تو اس کو مجتبیٰ کرتا ہے اور اگر اس پر راضی ہوتا ہے تو مصطفیٰ کرتا ہے اور ایک حدیث شریف[2] میں ہے کہ تم لوگ اس بات کو پسند کرتے ہو کہ خونی گدھوں کی طرح ہو جاؤ مرض بیماری کچھ تم کو نہ آئے اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ مومن کو جب دیکھو گے تو دل کا تندرست اور بدن کا مریض پاؤ گے اور منافق کو بدن میں زیادہ تر صحیح اور دل کا زیادہ تر روگی دیکھو گے۔ غرضیکہ جب لوگوں نے مرض کی ثنا و صفت کی اور بلا کی تعریف اس درجہ کی سنی تو ان کو مرض سے ہی محبت پیدا ہو گئی۔ اور اس کا آنا اپنے اوپر غنیمت سمجھا کہ اس پر صبر کرنے کا ثواب ملے۔ پس بعض اکابر کا دستور یہ ہوا۔ کہ اپنی بیماری کو چھپاتے اور طبیب سے اس کا ذکر نہ کرتے اور بیماری کی تکلیف کھینچتے رہتے اور خدائے تعالیٰ کے حکم پر راضی رہتے اور جانتے کہ دل پر حق کا غلبہ ایسا ہے کہ مرض سے اس میں کچھ خلل نہ ہوگا۔ مرض کے باعث صرف اعضائے ظاہری پر اثر ہوگا۔ کہ اعمال سے رک جائیں گے اور جان لیا کہ اگر خدائے تعالیٰ کے حکم پر صبر کے ساتھ بیٹھ کر ہی نماز پڑھیں گے۔ تو یہ نماز حالت تندرستی اور صحت کی نماز سے بہتر ہے گو وہ کھڑے ہو کر ادا کی جائے چنانچہ ایک حدیث قدسی میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کو ارشاد فرمایا ہے۔ کہ میرے بندے کے وہی عمل صالح لکھ لو جن کو یہ کیا کرتا تھا اس واسطے کہ یہ شخص میری قید میں ہے۔ اگر میں اس کو رہا کروں گا تو گوشت کے عوض میں عمدہ گوشت اور خون کے عوض میں اچھا خون بدل دوں گا۔ اور اگر اس کو وفات بھیجوں گا۔ تو اپنی رحمت کی طرف اس کی وفات کروں گا اور ایک حدیث شریف[5] میں ہے۔ افضل الاعمال ما اکرھت علیہ النفوس بعض محدثین نے اس کے یہ معنی لکھے ہیں۔ کہ ان پر بیماریاں اور مصائب بہت آویں اور اسی کی طرف اشارہ ہے اس آیت میں وعسیٰ ان تکرھوا شیئاً وھو خیر لکم[6] اور حضرت سہل تستری فرماتے ہیں کہ اگرچہ آدمی طاعات سے ضعیف ہو جائے اور فرائض سے قاصر رہے تاہم دوا کا نہ کرنا بہ نسبت اس کے بہتر ہے کہ طاعات کے واسطے علاج کرے اور آپ کو ایک بڑی بیماری تھی مگر اس کا علاج کبھی نہ کرتے اور لوگوں کو جو اس بیماری میں مبتلا پاتے تو ان کی دوا کرتے اور جب کسی شخص کو بیٹھ کر نماز پڑھتے دیکھتے کہ اعمال نیک میں امراض کی تاب نہ لا کر اس لیے دوا کرتا ہے، کہ نماز کھڑے ہو کر پڑھے اور طاعات کی بجا آوری میں اٹھ سکے تو بہت تعجب کرتے اور فرماتے کہ اس شخص کا بیٹھ کر نماز پڑھنا اور اپنے حال پر راضی رہنا اس بات سے بہتر ہے۔ کہ صرف قوت اور کھڑے ہو کر نماز کے لیے دوا کرے اور ان سے جب کسی شخص نے حال دوا پینے کا پوچھا تو فرمایا جو کسی دوا کو پیئے تو خیر ایک یہ گنجائش ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ضعف والوں کے لیے مقرر کر دی اور جو دوا میں نہ پڑے تو افضل ہے اس لیے کہ اگر کوئی چیز دوا میں سے لے گا گو سرد پانی ہی ہو تو اس سے سوال ہوگا۔ کہ تو نے کیوں لیا اور جو شخص کچھ بھی نہ کرے گا اس سے سوال کس بات کا ہوگا۔ اور آپ کا مذہب اور بصریوں کا مذہب یہی تھا کہ بھوک

۱ح۔ ابو منصور دیلمی بروایت ابو امامہ بسند ضعیف ۲۔ ۲ح۔ ابو نعیم و ابن عبد البر و بیہقی در شعب بروایت ابو فاطمہ ۱۲ ۴ ح طبرانی بروایت، عبد اللہ بن عمر ۱۲۔ ۵ ح اعمال میں سے عمدہ وہ ہیں جن پر نفس اکراہ کر دیئے جائیں۔ ۱۲ اوپر گذری ۱۲۔ ۶ ح اور شاید تم کو بری لگے ایک چیز اور وہ بہتر ہو تم کو ۱۲

اور شہوت کے توڑنے سے نفس کو ضعیف کرنا چاہیئے اس وجہ سے کہ ان کو معلوم تھا کہ ذرے کے برابر اعمال قلوب میں سے مثل صبر اور رضا اور توکل کے اعمال جوارح کے پہاڑ جیسے عملوں سے افضل ہے اور مرض اعمال قلوب کا مانع نہیں مگر اسی صورت میں کہ اس کی تکلیف نہایت زیادہ اور بے ہوش کرنے والی ہو اور حضرت سہلؒ کا یہ بھی قول ہے کہ جسم کی بیماری رحمت ہے اور دل کی عقوبت، پانچواں سبب یہ ہے کہ آدمی پہلے کچھ گناہ کر چکا ہو اور ان کا خوف کرتا ہو اور تدارک کرنے سے عاجز ہو تو زیادہ بیمار رہنے کو اس کا کفارہ سمجھتا ہو اور علاج اسی وجہ سے نہ کرتا ہو ایسا نہ ہو کہ مرض جلد جاتا رہے اور کفارہ گناہوں کا خوب نہ ہونے پائے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ آدمی پر بخار اور تپ کہنہ ہمیشہ اس لئے رہتے ہیں کہ انجام کو زمین پر صاف اولے کی طرح ہو جائے کوئی خطا اور گناہ اس پر نہ رہے اور ایک حدیث شریف میں ہے کہ ایک روز کا بخار سال بھر کا کفارہ ہوتا ہے اور بعض نے کہا کہ انسان کے تین سو ساٹھ جوڑ ہیں اور تپ ہر جوڑ میں جاتی ہے اور اس سے ایک تکلیف جداگانہ آدمی کو ہوتی ہے تو ہر ایک تکلیف ایک روز کا کفارہ ہو کر سال بھر کا کفارہ ہو گیا اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تپ کو کفارہ گناہ ارشاد فرمایا تو حضرت زید بن ثابت نے خدا سے دعا مانگی کہ میں ہمیشہ بخار میں مبتلا رہوں چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وقت وفات تک بخار آپ سے جدا نہ ہوا اور چند لوگوں نے انصار سے بھی یہی دعا مانگی تھی ان کو بھی کبھی بخار نہیں چھوڑتا تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ من اذھب اللہ کریمتیہ لم یرض لہ ثوابا دون الجنۃ تو انصار میں سے ایسے لوگ بھی تھے جو اندھے ہونے کی تمنا کیا کرتے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے جسم و مال پر مصیبت آنے سے خوش نہ ہو اس توقع سے کہ اس کے باعث اس کے گناہوں کا کفارہ ہو گا تو وہ شخص عالم نہیں اور روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ بہت مصیبت رکھتا ہے۔ جناب باری میں عرض کیا کہ الٰہی اس پر رحم فرما حکم ہوا کہ اور کیسے رحم کروں اسی سے تو اس پر رحم کروں گا یعنی اس مصیبت کے باعث اس کے گناہ دور کر کے اس کے درجات بڑھاؤں گا چھٹا سبب یہ ہے کہ آدمی زیادہ اچھا رہنے سے ڈرے کہ میرا نفس تکبر اور سرکشی میں مبتلا ہو جائے گا اس نظر سے دوا چھوڑ دیتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ مرض جلد دور ہو جائے تو پھر وہی غفلت اور اترانا اور سرکشی اور طول امل اور لیت و لعل و تدارک مافات عود کر آئے اور خیرات میں تاخیر کرنے لگے اس لئے کہ تندرستی اسی کا نام ہے کہ صفات سب قوی ہوں اور انہیں کے باعث خواہش نفس اٹھتی ہے اور شہوات کو جنبش ہوتی ہے اور معاصی کی رغبت دلاتی ہیں کمتر درجہ یہ ہے کہ مباحات سے لذت حاصل کرنے کی طرف بلاتی ہیں اور یہ اوقات کا ضائع کرتا اور نفع عظیم مخالفت نفس اور ملازمت طاعت کو برباد کر دینا جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کی بہتری چاہتا ہے تو اس کو امراض و مصائب سے متنبہ کر دیتے سے خالی نہیں چھوڑتا اسی جہت سے مشہور ہے کہ ایماندار علت یا قلت یا ذلت سے خالی نہیں ہوتا اور ایک حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مفلسی میرا جیل خانہ ہے اور مرض میری بیڑی ہے اس میں اسی کو قید کرتا ہوں جس کو اپنی مخلوق میں سے دوست رکھتا ہوں غرض کہ جب مرض میں آدمی سرکشی اور گناہوں کے ارتکاب سے رکا رہتا ہے تو اس سے

ح ابو یعلیٰ و ابن عدی بروایت ابوہریرہ و طبرانی بروایت ابودرداء مگر بخار کی جگہ درد سر نقل کیا ہے ۱۲ ح قضاعی در مسند شہاب بروایت ابن مسعود بسند ضعیف ۱۲ ح احمد و ابو یعلیٰ بروایت ابو سعید خدری ۱۲ ح اللہ تعالیٰ جس شخص کی دو آنکھیں کھو دیتا ہے تو اس کے ثواب کے لئے جنت کے لئے سوا راضی نہیں ہوتا یہ حدیث اوپر گزری مگر اس میں تمنائے انصار کا مذکور نہیں

زیادہ اور کون سی چیز ہوگی اور جس شخص کو اپنے نفس پر خوف سرکشی اور گناہوں کا ہو اس کو اپنے مرض کا علاج ہرگز نہ کرنا چاہیئے کیونکہ گناہ نہ کرنے ہی میں خیریت ہے چنانچہ بعض عارفین نے کسی سے پوچھا کہ تم میرے پاس کیسے رہے اس نے کہا کہ خیریت سے رہا انہوں نے فرمایا کہ اگر تم نے کوئی گناہ خدائے تعالیٰ کا نہیں کیا تو واقع میں خیریت سے رہے اور اگر گناہ کیا تو گناہ سے بڑھ کر اور کون سا روگ ہے جس نے گناہ کیا وہ خاک خیریت سے رہا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عراق میں عید کے روز کی زینت کو دیکھ کر پوچھا کہ ان لوگوں نے یہ کیا کیا ہے لوگوں نے عرض کیا کہ یہ دن ان کی عید ہے آپ نے فرمایا کہ جس روز ہم خدائے تعالیٰ کی نافرمانی نہ کریں تو وہ دن ہماری عید کا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[۱] وعصیتم من بعد ما اراکم ما تحبون یعنی عافیت کو اور فرمایا[۲] ان الانسان لیطغی ان راٰہ استغنی اور استغناء خواہ مال سے ہو یا عافیت سے اور بعض اکابر نے فرمایا ہے کہ فرعون نے جو دعویٰ خدائی کیا تھا اس کی وجہ یہی تھی کہ مدت تک آرام سے رہا تھا یعنی چار سو برس تک نہ سر میں درد ہوا نہ بدن پر حرارت آئی نہ کوئی رگ تیز چلی اس لئے دعویٰ الوہیت اس مردود نے کیا اور اگر ایک روز کو درد نیم سری اسکو ہو جاتا تو دعویٰ خدائی کا تو کیا ذکر ہے بیہودہ امور سے بھی باز رہتا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[۳] اکثروا من ذکر ھادم اللذات ۔ اور کہتے ہیں کہ بخار موت کا قاصد ہے تو واقع میں موت کی یاد دلانے والا اور لیت و لعل کرنے والا ٹھہرا اور اللہ تعالے فرماتا ہے اولا یرون انہم یفتنون فی کل عام مرۃ او مرتین ثم لا یتوبون ولا ھم یذکرون اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کو امراض میں مبتلا کر کے ان کا امتحان لیا جاتا ہے اور کہتے ہیں کہ بندہ جب دوبارہ بیمار ہوتا ہے اور توبہ نہیں کرتا تو اس سے ملک الموت یوں کہتا ہے کہ اے غافل تیرے پاس میرا قاصد پر قاصد آیا مگر تو خبردار نہ ہوا اور اکابر سلف کا اس لئے دستور تھا کہ اگر کوئی سال ان پر ایسا گزرتا جس میں ان پر کوئی مصیبت نفس یا مال کی نہ ہوتی تو بہت گھبراتے اور بعض اکابر کا قول ہے کہ ایماندار پر ہر چالیس دن میں کوئی خوف یا مصیبت آ جایا کرتی ہے یہاں تک کہ روایت ہے کہ حضرت عمار بن یاسر[۴] نے ایک عورت سے نکاح کیا وہ کبھی بیمار نہ ہوتی اسلئے آپ نے اس کو طلاق دے دی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک عورت کی تعریف ہوئی یہاں تک کہ آپ نے چاہا کہ اسکو شرف نکاح سے مشرف فرمائیں مگر لوگوں نے یہ بھی ذکر کیا کہ وہ عورت کبھی بیمار نہ ہوئی اور آپ نے فرمایا کہ تو مجھے اسکی کچھ حاجت نہیں اور ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیماریوں اور دردوں کا ذکر فرمایا کہ درد سر ایسا ہے اور فلاں مرض ایسا ایک شخص نے کہا کہ درد سر کیا ہوتا ہے میں تو اسکو جانتا بھی نہیں آپ نے فرمایا کہ تو مجھ سے علیحدہ رہ جو کوئی چاہے کہ دوزخی کو دیکھے وہ اس شخص کو دیکھے اور یہ اس لئے فرمایا کہ دوسری حدیث میں وارد ہو چکا ہے کہ ہر ایماندار کے لئے بخار اس کا حصہ ہے آتش دوزخ سے اور حضرت انس اور حضرت عائشہ کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کسی نے کہ قیامت کے روز شہیدوں کے ساتھ بھی کوئی ہوگا آپ نے فرمایا کہ البتہ جو شخص ہر روز موت کو بیس بار یاد کر لیا کرے اور ایک روایت میں ہے کہ جو شخص اپنے گناہوں کو یاد کر کے رنجیدہ ہوا کرے اور ظاہر ہے کہ موت کی یاد مرض میں بہت ہوتی ہے ۔ پس جب فوائد

ف عراق کے دیسی لوگوں کی عید کی زینت ۱۲ ف ۱ اور بے حکمی کی بعد اس کے کہ تم کو دکھا چکا تمہاری خوشی کی خبر ۱۲ ف ۲ آدمی سر چڑھتا ہے اس سے دیکھے آپ کو محفوظ ۱۲ ف ۳ بہت ذکر کیا کرو ڈھانے والی لذتوں کا ۱۲ - نسائی و ابن ماجہ بروایت ابوہریرہ ۱۲ ف ۴ کیا نہیں دیکھتے کہ وہ آزمائے جاتے ہیں ہر برس ایک بار یا دو بار پھر توبہ نہیں کرتے نہ نصیحت پکڑتے ہیں ۱۲ ف ۵ احمد بروایت انس ۱۲ ف ۶ ابوداؤد بروایت عامر برادر خضر اور اس کی اسناد میں ایک راوی کا نام نہیں لیا گیا ۱۲ ف ۷ بزار بروایت عائشہ و احمد بروایت ابوامامہ ف ۸ اس کی سند مجھے نہیں ملی ۔

مرض کے بہت ہوتے تو بعض اکابر نے تدبیر زوال مرض کی اور علاج بالکل ترک کیا اس وجہ سے کہ اپنے واسطے اسی میں زیادتی درجہ دیکھی اس جہت سے نہیں چھوڑا کہ دوا کرنے کو نقصان سمجھا ہو اور دوا کرنا نقصان کیسے ہو سکتا ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو چکا۔ **تنبیہ دوم** ان لوگوں کے اقوال کے رد میں جو دوا نہ کرنے کو ہر حال میں افضل کہتے ہیں۔ واضح ہو کہ اگر کوئی یوں کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دوا کی تھی تو اس نظر سے کی تھی کہ وہ اوروں کے لیے مسنون ہو جائے۔ ورنہ دعا کرنا ضعفاء کا حال ہے۔ قوی لوگوں کا درجہ مقتضی اس امر کا ہے کہ توکل دوا نہ کرنے پر کیا جائے تو اس سے یہ کہنا چاہیئے کہ تمہاری تقریر کے بموجب توکل میں شرط ہونا چاہیئے کہ پچھنے بھی نہ لگائے اور جوش خون کے وقت فصد بھی نہ لے اگر وہ کہے کہ ہاں یہ بھی شرط ہے تو یہ لازم آئے گا۔ اگر متوکل کو بچھو یا سانپ کاٹے تو اس کو اپنے پاس سے نہ ہٹاتے۔ اس لیے کہ خون اندر کاٹتا ہے اور بچھو ظاہر بدن پر کاٹتا ہے اور ان دونوں میں کچھ فرق نہیں جیسے اس سے علیحدگی نہ چاہیئے۔ ویسے ہی اس سے بھی کنارہ نہ کرے۔ پھر اگر اس کو بھی شرط توکل کہے تو اس سے یہ کہنا چاہیئے کہ متوکل کو نہ چاہیئے کہ تشنگی اور بھوک اور سردی کے گزند کو اپنے اوپر سے دور کرے۔ ان کے نیش بھی پانی اور روٹی اور کپڑے سے دور نہ کرے حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں کہ کھانے اور پانی اور لباس کا استعمال چھوڑنا داخل توکل ہے اور ان چیزوں میں اور اول کی باتوں میں کچھ فرق نہیں بلکہ جس طرح دوا زوال مرض کا سبب ہے۔ اسی طرح پانی زوال تشنگی کا باعث ہے اور ان سب اسباب کو خدائے تعالیٰ نے اسی لیے بنایا ہے اور اسی طرح اپنی عادت رکھی ہے اور اس کے توکل کی شرط نہ ہونے کی یہ دلیل ہے کہ صحابہؓ نے حضرت عمرؓ کے عہد مبارک میں آپ کے ساتھ جب قصد شام کا کیا اور جابیہ تک متصل دمشق کے پہنچے۔ ان کو خبر پہنچی کہ شام میں طاعون اور وباء عظیم پھیلی ہوئی ہے۔ اب یہاں لوگوں کے دو فرقے ہو گئے کچھ نے کہا کہ ہم وبا میں نہ جائیں گے اور جلتی آگ میں نہ گریں گے اور بعض لوگوں نے کہا کہ ہم شہر میں جائیں گے جن کی شان میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے الم تر الی الذین خرجوا من دیارھم و ھم الوف حذر الموت۔ غرض دونوں فریق حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے استمزاج لیا آپ نے فرمایا کہ یہاں سے ہٹنا چاہیئے۔ وبا میں داخل نہ ہونا چاہیئے جن لوگوں کی تجویز آپ کے موافق نہ تھی، انہوں نے عرض کیا کہ کیا ہم خدائے تعالیٰ کی تقدیر سے بھاگیں آپ نے فرمایا کہ ہاں ہم تقدیر سے اسی کی تقدیر کی طرف بھاگتے ہیں اس میں کیا مضائقہ ہے، پھر آپ نے ان کے سامنے ایک مثال بیان فرمائی کہ بھلا اگر کسی شخص کے پاس تم میں سے ایک گلہ بکریوں کا ہو اور اس کو دو گھاٹیاں چرانے کے لیے ہوں ایک میں سبزی خوب ہو اور دوسری خشک ہو تو وہ اگر سبزی والی میں چرائے گا تب بھی خدائے تعالیٰ کے حکم سے ہوگا اور اگر خشک میں چرائے گا تب بھی خدائے تعالیٰ کی تقدیر سے ہوگا۔ لوگوں نے اس کی تصدیق کی پھر آپ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو طلب

ف تو نے نہ دیکھے وہ لوگ جو نکلے اپنے گھروں سے اور وہ ہزاروں تھے، موت کے ڈر سے ۱۲۔ ح بخاری نے یہ تمام قصہ نقل کیا ہے ۱۲

فرمایا کہ ان کی صلاح لیں۔ دوسرے روز حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ تشریف لائے آپ نے ان سے صلاح لی انہوں نے فرمایا کہ اے امیرالمومنین اسباب میں میری رائے یہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنی ہے آپ نے فرمایا اللہ اکبر اس کو بیان کیجئے انہوں نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا ہے کہ جب کسی سرزمین میں تم وبا سنو تو اس پر جرأت نہ کرو اور جب ایسی جگہ میں وبا ہو۔ جہاں تم موجود ہو تو وہاں سے اس کے مارے مت نکلو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کو سن کر بہت خوش ہوتے اور اپنی رائے کی مطابقت حدیث سے معلوم کر کے خدا کا شکر کیا اور لوگوں کو جابیہ سے ہٹالاتے تو اب دیکھنا چاہیئے کہ صحابہؓ اور سب کا اتفاق ترک توکل پر کیسے ہو گیا۔ اگر ان جیسے امور شرط توکل ہوں تو صحابہؓ کا ترک توکل جو اعلیٰ مقامات میں سے ہے لازم آتا ہے۔ اب اگر کوئی کہے کہ پھر جس شہر میں وبا ہو اس سے نکلنے کو کیوں منع فرمایا۔ حالانکہ وبا کا باعث طب میں ہوا ہے اور ہوا ہی مضر بھی ہے . . . . اور ظاہر ہے کہ مضر چیز سے گریز کرنا عمدہ علاج ہے تو کیا وجہ ہے کہ اس کی اجازت نہ دی گئی تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں تو خلاف نہیں کہ مضر چیز سے گریز کرنا داخل ممانعت نہیں جیسے پچھنے لگانا اور فصد کھلوانی کہ مضر چیز سے بچنے کے لیے کی جاتی ہے اور ان جیسی باتوں میں توکل کا چھوڑنا مباح ہے مگر اس سے کچھ مقصود مذکورہ پر دلالت نہیں پائی جاتی ہے۔ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہوا کا ضرر صرف ظاہر بدن پر لگنے سے نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ اس میں سانس لینے سے ہوتا ہے۔ یعنی جب ہوا میں بدبو اور نقصان ہوتا ہے اور اس میں زیادہ سانس لیا جاتا ہے تو وہ پھیپھڑے اور دل اور اندر کے پردوں میں سانس کے ذریعے سے بتدریج پہنچ کر تاثیر کرتی ہے۔ بہر حال ظاہر بدن پر وبا ظاہر نہیں ہوتی جب تک کہ باطن میں خوب تاثیر نہ کر چکے اس صورت میں اگر کوئی شخص شہر میں رہتا ہو اور وہاں سے نکلے گا تو غالب یہی ہے کہ جو تاثیر ہوا کی اس کو ہو چکی ہے اس سے نہ بچے گا لیکن احتمال خلاصی کا بھی ہے کہ ابھی شاید تاثیر قوی نہ ہوئی ہو تو یہ وبا سے نکلنا ایک وہمی سبب خلاص کا ہوا جیسے جھاڑ پھونک اور شگون وغیرہ ہوتے ہیں۔ اب اگر وہاں سے نکلنے میں صرف یہی بات پائی جاتی تو مخالف توکل نہ تھی اور نہ اس کی ممانعت ہوتی۔ مگر ممانعت ایک اور سبب سے ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ اگر تندرستوں کو اجازت نکلنے کی دی جائے تو شہر میں سوائے مبتلایان وبا کے اور کوئی نہ رہے کہ ان کو کھانا کھلاتے یا پانی کا گھونٹ پلاتے اور وہ خود متکفل ان باتوں کے اپنے مرض کے باعث نہیں ہو سکتے اس حال میں تندرستوں کا وہاں سے نکلنا گویا حقیقت میں بیماروں کو زندہ درگور کرنا ہے جن کی توقع زیست بھی ہے جیسے تندرستوں کا احتمال بچ جانے کا ہے ویسا ہی ہو سکتا ہے کہ وہ بچ جائیں۔ اگر تندرست وہاں ٹھہرے رہیں گے تو موت کا یقین نہیں کہ خواہی نخواہی مرجائیں گے اگر چلے جائیں گے تو بچنے کا یقین نہیں مگر ان کا نکلنا البتہ باقی بیماروں کے حق میں یقینی ظاہر ہوگا۔ اور مسلمان سب آپس میں مثل عمارت کے ہیں کہ ایک کی تقویت دوسرے سے ہے۔ یا مثل جسم کے اعضاء کے ہیں کہ جب ایک عضو میں درد ہوتا ہے تو دوسروں کو بے چینی ہوتی ہے۔ پس نکلنے سے منع کرنے کی وجہ ہمارے نزدیک یہی معلوم ہوتی ہے۔ آگے خدا جانے اور جو شخص ابھی تک شہر میں داخل

۱ے احمد بروایت عائشہ رضؓ ۱۲

نہیں ہوا۔ اس کے حق میں یہ معاملہ برعکس ہے، یعنی اس کے باطن میں ہوا نے اثر نہیں کیا نہ شہر کے بیماروں کو اس کی حاجت ہے کہ اگر وہ نہ آئے گا تو یہ تلف ہو جائیں گے۔ ہاں اگر بالفرض وبا والے شہر میں سوائے وبا زدہ لوگوں کے اور کوئی نہ رہا اور ان کو حاجت خدمت گزاروں اور متکفلوں کی ہو اور اس وقت کچھ لوگ ان کی اعانت کو آئیں تو کیا عجب ہے کہ ان کا اس طرح آنا مستحب گنا جائے اور منع نہ ہو اس لیے کہ ضرر کا ہونا توامر موہوم ہے اور بقیہ مسلمانوں سے ضرر کا دفع کرنا یقینی، اور یہی وجہ ہے کہ حدیث شریف میں وبا سے بھاگنے والوں کو ایسا فرمایا ہے جیسے جہاد کی صف سے بھاگنا یعنی اپنے بھاگنے سے دوسرے مسلمانوں کی دل شکنی اور ان کے تباہ ہونے میں سعی پائی جاتی ہے۔ یہ باتیں باریک ہیں۔ جو ان کو لحاظ نہیں کرتا اور ظاہر احادیث و آثار پر نظر کرتا ہے تو اس کے نزدیک اکثر باتیں جو اس کے گوش زد ہوتی ہیں، ایک دوسرے کے مخالف معلوم ہوتی ہیں۔ عابدوں اور زاہدوں کو ایسی صورت میں بہت دھوکا پڑتا ہے اور غلطی کر جاتے ہیں۔ علم کو خدائے تعالٰی نے اسی سے شرف دیا ہے۔ اب تقریر گزشتہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوا کے نہ کرنے میں بہتری ہے تو اس پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دوا نہ کی ہوتی تاکہ یہ فضل بھی آپ کو ملتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ دوا کے نہ کرنے کی فضیلت اسی شخص کے حق میں ہے کہ جو اپنے بہت سے گناہوں کا مرض کو کفارہ کیا چاہتا ہو یا تندرستی کی حالت میں اپنے نفس کی سرکشی سے خوف رکھتا ہو یا شہوات کے غلبے کا ڈر ہو یا غلبہ غفلت کی جہت سے موت کو یاد رکھنا چاہتا ہو۔ یا مقامات متوکلین اور مریض شخصوں سے قاصر ہو کر صابرین ہی کے ثواب کا خواہاں ہو، یا جو فوائد لطیف کہ خدائے تعالیٰ نے دواؤں میں رکھے ہیں ان کو خوب نہ سمجھتا ہو۔ حتیٰ کہ دواؤں کو مثل جھاڑ پھونک وہمی جانتا ہو یا اپنی حالت میں ایسا مشغول ہو کہ دوا نہ کر سکتا ہو۔ اور اگر دوا کرے تو اس حالت سے جاتا رہے۔ کیونکہ دونوں کے جمع کی تاب بسبب ضعف کے نہیں رکھتا۔ غرض کہ ترک علاج کی یہی باتیں ہیں۔ اور یہ سب امور بہ نسبت بعض لوگوں کے کمال میں داخل ہیں۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درجے کے لحاظ سے نقصان میں شامل ہیں۔ بلکہ آپ کا مقام ان سب مقامات سے اعلیٰ اور اشرف تھا اس لیے آپ کا حال مقتضی اس امر کا تھا کہ آپ کا مشاہدہ اسباب کے وجود و عدم دونوں میں ایک سا رہے کیونکہ آپ کو بہر حال التفات مسبب الاسباب ہی کی طرف تھا اور جس شخص کا رتبہ یہ ہو اس کو اسباب سے کچھ ضرر نہیں ہوتا جیسا کہ ہم نے مال کے باب میں۔ بیان کیا ہے کہ اس کی رغبت بھی نقصان ہے اور اس سے نفرت بھی گو کمال ہے۔ مگر پھر بھی بہ نسبت اس شخص کے جس کے نزدیک مال کا وجود اور عدم یکساں ہو۔ نقصان ہے۔ یعنی ڈھیلے اور سونے کا برابر ہونا اس بات سے کامل تر ہے کہ سونے سے نفرت ہو اور ڈھیلے سے نہ ہو۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی حال تھا کہ ڈھیلا اور سونا آپ کے نزدیک برابر تھا اور اس کو آپ اس لیے نہ رکھتے تھے کہ خلق کو مقام زہد کی تعلیم فرمائیں کہ غایت ان کی قوت کی یہی ہے۔ نہ اس خوف سے کہ اس کے رکھنے سے آپ کے نفس کو معاذ اللہ کسی طرح کا ڈر تھا اس سے تو آپ

کا رتبہ کہیں بڑھ کر تھا کہ دنیا آپ کو فریب دے سکے۔ آپ کے اوپر زمین کے خزانے پیش کیے گئے آپ نے ان کو قبول نہ فرمایا اس جیسے مشاہدے کی جہت سے آپ کے نزدیک اسباب کا استعمال کرنا اور نہ کرنا مساوی تھا اور استعمال دوا کو نہ چھوڑا تو اس نظر سے کہ خدائے تعالیٰ کی عادت اسی طرح جاری ہے اور امت کو ان کی حاجت کی چیز کی اجازت دینی منظور تھی باوجودیکہ اس میں کچھ ضرر نہیں بخلاف جمع کرنے کے کہ اس کا ضرر بہت بڑا ہے ہاں دوا کرنے کا ضرر ایک صورت میں ہو سکتا ہے کہ صرف دوا ہی کو نافع سمجھے نہ اس کے پیدا کرنے والے کو یہ امر البتہ شریعت میں ممنوع ہے یا اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ دوا کرنے سے حصول صحت اس لیے منظور ہو کہ اس سے اعانت معاصی پر لے جائے یہ بھی ممنوع ہے۔ مگر یہ دونوں صورتیں شاذ و نادر ہیں اکثر ایماندار صحت کو معصیت کے واسطے نہیں چاہتے۔ نہ کوئی دوا کو بذاتِ خود مفید سمجھتے ہیں بلکہ اسی نظر سے مفید جانتا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے اس میں نفع رکھ دیا ہے۔ جس طرح پانی اور روٹی کو پیاس اور بھوک کے لیے بذاتِ خود نافع نہیں جانتا حاصل یہ کہ حکم دوا کرنے کا وہ ہے جو حکم اس کام کا ہے جس کے لیے دوا کرتا ہے یعنی اگر اس لیے دوا کرتا ہے کہ استعانت طاعت یا معصیت پر ہو تو ایسا حکم ہو گا۔ اور اگر اس لیے ہے کہ اشیائے مباح سے لذت حاصل کرے تو ویسا ہو گا۔ اس ساری تقریر سے ظاہر ہوا کہ بعض احوال میں دوا نہ کرنا افضل ہے اور بعض میں دوا کرنا بھی افضل ہوتا ہے اور یہ فضیلت باعتبار حالات اور لوگوں کو ان کی نیتوں کے مختلف ہوتی ہے اور نیز معلوم ہوا کہ توکل میں دوا کا کرنا یا نہ کرنا کچھ شرط نہیں۔ صرف شرط یہ ہے کہ وہمی باتوں کو چھوڑ دے ورنہ ایسی تدبیروں میں پڑ جاتا ہے جو متوکلین کی شان میں زیبا نہیں۔ تنبیہ۔ مرض کے ظاہر کرنے اور پوشیدہ رکھنے کے بیان میں جاننا چاہیے کہ مرض اور افلاس اور اقسام مصائب کو پوشیدہ رکھنا نیکی کے خزانوں میں سے ہے اور بڑا رتبہ عالی ہے اس لیے کہ خدائے تعالیٰ کے حکم پر راضی ہونا اور اس کی بلا پر صبر کرنا وہی معاملہ ہے جو بندے میں اور خدائے تعالیٰ میں ہے تو اس کو چھپانے میں آفتوں سے زیادہ تر بچاؤ کی صورت ہے۔ مگر تاہم اس کے ظاہر کرنے میں بشرطیکہ نیت درست ہو کچھ مضائقہ نہیں اور ایسی غرض جن کے لیے ظاہر کرنا مرض وغیرہ کا درست ہوتی ہیں۔ اول یہ کہ مقصود اس کے اظہار سے طلب علاج ہو۔ یعنی طبیب سے اپنا حال بیان کرے نہ شکایت کے طور پر بلکہ حکایت کے طور پر کہ جو کچھ قدرت اللہ تعالیٰ کی اس پر ظاہر ہوں جوں کی توں نقل کر دے۔ چنانچہ حضرت بشر بن عبدالرحمٰن طبیب کے سامنے اپنے درد کا بیان کیا کرتے اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ جو مرض ہوتا اس کو کہہ دیا کرتے اور فرماتے جو کچھ اللہ تعالیٰ کی قدرت نے مجھ میں اثر کیا میں صرف اس کو کہتا ہوں۔ دوسرے یہ کہ مریض مقتدا لوگوں میں سے ہو اور معرفت میں مستقل ہو وہ اپنے مرض کو سوائے طبیب کے اوروں سے اس غرض سے کہے کہ لوگ مرض میں اچھی طرح صبر کرنا سیکھیں۔ بلکہ اچھی طرح شکر کرنا تعلیم پائیں یعنی ایسی طرح مرض کو بیان کرے۔ اس سے معلوم یہ ہو کہ ان کے عندیے میں مرض ایک نعمت ہے اور جس طرح نعمت کا ذکر کرتے ہیں اسی طرح مرض کا بھی ذکر کرے کہ لوگ اس پر شکر کیا کریں۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ جب مریض اللہ تعالیٰ کی حمد و شکر کے بعد

اپنا درد بیان کرتا ہے تو یہ بیان داخل شکایت نہیں رہتا۔ تیسرے یہ کہ اظہار مرض سے غرض اپنی عاجزی اور خدائے تعالیٰ کی طرف احتیاج ظاہر کرنی ہو اور یہ صورت ایسے شخص سے اچھی معلوم ہوتی ہے جو قوت و شجاعت کے شایان ہو اور عاجزی کرنی اس سے بعید معلوم ہوتی ہو جیسے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے حالات مرض میں لوگوں نے پوچھا کہ آپ کیسے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ بُرا ہوں۔ لوگ ایک دوسرے کو تاکنے لگے یعنی اس جواب کو اچھا نہ جانا بلکہ شکایت سمجھی آپ نے فرمایا کہ کیا میں خدائے تعالیٰ پر بہادری کروں۔ غرضکہ آپ نے اپنا عجز اور احتیاج خدائے تعالیٰ کی طرف ظاہر کرنی اچھی سمجھی باوجودیکہ آپ کی قوت و شجاعت معروف و مشہور تھی اور اس میں وہی طریق چلے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو تعلیم فرمایا تھا کہ جب آپ بیمار ہوتے تھے تو دعا مانگتے کہ الٰہی مجھ کو بلا پر صبر عنایت فرما۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلا کا سوال تو تم نے خود کیا اللہ تعالےٰ سے تندرستی کی دعا مانگو حاصل یہ کہ ان میں تینوں سے مرض کے ذکر کرنے کی اجازت ہے اور اظہار میں ان کی شرط ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ذکر مرض شکایت ہے اور خدائے تعالیٰ کی شکایت کرنی حرام ہے۔ جیسے کہ افلاس کے باعث سوال کی حرمت میں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ شکایت کے متضمن ہونے کی جہت سے بدون ضرورت حلال نہیں ہوتا اور ذکر مرض قرینہ خفگی اور خدائے تعالےٰ کے فعل کو اچھا نہ جاننے کی وجہ سے شکایت ہو جاتا ہے۔ پس اگر قرینہ خفگی بھی نہ ہو اور نہ وہ تینوں نیتیں مذکورہ بالا ہوں تو اظہار مرض کو حرام نہیں کہہ سکتے۔ البتہ یہ کہیں گے کہ اس کا اظہار نہ کرنا بہتر تھا۔ کیونکہ اس میں بعض اوقات تو وہم شکایت کا ہوتا ہے اور بعض اوقات بناوٹ کو دخل ہوتا ہے کہ جس قدر بیماری موجود ہو اس سے زیادہ بیان ہو جاتی ہے یا جس قدر توکل دوا نہ کرنے میں کیا ہے اس سے زیادہ کہہ دیا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں اس کے لیے اظہار کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ اظہار کی نسبت کہ اگر دوا کرے اور آرام پاوے تو اچھا ہے۔ اور بعض اکابر فرماتے ہیں کہ جس شخص نے مرض کو کہہ دیا اس نے صبر نہیں کیا اور قرآن مجید میں جو صبر جمیل وارد ہے اس کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس سے مراد وہی صبر ہے جس میں شکایت نہ ہو اور حضرت یعقوب علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ آپ کی آنکھیں کس چیز نے کھوئیں آپ نے فرمایا کہ مرور زمان اور کثرت اندوہ نے پس اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی بھیجی کہ تم میری شکایت کے لیے میرے بندوں کے سامنے تیار ہو گئے آپ نے عرض کیا کہ الٰہی میں نے توبہ کی اب ایسا نہ ہوگا۔ اور حضرت طاؤس اور مجاہد روایت کرتے ہیں کہ بیمار پر اس کا آہ آہ کرنا لکھا جاتا ہے اور اکابر سلف بیمار کی آہ کو بُرا جانتے تھے۔ اس سبب سے کہ آہ کرنا بھی ایسی بات کا اظہار ہے جو مقتضی شکایت ہے۔

یہاں تک کہ روایت ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام سے شیطان کا بہرہ اور کچھ نہیں ہوا بجز اس کے کہ آپ نے اپنے مرض میں آہ کی تھی اس ملعون نے آپ کی اسی آہ کو اپنا بہرہ کر لیا اور حدیث شریف میں ہے کہ بندہ جب مرض میں مبتلا ہوتا ہے اللہ تعالےٰ دونوں فرشتوں کو وحی فرماتا ہے کہ دیکھو اپنے عیادت کرنے والوں سے کیا کہتا ہے۔ پس اگر بیمار اپنے پوچھنے والے سے خدا کا شکر اور وصف بیان کرتا ہے تو فرشتے اس کے لیے دعائے خیر کرتے ہیں اور اگر وہ شکایت کرتا ہے اور بُرائی بیان کرتا ہے تو وہ دونوں فرشتے کہتے ہیں کہ تو ایسا ہی رہے گا۔ اور بعضے عابد

شکایت کے خوف سے اور اس ڈر سے کہ کہیں کلام زیادہ نہ ہو جائے اپنی عیادت بُری جانتے تھے۔ حتیٰ کہ اگر بیمار نہ پڑتے تو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیتے۔ کوئی ان کے پاس نہ جاتا۔ جب اچھے ہوتے تو خود ہی لوگوں میں نکلتے۔ یہی حال فضیل بن عیاضؒ اور وہیب بن الورداءؒ اور بشر بن الحارثؒ کا تھا اور حضرت فضیل فرمایا کرتے کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ بیمار ہوں مگر عیادت کرنے والے نہ ہوں میں۔ بیماری سے انہیں لوگوں کے باعث گھبراتا ہوں

چھٹا باب محبت وشوق اور انس ورضا

رباعی

چاہے جو سلوک راہ دین اے دلبر اوّل ہی سے اپنا رہنما شوق کو کر

پھر داغِ محبت سے بنا دیدۂ دل تا انس ورضا کا آوے میدان نظر

جاننا چاہیئے کہ محبت الٰہی سب مقامات سے انتہا تے درجہ کی غایت اور سب میں بلند رتبہ رکھتی ہے اس لیے کہ بعد ادراک محبت کے کوئی سا مقام کیوں نہ ہو خواہ شوق ہو یا انس یا رضا وغیرہ سب اس کے توابع اور ثمرات ہیں، اور محبت سے پہلے جتنے مقامات مثل توبہ اور صبر اور زہد اور دوسرے مقامات کے ہیں وہ سب محبت کے مقدمات ہیں اور دوسرے مقامات اگرچہ ان کا ہونا بہت نادر ہے۔ پھر بھی سب دلوں میں ان کا امکان ہوتا ہے اور اس کے امکان کے ایمان سے کوئی دل خالی نہیں ہوتا۔ مگر محبت الٰہی پر ایمان ہی لانا مشکل ہے۔ یہاں تک کہ بعض علماء نے اس کے امکان ہی سے انکار کیا ہے اور فرمایا کہ محبت الٰہی کے یہی معنی ہیں کہ اس کی اطاعت پر مواظبت کی جائے اور محبت حقیقی خدائے تعالیٰ کے ساتھ محال ہے۔ کیونکہ وہ اپنی جنس اور مثل کے ساتھ ہوتی ہے۔ اور ان لوگوں نے جب محبت کا انکار کیا تو انس اور شوق سے اور لذت مناجات اور تمام لوازم محبت کو انکار کر بیٹھے۔ اس لیے اسباب میں ہم کو ضروری ہوا کہ جو امور محبت سے متعلق ہیں، مع دلائل شرعی کے جو محبت میں وارد ہیں۔ بیان کریں اور یہ باب مشتمل ہے دو فصلوں اور ایک خاتمے پر۔

پہلی فصل، محبت کا ذکر

وہ محبت جو بندے کو اللہ تعالیٰ سے ہوتی ہے

جاننا چاہیئے کہ جمیع امت کا اتفاق اس پر ہے کہ بندے کو خدائے تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت فرض ہے۔ پس ہم پوچھتے ہیں کہ اگر محبت کا وجود ہی نہ ہو تو فرض کیسے کی جائے گی اور محبت کی تفسیر جو بعض لوگ طاعت سے کرتے ہیں وہ کیسے ہو سکتی ہے۔ اس لیے کہ طاعت تو تابع محبت اور اس کا ثمرہ ہے۔ پہلے محبت کا وجود ہو تو پھر محبوب کی اطاعت ہو اور محبت کے وجود پر یہ دلیل ہے کہ

خدائے تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے یحبہم و یحبونہ[1] اور دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے والذین اٰمنوا اشد حبا للہ[2] ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ محبت کا وجود بھی ہے اور اس میں تفاوت بھی ہوتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی احادیث میں محبت الٰہی کو شرطِ ایمان فرمایا ہے۔ چنانچہ ابو زرین عقیلیؓ نے آپ سے پوچھا کہ ایمان کیا چیز ہے آپ نے فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول کا تیرے نزدیک سب ان کے ماسوا سے محبوب تر ہونا ایمان ہے[3] اور ایک حدیث شریف میں ہے کہ لا یومن احدکم حتی یکون اللہ و رسولہ احب الیہ مما سواھما[4] اور دوسری حدیث میں ہے کہ لا یومن العبد حتی اکون احب الیہ من اھلہ ومالہ والناس اجمعین[5] اور ایک روایت میں ومن نفسہ بھی ہے اور کیوں نہ ہو کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے قل ان کان اٰباؤکم وابناؤکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال اقترفتموھا وتجارۃ تخشون کسادھا ومساکن ترضونھا احب الیکم من اللہ ورسولہ وجھاد فی سبیلہ[6]..... فتربصوا حتی یاتی اللہ بامرہ۔ اس کو تہدید اور انکار ہی کی جگہ میں ارشاد فرمایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کے لیے حکم فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا احبوا اللہ لما یغدوکم بہ من نعمۃ واحبونی لحب اللہ ایای[7] اور ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں آپ سے محبت رکھتا ہوں آپ نے فرمایا کہ مفلسی کے لیے تیار ہو رہ۔ اس نے عرض کیا کہ میں اللہ سے محبت رکھتا ہوں، آپ نے فرمایا تو بلا کے لیے تیار ہو جا۔[8] اور حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مصعب بن عمیر کو آتے ہوئے دیکھا کہ ایک بینڈھے کی کھال کمر سے لپیٹے چلے آتے ہیں آپ نے لوگوں سے ارشاد فرمایا کہ اس شخص کو دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا دل روشن کر دیا ہے۔ میں نے اس کو اس کے ماں باپ کے سامنے دیکھا تھا کہ اس کو عمدہ کھانا اور اچھا پانی دیا کرتے تھے اور اب اللہ اور رسول کی محبت نے اس کا یہ درجہ کیا ہے جو دیکھتے ہو۔[9] اور حدیث میں مشہور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ملک الموت علیہ السلام سے اس وقت ارشاد فرمایا جب وہ آپ کی روح کی قبض کے لیے تشریف

---

[1] وہ ان کو چاہتا ہے اور وہ اس کو چاہتے ہیں [2] اور ایمان والوں کو اس سے زیادہ محبت اللہ کی ۱۲ [3] احمد مع اندک زیادتی اور دل اور اس کی سند میں انقطاع ہے ۱۲ [4] تم میں سے کوئی مومن نہ ہوگا جب تک کہ اللہ اور اس کا رسول اس کے نزدیک ان کے ماسوائے محبوب تر نہ ہوں ۱۲ بخاری و مسلم بروایت انسؓ [5] بندہ مومن نہیں ہوتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے گھر والوں اور مال اور سب لوگوں سے محبوب تر نہ ہوں ۱۲ مسلم بروایت انسؓ ۱۲ یہ مسلم میں نہیں ۱۲ [6] تو کہہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور برادری اور مال جو کماتے ہیں اور سوداگری جس کے بند ہونے سے ڈرتے ہو اور حویلیاں جو پسند رکھتے ہوں تم کو عزیز تر ہیں اللہ سے اور اسکے رسول سے اور لڑنے سے اس کی راہ میں تو راہ دیکھو جب تک بھیجے اللہ اپنا حکم ۱۲ [7] اللہ سے محبت اس وجہ سے کرو کہ وہ تم کو ہر صبح اپنی نعمت سے سرفراز فرماتا ہے اور مجھ سے محبت اس لیے کرو کہ خدائے تعالیٰ مجھ سے محبت رکھتا ہے ۱۲ ترمذی بروایت ابن عباسؓ اور کہا ہے کہ حسن اور غریب ہے ۱۲ [8] ترمذی بروایت عبداللہ بن مغفل باختلاف الفاظ اور اس میں آخر حدیث ہے ۱۲ [9] ابونعیم در حلیہ اس کی سند مجھے نہیں ملی ۱۲

لائیے کہ بھلا تم نے کوئی ایسا خلیل دیکھا ہے جو اپنے خلیل کو مارے، اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی بھیجی کہ بھلا تم نے کوئی ایسا محبت والا دیکھا ہے کہ اپنے حبیب کی ملاقات کو بُرا جانے۔ پس آپ نے ملک الموت علیہ السلام سے فرمایا کہ لے اب قبض کر۔ اور یہ بات اسی بندے پر کھلتی ہے جو اللہ تعالیٰ سے تمام دل محبت رکھتا ہے وہ جب جانتا ہے کہ موت سبب ملاقات کا ہے تو اس کا دل موت کی طرف راغب ہوتا ہے اور خدائے تعالیٰ کے سوا کوئی محبوب نہیں ہوتا کہ اس کی طرف التفات کرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا میں ارشاد فرماتے۔ اللھم ارزقنی حبك وحب من احبك وحب ما یقربنی الی حبك واجعل حبك احب الی من الماء البارد[ح] - اور ایک اعرابی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ قیامت کب ہوگی آپ نے فرمایا کہ تو نے اس کا کیا سامان کیا ہے اس نے عرض کیا کہ میں نے بہت سی نمازیں اور بہت روزے تو ذخیرہ نہیں کیے مگر مجھ کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت ہے آپ نے فرمایا کہ المرء مع من احب یعنی آدمی اپنے محبوب کے ساتھ رہتا ہے۔ حضرت انس[رض] فرماتے ہیں کہ میں نے مسلمانوں کو اسلام کے بعد کسی چیز سے اتنا خوش ہوتے نہیں دیکھا جیسا اس بات کو سن کر خوش ہوتے۔ اور حضرت ابو بکر صدیق[رض] فرماتے ہیں کہ جو شخص خالص محبت الٰہی سے مزہ چکھتا ہے وہ ذائقہ طلب دنیا سے اس کو روک دیتا ہے اور تمام آدمیوں سے اس کو وحشت دلاتا ہے۔ اور حضرت حسن[رض] فرماتے کہ جو شخص خدائے تعالیٰ کو پہچانتا ہے اس کو محبوب جانتا ہے اور جو دنیا کو پہچانتا ہے اس میں زہد کرتا ہے۔ اور ایمان دار آدمی لہو میں نہیں پڑتا کہ غافل ہو جائے وہ تو جب فکر کرتا ہے اندوہ کرتا ہے۔ اور حضرت سلیمان دارانی[رح] فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں کہ جنت اور اس کے درمیان کی نعمت ان کو خدائے تعالیٰ سے نہیں روکتی دنیا کے باعث تو کیسے خدائے تعالیٰ سے باز رہیں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تین شخصوں پر گذرے جن کے بدن لاغر اور رنگ متغیر تھے۔ آپ نے پوچھا کہ تمہارا یہ حال کیوں ہوا انہوں نے عرض کیا کہ آتش دوزخ کے خوف سے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خوف والوں کو ضرور مامون رکھے گا۔ پھر وہاں سے بڑھ کر آپ اور تین شخصوں پر گذرے وہ پہلوں سے بھی زیادہ دبلے اور رنگ کے متغیر تھے۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ تمہارا یہ حال کس وجہ سے ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ جنت کے شوق کے باعث سے آپ نے فرمایا کہ ضرور ہے کہ خدائے تعالیٰ تم کو وہ چیز عنایت فرمائے، جس کے تم متوقع ہو، پھر آپ بڑھے اور تین شخص دیکھے جو پہلے دونوں فرقوں سے بھی زیادہ دبلے اور رنگ بدلے تھے۔ نور کا یہ عالم تھا کہ گویا چہروں پر آئینے جڑے تھے آپ نے ان سے پوچھا کہ کس چیز سے تم ایسے ہو رہے ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہم اللہ عزوجل سے محبت رکھتے

ح[۱] الٰہی تو روزی عطا کر مجھ کو اپنی محبت اور جو کوئی تجھ سے محبت رکھے اس کی محبت اور جو عمل مجھ کو تجھ سے قریب کر دے اس کی محبت اور اپنی محبت کو میرے نزدیک ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبوب کر ۱۲ جلد اوّل باب الدعا میں گذری ۱۲ ع قولہ خدائے تعالیٰ الخ اصل میں ہے کہ موت کے سوائے کوئی دوسری چیز پسندیدہ نہیں رہ جاتی ۱۲ ح[۲] بخاری و مسلم بروایت انس رض ۱۲

ہیں۔ آپ نے فرمایاؑ کہ مقرب تمہیں ہو۔ اور عبدالواحد بن زید فرماتے ہیں کہ میں ایک شخص پر گزرا جو برف پر سوتا تھا۔ میں نے پوچھا کہ تم کو سردی نہیں معلوم ہوتی اس نے کہا کہ جو شخص محبتِ الٰہی میں گرم رہتا ہے اس کو سردی نہیں معلوم ہوتی۔ اور سری سقطیؒ فرماتے ہیں کہ قیامت کے روز جن کو محبتِ الٰہی غالب نہ ہو گی ان کو انبیاء کے نام سے پکاریں گے مثلاً ارشاد ہوگا کہ اے امتِ موسیٰ اور اے امتِ عیسیٰ اور اے امتِ محمدؐ۔ مگر محبین اس طرح پکارے جائیں گے۔ کہ اے اولیاء اللہ خدائے پاک کی طرف چلو ان کے دل خوشی کے مارے نکلے پڑتے ہوں گے۔ اور ہرم بن حیان فرماتے ہیں کہ ایماندار جب اپنے رب کو پہچانتا ہے تو اس سے محبت کرتا ہے اور جب محبت کرتا ہے تو اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور جب اس توجہ کا مزا پاتا ہے تو دنیا کی طرف خواہش کی نظر سے نہیں دیکھتا نہ آخرت کی طرف کاہلی کی نظر سے دیکھے۔ اپنے جسم سے تو دنیا میں رہتا ہے اور روح سے آخرت میں۔ اور یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کا عفو تمام گناہوں کو لے لیتا ہے۔ پس اس کی رضا کا کیا حال ہوگا اور اس کی رضا میں سب امیدیں مل جاتی ہیں تو اس کی محبت کیسی ہو گی، اور اس کی محبت عقلوں کو مدہوش کر دیتی ہے تو اس کی مودت کا کیا ٹھکانا ہے اور اس کی مودت غیر اللہ کو بھلا دیتی ہے تو اس کا لطف کیسا ہوگا۔ اور بعض کتب آسمانی میں ہے کہ اے میرے بندے قسم ہے تجھ کو تیرے حق کی میں تجھ سے محبت رکھتا ہوں تجھ کو بھی میرے حق کی قسم ہے کہ میرا محب ہو جا۔ اور یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں کہ ایک رائی کے برابر محبت میرے نزدیک ستر برس کی عبادت سے اچھی ہے جو بے محبت ہو اور یہ بھی انہیں کا قول ہے کہ الٰہی میں تیرے صحن میں کھڑا ہوں اور تیری ثنا میں مشغول ہوں۔ تو نے مجھ کو بچپن ہی سے اپنی طرف لے لیا اور لباس اپنی معرفت کا در بر کیا اور اپنے لطف سے بہرہ دیا۔ احوال و اعمال و پردہ پوشی اور توبہ اور زہد اور شوق اور رضا اور محبت میں مجھ کو بدلتا رہا۔ اپنے حوضوں میں مجھ کو پلایا اور اپنے باغوں میں پھرایا۔ میں تیرے امر کا ملازم اور تیرے قول میں مشغوف رہا۔ اب جب میری مونچھیں نکلیں اور قدرت ہو گئی تو آج بڑا ہو کر میں تجھ سے کیسے پھر جاؤں، میں تو لڑکپن ہی سے ان امور کا تجھ سے عادی ہو رہا ہوں۔ میں تو جب تک رہوں گا تیرے ہی گرد بھنبھناؤں گا اور انکسار کے ساتھ تیرے ہی سامنے گڑگڑاؤں گا۔ کیونکہ میں تجھ سے محبت رکھتا ہوں اور ایک محب اپنے حبیب ہی سے مشغوف رہتا ہے اور اس کے غیر سے مصروف نہیں رہتا ہے۔ غرضکہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے باب میں اخبار و آثار اتنے ہیں کہ شمار نہیں ہو سکتے اور یہ ایک امر ظاہر ہے۔ خفا اگر ہے تو محبت کے معنوں کی تحقیق میں ہے اس لیے ہم اس کی طرف توجہ کرتے ہیں۔

محبت کی حقیقت و اسباب

واضح ہو کہ اس بیان کا مطلب جب تک نہ کھلے گا۔ جب تک کہ محبت

؏ قولہ مقرب الخ اصل میں یہ کلمہ تین مرتبہ ہے ۱۲

کی حقیقت فی نفسہا بیان کی جائے۔ پھر اس کی شرطوں اور اسباب کی معرفت بیان ہو پھر اس کے بعد اسباب کو دیکھنا چاہیئے کہ خدائے تعالےٰ کے باب میں اس محبت کے ہونے کے کیا معنی ہیں۔ پس سب سے اوّل تو یہ بات اہم اور قابل سمجھنے کے ہے کہ بدون معرفت وادراک کے محبت نہیں ہو سکتی۔ اس واسطے کہ انسان اسی چیز سے محبت کرتا ہے جس کو پہچانتا ہے، بایں لحاظ جمادات کو اس صفت سے موصوف نہیں کر سکتے۔ بلکہ یہ خاصیت زندہ ادراک رکھنے والے کی ہے۔ پھر مدرکات جو دیکھتے ہیں تو وہ تو ادراک والے کی طبیعت کے موافق اور مناسب اور لذت دہ ہوتے ہیں یا اس کی طبیعت کے مخالف اور ایذا رساں ہوتے ہیں یا ان میں اثر لذت رسانی اور ایذا دہی کا کچھ بھی نہیں ہوتا۔ ان تینوں قسموں میں سے ایسے مدرکات جن کے ادراک سے مدرک کو لذت اور راحت ہو وہ اس کے نزدیک محبوب ہوا کرتے ہیں اور جن کے ادراک سے رنج ہو وہ اس کے نزدیک بُرے ہوتے ہیں اور جن میں ادراک کے بعد نہ رنج ہو نہ راحت اس کو نہ مدرک کے نزدیک محبوب کہہ سکتے ہیں نہ مبغوض، غرض ہر ایک لذیذ چیز لذت پانے والے کے نزدیک محبوب ہوتی ہے اور اس کے محبوب ہونے کے یہ معنیٰ ہیں کہ طبیعت ہیں اس کی طرف میل ہے اور مبغوض کے یہ معنی ہیں کہ طبیعت کو اس سے نفرت ہے۔ پس محبت اسی کا نام ہے کہ طبیعت کا میل ایسی شے کی طرف ہو جس سے لذت ملتی ہو۔ اگر یہ میل طبیعت پختہ اور قوی ہو جاتا ہے تو اس کو عشق کہنے لگتے ہیں۔ اسی طرح بعض طبیعت کی نفرت کو رنج ومصیبت رساں کہتے ہیں اور جب یہ نفرت قوی ہو جاتی ہے تو اس کو مقت کہتے ہیں۔ یہ ہیں معنی محبت کی حقیقت کے جس کا جاننا ضرور ہے۔ امر دوم اہم یہ ہے کہ از انجا کہ محبت تابع ادراک اور معرفت کے ہے تو بحسب انقسام مدرکات اور حواس کے اس کی بھی تقسیم ہو گی۔ اس لیے کہ ہر حس کے واسطے مدرکات میں سے ایک خاص چیز کا ادراک ہوتا ہے اور ہر ایک کو بعض مدرکات سے لذت ہوتی ہے۔ مثلاً آنکھ کی لذت دیکھنے کی چیزوں میں ہے کہ اچھی چیزیں اور ملیح صورتیں دیکھے اور کان کی لذت نغمات دلآویز اور اصوات فرحت انگیز میں ہے اور ناک کی لذت عمدہ خوشبوؤں میں اور ذائقے کی لذت غذاؤں میں اور لمس کی لذت نرمی اور نازکی میں اور چونکہ یہ مدرکات حواس کو لذت دیتے ہیں تو اس لیے محبوب ہیں، یعنی طبع سلیم کو ان کی طرف رغبت ہے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا احبّ الی من دنیاکم ثلث الطیب والنساء وقرۃ عینی فی الصلوٰۃ۔ اس حدیث میں آپ نے خوشبو کو محبوب فرمایا اور ظاہر ہے اس سے آنکھ اور کان کو بہرہ نہیں بلکہ صرف سونگھنے کی حس کو ہے اور عورتوں کو محبوب فرمایا حالانکہ ان سے بہرہ سونگھنے وغیرہ نہیں بلکہ بینائی اور لمس کو ہے اور نماز کو خنکی چشم ارشاد فرمایا اور اس کو سب سے زیادہ محبوب ٹھہرایا اور ظاہر ہے کہ نماز سے حواس خمسہ کی لذات

ح[1] میرے نزدیک تمہاری دنیا سے تین چیزیں محبوب ہوتی ہیں خوشبو اور عورتیں اور میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے۱۲ نسائی بروایت انس رض اور اس میں طیب نہیں ہے۔

میں تو انسان کے شریک بہائم بھی ہیں، پس اگر محبت کو ادراک حواس خمسہ پر منحصر کر کے کہیں کہ خداوند کریم حواس سے مدرک نہیں ہوتا اور خیال میں صورت نہیں پکڑتا اس لیے کہ اس کی محبت بھی نہیں ہو سکتی تو اس صورت میں انسان کی خاصیت بے کار ٹھہرے گی۔ اور وہ چھٹی حس جس سے کہ انسان حیوانات سے ممتاز ہے اور جس کو عقل یا نور یا قلب یا کوئی اور اس طرح کا لفظ کہہ سکتے ہیں لغو ہو جاتے گی اور یہ امر بعید ہے۔ اس لیے کہ بصیرت باطنی ظاہر کی بینائی کی نسبت قوی تر ہے اور قلب کو بہ نسبت آنکھ کے زیادہ تر ادراک ہے اور وہ معانی جو عقل سے مدرک ہوتے ہیں ان کا جمال بہ نسبت ظاہر کی صورتوں کو جو آنکھ کو سوجھتی ہیں زیادہ ہے۔ پس ضرور ہے کہ جن امور شریفہ الٰہیہ کو قلب ادراک کرتا ہے اور وہ حواس سے نہیں معلوم ہو سکتے ان کے ادراک سے قلب کو جو لذت ہوتی ہے وہ کامل اور مکمل ہو اس لیے طبع سلیم کا میل اس کی طرف قوی تر ہو گا۔ اور محبت اسی کا نام ہے، طبیعت کو ایسی چیز کی طرف رغبت ہو جس کے ادراک میں لذت ہو۔ چنانچہ عنقریب اس کی تفصیل مذکور ہو گی اس صورت میں محبت الٰہی کا انکار وہی کرے گا جو درجۂ بہائم میں ہو اور ادراک حواس سے مطلق آگے قدم نہ رکھے۔ تیسرا امر اہم یہ ہے کہ بدیہی بات ہے کہ انسان اپنے نفس کو محبوب جانتا ہے اور اس میں بھی شبہ نہیں کہ انسان کبھی غیر کو بھی اپنے نفس کے واسطے محبوب جانتا ہے۔ اور یہ امر کہ غیر سے محبت صرف اس کی ذات کے لیے نہ ہو۔ اپنے نفس کی خاطر یہ ضعیفوں پر مشکل ہو گیا۔ ان کے نزدیک ممکن ہی نہیں کہ انسان دوسرے سے صرف اس کی ذات کے لیے محبت کرے اور اپنے آپ کو اس سے کچھ بہرہ نہ ہو اور حق یہ ہے کہ ایسی محبت ممکن ہے اور موجود بھی ہے اس لیے ہم محبت کے اسباب و اقسام کو بیان کرتے ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہر ایک زندہ کے نزدیک سب سے اول محبوب اس کا نفس و ذات ہے اور اپنے نفس کی محبت سے یہ غرض ہے کہ اس کی طبیعت میں رغبت اپنے وجود کے دوام اور بقا کی ہے اور عدم و ہلاک کی نفرت، اس لیے کہ محبوب بالطبع وہی چیز ہوا کرتی ہے جو محبت والے کے مناسب ہو اور اپنے نفس کے دوام اور بقاء سے کونسی چیز زیادہ موافق ہو گی۔ اور اپنے عدم و ہلاک سے بڑھ کر کیا چیز مخالف ہو گی اس لیے انسان دوام وجود سے محبت رکھتا ہے اور قتل اور موت سے نفرت اس لیے کہ اس کو موت کے بعد کا خوف عذاب وغیرہ ہوتا ہے یا موت کے وقت کی جان کندنی سے ڈرتا ہے۔ بلکہ اگر بالفرض ایسی طرح پر مرے کہ کچھ مصیبت جان کندنی کی نہ ہو اور نہ ثواب و عذاب کا تردد ہو تب بھی مرنے پر راضی نہ ہو گا۔ موت کو برا ہی جانے گا۔ ہاں اگر زندگی میں شدت سے رنج کا متحمل ہو گا اس وقت موت اور نیستی کو محبوب جانے گا۔ اس لیے کہ جب کسی بلا میں پھنستا ہے تو یہ امر محبوب ہوتا ہے کہ بلا ٹل جائے اس صورت میں اگر نیستی کو محبوب جانے گا تو نہ اس لیے کہ نیستی ہے بلکہ اس لیے کہ نیست ہونے سے وہ بلا جاتی رہے گی، حاصل یہ کہ ہلاک اور نیستی سے نفرت ہوا کرتی ہے اور دوام وجود سے محبت، اور جس طرح کہ دوام وجود محبوب ہے اس لیے کہ ناقص میں کمال نہیں اور نقصان بھی بہ نسبت کمال کے نیستی ہے اور صفات کی اور کمال وجود کی نفرت کی چیز ہے اور جس طرح کہ صفات کمال نہ ہونے سے نفرت ہوتی ہے اسی طرح ان کے ہونے سے محبت ہوتی ہے۔ جیسے اصل وجود کا دوام محبوب ہوتا ہے اور یہ امر خدائے تعالیٰ

کی طرف سے سرشتی ہے۔ غرضکہ محبوب اول انسان کے لیے اس کی ذات ہے۔ پھر سلامتی اعضا، پھر مال اور اولاد اور کنبہ اور دوست۔ اعضاء کی سلامتی اس لیے محبوب اور مطلوب ہے کہ کمال وجود اور اس کا دوام اس پر موقوف ہے اور مال بھی اسی لیے محبوب ہے کہ وہ بھی سامان دوام اور کمال وجود کا ہے۔ اسی طرح سب اسباب کو جاننا چاہیئے یعنی انسان جو ان چیزوں سے محبت رکھتا ہے تو خود ان کی ذات سے نہیں، بلکہ اس وجہ سے کہ ان کے باعث دوام اور کمال اپنے وجود کا ہے۔ یہاں تک کہ اپنے لڑکے کو محبوب سمجھتا ہے گو اس سے کچھ اس کا فائدہ نہ ہو اور طرح طرح کی مشقتیں اٹھانی پڑیں مگر اس لیے کہ بعد اپنے عدم کے وجود میں نائب وہی ہوتا ہے تو نسل کے باقی رہنے میں بھی گویا اپنی ایک طرح کی بقا ہے اور چونکہ اپنے بقا کی طمع ہمیشہ کے لیے بن نہیں پڑتی اور بقا کی محبت شدت سے ہوتی ہے تو اپنی بقا کے عوض ایسے شخص کی بقا چاہتا ہے جو اپنے قائم مقام ہو اور وہ لڑکا ہے۔ گویا کہ وہ بھی اسی کا ایک ٹکڑا ہے۔ ہاں اگر آدمی کو کہا جائے کہ یا اپنا قتل اختیار کر یا اپنے پسر کا اور اس کی طبیعت اس وقت اعتدال پر ہو تو وہ اپنا ہی باقی رہنا چاہے گا۔ اس لیے کہ ہر چند لڑکے کا باقی رہنا بھی من وجہ اپنا باقی رہنا ہے مگر تاہم بعینہٖ اپنا باقی رہنا نہیں۔ اسی طرح محبت اقارب اور خاندان کی اپنے نفس کے کمال کی محبت کے سبب ہوتی ہے کیونکہ اقارب کے باعث اپنے نفس کو بہت اور قوی سمجھتا ہے اور ان کے کمال سے اپنا فخر جانتا ہے۔ اس لیے کہ مال و عیال اور اسباب خارجی انسان کے حق میں مثل بازو کے ہیں جن سے تکمیل انسان ہوتی ہے اور وجود کا کمال اور دوام بلاشبہ طبعاً محبوب ہوا کرتا ہے اس تقریر سے معلوم ہوا کہ ہر ایک بندے کے نزدیک اس کی ذات اور ذات کا کمال اور ان کا دوام محبوب ہے اور اس کا عکس مکروہ ہے۔ پس یہ تو اول سبب محبت کا ہوا۔ دوسرا سبب محبت کا احسان ہے کہ انسان بندۂ احسان مشہور ہے اور دلوں کی سرشت میں ہے کہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور برائی کرنے والوں سے بغض رکھتے ہیں اور یہ جو حدیث شریف[ح] میں وارد ہے کہ اَللّٰھم لا تجعل لفاجر علی یدا فیحبہ قلبی اس میں اشارہ ہے کہ محسن کے لیے محبت قلبی اضطراری ہوتی ہے جس کو ٹال نہیں سکتے اور یہ امر سرشتی اور فطری ہے کہ اس کی تبدیل کی کوئی سبیل نہیں اور اسی سبب سے آدمی کبھی ایسے انسان سے محبت کرتا ہے جو کچھ اس سے رشتہ اور علاقہ نہ رکھتا ہو۔ محض اجنبی ہو اور اس سبب دوم کو اگر واقع میں غور کرو تو اس کا مال بھی اول ہی سبب کی طرف ہے۔ اس لیے کہ محسن اس کو کہتے ہیں جو مال اور دیگر اسباب سے اپنی مدد کرے۔ پس ضروری ہے کہ اس کے احسان کے باعث یا وجود کا دوام یا کمال حاصل ہو یا لذائذ ہی ملیں جن سے کہ وجود تیار ہوتا ہے۔ ہاں یہ فرق ہے کہ اعضاء کی محبت اس لیے ہوتی ہے کہ ان سے کمال وجود کا ہے تو خود اعضا ہی بعینہا کمال مطلوب میں داخل ہیں۔ مگر محسن عین کمال مطلوب کا نہیں ہوتا۔ بلکہ کبھی سبب کمال ہوا کرتا ہے۔ جیسے طبیب کہ کبھی سبب اعضاء کی

ح الٰہی کسی بدکار کی نعمت میرے اوپر مت کر کہ اس کی وجہ دل اس سے محبت کرے ۱۲ ابومنصور در مسند فردوس بروایت معاذ بسند ضعیف منقطع ۱۲

صحت کے دوام کا ہوتا ہے۔ پس صحت کی محبت اور طبیب کی محبت میں فرق ہے۔ اس لیے کہ صحت تو خود مطلوب بالذات ہے اور طبیب اپنی ذات کے باعث محبوب نہیں بلکہ اس سبب سے محبوب ہے کہ وہ صحت کا سبب ہے اسی طرح علم اور استاد دونوں محبوب چیزیں ہیں۔ مگر علم محبوب بالذات ہے اور استاد اس جہت سے محبوب ہے کہ وہ سبب علم محبوب کا ہے۔ اسی طرح کھانا پینا محبوب ہے اور روپیہ پیسہ بھی محبوب لیکن غذا بالذات محبوب ہے اور نقد اس کا وسیلہ ہونے کے باعث محبوب ہے پس فرق اگر دونوں محبتوں میں ہے تو رتبے کا ہے کہ ایک اوّل ہے ایک اس کے بعد ورنہ اپنے نفس کی محبت دونوں میں پائی جاتی ہے۔ یعنی جو شخص محسن سے اس کے احسان کے باعث محبت رکھتا ہے تو وہ اس کی ذات کا محب نہیں بلکہ اس کے احسان کو دوست رکھتا ہے اور احسان ایک فعل محسن کے افعال میں سے ہے کہ اگر محسن وہ فعل بجا نہ لاتے تو محبت جاتی رہے گو خود اس کی ذات باقی رہے اور اگر فعل احسان کسی قدر کم ہو جائے تو اسی قدر محبت کم ہو جاتے اور اگر زیادہ ہو تو محبت بھی زیادہ ہو۔ اس محبت کی کمی بیشی احسان کی کمی بیشی پر منحصر ہے۔ تیسرا سبب محبت کا یہ ہے کہ کسی چیز کو خود اس کی ذات کے باعث محبوب جانے نہ اس لیے کہ اس سے اپنے آپ کو کچھ فائدہ ہوتا ہو بلکہ اس کی ذات ہی عین فائدہ ہو۔ اس محبت کو حقیقی کہتے ہیں۔ ایسی محبت کے ہمیشہ رہنے کا اعتماد ہوتا ہے مثلاً محبت حسن و جمال کی کہ ہر ایک جمال جمال کے مدرکوں کے نزدیک محبوب ہوتا ہے اور یہ محبت صرف جمال ہی کے باعث ہے اس لیے کہ اس میں جمال کا ادراک ہی عین لذت ہے اور لذت خود بالذات محبوب ہوتی ہے۔ کسی اور جہت سے نہیں اور یہ گمان نہ کرنا چاہیے کہ محبت اچھی صورتوں کی بدون قضائے شہوت اور تمنا کے ممکن نہیں۔ اس لیے کہ پورا کرنا خواہش اور تمنا کا دوسری لذت ہے اس کے لیے بھی بعض اوقات صورتوں کو محبوب سمجھا کرتے ہیں اور خود جمال بھی لذیذ ہے۔ اس لیے ہو سکتا ہے کہ خود محبوب بالذات ہو۔ مثلاً سبزہ اور آب رواں محبوب ہے نہ اس جہت سے کہ ان سے کھانے یا پینے کا فائدہ ہو یا کوئی اور حظ سوا دیکھنے کے ملتا ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سبزہ اور آب رواں اچھا معلوم ہوا کرتا تھا۔ اور طبائع سلیمہ سب کے سب نظر کرنا غنچوں اور پھولوں اور خوبصورت جانوروں اور عمدہ گل بوٹوں اور اچھے نقشوں کی طرف باعث لذت جانتے ہیں۔ یہاں تک کہ آدمی ان سے اپنا غم غلط کرتے ہیں اور ان کے دیکھنے سے دل بہلاتے ہیں۔ پس یہ چیزیں لذت رساں ہیں اور ہر ایک لذیذ چیز محبوب ہوتی ہے اور کوئی حسن و جمال ایسا نہیں کہ اس کے ادراک میں لذت نہ ہو اور نہ کسی کو جمال کے محبوب ہونے کے کسی طرح کا انکار ہے اب اگر یہ ثابت ہو جاوے کہ خدائے تعالیٰ صاحب جمال ہے تو ظاہر ہے کہ جس شخص پر اس کا جمال و جلال کھل جائے اس کے نزدیک بیشک وہ محبوب ہو گا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ ان اللہ جمیل و یحب الجمال" چوتھا سبب محبت کا خود حسن و جمال ہے۔ یہاں معنی حسن و جمال کا بیان کرنا ضروری ہے۔ واضح ہو کہ جو لوگ خیالات اور محسوسات کے مجلس میں قید ہیں وہ اکثر یہی جانتے ہیں کہ حسن و جمال اسی کا نام ہے کہ پیدائش متناسب اور

شکل درست رنگ عمدہ سفید و سرخ قد کشیدہ وغیرہ باتیں ہوں۔ جن سے کہ وصف سراپا انسان کیا کرتے ہیں اسی وجہ سے کہ حسن غالب خلق پر وہی ہے جو آنکھوں سے نظر آتے، ان کا التفات اکثر شخصوں کی صورت پر ہوتا ہے۔ اسی لیے گمان کرتے ہیں کہ جو چیز نظر آتے ان کا التفات اکثر شخصوں کی صورت پر ہوتا ہے۔ اس لیے گمان کرتے ہیں — — — — — — — — — — — —
کہ جو چیز نظر نہ آتے نہ شکل رکھے نہ خیال میں جمے نہ رنگ ڈھنگ ہو اس کا حسن و جمال، اس کا حسن ممکن نہیں۔ اور جب حسن ممکن نہ ہو تو اس کے ادراک میں لذت بھی نہ ہو گی اسی لیے محبوب بھی نہ ہو گی اور یہ ان کی بڑی غلطی ہے اس لیے کہ حسن منحصر آنکھ کے محسوسات اور تناسب پیدائش اور سفیدی و سرخی رنگ پر نہیں بشلاً ہم کہتے ہیں کہ یہ نوشت حسین ہے اور یہ آواز اچھی ہے اور یہ گھوڑا حسین ہے، بلکہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ کپڑا اور یہ برتن اچھا ہے پس اگر حسن کے معنی صورتوں ہی میں منحصر رکھے جائیں تو پھر آواز اور خط کے حسن کے کیا معنی ہوں گے۔ کیونکہ یہ تو ظاہر ہے کہ آنکھ کو اچھے خط سے لذت ہوتی ہے اور کان کو نغمات عمدہ سے اور جتنے مدرکات حواس کے ہیں وہ سب یا اچھے ہیں یا برے ہیں۔ پس وہ معنی حسن کے کون سے ہیں جس میں یہ سب اشیاء مشترک ہیں ان کو بیان کرنا ضروری ہے اور یہ بحث طویل ہے علم معاملہ کے شایاں نہیں کہ اس میں طوالت دی جاتے۔ البتہ تصریح حق کیے دیتے ہیں کہ ہر ایک شئے کا جمال اور حسن اس امر سے ہوتا ہے کہ جس قدر کمال اس کے لائق اور ممکن ہو وہ اس میں آجاتے۔ تو جب سب کمالات ممکن اس میں جمع ہو جائیں تو وہ شئے نہایت حسین ہو گی اور اگر بعض کمالات ہوں گے تو حسن و جمال بھی انہی کی نسبت پر ہو گا۔ مثلاً گھوڑا حسین وہ ہے جو جتنی باتیں خوبی کی گھوڑے میں ہونی چاہئیں سب رکھتا ہو۔ یعنی صورت و شکل اور رنگ ڈھنگ خوش رفتاری خوش لگامی، دوڑ دھوپ وغیرہ سب اس میں ہوں اور عمدہ خط وہ ہے۔ جس میں خوش نویسی کے متعلق سب امور پائے جائیں مثلاً متناسب ہونا حروف کا اور مقابلہ کششوں کا اور راستی نشست اور درستی کرسی اور خوبیٔ دوائر وغیرہ۔ اور ہر چیز کے لیے ایک کمال ہے جو اس کے لائق ہے۔ دوسری چیز میں بعض اوقات اس کمال کی ضد شایاں ہوا کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حسن ہر چیز کا اسی کمال میں ہو گا جو اس کے شایاں ہے۔ مثلاً جن باتوں سے گھوڑے کو اچھا کہتے ہیں ان سے آدمی کو اچھا نہ کہیں گے اور جن امور سے خط عمدہ کہلائے گا ان سے گھوڑا عمدہ نہ کہلائے گا اور جن سے برتن اچھے ہوں گے ان سے کپڑے اچھے نہ ہوں گے اسی طرح سب چیزوں کو جاننا چاہیے۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ یہ چیزیں گو سب کی آنکھ سے محسوس نہیں ہوتیں مثل آواز و ذائقہ کے اشیاء کے مگر آخر کسی نہ کسی حس سے مدرک ہوتی ہے تو محسوسات میں داخل رہیں اور حسن جمال محسوسات سے تو انکار نہیں نہ اس سے انکار کہ محسوسات کے ادراک سے لذت نہیں ہوتی، بلکہ انکار حسن و جمال کا ایسے اشیاء میں ہے جو حواس سے مدرک نہ ہوں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ حسن و جمال منحصر محسوسات ہی میں نہیں غیر محسوسات میں بھی حسن و جمال موجود ہے۔ مثلاً: کہتے ہیں کہ یہ خلق و حسن ہے اور علم اچھا ہے اور یہ خصلت عمدہ ہے اور یہ اخلاق جمیلہ ہیں اور ان سے مراد علم

ح[1] اللہ تعالیٰ جمال والا ہے اور جمال والے سے محبت رکھتا ہے ۱۲ مسلم اور ارشاد ہے حدیث ابن مسعودؓ ۱۲

اور عقل اور عفت اور شجاعت اور تقویٰ اور کرم اور مروت اور سب عادات خیر ہوتی ہیں ان میں سے کوئی بھی ایسی نہیں جو حواس خمسہ سے مدرک ہو بلکہ یہ اشیاء نور بصیرت باطنی سے دریافت ہوتی ہیں اور یہ سب کی سب محبوب ہیں جو شخص ان صفات سے متصف ہو وہ بھی طبعاً محبوب ہوتا ہے اس شخص کے نزدیک جو اس کے صفات سے واقف ہو مثلاً دیکھو کہ طبیعت میں یہ امر سرشتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے محبت کریں اور صحابہؓ کو محبوب جانیں۔ حالانکہ ان میں سے کسی کو نہیں دیکھا، اسی طرح محبت ائمہ مذہب کی مثل امام ابو حنیفہؒ و امام شافعیؒ و امام مالک وغیرہم کے ہے یہاں تک کہ آدمی کبھی اپنے امام کی محبت عشق سے زیادہ کرتا ہے اور اسی محبت کے باعث اپنا تمام اپنے مذہب کی محبت اور حفاظت میں خرچ کر ڈالتا ہے اور جو شخص اس کے امام پر طعن کرے اس کو مارنے پر مستعد ہو جاتا ہے اور باب مذاہب میں نصرت مذہب کے لیے بہت کشت و خون ہو چکے ہیں اور ہم کو معلوم نہیں کہ جو شخص مثلاً امام شافعیؒ سے محبت کرتا ہے وہ کیوں کرتا ہے ان کی صورت تو اس نے کبھی دیکھی ہی نہیں اور اگر بالفرض صورت دیکھتا بھی تو شاید اس کو ناپسند کرتا تو ان کی پسندیدگی جس نے افراط محبت پر آمادہ کیا ہے کچھ صورت ظاہری کے سبب سے نہیں وہ تو خاک ہو گئی اور مٹی میں مل گئی، بلکہ صورت باطنی کی جہت سے ہے یعنی صفات دینی مثل تقویٰ اور کثرت علم اور واقف ہونا طریق دین پر اور ہمت کرنی علم شرع کی تعلیم پر اور عالم میں منتشر کرنا خیرات وغیرہ کا اور یہ باتیں ایسی ہیں کہ ان کا جمال بدون نور بصیرت کے معلوم نہیں ہو سکتا۔ حواس ان کے ادراک سے قاصر ہیں۔ اسی طرح جو شخص حضرت ابوبکر صدیقؓ سے محبت رکھتا ہے اور ان کو اور اصحاب سے فضیلت دیتا ہے، یا حضرت علیؓ سے محبت رکھتا ہے اور ان کو افضل سمجھتا ہے اور ان کے باب میں تعصب کرتا ہے تو ان کو صرف امور باطنی کے لحاظ سے محبوب جانتا ہے یعنی علم اور دین اور تقویٰ اور شجاعت اور کرم وغیرہ کی جہت سے، کیونکہ یہ تو ظاہر ہے کہ مثلاً جو شخص حضرت ابوبکر صدیقؓ سے محبت رکھتا ہے وہ ان کے گوشت پوست اور ہاتھ اور پاؤں اور استخوان اور شکل کے باعث محبت نہیں کرتا کیونکہ یہ چیزیں تو سب متبدل / . . . . ہو گئیں باقی وہی ہیں جن سے صدیق صدیق کہلاتے تھے یعنی صفات محمودہ جو عادات حسنہ کی مصادر تھیں پس محبت بھی انہیں صفات کے باقی رہنے سے باقی ہے۔ گو صورتیں نہیں رہیں اور ان صفات جن کا مآل صرف دو چیزوں علم اور قدرت پر رجوع کرتا ہے کہ آپ نے حقائق کو جانا اور اس بات پر قادر ہوئے کہ اپنے نفس کے شہوات کو دبا کر اس کو متحمل ان اوصاف کا کیا ہے۔ اسی علم و قدرت سے سب عادات نیک متفرع ہوتی ہیں اور یہ دونوں حس سے محسوس نہیں ہوتیں اور ان دونوں کا محل تمام جسم میں سے ایک جزو لا یتجزیٰ ہے جو واقع میں محبوب ہے اور ازانجا کہ اس جزو لا یتجزیٰ کی کوئی صورت اور شکل اور رنگ نہیں جو آنکھ کو سوجھے اور سوجھنے کی جہت سے محبوب قرار دیا جائے تو ضرور ہے کہ اس کی محبت بدون ذریعہ . . . . حواس سے معلوم ہو کہ سیر و عادات میں جمال موجود ہے اور اگر سیرت جمیلہ بدون علم اور بصیرت کے صادر ہوتی تو جب محبت نہ تھی۔ حاصل یہ کہ محبوب مصدر سیرت ہے اور وہ اخلاق حمیدہ اور فضائل شریفہ ہیں اور ان سب کا مآل کمال علم و قدرت کی طرف رجوع کرتا ہے اور یہ

طبعاً محبوب ہے اور حواس سے مدرک نہیں یہاں تک کہ لڑکا جو اپنی طبیعت پر چھوٹا ہوا ہو۔ اگر ہم اس کے نزدیک کسی غائب یا حاضر یا زندہ یا مردہ کو محبوب کرنا چاہیں تو اس کی راہ ہمارے پاس اور کوئی نہیں بجز اس کے کہ اس شخص کے وصف میں مبالغہ کیا جائے اور اس کی شجاعت اور کرم اور علم اور تمام عمدہ خصلتیں اس کے سامنے طوالت کے ساتھ بیان کی جائیں جب ان کا اعتقاد اس کو ہو جائے گا تو بے اختیار محبت کرنے لگے گا۔ اس سے نہ ہو سکے گا کہ محبت نہ کرے۔ دیکھو صحابہؓ کی محبت اور ابو جہل اور شیطان ملعون کا بغض دل میں لوگوں کے اسی طرح جمع ہیں کہ صحابہؓ کی بھلائیاں اور ان دونوں مردودوں کی برائیاں بہت طول طویل سنیں اور یہ محاسن اور برائیاں وہی ہیں جو حواس سے معلوم نہیں ہوتیں بلکہ لوگوں نے جب حاتم کی تعریف سخاوت کی کی اور حضرت خالد کو شجاعت سے موصوف کیا تو دلوں میں ان کی محبت خواہی نخواہی ہو گئی یہ محبت نہ تو صورت ظاہری کی طرف دیکھنے سے نہ کچھ محب کو فائدہ پہنچنے کی جہت سے ہے۔ بلکہ جب کسی بادشاہ کی سیرت عدل اور احسان کی اور صدقہ و خیرات کرنے کی بیان کی جائے تو گو وہ اتنا دور ہو کہ محبوں تک اس کے احسان کا آنا بُعد مسافت کی جہت سے نہ ہو سکتا ہو۔ مگر تاہم اس کی محبت لوگوں کے دلوں میں ہو جاتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ محبت میں یہ کچھ ضرور نہیں کہ محبت والوں پر خاص کچھ احسان ہوا ہو۔ بلکہ محسن اپنی ذات سے محبوب ہوتا ہے اگرچہ احسان اس کا محب تک کبھی نہ پہنچے اس لیے کہ ہر ایک حسن و جمال محبوب ہے اور صورت دو قسم کی ہیں۔ ظاہری اور باطنی اور حسن و جمال دونوں میں ہوا کرتا ہے اور ظاہری صورتیں تو ظاہر کی آنکھ سے معلوم ہوتی ہیں اور باطن کی صورتیں بصیرت باطنی سے تو جس کو بصیرتِ باطنی ہی نہ ملی ہو گی وہ نہ باطن کی صورتیں دیکھے نہ ان سے لذت پائے نہ محبت و میل رکھے اور جس کی بصیرت باطنی جو اس کی ظاہری کی نسبت کر غالب ہو وہ باطنی ہی کو بہ نسبت معانی ظاہری کے زیادہ محبوب جانے گا۔ پس اگر ایک شخص کسی نقش دیوار سے جمال ظاہر کے باعث محبت کرے اور دوسرا شخص کسی نبی سے جمال باطنی کے باعث محبت رکھے ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ پانچواں سبب محبت کا مناسبت خفیہ ہے جو محب اور محبوب میں ہوتی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دو آدمیوں میں محبت مستحکم ہو جاتی ہے نہ کسی جمال یا فائدے کی جہت سے بلکہ بمجرد روحوں کے تناسب کے چنانچہ حدیث شریف میں ارشاد فرمایا[۵۱] فما تعارف منہا ائتلف وما تناکر منہا اختلف اور اس امر کو ہم نے کتاب آداب صحبت میں جس جگہ حب فی اللہ کا ذکر ہے محقق بیان کیا ہے وہاں دیکھ لینا چاہیئے کہ یہ عجائبِ اسباب محبت میں سے ہے۔ اس سب بیان سے معلوم ہوا کہ اقسام محبت کے پانچ سبب ہوتے ہیں اول انسان کی محبت اپنے وجود کے کمال اور بقا کی، دوم محبت اپنے محسن کی ایسی چیزوں میں جن سے اپنے وجود کا دوام پایا جاتے اور بقاء وجود اور مہلکات کے دور کرنے کی اعانت ملے، تیسرے محبت ایسے شخص کی جو بذات خود جمال والا ہو۔ خواہ وہ صورت ظاہری ہو یا باطنی، چوتھے ایسے شخص سے محبت کہ اس میں اور محب میں پوشیدہ مناسبت باطن میں ہو۔ پس اگر یہ اسباب ایک ہی شخص میں جمع ہو جائیں تو بلاشک محبت دوبالا

[۵۱] جو ان میں آشنا ہوئیں وہ باہم الفت کرنے لگیں اور جو آشنا نہیں وہ جدا ہوئیں ۱۲ مسلم بروایت ابی ۱۲۔

ہو گی۔ مثلاً اگر کسی شخص کے کوئی لڑکا خوبصورت خوش خلق، علم میں یکتا تدبیر میں اچھا لوگوں سے سلوک کرنے والا اور باپ کا خدمت گذار ہو تو ظاہر ہے کہ باپ کو ایسے شخص سے نہایت درجے کی محبت ہو گی اور محبت کی قوت ان اسباب کے جمع ہونے پر اسی قدر زیادہ ہونی چاہیے جس قدر کہ یہ عادۃً میں فی نفسہا قوی ہوں پس اگر یہ صفات کسی شخص میں بدرجہ کمال ہوں تو محبت بھی اعلیٰ درجے کی ہو گی۔

محبّت کی مستحق صرف ذات باری ہے

واضح ہو کہ ان اسباب مذکورہ بیان سابق کا کامل ہونا اور جمع ہونا اور خداوند جل جلالہ کی ذات کے سوا اور کسی میں نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے واقع میں مستحق محبت بھی سوا اس کی ذات پاک کے اور کوئی نہیں اور جو کوئی غیر خدا سے محبت کرے اور خدا کی طرف اس کا لگاؤ نہ کرے تو اپنی جہالت اور قصور معرفت الٰہی سے ہے اور یہ کہ محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمدہ ہے اس وجہ سے کہ وہ عین محبت الٰہی ہے اور اسی طرح محبت علماء اور اتقیاء کو تصور کرنا چاہیئے اس لیے کہ محبوب کا محبوب اور اس کا رسول اور اس کا محب سب محبوب ہوتے ہیں اور سب کا مآل اصل ہی کی محبت کی طرف رجوع کرتا ہے اس لیے غیر کی طرف تجاوز نہیں کرتا۔ پس واقع میں اہل بصیرت کے نزدیک سوائے خدائے تعالےٰ کے اور کوئی محبوب نہیں اور نہ کوئی مستحق محبت ہے۔ اس کی تشریح یہ ہے کہ جو اسباب پانچوں ہم نے ذکر کیے ہیں۔ ان کی طرف رجوع کریں اور ثابت کردیں کہ وہ سب کے سب خدائے تعالیٰ میں جمع ہیں اور غیر اللہ میں اکٹھے نہیں پائیے جاتے ایک یا دو پائے جاتے ہیں اور خدائے تعالیٰ میں ان کا ہونا حقیقۃً ہے اور دوسرے میں مجازاً بلکہ وہم و تخیل ہی ہے کہ اس کی کچھ حقیقت نہیں اور جب امر ثابت ہو جائے تو اہل بصیرت پر کھل جائے گا کہ جو بات عقلوں اور ضعیف دل والوں نے خیال کر رکھی ہے کہ واقع میں محبت الٰہی محال ہے۔ یہ امر بالکل خلاف ہے بلکہ تحقیق اس امر کی مقتضی ہے کہ سوائے خدائے تعالیٰ کے اور کسی سے محبت نہ کی جائے۔ اب سبب اول پر غور کرو یعنی انسان اپنے نفس کو محبوب جانتا ہے اور اس کا دوام و کمال و بقا چاہتا ہے اور ہلاک اور نیستی اور نقصان اور موانع کمال سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ باتیں ہر ایک زندہ کی سرشت میں داخل ہیں اور ممکن نہیں کہ کوئی ان سے خالی ہو۔ یہی باتیں مقتضی نہایت محبتِ الٰہی کی ہیں اس لیے کہ جو شخص اپنے نفس اور اپنے رب کو پہچانتا ہے وہ یقیناً جانتا ہے کہ اس کا وجود کچھ اس کی طرف سے نہیں بلکہ اس کی ذات کا وجود اور دوام اور کمال اللہ کی طرف سے ہے اور اسی کے باعث ہے تو وہی وجود کا موجد اور وہی اس کا باقی رکھنے والا ہے اور وہی صفات کمال پیدا کر کے اس کو کامل کرتا ہے۔ کمال کی طرف پہنچنے کے اسباب کو پیدا کرتا ہے پھر ہدایت استعمال اسباب کی پیدا کرتا ہے ورنہ بندہ اپنی ذات کی رو سے کچھ وجود نہیں رکھتا محض محو اور عدم ہے اگر خدائے تعالیٰ اپنے فضل سے موجود نہ کرے اور بعد وجود کے اگر اس کا فضل شامل حال نہ ہو تو ہلاک ہو جائے اور اگر وہ اپنے کرم سے کامل نہ کرے تو ناقص رہے۔ حاصل یہ کہ کوئی شے ایسی موجود نہیں جس کو اپنی ذات سے قیام ہو سوائے ذات خدائے قیوم اور زندہ کے جو بذات خود قائم ہے اور اشیاء اس کے

باعث قائم ہیں۔ پس اگر عارف اپنی ذات سے محبت رکھے گا تو ضرور ہے کہ اس ذات سے محبت رکھے جس سے کہ اس کا وجود ہوا ہے اور جس سے کہ اس کے وجود کو دوام ہے۔ بشرطیکہ اس کو خالق اور موجد اور مخترع اور باقی رکھنے والا اور قائم بالذات اور دوسروں کا قائم رکھنے والا جانے اور اگر ایسی ذات سے محبت نہ رکھے تو اپنے نفس اور رب دونوں سے جاہل ہے اس لیے کہ محبت ثمرۂ معرفت ہے جب معرفت نہ ہوگی تو محبت نہ ہوگی اور معرفت ضعیف ہوگی تو محبت بھی ضعیف ہوگی اور اگر قوی ہوگی تو قوی ہوگی۔ اسی واسطے حسنؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے رب کو پہچانے گا وہ اس سے محبت کرے گا۔ اور جو شخص دنیا کو پہچانے گا اس میں زہد کرے گا۔ اور کیسے خیال میں آسکتا ہے کہ آدمی اپنے نفس سے محبت کرے اور اپنے رب سے محبت نہ کرے جس سے کہ نفس کا قیام ہے۔

اور ظاہر ہے کہ جو شخص کہ آفتاب کی دھوپ میں مبتلا ہو اور اس کے بچاؤ کے لیے سائے کو محبوب جانے وہ بیشک درختوں کو بھی محبوب جانے گا جن سے سائے کا قیام ہے اور ہر ایک موجود چیز کو خدائے تعالیٰ کی قدرت کی طرف ایسی ہی نسبت ہے جیسی سائے کو ہے درخت کی طرف اور نور کو ہے آفتاب کی طرف یعنی جس طرح نور کا وجود تابع آفتاب کا اور سائے کا وجود تابع درختوں کا ہے اسی طرح کل موجودات کا وجود تابع اس کے وجود کے ہے اور سب کچھ اسی کے آثارِ قدرت میں سے ہے۔ اور یہ مثال بھی اگر تامل کرو تو عوام کی فہم کے موافق درست ہے کہ ان کو یہ خیال ہے کہ نور آفتاب کا اثر ہے اور اس میں سے نکلتا ہے اور اسی کے باعث موجود ہے۔ حالانکہ یہ خیال غلط ہے۔ اس لیے کہ اہلِ دل پر یہ بات آنکھ کے مشاہدے کی نسبت بھی زیادہ منکشف ہو چکی ہے کہ نور بھی قدرتِ الٰہی سے حاصل ہوتا ہے۔ یعنی جس طرح کہ آفتاب اور اس کی شکل وصورت خدا کی قدرت سے بنی ہیں، اسی طرح جب آفتاب اجسام کثیف کے مقابل ہوتا ہے اس کا نور بھی اسی کی قدرت سے اختراع وایجاد پاتا ہے۔ مگر چونکہ غرض مثالوں سے سمجھانا مطلب کا ہے۔ اسی لیے نفس حقیقت مطلوب نہیں۔ غرضکہ اگر انسان کو اپنے نفس سے محبت ضروری ہے تو اس ذات سے بھی اس کی محبت ضروری ہونی چاہیئے جس کے باعث اول تو اس کے نفس کو قیام ہے اور پھر اس کی اصل اور صفات اور ظاہر اور باطن اور جواہر واعراض کا دوام اسی سے ہے۔ بشرطیکہ اس امر کو اسی طرح جان لے اور کوئی شخص اس محبت سے خالی نہ ہوگا۔ بجز ایسے شخص کے کہ اپنے نفس وشہوات میں مشغول ہو کر اپنے خالق اور رب سے غافل ہو اور اس کو جیسا کہ چاہیئے ویسا نہ جانے اور اپنی نظر کو شہوات اور محسوسات ہی پر مقصور کرے یعنی نظر صرف عالم شہادت ہی پر رکھے۔ جس میں بہائم بھی اس کے شریک ہیں، کہ وہی لذت اور تنعم ان کو بھی میسر ہے اور عالم ملکوت سے قطع نظر کرلے۔ جس سرزمین میں وہی پہنچ سکتا ہے جس کو کچھ مناسبت فرشتوں سے ہو اور اس کی نظر اس عالم میں اسی قدر ہوگی جس قدر کہ اس کو صفات میں فرشتوں سے قرب ہوگا اور جس قدر کہ پستی عالم بہائم میں نازل ہوگا اسی قدر اس عالم میں اس کی سیر کم ہوگی اب دوسرا سبب یعنی ایسے شخص سے محبت کرنی جو اپنے ساتھ مال سے سلوک کرے اور کلام میں نرمی برتے اور ہر ایک طرح سے اس کی اعانت کرے اور دشمنوں کے قلع اور قمع کرنے میں اور بدوں کی بدی دور کرنے میں

مدد کرے اور تمام اس کی غرضوں میں خواہ متعلق خود اس کے نفس کے ہوں یا اولاد و اقارب کے سب میں ذریعہ حصول کا ہو تو ظاہر ہے کہ ایسا شخص خواہ مخواہ محبوب ہوگا۔ اور یہ سبب بھی مقتضی اسی امر کا ہے کہ خدائے تعالےٰ کے سوا اور کسی سے محبت نہ کی جائے۔ اس لیے کہ اگر خدائے تعالےٰ کو جیسا حق اس کے پہچاننے کا ہے ویسا پہچانے تو جانے گا کہ احسان کرنے والا صرف وہی ہے۔ ہماری غرض یہاں یہ نہیں کہ اس کے احسان جو ہر ایک بندے پر ہیں ان کی شمار کریں اس لیے کہ وہ تو حیطۂ شمار سے باہر ہیں۔ جیسا خود ارشاد فرماتا ہے وان تعدوا نعمتہ اللہ لا تحصوھا[۱] اور اس کی طرف مختصراً ہم باب الشکر میں اشارہ بھی کر آئے ہیں۔ بلکہ یہاں اسی قدر لکھتے ہیں کہ احسان آدمی کی طرف سے غیر ممکن ہے اگر آدمی کو محسن کہیں تو صرف مجازاً ہو سکتا ہے واقع میں محسن خدائے تعالےٰ ہی ہے۔ اس کے لیے فرض کر و کہ کسی شخص نے تم کو اپنے تمام خزانے دے ڈالے اور ان پر بالکل اختیار دے دیا جس طرح چاہو ان کو خرچ کرو تو تم کو یہ گمان ہوگا کہ یہ احسان تمہارے ساتھ اس شخص کی طرف سے ہوا حالانکہ یہ غلط ہے۔ اس لیے کہ اس کے احسان میں کئی باتیں ہیں۔ اول خود اس شخص کا ہونا، دوم اس کے مال کا ہونا سوم مال پر قادر ہونا چہارم ارادہ مال کے حوالہ کرنے کا خاص تم کو۔ اب ہم کہتے ہیں کہ اس شخص کو کس نے پیدا کیا اور اس کی مال کو کس نے پیدا کیا اور اس کی قدرت اور ارادہ کو کس نے پیدا کیا اور تمہاری اس کی محبت کی توجہ کس نے کی اور اس کے دل میں یہ کس نے ڈال دیا کہ تمہارے ساتھ سلوک کرنے میں اس کا کچھ نفع دینی یا دنیاوی ہے اگر یہ سب باتیں نہ ہوتیں تو وہ تم کو ایک خرمہرہ بھی نہ دیتا مگر جب اللہ تعالیٰ نے تمام لوازم پیدا فرما دیئے اور اس کے دل میں جما دیا کہ اس کا نفع دینی یا دنیوی تمہارے حوالہ کرنے میں ہے تو وہ بیچارہ حوالہ کرنے میں مجبور و بے بس ہے اس کے خلاف کر ہی نہیں سکتا اس صورت میں محسن اسی ذات کو جاننا چاہیئے جس نے اس شخص کو تمہارے لیے مضطر اور مسخر کیا اور اس کے اوپر تمام لوازم کو مسلط کیا جن سے فعل احسان ہونے کو ہو۔ ہاں ایک بات رہی کہ مال کا اس شخص کے قبضے میں ہونا اس بات پر اشارہ کرتا ہے کہ شاید محسن وہی ہو تو اس کو یوں جاننا چاہیئے کہ وہ شخص جو دیتا ہے صرف واسطہ ہے خدائے تعالےٰ کے احسان کا یعنی خدائے تعالیٰ نے اس کو مال اس واسطے دیا کہ وہ تم تک پہنچائے پھر وہ دے نہیں تو کیا کرے اس کا حال مثل پرنالہ کے سمجھتا کہ وہ پانی کے بہانے میں مجبور ہے۔ پس اگر تم اس کو محسن جانو اور خود اس کا شکر یہ کرو نہ اس جہت سے کہ وہ بذات خود محسن نہ کہ وہ واسطہ ہے تو بے شک نفس الامر سے تم واقف ہو کیونکہ انسان جب احسان کرتا ہے تو اپنے نفس ہی پر کرتا ہے اور کسی مخلوق پر اس کا احسان کرنا محال ہے اس لیے کہ آدمی جو مال خرچ کرتا ہے تو اس کا عوض پہلے تاک لیتا ہے یا تو آخرت میں اگر ثواب منظور ہو یا دنیا میں اگر منت یا دوسرے کا مسخر کرنا یا تعریف اور شہرت سخاوت یا آوازۂ نام نیک یا لوگوں کے دلوں کو اپنی طاعت و محبت کی طرف کھینچنا مقصود ہو اور جس طرح

---

[۱] اگر گنو احسان خدا نہ پورے کرو گے ۱۲

کہ آدمی اپنا مال دریا میں نہیں ڈالتا۔ اس وجہ سے کہ اس میں کوئی غرض نہیں۔ اسی طرح کسی آدمی کے ہاتھ میں بھی بے غرض نہیں ڈالتا اور وہی غرض اس کی مراد ہوا کرتی ہے۔ پس اب تم کو جو مال دیا ہے تو تم مقصود نہیں ہو بلکہ تمہارا اس مال کو لے لینا اس شخص کی غرض حاصل ہونے کا وسیلہ ہے وہ غرض خواہ ذکر دنیا ہو یا شکر و ثواب، تو اس نے تم کو مال پر قابض کر دینے سے ذریعہ اپنے نفس کی غرض حاصل ہونے کا کیا تو اس صورت میں وہ اپنے نفس ہی کا محسن ہے۔ اور مال کے بدلے میں جو چیز اس کے نزدیک عمدہ ہے اس کو لیا چاہتا ہے۔ اگر اس عوض کو اس کے عندیے میں ترجیح نہ ہوتی تو تمہارے لیے اپنا مال ہرگز نہ چھوڑتا۔ بہر حال وہ شخص مستحق شکر و محبت کا نہیں دو وجہ سے اول تو یہ کہ خدائے تعالیٰ نے تمام لوازم دینے کے اس پر مسلط کر دیتے اس کو ان کا خلاف کرنے کی مجال نہیں اس کا حال مثل بادشاہی خزانچی کے ہے کہ اگر بحکم بادشاہ کسی کو خلعت دیدے تو اس پر اپنا احسان کچھ نہیں سمجھتا اس لیے کہ اس کو حکم بادشاہی کی تعمیل ضروری ہے تاب مخالفت کی ہرگز نہیں، اگر بادشاہ اس کو اس کی طبیعت پر چھوڑ دے تو ہرگز نہ دے۔ اسی طرح اگر خداوند کریم محسن کو اس کی طبیعت پر چھوڑ دے تو وہ کبھی کسی کو کوڑی نہ دے۔ مگر اس نے اوّل اس کے دل میں لوازم اور بواعث دینے کے مسلط کیے اور پھر یہ دل میں ڈالا کہ اس کا فائدہ دینی یا دنیاوی مال کے دینے میں ہے تو اس لیے وہ مال دیتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جو کچھ یہ دیتا ہے اس کی نسبت کر جو کچھ اس کے نزدیک عمدہ چیز ہے بدلے میں لیتا ہے، تو جیسے بائع کو نہیں کہتے کہ یہ محسن ہے ویسے ہی دینے والے کو محسن نہ کہنا چاہیے۔ اس لیے کہ بائع اپنی چیز جبھی دیتا ہے جب اس کا بدلہ خاطر خواہ لے لیتا ہے اور دینے والا بھی مال کے عوض ثواب یا حمد و ثنا یا اور کوئی عوض سمجھ لیتا ہے تو مال دیتا ہے اور عوض میں یہ شرط نہیں کہ وہ کوئی چیز محسوس از قسم مال ہو۔ بلکہ لذائذ اور فوائد ایسے عوض ہیں کہ ان کے سامنے مال کی کچھ حقیقت نہیں، حاصل یہ کہ احسان جود کی صورت میں ہوتا ہے۔ یعنی مال کا ایسی طرح دینا کہ دینے والے کو نہ کوئی عوض منظور ہو نہ کچھ فائدہ۔ اور جود سوائے خداوند کریم کے اور شخص سے سرزد ہونی محال ہے۔ البتہ اس کا احسان و انعام خلق کے نفع کے لیے ہے۔ خدائے تعالیٰ کا فائدہ اس میں کچھ نہیں نہ کوئی غرض اس کی متعلق ہے۔ اس صورت میں غیر کے اوپر جود و احسان کا بولنا جھوٹ ہے یا مجاز دوسرے میں جود و احسان محال و ممتنع ہے۔ جیسے سیاہی اور سفیدی کا ایک جگہ جمع ہونا محال ہے۔ خداوند کریم ہی جود اور احسان اور فضل و منت میں یگانہ ہے۔ پس اگر طبیعت میں محبت محسن کی ہوا کرتی ہے تو عارف کو چاہیے کہ سوائے خدائے تعالیٰ کے اور کسی سے محبت نہ کرے اس واسطے کہ احسان دوسرے سے ہونا محال ہے صاحب احسان صرف خدا کی ذات ہے تو وہی مستحق اس محبت کا بھی ہے۔ دوسرا شخص جو احسان پر مستحق محبت ہوگا تو ایسی طرح ہو سکتا ہے کہ محبت کرنے والا احسان کے معنی اور حقیقت نہ جانتا ہو۔ اور تیسرا سبب یعنی انسان کا محبت کرنا خود محسن سے گو اس کا احسان اپنے اوپر نہ ہو۔ یہ بھی طبیعتوں میں موجود ہے۔ مثلاً اگر کسی بادشاہ کی خبر تم کو پہنچے کہ وہ عابد اور عادل اور عالم رحم دل لوگوں پر مہربان اور سب سے بتواضع پیش آتا ہے اور تم سے

وہ بہت دور ہے۔ اور دوسرے بادشاہ کی خبر پہنچے کہ وہ ظالم اور متکبر اور فاسق شریر، لوگوں کی ہتک کرنے والا ہے۔ اور وہ بھی دور ہے تو تم کو اپنے دل میں ان دونوں میں فرق معلوم ہوگا کہ اوّل کی طرف دل کا میل پاؤ گے اور دوسرے سے نفرت یعنی اول سے محبت معلوم ہوگی اور دوسرے سے بغض۔ باوجودیکہ اوّل کے خیر اور دوسرے کے شر سے تم ناامید اور مامون ہو، اس وجہ سے کہ توقع ان کے ملکوں میں جانے کی نہیں، تو یہ محبت محسن کی صرف اس نظر سے ہے کہ وہ محسن ہے نہ اس جہت سے کہ تم کو بھی کچھ دیتا ہے۔ یہ سبب بھی مقتضی خدائے تعالیٰ کی محبت کا ہے بلکہ اس امر کو چاہتا ہے کہ سوا اس کے اور کسی سے محبت نہ کی جائے۔ مگر اس شرط پر کہ کسی سبب سے اس کو لگاؤ خدائے تعالیٰ کی طرف ہو۔ اس لیے کہ سب کا محسن اور تمام اقسام خلق پر فضل و انعام کرنے والا وہی ہے کہ اوّل ان کو ایجاد کیا اور پھر ان کے اعضاء کامل بنائے اور اسباب ضروری مہیا کیے۔ پھر ان کی آسائش کے لیے اسباب کو پیدا فرمایا جن میں حاجات کا شائبہ تھا۔ گو وہ ضرورت کے شائبہ میں نہ تھے۔ پھر اور زوائد سے زینت دی جو نہ ضرورت میں داخل تھے نہ حاجت میں۔ اعضائے ضروری سر اور دل اور جگر ہیں اور حاجت کے اعضاء آنکھ اور ہاتھ اور پاؤں ہیں اور زوائد جیسے ابرو کا کمان کی شکل ہونا اور سرخی لب اور آنکھوں کا بادامی ہونا وغیرہ کہ ان سے کوئی حاجت متعلق نہیں، صرف زینت مقصود ہے۔ اور نعمت ضروری خارج از بدن انسان پانی اور غذا ہے اور حاجت کی مثال دوا گوشت اور میوے ہیں۔ اور زائد کی مثال درختوں کی سبزی اور کلیوں اور پھولوں کی رنگا رنگی اور لذیذ میووں اور غذاؤں کی کہ جن کے نہ ہونے سے کوئی ضرورت اور حاجت انسانی زائل نہیں ہوتی اور یہ تینوں اقسام کی نعمتیں ہر حیوان کے لیے موجود ہیں بلکہ ہر ایک نبات کے لیے بلکہ تمام اصناف خلق کے لیے عرش سے لے کر فرش تک یہ نعمتیں پائی جاتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ محسن وہی ہے دوسرا شخص محسن کس طرح ہو سکتا ہے۔ اگر کسی نے احسان کیا تو وہ بھی اسی کی قدرت کی حسنات میں سے ایک حسنہ ہے کہ وہی خالق حسن کا ہے اور وہی محسن اور احسان اور اسباب احسان کا۔ غرضکہ اس سبب سے بھی غیر سے محبت کرنی محض جہالت ہے اور جو شخص اس بات کو جانے گا۔ اس علت کے باعث بھی سوائے خدائے تعالیٰ کے اور سے محبت نہ کرے گا اور چوتھا سبب یعنی جمال والا اور جمال ہی کے باعث محبوب ہوتا ہے۔ سوائے جمال کے اور کوئی فائدہ محبت والے کو اس سے نہیں۔ جیسا کہ مشہور ہے۔ شعر

گفت خاموش ہر آنکس کہ جمالے دارد ہر کجا پائے نہد دست بدارندش پیش

اس کو ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ بات بھی طبیعتوں کی سرشت میں داخل ہے۔ اور جمال کی دو قسمیں ہیں، ایک ظاہری جو سر کی آنکھ سے سوجھتا ہے اور ایک باطنی جو دل کی آنکھ اور نور بصیرت سے معلوم ہوتا ہے۔ اور جمال اول کو لڑکے اور بہائم سب دیکھتے ہیں اور دوسرے کے ادراک کے لیے اہل دل مخصوص ہیں اور جو لوگ کہ صرف ظاہر کی زندگی دنیاوی ہی کو جانتے ہیں وہ ان کے شریک نہیں اور جو جمال ہے وہ مدرک کے نزدیک محبوب ہوتا ہے۔ پس اگر وہ دل سے مدرک ہو تو محبوب دلی ہوگا اور اس کی مثال انبیاء اور علماء اور مکارم اخلاق والوں کی

محبت ہے کہ یہ محبت تو ہوتی ہے۔ مگر چہرہ ان محبوبوں کا اور دوسرے اعضاء غائب ہیں اور صورت باطنی کے حسن سے مراد یہی ہے اور حس اس صورت کو ادراک نہیں کرتی ہاں جو آثار کہ اس صورت باطنی سے صادر ہوتے ہیں اور اس پر دال ہوتے ہیں ان کو ادراک کرتی ہے۔ یہاں تک کہ جب دلالت قلب کی اس پر ہوتی ہے تو قلب اس کی طرف میل و محبت کرتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی محبت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا صدیق اکبرؓ یا امام شافعیؒ سے کرتا ہے تو یہی وجہ ہے کہ کوئی امر ان کا اس کو اچھا معلوم ہوا ہے۔ اور یہ بات نہ ان کے حسن صورت سے ہے نہ حسن افعال سے بلکہ حسن افعال اس بات پر دال ہیں کہ جو صفات کہ مصدر ان افعال کے ہیں، اور افعال انہیں سے صادر ہوا کرتے ہیں وہ اچھے ہیں۔ جیسے کوئی شخص مصنف کی تصنیف کی خوبی یا کسی شاعر کے شعر کا حسن بلکہ کسی نقاش یا معمار کے نقش دنیا کی عمدگی دیکھے تو اس کو ان افعال سے اس کے صفات جمیلہ باطنی منکشف ہوں گے جن کا حاصل انجام کو علم و قدرت کی طرف رجوع کرتا ہے۔ پھر جس قدر کہ معلوم اشرف اور جمال میں کامل تر اور اعظم ہوگا۔ اسی قدر علم بھی اشرف اور اجمل ہوگا اور جس قدر قدرت کی چیز رتبہ اور منزلت میں بڑی ہوگی۔ اسی قدر قدرت بھی رتبہ اور قدر میں اشرف اور اجل ہوگی اور ظاہر ہے کہ سب معلومات میں بزرگتر خدائے تعالیٰ ہے تو ضرور ہے کہ علوم میں عمدہ تر اور اشرف خدائے تعالیٰ کی معرفت ہوگی۔ ایسا ہی جو اس کے قریب اور مختص ہے۔ پس جس قدر کوئی چیز متعلق معرفت سے ہوگی اسی قدر اس کو شرف ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ صفات صدیقین کا جمال جن کو کہ دل طبعاً چاہتے ہیں تین امور کی طرف راجع ہے۔ اوّل ان کا علم اللہ تعالیٰ اور فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں اور انبیاء کی شریعتوں پر، دوسرے خود اپنے نفسوں اور اللہ کے بندوں کی صلاح کی قدرت پر کہ ارشاد و سیاست سے کرتے ہیں۔ تیسرے ان کا پاک ہونا رذائل اور خبائث اور شہوات غالبہ سے جو راہ خیر سے ہٹاتے ہیں اور بدی کی طرف بلاتے ہیں اور انہیں جیسی باتوں کے باعث انبیاء اور علماء اور خلفاء اور وہ سلاطین جو اہل کرم اور صاحب عدل ہیں لوگوں کو محبوب ہیں۔ پس ان تینوں امروں کو خدائے تعالیٰ کی صفات کی بہ نسبت دیکھنا چاہیئے، علم کا حال تو یہ ہے کہ اگر تمام اوّلین و آخرین کے علم کو اکٹھا کرو تو خداوند کریم کے علم سے کچھ بھی نسبت نہیں، اس کا علم تمام اشیاء پر ایسا محیط ہے کہ جس کی صفت خود ارشاد فرماتا ہے لا یعزب عنه مثقال ذرة فی السموٰت ولا فی الارض[1] اور تمام مخلوق کو ارشاد ہے وما اوتیتم من العلم الا قلیلاً[2] ۔ بلکہ اگر تمام اہل زمین و آسمان جمع ہو کر دریافت کیا چاہیں کہ مثلاً چیونٹی اور مچھر کے پیدا کرنے میں اس نے کیا حکمت رکھی ہے، تو اس کے سوویں حصے پر بھی واقف نہ ہوں گے اور نہ اس کے علم سے کچھ آگاہ ہوں گے۔ بجز اس مقدار کے جو اس کو منظور ہو اور جس قدر قلیل تمام

ت۔۱ غائب نہیں ہو سکتا اس سے کچھ ذرہ بھر آسمان میں اور نہ زمین میں ۱۲

ت۔۲ اور تم کو خبر دی ہے تھوڑی سی ۱۲

خلقت کو معلوم ہے وہ بھی اسکی تعلیم سے ہے۔ جیسا خود فرماتا ہے خلق الانسان علمه البیان[1] پس اگر علم کا جمال اور شرف امر محبوب ہے اور بذاتِ خود اپنے موصوف کے لیے زینت اور کمال ہے تو اس نظر سے خدائے تعالیٰ کے سوا اور کوئی محبوب نہ ہونا چاہیئے۔ اس لیے کہ علماء کے علوم اس کے علم کے مقابل جہل ہیں پس اگر کوئی شخص اپنے زمانے کے عالم تر کو بھی جانتے اور جاہل تر کو بھی تو نہیں ہو سکتا کہ علم کے سبب اجہل کو تو محبوب جانے اور اعلم کو چھوڑ دے گو اجہل بھی اپنی معیشت کا علم رکھتا ہو۔ اور بندوں کے علم اور خدائے تعالےٰ کے علم میں جو فرق ہے وہ اس سے زائد ہے۔ جو ان دونوں شخصوں کے علوم میں ہے اس واسطے کہ اہلِ زمانہ جہل پر جو زیادتی رکھتا ہے۔ وہ علومِ متناہی سے رکھتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اگر اجہل بھی محنت کرے تو ان کو سیکھ لے اور زیادتی خدائے تعالیٰ کے علم کی خلائق کے علوم پر بے انتہا ہے۔ کیونکہ اس کی معلومات بے نہایت ہیں جن کی شان یہ ہے۔ ع

دو کونش یکے قطرہ در بحر علم

اور خلق کی معلومات محدود ہیں پس محدود اور لاانتہا میں کچھ بھی نسبت نہیں اور صفت قدرت کو دیکھو تو وہ بھی کمال ہے اور عاجزی نقصان کی چیز ہے اور ہر ایک کمال اور عظمت اور بہادری اور غلبہ اور استیلا محبوب ہے اور اس کا ادراک لذیذ۔ یہاں تک کہ انسان حکایتوں میں شجاعت حضرت علیؓ، اور حضرت خالدؓ اور شجاعوں کی سن کر اور ان کی قدرت اور استیلاء اقران و امثال پر معلوم کر کے دل میں حرکت اور خوشی اور راحت ضرور ہی پائے گا۔ صرف سننے کی لذت سے اس قدر خوشی ہوتی ہے۔ دیکھنے کا تو کیا ذکر ہے۔ اور یہ صفت کمال موجب محبت کی دل میں ہوتی ہے کہ جو کوئی شخص موصوف اس صفت سے ہو اس کو محبوب جانتے۔ پس اب تمام خلق کی قدرت کو خدائے تعالیٰ کی قدرت کے مقابل کرنا چاہیئے جو قوت میں سب سے زیادہ ہو اور ملک بھی نہایت واسع رکھتا ہو اور شہوات کو سب سے زیادہ دبائے اور خباثت نفس کی بیخ کنی اوروں سے زیادہ بجا لائے اور خود اپنے نفس کی سیاست، دوسروں کی سیاست کا بھی جامع، ایسے شخص کی قدرت انتہا درجہ کی یہ ہوا کرتی ہے کہ اپنے نفس کی بعض صفات پر اور آدمیوں سے چند لوگوں پر بعض امور میں قادر ہوا کرتا ہے اور بایں ہمہ اپنے نفس کے واسطے نہ موت کا مالک ہوتا ہے نہ حیات اور پھر اٹھنے کا نہ کسی طرح کے ضرر اور فائدے کا بلکہ اپنی آنکھ کی حفاظت اندھے ہونے سے اور زبان کی گونگا ہونے سے اور کان کی بہرہ ہونے سے اور بدن کی بیماری سے بھی نہیں کر سکتا اور جتنی چیزیں کہ اس کے بس میں نہیں اور اس کا نفس اس سے اپنے لیے اور غیر کے لیے عاجز ہے ان کے شمار کی کچھ حاجت نہیں، یہ حال تو ان اشیاء میں ہے جو متعلق اس کی قدرت کے ہیں اور جو چیزیں اس کی قدرت کے متعلق ہی نہیں جیسے آسمانوں کے ملکوت اور ستارے اور زمین اور اس کے پہاڑ اور سمندر اور ہوائیں اور بجلیاں اور معدنیات اور نباتات اور حیوانات اور دیگر اجزا تو ان کے ایک ذرہ پر بھی قادر نہیں اور اپنے نفس پر اور غیر پر جو قدرت رکھتا ہے وہ بھی اس کے نفس کی طرف سے نہیں نہ اس کے نفس کے ساتھ قائم بلکہ خدائے تعالیٰ اس کا اور اس

[1] بنایا آدمی پھر سکھلائی اس کو بات ۱۲

کی قدرت و اسباب سب کا پیدا کرنے والا ہے جس نے ان کو قادر کر رکھا ہے اگر وہ ایک مچھر کو بڑے سے بڑے بادشاہ اور سب سے بڑے زبردست پر حیوانات میں سے مسلط کر دے تو مچھر ہلاک کر دے۔ غرض کہ بندے کو قدرت بدون عنایت مولیٰ کے نہیں جیسا کہ خود روئے زمین کے سب سے بڑے بادشاہ ذوالقرنین کے باب میں ارشاد فرماتا ہے، انا مکنا لہ فی الارض[1] اس سے معلوم ہوا کہ تمام ملک و سلطنت صرف خدائے تعالیٰ کے قادر کرنے سے ان کو ملی تھی کہ ایک جزو پر زمین کے مالک کر دیا تھا اور زمین تمامہا تمام اجسام کی نسبت کہ ایک ڈھیلا ہے اور جو ولائتیں کہ جن سے آدمی بہرہ مند ہوتا ہے وہ سب مل کر اس ڈھیلے کی نسبت کہ ایک کنکر ہیں اور وہ بھی خدائے تعالیٰ کے فضل اور قدرت سے تصرف انسانی میں آتی ہیں اس صورت میں محال ہے کہ کوئی بندہ بندگان الٰہی سے اس جہت سے محبوب جانا جائے کہ وہ قدرت اور سیاست اور استیلاء و تصرف اور کمال قدرت رکھتا ہے اور خدائے تعالیٰ سے یہ محبت نہ ہو۔ حالانکہ حول و قوت اس کے سوا کسی کو نہیں وہی جبار و قہار اور دانا اور قادر ہے۔ آسمان اس کے اختیار میں ہیں اور زمین اور اس کی چیزیں اس کے قبضے میں، تمام مخلوقات اسی کے پنجۂ قدرت میں ہے اگر سب کے سب کو ہلاک کر دے تو اس کی سلطنت اور ملک میں سے کوئی ذرہ کم نہیں ہوتا اور اگر ان جیسے لاکھوں پیدا کرے تو پیدائش سے عاجزی اور ماندگی اور اختراع میں کاہلی نہیں آتی، اس صورت میں جو قدرت اور قادر ہے وہ اسی کے آثارِ قدرت میں سے ایک اثر ہے۔ تو عظمت اور جلال اور کبریائی اور قہر اور استیلاء سب اسی کو شایاں ہے پس اگر ممکن ہو کہ محبت کسی سے کمال قدرت کی جہت سے کی جائے تو ایسی محبت کا مستحق بھی سوائے خدائے تعالیٰ قادر مطلق کے اور کوئی نہیں ہو سکتا اور صفت عیبوں سے منزہ ہونے کی اور رزائل اور خباثت سے پاک ہونے کی جو موجبات محبت میں سے اور مقتضیات حسن و جمال میں سے ہے اور باطنی صورتوں میں ہوا کرتی ہے۔ اگرچہ انبیاء اور صدیقین بھی عیوب اور نقصانوں سے بری تھے مگر کمال تنزہ اور تقدس بجز واحد قدوس ذوالجلال والاکرام کے اور کسی میں نہیں پایا جاتا۔ مخلوق ایسی کوئی نہیں جس میں کوئی نقصان نہ ہو بلکہ اگر دیکھو تو مخلوق ہونا اور عاجز اور مسخر اور مجبور ہونا عین نقصان ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کمال جس کا نام ہے وہ خدائے واحد کے لیے ہے غیر کو اتنا ہی کمال ہے جتنا اس نے عطا فرمایا اور یہ ہو نہیں سکتا کہ دوسرے کو منتہائے کمال عنایت ہو اس لیے کہ انتہائے کمال کا اقل درجہ یہ ہے کہ بندہ مسخر اور قائم بالغیر نہ ہو اور یہ بات سوائے خدائے تعالیٰ کی ذات کے اور میں ہوتی محال ہے پس کمال کے درجات میں یکتا اور عیوب اور نقصانوں سے مبرا اسی کی ذات ہے اور بیان کرنا تقدس اور تنزہ کی وجہوں کا خدائے تعالیٰ کے لیے بہت طویل ہے اور علوم مکاشفہ کے اسرار میں سے ہے اس لیے ہم اس کو ذکر نہیں کرتے۔ خلاصہ یہ کہ اگر صفت تقدس اور تنزہ بھی کمال و جمال محبوب ہو تو اس کی حقیقت بھی بجز خدائے تعالیٰ کے اور کسی کے لیے نہیں ہے اور اگر کسی میں

---

[1] ہم نے اس کو جما دیا تھا ملک میں ۱۲

تنزہ ہے تو وہ اوروں کی نسبت ہے مثلاً گھوڑا بہ نسبت گدھے کے کامل ہے اور انسان گھوڑے کی نسبت کم نقصان کم رکھتا ہے مگر چاہیئے کہ کسی میں نقصان نہ ہو یہ بات نہیں بلکہ اصل نقصان سب میں ہے فرق صرف درجات نقصان میں ہے کہ بعضوں میں کم اور بعضوں میں زیادہ ہے حاصل یہ کہ جمیل محبوب ہوتا ہے اور جمیل مطلق وہ یگانہ ہے کہ جس کا کوئی مثل نہیں اور فرد ہے کہ جس کی کوئی ضد نہیں وہ ایسا پاک ہے کہ اس کا کوئی مزاحم نہیں اور ایسا غنی کہ اس کو کسی کی حاجت نہیں۔ ایسا قادر کہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے اور جیسا چاہے ویسا حکم دے نہ کوئی اس کے حکم کو ٹالے نہ اس کی قضا کو کوئی پیچھے ڈالے۔ عالم اس طرح کہ ذرہ بھر چیز آسمان و زمین کی اس کے علم سے باہر نہیں۔ قاہر ایسا کہ اس کے قبضۂ قدرت سے جابروں کی گردنیں نہیں نکلتیں نہ ملوک و سلاطین اس کی گرفت اور سطوت سے سرک سکیں، ازلی ایسا کہ اس کے وجود کی ابتداء نہیں۔ اور ابدی ایسا کہ اس کی بقا کی انتہا نہیں، اپنی ذات میں ایسا ضروری کہ عدم کا تصور اس کی جناب سے کوسوں دور اور ایسا قیوم کہ خود قائم اور دوسری چیزوں کا اسی سے قیام اور ظہور آسمانوں اور زمین کا جبار وہی ہے اور جمادات اور حیوانات و نباتات کا خالق وہی عزت و جبروت میں یگانہ اور ملک و ملکوت میں یکتا زمانہ فضل اور جلال اور کبریا و جمال اور قدرت و کمال سب اسی کے لیے ہیں، جس کے جلال کی معرفت میں عقلیں حیران اور اس کے وصف میں زبانیں سرگرداں ہیں۔ عارفین کا کمال معرفت یہی ہے کہ اس کی معرفت سے عاجزی کا اقرار کریں اور منتہائے نبوتِ انبیا یہی ہے کہ اس کے وصف سے قصور کا اعتراف کریں۔ چنانچہ سید انبیا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا[ع۱] لا احصی ثناء علیك انت کما اثنیت علی نفسك اور سید الصدیق حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ العجز عن درك الادراك ادراك[ع۲] سبحان اللہ کیا ذات اقدس ہے کہ اپنے پہچاننے کا کوئی طریق سوا عاجزی کے مقرر نہیں فرمایا۔ شعر

خضوع و بندگی و اضطرار اندران حضرت ندارد اعتبار

اب ہم کو معلوم نہیں کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ سے محبت حقیقی نہیں ہو سکتی مجازاً ہو سکتی وہ کیا ان اوصاف کو اوصاف جمال اور محامد کمال نہیں جانتے یا خدائے تعالیٰ کو ان اوصاف سے موصوف نہیں سمجھتے یا کمال اور عظمت کو طبعاً محبوب ہونا نہیں تصور کرتے۔ سچ ہے کہ شعر

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

یہ بھی خدائے تعالیٰ کی غیرت جمال اور جلال ہے کہ اندھوں کی آنکھ سے در پردہ رہتا ہے اور بجز ان لوگوں کے جن کے لیے ازل سے خوبی لکھی گئی اور آتش حجاب سے دور ہیں، اوروں پر اپنی تجلی نہیں فرماتا۔ وہ بیچارے ظلمات نابینائی میں حیران ہیں اور وسعت آباد محسوسات اور شہوات بہائم میں پریشان ظاہر کی زندگی دنیاوی ہی کو جانتے

ع اصل میں لفظ گونگے کا ہے ۱۲ ع۱ نہیں پوری کرتا ہوں میں تعریف تجھ پر تو ایسا ہے جیسا تو اپنے نفس کی تعریف کرے۔ یہ حدیث پہلے گذری ع۲ ادراک کے معلوم کرنے سے عاجز ہونا ہی ادراک ہے ۱۲

ہیں اور آخرت سے غافل ہیں افسوس کہ یہ لوگ کچھ نہیں جانتے اور محبت اس سبب سے بہ نسبت احسان کے قوی تر ہوتی ہے کہ احسان کم و بیش ہوا کرتا ہے اور بہیں لحاظ خدائے تعالے نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ محبوب تر محبوبوں کا میرے نزدیک وہ ہے جو میری عبادت بدوں عطا کے کرے لیکن ربوبیت اپنا حق ادا ضرور کرتی ہے اور زبور میں ہے کہ اس شخص سے ظالم تر کوئی نہیں جو جنت یا دوزخ کے سبب میری پرستش کرے۔ اگر میں جنت یا دوزخ کو پیدا نہ کرتا تو کیا اسباب کے شایاں نہ تھا کہ کوئی میری اطاعت کرے اور حضرت عیسیٰ کا گذر عابدین کی جماعت پر ہوا جو لاغر ہو رہے تھے اور انہوں نے عرض کیا کہ ہم دوزخ سے خوف رکھتے ہیں اور جنت کی طمع۔ آپ نے ان کو فرمایا کہ تم مخلوق ہی سے ڈرتے ہو اور مخلوق ہی کے متوقع ہو۔ اور ایک اور لوگوں پر جو گذر ہوا وہ بھی دبلے تھے انہوں نے عرض کیا کہ ہم خدا کی عبادت اس کی محبت اور تعظیم کے لیے کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم واقع میں اللہ کے ولی ہو مجھ کو تمہیں لوگوں میں رہنے کا حکم ہے۔ اور حضرت ابو حازمؒ فرماتے ہیں کہ مجھے شرم آتی ہے کہ خدا کی عبادت ثواب یا عذاب کے مارے کروں اور بد ذات غلام کے موافق بنوں کہ اگر ڈر نہ ہو تو کام نہ کرے یا شریر مزدور جیسا ہو جاؤں کہ اگر مزدوری نہ دی جائے تو کچھ نہ کرے اور یہ مضمون حدیث[ح] شریف میں بھی ہے کہ تم میں سے کوئی ایسا نہ ہو جیسے بُرا مزدور کہ اگر اجرت نہ پائے تو کام نہ کرے اور ایسا نہ ہو جیسا بُرا غلام کہ خوف نہ ہو تو کام نہ کرے۔ باقی رہا پانچواں سبب محبت کا یعنی مناسبت اور ہم شکل ہونا پس اس کو بھی محبت میں دخل ہے۔ اس لیے کہ جو چیز جس کے مشابہ ہوتی ہے وہ اسی کی طرف کھینچتی ہے دیکھو اسی باعث سے لڑکا لڑکے سے الفت کرتا ہے اور بڑا بڑے سے اور ہر جانور اپنے جنس سے اور جو اپنی قسم کا نہیں ہوتا اس سے نفرت کرتا ہے۔ عالم کو عالم سے زیادہ انس ہوتا ہے۔ حرفہ والے سے اتنا نہیں ہوتا۔ تاجروں کو تاجروں سے زیادہ الفت ہوتی ہے کہ اتنی کسانوں سے نہیں ہوتی۔ اور یہ ایک ایسی بات ہے کہ تجربہ اس کا شاہد ہے اور اخبار و آثار سے بھی کچھ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کا بیان ہم باب آداب صحبت میں لکھ چکے ہیں جہاں خدا کی راہ میں بھائی چارہ کا ذکر ہے جس کا دل چاہے وہاں دیکھ لے اور جب مناسبت سبب محبت کا ٹھہری تو اب معلوم کرنا چاہیے کہ مناسبت کبھی تو ظاہر کی بات میں ہوتی ہے جیسے لڑکے کی مناسبت لڑکے سے کہ لڑکپن میں دونوں کو مناسبت ہے کبھی کسی خفیہ امر میں مناسبت ہوتی ہے کہ اس پر اوروں کو وقوف نہیں ہوتا۔ جیسے دو شخصوں میں اتفاقاً اتحاد ہو جاتا ہے کہ نہ انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا ہوتا ہے نہ کچھ مال کی طمع وغیرہ ہوتی ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ[ل] الارواح جنود مجندۃ فما تعارف منہا ائتلف وما تناکر منہا اختلف اس حدیث میں تعارف سے غرض تناسب ہے اور تناکر سے غیر تناسب۔ حاصل یہ کہ یہ سبب بھی

ح۔ اس کی اصل مجھے نہیں ملی ۱۲ ل روحیں لشکر ہیں اکٹھی تو جو ان میں آشنا ہو جاتی ہیں باہم الفت کرتی ہیں اور جو ناآشنا ہوتی ہیں وہ جدا رہتی ہیں ۱۲ اوپر گذری۔

مقتضی خدائے تعالیٰ کی محبت کا ہے کہ بندے میں اور اس میں مناسبت باطنی ہوتی ہے نہ یہ کہ صورت و شکل ایک سی ہو بلکہ وہ مناسبت ایسے امور باطنی میں ہوتی ہے کہ بعض ان میں سے کتابوں میں لکھے جا سکتے ہیں اور بعض ممکن نہیں کہ لکھے جا سکیں بلکہ ان کو پردۂ غیرت ہی میں مخفی رہنے دینا ٹھیک ہے تاکہ سالکان طریق معرفت جب شرط سلوک پوری کر چکیں تو خود ان امور پر مطلع ہو جائیں۔ پس جو مناسبت قابل لکھنے کے ہے وہ یہ ہے کہ بندے کا قرب خدائے تعالیٰ سے ان صفات میں ہو جن کے لیے اقتداء کا حکم ہے اس طرح کہ تخلقوا[1] باخلاق اللہ اور امر اسی طرح ہے کہ محامد صفات جو اوصاف الٰہی میں سے ہیں ان کو حاصل کیا جائے مثلاً علم اور نیکی اور احسان اور لطف اور دوسروں کو خیر کا پہنچانا اور خلق پر رحم کرنا اور ان کو نصیحت کرنا اور حق بات کی ہدایت کرنی اور باطل سے منع کرنا وغیرہ مکارم شرعی سیکھنے کہ ہر ایک ان میں سے بندے کو قرب الٰہی سے بہرہ ور کرتی ہے نہ اس اعتبار سے کہ قرب مکانی ہو بلکہ قرب صفات کی رو سے ہو جاتا ہے اور جس مناسبت کا ذکر کرنا جائز نہیں اور کتابوں میں نہیں لکھی جا سکتی وہ ہی مناسبت خاص ہے کہ جو صرف آدمی میں پائی جاتی ہے اور اسی کی طرف اشارہ ہے اس قول خداوندی میں ویسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی[2] اس میں بیان فرمایا کہ روح امر ربانی ہے خلق کی عقل کی حد سے خارج ہے اور اس سے واضح تر دوسری آیت ہے[3] فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی اور اسی وجہ سے اس کو فرشتوں سے سجدہ کرایا اور اسی کی طرف اشارہ ہے اس آیت میں انا جعلنٰک[4] .... خلیفۃ فی الارض اس لیے کہ آدمی مستحق خلافت الٰہی کا صرف اسی مناسبت سے ہوا ہے اور اسی کی طرف رمز ہے اس حدیث شریف میں[5] ان اللہ خلق ادم علی صورتہ اس سے کوتاہ اندیشوں نے گمان کر لیا کہ صورت تو نام اسی شکل کا ہے جو ظاہری اور مدرک بالحواس ہو اسی لیے خدا کو دوسری اشیاء سے تشبیہ دی اور جسم اور صورت گھڑ لیے۔ معاذ اللہ منہا اور اسی مناسبت کی طرف اشارہ ہے اس حدیث قدسی میں کہ جناب احدیت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ارشاد فرمایا کہ میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت نہ کی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ الٰہی یہ کیسے ہو سکتا ہے حکم ہوا کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا تو نے اس کی عیادت نہ کی اگر تو اس کی .... بیمار پرسی کرتا تو مجھ کو اس کے پاس پاتا اور یہ مناسبت جب ظاہر ہوتی ہے جب فرضوں پر قائم ہو کر آدمی نوافل پر مواظبت کرے جیسا کہ حدیث قدسی میں مذکور ہے لا یزال العبد یتقرب الی بالنوافل حتی احبہ فاذا احببتہ کنت[6]

ح[1] اختیار کرو اللہ کے سے اخلاق ف[2] اور تجھ سے پوچھتے ہیں روح کو تو کہہ کہ روح ہے میرے رب کے حکم سے ۱۲ ف[3] پھر جب ٹھیک بنا چکوں اور پھونکوں اس میں ایک اپنی جان ۱۲ ف[4] ہم نے کیا تجھ کو نائب ملک میں ۱۲ ح[5] اللہ تعالےٰ نے پیدا کیا آدم کو اپنی صورت پر ۱۲ اس کی سند پہلے گذری ۱۲ ح[6] بندہ ہمیشہ نوافل سے میرا تقرب کرتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو دوست رکھتا ہوں اور جب دوست رکھتا ہوں ہو جاتا ہوں اس کا کان جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کی زبان جس سے بولتا ہے ۱۲ بخاری بروایت ابوہریرہؓ ۱۲

سمعه یسمع به وبصره الذی یبصر به ولسانه الذی ینطق به .... اور یہ مقام ایسا ہے کہ شبدیز قلم کی باگ کو یہاں روکنا واجب ہے اس لیے کہ لوگ اسباب سے بہت متفرق ہو گئے ہیں۔ بعضے کوتاہ فہم تو تشبیہ ظاہر کی طرف جھک پڑے اور بعضے مسرف غالی مناسبت سے بھی بڑھ گئے اور اتحاد کے قائل ہوتے کہ خدائے تعالیٰ بندے میں حلول کر جاتا ہے یہاں تک کہ بعضوں نے انا الحق زبان سے نکالا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے باب میں نصاریٰ بھٹک گئے کہ ان کو خدا کہنے لگے۔ کچھ لوگوں نے یہ کہا کہ عالم ناسوت نے لباس ناہوت در بر کیا اور بعض اس بات کے قائل ہوئے کہ ناسوت اور لاہوت متحد ہیں مگر جن لوگوں پر کہ تشبیہ و تمثیل کا محال ہونا اور اتحاد اور حلول کا ممتنع ہونا منکشف ہو گیا ہے اور باوجود اس کے امر واقعی اور سر حقیقی بھی جانتے ہیں تو ایسے لوگ کم ہیں اور شاید حضرت ابوالحسن نوریؒ اسی مقام کو تاکا کرتے تھے کہ ان کو ایک شعر سے وجد غالب ہو گیا جس کا ترجمہ یہ ہے۔ شعر

مزار عشق بہر دوم بمر تے ست نزول　　کزاں نزدل ہمہ حیرت اند جملہ عقول

اس شعر سے آپ کو اتنا وجد ہوا کہ اسی حال میں برابر جنگل نیستان میں دوڑتے پھرتے تھے نے تو کٹ گئی تھی مگر اس کی جڑیں باقی تھیں ان سے آپ کے پاؤں چر گئے اور ورم کر آئے اور اسی میں آپ کا وصال ہوا۔ غرضکہ مناسبت بھی اسباب محبت میں سے بہت بڑا سبب ہے اور سب سے زیادہ قوی اور عمدہ اور بعید تر ہے اور اس کا وجود بہت کم تر ہے۔ پس ان پانچوں اسباب کو دیکھو تو خدائے تعالیٰ میں حقیقۃً جمع ہیں اور سب کے سب اعلیٰ درجات میں ہیں نہ ادنیٰ میں، اس صورت میں ارباب بصیرت کے نزدیک قابل پذیرائی صرف محبت الٰہی ہی ہو سکتی ہے۔ جیسے کہ اندھوں کے نزدیک غیر اللہ ہی کی محبت کا وجود ہے۔ پھر خلق میں اگر کوئی شخص ان میں کے ایک سبب کی جہت سے بھی محبوب ہوتا ہے تو ہو سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرا بھی اس سبب میں شریک ہو تو وہ بھی محبوب ہو اور شرکت محبت کے باب میں نقصان ہے اور محبوب کے کمال سے اعراض، اور کوئی وصف محبوب اس طرح کا نہیں کہ جس میں کوئی شخص یکتا ہو اور اس کا شریک نہ پایا جائے اور اگر بالفرض ایسا ہو بھی تو اس کے لیے شریک کا پایا جانا خالی مکان سے نہیں۔ مگر خداوند کریم جو ان صفات کے ساتھ موصوف ہے جو نہایت درجے کی جلال اور جمال کی ہیں اس کا شریک ان میں نہ تو کوئی بالفعل ہے اور نہ آگے کو ممکن، اس سے معلوم ہوا کہ اس کی محبت میں شرکت نہیں ہو سکتی۔ اس جہت سے اس کی محبت میں نقصان کو بھی دخل نہیں ہو سکتا، جیسے کہ شرکت کو ان کی صفات میں راہ نہیں۔ اب ثابت ہوا کہ اصل محبت اور کمال محبت کا مستحق وہی ہے کہ جس میں ہرگز دوسرے کو شرکت نہیں۔

معرفت الٰہی

جاننا چاہیے کہ لذتیں تابع ادراکات کی ہیں اور انسان بہت سی قوتوں اور طبیعتوں کا جامع ہے اور ہر ایک قوت و طبیعت کے لیے ایک لذت جداگانہ ہے یعنی حصول مقتضائے طبع کا جس کے لیے ہر ایک قوت مخلوق ہے اس کی

لذت کہلاتا ہے اس لیے کہ انسان میں یہ قویٰ بے فائدہ تو پیدا ہی نہیں ہوئے۔ ہر ایک قوت و طبیعت ایک ایسے امر کے لیے بنی ہے جو اس کا مقتضائے طبع ہے۔ مثلاً طبیعت غضب تشفی اور انتقام کے لیے پیدا ہوتی ہے تو ضرور ہے کہ اس کی لذت غلبہ اور انتقام ہی سے ہو جو اس کے مقتضائے طبع ہے اور قوت خواہش طعام تحصیل غذا کے لیے مخلوق ہوئی ہے جس سے کہ بقائے وجود ہو تو اس کی لذت اس غذا کے ملنے میں ہوگی جو اس کے مقتضائے طبع ہے۔ اسی طرح لذت سننے اور دیکھنے اور سونگھنے کی ایسی ہی چیزوں سے ہوگی جو ان کے مقتضائے طبع ہوں۔ بس ان قویٰ میں کوئی قوت ایسی نہیں کہ جس کو اپنے مدرکات سے رنج اور لذت نہ ہوتی ہو، اسی طرح دل میں ایک قوت ہے جس کو نورِ الٰہی کہتے ہیں جس کے باب میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے اَفَمَن شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ فَھُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہٖ اور اس کو عقل اور بصیرتِ باطنی اور نورِ ایمان اور نورِ یقین بھی کہتے ہیں اور اس کے ناموں میں مشغول ہونے سے کچھ غرض نہیں کہ ہر ایک کی جدا جدا اصطلاح ہے اور کم عقل یہ گمان کرتے ہیں کہ الفاظ کے اختلاف سے معنی میں اختلاف ہے اس لیے کہ وہ لوگ الفاظ ہی سے معنی نکالنے کے پابند ہیں۔ حالانکہ یہ بات امر واجبی کے برعکس ہے۔ بہر حال دل میں ایک ایسی صفت ہے جس سے کہ اس کو تمام بدن سے تمیز ہے اسی صفت سے دل ان باتوں کو دریافت کرتا ہے جو نہ متخیل ہیں نہ محسوس۔ مثلاً عالم پیدا ہونا یا اس کا محتاج ہونا ایک خالق مدبر حکیم و قدیم کی طرف جو صفاتِ الٰہیہ کے ساتھ موصوف ہو اور ہم اس صفت قلبی کا نام عقل رکھتے ہیں بشرطیکہ کوئی شخص عقل سے وہ قوت نہ سمجھے جس سے کہ ادراک طریقہ مجادلہ اور مناظرہ کا ہوتا ہے کیونکہ بالفعل عقل انہیں معنوں میں مشہور ہے اور اسی وجہ سے بعض صوفیہ نے عقل کو برا کہا ہے ورنہ جو صفت انسانی کہ اس کے باعث بہائم سے متمیز ہو اور معرفتِ الٰہی کو اس سے دریافت کرے وہ تو بڑی عمدہ صفت ہے اس کو تو برا کہنا ہی نہ چاہیئے اور یہ قوت اسی لیے پیدا ہوتی ہے کہ اس کے باعث سب امور کی حقیقت معلوم ہو تو اس کا مقتضائے طبع معرفت اور علم ہے اور یہی اس کی لذت ہے جیسے اور قویٰ مقتضائے طبع ان کے حق میں لذت ہے، اور اس بات میں بھی کچھ شک نہیں کہ علم و معرفت میں لذت ضرور ہے یہاں تک کہ اگر کوئی شخص کسی ادنیٰ سی چیز کا عالم اور عارف کہلاتا ہے وہ خوش ہوتا ہے اور جو جہل کی طرف منسوب کیا جاتا ہے گو کسی امر حقیر ہی میں ہو تو ناخوش ہوتا ہے۔ دیکھو آدمی اگر کوئی حقیر چیز ہی جانتا ہو تو اس سے فخر اور بڑائی کرنے میں صبر نہیں کرتا۔ مثلاً جو شطرنج کھیلنا جانتا ہے اور یہ ادنیٰ بات ہے مگر باوجود اس کی خست کے اس کی تعلیم سے چپ نہیں رہتا اور جو کچھ جانتا ہوتا ہے اس پر زبان چل ہی جاتی ہے اور یہ اسی لیے ہے کہ لذت اس کے جاننے کی بہت ہوتی ہے اور اس کے علم کو اپنی ذات کا کمال سمجھتا ہے اور وجہ یہ ہے کہ علم سب صفاتِ ربوبیت میں سے اخص ہے اور منتہائے کمال ہے اور اس لیے جب کسی شخص کی تعریف ذکا اور کثرت علم کی کیجاتی

ت ا بھلا جس کا سینہ کھول دیا اللہ نے مسلمانی پر سو وہ اجالے میں ہے اپنے رب کی طرف سے ۱۲

ہے تو طبیعت کو راحت ہوتی ہے۔ کیونکہ ثنا کے سننے سے اپنے علم اور ذات کے کمال کا وقوف ہوتا ہے اسی لیے عجب کرتا ہے اور لذت پاتا ہے۔ پھر علم زراعت اور درخت کی اتنی لذت نہیں جتنی سیاست ملک و تدبیر سلطنت اور امور خلق کے جاننے کی ہے ورنہ لذت علم نہ ہو اور شعر کی ایسی ہے جیسے خدائے تعالیٰ اور اس کے فرشتوں اور امیرار آسمان و زمین کے علم کی ہے بلکہ اصل یہ ہے کہ لذت علم کی بقدر شرف علم کے ہوتی ہے اور شرف علم بقدر شرف معلوم کے ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ جو شخص لوگوں کے باطن کے حالات دریافت کر کے لوگوں سے کہتا ہے اس میں بڑا مزہ پاتا ہے اور اگر معلوم نہیں ہوتے تو اس کی طبیعت چاہتی ہے کہ ان کو تلاش کرے۔ پھر اگر شہر کے رئیس کے دل کا حال اور اس کی ریاست کی تدبیر پر واقف ہو تو یہ امر اس کے نزدیک کسانوں اور نوربافوں وغیرہ غربا کے باطن کا حال معلوم ہونے کی نسبت کر زیادہ عمدہ اور لذیذ معلوم ہوگا اور اگر رئیس سے بڑھ کر وزیر کے حالات کا علم ہوگا اور اس کی تدابیر وزارت پر واقفیت ہو گی تو یہ رئیس کے اسرار جاننے کی نسبت کر اچھا جانے گا اور اگر بادشاہ کے باطن کا حال معلوم ہوگا جو وزیر سے بھی بڑھ کر ہے تو وزیر کے حالات سے بھی زیادہ تر اچھا معلوم ہوگا اور اس امر پر تعریف چاہنی اور حرص اور بحث بہت اچھی معلوم ہو گی اور یہی ذکر زیادہ محبوب ہوگا اس لیے کہ اس میں لذت زیادہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ معارف میں سے لذیذ تر وہ ہیں جو اشراف ہیں اور ان کا شرف بحسب معلوم کے شرف کے ہے۔ پس اگر معلومات میں کوئی چیز سب میں اشرف اور اعلیٰ اور اجل اور اکرم ہو تو ظاہر ہے کہ اس کا علم سب علوم سے بیشک لذیذ تر اور اشرف اور اطیب ہو گا۔ اب ہم کو کوئی بتائے کہ جس شخص نے سب اشیاء کو پیدا کیا اور تکمیل کی اور ان کو زینت دی اور نئے سر سے بنایا اور دوبارہ بھی بناوے گا اور ان کا مدبر اور منتظم وہی ہے اس سے زیادہ تر بڑھ کر کون سی چیز موجود ہے جو اشرف اور اعلیٰ اور اکمل اور اعظم ہو یا یہ ہو سکتا ہے کہ جناب احدیت کے سوا کوئی اور دربار اس طرح کا ہو کہ ملک اور کمال اور جمال اور جلال میں سب سے زیادہ ہو، وہی دربار ہے جس کے مبادی جلال اور عجائب احوال میں وصف واصفوں کا قاصر ہے۔ شعر

صانعے کز کمال عز و جلال در ثنائش زبان ناطقہ لال

پس اگر تم کو ان امور میں شک نہیں تو اس بات میں بھی شک نہیں کرنا چاہیئے کہ اسرار ربوبیت اور انتظام امور الٰہیہ پر واقف ہونا جو محیط تمام موجودات پر ہیں اقسام معارف میں سب سے بڑھ کر ہے اور معارف کی نسبت کر لذیذ اور عمدہ اور اشرف ہے۔ یہی واقفیت ایسی ہے کہ جب نفس کو ہو جائے تو اپنا کمال اور جمال سمجھنا اس کو زیبا ہے اور اس سے خوش ہونا اور راحت پانا بجا۔ اس بیان سے معلوم ہوا کہ علم لذیذ ہے اور کل علوم میں لذیذ تر خدائے تعالیٰ اور اس کے صفات اور افعال کا علم اور جو تدبیر کہ وہ اپنی مملکت میں عرش سے لیکر فرش تک کرتا رہتا ہے اس کا علم ہے۔ پس اس سے صاف سمجھنا چاہیئے کہ معرفت کی لذت اور لذتوں کی نسبت کر مثل لذت شہوت اور غضب اور تمام حواس کی لذتوں کے فائق تر ہے اس لیے کہ لذات میں اول تو نوع کا

اختلاف ہوتا ہے مثلاً لذت جماع اور ہے اور لذت سماع اور اور معرفت کی لذت اور ہے اور ریاست کی اور۔ دوسرے یہ کہ ان میں کمی بیشی کا اختلاف ہوتا ہے۔ جیسے جماع سے ایک شخص مجرد کامل الشہوت اور حریص کو لذت زیادہ ہوگی اور سست کو اس کی نسبت کم ہوگی۔ اسی طرح جو شخص نہایت درجے کا خوبصورت ہو اس کی طرف دیکھنے سے اور لذت ہوگی اور جو شخص جمال کم رکھتا ہو اس کی طرف دیکھنے سے اور ہوگی اور لذت کی قوت اور زیادتی کی پہچان یہ ہے کہ اس کے ہوتے دوسری لذت کو اختیار نہ کرے۔ مثلاً اگر کسی شخص کو اختیار دیا جائے کہ یا اچھی صورت تاکتا رہ یا خوشبو سونگھا کر اور وہ صورت اول پسند کرے تو معلوم ہوگا کہ اس کے نزدیک دیدار خوبصورت کا خوشبو کی نسبت کہ زیادہ لذیذ ہے۔ اسی طرح اگر کھانا موجود ہو اور وقت کھانے کا بھی ہو۔ اور شطرنج کھیلنے والا غذا کو ترک کر کے کھیل ہی میں مصروف رہے تو جانا جائے گا کہ شطرنج میں مات دینے کی لذت اس کے نزدیک غذا کی لذت سے بڑھ کر ہے۔ غرض کہ یہ علامت ایک سچی کسوٹی ہے اس سے لذتوں کی ترجیح خوب معلوم ہوتی ہے۔ اب ہم پھر اصل مقصود کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ لذات کی دو قسم ہیں ایک ظاہری جیسے حواس خمسہ کی لذات، دوسری باطنی جیسے ریاست اور غلبہ اور بزرگی اور علم وغیرہ کی لذات کی یہ لذت نہ آنکھ کو ہے نہ کان کو نہ ناک کو نہ ذائقہ اور لمس کو اور باطنی لذت بہ نسبت ظاہر لذات کے اہل کمال پر غالب تر ہوتے ہیں۔ مثلاً اگر کسی کو اختیار دیا جائے کہ حریرہ اور مرغ اور حلوا کی لذت اختیار کر یا ریاست اور غلبہ اور دشمنوں کا زیر کرنا پسند کر تو وہ شخص اگر پست ہمت مُردہ دل پیٹ کا کتا ہوگا تب گوشت اور حلوا اختیار کرے گا اور اگر بلند ہمت اور عقل کا پورا ہوگا تو ریاست پسند کرے گا اور بھوکا رہنا اور ضروری غذا سے بھی چند روز صبر کر لینا اس پر آسان ہوگا تو ریاست کو ترجیح دینے سے سمجھا جائے گا کہ لذت ریاست اس کے نزدیک عمدہ غذاؤں سے لذیذ تر ہے۔ ہاں جو ناقص کہ اس کے معانی باطنی ابھی پورے نہیں ہوئے جیسے لڑکا اور کم عقل جس کی قوت باطنی جاتی رہی ہو وہ کھانے کی چیزوں کی لذت کو ریاست کی لذت پر ترجیح دے گا۔ اور جیسے کہ اس شخص پر جو حالت لڑکپن اور کم عقلی سے بری ہو لذت ریاست اور کرامت غالب تر ہوتی ہے۔ اسی طرح لذت معرفت الٰہی اور مطالعہ جمال حضرت ربوبیت اور سیر اسرار امور الٰہی کی لذت ریاست کی نسبت کہ جو خلق پر مستولی ہے بہت زیادہ ہے اس لذت کو اس آیت سے تعبیر کرتے ہیں[1] لا تعلم نفس ما اُخفی لھم من قرۃ اعین اور ایسے لوگوں کے لیے وہ لذات ہیں کہ جو نہ آنکھوں دیکھے نہ کانوں سُنے نہ کسی بشر کے دل میں گزریں اور یہ لذت اسی کو معلوم ہوگی جو دونوں لذتوں کو چکھے پھر بیشک وہ تجرد اور تنہائی اور ذکر اور فکر اور بحر معرفت میں تیرنا پسند کریگا اور خلق کی ریاست کو حقیر جان کر ترک کرے گا کیونکہ اس کو معلوم ہے کہ یہ ریاست بھی جاتی رہے گی اور جس پر ریاست ہے وہ بھی نہ رہے گی اور اس میں طرح طرح کی کدورات ملی ہیں کہ ان سے خالی ہونا ممکن ہی نہیں۔

---

[1] سو کسی جی کو معلوم نہیں جو چھپا دھرا ہے ان کے واسطے جو ٹھنڈک ہے آنکھوں کی ۱۲

اور موت پر تو ضرور ہی اس کا خاتمہ ہو جاتے گا اور موت ضرور آتے گی مطابق مضمون اس آیت کے حتیٰ[1] اذا اخذت الارض زخرفھا وازینت وظن اھلھا انھم قادرون علیھا اتٰھا امرنا لیلا او نھارا فجعلنٰھا حصیدا کان لم تغن بالامس - پس ایسی لذت کی نسبت کر خدائے تعالیٰ کی معرفت اور اس کے صفات و افعال اور انتظام مملکت جو اعلیٰ علیین سے اسفل السافلین تک کر رکھا ہے اس کی سیر کی لذت کو بڑا جانے گا اس لیے کہ اس لذت میں کچھ مزاحمت اور کدورت نہیں جو کوئی اس کو دیکھا چاہے اس کے لیے واسع ہے۔ اگر اس کے پھیلاؤ کو دیکھے تو جہاں تک اندازہ ہو سکتا ہے آسمانوں اور زمین کا عرض کہہ سکتے ہیں مگر جب ان حدود سے بڑھیے تو اس کے پھیلاؤ کو کچھ نہایت نہیں حاصل یہ کہ عارف جو اس کا مطالعہ کرتا ہے وہ مدام اس جنت میں رہتا ہے جس کا عرض اور زمین کے برابر ہے اسی کے چمنوں میں گل گشت کرتا ہے اور میووں کو توڑتا ہے چشموں سے پانی پیتا ہے اور اس بات سے مامون رہتا ہے کہ یہ جاتی رہے گی کیونکہ اس جنت کے پھل ایسے نہیں کہ کبھی جاتے رہیں اور نہ کسی سے ان کی روک پھر اس پر دائمی اور سرمدی ہیں کہ موت کے باعث جاتے نہیں رہتے اس لیے کہ موت محل معرفت الٰہی کو فنا نہیں کرتی اور محل معرفت روح ہے جو امر ربانی اور آسمانی ہے موت صرف روح کے حالات اور اس کے کاموں اور عوائق کو تبدیل کرتی ہے اور اس کو حبس سے رہا کر دیتی ہے نیست ہرگز نہیں کرتی چنانچہ اللہ تعالےٰ اور ارشاد فرماتا ہے ولا[2] تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون فرحین بما اتٰھم اللہ من فضلہ ویستبشرون بالذین لم یلحقوا بھم من خلفھم الا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ط یہ نہ جاننا چاہیئے کہ یہ آیت اس شخص کے باب میں ہے جو معرکے میں مارا گیا ہو بلکہ عارف کو ہر ایک دم میں درجہ ہزار شہید کا ملتا ہے اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ شہید آخرت میں تمنا کرے گا کہ کسی طرح دنیا میں پھر جاؤں اور دوبارہ لڑائی میں مارا جاؤں اور اس تمنا کی وجہ یہ ہے کہ ثواب شہادت بہت بڑا ملے گا اور شہداء کو یہ تمنا ہو گی کہ کاش ہم علماء ہوتے اس وجہ سے کہ علماء کا درجہ بہت زیادہ دیکھیں گے - غرض کہ سب آسمان و زمین کے مُلک عارف کے میدان ہیں جہاں چاہے وہاں سیر کرے اس کی حاجت نہیں کہ اپنی جگہ سے حرکت کرے اور تن بدن لے جاتے اور اسی ملکوت کے جمال کے مطالعہ کے باعث اس جنت میں رہتا ہے - جس کا عرض آسمان و زمین ہے اور ہر ایک عارف کو اتنا ہی کچھ ہے یہ نہیں کہ ایک دوسرے پر تنگی ڈالتا ہو مگر اتنا

---

[1] یہاں تک کہ جب پکڑی زمین نے چمک اور سنگار پر آئی اور اٹکلے زمین والے کہ یہ ہمارے ہاتھ لگے پہنچا اس پر ہمارا حکم رات کو یا دن کو پھر کر ڈالا اس کو کاٹ کر ڈھیر گویا کل کو یہاں نہ تھی بستی ۔۱۲ [2] اور تو نہ سمجھ جو لوگ مارے گئے اللہ کی راہ میں مردے بلکہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس روزی پاتے خوشی کرتے ہیں اس پر جو دیا ان کو اللہ نے اپنے فضل سے اور خوش وقت ہوتے ہیں ان کی طرف سے جو ابھی نہیں پہنچے ان میں پیچھے سے اس واسطے کہ نہ ڈر ہے ان پر نہ ان کو غم ۱۲

[3] بخاری و مسلم بروایت انس رضہ ۱۲

ہے کہ جس قدر جس کی نظر اور معرفت ہو گی اسی قدر اس کی سیر گاہ کو وسعت ہو گی اور اسی سے خدا کے نزدیک ان
کے درجات میں تفاوت ہوتا ہے جو شمار میں نہیں آسکتا اس بیان سے ظاہر ہوا کہ ریاست کی لذت جو باطنی ہے
وہ اہل کمال میں حواس کی سب لذتوں سے بڑھ کر ہوتی ہے اور یہ لذت بہیمہ اور لڑکے کم عقل کو نہیں ہوتی
اور محسوسات اور شہوات کی لذت بھی اہل کمال کو ہوتی ہے مگر ریاست کی لذت کو اس پر ترجیح دیتے ہیں
مگر معرفتِ الٰہی اور اس کے صفات اور افعال اور آسمانوں اور اس کی سلطنت کے اسرار کی معرفت جو ریاست کی لذت
سے بڑھ کر ہے پس اس کو وہی شخص جانتا ہے جو معرفت کے رتبے کو پہنچے اور اس کا مزہ چکھے اس کو ایسے کے سامنے
ثابت کرنا جس کے دل نہ ہو غیر ممکن ہے اس لیے کہ دل اس قوت کا معدن ہے تو جس کے دل ہی نہ ہو گا وہ اس مزے
کو کیا جانے گا۔ جیسے لذت جماع کی ترجیح لڑکے کے نزدیک کھیل کود پر ثابت نہیں کر سکتے نہ نامرد کو اس کی ترجیح
عطر سونگھنے پر معلوم ہو اس واسطے کہ لڑکے نامرد میں وہ قوت ہی نہیں جس سے وہ لذت ملتی ہے۔ مگر جو شخص
سونگھنے کی قوت بھی درست رکھتا ہو اور نامردی سے بھی بری ہو وہ البتہ دونوں لذتوں کا فرق جانے گا۔ پس اب
یہی کہنا چاہیئے کہ یہ لذت کہنے کی نہیں جو چکھے سو جانے۔ ہاں طالب علم اگرچہ طلب معرفت امور الٰہیہ میں مصروف
نہیں ہوتے تب بھی اس لذت کی بو ان کے مشامِ جان میں پہنچتی ہے جس وقت مشکلات اور شبہات ان پر منکشف
جن کے حل ہونے کے لیے ان کو کمال حرص ہوتی ہے کیونکہ ان کا منکشف ہونا ایک طرح کی معرفت اور علم میں داخل
ہے ان کے معلومات ایسے شریف نہیں جیسے معلومات معرفت الٰہی ہوتے ہیں مگر جو شخص اپنی فکر کو معرفت خدائے پاک
میں دیر تک رکھتا ہے اور اسرار ملک الٰہی میں اس پر کچھ شمہ بھی منکشف ہو جاتا ہے تو اس سے اس قدر خوش ہوتا ہے
کہ پھولا نہیں سماتا اور مارے خوشی کے اڑا جاتا ہے اور تعجب کرتا ہے کہ میرا نفس کیسے ثابت رہا اور اس امر کا متحمل
ہوا اور یہ ایسی چیز ہے کہ بدون ذوق اس کا ادراک نہیں ہو سکتا کہنے سے اس میں فائدہ کم ہوتا ہے۔ پس اس قدر
بیان سے تم کو معلوم ہوا ہو گا کہ معرفت خدائے پاک سب اشیاء سے لذیذ تر ہے اور یہ کہ کوئی لذت اس سے زیادہ
نہیں اور اسی لیے حضرت ابو سلیمان دارانیؒ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ ان کو خدائے تعالیٰ سے
نہ خوف دوزخ روکے نہ توقع جنت تو ایسے لوگوں کو دنیا کس طرح روک سکتی ہے۔ اور اسی طرح حضرت معروف کرخی
کے بعض مریدوں نے ان سے سوال کیا کہ اے ابو محفوظ آپ ارشاد فرمائیں کہ کونسی چیز نے آپ کو عبادت کی ترغیب
دی اور خلق سے علیحدہ کیا آپ چپ ہو رہے اس نے کہا کہ موت کی یاد نے آپ کا یہ حال کیا ہے آپ نے فرمایا کہ
موت کی کیا اصل ہے اس نے پوچھا کہ قبر پر برزخ کی یاد سے ایسے ہوئے آپ نے فرمایا کہ یہ بھی بے اصل ہے اس نے
کہا کہ دوزخ کے خوف اور جنت کی توقع نے ایسا کیا ہے آپ نے فرمایا کہ ان کی بھی کچھ اصل نہیں یہ سب چیزیں ایک
بادشاہ کے قبضے میں ہیں کہ اگر اس کو چاہو تو یہ سب باتیں تم کو بھلا دے اور اگر تم میں اور اس میں معرفت ہو جائے
تو پھر ان سب سے بچاتے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ارشادات میں ہے جب تم کسی جوان کو خدائے تعالیٰ کی
جستجو میں فریفتہ دیکھو تو جان لو کہ اس نے اس کو اور سب چیزوں سے غافل کر دیا۔ اور بعض شیوخ نے حضرت بشر

بن الحارثؒ کو خواب میں دیکھا ان سے پوچھا کہ ابو نصر تمار اور عبد الوہاب وراق کا کیا حال ہے۔ آپ نے فرمایا میں نے ان کو اس وقت خدائے تعالیٰ کے سامنے کھاتے پیتے چھوڑا ہے۔ اس شخص نے پوچھا کہ آپ کا کیا حال ہے کہا کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ مجھے کھانے پینے کی طرف رغبت کم ہے اس لیے مجھ کو اپنا دیدار مرحمت فرمایا۔ اور علی بن الموفق رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ جنت میں داخل کیے گئے کہتے ہیں کہ وہاں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص دستر خوان پر بیٹھا ہے اور دو فرشتے اس کے دونوں طرف ہیں انواع واقسام کے میوے ان کو کھلا رہے ہیں اور ایک شخص کو دیکھا کہ جنت کے دروازے پر کھڑے ہوئے لوگوں کی صورتیں پہچانتے ہیں اور بعض کو اندر کر دیتے ہیں اور بعض کو واپس کرتے ہیں۔ پھر میں ان سے خطیرہ قدس کی طرف آگے بڑھ گیا وہاں سراوقات عرش میں ایک شخص کو دیکھا کہ اللہ جل شانہ کی طرف تاک لگائے ہوئے ہے اور کسی طرف نہیں دیکھتا میں نے رضوان سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے کہا معروف کرخی ہیں کہ جنہوں نے خدا کی عبادت نہ خوف آتش سے کی نہ بتوقع جنت بلکہ صرف اس کی محبت سے کی۔ اللہ نے ان کو قیامت تک اپنی طرف دیکھنے کی اجازت دے دی۔ اور کہا کہ دو توں شخص دوسرے بشر بن الحارثؒ اور احمد بن حنبلؒ ہیں۔ اور اسی وجہ سے حضرت ابو سلیمان دارانی فرماتے ہیں کہ جو آج اپنے نفس میں مشغول رہے گا وہ کل کو بھی اسی میں مصروف رہے گا اور جو آج خدائے تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہوگا وہ کل کو بھی اسی کے ساتھ مشغول رہے گا۔ اور حضرت سفیان ثوریؒ نے حضرت رابعہ بصریؒ سے پوچھا کہ آپ کے ایمان کی حقیقت کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے اس کی عبادت دوزخ کے خوف سے نہیں کی اور نہ جنت کے اشتیاق سے تاکہ میرا حال برے مزدور کا سا ہو بلکہ عبادت صرف اس کی محبت اور اشتیاق کے باعث کی ہے اور محبت کے باب میں انہوں نے کچھ شعر فرماتے ہیں جن کا ترجمہ یہ ہے۔ قطعہ

ایک تو عشق کے باعث ہے مجھے تجھ سے وداد	دوسرے اس سے کہ شایانِ محبت ہے تو
یعنی عشق ہی سے ہے میری یہ کیفیت	یاد میں تیری سدا غیر سے میں ہوں یکسو
اور جس حب کا کہ لائق ہے تو اس سے تو نے	پردے ہیں کھول دیئے دیکھتی ہوں میں تجھ کو
پر ثنا اس میں ہو یا اس میں وہ ہے سب تجھ کو	میری تعریف کسی میں بھی نہیں ہے سرِ مو

اور غالباً ان کی مراد محبت عشق سے یہ ہے کہ اللہ کی محبت اس کے احسان اور انعام کے باعث کی ہو یعنی وہ لذات کہ دنیا میں اسے عنایت فرماتے ہیں وہ باعث محبت ہوتے ہوں اور دوسری محبت سے مراد یہ ہے کہ محبت صرف اس کے جمال اور جلال کے باعث کی جو ان کو منکشف ہوا اور ظاہر ہے کہ یہ قسم محبت اعلیٰ اور اقویٰ ہے اور جمال ربوبیت کے دیکھنے کی غرض وہ ہے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث قدسی میں ارشاد فرمایا ہے اعددت لعبادی الصالحین ما لا عین رات ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر[1] اور اگر کسی شخص کی

---

[1] میں نے اپنے نیک بندوں کیلیے وہ چیز تیار کی ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی نہ کسی کان نے سنی اور نہ کسی آدمی کے دل پر گذری ۱۲ بخاری بروایت ابو ہریرہؓ ۱۲

صفائے قلب غایت کو پہنچ جاتی ہے تو اس کو بعض ان لذتوں میں سے دنیا ہی میں حاصل ہو جاتی ہیں اسی واسطے بعض اکابر فرماتے ہیں کہ میں یا اللہ اور یارب نہیں کہتا ہوں اور اپنے دل پر پہاڑ سے زیادہ اس کا بوجھ جانتا ہوں اس واسطے کہ پکارنا پردے کی آڑ سے ہوا کرتا ہے اور کبھی تم نے دیکھا کہ کوئی شخص اپنے ہم نشین کو پکارتا ہو۔ اور یہ بھی ان ہی کا قول ہے کہ جب آدمی اس علم میں نہایت کو پہنچ جاتا ہے تو لوگ اس کو پتھر مارتے ہیں یعنی اس کی گفتگو ان کی عقلوں کی حد سے باہر ہونے لگتی ہے تو اس کے قول کو جنون یا کفر سمجھتے ہیں۔ الحاصل مقصد سب عارفوں کا وصل اور ملاقات ہی ہے اور وہی ان کی خنکی چشم ہے کہ کسی کو نہیں معلوم کیا ان کے لیے اس میں چھپی ہوئی چیز ہے اور جب وہ حاصل ہو جاتی ہے تو اور تردّدات اور شہوات بالکل جاتے رہتے ہیں اور دل اسی کی لذت میں مستغرق ہو جاتا ہے یہ اس طرح کا استغراق ہے کہ اگر وہ شخص آگ میں ڈال دیا جائے تو اس کی تکلیف معلوم نہ ہو اور اگر جنت کی آسائش اس پر پیش کی جائے تو اس مزے کے سامنے اس کو ہیچ جانے کیونکہ وہ مزا تو الیسا ہے کہ اس سے زیادہ اور کوئی لذت ہی نہیں۔ اب یہ معلوم نہیں کہ جو لوگ محسوسات کی محبت کے سوا اور کچھ نہیں سمجھتے وہ خدائے تعالیٰ کی صورت دیکھنے کی لذت پر کیسے ایمان لاتے ہیں اس کی تو کوئی شکل وصورت نہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو اپنے بندوں سے اس کا وعدہ فرمایا ہے اور اس کو سب نعمتوں سے بڑا فرمایا ہے اس کے کیا معنی ہیں۔ بلکہ اصل یہ ہے کہ جو شخص خدائے تعالیٰ کو پہچانتا ہے وہ اس بات کو جانتا ہے کہ جتنی لذتیں متفرق اور مختلف شہوات سے ہوتی ہیں وہ سب اس ایک لذت میں جمع ہیں جیساکہ کسی کا قول ہے جس کا ترجمہ یہ ہے **نظم**:

آرزوہا داشتم در دل خلاف یکدگر — تا ترا نظارہ کردم جمع شد اہوائے من
رشک برمن می برد شخص کہ بودم حاسدش — گشتہ ام مولائے مردم تا توئی مولائے من
گشت فارغ خاطرم از دین و دنیا ہر ہمہ — تا تو مشغولم اے دین و من دنیائے من

اور اسی واسطے بعضوں کا قول ہے ؎

ہجر او ہولناک تر ز سقر — وصل او خوشتر از بہشت بریں

اور اس سے ان کی غرض صرف کھانے پینے اور نکاح کی لذت پر اس لذت کو ترجیح دیتی ہے جو دل کو معرفت الٰہی میں حاصل ہوتی ہے اس لیے کہ جنت وہ جگہ ہے جہاں حواس کو ان کی لذت سے تمتع ہوگا اور قلب کو صرف خدائے تعالیٰ کی لقا میں لذت ہے۔ اور لذتوں کے باب میں خلق کے حالات اس طرح سمجھنے چاہییں کہ مثلاً لڑکے میں ابتدائے حرکت اور تمیز میں ایک قوت پیدا ہوتی ہے جس کے باعث کھیل کو وہ لذیذ جانتا ہے حتیٰ کہ اس کے نزدیک سب چیزوں سے زیادہ لذیذ کھیل ہی ہوتا ہے پھر اس کے بعد زینت اور کپڑے پہننے اور سوار ہونے کی لذت پیدا ہوتی ہے کہ اس کے سامنے پہلی لذت کھیل کی حقیر جاننے لگتا ہے پھر اس کے بعد لذت جماع اور عورتوں کی خواہش پیدا ہوتی ہے اس کے باعث پہلی دو لذتیں بھی چھوڑنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ پھر ریاست اور بلندی اور فخر اور مال اور اولاد کی کثرت کی لذت پیدا ہوتی ہے۔ دنیاوی لذتوں میں یہ لذت سب سے اعلیٰ اور

قوی تر ہے اور انہیں کی طرف قرآن مجید میں بھی اشارہ ہے۔ چنانچہ فرمایا اعلموا انما الحیوۃ الدنیا لعب ولھو وزینۃ وتفاخر بینکم وتکاثر فی الاموال والاولاد پھر بعد ان سب کے ایک قوت پیدا ہوتی ہے جس کے باعث لذات معرفت الٰہی اور اس کے افعال کی ادراک کرتا ہے اس لذت کے ہوتے ہوئے تمام پہلی لذتوں کو حقیر سمجھتا ہے۔ غرض کہ جو لذت پیچھے ہوتی ہے وہ پیشتر سے قوی تر ہوتی ہے اور یہ سب میں بعد کو ہے کیونکہ کھیل کی محبت سن تمیز میں پیدا ہوتی ہے اور عورتوں اور زینت کی محبت سن بلوغ میں اور ریاست کی محبت بعد بیس سالہ ہونے کے اور علوم کی محبت قریب چالیس سال کے اور یہی انتہا کا درجہ ہے اور جس طرح کہ لڑکا ایسے شخص پر کہ کھیل کو چھوڑ کر عورتوں سے میل کرے یا ریاست کا طالب ہو ہنسا کرتا ہے اسی طرح رئیس بھی ان لوگوں پر ہنستے ہیں جو ریاست کو ترک کرکے معرفت الٰہی میں مصروف ہوتے ہیں اور عارف ان سے یہ کہتے ہیں کہ ان تسخروا فانا نسخر منکم کما تسخرون فسوف تعلمون ؂

۵۔ دنیاوی معرفت کی بہ نسبت آخرت میں دیدار کی لذت کیوں زیادہ ہوگی

واضح ہو کہ مدرکات دو قسم کے ہیں ایک تو وہ جو خیال میں آتے ہیں مثلاً خیالی صورتیں اور رنگ برنگ کے اجسام اور حیوانات اور نباتات جو شکلیں رکھتے ہیں اور ایک وہ ہیں جو خیال میں نہیں آتے جیسے خدائے تعالیٰ کی ذات اور دوسری چیزیں جو جسم نہیں رکھتیں مثل علم اور قدرت اور ارادہ وغیرہ کے۔ اور اگر کوئی شخص کسی انسان کو دیکھ کر اپنی آنکھ بند کرلے تو اس کی صورت اپنے خیال میں پاتے گا ایسی طرح کہ گویا اس کو دیکھ رہا ہے مگر جب آنکھ کھول کر دیکھے گا تو کچھ فرق معلوم ہوگا نہ اس معنی کر کہ دونوں صورتوں میں کچھ اختلاف ہو اس لیے کہ وہ تو دونوں ایک ہی ہیں فرق صرف اس اعتبار سے ہوگا کہ صورت خیالی میں انکشاف اور وضوح خوب نہ تھا۔ جب آنکھ سے اس کی رویت ہوئی تو وضوح خوب ہوگیا اور اس کی مثال ایسی جاننی چاہیے کہ جیسے کوئی شخص کسی کو پہلے طلوع آفتاب کے گجردم دیکھے پھر دن نکلنے اور روشنی پھیلنے کے بعد دیکھے ان دونوں دفعہ کے دیکھنے میں صرف فرق زیادتی انکشاف ہی کا ہوگا۔ اسی طرح خیال بھی اول کے ادراک کا نام ہے اور اس ادراک کی تکمیل کا نام رویت ہے اور یہ نہایت درجہ کا کشف ہے اور اس کا نام رویت بھی اسی جہت سے کہ انتہائے درجہ کا کشف ہوتا ہے کچھ اس جہت سے نہیں کہ رویت متعلق آنکھ سے ہے بلکہ اگر اللہ تعالیٰ اس ادراک کامل کو پیشانی یا سینہ میں مثلاً رکھ دیتا تب بھی اس کا نام رویت ہی ہوتا۔ اور جب یہ تقریر خیالی صورتوں میں تمہاری سمجھ میں آگئی تو اب جانو کہ جو معلومات ایسی ہیں کہ خیال میں بھی نہیں آتیں ان کے ادراک کے بھی دو درجے ہیں ایک ادراک اول ہے اور دوسرا اس ادراک کی تکمیل ہے اور ان دونوں ادراکوں میں زیادتی کشف و وضوح کا ایسا ہی فرق ہے جیسا صورت خیالی اور

ف ۱ جان رکھو کہ دنیا کا جینا یہی ہے کھیل اور تماشا اور بناؤ اور بڑائیاں کرنی آپس میں بہتایت ڈھونڈنی ہے مال کی اور اولاد کی ۱۲

ف ۲ اگر تم ہنستے ہو ہم سے تو ہم ہنستے ہیں تم سے جیسے تم ہنستے ہو اب آگے جان لوگے ۱۲

آنکھ سے دیکھی ہوئی چیز میں فرق تھا اس لیے دوسرے ادراک کو بہ نسبت اول کے مشاہدہ اور لقا اور رویت کہتے
ہیں اور یہ نام اس ادراک کا واقع میں درست ہے اس واسطے کہ رویت صرف غایت کشف کی جہت سے کہتے ہیں
اور جس طرح کہ قاعدہ الٰہی اس بات پر جاری ہے کہ آنکھوں کے بند کرنے سے خوب کشف نہیں ہوتا۔ اور اگر مرئی شئی
میں اور آنکھ میں کوئی حجاب ہو تو رویت کے لیے اس کا دور ہونا ضروری ہے اور جب تک وہ حجاب دور نہ ہوگا تو
جو ادراک حاصل ہوگا وہ صرف تخیل کے طور پر ہوگا، رویت نہ کہلائے گا۔ اسی طور پر یہ بھی مقتضائے عادت الٰہی ہے
کہ نفس جب تک بدن کے عوارض میں محجوب اور مقتضائے شہوات اور بشریت میں مبتلا رہے گا تب تک اس کو
مشاہدہ اور رویت ان معلومات کی جو خیال سے باہر ہیں نہ ہوگی بلکہ زندگی دنیاوی ہی سے رویت حجاب ہے جیسے پلکوں کا
بند کرنا آنکھوں کی رویت کا حجاب ہوتا ہے اور زندگی کے حجاب ہونے کی وجہ بہت طول طویل ہے اس علم میں اس کی تقریر
شایاں نہیں، یہی وجہ تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رویت کی استدعا میں جواب ارشاد ہوا تھا کہ لن ترانی تو ہرگز نہ دیکھ
سکے گا مجھ کو یعنی حجاب حیات مانع ہماری رویت کا ہے اور کلام مجید میں ارشاد ہے[ت۱] لا تدرکہ الابصار اس سے
بھی غرض یہی ہے کہ دنیا میں رویت الٰہی نہیں اور مذہب صحیح یہی ہے[ح۱] کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی شب کو
شرف رویت خداوندی حاصل نہیں کیا۔ پس جب کہ موت کے باعث حجاب دور ہو جاتا ہے تو نفس کدورت دنیا میں
آلودہ رہتا ہے بالکل اس سے جدا نہیں ہوتا گو آلودگی میں فرق ہوتا ہے۔ بعض نفس تو ایسے ہوتے ہیں کہ ان پر خباثت اور
اور زنگ کا گذر ہوتے ہوتے ایسے ہو جاتے ہیں جیسے آئینے کو مدت تک زنگ میں رہنے سے مورچہ لگ جاتا ہے اور
اس کا جوہر ہی خراب ہو جاتا ہے کہ جلا اور صفائی کچھ فائدہ نہیں کرتی ایسے لوگ تو خدائے تعالیٰ سے ابدالآباد کے لیے محجوب
رہیں گے۔ نعوذ باللہ منہا۔ اور بعض نفس ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو کدورات اس درجہ کی نہیں ہوتیں کہ مہر اور زنگ دل کو
پہنچیں اور اصلاح پذیر نہ ہوں وہ چندے دوزخ پر پیش کیے جائیں گے کہ میل کچیل ان کا سب دور ہو جاتے اور جس قدر
کہ حاجت صفا اور جلا کی ہوگی اسی قدر دوزخ کا سامنا بھی ہوگا اور کم سے کم مومنین کے حق میں ایک لحظہ ہے اور زیادہ
سے زیادہ سات ہزار برس۔ جیسا کہ اخبار سے مفہوم ہوتا ہے[ح۲] اور اس دنیا سے کوئی نفس ایسا نہیں جاتا جس پر غبار نہ یا
کدورات نہ ہوں کہ تھوڑی سہی اور یہی وجہ ہے کہ خداوند کریم ارشاد فرماتا ہے[ت۲] وان منکم الا واردھا کان
علیٰ ربک حتما مقضیا ثم ننجی الذین اتقوا ونذر الظالمین فیھا جثیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر ایک
نفس کا گذر آگ پر تو یقینی ہوگا مگر اس سے نجات ہونے کا یقین نہیں وہاں سے رہائی جب ہو کہ جب خدائے تعالیٰ

ت۱ اس کو نہیں پا سکتیں آنکھیں ۱۲ ح۱ یہ قول حضرت عائشہ کا ہے مگر مسلم میں بروایت ابوذر روایت ثابت ہے اور یہی مذہب حضرت
ابن عباسؓ اور اکثر علماء کا ہے ۱۲ ح۲ حکیم ترمذی در نوادر بروایت ابوہریرہ بسند ضعیف ۱۲ ت۲ اور کوئی نہیں تم میں جو نہ پہنچے گا اس
پر ہو چکا تیرے رب پر ضرور مقرر پھر بچائیں گے ہم جو ڈرتے رہے اور چھوڑ دیں گے گنہگاروں کو اس میں اوندھے
گرے ۱۲

نفس کی طہارت اور صفائی اچھی طرح کر دے اور جو مدت خدائے تعالیٰ نے مقرر فرمائی ہے وہ پوری ہولے اور جن باتوں کا شریعت میں مذکور ہے یعنی حساب کتاب اور درپیشی وغیرہ سب ہو چکیں اور استحقاق جنت کا بھی ہو اور یہ وقت مبہم ہے کسی کو اللہ تعالیٰ نے اس پر مطلع نہیں فرمایا کیونکہ یہ صورتیں بعد قیامت کے ہوں گی اور قیامت کا وقت معلوم نہیں ان صورتوں کے بعد نفس صاف اور پاکیزہ کدورات سے ہو گا کہ اس میں کسی طرح کا داغ یا غبار نہ رہے گا پھر اس بات کے شایاں ہو گا کہ اس میں خداوند جل وعلیٰ تجلی فرمائے یہ تجلی اس وقت ایسی طرح ہو گی کہ اس سے انکشاف اور وضوح پہلے علم کا ہو گا جیسے کہ وضوح مرئیات کا متخیلات کی نسبت کر ہوتا ہے اسی مشاہدہ اور تجلی کا نام رویت اور دیدار ہے اس سے معلوم ہوا کہ رویت بیشک ہے بشرطیکہ رویت سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ ادراک خیالی کسی صورتِ خیالی کا کسی خاص جہت میں جو ہوتا ہے اس کی تکمیل کا نام رویت ہے ایسا ہی رویت الٰہی بھی ہو گی۔ اس لیے کہ خدائے تعالیٰ ان سب امور سے بری ہے بلکہ جس طرح کہ خدائے تعالیٰ کو دنیا میں عرفانِ حقیقی سے اچھی طرح جاننا اور پابند خیال اور صورت اور شکل اور جہت کے نہ ہوئے اسی طرح آخرت میں دیدار ہو گا۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ جو معرفت دنیا میں ہوتی ہے وہی کامل ہو کر درجۂ کمال کشف کو پہنچ جاتی ہے اور وہی مشاہدہ اور رویت کہلاتی ہے اس رویت آخرت اور معلوم دنیاوی میں کچھ اختلاف بجز زیادتی کشف اور وضوح کے نہیں۔ . . . ہوتا جیسا کہ خیال کی مثال میں اوپر گذر الیس جبکہ معرفت الٰہی میں ثبوت صورت اور جہت کا ممکن نہیں تو اس کے پورا ہونے میں اور صرف وضوح اور کشف کے مرتبے کو پہنچنے میں صورت اور جہت کیسے ہو گی وہ دونوں تو ایک ہی ہیں صرف رویت اخروی میں انکشاف ہی زیادہ ہے جیسا صورت مرئی میں بہ نسبت صورت خیالی کے کشف زیادہ ہوتا ہے اور اسی طرف اشارہ ہے اس آیت میں نورھم یسعیٰ بین ایدیھم وبایمانھم یقولون ربنا اتمم لنا نورنا اس لیے کہ تمامی نور سے صرف زیادتی کشف ہی کی ہو جاتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ دیدار اور رویت کے درجے کو وہی لوگ پہنچیں گے جو دنیا میں عارف ہوں گے کیونکہ معرفت دنیاوی ہی ایسا تخم ہے جو آخرت میں مشاہدہ ہو جاتا ہے جیسے گٹھلی انجام کو درخت بن جاتی ہے اور دانہ پیڑ ہو جاتا ہے اور جس کی زمین میں گٹھلی ہی نہ ہو گی اس کو درخت کہاں سے پیدا ہو گا اور جو بیج نہ ڈالے گا وہ کیسے خرمن پائے گا۔ ع

چو تخم افگنی بر ہمان چشم دار

خود مشہور ہے۔ پس اسی طرح جو شخص اللہ تعالیٰ کو دنیا میں نہ پہچانے گا وہ آخرت میں اس کو کیسے دیکھے گا۔ اور ازانجا کہ معرفت کے درجات مختلف ہوتے ہیں تو تجلی بھی مختلف ہو گی جیسے بیج کے اختلاف سے سبزہ اور روئیدگی مختلف ہوا کرتی ہے مثلاً اگر بیج بہت ہو گا یا کم ہو گا۔ اور اچھا قوی ہو گا یا ضعیف ہو گا تو اس کی روئیدگی بھی ویسی ہی ہو گی۔ اسی طرح تجلی کا حال معلوم کرنا چاہیے کہ جیسی معرفت ہو گی ویسی ہی تجلی بھی ہو گی اور اسی بنا پر حدیث

ت ۱ ان کی روشنی دوڑتی ہے ان کے آگے اور ان کے داہنے، کہتے ہیں اے رب ہمارے پوری کر دے ہم کو ہماری روشنی ۱۲

شریعت میں وارد ہے کہ[ح] ان اللہ یتجلی للناس عامۃ ولابی بکر خاصۃ پس یہ گمان نہ کرنا چاہیئے کہ لذت دیدار اور نظر جیسی حضرت ابوبکر کو ہو گی ویسی ہی ان سے کم درجے والوں کو بھی ہو گی بلکہ ان کی لذت کا سوال حصہ بھی ان سے کم درجے والوں کو نہ ملے گا۔ اگر ان کی معرفت آپ کی معرفت کی نسبت سوال حصہ ہو گی اور از انجا کہ حضرت ابوبکرؓ سر معرفت میں لوگوں سے بڑھ کر تھے اور یہ راز آپ کے سینۂ مبارک میں جاگزین تھا، اسی لیے آخرت میں اسی تجلی کے مستحق ہوئے جو خاص انہیں کے لیے ہو۔ اور جیسے کہ دنیا میں لوگوں کو دیکھتے ہو کہ بعض لذت ریاست کو مطعومات اور نکاح کی لذت پر ترجیح دیتے ہیں اور بعض لذت علم اور انکشاف اسرار آسمانوں اور زمین اور امور الہیہ کو ریاست اور ماکولات و مشروبات وغیرہ کی لذت پر ترجیح دیتے ہیں۔ اسی طرح آخرت میں معاملہ ہو گا کہ بعض لوگ لذت دیدار الٰہی کو جنت کی آسائش پر مقدم جانتے ہیں اس لیے کہ جنت میں کھانے اور پینے اور نکاح ہی کی لذت ہو گی اور یہ لوگ بعینہ وہی ہیں کہ جن کا حال ہم نے اوپر لکھا ہے کہ لذت علم و معرفت اور اطلاع اسرار ربوبیت کو تمام انواع لذات پر ترجیح دیتے ہیں جن میں لوگ مشغول ہیں اور اسی واسطے جب حضرت رابعہؒ سے پوچھا گیا کہ جنت کے باب میں آپ کی کیا رائے ہے فرمایا کہ الجار ثم الدار۔ یعنی اول صاحب خانہ پھر خانہ۔ اس قول میں آپ نے بیان کیا کہ میرے دل میں التفات جنت کی طرف نہیں بلکہ مالک جنت کی طرف ہے ۔

طوبیٰ کا سایہ تجھ کو مبارک ہو زاہد ہم کو تو بلکہ مرحمت یار چاہیئے

اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو دنیا میں نہ پہچانے گا وہ اس کو آخرت میں بھی نہ دیکھے گا۔ جس کو لذت معرفت دنیا میں نہ ہو گی وہ آخرت میں لذت دیدار نہ پائے گا اس لیے کہ دنیا سے اگر کسی کے ساتھ کچھ نہ جائے گا تو آخرت میں بھی اس کو کوئی نئی بات نہ ہو گی جو یہاں بووے گا وہی وہاں کاٹے گا اور آدمی جس بات پر مرا ہو گا اسی پر اس کا حشر ہو گا اور جس بات پر جیا ہو گا اسی پر مرے گا پس جس قدر توشہ معرفت ساتھ ہو گا اسی قدر لذت پائے گا وہی معرفت مشاہدہ کی صورت بن جائے گی اور زیادتی کشف سے لذت دوبالا ہو جاوے گی۔ جیسے کہ عاشق اگر محبوب کی صورت خیالی ذہن میں رکھتا ہے اور پھر صورت آنکھ سے دیکھتا ہے تو چونکہ وہی اس کی منتہائے لذت ہے اس لیے اس کی لذت خیالی صورت کی بہ نسبت مضاعف ہو جاتی ہے اور از انجا کہ جنت میں ہر ایک کو دل چاہتی چیز ملے گی اور جو شخص سوائے دیدار الٰہی کے اور کچھ نہ چاہتا ہو گا اس کو اس کے سوا میں کچھ لذت بھی نہ ہو گی بلکہ کیا عجب ہے کہ ایذا پائے۔ حاصل یہ کہ آسائش جنت اس قدر ہوتی ہے جس قدر محبت الٰہی ہو اور محبت بقدر معرفت ہوتی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ اصل سعادت معرفت ہی ہے جس کو شرع میں ایمان سے تعبیر کیا ہے اب اگر

ح[1] اللہ تعالیٰ لوگوں کے واسطے عام تجلی فرماوے گا اور ابوبکرؓ کے لیے خاص ۱۲ ابن عدی بروایت جابر اور کہا ہے کہ باطل ہے اور ابن جوزیؒ نے اس کو موضوعات میں لکھا ہے ۱۲

یوں کہو کہ لذت دیدار کو اگر کچھ نسبت معرفت کی طرف ہے تو معلوم ہوا کہ بہت کم ہو گی گو معرفت کی نسبت کہ دوگنی چوگنی وغیرہ ہو کیونکہ معرفت کی لذت دنیا میں بہت ضعیف ہے پس اس کا دوگنا چوگنا کرنے سے ایسی حد کو نہیں پہنچیں گے جس کے سامنے سب جنت کی نعمتیں ہیچ معلوم ہوں تو اس کا جواب یہ ہے کہ لذت معرفت کو کم سمجھنے کا منشا معرفت سے خالی ہونا ہے۔ پس جو شخص معرفت سے خالی ہو گا وہ اس کی لذت کیسے جانے گا اور اگر تھوڑی سی معرفت اس میں ہووے اور دل میں علائق دنیاوی بھرے ہوں تو اس کا مزہ کیا ملے گا البتہ عارفین کو ان کی معرفت اور ذکر اور مناجات میں وہ مزے ہیں کہ ان کی عوض اگر ان کے سامنے جنت کی لذتیں پیش کی جائیں تو ہرگز نہ لیں اور اپنی لذتوں کو جنت کے مزوں سے نہ بدلیں پھر یہ لذت عارفین کی باوجود کمال لذت دیدار اور مشاہدہ سے کچھ نسبت ہی نہیں رکھتی جیسے کہ تصور معشوق کی لذت کو اس کے دیدار سے کچھ نسبت نہیں ہوتی۔ یا عمدہ مزہ دار کھانوں کے سونگھنے کی لذت کو ان کے ذائقے کی لذت سے کچھ نسبت نہیں یا ہاتھ سے چھونے کی لذت کو جماع سے کچھ نسبت نہیں کہ اور ان دونوں میں زیادہ فرق بدون مثال بیان کیے ممکن نہیں اسی واسطے ہم کہتے ہیں کہ لذت دیدار معشوق دنیا میں کئی سبب سے متفاوت ہوتی ہے۔ اوّل جمال معشوق کا کامل ہونا اور ناقص ہونا تو ظاہر ہے کہ نظر کو زیادہ کامل کی طرف دیکھنے سے زیادہ لذت ہوتی ہے۔ دوسرے محبت اور خواہش اور عشق کا غالب ہونا کہ عاشق زار کو جو لذت ہو گی وہ کم محبت والے کو نہ ہو گی۔ تیسرے ادراک کامل ہونا کہ اگر محبوب کو نزدیک سے بے پردہ خوب چاندنی میں دیکھے گا تو لذت زیادہ ہو گی بخلاف اس صورت کے کہ اندھیرے میں یا پردہ باریک کی آڑ میں یا دور سے دیکھے اسی طرح پاس لیٹنا اور کپڑے کا حجاب ہونا وہ مزہ نہیں دیتا جو حالت برہنگی میں دیتا ہے۔ چوتھے موانع اور دل کے پریشان کرنے والے ترددات کا برطرف ہونا۔ مثلاً ایک شخص تندرست فارغ البال بے تردد اپنے محبوب کو دیکھتا ہے تو جو کیفیت اس کو ہو گی۔ وہ اس کو نہ ہو گی جو حالت خوف میں اپنے معشوق کو دیکھتا ہے۔ یا بیمار دردمند ہے یا اس کا دل کسی ایسے تردد میں مبتلا ہے کہ کیفیت دیدار اچھی طرح محسوس نہیں کرتا۔ اب فرض کرو کہ ایک عاشق جس کا عشق ضعیف ہے وہ اپنے معشوق کی طرف باریک پردے کی آڑ سے فاصلے سے دیکھتا ہے اس طرح کہ اس کی صورت کی ماہیت اچھی طرح نہیں سوجھتی اور اس پر طرہ یہ کہ اس عاشق کے گرد بچھو اور سانپ وغیرہ موذیات جمع ہیں کہ اس کو کاٹ رہے ہیں اور اس کے دل کو پراگندہ کرتے ہیں تو ظاہر ہے کہ اس شخص کو کچھ نہ کچھ تو لذت اپنے معشوق کے دیدار کی ہو گی۔ لیکن اگر اس پر یکایک ایسی حالت آ جائے کہ جس سے فاصلہ بھی برطرف ہو جاتے اور پردہ بھی اُٹھ جاتے اور موذیات برطرف ہو جائیں اور چاندنا بھی خوب ہو جائے اور یہ شخص تندرست بے فکر رہ جائے اور شہوات قوی اور شدت عشق کا ہجوم اس قدر ہو کہ نہایت درجے پر پہنچ جائے تو سوچنا چاہیے کہ اس شخص کی لذت کا کیا حال ہو گا اور پہلی حالت کو اس دوسری سے کیا نسبت ہو گی۔ اسی طرح لذتِ معرفت کو لذتِ دیدار کی طرف نسبت سمجھنا چاہیے۔ یعنی پردہ باریک تو بدن انسان ہے اور سانپ بچھو وغیرہ شہوات ہیں جو انسان پر مسلط ہیں مثل بھوک پیاس، غضب غم و اندوہ وغیرہ اور

ضعف شہوت و محبت یہ ہے کہ دنیا میں نفس شوق ملا اعلیٰ کا کم رکھتا ہے اور لذت عرفان میں ناقص ہے اور اسفل السافلین کی طرف راغب جیسے لڑکا بباعث چڑیا سے کھیلنے کے لذت ریاست کے بڑھنے سے قاصر ہوتا ہے پس عارف اگرچہ دنیا میں اس کی معرفت قوی ہوتا ہم ان مکروہات سے خالی نہیں ہوتا اور خالی ہونا ان ترددات سے البتہ ناممکن ہے۔ ہاں بعض اوقات یہ موانع کسی صورت میں ضعیف ہو جاتے ہیں اس وقت جمال معرفت ایسا نظر دل میں چمک جاتا ہے کہ جس سے عقل حیران ہو جاتی ہے اور لذت اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ اس کی زیادتی سے دل پھٹنے کے قریب ہو جاتا ہے مگر یہ حالت مثل برق خاطف کے ہوتی ہے بہت کم ٹھہرتی ہے بلکہ شواغل اور افکار اور خواطر ایسے پیش آتے ہیں کہ جو عارف کو تردد میں ڈال دیں اور عیش مکدر کر دیں اور اس حیات فانی میں یہ بات ہمیشہ ہی رہتی ہے اس لیے ہنگام موت تک یہ لذت مکدر ہی رہتی ہے عمدہ زندگی بعد موت کے ہے جس کے لیے حدیث شریف میں وارد ہے لا عیش الا عیش الاخرۃ[ح۱] اور کلام مجید میں ارشاد ہے وان الاخرۃ لہی الحیوان لو کانوا یعلمون[ت۲]ہ اور جو شخص اس درجے کو پہنچ جاتا ہے وہ خدائے تعالیٰ کی ملاقات کو محبوب جانتا ہے اسی لیے موت کو اچھا سمجھتا ہے اور اس کو برا نہیں جانتا مگر اسی خیال سے کہ موت سے پہلے معرفت اور زیادہ کامل ہو جائے کیونکہ معرفت مثل تخم کے ہے جس قدر یہاں اچھی اور کامل ہو جائے اسی قدر اس کا ثمرہ کامل اور عمدہ قیامت میں ہوگا اور معرفت ایک دریائے ناپیدا کنار ہے تو گو احاطہ کنہ جلال الٰہی کا محال ہے مگر جس قدر معرفت اللہ کی اور اس کے صفات اور افعال و اسرار مملکت کی زیادہ اور قوی ہوگی اسی قدر لذت آخرت بھی بہت اور بڑی ہوگی اور حاصل کرنا تخم معرفت کا بدون دنیا کے ممکن نہیں اور اس کا بونا بدون مزرعہ قلب کے نہیں ہو سکتا اور اس کا خرمن آخرت میں حاصل ہوتا ہے اور اسی لیے حدیث شریف[ح۳] میں وارد ہے افضل السعادات طول العمر فی طاعۃ اللہ اس لیے کہ اگر عمر طویل ہوگی اور مداومت فکر اور مجاہدہ اور علیحدگی علائق دنیاوی سے اور ہمہ تن طلب میں سرگرمی میسر ہوگی تو ظاہر ہے کہ معرفت بھی کامل اور واسع اور زیادہ ہو۔ پس جو شخص موت کو محبوب جانتا ہے اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ معرفت میں آپ کو ایسے درجے پر دیکھتا ہے کہ اس سے زیادہ کاملنا اس کو معلوم نہیں ہوتا اور جو موت کو برا جانتا ہے وہ اس نظر سے کہ اگر عمر زیادہ ہوگی تو توقع زیادتی معرفت کی رکھتا ہے اور اس وقت اپنے آپ کو درجۂ ممکن الحصول سے قاصر پاتا ہے۔ اہل معرفت کے نزدیک موت کو برا یا خواہ اچھا سمجھنے کی یہی وجہ ہوتی ہے بخلاف تمام خلق کے کہ ان کی نظر صرف شہوات دنیاوی پر ہوتی ہے اگر ساری آرزوئیں خاطر خواہ زیادہ ملیں تو طول عمر چاہتی ہے اور اگر تنگی ہوئی تو موت کو چاہتی ہے۔ حالانکہ یہ باتیں محرومی اور خسارے کی ہیں ان کا منشا جہالت اور غفلت ہے اور یہی دونوں ہر ایک طرح کی بدبختی کی جڑ ہیں اور معرفت سب سعادتوں کی اصل ہے۔ اس تحقیق سے تم کو معنی محبت اور معنی عشق معلوم ہو گئے کہ زیادتی محبت کو عشق کہتے ہیں اور نیز معنی لذت معرفت اور معنی رویت اور لذت رویت کی معلوم ہوگی اور یہ کہ لذت دیدار سب لذتوں سے اہل عقل و کمال دونوں کے نزدیک لذیذ تر ہے گو اہل نقصان کے عندیے میں ویسی نہ ہو جیسی کہ ریاست کی لذت

ح۱ عیش نہیں مگر آخرت کی ۱۲ پہلے گذری ت۲ اور پچھلا گھر جو ہے سو یہی ہے جینا اگر یہ سمجھ رکھتے ح۳ نیک بختوں میں افضل خدا کی اطاعت میں زندگی کا صاف ہونا ہے ۱۲ اس باب میں حدیث ترمذی ہے اور خود یہ روایت پہلے گذری ۱۲

لڑکوں کے نزدیک غذا کی چیزوں سے عمدہ نہیں ہوتی اب یہ معلوم کرنا چاہیئے کہ رویت الٰہی کا محل آخرت میں دل ہوگا یا آنکھ تو لوگوں کا اسباب میں اختلاف ہے اور اہل بصیرت اس خلاف پر دھیان نہیں کرتے وہ کہتے ہیں کہ غافل کو آم کھانے سے غرض ہے نہ پیڑ گننے سے جو شخص اپنے معشوق کو دیکھنا چاہتا ہے وہ عشق کی حالت میں اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ دیدار معشوق آنکھوں میں پیدا ہوگا یا پیشانی میں بلکہ اس کی غرض رویت اور اس کی لذت سے ہے برابر ہے کہ وہ آنکھ سے حاصل ہو یا اور کسی اور عضو سے کیونکہ آنکھ تو صرف محل اور ظرف ہے وہ تو دیکھتی ہی نہیں نہ اس کا کچھ اعتبار اور امر حق اسباب میں یہ ہے کہ قدرت الٰہی میں دونوں باتوں کی گنجائش ہے دونوں سے رویت کی نعمت دے سکتا ہے تو یہ صورت تو جواز کی ہوئی اور دونوں جائز صورتوں میں سے آخرت میں کونسی ہوگی یہ بات بدون شارع سے سننے کے معلوم نہیں ہوسکتی۔ ٹھیک ٹھیک اس میں وہی حال ہے جو اہل سنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ رویت کے لیے آنکھ میں قوت دیدی جائے گی اور دلائل شرعی سے بھی ایسا ہی کچھ سمجھ میں آتا ہے اس لیے کہ الفاظ رویت اور نظر وغیرہ کے مستعمل ہیں بظاہر ان سے آنکھ ہی کی نظر معلوم ہوتی ہے اور ظاہر الفاظ کو بدون ضرورت تاویل کرنا جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

محبت الٰہی کے قوی ہونے کے اسباب

جاننا چاہیئے کہ آخرت میں لوگوں میں سے سعید تر حال اس شخص کا ہوگا جو ان میں سے اللہ تعالیٰ کی محبت قوی تر رکھتا ہوگا اس لیے کہ آخرت کے معنی یہی ہیں کہ خدائے تعالیٰ کے پاس آنا اور سعادت ملاقات سے مشرف ہونا۔ اور ظاہر ہے کہ جب عاشق اپنے محبوب کے پاس بہت سے دنوں کے اشتیاق کے بعد جائے گا اور اس کے دیدار سے ہمیشہ کو مشرف ہوگا اور کوئی چیز روک ٹوک کی بھی نہیں پائے گا اور رقیب اور اغیار اور کدورت اور انقطاع کا خوف کچھ نہ ہوگا تو کیسی کچھ خوشی اور لذت اس کو حاصل ہوگی مگر یہ لذت بقدر قوت محبت کے ہوگی پس جس قدر محبت زیادہ ہوگی اسی قدر لذت زیادہ ہوگی اور بندے کو محبت الٰہی صرف دنیا میں حاصل ہوتی ہے اور اصل محبت سے کوئی ایماندار خالی نہیں اس لیے کہ اصل معرفت سب میں ہوتی ہے مگر فرط محبت اور استیلائے محبت جس کو عشق کہتے ہیں یہ بہتوں میں نہیں ہوتی اس کے حاصل کرنے کے دو سبب ہوتے ہیں اول علائق دنیا سے علیحدہ ہونا اور غیر اللہ کی محبت دل سے نکال ڈالنی اس لیے کہ دل مثل برتن کے ہے اگر برتن میں مثلاً پانی ہو تو اس میں گنجائش سرکے کی نہ ہوگی اور دو دل خدائے تعالیٰ نے کسی کو عنایت نہیں فرمائے کہ ایک سے خدا کی محبت کرے اور دوسرے میں غیر کی محبت بھرے اور کمال محبت اس میں ہے کہ خدائے تعالیٰ کو تمام دل سے چاہے اور جب تک غیر کی طرف التفات رکھے گا تو ایک کونہ اس کے دل کا غیر سے مشغول رہے گا تو جس قدر غیر اللہ سے مشغول ہوگا اسی قدر اس میں سے محبت الٰہی کم ہوگی جیسے برتن میں جس قدر پانی رہتا ہے اسی قدر سرکہ کم آتا ہے اور اسی یک جہتی کی طرف اشارہ ہے اس آیت میں۔ قُلِ اللّٰہُ ثُمَّ ذَرْھُمْ فِیْ خَوْضِھِمْ یَلْعَبُوْنَ [1] اور اس آیت میں اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا [2]

---

[1] کہہ اللہ نے اتاری پھر چھوڑ دے ان کو اپنی بک بک میں کھیلا کریں [2] مقرر جنہوں نے کہا رب ہمارا اللہ ہے پھر ثابت رہے ۱۲

بلکہ یہی مراد ہے کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یعنی کوئی معبود اور محبوب سوائے خدائے تعالیٰ کے نہیں کیونکہ محبوب معبود ہوتا ہے اس لیے کہ عبد مقید کو کہتے ہیں اور جس کا قیدی ہو وہ معبود ہوتا ہے اور عاشق محب بھی اپنے محبوب کا مقید ہوتا ہے تو محبوب معبود ہوا اور اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَہٗ ھَوَاہُ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اَبْغَضُ اللّٰہِ عَبَدَ فِی الْاَرْضِ الْھَوٰی اور اسی بنا پر حدیث شریف میں وارد ہے مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ خَالِصًا مُخْلِصًا دَخَلَ الْجَنَّۃَ اور معنی اخلاص کے یہ ہیں کہ دل کو خالص خدائے تعالیٰ کے لیے کرے کہ اس میں دوسرے کی شرکت باقی نہ رہے۔ دل کا محبوب اور معبود اور مقصود صرف اللہ ہی کی ذات پاک ہو اور جس شخص کا یہ حال ہو تو دنیا اس کا قید خانہ ہے اس لیے کہ مشاہدۂ محبوب سے اس کو روکتی ہے اور مرنا اس کے حق میں قید سے چھوٹنا اور محبوب کے پاس جانا ہے۔ تو جس شخص کا محبوب ایک ہی ہو اور اس کی طرف مدت سے اشتیاق رکھتا ہو اور قید خانے میں بند ہو وہ اگر قید خانے سے چھوٹے اور محبوب سے ملے اور ابدالآباد تک امن چین میں رہے اس کا کیا کہنا ہے۔ پس محبتِ الٰہی کی دلوں میں کم ہونے کا ایک تو یہی سبب ہے کہ دنیا کی محبت دلوں میں قوی ہے اور اس میں محبت زن و فرزند اور مال و اقارب اور زمین اور چوپایوں اور باغات اور سیر و تماشا کی داخل ہے حتیٰ کہ اگر جانوروں کی آواز خوش اور نسیم سحری کی حرکت سے خوش ہوگا تو راحت دنیاوی کی طرف متوجہ ہوگا اور اس کے باعث نقصان محبتِ الٰہی کے درپے ہوگا اور جس قدر انس دنیا سے ہوگا اسی قدر انس الٰہی کم ہوگا اور جس شخص کو دنیا میں سے کسی قدر ملتا ہے اسی قدر آخرت میں سے کم ہو جاتا ہے اور جیسے کوئی شخص مشرق سے جتنا قریب ہوتا ہے اتنا ہی مغرب سے دور ہو جاتا ہے۔ اور جتنا ایک بی بی کا دل خوش کرے اتنا ہی اس کی سوت کو رنج ہوتا ہے اس لیے کہ دنیا و آخرت مثل دو سوتوں یا مشرق و مغرب کے ہیں یہ بات اہلِ دل پر آنکھ کے دیکھنے سے بھی زیادہ تر منکشف ہوتی ہے اور دل محبت دنیا کی بیخ کنی کی تدبیر طریق زہد اور صبر کو اختیار کرنا اور خوف و رجا کی باگ سے ان کا مطیع ہونا ہے۔ پس جو مقامات توبہ اور صبر اور زہد اور خوف و رجا کے ہم نے لکھے ہیں وہ محبت کے دونوں رکنوں میں سے ایک حاصل کرنے کے ہیں اور وہ دل کا خالی کرنا غیر اللہ سے ہے اور ان کا شروع اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور جنت و دوزخ پر ایمان لانا ہے پھر اس سے خوف و رجا پیدا ہوتے ہیں اور ان دونوں سے توبہ اور ان پر صبر کرنا متفرق ہوتا ہے اور رفتہ رفتہ دنیا اور مال و جاہ میں اور تمام خطوط دنیاوی میں زہد کرنا حاصل ہوتا ہے اور ان سب سے دل غیر اللہ کی محبت سے پاک ہو جاتا ہے یہاں تک کہ بعد اس کے دل میں معرفتِ الٰہی اور اس کی محبت آنے کی گنجائش ہوتی ہے۔ غرضکہ یہ سب امور

ت بھلا دیکھ تو جس نے پوجنا پکڑا اپنے چاؤ کا ۱۲ ح سب سے زیادہ برا معبود جو زمین پر پرستش کیا جاتا ہے خواہش نفس ہے ۱۲ ح جو شخص کہے لا الٰہ الا اللہ خالص اور مخلص ہو کر تو وہ داخل ہوگا جنت میں ۱۲ اس کی سند پہلے گذری ۱۲

مقدمات صفائی دل کے ہیں اور یہی صفائی محبت کے دو رکنوں میں سے ایک ہے اور اسی کی طرف اشارہ ہے اس حدیث میں الطھور شطر الایمان۔ جیسا کہ شروع باب طہارت میں ہم نے اس کو لکھا ہے۔ دوسرا سبب محبت کے قوی ہونے کا معرفت الٰہی کا قوی ہونا اور دل میں اس کا پھیل جانا ہے اور یہ امر تمام علائق دنیاوی اور اس کے اشغال سے دل کے پاک ہونے کے بعد ایسا ہوتا ہے جیسا زمین کو گھاس وغیرہ سے صاف کر کے بیج ڈالتے ہیں اور یہی دوسرا رکن محبت کا ہے۔ پھر اس سے محبت و معرفت کا درخت پیدا ہوتا ہے اور اس کا نام کلمۂ طیبہ ہے جس کی مثال خدائے تعالیٰ بیان فرماتا ہے۔[ت۲] ضرب اللہ مثلاً کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ اصلہا ثابت وفرعہا فی السماء اور اسی کی طرف اشارہ ہے اس آیت میں[ت۳] الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح ط کلم طیب سے مراد معرفت ہے اور عمل صالح اس معرفت کے حق میں مثل حمال اور خادم کے ہے اور عمل صالح سب کا سب اسی لیے ہے کہ اول دل کو دنیا سے پاک کرے پھر اس کی طہارت کو باقی رکھے غرضکہ عمل صرف اسی معرفت کے لیے مقصود ہوتا ہے اور کیفیت عمل کا علم عمل کے لیے مطلوب ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ علم اول بھی ہے اور آخر بھی۔ اوّل تو علم معاملہ ہے اور اس کی غرض عمل ہے اور عمل سے غرض صفائے قلب اور اس کی طہارت ہے تاکہ اس میں حق کی تجلی ہو اور علم معرفت سے زینت پائے جس کو علم مکاشفہ کہتے ہیں۔ اور جب یہ معرفت حاصل ہو گی تو اس کے پیچھے محبت ضرور ہو گی جیسے اگر کوئی شخص مزاج کا معتدل اور صحیح ہو جب خوبصورت کو چشم ظاہر سے دیکھے گا تو اس سے محبت کرے گا اور اس کی طرف راغب ہو گا۔ اور جب محبت ہو گی تو لذت بھی ہو گی کیونکہ لذت محبت کے پیچھے ضرور ہوتی ہے اور محبت ضرور ہے کہ بعد معرفت کے ہو اور دل سے دنیاوی کاروبار برطرف ہونے کی اس معرفت کی طرف یہ چیزیں پہنچاتی ہیں یعنی فکر صاف اور ذکر دائم اور بہت سی کوشش طلب میں اور نظر دائمی خدائے تعالیٰ اور اس کی صفات اور ملکوت افلاک اور تمام مخلوقات میں رکھنی۔ اور جو لوگ اس درجے پر پہنچے ہیں وہ دو قسم کے ہیں۔ قسم اول زبردست ان کا یہ حال ہے کہ اول خدائے تعالیٰ کو پہچانتے ہیں پھر اس کے سبب سے اس کے غیر کو پہچانتے ہیں۔ قسم دوم ضعفاء کہ اوّل معرفت افعال کی کرتے ہیں پھر افعال سے فاعل کی طرف ترقی کرتے ہیں اور قسم اول کی طرف اشارہ ہے اس آیت میں[ت۴] اولم یکف بربك انہ علی کل شیئ شہید ط اور اس میں[ت۵] شہد اللہ انہ لا الٰہ الا ھو اور بعض عارفین نے اسی نظر سے جواب دیا تھا کہ جب ان سے پوچھا گیا کہ تم نے اپنے رب کو کس چیز سے پہچانا انہوں نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب کو رب ہی سے پہچانا اور اگر میرا رب نہ ہوتا تو میں اس کو نہ پہچانتا اور دوسرے کی طرف اشارہ ہے اس آیت میں سنریھم ایاتنا فی

ح[۱] پاکی نصف ایمان ہے مسلم بروایت ابو مالک اشعری ۱۲ ت[۲] بیان کی اللہ نے ایک مثال ایک بات ستھری جیسے ایک درخت ستھرا اس کی جڑ مضبوط ہے اور ٹہنی آسمان میں ت[۳] اس کی طرف چڑھتا ہے کلام ستھرا کام نیک اس کو اٹھا لیتا ہے ۱۲ ت[۴] کیا تیرا رب تھوڑا ہے ہر چیز پر گواہ ۱۲ ت[۵] اللہ نے گواہی دی کہ کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا ۱۲

الآفاق و فی انفسھم حتی یتبین لھم انہ الحق اور اس آیت میں اولم ینظروا فی ملکوت السمٰوٰت والارض اور اس میں قل انظروا ماذا فی السمٰوٰت والارض اور اس میں خلق سبع سمٰوٰت طباقا ما تری فی خلق الرحمٰن من تفٰوت فارجع البصر ھل تری من فطور ثم ارجع البصر کرتین ینقلب الیک البصر خاسئا وھو حسیر اور یہ طریق اکثر لوگوں پر سہل ہے اور سالکین کو اس میں گنجائش زیادہ ہے اور اسی پر اکثر ہدایت قرآنی متضمن ہے کہ کہیں تدبر کا حکم ہے کہیں فکر کا کہیں عبرت پکڑنے کا کہیں نظر و تامل کرنے کا اور اتنی آیتوں میں مذکور ہے کہ ان کا شمار نہیں ہو سکتا۔ پس اگر یہ کہو کہ یہ دونوں راستے مشکل ہیں ہم کو تو کوئی ایسی تدبیر بتلانی چاہیئے جس سے معرفت کے حاصل ہونے پر مدد مل سکے اور اس سے محبت تک پہنچ سکیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ بہتر طریق تو خدائے تعالیٰ کی معرفت سے اور تمام خلق کی معرفت پر پہنچتا ہے اور وہ طریق باریک ہے راسباب میں گفتگو کرنی اکثر لوگوں کی فہم کی حد سے باہر ہے اس کو کتابوں میں لکھنے سے فائدہ نہیں مگر جو طریق سہل تر اور ادنیٰ ہے وہ البتہ اکثر سمجھ میں سب کی آسکتا ہے اور اس کے سمجھنے سے جو فہم قاصر ہو رہی ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ تدبر سے روگرداں ہیں اور شہوات اور نفس کی لذات میں غلطاں پیچاں راور اس کے لکھنے کی یہ بات مانع ہے کہ اس کا پھیلاؤ اور کثرت بہت ہے اور اس کے اقسام اتنے ہیں کہ شمار اور نہایت سے زائد ہیں اس لیے کہ کوئی ذرہ آسمان بریں سے زیر زمین تک ایسا نہیں کہ جس میں عجب نشانیاں کمال قدرت اور کمال حکمت اور بے انتہا جلال و عظمت الٰہی پر دال نہ ہوں اور اس کے ذرات لا انتہا ہیں خود ارشاد فرماتا ہے لو کان البحر مدادا لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی تو ایسے ذکر میں مصروف ہو علوم مکاشفہ کے سمندر میں غوطہ مارتا ہے اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ اس کو علوم معاملہ کا طفیلی کر کے لکھا جائے اس لیے ضرور ہوا کہ مختصراً ایک مثال بطور رمز و ایما بیان کر دی جائے تاکہ اس سے اس کے جنس پر تنبہ ہو جائے پس ہم کہتے ہیں کہ دونوں طریقوں میں سے سہل تر دیکھنا افعال کا ہے اور اسی کا ذکر کرتے ہیں اور اعلیٰ طریق کو چھوڑے دیتے ہیں افعال الٰہی کو جو دیکھتے ہیں وہ بھی بہت ہیں ان میں سے کم تر اور حقیر و صغیر لے کر اس کے عجائب میں نظر کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ باعتبار فرشتوں اور ملکوت آسمانی کے سب مخلوقات میں سے کمتر زمین اور اس کے اوپر کی چیزیں ہیں۔ زمین کو اگر جسم اور حجم کی رو سے دیکھو تو آفتاب باوجودیکہ چھوٹا معلوم ہوتا ہے مگر سیکڑوں گنا اس سے زیادہ ہے تو آفتاب کی نسبت کر اس کی چھوٹائی سوچنی چاہیے۔ پھر آفتاب کی خوردی اس آسمان کی نسبت کر دیکھو جس میں وہ جڑا ہوا

ت ۱ اب ہم دکھائیں گے ان کو اپنے نمونے دنیا میں اور آپ ان کی جان میں جب تک کہ کھل جائے ان پر کہ یہ ٹھیک ہے ۱۲ ت ۲ کیا نگاہ نہیں کی سلطنت میں آسمانوں اور زمین کی ۱۲ ت ۳ تو کہہ دیکھو تو کیا کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں ت ۴ جس نے بنائے سات آسمان تہ پر تہ کیا دیکھتا ہے رحمٰن کے بنانے میں کچھ فرق پھر دوہرا کر نگاہ کو کہیں دیکھتا ہے دراڑ پھر دوہرا کر نگاہ کو دو بار الٹی آئے تیرے پاس نگاہ تیری رد ہو کر تھک کر ۱۲ ت ۵ اگر دریا سیاہی ہو کہ لکھے میرے رب کی باتیں بیشک دریا نبڑ چکے ابھی نہ نبڑیں میرے رب کی باتیں ۱۲

ہے کہ اس سے آفتاب کو کچھ نسبت ہی نہیں اور آسمان چہارم میں اس کا مقام ہے یہ آسمان اپنے اوپر کے آسمانوں کی نسبت کہ چھوٹا ہے اور ساتوں آسمان کرسی کے سامنے ایسے ہیں جیسے جنگل میں کوئی لوہے کا کڑا پڑا ہو اور کرسی عرش میں ایسی ہی ہے۔ تو یہ نظر تو ان کے وجود پر باعتبار حجم کے ہوئی جس کی رو سے زمین ساری کی ساری ان کے مقابل کتنی حقیر ٹھہرتی ہے۔ بلکہ اگر زمین کو سمندروں ہی کی نسبت کر دیکھو تو نہایت چھوٹی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے الارض فی البحر کالاصطبل فی الارض۔ اور تجربہ مشاہدہ بھی اس کی تصدیق کرتا ہے یعنی معلوم ہوا ہے کہ جس قدر زمین پانی سے باہر ہے اس کو تمام کرہ کے ساتھ وہ نسبت ہے جو ایک چھوٹے جزیرے کو ہے تمام خشکی کی طرف۔ پھر آدمی کو دیکھنا چاہیئے جو مٹی سے بنا ہے اور مٹی زمین کا ایک جزو ہے اسی طرح تمام حیوانات کو دیکھو کہ زمین کی نسبت کتنے چھوٹے ہیں۔ ان سب کو جانے دو۔ جن حیوانات کو تم چھوٹا جانتے ہو ان میں سے مچھر اور شہد کی مکھی یا جو ایسے ہی ہوں ان کو دیکھو مثلاً مچھر کو اس چھوٹے سے جسم پر عقل حاضر اور فکر صاف سے تامل کرو کہ اس کو خدائے تعالیٰ نے سب سے بڑے حیوان یعنی ہاتھی کی شکل بنایا کہ اس کے ایک سونڈ لگائی اور باوجود اس چھوٹی شکل کے جتنے اعضا ہاتھی کو عنایت فرمائے اتنے ہی اس کو بھی دیئے اور دو بازو زیادہ پیدا فرمائے۔ پھر یہ دیکھو کہ اس کے اعضائے ظاہری کو کیسے تقسیم کیا ہے کہ بازو نکالے اور ہاتھ پاؤں بنائے اور آنکھ اور کان دیئے اور باطن کے اعضاء بھی مثل تمام حیوانات کے بنائے اور ان میں قوت غاذیہ اور جاذبہ اور دافعہ اور ماسکہ اور ہاضمہ ویسی ہی دی جیسے اور حیوانات میں۔ یہ تو شکل و صفات کا حال ہوا۔ اب یہ دیکھو کہ اس کی غذا کیسی بتلادی کہ آدمی کا خون ہے اور آدمی کی طرف اڑنے کا سامان اس کو دے دیا اور سونڈ اس کی نوکیلی تیز پیدا کی اور جلد انسان کے مسام کیسے اس کو بتلا دیئے کہ اپنی سونڈ ان میں سے ایک میں رکھے اور اس کو کیسا سخت بنایا ہے کہ مسام میں چبھا دیتا ہے اور اس کو چوسنا اور خون پینا کیسے بتلا دیا اور سونڈ کو باوجود اتنی پتلی ہونے کے کیسا مجوف بنایا کہ اس میں خون پتلا ہو کر اس کے پیٹ میں چلا آئے اور تمام اعضاء میں پھیل کر اس کو غذا پہنچا دے۔ پھر اس کے معدے اور دیگر اعضاء امعاء باطنی کو خیال کرو کہ کتنے چھوٹے ہوں گے اور اس کو کیسے بتلا دیا کہ انسان اس کو اپنے ہاتھ سے مارا کرتا ہے اور بھاگنے کا حیلہ بھی سکھلا دیا اور اس کا سامان اس کو عنایت کیا اور اس کے کان ایسے بنائے کہ جس سے ہاتھ کی تھوڑی سی حرکت بھی سن لیتا ہے گو ابھی ہاتھ اس سے دور ہوتا ہے حرکت کے سنتے ہی کاٹنا چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے جب ہاتھ ٹھہرتا ہے تو پھر چلا آتا ہے۔ پھر اس کی آنکھوں کے ڈھیلے کیسے بنائے کہ اپنی غذا کی جگہ دیکھ لیتا ہے باوجودیکہ چہرہ ذرا سا ہی ہوتا ہے اور چونکہ ہر چھوٹے حیوان کا ڈھیلا چھوٹائی کی جہت سے پپوٹوں کا متحمل نہ تھا اور آئینہ ڈھیلے کے لیے پپوٹے بمنزلہ آلہ جلا ہوا کرتے ہیں کہ خس و خاشاک و غبار سے اس کو صاف رکھے لہٰذا مچھر اور مکھی کے لیے دو پاؤں بنا دیئے اسی لیے مکھی کو دیکھتے ہو کہ اپنے ان دونوں پاؤں سے آنکھ

ح زمین سمندر میں مثل اصطبل کے ہے زمین میں ۱۲ اس کی سند مجھے نہیں ملی ۱۲

کے ڈھیلے ہمیشہ صاف کرتی رہتی ہے اور انسان اور بڑے حیوانوں کے ڈیلوں کے لیے پپوٹے پیدا کر دیئے کہ ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں اور ان کے کنارے تیلے رکھے تاکہ جو غبار ڈیلے پر آ جائے اس کو جمع کر کے پلکوں پر ڈال دیں اور پلکوں کو سیاہ بنایا تاکہ آنکھ کی روشنی کو منتشر نہ ہونے دیں اور دیکھنے میں ممد ہوں اور آنکھ خوبصورت معلوم ہو اور غبار کے وقت آنکھ پر جال سا پڑ جاتے کہ غبار تو نہ آنے پائے اور جال کی آڑ سے دیکھنے میں خلل واقع نہ ہو اور مچھر کے دو ڈیلے بے پپوٹوں کے صاف جلادار بنائے اور اس کو ترکیب ان کی صفائی کی بتلا دی کہ اپنے دونوں پاؤں سے صاف کرتا ہے اور بازانجا کہ اس کی بینائی ضعیف ہوتی ہے اس لیے چراغ پر گر پڑتا ہے۔ کیونکہ ضعف بصر کی جہت سے وہ دن کی روشنی کا طالب ہوتا ہے اور جب وہ بیچارا چراغ کی روشنی دیکھتا ہے تو اپنے آپ کو اندھیری کوٹھڑی میں سمجھتا ہے اور چراغ کی روشنی کو روشندان سمجھتا ہے اس لیے روشنی کی طلب میں اس کی طرف جاتا ہے اور جب اس سے آگے بڑھ کر اندھیرا دیکھتا ہے تو گمان کرتا ہے کہ روشندان مجھ کو نہیں ملا اور اس کی سیدھ میں نہیں پہنچا تب پھر دوبارہ چراغ کی طرف لوٹتا ہے یہاں تک کہ جل جاتا ہے۔

اور شاید تم کو خیال ہو کہ یہ امر اس کے نقصان اور جہالت سے ہوتا ہے تو جان لے کہ انسان کی جہالت مچھر کی جہالت سے بڑھ کر ہے دیکھو آدمی بھی شہوات دنیاوی پر گرنے میں ایسا ہی ہے جیسا پروانہ آگ میں گرنے میں ہے کیونکہ انوار شہوات صورت ظاہری کی رو سے آدمی کو معلوم ہوتے ہیں اور اس کو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ان کے نیچے زہر قاتل ہے اس لیے اپنے نفس کو ہمیشہ شہوات میں ڈالتا ہی رہتا ہے یہاں تک کہ انجام کو ان میں گرفتار ہو کر ہلاک ابدی میں جا پڑتا ہے کاش انسان کا جہل پروانے ہی کا سا ہوتا مگر یہ بھی نہیں۔ وہ ظاہر کی روشنی سے دھوکا کھا کر اگر جل جاتا ہے تو اسی وقت چھوٹ جاتا ہے اور آدمی تو شہوات میں مبتلا ہونے سے یا ہمیشہ کو یا مدت مدید کے لیے آتش دوزخ میں رہتا ہے اور اسی جہت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا کرتے تھے انکم تتہافتون علی النار تہافت الفراش وانا آخذ بحجزکم حاصل یہ کہ اس چھوٹے سے جانور میں یہ شمۂ عجائب صنعت الٰہی ہے اور اس میں اتنے عجائب ہیں کہ اگر اگلے پچھلے لوگ متفق ہو کر حقیقت اس کی دریافت کیا چاہیں تو کنہ کو تو کیا پہنچیں گے جو ظاہر صورت میں صاف صاف باتیں ہیں وہ بھی ان کو معلوم نہ ہوں گی۔ خفیہ امور کا جاننا سوائے خدائے تعالیٰ کے اور کسی کا کام نہیں۔ پھر ہر ایک جاندار اور روئیدگی میں ایک یا کئی عجیب چیزیں ہیں کہ اسی میں خاص ہیں دوسرے میں نہیں پائی جاتیں۔ مثلاً شہد کی مکھی کو غور کرو کہ کیسے اس کو خدائے تعالیٰ نے بتلا دیا کہ اونچے درختوں اور پہاڑوں اور مکانوں پر چھتہ بناتی ہے اور اس کے لعاب سے موم اور شہد بنتا ہے۔ ایک روشنی کے کام کا ہو اور دوسرے میں مرضوں کی شفا رکھی ہے پھر اس کی عجائب باتوں کو غور کرو کہ پھولوں اور کلیوں پر ہی بیٹھتی ہے اور نجاست و پلیدگی کے گرد نہیں جاتی اور اپنے حاکم کی جو جسم میں سب سے بڑی ہوتی ہے،

لہ تم آگ پر پروانے کی طرح گرتے ہو اور میں تمہاری کمر تھامتا ہوں ۱۲ بخاری و مسلم میں باختلاف الفاظ یہ مضمون مروی ہے ۱۲

اطاعت کرتی ہیں اور اللہ تعالے نے ان کے حاکم میں بھی یہ عدل و انصاف رکھا ہے کہ اگر کوئی نجاست پر بیٹھ کر چھتے میں جانا چاہتی ہے تو فوراً مار ڈالی جاتی ہے مکان کو دیکھو کہ موم سے کیسا بناتی ہے بدون مسطر و پرکار مسدس خانے بناتی چلی جاتی ہے اور گول اور چوکھٹے اور پانچ کھونٹ کے نہیں بناتی صرف مسدس چھ گوشے والے بناتی ہے اس کی بھی ایک وجہ ہے کہ مہندس بھی نہ جانتے ہوں گے یعنی سب سے زیادہ وسیع شکل دائرے کی ہے یا جو اس سے قریب ہو اس لیے کہ مربع میں تو کونے بیکار رہ جاتے ہیں کہ مکھی کا جسم گول ہوتا ہے تو مربع میں رہنے سے زاویے بیکار جاتے ہیں اور اگر گول بناتی تو ان کو ایک دوسرے سے ملانے میں فرجے بیکار رہ جاتے اس واسطے کہ گول چیزیں جب ایک دوسرے سے ملتی ہیں تو خوب متصل نہیں ہوتیں اور زاویہ دار شکلوں میں ایسی کوئی نہیں کہ گنجائش میں سے تو گول شکل کا سا کام دیوے اور ملانے میں اس میں فرجہ نہ رہے بجز شکل مسدس کے کہ اس میں دونوں صفتیں موجود ہیں اور یہ خاصیت اسی شکل کی ہے تو غور کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس چھوٹے سے جانور کو کیسے یہ باتیں بتائیں اور اس پر اپنا لطف و کرم کیسے ظاہر کیا کہ جس چیز کی طرف اس کو حاجت تھی وہ اس کو سکھا دی تا کہ چین سے رہے۔ ان باتوں کو اگر سوچو اور پیٹ کے دھندے سے اگر فرصت بھی ہو اور شہوات نفس اور ہمسروں کی عداوت اور بھائیوں کی طرف داری وغیرہ سے بھی بے فکر ہو تو جانو کہ کیسی عجیب باتیں ہیں کہ خداوند کریم عظیم الشان نے اپنی عنایت و احسان سے ذرا ذرا سے جانوروں میں رکھی ہے۔ اب انہیں کو دیکھ کر عبرت پکڑو اور اسرار زمین و آسمان کو جانے دو جس قدر کہ ہماری فہم ناقص میں گذرا ہے اگر اس کو واضح کر کے لکھا جائے تو بہت سی عمریں چاہئیں۔ حالانکہ ہمارے علم کو علماء اور انبیاء کے علم سے کچھ نسبت نہیں اور سارے خلق کے علم کو خدائے تعالیٰ کے علم سے کچھ نسبت نہیں بلکہ جو باتیں خلق کو معلوم ہوئی ہیں ان کو خدائے تعالیٰ کے علم کے سامنے علم ہی نہ کہنا چاہیے۔ غرضکہ اس جیسی باتیں سوچنے سے وہ معرفت زیادہ ہوتی ہے جو دونوں طریقوں میں سے سہل تر سے حاصل ہوتی ہے اور معرفت کی زیادتی سے محبت زیادہ ہوتی ہے۔ پس اگر تم کو سعادت ملاقات الٰہی سے مشرف ہونے کی طلب ہو تو دنیا کو پس پشت ڈالو اور ذکر دائم اور فکر لازم میں مستغرق رہو اس سے عجب نہیں کہ کچھ نہ کچھ مل رہے اور اس تھوڑی ہی سی چیز کے عوض میں ایسی سلطنت ملے گی جس کی انتہا نہ ہو۔

محبّت و معرفت الٰہی میں لوگوں کا اختلاف حال

جاننا چاہیے کہ اصل محبت تو سب ایمانداروں میں ہوتی ہے اس لیے کہ ایمان میں سب مشترک ہیں مگر محبت میں مختلف ہوتے ہیں اس وجہ سے کہ معرفت اور محبت دنیا میں مختلف ہوتی ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ اشیاء میں اسی قدر تفاوت ہوتا ہے جتنا ان کے اسباب و علتوں میں ہوتا ہے اور لوگوں میں اکثر ایسے ہیں کہ خدائے تعالے کے صفات اور اسماء جو ان کے کانوں پڑے ہیں وہی سیکھ کر یاد کرتے ہیں اور کچھ نہیں جانتے اور بعض اوقات ان اسماء و صفات کے معانی ایسے خیال کر لیتے کہ خداوند جل شانہ ان معانی سے مبرا ہے

اور بعض اوقات حقیقۃ الامر پر واقف نہ ہوتے اور ان کے کچھ نکمے معنی بھی خیال نہ کیے بلکہ تسلیم و تصدیق کے طور پر ایمان لاتے اور عمل میں مصروف ہو کر گفتگو کو بالائے طاق رکھ دیا یہ لوگ اصحاب یمین میں سے بچنے والے ہیں اور جو لوگ خیال فاسد لیتے ہیں وہ گمراہ ہیں اور جو حقیقت کے عارف ہیں وہ مقرب لوگ ہیں اور اللہ تعالےٰ نے ذکر ان تینوں قسم کے لوگوں کا اس آیت میں فرمایا ہے فاما ان کان من المقربین فروح وریحان وجنۃ نعیم و اما ان کان من اصحٰب الیمین فسلام لک من اصحٰب الیمین و اما ان کان من المکذبین الضالین فنزل من حمیم وتصلیۃ جحیم[ت] اور چونکہ بدون مثال کے لوگ باتیں کم سمجھتے ہیں اس لیے اختلاف محبت کی ہم مثال لکھے دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مثلاً شافعیؒ مذہب والوں کو حضرت امام شافعی سے محبت ہے اس محبت میں فقیہ اور عالم اور عوام سب مشترک ہیں کہ ان کے فضل اور دینداری اور سیرت نیک اور خصائل حمیدہ سے سب واقف ہیں مگر عامی ان کے علم کو مجمل جانتا ہے اور فقیہ مفصل جانتا ہے اس لیے فقیہ کا آپ کو جاننا کامل تر ہو گا اور اس جاننے سے آپ کے ساتھ محبت اور عجب بھی فقیہ ہی کو زیادہ ہو گا اس لیے کہ جو شخص کسی مصنف کی تصنیف دیکھتا ہے اور اس کو اچھا جانتا ہے اور اس تصنیف کے باعث مصنف کا فضل پہچانتا ہے تو اس کو یقیناً محبوب جانتا ہے اور اس کی طرف اس کا دل مائل ہوتا ہے۔ پس اگر اس تصنیف کی نسبت کر کوئی دوسری تصنیف اس سے بھی عمدہ اور عجیب دیکھے گا تو بیشک محبت دو بالا ہو گی اس لیے کہ اس کے علم کی معرفت بھی بڑھ گئی۔ اسی طرح آدمی کسی شاعر کے باب میں اگر اعتقاد کرتا ہے کہ شعر خوب کہتا ہے تو اس سے محبت کرتا ہے اور جب اس کے اشعار نادر اس قسم کے سنتا ہے کہ جس میں شاعر کی مہارت اور سخندانی معلوم ہو تو پہلے سے معرفت زیادہ ہوتی ہے اور محبت بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ اسی طرح تمام صناعات اور فضائل عمل کا حال ہے اور عامی کبھی سنتا ہے کہ فلاں شخص مصنف ہے اور اس کی تصنیف اچھی ہوتی ہے مگر مضمون تصنیف سے واقف نہیں ہوتا تو اس کو مجمل معرفت ہوتی ہے اور اسی نسبت کر میل و محبت بھی مجمل ہوتا ہے اور دانا شخص جب تصانیف کا مطالعہ کرتا ہے اور ان کے عجائب پر واقف ہوتا ہے تو اس کی محبت یقیناً دو بالا ہوتی ہے اس واسطے کہ عجائب صنعت اور شعر و تصنیف کے صفات صانع اور شاعر اور مصنف کے کمال پر دال ہوتے ہیں اب عالم سب کا سب خدائے تعالیٰ کی ساخت اور تصنیف ہے اور عامی صرف اس کا اعتقاد اور علم رکھتا ہے مگر اہل بصیرت اس کی صنعت کی تفصیل سے واقف ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ مچھر میں مثلاً وہ عجائب دیکھتا ہے کہ ان میں عقل دنگ ہو شعر

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

اسی وجہ سے اس کے دل میں خدائے تعالیٰ کی عظمت و جلال اور کمال صفات زیادہ ہوتی ہے اور اس کے باعث محبت

ت اسو جو اگر وہ ہوا پاس والوں میں تو راحت ہے اور روزی اور باغ نعمت کا اور جو اگر وہ ہوا داہنے والوں میں تو سلامتی پہنچے تجھ کو داہنے والوں سے اور جو اگر وہ ہوا جھٹلانے والوں بہکوں میں تو مہمانی ہے جلتا پانی اور بٹھانا آگ میں ۱۲

بڑھتی ہے اور جس قدر صنائع الٰہی کی عجیب باتوں پر اطلاع بڑھتی جاتی ہے اور از انجا کہ عجائب صنع الٰہی کا دریا ناپیدا کنار ہے اسی لیے محبت میں اہل معرفت کا تفاوت بھی بے شمار ہے اور جن سببوں سے کہ محبت میں اختلاف ہوتا ہے وہ اختلاف ان پانچوں سببوں کا ہے جو محبت کے لیے ہم لکھ چکے ہیں، مثلاً اگر کوئی شخص خدائے تعالیٰ سے اس وجہ سے محبت رکھتا ہے کہ وہ اس کا محسن اور منعم ہے اس کی ذات سے محبت نہیں رکھتا تو اس کی محبت ضعیف ہے اس واسطے کہ احسان کے بدلے سے یہ محبت بدل جاتی ہے تو بلا کی حالت میں یہ محبت ایسی نہیں ہوتی جیسے خوشی اور آسائش کی حالت میں ہوتی ہے اور اگر کوئی شخص اس وجہ سے محبت رکھتا ہوگا کہ ذات پاک خداوندی مستحق محبت ہے کہ کمال و جمال اور مجد و عظمت سب اس کو حاصل ہے تو اس کی محبت احسان کے مختلف ہونے سے نہیں بدلا کرتی ہمیشہ یکساں رہتی ہے۔ غرض کہ محبت میں لوگوں کے مختلف ہونے کی یہ وجہ ہے اور اسی وجہ سے سعادت اخروی میں فرق ہوا کرتا ہے اور اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا[ت۱] وللاٰخرۃ اکبر درجات واکبر تفضیلا۔

معرفت الٰہی میں مخلوق کا قصور فہم

واضح ہو کہ موجودات میں سے ظاہر تر خدائے پاک ہے اور اس لیے چاہیے تھا کہ سب معرفتوں سے اوّل اس کی معرفت فہم میں آتی اور عقل پر سہل تر ہوتی مگر معاملہ بالعکس نظر آتا ہے تو اس کی وجہ بیان کرنی ضرور ہوتی اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ وہ سب موجودات میں سے ظاہر تر ہے یہ اسی باعث سے کہا کہ جو بدون مثال کے سمجھ میں نہیں آنے کا اور وہ یہ ہے کہ ہم اگر کسی انسان کو لکھتے یا سیتے یا کوئی اور کام کرتے دیکھیں تو اس کا زندہ ہونا ہمارے نزدیک سب موجودات میں سے ظاہر تر ہوگا یعنی اس کی زندگی اور علم و قدرت اور ارادہ کام کا ہمارے عندیے میں اس کی اور صفات ظاہری اور باطنی کی نسبت کر زیادہ واضح ہوگا اس لیے کہ صفاتِ باطنی مثل شہوت و غضب اور خلق و صحت و مرض وغیرہ کو تو ہم جانتے ہی نہیں باقی رہیں صفاتِ ظاہری ان میں سے بعض کو ہم نہیں جانتے اور بعض میں شک ہے۔ مثلاً مقدار طول اور رنگ جلد وغیرہ آنکھ سے معلوم ہو سکتے ہیں مگر ان میں سے کسی وجہ سے شک بھی رہ سکتا ہے اور حیات اور علم اور قدرت و ارادہ بدون اس کے کہ ان میں حس بصر کا لگاؤ ہے ہم پر ظاہر ہو جاتی ہے کہ یہ چیزیں حواس خمسہ میں کسی چیز سے معلوم نہیں ہوتیں لیکن ان چیزوں کا علم بدون حرکت کے ہم کو نہیں ہو سکتا۔ پھر اگر ہم تمام عالم کی طرف برابر نظر کریں گے تو کیا وجہ کہ خدائے تعالیٰ کی صفت ہم کو معلوم نہ ہو دونوں صورتوں میں بات تو ایک ہے اور صاف صاف ہے بلکہ جب عالم کو مشاہدہ کریں گے اور حواس ظاہری اور باطنی سے ادراک کریں گے خواہ وہ پتھر ہو یا ڈھیلا یا نبات و شجر یا حیوان و زمین و آسمان یا ستارے یا خشکی یا تری یا عناصر یا عرض و جوہر وغیرہ تو ان سب سے وجود اللہ تعالیٰ کا اور قدرت و علم اور تمام صفات ضرور ہی مشاہدہ ہوں گے اور سب سے ثبوت کامل اس کے وجود وغیرہ کا ہے بلکہ اوّل دلیل خدائے تعالیٰ کے

ت ۱ اور پچھلے گھر میں تو اور بڑے درجے ہیں اور بڑی بڑائی ۱۲

وجود اور صفات پر ہمارے نفس اور جسم اور اوصاف اور احوال کا بدلنا اور ہمارے دلوں کا اور تمام اطوار کا حرکات و سکنات میں پھر جانا ہے اور ہم کو علم کی راہ سے ظاہر تر سب میں اپنا نفس معلوم ہوتا ہے پھر وہ چیزیں جو ہمارے حواسِ خمسہ سے معلوم ہوتی ہیں۔ پھر وہ جو عقل و بصیرت سے مدرک ہوتی ہیں اور ان سب مدرکات میں سے ہر ایک چیز شاہد اور دلیل جداگانہ ہے۔ اور جتنی چیزیں عالم میں ہیں سب کے سب شواہد ناطقہ اور دلائل کاملہ اس بات پر ہیں کہ ان کا پیدا کرنے والا اور مدبر اور بدلنے والا اور حرکت دینے والا موجود ہے اور اس کے علم و قدرت اور لطف و حکمت پر بھی دال ہیں اور ان سب موجودات مدرکات کی کچھ انتہا نہیں تو خدائے تعالیٰ وجود اور صفات کے دلائل کو بھی کچھ شمار نہیں۔ اب اگر کاتب کی حیات و علم و قدرت ہم کو صرف ایک دلیل یعنی اس کے ہاتھ کی حرکت دیکھنے سے ثابت اور ظاہر ہو جاتی ہے تو خدائے تعالیٰ کا وجود و حیات وغیرہ کس طرح ظاہر نہ ہوگا۔ اس کے لیے تو کوئی چیز ایسی ممکن ہی نہیں کہ اس کے وجود وغیرہ پر دال نہ ہو۔ نہ ہمارے نفسوں کے اندر کوئی شی ایسی ہے نہ باہر اس لیے کہ ہر ایک ذرہ زبان حال سے پکار رہا ہے کہ میں اپنے آپ وجود اور متحرک نہیں میرا موجد اور محرک کوئی اور ہے اور اسی پر ہمارے اعضا کی ترکیب اور ہڈیوں کے جوڑ اور گوشت اور پٹھے اور مسامات اور ہاتھ پاؤں کی صورت اور تمام اجزائے ظاہری و باطنی شاہد ہیں۔ اس لیے ہم جانتے ہیں کہ یہ چیزیں آپ ہی آپ مرکب نہیں ہوئیں جیسا یہ جانتے ہیں کہ کاتب کا ہاتھ خود بخود نہیں ہلتا لیکن ازانجا کہ موجودات میں سے کوئی سے مدرک اور محسوس اور معقول اور حاضر اور غائب ایسی نہیں جو خدائے تعالیٰ کے وجود پر شاہد نہ ہو تو اسی لیے اس کا ظہور اتنا ظاہر ہو گیا کہ عقلیں اس کے ادراک سے متحیر رہ گئیں اس لیے کہ جو شے کہ اس کے سمجھنے میں ہماری عقل قاصر ہے اس کے قصور کے دو ہی سبب ہوتے ہیں یا اس شے کا بذات خود خفیہ اور باریک ہونا جس کی مثال ہر ایک کو معلوم ہے یا اس شے کا وضوح حد سے زیادہ ہونا جیسے شپر رات کو دیکھتی ہے دن کو نہیں دیکھتی نہ اس وجہ سے کہ دن بہ نسبت رات کے پوشیدہ ہے بلکہ اس وجہ سے کہ شدت سے ظاہر ہے کہ شپر اپنے ضعف بصر سے اس کی تاب نہیں رکھتی آفتاب کا نور چمکنے اور خوب ظاہر ہونے کے وقت اس کی بینائی کو منتشر کر دیتا ہے ہاں جب اس میں کچھ تاریکی مل جاتی ہے اور ظہور میں ضعف آ جاتا ہے تو اس کی بینائی کام دینے لگتی ہے اسی طرح ہماری عقلیں ضعیف ہیں اور جمال حضرت الٰہی کا نہایت درجے کی چمک اور نور اور شدت کا شمول رکھتا ہے کہ کوئی ذرہ اس کے ظہور سے نہیں چھوٹتا۔ مصرع

ہر سنگ میں شرار ہے تیرے ظہور کا

مصداق اس بیان کا ہے۔ پس جب ملکوت زمین و آسمان میں کوئی ذرہ اس کے ظہور سے خالی نہیں تو یہی ظہور سبب اس کے خفی رہنے کا ہو گیا ہے۔ سبحان اللہ! شعر

افراط نور آڑ ہو جس کے جمال کی   کب چشم و دل کو تاب ہو اسکے جلال کی

اور شدت ظہور کے باعث خفی رہنے سے تعجب نہ کرنا چاہیے اس لیے کہ چیزیں یا اپنی ضدوں سے کھل جایا کرتی

ہے اور جس چیز کا وجود ایسا عام ہو کہ کوئی ضد ہی نہ ہو اس کا ادراک ضرور مشکل ہو گا یا اشیائے مختلف اس طور کی ہوں گی کہ کچھ دلالت کرتی ہوں اور کچھ نہ کرتی ہوں تو جلد ان میں فرق معلوم ہو سکتا ہے اور اگر سب اشیاء دلالت میں ایک ہی طور پر مشترک ہوں تب بھی مشکل پڑے گی۔ مثلاً آفتاب کا نور جو زمین پر پڑتا ہے ہم کو معلوم ہے کہ یہ آفتاب کے غروب ہونے پر جاتا رہتا ہے اور ایک عرض آفتاب کے ساتھ قائم ہے۔ پس اگر آفتاب ہمیشہ روشن رہتا اور غروب نہ ہوتا تو ہم کو یہی گمان ہوتا کہ اجسام میں بجز ان کے رنگوں سیاہی اور سفیدی وغیرہ کے اور کوئی چیز نہیں کیونکہ ہر وقت یہی رنگ نظر پڑتے ہیں روشنی تو جسم نہیں ہے کہ نظر پڑے مگر جب آفتاب غروب ہو گیا اور تاریکی سب جگہ پھیلی تو ہم کو دونوں حالوں میں فرق معلوم ہوا اور جان لیا کہ اجسام کی روشنی دھوپ سے تھی اور ان میں ایک بات تھی کہ وہ غروب پڑ جاتی رہی۔ غرضنکہ دھوپ کا وجود اس کے عدم سے معلوم ہوا اگر نیست نہ ہوتی تو اس پر اطلاع مشکل سے ہوتی اس لیے کہ اجسام ایک سے نظر پڑتے اندھیرے اجالے کا کچھ فرق نہ ہوتا پس دیکھنا چاہیئے کہ نور سی چیز جو محسوسات میں سے ظاہر تر ہے اور دوسری چیزوں کو ظاہر کرتا ہے صرف ظہور کے باعث اس کا حال کیسے مشتبہ ہو سکتا ہے بشرطیکہ اندھیرا نہ ہو۔ اب خدائے تعالیٰ تو سب امور سے ظاہر تر ہے اور سب چیزیں اسی سے ظاہر ہوتی ہیں۔ اگر اس کو عدم یا غائب ہونا یا بدلنا ہوتو آسمان و زمین گر پڑتے اور ملک وملکوت بیکار ہو جاتے اور دونوں حالوں میں فرق معلوم پڑتا اسی طرح اگر بعض چیزیں اس کے ساتھ موجود ہوتیں اور بعض غیر کے ساتھ تب بھی فرق دونوں چیزوں کی دلالت میں ہوتا۔ مگر اس کی دلالت سب اشیاء میں ایک ہی طرح ہے اور اس کا وجود سب احوال میں دائم وقائم ہے کہ اس کے خلاف ہونا محال ہے تو بالضرور شدتِ ظہور موجب خفا ہی ہوا۔ پس یہی باعث فہم کے قاصر رہنے کا ہے مگر جس شخص کی بصیرت قوی اور قوت غالب ہے وہ اپنے اعتدال کے حال میں سوائے خدائے تعالیٰ کے اور کسی کو نہیں دیکھتا نہ اور کو پہچانے۔ اور جانتا ہے کہ موجود خدائے تعالیٰ کے سوا اور کوئی شئی نہیں۔ غیر کے افعال اسی کے آثار قدرت میں سے ایک اثر ہیں تو وہ اسی کے تابع ہیں واقع میں بدون اس کے غیر کو وجود نہیں بلکہ وجود اسی واحد برحق کو ہے جس کے باعث تمام افعال کا وجود ہے اور جس شخص کا یہ حال ہو وہ کوئی فعل ایسا نہیں دیکھتا جس میں نظر فاعل حقیقی کی طرف نہ ہو نہ آسمان کو آسمان جانے نہ زمین کو زمین نہ درخت وحیوان کو ان کے وجود کے اعتبار سے دیکھے۔ بلکہ ان اشیاء میں اس نظر سے دیکھتا ہے کہ واحد برحق کے افعال وصنائع ہیں غرضنکہ اس کی نظر غیر کی طرف جاتی ہی نہیں جیسے کوئی شخص شعر یا خط یا تصنیف دیکھ کر شاعر اور کاتب اور مصنف کی طرف لحاظ کرے اور ان چیزوں کو اس اعتبار سے دیکھے کہ ان اشخاص کے آثار میں سے ایک اثر ہیں، نہ اس نظر سے کہ سیاہی سے کاغذ پر لکھے ہوتے ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ اس شخص کی نظر غیر مصنف کی طرف نہ ہو گی۔ اور چونکہ تمام عالم تصنیف خدائے تعالیٰ کی ہے تو جو شخص اس کی طرف اس اعتبار سے دیکھے کہ وہ خدا کا فعل ہے اور اسی اعتبار سے اس کو پہچانے اور محبت کرے تو وہ خدا کے سوا اور کسی میں نہ ناظر ہو گا نہ اور کا عارف نہ دوسرے کا محب اور واقع میں موحد حقیقی

وہی ہوگا جو خدائے تعالیٰ کے سوا اور کسی کی طرف نظر نہیں کرتا یہاں تک کہ اپنے نفس کی طرف بجز اس اعتبار کے نہیں دیکھتا کہ خدا کا بندہ ہے پس ایسے ہی شخص کو کہا کرتے ہیں کہ توحید میں فنا ہوگیا اور اپنے نفس سے فنا ہوگیا اور اسی کی طرف اشارہ ہے اس قول میں کسی بزرگ کے۔ فرمایا ہم اپنے آپ تھے پھر خودی سے فنا ہوگئے تو اب بدون خودی کے رہ گئے۔ پس یہ امور اہل بصیرت کے نزدیک معلوم ہیں۔ لوگوں کی فہم بسبب ضعف کے ان کو معلوم نہیں کرسکتی اور علماء سے ان کی تشریح اور توضیح ایسی عبارت میں نہیں ہوسکتی جس سے اور لوگ بھی غرض کو سمجھ جائیں۔ علاوہ اس کے وہ اپنے نفس میں مشغول ہیں اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ اس بات کو غیر سے ذکر کرنا کچھ مفید نہیں یہی وجہ ہے کہ لوگوں کی فہم معرفت الٰہی سے قاصر ہیں اور اس کے اوپر یہ امر زائد ہوگیا کہ مدرکات سب کے سب جو خدائے تعالیٰ پر شاہد ہیں آدمی کو ان کا ادراک لڑکپن میں بے عقلی کی حالت میں ہوتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ عقل پیدا ہوتی ہے حالانکہ اس وقت اپنی شہوات میں ڈوبا رہتا ہے اور مدرکات و محسوسات کو دیکھتے دیکھتے ان سے مالوف و مانوس ہوجاتا ہے۔ دل میں ان کی کچھ قدر و منزلت نہیں رہتی کہ ان کے باعث کوئی نئی بات معرفت کی اس سے سرزد ہو۔ ہاں اگر یکایک کوئی نادر حیوان یا سبزہ یا کوئی اور فعل خدا کے افعال میں سے خلاف عادت عجیب نظر پڑتا ہے تو خود طبیعت سے معرفت کا قول زبان پر آجاتا ہے اور کہنے لگتا ہے سبحان اللہ اور اپنے نفس اور اعضاء اقسام حیوانات کو جن سے مالوف ہو رہا ہے دن بھر دیکھتا ہے اور سب کے سب شواہد قاطعہ ہیں مگر اس کو زیادتی انس سے ان کا شاہد ہونا محسوس نہیں ہوتا۔ اور اگر کوئی اندھا مادر زاد عاقل بالغ ہو پھر ایک بارگی آنکھ کھل جاتے اور آسمانوں زمین اور درختوں اور نباتات و حیوانات پر دفعۃً اس کی نگاہ پڑے تو بڑا خوف ہے کہ کہیں اس کی عقل چکر میں نہ آجائے کیونکہ ایسی عجائب چیزوں کی شہادت ان کے خالق پر اس کو نہایت عجیب معلوم ہوگی۔ حاصل یہ کہ اسی جیسے اسباب اور شہوات میں ڈوبا رہنے سے خلق پر راہ معرفت بند ہے تو یہاں یہ مثل صادق آتی ہے کہ بغل میں گھوڑا اور شہر میں ڈھنڈورا اور اسی لیے کسی نے قطعہ کہا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔ قطعہ:

تو وہ ظاہر ہے کہ پوشیدہ نہیں خلقت پر — لیک جو اصل سے اندھا ہو نہ دیکھے مہتاب
ہے ترا پردہ فقط یہ جو ہے شدت کا ظہور — کیسے معلوم ہو جس کا ہو شہرت ہی حجاب

طریق معرفت اتنا پاس اور لوگ اس سے اتنا دور۔ شعر

دوست نزدیک تر از من بہ من است — وین عجب تر کہ من از وے دورم

بدیہی امور جب مطلوب ہوتے ہیں تو مشکل ہوجاتے ہیں۔

شوق کی حقیقت

جاننا چاہیئے کہ جو شخص محبت الٰہی کا واقع میں ہونے کا منکر ہے اس کو شوق کی حقیقت سے بھی انکار ضرور ہوگا اس لیے کہ شوق تو محبوب ہی کی طرف ہوتا ہے اور ہم یہاں ثابت کرتے ہیں۔ اور عارف کو شوق خدا کی طرف ضرور ہوتا ہے اور وہ شائق ہونے

پر مجبور ہے اور اس کا ثبوت دو طرح پر ہے اول بطریق نظر اور تجرید بصیرت کے۔ دوم بطور اخبار و آثار کے اول طریق کے اثبات میں تو وہی کافی ہے جو اثبات محبت میں پہلے گذر چکا ہے یعنی محبوب کے غائب ہونے کی صورت میں اس کی طرف اشتیاق ضرور ہوتا ہے اور جو موجود اور حاصل ہو اس کی طرف اشتیاق نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ شوق نام طلب اور مشتاقی کا ہے کسی امر میں اور موجود کی تلاش نہیں ہوا کرتی۔ اور اس کی توضیح یہ ہے کہ شوق ایسی ہی چیز کی طرف ممکن ہے جو من وجہ مدرک ہو اور من وجہ غیر مدرک اور جو چیز ایسی ہو کہ کبھی اس کا ادراک نہ ہوا ہو تو اس کی طرف اشتیاق ہی ہرگز نہ ہو گا۔ مثلاً اگر ایک شخص نے دوسرے شخص کو نہ کبھی دیکھا نہ اس کی تعریف سُنی تو خیال میں نہیں آتا کہ وہ اس کا مشتاق ہو اسی طرح اگر کسی چیز کا ادراک کمال درجہ پر ہو جائے تو اس کی طرف بھی شوق نہیں رہتا اور کمال ادراک دیکھنے سے ہوتا ہے پس جو شخص کہ اپنے محبوب کے مشاہدے میں ہے اس کو مدام دیکھ رہا ہے اس کو بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ شوق ہو بلکہ شوق اسی چیز سے متعلق ہوتا ہے جو ایک صورت سے مدرک ہو اور ایک سے نہیں۔ اس کی مثال مشاہدات میں سے یہ ہے کہ فرض کرو کہ کسی کا معشوق اس کے پاس نہیں اور اس کا خیال اس کے دل میں ہے تو اس خیال کے تکمیل کے لیے دیکھنے کا مشتاق ہو گا اور اگر بالفرض اس کے دل سے اس کا خیال اور ذکر اور معرفت سب جاتا رہا اور نسیاً منسیاً ہو گیا تو خیال میں نہیں آتا کہ وہ شخص پھر اس کا مشتاق ہو اور اگر اس کو دیکھے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ دیکھنے کے وقت اس کا شائق ہو۔ اس لیے کہ شوق کے معنی تو یہ ہیں کہ جو خیال دل میں ہے اس کی تکمیل کا طالب ہوتا وہ بات یہاں کب پائی جاتی ہے۔ اسی طرح کبھی معشوق کو اندھیرے میں دیکھا ہے اس طرح کہ اس کی صورت اچھی طرح منکشف نہیں ہوتی تو مشتاق اس دیدار کی تکمیل کا ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ چاندنا ہو تو اس کو فراواقعی دیکھ لوں یا یہ کہ چہرہ محبوب کا تو دیکھا مگر اس کے بال اور محاسن نہیں دیکھے تو اس کے دیکھنے کا مشتاق ہوتا ہے گو ان کو کبھی نہ دیکھا ہو اور نفس میں کوئی خیال دیکھنے کے بعد جما ہو مگر چونکہ معلوم ہے کہ اس کا ایک عضو یا کئی اعضاء خوبصورت ہیں اور تفصیل جمال دیکھ کر معلوم نہیں کی تو اس بات کا مشتاق ہوتا ہے کہ جو بات کبھی نظر نہیں پڑی وہ منکشف ہو جاتے اور یہ دونوں صورتیں خدائے تعالیٰ میں متصور ہیں بلکہ ہر ایک عارف کے لیے ضروری لازم ہیں اس لیے کہ جو کچھ امورِ الٰہیہ میں سے عارفوں پر واضح ہوا ہے گو غایت وضوح اس میں ہے پھر بھی ایسا ہے کہ گویا باریک پردے کی آڑ سے دیکھا ہے تو نہایت درجے کا وضوح نہ رہا بلکہ شائبہ تخیلات کے ساتھ مخلوط ہو گا کیونکہ اس عالم میں خیالات سب معلومات کے لیے تمثیل و مشابہت سے جدا نہیں ہوتے اور اس قسم کے خیالات عارف کا مزہ تلخ کرتے ہیں اور ان خیالات پر کاروبار دنیاوی بھی اضافہ ہو جاتے ہیں بہر حال کمال وضوح مشاہدہ اور تجلی کے اشراق کا نام ہے جو دنیا میں نہیں ہو سکتی آخرت میں ہو گی اور چونکہ منتہائے محبوب عارفوں کا وہی ہے تو بیشک موجبِ شوق ہو گی تو ایک شق شوق کی تو ہو گی یعنی جس چیز کا انکشاف کسی قدر ہوا تھا اس کے کامل انکشاف کا شائق ہونا۔ اب دوسری شق یہ ہے کہ امورِ الٰہیہ کی کچھ انتہا نہیں ہر بندے کے لیے کسی قدر منکشف ہوتے ہیں

اکثر دقیق باتیں نامعلوم رہ جاتی ہیں اور عارف کو ان کے وجود کا علم ہوتا ہے۔ اور یہ بھی جانتا ہے کہ یہ اُمور خدائے تعالیٰ کو معلوم ہیں اور یہ جتنی باتیں مجھ کو معلوم نہیں وہ معلومات کی نسبت کہ زائد ہیں اسی لیے ہمیشہ ان کا طالب اور شائق رہتا ہے یہاں تک کہ اس کو اصل معرفت ان معلومات کی ہو جو اس کو معلوم ہونے سے باقی ہیں نہ ان کا علم واضح طور پر آیا نہ مجمل طور پر اور شوق اول تو آخرت میں تمام ہو گا یعنی اس حال کے حاصل ہونے سے جس کو مشاہدہ اور دیدار کہتے ہیں اس شوق کا دنیا میں فرو ہو جانا ممکن نہیں خلیفہ حضرت ابراہیم بن ادہم جو مشتاقوں میں سے ہیں کہتے ہیں کہ ایک دن میں نے عرض کیا کہ الٰہی تو اگر اپنے عاشقوں میں سے کسی کو ایسی چیز عنایت فرماتا ہو جس سے اس کے دل کو تسلی تیرے وصال سے پیشتر ہو جاتی ہو تو وہ چیز مجھ کو بھی مرحمت ہو مجھ کو اضطراب نے بہت تنگ کیا ہے۔ پس رات کو میں نے خواب میں دیکھا کہ خداوند کریم نے مجھ کو اپنے سامنے کھڑا کیا اور ارشاد فرمایا کہ اے ابراہیم تجھے شرم نہیں آتی کہ مجھ سے ایسی چیز مانگتا ہے جس سے میری ملاقات کے پیشتر ہی تسکین خاطر کرے تبلا تو سہی کہیں مشتاق کو اپنے حبیب سے ملنے سے پیشتر بھی تسکین ہوا کرتی ہے میں نے عرض کیا کہ الٰہی میں نے تیری محبت میں حیرت زدہ ہو کر معلوم نہ کیا کہ کیا کہوں اب تو میرا قصور معاف فرما اور مجھ کو سکھا دے کہ کیا کہوں ارشاد ہوا کہ یوں کہہ اللّٰھم ارضنی بقضائک واصبرنی علیٰ بلائک واوزعنی شکر[1] کیونکہ یہ شوق آخرت میں فرو ہو گا۔ اور دوسری شق شوق کی تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا انجام نہ دنیا میں نہ آخرت میں اس واسطے کہ اس کا انجام جب ہو جب آخرت میں بندے کو خدائے تعالیٰ کا جلال اور اس کے صفات اور حکمت اور افعال اس قدر معلوم ہوں جس قدر کہ خدائے تعالیٰ کو معلوم ہیں اور یہ امر قطعاً محال ہے اس واسطے کہ معلومات الٰہی کی کچھ انتہا نہیں اور ہمیشہ بندہ یہی جانے گا کہ جمال اور جلال میں سے ابھی اور کچھ باقی ہے جو مجھ پر نہیں کھلا تو کبھی اس کا شوق فرو نہ ہو گا خصوصاً وہ شخص جو اپنے درجے پر اور بہت سے درجات دیکھے گا اس کو یہ شوق اور زیادہ ہو گا۔ مگر از انجا کہ یہ طلب اصل وصال ہونے کے بعد محض تکمیل وصال کے لیے ہے اس لیے یہ شوق لذیذ معلوم ہو گا جس میں کچھ درد نہ ہو اور کچھ بعید نہیں کہ کشف اور نظر کے الطاف پیاپے انتہا ہوتے ہیں اور ان سے راحت و لذت ہمیشہ روز افزوں ہوتی رہے اور یہ نئی نئی لذتیں الطاف کی اس چیز کے شوق سے جو حاصل نہ ہوئی ہو بے فکر کر دیں اور یہ اس صورت میں ہے کہ جس چیز میں دنیا میں مطلق کشف نہ ہوا تھا اس کا ظاہر ہونا اور اس میں کشف حاصل ہونا ممکن ہو ورنہ راحت و لذت کسی حد پر ٹھہر کر بڑھنے کی نہیں مگر ہمیشہ کو برقرار ایک سی رہے گی اور یہ جو خدائے تعالیٰ فرماتا ہے نورھم یسعیٰ بین ایدیھم وبایمانھم یقولون ربنا اتمم لنا نورنا[2] اس میں سے بھی یہ معنی نکلتے ہیں یعنی

[1] الٰہی تو مجھ کو راضی کر اپنی قضا پر اور صبر دے اپنی بلا پر اور روزی کر مجھ کو شکر اپنی نعمتوں پر ۱۲ [2] ان کی روشنی دوڑتی ہے ان کے آگے اور ان کے داہنے کہتے ہیں اے رب ہمارے پوری کر دے ہم کو ہماری روشنی ۱۲

دنیا میں سے اگر اصل نور ہمراہ ہوگا تو آخرت میں پورا نور مرحمت کیا جائے گا اور وہ کشف کہ دنیا میں نہ ہوئے تھے وہ اس جگہ حاصل ہوں گے اور یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ اتمام نور سے اسی نور کا پورا ہونا مراد ہو جو دنیا میں روشن ہوا تھا اور آخرت میں اس کی تکمیل و اشراق سے غرض ہو اور یہ آیت اسی پچھلے معنوں کی ممد ہے۔ انظرونا نقتبس من نورکم قیل ارجعوا وراءکم فالتمسوا نوراً[۱] اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انوار کی اصل کا دنیا سے ہمراہ ہونا ضرور ہے آخرت میں ان کی چمک کچھ اور زیادہ ہو جائے گی یہ بات نہ ہوگی کہ کوئی نیا نور ملے گا اور اسباب میں اٹکل سے کچھ کہہ دینا محل خطر ہے ہم کو اب تک کوئی ایسی بات نہیں ملی جس پر اعتماد کیا جائے اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمارا علم زیادہ کرے اور ہدایت بڑھاتے اور حق کا حق ہم پر ظاہر کرے۔ پس انوار بصیرت میں سے اس قدر حقیقت شوق اور اس کے معنوں کے کشف کے لیے کافی ہے اور اخبار و آثار جن سے شوق کا ثبوت ہے لاتعداد و لاتحصی ہیں چنانچہ یہ دعا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور ہی ہے کہ[۲] اللھم انی اسئلک الرضا بعد القضاء و برد العیش بعد الموت ولذۃ النظر الی وجھک الکریم والشوق الی لقائک[ط] اور حضرت ابو درداءؓ نے حضرت کعب احبارؓ سے کہا کہ مجھ سے کوئی آیت توریت کی بیان کرو۔ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابرار کا شوق میری ملاقات کے لیے بہت ہے اور میں ان کی ملاقات کا زیادہ تر مشتاق ہوں اور کہا کہ توریت میں اسی آیت کے قریب یہ بھی مذکور ہے کہ جو شخص مجھ کو طلب کرے گا وہ مجھ کو پائے گا اور جو میرے سوا کسی اور کی طلب کرے گا مجھ کو نہ پائے گا اور حضرت ابو درداء نے فرمایا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ بھی یہی فرماتے تھے۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام کے اخبار میں مروی ہے کہ خدائے تعالیٰ نے ان کو ارشاد فرمایا کہ اے داؤد میرے زمین والوں کو سنا دے کہ جو مجھ سے محبت کرے گا میں اس کا حبیب ہوں اور جو میرے پاس بیٹھے گا میں اس کا جلیس ہوں اور جو میرے ذکر سے انس حاصل کرے گا میں اس کا انیس ہوں اور جو میرے ساتھ رہے گا میں اس کے ساتھ ہوں اور جو مجھ کو اختیار کرے گا میں اس کو اختیار کروں گا اور جو میرا کہا مانے گا میں اس کا کہا مانوں گا اور جو شخص مجھ سے محبت کرتا ہے اور اس کی محبت دل سے مجھ کو خوب معلوم ہو جاتی ہے تو میں اس کو اپنے واسطے مقبول کرتا ہوں اور اس سے ایسی محبت کرتا ہوں کہ میری خلق میں سے اس پر کوئی مقدم نہیں ہوتا ہے۔ جو مجھ کو سچ سچ طلب کرتا ہے وہ مجھ کو پاتا ہے اور جو غیر کو طلب کرتا ہے وہ مجھ کو نہیں پاتا تو اے زمین کے باشندو تم اب جس حال میں ہو کہ دنیا کے فریب میں آرہے ہو اس کو چھوڑ دو اور میری کرامت اور صحبت اور پاس بیٹھنے کی طرف چلو اور میرے ساتھ انس کرو

---

[۱] ہماری راہ دیکھو ہم بھی سلگالیں تمہاری روشنی سے کسی نے کہا الٹے جاؤ پیچھے پھر ڈھونڈو روشنی ۱۲ [۲] الٰہی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں رضا کو بعد تیرے حکم کے اور ٹھنڈی عیش کو بعد مرنے کے اور دیکھنے کو تیری وجہ کریم کی طرف اور شوق کو تیرے ملنے کے ۱۲ جلد اول باب الدعا میں گذری ۱۲

میں تمہارے ساتھ انس کروں گا اور تمہاری محبت کی طرف سرعت کروں گا اس لیے کہ میں نے اپنے احباب کا خمیر ابراہیم اپنے خلیل اور موسیٰ اپنے کلیم اور محمدؐ اپنے صفی کے خمیر سے بنایا ہے اور میں نے مشتاقوں کے دل اپنے نور سے بنائے ہیں اور اپنے جلال سے ان کو پرورش کیا ہے اور بعض اکابر سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض صدیقین پر وحی بھیجی کہ میرے بندوں میں سے کچھ خاص بندے ایسے ہیں جو مجھ سے محبت رکھتے ہیں اور میں ان سے محبت رکھتا ہوں اور وہ میرے مشتاق ہیں اور میں ان کا مشتاق ہوں اور وہ مجھ کو یاد کرتے ہیں میں ان کو یاد کرتا ہوں وہ میری طرف دیکھتے ہیں میں ان کی طرف دیکھتا ہوں اگر تو بھی ان کی راہ چلے گا تو میں تجھ سے محبت کروں گا اور ان کی راہ سے پھرے گا تو تجھ پر غصہ ہوں گا۔ اس بزرگ نے عرض کیا کہ الٰہی ان بندوں کی پہچان کیا ہے حکم ہوا کہ دن کو سائے کو اس طرح تاکتے ہیں جیسے چرواہا شفیق اپنی بکریوں کو تاکتا رہتا ہے اور سورج ڈوبنے کے ایسے مشتاق رہتے ہیں جیسے پرندہ شام کو اپنے گھونسلے کا مشتاق ہوتا ہے پس جب رات چھا جاتی ہے اور اندھیرا گھپ ہو جاتا ہے اور بچھونے بچھ جاتے ہیں اور راز واشگاف ہوتے ہیں اور ہر ایک حبیب اپنے حبیب سے ملتا ہے اس وقت وہ میرے لیے اپنے قدم اٹھاتے ہیں اور پیشانی بچھاتے ہیں اور میرے کلام سے مجھ سے سرگوشی کرتے ہیں اور میرے انعام کے باعث میری خوشامد کرتے ہیں ان میں سے کوئی چیختا ہے کوئی روتا ہے کوئی آہ کرتا ہے کوئی مشتاق ہے کوئی کھڑا ہے کوئی بیٹھا ہے اور کوئی رکوع کرتا ہے اور کوئی سجدہ کرتا ہے جو کچھ وہ لوگ میرے باعث سے برداشت کرتے ہیں اور میری محبت میں شکایت کرتے ہیں وہ سب بسر و چشم۔ سب سے پیشتر جو میں ان کو دوں گا تو تین باتیں ہیں اول یہ کہ اپنے نور کو ان کے دلوں میں ڈال دوں گا کہ وہ میرے حال سے خبر دیں گے جیسے میں ان کے حال سے خبر دیتا ہوں۔ دوسرے یہ کہ اگر آسمان اور زمین اور جو چیز ان دونوں میں ہے ان کے وزن کے مقابل ہو گی تو میں ان کی خاطر ان اشیاء کو کم جانوں گا۔ تیسرے یہ کہ میں اپنا چہرہ مقدس ان کی طرف کروں گا اور تم کو معلوم ہے کہ جس کی طرف میں متوجہ ہوں کسی کو معلوم ہو گا کہ میں اسے کیا کچھ دیا چاہتا ہوں اور یہ بھی حضرت داؤد علیہ السلام کے اخبار میں منقول ہے کہ خدائے تعالیٰ نے ان پر وحی بھیجی کہ اے داؤد جنت کو کب تک یاد کرے گا اور میری طرف شوق کی درخواست مجھ سے نہ کرے گا۔ عرض کیا کہ الٰہی تیرے مشتاق کون ہیں ارشاد ہوا کہ وہ لوگ میرے مشتاق ہیں جن کو میں نے ہر ایک کدورت سے صاف کر دیا ہے اور خوف سے آگاہ کر دیا ہے ان کے دلوں میں اپنی طرف سوراخ کر دیا ہے جس سے وہ میری طرف دیکھتے ہیں میں ان کے دلوں کو اپنے ہاتھ میں لے کر اپنے آسمان پر رکھتا ہوں پھر عمدہ فرشتوں کو بلاتا ہوں جب وہ اکٹھے ہوتے ہیں تو مجھ کو سجدہ کرتے ہیں میں ان کو ارشاد فرماتا ہوں کہ میں نے تم کو سجدے کے لیے نہیں بلایا بلکہ اس لیے بلایا ہے کہ اپنے مشتاقوں کے دلوں کو تم کو دکھاؤں اور ان کے باعث تم پر فخر کروں ان کے

---

۵ اصل میں نصبت الاسترۃ الخ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ تخت بچھ گئے۔ ۱۲

دل میرے آسمان میں فرشتوں کو ایسا نور دیتے ہیں جیسے آفتاب زمین والوں کو روشنی دیتا ہے۔ اے داؤد میں نے مشتاقوں کے دل اپنی رضا سے بنائے اور اپنے چہرے کے نور سے ان کی تربیت کی اور ان کو اپنی ذات کے لیے بات کرنے والا بنایا اور ان کے بدنوں کو زمین میں سے اپنی نظر کی جگہ مقرر کی اور ان کے دلوں میں ایک راہ رکھ دی جس سے میری طرف دیکھتے ہیں اور ہر روز ان کا شوق زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ حضرت داؤدؑ نے عرض کیا کہ الٰہی مجھ کو اپنے عاشقوں کی زیارت کرا دے حکم ہوا کہ پہاڑ لبنان پر جاو ہاں چودہ آدمی ہیں کہ ان میں جوان اور بوڑھے اور ادھیڑ سب قسم کے لوگ ہیں ان سے جا کر میرا سلام کہنا اور کہیو کہ تمہارا رب بعد سلام تم سے کہتا ہے کہ مجھ سے تم کچھ حاجت کیوں نہیں مانگتے تم تو میرے دوست اور برگزیدہ اور ولی ہو میں تمہاری خوشی سے خوش ہوتا ہوں اور تمہاری محبت کی طرف سبقت کرتا ہوں۔ حضرت داؤد بموجب ارشاد کے کوہ لبنان کو گئے ان لوگوں کو ایک چشمہ کے پاس دیکھا کہ خدائے تعالیٰ کی عظمت میں فکر کر رہے ہیں۔ جب انہوں نے حضرت داؤد کو دیکھا تو اٹھے تاکہ ان سے علیحدہ ہو جائیں آپ نے فرمایا کہ لوگو میں رسول خدا ہوں تمہارے پاس ایک پیام ربانی پہنچانے آیا ہوں۔ انہوں نے آپ کی طرف متوجہ ہو کر کان لگا دیے اور آنکھیں نیچی کر لیں۔ حضرت داؤد نے فرمایا کہ میں یہ پیام لایا ہوں کہ خدائے تعالیٰ بعد سلام کے تم سے فرماتا ہے کہ مجھ سے کوئی حاجت کیوں نہیں مانگتے مجھ کو کیوں نہیں پکارتے کہ تمہاری آواز کو سنوں تم میرے دوست اور اصفیا اور اولیاء ہو تمہاری خوشی سے میں خوش ہوتا ہوں اور تمہاری محبت کی طرف سرعت کرتا ہوں اور جیسے مادر مشفقہ اپنی اولاد کو دیکھتی ہے اس طرح میں ہر گھڑی تم کو دیکھتا ہوں یہ سن کر ان سب کے آنسو چہرے پر بہنے لگے اور ہر ایک نے جدا دعا مانگی ان میں سے بوڑھے نے کہا کہ الٰہی ہم تیرے بندے ہیں اور بندوں کی اولاد ہیں جس قدر ہماری عمر گذشتہ میں تیری یاد نہ ہوئی ہو وہ ہم کو معاف فرما۔ دوسرے نے کہا کہ الٰہی تو پاک ہے ہم تیرے بندے اور تیرے غلاموں کی اولاد ہیں جو معاملہ ہم میں اور تجھ میں ہے اس میں یہ احسان کر کہ حسن نظر فرما۔ تیسرے نے کہا کہ الٰہی تو پاک ہے ہم تیرے بندے اور تیرے بندوں کے بیٹے ہیں کیا ہم تجھ سے دعا پر جرأت کریں تجھ کو تو معلوم ہے کہ ہم کو کسی اپنے کام کی حاجت نہیں اتنا احسان کر کہ اپنی طرف کے راستے پر جمار ہنا ہمارے لیے ہمیشہ کے واسطے کر دے اور اس بات سے ہم پر بار منت رکھ۔ چوتھے نے کہا کہ الٰہی ہم سے تیری رضا کی طلب میں قصور ہوا تو اپنے جود سے اس پر ہماری اعانت کر۔ پانچویں نے کہا کہ خدایا تو نے ہم کو نطفہ سے پیدا کیا اور اپنی عظمت میں فکر کرنے کا احسان کیا تو جو شخص کہ تیری عظمت میں مشغول اور تیرے جلال میں متفکر ہو بھلا وہ کلام کی جرأت کر سکتا ہے ہمارا مقصود تو یہی تھا کہ اپنے نور سے ہم کو قریب کر۔ چھٹے نے کہا کہ الٰہی چونکہ تو عظیم الشان ہے اور اپنے اولیاء سے قریب رہتا ہے اور اپنے اہل محبت سے بہت احسان کرتا ہے اس لیے ہماری زبان یارا نہیں دیتی کہ تجھ سے کچھ دعا کریں۔ ساتویں نے کہا کہ خدایا جو تو نے ہمارے دلوں کو اپنے ذکر کی ہدایت کی اور اپنی طرف مشغول ہونے کا دھیان عنایت فرمایا تو اس نعمت کے شکر میں جو ہم سے تقصیر ہوئی ہو اس کو معاف کر۔ آٹھویں نے کہا کہ خدایا ہماری

حاجت تو تجھ کو معلوم ہی ہے وہ صرف تیری طرف دیکھنا ہے۔ نویں نے کہا کہ الٰہی بندہ اپنے آقا پر کچھ جرأت نہیں کر سکتا مگر چونکہ ہم کو حکم دعا کا اپنے الطاف سے کیا ہے اس لیے عرض کرتے ہیں کہ ہم کو وہ نور عنایت کر جس سے آسمانوں کے طبقات کے اندھیروں میں راہ ملے۔ دسویں نے کہا خدایا تجھ سے تجھی کو چاہتے ہیں کہ ہماری طرف متوجہ ہو اور ہمیشہ ہمارے پاس رہ۔ گیارھویں نے کہا الٰہی جو نعمت کہ تو نے ہم کو عنایت کی ہے اس کے پورا کرنے کی تجھ سے درخواست ہے۔ بارھویں نے کہا کہ الٰہی تیری مخلوق میں سے تو ہم کو کسی چیز کی حاجت نہیں۔ پس اپنے جمال کی نظر کرنے سے ہم پر احسان کر۔ تیرھویں نے کہا کہ میری تو یہ درخواست ہے کہ خداوند دنیا و مافیہا کی طرف دیکھنے سے میری آنکھ اندھی کر اور آخرت میں مشغول ہونے سے میرے دل کو اندھا کر۔ چودھویں نے کہا کہ الٰہی یہ تو میں جانتا ہوں کہ تو اپنے اولیاء کو چاہتا ہے تو ہم پر اتنا احسان کر اپنے سوا جتنی چیزیں ہیں ان سے ہمارے دل کو صرف اپنے ساتھ مشغول کر دے اللہ تعالےٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ ان سے کہدو کہ میں نے تمہاری گفتگو سنی اور جو کچھ تم کو محبوب ہے میں نے قبول کیا تم ایک ایک آدمی ایک دوسرے سے جدا ہو جاؤ اور اپنے واسطے زمین میں تہ خانہ بنالو کہ میں تم میں اور اپنے درمیان سے حجاب اٹھایا چاہتا ہوں تاکہ تم میرے نور اور جلال کو دیکھو۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کیا کہ الٰہی یہ لوگ اس درجہ کو کیسے پہنچے حکم ہوا کہ میرے ساتھ گمان اچھا رکھتے ہیں اور دنیا اور اس کے باشندوں سے رکے ہوتے ہیں میرے ساتھ تنہا رہے ہیں اور مجھ کو پکارا کیے ہیں اور یہ وہ رتبہ ہے کہ اس کو بجز تارک دنیا و مافیہا کے جو اس میں ہے کسی چیز کی یاد میں مشغول نہ ہو اور دل اپنا میرے لیے خالی کرے اور تمام میری مخلوق پر محکومی اختیار کرے اور کسی کو حاصل نہیں ہوتا جب ایسا ہو جاتا ہے تو اس پر میں الطاف کرتا ہوں اور اس کے نفس کو فارغ البال کر کے اس کے اور اپنے درمیان سے پردہ اٹھا دیتا ہوں تاکہ مجھ کو ایسے دیکھے جیسے کوئی آنکھ سے کچھ دیکھا کرتا ہے اور اس کو اپنی کرامت دکھلاتا ہوں اور اپنے چہرۂ مقدس کے نور سے ہر وقت قریب کرتا جاتا ہوں اگر وہ بیمار ہو جاتے تو میں اس کا علاج ایسا کرتا ہوں جیسے مادر مشفقہ اپنے بچے کا علاج کرتی ہے اور اگر اس کو پیاس لگتی ہے تو اس کو اپنے ذکر کی چاٹ سے سیراب کرتا ہوں پھر اس کے بعد میں اس کو دنیا و مافیہا سے اندھا کر دیتا ہوں۔ دنیا اس کی نظروں میں محبوب نہیں کرتا کسی وقت میرے ساتھ مشغول ہونے سے دم نہیں لیتا اس کا یہ حال ہوتا ہے کہ میرے پاس آنے کے لیے مجھ سے جلدی کرتا ہے اور میں اس کے مارنے کو برا سمجھتا ہوں اس لیے کہ خلق میں سے میری نگاہ اسی پر ہوتی ہے اور میرے غیر کو نہیں دیکھتا نہ میں اس کے غیر کو دیکھوں۔ اے داؤد جب میں اس کو دیکھتا ہوں کہ اس کا نفس کھل گیا اور جسم لاغر ہو گیا اور اعضا ٹوٹ گئے اور جب میرے ذکر کو سنتا ہے تو اس کا دل ٹھکانے نہیں رہتا تب اس کے باعث میں اپنے فرشتوں اور باشندگان آسمان پر فخر کرتا ہوں تو اس کو خوف زیادہ ہو جاتا ہے اور عبادت بہت کرنے لگتا ہے۔ اپنی عزت اور جلال کی قسم ہے اس کو فردوس میں بٹھاؤں گا اور اس کے دل کو اپنی طرف دیکھنے سے اتنی تسلی دوں گا کہ وہ راضی ہو جائے گا بلکہ راضی ہونے سے بھی زیادہ اس کو اطمینان ہووے

اور یہ بھی حضرت داؤد علیہ السلام کے اخبار میں ہے کہ اے داؤد جو بندے کہ میری محبت کی طرف متوجہ ہوں ان سے کہدے کہ اگر میں اس خلقت سے پوشیدہ رہوں اور تم میں اور اپنے درمیان میں پردے کو دور کردوں تو اس میں تمہارا کیا ضرر ہے تم مجھ کو اپنے دلوں کی آنکھوں سے دیکھتے رہو گے اور اگر میں دنیا کو تم سے علیحدہ رکھوں اور دین کو تم پر فراخ کردوں تو اس میں تمہارا کیا نقصان ہے اور جب کہ تم میری رضا کے طالب ہو تو خلق کا ناراض ہونا تم کو کچھ ضرر نہ دے گا اور یہ بھی انہی کے اخبار میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی بھیجی کہ تجھ کو یہ گمان ہے کہ تو مجھ سے محبت رکھتا ہے پس اگر یہ بات سچی ہے تو دنیا کی محبت اپنے دل سے نکال ڈال اس لیے کہ میری محبت اور دنیا کی محبت ایک دل میں جمع نہیں ہوتی۔ اے داؤد میری محبت اگر کرتا ہے تو خالص کر اور باشندگانِ دنیا سے ظاہری ملاپ بند کر اور دین میں میری تقلید کر۔ لوگوں کی مت کر جو بات اس میں سے ایسی ہو کہ میری محبت کے موافق تجھ کو معلوم ہو تو اس کو اختیار کر اور جو مشکل ہو اس کو میرے حوالہ کر۔ علاوہ ازیں میں تیری سیاست اور راستی پر رہنے کی طرف سبقت کرتا ہوں اور تیرا ہادی اور قائد ہوں بدون سوال کے تجھ کو دیتا ہوں اور سختیوں پر مدد کرتا ہوں اور میں نے اپنے نفس پر قسم دے لی ہے کہ بدون ایسے بندے کے کسی کو ثواب نہ دوں گا جس کا مطلب اور ارادہ میرے سامنے عاجزی کا مجھ کو معلوم نہ ہو جائے اور جو بدون میرے نہ رہ سکے پس اگر تو ایسا ہو جائے گا تو میں ذلت اور وحشت کو تجھ سے دور کر کے تیرے دل میں غنا بھر دوں گا اس لیے کہ میں نے اپنے نفس پر قسم دے لی ہے کہ جو بندہ اپنے نفس پر مطمئن ہو کر اس کے افعال کا نگران ہوتا ہے تو میں اس کے نفس کے حوالہ کر دیتا ہوں۔ تو اشیاء کو میری طرف نسبت کر تیرے عمل اس کے خلاف نہ ہوں ورنہ تو گنہ گار ہو گا اور تجھ سے تیرے ساتھیوں کو نفع نہ ہو گا اور میری معرفت کی کچھ حد تجھ کو نہ ملے گی کیونکہ اس کی کچھ انتہا نہیں اور جب تو زیادہ مجھ سے مانگے گا تو میں تجھ کو دوں گا اور میری طرف سے زیادتی کی بھی کچھ حد نہیں۔ پھر بنی اسرائیل کو جتائیے کہ مجھ سے اور کسی مخلوق میں کوئی رشتہ نہیں اس صورت میں ان کی رغبت اور ارادت ہی میرے نزدیک زیادہ ہونی چاہیئے میں ان کو وہ چیز دوں گا کہ نہ آنکھوں نے دیکھی نہ کانوں نے سُنی نہ کسی آدمی کے دل میں گذری مجھ کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھ لے اور اپنے دل کی آنکھ سے میری طرف دیکھ اور اپنے سر کی آنکھ سے ان لوگوں کی طرف مت دیکھ جن کے دل اور آنکھیں مجھ سے محجوب ہیں اور شتر بے مہار ہو رہے ہیں۔ میں نے ان سے ثواب منقطع کر دیا ہے میں نے اپنی عزت وجلال کی قسم کھائی ہے کہ اپنا ثواب اس بندے کے لیے نہ کھولوں گا جو میری طاعت میں تجربے کے لیے یا آلا بالا بتانے کے لیے داخل ہوا اور جن لوگوں کو تو سکھلا دے ان سے فروتنی کر اور ارادت والوں پر زیادتی مت کر کیونکہ ان کا مرتبہ میرے نزدیک اتنا بڑا ہے کہ اگر اہل محبت کو معلوم ہو جائے تو ان کے پاؤں میں گر پڑیں کہ انہیں کے اوپر ارادت والے راستہ چلیں اے داؤد اگر تو ایک مرید کو نشۂ غفلت سے نکال کر صاف کر دے گا تو میں تجھ کو اپنے یہاں بڑا دانا اور ہوشیار لکھوں گا اور جس کو اپنے یہاں ایسا لکھتا ہوں اس پر وحشت اور احتیاج خلق نہیں ہوتی اے داؤد میرے کلام سے تمسک کر اور اپنے

نفس کے واسطے نفس ہی سے لے اس میں سے کچھ مت دے ورنہ میں تجھ سے اپنی محبت کو محجوب کردوں گا میرے بندوں کو میری رحمت سے ناامید مت کر اور اپنی شہوت کو میرے لیے ترک کر میں نے شہوات کو اپنی مخلوق میں سے ضعیفوں کے لیے مباح کر دیا ہے۔ قوی لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ وہ شہوات کو حاصل کریں ان سے تو میری مناجات کی حلاوت کم ہو جاتی ہے اور زبردستوں کی ادنیٰ سزا میرے یہاں یہ مقرر ہے کہ عین حصول شہوت کی جگہ میں ان کی عقلوں پر اپنی طرف سے حجاب ڈال دیتا ہوں اس لیے کہ میں اپنے حبیب کے واسطے دنیا پسند نہیں کرتا اس کو اس سے صاف رکھتا ہوں اے داؤد اپنے اور میرے درمیان کسی ایسے عالم کو ذریعہ مت کر جو تجھ کو اپنی غفلت کے باعث میری محبت سے محجوب کردے اس قسم کے لوگ میرے ارادت مند بندوں کے راہزن ہیں ترک شہوات کے لیے روزے کی مداومت سے استعانت لے اور خبردار افطار کا تجربہ مت کر نا اس لیے کہ میں روزے کو مداومت کے ساتھ ہی اچھا جانتا ہوں اے داؤد اپنے نفس کی دشمنی کر کے میرا ہی حبیب بن اور نفس کو شہوت سے باز رکھ کہ میں تیری طرف دیکھوں اور تجھ کو اپنے اور میرے درمیان کے حجاب دور نظر آئیں چونکہ مجھ کو اپنے ثواب کا احسان تجھ پر کرنا ہے تو تیری مدارات اس لیے کرتا ہوں کہ میرے ثواب پر قادر ہو جاتے اور جب تک تو میری طاعت پر متمسک رہے گا میں ثواب تجھ سے نہ روکوں گا۔ اور خدائے تعالیٰ نے یہ بھی حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ اے داؤد جو لوگ تجھ سے روگرداں ہیں اگر ان کو معلوم ہو کہ میں ان کا کیسا منتظر ہوں اور ان سے نرمی کرتا ہوں اور ان کے گناہوں کے ترک کے لیے کیسا مشتاق ہوں تو وہ لوگ میری طرف شوق کے مارے مر جائیں اور ان کے جوڑ ایک دوسرے سے میری محبت کے باعث جدا ہو جائیں۔ اے داؤد یہ تو میرا ارادہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو مجھ سے روگرداں ہیں تو جو لوگ میری طرف متوجہ ہیں ان کے باب میں میرا ارادہ کیسا ہوگا۔ اے داؤد جب بندہ مجھ سے بے پرواہ ہو جاتا ہے تو سب حالتوں سے زیادہ محتاج میری طرف ہوتا ہے۔ اور جب وہ میری طرف سے روگرداں ہوتا ہے تو مجھ کو اس پر زیادہ تر رحم آتا ہے اور جب وہ میری طرف رجوع کرتا ہے تو مجھ کو سب سے بڑا معلوم ہوتا ہے ؎

اے خدا قربان احسانت شوم　　　اینچہ احسان است قربانت شوم

پس یہ اخبار اور اس طرح کی اور نظیریں بے شمار ہیں جو اثبات محبت اور شوق اور انس پر دلالت کرتی ہیں اور معنی ان کے تو پہلے معلوم ہو چکے۔

بندے سے اللہ تعالیٰ کی محبت

واضح ہو کہ قرآن مجید سے متواتر ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے سے محبت رکھتا ہے پس اس محبت کے معنی کی تحقیق ضرور ہے اول ان آیات واحادیث کو لکھتے ہیں جن سے یہ محبت ثابت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے یحبھم ویحبونہ[ا] اور فرمایا[۲] ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ صفا اور فرمایا

ا وہ چاہتا ہے ان کو اور وہ چاہتے ہیں اس کو ۱۲ ۲ اللہ چاہتا ہے ان کو جو لڑتے ہیں اس کی راہ میں قطار باندھ کر ۱۲

ان اللہ یحب التوابین ویحب المتطہرین[ت۱] اور اسی جہت سے جس شخص نے کہ دعوٰی کیا کہ میں خدائے تعالیٰ کا محبوب ہوں اس کے جواب میں ارشاد فرمایا فلم یعذبکم بذنوبکم[ت۲] اور حضرت انس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اذا احب اللہ تعالیٰ عبداً لم یضرہ ذنب والتائب من الذنب کمن لا ذنب لہ[ح۳] پھر آپ نے یہ آیت پڑھی ان اللہ[ت۱] یحب التوابین ویحب المتطہرین اور اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس بندے سے محبت رکھتا ہے اس کی توبہ موت سے پہلے قبول فرمالیتا ہے پھر اس کو گناہان گذشتہ ضرر نہیں کرتے گو بہت ہوں۔ جیسے کہ مسلمان ہونے کے بعد کفر گذشتہ نقصان نہیں کرتا۔ اور اللہ تعالیٰ نے محبت کے لیے گناہوں کا معاف فرمانا بھی ارشاد فرمایا ہے جیسے کہ ارشاد ہے قل[ت۴] ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ان[ح۵] اللہ یعطی الدنیا من یحب ومن لا یحب ولا یعطی الایمان الا من یحب اور فرمایا من تواضع للہ رفعہ اللہ ومن تکبر وضعہ اللہ ومن اکثر ذکر اللہ احبہ اللہ اور حدیث قدسی لا یزال العبد یتقرب الی بالنوافل حتی احبہ الی آخرہ پہلے گذر چکی ہے اور زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ بندے سے محبت کرتا ہے یہاں تک کہ اس کی محبت اس درجہ پر پہنچ جاتی ہے کہ بندے کو ارشاد فرماتا ہے کہ جو تیرا جی چاہے سو کر میں نے تجھ کو معاف کیا اور جس قدر کہ الفاظ محبت وارد ہیں شمار سے زاید ہیں اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ بندے کی محبت خدا کے ساتھ حقیقی ہے نہ مجازی اس لیے کہ محبت کے معنی لغت میں یہ ہیں کہ نفس کا خواہش کرنا ایک موافق چیز کی طرف۔ اور عشق اس خواہش کے غلبے اور افراط کا نام ہے اور یہ بھی ہم نے بیان کر دیا ہے کہ احسان اور جمال دونوں نفس کے موافق ہیں اور یہ دونوں کبھی تو آنکھ سے مدرک ہوتے ہیں اور کبھی بصیرت سے اور محبت دونوں صورتوں میں لازم ہے کچھ آنکھ کی ضرورت نہیں۔ ع

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد

ت۱ اللہ کو خوش آتے ہیں توبہ کرنے والے اور خوش آتے ہیں ستھرائی والے ت۲ تا کہ پھر کیوں عذاب کرتا ہے تم کو تمہارے گناہوں پر ح۳ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کر لیتا ہے تو اس کو کوئی گناہ ضرر نہیں کرتا اور گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسا وہ کہ جس کے ذمہ گناہ ہی نہ ہو ۱۲ ابو منصور دیلمی در مسند فردوس ۱۲ ت۴ تو کہہ اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ کی تو میری راہ چلو کہ اللہ تم کو چاہے اور بخشے گناہ تمہارے ۱۲ ح۵ اللہ تعالیٰ دنیا دیتا ہے جس سے محبت رکھتا ہے اور جس سے نہیں رکھتا دونوں کو اور ایمان نہیں دیتا مگر اسی کو جس سے محبت رکھتا ہے ۱۲ احمد وحاکم وبیہقی بروایت ابن مسعود ۱۲ ح۶ جو شخص اللہ کے واسطے تواضع کرتا ہے اس کو خدائے تعالیٰ اونچا کرتا ہے اور جو تکبر کرتا ہے اسی کو اللہ تعالیٰ پست کرتا ہے جو خدا کا ذکر بہت کرتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے ۱۲ ابن ماجہ بروایت ابو سعید اور اس میں جملہ اخیرہ ومن اکثر الخ۔۔۔ نہیں ہے اور احمد اور ابو یعلیٰ نے اس جملہ کو بھی روایت کیا ہے مگر اس سند میں ابن لہیعہ ہے

خود مشہور ہے مگر خدائے تعالیٰ کی محبت بندے سے اس طرح ممکن نہیں بلکہ جتنے الفاظ کہ اللہ تعالیٰ پر بولے جاتے ہیں مثلاً سننے اور جاننے وغیرہ کے وہ ایسے نہیں ہیں کہ خلق پر اور خالق پر ایک ہی طرح بولے جاتے ہوں۔ یہاں تک کہ وجود جو سب الفاظ میں سے باعتبار اشتراک کے عام تر ہے وہ بھی خلق اور خالق پر ایک ہی طرح نہیں بولا جاتا اس لیے کہ ہر ایک ماسوائے اللہ کا وجود خدائے تعالیٰ کے وجود سے نکلا ہے تو تابع اور متبوع کا وجود ایک سا کیوں ہونے لگا تھا۔ البتہ لفظ کے اعتبار سے صرف شرکت پائی جاتی ہے کہ دونوں کو وجود کہتے ہیں اس کی مثال یہ ہے کہ مثلاً گھوڑا اور درخت جسم ہونے میں شریک ہیں کہ معنی جسمیت کے اور اس کی حقیقت دونوں میں ایک سی معلوم ہوتی ہے یہ بات نہیں کہ ایک میں تو اصلی ہو اور دوسرے میں فرعی کیونکہ ایک کی جسمیت دوسرے سے نہیں نکلی اور وجود کے لفظ میں جو اللہ تعالیٰ اور مخلوق پر بولا جاتا ہے یہ بات نہیں اور یہ فرق سب الفاظ میں ہے یعنی علم و ارادہ و قدرت سب ایسے ہی ہیں کہ ان میں خلق اور خالق دونوں ایک سے نہیں۔ واضع لغت نے یہ الفاظ خلق کے لیے اول بنائے تھے۔ بریں وجہ کہ عقل و فہم میں خلق ہی بیشتر ہے پس ان کا استعمال خالق کے حق میں بطور استعارہ اور مجاز اور نقل کے ہو گیا اور محبت یعنی نفس کا خواہش کرنا طرف موافق اور مناسب چیز کے اس نفس میں ہو سکتی ہے جو موافق چیز کے نہ ملنے سے ناقص ہوا اور جب اس کو وہ مل جاتے تو اس سے فائدہ اُٹھاتے اور کامل ہو جاتے اور یہ بات خدائے تعالیٰ پر محال ہے اس لیے کہ وہاں تو ہر ایک کمال اور جمال اور بہار اور جلال جو اس کے لیے ممکن ہے وہ سب اس کے پاس موجود اور حاصل اور ابد سے ازل تک واجب الحصول ہے نہ وہ نیا ہو سکے نہ اس سے کمال دور ہو تو اس کو غیر کی طرف نظر اس اعتبار سے نہیں ہو سکتی کہ وہ غیر ہے بلکہ اس جہت سے ہو گی کہ ہمارا فعل ہے اور واقع میں بجز اس کی ذات اور افعال کے اور کوئی موجود بھی نہیں۔ اور بہیں لحاظ شیخ ابوسعید میہنی کے سامنے جب یہ آیت پڑھی گئی کہ یحبھم و یحبونہ تو انہوں نے فرمایا کہ وہ اپنے ہی نفس سے محبت فرماتا ہے یعنی کل وہی ہے اس کے سوا اور کوئی موجود نہیں تو محبت بھی اپنے ہی نفس کے ساتھ ہوتی جیسے کوئی شخص صرف اپنے نفس سے محبت کرے اور اپنے افعال و تصانیف کو چاہے تو ظاہر ہے کہ اس کی محبت اس کی ذات سے تجاوز نہ کرے گی خواہ ذات سے ہو گی یا ذات کے توابع سے۔ بہر حال وہ اپنے نفس ہی کی محبت رکھے گا اور جو الفاظ کہ خدائے تعالیٰ کی محبت میں بندوں کے ساتھ وارد ہیں وہ سب اول ہیں اور حاصل اس محبت کے معنیٰ کا یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ بندے کے دل پر سے حجاب کھول دیتا ہے یہاں تک کہ بندہ اس کو اپنے دل سے دیکھنے لگتا ہے یا یہ اپنے بندے کو اپنے قرب پر قادر کر دیتا ہے یا ازل میں اس کو قادر کرنا منظور تھا۔ پس اگر محبت کو ارادہ ازلی کی طرف نسبت کیا جاتے جس سے کہ بندہ قرب کا سالک ہوتا ہے تو اس صورت میں محبت خدائے تعالیٰ کی اس بندے کے ساتھ ازلی ہو گی اور اگر محبت کو اس فعل کی طرف نسبت کیا جائے جو حجاب کو بندے کے دل پر سے دور کرتا ہے تو اس صورت میں محبت حادث ہو گی کہ سبب حدوث سے نئی ہو

جاتے گی۔ چنانچہ حدیث قدسی میں ارشاد ہے لا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبہ الخ
یعنی نوافل سے تقرب کرنا سبب صفائے باطن اور ارتفاع حجاب کا دل سے اور درجہ قرب الٰہی پر پہنچنے کا
ہوتا ہے اور یہ سب امور خدائے تعالیٰ کے فعل اور لطف وکرم سے اس کے ساتھ ہوتے ہیں یہی معنی خدائے
تعالیٰ کی محبت کے ہیں اور یہ بات بدون مثال کے سمجھ میں نہ آتے گی اور وہ یہ ہے کہ مثلاً ایک بادشاہ اپنے
کسی غلام کو اپنا مقرب بناتا ہے اور ہر وقت اپنے حضور میں حاضر رہنے کا اس کو حکم دیتا ہے یا تو اس غرض سے
کہ وہ اس کی مدد کرے گا یا اس کے مشاہدہ سے آرام پائے گا یا اس کی رائے کسی امر میں لے گا یا اسباب کھانے
پینے کا اس کے لیے تیار کرے گا تو لوگ یہی کہیں گے کہ بادشاہ اس غلام سے محبت رکھتا ہے یعنی بادشاہ
اس کی طرف اس جہت سے مائل ہے کہ اس میں ایک امر موافق اور مناسب بادشاہ کے پایا جاتا ہے تو یہ
صورت تو محبت کے اول معنوں کی ہوتی اور کبھی بادشاہ کسی غلام کو مقرب بناتا ہے اور حضور سلطانی میں آنے سے
اس کو منع نہیں کرتا نہ اس جہت سے کہ اس سے کچھ بادشاہ کو نفع یا تقویت ہوگی بلکہ اس جہت سے کہ اس غلام
میں بذات خود وہ عمدہ اخلاق وخصائل حمیدہ پائے جاتے ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے اس کو یہی زیبا ہے کہ
بادشاہ کے حضور میں رہ کر قرب تام سے بہرہ یاب ہو گو بادشاہ کو اس سے کچھ مطلق غرض نہ ہو اس صورت
میں اگر بادشاہ اس شخص کے اور اپنے درمیان کا حجاب اٹھائے گا تو یہی کہا جائے گا کہ بادشاہ اس سے محبت
رکھتا ہے اور اگر وہ غلام خصائل حمیدہ میں سے وہی حاصل کرے جو باعث ارتفاع حجاب ہوں تو کہا جاوے گا
کہ اس نے ذریعہ پیدا کر کے اپنے آپ کو بادشاہ کا محبوب کر دیا پس محبت الٰہی بندے کے ساتھ ان معنوں کے
ساتھ سمجھنی چاہیئے نہ کہ اول معنوں کے ساتھ۔ بلکہ دوسرے معنوں کے ساتھ بھی یہ شرط ہے کہ اس قرب سے یہ نہ
سمجھو کہ جب قرب نیا ہو کچھ تغیر خدائے تعالیٰ میں ہو جائے گا بدیں وجہ جو پہلے سے قریب نہ تھا اور اب
قریب ہو گیا تو اس کا وصف بدل گیا اس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ ہر نئے قرب پر بندے کا اور خدائے تعالیٰ کا
دونوں کا وصف بدل گیا یعنی پیشتر قریب نہ جانتے تھا اور اب ہو گیا حالانکہ خدائے تعالیٰ کے باب میں یہ امر محال
ہے اس واسطے کہ تغیر کا آنا اس پر ناجائز ہے وہ تو ہمیشہ کمال اور جلال کی صفتوں سے موصوف رہتا ہے اور
اسی طرح ازل سے موجود ہے بلکہ اس کو یوں جاننا چاہیئے کہ حبیب کو جو خدائے تعالیٰ کے قریب کہتے ہیں تو قریب
سے مراد یہ ہے کہ بندہ صفات بہائم اور درندوں اور شیاطین سے دور ہو کر مکارم اخلاق جس کو اخلاق الٰہی کہتے
ہیں اختیار کرے تو معلوم ہوا کہ قرب مذکور سے غرض صفت میں قریب ہونا ہے نہ مکان میں اور جب تک اس
قرب کی مثال اشخاص میں نہ بیان کی جائے گی اچھی طرح منکشف نہ ہوگا پس معلوم کرنا چاہیئے کہ دو شخص
کبھی تو ایک دوسرے سے اس طرح قریب ہوا کرتے ہیں کہ دونوں ایک دوسرے کی طرف کو حرکت کریں اور کبھی
ایک ساکن رہتا ہے اور دوسرا اس کی طرف کو چلتا ہے تو اس صورت میں بھی متحرک میں کچھ تغیر آکر قرب ہوتا
دوسرا جوں کا توں رہتا ہے بلکہ صفات میں اسی طرح کا قرب ہوتا ہے مثلاً شاگرد کمال علم وجمال میں اپنے

استاد کے درجے کا قرب چاہتا ہے اور استاد اپنے کمال علم کے رتبہ پر ساکن ہے اور درجہ شاگرد کی طرف حرکت نہیں کرتا اور شاگرد اپنی حرکت سے پستیٔ جہل سے اوجِ علم کی طرف ترقی کرتا رہتا ہے اور ہمیشہ اسی کد و کاوش میں بدلتا رہتا ہے یہاں تک کہ استاد سے قریب ہو جاتا ہے حالانکہ استاد ساکن اور غیر متحرک ہے تو اسی طرح بندے کی ترقی درجات قرب الٰہی میں سمجھنی چاہیئے یعنی جس قدر کہ صفت میں کامل اور علم میں پورا اور حقیقت اشیاء کے جاننے میں یکتا اور شیطان کے دباتے اور شہوات کے استیصال میں پکا اور بری باتوں سے بچنے میں پاک و صاف ہو گا۔ اسی قدر درجۂ کمال سے نزدیک ہو گا اور غایت درجہ کا کمال خدائے تعالیٰ کے لیے ہے اور ہر شخص کا قرب اللہ تعالیٰ سے اسی قدر ہو گا جس قدر کہ اس کو ان اشیاء میں کمال ہو گا۔ مگر فرق یہ ہے کہ شاگرد کبھی ایسا ہوتا ہے کہ قریب ہوتے استاد کے برابر یا اس سے بھی بڑھ کر ہو جاتا ہے اور یہ امر خدائے تعالیٰ کے باب میں محال ہے اس واسطے کہ کمالِ خداوندی کی کچھ نہایت نہیں اور بندے کا سلوک درجات کمال میں تمناہی ہے جہاں تک ہو گا حد معین تک رہے گا تو بندے کو طمع مساوات کی نہیں ہو سکتی۔ پھر قرب کے درجات میں بھی تفاوت لاانتہاء ہے اس لیے کہ انجام کی کچھ انتہا نہیں کہ کمال اس پر ختم ہو جائے۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ کی محبت بندے کے ساتھ اسی طرح ہے کہ بندے پر سے شواغل اور گناہوں کو مٹا کر اور اس کے باطن کو کدوراتِ دنیاوی سے پاک کر کے اپنی ذات پاک سے قریب فرمائے اور اس کے دل سے حجاب اٹھا ڈالے۔ یہاں تک کہ بندہ اس کا مشاہدہ ایسی طرح کرے گویا اپنے دل سے اس کو دیکھ رہا ہے۔ مگر محبت بندے کی خدا کے ساتھ اس کے یہ معنی ہیں کہ بندے کا خواہش کرنا اس کمال کو جس سے وہ مفلس ہے تو ظاہر ہے کہ جو چیز اس کو نہیں ملی اس کی طرف اس کا اشتیاق ہو گا اور جب اس میں اسی قدر اس کو ملے گا تو اس سے لذت یاب ہو گا اور یہ محبت و شوق خدائے تعالیٰ کی طرف سے محال ہے۔ اب اگر یہ کہو کہ خدائے تعالیٰ کی محبت بندے کے ساتھ ایک امر مشتبہ ہے ہم کس طرح جانیں کہ وہ حبیب خدا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی علامتیں ہیں ان سے اس کا محبوب ہونا معلوم ہو کرتا ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[ح۱] اذا احب اللہ عبدا ابتلاہ فاذا احبہ الحب البالغ اقتناہ لفظ اقتناہ کے معنی جو آپ سے پوچھے گئے تو فرمایا کہ یہ معنی ہیں کہ اس کے پاس نہ مال چھوڑے نہ اہل۔ اس سے معلوم ہوا کہ محبتِ الٰہی کی بندے کے ساتھ یہ پہچان ہے کہ اس کو غیر سے متنفر کر دے اور اس میں اور غیر اللہ میں حائل ہو جائے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کسی نے عرض کیا کہ آپ اپنی سواری کے لیے کوئی دراز گوش کیوں نہیں خریدتے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات گراں ہے کہ مجھ کو اپنی ذات پاک سے چھڑا کر دراز گوش کا شغل عنایت فرمائے اور حدیث شریف میں ہے کہ[ح۲] اذا احب اللہ عبدا ابتلاہ فان صبر اجتباہ فان رضی

ح[۱] جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو محبوب کرتا ہے تو اس کو مبتلا کرتا ہے اور جب نہایت کامل محبت اس کے ساتھ کرتا ہے اور اس کو خالص کر لیتا ہے ۱۲ ح[۲] جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اس کو مبتلائے آفات کرتا ہے پس اگر وہ صبر کرے تو اس کو برگزیدہ اور اگر راضی ہو تو مصطفےٰ کرتا ہے ۱۲ اوپر گذری ۱۲

اصطفاہ اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ جب تو خدا سے محبت کرے اور خدائے تعالیٰ تجھ کو مبتلا کرے تو جان لے کہ خداوند کریم تجھ کو برگزیدہ فرمایا چاہتا ہے۔ اور بعض مریدوں نے اپنے مرشد سے عرض کیا کہ مجھے کچھ محبت سوجھائی ہوتی ہے انہوں نے پوچھا کہ بھلا خدائے تعالیٰ نے تجھ کو اپنے سوا کسی اور محبوب کو مبتلا کیا ہے کہ اس کے اوپر تو نے خدائے تعالیٰ کو ترجیح دی ہو اس نے کہا کہ یہ بات تو نہیں ہوئی انہوں نے فرمایا کہ تب محبت کی طمع مت کر کہ خدائے تعالیٰ بدوں مبتلا کرنے کے اس کو عنایت نہیں کیا کرتا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہےؒ اذا احب اللہ عبداً جعل لہ واعظا من نفسہ وزاجرا من قلبہ یامرہ وینھاہ اور دوسری حدیث میں فرمایا ؒ اذا اراد اللہ بعبد خیرا بصرہ لعیوب نفسہ غرض کہ خاص کر علامات محبت الٰہی کی یہ ہے کہ بندہ خدائے تعالیٰ سے محبت کرے اس سے یہ پایا جائے گا کہ خدائے تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے اور جو فعل کہ اس بندے کا محبوب ہوتا نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ خداوند کریم اس کے سب امور ظاہری اور باطنی اور خفیہ اور علانیہ کا متکفل ہو وہی مشورت اور تدبیر بتلادے وہی اخلاق کی درستی فرمائے وہی اس کے اعضاء کو عمل میں مصروف کرے وہی اس کے ظاہر و باطن کو راہ راست پر لائے اس کی فکروں کو سمیٹ کر ایک فکر میں لگانا اسی کا کام ہو اور دنیا سے بغض اور غیر سے وحشت اور خلوت کی مناجات سے انس کا دینا اور اپنے اور اس کے درمیان سے حجاب کا دور کرنا سب اسی کی طرف سے ہو اسی طرح کی علامات سے محبت اللہ تعالیٰ کی بندے سے ثابت ہوا کرتی ہے۔ اب ہم علامات بندے کی محبت کے خدائے تعالیٰ سے لکھتے ہیں کہ وہ بھی اس محبت پر دال ہوا کرتی ہیں علامت بندے کی محبت کی خدائے تعالیٰ سے جاننا چاہیئے کہ محبت کا دعویٰ تو آسان بات ہے لیکن محبت کا پایا جانا بہت کم ہوتا ہے آدمی کو نہ چاہیئے کہ شیطان کی محبت سے جب نفس دعوی محبت الٰہی کرے تو اس پر فریفتہ ہو جائے جب تک کہ نفس کا امتحان محبت کی علامات سے نہ کرے اور حجت اور برہان سے صدق و دعوی معلوم نہ ہو جائے محبت وہ درخت عمدہ ہے کہ جس کی جڑ یہاں ہے اور شاخ بالائے آسمان اس کے پھل دل اور زبان اور اعضا میں ظاہر ہوتے ہیں اور ان سے محبت کا وجود ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے دھوئیں سے آگ کا وجود یا پھلوں سے درختوں کا اور اس طرح آثار بہت سے ہیں ایک تو یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کی لقا کو کشف اور مشاہدے کے طور پر دار السلام میں اچھا جانے اس لیے کہ ہو نہیں سکتا کہ دل کسی محبوب کو چاہے اور اس کے مشاہدے اور لقا کو نہ چاہے اور از انجا کہ معلوم ہے کہ بدون دنیا سے کوچ ومفارقت کے یہ آرزو پوری نہ ہو گی تو چاہیے کہ موت سے محبت رکھے

ؒ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اس کے لیے اس کے نفس میں سے ایک نصیحت کرنے والا مقرر کر دیتا ہے اور ایک جھڑکنے والا اس کے دل میں سے کہ وہ اس کو امر و نہی کرتے رہتے ہیں ۱۲ صاحب فردوس بروایت انس بلفظ اذا اراد اللہ بعبدہ خیرا

ؒ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کی بہتری چاہتا ہے تو اس کو اس کے نفس کے عیبوں کا بینا کر دیتا ہے ۱۲ صاحب فردوس بروایت انس مع اندک زیادتی بنص ضعیف ۱۲

اور اس سے نفرت نہ کرے اس واسطے کہ عاشق کو اپنے وطن سے سفر کرنا اور محبوب کے دیار میں اس کے دیدار سے بہرہ ور ہونے کو جا پڑنا گراں نہیں معلوم ہوتا اور موت دیدار کی کلید اور مشاہدے میں داخل ہونے کا دروازہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں من احب لقاء اللہ احب اللہ لقاءہٗ[1] اور حضرت حذیفہؓ نے موت کے وقت ارشاد فرمایا کہ ایک حبیب خوب حاجت کے وقت آیا جو اس سے پشیمان ہو اس کو فلاح نہ ہو۔ اور بعض اکابر فرماتے ہیں کہ بندے میں بعد محبت خدائے تعالیٰ کے کوئی اور خصلت کثرت سجود سے بڑھ کر نہیں کہ خدائے تعالیٰ کو پسند ہو پس سجدے پر محبت دیدار الٰہی کو مقدم کیا اور خداوند کریم نے محبت کے صادق ہونے کے لیے راہ خدا میں مارا جانا ارشاد فرمایا یعنی جب لوگوں نے دعویٰ کیا کہ ہم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں تو فرمایا ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ صفًّا[2] اور فرمایا یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون ویقتلون[3] پس راہ خدا میں شہید ہونے کی طلب کو علامت محبت فرمایا اور حضرت ابوبکرؓ کی وصیت میں جو حضرت عمرؓ کو کی تھی مذکور ہے کہ حق بات گراں ہوتی ہے اور باوجود گرانی کے خوشگوار ہے اور امر باطل سبک ہوتا ہے اور باوجود اس کے برا ہے اگر تم میری وصیت یاد رکھوگے تو کوئی غائب چیز تم کو موت سے زیادہ محبوب نہ ہوگی جو بیشک تم کو آئے گی اور اگر اس وصیت کو تلف کردوگے تو کوئی غائب چیز تمہارے نزدیک موت سے بڑھ کر بری نہ ہوگی حالانکہ تم اس کو ٹال نہ سکوگے اور اسحاق بن سعید بن ابی وقاص سے روایت ہے[4] کہ میرے باپ یعنی سعد مجھ سے فرماتے تھے کہ عبداللہ بن جحش نے مجھ سے جنگ احد کے روز کہا کہ آؤ خدائے تعالیٰ سے دعا مانگیں۔ پس ایک طرف ہو کر عبداللہ نے یوں دعا مانگی کہ الٰہی میں تجھ کو قسم دیتا ہوں کہ جب کل کو میں دشمن کے مقابل ہوں تو میرا مقابلہ کسی مرد ہولناک شدید الغضب سے ہو جس سے میں لڑوں اور وہ مجھ سے لڑے پھر مجھ کو پکڑ کے میرے ناک کان کاٹے اور میرا پیٹ چیرے اور جب میں قیامت میں تیرے سامنے جاؤں تو تو مجھ سے پوچھے کہ اے عبداللہ تیرے ناک کان کس نے کاٹے ہیں عرض کروں کہ الٰہی تیرے راستے میں اور تیرے رسول کے راستے میں میرا یہ حال ہوا ہے تو فرمائے کہ سچ کہتا ہے۔ حضرت سعد کہتے ہیں کہ میں نے آخر روز میں دیکھا کہ عبداللہ بن جحش کے ناک اور کان ایک ڈورے میں بندھے لٹکتے ہیں۔ اور سعید بن المسیبؓ فرماتے ہیں کہ مجھ کو توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عبداللہ بن جحش کی بقیہ قسم بھی سچ کرے جیسے اس نے اتنی سچی کی ہے اور حضرت سفیان ثوریؒ اور بشر حافیؒ فرمایا کرتے کہ موت کو برا وہی سمجھتا ہے جس کو شک ہو اس لیے کہ حبیب تو ہر حال میں اپنے محبوب کی ملاقات کو برا نہیں جانتا۔ اور بویطیؒ نے کسی زاہد سے پوچھا کہ تم موت کو چاہتے ہو

---

[1] جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنے کو اچھا جانتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ملنے کو اچھا جانتا ہے ۱۲ بخاری ومسلم بروایت ابوہریرہؓ ۱۲ [2] اللہ تعالیٰ چاہتا ہے ان کو جو لڑتے ہیں اس کی راہ میں قطار باندھ کر ۱۲ [3] لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں پھر مارتے ہیں اور مرتے ہیں ۱۲

[4] طبرانی وابونعیم ۱۲

اس نے سکوت کیا آپ نے فرمایا کہ اگر تم سچے زاہد ہوتے تو موت کو محبوب جانتے۔ پھر یہ آیت پڑھی فتمنوا[ت۱] الموت ان کنتم صٰدِقین زاہد نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو فرماتے ہیں لا یتمنین احدکم الموت آپ نے فرمایا کہ یہ ارشاد اس لیے ہے کہ تمنائے موت[ع۲] میں ایک طرح کا ضرر ہے کیونکہ قضائے الٰہی پر راضی ہونا اس امر سے بہتر ہے کہ اس کے حکم سے گریز کرے۔ اب اگر یہ پوچھو کہ جو شخص موت سے محبت نہیں رکھتا وہ خدائے تعالیٰ کا محب ہو سکتا ہے یا نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ موت کا بُرا جاننا اول تو اس باعث سے ہوتا ہے کہ دنیا کی محبت اور زن و فرزند کی جُدائی کا افسوس ہو اس سے اللہ تعالیٰ کی محبت کے کمال میں نقصان ہوتا ہے اس لیے کہ محبت کامل وہ ہوتی ہے جو تمام دل پر محیط ہو مگر محبت زن و فرزند کے ہوتے کچھ دشوار نہیں کہ کچھ ضعیف سی محبت خدائے تعالیٰ کی بھی ہو آخر لوگ محبتِ الٰہی میں متفاوت تو ہوتے ہی ہیں۔ چنانچہ تفاوت پر یہ دلیل ہے کہ حضرت حذیفہ بن عتبہ رضؓ نے جب اپنی بہن فاطمہ کا نکاح اپنے غلام آزاد سالم سے کر دیا تو قریشیوں نے ان کو بُرا کہنا شروع کیا اور کہا کہ تم نے ایک عقیل عورت قریش کے غلام سے بیاہ دی آپ نے جواب دیا کہ میں نے بیاہ جب کیا ہے جب جان لیا ہے کہ سالم فاطمہ سے اچھا ہے یہ جواب اہل قریش کو نکاح سے بھی زیادہ گراں گذرا اور کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے فاطمہ تو تمہاری بہن ہے اور سالم تمہارا غلام ہے آپ نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ فرماتے تھے کہ جو شخص چاہے کہ ایسے آدمی کو دیکھے جو اللہ تعالیٰ کو تمام دل سے چاہتا ہو وہ سالم کو دیکھے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمیوں میں ایسے بھی ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو تمام دل سے نہیں چاہتے بلکہ دنیا سے بھی محبت رکھتے ہیں تو ضرور ہے کہ جب خدا کے پاس جائیں گے تو ان کو دیدار کی لذت بقدر محبت ہو گی اور جس قدر دنیا سے محبت رکھتے ہوں گے اس کے چھوڑنے کے وقت اسی قدر ان کو درد و فراق ہو گا۔ دوسرا باعث موت کے بُرا جاننے کا یہ ہے کہ بندہ مقام محبت کے شروع میں ہو اور موت کو بُرا تو نہ جانتا ہو مگر اس کے جلد آنے کو بُرا جانتا ہو یعنی ملاقات خدا تعالیٰ کے لیے کچھ سامان کرنے سے پیشتر موت کا آنا بُرا معلوم ہوتا ہو تو یہ حال محبت کے کم ہونے پر دلالت نہیں کرتا بلکہ اس شخص کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی عاشق اپنے معشوق کے آنے کی خبر اپنے پاس سُنے اور یہ چاہے کہ وہ ایک ساعت کے بعد آئے تو بہتر ہے تاکہ اس کے لیے گھر کو آراستہ کرے اور سامان خانہ داری سے فراغت ہو جائے کہ پھر خاطر خواہ اس سے فارغ البال ہو کر ملے کوئی مانع اور حارج نہ رہے پس اس سبب سے موت کو بُرا جاننا کمال محبت کے خلاف نہیں اس حال کی پہچان یہ ہے کہ عمل میں کوشش کرے اور اپنی فکر کو آخرت کی تیاری میں مستغرق

ت۱ پس تمنا کرو مرنے کو اگر تم سچے ہو ۱۲ ح۲ چاہیے کہ نہ تمنا کرے تم میں سے کوئی موت کی، بخاری و مسلم بروایت ابوہریرہ ۱۲ ع۲ اصل میں ہے کہ فقال انما قال نصر به اسخر یعنی یوبطی نے فرمایا کہ آنحضرت نے تمنا کی تمنا کی ممانعت فقط اسی صورت میں فرمائی ہے کہ جب بندہ پر کوئی مصیبت نازل ہو تو اسی کی وجہ سے موت نہ مانگے ۱۲ ح۳ یہ حدیث بروایت ابوحذیفہ میری نظر سے نہیں گذری بلکہ اس کو ابونعیم نے بروایت عمر فاروق رضؓ اختلاف کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس کے اسناد میں ابن لہیعہ ہے ۱۲

رکھے اور ایک علامت محبت کی یہ ہے کہ جس چیز کو خدائے تعالیٰ پسند کرے اس کو اپنی محبوب چیز پر ظاہر و باطن میں ترجیح دے اور اس کے لیے بڑی بڑی مشکل اور محنت کے عمل بجالاتے اور اپنے ہوائے نفس کے اتباع سے اجتناب کرے اور کسل وسستی کو بالائے طاق رکھے ہمیشہ کمر طاعت الٰہی ...... پر چست باندھ کر نوافل سے تقرب کا جویاں رہے اور اس کے نزدیک زیادتی درجات کا خواہاں۔ جیسے عاشق اپنے معشوق کے دل میں زیادہ تر تقرب کا خواہاں رہتا ہے اور جو لوگ کہ ایثار کو پسند کرتے ہیں ان کا وصف اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے[1] یحبون من ھاجر الیھم ولا یجدون فی صدورھم حاجۃً مّمّآ اُوتُوا ویؤثرون علیٰ انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ اور جو شخص اپنی ہوائے نفس کا ہمیشہ تابع رہے تو اس کا محبوب وہی ہوگا جس کو وہ چاہتا ہے عاشق تو اپنے معشوق کی مرضی کا تابع ہوتا ہے اس کی مرضی کے سامنے اپنی مرضی کو چھوڑ دیتا ہے جیسے کسی شاعر کا قول ہے جس کا ترجمہ یہ ہے شعر

میں تو ہوں طالب وصل اس کو ہے منظور فراق

وہ خوش اس میں ہے تو لو وصل سے میں درگذرا

بلکہ سلطان عشق الٰہی جب غلبہ کرتا ہے تو پھر کوئی خواہش نہیں چھوڑتا سب کی بیخ کنی کر دیتا ہے۔ سوائے معشوق کے اور کسی چیز کی رغبت اور لذت باقی نہیں رکھتا۔ جیسے کہ روایت ہے کہ زلیخا جب ایمان لاتی اور حضرت یوسف علیہ السلام کے نکاح میں آئی تو ان سے علیحدہ ہو کر عبادت میں مصروف ہوتی اور خدائے تعالیٰ ہی کی ہو رہی۔ اگر آپ اپنے پاس دن کو بلاتے تو رات پر ٹال دیتی اور رات کو بلاتے تو دن پر اور کہتی کہ اے یوسف میں آپ سے جب تک محبت رکھتی تھی کہ مجھ کو خدائے تعالیٰ کی معرفت نہ تھی اب کہ میں نے اس کو پہچان لیا تو اس کی محبت نے میرے دل میں کسی اپنے غیر کی محبت نہیں چھوڑی اور مجھ کو اس محبت کا عوض منظور نہیں کہ اس کی محبت چھوڑ کر دوسرے کی محبت اختیار کروں، یہی حال ہوتا ہے یہاں تک کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھ کو خداوند کریم کا حکم اسی طرح ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ تو زلیخا سے ہم بستر ہو اس کے پیٹ سے ہم دو لڑکے عنایت فرمائیں گے اور دونوں کو نبی کریں گے زلیخا نے عرض کیا کہ اگر خداوند کریم نے آپ کو ارشاد فرمایا ہے اور مجھ کو اس نعمت کا ذریعہ بنایا ہے تو میں خدائے تعالیٰ کے حکم کی تابع ہوں اور صحبت پر راضی ہوں اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتا ہے وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتا اور اسی نظر سے ابن مبارکؒ نے ایک قطعہ فرمایا جس کا مضمون یہ ہے قطعہ:

---

[1] محبت کرتے ہیں اس سے جو وطن چھوڑ آتے ان کے پاس اور نہیں پاتے اپنے دل میں غرض اس چیز سے جو ان کو ملا اور اول رکھتے ہیں ان کو اپنی جان سے اور اگرچہ ہو اپنے اوپر بھوک

دم بھرو اس کی محبت کا کرو تسپر گناہ

ہیں عجب طرح کے واللہ تمہارے کردار سچی گر ہوتی محبت تو اطاعت کرتے

ہوتے عاشق جو ہیں معشوق کے فرمانبردار

اور اسی بات میں یہ شعر بھی ہے ؎

خواہش نہیں مجھے تیری رضا کے آگے جی کو بُرا لگے خوش ہوں تیری رضا سے

اور حضرت سہل فرماتے ہیں کہ علامت محبتِ الٰہی یہ ہے کہ اس کو اپنے نفس پر اختیار کرے۔ یہ بات نہیں کہ جو شخص خدائے عزوجل کے امر کی اطاعت کرے وہ اس کا حبیب ہو جاتا ہے بلکہ حبیب وہ ہے جو مناہی سے بچے اور یہ قول ان کا واقع میں درست ہے اس واسطے کہ بندے کی محبت خدا کے ساتھ سبب محبت الٰہی کا بندے کے ساتھ ہوتی ہے جیسا کہ خود فرماتا ہے یحبھم و یحبونہ اور جب اللہ تعالیٰ بندے کو محبوب جانتا ہے تو اس کا کفیل ہوتا ہے اور اس کو دشمنوں پر غالب رکھتا ہے اور از انجا کہ آدمی کے دشمن اس کا نفس اور شہوات ہیں تو بالضرور اللہ تعالیٰ اس کو رسوا نہ کرے گا اور خواہش شہوات کے حوالہ نہ فرمائے گا اور اسی وجہ سے ارشاد فرماتا ہے [1] وَ اللّٰہُ اَعۡلَمُ بِاَعۡدَآئِکُمۡ ؕ وَ کَفٰی بِاللّٰہِ وَلِیًّا ۫٭ وَّ کَفٰی بِاللّٰہِ نَصِیۡرًا ٪ اب یہ معلوم کرنا چاہیئے کہ نافرمانی اصل محبت کے خلاف نہیں بلکہ کمال محبت اس سے نہیں ہوتا۔ مثلاً بہت آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ اپنے نفس سے محبت رکھتے اور بیمار ہوتے ہیں اور شفا کو محبوب جانتے ہیں اور جو چیز ان کو مضر ہو اس کو کھا لیتے ہیں گو یہ جانتے ہیں کہ یہ چیز ہم کو مضر ہے تو اس سے یہ نہیں پایا جاتا کہ ان کو اپنے نفس سے محبت نہیں بلکہ معرفت کم ہے اور خواہش غالب اس لیے حق محبت پر قائم رہنے سے عاجز ہیں اور نافرمانی کی اصل محبت کے مخالف نہ ہونے پر یہ دلیل ہے کہ نعمان بہت جلد جلد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بسبب ارتکاب گناہوں کے پکڑا آیا کرتا تھا ایک بار جو آیا اور آپ نے اس کو حد لگوائی تو ایک شخص نے اس کو لعنت کی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس کو لعنت مت کرو وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے غرضکہ گناہ کے باعث اس کو محبت سے خارج نہ فرمایا ہاں گناہ کرنا کمال محبت سے خارج کر دیتا ہے۔ اور بعض عارفین فرماتے ہیں کہ جب آدمی کا ایمان ظاہر دل میں ہوتا ہے تو خدائے تعالیٰ سے متوسط محبت رکھتا ہے اور جب ایمان سویدائے دل میں چلا جاتا ہے تب پوری محبت کرتا ہے اور گناہوں کو چھوڑ دیتا ہے اس حاصل محبت کا دعویٰ کرنے میں خطر ہے اس لیے حضرت فضیلؒ فرماتے ہیں کہ جب تم سے پوچھا جائے کہ خدائے تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو چپ ہو رہو اور کچھ جواب نہ دو اس لیے کہ اگر نہیں زبان سے نکالو گے تو کافر ہو جاؤ گے اور اگر ہاں کہو گے تو تمہارے اوصاف مجنون کے سے

[1] اور اللہ خوب جانتا ہے تمہارے دشمنوں کو اور اللہ بس ہے حمایتی اور بس ہے مددگار ۱۲ [2] یہ حدیث بخاری کی ہے پیشتر گذر چکی ۱۲

نہیں ہیں پس غضب الٰہی سے ڈرو اور جھوٹا دعویٰ نہ کرو اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ جنت میں کوئی راحت اہل معرفت و محبت کی لذت سے بڑھ کر نہیں اور نہ دوزخ میں کوئی عذاب سخت تر اس شخص کے عذاب سے کہ دعویٰ محبت کرے اور محبت کی کوئی بات اس میں نہ پائی جاتے اور ایک علامت محبت کی یہ ہے کہ ذکر الٰہی کا شدت سے حریص ہو کہ زبان اس سے تھکے نہ دل خالی ہو اس لیے کہ جو شخص کسی چیز سے محبت رکھتا ہے وہ اس کا ذکر بہت کیا کرتا ہے اور اس کے متعلق جو اشیاء ہوتی ہیں ان کو بہت یاد کیا کرتا ہے۔ پس محبت الٰہی کی علامت یہ ہے کہ اس کے ذکر سے محبت ہو اور اس کے کلام یعنی قرآن مجید اور اس کے رسولؐ پاک سے محبت ہو اسی طرح جو چیز خدائے تعالیٰ کے ساتھ منسوب ہو اس سے محبت رکھے۔ آدمی کسی دوسرے آدمی کو چاہتا ہے تو محبوب کے محلے کے کتے سے بھی محبت کیا کرتا ہے۔ اور ظاہر یہی ہے کہ جب محبت قوی ہو جاتی ہے تو محبوب سے متعدی ہو کر جتنی چیزیں اس سے متعلق ہوتی ہیں ان کے ساتھ بھی ہو جاتی ہے اور اس کو شرکت محبت میں نہ سمجھنا چاہیئے۔ اس لیے کہ رسول محبوب سے محبت کرے کہ یہ اس کا رسول ہے یا کلام کو بدیں وجہ محبوب جانتا ہے کہ یہ اس کا کلام ہے یہ عین محبوب ہی کی محبت ہے اس کے غیر کی نہیں بلکہ اس کے متعلقات سے محبت ہوتی ہے کمال محبت پر دلالت کرتی ہے جس شخص کے دل پر محبت الٰہی غالب ہو جاتی ہے وہ تمام مخلوق خدا سے محبت کرتا ہے بہمیں لحاظ کہ پیدائش محبوب حقیقی کی ہے۔ پس قرآن مجید اور رسول کریم اور صلحاء سے کیسے محبت نہ کرے گا اور ہم اس امر کی تحقیق باب آداب الصحبت اور بھائی چارہ میں لکھ چکے ہیں اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ[ت] اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں احبوا اللہ لما یغذوکم بہ من نعمہ واحبونی للہ تعالیٰ[ح] اور حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے محب سے محبت کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے اکرام و تعظیم کرنے والے کی تعظیم کرتا ہے وہ خدائے تعالیٰ کی تعظیم کرتا ہے۔

اور بعض مریدین سے روایت ہے کہ ایام ارادت میں مجھ کو مناجات کا مزہ ملا میں نے ایک رات دن قرآن مجید کی تلاوت اختیار کی پھر چند روز قرأت چھوٹ گئی تو خواب میں میں نے ایک کہنے والے کو سنا کہ مجھ سے یہ کہتا ہے کہ اگر تجھ کو ہم سے دعویٰ محبت ہے تو تو نے ہماری کتاب پر کیوں ظلم کیا کیا تو نے ہمارے عتاب لطیف کو جو اس میں ہے تامل نہیں کیا اس کے بعد جو میں بیدار ہوا تو دل میں محبت قرآن کی بھری پائی اور اپنی پہلی حالت پر بدستور ہو گیا اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ تم میں سے کوئی اپنے نفس سے بجز قرآن کے اور کسی چیز کی درخواست نہ کرے۔ اس لیے کہ جو قرآن سے محبت کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے محبت کرے گا اور اگر قرآن سے

ت ۱ تو کہہ اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ کی تو میری راہ پر چلو کہ اللہ تم کو چاہے ۱۲ ح اللہ تعالیٰ سے اس وجہ سے محبت کرو کہ وہ تم کو اپنی نعمت سے پرورش کرتا ہے اور مجھ سے محبت اللہ تعالیٰ کے واسطے کرو ۱۲ پہلے گذری ۱۲

محبت نہ ہو گی تو خدائے تعالیٰ سے بھی نہ ہو گی اور حضرت سہل تستریؒ فرماتے ہیں کہ محبت الٰہی کی پہچان محبت قرآن مجید کی ہے اور خدائے تعالیٰ اور قرآن سے محبت کی پہچان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کرنی ہے۔ اور آپ کے ساتھ محبت کرنے کی علامت محبت آپ کے طریق کی ہے اور آپ کے طریق سے محبت کا نشان آخرت کی محبت ہے اور آخرت کے محبوب ہونے کی پہچان دنیا کا بغض ہے اور دنیا کے بغض کی علامت یہ ہے کہ اس میں سے بجز زادِ آخرت کے اور کچھ نہ لے۔ اور ایک علامت محبت یہ ہے کہ خلوت اور مناجات اور تلاوت قرآن مجید سے انس ہو اور تہجد پر مداومت کرے اور رات کے اطمینان عوائق کو برطرف ہونے سے صفائی وقت کو غنیمت جانے اور کمتر درجہ محبت کا یہ ہے کہ حبیب سے خلوت اور اس کی مناجات سے لذت پانے کو آسائش وراحت سمجھے تو جو شخص اس کے نزدیک خواب اور گفتگوئے باہمدیگر مناجات الٰہی کی نسبت کر عمدہ اور لذیذ تر ہو اس کی محبت کیسے درست ہو گی۔ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ سے کسی نے اس وقت پوچھا کہ وہ پہاڑ پر سے اترے تھے کہ آپ کہاں سے تشریف لائے انہوں نے فرمایا انس باللہ سے۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام کے اخبار میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ارشاد فرمایا کہ میری مخلوق میں سے کسی کے ساتھ انس مت کر اس لیے کہ میں دو طرح کے شخصوں کو اپنے پاس سے علیحدہ کر دیتا ہوں ایک تو وہ شخص جو میرے ثواب کو دیر کر جان کر علیحدہ ہو گیا۔ دوسرے وہ شخص کہ مجھ کو بھول کر اپنے حال سے راضی ہوا اور اس کی پہچان یہ ہے کہ میں اس کو اس کے نفس کے سپرد کر دیتا ہوں اور دنیا میں حیران چھوڑ دیتا ہوں۔ اور جب غیر اللہ سے آدمی مانوس ہو گا تو جس قدر انس غیر اللہ سے ہو گا اسی قدر خدائے تعالیٰ سے وحشت ہو گی اور درجہ محبت سے ساقط ہو جائیگا اور برخ غلام حبشی کے احوال میں جس کے طفیل سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے باران رحمت کی دعا کی تھی لکھا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ارشاد فرمایا کہ برخ اچھا بندہ ہے مگر اس میں ایک عیب ہے آپ نے عرض کیا کہ الٰہی اس کا عیب کیا ہے فرمایا کہ اس کو نسیم صحرا اچھی معلوم ہوتی ہے اس کی طرف رغبت کرتا ہے اور جو شخص مجھ سے محبت کیا کرتا ہے وہ کسی چیز کی طرف رغبت نہیں کرتا۔ اور روایت ہے کہ ایک عابد نے خدائے تعالیٰ کی عبادت مدت تک کسی جنگل میں کی پھر ایک پرند کو دیکھا کہ ایک درخت پر آشیانہ بنایا ہے اس میں بیٹھ کر چہچہے کرتا ہے۔ عابد نے کہا کہ اگر میں اپنی عبادت کی جگہ اس درخت کے پاس کر لوں تو اس پرندے کے چہچہے سے کچھ دل لگی ہو۔ جب عبادت کی جگہ درخت کے پاس کر لی تو خدائے تعالیٰ نے اس وقت کے نبی پر وحی بھیجی کہ فلاں عابد سے کہدے کہ تو نے ایک مخلوق سے انس کر لیا ہے اس کی سزا میں میں نے تیرا ایسا درجہ کم کر دیا کہ اب کسی عمل سے کبھی نہ ملے گا اس سے معلوم ہوا کہ علامت محبت کی کمال انس کا ہونا مناجات محبوب

کے ساتھ اور کمال لذت کا ہونا اس کے ساتھ تنہا ہونے میں اور جو شے کہ خلوت و مناجات میں کدورت پیدا کرے اس سے کمال درجہ کی وحشت ہے۔ اور انس کی علامت یہ ہے کہ عقل و فہم بالکل لذت مناجات میں مستغرق ہو۔ جیسے کوئی اپنے معشوق سے ہم کلام ہو کر اس سے مناجات کرتا ہو۔ اور بعض اکابر پر یہ لذت اس درجے کو پہنچی ہے کہ وہ نماز میں تھے اور ان کے گھر میں آگ لگی مگر ان کو خبر نہ ہوئی۔ اور بعض شخصوں کا بیماری کی جہت سے نماز ہی کے اندر پاؤں کاٹا گیا اور خبر نہ ہوئی اور جب محبت و انس غالب ہو جاتے ہیں تو خلوت و مناجات آنکھ کی ٹھنڈک اور کلیجے کی راحت ہوتی ہے کہ ان سے تمام فکر دور ہو جاتی ہے۔ یہ دونوں دل پر ایسی حاوی ہوتی ہیں کہ جب تک امور دنیا کئی دفعہ کان میں نہیں پڑتے تب تک ان کی سمجھ میں نہیں آتے جیسے کوئی عاشق شیدا کہ زبان سے تو لوگوں سے گفتگو کرتا ہے مگر باطن کو انس حبیب کی یاد سے ہوتا ہے۔ غرضکہ محب اسی کو کہتے ہیں جس کا اطمینان بدوں محبوب نہ ہو۔ حضرت قتادہؓ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا الذین اٰمنو و تطمئن قلوبهم بذکر اللہ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب[ت] کہ اطمینان سے غرض خوشی اور انس دلوں کا ہے۔ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں کہ جو کوئی خالص محبت الٰہی کا ذائقہ چکھتا ہے اس کو یہ مزہ دنیا کی طلب سے روک دیتا ہے اور سب آدمیوں سے متنفر کر دیتا ہے۔ اور مطرف بن ابی بکرؒ فرماتے ہیں کہ عاشق اپنے محبوب کے ذکر سے ملول نہیں ہوا کرتا اور خدائے تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ جو شخص میری محبت کا دعویٰ کرے اور جب رات ہو تو غافل ہو کر سو رہے وہ جھوٹا ہے اس لیے کہ وہ کیسا محب ہے جو اپنے حبیب کی ملاقات نہیں پسند کرتا میں تو اس وقت طالبوں کے لیے موجود رہتا ہوں وہ سچا ہوتا تو مجھ کو طلب کرتا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جناب باری میں عرض کیا کہ الٰہی تو کہاں ہے کہ میں تیرے پاس آنے کا قصد کروں حکم ہوا کہ جب تو قصد کرے گا فوراً پہنچ جائے گا۔ اور حضرت یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص خدائے تعالیٰ سے محبت رکھتا ہے وہ اپنے نفس سے بغض رکھتا ہے اور یہ بھی انہیں کا ارشاد ہے کہ جس میں تین خصلتیں نہیں وہ عاشق نہیں اوّل یہ کہ کلام خدا کو کلامِ خلق پر ترجیح دے دوم خدائے تعالیٰ کی ملاقات کو خلق کی ملاقات پر زیادتی دے۔ سوم عبادت الٰہی کو خدمتِ خلق سے زیادہ سمجھے۔ اور ایک علامت محبت یہ ہے کہ جو چیز سوائے خدائے تعالیٰ کے اس کے پاس سے جاتی رہے اس کا افسوس نہ کرے لیکن اگر کوئی ساعت بدوں ذکر و عبادتِ الٰہی گذر جائے تو اس کا نہایت افسوس کرے اور جب بھی غفلت ہو جائے اسی وقت اس سے توبہ اور استغفار کرے۔ بعض اکابر کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ اس کو اپنا محبوب کر کے اسی پر اطمینان کر لیا ہے گئی چیز کا ان کو غم نہیں ہوتا اور اپنے نفس کی لذت میں مصروف نہیں ہوتے بایں وجہ کہ ان کے مالک کا ملک کامل ہے اور جو وہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے جو ان کے واسطے ہے وہ ان کو پہنچتا ہے اور جو ان سے جاتا رہتا ہے وہ ان کے لیے اس کی اچھی تدبیر کرتا ہے اور محب کو چاہیے کہ جب اپنی غفلت سے رجوع کرے تو اپنے محبوب حقیقی کی طرف متوجہ ہو کر اس طرح اس کے عتاب کے دور کرنے کی تدبیر کرے کہ الٰہی تو نے کونسے قصور پر مجھ سے اپنا احسان علیحدہ کر لیا اور اپنے

ت۔ اجو یقین لائے اور چین پکڑتے ہیں ان کے دل اللہ کی یاد سے سنتا ہے اللہ ہی کی یاد سے چین پاتے ہیں دل ۱۲

دربار سے دور کر کے مجھے میرے نفس اور شیطان کی پیروی میں مشغول کر دیا اس سے ذکر الٰہی کی صفا اور دل کی نرمی پیدا ہو گی اور پہلی غفلت کا عوض ہو جاتے گا اور باعث نتے ذکر و صفائے قلبی کا ہو گی اور جب محب سوائے محبوب کے اور کوئی چیز نہ دیکھے گا اور سب چیزوں کو اسی سے جانے گا تو کسی پر افسوس نہ کرے گا اور بیشک سب حال میں راضی رہے گا اور جانے گا کہ محبوب حقیقی نے میرے حق میں وہی مقدر کیا ہے جس میں میری بہتری ہے اور اس کے ارشاد کو یاد کرے گا کہ فرماتا ہے وعسٰی ان تکرھوا شیئًا وھو خیر لکمۃ اور ایک علامت محبت کی یہ ہے کہ طاعت الٰہی سے آسائش پائے اور اس کو بیگانہ سمجھے ادائے طاعت میں مشقت کچھ نہ معلوم ہو جیسے بعض اکابر کا قول ہے کہ ہم نے بیس برس تو رات کو مصیبت بھری اور پھر اس کے ذریعہ سے بیس برس لذت اڑائی۔ اور حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ محبت کی علامت ہمیشہ خوش رہنا اور ایسی طرح کوشش کرنا کہ بدن تھک جائے اور دل نہ تھکے اور بعض اکابر فرماتے ہیں کہ محبت کے عمل میں تھکن نہیں ہوتی اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ بخدا محب کو کبھی طاعت سے سیری نہیں ہوتی گو بڑے وسیلوں پر پہنچ جائے پس اس طرح کی باتیں مشاہدے میں بھی موجود ہیں۔ دیکھو عاشق اپنے معشوق کی محبت میں سعی کرنے سے نہیں تھکتا اور دل سے اس کی خدمت کو اچھا جانتا ہے اور اس میں مزہ معلوم ہوتا ہے گو بدن پر وہ خدمت شاق ہو اور اگر بالفرض بدن عاجز ہو جائے۔ تو سب سے محبوب چیز اس کے نزدیک یہ ہو کہ پھر سے قدرت آجائے اور عاجزی جاتی رہے تاکہ اسی خدمت میں مصروف ہو جائے۔ اسی طرح محبت الٰہی ہوا کرتی کہ اس کے غلبے میں طاعت اور خدمت سے بہتر کوئی چیز نہیں معلوم ہوتی اور قاعدے کی بات ہے کہ جو محبت آدمی پر غالب ہو جاتی ہے وہ اس سے کمتر کو دبا دیتی ہے مثلاً جس شخص کا محبوب کسل کی نسبت کر اس کے نزدیک محبوب تر ہو گا تو وہ کسل کو اس کی خدمت میں ترک کر دے گا اور اگر مال کی نسبت کہ محبوب زیادہ ہو گا تو اس کی محبت میں مال کو چھوڑ دے گا۔ کسی محب نے اپنا جان و مال سب فدا کر دیا تھا کچھ اس کے پاس نہ تھا۔ اس سے کسی نے پوچھا کہ محبت میں تمہارا یہ حال کس طرح ہوا اس نے جواب دیا کہ میں نے ایک روز ایک عاشق کو سُنا کہ اپنے معشوق سے خلوت میں کہہ رہا تھا کہ بخدا تجھ کو اپنے تمام دل سے چاہتا ہوں اور تو مجھ سے اپنا منہ پھیرے رہتا ہے معشوق نے جواب دیا کہ اگر تو مجھ سے محبت رکھتا ہے تو بتا مجھ پر کیا خرچ کرے گا۔ عاشق نے کہا کہ اول تو جو چیز میری ملک میں ہے وہ سب تجھ کو دے دونگا پھر تیرے اوپر جان فدا کر دوں گا تو راضی ہو۔ اس گفتگو کو سن کر میں نے سوچا کہ جب بندہ بندے کے ساتھ اس طرح ہو تو بندے کو معبود کے ساتھ کس طرح ہونا چاہیئے۔ یہی باعث محبت کی ترقی کا ہوا۔ اور ایک علامت محبت کی یہ ہے کہ تمام خدا کے

ت ا اور شاید تم کو بری لگے ایک چیز اور وہ بہتر ہو تم کو ۱۲

بندوں پر مشفق اور رحیم ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اشداء علی الکفار رحماء بینھم اور اس امر پر کسی ملامت کرنے والے کی ملامت اس پر تاثیر نہ کرے اور نہ خدا کے لیے غصہ کرنے سے کوئی مانع ہو اور یہی وصف اولیاء کا حدیث قدسی میں مذکور ہے یعنی میرے اولیاء وہ ہیں کہ میری محبت پر ایسے فریفتہ ہیں جیسے بچہ کسی چیز پر فریفتہ ہوتا ہے اور میرے ذکر پر ایسا گرتے ہیں جیسے جانور اپنے گھونسلے کی طرف جھکتا ہے اور میری منہیات پر ایسے غصہ ہوتے ہیں جیسے چیتا غصہ آتا ہے کہ اس کو پرواہ نہیں ہوتی کہ آدمی بہت ہیں یا تھوڑے پس اس مثال کو تامل کرنا چاہیئے کہ لڑکے کا دل جب کسی چیز پر آجاتا ہے تو اس سے ہرگز علیحدہ نہیں ہوتا اور اگر اس چیز کو کوئی اس سے لے لے تو بجز رونے اور چیخنے کے اور کچھ کام نہیں کرتا جب تک کہ وہ چیز اس کے پاس پھر نہ آئے سوتے وقت بھی اس کو اپنے کپڑوں میں لے کر سوتا ہے اور جب جاگتا ہے تو پھر ہاتھ میں لے لیتا ہے اور جب اس سے جدا ہوتا ہے تو روتا ہے اور مل جاتا ہے تو ہنستا ہے اور جو شخص اس چیز میں نزاع کرتا ہے تو اس سے ناراض ہوتا ہے اور اگر کوئی شخص وہ چیز دیتا ہے تو اس سے محبت کرتا ہے۔ اور چیتا غصہ کے وقت اپنے اختیار میں نہیں رہتا۔ شدت غضب میں اس کی یہ نوبت ہوتی ہے کہ اپنی جان ہلاک کرتا ہے پس یہ علامات محبت کے ہیں جس شخص میں یہ علامات پوری ہوں اس کی محبت کامل اور خالص ہو گی اور آخرت میں اس کی شراب صاف اور شیریں ہو گی اور جس کی محبت میں غیر اللہ کی محبت کا ملاؤ ہو گا تو آخرت میں بمقدار محبت آسائش پائے گا اس کی شراب میں کسی قدر شراب مقربین کی ملادی جائے گی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ مقربین کے احوال میں فرماتا ہے ان الابرار لفی نعیم[1] پھر فرمایا یسقون من رحیق مختوم ختامہ مسک وفی ذالک فلیتنافس المتنافسون ومزاجہ من تسنیم عینا یشرب بھا المقربون[2] غرضکہ شراب ابرار کی جو اچھی ہو گی تو اسی وجہ سے کہ اس میں ملاؤ شراب خالص کا ہو گا جو خالص مقربین کے لیے ہے اور قرب کی لذت تمام آسائش ولذت بہشت ہے جس طرح کہ کتاب سے تمام اعمال مراد ہیں اور اس کے باب میں فرماتا ہے ان کتاب الابرار لفی علیین[4] اور فرمایا۔ یشھدہ المقربون[5] تو ان کی کتاب کی بلندی کی یہ حد ہے کہ اتنی اونچی ہو گی کہ اس کو مقربین دیکھتے ہیں اور جس طرح کہ ابرار دنیا میں مقربین کے قرب ومشاہدہ میں اپنی حالت میں زیادتی اور معرفت میں قوت پاتے ہیں تو اسی طرح ان کا حال آخرت میں ہو گا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ما خلقکم ولا بعثکم الا کنفس واحدۃ[6] اور فرمایا بدانا اول خلق نعیدہ[7] اور فرمایا

ت[1] زور آور ہیں کافروں پر نرم دل ہیں آپس میں ۱۲ ت[2] بے شک نیک لوگ ہیں آرام میں ۱۲ ت[3] ان کی پلائی جاتی شراب مہر میں دھری جس کی مہر جمتی ہے مشک پر اور اس پر چاہیے دھکیں ڈھکنے والے اور اس کی ملونی اوپر سے پڑی ایک چشمہ جس سے پیتے ہیں نزدیک والے ت[4] ہم لکھا نیکوں کا ہے اوپر والوں میں ۱۲ ت[5] اس کو دیکھتے ہیں نزدیک والے ۱۲ ت[6] تم سب کا بنانا اور مرنے پر جلانا وہی جیسا ایک جی کا ۱۲ ت[7] جیسا سرے سے بنایا پہلی بار پھر اس کو دھراویں گے ۱۲

جَزَآءً وِّفَاقًا یعنی جزا موافق اعمال کے ہو گی تو عمل خالص کی جزا شراب خالص ہو گی اور مخلط کی مخلط اور ملاؤ شراب میں اسی قدر ہو گا کہ محبت میں اور اعمال میں ملاؤ تھا جیسا کہ قرآن مجید میں چند جا مذکور ہے فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ[1] ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم اور[2] ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ وان تک حسنۃ یضاعفھا[3] وان کان مثقال حبۃ من خردل اتینا بھا وکفی بنا حاسبین پس جو شخص کہ دنیا میں محبت کرتا ہے اور اس کی توقع جنت اور حور اور قصور کی لذت تھی تو اس کو جنت میں قادر کر دیا جائے گا کہ جہاں چاہے رہے لڑکوں کے ساتھ کھیلے اور عورتوں کے ساتھ مزہ اڑاتے اس کی لذت کا خاتمہ آخرت میں انہی اشیاء پر ہو جاتے گا اس واسطے کہ ہر ایک انسان کو محبت میں وہی ملے گا جو اس کا نفس چاہتا ہو اور جس سے اس کی آنکھ کو لذت ہو۔ اور جس شخص کا مقصود صاحب خانہ اور مالک الملک ہو گا اور اس کے دل پر خالص اس کی محبت نے غلبہ کیا ہو گا تو وہ اس مقام میں اتارا جائے گا فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر[5] خلاصہ یہ کہ ابرار تو باغوں اور جنتوں میں حور اور غلمان کے ساتھ سیر کرتے گتے اور مقربین دربار عالی میں حاضر رہیں گے اور اسی کی طرف اپنی تاک لگائے رہیں گے اور اس لذت کے ذرہ بھر کے مقابل بھی تمام جنتوں کی آسائش کو ہیچ جانیں گے۔ غرضکہ جو لوگ کہ شہوت شکم اور فرج کو پورا کرنے میں مشغول ہوں گے وہ اور ہوں گے اور خدائے تعالیٰ کے پاس بیٹھنے والے اور ہوں گے اور اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اکثر اھل الجنۃ البلہ وعلیون لذوی الالباب یعنی اہل جنت اکثر بھولے ہیں اور مقام علیون کے مستحق اہل عقل ہیں اور از انجا کہ سمجھ انسان کے معنی علیین کے جاننے سے قاصر تھی اور وہ امر عظیم الشان تھا اس لیے خدائے تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ما ادراک ما علیون جیسے قارعہ کے لیے ارشاد فرمایا القارعۃ ما القارعۃ وما ادراک ما القارعۃ۔ اور ایک علامت محبت کی یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کی محبت میں خائف اور اس کی ہیبت و تعظیم میں دبلا پتلا رہے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ خوف محبت کے مخالف ہے ایسا نہیں بلکہ اصل یوں ہے کہ عظمت کا علم موجب ہیبت کا ہوتا ہے جیسے جمال کا ادراک موجب محبت کا ہوا ہے۔ محبین کے لیے مقام محبت میں ایسے خوف ہوتے ہیں کہ دوسروں

---

[1] سو جس نے کی ذرہ بھر بھلائی وہ دیکھ لے گا اور جس نے کی ذرہ بھر برائی وہ دیکھ لے گا [2] اللہ نہیں بدلتا جو ہے کسی قوم کو جب تک وہ نہ بدلیں جو اپنے بیچ میں ہے [3] اللہ حق نہیں رکھتا کسی ایک کا ذرہ برابر اور اگر نیکی ہو تو اس کو دونا کرے ۱۲ [4] اور اگر ہو گا برابر رائی کے دانے کے وہ ہم لے آئیں گے اور ہم بس ہیں حساب لینے والے [5] بیٹھے سچی بیٹھک میں نزدیک بادشاہ کے جس کا سب پر قبضہ ۱۲

[6] بزار بروایت انس بسند ضعیف اور دوسرا حصہ اس حدیث کا احمد بن الحواری سے منقول ہے جو حدیث میں مل گیا ہے ۱۲

[7] تجھ کو کیا خبر ہے کیا ہیں اوپر والے [8] وہ کھڑکھڑاتی کیا ہے وہ کھڑکھڑاتی اور تو کیا بوجھا کیا ہے وہ کھڑکھڑاتی ۱۲

دوسروں کو نہیں ہوتے اور بعض خوف بعض کی نسبت کہ زیادہ ہوا کرتا ہے۔ان خوفوں میں اوّل خوف روگردانی کا ہے اور اس سے زیادہ حجاب کا اور اس سے بھی بڑھ کر خوف اپنے پاس سے دور کر دینے کا اور حدیث شریف میں جو مذکور ہے کہ مجھ کو سورۂ ہود نے بوڑھا کر دیا اس سے بھی خوف دوری مراد ہے جس نے سید المحبین کو بوڑھا کیا تھا اور جو اس صورت میں جا بجا وارد ہے الا بعدا لثمود[۲] الا بعدا لمدین کما بعدت ثمود[۳] اور ظاہر ہے کہ ہیبت بعد کی اور خوف دوری کا اسی کو زیادہ ہو گا جو قرب کا مالوف اور اس سے مانوس ہو اور ضرور ہے کہ بعد کا ذکر مبعدین کے باب میں اہل قرب کے کان میں پڑے گا تو ان کو بوڑھا کر دے گا اور جو شخص دوری ہی سے مالوف ہے وہ قرب کی طرف کیوں مشتاق ہونے لگا تھا۔ اور جس کو حاشیہ بوسی بساط قرب کی میسر نہیں ہوئی وہ بعد کے خوف سے کیوں رونے لگا تھا۔ بموجب مثل مشہور بندر کیا جانے ادرک کی سار پھر خوف ٹھہر جانے کا اور زیادتی مراتب کے نہ ملنے کا ہوتا ہے۔ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ درجات قرب کی کچھ انتہا نہیں اور بندے پر لازم ہے کہ ہر دم یہی کوشش کرے کہ کچھ قرب اور زیادہ ہو جائے اور اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ[۴] من استوی یوماہ فھو مغبون ومن کان یومہ شرا من امسہ فھو ملعون اور اسی طرح یہ بھی ارشاد فرمایا ہے[۵] انہ لیغان علیٰ قلبی فاستغفر اللہ فی الیوم واللیلۃ سبعین مرۃ چونکہ آپ کا قدم راہ سلوک میں ہر وقت پڑتا تھا اور قدم اول بہ نسبت آئندہ کے بعد میں داخل تھا اس لیے آپ استغفار پڑھتے تھے۔ سالکین کے حق میں راہ میں تھک جانا اور غیر محبوب کی طرف توجہ کرنی یہی ایک طرح کا عذاب ہے۔ چنانچہ حدیث قدسی میں وارد ہے کہ[۶] جو شخص عالم جب دنیا کی شہوات کو میری طاعت پر اختیار کرتا ہے تو ادنیٰ سزا اس کی میں یہ کرتا ہوں کہ اپنی مناجات کی لذت اس سے چھین لیتا ہوں حاصل یہ کہ زیادتی درجات کا چھین لینا شہوات کے باعث سے عام سالکوں کے حق میں عذاب ہے اور خواص تو زیادتی سے اسی وقت محجوب ہو جاتے ہیں کہ صرف دعویٰ یا عجب کریں یا جو مبادی لطف میں سے ان پر ظاہر ہو اس کی طرف میل کریں اور مکر خفی اسی کا نام ہے یہ ایسی چیز ہے کہ اس سے بچنے پر وہی قادر ہوتے ہیں جن کے قدم راہ سلوک میں خوب جمے ہوں۔ پھر خوف اس چیز کے جاتے رہنے کا ہے بعد جاتے رہنے کے نہ ملے۔ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ سفر کرتے ہوئے ایک پہاڑ پر تھے کہ ایک آواز آئی کہ کوئی یہ کہتا ہے۔ قطعہ:

ح[۱] یہ حدیث ترمذی کی ہے پیشتر گذری ۱۲ ت[۲] سن تو پھٹکار ہے ثمود کو ۱۲ ت[۳] سن تو پھٹکار ہے مدین پر جیسے پھٹکار پائی ثمود نے ح[۴] جس کے دو روز برابر ہوں تو وہ خسارہ میں ہے اور جس کی آج کل کی نسبت کہ بُری ہو وہ ملعون ہے ۱۲ عبد العزیز بن ابی داؤد نے خواب میں شرف زیارت سے مشرف ہو کر وصیت چاہی تھی تو آپ نے نے یہ ارشاد فرمایا تھا۔ بیہقی نے اس کو زہد میں نقل کیا ہے سوائے خواب کے اور کوئی سند مجھ کو نہیں ملی ۱۲ ح[۵] میرے دل پر میل آجاتا ہے تو میں اللہ سے طلب مغفرت دن رات میں ستر بار کرتا ہوں بخاری و مسلم بروایت اغر مزنی ۱۲ ح[۶] اوپر گذری ۱۲

ہم نے بخشے جتنے ہیں تیرے گناہ پر نہیں بخشا قصور اعراض کا
فوت جو تجھ سے ہوا وہ ہے معاف فوت جو ہم سے ہوا باقی رہا!

اس کو سن کر آپ تڑپے اور بے ہوش ہو گئے ایک رات دن ہوش نہ آیا بہت سے حالات آپ پر طاری ہوتے پھر ایک آواز پہاڑ سے سنی کہ اے ابراہیم بندہ ہو جا ابراہیم کہتے ہیں کہ میں بندہ ہو گیا اور ہوش میں آیا۔ پھر خوف محبوب سے بے غم ہو جانے کا ہے یعنی عاشق ہمیشہ شوق اور طلب اور حرص میں رہتا ہے اور زیادتی کی طلب میں سستی اور بے پروائی نہیں کرتا اور لطف تازہ کا منتظر رہتا ہے پس اگر یہ بات نہ رہی تو باعث ایک مرتبہ پر ٹھہر جانے کا یا رجعت کا ہو گا اور بے غم ہونا آدمی پر ایسی طرح آتا ہے کہ اس کو خبر نہیں ہوتی جیسے بعض اوقات محبت اسی طرح ہو جاتی ہے اس لیے کہ دل کی ان تبدیلیوں کے اسباب غیبی ہوتے ہیں ممکن نہیں کہ آدمی کو ان پر اطلاع ہو پس جب اللہ تعالیٰ بندے کا توقف اور خرابی چاہتا ہے اس سے بے غمی کو خفیہ رکھتا ہے پس بندہ رجا ہی رجا میں ٹھہرا رہتا ہے اور حسن ظن سے دھوکا کھا جاتا ہے یا اس پر غفلت یا ہوائے نفسانی یا نسیان غالب ہو جاتا ہے اور یہ سب باتیں شیطان کے لشکر ہیں جو علم اور عقل اور ذکر و بیان وغیرہ لشکر ملائکہ پر غالب آجاتے ہیں اور جس طرح کہ خدائے تعالیٰ کے اوصاف لطف اور رحمت اور حکمت کے ایسے ہیں جو بندے میں ظاہر ہونے پر مقتضی جوش محبت کے ہوتے ہیں۔ اسی طرح اس کے اوصاف ایسے بھی ظاہر ہوتے ہیں جو موجب بے غمی کے ہوا کرتے ہیں مثل اوصاف جباری اور عزت اور استغنا کے اور اس طرح کی باتیں مقدمات بدبختی اور حرمان کی ہیں۔ پھر خوف اس بات کا ہے کہ دل محبت الٰہی سے اس کے غیر کی طرف منتقل ہو جاتے اور اس مقام کا نام مقت ہے یعنی شدت غضب الٰہی ہے اور بے غمی محبوب حقیقی سے اس مقام کا مقدمہ ہے۔ اور اعراض اور حجاب مقدمہ غمی کا ہوتا ہے۔ اور نیکی سے دل تنگ ہونا اور دوام ذکر سے دل چرانا اور وظائف و اوراد سے گھبرانا اعراض و حجاب کے اسباب مقدمات ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان اشیاء کا ظاہر ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ آدمی مقام محبت سے مقام مقت میں جا پہنچا۔ نعوذ باللہ منہ۔ اور ہمیشہ ان امور سے خائف رہنا اور شدت سے احتراز کرنا دلیل صدق محبت کی ہے اس لیے کہ جو شخص کسی چیز سے محبت رکھتا ہے، ظاہر ہے کہ اس کے جاتے رہنے سے ڈرا کرتا ہے تو لازم آیا کہ جو محبوب ایسا ہو کہ اس کا جاتا رہنا ممکن ہو تو محب کو خوف ضرور ہو گا اور بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ جو شخص خدائے تعالیٰ کی عبادت صرف محبت سے بدون خوف کے کرتا ہے وہ بباعث ناز کرنے کے اور زیادہ پاؤں پھیلانے کے ہلاک ہوتا ہے اور جو شخص اس کی عبادت صرف خوف کے طور پر بدون محبت کے کرتا ہے وہ اس سے وحشت ناک اور بعید ہو کر علیحدہ ہو جاتا ہے اور جو شخص اس کی عبادت محبت اور خوف دونوں سے کرتا ہے اس کو خدائے تعالیٰ محبوب اور مقرب بناتا ہے اور اس کو قدرت و علم عنایت فرماتا ہے پس محب کو خوف ضرور ہے اور خائف کو محبت، لیکن جس شخص پر کہ محبت غالب ہو کر اس میں خوب پھیل گئی ہو اور خوف تھوڑا سا ہو تو اس کو کہیں گے کہ مقام محبت میں ہے اور اس کی شمار محبین ہی میں ہو گی اور خوف کی آمیزش سکر محبت کو کچھ

تسکین دیتی رہے گی اور اگر محبت و معرفت اور زیادہ ہو جائیں تو طاقت بشری اس کی متحمل نہ ہو گی۔ خوف سے البتہ اس میں اعتدال اور تخفیف ہو جاتی ہے اور دل پر اس کا واقع ہونا آسان معلوم ہوتا ہے، چنانچہ روایت ہے بعض ابدال نے کسی صدیق سے روایت کی کہ خدائے تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ ایک ذرہ بھر اپنی معرفت مجھ کو عنایت فرمائے انہوں نے دعا کی اور وہ مقبول ہوئی ان بزرگ کا یہ حال ہوا کہ پہاڑوں میں سرگردان پھرے عقل حیران اور دل پریشان تھا سات روز تک ان کی آنکھیں پتھرا گئیں نہ اپنے کسی چیز سے نفع پایا نہ ان سے کسی چیز کو فائدہ ہوا، صدیق نے خدائے تعالیٰ سے ان کے لیے دعا مانگی کہ الٰہی ذرہ بھر معرفت سے کچھ کم کر دے ان پر وحی ہوئی کہ ہم نے اس کو ذرہ بھر معرفت کا لاکھواں حصہ عنایت فرمایا ہے اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ جب تو نے اس کے لیے دعا کی تھی اسی وقت ہمارے لاکھ بندوں نے بھی درخواست کی تھی میں نے ان کی دعا قبول کرنے میں تاخیر کی تھی مگر جب تو اس شخص کا سفارشی ہوا اور تیری دعا قبول کی تو ان کی دعا بھی قبول فرمائی اور ذرہ بھر معرفت کا لاکھ بندوں میں تقسیم کر دی جس کا نتیجہ تو نے دیکھا۔ صدیق نے عرض کیا کہ اے احکم الحاکمین جس قدر تو نے اس کو عنایت فرمایا ہے اس میں سے کم کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے دس ہزارواں حصہ اس لاکھویں حصہ کا رہنے دیا اور باقی کو سلب کر دیا تب اس کا خوف و محبت ورجا ٹھکانے ہوئی اور پریشانی دفع ہوتی اور عارفوں کی طرح ہو گیا۔ عارف کا حال ایسا ہے ؎

قریب وجد و مقصودش بعید است — جدا از جملہ احرار و عبید است
صفاتش دیگر و علمش غریب است — دلش محکم چو الواح حدید است
بمقصد ہاتے او کے پے بر د کس — جز آن بینا کہ حال خلق دید است
ہمیشہ عیدہا دارد دریں دیر — ہزاراں عید ہر روزش پدید است
بعید دیگر ست او شاد و خرم — نہ آں عیدے کہ نزدیک تو عید است

اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ چند اشعار متضمن اسرار حالات عارفین کے پڑھا کرتے تھے گو ان اسرار کا ظاہر کرنا ناجائز ہے مگر آپ اشارہ فرما دیا کرتے تھے۔ ان کا ترجمہ یہ ہے: اشعار

جماعتی ست کہ اہل علوم و اسرار اند — ز قرب حق بمقامات قدس سیارند
ورود شاں نبود جز بمورد عزت — رجوعے شاں بمقامے کہ خوشتر انگارند
ہمیشہ بر سر عزے گزار شاں ز صفات — بحلہ پوشی توحید ناز خوش دارند
مقام شاں پس ازاں برتراز بیان باشد — صلاح نیست کہ احوال بر زباں آرند
بپوشم آنچہ کہ بینم کو۔ دوست مے پوشد — بگویم آنچہ قضا و قدر روا دارند
بر بندگاں نہ ہم آنچہ حق شاں نبود — وہم ہر آنچہ بتفویض آن سزاوارند
بنا بر آنکہ خدا راست سر مکنونی — کہ اہل راز شناسند و باقی اغیاراند

اور ان جیسے معارف میں سب لوگوں کا شریک ہونا نہیں ہو سکتا اور نہ یہ جائز ہے کہ جس کسی کو قدر ان

ان میں سے منکشف ہو جائیں وہ ان لوگوں سے کہے جن کو کچھ منکشف نہیں ہوا بلکہ اگر سب لوگ اس میں شریک ہوتے تو دنیا خراب ہو جاتی۔ دنیا کی آبادی کے لیے حکمت الٰہی اسی بات کی مقتضی ہے کہ سب پر غفلت رہے اور یہ معارف تو سب کو منکشف ہونے درکنار اگر بالفرض چالیس روز تک سب لوگ حلال کھائیں تب بھی دنیا اجڑ جائے کہ سب اس کو ترک کر دیں اور بازار اور معیشت سب بیکار ہو جائیں بلکہ اگر علماء حلال کھانے لگیں تو اپنی ہی جانوں پر مشغول ہو جائیں اور زبانیں اور قلم رک جائیں اور علوم جس قدر پھیلے ہوئے ہیں ان میں سے بہت کچھ جاتا رہے مگر اللہ تعالیٰ نے اس چیز میں جو ظاہر بری ہے اسرار و حکمتیں رکھی ہیں جیسے کہ خیر میں اسرار و حکمتیں ہیں اور اس کے اسرار و حکمتوں کی کچھ انتہا نہیں جیسے کہ اس کی قدرت کی غایت نہیں۔ اور ایک علامت محبت یہ ہے کہ محبت کو چھپائے اور دعویٰ سے اجتناب کرے اور محبوب کی تعظیم کے باعث اظہار وجد و محبت سے احتراز کرے کہ اس کے بھید کو غیر سے کہنے میں اس کو غیرت ہو گی اس لیے کہ محبت بھی محبوب کا ایک بھید ہے اور ایک وجہ یہ ہے کہ دعویٰ میں کبھی ایسی بات بھی منہ سے نکل جاتی ہے کہ اصل بات سے بڑھ کر ہو تو یہ بہتان ہو گا اس کا نتیجہ آخرت میں برا ہوتا ہے اور دنیا میں بھی جلد مصیبت آتی ہے۔ ہاں کبھی عاشق کو نشۂ محبت اتنا ہوتا ہے کہ اس سے مدہوش ہو جاتا ہے اور حال مضطرب ہوتا ہے اس وقت محبت ظاہر ہو جاتی ہے پس اگر اس قسم کا اظہار بدون تکلف اور اختیار کے سرزد ہو تو مجبوری ہے۔ آتش محبت کبھی ایسی مشتعل ہوتی ہے کہ اس کی تاب کسی کو نہیں ہے۔ کبھی دل کو بہا دیتی ہے تو اس کا کوئی روکنے والا نہیں ہوتا۔ غرضکہ جو شخص کہ راز محبت کے خفیہ رکھنے پر قادر ہے وہ تو یوں کہا کرتا ہے۔ نظم:

گرچہ میگوئید نزدیک است دوست بندہ را نفعے کجا در قرب اوست

درکنارم گر نشیند آفتاب اوید گر وز دیدن بہرہ یاب نیست چیز یاد مراد دل ازو سوز عشقے در درون حاصل ازو

اور جو شخص کہ اس راز کو چھپا نہیں سکتا اس سے عاجز ہے وہ یوں کہتا ہے ؎

گرچہ رازش را ہمی دارم نگاہ
آشکارا میشود از اشک و آہ!

اور یہ بھی کہتا ہے ؎

جس کا دل ہو غیر کے ہمراہ اس کا حال کیا
راز جس کا آنکھ میں ہو کب ہے ممکن لے چھپا

بعض عارفین فرماتے ہیں کہ لوگوں میں دور تر خدا سے وہ ہوتا ہے جو اس کی طرف اشارہ بہت کرے یعنی ہر چیز میں تکلف اور بناوٹ سے ہر ایک کے سامنے خدا کی طرف اشارہ کرے تو ایسا شخص عاشقین اور خدا تعالیٰ کے واقفین کے نزدیک محب نہیں بلکہ مبغوض و ممقوت ہے۔ حضرت ذوالنون مصریؒ اپنے کسی بھائی کے پاس تشریف لے گئے جو اپنی محبت کا ذکر لوگوں سے کیا کرتا تھا آپ نے اس کو مصیبت میں

مبتلا دیکھا اور فرمایا کہ جو شخص خدائے تعالیٰ کی طرف کی چوٹ کی تکلیف معلوم کرتا ہے وہ اس سے محبت نہیں رکھتا۔ اس شخص نے کہا کہ لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ جو شخص اس کی چوٹ سے لذت یاب نہیں ہوتا وہ اس سے محبت نہیں رکھتا۔ حضرت ذوالنون ؒ نے فرمایا کہ میں یہ کہتا ہوں کہ جو شخص اپنے نفس کو اس کا محب مشہور کرتا ہے وہ اس سے محبت نہیں رکھتا اس شخص نے استغفار و توبہ کی کہ پھر میں ذکر محبت کسی سے نہ کروں گا اب اگر کوئی یہ کہے کہ محبت الٰہی منتہائے مقامات میں سے ہے اس کے ظاہر کرنے میں تو بہتری ہی معلوم ہوتی ہے کیا وجہ ہے کہ اظہار اس کا بُرا قرار دیا گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ محبت عمدہ چیز ہے اور اس کا خود بخود ظاہر ہونا بھی اچھا ہے البتہ یہ امر بُرا ہے کہ اس کو تکلف ظاہر کرے اس لیے کہ ظاہر کرنے میں دعویٰ پایا جاتا ہے اور جتنی بات ہے اس سے زیادہ ظاہر ہونے کی گنجائش ہے۔ حالانکہ سزاوار محبت یہ ہے کہ اس کی پوشیدہ محبت پر اس کے افعال و احوال دال ہوں نہ اقوال، اور چاہیئے کہ محبت ایسی طرح ظاہر ہو کہ اس کو قصد اظہار محبت یا اظہار فعل جو محبت پر دلیل ہو نہ ہو اس کا قصد ہمیشہ یہی رہے کہ حبیب کے سوا اور کسی کو اس کا علم نہ ہو اور جب یہ ارادہ ہو کہ دوسرا بھی اس سے واقف ہو تو یہ بات محبت میں شرک کہلاتی ہے اور اس میں خلل انداز ہے چنانچہ انجیل میں مذکور ہے کہ جب تو صدقہ کرے تو ایسی طرح صدقہ کر کہ تیرا بایاں ہاتھ نہ جانے کہ داہنے ہاتھ نے کیا کیا اس کا بدلہ تجھ کو علانیہ وہ شخص دے گا جو خفیہ چیزوں کو دیکھتا ہے اور جب تو روزہ رکھے تو تو اپنا منہ دھو اور سر میں تیل ڈال تاکہ روزے کا حال تیرے رب کے سوا دوسرے کو معلوم نہ ہو اس سے معلوم ہوا کہ ظاہر کرنا قول اور فعل دونوں کا بُرا ہے مگر اس میں کہ نشۂ محبت غالب ہو کر زبان گویا ہو جائے اور اعضا بے چین ہو جائیں تو اس صورت میں اس شخص پر ملامت نہیں ہو سکتی۔ روایت ہے کہ ایک شخص نے بعض مجنونوں سے ایک ایسا امر دیکھا کہ اپنے آپ کو اس میں جاہل پایا اس کا حال حضرت معروف کرخیؒ سے کہا انہوں نے تبسم فرما کر فرمایا کہ بھائی خدا کے محب سب قسم کے ہیں چھوٹے بھی ہیں اور بڑے بھی ہیں۔ عاقل ہیں اور مجنون، پس یہ حال جو تو نے دیکھا مجنون میں سے مجنونوں کا ہے اور ان کو اسی پر سوچ لینا چاہیئے اور محبت کے ظاہر کرنے کی برائی اس وجہ سے بھی ہے کہ محب اگر عارف ہوگا اور احوال فرشتوں کی محبت دائمی اور شوق لازمی سے بھی واقف ہوگا جس کے باعث ان کا یہ حال رہتا ہے کہ یسبحون اللیل والنھار لا یفترون[1] اور لا یعصون اللہ ما امرھم ویفعلون ما یؤمرون[2] تو اپنے نفس اور اظہار محبت سے شرمندہ ہوگا اور جان لے گا کہ میں سب مجنونوں میں سے کم تر ہوں خدائے تعالیٰ کی سلطنت میں جتنے اس کے محب ہیں میری دوستی سب کی نسبت کم تر ہے بعض مکاشفین بیان کرتے ہیں کہ میں نے تیس برس ظاہر و باطن سے جتنی مجھ میں طاقت تھی کوشش کے ساتھ عبادت کی یہاں تک کہ مجھ کو گمان ہوا کہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک میرا کچھ رتبہ ہوا ہوگا اور ان بزرگ نے مکاشفات

---

[1] یاد کرتے ہیں رات اور دن نہیں تھکتے ۱۲ [2] بے حکمی نہیں کرتے اللہ کی جو بات ان کو فرمائی اور وہی کرتے ہیں جو ان کو حکم ہو ۱۲

اور اسرارِ سماوی کے ظاہر ہونے میں ایک بڑی داستان بیان کر کے آخر میں لکھا ہے کہ میں ایک فرشتوں کی صف میں پہنچا جن کی تعداد عدد مخلوقات کے برابر تھی ان سے میں نے پوچھا کہ تم کون ہو جواب دیا کہ ہم خدائے عز و جل کے محب ہیں اس کی عبادت یہاں تین لاکھ برس سے ایسی طرح کرتے ہیں کہ ہمارے دل و زبان پر سوائے اس کے اور کچھ نہیں گذرا تب تو مجھ کو اپنے عمل سے بہت حیا آئی اور سب اعمال میں نے ان لوگوں کو بخش دیئے جو مستحق وعید ہیں تاکہ ان پر دوزخ میں تخفیف ہو اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص اپنے نفس کو اور اپنے رب کو پہچانتا ہے اور اس سے جیسا چاہیئے ویسا حیا کرتا ہے تو اس کی زبان دعوٰی اظہارِ محبت سے گونگی ہو جاتی ہے ہاں اس کے حرکات و سکنات اور ترددات البتہ محبت پر شاہد ہوتے ہیں چنانچہ حضرت جنیدؒ اپنے استاد مرشد حضرت سریؒ کا حال بیان فرماتے ہیں کہ ایک بار وہ بیمار ہوئے ہم کو نہ تو سبب ان کی بیماری کا معلوم ہوا نہ دوا ہم سے کسی نے ایک طبیب حاذق کا ذکر کیا تو میں ان کا قارورہ لے کر اس طبیب کے پاس گیا اس نے قارورہ دیکھا اور بڑی دیر تک دیکھتا رہا پھر مجھ سے کہا کہ یہ قارورہ تو عاشق کا سا معلوم ہوتا ہے۔ میں نے یہ سن کر پچھاڑ کھائی اور بے ہوش ہو گیا شیشی میرے ہاتھ سے گر گئی اور بعد ہوش آنے کے مرشد کی خدمت میں آکر سب حال کہا آپ نے تبسم کر کے فرمایا کہ واقع میں وہ قارورہ بہت خوب پہچانتا ہے میں نے پوچھا کہ کیا قارورہ میں بھی عشق ظاہر ہو جاتا ہے آپ نے فرمایا ہاں قارورہ میں بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔ اور ایک بار حضرت سریؒ نے فرمایا کہ اگر میں چاہوں تو کہہ دوں کہ اسی کی محبت نے میرا پوست ہڈیوں پر لگا دیا اور بدن کو دبلا کر دیا پھر بے ہوش ہو گئے ہوشی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے یہ قول غلبۂ وجد میں جس ... کہ بے ہوشی آنے کو تھی بیان فرمایا تھا۔ اور علامت محبت میں سے انس اور رضا بھی ہیں جن کا بیان عنقریب آتا ہے۔ یہانتک علامات محبت اور اس کے ثمرات کا بیان ہوا۔ الحاصل تمام دین کی خوبیاں اور اخلاق حمیدہ ثمرہ سیت کا ہیں اور جس چیز کی مثمر محبت نہیں اس کو اتباع ہوائے نفسانی جاننا چاہیئے جو رذائل اخلاق میں سے ہے۔ ہاں اللہ تعالٰے کے ساتھ محبت دو قسم کی ہوتی ہے۔ کوئی تو اس سے محبت کرتا ہے کہ اللہ تعالٰی کا احسان اس پر ہے اور کوئی صرف اس کے جلال اور جمال کے باعث محبت رکھتا ہے گو اس کی طرف کچھ احسان نہ ہو۔ اور اسی لیے حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا ہے کہ آدمی خدائے تعالٰی کی محبت میں دو قسم ہیں ــ ایک عام اور ایک خاص۔ عوام تو محبت اس لیے کرتے ہیں کہ اس کا احسان اور کثرت انعام ہمیشہ دیکھتے ہیں پس اس کے الطاف دیکھ کر نہ رہ سکے کہ اس کی محبت نہ کریں مگر ان کی محبت میں کمی و بیشی بقدر نعمت و احسان کے ہوتی رہتی ہے اور خواص کو جو دولت محبت ملی ہے تو اللہ جل شانہ کی قدر اور قدرت اور علم و حکمت کی عظمت کے باعث اور سلطنت میں یکتا ہونے کی جہت سے ملی ہے۔ یعنی جب انہوں نے اس کی صفات کاملہ اور اسمائے حسنٰی کو پہچانا تو بدون محبت نہ رہ سکے اس وجہ سے کہ ان کے نزدیک خدائے تعالٰی مستحق محبت ٹھہرا گو ان سے تمام نعمتوں کو برطرف کر دیا۔ ہاں لوگوں میں بعض ایسے ہیں کہ وہ اپنی ہوائے نفس

اور دشمن خدا ابلیس لعین سے تو محبت رکھتے ہیں اور باوجود اس کے اپنے جی میں جہالت اور مغالطے سے دھوکا کھا کر گمان کرتے ہیں کہ ہم اللہ تعالےٰ کے محب ہیں حالانکہ ان میں ان علامات محبت میں سے کوئی نہیں پائی جاتی اور اگر ہوتی ہے تو نفاق اور ریا اور شہرت کے باعث ہوتی ہے اور ان کی غرض اس سے حظ دنیاوی کا ملنا ہوتا ہے اور زبان سے اس کے خلاف ظاہر کرتے ہیں جیسے بڑے عالم اور قاری یہ لوگ خدائے تعالیٰ کی زمین میں اس کے دشمن ہیں حضرت سہل تستریؒ جب کسی شخص سے گفتگو کرتے تو اسے دوست کہہ کر کرتے ان سے کسی نے کہا کہ آپ یہ کلمہ کیسے کہا کرتے ہیں کبھی یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ مخاطب دوست نہ ہو آپ نے سائل کے کان میں بھی چپکے سے کہہ دیا کہ دو حال سے خالی نہیں یا ایما ندار ہو گا یا منافق، صورت اول میں خدا کا دوست ہو گا اور دوسری صورت میں شیطان کا۔ اور ابو تراب بخشیؒ نے علامات محبت میں کچھ اشعار لکھے جن کا ترجمہ یہ ہے نظم:

رزق بگذار گر ترا پند است — ہر عاشق علامت چند است
زان میان ایں بود کہ بے تعیین — ذوق ہر تلخ باشدش شیریں
گر بلائے رسد ز حضرت دوست — آنچہ از دوست می رسد نیکوست
زان میاں آنکہ شورش افزاید — گر ملامت ز ہر طرف آید
زان میان اینکہ دل بود پُرخوں — لیک خنداں نماید از بیروں
زان میاں اینکہ طبع معنی رس — وقت گفتار دست سازد و بس
زان میاں اینکہ باکس و ناکس — نہ زند جز بحرف دوست نفس

اور یحییٰ بن معاذؒ نے اسی بات میں اس مضمون کے اشعار لکھے ہیں ؎

زان میاں اینکہ چیست و زندہ بسر — یر لب آب آیدت بنظر
زاں میاں ایں بود کہ در شب تار — نالہ و از فراق گوید زار
زاں میاں اینکہ آیدت بنظر — در جہاد و مثال آن بہ سفر
زاں میاں اینکہ حرص دار فنا — در دل فارغش نہ گیرد جا
زان میاں اینکہ جینے از احیاں — گر خطاے رود بود گریاں
زاں میاں اینکہ گیرد ایں دستور — کہ سپارد بدوست جملہ امور
زاں میاں اینکہ تن دہد بہ رضا — ہر چہ بروے رسد ز حکم قضا

زان میاں اینکہ چہرہ اش چون باغ
باشد و قلب مثل لالہ بداغ

اللہ تعالیٰ کے ساتھ انس کے معنی

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ انس اور خوف اور شوق آثار محبت میں سے ہیں مگر یہ آثار محبت بہ اعتبار غلبہ کیفیت وقت اور اس کی نظر کے مختلف ہوا کرتے ہیں تو جس صورت میں کہ محب پر یہ کیفیت غالب ہو کہ حجابہائے غیب سے لے کر منتہائے جمال تک تاک لگاتے ہو اور کنہ جلال کے واقف ہونے سے اپنا قاصر ہونا سمجھ گیا ہو تو اس وقت دل اس کی طلب میں برانگیختہ ہوتا ہے اور اس کی طرف جوش مارتا ہے تو یہ دل کا اُبھار... امر غالب کی طرف ہونا ہے اس کو شوق کہتے ہیں اور جس صورت میں کہ محب پر قرب کی خوشی اور جو کچھ کشف ہوا ہے اس کے باعث مشاہدہ حضوری غالب ہو اور اس کی نظر صرف مطالعہ اس جمال پر مقصور ہو جو اس کو مکشوف ہوا ہے اور قوت مدرکہ کے پاس موجود ہے اور جو چیز کہ اب تک حاصل نہیں ہوئی اس کی طرف التفات ہی نہیں کرتا تو جس چیز کو دیکھتا ہے اس سے دل کو ایک سرور ہوتا ہے اس سرور کو انس کہتے ہیں اور اگر محب کی نظر عزت اور استغناء اور بے پروائی وغیرہ صفات محبوب پر ہو اور امکان زوال اور دور ہو جانے کا بھی پیش نظر ہو تو ان امور کے جاننے سے دل میں رنج ہوتا ہے پس اس طرح دل کا دردمند ہونا خوف کہلاتا ہے غرض یہ حالتیں اپنے ملاحظات کی تابع ہیں اور یہ ملاحظات ایسے اسباب سے پیدا ہوتے ہیں جو ان ملاحظوں کے مقتضی ہیں اور ان کا حصر ممکن نہیں۔ حاصل یہ کہ انس کے معنی یہ ہیں کہ مطالعہ جمال سے دل کو خوشی اور سرور حاصل ہو یہاں تک کہ یہ سرور جس قدر غالب ہو اور جو چیز کہ غائب ہے اس کا لحاظ نہ رہے اور خطر زوال بھی دل پر راہ نہ پائے تو اس سرور میں کمال درجے کی لذت اور راحت ہوگی اور یہی وجہ تھی کہ جب ایک بزرگ سے پوچھا گیا کہ تم مشتاق ہو، انہوں نے جواب دیا کہ شوق تو غائب کی طرف ہوا کرتا ہے جب غائب حاضر ہو جاتے تو شوق کس چیز کی طرف رہے۔ اس جواب سے پایا جاتا ہے کہ بزرگ مذکور کو جس قدر حاصل ہوا تھا اس کی خوشی میں اتنا ڈوبے تھے کہ جو کچھ مدارج زیادتی الطاف کے باقی رہے تھے ان کی طرف بالکل التفات نہ تھا اور جس شخص پر یہ حالت انس غالب ہوتی ہے اس کا میل صرف تنہائی اور خلوت کی طرف ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ ابراہیم بن ادہم پہاڑ سے اترے اور کسی نے پوچھا کہ آپ کہاں سے تشریف لائے فرمایا کہ انس باللہ سے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا کے ساتھ انس کرنے کو غیر سے وحشت کرنی لازم ہے بلکہ جو امر مانع خلوت سے ہوتا ہے وہ دل پر سب سے زیادہ گراں گذرتا ہے۔ چنانچہ روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب خداوند عالم سے کلام کیا تو چند روز تک یہ نوبت ہو گئی کہ جس آدمی کی گفتگو سنتے، بے ہوش ہو جاتے اس لیے کہ محبت کے باعث کلام محبوب کا اور اس کا انس ایسا شیریں ہو جاتا ہے کہ دوسری چیز کی حلاوت دل سے نکل جاتی ہے اور اسی وجہ سے بعض حکماء نے اپنی دعا میں یہ کلمات فرمائے تھے کہ اے وہ شخص کہ اپنے ذکر سے مجھ کو مانوس کیا اور اپنی خلقت سے مجھ کو وحشت دی۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی ہوئی کہ اے داؤد میرا ہی مشتاق ہو اور مجھ سے ہی انس کر اور میرے غیر سے متنفر ہو اور حضرت رابعہ

بصریؒ سے پوچھا کہ تم کو یہ مرتبہ سلوک کا کیسے ملا فرمایا کہ بے فائدہ امور کو میں نے ترک کیا اور اس ذات سے جو قدیم ازلی ابدی ہے انس حاصل کیا۔ اور عبدالواحد بن زید کہتے ہیں کہ میں ایک راہب کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ تم کو تنہائی بہت پسند ہے اس نے جواب دیا میاں صاحب اگر تم تنہائی کا مزہ چکھو تو اپنے نفس سے بھی نفرت کرنے لگو تنہائی ہی تو عبادت کی جڑ ہے۔ میں نے پوچھا کہ کم از کم تنہائی کا فائدہ تم کو کیا ہے اس نے کہا لوگوں کی خوشامد سے راحت اور ان کے شر سے محفوظ رہنا۔ پھر میں نے کہا کہ آدمی انس باللہ کی حلاوت کب پاتا ہے اس نے کہا کہ جب محبت صاف اور معاملہ خالص ہو میں نے پوچھا کہ محبت صاف کب ہوتی ہے اس نے کہا کہ جب سب فکریں طاعت میں آکر ایک ہو جائیں اور کوئی باقی نہ رہے اور بعض حکماء کا قول ہے کہ لوگوں سے تعجب ہے کیسے وہ تجھ سے بدل جاتے ہیں یعنی تیرے عوض دوسری چیز میں مصروف ہیں اور دلوں سے یہ تعجب ہے کہ تجھ کو چھوڑ کر تیرے غیر سے کس طرح مانوس ہوتے ہیں۔

اب جاننا چاہیئے کہ انس باللہ کی علامت خاص یہ ہے کہ لوگوں کی صحبت سے دل تنگ ہو کر اور ان میں گھبرائے یادِ الٰہی کی شیرینی کا حریص بہ شدت ہو اس صورت میں اگر وہ ملے جلے گا تو ایسا ہو گا جیسے کوئی جماعت میں اکیلا ہو اور خلوت میں مجتمع اور وطن میں مسافر اور سفر میں مقیم اور غائب ہونے کی حالت میں موجود اور مجمع میں غائب کہ بدن سے تو ملا جلا ہے اور دل سے علیحدہ شیرینی ذکر میں ڈوبا ہوا۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ایسے لوگوں کے وصف میں فرماتے ہیں کہ وہ ایسے لوگ ہیں جن پر حقیقت امر کا علم ہجوم کر گیا ہے یقین کی آسائش سے بہرہ مند ہوئے ہیں اور جس چیز کو اہل دولت نے مشکل جانا ہے ان کو وہ آسان سمجھتے ہیں اور اس ذات سے انس حاصل کیا ہے جس سے جاہل نے وحشت اختیار کی ہے۔ دنیا کا ساتھ صرف اپنے بدن سے کیے ہیں اور ان کی روحیں محل اعلیٰ میں لگی ہیں یہ لوگ خدائے تعالیٰ کے نائب اس کی زمین میں اور اس کے دین کی طرف بلانے والے ہیں۔ یہاں تک معنی انس کے اور اس کی علامت اور دلیلیں ہو چکیں اور بعض متکلمین اس بات کے قائل ہیں کہ انس اور شوق اور محبت کچھ بھی نہیں اور اس کی وجہ اپنے گمان میں انہوں نے یہ رکھی ہے کہ محبت وغیرہ میں تشبیہ پائی جاتی ہے جو خدائے تعالیٰ کی شانِ اعلیٰ کے لائق نہیں اور ان کو یہ معلوم نہیں کہ جن باتوں کا جمال بصیرت سے معلوم ہوتا ہے ان کی خوبصورتی بہ نسبت آنکھ کی محسوس چیزوں کی خوبصورتی کے کامل تر ہے اور اہل دل پر لذت معرفت اول قسم کی غالب نہ ہوتی ہے۔ منکرین محبت میں سے ایک احمد بن غالب معروف بہ غلام خلیل ہے کہ حضرت جنید بغدادیؒ اور حضرت ابوالحسن نوریؒ وغیرہما پر محبت و شوق و عشق کا منکر تھا اور بعض لوگ مقام رضا کے منکر ہیں وہ کہتے ہیں کہ صبر کے سوا اور کوئی مقام رضا نہیں ہو سکتے اور یہ سب کلام کم فہموں کا ہے جو مقامات دین سے پوست کے سوا کچھ نہیں جانتے اور ان کے گمان میں بجز پوست کے اور کسی چیز کو موجود نہیں سمجھتے۔ یعنی صرف محسوسات کے وجود کے قائل ہیں اور محسوسات اور خیالات دین کے طریق میں پوست ہیں مغز ان کے بعد ہے جو مطلوب ہے۔ جو شخص اخروٹ

سے چھلکے ہی کو جانتا ہے اس کے گمان میں وہ سب لکڑی ہے اور اس میں سے تیل نکلنا اس کے عندیے میں محال ہے مگر وہ شخص معذور ہے اور اس کا عذر قابل پذیرائی نہیں **نظم**

شان اہل انس شانِ دیگر است — آن عزیزاں را نشانے دیگر است
انس حق شایانِ ہر بطال نیست — کایں طریق حیلہ محتال نیست
لائق انس وے اند اہل وفا — کار ایشاں نیست جز صدق و صفا

غلبہ انس کے سبب پیدا ہونے والا انشاط حکم الٰہی پر رضا کا معنی

واضح ہو کہ انس جب دائمی اور غالب اور مستحکم ہو جاتا ہے اور شوق کا قلق اور تغیر اور حجاب کا خوف اس کو مکدر اور منغص نہیں کرتا تو اس طرح کا انس ایک انبساط اور کشادگی اقوال اور افعال اور خدائے تعالیٰ کی مناجات میں پیدا کرتا ہے اور بعض اوقات بظاہر برا ہوتا ہے اس وجہ سے کہ متضمن جرأت و قلت ہیبت کا ہوتا ہے مگر جو شخص کہ مقام انس میں مقیم ہوتا ہے اس سے وہ کشادگی برداشت کر لی جاتی ہے اور جو اس مقام میں مقیم نہیں اور فعل و کلام میں انس والوں کی مشابہت کرتا ہے وہ ہلاک ہو جاتا ہے اور قریب بہ کفر ہو جاتا ہے اس کی مثال مناجات برخ اسود کی ہے جس کے باب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا تھا کہ اس سے درخواست کرو کہ بنی اسرائیل کے لیے بارانِ رحمت کی دعا مانگے اور اس کا قصہ اس طرح ہے کہ جب بنی اسرائیل میں سات برس خشکی اور قحط سالی ہوئی حضرت موسیٰ علیہ السلام ستر آدمیوں کو ساتھ لے کر مینہ کے واسطے دعا کرنے کو نکلے اور دعا مانگی اللہ جل شانہ نے ان پر وحی بھیجی کہ میں ان لوگوں کی دعا کیسے قبول کروں جن کے گناہ ان پر چھا گئے ہیں باطن کے خبیث ہیں بدون یقین کے مجھ سے دعا مانگتے ہیں میرے عذاب سے نڈر ہیں تو میرے ایک بندے کے پاس جا جس کو برخ کہتے ہیں اس کو کہہ دے مینہ کے واسطے باہر نکل کر دعا کرے تاکہ میں قبول کروں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو برخ کا حال لوگوں سے پوچھا تو کسی نے نہ بتایا ایک روز آپ راہ میں چلے جاتے تھے دیکھا تو ایک غلام حبشی سامنے سے آتا ہے اور اس کی دونوں آنکھوں کے بیچ میں سجدے کی خاک لگی ہوئی ہے اور گلے سے ایک چادر بندھی ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو نور الٰہی سے پہچانا اور نام پوچھا اس نے کہا میرا نام برخ ہے آپ نے فرمایا ہم تو مدت سے تمہاری تلاش میں ہیں ہمارے ساتھ چلو اور بارانِ رحمت کے لیے دعا مانگو وہ آپ کے ساتھ نکلا اور اس طرح دعا مانگی کہ یا الٰہی نہ تو یہ تیرا کام ہے نہ یہ تیرا حلم اور تجھ کو کیا سوجھی ہے جو خشکی کر رکھی ہے کیا تیرے پاس کے چشمے گھٹ گئے ہیں یا ہوائیں تیری اطاعت سے منحرف ہیں یا تیرے یہاں جو چیز ہے وہ نبڑ گئی ہے یا گناہگاروں پر تیرا غصہ سخت ہو گیا ہے کیا خطا کاروں کے پیدا کرنے سے پہلے تو غفار نہیں تھا تو نے ہی تو رحمت کو پیدا کیا اور مہر کا حکم دیا کیا اب ہم کو یہ دکھاتا ہے کہ تجھ تک کسی کی رسائی نہیں یا جلد سزا اس لیے دیتا ہے کہ کہیں مخلوق تجھ سے بھاگ نہ جائے اسی طرح کی باتیں کرتا رہا یہاں تک کہ پانی برسنا شروع

ہوا اور بنی اسرائیل تر ہو گئے اور گھاس خدا کے حکم سے جمنا شروع ہوئی اس زور سے ابھری دو پہر میں ٹانوں تک پہنچ گئی اس کے بعد برخ واپس آیا حضرت موسیٰ علیہ السلام جو اس کو ملے تو کہا کہ کیوں میں اپنے رب سے کیسا جھگڑا اور اس نے میرے ساتھ انصاف کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پر قصد کیا تو خدائے تعالیٰ نے ان پر وحی بھیجی کہ برخ مجھ سے دن میں تین بار ہنستاہے اور حضرت حسنؒ سے روایت ہے کہ بصرہ میں ایک بار چند چھپر آگ سے جل گئے ان کے بیچ میں ایک چھپر باقی رہ گیا اس وقت حضرت ابو موسیٰؓ بصرہ کے سردار تھے آپ کو اس حال کی جو خبر ہوئی تو اس چھپر کے مالک کو بلوایا دیکھا تو ایک پیر مرد تھے آپ نے ان سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے کہ تمہارا چھپر نہ جلا انہوں نے کہا کہ میں نے خدائے تعالیٰ کو قسم دے دی تھی کہ اس کو نہ جلادے۔ حضرت ابو موسیٰ نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے جن کے سروں کے بال پراگندہ اور کپڑے میلے ہوں گے مگر وہ لوگ اگر خدائے تعالیٰ کو کچھ قسم دیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو سچا کر دے گا اور یہ بھی انہیں سے روایت ہے کہ بصرہ میں ایک بار آگ لگی تو ابو عبیدہ خواص تشریف لائے اور آگ پر چلنے لگے۔ حاکم بصرہ نے ان سے عرض کیا کہ دیکھیے آپ جل نہ جائیں آپ نے فرمایا کہ میں نے خدائے تعالیٰ کو قسم دے دی ہے کہ مجھ کو آگ سے نہ جلائے حاکم نے عرض کیا تو پھر آگ کو بھی قسم دیجیے کہ بجھ جائے آپ نے آگ کو قسم دی وہ بجھ گئی اور ایک روز ابو حفصؒ چلے جاتے تھے سامنے سے ایک روستائی آیا جس کے ہوش ٹھکانے نہ تھے آپ نے اس سے پوچھا کہ تجھ پر کیا مصیبت پڑی ہے اس نے کہا کہ میرا گدھا کھو گیا ہے اور اس کے سوا میرے پاس اور نہیں یہ سن کر آپ ٹھہر گئے اور جناب باری میں عرض کیا کہ قسم ہے تیری عزت وجلال کی میں ایک قدم بھی آگے نہ چلوں گا جب تک اس شخص کا گدھا اس کے پاس نہ پہنچا دے گا آپ کا یہ کہنا تھا کہ اسی وقت گدھا آموجود ہوا۔ اور آپ وہاں سے آگے بڑھے پس اس طرح کے معاملات انس والوں سے ہوا کرتے ہیں دوسرے کو حق نہیں پہنچتا کہ ان لوگوں جیسا بن جائے۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ انس والے اپنے کلام میں اور خلوتوں کی مناجات میں ایسے امور کہتے ہیں کہ وہ عوام کے نزدیک کفر ہوتے ہیں۔ اور ایک بار یہ فرمایا کہ ان کو اگر عوام سنیں تو انس والوں کو کافر کہنے لگیں۔ حالانکہ ان کو اپنے حالات میں ان امور سے ترقی معلوم ہوتی ہے اور ان سے ان کی برداشت بھی کی جاتی ہے اور انہیں کو وہ امور زیبا بھی ہیں اور اسی کی طرف اشارہ ہے۔ اس نظم میں :؎

قومی از جملہ خلق ممتاز اند — کہ بمولائے خویش مے نازند

ف اصل میں یضحکنی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ دن میں تین بار ہنساتا ہے ۱۲ ح ابن ابی الدنیا در کتاب الاولیاء اس سند میں انقطاع اور جہالت ہے ۱۲

چہ عجب گر بحق بناز دکس بندہ بر قدر خواجہ نازد و بس
در گذشتند از ہمہ اغیار بعد دیدار او زہے دیدار

اور اس امر کو کچھ بعید مت جانو کہ ایک ہی بات پر خدائے تعالیٰ ایک بندے سے راضی ہوا اور دوسرے سے ناراض بشرطیکہ ان دونوں کے مقامات مختلف ہوں اس لیے کہ اگر آدمی کو فہم و بصیرت ہو تو قرآن مجید میں اس بات میں بہت سے اشارات ہیں تمام قصص قرآن شریف کے اہل بصیرت کے نزدیک تنبیہات اور اشارات ہیں کہ ان سے عبرت پکڑیں گو مغالطے میں رہنے والوں کے نزدیک وہ کہانیاں ہیں مثلاً اول قصہ حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس لعین کا ہے دیکھو کہ معصیت اور مخالفت میں دونوں شریک ہیں مگر ابلیس اسی معصیت سے رحمت سے دور ہوا اور دوام کا طوق لعنت اس کی گردن میں پڑا اور حضرت آدم علیہ السلام کے حق میں ارشاد ہوا وعصیٰ ادم ربہ فغوی ثم اجتباہ ربہ فتاب علیہ وھدی[ت ۱] اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بندے کی طرف متوجہ ہونے اور دوسرے سے اعراض کرنے میں عتاب فرمایا اگرچہ بندگی میں دونوں برابر تھے مگر حال میں مختلف تھے چنانچہ ارشاد فرمایا واما من جاءک یسعیٰ وھو یخشیٰ فانت عنہ تلھّٰی[ت ۲] اور دوسرے کے باب میں فرمایا اما من استغنی فانت لہ تصدی[ت ۳] اسی طرح ایک لوگوں میں آپ کو بیٹھنے کا ارشاد فرمایا چنانچہ ارشاد ہے واذا جاءک الذین یومنون بایاتنا فقل سلام علیکم[ت ۴] اور فرمایا واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغداۃ والعشی یریدون وجھہ[ت ۵] اور دوسروں سے اعراض کرنے کا حکم دیا اور فرمایا واذا رایت الذین یخوضون فی اٰیاتنا فاعرض عنھم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ واما ینسینک الشیطان فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین[ت ۶] اسی طرح کھل کھیلنا اور ناز بھی بعض بندوں سے برداشت کیا جاتا ہے اور بعض سے نہیں کیا جاتا مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حالت انس کے انبساط میں عرض کیا تھا۔ ان ھی الا فتنتک تضل بھا من تشاء وتھدی من تشاء[ت ۷] اور جب ان کو حکم ہوا کہ اذھب الیٰ فرعون یعنی فرعون کے پاس جا تو اس کے جواب

ت ۱ اور حکم ٹالا آدم نے اپنے رب کا پھر راہ سے بہکا پھر نوازا اس کو اس کے رب نے پھر متوجہ ہوا اور راہ پر لایا ۱۲ ت ۲ اور جو آیا تیرے پاس دوڑتا اور وہ ڈرتا ہے سو تو اس سے تغافل کرتا ہے ۱۲ ت ۳ اور وہ جو پرواہ نہیں کرتا سو تو اس کی فکر میں ہے ت ۴ اور جب آویں تیرے پاس ہماری آیتیں ماننے تو کہہ سلام ہے تم پر ت ۵ اور تھام رکھ اپنے آپ کو ان کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام طالب ہیں اس کے منہ کے ۱۲ ت ۶ جب تو دیکھے وہ لوگ کہ بکتے ہیں ہماری آیتوں میں تو ان سے کنارہ کر جب تک بکنے لگیں اور کسی بات میں اور کبھی بھلا دے تجھ کو شیطان تو نہ بیٹھ بعد نصیحت کے بے انصاف قوم کے ساتھ ۱۲

ت ۷ یہ سب تیرا آزمانا ہے بچلاوے اس میں جس کو چاہے اور راہ دے جس کو چاہے ۱۲

میں بطور عذر عرض کیا[1] ولھم علیّ ذنب فاخاف ان یقتلون اور[2] انی اخاف ان یکذبون اور[3] ویضیق صدری ولا ینطلق لسانی اور[4] اننا نخاف ان یفرط علینا او ان یطغیٰ اور اس طرح کے اقوال سوائے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اور سے سرزد ہونے داخل بے ادبی ہیں اس لیے کہ جو شخص مقام انس میں مقیم ہوتا ہے اس کے ساتھ نرمی برتی جاتی ہے اور اس کی ناز برداری کی جاتی ہے دیکھو حضرت یونس علیہ السلام کو جو مقام قبض اور ہیبت میں تھے ان سے اس سے بھی کمتر برداشت نہ کی گئی اور اس کی سزا یہ ہوئی کہ مچھلی کے پیٹ میں تین اندھیروں کے اندر قید کیے گئے اور قیامت تک اُنکے حق میں یہ منادی ہو گئی[4] لولا ان تدارکہ نعمۃ من ربہ لنبذ بالعراء وھو مذموم حضرت حسن فرماتے ہیں کہ عرا سے مراد قیامت ہے اور ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی اقتداء سے منع فرمایا چنانچہ ارشاد فرمایا[5] فاصبر لحکم ربک ولا تکن کصاحب الحوت اذ نادیٰ وھو مکظوم اور یہ اختلاف کچھ تو احوال و مقامات کے اختلاف کے باعث ہوتے ہیں اور کچھ اس وجہ سے کہ ازل میں بندوں کو ایک دوسرے پر فضل دیا گیا ہے اور قسمت میں تفاوت رکھا گیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے[6] ولقد فضلنا بعض النبیین علیٰ بعض اور فرمایا[7] منھم من کلم اللہ ورفع بعضھم درجت حضرت عیسیٰ علیہ السلام انہیں انبیاء میں سے ہیں جن کو فضل مرحمت ہوا اسی واسطے انہوں نے اپنے نفس پر سلام کیا اور یوں کہا[8] والسلام علیّ یوم ولدت ویوم اموت ویوم ابعث حیا یعنی جبکہ اپنے مقام انس میں لطف کا مشاہدہ فرمایا تو انبساط اور ناز کے طور پر یہ کلمات فرمائے بخلاف حضرت یحییٰ علیہ السلام کے جو مقامات ہیبت اور حیا میں مقیم تھے انہوں نے اپنے آپ کو کچھ نہ فرمایا یہاں تک کہ ان کے پروردگار نے ان کی تعریف میں ارشاد فرمایا[9] سلام علیہ یوم ولد ویوم یموت ویوم یبعث حیا اور یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ برادران یوسف علیہ السلام نے جو معاملہ ان سے کیا وہ کس طرح برداشت کر لیا گیا بعض علماء فرماتے ہیں کہ میں نے[10] اذ قالوا لیوسف واخوہ احب الیٰ ابینا منا سے لے کر کانوا فیہ من الزاھدین تک کچھ اوپر چالیس خطائیں شمار کیں جن میں سے بعض بعض سے بڑی ہیں اور ایک کلمے میں تین اور چار جمع ہیں مگر ان کی خطائیں معاف کی گئیں اور حضرت عزیر علیہ السلام نے صرف ایک سوال تقدیر

---

[1] اور ان کو مجھ پر ہے ایک گناہ کا دعویٰ سو ڈرتا ہوں کہ مجھ کو مار ڈالیں ۱۲ [2] میں ڈرتا ہوں کہ مجھ کو جھٹلاویں ۱۲ [3] اور رک جاتا ہے میرا جی اور نہیں چلتی میری زبان ۱۲ [4] ہم ڈرتے ہیں کہ بھپکے ہم پر یا جوش میں آوے ۱۲ [4] اگر نہ سنبھالتا اس کو احسان تیرے رب کا تو پھینکا ہی گیا تھا چٹیل میدان میں الزام کھا کر ۱۲ [5] اب تو ٹھہر اور راہ دیکھ اپنے رب کے حکم کی اور مت ہو جیسے مچھلی والا جب پکارا اور وہ غصہ میں بھرا تھا [6] اور ہم نے زیادہ کیا ہے بعض نبیوں کو بعضوں سے ۱۲ [7] کوئی ہے کہ کلام کیا اس سے اللہ نے اور بلند کیے بعضوں کے درجے ۱۲ [8] اور سلام ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں اور جس دن کھڑا ہوں ۱۲ [9] اور سلام ہے اس پر جس دن پیدا ہوا اور جس دن مرے اور جس دن اٹھ کھڑا ہو جی کر ۱۲ [10] جب کہنے لگے البتہ یوسف اور اس کا بھائی زیادہ پیارا ہے ہمارے باپ کو ہم سے ۱۲

کا کیا تھا ان سے درگذر نہ کی گئی یہاں تک کہ ان کے حق میں کہا گیا کہ دفتر نبوت سے محو کیے گئے اسی طرح بلعام بن باعور بڑے بڑے علماء میں سے تھا اس نے دنیا دین کے عوض میں کھائی اس سے درگذر نہ کی گئی۔ اور آصف بھی مسرفین میں سے تھا اور اس کی معصیت متعلق بہ اعضائے ظاہری تھی اس کا قصور معاف ہوا چنانچہ روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ اے سردار عابدین اور اے پسر ہادی زاہدین تیری خالہ کا بیٹا آصف کب تک میری نافرمانی کرے گا میں اس سے بار بار حلم کرتا ہوں قسم ہے اپنے عزت و جلال کی اگر کوئی جھونکا میری آندھیوں میں سے اس کو آئے گا تو اس کے ساتھ والوں کے لیے اس کو عبرت اور اس کو بعد والوں کے لیے عذاب کو چھوڑوں گا جب آصف خدمت اقدس حضرت سلیمان علیہ السلام میں حاضر ہوئے تو آپ نے وحی کا حال ان سے کہا وہ وہاں سے اٹھ کر باہر گئے اور ایک اونچے ٹیلہ پر بالو کے چڑھ کر اپنا منہ اور ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور عرض کیا کہ الٰہی تو تو ہے اور میں میں ہوں اگر تو مجھ کو توبہ نہ نصیب کرے گا تو میں توبہ کیسے کر سکتا ہوں اگر تو مجھ کو نہ بچاوے گا تو میں کس طرح بچ سکتا ہوں اگر تو مجھ کو باز نہ رکھے گا تو میں دوبارہ خطا کروں گا پس اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی بھیجی کہ تو سچ کہتا ہے اے آصف تو تو ہی ہے اور میں میں ہی ہوں تو توبہ کی طرف متوجہ ہوا میں نے تیری توبہ قبول کی اور میں توبہ عنایت کرنے والا اور رحمت والا ہوں یہ کلام آصف کا ایسا ہی تھا جیسے کوئی ناز سے کہتا ہے اور خدائے تعالیٰ سے اس کی طرف بھاگتا ہے اور اس کے باعث اسی کو تاکتا ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بندہ پر جو کنارۂ ہلاکت پر پہنچ گیا تھا اس کے بچانے کے لیے وحی بھیجی کہ تو نے بہت سے ایسے گناہ میرے سامنے کیے کہ ان سے کمتر سے میں نے ایک امت کو تباہ کر دیا مگر تجھ کو معاف کر دیا غرضکہ خدائے تعالیٰ کا معاملہ بندوں کی تفضیل اور تقدیم اور تاخیر میں اس کی مشیئت ازلی سے اس طرح ہوا کرتا ہے اور قرآن مجید میں جو قصص وارد ہیں تو اسی غرض سے ہیں کہ آدمی خداوند کریم کا معاملہ پہلے لوگوں کے ساتھ معلوم ہو جائے قرآن مجید میں جو کچھ ہے وہ ہدایت اور نور اور شناخت ہے کبھی تو خلق کو اپنی تقدیس کی شناخت ارشاد فرماتا ہے اس طرح کہ قل ھو اللہ احد اللہ الصمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہٗ کفوا احد[1] اور کبھی ان کو اپنی صفات جلال سے شناخت کرا کر فرماتا ہے الملک القدوس السلام المومن المھیمن العزیز الجبار المتکبر[2] اور کبھی ان کی شناخت اپنے افعال پر خوف و رجا ہونے کے لیے اپنا معاملہ انبیاء اور اپنے اعداء کے ساتھ بیان فرماتے ہیں جیسے الم تر کیف فعل ربک بعاد ارم ذات العماد[3] اور الم تر کیف فعل ربک باصحب الفیل[4] اور قرآن میں ان تین اقسام کے سوا اور کچھ نہیں یعنی یا ارشاد معرفت ذات اور اس کی تقدیس کا ہے یا معرفت اس کی صفات اور اسماء کا بیان ہے

ت ۱ تو کہہ وہ اللہ ایک ہے اللہ نرادھار ہے نہ کسی کو جنا نہ کسی سے جنا گیا اور نہیں اس کے جوڑ کا کوئی ۱۲ ت ۲ بادشاہ پاک ذات چنگا امان دینا پناہ میں لیتا زبردست دباؤ والا صاحب بڑائی کا ۱۲ ت ۳ تو نے نہ دیکھا کیسا کیا تیرے رب نے عاد سے وہ جو ارم تھی بڑے ستون والی ت ۴ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں

یا ذکر معرفت افعال اور معاملات کا بندوں کے ساتھ مذکور ہے اور از انجا کہ سورۂ اخلاص ان تین اقسام میں سے ایک قسم یعنی تقدیس کی متضمن ہے اسی جہت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قرآن مجید کا سوم حصہ ارشاد فرمایا چنانچہ فرمایا من قرأ سورۃ الاخلاص فقد قرأ ثلث القرآن اور اس سورہ کی تقدیس پر متضمن ہونے کی یہ وجہ ہے کہ غایت تقدیس اس میں ہے کہ تین باتوں میں یکتا ہو اوّل تو یہ کہ اس سے اس کا مثل موجود نہ ہوا ہو اس پر کلمہ لم یلد دلالت کرتا ہے۔ دوم یہ کہ خود اپنے مثل و نظیر سے حاصل نہ ہوا ہو اس پر کلمہ ولم یولد دلالت کرتا ہے تیسرے یہ کہ باوجود اس کے اصل و فروع نہ ہونے کے برابر بھی ہو کہ اس کے درجے میں کوئی اس کا مثل نہ ہو اس پر ولم یکن لہ کفوا احد دلالت کرتا ہے اور یہ تینوں باتیں اس ایک کلمہ میں آگئیں قل ھو اللہ احد اور ساری سورت تفصیل کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ کی ہے پس یہ اسرار قرآن مجید کے ہیں اور اس طرح کے اسرار بے انتہا ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتا ہے ولا رطب ولا یابس الا[1] فی کتاب مبین اور اسی وجہ سے حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ قرآن کے علوم کی بحث کرو اور اس کے عجائب تلاش کرو کہ اس میں علم اگلوں اور پچھلوں کا ہے اور واقع میں ان کا قول درست ہے اسرار قرآنی کو وہی جانے جو اس کے ایک ایک کلمے کو خوب غور کرے اور فہم بھی صاف ہو اور یاری دے یہاں تک کہ اس کو ثابت ہو جائے کہ بے شک یہ کلام جبار قہار ملیک قادر کا ہے اور حد طاقت بشری سے خارج ہے اور اکثر اسرار قرآنی قصص اور اخبار کے ہی ضمن میں ہیں تو مرد عاقل کو چاہیئے کہ ان کے استنباط کا حریص ہو تا کہ اس پر عجائب قرآنی میں سے وہ امور منکشف ہوں جن کے سامنے اور علوم مزخرفہ کو ہیچ جانے جو کلام مجید سے خارج ہیں۔

رضا کی حقیقت اور اس کے فضائل

واضح ہو کہ رضا محبت کے ثمرات میں سے ایک ثمرہ ہے اور مقربین کے اعلیٰ مقامات میں سے ہے اور اس کی حقیقت اکثر لوگوں پر مخفی ہے اور جو کچھ اس پر تشابہ اور ابہام آجاتا ہے وہ اوروں پر نہیں کھلتا بدون ان لوگوں کے جن کو خدائے تعالیٰ نے تاویل کا علم و فہم دیا ہے اور دین کی سمجھ عنایت فرمائی ہے۔ منکر تو مانتے ہی نہیں کہ جو چیز مخالف اپنی خواہش کے ہو اس پر رضا کیسے ہو سکتی ہے اور کہتے ہیں کہ اگر بدیں وجہ کہ یہ فعل الٰہی ہے ہر چیز پر رضا ہو سکتی ہے تو چاہیے کہ آدمی کفر اور معصیت پر بھی راضی ہوا کرے اور کچھ لوگ ایسے مغالطے میں پڑ گئے ان کا اعتقاد یہی ہو گیا کہ فسق و فجور پر راضی ہونا اور اعتراض و انکار نہ کرنا یہ بھی خدائے تعالیٰ کے حکم ماننے میں داخل ہے اور اگر یہ اسرار صرف احکام ظاہری کے سننے ہی سے آدمی پر کھل جایا کرتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابن عباسؓ کے حق میں دعا نہ مانگتے کہ اللّٰھم فقھہ فی[2] الدین وعلمہ التاویل

[1] تو نے نہ دیکھا کیا تیرے رب نے ہاتھی والوں سے ۔ ۲ ارح جو پڑھی سورہ اخلاص تو اس نے پڑھا تہائی قرآن بخاری بروایت ابوسعید و مسلم بروایت ابو درداء و احمد بروایت ابی بن کعب ۱۲ اسر ۳ اور نہ ہرا نہ سوکھا جو نہیں کھلی کتاب میں ۱۲ اسر ۴ الٰہی اس کو دین میں سمجھ ڈال کر اور اس کو تاویل یعنی

مقصود سے۔ سلسلہ صلاح ۲ ۱۲ بخاری و مسلم امام مسلم ... ابن عباس ... احمد نے نقل کیا ہے اور ابن ماجہ ... ترمذی

اس لیے ضرور ہوا کہ فضیلت رضا کی اور حکایات راضی شخصوں کی اور رضا کی حقیقت اور مخالف خواہش کے اس کا ممکن ہونا بیان کریں اور آخر کو لکھیں گے کہ بعض امور ایسے ہیں جو رضا کی تمامی میں خیال کیے جاتے ہیں مثلاً دعا نہ کرنا اور معاصی پر سکوت کرنا حالانکہ وہ رضا میں نہیں ہیں۔

رضا کی حقیقت

رضا کی فضیلت جو آیات میں وارد ہے وہ یہ ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے رضی[ت۱] اللہ عنہم ورضوا عنہ اور فرمایا ھل[ت۲] جزاء الاحسان الا الاحسان اور منتہائے احسان یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ اپنے بندے سے راضی ہو اور یہ اس صورت میں ہوتا ہے کہ بندہ خدائے تعالیٰ سے راضی ہو اور فرمایا ومساکن[ت۳] طیبۃ فی جنت عدن ورضوان من اللہ اکبر اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا کو جنات عدن سے بڑھ کر فرمایا۔ جیسا دوسری جگہ اپنے ذکر کو نماز سے بڑھ کر ارشاد فرمایا ان الصلوٰۃ[ت۴] تنھی عن الفحشآء والمنکر ولذکر اللہ اکبر پس جس طرح کہ نماز میں جس ذات کا ذکر ہوتا ہے اس کا مشاہدہ نماز کی نسبت کر زیادہ ہے اسی طرح رضا مالک جنت کی جنت کی نسبت اعلیٰ اور اشرف ہے بلکہ وہی غایت مطلوب جنت کے باشندوں کی ہے اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ خدائے تعالیٰ ایمانداروں کے لیے تجلی فرماوے گا اور ارشاد کرے گا کہ مجھ سے سوال کرو وہ لوگ عرض کریں گے کہ تیری رضا چاہتے ہیں پس بعد دیدار کے رضا کا سوال کرنا نہایت درجے کی فضیلت رضا کے لیے معلوم ہوتی ہے اور بندے کی رضامندی کی حقیقت ہم عنقریب ذکر کریں گے۔ یہاں ذکر رضائے الٰہی کا بندے سے ہے اور وہ اسی معنی کے قریب ہے جو خدائے تعالیٰ کی محبت میں بندے کے ساتھ ہم لکھ آئے ہیں اس کی حقیقت کو کھول دینا جائز نہیں اس لیے کہ خلق کی سمجھ اس کے ادراک سے قاصر ہے اور جو شخص اس پر قادر ہوتا ہے اس کو دوسرے کے بتلانے کی ضرورت نہیں آپ ہی آپ اس کی حقیقت اس کو معلوم ہو جاتی ہے حاصل یہ کہ خدائے تعالیٰ کی طرف نظر کرنے سے بڑھ کر کوئی رتبہ نہیں اور یہ جنت والوں نے جو رضا کی درخواست کی تو اس کی وجہ یہی تھی کہ رضا موجب دوام نظر کی ہے گو اسی کو غایت مقصود اور اقصیٰ مطالب جانا یعنی جب لذت دیدار سے مشرف ہوتے اور پھر حکم سوال کا ہوا تو یہی درخواست کی کہ یہ دیدار ہمیشہ رہے اور جان لیا کہ رضا کے باعث ہمیشہ کو حجاب مرتفع رہے گا اسی لیے اس کی درخواست کی اور بعض مفسرین نے اس قول خداوندی ولدینا مزید[ت۵] کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اہل جنت کے پاس خداوند جل وعلیٰ کے پاس سے تین تحفے آئیں گے ایک تو خدائے تعالیٰ کی طرف سے ایسا ہدیہ ہو گا کہ جنت میں اس جیسا جنتیوں

ت ۱ اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی ۱۲ ت ۲ اور کیا بدلہ ہے نیکی کا مگر نیکی ۱۲ ت ۳ اور مکان ستھرے رہنے کے باغوں میں رضامندی اللہ کی سب سے بڑی ۱۲ ت ۴ بے شک نماز روکتی ہے بے حیائی سے اور اللہ کی یاد ہے سب سے بڑی ۱۲ ح ۵ بزار و طبرانی در اوسط بر نعمت انس در حدیث طویل بسند ضعیف و ابو یعلیٰ بالفاظ دیگر بسند صحیح ۱۲ ت ۶ اور ہمارے پاس ہے کچھ زیادتی ۱۲

کے پاس نہ ہوگا وہ اس آیت میں مذکور ہے[ت۱] فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین اور دوسرا تحفہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے ان پر سلام کا ہوگا کہ یہ ہدیہ پر فضل رکھتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[ت۲] سلام قولا من رب رحیم اور تیسرا تحفہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ میں تم سے راضی ہوں یہ قول ہدیہ اور سلام دونوں سے افضل ہوگا اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ورضوان[ت۳] من اللہ اکبر یعنی رضائے الٰہی تمام لذت ونعمت سے جو بہشتیوں کو میسر ہوگی بڑھ کر ہے اس سے فضل رضائے الٰہی کا معلوم ہوا جو ثمرہ ہے بندے کی رضا کا اور رضا کی فضیلت اخبار میں بھی وارد ہے چنانچہ روایت[ح۴] ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گروہ اصحاب سے پوچھا کہ تم کیا ہو انہوں نے عرض کیا کہ ہم ایماندار ہیں آپ نے فرمایا کہ تمہارے ایمان کی علامت کیا ہے عرض کیا کہ بلا پر صبر کرتے ہیں اور وسعت کے وقت شکر کرتے ہیں اور قضا کے موقعوں پر راضی رہتے ہیں آپ نے فرمایا کہ قسم ہے رب کعبہ کی ایماندار ہو اور دوسری حدیث[ح۵] میں ہے کہ حکماء علماء کادوا من فقھھم ان یکونوا انبیاء اور ایک حدیث[ح۶] میں ہے طوبیٰ لمن ھدی للاسلام وکان رزقہ کفافا ورضی بہ اور فرمایا من رضی من اللہ بالقلیل من الرزق رضی اللہ تعالیٰ منہ بالقلیل من العمل اور فرمایا[ح] اذا احب اللہ عبدا ابتلاہ فان صبر اجتباہ فان رضی اصطفاہ اور فرمایا کہ جب[ح] قیامت کا دن ہوگا تو خدائے تعالیٰ میری امت کے ایک گروہ پر عنایت فرمائے گا وہ اپنی قبروں میں سے اڑ کر جنت کی طرف جائیں گے اور اس میں جس طرح جہاں چاہیں گے وہاں مزے اڑائیں گے ان سے فرشتے پوچھیں گے کہ تم پلصراط سے اتر چکے وہ جواب دیں گے کہ ہم نے تو وہ دیکھا بھی نہیں۔ پھر پوچھیں گے کہ تم نے دوزخ کو دیکھا وہ کہیں گے ہم نے تو کچھ نہیں دیکھا فرشتے کہیں گے کہ پھر تم کس شخص کی امت میں سے ہو وہ کہیں گے کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ہیں وہ پوچھیں گے کہ ہم تم کو قسم دیتے ہیں سچ بتاؤ کہ تمہارے اعمال دنیا میں کیا تھے وہ کہیں گے کہ دو خصلتیں ہم میں تھیں جن کے باعث خدائے تعالیٰ کے فضل سے ہم اس رتبہ کو پہنچے ایک تو یہ کہ جب تنہا ہوتے تو خدائے تعالیٰ کی نافرمانی سے حیا کیا کرتے دوسرے یہ کہ جس قدر ہمارے لیے مقدر کر دیا تھا اس پر راضی رہتے، فرشتے کہیں گے کہ تب تو یہ حال تمہارا ہونا ہی چاہیے اور ایک حدیث شریف میں ہے کہ[ح] یا معشر الفقراء اعطوا اللہ الرضی من قلوبکم تظفروا بثواب فقرکم والا فلا اور حضرت موسیٰ

ت ۱ سو کسی جی کو معلوم نہیں جو چھپا دھرا ان کے واسطے جو ٹھنڈک ہے آنکھوں کی ۱۲ ت ۲ سلام بولنا ہے رب مہربان سے ۱۲ ت ۳ اور رضامندی اللہ کی سب سے بڑی ہے ۱۲ ح یہ حدیث پہلے گذری ۱۲ ح حکیم عالم ایسے کہ قریب ہے کہ اپنی سمجھ سے پیغمبر ہو جائیں ۱۲ پہلے گذری ۱۲ ح خوشحال ہے وہ شخص کہ ہدایت کیا جائے اسلام کی اور اسکی روزی بقدر بسر اوقات ہو اور اس پر راضی ہو ۱۲ یہ حدیث پہلے گذری اور اس میں فتح ط کی بجائے ضمہ ہے ۱۲ ح جو شخص اللہ تعالیٰ سے تھوڑی سی روزی پر راضی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے تھوڑے سے عمل پر راضی ہوتا ہے ۱۲ ابو منصور دیلمی در مسند فردوس بروایت علی مرتضیٰ ۱۲ ح جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے اس کو مبتلا کرتا ہے پس اگر وہ صبر کرے تو اس کو برگزیدہ کرتا ہے پھر اگر راضی ہو تو اس کو مصطفیٰ کرتا ہے ۱۲ کئی بار گذری ۱۲ ح ابن حبان در ضعفا و ابو عبدالرحمن سلمی بروایت انس اور حدیث منکر ہے اور ایک راوی اس میں نہایت ضعیف علالت سے ساقط ہے ۱۲

(احیاء العلوم ۱۱/۹۶)

علیہ السلام کے اخبار میں ہے کہ بنی اسرائیل نے ان کی خدمت میں عرض کیا کہ اپنے رب سے ہمارے لیے کوئی ایسا کام پوچھ دیجیے کہ جب ہم اس کو کریں تو وہ ہم سے راضی ہو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جناب باری میں عرض کیا کہ الٰہی جو کچھ یہ کہتے ہیں تو نے سُنا۔ حکم ہوا کہ اے موسیٰ ان سے کہدے کہ مجھ سے راضی رہیں تا کہ میں ان سے راضی رہوں اور اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی فرماتے ہیں من احب ان یعلم ماله عند الله عز و جل فلینظر ماالله عز وجل عنده فان الله تبارك وتعالىٰ ینزل العبد منه حیث انزله العبد من نفسه اور حضرت داؤد علیہ السلام کے اخبار میں ہے کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے اولیاء کو دنیا کی فکر سے کیا کام ہے۔ فکر دنیاوی میری مناجات کی حلاوت ان کے دلوں سے کھو دیتی ہے اے داؤد میں اپنے اولیاء سے یہ بات محبوب جانتا ہوں کہ روحانی ہوں کچھ غم نہ کریں۔ اور روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جناب باری میں عرض کیا کہ الٰہی مجھ کو وہ بات تبائیے جس میں تیری رضا ہو تا کہ میں اس کو کروں حکم ہوا کہ میری رضا تیری ناخوشی میں ہے تو اپنے دل نہ چاہتی بات پر صبر نہیں کرنے کا۔ عرض کیا کہ وہ کونسی بات ہے ..... حکم ہوا میری رضا اس میں ہے کہ میری قضا پر تو راضی رہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی مناجات میں عرض کیا کہ الٰہی تیری خلق میں سے کونسی تیرے نزدیک زیادہ محبوب ہے ارشاد ہوا کہ جس شخص سے میں اس کی محبوب چیز لے لوں تو مجھ سے میل رکھے عرض کیا پھر وہ کون ہیں جن پر تو خفا ہوتا ہے حکم ہوا کہ وہ لوگ ہیں کہ کسی کام میں مجھ سے خیر کی طلب کرتے ہیں جب میں ان کے لیے حکم کر دیتا ہوں تو میرے حکم سے ناخوش ہوتے ہیں۔ اور ایک روایت اس سے بھی سخت ہے کہ خدائے تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ کوئی معبود سوائے میرے نہیں اور جو میری مصیبت پر صبر نہ کرے اور میری نعمتوں کا شاکر نہ ہو میرے حکم پر راضی نہ ہو اس کو چاہیئے کہ میرے سوا کوئی اور رب بنا لے۔ اور اسی جیسی حدیث قدسی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے سب مقادیر کو مقدر کیا اور ان کی تدبیر کی اور کام کو محکم کیا پس جو راضی ہوا تو اس کے لیے میری رضا ہے یہاں تک کہ مجھ سے ملے اور جو ناخوش ہوا اس کے لیے میری خفگی ہے یہاں تک کہ میرے پاس آئے۔ اور ایک حدیث قدسی مشہور میں ہے کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے میں نے خیر و شر دونوں پیدا کیے ہیں پس اچھا حال وہ ہے جس کو میں نے خیر کے لیے پیدا کیا اور اس کے ہاتھوں کو خیر پر چلایا اور بُرائی ہے اس کو جس کو میں نے شر کے لیے بنایا اور شر کو اس کے ہاتھوں پر جاری کیا۔ اور ہلاکی پر ہلاکی ہے اس کی جس نے چون وچرا کیا اور اخبار پیشین میں مروی ہے

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) لے اے گروہ فقراء اللہ کو رضا اپنے دلوں سے دو کہ اپنے فقر کا ثواب پاؤ اور اگر ایسا نہ کرو گے تو ثواب نہ پاؤ گے یہ حدیث پیشتر گذری ۱۲

ح جس کو اچھا معلوم ہو کہ جان لے وہ چیز کہ اس کے لیے خدائے تعالیٰ کے پاس ہے تو وہ دیکھ لے وہ چیز کہ خدا کے لیے ہے اس کے پاس اس لیے کہ اللہ تعالیٰ بندے کو اپنے آپ سے اسی مرتبہ پر نازل کرتا ہے جس پر کہ بندہ اس کو اپنے نفس سے کرتا ہے ۱۲ حاکم بروایت جابر ۱۲

کہ ایک پیغمبر نے دس برس تک خدائے تعالیٰ سے بھوک اور مفلسی اور جوؤں کی شکایت کی مگر کچھ مفید نہ پڑی
پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی بھیجی کہ تو اس طرح کب تک شکایت کرتا رہے گا میرے یہاں ام الکتاب میں پیدائش
زمین و آسمان سے پہلے تیرا حال اسی طرح لکھا ہے اور ویسا ہی ہونا جاتا ہے میں نے دنیا کی پیدائش سے پہلے تجھ پر
اسی طرح حکم کیا ہے اب کیا تو یہ چاہتا ہے کہ تیرے لیے میں نئے سرے سے دنیا دوبارہ بناؤں یا یہ چاہتا ہے کہ جو
میں نے تیرے لیے مقدر کیا ہے اس کو بدل دوں تو جو تو چاہے اور پسند کرے وہ میری خواہش اور پسند سے بڑھ
کر ہے قسم ہے اپنے عزت وجلال کی اگر یہ بات تیرے دل میں گذرے گی تو تیرا نام دفتر نبوت سے محو کر دوں
گا اور روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا کوئی چھوٹا لڑکا آپ کے بدن پر چڑھتا اترتا تھا یعنی آپ کی پسلیوں
پر سیڑھی کی طرح پاؤں رکھ کر ... سر تک چڑھ جاتا اور پھر وہاں سے اسی طرح اترتا آپ اپنا سر زمین کی طرف ڈالے
رہتے اور کچھ نہ کہتے نہ سر اٹھاتے۔ آپ کے کسی لڑکے نے عرض کیا کہ بابا جان یہ آپ کے ساتھ کیا کرتا ہے آپ
اس کو منع نہیں فرماتے آپ نے فرمایا کہ جو میں دیکھتا ہوں اور جانتا ہوں تم کو معلوم نہیں ایک حرکت میں نے کی تھی
تو اس کے عوض میں کرامت اور آسائش کے گھر سے خواری اور بدبختی کے گھر میں اتار دیا گیا اب ڈر ہے کہ اگر دوسری
حرکت کروں تو اور نہ جانوں کہ کیا مصیبت مجھ پر آئے گی اور حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ میں نے دس
برس خدمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کی اگر میں نے کوئی کام کیا تو آپ نے یہ نہ فرمایا کہ کیوں کیا اور اگر نہ
کیا تو یہ نہ فرمایا کہ کیوں نہ کیا اور جو چیز ہو گئی تو اس کو یہ نہ فرمایا کہ کاش نہ ہوتی اور اگر نہ ہوئی تو یہ نہ کہا کہ کاش
ہوتی اور اگر آپ کے گھر والوں میں سے مجھ سے کوئی جھگڑتا تو فرماتے کہ اسے چھوڑ دو جو تقدیر میں ہونا ہے
وہی ہو گا۔ اور روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ اے داؤد تو بھی چاہتا ہے اور
میں بھی چاہتا ہوں اور ہو گا وہی جو میں چاہتا ہوں پس اگر تو میرے چاہے پر راضی ہو گا تو میں تیری خواہش سے
تجھ کو کافی ہوں گا اور اگر تو میری خواہش نہ مانے گا تو تجھ کو تیری خواہش میں مشقت میں ڈالوں گا پھر بھی وہی ہو گا
جو میں چاہوں گا۔ اور آثار میں بھی فضیلت رضا کی بہت ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اول جو لوگ
جنت میں بلائے جائیں گے وہ وہ ہوں گے جو ہر حال میں اللہ کی حمد کرتے ہیں یعنی ہر حال میں راضی رہتے ہیں اور
حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ مجھ کو سوائے موقع تقدیر حکم الٰہی کے اور کوئی خوشی باقی نہیں رہی اور ان سے
جو لوگوں نے پوچھا کہ آپ کیا چاہتے ہیں آپ نے فرمایا کہ جو کچھ خدائے تعالیٰ میرے لیے حکم کرے۔ اور میمونؒ بن مہران

ح طبرانی در کبیر و ابن حبان در ضعفا بروایت ابو ہند دارانی بسند ضعیف ۱۲ ح طبرانی نے اختلاف الفاظ کے ساتھ اس کے قریب مضمون
بروایت ابو امامہ بسند ضعیف نقل کیا ہے ۱۲ ح ابن شاہین در شرح السنہ بروایت ابو امامہ بسند ضعیف ۱۲
ح یہ حدیث بخاری و مسلم کی ہے پیشتر گذری
ے اصل میں ہے کہ جو کچھ ہونا تھا وہی ہوا ۱۲ یعنی مقدرات ۱۲

فرماتے ہیں کہ جو شخص حکم الہٰی پر راضی نہ ہو تو اس کی بے وقوفی کا کچھ علاج نہیں اور حضرت فضیل فرماتے ہیں کہ اگر تو تقدیر الہٰی پر درست نہ رہے گا تو اپنے نفس کی تقدیر پر بھی درست نہ رہے گا۔ اور عبد العزیز بن ابی رواد فرماتے ہیں کہ جو کی روٹی سرکہ کے ساتھ کھانے میں اور اون پہننے میں شان نہیں ہے بلکہ شان درویشی خدائے عز وجل سے راضی رہنے میں ہے۔ ع

درویش صفت باش و کلاہ تتری دار

اور حضرت عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ اگر میں آگ کی چنگاری چاٹوں جو جلائے سو جلائے اور جو چھوڑ دے سو چھوڑ دے تو میرے نزدیک اس بات سے بہتر ہے کہ جو چیز ہو گئی ہو اس کو میں کہوں گا کہ کاش نہ ہوتی اور جو چیز نہ ہوئی ہو اسکو کہوں کہ کاش ہو جاتی۔ اور ایک شخص نے حضرت محمد بن واسعؒ کے پاؤں میں زخم دیکھ کر کہا کہ مجھے تمہارے اس زخم سے ترس آتا ہے آپ نے فرمایا کہ یہ زخم جب سے ہوا ہے میں شکر کرتا ہوں کہ آنکھ میں نہیں نکلا۔ اور بنی اسرائیل کے قصوں میں ہے کہ ایک عابد نے اللہ تعالیٰ کی عبادت مدت تک کی اس کو خواب میں دکھلایا گیا کہ فلانی عورت بکریاں چرانے والی جنت میں تیری رفیق ہو گی۔ عابد نے اٹھ کر اس عورت کا نشان پوچھ کر اس کو تلاش کیا اور تین دن اس کے یہاں مہمان رہے تا کہ اس کا عمل دیکھیں۔ عابد خود تو رات کو کھڑے رہتے اور وہ لیٹ کر سو جاتی۔ دن کو یہ روزہ رکھتے اور وہ افطار کرتی، اس سے پوچھا کہ تیرا عمل اس کے سوا اور کچھ بھی ہے عورت نے کہا اور تو کچھ بھی نہیں یہی ہے جو تم نے دیکھا، میں تو اپنے آپ میں اور کچھ نہیں جانتی، یہ کہتے رہے کہ بھلا یاد کر کے کہو کوئی اور بات بھی ہے اس نے کہا کہ ایک چھوٹی سی خصلت مجھ میں اور ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر میں سختی میں ہوتی ہوں تو اس امر کی تمنا نہیں کرتی کہ اچھی حالت میں ہوں اور اگر مرض میں ہوتی ہوں تو یہ تمنا نہیں ہوتی کہ تندرستی میں ہو جاؤں اور اگر دھوپ میں رہوں تو سایہ کی متمنی نہیں ہوتی یہ سن کر عابد نے اپنے سر پر ہاتھ رکھا اور کہا کہ یہ چھوٹی سی خصلت ہے یہ تو ایسی بڑی خصلت ہے جس سے عابد عاجز ہیں، اور بعض اکابر سلف فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کوئی حکم آسمان میں فرماتا ہے تو اہل زمین سے یہ بات اس کو محبوب ہوتی ہے کہ اس کے حکم پر راضی ہوں۔ اور حضرت ابو درداء فرماتے ہیں کہ ایمان کا اعلیٰ حصہ یہ ہے کہ حکم پر صبر کرے اور تقدیر پر راضی ہو۔ اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ تنگی اور فراخی میں سے جس حال میں رہوں مجھ کو کچھ پرواہ نہیں ہوتی۔ اور حضرت سفیان ثوریؒ نے حضرت رابعہ بصریؒ کے سامنے ایک روز کہا کہ الہٰی تو ہم سے راضی ہو۔ حضرت رابعہؒ نے فرمایا کہ تم کو شرم نہیں آتی کہ خود تو اس سے راضی نہیں اور اس کی رضا کی استدعا کرتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ استغفر اللہ۔ پھر جعفر بن سلیمان ضبعی نے حضرت رابعہؒ سے پوچھا کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے کب راضی کہلاتا ہے انہوں نے جواب دیا کہ جب مصیبت پر اتنا خوش ہو جتنا نعمت پر ہوتا ہے۔ اور حضرت فضیل فرمایا کرتے کہ جب بندے کے نزدیک خدائے تعالیٰ کا دینا اور نہ دینا دونوں یکساں ہو جائیں تو وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو چکا اور احمد بن ابی الحواریؒ حضرت ابو سلیمان دارانی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے

کرم سے اپنے بندوں سے اسی بات سے راضی ہوتا ہے جس بات سے کہ غلام اپنے آقا سے راضی ہوتا ہے احمد بن الحواریؒ نے پوچھا یہ کس طرح ہے انہوں نے فرمایا کہ دنیا میں مراد غلام کی یہی ہوتی ہے کہ آقا مجھ سے خوش رہے۔ انہوں نے کہا کہ ہاں یہی مقصود ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا تو اللہ تعالیٰ بھی اپنے بندوں سے یہی محبوب جانتا ہے کہ اس سے راضی رہیں۔ اور حضرت سہلؒ فرماتے ہیں کہ بندوں کو یقین سے اسی قدر بہرہ ملتا ہے جس قدر کہ وہ رضا سے بہرہ ور ہوتے ہیں اور رضا سے بہرہ اتنا ہوتا ہے جتنا وہ خدائے تعالیٰ کے ساتھ زندگی کرتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ[ح] ان اللہ عز وجل بحکمتہ وجلالہ جعل الروح والفرح فی الرضاء والیقین وجعل الغم والحزن فی الشک والسخط

اللہ رب العزت سے دعا رضا کے خلاف نہیں

واضح ہو کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ خواہش کے مخالف چیزوں اور اقسام مصائب میں صبر ہی ہوتا ہے رضا کا وجود متصور نہیں وہ لوگ گویا منکر محبت ہیں لیکن جب محبت الٰہی کا وجود اور تمام ہمت کا اس میں مستغرق ہونا ثابت ہے تو ظاہر ہے کہ محبت اس بات کی موجب ہوتی ہے کہ محب اپنے حبیب کے افعال سے راضی ہو اور یہ راضی ہونا دو طرح کا ہوتا ہے ایک تو یہ کہ رنج کا معلوم ہونا بالکل جاتا رہے یہاں تک کہ اگر کوئی ایذا رساں چیز اس پر آتے یا زخم لگے تو اس کی تکلیف اور درد کچھ نہ معلوم ہو جیسے کوئی لڑنے والا کہ غصہ یا خوف کی حالت میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ زخم لگتا ہے اور اس کو معلوم نہیں ہوتا یہاں تک کہ جب خون کو دیکھتا ہے تو جانتا ہے کہ زخم لگا بلکہ کوئی اگر ادنیٰ کام میں لگ جاتا ہے تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ پاؤں میں کانٹا گڑ جاتا ہے اور اس کی تکلیف محسوس نہیں ہوتی اس لیے کہ دل اور طرف لگا رہتا ہے۔ اسی طرح اگر کند استرے سے پچھنے لگائے جائیں یا بال مونڈے جائیں تو اس سے آدمی کو ایذا ہوتی ہے لیکن اگر دل ٹھکانے نہ ہو اور کسی امر اہم میں تردد رکھتا ہو تو پچھنے لگانے والا اور نائی اپنے کام سے فارغ ہو جائے گا اور اس کو خبر بھی نہ ہوگی اور وجہ یہی ہے کہ جب دل کسی امر میں مستغرق اور نہایت درجے کو مشغول ہوتا ہے تو اس کے سوا اور کسی چیز کا ادراک نہیں کرتا۔ اسی طرح عاشق جس کی ہمت اپنے معشوق کے مشاہدے یا محبت میں مستغرق ہو اس کو بعض اوقات ایسے امور پیش آتے ہیں کہ اگر عشق نہ ہوتا تو ان سے رنج و غم اور درد معلوم ہوتا مگر دل پر جوش محبت ہونے سے کچھ بھی درد و غم نہیں پاتا پس جب غیر حبیب کی طرف سے مصیبت آنے کا درد نہ ہوتا ہو تو خود حبیب کی طرف سے اگر مصیبت آئے گی تو کیسے رنج ہوگا اور دل کا مشغول ہونا محبت و عشق میں ایک بڑا شغل ہے اور جب تھوڑے سے درد کا محسوس نہ ہونا ہلکی سی محبت میں متصور ہے تو بڑی محبت میں بڑے درد کا معلوم نہ ہونا بھی ہو سکتا ہے اس لیے کہ جیسے درد کی زیادتی ممکن ہے ویسی ہی محبت

ح[1] اللہ عز وجل نے اپنی حکمت اور بزرگی سے راحت اور سرور کو رضا اور یقین میں مقرر کیا ہے اور غم و اندوہ کو شک اور ناخوشی میں ۱۲

طبرانی بروایت ابن مسعود اور اس میں بقسطہ ہے بجائے بحکمتہ کے ۱۲

کی بھی زیادتی ہو سکتی ہے اور جس طرح کہ محبت خوبصورتوں کی جو آنکھ سے سوجھتی ہیں قوی ہوتی ہے اسی طرح محبت ان حسین صورتوں کی جو باطن کی بصیرت سے معلوم ہوتی ہیں، بھی قوی ہوتی ہے اور سب ان صورتوں میں سے جمال حضرت ربوبیت کا اور اس کا جلال ایسا ہے کہ اس پر اور کوئی جمال اور جلال قیاس نہیں کیا جاتا تو ظاہر ہے کہ جس شخص کو کوئی چیز اس میں سے منکشف ہو جائے تو کیا عجیب ہے کہ ایسا مدہوش ہو کہ غش آ جائے اور اپنے اوپر جو درد گذرے اس کی خبر نہ ہو چنانچہ روایت ہے کہ حضرت فتح موصلی کی بی بی لغزش کھا کر گریں اور ناخن ٹوٹ گیا آپ ہنس پڑیں کسی نے پوچھا کہ آپ کو درد نہیں معلوم ہوتا جواب دیا کہ ثواب کی لذت نے میرے دل سے درد کی تلخی دور کر دی ہے اور حضرت سہل کو ایک مرض تھا کہ اوروں کو وہ ہوتا تو اس کا علاج کیا کرتے اور اپنا علاج نہ کرتے ان سے کسی نے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے آپ نے فرمایا کہ یار دوست کی مار میں آزار نہیں ہوا کرتا۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ درد تو معلوم ہوتا ہو مگر اس سے راضی ہو بلکہ رغبت اور خواہش سے اس امر کو چاہتا ہو یعنی گو طبیعت پر ناگوار گذرے مگر عقل کی رو سے اس کی طرف رغبت ہو۔ مثلاً جو شخص فصاد سے فصد کھلواتے یا پچھنے لگواتے تو اس کو فصد و حجامت کا درد تو معلوم ہوتا ہے مگر فصد و حجامت پر راغب ہوتا ہے اور فصاد کے فعل کا ممنون ہوتا ہے پس یہی حال اس شخص کا ہے جو تکلیف کی چیزوں پر راضی رہے۔ اسی طرح جو شخص فائدہ کی طلب میں سفر کرتا ہے اس کو سفر کی تکلیف معلوم ہوتی ہے مگر ثمرہ سفر ایسا اچھا اس کے نزدیک ہے کہ اس کے باعث تکلیف سفر کو گوارا کرتا ہے اور اس سے راضی ہے۔ اور جب آدمی کو یہ یقین ہو کہ مصیبت کا ثواب جو خدائے تعالیٰ کے یہاں ذخیرہ ہے بہ نسبت اس چیز کے جو اس کے پاس سے جاتی رہی بڑھ کر ہے تو بیشک جو مصیبت خدائے تعالیٰ کی طرف سے آئے گی اس پر راضی ہوگا اور اس کی رغبت کرے گا اور اچھا جانے گا اور خدائے تعالیٰ کا شکر اس پر کرے گا یہ اسی صورت میں ہے کہ اس ثواب اور احسان کا لحاظ رکھے جو اس کو مصیبت کے عوض ملے گا۔ اور ہو سکتا ہے کہ مصیبت ایسی غالب ہو کہ حبیب کی مراد اور رضا ہی مطلوب و مقصود ہو جائے اور کچھ مراد ہی نہ رہے اور یہ سب باتیں خلق کی محبت میں دیکھی جاتی ہیں۔ وصف کرنے والوں نے اپنی نظم و نثر میں ان کو بیان کیا ہے اور اس میں اور کوئی بات نہیں صرف لحاظ صورت ظاہری کے جمال کا ہے جو آنکھ سے سوجھتی ہے۔ اب اس جمال کو دیکھو تو صرف گوشت و پوست و خون ہے جس میں نجاست اور خاک بلا ملی ہوئی ہے۔ اس کا آغاز ایک نطفہ ناپاک ہے اور اس کا انجام ایک پلید مردار اور بیچ میں پاخانے کو اٹھائے پھرتا ہے۔ اور اگر مدرک کو دیکھیے تو آنکھ خسیس ہے جو اکثر دھوکا دیتی ہے یعنی چھوٹی چیز کو بڑی دکھتی ہے اور بڑی کو چھوٹی اور دور کو نزدیک، اور بدصورت کو خوبصورت پس جب ایسی حالت میں محبت کا یہ حال ہو جاتا ہے تو جمال ازلی اور ابدی کی محبت میں یہ امر کیسے محال ہو سکتا ہے۔ اس جمال کے کمال کی تو کچھ نہایت ہی نہیں اور اس کا ادراک چشم بصیرت سے ہوتا ہے جس میں کبھی غلطی نہیں ہوتی اور نہ اس پر موت آتی ہے بلکہ بصیرت باطنی بعد موت کے باقی رہتی ہے اور خدائے تعالیٰ کے نزدیک زندہ اور اس کے رزق سے

خوش ہو کر بعد موت زیادتی تنبیہ اور انکشاف سے بہرہ ور ہوتی ہے۔ اس بات کو اگر چشم عبرت سے دیکھو تو صاف ظاہر ہے کہ اس کا پایا جاتا اور عاشقوں کے اقوال اور احوال اس پر شاہد ہیں۔ چنانچہ حضرت شقیق بلخی فرماتے ہیں کہ جو شخص سختی کا ثواب دیکھ لیتا ہے وہ اس سے نکلنا نہیں چاہتا۔ اور حضرت جنید فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے مرشد سری سقطی سے پوچھا کہ عاشق کو بلا کی تکلیف ہوتی ہے یا نہیں انہوں نے فرمایا کہ نہیں میں نے کہا کہ اگرچہ تلوار سے مارا جائے آپ نے فرمایا کہ گو تلوار سے ستر زد پر زد لگائی جائیں۔ اور بعض اکابر فرماتے ہیں کہ مجھ کو وہی اچھا معلوم ہوتا ہے جو اس کو پسند ہو۔ یہاں تک کہ اگر وہ میرے لیے دوزخ پسند کرے تو میں دوزخ میں جانا محبوب جانتا ہوں اور بشر بن الحارث کہتے ہیں کہ بغداد کے محلہ شرقیہ میں میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے ہزار کوڑے لگے اس نے کچھ اف نہ کیا۔ پھر اس کو قید خانے میں لے گئے میں اس کے پیچھے گیا اور پوچھا کہ تجھ کو کیوں مارا اس نے کہا اس لیے کہ میں عاشق ہوں، میں نے کہا تو چپکا کیوں رہا اس نے کہا میرا معشوق میرے سامنے مجھے دیکھتا تھا میں نے کہا کہ پھر کیا اچھا ہو جو تو معشوق حقیقی کی طرف دیکھے یہ سن کر اس نے ایک چیخ ماری اور پچھاڑ کھا کر مر گیا۔ اور یحییٰ بن معاذ رازی فرماتے ہیں کہ جب اہل جنت خدائے تعالیٰ کی طرف دیکھیں گے تو لذت دیدار الٰہی کے مارے ان کی آنکھیں ان کے دلوں میں چلی جائیں گی اور آٹھ سو برس تک ان کی طرف واپس نہ آئیں گی۔ تو اب بتاؤ کہ جو دل اس کے جلال اور جمال میں پڑے ہوئے ہوں کہ اگر جلال کو دیکھیں تو خائف ہوں اور جمال پر نظر کریں تو متحیر ہوں ان کا کیا حال ہوگا۔ اور بشر کہتے ہیں کہ میں نے شروع سلوک میں جزیرہ عبادان کا قصد کیا وہاں ایک شخص کو دیکھا کہ اندھا اور کوڑھی اور مجنون اور مرگی زدہ ہے اور چیونٹیاں اس کا گوشت کھا رہی ہیں میں نے اس کا سر اٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا اور کچھ کہتا رہا اور جب اس کو ہوش آیا تو کہا یہ کون اجنبی آدمی ہے جو میرے اور میرے پروردگار کے معاملہ میں دخل دیتا ہے اگر وہ میرا ایک ایک جوڑ کاٹ ڈالے گا تب بھی تو میں اس کی محبت زیادہ ہی کروں گا۔ بشر کہتے ہیں کہ بعد اس معاملے کے جب کبھی مجھ کو اس کا معاملہ بندے میں اور پروردگار میں معلوم ہوا میں نے کبھی اس کو برا نہیں جانا اور ابو عمر و محمد بن اشعث فرماتے ہیں کہ مصر والے چار مہینے تک اسی طرح رہے کہ ان کی غذا بجز دیدار حضرت یوسف علیہ السلام کے اور کچھ نہ تھی۔ جب ان کو بھوک لگتی آپ کی صورت دیکھ لیتے۔ وہ لذت جمال بھوک کی تکلیف ان کو معلوم نہ ہونے دیتی تھی۔ اور قرآن مجید میں اس سے بھی زیادہ معاملہ مذکور ہے۔ یعنی عورتیں جمال حضرت یوسف علیہ السلام سے ایسی فریفتہ ہوئیں کہ بے خبر اپنے ہاتھ کاٹ لیے اور سعید بن احمد کہتے ہیں کہ بصرے میں عطاء بن مسلم کی سرائے میں میں نے ایک جوان کو دیکھا کہ چھرا ہاتھ میں لیے پکار پکار لوگوں کے بیچ میں کہہ رہا تھا: قطعہ۔

ہے قیامت سے بڑا تیری جدائی کا زور — آہ اس درد جدائی سے تو مرنا بہتر

بولے وہ کوچ ہے میں بولا نہیں میرا کوچ

بلکہ کرتی ہے حقیقت میں میری جان سفر

پھر چھری سے اپنا پیٹ چیر کر مر گیا میں نے اس کا حال پوچھا تو لوگوں نے مجھ سے کہا کہ یہ کسی بادشاہ کے ایک غلام پر عاشق تھا ایک روز صرف وہ اس سے محجوب رہا اس کے لیے اس نے یہ حال کیا اور روایت ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے حضرت یونس علیہ السلام نے پوچھا کہ مجھ کو وہ شخص بتاؤ جو زمین میں سب سے زیادہ عبادت کرتا ہو۔ حضرت جبرئیل نے ایسے شخص کو بتلایا کہ جذام نے اس کے ہاتھ اور پاؤں علیحدہ کر دیتے تھے اور کان اور آنکھیں غارت کر دی تھیں۔ آپ نے کہا کہ وہ یہ کہتا تھا الٰہی جب تک تو نے چاہا ان اشیاء سے مجھ کو فائدہ دیا اور جب تو نے چاہا ان کو مجھ سے چھین لیا۔ اے نیکوکار اور مطلب پر پہنچانے والے مجھ کو توقع اپنی ذات کی باقی رہنے دے یہ کیا تھوڑی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا ایک لڑکا بیمار ہوا آپ کو بہت شدت سے غم ہوا یہاں تک کہ لوگوں کو خوف ہوا کہ کہیں اس لڑکے کے سبب آپ کو کچھ ہو نہ جائے۔ وہ لڑکا جب مر گیا تو آپ اس کے جنازے کے ساتھ ہوتے اور کسی شخص کو ایسی خوشی چہرے پر نہ ہوتی ہو گی جیسی اس وقت آپ کو تھی، لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ مجھ کو اس کی بیماری سے اس پر ترس آتا تھا اس لیے غمگین تھا اب جو مشیئت الٰہی ہو چکی تو میں اس پر خوش ہوں۔ اور حضرت مسروقؒ فرماتے ہیں کہ ایک شخص جنگل میں تھا اس کے پاس ایک کتا اور ایک گدھا اور ایک مرغ تھا۔ مرغ تو نماز کے واسطے جگایا کرتا تھا اور گدھے پر پانی اور خیمہ اور ضروری چیزیں لادتا تھا اور کتا حفاظت کیا کرتا تھا۔ اتفاقاً ایک لومڑی آئی اور مرغ کو پکڑ لے گئی۔ اس شخص کے گھر والوں کو رنج ہوا مگر وہ شخص نیک بخت تھا اس نے کہا کہ اسی میں بہتری ہو گی۔ پھر ایک بھیڑیا آیا اس نے گدھے کا پیٹ پھاڑ ڈالا وہ مر گیا اس پر بھی لوگوں نے رنج کیا مگر اس نے یہی کہا کہ اسی میں بہتری ہو گی۔ پھر ایک روز صبح کو اس کے گھر والوں نے دیکھا کہ ان کے گرد و پیش کے سب لوگ غلامی میں گرفتار ہو گئے وہ باقی رہ گئے اور وجہ ان کی گرفتاری کی یہ ہوئی کہ کتے اور گدھے اور مرغوں کی آواز سن کر لوگ پکڑے گئے ان کے یہاں سب پہلے جا چکے تھے، یہ محفوظ رہے تو ان چیزوں کے ہلاک ہونے میں یہ حکمت تھی اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص خدائے تعالےٰ کے لطف خفی کو جانتا ہے وہ ہر حال میں اس کے فعل سے راضی رہتا ہے۔ اور روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک شخص اندھے برص والے اپاہج دونوں طرف سے فالج زدہ پر گذرے کہ اس کا گوشت جذام کے باعث بکھر گیا تھا اور وہ یہ کہتا تھا کہ شکر ہے اس خدا کا جس نے مجھ کو ایسے امراض سے صحت دی جس میں بہتوں کو مبتلا کر رکھا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے کہا کہ بھلا وہ کونسی مصیبت ہے جو تیرے اوپر نہیں اس نے کہا کہ اے روح اللہ میں اس شخص سے بہتر ہوں جس کے دل میں خدائے تعالیٰ نے وہ چیز نہیں ڈالی جو میرے دل میں اپنی معرفت سے ڈالی ہے آپ نے فرمایا کہ درست کہتے ہو اپنا ہاتھ لاؤ اس نے جو اپنا ہاتھ دیا آپ کے ہاتھ میں آتے ہی چہرہ سب سے عمدہ اور خوبصورت بہت اچھا ہو گیا اس کا سب مرض جاتا رہا وہ شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ رہ کر عبادت کرنے لگے۔ اور حضرت عروہ بن زبیرؓ کا پاؤں سڑ گیا تھا انہوں نے زانو سے پاؤں کٹوایا پھر فرمایا کہ خدائے تعالیٰ کا شکر ہے جس نے مجھ سے ایک لے لیا۔ تیری ذات کی قسم ہے اگر تو نے لے لیا تو تو نے ہی

باقی رکھا تھا اور اگر تو نے بیمار کیا تو تو نے ہی عافیت دی تھی پھر اس رات یہی ورد پڑھتے رہے۔ اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے کہ مفلسی اور تونگری دو سواریاں ہیں مجھ کو پرواہ نہیں کس پر چڑھ جاؤں فقیری میں تو صبر ہے اور تونگری میں داد و دہش۔ اور حضرت ابو سلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں کہ مجھ کو ہر ایک مقام سے ایک کیفیت حاصل ہوتی ہے سوائے رضا کے کہ اس میں سے مجھ کو صرف ایک مہک سی ملی ہے اور اس پر اگر اللہ تعالیٰ تمام خلق کو جنت میں داخل کرے اور مجھ کو دوزخ میں تو میں اس پر راضی ہوں۔ ایک عارف سے لوگوں نے کہا کہ تم کو رضا کا اقصیٰ مرتبہ حاصل ہوا ہے کہ نہیں اس نے کہا کہ اقصیٰ مرتبہ تو نہیں ملا مگر مقام رضا پر میں پہنچ گیا ہوں اگر خدائے تعالیٰ مجھ کو دوزخ کا پل بنائے کہ لوگ میرے اوپر سے گذر کر جنت میں جائیں پھر اپنی قسم سچی کرنے کو مجھ سے ہی دوزخ کو بھر دے تو اس کے اس حکم کو میں پسند کروں اور اس کی تقسیم پر راضی ہوں اور یہ کلام ایسے شخص کا ہے جس کی ہمت قطعاً محبت میں مستغرق ہو یہاں تک کہ اس کو آتش دوزخ کی تکلیف بالکل محسوس نہ ہو اور اگر ہو بھی تو وہ لذت حصول رضائے محبوب میں چھپ جائے یعنی جب اس کو اس بات کا مزہ ملے کہ مجھ کو دوزخ میں ڈالنے سے اس کی رضا پوری ہوگی اور اس کی رضا عین مقصود ہے تو اس لذت کے سامنے دوزخ کی تکلیف اگر ہو بھی تو دب جائے اور غلبہ کرنا اس حالت کا نفس الامر میں محال نہیں گو ہم جیسے ضعیفوں کے حالات کی بہ نسبت کہ بعید معلوم ہوتا ہو لیکن جو ضعیف کہ کسی کیفیت سے عاجز ہو اس کو چاہیئے کہ زبردستوں کے حالات کا منکر ہو اور گمان کرے کہ جس امر میں میں عاجز ہوں اس سے اولیاء بھی عاجز ہیں۔ اور رودباری کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبداللہ بن جلاء دمشقی سے پوچھا کہ یہ جو فلاں شخص کا قول ہے کہ میں دوست رکھتا ہوں کہ میرا جسم مقراضوں سے ٹکڑے ٹکڑے کیا جائے اور تمام خلق اس کی اطاعت کرے اس کے کیا معنی ہیں انہوں نے فرمایا کہ میاں صاحب اگر یہ قول بطور تعظیم و اجلال کے ہے تب تو مجھ کو معلوم نہیں اور اگر خلق کی خیر خواہی اور شفقت سے سرزد ہوا ہے تو البتہ جانتا ہوں۔ راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد ان کو غش آگیا اور حضرت عمران بن الحصینؓ کو استسقاء کا مرض تھا تیس برس تک پشت پر لیٹے رہے نہ اٹھ سکتے تھے نہ بیٹھ سکتے تھے۔ قضائے حاجت کیلئے چارپائی کے پاند کاٹ دیئے گئے تھے ان کے پاس مطرف اور ان کے بھائی علاء آئے پس ان کے بھائی ان کا حال دیکھ کر رونے لگے۔ انہوں نے پوچھا کہ تم کیوں روتے ہو انہوں نے کہا کہ تمہارے اوپر یہ بڑی سختی دیکھ کر روتا ہوں غالباً خدائے تعالیٰ اس سے تم کو نفع دے گا مگر میرے مرنے تک تم اس کو کسی سے مت کہنا، وہ بات یہ ہے کہ فرشتے میری زیارت کرتے ہیں میں ان سے انس پاتا ہوں اور مجھ کو سلام کرتے ہیں میں ان کا سلام سنتا ہوں اس سے میں جانتا ہوں کہ جس مرض میں یہ بڑی نعمت ہو وہ عذاب نہیں۔ پس جو شخص اپنی مصیبت میں ایسے امور مشاہدہ کرے بھلا وہ کیسے راضی نہ ہوگا۔ مطرف کہتے ہیں کہ پھر سوید بن شعبہ کی عیادت کو گئے ہم نے دیکھا کہ ایک کپڑا پڑا ہوا ہے۔ ہم کو گمان ہوا کہ اس کے نیچے کچھ نہیں یہاں تک کہ ان کے منہ پر سے کپڑا ہٹایا گیا ان کی بی بی نے کہا کہ آپ کو کیا کھلائیں کیا پلائیں۔ انہوں نے کہا کہ لیٹے لیٹے کروٹیں دکھ گئیں چوتڑ چھل گئے اور دبلا اتنا ہو گیا ہوں کہ اس قدر مدت سے کھانا پینا متروک ہے مگر مجھ کو یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ اس کیفیت میں ناخن کے برابر بھی میں کمی کروں

اور جب سعد بن ابی وقاص رضؓ مکہ میں تشریف لاتے اور ان کی آنکھیں جاتی رہیں لوگ ان کے پاس جوق در جوق دوڑے چلے آتے تھے اور آپ سے دعا کی استدعا کرتے تھے آپ ہر ایک کے لیے دُعا مانگتے تھے اور وجہ دعا منگوانے کی یہ تھی کہ آپ مستجاب الدعوات تھے۔ حضرت عبداللہ بن السائب کہتے ہیں کہ میں بھی ان دنوں لڑکا تھا آپ کی خدمت میں آیا اور آپ کو اپنا نشان بتایا آپ نے مجھ کو پہچانا اور فرمایا کہ اہل مکہ کا تو قاری ہے میں نے کہا کہ البتہ۔ پھر اور گفتگو ہوئی یہاں تک کہ آخر کو میں نے کہا کہ چچا جان آپ اوروں کے واسطے دعا کرتے ہیں اپنے واسطے بھی دعا فرمایئے کہ خدائے تعالیٰ آپ کی بینائی جوں کی توں کر دے آپ نے تبسّم فرما کر کہا کہ بیٹا خدائے پاک کے حکم کی رضا میرے نزدیک بینائی سے اچھی ہے۔ اور ایک صوفی کا لڑکا چھوٹا سا تین دن تک نہ ملا اور نہ اس کا حال معلوم ہوا لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ خدائے تعالیٰ سے دعا مانگیئے کہ اس کو واپس لائے اور تم سے ملادے انھوں نے فرمایا کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر حکم کیا اس پر اعتراض کرنا میرے نزدیک لڑکے کے جاتے رہنے سے زیادہ سخت ہے اور بعض عابد کہتے ہیں کہ میں نے ایک بڑا گناہ کیا تھا جس کے عوض میں ساٹھ برس سے روتا ہوں اور یہ عابد نہایت محنت عبادت میں کرتے تھے کہ کسی طرح تو یہ اس گناہ سے قبول ہو۔ لوگوں نے پوچھا کہ وہ کونسا گناہ ہے انھوں نے فرمایا کہ ایک بات ہوگئی تھی میں نے اس کو کہا تھا نہ ہوتی تو خوب ہوتا اور بعض سلف کا قول ہے کہ اگر میرا جسم مقراضوں سے کترا جائے تو میرے نزدیک اس بات سے محبوب ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ نے کی ہو اس کو میں کہوں کہ اگر نہ کرتا تو خوب تھا اور عبدالواحد بن زید کو کسی نے خبر دی کہ یہاں ایک شخص ہے کہ اس نے پچاس برس عبادت کی ہے وہ اس کے پاس گئے اور پوچھا یار اپنا حال تو کہو محبوب حقیقی پر قانع ہوتے ہو کہ نہیں اس نے کہا نہیں پوچھا اس سے انس ہوا یا نہیں کہا نہیں پھر پوچھا کہ اس سے راضی ہوتے ہو کہ نہیں اس نے جواب دیا کہ نہیں کہا کہ بس تم کو اس کے پاس سے بہرہ صرف نماز روزہ ہی ہے اس نے کہا کہ ہاں انھوں نے کہا کہ مجھے تجھ سے شرم آتی ہے نہیں تو میں کہہ دیتا کہ تیرا پچاس برس کا معاملہ اندر سے نکما ہے یعنی اتنے دنوں تک تیرے دل کا دروازہ نہ کھلا کہ اس سے بسبب اعمال دلی کے درجات قرب کی طرف ترقی کرتا اب تک طبقات اصحاب یمین میں ہی رہا اس واسطے کہ تجھ کو اس سے افزونی اعمال ظاہری ہی میں ہوتی جو عوام کو بھی ہوا کرتی ہے۔ اور ایک جماعت حضرت شبلی کے پاس مارستان میں گئی جہاں وہ قید تھے اور اپنے سامنے ڈھیلے اکٹھے کر رکھے تھے ان لوگوں سے آپ نے پوچھا کہ تم کون ہو انھوں نے کہا کہ ہم آپ کے دوست ہیں آپ ان کی طرف کو ڈھیلے مارنے لگے یہاں تک کہ وہ بھاگ گئے پھر آپ نے کہا کہ تم کو کیا ہوا ہے تم میری محبت کا دعویٰ کرتے ہو اگر سچے ہو تو میری مصیبت پر صبر کرو اور شبلیؒ نے ایک شعر کہا جس کا ترجمہ یہ ہے [1]

بادۂ عشق الٰہی سے نشہ ہے مجھ کو

---

[1] الا لحیتہ الرحمن اسکرنی۔ ذیل روایت عشقاغیر سکر ان ۱۲

کہیں تبلا دو کہ عاشق تو ہو اور مست نہ ہو۔ اور بعض عابدین اہل شام کا قول ہے کہ تم سب کے سب اللہ عزوجل سے اس کی تصدیق کرتے ہوئے ملو گے اور غالباً اس کی تصدیق بھی کی ہو گی اس واسطے کہ تم میں سے اگر کسی کی انگلی سونے کی ہو تو اس سے اشارہ کرنے لگتا ہے اور اگر اس میں کچھ خلل ہو تو اس کو چھپاتا پھرتا ہے۔ اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ سونا خدائے تعالیٰ کے نزدیک برا ہے اور لوگ اس سے ایک دوسرے پر فخر کرتے ہیں اور بلا آخرت والوں کے حق میں زینت ہے اس کو برا جانتے ہیں۔ اور روایت ہے کہ بازار میں آگ لگی لوگوں نے حضرت سریؒ کو خبر دی کہ بازار جل گیا اور تمہاری دکان نہیں جلی انہوں نے فرمایا کہ الحمد للہ پھر کہا کہ میں نے الحمد للہ کیسے کہا صرف میں ہی تو بچا ہوں اور مسلمان تو نہیں بچے پس تجارت سے توبہ کی اور زندگی بھر دوکانداری اس لیے چھوڑ دی کہ صرف اپنے بچنے پر الحمد للہ کہا تھا اس سے توبہ اور استغفار چاہیے تو توبہ اور استغفار کے لیے کاروبار سے دست بردار ہوئے۔ پس ان حکایات کو اگر تامل کرو تو قطعاً جان لو کہ خواہش کے مخالف بات پر رضا محال نہیں بلکہ وہ ایک بڑا مقام اہل دین کے مقامات میں سے ہے اور از انجا کہ محبت خلق میں اور ان کے حظوظ میں ولیسا ممکن ہے تو محبت الٰہی اور حظوظ اخروی میں بطریق اولیٰ ممکن ہے اور یہ امکان دو طرح سے ہو گا اول تو یہ کہ تکلیف پر رضا بتوقع ثواب کے ہو جیسے فصد اور حجامت اور تلخی دوا پر رضا بتوقع شفا کے ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ رضا اس پر اور کسی حظ کے لیے نہ ہو صرف اس غرض سے ہو کہ یہ امر محبوب کی مراد اور مرضی ہے اور کبھی محبت اس درجے پر بڑھ جاتی ہے کہ عاشق کی مراد معشوق کی مرضی میں چھپ جاتی ہے اس صورت میں سب چیزوں سے زیادہ لذیذ اس کے نزدیک محبوب کے دل کی خوشی اور اس کی مرضی کے موافق کام کا ہونا ہوتا ہے گو اس کی جان ہی ہلاک ہونے میں کیوں نہ ہو چنانچہ مشہور ہے ع

جس زخم میں خوشی ہو تمہاری کہاں ہے درد

اور یہ رضا تکلیف کے معلوم ہونے پر بھی ممکن ہے اور کبھی محبت اس طرح غالب ہوتی ہے کہ ادراک درد سے بے ہوش کر دیتی ہے۔ قیاس اور تجربہ سے ایسی محبت اور اس حالت کا وجود ثابت ہے پس جو شخص کہ یہ کیفیت اپنے نفس میں نہ پاتے اس کو اس کا انکار کرنا نہ چاہیے اس واسطے کہ اس کو تو یہ کیفیت اس وجہ سے نہیں کہ اس میں اس کا سبب یعنی فرطِ محبت موجود نہیں اور جو شخص کہ محبت کے ذائقہ سے آگاہ نہیں وہ محبت کے عجائب کو کیا جانے جتنی باتیں ہم لکھ چکے ہیں عاشقوں پر اس سے بھی بڑی بڑی عجیب باتیں ہوا کرتی ہیں چنانچہ عمرو بن حارث رافعیؒ کہتے ہیں کہ موضع رقہ میں میں اپنے ایک دوست کے پاس ایک مجلس میں تھا اور ہمارے ساتھ ایک جوان تھا کہ ایک گانے والی عورت پر عاشق تھا اور وہ بھی اس مجلس میں تھی اس نے باجا بجایا اور اسی مضمون کا گیت گایا ؎

ذلت عشق کی پہچان ہے عاشق کو بگاہ خاص جب اپنے لیے کوئی نہ پاتے تدبیر

اس جوان نے کہا کہ کیا خوب تو نے گایا اب کیا مجھ کو تو اجازت مرنے کی دیتی ہے اس نے کہا کہ اگر راست باز

ہے تو مر جا راوی کہتا ہے کہ اس نے اپنا سر تکیے پر رکھا اور منہ اور آنکھیں بند کر لیں ہم نے جو اس کو ہلایا تو مُردہ پایا اور حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ ایک لڑکے کی آستین پکڑے اس سے عاجزی کی باتیں کر رہا تھا اور اپنے آپ کو اس کا عاشق بتاتا تھا اس لڑکے نے اس کی طرف دیکھ کر کہا کہ تیرا یہ جھوٹ کب تک رہے گا اس نے کہا کہ میں جھوٹا نہیں ہوں خدا جانتا ہے کہ جو کچھ میں کہتا ہوں اس میں سچا ہوں یہاں تک کہ اگر تو کہے کہ مر جا تو میں مر جاؤں لڑکے نے کہا کہ اگر تو سچا ہے تو مر جا اس شخص نے علیحدہ ہو کر اپنی آنکھیں بند کر لیں پھر جو لوگوں نے دیکھا تو مرا پایا۔ اور سمنونؒ محب کہتے ہیں کہ ہمارے ہمسایہ میں ایک شخص رہتا ہے اس کے پاس ایک لونڈی تھی جس سے اس کو کمال محبت تھی اتفاقاً وہ بیمار پڑی ایک روز وہ شخص اس کے لیے خرما اور پنیر کا گھی میں حلوہ بناتا تھا جس وقت وہ چمچہ پھیرتا تھا اس لونڈی نے کرب مرض میں آہ کہا اس شخص نے جو یہ آواز سنی اس کے ہوش جاتے رہے اور چمچہ ہاتھ سے گر پڑا اور اضطراب میں انگلیوں سے ہی ہانڈی ہلانے لگا۔ یہاں تک کہ انگلیاں اس کی سب جل کر گر گئیں اس لونڈی نے پوچھا کہ کیا ہے اس نے کہا کہ یہ تیری آہ کی تاثیر ہے۔ اور محمد بن عبداللہ بغدادیؒ کہتے ہیں کہ میں نے بصرہ میں ایک جوان کو اونچی چھت پر چڑھے دیکھا کہ جھانک کر لوگوں سے ایک شعر اس مضمون کا کہتا تھا شعر

مرنا ہو جس کو عشق میں یوں جی سے گذر جاتے — بے موت نہیں عشق میں کچھ خیر تو مر جائے

پھر اپنے آپ کو زمین پر گرا دیا اور مر گیا۔ پس اس جیسے امور مخلوق کی محبت میں جب ہو سکتے ہیں تو خالق کی محبت میں ہونے میں تو بطریق اولیٰ ہیں اس واسطے کہ باطن کی بصیرت بہ نسبت چشم ظاہری کے راست تر ہے اور حضرت ربوبیت کا جمال ہر ایک جمال سے کامل تر ہے۔ بلکہ عالم میں جتنا جمال ہے وہ اسی جمال کی خوبیوں میں سے ایک خوبی ہے ہاں جس کی آنکھ نہیں ہوتی وہ صورتوں کی خوبی کا انکار کیا کرتا ہے اور جو بہرہ ہوتا ہے وہ لذتِ نغمات موزوں کا منکر ہوتا ہے تو ضرور ہے کہ جس کے دل نہ ہوگا وہ بے شک ان لذتوں کا منکر ہوگا جن کو بدون دل کے سمجھ ہی نہیں سکتے۔

۳ خدا سے دعا کرنا رضا کے خلاف نہیں

واضح ہو کہ دعا کے باعث دعا مانگنے والا مقام رضا سے خارج نہیں ہوتا اسی طرح گناہوں کو برا جاننا اور مجرموں سے خفا رہنا، اور اسباب گناہوں کو برا سمجھنا اور ان کے دور کرنے میں امر معروف اور نہی منکر بجالانا بھی مخالف رضا کے نہیں اور اس باب میں بعض ناحق والوں کو غلطی ہوتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ گناہ اور بدکاری اور کفر اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر سے ہیں تو ان سے رضا چاہیئے یہ لوگ تاویل سے ناواقف اور اسرار شرع سے غافل ہیں۔ دعا کو خدائے تعالیٰ نے ہمارے لیے عبادت ہی کر دیا ہے چنانچہ کثرت سے دعا مانگنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اور انبیاء علیہم السلام کا اس بات پر ثبوت کافی ہے جیسا کہ ہم نے باب الدعا میں لکھا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقاماتِ رضا سے اعلیٰ مقام پر تھے اگر دعا خلاف رضا ہوتی تو کثرت سے آپ کیوں دعا مانگتے اور خداوند کریم اپنے

بعض بندوں کی تعریف میں یوں فرماتا ہے کہ یدعوننا رغبا ورھبا اور گناہوں کا انکار اور ان کو برا جاننا اور ان پر راضی نہ ہونا بھی خدائے تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے موجب عبادت بنایا ہے اور ان پر راضی ہونے کی مذمت ارشاد کی ہے جیسے کہ فرمایا رضوا بالحیوٰۃ الدنیا واطمانوبہا اور فرمایا رضوا بان یکونوا مع الخوالف وطبع اللہ علیٰ قلوبھم اور ایک حدیث مشہور میں ہے کہ من شھد منکرا فرضی بہ کانہ قد فعلہ اور ایک حدیث میں ہے الدال علی الشر کفاعلہ اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ آدمی بری بات سے غائب اور علیحدہ رہتا ہے اور اس پر اتنا ہی گناہ ہوتا ہے جتنا مجرم کو ہوتا ہے لوگوں نے عرض کیا کہ یہ کیسے ہے آپ نے فرمایا کہ یہ اس طرح ہے کہ وہ بری بات میں شریک تو نہ ہوا مگر جب اس کو خبر پہنچی تو اس پر راضی ہوا اور ایک حدیث میں ہے کہ اگر کوئی بندہ مشرق میں مارا جائے اور دوسرا شخص مغرب میں اسکے قتل سے راضی ہو تو وہ دوسرا بھی اس کے قتل میں شریک ہوگا اور اور خدائے تعالیٰ نے شر سے بچنے میں رغبت اور غبطہ کرنے کو ارشاد فرمایا ہے جیسے کہ ارشاد ہے وفی ذالک فلیتنافس المتنافسون اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں : لاحسد الا فی اثنتین رجل اتاہ اللہ الحکمۃ فھو یبثھا فی الناس ویعلمھا ورجل اتاہ اللہ مالا تسلط علی ملکہ فی الحق اور ایک روایت میں یہ ہے کہ ورجل اتاہ القراٰن فھو یقوم بہ اٰناء اللیل والنھار فیقول الرجل لو اتانی اللہ ما اتیٰ ھٰذا فعلت مثل ما یفعل اور کافروں اور فاجروں سے بغض رکھنے اور ان پر انکار کرنے میں قرآن و حدیث کے دلائل بے شمار ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لا یتخذ المومنون الکافرین اولیاء من دون المومنین اور فرمایا یا ایھا الذین اٰمنوا لا تتخذوا الیھود والنصاریٰ اولیاء اور فرمایا وکذالک

ت اپکارتے تھے ہم کو توقع سے اور ڈر سے ۱۲ ت ۲ اور راضی ہوئے دنیا کی زندگی پر اور اسی پر چین پکڑا ۱۲ ت ۳ خوش لگا کہ رہ جائیں ساتھ پچھلی عورتوں کے اور مہر کی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر ۱۲ ح یہ حدیث ابوداؤد کی ہے پیشتر گذری ۱۲ ت جو شخص کسی برائی میں حاضر ہو پس راضی ہو اس سے تو گویا اس نے وہ برائی کی ۱۲ ح برائی کا بتانے والا مثل اس کے کرنے والے کے ہے ۱۲ ابومنصور دیلمی در مسند فردوس بروایت انس بسند ضعیف ۱۲ ح یہ حدیث احیاء کے الفاظ سے نہیں ملی لیکن ابن عدی نے بروایت ابوہریرہ نقل کیا ہے کہ جو شخص معصیت سے غائب ہو اور اس کو پسند کرے تو گویا اس میں موجود ہے ۱۲ ت اور اس پر چاہیئے ڈھونکیں ڈھونکنے والے ۱۲ ح نہیں حسد ہے مگر دو شخصوں پر ایک وہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو حکمت دے اور وہ اس کو لوگوں میں پھیلا دے اور سکھلاتے اور دوسرا شخص کہ اللہ اس کو مال دے اور راہ حق میں اس کے صرف کرنے پر مسلط کرے ۱۲ بخاری بروایت ابوہریرہ ۱۲ خ اور ایک وہ شخص کہ اگر اللہ تعالیٰ اس کو قرآن دیوے اور وہ اس کی خدمت رات دن کرے پس کہے کوئی شخص کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے اس کے مانند دیوے تو میں بھی اس کا سا فعل کروں ۱۲ مسلم بروایت ابن مسعودؓ ۱۲ ح نہ پکڑیں مسلمان کافروں کو رفیق مسلمان چھوڑ کر ۱۲

ح اے ایمان والو مت پکڑو یہود اور نصاریٰ کو رفیق ت ۱۳ اور اسی طرح ساتھ ملائیں گے گنہگاروں کو ایک دوسرے کا ۱۲

نولی بعض الظالمین بعضا اور حدیث شریف میں ہے کہ[ح۱] اللہ تعالیٰ نے ہر مومن سے عہد لیا ہے کہ ہر منافق سے بغض رکھے اور ہر منافق سے عہد لیا ہے کہ ہر ایک ایماندار سے بغض رکھے اور فرمایا[ح۲] کہ المرء مع من احب اور فرمایا[ح۳] من احب قوما ووالاھم حشر معھم یوم القیامۃ اور فرمایا[ح۴] اوثق عری الایمان الحب فی اللہِ وَالبغض فی اللہِ اور اس کے دلائل بہت ہیں اور ہم نے محبت فی اللہ کے ذکر میں باب آداب صحبت اور باب امر بالمعروف اور نہی منکر میں ان کو لکھا ہے۔ دوبارہ یہاں نہیں لکھتے۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ آیات و احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ قضاء اللہ پر راضی ہونا چاہیئے۔ پس معاصی بدون قضاء اللہ کے نہیں تو انکا بُرا جاننا اور ان پر خفا ہونا قضاء اللہ کا بُرا جاننا ہے۔ پس طریق ان ضدین کے جمع کرنے کا کیا ہے۔ رضا اور کراہت ایک ہی چیز میں کیسے جمع ہو سکتی ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ واقع میں جو لوگ ضعیف اور اسرار علوم سے کم واقف ہیں ان پر یہ امر مشتبہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ بعض لوگوں کو جو شبہ پڑا تو منکرات پر سکوت کرنے کو رضا کا مقام سمجھ گئے اور اس کا نام حسن خلق رکھ لیا۔ حالانکہ یہ محض جہالت ہے اصل یہ ہے کہ رضا اور کراہت جب ایک چیز پر ایک ہی جہت سے ایک طرح پر وارد ہوں تو البتہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ لیکن اگر کراہت اور جہت سے ہو اور رضا اور جہت سے تب کیا ضد ہے۔ مثلاً اگر کوئی تمہارا دشمن مر جاتے کہ وہ تمہارے کسی دشمن کا بھی دشمن جانی ہو اور اس کے ہلاک میں ساعی رہتا ہو تو ظاہر ہے کہ تم کو اس کا مرنا اس وجہ سے تو بُرا معلوم ہوگا کہ وہ تمہارے دشمن کی فکر میں رہا کرتا تھا اور اس وجہ سے اچھا معلوم ہوگا کہ تمہارا ایک دشمن کم ہو گیا۔ اسی طرح معصیت کے بھی دو رُخ ہیں ایک اللہ کی طرف کہ اس کے فعل اور اختیار اور ارادہ سے ہوتے اس وجہ سے تو معصیت پر رضا چاہیئے۔ کہ جس کی چیز ہے وہ اپنی چیز میں جو چاہے سو کرے اور ایک رُخ بندے کی طرف ہے کہ اس کے کسب سے حاصل ہوتے اور اس کی صفت کہلاتی ہے اور اس کے لیے اس بات کی علامت ہے کہ خدائے تعالےٰ کے نزدیک مغضوب اور بغیض ہو گیا اس وجہ سے کہ اس کے بندے پر اسباب دوری اور خفگی کے مسلط کر دیئے پس اس نظر سے معصیت بُری اور مذموم ہے۔ اور چونکہ یہ بات بدون مثال کے سمجھ میں نہیں آنے کی اس واسطے اس کی مثال کے لیے ہم ایک معشوق مخلوق میں سے فرض کرتے ہیں کہ اس نے اپنے عاشقوں کے سامنے یہ بات کہی کہ ہمارا ارادہ ہے کہ اپنے دوست داروں اور بغض والوں میں تمیز کریں اور اس کے لیے ایک سچی آزمائش مقرر کریں یعنی اول فلاں عاشق کی طرف قصد کریں اور اتنا ستائیں اور ماریں کہ وہ ہم کو گالیاں دینے کو مضطر ہو پس جب وہ گالیاں دینے لگے گا تو ہم اس سے بغض کریں گے اور اس کو اپنا دشمن جانیں گے پھر جن کو وہ محبوب جانے گا ہم کو معلوم ہو جائیگا

ح۱ اس کی سند مجھے نہیں ملی ۱۲ ح۲ آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے محبت رکھے ۱۲ پیشتر گذری ۱۲ ح۳ جو شخص کسی قوم سے محبت و اتحاد کرے وہ قیامت کو ان کے ہی ساتھ اُٹھے گا ۱۲ طبرانی بروایت ابو ذر صاحبہ ح۴ ایمان کی مضبوط رسیوں میں سے ہے محبت فی اللہ اور بغض فی اللہ ۱۲ جلد دوم باب آداب صحبت میں گذری ۱۲ ح۵ چنانچہ اوپر احادیث اس بات میں گذریں ۱۲

کہ وہ ہمارا دشمن ہے اور جس سے وہ بغض رکھے گا اس کی محبت اور صدق کا حال معلوم ہو جائے گا پھر اس نے جیسا کہا تھا ویسا ہی کیا اور اس کی مراد بھی پوری ہوئی یعنی جس کو مارا اور ستایا اس نے گالیاں دیں جو بغض کا سبب تھیں اور بغض بھی ہو گیا جو عداوت کا باعث ہے۔ اس صورت میں جو شخص اس کا عاشق صادق اور شروط محبت سے واقف ہے اس کو چاہیئے کہ معشوق سے یوں کہے کہ جان من تم نے جو تدبیر اس شخص کے ایذا کی اور مارنے کی اور نکالنے اور بغض و عداوت پر آمادہ کرنے کی کی یہ سب کچھ مجھ کو پسند ہے اور میں اس سے راضی ہوں کیونکہ وہ تیری تجویز و تدبیر و فعل و ارادہ ہے۔ مگر اس شخص نے جو تجھ کو گالی دی تو اس کی طرف سے زیادتی ہے کیونکہ اس کو شایان تھا کہ صبر کرتا اور گالی نہ دیتا۔ مگر چونکہ تیری مراد اس کی ضرب سے یہی تھی کہ کس طرح گالی منہ سے نکالے جو سبب غصہ کا ہو تو یہ فعل اس جہت سے کہ تیری مراد و تدبیر کے موافق ہوا میں اس پر راضی ہوں اگر تیری مراد حاصل نہ ہوتی تو تیری تدبیر میں نقصان اور مطلوب میں تاخیر ہوتی یہ بات مجھے اچھی نہیں معلوم ہوتی کہ تیری مراد تجھ کو نہ ملے لیکن اس نظر سے کہ یہ فعل اس شخص کا وصف اور کسب ہے اور اس کی زیادتی اور گستاخی ہے کہ ایسے خوبصورت کا مقابلہ کیا بلکہ مقتضا تیرے جمال کا یہ تھا کہ مار کو برداشت کرتا اور گالی نہ دیتا تو البتہ اس کی زیادتی کو میں برا جانتا ہوں اور تو جو اس کو گالیوں کے باعث دشمن جانتا ہے تو میں اس پر راضی اور اس کو پسند کرتا ہوں کیونکہ تیری مراد ہے اور تیری موافقت میں اس سے بغض بھی رکھتا ہوں اس لیے کہ شرط محبت یہ ہے کہ محبوب کے حبیب کا دوست دار اور اس کے دشمن کا دشمن ہو۔ اور وہ جو تجھ سے بغض رکھتا ہے تو اس وجہ سے کہ تو نے اس پر دوامی بغض مسلط کیے اور اپنے نفس سے دور کرنے کا ارادہ کیا میں اس پر راضی ہوں مگر اس وجہ سے کہ وہ بغض اس شخص کا وصف اور کسب اور فعل ہے اس کو برا جانتا ہوں۔ غرضکہ ان امور میں سے ہر ایک چیز کو معشوق کی طرف منسوب کرنے سے اچھا جانتا ہے اور مجرم کی طرف نسبت کرنے سے برا اور تناقض اس میں ہے کہ یوں کہے کہ راضی بھی اسی نظر سے ہوں کہ تیری مراد ہے اور برا بھی اسی نظر سے جانتا ہوں کہ تیرا مقصود ہے اور جب اس کو اس نظر سے مکروہ جانا کہ وہ دوسرے کا کسب اور وصف اور فعل ہے نہ معشوق کی مراد ہونے کی جہت سے تو اس میں کسی طرح کی خرابی نہیں اور ایسا ہو سکتا ہے کہ آدمی ایک چیز کو ایک وجہ سے برا جانے اور دوسری وجہ سے اس سے راضی ہو۔ اس کی نظیریں بے شمار ہیں پس اب مطلب اصلی پر رجوع کرنا چاہیئے کہ جب خدائے تعالیٰ نے بندے پر لوازم شہوات کے مسلط کیے یہاں تک کہ وہ معصیت سے محبت کرنے لگا اور محبت کے مارے مرتکب معصیت ہوا تو یہ ایسا ہی ہے جیسا مثال مذکورۂ بالا میں معشوق نے اپنے عاشق کو اتنا مارا کہ مار کے باعث اس کو غصہ آیا اور غصہ کے باعث گالیاں دیں اور خدائے تعالیٰ جو اپنی نافرمانی کرنے والے سے خفا ہوتا ہے تو گو اس کی خطا خدائے تعالیٰ ہی کی تدبیر سے ہوتی ہے مگر وہ ایسی ہے جیسے معشوق اپنے گالی دینے والے سے بغض کرے ہر چند گالیاں اس نے معشوق کی تدبیر سے دی تھیں نہ وہ ایسے اسباب اختیار کرتا نہ وہ بیچارہ گالیاں دیتا اور اللہ تعالیٰ جو ہر ایک اپنے بندے کے ساتھ بھی کرتا

ہے یعنی و داعی معصیت کو اس پر مسلط کر دیتا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس کی مشیت اس کے بندے کے دور کرنے اور اس پر خفگی کرنے کے لیے پہلے ہو چکی ہے پس جو بندہ کہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتا ہے اس پر واجب ہے کہ جس سے خدائے تعالیٰ بغض رکھے اس سے وہ بھی بغض رکھے اور جس پر وہ غصہ ہو اور جس کو وہ اپنی درگاہ سے دور کرے اس سے وہ بندہ محب بھی عداوت کرے گو وہ مجرم خدائے تعالیٰ کی قدرت اور قہر سے مخالف اور دشمن زبردستی ہوا ہے لیکن پھر بھی ملعون اور مردود درگاہ تو ہے اس واسطے جتنے اس جناب عالی کے محب ہیں ان سب کی نظروں میں اس کا مبغوض و ممقوط ہونا ضرور ہے کہ محبوب کی موافقت پائی جائے کہ جس پر اس نے اپنا غضب ظاہر کیا اور درگاہ سے دور کر دیا اس پر عاشق بھی اپنا غضب ظاہر کرے اور اس تقریر سے جتنی روایتیں کہ اخبار کی ہیں انہیں بغض فی اللہ اور حب فی اللہ اور کافروں پر سختی کرنی اور ان سے کرطا رہنا اور ناراضی کے باب میں تاکید کا ذکر ہے باوجودیکہ قضاء اللہ پر راضی رہنے کے درست ہو جاتے ہیں یعنی ان میں رضا سے یہی مقصود ہے کہ رضا اس اعتبار سے کہ وہ افعال منسوب خدائے تعالیٰ کی طرف ہیں اور یہ سب باتیں استمداد تقدیر کے معاملے سے جاہتی ہیں جس کے افشا کی اجازت نہیں اور وہ یہ ہے کہ خیر و شر دونوں داخل مشیت ہیں اور ارادہ ہیں مگر شر مردود اور مکروہ ہے اور خیر مطلوب اور مرضی یعنی پسندیدہ، پس جو شخص یہ کہے کہ شر خدائے تعالیٰ کی طرف سے نہیں وہ جاہل ہے اسی طرح جو یہ کہے کہ خیر و شر دونوں خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور ان میں کچھ فرق رضا اور کراہت کا نہیں وہ بھی قصوروار ہے اور اس کو مفصل شرح وار بیان کرنے کی اجازت نہیں لہٰذا اس کو سکوت اولیٰ ہے اور یہی مناسب ہے کہ جس طرح شریعت حکم دے وہی طریق اختیار کرنا چاہیئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ القدر سر اللہ فلا تفشوہ اس سے معلوم ہوا کہ یہ معاملہ علم مکاشفہ سے متعلق ہے اور یہاں ہم کو مقصود یہ تھا کہ بیان کریں کہ قضاء اللہ پر راضی ہونا اور گناہوں کو برا سمجھنا باوجودیکہ وہ بھی قضاء اللہ ہی سے ہیں ایک ساتھ ممکن ہے اور چنانچہ اس کا بیان بخوبی کر دیا اور ظاہر ہوا کہ رضا اور کراہت کا جمع ہونا ممکن ہے۔ سر تقدیر کے افشا کی بھی ضرورت نہ ہوتی اور اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ گناہوں سے بچنے اور ان کی مغفرت اور عفو کے لیے دعا مانگنی یا اور اسباب جو دین پر معین ہوں ان کی درخواست کرنی قضاء اللہ پر رضا کے خلاف نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو دعا کو بندوں کے لیے عبادت مقرر فرمایا ہے، تو اس لیے ہے کہ دعا کے باعث ان سے ذکر صاف نکلے اور دل میں مسکنت پیدا ہو اور رقت اور تضرع آئے جس کے باعث دل کی جلا ہو اور موجب کشف اور سبب پے در پے ہونے لطف کی اقروینیوں کا ہو۔ جیسے آبخورے کا اٹھانا اور پانی پینا رضا بقضاء اللہ کے خلاف نہیں اس لیے کہ پانی کا ڈھونڈنا اور پینا پیاس دور کرنے کے لیے خواہ دوسرے سبب کا مباشر ہونا جس کو مسبب الاسباب نے کسی دوسری چیز کے لیے بنایا ہے رضا کے خلاف نہیں اسی طرح دعا بھی ایک سبب ہے جس کو خدائے تعالیٰ نے مفتاح اور موجب جلائے قلب وغیرہ کا بنایا ہے اور اس کے لیے امر فرمایا پس دعا کرنا کیسے رضا کے خلاف

ح تقدیر اللہ تعالیٰ کا بھید ہے تو اس کو افشا نہ کرو ۱۲ ابو نعیم در حلیہ بروایت ابن عمر بسند ضعیف ۱۲

ہوگا اور ہم پہلے لکھ آتے ہیں کہ اسباب پر موافق عادت الٰہی کے تمسک کرنا مخالف توکل کے نہیں چنانچہ اس کا بیان مشرح باب التوکل میں لکھ چکے۔ اسی طرح رضا کے بھی مخالف نہیں کیونکہ رضا ایک مقام متصل توکل کے ہے ہاں مصیبت کا ظاہر کرنا شکایت کے طور پر اور دل میں اس کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے بُرا جاننا رضا کے خلاف ہے۔ مگر بلا کا ظاہر کرنا شکر کے طور پر اور قدرت الٰہی کے منکشف ہونے کے طور پر خلاف نہیں بعض اکابر فرماتے ہیں کہ قضاءاللہ رضا کی خوبی میں داخل ہے کہ شکایت کے طور پر گرمیوں میں یوں نہ کہے کہ یہ دن بہت گرم ہے مگر جاڑوں میں یہ کہنا داخل شکر ہے اور شکایت بہر حال رضا کے خلاف ہے۔ غذا کو بُرا کہنا اور عیب نکالنا بھی رضا کے خلاف ہے۔ کہ کسی چیز کی مذمت اس کے بنانے والے کی ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ سب چیزیں اسی کی بنائی ہوئی ہیں۔ اور اگر کوئی یوں کہے کہ فقیری بلا و محنت ہے اور عیال رنج و مشقت اور پیشہ وری اندوہ و کلفت تو یہ قول بھی رضا میں خلل انداز ہے بلکہ چاہیئے کہ تدبیر و مملکت کو مدبر اور مالک کے سپرد کر دے اور وہ قول کہے جو حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں پروا نہیں کرتا خواہ فقیر ہو جاؤں یا تونگر اس واسطے کہ میں نہیں جانتا کہ ان دونوں میں سے میرے حق میں کون شے بہتر ہے۔

ان آبادیوں سے فرار جو مرکز گناہ ہوں

واضح ہو کہ کم فہم آدمی کبھی یہ خیال کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو طاعون والے شہر سے نکلنے کو منع فرمایا ہے تو آپ کا منع فرمانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جس شہر میں گناہ ظاہر ہوتے ہوں وہاں سے بھی نکلنا نہ چاہیے اس واسطے کہ دونوں صورت میں قضاءاللہ سے بھاگنا لازم آتا ہے اور یہ بات نہیں ہے بلکہ نہی کی علت بعد ظہور طاعون کے یہ ہے اگر یہ باب مفتوح ہو تو تندرست لوگ تو شہر سے چلے جائیں اور بیمار آدمی رہ جائیں کوئی ان کا خبر گیراں نہ ہو لاغری اور مرض سے تباہ ہو جائیں اور اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مشابہت صف قتال سے بھاگنے کے ساتھ دی تھی اور اگر یہ بھی اسی جہت سے ہوتی کہ قضا سے بھاگنے کی صورت ہے تو جو شخص شہر وبا کے قریب پہنچ جاتا ہے اس کو وہاں سے پھر جانے کی کیوں اجازت دیتے اور اس کا حال ہم نے باب توکل میں لکھا ہے اور جب علت نہی کی معلوم ہو گئی تو ظاہر ہوا کہ جن شہروں میں ظہور گناہوں کا ہو وہاں سے بھاگنا قضا سے بھاگنے میں داخل نہیں بلکہ جس چیز سے بھاگنا ضرور ہے اس سے بھاگنا بھی داخل حکم الٰہی ہے اسی طرح ان مواضع کی مذمت جو گناہوں پر برانگیختہ کریں اور ان اسباب کی بُرائی جو موجب معصیت ہوں لوگوں کے علیحدہ کرنے کے واسطے بیان کرنی مذموم نہیں۔ سلف کے صلحاء اکثر اس بات کے عادی رہے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک جماعت نے بغداد کی برائی پر اتفاق کیا تھا اور سب سے ظاہر کرتے تھے اور اس سے بھاگنے کی تلاش میں رہتے تھے چنانچہ حضرت ابن مبارکؒ فرماتے تھے کہ میں مشرق اور مغرب میں پھرا کوئی شہر بغداد سے زیادہ برا نہیں دیکھا لوگوں نے پوچھا کہ وہ شہر کیسا ہے آپ نے فرمایا کہ اس میں خدائے تعالیٰ کی نعمت کی حقارت ہوتی ہے اور اس کی نافرمانی کو ادنیٰ بات سمجھتے ہیں۔ اور جب کہ آپ خراسان میں تشریف لائے تو لوگوں نے بغداد کا حال آپ سے پوچھا آپ نے

ح ۱ اس امر کی حدیث گذری آداب سفر وغیرہ میں ۱۲ ح ۲ یہ حدیث اوپر گذری ۱۲

فرمایا کہ میں نے اس میں صرف تین قسم کے لوگ دیکھے کہ سپاہی عضب ناک یا سوداگر حسرت خور یا قاری حیرت زدہ اور یہ گمان نہ کرنا چاہیئے کہ یہ قول ان کا غیبت تھا اس لیے کہ آپ نے کسی شخص معین کا نام تو لیا ہی نہیں کہ اس کو اس سے ضرر ہو نہ کسی بغدادی کو ہدف بنایا بلکہ آپ کا قصد اس بیان سے لوگوں کو ڈرانا تھا اور جب آپ مکہ کو تشریف لے جاتے تو بغداد میں اس قدر ٹھہرتے کہ قافلہ سولہ روز میں تیار ہو جاتا آپ سولہ روز ٹھہرنے کی عوض میں سولہ دینار خیرات کر دیتے دن پیچھے ایک دینار پڑ جاتا۔ اور بعض لوگ عراق کو بُرا کہتے تھے مثلاً حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور حضرت کعب احبارؓ عراق کو بُرا کہا کرتے تھے اور حضرت ابن عمرؓ نے اپنے ایک غلام سے پوچھا کہ تو کہاں رہتا ہے اس نے عرض کیا کہ عراق میں آپ نے فرمایا تیرا وہاں کیا کام ہے میں نے یوں سُنا ہے کہ جو شخص عراق میں رہتا ہے اس کے پیچھے اللہ تعالیٰ کوئی بلا لگا دیتا ہے۔ اور حضرت کعب احبار نے ایک روز عراق کا ذکر فرمایا تو کہا کہ اس میں دس حصّوں میں سے نو حصّوں میں بُرائی ہے اور اس میں درد لاعلاج ہے۔ اور یہ بھی کسی بزرگ کا قول ہے کہ خیر کے دس حصّے ہوتے اس میں سے نو حصّہ شام میں ہیں اور ایک حصّہ عراق میں اور شر کے دس حصوں میں سے نو حصّے عراق میں ہیں اور ایک حصّہ شام میں۔ اور بعض محدثین کہتے ہیں، کہ ہم ایک روز فضیل بن عیاضؒ کی خدمت میں تھے اتنے میں ایک صوفی عبا پہنے آیا آپ نے اس کو اپنے برابر بٹھلایا اور اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تمہارا مکان کہاں ہے اس نے کہا بغداد میں آپ نے اس سے منہ پھیر لیا اور فرمایا کہ ہمارے پاس لوگ لباس تو راہبوں کا سا پہن کر آتے ہیں اور جب ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ کہاں رہتے ہو تو کہتے ہیں کہ ظالموں کے گھونسلے میں رہتے ہیں۔ اور حضرت بشر بن الحارث فرمایا کرتے کہ بغداد میں جو عابد ہوا چاہے وہ ایسا ہے کہ پاخانے میں عابد بنے اور فرماتے کہ میں جو وہاں مقیم ہوں میری اقتدا یہاں کے رہنے میں مت کرو جس کا دل باہر جانے کو ہو چلا جائے۔ اور حضرت احمد بن حنبل فرمایا کرتے کہ اگر ان بال بچوں کا تعلق ہم سے نہ ہوتا تو ہم اس شہر میں نہ رہتے لوگوں نے پوچھا کہ پھر کہاں رہتے آپ نے فرمایا کہ پہاڑ کی گھاٹیوں میں جا رہتے۔ اور کسی سے جو حال بغداد کے باشندوں کا پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ وہاں کا زاہد یکا زاہد ہے اور شریر بھی پکا شریر ہے پس ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص ایسے شہر میں پھنس جائے جس میں معاصی کی کثرت اور خیر کی قلت ہو تو اس کو وہاں ٹھہرنے کا کچھ عذر نہ چاہیے بلکہ وہاں سے ہجرت کرنی چاہیئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے[ت۱] الم تکن ارض اللہ واسعۃ فتھاجروا فیھا پس اگر ہجرت کا مانع اس کو عیال وغیرہ ہو تو وہاں کے رہنے پر راضی نہ ہونا چاہیئے نہ اطمینان قلبی اس جگہ کی طرف کرنا چاہیئے بلکہ ہمیشہ بر داشتہ خاطر ہو کر یہ دعا مانگتا رہے[ت۲] ربنا اخرجنا من ھٰذہ القریۃ الظالم اھلھا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ظالم جب کثرت سے ہوتا ہے تو مصیبت آتی ہے اور سب کو تباہ کر دیتی ہے۔ گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے مطیع لوگ بھی مارے پڑتے ہیں اللہ تعالیٰ

ت۱ کیا نہ تھی زمین اللہ کی کشادہ کہ وطن چھوڑ جاؤ وہاں ۱۲ ت۲ اے رب ہمارے نکال ہم کو اس بستی سے کہ ظالم ہیں لوگ اس کے ۱۲

ارشاد فرماتا ہے واتقوا فتنۃ لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصۃ[۱] غرض کہ کسی چیز میں اسباب نقص دین سے رضا تے مطلق نہیں مگر صرف اس جہت سے کہ وہ منسوب فعل الٰہی سے ہے اور خود ان سے رضا کی کسی حال میں کوئی وجہ نہیں۔ اور اگر تین شخص تین مقام کے ہوں یعنی ایک تو اس درجے کا ہو کہ موت کو شوق دیدار الٰہی کے واسطے محبوب جانتا ہو اور دوسرا زندگی کو اپنے مولیٰ کی خدمت کے لیے اچھا سمجھتا ہو اور تیسرا کہتا ہو کہ میں پسند نہیں کرتا مگر جو کچھ خدا تعالیٰ میرے حق میں پسند کرے میں اس پر راضی ہوں، تو علماء کو اختلاف ہے کہ ان تینوں شخصوں میں افضل کونسا ہے۔ اور یہ مسئلہ کسی عارف سے جو پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ رضا والا شخص افضل ہے اس لیے کہ ان سب میں سے فضول میں کمتر وہی ہے۔ اور ایک روز وہبؒ بن الورد اور سفیان ثوریؒ اور یوسف بن سباط اکٹھے ہوئے۔ حضرت سفیان ثوریؒ نے فرمایا کہ آج سے پہلے مجھ کو اچانک موت بُری معلوم ہوتی تھی مگر آج میں چاہتا ہوں کہ مر جاؤں، حضرت یوسف بن سباطؒ نے ان سے سبب پوچھا آپ نے فرمایا یہ وجہ ہے کہ میں فتنے سے ڈرتا ہوں انہوں نے کہا کہ مجھے تو زیادہ جینا بُرا نہیں معلوم ہوتا حضرت سفیانؒ نے پوچھا کہ کیوں انہوں نے فرمایا کہ اس توقع سے کہ شاید کوئی روز ایسا مل جائے جس میں مجھ کو توبہ نصیب ہو اور کوئی نیک عمل کروں۔ پھر حضرت وہب سے پوچھا کہ آپ کیا کہتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ میں تو کچھ نہیں پسند کرتا جو کچھ اللہ جل شانہٗ کو محبوب ہے وہی مجھ کو محبوب ہے خواہ زندہ رکھے یا وفات دے۔ حضرت سفیان ثوریؒ نے ان کی پیشانی پہ بوسہ دیا اور فرمایا بخدا یہ روحانی ہے۔

عشاق کی حکایات

بعض عارفین سے کسی نے پوچھا کہ تم محب ہو انہوں نے کہا میں محب نہیں ہوں بلکہ محبوب ہوں محب تو مشقت زدہ ہوتا ہے اور انہیں سے کسی نے پوچھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ تم سات میں سے ایک ہو انہوں نے کہا کہ میں پورا سات ہوں اور یہ بزرگ فرمایا کرتے کہ جب تم نے مجھ کو دیکھ لیا تو چالیس کے دیکھنے کے برابر ہو انہوں نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے چالیس ابدال کو دیکھا اور ہر ایک ابدال میں سے ایک خلق اس کے اخلاق میں سے حاصل کیا ہے اور ان سے کسی نے سوال کیا کہ ہم نے سُنا ہے کہ آپ خضر علیہ السلام سے ملاقات کیا کرتے ہیں آپ نے تبسم کیا اور کہا کہ جو شخص خضر کو دیکھے اس سے تعجب کیا ہے بلکہ تعجب ایسے شخص سے ہے کہ خضر اس کو دیکھنا چاہیں اور وہ چھپ جائے اور حضرت خضر سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جب کبھی کسی دن میرے دل میں یہ خطرہ ہوا ہے کہ اب کوئی اللہ کا ولی ایسا نہیں رہا جس کو میں نہ جانتا ہوں اسی روز مجھ کو ایسا ولی ملا ہے کہ پہلے سے میں اس کو نہ جانتا تھا اور حضرت ابو یزید بسطامیؒ سے ایک بار عرض کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ جو آپ کو ہوتا ہے اس کا حال ہم سے ارشاد فرمائیے آپ نے چیخ ماری اور فرمایا کہ تمہاری شان کے شایاں نہیں کہ تم اس کو جانو لوگوں نے

---

[۱] اور بچتے رہو اس فساد سے نہ پڑے گا تم میں سے ظالموں پر چنکہ ۱۲

عرض کیا کہ خدائے تعالیٰ کے باب میں جو سخت سے سخت مجاہدہ آپ نے اپنے نفس پر کیا ہو کہہ دیجیے۔ آپ نے فرمایا کہ تم کو اس سے واقف کرنا بھی جائز نہیں انہوں نے عرض کیا کہ تو شروع طریقت میں جو کچھ اپنے نفس کی ریاضت آپ کیا کرتے تھے وہی فرمایئے آپ نے فرمایا کہ ہاں اس طرح سے کہ میں نے اپنے نفس کو خدائے تعالیٰ کی طرف بلایا اس نے سرکشی کی میں نے اس کو قسم دے دی کہ ایک برس نہ پانی پیوں گا نہ خواب کا ذائقہ چکھوں گا پس نفس نے اس کو پورا کر دیا اور یحییٰ بن معاذ روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابو یزید کو نماز عشا کے بعد ان کے بعض مشاہدات میں دیکھا کہ صبح صادق تک اس صورت سے بیٹھے ہیں کہ گھٹنے زمین پر رکھے پنجوں کے بل تلوے اور ایڑیاں زمین سے اٹھائے ٹھوڑی کو سینے سے لگاتے دونوں آنکھیں کھلی ہوئی ذرا نہ جھپکتی تھیں جب صبح قریب ہوئی تو آپ نے ایک سجدہ کیا اور پھر بیٹھے اور جناب باری میں عرض کیا کہ الٰہی کچھ لوگوں نے تجھ سے مانگا اور تو نے ان کو پانی پر اور ہوا میں چلنا عنایت فرمایا وہ لوگ اسی پر راضی ہوتے اور میں تجھ سے ان امور سے پناہ مانگتا ہوں اور بعض لوگوں نے تجھ سے درخواست کی تو نے ان کو زمین کا طے کرنا مرحمت کیا اور وہ اسی پر راضی ہوتے اور میں اس سے تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اور ایک قوم نے جو تجھ سے سوال کیا تو تو نے ان کو زمین کے خزانے دے دیئے اور وہ خوش ہو گئے مگر میں تجھ سے ان سے بھی پناہ مانگتا ہوں، یہاں تک کہ کچھ اوپر بیس مقام کرامات اولیاء کے آپ نے اپنی دعا میں شمار کیے۔ پھر جو میری طرف التفات فرمایا اور دیکھا کہ یحییٰ ہے میں نے عرض کیا کہ خادم حاضر ہے ارشاد فرمایا کہ تو یہاں کب سے ہے میں نے عرض کیا کہ بڑی دیر سے حاضر ہوں آپ چپ ہو رہے میں نے عرض کیا کہ مجھ سے کچھ حال بیان فرمایئے آپ نے فرمایا کہ جو تیرے حال کے مناسب ہے وہ کہتا ہوں وہ یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے مجھ کو فلک اسفل میں داخل کیا اور ملکوت سفلی میں مجھ کو پھرایا اور جنت سے لے کر عرش تک جو چیز آسمانوں میں تھی سب مجھ کو دکھائیں پھر مجھ کو اپنے سامنے کھڑا کر کے ارشاد فرمایا جونسی چیزیں تو نے دیکھیں انہیں سے جو مانگے گا میں تجھ کو دے ڈالوں گا میں نے عرض کیا کہ خداوندا! میں نے کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی جس کو میں اچھا جانتا ہوں اور تجھ سے اس کو مانگوں۔ فرمایا کہ تو میرا بندہ سچا ہے تو ٹھیک میرے ہی واسطے میری عبادت کرتا ہے میں تیرے ساتھ یہ کروں گا بہت سی باتیں فرمائیں۔ یحییٰ بن معاذؒ کہتے ہیں کہ مجھ کو اس بات سے ہول آئی اور اس سے بھر گیا اور تعجب کیا اور عرض کیا کہ حضور آپ نے خدائے تعالیٰ سے اس کی معرفت کا سوال کیوں نہ کیا آپ کو آخر تو اس شہنشاہ کا حکم تھا کہ مانگ کیا مانگتا ہے۔ حضرت ابو یزیدؒ نے مجھ پر ایک چیخ ماری اور فرمایا چپ رہ مجھ کو اپنے نفس سے خدائے تعالیٰ پر غیرت آتی کہ اس کے سوا اور کوئی اس کو نہ پہچانے اس کی معرفت غیر کو مجھے اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ سچ ہے شعر:

باسایہ ترا نمی پسندم
عشق است ہزار بدگمانی

اور روایت ہے کہ ابو تراب نخشبیؒ کسی مرید پر نازاں تھے اس کو اپنے پاس جگہ دیتے اور اس کی خدمت کرتے اور وہ عبادت میں مشغول رہتا ایک روز اس کو ابو تراب نے فرمایا کہ ابو یزید بسطامی کی ملازمت کر

لے اس نے کہا کہ مجھ کو ان کی حاجت نہیں جب انہوں نے بہت اصرار کیا تو مرید کو ایک جوش آگیا اور کہا کہ میں ابو یزید کو کیا کروں میں نے خدائے تعالیٰ کو دیکھا ہے اس نے مجھ کو ابو یزید کے دیکھنے سے بے پروا کر دیا۔ ابو تراب کہتے ہیں کہ جب تو میری بھی طبیعت بگڑ گئی اور نفس قابو میں نہ رہا اور بول اٹھا کہ خدائے تعالیٰ کے دیکھنے پر مغرور ہوتا ہے اگر ابو یزید کو ایک بار دیکھے گا تو خدائے تعالیٰ کو ستر بار دیکھنے سے تیرے حق میں زیادہ مفید ہوگا وہ مرید بہت حیران ہوا اس لیے کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ابو تراب نے کہا کہ تو خدائے تعالیٰ کو اپنے پاس دیکھتا ہے تو وہ تیری مقدار کے موافق ظاہر ہوتا ہے اور ابو یزید کو تو خدائے تعالیٰ کے پاس دیکھے گا تو اس کے لیے اس کی مقدار کے موافق ظہور ہوگا اس نے اس قول کا بھید معلوم کر لیا اور کہا کہ مجھ کو ان کے پاس لے چلو۔ ابو تراب نے یہاں ایک بڑا قصہ لکھا ہے، اس کے آخر میں لکھا ہے کہ ہم جا کر ایک ٹیلے پر کھڑے ہوئے اس انتظار میں کہ ابو یزید بیشہ سے نکلیں کیونکہ وہ ان دنوں درندوں کے جنگل میں رہا کرتے تھے اسی اثنا میں حضرت ابو یزید ایک پوستین اپنی کمر پر ڈالے نکلے میں نے اس جوان سے کہا کہ یہ ہیں ابو یزید ان کی طرف دیکھ اس کا دیکھنا تھا کہ اس نے پچھاڑ کھائی۔ پھر جو ہم نے اس کو ہلایا تو مردہ پایا ہم سب نے مل کر اس کو دفن کیا اور میں نے حضرت ابو یزید سے عرض کیا کہ حضرت آپ کی طرف دیکھنے سے یہ شخص مر گیا آپ نے فرمایا کہ یہ بات نہیں بلکہ تیرا مرید سچا تھا اور اس کے دل میں ایک بھید پوشیدہ تھا کہ اس کا وصف اس پر منکشف نہیں ہوا تھا جب اس نے مجھ کو دیکھا تو اس کے دل کا بھید کھل گیا اس کو تاب اس کے برداشت کی نہ ہوئی اس لیے کہ وہ ضعیف مریدوں کے مقام میں تھا اسی سے مارا پڑا۔ اور جبکہ زنگی بصرے میں داخل ہوئے اور کشت و خون کیا اور مال غارت کیا حضرت سہل کے مرید ان کے پاس جمع ہوئے اور آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ خدائے تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ ان کو دفع کرے آپ چپ ہو رہے اور پھر فرمایا کہ اس شہر میں اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ اگر ظالموں پر بد دعا کریں تو کوئی ظالم زمین کے پردے پر صبح تک زندہ نہ رہے ایک ہی رات میں سب کا خاتمہ ہو جائے مگر وہ بد دعا نہیں کرتے۔ سبھوں نے پوچھا کیوں آپ نے فرمایا اس وجہ سے کہ جو چیز خدائے تعالیٰ کو اچھی نہیں معلوم ہوتی اس کو وہ بھی اچھی نہیں سمجھتے۔ پھر دعا کے قبول ہونے میں چند اشیاء ذکر فرمائیں جن کا ذکر نہیں کیا جا سکتا یہاں تک کہ یہ بھی کہا کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں کہ قیامت برپا نہ کرے تو خدائے تعالیٰ اس کو بھی نہ قائم کرے اور یہ باتیں بذات خود ممکن ہیں پس جس شخص کو ان میں سے کچھ بھی بہرہ نہ ہو اس کو چاہیے کہ ان کی تصدیق اور ایمان سے تو خالی نہ ہو یعنی اسی قدر کی تصدیق کرے کہ ممکن نہیں اس لیے کہ قدرت خدائے تعالیٰ کی وسیع اور اس کا فضل عام اور ملک اور ملکوت کے عجائب بہت ہیں اور خدائے تعالیٰ کے مقدورات کی کچھ انتہا نہیں اور اس کا فضل جو برگزیدہ بندوں پر کرتا ہے اس کی بھی کچھ حد نہیں۔ اور اسی جہت سے حضرت ابو یزید فرمایا کرتے تھے کہ اگر تجھ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سی روحانیت اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سی خلت عنایت فرمائے تو اور اس سے زیادہ طلب کر اس لیے کہ اس کے پاس کچھ کمی نہیں۔ ان مراتب سے صدہا گنا زیادہ اس

کے پاس موجود ہیں اگر تو کسی درجے پر مطمئن ہو جائے گا تو اسی سے تیرا حجاب کر دے گا اور یہ بلا انہیں لوگوں کے لیے ہے جو ان کا سا حال رکھتا ہو اس واسطے کہ وہ بڑے درجے کے لوگ ہیں۔ اور بعض عارفین فرماتے ہیں کہ مجھ کو مکاشفہ میں ایسا معلوم ہوا کہ چالیس حوریں ہوا میں دوڑتی ہیں اور ان پر لباس اور زیور سونے اور چاندی اور جواہر کا چھن چھن بولتا ہے اور ان کے ساتھ ساتھ پھرتا ہے میں نے ان کو ایک نظر دیکھ لیا اس کے عوض میں چالیس روزہ کی سزا مجھ کو ملی پھر بعد اس کے ایسی حوریں نظر آئیں پیشتر کی حوروں سے حسن و جمال میں زیادہ تھیں اور مجھ سے کہا گیا ان کی طرف دیکھ میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور سجدہ کیا اور عرض کیا کہ الٰہی تجھ سے میں تیرے سوا سے پناہ مانگتا ہوں مجھ کو ان کی حاجت نہیں اسی طرح میں تضرع کرتا رہا یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ نے میرے پاس سے ان کو ہٹا لیا۔ پس مومن کو چاہیئے کہ اس طرح کے مکاشفات کا انکار نہ کرے اس وجہ سے کہ اپنے آپ کو ویسا کیوں نہیں ہوتا اور اگر یہی ہوا کرے کہ ہر کوئی وہی بات مانا کرے جو اس کے نفس تنگ و تاریک میں مشاہدہ ہو جائے تو راہ ایمان بالکل تنگ ہو جائے گی یہ حالات اس طرح کے نہیں کہ جلد ظاہر ہوں بلکہ یہ حالات بعد گھاٹیوں کے گذرنے اور مقامات کثیرہ کے حاصل ہونے کے ظاہر ہوا کرتے ہیں ان مقامات میں سے ادنیٰ اخلاص کرنا اور حظوظ نفس اور ملاحظہ خلق کو تمام اعمال ظاہری اور باطنی سے نکال ڈالنا پھر اس امر کو لوگوں سے خفیہ رکھنا اور گذشتہ گمنامی میں مبیٹھ رہنا ہے پس یہ باتیں ان لوگوں کی سلوک کے اوائل اور مقامات کے آغاز کی ہیں جو لوگوں میں سے بڑے پرہیزگاروں میں بھی کمتر موجود ہیں اور دل کو کدورت التفات سے صاف کرنے کے بعد اس پر نور یقین کا فیض ہوتا ہے اور مبادی حق کے منکشف ہونے لگتے ہیں اور بدون تجربہ اور سلوک طریق کے اس کا انکار کر بیٹھنا ایسا ہے جیسے کوئی کہے کہ صورت کا منکشف ہونا لوہے میں گو وہ جلا کیا جائے اور آئینہ کی صورت کا کر دیا جائے ممکن نہیں اس کے انکار کی وجہ یہی ہے کہ اپنے ہاتھ کے لوہے کو جس پر زنگ اور میل چڑھا ہو دیکھتا ہے کہ اس میں تو کوئی صورت بنتی ہی نہیں اس لیے اس نے اس وقت کے انکشاف کا بھی انکار کیا جب اس کو جلا کر کے جوہر نکالا جائے مگر اس امر کا انکار نہایت جہل اور گمراہی ہے یہی حکم اس شخص کا ہے جو کرامات اولیاء کا منکر ہو اس لیے کہ اس کے پاس اور تو کوئی دلیل نہیں بجز اس کے کہ خود اس کیفیت سے قاصر ہے اور جس کو اس نے دیکھا اس کو قاصر پایا مگر یہ حجت انکار قدرت الٰہی نہایت خراب ہے مکاشفہ کی خوشبو وہ شخص سونگھتا جو کچھ بھی مبادی طریقت میں چلا ہو اور جب تک وہ راہ ہی نہیں چلے گا تب تک کیا جانے گا کہ اس راہ میں کیا کیا ہوتا ہے۔ حضرت بشرؒ سے کسی نے پوچھا کہ تم اس مرتبہ پر کیسے پہنچے آپ نے فرمایا کہ میں خدائے تعالیٰ سے دعا مانگا کرتا تھا کہ میرا حال خفیہ رکھے کسی پر ظاہر نہ کرے۔ اور روایت ہے کہ انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو دیکھا اور ان سے کہا کہ آپ میرے لیے دعا کیجیے۔ حضرت خضرؑ نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ تم پر اپنی طاعت آسان کرے پھر کہا کہ کچھ اور دعا کیجیے انہوں نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ اس طاعت کو خلق سے پوشیدہ رکھے یا یہ کہ اس طاعت کو خود تجھ سے خفیہ رکھے کہ تو اس پر التفات نہ کرے اور بعض اکابر سے مروی ہے کہ مجھ کو شوق حضرت

خضر کے دیکھنے کا بہت ہوا میں نے ایک بار اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ ان کی زیارت مجھ کو کرا دے تاکہ مجھے وہ بات تعلیم کریں جو سب سے زیادہ میرے لیے مہم ہو خدائے تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمائی اور ان کی زیارت مجھ کو ہوئی اس وقت مجھ کو اور کچھ نہ سوجھی میں نے یہی کہا کہ اے ابو العباس آپ مجھ کو ایسی چیز سکھائیے کہ جب میں اس کو پڑھوں تو لوگوں کے دلوں سے محجوب ہو جاؤں ان کے دلوں میں میری کچھ قدر نہ رہے اور میری نیک بختی اور دیانت کو کوئی نہ جانے انہوں نے فرمایا کہ یہ دعا پڑھا کرو اللھم اسبل علی کثیف سترك وحط علی سرادقات حجبك واجعلنی فی مکنون عیبك واحجبنی عن قلوب خلقك پھر آپ غائب ہو گئے نہ میں نے ان کو پھر دیکھا نہ کبھی مشتاق ہوا مگر جو دعا انہوں نے سکھائی تھی اس کو ہمیشہ پڑھتا رہا۔ بیان کرتے ہیں کہ اس دعا کی تاثیر ان پر اتنی ہوئی کہ ذلت و اہانت و بے قدری اس درجہ کو پہنچی کہ ذمی لوگ بھی ان سے تمسخر کیا کرتے اور بیگار میں پکڑ کر اپنا بوجھ ان کے سر پر رکھتے اور چونکہ ان کی وقعت کچھ ان کی نظروں میں نہ تھی یہ سب کچھ برداشت کرتے۔ لڑکے ان کا کھیل بناتے۔ حاصل یہ کہ ان کا دل کا چین اور درستی حال ذلت اور گمنامی میں تھی یہ حال اولیاء اللہ کا تھا ان کی تلاش بھی ایسے ہی لوگوں میں چاہیے اور مغالطہ کھانے والے لوگ ان کو ایسے شخصوں میں تلاش کرتے ہیں جو پیوند کار گدڑیاں اور چادریں پہنتے ہوں اور علم اور ورع اور ریاست کی راہ سے خلق میں مشہور ہوں، حالانکہ غیرت اللہ جل شانہٗ کی اپنے اولیاء پر اسی بات کی متقاضی ہے کہ ان کو خفیہ ہی رکھے جیساکہ حدیث قدسی میں ارشاد ہے کہ میرے اولیاء میری قبا کے نیچے ہیں ان کو سوائے میرے اور کوئی نہیں پہچانتا اور ایک حدیث شریف میں ہے کہ رب اشعث اغبر ذی طمرین لا یعبأ له لو اقسم علی الله لابره[2] خلاصہ یہ کہ ایسے معانی کی خوشبو سے زیادہ تر دور ان دلوں کے مشام ہیں جو تکبر اور عجب کرتے ہیں اور اپنے عمل اور علم سے اپنے لیے خبر خوش پاتے ہیں اور نزدیک تر وہ دل ہیں جو شکستہ ہیں اور اپنے نفسوں کی ذلت اس قدر سمجھتے ہیں کہ اگر ذلیل و خوار کیے جائیں تو ذلت ان کو معلوم بھی نہ ہو، جیسے غلام ذلت کو معلوم نہیں کرتا جس وقت کہ اس کا آقا اس پر اونچا بیٹھتا ہے پس جب یہ کیفیت ہو جائے کہ ذلت کو معلوم نہ کرے نہ یہ خبر ہو کہ میرا التفات ذلت کی طرف ہے بلکہ اپنے جی میں اس سے بھی کم رتبہ ہو کہ تمام اقسام ذلت کو اپنے حق میں ذلت سمجھے یعنی اپنے نفس کو سب ذلتوں سے کم تر جانے یہاں تک کہ تواضع بالطبع اس ذات کی صفت ہو جائے تو ایسے دل سے توقع ہے کہ وہ ان خوشبوؤں کے مبادی کی لپٹ سونگھے۔ پس اگر ہم میں ایسا دل نہ ہو اور ایسی روح سے بھی ہم محروم ہوں تو ہم کو نہیں چاہیئے کہ جو لوگ اس کے اہل ہیں ان کے لیے ان کرامات کے امکان کا ایمان نہ رکھیں کیونکہ اگر آدمی سے یہ نہ ہو سکے کہ خدائے تعالیٰ کا

---

[1] الٰہی ڈال مجھ پر اپنا گاڑھا پردہ اور اتار دے مجھ پر اپنے حجابوں کے سراپردے اور کر دے مجھ کو اپنے عیب مخفی میں اور پوشیدہ کر دے مجھ کو اپنے مخلوق کے دلوں سے ۱۲

[2] بہت سے پریشان غبار آلود ایسے دو چادروں والے جن کی کچھ قدر نہیں ہوتی ایسے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو کچھ قسم دیں تو اللہ ان کو سچا کر دے ۱۲ مسلم بروایت ابو ہریرہ ۱۲

ولی ہو تو بھلا اتنا تو ہو کہ اس کے اولیاء سے محبت رکھتا ہو اور ان پر ایمان ہو شاید اسی وجہ سے ان کے زمرے میں حشر ہو المرء مع من احب[ح۱] حدیث مشہور ہے اور مسکنت اور ذلت کے زیادہ تر مفید ہونے کی دلیل یہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے بنی اسرائیل سے پوچھا کہ کھیتی کہاں جمتی ہے لوگوں نے عرض کیا کہ مٹی میں آپ نے فرمایا تو میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ حکمت بھی اسی دل میں جمتی ہے جو مثل مٹی کے ہو اسی مضمون کو اس مصرع میں ادا کیا ہے

خاک شو پیش ازاں کہ خاک شوی

اور اللہ تعالیٰ کی ولایت کے طالبوں نے شروط ولایت کی جستجو کے لیے نفس کو ذلیل کرنے میں کمال درجے کی فروتنی اور خست پر پہنچا دیا ہے یہاں تک کہ روایت ہے کہ ابن کربنی جو حضرت جنیدؒ کے استاد تھے ان کو ایک شخص نے دعوت کے لیے بلایا جب دروازے کے قریب پہنچے تو ہٹا دیا تھوڑی دور جب چلے گئے تو پھر اس شخص نے بلایا پھر دروازے کے پاس سے ہٹا دیا اسی طرح تین بار بلایا اور ہٹایا چوتھی دفعہ ان کو گھر میں لے گیا اور کہا کہ میں نے آپ کی تواضع کے امتحان کے لیے یہ حرکت کی تھی آپ نے فرمادیا کہ میں نے اپنے نفس کو بیس برس سے ذلت پر عادی کر لیا ہے یہاں تک کہ اب بمنزلہ کتے کے ہو گیا ہے کہ اگر ہٹا دو تو ہٹ جاتے اور جب اس کی طرف ہڈی پھینکو تو چلا آتے پس تو اگر مجھ کو پچاس دفعہ ہٹا دیتا اور بلاتا تو میں پھر چلا آتا۔ اور انہیں کا حال یہ بھی ہے کہ فرماتے ہیں کہ میں ایک محلہ میں اترا اور وہاں نیک بختی میں انگشت نما ہوا میرا دل اس سے پریشان ہوا اسلیے میں حمام میں گیا اور وہاں قصداً عمدہ کپڑے کسی کے اٹھا لیے اور ان کو پہن کر اون کے اوپر اپنی گدڑی پہن لی اور باہر نکل کر آہستہ آہستہ چلنے لگا لوگوں نے مجھ کو پکڑا اور میری گدڑی اتار کر وہ کپڑے مجھ سے لے لیے اور خوب دھول چپت سے میری خبر لی آئندہ کو میں حمام کا چور مشہور ہوا تب میرا دل مطمئن ہوا اب تامل کرنا چاہیئے کہ یہ لوگ اپنے نفسوں سے کیسی ریاضت لیتے تھے تاکہ خدائے تعالیٰ ان کو خلق کی طرف دیکھنے سے چھڑا دے اور رفتہ رفتہ اپنے نفس کی طرف بھی التفات نہ رہے اس واسطے کہ جو شخص اپنے نفس کی طرف التفات رکھتا ہے وہ خدائے تعالیٰ سے محجوب رہتا ہے اور اس کا شغل نفس ہی اس کے حق میں حجاب ہوتا ہے اس لیے کہ خدائے تعالیٰ میں اور دل میں کوئی دوری کا حجاب یا حائل نہیں بلکہ دلوں کی دوری یہی ہے کہ وہ غیر اللہ میں یا اپنے نفسوں کے ساتھ مشغول ہوں اور سب سے زیادہ حجاب شغل نفس ہے اس لیے منقول ہے کہ ایک خوبصورت شخص عظیم الشان رؤسائے بسطام میں سے کبھی حضرت ابو یزید بسطامیؒ کی مجلس سے جدا نہ ہوتا ایک روز اس نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں تیس برس سے برابر روزہ رکھتا ہوں کبھی افطار نہیں کرتا اور رات بھر جاگتا ہوں کبھی نہیں سوتا مگر باوجود اس ریاضت کے جو علم کہ آپ بیان فرماتے ہیں اس میں سے اپنے دل میں کچھ نہیں پاتا حالانکہ میں اس کی تصدیق کرتا

ح۱ آدمی اس کے ساتھ ہے جس کے ساتھ محبت رکھے ۱۲ یہ حدیث کئی بار گذر چکی

ہوں اور اس سے محبت رکھتا ہوں آپ نے فرمایا کہ اگر تو تین سو برس بالفرض روزہ رکھے گا اور راتوں کو جاگے گا اس علم میں سے ایک ذرہ نہ پائے گا اس نے عرض کیا کہ اس کی کیا وجہ ہے آپ نے فرمایا کہ وجہ یہ ہے کہ تو اپنے نفس کے باعث محجوب ہے اس نے عرض کیا کہ پھر اس کا کچھ علاج ہے آپ نے فرمایا کہ ہاں علاج کیوں نہیں اس نے کہا کہ وہ علاج مجھ کو ارشاد ہو کہ میں کروں آپ نے فرمایا کہ تو اس علاج کو قبول نہ کرے گا اس نے کہا کہ آپ ذکر تو فرمائیں کہ میں اس کو بجالاؤں آپ نے فرمایا کہ ابھی نائی کے پاس جا اور اپنا سر اور داڑھی منڈوا اور یہ لباس اتار کر ایک کمل کا تہبند کر اور اپنی گردن میں ایک جھولی اخروٹوں کی ڈال لے اور اپنے گرد لوگوں کو جمع کر اور ان سے کہہ دے کہ جو کوئی میرے دھول لگائے گا میں اس کو ایک اخروٹ دوں گا اور اسی صورت میں بازار میں جا اور سب بازاروں میں مجمع کے وقت پھر اور جو شخص تیرے آشنا ہوں ان کے پاس بھی اسی طرح جا۔ اس شخص نے کہا سبحان اللہ آپ مجھ کو ایسا ارشاد فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا تیرا سبحان اللہ کہنا شرک ہے اس نے پوچھا کہ کس طرح آپ نے فرمایا کہ تو نے اپنے نفس کو بڑا جان کر سبحان اللہ کہا۔ کچھ خدا کی تعظیم کے لیے سبحان اللہ نہیں کہا اس نے عرض کیا کہ یہ تو میں نہیں کروں گا مگر اور کچھ بتائیے تو کروں آپ نے فرمایا سب تدبیروں سے پہلے اسی کو کرنا چاہیئے اس نے کہا کہ اس کی تو مجھ کو طاقت نہیں آپ نے فرمایا کہ میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ تو قبول نہ کرے گا۔ پس یہ تدبیر جو حضرت ابو یزیدؒ نے بتائی تھی اس شخص کا علاج ہے جس کو یہ مرض ہو کہ اپنے نفس کی طرف التفات رکھتا ہو اور لوگوں کا التفات اپنی طرف چاہتا ہو۔ اور اس بیماری سے بچنے کی دوا بجز اس تدبیر کے یا اور اسی قسم کی تدبیر کے اور کچھ نہیں پس جو شخص کہ علاج کی تاب نہ رکھتا ہو اس کو نہ چاہیئے کہ جو شخص اس مرض میں مبتلا ہوا ہو اور اپنے نفس کا علاج اسی تدبیر سے کرتا ہو اس کو کہے کہ اس سے شفا ممکن نہیں اس لیے کہ اقل درجہ صحت کا یہ ہے کہ اس کے امکان ہی کا ایمان رکھتا ہو اور جس میں اس قدر بھی بات نہ پائی جائے تو اس کی خرابی ہے اور یہ امور شریعت میں صاف صاف ظاہر ہیں اور باوجود ظہور کے اس شخص کے نزدیک دشوار ہیں جو اپنے نفس کو علمائے شرع سے تصور کرتا ہے اور حدیث شریف میں وارد ہے لا یستکمل[1] ایمان العبد حتی تکون قلۃ الشیء احب الیہ من کثرتہ وحتی یکون ان لا یعرف احب الیہ ممن ان یعرف اور فرمایا ثلاث[2] من کن فیہ استکمل ایمانہ لا یخاف فی اللہ لومۃ لائم ولا یری الشیء من عملہ و عرض امران احدھما للدنیا والثانی للآخرۃ اختار امر الآخرۃ علی امر الدنیا اور فرمایا

---

[1] بندے کا ایمان کامل نہیں ہوتا جب تک کہ چیز کی قلت اس کے نزدیک کثرت کی نسبت کہ محبوب نہ ہو اور جب تک کہ پہچانا جانا اس کے نزدیک معروف کے ہونے کی نسبت کہ محبوب نہ ہو ۱۲ ابو منصور در مسند فردوس بروایت علی بن طلحہ اور اس شخص کو تابعین سے سماع حدیث ہے پس اس کی سند مرفوع نہیں ملی ۱۲

[2] تین باتیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں ہوں اس کا ایمان پورا ہو نہ ڈرے اللہ کے باب میں کسی ملامت گر کی ملامت گر سے اور وہ کوئی عمل دکھلانے کے واسطے نہیں کرتا اور جب اس کے سامنے دو امر پیش ہوں ایک دنیا کا اور دوسرا آخرت کا تو آخرت کے امر کو اختیار کرے ۱۲ ابو منصور بروایت ابو ہریرہ اور اس میں سالم بن عبد الواحد مختلف فیہ ہے ۱۲

لا یکمل ایمان العبد حتی یکون فیہ ثلاث خصال اذا غضب لم یخرجہ غضبہ عن الحق واذا رضی لم یدخلہ رضاہ فی باطل واذا قدر لم یتناول ما لیس لہ اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ثلث من اوتیہن فقد اوتی مثل ما اوتی آل داؤد العدل فی الرضی والغضب والقصد فی الغنی والفقر وخشیۃ اللہ فی السر والعلانیۃ تو یہ شرطیں ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ایمان کے لیے ارشاد فرمائی ہیں پس اس شخص سے تعجب ہے کہ دین کا تو دعویٰ رکھتا ہو اور اپنے آپ میں ان شرطوں میں سے ذرہ بھر بھی نہ پاتا ہو پھر اپنے علم اور عقل سے بھی بہرہ رکھتا ہو کہ جو بات ایمان کے بعد بڑے بڑے مقامات طے کرنے کے حاصل ہوا کرتی ہے اس کا انکار کرے اور اخبار میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض پیغمبروں کی طرف وحی بھیجی کہ میں اپنا خلیل اس شخص کو بنایا کرتا ہوں جو میرے ذکر میں سستی اور قصور نہ کرے اور سوا میرے اور کوئی اس کو فکر نہ ہو نہ میرے اوپر کسی چیز کو میری مخلوقات میں سے اختیار کرے اور اگر اس کو آگ میں جلاویں تو آگ کی سوزش سے درد نہ معلوم ہو اور اگر آروں سے چیریں تو اس سے بھی تکلیف محسوس نہ ہو، پس جس شخص کی محبت اس درجہ کو بھی نہ پہنچی ہو اس کو محبت کے بعد کی کرامات اور مکاشفات کیسے معلوم ہوں گے یہ مکاشفات تو سب بعد محبت کے ہوتے ہیں اور محبت کمال ایمان کے بعد ہوتی ہے اور ایمان کے مقامات اور اس کے کم و بیش ہونے کے اختلاف کی کچھ شمار نہیں، اور اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق رضؓ کو فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اتنا ایمان دیا ہے کہ وہ ان سب لوگوں کے ایمان کے برابر ہے جو میری امت میں سے مجھ پر ایمان لائے ہیں اور مجھ کو جو ایمان دیا ہے وہ سب اولاد آدم کے ایمان کے برابر ہے جو خدا پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور ایک[ح] دوسری حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تین سو اخلاق ہیں جو شخص توحید کے ساتھ ایک خلق لے کر بھی اس سے ملے گا وہ داخل جنت ہو گا حضرت ابوبکر رضؓ نے پوچھا یا حضرت[ح] مجھ میں بھی کوئی ان اخلاق میں سے ہے آپ نے فرمایا کہ اے ابوبکر رضؓ تجھ میں سب کے سب ہیں اور ان سب میں محبوب اللہ تعالیٰ کے نزدیک سخاوت ہے اور ایک[ح] حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک ترازو آسمان سے لٹکائی گئی اس کے ایک پلہ میں مجھ کو

ح انہیں کامل ہوتا ایمان بندے کا جب تک کہ نہ ہوں اس میں تین خصلتیں جب غصہ ہو تو نہ نکال دے غصہ اس کو حق سے اور جب راضی ہو تو رضا اس کو کسی باطل میں نہ گھما دے اور جب قادر ہو تو جو چیز اپنی نہ ہو اس کو نہ لے ۱۲ طبرانی در صغیر بلفظ ثلث من اخلاق الایمان بسند ضعیف ۱۲ ح تین باتیں ہیں جو شخص ان سے بہرہ ور ہوا تو اس کو آل داؤد کے برابر ملا- اول ایک سار ہنا حالت رضا اور غصے میں دوم میانہ روی کرنا تونگری اور مفلسی میں سوم خدائے تعالیٰ کا خوف ظاہر و باطن میں ۱۲ یہ حدیث ان لفظوں سے غریب ہے معروف یوں ہے ثلث منجیات اور پیشتر گذر چکی ۱۲ ح ابو منصور در فردوس بروایت حارث اور عن علی مرتضیٰ باختلاف اور حارث ضعیف ہے ۱۲ ح اس حدیث کو طبرانی نے بروایت انس وغیرہ بن عبدالرحمٰن اور بزار بروایت عثمان اسی کے قریب مضمون روایت کیا گیا ہے مگر ان روایتوں میں سوال کرنا حضرت صدیق رضؓ کا آپ کا جواب مندرج نہیں اور بسند ضعیف ہیں۔

ح احمد بروایت ابوامامہ بسند ضعیف ۱۲ ح بخاری و مسلم کی حدیث ہے پیشتر گذری ۱۲

رکھا اور ایک پلہ میں میری امت کو رکھا میرا پلہ بھاری ہوا۔ اور ابوبکرؓ کو ایک پلہ میں رکھا اور میری امت کو لاکر ایک پلہ میں رکھا ابوبکرؓ کا پلہ جھکا رہا اور باوجود ان سب امور کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ کے ساتھ اسی طرح کا استغراق تھا کہ آپ کے دل میں گنجائش خلت کی دوسرے کے ساتھ نہ تھی اسی واسطے فرمایا کہ اگر میں لوگوں سے خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا مگر میں اللہ تعالیٰ کا خلیل ہوں

متفرق کلمات بہ سلام محبت

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ محبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا نام ہے۔ اور لوگ کہتے ہیں کہ ہمیشہ ذکر کرنا محبت ہے۔ اور کچھ یوں کہتے ہیں کہ محبوب کو سب پر ترجیح دینا محبت ہے اور بعضوں کا یہ قول ہے کہ دنیا میں باقی رہنے کو برا جاننا محبت ہے اور یہ سب اقوال محبت کے ثمرات کی طرف اشارہ کرتے ہیں، نفس محبت کو کسی نے بیان نہیں کیا اور کسی بزرگ کا یہ قول ہے کہ محبت وہ بات محبوب کی ہے جو دلوں کو مغلوب رکھے دل وزبان اس کے ادراک و بیان سے عاجز ہیں اور حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ علاقے والے پر محبت حرام ہے اور فرمایا کہ جو محبت عوض کے مقابل ہوتی ہے تو جب عوض جاتا رہتا ہے محبت بھی جاتی رہتی ہے۔ اور حضرت ذوالنونؒ نے فرمایا کہ جو شخص محبت خدا کی ظاہر کرے اس سے کہدو کہ اس بات سے ڈر کہ غیر اللہ کے لیے ذلیل بنے اور کسی نے حضرت شبلیؒ سے پوچھا کہ ہم سے عارف و محب کی صفت کہیے آپ نے فرمایا کہ عارف اگر بولے تو ہلاک ہو جائے اور محب اگر چپکا رہے تو ہلاک ہو اور آپ نے ایک قطعہ کہا ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے قطعہ:

اے خداوند رحیم اور کریم — تیرا نام ہے میرے دل میں مقیم
تو نے کھوئی ہے میری آنکھ سے نیند — مجھ پہ جو گذرے ہے تو ہی ہے علیم

اور چند اشعار ایک اور شخص نے اسی باب میں کہے ہیں جن کا ترجمہ یہ ہے قطعہ:

ہے عجب گر کہے کوئی کہ حبیب یاد آیا — اس کو کیا بھول گیا ہوں کہ کہوں یاد آیا
یاد سے تیری مرتا ہوں پہ جی اٹھتا ہوں — حسن ظن مجھ کو نہ ہوتا تو میں کیسے جیتا
آرزوؤں سے مرا جینا ہے اور شوق سے موت — مرنے جینے کا مرے تجھ پہ یہ دستور بندھا
بادۂ عشق سے گو میں نے پیئے جام پہ جام — پر نہ وہ مے ہی چکھی اور نہ میں سیر ہوا
خوب ہو سامنے گر آنکھ کے ہو اس کا خیال — پھر جو کوتاہی کروں دید میں تو ہوں اندھا

اور حضرت رابعہ عدویہؒ نے ایک روز فرمایا کہ کوئی ہے جو ہم کو ہمارے حبیب کا پتہ بتا دے ان کی خادمہ نے کہا کہ ہمارا حبیب ہمارے ساتھ ہے مگر دنیا نے اسے علیحدہ کر رکھا ہے اور ابن جلاء کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ میں جب کسی بندے کے سر پر مطلع ہوتا ہوں اور اس میں محبت دنیا اور آخرت کی نہیں پاتا تو اس کو اپنی محبت سے بھر دیتا ہوں اور اپنی حفاظت سے اس کا کفیل ہوتا ہوں اور روایت

ہے کہ حضرت سمنونؒ نے ایک روز محبت کے باب میں گفتگو کی اتنے میں ایک پرندہ آپ کے سامنے اترا اور زمین کو اپنی چونچ سے کریدتا رہا یہاں تک کہ اس میں سے خون نکلا اور مر گیا اور حضرت ابراہیم بن ادہمؒ نے جناب باری میں عرض کی کہ الٰہی تو جانتا ہے کہ تو نے اپنی محبت سے مجھ پر اکرام کیا ہے اور اپنے ذکر سے مجھ کو مانوس کیا ہے اور اپنی عظمت کی فکر کے لیے مجھ کو مخصوص کر دیا تو اس کے مقابل جنت میرے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں اور حضرت سریؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص خدائے تعالیٰ سے محبت کرتا ہے وہ عیش کرتا ہے اور جو دنیا کی طرف رغبت کرتا ہے وہ خفیف ہوتا ہے اور احمق وہ ہے جو صبح اور شام نکمی چیز میں سعی کرتا ہے اور عاقل آدمی اپنے عیوب کا متلاشی رہتا ہے اور حضرت رابعہؒ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے کیسی محبت ہے انہوں نے فرمایا کہ مجھ کو تو محبت آپ کے ساتھ بہت ہے مگر خدائے تعالیٰ کی محبت نے مجھ کو مخلوق کی محبت سے روک رکھا ہے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ اعمال میں سے افضل کونسا ہے آپ نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ سے راضی ہونا اور اس کی محبت کرنا۔ اور حضرت ابو یزید فرماتے ہیں کہ محب نہ دنیا کی محبت کرتا ہے نہ آخرت کی بلکہ اپنے مولیٰ سے مولیٰ ہی کو چاہتا ہے۔ اور حضرت شبلیؒ کا قول ہے کہ محبت لذت میں مدہوشی اور تعظیم میں حیرت کا نام ہے۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ محبت اس کا نام ہے کہ اپنے آپ سے نشان مٹا دے یہاں تک کہ کوئی ایسی بات نہ رہے جس کا مائل محب سے اسی کی طرف راجع ہو اور بعض کہتے ہیں کہ محبت یہ ہے کہ محبوب سے دل خوشی اور بشارت کے ساتھ نزدیک ہو۔ اور خواصؒ فرماتے ہیں کہ محبت ارادوں کا مٹانا اور سب صفات و حاجات کا جلا دینا ہے۔ اور حضرت سہلؒ سے جو محبت کا حال پوچھا گیا تو فرمایا کہ محبت یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے کسی اپنے بندہ کے دل کی مراد سمجھ لی تو اس کو اپنے مشاہدے کے لیے پھیر دیا۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ محب کا معاملہ چار مقاموں پر ہوتا ہے اول محبت، دوم ہیبت، سوم حیا، چہارم تعظیم، اور ان چاروں میں سے افضل تعظیم اور محبت ہیں اس لیے کہ یہ دونوں اہل جنت کے ساتھ جنت میں باقی رہتے ہیں اور ان کے سوا اور چیزیں ان سے علیحدہ ہو جاتی ہیں۔ اور ہرم بن حیانؒ کہتے ہیں کہ مومن جب اپنے رب کو پہچانتا ہے تو اس سے محبت کرتا ہے اور جب اس سے محبت کرتا ہے تو اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور جب توجہ کا مزا پاتا ہے تو دنیا کی طرف نظر خواہش سے نہیں دیکھتا نہ آخرت کی طرف نظر کاہلی سے دیکھے۔ اور وہ اپنے جسم سے تو دنیا میں رہتا ہے اور روح سے آخرت میں۔ اور عبداللہ بن محمدؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایک عابد عورت کو دیکھا کہ رو رو کر یہ کہہ رہی تھی۔ اور آنسو چہرے پر بہا رہی تھی۔ بخدا کہ میں خدائے تعالیٰ کے شوق میں اور اس کی ملاقات کے اشتیاق میں زندگی سے تنگ آ گئی ہوں یہاں تک کہ اگر موت بکتی ہوتی تو میں اس کو خرید لیتی۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے اس سے پوچھا کہ تجھ کو اپنے عمل پر اطمینان ہے اس نے کہا اطمینان تو نہیں مگر میں اس سے محبت رکھتی ہوں اور اس پر مجھ کو حسن ظن ہے تو کیا تم کو یہ خیال ہے کہ باوجود محبت کے وہ مجھ کو عذاب دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ پر وحی بھیجی کہ جو لوگ مجھ سے روگرداں ہیں اگر ان کو معلوم ہو جاتے کہ میں ان کا

کیسا منتظر رہتا ہوں اور ان کے ساتھ نرمی برتتا ہوں اور ان کے گناہ چھوڑنے کا مشتاق ہوں تو ان کو میری طرف اتنا شوق ہو کہ اس میں مر جائیں اور میری محبت سے ان کے جوڑ بند جدا ہو جائیں اے داؤد میری خواہش جب روگردانوں کے باب میں یہ کچھ ہے تو جو لوگ میری طرف متوجہ ہیں ان کے باب میں قیاس کرنا چاہیئے کہ کیسی ہوگی۔ اے داؤد سب سے زیادہ محتاج میری طرف بندہ اس حال میں ہوتا ہے جب مجھ سے بے پرواہ ہو جاتا ہے۔ اور زیادہ تر رحیم اپنے بندے پر میں جب ہوتا ہوں جب مجھ سے روگردان ہو جاتا ہے۔ اور زیادہ تر بزرگی میرے بندے کو اس وقت ہوتی ہے جب وہ میری طرف رجوع کرتا ہے۔ اور ابو خالد صفار کہتے ہیں کہ ایک نبی انبیاء سے کسی عابد سے ملے اور فرمایا کہ اے گروہ عابدان تم جس بات پر عمل کرتے ہو ہم اس پر نہیں کرتے تم تو خوف و رجا پر عمل کرتے ہو اور ہم محبت اور شوق پر۔ اور حضرت شبلی کہتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ اے داؤد ذکر میرا ذاکروں کے واسطے ہے اور جنت اطاعت کرنے والوں کے لیے ہے اور دیدار مشتاقوں کے لیے اور میں خود اپنے محبوں کے لیے ہوں۔ اور حضرت آدم کو وحی ہوئی کہ جو شخص حبیب سے محبت کرتا ہے اس کے قول کو سچا جانتا ہے اور جو شخص اپنے حبیب سے مانوس ہوتا ہے اس کے فعل سے راضی ہوتا ہے اور جو اس کی طرف مشتاق ہوتا ہے تو اپنا راستہ جلد چلتا ہے۔ اور خواصؒ اپنی چھاتی پر ہاتھ مارتے اور کہتے کہ ہائے شوق اس کا جو مجھ کو دیکھتا ہے اور میں اس کو نہیں دیکھتا اور حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت یونسؑ اتنا روئے کہ اندھے ہو گئے اور اتنا کھڑے رہے کہ کبڑے ہو گئے اور نماز اتنی پڑھی کہ طاقت حرکت کی نہ رہی اور فرمایا کہ قسم ہے تیرے عزت و جلال کی اگر مجھ میں اور تیرے درمیان میں کوئی آگ کا سمندر ہوتا تو مجھ کو تیرا اتنا شوق ہے کہ اس میں بھی گھس جاتا۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلعم سے آپ کا طریق پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ معرفت میرا راس المال ہے اور عقل میرے دین کی اصل ہے اور محبت میری بنا ہے اور شوق میری سواری اور ذکر میرا انیس اور اعتماد میرا خزانہ اور حزن میرا رفیق اور علم میرا ہتھیار اور صبر میری چادر اور رضا میری غنیمت اور عاجزی میرا فخر اور زہد میرا پیشہ اور یقین میری قوت اور صدق میرا سفارشی اور طاعت میرا حسب اور جہاد میرا خلق ہے اور میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے اور حضرت ذوالنونؒ نے فرمایا کہ پاک ہے وہ ذات جس نے ارواح کو لشکر کے لشکر بنا دیئے۔ پس عارفین کی روحیں تو جلالی اور قدسی ہیں اسی واسطے اللہ تعالیٰ کی طرف وہ لوگ مشتاق ہوتے اور مومنوں کی روحیں روحانی ہیں اسی جہت سے مشائخ جنت کے شائق ہوئے اور غافلوں کی روحیں ہوائی ہیں وہ بہمیں وجہ دنیا کے راغب ہوتے اور بعض مشائخ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک شخص گندم گون لاغر تن کو جبل لگام میں دیکھا کہ ایک پتھر پر سے دوسرے پر کودتا تھا اور کہتا تھا ؎

تیرے شوق والفت نے مارا ہے جال — پھنسایا مجھے اور کیا ہے یہ حال

اور کہتے ہیں کہ شوق ایک آتش الٰہی ہے جس کو خدائے تعالیٰ اپنے اولیاء کے دلوں میں روشن کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے باعث تمام ان کے دل کی چیزیں مثل خواطر اور ارادات اور عوارض و حاجات کے سب جل

جاتی ہیں۔ اب اسباب کو اسی قدر پر تمام کیا جاتا ہے۔

ساتواں باب: نیت و اخلاص اور صدق

رباعی

نیت پہ شریعت میں ہے موقوف عمل — اخلاص نہ ہو اس میں تو ہے وہ مختل
نیت کی درستی بھی ہو اور ہو اخلاص — بے صدق مگر نہ ہو کبھی عقدہ حل

واضح ہو کہ اہل دل کو ایمان کی بصیرت اور نور قرآن سے یہ بات منکشف ہوئی ہے کہ بدون علم و عمل کے شرف سعادت حاصل نہیں ہو سکتا اس لیے آدمی سب تباہ کار ہیں، بجز علم بھی سب ہلاک ہیں بجز عالموں کے۔ اور عامل بھی سب ایسے ہی ہیں سوائے اخلاص والوں کے اور اخلاص والے بڑے خطرے میں ہیں، غرض کہ عمل بدون نیت کے نری مشقت ہے اور نیت بدون اخلاص کے ریا اور مثل نفاق اور معصیت کے ہے اور اخلاص بدون صدق اور تحقیق کے ایک دھوکا سا ہے۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ اس عمل کا حال جس میں ارادہ غیر اللہ کا مخلوط ہو اس طرح ارشاد فرماتا ہے وقدمنا الی ما عملوا من عمل فجعلناہ ھباء منثورا (۱) اور ہم کو معلوم نہیں کہ جو شخص نیت کی حقیقت کو نہ پہچانتا ہو وہ اس کو درست کیسے کرے گا یا جو حقیقت اخلاص سے ناواقف ہو وہ کیسے اخلاص بجالائے گا۔ اور جب صدق کے معنی نہ جانتا ہو تو اپنے نفس سے صدق کا مطالبہ کیسے کرے گا۔ اس لیے جو بندہ کہ عبادتِ الٰہی کیا چاہے اس پر اوّل یہ ضرور ہے کہ نیت کو سیکھے تاکہ اس کی شناسائی ہو پھر حقیقت صدق و اخلاص کی سمجھ کر نیت کو عمل سے صحیح کرے کہ صدق و اخلاص ہی سبب بندے کی نجات اور خلاص کا ہیں اس لیے ہم اسباب کو تین فصلوں میں بیان کرتے ہیں۔ ہر ایک فصل میں ان تینوں چیزوں میں سے ایک ایک لکھیں گے۔

پہلی فصل: نیت کی فضیلت اور اس سے متعلق پانچ باتیں

۱۔ نیت کی فضیلت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولا تطرد الذین یدعون ربھم بالغدوۃ والعشی یریدون وجھہ (۲) اس آیت میں ارادے سے مراد نیت ہے اور آنحضرت صلعم فرماتے ہیں انما الاعمال بالنیات ولکل امرء ما نوی فمن ھجرتہ الی اللہ

---

(۱) اور ہم پہنچے ان کے کاموں پر جو کیے تھے پھر کر ڈالا اس کو خاک اڑتی ۱۲ (۲) اور نہ ہانک ان کو جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام اور چاہتے ہیں اس کا منہ ۱۲ (۳) اعمال معتبر نیتوں ہی پر ہیں، بخاری و مسلم بروایت عمر فاروق ۱۲ (۴) اور ہر شخص کے لیے وہ ہے جو نیت کی پس جس شخص کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف ہو گی تو اس کی ہجرت اللہ و رسول کی طرف ہو گی اور جس کی ہجرت دنیا کی طرف (باقی اگلے صفحہ پر)

ورسولہ فہجرتہ الی اللہ ورسولہ ومن کانت ھجرتہ الی دنیا یصیبھا او امرأۃ تزوجھا فھجرتہ الی ما ھاجر الیہ اور ایک حدیث میں ارشاد[ح۱] فرمایا کہ میری امت کے اکثر شہید بستر پر مرنے والے ہوں گے۔ اور بہت سے قتیل دوصفوں کے درمیان میں خدا جانے ان کی نیت کیا تھی۔ اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے[ح۲] اِن یریدا اصلاحًا یوفق اللہ بینھما اس آیت میں نیت کو توفیق کا سبب بنایا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم[ح۳] فرماتے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو اور مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں کو اور اعمال کو دیکھتا ہے اور دلوں کے دیکھنے کی وجہ یہی ہے کہ نیت کا محل ہے اور ایک حدیث میں[ح۴] ہے کہ بندہ اعمال حسنہ کیا کرتا ہے اور ان کو فرشتے مہری صحیفوں میں لے کر اوپر چڑھتے ہیں اور خدائے تعالیٰ کے سامنے جا رکھتے ہیں ارشاد ہوتا ہے کہ اس صحیفے کو ڈال دو اس لیے کہ جو کچھ اس میں ہے اس کے عامل نے اس سے میری نیت نہیں کی پھر فرشتوں کو امر فرماتا ہے کہ اس شخص کے واسطے یہ لکھ لو اور یہ لکھ لو وہ عرض کرتے ہیں کہ الٰہی اس نے تو ان میں سے کوئی کام نہیں کیا ارشاد ہوتا ہے کہ اس نے ان کاموں کی نیت کی تھی اور ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[ح۵] کہ آدمی چار طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ ہے جس کو خدائے تعالیٰ نے علم اور مال دیا ہو اور وہ اپنے علم کے بموجب اپنے مال میں کام کرتا ہو تو دوسرا شخص یوں کہتا ہو کہ اگر مجھ کو ایسا ہی دے جیسا اس شخص کو دیا ہے تو میں بھی ایسا ہی کام کروں گا جیسا کہ وہ کرتا ہے تو یہ دونوں ثواب میں برابر ہیں اور تیسرا وہ شخص ہے کہ اس کو خدائے تعالیٰ نے مال دیا ہو اور علم نہ دیا ہو اور اپنی جہل کے باعث مال کو واہیات میں اڑاتا ہو اور کوئی شخص یوں کہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو مال دے تو میں بھی ایسا ہی کروں جیسا یہ کرتا ہے تو یہ دونوں گناہ میں برابر ہیں۔ پس دیکھنا چاہیے کہ صرف نیت کے باعث عمل کی خوبیوں اور برائیوں میں آپ نے شریک فرمایا۔ اور اسی طرح حدیث انس بن مالک میں[ح۶] مروی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک میں نکلے تو فرمایا کہ مدینے میں کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جو کچھ ہم یہاں کرتے ہیں یعنی جنگل طے کرتے ہیں یا ایسی جگہ کو پامال کرتے ہیں جو کافروں کو غصہ دلادے یا کچھ خرچ کرتے ہیں یا بھوکے ہوتے ہیں وہ ان سب میں ہمارے ثواب میں شریک ہیں حالانکہ وہ مدینے میں ہیں، لوگوں نے عرض کیا یہ کس طرح ہے وہ تو ہمارے ساتھ نہیں آپ نے فرمایا کہ ان کو عذر نے روک دیا ہے پس حسن نیت کے باعث شریک ہو گئے۔ اور حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث میں ہے کہ[ح۷] من ھاجر یبتغی شیئًا فھولہ۔ چنانچہ ایک شخص نے ہجرت کی اور وہیں سے ایک عورت سے نکاح کا ارادہ کیا مہاجر ام قیس ہو گیا۔ اور اسی طرح ایک اور حدیث میں[ح۸] ہے کہ ایک

(بقیہ صفحہ گذشتہ) ہو کہ اس کو ملے یا عورت کی طرف جس کو نکاح میں لاوے تو اس کی ہجرت اسی چیز کی طرف ہو گی جس کی طرف ہجرت کی ہے ۱۲

[ح۱] احمد بروایت ابن مسعود اور اس سند میں ابن لہیعہ ہے ۱۲ [ح۲] اگر یہ دونوں چاہیں گے صلح تو اللہ ملاپ دے گا ان میں ۱۲ [ح۳] مسلم بروایت ابوہریرہ ۱۲ [ح۴] دارقطنی بروایت انسؓ ۱۲ [ح۵] ابن ماجہ بروایت ابی کبشہ انصاری ۱۲ [ح۶] بخاری مختصرًا ابوداؤد ۱۲ [ح۷] جو شخص ہجرت کرے کسی چیز کا خواہاں ہو تو وہ اسی کا ہو گا ۱۲ طبرانی [ح۸] یہ حدیث قوی نہیں ملی ابواسحاق نے مرسلاً نقل کی ہے ۱۲

شخص خدا کی راہ میں مارا گیا اور اس کا نام قتیل حمارہ ہوا اس جہت سے کہ وہ ایک شخص سے اس واسطے لڑا کہ اس کا مال اور گدھا لے لیوے اسی پر مارا گیا اور اپنی نیت کی طرف منسوب ہوا اور عبادہؓ کی حدیث میں یوں مروی ہے[ح۱] من غزا وھو لا ینوی الا عقالا فلہ ما نوی اور حضرت ابی فرماتے ہیں[ح۲] کہ میں نے ایک شخص سے مدد چاہی کہ غزوہ میں میرے ساتھ ہو اس نے کہا کہ میرے لیے کچھ اجرت مقرر کر دو تو ساتھ دوں میں نے ویسا ہی کیا اور اس ماجرا کو آنحضرت صلعم کی خدمت میں عرض کیا آپ نے فرمایا کہ اس کو دنیا اور آخرت سے اسی قدر ملا جو تو نے مقرر کر دیا تھا اور بنی اسرائیل کے قصوں میں ہے کہ ایک شخص بالو کے ٹیلوں پر قحط کی حالت میں گذرا اور اپنے دل میں کہا کہ اگر یہ ریت طعام پختہ ہو جاتا تو میں لوگوں کو بانٹ دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے نبی پر وحی بھیجی کہ اس شخص سے کہہ دو کہ خدائے تعالیٰ نے تیرا صدقہ قبول کیا اور تیرے حسن نیت کا مشکور ہوا اور تجھ کو وہی ثواب دیا کہ بالفرض اس قدر کھانا ہوتا تو اس کو بانٹ دیتا اور یہ بہت سی احادیث میں آیا ہے کہ[ح۳] من ھم بحسنۃ ولم یعملھا کتبت لہ حسنۃ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث میں[ح۴] ہے کہ جس شخص کی نیت دنیا ہو اللہ تعالیٰ اس کا افلاس اس کی آنکھوں کے سامنے کر دیتا ہے اور وہ ایسے وقت میں دنیا سے مفارقت کرتا ہے کہ زیادہ رغبت دنیا کی اس کو ہوتی ہے اور جس کی نیت آخرت کی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ غنا اس کے دل میں کر دیتا ہے اور اس کا سامان اس پر جمع کر دیتا ہے اور وہ دنیا سے زاہد تر ہو کر اٹھتا ہے۔ اور حضرت ام سلمہ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے ایک لشکر کا ذکر کیا جس کا خسفہ یعنی زمین میں دھنسنا جنگل میں ہو حضرت ام سلمہؓ نے پوچھا کہ یا حضرت ان میں وہ شخص بھی ہوگا جو زبردستی یا اجرت کے سبب ہمراہ ہو۔ آپؐ نے فرمایا کہ ان کا حشر ان کی نیتوں پر ہوگا۔ اور حضرت عمر فرماتے ہیں کہ آنحضرت[ح] صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا ہے کہ فرماتے تھے[ح۵]۔ انما یقتتل المقتتلون علی النیات اور ایک حدیث میں ہے کہ جب دو صفیں ملتی ہیں تو فرشتے اتر کر خلق کو درجہ بدرجہ لکھتے ہیں کہ فلاں شخص دنیا کے واسطے لڑتا ہے اور فلاں حمیت کے لیے اور فلاں تعصب کے واسطے خبردار کسی کو یہ نہ کہو کہ خدا کی راہ میں شہید ہوا جو شخص کہ اس غرض سے لڑے کہ خدائے تعالیٰ[ح] کا بول بالا ہو وہ خدا کی راہ میں ہے۔ اور حضرت جابرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ آپ نے فرمایا یبعث کل عبد

ح۱ جو شخص لڑا اور اس کی نیت سوا مال کے اور کچھ نہ ہو تو اس کو وہی ہے جو نیت کی ۱۲ نسائی بروایت عبادہ بن صامت ۱۲ ح۱ طبرانی اور ابو داؤد نے بروایت یعلی بن امیہ اسی کے قریب مضمون نقل کیا ہے ۱۲ ح۳ جو شخص قصد کرے کسی نیکی کا اور اس کو کیا نہ ہو اس کے لیے ایک نیکی لکھی جاتی گی ۱۲ بخاری و مسلم کی حدیث ہے پہلے گذری ۱۲ ح۴ ابن ماجہ نے بروایت ابن ثابت یہ مضمون مختصراً نقل کیا ہے ابن عمر سے اس کی سند نہیں ملی ۱۲ ح۵ مسلم و ابو داؤد ۱۲

ح۵ آپس میں لڑنے والے اپنی نیتوں پر ایک دوسرے کو مارتے ہیں ۱۲ ابن ابی الدنیا بسند ضعیف ح۶ ابن مبارک در زہد موقوفاً علی ابن مسعود او انوحدیث بخاری و مسلم میں بروایت ابو موسیٰ مروی ہے ۱۲

ح۷ ہر ایک بندہ اسی چیز پر اٹھایا جائے گا جس پر کر مرا ہے ۱۲

علی ما مات علیہ اور احنف بن قیس ابی بکرہ سے راوی ہیں کہ آپ نے فرمایا[ل] اذا التقی المسلمان بسیفیھما فالقاتل والمقتول فی النار، لوگوں نے عرض کیا ایک تو قاتل ہونے کی جہت سے جائے گا مقتول کا کیا باعث ہے آپ نے فرمایا کہ اس وجہ سے کہ اس نے دوسرے کے مارنے کا ارادہ کیا تھا اور حدیث ابی ہریرہؓ میں ہے کہ جو شخص کسی عورت سے کسی قدر مہر پر نکاح کرے اور نیت اس کے ادا کی نہ رکھتا ہو تو وہ زانی ہے۔ اور جو شخص کچھ قرض لے اور اس کے دینے کی نیت نہ ہو تو وہ چور ہے اور ایک حدیث[ح] میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جو شخص خدائے تعالیٰ کے واسطے خوشبو لگائے گا تو قیامت کے دن ایسے حال آئے گا کہ اس کی خوشبو مشک سے بھی عمدہ ہوگی اور جو شخص غیر اللہ کے لیے خوشبو لگائے گا تو قیامت کے دن آئے گا اور اس کی بدبو مردار سے بھی زیادہ ہوگی اور آثار نیت کے فضائل میں یہ ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ سب اعمال میں افضل وہ ہے جو خدائے تعالیٰ نے فرض کیا ہے اور بچنا ان اشیاء سے جو خدائے تعالیٰ نے حرام فرمائی ہیں اور درستی نیت کی ان امور میں ہے جو خدائے تعالیٰ کے پاس ہیں اور سالم بن عبداللہ نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو لکھا کہ جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد بندے کے واسطے نیت کی مقدار پر ہوتی ہے پس جس کی نیت کامل ہوگی اس کے لیے خدائے تعالیٰ کی مدد بھی پوری ہوگی اور اگر نیت میں نقصان ہوگا تو مدد بھی اسی قدر ناقص ہوگی اور بعض اکابر سلف کا قول ہے کہ اکثر کام چھوٹے ہوتے ہیں ان کو نیت بڑا کر دیتی ہے اور اکثر کام بڑے ہوتے ہیں نیت ان کو چھوٹا کر دیتی ہے اور حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص نیکوکار کہ اس کی نیت تقویٰ کی ہوتی ہے اگر اس کے تمام اعضا دنیا میں متعلق ہو جائیں تو اس کی نیت کسی روز اس کو نیک نیت کی طرف ہٹائے گی۔ اور جاہل کا حال اس کے خلاف ہے اور حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ پہلے لوگ نیت کو اسی طرح سیکھا کرتے تھے جیسے تم عمل کو سیکھتے ہو اور بعض علماء کا قول ہے کہ عمل سے پیشتر نیت عمل کی تلاش کرنی چاہیے اور جب تک خیر کی نیت کرو گے جب تک خیر میں رہو گے۔ اور کوئی طالب علماء کے پاس پھرا کرتا تھا اور کہتا تھا کہ کوئی شخص مجھ کو ایسا عمل بتادے کہ اس کے باعث میں ہمیشہ خدائے تعالیٰ کے واسطے عامل ہوں اس لیے کہ یہ مجھ کو اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ مجھ پر کوئی گھڑی رات اور دن میں ایسی گذرے جس میں میں خدا کے واسطے عمل نہ کرتا ہوں اس کو علماء نے کہا کہ تیرا مطلب تجھ کو حاصل ہے جس قدر ہو سکے خیر کیا کر اور جب عمل خیر سے تھکے یا اس کو چھوڑے تو دل سے اس کے کرنے کا قصد کر اس لیے کہ جو عمل خیر کا قصد کرتا ہے وہ ایسا ہی ہوتا ہے کہ گویا خیر کرتا ہے اور بعض اکابر سلف کا قول ہے کہ خدائے تعالیٰ کی نعمت تم پر شمار سے زیادہ ہے اور تمہارے گناہ تمہاری دانست سے پوشیدہ تر ہیں لیکن اگر صبح اور شام کو توبہ کر لیا کرو تو بیچ کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ مژدہ ہے اس آنکھ کو جو سووے اور قصد معصیت نہ کرے

[ل] جب دو مسلمان اپنی تلواریں لے کر بڑھتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں جائیں گے ۱۲ بخاری ومسلم ۱۲ [ح] احمد بروایت حبیب ۱۲

[ح] ابو الولید صفار در کتاب الصلوٰۃ بروایت اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ مرسلاً ۱۲

اور بیگناہی پر جاگے۔ اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ قیامت کو لوگ اپنی نیت کی مقدار پر اٹھائے جائیں گے۔ اور حضرت فضیل بن عیاضؒ جب یہ آیت پڑھتے ولنبلونکم حتی نعلم المجاھدین منکم والصابرین ونبلوا اخبارکم[1] روتے اور اس کو مکرر پڑھتے اور کہتے کہ الٰہی اگر تو ہمارا امتحان کرے گا تو ہم کو فضیحت اور رسوا کرے گا۔ اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ نیتوں ہی کے باعث جنتی جنت میں ہمیشہ رہیں گے اور دوزخی دوزخ میں۔ اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ توریت میں لکھا ہوا ہے کہ جس عمل سے میری رضا مطلوب ہو وہ تھوڑا بھی بہت ہے اور جس سے میرا غیر ارادہ کیا گیا ہو گا وہ بہت بھی تھوڑا ہے۔ اور ہلال بن سعدؒ کہتے ہیں کہ بندۂ مومن کا سا قول کہتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ اس کو اور اس کے قول کو نہیں چھوڑتا جب تک کہ اس کے عمل کو نہ دیکھے پس اگر عمل کرتا ہے تو اس کے ورع کو دیکھتا ہے اور اگر ورع بھی کرتا ہے تو یہ دیکھتا ہے کہ اس کی نیت کیا ہے پس اگر نیت درست ہوئی تو اس کے سب کام درست ہوں گے۔ حاصل یہ کہ اعمال کی بنا نیتیں ہیں۔ عمل اپنے خیر ہونے میں نیت کا محتاج اور نیت خود اپنے آپ خیر ہے گو کسی مانع کی جہت سے عمل نہ ہو سکے۔

۲۔ نیت کی حقیقت

جاننا چاہیئے کہ نیت اور ارادہ اور قصد الفاظ مرادف ہیں جو ایک معنی کے واسطے آتے ہیں اور وہ دل کی ایک صفت ہے کہ علم و عمل کے بیچ میں ہوتی ہے۔ علم تو اس سے پہلے آتا ہے اس وجہ سے کہ اصل اور شرط اس حالت کی علم ہی ہوتا ہے اور عمل اس کے بعد ہوتا ہے بدیں نظر کہ اس حالت کا ثمرہ اور فرع ہے۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ ہر ایک کام یعنی ہر ایک حرکت اور سکون اختیاری تین چیزوں سے پورا ہوتا ہے علم اور ارادہ اور قدرت، اس لیے کہ انسان جس چیز کو نہیں جانتا اس کا ارادہ نہیں کرتا تو عمل کے لیے ارادے کا ہونا ضرور ہوا اور ارادے کے معنی یہ ہیں کہ دل کا برانگیختہ ہونا ایسی چیز کی طرف جو اس کے عندیے میں اس کے مقصود کے موافق ہو خواہ اس وقت ہو یا انجام کو اور چونکہ انسان کی سرشت اسی طرح کی ہے کہ بعض امور اس کے موافق اور اس کی غرض کے مناسب ہوتے ہیں اور بعض مخالف تو ضرور ہوا کہ اس کو احتیاج مناسب و موافق چیز کی اپنی طرف کھینچنے کی اور بری چیز کو اپنے نفس سے علیحدہ کرنے کی پڑی اس لیے اس بات کی حاجت ہوئی کہ مضر اور مفید چیزوں کو جانے اور پہچانے تاکہ مفید کو حاصل کرے اور مضر سے بھاگے۔ مثلاً جو شخص غذا کو نہیں دیکھتا اور نہیں پہچانتا تو ممکن نہیں کہ غذا کھائے۔ اور جو شخص آگ کو نہیں دیکھتا اس سے بھاگ بھی نہیں سکتا اسلیے اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور معرفت کو پیدا کیا اور ان کے اسباب بنائے یعنی حواس ظاہری اور باطنی اور ان سے ہماری غرض نہیں پھر اگر غذا کو دیکھا اور جانا کہ یہ موافق ہے تب بھی کھانے کے لیے یہ امر کافی نہیں جب تک کہ آدمی میں میل و رغبت و خواہش غذا پر برانگیختہ کرنے والی نہ ہو۔ دیکھو مریض غذا دیکھتا بھی ہے اور جانتا ہے کہ یہ موافق ہے مگر رغبت نہ ہونے اور قوتِ محرک کے جاتے رہنے سے اس کو کھاتا نہیں اس کے لیے اللہ تعالیٰ

---

[1] اور البتہ ہم تم کو جانچیں گے تاکہ معلوم کریں جو تم میں لڑائی کرنے والے اور ٹھہرنے والے ہیں اور تحقیق کریں گے تمہاری خبریں ۱۲

نے میل و رغبت و ارادہ پیدا کیا ہے اور مراد ہماری اس سے یہی ہے کہ نفس میں ایک اشتیاق اور دل میں توجہ رکھ دی پھر یہ رغبت اور ارادہ بھی کافی نہیں چنانچہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اپاہج آدمی کھانا دیکھتا بھی اور اس کو تناول کرنا بھی چاہتا ہے مگر اپنے اپاہج ہونے کی جہت سے نہیں کھا سکتا۔ پس اس وقت کے دفع کے لیے قدرت اور اعضائے متحرک پیدا کیے جن سے تناول کامل ہو پس عضو بدون قدرت کے حرکت نہیں کرتا اور قدرت ارادہ کی منتظر رہتی ہے اور ارادہ علم و معرفت خواہ ظن و اعتقاد کا منتظر رہتا ہے۔ یعنی اس بات کا دل میں اعتقاد پختہ ہو جائے کہ وہ شئی ہمارے موافق ہے تو جب معرفت مصمم ہو جاتی ہے کہ فلاں چیز مرضی کے موافق ہے اور اس کا کرنا ضرور ہے اور کوئی دوسرا مانع بھی نہ ہو تو ارادہ اٹھتا ہے اور رغبت ثابت ہوتی ہے اور جب ارادہ اُٹھتا ہے تو قدرت اعضا کی حرکت دینے کو تیار ہو جاتی ہے۔ حاصل یہ کہ قدرت ارادہ کی تابع ہے اور ارادہ حکم اعتقاد کا خادم ہے۔ تو نیت کی تعریف اس صورت میں یہ ہوئی کہ وہ ایک صفت متوسط اعتقاد اور قدرت کے درمیان ہے یعنی ارادہ اور نفس کا ابھرنا رغبت اور میل کے حکم سے ایسی چیز کی طرف جو اس کی غرض کے موافق حال میں یا مآل میں ہو۔ پس اول محرک تو غرض مطلوب ہوتی ہے اور باعث اسی کو کہتے ہیں اور یہی غرض ابھارنے والی نیت کیا ہوا مقصد ہے اور ابھرنا قصد اور نیت ہے۔ اور قدرت کا ہاتھ پاؤں وغیرہ کو ہلانا عمل ہے[ع] مگر از انجا کہ برانگیختہ ہونا قدرت کا عمل کے لیے کبھی ایک ہی باعث سے ہوتا ہے اور کبھی دو باعثوں سے جو ایک ہی فعل میں اکٹھے ہو جاتے ہیں اور ان دو میں بھی کبھی یہ صورت ہوتی ہے کہ ہر واحد قدرت کے برانگیختہ کرنے پر قادر ہوتا ہے اور کبھی قاصر کہ بدون اجتماع دوسرے باعث کے کافی نہیں ہوتا اور کبھی ایک کافی تو ہوتا ہے مگر دوسرا باعث اس کا معاون و مددگار ہو جاتا ہے گو اکیلا خود مستقل نہیں ہوتا تو اسی لیے ان چاروں اقسام کے لیے جدا جدا نام اور مثالیں ہونی چاہئیں۔ پہلی قسم یہ ہے کہ باعث صرف اکیلا ایک ہی ہو۔ مثلاً اگر آدمی پر کوئی درندہ حملہ کرے تو جیسے ہی وہ اس کو دیکھے گا فوراً اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہو گا اس صورت میں اس کا محرک بجز بھاگنے کی غرض کے اور کوئی نہیں اس لیے جب اس نے درندے کو دیکھا اور اس کو اپنے نفس کے لیے مضر جانا اسی وقت اس کا نفس بھاگنے پر راغب ہوا۔ اسی رغبت کے بموجب قدرت بھی کام کرنے لگی۔ ایسی صورت میں یہی کہا جاتا ہے کہ نیت اس شخص کی درندے سے بھاگنے ہی کی ہے۔ کھڑے ہونے سے اور کچھ مطلب نہیں ایسی نیت کو نیت خالص کہتے ہیں اور اس نیت کے مقتضا کے موافق عمل کرنے کو اخلاص کہتے ہیں یعنی اگر بلحاظ غرض باعث کے دیکھا جائے تو اس عمل کو اخلاص کہنا چاہیے جس کے معنی یہ ہیں کہ غیر کی مشارکت اور خلط سے خالص ہے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ عمل کے لیے دو باعث جمع ہوں اور ان میں سے ہر ایک تنہا بھی قدرت کے محرک ہونے کے لیے مستقل ہو۔ اس کی مثال محسوسات میں یہ ہے کہ دو آدمی مل کر ایک بھاری بوجھ اتنے زور سے اُٹھائیں کہ اگر

ع اصل میں ہے کہ قدرت کا ارادہ کرنا ہاتھ پاؤں ہلانے کے لیے اسی کا نام عمل ہے

تنہا بھی اتنا نہ ور نہ ہوتا تو کافی تھا اور ہماری غرض کے بموجب یہ مثال ہے کہ آدمی سے اس کا کوئی فقیر رشتہ دار کچھ حاجت کی درخواست کرے اور وہ اس کو پورا کر دے اور اس کے فقر اور قرابت دونوں کا لحاظ کرے اور اس بات کو جانے کہ اگر یہ فقیر نہ ہوتا تب بھی میں صرف قرابت کے باعث اس کی حاجت پوری کر دیتا یا قرابت نہ ہوتی تو فقیری کی جہت سے حاجت روائی کرتا اور دل میں اس بات کا اپنے نفس سے یقین ہو کہ اگر کوئی رشتہ دار غنی درخواست کرے تو اس کی قضائے حاجت میں رغبت کرے گا یا کوئی فقیر اجنبی سوال کرے تب بھی راغب ہوگا اسی طرح جس شخص کو طبیعت نے حکم ترک غذا کا دیا ہو اور اسی اثنا میں عرفہ کا دن آجائے اور وہ روزہ رکھ لے اور جانے کہ اگر عرفہ نہ ہوتا تو پرہیز کی جہت سے غذا ترک کر دیتا اور پرہیز نہ ہوتا تو ثواب کی خاطر کھانا نہ کھاتا اور اب دونوں جمع ہو گئے اور اس نے عمل کیا اور دوسرا باعث پہلے باعث کا رفیق ہوا تو اس دوسرے باعث کا نام ہم رفیق کہتے ہیں یعنی دونوں باعث ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ اور تیسری قسم یہ ہے کہ اگر دونوں باعثوں میں سے تنہائی کی صورت میں کوئی بھی کافی نہ ہو مگر دونوں مل کر باعث حرکت قدرت کے ہوئے ہوں محسوسات میں اس کی مثال یہ ہے کہ دو کمزور مل کر کسی چیز کو اٹھائیں کہ جدا جدا ان سے نہ اٹھ سکتی ہو۔ اور ہمارے مطلب کی مثال یہ ہے کہ کسی آدمی کا رشتہ دار غنی اس کے پاس آئے اور ایک روپیہ مانگے تو اس کو نہ دے اور اجنبی فقیر اگر مانگے تو اس کو بھی نہ دے لیکن اگر قریب مفلس مانگنے آئے تو اس کو دے دے اس صورت میں اس کے ارادے کا باعث دونوں باعثوں یعنی قرابت اور فقر کے ملنے سے ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص لوگوں کے سامنے ثواب کے لیے اور ثنا کی غرض سے صدقہ دیوے اور ایسی طرح ہو کہ اگر صرف قصد ثواب ہی ہوتا اور سائل تنہائی میں ملتا تو دینے پر آمادہ نہ ہوتا یہ صرف غرض ثنا ہوتی اور مانگنے والا ایسا فاسق ہوتا کہ اس کے دینے میں ثواب نہ ہو تو نہ دیتا اور جب دونوں باتیں جمع ہو گئیں تو مل کر دل کو حرکت دی اس قسم کے باعث کا نام ہم شریک رکھتے ہیں اور چوتھی قسم یہ ہے کہ دونوں باعثوں میں سے ایک تو ایسا ہو کہ اگر تنہا ہو تو کارگر ہو جائے اور دوسرا ایسا نہ ہو۔ مگر جب پہلے کے ساتھ ملتا ہے تو کچھ نہ کچھ مدد اور سہولت کر دیتا ہے۔ اس کی مثال محسوس چیزوں میں یہ ہے کہ کوئی شخص زبردست کچھ بوجھ اٹھاتا ہو اور اس کو کوئی کمزور بھی سہارا دے دے۔ ہر چند قوی آدمی خود اس کو اٹھا سکتا تھا اور ضعیف سے ممکن نہ تھا کہ اٹھا سکے مگر تاہم کچھ آسانی اٹھانے میں ہو جاتی ہے اور ہماری مراد کے موافق یہ مثال ہے کہ مثلاً کوئی شخص کسی وظیفہ یا صدقہ کا عادی ہے اور اتفاق سے وظیفے یا صدقے کے وقت کچھ لوگ آگئے تو ان کے دیکھنے کے باعث اس پر وہ عمل آسان ہو گیا اور اپنے نفس سے اس بات کو جانتا ہے کہ اگر تنہا ہوتا تب بھی اپنے عمل سے سستی نہ کرتا اور اگر اطاعت کا خیال نہ ہوتا تو صرف ریا ایسی نہ تھی جس سے وہ عمل سرزد ہوتا پس اسی طرح کی نیت میں کسی قدر اختلاط ہو جاتا ہے ایسی قسم کے باعث کو معین کہتے ہیں۔ حاصل یہ کہ دوسرا باعث یا رفیق ہوتا ہے یا شریک یا معین اور ان سب کا حکم ہم اخلاص کی فصل میں لکھیں گے یہاں مقصود نیت کے اقسام کے بیان سے ہے اس واسطے کہ عمل تابع نیت کا ہوتا ہے اور اسی سے حکم حاصل

کرتا ہے اس لیے ارشاد ہوا ہے[1] انما الاعمال بالنیات اور ظاہر ہے کہ تابع کا خود کچھ حکم نہیں ہوتا ہے حکم
متبوع ہی کا رکھتا ہے۔

نیت عمل سے بہتر ہے

نیۃ المومن خیر من عملہ[2] یعنی ایماندار کی نیت اس کے عمل سے بہتر
ہے حدیث میں جو وارد ہے تو اس کی کیا وجہ ہے اور اس سے کیا مراد ہے بعض شخصوں کو یہ خیال ہے کہ نیت
کی ترجیح کا باعث یہ ہے کہ نیت ایک پوشیدہ چیز ہے سوائے خدائے تعالیٰ کے اس پر کوئی واقف نہیں ہوتا
اور عمل ظاہر ہے اور پوشیدہ عمل کو فضیلت ہوا کرتی ہے مگر وہ یہاں مراد نہیں اس لیے کہ اس سے لازم آتا ہے
کہ اگر آدمی نیت کرے کہ خدائے تعالیٰ کا ذکر اپنے دل سے کرے یا مسلمانوں کے کام میں فکر کرے تو نیت تفکر
کی خود تفکر سے بہتر ہو اور کبھی یہ گمان ہوتا ہے کہ ترجیح نیت کی یہ وجہ ہے کہ نیت تو انجام عمل تک رہتی ہے
اور اعمال میں دوام نہیں ہوتا اور یہ بھی ضعیف ہے اس لیے کہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ عمل کثیر عمل قلیل کی
نسبت کر بہتر ہو، علاوہ ازیں یہ ضرور نہیں کہ نیت کو دوام ہوا کرے اس لیے کہ نیت اعمال نماز کی کبھی صرف
چند گنتی کے لحظات تک ہوا کرتی ہے اور اعمال دیر تک رہا کرتے ہیں۔ اور عموم حدیث سے یہ پایا جاتا ہے
کہ نیت کو عمل پر ترجیح ہو اور بعض یہ تقریر کرتے ہیں کہ اس کے یہ معنی ہیں کہ اگر نیت صرف ہو تو وہ محض عمل
بدون نیت سے بہتر ہے ہر چند تو یہ ہے کہ عمل بدون نیت سے نیت اچھی ہے مگر یہ مراد نہیں ہو سکتی اسلیے
کہ عمل بدون نیت یا غفلت کے ساتھ میں کچھ بھی خیر نہیں اور نیت اگر عمل سے تنہا ہو تو وہ بالکل خیر ہے اور
ترجیح انہیں اشیاء میں ہونی چاہیئے جو اصل خیر میں مشترک ہوں بلکہ مراد یہ ہے کہ جو طاعت کہ نیت و عمل سے مرکب
ہو اور نیت بھی من جملہ خیرات ہو اور عمل بھی تو ساری طاعت میں سے نیت بہ نسبت عمل کے بہتر ہے یعنی نیت اور
عمل ہر چند دونوں مقصود میں تاثیر رکھتے ہیں مگر نیت کی تاثیر عمل کی نسبت کر بہت ہوتی ہے پس حدیث مذکور کے
معنی یہ ہوتے کہ نیت مومن کی منجملہ اس کی طاعت کے اس عمل سے بہتر ہے جو وہ بھی منجملہ اس کی طاعت کے ہو
اور غرض یہ ہے کہ بندے کو نیت میں بھی اختیار ہے اور عمل میں بھی اس واسطے کہ دونوں عمل ہی ہیں مگر بہتری نیت
ہی کو ہے، یہ تو معنی اس حدیث کے ہوتے اب باقی رہا یہ کہ عمل سے اس کے بہتر اور افضل ہونے کا کیا
سبب ہے تو اس کو وہی سمجھے گا جو دین کے مقصود اور اس کے طریق کو سمجھتا ہو اور جانتا ہو کہ طریق کی تاثیر مقصود
کے پہچاننے میں کس طرح ہوتی ہے اور بعض اثروں کو بعض پر قیاس کرے تاکہ معلوم ہو کہ مقصود کے لحاظ سے فلانے
اثر کو افضلیت ہے۔ مثلاً جو شخص کہے کہ روٹی میوے کی نسبت کر بہتر ہے تو اس کی مراد یہ ہے کہ روٹی بلحاظ مقصود
کے یعنی قوت اور غذا ہونے کے بہتر ہے اور اس بات کو وہی سمجھے گا جو یہ سمجھے گا کہ غذا کسی مطلب خاص کے لیے ہے

---

[1] اعمال نیتوں ہی سے ہیں ۱۲ پیشتر گذری ۱۲ [2] طبرانی بروایت سہل بن سعد بسند ضعیف ۱۲

جس کو صحت اور بقا کہتے ہیں اور غذائیں تاثیرات میں مختلف اسباب رکھتی ہیں اور ان کی تاثیرات کو بھی ایک دوسرے سے مقابلہ کر کے معلوم کر لے کہ اصل مقصود کس میں زیادہ ہے۔ اور طاعات پر جو غور کیا جاتا ہے تو یہ بھی دلوں کی غذائیں ہیں اور ان سے مقصود دلوں کی شفا اور بقا اور آخرت میں سلامت رہنا اور سعادت اخروی سے بہرہ ور ہونا اور خدائے تعالیٰ کے دیدار سے لذت یا بی غرضکہ مقصود لذت سعادت بہ لقاء اللہ ہے فقط اور اس سعادت سے لذت یاب وہی ہو گا جو خدائے تعالیٰ کا عارف اور محب ہو کر مرے اور اس سے محبت وہی کرے گا جو اس کو جانے گا اور اس سے انس اسی کو ہو گا جو زیادہ تر اس کا ذکر کرے پس انس دوام ذکر سے حاصل ہوتا ہے اور معرفت دوام فکر سے اور محبت معرفت کی تابع ہوتی ہے اور قلب دوام ذکر اور فکر کے لیے فارغ نہیں ہوتا مگر اس طرح کہ دنیاوی شغلوں سے فارغ ہو اور اشغال دنیاوی سے فراغت جب ہوتی ہے جب کہ دل سے دنیا کے شہوات علیحدہ ہو جائیں یہاں تک کہ خیر کی طرف مائل اور راغب ہو جائے اور شر سے نفرت اور بغض کرے اور خیر اور طاعات کی طرف میل اس وقت پیدا ہوتا ہے کہ جان لیوے کہ سعادت اخروی انہیں چیزوں سے وابستہ ہے۔ جیسے کہ عاقل فصد اور پچھنے کی طرف جب مائل ہوتا ہے کہ جان لیتا ہے کہ میری سلامتی اسی میں ہے اور جب اصل میل معرفت سے حاصل ہو جاتا ہے تو وہ عمل سے قوی ہو جاتا ہے یعنی اگر مقتضائے میل کے موجب عمل پر مواظبت کی جاتی ہے تو عمل کو تقویت ہو جاتی ہے اس لیے کہ مواظبت ایسے اعمال پر کرنی قائم مقام غذا اور قوت کے صفات قلبی کے لیے ہوا کرتی ہے جس سے صفت قلبی زور پکڑ جاتی ہے اور خوب جم جاتی ہے۔ مثلاً جو شخص طلب علم یا ریاست کی طرف مائل ہو تو شروع میں اس کا میل ضعیف ہوتا ہے مگر جب مقتضائے میل کے بموجب علم میں مشغول ہوتا ہے خواہ حصول ریاست کے لیے تدابیر شایاں عمل میں لاتا ہے تو وہ میل راسخ ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اس سے علیحدہ ہونا اس کو مشکل پڑ جاتا ہے اور اگر میل کے خلاف کرتا ہے تو اس کو ضعف ہوتا جاتا ہے اور اکثر جاتا ہی رہتا ہے یا جو شخص کہ کسی خوبصورت کو دیکھتا ہے تو اس کو رغبت کچھ ضعیف ہوتی ہے پھر اگر اس کے مقتضا کے بموجب ہمیشہ پاس بیٹھنا اور دیکھنا اور ہم کلام ہونا اور ملنا اختیار کرے تو وہی رغبت اتنی قوی ہو جائے گی کہ انجام کو کام اپنے اختیار سے نکل جائے گا اور علیحدہ نہیں ہو سکے گا۔ لیکن ابتدا ہی میں اگر نفس کو علیحدہ رکھے گا اور مقتضائے میل کے بموجب عمل نہ کرے گا تو یہ ایسا ہو گا کہ گویا میل کی غذا موقوف کر دی تو بجز اس کے کہ وہ میل ضعیف اور شکستہ ہو کر نیست و نابود ہو جائے اور کیا ہو گا۔ اسی طرح سب صفات کا حال ہے اور خیرات اور طاعات سب کے سب اس لیے ہیں کہ ان سے آخرت مطلوب ہوتی ہے اور شرور سب کے سب سے دنیا مراد ہوتی ہے اور نفس کا میل خیرات اخروی کی طرف اور اس کا پھرنا دنیوی خیرات سے بھی دل کو ذکر اور فکر کے لیے فارغ کر دیتا ہے اور یہ پختہ جب ہوتا ہے جب کہ اعمال طاعات پر مواظبت ہو اور جوارح سے معاصی کا ترک لازم کر لیا جائے اس لیے کہ اعضائے ظاہری اور دل میں ایک علاقہ ہے جس سے کہ ایک کا اثر دوسرے پر پہنچتا ہے مثلاً اگر کسی عضو میں زخم لگتا ہے تو اس سے دل میں درد ہوتا ہے اور دل جب کسی عزیز کے مرنے سے رنجیدہ ہوتا ہے یا کسی امر خوفناک سے غمگین ہوتا ہے تو اعضا پر اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے کہ کہیں بدن کانپتا ہے

کہیں رنگ بدل جاتا ہے۔ فرق اتنا ہے کہ دل اصل ہے گویا کہ امیر یا حاکم ہے اور اعضا مثل خادم اور رعیت کے ہیں انہیں کی خدمت کی جہت سے دل کے صفات پختہ ہو جاتے ہیں غرضکہ دل مقصود ہے اور اعضا آلات ہیں جن سے مقصود تک رسائی ہے اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ[ح۱] ان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح لہا سائر الجسد اور فرمایا[ح۲] اللھم اصلح الراعی والرعیۃ راعی سے مراد آپ کا قلب ہے اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے[ح۳] لن ینال اللہ لحومہا ولا دماؤہا ولکن ینالہ التقوی منکم اور تقویٰ قلب کی صفت ہے اسی وجہ سے بالضرور واجب ہے کہ قلب کے اعمال مطلقاً حرکاتِ اعضا کی نسبت کر افضل ہوں۔ پھر یہ ضرور ہے کہ ان سب میں سے نیت افضل ہو اس واسطے کہ نیت دل کے میل کرنے کو خیر کی طرف اور ارادہ خیر کو کہتے ہیں اور اعمال جوارح سے ہماری غرض یہ ہے کہ جن سے دل ارادہ خیر کا عادی ہو اور میل خیر اس میں پختہ ہو جائے تاکہ شہوات دنیا سے فارغ ہو کر ذکر اور فکر پر جھک پڑے تو ظاہر ہے کہ اعمال میں بہتری اسی غرض کے لحاظ سے ہو گی۔ اور نیت میں چونکہ نفس مقصود حاصل ہے لہٰذا بلحاظ مقصود اسی کو افضلیت ہونی چاہیئے۔ جیسے معدے میں اگر درد ہو تو ایک علاج تو یہ کرتے ہیں کہ اوپر سے لیپ کر دیں اور ایک یہ کہ ایسی دوا پلا دیں جو معدے میں پہنچے پس دوا کا پینا بہ نسبت لیپ کے بہتر ہو گا اس لیے کہ اس سے بھی مقصود یہی ہے کہ اثر معدے میں پہنچے تو جو چیز خود معدے ہی سے مل رہے وہ بہتر اور نافع تر ہو گی۔ اسی طرح سب طاعات کی تاثیر کو سمجھنا چاہیئے اس لیے کہ ان سے مطلوب دلوں کے تغیر اور ان کے صفات کی تبدیلی ہے نہ کچھ اعضاء کی خوبی۔ مثلاً سجدہ کرنے سے یہ غرض نہیں کہ پیشانی کا رکھنا زمین پر ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ عادت تواضع کی جو صفت قلبی ہے مضبوط ہو جاتے۔ یعنی جو شخص اپنے نفس میں تواضع پاتا ہے تو جب اپنے اعضا سے اس پر مدد چاہے گا اور ان کی شکل تواضع کی بنائے گا تو اس کی تواضع پختہ ہو جائے گی اور جو شخص اپنے دل میں یتیم پر ترس پاتا ہے جب اس کے سر پر ہاتھ پھیرے گا اور پیار کرے گا تو وہ صفت دل میں پختہ ہو جائے گی اور ایسی صورتوں میں عمل بدون نیت ہرگز مفید نہیں۔ مثلاً کوئی یتیم کے سر پر تو ہاتھ پھیرے مگر دل میں غافل ہو یا یہ گمان کرے کہ میں کپڑے پر ہاتھ پھیر رہا ہوں تو ایسے عمل سے اعضاء کی تاثیر دل میں کچھ بھی نہ ہو گی۔ اسی طرح جو شخص براہ غفلت سجدہ کرے اور اس کا دل دنیا کی فکروں میں مشغول و مستغرق ہو تو اس کے زمین پر پیشانی رکھنے سے دل پر کچھ تاثیر نہیں ہو گی جس سے کہ تواضع پختہ ہو اس طرح کے سجدے کا وجود اور عدم برابر ہے اور جس چیز کا وجود اور عدم بلحاظ غرض مطلوب کے برابر ہو اس کو

ح۱ بیشک جسم میں ایک پارہ گوشت ہے کہ اگر وہ درست ہوتا ہے تو تمام بدن اس کے سبب سے درست ہو جاتا ہے۔ بخاری و مسلم بروایت نعمان بن بشیرؓ ۱۲ ح۲ الٰہی درست کر دے حاکم اور رعیت کو ۱۲ پیشتر گذری اور اس کی سند مجھے نہیں ملی ۱۲ ح۳ نہیں پہنچتا اللہ کو ان کا گوشت اور نہ لہو لیکن پہنچتا ہے ادب تم سے ۱۲

باطل بیکار کہا کرتے ہیں اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ عبادت بدون نیت کے باطل ہے اور اس صورت میں ہے کہ سجدہ غفلت سے کیا ہو۔ پس جب کہ اس سے قصد ریا یا کسی شخص کی تعظیم کا کیا ہو تو اس کا وجود وعدم ہی برابر نہ ہوں گے بلکہ ایک خرابی بھی بڑھ جائے گی یعنی جس صفت کی تائید مطلوب تھی وہ تو نہ ہوئی بلکہ جس صفت کا استیصال منظور تھا اس کی تائید ہوئی اور وہ صفت ریا کی ہے جو دنیا کی طرف میل کرنے میں داخل ہے۔ یہ وجہ ہے نیت کے بہتر ہونے کی عمل سے اور اسی سے معنی ایک حدیث کے بھی سمجھ میں آتے ہیں۔ من ھم بحسنۃ فلم یعملھا کتبت لہ حسنۃ[1] اس لیے کہ دل کا قصد کرنا اس کا خیر کی طرف مائل ہونا اور ہوائے نفسانی اور محبت دنیا سے منحرف ہونا ہے جو پرلے سرے کی خوبی ہے اور عمل کے پورا کرنے سے اس خوبی کی تاکید ہو جاتی ہے۔ مثلاً قربانی کے ذبح سے مقصود گوشت اور خون نہیں بلکہ یہ مراد ہے کہ دل محبت دنیا سے پھر جائے اور خدائے تعالیٰ کی رضا کو اپنے مطالب سے مقدم جان کر اس کو خدائے تعالیٰ کی راہ میں دے ڈالے اور یہ بات نیت اور ہمت کے مصمم کرتے ہی حاصل ہو جاتی ہے گو کسی مانع کی جہت سے نوبت عمل کی نہ پہنچے۔ چنانچہ قرآن مجید خود شاہد ہے لن ینال اللہ لحومھا ولا دماؤھا ولکن ینالہ التقوی منکم[2]۔ اور تقوی کا مقام احادیث کی رو سے دل ہے اور اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ کچھ لوگ مدینے میں ہیں اور جہاد میں ہمارے شریک ہیں اس واسطے کہ ان کے دل نیت بخیر ہونے اور خدائے تعالیٰ کا کلمہ بلند کرنے اور مال وجان کے خرچ کرنے اور شہادت کی رغبت کرنے میں ایسے ہی تھے جیسے ان لوگوں کے تھے جو جہاد کو نکلے تھے صرف بدن علیحدہ تھے کسی خاص مانع کی جہت سے شرکت بدنی نہ ہو سکی تھی اور ان معنوں سے سب احادیث جو ہم نے نیت کی فضیلت میں وارد کی ہیں سمجھ میں آجائے گی تو ان کو انہیں معنوں پر مطابق کر کے دیکھ لینا چاہیئے تاکہ اسرار منکشف ہو جائیں۔

نیت سے متعلقہ اعمال کی تفصیل

واضح ہو کہ اعمال اگرچہ بہت سے اقسام میں منقسم ہو سکتے ہیں، یعنی کہہ سکتے کہ وہ فعل ہیں یا قول اور حرکت ہیں یا سکون اور حصول فائدہ کے لیے ہیں یا دفع ضرر کے لیے اور فکر کے لیے ہیں یا ذکر کے لیے۔ اسی طرح بہت سے ہوتے ہیں کہ ان کا شمار بھی نہیں ہو سکتا مگر تاہم ان کی تین قسمیں ہیں، اول معاصی دوم طاعات سوم مباحات، ان تینوں قسموں میں نیت کے باعث جو تغیر ہوتا ہے وہ مفصل لکھا جاتا ہے قسم اول یعنی معاصی کا حال تو یہ ہے کہ نیت کے باعث اس میں کچھ تغیر نہیں ہوتا۔ پس اگر کوئی جاہل حدیث

---

[1] جو شخص قصد کرے نیکی کا اور نہ کیا اس کو اس کے لیے ایک نیکی لکھی جائے گی ۱۲
[2] اوپر گذری ت ۲ اللہ کو نہیں پہنچتے ان کے گوشت اور نہ لہو لیکن ان کو پہنچتا ہے تمہارے دل کا ادب ۱۲

انما الاعمال بالنیات سے یہ سمجھے کہ معصیت بسبب نیت کے طاعت ہو جاتی ہے تو یہ محض غلطی ہے
مثلاً ایک شخص کے خاطر کے باعث کوئی شخص دوسرے کی غیبت کرے یا فقیر کو کسی دوسرے کا مال
کھلاتے یا مال حرام سے مدرسہ یا مسجد یا سرائے بناتے اور نیت خیر کرے تو سب جہالت کی باتیں ہیں۔
نیت کے باعث ان امور کا ظلم اور معصیت ہونا جاتا نہ رہے گا بلکہ مقتضائے شرع کے خلاف ان سے
خیر کی نیت کرنی دوسری بُرائی ہے پس اگر دانستہ ایسا کرے گا تو دشمن شرع ہوگا اور اگر نادانستگی میں
کرے گا تو جہالت کے باعث گناہ گار ہوگا کیونکہ علم کی طلب ہر مسلمان پر فرض ہے اور خیرات کا خیر ہونا
شرع ہی سے معلوم ہوتا ہے جو چیز شر ہے وہ خیر کیسے ہو سکتی ہے بلکہ اصل یہ ہے کہ شہوتِ خفی اور ہوائے
باطنی اس امر کو دل میں ڈال دیتے ہیں اس لیے کہ جب دل طلب جاہ اور لوگوں کے دل اپنی طرف کرنے کا
اور حظوظ نفسانی کا مائل ہوتا ہے تو جاہل آدمی پر شیطان کو خوب دغا کا بہانہ مل جاتا ہے۔ اور اسی وجہ سے
حضرت سہلؒ فرماتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کی نافرمانی کسی معصیت سے اتنی بڑھ کر نہیں جتنی جہل کی معصیت سے
لوگوں نے پوچھا کہ حضرت جہل سے بڑھ کر بھی کوئی چیز آپ کو معلوم ہے انہوں نے فرمایا کہ ہاں اپنی جہالت
سے جاہل ہونا زیادہ سخت ہے اور واقع میں آپ کا قول درست ہے اس لیے کہ جہل مرکب بالکل راہ تعلیم
کی بند کر دیتا ہے۔ مثلاً جو شخص جانتا ہے کہ مجھے علم ہے وہ کیوں سیکھے گا کسی نے سچ کہا ہے شعر

آنکس کہ نداند و بداند کہ بداند　　در جہل مرکب ابدالدہر بماند

اسی طرح علم سے خدائے تعالیٰ کی اطاعت کرنی سب اطاعتوں سے افضل ہے اور علم کا علم سب
علموں کی جڑ ہے۔ جیسے کہ جہل کا جہل سب جہالتوں کی اصل ہے تو جس شخص کو علم نافع اور مضر کا حال معلوم
نہ ہو وہ انہیں علوم میں مشغول ہوگا جن پر لوگ جھکے ہوئے ہیں اور وہ علوم واہیات ہیں جو ان کے لیے دنیا
کے وسیلے ہیں اور ایسے ہی علوم میں مصروف ہونا مادۂ جہالت اور معدن فساد عالم ہے۔ حاصل یہ کہ جو شخص
جہالت کے باعث معصیت سے قصد خیر کرے تو اس کا عذر جہالت نہیں سنا جائے گا۔ البتہ ایک صورت
میں معذور ہوگا کہ اس کو مسلمان ہوئے تھوڑے دن ہوتے ہوں اور مہلت سیکھنے کی نہ ملی ہو ورنہ ظاہر ہے
کہ خدائے تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے[ت۱] فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون اور آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم فرماتے ہیں[ح۱] لا یعذر الجاهل على الجهل ولا يحل للجاهل ان يمكث على جهله ولا
للعالم ان يسكت على علمه اور مساجد اور مدرسے مال حرام سے بنوا کر جو بادشاہوں کا تقرب حاصل

ت۱ سو پوچھو یاد رکھنے والوں سے اگر تم کو معلوم نہیں ۱۲۔ ح۱ جاہل اپنے جہل پر معذور نہیں کیا جائے گا اور جاہل کو جائز نہیں
کہ اپنے جہل پر ٹھہرا رہے اور نہ عالم کو درست ہے کہ اپنے علم پر سکوت کرے ۱۲ طبرانی در اوسط و ابو نعیم بروایت جابر بسند ضعیف
اور باب العلم میں گذر چکی ۱۲

کرتے ہیں اسی کے قریب یہ بھی کہ جو لوگ بے وقوف اور شریر ہوں اور فسق و فجور میں مشغول اور اسی بات پر آمادہ ہوں کہ علماء سے جھگڑیں اور فقہاء کو بہکائیں اور لوگوں کی دلداری اور مال دنیاوی اور متاع بادشاہوں اور یتیموں اور مساکینوں پر دانت رکھتے ہوں ان کو علم پڑھایا جائے اس لیے کہ ایسے بدذات جب علم سیکھتے ہیں تو خدائے تعالیٰ کی راہ کے راہزن ہوتے ہیں اور ہر ایک اپنے شہر میں دجال کا نائب بن کر دنیا پر جھگڑتا ہے اور ہوائے نفسانی کا اتباع کرتا ہے اور تقویٰ سے دور رہتا ہے لوگوں کو اس کے دیکھنے سے خدائے تعالیٰ کی نافرمانیوں کی جرأت ہوتی ہے پھر یہی عمل علم اس شخص سے دوسرے کسی اسی جیسے کو مل جاتا ہے وہ بھی اول استاد کے قدم بر قدم چلتا ہے۔ اسی طرح یہ علم مسلسل ہوتا چلا جاتا ہے اور سب اس طرح کے عالم اس علم کو وسیلۂ شر کرتے ہیں اور ان سب کا وبال اسی معلم اول پر رہتا ہے جس نے باوجود نیت فاسد شاگرد کے اس علم کو پڑھایا اور آنکھوں سے اس کے اقسام معصیت اقوال اور افعال اور کھانے پہننے مسکن وغیرہ میں دیکھ لیے اور اس کی تعلیم موقوف نہ کی اس طرح کا عالم جب مرجاتا ہے تو اس کے آثار شر جہان میں ہزار دو ہزار برس تک پھیلتے رہتے ہیں۔ اور اچھا وہی ہے جو مرے اور اس کے ساتھ اس کے . . . . گناہوں کا بھی خاتمہ ہو جائے پھر تعجب یہ ہے کہ ایسے عالم جہالت سے یہ کہتے ہیں کہ انما الاعمال بالنیات میں نے تو علم دین کے پھیلانے کی نیت کی ہے اگر سیکھنے والا اس کو فساد میں استعمال کرے گا تو قصور اس کا ہے نہ میرا میری نیت تو یہی تھی کہ وہ اس سے امور خیر پر مدد لے اس کے قول کا منشا ریاست کی محبت اور مخدوم بننا اور زیادتی علم کا تکبر ہے اور شیطان بواسطہ ریاست کی محبت کے اس پر یہ امور مشتبہ کر دیتا ہے مگر ہم کو نہیں معلوم کہ وہ شخص اس بات کا جواب کیا دے گا کہ ایک شخص نے راہزن کو تلوار ہبہ کر دی اور اس کو گھوڑا اور دوسرے لوازم تیار کر دیئے جن سے وہ اپنے مقصود پر مدد لے اور پھر یہ کہتا ہے کہ میں نے نیت سخاوت اور دینے کی کر لی ہے جو اللہ تعالیٰ کے عمدہ اخلاق میں سے ہے اور میری یہ نیت ہے کہ وہ شخص اس تلوار و سامان سے خدا کی راہ میں لڑے اور غازی کو یہ سامان دینا ظاہر ہے کہ بڑے ثواب کی بات ہے۔ اب اگر وہ خود اس کو رہزنی میں صرف کرے تو میں کیا کروں وہ خود گناہ گار ہوگا۔ حالانکہ سب فقہا کا اتفاق ہے کہ راہزن کو اسباب رہزنی سے مدد پہنچانی حرام ہے باوجودیکہ سخاوت سب اخلاق میں سے محبوب ہے اور اس کی شان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے[ح] کہ حق تعالیٰ کے تین سو اخلاق ہیں جو کوئی ان میں سے ایک سے بھی اس کی طرف تقرب کرتا ہے وہ جنت میں داخل ہوتا ہے اور ان سب میں محبوب خدا کو سخاوت ہے پس کیا وجہ کہ اس سخاوت کو حرام کر دیا اور راہزن کے قرینۂ حال کو دیکھنا واجب فرمادیا پس جب کہ اس کی عادت ظاہر ہو گئی کہ وہ ہتھیار سے شر کے اوپر راہ لیتا ہے تو اس سے ہتھیاروں کو چھین لینا چاہیئے نہ یہ کہ اور اپنے پاس سے اس کو دیئے جائیں اور علم بھی وہ ہتھیار ہے کہ اس سے شیطان اور

ح یہ حدیث باب محبت و شوق میں گذری اس میں اخیر جملہ یعنی ان سب میں محبوب تر خدا کو سخاوت ہے ۱۲

دشمنانِ خدا مارے جاتے ہیں اور بعض اوقات اس سے دشمنانِ خدا کو مدد پہنچتی ہے جیسے ہوائے انسانی۔ تو جو شخص ہمیشہ دنیا کو دین پر ترجیح دیتا ہے اور اپنی خواہش کو آخرت پر مگر حصول خواہش سے بسبب کم علمی کے عاجز ہو تو ایسے شخص کو علم سے مدد دینی کیسے جائز ہے کہ وہ اس علم کی بدولت اپنے شہوات کے حاصل کرنے پر قادر ہو جائے۔ بزرگانِ سلف کا دستور تھا کہ جو شخص ان کے پاس آمد و رفت رکھتا تھا اس کے احوال کے تجسس میں رہتے تھے اگر اس سے ایک نفل میں بھی قصور دیکھتے تو اس کو برا جانتے اور خاطر داری اور تعظیم چھوڑ دیتے اور اگر بدکاری یا حرام چیز کو حلال سمجھنا دیکھ لیتے تو اس کو اپنی مجلس سے نکال دیتے اور بولنا چھوڑ دیتے کوئی بات سکھانے کے تو کیا معنی اس واسطے کہ ان کو معلوم تھا کہ جو کوئی شخص مسئلہ سیکھتا ہے اور اس کے بموجب عمل نہیں کرتا اس کو غیر جگہ میں استعمال کرتا ہے تو وہ اور کچھ نہیں سیکھتا صرف شر کا وسیلہ ڈھونڈتا ہے اور تمام اکابر سلف نے عالم بدکار سے پناہ مانگی جاہل بدکار سے نہیں مانگی حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا حال لکھا ہے کہ ایک شخص آپ کی خدمت میں برسوں سے آمد و رفت استفادہ کے طور پر رکھتا تھا اتفاقاً آپ نے اس سے منہ پھیر لیا اور گفتگو موقوف کی، نظرِ عنایت سے گرا دیا اس شخص نے ہر چند تغیر مزاج کا باعث پوچھا مگر آپ نہ تبلاتے تھے آخر بہت اصرار کے بعد فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ تو نے اپنے گھر کی دیوار کو سڑک کی جانب سے گارا لگایا ہے اور قدِ آدم مٹی لی ہے اور وہ مسلمانوں کی راہ کی ناک ہے اس لیے اب تجھ میں لیاقت نہیں ہے کہ علم کی نقل کرے۔ پس سلف کے لوگوں کا حال نگرانی طلبہ کا اس طرح تھا اور اس جیسی باتیں غنی لوگوں اور شیطان کے تابع داروں پر مخفی رہتی ہیں گو ان کے پاس چادریں اور چوڑی چوڑی آستینیں ہوں اور وہ خود زبان دراز اور خوش تقریر ہوں اور علم بھی بہت سا رکھتے ہوں یعنی وہ علم جس میں دنیا سے ڈرانے اور روکنے کا بیان اور آخرت کی ترغیب اور طلبی نہ ہو بلکہ وہ علم ہو جو خلق میں مروج ہے اور اس کے باعث مال حرام جمع کرتے اور لوگوں کی پیروی چاہتے ہیں اور ہمسروں پر بڑھ بڑھ کر بیٹھتے ہیں۔ اس تقریرِ گذشتہ سے ثابت ہوا کہ حدیث الاعمال بالنیات خاص دو قسم کے اعمال کے لیے ہے یعنی طاعات اور مباحات کے لیے اور معاصی کے لیے نہیں ہے اس لیے کہ طاعات تو نیت کے سبب سے معصیت بھی ہو جاتی ہیں اور نیت ہی سے طاعت بھی رہتی ہے اور مباح کا بھی یہی حال ہے کہ نیت ہی سے معصیت اور طاعات دونوں ہو سکتی ہیں مگر معصیت کسی طرح طاعت نہیں ہو سکتی بلکہ نیت سے اس میں برعکس تاثیر ہے کہ جب معصیت میں خبیث نیتیں مل جاتی ہے تو اس کا وبال اور گناہ اور زیادہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس کا بیان باب التوبہ میں گذرا۔ دوسری قسم اعمال کی طاعات ہیں وہ دو باتوں میں نیت سے متعلق ہیں اول تو اصل صحت میں دوم ثواب کی زیادتی میں۔ اصل تو اس طرح کہ عمل سے عبادت خدا کی نیت کرے اور کچھ نہ ہو۔ یعنی اگر ریا کی نیت کرے گا تو وہ عبادت معصیت ہو جائے گی۔ اور ثواب کا زیادہ ہونا اس طرح کہ بہت سی نیک نیتیں ایک عمل میں کرے تو جب ایک طاعت میں نیت چند خیرات کی کرے گا تو ہر ایک نیت پر ایک ثواب جداگانہ ملے گا۔ کیونکہ ہر نیت ایک حسنہ ہے اور ایک حسنہ پیچھے بموجب حدیث شریف کے

دس گنا ثواب مل سکتا ہے مثلاً کوئی شخص مسجد میں بیٹھے اور اس بیٹھنے میں بہت سی نیتیں کرے ہر چند یہ ایک طاعت ہے مگر بہت سی نیتوں سے اتنی ہو سکتی ہے کہ اعمال متقین کی سی فضیلت اس میں آجائے اور مقربین کے درجے کو اس کے باعث پہنچ جائے پہلی نیت یہ ہے کہ یوں جانے کہ مسجد خدا کا گھر ہے اور جو اس میں آتا ہے اس کو خدا کی زیارت ہوتی ہے تو مسجد میں بیٹھنے سے زیارت اپنے پروردگار کی نیت کرلے تاکہ وہ ثواب جس کا وعدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں فرمایا ہے حاصل ہو چنانچہ آپ فرماتے ہیں من قعد فی المسجد فقد زار اللہ تعالیٰ وحق علی المزور اکرام زائرہ[ح۱] دوسرے یہ کہ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کی نیت کرے تاکہ جب تک انتظار میں رہے نماز ہی کا ثواب ملے اور یہی مراد کلمہ ورابطوا سے جو قرآن مجید میں وارد ہے تیسرے کان اور آنکھ کا روکنا اور اعضا کو حرکات اور ترددات سے محفوظ رکھ کر راہب بننا اس لیے کہ اعتکاف روزہ کے مثل باز رہنے کا نام ہے اور وہ ایک قسم کی رہبانیت ہے اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں رھبانیۃ امتی القعود فی المساجد[ح۳] چوتھے ہمت کا مختصر کرنا خدائے تعالیٰ پر اور فکر آخرت کے بھید کا پیچھا لینا اور جو اشغال اس سے روکنے والے ہیں ان کو دفع کرنا پانچویں ذکر الٰہی کے لیے تنہا ہو جانا یا صرف اس کا ذکر سننے کے لیے یا اس کی یاد کے لیے ہو رہنا جیسے کہ حدیث شریف میں وارد ہے[ح۴] من غدا الی المسجد لیذکر اللہ تعالیٰ او یذکر بہ کان کالمجاھد فی سبیل اللہ چھٹے امر بالمعروف اور نہی منکر کا کرنا اس لیے کہ مسجد میں ایسے لوگ بھی معلوم ہوا کرتے ہیں جو نماز اچھی طرح نہ پڑھیں یا ایسے حرکات کے مرتکب ہوں جو ان کو جائز نہ ہوں تو مسجد میں بیٹھنے والا ان کو اچھی بات سکھا دے اور دین کی راہ بتاتے تاکہ جو امر خیر وہ اس سے سیکھیں اس میں یہ بھی شریک ہو اور خیرات اس کی زیادہ ہو جائیں۔ ساتویں یہ کہ کسی برادر دینی سے کچھ استفادہ کی نیت ہو کہ مسجد میں اکثر دیندار خدائے تعالیٰ کے محب اور اللہ تعالیٰ کے باب میں دوستی کرنے والے موجود رہا کرتے ہیں ان سے استفادہ ہو تو ذخیرۂ آخرت اور غنیمت ہے۔ آٹھویں یہ کہ گناہوں کو خدائے تعالیٰ کی شرم سے چھوڑ دے اور اس بات سے محترز رہے کہ خدائے تعالیٰ کے گھر میں وہ بات نہ کرے جو مقتضی ہتک حرمت ہو اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے

ح۱ جو شخص مسجد میں بیٹھا اس نے زیارت کی اللہ کی اور جس کی زیارت کی جائے اس پر ضرور ہے کہ زیارت کرنے والے کا اکرام کرے ۱۲
ح۲ جلد اول باب الصلوٰۃ میں گذری ح۳ میری امت کی رہبانیت مسجدوں میں بیٹھنا ہے اس کی سند مجھے نہیں ملی ۱۲ ح۴ جو شخص مسجد میں جائے تاکہ خدائے تعالیٰ کا ذکر کرے یا اس کے ذکر کی نصیحت کرے تو وہ شخص ایسا ہوگا جیسا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والا ۱۲ یہ قول کعب احبار کا ہے لیکن صحیحین میں بروایت ابوہریرہؓ مروی ہے کہ جو شخص صبح کو مسجد میں جائے یا شام کو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں مہمانی تیار کرتا ہے اور طبرانی نے بروایت ابوامامہ قریب مضمون کتاب کے کبیر میں نقل کیا ہے ۱۲ ع۵ اصل میں ہے کہ سامعاً او استفید اخافی اللہ الخ یعنی مسجد میں اللہ تعالیٰ کے اولیاء اور محبین میں سے کسی سے اس کا بھائی چارہ ہو جاتے ۱۲

ہیں کہ جو شخص کثرت سے آمد و رفت مسجد کی رکھتا ہے اللہ تعالےٰ اس کو سات باتوں میں سے ایک عنایت فرماتا ہے یا کوئی بھائی ملتا ہے جس سے خدائے تعالیٰ کے باب میں استفادہ ہو یا رحمت نازل ہوتی ہے یا علم عجیب یا ایک کلمہ جو راہ راست بتائے یا کسی بات سے چھڑائے یا گناہوں کا چھوڑنا خدائے تعالےٰ کے خوف سے یا اس کی شرم سے۔ پس بہت سی نیتیں کرنے کا یہ طور ہے اسی پر سب طاعات اور مباحات کو قیاس کر لینا چاہیئے اس واسطے کہ کوئی طاعت ایسی نہیں جو محتمل بہت سی نیات کی نہ ہو بندۂ مومن کے دل میں ان میں سے اسی قدر آتی ہیں جس قدر کہ وہ طلب خیر میں جد و جہد اور فکر کرتا ہے اسی سے اعمال ستھرے ہوتے ہیں۔ اور حسنات زیادہ ہوتے ہیں تیسری قسم مباحات ہیں ان میں بھی ایک یا کئی نیتیں اس قسم کی ہو سکتی ہیں جن سے کہ مباحات عمدہ قربات میں سے ہو جائیں اور ان سے بلند مدارج حاصل ہوں۔ بڑا نقصان اس کو ہے جو ان سے غافل ہو اور جانوروں کی طرح سہو اور غفلت سے ان کو بجا لائے اور یہ نہ کہ آدمی کسی خطرہ یا قدم و لحظ کو حقیر سمجھے اس لیے کہ قیامت کو ان سب کی پوچھ ہو گی کہ کیوں کیا تھا اور اس سے کیا نیت تھی یہ صورت اس مباح میں ہے جس میں کراہت کا خلط نہ ہو اور اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ[1] حلالھا حساب وحرامھا عقاب اور حضرت معاذ بن جبلؓ کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[2] ان العبد لیسال یوم القیامۃ عن کل شیئ حتی عن کحل عینہ وعن فتات الطینۃ باصبعہ وعن لمس ثوب اخیہ اور دوسری حدیث میں ہے کہ جو شخص خدا کے واسطے خوشبو لگائے وہ قیامت کو ایسی طرح آئے گا کہ اسکی خوشبو مشک سے بھی عمدہ ہو گی اور جو غیر اللہ کے واسطے خوشبو لگائے وہ قیامت کو ایسی طرح آئے گا کہ اس کی بدبو مردار کی بدبو سے بھی زیادہ ہو گی۔ یہاں دیکھو کہ خوشبو لگانا مباح ہے مگر نیت کا ہونا اس میں ضرور ہے۔ اب اگر پوچھو کہ خوشبو لگانی نفس کے حظوظ میں سے ہے وہ خدا کے واسطے کیسے ہو سکتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو شخص جمعہ کو یا اور اوقات میں خوشبو لگائے تو ہو سکتا ہے کہ اس کا مقصود صرف دنیاوی لذات سے راحت پانے کا ہو یا اظہار اپنے فخر کا اور مال کی کثرت کا ہو تاکہ ہمسر حسد کریں یا خلق کو دکھلانا منظور ہو تاکہ ان کے دلوں میں اس کی جگہ ہو اور اس کا ذکر جب کریں تو کہیں کہ خوشبو پسند آدمی ہے خوشبو سے ذوق ہے یا یہ منظور ہو کہ اجنبی عورتوں کے دلوں میں محبوب ہو جائے بشرطیکہ ان کو دیکھا کرتا ہو اور بہت سے امور اسی طرح کے ہو سکتے ہیں اور ان سب سے خوشبو لگانی معصیت ہو جاتی ہے اسی وجہ سے اسکی بدبو مردار سے بڑھ کر قیامت میں ہو گی مگر

ح[1] اس کے حلال میں حساب ہے اور حرام میں عذاب ۱۲ جلد سوم و دوم میں گذری ۱۲ ح[2] بندہ قیامت کے روز ہر چیز سے پوچھا جائے گا یہاں تک کہ اپنی آنکھوں کے سرمے اور انگلی سے مٹی کریدنے اور اپنے بھائی کے کپڑا چھونے سے بھی سوال کیا جائے گا ۱۲ اس کی سند مجھے نہیں ح[3] اوپر گذر چکی ۱۲ جمعہ کے روز اچھے کپڑے پہننے اور خوشبو لگانی، ابو داؤد حاکم نے بروایت ابو ہریرہؓ و ابو سعید نقل کیا ہے ۱۲

صرف پہلا قصد یعنی لذات دنیاوی سے راحت پانی البتہ معصیت نہیں سوال اس سے بھی ہوگا اور جس سے حساب کا جھگڑا ہوگا اس کو عذاب ہوگا اور جو شخص کہ کوئی چیز دنیا کے مباحات میں سے کرے گا تو قیامت کو اس پر عذاب تو نہ ہوگا مگر اسی قدر راحتِ آخرت کم کردی جائے گی اور اگر تامل کرو تو بڑے نقصان کی بات ہے کہ یہاں کے ایک امر فانی کے عوض میں وہ راحت جاودانی کم ہو جائے اور اچھی نیتیں خوشبو میں یہ ہیں کہ مثلاً اس سے اتباع سنت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جمعہ کے روز نیت کرے اور خانہ خدا کی تعظیم کی نیت کرے کہ خدائے تعالیٰ کی زیارت کو مسجد میں بے خوشبو نہ جانا چاہیئے پاس والوں کو راحت پہنچانے کی نیت کرے یا خود اپنے نفس سے بدبو دور کرنے کی نیت کرے کہ جو میرے پاس بیٹھے اس کو ایذا میری بدبو کی نہ ہو یا یہ نیت کرے کہ بدبو کی صورت میں لوگ میری غیبت کرتے ہوں گے وہ غیبت سے باز رہیں اور میرے سبب سے خدائے تعالیٰ کی معصیت نہ نہ کریں اس لیے کہ جو شخص غیبت کا متعرض ہوتا ہے اور وہ اس سے بچنے پر قادر ہے تو وہ اس معصیت میں شریک ہوا کرتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[1] ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوًا بغیر علم اس میں اشارہ ہے کہ شر کا سبب ہونا بھی شر ہے اور نیت اپنے دماغ کے علاج کی کرے تاکہ خوشبو سے ذہن و ذکاء زیادہ ہو اور امور دینی کا سمجھنا اور ان میں فکر کرنا آسان پڑے۔ چنانچہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جس کی خوشبو اچھی ہوتی ہے اس کی عقل زیادہ ہوتی ہے۔ غرضکہ اس طرح کی نیتیں ایسی ہیں کہ جب آدمی کے دل پر تجارت آخرت اور طلب خیر غالب ہوتی ہے تو ایسی نیتیں کرنے سے عاجز نہیں ہے کر سکتا ہے اور جس صورت میں کہ اس کے دل پر آسائش دنیا ہی غالب ہو تو البتہ یہ نیتیں اس کے دل میں نہیں آتیں اور اگر کوئی ذکر بھی کرے جب بھی اس کا دل نہیں اُبھرتا کہ یہ نیتیں کرے اور اگر کوئی ان تینوں میں سے کرتا بھی ہے تو صرف خطرے کے طور پر ہوتی ہیں کہ اس کو نیت نہیں کہہ سکتے۔ اور مباحات بہت سے ہیں اور ان تینوں کی شمار ممکن نہیں اس ایک ہی مثال سے باقی کو قیاس کر لو۔ اور اسی وجہ سے بعض عارفین سلف نے فرمایا کہ مجھ کو مستحب معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز میں ایک نیت کر لیا کروں یہاں تک کہ کھانے اور پینے اور سونے اور پاخانہ میں جانے اور دوسری چیزوں میں سب میں ایک نیت ہو اور یہ سب باتیں اس قسم کی ہیں کہ ان میں نیت تقرب الی اللہ کی ہوتی ہے اسی واسطے کہ جو چیز کہ سبب بدن کے باقی رہنے اور معاملات بدنی سے دل کے فارغ ہونے کا ہے وہ دین پر معین ہوتی ہے مثلاً جو کھانا کھانے سے یہ نیت کرے کہ عبادت پر قوت ہو اور صحبت سے یہ نیت کرے کہ دین کی درستی اور اپنی اہلیہ کے دل کی خوشی اور توقع ولد صالح کی کہ میرے بعد خدائے تعالیٰ کی عبادت کرے اور امت محمدی اس سے بڑھے تو اس صورت میں وہ شخص اپنے کھانے اور صحبت سے طاعت بجالانے والا ہوگا اور سب حظوظ نفس سے بڑھ کر یہ دونوں چیزیں ہیں تو جس شخص کے دل پر فکر آخرت غالب ہو اس پر ان دونوں

[1] اور تم لوگ برا نہ کہو جن کو وہ پکارتے ہیں اللہ کے سوائے کہ وہ برا کہہ بیٹھیں اللہ کو بے ادبی سے بن سمجھ ۱۲

سے خیر کی نیت کرنی محال نہیں۔ اسی طرح چاہیے کہ جب آدمی کا مال جاتا رہے تو اس میں بھی نیک نیت کرے اور کہدے کہ وہ مال فی سبیل اللہ ہے۔ اور جب یہ سنے کہ میری غیبت کوئی کرتا ہے تو دل میں خواہش ہو اس امر سے کہ اس کے عوض میں غیبت کرنے والا میری برائیاں اٹھاتے گا اور اس کے نامۂ اعمال میں سے نیکیاں میرے نامۂ اعمال میں چلی آئیں گی۔ اور اس امر کی نیت اس طرح کرے کہ جواب کچھ نہ دے چپکا ہو رہے کہ حدیث[۱] شریف میں ہے کہ بندے کا حساب ہوگا تو اس کے سب اعمال آفت کے آجانے سے بیکار ہو جائیں گے یہاں تک کہ مستحق دوزخ کا ہوگا پھر اس کے لیے اعمال صالحہ کا دفتر کھولا جائے گا جس سے وہ سزاوار جنت ہوگا پس وہ شخص تعجب کرکے کہے گا کہ الٰہی یہ اعمال تو میں نے کبھی نہ کیے تھے تو اس سے کہا جائے گا کہ یہ اعمال ان لوگوں کے تجھے ملے ہیں جنہوں نے تیری غیبت کی اور تجھ پر ظلم و زیادتی کی اور دوسری حدیث میں ہے کہ بندہ قیامت کے روز ایسے حسنات لائے گا جو پہاڑ کے برابر ہوں اور اگر وہ سب اس کے لیے ہوں تو جنت میں داخل ہو جائے مگر چونکہ ایسی صورت میں آئیگا کہ کسی پر ظلم کیا ہوگا اور کسی کو گالی دی ہوگی کسی کو مارا ہوگا اسی لیے ان سب مظلوموں کو اس کے حسنات دے دیئے جائیں گے یہاں تک کہ اس کے پاس کوئی نیکی باقی نہ رہے گی۔ فرشتے عرض کریں گے کہ الٰہی اس کی حسنات ہو چکیں اور ابھی دعوے دار باقی ہیں حکم ہوگا کہ اس پر ان کے سیئات ڈال دو اور اس کے لیے ایک رقعہ دوزخ میں لکھ دو۔ غرضکہ آدمی کو چاہیئے کہ اپنے حرکات میں سے کسی کو حقیر نہ جانے اور ایسا نہ ہو کہ بعض امور کو حقیر جان کر اس کے شرور سے نہ بچے اور سوال اور حساب کے دن اس کی جواب دہی کی تیاری نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک امر کا دانا بینا ہے چنانچہ فرماتا ہے ما یلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید اور بعض سلف سے منقول ہے کہ میں نے ایک خط لکھا اور چاہا کہ ہمسایہ کی دیوار سے اس پر مٹی ڈال کر خشک کر دوں مگر دل نے نہ مانا پھر میں نے کہا کہ یہ تو مٹی ہے اس کی کیا اصل ہے غرض مٹی سے اس کو خشک کر دیا اس کے بعد غیب سے یہ آواز آئی ؎

جو سمجھے ہیں یہ خاک لینی روا   قیامت کو دیکھیں گے اپنی سزا

اور ایک شخص نے حضرت سفیان ثوریؒ کے ساتھ نماز پڑھی دیکھا تو آپ کا کپڑا الٹا تھا آپ کی خدمت میں عرض کیا آپ نے اپنا ہاتھ بڑھایا کہ کپڑے کو سیدھا کر لیں مگر پھر نہ کیا اس شخص نے اس کا باعث پوچھا آپ نے فرمایا کہ میں نے کپڑے کو خدا تعالیٰ کے واسطے پہنا تھا میں نہیں چاہتا کہ اس کے غیر کے واسطے اس کو سیدھا کروں۔ اور حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ قیامت کو کوئی شخص دوسرے آدمی سے الجھے گا اور کہے گا کہ میرا تیرا

ح[۱] ابو منصور دیلمی در فردوس و ابو نعیم بروایت سمت بن سعد بلوی مختصراً اور اس کی سند میں ابن لہیعہ ہے ۱۲ ح[۲] یہ حدیث کچھ اختلاف کے ساتھ پہلے گذری ۱۲ ت[۳] نہیں بولتا ایک بات جو نہیں اس پاس ایک راہ تیار تیار ۱۲

معاملہ خدائے تعالیٰ کے سامنے ہے وہ کہے گا کہ بخدا میں تجھ کو نہیں جانتا وہ کہے گا کہ جانتا کیوں نہیں تو نے ایک اینٹ[ع] میری دیوار میں سے لی تھی اور ایک دھاگا میرے کپڑے میں سے لیا تھا۔ پس اس طرح کے اخبار خائفین کے دل کے پرزے کیے دیتے ہیں پس اگر تم کچھ عقل اور حوصلہ رکھتے ہو اور مغالطہ کھانے والوں میں نہیں ہو تو اپنے اعمال کے نگران رہو اور اس سے پیشتر کہ تم سے حساب میں بال کی کھال نکالی جاوے تم اپنے حرکات و سکنات کو سوچ سمجھ کر کرو پہلے سوچ لو کہ کیوں کرتے ہو کیا نیت ہے اور اس کے باعث دنیا میں کیا ملے گا اور آخرت میں سے کچھ جاتا رہے گا کہ نہیں پھر دل کے بھی نگران رہو کہ کسی کام کے ترک میں کیا نیت کرتا ہے کیونکہ کام کا چھوڑنا بھی ایک فعل ہے اس میں بھی نیت صحیح کا ہونا ضروری ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس کا موجب کوئی ہوائے خفی ہو کہ جس پر آگاہی نہیں ہوا کرتی اور ظاہر کی باتوں سے دھوکا مت کھاؤ اس کے باطن اور بھید پر غور کرتے رہو تاکہ حیطۂ مغالطہ سے نکل جاؤ۔ حضرت زکریا علیہ السلام کے حال میں لکھا ہے کہ کسی کی دیوار گارے کی اجرت پر بناتے تھے دیوار والوں نے آپ کو دو روٹیاں لا دیں اور آپ کا دستور تھا کہ بدون اپنے ہاتھ کی اجرت کے کھانا نہ کھاتے تھے جس وقت آپ کھانے بیٹھے کچھ لوگ آپ کے پاس آئے آپ نے ان کی تواضع نہ کی یہاں تک کہ سب کھا چکے لوگوں کو آپ سے تعجب ہوا اس لیے کہ آپ سخی اور زاہد مشہور تھے اور یہ گمان کیا کہ بظاہر تواضع کر لینا بہتر تھا۔ آپ نے فرمایا کہ میں کچھ لوگوں کی مزدوری کرتا ہوں اور انہوں نے مجھے روٹی اس لیے دی تھی کہ ان کا کام کرنے کی طاقت مجھ میں آ جائے پس اگر تم بھی اس کھانے میں شریک ہوتے تو نہ تمہارا پیٹ بھرتا نہ میرا اور میں ان کے کام میں ضعیف رہتا تو دیکھو کہ عاقل آدمی نور خدا سے اس طرح باطن کو دیکھا کرتا ہے۔ کام میں سستی ہونی فرض کا نقصان ہے اور تواضع کھانے کی نہ کرنی نفل کا نقصان ہے فرائض کے ہوتے ہوئے نوافل کی کچھ پوچھ نہیں۔ اور بعض اکابر سے روایت ہے کہ میں حضرت سفیان ثوریؒ کی خدمت میں گیا اس وقت آپ کھانا کھاتے تھے مجھ سے کلام بھی نہ کیا یہاں تک کہ اپنی انگلیاں چاٹیں پھر فرمایا کہ اگر میں یہ کھانا قرض نہ لیتا تو مجھے اچھا معلوم ہوتا کہ تم بھی اس میں سے کھاتے۔ اور حضرت سفیانؒ کا قول ہے کہ جو شخص کسی دوسرے کو اپنے کھانے میں شریک ہونے کو کہے اور اس کو کھلانے کی رغبت نہ ہو تو اگر اس کے کہنے سے دوسرا کھالے گا تب تو اس پر دو گناہ ہوں گے اور اگر نہ کھاوے گا تو ایک ہی گناہ رہے گا۔ یعنی ایک گناہ تو نفاق ہے کہ باطن میں شرکت نہیں چاہتا تواضع ظاہری کرتا ہے اور دوسرا یہ ہے کہ اپنے بھائی مسلمان کو ایسی بات پر برانگیختہ کرتا ہے کہ وہ جان لے تو برا جانے۔ پس آدمی کو چاہیے کہ اپنے سب اعمال میں اس طرح نیت کا تجسس پیدا کرے جس کام کو کرے بدون نیت نہ کرے اور اگر نیت اس وقت نہ ہو تو توقف کرے اس لیے کہ نیت اپنے اختیار میں نہیں کہ جب چاہے موجود ہو جاوے۔

۵۔ نیت میں اختیار کا مسئلہ نہیں

واضح ہو کہ جاہل آدمی جب نیت کی خوبی جو ہم نے لکھی ہے سنتا ہے اور اس قول نبویؐ کو سنتا ہے انما الاعمال

ع اصل میں یہ تنبیہ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ گارے میں تنکا

با لنیات تو اپنے سب کاموں کے شروع میں دل میں کہا کرتا ہے کہ نیت کرتا ہوں خدا کے واسطے پڑھانے کی یا تجارت کی یا کھانے کی وغیرہ اور گمان کرتا ہے کہ یہ نیت ہو گئی حالانکہ یہ بات تو حدیث نفس ہے یا زبانی کلمات ہیں یا فکر ہے یا ایک خاطر سے دوسرے کی طرف بدلنا ہے نیت سے ان امور کو کچھ سروکار نہیں اس لیے کہ نیت تو نام نفس کے ابھار اور توجہ اور میل کا ہے ایسی چیز کی طرف کہ جس میں نفس کی غرض اس وقت یا انجام کو اس کے عندیے میں ہو اور میل اگر نہیں ہو گا تو ممکن نہیں کہ اس کے صرف ارادہ سے حاصل اور ایجاد کر لیا جائے بلکہ اس کی صورت تو ایسی ہو گی جیسے پیٹ بھرا آدمی کہے کہ میں نیت کرتا ہوں کہ کھانے کی خواہش کروں اور اس کی طرف مائل ہوں یا کوئی بے فکر شخص کہے کہ میں نیت کرتا ہوں کہ فلاں شخص پر عاشق ہوں اور اس کو اپنے دل میں بڑا اور محبوب جانوں اور ظاہر ہے کہ دونوں باتیں دشوار ہیں بلکہ دل کو کسی چیز کی طرف پھیرنے اور مائل کرنے کا طریق یہ ہے کہ اول اس کے اسباب حاصل کرے اور وہ بھی کبھی اختیاری ہوتے ہیں اور کبھی نہیں اور نفس جو فعل پر ابھرتا ہے تو کسی غرض کے باعث ہوتا ہے جو نفس کے موافق اور مناسب ہوتی ہے اور جبتک انسان یقین و اعتقاد نہیں کر لیتا کہ میری غرض وابستہ فلاں فعل سے ہے تب تک اپنا قصد اس کی طرف متوجہ نہیں کرتا اور یہ بات ہر وقت اختیار میں نہیں کہ دل میں کسی چیز کا اعتقاد جما لیا کرے اور اگر اعتقاد بھی ہو جاتا ہے تو دل متوجہ جب ہوتا ہے جب فارغ ہو اور اس غرض کی نسبت کسی اور قوی غرض میں مشغول نہ ہو اور یہ بات بھی ہر وقت ممکن نہیں۔ پھر رغبت دلانے والی اور پھیرنے والی چیزوں کے بہت سے اسباب ہیں جن سے وہ اکٹھے ہو جایا کرتے ہیں اور ان کا جمع ہونا ہر شخص کے حال اور عمل کے لحاظ سے مختلف ہوا کرتا ہے۔ مثلاً اگر شہوت نکاح کی آدمی پر غالب ہو اور لڑکا ہونے سے کوئی غرض صحیح دینی خواہ دنیاوی اس کے اعتقاد میں نہ ہو تو ایسے شخص سے نہیں ہو سکے گا کہ صحبت کے وقت ولد کی نیت کرے بلکہ صحبت صرف قضاء شہوت ہو گی اس واسطے کہ نیت تو غرض پر موقوف ہے اور یہاں غرض شہوت ہی فرض کی گئی ہے تو ولد کی نیت کیسے ہو گی اسی طرح اگر دل پر امر یہ غالب نہ ہو کہ سنت نکاح ادا کرنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع پائی جاتی ہے اور اس وجہ سے اس کا ثواب زیادہ ہو جاتا ہے تو ممکن نہیں کہ نکاح سے اتباع سنت کی نیت ہو بجز اس کے کہ زبان سے کہہ لے یا دل میں کہہ لے اور صرف کہہ لینا گفتگو ہے نیت نہیں ہاں اس نیت کے حاصل کرنے کا یہ طور ہے کہ اول ایمان شریعت پر قوی کرے اور اسباب پر ایمان قوی ہو کہ جو شخص امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی کثرت میں سعی کرتا ہے اس کو بہت ثواب ہوتا ہے اور دل میں سے جتنی نفرت کی چیزیں اولاد کی ہیں وہ دور کرے یعنی پرورش کی مشقت وغیرہ سے نفرت دل میں نہ ہو جب اس طرح کرے گا تو کیا عجب ہے کہ دل میں سے رغبت اولاد کے پیدا ہونے کی اٹھے اور اس کو باعث ثواب سمجھے اور وہ رغبت اس کو حرکت دے اور اس کے اعضاء عقد نکاح کے لیے جنبش میں آویں پس اگر قدرت زبان کی محرک عقد کے قبول کے واسطے اس طرح پیدا ہو گی یعنی جو باعث کہ دل پر غالب ہو گیا ہے اس کی جہت سے قدرت نے زبان میں حرکت قبول نکاح کی دی ہو گی،

تب تو البتہ نکاح کرنے والا نیت رکھتا ہوگا اور اگر ایسا نہ ہوگا تو جو بات دل میں مان لیتا ہے اور اس کو بار بار کہتا ہے کہ میرا قصد اولاد کا ہے وہ وسواس اور ہذیان ہے اور اس وجہ سے کہ نیت کے لیے دل کا ابھار اور اعتقاد غرض صحیح کا پہلے سے ہونا چاہیئے۔ سلف والوں میں سے بہت لوگوں نے بعض طاعتوں سے پہلوتہی کی ہے اس لیے کہ ان کو نیت موجود نہ ہوتی اور فرما بھی دیا کہ ہم کو اس امر میں کچھ نیت حاصل حاضر نہیں۔ چنانچہ روایت ہے کہ ابن سیرینؒ نے حضرت حسن بصریؒ کے جنازے کی نماز نہ پڑھی اور فرمایا کہ میرے دل میں نیت حاضر نہیں ہوتی۔ اور کسی شخص نے اپنی منکوحہ سے بالوں میں کنگھی کرنے کے لیے مانگی کہ بال سلجھاویں اس نے پوچھا کہ آئینہ لاؤں وہ بزرگ چپ ہو رہے پھر کہا کہ ہاں لوگوں نے پوچھا کہ اتنے سکوت کی وجہ کیا تھی انہوں نے جواب دیا کہ اول سے میری نیت کنگھی کی تھی اور آئینہ کی نیت نہ تھی اس لیے میں نے سکوت کیا یہاں تک کہ خدائے تعالیٰ نے نیت آئینہ کی دل میں مہیا کر دی۔ اور ایک عالم کوفہ کے حماد بن ابی سلیمان کا انتقال ہوا تو حضرت سفیان ثوریؒ سے کہا گیا کہ آپ ان کے جنازے پر نہیں جاتے آپ نے فرمایا اگر مجھ کو نیت ہوتی تو میں ضرور جاتا۔ اور اکابر سلف سے جب کوئی شخص کسی عمل خیر کی درخواست کرتا تو جواب دیتے کہ اگر ہم کو خدائے تعالےٰ نیت عطا فرما دے گا تو کریں گے اور حضرت طاؤسؒ بدون نیت حدیث بیان نہ فرماتے اگر کوئی کچھ پوچھتا بھی تو جواب نہ دیتے اور جب نیت ہوتی تو بدون پوچھے شروع کر دیتے لوگوں نے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ جب ہم درخواست حدیث کے بیان کی کرتے ہیں تو آپ نہیں کرتے اور اپنے آپ کہنے لگتے ہو۔ آپ نے فرمایا کیا تم چاہتے ہو کہ بدون نیت میں بیان کیا کروں جب مجھے نیت حاضر ہوتی ہے تو بیان کرتا ہوں اور منقول ہے کہ داؤد بن بحر نے جب کتاب عقل بنائی تو حضرت احمد بن حنبل ان کے پاس آئے اور وہ کتاب مانگ کر ایک نظر اس میں ڈالی اور پھیر دی انہوں نے پوچھا کہ کیوں واپس کرتے ہو آپ نے فرمایا کہ اس میں ضعیف اسناد ہیں داؤد نے فرمایا کہ میں نے اس کی بنا اسناد پر نہیں رکھی اس کو امتحانؑ کی نظر سے دیکھیے میں نے جو اس میں عقل کے لحاظ سے نظر کی تو مجھ کو مفید ہوئی۔ امام احمدؒ نے فرمایا کہ تو لاؤ مجھ کو تاکہ میں بھی اس نظر سے دیکھوں جس نظر سے تم نے دیکھا ہے پھر وہ کتاب لی اور مدت تک ان کے پاس رہی پھر فرمایا کہ تم کو خدائے تعالیٰ جزائے خیر دے مجھ کو اس کتاب نے فائدہ دیا۔ اور حضرت طاؤسؒ سے کسی نے کہا کہ ہمارے لیے دعا کرو انہوں نے فرمایا کہ اچھا میں دعا کی نیت اپنے میں پاؤں تو کروں اور بعض اکابر سے منقول ہے کہ میں ایک مہینے سے ایک شخص کی عیادت کی نیت تلاش کر رہا ہوں مجھ میں اب تک درست نہیں ہوئی۔ اور عیسیٰ ابن کثیر کہتے ہیں کہ میں میمون بن مہران کے ساتھ گیا جب وہ اپنے دروازے پر

ع فقال داؤد انالم اخرجہ علی الاسانید فانظر فیہ بعین الخبر الخ یعنی داؤد نے فرمایا کہ میں نے اس کی بنا اسناد پر نہیں رکھی ہے تاکہ روایت کی نگاہ سے اس میں دیکھتا بلکہ میں نے اس کو عمل کی نگاہ سے دیکھ کر اس سے نفع اٹھایا تب امام احمد نے الخ ۱۲ امیر علی

پہنچے تو میں ہٹا ان کے بیٹے نے ان سے کہا کہ آپ ان کو رات کا کھانا نہیں کھلاتے فرمایا کہ میری نیت میں نہیں اور یہ اس لیے کہ نیت تابع نظر کی ہوتی ہے جب نظر بدل جاتی ہے تو نیت بھی بدل جاتی ہے۔ اکابر سلف کا اعتقاد تھا کہ بدون نیت کے کوئی کام نہ کرتے تھے اس لیے کہ جانتے تھے کہ نیت عمل کی روح ہے اور عمل بدون نیت صادق کے ریا اور تکلف ہے اور ایسا عمل سبب غضب ہے نہ سبب قرب۔ اور یہ بھی جانتے تھے کہ نیت اس کا نام نہیں کہ زبان سے کوئی کہہ لے کہ نیت کرتا ہوں بلکہ وہ دل کا ابھار ہے قائم مقام فتوح غیبی کے خدائے تعالیٰ کی طرف سے بعض اوقات میسر ہوتی ہے اور بعض اوقات نہیں۔ ہاں جس شخص کے دل پر اکثر علم دینی غالب رہتا ہے اسکو اکثر اوقات یہ نیت میسر ہوتی ہے اس لیے کہ اس کا دل فی الجملہ مائل اصل خیر کا رہتا ہے۔ تو دوسری خیرات پر بھی وقت پر ابھر کھڑا ہوتا ہے۔ اور جس کا دل مائل بطرف دنیا ہے اور دنیا اس پر غالب ہوتی ہے اس کو یہ بات حاصل نہیں ہوتی خیرات کا تو کیا ذکر ہے فرائض میں بھی اس کو یہ نیت میسر نہیں ہوتی اور اگر ہوتی ہے تو نہایت کوشش اور جدوجہد سے ہو جاتی ہے۔ اس طرح کہ دوزخ کو یاد کرے اور اپنے نفس کو اس کے عذاب سے ڈراوے یا آسائش جنت یاد آجاوے اور اپنے نفس کو اسی کی رغبت دلاوے تو ایسی صورتوں میں کبھی ایک ضعیف سا ارادہ اٹھ کھڑا ہوتا ہے تو اس کو ثواب بھی بقدر نیت رغبت ہی کے ملتا ہے۔ لیکن طاعت بہ نیت خدا کی تعظیم کے مستحق طاعت و عبودیت وہی ہے۔ دنیا کے راغب کو میسر نہیں ہوتی اور یہ نیت سب میں اعلیٰ اور کمیاب ہے روئے زمین پر ایسے لوگ کم ہیں جو اس کو سمجھیں اور اس کو استعمال کرنا تو درکنار ہے۔ اور لوگوں کی نیتیں طاعات میں کئی قسم پر ہیں بعض ایسے ہیں کہ ان کا عمل خوف کے باعث سرزد ہوتا ہے یعنی اس وجہ سے کہ دوزخ سے ڈرتے ہیں اور بعض کا عمل بتوقع ہوا کرتا ہے کہ رغبت جنت کی ان کے عمل کا باعث ہوتی ہے اور اس طرح کہ نیت اگرچہ پہلی قسم کی نسبت کر کم ہے یعنی جو طاعت کہ بہ نسبت خدا کی تعظیم محض کے کی جاتے اور کسی جہت سے نہ ہو اس کی نسبت کر یہ نیت خوف و رجا کی کرنا کم ہے مگر تاہم اقسام صحیح نیتوں میں سے ہے اس لیے کہ آخر میل ایسی چیز کی طرف متوجہ ہے جو آخرت میں موعود ہے گو وہ چیز اس جنس میں سے ہے جس کی الفت دنیا میں ہے اور غالب تر سب باعثوں میں سے شکم اور شرمگاہ ہیں اور ان کی حاجت کے پورا ہونے کی جگہ جنت ہے پس جو شخص جنت کے لیے عمل کرتا ہے وہ گو اپنے شکم اور شرمگاہ کے لیے کرتا ہے جیسے خراب مزدور اور ایسے شخص کا درجہ بھوکوں کا سا درجہ ہوگا اور اپنے عمل وہ اس درجے کو پہنچ جاوے گا کیونکہ اکثر اہل الجنۃ البلہ واقع ہے مگر عبادت عقل والوں کی صرف ذکر الٰہی اور فکر ہوتی ہے اس وجہ سے کہ وہ اس کے جمال و جلال کے محب ہوتے ہیں اور ان کے تمام اعمال اسی محبت و ذکر و فکر کے مؤید ہوا کرتے ہیں۔ ان لوگوں کا رتبہ اس سے بڑا ہے کہ منکوح اور مطعوم چیز کی طرف جنت میں التفات کریں اس واسطے کہ ان کی نیت جنت نہ تھی بلکہ یہ وہ لوگ ہیں کہ یدعون ربھم بالغداۃ والعشی یریدون وجھہ[1] اور چونکہ ثواب بقدر نیات ملے گا اس لیے

[1] پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام اور چاہتے ہیں اس کی خوشنودی ۱۲

ضرور ہوا کہ یہ لوگ خدائے تعالیٰ کے دیدار فیض آثار سے مزے اڑائیں اور ان لوگوں پر ہنسیں جو حوروں کی طرف ملتفت ہوں جیسے حوروں کے دیکھنے والے ان لوگوں کو ہنسیں جو مٹی کے کھلونوں کو تاکیں بلکہ فرق درمیان جمال حضرت ربوبیت اور جمال حوروں کے کہیں زیادہ ہے اس فرق سے جو حوروں کے جمال اور مٹی کے کھلونوں کے جمال میں ہے۔ بلکہ نفوس بہیمیہ کا حوروں سے راضی ہونا اور خدائے تعالےٰ کے جمال سے اعراض کرنا ایسا جاننا چاہیئے جیسے خنفساء اپنے جوڑے سے مالوف رہتا ہے اور عورتوں کے جمال سے روگردان پس اکثر دلوں کا اندھا ہونا خدائے تعالیٰ کے جمال و جلال سے ایسا ہی ہے جیسا خنفسا ادراک جمال عورت سے اندھا ہے کہ اس کو ان کی کچھ خبر نہیں اور اگر اس کو عقل ہوتی اور عورتوں کا ذکر اس کے سامنے کیا جاتا تو وہ ان لوگوں پر ہنستا جو ان کی طرف مائل ہیں مگر اصل یہ ہے [ت۱] کل حزب بما لدیھم فرحون خدائے تعالیٰ خود فرماتا ہے اور اسی لیے پیدا بھی فرمایا چنانچہ آیت [ت۲] ولذالک خلقھم پس ہمیشہ مختلف اور متفاوت رہیں گے منقول ہے کہ احمد بن خضرویہؒ نے خدائے عزوجل کو خواب میں دیکھا ارشاد فرماتا ہے کہ ہر ایک شخص مجھ سے جنت کا طالب ہے سوائے ابویزیدؒ کے کہ وہ مجھ کو طلب کرتا ہے۔ اور حضرت ابویزید نے خواب میں خدائے جل شانہٗ کو دیکھا اور عرض کیا کہ الٰہی تیرے طرف آنے کا کیا طریق ہے ارشاد ہوا کہ اپنے نفس سے ہاتھ اٹھا اور میری طرف قدم بڑھا اور کسی شخص نے حضرت شبلیؒ کو مرنے کے بعد خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ خدائے تعالیٰ نے تم سے کیا معاملہ فرمایا کہا کہ کسی دعوےٰ پر مجھ سے دلیل طلب نہیں فرمائی مگر ایک قول پر جو میں نے ایک روز کہا تھا کہ جنت کے خسارہ سے بڑھ کر کون سا خسارہ ہوگا۔ البتہ ارشاد فرمایا کہ میرے دیدار کے خسارے سے بڑھ کر کونسا خسارہ ہے۔ غرض یہ کہ ان تینوں کا درجہ متفاوت ہے جس شخص کے دل پر ان میں سے ایک غالب ہو جاتی ہے اس کو اکثر دوسری نیت کی طرف عدول کی نوبت نہیں پہنچتی اور نہ ان حقائق کی واقفیت جب ایسے اعمال اور افعال کا شوق ہے کہ فقہاء ظاہر ان کا انکار کرتے ہیں مگر ہم کہتے ہیں کہ جس شخص کی نیت امر مباح میں تو موجود ہو اور نفل میں نہ ہو تو اس کے حق میں مباح اولیٰ ہے اور وہی اس کے لیے نفل کا کام دے گا اور خود اس کے حق میں نقصان ہے اس واسطے کہ انما الاعمال بالنیات ہے۔ مثلاً معاف کرنا فقہ کی رو سے بہ نسبت انتقام کے افضل ہے مگر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کو معاف کرنے میں تو نیت نہیں ہوتی ظلم کا بدلہ لینے میں نیت ہوتی ہے تو اس صورت میں انتقام ہی افضل ہے۔ یا یہ کہ اس کی نیت کھانے اور پینے اور سونے کی ہو تاکہ اپنے نفس کو راحت دے اور آئندہ کی عبادات کے لیے قوت پاوے اور اس وقت نیت روزہ اور نماز کی نہ ہو تو کھانا اور سو رہنا اس کے حق میں افضل ہے بلکہ اگر عبادت کرتے کرتے تھک جاوے اور اس کا سرور نہ رہے اور رغبت سست ہو جاوے اور جانے کہ اگر گھڑی بھر کھیل میں یا باتوں میں مصروف رہنے سے سرور حالت اصلی پر

ت۱ ہر فرقہ جو اپنے پاس ہے اسی پر ریجھے ہیں ۱۲ ت۲ اور اسی واسطے ان کو پیدا کیا ہے ۱۲

آجاوے گا تو کھیلنا اس کے حق میں نماز سے افضل ہے۔ چنانچہ حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں کہ میں اپنے نفس کو تھوڑے سے کھیل سے راحت دیتا ہوں پس یہ امر میرے لیے حق پر مدد کرتا ہے۔ اور حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ دلوں کو راحت دو ورنہ اگر ان پر زبردستی کی جاوے گی تو اندھے ہو جائیں گے اور یہ دقائق بڑے عالم پا سکتے ہیں اوچھوں کو معلوم نہیں ہو سکتے بلکہ طبیب حاذق کبھی حرارت زدہ کا علاج گوشت سے کرتا ہے حالانکہ وہ بھی گرم ہے اور اس کو کم جاننے والا طب کا بعید جانتا ہے اور معالج کی غرض یہ ہوتی ہے کہ اول اس کی قوت بحالت اصلی آجاوے تاکہ ضد سے علاج کرنے کی برداشت کر سکے اسی طرح جو شخص شطرنج خوب کھیل سکتا ہے۔ کبھی رخ اور گھوڑا مفت کٹا دیتا ہے تاکہ کسی منصوبہ سے حریف کو مات کرے مگر جس کو کھیلنا کم آتا ہے اور وہ ان کے منصوبے نہیں جان سکتا وہ اس کی اس حرکت پر خندہ اور تعجب کرتا ہے۔ اسی طرح بہادر جنگ آزمودہ کبھی اپنے مقابل سے بھاگتا ہے اور اس کو دم دیتا ہے کہ کہیں موقع پا کر ایک دفعہ ہی اس پر حملہ کر کے غالب آجاوے پس ایسا ہی طریق الی اللہ کے سلوک کا حال یہ ہے کہ یہ بھی بالکل شیطان سے لڑتا ہے اور دل کا علاج کرنا تو جو شخص توفیق یافتہ اور عاقل ہوتا ہے وہ اس میں لطائف الحیل کرتا ہے جن کو ضعفاء بعید جانتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مرید کو نہ چاہیئے کہ جو بات اپنے مرشد کے دیکھے دل میں اس کو برا جانے اور نہ شاگرد کو چاہیئے کہ اپنے استاد پر اعتراض کرے بلکہ جہاں تک اس کی فہم کی حد ہو وہاں توقف کراتے اور جو بات اس کی سمجھ میں نہ آوے اس کو انہیں کے حوالے کرے یہاں تک کہ ان کے رتبے کو پہنچ کر خود اس پر اس کا بھید کھل جاوے۔

دوسری فصل: اخلاص سے متعلق پانچ باتیں

۱۔ اخلاص کی فضیلت اخلاص کی فضیلت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[ت۱] وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین اور فرمایا[۲] الا للہ الدین الخالص اور فرمایا[۳] الا الذین تابوا واصلحوا واعتصموا باللہ واخلصوا دینہم للہ اور فرمایا[۴] فمن کان یرجوا لقاء ربہ فلیعمل عملا صالحا ولا یشرک بعبادۃ ربہ احدا اس شخص کے باب میں اتری کہ خدائے تعالیٰ کے واسطے عمل کرے اور چاہے کہ لوگ اس پر اس کی تعریف کریں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[ح] ثلاث لا یغل علیہن قلب رجل مسلم اخلاص العمل للہ والنصیحۃ للولاۃ ولزوم الجماعۃ اور مصعب بن سعد اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میرے باپ

ت ۱ اور ان کو یہی حکم ہوا ہے کہ بندگی کریں اللہ کی نری کر کے اس کے واسطے بندگی ۱۲ ت ۲ سنتا ہے اللہ کو ہے بندگی نیری ۱۲ ت ۳ جنہوں نے توبہ کی اور سنوارا آپ کو اور مضبوط پکڑا اللہ کو اور نرے حکم بردار ہوئے اللہ کے ۱۲ ت ۴ پھر جس کو امید ہو ملنے کی اپنے رب سے سو کرے کچھ کام نیک اور ساجھا نہ رکھے اپنے رب کی بندگی میں کسی کا ۱۲ ح تین باتیں ہیں کہ ان پر مرد مسلمان کا دل خیانت نہیں جتاتا خالص کرنا عمل کا اللہ کے لیے نصیحت امام کی اور ساتھ رہنا جماعت کے ۱۲ ترمذی بروایت ابن مسعود و ابن ماجہ بروایت زید بن ثابت و حاکم بروایت نعمان بن بشیر ۱۲

کو یہ گمان ہوا کہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کم مایہ والوں پر مجھ کو فضیلت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[ا ح] کہ اللہ جل شانہ نے اس امت کی ضعیفوں ...... کی دعا اور اخلاص اور نماز سے مدد کی ہے اور حضرت حسنؓ سے یہ حدیث قدسی مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اخلاص میرے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے اس کو اپنے جس بندے کے میں چاہتا ہوں سپرد کر دیتا ہوں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ[۲ح] فرماتے ہیں کہ عمل کی قلت کا تردد مت کرو بلکہ قبول کا تردد کرو اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو فرمایا[۳ح] اخلص العمل یجزئك منه القلیل اور ایک حدیث میں فرمایا[۴ح] مامن عبد یخلص للہ العمل اربعین یوما الا ظهرت ینابیع الحکمة من قلبه و لسانه اور فرمایا کہ[۵ح] قیامت کے روز جو لوگ اول پوچھے جاویں گے۔ تین شخص ہوں گے ایک وہ شخص کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو علم دیا اس سے خدائے تعالیٰ سوال فرماوے گا کہ تو نے اپنے علم سے کیا کیا وہ کہے گا کہ الٰہی دن رات میں اسی کی خدمت کرتا تھا اللہ تعالیٰ فرماوے گا کہ تو جھوٹ کہتا ہے اور فرشتے کہیں گے کہ تو جھوٹ کہتا ہے بلکہ تو نے یہ ارادہ کیا تھا کہ لوگ یوں کہیں گے کہ فلاں شخص عالم ہے تو یاد رکھ کہ یہ تو کہا گیا۔ دوسرا وہ شخص کہ جس کو خدائے تعالیٰ نے مال دیا اللہ تعالیٰ اس سے فرماوے گا کہ میں نے تجھ پر انعام کیا تو نے کیا کیا وہ عرض کرے گا کہ الٰہی رات دن میں صدقہ دیا کرتا تھا اللہ تعالیٰ فرماوے گا کہ تو جھوٹا ہے اور فرشتے بھی کہیں گے کہ جھوٹ کہتا ہے بلکہ تو نے یہ ارادہ کیا تھا کہ لوگ کہیں کہ فلاں شخص سخی ہے سو یہ کہا گیا۔ تیسرا وہ شخص جو خدا کی راہ میں مارا گیا اللہ تعالیٰ اس سے فرماوے گا کہ تو نے کیا کیا وہ عرض کرے گا الٰہی تو نے جہاد کا حکم دیا تھا اس لیے میں لڑا یہاں تک کہ مارا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماوے گا کہ تو جھوٹا ہے اور فرشتے بھی اسکو جھٹلاوینگے اور کہیں گے بلکہ تیرا مقصد یہ تھا کہ لوگ کہیں کہ فلاں شخص شجاع ہے تو یہ کہا گیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ راوی اس حدیث کے بیان فرماتے ہیں کہ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میری ران پر ایک لکیر کھینچی اور فرمایا کہ اے ابو ہریرہ سب سے اول انہی تین شخصوں سے آتش جہنم بھڑکائی جاتے گی۔ اس حدیث کے راوی نے حضرت معاویہؓ کے پاس جا کر اس حدیث کو بیان کیا آپ سن کر اتنا روئے کہ دم نکلنے کے قریب ہو گئے پھر فرمایا کہ سچ فرماتا ہے اللہ تعالیٰ[۶ت] من کان یرید الحیوٰة الدنیا و زینتها نوف الیهم اعمالهم فیها وهم فیها لا یبخسون اور بنی اسرائیل کے حالات میں ہے کہ ایک عابد مدت سے عبادت خدائے تعالیٰ کی کرتا تھا اس کے پاس کچھ لوگ آئے اور کہا کہ یہاں ایک قوم ہے کہ خدائے تعالیٰ کے سوا درخت کی پرستش کرتی ہے وہ عابد اس بات سے غصے میں آیا اور اپنی کلہاڑی کندھے پہ رکھ کر درخت کی طرف کو چلا کہ اس کو کاٹ ڈالے راستے میں اس کو شیطان ایک پیر مرد کی صورت میں ملا اور پوچھا کہ کہاں کا ارادہ ہے عابد نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ فلاں درخت کاٹ

[ا ح] نسائی نے نقل کیا ہے اور بخاری نے اور الفاظ سے روایت کیا ہے ۱۲ [۲ح] ابو القاسم قشیری بروایت علی مرتضیٰ بسند ضعیف ۱۲ [۳ح] اخلاص کے ساتھ عمل کر کہ اس میں تجھ کو تھوڑا ہی کافی ہو گا ۱۲ ابو منصور دیلمی در مسند فردوس بروایت معاذ اور اس کی سند منقطع ہے ۱۲ [۴ح] جو بندہ کہ چالیس روز اپنا عمل خدائے تعالیٰ کے لیے خاص کرتا ہے اس کے دل سے حکمت کے چشمے اسی کی زبان پر پیدا ہو جاتے ہیں حدیث پہلے گذری اور ابن جوزی نے اس کو موضوعات میں لکھا ہے ۱۲ [۵ح] یہ حدیث پیشتر گذری ۱۲ [۶ت] جو کوئی چاہے دنیا کا جینا اور اس کی رونق بھر دیں ہم ان کو ان کے عمل اسی میں اور ان کو اس میں نقصان نہیں ۱۲

ڈالوں۔ اس نے کہا کہ تمہیں اس سے کیا مطلب پڑا ہے کہ اپنی عبادت اور شغل چھوڑ کر اور بات میں مصروف ہوتے ہو عابد نے کہا کہ یہ بھی داخل عبادت ہے اس نے کہا کہ تو میں آپ کو کاٹنے نہ دوں گا۔ جب زیادہ تکرار بڑھی تو عابد شیطان کو زمین پر ڈال کر اس کی چھاتی پر چڑھ بیٹھا اس نے کہا کہ تم مجھ کو چھوڑ دو تا کہ میں کچھ تم سے کہوں، عابد کھڑا ہو گیا۔ ابلیس نے کہا بڑے تعجب کی بات ہے کہ خدائے تعالیٰ نے تو تیرے اوپر اس کا کاٹنا فرض نہیں کیا نہ تو اس کی عبادت کرتا ہے اگر دوسرا کوئی عبادت کرے تو اس کا گناہ تجھ پر ہونے سے رہا اور روئے زمین پر خدائے تعالیٰ کے انبیاء بہت سے ہیں اگر اس کو منظور ہو گا تو کسی نبی کو درخت والوں کے پاس بھیج کر ان کو کاٹنے کا حکم کر دے گا تجھ کو کچھ ضرور نہیں کہ جو بات تیرے ذمے نہ ہو اس کے درپے ہو عابد نے کہا کہ میں تو اس کو ضرور کاٹوں گا۔ شیطان نے پھر قصد کشتی کا کیا عابد نے اس کو دے مارا اور چھاتی پر چڑھ بیٹھا۔ جب ابلیس عاجز ہوا تو کہنے لگا کہ آؤ ہم ایک اور بات بتائیں جو تیرے حق میں بہتر اور مفید ہو عابد نے کہا کہ اچھا۔ اس نے کہا مجھے چھوڑ دو تو کہوں عابد نے اس کو چھوڑ دیا ابلیس نے کہا کہ تو ایک مرد محتاج ہے اور لوگوں پر پڑا ہوا ہے وہ سب تجھ کو کھانا دیتے ہیں اور مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تیرا دل یوں چاہتا ہے کہ اپنے بھائیوں سے سلوک کرے اور ہمسایوں سے مدارات کرے اور پیٹ بھر کر لوگوں سے بے پرواہ ہو جاوے عابد نے کہا کہ یہ بات تو درست ہے۔ ابلیس نے کہا کہ تو اب تو لوٹ جا اب میں تیرے سرہانے ہر شب دو دینار رکھ دیا کروں گا صبح کو تو ان کو لے لیا کرنا اور اپنے نفس اور کنبے کے خرچ میں اٹھایا کرنا اور بھائیوں کو دیا کرنا یہ بات تیرے حق میں اور دوسرے مسلمانوں کے حق میں اس درخت کے کاٹنے کی نسبت کہ زیادہ مفید ہو گی اس کے کٹنے سے کچھ فائدہ نہ ہو گا۔ اس کی جگہ اور بو دیا جاوے گا ان کا کیا جاوے گا مگر تجھ کو اور تیرے بھائیوں کو اس کے کٹنے سے کچھ نہ ملے گا۔ عابد نے ابلیس کے قول میں تامل کیا اور کہا کہ یہ بوڑھا سچ کہتا ہے، میں کچھ پیغمبر نہیں کہ اس درخت کا کاٹنا مجھ پر لازم ہو نہ خدائے تعالیٰ نے مجھ کو اس کے کاٹنے کا حکم دیا ہے کہ اگر نہ کاٹوں گا تو نافرمان ٹھہروں گا اور یہ جو بات بتلاتا ہے اس میں زیادہ فائدہ ہے اس کے بعد اس سے قول و قرار کر لیا اور قسما قسمی ہو گئی عابد اپنے عبادت خانے میں پھر آیا اور رات کو سویا جب صبح ہوئی تو دو دینار اپنے سر تلے سے پائے ان کو لے لیا۔ دوسرے روز بھی ایسا ہی ہوا تیسرے روز اور آئندہ کو پھر کچھ نہ پایا پھر غصہ ہوا اور تبر اٹھا چل دیا راستے میں ابلیس پیر مرد کی صورت میں ملا اور پوچھا کہ کہاں کو اس نے کہا کہ وہ درخت کاٹنے جاتا ہوں ابلیس نے کہا کہ تو جھوٹا ہے اب تجھ سے نہیں کٹ سکتا نہ تو وہاں تک پہنچ سکے عابد نے چاہا کہ پہلی دفعہ کی طرح اس کو دے ٹپکے ابلیس نے کہا اب وہ دن دور گئے اور عابد کو اٹھا کر پچھاڑ دیا۔ عابد اس کے پاؤں میں چڑیا کی طرح معلوم ہونے لگا۔ پھر شیطان اس کے سینے پر بیٹھ گیا اور کہا کہ یا تو اس کام سے باز آ نہیں تو ذبح کر ڈالوں گا۔ عابد نے دیکھا کہ مجھ کو کسی طرح تاب مقاومت نہیں اس سے کہا کہ تو مجھ پر غالب آیا اب مجھ کو چھوڑ دے اور یہ بتا کہ پہلے میں کیسے غالب ہو گیا تھا اور اب تو کیسے جیتا اس نے کہا کہ وجہ یہ ہے کہ پہلے تو نے غصہ خدائے تعالیٰ کے واسطے کیا تھا اور تیری نیت آخرت تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے مجھ کو تیرا دبیل بنا دیا تھا اور اب تو نے غصہ اپنے نفس کے واسطے اور دنیا

کے لیے کہا اس واسطے میں نے تجھ کو پچھاڑ دیا اور یہ حکایت تصدیق ہے اس آیت کی ت[1] لاغوینھم اجمعین الا عبادک منھم المخلصین اس لیے کہ بندہ شیطان سے بدون اخلاص نہیں چھوٹتا اور اس لیے حضرت معروف کرخیؒ اپنے نفس کو مارتے اور کہتے اے نفس اخلاص کر کہ تجھ کو خلاص ہو۔ اور یعقوب مکفوف کہتے ہیں کہ مخلص وہ ہے جو اپنے حسنات ایسے چھپا دے جیسے برائیاں چھپاتا ہے اور ابو سلیمانؒ فرماتے ہیں کہ خوشحال وہ شخص ہے کہ جس کا ایک قدم بھی صحیح ہو جاوے کہ سوائے خدائے تعالیٰ کے اور کسی کی نیت اس میں نہ ہو۔ اور حضرت عمرؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کو لکھا کہ جس کی نیت خالص ہوتی ہے اس کو اللہ تعالیٰ وہ بات کفایت کر دیتا ہے جو اس میں اور لوگوں میں ہو اور بعض اولیاء نے اپنے کسی بھائی کو لکھا کہ اپنے اعمال میں نیت کو خالص کرو کہ تھوڑا سا عمل بھی کافی ہوگا۔ اور ایوب سختیانیؒ کہتے ہیں کہ عمل کرنے والوں پر سب اعمال سے زیادہ سخت نیت کا خالص کرنا ہے۔ اور مطرفؒ کہا کرتے تھے کہ جو شخص صاف ہوتا ہے اس کے لیے صفائی کی جاتی ہے اور جو شخص خلط کرتا ہے اس کے لیے خلط کیا جاتا ہے۔ اور بعضے اکابر کو کسی شخص نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ تم نے اپنے اعمال کو کیسے پایا انہوں نے فرمایا کہ جو چیز میں نے خدائے تعالیٰ کے واسطے کی تھی اس کو تو پایا یہاں تک کہ انار کی گٹھلی میں نے راستے میں سے اٹھا دی تھی یا ایک بلی میری مر گئی تھی اس کو حسنات کے پلے میں پایا اور میری ٹوپی میں ایک دھاگا ریشم کا تھا اس کو برائیوں کے پلے میں پایا اور میرا ایک گدھا سو دینار کا مر گیا تھا اس کا ثواب مجھ کو نہ ملا۔ میں نے عرض کیا کہ بلی کا مرنا تو حسنات کے پلے میں موجود ہے مگر گدھے کا مرنا اس میں نہیں ہے مجھ کو حکم ہوا کہ تیرا گدھا وہاں بھیجا گیا جہاں تو نے اس کو بھیجا تھا یعنی جب وہ مر گیا تھا اور اس کے مرنے کا حال تجھ کو معلوم ہوا تو تو نے کہا تھا کہ خدا کی لعنت میں مر گیا اس لیے تیرا ثواب اس میں باطل ہوا اگر تو کہتا کہ فی سبیل اللہ تو البتہ ثواب پاتا، اور ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے یہ بھی کہا کہ میں نے ایک صدقہ لوگوں کے سامنے دیا تھا تو لوگوں کا میری طرف دیکھنا مجھے اچھا معلوم ہوا اس کا یہ حال ہوا کہ اس پر نہ ثواب ہی ملا نہ عذاب اور حضرت سفیان ثوریؒ نے جب اس حال کو سنا فرمایا کہ بہت اچھا حال ہوا کہ اس پر اس صدقے کے باعث عذاب نہ ہوا یہ تو عین احسان ہوا۔ اور یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں کہ اخلاص عیبوں سے عمل کو ایسا جدا کر دیتا ہے جیسے دودھ گوبر اور خون سے علیحدہ ہوا کرتا ہے۔ اور نقل ہے کہ ایک شخص عورتوں کا لباس پہن کر جہاں عورتوں کا مجمع ہوتا شادی غمی میں جایا کرتا ایک روز کسی مجمع میں گیا وہاں ایک موتی چوری ہو گیا لوگوں نے غل مچایا کہ دروازہ بند کر دو کہ ہم تلاشی لیں گے پس ایک ایک کی تلاشی لینی شروع کی یہاں تک کہ نوبت اس شخص اور ایک اس کے ساتھ کی عورت کی پہنچی اس نے اللہ تعالیٰ سے اخلاص کے ساتھ دعا مانگی اور کہا کہ الٰہی اگر میں اس رسوائی سے نجات پاؤں تو پھر کبھی بھیس نہ بدلوں گا وہ موتی اس عورت کے پاس سے نکلا اور لوگوں نے پکار کے کہا کہ موتی پایا گیا اب کسی کی تلاشی نہ ہو سب کو چھوڑ دو وہ شخص بھی چھوٹ گیا۔ اور بعض صوفیہ سے روایت ہے کہ میں ابو عبید تستریؒ کے پاس کھڑا تھا اور وہ بعد عصر کے عرفہ کے دن اپنی زمین جوت رہے تھے اتنے میں ان کا کوئی بھائی ابدال آیا اور اس سے کچھ آہستہ کہا ابو عبیدؒ نے جواب دیا کہ نہیں وہ وہاں سے بادل کی طرح زمین ناپنے لگے حتیٰ کہ میری نظروں سے غائب ہو گئے۔ میں نے ابو عبیدؒ سے پوچھا کہ انہوں نے آپ سے کیا کہا تھا انہوں نے جواب دیا کہ

ت[1] راہ سے کھوؤں گا ان سب کو مگر جو تیرے چنے بندے ہیں ۱۲

مجھ سے کہتے تھے کہ میرے ساتھ حج کو چلو میں نے انکار کر دیا میں نے کہا کہ آپ نے حج کیوں نہ کیا انہوں نے فرمایا کہ مجھ کو حج کی نیت نہ تھی میں نے یہ نیت کی تھی کہ اس زمین کو شام تک جوت لوں تو اس بات سے خوف کیا کہ اگر حج کو ان کی خاطر سے ساتھ ہو لیتا تو موجب غضب الٰہی کا ہوتا کہ خدا کے کام میں دوسری چیز داخل کرتا۔ اس صورت میں جو کام میں کر رہا ہوں وہ میرے نزدیک ستر حجوں سے بڑھ کر ہے۔ اور بعض اکابر سے منقول ہے کہ میں تری راہ جہاد کو چلا ایک شخص نے ہم میں سے ایک توشدان بیچنا چاہا میں نے کہا کہ اس کو مول لے لوں جہاد میں کام آوے گا۔ جب فلاں شہر میں پہنچوں گا تو اس کو بیچ ڈالوں گا کچھ فائدہ ہو رہے گا۔ اس خیال سے اس کو لے لیا اسی رات خواب میں دیکھا کہ گویا دو شخص آسمان سے اترے ہیں ایک دوسرے سے کہتا ہے کہ غازیوں کو لکھ لو دوسرا اس کو بتلانے لگا کہ لکھ فلانا شخص سیر کے واسطے نکلا اور فلانا ریا کے لیے اور فلاں تجارت کے لیے اور فلاں خدا کی راہ میں پھر اس نے میری طرف دیکھا اور کہا کہ لکھو یہ شخص تجارت کے لیے نکلا میں نے کہا کہ خدا سے ڈرو میں تجارت کے واسطے کب نکلا ہوں میرے پاس کیا ہے جس میں تجارت کروں گا میں تو جہاد ہی کے واسطے نکلا ہوں اس نے کہا کہ میاں صاحب تم نے کل توشدان خریدا ہے اور تمہاری نیت ہے کہ اس میں سے کچھ فائدہ تم کو ملے۔ میں رونے لگا اور کہا کہ مجھے تاجر مت لکھو اس نے دوسرے شخص کی طرف دیکھا اور کہا کہ تمہاری کیا رائے ہے اس نے کہا کہ یوں لکھنا چاہیے کہ فلاں شخص غزوہ کے واسطے نکلا مگر اس نے اثنائے راہ میں ایک توشہ دان مول لیا کہ اس سے نفع ہو اس پر خدائے تعالیٰ جو چاہے گا حکم فرماوے گا اور سریؒ سقطیؒ فرماتے ہیں کہ اگر تم تنہائی میں اخلاص کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھو تو اس سے بہتر ہے کہ ستر یا سات سو حدیثیں بڑی اسناد کے ساتھ لکھو اور بعضوں کا قول ہے کہ ایک ساعت کے اخلاص میں ہمیشہ کی نجات ہے لیکن اخلاص کمیاب ہے۔ اور یوں کہتے ہیں کہ علم تخم ہے اور عمل کھیتی ہے اور اس کا پانی اخلاص ہے اور بعضوں کا قول ہے کہ جب خدائے تعالیٰ کسی بندے سے بغض رکھتا ہے تو تین باتیں اس کو دیتا ہے اور تین نہیں دیتا نیک بختوں کی صحبت تو دیتا ہے مگر یہ نہیں کہ ان سے کچھ بات قبول کر لیں اور اعمال صالحہ عنایت فرماتا ہے تو ان میں اخلاص نہیں دیتا اور حکمت دیتا ہے تو ان میں صدق نہیں دیتا۔ اور سوسیؒ کہتے ہیں کہ خلائق کے عمل سے خدائے تعالیٰ کی مراد صرف اخلاص ہے اور حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ہیں کہ وہ عاقل ہوتے ہیں اور جب عاقل ہوتے ہیں تو عمل کرتے ہیں۔ اور جب عمل کرتے ہیں تو اخلاص کرتے ہیں۔ پھر تو اخلاص ان کو تمام اقسام نیکیوں کی طرف بلاتی ہے۔ اور محمد بن سعید مروزی کہتے ہیں کہ تمام معاملہ دو اصلوں کی طرف رجوع کرتا ہے ایک تو فعل اس کا تیرے ساتھ ہے دوسرے تیرا فعل اس کے لیے پس جو کچھ وہ تیرے ساتھ کرے اس پر تو راضی رہنا چاہیئے اور جو تو اس کے خاطر کام کرے اس میں اخلاص کرنا چاہیے۔ اگر یہ دونوں باتیں بن پڑیں تو دونوں جہان کی فلاح کو پہنچے گا۔

۲۔ اخلاص کی حقیقت

جاننا چاہیے کہ ہر چیز میں یہ ممکن ہے کہ دوسری چیز کا خلط ہو پس جبکہ خلط اور آمیزش سے صاف اور خالص ہو تو اس کو خالص کہا کرتے ہیں اور جس فعل سے وہ

شے صاف ہو اس کو اخلاص یعنی خالص کرنا بولتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[ت۱] من بین فرث و دم لبنا خالصا سائغا للشاربین تو دودھ کا خالص ہونا یہی ہے کہ اس میں خلط خون اور گوبر کا نہ ہو[۱] اور ایسی چیزوں کا جن کا ملنا اس میں ممکن ہے اور اخلاص کی ضد اشراک یعنی شرک کرنا ہے تو اس سے یہ پایا جاتا ہے کہ جو مخلص نہیں وہ مشرک ہے۔ مگر یہ کہ شرک کے بہت سے درجات ہیں جو اخلاص توحید میں ہوتا ہے اس کی ضد شرک در الوہیت ہے اور شرک میں سے کچھ تو خفی ہے اور کچھ ظاہر اور یہی حال اخلاص کا ہے اور اخلاص اور شرک دونوں قلب پر وارد ہوتے ہیں یعنی محل ان کا دل ہے اور ان کا ورود قصدوں اور نیتوں سے ہوا کرتا ہے اور ہم حقیقتِ نیت بیان کر چکے اور یہ بھی کہ نیت موافق باعث کے ہوا کرتی ہے تو جس صورت میں کہ باعث صرف ایک ہی ہو تو اس کے سبب سے جو فعل صادر ہوگا۔ باعتبار اس غرض مقصود کے اخلاص ہونا چاہیئے۔ فرض کرو کہ کسی شخص نے صدقہ دیا اور اس کی غرض محض ریا ہے تو وہ مخلص ہے اس اعتبار سے کہ ریا میں اور کسی چیز کی آمیزش نہیں۔ اور جس کی غرض صرف تقرب الی اللہ ہو وہ بھی مخلص کہلاوے گا۔ تو یہ باعتبار لغت کے ہوا مگر اصطلاح اور عادت کی رو سے اخلاص اسی کو کہتے ہیں کہ نیت صرف تقرب الی اللہ کی ہو اور جمیع آمیزشوں سے پاک و صاف ہو جیسے الحاد کے معنی لغت میں میل کرنے کے ہیں مگر اصطلاح میں حق سے میل کرنے کا نام ہے اور جس فعل کا باعث محض ریا ہوتی ہے وہ ہلاک کو پہنچا دیتا ہے اس میں ہماری گفتگو نہیں اس لیے کہ جو باتیں اس سے متعلق ہم تیسری جلد کے باب الریا میں لکھ چکے ہیں۔ ادنیٰ یہ ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے[ح۲] کہ ریاکار قیامت کے دن چار ناموں سے پکارا جاوے گا او ریاکار او مکار او مشرک او کافر۔ اب ہم اس صورت کا بیان کرتے ہیں کہ آدمی کی نیت تو قصد تقرب ہی کی ہو مگر اس کے باعث میں کوئی دوسری چیز رہا یا اور کوئی حظ نفس وغیرہ مل گیا ہو۔ مثلاً کوئی شخص بقصد تقرب روزہ رکھے تاکہ پرہیز کا فائدہ بھی حاصل ہو اور تقرب بھی رہے یا غلام آزاد کرے کہ ان کے نان و نفقہ اور بدخلقی سے چھوٹ جاوے یا حج کرے اس لیے کہ سفر کی حرکت سے اس کا مزاج درست ہو جاوے یا اس لیے کہ کسی برائی سے جو وطن میں رہنے سے اس پر آتی بچ جاوے یا اس لیے کہ کسی دشمن سے فرار کی نیت ہو یا زن و فرزند خواہ اور کسی کام سے تھک گیا ہو اور چند روز استراحت کرنا چاہے یا جہاد کرے تاکہ لڑائی کے فن میں مہارت ہو اور اس کے اسباب و لوازم جمع کر سکے اور لشکر کا فراہم کرنا اور اس کا غنیم پر چڑھا لے جانا آجاوے یا تہجد پڑھے اور اس میں یہ غرض ہو کہ جاگتا رہے تاکہ اپنے گھر بار کی حفاظت کرے یا علم اس لیے سیکھے کہ اس کے باعث سے مال بقدر کفایت کا طلب کرنا آسان ہو جاوے خواہ اس لیے کہ اپنی قوم میں عزت دار ہو خواہ اس وجہ سے کہ اس کا مال و متاع علم کے طفیل سے طامعین سے محفوظ رہے یا درس و وعظ اس لیے کہے کہ چپ رہنے کی مصیبت سے چھوٹ جاوے اور گفتگو کی لذت سے بہرہ ور ہو یا علماء اور صوفیہ کرام کی خدمت اس لیے کرے کہ ان کی نظروں اور لوگوں کی نظروں

ت ۱ گوبر اور لہو کے بیچ میں سے دودھ ستھرا رچتا پینے والوں کو ۱۲ ح ۲ یہ حدیث جلد ثالث میں گذری ۱۲

میں اس کی حرمت زیادہ ہو یا اس لیے کہ دنیا کے لوگ اس کے ساتھ نرمی برتیں اور اس کا ساتھ دیں یا کلام مجید اس لیے لکھے کہ ہمیشہ لکھنے سے خط اچھا ہو جاوے گا، یا حج کو پیادہ اس لیے جاوے کہ اپنے اوپر سے کرائے کا بوجھ ہلکا کرے۔ یا وضو اس لیے کرے کہ بدن صاف اور سرد ہو جاوے یا اس وجہ سے غسل کرے کہ اس کی بو اچھی ہو جاوے یا حدیث اس لیے روایت کرے کہ لوگ جانیں کہ بڑے محدث ہیں یا مسجد میں اعتکاف اسلیے کرے کہ گھر کے کرایہ میں تخفیف ہو گی یا روزہ اس لیے رکھے کہ کھانا پکانے کی وقت نہ ہو یا اس لیے کہ کام کرنے میں کھانے کا کھانا حارج نہ ہو۔ صدقہ کسی سائل کو اس لیے دے کہ اس کے سوال سے عاجز آگیا ہو، تو اس کا ٹالنا منظور ہو۔ یا بیمار کی عیادت اس لیے کرے کہ جب وہ خود بیمار ہو تو اس کی بھی کوئی عیادت کرنے والا آوے یا جنازہ کے ساتھ اس لیے جاوے کہ کوئی اس کے یہاں اگر مر جاوے تو اس کے ساتھ بھی لوگ چلیں یا ان باتوں کو اس نیت سے کرے کہ خیر کے ساتھ مشہور اور مذکور ہو اور لوگ نیک بختی کی نگاہ سے اس کی طرف دیکھیں ان سب صورتوں میں اگر باعث تقرب الی اللہ بھی ہو گا اور ان خطرات میں سے بھی کوئی خطرہ اس کے ساتھ ہو جاوے گا حتیٰ کہ اس کے باعث اس پر فعل کرنا آسان معلوم ہو گا۔ تو اس کا عمل خدا کے اخلاص سے باہر نکل جاوے گا اس کو یہ نہیں کہیں گے کہ خالص خدا کی ذات کے واسطے ہے اور اس میں شرک کو واسطہ ہو جاویگا اور اللہ تعالیٰ حدیث قدسی میں ارشاد فرماتا ہے کہ میں سب شرکا کی نسبت شرک سے غنی تر ہوں غرضکہ دنیا کے حظوظ میں سے جو حظ اس طرح کا ہو گا کہ نفس اس کی طرف مائل اور دل راغب ہو وہ خواہ تھوڑا ہو یا بہت جب کسی عمل میں دخل پاوے گا تو اس حظ کے دخل سے اس کی صفائی اور اخلاص مکدر ہو جاوے گی اور ازانجا کہ انسان اپنے حظوظ اور شہوات میں دوچار رہتا ہے تو کم ایسا ہوتا ہے کہ اس کا کوئی فعل یا عبادت اس جنس کے حظوظ اور اغراض سے سردست خالی ہو اس لیے کہا گیا ہے کہ جس شخص کو اپنی تمام عمر میں ایک لحظہ بھی خالص خدا کی ذات کے لیے میسر ہو گا وہ نجات پاوے گا اور اس کی وجہ یہی ہے کہ اخلاص نہایت کمیاب چیز ہے اور دل کا صاف کرنا ان آمیزشوں سے بہت دشوار ہے بلکہ خالص اسی کو کہتے ہیں کہ جس میں کوئی باعث تقرب الی اللہ کی طلب کے سوا اور کوئی شی نہ ہو اور یہ حظوظ اگر تنہا باعث اعمال ہوں تب تو ظاہر ہے کہ عمل کرنے والے پہ نہایت سختی ان اعمال میں کی جاوے گی مگر ہم ان صورتوں کو پیش نظر کرتے ہیں کہ قصد اصلی تو تقرب ہی ہو اور ان میں کسی قدر یہ آمیزشیں بھی زائد ہو جاویں اور ان کے زائد ہونے کی تین صورتیں ہیں یا بطور رفاقت یا بطرز شرکت یا بر سبیل اعانت جیساکہ نیت کے بیان میں گذرا پھر باعث نفسی یا تو باعث دینی کے برابر ہو یا زیادہ یا کم اور ان میں سے ہر ایک کا حکم جداگانہ ہے۔ چنانچہ عنقریب مذکور ہو گا۔ اور اخلاص کے معنی یہ ہیں کہ عمل ان سب آمیزشوں سے خالی ہو خواہ یہ آمیزشیں تھوڑی ہوں یا بہت، یہاں تک کہ باعث بجز قصد تقرب کے اور کوئی نہ ہو اور یہ بات اس شخص سے متصور ہے جو اللہ تعالیٰ کا عاشق زار اور آخرت میں بہ تمام ہمت ڈوبا ہوا ہو اس طرح کہ دنیا کی محبت کو اس کے دل میں گنجائش نہ رہی ہو یہاں تک کہ کھانا پینا اس کو کچھ محبوب نہ معلوم ہوتا ہو ان کی رغبت اس میں

ایسی ہو جیسی قضائے حاجت کی ہوتی ہے کہ سرشت کی رو سے ضروری معلوم ہو یعنی کھانے کی رغبت اس جہت سے نہ ہو کہ کھانا ہے بلکہ اس نظر سے ہو کہ اس سے خدائے تعالیٰ کی عبادت پر تقویت کرنا ہے اور تمنا کرے کہ کیا خوب ہو جو بھوک کی آفت سے محفوظ ہو جاوے کہ پھر حاجت کھانے کی نہ رہے اور نہ دل میں کوئی حظ امر فضول زائد از حاجت کار ہے اور اس کے نزدیک قدر ضرورت ہی مطلوب ہو اس نظر سے کہ دین کی ضرورت ہے پس سوائے فکر الٰہی کے اور کوئی فکر نہ ہو تو اس طرح کا آدمی اگر کھاوے گا یا پیوے گا یا حاجت قضا کرے گا سب صورتوں میں خالص العمل درست نیت رہے گا بلکہ سب حرکات وسکنات میں اس کی نیت صحیح ہو گی یہاں تک کہ مثلاً سووے گا تاکہ اپنے نفس کو آئندہ کی عبادت کے لیے قوت اور راحت ہو جاوے تو اس کا سونا بھی عبادت ہو جاوے گا اور اس میں بھی اس کو مخلصوں کا درجہ ملے گا اور جس کا حال ایسا نہ ہو گا تو اعمال میں اخلاص کا ہونا اس کے حق میں بہت ہی نادر اور کم ہو گا اور جس طرح کہ حرکات اور سکنات ایسے شخص کے جس پر محبت خدا اور محبت آخرت غالب ہو صفت اس کی ہمت کی حاصل کر کے بالکل اخلاص ہو جاتی ہیں اسی طرح جس شخص کے نفس پر دنیا اور ریاست اور بڑائی یا اور کوئی چیز غیر اللہ غالب ہو جاوے تو اس کے حرکات وسکنات بھی اسی کی صفت پیدا کر لیتے ہیں پس کوئی اس کی عبادت خواہ نماز ہو یا روزہ سلامت نہیں رہتی بہت کم اخلاص اس میں ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اخلاص کا علاج یہ ہے کہ نفس کے حظوں کو توڑ دے اور دنیا کی طمع کو قطع کرے اور آخرت کے لیے ایسی طرح خاص ہو رہے کہ وہی دل پر غالب ہو جاوے تب اس وقت میں اخلاص میسر ہو گی۔ اور بہت سے اعمال ایسے ہیں کہ انسان اس میں مشقت کیا کرتا ہے اور اپنے گمان میں ان کو خاص خدائے تعالیٰ کی ذات کے واسطے سمجھتا ہے حالانکہ اس کو مغالطہ ہوتا ہے اس لیے کہ ان میں آفت کی وجہ اس کو معلوم نہیں ہوتی۔ چنانچہ بعض اکابر سے منقول ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ میں نے اپنی تیس برس کی نماز جو مسجد کی صف اول میں پڑھی تھی قضا کی اس لیے کہ ایک روز مجھ کو دیر کسی عذر کے باعث سے ہو گئی تو میں نے دوسری صف میں . . . . نماز پڑھی پس مجھ کو نہایت شرم لوگوں سے آئی کہ انھوں نے مجھ کو دوسری صف میں دیکھا اس وقت میں نے جانا کہ لوگ جو مجھ کو صف اول میں دیکھتے تھے اس سے مجھ کو خوشی اور راحت قلبی ہوتی تھی اور مجھ کو اس کی خبر نہ تھی اور یہ بات ایسی باریک اور خفیہ ہے کہ اعمال اس جیسے امور سے کم خالی ہوتے ہیں اور نہ ہر ایک کو اس کی خبر ہو بجز ان لوگوں کے جن کو خدائے تعالیٰ توفیق دیتا ہے اور جو اس سے غافل ہیں وہ آخرت میں اپنے سب حسنات کو سیئات پاویں گے اور ایسے ہی لوگ مراد ہیں اس آیت سے[ت۱] وبدا لهم من الله ما لم يكونوا يحتسبون وبدا لهم سيئات ما كسبوا اور اس آیت سے[ت۲] قل هل ننبئكم بالاخسرين اعمالا ط الذين ضل سعيهم في الحيوة الدنيا وهم يحسبون انهم يحسنون صنعا ط اور

ت ۱ اور نظر آیا ان کو اللہ کی طرف سے جو خیال نہ رکھتے تھے۔ اور نظر آئے ان کو برے کام اپنے جو کماتے تھے ۱۲ ت ۲ کہ ہم بتا دیں تم کو کن کے گئے بہت اکارت جن کی دوڑ بھٹک رہی دنیا کی زندگی میں اور وہ سمجھتے ہیں کہ خوب بناتے ہیں کام ۱۲

سب سے زیادہ تعرض اس فتنے کا علماء کو ہے اس لیے اکثروں کے لیے باعث علم کے پھیلانے کے غلبے کی لذت اور سرور کی خوشی اور حمد و ثنا کی مسرت ہوا کرتی ہے اور شیطان ان پر حق کو مخفی کر دیتا ہے اور مغالطہ دیتا ہے کہ تمہاری غرض دین الٰہی کا پھیلانا اور شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مخالفوں کو دفع کرنا ہے۔ واعظ جو خلق کو اور بادشاہوں کو نصیحت کرتے ہیں تو خدائے تعالیٰ پر احسان جتاتے ہیں اور لوگ جو ان کا قول قبول کرتے ہیں اور ان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو بہت خوش ہوتے ہیں اور کہتے ہیں . . . . کہ ہم کو مسرت اس بات کی ہے کہ خدائے تعالیٰ نے ہم سے دین کی نصرت کا کام لیا حالانکہ اگر کوئی ان کا ہم پیشہ پیدا ہو کہ ان سے وعظ اچھا کہتا ہو۔ اور لوگ اس کی طرف متوجہ ہو جاویں تو ان کو نہایت برا معلوم ہوتا ہے اور اس کا رنج کرتے ہیں۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ اگر ان کے وعظ کا باعث دین ہی تھا تو ان کو دوسرے وعظ کے ہونے سے خدا کا شکر کرنا چاہیئے تھا کہ اس نے یہ کام دوسرے سے لیا اور ان کو نہ کرنا پڑا اگر شیطان پھر بھی ان کو نہیں چھوڑتا اور کہتا ہے کہ تم کو غم اس وجہ سے نہیں کہ لوگوں نے تم کو چھوڑ کر دوسرے کا وعظ سنا بلکہ اس نظر سے غم ہے کہ تمہارا ثواب جاتا رہا۔ یعنی اگر لوگ تمہارے ثواب سے رو براہ ہوتے تو تم کو ثواب ہوتا اس ثواب کے نہ ملنے کا غم بہتر ہے اور بیچارے کو یہ معلوم نہیں کہ امر حق کی اطاعت اور افضل شخص کو معاملہ سپرد کرنے میں آخرت میں ثواب زیادہ ہوتا ہے بہ نسبت تنہا خود کرنے کے دیکھو اگر اس طرح کا غم اچھا ہوتا تو جب حضرت ابوبکر صدیق رضؓ خلیفہ ہوتے تھے حضرت عمرؓ بھی غم کرتے کہ تمام خلق کے مصالح کا تکفل بہت بڑا ثواب رکھتا ہے مگر حضرت عمر رضؓ حضرت ابوبکر رضؓ صدیق کی خلافت سے خوش ہوتے تھے کہ جانتے تھے کہ یہ ہم سے افضل ہیں۔ اب نہیں معلوم کہ علماء ایسی باتوں سے کیوں نہیں خوش ہوتے۔ اور بعض اہل علم شیطان کے اس دھوکے میں آجاتے ہیں کہ جی میں کہنے لگتے ہیں کہ اگر ہم سے افضل کوئی پیدا ہوگا تو ہم اس سے خوش ہوں گے مگر پہلے امتحان کے یہ کہنا محض مغالطہ ہے اس لیے کہ نفس اس جیسے وعدہ کر لینے میں نہایت سہولت سے منقاد ہو جاتا ہے مگر جب وہ موقع آپڑتا ہے تو وعدہ پورا نہیں کرتا فوراً بدل جاتا ہے اور اس بات کو وہی جانتا ہے جو نفس کے مکروں سے واقف ہے اور اس کا امتحان بہت کرتا رہتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ حقیقت اخلاص کو پہچاننا اور اس پر عمل کرنا ایک سمندر ہے کہ اس میں لوگوں کا پتہ نہیں لگتا کوئی شاذ و نادر بچتا ہے جو کہ اس آیت میں مستثنیٰ ہے الا عبادك منهم المخلصين[1] پس بندے کو چاہیئے کہ ان دقائق کو خوب تلاش اور تجسس کرتا رہے ورنہ نادانستہ گروہ شیاطین میں جا ملے گا۔

۳ اخلاص سے متعلق لوگوں کے اقوال

سوسیؒ کہتے ہیں کہ اخلاص اس کا نام ہے کہ اخلاص پر نظر نہ رہے اس لیے کہ جو اپنے اخلاص کو دیکھے گا تو اس کے اخلاص کے لیے حاجت اخلاص کی رہے گی اس قول میں اشارہ یہ ہے کہ عمل کو عجب سے صاف کرنا چاہیے کیونکہ اخلاص کی طرف نظر کرنا عجب ہے جو منجملہ آفات ہے اور خالص اسی کو کہتے ہیں جو سب آفتوں سے صاف ہو تو جس اخلاص میں عجب ہوگا اس میں ابھی ایک آفت باقی ہے۔ اور سہلؒ فرماتے ہیں کہ اخلاص یہ ہے کہ بندے کے حرکات اور

---

[1] مگر جو تیرے چنے بندے ہیں ۱۲

سکون خاص خدائے تعالیٰ کے واسطے ہوں، یہ تعریف جامع ہے کہ غرض کو محیط ہے، اور اسی معنوں کو مفید ہے قول حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کا کہ فرماتے ہیں اخلاص سچا کرنا نیت کا ہے خدائے تعالیٰ کے ساتھ، اور حضرت سہلؒ سے جو پوچھا گیا کہ سب سے سخت تر نفس پر کیا چیز ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اخلاص ہے اس وجہ سے کہ نفس کو اس میں کچھ بہرہ نہیں۔ اور رویمؒ کا قول ہے کہ عمل میں اخلاص اس کا نام ہے کہ مخلص اس پر دونوں جہان میں کچھ عوض نہ چاہے اور اس قول میں یہ اشارہ ہے کہ حظوظ نفس خواہ دنیاوی ہوں یا اخروی سب آفت ہیں۔ تو جو شخص عبادت اس لیے کرے کہ جنت میں شہوات سے نفس کو آسائش ملے وہ آفت زدہ ہے۔ بلکہ اصل یہ ہے کہ عمل سے سوائے رضائے الٰہی کے اور کوئی بات نہ چاہیے اور یہ قول اشارہ ہے صدیقوں کے اخلاص کی طرف اسی کو اخلاص محض کہتے ہیں۔ اور جو شخص بتوقع جنت یا دوزخ کے خوف سے عمل کرے وہ باعتبار دنیوی لذات کے البتہ مخلص ہے ورنہ اصل میں وہ حظ شکم اور شرمگاہ کا طالب ہے اور اہل حق کے نزدیک مطلوب واقعی صرف رضائے الٰہی ہے نہ کوئی حظ اس کے سوا۔ اور یہ جو کہتے ہیں کہ انسان کسی نہ کسی حظ کے لیے حرکت کرتا ہے اور حظوں سے بری ہونا صفت الٰہی ہے جو اس سے بری ہونے کا مدعی ہو وہ کافر ہے۔ چنانچہ قاضی ابو بکر باقلانی نے حکم کفر کا اس شخص پر کیا جو مدعی حظوں سے بری ہونے کا ہو اور فرمایا کہ یہ صفت خدائے تعالیٰ کی ہے انسان اس کا مدعی ہو نہیں سکتا تو یہ سب درست ہے مگر لوگوں کی مراد اخلاص میں حظوں سے بری ہونے سے یہ ہے کہ ان حظوں سے بری ہو جن کو لوگ حظ کہتے ہیں اور لوگ جن کو حظ کہتے ہیں وہ شہوات مذکورہ جنت میں کی ہیں اور صرف معرفت مناجات اور دیدار الٰہی کی لذت جو اہل دل کا حظ ہے اس کو لوگ حظ نہیں جانتے بلکہ اس سے تو تعجب کرتے ہیں حالانکہ یہ اتنا بڑا حظ ہے کہ اگر تمام جنت کے مزے طاعات اور مناجات اور مشاہدے حضرت الٰہی کے عوض میں ان لوگوں کو دیئے جاویں تو ان کو حقیر جانے اور ذرا متوجہ نہ ہوں تو حرکت ان لوگوں کی اور طاعت سب حظ کے لیے ہے مگر ان حظوں کے لیے نہیں جن کو عوام حظ کہتے ہیں ان کا حظ صرف ان کا معبود ہے نہ اور کوئی چیز۔ اور ابو عثمان کہتے ہیں کہ اخلاص یہ ہے کہ خالق کی طرف دائمی نظر رکھ کر خلق کے دیکھنے کو فراموش کر دے۔ اس قول میں اشارہ صرف آفت ریا سے محفوظ رہنے کا ہے۔ اسی طرح بعض اکابر کا قول ہے کہ عمل میں اخلاص یہ ہے کہ اس پر نہ شیطان کو خبر ہو کہ اس کو بگاڑے نہ فرشتے کو کہ اسے لکھے اس میں اشارہ صرف عمل کے اخفا کا ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ اخلاص وہ ہے جو خلائق سے پوشیدہ اور علائق سے مصفا ہو یہ قول جامع تر مقاصد کا ہے۔ اور محاسبی کہتے ہیں کہ اخلاص یہ ہے کہ رب کے معاملے میں سے خلق کو نکال ڈالے اس میں صرف ریا کی نفی ہے۔ اسی طرح قول خواص کا ہے کہ جو شخص جام ریاست نوش کرتا ہے وہ عبودیت کے اخلاص سے نکل جاتا ہے اور حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ اعمال میں سے خالص کونسا ہے آپ نے فرمایا کہ جو شخص خدائے تعالیٰ کے واسطے عمل کرتا ہے اور اس بات کو پسند

نہیں کرتا کوئی شخص اس پہ اس کی تعریف کرے اس میں بھی ترکِ ریا کا اشارہ ہے اور اس کو خالص اس لیے فرمایا کہ ان اسباب سے اخلاص میں خلل آتا ہے۔ ان میں سے قوی تر یہ ہے جو حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ اخلاص کدورتوں سے عمل کو صاف کرنے کا نام ہے۔ اور فضیلؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں کے باعث عمل نہ کرنا۔ ریا اور ان کی خاطر عمل کرنا شرک ہے۔ اخلاص یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ تجھ کو ان دونوں باتوں سے بچاوے اور بعضوں نے کہا ہے کہ اخلاص یہ ہے کہ ہمیشہ مراقبہ رکھے اور بالکل حظوظ کو فراموش کر جاوے۔ یہ بیان کامل ہے اور اقوال اسباب میں بہت ہیں مگر جب حقیقتِ اخلاص کی معلوم ہو چکی تو اب ان سب اقوال کے نقل کرنے سے کیا فائدہ۔ بلکہ بیان شافی وہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یعنی جب آپ سے اخلاص کا حال پوچھا گیا تو فرمایا کہ[ح] ان تقول ربی اللہ ثم تستقم کما امرت اس سے غرض یہ ہے کہ اپنے نفس اور ہوا کی عبادت نہ کرے اور بجز اپنے رب کے اور کسی کی عبادت نہ کرے پھر اس کی عبادت میں جیسا حکم ہے ویسا ہی مستقیم بنا رہے یعنی ماسوا اللہ سے قطع نظر کر لے اور واقعی اخلاص یہی ہے۔

۱۴ اخلاص کو مکدر کرنے والی آمیزشیں

واضح ہو کہ جو آفتیں اخلاص کو ابتر کرتی ہیں ان میں سے بعضی ظاہر ہیں اور بعضی پوشیدہ اور بعضی باوجود ظاہر ہونے کے ضعیف ہیں اور بعضی باوجود خفی ہونے کے قوی ہیں اور ظہور وخفا میں ان کے درجات کا اختلاف بدون مثال کے نہیں سمجھا جاتا اور اخلاص کی ابتر کرنے والی چیزوں میں سے ظاہر تر ریا ہے اسی کی مثال ہم لکھتے ہیں کہ مثلاً ایک نمازی اپنی نماز میں اخلاص کر رہا ہے اس وقت شیطان اس پہ آفت ڈالتا ہے اس طرح کہ نماز پڑھنے میں اگر کچھ لوگ اس کو دیکھ لیں یا کوئی اس کے پاس آجاوے تو شیطان اس سے کہتا ہے کہ نماز اچھی طرح پڑھ تاکہ دیکھنے والا تجھ کو نظرِ تعظیم سے دیکھے اور نیک بخت سمجھے تیری حقارت اور غیبت نہ کرے اور وہ اس بات کو مان کر اعضا میں خشوع ظاہر کرے اور رکوع سجدہ اچھی طرح ادا کرے۔ یہ قسم ریا کے درجہ اول اور ریائے ظاہر ہے یہ مریدین میں سے بتدیوں پر بھی مخفی نہیں رہتی دوسرا درجہ یہ ہے کہ مرید اس آفت کو سمجھ گیا ہو اور اس سے احتراز کرتا ہو یعنی اس میں شیطان کی اطاعت نہ کرتا ہو نہ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہو جس طرح پہلے پڑھتا تھا اسی طرح پڑھتا ہے تو اب شیطان خیر کے بہانے سے اس کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ تو مقتدا اور پیشوا اور انگشت نما ہے جو کام تو کرے گا اور لوگ اس میں تیری اقتداء کریں گے تو ان کے اعمال کا ثواب تجھ کو ملے گا بشرطیکہ تو اچھی طرح عمل کرے گا اور اس کا وبال تیری گردن پر رہے گا اگر تو بری طرح کرے گا۔ اس صورت میں اس شخص دیکھنے والے کے سامنے عمل اچھی طرح کر، شاید وہ خشوع اور اچھی طرح بجا آوری میں تیری اقتداء کرے اور یہ درجہ پہلے درجہ کی نسبت کر کچھ باریک ہے۔ جو لوگ درجہ اول سے فریب میں نہیں آتے وہ کبھی اس جال میں پھنس جاتے ہیں مگر یہ بھی ریا ہی ہے اخلاص کی بربادی اس سے بھی ہو جاتی ہے اس لیے کہ اگر واقع میں خشوع اور عبادت کی خوبی اس کے نزدیک بہتر ہے کہ دوسرے کی خاطر اس کو نہیں چھوڑتا تو تنہائی میں اپنے نفس کو ان کا عادی کیوں نہ کیا اور یہ ہو نہیں سکتا کہ دوسرے کا

ح تو کہے کہ میرا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے پھر مستقیم رہے جیسا کہ تجھ کو حکم کیا گیا ۱۲ ان الفاظ سے اسکی روایت میری نظر سے نہیں گذری ترمذی اور ابن ماجہ نے بروایت سفیان بن عبداللہ نقل کیا ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کوئی امر ایسا فرمائیے جس کا میں تمسک کروں فرمایا کہ قل ربی اللہ ثم استقم ۱۲

نفس اس کے نزدیک بہ نسبت اپنے نفس کے عزیز ہو اس سے معلوم ہوا کہ یہ صرف دھوکا ہے بلکہ پیشوا وہ ہے جو اپنے دم سے مستقیم ہو اور اس کا دل روشن اس طرح کہ اس کی روشنی دوسروں پر پڑتی ہے تو البتہ اس کا ثواب اس کو ملے گا اور وہ صورت کو محض نفاق اور دھوکے کی ہے یہ ہم نے مانا کہ اگر اس کی کوئی اقتدا کرے گا تو مقتدی کو ثواب ملے گا مگر اس مقتدا سے باز پرس اس بات کی ہوگی کہ جو چیز تجھ میں نہ تھی اس کو کیوں ظاہر کیا اور اس کو عذاب بھی دیا جاوے گا تیسرا درجہ جو دوسرے درجے کی نسبت کر بھی باریک ہے یہ ہے کہ بندہ اسباب میں اپنے نفس کا امتحان لے اور مکر شیطان سے آگاہ ہو کر جان لے کہ خلوت میں اور حال ہونا اور غیر کے دیکھنے کی صورت میں اور حال ہونا محض ریا ہے اور اخلاص کی صورت یہ ہے کہ نماز تنہائی میں ایسی ہی ہو۔ جیسے مجمع میں ہوتی ہے اور اپنے نفس اور پروردگار سے اس بات کی حیا کرے کہ خلق کے دیکھنے کی صورت میں عادت کے بموجب خشوع زیادہ کرے اس نظر سے تنہائی میں اپنے نفس پر متوجہ ہو اور وہاں بھی نماز اسی خوبصورتی سے پڑھنی اختیار کرے جو ہیئت کہ مجمع میں بھی اس کو پسند ہے اور مجمع میں بھی اسی طرح پڑھے تو یہ صورت بھی ریائے دقیق اور خفی ہے اس لیے کہ خلوت میں اس نے نماز کو اس نیت سے اچھی طرح پڑھا کہ مجمع میں بھی اسی صورت سے ادا ہو تو تنہائی اور مجمع میں دونوں میں اس کی نظر خلق کی طرف رہی اور اخلاص اس طرح ہوتا کہ بہائم کا دیکھنا اور خلق کا دیکھنا دونوں اس کی نظر میں یکساں ہو جاویں تو گویا اس کا دل گوارا نہیں کرتا کہ لوگوں کے سامنے نماز کو بری طرح ادا کرے پھر اپنے دل میں شرماتا ہے کہ کہیں ریاکاروں کی صورت میں نہ ہو جاوے اور اس کو یہ گمان ہے کہ اگر خلوت اور مجمع نماز کی صورت ایک ہی ہو جاوے گی تو ریا سے خارج ہو جاؤں گا۔ حالانکہ یہ بات نہیں بلکہ ریا سے خارج ہونے کی صورت یہ ہے کہ خلق کی طرف التفات ایسا ہی ہو جیسا جمادات کی طرف ہوتا ہے خواہ خلوت میں ہو یا مجمع میں ورنہ یہ شخص دونوں صورتوں میں خلق کی طرف ہمت سے مشغول رہے گا۔ اور یہ بات شیطان کے خفیہ مکروں میں سے ہے چوتھا درجہ جو نہایت خفی ہے یہ ہے کہ لوگ اس کو نماز پڑھتے دیکھیں اور شیطان اس کو یہ نہ کہہ سکے کہ تو ان کی خاطر خشوع کر اس واسطے کہ اس کو معلوم ہے کہ یہ فریب یہ شخص سمجھ گیا ہے، داؤ میں نہ آوے گا۔ تو شیطان اس سے یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال میں تامل کر جس کے سامنے تو کھڑا ہے اور اسباب سے حیا کر کہ کہیں خدائے تعالیٰ تیرے دل کو ایسے حال میں نہ دیکھے کہ دل اس سے غافل ہو اس خیال کے آنے سے اس کا دل حاضر ہوتا ہے اور اعضا خشوع کرنے لگتے ہیں اور اس کو گمان ہوتا ہے کہ اخلاص یہی ہے حالانکہ یہ عین مکر و فریب ہے اس لیے کہ اگر خدائے تعالیٰ کے جلال پر نظر کرنے سے یہ خشوع ہوتا تو تنہائی میں بھی یہ ہوا کرتا اس طرح نہ ہوتا کہ جب کوئی غیر شخص ہو تو اسی کے آنے سے یہ کیفیت حاصل ہوتی اور اس آفت سے بچنے کی علامت یہ ہے کہ یہ خیال تنہائی میں بھی دل پر چھا رہے جس طرح کہ مجمع میں رہتا ہے اور یہ بات نہ ہو کہ دوسرے شخص کے آنے پر ہی موقوف ہو جیسے کہ بہائم کے آنے پر کوئی خیال اس قسم کا منحصر نہیں ہوتا، غرضکہ جب تک آدمی کو انسان کے دیکھنے اور بہائم کے دیکھنے میں اپنے اعمال میں فرق معلوم ہو تب تک وہ صفائے اخلاص سے خارج اور اس کا باطن آلودہ شرک خفی یعنی ریا کا ہے یہی شرک اس طرح کا ہے کہ آدمی کے دل میں سیاہ چیونٹی کی

چال سے جو اندھیری رات میں سخت پتھر پر چلے خفی تر ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے ح اور شیطان سے کوئی شخص نہیں بچ سکتا۔ مگر وہ شخص جس کی نظر دقیق ہو اور اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور توفیق و ہدایت سے بہرہ یاب ہو ورنہ شیطان ان لوگوں کی تاک میں ہر وقت رہتا ہے جو عبادتِ الٰہی کے لیے مستعد ہوں ان سے ایک لحظہ غافل نہیں رہتا یہاں تک کہ ان کو ہر ایک حرکت اور کام میں ریا پر لا ڈالتا ہے۔ حتیٰ کہ آنکھ میں سرمہ لگانا اور لبوں کا کتروانا اور جمعہ کے روز خوشبو لگانا اور کپڑے بدلنا یہ سب امور اوقات مخصوصہ میں سنت ہیں اور چونکہ خلق کی فطرت کو ان سے علاقہ ہے اور طبیعت کو رغبت اس لیے نفس کو ان میں ایک حظ خفی ہے۔ پس شیطان بندے کو ان چیزوں کے فعل کی طرف بلاتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ فعل سنت ہے اس کو ترک کرنا نہ چاہیئے اور نفس اس کی تقریر سے اسی لیے ابھرتا ہے کہ اس میں وہ شہواتِ خفیہ موجود ہیں یا دل کا ابھار ان شہوات سے محظوظ ہوتا ہے اس قدر کہ اس کے باعث سے حد اخلاص سے نکل جاتا ہے اور جو چیز کہ ان سب آفتوں سے محفوظ نہ ہو وہ خالص نہیں بلکہ جو شخص کسی آباد مسجد عمدہ بنی ہوتی صاف پاکیزہ میں اعتکاف کرے اور اس میں دل لگتا ہو تو شیطان رغبت اعتکاف کی دلاتا ہے اور فضائل اعتکاف کثرت سے اس کے سامنے بیان کرتا ہے اور محرک خفی اس صورت میں بعض اوقات مسجد کی خوبصورتی اور طبیعت کا اس سے راحت پاتا ہوتا ہے اور یہ امر اس وقت معلوم ہوتا ہے جب دوسری مسجد جو ویسی خوبصورت نہ ہو اس میں اعتکاف کو دل نہ چاہے اور یہ سب باتیں طبیعت کی آمیزش اور نفس کی کدورات میں مخلوط ہیں حقیقت اخلاص ان سے جاتی رہتی ہے اس کو ایسا جاننا چاہیے جیسا خالص ہونے میں ملاؤ ہوتا ہے کہ کبھی تو اتنا ہوتا ہے کہ ملاؤ ہی غائب ہو اور کم ہوتا ہے مگر جلد معلوم ہو جاتا ہے اور کبھی اتنا تھوڑا ہوتا ہے کہ بدون خوب پرکھنے والے بینا کے اور کوئی نہیں جان سکتا اور دل کا ملاؤ اور شیطان کا دخل اور نفس کی خباثت اس سے کہیں دقیق اور خفیہ تر ہے چنانچہ مشہور ہے ع

خبث نفس نگردد بسالہا معلوم

اسی لیے کہا گیا ہے کہ دو رکعتیں عالم کی جاہل کی ایک برس کی عبادت سے افضل ہیں اس قول میں عالم سے وہی شخص مراد ہے جو آفات کے اعمال و دقائق جانتا ہو تاکہ اپنے عمل کو ان سے پاک و صاف کرے اور جاہل تو ظاہر عبادت پر نظر رکھا کرتا ہے اور اسی سے مغالطے میں پڑ جاتا ہے جیسے کوئی گنوار ایک کھوٹی نکمی اشرفی کو بظاہر سرخ اور گول دیکھ کر مغالطے میں آجاتا ہے حالانکہ کندن میں سے تھوڑا سا سونا بھی اس اشرفی سے بہتر ہوتا ہے جو غبی اور ناواقف اچھا سمجھ لیتے ہیں اسی طرح عبادات کا معاملہ مختلف ہے بلکہ یہ سخت تر اور برا ہے اور اعمال میں جس قدر آفات راہ پاتے ہیں ان کا حصر اور شمار غیر ممکن ہے ہم اسی قدر مثال پر کفایت کرتے ہیں۔ "درخانہ اگر کس است حرفے بس است" اور غبی آدمی کو گفتگیتے طویل سے بھی کچھ اثر نہیں ہوتا۔ پس طول سخن لاحاصل ہے

ح ا۔ تیسری جلد باب دوم جاہ و ریا میں گذری ۱۲

سچ ہے!

نہ گوید از سر بازیچہ حرفی کزاں پندے نہ گیرد صاحب ہوش
اگر صد باب حکمت پیش ناداں بخوانی آیدش بازیچہ در گوش

۵ مخلوط عمل کا ثواب

جاننا چاہیے کہ عمل جب کہ خالص خدائے تعالیٰ کے واسطے نہیں ہوتا اور اس میں ملونی ریا یا اور نفس کے حظوں کی ہوتی ہے تو لوگوں کا اختلاف ہے کہ ایسا عمل مستحق ثواب ہے، یا سزا اور عذاب یا دونوں میں سے کسی کا مقتضی نہیں اور یہ تو ظاہر ہے کہ جس عمل میں صرف مقصود ریا کی ہو گی وہ موجب عذاب اور غضب ہے اور جو خاص لوجہ اللہ ہوگا وہ سبب ثواب ہے۔ صرف اختلاف عمل مخلوط میں ہے اور ظاہر اخبار سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس آدمی پر ثواب[ح1] نہ ہو تاہم اخبار جو اسباب میں وارد ہیں ان میں اختلاف[ح2] ہے اور ہمارے نزدیک یہ بات ہے کہ قوت باعث کی مقدار کو دیکھنا چاہیئے پس اگر باعث دینی اور باعث نفسی دونوں برابر ہوں تو دونوں کی کچھ تاثیر نہ رہے گی ایسے عمل کا نہ ثواب ہی ہو گا نہ عذاب اور اگر باعث ریا غالب اور قوی ہو گا تو اس عمل سے کچھ فائدہ نہ ہو گا بلکہ مضر پڑے گا اور موجب عذاب ہو گا۔ ہاں اس کا عذاب اس عمل کے عذاب سے ہلکا ہو گا جس کا باعث محض ریا اور تقرب کا ملاؤ اس میں کچھ بھی نہ ہو اور اگر قصد تقرب دوسرے باعث کی نسبت کہ قوی تر ہو گا تو جس قدر قوت باعث دینی یعنی تقرب کی زیادہ ہو گی اسی قدر اس کو ثواب ہو گا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[ح3] فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ اور فرمایا ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ وان تك حسنۃ یضاعفھا ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قصد خیر تلف نہ ہو گا بلکہ اگر قصد ریا سے بڑھ کر ہو گا تو قصد ریا کے برابر تو باطل ہو جاوے گا اور زیادتی باقی رہے گی اور اگر مغلوب ہو گا تو جتنا عذاب صرف قصد فاسد کی رو سے ملتا اس میں سے کسی قدر تخفیف ہو جاوے گی اور اس امر کی تحقیق یہ ہے کہ اعمال کی تاثیر دلوں میں یہ ہوتی ہے کہ جس صفت سے وہ صادر ہوتے ہیں اسی صفت قلبی کو مستحکم کیا کرتے ہیں۔ مثلاً صفت ریا مہلکات میں سے ہے اور اس مہلک کی غذا اور قوت اس طرح ہوتی ہے کہ اس کے موافق عمل کیا جاوے اور داعیۂ خیر نجات دینے والی صفات میں سے ہے اس کی قوت اس کے موافق عمل کرنے سے ہوتی ہے۔ پس جب یہ دونوں صفتیں دل میں اکٹھی ہوں تو دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں جب ایک کے موافق عمل کرے تو اسی کو تقویت ہو گی خواہ وہ ریا ہو یا تقرب اور ان دونوں میں

ح[1] ابوداؤد نے بروایت ابوہریرہؓ اور نسائی نے بروایت ابو امامہ نقل کیا ہے کہ جہاد میں جس کو غرض دنیاوی بھی ہو اس کو ثواب نہیں ہوتا ۱۲ ح[2] ابن حبان نے بروایت ابوہریرہؓ نقل کیا ہے کہ آدمی عمل خفیہ کرتا ہے اور اس پر اگر کسی کو اطلاع ہو جاتی ہے تو خوش ہو جاتا ہے آپ نے فرمایا کہ اس کو دونا ثواب ہوتا ہے ایک چھپانے کا اور ایک ظاہر کا ۱۲ ت[3] سو جس نے کی ذرہ بھر بھلائی وہ دیکھ لے گا اور جس نے کی ذرہ بھر برائی وہ دیکھ لے گا۔ ت[4] اللہ حق نہیں رکھتا کسی کا ایک ذرہ برابر اور اگر ہو نیکی تو اس کو دونا کرے ۱۲

ایک مہلک ہے اور دوسری نجات دینے والی پس اگر دونوں کی تقویت یکساں ہی ہے تو دونوں برابر رہیں گے۔ مثلاً کسی کو حرارت کی چیزوں سے ضرر ہوتا ہے اور اس نے گرم چیزیں کھائیں پھر ان گرم چیزوں کی قوت کی مقدار پر سرد چیزوں کا استعمال کیا تو دونوں کے کھانے کے بعد ایسی کیفیت ہو گی کہ گویا کوئی چیز نہیں کھائی اور اگر دونوں میں سے کوئی غالب ہو گی تو مقدار غلبہ کی ضرور تاثیر کرے گی تو جس طرح کہ کوئی ذرہ کھانے پینے کی دوا کا جسم میں خدائے تعالیٰ کی عادت کے بموجب بدون تاثیر کے نہیں رہتا اسی طرح کوئی ذرہ خیر و شر کا بھی تلف نہیں ہوتا دل میں روشنی یا تاریکی کا اثر ضرور پہنچاتا ہے اور خدائے تعالیٰ سے قریب یا بعید ضرور کرتا ہے پس اگر ایسا عمل کیا جس سے ایک بالشت مثلاً قرب ہوا اور اس میں ایسا خلط کیا جس سے ایک ہی بالشت دوری ہو تو جس حالت پر تھا اسی پر رہے گا نہ ثواب ہی ہو گا کہ ایک بالشت کا فضل اس کو رہے گا اور حدیث[ح۱] شریف میں ہے کہ اتبع السیئۃ الحسنۃ تمحہا اس صورت میں جبکہ ریائے محض کو اخلاص محض اس کے بعد مٹا دیتی ہے تو ضرور ہوا کہ اگر دونوں اکٹھے ہوں گے تو ایک دوسرے کے برعکس عمل کریں گے اور اس کی وجہ ایک یہ بھی ہے کہ اس بات پر اجماع امت ہے کہ جو شخص حج کے واسطے نکلے اور مال تجارت بھی اس کے ساتھ ہو تو اس کا حج درست ہے اور اس پر ثواب دیا جاوے گا گو اس کے ساتھ ایک نفس کے حظوں میں سے مل گیا ہے۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس شخص کو ثواب حج کے اعمال کا جب ہوتا ہے جب مکہ معظمہ میں پہنچتا ہے اور تجارت حج پر موقوف نہیں تو حج خالص رہا البتہ بعد مسافت حج اور تجارت میں مشترک رہا تو اگر قصد تجارت ہو گا تو اس طول مسافت میں کچھ ثواب نہ ملے گا لیکن بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جاوے کہ جس صورت میں محرک اصلی حج ہو اور غرض تجارت مثل معین اور تابع کے ہو تو نفس سفر میں بھی ثواب ملے گا اور ہم نہیں کہہ سکتے کہ غازیوں کو کفار کے ساتھ ایسی جہت میں لڑنا جہاں غنیمت بہت ملے اور ایسی جہت میں کہ غنیمت نہ ہو کچھ فرق نہیں معلوم ہوتا مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ یہ کہنا بعید ہے کہ اس فرق کے معلوم ہونے سے ان کو جہاد کا ثواب بالکل نہ ملے بلکہ یوں کہنا مناسب ہے کہ اگر باعث اصلی اور محرک قوی بلند کرنا کلمہ خدائے تعالیٰ کا ہو اور رغبت غنیمت اس کی تابع ہو تو اس سے ثواب ضائع نہ جائے گا ہاں اس شخص کے ثواب کے برابر نہ ہو گا جس کا دل غنیمت کی طرف بالکل ملتفت نہ ہو اس لیے کہ اس التفات سے نقصان تو بے شبہ ہے اب اگر یہ کہو کہ آیات و اخبار سے ایسا پایا جاتا ہے کہ ریا کی آمیزش ثواب کو ضائع کرتی ہے اور جیسی ریا کی آمیزش ہے ویسے ہی تلاش غنیمت کا خلط ہے اور تجارت وغیرہ حظوظ بھی ایسے ہی ہیں۔ چنانچہ طاؤس[ح۲] اور دوسرے تابعین روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ایک شخص احسان کرتا ہے یا صدقہ دیتا ہے مگر اس کو یہ بات محبوب ہے کہ لوگ اس کی تعریف بھی کریں اور ثواب بھی ملے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس

ح۱ برائی کے پیچھے بھلائی کر دو وہ اس کو مٹا دے گی ۱۲ باب توبہ میں گذری ۱۲

ح۲ حاکم بروایت طاؤس مرسلا ۱۲

کو کچھ جواب[ح1] نہ دیا یہاں تک کہ یہ آیت اتری۔ فمن کان یرجوا لقاء ربہ فلیعمل عملا صالحا ولا یشرک بعبادۃ ربہ احدا[ت2] اور حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ادنی الریا شرک[ح3] ہے اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے اپنے عمل میں شرک کیا ہوگا اس سے کہا جاوے گا کہ تو اپنا بدلہ اس سے لے جس کے لیے تو نے عمل کیا اور حضرت عبادہ سے روایت حدیث قدسی[ح4] کی ہے کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے کہ میں سب شریکوں کی نسبت کہ شرک سے غنی ہوں جو شخص کوئی عمل کرتا ہے اور اس میں میرے ساتھ غیر کو شریک کرتا ہے تو میں اپنا حصہ بھی شریک کے لیے چھوڑ دیتا ہوں۔ اور حضرت ابوموسیٰ روایت[ح5] کرتے ہیں کہ ایک اعرابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ایک مرد غیرت کے لیے لڑتا ہے اور دوسرا شجاعت کی خاطر اور تیسرا اس لیے کہ اس کا مرتبہ خدا کی راہ میں معلوم ہو۔ آپ نے فرمایا کہ جو شخص اس لیے لڑے کہ خدائے تعالیٰ کا بول بالا رہے وہ راہِ خدا میں ہے اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ تم کہتے ہو کہ فلاں شخص شہید ہے اور شاید کہ اس نے اپنی سواری کی خورجی روپیوں سے بھر لی ہو یعنی نیت کا حال معلوم نہیں کہ خالص تھی یا غنیمت کے لیے گیا تھا اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[ح6] من جاھد یبتغی شیئا من الدنیا فھولہٗ ہم کہتے ہیں کہ یہ حدیثیں اس مدعا کے مخالف نہیں جو ہم نے ذکر کیا ہے بلکہ مراد ان سے وہ شخص ہے جو عمل سے دنیا ہی کا طالب ہو جیسے کہ فرمایا من جاھد یبتغی شیئا من الدنیا اور دنیا ہی کی طلب اس کی نیت پر غالب ہو اور یہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ عمل کا دنیا کے لیے کرنا معصیت اور زیادتی ہے نہ اس وجہ سے کہ طلب دنیا حرام ہے بلکہ اس نظر سے کہ دنیا کا طلب کرنا اعمال دین کے عوض میں حرام ہے اس لیے کہ اس میں ریا اور عبادت کا اپنی جگہ سے بدلنا پایا جاتا ہے اور لفظ شرکت جہاں کہیں وارد ہے اس سے برابری مراد ہے اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ جب دونوں قصد برابر ہوں گے تو ساقط ہو جاویں گے اس عمل پر نہ ثواب ہوگا نہ عذاب، تو ایسے عمل سے توقع ثواب کی نہ کرنی چاہیے پھر انسان ہمیشہ شرکت کی حالت میں خطرے میں ہے کیونکہ اسے کیا معلوم ہے کہ دونوں قصدوں سے اس پر کونسا غالب ہے عجب ہے کہ بعض اوقات عمل اس کے حق میں وبال ہو جاتے اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ فمن کان یرجوا لقاء ربہ فلیعمل عملا صالحا ولا یشرک بعبادۃ ربہ احدا اس سے یہ مراد ہے کہ شرکت کے ہوتے ہوئے توقع ثواب نہ رکھنی چاہیے۔ بہترین احوال شرکت میں سے ہے کہ عمل ساقط ہو جاوے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ منصب شہادت لڑائی میں بدون اخلاص نہیں ملتا مگر یہ کہنا بعید ہے کہ جس شخص کا ارادہ دینی اس طرح کا ہو

ت1 پھر جس کو امید ہو ملنے کی اپنے رب سے سو کرے کچھ کام نیک اور ساجھا نہ رکھے اپنے رب کی بندگی میں کسی کا ۱۲ ح2 ریا میں سے تھوڑی سی بھی شرک ہے ۱۲ طبرانی و حاکم ۱۲ ح3 جلد تیسری جاہ و ریا کی برائی میں گذری ۱۲ ح4 مثل بالا حدیث بالا ۱۲ ح5 پیشتر گذری ح6 جو ہجرت اسلیے کرے کہ کچھ دنیا کی چیز چاہے تو وہ اسی کے واسطے ہے پیشتر گذری ۱۲ ح جو شخص ہجرت کرے بقصد چاہنے کسی چیز دنیا کے ۱۲

کہ صرف جہاد کے لیے اس کو آمادہ کر دے گو غنیمت نہ ہو اور کفار کی جماعت توانگر اور مفلس دونوں سے لڑ سکتا ہو لیکن توانگروں کی طرف اس لیے جھکے کہ مقصد اصلی خدائے تعالیٰ کا بول بالا رکھنے کا بھی حاصل ہو اور غنیمت بھی ملے تو ایسے شخص کو ثواب جہاد کا نہ ملے اور معاذ اللہ اگر معاملہ اسی طرح ہو تو دین میں کمال تنگی ہو اور مسلمان مایوس ہو جائیں۔ اس لیے ان جیسی آمیزشوں سے تو کبھی انسان خالی ہی نہیں رہتا کہ مقصود اصلی کے ساتھ میں کوئی تابع نہ ہو اور اگر یہ صورت ہوتی بھی ہے تو نہایت کم اس لیے ایسی آمیزشوں کی تاثیر ثواب کے کم کرنے میں البتہ ہوا کرتی ہے یہ نہیں کہ ثواب بالکل حبط ہو جاوے ہاں اتنا ہے کہ انسان کو اس حالت میں بڑا خطرہ ہے اسواسطے کہ اس کو بعض اوقات گمان ہوتا ہے کہ قوی تر باعث عمل کا قصد تقرب الی اللہ ہے حالانکہ اس کے باطن پر غالب حظ نفسی ہوتا ہے اور یہ بات نہایت درجہ کو خفی رہتی ہے یعنی اجر کامل اخلاص سے حاصل ہوا کرتا ہے۔ اور آدمی جتنی چاہے احتیاط کرے اپنے نفس سے اس کو اخلاص کا یقین بہت ہی کم ہوگا۔ اس وجہ سے عمل کرنے والے کو چاہیئے کہ بعد خوب کوشش و احتیاط کے ہمیشہ رد و قبول میں متردد رہے کہ کہیں میری عبادت میں کوئی آفت ایسی پیش نہ آئی ہو جس کا وبال ثواب کی نسبت کر زیادہ ہو۔ اہل بصیرت میں سے جو لوگ خوف کیا کرتے تھے ان کا یہی دستور تھا اور ہر اہل بصیرت کو اپنا دستور العمل یہی رکھنا چاہیئے۔ اسی وجہ سے حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ میرا عمل جو ظاہر ہو گیا ہے اس کو میں شمار نہیں کرتا اور عبد العزیز بن ابی رواد کہتے ہیں کہ میں اس گھر کا مجاور ساٹھ برس رہا اور ساٹھ حج کیے لیکن اعمال الٰہی میں سے جو عمل میں نے کیا جب اس میں اپنے نفس کو ٹٹولا تو شیطان کا حصہ اس عمل میں بہ نسبت خدائے تعالیٰ کے حصہ کے زیادہ پایا میں یہی غنیمت جانوں اگر وہ اعمال نہ موجب ثواب ہوں نہ باعث عقاب۔ اور باوجود ان سب آفتوں کے یہ بھی نہ چاہیئے کہ آفت ریا کے خوف سے عمل کو چھوڑ دیا جائے اس لیے کہ منتہائے آرزوئے شیطان یہی ہے کہ آدمی عمل نہ کرے اور مقصود اس بیان بالا سے یہ ہے کہ اخلاص نہ جانے پاوے اور جب عمل ترک کر دیا جاوے گا تو عمل اور اخلاص دونوں جاتے رہیں گے۔ منقول ہے کہ کوئی فقیر حضرت ابو سعید حراز کی خدمت کیا کرتا تھا اور ان کے کاموں میں مدد دیا کرتا تھا۔ ایک روز انہوں نے حرکات میں اخلاص کے ہونے کا ذکر کیا وہ فقیر ہر ایک حرکت کے وقت اپنے دل کا نگران ہوا اور اخلاص کا طالب اسے اپنی حاجات کا پورا کرنا بھی متعذر ہو گیا اور حضرت ابو سعید کو اس سے تکلیف ہوئی کہ کام کرتے میں خود وقت اٹھانی پڑی۔ اس فقیر سے پوچھا کہ تم اب کام کیوں نہیں کرتے اس نے کہا کہ میں آپ کے ارشاد کے بموجب اعمال میں حقیقت اخلاص کا مطالبہ اپنے نفس سے کرتا ہوں مگر اکثر کاموں میں میرا نفس اخلاص سے عاجز ہے اس لیے چھوڑ دیتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ ایسا مت کر، اخلاص عمل کو قطع نہیں کرتا۔ عمل پر مواظبت کر اور اخلاص کے حاصل کرنے میں کوشش کر میں نے تم سے یہ نہیں کہا کہ عمل کو چھوڑ دو بلکہ یہ کہا ہے کہ عمل کو خالص کرو اور حضرت فضیلؒ فرماتے ہیں کہ خلق کے باعث عمل کا چھوڑنا ریا ہے اور خلق کے باعث اس کا کرنا شرک ہے۔

تیسری فصل: صدق اور اس سے متعلق دو باتیں

۱۔ صدق کی فضیلت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ[ت ۱] رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ اور صدق کی فضیلت میں اسی قدر کافی ہے کہ صدیق اسی سے مشتق ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کی مدح و ثنا میں ان کو صدیق فرمایا ہے چنانچہ فرمایا[ت ۲] واذکر فی الکتٰب ابراھیم انہ کان صدیقا نبیاط اور فرمایا[ت ۳] واذکر فی الکتٰب اسمٰعیل انہ کان صادق الوعد وکان رسولا نبیا اور فرمایا[ت ۴] واذکر فی الکتٰب ادریس انہ کان صدیقا نبیاط اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[ح ۵] ان الصدق یھدی الی البر و البر یھدی الی الجنۃ وان الرجل لیصدق حتی یکتب عند اللہ صدیقا وان الکذب یھدی الی الفجور والفجور یھدی الی النار وان الرجل لیکذب حتی یکتب عند اللہ کذابا اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ چار باتیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں ہوں نفع اسی کو ہو اول صدق، دوم حیا سوم حسن خلق چہارم شکر، اور بشر بن الحارثؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص خدائے تعالیٰ سے معاملہ صدق کے ساتھ کرتا ہے وہ لوگوں سے نفرت کیا کرتا ہے۔ اور ابو عبداللہ رملی کہتے ہیں کہ میں نے منصورؒ دینوری کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ خدائے تعالیٰ نے تم سے کیا معاملہ کیا انہوں نے کہا کہ مجھ کو بخش دیا اور مجھ پر رحم کیا اور جو مجھ کو توقع نہ تھی وہ عنایت فرمایا پھر میں نے پوچھا کہ کس چیز سے بندہ متوجہ الی اللہ ہوتا ہے اس میں سب سے اچھی کیا چیز ہے انہوں نے فرمایا صدق ہے۔ اور سب سے بری چیز خدائے تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کی جھوٹ ہے اور ابو الیمانؒ فرماتے ہیں کہ صدق کو اپنی سواری کرو اور امر حق کو تلوار اور اللہ تعالیٰ کو اپنا اعلیٰ درجہ کا مطلوب۔ اور ایک شخص نے کسی حکیم سے ذکر کیا کہ میں نے کوئی سچا آدمی نہیں دیکھا حکیم نے جواب دیا کہ اگر تو سچا ہوتا تو سچوں کو پہچانتا۔ اور محمد بن علی کتانی کہتے ہیں کہ ہم نے خدائے تعالیٰ کے دین کو تین ارکان پر مبنی پایا اول صدق دوم حق سوم عدل۔ پس عدل تو دلوں پر ہوتا ہے اور حق اعضاء پر اور صدق عقلوں پر۔ اور حضرت ثوریؒ نے اس آیت کی تفسیر میں[ت ۶] یوم القیمۃ تری الذین کذبوا علی اللہ وجوھھم مسودۃ فرمایا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ انہوں نے دعویٰ محبت الٰہی کا کیا اور اس دعویٰ میں سچے نہ ہوتے۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ اے داؤد جو شخص مجھ کو اپنے باطن میں تصدیق

ت ۱ مرد ہیں کہ سچ کر دکھایا جس پر قول کیا تھا ہم سے ۱۲ ت ۲ اور مذکور کر کتاب میں ابراہیم کا بے شک تھا وہ سچا نبی ۱۲ ت ۳ اور مذکور کر کتاب میں اسماعیل کا وہ تھا وعدہ کا سچا اور رسول نبی ۱۲ ت ۴ اور مذکور کر کتاب میں ادریس کا وہ تھا سچا نبی ۱۲ ح ۵ سچ راہ بتاتا ہے نیکی کی اور نیکی لے جاتی ہے جنت کو اور آدمی سچ بولتا ہے کہ خدا کے نزدیک صدیق لکھا جاتا ہے اور جھوٹ راہ بتاتا ہے بدی کی اور بدی راہ بتاتی ہے دوزخ کی اور آدمی جھوٹ بولتا ہے یہاں تک کہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک جھوٹا لکھا جاتا ہے ۱۲ بخاری و مسلم بروایت

ت ۶ اور قیامت کے دن تو دیکھے ان کو جو جھوٹ بولتے ہیں اللہ پر ان کے منہ سیاہ ۱۲

کرتا ہے میں اس کو خلائق میں ظاہر ظہور سچا کرتا ہوں اور ایک شخص نے حضرت شبلیؒ کی مجلس میں چیخ ماری اور اپنے آپ کو دجلہ میں گرا دیا۔ حضرت شبلیؒ نے فرمایا کہ اگر یہ شخص سچا ہوگا تو اس کو خدا تعالیٰ ایسا بچاوے گا جیسا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بچا دیا تھا۔ اور اگر جھوٹا ہوگا تو وہ اس کو اس طرح غرق کر دے گا جیسا فرعون کو غرق کر دیا تھا۔ اور بعض اکابر فرماتے ہیں کہ فقہاء اور علماء کا سب کا اتفاق ہے کہ تین باتیں اگر درست ہوجاویں تو آدمی کی نجات ہوجاوے اور یہ تینوں ایک دوسرے سے پوری ہوتی ہیں۔ اول اسلام جو بدعت اور ہوا سے خالص ہو، دوم اعمال میں خدائے تعالیٰ کے واسطے صدق کا ہونا سوم حلال کی غذا۔ اور وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ توریت کے حاشیے پر میں نے بائیس جملے دیکھے جن کو بنی اسرائیل کے نیک بخت جمع ہو کر پڑھا پڑھایا کرتے تھے وہ جملے یہ تھے۔ کوئی خزانہ علم سے زیادہ نافع نہیں، کوئی مال حلم سے بڑھ کر زیادہ مفید نہیں کوئی حسب غصے سے زیادہ کم تر نہیں، کوئی ساتھی عمل سے بہتر زینت دینے والا نہیں، کوئی رفیق جہل سے بڑھ کر عیب دار نہیں، کوئی شرف تقوے سے زیادہ عزیز نہیں، کوئی کرم ترک ہوا سے زیادہ کامل نہیں۔ کوئی عمل فکر سے افضل نہیں، کوئی حسنہ صبر سے اعلیٰ نہیں، کوئی برائی کبر سے زیادہ رسوا کرنے والی نہیں، کوئی دوا نرم تر نرمی سے نہیں، کوئی مرض حمق سے زیادہ ایذا رساں نہیں، کوئی رسول حق سے عادل نہیں، کوئی دلیل ناصح تر صدق سے نہیں، کوئی فقیری ذلیل تر طمع سے نہیں، کوئی توانگری زیادہ بدبخت جوڑنے سے نہیں، کوئی زندگی عمدہ تر تندرستی سے نہیں، کوئی معصیت عفت سے زیادہ گوارا نہیں، کوئی عبادت خشوع سے زیادہ اچھی نہیں، کوئی زہد قناعت سے بہتر نہیں، کوئی محافظ سکوت سے زیادہ نہیں، کوئی غائب موت سے زیادہ نزدیک نہیں اور محمد بن سعید مروزی فرماتے ہیں کہ جب تو اللہ تعالیٰ کو صدق کے ساتھ طلب کرے تو اللہ تعالیٰ تیرے ہاتھ میں ایک آئینہ عنایت فرمائے جس میں تجھ کو عجائب دنیا و آخرت کے نظر آویں۔ اور ابوبکر وراقؒ کہتے ہیں کہ اپنے اور خدا کے درمیان میں صدق کی حفاظت کر اور نرمی کو اپنے اور مخلوق کے درمیان میں ملحوظ رکھ۔ اور حضرت ذوالنونؒ سے کسی نے پوچھا کہ بندے کو اپنے امور کی درستی کی بھی کوئی سبیل ہے آپ نے ایک قطعہ فرمایا جس کا ترجمہ یہ ہے۔ قطعہ:

صدق چاہیں ولے نہیں ملتا ۔۔۔ اس میں ہم ہیں مذبذب اور حیران
ہے گراں ہم پہ ترک خواہش نفس ۔۔۔ دعوی عشق ہے مگر آساں

اور حضرت سہلؒ سے کسی نے پوچھا کہ اس امر کی اصل کیا ہے جس پر ہم ہیں آپ نے فرمایا کہ صدق اور سخاوت اور شجاعت، سائل نے پوچھا کہ اور کچھ ارشاد فرمایئے۔ آپ نے فرمایا کہ تقویٰ اور حیا اور غذائے حلال، اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے کمال کا حال پوچھا آپ نے فرمایا کہ حق کہنا اور صدق کے ساتھ عمل کرنا۔ اور حضرت جنیدؒ اس جملے کی تفسیر میں[۲] لیسال الصادقین عن صدقہم فرماتے ہیں کہ جو لوگ

ح[۱] الفاظ احیاء سے (یعنی بعینہ ان الفاظ کے ساتھ) اس کی سند مجھے نہیں ملی ۱۲ ت[۲] تا پوچھے اللہ سچوں سے ان کا سچ ۱۲

اپنے عندیے میں صادق ہیں ان کے صدق کا حال خدا کے نزدیک پوچھا جاوے گا اور یہ معاملہ پُرخطر ہے۔

۲۔ صدق کی حقیقت اور اس کے مراتب

جاننا چاہیئے کہ لفظ صدق چھ معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ اول صدق قول کا، دوم صدق نیت کا، سوم صدق در عزم، چہارم وفائے عزم میں صدق کا ہونا، پنجم صدق در عمل، ششم دین کے سب مقامات کی تحقیق میں صدق کا ہونا۔ پس جو شخص ان چھ باتوں میں صدق کے ساتھ متصف ہوگا تو وہ صدیق ہوگا اس لیے کہ صدق میں غایت درجے کو پہنچے گا تو صیغہ مبالغہ اس پر صحیح ہوگا۔ پھر صادقین کے بہت سے درجات ہیں، جس شخص کو کسی خاص چیز میں صدق حاصل ہوگا وہ اسی شئے کی نسبت کر صادق کہلاوے گا جس میں اس کا صدق پایا جاوے گا اب ہر ایک صدق کی تفصیل لکھی جاتی ہے۔ پہلا صدق زبان کا ہے اور وہ اخبار میں اور ان اقوال میں ہیں جو متضمن اخبار ہوں ہوا کرتا ہے اور خبر یا زمان گذشتہ سے متعلق ہوتی ہے یا زمان آئندہ سے اور اس میں داخل ہے وعدے کا پورا کرنا اور خلاف وعدہ کرنا۔ اور ہر ایک بندے پر لازم ہے کہ اپنے اقوال کا نگران رہے اور بجز سچ کے اور کوئی گفتگو نہ کرے اور سب اقسام صدق سے مشہور اور ظاہر تر یہی قسم ہے پس جو شخص اپنی زبان کی حفاظت کرے گا اور اشیاء کا حال جیسے واقع میں ہیں اس کے خلاف نہ کہے گا تو وہ صادق کہلاوے گا لیکن اس صدق کے لیے دو کمال ہیں اول تو کنایات سے احتراز کرنا کہ کہتے ہیں کہ کنایات میں جھوٹ سے بچاؤ ہے اور وجہ ان سے بچنے کی یہ ہے کہ یہ بھی قائم مقام جھوٹ کے ہوتے ہیں کیونکہ جھوٹ میں یہی بات تو ممنوع ہے کہ جو چیز واقع میں کس طرح ہے اس کو برعکس نہ سمجھانا چاہیئے مگر از انجا کہ اس کی طرف حاجت پڑتی ہے اور بعض اوقات مصلحت وقت اس کی مقتضی ہوتی ہے۔ مثلاً لڑکوں اور عورتوں وغیرہ کی تادیب میں اور ظالموں سے بچنے میں اور دشمنوں سے لڑنے میں اور اسرار ملک پر ان کی اطلاع سے احتراز کرنے میں تو ایسی صورتوں میں اگر کوئی شخص جھوٹ کے لیے مجبور ہو تو صدق باقی رہنے کی صورت یہ ہے کہ خدا کے واسطے وہ بات کہے جس کا حکم اس کو حق کرے اور جس قدر مقتضی دین ہو۔ جب اس طرح بولے گا تو صادق ہوگا گو اس کے کلام سے مضمون غیر واقع سمجھا جاوے اس واسطے کہ صدق خود مقصود بالذات نہیں بلکہ امر حق پر دلالت کرنے کی جہت سے اور اس وجہ سے کہ حق کی طرف بلاتا ہے مقصود ہوتا ہے اس لیے اس کے ظاہر کو دیکھنا نہیں چاہیئے بلکہ معنوں کو نظر کرنا چاہیئے۔ ہاں ایسی جگہوں میں جہاں تک ہو سکے کنایات کو کام میں لانا چاہیئے تاکہ صریح جھوٹ نہ ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور شریف تھا کہ جب کسی سفر کی طرف متوجہ ہوتے تو اس کو دوسرے سے چھپاتے تاکہ خبر دشمنوں کو نہ پہنچے اور وہ چڑھ آویں، یہ بات داخل دروغ نہیں۔ اور ایک حدیث شریف میں[ح] آپ نے فرمایا لیس بکذاب من اصلح بین اثنین فقال خیرا ونمی خیرا اور آپ نے تین جگہوں میں حسب مصلحت وقت جھوٹ بولنے کی مصلحت فرمائی ایک تو جو شخص دو آدمیوں میں صلح کرا دے، دوم جس کی دو زوجہ ہوں، سوم جو شخص کہ لڑائی کی

ح بخاری و مسلم بروایت کعب بن مالک ۱۲ ح جھوٹا نہیں ہے وہ شخص جو دو میں صلح کرے تو کہے بہتر یا پہنچاوے بہتر ۱۲ بخاری و مسلم بروایت ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط ۱۲

مصالح میں ہو اور صدق سے ان جگہوں میں صدق نیت مراد لیا جاتا ہے پس لحاظ نیت اور ارادہ خیر ہی کا کیا جاتا ہے لفظوں پر لحاظ نہیں رہتا۔ پس جو شخص کہ اس کا قصد درست اور نیت صادق ہو اور محض خیر کا طالب ہو وہ صادق اور صدیق ہی ہوگا گو اس کے الفاظ کیسے ہی ہوں پھر بھی اشارۃً بیان کرنا بہتر ہے اور اس کا طریق یہ ہے کہ کسی بزرگ سے منقول ہے کہ جب ان کو ظالم تلاش کرتا اور وہ گھر میں ہوتے تو اپنی بی بی سے فرماتے کہ اپنی انگلی سے ایک دائرہ کھینچ لے اور اس میں انگلی رکھ کر کہہ دے کہ یہاں نہیں ہیں اس بہانہ سے جھوٹ سے احتراز کرتے اور ظالم سے بھی بچے رہتے تو ان کا قول سچ تھا۔ مگر ظالم کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ گھر میں نہیں۔ غرضکہ کمال اول لفظ میں تو یہ ہے کہ صریح جھوٹ اور کنایات دروغ سے احتراز کرے اور بدون ضرورت ان دونوں کے گرد نہ پھرے اور دوسرا کمال یہ ہے کہ صدق کے ان الفاظ سے معنوں کی بھی رعایت رکھے جیسے کہ خدائے تعالیٰ سے مناجات اور دعا کرتا ہے۔ مثلاً زبان سے اگر کہے[1] انی وجھت وجھی للذی فطر السمٰوٰت والارض اور دل خدائے تعالیٰ سے منحرف اور دنیا کی آرزوؤں اور شہوات میں مشغول ہو تو یہ شخص جھوٹا ہے۔ یا زبان سے کہے کہ ایاک نعبد یعنی تجھ ہی کو عبادت کرتے ہیں یا کہے کہ میں بندہ خدا ہوں اور بندہ ہونے کی ماہیت اس میں نہ پائی جاتی ہو خدائے تعالیٰ کے سوا مطلوب کوئی اور چیز ہو تو اس کا کلام سچ نہ ہوگا اور اگر قیامت کو باز پرس اس جملے کے صدق کی ہوگی کہ میں بندۂ خدا ہوں تو اس سے صدق ثابت نہ ہوگا اس لیے کہ یہ شخص اگر اپنے نفس کا بندہ یا دینار اور شہوات کا بندہ ہوگا تو اپنے قول میں سچا نہ ہوگا اور جو شخص کسی چیز کا پابند ہو جایا کرتا ہے وہ اس کا بندہ کہلاتا ہے چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ اے دنیا کے بندو! اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[2] تعس عبد الدینار وتعس عبد الدرھم عبد الحلۃ وعبد الخمیصۃ اس حدیث میں جس شخص کا دل جس چیز میں مقید تھا اس کو اسی کا بندہ فرمایا حالانکہ سچا بندہ اللہ تعالیٰ کا وہ ہے جو اول غیر اللہ سے آزاد ہو کر آزاد مطلق ہو جاوے۔ جب یہ آزادی آ دے گی تو دل فارغ ہوگا اور اس میں خدائے تعالیٰ کا بندہ ہونا سماوے گا اور یہ بندگی بندے کو خدائے تعالیٰ اور اس کی محبت میں مشغول کر دے گی اور اس کا باطن وظاہر مقید اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ہو جاوے گا اور کوئی مراد اس کی سوائے خدائے تعالیٰ کے نہ رہے گی پھر یہ رتبہ بھی آدمی طے کر کے بعض اوقات ایک اور مقام پر جو اس سے بھی اعلیٰ ہے پہنچ جاتا ہے جس کو آزادی کہتے ہیں یعنی اس بات سے آزاد ہو جاوے کہ اپنے آپ کوئی ارادہ خدائے تعالیٰ کے واسطے بھی نہ کرے بلکہ جو کچھ اس کو منظور ہو اسی پر قانع رہے خواہ وہ دور کرے خواہ نزدیک اپنے ارادہ کو اس کے ارادہ میں فنا کر دے تو ایسا شخص دوبارہ آزاد ہوگا اول تو غیر اللہ سے آزاد ہو کر بندۂ خاص ہوا پھر اپنے نفس سے آزاد ہو کر اپنے آپ سے نیست ہوا اور اپنے آقا کے سبب موجود کہ اگر اس نے ہلایا تو ہلا اور ٹھہرایا تو ٹھہر گیا اور اگر مصیبت میں مبتلا کیا تو راضی ہوا

ت[1] میں نے اپنا منہ کیا اس کی طرف جس نے بنائے آسمان اور زمین ۱۲ ح[2] ہلاک ہو بندہ دنیا کا اور ہلاک ہو بندہ درم کا اور بندہ لباس کا اور بندہ بھوک کا ۱۲ بخاری بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ۱۲

اس میں گنجائش کسی چیز کی درخواست کی یا اعتراض کی باقی ہی نہیں رہتی بلکہ خدائے تعالیٰ کے سامنے وہ ایسا ہے جیسا مردہ بدست زندہ اور بندگی خدائے تعالیٰ میں نہایت درجے کا صدق ہے اس سے معلوم ہوا کہ سچا بندہ وہی ہے جس کا وجود اپنے نفس کے لیے نہ ہو بلکہ خدائے تعالیٰ کے لیے ہو اور یہ درجہ صدیقین کا ہے اور غیر اللہ سے آزادی صادقین کے درجات میں سے ہے اس کے بعد خدا کی عبودیت حاصل ہوا کرتی ہے اور اس سے پیشتر والے کو نہ استحقاق صادق کہے جانے کا ہے نہ صدیق کا۔ دوسرا صدق نیت اور ارادے کا ہے جس کا مآل اخلاص کی طرف راجع ہے یعنی سالک ایسے حال میں ہو کہ حرکات وسکنات میں اس کا باعث سوائے خدائے تعالیٰ کے اور نہ ہو پس اگر کوئی حظوظ نفسانی میں سے اس میں مل جاوے گا تو صدق نیت جاتا رہے گا اور اس شخص کو اس صورت میں جھوٹا کہہ سکتے ہیں۔ چنانچہ فضیلت اخلاص میں ہم نے ایک حدیث میں تین شخصوں کے سوال وجواب کی نقل کی ہے کہ جس وقت عالم سے سوال ہو گا کہ تو نے علم سیکھ کر کیا عمل کیا وہ جواب دے گا کہ میں نے فلاں فلاں کام کیا اللہ تعالیٰ فرماوے گا کہ تو جھوٹا ہے بلکہ تیرا ارادہ یہ تھا کہ لوگ کہیں کہ فلاں شخص عالم ہے۔ یہاں دیکھنا چاہیے کہ اس کو یوں نہیں فرمایا گیا کہ تو نے عمل نہیں کیا بلکہ صرف ارادہ ونیت میں اس کو جھٹلایا اور بعض اکابر کا قول ہے کہ صدق کے معنی یہی ہیں کہ قصد میں توجہ صحیح ہو اسی طرح اس آیت میں [1] واللہ یشھد ان المنٰفقین لکٰذبون بعد اس کے انہوں نے کہا تھا [2] انک لرسول اللہ حالانکہ یہ قول سچ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے زبانی قول کو نہیں جھٹلایا بلکہ جو بات ان کے دل میں پوشیدہ تھی، اس اعتقاد کی تکذیب فرمائی اور از انجا کہ تکذیب خبر پر ہوا کرتی ہے اور یہ قول کفار کا حال کے قرینہ سے متضمن خبر کا ہے اس لیے کہ کہنے والے اپنا اعتقاد زبان سے تبلاتے ہیں کہ جو لفظ ہم منہ سے کہتے ہیں وہی ہمارا عقیدہ ہے تو اسی کی تکذیب فرمائی کہ حال کے قرینے کو جو تم اپنے عقاید پر دال تبلاتے ہو یہ جھوٹ ہے۔ حاصل یہ ہے کہ ایک معنی صدق کی نیت خالص ہونا جس کو اخلاص کہتے ہیں اس سے یہ نکلا کہ جو صادق ہو گا وہ ضرور ہے کہ مخلص بھی ہو، تیسرا صدق عزم کا ہے یعنی انسان کبھی پیشتر عمل سے اپنے دل میں امنگ کیا کرتا ہے اور کہا کرتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو مال دیوے تو سب صدقہ کر ڈالوں یا نصف دے دوں اور اگر خدا کی راہ میں کسی دشمن سے ملوں تو کچھ پرواہ نہ کروں گو مارا ہی جاؤں اور اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو حکومت دے تو عدل کروں اور خدائے تعالیٰ کی نافرمانی، ظلم کرنے یا خلق کی طرف میل کرنے سے نہ کروں پس یہ امنگ کبھی آدمی اپنے دل میں پاتا ہے اور یہ عزیمت کبھی تو پکی اور صادق ہوتی ہے اور کبھی اس کے عزم میں ایک قسم کا میل تردد اور ضعف ہوتا ہے جو صدق کے خلاف ہے تو گویا صدق کے معنی یہاں پورا اور قوی ہونے کے ہے مثلاً کہتے ہیں کہ فلاں شخص کو اشتہائے صادق ہے یعنی پوری اور قوی ہے اور اگر

---

[1] اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق ہوتے ہیں ۱۲
[2] تو ہے رسول اللہ کا ۱۲

کہتے ہیں کہ فلاں مریض کو اشتہائے کاذب ہے یعنی اس کی اشتہا کسی سبب ثابت اور قوی نہیں پایہ کہ اس کی اشتہاء ضعیف ہے۔ پس جس صورت میں کہ صدق سے یہ معنی مراد لیے جاویں تو صادق اور صدیق ایسے شخص کو کہیں گے جو اپنے عزم کو خیرات کے باب میں پورا اور قوی پاوے نہ اس میں میل و کجی ہو نہ ضعف و تردد بلکہ اس کا نفس ہمیشہ خیرات کے اوپر عزم مصمم اور پختہ رکھتا ہو جیسے حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا کہ اگر مجھ کو لوگ گردن کاٹنے کو پیش کر دیں تو مجھ کو اس سے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ میں اس قوم کا امیر ہوں جس میں حضرت ابو بکر صدیقؓ ہوں تو آپ نے اپنے دل میں عزم پختہ اور محبت صادق اس بات کی پائی کہ باوجود حضرت ابو بکرؓ کے امیر نہ بنیں پھر اس عزم کو اپنے قتل ہو جانے سے تاکید کر دی اور مراتب صادقین کے عزم میں مختلف ہوتے ہیں کبھی عزم کو اتنا پاتا ہے کہ اس کی حد نہیں یہاں تک کہ اس کے باعث قتل پر راضی ہو جاتا ہے۔ لیکن جب اپنی تجویز پر چھوڑا جاوے تو جرأت قتل ہو جانے کے لیے نہ کرے اور اگر اس سے قتل کی گفتگو کی جاوے تو عزم ٹوٹ جاوے بلکہ صادقین اور مومنین میں ایسے بھی لوگ ہیں کہ اگر بالفرض ان کو اختیار دیا جاوے کہ تم اپنا قتل ہونا اختیار کرو یا حضرت ابو بکرؓ کا تو ان کو اپنی ہی زندگی بہ نسبت ابو بکر صدیقؓ کے محبوب ہوگی۔ چوتھا صدق عزم کے پورا کرنے میں ہے اس لیے کہ نفس سردست تو عزم کر لیا کرتا ہے کہ وعدہ اور عزم میں کیا خرچ ہوتا ہے مگر جب موقع آجاتا ہے اور قدرت حاصل ہوتی ہے اور شہوات کا زور ہوتا ہے تو عزم ڈھیلا ہو جاتا ہے اور شہوات غالب ہو کر عزم کو پورا نہیں ہونے دیتیں اور یہ بات وفائے عزم کے صدق کے خلاف ہے اور اسی واسطے اللہ تعالیٰ اس قسم کے صدق کے باب میں فرماتا ہے رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ اس کی شان نزول میں لکھا ہے کہ حضرت انسؓ اپنے چچا انس بن نضر کا حال روایت[ح] کرتے ہیں کہ وہ جنگ بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شریک نہ تھے ان کو یہ امر نہایت گراں گذرا اور فرمایا یہ اول ہی شہادت کا موقع تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو تشریف فرما ہوئے اور میں آپ کی خدمت سے غائب رہا۔ بخدا اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو پھر کوئی ایسا موقع شہادت کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میں دکھلاوے گا تو اللہ تعالیٰ دیکھے گا کہ میں کیا کروں گا۔ راوی کہتے ہیں کہ آپ سال آئندہ میں جنگ احد میں حاضر ہوئے سامنے سے حضرت سعد بن معاذ نے آپ سے پوچھا کہ اے ابو عمرو کہاں کو آپ نے فرمایا کہ جنت کی ہوا کیا خوب ہے مجھے احد کے اسی طرف معلوم ہوتی ہے پھر آپ اتنا لڑے کہ شہید ہوئے۔ آپ کے بدن میں کچھ اوپر اسی زخم تیر اور تلوار اور نیزے کے تھے۔ آپ کی بہن نے فرمایا کہ میں نے اپنے بھائی کو زخموں کے باعث نہ پہچانا، انگلیوں کے پوروں سے البتہ پہچانا۔ تب آیت اتری[ت] رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ اور آنحضرت[ح۲] صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مصعب بن عمیر کے پاس کھڑے ہوئے جو آپ کے لشکر کے نیزہ بردار

ح[۱] ترمذی اور نسائی نے اس کو روایت کیا اور بخاری میں مختصراً منقول ہے ۱۲ ح[۲] ابو نعیم و ابو عبید بروایت ابن عمیر مرسلا ۱۲ ت[۲] مرد ہیں کہ سچ کر دکھایا جو قول کیا تھا اللہ سے پھر کوئی ہے ان میں کہ پورا کر چکا اپنا ذمہ اور کوئی ہے ان میں اور دیکھتا ہے ۱۲ ح[۳] ترمذی نے اس کو نقل کیا ہے ۱۲

تھے اور اُحد کے روز منہ کے بل گر کر شہید ہوئے ان کے پاس بھی آپ نے یہ آیت پڑھی رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ فمنھم من قضی نحبہ ومنھم من ینتظر اور فضالہ بن عبیدؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ بن خطاب سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ شہداء چار ہیں ایک شخص ایماندار جس کا ایمان خوب کھرا ہے کہ دشمن کو دیکھا اور اللہ تعالیٰ کی تصدیق کی یہاں تک کہ شہید ہوا یہ ایسا شخص ہوگا کہ قیامت کے روز لوگ اس کی طرف اپنی آنکھیں اس طرح اُٹھاویں گے اور آپ نے سر اٹھایا یہاں تک کہ کلاہ مبارک گر پڑی۔ راوی کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا کہ کلاہ حضرت کی گر گئی یا حضرت عمرؓ کی۔ اور ایک وہ مرد دیندار کھرے ایمان والا کہ جب دشمن سے ملا تو گویا اس کی آنکھوں میں تکلے دیدیتے اس پر ایک تیر کاری آلگا اور شہید ہوگیا۔ یہ دوسرے درجے میں ہے اور ایک مرد با ایمان ایسا ہے جس نے کچھ عمل اچھا کیا اور کچھ برُا اور دشمن سے بھڑا اور خدائے تعالیٰ کی تصدیق کی یہاں تک کہ شہید ہوا یہ تیسرے درجے میں ہے۔ اور ایک مرد با ایمان ہے جس نے اپنے نفس پر زیادتی کی اور دشمن سے بھڑ کر خدائے تعالیٰ کی تصدیق کی حتیٰ کہ شہید ہوا تو یہ چوتھے درجے میں ہے اور حضرت مجاہدؒ روایت کرتے ہیں کہ دو شخص نکلے اور پھر مجمع میں آکر کہا اگر اللہ تعالیٰ ہم کو مال دے گا تو ہم صدقہ دیں گے خدائے تعالیٰ نے ان کو مال عنایت فرمایا مگر انہوں نے بخل کیا تو یہ آیت اتری ومنھم من عاھد اللہ لئن اتانا من فضلہ لنصدقن ولنکونن من الصالحین اور بعضوں نے لکھا ہے کہ یہ عہد ایسی شے تھی جس کو خدائے تعالیٰ نے ان کے دلوں میں روشن کر دیا تھا زبان سے انہوں نے کچھ نہیں کہا تھا اس عہد کو پورا نہ کرنے پر ارشاد فرمایا۔ ومنھم من عاھد اللہ لئن اتانا من فضلہ لنصدقن ولنکونن من الصالحین فلما اتاھم من فضلہ بخلوا بہ وتولوا وھم معرضون فاعقبھم نفاقاً فی قلوبھم الی یوم یلقونہ بما اخلفوا اللہ ما وعدوہ اس آیت میں عزم کو عہد فرمایا اور اس کے خلاف کرنے کو کذب اور اس کے پورا کرنے کو صدق اور یہ صدق تیسرے صدق کی نسبت کہ سخت تر ہے اس لیے کہ نفس کبھی عزم پر تیار ہوجاتا ہے مگر پورا کرتے وقت جو اس کی سختی اور شہوات کا جوش ہوتا ہے اور اسباب موجود اور قدرت حاصل ہوتی ہے تو اس وقت پہلو تہی کر جاتا ہے۔ اسی وجہ سے حضرت عمرؓ نے استثناء فرمایا تھا یعنی جب آپ نے فرمایا کہ مجھ کو اگر گردن مارنے کے واسطے آگے کر دیں تو مجھ کو اس بات سے اچھا معلوم ہوتا ہے کہ میں ایسی قوم کا امیر بنوں جس میں حضرت ابوبکرؓ ہوں اور اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ بشرطیکہ قتل کے وقت میرا نفس مجھ کو کوئی ایسی بات نہ سوجھاوے جو اب میرے دل میں نہیں اس لیے کہ میں اپنے نفس سے مامون

۔ اور بعضے ان میں وہ ہیں کہ عہد کیا تھا اللہ سے اگر دیوے ہم کو اپنے فضل سے تو ہم خیرات کریں اور ہو رہیں نیکی والوں میں پھر جب دیا ان کو اپنے فضل سے اس میں بخل کیا اور پھر گئے ٹلملا کر پھر اس کا اثر رکھا نفاق ان کے دل میں جس دن تک اس سے ملیں گے اس پر کہ خلاف کیا اللہ سے جو وعدہ دیا اس پر کہ بولتے تھے جھوٹ ۱۲

نہیں شاید اس پر اس وقت فعل گراں گذرے تو اس عزم سے پھر جاوے گا۔ اس قول میں اشارہ ہے کہ عزم کا پورا کرنا بہت سخت ہے اور حضرت ابوسعید خراز فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ دو فرشتے آسمان سے اترے ہیں انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ صدق کیا چیز ہے میں نے جواب دیا کہ عہد کا پورا کرنا انہوں نے کہا کہ تو سچ کہتا ہے اور آسمان کو چلے گئے۔ پانچواں صدق اعمال میں ہے وہ یہ ہے کہ ایسی کوشش کرے کہ اس کے اعمال ظاہری سے یہ بات نہ پائی جاوے کہ دل میں اس کے کوئی بات ہے جو واقع میں نہیں اور یہ کوشش کچھ اعمال کے ترک کرنے سے نہ ہو بلکہ اس طرح ہو کہ باطن کو ظاہر کی تصدیق پر کھینچ لاوے اور بات ترک ریا کے خلاف ہے جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں اس لیے کہ ریاکار تو یہی چاہا کرتا ہے کہ اعمال ظاہری سے لوگ اس کے باطن کو متصف صفات حمیدہ سے جانیں اور اس صدق سے ترک ریا غرض نہیں کیونکہ اکثر نمازی اپنی نماز میں خشوع کی سی صورت بناتے رکھتے ہیں ان کا مقصود یہ نہیں ہوتا کہ کوئی دوسرا ان کو دیکھے لیکن ان کا دل نماز سے غافل رہتا ہے اگر بالفرض اس کو کوئی دیکھے تو جانے کہ خدائے تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہے۔ حالانکہ باطن میں وہ بازار میں یا اپنی کسی شہوت کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو اس قسم کے اعمال زبان حال سے باطن کا احوال کہتے ہیں جس میں وہ شخص جھوٹا ہے اس سے بازپرس اعمال میں صدق کی ہے۔ اسی طرح آدمی کبھی وقار اور سکون کی ہیئت سے چلتا ہے اور اس کے باطن میں ان دونوں صفتوں کا پتہ بھی نہیں ہوتا۔ ایسا شخص اپنے عمل میں صادق نہیں ہوتا اگرچہ خلق کی طرف ملتفت نہ ہو نہ ان کے لیے ریا کرتا ہو اور اس سے نجات نہیں ہوتی مگر اسی صورت سے کہ آدمی کا ظاہر و باطن یکساں ہو جاوے یا باطن بہ نسبت ظاہر کے اچھا ہو اور اسی بات کے خوف سے بعضے لوگوں نے ظاہر کی ابتری اور برے لوگوں کا لباس اختیار کیا تھا تاکہ ان پر گمان خیر کا ظاہر کو دیکھ کر کوئی نہ کرے ورنہ ظاہر کے حال سے اگر باطن پر دلالت ہوگی اور باطن ایسا نہ ہوگا تو کاذب ٹھہریں گے غرضکہ مخالف ہونا ظاہر کا باطن سے اگر قصداً ہوگا تو اس کا نام ریا ہوگا اور اس کے باعث اخلاص جاتا رہتا ہے اور اگر بے قصد ہو تو اس سے صدق جاتا رہتا ہے اور اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعا مانگا کرتے تھے[عہ] اللھم اجعل سریرتی خیراً من علانیتی واجعل علانیتی صالحۃ اور زید بن الحارث[عہ] فرماتے ہیں کہ جب آدمی کا ظاہر و باطن برابر ہو جاتا ہے اور اگر باطن افضل ہو بہ نسبت ظاہر کے تو اس کا تام فضل ہے اور اگر ظاہر بہ نسبت باطن کے افضل ہو تو اس کا جور ہے پھر کچھ اشعار پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے قطعہ:

اگر مومن کا ظاہر مثل باطن ہو تو کیا کہنا — اسی سے دو جہاں میں ہوتی ہے تعریف اور عزت
وگر ظاہر ہو اچھا اور باطن میں خرابی ہو — تو پھر سب کوششیں برباد ہیں اور رائگاں محنت
بھنا لو اشرفی اچھی کو جس دوکان پر چاہو — ملمع کی اگر ہووے تو سب اس سے کریں نفرت

عہ الٰہی کر دے میرے باطن کو بہتر ظاہر سے اور کر دے میرے ظاہر کو نیک جلد اول باب الدعا میں گذری ۱۲

اور عطیہ بن عبدالغافرؒ فرماتے ہیں کہ جب ایماندار کا باطن ظاہر سے موافق ہوتا ہے تو اللہ تعالےٰ اس کے باعث فرشتوں پر فخر کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ یہ میرا سچا بندہ ہے۔ اور معاویہؒ بن قرہ کہتے ہیں کہ کوئی مجھ کو ایسا شخص بتلادے جو رات کو رویا کرے اور دن کو ہنسا کرے۔ اور عبدالواحد کہتے ہیں کہ حضرت حسنؒ کا دستور تھا کہ جب کچھ ان کو امر کیا جاتا تو سب لوگوں سے بڑھ کر اس کے عامل ہوتے تھے اور کسی کام سے منع کیا جاتا تو سب سے زیادہ تارک ہوتے تھے اور میں نے کبھی کسی کو نہیں دیکھا جس کا باطن ظاہر سے اتنا مشابہ ہو جتنا ان کا تھا اور ابو عبدالرحمٰن زاہد کہتے ہیں کہ الٰہی میں نے اپنے اور لوگوں کے درمیان کا معاملہ تو ان سے امانت کے ساتھ کیا اور مجھ میں اور تجھ میں جو معاملہ تھا اس کو میں نے تیرے ساتھ خیانت سے کیا اور رویا کرتے تھے۔ اور ابو یعقوب نہر جوری کہتے ہیں کہ صدق یہ ہے کہ حق کی موافقت ظاہر و باطن میں ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ ظاہر و باطن کا برابر ہونا ایک صدق کی قسم ہے۔ چھٹا صدق جو سب درجات سے اعلیٰ اور کمیاب ہے وہ صدق دین کے مقامات میں ہے جیسے کہ صدق خوف اور رجا اور تعظیم اور زہد اور رضا اور توکل اور محبت اور تمام امور طریقت میں اس لیے کہ ان امور کے لیے ایک تو مبادی ہوتے ہیں کہ جہاں ان کا ظہور ہوا اس پر یہ الفاظ بولنے لگے پھر آغاز کے بعد ان کی غایت اور حقیقت ہوا کرتی ہے اور صادق محقق وہی ہوتا ہے جو ان کی حقیقت کو پہنچ جاوے اور جب کوئی چیز غالب اور کامل ہوا کرتی ہے تو اس کے موصوف کو صادق کہا کرتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص لڑائی کا سچا ہے اور یہ خوف سچا ہے اور یہ شہوت سچی ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[1] انما المومنون الذین اٰمنوا باللہ ورسولہ ثم لم یرتابوا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ اولٰئک ھم الصادقون ٥ اور فرمایا[2] ولکن البر من اٰمن باللہ والیوم الاٰخر والملٰئکۃ والکتٰب والنبیین و اٰتی المال علیٰ حبہ ذوی القربیٰ والیتٰمیٰ والمساکین وابن السبیل والسآئلین وفی الرقاب واقام الصلوٰۃ واٰتی الزکوٰۃ والموفون بعھدھم اذا عاھدوا والصابرین فی الباسآء والضرآء وحین الباس اولٰئک الذین صدقوا اور حضرت ابوذرؓ سے کسی نے ایمان کا حال پوچھا تو آپ نے یہ آیت پڑھی لوگوں نے عرض کیا کہ ہم نے آپ سے ایمان کا حال پوچھا تھا آپ نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کا حال پوچھا تھا تو آپ نے بھی یہی آیت پڑھی تھی۔ اب ہم خوف کی مثال لکھتے ہیں

---

[1] ایمان والے وہ ہیں جو یقین لاتے اللہ پر اور اس کے رسول پر پھر شبہ نہ لائے اور بھڑے اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے وہ جو ہیں وہی سچے ہیں ۱۲ [2] لیکن نیکی وہ ہے جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور پچھلے دن پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور نبیوں پر اور دیوے مال اس کی محبت پر ناتے والوں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور راہ کے مسافر کو اور مانگنے والوں کو اور گردنیں چھڑانے میں اور کھڑی رکھے نماز اور دیا کرے زکوٰۃ اور پورا کرنے والے اپنے اقرار کو جب قبول کریں اور ٹھہرنے والے سختی میں اور تکلیف میں اور وقت لڑائی کے وہی لوگ ہیں جو سچے ہوئے۔

کہ مثلاً جو بندہ اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے خوف تو ضرور رکھتا ہے مگر یہ خوف اس طرح کا ہوتا ہے کہ صرف لفظ خوف اس پر صادق آوے مگر حقیقت خوف کے درجے کو نہیں پہنچتا تا کہ اس کو خوف صادق کہہ سکیں۔ دیکھو جب آدمی کسی بادشاہ سے یا سفر میں راہزن وغیرہ سے ڈرتا ہے تو اس کا رنگ جلد زرد پڑ جاتا ہے اور ہاتھ پاؤں پر جلد لرزہ ہوتا ہے۔ عیش تلخ ہو جاتا ہے اور خواب و خورش دشوار ہو جاتی ہے کسی بات میں دل نہیں لگتا حواس پراگندہ ہو جاتے ہیں۔ بعض اوقات ڈر کے مارے وطن کی جدائی اختیار کرتا ہے آرام و چین کو چھوڑ کر وحشت اور مشقت پر سر رکھتا ہے پھر کیا بات ہے کہ آتش دوزخ سے خوف کرتا ہے اور جب مرتکب کسی معصیت کا ہوتا ہے تو ان میں سے کوئی سی بات اس پر ظاہر نہیں ہوتی اسی جہت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ؎ لم ار مثل النار نام ھاربھا و لا مثل الجنۃ نام طالبھا پس ان امور کی حقیقت کو پہنچنا بہت ہی کم ہے اور ان مقامات کی کچھ حد نہیں کہ اس کی تمامی اور کمال تک پہنچ سکیں مگر ہر شخص کو اس کے حال کے موافق ان میں سے بہرہ ہوتا ہے خواہ کم ہو یا زیادہ اگر بہرہ قوی ہو تو البتہ اس صورت میں بندہ صادق کہلاوے گا۔ غرضکہ معرفت اور تعظیم الٰہی اور اس سے خوف کرنے کی کوئی حا نہیں اسی وجہ سے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا ؎ کہ میں چاہتا ہوں کہ تم کو تمہاری صورت اصلی پر دیکھوں تو انہوں نے عرض کیا کہ آپ اس کے دیکھنے کی تاب نہ لاویں گے آپ نے فرمایا کہ نہیں دکھلا ہی دو تب انہوں نے وعدہ کیا کہ اجالی رات میں بقیع میں دکھلا دوں گا۔ آپ جب چاندنی میں وہاں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ حضرت جبرئیل نے تمام آسمانوں کے کناروں کو ڈھانپ رکھا ہے آپ دیکھتے ہی غش کھا گئے۔ جب آپ کو افاقہ ہوا تو حضرت جبرئیل اپنی پہلی صورت پر ہو گئے تھے آپ نے فرمایا کہ میرے گمان میں خدائے تعالیٰ کی مخلوق میں سے اس طرح کا کوئی نہیں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اگر آپ اسرافیل علیہ السلام کو دیکھیں تو کیا ہو عرش معلیٰ ان کے کندھے پر ہے اور ان کے پاؤں سب سے نیچے کی زمین میں اترے ہوئے ہیں اور باوجود اس کے خدا کی عظمت سے جب وہ سکڑتے ہیں تو چھوٹی چڑیا کے برابر ہو جاتے ہیں تو دیکھنا چاہیے کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام پر کتنی عظمت اور ہیبت چھاتی ہوگی جو اس درجے کو پہنچ جاتے ہیں اور تمام فرشتے ایسے نہیں اس وجہ سے کہ معرفت میں متفاوت ہیں تو صدق اور تعظیم اس کا نام ہے اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ؎ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شب معراج کو جو میں گیا تو دیکھا کہ جبرئیل علیہ السلام ملاء اعلیٰ میں خدائے تعالیٰ کے خوف

؎ محمد بن نصر مروزی بسند منقطع ۱۲ ؎ میں نے نہیں دیکھی کوئی چیز مثل دوزخ کے کہ سو رہا ہو اس سے بھاگنے والا اور نہ مثل جنت کے کہ سو رہا ہو اس کا طالب ۱۲ پیشتر گذری ۱۲ ؎ باب خوف و رجا میں گذری مختصراً اور آپ کا دو بار حضرت جبرئیلؑ کو دیکھنا ان کی صورت اصلی پر ثابت ہے ۱۲ ؎ یہ حدیث مرفوعاً کئی طرح مروی ہے مگر بیہقی نے کہا ہے کہ اس کو احمد بن سلمہ نے ابی عمران جونی سے عن محمد عمیر مرسلاً نقل کیا اور بروایت مرفوع خالی از ضعف نہیں ۱۲

سے ایسے تھے جیسے پرانی چادر جو اونٹ کی پشت پر ڈال دیتے ہیں اسی طرح پر صحابہؓ بھی خائف تھے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خوف کو نہیں پہنچے تھے۔ اسی واسطے حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب تک تو سب لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے دین میں احمق نہیں جانے گا تب تک حقیقت ایمان کو نہیں پہنچے گا۔ اور مطرفؒ کہتے ہیں کہ کوئی شخص ایسا نہیں جو اپنے پروردگار کے معاملے میں احمق نہ ہو مگر اتنا ہے کہ بعض حمق بہ نسبت بعض کے آسان اور کمتر ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کوئی بندہ ایمان کی حقیقت کو نہ پہنچے گا جب تک کہ لوگوں کو خدا کے مقابلہ میں اونٹوں کے مانند نہ دیکھے اور پھر اپنے نفس کی طرف رجوع کرے اور اس کو سب سے زیادہ حقیر تر جانے اس سے معلوم ہوا کہ ان مقامات میں صادق آدمی کم یاب ہے پھر درجات کی کچھ حد نہیں۔ بعض اوقات بندے کو بعض امور میں صدق ہوتا ہے اور بعض میں نہیں پس اگر سب امور میں صادق ہوگا تو وہ پکا صدیق ہے۔ حضرت سعدؓ بن معاذ فرماتے ہیں کہ تین باتوں میں تو میں پکا ہوں اور ان کے سوا اور امور میں کچا۔ اول یہ کہ میں نے شروع اسلام سے کبھی نماز اس طرح نہیں پڑھی کہ جی میں کہتا ہوں کہ اس سے کب فارغ ہوں گا۔ دوم یہ کہ جس جنازہ کے ساتھ گیا جی میں یہی رہا کہ اس سے یہ سوال ہوگا اور یہ یوں جواب دے گا اس کے سوا دفن تک اور کچھ خیال نہیں گذرا۔ تیسرے یہ کہ جو بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا تو یقین کر لیا کہ بیشک حق ہے۔ پس حضرت ابن مسیبؓ نے فرمایا کہ میری دانست میں یہ خصلتیں بجز نبی کے اور کسی میں جمع نہیں ہوا کرتیں تو ان امور میں یہ صدق کی بات ہے۔ حالانکہ بہت سے جلیل صحابہؓ نے نماز ادا کی اور جنازے کے ساتھ گئے مگر اس درجے کو نہ پہنچے۔ یہ بیان تھا درجاتِ صدق اور اس کے معانی کے، اور کلمات جو صدق کی حقیقت کے باب میں مشائخ کرام سے منقول ہیں ان سے ان معانی میں سے ایک ایک پاتے جاتے ہیں۔ ہاں ابوبکر وراقؒ نے فرمایا کہ صدق تین قسم کا ہوتا ہے صدق توحید اور صدق طاعت اور صدق معرفت۔ صدق توحید عام مومنین کے لیے ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[۲] والذین اٰمنوا باللہ ورسلہ اولٰئک ھم الصدیقون اور صدق طاعت ارباب علم اور اہل ورع کے لیے ہے اور صدق معرفت اہل ولایت کیلیے ہے جو زمین کے اوتاد ہیں اور یہ سب اقسام پھر پھرا کر انہیں اقسام میں آجاتے ہیں جو ہم نے چھٹی قسم میں لکھے ہیں اور ایک بات یہ ہے کہ انھوں نے وہ چیزیں لکھی ہیں جن میں صدق ہوتا ہے اور وہ بھی پوری نہیں۔ اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ صدق مجاہدے کا نام ہے اور یہ کہ تو اللہ پر دوسرے کو اختیار نہ کرے جیسے اس نے تجھ پر غیر کو اختیار نہیں کیا، چنانچہ فرمایا[۳] ھو اجتبٰکم۔ اور منقول ہے کہ خدائے تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ میں جب کسی بندے کو محبوب کر لیتا ہوں تو اس پر ایسی بلائیں بھیجتا ہوں جن کی تاب پہاڑ و

ح[۱] اس کی سند مرفوعاً مجھے نہیں ملی ۱۲ ت[۲] اور جو لوگ یقین لائے اللہ پر اور اس کے سب رسولوں پر وہی ہیں سچے ایمان والے۔
ت[۳] اس نے تم کو پسند کیا ۱۲

کو بھی نہ ہو اور اس سے مجھ کو اس کا صدق دیکھنا منظور ہوتا ہے پھر اگر میں اس کو صابر پاتا ہوں تو اپنا ولی اور حبیب بنا لیتا ہوں اور اگر مضطرب اور واویلا کرنے والا پاتا ہوں کہ میری شکایت میری ہی مخلوق سے کرے تو اس کو رسوا کرتا ہوں اور کچھ پروا نہیں کرتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ صدق کی علامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ مصیبتوں اور طاعتوں کو دونوں کو چھپاوے اور خلق کا واقف ہونا ان دونوں پر بُرا جانے۔

آٹھواں باب - مراقبہ و محاسبہ

جو کام کرے نفس تو لے اس سے حساب　　میدان جزا میں ورنہ پائے گا عذاب
مرنا ہی قیامت ہے ہر ایک کے حق میں　　نگرانی نفس چاہیئے تجھ کو شتاب

واضح ہو کہ اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ت۱ ونضع الموازین القسط لیوم القیٰمۃ فلا تظلم نفس شیئا وان کان مثقال حبۃ من خردل اتینا بہا وکفی بنا حاسبین اور فرمایا ت۲ ووضع الکتٰب فتری المجرمین مشفقین مما فیہ ویقولون یا ویلتنا ما لھٰذا الکتٰب لا یغادر صغیرۃ ولا کبیرۃ الا احصاھا ووجدوا ما عملوا حاضرا ولا یظلم ربک احدا اور فرمایا ت۳ یوم یبعثھم اللہ جمیعا فینبئھم بما عملوا احصاہ اللہ ونسوہ واللہ علیٰ کل شیئ شہید اور فرمایا ت۴ یومئذ یصدر الناس اشتاتا لیروا اعمالھم فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ اور فرمایا ت۵ ثم توفی کل نفس ما کسبت وھم لا یظلمون اور فرمایا ت۶ یوم تجد کل نفس ما عملت من خیر محضرا وما عملت من سوء تود لو ان بینہا وبینہ امدا بعیدا ویحذرکم اللہ نفسہ، اور فرمایا ت۷ واعلموا ان اللہ یعلم ما فی انفسکم فاحذروہ ان آیات کے مضامین میں سے ان لوگوں نے جو بندگان الٰہی سے اہل بصیرت ہیں۔ جان لیا

ت۱ اور رکھیں گے ہم ترازو ٹھیں انصاف کی قیامت کے دن پھر ظلم نہ ہوگا کسی جی پر ایک ذرہ اور اگر ہوگا برابر رائی کے دانے کے وہ ہم لے آویں گے اور ہم بس ہیں حساب کرنے کو ۱۲ ت۲ اور رکھا جاوے گا کاغذ پھر تو دیکھے گناہ گار ڈرتے ہیں اس کے بیچ لکھے سے اور کہتے ہیں ہائے خرابی کیسا ہے یہ لکھا نہ چھوٹی چھوٹی بات اور نہ بڑی بات جو اس میں نہیں گھیری اور پاویں گے جو کیا ہے سامنے اور تیرا رب ظلم نہ کرے گا کسی پر ۱۲ ت۳ جس دن اٹھاوے گا اللہ ان سب کو پھر جتاوے گا ان کو ان کے کیے، اللہ نے وہ گن رکھے ہیں اور وہ بھول گئے ہیں اور اللہ کے سامنے ہے ہر چیز ۱۲ ت۴ اس دن ہو پڑیں گے لوگ بھانت بھانت کہ ان کو دکھاوے ان کے کیئے سو جس نے کی ذرہ بھر بھلائی وہ دیکھ لے گا اور جس نے کی ذرہ بھر برائی وہ دیکھ لے گا ۱۲ ت۵ پھر پورا ملے گا ہر ایک شخص کو جو اس نے کمایا اور ان پر ظلم نہ ہوگا ۱۲ ت۶ جس دن پاوے گا ہر شخص جو کی ہے نیکی اور برائی حاضر آرزو کرے گا کہ مجھ میں اور اس میں فرق پڑ جاوے دور کا اللہ ڈراتا ہے اور اللہ ڈراتا ہے تم کو آپ سے ۱۲ ت۷ اور جانو تحقیق اللہ کو معلوم ہے جو تمہارے دل میں ہے تو اس سے ڈرتے رہو ۱۲

کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی گھات میں لگا ہے اور ان سے حساب کا الجھاؤ ہوگا اور ذرہ ذرہ خطروں اور لحظوں کی پوچھ پڑے گی اور ٹھان لیا کہ ان خطروں سے نجات کی صورت یہی ہے کہ ہمیشہ محاسبہ کیا کریں اور خوب نگران اپنے احوال کے رہیں کہ ہر ایک سانس اور حرکت کا مقابلہ اپنے نفس سے رکھیں اور ہر خطرہ و لحظہ میں اس سے حساب لیں اس لیے کہ جو کوئی اپنے نفس سے حساب لیے جانے سے پیشتر محاسبہ کرتا رہے گا اس کا حساب قیامت میں ہلکا ہوگا اور جواب بن پڑے گا اور اس کا رجوع اور انجام وہاں اچھا ہوگا اور جو شخص اپنے نفس کا حساب نہ لے گا ہمیشہ پچھتاوے گا اور میدانِ قیامت میں بہت مدت تک کھڑا رہے گا اور اس کی برائیاں اس کو رسوائی اور غضب میں مبتلا کریں گی پس جب ان کو یہ امر منکشف ہوا تو انہوں نے جان لیا کہ ان خرابیوں سے نجات کی صورت بدون طاعتِ الٰہی کے اور کوئی نہیں اور اللہ تعالیٰ نے صبر اور نگہداشت کا حکم فرمایا ہے، جیسا کہ ارشاد فرمایا[ف۱] یا ایھا الذین اٰمنوا اصبروا وصابروا ورابطوا۔ پس انہوں نے اپنے نفسوں پر یہ نگہداشت کی کہ اول ان سے شرطیں کیں پھر نگران حال رہے۔ پھر حساب کیا پھر سزا دی پھر مجاہدہ کیا پھر عتاب کیا غرضکہ ایک نگہداشت میں ان کو چھ مقام حاصل ہوتے جن کی شرح اور بیان حقیقت اور فضیلت اور ان کے اعمال کی تفصیل ضروری ہے اور اصل ان سب کی محاسبہ ہے لیکن ہر ایک حساب بعد آپس کی شرط لگاتے اور نگران رہنے کے ہوا کرتا ہے اور حساب کے بعد اگر ٹوٹا معلوم ہو تو نوبت عتاب اور عقوبت کی پہنچتی ہے۔ اب شرح ہر مقام کی ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ نفس سے شرط باندھنا

جاننا چاہیے کہ جو لوگ تجارت کا معاملہ کرتے ہیں اور اسباب تجارت میں شریک ہوتے ہیں ان سب کی غرض حساب کے وقت یہ ہوتی ہے کہ کچھ نفع بچ رہے اور جس طرح کہ تاجر اپنے شریک سے مدد لیتا ہے اور مال اس کو سپرد کرتا ہے کہ تجارت کرے پھر اس سے حساب کیا کرتا ہے اسی طرح طریقت آخرت میں تاجر عقل ہے اور اس کا نفع اور مطلب نفس کا پاک کرنا ہے۔ کیونکہ فلاح اسی کی تزکیہ پر موقوف ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[ف۲] قد افلح من زکّٰھا وقد خاب من دسّٰھا اور اس کا تزکیہ اعمال صالح سے ہوتا ہے اور عقل ایسی تجارت میں نفس سے مدد لیتی ہے یعنی اس کو ایسے کاموں میں لگاتی ہے جن سے اس کا تزکیہ ہو۔ جیسے تاجر اپنے شریک خواہ غلام تجارت پیشہ سے مدد لیا کرتا ہے اور جس طرح کہ شریک سے تاجر فائدے کے باب میں مدعی بن کر اس بات کا محتاج ہوا کرتا ہے کہ پہلے کچھ شرطیں اس سے کرے پھر اس کا نگران حال رہے پھر حساب سمجھا کرے پھر عقاب یا عتاب کیا کرے اسی طرح عقل بھی نفس سے ان چار باتوں کی محتاج ہے اول تو اس سے شرطیں کرلے کہ کچھ وظائف اس پر مقرر کردے کہ ان کا پابند رہا کرے اور طریق فلاح اس کو بتلا کر تاکید کردے کہ اسی راستے کو چلے۔ دوم اس کی نگرانی سے ایک لحظہ غافل نہ

ف۱ اے ایمان والو ثابت رہو اور مقابلے میں مضبوطی کرو اور لگے رہو ۱۲

ف۲ مراد کو پہنچا جس نے اس کو سنوارا اور نامراد ہوا جس نے اس کو خاک میں ملایا

رہے اس لیے کہ اگر اس کو شتر بے مہار چھوڑ دے گی تو اس سے بجز خیانت اور راس المال کے تلف کر دینے کے اور کچھ نہ دیکھے گی۔ غلام خائن میدان خالی پا کر اگر مال پر اپنا قابو دیکھتا ہے تو ایسا ہی کرتا ہے پھر نگرانی کے بعد اس سے حساب لینا چاہیئے اور شروط اور اقراروں کو پورا کرنا چاہیئے اس لیے کہ دنیا کی سوداگری جو پیسے دمڑی کے نفع کی ہوتی ہے اس میں کوڑی کوڑی کا حساب ہوتا ہے اور یہ سوداگری تو وہ ہے جس کا نفع فردوس بریں اور انبیاء اور شہداء کے ساتھ انتہائے مقامات تک پہنچتا ہے تو اس حساب کی رو سے بال کی کھال نکالنی اور نفس پر تنگ گیری کرنی بہت ضرور ہے پھر دنیا کے منافع خواہ لاکھوں ہی کے ہوں آخر جاتے رہتے ہیں تو ایسی خیر میں جو دوام کو نہ ہو کیا خیر ہے اس سے وہ شر ہی اچھی ہے جو دائمی نہ ہو اس لیے کہ جب وہ جاتی رہے گی تو ہمیشہ کو خوشی تو ہو گی اور شر تو جاتی ہی رہے گی۔ اور اگر خیر جاتی رہے گی تو خیر کی خیر گئی اور اس کا رنج ہمیشہ کو رہے گا سچ ہے۔

نہایت غم ہے ہم کو اس خوشی سے ۔۔۔ یقین جس کی جدائی کا ہمیں ہو

اس صورت میں ہر محتاط پر جو اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو واجب ہے کہ اپنے نفس کے حساب لینے سے اور تنگ گیری سے حرکات اور سکنات اور خطرات کا ہر قدم میں غفلت نہ کرے اس لیے کہ عمر انسان میں جو سانس ہے وہ ایک ایسا جوہر ہے کہ جس کا کچھ عوض نہیں اور اس سے ایک خزانہ ایسا مول لیا جا سکتا ہے کہ جس کی دولت ابدالآباد تک تمام نہ ہو پس ایسی سانسوں کا ضائع ہونا یا ایسی باتوں میں مصروف ہونا جو موجب ہلاک ہوں بڑے نقصان عظیم کی بات ہے کہ کسی عاقل کا نفس اس کو نہ مانے گا پس جب کوئی بندہ صبح کو اٹھے اور صبح کی نماز پڑھ چکے تو ایک ساعت اپنے دل کو نفس کی شرط کرنے کے لیے فارغ کرے جیسے کہ تاجر اسباب سپرد کرنے کے وقت اپنے شریک کارندے سے شرائط کرنے کے لیے تنہا بیٹھ جاتا ہے دوسرے شخصوں کو اس مجلس میں نہیں آنے دیتا کہ شریک خوب ان شرائط کو سمجھ لے دوسری باتوں سے طبیعت منتشر نہ ہو۔ پھر نفس سے یوں کہے کہ میرا راس المال یہی عمر ہے جب یہ فنا ہو جاوے گی تو اصل ہی جاتی رہے گی پھر تجارت اور طلب منفعت سے یاس ہو جاوے گی اور اس آج کے دن میں اللہ تعالیٰ نے مجھ کو مہلت دی ہے اور میری موت میں تاخیر فرمائی ہے اور مجھ پر انعام کیا ہے اگر بالفرض مجھ کو موت دیتا تو میں آخر یہی تمنا کرتا کہ ایک روز مجھ کو دنیا میں بھیج دے کہ میں عمل نیک کروں تو تو یہی سمجھ لے کہ مرنے کے بعد یہاں واپس ہو کر اسی دن کے لیے آیا ہے تو خبردار اس دن کو تلف مت کرنا کہ ہر ایک سانس ایک جوہر بے مول ہے اور یہ بھی یاد رکھ کہ دن رات میں چوبیس گھڑیاں ہیں۔ اور حدیث[ح] میں وارد ہے کہ بندے کے ہر روز و شب میں چوبیس خزانے ایک قطار میں پھیلائے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک خزانہ اس کے لیے کھول دیا جاتا ہے تو اس کو اپنے حسنات کے نور سے پُر دیکھتا ہے اور یہ وہ حسنات ہوتی ہیں جو اس گھڑی میں کی تھیں ان نوروں کے دیکھنے سے جو بادشاہ جبار کے نزدیک

ح اس کی سند مجھے نہیں ملی ۱۲

اس کا وسیلہ ہیں اس کو وہ فرحت اور سرور اور بشارت حاصل ہوتی ہے کہ اگر وہ سرور اہل دوزخ پر تقسیم کر دیا جاوے تو اتنی خوشی ان کے حصے میں آوے کہ اس کے مارے آگ کی تکلیف ان کو کچھ معلوم نہ ہو اور جس گھڑی میں کہ اس نے خدائے تعالیٰ کی نافرمانی کی ہے اس کا خزانہ کھولا جاتا ہے تو وہ سیاہ و تاریک ہوتا ہے اس کی بدبو پھیلتی ہے اور اندھیری اس کو دبا لیتی ہے اس خزانے کے دیکھنے سے اس کو اس طرح کا خوف و دہشت چھاتی ہے کہ وہ دہشت اگر اہل جنت کو بانٹ دی جاوے تو ان کا آرام و چین منغص کر دے۔ اور ایک اور خزانہ اس کے لیے مفتوح ہوتا ہے کہ وہ خالی ہوتا ہے نہ اس میں خوشی کی خبر ہوتی ہے نہ غم کی، یہ وہ ساعت ہوتی ہے جس میں بندہ سویا ہے یا غافل رہا ہے یا اور مباحات دنیوی میں لگا رہا ہے اس خزانے کے دیکھنے سے وہ حسرت کرتا ہے کہ کیوں خالی رہا اور اس کو اس میں ایسا خسارہ ہوتا ہے جیسے کسی کو بڑی سلطنت اور نفع کثیر کا خسارہ بعد قدرت کے اپنی غفلت سے ہو جاوے تو اس حسرت و غبن کا کیا ٹھکانا ہے اتنی ہی کافی ہے۔ اسی طرح اس پر اس کی اوقات کے خزانے اس کی زندگی بھر کھولے جایا کرتے ہیں تو اپنے نفس کو کہے کہ آج تو ایسی کوشش کر کہ اپنے خزانے کو بھر لے ایسا نہ ہو کہ وہ اس مال سے خالی رہ جاویں جو موجب تیری سلطنت کا ہے اور سستی اور کاہلی اور آرام طلبی کو کام میں مت لا ورنہ درجات علیین میں تجھ سے وہ بات فوت ہو جاوے گی جو دوسرے کو ملے گی اور تجھ کو سوائے حسرت اور کچھ نہ ملے گا ہمیشہ افسوس کرتا رہے گا اور اگرچہ جنت میں جاوے گا مگر غبن اور حسرت کی تکلیف کی برداشت نہ ہو گی گو آگ کی تکلیف سے کم ہو۔ چنانچہ بعض اکابر فرماتے ہیں کہ ہم نے مانا کہ گنہگار کی خطا معاف ہو جاوے گی مگر یہ بھی تو ہے کہ اگر اس کو محسنوں کا سا ثواب نہ ملے گا۔ اس قول میں اشارہ افسوس اور حیرت کی طرف ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[ت۱] یوم یجمعکم لیوم الجمع ذلک یوم التغابن یہ تو وصیت نفس کو اوقات کے بارے میں ہوئی پھر اس کو نئے سر سے وصیت ساتوں اعضا کے باب میں یعنی آنکھ اور کان اور زبان اور شکم اور شرمگاہ اور ہاتھ اور پاؤں میں کرے اور ان اعضا کو اس کے سپرد کرے کیونکہ یہ اس تجارت میں بمنزلہ نفس کے خادموں کے ہیں اور انہیں سے اس تجارت کے اعمال بھی تمام ہوتے ہیں اور دوزخ کے سات دروازے ہیں ہر دروازے کے لیے ایک جز تقسیم ہو جاوے گا اور یہ دروازے اس شخص کے لیے متعین ہوں گے جو ان اعضا سے خدائے تعالیٰ کی نافرمانی کرے پس نفس کو وصیت کرے کہ ان کو خدائے تعالیٰ کی نافرمانی سے محفوظ رکھے آنکھ کو غیر محرم کی طرف یا کسی مسلمان کے ستر کی طرف دیکھنے یا اس کو حقارت سے نظر کرنے سے بچاوے بلکہ ہر ایک فضول سے جس کی حاجت نہ ہو محفوظ رکھے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے نظر فضول کی پرسش کرے گا جیسے کہ کلام فضول کی پرسش کرے گا۔ پھر جب آنکھ کو ان چیزوں کی طرف سے روکنا تو ایسے امور میں لگانا جو تجارت کے ہوں اور ان میں نفع ملے اور وہ اشیاء وہ ہیں جن کے واسطے آنکھ پیدا ہوئی ہے یعنی چشم عبرت سے

ت۱ جس دن تم کو اکٹھا کرے گا جمع ہونے کے دن وہ دن ہے ہار جیت کا ۱۲

خدائے تعالیٰ کی عجائب صنعتوں کو دیکھنا اور اقتداء کرنے کے لیے اعمال خیر پر نظر ڈالنی اور کتاب اللہ اور حدیث رسول کریم کو دیکھنا اور نصیحت و استفادہ کے لیے کتب حکمت کا مطالعہ کرنا وغیرہ امور خیر سب مفصل کہدے اسی طرح شرح وار ہر ہر عضو کے باب میں منادے خصوصاً زبان اور شکم کے باب میں تاکید زیادہ کردے اس لیے کہ زبان سرشت کی رو سے چلی جاتی ہے اور ہلنے میں اس کو کچھ مشقت نہیں معلوم ہوتی مگر اس کی خطائیں مثل غیبت اور جھوٹ اور چغلی کے اور اپنے نفس کو صاف بنانا دوسروں کو برا کہنا، کھانوں کی مذمت کرنی دشمنوں پر لعنت اور بددعا کرنی اور کلام میں خصومت کرنی وغیرہ بہت خراب ہیں۔ چنانچہ باب آفات زبان میں ان کا ذکر ہوچکا۔ پس زبان ان آفات کے درپے رہتی ہے باوجودیکہ پیدا اس واسطے ہوئی ہے کہ ذکر کرے اور لوگوں کو نصیحت ذکر کی کرے اور علمی بحث اور تعلیم خدائے تعالیٰ کے بندوں کو اس کا راستہ بتانے اور آپس میں دو شخصوں کے جو بگاڑ ہو اس کو درست کرنے میں مصروف رہے تو نفس سے شرط کرلے کہ دن بھر بجز ذکر کے زبان کو نہ ہلاوے ایماندار کی گفتگو ذکر ہی ہوتا ہے اور اس کی نظر عبرت کے لیے ہے اور سکوت فکر کے لیے علاوہ ازیں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے[1] ما یلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید تو سوائے ذکر کے سکوت ہی مناسب ہے اور شکم کو بزور اس بات پر لاوے کہ حرص چھوڑ دے اور حلال روزی سے تھوڑا کھانے کا عادی ہو شبہ کی چیزوں سے احتراز کرے اور شہوات سے اس کو روک کر مقدار ضرورت پر اکتفا کرے اور اپنے نفس پر یہ شرط بھی لگائے کہ اگر ان باتوں میں سے کسی کے خلاف کرے گا تو تجھ کو یہ سزا دوں گا کہ شکم کے شہوات سے بالکل روک دوں گا تاکہ جتنا اپنی شہوات کے باعث اس نے حاصل کیا ہو اس سے زیادہ جاتا رہے اسی طرح نفس پر سب اعضا کے باب میں شرط کرلے سب کا لکھنا طول چاہتا ہے اور اعضا کے طاعات اور معاصی کچھ مخفی بھی نہیں کہ جن کے لکھنے کی ضرورت ہو پھر اعضا کے باب میں وصیت کرنے کے بعد نفس کو وصیت ان طاعات کی کرے جو روز و شب میں کئی کئی بار ہوتی ہیں۔ پھر نوافل کے باب میں وصیت کرے جن پر نفس قادر ہے اور بہت سے کرسکتا ہے اور ان نوافل کی تفصیل اور کیفیت اور ان کے اسباب سے آمادگی کی کیفیت سب مرتب کہدے اور یہ شرطیں ایسی ہیں کہ ان کی حاجت ہر روز ہوا کرتی ہے مگر انسان جب ان کا عادی چند روز رہتا ہے اور نفس ان سب شرطوں کے پورا کرنے میں تن دیتا ہے تو پھر حاجت شرط کی نہیں رہتی اور اگر بعض شروط میں اطاعت کرتا ہے تو نئے سرے سے شرط کرنے کی حاجت باقی ہے اور انسان کو کوئی دن ایسا نہیں ہوتا جس میں ایک نئی مہم اور نیا واقعہ نہ ہوتا ہو اور اس کا حکم علیحدہ اور خدائے تعالیٰ کا حق اس میں جدا نئے طور کا نہ ہوتا ہو اور یہ بات دنیا کے اعمال میں مشغول ہوتے والوں کو اکثر ہوجایا کرتی ہے۔ مثلاً حکومت اور تجارت اور تعلیم میں کم کوئی دن ہوتا ہوگا جس میں کوئی نیا معاملہ نہ ہوتا ہو اور اس میں اللہ تعالیٰ کے حق ادا

ت ۱ نہیں بولتا ایک بات جو نہیں اس پاس ایک راہ دیکھتا تیار ۱۲

کرنے کی حاجت نہ پڑتی ہو تو اس لیے نفس سے یہ شرط بھی کرے کہ ایسے معاملات میں مستقیم رہے اور امر حق کی اطاعت کرے اور نیز بیکار رہنے کے انجام سے نفس کو ڈرا دے اور اس کو نصیحت ایسی طرح کرے جیسے بندہ بھاگا ہوا سرکش نصیحت کیا جاتا ہے کیونکہ نفس بھی طبع کی رو سے طاعات سے سرکش اور عبودیت سے منحرف ہونے کو چاہا کرتا ہے مگر وعظ و ادب دینا اس میں تاثیر کر جاتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[ت۱] وذکر فان الذکری تنفع المومنین پس اس طرح کی شرائط نفس سے کرنی مقام اول اس کے نگہداشت کا ہے اور اس کا نام محاسبہ قبل عمل ہے اور محاسبہ کبھی بعد عمل کے ہوتا ہے اور کبھی قبل عمل کے ڈرانے کے لیے کیا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[ت۲] واعلموا ان اللہ یعلم ما فی انفسکم فاحذروہ اور یہ آئندہ کے لیے ہے اور جو نظر کہ کثرت اور مقدار میں واسطے معرفت زیادتی اور نقصان کے ہوتی ہے اس کو محاسبہ کہا کرتے ہیں پس بندہ اگر دن بھر اپنے سامنے کے اعمال میں نظر رکھے گا اس غرض سے کہ ان کا حال کم و بیش ہونے کا معلوم ہو جاوے تو یہ امر بھی داخل محاسبہ ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[ت۳] یا ایھا الذین امنوا اذا ضربتم فی سبیل اللہ فتبینوا اور فرمایا[ت۴] یا ایھا الذین امنوا ان جاءکم فاسق بنباٍ فتبینوا اور فرمایا[ت۵] ولقد خلقنا الانسان ونعلم ما توسوس بہ نفسہ اس کو ڈرانے کے لیے اور آئندہ کو احتراز کرنے پر تنبیہ کے لیے ارشاد فرمایا اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استدعائے وصیت اور نصیحت کی کی آپ[ح۶] نے فرمایا کہ جب تو کسی امر کا ارادہ کرے تو اس کا انجام سوچ لے اگر انجام بہتر ہو تو اس کو کر اور جو خراب ہو تو اس سے باز رہ اور کسی حکیم کا قول ہے کہ جب تم چاہو کہ عقل ہوائے نفسانی پر غالب رہے تو کسی شہوت کو پورا نہ کرو جب تک انجام کو نہ دیکھ لو اس لیے کہ خواہش کے نہ پورا ہونے کی نسبت کر دل میں پشیمانی کا رہنا زیادہ برا ہے اور حضرت لقمان[ح۷] کہتے ہیں کہ ایماندار جب انجام کو دیکھ لیتا ہے تو ندامت سے بچ رہتا ہے اور شداد بن اوس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا[ح۸] الکیس من دان نفسہ وعمل لما بعد الموت والاحمق من اتبع نفسہ ھواھا وتمنی علی اللہ اور دان نفسہ کے معنی یہ ہیں کہ حساب لے نفس سے اور یوم الدین حساب کے دن کو کہتے ہیں اور کلام مجید میں انا لمدینون کے معنی بھی یہی ہیں کہ حساب لیے جاویں گے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اپنے نفس سے محاسبہ کر لو پہلے اس سے کہ تم سے محاسبہ کیا جاوے

ت۱ اور سمجھاتا رہ کہ سمجھانا کام آتا ہے ایمان والوں کو ۱۲ ت۲ اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے جو تمہارے دل میں ہے سو اس سے ڈرتے رہو ۱۲ ت۳ اے ایمان والو جب سفر کرو اللہ کی راہ میں تو تحقیق کر لو ۱۲ ت۴ اے ایمان والو اگر آوے تمہارے پاس ایک گنہگار خبر لے کر تو تحقیق کر لو ۱۲ ت۵ اور ہم نے بنایا انسان کو اور جانتے ہیں جو باتیں آتی ہیں اس کے جی میں ۱۲ ح۶ پیشتر گذری ۱۲

ح۸ دانا وہ ہے کہ اس کا نفس مطیع ہو اور مرنے کے بعد کے لیے عمل کرے اور احمق وہ ہے کہ اپنے نفس کو اس کی خواہشوں کا تابع رکھے اور اللہ پر تمنا کرے ۱۲ پیشتر گذری ۱۲

اور اس کو وزن کرو پیشتر اس کے کہ وزن کیے جاؤ اور عرض اکبر کے لیے مستعد ہو رہو۔ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ اپنے نفس سے سختی کے حساب سے پیشتر راحت کے وقت میں حساب لو، اور حضرت کعب احبارؓ سے پوچھا گیا کہ محاسبے کا حال کتاب اللہ میں تم نے کیسے دیکھا ہے انہوں نے عرض کیا کہ اس میں لکھا ہے کہ زمین کے حساب کرنے والے کو آسمان کے حساب کرنے والے سے ہلاکی ہے۔ حضرت عمرؓ ان پر درہ لے کر اٹھے اور فرمایا کہ بجز اس کے جو اپنے نفس کا حساب لے، حضرت کعبؓ نے عرض کیا کہ امیر المومنین یہ استثنا اس کے برابر ہی توریت میں مذکور ہے اور کلمہ بیچ نہیں اور اس سب میں اشارہ آئندہ کے محاسبے کے لیے ہے اس واسطے کہ فرمایا ہے من دان نفسہ وعمل لما بعد الموت اس کے یہ معنی ہیں کہ امور کو اول وزن کرے اور خوب تامل اور تدبر ان میں کر کے پھر ان کے کرنے پر جرأت کرے۔

۲۔ مراقبہ

جب آدمی اپنے نفس کو وصیت کرے اور اس پر شرائط مندرجہ بالا کر دے تو پھر یہ بات چاہیے کہ جب وہ اعمال میں داخل ہو تو اس کو ملاحظہ بچشم حفاظت کرے کیونکہ اگر نفس کو چھوڑ دیا جاوے گا تو خراب اور سرکش ہو جاوے گا پس اول ہم فضیلت مراقبے کی بیان کرتے ہیں پھر اس کے درجات ذکر کریں گے۔

(الف) مراقبہ کی فضیلت

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جو احوال احسان کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو فرمایا کہ خدائے تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم اس کو دیکھتے ہو

پس اگر یہ بات نہ ہو کہ تم اس کو دیکھتے ہو تو یہ تو ہو کہ وہ تم کو دیکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے[۳] افمن ھو قائم علیٰ کل نفس بما کسبت اور فرمایا[۴] الم یعلم بان اللہ یری اور فرمایا[۵] ان اللہ کان علیکم رقیبا اور فرمایا[۶] والذین ھم لاماناتھم وعھدھم راعون والذین ھم بشھاداتھم قائمون ○ اور حضرت ابن المبارکؒ نے ایک شخص کو فرمایا کہ راقب اللہ اس نے اس کے معنی پوچھے آپ نے فرمایا کہ ہمیشہ ایسی طرح رہو کہ گویا خدائے تعالیٰ کو دیکھتے ہو۔ اور عبد الواحد بن زید فرماتے ہیں کہ جب میرا آقا مجھ کو دیکھتا ہے تو میں دوسرے کی پروا نہیں کرتا۔ اور ابو عثمان مغربی فرماتے ہیں کہ جو چیزیں آدمی راہ سلوک میں اپنے نفس پر لازم کرتا ہے ان سب میں بہتر محاسبہ اور مراقبہ اور اپنے علم سے اپنے عمل کی سیاست ہے اور ابن عطاؒ فرماتے ہیں کہ سب سے

ع مراقبے کے معنی ایک دوسرے کو دیکھنا یعنی یہ خیال ہونا کہ خدائے تعالیٰ مجھ کو دیکھتا ہے اور میں اس کو دیکھتا ہوں ۱۲

ح۲ بخاری و مسلم بروایت ابو ہریرہؓ ۱۲ پیشتر گذری ۱۲

ت۳ بھلا جو شخص لیے کھڑا ہے ہر کسی کے سر پر اس کا کیا ۱۲ ت۴ یہ نہ جانا کہ اللہ دیکھتا ہے ۱۲ ت۵ اللہ ہے تم پر مطلع ۱۲

ت۶ اور جو اپنے دھر دہریں اور اپنا قول نباتے ہیں اور جو اپنی گواہی پہ سیدھے ہیں ۱۲

بہتر طاعت ہمیشہ مراقبہ حق کا ہے اور جریریؒ کا قول ہے کہ ہمارا یہ امر دو اصل پر مبنی ہے ایک یہ کہ اپنے نفس پر خدائے عزوجل کا مراقبہ لازم کرے دوسرے یہ کہ علم تیرے ظاہر اعمال پر قائم ہو اور ابو عثمانؒ کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت ابو حفصؒ نے فرمایا کہ جب تو لوگوں میں بیٹھے تو اپنے نفس اور قلب کا واعظ رہ ایسا نہ ہو ان کے پاس ہونے سے تو مغالطہ کھاوے کہ وہ لوگ تیرے ظاہر کو دیکھتے ہیں اور خدائے تعالیٰ باطن کو۔ اور منقول ہے کہ کسی بزرگ کا ایک شاگرد جوان تھا کہ اس کی تعظیم وہ بہت کرتے اور اس کو اوروں پر مقدم کرتے۔ ان کے اور مریدوں نے عرض کیا کہ آپ اس کی تعظیم کرتے ہیں حالانکہ وہ جوان ہے ہم بوڑھے ہیں۔ انہوں نے چند پرند منگائے اور ایک ایک مرید کو ایک جانور اور ایک ایک چھری دی اور کہا کہ اس کو ایسی جگہ ذبح کرنا کہ کوئی نہ دیکھے اور اس جوان کو بھی یہی کہا تو سب مرید اپنا اپنا پرند ذبح کر لائے اور وہ شخص زندہ ہی ہٹا لایا۔ شیخ نے پوچھا کہ تو نے اپنے ساتھیوں کے موافق ذبح کیوں نہ کیا اس نے کہا کہ مجھ کو ایسی جگہ کوئی نہیں ملی جہاں کوئی نہ دیکھے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ مجھ کو دیکھتا تھا سب مریدوں نے اس کے اس مراقبے کو پسند کیا اور اس کی فضیلت کے مقر ہوئے۔ اور روایت ہے کہ جب زلیخا حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ تنہا ہوئی تو اٹھ کر ایک بت کا منہ ڈھانک دیا حضرت یوسف علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ بھلا تو ایک پتھر کے دیکھنے سے حیا کرتی ہے مجھے کیا ہوا کہ بادشاہ جبار کے دیکھنے سے شرم نہ کروں۔ اور ایک نوجوان کے حال میں لکھا ہے کہ اس نے کسی لونڈی سے مباشرت چاہی تو اس نے کہا کہ تجھ کو حیا نہیں آتی جوان نے کہا کہ میں کس سے حیا کروں ہم کو ستاروں کے سوا اور کون دیکھتا ہے اس نے جواب دیا کہ پھر ستاروں والا کہاں گیا وہ بھی تو دیکھتا ہے۔ اور ایک شخص نے حضرت جنیدؒ سے پوچھا کہ آنکھ بند کرنے پر میں کس چیز سے مدد لوں آپ نے فرمایا کہ یہ جاننا کہ جس چیز کی طرف تو دیکھتا ہے تیری نگاہ اس پر پیچھے پہنچتی ہے اور ناظر حقیقی کی نگاہ تجھ پر اول پہنچتی ہے اور یہ بھی آپ کا قول ہے کہ مراقبے میں پکا وہی ہوتا ہے جس کو خوف ہو کہ میرا حظ پروردگار سے جاتا رہے گا۔ اور حضرت مالک بن دینار نے فرمایا کہ جنات عدن جنات فردوس میں سے ہیں اور اس کی عورتیں جنت کے گلاب سے بنی ہیں کسی نے پوچھا کہ ان جنتوں میں کون رہے گا آپ نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ جنات عدن میں وہ لوگ رہیں گے کہ جب قصد معاصی کا کریں تو میری عظمت یاد کریں اور میرا لحاظ کریں اور وہ لوگ کہ جن کی کمریں میرے خوف کے مارے جھک گئی ہیں قسم ہے اپنی عزت اور جلال کی کہ میں اہل زمین کے عذاب کا قصد کرتا ہوں مگر جب اپنے خوف سے بھوک پیاس دونوں کی طرف دیکھتا ہوں تو ان سے عذاب ہٹا لیتا ہوں۔ اور محاسبیؒ سے جو مراقبے کا حال پوچھا تو فرمایا کہ اس کا شروع یہ ہے کہ دل کو علم قرب پروردگار کا ہو اور مرتعش کا قول ہے کہ مراقبہ یہ ہے کہ ہر لحظہ اور ہر کلمہ پر غیب کے ملاحظے کے واسطے باطن کی رعایت رکھے اور روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ تم ظاہر پر مقرر ہو اور میں باطن کو دیکھتا ہوں۔ اور محمد بن علی ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اپنا مراقبہ ایسے شخص کے لیے کر جس کی نظر سے تو غائب نہ ہو اور شکر ایسے کا کر جس کی نعمتیں تجھ سے منقطع نہ ہوں

ع یعنی میرے خوف سے بھوک پیاسے رہتے ہیں جب میں ان کو دیکھتا ہوں الخ ۱۲

اور طاعت ایسے کی کر جس سے تو مستغنی نہیں اور خضوع اس شخص کے لیے کر جس کے ملک اور سلطنت سے تو نہ نکلے۔ اور حضرت سہلؒ فرماتے ہیں کہ بندے کے دل کو فضل اور شرف اتنا اور کسی چیز سے حاصل نہیں ہوتا جتنا اس بات سے ہوتا ہے کہ یوں جانے کہ جہاں میں ہوگا خدائے تعالیٰ میرا شاہد رہے گا۔ اور کسی بزرگ سے پوچھا گیا کہ[1] رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ ذالک لمن خشی ربہ کے کیا معنی ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ اس کے یہ معنی کہ رضا اس کی ہوگی جس نے خدائے تعالیٰ کا مراقبہ کیا اور اپنے نفس کا حساب لیا اور معاد کے لیے توشہ حاصل کیا اور حضرت ذوالنونؒ سے پوچھا کہ بندہ کس چیز سے جنت کو پہنچتا ہے انہوں نے فرمایا کہ پانچ باتوں سے ایک استقامت جس میں کجی نہ ہو، دوسرے اجتہاد جس میں سہو نہ ہو، تیسرے ظاہر و باطن میں خدائے تعالیٰ کا مراقبہ چوتھے موت کی انتظاری اور اس کی تیاری، پانچویں نفس کا حساب لینا پہلے اس سے کہ اس سے حساب لیا جائے اور مراقبے کے باب میں کسی نے شعر کہے ہیں جن کا ترجمہ یہ ہے۔ اشعار:

گر کسی روز تو تنہا ہو نہ کہ تنہا ہوں — بلکہ خالق ہے ترے حال کا ہر دم نگراں
جان مت اس کو کہ اک دم کو ہو تجھ سے غافل — اور جو بات چھپا دے رہے اس سے پنہاں
دیکھ تو کیسی چلی آتی ہے کل آج کے بعد — آج کل ہی میں فنا ہوتی ہے عمر انساں

اور حمید طویل نے سلیمان بن علیؒ سے کہا کہ مجھ کو کچھ نصیحت کر۔ انہوں نے فرمایا کہ جب تم گناہ کرتے ہو تو دو حال سے خالی نہیں یا یہ گمان کرتے ہو کہ خدائے تعالیٰ تم کو دیکھتا ہے تب تو تم بڑی ہی جرأت کرتے ہو اور اگر یہ گمان ہو کہ وہ نہیں دیکھتا تو کافر ہو۔ اور حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ مراقبہ ایسے شخص کا اپنے اوپر لازم کر کہ جس سے کوئی خفیہ امر پوشیدہ نہیں اور توقع ایسی ذات سے رکھو جو عقوبت کا مالک ہے۔ اور فرقد سنجی کہتے ہیں کہ منافق تاکتا رہتا ہے جب کسی کو نہیں دیکھتا تو برائی کی راہ میں داخل ہو جاتا ہے مگر صرف لوگوں کو تاکتا ہے خدائے تعالیٰ کا لحاظ نہیں کرتا اور عبداللہ بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن خطابؓ کے ساتھ مکہ معظمہ جانے کے واسطے نکلا۔ آخر شب میں کسی جگہ اترے آپ کے پاس ایک چرواہا پہاڑ سے آیا آپ نے اس سے فرمایا کہ ان بکریوں میں سے ایک میرے ہاتھ بیچ ڈال اس نے عرض کیا کہ میں غلام ہوں مجھ کو اختیار فروخت نہیں آپ نے فرمایا کہ اپنے آقا سے کہہ دینا کہ اس کو بھیڑیا کھا گیا۔ اس نے عرض کیا کہ پھر خدا کو کیا کہوں وہ تو دیکھتا ہے۔ حضرت عمرؓ روتے اور اس کے ساتھ ہوتے اور اس کے آقا سے اس کو خرید کر آزاد کر دیا اور فرمایا کہ اس بات نے تجھ کو آزاد کرا دیا اور مجھ کو توقع ہے کہ خدا آخرت میں بھی تجھ کو آزاد کر دے۔

(ب) مراقبے کی حقیقت اور اسکے درجات

واضح ہو کہ مراقبے کی حقیقت یہ ہے کہ رقیب کا لحاظ کرنا اور اپنی توجہ کا اس کی طرف پھیرنا یعنی اگر کوئی شخص غیر کے باعث سے کسی

---

[1] اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی یہ ملتا ہے اس کو جو ڈرا اپنے رب سے ۱۲

بات سے احتراز کرے تو کہا کرتے ہیں کہ یہ خلانے کا لحاظ کرتا ہے اور اہل تصوف کی مراد مراقبے سے وہ حالت قلبی ہے جو ایک قسم کی معرفت سے حاصل ہوتی ہے اور اس حالت سے کچھ اعمال اعضا میں اور کچھ دل میں پیدا ہوا کرتے ہیں پس حالت تو یہ ہے کہ قلب کا رقیب کو تکتے رہنا اور اسی طرف مشغول اور ملتفت رہنا اور اسی کو ملاحظہ کرنا اور متوجہ ہونا۔ اور جس معرفت سے یہ حالت پیدا ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کو عالم دل کی باتوں اور باطن کے احوال کا جاننا اور بندے کے اعمال پر اس کو رقیب سمجھنا اور سب نفسوں کے کسب پر واقف جاننا اور یہ کہ قلب کا بھید اس کے سامنے ایسا عیاں ہے جیسے پوست ظاہری انسان کا خلق پر عیاں ہے بلکہ اس سے بھی زائد۔ پس یہ معرفت جب یقینی ہو جاتی ہے یعنی شک سے خالی ہوتی ہے اور پھر دل پر غالب ہو کر اس کو دبا لیتی ہے تو قلب کو پاسداری رقیب کی طرف لے جاتی ہے اور اس کی ہمت کو رقیب کی طرف پھیر دیتی ہے اور اس میں کچھ تعجب کی بات نہیں کہ آدمی کو کسی چیز کا یقین تو ہو مگر اس پر وہ غالب نہ ہو جیسے موت کا علم کہ اس میں شک تو نہیں مگر دل پر اس کا غلبہ نہیں ہوتا۔ بہر حال جو لوگ اس معرفت کے یقین کرنے والے ہیں وہ مقرب ہیں اور ان کی دو قسمیں ہیں ایک تو صدیق اور دوسرے اصحاب ہیں اسی لیے ان کا مراقبہ بھی دو طرح کا ہے اول درجہ مراقبہ صدیقین کا ہے جو تعظیم اور بڑائی کے لیے ہوتا ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ دل اس جلال کے ملاحظے میں ڈوب جاتا ہے پھر اس میں گنجائش دوسرے کی طرف التفات کی نہیں رہتی اور اس مراقبے کے اعمال کی تفصیل میں ہم زیادہ نظر نہیں کرتے اس لیے کہ اس کے اعمال صرف دل ہی پر منحصر رہتے ہیں اور اعضائے ظاہری تو مباحات کی طرف بھی التفات نہیں کرتے ممنوعات کا تو کیا ذکر ہے اور جب طاعات کے لیے حرکت کرتے ہیں تو ایسے ہوتے ہیں کہ گویا انہیں میں منجھے ہوئے ہیں اسی لیے ان کی حفاظت کے باب میں اور درست رکھنے میں کچھ حاجت تدبیر اور توقف کی نہیں بلکہ جو شخص کہ بالکل راعی کا مالک ہے وہ رعیت کو آپ درست کر دیتا ہے اور یہاں دل راعی ہے اور اعضا اس کی رعیت تو جب دل مستغرق معبود میں ہوگا تو اعضا بے تکلف راستی اور درستی ہی پر چلیں گے اور ایسا وہ شخص ہوتا ہے جس کو ایک ہی فکر ہو اور اللہ تعالیٰ نے اس کو سب فکروں سے بچا دیا ہو اور جو شخص اس درجے پر پہنچ جاتا ہے وہ کبھی خلق سے اتنا غافل ہوتا ہے کہ جو شخص اس کے پاس آوے اس کی بھی خبر اس کو نہیں ہوتی اور باوجود آنکھیں کھلی ہونے کے اس کو نہیں دیکھتا اور اگر کچھ اس سے کہا جاوے تو باوجود بہرا نہ ہونے کے نہیں سنتا اور کبھی اس کا بیٹا پاس کو چلا جاتا ہے اور اس سے کلام نہیں کرتا۔ چنانچہ ایسا بعض اکابر کے واسطے ہو جاتا تھا۔ ان پر جو کسی نے اسباب میں عتاب کیا تو اس سے کہا کہ جب تو میرے پاس کو نکلے تو مجھے ہلا دینا اور اس امر کو کچھ بعید مت جانو اس لیے کہ ایسی بات کی نظیر ان دلوں میں پاؤ گے جو بادشاہان زمین کی تعظیم کرتے ہیں یہاں تک کہ بادشاہی خادم کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ان پر کچھ ہو جاوے خبر نہیں ہوتی اس لیے کہ بادشاہی مجلس میں بادشاہوں کی تعظیم میں ڈوبے رہتے ہیں اور ان پر کیا موقوف ہے کبھی آدمی کا دل کسی دنیاوی ادنیٰ کام میں اگر مشغول ہوتا ہے تو اس میں ایسا فکر میں ڈوب جاتا ہے

کہ اگر کہیں کو جاتا ہے تو جس جگہ جانا منظور ہوتا وہاں سے آگے نکل جاتا ہے اور جس کام کے لیے اٹھتا تھا وہ بھول جاتا ہے۔ عبدالواحد بن زیدؒ سے کسی نے پوچھا کہ آپ اس زمانے میں کبھی کوئی ایسا شخص جانتے ہیں جو اپنے حال میں مشغول ہو کر خلق سے بے خبر ہو آپ نے فرمایا کہ میں ایسا صرف ایک شخص کو جانتا ہوں جو ابھی تمہارے پاس آوے گا تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ عتبہ غلام داخل ہوئے آپ نے ان سے پوچھا کہ تم کہاں سے آتے ہو انہوں نے کسی جگہ کا نام لیا ایسا کہ اس کا راستہ بازار میں تھا۔ آپ نے پوچھا کہ راستے میں تم سے کون ملا تھا انہوں نے کہا کہ میں نے تو کسی کو نہیں دیکھا۔ اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کے حال میں لکھا ہے کہ آپ چلے جاتے تھے ایک عورت کے جو دھکا لگا تو وہ منہ کے بل گر گئی لوگوں نے کہا کہ آپ نے اس کو دھکا کیوں دیا آپ نے فرمایا کہ مجھے تو دیوار کے سوا اور کچھ نہیں معلوم ہوتا۔ اور بعض اکابر سے منقول ہے کہ میں ایک جماعت پر گذرا کہ وہ تیر اندازی کرتے تھے اور ایک شخص ان سے فاصلہ پر بیٹھا ہوا تھا میں اس کی طرف کو بڑھ گیا اور چاہا کہ کچھ گفتگو کروں اس نے کہا کہ خدا تعالے کا ذکر خوشبودار زیادہ ہے میں نے پوچھا کہ آپ تنہا ہیں اس نے کہا کہ میرے ساتھ میرا پروردگار اور دو فرشتے ہیں میں نے پوچھا کہ ان لوگوں میں سے بڑھا ہوا کون ہے اس نے کہا کہ جس کو خدائے تعالیٰ بخش دے۔ میں نے پوچھا کہ راستہ کہاں ہے اس نے اشارہ آسمان کی طرف کیا اور اٹھ کر یہ کہتا ہوا چل دیا کہ تیری اکثر مخلوق تجھ سے غافل ہے تو یہ گفتگو ایسے شخص کی ہے جو خدائے تعالیٰ کے مشاہدے میں اتنا ڈوبا ہو کہ جو کچھ کہے وہ بھی اسی کا ذکر ہو جو سنے تو اسی کے باب میں سنے۔ ایسے شخص کو احتیاج اپنی زبان اور اعضا کے مراقبے اور نگرانی کی نہیں اس لیے کہ وہ بدون اس حالت کے جس میں وہ ہے اور کسی چیز میں حرکت ہی نہیں کرتے۔ اور حضرت شبلیؒ حضرت ابوالحسین نوریؒ کے پاس گئے دیکھا تو وہ ایک گوشے میں چپ چاپ دلجمعی سے بیٹھے ہیں کوئی چیز ظاہر میں حرکت ہی نہیں کرتی، حضرت شبلیؒ نے فرمایا کہ تم نے یہ مراقبہ اور سکون کہاں سے سیکھا ہے انہوں نے فرمایا کہ ہمارے یہاں ایک بلی تھی جب شکار کرنا چاہتی تھی تو بلوں کے پاس گھات لگا کر بیٹھتی اور اپنا بال تک نہیں ہلاتی تھی اس سے میں نے یہ طریق سیکھا ہے اور ابو عبداللہ بن خفیف کہتے ہیں کہ میں نے ابوعلی رودباری کی ملاقات کے لیے مصر سے رملہ کو جانے کا قصد کیا مجھ سے عیسیٰ بن یونس مصریؒ نے جو زاہد کر کے معروف تھے کہا کہ موضع صور میں ایک جوان اور ایک ادھیڑ مراقبے کے حال پر ایک جا بیٹھے ہیں اگر تم ان کو ایک نظر دیکھ لو تو غالباً تم کو نفع ہوگا یہ سن کر میں صور میں بھوکا پیاسا داخل ہوا میری کمر میں ایک کپڑا بندھا تھا اور مونڈھے برہنہ تھے مسجد میں جو گیا تو دو شخصوں کو دیکھا کہ قبلہ رخ بیٹھے ہوئے ہیں میں نے سلام کیا انہوں نے جواب نہ دیا پھر دوبارہ سہ بارہ سلام کیا مگر جواب نہ سنا میں نے ان کو خدا کی قسم دی کہ سلام کا جواب دیں جوان نے اپنی گدڑی سے سر اٹھایا اور میری طرف دیکھ کر کہا کہ اے خفیف کے لڑکے دنیا تھوڑی ہے اور تھوڑی میں سے بھی تھوڑی ہی رہی ہے تو اس تھوڑی سے بہت کچھ کر لے اور تجھے کتنا تھوڑا کام ہے کہ ہماری ملاقات کی فرصت پائی۔ پھر میری طرف دیکھا میری بھوک پیاس سب جاتی رہی اور ہمہ تن انہوں نے مجھ کو لے لیا۔ پھر جوان نے اپنا سر جھکا لیا۔ میں ان دونوں کے پاس یہاں تک رہا کہ ظہر اور عصر وہیں پڑھی جب عصر پڑھ چکے تو میں نے کہا کہ مجھ کو

نصیحت کرو اس جوان نے میری طرف سر اٹھایا اور کہا کہ اے خفیف کے لڑکے ہم آپ مصیبت والے ہیں ہم کو زبان نصیحت نہیں۔ میں ان کے پاس تین دن رہا نہ کھایا نہ پیا نہ سویا اور ان دونوں نے بھی خواب خورش کچھ نہ کی اس کے بعد میں نے اپنے جی میں کہا کہ میں ان کو قسم دوں کہ مجھ کو کچھ نصیحت کریں شاید مجھ کو ان کی نصیحت مفید ہو پس جوان نے اپنا سر اٹھایا اور کہا کہ اے خفیف کے لڑکے ایسے شخص کی صحبت لازم رکھنا جس کے دیکھنے سے تجھ کو خدائے تعالیٰ یاد آوے اور اس کی ہیبت تیرے دل پر پڑے وہ تجھ کو زبان فعل سے نصیحت کرے زبان قول سے کچھ نہ کہے والسلام اب آپ تشریف لے جاویں۔ پس جن لوگوں کے دل پر تعظیم اور اجلال غالب ہوتی ہے ان کے مراقبے کا حال ایسا ہوا کرتا ہے کہ ان میں گنجائش اور چیز کی باقی ہی نہیں رہتی۔ دوسرا درجہ اصحاب میں پرہیزگاروں کا ہے وہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے دلوں پر بات یقیناً غالب ہے کہ خدائے تعالیٰ ہمارے ظاہر و باطن پر مطلع ہے مگر ملاحظہ جلال نے ان کو مدہوش نہیں کیا بلکہ ان کے دل حد اعتدال پر باقی رہے اور ان میں گنجائش اس بات کی بھی رہی کہ احوال اور اعمال پر التفات کریں مگر باوجود مواظبت اعمال کے مراقبہ سے جدا نہیں رہے ہاں ان پر خدائے تعالیٰ سے حیا کا غلبہ ہے۔ اسی لیے اگر کسی کام کی جرأت کرتے ہیں تو توقف اور تامل کے ساتھ اور اگر رکھتے ہیں تو تامل کے ساتھ اور جس بات سے کہ قیامت میں رسوائی ہو اس کے گرد نہیں پھرتے اس لیے کہ وہ دنیا ہی میں خدائے تعالیٰ کو اپنے اوپر مطلع جانتے ہیں، تو قیامت کے انتظار کی کیا حاجت ہے اور ان دونوں درجوں کے اختلاف کا حال مشاہدات سے معلوم ہو سکتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص خلوت میں کوئی کام کرتا ہو اور اس کے پاس لڑکا یا کوئی عورت آجاوے اور اس کو معلوم ہو جاوے کہ میرے کام کی اطلاع اس کو ہو گئی تو وہ اس سے حیا کرنے لگے گا اور اچھی طرح بیٹھ جاوے گا اور ظاہر ہے کہ لڑکے اور عورت کی تعظیم کے باعث درستی نشست برخاست کی نہیں کرتا بلکہ حیا کے باعث کرتا ہے اس لیے کہ ان کا مشاہدہ اگرچہ مدہوش و مستغرق نہیں کرتا مگر حیا البتہ جوش میں آتی ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی بادشاہ یا دوسرا بزرگ اس کے پاس آجاتا ہے تو اس کی تعظیم اتنا مستغرق کر دیتی ہے کہ تمام کاموں کو چھوڑ دیتا ہے اور یہ چھوڑنا حیا کے باعث نہیں ہوتا بلکہ تعظیم کی جہت سے ہوتا ہے اسی طرح بندوں کے مرتبے خدائے تعالیٰ کے مراقبے میں مختلف ہوا کرتے ہیں اور جو شخص اس درجے میں ہوتا ہے وہ اس بات کا محتاج ہے کہ اپنے سب حرکات اور سکنات اور خطرات و لحظات اور سب اختیارات کا نگراں رہے اور ان اشیاء میں دو نظریں ہونی چاہئیں ایک عمل سے پہلے اور ایک عین عمل کے اندر۔ پہلے عمل کے تو یہ دیکھنا چاہیے کہ جو مجھ کو ظاہر ہوا ہے اور جس کے واسطے میری خاطر نے حرکت کی ہے وہ امر خاص خدائے تعالیٰ کے واسطے ہے یا وہ ہوائے نفس یا اتباع شیطان میں سے ہے۔ جب تک یہ امر منکشف نہ ہو تب تک اس فعل کی مبادرت نہ کرے بلکہ ٹھہرا رہے پس جب نور الٰہی سے معلوم ہو جاوے کہ یہ امر خاص خدائے تعالیٰ کے واسطے ہے تو اس کو کرے اور یہ معلوم ہو کہ یہ امر غیر اللہ کے واسطے ہے تو اس سے باز رہے اور خدائے تعالیٰ سے شرم کرے پھر اپنے نفس کو ملامت کرے کہ اس کی رغبت اور میل اور قصد کیوں کیا اور اس کو اس کے فعل کی بدی سمجھاوے کہ تو اپنی رسوائی میں سعی کرتا ہے اور اپنا دشمن ہے۔ اگر خدائے تعالیٰ اپنی عصمت سے تلافی نہ فرماوے تو تیرا کہیں ٹھکانہ نہ لگے

اور ابتدائے امور میں یہ توقف ظاہر ہونے تک واجب و لازم ہے کسی کو اس سے مفر نہیں اور حدیث[ا ح] میں ہے کہ بندے کے لیے ہر حرکت میں گو ذرا سی ہی کیوں نہ ہو تین دفتر کھولے جاویں گے پہلے میں یہ ہو گا کہ یہ کام کیوں کیا دوسرے میں ہو گا کہ کس طرح کیا، تیسرے میں ہو گا کہ کس کے لیے کیا اول سوال ہو گا کہ تو نے جو یہ کام کیا تو اس نظر سے کہ اپنے آقا کے لیے کرنا چاہیے یا صرف اپنی شہوات کے میل سے اس کی رغبت کی پس اگر اس سوال سے بچ گیا یعنی خدائے تعالیٰ ہی کے واسطے اس کام کا کرنا ضرور تھا، تو دوسرا سوال ہو گا کہ یہ کام کس طرح کیا ہر عمل میں خدائے تعالیٰ کے لیے شرط اور حکم جس کی مقدار اور وقت اور صفت بدون علم کے معلوم نہیں ہوتی تو اس سے کہا جاوے گا کہ تو نے یہ کام علم یقینی سے کیا یا جہل اور گمان سے پھر اگر اس سوال سے بھی بچ گیا تو تیسرا سوال ہو گا کہ کس کے لیے عمل کیا یعنی باز پرس اخلاص کی ہو گی کہ خاص رضائے الٰہی کے لیے کیا ہے اور لا الٰہ الا اللہ کو نباہا ہے تب تو تیرا اجر خدائے تعالیٰ پر ہے اور اگر اپنے جی سے مخلوق کے دکھانے کو کیا ہے تو اسی سے جا کر اپنا اجر لے اور اگر اس واسطے کیا ہے کہ کچھ دنیا اس کے باعث مل جاوے تو وہ ہم تجھ کو دے ہی چکے اور اگر سہو و غفلت کے ساتھ کیا ہے تو ثواب بھی جاتا رہا اور عمل بے کار اور سعی برباد ہو گئی اور اگر میرے غیر کے واسطے کیا ہے تو مستحق میرے عذاب اور غصے کا ہوا اس لیے کہ تو میرا بندہ تھا اور میرا ہی رزق کھاتا تھا میری نعمتوں میں چین اڑاتا تھا پھر دوسرے کے لیے عمل کے کیا معنی کیا تو نے میرا قول نہیں سنا[ت ا] ان الذین تدعون من دون اللہ عباد امثالکم اور[ت ۲] ان الذین تعبدون من دون اللہ لا یملکون لکم رزقا فابتغوا عند اللہ الرزق واعبدوہ واشکروا لہ اور کیا تو نے نہیں سنا کہ میں فرماتا ہوں[ت ۳] الا للہ الدین الخالص پس جب بندہ جانتا ہے کہ میرے پیچھے اتنے مطالبات اور جھڑکیاں لگیں گی تو وہ اپنے نفس کا مطالبہ اس بڑے مطالبے سے پہلے ہی کرنے لگتا ہے اور سوال کے جواب کی تیاری کر رکھتا ہے مگر جواب کا با صواب ہونا چاہیے پس اگر کوئی کام شروع ہی سے کرے خواہ دوبارہ کرے دونوں صورتوں میں تامل کے بعد کرے اگر پلک یا انگلی ہلاوے وہ بھی بعد تامل کے ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ سے فرمایا تھا[ح ۴] کہ آدمی اپنی آنکھوں کے سرمے اور گارا توڑنے اور اپنے بھائی کا کپڑا چھونے پر بھی پوچھا جاوے گا۔ اور حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ پہلے اکابر کا دستور تھا کہ اگر کچھ صدقہ کیا چاہتے تو تامل اور توقف کرتے اور اگر معلوم ہو جاتا کہ خدا کے واسطے ہے تو دے دیتے یہ بھی انہیں کا قول ہے کہ خدائے تعالیٰ رحم کرے اس بندے پر جو اپنے قصد کے وقت ٹھہر جاوے۔ پھر اگر خدائے تعالیٰ کے واسطے وہ قصد ہو تو اس کو پورا کرے اور اگر اس کے سوا کسی اور کے لیے ہو تو تاخیر کرے[ع ۶] اور حدیث سعد[ح ۵] میں مذکور ہے کہ جب ان کو سلمان فارسیؓ نے وصیت کی تو فرمایا کہ اپنے قصد کے وقت خدائے تعالیٰ

ح ۱ اس کی سند نہیں ملی ۱۲ ت ۲ جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوائے بندے ہیں تم سے ۱۲ ت ۳ بے شک جن کو پوجتے ہو اللہ کے سوا مالک نہیں تمہاری روزی کے سو تم ڈھونڈو اللہ کے ہاں روزی اور اس کی بندگی کرو اور اس کا حق مانو ۱۲ ت سن رکھو اللہ کو ہے بندگی نری ۱۲
ح ۵ اس سے پہلے باب میں گذری ۱۲ ح ۶ احمد و حاکم موقوفاً ۱۲ ع ۷ یعنی باز رہی ۱۲

سے خوف کیا کرے جب کبھی قصد کرے۔ اور محمد بن علیؒ فرماتے ہیں کہ ایماندار توقف کرنے والا اور تامل کرنے والا ہوتا ہے کہ اپنے قصد کے وقت توقف کیا کرتا ہے۔ ایسا نہیں ہوتا جیسا رات کو لکڑیاں جمع کرنے والا یعنی وہ جلدی میں خاک بلا سب اٹھا لیتا ہے۔ ایماندار ایسا نہیں ہوتا۔ اس مراقبے میں یہ اول نظر کا حال ہے اور اس سے بچاؤ کی صورت یہی ہے کہ آدمی کو علم متین حاصل ہو اور اسرار اعمال اور نفس کی غوریں اور شیطان کے مکر پر معرفت حقیقی موجود ہو پس جب تک کہ اپنے نفس اور رب اور اپنے دشمن ابلیس کو نہ جانے گا اور یہ نہ پہچانے گا کہ ہوائے نفس کے موافق کیا چیز ہے اس میں اور اس چیز میں جس کو خدائے تعالیٰ محبوب اور پسند کرتا ہے یعنی اس کی نیت اور قصد اور فکر اور حرکت و سکون میں سے کونسی خدائے تعالیٰ کے ہاں پسند ہے اور کونسی موافق ہوائے نفس کے ہے اس میں تمیز نہ کرے گا تب تک سلامت اس مراقبے میں نہ رہے گا بلکہ اکثر لوگ ایسے امور میں جو خدائے تعالیٰ کو برے معلوم ہوں مرتکب جہالت کے ہوتے ہیں اور جانتے ہیں کہ اچھے کام کرتے ہیں اور یہ گمان نہ کرنا چاہیئے کہ جس چیز کو جاہل سیکھ سکتا ہے اس میں اس کا عذر جہالت پذیرا ہو۔ بلکہ علم کا طلب کرنا سب مسلمانوں پر فرض ہے اور اسی جہت سے عالم کی دو رکعتیں جاہل کی ہزار رکعتوں سے افضل ہوتی ہے کیونکہ وہ نفس کی آفات اور شیطان کے مکروں اور اس کا مغالطہ دینے کے مواقع سے واقف ہوتا ہے اور ان سب کو نیست کر دیتا ہے اور جاہل اس کو جانتا ہی نہیں تو اس سے احتراز کیسے کرے گا بلکہ وہ ہمیشہ مشقت بھرا کرے گا اور شیطان اس سے خوش اور شادان رہے گا۔ جہل و غفلت سے خدا بچاوے تمام بدبختی اور خسارے کی جڑ یہی ہے پس اللہ تعالیٰ کا حکم ہر بندے پر یہی ہے کہ جب کام کے واسطے قصد کرے اور اعضاء سے اس کے لیے سعی کرے تو اپنے نفس کا نگران رہے اور فعل کے کرنے میں جلدی نہ کرے یہاں تک کہ نور علم سے ثابت ہو جاوے کہ یہ فعل خدا ہی کے واسطے ہے پھر اس کا مباشر ہو اور اگر ہوائے نفس کے لیے ہو تو اس سے باز رہے اور دل کو اس میں فکر کرنے سے اور قصد کرنے سے جھڑک دے کیونکہ باطل امر میں اگر اول ہی خطرے کو دفع نہ کیا جاوے گا تو موجب رغبت ہو گا اور رغبت سے قصد پیدا ہو گا اور پھر وہ قصد پک جاوے گا اور اس کے بعد فعل موجب ہو گا اور فعل موجب تباہی اور غضب الہٰی کا ہو گا۔ اس لیے چاہیے کہ شر کے مادے کی بیخ کنی اول ہی سے کی جاوے یعنی خطرہ اول ہی کو دفع کرنا چاہیئے اس لیے کہ اور چیزیں تو اس کی تابع ہیں اور جب بندے پر یہ بات مشتبہ ہو جاوے اور منکشف نہ ہو تو اس بات میں نور عالم سے فکر کرے اور خدائے تعالیٰ سے پناہ مانگے کہ بواسطہ ہوائے نفس کے شیطان کے جال میں نہ آجاوے اور اگر اپنی کوشش اور فکر سے کچھ نہ بن پڑے تو علمائے دین کے نور سے اقتباس کرے مگر ایسے علماء کے پاس نہ جاوے جو گمراہ کرنے والے اور دنیا پر متوجہ ہونے والے ہیں بلکہ ان سے ایسا بھاگے جیسا شیطان سے بھاگے۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ میرے باب میں اس عالم سے سوال مت کر جس کو محبت دنیا نے بدمست کر رکھا ہو اور تجھ کو میری محبت سے علیحدہ کر دے گا۔ ایسے لوگ میرے بندوں کے راہزن ہیں پس جو دل کہ دنیا کی محبت اور کثرت طمع کے باعث چوپٹ اندھیرے میں ہیں وہ خدائے تعالیٰ کے نور سے محجوب ہیں اس لیے کہ چشمہ دلوں کے نور کیلیے

حضرت ربوبیت ہے پس جو شخص کہ اس سے پشت پھیرے گا اس کو نور کس طرح ہو گا اور جو شخص کہ خدائے تعالیٰ کے دشمن پر متوجہ ہو گا اور جس سے خدائے تعالیٰ کو بغض اور غضب ہے یعنی شہوات دنیا سے عشق پیدا کرے گا تو اس کو وہ تجلی کب ملے گی پس ہمت مرید اول اسی باب میں مصروف ہونی چاہیے کہ علم اچھی طرح سیکھے اور عالم ایسا تلاش کرے جو دنیا سے روگرداں یا اس کی کم رغبت رکھنے والا ہو بشرطیکہ بالکل روگرداں عالم نہ ملے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے[ح۱] کہ اللہ تعالیٰ شبہات کے آنے کے وقت چشم بینا کو پسند کرتا ہے اور ہجوم شہوات کے وقت عقل کامل کو محبوب جانتا ہے دونوں باتوں کو آپ نے تابع فرما دیا کہ واقع میں یہی دونوں ایک دوسرے کے ساتھ لازم ہیں تو جس شخص کو عقل ایسی ہو کہ شہوات سے نہ روکے اس کو آنکھ پرکھنے والی شبہات کی بھی نہ ہو گی اور اسی جہت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے[ح۲] من قارف ذنبا فارقه عقل لا یعود الیه ابدا ؕ پس آدمی کی عقل ضعیف ہی کتنی ہے جس کو گناہ کرنے کے قصد کھو دینے کا کرے اور آفات اعمال کی معرفت اس زمانے میں بالکل جاتی رہی ہے اس لیے کہ سب آدمیوں نے یہ علوم مفیدہ تو چھوڑ دیئے اور جو خصومات کہ لوگوں میں باعث شہوات برپا ہوتے ہیں ان کے درمیان پڑنے میں مشغول ہو کر اس کا نام فقہ رکھا اور یہ علم جو دین کا فقہ تھا اس کو علوم سے خارج کر دیا اور صرف فقہ دنیا ہی کے واسطے ہو گئی جس سے صرف دفع کرنا شغلوں کا دلوں سے منظور تھا کہ فقہ دینی کے لیے فارغ ہو جاویں اور وجہ فقہ دنیا کی علم دین میں ہونے کی بھی یہی تھی کہ یہ فقہ ذریعہ فقہ دین کا تھا مگر لوگوں نے معاملہ برعکس کر دیا اور حدیث شریف میں[ح۳] ہے کہ تم لوگ آج ایسے زمانے میں ہو کہ تم سے بہتر وہ ہے جو عمل کی طرف سبقت کرے اور ایک وقت تم پر عنقریب آوے گا کہ اس میں تم میں سے بہتر وہ ہو گا جو توقف کرے اور اسی جہت سے چند صحابہ رضی اللہ عنہم نے اہل عراق اور اہل شام سے لڑنے میں توقف کیا کہ ان پر امر مشتبہ ہو گیا حضرت سعد ابی وقاص اور عبداللہ بن عمر اور اسامہ اور محمد بن مسلمہ وغیرہم رضی اللہ عنہم انہیں لوگوں میں سے تھے جنہوں نے توقف کیا تھا پس جو شخص اشتباہ کے وقت توقف نہ کرے وہ اپنی خواہش کا پیرو اور خود رائے اور ان لوگوں میں سے ہو گا جن کی شان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[ح۴] فاذا رأیت شحا مطاعا و هوی متبعا واعجاب کل ذی رای برایه فعلیك بخاصة نفسك اور جو شخص کسی شبہے میں بدون تحقیق خوض کرتا ہے وہ اس آیت کے خلاف کرتا ہے[ت۵] ولا تقف ما لیس لك به علم اور[ح۶] اس حدیث کے بھی ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث سے مراد اس حدیث سے ظن بدون دلیل کے ہے جیسے بعض عوام اشتباہ کی صورت میں اپنے دل سے

ح۱ ابونعیم در حلیہ بروایت عمران بن حصین اور اس سند میں حفص بن عمر عدنی ضعیف ہے ۱۲ ح۲ جو شخص کسی گناہ کا مرتکب ہو اس سے عقل ایسی جدا ہو گی کہ کبھی اس کے پاس پھر کر نہ آوے گی ۱۲ پہلے گذر چکی ہے اور مجھ کو اس کی سند نہیں ملی ۱۲ ح۳ اس کی سند مجھے نہیں ملی ۱۲ ح۴ پس جب تو دیکھے بخل کی پیروی ہوتی ہو اور خواہش نفس جس کا اتباع ہوتا ہو اور تعجب کرنا ہر صاحب کا اپنی تجویز کا تو تو خاص اپنے نفس کو لازم پکڑ ۱۲ پہلے گذری ت۵ اور نہ پیچھے پڑ جس بات کی خبر نہیں تجھ کو ۱۲ ح۶ بچائے رکھو اپنے آپ کو گمان سے کہ گمان بات میں سے زیادہ تر جھوٹا ہے ۱۲ پیشتر گذری ۱۲

فتویٰ لیتے ہیں اور اپنے ظن کے متبع ہو جاتے ہیں اور چونکہ یہ امر نہایت سخت ہے اسی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیقؓ یہ دعا مانگا کرتے تھے[1] اللھم ارنی الحق حقا وارزقنی اتباعہ وارنی الباطل باطلا وارزقنی اجتنابہ ولا تجعلہ متشابھا علی فاتبع الھوی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ امور تین طرح کے ہیں ایک وہ جس کا اچھا ہونا ظاہر ہو اس کو کرنا چاہیئے دوسرے وہ کہ برائی اس کی عیاں ہو اس سے اجتناب کرنا چاہیئے۔ تیسرے وہ کہ مشتبہ ہو تو اس کو اس کے واقف کار کے سپرد کرنا چاہیئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے[2] اللھم انی اعوذ بک ان اقول فی الدین بغیر علم غرضکہ علم اور امر حق کا ظاہر ہونا خدائے تعالیٰ کے بڑے انعاموں میں سے ہے بندوں پر اور ایمان بھی ایک قسم کے کشف اور علم کا نام ہے اور اسی وجہ سے خدائے تعالیٰ اپنے بندے پر منت رکھنے کے طور پر ارشاد فرماتا ہے[3] وکان فضل اللہ علیک عظیما فضل سے مراد علم ہے اور فرمایا[4] فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون اور فرمایا[5] ان علینا للھدیٰ اور فرمایا[6] ثم ان علینا بیانہ اور فرمایا[7] وعلی اللہ قصد السبیل اور حضرت علی فرماتے ہیں کہ ہوائے نفس نابینائی کی شریک ہے اور حیرت کے وقت توقف کرنا ایک توفیق کی بات ہے اور یقین بہت عمدہ ٹالنے والا غم کا ہے اور جھوٹ کا مآل پشیمانی ہے اور راستی میں سلامتی ہے اور بہت سے بیگانے یگانوں سے قریب تر ہوتے ہیں اور جس کا کوئی حبیب نہ ہو وہ غریب ہے اور صدیق وہ ہے جو اپنی نظر سے غائب کی تصدیق کرے۔ اور بدظنی کے باعث کسی حبیب سے پھرنا نہ چاہیئے اور کرم عمدہ عادت ہے اور حیا ہر احسان کا سبب ہے اور سب سے مضبوط تمسک کی چیز تقویٰ ہے اور زیادہ مستحکم سبب جس کو تو اختیار کرے وہ ہے جو تجھ میں اور خدائے تعالیٰ میں ہو اور دنیا میں سے تیرا اسی قدر ہے جس قدر سے تو نے اپنا آخرت کو ٹھکانا درست کر لیا۔ اور رزق دو طرح کے ہیں ایک جس کو تو تلاش کرتا ہے اور ایک جو تجھ کو تلاش کرتا ہے کہ اگر تو اس تک نہ پہنچے تو وہ تیرے پاس آوے گا اور اگر تیرے پاس کی چیز پر کچھ مصیبت آوے اور اس پر تو واویلا کرے تو ایسی چیز پر تو واویلا نہ کر جو تجھ تک پہنچی ہی نہیں اور جو چیز نہیں ہوتی اس پر اس چیز سے قیاس کر لے جو ہو گئی اس واسطے کہ امور ایک ہی سے ہوتے ہیں اور جو چیز آدمی سے ہرگز فوت نہ ہوتی اس کے ملنے سے خوش ہوا کرتا ہے اور جس چیز کو کبھی نہ پا سکتا اس کے جاتے رہنے سے ناخوش ہوا کرتا ہے۔ پس جو کچھ تجھ کو دنیا سے ملے نہ اس

---

[1] الٰہی دکھا مجھ کو حق کو حق اور روزی کر مجھ کو اس کی پیروی اور دکھا باطل کو باطل اور نصیب کر اس سے بچنا اور اس کو مجھ پر مشتبہ مت کر کہ میں خواہش نفس کی پیروی کروں ۱۲ اس کی سند مجھ کو نہیں ملی ۱۲ ت [2] الٰہی میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ دین میں بے جانے ہوئے کہوں ۱۲ ت [3] اور اللہ کا فضل بڑا ہے ۱۲ ت [4] سو پوچھو یاد رکھنے والوں سے اگر تم کو معلوم نہیں ۱۲ ت [5] ہمارا ذمہ ہے سوجھا دینا ۱۲ ت [6] پھر مقرر ہمارا ذمہ ہے اس کو کھول بتانا ۱۲ ت [7] اور اللہ تعالیٰ پر پہنچتی ہے سیدھی راہ ۱۲

پر خوش ہو اور نہ ایسی چیز پر جو جاتی رہے افسوس کر بلکہ سرور اس بات پر کر کہ جو توشہ آخرت کر لیا ہو اور افسوس ایسی چیز پر جو پیچھے چھوڑ دی ہو اور آخرت میں مشغول رہا کر اور موت کے بعد کی فکر کیا کر اور ہماری غرض ان جملوں کی نقل سے ایک جملہ ہے یعنی حیرت کے وقت توقف کرنا ایک توفیق کی بات ہے۔ اس صورت میں مراقبہ کرنے والے کی نظر اول قصد اور حرکت پر ہونی چاہیے کہ وہ خدائے تعالےٰ کے لیے ہے یا اپنی ہوا ئے نفس کے واسطے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[ح] کہ تین باتیں ایسی ہیں کہ جس میں وہ ہو دیں اس کا ایمان کامل ہو۔ اول یہ کہ خدائے تعالیٰ کے معاملات میں ملامت گروں کی ملامت سے خوف نہ کرے دوم اپنے کسی عمل سے ریا نہ کرے سوم جب اس کو دو امر پیش آویں ایک دنیا کا اور دوسرا آخرت کا، آخرت کو دنیا پر اختیار کرے اور جب اس کو کوئی اپنا عمل ایسا معلوم ہو کہ مباح تو ہے مگر اس میں کچھ فائدہ نہیں تو اس کو ترک کرے اس لیے کہ حدیث شریف میں ہے[ح۲] من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ دوسری نظر مراقبے کی عمل کے شروع کے وقت ہوتی ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ کیفیت عمل کا طالب ہو تا کہ خدائے تعالےٰ کا حق اس میں ادا کرے اور اس کے پورا کرنے میں نیت کو درست کرے اور اس کی صورت کامل کر کے اکمل ترین وجود پر حتی الامکان بجا لاوے اور یہ بات اپنے سب احوال میں لازم کرے اس لیے کہ — — — — — — سب احوال میں کوئی نہ کوئی حرکت اور سکون سے تو خالی رہنے ہی کا نہیں پس اگر سب امور میں خدائے تعالیٰ کا مراقبہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی عبادت پر نیت اور حسن فعل اور رعایت آداب کے ساتھ قادر ہو جائے گا مثلاً اگر بیٹھا ہو تو چاہیئے قبلہ رُخ بیٹھے اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[ح۳] خیر المجالس ما استقبل بہ القبلۃ اور چار زانو نہ بیٹھے اس واسطے کہ بادشاہوں کے سامنے بیٹھنے کی یہ صورت نہیں، تو بادشاہ حقیقی جو اس کے حال کو دیکھتا ہے اس کے سامنے کیسے چار زانو بیٹھے گا۔ حضرت ابراہیم بن ادہم[ح] فرماتے ہیں کہ میں ایک روز چار زانو بیٹھ گیا پس ایک ہاتف کو سُنا کہ کہتا ہے کہ بادشاہوں کے سامنے کو اسی طرح بیٹھا کرتے ہے اس کے بعد پھر میں کبھی چار زانو نہیں بیٹھا۔ اور اگر سووے تو اپنے دہنے ہاتھ پر قبلہ رُخ ہو کر سووے اور تمام آداب جو ہم اپنے اپنے موقعوں پر لکھ آئے ہیں سب امور میں ہر ایک کا لحاظ رکھے یہی باتیں داخل مراقبہ ہیں بلکہ اگر پاخانہ پھرنے میں بھی اس کے آداب کی رعایت کرے گا تو یہ بھی مراقبے کا کمال ہے۔ حاصل یہ کہ بندہ تین حال سے خالی نہیں یا طاعت میں ہو گا یا معصیت میں یا مباح میں اور ان تینوں حالتوں کے لیے تین مراقبے ہیں طاعات میں تو مراقبہ یہ ہے کہ اخلاص کے ساتھ ادا کرے اور کامل کرنا اور آداب کا لحاظ رکھنا اور آفات سے بچانا پیش نظر رکھے اور اگر معصیت ہو تو اس کا مراقبہ توبہ اور ندامت اور باز رہنے اور حیا اور اس کے کفارہ میں مشغول

ح۱ ابو منصور در فردوس بروایت ابو ہریرہؓ ۱۲ ح۲ آدمی کی اسلام کی خوبی ہے چھوڑ دینا امور بے فائدہ کا ۱۲ ح۳ بہتر نشست وہ ہے جو قبلہ رخ ہو ۱۲ حاکم بروایت ابن عباسؓ ۱۲

ہونے سے کرے اور اگر مباح میں ہو تو اس کا مراقبہ ادب کی رعایت سے ہے پھر منعم کی نعمت کا شکر کرنے سے اور بندہ اپنے تمام احوال میں بلا سے خالی نہیں جس پر صبر کرنا ضروری ہے اور نعمت سے خالی نہیں جس کا شکر کرنا چاہیئے یہ بھی مراقبے ہی کی بات ہے بلکہ بندے پر ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ایک فرض ہے خواہ وہ فعل ہے جس کا کرنا اس کو لازم ہے یا امر ممنوع ہے جس کا چھوڑنا ضرور ہے یا مستحب ہے کہ اس پر اس لیے برانگیختہ کیا جاتا ہے تاکہ مغفرت الٰہی کی طرف سبقت کرے اور بندگان خدا پر فضیلت حاصل کرے یا امر مباح ہے کہ اس میں اس کے جسم و دل کی درستی ہے اور بجا آوری طاعت میں اس سے مدد ملتی ہے اور ان میں سے ہر ایک کے لیے حدود ہیں جن کی رعایت دوام مراقبہ کے لیے ضرور ہے ورنہ جو کوئی خدائے تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرے گا وہ اپنے ہی واسطے بُرا کرے گا تو بندے کو چاہیئے کہ تمام اوقات میں ان تینوں قسموں میں اپنے نفس کا جویا رہے جب کہ فرائض سے فارغ ہو جاوے اور نوافل پر قادر ہو تو چاہیئے کہ افضل اعمال کی تلاش کرے تاکہ اس میں مشغول ہو اس لیے کہ جو شخص کہ زیادہ نفع حاصل کرنے پر قادر ہو کر جانے دے تو وہ نقصان اٹھاوے گا اور جتنی فضیلت جس عمل میں ہو گی نفع اسی قدر ملے گا اسی لیے بندہ اپنی دنیا میں سے آخرت کے لیے لے لیوے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[1] ولا تنس نصیبک من الدنیا اور یہ سب باتیں ایک ساعت کے صبر میں ہو سکتی ہیں اسی لیے کہ ساعتیں تین ہیں ایک وہ جو گذر گئی اس میں تو کچھ مشقت کرنی ہی نہیں پڑتی کس طرح وہ گذری ہو مصیبت میں خواہ آرام میں اور ایک ساعت وہ ہے جو آئندہ آوے گی اس کا حال بندے کو معلوم نہیں کہ جب تک جیئے گا یا نہیں اور نہ یہ معلوم کہ خدائے تعالیٰ اس میں کیا حکم کرے گا اور ایک ساعت وہ ہے جس میں بندہ موجود ہے تو چاہیئے کہ اس ایک ساعت میں جس کو زمانہ حال کہتے ہیں اپنے نفس پر مجاہدہ اور مراقبہ خدائے تعالیٰ کا کرے اس لیے کہ اگر اس کو دوسری ساعت نہ ملی تو اس ساعت کے جاتے رہنے کا افسوس تو نہ ہو گا اور اگر دوسری ساعت ملی تو اس میں بھی اپنا حق پورا لیوے جیسا اول ساعت سے لیا اور اپنی زیست کی توقع پچاس برس نہ ٹھہرالے کہ کہیں گھبرانے لگے کہ اتنے دنوں کیسے مراقبہ کروں گا۔ بلکہ اپنے آپ کو اسی گھڑی کا مہمان جانے اور سمجھے کہ گویا یہ آخری سانس ہیں اور عجب بھی نہیں کہ آخری ہی سانس ہوں اور اس کو معلوم نہ ہو اور جب اس ساعت کا آخری ہونا ممکن ہے تو چاہیئے کہ اس میں ایسے حال پر رہے کہ اگر بالفرض موت اس حال میں آجاوے تو اپنے مرنے کو اس حال میں برا جانے یا سب احوال اس کے اس طرح پر رہیں جو حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[2] کہ مومن تین ہی باتوں کا طامع ہوتا ہے یا توشۂ آخرت کا یا درستی معاش کا یا جائز چیز کے دیکھنے کا اور ایک حدیث[3] انہیں سے اور منقول ہے جس میں اسی طرح کا مضمون ہے یعنی عاقل کے لیے چار ساعتیں ہونی چاہئیں ایک تو وہ کہ جس میں اپنے پروردگار سے مناجات کرے اور

ف ۱ اور نہ بھول اپنا حصہ دنیا سے ۱۲ ح ۲ احمد و ابن حبان و حاکم ۱۲ ح ۳ یہ پہلی حدیث کا ٹکڑا ہے ۱۲

ایک وہ کہ اس میں خدائے تعالیٰ کی صنعت میں فکر کرے اور ایک وہ کہ اس میں کھانے پینے کے لیے فارغ ہو اس لیے کہ اس ساعت سے اس کو باقی ساعتوں پر مدد ہوگی پھر یہ ساعت جس میں آدمی کے اعضا کھانے پینے میں مصروف ہوں یہ بھی کسی ایسے عمل سے جو افضل اعمال ہو خالی رہنی نہیں چاہیے اس میں بھی ذکر اور فکر کرنا چاہیے یعنی جس کھانے کو مثلاً کھاتا ہے اس میں اتنے عجائب ہیں کہ اگر ان میں فکر کرکے ان کو سمجھے تو بہت سے اعضا کے اعمال سے یہ فکر افضل ہو اور اسباب میں لوگوں کی چار قسمیں ہیں اول وہ لوگ ہیں جو کھانے کو چشم عبرت سے دیکھتے ہیں کہ کیسی عجیب صنعت سے مخلوق ہوا ہے۔ جانوروں کی زندگی اس سے کیسی متعلق ہو گئی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اس کے لیے لوازم کس طرح فرمائے ہیں اور بھوک کو پیدا کیا اور بھوک کے لوازم جو اس کے مسخر ہیں ان کو بنایا چنانچہ ان میں بعض کی تفصیل ہم باب الشکر میں لکھ آئے ہیں پس یہ فکر تو ارباب دانش کو ہوتی ہے۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو کھانے کو غصہ اور مکروہ جاننے کی نظر سے دیکھتے ہیں اور صرف اضطرار کی وجہ کا لحاظ کرتے ہیں اور یہ پسند کرتے ہیں کہ کسی طرح اس سے مستغنی ہو جائیں مگر کیا کریں کہ اشتہا کے باعث مقہور اور مجبور ہیں یہ نظیر زاہدوں کی ہے۔ تیسرے وہ لوگ ہیں جو صنعت صانع کو دیکھ کر اس سے صفات صانع اور خالق پر ترقی کرتے ہیں پس غذاؤں کا دیکھنا ہی ان پر دروازہ فکر وا کرتا ہے اور یہ نظیر سب میں اعلیٰ ہے۔ یہ مقامات عارفین اور محبوں کی علامات میں سے ہے اسی لیے محب جب ایسے حبیب کی صنعت اور کتاب اور تصنیف دیکھتا ہے تو صنعت کو بھول کر اس کا دل صانع میں مشغول ہو جاتا ہے اور بندہ جس چیز میں فکر کرے اس میں خدائے تعالیٰ کی صنعت موجود ہے پس اس سے صانع کی طرف نظر کرنے کی بہت گنجائش ہے بشرطیکہ ملکوت کے دروازے اس پر مفتوح ہوں اور یہ بات بہت کمیاب ہے۔ چوتھی قسم وہ لوگ ہیں کہ کھانے کو نظر رغبت اور حرص سے دیکھتے ہیں کہ اگر اس میں سے کچھ جاتا رہے تو اس پر افسوس کرتے ہیں اور اگر سامنے آوے تو خوش ہوتے ہیں اور جو چیز ان میں سے ان کی مرضی کے موافق نہ ہو اس کو برا کہیں اور اس کے بنانے والے یعنی پکانے والے کی برائی کریں اور یہ نہیں جانتے کہ فاعل حقیقی اس چیز کا اور اس چیز کے پکانے والے کا اور اس باورچی کی قدرت و علم کا خدائے تعالیٰ ہی ہے اور جو شخص خدا کی مخلوق میں سے کسی چیز کو بدون اجازت الٰہی برا کہے وہ خدائے تعالیٰ کو برا کہتا ہے اور اسی جہت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دہر کو گالی مت دو۔ اس لیے کہ خدائے تعالیٰ ہی دہر ہے پس یہ دوسری نگہداشت ہے کہ اعمال پر مدام مراقبہ رکھے اور اس کی شرح بہت طویل ہے مگر جس قدر میں نے لکھا ہے اسی قدر سے راہ پر آگاہی ہو جاتی ہے بشرطیکہ آدمی اصول کو مضبوط کرے۔

(۲) محاسبہ (الف) محاسبہ کی فضیلت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[۱] یا ایہا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ ولتنظر

---

[۱] ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے اور چاہیے دیکھ لے ہر کوئی جو بھیجا ہے کل کے واسطے ۱۲

نفس ما قدمت لغد ط اور اس آیت میں گذشتہ اعمال پر محاسبہ کرنے کا اشارہ ہے اور اسی وجہ سے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اپنے نفسوں سے حساب لو پہلے اس سے کہ تم سے حساب لیا جاوے اور ان کو جانچو پیشتر اس سے کہ تمہاری جانچ کی جاوے اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھ کو کچھ وصیت فرمایئے آپ نے فرمایا کہ کیا تو وصیت چاہتا ہے اس نے عرض کیا کہ ہاں آپ نے فرمایا کہ جب تو کسی امر کا قصد کرے تو اس کے انجام کو سوچ لے اگر وہ اچھا ہو تو کر اور اگر برا ہو تو اس سے باز آ۔ اور ایک حدیث[ح۱] میں ہے کہ عاقل کے لیے چار ساعتیں ہونی چاہئیں ایک ساعت نفس کے حساب کے لیے ہونی چاہیے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[ت۲] و توبوا الی اللہ جمیعا ایہا المومنون لعلکم تفلحون اور توبہ اسی کا نام ہے کہ عمل سے فارغ ہونے کے بعد اس پر نظر ندامت سے دیکھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[ح۳] انی لاستغفر اللہ تعالیٰ واتوب الیہ فی الیوم مائۃ مرۃ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[ت۴] ان الذین اتقوا اذا مسہم طائف من الشیطان تذکروا فاذا ھم مبصرون ہ اور حضرت عمرؓ جب رات ہوتی تو اپنی ٹانگوں پر درہ لگاتے اور اپنے نفس سے فرماتے کہ تو نے آج کیا کیا اور میمون بن مہران فرماتے ہیں کہ بندہ متقین سے نہیں ہوتا جب تک کہ اپنے نفس سے اس طرح حساب نہ کرے جس طرح شریک سے کیا کرتے ہیں۔ اور دو شریک آپس میں حساب بعد عمل کے کیا کرتے ہیں۔ اور حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے مرنے کے وقت ارشاد فرمایا کہ لوگوں میں سے مجھ کو عمر سے زیادہ کوئی محبوب تر نہیں پھر ان سے پوچھا کہ میں نے کیا کہا حضرت عائشہؓ نے آپ کا قول کہہ دیا آپ نے فرمایا کہ یہ نہیں بلکہ میرے نزدیک عمر سے زیادہ کوئی عزیز نہیں تو دیکھو کلام سے فارغ ہونے کے بعد کیسے آپ نے تامل کیا اور اس کی جگہ دوسرا جملہ بدل دیا اور حضرت ابوطلحہؓ کے حال میں مروی ہے کہ جب ان کو نماز میں پرند کا خیال ہوا تو سوچ کر اپنا باغ صدقہ کر دیا یعنی ندامت اس فعل کی اتنی ہوئی کہ باغ دے ڈالا اس توقع پر کہ خدائے تعالیٰ اس کے عوض میں اور دے گا۔ اور حضرت ابن سلامؓ کے حال میں ہے کہ انہوں نے ایک لکڑیوں کا بوجھ اٹھایا ان سے کسی نے عرض کیا کہ آپ کے یہاں غلام تو تھے جو اس کام کو کرتے آپ نے فرمایا کہ میں اپنے نفس کا امتحان چاہتا ہوں کہ اس امر کو برا تو نہیں جانتا۔ اور حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ مومن اپنے نفس پر ناظم ہوتا ہے خدائے تعالیٰ کے واسطے اس سے حساب لیا کرتا ہے اور ان لوگوں پر حساب ہلکا ہوگا جنہوں نے دنیا میں اپنے نفسوں سے حساب لیا اور قیامت کو سخت حساب ان لوگوں پر ہوگا جنہوں نے اس کام کو بے محاسبہ کیا پھر آپ نے محاسبہ کی تفسیر فرمائی کہ مومن پر اچانک کوئی بات آتی ہے کہ اس کو اچھی معلوم ہوتی ہے تو کہتا ہے کہ تو تو مجھے اچھی لگتی ہے اور میرے کام کی ہے مگر کیا کیجیے کہ تجھ میں اور مجھ میں آڑ کر دی گئی ہے اور یہ حساب عمل سے اول ہوتا ہے پھر آپ نے فرمایا اور بعض اوقات

ح۱ یہ حدیث اوپر گذری ت۲ اور توبہ کرو اللہ کے آگے سب مل کر اے ایمان والو شاید بھلا پاؤ ۱۲ ح۳ میں اللہ کی طرف استغفار کرتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں دن میں سو دفعہ ۱۲ کئی بار گذر چکی ت۴ جو لوگ ڈر رکھتے ہیں جہاں پڑ گیا ان پر شیطان کا گذر پھر چونک گئے تب ہی ان کو سوجھ گئی ۱۲

مومن آدمی سے کوئی تقصیر ہو جاتی ہے تو اپنے نفس کی طرف رجوع کرتا ہے اور کہتا ہے کہ تیرا ارادہ اس سے کیا ہے بخدا اس کے لیے میرا عذر نہ مانا جاوے گا اور اس کی طرف میں کبھی مڑ کر نہ دیکھوں گا انشاءاللہ۔ اور انس بن مالک رضؓ سے روایت ہے کہ ایک روز حضرت عمر رضؓ اور میں باہر نکلے آپ ایک باغ میں چلے گئے اور میرے اور آپ کے درمیان ایک دیوار حائل تھی میں نے سنا کہ آپ باغ میں یوں فرماتے تھے کہ کیا خوب عمر بن خطاب امیرالمومنین ہے بخدا کہ تو خدا سے خوف کرنا رہ ورنہ وہ تجھ کو بیشک عذاب دے گا۔ اور حضرت حسنؒ نے اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں ارشاد فرمایا[1] وَ لَآ اقسم بالنفس اللوامۃ کہ مومن ہمیشہ اپنے نفس پر عتاب کرتا رہتا ہے کہ میرا ارادہ اس کلمہ سے کیا تھا اور مقصود اس کھانے سے کیا اور اس پینے سے کیا مطلب تھا اور بدکار عمر بسر کرتا ہے کبھی اپنے نفس کو عتاب نہیں کرتا اور مالک بن دینار فرماتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ رحم کرے اس بندے پر جو اپنے نفس سے یوں کہے کہ فلاں قصور والا نہیں تو فلاں خطا والا نہیں پھر اس کو مہار دے اور کتاب اللہ کا تبیع کر دے کہ وہی اس کو لیے پھرے اور یہ قول نفس میں ہے چنانچہ اپنے محل پر اس کا مذکور ہوگا۔ اور میمون بن مہران کہتے ہیں کہ صاف آدمی اپنے نفس کا حساب بادشاہ ظالم اور بخیل شریک سے بھی کڑا لیتا ہے۔ اور ابراہیم تیمی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے نفس کو جنت میں ایک صورت بنا کر اس کے پھل کھانے شروع کیے اور نہروں سے پانی پیا اور وہاں کی کنواریوں کو گلے لگایا پھر ایک صورت اس کی بنائی اور دوزخ میں گیا وہاں کی غذا کھائی اور پانی پیپ وغیرہ کا پیا اور طوق اور زنجیریں پہنیں پھر اپنے نفس سے میں نے پوچھا کہ اب تو کیا چاہتا ہے اس نے کہا کہ اب میں یہ چاہتا ہوں کہ میں دنیا میں واپس کیا جاؤں تاکہ نیک عمل کروں میں نے کہا تیری آرزو موجود ہے یعنی ابھی دنیا ہی میں ہے تو نیک عمل کیا کر۔ اور مالک بن دینار فرماتے ہیں کہ میں نے خطبہ حجاج کا سنا وہ کہتا ہے کہ خدائے تعالیٰ رحم کرے اس بندے پر کہ اپنے نفس کا حساب لے قبل اس کے کہ اس کا حساب دوسرے کے قبضہ میں چلا جاوے اور اس بندہ پر رحم کرے جو اپنے عمل کی باگ تھامے اور تامل کرے کہ اس سے میری مراد کیا ہے اور اس پر رحم کرے جو اپنے پیمانہ پر نظر کرے اور اس پر جو اپنی میزان پر نظر کرے پس حجاج نے اسی طرح اتنے لوگوں کا نام لیا کہ مجھے رولا دیا اور احنف بن قیسؓ کا ایک مرید بیان کرتا ہے کہ میں ان کے ساتھ رہا کرتا تھا اور ان کا دستور تھا کہ رات کو نماز کی جگہ اکثر دعا مانگتے اور چراغ کے پاس جا کر اس کے شعلہ میں اپنی انگلی رکھتے جب آگ کی حرارت اس کو معلوم ہوتی تو اپنے نفس سے کہتے کہ اے احنف فلاں روز تجھے کیا ہوا تھا کہ وہ کام کیا اور فلاں روز تو نے فلاں کام کس باعث سے کیا۔

(ب) عمل کے بعد محاسبہ

واضح ہو کہ جس طرح یہ ضرور ہے کہ بندے کے واسطے شروع میں ایک ایسا وقت ہو جس میں وہ اپنے نفس سے شرائط کر لیا کرے اور اس کو حق کی وصیت کر دیا کرے اسی طرح یہ بھی چاہیے کہ آخر روز میں ایک ایسی ساعت ہو کہ اس میں نفس سے باز پرس اور

---

[1] اور قسم کھاتا ہوں جی کی جو الاہنا دیتا ہے ۱۲

سب اس کی حرکات و سکنات کا کیا کرے جیسے دنیا میں سوداگر اپنے شریکوں سے سال کی تمامی خواہ مہینے یا دن کی تمامی پر کیا کرتے ہیں اس حرص سے کہ متاع دنیا کہیں تلف نہ ہو جاوے حالانکہ اگر وہ جاتی رہے تو ان کے حق میں اس کا جانا بہتر ہے اور اگر بالفرض ملی تو صرف چند روز رہے گی پس جب ایسی فانی چیز کے لیے اتنا کھیڑا کرتے ہیں تو عاقل آدمی ایسی چیزوں کا محاسبہ اپنے نفس سے کس طرح نہ کرے گا جن پر بدبختی اور سعادت کا اندیشہ ابدالآباد کے لیے ہے اس میں اگر کوئی سستی کرے تو محض غفلت اور قلت توفیق کے باعث ہے اور شریک سے حساب کتاب سے یہ غرض ہوتی ہے کہ راس المال کو دیکھا جاوے پھر نفع اور نقصان دیکھا جاوے تاکہ کمی بیشی کا حال معلوم ہووے پس اگر کچھ فائدہ ہو تو اس سے لے اور مشکور اس کی کارگذاری کا ہووے اور اگر ٹوٹا ہو تو اس سے بھر لے اور آئندہ کو اس کی تلافی کرائے اسی طرح بندے کا راس المال دین میں فرائض ہیں اور اس کا فائدہ نوافل اور مستحبات ہیں اور ٹوٹا معاصی ہیں اور وقت اس تجارت کا تمام دن ہے اور اس تجارت میں کارندہ نفس امارہ ہے۔ تو اول اس سے فرائض کا حساب لینا چاہیے کہ جیسا چاہیئے تھا ویسا ان کو ادا کیا ہے یا نہیں صورت اول میں خدا کا شکر کرنا چاہیئے اور نفس کو رغبت دلانی چاہیئے کہ ایسے ہی کیا کرے اور اگر اصل سے ہی نہ ادا کیا ہو تو اس سے مطالبہ ان کی قضا کا کرے اور اگر ناقص طور پر ادا کیا ہو تو ان کے نقصان کا جبر نوافل سے کرنا چاہیئے اور اگر مرتکب معصیت ہوا ہو تو اس کی سزا اور عذاب اور عتاب میں مشغول ہو تاکہ جو جو قصور اس نے کیا ہو اس کا تدارک اچھی طرح کرے جس طرح سوداگر اپنے شریک سے کیا کرتا ہے اور جیسے دنیا کے حساب میں کوڑی کوڑی اور دمڑی دمڑی کی تلاش کی جاتی ہے اور زیادتی اور نقصان کے مدات یاد کر لیے جاتے ہیں تاکہ کسی چیز میں غبن کارندے کا رہنے نہ پاوے اسی طرح چاہیئے کہ نفس کے غبن اور مکر سے بھی احتراز کیا جاوے کہ یہ بڑا مکار دھوکے باز ہے پس اول اس سے تمام دن کی گفتگو کا جواب صحیح طلب کرے اور اپنے آپ وہ حساب اس سے لے جو میدان قیامت میں اس سے کوئی اور لے گا۔ اسی طرح نظر کا حساب لے اور خاطروں اور فکروں اور نشست اور برخاست اور کھانے اور پینے اور سونے کا حساب لے یہاں تک کہ سکوت کا جواب طلب کرے کہ چپ کیوں ہوا اور سکون کی بازپرس کرے کہ کیوں ساکن ہوا پس جب کہ سب باتیں جو نفس پر واجب تھیں معلوم کر لیں اور یہ بھی جان لیا کہ ان واجبات میں سے نفس نے اس قدر ادا کیا تو جس قدر باقی رہے ان کو اپنے صفحہ دل پر لکھ لے جیسے کارندے کے ذمہ جو باقی نکلتی ہے وہ اس کے حساب میں لکھ لی جاتی ہے اور دل پر بھی منقوش ہوتی ہے پھر جب نفس قرضدار ٹھہرا اس سے قرضوں کا وصول کرنا ممکن ہے بعض تاوان سے اور کچھ وہی شے پھیر دینے سے کچھ اس کو سزا دینے سے وصول ہو سکتے ہیں مگر وصول کے لیے حساب کا صحیح ہونا اور جس قدر اس کے ذمہ واجب الادا نکلے اس کا جدا ہونا ضرور ہے جب حساب ہو چکے اور باقی ٹھیک ٹھیک نکل آوے تب اس سے مطالبہ اور تقاضا کرنا چاہیئے پھر مناسب ہے کہ اس سے محاسبہ تمام عمر کے دن اور گھڑی گھڑی کا سب اعضائے ظاہری اور باطنی میں لیا جاوے چنانچہ صوبہ بن صمہ کے حال میں لکھا ہے کہ وہ موضع رقہ میں تھے اور اپنے نفس کا حساب لیا کرتے تھے ایک روز انہوں نے اپنی

عمر کا حساب کیا تو ساٹھ برس کی نکلی اس کے دن گنے تو اکیس ہزار پانچ سو دن ہوئے ایکبارگی چیخ ماری کہ ہائے افسوس بادشاہ حقیقی سے اکیس ہزار پانچسو گناہ سے ملوں گا اور جب ہر روز دس ہزار گناہ ہوں گے تو کیا کروں گا پھر بے ہوش ہو کر گر پڑے معلوم ہوا کہ وفات پائی۔ لوگوں نے سُنا کہ کوئی کہنے والا کہتا ہے کہ لے اب فردوس بریں کو چلا جا۔ پس اسی طرح اپنے سانسوں کا حساب اپنے نفس سے کرے اور جو نافرمانی قلب اور اعضا سے سرزد ہوئی ہو اس کا حساب کرے اور اگر بندہ ہر گناہ پر اپنے گھر میں ایک کنکر ڈال دیا کرے تو اس کا گھر تھوڑے ہی دنوں میں بھر جاوے۔ اتنی خطائیں کرتا ہے مگر گناہوں کی یادداشت میں تساہل کرتا ہے حالانکہ دونوں فرشتے اس کے گناہ اس پر لکھے جاتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالٰے فرماتا ہے[ت۱] احصاہ اللہ ونسوہ

۴۔ قصور کے بعد نفس کی تادیب

جب آدمی اپنے نفس کا حساب لے اور ارتکاب گناہ اور قصور سے سالم نہ ہو اور خدائے تعالیٰ کے حقوق میں اس کی سُستی ثابت ہو تو چاہیے کہ اس کی مہلت نہ دے اس لیے کہ مہلت دے گا تو گناہوں کا کرنا اس پر آسان ہو گا اور معاصی سے اس کو ایسا انس ہو گا کہ پھر باز آنا دشوار ہو گا اور یہی امر موجب اس کی تباہی کا ہو جاوے گا بلکہ یوں چاہیے کہ ایسی صورت میں اس کو سزا دے مثلاً اگر اقتضائے شہوت سے کوئی لقمہ شبہے کا کھالے تو شکم کو بھوک کی سزا دے اور اگر غیر محرم کو دیکھا ہو تو آنکھوں کی سزا یہ کرے کہ کچھ نہ دیکھنے دے اسی طرح ہر ہر عضو کی سزا یہی دے کہ جس چیز کی طرف اس کی رغبت ہو اس سے اس کو روک دے۔ سالکین طریق آخرت کا دستور ایسا ہی تھا۔ چنانچہ منصور بن ابراہیم ایک عابد کا حال لکھتے ہیں کہ اس نے ایک عورت سے باتیں کیں رفتہ رفتہ اپنا ہاتھ اس کی ران پر رکھ دیا پھر نادم ہو کر وہی ہاتھ آگ پر رکھ دیا جل کر کباب ہو گیا۔ اور روایت ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا کہ اپنے عبادت خانے میں عبادت کیا کرتا اسی طرح مدت تک رہا ایک روز باہر کی طرف جھانکا اور ایک عورت کو دیکھ کر اس پر عاشق ہوا اور قصد فاسد دل میں لایا اور اپنا پاؤں باہر نکالا تاکہ اتر کر اس کے پاس جاوے۔ رحمت ازلی جو اس کی معین ہوئی اپنے دل میں کہنے لگا کہ یہ میں کیا حرکت کرتا ہوں غرض کہ اس کا نفس ساکن ہو گیا اور خدائے تعالیٰ نے اس کو بچا دیا پھر اپنے کیے پر نادم ہوا جب چاہا کہ پاؤں عبادت خانہ میں ہٹائے تو کہا یہ کہاں ہو سکتا ہے کہ جو پاؤں خدائے تعالیٰ کی نافرمانی کے لیے باہر نکلا تھا وہ میرے ساتھ عبادت خانے میں آوے بخدا یہ کبھی نہ ہو گا یہ کہہ کر اس پاؤں کو باہر ہی لٹکا رہنے دیا مینہ اور برف اور ہوا اور دھوپ لگ لگ کر وہ پاؤں کٹ کر گر پڑا اللہ تعالیٰ اس کی توبہ سے مشکور ہوا اور اس کا ذکر اپنی بعض کتب میں فرمایا۔ اور حضرت جنیدؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے ابن قریبی سے سُنا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ ایک رات مجھ کو حاجت غسل ہوئی اور جاڑے کی رات تھی میں نے دیکھا کہ میرا نفس نہانے سے تقاعد اور سستی کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اتنا ٹھہر جاؤں کہ صبح ہو جاوے اور پانی گرم کر لوں یا حمام

ت۱ اللہ نے وہ گن رکھے ہیں اور وہ بھول گئے ۱۲

میں نہالوں نفس پر مشقت نہ ڈالوں میں نے کہا کیا خوب میں نے تمام عمر خدائے تعالیٰ کا کام کیا تو اس کا میرے اوپر حق واجب ہے وہ جلدی کرتے ہیں تو مجھ کو نہ ملے گا توقف اور تاخیر میں مل جاوے گا مجھے بھی قسم ہے کہ اسی گدڑی سمیت نہالوں گا اور بدن سے نہیں اتاروں گا نہ اس کو نچوڑوں گا نہ دھوپ میں سکھاؤں گا۔ اور روایت ہے کہ غزوان اور حضرت ابو موسیٰ ایک ساتھ کسی جہاد میں تھے کوئی عورت ظاہر ہوئی غزوان نے اس کی طرف دیکھا پھر اپنا ہاتھ اٹھا کر آنکھ پر اس زور سے طمانچہ مارا کہ ورم کر گئی اور کہا کہ تو ایسی چیز کو دیکھتی ہے جو تیرے لیے مضر ہو۔ اور کسی شخص نے ایک عورت کی طرف ایک نظر ڈالی اس کے کفارے میں اپنے نفس پر التزام کر لیا کہ ٹھنڈا پانی عمر بھر نہ پیوں گا۔ پھر ہمیشہ گرم پانی پیا کرتے تاکہ نفس پر عیش تلخ رہے۔ اور منقول ہے کہ حسان بن ابی سنان ایک دریچے پر گذرے اور کہا یہ کب بن گیا پھر اپنے نفس کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ بے فائدہ سوال کیوں کرتا ہے تیری سزا یہ ہے کہ برس روز روزہ رکھوں گا۔ پھر سال بھر کے روزے رکھے۔ اور مالک بن ضیغم کہتے ہیں کہ رباح قیسیؒ میرے والد کو پوچھتے ہوئے بعد عصر کے آئے ہم نے کہا کہ وہ سوتے ہیں انہوں نے فرمایا اس وقت سوتے ہیں یہ وقت سونے کا ہے پھر چلے گئے۔ ہم نے ان کے پیچھے ایک آدمی بھیجا اور کہلا بھیجا کہ اگر آپ کہیں تو ان کو جگا دیں وہ آدمی پھر آیا اور کہا کہ وہ اور ہی دھن میں تھے۔ میری بات سمجھنے کی ان کو فرصت نہ تھی میں نے دیکھا کہ وہ قبرستان میں گئے اور اپنے نفس پر عتاب کیا اور کہا کہ تو نے یہ کہا کہ یہ سونے کا وقت ہے کیا تیرے ذمہ یہ کہنا واجب تھا۔ جس وقت آدمی چاہے سو رہے تو کون ہے اور تو کیا جانے کہ یہ سونے کا وقت ہے یا نہیں تو نے ایسی بات کیوں کہی جو تو نہیں جانتا اب خبردار ہو کہ میں خدائے تعالیٰ سے پکا عہد کرتا ہوں اس کو کبھی نہیں توڑوں گا کہ تجھ کو سونے کے واسطے برس دن تک زمین پر کمر نہ لگاؤں گا بشرطیکہ کوئی مرض حائل نہ ہو اور عقل میں فتور نہ آوے ارے بے حیا تجھے شرم نہیں آتی کب تک اوروں کو جھڑکے گا اور اپنی گمراہی سے باز نہ آوے گا کہتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے اور ان کو خبر نہ تھی کہ میں بھی وہاں ہوں جب میں نے ان کا یہ حال دیکھا تو ان کو اسی کیفیت سے چھوڑ کر واپس آیا۔ اور تمیم داری سے منقول ہے کہ وہ ایک رات سو گئے اور تہجد کو نہ اٹھے اس خطا کے عوض نفس کو سزا یہ دی کہ برس روز تک شب بیداری کی اور خواب کو ناجائز کر لیا اور حضرت طلحہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص ایک روز چلا اور اپنے کپڑے اتار کر دھوپ کے ولوں میں کنکروں پر خوب لوٹا اور اپنے نفس سے کہتا تھا کہ رات کے مردار اور دن کے بیکار لے مزہ چکھ آتش جہنم میں اس سے بھی زیادہ حرارت ہے اسی اثنا میں اس کی نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑی جو ایک درخت کے سایے تلے تشریف رکھتے تھے آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا[ح] اور عرض کیا میرا نفس مجھ پر غالب ہو گیا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو علاج تو نے کیا اس کے سوا اور کوئی تدبیر نہ تھی آگاہ ہو کہ تیرے لیے آسمان کے دروازے کھولے گئے اور اللہ تعالیٰ نے تیرے باعث فرشتوں پر فخر کیا پھر آپ نے اصحابؓ کو فرمایا کہ اپنے اس بھائی سے کچھ توشہ لے لو پس لوگوں نے ہر طرف سے اس کو کہنا شروع کیا کہ میاں ہمارے لیے بھی دعا کرنا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان سب کے لیے دعا کر اس شخص نے کہا کہ الٰہی تقویٰ کو ان کا توشہ بنا اور ہدایت پر ان کے کام کو جمع کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

ح ا۔ طبرانی بروایت بریدہ بالفاظ دیگر ۱۲

فرمانے لگے کہ الٰہی تو اس کو راہ راست پر کر تب اس شخص نے کہا کہ الٰہی جنت کو ان کا ٹھکانا کر اور حذیفہ بن قتادہ فرماتے ہیں کہ کسی شخص سے کسی نے پوچھا کہ شہوات نفس میں تم اپنے نفس سے کیا معاملہ کرتے ہیں اس نے کہا کہ روئے زمین پر ایسا کوئی نفس نہیں جس کے ساتھ مجھ کو اتنا بغض ہو جتنا اپنے نفس سے ہے پھر بھلا میں اس کو اس کی خواہش کیوں دینے لگا تھا اور ابن سماک حضرت داؤد طائی کے یہاں اس وقت گئے کہ آپ کی روح پرواز کر گئی تھی اور آپ گھر کے اندر زمین پر پڑے ہوئے تھے انہوں نے آنکھ دیکھ کر فرمایا کہ اے داؤد تو نے اپنے نفس کو محبوس رکھا پیشتر اس سے کہ محبوس کیا جاوے اور اس کو عذاب دیئے جانے سے پیشتر ہی عذاب دیا پس یہ کام جس کے واسطے تو کیا کرتا تھا آج دیکھے گا کہ وہ کیا کچھ ثواب دے گا۔ اور وہب بن منبہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے مدت تک عبادت کی تھی پھر اس کو کچھ حاجت خدائے تعالیٰ سے پیش آئی اس لیے ستر ہفتے تک اس طرح کی ریاضت کی کہ ایک ہفتے میں گیارہ خرمے کھاتے تھے پھر اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت کی درخواست کی اللہ تعالیٰ نے قبول نہ فرمائی انہوں نے اپنے نفس کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ تو نے جیسا کیا ویسا پایا اگر تجھ میں کچھ خیر ہوتی تو حاجت پوری کی جاتی اسی وقت اس کے پاس ایک فرشتہ اترا اور کہا اے ابن آدم تیری یہ ایک ساعت تیری تمام عبادت زمانہ گذشتہ سے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ نے تیری حاجت پوری کی اور عبداللہ بن قیسؒ کہتے ہیں کہ ہم جہاد میں تھے جب دشمن موجود ہوا تو لوگوں میں پکار پڑی سب لڑائی کے لیے تیار ہو گئے اس روز ہوا بہت تیز تھی میں نے دیکھا کہ ایک شخص میرے آگے کھڑا ہوا اپنے نفس سے مخاطب ہو کر کہہ رہا تھا کہ اے نفس میں فلاں جہاد میں شریک ہوا تو تو نے کہا کہ اپنے زن و فرزند کی طرف چل میں نے تیرا کہنا مان لیا اور لوٹ گیا۔ پھر فلاں فلاں جہاد میں شریک ہوا اور تو نے وہی کہا تھا جو اوّل کہا تھا اور میں نے تیرا قول مانا مگر آج بخدا تجھ کو خدا کے سامنے کیے دیتا ہوں خواہ تجھے پکڑے یا چھوڑ دے راوی کہتے ہیں کہ میں نے دل میں کہا کہ مجھے بھی آج اس شخص کو دیکھنا ہے اور اس کو دیکھتا رہا لوگوں نے دشمن پر حملہ کیا تو وہ شخص اول حملہ کرنے والوں میں تھا پھر جب دشمن نے چڑھائی کی تو ادھر کے قدم اکھڑ گئے مگر وہ شخص اپنی جگہ سے نہ ہلا یہاں تک کہ کئی بار ایسا ہی ہوا کہ لوگ ہٹ گئے اور وہ کھڑا ہوا لڑتا رہا اسی طرح یہاں تک لڑا کہ آخر کو شہید ہوا میں نے اس پر اور اس کے گھوڑے پر ساٹھ ستر بہتر سے کے زخم شمار کیے۔ اور حدیث ابو طلحہ کا حال ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ باغ میں کسی جانور کی آواز سے جو نماز میں خیال بٹا تو اس باغ ہی کو اس کے کفارے میں صدقہ کر دیا اور یہ بھی پہلے گذر چکا ہے کہ حضرت عمرؓ رات کو اپنے پاؤں میں درہ مارا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ آج کیا کیا۔ اور مجمع سے مروی ہے کہ آپ نے ایک بار اپنا سر چھت کی طرف اُٹھایا اور ایک عورت پر نگاہ جا پڑی آپ نے اپنے نفس پر لازم کر لیا کہ جب تک دنیا میں رہوں گا اپنا سر آسمان کی طرف نہ اُٹھاؤں گا۔ اور احنف بن قیس رات بھر چراغ جلاتے اور آپ کا دستور تھا کہ اپنی انگلی جلتی بتی پر رکھ دیتے اور کہتے کہ اے نفس تجھ کو کیا ہوا تھا کہ فلاں روز تو نے فلاں قصور کیا تھا۔ اور وہب بن منبہ الورد کو کوئی بات اپنے نفس کی بری معلوم ہوتی تو آپ نے اپنی چھاتی کے چند بال اکھاڑے یہاں تک کہ اس کی تکلیف زیادہ ہوتی پھر اپنے نفس سے کہنے

لگے کہ میں تو تیرا ہی بھلا چاہتا ہوں اور محمد بن بشر نے داؤد طائی کو دیکھا کہ افطار روزہ کے بعد روٹی پھیکی کھاتے ہیں ان سے عرض کیا کہ آپ نمک سے کھا لیجئے انہوں نے فرمایا کہ میرا نفس دس روز سے نمک کا طالب ہے مگر جب تک داؤد دنیا میں ہے نمک نہیں چکھے گا۔ غرضکہ احتیاط والے اپنے نفسوں کو یوں سزا دیا کرتے تھے۔ اور عجیب بات ہے کہ آدمی اپنے غلام لونڈی اور زن و فرزند کو ارتکاب عادت بد پر یا کسی کام میں قصور کرنے پر تو سزا دیتا ہے اور ڈرتا ہے کہ اگر در گذر کر جاؤں تو کہیں یہ لوگ میرے ہاتھ سے نہ نکل جاویں اور سر نہ چڑھ جاویں پھر اپنے نفس کو کیسے جانے دیتا ہے وہ تو سب میں بڑا دشمن اور زیادہ سرکش ہے۔ زن و فرزند کی سرکشی کو اس کی سرکشی سے کیا نسبت ان کا مال تو یہی ہے کہ صرف دنیا کی معیشت پر پریشان کر دیں گے لیکن اگر عقل ہو تو جانتے کہ دنیا کی عیش ہیچ ہے، عیش آخرت ہی کی ہے کہ اس میں وہ راحت دائمی ہے کہ جس کی کبھی انتہا ہی نہیں اور نفس اس عیش جاودانی کو مکدر کرتا ہے تو معلوم ہوا کہ اس کی سزا بطریق اولیٰ کرنا چاہیئے۔

۵۔ مجاہدہ اس کی صورت یہ ہے کہ جب نفس سے حساب لیا اور اس کو مرتکب کسی گناہ کا دیکھا تو چاہیئے کہ اس کی سزا ان عقوبات سے کرے جو پہلے گذریں اور اس کو دیکھے کہ کسل کے باعث کسی مستحب میں یا وظیفہ میں سستی کرتا ہے تو چاہیئے کہ اس کی تادیب اس طرح کرے کہ وظیفوں کا بوجھ اس پر لادے اور تدارک مافات کے لیے چند قسم کے وظائف اس پر لازم کر دے یہی دستور سلف کے عمل کرنے والوں کا تھا جو خدائے تعالیٰ کے واسطے کام کیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کو جب عصر کی نماز کی جماعت نہ ملی تو نفس پر یہ سزا کی کہ ایک زمین جس کی قیمت دو لاکھ درہم تھی صدقہ کر دی اور حضرت ابن عمرؓ کا دستور تھا کہ جب آپ سے جماعت فوت ہو جاتی تو اس شب تمام رات جاگتے اور ایک بار نماز مغرب میں اتنی دیر ہوئی کہ دو ستارے نکل آتے آپ نے دو غلام آزاد کر دیئے اور ابن ابی ربیعہؒ کی فجر کی سنتیں قضا ہو گئیں تو آپ نے ایک غلام آزاد کر دیا۔ اور بعض اکابر اپنے نفس پر سال بھر کے روزے یا پیادہ پا حج کرنا یا تمام مال کو صدقہ کر دینا مقرر کر لیتے تھے اور یہ امور صرف نفس کی نگہداشت کے لیے کرتے تھے اور وہ بات اختیار کرتے کہ جس میں اس کی نجات ہو جاوے پس اگر یہ کہو کہ اگر ہمارا نفس مجاہدہ و وظائف دائمی پر ہماری اطاعت نہ کرے تو پھر اس کا کیا علاج ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا علاج یوں کرے کہ فضیلت مجتہدین کی جو اخبار میں وارد ہے وہ اس کو سنا دے اور سب سے زیادہ نافع علاج یہ ہے کہ کسی ایسے بندے کی صحبت کا جویا ہو جو عبادت میں خوب جد و جہد کرتا ہو کہ اس کا حال دیکھنے سے اس کی اقتدا کرے بعض اکابر کہا کرتے تھے کہ جب عبادت میں مجھ کو کچھ سستی پیش آتی تو میں محمد بن واسعؒ کا حال اور ان کا مجاہدہ دیکھا کرتا۔ ایک ہفتہ تک ایسا ہی کرتا مجھ سے سستی جاتی رہتی۔ مگر یہ علاج مشکل ہے اس لیے کہ اس زمانہ میں ایسا شخص جو عبادت میں جہد کرے مفقود ہے پہلوں کا سا اجتہاد اب کہاں ہے تو اس سے یہی بہتر ہے کہ مشاہدے سے عدول کر کے سننے کی طرف رجوع کرے کہ ان کے احوال سننے سے زیادہ کوئی مفید بات نہیں اور ان کے اخبار کو مطالعہ کرے کہ کتنی کوشش وہ کرتے

تھے ان کی مشقت تو ہو چکی مگر ثواب اور راحت ابدالآباد تک باقی رہے گی کہ کبھی منقطع نہ ہو گی ان کی سلطنت کتنی بڑی ہے اور بڑا افسوس ہے اس پر جو ان کی اقتدا نہ کرے اور چند روزہ ان شہوات سے متمتع ہو جو عیش کو مکدر کرتی ہے پھر اس پر موت آجاوے اور اس میں اور اس کی خواہشوں میں جدائی ڈال دے معاذ اللہ منہا۔ اور ہم اوصاف مجتہدین کے وہ لکھتے ہیں جن سے مرید کی رغبت جنبش میں آوے کہ ان کی اقتدا کر کے اعمال میں خوب جد و جہد کیجیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ[ح۱] رحم اللہ اقواما یحسبھم الناس مرضی و ماھم بمرضی حضرت حسن فرماتے ہیں کہ مریضوں سے اس حدیث میں وہ لوگ مراد ہیں جن کو عبادت نے مرتاض کر رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[ت۲] والذین یؤتون ما اتوا وقلوبھم وجلۃ۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو اعمال نیکی کے جس قدر ان سے ہو سکے کرتے ہیں اور پھر ڈرتے ہیں کہ ان کے باعث عذاب الٰہی سے ہم کو نجات نہ ہو گی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ[ح۳] طوبی لمن طال عمرہ وحسن عملہ اور روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے کہ میرے بندے جو اجتہاد و کوشش کرتے ہیں، ان کو کیا ہوا ہے وہ کہتے ہیں کہ الٰہی تو نے ان کو ایک چیز سے ڈرا دیا ہے وہ اس سے ڈرتے ہیں اور ایک چیز کا شوق دلا دیا ہے وہ اس کی طرف مشتاق ہیں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ اگر میرے بندے مجھے دیکھ پائیں تو کیا ہو فرشتے عرض کرتے ہیں کہ پھر اور زیادہ کوشش کرنے لگیں۔ اور حضرت حسن فرماتے ہیں کہ میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا اور ان میں سے ایسی جماعتوں کے ساتھ رہا کہ وہ دنیا کی کسی چیز کے آنے سے خوش نہ ہوتے اور نہ کسی چیز کے جانے کا غم کرتے دنیا ان کے نزدیک اس مٹی سے بھی ذلیل تھی جس کو تم اپنے پاؤں سے ملتے ہو بعضے ان میں سے ایسے تھے کہ عمر بھر کبھی ان کے لیے کپڑا نہ ہوا اور نہ کبھی اپنی بی بی سے کسی کھانے کی فرمائش کی اور نہ کبھی زمین پر سونے کے لیے کوئی چیز بچھائی اور ان کو میں نے کتاب اللہ اور حدیث پر عامل پایا جہاں رات ہوئی ہاتھ پاؤں پر کھڑے ہو گئے چہروں کو زمین پر رکھتے اور رخساروں پر آنسو بہاتے کہ آخرت میں رہائی پاویں۔ جب کوئی اچھی بات کرتے تو اس سے خوش ہوتے اور اس کے شکر میں جد و جہد بجا لاتے اور اللہ تعالیٰ سے اس کے قبول فرمانے کی دعا مانگتے اور جب کوئی برائی کرتے تو اس سے غمگین ہوتے اور خدائے تعالیٰ سے درخواست کرتے کہ ہماری اس خطا کو معاف فرما۔ یقین جانو کہ وہ ہمیشہ اسی طرح اسی حال پر رہے اور بخدا کہ گناہوں سے نہ بچے اور نہ بدون مغفرت کے نجات پائی۔ اور حکایت ہے کہ کچھ لوگ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو بیماری کی حالت میں پوچھنے گئے آپ نے دیکھا کہ ان میں ایک نوجوان نہایت دبلا ہے اس سے آپ نے پوچھا کہ تیری یہ صورت کیوں ہو

ح۱ خدا رحم کرے ان لوگوں پر جن کو لوگ بیمار جانتے ہیں اور وہ بیمار نہیں ۱۲ احمد نے زہد میں علی مرتضیٰ سے موقوفاً روایت کیا ہے مرفوعاً مجھ کو نہیں ملی ۱۲

ت۲ جو لوگ دیتے ہیں جو دیتے ہیں اور ان کے دلوں میں ڈر ہے ۱۲ ح۳ خوشحال اس شخص کا جس کی عمر زیادہ ہو اور عمل اچھے ہوں ۱۲ ترمذی کی حدیث اس باب میں یہ ہے خیر الناس من طال عمرہ الخ بروایت ابی بکرہ ۱۲

رہی ہے اس نے عرض کیا کہ یا امیر المومنین بیماریوں نے یہ حال کر رکھا ہے آپ نے فرمایا کہ میں تجھ کو خدا کے واسطے پوچھتا ہوں کہ سچ بتا اس نے عرض کیا کہ سچ تو یہ ہے کہ میں نے دنیا کی حلاوت چکھی تو اس کو تلخ پایا اور اس کی حلاوت اور آرائش میری نظروں میں حقیر ہو گئی مجھ کو سونا اور پتھر یکساں نظر آتا ہے اور یہ حال رہتا ہے کہ گویا اللہ جل وعلا کے عرش کے پاس ہوں اور لوگ جنت اور دوزخ میں داخل کیے جاتے ہیں اسی مارے تمام دن پیاسا رہتا ہوں اور رات بھر جاگتا ہوں اور خدائے تعالیٰ کے ثواب و عقاب کے سامنے یہ حال جس میں رہتا ہوں کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتا نہایت کمتر اور حقیر چیز ہے۔ اور ابو نعیمؒ کہتے ہیں کہ داؤد طائی روٹی کے ریزوں کو پانی میں گھول کر پی جاتے تھے اور روٹی نہ کھاتے تھے اس کا حال جو ان سے پوچھا گیا تو فرمایا کہ روٹی چبانے میں دیر لگ جاتی ہے۔ پچاس آیتوں کے پڑھنے کا وقت روٹی کھانے میں زیادہ صرف ہو جاتا ہے اور ایک شخص ان کی خدمت میں ایک روز آیا اور کہا کہ آپ کے گھر کی چھت میں ایک کڑی ٹوٹی ہوتی ہے تو آپ نے فرمایا کہ بیشک ٹوٹی ہو گی۔ میں نے بیس برس سے چھت کی طرف نہیں دیکھا۔ اور اکابر سلف کا دستور تھا کہ فضول نظر کو بھی برا جانتے تھے جیسا کہ فضول کلام کو سمجھتے تھے۔ اور محمد بن عبد العزیزؒ کہتے ہیں کہ احمد بن زرین کے پاس ہم صبح سے عصر تک بیٹھے مگر انہوں نے نہ داہنے کو توجہ کی نہ بائیں کو۔ ان سے جو پوچھا گیا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دو آنکھیں اس واسطے پیدا کی ہیں کہ بندہ ان سے عظمتِ الٰہی کو دیکھے پس جو شخص بدون عبرت کے نظر ڈالے اس پر گناہ لکھا جاتا ہے اور مسروقؒ کی بی بی کہتی ہیں کہ ان کو جب کسی نے دیکھا تو یہی پایا کہ کثرت نماز کے باعث ان کی دونوں پنڈلیاں ورم کیے رہتی تھیں اور میں آپ کے پیچھے بیٹھ کر آپ کے حال پر ترس کر کے رویا کرتی تھی اور حضرت ابو درداء فرماتے ہیں کہ اگر تین باتیں نہ ہوتیں تو میں ایک روز کی زندگی بھی اچھی نہ جانتا ایک تو دوپہر میں خدا کے لیے پیاسا رہنا دوم آدھی رات میں سجدہ کرنا سوم ان لوگوں کے پاس بیٹھنا کہ اچھی باتوں کو ایسا چھانٹتے ہیں جیسے گرمی میں اچھے خرما کو چھانٹا کرتے ہیں اور اسود بن یزید عبادت میں اجتہاد کرتے اور گرمی میں روزہ رکھتے۔ یہاں تک کہ ان کا جسم سبز اور زرد ہو جاتا تو علقمہ بن قیس ان سے کہتے کہ تم اپنے نفس کو کیوں عذاب دیتے ہو فرماتے کہ میں تو اس کی تکریم چاہتا ہوں اور آپ کا دستور تھا کہ روزہ اتنا رکھتے کہ بدن سبز پڑ جاتا اور نماز اتنی پڑھتے کہ گر پڑتے۔ ان کے پاس انس بن مالکؓ اور حسنؒ تشریف لے گئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو ان امور کا حکم نہیں کیا یعنی اتنا اجتہاد فرض نہیں کیا پھر کیوں کرتے ہو۔ آپ نے فرمایا کہ میں تو غلام مملوک ہوں مسکنت اور عاجزی کی کسی چیز کو بدون کیے نہیں چھوڑتا اور کوئی مرتاض دن میں ہزار رکعت نماز روزمرہ پڑھتے یہاں تک کہ دونوں پاؤں سے بیٹھ رہتے تو بیٹھے ہی بیٹھے ہزار رکعت پڑھتے اور جب نماز عصر سے فارغ ہوتے تو گوٹ مار کر بیٹھتے اور کہتے کہ مجھے بڑا تعجب ہے کہ خلق نے تیرے عوض میں دوسری چیز کا ارادہ کیسے کیا اور تیرے سوا اور چیز سے کس طرح مانوس ہو گئے بلکہ مجھے یہ تعجب ہے کہ جب خلق نے تیرے سوا اور چیز کا ذکر کیا تو ان کے دل کس طرح روشن ہوئے۔ اور ثابت بنانیؒ کے حال

میں ہے کہ ان کو نماز بہت محبوب تھی اسی لیے دعا مانگا کرتے کہ الہٰی اگر تو کسی کو قبر میں اتنی نماز کی اجازت دے تو مجھی کو اجازت دینا کہ اپنی قبر میں نماز پڑھوں۔ اور حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سریؒ سے زیادہ عابد کسی کو نہیں دیکھا کہ اٹھانویں برس کی عمر ہوتی تھی۔ مگر بجز مرض موت کے کبھی کسی نے لیٹے ہوئے ان کو نہ دیکھا اور حارث بن سعد کہتے ہیں کہ کچھ لوگ راہب کے پاس گئے اور جو مشقت کہ وہ اپنے نفس پر کرتا تھا دیکھی اور اس سے اسباب میں کہا اس نے جواب دیا کہ جو کچھ مصائب اور اہوال خلق پر منظور ہیں ان کے سامنے اس مشقت کی کیا اصل ہے مگر لوگ غافل ہیں اپنے نفسوں کے لذات پر گرے ہوئے ہیں اور جو حظ اکبر کہ ان کو خدا کے پاس سے ملے گا اس کو بھولے ہیں یہ سن کر سب لوگ رو پڑے اور ابو محمد مغازلی کہتے ہیں کہ ابو محمد جریری ایک سال بھر مکہ معظمہ میں مجاور رہے نہ سوئے نہ کلام کیا نہ ستون یا دیوار سے تکیہ لگایا نہ ٹانگیں پھیلائیں۔ ایک روز ان کے پاس ابوبکر کتانیؒ گئے اور سلام کے بعد کہا کہ آپ اعتکاف پر کس چیز سے قادر ہوئے آپ نے فرمایا کہ جس علم نے میرے باطن کو پختہ کر رکھا ہے اسی نے میرے ظاہر کی مدد کی ہے کتانی اپنا سر نیچے کر کے سوچتے ہوئے چل دیئے۔ اور بعض اکابر روایت کرتے ہیں کہ میں فتح موصلی کے پاس گیا دیکھا تو آپ اپنے ہاتھ پھیلائے روتے ہیں یہاں تک کہ آنسو ان کی انگلیوں کے بیچ میں سے گذر رہے ہیں میں ان کے قریب گیا اور آنسوؤں کو دیکھا کہ زردی آمیز ہیں میں نے ان سے کہا کہ اے فتح تم کو خدا کی قسم کیا خون روتے ہو انہوں نے فرمایا کہ اگر تو مجھ کو قسم نہ دیتا تو میں ہرگز نہ بتاتا ہاں میں خون روتا ہوں میں نے پوچھا کہ آپ آنسو کیوں بہاتے ہیں فرمایا کہ اس جہت سے کہ جو حق خدائے تعالیٰ کا مجھ پر واجب تھا اس میں میں نے قصور کیا اور خون اس لیے رویا کہ آنسو کہیں بے موقع نہ نکلے ہوں پھر میں نے ان کو مرنے کے بعد خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ خدائے تعالیٰ نے تم سے کیا معاملہ فرمایا کہ مجھ کو بخش دیا۔ میں نے پوچھا کہ آپ کے آنسوؤں کے باب میں کیا کیا فرمایا کہ مجھ کو اللہ جل شانہٗ نے پاس بلا کر پوچھا کہ اے فتح آنسو کس بات پر بہاتا تھا، میں نے عرض کیا کہ آنسو بے موقع رونا مقبول نہ ہوتے ہوں، پھر ارشاد فرمایا کہ اے فتح اس سے تیری مراد کیا تھی قسم ہے اپنی عزت و جلال کی تیرے دونوں نگہبان چالیس برس تیرے نامہ اعمال کو لایا کیئے اس میں کوئی خطا نہیں۔ اور منقول ہے کہ کچھ لوگ چلے جاتے تھے راہ بھول گئے ایک راہب کے پاس پہنچے جو لوگوں سے علیٰحدہ تھا اس کو جو پکارا تو اس نے عبادت خانے میں سے سر نکال کر ان کی طرف دیکھا اس سے انہوں نے کہا کہ ہم راستہ بھول گئے ہیں راستہ کدھر کو ہے اس نے اپنے سر سے اشارہ آسمان کی طرف کیا وہ اس کا مطلب سمجھ گئے کہ معرفت کا راستہ بتاتا ہے پھر اس سے کہا کہ ہم تجھ سے پوچھیں جواب دے گا اس نے کہا کہ پوچھو اور زیادہ مت پوچھیو کہ دن پھر نہیں آنے کا نہ عمر پھر سے آوے گی اور طالب یعنی موت جلدی کر رہی ہے لوگوں کو اس کی گفتگو سے تعجب ہوا اور کہا کہ فردائے قیامت میں لوگوں کا حشر خدائے تعالیٰ کے نزدیک کس چیز پر ہوگا اس نے کہا کہ اپنی اپنی نیتوں پر پھر اس سے کہا کہ ہم کو کچھ وصیت کر اس نے کہا کہ اپنے نفس کی حیثیت کے بموجب توشہ لو اس لیے کہ بہتر توشہ وہی ہے جو مقصود تک پہنچا دے پھر ان کو راستہ بتا کر سر اندر کر لیا۔ اور عبدالواحد بن زیدؒ کہتے ہیں کہ میرا گذر ایک

چین کے راہب کے پاس ہوا میں نے اسے راہب کر کے پکارا اس نے جواب نہ دیا۔ دوبارہ پھر میں نے کہا کہ اور راہب وہ نہ بولا سہ بارہ پھر کہا اس نے میری طرف سر نکالا اور کہا کہ میاں صاحب میں راہب نہیں راہب وہ ہے جو خدائے تعالیٰ سے ڈرے اور اس کی تعظیم کرے اور اس کی بلا پر صبر کرے اور اس کی قضا پر راضی رہے۔ اور اس کی نعمتوں کا شکر کرے۔ اور اس کی عظمت کے سامنے تواضع کرے اور اس کی عزت کے مقابل ذلیل رہے اور اس کی قدرت کو اپنے نفس کے حوالہ کرے اور اس کی ہیبت سے خضوع کرے اور اس کے حساب اور عذاب میں تامل کرے دن کو روزہ رکھے اور رات کو کھڑا رہے۔ دوزخ کی یاد اور خدائے تعالیٰ سے مانگنا اس کو سونے نہ دے۔ راہب تو اس کو کہتے ہیں۔ اور میرا حال جو پوچھو تو میں باؤلا کتا ہوں ... اپنے آپ کو اس عبادت خانے میں بند کر لیا ہے تاکہ لوگوں کو نہ کاٹوں میں نے پوچھا پھر کس چیز نے لوگوں کو خدائے تعالیٰ سے علیٰحدہ کر رکھا ہے پہچانتے کے بعد کیوں منحرف ہیں اس نے کہا کہ برادر خلق کو جو خدائے تعالیٰ سے علیٰحدہ کیا ہے تو صرف دنیا کی محبت اور اس کی زینت نے کیا ہے۔ دنیا ہی گناہوں اور معاصی کی جگہ ہے۔ ہوشیار وہ ہے جو دنیا کو اپنے دل سے پھینک دے اور خدائے تعالیٰ کے سامنے اپنے گناہوں سے توبہ کرے اور ایسی باتوں پر متوجہ ہو جو خدائے تعالیٰ سے نزدیک کریں۔ اور کسی نے حضرت داؤد طائیؒ سے کہا کہ آپ اپنی داڑھی میں کنگھی کر لیجیے انہوں نے فرمایا کہ تو بس میں بیکار ہوں اور حضرت اویس قرنیؒ کا دستور تھا کہ فرماتے کہ یہ رات رکوع کی ہے اور اس رات کو ایک ہی رکوع میں صبح کر دیتے اور جب دوسری رات آتی تو فرماتے کہ یہ سجدہ کی رات ہے اس کو سجدے ہی میں بسر کرتے اور منقول ہے کہ جب عتبہ غلامؒ تائب ہوتے تو کھانے اور پینے کی طرف راغب نہ ہوتے ان کی مادر مشفقہ ان سے کہتی کہ بیٹا اپنے نفس پر نرمی کرو وہ جواب دیتے کہ میں آرام ہی کا طالب ہوں تھوڑی سی مشقت مجھے کر لینے دو پھر مدتوں تک آرام ہی کروں گا۔ اور منقول ہے کہ حضرت مسروقؒ نے حج کیا تو جب سوتے سجدہ ہی کی حالت میں سوتے۔ اور حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ رات کے چلنے کی تعریف لوگ صبح کو کیا کرتے ہیں اور تقویٰ کو بعد موت کے اچھا جانیں گے۔ اور عبد اللہ بن داؤد کہتے ہیں کہ بزرگان سلف میں سے جب کوئی چالیس برس کا ہوتا تو اپنا بستر تہ کر دیتا یعنی تمام رات میں سونا موقوف کر دیتا۔ اور کہمس بن الحسن ہر روز ہزار رکعت پڑھتے پھر اپنے نفس سے کہتے کہ اے سب برائیوں کی جڑ اُٹھ کھڑا ہو جب آپ ضعیف ہو گئے تو پانسو پر اکتفا کی اور رویا کرتے کہ افسوس میرا عمل آدھا رہ گیا۔ اور ربیع بن خثیمؒ کی لڑکی ان سے کہا کرتی کہ باباجان یہ کیا بات ہے کہ سب لوگ سوتے ہیں اور آپ نہیں سوتے آپ فرماتے کہ بیٹی مجھے آگ کا ڈر ہے اور جب ان کی ماں نے ان کا حال رونے اور جاگنے کا دیکھا تو کہا کہ بیٹا تو نے شاید کسی کو مار ڈالا ہے جو ایسا رہتا ہے انہوں نے فرمایا! کہ ہاں! ان کی ماں نے کہا کہ وہ شخص کون تھا کہ ہم اس کے رشتہ داروں کو ڈھونڈیں کہ وہ تجھ کو خون معاف کر دیں اس لیے کہ یہ حال اگر وہ دیکھیں گے تو ضرور ترس کھا کر معاف کر دیں گے۔ آپ کہتے کہ وہ تو میرا نفس ہے اور بشر بن الحارثؒ کے بھانجے جن کا نام عمرو ہے کہتے ہیں کہ میرے ماموں بشر بن الحارث میری ماں سے کہتے کہ

بہن میری پسلیاں اور تہی گاہ مجھ میں گڑتی ہے۔ میری ماں نے کہا بھائی اگر تم کہو تو تمہارے واسطے ایک مٹھی میدے کا اپنے پاس سے حریرہ بنا دوں اس کو پیو گے تو کچھ توانائی تم میں آجائے گی ماموں صاحب نے جواب دیا کہ مجھے یہ خوف ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ مجھ سے یہ نہ پوچھے کہ تیرے پاس آٹا کہاں سے آیا تو پھر میں کیا جواب دونگا میری ماں رونے لگی اور وہ خود بھی روئے اور ان کے ساتھ میں بھی رویا۔ راوی کہتے ہیں کہ میری ماں نے جب ان کا حال دیکھا کہ شدت بھوک سے سانس کمزور ہو گیا تو اس نے کہا کہ بھائی کیا اچھا ہوتا کہ تمہاری ماں سے میں پیدا نہ ہوتی اس لیے کہ تمہارا حال دیکھ کر میرا جگر ٹکڑے ٹکڑے ہوا جاتا ہے۔ انہوں نے جواب دیا بہن میں بھی یہی کہتا ہوں

مرا اے کاشکے مادر نمی زاد　　وگر مے زاد کسی شیرم نمی زاد

میری ماں ان کے واسطے شب و روز رویا کرتی اور ربیع کہتے ہیں کہ میں حضرت اویس کی خدمت میں آیا تو ان کو نماز فجر پڑھ کر بیٹھا پایا میں بھی بیٹھ گیا اور دل میں کہا کہ ان کے وظیفے میں حارج نہ ہونا چاہیئے آپ اپنی جگہ سے نہ ہلے یہاں تک کہ ظہر پڑھی اور ظہر کے وقت سے عصر تک برابر نماز پڑھتے رہے بعد نماز عصر پھر اپنی جگہ بیٹھ گئے اور مغرب تک بیٹھے رہے۔ نماز مغرب کے بعد پھر اپنی بیٹھک پر جمے یہاں تک کہ عشا پڑھی۔ پھر اسی جگہ جم گئے یہاں تک کہ نماز صبح پڑھی پھر جو بیٹھے تو سو گئے پھر فرمایا کہ الٰہی میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں ایسی آنکھوں سے جو سو جاویں اور ایسے شکم سے جو سیر نہ ہو میں نے دل میں کہا کہ مجھ کو ان سے اسی قدر کافی ہے پھر میں واپس آیا۔ اور ایک شخص نے حضرت اویس رض سے پوچھا کہ یہ کیا سبب ہے کہ بیمار جیسے معلوم ہوتے ہو انہوں نے فرمایا کہ میں بیمار نہ ہوں تو کیا ہوں کہ بیماروں کو کھانا ملتا ہے اور اویس رض نہیں کھاتا، بیمار سوتے ہیں اویس رض نہیں سوتا۔ اور احمد بن حرب کہتے ہیں کہ جو شخص یہ جانتا ہے کہ جنت اس کے اوپر آراستہ ہے اور دوزخ اس کے نیچے دہک رہی ہے تو تعجب ہے کہ وہ ان دونوں کے بیچ میں کیسے سوتا ہے اور ایک عابد بزرگ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابراہیم بن ادہم کی خدمت میں حاضر ہوا اور دیکھا تو نماز عشا سے فارغ ہو چکے ہیں میں آپ کو دیکھنے کے لیے بیٹھ گیا۔ آپ اپنے آپ کو ایک کمبل میں لپیٹ کر لیٹ رہے اور ساری رات کروٹ بھی نہ لی یہاں تک کہ صبح ہوتی اور موذن نے اذان دی آپ اٹھ کر نماز میں شریک ہوئے اور وضو نہ کیا یہ بات میرے دل میں کھٹکی میں نے آپ سے کہا کہ آپ تمام رات تو لیٹ کر سوتے رہے پھر نیا وضو نہ کیا آپ نے فرمایا کہ میں تو رات بھر کبھی جنت کے باغوں میں دوڑتا رہا اور کبھی دوزخ کے جنگلوں میں بھلا اس صورت میں نیند آیا کرتی ہے۔ اور ثابت بنانی رح کہتے ہیں کہ میں ایسے لوگوں سے ملا ہوں کہ نماز پڑھتے پڑھتے اتنا تھک جاتے تھے کہ اپنے بستر پر بدون گھٹنوں چلنے کے نہیں آسکتے تھے۔ اور کہتے ہیں کہ ابوبکر بن عیاش نے چالیس برس زمین پر اپنی کمر نہیں لگائی اور ان کی ایک آنکھ میں پانی اتر آیا۔ بیس برس تک ان کے گھر والوں کو خبر نہ ہوئی کہ ایک آنکھ سے نہیں سوجھتا اور منقول ہے کہ سمنون کا وظیفہ ہر روز پانچ سو رکعتیں تھیں۔ اور ابوبکر مطوعی کہتے ہیں کہ جوانی میں ایک رات میں اکتیس ہزار دفعہ قل ہو اللہ پڑھا کرتا تھا یا چالیس ہزار مرتبہ۔ راوی کو شک ہے کہ کونسا عدد فرمایا۔ اور ابو منصور

بن معتمر ایسے حال سے رہتے کہ اگر کوئی دیکھے تو کہے اس شخص پر کوئی مصیبت بھاری پڑی ہے۔ یہ حال رہتا کہ آنکھیں نیچے کو آواز پست، ہر وقت چشم تر اگر ذرا ہلاؤ تو آٹھ آٹھ آنسو گریں ان کی ماں ان سے کہتی کہ تو اپنے نفس پر یہ کیا کرتا ہے تمام رات رویا کرتا ہے چپ نہیں ہوتا شاید بیٹا تو نے کوئی خون کیا ہے کیا بات ہے وہ جواب دیتے ہیں کہ اے ماں میں ہی جانتا ہوں جو میں نے اپنے نفس پر کیا ہے۔ اور کسی نے عامر بن عبداللہ سے پوچھا کہ تم شب بیداری اور دوپہر کی پیاس پر کیسے صبر کرتے ہو انہوں نے فرمایا کہ وہ صرف اس طرح ہے کہ دن کے کھانے کو رات پر ٹال دیا اور رات کے سونے کو دن پر حوالہ کیا کرتا ہوں اور یہ کچھ بڑی بات نہیں اور یہ فرمایا کرتے کہ میں نے جنت کی مثال اور چیز نہ دیکھی جس کا طالب سوگیا ہو اور نہ دوزخ مثل جس سے گریز کرنے والا سوتا ہو۔ اور جب رات آتی تو کہتے کہ آگ کی حرارت نے خواب کو کھو دیا پھر صبح تک نہ سوتے۔ جب دن ہوتا تو کہتے کہ حرارت آتش نے نیند دور کر دی اور شام تک نہ سوتے اور جب پھر رات ہوتی تو کہتے کہ جو ڈرتا ہے سو شام ہی سے چل دیتا ہے اور صبح کے وقت لوگوں کو رات کا چلنا اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اور بعض اکابر نے فرمایا ہے کہ میں عامر بن قیس کے ساتھ چار مہینے رہا میں نے ان کو کبھی نہ دیکھا کہ رات کو یا دن کو سوتے ہوں۔ اور ایک شخص حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھیوں میں سے راوی ہے کہ میں نے آپ کے پیچھے نماز صبح کی پڑھی جب آپ نے سلام پھیرا تو اپنی داہنی طرف کو پھر بیٹھے اور آپ پر کچھ اثر غم تھا آفتاب کے نکلنے پر آپ ویسے ہی رہے پھر اپنا ہاتھ پلٹا اور فرمایا کہ بخدا میں نے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اور آج ان کی مثل کوئی امر نہیں پایا جاتا۔ وہ لوگ صبح کو میلے زرد رنگ الجھے بال اٹھتے رات کو سجدہ و نماز میں کاٹ دیتے خدا کی کتاب پڑھتے۔ اور پاؤں اور پیشانیوں کو باری باری زور دیتے اور جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تو ایسا ہلتے جیسا درخت تند ہوا کے دن ہلتا ہے اور ان کی آنکھوں سے آنسو اتنے آجاتے کہ ان کے کپڑے تر ہو جاتے اور آپ لوگوں کا یہ حال ہے کہ رات کو خوب غافل ہو کر سوتے ہیں۔ اور ابو مسلم خولانی نے ایک کوڑا اپنے گھر کی نماز گاہ میں لٹکا رکھا تھا اس سے اپنے نفس کو ڈراتے اور کہا کرتے کہ اٹھ کھڑا ہو نہیں تو یقین جان کہ تجھ کو اتنا رگیدونگا کہ تو ہی تھکے گا میرا کچھ نہ جاوے گا پھر جب ان پر سستی آتی تو کوڑا لے کر اپنی پنڈلیوں میں مارتے اور کہتے کہ میری سواری کی تو تو ہی زیادہ تر سزاوار مار نے کا ہے اور کہا کرتے کہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ گمان کرتے ہوں گے کہ دین کو کچھ ہم نے اختیار کیا ہے اور لوگوں کو ہمارے ساتھ شرکت نصیب نہیں بخدا کہ اس میں ہم بھی ان کی شرکت اچھی طرح کریں گے تاکہ وہ بھی جانیں کہ ہمارے پیچھے کچھ لوگ رہے ہیں۔ اور صفوان بن سلیم کی دونوں پنڈلیاں کثرت قیام سے رہ گئی تھیں اور اجتہاد میں اس درجے کو پہنچ گئے تھے کہ اگر بالفرض ان سے کہا جاتا کہ قیامت کل ہو گی تو ان کے اعمال معمولی میں کچھ زیادتی نہ ہونے پاتی۔ ان کا دستور تھا کہ جاڑے کے دنوں میں چھت پر سوتے اور گرمیوں میں کوٹھری کے اندر تاکہ سردی اور گرمی کی تکلیف سے نیند نہ آوے۔ موت ان کی حالت سجدہ میں ہوئی۔ یہ دعا مانگا کرتے کہ الٰہی میں تیری ملاقات چاہتا ہوں تو میرے ملنے کو پسند فرما۔ اور حضرت قاسم بن محمدؒ کہتے ہیں کہ میں ایک روز

صبح کو اٹھا اور میرا معمول تھا کہ صبح اٹھ کر اول اپنی پھوپھی حضرت عائشہ رضؓ کی خدمت میں جاکر ان کو سلام کر آتا اس روز جو گیا تو دیکھا کہ آپ نماز چاشت پڑھ رہی ہیں اور اس میں یہ آیت فمن اللہ علینا ووقنا عذاب السموم پڑھ پڑھ کر رو رہی ہیں میں کھڑے کھڑے تھک گیا اور ان کا وہی حال رہا۔ جب میں نے دیکھا کہ ان کو ابھی دیر ہے بازار کو چلا گیا کہ اوّل اپنے کام سے فراغت پاؤں تو پھر آؤں گا۔ میں کام سے فراغت کے بعد جو آیا تو پھر بھی ان کو اسی حال میں پایا کہ روتی جاتی تھیں اور دعا مانگتی تھیں اور اس آیت کو مکرر پڑھتی تھیں۔ اور محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ جب ہمارے پاس عبدالرحمٰن بن اسود حج کے ارادے سے آکر اترے تو ان کے ایک پاؤں میں کچھ مرض ہو گیا تو آپ ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھا کرتے۔ اور بعض اکابر کا قول ہے کہ مجھ کو موت سے کچھ خوف نہیں صرف اتنا ڈر ہے کہ میرا تہجد چھوٹ جاوے گا اور حضرت علی ابن ابی طالب رضؓ فرماتے ہیں نیک بختوں کی علامتیں یہ ہیں کہ شب بیداری کے باعث زرد رنگ اور رونے کے مارے آنکھیں چندھی اور رونے کے مارے لب خشک ہوں اور ان پر خشوع والوں کی طرح غبار ہو اور حضرت حسن رحؒ سے کسی نے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ تہجد گذار شخصوں کے چہرے اچھے ہوتے ہیں آپ نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ خدائے تعالیٰ کے ساتھ تنہائی میں ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو اپنے نور میں سے نور پہنا دیتا ہے اور حضرت عامر بن عبد القیس فرمایا کرتے ہیں کہ الٰہی تو نے مجھ کو پیدا کیا تب مجھ سے مشورت نہیں لی اور مارے گا تب مجھے خبر نہیں فرماوے گا اور میرے ساتھ ایک دشمن ایسا پیدا کر دیا کہ میرے خون کی جگہوں میں پھرتا ہے اور وہ مجھ کو دیکھتا ہے اور میں اس کو نہیں دیکھتا اور پھر مجھ کو ارشاد فرمایا کہ تو رک جا ہے الٰہی بھلا میں کیسے رکوں اگر تو مجھ کو نہ روکے الٰہی دنیا میں رنج و غم ہیں اور آخرت میں حساب عذاب تو راحت کہاں ہے۔ اسی مضمون کو کسی نے نظم کیا **شعر**:

یاں فکر معیشت ہے واں دغدغۂ حشر آسودگی خبر محنت نہ یاں ہے نہ وہاں ہے

اور جعفر بن محمد کہتے ہیں کہ عتبہ غلام رات کو تین چیخوں میں بسر کیا کرتے تھے اس طرح کہ جب نماز عشاء سے فارغ ہوتے اپنا سر دونوں زانوؤں کے درمیان رکھ کر فکر کرتے۔ جب سوم حصہ شب گزرتا ایک چیخ مارتے پھر گھٹنوں میں سر دیئے فکر کرنے لگتے۔ جب ایک تہائی اور گذر جاتی تو پھر ایسا ہی کرتے یہاں تک کہ تیسری چیخ صبح کو مارا کرتے راوی کہتے ہیں کہ میں نے ان کا حال کسی بصرے کے رہنے والے سے کہا اس نے کہا کہ تم ان کی چیخوں پر خیال مت کرو بلکہ یہ سوچو کہ دو چیخوں کے درمیان ان پر کیا کیفیت گذرتی ہوگی کہ وہ چیخ مارتے تھے اور قاسم بن راشد شیبانی کہتے ہیں کہ محصب میں ہمارے پاس ربیعہ اپنی زوجہ اور دختروں سمیت ٹھہرے ہوئے تھے۔ ان کا دستور تھا کہ بہت رات سے اٹھ کر نماز پڑھا کرتے۔ جب سحر ہوتی تو زور سے پکارتے کہ اے آرام کرنے والو کیا اس تمام رات سو گے اور اٹھ کر چلو گے نہیں یہ سن کر سب اٹھ بیٹھتے تھے کوئی روتا تھا کوئی دعا

تہ ا پھر احسان کیا اللہ نے ہم پر اور بچایا ہم کو لو کے عذاب سے ۱۲

مانگتا کوئی تلاوت کرتا کوئی وضو کرتا جب فجر ہوتی تو زور سے کہتے کہ صبح کے وقت لوگ رات کے چلنے کو اچھا جانا کرتے ہیں اور بعض حکماء کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ اس کے انعام کے باعث اس کو پہچان گئے ہیں اور اس نے جو ان کا سینہ کھول دیا تو اس کی اطاعت کی اور اس پر توکل کیا اور خلق اور امر کو اسی کے حوالہ کیا اسی لیے ان کے دل صفائے یقین کی کانیں اور حکمت کے گھر اور عظمت کے صندوق اور قدرت کے خزانے ہو گئے ہیں حال ان کا یہ ہے کہ آمد و رفت تو لوگوں میں رکھتے ہیں اور ان کے دل ملکوت میں جولانیاں کرتے ہیں اور محجوب غیب میں پناہ لیتے ہیں۔ پھر وہاں سے جو پھرتے ہیں تو ان کے ساتھ تازہ تازہ لطائف اور فوائد ہوتے ہیں کہ جن کا وصف کوئی بیان نہیں کر سکتا وہ لوگ باطن کی خوبی میں تو حریر جیسے ہیں اور ظاہر میں جیسا مستعمل رومال ہوتا ہے۔ ہر ایک شے سے بتواضع پیش آتے ہیں اور یہ طریق ایسا ہے کہ بزور نہیں مل سکتا بلکہ خدائے تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہے دے اور بعض صلحاء سے منقول ہے کہ میں بیت المقدس کے پہاڑوں میں پھرتا تھا۔ اتفاقاً ایک جنگل میں آیا اور ایک آواز زور کی سنی اور وہ پہاڑ اس کا جواب دیتے تھے اور بڑی گونج تھی میں اس آواز کے درپے ہوا تو ایک باغ میں پہنچا جو درختوں سے چھپا ہوا تھا اس میں ایک شخص کو دیکھا کہ کھڑا ہوا اس آیت کو مکرر پڑھ رہا ہے[ت] یوم تجد کل نفس ما عملت من خیر محضرًا وما عملت من سوء تود لو ان بینھا وبینہ امدًا بعیدًا ویحذرکم اللہ نفسہ میں اس کے پیچھے بیٹھ کر سننے لگا وہ یہی پڑھتا رہا یکایک چیخ مار کر بے ہوش ہو گیا۔ میں نے کہا کہ افسوس یہ میری نحوست سے ایسا ہو گیا پھر میں اس کے افاقہ کا منتظر رہا ایک گھنٹے کے بعد اسکو ہوش ہوا میں نے سنا کہ یہ کہتا ہے الٰہی میں تجھ سے دروغ گویوں کے مقام سے پناہ مانگتا ہوں، اور جھوٹے مدعیوں کے سے اعمال سے اور غافلوں کی سی روگردانی سے پناہ مانگتا ہوں تیرے ہی لیے خوف کرنے والوں کے دل خشوع کرتے ہیں تیری ہی طرف قصورواروں کی توقع جھکتی ہے تیری ہی عظمت کے لیے عارفوں کے دل ذلیل ہوتے ہیں پھر اپنے دونوں ہاتھ جھاڑے اور کہا کہ مجھ کو دنیا سے کیا سروکار اور اس کو مجھ سے کیا علاقہ ہے۔ اے دنیا جو تجھ جیسا ہو اسی کے پاس جا اور جو تجھ کو پسند کرے انہیں کو جا کر اپنی آسائش اور ہزاروں طرح کے آرام سے فریب دے۔ پھر کہا کہ بھلے لوگ کہاں گئے زمانہ گذشتہ کے آدمی کدھر ہیں، مٹی میں سڑتے ہیں اور چند روز میں فنا ہو جاتے ہیں میں نے اس کو پکارا کہ اے بندۂ خدا میں آج دن بھر سے تیرے پیچھے تیرے فراغت پانے کا منتظر ہوں اس نے کہا کہ بھلا اس شخص کو فراغت کس طرح ہو گی جو زمانہ سے پیشی چاہتا ہے اور زمانہ اس سے پیشی چاہتا ہے اور ڈرتا ہے کہ کہیں موت اس کے نفس پر سبقت نہ کر جاوے۔ یا وہ شخص کیسے فارغ ہو جس کے دن تو گذر گئے ہوں اور اس کے گناہ رہ گئے ہوں پھر اس نے میری طرف سے دھیان پھیر کر خدائے تعالیٰ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ ان گناہوں کے واسطے

ت ا جس دن پاوے گا ہر شخص جو کی ہے نیکی روبرو اور جو کی ہے برائی آرزو کرے گا کہ مجھ میں اور اس میں فرق پڑ جاوے دور کا اور اللہ ڈراتا ہے تم کو آپ سے ۱۲

تو ہی ہے اور ہر شدت کے واسطے جس کے آنے کی مجھ کو توقع ہے اور یہ آیت پڑھی[1] وبدالہم من اللہ ما لم یکونوا یحتسبون پھر اور ایک چیخ ماری کہ پہلی چیخ کی نسبت بہت زیادہ تھی اور بے ہوش ہو کر گر پڑا میں نے کہا کہ اس کا دم نکل گیا میں اس کے قریب گیا دیکھا تو تڑپ رہا ہے پھر افاقہ پایا اور کہنے لگا کہ میں کون ہوں اور میرا خطرہ کیا ہے تو اپنے فضل سے میری برائی معاف کر اور اپنے پردۂ رحمت میں مجھ کو چھپا اور اپنے کرم ذاتی سے میرے گناہوں سے در گذر فرما جس وقت کہ میں تیرے سامنے کھڑا ہوں۔ میں نے اس سے کہا کہ قسم ہے تجھ کو اس ذات کی جس کی توقع اور اعتماد تو اپنے لیے رکھتا ہے مجھ سے کچھ کلام کر تو اس نے کہا کہ کلام اس سے جا کر کرو جس کے کلام سے تجھ کو فائدہ ہو اور اس شخص کے کلام کو جانے دو جس کو گناہوں نے تباہ کر دیا ہو۔ میں اس جگہ میں نہ معلوم کس مدت سے ابلیس سے لڑتا ہوں اور وہ مجھ سے لڑتا ہے آج تک میرا کوئی مددگار نہ ملا کہ اس مصیبت سے مجھ کو نکالتا۔ ایک تو آیا ہے تو مجھ سے علیحدہ ہی رہ اس لیے کہ تو نے میری زبان کو بے کار کر دیا اور اپنی بات کی طرف میرے دل کو تھوڑا سا مائل کر لیا میں تیرے شر سے خدائے تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں پھر توقع رکھتا ہوں کہ وہ اپنے غصے سے مجھ کو پناہ دے اور اپنی رحمت سے مجھ پر فضل کرے راوی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ شخص خدائے تعالیٰ کا ولی ہے ایسا نہ ہو کہ کہیں میں اس کو باتوں میں مشغول کر دوں تو اسی جگہ مجھ پر عذاب آوے اس خیال سے میں اس کو چھوڑ کر واپس آیا اور ایک اور نیک بخت روایت کرتے ہیں کہ میں سفر میں چلتے چلتے ایک درخت کی طرف کو گیا کہ اس کے نیچے ذرا دم لوں دیکھا تو ایک بوڑھا مجھ پر چڑھا آتا ہے اور کہتا ہے کہ اٹھ کھڑا ہو کہ موت مری نہیں پھر سامنے ہی کو چل دیا میں اس کے پیچھے ہوا اور سنا کہ یوں کہتا ہے[2] کل نفس ذائقۃ الموت الٰہی میرے لیے موت میں برکت کر میں نے کہا کہ بعد موت کے بھی اس نے کہا جو شخص بعد موت کے حالات کا یقین کرے وہ احتیاط اور خوف کے مارے چلنے کے لیے دامن اٹھائے رہے گا دنیا میں اس کے رہنے کی جگہ نہ ہو گی، پھر کہا کہ اے وہ شخص جس کی ذات کے لیے تمام چہرے ذلیل ہیں اپنا دیدار دکھا کر میرے چہرے کو نورانی کر اور میرے دل کو اپنی محبت سے بھر دے اور فردائے قیامت میں اپنے سامنے کی جھڑکی کی فضیحت سے محفوظ رکھ۔ اب تجھ سے مجھے شرم آنے کا وقت آ پہنچا، اور تجھ سے روگرداں رہنے سے اب میں باز آیا اگر تیرا حکم نہ ہوتا تو مجھ کو میری موت بھی نہ کھپاتی اور اگر تیرا عفو نہ ہوتا تو میری توقع تیرے پاس کی چیزوں تک نہ پھیلتی پھر وہ شخص مجھ کو چھوڑ کر چلا گیا اور مجاہدین کے باب میں یہ اشعار ہیں ؎

جسم میں ہو لاغری اور دل میں ہو غم کا اثر — گہ پہاڑوں میں ہو گاہے دشت میں اس کا گذر
فاش جرموں پر کرے نالہ مثال عندلیب — خواب راحت رنگ رو کی طرح کر جائے سفر

[1] اور نظر آیا ان کو اللہ کی طرف سے جو خیال نہ رکھتے تھے ۱۲ ت [2] اور چکھنی ہے موت ہر ایک کو ۱۲ منہ

خوف اس کو جوش میں آوے تو پھر ہو مضطرب — یوں دعا مانگے اغثنی یا عمادی فی الخطر
جو میری نوبت ہے تو اس کا خدایا ہے علیم — تو بہت کرتا ہے بندوں کی خطا سے در گذر

اور کسی اور نے مجاہد کے حال میں کچھ اشعار لکھے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے۔ اشعار:

زبان مطربہ گر زیب تن کریں پوشاک — نہ ہووے ان میں مزہ وہ جو ہے اس کو لذت
کرے خدا کی طلب چھوڑ کر عیال اور مال — بغیر سیر کسی سے نہ ہو اسے الفت
رہے عبادت خالق میں اپنے خاطر خواہ — پسند گوشہ نشینی ہوتا نہ ہو شہرت
پھرے جہاں کہیں بس ذوق ہو تلاوت کا — زبان و دل کو نہ ہو ذکر کے سوا حرکت
سنادے مژدہ رساں آکے اس کے مرنے پر — کہ ہر طرح کے علم سے تجھے ملے راحت
تمنا اس کی ہو جو کچھ پھر اس کو ہو حاصل — ہزاروں عیش کرے ہو کے داخل جنت

اور کرز بن برہ کا دستور تھا کہ ایک روز میں تین بار ختم قرآن مجید کیا کرتے اور عبادات میں اپنے نفس پر مجاہدہ بہت کرتے لوگوں نے ان سے کہا کہ تم اپنے نفس پر بہت مجاہدہ کیا کرتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ دنیا کی عمر کتنی ہے کہا کہ سات ہزار برس انہوں نے پوچھا کہ قیامت کے دن کی کیا مقدار ہے کہا کہ پچاس ہزار برس آپ نے فرمایا کہ سات دن کا کام کرنے سے اگر تم اس قیامت کے دن سے بے خوف ہو جاؤ تو اس بات سے عاجز نہیں ہو۔ اس قول سے ان کی غرض یہ تھی کہ اگر بالفرض آدمی دنیا کے برابر سات ہزار برس جیوے اور نفس پر اسلیے مجاہدہ کرے کہ اس ایک روز سے جس کی مقدار پچاس ہزار برس کی ہے نجات پاوے تب بھی اس کو بہت فائدہ ہے اور آدمی کو چاہیے کہ ایسی صورت میں جہاد نفس کی رغبت اس کو ہوتی اور جب عمر ذرا سی ہے اور آخرت کی کچھ انتہا نہیں تب تو ظاہر ہے کہ زندگی بھر کے مجاہدہ کی آخرت کے سامنے کیا اصل ہے غرضکہ سیرت صلحائے سلف کی نفس کے مراقبے اور مجاہدے میں ایسی ہوتی ہے پس اگر تمہارا نفس سرکشی کرے اور عبادت پر مواظبت کرنے سے باز رہے تو ان لوگوں کے حال کا مطالعہ کرو کیونکہ ایسے لوگوں کا وجود اب نایاب ہے اور اگر ایسے لوگوں کا دیکھنا نصیب ہو اور دیکھ کر اقتدا کرو تو کیا کہنا ہے ع

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

دیکھنے کا اثر اقتدا میں بہت زیادہ ہوا کرتا ہے اور اگر دیکھنے سے عاجز ہو تو ان کے احوال سننے ہی سے غفلت نہ کرو بقول مشہور ع

گندم اگر بہم نرسد جو غنیمت است

اور اپنے لیے دو باتوں میں ایک پسند کر دیا تو یہ کہ جو لوگ عاقل اور حکماء اور دین میں اہل بصیرت ہیں ان کی اقتدا کر کے ان کے زمرے میں داخل ہو، یا اپنے زمانہ کے غافلوں جاہلوں کی اقتدا کرو مگر ان بیوقوفوں کی جماعت میں رہنے اور ان کو دونوں سے مشابہ ہونے پر ہرگز راضی مت ہو۔ عقلاء کی مخالفت کسی طرح

اختیار مت کرو اور اگر تمہارا نفس یوں کہے کہ اکابر سلف تو زبردست لوگ تھے ہم کو ان کے اقتدا کی مجال نہیں تو جن عورتوں نے عبادتوں میں مجاہدے کیے ہیں ان کے حالات دیکھو اور نفس سے کہو کہ کم بخت تجھے غیرت نہیں آتی کیا عورت سے بھی کم رہے گا یہ تو بڑی ذلت کی بات ہے کہ مرد ہو کر دنیا یا دین کے معاملے میں عورت سے کم رہے۔ اب ہم کچھ تھوڑا سا حال مجتہد عورتوں کا لکھتے ہیں۔ حبیبہ عدویہؒ کے حال میں لکھتے ہیں کہ ان کا معمول تھا کہ جب نماز عشاء پڑھ چکتیں تو اپنی چھت پر کھڑی ہوتیں اور کرتہ اور دوپٹہ خوب کس کر کہتیں کہ الٰہی ستارے چھٹک پڑے اور آنکھیں سو گئیں بادشاہوں نے اپنے دروازے بند کر لیے ہر ایک حبیب اپنے حبیب کے ساتھ تنہا ہوا اب میں تیرے سامنے کھڑی ہوں پھر نماز پڑھتی رہتی۔ جب فجر ہو جاتی تو کہتیں کہ الٰہی رات نے منہ موڑا اور دن روشن ہو گیا مجھے معلوم نہیں کہ تو نے مجھ سے یہ رات قبول فرمائی تو میں مبارکباد اپنے آپ کو دوں یا تو نے نامنظور کی تو تعزیت کروں قسم ہے تیری عزت کی جب تک تو مجھ کو باقی رکھے گا اپنا طریق یہ ہی رکھوں گی اور اگر تو اپنے دروازے سے مجھ کو جھڑک دے گا تو میں ہرگز نہ ٹلوں گی اس لیے کہ میرے جی میں تیرے کرم اور جود سے بہت کچھ ہے۔ اور عجوزہ سے روایت کرتے ہیں کہ یہ نابینا تھیں رات بھر جاگتیں جب صبح ہوتی تو ایک آواز دردناک سے کہتیں کہ عابدوں نے تیرے ہی لیے تاریکی شب کو بسر کیا۔ تیری رحمت اور فضل مغفرت کی طرف سبقت کرتے ہیں الٰہی میں تیرے ہی ذریعہ سے تجھ سے سوال کرتی ہوں کسی اور کے ذریعہ سے نہیں مانگتی کہ تو مجھ کو سابقین کے اول زمرے میں کر دے اور مجھ کو علیین میں مقربین کے درجے تک پہنچا دے اور اپنے نیک بخت بندوں میں شامل کر دے تو میرے کریم ارحم الراحمین اور اکرم الاکرمین اور سب بڑوں کا بڑا ہے پھر سجدے کے لیے ایسی طرح گرتیں کہ اس کے دھماکے کی آواز سنائی دیتی پھر صبح کو دعا مانگتیں اور روتی رہتیں۔ اور یحییٰ بن بسطام کہتے ہیں کہ میں شعوانہ کی مجلس میں حاضر ہوتا اور جو کچھ ان کی فریاد و زاری ہوتی اس کو دیکھا کرتا۔ ایک بار میں نے اپنے ایک یار سے کہا کہ چلو جب یہ تنہا ہوں تو ان سے کہیں کہ اپنے نفس پر کچھ نرمی کریں اور اتنا نہ رویا کریں تو تمہاری مراد ہے اس پر یہ بات زیادہ ممد ہو گی وہ یہ بات سن کر رو پڑیں پھر کہا کہ میں تو یہ چاہتی ہوں کہ اتنا روؤں کہ میرے تن میں ایک آنسو نہ رہے پھر خون رویا کروں یہاں تک کہ کسی میرے عضو میں ایک قطرہ خون کا باقی نہ رہے مگر مجھے رونا کہاں آتا ہے میں کب روتی ہوں اسی جملے کو بہت دفعہ کہا کہ میں کہاں روتی ہوں پھر بیہوش ہو گئیں۔ اور محمد بن معاذ کہتے ہیں کہ مجھ سے ایک عابد عورت نے بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جنت میں داخل کی گئی ہوں اور دیکھتی ہوں کہ تمام اہل جنت اپنے اپنے دروازے پر کھڑے ہیں میں نے پوچھا کہ جنت والے کیوں کھڑے ہیں مجھ سے کسی نے کہا کہ عورت کے انتظار میں کھڑے ہیں جس کے لیے جنتیں آراستہ کی گئیں ہیں۔ میں نے کہا وہ عورت کون ہے مجھ سے کسی نے کہا کہ کالی لونڈی ایلیہ کے لوگوں کی ہے جس کو شعوانہ کہتے ہیں میں نے کہا کہ وہ تو میری بہن ہے میں اسی گفتگو میں تھی کہ اتنے میں وہ ایک اونٹنی پر سوار ہوا میں اڑتی آ پہنچی جب میں نے ان کو دیکھا تو پکارا کہ بہن تم تو مجھ سے محبت کیا کرتی ہو اپنے رب سے دعا کرو کہ مجھ کو بھی

تمہارے ساتھ ملادے انہوں نے تبسم کیا اور فرمایا کہ ابھی تیرے آنے کا وقت نہیں آیا مگر میری دو باتیں یاد کرلے۔ اول تو یہ کہ اپنے دل پر مدام غم رکھنا۔ دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کو اپنی ہوائے نفس پر مقدم رکھنا، پھر انشاء اللہ تعالیٰ تجھ کو نقصان نہ ہوگا گو کب ہی تیری موت آوے۔ اور عبداللہ بن حسنؒ کہتے ہیں کہ میرے پاس ایک لونڈی رُوم کی تھی جس سے میں بہت خوش تھا۔ ایک رات وہ میرے پاس سوتی تھی میں جو جاگا تو اس کو پہلو میں نہ پایا اُٹھ کر ڈھونڈنے لگا دیکھا تو وہ مسجد میں پڑی ہوئی کہہ رہی ہے الٰہی بباعث اس محبت کے جو تجھ کو میرے ساتھ ہے مجھ کو بخش دے میں نے کہا کہ یوں مت کہہ کہ جو محبت تجھ کو میرے ساتھ ہے بلکہ یوں کہہ کہ جو محبت مجھ کو تیرے ساتھ ہے اس کے باعث گناہ معاف کر اس نے کہا کہ آقا صاحب یہ نہیں وہی مجھ سے محبت رکھتا ہے جبھی تو شرک سے نکال کر مشرف باسلام فرمایا اور اسی کی محبت سے یہ ہے کہ مجھے اس رات کو جگایا حالانکہ بہت اس کی مخلوق سوتی ہے اور ابو ہاشم قرشی کہتے ہیں کہ ایک عورت یمن کی باشندہ جس کو سریہ کہتے تھے، ہمارے ایک مکان میں آکر ٹھہری میں اس کی فریاد و زاری رات ہی سے سُنا کرتا۔ ایک روز میں نے اپنے خادم سے کہا کہ اس عورت کو جھانک کر دیکھ کہ کیا کرتی ہے اس نے جو دیکھا تو معلوم کیا کہ اور کچھ نہیں کرتی یہ کرتی ہے کہ اپنی نظر آسمان کی طرف سے ہٹاتی اور قبلہ رخ بیٹھی کہہ رہی ہے کہ تو نے سریہ کو پیدا کیا پھر اپنی نعمت سے اس کو غذا دی اور ایک حال سے دوسرے میں رکھا تیرے سب احوال اس کے حق میں اچھے ہیں، تیرے مصائب اس کے عندیے میں سلوک ہیں اور وہ باوجود اس کے اپنے آپ کو تیرے غصے کے لیے معترض ہوتی ہے کہ بے تامل تیری نافرمانی کی جرأت کرتی رہتی ہے کیا تو یہ جانتا ہے کہ وہ یہ گمان کرتی ہوگی کہ تو اس کے افعال بد نہیں دیکھتا ہوگا حالانکہ تو علیم اور خبیر اور ہر چیز پر قادر ہے اور ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں وادیٔ کنعاں سے نکلا جبکہ وادی کے اوپر گیا تو دیکھا کہ سامنے سے ایک کالی چیز میری طرف کو آتی ہے اور کہتی ہے کہ ت۱ وبدا لهم من الله ما لم يكونوا يحتسبون اور روتی ہے۔ جب وہ میرے نزدیک ہوئی تو معلوم ہوا کہ ایک عورت صوف کا جبہ پہنے اور ہاتھ میں ڈولچی لیے ہے اس نے کہا کہ تو کون ہے جو خدا تعالیٰ سے فارغ ہو کر اوروں کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ میں نے کہا ایک مرد مسافر ہوں اس نے کہا کہ تعجب کی بات ہے خدا تعالیٰ کے ہوتے ہوئے غربت و سفر کے کیا معنی ہیں اس کے اس کہنے سے رو پڑا اس نے کہا کہ تو کیوں رویا۔ میں نے کہا دوا ایسے درد پر پڑی کہ زخم ہوگیا تھا اور دوا سے اچھا ہونے لگا اس نے کہا اگر تو سچا ہے تو کیوں روتا ہے میں نے کہا کہ سچے کیا رویا نہیں کرتے اس نے کہا نہیں میں نے پوچھا کیا وجہ اس نے کہا کہ رونا دل کی راحت ہوتا ہے۔ میں اس بات کو سُن کر تعجب کرتا رہ گیا اور کچھ نہ کہا اور احمد بن علی کہتے ہیں کہ ہم نے عفیرہ کے پاس جانے کی اجازت چاہی انہوں نے ہم کو اجازت نہ دی ہم دروازہ پر ہی پڑے رہے اور کہیں نہ ملے جب ان کو معلوم ہوا تو وہ دروازہ کھولنے کو کھڑی ہوئیں اور یہ کہکر دروازہ کھولا کہ الٰہی میں تجھ سے پناہ مانگتی ہوں

ت۱ اور نظر آیا ان کو اللہ کی طرف سے جو خیال نہ رکھتے تھے ۱۲

اس شخص سے جو مجھ کو تیرے ذکر سے روکے ہم اندر گئے اور ان سے کہا کہ آپ ہمارے لیے دعا کریں انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری ضیافت میرے گھر میں یوں کرے کہ تمہاری مغفرت فرمادے۔ پھر ہم سے کہا کہ عطائے سلمی نے چالیس برس آسمان کی طرف نگاہ نہ کی ایک نگاہ نے جوان پر خیانت کی تو بے ہوش ہو کر گر پڑے اور پیٹ میں کوئی پردہ پھٹ گیا کاش غفیرہ اپنا سر اٹھاوے اور نافرمانی نہ کرے اور کیا اچھا ہو کہ اگر نافرمانی کی ہے تو اس کو دوبارہ نہ کرے۔ اور بعض صلحاء سے منقول ہے کہ میں ایک روز بازار گیا تو میرے ساتھ ایک حبشی لونڈی تھی میں بازار سے علیحدہ ایک جگہ پر اس کو بٹھلا گیا اور کسی ضرورت کو چلا گیا اور یہ کہہ گیا کہ جب تک میں نہ آؤں یہاں سے مت ہلنا جب میں اپنے کام سے پھر کر آیا تو اس کو جہاں بٹھلا گیا تھا وہاں نہ پایا اپنے گھر کو واپس آیا اور نہایت غصہ اس پر تھا جب اس نے مجھے دیکھا تو چہرے سے غصہ پہچان گئی اور مجھ سے کہا کہ آپ جلدی نہ کریں میری بات سن لیں جس جگہ مجھ کو آپ بٹھلا گئے تھے وہاں میں نے کوئی خدا کا ذکر کرنے والا نہ پایا مجھے خوف ہوا کہ کہیں یہ جگہ دھنس نہ جاوے اسی لیے میں وہاں سے چلی آئی۔ راوی کہتا ہے کہ مجھ کو اس کی گفتگو سے تعجب ہوا اور اس سے کہا کہ تو آزاد ہے اس نے کہا کہ یہ آپ نے برا کیا میں آپ کی خدمت کیا کرتی تھی تو مجھ کو دو ثواب ہوتے تھے اب ایک جاتا رہا۔ اور ابن علائے سعدیؒ کہتے ہیں کہ میرے چچا کی لڑکی کا نام بریرہ تھا وہ عابدہ تھیں اور قرآن شریف بہت پڑھا کرتی تھیں۔ جب ایسی آیت پر آتیں کہ اس میں دوزخ کا ذکر ہوتا تو روتیں اسی طرح کیا کرتیں یہاں تک کہ رونے کی کثرت سے ان کی آنکھیں جاتی رہیں۔ اس کے چچازاد بھائیوں نے آپس میں کہا کہ چلو ان کو کثرت گریہ کے باب میں ملامت کریں۔ ہم سب کے سب ان کے پاس گئے اور پوچھا کہ اے بریرہ تم کیسی ہو جواب دیا کہ مہمان ہیں اجنبی زمین میں پڑے ہیں اور اس کے منتظر ہیں کہ کب کوئی ہم کو بلاوے اور ہم جاویں۔ ہم نے کہا پھر یہ رونا کب تک رہے گا آنکھیں تو جاتی رہیں انہوں نے کہا کہ اگر میری آنکھوں کو خدا کے یہاں کچھ بہتری ہے تو دنیا میں جو کچھ ان میں سے جاتا رہا اس سے ان کا نقصان ہے۔ ان کو اگر خدا کے یہاں کوئی برائی ہے تو اور اس سے زیادہ روئیں گی یہ کہہ کر منہ پھیر لیا۔ لوگوں نے کہا کہ یہاں سے اٹھ کھڑے ہو ان کا حال کچھ اور ہی ہے اپنا سا حال نہیں۔ اور معاذہ عدویہ جب دن نکلتا تو کہتیں کہ اس رات میں مروں گی اور صبح تک نماز میں مصروف رہتیں اور ابو سلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک رات حضرت رابعہؒ کے یہاں رہا وہ اپنی محراب میں کھڑی ہوئی اور میں مکان کے ایک گوشے میں اور صبح تک ہم دونوں کھڑے رہے جب صبح ہوئی تو میں نے کہا کہ جس شخص نے ہم کو قوت اس کے قائم ہونے کی عنایت فرمائی اس کا شکر یہ کیا ہے۔ حضرت رابعہؒ نے فرمایا کہ اس کا شکر یہ یہ ہے کہ دن کو اس کے واسطے روزہ رکھیں۔ اور شعوانہ اپنی دعا میں یوں کہا کرتیں کہ الٰہی مجھے تیرے ملنے کا بہت شوق ہے اور تیرے بدلہ دینے کی بڑی توقع ہے تو وہ کریم ہے کہ تیرے یہاں توقع کرنے والوں کی امید نہیں ٹوٹتی نہ مشتاقوں کا شوق تیرے یہاں نکما ہو۔ الٰہی اگر اب میری موت ہو تو کسی عمل نے مجھ کو تجھ سے نزدیک نہ کیا ہو تو اپنی بیماریوں کا ذریعہ گناہوں کے اقرار کو کرتی ہوں پس اگر تو معاف فرمادے گا تو تجھ سے بہتر کون ہے جو ایسا کرے گا اور اگر تو عذاب

دے گا تو تجھ سے عادل تر کون ہے الٰہی میں نے جو اپنے نفس کے لیے نظر کی تو اس پر ستم کیا اب اس کے واسطے تیرا حسن نظر رہا ہے اگر تو اس کا مطلب پورا نہ فرما دے گا تو اس کی خرابی اور تباہی ہے۔ الٰہی تو میری زندگی بھر مجھ پر احسان کرتا رہا تو اس احسان کو موت کے بعد قطع مت فرما اور جو شخص مجھ کو ایام حیات میں میرا ذمہ دار احسان کا رہا ہے اس سے مجھ کو توقع ہے کہ میرے مرنے کے وقت بھی مجھ پر بخشش کرے۔ الٰہی تو میری حیات میں ہمیشہ ذمہ دار میرے ساتھ سلوک ہی کا رہا تو پھر بعد مرنے کے میں تیرے حسن نظر سے کس طرح مایوس ہوں الٰہی اگر میرے گناہوں نے مجھ کو ڈرایا ہے تو جو محبت مجھ کو تجھ سے ہے اس نے اطمینان دلایا ہے پس میرے معاملہ کو اس طرح بھگتا جو تیری شان کے موافق ہو اور اپنا فضل مکرر اس شخص پر کر جو جہل میں مغرور ہے الٰہی اگر تجھ کو میری رسوائی منظور ہوتی تو تو مجھ کو ہدایت نہ فرماتا اور اگر میری فضیحت مقصود ہوتی تو پردہ پوشی کیوں کرتا۔ پس جس سبب سے کہ تو نے ہدایت کیا اسی سے مجھ کو بہرہ ور فرما اور جس باعث سے پردہ پوشی کی اسی کو ہمیشہ کر۔ الٰہی مجھے گمان نہیں کہ جس مطلب میں میں نے اپنی عمر کاٹی ہے اس کو تو نامنظور فرما کر مجھ کو ہٹا دے گا۔ الٰہی اگر میں نے گناہ نہ کیا ہوتا تو تیرے عذاب سے کیوں ڈرتی اور اگر تیرا کرم نہ پہچانتی تو تیرے ثواب کی توقع کیوں کرتی۔ اور خواصؒ کہتے ہیں کہ ہم رحلہ عابدہ کے پاس گئے ان کا حال یہ تھا کہ روزے رکھتے رکھتے کالی پڑ گئی تھیں اور روتے روتے اندھی ہو گئی تھیں اور نماز پڑھتے پڑھتے بے سکتی ہو گئی تھیں نماز بیٹھے بیٹھے پڑھا کرتی تھیں ہم نے ان کو سلام کیا اور کچھ بیان عفو الٰہی کا کیا تاکہ ان پر معاملہ آسان ہو جاوے۔ انہوں نے سن کر ایک چیخ ماری اور فرمایا کہ "من آنم کہ من دانم" میرے نفس کا حال مجھ ہی کو معلوم ہے اس سے میرا دل زخمی اور جگر پارہ پارہ ہے میں یہ چاہتی ہوں کہ کاش خدائے تعالیٰ مجھ کو نہ پیدا کرتا اور میرا کچھ ذکر دنیا میں نہ ہوتا یہ کہہ کر پھر نماز پڑھنے لگیں۔ پس اگر تم کو اپنے نفس کی نگہداشت اور حفاظت منظور ہو تو ان مردوں اور عورتوں کا حال دیکھو جنہوں نے اجتہاد کیا تاکہ تم کو بھی سرور ابھرے اور حرص اجتہاد زیادہ ہو اور اپنے زمانے والوں کی طرف ہرگز مت دیکھنا جن کے باب میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل اللہ اور اجتہاد والوں کی حکایتیں بے شمار ہیں ہم نے جس قدر لکھی ہیں عبرت والے کے لیے بس ہیں اور اگر تم کو زیادہ دیکھنا منظور ہو تو کتاب حلیۃ الاولیاء کا مطالعہ ہمیشہ کیا کرو اس میں بیان احوال صحابہؓ اور تابعین اور ان کے بعد کے لوگوں کا ہے اس کے دیکھنے سے تم کو معلوم ہو گا کہ تم اور تمہارے اہل زمانہ سب کے سب اہل دین سے بمراحل دور ہیں۔ پھر اگر تمہارا نفس اسی زمانہ والوں کو دیکھنے کو کہے اور رغبت یہ کرے کہ خیر اسی زمانہ میں ہے کہ بہت سے مددگار ہیں۔ علاوہ اس کے اگر ان کی مخالفت کرتے ہو تو لوگ دیوانہ کہیں گے اور ہنسی کریں گے اسی لیے ضرور ہوا کہ ؎

باہمیں مرداں بباید ساخت

تنا اور اگر تو کہا مانے اکثر لوگوں کا جو دنیا میں ہیں تجھ کو بھلا دیں اللہ کی راہ سے ۱۲

جوان کا حال ہوگا وہی تمہارا ہوگا مصیبت بھی ہوگی تو سب پر ہوگی۔ اور مثل مشہور ہے مرگ انبوہ جشنے دارد تو نفس کی اس دلیل سے ایسا نہ ہو کہ تم دھوکہ کھا جاؤ بلکہ اس سے یوں کہو کہ بھلا اگر کوئی بڑا سیلاب آتا جو شہر کے شہر کو تباہ کر دے اور لوگوں کو اس کی حقیقت معلوم نہ ہو اس لیے وہ راہ احتیاط نہ چلیں اور اپنی جگہ سے نہ ہلیں اور تم کو ان سے علیحدہ ہونے کی طاقت ہو کہ کشتی میں سوار ہو کر اس سیلاب سے بچ سکتے ہو اس وقت بھی تمہارے دل میں گذرتا ہے کہ مرگ انبوہ جشنے دارد، اس وقت تو تم ان کی موافقت نہیں کرتے اور ان کی احتیاط نہ کرنے کو حماقت سمجھتے ہو اور اپنے بچاؤ کی فکر کرتے ہو پس جب ڈوبنے کے ڈر سے جس کا عذاب ایک ساعت کا ہے تم لوگوں کی موافقت ترک کر دیتے ہو تو پھر کیا بات ہے کہ جو عذاب ہمیشہ کا ہے اس سے گریز نہیں کرتے اور ہر وقت اسی کے مستحق ہوتے چلے جاتے ہو اور مصیبت جب عام ہو جاتی ہے تو اچھی معلوم ہوتی ہے یہ بھی بیان درست نہیں اس لیے کہ دوزخیوں کو اتنی مہلت کہاں جو عام یا خاص کی طرف التفات کریں۔ سوا اس کے دیکھو کہ کفار کو صرف ان کے اہل زمانہ کی موافقت ہی نے تباہ کیا۔ انہوں نے بھی یہی کہا تھا[1] انا وجدنا اٰباءنا علی امۃ وانا علی اٰثارھم مقتدون ۔ غرضکہ تم نفس کے عتاب کرنے میں مشغول ہو اور اس سے احتہاد لو اور وہ کہا نہ مانے تو اس کو ملامت کرنے اور جھڑکنے سے باز نہ آؤ اور اس کو جتاتے رہو کہ یہ نافرمانی تیرے حق میں بری ہے پس کیا عجب ہے کہ وہ ان باتوں کے باعث اپنی سرکشی سے باز رہے۔

مقام ششم نفس کی توبیخ و عتاب

واضح ہو کہ سب سے زیادہ دشمن آدمی کا اس کا نفس ہے جو بغل کا گھونسا ہے وہ بدی کا امر کرتا ہے اور مائل بشر پیدا ہوا ہے خیر سے بھاگتا رہتا ہے اور آدمی کو اس کے تزکیہ اور راست رکھنے اور زبردستی خدائے تعالیٰ کی عبادت پر آمادہ کرنے اور شہوات سے روکنے اور لذت سے علیحدہ رکھنے کا حکم ہوا ہے پس اگر آدمی اس کی خبر نہ لے تو سرکشی کر کے بھاگ جاتا ہے اور پھر ہاتھ نہیں آتا اور اگر ہمیشہ ڈانٹ اور عتاب اور ملامت کرتا ہے تو وہی نفس پھر نفس لوامہ ہو جاتا ہے جس کی قسم خدائے تعالیٰ نے کھائی ہے، اور توقع ہے کہ رفتہ رفتہ نفس مطمئنہ ہو جاوے جو زمرہ بندگان الٰہی میں راضی اور مرضی ہو کر بلایا جاوے گا اس لیے آدمی پر لازم ہے کہ کسی وقت اس کی نصیحت اور عتاب سے غافل نہ رہے اور دوسرے کو نصیحت جب کرے جب اول اپنے نفس کو کرے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ اے ابن مریم تو اپنے نفس کو نصیحت کر اگر وہ نصیحت مان جاوے تو پھر لوگوں کو نصیحت کر ورنہ مجھ سے شرم کر اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[2] وذکر فان الذکریٰ تنفع المومنین اور اس کا طور یہ ہے کہ نفس کی طرف متوجہ ہو کر اس کی بے وقوفی اور غباوت اور نادانی ثابت کر دے کہ ہمیشہ اپنی دانائی اور ہدایت کو زیادہ سمجھتا ہے اور اگر اس کو احمق کہہ دے تو بہت ہی برا مانتا ہے پس اس سے یوں کہنا چاہیے کہ اے نفس تو کتنا بڑا جاہل ہے تو تو کہتا ہے کہ میں حکمت اور ذکا۔ اور دانائی میں یکتا ہوں مگر تیرے برابر بیوقوف اور کم فہم کوئی

---

[1] ہم نے پایا اپنے باپ دادے کو ایک راہ پر اور ہم انہیں کے قدموں پر چلتے ہیں ۱۲ [2] اور سمجھاتا رہ کہ سمجھانا کام آوے ایمان والوں کو ۱۲

نہیں کیا تو نہیں جانتا کہ جنت اور دوزخ تیرے سامنے ہیں اور ان میں سے ایک میں تو عنقریب جاوے گا پھر تجھے کیا ہوا ہے کہ خوش ہوتا ہے اور ہنستا ہے اور کھیل میں مشغول رہتا ہے حالانکہ تجھ سے یہ بڑا کام لیا جاتا ہے کہ شاید آج یا کل تجھ کو موت آجاوے اور جس کو دور سمجھتا ہے خدا کے نزدیک وہ قریب ہے کیا تجھے یہ معلوم نہیں کہ جو آنے والی چیز ہوتی ہے وہ قریب ہی ہوتی ہے بعید وہ ہے جو آنے کی نہیں کیا تو یہ نہیں جانتا کہ موت جب آتی ہے تو یکایک آتی ہے نہ کوئی اس کے پہلے قاصد آوے نہ کچھ وعدہ اور پیام ہو نہ یہ کہ گرمی میں آوے اور جاڑے میں نہ آوے یا جاڑے میں آوے گرمی میں نہ آوے دن کو آوے رات کو نہ آوے یا رات کو آوے دن کو نہ آوے یا لڑکپن میں آوے جوانی میں نہ آوے یا جوانی میں آوے لڑکپن میں نہ آوے بلکہ ہر ایک سانس میں ناگاہ موت کا آنا ممکن ہے۔ اور اگر موت دفعۃً نہ ہو تو مرض تو دفعۃً ہوتا ہے جو موت پر پہنچا دیتا ہے پس نہ معلوم تجھے کیا ہوا ہے کہ باوجود موت اتنی نزدیک ہے اس کی تیاری نہیں کرتا کیا تو اس آیت کو نہیں سمجھتا[ف] اقترب للناس حسابہم وھم فی غفلۃ معرضون ما یأتیہم من ذکر من ربہم محدث الا استمعوہ وھم یلعبون لاھیۃ قلوبہم اگر تو خدائے تعالیٰ کی نافرمانی پر اس لیے جرأت کرتا ہے کہ تیرے اعتقاد میں خدائے تعالیٰ تجھ کو نہیں دیکھتا تو تو بڑا کافر ہے اور اگر خدا تعالیٰ کو اپنے اوپر مطلع سمجھتا ہے تو سخت بے حیا ہے۔ اگر تیرے سامنے کوئی تیرا غلام بلکہ تیرا بھائی کوئی ایسی بات کرے جو تجھ کو بری معلوم ہو تو تو کتنا ناک منہ چڑھاوے اور غصہ کھاوے پھر کو نسی جرأت سے تو خدائے تعالیٰ کے غصے کا معترض ہوتا ہے اور اس کے عذاب و عقاب سے نہیں ڈرتا۔ کیا تجھ کو یہ گمان ہے کہ اس کے عذاب کی برداشت کر سکے گا۔ ہرگز نہیں یہ بات دل سے دور رکھ اور اگر اس کے عذاب کا امتحان کیا چاہے تو ایک ساعت تپش آفتاب میں یا حمام تیز میں بیٹھ یا اپنی انگلی سے قریب کر تاکہ قدر طاقت اور حوصلہ اپنا معلوم ہو جاوے۔ یا یہ مغالطہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کریم اور صاحب فضل ہے اس کو کسی کی طاعت کی حاجت نہیں پس اللہ تعالیٰ کے کرم پر دنیا کے کاموں میں کیوں نہیں اعتماد کرتا جب دشمن تیرا قصد کرتا ہے تو کیوں حیلے اس کے دفع کے کرتا ہے جب کیوں نہیں کہتا کہ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے اس کو دور کر دے گا۔ یا جب کوئی کام دنیاوی تجھ کو دباتا ہے جو بدون روپے پیسے کے نہیں سرانجام ہوتا تو اس وقت تیرا کیوں دم سا نکلتا ہے اور اس کی طلب میں بیسیوں حیلے بناتا ہے اس وقت اعتماد کرم الٰہی پر کہاں جاتا ہے۔ کیوں نہیں کہتا کہ اللہ تعالیٰ کوئی خزانہ بتلا دے گا یا کسی اپنے بندے کو بھیج دے گا کہ تیرا کام بدون تیرے ہاتھ پاؤں ہلائے سرانجام دے گا۔ کیا تو یہ جانتا ہے کہ خدائے تعالیٰ صرف آخرت ہی میں کریم ہے، دنیا میں نہیں اور تجھے تو معلوم ہے کہ خدائے تعالیٰ کا طریق بدلا نہیں جاتا اور دنیا و آخرت کا پروردگار ایک ہی ہے اور انسان کے لیے صرف وہی ہے جو کماوے ارے نفس تیرے جھوٹے دعوے اور نفاق بڑے ہی عجیب ہیں اس لیے کہ تو زبان سے تو دعویٰ ایمان کرتا ہے مگر نفاق کا اثر تجھ پر ظاہر ہے۔ دیکھ تیرا آقا اور

[ف] نزدیک آ لگا لوگوں کو ان کے حساب کا وقت اور وہ بے خبر ٹلاتے ہیں کوئی نصیحت نہیں پہنچتی ان کو ان کے رب سے نئی مگر اس کو سنتے ہیں کھیل میں لگے ہیں دل ان کے ۱۲

پروردگار فرماتا ہے وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا[1] اور آخرت کے باب میں فرماتا ہے وان لیس للانسان الا ما سعی[2]۔ ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ خاص دنیا کے امر کی کفالت تو خود اس نے فرمائی ہے کہ تیری سعی کی اس میں کچھ حاجت نہیں اور آخرت کو بندے کی کمائی پر منحصر رکھا ہے مگر تو نے اپنے افعال سے خدائے تعالیٰ کو جھوٹا کیا کہ جس چیز کی کفالت وہ کرتا ہے اس پر تو مدہوش اور باولوں کی طرح کرتا ہے اور امر آخرت کو جو تیری سعی پر منحصر رکھا تھا اس سے بالکل روگرداں اور حقارت کناں ہے پس یہ تو نشان ایمان نہیں اگر زبان ہی سے ایمان معتبر ہوتا تو منافق دوزخ کے سب سے نیچے درجے میں کیوں ہوتے ارے کم بخت گویا تو روز حساب پر ایمان نہیں رکھتا اور گمان کرتا ہے کہ مرنے کے بعد تجھ کو رہائی ہو جاوے گی اور بھاگ جاوے گا ہرگز ایسا نہ ہوگا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[3] ایحسب الانسان ان یترک سدی الم یک نطفۃ من منی یمنی ثم کان علقۃ فخلق فسوی فجعل منہ الزوجین الذکر والانثی الیس ذالک بقادر علی ان یحیی الموتی پس اگر تجھ کو یہی گمان ہے کہ ویسے ہی چھوڑ دیا جاوے گا تو تیرے برابر اور جاہل نہیں اور تو پکا کافر ہے۔ یہ تو سوچ کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ کو کس چیز سے بنایا ہے چنانچہ خود فرماتا ہے قتل الانسان ما اکفرہ من ای شیئ خلقہ من نطفۃ خلقہ فقدرہ ثم السبیل یسرہ ثم اماتہ فاقبرہ ثم اذا شاء انشرہ[4] پھر کیا تو اس کو جھوٹ جانتا ہے کہ جب وہ چاہے گا تجھ کو مرنے کے بعد اٹھا کرے گا۔ اگر تو جھوٹ نہیں جانتا تو پھر احتیاط کیوں نہیں کرتا اور اگر بالفرض کوئی یہودی تجھ سے کہدے کہ تیرے مرض میں فلاں کھانا مضر ہے تو گو وہ تیرے نزدیک سب کھانوں سے لذیذ ہو مگر تو اس سے صبر کرے گا اور اس کو چھوڑ دے گا اور جی کو کڑا کرے گا۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ جن انبیاء کو معجزے عنایت ہوئے ان کا قول اور خدائے تعالیٰ کا قول اس کی آسمانی کتابوں میں تیرے نزدیک اتنا بھی نہیں کہ ایک یہودی کے قول کے برابر ہو جو اٹکل پچو بے دلیل باوجود نقصان علم و عقل کے کہدیتا ہے کہ اس کا اثر تو ہوتا ہے اور خدا اور رسول کے کہنے کا اثر نہیں اور اس سے عجیب تر یہ ہے کہ اگر کوئی لڑکا تجھ سے کہدے کہ تیرے کپڑوں میں ایک بچھو ہے تو بدون اس کے کہ تو کوئی حجت پوچھے فوراً اپنے کپڑے پھینک دیتا ہے۔ کیا انبیاء اور علماء اور حکماء اور تمام اولیاء کا قول تیرے نزدیک لڑکے کے قول سے بھی کمتر ہے جو محض

ت ۱ اور کوئی نہیں پاؤں چلنے والا زمین پر مگر اللہ پر ہے اس کی روزی ۱۲ ت ۲ اور یہ کہ آدمی کو وہی ملتا ہے جو کمایا ۱۲ ت ۳ کیا خیال رکھتا ہے آدمی چھوٹا رہے گا بے قید بھلا نہ تھا ایک بوند پانی کی جو ٹپکی پھر تھا لہو کی پھٹکی پھر اس نے بنایا اور ٹھیک کر اٹھایا پھر کیا اس میں جوڑا نر اور مادہ کیا ایسا شخص نہیں سکتا کہ جلاوے مردے ۱۲ ت ۴ مارا جاوے آدمی کیسا ناشکرا ہے کس چیز سے بنایا اس کو۔ اس کو ایک بوند سے بنایا پھر اندازہ رکھا اس کا پھر آسان کر دی اس کو۔ پھر اس کو مردہ کیا پھر قبر میں رکھوایا پھر جب چاہا اس کو اٹھا نکالا ۱۲

نادان ہوتا ہے یا یہ کہ جہنم کی حرارت اور اس کے طوق اور عذاب اور سنہٹر اور گرز اور پیپ اور ہوائے گرم اور سانپ بچھو کو دنیا کے بچھو سے کم جانتا ہے جس کی تکلیف اڑ کر ایک روز یا اس سے بھی کم ہوتی ہے۔ یہ کام تو دانش مندوں کا نہیں بلکہ اگر بہائم پر تیرا حال منکشف ہو تو تجھ پر اور تیری عقل پر ہنسیں۔ پھر اے کم بخت اگر تو ان سب پر ایمان رکھتا ہے اور واقعی جانتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ عمل میں لیت ولعل کرتا ہے موت تو تیری گھات میں لگی ہے کہ عجب ہے کہ مہلت نہ لینے دے اور جلدی سے اچک لے تو کس باعث سے اس سے نڈر بیٹھا ہے کہ جلد نہ آوے گی اور ہم نے مانا کہ تجھ کو سو برس کی مہلت مل جاوے تب بھی تو راستہ بدون کاٹے نہیں کٹتا اور کام بدون کیے تمام نہیں ہوتا۔ فرض کرو کہ ایک شخص فقہ سیکھنے کو گھر سے باہر نکلے اور باہر جا کر برسوں بے کار نکما بیٹھا رہے اور نفس کو وعدہ کرتا رہے کہ پچھلے برس سیکھ لوں گا۔ جب گھر کو جانے کے تھوڑے دن رہیں تو تجھ کو اس شخص کی عقل پر ہنسی آوے گی کہ یہ بھی عجیب شخص ہے کہ ذرا سی مدت میں فقہ سیکھنا چاہتا ہے یا بدون فقہ سیکھے فقہاء کے منصب کا طالب ہے اور خدائے تعالیٰ کے کرم پر بھروسہ رکھتا ہے بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ پھر اگر یہ بھی مان لیا جاوے کہ آخر عمر میں کوشش عمل میں کرنی نافع ہے اور اس سے بلند درجے ملتے ہیں۔ تو یہ کیسے معلوم ہوا کہ ابھی زندگی بہت باقی ہے شاید یہی روز آخری ہو پس اس میں مشغول عبادت نہ ہونے کے کیا معنی۔ اگر مہلت کا پروانہ بھی مل گیا تب بھی عمل پر مبادرت نہ کرنے اور لیت ولعل کرنے کی کیا وجہ ہے۔ بجز اس کے کہ اپنی خواہشوں کے خلاف کرنے سے عاجز ہے اس لیے کہ اس میں محنت و مشقت ہوتی ہے۔ پس اگر یہ انتظار ہے کہ عبادت ایسے دن کریں جس دن مخالفت شہوات کی دشوار نہ معلوم ہو تو ایسا دن خدا تعالیٰ نے کبھی پیدا فرمایا نہ آگے کو پیدا فرماوے۔ جنت تو جب ملے گی تو شاق باتوں سے چھپی ہوتی ملے گی اور وہ کبھی نفس پر ہلکی نہ معلوم ہوں گی اس کا وجود تو محال ہے۔ سوچ تو سہی کہ کب سے تو وعدہ کرتا ہے کہ کل کر دوں گا اور کل کل کرتے ہر ایک کل آج ہوتی ہے جب آج ہی نہ کیا تو کل کیا کرے گا یہ تجھے یہ معلوم نہیں کہ جو کل آج ہو گئی اس کو حکم گذشتہ کا ہو گیا بلکہ اصل یہی ہے تو آج اگر عاجز ہے تو کل کو عاجز تر ہوگا اس واسطے کہ شہوت مثل جمے ہوئے درخت کے ہے جس کا اکھاڑنا بندے کے لیے داخل عبادت ہے۔ پس اگر سستی کے باعث اس کو نہ اکھاڑا اور دوسرے دن پر رکھا تو اس کی مثال ایسی ہے کہ جب آدمی قوی اور جوان ہو اس وقت درخت کے اکھاڑنے سے عاجز ہو کر ایک برس اور اسے رہنے دے اور جانتا ہو کہ مدت کے زیادہ ہونے سے درخت میں مضبوطی زیادہ ہو جاتی ہے اور آدمی میں ضعف آجاتا ہے تو جس درخت کو کہ جوان ہو کر نہ اکھاڑ سکا اس کو بڑھاپے میں کبھی نہ اکھاڑ سکے گا۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں۔ قطعہ:

درختے کہ اکنوں گرفت است پائے　　　بہ نیروے شخصے بر آید نہ جائے
وگر ہم چناں روزگارے ہلی　　　بگردونش از بیخ بر نگسلی

واقعہ یہ ہے بڑھاپے کی ریاضت ایک مشقت ہی مشقت ہے مثل مشہور ہے کہ بوڑھے طوطے نہیں پڑھتے

بھیڑیئے کی تادیب محض تعذیب ہے تر لکڑی کو جہاں سے چاہو موڑ لو اگر خشک ہو جاوے گی تو پھر نہ مڑے گی

چوب ترا چنانکہ خواہی پیچ نشود خشک جز بہ آتش راست

پس اے نفس اگر تو ایسی صاف صاف باتوں کو بھی نہیں سمجھتا اور ناخیر پر مائل ہے تو پھر کیوں اپنے آپ کو عاقل کہتا ہے اس حماقت سے بڑھ کر اور کونسی ہو گی اور شاید تو یہ تقریر کرے کہ میں عمل پر اس لیے مستقیم نہیں ہو سکتا کہ لذت شہوات کا حریص ہوں اور تکلیف و مشقت پر کم صبر کر سکتا ہوں تو یہ نہایت ہی درجہ کی حماقت اور پرلے سرے کا عذر ہے اس لیے کہ اگر بات تیری سچی ہے تو ایسی شہوات کا طالب کیوں نہیں ہوتا جو ابدالآباد تک صاف اور خالی از جملہ کدورات ہوں اور ان کے ملنے کی توقع جنت کے سوا اور جگہ نہیں اور اگر واقع میں تو شہوت ہی کا حریص ہے تو یہ حرص اسی طرح مٹ سکتی ہے کہ تو شہوت دنیاوی کے خلاف کرے۔ ورنہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک لقمہ کے باعث بہت سے لقموں سے دست بردار ہونا پڑتا ہے اور ہم یہ پوچھتے ہیں کہ اگر کسی مریض کو کوئی طبیب کہے کہ ٹھنڈا پانی تین دن مت پینا تاکہ تندرست ہو جاوے اور پھر مزے سے عمر بھر پیا کرو اور یہ بھی کہدے کہ اس تین دن کے عرصہ میں پیو گے تو کسی سخت مرض دیرپا میں مبتلا ہو جاؤ گے اور تمام عمر کا پینا چھوٹ جاوے گا تو اس صورت میں مقتضائے عقل اس بیمار کے لیے کیا یہ ہے کہ تین دن صبر کر کے تمام عمر عیش سے رہے یا اسی وقت اپنی خواہش پوری کرے کہ مجھ سے تین دن صبر نہ ہو سکے گا، اور مخالفت خواہش کی تکلیف برداشت نہ ہو سکے گی گو اس کے بعد تین سو دن یا تین ہزار دن برداشت کرنی پڑے اب اگر تمام عمر کو مدت آسائش اہل جنت اور عذاب اہل دوزخ کے ساتھ نسبت کر دیکھو یعنی ایام زندگی کو ابد کی طرف نسبت کرو تو جو نسبت تین دن کو ہے تمام عمر کی طرف اس سے بھی وہ تھوڑی ہی ہو گی گو آدمی کی عمر کتنی ہی بڑی ہو کیونکہ صورت اول نسبت محدود چیز کی ہے لا انتہا شے کی طرف جو واقع میں کچھ نہیں، اور صورت دوم میں محدود کی نسبت دوسری محدود چیز کی طرف ہے یہ خواہ مخواہ بڑی ہو گی۔ اور یہ تو کوئی بتادے کہ شہوات سے صبر کرنے کی تکلیف سخت اور اس کی مدت بڑی ہے۔ یا درکات دوزخ میں رہنے اور آگ کی تکلیف سہنے کی۔ پس جو شخص کہ مجاہدے کی تکلیف برداشت نہیں کر سکتا اس سے خدائے تعالیٰ کے عذاب کی تکلیف کیسے برداشت ہو گی۔ پس جو تو اپنے نفس پر مشقت کرنے میں سستی کرتا ہے تو دو حال سے خالی نہیں یا تو خفیہ کفر رکھتا ہے یا علانیہ بے وقوفی۔ کفر خفی تو یہ ہے روز حساب پر ایمان ضعیف ہو اور مقدار اور عذاب کو بڑا نہ جانتا ہو اور علانیہ بے وقوفی یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کے کرم اور عفو پر اعتماد ہو اس کی ان باتوں پر التفات نہ ہو کہ وہ عذاب دینے کے لیے مہلت بھی دیتا ہے اور تیری عبادت کی اس کو پرواہ نہیں پھر باوجود اس کے روٹی کے لقمے میں یا کوڑی بھر مال کے باب میں یا خلق سے کسی کلمہ کے سننے میں خدائے تعالیٰ کے اوپر اعتماد نہیں کرتا بلکہ جتنے حیلے اس باب میں حصول غرض کے لیے ہوں سب کو استعمال میں لاتا ہے۔ اسی جہالت کے باعث حماقت کا لقب تجھ کو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے عنایت ہوا

چنانچہ فرمایا[ح] الکیس من دان نفسہ وعمل لما بعد الموت والاحمق من اتبع نفسہ ھواھا وتمنی علی اللہ الامانی ارے کم بخت دنیا کی زندگی پر نہ مغرور ہو اور نہ کسی اور چیز سے خدائے تعالیٰ پر مغالطہ کھا تو اپنی آپ فکر کر دوسرے پر تیرا مطلب مہم نہیں اپنے اوقات ضائع مت کر کر چند نفس گنتی کے ہیں جب ایک سانس چلا جاتا ہے تو تجھ میں سے کچھ کم ہی ہو جاتا ہے بیمار ہونے سے پیشتر تندرستی کو غنیمت جان اور شغل سے پیشتر فارغ ہونے کو اور مفلسی سے پہلے تونگری کو اور بڑھاپے سے پہلے جوانی کو اور موت سے پہلے زندگانی کو اور جب تک تو آخرت میں رہے اسی قدر اس کی تیاری کر دنیا میں بھی تو اسی طرح کرتا ہے کہ جتنی مدت جاڑے کی ہوتی ہے اتنے ہی دنوں کا سامان کیا کرتا ہے کہ غذا اور لباس اور لکڑیاں وغیرہ لوازم اکٹھا کر لیتا ہے اور ان میں سے کسی چیز میں خدائے تعالیٰ کے کرم پر تکیہ نہیں کرتا کہ وہ اپنے آپ فضل سے سردی کی تکلیف بدون جبہ اور اون اور لکڑی وغیرہ کے دفع کر دے گا حالانکہ وہ ان سب امور پر قادر ہے تو پھر کیا تجھے یہ گمان ہے کہ جاڑوں کی سردی کی نسبت کر جہنم کے زمہریر میں سردی کم ہو گی یا تھوڑے دن رہے گی یا یہ گمان ہے کہ وہاں کے زمہریر سے بدون کچھ کیے نجات ہو جاوے گی یہ بات دل سے دور رکھ بلکہ جیسے جاڑے کی سردی بدون لبادے اور آگ اور دوسرے لوازم کے نہیں جاتی، اسی طرح حرارت و برودت جہنم بھی بدون گڑھی توحید اور اطاعت کے خندقوں کے نہیں جانے کی اور کرم الٰہی یہ کیا تھوڑا ہے کہ تجھ کو طریق قلعہ بند ہونے کا بتلایا اور اس کے سامان تیرے لیے مہیا کیے جیسے جاڑے کی سردی کے دفع کے لیے آگ کو پیدا کیا اور اس کو نکالنے کا طریق سنگ اور لوہے وغیرہ سے بتلا دیا کہ تو خود سردی کو اپنے اوپر سے ٹال سکے۔ کرم اس کا اس میں نہیں کہ بدون قلعہ کے تجھ سے عذاب دور کر دے یا بدون لوازم و اسباب ظاہری کے سردی گرمی کو ٹالے رکھے اور جس طرح کہ لکڑیوں کا خریدنا اور جبہ وغیرہ کا لینا کچھ خدائے تعالیٰ کے کام کا نہیں وہ ان سب سے بے پرواہ ہے بلکہ ان چیزوں کو صرف تیرے آرام کے لیے بنایا ہے۔ اسی طرح جتنے طاعات اور مجاہدات ہیں ان سے بھی وہ مستغنی ہے یہ چیزیں صرف تیرے نجات کے لیے ہیں۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔ شعر:

من نہ کردم امر تا سودے کنم
بلکہ تا بر بندگان جودے کنم

پس جو کوئی اچھا کرے گا وہ اپنے واسطے اور برا کرے گا تو اپنے واسطے۔ اللہ تعالیٰ سب سے بے پرواہ ہے۔ اے نفس! اپنا جہل چھوڑ اور آخرت کو دنیا پر قیاس کر اللہ تعالیٰ

ح دانا وہ ہے کہ اس کا نفس مطیع ہو اور موت کے بعد کے لیے عمل کرے اور احمق وہ ہے کہ اپنے نفس کو اس کی خواہشوں کا تابع کرے اور اللہ تعالیٰ سے آرزوؤں کی تمنا کرے ۱۲

فرماتا ہے[1] ماخلقکم ولا بعثکم الا کنفس واحدۃ اور فرمایا[2] کما بدانا اول خلق نعیدہ اور فرمایا[3] کما بدأکم تعودون اور خداوند کریم کے طریق و عادات میں کچھ تغیر و تبدل کو راہ نہیں۔ اے کم بخت میں تو تجھے دنیا ہی سے مالوف اور مانوس دیکھتا ہوں اسی جہت سے اس کی جدائی تجھ پر شاق ہے تو اس سے نزدیک ہوجاتا ہے اور اپنے نفس میں اس کی دوستی مضبوط کرتا جاتا ہے تو جان لے کہ تو خدا تعالیٰ کے ثواب اور عذاب احوال قیامت اور وہاں کے حالات سے غافل ہے اور اسی جہت سے موت پر تجھ کو ایمان اور یقین نہیں کہ اس سے تجھ میں اور تیرے دل چاہتی چیزوں میں جدائی ہوگی۔ بھلا بتا تو کہ اگر کوئی شخص بادشاہی گھر میں جاوے اس لیے کہ دوسرے دروازے سے نکل جاوے اور اس میں کسی خوبصورت پر یہ جان کر نظر ڈالے کہ ہمہ تن دل اس میں مصروف ہوجاوے گا اور انجام کو اس کی جدائی ضرور ہوگی تو ایسا شخص عاقل ہوگا یا عقل کا دشمن۔ اسی طرح یہ دنیا مالک الملوک کا گھر ہے اور تجھ کو اس میں صرف اجازت گذرنے کی دی گئی ہے اور جتنی چیزیں اس دنیا میں ہیں وہ اس سفر کرنے والوں کے ساتھ نہیں جاتیں۔ موت کے بعد دنیا ہی میں رہتی ہیں اور اسی واسطے سرور کائنات ؐ فرماتے ہیں کہ[4] ان روح القدس نفث فی روعی احبب ما شئت فانک مفارقہ واعمل ما شئت فانک مجزی بہ وعش ما شئت فانک میت تجھے کیا معلوم نہیں کہ جو شخص دنیا کی طرف التفات کرکے اس سے مانوس ہوتا ہے اور باوجودیکہ موت اس کے پیچھے ہے تو جب اس کو چھوڑ دیتا ہے بہت سی حسرت لے جاتا ہے اور توشہ اپنا زہر قاتل کو کرتا ہے اور وہ خود نہیں جانتا گذرے ہوتے لوگوں کا حال نہیں دیکھتا کہ کیسے اونچے مکان بناتے پھر چھوڑ کر چلے گئے۔ شعر

ہر کہ آمد عمارت نو ساخت   رفت و منزل بدیگرے پرداخت

ان کی زمین و ملک پر اللہ نے کیسے ان کے دشمنوں کو وارث کر دیا یہی دیکھ لے کہ جو چیز ان کے کھانے کی نہیں اس کو کیوں جوڑتے ہیں اور جس مکان میں نہیں رہتے اس کو کس طرح بناتے ہیں اور توقع ایسی ایسی کرتے ہیں جو ان کو نہیں ملتی۔ ہر ایک شخص اونچا مکان آسمان کی طرف کو بناتا ہے اس کے رہنے کی جگہ قبر زمین کے اندر ہوگی تو بتاؤ کہ دنیا میں حمق اور کم عقلی اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی۔ کوئی اپنی دنیا کو آباد کرتا ہے حالانکہ اس سے سفر ضرور کرے گا کوئی اپنی آخرت خراب کرتا ہے حالانکہ اس طرف ضرور جاوے گا۔ پس اے نفس تجھ کو ان احمقوں کی حماقت میں موافقت کرنے سے شرم نہیں آتی۔ اب فرض کر کہ تو اہل بصیرت میں سے نہیں کہ جس کو یہ باتیں سوجھیں۔ بلکہ سرشت ہی سے چاہتا ہے کہ کسی کے موافق ہوجاوے اور کسی کا اقتداء کرے تو اس صورت میں انبیاء اور علماء اور

---

[1] تم سب کا بنانا اور مرے کا جلانا جیسا ایک جی کا ۱۲ [2] جیسا مرے سے بنایا پہلی بار پھر اس کو دہرائیں گے ۱۲ [3] جیسا تم کو پہلے بنایا دوسری بار ہوگے ۱۲ ح [4] جبریل نے میرے دل میں یہ بات پھونک دی کہ جس چیز سے تو چاہے محبت کر اس سے جدا ضرور ہوگا اور جو چاہے عمل کر اس کی جزا ضرور ملے گی اور جتنا چاہے جی لے کر مرنا ضرور ہے۔ باب العلم وغیرہ میں گذری ۱۲

حکماء کی عقل کو اور ان لوگوں کی عقل کو جو دنیا پر اوندھے منہ گرے ہوتے ہیں مقابلہ کر اور اگر تو اپنے آپ کو عاقل جانتا ہے تو ان میں سے جو تیرے نزدیک زیادہ عاقل ہوں ان کا اتباع اور اقتدا کر۔ اے نفس تیرا حال عجیب ہے اور جہل نہایت سخت اور سرکشی ظاہر تر تعجب ہے کہ تو ان صاف اور کھلی باتوں سے اندھا بن رہا ہے شاید جاہ کی محبت سے تیری آنکھوں میں چربی چھاگئی ہے تو یہ نہیں سوچتا کہ جاہ صرف بعض لوگوں کے میل کرنے کا نام ہے تو فرض کر لے کہ جتنے لوگ روئے زمین پر ہیں سب تجھے سجدہ کرتے ہیں اور کہا مانتے ہیں پھر کیا تو یہ نہیں جانتا کہ پچاس یا سو برس کے بعد نہ تو بروۂ زمین پر رہے گا نہ وہ جنہوں نے تجھے سجدہ کیا تھا اور تیری اطاعت کی تھی۔ اور پھر ایک اور زمانہ آوے گا کہ جس میں نہ تیرا ذکر رہے گا نہ ان شخصوں کا ذکر رہے گا جو تیرا ذکر کرتے تھے جیسے تجھ سے بیشتر کے بادشاہوں کا حال ہوا کہ اب کہیں نیاد سے کسی کا نام و نشان پایا جاتا ہے پس ایسی چیز جو ہمیشہ کو رہے اس کو ایسی چیز کے عوض میں جو پچاس یا سو برس رہے تو کیسے بیچتا ہے اور جاہ بھی اس صورت میں کہ تو زمین کے بادشاہوں میں سے کوئی بادشاہ ہو اور مشرق و مغرب تیری اطاعت کریں اور جمیع لوازم اس کے تیرے پاس موجود ہوں اور جس صورت میں کہ تو اپنے ادبار اور نحوست سے کسی محلہ کا کیا اپنے گھر کا مالک نہ ہو تو اس صورت میں آخرت کو چھوڑنا نہایت ہی حماقت ہے پھر اگر آخرت کی رغبت کے باعث تجھ سے دنیا نہیں چھوٹتی اس وجہ سے کہ تو جاہل ہے اور بصیرت نہیں رکھتا تو یہی خیال کر کے چھوڑ دے کہ دنیا کے شریک خسیس ہیں اور اس میں مشقت بہت ہے اور جلد فنا ہو جاتی ہے۔ جب بہت دنیا تجھے چھوڑے ہوتے ہے تو تو اس میں سے تھوڑی کو کیوں نہیں چھوڑتا۔ یعنی بہت مال اگر تیرے پاس نہیں آتا تو تھوڑے کو مت لے۔ اور اگر دنیا تیرے موافق ہو تو خوش کیوں ہوتا ہے تیرے شہر ہی میں بہت لوگ کافر ایسے ہوں گے جو دنیا میں تجھ سے بڑھ کر ہوں گے اور اس کی لذت و زینت ان کے پاس تجھ سے زیادہ ہو گی۔ پس تف ہے دنیا پر جس میں یہ خسیس لوگ بھی تجھ سے بڑھ کر ہوں۔ اور چونکہ تو انبیاء اور صدیقین مقربین کے زمرے میں رہنے اور رب العالمین کے ہمسایہ میں رہنے سے منہ پھیر کر ان احمق جاہلوں کی جماعت میں جوتیوں کے پاس رہنا اختیار کرتا ہے اور وہ بھی چند روز کے لیے تو معلوم ہوا کہ تو بڑا ہی جاہل ہے اور ہمت کا خسیس اور عقل کا کچا ہے کہ نہ دنیا ہی ملی نہ دین ملا۔ ارے کمبخت اب تو سبقت کر کہ مرنے پر آ پہنچا موت نزدیک آ گئی پیام اس کا آ موجود ہوا جو کرنا ہے اب کر لے تیرے بعد نہ کوئی تیری طرف سے نماز پڑھے گا نہ روزہ رکھے گا نہ خدا کو تجھ سے راضی کرے گا۔ اے کم بخت اب تیری زندگی کے چند روز ہی ہیں اور یہی تیرا سرمایہ ہے بشرطیکہ اس میں تو تجارت کرے اکثر سرمایہ تو تو ضائع کر ہی چکا ہے کہ اگر تمام عمر اس بر باد رفتہ زمانے پر روئے گا تب بھی تھوڑا ہے اور عادت پر اصرار کر کے باقی عمر کو بھی تلف کر ڈالے گا تو کیا حال ہو گا کیا تو نہیں جانتا کہ موت تیرے وعدے کی جگہ ہے اور قبر تیرا گھر اور مٹی تیرا بستر اور کیڑے انیس اور اندھیرا جلیس ہے اور خوف اکبر قیامت کا سامنے لگا ہوا ہے کیا تجھے معلوم نہیں کہ مردوں کا لشکر شہر کے دروازہ پر تیرا منتظر ہے انہوں نے اوپر گاڑھی قسمیں دے لی ہیں کہ بدون

تجھے ساتھ لیے نہ ملیں گے

اپنے قصوروں کا تدارک کر اد ‏ ‏ ‏ رس ان کے

ہاتھ بیچے تو وہ اس کو بہزار خوشی ‏ ‏ ‏ ـت اور بیکاری میں تلف

کر رہا ہے۔ کم بخت تجھ کو ذرا شرم نہیں اپنے ظاہر کو تو خلق کے لیے بنا تا سنوارتا ہے اور باطن میں بڑے بڑے
گناہ کر کے خدا تعالیٰ سے لڑتا ہے خلق کی تو شرم ہے اور خالق کی نہیں کیا وہ تجھ کو خلق کی نسبت کر بھی کم دیکھتا
ہے لوگوں کو تو تو خیر کے لیے حکم کرتا ہے اور اپنے آپ ایسی باجی باتوں میں آلودہ ہے اوروں کو خدائے تعالیٰ کی
طرف بلاتا ہے اور خود اس سے بھاگتا ہے اوروں کو اس کی یاد دلاتا ہے اور خود اس کو بھولا ہوا ہے کیا تجھے یہ
معلوم نہیں کہ گناہ گار پاخانہ سے زیادہ بدبودار ہوتا ہے اور پاخانہ دوسرے کو پاک نہیں کر سکتا تو جب تیرا باطن پاک
نہیں تو دوسرے کو پاک کرنے کی طمع تجھ کو لاحاصل ہے۔ ارے کم بخت اگر تو اپنے آپ کو جیسا چاہیے ویسا پہچانے
تو تو یہی گمان کرے کہ جتنی بلا لوگوں پر آتی ہے وہ سب تیری نحوست سے ہے۔ تیرا بُرا ہو تو تو شیطان کا گدھا بن
گیا ہے کہ جہاں چاہتا ہے وہاں تجھے لیے پھرتا ہے اور تیری ہنسی کرتا ہے اور باوجود اس کے تو اپنے عمل پر شیخی
کرتا ہے حالانکہ اس میں آفتیں اتنی ہیں کہ اگر ان سے بالکل بچا رہے تو کچھ نفع ہو اور تجھ کو باوجود بہت سی
خطاؤں کے اپنے عمل پر اتنی شیخی کیوں ہے کیا نہیں دیکھتا کہ شیطان نے خدائے تعالیٰ کی عبادت دو لاکھ برس
کی تھی مگر ایک خطا میں ملعون اور راندۂ درگاہ ہو گیا۔ اور حضرت آدم علیہ السلام باوجودیکہ نبی اور صفی خدائے تعالیٰ کے
تھے مگر ایک خطا کے باعث جنت میں سے نکال دیئے گئے۔ ہائے کم بخت تو کتنا غدار اور بے حیا ہے اور کتنا جہالت
کا پرکالہ اور کتنا معاصی پر دلاور اور کتنا اپنے انجام سے بے خبر۔ ارے کم بخت کب تک معاملہ کو بنا کر بگاڑے گا
اور کب تک عہد کر کر توڑے گا کیا اتنی خطاؤں پر بھی دنیا کو آباد کرتا ہے کہ گویا اس سے سفر نہ کرے گا۔ قبر والوں کا
حال کیوں نہیں دیکھتا کہ انہوں نے مال بہت جمع کیا تھا اور مضبوط مکان بناتے تھے اور بڑی توقع رکھتے تھے، سب کے
سب تباہ ہو گئے اور گھر ان کے ویران اور توقع دھوکے کی ٹٹی ہو گئی نہ وہ ناز و نعمت رہی نہ وہ جاہ اور شوکت۔ شعر

خاک انہوں کا بستر ہے اور سر کے نیچے پتھر ہے ‏ ‏ ‏ آہ وہ شکلیں پیاری پیاری کیسی چاؤ سے پلیاں تھیں

کیا تجھ کو ان کے حال سے عبرت نہیں ہوتی کیا تو ان کا حال نہیں دیکھتا کیا تو یہ گمان کرتا ہے کہ آخرت میں وہی
بلائے گئے ہیں تو ہمیشہ دنیا ہی میں رہے گا اگر یہ بات ہے تو بہت بے ہودہ وہم ہے جب سے تو اپنی ماں کے
پیٹ سے نکلا ہے تب سے تو اپنی عمر کی دیوار ڈھاتا چلا جاتا ہے اور تو روئے زمین پر اپنا مکان بناتا ہے۔ تھوڑے
دنوں میں شکم زمین تیری قبر ہو گی کیا تجھے خوف نہیں کہ جب جان گلے میں اٹکے گی اور تیرے مالک کے رسول تیرے
پاس سیاہ رنگ اور ترش رو ہو کر آویں گے اور خبر عذاب سناویں گے تو اس وقت اگر تو ندامت کرے گا تو کچھ فائدہ
نہ ہو گا یا تیرا درد کوئی سنے گا یا تیرے رونے پر کسی کو ترس آوے گا اور عجیب تر یہ ہے کہ باوجود اس کے تجھ کو دعویٰ
اپنی بصیرت اور دانائی کا ہے۔ کیا دانائی کی یہی بات ہے کہ ہر روز اپنے مال کے زائد ہونے سے خوش ہو اور عمر کے

کم ہونے کا غم نہ کرے اگر عمر کم ہوئی اور مال بڑھا تو ایسے مال سے کیا فائدہ ہے۔ اے کم بخت تو آخرت سے روگردان
اور وہ تیری طرف آتی ہے اور دنیا کی طرف تو متوجہ ہے اور وہ تجھ سے روگردان ہے۔ اور تو اپنی آنکھ سے بہت سے
اپنے بھائیوں اور اقارب کو دیکھتا ہے کہ انہوں نے جس چیز آئندہ کی توقع کی وہ پوری نہ ہوئی۔ جو کام کل پر رکھا اس
تک نہ پہنچے اور مرتے دم حسرت کرتے چلے گئے مگر تو اپنی جہالت سے باز نہیں آتا۔ ارے نفس اس دن سے خوف
کر کہ اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے کہ جس بندے کو میں نے امر و نہی کی ہے اس سے اس کے عملوں کی بازپرس ضرور
کروں گا۔ چھوٹا بڑا ظاہر و باطن کچھ بدون پوچھے نہ چھوڑوں گا۔ اب تو سوچ کہ کیا منہ لے کر خدائے تعالیٰ کے سامنے
کھڑا ہوگا اور کونسی زبان سے جواب دے گا اور سوال کے واسطے تیار ہو جا جواب باصواب مہیا کر اور بقیہ عمر کے
جو چھوٹے چھوٹے دن ہیں ان میں بڑے دنوں کے واسطے عمل کر رکھ۔ اس دار فنا اور بیت الحزن اور دار باقی
اور خانہ جاودانی کے لیے کچھ کر لے پہلے اس سے کہ تو بے کار ہو جائے اور دنیا میں سے باختیار خود بھلے آدمیوں
کی طرح نکل جا۔ اس سے پیشتر کہ اس میں سے بزور نکالا جاوے اور دنیا کی تر و تازگی اگر تیری مساعدت کرے تو
اس سے خوش مت ہو اس لیے کہ اکثر خوش ہونے والا نقصان اٹھاتا ہے اور بہت نقصان والوں کو اپنے نقصان
کی خبر نہیں ہوتی پس خرابی ہے اس شخص کی کہ اپنی خرابی سے بے خبر ہو پھر اس پر ہنسے، اور خوش ہو اور کھیلے اور
ٹھٹھے کرے اور کھاوے اور پیوے۔ حالانکہ کتاب اللہ یعنی لوح محفوظ میں وہ آگ کی چھپٹیوں میں مندرج ہو
اے نفس اب تجھے چاہیے کہ دنیا کو جب دیکھے تو نظر عبرت سے دیکھے اور اس کے لیے سعی مجبوروں کی طرح
کرے اور اس کو باختیار خود ترک کرے اور آخرت کی طلب میں سبقت کرے اور ایسے لوگوں میں مت ہو کہ
جس قدر ان کو ملا ہے اس کا شکر کرنے سے نور ہے اور بقیہ عمر میں اور زیادتی کے خواہاں ہیں اور لوگوں کو منع
کرتے ہیں آپ باز نہیں آتے اور اے نفس یاد رکھ کہ دین اور ایمان کا کچھ عوض اور بدل نہیں اور نہ جسم کا کوئی خلیذر
پس جو شخص رات دن کے ابلق گھوڑے پر سوار ہے وہ اسے لیے چلا جاتا ہے گو وہ خود نہ جاوے تو اب میری
نصیحت مان کہ جو نصیحت سے روگردان ہوتا ہے۔ وہ آگ پر راضی ہوتا ہے اور میں نہیں جانتا کہ تو آگ سے
خوش ہو یا اس نصیحت پر کان دھرے۔ پس اگر سختیِ دل نصیحت کے قبول کرنے کی مانع ہو تو اس کو ہمیشہ کی
تہجد گذاری اور شب بیداری سے دور کر اور اگر اس تدبیر سے دور نہ ہو تو ہمیشہ روزہ رکھ اور اس سے بھی نہ جاوے
تو ملاقات و گفتگو کم کر اور یہ بھی مفید نہ ہو تو قرابتیوں سے سلوک اور یتیموں پر مہر کیا کر اور یہ بھی کارگر نہ ہو تو
جان لے کہ خدائے تعالیٰ نے دل پر مہر لگا کر قفل لگا دیا۔ اور تاریکی گناہوں کی دل کے ظاہر اور باطن پر خوب زور
کی چھا گئی پس اپنے آپ کو دوزخ میں گیا ہوا جان لے اس لیے کہ خدائے تعالیٰ نے جنت کو پیدا کیا اور کچھ لوگ
اس کے واسطے پیدا کیے اور دوزخ کو پیدا فرمایا اس کے لیے بھی کچھ لوگ بنائے اور ایک شخص سے وہی کام
بن آتا ہے جس کے واسطے وہ مخلوق ہوا ہے تو تجھ میں اگر گنجائش نصیحت سننے کی نہ رہی ہو تو اپنے نفس سے
نا امید ہو اور نا امید ہونا گناہ کبیرہ ہے خدا پناہ دے اس لیے نا امید تو ہو نہیں سکتا اور رجا کی بھی کوئی

صورت نہیں کہ تمام خیر کے راستے تجھ پر مسدود ہیں۔ اگر ایسی صورت میں رجا کرے تو واقع میں رجا نہیں، بلکہ مغالطہ کھانا ہے۔ جب نا امیدی بن سکتی ہے نہ رجا تو اب یہ دیکھ کہ جس مصیبت میں تو مبتلا ہوا ہے اس پر تجھ کو غم ہوتا ہے یا نہیں اور اپنے نفس پر ترس کھا کر کوئی آنسو آنکھ سے گرتا ہے یا نہیں۔ اگر گرتا ہے تو آنسوؤں کا منبع بحرِ رحمت میں سے ہے اس سے معلوم ہوا کہ ابھی تجھ میں رجا کی جگہ باقی ہے۔ اس صورت میں نوحہ اور گریہ زاری پر مواظبت کر اور ارحم الراحمین سے فریاد چاہ اور اکرم الاکرمین کے سامنے شکایت کر اور نہ فریاد و زاری سے ملول ہو نہ شکایت سے تھک شاید وہ تیرے ضعف پر رحم فرمادے اور تیری فریاد قبول کرے اس لیے کہ تیری مصیبت تو بڑھ گئی اور بلا سخت ہو گئی اور اصرارِ نافرمانی حد سے تجاوز کر گئی اور حیلہ کوئی باقی نہ رہا کوئی باعث اور وسیلہ تیرے پاس نہیں تو اب ٹھکانا اور راستہ اور مقصد اور گریز کی جگہ اور فریاد کا مقام اور ملجا اور ماوی بجز اس عالی سرکار کے کہیں نہیں، اس کے سامنے گریہ وزاری کر اور دھاڑیں مار اور اپنے تضرع میں اتنا خشوع کر جتنی تجھ میں جہالت اور گناہوں کی کثرت ہے اس واسطے کہ وہ ذلیل تضرع کرنے والے پر رحم فرمایا کرتا ہے اور طالب شیفتہ کی فریاد کو پہنچتا ہے اور مضطر کی دعا قبول فرماتا ہے اور آج تو اس کی طرف مضطر ہے اور اس کی رحمت کا محتاج اس وجہ سے کہ سب راستے تجھ پر تنگ ہو گئے اور حیلے جاتے رہے تدبیریں بند ہو گئیں نہ نصیحت نے تجھ میں تاثیر کی نہ توبیخ نے تجھ کو ملائم کیا اب جس سے طلب کرتا ہے وہ کریم اور سخی ہے اور جس سے فریاد کرتا ہے وہ رؤف اور رحیم ہے اس کی رحمت فراخ اور کرم عام اور عفو شامل ہے اس کی جناب میں یوں کہہ اشعار؛

یارب خلاف امر تو بسیار کردہ ایم — امید ہست از کرمت عفو ما مضی
چشم گنہ گار بود بر خطائے خویش — ما را ز غایت کرمت چشم بر عطا
یارب بلطف خویش گناہانِ ما بپوش — روزے کہ راز ہا فتد از پردہ بر ملا
ہموارہ از تو لطف خداوندی آمدہ است — وز ما چنانکہ در خور ما فعل ناسزا
عدل است گر عقوبت ما بیگنہ کنی — لطف است اگر کشی قلم عفوت بر خطا
دلہائے خستہ را ز کرم مرہمی فرست — اے اسم اعظمت در گنجینۂ شفا
دلہائے دوستاں تو خوں می شود ز خوف — باز از کمال لطف تو دل میدہد رجا
گر خلق تکیہ بر عمل خویش کردہ اند — ما را بس است رحمت و فضل تو متکا
یارب قبول کن بہ بزرگی و لطف خویش — کاں را کہ رد کنی نبود ہیچ ملتجا

اس امر میں اقتدا اپنے باپ حضرت آدم علیہ السلام کی کر چنانچہ وہب بن منبہؒ روایت کرتے ہیں کہ..... جب حضرت آدمؑ کو خدائے تعالیٰ نے جنت سے زمین پر اتار دیا تو یہ یہاں اس طرح رہے کہ آنکھوں سے آنسو نہ تھمتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ساتویں روز ان پر نظر عنایت سے دیکھا کہ وہ رنجیدہ خاطر اندوہگین غصہ پیئے

نیچے کو سر ڈالے ہیں ان پر وحی بھیجی کہ اے آدم اتنی کوشش جو تو کرتا ہے کیا وجہ ہے عرض کیا کہ الٰہی
میری مصیبت بڑھ گئی اور گناہوں نے مجھ کو گھیر لیا عالمِ ملکوت سے میں نکالا گیا اور اس کرامت کے بعد اس
ذلت کے مقام میں آیا اور سعادت سے نکل کر بدبختی میں پڑا اور راحت کے بعد دارِ مصیبت میں پھنسا اور عافیت
کے بعد اس بلا میں مبتلا ہوا اور اس دوام اور بقا کو چھوڑ کر اس موت اور نیستی کے گھر میں آیا تو اپنی خطا پر کیسے
نہ روؤں خدائے تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ اے آدم کیا میں نے تجھ کو اپنے لیے برگزیدہ نہیں کیا تھا اور تجھ کو اپنے
گھر میں نہیں اتارا تھا اور اپنی کرامت سے مخصوص اور ممتاز نہیں کیا تھا اور اپنے غصہ سے نہیں ڈرایا تھا کیا تجھ
کو میں نے اپنے ہاتھ سے پیدا نہیں کیا تھا اور اپنی روح تجھ میں نہیں ڈالی تھی اور تجھ کو اپنے فرشتوں سے سجدہ
نہیں کرایا تھا پھر تو نے میرے حکم کی نافرمانی کی تو میرے عہد کو بھول گیا اور میرے غصہ کا معترض ہوا قسم ہے
اپنی عزت اور جلال کی اگر میں زمین کو ایسے لوگوں سے بھر دوں کہ سب کے سب تجھ جیسی عبادت کریں اور تسبیح
کریں اور پھر میری نافرمانی کریں تو ان کو گنہ گاروں کے مقام میں اتار دوں گا۔ یہ سن کر حضرت آدم علیہ السلام تین
سو برس تک روتے۔ اور عبید اللہ بجلی بہت رویا کرتے اور گریہ کی حالت میں رات بھر یہ کہا کرتے کہ الٰہی میں
وہ ہوں کہ جتنی میری عمر بڑھی اتنے ہی میرے گناہ زیادہ ہوتے میں وہ ہوں کہ جب ایک گناہ کے چھوڑنے کا قصد
کیا تب ہی میرے پیش نظر دوسری خواہش نفس ہو گئی۔ ہائے عبید تیری خطا پرانی بھی نہ ہونے پائی کہ دوسری کا
طالب ہوا۔ آہ عبید اگر دوزخ تیرا ٹھکانا اور مقام ہو تو کیا کرے گا۔ وائے عبید اگر گرز تیرے سر کے لیے بنتے
ہوں۔ ہائے عبید طالبوں کے تو مطلب پورے ہوتے مگر شاید تیری حاجت پوری نہ ہو۔ اور منصور بن عمار کہتے
ہیں کہ میں نے ایک رات کوفہ میں ایک عابد کو سنا کہ اپنے رب سے مناجات کر رہا تھا اور یہ کہتا تھا کہ الٰہی قسم ہے
تیری عزت کی کہ تیری نافرمانی سے میری غرض یہ نہ تھی کہ تیری مخالفت کروں اور نہ اس جہت سے گناہ کیا کہ مجھ کو
رتبہ نہیں معلوم تھا یا اپنے نفس کو تیرے عذاب میں پیش کیا چاہتا تھا یا تیرے دیکھنے کو کچھ حقیر جانتا تھا۔ بلکہ اصل
یہ ہوئی کہ میرے نفس نے ایک چیز کو میری نظروں میں اچھا کر دیا اور میری نحوست نے اس بات میں تائید کی اور
تیری پردہ پوشی جو میرے اوپر رہتی ہے اس نے مجھ کو مغالطہ دیا تو اپنی جہالت کے باعث تیری نافرمانی کی اور
اپنے فعل سے تیری مخالفت کی اب تیرے عذاب سے مجھے کون بچاوے گا اور اگر تو میری رسی منقطع کر دے گا
تو میں کس کی حبل متین کو پکڑوں گا بڑی خرابی کی بات ہے کہ جب کل کو تیرے سامنے سب کھڑے ہوں اور ہلکے پھلکے
لوگوں کو کہا جاوے گا کہ تم گذر جاؤ اور بھاری بوجھ والوں کو حکم ہو گا کہ اتر جاؤ تو میں ہلکوں کے ساتھ ہو کر پار ہو
جاؤں گا یا بھاری لوگوں کے ساتھ میں نیچے اتار دیا جاؤں گا۔ ہائے افسوس جتنی میری عمر بڑھی اور برس زیادہ ہوئے
اتنے ہی گناہ اور معاصی بڑھ گئے اب کہاں تک میں توبہ کروں گا اور کب میں ان کو دوبارہ کرتا جاؤں گا کیا وہ
وقت نہیں آیا کہ میں اپنے پروردگار سے شرم کروں۔ غرض کہ لوگوں کی مناجات کا طریق اپنے خدا سے اس طرح
تھا اور یوں اپنے نفسوں کو عتاب کیا کرتے تھے اور مطلب ان کا مناجات سے رضائے الٰہی کی طلب تھی اور

عتاب نفس سے مقصود تنبیہ اور رعایت نفس تھا پس جس شخص نے عتاب اور مناجات نہ کی وہ اپنے نفس کا رعایت کرنے والا نہیں اور کیا بعید ہے کہ خدائے تعالیٰ بھی اس سے خوش نہ ہو۔ الحمد للہ اولاً و آخراً۔

نواں باب — فکر و عبرت

رباعی

احسن تو جہاں میں مست و ہشیار کو دیکھ — ان ارض و سما و کہسار کو دیکھ
کر خلق خدا میں فکرِ عبرت کے لیے — ہاں فاعتبروا یا اولی الابصار کو دیکھ

ازاں جا کہ حدیث شریف میں ہے کہ ایک ساعت کا فکر کرنا برس روز کی عبادت سے بہتر ہے[ح۱] اور کلام مجید میں عبرت اور تدبر اور تامل اور تفکر کی ترغیب بہت ہے اور پھر یہ ظاہر ہے کہ فکر کرنا مفتاح انوار اور مبداء بصیرت ہے اور علوم کے لیے جال اور معارف کے واسطے شکار کرنے کا آلہ ہے اور اکثر لوگوں کو اس کی فضیلت اور رتبہ تو معلوم ہے مگر اس کی حقیقت اور نتیجہ اور طریق اور کیفیت نہیں جانتے یعنی نہیں سمجھتے کہ فکر کیسے کرتے ہیں اور کن چیزوں میں کرتے ہیں اور کس وجہ سے کرتے ہیں اور اس سے مطلوب کیا چیز ہے اور جس مطلب کے لیے فکر کرتے ہیں وہ مقصود بالذات ہے یا کوئی ثمرہ ہے اور ثمرہ ہے تو کس قسم کا ہے، علوم میں سے ہے یا احوال میں سے یا دونوں سے مرکب ہوتا ہے اور ان سب امور کا بیان ضروری ہے۔ لہٰذا ہم اول فضیلت فکر کی پھر اس کی حقیقت اور ثمرہ پھر جہاں جہاں فکر چل سکتی ہے وہ مقامات بیان کرتے ہیں۔

۱۔ فکر کی فضیلت

اللہ جل شانہ نے تفکر اور تدبر کو اپنی کتاب مجید میں بے شمار جگہ میں ذکر فرمایا ہے اور متفکرین کی تعریف میں ارشاد فرمایا ہے[ح۲] الذین یذکرون اللہ قیاماً وقعوداً وعلیٰ جنوبھم ویتفکرون فی خلق السمٰوٰت والارض ربنا ما خلقت ھٰذا باطلاً اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے خدا تعالیٰ کے باب میں فکر کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا تعالےٰ کی مخلوقات میں فکر کرو خود اس میں فکر مت کرو کہ اس کی قدر عالی کے دریافت پر تم ہرگز قادر نہ ہوگے[ح۳] اور روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز چند لوگوں پر گذرے کہ وہ فکر کر رہے تھے آپ نے فرمایا کہ تم بولتے کیوں

ح ۱ ابن حبان بروایت ابوہریرہ بسند ضعیف اور اس میں ساٹھ برس ہے اور اس سند سے ابن جوزی نے اس کو موضوع کہا ہے اور ابومنصور نے بروایت انس رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے وہ بھی نہایت ضعیف ہے ۱۲ ن ۲ وہ جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے اور دھیان کرتے ہیں زمین اور آسمان کی مخلوق میں اے رب ہمارے تو نے یہ عبث نہیں بنایا
ح ۳ اصفہانی در ترغیب وغیرہ ۱۲

.... انہوں نے عرض کیا کہ ہم خدا تعالےٰ کی مخلوقات میں فکر کرتے تھے آپ نے فرمایا کہ بس ایسا ہی کیا کرو خود اس میں فکر مت کیا کرو کہ یہاں سے قریب ایک سفید زمین ہے جس کی روشنی سفیدی ہے اور سفیدی روشنی مغرب کی طرف کو چالیس روز کی راہ ہے اس میں خدا کی مخلوق میں سے ایسے لوگ ہیں کہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی ایک دم نہیں کرتے لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ شیطان ان لوگوں سے کدھر رہتا ہے آپؐ نے فرمایا کہ ان کو معلوم بھی نہیں کہ شیطان پیدا ہوا ہے یا نہیں انہوں نے عرض کیا کہ وہ لوگ حضرت آدم کی اولاد ہیں آپؐ نے فرمایا کہ وہ نہیں جانتے کہ آدم علیہ السلام پیدا بھی ہوتے ہیں یا نہیں اور عطاءؒ سے مروی ہے کہ ایک روز میں اور عبید بن عمیر حضرت عائشہؓ کی خدمت میں گئے آپ نے پردہ کی آڑ سے ہم سے گفتگو کی پھر پوچھا کہ اے عبید کیا وجہ ہے کہ ہمارے پاس نہیں آتے۔ انہوں نے عرض کیا کہ وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ زرغبا تزدد حبا۔[۱] پھر ابن عمیر نے پوچھا کہ آپ ہم سے کوئی عجیب بات جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دیکھی ہو بیان فرمایئے۔ حضرت عائشہؓ رو پڑیں اور فرمایا کہ انؐ کی تو سب باتیں عجیب ہی تھیں ایک رات میرے پاس آئے اور مجھ سے مل کر لیٹے پھر فرمایا کہ مجھ کو چھوڑو کہ میں اپنے پروردگار کی عبادت کروں۔ پھر اُٹھ کر ایک مشک میں سے پانی لے کر وضو کیا پھر نماز کو کھڑے ہوئے اور اتنا روئے کہ داڑھی شریف تر ہو گئی۔ پھر سجدے میں روئے یہاں تک کہ زمین بھیگ گئی پھر کروٹ سے لیٹ گئے یہاں تک کہ بلالؓ نماز صبح کی اطلاع کے واسطے آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپؐ کے تو گناہ اگلے اور پچھلے سب خدائے تعالیٰ نے معاف فرما دیئے پھر آپؐ کیوں روتے ہیں آپ نے فرمایا کہ میں کیوں نہ روؤں اے بلال آج رات میرے اوپر یہ آیت اتری ہے ان فی خلق السمٰوٰت والارض واختلاف اللیل والنھار لاٰیات لاولی الالباب[۲] پھر فرمایا کہ خرابی ہے اس کی جو اس کو پڑھے اور اس میں فکر نہ کرے۔ حضرت اوزاعیؒ سے کسی نے پوچھا کہ تفکر کی حد ان آیات میں کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ ان کو پڑھ کر سمجھ جاوے۔ اور محمد بن واسع سے روایت ہے کہ ایک شخص اہل بصرہ میں سے حضرت ابوذرؓ کی ماں کے پاس بعد ان کی وفات کے گیا اور ان کی ماں سے ان کی عبادت کا حال پوچھا انہوں نے فرمایا کہ تمام دن گھر کے کونے میں فکر کیا کرتے تھے اور حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ ایک گھڑی فکر کرنا تمام رات کی شب بیداری سے بہتر ہے۔ اور فضیلؒ فرماتے ہیں کہ تفکر ایک آئینہ ہے جس میں آدمی کی نیکیاں اور بدیاں معلوم ہوا کرتی ہیں۔ اور حضرت ابراہیم بن ادہمؒ سے کہا گیا کہ تم فکر بہت کرتے ہو آپ نے فرمایا کہ فکر عقل کا مغز ہے۔ اور سفیان بن عیینہ اکثر مثال میں یہ شعر پڑھا کرتے جس کا ترجمہ یہ ہے شعر:

فکر ہو گر میسر انسان کو
اس کو ہر ایک شے میں عبرت ہو

اور طاؤسؒ سے مروی ہے کہ حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ یا روح اللہ زمین کے پردے

---

[۱] باب صبر و ذکر میں گذری ۱۲ ح ۲ ملاقات کر کبھی کبھی زیادہ ہو گا محبت کی رو سے ۱۲ ت ۲ آسمان اور زمین کا بنانا رات اور دن کا بدلتے آنا اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کے لیے ۱۲

پر آج کوئی تمہارے برابر ہے یا نہیں آپ نے فرمایا کہ ہاں جس شخص کی گفتگو ذکر ہو اور سکوت فکر اور نظر عبرت تو وہ میری ہی مثل ہے اور حضرت حسنؒ فرماتے کہ جس کے کلام میں حکمت نہ ہو لغو ہے اور جس کا سکوت فکر نہ ہو وہ سہو ہے اور جس کی نظر عبرت کے لیے نہ ہو وہ لہو ہے اور اس آیت کی تفسیر میں ساصرف عن اٰیاتی الذین یتکبرون فی الارض بغیر الحق ان کا یہ قول ہے کہ اس کے یہ معنی ہیں کہ ان کے دلوں کو اپنے معاملہ میں فکر کرنے سے روک دوں گا۔ اور حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[۲ح] اعطوا اعینکم حظامن العبادۃ لوگوں نے عرض کیا کہ عبادت سے ان کا بہرہ کیا ہے آپ نے فرمایا کہ قرآن مجید میں نظر کرنا اور اس میں فکر کرنا اور اس کے عجائب سے عبرت حاصل کرنی۔ اور ایک عورت کا قول ہے جو جنگل میں مکہ معظمہ کے قریب رہا کرتی تھی کہ اگر متقیوں کے دل اپنی فکر سے وہ آخرت کی چیز دیکھ پاویں جو ان کے لیے حجب غیب میں جمع ہے تو دنیا میں نہ ان کا عیش کبھی صاف ہو نہ آنکھ کو دنیا میں خنکی اور قرار ہو۔ اور لقمانؒ اکیلے بہت بیٹھا کرتے ان کا آقا ان کے پاس آتا اور کہتا کہ لقمان تم ہمیشہ تنہا ہی بیٹھتے ہو اگر لوگوں کے پاس بیٹھو تو دل بھی لگے وہ جواب دیتے کہ زیادہ تنہا رہنے سے فکر خوب ہوتی ہے اور بہت فکر جنت کی رہبر ہے۔ اور وہب بن منبہؒ فرماتے ہیں کہ جس آدمی کی فکر زیادہ ہوتی ہے وہ جان جاتا ہے اور جو جانتا ہے وہ عمل کرتا ہے۔ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کی نعمتوں میں فکر کرنا بہترین عبادت ہے اور حضرت عبداللہ بن مبارک نے ایک روز سہل بن علی کو خاموش اور متفکر دیکھ کر پوچھا کہ کہاں پہنچ گئے انہوں نے فرمایا کہ پلصراط پر اور حضرت بشرؒ فرماتے ہیں کہ اگر آدمی اللہ تعالیٰ کی عظمت میں فکر کیا کریں تو اللہ کی نافرمانی نہ کریں اور حضرت عباسؓ سے مروی ہے کہ دو رکعتیں متوسط تفکر کے ساتھ تمام رات کی نماز گذاری سے بہتر ہیں جس میں دل حاضر نہ ہو۔ اور ابو شریح چلے جاتے تھے راستے میں بیٹھ گئے اور اپنی چادر منہ پر لے کر رونے لگے لوگوں نے ان سے سبب رونے کا پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ اپنی عمر کے چلے جانے اور عمل کے کم ہوتے اور موت کے قریب آجانے کی مجھے فکر ہوتی تھی اور ابو سلیمان فرماتے ہیں کہ اپنی آنکھوں کو رونے کا عادی کرو اور دلوں کو فکر کا اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ دنیا کے باب میں فکر کرنا آخرت کی آڑ ہے اور اہل ولایت کے حق میں عذاب اور آخرت میں فکر کرنا مورث حکمت ہے اور دلوں کو زندہ کرتا ہے اور حاتم کہتے ہیں کہ عبرت سے علم زیادہ ہوتا ہے اور ذکر سے محبت اور تفکر سے خوف۔ اور حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ خیر کی فکر کرنا اس کے عمل میں لانے کا مقتضی ہوتا ہے اور شر پر ندامت کرنی اس کے ترک کی مقتضی ہے اور روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کتاب آسمانی میں ارشاد فرمایا ہے کہ میں ہر ایک حکیم کے کلام قبول نہیں کرتا ہوں بلکہ اس کے قصد اور خواہش کو دیکھتا ہوں جب یہ دونوں میرے واسطے ہوتے ہیں تو میں اس کے سکوت کو تفکر کر دیتا ہوں اور اس کے

ت۔ میں پھیر دوں گا اپنی آیتوں سے ان کو جو برائی ڈھونڈتے ہیں ملک میں ناحق ۱۲

۲ح اپنی آنکھوں کو عبادت میں سے ان کا حصہ دو ابن ابی الدنیا بسند ضعیف ۱۲

کلام کو حمد اگرچہ وہ نہ بولے۔ اور حسنؒ فرماتے ہیں کہ اہل عقل ہمیشہ ذکر سے فکر کے عادی ہوا کرتے ہیں اور فکر سے ذکر کے یہاں تک کہ ان کے دل گویا ہو جاتے ہیں اور حکمت بولنے لگتے ہیں اور اسحاق بن خلف فرماتے ہیں کہ داؤد طائی چاندنی رات میں ایک چھت پر بیٹھے کہ آسمان و زمین کے ملکوت میں فکر کرنے لگے اور آسمان کی طرف کو دیکھ کر روتے جاتے تھے یہاں تک کہ ایک ہمسایہ کے گھر میں گر پڑے مالک مکان اپنے بستر سے کودا اور ننگے بدن تلوار ہاتھ میں لے کر ان کو چور خیال کر کے دوڑا جب دیکھا کہ داؤد ہیں تو تلوار رکھ دی اور پوچھا کہ آپ کو چھت پر سے کس نے گرا دیا فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں اور حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ سب سے اعلیٰ اور اشرف مجلس یہ ہے کہ توحید کے میدان میں فکر کے ساتھ بیٹھ کر معرفت کی ہوا کھاوے اور جامِ محبت اتحاد کے دریا سے پیوے اور اللہ جل شانہ پر حسنِ ظن کے ساتھ نظر کرے پھر فرمایا کہ ان مجالس کا کیا کہنا ہے بہت ہی عمدہ ہے اور اس پینے کی چیز کا کیا کہنا ہے نہایت لذیذ ہے۔ خوش حال وہ ہے جس کو خدا تعالیٰ نے یہ بات میسّر کی ہو۔ اور حضرت شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کلام پر مدد لو سکوت سے اور استنباط پر فکر سے اور یہ بھی فرمایا کہ کاموں میں نظر کا درست ہونا مغالطہ سے نجات دیتا ہے اور رائے میں پختگی کا ہونا قصور اور ندامت سے بچاتا ہے اور تامل اور فکر سے آدمی کی احتیاط اور دانائی ظاہر ہوتی ہے اور حکماء سے مشورہ کرنا نفس پر استقلال اور بصیرت میں قوت پیدا کرتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ عزم سے پہلے فکر کر لینا چاہیئے اور اچانک کام کرنے سے پہلے سوچ لینا چاہیے اور شروع کار سے پہلے مشورہ کرنا چاہیئے اور یہ بھی انہیں کا قول ہے کہ فضیلتیں چار ہیں اول حکمت ہے اس کا مادہ فکر میں ہے دوم عفت ہے اس کا اعتدال شہوت میں ہے اور تیسری قوت اس کا اعتدال غصے میں ہے۔ چوتھی عدل اس کی راستی قوائے نفس کے اعتدال میں ہے یہ ہیں علماء کے اقوال فکر کے باب میں مگر کسی نے ان میں سے اس کی حقیقت کو بیان نہیں کیا نہ یہ لکھا کہ کہاں کہاں ہو سکتا ہے۔

۲۔ فکر کی حقیقت اور اس کا ثمرہ

اور اس کے ثمرہ کے ذکر میں واضح ہو کہ فکر کے معنی یہ ہیں کہ دل میں دو معرفتوں کو موجود کرنا تاکہ ان سے تیسری معرفت پیدا ہو اور اس کی مثال یہ ہے کہ جو شخص دنیا کی طرف مائل ہو کر دنیا کی زندگی کو ترجیح دے اور یہ چاہے کہ کسی طرح یہ معلوم ہو جاوے کہ دنیا کی نسبت کر آخرت کا اختیار کرنا بہتر ہے تو اس کے دو طریق ہیں۔ ایک تو یہ کہ دوسرے سے سُنے کہ آخرت کا اختیار کرنا بہتر ہے اور سنتے ہی مان لے اور اس کو سچا جانے بدون اس کے کہ حقیقت امر پر کچھ بصیرت کارگر ہوئی ہو اور صرف اس کے کہنے کے اعتماد پر اپنے عمل سے مآل آخرت کی ترجیح کا ہو جاوے تو اس طریق کو تقلید کہتے ہیں معرفت نہیں کہتے اور دوسرا طریق یہ ہے کہ اول یہ جانے کہ جو شے پائیدار ہو اس کو اختیار کرنا بہتر ہے۔ پھر یہ جانے کہ آخرت پائیدار ہے اور ان دونوں معرفتوں میں سے اس کو تیسری معرفت حاصل ہو یعنی آخرت کا اختیار کرنا بہتر ہے اور ظاہر ہے کہ اس تیسری بات کو جاننا بدون دونوں پہلی معرفتوں کے ممکن نہیں۔ پس دل میں دونوں پہلی معرفتوں کا موجود کرنا تیسری معرفت تک پہنچنے کے لیے تفکر اور اعتبار اور تذکر اور نظر اور تامل اور تدبر کہلاتا ہے ان میں سے تدبر اور

تامل اور تفکر الفاظ تو جدا جدا ہیں مگر ان کے معنی جدا نہیں سب ایک ہی معنی پر بولے جاتے ہیں اور لفظ تذکر اور اعتبار اور نظر کے معنی جدا جدا ہیں گو اصل مسمیٰ ایک ہی ہے جیسے کہ صارم اور مہند اور سیف ایک ہی چیز پر بولے جاتے ہیں مگر اعتبارات مختلف ہوتے ہیں یعنی صارم تلوار کو اس اعتبار سے کہتے ہیں کہ وہ کاٹنے والی ہے اور مہند یا ہندی اس جہت سے کہتے ہیں کہ جگہ کی طرف منسوب ہے اور سیف مطلق تلوار کو کہتے ہیں اور کوئی امر اس سے زائد نہیں سمجھا جاتا ہے اسی طرح دو معرفتوں کے موجود کرنے کو اعتبار اس نظر سے کہتے ہیں کہ ان دونوں سے تیسری معرفت کی طرف عبور کر سکتے ہیں . . . . . اور نظر اور تفکر اس کو اس لحاظ سے کہتے ہیں کہ اس میں تلاش تیسری معرفت کی ہے پس جو شخص کہ تیسری معرفت کا طالب نہ ہو اس کو ناظر نہ کہیں گے اس سے معلوم ہوا کہ جو متفکر ہوگا وہ متذکر بھی ہوگا اور یہ نہیں کہ جو متذکر ہو وہ متفکر بھی ہو اور تذکر کا فائدہ یہ ہے کہ دل پر معارف مکرر آکر جم جاویں اور اس میں سے محو نہ ہوں اور تفکر کا فائدہ یہ ہے کہ علم زیادہ ہو اور جو معرفت نہ تھی وہ حاصل ہو جاوے یہی فرق ہے تذکر اور تفکر میں اور معارف جب دل میں جمع ہوتے ہیں اور ایک خاص ترکیب سے ملتے ہیں تو ان سے اور معرفت نکلتی ہے یعنی ایک معرفت ثمرہ پہلی معرفت کا ہوتی ہے اور جب یہ نئی معرفت حاصل ہوتی ہے اور دوسری معرفت سے ملتی ہے اس سے ایک اور نتیجہ ہوتا ہے اسی طرح یہ ثمرات بڑھتے جاتے ہیں اور علوم بھی زیادہ ہوتے جاتے ہیں اور فکر بے انتہا آگے کو چلتی جاتی ہے اور یہ زیادتی معارف کی یا تو موت سے بند ہو جاتی ہے یا موانع سے اور یہ طریق اس کو حاصل ہوتا ہے جو علم سے ثمر لے سکتا ہو اور طریق تفکر کو پہچانتا ہو مگر اکثر لوگ علوم کی زیادتی سے محروم ہیں اس لیے کہ ان کے پاس راس المال ہی نہیں یعنی وہ علوم اور معارف جن سے اور معارف پیدا ہوتے ہیں ان کو حاصل نہیں جیسے کسی شخص کے پاس سرمایہ نہ ہو تو وہ نفع پر قادر نہیں ہوتا مگر بعض اوقات سرمایہ تو رکھتا ہے مگر پیشہ تجارت خوب نہیں جانتا اس لیے کچھ فائدہ نہیں پاتا اسی طرح بعض اوقات آدمی کے پاس معارف بجائے راس المال تو ہوتے ہیں مگر اس کو ان کا اچھی طرح کام میں لانا اور ایسی طرح ملانا نہیں آتا جس سے اور نتیجہ حاصل ہو اور طریق استعمال کبھی تو دل میں نور الٰہی کے باعث سرشتی ہی معلوم ہوا کرتا ہے جیسے انبیاء علیہم السلام کو تھا اور یہ بات بہت کمیاب ہے اور کبھی سیکھنے اور مہارت پیدا کرنے سے ہوا کرتا ہے اور یہی اکثر ہے پھر متفکر کو کبھی یہ معارف آتے ہیں اور ثمرہ حاصل ہوتا ہے مگر اس کے حاصل ہونے کی کیفیت معلوم نہیں ہوتی اور نہ اس کو بیان کرنے پر قادر ہوتا ہے اس وجہ سے کہ مہارت بیان کرنے کے فن کی نہیں رکھتا مثلاً بہت سے انسان جانتے ہیں کہ آخرت کا اختیار کرنا بہتر ہے اور یہ علم یقینی ہوتا ہے لیکن اگر سبب اس معرفت کا اس سے پوچھا جاوے تو ہرگز بیان نہ کر سکے گا کہ یہ معرفت کہاں سے اس کو ہوئی حالانکہ بدون دو پہلی معرفتوں کے یہ معرفت اس کو حاصل نہیں ہوتی جیسا کہ اوپر گذرا حاصل یہ کہ تفکر کے معنی یہ ہیں کہ دو معرفتوں کا حاضر کرنا اس نظر سے کہ ذریعہ تیسری معرفت کا ہوں اور فکر کا ثمرہ علوم اور احوال اور اعمال سب کچھ ہو سکتے ہیں مگر اس کا ثمرہ خاص صرف علم ہے اور کوئی چیز نہیں ہاں جس وقت دل میں علم

حاصل ہوتا ہے تو دل کا حال بدل جاتا ہے اور جب اس کا حال بدلتا ہے تو جوارح کے اعمال بھی بدل جاتے ہیں اس لیے کہ عمل تابع حال کا ہے اور حال تابع علم کا اور علم تابع فکر کا اس سے معلوم ہوا کہ فکر سب خیرات کی اصل اور مبدا ہے اور اس بیان سے فضیلت فکر کی بھی ثابت ہوئی اور یہ کہ فکر بہ نسبت ذکر کے بہتر ہے اس لیے کہ فکر میں ذکر بھی ہے اور کچھ زیادتی بھی پائی جاتی ہے اور قلب کا ذکر اعضائے ظاہری کے عمل سے بہتر ہے بلکہ عمل کا شرف اسی نظر سے ہے کہ اس میں کچھ ذکر ہوا کرتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ فکر سب اعمال سے افضل ہے اور اسی واسطے کہا گیا ہے کہ ایک ساعت کا تفکر برس روز کی عبادت سے بہتر ہے پھر بعضوں نے کہا ہے کہ حال وہ ہے کہ مشاہدہ اور تقوٰی پیدا کرتا ہے اس واسطے اللہ تعالیٰ نے لعلھم یتقون او یحدث لھم ذکرا اور اگر تم کو منظور ہو کہ فکر کے باعث حال کے متغیر ہونے کی صورت معلوم کرو تو اس کی مثال وہی ہے جو ہم اوپر لکھ چکے ہیں اس میں فکر سے ہم کو بھی معلوم ہوتا ہے کہ آخرت کا اختیار کرنا بہتر ہے۔ یہ معرفت ہمارے دلوں میں یقیناً جم جاتی ہے تو دل آخرت کی طرف رغبت کرنے لگتے ہیں اور دنیا میں زہد کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور حال سے ہماری مراد یہی ہے اس لیے کہ دل کا حال پہلے اس معرفت کے یہ تھا کہ سر دست کی چیز کو محبوب جانتا تھا اور اسی کی طرف مائل تھا اور آخرت سے متنفر اور کم رغبت مگر اس معرفت سے دل کا حال اور ہو گیا اور اس کا ارادہ اور رغبت بدل گئی اور تغیر ارادے کے باعث اعضا کے اعمال بھی اور کے اور ہو گئے کہ دنیا کو چھوڑ کر متوجہ اعمال آخرت ہوئے۔ غرضکہ یہاں پانچ درجے ہیں اول تذکر یعنی دل میں دونوں معرفتوں کا حاصل کرنا دوم تفکر یعنی دونوں معرفتوں سے معرفت مقصودہ کا طلب کرنا تیسرے حاصل ہونا معرفت مطلوبہ کا اور دل کا اس سے روشن ہونا۔ چوتھے حصول نور معرفت کے باعث دل کے حال کا بدل جانا۔ پانچویں جس طرح دل کا حال بدلتا جاوے اسی طرح اعضائے ظاہری بھی دل کی خدمت کریں۔ پس جس طرح کہ پتھر کو لوہے پر مارنے سے آگ نکلتی ہے اور اس سے جگہ روشن ہو جاتی ہے اور آنکھ کو سوجھنے لگتا ہے اور پہلے سے نہیں سوجھتا تھا اور اعضا عمل کے لیے آمادہ ہو جاتے ہیں اسی طرح نور معرفت سے فکر پیدا ہوتا ہے فکر دونوں معرفتوں کو جمع کر کے ان میں ایک تالیف خاص دیتا ہے جس سے نور معرفت چمکتا ہے جیسے لوہا اور پتھر اکٹھا کرتے اور ان میں ایک خاص ضرب لگانے سے آگ نکلتی ہے پھر اس نور معرفت سے دل بدل جاتا ہے اور جس چیز کی طرف پہلے مائل نہ تھا اس کی طرف مائل ہوتا ہے جیسے آگ کی روشنی سے آنکھ کا حال بدل جاتا ہے اور جو چیز پہلے نہیں دیکھی تھی وہ اب دیکھنے لگتی ہے۔ پھر دل کے حال کے مقتضا کے موافق اعمال کے اعضا متحرک ہوتے ہیں جیسے اندھیرے کے سبب سے جو شخص کام نہ کر سکتا تھا روشنی ہونے سے کام کرنے پر مستعد ہوتا ہے پس معلوم ہوا کہ ثمرہ فکر کا علوم اور احوال ہیں اور ازانجا کہ علوم کبھی بے شمار ہیں کہ جو احوال کہ دل پر ان کی تبدیلی ممکن ہے ان کی بھی کچھ حد نہیں اسی لیے اگر کوئی

ت ۱ شاید وہ بچ جائیں یا ڈالے ان کو دل میں سوچ ۱۲

شخص یہ چاہے کہ تمام فکر کی شاخوں کو منحصر کر دے اور اس کے چلنے کی جگہ اور ثمرات کو شمار کر دے تو کبھی نہ ہو سکے گا اس واسطے کہ فکر کے چلنے کی جگہیں اور ثمرات بے انتہا ہیں مگر ہم اس بات میں کوشش کرتے ہیں کہ فکر کی راہیں جو مہمات علوم دینی کے اعتبار سے ہیں اور ان کے احوال کے اعتبار سے جو سالکین کے مقامات گنے جاتے ہیں ضبط کریں تو اس طرح ضبط کرنا ایک مجمل طور پر ہو گا اس لیے کہ اس کی تفصیل تو چاہتی ہے کہ تمام علوم کی شرح کی جاوے اور یہ سب باب اس کتاب کے گویا بعض علوم کی شرح ہیں کیونکہ ان میں وہ علوم ہیں جو افکار مخصوص سے حاصل ہوتے ہیں تو اس حساب سے بہت طول ہو جاوے گا اس نظر سے ہم بطور اشارہ اجمالی بیان کرتے ہیں تاکہ فکر کی راہیں مجمل معلوم ہو جائیں۔

۴ فکر کی راہیں

واضح ہو کہ فکر کبھی تو ایسے امر میں ہوتا ہے جو دین سے متعلق ہو اور کبھی غیر دین میں، اور ہم کو یہاں غرض اس فکر کے بیان سے ہے جو دین سے متعلق ہو اسی لیے ہم قسم دوم کو چھوڑ دیتے ہیں اور دین سے ہماری مراد یہ ہے کہ معاملہ جو خدائے تعالیٰ اور بندے کے درمیان ہو۔ اب فکر دو حال سے خالی نہیں، یا تو بندہ اور اس کی صفات اور احوال سے متعلق ہو یا معبود اور اس کی صفات اور افعال سے اور جو فکر بندے سے متعلق ہے اس کی دو قسمیں ہیں یا تو بندہ کے ان احوال وغیرہ میں ہو جو خدا تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہوں یا ان میں جو مکروہ ہوں اور ان دونوں قسموں کے سوا اور کسی چیز میں فکر کی حاجت نہیں اور جو فکر متعلق خدائے تعالیٰ سے ہے وہ یا اس کی ذات اور صفات اور اسمائے حسنیٰ میں ہو گا یا اس کے افعال اور ملک اور ملکوت اور تمام آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی چیزوں میں۔ اور فکر کا منحصر ہونا ان اقسام میں ایک مثال سے واضح ہو گا وہ یہ ہے کہ جو لوگ سالک الی اللہ ہوں اور اس کے دیدار کے مشتاق ان کا حال عاشقوں کے حال کے مشابہ ہے اسی لیے ہم عاشق شیدا کو مثال کے لیے ٹھہرا کر کہتے ہیں کہ جو عاشق ہمہ تن اپنے عشق میں ڈوبا ہوا ہو اس کا فکر دو باتوں سے تجاوز نہ کرے گا یا تو معشوق سے متعلق ہو گا یا اپنے نفس سے اور اگر معشوق کا فکر کرے گا تو یا اس کے جمال اور کمال ذاتی میں فکر کرے گا تاکہ اس میں فکر کرے اور مشاہدے سے لذت حاصل کرے اور یا اس کے افعال لطیف عمدہ میں فکر کرے گا جن سے اس کے اخلاق و صفات کی خوبی سمجھی جاتی ہے تاکہ اس سے لذت دوچند اور محبت دوبالا ہو اور اگر اپنے نفس میں فکر کرے گا تو یا اپنی ایسی صفات میں کرے گا جن سے محبوب کی نظر میں گر جاوے اس غرض سے کہ اس سے اجتناب کرے یا ایسی صفات میں کرے گا جو اس کو محبوب کے نزدیک کریں اور موجب اس کی محبت کا اپنے ساتھ ہوں تاکہ ان صفات سے متصف ہو اور اگر ان امور کے سوا کسی اور چیز میں فکر کرے گا تو وہ خارج از حد عشق ہے اور باعث نقصان ہے۔ اس واسطے کہ عشق کامل اور پورا وہ ہے جس میں کہ عاشق ڈوبا رہے اور اس کے دل پر ایسی طرح چھا جاوے کہ دوسرے کی گنجائش اس میں نہ چھوڑے اور عاشق خدائے تعالیٰ کا ایسا ہی ہونا چاہیئے کہ اس کی نظر اور فکر محبوب سے تجاوز نہ کرے اور جب تک اس کا فکر ان چاروں قسموں میں منحصر رہے گا تب تک وہ مقتضائے محبت سے ہرگز خارج نہ ہو گا۔ اب ہم قسم اول

کا بیان شروع کرتے ہیں یعنی فکر کرنا اپنے نفس کی صفات اور افعال میں تاکہ ان میں سے پسندیدہ اور غیر پسندیدہ کی تمیز کرے اس لیے یہ فکر وہی ہے جو متعلق علم معاملہ سے ہو جو اس کتاب میں مقصود ہے اور یہ قسم متعلق علم مکاشفہ سے نہیں ہے۔ پھر جو افعال و صفات کہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک محبوب یا مکروہ ہیں ان کی دو قسمیں ہیں ایک ظاہری کہ جیسے طاعات اور معاصی ہیں اور ایک باطنی جیسے صفات منجیات اور مہلکات جن کا محل دل ہے اور ان کی تفصیل جلد سوم اور چہارم میں ہے اور طاعات اور معاصی منقسم ہیں دو قسموں پر یعنی یا وہ معاصی ہیں کہ ساتوں اعضاء سے متعلق ہوں اور سب بدن کی طرف منسوب ہوں جیسے جہاد کی طرف بھاگنا اور ماں باپ کی نافرمانی کرنی اور حرام جگہ میں رہنا۔ اور سب طرح کے مکارہ میں تین باتوں میں فکر واجب ہے۔ اول تو یہ کہ امر خدائے تعالیٰ کے نزدیک بھی مکروہ ہے یا نہیں اس لیے کہ اکثر چیزوں کا مکروہ ہونا بدون نظر دقیق کے معلوم نہیں ہوا کرتا۔ دوسرے اس باب میں فکر کرنا کہ اگر مکروہ ہے تو اس سے بچنے کی تدبیر کیا ہے۔ تیسرے یہ کہ اس مکروہ کا مرتکب بالفعل ہے تاکہ اس کو چھوڑ دے یا اس کو کرنے کو ہے تو اس سے باز رہے یا پہلے کیا ہو تو اس کا تدارک کرے اسی طرح محبوب چیزوں کی تقسیم کو خیال کرو اور جب ان قسموں کو جمع کرو تو فکر کی راہیں ان اقسام میں سو سے بڑھ جاویں گی اور بندے کو ضرورت فکر کی یا سب میں پڑتی ہے یا اکثر میں اور ان اقسام میں سے ایک ایک کی تشریح تو طویل ہے مگر یہ قسم منحصر چار نوع پر ہے اول طاعات دوم معاصی سوم صفات مہلکہ چہارم صفات منجیہ پس ان چاروں میں سے ہم ایک ایک مثال لکھ دیتے ہیں تاکہ طالب اسی پر اور مثالوں کو قیاس کرلے اور فکر کا طریق اس پر واضح اور وسیع ہو جاوے قسم اول معاصی میں آدمی کو چاہیے کہ روز کی صبح کو اپنے ساتوں اعضا میں تفصیل وار اور سارے بدن میں مجملاً فکر کرے کہ میں کسی معصیت کا مرتکب فلاں عضو سے ہوں یا نہیں اگر اسی وقت ہو تو اس کو ترک کرے اور گذشتہ زمانے میں اگر مرتکب ہوا ہو تو توبہ اور ندامت سے اس کا تدارک کرے یا اس دن کرنے کو ہو تو اجتناب اور علیحدہ رہنے کے لیے آمادہ ہو۔ مثلاً زبان میں نظر کرے اور کہے غیبت اور جھوٹ اور خودستائی اور ٹھٹھا اور بات کاٹنی اور دوسرے کو بنانا اور غیر مفید باتوں میں دخل دینا وغیرہ باتیں کرنی ہے تو اپنے دل میں جمالے کہ یہ سب امور خدائے تعالیٰ کے نزدیک برے ہیں اور آیات قرآنی اور احادیث جو ان باتوں کی سزا میں شدت عذاب پر دال ہیں ان کو فکر کرے پھر اپنے حالات کو سوچے کہ بدوں جانے اور خبر ہوتے ان چیزوں میں جا گھستا ہے۔ پھر یہ سوچے کہ ان سے بچنا کیسے ہو سکتا ہے اور جان لے کہ آفات زبانی سے محفوظ رہنا بدون گوشہ نشینی اور تنہائی کے بن نہ پڑے گا۔ یا صورت بچاؤ کی ہے کہ کسی نیک بخت پرہیزگار کی صحبت میں رہے کہ جب کوئی کلمہ بے جا منہ سے نکلے تب ہی وہ نیک بخت اس کو روک دیا کرے یا یہ کہ منہ میں کنکر رکھ کر دوسرے کے پاس بیٹھا کرے تاکہ اس سے یاد رہے کہ آفات زبانی سے حفاظت کے لیے یہ رکھا ہے ان سے احتراز چاہیے۔ غرضکہ احتراز کی تدبیر میں اس طرح کی فکر کرے اسی طرح کان میں فکر کرے کہ اس سے غیبت اور جھوٹ اور فضول کلام اور لہو بدعت کی باتیں سننے میں آتی ہیں اور یہ سب بری ہیں اور سننے میں کوئی شخص خاص

نہیں ہر شخص کی زبان سے سننے میں آہی جاتی ہیں تو بعد فکر ان کے سننے سے بچنے کی کرلے کہ بچاؤ کی صورت گوشہ گیری سے ہے یا جب کوئی دوسرا شخص سامنے کہے تو اس کو منع کر دینے سے ہے۔ اور پیٹ کے باب میں فکر کرلے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کھانے میں اور پینے میں کرتا ہے اس طرح کہ یا حلال رزق سے بہت سا کھا جاتا ہے جس سے شہوت بڑھتی ہے اور شہوت شیطان دشمن خدا کا ہتھیار ہے۔ یا مال حرام اور مشتبہ سے تو یہ نظر کرے کہ میری غذا اور لباس اور مسکن اور وجہ معیشت کہاں سے ہے اور حلال رزق کی آمد کی صورتیں سوچے اور یہ فکر کرے کہ اس میں سے مجھے کس طرح ملے کونسا حیلہ حلال رزق کا ہے اور کس تدبیر سے حرام کا تارک ہو جاؤں گا اور یہ بات اپنے دل میں ٹھان لے کہ حرام غذا کے ساتھ ساری عبادتیں بیکار ہیں اور رزق حلال عبادات کی اصل ہے اور اللہ تعالیٰ اس بندے کی نماز نہیں قبول کرتا جس کے کپڑے میں ایک درہم حرام کا لگا ہوا ہو، جیسا کہ حدیث شریف[ح۱] میں وارد ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اپنے سب اعضا میں فکر کرے کہ ہم کو سب کے لکھنے کی ضرورت نہیں اس قدر کافی معلوم ہوتا ہے۔ جب فکر کے باعث ان احوال کو واقعی طور پر جان جاوے گا تو تمام دن نگران رہے گا اور اعضا کو ان سب خرابیوں سے بچاوے گا، دوسری قسم طاعات ہیں تو اول فرائض جو اس کے ذمہ فرض ہیں ان کو دیکھے کہ ان کو نقصان اور تقصیر سے بچاتا ہے کہ نہیں اور پھر ان کے نقصان کو نوافل سے پورا کرتا ہے یا نہیں۔ پھر ہر عضو کے باب میں فکر کرے کہ جو کام اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں وہ اس سے ہوتے بھی ہیں کہ نہیں۔ مثلاً کہے کہ آنکھ دیکھنے کے لیے پیدا ہوئی ہے کہ اسرار آسمان و زمین کے بچشم عبرت دیکھے تاکہ طاعت الٰہی میں لگی رہے۔ اور کتاب اللہ اور حدیث شریف کے دیکھنے کے لیے ہے اور میں قادر ہوں کہ ان دونوں چیزوں کو دیکھ کر آنکھ کو مشغول طاعت الٰہی کروں تو کیوں نہیں کرتا اور یہ بھی مجھ سے ہو سکتا ہے کہ فلاں شخص مطیع کو تعظیم کی آنکھ سے دیکھ کر اس کے دل کو مسرور کروں اور فلاں بدکار کو بنظر حقارت دیکھ کر اس کو نافرمانی سے روک دوں مگر کیا وجہ کہ میں یہ امور نہیں کرتا۔ اسی طرح کان کے باب میں کہے میں مظلوم کی فریاد بھی سن سکتا ہوں یا حکمت اور علم اور قرأت اور ذکر کے سننے پر قادر ہوں پھر کان کو بیکار کیوں رکھتا ہوں خدائے تعالیٰ نے تو مجھ کو اس لیے حوالہ کیے ہیں کہ میں ان سے اس کی نعمتوں کا شکر کروں۔ پھر اس کی نعمت کی ناشکری کرنی اور اس کو ضائع اور بیکار رکھنے کی کیا وجہ ہے۔ اسی طرح زبان میں فکر کرے کہ میں زبان سے تعلیم اور وعظ کے باعث اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کر سکتا ہوں اور نیک بختوں کے دل میں محبوب ہو سکتا ہوں اور اگر کسی نیک بخت خواہ عالم کے سامنے کوئی عمدہ بات کہوں تو اس کے دل پر چمک لا سکتا ہوں اور فقراء کے حالات پوچھ سکتا ہوں اور عمدہ کلمات کہہ سکتا ہوں جن میں سے ہر ایک کلمہ صدقہ ہے تو پھر اس نعمت سے اپنی زبان کو کیوں محروم رکھتا ہوں اسی طرح مال میں فکر کرے کہ میں فلاں مال کو صدقہ کر سکتا ہوں اس وجہ سے کہ مجھے اس کی حاجت نہیں اور اگر آئندہ حاجت ہوگی تو خدائے تعالیٰ اور عنایت

ح۱ یہ حدیث جلد دوم میں گذری ۱۲

کر دے گا اور بالفعل اگر حاجت بھی ہے تو دوسرے کے کام نکالنے کی زیادہ تر مجھ کو ضرورت ہے کہ وہ شخص اس چیز کا مجھ سے زیادہ حاجت مند ہے۔ پس تمام اعضا اور بدن اور مال اور مواشی اور غلاموں اور اولاد میں فکر کرے کہ یہ ساری چیزیں آدمی کے آلات و اسباب ہیں جن سے کہ خدائے تعالیٰ کی طاعت پر قادر ہو سکتا ہے پس فکر دقیق کرکے جو جو طاعتیں ان سے ممکن ہوں اول تو وہ نکالے پھر باتیں سوچے جن سے ان طاعات کی طرف اپنے آپ کو رغبت ہو۔ پھر ان میں اخلاص نیت کی تدبیر سوچے جس سے کہ عمل صاف و پاکیزہ۔ تیسری قسم وہ صفات مہلکہ ہیں جن کا محل دل ہے ان کو جلد سوم میں ہم نے بیان کیا ہے ان کی ماہیت وغیرہ وہاں سے دیکھ لے اور وہ یہ صفات ہیں، غالب ہونا شہوت کا اور غضب اور بخل اور کبر اور عجب اور ریا اور حسد اور بدگمانی اور غفلت اور غرور وغیرہ اور اپنے دل سے ان صفات کا جویا رہے پس اگر گمان کرے کہ میرا دل ان سے پاک ہے تو اس کے امتحان کی کیفیت اور علامات سے نفس کی درستی حجت کو فکر کرے اس لیے کہ نفس ہمیشہ وعدہ خیر کا کرتا رہتا ہے اور پھر خلاف کرتا ہے۔ مثلاً اگر نفس تواضع کا دعویٰ کرے اور کبر سے بری ہونے کا مدعی ہو تو چاہیے کہ ایک بوجھ لکڑیوں کا اپنے سر پر رکھ کر بازار میں لے جاتے تاکہ راستی دعویٰ معلوم ہو۔ اکابر سلف اسی طرح اپنے نفسوں کا امتحان کیا کرتے تھے اور اگر حلم کا دعویٰ کرے تو کوئی ایسی بات کرے جس میں دوسرے پر غصہ آوے پھر دیکھے کہ میں غصہ پی سکتا ہوں یا نہیں۔ اسی طرح تمام صفتوں میں فکر ہونا چاہیے اور یہ فکر اسباب میں ہے کہ میں ان صفات سے موصوف ہوں یا نہیں اور ان کے لیے علامات ہیں جو ہم جلد ثالث میں لکھ چکے ہیں پس اگر کسی علامت سے معلوم ہو کہ فلاں صفت مجھ میں موجود ہے تو ان اسباب کی فکر کرے جن سے وہ صفت نظروں میں بری معلوم ہو اور ظاہر ہو جاوے کہ اس کا منشا جہالت اور غفلت اور خبث باطن سے ہے۔ مثلاً اگر اپنے نفس میں عمل کی شیخی پاوے تو فکر کرے اور کہے کہ میرا عمل تو میرے بدن اور اعضا اور قدرت اور ارادہ سے ہوا ہے اور یہ سب چیزیں نہ میری ہیں نہ میرے اختیار میں بلکہ وہ تو خدائے تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہیں اسی نے مجھ پر ان چیزوں کا انعام فرمایا ہے کہ مجھ کو پیدا کیا اور میرے ہاتھ پاؤں اور قدرت اور ارادے کو بنایا اور اپنی قدرت سے میرے اعضا کو جنبش دی تو پھر میں اپنے عمل خواہ نفس کی کیا شیخی کروں میرے نفس کو خود تو قیام بذات خود میسر ہی نہیں اور جب اپنے نفس میں کبر پاوے تو اپنے نفس کو یوں سمجھائے کہ تو اپنے آپ کو کیوں بڑا سمجھتا ہے بڑا تو وہ ہے جو خدائے تعالیٰ کے نزدیک بڑا ہو اور یہ بات بعد موت کے معلوم ہوگی کہ کون اس کے نزدیک بڑا ہے: ظاہر کا تو حال یہ ہے کہ بہت سے کافر زندگی بھر کفر کرتے اور مرنے کے وقت خدائے تعالیٰ کے مقرب اور کفر سے خارج ہو کر مرتے ہیں اور بہت سے مسلمان بدبخت مرنے کے وقت خاتمہ کے بگڑنے سے تباہ ہو جاتے ہیں۔ پس جب کبر مہلک ہے اور اس کا منشا حماقت تو فکر کرے کہ اس کے دور کرنے کا علاج یہ ہے کہ تواضع کرنے والوں کے سے افعال اختیار کرے اور جب اپنے نفس میں کھانے کی شہوت اور حرص پاوے تو یہ سوچے کہ یہ صفت بہائم کی ہے۔ اگر کھانے کی اشتہا اور شہوت جماع میں کمال ہوتا تو یہ خدائے تعالیٰ کی صفات اور فرشتوں کی صفات میں داخل ہوتے جیسے

علم و قدرت داخل ہیں اور چونکہ بہائم ہی ان صفات سے موصوف ہوتے ہیں تو اگر حرص اس پر غالب ہو گی
تو بہائم سے مشابہ تر اور فرشتوں مقرب سے دور تر ہو گا۔ اسی طرح غضب کے باب میں اپنے نفس سے تقریر
کرے اور اس کے علاج کی راہ سوچے اور یہ سب باتیں ہم ہر ایک صفت کے بیان میں لکھ چکے ہیں جس کو طریق فکر
کی وسعت منظور ہو وہ ضرور ان سب باتوں کو دیکھ لے جن میں ہم نے ان صفات کا حال لکھا ہے۔ چوتھی قسم
نجات دینے والی چیزیں ہیں یعنی توبہ اور گناہوں پر ندامت اور بلا پر صبر کرنا اور نعمت پر شکر کرنا اور خوف و
رجا اور دنیا میں زہد کرنا اور اخلاص اور صدق اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی تعظیم اور اس کے افعال پر راضی
ہونا اور اس کا شوق کرنا اور اس کے لیے تواضع اور خشوع کرنا جن کو ہم نے اس جلد چہارم میں لکھا ہے اور ہر ایک
خیر کے اسباب و علامات ذکر کر دیئے ہیں۔ پس بندے کو ہر روز فکر کرنا چاہیئے کہ ان اوصاف میں سے جو اللہ تعالیٰ
کی طرف نزدیک کرتے ہیں مجھ کو کون سے کی حاجت ہے جب کسی کی طرف حاجت معلوم ہو تو جانے کہ یہ صفات
احوال میں بدون علوم کے حاصل نہیں ہوتے اور علوم فکروں کے ثمرات ہوتے ہیں پس جب کہ یہ منظور ہو کہ آدمی اپنے
نفس کی توبہ اور ندامت کا حال حاصل کرے تو اوّل اپنے گناہوں کو تلاش کرے اور ان کو سوچے اور نفس پر سب
کے سب اکٹھے کر دے اور دل میں ان کو بہت بڑے جانے پھر اس سخت وعید پر نظر کرے جو شریعت میں ان گناہوں
کے باب میں وارد ہیں اور پھر اپنے جی میں ٹھان لے کہ میں خدائے تعالیٰ کے غضب کا کام کر رہا ہوں اس تدبیر سے
اس کو ندامت کا حال پیدا ہو گا۔ اور جب یہ چاہے کہ شکر کا حال دل سے ابھرے تو اللہ تعالے کے احسانات اور
انعامات کو دیکھے اور اس بات کو غور کرے کہ اس نے اپنے کرم و فضل سے کیسا پردہ ڈال رکھا ہے اور گناہوں پر
فضیحت نہیں فرماتا۔ اس امر کا بیان تھوڑا باب الشکر میں ہم لکھ آئے ہیں وہاں مطالعہ کر لینا چاہیئے اور جب حال
محبت اور شوق کا پیدا کیا چاہے تو خدائے تعالیٰ کے جلال اور جمال اور عظمت اور کبریائی میں فکر کرے یعنی اس کی عجائب
حکمت اور بدائع صنعت کو دیکھ کر اس کا جلال اور جمال غور کرے اور اس کا تھوڑا بیان دوسری قسم میں فکر کی ذکر کیا
جاوے گا۔ اور اگر حالت خوف پیدا کیا چاہے تو اوّل اپنے گناہ ظاہری اور باطنی پر نظر کرے پھر موت اور اس کے
سکرات اور مرنے کے بعد منکر نکیر کا سوال اور قبر کا عذاب اور اس کے سانپ بچھو کیڑے پھر صور کے پھونکنے پر
پکار کا خوف پھر محشر کا ہول جس وقت کہ سب خلق ایک جگہ جمع ہو گی۔ پھر حساب کا جھگڑا اور تنکے تنکے کی باز پرس
پھر پلصراط کی تیزی اور باریکی اور اس پر گزرنے میں یہ اندیشہ کہ اگر بائیں رُخ کو گیا تو دوزخ والوں میں ہو گا اور
داہنی طرف کو گیا تو جنت والوں میں سے ہو گا اور دار القرار میں اتارا جائے گا۔ پھر سوچے۔ احوال قیامت کے بعد
اپنے دل میں دوزخ اور اس کے طبقات اور گرز اور احوال اور زنجیریں اور طوق اور سینٹھ اور پیپ اور طرح طرح
کے عذاب اور اس پر کے فرشتوں کی بُری صورتیں حاضر کرے اور یہ کہ وہ فرشتے جب گنہگاروں کی جلدیں پک جاویں
گی دوسری کھالیں بدل دیں گے اور وہ اگر دوزخ میں سے نکلنا چاہیں گے تو پھر اسی میں گرا دیئے جاویں گے اور جب
اس کو دور سے دیکھیں گے تو اس کی کھد کھداٹ اور چیخ سنیں گے۔ اسی طرح جتنی باتیں کہ کلام مجید میں دوزخ کے

بیان میں وارد ہیں سب کو پیش نظر کرے۔ اور جب حال رجا پیدا کیا چاہے تو جنت اور اس کی لذت اور درخت
اور نہریں اور حوریں اور غلمان اور آسائش دائمی اور ملک لایزال پر غور کرے غرضکہ وہ فکر کہ جس سے ایسے علوم
مطلوب ہوتے ہیں کہ ان سے حالات عمدہ حاصل ہوں یا صفات مذمومہ سے پاک ہو سکیں اس کا طریق یہی ہے
جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اور ہم نے ان احوال میں سے ہر ایک حال میں ایک باب علیحدہ لکھا ہے جس سے تفصیل فکر پر
مدد ہو سکتی ہے مگر سب ذکر ایک جگہ نہیں ہے۔ ایک جگہ سے سب کے پائے جانے کے لیے کلام مجید کی تلاوت
کے برابر کوئی چیز نافع نہیں اس لیے کہ کلام مجید سب مقامات اور حالات کا جامع ہے اور اس میں لوگوں کیلئے
شفا ہے اس وجہ سے کہ اس میں وہ باتیں بھی ہیں جن سے خوف اور رجا اور صبر و شکر اور محبت اور شوق اور
دوسرے احوال پیدا ہوں اور وہ امور بھی ہیں جو تمام صفات مذمومہ سے باز رکھیں تو چاہیے کہ آدمی اس کی تلاوت
کیا کرے اور جس چیز میں تفکر منظور ہو اس کے مضمون کی آیت کو دوہرانا اختیار کرے گو سَو دفعہ وہ پڑھی جاوے
اس لیے کہ آیت کو تفکر اور فہم کے ساتھ پڑھنا سارے کلام مجید کے ختم سے بہتر ہے جو بے سمجھے پڑھا جاوے
تو آیتوں کے سوچنے میں توقف کرے گو ایک رات گذر جاوے اس لیے کہ ایک ایک لفظ کے نیچے وہ اسرار
ہیں کہ جن کا شمار نہیں اور جب تک صاف دل سے فکر دقیق نہ کیا جاوے اور معاملہ درست نہ ہو تب تک وہ
معلوم بھی نہیں ہوتے اسی طرح احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ کرنا ہے کہ آپ کو کلمات جامع
عنایت ہوئے[ح۱] ہیں ہر لفظ آپ کے ارشاد کا حکمت کا سمندر ہے اگر عالم ان کو جیسا چاہیے ویسی طرح سوچے تو کبھی
عمر بھر اس کا غور پورا نہ ہو۔ ایک ایک آیت اور حدیث کی شرح نہایت طول رکھتی ہے مثلاً اس حدیث کو غور
کرنا چاہیے کہ آپ فرماتے ہیں[ح۲]

یہ کلمات تمام اولین و آخرین کی حکمتوں پر جامع ہیں تامل کرنے والوں کو عمر بھر سوچنے کو کافی ہیں اس لیے کہ اگر
اس کے معنوں پر واقف ہوں اور ان کے دل پر یقین کی طرح غالب ہو جاویں تو ان پر چھا جاویں گے اور پھر ان کو اتنا
نہ رکھیں گے کہ دنیا کی طرف ذرا بھی التفات رہے یہ طریق ہے علوم معاملہ میں فکر کرنے کا اور بندے کی صفات میں
اس نظر سے کہ وہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہیں یا مذموم مبتدی کو چاہیئے کہ ان کی فکر میں ہر وقت ڈوبا رہے
تاکہ اپنے دل کو اخلاق محمودہ اور مقامات شریفہ سے آباد کرے اور اپنے ظاہر و باطن کو مکروہات سے پاک کرے اور یہ
یاد رہے کہ ان امور میں فکر کرنا اگرچہ سب عبادات سے افضل ہے مگر مطلب اصلی یہ نہیں بلکہ جو ان فکروں میں
مشغول رہے وہ صدیقوں کے مطلب سے محجوب ہے ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کے جلال و جمال
میں فکر کرنے سے لذت پاویں اور دل ایسی طرح اس میں ڈوبے کہ اپنے نفس اور حالات اور مقامات اور صفات سب

ح۱ حدیث اسباب میں بیشتر گذری ۱۲ ح۲ جبرئیل نے میرے دل میں پھونک دیا ہے جس چیز کو چاہے محبوب کر تو اس سے جدا ضرور ہوگا اور جتنا چاہے زندہ
رہے آخر کو مرنا ضرور ہے اور جو چاہے عمل کر اس کی جزا ضرور تجھ کو ملے گی۔ کئی بار گذری ۱۲

بھول جاویں صرف محبوب حقیقی ہی میں ان کی نیت مستغرق ہو جیسے عاشق شیدا اپنے معشوق کے دیدار کے وقت ہوتا ہے کہ اس کو اپنے نفس کے حالات اور صفات پر نظر کرنے کی فرصت ہی نہیں ہوتی حیران جیسا رہ جاتا ہے اور یہ کمال درجہ کی لذت عاشقوں کی ہے اور جو کچھ ہم نے لکھا ہے وہ فکر باطن کی آبادی کا ہے تاقرب اور وصال کی صلاحیت ہو جاوے پس اگر تمام عمر اپنے نفس کی اصلاح ہی میں تلف کی تو پھر قریب سے لذت کو کب پاوے گا۔ اسی واسطے حضرت خواصؒ جنگلوں میں پھرا کرتے ان سے حسین بن منصورؒ ملے اور پوچھا کہ تم کس حال میں ہو انہوں نے کہا میں جنگلوں میں پھرتا ہوں تاکہ اپنا حال توکل میں اچھا کروں۔ حضرت حسین بن منصورؒ نے فرمایا کہ عمر تو آپ نے اپنے باطن کی درستی میں صرف کر دی فنا در توحید کو کسے وقت ہوگی اس سے معلوم ہوا کہ واحد برحق میں فنا ہونا طالبوں کا عمدہ مطلب اور صدیقین کی انتہا درجے کی لذت ہے۔ اور صفات مہلکات سے بچنا ایسا ہے جیسے نکاح میں عدت سے نکلنا اور منجیات صفتوں اور جمیع طاعات کا اختیار کرنا ایسا ہے جیسا عورت خاوند کے لیے تیاری کرے اور منہ ہاتھ دھو دے اور بالوں میں کنگھی کرے تاکہ خاوند کے ملنے کی لیاقت پیدا ہو جاوے پس اگر عورت تمام عمر رحم کی صفائی اور کنگھی چوٹی ہی میں ضائع کر دے تو خاوند کی ملاقات سے محجوب رہے گی۔ اسی طرح دین کے طریق کو بھی سمجھنا چاہیئے بشرطیکہ ہم نشینی کی اہل ہو۔ اور اگر مثل بر غلام کی طرح ہو کہ بدون مار کے خوف اور اجرت کی طمع کے نہیں ہلا کرتا تو اپنے بدن کی مشقت اعمال ظاہری سے رہنے دو اس واسطے کہ تمہارے درمیان میں اور تمہارے دل میں پردہ ہے اعمال سے البتہ یہ ہوگا کہ اگر اچھی طرح پر ادا کرو گے تو اہل جنت میں سے ہو گے مگر ہم نشینی کے لیے اور ہی لوگ ہیں شعر؛

موسیا آداب دانا دیگر اند سوختہ جان در دآناں دیگر اند

اور جب علوم معاملہ میں جو بندہ اور رب کے درمیان ہوتا ہے فکر کی جولانی معلوم کر چکے تو اب ان کو صبح اور شام اپنا دستور اور عادت کر لو اور اپنے نفس سے اور ان صفات سے جو خدائے تعالے سے دور کرتے ہیں اور ان احوال سے جو اس کی طرف نزدیک کرتے ہیں غافل نہ رہنا چاہیئے بلکہ ہر مرید کو چاہیئے کہ اپنے پاس ایک بیاض رکھے کہ اس میں سب صفات مہلکات اور منجیات اور تمام معاصی اور طاعات لکھی ہوں اور ہر روز ان سے اپنے نفس کی پڑتال کیا کرے مہلکات میں سے اس کو دس چیزوں میں نظر کرنا کافی ہے کہ اگر ان سے بچ جاوے گا تو سب سے بچا رہے گا وہ دس یہ ہیں بخل اور کبر اور عجب اور ریا اور حسد اور شدت اور حرص غذا اور کثرت شہوت اور محبت مال اور محبت جاہ اور منجیات سے بھی دس کافی ہیں گناہوں پر ندامت اور بلا پر صبر کرنا اور قضا پر راضی رہنا اور نعمتوں پر شکر کرنا اور خوف و رجا کا معتدل رہنا اور دنیا میں زہد کا کرنا اور اعمال میں اخلاص کرنا اور خلق سے خوش خلقی سے پیش آنا اور محبت اللہ تعالیٰ کی اور اس کے سامنے خشوع کرنا تو یہ بیس باتیں ہوئیں جن میں سے دس بری ہیں اور دس اچھی پس ایک ایک بات میں فکر کرنا شروع کرے۔ مثلاً جب ایک بری بات جاتی رہے تو اس بیاض میں اس صفت پر خط کھینچ دے اور اس کے باب میں فکر نہ کرے اور خدائے تعالیٰ کا شکر کرے

کہ ایک سے نجات دی اور دل کو اس سے صاف فرمایا اور یہ جانے کہ یہ بات خدائے تعالیٰ کی توفیق اور مدد سے ہوئی ورنہ اگر ہم کو ہمارے نفس ہی پر چھوڑ دیتا تو ادنیٰ سی بُری صفت بھی ہم سے دور نہ ہو سکتی۔ غرض کہ ایک ایک کو اسی طرح لیتا جاوے اور جب وہ دور ہوتی جاوے تو بیاض میں اس پر قلم مارتا جاوے یہاں تک کہ دسوں بُری صفتیں تمام ہو جائیں اسی طرح نفس سے پھر اس بات کا خواہاں ہو کہ صفات منجیات کے ساتھ موصوف ہو پس جب منجیات میں سے ایک کے ساتھ متصف ہو مثلاً توبہ اور ندامت کی صفت اس میں آجاوے تو اس پر خط دے اور باقی صفات میں مشغول ہونا کہ رفتہ رفتہ سب کا متصف ہو جاوے مگر یہ طریق ایسے شخص کے لیے ہے جو نہایت مستعد ہو اور جو لوگ کہ صلحا میں شمار ہوتے ہیں ان میں سے اکثروں کو چاہیئے کہ وہ اپنے دفتروں میں ظاہری گناہ بھی لکھ لیں جیسے شبہ کا کھانا اور غیبت اور چغلی پر زبان کھولنی اور خصومت کرنی اور نفس کی ثنا کرنی اور دشمنوں کی عداوت میں مبالغہ کرنا اور دوستوں کی دوستی میں افراط کرنا اور خلق کی منہ دیکھی بات کرنی اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑنا وغیرہ کہ اکثر لوگ جو بڑے نیک بخت شمار کیے جاتے ہیں ان میں یہ گناہ کچھ نہ کچھ پائے جاتے ہیں اور جب تک اعضائے ظاہری گناہوں سے پاک نہیں ہوتے دل کی آبادی میں مشغول ہونا اور اس کو صاف کرنا ممکن نہیں بلکہ آدمیوں کے ہر ایک فریق پر ایک قسم کی معصیت غالب ہوتی ہے پس چاہیے کہ وہ لوگ اسی کے درپے ہوں اور اسی کی تدبیر کریں ایسے گناہوں میں فکر نہ کریں جن سے کہ وہ کنارہ پر ہوں۔ مثلاً عالم پرہیزگار اکثر اپنے علم کا اظہار کیا کرتا ہے اور شہرت اور آواز کا خواہاں ہوتا ہے خواہ تدریس سے ہو یا وعظ سے اور جو شخص اس امر کے درپے ہوتا ہے وہ ایسے فتنہ میں پڑتا ہے کہ اس سے بجز صدیقوں کے اور کوئی نہیں نجات پاتا یعنی اگر اس کا کلام مقبول ہوتا ہے اور دلوں میں خوب تاثیر کرتا ہے تو عالم مذکور عجب اور اترانے اور زینت اور تکلف سے خالی نہیں ہوتا حالانکہ اگر نہ ماننے والا کسی دوسرے عالم کے کلام کو نہ مانے تو اس کو اس پر چنداں غصہ نہیں آتا اپنے کلام نہ ماننے پر زیادہ آتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ شیطان اس کو بہکاتا ہے اور کہتا ہے کہ تیرا غصہ اس لیے ہے کہ اس نے حق بات کو نہ مانا اور اس پر انکار کیا پس اگر یہ اپنے کلام کے نہ ماننے اور دوسرے عالم کے کلام کے ماننے پر یکساں خفا ہوتا ہے تو خیر ورنہ ظاہر ہے کہ مغالطے میں پڑا ہوا اور شیطان کا بنایا ہوا ہوگا پھر جب کہ لوگوں کے ماننے سے اس کو خوشی ہوتی ہے اور ان کی تعریف کرنے سے پھولتا ہے اور نہ ان کے نہ ماننے اور روگردانی کو بُرا جانتا ہے تو کچھ نہ کچھ تکلف اور بناوٹ لفظوں کی خوبصورتی سے ادا کرنے میں بھی کرنے لگتا ہے اس توقع سے اس کے سبب لوگ تعریف کریں گے حالانکہ تکلف خدائے تعالیٰ کو پسند نہیں اور شیطان یہاں بھی اس کو دھوکا دیتا ہے اور کہتا ہے کہ تو جو الفاظ کو اچھی طرح ادا کرتا ہے تو تیری غرض یہ ہے کہ حق بات پھیلے اور دل میں خوب جگہ کرے اور اس سے صرف بلند کرنا دین الٰہی کا ہے تو اس صورت میں اگر یہ اپنے الفاظ کی خوبصورتی پر دوسرے عالموں کے الفاظ کی نسبت کر زیادہ خوش ہو گا تو معلوم ہو گا کہ فریبی ہے اور طلب جاہ کا حریص گو خود گمان کرے کہ میری غرض دین ہے اور جب اس کے دل میں صفات خلجان پیدا کرتے ہیں

نوان کا اثر ظاہر میں بھی ہو جایا کرتا ہے یہاں تک کہ اگر کوئی اس کی تعظیم کرے یا اس کے فضل کا معتقد ہو اور دوسرا شخص کسی دوسرے عالم کا معتقد ہو تو یہ اپنے معتقد کی زیادہ آؤ بھگت کیا کرتا ہے بہ نسبت دوسرے معتقد کے گو دوسرا عالم اس کی نسبت کہ اعتقاد کا لائق تر ہو اور اکثر اہل علم میں غیرت کی نوبت یہاں تک ہو جاتی ہے کہ عورتوں کی طرح غیرت کرنے لگتے ہیں اور ایک کا شاگرد اگر دوسرے کے پاس جاوے تو اس پر نہایت شاق ہوتا ہے۔ ہر چند یہ جانتا ہے کہ یہ شاگرد دوسرے کے پاس بھی مستفید ہوتا ہے اور دین کی باتیں سیکھتا ہے اور سب امور کا منشاء وہی صفات مہلکہ ہیں جو دل کے اندر مخفی ہیں اور عالم براہ مغالطہ جانتا ہے کہ میں ان سے بچا ہوا ہوں اور وہ ان علامات مذکورۂ بالا سے ظاہر ہوتے ہیں غرضکہ عالم کا فتنہ بہت بڑا ہے وہ یا بادشاہ ہے یا بالکل تباہ۔ اور عوام کی طرح بچ جانے کی طمع اس کو نہیں تو جو عالم اپنے نفس میں ان صفات کو معلوم کرے اس پر گوشہ نشینی اور تنہائی اور گم نامی کی طلب واجب ہے اور سوالات میں فتویٰ دینے سے گریز کرنا لازم۔ دیکھو زمانہ صحابہ رضؓ میں مسجد شریف میں بہت سے اصحاب رہتے تھے کہ سب کے سب مفتی ہوتے تھے مگر فتویٰ دینے سے پہلو تہی کرتے تھے اور اگر کوئی دیتا بھی تھا تو یہ چاہتا تھا کہ کوئی دوسرا اگر مجھ کو بچا دیتا تو بہت خوب تھا۔ اور عزلت کے وقت آدمیوں کے شیطانوں سے ڈرنا چاہیے کہ وہ یوں کہتے ہیں کہ تم گوشہ نشینی اختیار مت کرو اس لیے کہ اگر سب ایسا ہی کریں گے تو علوم خلق میں سے جاتے رہیں گے اس کا جواب یوں دینا چاہیے کہ دین اسلام میں میری کچھ حاجت نہیں وہ مجھ سے پیشتر بھی بھر پور تھا اور ایسا ہی بعد کو بھی رہے گا۔ میرے مرنے سے دین کے ارکان گر نہیں جائیں گے اس لیے کہ دین کو میری کوئی کچھ پرواہ نہیں لیکن میرا یہ حال ہے کہ اپنے دل کی اصلاح سے میں بے پرواہ نہیں ہوں اور یہ کہنا میرے بیٹھ رہنے سے علم جاتا رہے گا خیال خام ہے نہایت جہالت پر دلالت کرتا ہے اس لیے کہ اگر لوگوں کو بالفرض قید خانے میں بند کر کے بیڑیاں ڈال دی جائیں اور کہہ دیا جاوے کہ اگر علم طلب کرو گے تو آگ میں جلا دیئے جاؤ گے۔ تو ریاست اور بڑائی کی محبت ان کو اس بات پر آمادہ کرے گی کہ بیڑیاں توڑ کر اور دیوار میں گرا کر نکل بھاگیں اور علم تحصیل کریں پس جب تک کہ شیطان خلق کو ریاست کی محبت دلاتا رہے گا علم کسی طرح نہیں جا سکتا اور ظاہر ہے کہ شیطان قیامت تک اپنے کام سے سستی اختیار نہ کرے گا تو جب ہی تک علوم بھی باقی رہیں گے بلکہ علوم دینی ایسے لوگوں کے باعث پھیلیں گے کہ جن کو آخرت میں کچھ نہ ملے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[1] ان اللہ یوید ھذا الدین باقوام لاخلاق لھم۔ وان اللہ لیؤید ھٰذا الدین بالرجل الفاجر پس عالم کو نہیں چاہیے کہ ایسے فریبوں سے دھوکہ کھا کر خلق سے ملنے میں مشغول ہو اور اپنے دل میں جاہ دنیا اور ثنا اور تعظیم کی محبت کو پرورش کرے جو نفاق کا تخم

ح ۱ اللہ تعالیٰ اس دین کی تائید ایسے لوگوں سے کرے گا جن کو دین سے کچھ بہرہ نہ ہو ۱۲ باب العلم میں گذری ۱۲ ح ۲ اللہ تعالیٰ اس دین کی تائید بدکار آدمی سے کرے گا باب العلم جلد اول میں گذری ۱۲

ہے، حدیث شریف میں ہے کہ جاہ و مال کی محبت نفاق کو ایسا اگاتی ہے جیسے پانی ساگ کو اور فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ما ذئبان ضاریان ارسلا فی زریبۃ غنم باکثر فسادا فیھا من حب الجاہ والمال فی دین المرء المسلم اور محبت جاہ کی دل سے بدون گوشہ نشینی اور لوگوں سے گریز کرنے اور جن باتوں سے ان کے دلوں میں جاہ بڑھتا ہے ان کے چھوڑنے کے نہیں اکھڑتی تو عالم کو اپنے دل سے ان خفیہ صفات کی تلاش کی فکر چاہیئے اور یہ کہ تدبیر ان سے نجات کی کیا ہے اور یہ فکر عالم متقی کے لیے ہے اور ہم جیسوں کو تو فکر ان باتوں کی چاہیئے جس سے ہمارا ایمان روز حساب پر قوی ہو جاوے اس لیے کہ اگر ہم لوگوں کو بزرگان سلف دیکھیں تو قطعاً کہیں کہ یہ لوگ روز حساب کے معتقد نہیں اس لیے کہ ہمارے اعمال ایسے نہیں جیسے جنت اور دوزخ پر اعتقاد رکھنے والوں کے ہوا کرتے ہیں۔ کیونکہ جو کوئی کسی چیز سے ڈرتا ہے وہ اس سے بھاگتا ہے اور جس چیز کی توقع کیا کرتا ہے اس کو طلب کیا کرتا ہے اور یہ بھی ہم جانتے ہیں کہ دوزخ سے گریز شبہات اور حرام اور معاصی کے چھوڑنے سے ہوتا ہے حالانکہ ہم ان میں ڈوبے رہتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ جنت کی طلب نوافل کی کثرت سے ہوتی ہے اس میں بھی ہم قاصر ہیں بلکہ فرائض ہی اچھی طرح نہیں ادا ہوتے تو ہم کو علم کا ثمرہ یہی ملا کہ لوگ دنیا کے حریص ہونے میں ہماری اقتدا کریں اور یہ کہیں کہ اگر حرص دنیا بری ہوتی تو علماء ہماری نسبت کر اس سے پرہیز زیادہ کرتے۔ پس کیا اچھا ہوتا کہ ہم عوام کی طرح ہوتے اور جب ہم مرجاتے تو ہمارے ساتھ ہی ہمارے گناہ مرجاتے۔ اب تو اگر سوچتے ہیں تو جس فتنہ کے ہم سامنے ہوئے ہیں وہ بہت ہی بڑا ہے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں کہ ہم کو درست کرے اور ہمارے باعث سے دوسروں کو درست کرے اور ہم کو مرنے سے پیشتر توبہ کی توفیق دے وہی کریم اور رحیم اور ہم پر انعام کرنے والا ہے۔ علماء اور صلحا کی فکروں کے طریق علوم معاملہ میں یہ تھے۔ جب وہ ان سے فارغ ہوتے ہیں تو ان کا التفات ان کے نفسوں سے اٹھ جاتا ہے اور ان کے فکروں سے ترقی کر کے خدا کی عظمت اور جلال اور دیدۂ دل سے اس مشاہدہ کی لذت میں فکر کرنے لگتے ہیں اور یہ فکر پورا جب ہوتا ہے جب مہلکات سے علیحدہ ہو اور سب منجیات سے متصف، اور اگر اس سے پیشتر کچھ اس میں ظاہر ہوگا تو روگ والا اور ناقص اور پر کدورت اور جلد جانے والا ہوگا۔ بجلی کی طرح چمک جاوے گا اس کو قرار اور دوام نہ ہوگا اور ایسی صورت میں سالک کا حال مثل اس عاشق کے ہوگا جو اپنے معشوق سے خلوت کرے اور اس کے کپڑوں کے اندر سانپ اور بچھو ہوں کہ برابر کاٹ رہے ہوں اور لذت مشاہدہ کو اس پر مکدر کر دیں اور بدون ان کے نکالے اس کی لذت پوری نہ ہو اور یہ صفات مذمومہ سانپ اور بچھو ہیں ان سے ایذا اور پریشانی ہوتی ہے۔ قبر میں ان کے نیشوں کی تکلیف سانپ بچھو کے کاٹنے کی نسبت کر زیادہ ہوگی۔ قسم اول فکر کا بیان اسی قدر کافی ہے اس سے

ع ۱ دو بھیڑیئے خونخوار جو کسی بکریوں کے گلہ میں چھوڑ دیے جاویں تو وہ اتنا بہت نقصان نہیں کرتے جتنا جاہ و مال کی محبت مسلمان آدمی کے دین میں کرتی ہے۔ یہ حدیث پیشتر گذری ۱۲

آگاہی طریق فکر کی ہو جاتی ہے کہ صفات بندے کے خدائے تعالیٰ کے نزدیک محبوب یا مکروہ ہیں ان میں کس طرح کیا کیا فکر کرے دوسری قسم فکر کرنا خدائے تعالیٰ کے جلال اور عظمت اور کبریائی میں اور اس میں چند مقامات ہیں۔ سب سے اعلیٰ مقام یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کی ذات اور صفات اور اس کے ناموں کے معنوں میں فکر کرے مگر ایسا فکر کرنا ممنوع ہے اس لیے کہ شرع میں ارشاد ہوا ہے کہ خدائے تعالیٰ کی مخلوق میں فکر کرو اور اس کی ذات میں فکر مت کرو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عقلیں اس کی ذات میں حیران ہیں بجز صدیقین کے اور کوئی اس طرف آنکھ نہیں کھول سکتا۔ اور وہ بھی اس کے ہمیشہ دیکھنے کی تاب نہیں رکھتے بلکہ تمام خلق کی آنکھوں کا حال خدائے تعالیٰ کے جلال کی نسبت کر یعنی شپرہ کو مجال آفتاب کے نور دیکھنے کی نہیں بلکہ دن کو چھپی رہتی ہے اور راتوں کو کسی قدر روشنی میں جو آفتاب سے زمین پر رہتی ہے دیکھتی ہے اور صدیقوں کا حال مثل انسان کے حال کے ہے کہ آفتاب کو دیکھ تو سکتا ہے مگر ہمیشہ نہیں دیکھ سکتا ورنہ خوف بینائی کے جاتے رہنے کا ہے بشرطیکہ مدام اس کی طرف تاکے اور خوب نظر گاڑ کر دیکھنے سے بھی آنکھیں چندھی اور بینائی متفرق ہو جاتی ہے۔ اسی طرح خدائے تعالیٰ کی ذات کی طرف دیکھنا مورث حیرت اور مدہوشی اور عقل کے اضطراب کا ہوتا ہے اس صورت میں مناسب یہی ہے کہ خدائے پاک کی ذات و صفات میں فکر کے راستوں کا بیان نہ کیا جاوے اسی لیے اکثر عقلوں کو اس کی تاب نہیں بلکہ تھوڑی سی مقدار جس کی تصریح بعض علماء نے کی ہے کہ خدائے تعالیٰ مکان اور اطراف اور جہات سے پاک ہے وہ نہ عالم کے اندر ہے نہ باہر نہ اس سے ملا ہوا ہے نہ جدا۔ اسی سے کچھ لوگوں کی عقل ایسی حیران ہوئی کہ وہ اس کے منکر ہوئے کیونکہ نہ سننے کی طاقت ان کو ہوئی نہ پہچاننے کی بلکہ بعضے لوگ تو اس سے کمتر کی بھی برداشت نہ کر سکے۔ یعنی جب ان سے کہا گیا کہ خدائے تعالیٰ اس بات سے بری ہے کہ اس کے کوئی سر اور ہاتھ اور پاؤں اور آنکھ اور عضو اور کوئی جسم معین مقدار و حجم والا ہو تو انہوں نے اس کو نہ مانا اور گمان کیا کہ یہ تعریف تو خدائے تعالیٰ کی عظمت و جلال میں نقصان پیدا کرتی ہے بلکہ بعض عوام احمقوں نے کہا کہ یہ تعریف تو ہند کے تربوز کی ہے خدائے تعالیٰ کی نہیں اسی لیے کہ اس بیچارے کو یہی گمان تھا کہ بزرگی اور عظمت انہیں اعضا میں ہے کیونکہ انسان صرف اپنے آپ ہی کو جانتا ہے اور اسی کی بڑائی کرتا ہے تو جو چیز کہ صفات میں اس کی برابری نہیں کرتی اس میں کچھ عظمت نہیں سمجھتا ہاں غایت اس کی یہ ہے کہ اپنے نفس کو خوبصورت تخت پر بیٹھا ہوا سامنے نوکر چاکر کام کرتے ہوتے فرض کرے تو ضرور ہے کہ خدائے تعالیٰ کے باب میں بھی مان لے گا تاکہ اس کی عظمت سمجھے بلکہ اگر مکھی کو عقل ہوتی اور اس سے کہا جاتا کہ تیرے خالق کے نہ تو بازو ہیں نہ پر پاؤں نہ اڑان تو وہ اس کو نہ مانتی اور کہتی کہ بھلا میرا پیدا کرنے والا مجھ سے کم کس طرح ہوگا یہ ہو سکتا ہے کہ اس کے پر کٹے ہوتے ہوں یا اپاہج ہو کہ اڑ نہ سکے۔ مجھ میں تو سامان اور قدرت ہو اور جو میرا پیدا کرنے والا ہے اس میں یہ لوازم اور قدرت نہ ہوں اور اکثر لوگوں کی عقلیں اسی عقل کے قریب ہیں سچ ہے کہ انسان بڑا جاہل اور ظالم اور ناشکر ہے اور اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض انبیاء پر وحی بھیجی کہ میرے بندوں سے میری صفتیں مت کہو ورنہ مجھ کو نہ مانیں گے بلکہ ان سے

میرا حال ایسے الفاظ میں کہو کہ وہ سمجھ لیں اور انجا کہ خدائے تعالیٰ کی ذات وصفات میں غور کرنی اس وجہ سے ممنوع ٹھہری اسی لیے شرع کا آداب اور خلق کی بہتری اسی بات کی مقتضی ہیں کہ ہم بھی اس کے درپے نہ ہوں بلکہ اس مقام کو چھوڑ کر دوسرے مقام کی طرف متوجہ ہونے ہیں یعنی غور کرنا اس کے افعال اور عجائب صنعت اور غریب معاملات میں جو اس کی مخلوق میں ہیں اسی لیے کہ ان سب سے اس کے جلال اور عظمت اور کبریا اور پاک ہونا اور کمال علم وحکمت اور جاری ہوتا اس کی مشیت کا پایا جانا ہے پس اس کی صفات پر غور اس کی صفات کے آثار ہی سے کرنا چاہیے اسی لیے کہ ہم کو تو یہ تاب نہیں کہ اس کی صفات کی طرف نظر کریں تو ان کے آثار ہی پر نظر چاہیے جیسے جب آفتاب چمکتا ہے تو ہم اس کی طرف نہیں دیکھ سکتے بلکہ زمین کو دیکھنے کی طاقت رکھتے ہیں اور اسی سے آفتاب کے نور کی عظمت چاند اور ستاروں کے نور کی نسبت کر سمجھتے ہیں اسی لیے زمین کا روشن ہونا آفتاب کے نور کے آثار میں سے ہے اور اثر کو دیکھنے سے مؤثر کچھ نہ کچھ سمجھ میں آیا کرتا ہے گو خود مؤثر کے دیکھنے کے قائم مقام نہ ہو اور تمام موجودات دنیا کے آثار قدرت الٰہی ہیں سے ایک اثر ہے اور اسی کے انوار ذات میں سے ایک نور ہے بلکہ کوئی تاریکی عدم سے بڑھ کر نہیں نہ کوئی نور وجود سے زیادہ اور وجود سب چیزوں کا خدائے تعالیٰ کے انوار ذات میں سے ایک نور ہے اس لیے کہ تمام چیزوں کا وجود اس کی ذات سے قائم ہے جو خود بخود قائم ہے جس طرح کہ جسموں کا نور آفتاب کے نور سے ہے اور وہ خود روشن ہے اور جب تھوڑا سا آفتاب کو گہن لگتا ہے تو عادت یوں ہے کہ ایک پانی کا طشت رکھ کر دیکھا کرتے ہیں تاکہ اس کو دیکھ سکیں اور آنکھ خیرگی نہ کرے اس صورت میں پانی ایک ذریعہ ہوتا ہے کہ آفتاب کے نور سے کسی قدر کم کر دیتا ہے تاکہ اس کی طرف نظر کرنے کی تاب ہو تو اسی طرح افعال الٰہی بھی ایسا ذریعہ ہوتے ہیں جن میں ہم فاعل کی صفتیں مشاہدہ کرتے ہیں اور نور ذات سے متحیر نہیں ہوتے اس لیے کہ ہم میں اور ذات میں افعال کا واسطہ اور دوری ہو گی اور اسی بھید کے باعث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تفکروا فی خلق اللہ ولا تتفکروا فی ذات اللہ [1] پس اب کیفیت تفکر کی خدائے تعالیٰ کی مخلوق میں معلوم کرنی چاہیے۔ واضح ہو کہ جو چیز سوائے خدائے تعالیٰ کے موجود ہے وہ اسی کا فعل ہے اور اسی کی پیدائش ہے اور ہر ایک ذرہ میں جوہر اور عرض اور صفت اور موصوف کے بہت سے عجائب اور غرائب میں جن سے خدائے تعالیٰ کی حکمت اور قدرت اور جلال وعظمت ظاہر ہوتی ہے اور ان کا شمار کرنا غیر ممکن ہے بلکہ اگر سمندر روشنائی ہو جاوے اور اس سے وہ عجائب لکھے جاویں تو اس کا خاتمہ ہو جاوے اور ان کا اور چھور نہ ملے تاہم بطور نمونہ ان میں سے ہم کچھ ایک - - - لکھے دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ موجودات جو خدائے تعالیٰ کی مخلوق ہیں ان کی دو قسمیں ہیں ایک وہ کہ ان کی اصل نہ معلوم ہو تو ایسے اشیاء میں ہم سے تفکر نہیں ہو سکتا اور ایسے موجودات بہت ہیں جن کو ہم

---

[1] خدائے تعالیٰ کی مخلوق میں فکر کرو اور اس کی ذات میں فکر نہ کرو ۱۲

نہیں جانتے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[1] ویخلق ما لا تعلمون اور فرمایا[2] سبحان الذی خلق الازواج کلھا مما تنبت الارض ومن انفسھم ومما لا یعلمون اور فرمایا[3] وننشئکم فیما لا تعلمون اور ایک وہ ہیں کہ ان کی اصل معلوم ہے اور مجملاً بھی پہچانی جاتی ہے مگر تفصیل نہیں معلوم ہوتی تو ایسی اشیاء میں ہم کو ممکن ہے کہ ہم ان کی تفصیل میں فکر کریں اور ان کی اشیاء میں دو قسمیں ہیں ایک وہ جو آنکھ سے سوجھتی ہیں اور ایک وہ کہ آنکھ سے نہیں سوجھتیں جو آنکھ سے نظر نہیں آتیں۔ وہ فرشتے اور جن اور شیاطین اور عرش اور کرسی وغیرہ ہیں ایسے اشیا میں بھی فکر کی مجال تنگ ہے اسی جہت سے ہم اس قسم کی فکر کو لکھتے ہیں جو سمجھنے کے زیادہ تر قریب ہے یعنی وہ اشیاء جو آنکھ سے سوجھتی ہیں اور وہ ساتوں آسمان اور زمین ہیں اور جو چیز ان کے درمیان ہے پس آسمان میں یہ چیزیں نظر آتی ہیں ستارے اور چاند اور سورج اور ان کی حرکت اور گردش اور نکلنا اور ڈوب جانا اور زمین میں یہ معلوم ہوتے ہیں پہاڑ اور کانیں اور نہریں اور دریا اور حیوانات اور نباتات اور آسمان اور زمین کے درمیان یعنی جو میں یہ اشیاء محسوس ہوتی ہیں بادل اور مینہ اور برف اور اولے اور رعد اور بجلی اور صاعقہ اور ٹوٹتے ستارے اور تند ہوائیں غرضکہ آسمان و زمین اور ان کے درمیان میں اس جنس کی اشیاء معلوم ہوتی ہیں اور ان میں سے ہر ایک جنس چند نوع پر منقسم ہے پھر ہر نوع کی بہت سی قسمیں ہیں پھر اقسام کی فروع میں اسی طرح شاخ در شاخ ہوتی چلی گئی ہیں جس قدر اختلاف صفات اور ہیئت اور معانی ظاہری اور باطنی کا ہوتا جاتا ہے اسی قدر انقسام بھی زیادہ ہوتا جاتا ہے اور ان سب شاخوں میں فکر کی مجال ہے کوئی ذرہ جمادات اور نباتات اور حیوانات اور آسمان اور ستارہ کا ایسا نہیں حرکت کرتا جس کا حرکت دینے والا خدائے تعالیٰ نہ ہو اور اس کی حرکت میں ایک حکمت یا دو یا دس یا ہزار حکمتیں خدائے تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے جلال اور عظمت پر دال نہ ہوں اور یہ سب اشیاء نشانیاں اور آیات دالہ ہیں۔ قرآن مجید میں ان میں فکر کرنے کی ترغیب ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[4] ان فی خلق السموٰت والارض واختلاف اللیل والنھار لاٰیات لاولی الالباب اور ومن ایاتہٖ۔ تو قرآن مجید میں شروع سے آخر تک بہت جگہ وارد ہے پس بعض آیات میں فکر کرنے کی کیفیت ذکر کرتے ہیں مثلاً ایک خدائے تعالیٰ کی آیات میں سے یہ ہے کہ انسان نطفہ سے پیدا ہوا ہے اور سب سے نزدیک آدمی سے اس کا نفس ہے اور اس میں خدائے تعالیٰ کی عظمت پر اتنے عجائب دال ہیں کہ عمریں کٹ جاویں اور دسواں حصہ بھی نہ معلوم ہوں اور آدمی ان سے غافل ہے پھر بھلا جب تو اپنے ہی نفس سے غافل ہے تو دوسرے کی معرفت کی طمع کیسے کرتا ہے اور تجھ کو خدائے تعالیٰ اپنی کتاب مجید میں یہ ارشاد

ت ۱ اور اُٹھا کھڑا کریں تم کو جہاں تم نہیں جانتے ۱۲ ت ۲ پاک ذات ہے جس نے بنائے جوڑے سب چیز کے اسی قسم سے آپ اُگتی ہیں اور جن چیزوں میں کہ ان کو خبر نہیں ۱۲ ت ۳ تحقیق آسمان اور زمین کا بنانا اور رات اور دن کا بدلتے آنا البتہ اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کو ۱۲

فرماتا ہے کہ اپنے نفس میں تامل کرو چنانچہ فرمایا[ت۱] وفی انفسکم افلا تبصرون۔ اور یہ بھی ذکر فرمایا کہ تو ناپاک نطفہ سے بنا ہے جیسے ارشاد ہے[ت۲] قتل الانسان ما اکفرہ من ای شیئ خلقہ من نطفۃ خلقہ فقدرہ ثم السبیل یسرہ ثم اماتہ فاقبرہ ثم اذا شاء انشرہ اور فرمایا کہ[ت۳] ومن ایاتہ ان خلقکم من تراب ثم اذا انتم بشر تنتشرون اور فرمایا[ت۴] الم یک نطفۃ من منی یمنی ثم کان علقۃ فخلق فسوی اور فرمایا[ت۵] الم نخلقکم من ماء مھین فجعلناہ فی قرار مکین الی قدر معلوم اور فرمایا[ت۶] اولم یر الانسان انا خلقناہ من نطفۃ فاذا ھو خصیم مبین اور فرمایا[ت۷] انا خلقنا الانسان من نطفۃ امشاج پھر یہ بیان فرمایا کہ نطفہ کو پھٹکی اور پھٹکی کو لوتھڑا اور لوتھڑے کو ہڈیاں بنایا۔ چنانچہ فرمایا[ت۸] ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین ثم جعلناہ نطفۃ فی قرار مکین ثم خلقنا النطفۃ علقۃ فخلقنا العلقۃ مضغۃ فخلقنا المضغۃ عظاما فکسونا العظام لحما۔ پس نطفہ کے بار بار کلام مجید میں ذکر کرنے سے یہ غرض نہیں کہ یہ لفظ ہی سُنا جاوے اور اس کے معنوں میں تفکر نہ کیا جاوے بلکہ مراد یہی ہے کہ نطفے پر غور کرو۔ مثلاً اس طرح کرو وہ ایک ناپاک پانی کی بوند ہے اگر گھڑی بھر چھوڑ دیا جاوے کہ ہوا اس کو لگتی رہے تو خراب ہو کر بدبو دینے لگتا ہے۔ ایسی ناپاک چیز کو دیکھو کہ رب الارباب نے مرد کی پیٹھ اور عورت کی چھاتیوں سے کیسے نکالا۔ مرد اور عورت کو کیسے اکٹھا کیا اور ان کے دلوں میں الفت اور محبت ڈالی اور اسی رشتہ محبت اور شہوت سے آپس میں ملے پھر صحبت کی حرکت سے مرد میں سے اس نطفہ کو نکالا اور عورت کے رحم میں ڈالا۔ پھر حیض کا خون کہاں کہاں کی رگوں کے اندر سے کھینچ کر رحم میں اکٹھا کیا اور نطفے سے بچہ بنا کر اس کو خون حیض کھلایا پلایا یہاں تک کہ بڑھا اور پرورش پائی۔ پھر یہ دیکھو کہ نطفہ سفید چمکتا ہوا تھا اس کو سرخ پھٹکی کیسے بنا دیا پھر پھٹکی کو لوتھڑا کیسے کر دیا پھر نطفہ کے حصے کیسے کر دیئے اس کے ٹکڑے تو یکساں تھے مگر کسی کو ہڈی کر دیا کسی کو پٹھا کسی کو رگ کسی کو گوشت پھر گوشت اور رگوں سے اعضائے ظاہری کس طرح بنائے سر کو تو گول بنایا اور کان اور آنکھ اور ناک اور منہ اور دوسرے منفذوں کو کشادہ کیا اور ہاتھ اور پاؤں کو لمبا بنا دیا۔ اور ان کے سروں میں انگلیاں اور انگلیوں میں پوریں پھانٹ دیں پھر اعضائے باطنی یعنی دل اور معدہ اور جگر اور تلی

ت ۱ اور خود تمہارے اندر کیا تم کو سوجھ نہیں ۱۲ ت ۲ مارا جائیو آدمی کیسا ناشکر ہے کس چیز سے بنایا اس کو ایک بوند سے بنایا پھر راہ آسان کر دی اس کو پھر اس کو مردہ کیا پھر قبر میں رکھوایا پھر جب اسکو اٹھا نکالا ۱۲ ت ۳ اور اسکی نشانیوں سے یہ کہ تم انسان ہو پھیل پڑے ۱۲ ت ۴ بھلا نہ تھا ایک بوند منی کی جو ٹپکی پھر تھا لہو کی پھٹکی پھر اسے بنایا اور ٹھیک کر اٹھایا ۱۲ ت ۵ کیا ہم نے نہیں بنایا تم کو ایک بے قدر پانی سے پھر رکھا اس کو ایک جمے ٹھہراؤ میں ایک مقدار مقرر تک ۱۲ ت ۶ کیا دیکھا نہیں آدمی کہ ہم نے اس کو بنایا ایک بوند سے پھر بھی وہ ہو گیا جھگڑتا بولتا ۱۲ ت ۷ ہم نے بنایا آدمی ایک بوند کے لچھے سے ۱۲ ت ۸ اور ہم نے بنایا آدمی کس لسی مٹی سے پھر رکھا اس کو بوند کر کے ایک جمے ٹھہراؤ میں پھر بنائی اس بوند سے پھٹکی پھر بنائی اس پھٹکی سے بوٹی پھر اس بوٹی سے ہڈیاں پھر ان ہڈیوں پر پہنایا گوشت ۱۲

اور پھیپھڑا اور رحم اور مثانہ اور آنتیں کس طرح بنائیں کہ ہر ایک کی شکل اور مقدار اور عمل معین ہے پھر انہیں ہر ایک عضو اور قسموں سے مرکب فرمایا مثلاً آنکھ کو سات طبقوں سے مرکب کیا جن میں سے ہر ایک طبقہ کا ایک جدا ہی وصف ہے اور جدا ہی صورت۔ اگر ایک طبقہ جاتا رہے یا کوئی اس کی صفت زائل ہو جاوے تو آنکھ دیکھنے سے بیکار ہو جاوے۔ غرضکہ جو جو عجائب ان اعضا میں سے ایک ایک میں جدا جدا پاتے جاتے ہیں۔ ایک ہی عضو کے اگر آدھے عجائب بھی ہم لکھیں تو عمر کا خاتمہ ہو۔ اب ہڈیوں کو غور کرو کہ کیسی سخت اور مضبوط ہوتی ہیں ان کو نرم اور پتلے نطفہ سے کیسے بنایا اور ان کو بدن کی راستی کا موجب ٹھہرایا۔ پھر ان کی مقداریں اور صورتیں جدا جدا بنائیں کوئی چھوٹی ہے کوئی بڑی کوئی لمبی ہے کوئی چوڑی کوئی گول اور کوئی بیچ میں سے خالی کوئی ٹھوس کوئی پتلی اور باریک اور ازانجا کہ انسان کو ضرورت حرکت کی سارے بدن سے بھی اور بعض اعضا سے بھی حرکت کی احتیاج تھی کہ جس عضو کے ہلانے کی ضرورت جس کام کے لیے ہو صرف اسی کو ہلا لیا کرے تو اسی لیے اس کی ہڈی ایک نہیں بنائی گئی بلکہ بہت سی ہڈیاں اور ان کے بیچ میں جوڑ بنائے گئے تاکہ ان سے حرکت آسان ہو اور ہر جوڑ و ہڈی کی شکل کو موافق حرکت مطلوب کے رکھا پھر جوڑ جوڑ ہڈیوں کے ملائے ہیں تو ان کی یہ صورت ہے کہ ایک ہڈی کے کنارے کو دوسرے کنارے کے ریشوں سے ملا دیا ہے یعنی ایک کے سرے سے دور ریشے نکلے ہیں اور دوسرے میں جا چمٹے ہیں گویا یہی بندھن ہے پھر ایک ہڈی کے سرے میں کونے زائد اس سے باہر کو نکلے ہوئے بنائے ہیں اور دوسرے کے سرے میں اسی کے موافق گہرا گڑھا بنا دیا ہے تاکہ وہ زوائد ان میں خوب برابر آجاویں۔ تو اب آدمی کا حال ایسا ہو گیا کہ اگر اپنے بدن کی کسی چیز کو ہلانا چاہے ہلا سکتا ہے اور اگر جوڑ نہ ہوتے تو یہ امر ہرگز نہ ہوتا پھر دیکھو کہ سر کی ہڈیوں کو کیسے پیدا کیا اور کیسے اکٹھا کر کے ملایا وہ گنتی میں پچپن جدا جدا شکلوں اور صورتوں کی ہیں ان سب کو ایک دوسرے سے ملا کر تمام سر جیسا نظر آتا ہے بنایا۔ ان ہڈیوں سے چھ ہڈیاں خاص کھوپڑی کی ہیں اور چودہ[۱۴] اوپر کے جبڑے کی اور بارہ[۱۲] نیچے کے جبڑے کی اور باقی دانت ہیں جن میں سے بعضے چوڑے ہیں کہ لیاقت پیسنے کی رکھتے ہیں اور بعضے تیز قابل کاٹنے کے اور بعضے نکیلے ہیں تو کچھ ڈاڑھیں اور بعض کچلیاں اور بعض سادہ دانت ہیں پھر گردن کو سر کی سواری بنایا اور اس کو سات منکوں سے مرکب کیا جو بیچ میں سے خالی اور گول ہیں اور ان میں گھٹاؤ بڑھاؤ ہے جس سے ایک دوسرے پر منطبق ہوتے ہیں اور حکمت کی وجہ اسباب میں لکھنی طول چاہتی ہے پھر گردن کو پشت پر رکھا اور پشت کو گردن کے نیچے سے لیکر سرین کی ہڈی تک چوبیس مہروں سے بنایا اور سرین کی ہڈی کو تین مختلف اجزا سے مرکب کیا نیچے کی طرف سے تو اس سے ریڑھ کی ہڈی ملی ہوئی ہے اور وہ بھی تین چیزوں سے مرکب ہے۔ پھر پشت کی ہڈیوں کو سینے کی ہڈیوں اور مونڈھے اور ہاتھوں اور زیر ناف اور سرین کی ہڈیوں میں ملایا پھر رانوں اور پنڈلیوں اور پاؤں کی انگلیوں کی ہڈیاں ہیں ان کے شمار ہم نہیں لکھتے مگر سارے بدن میں دو سو اڑتالیس ہڈیاں ہیں ان میں وہ چھوٹی ہڈیاں داخل نہیں جن سے جوڑوں کے گڑھے بھرے ہوئے ہیں۔ اب دیکھو کہ ان سب کو ایک نطفۂ نرم اور پتلے سے

کیسے بنایا اور ہڈیوں کے شمار ذکر کرنے سے یہ مقصود نہیں کہ ان کی گنتی معلوم ہو جاوے اس واسطے کہ یہ تو ادنیٰ علم ہے۔ تشریح والے طبیب اس کو جانا کرتے ہیں بلکہ غرض یہ ہے کہ ان ہڈیوں کو دیکھ کر جس نے ان میں انتظام دیا ہے اور ان کو پیدا کیا ہے اس کی طرف غور کریں کہ کیسے اس نے ان کو مقرر کیا اور ان میں انتظام کیا اور ان کی شکلیں اور مقداریں علیحدہ علیحدہ بنائیں اور ان کے شمار معین رکھے کہ اگر ایک بڑھ جاتی ہے تو آدمی پر وبال ہو جاتی ہے اور اس کو دور کرنے کا محتاج ہو جاتا ہے اور اگر ایک کم ہو جاتی ہے تو اس کی کمی کے تدارک کا جبر کرنا پڑتا ہے پس طبیب جو ہڈیوں پر غور کرتا ہے اس لیے کرتا ہے کہ ان کے علاج کا ماہر ہو جاوے اور اہل بصیرت جو ان پر غور کرتے ہیں تو ان سے بڑائی ان کے پیدا کرنے والے کی سمجھتے ہیں کہ کیا تصویر بنائی ہے تو دونوں نظروں میں نہایت درجہ کا فرق ہے۔ پھر دیکھو کہ خدائے تعالیٰ نے ہڈیوں کے ہلانے کے اسباب کیسے بنائے یعنی مچھلیاں بدن میں پانچ سو انتیس پیدا کیں اور مچھلی گوشت اور پٹھے سے اور بند اور جھلیوں سے بنی ہے اور وہ سب مقدار اور شکلوں میں جیسی جگہ اور جیسی حاجت ہے اسی کے موافق جدا جدا ہیں ان میں سے چوبیس مچھلیاں تو آنکھ کے ڈھیلے پپوٹوں کے ہلانے کو ہیں کہ اگر ان میں سے ایک کم ہو جاوے تو آنکھ کا معاملہ ناقص ہو جاوے اسی طرح ہر عضو کے لیے ایک شمار معین اور مقدار معین پر مچھلیاں بنی ہیں اور پٹھوں اور رگوں اور شریانوں کا حال اور ان کے شمار اور نکلنے کی جگہ اور شاخوں کے پھوٹنے کا ماجرا اس سبب سے عجیب تر ہے۔ اور اس کی تفصیل طول چاہتی ہے۔ غرضکہ فکر کو ان اجزا میں سے ہر ایک میں دوڑنے کی گنجائش ہے پھر ہر ہر عضو میں پھر سارے بدن میں فکر کی مجال ہے اور یہ سب اجسام بدن کے عجائبات اور معانی اور صفات کے نادرات پر غور کرنا ہے جو حواس سے معلوم نہیں ہوتے۔ اب ظاہر انسان اور اس کے باطن اور اس کے صفات کے اوپر غور کرو تو ان میں بھی وہ عجائب اور صنعت معلوم ہو گی جس سے تعجب آوے اور یہ سب خدائے تعالیٰ کی صنعت ایک قطرۂ آب ناپاک میں ہے۔

دہد نطفہ را صورتے چوں پری — کہ کرد است بر آب صورت گری

اب جو پانی کے قطرہ میں یہ صنعت کرتا ہے تو اس کی صنعت ملکوت آسمانوں اور ان کے ستاروں میں کیا کچھ ہو گی اور ان کی وضع اور شکلوں اور مقداروں اور شمار اور بعضوں کے یکجا ہونے اور اس کی صورتیں علیحدہ ہونے اور نکلنے اور ڈوبنے کی جگہ جدا ہونے میں کیسی کچھ حکمت ہو گی یہ نہ گمان کرنا چاہیئے کہ کوئی ذرہ آسمانوں کے ملکوت کا کسی حکمت اور حکم سے خالی نہیں بلکہ یوں جاننا چاہیے کہ پیدائش کی رو سے وہ مضبوط اور براہ صنعت نہایت درست اور بدن انسان کی نسبت کر زیادہ تر جامع عجائبات کا ہے بلکہ تمام روئے زمین کی چیزوں کو آسمانوں کے عجائب سے کچھ نسبت ہے نہیں اور اسی لیے خدائے تعالیٰ فرماتا ہے[ت] ءانتم اشد خلقا ام السماء بنٰھا رفع سمکھا فسوّٰھا واغطش لیلھا واخرج ضحٰھا۔ پھر اب نطفے کی طرف رجوع کر کے دیکھو

ت: کیا تم مشکل ہو بنانے میں یا آسمان اس نے وہ بنایا اونچی کی اس کی بلندی پھر اس کو صاف کیا اور اندھیری کی رات اسکی اور کھول نکالی اسکی دھوپ ۱۲

کہ اول کیا تھا اور پھر کیا ہو گیا اور سوچو کہ اگر تمام جن اور انسان اس بات پر متفق ہوں کہ نطفے کے واسطے کان اور آنکھ خواہ عقل یا قدرت یا علم یا روح پیدا کریں یا اس میں ہڈیاں یا رگیں یا پٹھے یا چمڑا یا بال بنادیں تو بھلا بنا سکیں گے بلکہ اگر چہ چاہیں کہ خدائے تعالیٰ کے بنانے کے بعد اس کی کنہ حقیقت اور کیفیت خلقت کو معلوم کریں تو اس سے عاجز ہوں گے۔ تو اب تم سے تعجب آتا ہے کہ اگر تم کسی آدمی کی صورت دیوار پر نکلی دیکھو جس کے بنانے میں مصور نے داد استادی دی ہو یہاں تک کہ تصویر کو ایسا بنایا ہو کہ دیکھنے والا کہدے کہ انسان ہی ہے بولنے کی کسر ہے تو تم مصور کی نقاشی سے نہایت تعجب کرتے ہو اور کہتے ہو کہ واہ رے استاد کیسا چابک دست اور ہوشیار اور اپنے فن میں یگانہ ہے اور دل میں بھی اس کی بڑائی بسے اسکے باوجود یہ کہ جانتے ہو کہ وہ تصویر صرف رنگ اور قلم اور ہاتھ اور دیوار اور قدرت اور علم اور ارادہ سے بنی ہے اور ان میں سے کوئی چیز مصور کا فعل اور اس کی پیدائش نہیں بلکہ ان چیزوں کو دوسرے نے پیدا کیا ہے جو کچھ مصور نے کیا وہ یہی ہو سکتا ہے کہ رنگ کو دیوار پر ایک ترتیب خاص سے اکٹھا کر دیا مگر تم کو اس سے نہایت تعجب ہوتا ہے اور خود آدمی کو دیکھ کر تعجب نہیں کرتے کہ ایک قطرہ ناپاک نیست تھا پھر اس کو اس کے پیدا کرنے والے نے پشتوں اور چھاتیوں میں پیدا کیا پھر وہاں سے نکال کر اس کی شکل اور مقدار اور صورت عمدہ طور پر بنائی اور اس کے اجزا جو ایک صورت کے تھے ان کو جدا جدا عضو بنائے پھر ہڈیوں کو مضبوط کیا اور اعضا کی شکلیں اچھی کیں اور ظاہر اور باطن کو آراستہ کیا اور رگوں اور پٹھوں کو ایک دوسرے پر رکھا اور ان میں غذا کے جانے کی جگہ مقرر کی تاکہ سبب اس کے زندہ رہنے کا ہو اور اس کو سنتا دیکھتا جانتا بولتا کر دیا اور اس کی پشت کو بدن کی بنیاد مقرر کی اور پیٹ کو تمام آلات غذا کا حاوی اور سر کو سب حواس کا جامع بنایا پھر آنکھوں کو کھولا اور ان کے طبقوں کو ایک دوسرے پر رکھا اور ان کی شکلیں اور رنگ ڈھنگ اچھا کیا پھر ان کو پپوٹوں سے ڈھانپا تاکہ ان کی حفاظت اور جلا کرتے رہیں اور خس و خاشاک روکتے رہیں پھر ان کے تلوں میں جو واقع میں تل سے زیادہ نہیں آسمانوں کی صورتیں ظاہر کیں باوجود یہ کہ اتنے پھیلے ہوتے اور لمبے چوڑے ہیں مگر آنکھ میں نظر آتے ہیں پھر کانوں کو جو بنایا تو ان میں کڑوا پانی رکھ دیا کہ سماعت بنی رہے اور کیڑے اندر نہ جاویں اور ان کے گرد سیپ کی صورت کے چمڑے رکھ دیئے تاکہ آواز ان سے اکٹھی ہو کر کان کے سوراخ میں جاوے اور یہ بھی فائدہ ہے کہ اگر کوئی کیڑا چلے تو اس کی چال ان چمڑوں پر معلوم ہو جاوے اور کان کے سوراخوں میں بہت سے گڑھے اور ٹیڑھے راستے رکھے تاکہ کیڑا اگر کان میں جاوے تو بہت سا چلے اور آدمی اگر سوتا ہو تو اس کی بہت سی حرکت سے جاگ پڑے۔ پھر ناک کو چہرے کے بیچ میں اونچا کیا اور اس کی شکل عمدہ بنائی اور اس کے دو نتھنے رکھے اور ان میں سونگھنے کی قوت عنایت فرمائی تاکہ بو کے سونگھنے سے اپنی غذا اور کھانے کی چیزیں معلوم کر سکے اور ہوا کی روح دل کی غذا کے لیے نتھنوں کی راہ پہنچ سکے اور اندر کی حرکت کو تسکین ہوتی رہے اور منہ کو کھلا رکھا اور اس میں زبان رکھی جو دل کے اندر کی باتیں بیان کر سکے اور منہ کو دانتوں سے زینت دی تاکہ سامان

پیسنے اور توڑنے اور کاٹنے کا حاصل ہو۔ دانتوں کی جڑوں کو مضبوط اور ان کے سروں کو تیز اور رنگ کو سفید بنایا اور ایسا برابر برابر رکھا کہ گویا موتی پروتے ہیں اور ہونٹوں کو بنایا اور ان کا رنگ اور شکل عمدہ بنایا تاکہ منہ پر آپس میں مل سکیں اور اس کی راہ بند ہو جاوے اور یہ بھی فائدہ ہے کہ ان سے گفتگو کے حروف پورے نکلیں۔ پھر نرخرے کو پیدا کیا کہ اس سے آواز نکلے اور زبان میں قوت حرکت اور علیحدہ کرنے کی رکھی تاکہ جدا جدا مخارج میں آواز کو علیحدہ کر دے اور اس ذریعہ سے بہت سے حروف بولنے کی گنجائش ہو جاوے پھر تنگی اور فراخی اور نرمی اور سختی اور صاف اور کھردرا ہونے اور لمبے اور چھوٹے ہونے میں نرخروں کو مختلف طرح کا بنایا تاکہ اس کے سبب سے آوازیں جدا ہو جاویں اور دو آوازوں میں خلط نہ ہو جاوے بلکہ دونوں آوازیں جدا جدا معلوم ہوں یہاں تک کہ آدمی ایک دوسرے کو اندھیرے میں آواز ہی سے پہچان لیں پھر سر کو بالوں اور زلفوں سے زینت دی اور چہرے کو ڈاڑھی اور ابروسے اور ابرو کو پتلے بالوں اور کمان کی صورت ہونے سے آراستہ فرمایا اور آنکھوں کو پلکوں سے زینت بخشی۔ پھر اعضاء باطن کو پیدا فرما کر ہر ایک کو ایک معین کام کے واسطے مخصوص فرمایا۔ مثلاً معدے کو غذا کے پکانے کے لیے مسخر کیا اور جگر کو اس لیے بنایا کہ غذا کو خون کر دے اور تلی اور پتے اور گردے کو جگر کا خادم بنایا تلی کی یہ خدمت ہے کہ سودا کو جگر سے جذب کرتی ہے اور پتا صفرا کو اور گردہ رطوبت آبی کو اور پھکنا گردے کا خادم ہے کہ پانی گردے میں سے لے کر پیشاب گاہ کے راستہ سے نکال دیتا ہے اور رگیں جگر کی یہ خدمت کرتی ہیں کہ خون کو بدن کے تمام اطراف میں پہنچاتی ہیں۔ پھر دونوں ہاتھوں کو پیدا کیا اور ان کو لمبا بنایا تاکہ چیزوں کی طرف بڑھ سکیں اور ہتھیلی کو چوڑا کر کے اس کی تقسیم پانچ انگلیوں میں کی اور ہر انگلی میں تین تین پوریں رکھیں اور چار انگلیوں کو ایک طرف رکھا اور انگوٹھے کو ایک طرف تاکہ انگوٹھا سب پر گھوم سکے اور چاروں انگلیوں کو طول میں مختلف رکھ کر ایک صف میں ایک دوسرے کے بعد رکھا۔ اگر سب اول اور آخر کے لوگ متفق ہو کر کوئی اور صورت بڑی باریک فکر سے نکالا چاہیں کہ اس وضع خاص سے جو انگلیوں کو اب حاصل ہے دوسرے طور پر رکھیں اور سب کام ویوں جواب دیتی ہیں تو ہرگز نہ ہو سکے گا اس لیے کہ اس ترتیب خداداد سے بہت فوائد ہیں۔ لینا اور دینا اور پکڑنا سب اسی سے ہوتا ہے۔ اگر انگلیوں کو پھیلا ہوا رکھے تو ایک تشتری ہے جو چاہو اس پر رکھ لو اور اگر ان کو بند کر لو تو مارنے کا آلہ گھونسا ہو جاوے گا اور اگر ادھ کھلی رکھو تو چلو چمچے کی صورت ہو جاوے گی اور ملا کر کھول دو تو کھرپی یا بیلچے کی شکل ہو جاوے گی۔ پھر انگلیوں کے سروں پر ناخن پیدا کیے کہ ان کی زینت ہو اور پشت کی جانب سے ان کی روک ہو کہ کٹ نہ جاویں اور باریک چیزیں جو پوروں سے نہ اکھڑ سکیں ان کو بھی اٹھا سکے اور اپنا بدن حاجت کے وقت ان سے کھجا سکے۔ پس ناخن سب اعضا میں ادنیٰ ہے۔ لیکن اگر بالفرض نہ ہو اور آدمی کو خارش ہو جاوے تو نہایت عاجز اور ضعیف ترین خلق ہو جاوے اور کوئی بدن کھجلانے میں اپنے ناخن کا قائم مقام نہ ہو سکے۔ شیخ سعدیؒ شیرازی فرماتے ہیں شعر

بغمخوارگی جز سر انگشت من　　نخارد کسے در جہاں پشت من

پھر ہاتھ کو خارش کی جگہ بتلادی کہ اسی جگہ پہنچتا ہے گو آدمی نیند اور غفلت ہی میں ہو۔ اور اگر بدن کھجلانے میں دوسرے سے مدد لیتا تو خارش کی جگہ پر بڑی مشقت کے بعد مطلع کر پاتا۔ پھر یہ سب باتیں نطفے میں پیٹ کے اندر تین اندھیروں کے درمیان بنا دیں کہ اگر بالفرض رحم پر سے سب پردے اٹھا لیے جاویں اور آدمی کو بچہ نظر آنے لگے تو دیکھے کہ یہ سب کچھ سب امور ایک دوسرے کے بعد بنتے چلے جاتے ہیں نہ مصور معلوم ہوتا ہے نہ کوئی آلہ اس کے بنانے کا دکھائی دیتا ہے تو بھلا ایسا کوئی مصور یا کاریگر تم نے دیکھا ہے کہ اپنے اوزار کو ہاتھ نہ لگاوے نہ جس چیز کو بناتا ہے اس کو چھووے نہ اس کے پاس آوے اور تہ بتہ کے اندھیروں کے اندر اس میں تصرف کرے یہ شان اسی پاک ذات کی ہے اور کسی کی مجال نہیں۔ پھر اس کی کمال قدرت اور رحمت کاملہ کو دیکھو کہ جب بچہ بڑھا اور رحم میں گنجائش نہ رہی تو اس کو کیسے بتادیا کہ اوندھا ہو کر اور وہاں سے ہل کر اس تنگی سے نکلنے کی راہ ڈھونڈتا ہے گویا جس چیز کی طرف محتاج ہے اس کو سمجھتا بوجھتا ہے۔ پھر جب نکل آیا اور غذا کا محتاج ہوا تو کیسے اس کو چھاتی منہ میں دبانے کی ہدایت کی۔ پھر چونکہ اس کا بدن نرم تھا اور موٹی غذا کی برداشت نہ رکھتا تھا تو کیسے اس کے لیے لطیف دودھ کا انتظام کیا اور خون اور غلیظ میں سے کیسا خالص گلے میں اترتا پیدا کیا اور چھاتیوں کو کیسے بنایا اور ان میں دودھ اکٹھا اور ان کے سرا ایسے کر دیئے کہ لڑکے کے منہ میں آجاویں پھر ان میں سوراخ بہت باریک رکھے تاکہ دودھ بدون دبائے نہ نکلے اور دبانے سے آہستہ آہستہ نکلے اس لیے کہ لڑکا تھوڑا تھوڑا متحمل ہو سکتا ہے۔ پھر اس کو چوسنا کیسے بتادیا تا شدت بھوک کے وقت اس تنگ جگہ سے دودھ بہت سا نکلے۔ پھر اس مہر و محبت الٰہی کو دیکھو کہ دانتوں کا پیدا کرنا دو برس کے پورا کرنے پر رکھا اس لیے کہ دو برس تک اس کی غذا دودھ ہی سے ہوتی ہے۔ دانت کی حاجت نہیں ہوتی اور جب بڑا ہوتا ہے تو نرم دودھ اس کے موافق نہیں ہوتا اس وقت غذا گاڑھی چاہیے اور غذا کو چابنے اور پیسنے کی ضرورت ہے اسی لیے جب حاجت ہوتی تب دانت دیئے نہ پہلے دیئے نہ پیچھے۔ پس تعجب ہے کہ اول اللہ پاک نے یہ سخت ہڈیاں ان نرم مسوڑھوں میں کیسے نکالیں۔ پھر والدین کے دل میں شفقت ڈال دی کہ جس وقت وہ اپنے آپ اپنے لیے کچھ نہیں کر سکتا اس وقت یہ دونوں اس کی خدمت کرتے ہیں۔ اگر خداوند کریم ان کے دل میں رحمت نہ ڈالتا تو بچے سے زیادہ کوئی عاجز تر اپنی تدبیر سے نہ ہوتا۔ پھر دیکھو کہ جوں جوں بڑھتا گیا اس کو قدرت اور تمیز اور عقل اور ہدایت کیسے رفتہ رفتہ دیا گیا یہاں تک کہ ہٹا کٹا ہو کر قریب بلوغ ہوا پھر جوان پھر ادھیڑ پھر بوڑھا ہوا یا تو ناشکرا یا شکر گذار مطیع یا نافرمان ایمان دار یا کافر بنا۔ جیسے خدائے تعالیٰ فرماتا ہے ت۱ هل اتى على الانسان حين من الدهر لم يكن شيئا مذكورا انا خلقنا الانسان من نطفة امشاج نبتليه فجعلناه سميعا بصيرا انا هديناه

ت۱ کبھی پڑا ہے انسان پر ایک وقت زمانے میں جو نہ تھا کچھ چیز تکرار میں آتی ہم نے بنایا آدمی ایک بوند کے لچھے سے پلٹتے رہے اس کو پھر کر دیا سنتا دیکھتا ہم نے اس کو سوجھائی راہ یا حق مانتا یا ناشکرہ ۱۲

السبیل اما شاکرا و اما کفورا۔ پس اول لطف وکرم کو دیکھو پھر قدرت وحکمت پر غور کرو عجائبات حضرت ربوبیت سے مبہوت رہ جاؤ گے۔ اور نہایت تعجب اس شخص سے ہے کہ جو عمدہ خط یا کوئی اچھا نقش دیوار پر دیکھتا ہے اور اس کو پسند کرتا ہے تو اپنی ساری ہمت کاتب اور نقاش کے تصور میں لگاتا ہے کہ کیسے لکھا اور کیسے نقش کیا اور اس کو اپنے دل میں بڑا جان کر کہتا رہتا ہے کہ یہ شخص کتنا بڑا ماہر اور فن میں کامل اور زبردست اور قدرت والا ہے مگر یہ عجائب اپنے آپ میں اور دوسروں میں دیکھتا ہے اور اس کے کاریگر اور مصور برحق سے غافل رہتا ہے۔ اس کی عظمت اس کو بیہوش کیوں نہیں کرتی اور اس کے جلال اور حکمت سے متحیر کیوں نہیں ہوتا پس یہ چند عجائبات آدمی کے بدن کے ہیں سب کا لکھنا ممکن نہیں اگر آدمی فکر کیا چاہیئے اس کے فکر کے دوڑانے کو بہت ہی قریب ہیں اور خالق کی عظمت پر نہایت واضح دلیل ہیں مگر آدمی ان سے غافل اور اپنے پیٹ اور شرمگاہ کے دھندے میں لگا ہوا ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں آتا کہ بھوک لگی تو کھا لیا اور پیٹ بھرا تو سو رہا شہوت ہوئی تو صحبت کی غصہ آیا تو لڑ لیا حالانکہ ان باتوں میں بہائم اور درندے سب آدمی کے شریک ہیں۔ خاصیت انسانی جس سے بہائم محروم ہیں وہ یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین کے اسرار اور جانوں اور جہان کے عجائب کو غور کر کے خدائے تعالیٰ کو پہچانے اس لیے کہ اس سے بندۂ مقرب فرشتوں کی جماعت میں داخل ہو جاتا ہے اور انبیاء اور صدیقین کی جماعت میں اُٹھ کر خدائے تعالیٰ کی جناب سے نزدیک ہوتا ہے یہ مرتبہ بہائم کو نہیں ہے نہ اس آدمی کو جو دنیا سے صرف شہوات بہائم پر راضی ہو اس لیے ایسا انسان بہائم سے بہت بُرا ہے اس لیے کہ بہائم میں تو قدرت معرفت کی سرے نہیں اور انسان میں تو خدائے تعالیٰ نے قدرت پیدا کی تھی مگر اس نے اسے بیکار رکھا اور نعمت الٰہی کا شکر نہ کیا تو ایسے لوگ بہائم کیا بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں۔ اور جب تم کو اپنے آپ میں فکر کرنے کا طریق معلوم ہو گیا تو اب زمین کو دیکھو جو تمہاری قرارگاہ ہے پھر اس کی نہروں اور دریاؤں اور پہاڑوں اور کانوں میں فکر کرو پھر ان کے بعد آسمانوں کے اسرار ترقی کرو پس زمین میں بہت نشانیاں ہیں ایک یہ کہ زمین کو بچھونا اور بستر بنایا اور اس میں راستے اور سڑکیں بنائیں اور اس کو نرم کیا تاکہ اس کے اطراف میں پھرو اور اس کو ساکن بنایا کہ ہلتی نہیں اور اس میں پہاڑوں کی میخیں جڑ دیں کہ حرکت سے اس کی مانع ہوں پھر اس کے اطراف کو چوڑا کیا یہاں تک کہ آدمی اس کے سب اطراف میں پھرنے سے عاجز ہوئے گو ان کی عمریں بڑی ہوں اور گردش زیادہ کریں۔ چنانچہ ان باتوں کو خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے[1] والسماء بنینٰھا باید وانا لموسعون والارض فرشناھا فنعم الماھدون اور فرمایا ھو[2] الذی جعل لکم الارض ذلولا فامشوا فی مناکبھا اور فرمایا[3] الذی جعل لکم الارض فراشا اسی طرح کلام مجید میں خدائے تعالیٰ نے ذکر زمین کا بہت جگہ فرمایا ہے تاکہ اس کے عجائب میں فکر کیا جائے

---

[1] اور آسمان بنایا ہم نے ہاتھ کے بل سے اور ہم کو سب مقدور ہے اور زمین کو بچھایا ہم نے سو کیا خوب بچھانا جانتے ہیں ۱۲ [2] وہی ہے جس نے کیا تمہارے آگے زمین کو پست اب پھرو اس کے کندھوں پر کھاؤ کچھ روزی اس کی سے اسی کی طرف جی اٹھنا ہے ۱۲

کہ اس کی پشت زندوں کے رہنے کی جگہ ہے اور پیٹ مردوں کے سونے کا مقام ہے اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۞ الم نجعل الارض کفاتا احیاء و امواتا پس زمین کو دیکھو کہ بے جان ہوتی ہے اور جب اس پر پانی پڑتا ہے تو تازہ ہو کر ابھرتی ہے اور سبز ہو کر عجیب سبزی نکالتی ہے اور اس میں طرح طرح کے حیوانات نکل پڑتے ہیں پھر دیکھو کہ زمین کے کناروں کو اونچے اونچے اٹل پہاڑوں ٹھوس اور سخت سے سخت کیسے اور مضبوط کیا اور کس طرح پانی اس کے نیچے رکھا کہ چشمے نکالے اور نہریں بہائیں جو روئے زمین پر چلتی ہیں اور پتھر خشک اور میلی مٹی سے پانی شیریں اور پتلا صاف نکھرا نکالا اور اس سے ہر چیز کو زندہ کیا۔ اقسام کے درخت اور روئیدگی اناج اور انگور اور ترکاری اور زیتون اور خرما اور انار اور میوہ ہائے بے شمار جدی جدی شکلوں اور رنگ اور مزہ اور صفت اور بو کے پانی ہی کے سبب نکالے۔ کھانے میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہیں حالانکہ ایک ہی پانی سے سینچے جاتے ہیں اور ایک ہی زمین سے نکلتے ہیں اب اگر کوئی کہے کہ ان میووں کا اختلاف ان کے بیجوں کے مختلف ہونے سے ہے تو ہم کہتے ہیں کہ گٹھلی میں خوشے کہاں لگے ہوتے تھے اور ایک دانہ میں سات بالیں اور ہر بال میں سو دانے کہاں تھے۔ پھر جنگلوں کی زمین کو دیکھو اور اس کے ظاہر و باطن کی جستجو کرو تو ایک سی مٹی معلوم ہوگی اور جب اس پر پانی پڑتا ہے تو تر و تازہ ہو کر ابھرتی ہے اور رنگ برنگ کی جنسیں اور ایک سی صورت کے سبزے اور مختلف صورت کے اگاتی ہے کہ ہر ایک کا مزہ اور بو اور رنگ اور شکل دوسرے سے علیحدہ ہے پھر ان کی کثرت اور اختلاف اقسام اور کثرت اشکال پر لحاظ کرو پھر طبیعتوں کے مختلف ہونے اور کثرت منافع پر غور کرو کہ اللہ جل شانہ نے ان نباتات میں کیسے عجیب فوائد رکھے ہیں مثلاً کوئی غذا کے کام کی ہے کوئی قوت دیتی ہے کوئی موجب زندگی ہے کوئی قاتل ہے کوئی سرد ہے کوئی گرم کوئی معدے میں جا کر صفرا کو رگوں کے اندر سے دور کرتی ہے کوئی خود صفرا بن جاتی ہے کوئی دافع بلغم و سودا ہے اور کوئی بلغم و سودا بن جاتی ہے کوئی مصفی خون ہو جاتی ہے کوئی مفرح ہے کسی سے نیند آتی ہے کسی سے زور بڑھتا ہے کسی سے ضعف ہوتا ہے۔ غرضکہ زمین سے جو پتا یا تنکا نکلتا ہے اس میں ایسے فوائد ہیں کہ آدمی ان کی ماہیت پر مطلع نہیں ہو سکتا۔ پھر ان نباتات میں ہر ایک کی پرورش میں کسانوں اور مالیوں کو جدا جدا کام کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً خرما میں نر کا پانی مادہ میں دیا جاتا ہے۔ انگور کو چھانٹا جاتا ہے۔ کھیتی میں سے گھاس وغیرہ علیحدہ کرنا پڑتا ہے کسی کا بیج زمین میں بکھیرتے ہیں کسی کی پودھ لگاتے ہیں کسی کی قلم لگاتے ہیں۔ اگر ہم چاہیں کہ نباتات کی جنسوں اور قسموں کا اختلاف اور ان کے منافع اور حالات اور عجائبات بیان کریں تو اسی کے لیے ایک مدت چاہیے اسی لیے ہر جنس میں سے کسی قدر کافی ہے جس سے فکر کا طور معلوم ہو جاوے۔ نباتات کے عجائب تو ہو چکے۔ دوسری نشانی زمین میں یہ ہے کہ پہاڑوں اور کانوں میں زمین کے جواہر رکھے ہیں۔ یہی زمین ہے

۞ کیا ہم نے نہیں بنائی زمین سمیٹتی جیتوں کو اور مردوں کو ۱۲

کہ اس میں بہت سے ٹکڑے پاس پاس ایک دوسرے سے صفات میں علیحدہ ہیں۔ مثلاً پہاڑوں کو دیکھو کہ ان میں سے جواہر نفیس چاندی سونا فیروزہ لعل وغیرہ کیسے نکلتے ہیں کہ بعضے تو ہتھوڑوں سے پٹتے ہیں جیسے چاندی سونا تانبا رانگا لوہا اور بعضے نہیں پٹتے جیسے فیروزہ اور لعل وغیرہ اور دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے کیسے لوگوں کو ان کا نکالنا اور صاف کرنا اور ان سے برتن اور اوزار اور نقد اور زیور بنانا بتلا دیا۔ پھر زمین کی کانوں کو دیکھو کہ رال اور گندھک اور قیر وغیرہ ان میں سے نکلتے ہیں اور سب سے ادنیٰ نمک ہے جس کی حاجت کھانے کی درستی میں ہوتی ہے اگر کسی شہر میں نہ ہو تو جلد لوگ مرنے لگیں۔ خدائے تعالیٰ کی رحمت کو دیکھنا چاہیئے کہ بعض زمینوں کے جوہر کو کیسے شور بنایا کہ ان میں صاف پانی مینہ کا اکٹھا ہو کر نمک شور گرمی کرنے والا بنایا کہ ممکن نہیں کہ کوئی اس کو تنہا پیسے پھر کھالے بلکہ اس لیے بنایا کہ اس سے کھانا درست ہو جاوے اور جب تم اس کو کھاؤ تو عیش اچھی طرح ہو۔ اور کوئی پتھر اور حیوان اور نباتات ایسے نہیں جس میں ایک حکمت یا زیادہ اس قسم کی نہ ہو کوئی ان میں سے بیکار اور کھیل کے لیے نہیں بنی بلکہ سب کو جیسا چاہیئے تھا اور جیسے اس کے جلال اور کرم اور لطف کے شایاں تھا حق طور پر بنایا اور اسی وجہ سے خود فرمایا[ت] وما خلقنا السمٰوٰت و الارض وما بینھما لاعبین ما خلقناھما الا بالحق تیسری نشانی اقسام حیوانات ہیں کہ ان میں سے بعضے اڑتے ہیں اور بعضے چلتے ہیں اور چلنے والوں میں بعضے دو پاؤں سے چلتے ہیں بعضے چار سے بعضے دس اور سو سے چنانچہ بعض حشرات الارض میں یہ امر دیکھا جاتا ہے۔ پھر فوائد اور صورت شکل اور عادات اور طبائع میں سب مختلف ہیں پھر جو پرندے اور خشکی کے وحشیوں اور خانگی بہائم کو دیکھو ان میں وہ عجائب پاؤ گے جیسے ان کے خالق اور مقدار اور مصور کی عظمت اور قدرت اور حکمت میں کچھ شبہ نہ کرو گے اور ان سب کا لکھنا ممکن نہیں بلکہ اگر ہم چاہیں کہ عجائب چھوٹے جانوروں مثل مچھر اور چیونٹی اور شہد کی مکھی اور مکڑی کے بیان کریں کہ گھر ایسے بناتے ہیں اور غذا ایسی جمع کرتے ہیں اور اپنے جوڑے سے الفت اس طرح ہوتی ہے اور گھر کی شکل موزوں بنانے میں ایسی مہارت ہوتی ہے اور اپنی حاجتوں کی طرف اس طرح راستہ ملتا ہے تو ہرگز ہم سے سب بیان نہ ہو سکے گا۔ مثلاً مکڑی کو دیکھتے ہو کہ اپنا گھر نہر کے کنارے بناتی ہے تو اول وہ جگہ ایسی تلاش کرتی ہے کہ ان دونوں میں تھوڑا سا فاصلہ ایک ہاتھ یا اس سے کم و بیش ہو تا کہ دونوں جگہوں میں اپنا تار پہنچا سکے پھر وہ اس طرح شروع کرتی ہے کہ اپنا لعاب یعنی تار ایک کنارے پر ڈالتی ہے تا کہ اس میں چپٹ جاوے پھر دوسری طرف جا کر وہاں دوسرا سرا تار کا چپکا دیتی ہے اسی طرح دوبارہ سہ بارہ آمد و رفت کرتی ہے اور فاصلہ تاروں کا مناسب اور موزون رکھتی ہے یہاں تک کہ جب تاروں کے سرے دونوں جگہ میں مضبوط گرہ دیتی ہے اور اس میں بھی موزونیت اور شکل کر لیتی ہے تب بانے میں مصروف ہوتی ہے اور بانے کو تانے پر رکھنا شروع کر دیتی ہے اور جہاں بانے کا تار تانے سے ملتا ہے وہاں مضبوط گرہ دیتی ہے اور اور اس میں بھی موزونیت اور شکل ہندسی کو لحاظ رکھتی ہے اور اس کے

ت۔ اور ہم نے بنایا آسمان زمین اور جو ان کے بیچ ہے کھیل نہیں بنایا ان کو ان کو تو بنایا ہم نے ٹھیک کام پر ۱۲

تانے بانے سے ایسا جال بناتی ہے جس میں مچھر اور مکھی پھنس جاوے اور اپنے آپ ایک کونے میں تاک لگاتے بیٹھی رہتی ہے کہ کوئی شکار جال میں پھنسے۔ جب کوئی پھنس جاتا ہے تو لپک کر اس کو پکڑ کے کھا جاتی ہے جب اس طرح شکار کرنے سے تھک جاتی ہے تو کسی دیوار کا کونا ڈھونڈ کر کونے کے دونوں جانب میں تار لگا کر ایک اور تار میں آپ لٹک جاتی ہے اور الٹی ہوا میں لٹکی رہتی ہے اور اڑتی مکھی وغیرہ کی منتظر رہتی ہے جب کسی مکھی کا گذر وہاں کو ہوتا ہے تو اس کو پکڑ کر اپنا تار اس کی ٹانگوں میں لپیٹ کر خوب مضبوط کر دیتی ہے پھر اس کو کھا لیتی ہے۔ پس کوئی حیوان چھوٹا یا بڑا ایسا نہیں کہ اس میں ان عجائبات میں سے بے شمار نہ ہوں پھر کہو تو کہ مکڑی نے یہ صنعت اپنے آپ سیکھی ہے یا خود بخود موجود ہو گئی ہے یا کسی آدمی نے اس کو بتایا خواہ سکھلایا ہے یا اس کا کوئی ہادی یا بتانے والا نہیں۔ کوئی اہل دانش اس میں شک نہ کرے گا کہ وہ بیچاری عاجز اور ضعیف ہے۔ بلکہ ہاتھی جس کا تن بہت بڑا اور قوت ظاہر ہے وہ بھی اپنے نفس کے امر سے عاجز ہے یہ تو ضعیف ہی جانور ہے پھر بھلا وہ اپنی شکل اور صورت اور حرکت اور ہدایت اور عجیب صنعت سے اپنے پیدا کرنے والے حکمت والے اور قادر دانا پر شہادت نہیں دیتی۔ ہوشیار آدمی تو ایسے چھوٹے سے جانور میں عظمت خالق مدبر کی اور اس کا جلال اور کمال قدرت و حکمت دیکھتا ہے جس سے عقلیں حیران رہ جاویں بڑے حیوانوں کا تو کیا ذکر ہے اور یہ قسم بھی بے حد و شمار ہے اس لیے کہ حیوانات اور ان کی شکلیں اور عادات اور طبیعتیں بے شمار ہیں اور دلوں کو تعجب ان سے اس واسطے نہیں ہوتا کہ کثرت سے دیکھنے کے باعث ان سے مانوس ہو گئے ہیں۔ ہاں اگر کسی حیوان عجیب یا نئے کیڑے کو دیکھتے ہیں تو تعجب کر کے کہتے ہیں کہ سبحان اللہ عجیب جانور ہے اور انسان سب حیوانات سے عجیب تر ہے اپنے آپ کو دیکھ کر تعجب نہیں کرتا بلکہ جن چوپایوں سے مانوس ہو رہا ہے اگر ان کی شکلوں اور منافع اور فوائد پر لحاظ کرے اور ان کے چمڑوں اور اُون اور بالوں کو دیکھے کہ خدائے تعالٰے نے ان کو اپنے خلق کا لباس اور گھر سفر اور حضر میں اور پینے کی چیزوں کے برتن اور غذا رکھنے کے ظروف اور پاؤں کی حفاظت کے لیے بنایا ہے اور ان کے دودھ اور گوشت کو مخلوق کی غذا مقرر کی ہے۔ پھر بعض چوپایوں کو سواری کی زینت اور بعض کو بوجھ لادنے کے لیے اور دُور کے جنگل اور بیشے طے کرنے کو بنایا ہے تو دیکھنے والوں کو ان کے پیدا کرنے والے کی حکمت سے کمال ہی تعجب ہے اس لیے کہ اس نے ان کو جب ہی پیدا کیا جب ان کے سب فوائد پیدا کرنے سے پیشتر اپنے علم میں گھیر لیے۔ تو دیکھو کہ کیا ذات پاک ہے جس کے علم میں بے فکر و تامل سب امور کھلے ہیں اور کسی وزیر اور مشورت دینے والے کی مدد نہیں لیتا پس وہی ہے دانا خبردار حکمت و قدرت والا جس نے اپنی مخلوق کی ادنیٰ چیز سے عارفوں کے دل سے شہادت اپنی توحید کی نکالی تو خلق کو اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ اس کے قہر اور قدرت کا یقین کریں اور اس کے پروردگار ہونے کے مقر ہوں اور اس کی عظمت و جلال کی معرفت سے عاجزی کا اقرار کریں پس اب کون ایسا ہے جیسا وہ خود اپنی ثنا کرے۔ انتہا معرفت ہم لوگوں کی یہ ہے کہ اس کی معرفت سے عاجزی کا اقرار کریں۔ ہم خدائے تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ اپنی ہدایت سے ہم کو مشرف فرما دے بمنہ و کمال رأفتہ۔

چوتھی نشانی گہرے گہرے سمندر جو زمین کے حصوں میں سب کے سب اس بحر اعظم کے ٹکڑے ہیں جو ساری زمین کے گرد ہے اور یہ سب اتنے ہیں کہ جتنے زمین اور پہاڑ پانی سے کھلے ہوئے ہیں وہ سب پانی کی نسبت کر لیسے ہیں جیسے بڑے سمندر میں ایک چھوٹا جزیرہ ہو اور باقی زمین پانی سے چھپی ہوتی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[ا] الارض فی البحر کالاصطبل فی الارض تو اب اصطبل کو زمین کے ساتھ نسبت کر کے جان لو کہ زمین کو سمندر کے ساتھ وہی نسبت ہے۔ اور جب تم زمین کے عجائب دیکھ چکے تو اب سمندر کے عجائب میں تامل کرو اس لیے کہ سمندر میں حیوانات اور جواہر کے عجائب ان عجائب سے دونے چوگنے ہیں جو زمین پر دیکھتے ہو جیسے کہ پھیلاؤ سمندر کا زمین کی وسعت سے زیادہ ہے اسی طرح اس کے عجائب بھی زیادہ ہیں اور سمندر کی بڑائی کی جہت سے یہ ہے کہ اس میں حیوانات اتنے بڑے ہوتے ہیں کہ اگر تم ان کو سطح پانی کے اوپر دیکھو تو یہ گمان کرو کہ کوئی ٹاپو ہے اور بعض اوقات ایسا ہوا بھی ہے کہ تری کے مسافر حیوان آبی کی کمر کو جزیرہ سمجھ کر اتر پڑے ہیں اور اس پر آگ کی حرارت سے جب اس نے حرکت کی تو معلوم ہوا کہ جانور ہے۔ اور جتنے اقسام حیوانات کے خشکی میں ہیں مثلاً گھوڑا پرند گائے۔ انسان وغیرہ یہی اقسام دونے چوگنے بلکہ کہیں زیادہ تری میں پائے جاتے ہیں اور سمندر میں بعض چیزیں ایسی بھی ہیں جن کی نظیر خشکی میں نہیں پائی جاتی ان کے صفات ان کتابوں میں مذکور ہیں جنہوں نے مشقت دریائی سفر کی اٹھا کر اس کے عجائب کو جمع کیا ہے پھر دیکھو کہ خدائے تعالیٰ نے موتی کیسے بنایا اور اس کو سیپ کے اندر پانی کے نیچے کیسے گول کیا۔ پھر دیکھو کہ مونگے کو پانی کے نیچے ٹھوس پتھر میں سے کیسے نکالا وہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پتھر میں سے سبزہ نکلا پھر اس کے سوا عنبر اور دوسری نفیس چیزوں کو دیکھو جن کو سمندر پھینکتا ہے۔ اور اس سے نکلتی ہیں۔ پھر کشتیوں کے عجائب کو دیکھو کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے پانی کی سطح پر کیسے روکا اور تاجروں اور مال کے طالبوں وغیرہم کو ان میں بھرایا اور کشتیوں کو ان کا تابع کیا کہ اپنے بوجھ اس میں لادیں۔ پھر ہواؤں کو بھیجا کہ کشتیوں کو چلاویں۔ پھر ملاحوں کو ہواؤں کے رخ اور ان کے چلنے کی جگہ اور وقت بتلا دیئے غرضکہ سمندر میں جتنے عجائب خدائے تعالیٰ کی صنعت کے ہیں وہ بہت سی جلدوں میں پورے بیان نہیں ہو سکتے اور ان سب میں سے عجیب اور ظاہر تر پانی کے قطرے کی کیفیت ہے کہ وہ ایک جسم پتلا بہتا ہوا شفاف اور اجزا کا متصل گویا ایک ہی چیز ہے اس کی ترکیب نازک اور جدا ہونے کو جلد قبول کرتی ہے کہ گویا علیحدہ ہی ہے۔ تصرف جو چاہو سو کرو خواہ ملا دو یا جدا کرو خشکی کے جانوروں کی حیات اور نبات کی زندگی اسی سے ہے پس اگر کوئی بندہ ایک گھونٹ پانی کا محتاج ہو اور اس کو نہ پینے دیا جائے تو اگر اس کے ملک میں تمام روئے زمین کے خزانے ہوں تو اس ایک گھونٹ کے واسطے سب دنیا خرچ کر ڈالے۔ پھر پینے کے بعد اگر پیشاب کی راہ اس کے نکالنے کے لیے منع کر دیا جاوے تب بھی سارے خزانے روئے زمین کے دے ڈالنے کو تیار ہو۔ تو آدمی

[ا] زمین سمندر میں ایسی ہے جیسے اصطبل ہو زمین میں ۱۲ یہ حدیث پیشتر بھی گذری ہے اور مجھ کو سند نہیں ملی ہے ۱۲

سے نہایت تعجب ہے کہ دینار اور درہم اور جواہر کو تو بڑا سمجھے اور پانی کے گھونٹ سے جو خدائے تعالیٰ کی ایسی نعمت ہے کہ اس کے پینے خواہ نکالنے کے واسطے تمام دنیا دے ڈالے غافل رہے پس پانی کے عجائب اور نہروں اور کنوؤں اور سمندروں کے غرائب کو سوچ کر فکر کی ان میں گنجائش اور جولانی کی جا ہے اور یہ سب چیزیں دلیلیں ایک دوسرے کی معاون اور علامات متفقہ ہیں کہ اپنی زبان حال سے صرف اپنے پیدا کرنے والے کا جلال بیان کر رہی ہیں اور اس کے کمال حکمت کو ظاہر کر رہی ہیں اور اہل دل کو اپنے نغمات دل آویز سے پکار کر یوں کہتی ہیں کہ کیا تو مجھے نہیں دیکھتا کیا میری صورت اور ترکیب اور صفات اور فوائد اور اختلاف حالات پر نظر نہیں کرتا کیا تجھے یہ گمان ہے کہ میں خود بخود ہو گئی ہوں یا کسی نے میری جنس میں سے مجھے پیدا کیا ہے کیا تجھے شرم نہیں آتی کہ جب کوئی لفظ تین چار حرفوں کا لکھا دیکھتا ہے تو یقین کر لیتا ہے کہ اس کو کسی آدمی دانا قدرت و ارادہ والے اور کلام کرنے والے نے لکھا ہے اور تو عجائب نوشتے جو خدائے تعالیٰ کے میرے چہرے کے ورق پر اس قلم الٰہی سے لکھے ہوتے ہیں جس کی ذات اور حرکت اور لکھنے کی جگہ سے ملنا آنکھ سے نہیں سوجھتا دیکھتا ہے اور پھر تیرے دل میں اس کی کاریگری کا جلال نہیں آتا۔ اور نطفہ کان والوں سے یہ کہتا ہے نہ ان لوگوں سے جو کانوں سے معزول ہیں کہ مجھ کو یوں وہم کر کہ اندر کے پردوں کے اندھیرے میں خون حیض میں ڈوبا ہوا ہوں اس وقت کہ میرے چہرے پر نقش و تصویر ظاہر ہوتی ہے یعنی نقاش ازل میری آنکھ اور پلکیں اور پیشانی اور رخسارہ اور لب بناتا ہے پھر دیکھو کر رفتہ رفتہ سارے نقش ایک دوسرے کے بعد ہوتے چلے جاتے اور نقاش نہ اندر نطفہ کے نظر آوے گا نہ باہر نہ بچہ دان میں ہو گا نہ اس سے خارج۔ اور نقشوں کی خبر ماں کو ہے نہ باپ کو نہ نطفہ کو نہ رحم کو تو بھلا کیا یہ نقاش اس نقاش سے عجیب زیادہ نہیں جو قلم سے عجیب صورت بنایا کرتا ہے جس کو ایک یا دو بار تم بناتے دیکھو تو سیکھ جاؤ۔ تو کیا تم سے یہ بھی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح نقش و تصویر نطفہ کے ظاہر و باطن اور اس کے تمام اجزا کو سیکھ لو اور نطفہ کو بدون ہاتھ لگائے اور اندر باہر سے پاس ہونے کے نقش بناؤ پس اس پر بھی اگر تم نہ سمجھو کہ نطفے کا نقاش اور مصور اپنا نظیر اور برابر نہیں رکھتا اور کوئی نقاش اور مصور اس کی برابری نہیں کر سکتا جیسے اس کا کام بے نظیر ہے اور اس کے برابر کوئی نقش و صورت نہیں ویسی ہی اس کی ذات ہے اس لیے کہ کاموں میں جتنا فرق ہوتا ہے اتنا ہی کاریگروں میں ہوا کرتا ہے تو اگر تم کو ان امور سے تعجب آوے تو اپنے نہ تعجب کرنے پر تعجب کرو اس لیے کہ جس چیز نے کہ باوجود اس ظہور کے تیری بصیرت کو اندھا کر دیا وہ بلا شک قابل زیادہ تر تعجب کے ہے۔ پس پاک ہے وہ ذات جس نے ہدایت کی اور گمراہ کیا اور بدبخت اور نیک بخت بنایا اور اپنے دوستوں کے دل کی آنکھیں کھول دیں تو انہوں نے اس کو تمام ذرات عالم اور اس کے اجزا میں مشاہدہ کیا اور اپنے دشمنوں کے دل اندھے کر دیئے اور اپنی عزت و عظمت ان سے مخفی رکھی تو اسی کو ہے خلق اور امر اور منت اور فضل اور لطف اور قہر، نہ کوئی اس کے حکم کو ٹالے نہ کوئی اس کی قضا کو پیچھے کر سکے۔ پانچویں نشانی ہوائے لطیف ہے جو آسمان اور زمین کے بیچ میں رکی ہوتی ہے۔ چلنے کے وقت تو اس کا جسم بدن پر لگنے سے معلوم

ہوتا ہے مگر آنکھ سے اس کا وجود نہیں سوجھتا اور وہ سب کی سب مثل ایک دریا کے ہے۔ پرندآسمان کی جو اسی سے پھرتے ہیں۔ اور جیسے آبی جانور پانی میں اپنے بازو اور ہاتھ پاؤں مار کر تیرتے ہیں اسی طرح پرند بھی ہوا میں اپنے بازوؤں سے ہوا کو چیرتے ہیں اور جیسے تیز ہوا کے چلنے سے موجیں دریا کی اٹھتی ہیں اسی طرح آندھی سے اس ہوا کے دریا میں لہریں اٹھتی ہیں۔ پس جب اللہ تعالیٰ ہوا کو حرکت دیتا ہے تو وہ چلتی ہوا ہو جاتی ہے۔ پھر اگر چاہتا ہے تو اس کو اپنے باران رحمت کے لیے خوشخبری کر دیتا ہے جیسا کہ ارشاد فرماتا ہے[1] وارسلنا الریاح لواقح اس صورت میں ہوا کی حرکت سے ہوا کی جان حیوانات اور نباتات میں پہنچتی ہے اور وہ بڑھنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں اور اگر چاہتا ہے تو اس کو اپنے خلق میں سے نافرمانوں کے لیے عذاب کر دیتا ہے جیسا کہ فرمایا[2] انا ارسلنا علیھم ریحا صرصرًا فی یوم نحس مستمر تنزع الناس کانھم اعجاز نخل منقعر پھر ہوا کی نزاکت اور سختی کو دیکھو کہ باوجود لطافت کے کتنا زور اس میں ہے مثلاً ایک مشک میں ہوا بھر کر اگر کوئی شخص چاہے کہ اس کو پانی میں ڈبو دے تو ہرگز نہ کر سکے گا اور سخت لوہا اگر پانی پر رکھا جائے تو اندر چلا جاوے گا تو خیال کرو کہ ہوا پانی سے باوجود لطافت کے کیسی رکتی ہے کہ ہرگز اس کے اندر نہیں رہتی اور اسی حکمت سے خدائے تعالیٰ نے کشتیوں کو پانی کی سطح پر روکا ہے اور جو چیز مجوف بیچ میں سے خالی جس میں ہوا ہے اس کا یہی حال ہے کہ پانی میں نہیں ڈوبتی اس واسطے کہ اس میں کی ہوا پانی میں ڈوبنے سے روکتی ہے اور کشتی کے اندر کے سطح کو نہیں چھوڑتی اسی وجہ سے بھاری کشتی باوجود قوت اور سختی کے اسی ہوائے لطیف کے سہارے سے پانی پر ٹھہری رہتی ہے جیسے کوئی کنوئیں میں گر پڑے اور ایک زبردست آدمی کا دامن پکڑ لے جو اس میں نہ گر سکے اسی طرح کشتی بھی اپنی خالی جگہ سے ہوائے قوی کے دامن تھام لیتی ہے اور پانی میں ڈوبنے سے بچی رہتی ہے پس پاک ہے وہ ذات جس نے بھاری جہاز کو ہوائے لطیف کے سہارے سے رکھا بدون کسی علاقہ یا گرہ اور بندش وغیرہ کے جو نظر نہ آویں پھر جو کے عجائب کو دیکھو کہ اس میں بادل اور رعد اور بجلی اور مینہ اور برف اور شہاب اور کڑاکے عجیب باتیں آسمان اور زمین کے درمیان کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف مجملاً اشارہ قرآن مجید میں فرمایا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا ہے[3] وما خلقنا السمٰوٰت والارض وما بینھما لاعبین درمیان کی چیزیں یہی ہیں جو مذکور ہوئیں اس آیت میں ان کو مجمل فرمایا اور ان کی تفصیل کی طرف چند جا اشارہ فرمایا مثلاً[4] والسحاب المسخر بین السماء والارض اور دوسری آیتوں میں جہاں رعد اور برق اور مینہ و بادل کا ذکر ہے پس اگر تم کو ان سب سے بہرہ بجز اس کے نہ ہو کہ مینہ کو آنکھ سے دیکھ لیا اور رعد کو کان سے سن لیا تو اس امر میں تو تمہارے شریک بہائم بھی ہیں اس لیے تم کو

---

[1] اور چلادیں ہم نے ہوائیں رس بھری ۱۲ [2] ہم نے بھیجیں ان پر باؤ بڑے سناٹے کی ایک نحوست کے دن جو چلی گئی اکھاڑ ماری لوگوں کو جیسے وہ جڑیں کھجور کی ہیں اکھڑی پڑی ۱۲

پستی مرتبہ بہا تم سے عالم بالا کے لوگوں میں شامل ہونے کے لیے ترقی کرنی چاہیے یعنی جب تمہاری آنکھیں کھلی ہیں اور تم نے ان چیزوں کے ظاہر کو دیکھ لیا تو اب اپنے ظاہر کی آنکھ بند کر لو اور اپنی چشم باطنی سے ان کے باطنی عجائب کی طرف نظر کرو تاکہ عمدہ اور عجیب اسرار نظر پڑیں اور یہ قسم بھی ایسی ہے کہ فکر اس میں بہت بڑھ جاتا ہے اس لیے کہ اس کے پورا ہونے کی توقع نہیں۔ مثلاً گاڑھے بادل اندھیرے کو دیکھو کہ کس طرح صاف جو میں اکٹھا ہوتا ہے جس میں کہیں کدورت نہیں ہوتی اور اس کو خدائے تعالیٰ جب چاہے کیسے پیدا کر دیتا ہے اور وہ باوجود اپنی نرمی کے بھاری پانی کو اٹھاتا ہے اور اوپر لیے پھرتا ہے یہاں تک کہ خدائے تعالیٰ اس کو اجازت پانی کے چھوڑنے کی دے تو بعد اجازت مینہ کے قطرات ایسے جدا کرتا ہے جیسے خدائے تعالیٰ نے مقدر کیے ہوں اور جتنے جس شکل کے ارادہ کیے ہوں۔ تو دیکھتے ہو کہ بادل زمین پر پانی ڈالنے لگتا ہے۔ ایک دوسرے سے جدا ہو مقدور نہیں کہ دو ایک دوسرے سے مل جاویں یا ایک ہی جگہ گریں بلکہ ہر ایک اسی طور پر گرے گا، نہ پچھلا آگے بڑھے گا نہ اگلا پیچھے ہٹے گا یہاں تک کہ زمین پر قطرہ قطرہ ہی گرے گا پس اگر اگلے پچھلے سب لوگ جمع ہو کر چاہیں کہ بادلوں میں سے ایک قطرہ پیدا کر لیں تو نہ کر سکیں گے یا جس قدر قطرے ایک شہر میں یا ایک گاؤں میں گرتے ہیں اور ان کے شمار معلوم کر لیں تو جن اور انسان دونوں کے حساب سے باہر ہوں گے۔ ان کے شمار کو بجز ان کے موجد کے اور کوئی نہیں جانتا۔ پھر ان میں سے ہر قطرہ زمین کے ایک حصہ کے واسطے معین ہے اور جس حیوان یعنی پرند یا وحشی یا کیڑے وغیرہ کے لیے وہ قطرہ ہے تو اس قطرہ پر خط الٰہی سے لکھا ہوا ہے جو ظاہر کی آنکھ سے نہیں سوجھتا کہ یہ قطرہ رزق فلانے کیڑے کا ہے جو فلاں پہاڑ کی طرف میں ہے جب اس کو پیاس لگے گی تو یہ قطرہ اس کے پاس پہنچے گا۔ علاوہ ازیں جو عجائب کہ اولوں کے بستہ ہونے میں اس لطیف پانی سے یا دھنی روئی کی طرح پانی کے جم کر گرتے ہیں تو ان کی کچھ شمار نہیں۔ یہ سب باتیں خدائے تعالیٰ جبار قادر کے فضل اور خالق زبردست کے قہر سے ہیں جن میں کسی مخلوق کو شرکت نہیں نہ ان میں کسی طرح کا دخل بلکہ ایمان داروں کو بجز مسکنت اور خضوع کے اس کے جلال و عظمت کے سامنے اور کچھ بہرہ نہیں، نہ اندھے منکروں کو بجز اس کے اور کچھ حاصل ہے کہ اس کی کیفیت کو بے سمجھے بوجھے اٹکل تکے لگاویں اور اس کا کوئی سبب اور علت پیدا کریں۔ مثلاً جاہل مغالطہ میں پڑا ہوا کہتا ہے کہ پانی برسنے کا یہ سبب ہے کہ پانی اپنی سرشت سے بھاری ہے یہی وجہ ہے کہ نیچے گر پڑتا ہے اور اس بات کو جانتا ہے کہ ہم کو وجہ معلوم ہو گئی اور اس سے خوش ہوتا ہے اور اگر اس سے پوچھا جاوے کہ سرشت کے معنی کیا ہیں اور سرشت کو کس نے پیدا کیا اور پانی کی سرشت میں بوجھ کیسے بنایا اور یہ کیا بات ہے کہ درخت کی جڑوں میں پانی ڈالنے سے اس کی شاخوں میں اوپر پہنچ جاتا ہے وہ تو اپنی سرشت سے بھاری ہے تو نیچے گر کر پھر اوپر کیوں چڑھ گیا اور درخت کے اندر کی نلیوں میں سے تھوڑا تھوڑا سب طرف کے پتوں میں اس طرح پھیل گیا کہ آنکھوں سے جاتا ہوا نہیں معلوم ہوتا اور ہر پتے کے ہر جزو کو غذا پہنچاتا ہے اور ان رگوں میں ہو کر جاتا ہے جو مثل بال کے باریک ہیں اور چھوٹی ہیں اس طرح کہ اوّل بڑی رگ میں جاتا ہے جو پتے کی جڑ ہے پھر اس رگ سے ان رگوں میں

جاتا ہے جو پتے کے اندر چھوٹی چھوٹی اور باریک پھیلی ہوئی ہیں۔ اور علیٰ ہذا القیاس ان سے اور چھوٹی ہیں تو بڑی رگ کو مثل نہر کے جاننا چاہیئے پھر اس سے جو شاخیں نکلی ہیں وہ چھوٹی نہریاں ہیں اور ان نہریوں سے نالیاں نکلی ہیں اور نالیوں میں سے لکڑی کے تار جیسے باریک دھاگے ہیں کہ آنکھ سے نہیں سوجھتے اور تمام پتے کے عرض میں پھیلے ہوتے ہیں انہیں میں سے پانی ہو کر پتے کے سب اجزا میں پہنچ جاتا ہے اور اس کو غذا دے کر بڑھاتا ہے اور ابھارتا ہے اور اس کی تر و تازگی قائم رکھتا ہے۔ اسی طرح تمام پھل کے اجزا کو سمجھنا چاہیئے۔ پس اگر پانی اپنی طبیعت کی رو سے نیچے کو حرکت کرتا ہے تو یہاں اوپر کو کیوں کرتا ہے اگر کہو کہ رگوں کی کشش سے یہ اثر ہوتا ہے تو بتاؤ کہ وہ کشش کہاں سے آئی آخر کہو گے کہ خدائے تعالیٰ نے ان میں یہ خاصیت رکھی ہے۔ تو اوّل ہی سے کیوں نہیں کہتے کہ خدائے تعالیٰ کی حکمت اور قدرت سے یہ معاملے ہوتے ہیں جہالت سے کیا فائدہ؟

آنچہ دانا کند کند ناداں لیک بعد از خرابی بسیار

چھٹی نشانی اس کی آسمانوں کے اسرار اور ان میں کے ستاروں کی کیفیتیں ہیں اور اصل یہی ہیں تو اگر کسی کو سب باتیں معلوم ہوں اور آسمانوں کے عجائب معلوم نہ ہوں تو واقع میں اس کو کچھ نہیں معلوم ہوا اس لیے کہ زمین اور دریا اور ہوا جتنی چیزیں سوائے آسمان کے ہیں آسمانوں کی نسبت کر ایسی ہیں جیسے ایک قطرہ سمندر کی نسبت کر بلکہ اس سے چھوٹی۔ پس غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کے اور ستاروں کے امر کو اپنی کتاب میں کیسا بڑا کیا ہے۔ کوئی سورۃ ایسی نہیں جو ان کی بڑائی پر شامل نہ ہو اور چند جا ان کی قسم بھی موجود ہے جیسے[1] والسماء ذات البروج اور[2] والسماء والطارق اور[3] والسماء ذات الحبك اور[4] والسماء وما بنٰها اور[5] والشمس وضحٰها والقمر اذا تلٰها اور[6] فلا اقسم بالخنس الجوار الكنس اور[7] والنجم اذا هوٰی اور[8] فلا اقسم بمواقع النجوم وانه لقسم لو تعلمون عظيم پس عجائب نطفہ ناپاک کے تم کو معلوم ہوئے کہ ان کی معرفت سے اگلے پچھلے لوگ عاجز ہیں۔ مگر اس کی قسم خدائے تعالیٰ نے نہیں کھائی تو اس سے قیاس کر لینا چاہیئے کہ جس چیز کی خدائے تعالیٰ نے قسم کھائی ہے اس کے عجائب کیا کچھ ہوں گے علاوہ قسم کے رزق کا حوالہ بھی آسمان پر فرمایا جیسا کہ ارشاد ہے[9] وفی السماء رزقكم وما توعدون اور آسمانوں کے باب میں فکر کرنے والوں کی ثنا فرمائی اس قول میں[10] ويتفكرون فی خلق السموٰت والارض اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[11] ويل لمن قرء هٰذه الاٰية ثم مسح بها سبلته یعنی بے فکر کیے آگے بڑھ جاوے اور اعراض کرنے والوں کی مذمت فرمائی چنانچہ

---

[1] قسم ہے آسمان کی جس میں برج ہیں ۱۲ [2] قسم ہے آسمان کی اور اندھیرا پڑا آنے کی ۱۲ [3] قسم ہے آسمان جالی دار کی ۱۲ [4] اور آسمان کی اور جیسا اس کو بنایا ۱۲ [5] قسم سورج کی اور اسکی دھوپ چڑھنے کی اور چاند کی جب آوے اسکے پیچھے ۱۲ [6] سو قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹ جانے سیدھے چلنے دبک جانے والوں کی ۱۲ [7] قسم تارے کی جب گرے ۱۲ [8] سو میں قسم کھاتا ہوں تارے ڈوبنے کی اور یہ قسم ہے اگر سمجھو تو بڑی قسم ہے ۱۲ [9] اور آسمان میں ہے روزی تمہاری اور جو کچھ تم سے وعدہ کیا ۱۲ [10] اور دھیان کرتے ہیں آسمان و زمین کی پیدائش میں ۱۲ [11] خرابی ہے اسکی جو پڑھے اس آیت کو پھر اپنی موچھوں کو تاؤ دے۔ یہ حدیث پیشتر ہے ۱۲

فرمایا[۱] وجعلنا السماء سقفًا محفوظا وھم عن اٰیاتہ معرضون۔ اب غور کرو کہ تمام دریاؤں اور زمین کو آسمان سے کیا نسبت ہے ؎

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

علاوہ ازیں زمین وغیرہ عنقریب بدلنے والے ہیں اور آسمان سخت محکم ہیں تغیر سے محفوظ یہاں تک کہ ان کا وقت مقرر ہی تغیر کا پہنچے اور یہیں لحاظ خدائے تعالیٰ نے ان کو محفوظ فرمایا جیسا کہ اوپر کی آیت میں گزرا اور فرمایا[۲] وبنینا فوقکم سبعًا شدادًا اور فرمایا[۳] ءانتم اشد خلقا ام السماء بناھا رفع سمکھا فسوٰھا پس ان کے عجائب پر غور کرو تاکہ ملکوت و جبروت کے عجائب نظر آجاویں اور یہ گمان مت کرو کہ ملکوت کے دیکھنے سے یہ غرض ہے کہ آنکھ اٹھا کر آسمان کا نیلا پن اور ستاروں کی روشنی اور چھٹکنا دیکھ لیا اس لیے کہ اس نظر میں تو بہائم بھی تمہارے شریک ہیں اگر یہی نظر مقصود ہوتی تو خدائے تعالےٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مدح کیوں فرماتا جیسا اس آیت میں ہے۔ [۴]وکذٰلک نری ابراھیم ملکوت السمٰوٰت والارض بلکہ اصل یہ ہے کہ جتنی چیزیں آنکھ سے سوجھتی ہیں تو قرآن مجید ان کو ملک اور شہادت کے نام سے بیان فرماتا ہے اور جو آنکھ سے غائب ہیں ان کو غائب اور ملکوت کے نام سے اور اللہ تعالیٰ غیب اور شہادت دونوں کو جانتا ہے اور ملک اور ملکوت دونوں کا حاکم کوئی شخص اس کے علم پر کچھ بھی حاوی نہیں مگر اس قدر کہ وہ چاہے جیسا کہ خود ارشاد فرماتا ہے[۵] عالم الغیب فلا یظھر علیٰ غیبہ احدا الا من ارتضیٰ من رسولٍ پس اے عاقل اپنا فکر ملکوت میں بہت کر تارہ کہ تیرے لیے شاید آسمانوں کے دروازے کھل جاویں اور تو اپنے دل سے ان کے اطراف میں جولانیاں کرے یہاں تک کہ تیرا دل عرش خدائے تعالیٰ کے سامنے جا کھڑا ہو اور اس حال میں غالبًا توقع ہے کہ تو رتبہ حضرت عمرؓ کو پہنچ جاوے جو ارشاد فرماتے ہیں کہ میرے دل نے خدائے تعالیٰ کو دیکھا اور ان چھپی نشانیوں کو بترتیب دیکھنے کی وجہ یہ ہے کہ دُور کی چیز پر نزدیک کی چیز سے گذر کر پہنچا کرتے ہیں اور سب سے نزدیک تر آدمی کا نفس ہے پھر زمین ہے جس پر رہتا ہے پھر ہوا ہے جو اس کے بدن سے لگی ہوئی ہے پھر نباتات اور حیوانات اور زمین کی چیزیں ہیں پھر اوپر کی اشیاء ہیں پھر ساتوں آسمان اور ان کے ستارے ہیں پھر کرسی پھر جو فرشتے کہ عرش کے اٹھانے والے ہیں اور آسمان کے خزانچی ہیں پھر ان سب کے بعد عرش و کرسی و آسمان و زمین اور ان کی درمیانی چیزوں کے مالک کی طرف نظر کرنی ہے۔ پس معلوم ہوا خدائے تعالیٰ میں اتنے جنگل وسیع اور فاصلہ بعید اور گھاٹیاں بلند ہیں اور وہ ابھی اتنے قریب سب سے نیچے کی گھاٹی سے بھی فارغ نہیں ہوا یعنی ابھی ظاہر نفس کی معرفت سے فرصت نہیں پائی اور بے حیائی سے زبان

---

[۱] اور بنایا ہم نے آسمان کو چھت بچاؤ کی اور وہ اس کے نمونے دھیان میں نہیں لاتے ۱۲ [۲] اور چنی تم سے اوپر سات چنائی مضبوط ۱۲ [۳] کیا تم مشکل ہو بنانے میں یا آسمان اس نے بنایا اور بلند کیا پھر برابر کیا ۱۲ [۴] اور اسی طرح ہم دکھانے لگے ابراہیمؑ کو سلطنت آسمان زمین کی [۵] جاننے والا بھید کا سو نہیں خبر دیتا اپنے بھید کی کسی کو مگر جو پسند کر لیا کوئی رسول ۱۲

معرفت کے دعویٰ کے لیے کھولتا ہے اور کہتا ہے کہ میں اس کو پہچان گیا اور اس کی خلق کو جان لیا اب کس چیز میں فکر کروں
اور کیا دیکھوں اس سے کہنا چاہیے کہ آسمان کی طرف اپنا سر کر اور اس میں اور اس کے ستاروں اور ان کی گردشوں اور
ان کے طلوع و غروب اور سورج اور چاند اور مشرق اور مغرب کے اختلاف اور ہمیشہ حرکت کی مشقت میں نظر کر کہ
کبھی اپنی چال میں سستی اور تغیر نہیں کرتے بلکہ سب کے سب ترتیب وار منزلوں میں ایک حساب معین بلا کم و بیش
سے پھرتے ہیں یہاں تک کہ خدائے تعالیٰ ان کو مکتوب کی طرح تہ کر دے اور ستاروں کے شمار اور ان کی کثرت اور
رنگ کے اختلاف میں غور کر کہ کوئی سرخی مائل ہے کوئی سفیدی مائل اور کسی کا رنگ رانگ کا سا ہے پھر ان کی
شکلوں پر نظر کر کہ بعضے بچھو کی صورت پر ہیں اور بعضے بکری کے بچہ کی صورت اور بعضے بیل اور شیر اور انسان
کی صورت اور زمین میں کوئی ایسی صورت نہیں جس کے مانند آسمان میں نہ ہو پھر آفتاب کی چال کو برس روز کی
مدت میں اس کے آسمان میں غور کر کہ ہر روز اس کا طلوع و غروب ہونا ایک نئی چال سے ہوتا ہے جو خالق نے
اس کے لیے معین کر دی ہے اگر آفتاب کا طلوع اور غروب نہ ہوتا تو دن رات کیونکر ہوتی وقت نہ پہچانا جاتا
یا ہمیشہ اندھیرا رہتا یا اجالا۔ معاش کے حاصل کرنے کا وقت اور آرام کا زمانہ جدا نہ ہوتا۔ تو دیکھ کہ اللہ تعالیٰ نے
کیسے رات کو اوڑھنا اور سونے کو آرام اور دن کو روزگار کے لیے بنایا اور دیکھ کہ رات میں سے دن میں اور دن
میں سے رات میں کیسے کم و بیش ایک ترتیب معین سے کیا کہ کبھی کے دن بڑے اور کبھی کی راتیں اور کس طرح
آفتاب کی چال کو آسمان کے بین بیچ میں جھکایا جس کے باعث گرمی اور جاڑا اور ربیع اور خریف نوبت بنوبت
ہونے لگی۔ جب آفتاب خطِ استوا سے نیچے کو خطِ جدی کی طرف ہو جاتا ہے تو ہوا سرد ہو جاتی ہے اور جاڑا آ جاتا ہے
اور جب اس کی چال عین خطِ سرطان کے بیچ میں ہوتی ہے تو شدت کی گرمی ہوتی ہے اور جب نقاط اعتدال پر ہوتا
ہے تو موسم بھی معتدل رہتا ہے۔ اور آسمانوں کے عجائب اتنے ہیں کہ ان میں کے لاکھویں حصہ کے شمار کرنے کی
طمع نہیں ہو سکتی اس قدر جو ہم نے لکھا تو صرف طریق فکر بتانے کو لکھ دیا۔ حاصل یہ کہ یوں اعتقاد کر لو کہ کوئی ستارہ
ایسا نہیں جس کی پیدائش میں خدائے تعالیٰ نے بہت سی حکمتیں نہ رکھی ہوں۔ پھر اس کی مقدار اور شکل اور رنگ میں
پھر آسمانوں میں سے ایک جائے معین رکھنے میں، پھر خطِ استوا اور یا اس کے ستاروں سے نزدیک دور ہونے
میں سب میں حکمتیں بہت ہیں اور اس امر کو اسی پر قیاس کر لو کہ جو ہم اعضائے بدن انسانی کے باب میں لکھ آئے
ہیں کہ کوئی جزء اعضاء کا ایسا نہیں جس میں ایک حکمت بلکہ بہت سی حکمتیں نہ ہوں اور آسمان کا معاملہ تو اعضا
سے بہت بڑا بلکہ عالم زمین کو عالم آسمان سے کچھ نسبت ہی نہیں نہ جسم کی بڑائی میں اور نہ کثرت معانی میں، اور
معانی کی کثرت کے فرق کو اتنا جانو جتنا ان دونوں کی بڑائی میں فرق ہے اور یہ تو تمہیں معلوم ہے کہ زمین اتنی
بڑی اور وسیع ہے کہ آدمی سے اس کے گرد نہیں پھرا جا سکتا اور اس پر ناظرین کا اتفاق ہے کہ آفتاب کا پھیلاؤ
بہ نسبت زمین کے چند اوپر ایک سو ساٹھ گنا زیادہ ہے اور اخبار سے بھی آفتاب کی بڑائی معلوم ہوتی ہے پھر

ح ا چنانچہ احمد نے بروایت عبداللہ بن عمرو اور طبرانی نے کبیر میں بروایت ابوامامہ سورج کی بڑائی نقل کی ہے ۱۲

ستارے جو تم کو چھوٹے معلوم ہوتے ہیں ان میں سے چھوٹے سے چھوٹا زمین سے آٹھ گنا ہے اور بڑے کا تو کیا ٹھکانا ہے اس سے تم کو ان کا فاصلہ اور بلندی سمجھ میں آوے گی کہ کتنی دور ہیں کہ باوجود کلانی کے اتنے چھوٹے نظر آتے ہیں اور اسی جہت سے اللہ تعالیٰ نے ان کی دوری کی طرف اشارہ فرمایا کہ رفع سمکہا فسواہا[1] اور اخبار میں یہی ہے کہ ہر آسمان سے دوسرے تک فاصلہ پانسو برس کی راہ کا ہے۔ پس جب ایک ستارے کی مقدار زمین سے بہت گنی ہے تو اب ان کی کثرت کو لحاظ کرو پھر آسمان کو دیکھو جس میں ستارے جڑے ہیں کہ کتنا بڑا ہوگا پھر سرعت سیر کو دیکھو کہ تم کو ان کی چال تک نہیں معلوم ہوتی سرعت کے معلوم ہونے کا تو کیا ذکر ہے مگر اس میں شک نہ کرو کہ آسمان ایک لحظہ میں مقدار عرض ستارے کے چلتا ہے اس لیے کہ جب ایک کنارہ ستارے کا نکلتا ہے اس سے دوسرے کنارے تک کے نکلنے کے وقت ایک لحظہ ہے۔ پس اگر ستارے کا عرض زمین سے سو گنا ہو تو آسمان ایک لحظہ میں زمین کے عرض سے سو گنا چلا اور اسی طور پر ہمیشہ چلتا رہتا ہے مگر تم اس سے غافل ہو۔ اور دیکھو کہ حضرت جبرئیلؑ نے آفتاب کی سیر کو کن لفظوں سے تعبیر کیا یعنی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ دن ڈھل گیا تو انہوں نے کہا کہ نہیں ہاں۔[2] آپ نے پوچھا کہ نہیں ہاں کہنے کی کیا وجہ ہے انہوں نے عرض کیا کہ جب سے میں نے نہیں کہہ کر ہاں کہا آفتاب پانسو برس کی راہ طے کر گیا تو اس کے جسم کی عظمت اور سرعت سیر کو دیکھو پھر خدا تعالیٰ حکیم کی قدرت کو دیکھو کہ باوجود وسعت اس کے اطراف کے کس طرح آنکھ کے چھوٹے سے ڈھیلے میں اس کی صورت قائم کی کہ اگر زمین پر بیٹھ کر اس کی طرف آنکھ رکھو تو سب ستارے نظر آویں۔ پس آسمانوں اور ستاروں کی کثرت اور عظمت کی طرف مت دیکھو بلکہ ان کے خالق کی طرف غور کرو کہ کس طرح ان کو پیدا کیا اور بے ستونوں اور بے کسی لگاؤ کے ان کو تھام رکھا ہے اور سارا عالم مثل ایک گھر کے ہے اور آسمان اس کی چھت ہے تو تعجب کی بات ہے کہ جب تم کسی امیر کے گھر میں جاتے ہو اور اس کو منقش رنگ برنگ اور سنہرے کام سے آراستہ دیکھتے ہو تو تمہارا تعجب تمام نہیں ہوتا اور ہمیشہ اسی کو یاد کرتے رہتے ہو اور اس کی خوبی کی عمر بھر تعریف کرتے ہو اور اس بڑے گھر کو ہمیشہ دیکھتے ہو اور اس کی زمین اور ہوا اور چھت اور عمدہ متاعوں اور نادر حیوانات اور عجائب نقوش پر روزمرہ نگاہ ڈالتے ہو اور دل سے اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے یہ گھر کچھ اس گھر سے کم نہیں جس کی تم تعریف کیا کرتے ہو بلکہ اگر تامل کرو تو وہ ایک جزو زمین کا ہے جو اس عالیشان گھر کے اجزاء میں سے ایک حقیر جزو ہے مگر باوجود اس کے تم اس کی طرف نہیں دیکھتے اس کی وجہ یہی ہے کہ جہان تمہارے رب کا گھر ہے اور اس نے اس کو تنہا بنایا ہے اور تم اپنے نفس اور اپنے رب اور اس کے گھر کو سب کو بھول کر اپنے پیٹ اور شرمگاہ کے دھندے میں لگے ہو۔ تم کو بجز اپنی شہوت اور حشمت کے اور کچھ فکر نہیں اور انجام تمہاری شہوت کا یہ ہے کہ اپنا پیٹ بھر لو۔ یہ

---

[1] اونچی کی اسکی بلندی پھر اسکو صاف کیا ۱۲ [2] ترمذی بروایت حسن عن ابی ہریرہ اور کہا کہ غریب ہے اور حسن کا سماع ابو ہریرہ سے ثابت نہیں ۱۲

نہیں ہو سکتا کہ چوپایہ کے دسویں حصہ کے برابر بھی کھا سکو تو اسباب میں چوپایہ تم سے دس درجہ زیادہ ہے اور غایت حشمت یہ ہے کہ تمہارے پاس دس یا سو آشنا جمع ہو کر زبان سے تمہاری خوشامد کریں اور دل میں تم سے بدعقیدہ رہیں اور اگر بالفرض دوستی میں سچے ہی ہوں تب بھی نہ تمہارے لیے نہ اپنے لیے کسی فائدے یا نقصان کے مالک ہیں نہ زندگی اور موت اور اس کے بعد اٹھنے کے مالک۔ حالانکہ تمہارے شہر میں بہت سے کافر ہوں گے جن کی دولت و جاہ تمہاری دولت سے زیادہ ہو اور تم اس میں مشغول ہو کر جمال ملکوت زمین و آسمان سے غافل ہو پھر تم کو اس مزہ کی بھی خبر نہیں جو مالک ملکوت کے جمال کے دیکھنے سے ہوتا ہے اور تمہاری مثال اس باب میں ایسی ہے جیسے کوئی چیونٹی کسی ایسے محل عالیشان شاہی میں گھر کھودے جس کے پائے مضبوط اور عمارتیں عالی اور مکانات میں لونڈی غلام بنے سنورے موجود اقسام اقسام کی نفیس چیزیں اور ذخیرے مرتب رکھے ہوں۔ تو وہ چیونٹی جب اپنے سوراخ سے نکلے گی اور دوسری چیونٹی سے ملے گی تو اگر بولنے پر قادر ہو گی تو اس سے اور گفتگو نہ کرے گی صرف اپنے مکان کا حال اور غذا کا ماجرا اور جوڑ رکھنے کی کیفیت بیان کرے گی پادشاہی محل کا حال اور محل میں جو بادشاہ رہتا ہے اس کو اس کی کچھ خبر نہ ہو گی نہ اس میں فکر کرے گی۔ بلکہ یہ مثال بھی ٹھیک نہیں اس لیے کہ چیونٹی کو قدرت نہیں کہ اپنی نظر کو اپنے نفس اور غذا اور گھر سے دوسرے کی طرف بڑھا دے تو وہ بیچاری جو محل شاہی اور اس کی زمین اور چھت اور دیواروں اور تمام عمارت اور اس کے باشندوں سے غافل ہے تو یہ مجبوری غافل ہے کہ قدرت نہیں رکھتی اور تم جو خدائے تعالیٰ کے گھر اور اس کے باشندوں سے غافل ہو کر آسمان کو اتنا جانتے ہو کہ جتنا چیونٹی تمہارے گھر کی چھت کو جانتی ہے اور آسمان کے فرشتوں کو ایسا سمجھتے ہو جیسے وہ تم کو سمجھتے ہیں۔ حالانکہ تم کو قدرت ہے کہ ملکوت میں جولانیاں کرو اور ان کے عجائب میں سے وہ باتیں معلوم کرو جن سے خلق غافل ہے تو باوجود اس کے متوجہ نہ ہونا اس بات پر دال ہے کہ تم چیونٹی سے بھی بدتر ہو۔ اب ہم قلم کی باگ اس فکر کے ذکر سے روکتے ہیں اس لیے کہ یہ ایسا میدان ہے جس کی کچھ انتہا نہیں۔ اگر ہم بہت سی عمریں بڑی بڑی اس میں صرف کریں تب بھی جتنی معرفت کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اپنے فضل سے عنایت فرمائی ہے اس کی شرح نہ کر سکیں اور جس قدر ہم نے معلوم کیا ہے وہ اور عالموں اور ان کے علم کی نسبت کہ نہایت کم اور حقیر ہے اور علماء اور اولیاء کی معرفت بہ نسبت انبیاء علیہم السلام کی معرفت کے یہی حال رکھتی ہے اور انبیاء کو جس قدر معرفت ہے وہ اس معرفت کے سامنے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تھی نہایت تھوڑی اور حقیر ہے اور جو سارے انبیاء کو معرفت تھی وہ بہ نسبت مقرب فرشتوں مثل اسرافیل اور جبرائیل کی معرفت کے تھوڑی ہے۔ پھر تمام علوم فرشتوں اور جن اور آدمیوں کے اگر خدائے تعالیٰ کے علم کی طرف نسبت کیے جاویں تو اس لائق ہی نہیں کہ ان کو علم کہا جاوے بلکہ بہتر یہ ہے کہ ان کا نام مدہوشی اور حیرت اور قصور اور عاجزی رکھا جاوے۔ پس پاک ہے وہ ذات کہ اپنے بندوں کو جتایا جو جتایا پھر سب کو یہ فرمایا[1] وما اوتیتم من العلم الا قلیلا یہ ہے بیان ان مجمل طریقوں کا جن میں فکر ان لوگوں کی دوڑتی ہے جو خدائے تعالیٰ

---

[1] اور تم کو خبر نہیں دی مگر تھوڑی سی ۱۲

کی مخلوق میں فکر کرتے ہیں اور ان میں بیان خدائے تعالیٰ کی ذات میں فکر کرنے کا نہیں مگر خلق میں فکر کرنے سے ضرور ہے کہ خالق کی معرفت اور اس کی عظمت و ہیبت اور قدرت کی سمجھ حاصل ہو اور جس قدر عجائب صنعتِ الٰہی کی معرفت زیادہ ہو گی اسی قدر اس کے جلال و عظمت کی معرفت کامل تر ہو گی اور اس کو ایسا جانو جیسے تم کسی عالم کے علم سے مطلع ہو کر اس کی بڑائی کرو تو ہمیشہ یہ ہو گا کہ اگر کوئی اس کی عمدہ تصنیف یا شعر دیکھو گے تو اس سے اور زیادہ معرفت بڑھے گی اور اتنی ہی اس کی توقیر اور عزت زیادہ کرو گے یہاں تک کہ ہر ایک کلمہ اس کے کلام ہر بیت اس کے اشعار کی تمہارے دل میں اس کی جگہ زیادہ کرے گی اور اس بات کی خواہاں ہو گی کہ تم اس کی تعظیم کرو اسی طرح خدائے تعالیٰ کی مخلوق میں اور اس کی تصنیف و تالیف میں تامل کرنے کا حال ہے اور جو چیز مخلوق کی موجود ہے وہ اسی کی تصنیف و تالیف ہے اور اس میں فکر کرنا کبھی تمام نہیں ہوتا بلکہ ہر ایک بندہ اسی قدر کرتا ہے جتنا اس کو مرحمت ہوا ہے۔ اب چاہیئے کہ اس ذکر پر ہم بس کریں اور اس کو تتمۂ باب الشکر کا کریں اس لیے کہ باب الشکر میں ہماری نظر خدائے تعالیٰ کے افعال پر اس اعتبار سے ہے کہ اس کا احسان اور انعام ہمارے اوپر ہے کہ اس نے ایسی ایسی چیزیں بنائیں اور اس باب میں صرف اسی اعتبار سے ہے کہ افعال الٰہی ایسے ایسے ہیں اور جن چیزوں میں ہم نے نظر کی ہے انہی میں فلسفی بھی نظر کرتا ہے اور اس کی نظر اس کی گمراہی اور بدبختی کا باعث ہوتی ہے۔ اور توفیق والا ان اشیا میں دیکھتا ہے تو اس کی نظر سبب اس کی ہدایت اور سعادت کا ہوتی ہے اور کوئی ذرہ آسمان اور زمین میں ایسا نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے باعث جس کو چاہے گمراہ نہ کرے اور جس کو چاہے ہدایت نہ کرے۔ پس جو شخص ان امور میں اس نظر سے دیکھے گا کہ یہ خدائے تعالیٰ کے افعال اور صنائع ہیں تو وہ ان سے معرفت خدائے تعالیٰ کی عظمت و جلال کی حاصل کرے گا اور ہدایت پا وے گا اور جو ان میں نظرِ قصور سے دیکھے گا یعنی اس نظر سے کہ یہ سب چیزیں ایک دوسرے پر موثر ہیں اور مسبب الاسباب سے علاقہ نہیں رکھتیں تو وہ بدبخت اور تباہ ہو گا۔ خدائے تعالیٰ ہم کو گمراہی سے بچاوے اور اس سے دعا مانگتے ہیں کہ ہم کو جاہلوں کے قدم کی لغزش کی جگہ سے اپنی رحمت اور فضل سے محفوظ رکھے۔

نواں باب جلد چہارم منجیات کا تمام ہوا اس کے بعد دسواں باب ہے جس میں موت اور اس کے بعد کے احوال یاد کرنے کا ذکر ہے اور اسی پر کتاب احیاء کا خاتمہ ہے۔ وصلی اللہ علیٰ سیدنا و مولانا محمد و آلہ و صحبہ وسلم تسلیماً کثیراً کثیرا۔

دسواں باب موت اور ما بعد الموت

رباعی

احسن جو تجھے عقل ہے تو موت نہ بھول — کر موت کے سامان میں فکر معقول
ہے زندگی چند نفس مثل حباب — اس فانی حیات پر تو اتنا مت پھول

جاننا چاہیئے کہ جس شخص کے بچھڑنے کا وقت موت ہو اور بستر خاک اس کی خواب گاہ ہو۔ کیڑے اس کے انیس ہوں اور منکر نکیر اس کے جلیس، گور اس کا مقام ہو اور شکم زمین جائے آرام۔ قیامت اس کے وعدے کی جگہ ہو اور بہشت یا دوزخ اس کے اترنے کی جگہ تو اس کو شایاں ہے کہ بجز موت کے کسی امر میں فکر نہ کرے اور نہ کسی چیز کا ذکر کرے اور نہ کسی چیز کے لیے سامان بہم پہنچاوے نہ اس کے سوا کوئی تدبیر عمل میں لاوے اور نہ اور چیز کی تاک ہو نہ اس کے سوا کا تپاک، اہتمام بھی اسی کا ہو اور انتظار بھی اسی کا اور زیبا ہے کہ اپنے نفس مردوں اور قبر والوں میں شمار کرے اس لیے کہ جو چیز آنے والی ہے وہ بہت پاس ہے دور وہی ہے جو نہ آوے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[ع] کہ دانا وہ ہے جو اپنے نفس کو دباتے اور موت کے بعد کے لیے عمل کرے اور ظاہر ہے کہ جب تک کسی چیز کا ذکر دل پر بار بار نہ ہو تب تک اس کی تیاری نہیں ہو سکتی اور بار بار ذکر جب ہوتا ہے جب یاد دلانے والی چیزیں سنتا رہے۔ اور جن چیزوں سے اس پر تنبیہ ہو انہیں کو دھیان کرتا رہے اس لیے ہم موت کا حال اور اس کے آگے اور پیچھے کی باتیں اور آخرت اور قیامت اور بہشت و دوزخ کے حالات کہ بندے کو ان کا بار بار ذکر کرنا اور مدام فکر کرنا ضرور ہے۔ بیان کرتے ہیں تاکہ اس کو تیاری کے لیے ترغیب دے اس لیے کہ سفر کا وقت آپہنچا اور زندگی بہت تھوڑی رہی ہے اور لوگ خواب خرگوش میں ہیں چنانچہ اللہ تعالٰے فرماتا ہے[۲] اقترب للناس حسابھم وھم فی غفلۃ معرضون اور اس باب میں ہم دو حصے کرتے ہیں۔

پہلا حصہ: موت کے مقدمات سے صور اسرافیل تک اور یہ حصہ مشتمل ہے

آٹھ فصلوں پر جن میں ذکر موت کی فضیلت اور طول امل اور سکرات موت و وفات شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی اور زیارت قبور اور حقیقت موت اور قبر کا حال اور مردوں کے حالات جو خواب میں معلوم ہیں مذکور رہیں۔

ع یہ حدیث پیشتر گذری ۱۲ ۲ نزدیک آلگا لوگوں کو ان کے حساب کا وقت اور وہ بے خبر منہ پھیرتے ہیں ۱۲

فصل ۱ موت کو کثرت سے یاد کرنا

واضح ہو کہ جو شخص دنیا میں ڈوبا رہتا ہے اور اس کے مغالطہ میں سرگردان اور اس کی شہوات کا عاشق اس کا دل موت سے غافل رہتا ہے اور اسی وجہ سے اس کو یاد نہیں کرتا اور اگر اس کو کوئی یاد دلا دے تو بُرا جانتا ہے اور اس کے ذکر سے نفرت کرتا ہے ایسے ہی لوگوں کے حق میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے[ت] قل ان الموت الذی تفرون منہ فانہ ملاقیکم ثم تردون الیٰ عالم الغیب والشہادۃ فینبئکم بما کنتم تعملون پھر آدمی تین طرح کے ہیں یا ڈوبا ہوا یا مبتدی توبہ کرنے والا یا عارف منتہی اول قسم کا آدمی موت کو یاد نہیں کرتا اور اگر کرتا ہے تو اپنی دنیا پر افسوس کے مارے کرتا ہے اور اس کی بُرائی کرنے لگتا ہے ایسے شخص کو موت کی یاد خدائے تعالیٰ سے اور دور کر دیتی ہے اور تائب موت کو اس لیے زیادہ یاد کرتا ہے کہ اس کے دل میں سے خوف اُٹھے اور توبہ کو انجام تک پورا کر دے اور بعض اوقات جو اس کو برا جانتا ہے تو اس نظر سے کہ کہیں پہلے توبہ کے کامل ہونے اور توشے کی درستی کے موت نہ آجاوے یہ شخص موت کے بُرا جاننے میں معذور ہے اور اس حدیث کے مضمون میں داخل نہیں[ح] من کرہ لقاء اللہ کرہ اللہ لقائہ اس لیے کہ یہ شخص موت کو اور خدائے تعالیٰ سے ملنے کو بُرا نہیں جانتا بلکہ اپنے قصور اور تقصیر کے باعث اس بات سے ڈرتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کی ملاقات کہیں جاتی نہ رہے اس کا حال ایسا ہے جیسے کوئی عاشق اپنے معشوق کی ملاقات میں اس وجہ سے دیر کرے کہ اس عرصہ میں معشوق کی مرضی کے موافق تیاری کرنے میں لگا رہے تو ایسے شخص کو یہ نہ کہیں گے کہ معشوق سے ملنے کو بُرا جانتا ہے اور اس کی پہچان یہ ہے کہ ہمیشہ موت کے سامان میں لگا رہے کوئی کام اس کے سوا نہ ہو ورنہ اول قسم میں شامل ہو جاوے گا اور تیسرا شخص یعنی عارف وہ ہمیشہ موت کو یاد کیا کرتا ہے اس لیے کہ موت پر وعدہ ملاقات حبیب ہے اور عاشق اپنے معشوق کے وعدہ وصال کو کبھی بھولا نہیں کرتا ایسا شخص اکثر موت کی جلدی تیاری کرتا ہے اور اس کے آنے سے خوش ہوتا ہے اور اس کو محبوب جانتا ہے تاکہ گنہگاروں کے مقام سے رہا ہو کر رب العالمین کے پڑوس میں جا پڑے جیسے حضرت حذیفہؓ کے حال میں لکھا ہے کہ جب ان کی وفات قریب ہوئی تو فرمایا کہ حبیب ضرورت کے وقت پر آیا جو پشیمان ہوا اس کو فلاح نصیب نہ ہو الٰہی تو جانتا ہے کہ مجھ کو مفلسی بہ نسبت تونگری کے زیادہ پسند ہے اور مرض بہ نسبت صحت کے اور موت بہ نسبت حیات کے تو مجھ پر موت کو آسان فرما کہ میں تجھ سے ملوں۔ تائب تو موت کے بُرا جاننے میں مذکور ہے اور عارف موت کے اچھا جاننے

ت ا تو کہ موت وہ ہے جس سے تم بھاگتے ہو سو وہ تم سے ملتی ہے پھر پھیرے جاؤ گے اس چھپا اور کھلا جاننے والے کے پاس پھر جتاوے گا تم کو جو کرتے تھے ح ۲ جو شخص اللہ کی ملاقات کو بُرا جانتا ہے اللہ اس کی ملاقات کو بُرا جانتا ہے ۱۲ بخاری و مسلم بروایت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ۱۲

ہیں اور اس کی تمنا کرنے میں، اور ان دونوں سے بڑھ کر وہ ہے جو اپنا معاملہ خدائے تعالیٰ کو سپرد کردے کہ اپنے لیے موت پسند کرے نہ زندگی بلکہ سب چیزوں سے محبوب تر اس کے نزدیک وہی ہو جو اس کے مالک کے نزدیک محبوب تر ہو اس طرح کا شخص فرطِ محبت اور عشق کے باعث مقامِ تسلیم اور رضا میں پہنچ جاتا ہے اور یہی علت غائی اور منتہائے آرزو ہے۔ بہرحال موت کے ذکر میں ثواب اور فضیلت ہے اس لیے کہ دنیا میں ڈوبا ہوا بھی موت کی یاد سے یہ فائدہ اٹھاتا ہے کہ دنیا سے کنارہ کشی کرتا ہے کیونکہ موت کی یاد اس کی راحت کو مکدر اور عیش کو تلخ کر دیتی ہے اور جن چیزوں سے کہ آدمی کی لذتیں اور شہوتیں گھٹتی ہوتی ہیں وہی نجات کی سبب ہیں۔

موت کو یاد کرنے کی فضیلت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[ح۱] اکثروا من ذکر ھادم اللذات ط اس کے معنی یہ ہیں کہ موت کی یاد سے اپنی لذتوں کو مکدر کرو تاکہ تمہارا میلان ان کی جانب جاتا رہے اور پھر خدائے تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو[ح۲]۔ اور فرمایا کہ اگر بہائم کو وہ بات معلوم ہو کر جو تم جانتے ہو تو تم ان میں سے فربہ کبھی نہ کھاؤ یعنی سب لاغر ہو جاویں۔ اور حضرت عائشہؓ نے آپ سے پوچھا کہ بھلا شہیدوں کے ساتھ بھی کوئی اٹھے گا آپ نے فرمایا کہ ہاں جو رات دن میں موت کو بیس بار یاد کرے گا اور سبب اس سب فضیلت کا یہ ہے کہ موت کا یاد کرنا موجب دنیا سے علیحدگی اور آخرت کی تیاری کا ہے اور اس سے غفلت کرنی مقتضی دنیا کی شہوات میں ڈوبنے کی ہے اور ایک حدیث شریف میں ہے[ح۳] تحفۃ المومنین الموت اس لیے فرمایا کہ دنیا ایماندار کا زندان ہے ہمیشہ اس رنج و تعب میں مبتلا اور نفس و شیطان سے مصیبتیں بھگتتا رہتا ہے تو موت کے باعث اس کو اس عذاب سے چھٹی ہو جاتی ہے اور چھوٹنا اس کے حق میں تحفہ ہے اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ[ح۴] الموت کفارۃ لکل مسلم ط اس میں مسلم سے مراد سچا مسلمان اور پکا ایماندار ہے کہ اس کے ہاتھ و زبان سے مسلمان بچے ہوں اور اس میں اخلاق ایمانداروں کے موجود ہوں اور بجز لغزشوں اور گناہ صغیرہ کے کبائر میں آلودہ نہ ہوا ہو ایسے گناہوں سے موت اس کے حق میں کفارہ ہو جاتی ہے بشرطیکہ فرائض پر قائم رہا ہو۔ اور عطا خراسانیؒ فرماتے ہیں[ح۵] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ایک مجلس پر ہوا جس میں آواز ہنسی کی بلند تھی آپ نے فرمایا کہ اس اپنی مجلس میں ذکر لذات کی مکدر کرنے والی کا شامل کر دو لوگوں نے عرض کیا کہ لذات کی مکدر کرنے والی کیا ہے آپؐ نے فرمایا موت ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ[ح۶] اکثروا من ذکر الموت فانہ یمحوا الذنوب ویزھد فی الدنیا اور فرمایا کفی بالموت مفرقا اور

ح۱ زیادہ کرو یاد لذتوں کی مٹانے والی کی ۱۲ ترمذی ونسائی وابن ماجہ بروایت ابی ہریرہؓ ح۲ بیہقی در شعب بروایت ام حبیبہؓ وصغیرہؓ ح۳ اسکی سند پہلے گذری ۱۲ ح ایماندار کا تحفہ موت ہے ابن ابی الدنیا وحاکم بروایت عبداللہ بن عمرو ۱۲ ح۵ موت ہر مسلمان کے لیے گناہوں کی دور کرنے والی ہے بیہقی در شعب و خطیب در تاریخ بروایت انسؓ ۱۲ ح ابن ابی الدنیا مرسلاً ح زیادہ کرو ذکر موت کا کہ وہ گناہوں کو صاف کر دیتی ہے اور پرہیزگار کر دیتی ہے دنیا میں ابن ابی الدنیا بسند نہایت ضعیف ۱۲

ح موت بس ہے جدا کرنے کو یا نصیحت کرنے کو۔ حارث ابن ابی اسامہ بروایت انس بسند ضعیف اور ابن مبارک نے یہ وصلہ میں بروایت ابو عبدالرحمن حبلی مرسلاً نقل کی

اور ایک حدیث میں مفرقاً کی جگہ واعظاً ہے[ح۱] اور ایک بار آپ مسجد میں تشریف لائے دیکھا تو کچھ لوگ باتیں کر کے ہنستے ہیں آپ نے فرمایا کہ موت کو یاد کرو[ح۲] سن لو قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر تم کو معلوم ہو جو میں جانتا ہوں تو تم تھوڑا ہنسو اور بہت سا رو و۔ اور ایک شخص کا مذکور آپ کے سامنے ہوا لوگوں نے اس کی خوب تعریف کی آپ[ح۳] نے پوچھا کہ تمہارا یار موت کی یاد میں کیسا تھا لوگوں نے عرض کیا کہ موت کو یاد کرتے تو ہم نے نہیں سنا آپ نے فرمایا تو وہ اس مرتبے کا نہیں جس پر تم اس کو سمجھے ہوئے ہو۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عشرہ[ح۴] کے دسویں روز گیا ایک شخص نے انصار میں سے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ لوگوں میں سے زیادہ دانا اور بزرگ کون ہے آپ نے فرمایا کہ جو موت کو زیادہ یاد کرے اور اس کی تیاری سب سے زیادہ کرے وہی لوگ دانا ہیں۔ دنیا کا شرف اور آخرت کی بزرگی لے گئے اور آثار اس باب میں یہ ہیں کہ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ موت نے دنیا کو رسوا کر دیا عاقل کے لیے خوشی کا نام نہ چھوڑا۔ اور ربیع بن خثیمؒ فرماتے ہیں کہ ایماندار اگر کسی غائب کا انتظار کرے تو موت سے بہتر اس کے لیے اور کوئی نہیں اور فرمایا کرتے کہ جب میں مروں تو میری خبر کسی کو نہ کرنا آہستہ مجھ کو میرے رب کی طرف کھسکا دینا اور بعض حکماء نے اپنے ایک بھائی کو لکھا کہ برادر اس دار ناپائیدار میں موت سے ڈر پیشتر اس سے کہ تو ایسے مقام میں جاوے کہ موت کی تمنا کرے اور نہ پاوے اور حضرت ابن سیرینؒ کے سامنے جب موت کا ذکر ہوتا تو ان کا ہر ایک عضو مر جاتا۔ اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ ہر شب فقیہوں کو جمع کرتے کہ وہ موت اور آخرت اور قیامت کا چرچا کیا کرتے تو گویا سامنے جنازہ دھرا ہوا ہے۔ اور ابراہیم تیمیؒ فرماتے ہیں کہ دو چیزوں نے لذت دنیا کی مجھ سے علیحدہ کر دی ایک موت کے ذکر نے دوسرے خدائے تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے نے۔ اور حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص موت کو پہچان لیتا ہے اس پر دنیا کی مصیبتیں اور رنج آسان ہو جاتے ہیں اور مطرفؒ کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ بصرہ کی مسجد میں کوئی یوں کہہ رہا ہے کہ موت کی یاد نے خوف کرنے والوں کے دل ٹکڑے کر ڈالے اب بخدا وہ ہوش باختہ نظر آتے ہیں اور اشعثؒ فرماتے ہیں کہ ہم حسن بصریؒ کے پاس جایا کرتے تھے تو صرف دوزخ اور آخرت کا معاملہ اور موت کا ذکر پاتے تھے۔ اور حضرت صفیہؓ فرماتی ہیں کہ ایک عورت نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ سے شکایت اپنے دل کی سختی کی آپ نے اس کو فرمایا کہ موت کو یاد کیا کر تیرا دل نرم ہو جاوے گا اس نے ایسا ہی کیا اور نرم دل ہو گئی۔ پھر حضرت عائشہؓ کی شکر گزاری کے لیے آئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے جب موت کا ذکر ہوتا تو آپ کی جلد میں خون ٹپکنے لگتا اور حضرت داؤد علیہ السلام کے سامنے جو ذکر

ح۱ الطبرانی و بیہقی بروایت عمار بن یاسر بسند ضعیف اور یہ قول فضیل بن عیاض کا مشہور ہے ۱۲ ح۲ ابن ابی الدنیا بروایت ابن عمر بسند ضعیف ۱۲ ح۳ ابن ابی الدنیا بروایت انسؓ بسند ضعیف ح۴ ابن ابی الدنیا بروایت انسؓ بسند ضعیف ۱۲ ح۵ ابن ابی الدنیا و ابن ماجہ مختصراً ۱۲ ع۶ اصل میں عاشر عشرہ ہے یعنی دسواں شخص وہاں پر میں تھا۔ ۱۲

موت اور قیامت کا ہوتا تو اتنا روتے کہ آپ کے بند اکھڑ جاتے۔ جب رحمت کا ذکر ہوتا تو سانس اپنی اصلی حالت پر آتی۔ اور حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ میں نے جس عاقل کو دیکھا ہے تو موت سے خائف اور اسی سے اندوہ ناک پایا ہے اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے کسی عالم سے کہا کہ مجھ کو نصیحت فرمایئے انہوں نے فرمایا کہ حاکموں میں تمہیں اول نہیں مرو گے یعنی اور حاکم بھی تم سے پہلے مر چکے ہیں آپ نے فرمایا کہ کچھ زیادہ فرمایئے۔ عالم نے کہا کہ تمہارے باپ دادوں میں سے حضرت آدم علیہ السلام تک کوئی ایسا نہیں جس نے موت نہ چکھی ہو اور اب تمہاری نوبت ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اس بات کو سن کر رو پڑے اور ربیع بن خثیمؒ نے اپنے گھر میں ایک قبر کھود رکھی تھی ہر روز کئی بار اس میں لیٹا کرتے اسی طرح ذکر موت کی مداومت کیا کرتے اور کہا کرتے اگر ایک دم کو موت کا ذکر میرے دل سے جدا ہوگا تو دل خراب ہو جاوے گا۔ اور مطرف بن عبداللہ بن الشخیر کہتے ہیں کہ اس موت نے تو راحت والوں کے چین میں رخنہ کر دیا پس ایسی راحت تلاش کرو جس کو فنا نہ ہو۔ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے عنبسہؒ سے فرمایا کہ موت کی یاد بہت کر پس اگر تجھ کو عیش کی وسعت حاصل ہو تو اس کو تنگ کر اور اگر تنگی عیش ہو تو اس کو وسیع کر۔ اور حضرت ابو سلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ام ہارونؒ سے پوچھا کہ تم موت کو محبوب جانتی ہو انہوں نے فرمایا کہ نہیں میں نے پوچھا کہ کس واسطے انہوں نے فرمایا کہ تم کسی شخص کا قصور کرو تو اس کی ملاقات نہ چاہو گے پس میں اس کی نافرمانی کر کے اس کی وصال کیسے اچھی جانوں۔

موت کے ذکر کو دل میں جمانا

جاننا چاہیئے کہ موت ہولناک ہے اور اس کا اندیشہ بہت بڑا ہے اور آدمی جو اس سے غافل ہیں تو اس وجہ سے کہ اس کا فکر کم کرتے ہیں اور اس کا ذکر نہیں کرتے اور اگر کوئی ذکر کرتا ہے تو دل فارغ سے نہیں کرتا بلکہ دل شہوات دنیا سے بھرا رہتا ہے اس لیے ذکر موت کی تاثیر دل میں نہیں ہوتی تو اس کا طریق یہ ہے کہ آدمی اپنے دل کو موت کے ذکر کے سوا جو ہر وقت سامنے ہے اور چیزوں سے خالی کرے جیسے کوئی مسافر کسی جنگل خطرناک میں جانا یا جہاز میں سوار ہو کر سمندر میں سفر کرنا چاہے تو اس کو سوائے سفر کے اور کوئی فکر نہیں رہتا تو جب موت کی یاد دل میں چڑھ جاوے گی تو کیا عجب ہے کہ اس میں اثر کرے تو اس صورت میں سرور و خوشی دنیا کی کم ہو جاوے اور دل میں شکستگی اور نرمی آ جاوے اور زیادہ تر موثر طریق اس باب میں یہ ہے کہ اپنے ہمسروں اور ہمعمروں کو جو پہلے مر چکے ہیں یاد کرے یا ان کی موت اور بچھڑ جانے کو خیال کرے اور ان کی صورتیں اور عہدے اور حالات یاد کرے اور سوچے کہ اب مٹی نے ان کی وہ خوبصورتی خاک میں ملا دی ان کے اعضا قبروں میں متفرق ہو گئے۔ کس طرح اپنی بیبیوں کو بیوہ اور لڑکوں کو یتیم چھوڑ گئے۔ مال ان کے جاتے رہے مسجدیں ان کی ویران ہو گئیں بیٹھکیں سونی پڑ گئیں کچھ نشان ان کا رہا یا وہ کر و فر تھا یا اب وہ قبر کا اندھیرا اور مٹی پس ایک ایک شخص کو جدا جدا یاد کرے اور اپنے دل میں اس کے حال اور کیفیت موت کی تفصیل کرے اور اس کی صورت کا تصور کر کے اس کی خوشی اور تردد اور زندگی اور بقا کے لیے توقع کرنی اور موت کو بھولے رہنا اور اسباب کے موافق ہونے سے دھوکا کھانا اور اپنی قوت و جوانی

پر اعتماد کرنا اور ہنسی ٹھٹھے کا مائل رہنا اور موت جلد اور ہلاک شتاب سے غافل رہنا یاد کرے اور یہ تصور کرے کہ وہ کیسے چلتا پھرتا تھا اب اس کے دونوں پاؤں اور سب جوڑ ٹوٹ گئے۔ اور کیسے بولا کرتے تھے اور ہنسا کرتے تھے اب کیڑوں نے زبان اور خاک نے دانت چاٹ لیے اپنے لیے ایسی تدبیریں نکالتا تھا کہ بیس برس تک ان کی حاجت نہ پڑے حالانکہ مرنے میں ایک ہی مہینہ باقی تھا، ہائے اس کو خبر نہ تھی کہ مجھ کو کیا پیش آنا ہے۔ موت ایسے وقت میں آگئی کہ اس کو گمان نہ تھا یکایک موت کا فرشتہ اس کی نظروں میں ظاہر ہوگیا اور اس کے کان میں آواز بہشت خواہ دوزخ کی ڈال دی یہ تامل کر چکے تو پھر اپنے نفس پر غور کرے میں بھی ویسا ہی ہوں اور مجھ کو غفلت بھی ویسی جیسے ان لوگوں کو تھی اور انجام میرا بھی وہی ہوتا ہے جو اُن کا ہوا۔ حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں کہ جب تو مردوں کو یاد کرے تو اپنے آپ کو ان ہی جیسا شمار کرے۔ اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ نیک بخت وہ ہے جو اپنے غیر سے نصیحت پاوے یعنی دوسروں کے حال سے عبرت حاصل کرے۔ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ تم کیا دیکھتے نہیں کہ ہر روز ایک نہ ایک صبح کے مسافر خواہ شام کے مسافر کو خدائے تعالیٰ کے پاس جانے کے لیے سامان کر دیتے ہو اور اس کو زمین کے ایک غار میں رکھ دیتے ہو کہ مٹی پر تکیہ کر لیتا ہے احباب کو پیچھے چھوڑ جاتا ہے اسباب سے علیحدہ ہو جاتا ہے تو ان فکروں یا ان جیسے اور فکروں کو ہمیشہ کرنا اور قبرستان میں جانا اور بیماروں کا دیکھنا ایسی تدبیر ہے جس سے کہ موت کی یاد دل پر تازہ ہوتی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ ایسی غالب ہو جاتی ہے کہ ہر وقت آنکھوں کے سامنے رہتی ہے ایسی صورت میں بعید نہیں کہ آدمی موت کی تیاری کرے اور دنیا سے کنارہ کش ہو ورنہ ظاہر دل اور زبان کی نوک سے یاد کرنا فائدہ کم دیتا ہے اس سے آگاہی اور خوف کچھ نہیں ہوتا اور جب کبھی آدمی کا دل دنیا کی کسی چیز سے خوش ہو تو چاہیے کہ اسی وقت یاد کرے کہ مجھے اس چیز کو چھوڑنا ضرور ہے۔ ابن مطیعؒ نے ایک روز اپنے گھر کو دیکھا اور اس کی خوبی اچھی معلوم ہوئی پھر آپ روتے اور کہا کہ بخدا اگر موت نہ ہوتی تو میں تجھ سے خوش ہوتا اور اگر مآل کار ہمارا قبروں کی تنگی نہ ہوتی تو دنیا سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں پھر زور سے روتے یہاں تک کہ آواز بلند ہوتی۔

فصل ۲ طول امل، اس کے اسباب اور علاج

امیدوں کا مختصر کرنا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو فرمایا کہ جب تو صبح کرے تو اپنے نفس سے شام کا ذکر نہ کر اور اگر شام کرے تو صبح کا اور اپنی زندگی سے موت کے واسطے کچھ لے اور تندرستی سے بیماری کے لیے۔ اس لیے کہ اے عبداللہ تجھ کو معلوم نہیں کہ تیرا کل کو کیا نام ہوگا یعنی مردہ کہلاوے گا یا زندہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے زیادہ مجھ کو خوف تم پر دو خصلتوں کا ہے ایک پیروی خواہش نفس کی دوسری طول امل اس لیے کہ پیروی خواہش نفس کی حق سے پھیر دیتی ہے اور طول امل دنیا کی محبت ہے۔ پھر فرمایا کہ آگاہ ہو کہ اللہ تعالیٰ دنیا اس کو بھی دیتا ہے جس سے

محبت رکھتا ہے اور اس کو بھی جس سے بغض رکھتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو اس کو ایمان دیتا ہے۔ سن لو کہ کچھ لوگ دین کے اہل ہیں اور کچھ دنیا کے تو تم اہل دین سے ہو جاؤ نہ اہل دنیا سے۔ یاد رکھو کہ دنیا منہ پھیر کر چل چکی ہے اور آخرت اس طرف منہ کیے چل چکی ہے۔ خبردار ہو کہ تم عمل کے دن میں ہو جس میں کچھ حساب نہیں اور عنقریب حساب کے دن میں ہو گے جس میں عمل نہ ہو گا انتہیٰ، اور ام منذر فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک شام کو لوگوں کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ تم خدائے تعالیٰ سے شرم نہیں کرتے انہوں نے عرض کیا کہ یہ کیا بات ہے آپ نے فرمایا کہ ایسی چیزیں جمع کرتے ہو جو کھاتے نہیں اور امل ان امور کے کرتے ہو جو پاتے نہیں۔ اور مکانات ایسے بناتے ہو جن میں رہتے نہیں اور حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ حضرت اسامہ بن زید نے ایک لونڈی مہینہ بھر کے وعدہ پر حضرت زید بن ثابتؓ سے سو دینار کو خریدی پس میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ فرماتے تھے کہ کیا تم کو تعجب نہیں آتا کہ اسامہ مہینہ کے وعدہ پر خریدار ہوا ہے اسامہ بیشک طول امل رکھتا ہے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ میں نے اپنی دونوں آنکھیں کبھی اس طرح نہیں کھولیں کہ یہ گمان نہ کیا ہو کہ پلکیں بند کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ میری روح قبض کرے گا اور نہ کبھی میں نے آنکھ اوپر کو ایسی طرح کی کہ جان نکلنے سے پیشتر اس کے نیچے کرنے کا گمان کیا ہو اور نہ کبھی لقمہ ایسا کھایا کہ یہ گمان کیا ہو کہ موت سے پہلے اس کو نگل جاؤں گا۔ پھر فرمایا کہ اے آدم کی اولاد اگر تم عاقل ہو تو اپنی جانوں کو مردوں میں شمار کرو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے جس چیز کا تم سے وعدہ ہے وہ بیشک آوے گی اور تم تھکا نہ سکو گے انتہیٰ، اور ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم[ح۲] پیشاب کے واسطے نکلتے اور پیشاب کر کے مٹی سے طہارت کر لیتے میں آپ کی خدمت میں عرض کرتا کہ حضرت پانی سے تو آپ سے قریب ہی ہے آپ فرماتے کہ مجھے کیا معلوم شاید میں پانی تک نہ پہنچوں اور روایت[ح۳] ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین لکڑیاں لیں ایک کو اپنے سامنے گاڑا اور دوسری کو اس کے پاس اور تیسری کو دور گاڑا۔ پھر پوچھا کہ جانتے ہو یہ کیا ہے لوگوں نے عرض کیا کہ خدا اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں آپ نے فرمایا کہ یہ پاس کی دونوں لکڑیاں ایک انسان ہے، اور ایک اس کی موت اور دور کی لکڑی اس کی امل ہے کہ آدمی اس سے معاملہ رکھتا ہے اور موت اس تک پہنچنے نہیں دیتی بیچ ہی میں اچک لیتی ہے۔ اور ایک حدیث شریف میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ آدمی کی مثال یہ ہے کہ اس کے گرد ننانوے موتیں ہیں اگر ان سے بچے تو بڑھاپے میں پڑے اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ یہ آدمی ہے اور یہ اس کے گرد اس کی موتیں اس کی طرف کو پھن اٹھاتے ہوتے ہیں اور بڑھاپا ان کے بعد ہے اور امل بڑھاپے کے بعد پس آدمی زیست کی حرص کرتا ہے اور یہ موتیں اس کی طرف کو پھن اٹھاتے ہوتے ہیں جس کو حکم ہوتا ہے وہی اس کو دھر دباتی ہے پھر اگر ان موتوں سے بچ گیا تو بڑھاپا اس کا خاتمہ کر دیتا ہے امل کا اس کو انتظار ہی رہتا ہے اور عبداللہ بن مسعودؓ

ح۱ ابن حبان نے نقل کیا ہے اور بخاری نے اس کو قول ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے آخر حدیث کن فی الدنیا کانک غریب میں ۱۲ ح۲ ابن ابی الدنیا در قصر امل بسند ضعیف ۱۲
ح۳ ابن ابی الدنیا بسند ضعیف ۱۲

روایت[ع۱] کرتے ہیں کہ ہمارے واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لکیر چوگوشی کھینچی اور اس کے بیچ میں ایک لکیر کھینچ کر اس کے گرد اور لکیریں کھینچیں اور ایک لکیر مربع سے باہر کھینچی اور فرمایا کہ تم جانتے ہو یہ کیا ہے لوگوں نے عرض کیا خدائے تعالیٰ اور اس کا رسولؐ زیادہ جانتے ہیں آپ نے بیچ والے خط کو تو انسان فرمایا اور مربع خط کو موت فرمایا جو انسان کو محیط ہے اور یہ خطوط درمیانی مصائب ہیں کہ اس کو نوچ رہے ہیں اگر ایک نوچنا بھول جاوے تو دوسری نوچ لیتی ہے اور جو خط باہر ہے اس کو امل فرمایا۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہرم ابن آدم ویبقی معہ اثنتان الحرص والامل اور ایک روایت میں ہے وتشب معہ اثنتان الحرص علی المال والحرص علی العمر۔ سچ ہے ع

مرد چندانکہ پیر شود حرص جواں میگردد

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس امت کے پہلے لوگ تو یقین اور زہد کے باعث نجات پاویں گے اور آخر کے لوگ بخل اور زندگی حرص کے مارے ہلاک ہوں گے۔ اور منقول ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بیٹھے ہوئے تھے اور ایک بوڑھا اپنی کدال سے زمین کھود رہا تھا آپ نے جناب باری میں عرض کی کہ الٰہی اس شخص سے امل کو دور کر دے وہ بوڑھا کدال پھینک کر لیٹ رہا اور گھنٹہ بھر پڑا رہا پھر حضرت عیسیٰؑ نے دعا مانگی کہ الٰہی اس کی امل اس کو دے وہ شخص اُٹھ کر کام کرنے لگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے یہ ماجرا پوچھا کہ پہلے کیوں لیٹ رہا تھا اور اب کیوں کام کرنے لگا کہا کہ کام کرنے میں میرے نفس نے مجھ سے کہا کہ تو بوڑھا ہوا اب کب تک کام کرے گا اس لیے میں نے کدال پھینک دی اور لیٹ رہا۔ پھر میرے نفس نے مجھ سے کہا کہ جب تک میں زندہ ہوں بسراوقات کی فکر ضرور ہے اس لیے اُٹھ کر اپنا کام کرنے لگا اور حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ سب اچھا جانتے ہو کہ جنت میں جاؤ لوگوں نے عرض کیا کہ ہاں یا رسول اللہ آپ نے فرمایا تو زندگی کی حرص کم کرو اور اپنی موتوں کو آنکھوں کے سامنے جا لو اور اللہ تعالیٰ سے جیسی چاہیے ویسی شرم کرو۔ آنحضرت صلعم دعا میں یوں فرماتے اللھم انی اعوذ بک من دنیا تمنع خیر الاخرۃ اعوذ بک من حیاۃ تمنع خیر الممات واعوذ بک من امل یمنع خیر العمل۔ آثار: مطرف بن عبداللہ کہتے ہیں کہ اگر میں جانتا کہ میری موت کب ہوگی تو اپنی عقل کے جانے کا خوف کرتا مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر احسان کیا ہے کہ موت سے غفلت دے دی ہے اگر غفلت نہ ہوتی تو نہ زندگی اچھی طرح ہوتی اور نہ بازار لگتے۔ اور حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ بھولنا اور

ع۱ طبرانی وابونعیم در حلیہ وبیہقی در شعب بسند ضعیف ۱۲ ع۲ ابن مبارک در زہد وبزار بسند ضعیف ۱۲ ع۳ احمد وابن ابی الدنیا بروایت ابی المتوکل عن ابی سعید الخدری ۱۲ ع۴ ترمذی بروایت عبداللہ ابن الشخیر ۱۲ ع۵ بخاری ع۶ آدمی بوڑھا ہو جاتا ہے اور اسکے ساتھ دو چیزیں باقی رہ جاتی ہیں ایک حرص دوسری امل ع۷ ابن ابی الدنیا در قصر امل ۱۲ ع۸ اور دو چیزیں اسکی جوان ہو جاتی ہیں اول مال کی حرص دوم زندگی کی حرص ۱۲ مسلم حاشیہ صفحہ ہذا ع۹ ابن ابی الدنیا بروایت ابن لہیعہ عن عمران شعیب عن ابیہ عن جدہ ۱۲ ع۱۰ ابن ابی الدنیا مرسلا بروایت حسنؒ ۱۲ ع۱۱ الٰہی میں تیری پناہ مانگتا ہوں ایسی دنیا سے جو آخرت کی خیر سے روکے (باقی اگلے صفحہ پر)

(باقی اگلے صفحہ پر)

امل دو بڑی نعمتیں ہیں بنی آدم پر اگر یہ دونوں نہ ہوتیں تو مسلمان راستوں میں نہ چلتے اور ثوریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے سُنا ہے کہ انسان احمق پیدا ہوا ہے اگر یہ بات نہ ہوتی تو زندگی بخوبی نہ ہو سکتی اور سعید بن عبد الرحمٰن فرماتے ہیں کہ دنیا اس لیے آباد ہے کہ اس کے لوگوں کو عقلیں کم ہیں۔ اور حضرت سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں کہ تین چیزوں نے مجھے تعجب میں اتنا ڈالا کہ ہنسا دیا۔ ایکؔ تو زندگی دنیا کا حریص حالانکہ موت اس کی طالب ہے۔ دوسرؔم غافل کہ اس سے غفلت نہیں کی جاوے گی سومؔ منہ بھر ہنسنے والا کہ نہیں جانتا کہ پروردگار عالم اس سے ناراض ہے یا راضی اور تین دوسری چیزیں ہیں کہ انہوں نے مجھ کو اتنا غمگین کیا کہ رُلا دیا اوّل فراق دوستوں کا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی جماعت کا دوسرؔے خوف قیامت میں کھڑے ہونے کا۔ تیسرؔے خدائے تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا کہ یہ معلوم نہیں کہ مجھے جنت کا حکم کیا جاوے گا یا دوزخ کا۔ اور بعض اکابر کہتے ہیں کہ میں نے زرارہ بن ابی اوفیٰ کو بعد ان کے مرنے کے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ تمہارے نزدیک اعمال میں سے کونسا زیادہ ہے انہوں نے کہا کہ توکل اور عمل کی کوتاہی اور حضرت ثوریؒ فرماتے ہیں کہ دنیا میں زہد کرنا امل کا مختصر کرنا ہے نہ موٹا کھانا اور کمل پہننا اور مفضل بن فضالہؒ نے اپنے رب سے التجا کی کہ امل دور کر دے ان سے اشتہا کھانے پینے کی جاتی رہی پھر دعا مانگی تو خدائے تعالیٰ نے امل دے دی اور کھانے پینے لگے۔ اور حضرت حسنؒ سے کسی نے کہا کہ اے ابو سعید آپ اپنا کرتا نہیں دھوتے آپ نے فرمایا کہ معاملہ اس سے جلد معلوم ہوتا ہے اور یہ آپ ہی کا ارشاد ہے کہ موت تمہاری پیشانیوں کے بالوں میں بندھی ہوتی ہے اور دنیا تمہارے پیچھے کوتہ ہو جاتی ہے اور بعض اکابر کہتے ہیں کہ میں ایسا ہوں جیسے کوئی شخص اپنی گردن پھیلاتے ہو اور اس کے سر پر تلوار ہو اور انتظار کرتا ہو کہ کب اڑاتی جاوے گی۔ اور داؤد طائیؒ کہتے ہیں کہ اگر میں اتنی امل کروں کہ مہینہ بھر جیوں تو جانوں کہ مرتکب گناہ کبیرہ کا ہوا اور یہ امل میں کیسے کر سکتا ہوں حالانکہ دیکھتا ہوں کہ تمام خلق پر مصیبتیں رات دن کی ساعتوں میں چھاتی رہتی ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ شفیق بلخیؒ اپنے استاد ابو ہاشم رمانیؒ کے پاس آئے اور ان کے گوشۂ چادر میں کچھ بندھا تھا ان کے استاد نے پوچھا کہ تمہارے پاس کیا ہے شفیق نے کہا کچھ بادام ہیں میرے ایک بھائی نے مجھے دیئے ہیں اور کہا ہے کہ مجھے اچھا معلوم ہوتا ہے کہ تم ان سے افطار کرنا استاد نے فرمایا کہ شفیق تم اپنے جی میں یہ کہتے ہو کہ میں شام تک زندہ رہوں گا میں تم سے اب کبھی نہ بولوں گا۔ شفیق فرماتے ہیں کہ استاد نے یہ کہہ کر دروازہ بند کر لیا اور اندر بیٹھ رہے۔ اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اپنے خطبے میں فرمایا کہ سن لو کہ ہر سفر کے لیے توشہ ضرور ہے اس لیے دنیا سے آخرت تک کے سفر کا توشہ اپنے تقویٰ کو کر لو اور ایسے ہو جاؤ جیسے کسی نے خدائے تعالیٰ کے ثواب اور عذاب مہیا کو دیکھ لیا ہو۔ تو ثواب کو دیکھ کر رغبت کرو اور عذاب کو دیکھ کر خوف کرو اور حرص زندگی کو مت بڑھاؤ ورنہ تمہارے دل سخت ہو جاویں گے اور تم اپنے دشمن کے تابع ہو جاؤ گے بخدا کہ وہ شخص اپنی امل کو نہیں پھیلاتا جو

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) اور ایسی زندگی سے جو موت کی بہتری سے باز رکھے اور ایسے عمل سے جو عمل کی بہتری سے مانع ہو ابن ابی الدنیا در قصر امل بروایت حوشب عن النبی صلعم جوشب کا حال مجھے نہیں ملا ۱۲ صحیح زراہ بن اوفیٰ ہے ۱۲

نہیں جانتا کہ شام کے بعد مجھ کو صبح ملے گی یا نہیں یا صبح ملی تو پھر شام ملے گی یا نہیں اور ان دونوں کے درمیان میں موتوں کے دہلے اکثر ہوا کرتے ہیں۔ میں نے اور تم نے اکثر ان لوگوں کو دیکھا ہے جو دنیا پر مغرور تھے آنکھ ٹھنڈی اسی کی ہے جو عذاب الٰہی سے نجات پانے کا اعتماد رکھتا ہو جو احوال قیامت سے نڈر ہو اور جن لوگوں کا یہ حال ہو کہ ایک زخم ابھی بھرا ہی نہیں اور دوسرا دوسری طرف سے اور آ گیا تو وہ کیسے خوش ہوں میں خدائے تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ تم کو اس بات کا حکم کروں جس سے اپنے نفس کو منع کروں پھر پڑ جاوے میری تجارت میں نقصان اور میرا خسارہ اور بیچارگی اس روز ظاہر ہو جس دن توانگری اور محتاجی کھلے گی اور ترازو میں کھڑی ہوں گی۔ تم ایسے معاملات کی تکلیف دیتے گئے ہو کہ اگر ستارے اس کی تکلیف دیئے جاتے تو بے نور ہو جاتے اور پہاڑ گل جاتے اور زمین پھٹ جاتی۔ تم کیا نہیں جانتے کہ بہشت اور دوزخ کے درمیان کوئی اور مقام نہیں اور تم کو بیشک ان میں سے ایک میں جانا ہے۔ اور ایک شخص نے اپنے ایک بھائی کو لکھا کہ بعد حمد و لغت کے واضح ہو کہ دنیا ایک خواب ہے اور آخرت بیداری اور ان دونوں میں واسطہ موت ہے اور ہم پراگندہ خوابوں میں ہیں۔ والسلام! اور ایک شخص نے اپنے بھائی کو لکھا کہ دنیا پر غم کرنا بہت لمبا ہے اور موت آدمی سے قریب ہے اور ہر روز کچھ نہ کچھ گھٹتا جاتا ہے اور بدن میں ہلاکت آہستہ آہستہ ٹہل رہی ہے تو پہلے اس سے کہ کوچ کا نقارہ بجایا جاوے سفر کی تیاری کر لینی چاہیئے والسلام اور حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ جب تک حضرت آدم علیہ السلام نے خطا نہیں کی تھی ان کی امل پیٹھ پیچھے تھی اور موت آنکھوں کے سامنے اور جب آپ نے خطا کی تو معاملہ برعکس ہو گیا کہ امل تو آنکھوں کے سامنے کر دی گئی اور موت پیٹھ کے پیچھے اور عبداللہ بن سمیطؒ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے سنا ہے کہ کہتے تھے اے وہ شخص کہ اپنے زیادہ تندرست رہنے سے مغالطہ میں ہے کیا تو نے کسی کو بدون بیماری کے مرتے نہیں دیکھا۔ اے وہ شخص کہ بہت سی مہلت پانے سے مغالطہ میں ہے کیا تو نے کبھی کسی گرفتار کو نہیں دیکھا کہ بدون سامان پکڑا گیا ہو اگر تو اپنی عمر کی زیادتی میں فکر کرے اپنی پہلی لذتیں سب بھول جاوے۔ بھلا تم لوگ تندرستی سے مغالطے میں پڑے ہوئے ہو یا بہت دنوں آرام سے گزرنے پر اکڑتے ہو یا موت سے نڈر ہو یا ملک الموت پر دلیر ہو۔ ملک الموت جب آوے گا تو اس سے تم کو نہ تمہاری ثروت بچاوے گی نہ کثرت جمعیت۔ تم کو معلوم نہیں کہ موت کا وقت سختیوں اور غصّوں اور قصور پر پشیمانی کی گھڑی ہے پھر یوں کہا کرتے تھے کہ خدائے تعالیٰ رحم کرے اس بندے پر جو موت کے بعد کے لیے عمل کرے خدائے تعالیٰ رحم کرے اس بندے پر کہ اپنے نفس پر موت سے پہلے نزع کی نظر کرے اور ابو ذکریا تیمیؒ کہتے ہیں کہ سلیمان بن عبدالملک مسجد حرام میں بیٹھے تھے کہ اتنے میں ایک پتھر جس پر کچھ کندہ تھا کوئی ان کے سامنے لایا اس کے پڑھنے کو وہب بن منبہؒ بلائے گئے دیکھا تو اس میں یہ لکھا تھا کہ اے آدمی اگر تو اپنی موت کے وقت کی نزدیکی دیکھ پاوے تو اپنی طول امل کو چھوڑ دے اور عمل زیادہ کرنے کا حریص ہو اور طمع اور حیلے کم کر دے اور تو کل کو پشیمانی اٹھا دے گا اگر تیرا قدم لغزش کرے گا اور تیرے گھر والے اور نوکر چاکر تجھ کو حوالہ دیں گے اور باپ اور رشتہ دار تجھ سے جدا ہوں گے اور بیٹا اور داماد چھوڑ دیں گے تو پھر دنیا میں نہ پھرے گا نہ اپنے عمل میں زیادتی پاوے گا پس قیامت کے لیے حسرت اور ندامت سے

پیشتر کچھ کرے اس کو سُن کر خلیفہ سلیمانؒ بہت روئے اور بعضوں نے کہا ہے کہ میں نے خط محمد بن یوسف کا بنام عبدالرحمٰن بن یوسف کو دیکھا کہ اس میں لکھا تھا کہ بعد سلام کے میں شکر کرتا ہوں اس معبود کا جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور تجھ کو ڈراتا ہوں اس حال سے کہ تو اپنے مہلت کے گھر سے قیام کی جگہ اور جزائے اعمال کے گھر میں جاوے گا اب تو زمین کے اوپر رہتا ہے چند روز میں اس کے اندر ہو جاوے گا پھر تیرے پاس منکر نکیر آکر تجھ کو بٹھلاویں گے پس اگر اس وقت اللہ تیرے ساتھ ہو گا تو کچھ وحشت، خوف اور حاجت نہیں۔ اور اگر معاملہ دگرگوں ہوا تو خدائے تعالیٰ مجھ کو اور تجھ کو پناہ دے بُری نوبت ہو گی مقام بیٹھنے کا تنگ ہو جاوے گا۔ تجھ کو خبر نہیں کہ پھر اٹھنے کے لیے چیخ ہو گی اور صور پھونکا جاوے گا اور خدائے جبار مقدمات خلق کے فیصلہ کے لیے آمادہ ہو گا زمین اپنے لوگوں سے اور آسمان اپنے باشندوں سے خالی ہو جاویں گے اسرار کھل جاویں گے اور جہنم بھڑکائی جاوے گی میزانیں کھڑی ہوں گی اور انبیاء اور شہداء کو بلوا کر لوگوں کے باب میں ٹھیک ٹھیک حکم دیا جاوے گا اور کہا جاوے گا کہ سب تعریفیں اللہ کو شایاں ہیں جو سب عالموں کا پروردگار ہے تو بہت سے رسوا ہوں گے اور بہتوں کی پردہ پوشی کی جاوے گی اور بہت سے تباہ ہوں گے اور بہت سے نجات پاویں گے۔ بہتوں پر عذاب ہو گا اور بہتوں پر رحم مجھ کو معلوم نہیں کہ اس روز میرا اور تیرا کیا حال ہوتا ہے اس سے لذتیں جاتی رہیں شہوات چھوٹ گئیں امل کوتاہ ہو گئے سوتے بیدار ہوتے غافل چوکنے ہوتے۔ خدائے تعالیٰ اس بڑے خوف پر ہماری اور تمہاری مدد کرے اور دنیا اور آخرت کی جگہ ہمارے اور تمہارے دل میں ایسی کرے جیسے متقیوں کے دل میں کرتا ہے اس لیے کہ ہم اسی کے ہیں اور اسی کے باعث موجود والسلام! اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے خطبہ پڑھا اور خدائے تعالیٰ کی حمد و ثنا کر کے فرمایا لوگو تم نکمے نہیں پیدا ہوتے نہ مہمل چھوڑے جاؤ گے تم کو ایک اُٹھنے کی جگہ میں خدائے تعالیٰ حکم اور فیصلے کے واسطے اکٹھا کرے گا پس ناامید اور بدبخت کل کو وہ بندہ ہو گا جس کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے کہ ہر چیز پر پھیلی ہے اور اپنی جنت سے جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے نکال دے اور کل کو امن اس شخص کو ہو گا جو خوف و تقویٰ کرے اور تھوڑی اور ناپائدار چیز اور بدبختی کو بہت اور پائدار اور سعادت کے عوض میں دے ڈالے۔ دیکھو مرے ہوؤں کا سوگ تم کرتے ہو اسی طرح تمہارے پسماندہ تمہارا کریں گے ہر روز دیکھتے ہو کہ صبح کو اور شام کو خدائے تعالیٰ کے پاس لوگ چلے جاتے ہیں ان کا وقت پورا ہو گیا اور امل جاتی رہی تم ان کو زمین کے گڑھے کے اندر بے فرش و بے تکیہ رکھ دیتے ہو کہ نہ کوئی سامان اس کے ساتھ ہے نہ کوئی رفیق و غمخوار صرف حساب کا سامنا ہے۔ بخدا کہ میں یہ بات تو تم سے کہتا ہوں مگر جتنے گناہ اپنے نفس میں جانتا ہوں ان سے زیادہ میں تم میں سے کسی میں نہیں جانتا لیکن اللہ تعالیٰ کے طریق ٹھیک ٹھیک ہیں ان میں اس کی اطاعت کے لیے امر کرتا ہوں اور معصیت سے منع کرتا ہوں اور خدائے تعالیٰ سے مغفرت چاہتا ہوں اس کے بعد اپنی آستین منہ پر رکھ کر اتنا روئے کہ آنسوؤں سے ڈاڑھی بھیگ گئی اور پھر اس مقام پر آنے کی نوبت نہ آئی یہاں تک کہ وفات پائی۔ اور قعقاع بن حکیم کہتے ہیں کہ میں نے تیس برس سے موت کا سامان کر لیا ہے تو جب موت آوے گی تو میں اتنی دیر بھی اچھی نہ جانوں گا کہ ایک چیز کو دوسری سے پیچھے کر دوں۔ اور سفیانؒ

ثوریؒ کہتے ہیں کہ کوفے کی مسجد میں میں نے ایک بوڑھے کو دیکھا کہ کہتا تھا کہ میں تیس برس سے اس مسجد میں موت کا منتظر ہوں کہ آوے اب اگر آوے تو میں اس کو نہ کسی چیز کا حکم کروں نہ کسی چیز سے منع کروں اور نہ میری کسی کے پاس کوئی چیز ہے نہ کسی کی میرے پاس اور عبداللہ بن ثعلبہ کہتے ہیں کہ میاں ہنستے کیا ہو شاید تمہارا کفن دھوبی کے یہاں سے آچکا ہو۔ اور محمد بن علی زاہد کہتے ہیں کہ ہم کوفہ میں ایک جنازہ کے ساتھ نکلے اور داؤد طائی بھی اس میں شریک تھے جنازہ جب دفن ہونے لگا تو داؤد طائی ایک طرف کو ہو بیٹھے میں ان کے پاس جا بیٹھا تو میں نے سُنا کہ یوں کہتے تھے جو وعدۂ عذاب سے ڈرتا ہے وہ دور کی چیز نزدیک جانتا ہے اور جس کو امل زیادہ ہوتی ہے اس کا عمل ضعیف ہوتا ہے اور جو آنے والی چیز ہے وہ قریب ہے اور بھائی جان یاد رکھ کہ جو شے خدائے تعالیٰ سے تجھ کو اور کام میں لگا دے وہ تیرے اوپر منحوس ہے اور یہ بھی یاد رکھ کہ دنیا کے باشندے جو قبروں میں ہیں ان کا یہ حال ہے کہ جو چھوڑ گئے اس سے پشیمان ہیں اور جو آگے بھیج دیا تھا اس سے شادان، مگر قبر والے جس چیز پر پشیمان ہیں دنیا دار اسی پر لڑتے مرتے ہیں اور اسی پر رغبت اور حاکموں کے سامنے خصومت کرتے ہیں۔

اور روایت ہے کہ حضرت معروف کرخیؒ نے نماز کی تکبیر کہی اور محمد بن ابی ثور سے فرمایا کہ تم نماز پڑھا دو انھوں نے کہا کہ میں یہ نماز اگر پڑھا دوں گا تو دوسری نماز کوئی نہیں پڑھانے کا، حضرت معروف کرخیؒ نے فرمایا کہ تم اپنے دل میں کہتے ہو کہ میں دوسری نماز بھی پڑھاؤں گا ہم اللہ تعالیٰ سے طول امل سے پناہ مانگتے ہیں کہ وہ نیک عمل سے مانع ہے اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ دنیا رہنے کی جا نہیں۔ بہت سے گھر ایسے ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے ان پر فنا لکھ دی ہے اور ان کے رہنے والوں پر اس میں سے چلا جانا[ع] بہت سے بخوبی آباد چند روز میں اجڑ جاتے ہیں اور بہت سے رہنے والے کہ لوگ ان کے رہنے پر حرص کریں سفر کر جاتے ہیں۔ پس لوگو خدائے تعالیٰ تم پر رحم کرے اس میں سے اچھی طرح نکلو اور جو کچھ تمہارے سامنے لے چلنے کی چیزیں ہوں ان میں سے عمدہ اپنے ساتھ لو اور توشہ لے لو کہ بہتر توشہ تقویٰ ہے۔ دنیا کا حال ایسا ہے جیسے سکڑتا سایہ کہ چلا جاتا ہے۔ ابھی تو آدمی دنیا کا راغب اور اس سے خنک چشم بیٹھا ہے کہ اتنے میں خدائے تعالیٰ نے اس کو اپنے حکم سے طلب فرما لیا اور اس کے سر پر موت کا رونا ڈالا تو سب اس کے نشان چھین لیے اور اس کی عمارت اور دولت دوسروں کے لیے کر دی۔ دنیا جتنی تازگی دیتی ہے اتنا خوش نہیں کرتی خوش کم کرتی ہے اور رنج بہت دیتی ہے۔ سچ ہے

جہاں میں عرصہ عشرت سے سوا وہ چند ہے غم کا　　اگر ہو عید کا دن تو عشرہ ہے محرم کا

حضرت ابو بکر صدیقؓ اپنے خطبہ میں فرمایا کرتے کہاں گئے وہ لوگ جن کے منہ خوبصورت چمک دمک کے ساتھ تھے اور اپنی جوانی پر شیخی کیا کرتے تھے کہاں ہیں وہ لوگ جنہوں نے شہر بنائے اور شہر پناہوں سے ان کو مضبوط کیا کہاں ہیں وہ بہادر کہ لڑائی میں بڑھ چڑھ کر رہا کرتے تھے زمانے نے ان کو زیر و زبر کر دیا قبروں کے اندھیروں میں جا پڑے

ع اصل میں یہ ہے کہ یہ دنیا ایسا گھر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر فنا کا حکم لکھ دیا ہے اور اس کے لوگوں پر وہاں سے چلا جانا ۱۲ منہ

تو جلدی اور شتابی کرو اور اپنی جانوں کے لیے نجات کی صورت ڈھونڈو۔

امیدوں کے اسباب اور علاج

جاننا چاہیئے کہ طول امل کے دو سبب ہیں اور دوسرے دنیا کی محبت دنیا کی محبت کا یہ حال ہے کہ آدمی جب اس سے اور اس کی شہوات و لذات و علائق سے مانوس ہوتا ہے تو اس کے دل پر اس کی جدائی شاق ہوتی ہے اور موت جو سبب دنیا کی مفارقت کا ہے اس سے اس کا دل متنفر ہوتا ہے اور اس میں فکر نہیں کرتا اور جس چیز سے آدمی نفرت کیا کرتا ہے اس کو اپنے نفس سے ٹالا کرتا ہے اور آدمی ہمیشہ جھوٹی آرزوؤں میں مشغول رہتا ہے اپنے نفس کے لیے ایسی ہی آرزو کرتا ہے جو اس کی مراد کے موافق ہو اور اس کی مرضی کے موافق دنیا میں رہتا ہے تو اس کا خیال رکھتا ہے اور اسی کو اپنے لیے فرض کر لیتا ہے جو لوازم یہاں رہنے کے ہیں اور جن کی اس کو ضرورت ہوتی ہے مال اور اولاد اور گھر اور دوست اور سواریاں وغیرہ سامان کو فرض کر لیتا ہے تو اس کا دل اسی فکر پر رک جاتا ہے موت کی یاد نہیں رہتی اس کا قریب ہونا خیال میں نہیں گذرتا اور اگر کسی وجہ سے موت کا معاملہ اور اس کی تیاری کا حال جو دل میں گذرتا ہے تو اس کا نفس وعدہ کر لیتا ہے اور لیت ولعل میں ڈالتا ہے اور کہتا ہے کہ ابھی بہت دن باقی ہیں بڑا ہو کر توبہ کریجیو اور بڑا ہونے پر کہتا ہے کہ بوڑھا ہو کر توبہ کریجیو اور بوڑھا ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ یہ مکان بنا کر اور یہ زمین آباد کر کے اور اس سفر سے لوٹ کر اور اس لڑکے کی شادی اور دختر کے جہیز سے فارغ ہو کر اور اس دشمن کے قہر سے جو بدگوئی کرتا رہتا ہے محفوظ ہو کر توبہ کر لینا۔ غرضکہ اسی طرح ہمیشہ ٹالتا اور تاخیر اس کا شیوہ رہتا ہے اور جس کام میں گھستا ہے اس کے پورا کرنے میں دس کام اور لگ جاتے ہیں اور دن کے بعد دوسرا دن رفتہ رفتہ گذرا چلا جاتا ہے اور ایک کام سے دوسرا کام آتا جاتا ہے یہاں تک کہ موت ایسے وقت میں اچک لیتی ہے کہ اس کو گمان بھی نہیں ہوتا اس وقت بجز حسرت و افسوس اور کچھ حاصل نہیں ہوتا اور اکثر دوزخ والے لیت ولعل ہی سے فریاد کریں گے کہ ہائے ہم نے کیوں تاخیر کی تھی اور آدمی بیچارہ یہ نہیں جانتا کہ جس امر کے باعث آج تاخیر کرتا ہے وہ کل کو بھی تو اس کے ساتھ ہوگا بلکہ مدت گذرنے پر تو اس کو استحکام اور مضبوطی زیادہ ہو جاوے گی اور اس کو یہ گمان ہے کہ دنیا میں خوض کرنے والے کو کبھی نہ کبھی فراغت ہو سکتا ہے اور یہ اس کی خام خیالی ہے اس سے فارغ ہوتا ہے جو اس کو مختصر کر لے۔ جیسے کسی نے کہا ہے ؎

کار دنیا کسے تمام نکرد　　　　ہر چہ گیرید مختصر گیرید

اور اصل ان سب آرزوؤں کی دنیا کی محبت ہے اور حدیث کے معنوں سے غفلت احبب ماشئت فانک مفارقہ اور جہالت کا حال یہ ہے کہ انسان کبھی اپنی جوانی پر اعتماد کرتا ہے تو جوان ہوتے ہوتے موت کا آنا بعید جانتا ہے اور بیچارہ یہ نہیں سوچتا کہ اگر اپنی بستی کے بوڑھوں کو گنے تو دس یا پانچ ہوں گے اور ان کے کم ہونے کی یہی وجہ ہے کہ

۱؎ دوستی کرے جس سے چاہے اس سے جدائی تجھ کو ضروری ہے ۱۲ کئی بار گذر چکی ۱۲

جوانی میں موت بہت ہوتی ہے جب تک ایک بوڑھا مرتا ہے ہزاروں جوان اور لڑکے مرجاتے ہیں۔ اور کبھی موت کو اپنی تندرستی کے باعث بعید جانتا ہے اور اچانک موت کے آنے کو دشوار سمجھتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ اچانک مرجانا کچھ دشوار نہیں اور بیماری تو اچانک ہی ہوا کرتی ہے اور جب بیمار ہو تو موت کیا دور ہے اور اگر یہ غافل سوچے اور معلوم کرے کہ موت کے لیے کوئی وقت مخصوص جوانی اور بڑھاپے اور ادھیڑپن کا یا کوئی موسم گرمی جاڑے خزاں بہار یا رات دن کا معین نہیں تب البتہ بہت چوکنا ہو اور اس کے سامان میں لگے مگر جہالت اور محبت دنیا کے باعث طول امل میں گرفتار ہے اور موت کے جلد آنے سے غافل وہ ہمیشہ یہی گمان کرتا ہے کہ موت میرے سامنے ہی ہوگی اور اپنے اوپر اس کا آنا فرض نہیں کرتا یہی خیال کرتا ہے کہ میں جنازے کے ساتھ چلوں گا یہ نہیں فرض کرتا کہ میرے جنازے کے ساتھ بھی لوگ چلیں گے اس لیے کہ ہمیشہ جنازوں کے ساتھ رہتے رہتے اس سے مالوف ہو رہا ہے۔ دوسروں کو مرتے دیکھ کر اوروں کے ہی مرنے کا عادی ہے۔ اپنے مرنے سے انس نہیں اور ناممکن ہے کہ اپنی موت سے الفت کرے اس لیے کہ وہ واقع نہیں ہوئی اور اگر ہوگی تو ایک ہی دفعہ ہوگی وہی اول بھی ہے وہی دوم لیس اس سے الفت کیسے ہو۔ تو اس صورت میں اس کا علاج یہ ہے کہ یا اپنے نفس کو غیر پر قیاس کرے اور جانے کہ یقیناً میرا جنازہ بھی اُٹھے گا اور قبر میں دفن کیا جاوے گا اور کیا عجب ہے کہ جو اینٹ تختہ میری گور میں لگے گا وہ بن چکا ہو اور مجھ کو علم نہ ہو۔ اس صورت میں تاخیر کرنی محض نادانی ہے اور جب یہ معلوم ہو چکا کہ سبب تاخیر کا جہل اور محبت دنیا ہے تو ظاہر ہے کہ علاج سبب کو دور کرنے سے ہوگا پس جہل کو تو اسی طرح دور کرنا چاہیئے کہ دل حاضر سے فکر صاف کرے اور پوری حکمت کی باتیں صاف دل والوں سے سُنے اور محبتِ دنیا کا دل سے نکالنا البتہ سخت ہے اور یہ وہ مرض لا علاج ہے جس کے علاج میں اگلے پچھلے سارے تھک گئے ہیں اس کا علاج یہی ہے کہ ایمان اللہ تعالیٰ پر اور پچھلے دن پر ہو اور جو کچھ بڑا عذاب اور عمدہ ثواب اس روز ہوتا ہے اس پر یقین کامل ہو اس لیے کہ اس یقین سے دنیا کی محبت دل سے جاتی رہے گی کیونکہ بڑی چیز کی محبت دل سے چھوٹی چیز کی محبت کو دور کر دیتی ہے تو جس صورت میں دنیا کی حقارت اور آخرت کی نفاست کو معاینہ کرے گا تو بُرا جانے گا کہ دنیا پر نظر ڈالے۔ گو سلطنت تمام روئے زمین ہی کی کیوں نہ ہو اس لیے کہ ہر ایک بندے کو جو تھوڑی سی دنیا ملتی ہے تو وہ بھی کدورت اور بے مزگی سے خالی نہیں ہوتی تو اس چیز سے کس طرح خوش ہوگا یا اس کی محبت دل میں کیسے جمے گی بشرطیکہ آخرت پر یقین ہو۔ ہم خدائے تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ دنیا کو ہماری نظروں میں ایسا کر دے جیسا اپنے نیک بندوں کی نظر میں کر رکھا ہے اور موت کے دل پر اٹھنے کا علاج اس سے اچھا کوئی نہیں کہ جو لوگ اپنے ہمسر اور ساتھ والے مر گئے ہیں ان کے حال پر غور کرے کہ ان پر موت ایسے وقت میں آگئی کہ ان کو خیال اس کا نہ تھا۔ جو شخص اس کے لیے تیار تھا اس کو تو فلاح عظیم ہوئی اور جو طول امل سے مغالطہ میں تھا اس کو کھلا کھلی خسارہ ہوا پس انسان کو ہر ساعت چاہیے کہ اپنے پاؤں اور اعضاء کی طرف دیکھے تو تامل کرے کہ ہاں ان کو

کیڑے کیسے کھا جائیں گے اور ہڈیاں ان کی کس طرح علیحدہ اور متفرق ہو جائیں گی اور تامل کرے کہ کیڑے اول داہنی آنکھ کا ڈھیلا یا بائیں آنکھ کا کھانا شروع کریں گے اور جو اعضا میرے بدن پر ہیں کوئی ایسا نہیں جو کیڑوں کی خوراک نہ ہو۔ اور میرے ساتھ بجز علم اور ایسے عمل کے جو خالص خدائے تعالیٰ کے لیے ہو اور کچھ نہ رہے گا اسی طرح وہ حالات بھی سوچے جن کو ہم عنقریب لکھیں گے یعنی عذاب قبر اور منکر نکیر کا سوال اور حشر نشر اور قیامت کے احوال اور بڑے دن کی پیشی کے لیے پکار کا خوف وغیرہ تو یہ فکر اسی قسم کی ہے کہ آدمی کے دل پر موت کو تازہ کرتی رہے اور اس کی تیاری میں لگاتی رہے۔

امیدوں کے باب میں لوگوں کے مراتب

واضح ہو کہ اسباب میں لوگ مختلف مراتب کے ہیں بعض تو ایسے ہیں کہ وہ ہمیشہ جینا چاہتے ہیں جیسے خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔ یود احدھم لو یعمر الف سنة[عه] اور بعضے بوڑھا ہونے تک زندگی کے حریص ہوتے ہیں یعنی جتنی عمر اور زندگی بڑی سے بڑی لوگوں کی دیکھی اتنی ہی کے خواہاں ہوتے ایسا شخص دنیا سے بہت محبت کرتا ہے۔ حدیث شریف[ح] میں ہے کہ بوڑھا آدمی دنیا کی طلب کی محبت میں جوان ہوتا ہے گو بڑھاپے کے سبب سے اس کی ہالنس مڑ گئی ہو مگر تقویٰ والے اور وہ کمتر ہیں انتہا۔ اور بعض ایک برس دن جینے کی توقع رکھتے ہیں اور اس سے زیادہ کے سامان کی تدبیر نہیں کرتے اور آئندہ سال میں اپنا وجود نہیں فرض کرتے مگر گرمی میں جاڑے کے لیے اور جاڑوں میں گرمی کے لیے سامان کیا کرتے ہیں۔ پس اگر سال بھر کے لیے سامان کافی ہو تو عبادت میں مشغول ہوتے ہیں اور بعضے صرف ایک موسم مثلاً گرمی خواہ جاڑے ہی تک کی امل کرتے ہیں تو اسی نظر سے گرمیوں میں جاڑے کا سامان اور جاڑوں میں گرمی کا جمع نہیں کرتے اور بعض کے امل کا مآل صرف ایک دن اور رات کا ہوتا ہے تو صرف دن بھر کی تیاری کرتا ہے کل کی فکر نہیں کرتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ کل کی روزی کا اہتمام مت کرو اس واسطے کہ اگر کل کی تم کو مہلت ملے گی تو تمہارا رزق اور مہلت دونوں تم کو پہنچیں گی اور اگر کل تمہاری مہلت نہیں تو تم کو اہتمام بھی نہ چاہیئے۔ دوسروں کے لیے تم کو کیا ضرور ہے کہ فکر کرو اور بعضوں کی امل ایک ساعت کی ہوتی ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[ح] کہ اے عبداللہ جب تو صبح کرے تو اپنے دل میں شام کا خیال نہ کر اور شام کرے تو صبح کا دھیان نہ کر اور بعض ایک ساعت کا باقی رہنا بھی نہیں جانتے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم استنجا کے بعد باوجود استطاعت کے اندر ہی پانی پر قدرت کے تیمم کر لیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ شاید میں پانی تک نہ پہنچوں اور بعضے ایسے ہوتے ہیں کہ موت گویا ان کی آنکھوں کے سامنے ہے اور لیا چاہتی ہے وہ اس کے منتظر ہوتے ہیں ایسا شخص رخصت کرنے والے کی سی نماز پڑھتا ہے اور یہی حال معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ایمان کی حقیقت پوچھی تو عرض[ح] کیا کہ میں نے کوئی قدم ایسا نہیں رکھا کہ گمان کیا ہو کہ اب

ح ۱۲ احیا کے لفظوں سے نہیں ملی صحیحین میں بروایت ابوہریرہؓ یوں ہے الشیخ شباب علی اثنین طول الحیاۃ وحب المال ۱۲ ح ۲ یہ حدیث اوپر گذری ۱۲ ح اوپر گذری ۱۲ ح ابونعیم در حلیہ بروایت انسؓ اور یہ ضعیف ہے عه رخصت ہونے والی نماز آہ ۱۲۔۔۔

عه ان کا ایک پسند کرتا ہے کہ ایک ہزار سال عمر ہو جائے ۱۲

دوسرا اس کے بعد رکھوں گا اور جیسا کہ اسود حبشی کے حال میں ہے کہ وہ رات کو نماز پڑھتے اور داہنے بائیں تاکتے کسی نے ان سے کہا کہ یہ کیا بات ہے انہوں نے کہا کہ میں ملک الموت کو دیکھتا ہوں کہ کونسی طرف سے میرے پاس آتا ہے۔ تو یہ ہیں لوگوں کے مراتب اور ہر ایک کے لیے خدائے تعالیٰ کے پاس درجات ہیں۔ اور جس شخص کی امل ایک مہینہ ہے وہ ایسا نہیں جس کی امل ایک مہینہ اور ایک دن ہے یعنی دونوں کا درجہ یکساں نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ذرہ بھر بے انصافی نہیں فرماتا ہے[1] فمن یعمل مثقال ذرۃ خیراً یرہ٭ طول امل کے چھوٹا ہونے کا عمل پر سبقت کرنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ جو کوئی دعویٰ کرے کہ میری امل تھوڑی ہے وہ جھوٹا ہے بلکہ اس کے اعمال سے ظاہر ہوگی یعنی وہ ایسے اسباب کے درپے ہوتا ہے کہ غالباً برس روز میں ان کی ضرورت نہ ہو تو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ امل بڑی رکھتا ہے۔ اور توفیق کی پہچان یہ ہے کہ موت آنکھوں کے سامنے ہو اس سے ایک گھڑی غافل نہ ہو اور اسی کی تیاری میں مصروف رہے کہ ابھی آجاوے گی اور اگر شام تک بچ جاوے تو خدائے تعالیٰ کا شکر ادا کرے کہ مجھ سے اپنی اطاعت کرائی اور اس امر سے خوش ہو کہ دن ضائع نہ ہوا بلکہ اس میں سے جتنا اپنا بہرہ نکال گیا اور ذخیرۂ آخرت ہوا پھر صبح کو از سر نو اسی طرح کرے اور ہر صبح و شام یہی کام کرے اور یہ بات اس شخص کو میسر ہوتی ہے جس کو کل کی فکر نہ ہو کہ کل کیا ہوگا ایسا شخص اگر مرے گا تو سعادت اور غنیمت پاوے گا۔ اور اگر زندہ رہے گا تو عمدہ تیاری اور لذت مناجات سے خوش رہے گا۔ موت سے اس کی سعادت ہے اور حیات سے زیادتی منزلت۔ پس اے مسکین موت کو اپنے دل میں رکھ لے اس لیے کہ جان تجھے اڑائے لیے جاتی ہے اور تو اپنے نفس سے غافل ہے۔ عجب نہیں کہ تو منزل کے قریب گیا ہو اور مسافت طے کر چکا ہو اور یہ بات تجھ کو جبھی حاصل ہوگی جب جتنی مہلت پاوے گا اس میں عمل کرے گا۔

عمل میں جلدی کرنا اور تاخیر سے بچنا

واضح ہو کہ جس شخص کے دو بھائی ہوں اور غائب ہوں اور ایک کا انتظار ہو تو اس کو دوسرے دن آنے کا ہو اور دوسرے کا سال بھر کے بعد یا اور کسی مدت کے بعد تو وہ شخص دوسرے کے آنے کی تیاری نہ کرے گا بلکہ جو شخص دوسرے روز آوے گا اس کے آنے کا سامان کرے گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تیاری قرب انتظار سے ہوا کرتی ہے اس صورت میں جو شخص موت کے آنے کا انتظار برس روز کے بعد کرے گا اس کا دل اسی مدت سے منطبق رہے گا۔ بیچ کے دنوں پر دھیان نہ دے گا اور ان کو بھول جاوے گا۔ ہر صبح کو اسی بات کا منتظر رہے گا کہ ابھی برس روز کامل پڑا ہے اور شروع اس دن کو جانتا ہے جس میں موجود ہے وہ دن گزرتے جاتے ہیں ان کو کم نہیں کرتا اور یہ امر اس کو ہمیشہ عمل پر مبادرت نہیں کرنے دیتا اس لیے کہ اپنے نفس کے لیے ہمیشہ گنجائش اس برس میں تصور کرتا ہے اور اسی وجہ سے عمل میں تاخیر کرتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ نہیں انتظار کرتا۔۔۔ تم میں سے کوئی دنیا

[1] سو جس نے ذرہ بھر کی بھلائی وہ دیکھ لے گا ۱۲ ح[2] ترمذی بروایت ابی ہریرہ رض و ابن ابی الدنیا ۱۲

میں سے مگر تو انگری جو مانع طاعت ہو یا مفلسی جو طاعت سے بھلاوے یا مرض مفسد یا بڑھاپا کہ عقل کو خبط کر دے یا موت جلدی کی جس کے باعث کوئی کار ثواب نہ بن پڑے یا دجال لیس دجال برا غائب ہے کہ انتظار کیا جاوے یا قیامت کا انتظار کرتا ہے اور قیامت نہایت سخت اور تلخ ہے انتہی۔ اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نصیحت فرماتے ہوتے فرمایا[ح۲] کہ پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جان، اپنی جوانی کو بڑھاپے سے پہلے اور تندرستی کو بیماری سے اور توانگری کو مفلسی سے اور فارغ ہونے کو شغل سے اور زندگی کو موت سے پیشتر۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[ح۲] نعمتان مغبون فیھما کثیر من الناس الصحۃ و الفراغ یعنی آدمی ان دونوں نعمتوں کو غنیمت نہیں جانتا اور جب جاتی رہتی ہیں تب ان کی قدر پہچانتا ہے۔ جیسا کہ مشہور ہے ع

قدر ہر نعمت است بعد زوال

اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا[ح۳] جو خوف کرتا ہے وہ اول شب میں چل دیتا ہے اور جو اول شب میں چلتا ہے وہ منزل کو پہنچ جاتا ہے۔ سن لو کہ خدا تعالیٰ کی متاع بھاری مول ہے اور آگاہ ہو کہ خدائے تعالیٰ کی متاع جنت ہے اور فرمایا جاءت الرادفۃ تتبعھا الرادفۃ جاءت الموت بما فیہ ط اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور[ح۴] تھا کہ جب اپنے صحابہؓ سے غفلت یا مغالطہ ملاحظہ فرماتے تو ان میں بلند آواز سے پکارتے[ح۵] اتتکم الموت راتبۃ لازمۃ اما بشقاوۃ واما بسعادۃ اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[ح۶] کہ میں ڈرانے والا ہوں اور موت غارت کرنے والی ہے اور قیامت وعدہ کی جگہ ہے اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں[ح۷] کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت باہر نکلے کہ آفتاب درختوں کی ٹہنیوں پر پہنچ گیا تھا۔ فرمایا کہ دنیا میں سے اسی قدر رہا ہے جتنا کہ اس دن سے باقی ہے بہ نسبت اس مقدار کے کہ گذر گیا۔ اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا[ح۸] کہ دنیا کی مثال ایسی ہے جیسا کوئی کپڑا کہ شروع سے اخیر تک پھٹ کر ایک دھاگے میں اخیر کو لٹکا رہ گیا ہو تو بعید نہیں کہ وہ دھاگہ بھی ٹوٹ جاوے اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم[ح۹] جب خطبہ پڑھتے جب قیامت کا ذکر فرماتے تو اپنی آواز بلند کرتے اور رخسار مبارک سرخ پڑ جاتے گویا کسی لشکر سے ڈراتے ہیں فرماتے کہ صبح ہوتے آتے ہیں اور شام ہوتے آتے ہیں[ع] اور قیامت ان دونوں کی طرح بھیجی گئی ہے اور اپنی دونوں انگلیوں کو ملا لیتے اور حضرت ابن مسعودؓ

ح۱ دو نعمتیں ہیں کہ ان میں اکثر لوگ خسارے میں ہیں ایک تندرستی دوسری فراغت ۱۲ بخاری بروایت ابن عباسؓ ۱۲ ح۲ ترمذی بروایت ابو ہریرہؓ
ح۳ آئی ہلانے والی کہ اس کے پیچھے ہے پچھلی آئی موت مع ان باتوں کے جو اس کے اندر ہیں ۱۲ ترمذی بروایت ابی ابن کعب ۱۲ ح۴ ابن ابی الدنیا بروایت یزید رقاشی ۱۲ ح۵ موت تمہارے پاس آئی وظیفہ لازم ہو کر یا بدبختی کے ساتھ یا نیک بختی کے ۱۲ ح۶ ابن ابی الدنیا بسند ضعیف ۱۲ ح۷ ابن ابی الدنیا در قصر امل و ترمذی بروایت ابو سعید ۱۲ ح۸ ابن ابی الدنیا بروایت انسؓ اور یہ ضعیف ہے ۱۲
ح۹ مسلم ۱۲ ع اصل میں صبحکم ومساکم یعنی وہ لشکر صبح اور شام کو تم پر چھاپا مارنے والا ہے ۱۲

فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی[1] فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام پھر فرمایا[2] کہ نور جب سینے میں داخل ہوتا ہے تو کھل جاتا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت اس کی کچھ پہچان بھی ہے جس سے معلوم ہو جاتے آپ نے فرمایا ہاں اس مغالطے کے گھر سے علیحدہ رہنا اور دار باقی کی طرف رجوع کرنا اور موت کے آنے سے پیشتر اس کی تیاری کرنی اور سدیؒ اس آیت کی تفسیر میں[3] الذی خلق الموت والحیوٰۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ کون موت کی یاد زیادہ کرتا ہے اور اس کی تیاری اچھی طرح کرتا ہے اور اس سے خوف اور دہشت بہت رکھتا ہے۔ اور حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ کوئی صبح اور شام ایسی نہیں کہ ایک پکارنے والا یہ نہ پکارتا ہو کہ لوگو کوچ کوچ۔ اور مضمون مصرحہ بالا کی تصدیق یہ آیت ہے[4] انھا لاحدی الکبر نذیرًا للبشر لمن شآء منکم ان یتقدم او یتاخر یعنی موت ہیں۔ اور سحیم مولیٰ بن تمیم کہتے ہیں کہ میں عامر بن عبداللہ کے پاس جا کر بیٹھا اور وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے جلدی سے سلام پھیر کر میری طرف توجہ کی اور فرمایا کہ اپنی حاجت کہہ چکو کہ میں ایک تاک میں ہوں، میں نے پوچھا کس چیز کی تاک میں ہو فرمایا کہ خدا تجھ پر رحم کرے میں ملک الموت کی تاک میں ہوں۔ یہ سنکر میں کھڑا ہو گیا اور وہ نماز میں مصروف ہوتے۔ اور حضرت داؤد طائیؒ چلے جاتے تھے ایک شخص نے ان سے کسی بات کا سوال کیا انہوں نے فرمایا کہ مجھے جانے دو میں اپنی جان نکلنے تک کا موقع غنیمت جانتا ہوں۔ اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ تاخیر ہر چیز میں بہتر ہے بجز اعمال آخرت کے اور منذر کہتے ہیں کہ میں نے مالک بن دینار کو سنا ہے کہ اپنے نفس سے فرماتے تھے ارے کم بخت عمل پر مبادرت کر پہلے اس سے کہ وہ امر آجاتے اور اسی جملے کو بار بار کہتے تھے یہاں تک کہ میں نے ساٹھ بار ان سے سنا اور وہ مجھ کو نہیں دیکھتے تھے اور حضرت حسنؒ نے اپنی وعظ میں فرمایا کہ عمل کرنے کے لیے جلدی کرو کیونکہ یہ چند سانس ہیں اگر رک گئے تو تم سے وہ عمل نہ ہو سکیں گے جن سے اللہ تعالیٰ کی طرف تقرب کرتے ہو۔ خدا تعالیٰ رحم کرے اس آدمی پر جو اپنے نفس کی فکر کرے اور اپنے گناہوں پہ روئے پھر یہ آیت پڑھی[5] انما نعد لھم عدا ط مراد انفاس سے ہے آخر شمار یہ آدمی کی جان نکلتی ہے اس کے بعد اپنے عمل کی جدائی پھر اس کے بعد داخل ہونا۔ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے اپنی موت سے پہلے بہت ریاضت سخت شروع کی ان سے کہا گیا آپ محنت نہ کریں یا اپنے نفس پر کچھ نرمی کیجیے تو آپ نے فرمایا کہ گھوڑ دوڑ میں جب گھوڑے چھوٹ کر حد سے قریب پہنچتے ہیں تو جتنی دوڑ ان میں ہوتی ہے وہ اسی وقت نکالتے ہیں۔ اور جو مدت میری موت کی باقی ہے وہ اس سے بھی کم ہے۔ غرضکہ مرتے دم تک اسی طرح عمل کیا کیے اور اپنی بی بی سے فرماتے کہ اپنی سواری کس لے اس لیے کہ جہنم پر اترنے کی کوئی چیز نہیں، یعنی اس پر اترنے کی چیز اعمال ہی ہوں گے تو ان میں کوشش کر اور ایک خلیفہ نے اپنے منبر پر یہ کہا کہ اے بندگان

ت[1] سو جس کو اللہ چاہے کہ راہ دے کھولدے اس کا سینہ حکم برداری کو ۱۲ ح[2] ابن ابی الدنیا وحاکم در مستدرک ۱۲ ت[3] جس نے بنایا مرنا اور جینا کہ تم کو جانچے کہ کون اچھا کام کرتا ہے ت[4] وہ دوزخ ہے ایک بڑی چیزوں میں ڈراوا ہے لوگوں کو جو کوئی چاہے تم میں کہ آگے بڑھے یا پیچھے رہے ۱۲ ت[5] ہم تو پوری کرتے ہیں ان کی گنتی ۱۲

خدا اللہ تعالیٰ سے ڈرو جتنا تم سے ہو سکے اور ایسے لوگ ہو جاؤ جن کو چیخ سنائی گئی ہو اور ہوشیار ہو گئے ہوں اور جان لیا ہو کہ دنیا ہمارا گھر نہیں ہے تو اس کو آخرت کے عوض میں دے ڈالا ہو اور موت کے لیے تیار ہو جاؤ کہ وہ سر پر کھڑی ہو اور کوچ کی تیاری کرو کہ وہی بڑا مشکل ہے اور جو عرصہ ایسا ہو کہ لحظہ سے کم ہوتا ہو اور ساعت میں ڈھے جاتا ہو وہ کمتر مدت ہونے کے لیے زیبا ہے اور جس غائب کو نئے رات دن لیے چلے آتے ہیں وہ جلد آنے کا شایاں ہے اور جو آنے والا کہ نہ جانتا ہو کہ فلاح پر اتارا ہو گا یا بدبختی پر وہ عمدہ سامان کرنے کا مستحق ہو گا۔ پس اپنے رب کے نزدیک پرہیزگار وہ ہے جو اپنے نفس کی خیر خواہی کرے اور پہلے توبہ کر چکے اور اپنی شہوت پر غالب ہو اس لیے کہ اس کی موت کا حال تو اس سے پوشیدہ اور زیست کی حرص اس کو زیب دیتی ہے اور شیطان اس پر مقرر ہے کہ توبہ کی آرزو دلاتا ہے تاکہ ٹالتا رہے اور گناہوں کو اس کی نظروں میں چکنا تا ہے تاکہ ان کا مرتکب ہو یہاں تک کہ اس کی موت اس پر دوڑ آوے اور یہ سب سے زیادہ اس سے غافل ہو اور یاد رکھو کہ تم میں اور بہشت اور دوزخ میں صرف موت ہی کا آنا ہے تو بڑا افسوس ہے کہ اس غفلت والے کے حال پر جس کی زندگی اس پر حجت ہو اور اس کے دن ہی اس کو بدبختی میں لے ڈالیں خدا تعالیٰ ہم کو اور تم کو ایسے لوگوں میں سے کرے جو نعمت سے نہ اتراویں اور نہ کسی گناہ کے باعث طاعت الٰہی میں قصور کریں اور نہ مرنے کے بعد حسرت اٹھاویں وہی دعا کا سننے والا ہے اور اس کے ہاتھ میں بہتری ہے ہمیشہ کو اور وہی جو چاہتا ہے سو کرتا ہے اور بعض مفسرین اس آیت کی تفسیر میں فتنتم انفسکم وتربصتم وارتبتم وغرتکم الامانی حتیٰ جاء امر اللہ وغرکم باللہ الغرور[1] اور فرمایا کہ فتنتم انفسکم سے مراد شہوتوں اور لذتوں کے باعث ہے اور تربصتم سے غرض یہ ہے کہ توبہ کے لیے انتظار اور تاخیر کی اور ارتبتم یعنی شک کیا اور امر اللہ سے مراد ہے۔ اور حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ صبر کرو اور راہ راست پر رہو کہ یہ تھوڑے سے دن زندگی کے ہیں تم مسافر ٹھہرے ہوئے ہو ایک کی طلبی ہو جاتی ہے اور وہ چلا جاتا ہے اور مڑ کر نہیں دیکھتا تو تم یہاں سے جو تمہارے سامنے ہے عمدہ چیز لے کر نقل مکان کرو۔ اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ تم سب مہمان ہو اور تمہارا مال عاریت ہے اور مہمان جانے کو ہے اور عاریت جس کی ہے اس کے پاس جانے والی ہے۔ اور ابو عبیدہ ناجی کہتے ہیں[2] ہم حضرت حسن بصریؒ کے مرض میں ان کے پاس گئے تو انہوں نے فرمایا کہ بہت خوب ہوا آپ صاحب تشریف لائے خدا تعالیٰ تم کو سلامتی کے ساتھ زندہ رکھے اور ہم کو اور تم کو جنت میں نازل کرے۔ یہ ایک کھلی نیکی ہے اگر تم صبر کرو اور سچا جانو اور تقویٰ اختیار کرو ایسا نہ ہو کہ اس خبر کو اس کان ڈالو

---

[1] تم نے بچلا دیا آپ کو اور راہ دیکھتے رہے اور دھوکے میں پڑے رہے اور بہکے خیالوں پر جب تک آپہنچا حکم اللہ کا اور تم کو بہکا دیا اللہ کے نام سے اس دغا باز نے ۱۲

[2] ابن ابی الدنیا در قصر امل و ابو نعیم در حلیہ و ابن حبان در ثقات ۱۲

اور دوسرے سے نکال دو۔ جس شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ ان کے پاس جو چیز صبح کو آئی شام کو چلی گئی۔ کبھی آپ نے اینٹ پر اینٹ نہ رکھی نہ نرنے پر رتے یعنی مکان کسی قسم کا نہیں بنوایا بلکہ آپ کیلئے علم اونچا کیا گیا اسی کی طرف آپ مستعد ہوتے جلدی جلدی کرو تم کس چیز پر میل کرتے ہو۔ بخدا کہ تم اور موت گویا اکٹھے ہو۔ خدا تعالیٰ رحم کرے اس بندے پر جو عیش کو ایک ہی عیش یعنی آخرت کی کرے۔ پس ایک ٹکڑا کھالے اور پرانا پہن لے اور زمین پر لیٹ رہے اور عبادت میں کوشش کرے اور خطا پر روئے اور عذاب سے گریز کرکے رحمت کا خواہاں رہے۔ یہاں تک کہ اس کی موت اسی حال پر آوے۔ اور عاصم احول کہتے ہیں کہ مجھ سے فضیل رقاشی نے میرے سوال کے جواب میں فرمایا کہ میاں صاحب لوگوں کی کثرت کے باعث اپنے نفس سے غافل نہ ہونا چاہیئے اس لیے کہ معاملہ خاص تم سے ہوگا نہ ان سے اور نہ یہ کہو کہ وہاں ہو آؤں وہاں پھر آؤں کہ اس صورت میں دن مفت جاتا رہے گا اور موت تمہارے اوپر معین ہے وہ معلوم نہیں کس وقت آجائے۔ اور جیسے نئی نیکی پرانے گناہ کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر جلد پکڑ لیتی ہے ایسی کوئی چیز تم نے کبھی نہ دیکھی ہوگی۔

فصل ۳ موت اور اس کے وقت کے مستحب اعمال

واضح ہو کہ اگر بندہ بیچارے پر کوئی ہول اور عذاب بجز جان کندنی کی سختی کے نہ ہوتا تب بھی سزاوار تھا کہ اس کا عیش تلخ اور سرور مکدر ہوتا اور سہو و غفلت سے علیحدہ رہتا اور بڑی بڑی فکر موت کے باب میں کرکے اس کی تیاریاں بڑی دھوم سے کرتا خصوص ایسی صورت میں کہ وہ ہر دم اس کے درپے ہے۔ چنانچہ بعض حکماء فرماتے ہیں کہ سختیاں تیرے سوا دوسرے کے ہاتھ ہیں تجھ کو معلوم نہیں کہ تجھ پر کب آگریں گی۔ اور حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے سے کہا کہ بیٹا موت کا حال تجھ کو معلوم نہیں کہ کب آوے گی تو پہلے اس سے کہ وہ اچانک تجھ کو آدبائے تو اس کی تیاری کر لے اور تعجب یہ ہے کہ آدمی اگر بڑی سے بڑی لذت میں اور عمدہ مجلس تماشے میں ہو اور یہ تصور کرے کہ ابھی ایک سپاہی آکر پانچ لاٹھیاں مارے گا تو وہ لذت خاک میں مل جاتی گی اور عیش میں کدورت آجاوے گی۔ اور یہ معلوم ہے کہ ملک الموت جان کندنی کی سختیاں عین غفلت کے وقت میں لا ڈالے گا۔ مگر اس سے کچھ عیش مکدر نہیں ہوتا، اس کا سبب بجز جہالت اور مغالطے کے اور کیا کہنا چاہیئے اور جس قدر تکلیف کہ جان کندنی میں ہوتی ہے۔ اس کی ماہیت بجز اس شخص کے کہ اس کو چکھے اور کسی کو معلوم نہیں ہوتی اور جو شخص اس کو نہیں چکھتا وہ دو طرح پر معلوم کر سکتا ہے یا تو اور دردوں پر قیاس کرنے سے جو اس کو ہوئے ہوں یا اور لوگوں کا حال نزع میں نہایت کرب پر دیکھنے سے۔ پس قیاس کی صورت تو یہ ہے کہ جس عضو میں جان نہیں ہوتی اس کو درد معلوم نہیں ہوتا

ع في الاصل من رای محمداً صلی اللہ علیہ وسلم فقد راٰہ غادیا او رائحا آہ یعنی جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو ایسی شان پر دیکھا کہ گویا آپ صبح کے مسافر یا شام کے مسافر کوچ کرنے والے ہیں ۱۲ محمد مرتضیٰ عفی عنہ ۱۲

اور جب اس میں جان ہوتی ہے تو درد معلوم ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ درد کی معلوم کرنے والی چیز روح ہے جب کسی عضو میں زخم لگتا ہے یا سوزش ہوتی ہے تو اس کا اثر روح پر پہنچتا ہے اور جس قدر اثر روح پر پہنچتا ہے اسی قدر اس کو درد ہوتا ہے اور چونکہ درد گوشت اور خون وغیرہ میں بٹ جاتا ہے تو روح کو صرف تھوڑا ہی صدمہ ہوتا ہے تو اگر ایسی صورت ہو کہ درد خاص روح ہی پر ہو اور دوسری چیز پر نہ ہو تو ظاہر ہے کہ یہ درد نہایت بُرا ہوگا۔ اور جان کنی کے یہی معنی ہیں کہ نفس روح پر صدمہ ہوتا ہے اور اس کے تمام اجزا میں وہ پھیل جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اجزائے روح میں سے جو تمام بدن کے اندر پھیلی ہوئی ہے کوئی جزء باقی نہیں رہتا جس میں درد نہ ہو۔ مثلاً آدمی کے اگر کانٹا لگتا ہے تو درد جو اس کو معلوم اور محسوس ہوتا ہے وہ صرف روح کے اس حصہ میں ہے جو اس جگہ ملی ہوئی ہے جہاں کانٹا لگا ہے اور جلنے کی تکلیف اس لیے معلوم ہوتی ہے کہ آگ کے اجزا تمام بدن میں گھس جاتے ہیں کوئی عضو ظاہر یا باطن ایسا نہیں رہتا جس میں آگ نہ لگی ہو تو جو روح کہ ان اجزا میں پھیلی ہوتی ہے اس کے اجزائے روحانی ہر ایک جگہ پر صدمہ دے سکتے ہیں اور زخم تو فقط اس جگہ ہوتا ہے جہاں لوہا وغیرہ لگا ہوا ہے۔ اسی وجہ سے زخم کی تکلیف جلنے کی نسبت کم ہوتی ہے اور جان کنی نفس روح پر گذرتی ہے اور اس کے تمام اجزا پر حاوی ہوتی ہے اس لیے ہر ایک رگ و پے میں سے کھینچ کھینچ کر ہی نکلتی ہے کوئی اور جوڑ اور بال اور کھال سر سے پاؤں تک باقی نہیں رہتی جس میں سے یہ نکالی جاتی ہو۔ تو اس کی تکلیف اور سختی کو مت پوچھو اسی لیے کہتے ہیں کہ موت تلواروں کی ضرب اور آرے سے چیرنے اور مقراض سے کترنے کی نسبت کہ بہت سخت ہے کیونکہ تلوار وغیرہ سے بدن کا کٹنا اس لیے تکلیف دیتا ہے کہ اس میں روح ہوتی ہے تو جب خاص روح ہی پر صدمہ ہو تو کیسے سخت تر نہ ہوگا۔ باقی رہا کہ مار وغیرہ کی تکلیف میں آدمی چیختا ہے اور جان کنی میں فریاد و چیخ کچھ نہیں ہوتی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اول صورت میں دل میں اور زبان میں قوت رہتی ہے اور دوسری صورت میں موت کی سختی دل اور زبان اور ہر عضو پر چڑھ جاتی ہے اور تمام قوت ضائع کر دیتی ہے اور ہر ایک عضو سست پڑ جاتا ہے قوت فریاد کی باقی نہیں رہتی عقل کو جدا پریشان کر دیتی ہے اور زبان کو جدا گونگا کر دیتی ہے اور ہاتھ پاؤں کو جدا ڈھیلا کر دیتی ہے۔ آدمی اس وقت چاہتا ہے کہ اگر بن پڑے تو آہ اور واویلا اور فریاد کرنے سے کچھ دم لوں مگر یہ نہیں ہو سکتا اگر کچھ اس میں قوت رہتی ہے تو جان نکلتے وقت اور اس کے کھینچنے کے وقت حلق اور سینے سے غرغرہ کی آواز سنائی دیتی ہے۔ رنگ بدل کر مٹیالا ہو جاتا ہے۔ گویا جس مٹی سے بنا تھا وہی اس سے ظاہر ہوئی۔ تمام رگیں کھنچتی ہیں اس لیے کہ درد اندر اور باہر پھیلا ہوا ہے یہاں تک کہ آنکھ کے ڈھیلے اوپر چڑھ جاتے ہیں اور ہونٹ سکڑ جاتے ہیں اور زبان جڑ کی جانب کھنچ جاتی ہے اور خصیے اوپر کی طرف ہو جاتے ہیں انگلیاں سرد پڑ جاتی ہیں۔ تو ایسے بدن کا حال کیا پوچھتے ہو جس کی ہر اک رگ تنتی ہو ؎

کیا پوچھتے ہو ہمدم اس جسم ناتواں کی
رگ رگ میں نیش غم ہے کہیے کہاں کہاں کی

اگر ایک رگ کھنچی ہوئے تو اس کا درد بہت ہوتا جب ساری جان ہی نکلتی ہے اور وہ بھی ایک ایک رگ سے نہیں بلکہ تمام رگوں سے تو اس کی تکلیف کیوں نہ زیادہ ہو گی ؎

ندیدہ کہ چہ سختی رسد بجان کسی — کہ از دہانش برون میکنند دندانے
قیاس کن کہ چہ حالت بود دراں ساعت — کہ از وجود عزیزش برون رود جانے

پھر ہر ایک عضو بتدریج مرنے لگتا ہے اول دونوں پاؤں ٹھنڈے ہوتے ہیں پھر پنڈلیاں پھر رانیں پھر ہر ایک عضو میں نئی سختی اور نئی شدت ہوتی ہے یہاں تک کہ نوبت گلے کو پہنچتی ہے اس وقت اس کی نظر دنیا سے اور اس کے باشندوں سے ہوتی ہے اور دروازہ توبہ کا اس پر بند ہو جاتا ہے اور حسرت و ندامت اس پر چھا جاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ولیست تقبل توبۃ العبد مالم یغرغر[ح۱] اور حضرت مجاہد اس آیت میں فرماتے ہیں ولیست التوبۃ للذین یعملون السیئات حتیٰ اذا حضر احدھم الموت قال انی تبت الاٰن کہ مراد وہ وقت ہے کہ ملک الموت نظر آوے اور فرشتے سوجھائی دیں۔ غرضکہ تلخی موت کا مزہ اور اس کی سختی شدت جانکنی کے وقت قابل بیان نہیں اور اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[ح۲] کہ اللّٰھم ھون علی محمد سکرات الموت اور آدمی جو اس مصیبت سے پناہ نہیں مانگتے اور اس کو برا نہیں جانتے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس تکلیف کو جانتے ہی نہیں اس لیے چیزوں کا حال ہونے سے پہلے نور نبوت اور ولایت سے معلوم ہوا کرتا ہے اور یہیں وجہ انبیاء و اولیاء موت سے پہلے بہت خوف رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے گروہ حواریین خدائے تعالیٰ سے دعا مانگو کہ مجھ پر موت کی سختی کو آسان فرما دے اس لیے کہ میں موت سے اتنا ڈرتا ہوں کہ اس کے خوف کے مارے مرا جاتا ہوں۔ اور روایت ہے کہ چند لوگ بنی اسرائیل میں سے ایک قبرستان پر گذرے اور آپس میں کہا کہ آؤ دعا مانگیں کہ ان سے ایک شخص نکلے اور اس سے کچھ پوچھیں لوگوں نے دعا کی دیکھا تو ایک شخص اٹھا جس کی آنکھوں کے درمیان میں سجدے کا نشان تھا اور ایک قبر میں سے نکل کر آیا تھا اس نے پوچھا کہ لوگو تمہاری کیا غرض مجھ سے ہے مجھ کو پچاس برس ہوئے کہ موت کو چکھا ہے ابھی تک اس کی تلخی میرے منہ سے نہیں گئی اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں[ح۴] کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کی سختی دیکھ کر کسی کی موت کی آسانی پر مجھے غبطہ نہیں ہوتا اور روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا[ح۵] کرتے کہ الٰہی تو جان کو پٹھے اور ہڈیوں اور انگلیوں میں سے لیتا ہے تو میرے اوپر موت کو آسان فرما۔ اور حضرت حسنؒ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موت کا درد اور گلے میں رکنا بیان فرمایا اور ارشاد فرمایا[ح۶] کہ اس کی تکلیف تین سو چوٹ تلوار کے برابر ہے اور آپ سے جو شدت موت کا حال پوچھا گیا تو فرمایا[ح۷] کہ آسان سے آسان موت ایسی ہے جیسے پاؤں

ح۱ بندے کی توبہ قبول ہوتی ہے جب تک گلے میں دم رک کر نہ بولے ۱۲ ترمذی و ابن ماجہ بروایت ابن عمرؓ ۲ اور ان کی توبہ نہیں جو کرتے جاتے ہیں برے کام جب تک سامنے آئے ایسے کسی کو موت کہنے لگا میں نے توبہ کی ۱۲ ح۳ الٰہی آسان کر محمد پر موت کی سختیاں ۱۲ پیشتر گذری ۱۲
ح۴ بیشتر گذری ۱۲ ح۵ ابن ابی الدنیا بروایت طعمہ بن غیلان نقل کی ہے اور سند متصل ہے ۱۲ ح۶ ابن ابی الدنیا نے اسی طرح مرسلاً روایت کیا ۱۲
ح۷ ابن ابی الدنیا بروایت شہر ابن حوشب مرسلاً ۱۲ ح ابن ابی الدنیا بروایت عبید بن عمر مرسلاً ۱۲

میں گوکھروعہ ہو کہ جب وہ اس میں سے نکلتا ہے تو بدون ایذا کے نہیں نکلتا - اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک بیمار
کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ جو اس پر گزرتا ہے مجھے معلوم ہے کوئی رگ اس کی ایسی نہیں جس کو موت کی
تکلیف علیحدہ نہ ہو - اور حضرت علیؓ لوگوں کو لڑائی پر ترغیب دیتے اور فرماتے کہ اگر تم قتل نہ ہو گے تب بھی مرو گے
قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے ہزار تلواروں کی ضرب مجھ پر بستر پر مرنے کی نسبت کر آسان
ہے اور اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ ہم کو تحقیق معلوم ہوا ہے کہ مُردے کو مرنے کا درد قبر سے دوبارہ اٹھنے تک رہا کرتا ہے اور
شداد بن اوسؓ فرماتے ہیں کہ کوئی خوف ایماندار پر دنیا اور آخرت میں موت سے بڑھ کر نہیں اور وہ آروں کے چیرنے اور
مقراضوں سے کترنے اور ہنڈیوں میں ابالنے کی نسبت کہ زیادہ ہے اور اگر بالفرض مردہ زندہ ہو کر دنیا والوں کو موت
کی تکلیف سنادے تو وہ اپنی زندگی سے نفع نہ اٹھاویں نہ خواب سے راحت پاویں اور زید بن اسلم اپنے باپ سے
روایت کرتے ہیں کہ جب مومن کو کچھ درجات باقی رہتے ہیں کہ عمل کے باعث ان پر نہیں پہنچ سکا تو اس پر موت میں
آسانی کردی جاتی ہے تاکہ اس کی جہت سے اپنا درجہ جنت میں حاصل کرلے اور جب کافر کی کوئی نیکی ہوتی ہے کہ جس کا
بدلہ نہیں دیا گیا تو اس پر موت کی آسانی کردی جاتی ہے تاکہ عوض اپنی نیکی کا پاکر کھرا دوزخ میں چلا جاوے - اور بعض
اکابر سے مروی ہے کہ اکثر مریضوں کے پاس جاکر پوچھا کرتے کہ تم موت کو کیسے پاتے ہو - جب وہ مرض موت میں مبتلا
ہوئے تو لوگوں نے ان سے پوچھا کہ تمہیں موت کیسے معلوم ہوتی ہے کہا یوں معلوم ہوتا ہے کہ آسمان زمین سے آملا -
اور میری روح ایک سوئی کے ناکے سے نکلتی ہے - اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[۱] موت الفجاۃ راحۃ للمومن
واسف علی الفاجر - اور حضرت مکحولؒ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[۲] کہ اگر ایک بال مُردے
کے بالوں سے آسمان اور زمین کے باشندوں پر رکھ دیا جاوے تو خدا تعالیٰ کے حکم سے سب مرجاویں اس لیے کہ ہر
بال میں موت ہے اور جس چیز پر موت آتی ہے وہ مرجاتی ہے - اور روایت ہے کہ اگر ایک قطرہ موت کی تکلیف کا
تمام دنیا کے پہاڑوں پر رکھ دیا جاوے تو گل جاویں - اور روایت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب وفات پائی
تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے میرے خلیل تو نے موت کو کیسا پایا حضرت ابراہیمؑ نے عرض کیا کہ جیسے گرم سیخ تر
روئی میں کی جاوے اور پھر اس کو کھینچا جاوے حکم ہوا کہ ہم نے تیرے اوپر موت میں آسانی فرمائی ہے - اور روایت ہے
کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی روح جب اللہ تعالیٰ کے پاس گئی تو خدائے تعالیٰ نے پوچھا کہ تو نے موت کو کیسا پایا - عرض کیا
کہ میں نے اپنے نفس کو ایسا پایا جیسا زندہ چڑیا کو دیگچی میں چھوڑ دیں کہ نہ تو مرتی ہے کہ چھٹی ہو نہ نجات ملتی ہے کہ اُڑ
جاوے اور ایک روایت میں یوں ہے کہ اپنے نفس کو ایسا پایا جیسے زندہ بکرے کی کھال قصاب کے ہاتھ سے اُتر رہے

عہ فی الاصل ان اہون الموت بمنزلۃ حسکۃ فی صوف الخ یعنی آسان تر موت ایسی ہے جیسے پاؤں میں گوکھرو چپٹا ہو یعنی جیسے بھیڑوں کے بالوں میں چپک جاتا ہے بھلا تم نے دیکھا کہ بغیر صوف نوچے ہوتے وہ گوکھرو کبھی نکل سکتا ہے ۱۲ ح[۱] موت ناگہاں مومن کے لیے راحت ہے اور بدکار کے لیے افسوس ہے ۱۲ احمد بروایت عائشہ رضؓ صدیقہ ۱۲ ح[۲] ابن ابی الدنیا در موت بروایت ابو ہیبرہ بن شرحبیل الجلیل مرسلاً

اور روایت صحیح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک پیالہ میں پانی وفات شریف کے وقت رکھا ہوا تھا۔ آپ اس میں ہاتھ ڈال کر اپنے منہ پر پھیرتے تھے اور فرماتے تھے اللھم هون علی سکرات الموت[ح۱]۔ اور حضرت فاطمہ رض فرماتی تھیں[ح۲] کہ بابا جان آہ تم پر کتنی سختی ہے اور آپ جواب میں فرماتے کہ آج کے بعد پھر تیرے باپ پر سختی نہیں ہے۔ اور حضرت عمر رض نے کعب احبار سے فرمایا کہ کچھ موت کا حال بیان کرو۔ انہوں نے فرمایا کہ موت کا حال ایسا ہے جیسے کانٹے دار شاخ کسی آدمی کے اندر گھسیڑ دی جاوے اور ہر ایک کانٹا اس کی ساری رگوں میں چبھ جاوے اور پھر اس شاخ کو کوئی بڑا زبردست پکڑ کر کھینچے کہ جو ہاتھ میں آیا سو آیا اور جو رہا سو رہا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بندہ موت کی سختی کھینچتا ہے اور اس کے جوڑ ایک دوسرے پر سلام کر کے کہتے ہیں کہ لو اب ہم تم قیامت تک جدا ہوتے ہیں[ح۳]۔ تو یہ حال موت کی سختیوں کا اللہ تعالیٰ کے اولیاء اور دوستوں پر ہے۔ اور ہم لوگ جو گناہوں میں ڈوبے ہوتے ہیں ہمارا کیا حال ہونا ہے ہمارے اوپر تو موت کے سکرات کے سوا اور مصیبتیں بھی آویں گی اس لیے کہ موت کی مصیبتیں ہیں۔ اول تو جان کی سختی جس کا ذکر اوپر ہوا۔ دوم مصیبت ملک الموت کی صورت دیکھنے کی ہے اور اس سے خوف اور دہشت کا دل میں آنا اس کی صورت ایسی ہے کہ اگر سب سے زیادہ توانا اور زور آور آدمی ملک الموت کی صورت دیکھے جس سے کہ وہ گنہگاروں کی جان نکالتا ہے اس کو تاب دیکھنے کی نہ ہو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے ملک الموت کو ارشاد فرمایا کہ تم سے ہو سکتا ہے کہ مجھ کو وہ صورت دکھاؤ جس میں تم بدکار کی روح قبض کرتے ہو انہوں نے عرض کیا کہ میں دکھا سکتا ہوں مگر آپ کو تاب نہ ہو گی۔ آپ نے فرمایا کہ تاب کیوں نہ ہو گی ملک الموت نے کہا کہ منہ تو پھیریئے جب آپ نے منہ پھیرا اور پھر دوبارہ ان کی طرف دیکھا تو دیکھا ایک سیاہ آدمی بال کھڑے ہوئے، بدبودار کالے کپڑوں والا کھڑا ہے اور اس کے منہ اور نتھنوں سے آگ کی لپٹ اور دھواں نکلتا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو غش آ گیا پھر جو ہوش میں آئے تو ملک الموت اپنی پہلی صورت پر آ چکے تھے آپ نے فرمایا کہ اگر بدکار کو مرنے کے وقت بجز تمہارے دیدار کے اور کوئی تکلیف نہ ہو تو اس کو یہی کافی ہے۔ اور حضرت ابوہریرہ رض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام مرد غیرت والے تھے جب باہر جاتے تو دروازے بند کر کے باہر گئے ان کی بی بی نے جو گھر میں جھانکا تو دیکھا کہ آدمی گھر کے اندر ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس آدمی کو یہاں کون لایا ہے۔ اگر داؤد علیہ السلام آویں گے تو اس کے سر پر بلا آوے گی، جب حضرت داؤد تشریف لائے اور اس شخص کو دیکھا تو پوچھا کہ تو کون ہے اس نے کہا کہ میں وہ ہوں کہ نہ بادشاہوں سے ڈروں نہ دربانوں سے۔ آپ نے فرمایا کہ تو معلوم ہوتا ہے کہ تم ملک الموت ہو، یہ کہہ کر حضرت داؤد علیہ السلام کمبل میں چھپ گئے۔ اور روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک کھوپڑی پر گذرے اور اس میں ٹھوکر ماری اور فرمایا کہ خدا کے حکم سے بول اس نے عرض کیا کہ اے

ح۱ الٰہی مجھ پر موت کی سختیاں آسان کر ۱۲ ح۲ بخاری بروایت انس رض ح۳ یہ حدیث ابراہیم بن حدبہ کی اربعین میں بروایت انس رض منقول ہے مگر یہ ابراہیم بن حدبہ ساقط شخص ہیں۔

روح اللہ میں ۔ میں فلانے وقت کا بادشاہ ہوں جس وقت کہ میں سر پر تاج رکھے بیٹھا تھا اور میرے تخت پر میرے نوکر چاکر سب موجود تھے یکایک مجھ کو ملک الموت نظر پڑا اس کے دیکھتے ہی میرے جوڑ سب ڈھیلے ہو گئے پھر میری جان اس کی طرف نکل پڑی پس کیا خوب ہوتا کہ وہ جماعت تتر بتر ہوتی اور وہ انس والفت وحشت و نفرت سے بدل جاتی غرضکہ یہ مصیبت گنہگاروں کو بھگتنا پڑتی اور اطاعت کرنے والے اس سے محفوظ رہتے اور انبیاء علیہم السلام نے صرف شدت جانکنی کی بیان کی ہے وہ خوف جو ملک الموت کو دیکھنے سے ہوتا ہے اس کو بیان نہیں فرمایا اگر آدمی اس کو خواب میں بھی دیکھے تو باقی عمر کا عیش بھی تلخ ہو جائے تو جو اس حال میں اس کو دیکھتے ہوں گے ان کا کیا حال ہوتا ہوگا اور مطیع آدمی اس کو نہایت حسین اور شکیل صورت میں دیکھتا ہے۔ چنانچہ حضرت عکرمہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم مرد غیرت والے تھے ان کا ایک حجرہ تھا جس میں عبادت کیا کرتے۔ جب باہر جاتے تو اس کو بند کر جاتے ایک روز جو لوٹ کر آئے تو دیکھا کہ گھر کے اندر ایک آدمی ہے آپ نے پوچھا کہ تجھ کو میرے گھر میں کس نے داخل کیا اس نے کہا کہ گھر کے مالک نے فرمایا کہ گھر تو میرا ہے اس نے کہا کہ مجھے اس نے بھیجا ہے جو مجھ سے اور تجھ سے دونوں سے زیادہ مالک ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تو فرشتوں میں سے کون ہے اس نے عرض کیا کہ میں ملک الموت ہوں آپ نے فرمایا کہ جس صورت سے تم مومن کی روح نکالتے ہو وہ صورت مجھے دکھا سکتے ہو اس نے عرض کیا ہاں ذرا منہ پھیر لیجئے تو آپ نے منہ پھیر لیا پھر جو مڑ کر دیکھا تو ایک جوان خوبصورت کو پایا۔ راوی نے اس کے حسن اور لباس کی خوبی اور خوشبو بیان کی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اے ملک الموت اگر مومن کو صرف تیرا ہی دیدار ہو جائے اور کچھ ثواب وغیرہ نہ ملے تب بھی اس کو کافی ہے۔ اور اسی میں شامل ہے دو فرشتوں کاتبان کا دیکھنا۔ حضرت وہبؒ بیان فرماتے ہیں کہ ہم کو یہ خبر پہنچی ہے کہ جو مردہ مرتا ہے تو اس کے سامنے دو فرشتے اس کے عمل لکھنے والے ظاہر ہوتے ہیں۔ پس اگر وہ شخص مطیع ہوتا ہے تو اس سے کہتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ ہماری طرف سے تجھ کو جزائے خیر دے۔ بہت سی سچی مجلسوں میں تو نے ہم کو بٹھایا اور بہت سے نیک کاموں میں ہم کو حاضر کیا۔ اور اگر بدکار ہوتا ہے تو یوں کہتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ تجھ کو ہماری طرف سے خیر کا بدلہ نہ دے کہ بہت سی بری مجلسوں میں تو نے ہم کو بٹھایا اور برے کاموں میں ہم کو حاضر کیا اور بری باتیں سنوائیں خدا تجھ کو جزائے خیر نہ دے اور یہ ماجرا اس وقت ہوتا ہے جب مردے کی آنکھ ان پر پڑتی ہے اور پھر کبھی دنیا کی طرف نہیں پھرتا تیسری مصیبت یہ ہے کہ گنہگاروں کو ان کا ٹھکانا دوزخ سے نظر پڑتا ہے اور دیکھنے سے پہلے ہی ڈرتے ہیں۔ اس لیے کہ حالت جان کنی میں ان کے قویٰ سست ہو جاتے ہیں اور جانیں نکلنے کے لیے منقاد ہو جاتی ہیں مگر ان کی روحیں جب تک ملک الموت[1] کا ایک نغمہ نہیں سن لیتیں تب تک نہیں نکلتیں اس کے نغمے دو ہیں ایک تو یہ کہ اے دشمن خدا تو دوزخ کی خوشخبری سن اور ایک یہ کہ اے ولی اللہ تو بہشت کی خبر سن۔ اہل عقل کا خوف اسی سے تھا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیںؐ کہ تم میں سے کوئی دنیا میں سے ہرگز نہ نکلے گا جب تک کہ اپنا ٹھکانا نہ جان لے

---

[1] ابن ابی الدنیا بروایت شخصے عن علی مرفوعاً اور صحیحین میں بروایت عبادہ بن صامت اس مضمون کی شاہد حدیث موجود ہے ۱۲

اور اپنی بیٹھک جنت یا دوزخ میں سے نہ دیکھ لے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[ح] من احب لقاء اللہ احب اللہ لقاءہ ومن کرہ لقاءہ کرہ اللہ لقاءہٗ لوگوں نے عرض کیا کہ ہم سب موت کو برا جانتے ہیں آپ نے فرمایا کہ اس سے یہ مراد نہیں بلکہ یہ غرض ہے کہ مومن پہ جو چیز آنے والی ہے اگر آسان کر دی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے ملنے کو محبوب جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے ملنے کو محبوب جانتا ہے اور روایت ہے کہ حذیفہ بن الیمانؓ نے آخر شب اپنی جان کنی کی حالت میں حضرت ابن مسعودؓ سے فرمایا کہ اٹھ کر دیکھو کیا وقت ہے وہ اٹھ کر دیکھ آئے اور فرمایا لال تارا نکل چکا ہے۔ حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ میں پناہ مانگتا ہوں خدا تعالیٰ سے کہ صبح کو دوزخ میں جاؤں۔ اور مروان حضرت ابو ہریرہؓ کے پاس نزع کے وقت میں گیا اور کہا کہ الٰہی اس پہ آسان کر آپ نے فرمایا کہ الٰہی سختی کر پھر آپ روئے اور فرمایا کہ بخدا میں اس وجہ سے نہیں روتا کہ دنیا کا غم ہے یا تمہاری جدائی کا رنج ہے مگر میں اپنے رب کی طرف سے دو مژدوں میں سے ایک پر نظر کر رہا ہوں خواہ جنت کا ہو یا دوزخ کا اور حدیث شریف[ح] میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے راضی ہوتا ہے تو فرماتا ہے کہ اے ملک الموت میرے فلاں بندے کے پاس جا اور اس کی روح میرے پاس لا تاکہ میں اس کو راحت دوں اس کے عمل سے مجھے یہی بس ہے کہ میں نے اس کا امتحان کیا تو جیسا میں چاہتا تھا اس کو ویسا پایا پس ملک الموت مع پانچسو فرشتوں کے اس بندے کے پاس آتا ہے اور فرشتوں کے پاس پھولوں کی چھڑیاں اور زعفران کی شاخیں ہوتی ہیں۔ ہر فرشتہ اس کو نئی ہی بشارت سناتا ہے اور اس کی روح کے لیے فرشتے دو صفوں میں گلدستے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں جب ان کو شیطان دیکھتا ہے تو اپنا ہاتھ سر پہ رکھ کر چیخیں اور ڈاڑھیں مارتا ہے اس کا لشکر اس سے پوچھتا ہے کہ تجھے کیا ہوا وہ کہتا ہے کہ تم کو کیا نہیں سوجھتا جو مرتبہ اس بندے کو عنایت ہوا ہے تم کہاں تھے کہ اس کی خبر نہ لی۔ لشکری کہتے ہیں کہ ہم تو بہت ہاتھ پاؤں مارے مگر وہ بچ گیا۔ اور حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ ایماندار کو راحت بجز دیدار الٰہی کے نہیں اور جس کی راحت خدا تعالےٰ کے ملنے میں ہوتی ہے تو موت کا دن اس کے لیے سرور اور فرحت اور امن اور عزت کا دن ہے **شعر**!

عروسی بود نوبت ماتمت　　اگر نیک روزی بود خاتمت

اور کسی نے جابر بن زیدؒ سے موت کے وقت کہا کہ تم کیا چاہتے ہو انہوں نے کہا حسن بصریؒ کو دیکھنا چاہتا ہوں جب وہ ان کے پاس تشریف لے گئے تو لوگوں نے کہا کہ حضرت حسن بصریؒ موجود ہیں انہوں نے اپنی آنکھ ان کی طرف اٹھائی اور کہا کہ لو بھائی اب ہم تم سے جدا ہو کر جنت یا دوزخ کی طرف جاتے ہیں اور محمد بن واسعؒ نے موت کے وقت فرمایا کہ بھائیو السلام علیکم دوزخ کی تیاری ہے مگر اس صورت میں کہ خدائے تعالیٰ مجھ سے درگذر فرمائے۔ اور بعض اکابرؒ

ح جو شخص اللہ تعالیٰ کے ملنے کو محبوب جانتا ہے اللہ اسکے ملنے کو محبوب جانتا ہے اور جو اس کے ملنے کو برا جانتا ہے اللہ تعالیٰ اسکے ملنے کو برا جانتا ہے بخاری ومسلم بروایت عبادہ بن صامت ۱۲ ح ابن ابی الدنیا بروایت تمیم داری بسند ضعیف اور نسائی نے بروایت ابو ہریرہؓ اسی کے قریب مضمون نقل کیا ہے ۱۲

نے تمنا کی کہ ہمیشہ جانکنی میں رہیں نہ ثواب کے لیے اٹھیں نہ عذاب کے لیے بلکہ خاتمہ کے برا ہونے کے خوف نے عارفوں کے دل ٹکڑے کر دیئے ہیں۔ اور واقع میں موت کے وقت یہ سخت مصیبت ہے اور خاتمہ کے برا ہونے کا حال اور اس سے عارفوں کا شدت سے خائف رہنا ہم باب خوف و رجا میں لکھ آئے ہیں اور وہ اس جگہ کے لائق ہے مگر دوبارہ لکھنے سے ہم طوالت نہیں کرتے۔ اب ان حالات کو سننا چاہیئے جو موت کے وقت مردے کے حق میں سخت ہیں۔ واضح ہو کہ بہتر صورت مرنے کے وقت آدمی کے لیے یہ ہے کہ ساکن ہو اور اس کی زبان کلمۂ شہادت سے گویا اور دل خدائے تعالیٰ سے حسن ظن رکھتا ہو۔ صورت کا حال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[1] کہ میت کے واسطے تین باتوں کی توقع بہتری کی جائے تو ایک یہ کہ اس کی پیشانی پر عرق ہو۔ دوم آنکھیں آنسوؤں سے تر ہوں سوم لب خشک ہوں، یہ علامتیں خدا تعالیٰ کی رحمت کی ہیں جو اس پر اتری ہیں اور اگر گلا گھونٹے ہوئے کی طرح خراٹے لے اور رنگ سرخ ہو اور لب مٹیالے ہوں، یہ علامتیں خدائے تعالیٰ کے عذاب کی ہیں جو اس پر نازل ہوا۔ اور زبان سے کلمۂ شہادت کا نکلنا خیر کی علامت ہے حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[2] لقنوا امواتکم لا الٰہ الا اللہ اور حضرت حذیفہؓ کی روایت میں اس کے بعد یہ ہے[3] فانھا تھدم ما قبلھا من الخطایا اور حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا[4] اور حضرت عبداللہ کی روایت میں یعلم کی جگہ یشھد ہے اور حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ جب میت مرنے کے قریب ہو تو اس کو کلمہ طیبہ کی تعلیم کرو اس لیے کہ جس بندہ کا خاتمہ اس کلمہ پر ہو گا تو اس کا توشہ جنت کے لیے ہو گا اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں اپنے مردوں کے پاس جاؤ اور ان کو نصیحت کرو اور کلمہ طیبہ کی تعلیم کرو اس لیے کہ وہ دیکھتے ہیں۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ملک الموت ایک شخص کے پاس گیا اور اس کے دل کو دیکھا تو اس میں کچھ نہ پایا پھر اس کے جبڑے جدا کیئے تو دیکھا تو اس کی زبان کی نوک تالو میں لگی ہوئی ہے اور وہ کلمہ طیبہ کہہ رہی ہے پس اسی کی بدولت اس کی مغفرت ہوئی۔ اور تعلیم کرنے والے کو چاہیئے کہ تعلیم میں اصرار نہ کرے۔ بلکہ نرمی سے کہا اس لیے کہ بعض اوقات مریض کی زبان بولنے پر یاری نہیں دیتی، اس وقت اس پر یہ امر گراں گزرتا ہے اور آخر کو تعلیم کو گراں جاننے لگتا ہے اور کلمہ کو برا سمجھتا ہے۔ اس سے خوف ہے کہ کہیں خاتمہ برا نہ ہو جاوے اور معنی اس کلمہ کے یہ ہیں کہ آدمی مرے اور اس کے دل میں کوئی چیز خدائے تعالیٰ کے سوا نہ ہو، پس جس صورت میں اس کا مطلوب سوائے واحد برحق کے اور کچھ نہ رہے گا تو موت کے سبب اپنے محبوب کے پاس آیا اس کے حق میں نہایت راحت کی بات ہو گی اور اگر دل دنیا میں مشغول اور اس کی طرف التفات رکھنے والا اس کی لذتوں پر متاسف ہو گا اور کلمہ اس کی زبان ہی پر ہو گا دل میں

---

[1] حکیم ترمذی در نوادر الاصول بروایت سلمان اور اس کی سند صحیح نہیں ہے ۱۲ [2] تلقین کرو اپنے مرنے والوں کو کلمہ طیبہ ۱۲ پہلے گذری [3] کہ وہ مٹا دیتا ہے اس سے پہلے کی خطائیں ۱۲ [4] پیشتر گذری ۱۲ جو شخص مرے اور وہ جانتا ہو کہ کوئی معبود نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے داخل ہو گا جنت میں ۱۲

[5] طبرانی در کبیر و بیہقی در شعب ۱۲

اس کا ثبوت نہ ہوگا تو معاملہ خطرے میں پڑ جاوے گا کہ خدا چاہے تو راحت دے چاہے نہ دے اس لیے کہ صرف حرکت زبان کی کم فائدہ دیتی ہے مگر خدائے تعالیٰ اپنے فضل سے قبول فرماتے اور حسن ظن کا یہ حال ہے کہ وہ بھی اس وقت میں مستحب ہے اور اس کا حال ہم باب الرجا میں لکھ آئے۔ احادیث میں حسنِ ظن کی فضیلت آئی ہے۔ واثلہ بن الاسقعؓ ایک بیمار کے پاس گئے اور پوچھا کہ بتاؤ خدائے تعالیٰ سے کیا گمان رکھتے ہو۔ اس نے کہا کہ میرے گناہوں نے مجھ کو ڈبو دیا ہے اور ہلاکت کے کنارے لگا دیا ہے مگر میں اپنے رب کی رحمت کی توقع رکھتا ہوں یہ سن کر واثلہؓ نے اللہ اکبر کہا اور سب گھر والوں نے ان کے ساتھ اللہ اکبر کہا پھر فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے[ح۱] کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان کے پاس ہوں تو وہ جو چاہے مجھ پر گمان کرلے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک جوان پر نزع کی حالت میں داخل ہوئے اور فرمایا کہ تو اپنے آپ کو کیسا جانتا ہے اس نے عرض کیا کہ میں خدا تعالیٰ سے توقع رکھتا ہوں اور اپنے گناہوں سے ڈرتا ہوں آپ نے فرمایا کہ یہ دونوں باتیں ایسے وقت میں جس بندے کے دل میں اکٹھی ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ اس کو وہی دیتا ہے جو وہ توقع رکھتا ہے اور خوف سے اس کو مامون رکھتا ہے۔ اور ثابت بنانیؒ فرماتے ہیں کہ ایک جوان تیز مزاج تھا اور اس کی ماں اس کو نصیحت کیا کرتی اور کہا کرتی کہ بیٹا تجھے ایک روز موت آنا ہے وہ دن یاد کر جب اس پر موت آئی تو اس کی ماں اس پر گر پڑی اور کہنے لگی کہ بیٹا تجھ کو اسی پچھاڑ کھانے والی سے ڈرایا کرتی تھی اور کہا کرتی تھی کہ تیرے اوپر ایک موت آنا ہے اس نے کہا اے مادر مشفقہ میرا رب بہت احسان کرنے والا ہے مجھے توقع ہے کہ آج بھی کسی قدر احسان سے مجھ کو محروم نہ فرما دے گا کہتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے اس شخص پر حسن ظن کے باعث احسان فرمایا۔ اور جابر بن وداع کہتے ہیں کہ ایک کو کبر تھا جب وہ مرنے لگا تو اس کی ماں نے کہا بیٹا کچھ وصیت کرتا ہے اس نے کہا کہ ہاں میری انگوٹھی مت نکالیو کہ اس میں خدا تعالیٰ کا نام ہے شاید خدائے تعالیٰ مجھ پر رحم کرے جب وہ دفن ہوا خواب میں اس کو کسی نے دیکھا کہ اس نے کہا کہ میری ماں سے کہہ دیجیو کہ مجھ کو کلمہ نے فائدہ کیا اور خدائے تعالیٰ نے مغفرت فرمائی۔ اور ایک اعرابی بیمار ہوا لوگوں نے اس سے کہا کہ تو مر جاوے گا اس نے پوچھا کہ مرنے کے بعد مجھے کہاں لیجاویں گے لوگوں نے کہا اللہ تعالیٰ کے پاس اس نے کہا کہ اس کے پاس جانے کو میں برا نہیں جانتا وہ تو ہمیشہ میرے ساتھ سلوک ہی کرتا رہا ہے اور معتمر بن سلیمان کہتے ہیں کہ میرا باپ جب مرنے لگا تو مجھ سے فرمایا کہ میرے سامنے معاملے کی آسانی کا مذکور کرو تاکہ میں خدا تعالیٰ سے حسن ظن کے ساتھ ملوں۔ اور اکابر سلف مستحب جانتے تھے کہ موت کے وقت بندے کے سامنے ذکر اس کے عمل کی خوبیوں کا کیا جاوے تاکہ وہ رب سے حسنِ ظن کرے۔

فائدہ: ان حکایتوں کے باب میں جو زبان حال سے وہ حسرت ظاہر کرتی ہیں جو بندہ کو ملک الموت کی ملاقات کے وقت ہوتی ہے اشعث بن اسلمؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ نے ملک الموت سے پوچھا جس کا نام عزرائیل ہے

ح۱ یہ حدیث بیشتر کئی مرتبہ گذری ۱۲ ح۲ یہ بھی پہلے گذر چکی ۱۲

اور اس کی دو آنکھیں ہیں ایک چہرے میں اور ایک گدی میں کہ اے ملک الموت جب کوئی جان پورب میں ہو اور کوئی پچھم میں ہو یا کسی جگہ وبا پھیلی ہو یا دو لشکر آپس میں لڑتے ہوں تو تم ایسی صورتوں میں کیا کرتے ہو ملک الموت نے کہا کہ میں روحوں کو خدائے تعالیٰ کے حکم سے پکارتا ہوں وہ میری ان دونوں انگلیوں میں ہو جاتی ہیں۔ اور راوی کہتے ہیں کہ زمین ملک الموت کے سامنے مثل طشت کے پھیلی ہوتی ہے جس کو چاہتا ہے اس میں سے لے لیتا ہے اور کہتے ہیں کہ ملک الموت حضرت ابراہیمؑ کو بشارت دیتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں اور حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام نے ملک الموت سے کہا کہ یہ کیا بات ہے کہ تم لوگوں میں عدل نہیں کرتے ایک کو لیتے اور ایک کو چھوڑ دیتے ہو اس نے عرض کیا کہ اس بات کو میں آپ سے زیادہ نہیں جانتا مجھ کو نوشتے مل جاتے ہیں کہ ان میں نام مردوں کے ہوتے ہیں، اور وہب بن منبہؒ کہتے ہیں کہ ایک بادشاہ تھا اس نے کسی جگہ جانے کو سواری کی تیاری کی اول کپڑے منگوائے وہ اچھے نہ معلوم ہوتے، دوسرا جوڑا منگایا یہاں تک کہ سب میں عمدہ جوڑا پہنا۔ اسی طرح پھر سواریاں منگائیں گیا اور جو سب سے عمدہ سواری تھی اس پر سوار ہوا پھر شیطان نے آکر نتھنوں میں پھونک دیا اور غرور سے بھر دیا، پھر وہ مع اپنے لشکر کے چلا اور غرور کے مارے لوگوں کی طرف نہیں دیکھتا تھا۔ اتنے میں اس کے پاس ایک آدمی برانی صورت کا آیا اور اس کو سلام کیا اس نے سلام کا جواب نہ دیا اس نے گھوڑے کی باگ پکڑ لی بادشاہ نے کہا کہ باگ چھوڑ دے تو نے بڑی گستاخی کی اس نے کہا کہ مجھ کو تجھ سے ایک کام ہے۔ اس نے کہا جب تک میں اتروں اس قدر ٹھہر جا اس نے کہا کہ نہیں ابھی ضرورت ہے اور باگ کو خوب دبایا تو بادشاہ نے کہا اچھا کہہ کیا کہتا ہے۔ اس نے کہا کہ وہ راز کی بات ہے بادشاہ نے اپنا سر جھکا دیا اس نے کان میں آہستہ سے کہدیا کہ میں ملک الموت ہوں، بادشاہ کا رنگ فق ہو گیا، زبان لڑکھڑانے لگی اور کہا کہ مجھے اتنی مہلت دے کہ اپنے گھر جا کر اپنی حاجت پوری کر لوں اور گھر والوں سے رخصت ہو لوں اس نے کہا اب مہلت نہیں اپنے گھر اور اسباب کو اب کبھی دیکھنا نصیب نہ ہوگا یہ کہہ کر اس کی روح قبض کر لی، بادشاہ لکڑی کے کندھے کی طرح گر پڑا پھر ملک الموت آگے بڑھا اور ایک ایماندار بندے سے ملا اور اس کو سلام کیا اس نے سلام کا جواب دیا ملک الموت نے کہا مجھ کو تجھ سے کان میں کچھ کہنا ہے۔ اس نے کہا کہ بہت بہتر اس نے آہستہ سے کان میں کہہ دیا کہ میں ملک الموت ہوں اس نے کہا کہ بہت خوب کیا آپ تشریف لائے مجھے مدت سے انتظار تھا، روئے زمین پر کوئی چیز غائب ایسی نہیں کہ مجھے تم سے زیادہ اس کی ملاقات کا شوق ہو، ملک الموت نے کہا اپنی حاجت پوری کر لے جس کے لیے گھر سے نکلا ہے اس نے کہا کہ مجھ کو خدائے تعالیٰ کے ملنے سے زیادہ اور محبوب تر دوسرا کوئی کام نہیں، ملک الموت نے کہا کہ اپنی جان نکلنے کے لیے کوئی حالت پسند کر لے کیسے حال میں تیری جان قبض کروں اس نے پوچھا کہ یہ بات تم کر سکتے ہو کہا کہ ہاں مجھ کو یہی حکم ہے اس نے کہا کہ اتنی مہلت دو کہ میں وضو کر کے نماز پڑھوں جس وقت سجدے میں ہوں اس وقت میری جان نکال لینا۔ ملک الموت نے ایسا ہی کیا اور ابو بکر عبد اللہ مزنی کہتے ہیں کہ ایک شخص نے بنی اسرائیل میں سے بہت سامان جمع کیا جب مرنے لگا اپنے لڑکوں سے کہا کہ مجھ کو میرے مال کے اقسام دکھاؤ اس کے سامنے گھوڑے اور اونٹ اور غلام اور دوسری اشیا کہ دی گئیں

جب اس نے ان مالوں کو دیکھا تو ان پر حسرت کر کے رویا ملک الموت نے جو اس کو روتے دیکھا تو کہا کہ روتا کیوں ہے قسم ہے اس ذات کی جس نے تجھ یہ سب دیا ہے میں تیرے گھر سے بدون تیرے بدن سے تیری جان کو جدا کیے نہ نکلوں اس نے کہا کہ تو اتنی مہلت دے کہ میں ان کو دے ڈالوں اس نے کہا کہ یہ نہیں ہو گا۔ اب مہلت دور ہو گئی۔ مہلت سے پیشتر کیوں نہ دے دیا یہ کہہ کر اس کی روح قبض کر لی، اور روایت ہے کہ ایک شخص نے مال جمع کیا تھا اور کوئی قسم مال کے جمع کرنے سے نہ چھوڑی تھی اور ایک مکان عمدہ بنا کر اس میں دو دروازے مضبوط بناتے تھے اور اس پر اپنے غلاموں کا پہرہ لگایا تھا، پھر اس نے اپنے یگانوں کو اکٹھا کیا اور ان کے لیے کھانا پکوایا اور اپنے تخت پر پاؤں پر پاؤں رکھ کر بیٹھ گیا، اور وہ کھاتے رہے جب کھا چکے تو اپنے نفس سے کہا کہ اے نفس اب تو کچھ برسوں مزے اُڑا کہ میں نے تیرے لیے اتنا جمع کیا ہے کہ بس کرے گا۔ ابھی اس کلام کو ختم نہ کر چکا تھا کہ اس کے پاس ملک الموت فقیروں کے بھیس میں پرانے کپڑے پہنے ہوئے اور گلے میں جھولی ڈالے آیا اور کواڑوں کو ایسے زور سے کھڑکھڑایا کہ وہ اپنے بستر پر ڈر گیا نوکر چاکر اس فقیر پر دوڑ پڑے کہ تجھے کیا ہوا ہے اس نے کہا اپنے آقا کو ذرا میرے پاس بلاؤ، انہوں نے کہا کہ ہمارا آقا تجھ جیسے کی خاطر نکلے گا، اس نے کہا ہاں انہوں نے جا کر ماجرا کہا اس نے کہا کہ تم نے اس کی خدمت نہ کی، فقیر نے دوبارہ دروازے کو پہلی مرتبہ سے بھی زیادہ زور سے کھٹکھٹایا، پہرہ دار اس کی طرف دوڑ پڑے اس نے کہا کہ اپنے آقا سے کہہ دو کہ میں ملک الموت ہوں، جب سنا تو نوکروں پر رعب چھا گیا اور آقا پر ذلت اور خشوع آپڑی کہنے لگا کہ اس سے نرمی سے بات کرو اور کہو کہ اس کے عوض میں کسی اور کو لینا منظور ہے۔ ملک الموت اس کے سامنے گھس گیا اور کہا کہ اپنے مال میں جو کرنا ہو سو کر لے کہ میں تیرے گھر سے جبھی نکلوں گا جب تیری جان لوں گا۔ اس نے اپنا مال سامنے رکھوایا اور دیکھ کر کہا کہ اے مال تجھ کو خدا لعنت کرے تو نے ہی مجھ کو میرے رب کی عبادت سے روکا اور اس سے تخلیہ نہ کرنے دیا۔ اللہ تعالیٰ نے مال کو گویا کر دیا اس نے جواب دیا تو مجھے برا کیوں کہتا ہے تو خود مجھ کو بادشاہوں کے پاس لے جاتا تھا[ع۱] اور مفلسوں کو اپنے دروازے سے ہٹا دیا کرتا تھا اور طرح طرح کے مزے مجھ سے اڑاتا تھا اور بادشاہوں کی مجلس میں بیٹھتا تھا[ع۲] اور بُری راہ میں اُٹھایا کرتا تھا تو میں تجھے نہیں[ع۳] بچا سکتا اگر تو مجھے خیر میں خرچ کرتا تو البتہ تیرے کام آتا۔ آدمی تو مٹی سے پیدا ہوا ہے چاہے نیکی کرے چاہے گناہ، پھر ملک الموت نے اس کی روح قبض کر لی اور وہ گر پڑا۔ اور وہب بن منبہؒ فرماتے ہیں کہ ملک الموت نے کسی بڑے بادشاہ جابر کی روح قبض کی کہ زمین پر اس جیسا کوئی نہ تھا۔ وہ اس کی روح کو لے کر آسمان پر گئے تو ان سے فرشتوں نے پوچھا کہ جن لوگوں کی تم نے جان نکالی ہے ان میں سب سے زیادہ کس پر تم کو ترس آیا۔ ملک الموت نے کہا کہ مجھ کو حکم ایک عورت کی جان نکالنے کا ایک جنگل میں ہوا تھا میں جب اس کے پاس آیا تو دیکھا کہ اس کے

ع۱ اصل میں ہے قد تدخل علی السلاطین و یرد المفلسون عن بابهم الخ یعنی میرے ہی ذریعہ سے تجھے بادشاہوں کے یہاں جانا نصیب ہوتا تھا حالانکہ ان کے مفلس لوگ ہانک دیئے جاتے تھے ع۲ اصل میں ہے تجلس مجالس الملوک بی الخ یعنی میرے ہی ذریعہ سے بادشاہوں کی طرح مجلس جا کر بیٹھتا تھا۔ ۱۲ ع۳ وفی الاصل فلا امتنع منک الخ یعنی میں تجھ سے انکار نہیں کرتا تھا ۱۲

اسی وقت لڑکا ہوا تھا تو مجھے اس پر رحم آیا کہ تنہا ہے اور سفر میں مرتی ہے اور اس کے لڑکے پر ترس آیا کہ یہ چھوٹا بچہ جنگل میں رہے گا اور اس کا کوئی خبر گیراں نہیں ہے۔ فرشتوں نے کہا کہ وہ بادشاہ جس کی روح تم اب قبض کر لائے ہو یہ وہی لڑکا ہے۔ جس پر تم کو رحم آیا تھا۔ ملک الموت نے کہا سبحان اللہ! جس پر چاہے لطف فرمادے۔ عطاء بن یسار کہتے ہیں کہ جب شعبان کی بیچ کی رات ہوتی ہے تو ملک الموت کو ایک فرشتہ ملتا ہے اور یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ جو لوگ اس میں مندرج ہیں ان کی روح اس سال میں قبض کر لو۔ پس آدمی درخت لگاتا ہے، شادی کرتا ہے اور عمارت بناتا ہے حالانکہ نام اس کا اس نوشتے میں ہوتا ہے اور اس کو خبر نہیں ہوتی۔ اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ملک الموت ہر روز ہر ایک گھر میں تین بار تجسس کرتا ہے جس شخص کو جانتا ہے کہ اس کا رزق پورا ہو چکا اور دن گزر چکے اس کی روح قبض کر لیتا ہے۔ پس روح قبض کرتا ہے تو اس کے گھر والے رونے چلانے لگتے ہیں۔ ملک الموت دروازے کے بازو پکڑ کر کہتا ہے کہ بخدا میں نے اس کی روزی کھائی نہ اس کی عمر تباہ کی نہ کچھ دن اس کے گھٹائے اور میں تم میں اسی طرح آتا رہوں گا یہاں تک کہ تم میں سے کسی کو نہ چھوڑوں گا۔ راوی فرماتے ہیں کہ بخدا اگر وہ لوگ اس کو کھڑے ہوتے دیکھیں اور اس کی گفتگو سنیں تو اپنے مردے کو بھول جاویں اور اپنے نفسوں پر رو دیں۔ اور یزید رقاشیؒ کہتے ہیں کہ ایک بادشاہ ظالم بنی اسرائیل میں کا اپنے گھر میں بیٹھا تھا اور اپنے کسی گھر والے سے تخلیہ کر رہا تھا اتنے میں دیکھا کہ ایک شخص دروازے سے چلا آتا ہے اس کو دیکھ کر غضبناک اور ہیبت زدہ ہو کر اس کی طرف لپکا اور کہا کہ تو کون ہے اور میرے گھر میں تجھے کس نے پہنچایا اس نے جواب دیا کہ گھر کے مالک نے مجھے یہاں داخل کیا ہے اور میرا حال جو پوچھتے ہو تو میں وہ ہوں کہ دربان مجھے روک نہیں سکتے بادشاہوں سے اجازت میں نہیں مانگتا۔ نہ کسی دبدبے والے کی صولت سے ڈروں کوئی ظالم سرکش مجھے نہیں منع کر سکتا۔ نہ کوئی شیطان بدذات، تب تو بادشاہ کے چھکے چھوٹ گئے اور بدن پر اتنا لرزہ پڑا کہ اوندھے منہ زمین پر گر گیا پھر اس کا سر ذلت اور مسکنت کی راہ سے اس کی طرف اٹھا کر کہنے لگا کہ معلوم ہوا ہے کہ تو ملک الموت ہے اس نے کہا کہ ہاں میں وہی ہوں۔ بادشاہ نے کہا کہ تو مجھے اتنی مہلت دے گا کہ میں اپنا عہد از سر نو کر لوں اور توبہ کر لوں۔ اس نے کہا کہ بس اب رہنے دے تیری مدت پوری ہوئی اور سانس ختم ہو چکی۔ گھڑیاں تمام ہو گئیں۔ مہلت کی کوئی سبیل نہیں بادشاہ نے کہا تو مجھے کہاں لے جاوے گا اس نے کہا تیرے اعمال کی طرف جو پہلے کر لیے ہونگے اور گھر کی جانب جو پیشتر بنایا ہو گا۔ بادشاہ نے کہا کہ میں نے نہ تو کوئی عمل پیشتر کیا نہ کوئی اچھا گھر بنایا.....

ملک الموت نے کہا تو پھر آگ میں لے جاؤں گا جو گوشت پوست کچھ نہ چھوڑے پھر اس کی جان نکال لی اور وہ مر کر گر پڑا۔ اس کے گھر والوں میں سے کوئی رونے لگا کوئی چیخنے لگا۔ یزید راوی کہتے ہیں کہ ان لوگوں کو اس کے ٹھکانے کی اطلاع ہوتی تو مرنے کی نسبت کر اور بھی زیادہ واویلا کرتے اور اعمش خثیمہؒ سے روایت ہے کہ ملک الموت حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس گئے اور ان کے ہم نشینوں میں سے ایک کو تاکتے رہے۔ جب باہر نکلے تو اس مصاحب نے حضرت سلیمان سے پوچھا کہ یہ کون تھا آپ نے فرمایا کہ ملک الموت تھا اس نے کہا مجھے بہت تاکتے تھے گویا میری جان کے خواہاں تھے۔ آپ نے فرمایا کہ پھر تیری کیا مرضی ہے اس نے کہا میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ مجھ کو بچا دیں

اور ہوا کو حکم کردیں کہ مجھ کو زمین کے سب سے اس طرف پہنچا دے۔ آپ نے ہوا کو حکم دے دیا وہ حکم بجالائی۔ جب دوبارہ ملک الموت آئے تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ میں نے دیکھا تھا کہ تم میرے فلاں مصاحب کو بہت تاکتے تھے انہوں نے فرمایا کہ ہاں میں متعجب تھا کہ مجھ کو حکم ہوا تھا کہ اس کی روح کو تھوڑی ہی دیر کے بعد زمین ہند کے اقصیٰ حصّے میں قبض کروں اور وہ آپ کے پاس بیٹھا تھا۔ لیکن میں نے وقت مقرری پر اس کو وہیں پایا۔

فصل ۴: نبی کریم علیہ السلام اور خلفائے راشدین کی وفات کا ذکر

وفات شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واضح ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اور فعل اور موت اور حیات اور سب حالات میں عمدہ اقتداء ہے اس لیے کہ آپ کے حالات ناظرین کے لیے عبرت ہیں اور سمجھنے والوں کو موجب بصیرت۔ کیونکہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ سے بڑھ کر بزرگ تر نہ تھا آپ ہی اس کے خلیل اور حبیب اور مناجات کرنے والے اور برگزیدہ اور رسول اور پیغمبر ہیں اور باوجود اس کے دیکھو کہ آپ کی جب مدت پوری ہوگئی تو ایک گھڑی بھی نہ دی اور وفات شریف کے وقت ایک لحظے کی تاخیر نہ ہوئی بلکہ نزع کے وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کے پاس اپنے بزرگ فرشتوں کو جو خلق کی جان نکالنے پر معین ہیں بھیجا جنہوں نے نہایت جدوجہد اور سرعت کے ساتھ آپ کی روح پر فتوح کو جسم اقدس اور اطہر سے منتقل کر کے خدائے تعالیٰ کی رحمت اور رضا اور عمدہ خوبصورتوں بلکہ مکان خاطر خواہ میں خدائے تعالیٰ کے ہمسایہ میں پہنچا دیا اور اس پر بھی حالت نزع میں کرب آپ کے اوپر زیادہ ہوا اور آہ نکلی اور پیہم قلق ہوا اور کلمات شوق زبان پر آئے رنگ متغیر اور پیشانی عرق آلود ہوئی اور دونوں ہاتھ اضطراب میں کہیں کے کہیں پڑے یہاں تک کہ اس کیفیت کو دیکھ کر حاضرین بے تاب اور دیکھنے والے جگر کباب تھے تو بتاؤ عہدۂ نبوت کے باعث تقدیر ان سے ٹل گئی یا حکم الٰہی نے آپ کے خاندان کا کچھ لحاظ کیا یا آپ سے بایں وجہ درگذر کی کہ آپ حق کے مددگار اور خلق کے لیے بشارت اور خوف پہنچانے والے تھے یہ بات کوئی نہیں ہوئی بلکہ جس چیز کا آپ کو حکم تھا اس کی فرمانبرداری کی اور جو لوح محفوظ میں معائنہ فرما چکے تھے اس کے بموجب کاربند ہوتے یہ آپ کا حال ہوا حالانکہ آپ خدا تعالیٰ کے نزدیک صاحب مقام محمود اور حوض کوثر ہیں اور آپ ہی قبر سے پیشتر اٹھیں گے اور آپ ہی قیامت میں لب سفارش مجرموں کے لیے کھولیں گے۔ شعر:

فردا لوائے حمد بدست محمدؐ است متبوع اوست وجملہ جہانش توابع است

پس بڑے تعجب کی بات ہے کہ ہم کو آپ کے حالات سے عبرت نہیں ہوتی اور جو کیفیت ہم پر گذرے گی اس پر یقین نہیں کرتے بلکہ شہوتوں میں گرفتار اور برائیوں کے یار رہتے ہیں، ہمیں کیا ہوا ہے کہ ایسے سید المرسلین اور امام المتقین اور حبیب رب العالمین کی کیفیت سے نصیحت نہیں مانتے شاید ہم یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم ہمیشہ رہیں گے یا یہ وہم دامنگیر ہے کہ باوجود بد افعالی کے خدائے تعالیٰ کے نزدیک ہم بڑے ہیں۔ سو یہ بات ہرگز نہیں بلکہ ہم تو یقیناً

جانتے ہیں کہ سب کے سب دوزخ پر وارد ہوں گے اور اس سے بجز پرہیزگاروں کے اور کوئی نہ بچے گا تو ورود میں تو ہم کو کلام نہیں مگر وہاں سے پھر آنے کا ظن غالب کریں تو اپنی جانوں کے دشمن اور ظالم ہیں اس لیے کہ ہم پرہیزگار تو نہیں پھر وہاں سے پھرنے کا گمان غالب کیسے کرتے ہیں اللہ تعالیٰ تو یوں فرماتا ہے وَاِنْ مِّنْکُمْ اِلَّا وَارِدُھَا کَانَ عَلٰی رَبِّکَ حَتْمًا مَّقْضِیًّا ثُمَّ نُنَجِّی الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِیْنَ فِیْھَا جِثِیًّا[1] پس ہر ایک بندہ کو اپنے نفس پر غور کرنا چاہیئے کہ وہ ظالموں سے قریب تر ہے یا پرہیزگاروں سے، تو بعد اس کے کہ تم اکابر سلف کی سیرت کو دیکھو اپنے نفس پر غور کرو کہ ان لوگوں کا دستور تھا کہ باوجود عنایت ہونے توفیق کے خائف رہتے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حال پر غور کرو کہ اپنے واقعہ شریفہ کا یقین رکھتے تھے اس لیے کہ آپ سید المرسلینؐ اور متقیوں کے پیشوا تھے۔ اور عبرت کرو کہ دنیا سے علیحدہ ہونے کے وقت کیسا کرب آپ کو ہوا اور جنت ماوٰی میں تشریف لے جانے کے وقت کیسا سخت معاملہ گزرا۔ اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم اپنے سب ایمانداروں کی ماں یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کے گھر میں وفات شریف کے وقت گئے آپ نے ہماری طرف دیکھا اور دونوں آنکھیں ڈبڈبا گئیں پھر فرمایا کہ خوب ہوا تم خوب آئے خدا تم کو زندہ رکھے اور پناہ دے اور مدد فرمائے میں تم کو خدائے تعالیٰ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں اور تمہارے باب میں خدائے تعالیٰ سے وصیت کرتا ہوں میں اس کی طرف سے ظاہر ڈرانے والا ہوں۔ وصیت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ پر اس کے شہروں اور بندوں میں چڑھائی نہ کرو اور موت کا وقت آلگا ہے اور رجوع اللہ کی طرف اور سدرۃ المنتہیٰ اور جنت الماوٰی اور بھر پور جام وصال کی طرف ہے۔ تو تم میری طرف سے خود اپنے آپ کو اور جو شخص میرے بعد تمہارے دین میں داخل ہو اس کو سلام اور رحمت خدا کی کہیو۔ اور روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات کے وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا کہ میرے بعد میری امت کا کون ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل کو وحی بھیجی کہ میرے حبیب کو مژدہ سنا دے کہ میں اس کو اس کی امت کے باب میں رسوا نہ کروں گا اور یہ بھی بشارت دی کہ جو لوگ زمین سے اٹھیں گے تو میرا حبیب[2] ان سے اول ہو گا اور جب سب اکٹھے ہوں گے تو وہی ان کا سردار ہو گا۔ اور جنت میں جانا اور امتوں پر حرام ہے یہاں تک کہ اس میں اس کی امت نہ آجائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب میری آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں اور فکر مٹی ؎

جانم فدائے تو کہ ترا ہست بیگماں ۔۔۔ از مہد تا بلحد ہمیں فکر امتاں

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حالت مرض میں ہم کو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[3]

ف[1] اور کوئی نہیں تم میں جو نہ پہنچے گا اس پر ہو چکا تیرے رب پر ضرور مقرر پھر بچا دیں گے ہم ان کو جو ڈرتے رہے اور چھوڑ دیں گے گنہگاروں کو اس میں اوندھے گرے ۱۲ ح ۲ بزار ح ۳ طبرانی در کبیر بروایت جابرؓ و ابن عباسؓ اور اس اسناد میں عبد المنعم بن ادریس ہے ۱۲

ح ۴ دارمی و مسند خود اور اس سند میں ابراہیم بن مختار مختلف فیہ ہے ۱۲

کہ سات کنوؤں سے سات مشکیں پانی کی منگوا کر نہلائیں ہم نے ایسا ہی کیا۔ آپ کو کچھ آرام معلوم ہوا پھر لوگوں کو نماز پڑھائی اور احد کی لڑائی میں جو لوگ شریک تھے ان کے لیے دعائے مغفرت فرمائی اور انصار کے باب میں وصیت کی یعنی اس طرح ارشاد فرمایا کہ اے گروہ مہاجرین تم تو بڑھتے جاتے ہو اور انصار ایسے ہو گئے ہیں کہ جس ہیئت پر کہ آج ہیں اس سے زیادہ نہ ہوں گے وہ لوگ میرے خاص ہیں کہ جن میں میں نے آ کر جگہ لی پس ان کے محسن کی تعظیم کیجیو اور برائی کرنے والے کی خطا سے درگذر کریو۔ پھر فرمایا کہ ایک بندے کو دنیا میں اور خدا تعالیٰ کے پاس کی چیز میں اختیار دیا گیا اس نے خدا تعالیٰ کی چیز پسند کی یہ سنکر حضرت ابوبکرؓ رو دیے اور جانا کہ آپ اپنا ہی حال ارشاد فرماتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے ابوبکرؓ استقلال کر گھبرا نہیں یہ دروازے جو مسجد میں کھلے ہیں سب بند کر دینا مگر ابوبکرؓ کا دروازہ مت بند کرنا اس لیے کہ اپنے نزدیک میں کسی شخص کو یاری میں ابوبکرؓ سے بڑھ کر نہیں جانتا ہوں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پر فتوح نے میرے ہی گھر میں اور میری ہی باری کے دن اور میری ہی گود میں اعلیٰ علیین کو پرواز فرمایا اور مرنے کے وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کا لعاب اور میرا جمع کر دیا اس طرح کہ اس وقت میرے پاس میرا بھائی عبدالرحمن ایک مسواک ہاتھ میں لیے آ گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس مسواک کی طرف دیکھنے لگے میں سمجھی کہ یہ آپ کو اچھی معلوم ہوتی ہے اور آپ سے پوچھا کہ اسے آپ کے لیے لے لوں آپ نے سر مبارک سے اشارہ فرمایا کہ ہاں میں نے مسواک لے کر آپ کو دی آپ نے اس کو منہ میں ڈالا تو کڑی معلوم ہوئی میں نے پوچھا کہ میں نرم کر دوں آپ نے سر سے اشارہ فرمایا کہ اچھا میں نے دانتوں سے ملائم کر دی اور آپ کے سامنے ایک پیالی میں پانی رکھا تھا اپنا ہاتھ اس میں ڈالتے تھے اور فرماتے تھے لا الٰہ الا اللہ موت کی بڑی سختیاں ہیں[۱] پھر آپ نے اپنا دست مبارک اوپر کو اٹھا کر فرمایا رفیق اعلیٰ میں نے تب اپنے دل میں کہا کہ بخدا اب ہم کو آپ نہ پسند کریں گے۔ اور سعید بن عبداللہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ جب انصار نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت زیادہ بھاری ہوتی جاتی ہے تو مسجد شریف کا گرد لیا پس حضرت عباسؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لے گئے اور آپ سے جا کر عرض کیا کہ لوگ جمع ہیں اور ڈرتے ہیں۔ پھر آپ کے پاس حضرت فضلؓ گئے اور یہی کہا پھر حضرت علیؓ گئے اور ایسا ہی کچھ عرض کیا آپ نے اپنا ہاتھ پھیلا کر فرمایا کہ لو پکڑو انہوں نے ہاتھ تھام لیا آپ نے پوچھا کہ لوگ کیا کہتے ہیں انہوں نے عرض کیا کہ یہ کہتے ہیں کہ ہم کو خوف آپ کے مرنے کا ہے اور آپ کے پاس مردوں کے اکٹھا ہونے سے ان کی عورتیں چیخنے لگیں پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور حضرت علیؓ اور فضلؓ پر سہارا دیئے باہر نکلے اور حضرت عباسؓ آگے آگے تھے اور آپ کا سر مبارک پٹی سے بندھا تھا اور قدم شریف گھسیٹ کر رکھتے تھے یہاں تک کہ منبر کے سب سے نیچے کے درجہ پر بیٹھ گئے اور لوگ آپ کی طرف متوجہ ہوئے آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ لوگو! میں نے سنا ہے کہ تم میری موت سے ڈرتے ہو گویا موت سے نفرت کرتے ہو اور میری موت کا جو انکار کرتے ہو تو کیا میں نے تم کو اپنی موت کی خبر نہیں دی یا تمہاری خبر مرگ نہیں پہنچی جو انبیاء مجھ سے پہلے تم میں بھیجے گئے ان میں سے

[۱] البخاری و مسلم ۱۲ ح ۲ یہ حدیث منکر ہے اسکی سند مجھے نہیں ملی اور عبداللہ بن ضرار تابعی ہے او سعید اس کا بیٹا ضعیف ہے ۱۲

کوئی بچا اور تم میں سے ہمیشہ کون رہا ہے سن لو کہ میں اپنے رب سے ملنے والا ہوں اور تم بھی اس سے ملوگے اور میں
تم کو وصیت کرتا ہوں کہ جو لوگ پہلے ہجرت کر کے آئے ہیں ان کے ساتھ بہتری کیجیو اور ہجرت کرنے والوں کو آپس میں
سلوک کے ساتھ رہنے کی وصیت کرتا ہوں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[ت۱] والعصر ان الانسان لفی خسر
الا الذین اٰمنو وعملوا لصالحات وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر اور سب معاملات خدا تعالیٰ کے حکم
سے ہوا کرتے ہیں تو ایسا نہ ہو کہ کسی امر کی ناخیر کے باعث تم اس میں جائز ہونے کی درخواست کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ
کسی کی جلدی کے باعث جلدی نہیں کرتا اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر غالب ہونا چاہے گا اللہ تعالیٰ اس کو مغلوب کرے
گا اور جو خدائے تعالیٰ سے داؤں چاہے گا اللہ تعالیٰ اس کو دھوکا دے گا وہ خود فرماتا ہے[ت۲] فہل عسیتم ان تولیتم
ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم اور میں تم کو انصار کے باب میں خیر کی وصیت کرتا ہوں اس لیے
کہ انہوں نے تم سے پہلے مدینے میں اقامت اور ایمان کا خلوص حاصل کیا تم ان کے ساتھ احسان کرنا۔ دیکھو انہوں نے
اپنے آدھے پھل تم کو دیئے تم کو گھروں میں وسعت کر دی باوجود اپنی حاجت کے اپنی جانوں پر تم کو ترجیح دی۔ یاد
رکھو اگر تم مجھ سے کوئی دو آدمیوں پر بھی حکومت پاوے تو چاہیے کہ ان کے محسن کی طرف سے جو کچھ وہ دیں قبول کرے
اور اگر کوئی ان میں سے کچھ برائی کرے تو اس سے درگذر کرے اور آگاہ رہو کہ ان پر اپنے آپ کو مت ترجیح دینا
اور معلوم کر لو کہ میں تمہارا گواہ ہوں اور تم مجھ سے ملنے والے ہو اور خبردار رہو کہ تمہارے وعدے کی جگہ حوض ہے میری حوض
اس سے بھی زیادہ چوڑی ہے جو شام کے بصرہ اور یمن کے صنعا میں ہے۔ اس میں ایک پرنالہ کوثر کا گرتا ہے جس کا پانی
دودھ سے زیادہ سفید اور جھاگ سے زیادہ نرم اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے جو کوئی اس میں سے پانی پیئے گا کبھی پیاسا
نہ ہوگا اس کی کنکریں موتی ہیں اور خاک مشک اگر قیامت میں کوئی اس سے محروم رہا تو تمام خیر سے محروم رہا۔ سن لو
جس کو یہ بات پسند ہو کہ کل میرے پاس اس حوض پر آوے تو چاہیے کہ اپنی زبان اور ہاتھ کو روکے صرف ان سے
وہی کام لے جو لائق کرنے کے ہوں۔ پھر حضرت عباسؓ نے عرض کیا کہ اے رسول اللہ کچھ قریش کے باب میں بھی
لوگوں سے فرما دیجیے۔ آپ نے فرمایا اس امر یعنی خلافت کی وصیت میں قریش کو کرتا ہوں اور لوگ قریش کے تابع ہیں
نیک ان کا نیک کا تابع ہے اور بد بد کا پس اے قریش والو لوگوں کو خیر کی وصیت کرتے رہنا۔ اے لوگو! آگاہ نعمتوں
کو بدل ڈالتے ہیں اور اخلاق کو متغیر کر دیتے ہیں پس جب لوگ نیکی کریں گے تو ان کے امام بھی ان کے ساتھ نیکی کریں گے
اور جب بدکار ہوں گے تو ان کے حاکم بھی ان پر رحم نہ کریں گے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[ت۳] وکذالک نولی بعض الظالمین
بعضا بما کانو یکسبون ط اور حضرت ابن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ

ت ۱ قسم ہے اترنے دن کی مقرر انسان پر ٹوٹا ہے مگر جو یقین لاتے اور کیے بھلے کام اور آپس میں تقید کیا سچے دین کا اور آپس میں
صبر کیا ۱۲ ت ۲ پھر تم سے یہ بھی توقع ہے اگر تم کو حکومت ہو کہ خرابی ڈالو ملک میں اور توڑو اپنے ناتے ۱۲ ع جو شخص آگے پہنچ کر درستی
کا سامان کرے ۱۲ ت ۳ اور اسی طرح ہم ساتھ ملا دیں گے گنہگاروں کو ایک دوسرے کا بدلہ ان کی کمائی کا ۱۲

سے فرمایا اے ابوبکرؓ کچھ پوچھ لے انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا موت قریب آگئی آپؐ نے فرمایا کہ نزدیک ہوگئی اور لٹک آئی۔ انہوں نے کہا اے نبی اللہ خدائے تعالیٰ کے پاس کی چیزیں آپ کو مبارک ہوں ہمیں یہ معلوم ہو جاتا کہ آپ کہاں تشریف لے جائیں گے آپ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کی طرف اور سدرۃ المنتہیٰ کی طرف اور پھر جنت ماویٰ اور فردوس اعلیٰ اور جام اوفی اور رفیق اعلیٰ اور بہرۂ پائیدار اور عیش خوشگوار کی طرف، حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ آپ کو غسل کون دے گا آپ نے فرمایا کہ میرے اہل بیت کے مرد جو قریب تر ہوں سب سے پھر وہ جو ان سے ذرا دور ہوں۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپ کو کفن کیا دیویں آپ نے فرمایا میرے یہی کپڑے اور حُلّۂ یمانی اور مصر کا سفید انہوں نے عرض کیا آپ پر ہم نماز کیسے پڑھیں یہ کہہ کر حضرت ابوبکرؓ اور ہم سب اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی روئے ؎

نہ درد ہجر تو زہرہ شدہ است آب مگر　　که سیل اشک ز دیده نمیشود موقوف

پھر آپ نے فرمایا کہ بس کرو خدا تعالیٰ تم کو مغفرت کرے اور تمہارے نبیؐ کے عوض میں تم کو جزائے خیر دے کہ جب تم مجھ کو نہلا کر کفناؤ تو چارپائی میری اسی حجرے میں قبر کے کنارے پر رکھ کر ذرا ایک ساعت کو باہر چلے جانا کہ اول جو مجھ پر صلوٰۃ پڑھے گا وہ میرا پروردگار جل شانہ ہے کہ تم پر وہ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے رہتے ہیں۔ پھر خدائے تعالیٰ فرشتوں کو میرے اوپر نماز پڑھنے کی اجازت دے گا تو مخلوقِ خدا میں سے اول میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آکر میری نماز پڑھیں گے۔ پھر میکائیل پھر اسرافیل پھر ملک الموت بہت سے فرشتوں سے پھر تمام باقی فرشتے علیہم السلام میری نماز پڑھیں گے پھر تم مجھ پر اندر آکر نماز پڑھیو اور ایک ایک جتھا جدا جدا صلوٰۃ وسلام مجھ پر کہتے جائیو اور میری تعریف کرکے ایذا مت دیجیو، نہ چیخ ماریو نہ پکار کر روئیو اور مناسب ہے کہ اول امام نماز شروع کرے اور میرے اہلبیت جو قریب تر ہو ان کے بعد وہ جو ان سے دور ہوں پھر اسی طرح پھر عورتوں کی جماعتیں پھر لڑکوں کے گروہ۔ حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا کہ قبر کے اندر کون اترے آپ نے فرمایا کہ میرے اہلبیت کے کچھ لوگ جو میرے قریب سے قریب ہوں بہت سے فرشتوں کے ساتھ کہ تم ان کو نہ دیکھو گے اور وہ تمہیں دیکھیں گے اب میرے پاس سے اُٹھ جاؤ اور میری طرف سے میرے بعد کے لوگوں کو دین کا حال بتاؤ۔ اور عبداللہ بن ربیعہؓ فرماتے ہیں[ح ۲] کہ شروع ربیع الاول میں حضرت بلالؓ نے نماز کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ ابوبکرؓ سے کہو کہ نماز پڑھا دے میں باہر نکلا اور دروازے کے سامنے صرف حضرت عمرؓ کو معہ چند لوگوں کے دیکھا جن میں حضرت ابوبکرؓ نہ تھے، میں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ آپ کھڑے ہو کر نماز پڑھا دیں، حضرت عمرؓ نے اُٹھ کر نماز کے لیے اللہ اکبر کہا چونکہ آپ کی آواز بلند تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے اللہ اکبر کہنے کی آواز سنی فرمایا کہ ابوبکرؓ کہاں ہیں؟ عمرؓ کے آگے ہونے کو نہ خدا مانے گا نہ مسلمان

ح ۱ ابن سعد در طبقات بروایت محمد بن عمر واقدی بسند ضعیف مرسلاً ۱۲

ح ۲ یہ حدیث ابو داؤد نے مختصراً نقل کی ہے یعنی اس میں قول حضرت عائشہؓ کا کہ ابوبکرؓ نرم دل ہے الخ اور شروع ربیع الاول کی قید نہیں اور حضرت عائشہ کا قول اور حدیث صحیح میں بروایت عائشہؓ وارد ہے ۱۲

اس جملہ کو تین بار فرمایا کہ ارشاد فرمایا کہ ابوبکرؓ سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھاوے۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ابوبکرؓ ایک نرم دل آدمی ہیں جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو گریہ ان پر غالب ہوگا، آپ نے فرمایا تم حضرت یوسفؑ کی ساتھ والی ہو۔ ابوبکرؓ ہی سے کہو نماز پڑھاوے۔ عبداللہ راوی کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے پڑھانے کے بعد پھر حضرت ابوبکرؓ نے نماز پڑھائی پس حضرت عمرؓ مجھ سے کہا کرتے تھے کہ اے ربیعہ کے بیٹے تو نے یہ کیا کیا اگر مجھ کو یہ گمان نہ ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھ کو ارشاد فرمایا ہوگا تو میں صرف تیرے کہنے سے کبھی نماز نہ پڑھاتا۔ میں کہا کرتا مجھے اس وقت تم سے بہتر اور کوئی امامت کے لیے نظر نہ آیا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے جو حضرت ابوبکرؓ کی طرف سے عذر کیا تھا تو اس کی یہ وجہ تھی کہ وہ دنیا کے راغب نہ تھے۔ علاوہ اس کے خلافت میں اندیشہ اور خطرہ بہت ہے مگر جس کو خدا بچاوے اور یہ بھی خوف تھا کہ لوگ ہرگز نہ پسند کریں گے کہ حضرت کی زندگی ہی میں کوئی آپ کی جگہ نماز پڑھاوے مگر یہ کہ خدا تعالیٰ چاہے اور حضرت ابوبکرؓ کے نماز پڑھانے سے لوگ ان سے حسد کریں گے اور ان سے سرکش ہو جائیں گے اور فال بد کہیں گے مگر چونکہ ہونا وہی ہے جو خدا چاہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ہر ایک خوف دنیا اور دین سے محفوظ رکھا اور جس چیز سے میں ڈرا کرتی تھی اس سے صاف بچایا اور فرماتی ہیں کہ جب[ح] وہ دن ہوا جس میں آپ کی وفات ہوئی تو لوگوں نے کچھ مزاج مبارک میں صبح کے وقت ہلکا پن اور مرض میں تخفیف پائی۔ اسی لیے سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو گئے اور خوشی خوشی کاموں میں مصروف ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صرف عورتیں رہ گئیں ہمارا حال اس روز ایسا تھا کہ توقع اور خوشی جیسی ہم کو اس روز تھی کبھی ایسی پہلے نہ ہوئی تھی۔ اسی اثنا میں آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس سے باہر جاؤ یہ فرشتہ میرے پاس آنے کی اجازت چاہتا ہے اور عورتیں تو باہر چلی گئیں اور میں آپؐ کا سر مبارکؐ گود میں لیے تھی۔ جب آپ بیٹھ گئے تو میں بھی حجرے کے گوشے میں ہو گئی پس آپؐ نے فرشتے سے بڑی دیر تک سرگوشی کی تھی، پھر مجھ کو بلا کر سر مبارک میری گود میں رکھ لیا اور عورتوں سے بھی ارشاد فرمایا کہ اندر چلی آؤ میں نے عرض کیا کہ یہ آہٹ تو جبرئیل علیہ السلام کی نہ تھی آپؐ نے فرمایا کہ درست ہے اے عائشہؓ یہ ملک الموت ہے کہ میرے پاس آکر یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو بھیجا ہے اور حکم کیا ہے کہ بدون اذن آپ کے پاس نہ آؤں تو اگر آپؐ اجازت نہ دیں گے تو چلا جاؤں گا اور اگر اجازت دیں گے تو اندر آؤں گا۔ اور یہ فرمایا ہے کہ آپ کی روح بدون آپ کے ارشاد کے نہ قبض کروں اب آپ کا ارشاد کیا ہے میں نے اس سے کہہ دیا ہے کہ جب تک جبرئیل علیہ السلام نہ آویں تب تک مجھ سے علیحدہ رہو اب جبرئیل کے آنے کی ساعت ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ یہ آپ نے ایسی صورت پیش کی کہ جس کا ہمارے پاس کوئی جواب نہ تھا تو ہم نے سکوت کیا اور یہ معلوم ہوا کہ گویا ہم سخت آواز کے مارے دنگ رہ گئے ہیں کہ کچھ آپ سے نہیں کہہ سکتے اور نہ اس امر کی بڑائی اور ہیبت کے سبب سے کسی کو تاب گویائی تھی۔ ہمارے دل رعب سے بھر گئے تھے پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک ساعت میں تشریف لاتے سلام کیا

ح طبرانی در کبیر بروایت جابر و ابن عباس باندک اختلاف اور طبرانی نے اسکو بروایت حسین ابن علیؓ مرتضیٰ علیہ السلام بھی نقل کیا ہے مگر سند اول میں عبدالمنعم بن ادریس اور دوسری میں عبداللہ بن میمون متروک الحدیث ہیں اور اسی جہت حدیث منکر ہے ۱۲

میں نے ان کی آہٹ پہچانی اور گھر والے نکل گئے اور وہ اندر آئے اور آپؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ خدائے تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ تم اپنے آپ کو کیسا پاتے ہو اور وہ آپ کا حال آپ سے زیادہ جانتا ہے مگر چاہتا ہے کہ آپ کی کرامت اور شرف بڑھا کر خلق پر آپ کی بزرگی اور شرافت کامل کر دے اور یہ امر آپ کی امت میں سنت ہو جاوے آپ نے فرمایا کہ میں اپنے آپ کو دردمند پاتا ہوں۔ حضرت جبرئیلؑ نے کہا آپ کو مژدہ ہو کہ خدائے تعالیٰ چاہتا ہے کہ جو مرتبے آپ کے لیے تیار کیے ہیں ان پر آپ کو پہنچا دے۔ آپ نے فرمایا کہ اے جبرئیل ملک الموت نے مجھ سے اجازت چاہی اور یہ حال کہا حضرت جبرئیل نے عرض کیا اے محمدؐ آپ کا رب مشتاق ہے اور جو کچھ آپ سے کیا چاہتا ہے وہ میں بتا ہی چکا ہوں بخدا کہ ملک الموت نے آج تک نہ کسی سے اجازت مانگی نہ آئندہ کو کبھی کسی سے مانگے گا مگر خدائے تعالیٰ کو آپ کا شرف پورا کرنا منظور ہے اور وہ آپ کا مشتاق ہے آپ نے فرمایا کہ اب تم اس کے آنے تک یہاں سے مت جاؤ یہ فرما کر عورتوں کو اندر بلا لیا اور حضرت فاطمہؓ سے فرمایا کہ میرے پاس آؤ وہ آپؐ کے اوپر جھک گئیں آپ نے کچھ ان کے کان میں کہا انہوں نے جو سر اٹھایا تو آنکھوں میں سے آٹھ آٹھ آنسو نکلتے تھے اور تاب گفتگو نہ تھی پھر فرمایا اپنا سر میرے پاس کو کرو انہوں نے منہ سے کان ملایا پھر کچھ کان میں ارشاد فرمایا پھر جو انہوں نے سر اٹھایا تو ہنستی تھیں اور بول نہ سکتی تھیں ہم کو اس حال سے تعجب ہوا بعد کو میں نے ان سے ماجرا پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ اول بار مجھ سے ارشاد فرمایا کہ میں آج وفات پاؤں گا اس سبب سے میں روئی اور دوبارہ ارشاد فرمایا کہ میں نے خدا تعالیٰ سے دعا مانگی ہے کہ سب سے اول میرے گھر والوں سے تجھ کو مجھ سے ملا دے اور میرے ساتھ رکھے اس لیے میں ہنسی پھر حضرت فاطمہؓ نے اپنے دونوں صاحبزادوں کو آپ کے پاس کیا آپ نے دونوں کو پیار کیا۔ پھر ملک الموت نے آکر سلام کیا۔ اور اجازت مانگی آپ نے اجازت دی انہوں نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ مجھ کو میرے رب سے ابھی ملا دو انہوں نے عرض کیا آج ہی ملا دوں گا اور تمہارے رب کا یہ حال ہے کہ تمہاری طرف مشتاق ہے اور جتنا تردد آپ کی طرف سے پروردگار کو ہے اتنا اور کسی کی طرف سے نہیں کیا اور مجھ کو بدون اجازت کے اندر جانے سے کسی کے پاس منع نہیں فرمایا بجز آپ کے لیکن آپ کی ساعت آپ کے آگے ہی ہے یہ کہہ کر چلے گئے اور حضرت جبرئیل آئے اور عرض کیا الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ یہ میرا زمین پر آخر کا اترنا ہے پھر کبھی نہیں اتروں گا وحی بھی تہ ہوئی اور دنیا میں بھی زمین میں مجھ کو آپ کے سوا کوئی کام نہ تھا نہ بجز آپ کی حضوری کے اور کوئی غرض ہے

رفت از کوئے سر زلف تو خلقے بچمن ورنہ کی بوئے نسیم سحری بود غرض

اب میں ہوں اور میری جگہ ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ بخدا گھر میں کسی کو تاب ایک لفظ نہ بولنے کی تھی اور نہ کوئی مردوں کو بلاتا تھا اس لیے کہ جبرئیلؑ کا یہ کلام نہایت درجہ کو بڑا معلوم ہوتا تھا اور ہم سب خائف و ترساں تھے پھر میں نے اٹھ کر آپ کے سر مبارک کو اپنی گود میں رکھ لیا اور آپ کے سینہ مبارک کو تھام لیا اور آپ کو بیہوشی شروع ہوئی یہاں تک کہ دبا دبا لیتی تھی اور آپؐ کی پیشانی میں سے اتنا پسینہ ٹپکتا تھا کہ میں نے کسی آدمی کے اتنا نہیں دیکھا اور اپنی انگلی سے اس کو پونچھتی جاتی تھی اور کوئی خوشبو میں نے اس سے زیادہ نہیں دیکھی اور جب آپ کو افاقہ ہوتا تو میں کہتی کہ میں اور میرے ماں باپ اور گھر بار سب آپ پر

فدا ہوں آپ کی پیشانی اتنا پسینہ کیوں دیتی ہے آپ نے فرمایا کہ اے عائشہؓ مومن کی جان پسینے کے ساتھ نکلتی ہے اور کافر کی جان باچھوں کی راہ گدھے کی جان کی طرح نکلتی ہے اس وقت ہم ڈر گئے اور اپنے اپنے گھر آدمی بھیجا تو اوّل شخص جو ہمارے پاس آیا میرا بھائی تھا مگر آپ سے مل نہ سکا اس کو میرے باپ نے میرے پاس بھیجا تھا اس کے آنے سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرمائے خلد بریں ہو چکے تھے۔ غرض کوئی نہ آنے پایا تھا کہ آپ کی روح عرش بریں کو پرواز کر گئی اور خدائے تعالیٰ ہی نے لوگوں کو آپ کے پاس نہ آنے دیا اس لیے کہ جبرائیل اور میکائیل کو آپ کا معاملہ سپرد فرمایا تھا۔ اور جب آپ کو بیہوشی ہوتی تھی تو یہی فرماتے تھے بل رفیق الاعلیٰ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو کئی بار اختیار دیا جاتا تھا اور جب طاقت گفتار ہوتی تھی تو فرماتے تھے کہ نماز نماز تم لوگ ہمیشہ جیسے رہو گے جب تک نماز اکٹھے پڑھو گے۔ نماز کی وصیت مرتے دم تک فرماتے رہے اور نماز نماز کہتے رہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ[1] آپ کی وفات دوشنبہ کے روز وقت چاشت اور دوپہر کے درمیان میں ہوئی۔ حضرت فاطمہؓ نے فرمایا کہ دوشنبہ مجھ پر مبارک نہیں بخدا کہ اس روز امت کو ہمیشہ بڑی مصیبت ہوا کرے گی اور جس روز کوفے میں حضرت علیؓ پر مصیبت آئی تو حضرت ام کلثومؓ نے بھی ایسا ہی فرمایا کہ دوشنبہ میں میرے لیے خیر نہیں اسی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور اسی میں میرے شوہر یعنی حضرت عمرؓ شہید ہوئے اور اسی میں میرے باپ یعنی حضرت علیؓ شہید ہوئے تو اس روز میں میرے واسطے کچھ خیر نہیں اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب آپؐ خلد بریں کو تشریف فرما ہوئے تو لوگ نہایت سختی میں پڑے یہاں تک کہ آواز گریہ بلند ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرشتوں نے آپ کے کپڑوں میں ڈھانپ دیا۔ اب لوگ مختلف حال پر ہو گئے بعضے موت سے منکر ہوئے اور بعضے گونگے ہو گئے کہ مدت تک نہ بولے اور بعضے عقل سے خارج ہوئے کہ بات مہمل کرنے لگے اور کچھ لوگوں کی عقل ٹھکانے رہی اور کچھ لوگ بیٹھے رہ گئے۔ حضرت عمرؓ بن خطاب ان لوگوں میں سے تھے جو موت کو جھٹلاتے تھے اور حضرت علیؓ بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے اور حضرت عثمانؓ گونگے ہو گئے۔ حضرت عمرؓ نے باہر نکل کر فرمایا کہ لوگو! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات نہیں فرمائی اللہ تعالیٰ ان کو پھیر دے گا اور منافق لوگوں کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دے گا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کی تمنا کرتے تھے۔ جیسے خدائے تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے وعدہ کیا تھا ایسے ہی ہمارے حضرت سے بھی وعدہ کیا ہے۔ وہ اب تمہارے پاس پھرے آتے ہیں۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ لوگو! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حال سے اپنی زبان روکو وہ مرے نہیں بخدا کہ اگر اب کسی کو کہتے سنوں گا تو تلوار سے اس کے ٹکڑے کر دوں گا۔ اور حضرت علیؓ گھر میں بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے اور حضرت عثمانؓ کچھ نہ بولتے تھے لوگ ان کا ہاتھ پکڑ کر لے جاتے تھے گویا فرقت یار میں راہ بھی نہ معلوم ہوتی تھی ؎

رہ ندیدم چو برفت از نظرم صورت دوست ۔۔۔ ہمچو چشمے کہ چراغش ز مقابل برود

مسلمانوں میں سے جیسا حال حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عباس کا تھا ایسا اور کسی کا نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو توفیق اور راستی عنایت فرمائی تھی۔ اگرچہ لوگ صرف حضرت ابوبکرؓ کے قول سے اپنی حرکات سے باز رہتے تھے حضرت

ح[1] ابن عبدالبر ۱۲ ح[2] اس کی سند مجھ کو نہیں ملی منکر ہے ۱۲

عباسؓ نے تشریف لاکر فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موت کو چکھا اور وہ تو اپنی زندگی میں تمہارے درمیان فرمایا کرتے تھے[۱] انك میت و انھم میتون ثم انکم یوم القیامۃ عند ربکم تختصمون اور حضرت ابوبکرؓ بنی حارث بن خزرج میں تھے جب ان کو خبر وفات شریف پہنچی تو تشریف لائے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر آپؐ کے دیدار سے مشرف ہوتے پھر آپؐ کے اوپر جھک گئے اور بوسہ دیا پھر فرمایا کہ مادر و پدر من فدائے تو یارسول اللہ، اللہ تعالیٰ آپ کو دوبارہ تو موت دینے کا ہی نہیں پس ایک ہی بار مرنا تھا سو آپؐ وفات پا چکے، پھر حضرت ابوبکرؓ لوگوں کے پاس گئے اور فرمایا کہ لوگو جو کوئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پوجتا تھا وہ البتہ انہوں نے وفات پائی اور جو کوئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کو پوجتا ہے وہ البتہ زندہ ہے نہیں مرے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[۳] وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم ومن ینقلب علیٰ عقبیہ فلن یضر اللہ شیئاً پس لوگوں کا ایسا حال ہوا کہ گویا اس آیت کو اسی دن سُنا تھا۔ اور ایک روایت[۴] میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کو جب خبر ہوئی تو آپ حجرۂ شریف میں درود پڑھتے داخل ہوئے آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور ہڑکی آواز دانتوں کی رگڑ سے سُنائی دیتی تھی مگر باوجود اس کے قول وفعل اچھا کرنے میں بہادر تھے آتے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جھک پڑے اور آپ کے روئے مبارک کو کھول کر پیشانی اور رخساروں پر بوسہ دیا اور چہرۂ مبارک پر ہاتھ پھیرا اور روتے جاتے تھے اور کہتے تھے کہ میں اور میرے ماں باپ اور گھر بار آپ پر فدا ہوں۔ آپ زندہ بھی اچھے رہے اور مر کر بھی اچھے، آپ کی موت سے وہ بات ختم ہوگئی جو کسی نبی کی موت سے نہ ہوئی تھی یعنی نبوت یا وحی، تو آپ کا مرتبہ وصف سے زائد اور رونے سے برتر ہے آپ مخصوص ہوتے تو ایسے کہ سب کے رنجوں کے ضامن ہوگئے اور عام ہوتے تو ایسے کہ ہم سب آپ کے باب میں برابر ہیں یعنی آپ کی رسالت تمام آدمیوں کے لیے ہے اور اگر آپ کی موت آپ کے اختیار سے نہ ہوتی تو آپ کے غم میں ہم اپنی جانیں فدا کرتے اور اگر آپ رونے سے منع نہ فرمادیتے تو آنکھوں کا پانی ختم کر دیتے مگر جو بات آپ ہم سے دور نہیں کر سکتے وہ رنج اور یادگاری ہے کہ کبھی نہ ملیں گے الٰہی تو یہ بات اپنے حبیبؐ کو ہماری طرف سے پہنچادے اور اے محمد صلی اللہ علیک آپ ہم کو اپنے رب کے پاس یاد رکھیں اور گوشۂ خاطر میں جگہ دیں۔ آپ اپنے پیچھے اگر وقار نہ چھوڑ جاتے تو کسی کی کیا مجال تھی جو آپ کے بعد کی مشقت کا متحمل ہوتا الٰہی اپنے نبی کو ہماری طرف سے یہ حال پہنچانے

ت ۱ بیشک تو بھی مرتا ہے اور وہ بھی مرتے ہیں پھر مقرر تم دن قیامت کے اپنے رب کے آگے جھگڑو گے ۱۲ ح ۲ بخاری ومسلم بروایت عائشہ رض
ت ۳ اور محمد تو ایک رسول ہے ہو چکے پہلے اس سے بہت رسول پھر کیا اگر وہ مرگیا یا مارا گیا تو پھر جاؤ گے الٹے پاؤں وہ جو کوئی پھر جاوے گا الٹے پاؤں وہ نہ بگاڑے گا اللہ کا کچھ ۱۲ ح ابی الدنیا بروایت ابن عمرؓ بسند ضعیف ۱۲ ح ابن ابی الدنیا بروایت انس وطبرانی در اوسط بسند ضعیف اور ذکر الیاس کا میری نظر سے نہیں گذرا

اور ہمارے درمیان میں اس کی نگہبانی فرما۔ اور حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جب ابو بکرؓ حجرۂ شریف میں داخل
ہوئے اور صلوٰۃ و ثنا کہی تو گھر والوں نے ایک شور برپا کیا جس کی آواز باہر تک والوں نے سنی جب آپ کچھ کہتے تھے
جبھی آواز زیادہ ہوتی تھی اور ان کی آواز کسی طرح نہ پست ہوئی۔ مگر اسی حال میں ایک شخص بلند آواز زور آور نے دروازے
پر سے کہا کہ اے گھر والو سلام علیکم کل نفس ذائقۃ الموت ثم الینا ترجعون[1] خدائے تعالیٰ موجود رہنے
میں ہر ایک شخص کا نائب ہے یعنی جو جاتا رہتا ہے اس کا عوض وہ خود موجود ہے اور ہر رغبت کے لیے اللہ اور
ہر خوف سے نجات حاصل ہے اور اسی سے توقع رکھو اور اسی پر اعتماد کرو۔ جب گھر والوں نے یہ آواز سنی تو یہ
نہ معلوم ہوا کہ کس کی آواز ہے رونا موقوف کر دیا، رونے کے بند ہونے پر وہ آواز بھی موقوف ہو گئی۔ کسی نے باہر
نکل کر دیکھا تو کسی کو نہ پایا، پھر گھر میں چلا آیا اور رونا شروع ہوا۔ ایک اور پکارنے والے نے آواز دی کہ اس کو بھی
لوگ نہ پہچانتے تھے۔ اس نے یہ کہا اے اہلبیت خدا تعالیٰ کو یاد کرو اور اس کا شکر کرو ہر حال میں تاکہ تم مخلصوں
میں سے ہو جاؤ اس کے باقی رہنے میں ہر مصیبت سے تسکین ہو اور ہر مرغوب چیز سے عوض حاصل ہے تو اللہ تعالیٰ
ہی کی اطاعت کرو اور اسی کے حکم کے بموجب عمل کرو۔ پس حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ یہ دونوں خضر اور الیاس علیہم
السلام تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازے پر حاضر ہوتے تھے۔ اور قعقاع بن عمرو نے حکایت خطبہ حضرت
ابو بکرؓ کی پوری لکھی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ لوگوں میں خطبہ پڑھنے کو اٹھے اور ایسا خطبہ پڑھا کہ لوگ رو دیا
ہی کیے سارا خطبہ متضمن درود شریف پر تھا، اول خدائے تعالیٰ کی حمد و ثنا ہر حال میں بیان کی اور فرمایا کہ میں گواہی
دیتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ واحد برحق ہے اس نے اپنا وعدہ سچا کیا اور اپنے بندے کی مدد کی
اور تنہا کفار کی جماعتوں کو شکست دی تو خدائے تعالیٰ یکتا کا شکر ہے اور یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
اس کے بندے اور رسول اور نبیوں کے تمام کرنے والے ہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ کتاب ایسی ہی ہے جیسے اتری
اور دین ایسا ہی ہے جیسا شروع ہوا اور حدیث ایسی ہے جیسی بیان فرمائی اور قول وہی ہے جو انہوں نے فرمایا
اور اللہ تعالیٰ حق ہے کھلا ہوا۔ الٰہی پس رحمت کر کہ تو نے کسی پر اپنی مخلوق میں سے کی ہو اس سے بڑھ کر ہو۔ الٰہی
اپنی رحمتیں اور عفو اور مہر اور برکتیں سب مخصوص کر دے سید المرسلین اور خاتم النبیین اور امام المتقین محمد صلی اللہ علیہ
وسلم جو خیر کی طرف کھینچنے والے اور خیر کے پیشوا اور رسول رحمت ہیں الٰہی تو ان کا قرب زیادہ فرما اور ان کی دلیل بڑی
کر اور ان کا مقام اچھا کر اور ان کو ایسے مقام محمود میں اٹھا کہ اگلے پچھلے سب ان کے غبطہ کریں اور ان کے مقام
محمود پر ہونے سے ہم کو قیامت کے دن نفع پہنچا اور آخرت میں ان کی عوض تو ہمارے درمیان رہ اور ان کو
جنت میں درجہ اور وسیلہ پر پہنچا دے۔ الٰہی تو محمدؐ اور آل محمدؐ پر صلوٰۃ اور برکت نازل فرما جس طرح کہ تو نے ابراہیم
اور ان کی آل پر صلوٰۃ اور برکت نازل فرمائی تو ہی ہے اچھے کام والا اور بزرگی والا بعد اس کے فرمایا کہ اے لوگو!

ح[1] ہر جی کو چکھنی ہے موت پھر ہماری طرف آؤ گے ۱۲ ت ۲ ہر جی کو چکھنی ہے موت پھر ہماری طرف آؤ گے ۱۲

جو کوئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا تو انہوں نے تو وفات پائی اور جو کوئی خدائے تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ زندہ ہے نہیں مرے گا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے باب میں پہلے ہی تم کو کہہ دیا ہے پس ان کو بے صبری سے مت پکارو اس لیے کہ اللہ عزوجل نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے اپنے پاس کی چیز بہ نسبت تمہارے پاس کی چیز کے پسند فرمائی اور اپنا ثواب عنایت فرمانے کو ان کو اٹھا لیا اور تم میں اپنی کتاب اور اپنے نبیؐ کی سنت پیچھے چھوڑی پس جو شخص کہ ان دونوں پر تمسک کرے گا وہ عارف ہو گا اور جو کوئی ان دونوں میں فرق کرے گا وہ اس آیت کا منکر ہے یاایھا الذین اٰمنوا کونوا قوامین بالقسط اور چاہیے کہ شیطان تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مرنے سے تم کو غافل نہ کر دے اور دین تمہارے اوپر کوئی بلا نہ ڈالے خیریت سے جلدی کرو شیطان پر کہ اس کو تھکا مارو گے اور اس کو مہلت مت دو ورنہ وہ تم سے مل جاوے گا اور تم کو فتنے میں ڈال دے گا۔ اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب حضرت ابو بکرؓ اپنے خطبہ سے فارغ ہوتے تو حضرت عمرؓ سے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ تم کہتے ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں مرے ہیں کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی موت کا حال فلاں روز اور فلاں روز فرمایا تھا اور اللہ تعالیٰ اپنی کتاب مجید میں فرماتا ہے.....

انک میت وانھم میتون[۲] حضرت عمرؓ نے کہا کہ مصیبت کے باعث مجھے یہ معلوم ہوا کہ گویا یہ مضمون کتاب اللہ میں نے آج کے سوا اور کبھی نہیں سنا میں گواہی دیتا ہوں کہ قرآن مجید جیسا اترا ہے وہی حق ہے اور حدیث ویسی ہی ہے جیسی بیان فرمائی ہے اور اللہ زندہ ہے کہ مرے گا نہیں انا للہ وانا الیہ راجعون[۳] اور اللہ تعالیٰ کے صلوٰۃ اس کے رسولؐ پر نازل ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی کا ثواب ہم خدا کے پاس چاہتے ہیں پھر حضرت ابو بکرؓ کے پاس بیٹھ گئے۔ اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب لوگ آپ کے نہلانے کو جمع ہوتے تو آپس میں کہا کہ ہم کو معلوم نہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے نہلاویں یعنی ان کو ننگا کر کے نہلا دیں جیسا اور مردوں کو نہلایا کرتے ہیں یا کپڑوں سمیت نہلاویں اسی تردد میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند بھیجی یہاں تک کوئی آدمی ایسا نہ رہا جو چھاتی پر اپنی داڑھی لٹکاتے نہ سوتا ہو پھر کسی کہنے والے نے جس کا حال معلوم نہیں کہ کون تھا کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معہ کپڑوں کے نہلاؤ اس میں سب چونک پڑے اور اسی آواز غیب کے بموجب غسل دیا اور آپ کو قمیص میں نہلایا اور غسل سے فارغ ہو کر کفن پہنایا۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ کے قمیص کو اتارنا چاہا ہم کو آواز ہوتی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا کرتا مت اتارو ہم نے ویسے ہی رہنے دیا اور کرتہ پہنے ہی نہلایا جس طرح اپنے مردوں کو لٹا کر نہلاتے تھے۔ ہم اگر آپ کے کسی عضو کو بدلنا چاہتے تھے تو ہم کو ذرا بھی دقت نہ ہوتی تھی وہ عضو بدل جاتا تھا۔ یہاں تک کہ اس کے غسل سے فارغ ہو جاتے تھے اور ہم کو گھر میں ہوا کی سی سنسناہٹ سناتی دیتی تھی

ت ۱ اے ایمان والو قائم رہو انصاف پر ۱۲ ت ۲ بیشک تو بھی مرتا ہے اور وہ بھی مرتے ہیں ۱۲

ت ۳ ہم اللہ کا مال ہیں اور ہم کو اس کی طرف پھرنا ہے ۱۲

اور آواز نہ آتی تھی کہ رسول خدا کے ساتھ نرمی کرو کہ تم کو کچھ کرنا نہیں پڑے گا تو وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس طرح پر تھی، آپ نے نہ کوئی بالوں کا کپڑا چھوڑا نہ اون کا، جو تھا وہ سب آپ کے ساتھ دفن ہو گیا۔ ابو جعفرؓ کہتے ہیں کہ لحد میں آپ کا بستر اور چادر بچھائی گئی اور اس کے اوپر آپ کے وہ کپڑے ڈالے گئے جو آپ زیب تن مبارک فرماتے تھے پھر ان کے اوپر آپ مع اپنے کفن کے رکھے گئے۔ غرضکہ اپنی وفات کے بعد آپ نے کچھ مال نہ چھوڑا اور نہ زندگی میں مکان کی نیت سے اینٹ پر اینٹ رکھی نہ نے پر نئے تو آپ کی وفات میں عبرت کامل اور مسلمانوں کے واسطے عمدہ اقتدا ہے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات

جب آپ کی وفات قریب ہوئی تو حضرت عائشہؓ آپ کے پاس آئیں اور مثال کے طور پر ایک شعر پڑھا جس کا ترجمہ یہ ہے۔ شعر:

کثرت دولت قسم ہے مرد کے آوے نہ کام　　　جب گُر کا سینے میں دم ہو اور لبوں پر جان ہو

آپؓ نے چہرہ کھولدیا اور فرمایا کہ یوں مت کہو، یہ کہو کہ وجاءت سکرۃ[2] الموت بالحق ذٰلک ما کنت منہ تحید میرے ان دونوں کپڑوں کو دیکھ رکھو ان کو دھو کر مجھ کو انہی میں کفنانا اس لیے کہ نئے کپڑے کی حاجت مردے کی نسبت کر زندہ کو زیادہ ہے۔ اور حضرت عائشہؓ نے آپ کی موت کے وقت ایک شعر پڑھا جس کا ترجمہ یہ ہے: شعر:

ہوتی تھی بارش اس رُخ پر نور کے طفیل　　　بیٹوں کی عصمت اس سے یتیموں کی تھی بہار

آپ نے فرمایا کہ اس شعر کے مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں اور لوگوں نے آپ کے پاس آ کر کہا ہم کسی طبیب کو بلا دیں جو آپ کا حال دیکھے آپ نے فرمایا کہ میرے طبیب نے مجھے دیکھ کر کہدیا ہے اِنّی فعال لما یرید یعنی میں جو چاہوں گا سو کروں گا۔ اور حضرت سلمان فارسیؓ آپ کی عیادت کو تشریف لائے اور کہا اے ابو بکرؓ کچھ ہم کو وصیت کیجیے آپ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ تمہارے لیے دنیا فتح کرنے کو ہے تو تم اس میں سے اسی قدر لینا کہ بسر اوقات کے موافق ہو اور یاد رکھو کہ جو کوئی کچھ نماز صبح ادا کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے عہد میں ہو جاتا ہے تو ایسا نہ کرو کہ خدائے تعالیٰ سے عہد شکنی کرو اور یہ عہد شکنی تم کو منہ کے بل دوزخ میں ڈال دے اور جب حضرت ابو بکرؓ بہت بیمار ہوئے کہ باہر نہ نکل سکے اور لوگوں نے چاہا کہ اپنا نائب کسی کو کر دیں تو آپ نے حضرت عمرؓ کو اپنا نائب کیا لوگوں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ نے اپنا نائب ایک شخص تند مزاج سخت دل کو کیا ہے خدا تعالیٰ کو کیا جواب دو گے آپ نے فرمایا کہ یہ کہوں گا کہ

ح[1] لحد میں چادر شقران مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچھائی تھی اور باقی حالات پیشتر گذر گئے ۱۲

ت[2] اور آئی بیہوشی موت کی تحقیق یہ وہ ہے جس سے تو ٹلا رہا کرتا ۱۲

کہ تیری مخلوق میں سے جو سب سے بہتر تھا اس کو نائب کیا۔ پھر حضرت عمرؓ کو بلوایا جب وہ تشریف لاتے تو فرمایا کہ میں تم کو ایک وصیت کرتا ہوں یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے حق کچھ دن میں ہیں کہ ان کو رات میں قبول نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ کے کچھ حقوق رات میں ہیں کہ ان کو دن میں قبول نہیں کرتا اور نفل کو قبول نہیں فرماتا جب تک کہ فرض ادا نہ کرو اور قیامت کے روز جو بھاری پلے والوں کے پلے بھاری ہوں گے تو وجہ یہی ہوگی کہ انہوں نے دنیا میں حق کا اتباع کیا ہوگا اور اپنے اوپر اس کو بھاری سمجھا ہوگا اور اس ترازو کے لیے جس میں بجز حق کے اور کچھ نہ رکھا جاوے شایان یہی ہے کہ وزن زیادہ ہو۔ اور ہلکے پلے والوں کے جو قیامت میں پلے ہلکے ہوں گے تو اس کی وجہ ہوگی کہ دنیا میں انہوں نے باطل کی پیروی کی ہوگی اور اسی کو اپنے اوپر ہلکا معلوم کیا ہوگا اور جس ترازو میں کہ باطل کے سوا اور کچھ نہ رکھا ہو اس کو ہلکا ہی ہونا زیبا ہے اور خدائے تعالیٰ نے اہل جنت کا ذکر ان کے اعمال میں سے بہتر کے ساتھ کیا ہے اور ان کی بُرائی سے درگذر فرمایا تو کہنے والا یوں کہتا ہے کہ میں ان لوگوں سے کم ہوں اور ان کے درجے کو نہیں پہنچتا اور دوزخ والوں کا ذکر ان کے بدترین اعمال سے کیا ہے اور جو عمل نیک انہوں نے کیا ہے اس کو ان پر واپس کر دیا تو کہنے والا یوں کہتا ہے کہ میں ان لوگوں سے کم ہوں اور ان کے درجے کو نہیں پہنچتا۔ اور آیت رحمت اور آیت عذاب کو ذکر فرمایا ہے تاکہ مومن کو رغبت اور خوف دونوں رہیں اور ہاتھ اپنا ہلاکت میں نہ ڈالے اور اللہ تعالیٰ سے بجز حق کے اور کسی کی تمنا نہ کرے۔ پس اے عمرؓ اگر تم میری وصیت یاد رکھو گے تو تمہارے نزدیک کوئی غائب چیز موت سے زیادہ محبوب تر نہ ہوگی اور اس کا آنا تم پر ضروری ہے اور اگر میری وصیت تلف کرو گے تو موت سے زیادہ کوئی غائب چیز تم کو بُری معلوم نہ ہوگی اور اس سے تم بھاگ نہ سکو گے نہ اس کو تھکا سکو گے۔ اور حضرت سعید بن المسیب فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکرؓ مرنے کو ہوتے تو آپ کے پاس کچھ لوگ صحابہ میں سے آئے اور کہا کہ اے نائب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہم کو کچھ توشہ عنایت کر دیجیے کہ اب ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کا حال دگرگوں ہے آپ نے فرمایا کہ جو کوئی ان کلمات کو کہہ کر مر جاوے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی روح کو افق مبین میں کر دے گا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ افق مبین کیا چیز ہے آپ نے فرمایا کہ ایک میدان عرش کے سامنے ہے اس میں باغ اور نہریں اور درخت اوپر مذکور ہیں ہر روز اس کو سو رحمتیں خدا تعالیٰ کی چھپا لیتی ہیں تو جو شخص ان کلمات کو کہے گا اللہ تعالیٰ اس کی روح کو اسی مکان موصوفہ بالا میں رکھے گا کلمات یہ ہیں۔ الٰہی تو نے خلق کو شروع سے پیدا کیا اور تجھ کو کچھ حاجت ان کی نہیں تھی پھر تو نے ان کے دو فریق کر دیئے ایک جنت کے لیے اور ایک دوزخ کے لیے تو مجھ کو جنت کے لیے کر نہ دوزخ کے لیے الٰہی تو نے خلق کو کئی فرقے پیدا کیا اور پیدائش سے پہلے ان کو علیحدہ کر دیا کہ بعضوں کو بدبخت اور بعضوں کو نیکبخت اور غوث اور راہ یافتہ بنایا پس مجھ کو اپنی اطاعت سے سعید کر دے اور اپنی معصیت سے بدبخت نہ کر۔ الٰہی جو ہر ایک نفس کماتا ہے وہ تجھ کو اس کی پیدائش سے پہلے معلوم ہے تو جس چیز کو وہ کرتا ہے اس سے گریز نہیں پس مجھ کو ان لوگوں میں سے کر دے جن سے تو اپنی اطاعت کا کام لیتا ہے۔ الٰہی بدون تیرے چاہے کوئی کچھ نہیں

جانتا تو تو اپنی خواہش اس امر کی کر کہ میں ایسی بات چاہنے لگوں کہ جو مجھ کو تجھ سے قریب کر دے۔ الٰہی تو نے بندوں کے حرکات کا اندازہ کر رکھا ہے کہ کوئی چیز بدون تیرے اذن کے نہیں حرکت کرتی تو میرے حرکات کو اپنے تقویٰ میں کر دے۔ الٰہی تو نے خیر اور شر دونوں کو پیدا کیا اور دونوں کے کرنے والوں کو بنایا پس تجھ کو دونوں قسموں میں جو بہتر ہو اس میں کر دے۔ الٰہی تو نے جنت اور دوزخ کو پیدا کیا اور ان میں سے ہر ایک کے لیے رہنے والے بنائے تو مجھ کو اپنی جنت کے باشندوں سے کر دے۔ الٰہی تو نے ایک قوم کو راہ دکھانی چاہی اور ان کے سینوں کو کھول دیا اور ایک قوم کی تو نے گمراہی چاہی اور ان کے سینوں کو تنگ کر دیا۔ تو خدایا میرا سینہ ایمان کے لیے کھول دے اور ایمان کو میرے دل میں اچھا کر دکھا اور مجھ کو کفر اور بدکاری اور نافرمانی سے نفرت دلا اور مجھ کو نیک چال والوں میں سے کر الٰہی تو نے امور تدبیر کیے اور ان کا ٹھکانا اپنی طرف کیا پس بعد موت کے مجھ کو اچھی زندگی سے زندہ کر اور مرتبے میں مجھ کو اپنے نزدیک فرما۔ الٰہی جو شخص صبح و شام کرتا ہے اس طرح کہ اس کا اعتماد اور توقع تیرے غیر پر ہو تو ہوا کرے مگر میرا اعتماد اور توقع تجھی پر ہے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ بعد اس کے آپ نے فرمایا کہ سب مضامین کتاب اللہ عزوجل میں ہیں۔

سیّدنا عمر فاروق رضؓ کی وفات

عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ جس صبح کو حضرت عمر رضؓ کے زخم لگا میں بھی جماعت میں کھڑا تھا اور ان کے درمیان میں صرف حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ تھے آپ جب دو صفوں کے بیچ میں گذرتے تو کھڑے ہو جاتے اور اگر کچھ خلل دیکھتے تو فرماتے کہ برابر ہو جاؤ۔ یہاں تک کہ جب کجی اور نقصان نہ رہتا تب آگے بڑھتے اور اکثر پہلی رکعت میں سورہ یوسف یا نحل یا اور کوئی ایسی ہی سورت پڑھتے تاکہ لوگ اکٹھے ہو جاویں پس آپ نے اللہ اکبر ہی کہا تھا کہ میں نے سنا کہ آپ فرماتے ہیں کہ مجھ کو کتے نے مار ڈالا کھا لیا۔ جب آپ کے ابو لولو نے زخم لگایا اور وہ خبیث کافر دو دھاری چھری لے کر بھاگا جس کے پاس کو نکلا داہنے بائیں زخمی کرتا گیا یہاں تک کہ تیرہ آدمیوں کو زخمی کیا جن میں سے نو نے وفات پائی اور ایک روایت میں سات مرے۔ جب ایک مسلمان نے یہ صورت دیکھی تو اس پر اپنا کپڑا ڈال دیا جب اس کافر نے دیکھا کہ میں پکڑا گیا اپنے آپ کو ذبح کر ڈالا اور واصل جہنم ہوا۔ ادھر حضرت عمر رضؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ کو پکڑ کر آگے کر دیا کہ نماز پڑھائیں اس وقت جو حضرت عمر رضؓ کے پاس لوگ تھے انہوں نے تو یہ ماجرا دیکھا اور جو لوگ مسجد کے اطراف سے تھے ان کو اس حال کی کچھ خبر نہ ہوئی بجز اس کے کہ حضرت عمر رضؓ کی آواز آنی موقوف ہو گئی اور کہنے لگے کہ سبحان اللہ سبحان اللہ۔ غرضکہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے نماز مختصر پڑھائی اور جب سلام پھیرا تو حضرت عمر رضؓ نے حضرت ابن عباس رضؓ کو فرمایا کہ دیکھو مجھ کو کس نے زخمی کیا۔ حضرت ابن عباس رضؓ ایک ساعت کو غائب ہوتے پھر آ کر فرمایا کہ مغیرہ بن شعبہ کے غلام نے یہ حرکت کی ہے آپ نے فرمایا خدا اس کو قتل کرے میں نے تو اس پر احسان کرنے کے لیے امر کیا تھا اور خدا کا شکر ہے کہ اس نے میری موت کسی مسلمان کے ہاتھ سے نہ کی اور تم اور تمہارے باپ ہی بہت چاہتے ہو کہ مدینہ منورہ میں کفار عجم کی کثرت ہو یہ اس لیے فرمایا کہ حضرت عباس رضؓ کے غلام بہت تھے

حضرت ابن عباسؓ نے عرض کیا کہ اگر آپ کی مرضی ہو تو سب کو مار ڈالیں آپ نے فرمایا کہ اب قتل کرتے ہو جب تمہاری بولی بولنے لگے تمہارے قبلہ کی طرف کو نماز پڑھنے لگے تمہارا سا حج کرنے لگے۔ غرضیکہ آپ کو مسجد شریف سے آپ کے گھر میں اُٹھا لائے اور ہم بھی ساتھ گئے اور لوگوں کا یہ حال تھا .... کہ گویا اس دن سے پیشتر کبھی ان پر مصیبت نہ آئی تھی اور اپنی اپنی کہہ رہے تھے۔ کوئی کہتا تھا کہ مجھے آپ کے اوپر موت کا خوف ہے کوئی کہتا تھا کہ کچھ خوف نہیں اتنے میں آپ کے لیے عرق انگور لائے آپ نے جو پیا پیٹ میں سے نکل گیا۔ پھر دودھ لائے وہ بھی پیا تو نکل گیا تب لوگوں نے جان لیا کہ آپ نہیں بچیں گے اور لوگ آکر آپ کی ثنا کرتے جاتے تھے۔ ایک شخص جوان آیا اس نے یوں کہا اے امیر المومنینؓ آپ کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے بشارت ہو کہ آپ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور قدامت اسلام میں وہ مرتبہ میسر ہوا جو آپ کو معلوم ہی ہے۔ پھر آپ حاکم ہوئے اور عدل فرمایا پھر شہادت ملی۔ آپ نے فرمایا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ سب باتیں میری گذر ہی کے لائق ہو جاویں نہ ان سے میرا نقصان ہو نہ فائدہ ہو۔ جب وہ شخص جانے لگا تو اس کا پاجامہ زمین کو لگتا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اس لڑکے کو میرے پاس لاؤ جب وہ پلٹ کر آیا تو آپ نے فرمایا کہ بھتیجے اپنا کپڑا اونچا کر اس سے گرد وغیرہ سے بچا رہے گا اور خدا تعالیٰ سے تقویٰ کے بھی قریب تر ہے۔ پھر اپنے صاحبزادے کو فرمایا کہ اے عبد اللہ دیکھ کہ میرے اوپر کتنا قرض ہے حساب جو کیا تو چھیاسی ہزار یا کچھ کم و بیش پایا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر ہمارے خاندان کا مال اس کو وفا کرے تب تو اسی میں سے ادا کر دینا ورنہ عدی بن کعب کی اولاد سے مانگنا اور اگر ان کا مال بھی وفا نہ کرے تو قریش سے لیکر ادا کرنا اور قریش کے سوا اوروں کی طرف مت بڑھنا اور میری طرف سے یہ قرضہ دے دینا اور اب ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کے پاس جاؤ اور کہہ کہ عمرؓ تم کو سلام کہتا ہے۔ یہ مت کہنا کہ امیر المومنین، اس لیے کہ میں آج مومنوں کا سردار نہیں ہوں اور کہنا کہ وہ اجازت چاہتے ہیں کہ میں اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ مدفون ہوں۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ حضرت عائشہؓ کے پاس گئے اور سلام کے بعد اجازت مانگی اور ان کے پاس جا کر دیکھا کہ بیٹھی ہوئی رو رہی ہیں ان سے عرض کیا کہ عمر بن خطابؓ آپ کو سلام کہتا ہے اور آپ کی اجازت چاہتے ہیں کہ میں اپنے دونوں یاروں کے ساتھ مدفون ہوں، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں نے یہ جگہ اپنے لیے رکھی تھی مگر میں آج اپنے نفس پر عمرؓ کو ترجیح دیتی ہوں۔ جب عبد اللہ پھر کر حضرت عمرؓ کی خدمت میں آئے لوگوں نے کہا کہ عبد اللہ حاضر ہیں حضرت عائشہؓ کے پاس ہو آئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھ کو اُٹھاؤ ایک شخص نے ان کو اپنے سہارے سے بٹھا دیا۔ آپ نے صاحبزادے سے پوچھا کیفیت بیان کرو کیا جواب لائے انہوں نے عرض کیا کہ جو بات آپ کو محبوب تھی وہی بات حضرت عائشہؓ نے منظور کر لی اور اجازت دے دی آپ نے فرمایا الحمد للہ کوئی چیز میرے نزدیک اس سے بڑھ کر ضروری نہ تھی، جب میں مر جاؤں تو میرے جنازے کو لے جانا اور دروازے پر پہنچ کر سلام کرنا اور کہنا کہ عمرؓ اجازت چاہتے ہیں اور اگر وہ اجازت دیں تو مجھ کو اندر لے جانا اور اگر مجھ کو ہٹا دیں تو مسلمانوں کے قبرستان میں لے جا کر دفن کر دینا۔ اور حضرت ام المومنین حفصہؓ

تشریف لائیں عورتیں ان کو ڈھانکے ہوئے تھیں۔ جب ہم نے ان کو دیکھا تو ہم علیحدہ ہو گئے وہ حضرت عمرؓ کے پاس آئیں اور ایک ساعت بھر ان کے پاس روئیں پھر مردوں نے اجازت چاہی تو وہ اندر مکان کے ہو گئیں ان کے رونے کی آواز ہم نے اندر سے سنی پھر لوگوں نے کہا کہ اے امیر المومنین ہم کو وصیت کیجئے اور اپنا خلیفہ کسی کو مقرر کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ میں خلافت کے لیے ان لوگوں سے بڑھ کر اور کسی کو مستحق نہیں جانتا ہوں ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے راضی ہی اس جہان سے تشریف لے گئے ہیں۔ پھر آپ نے حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ اور حضرت سعدؓ اور حضرت عبدالرحمنؓ کا نام لیا اور فرمایا کہ عبداللہ بن عمرؓ بھی تمہارے پاس آ دے گا مگر خلافت سے اس کو سروکار نہیں۔ یہ ایسی صورت سے فرمایا کہ عبداللہ بن عمرؓ کی تسکین ہو جاتے۔ پھر فرمایا کہ اگر نوبت خلافت کی سعدؓ کو پہنچے تو فبہا ورنہ جو کوئی امیر ہو اس سے استعانت کرے اس لیے کہ میں نے اس کو کچھ عاجزی اور خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا اور میں اپنے بعد کے خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ جو لوگ اول ہجرت کر کے آئے ہیں ان کی فضیلت پہچانے اور ان کی حرمت کی حفاظت کرے اور تعظیم کیا کرے اور یہ بھی وصیت کرتا ہوں کہ انصار کے ساتھ خیر کیا کرے یہ وہ لوگ ہیں کہ اس جگہ میں اور ایمان میں سب سے پہلے انہوں نے جگہ پکڑی ہے ان کے محسن کی طرف سے قبول کیا کرے اور برائی کرنے والے سے درگزر کیا کرے اور یہ بھی وصیت کرتا ہوں کہ اطراف کے شہر والوں سے سلوک کرے اس لیے کہ وہ لوگ اسلام کے حامی اور مالوں کے جمع کرنے والے اور موجب دشمنوں کے جلنے کے ہیں اور یہ کہ ان سے کچھ نہ لے بجز اس کے جو ان کے مال سے زائد ہو اور بخوشی دے دیں۔ اور عرب والوں سے خیر کرنے کی وصیت کرتا ہوں بایں وجہ کہ یہ لوگ عرب کی اصل اور اسلام کی جڑ ہیں ان کے زائد مال میں سے لے کر انہیں کے مفلسوں کو دیدے اور عرب والوں سے خیر کرنے کی وصیت کرتا ہوں کہ خدائے تعالیٰ کے عہد اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کو لحاظ کرے اور ذمی لوگوں سے عہد پورا کیا کرے اور ان کی حمایت کے لیے اوروں سے لڑا کرے اور ان کی طاقت سے زیادہ کام نہ لیا کرے۔ راوی کہتے ہیں کہ جب آپ کی روح خلد بریں کو پرواز کر گئی تو ہم آپ کے جنازے کو لیکر چلے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضرت ام المومنین عائشہؓ کی خدمت میں جا کر سلام کیا اور عرض کیا کہ عمر بن خطاب اجازت چاہتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اندر لے آؤ۔ غرضکہ اندر لے جا کر دونوں یاروں کے پاس دفن کر دیا۔ آخر حدیث تک۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے[1] کہ مجھ سے جبرئیلؑ نے کہا ہے کہ عمرؓ کی موت پر اسلام رووے گا۔ اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب عمرؓ کو چارپائی پر رکھا تو لوگوں نے[2] آکر جنازے کو روک لیا۔ دعا کرتے تھے ع اور نماز پڑھتے تھے پہلے اس سے کہ جنازہ اٹھے اور میں بھی ان لوگوں میں تھا

ح[1] ابو بکر آجری در کتاب الشریعۃ بروایت ابی بن کعب بسند ضعیف اور اس کو ابن جوزی نے موضوعات میں نقل کیا ہے ح[2] بخاری و مسلم میں یہ تمام حدیث مروی ہے ۱۲ ع ف فی الاصل یصلون الخ یعنی دعا اور استغفار کرتے تھے ۱۲

اتنے میں ایک شخص نے میرے دونوں مونڈھے پکڑ کر مجھ کو ڈرا دیا۔ میں نے جو پیچھے پھر کر دیکھا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے۔ انہوں نے کلمات رحم حضرت عمرؓ کے اوپر کہے اور فرمایا کہ تم نے اپنے بعد کسی کو ایسا نہ چھوڑا کہ مجھ کو اس جیسا عمل کر کے مرنا محبوب تر ہو تمہارا ہی سا عمل کر کے خدائے تعالیٰ سے ملنا مجھ کو پسند آتا ہے اور قسم ہے خدا کی کہ مجھ کو گمان غالب تھا کہ اللہ تعالیٰ تم کو تمہارے دونوں یاروں کے ساتھ کر دے گا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ میں اکثر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کرتا تھا کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں اور ابو بکرؓ اور عمرؓ گئے اور میں اور ابو بکرؓ اور عمرؓ نکلے اور میں اور ابو بکرؓ اور عمرؓ اندر آئے۔ جب ہر ایک بات میں اس طرح فرماتے تھے تو مجھ کو توقع ہے اور گمان غالب تھا کہ اللہ تعالیٰ تم کو تمہارے دونوں یاروں کے ساتھ کر دے گا۔

سیدنا عثمان غنیؓ کی وفات

حدیث آپ کی شہادت کی مشہور ہے اور حضرت عبداللہ بن سلامؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ گھرے ہوتے تھے تو آپ کے سلام کو آیا اور ان کے پاس اندر گیا۔ آپ نے فرمایا کہ بھائی خوب ہوا تم آتے آج رات میں نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اس تابدان میں سے ارشاد فرماتے ہیں کہ اے عثمان تجھے لوگوں نے گھیر لیا۔ میں نے عرض کیا کہ ہاں پھر فرمایا کہ تجھے پیاسا رکھا میں نے عرض کیا کہ ہاں پھر آپ نے ایک ڈول پانی کا لٹکا دیا میں نے اس میں سے پانی پیٹ بھر کر پیا یہاں تک کہ اس کی ٹھنڈک اپنی چھاتیوں اور مونڈھوں میں پاتا ہوں، اور فرمایا کہ اگر تو چاہے تو تجھ کو مدد ملے اور ان پر غالب ہو جا اور چاہے تو ہمارے پاس افطار کر۔ میں نے آپ ہی کے پاس افطار کرنا پسند کیا پس آپ کی شہادت اسی روز ہوئی اور حضرت عبداللہ بن سلام نے ان لوگوں سے پوچھا کہ جنہوں نے حضرت عثمانؓ کو زخمی ہونے پر خون میں تڑپتے دیکھا تھا کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے خون میں لوٹنے کے وقت کیا فرمایا تھا لوگوں نے کہا کہ ہم نے سنا تھا کہ یوں فرماتے تھے الٰہی امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جمع کر یعنی اتفاق ان میں عطا فرما یہ جملہ تین بار ارشاد فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے فرمایا کہ قسم ہے خدا تعالیٰ کی کہ اگر وہ دعا مانگتے کہ کبھی ان میں اتفاق نہ ہو تو کبھی ان میں اتفاق نہ ہوتا۔ اور ثمامہ بن حزن قشیری کہتے ہیں کہ جس وقت حضرت عثمانؓ نے مکان کے اوپر سے لوگوں کی طرف نیچے کو دیکھا تھا میں بھی موجود تھا آپ نے فرمایا کہ تم میرے پاس ان دونوں شخصوں کو لاؤ جنہوں نے تم کو یہاں لا کر جمایا ہے وہ دونوں بلاتے گئے تو ایسے آتے جیسے دو اونٹ یا دو گدھے آتے ہیں پھر حضرت عثمانؓ نے لوگوں کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ میں تم کو خدائے تعالیٰ اور اسلام کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ تمہیں معلوم ہے کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لاتے تھے تو مدینہ میں میٹھا پانی بجز چاہ رومہ کے اور جگہ نہ تھا تو آپ نے فرمایا کوئی ہے کہ اس کنویں کو خرید کر اپنا ڈول مسلمانوں کے ڈول کے ساتھ اس میں ڈالے اور جنت میں اس سے بہتر پاوے پس میں نے خاص اپنے مال سے اس کو مول لیا اور تم آج اس کا پانی مجھے نہیں پینے دیتے نہ دریا کا پانی پینے دیتے ہو لوگوں نے کہا کہ یہ درست ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں تم سے بقسم پوچھتا ہوں کہ تمہیں معلوم ہے کہ میں نے

ترمذی نے اس کو نقل کیا ہے ۱۲

مفلس لشکر کو سامانِ لڑائی کا دیا تھا لوگوں نے کہا کہ ہاں دیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ میں بقسم پوچھتا ہوں کہ تم جانتے ہو کہ مسجد نمازیوں سے تنگی کرتی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی ہے جو فلاں لوگوں کی زمین خرید کر مسجد بڑھائے اور اس سے بہتر جنت میں پا دے تو میں نے خاص اپنی گرہ سے اس کو خریدا اور تم آج مجھ کو اس سے دو رکعت نماز پڑھنے سے مانع ہو لوگوں نے کہا درست ہے۔ آپ نے فرمایا میں تم سے بقسم پوچھتا ہوں کہ تمہیں معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں جبل ثبیر پر تھے اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور میں تھا اتنے میں پہاڑ نے حرکت کی یہاں تک کہ اس کے پتھر نیچے کو گر پڑے تو آپؐ نے اس کے ایک ٹھوکر ماری اور فرمایا کہ ٹھہر جا اے ثبیر کہ تیرے اوپر ایک نبیؐ اور صدیقؓ اور دو شہید ہیں۔ لوگوں نے کہا آپ بجا فرماتے ہیں آپ نے فرمایا کہ اللہ اکبر قسم ربِ کعبہ کی ان لوگوں نے میری گواہی دی ہیں بیشک شہید ہوں۔ اور ایک شیخ ضنبہ میں سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کو جس وقت زخمی کیا اور خون آپ کی ریش مبارک پر بہتا تھا آپ اس وقت فرماتے تھے کہ لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین۔ الٰہی ان لوگوں کے ہاتھ سے میں تجھی سے انتقام کرتا ہوں اور اپنے سب کاموں میں تجھی سے مدد چاہتا ہوں اور جس امر میں تو نے مجھ کو مبتلا کیا ہے اس پر تجھی سے درخواست صبر کی کرتا ہوں۔

سیّدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کی وفات

اصبغ حنظلی کہتے ہیں کہ جب وہ رات ہوئی جس کی صبح کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ زخمی ہوئے ہیں تو آپ لیٹے ہوئے تھے۔ ابن تیاح فجر کے وقت آپ کے پاس آتے اور نماز فجر کے لیے عرض کیا آپ نے تاخیر کی اور لیٹے رہے دوبارہ وہ پھر آتے پھر آپ نے دیر کی جب تیسری بار آئے تو آپ اٹھ کر چلے اور ایک قطعہ پڑھتے تھے جس کا مضمون یہ ہے ؎

موت کی تیاری کر آئے گی وہ بیگمان   موت سے گھبراتے مت جب ہو تیری میہمان

جب آپ چھوٹے دروازے کے پاس پہنچے تو ابن ملجم خبیث نے آپ پر حملہ کر کے مار ڈالا۔ حضرت ام کلثوم آپ کی بیٹی باہر نکلیں اور کہنے لگیں کہ صبح کی نماز کو کیا ہوا ہے کہ میرے شوہر حضرت عمرؓ بھی اسی نماز میں شہید ہوئے اور میرے باپ بھی اسی نماز میں اور قریش کا ایک بوڑھا راوی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ابن ملجم ملعون نے زخمی کیا تو آپ نے فرمایا کہ قسم ہے رب کعبہ کی کہ میرا مطلب حاصل ہوا۔ اور حضرت محمد بن علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب آپ زخمی ہوئے تو اپنے لڑکوں کو وصیت کی اور پھر مرتے دم تک بجز لا الٰہ الا اللہ کے اور کچھ نہ بولے اور جب حضرت امام حسن علیہ السلام موت کے قریب پہنچے تو حضرت امام حسین علیہ السلام ان کے پاس آئے اور کہا کہ بھائی تم کیوں گھبراتے ہو تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور علی بن ابی طالب سے ملو گے وہ دونوں تمہارے باپ ہیں اور خدیجہ بنت خویلدؓ اور فاطمہ زہراؓ سے ملو گے وہ دونوں تمہاری ماں ہیں اور حمزہؓ اور جعفرؓ سے ملو گے وہ دونوں تمہارے چچا ہیں۔ حضرت حسن علیہ السلام نے فرمایا کہ بھائی میں ایسے معاملے سے ملوں گا کہ اس جیسے سے کبھی نہیں ملا

ت ا کوئی حاکم نہیں سوا تیرے تو بے عیب ہے میں تھا گنہگاروں سے ۱۲ع ۵ یعنی اس کو وقف کر دے ۱۲ع ۵ اصل میں شہدوا الی رب الکعبۃ ۳ فی الخبر

اور حضرت محمد بن حسین رضی فرماتے ہیں کہ جب لوگوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو آگھیرا تو آپ کو یقین ہوا کہ یہ لوگ مجھے مار ڈالیں گے تو اپنے یاروں میں کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا اور اللہ کی حمد و ثنا کر کے فرمایا کہ جو کچھ حال ہو رہا ہے تم دیکھتے ہو دنیا بدل گئی اور انجان ہو گئی سلوک نے منہ موڑ لیا۔ دنیا اتنی ہے جیسے پانی کی تری تو اب ایسی زندگی ناگوار سے مجھ کو موت ہی پسند ہے کیا دیکھتے نہیں کہ حق بات عنہ پر عمل اور باطل سے باز رہنا اسی لیے ہے کہ ایماندار خدا تعالیٰ سے ملنے کی رغبت کرے اور مجھ کو موت ہی سعادت معلوم ہوتی ہے اور ان ظالموں کے ساتھ زندگی محرومی جانتا ہوں۔

فصل ۵ موت کے وقت خلفاء ملی اور امراء کے اقوال

جب امیر معاویہ رضی کی وفات قریب ہوئی تو کہا کہ مجھ کو بٹھلا دو لوگوں نے بٹھلا دیا۔ آپ نے خدائے تعالیٰ کی تسبیح اور ذکر شروع کیا پھر روتے اور کہا اے معاویہ رضی بڑھاپے اور شکستگی کے وقت خدائے تعالیٰ کا ذکر سوجھا اس کا وقت تو جب تھا جب شاخ جوانی تر و تازہ تھی یہ کہہ کر اور زیادہ روتے تا آنکہ آواز رونے کی بلند ہوئی اور کہا کہ الٰہی اس بوڑھے کم بخت دل سخت پر رحم فرما۔ یا الٰہی لغزش سے درگذر اور خطا کو معاف کر اور اپنے حلم سے اس شخص کو اپنی طرف کھینچ لے جو تیرے سوا کسی کی توقع نہیں رکھتا نہ غیر پر اعتماد کرے۔ اور ایک بوڑھا شخص قریش میں سے بیان کرتا ہے کہ ان کی مرض موت میں لوگوں کے ساتھ میں بھی ان کے پاس گیا تھا۔ لوگوں نے ان کے بدن میں جھریاں دیکھیں انہوں نے حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ دنیا سب کی سب وہی ہے جو ہم آزما اور دیکھ چکے آگاہ ہو کہ ہماری تونگری اور عیش سے لذت یابی کے باعث دنیا کی رونق ہمارے سامنے ہوئی اور ابھی جمنے نہ پائی تھی کہ دنیا نے اس کو ہر ایک حال میں توڑ ڈالا ہے اور اسی کے بعد رسی کاٹ دی اب دنیا ایسی ہو گئی کہ ہم کو کھو کھنڈا پیچھے چھوڑ گئی اور ملامت کرنے لگی۔ تف ہے ایسے گھر پر اور تھوک ہے ایسی دنیا پر۔ اور روایت ہے کہ آخر خطبہ جو امیر معاویہ رضی نے پڑھا یہ تھا کہ لوگو جو کھیتی کرتا ہے سو کاٹتا ہے اور میں تمہارا حاکم تھا میرے بعد جو حاکم تم پر ہوگا وہ مجھ سے بُرا ہی ہوگا جیسے مجھ سے پیشتر کے حاکم مجھ سے بہتر تھے اور اے یزید جب میری موت ہو جائے تو مجھ کو کسی ہوشیار عاقل سے نہلوانا کہ عاقل خدائے تعالیٰ سے نزدیک مرتبہ پاتا ہے اس سے کہیو کہ غسل اچھی طرح دے اور اللہ اکبر پکار کر کہے پھر دیکھنا کہ خزانے میں ایک رومال ہے اس میں ایک کپڑا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں میں سے کچھ اور کچھ ریزے آپ کے بالوں کے اور ناخنوں کے رکھے ہیں تو ریزوں کو بیکہ میری ناک اور منہ اور کان اور آنکھ میں رکھنا اور کپڑے کو کفنوں کے اندر میرے بدن پر رکھ دینا اور اے یزید خدائے تعالیٰ کا حکم ماں باپ کے باب میں یاد رکھنا اور جب تم لوگ مجھ کو میرے نئے کپڑوں یعنی کفن میں لپیٹ چکو اور میری قبر میں رکھ چکو تو معاویہ کو اور ارحم الراحمین کو تنہا چھوڑ دینا۔ اور نہ

عنہ فی الاصل الاترون ان الحق لا یعمل بہ الخ اصل کا مطلب یہ ہے کہ موت اس لیے محبوب ہے کہ آج کل حق پر عمل نہیں کیا جاتا اور امر باطل سے باز نہیں رہتے اور مومن کو چاہیے کہ خدائے تعالیٰ سے ملنے کی رغبت کرے ۱۲ محمد مرتضیٰ عفی عنہ ۱۲

محمد بن عقبہؒ کہتے ہیں کہ جب امیر معاویہؓ پر موت آئی تو کہنے لگے کہ کیا خوب ہوتا کہ میں ایک شخص قریش کا بھو کا ہوتا اور امر خلافت میں سے کسی چیز کا مالک نہ ہوتا۔ اور جب عبدالملک بن مروان کی وفات قریب ہوئی تو ایک دھوبی کو دیکھا کہ دمشق کے اطراف میں کپڑے کو اپنے ہاتھ میں لپیٹ کر پتھرے پر مار رہا ہے۔ عبدالملک نے کہا کہ بخدا خوب ہوتا جو میں دھوبی ہوتا اور اپنے ہاتھ کی کمائی ہر روز کھایا کرتا اور معاملات دنیا میں سے کسی چیز کا والی نہ ہوتا۔ یہ بات ابوحازم نے سُنی اور فرمایا کہ خدا کا شکر ہے کہ اس نے ان حکام کو ایسا بنایا کہ اپنے مرنے کے وقت اس حال کی تمنا کرتے ہیں جس میں ہم ہیں اور ہم کو جب موت آتی ہے تو ہم ان کے احوال کی تمنا نہیں کرتے۔ اور کسی نے عبدالملک سے اس کے مرض موت میں پوچھا کہ تم اپنے آپ کو کیسا پاتے ہو اس نے کہا کہ میں ایسا پاتا ہوں جیسا خدا تعالیٰ فرماتا ہے ولقد جئتمونا فرادی کما خلقناکم اول مرۃ وترکتم ماخولناکم وراء ظھورکم[1] فاطمہ بنت عبدالملک جو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی بی بی تھیں کہتی ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اپنے مرض موت میں دعا مانگا کرتے کہ الٰہی میری موت کو لوگوں پر ظاہر مت کر گو دن میں سے ایک ہی گھڑی کے لیے ظاہر نہ ہو۔ پس جس روز کہ آپ کی وفات ہوئی میں ان کے پاس سے اُٹھ کر ایک اور گھر میں چلی گئی کہ مجھ میں اور آپ میں ایک دروازہ حائل تھا اور آپ اپنے ایک برج میں رہے میں نے سُنا کہ آپ نے یہ آیت پڑھی[2] تلک الدار الاخرۃ نجعلھا للذین لا یریدون علوا فی الارض ولا فسادا والعاقبۃ للمتقین پھر ساکت ہوئے جب مجھ کو نہ آپ کی آواز معلوم ہوئی نہ آہٹ تو میں نے آپ کے ایک غلام کو بھیجا کہ دیکھنا کیا سوتے ہیں جب وہ آپ کے پاس گیا تو چیخ ماری میں جھپٹی دیکھا تو آپ مر چکے ہیں۔ غرضکہ خدا تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول کی کہ کچھ دیر تک آپ کی موت ظاہر نہ ہوئی۔ اور ان کے مرنے سے پیشتر کسی نے سوال کیا کہ اے امیرالمومنین کچھ وصیت فرمائیے آپ نے فرمایا کہ میں تم کو اپنے اس حال سے ڈراتا ہوں کہ تم کو بھی ایک روز ایسا ہی ہوتا ہے۔ اور منقول ہے کہ جب آپ سخت بیمار ہوئے تو آپ کے واسطے ایک طبیب بلایا گیا اس نے آپ کا حال دیکھ کر کہا کہ آپ کو زہر دیا گیا ہے اور ان کی موت سے میں مامون نہیں اس نے پوچھا کہ اب زہر کا اثر معلوم بھی ہوا آپ نے فرمایا جب زہر میرے پیٹ میں پڑا تھا جبھی مجھ کو معلوم ہو گیا تھا۔ اس نے کہا کہ پھر آپ علاج کیجیے ورنہ مجھ کو خوف ہے کہ آپ کی جان جاتی رہے گی آپ نے فرمایا کہ جان میری پروردگار کے پاس جائے گی جو سب سے بہتر جانے کی جگہ ہے بخدا کہ اگر مجھ کو معلوم ہوتا کہ میری شفا میرے کان کی لو کے پاس ہے تو اپنا ہاتھ کان تک اُٹھا کر اس کو نہ لیتا۔ الٰہی عمرؒ کے لیے اپنی ملاقات میں خیر کر اس کے بعد آپ تھوڑے ہی دنوں میں راہی ملک بقا ہوتے اور روایت ہے کہ جب آپ کی موت قریب پہنچی تو رو دئیے کسی نے کہا کہ اے امیرالمومنین

---

[1] اور تم ہمارے پاس آئے ایک ایک جیسے ہم نے بنائے تھے پہلی بار اور چھوڑ دیا جو ہم نے اسباب دیا تھا پیٹھ کے پیچھے ۱۲

[2] وہ گھر پچھلا ہے ہم دیں گے وہ ان کو جو نہیں چاہتے چڑھنا ملک میں اور نہ بگاڑ ڈالنا اور آخر بھلا ہے ڈر والوں کا ۱۲

رونے کا کیا مقام ہے آپ کو مژدہ ہو کہ خدا تعالیٰ نے آپ کے باعث بہت سی سنتوں کو زندہ کیا اور عدل ظاہر فرمایا
آپ نے رو کر فرمایا کہ کیا میں میدان محشر میں کھڑا نہیں کیا جاؤں گا اور خلق کے باب میں پوچھا نہ جاؤں گا بخدا کہ اگر میں
بالکل عدل ہی کرتا جب بھی اپنے نفس سے خوف تھا کہ خدا تعالیٰ کے سامنے اپنی حجت پوری نہ کر سکے گا مگر یہ کہ خدا تعالیٰ
ہی اس کو تعلیم فرما دے اور اس صورت میں کہ اکثر عدل ہم سے تلف ہو گیا ہے تو اب نہایت خوف کا مقام ہے
یہ کہہ کر بہت روئے اور اس کے بعد بہت کم جیئے۔ اور منقول ہے کہ مرنے کے وقت آپ نے فرمایا کہ مجھ کو بٹھلا دو
لوگوں نے بٹھلا دیا۔ آپ نے فرمایا کہ الٰہی میں وہ ہوں کہ تو نے حکم کیا میں نے اس کی بجا آوری میں کوتاہی کی اور تو نے
منع کیا تو میں نے نہ مانا یہ جملے تین بار فرما کر کہا کہ لیکن لا الٰہ الا اللہ یعنی توحید میں میں نے کوتاہی نہیں کی پھر آپ
نے سر اٹھا کر تیز نگاہ سے دیکھا لوگوں نے جو سبب پوچھا آپ نے فرمایا کہ میں کچھ لوگ موجود دیکھتا ہوں نہ وہ آدمی ہیں
نہ جن، پھر آپ کی وفات ہوئی رحمہ اللہ تعالیٰ۔ اور خلیفہ ہارون الرشید کے حال میں لکھتے ہیں کہ انہوں نے مرنے کے
وقت اپنا کفن اپنے ہاتھ سے چھانٹ لیا تھا اور اس کو دیکھ کر کہتے تھے[ع] ما اغنیٰ عنی مالیه هلك عنی سلطانیه
اور مامون نے راکھ بچھا کر اس پر لیٹ رہے اور کہتے تھے اے وہ شخص جس کی سلطنت کبھی نہ جاوے گی تو اس شخص پر
رحم کر جس کا ملک جاتا رہا۔ اور معتصم باللہ اپنی موت کے وقت کہتے تھے کہ اگر میں یہ جانتا کہ میری عمر تھوڑی ہے تو جو
کچھ میں نے کیا ہرگز نہ کرتا اور منتصر اپنی موت کے وقت بہت مضطرب تھے لوگوں نے کہا کہ آپ کو کچھ خطرہ نہیں
گھبرائیے نہیں کہا کہ اتنا ہی ہے کہ دنیا گئی اور آخرت آپہنچی۔ اور عمرو بن عاص نے اپنے بیٹوں سے موت کے وقت
صندوقوں کو دیکھ کر کہا کہ ان کو مع ان کی اندر کی چیز کے کون لے گا کاش ان میں مینگنیاں ہوتیں۔ اور حجاج بن یوسف
نے مرتے دم کہا کہ الٰہی تو میری مغفرت فرما کہ یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ تو میری مغفرت نہیں کرے گا۔ حضرت عمر بن عبد العزیز
کو حجاج کی یہ تقریر اچھی معلوم ہوا کرتی تھی اور اس پر غبطہ کیا کرتے تھے۔ اور جب یہ حال حضرت حسن بصریؒ سے کہا گیا تو آپ
نے کہا کہ کیا حجاج نے یوں ہی کہا تھا لوگوں نے کہا ہاں آپ نے فرمایا تو کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے حال پر رحم کرے۔

اب اقوال خاص لوگوں کے صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین اور اہل تصوف رضی اللہ عنہم اجمعین کے لکھے جاتے
ہیں۔ حضرت معاذؓ کی وفات قریب ہوئی تو فرمایا کہ الٰہی میں تجھ سے ڈرا کرتا تھا اور تجھ سے توقع کرتا ہوں الٰہی تو
جانتا ہے کہ میں دنیا کو اور اس میں بہت جینے کو اس لیے پسند نہیں کرتا تھا کہ نہریں جاری کروں یا درخت لگاؤں
بلکہ گرمیوں کے دوپہر میں پیاسا رہنے اور زمانے کی آفات سہنے اور ذکر کے حلقوں میں دو زانو علماء کے پاس بیٹھنے کے
لیے پسند کرتا تھا اور جب آپ پر جان کنی کی شدت ہوئی اور ایسی سختی ہوئی کہ اور کسی پر نہ ہوئی تھی تو جب آپ بیہوشی
سے افاقہ پاتے تھے اپنی آنکھ کھول دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ الٰہی تو جتنا چاہے میرا گلا گھونٹ لے قسم ہے تیری
عزت کی کہ میرا دل تجھ سے محبت رکھتا ہے۔ اور جب حضرت سلمانؓ فارسی نے سفر آخرت کی تیاری فرمائی تو روتے
لوگوں نے سبب گریہ پوچھا آپ نے فرمایا کہ میں کچھ دنیا پر اضطراب کی راہ سے نہیں روتا بلکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ
وسلم سے ہم نے اقرار لیا تھا کہ مقدار زاد دنیا میں ہم میں سے کسی کے لیے اتنا ہو جتنا مسافر کا توشہ ہوتا ہے۔ جب

۱؎ احمد و حاکم ۱۲ ع کچھ کام نہ آیا مجھ کو میرا مال کھپ گئی مجھ سے حکومت میری

آپ کی وفات ہوئی تو جتنا کچھ چھوڑا تھا اس کو جو دیکھا گیا تو کل کی قیمت چند اوپر دس درم یعنی چار روپیہ کے قریب تھی اور جب حضرت بلال رضؓ کے کان میں موت کی اذان کی آواز پہنچی تو ان کی بی بی نے کہا کہ ہائے کیسا غم ہے انہوں نے فرمایا کہ نہیں بلکہ واہ کیسی خوشی ہے کہ کل کو ہم اپنے دوستوں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی جماعت سے ملیں گے اور منقول ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارک مرنے کے وقت آنکھیں کھول کر ہنس پڑے اور فرمایا لمثل ھذا فلیعمل العاملون[1] اور حضرت ابراہیم نخعیؒ کو جب موت قریب ہوئی تو روئے لوگوں نے رونے کا سبب پوچھا آپ نے فرمایا کہ میں خدا تعالیٰ کے ایلچی کا منتظر ہوں کہ مجھ کو بشارت جنت کی دیتا ہے یا دوزخ کی اور جب ابن منذرؒ کی وفات قریب ہوئی تو روئے اور ان سے گریہ کا سبب پوچھا گیا فرمایا کہ میں ایسے کسی گناہ کے لیے نہیں روتا کہ مجھ کو اس کے ارتکاب کا یقین ہو بلکہ یہ خوف ہے کہ کہیں میں نے کوئی کام کیا ہو اپنی دانست میں اس کو ہلکا سمجھا ہو اور وہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک بڑا ہو۔ اور عامر بن عبدالقیس کی جب وفات پہنچی تو روئے پوچھا گیا کہ کیوں روتے ہو فرمایا کہ نہ میں موت سے گھبرا کر روتا ہوں نہ دنیا پر حریص ہو کر بلکہ جو چیز کہ اب مجھے چھوٹ جائے گی یعنی دوپہر کی پیاس اور جاڑوں کی رات کو جاگنا اس کے لیے روتا ہوں۔ اور جب حضرت فضیلؒ کی وفات پہنچی تو بے ہوش ہو گئے پھر آنکھیں کھول کر فرمایا کہ افسوس اتنا بڑا سفر اور اتنا تھوڑا توشہ۔ اور جب حضرت عبداللہ بن مبارک کی موت قریب ہوئی اپنے غلام نصر سے فرمایا کہ میرا سر مٹی پر رکھ دے نصر رونے لگا آپ نے پوچھا کہ تو کیوں روتا ہے اس نے کہا کہ مجھ کو آپ کی آسائش اور عیش یاد آتی ہے اب آپ فقیر اور محتاج ہو کر مرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ چپ رہ میں نے خدائے تعالیٰ سے درخواست کی کہ زندگانی میری تونگروں کی سی کرے اور موت فقیروں کی سی عنایت فرما دے پھر فرمایا کہ میرے سامنے تلقین کے لیے کلمہ پڑھنا۔ مگر جب تک میری زبان سے دوسری بات نہ نکلے تب تک دوسری بار مت کہنا اور عطا بن یسارؒ کہتے ہیں کہ ایک شخص کے سامنے شیطان مرنے کے وقت ظاہر ہوا اور اس سے کہا کہ بچ گئے۔ اس نے جواب دیا کہ میں ابھی تک تجھ سے مامون نہیں۔ اور بعض اکابر موت کے وقت روئے لوگوں نے موجب پوچھا فرمایا کہ ایک آیت کلام مجید کی رلاتی ہے انما یتقبل اللہ من المتقین[2] اور حضرت حسنؒ ایک شخص کے پاس تشریف لے گئے کہ نزع کے حال میں تھا۔ فرمایا کہ جس کام کی ابتدا یہ ہو اس کی انتہا سے ڈرنا چاہیئے اور جس کی انتہا یہ ہو اس کی ابتدا کو ترک کرنا زیبا ہے اور جریریؒ کہتے ہیں کہ حضرت جنیدؒ کی نزع کے وقت میں ان کے پاس تھا وہ دن جمعہ کا اور نوروز سال تھا آپ کلام اللہ پڑھتے تھے اور اسی حالت میں ختم کر لیا۔ میں نے عرض کیا کہ اس حالت میں آپ نے ختم کیا آپ نے فرمایا کہ میرے شروع کیے ہوئے کو پورا کرنے کا مستحق مجھ سے زیادہ اور کون تھا کہ اس وقت میرے نامۂ اعمال تہ ہوتے ہیں۔ اور رویم کہتے ہیں کہ میں حضرت ابو سعید خراز کی وفات کے وقت موجود تھا۔ وہ چند اشعار پڑھ رہے تھے جن کا ترجمہ یہ ہے ؎

---

[1] ایسی چیزوں کے واسطے چاہیے محنت کریں محنت کرنے والے ۱۲ [2] اللہ قبول کرتا ہے سو پرہیزگاروں سے ۱۲

ذکر کا ہے عارفوں کے دل کو ہر دم اشتیاق — اور مناجاتوں میں ان کو راز کی ہے قیل و قال
فکر ان کی ایسے میدان میں کرے جولانیاں — ہو محبوں کا جہاں روشن ستاروں کا سا حال
پیتے ہی جام فناہ وہ بھول دنیا کو گئے — نشے میں متوالے جیسے جاتے ہیں سب بھول بھال
تن تو ہیں ان کے زمین پر کشتہ اس کے عشق سے — پردہ ہائے غیب میں اوپر کو ہے روحوں کی چال
دم نہیں لیتے مگر جس جا سے ہو نزدیک دوست — کچھ ضرر ہی کیوں نہ ہو ان کو نہیں ہوتا ملال

اور حضرت جنیدؒ سے جو کہا گیا کہ ابو سعید خرازؒ پر مرنے کے وقت حال بہت تھا آپ نے فرمایا کہ اگر ان کی روح اشتیاق ہی کے مارے اڑ جاتی تو کچھ عجب نہ تھا۔ اور حضرت ذوالنون مصریؒ سے کہا گیا کہ آپ کیا چاہتے ہیں فرمایا کہ یہ تمنا ہے کہ مرنے سے ایک لحظہ پہلے اس کو پہچان لوں۔ اور کسی بزرگ سے نزع کے وقت کہا گیا کہ کہو اللہ اس نے کہا کہ تم کب تک کہے جاؤ گے میں تو اسی اسم ذات سے چلا جاتا ہوں اور بعض اکابر کہتے ہیں کہ میں ممشاد دینوری کی خدمت میں تھا کہ اتنے میں ایک فقیر آیا اور السلام علیکم کہہ کر پوچھا کہ یہاں کوئی صاف و شستہ جگہ ہے جس میں آدمی مر سکے لوگوں نے اس کو ایک جگہ بتائی کہ پانی کے کنارے پر تھی اس فقیر نے تازہ وضو کیا اور کچھ رکعتیں پڑھیں، بعد اس کے اس جگہ میں گیا اور پاؤں پھیلا کر مر گیا۔ اور ابو العباسؒ دینوریؒ اپنی مجلس میں کچھ فرما رہے تھے کہ ایک عورت کو حال آیا اور چیخ ماری آپ نے اس کو فرمایا کہ مر جا وہ عورت اٹھی اور دروازے تک پہنچ کر آپ کی طرف مڑ کر دیکھا اور کہا کہ لو میں مر گئی اور مردہ ہو کر گر پڑی۔ اور فاطمہ ہمشیرہ ابو علی رودباری کی فرماتی ہیں کہ جب میرے بھائی کی موت قریب ہوئی تو ان کا سر میری گود میں تھا۔ انہوں نے آنکھیں کھول کر فرمایا کہ یہ آسمان کے دروازے کھل گئے اور جنتیں آراستہ ہوئیں اور یہ ایک کہنے والا کہ اے ابو علی ہم نے تجھ کو غایت مرتبہ پر پہنچا دیا اگرچہ تیرا ارادہ نہ ہو۔ پھر آپ نے ایک قطعہ پڑھا جس کا مضمون یہ ہے قطعہ:

چشم الفت میں نہ ڈالوں گا کسی پر بخدا — جب تلک نہ مجھ کو دکھلاوے گا تو اپنا جمال
چشم بیمار سے دیتا ہے تو تکلف مجھے — رخ جو گلگوں ہے حیا سے وہ مجھی پر ہے حلال

اور حضرت جنیدؒ سے کہا گیا کہ لا الٰہ الا اللہ کہو آپ نے فرمایا کہ میں اس کو بھولا تھوڑا ہی ہوں جو یاد کروں۔ اور جعفر بن نصیر نے بکران دینوری حضرت شبلیؒ کے خادم سے پوچھا کہ ان کے مرنے کے وقت تم نے کیا حال دیکھا بکران نے کہا کہ حضرت شبلیؒ نے فرمایا کہ میرے اوپر ایک شخص کا ایک درہم ہے جو ظلماً اس سے میرے پاس آیا تھا۔ ہر چند میں نے اس شخص کی طرف سے ہزاروں صدقے دے ڈالے ہیں مگر میرے دل پر اس سے بڑھ کر کوئی شغل نہیں۔ پھر فرمایا کہ نماز کے لیے مجھ کو وضو کرا دے میں نے وضو کرایا اور داڑھی کا خلال بھول گیا۔ آپ کی زبان بند تھی میرا ہاتھ پکڑ کر داڑھی میں دے دیا پھر وفات پائی جعفر روئے اور کہا کہ ایسے شخص کے باب میں تم کیا کہتے ہو کہ آخر عمر میں بھی ان سے ایک

مستحب شریعت کا چھوٹنے نہ پایا۔ اور بشر بن الحارثؒ سے مرنے کے وقت کہا گیا اس وقت کہ آپ کو سختی بہت تھی کہ تم کو زندگی محبوب ہے جو موت سے ایسے چین بجبین ہوا انہوں نے فرمایا کہ نہیں بلکہ خدائے تعالیٰ کے پاس جانا بہت مشکل کام ہے۔ اور صالح بن مسمار سے کسی نے کہا کہ تم اپنے بیٹے اور کنبے کے باب میں کچھ وصیت کر جاؤ انہوں نے کہا کہ مجھے خدائے تعالیٰ سے شرم آتی ہے کہ ان کے باب میں کسی اور کو وصیت کروں اور جب حضرت ابو سلیمان درانی کو حالت نزع ہوئی تو ان کے یاران طریقت ان کے پاس آئے اور کہا کہ مژدہ ہو کہ آپ رب غفور رحیم کے پاس جاتے ہیں آپ نے فرمایا کہ یوں کیوں نہیں کہتے کہ ڈرو اس لیے کہ اب ایسے پروردگار کے سامنے جاتے ہو کہ چھوٹے گناہوں کا حساب لے گا اور بڑے گناہوں پر عذاب دے گا۔ اور جب ابوبکر واسطیؒ کی جان نکلنے لگی لوگوں نے کہا کہ ہم کو کچھ وصیت کرو آپ نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ کا مقصود جو تم سے ہے اس کا لحاظ رکھو۔ اور کسی بزرگ کو نزع شروع ہوا تو ان کی بی بی رونے لگی پوچھا کہ کیوں روتی ہے اس نے کہا کہ تمہارے اوپر روتی ہوں انہوں نے کہا کہ اگر رونا ہے تو اپنے نفس پر رو میں تو اس دن کے لیے چالیس برس رو چکا ہوں۔ اور حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ میں سری سقطیؒ کی عیادت کو ان کے مرض موت میں گیا اور پوچھا کہ کیا حال ہے آپ نے اس مضمون کا شعر پڑھا ؎

چگونہ شکوہ حالم کنم بنزد طبیب	کہ آنچہ برمن مسکین رسیدہ است از وست

میں نے پنکھا لے کر چاہا کہ آپ پر ہوا کروں۔ آپ نے فرمایا کہ پنکھے کی ہوا اس شخص کو کیسے معلوم ہو گی جس کا دل جل رہا ہو پھر کچھ شعر پڑھے جن کا مطلب یہ تھا۔ اشعار:

آنکھ سے آنسو چلے آتے ہیں دل میں آگ ہے	کرب تو ہے پاس میرے صبر ہے مجھ سے بعید
کیسے راحت ہو اُسے جس کو کہ ہوئے اضطراب	شوق سے ہو ناک میں دم اور قلق ہووے مزید
یا الٰہی گر کشائش ہے کسی شی میں میری	جب تلک مجھ میں رمق ہے کر اسے مجھ پہ پدید

اور روایت ہے کہ کچھ لوگ حضرت شبلیؒ کے یاروں میں موت کے وقت ان کے پاس گئے اور کہا کہو لا الٰہ الا اللہ انہوں نے یہ قطعہ پڑھا ؎

جس گھر میں کہ تو مقیم ہووے	وہاں شمع کی کچھ نہیں ہے حاجت
بس ہے ہمیں تیری ذات مامون	جس دن کریں پیش لوگ حجت
اس حال سے چاہوں گر کشائش	وہ نہ کرے دن خدا عنایت

اور روایت ہے کہ ابوالعباس بن عطاء حضرت جنید کے پاس ان کے نزع کے وقت گئے اور سلام کیا انہوں نے اس وقت جواب نہ دیا تھوڑی دیر کے بعد جواب دیا اور فرمایا کہ مجھ کو معذور رکھو کہ میں اپنے وظیفے میں مشغول تھا پھر کعبہ کی طرف منہ پھیر کر اللہ اکبر کہا اور رخصت ہوئے اور کتانی سے کسی نے مرتے وقت کہا کہ آپ کیا کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ اگر میری موت نزدیک نہ ہوتی تو میں ہرگز نہ بتلاتا میں اپنے دل کے دروازے پر چالیس برس کھڑا رہا جب اس میں غیر اللہ آتا تو میں اس کو اس کے پاس سے ہٹا دیتا۔ اور معمرؒ کہتے ہیں کہ جب حکم بن عبدالملک کو موت آئی تو میں

بھی وہاں موجود تھا میں نے کہا کہ الٰہی تو اس شخص پر موت کی سختیوں کو آسان فرما کہ شخص چنیں اور چناں تھا اس کی بہت سی خوبیاں بیان کیں۔ ان کو جو ہوش آیا تو پوچھا کہ کون بولتا تھا میں نے کہا میں، فرمایا کہ ملک الموت مجھ سے کہتے ہیں کہ میں ہر سخی پر نرمی کرتا ہوں یہ کہہ کر چل بسے اور جب یوسف بن اسباط رحمۃ اللہ علیہ کی وفات قریب ہوئی تو حضرت حذیفہ رحمۃ اللہ علیہ ان کے پاس گئے دیکھا تو قلق اور اضطراب بہت ہے پوچھا کہ ابو محمد یہ وقت گھبرانے کا ہے انہوں نے فرمایا کہ میں کیسے نہ گھبراؤں کہ میں یقیناً جانتا ہوں کہ اپنے کسی عمل میں میں نے خدائے تعالیٰ کی تصدیق نہیں کی، اور معافی کہتے ہیں کہ میں اس جماعت والوں میں سے ایک بوڑھے کے پاس گیا جو مرض موت میں تھا اس کو سنا کہ کہتا تھا کہ الٰہی تجھ سے سب کچھ کرنا ممکن ہے تو میرے حال پر رحم فرما۔ اور بعض اکابر ممشاد دینوری کے پاس نزع کی حالت میں گئے اور ان کے واسطے دعا کی خدائے تعالیٰ آپ کے ساتھ ایسا ویسا سلوک فرماوے وہ ہنس پڑے۔ پھر فرمایا کہ تیس برس سے جنت مع اس کے اندر کی چیزوں کے میرے سامنے کی جاتی ہے۔ میں نے نظر بھر کے بھی اس کو نہیں دیکھا۔ اور رویمؒ سے مرتے دم کہا گیا کہ کہو لا الٰہ الا اللہ انہوں نے کہا میں اس سے بہتر اور کوئی چیز نہیں کہہ سکتا اور جب سفیان ثوریؒ کی وفات آئی تو ان سے کہا گیا کہو لا الٰہ الا اللہ انہوں نے فرمایا کہ کیا وہاں کوئی اور بات نہیں۔ اور مزنیؒ حضرت امام شافعیؒ کی مرض موت میں ان کے پاس گئے اور پوچھا کہ کیسے صبح کی فرمایا کہ اس طرح صبح کی دنیا سے رحلت کرتا ہوں اور بھائیوں سے مفارقت اور اپنے اعمال بد سے ملاقات کرتا ہوں اور جام موت کو پیتا ہوں اور خدائے تعالیٰ کے پاس جاتا ہوں اور یہ معلوم نہیں کہ میری روح جنت میں جاوے گی کہ اس کی تہنیت اس کو دوں یا دوزخ میں جاوے گی کہ ماتم پرسی کروں پھر یہ اشعار پڑھے ؎

سخت جب میرا ہو دل اور ہو گئیں سب راہیں بند	کر دیا اپنی رجا کو زینہ تیرے عفو کا
اپنے جرموں کو بڑا سمجھا تھا میں پر جب کیا	عفو کے تیرے مقابل عفو ہی اعظم رہا
تو ہمیشہ مغفرت کرتا ہے بندوں کے گناہ	اپنے جود و عفو و احسان و کرم سے اے خدا
گر نہ ہوتا تو تو عابد کو تھا ڈر نہ ابلیس کا	اب تو تیرے ہی صفی آدم کو اس نے چھل دیا

اور جب احمد بن خضرویہ پر نزع کا عالم ہوا تو کسی نے ایک مسئلہ پوچھا ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا کہ بیٹا ایک دروازے کو میں پچانوے برس کھٹکھٹاتا رہا تھا وہ اب کھلے گا مجھے معلوم نہیں کہ سعادت پر کھلے گا یا میری بدبختی پر تو مجھے جواب کی مہلت کہاں ہے۔ یہ ہیں صلحاء کے اقوال اور جیسے ان لوگوں کے حال مختلف تھے ویسے ہی اقوال بھی مختلف ہیں۔ بعضوں پر خوف غالب تھا اور بعضوں پر رجا اور بعضوں پر شوق اور محبت، پس ہر ایک نے اپنے مقتضائے حال کے موافق گفتگو کی ہے اور سب کے اقوال ان کے حالات کی نسبت کر درست و بجا ہیں۔

؎ فی الاصل لیس الی ثمہ امر یعنی وہاں مجھے کچھ اختیار نہیں ہے اس مصرع کا یہ ہے کہ میں بالکلیہ قبضۂ قدرت میں ہوں میں تو سر تا پا اسی کا ہو رہا ہوں دوسری کوئی بات ہی باقی نہیں ہے ۱۲

فصل ۶ جنازوں اور قبرستانوں میں عارفین کے اقوال

جنازہ سے عبرت پکڑنا

واضح ہو کہ عاقل کے لیے جنازہ بھی عبرت اور تنبیہ کی چیز ہے اور غفلت والوں کو اس کے دیکھنے سے بجز دل کی سختی کے اور کچھ نہیں بڑھتا اس لیے کہ ان کو گمان ہے کہ ہم ہمیشہ اوروں ہی کے جنازے دیکھیں گے یہ نہیں جانتے کہ ہم بھی بیشک چارپائی پر اُٹھاتے جائیں گے۔ یہ ان کا صرف وہم ہی ہے چند روز بعد کچھ نہ بن پڑے گا اور یہ نہیں سوچتے کہ جتنے چارپائی پر اُٹھائے جاتے ہیں سب یہی جانا کرتے تھے مگر ان کا خیال باطل نکلا اور جلد ہی ان کی مدت پوری ہو گئی۔ پس ہر ایک شخص کو چاہیے کہ جب جنازہ دیکھے تو اپنے آپ کو فرض کرے کہ اس میں میں ہوں اس لیے کہ آخر عنقریب یوں ہی ہونا ہے۔ شاید دوسرے یا تیسرے دن ہو۔ اور روایت ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ جب جنازہ دیکھتے تو فرماتے کہ چلو ہم بھی تمہارے پیچھے ہیں۔ اور مکحول دمشقی جب جنازہ دیکھتے تو کہتے کہ تم صبح کو جاتے ہو تو ہم شام کو جائیں گے نصیحت کامل ہے اور غفلت جلد آتی ہے پہلا جاتا ہے اور پچھلے کو عقل نہیں اور اسید بن حضیرؒ کہتے ہیں کہ میں کسی جنازے پر ایسی طرح نہیں گیا کہ میرے جی میں اس کے سوا کچھ اور گذرا ہو کہ اس مردے کے ساتھ کیا معاملہ ہوا اور اس کا انجام کیا ہوتا ہے اور جبکہ مالک بن دینارؒ کے بھائی کا انتقال ہوا تو وہ اس کے جنازے کے ساتھ نکلے اور رو کر کہتے تھے کہ بخدا میری آنکھ ٹھنڈی نہ ہو گی جب تک یہ نہ جانوں گا کہ تیرا مآل کہاں ہوا اور یہ بات زندگی بھر نہ جانوں گا۔ اور اعمش کہتے ہیں کہ ہم جنازوں پر حاضر ہوتے تھے اور یہ نہ جانتے تھے کہ تعزیت کس شخص سے کریں اس لیے کہ سب کو غم یکساں ہوتا تھا۔ اور ثابت بنانیؒ کہتے ہیں کہ ہم جنازوں میں شریک ہوتے تھے تو بجز منہ ڈھانپ رونے والوں کے اور کسی کو نہیں دیکھتے غرضکہ اکابر کا دستور موت سے ڈرنے کا اس طرح تھا۔ اب معاملہ برعکس ہے جو لوگ جنازے کے ساتھ ہوتے ہیں وہ اکثر ہنستے ہیں اور کھیلتے ہیں اور گفتگو کرتے ہیں تو اس کی میراث ہی کی کرتے ہیں کہ وارثوں کے لیے یہ چھوڑا اور جو مردے کے ہمسر اور قریب ہوتے ہیں وہ بھی یہی سوچتے ہیں کہ کس طرح سے کچھ ترکہ ہم کو بھی پہنچے۔ کسی کو فکر یہ نہیں ہوتی کہ جب ہمارا جنازہ اُٹھے گا تو خدائے تعالیٰ کو کیا منظور ہو گا۔ ہماری نوبت کیسے کرے گا اور اس غفلت کا سبب بجز دل کی سختی کے اور کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ گناہ کثرت سے کرتے کرتے دل ہمارے کڑے ہو گئے یہاں تک کہ خدائے تعالیٰ کو اور قیامت کے دن کو اور آخرت کے خوفوں کو جو ہمارے سامنے ہیں بھول گئے بس کھیل اور غفلت میں پڑ گئے اور ایسی چیزوں میں لگے جو ہمارے کام نہ آویں۔ خدائے تعالیٰ سے التجا ہے کہ وہ ہم کو اس خواب غفلت سے جگاوے۔ سب سے بہتر جنازے کے شریکوں کا یہ حال ہوتا ہے کہ میت پر روویں لیکن اگر عاقل ہوں تو میت کی جگہ اپنے حال پر رونا

عہ ظاہر لفظ نوری ہے جس سے ابوالحسن مراد ہیں ۱۲

چاہیے کہ میت پر رونے کی نسبت کر اپنے حال پر رونا مناسب تر ہے۔ ابراہیم زیتون فروش نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ میت کا مرثیہ کہہ رہے ہیں فرمایا کہ تم اگر اپنے احوال پر روؤ تو تمہارے لیے بہتر ہو اس لیے کہ وہ شخص تین خوفوں سے بچ چکا ہے ایک ملک الموت کی صورت اس نے دیکھ لی دوسرے موت کی تلخی اس نے چکھ لی تیسرے خاتمے کا خوف اس سے بھی وہ بے خوف ہو چکا اور تم کو یہ سب باقی ہیں۔ اور ابو عمرو بن العلا کہتے ہیں کہ میں جریر کے پاس بیٹھا تھا اور وہ اپنے کاتب سے اپنا شعر بنا کر لکھوا رہے تھے کہ اتنے میں ایک جنازہ آیا فرمایا کہ مجھ کو تو ان جنازوں نے بوڑھا کر دیا پھر یہ قطعہ پڑھا قطعہ ؎

سامنے آتے جنازے ہیں تو ہم ڈرتے ہیں — لہو میں پڑتے ہیں پر آنکھ سے ہوں جب اوجھل
دیکھ جوں بھیڑیے کو بکریاں ڈر جاتی ہیں — اس کے جاتے ہی مگر کرتی ہیں پھر کودا چھل

اور جنازے میں شریک ہونے کے آداب یہ ہیں کہ فکر کرنا اور غفلت سے ہوشیار ہونا اور موت کی تیاری کرنی اور تواضع کی ہیئت پر اس کے آگے چلنا۔ چنانچہ تمام آداب اور سنن ہم فقہ کے بیان میں لکھ آئے ہیں اور ایک اس کے آداب میں سے یہ ہے کہ میت پر حسن ظن کرنا اگرچہ فاسق ہو اور اپنے نفس سے بدگمان رہنا گو ظاہر میں نیک ہو اس لیے کہ خاتمے کا حال پر خطر ہے اس کی حقیقت معلوم نہیں۔ اور اسی واسطے عمرو بن ذر سے منقول ہے کہ کوئی شخص ان کے ہمسائے میں سے مر گیا تھا اور وہ گناہ بہت کرتا تھا تو بہت سے آدمیوں نے اس کے جنازے سے پہلو تہی کی۔ عمرو بن ذر گئے اور اس کی نماز پڑھی۔ جب وہ قبر میں رکھا گیا تو اس کی قبر پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ اے فلاں تجھ پر خدائے تعالیٰ رحم کرے تو اپنی عمر بھر توحید کے ساتھ رہا اور اپنے ماتھے کو سجدوں سے گرد آلود کیا اور جو لوگ کہتے ہیں کہ گنہ گار یا خطا کار ہے تو ہم میں سے کون ایسا ہے جس نے گناہ نہ کیا ہو اور خطاوار نہ ہو۔ اور نقل ہے کہ ایک شخص جو نہایت درجہ کا فسادی تھا اطراف بصرہ میں گیا اس کی عورت کو کوئی نہ ملا جو جنازے پر مدد کرتا اسلیے کہ کثرت فسق کے باعث کوئی گرد نہ پھٹکا اس نے پلہ داروں کو اجرت دے کر جنازہ اٹھوایا اور نماز کی جگہ لے گئے تو کسی نے اس کی نماز نہ پڑھی۔ وہ جنازے کو جنگل میں دفن کرنے کے لیے گئے۔ وہاں سے قریب ایک پہاڑ پر ایک بڑا زاہد رہتا تھا۔ عورت نے اس کو دیکھا کہ گویا جنازے کا منتظر ہے۔ جنازہ جب پہنچا تو زاہد نے اس کی نماز پڑھنی چاہی۔ شہر میں شہرہ ہوا کہ فلاں زاہد پہاڑ پر سے فلاں شخص کی نماز کو اترا ہے۔ پس شہر والے نکلے اور زاہد کے ساتھ نماز میں شریک ہوتے مگر متعجب تھے کہ زاہد نے نماز کیسے پڑھی۔ اس سے جب پوچھا تو کہا کہ مجھ کو خواب میں کسی نے کہا کہ فلاں جگہ اتر کر جا وہاں تجھ کو ایک جنازہ ملے گا کہ اس کے ساتھ بجز اس کی بی بی کے اور کوئی نہیں اس کے اوپر نماز پڑھ کہ وہ شخص بخشا گیا ہے۔ اس سے لوگوں کا تعجب اور بھی زیادہ ہوا۔ زاہد نے اس میت کی بی بی کو بلا کر اس شخص کا حال اور اس کی عادت پوچھی۔ اس نے کہا کہ سیرت اس کی مشہور ہے دن بھر شراب خانے میں شراب پیا کرتا ہے۔ زاہد نے کہا کہ تامل کر کے کہہ کچھ اس کے اعمال خیر سے بھی تجھے معلوم ہے اس نے کہا کہ ہاں تین باتیں تھیں۔ اول یہ کہ ہر روز صبح کے وقت نشہ سے افاقہ ہوتا تو کپڑے بدل کر وضو کرتا اور نماز صبح جماعت میں پڑھتا

پھر میخانہ میں جاکر فسق میں مشغول ہونا۔ دوسرے یہ کہ کبھی اس کا گھر یتیم سے خالی نہیں رہتا تھا ایک دو ہمیشہ رہتے تھے۔ اپنی اولاد کی نسبت کر ان کے ساتھ زیادہ سلوک کرتا تھا اور ان کے حال کا نہایت جویا رہتا تھا۔ تیسرے یہ کہ جب رات کو اس کا نشہ ہلکا ہوتا تو اندھیری رات میں روتا اور کہتا کہ الٰہی تو دوزخ کا کونسا گوشہ مجھ ناپاک سے بھرنا چاہتا ہے۔ زاہد کا شک یہ سن کر دور ہوا اور اپنے مقام کو لوٹ گیا۔ اور صلۃ بن اشیم سے مروی ہے کہ اس کا کوئی بھائی مدفون ہوا تو اس نے اس کی قبر پر یہ شعر پڑھا شعر:

گر قبر سے بچا تو بڑی بات سے بچا ۔۔۔ ورنہ مجھے یقین نہیں تیری نجات کا

قبر کے احوال اور لوگوں کے اقوال

ضحاک[۱] سے مروی ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ لوگوں میں سے زاہد تر کون ہے آپ نے فرمایا کہ جو قبر کو اور اپنے گلنے کو نہ بھولے اور زینت دنیا کی زیادتی کو ترک کرے اور باقی چیز کو فانی پر ترجیح دے اور روز آئندہ کو اپنی زندگی میں شمار نہ کرے اور اپنے نفس کو مردوں میں گنے۔ اور حضرت علی رضہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کا کیا حال ہے کہ قبرستان میں بیٹھے رہتے ہیں آپ نے فرمایا کہ میں نے ان لوگوں کو عمدہ ہمسایہ پایا میں ان کو سچے ہمسائے جانتا ہوں کہ زبان کو روکے ہیں اور آخرت کو یاد دلاتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ[۱] ما رایت منظرا الا والقبر اقطع منه اور حضرت عمر بن الخطابؓ فرماتے ہیں کہ ہم ہمراہ رکاب جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے گورستان[۲] میں گئے آپ ایک قبر پر بیٹھے اور روتے ہیں اور میں لوگوں کی نسبت کہ آپ سے قریب تر تھا میں بھی آپ کو دیکھ کر رویا اور لوگ بھی روتے آپ نے ہم سے پوچھا کہ تم کیوں روتے ہو ہم نے عرض کیا کہ آپ کے رونے کے باعث ہم روتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ قبر میری ماں آمنہ بنت وہب کی ہے میں نے خدائے تعالیٰ سے اذن مانگا تھا کہ زیارت ان کی کروں مجھ کو اجازت دے دی پھر میں نے ان کی مغفرت کے لیے دعا کی تو خدائے تعالیٰ نے نامنظور فرمائی تو مجھ کو وہی رقت ہوئی جو اولاد کو ہوا کرتی ہے۔ اور حضرت عثمان رضہ جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو اتنا روتے کہ ڈاڑھی بھیگ جاتی۔ کسی نے پوچھا کہ آپ جنت اور دوزخ کے بیان کے وقت نہیں روتے اور جب قبر پر کھڑے ہوتے ہیں تو روتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سے اول منزل ہے اگر اس سے مردہ بچ گیا تو اور منزلیں اس سے آسان ہیں اور اگر اس سے نجات نہ پائی تو بعد کی منزلیں اور بھی کڑی ہیں۔ اور روایت ہے کہ عمرو بن العاصؓ نے ایک قبرستان کو دیکھا اور اتر کر دو رکعت نماز پڑھی لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے یہ ایسی بات کی ہے کہ کبھی نہیں کی تھی۔ فرمایا کہ میں نے قبر والوں کو اور اس چیز کو جو ان میں اور خدائے تعالیٰ میں حائل ہو گئی یاد کیا تو اس کو

ح ا میں نے جس چیز پر نظر ڈالی ہے قبر کو اس سے زیادہ خوفناک پایا ہے ۱۲ جلد دوم باب آداب والصحبت میں گزری ۱۲

ح۲ یہ بھی باب آداب الصحبت میں گزر چکی ۱۲ ح۳ ترمذی و حاکم و ابن ماجہ ۱۲

اچھا جاتا کہ دور کعتوں سے خدائے تعالیٰ سے نزدیکی حاصل کروں اور حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اول جو چیز آدمی سے گفتگو کرتی ہے وہ قبر کا گڑھا ہے کہ اس سے یوں کہتا ہے کہ میں کیڑوں کا گھر ہوں اور تنہائی کا مکان ہوں اور غربت اور تاریکی کی جگہ ہوں یہ چیزیں تو میں نے تیرے لیے تیار کی ہیں تو نے میرے لیے کیا سامان کیا ہے۔ اور حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ میں تم کو اپنی مفلسی کا دن بتائے دیتا ہوں وہ وہ دن ہے کہ جس میں میں اپنی قبر میں رکھا جاؤں گا۔ اور حضرت ابودرداءؓ قبروں پر بیٹھا کرتے لوگوں نے جو سبب پوچھا تو فرمایا کہ میں ایسے لوگوں میں بیٹھتا ہوں کہ مجھ کو میری آخرت یاد دلاتے ہیں اور جب میں چلا آتا ہوں تو میری غیبت نہیں کرتے۔ اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام رات کو قبرستان میں آتے اور قبر والوں سے مخاطب ہو کر فرماتے کہ اے قبر والو تم کو کیا ہوا ہے کہ جب میں پکارتا ہوں تو جواب نہیں دیتے پھر فرماتے کہ ہاں ان کو میرے جواب دینے میں کوئی شی مانع ہوگئی ہے اور گویا کہ میں بھی انہی جیسا ہوں پھر نماز پر متوجہ ہوتے اور صبح ہونے تک پڑھتے رہتے اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اپنے بعض ہم نشینوں کو فرمایا کہ اے فلاں میں رات کو جاگا کیا اور قبر کا اور اس کے رہنے والے کا حال سوچتا رہا۔ اگر تو مردے کا حال تین دن بعد قبر میں دیکھے تو اس کے پاس ہونے سے وحشت کرے گو پہلے ... کتنا ہی اُنس اس کے ساتھ رکھتا ہو اور قبر کو دیکھے کہ اس میں کیڑے دوڑ رہے ہیں پیپ بہ رہی ہے رنگ مردے کا بدل گیا ہے بو بگڑ گئی ہے کیڑے بدن کھا رہے ہیں، کفن پرانا ہو گیا ہے۔ اور پہلے صورت بھی اچھی تھی اور بو بھی عمدہ اور کپڑے صاف تھے یہ کہہ کر آپ نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئے۔ اور یزید رقاشیؒ کہا کرتے کہ اے وہ شخص کہ گڑھے میں مدفون ہے اور قبر میں اکیلا پڑا ہے اور زمین کے اندر اپنے اعمال نیک سے انس رکھتا ہے مجھے معلوم نہیں کہ تجھ کو کون سے عملوں سے بشارت ملی اور کونسے بھائیوں پر تو نے غبطہ کی۔ پھر روتے یہاں تک کہ دوپٹہ تر ہو جاتا تو فرماتے کہ بخدا اپنے اعمالِ صالح سے خوشخبری لے اور اپنے ان بھائیوں پر غبطہ کر جو خدائے تعالیٰ کی اطاعت پر مدد کیا کرتے ہیں اور ان کا یہ بھی دستور تھا کہ جب قبروں کو دیکھا کرتے تو بیل کی طرح ڈکرایا کرتے اور حاتم اصمؒ کہتے ہیں کہ جو شخص قبرستان میں گذرے اور اپنا حال نہ سوچے نہ مردوں کے لیے دعا کرے تو وہ اپنے اور ان کے حق میں خیانت کرتا ہے۔ اور بکر عابدؒ اپنی ماں سے کہا کرتے کہ کیا خوب ہوتا کہ تم میرے حق میں بانجھ ہوتیں کیونکہ تمہارے بیٹے کو بہت دنوں قبر میں بند رہنا پڑے گا اور پھر وہاں سے کوچ کرنا پڑے گا اور یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں کہ ابن آدم تجھ کو پروردگار دارالسلام کی طرف بلاتا ہے تو دیکھ کہ تو اس کو کہاں سے جواب دیتا ہے اگر تو اس کو دنیا میں سے جواب دے گا اور اس کی طرف سفر کرنے کے لیے مستعد ہوگا تب تو دارالسلام میں داخل ہوگا اور اگر قبر میں سے جواب دے گا تو اس گھر میں نہ جانے پاوے گا۔ اور حسن بن صالحؒ جب قبروں پر گذرتے تو کہتے کہ تم ظاہر میں تو خوب ہو مگر مصیبت تو تمہارے پیٹ میں ہے اور عطا سلمیؒ جب رات ہو جاتی تو قبرستان میں جا کر کہتے کہ اے قبر والو تم مرگئے ہائے ری موت اور تم نے اپنے عمل دیکھے وائے رے اعمال پھر کہتے کہ کل کو عطا بھی قبروں میں ہوگا، کل کو عطا بھی قبروں میں ہوگا اور صبح تک یہی کہتے رہتے۔ اور سفیانؒ ثوری کہتے ہیں کہ جو شخص قبر کو بہت یاد کرے گا تو جنت کے باغوں میں سے اس کو ایک باغ پاوے گا اور جو اس سے

غافل رہے گا اس کو دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا پاوے گا۔ اور ربیع بن خثیمؒ نے اپنے گھر میں ایک قبر کھودی تھی جب اپنے دل میں سختی پاتے تو اس کے اندر گھسکر لیٹ رہتے اور بڑی دیر تک پڑے رہتے پھر فرماتے ربّ ارجعون لعلی اعمل صالحا فیما ترکت ط[ت ۱] اس کو کئی بار دہراتے پھر اپنے نفس کی طرف متوجہ ہوتے اور کہتے کہ ربیع اب تو تو واپس بھیج دیا گیا اب عمل کر۔ اور احمد بن حرب کہتے ہیں کہ جو شخص اپنی خوابگاہ کو درست کرتا ہے اور سونے کے واسطے بچھونے کو برابر کرتا ہے اس سے زمین تعجب کرتی ہے اور کہتی ہے کہ ابن آدم تو اپنے بہت دنوں سڑنے کو کیوں نہیں یاد کرتا میرے اور تیرے بیچ میں کوئی چیز حائل نہیں۔ اور میمون بن مہرانؒ کہتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے ساتھ قبرستان میں گیا جب انہوں نے قبروں کو دیکھا روتے پھر میری طرف متوجہ ہوتے فرمایا کہ اے میمون یہ میرے باپ دادوں کی یعنی بنی امیہ کی قبریں ہیں گویا دنیا والوں سے کبھی ان کی لذت و عیش میں شریک ہی نہ ہوتے تھے، دیکھ کیسے بچھڑے پڑے ہیں ان پر مصیبتیں ٹوٹ پڑیں اور کہنگی پکی ہوگئی بدنوں میں کیڑوں نے گھر بنالیے۔ پھر روتے اور فرمایا کہ بخدا میں کسی کو ان قبر والوں میں سے ایسا نہیں جانتا کہ اس پر انعام ہوا ہو اور عذاب خدا سے محفوظ رہا ہو اور ثابت بنانیؒ کہتے ہیں کہ میں قبرستان میں گیا جب وہاں سے نکلنا چاہا تو سنا کہ ایک کہنے والا کہتا ہے کہ اے ثابت قبر والوں کے سکوت سے دھوکا مت کھانا، ان میں سے بہت نفس مغموم ہیں اور منقول ہے کہ فاطمہ بنت امام حسن علیہ السلام نے قبرستان میں جاکر جنازہ اپنے شوہر حضرت حسن بن حسین علیہ السلام کا دیکھا اور اپنا منہ ڈھانپ کر یہ شعر پڑھا شعر:

تھی رجا لیک ہوگئی اندوہ　　　اس مصیبت کا کیا ٹھکانا ہے!

اور مروی ہے کہ انہوں نے اپنے شوہر کی قبر پر خیمہ گاڑا اور برس روز اس میں معتکف رہیں۔ جب برس روز ہوچکا تو خیمہ اکھاڑا اور مدینہ منورہ میں آئیں، بقیع کی ایک جانب سے آواز آئی کہ جو جاتا رہا تھا کیا اس کو پایا، دوسری جانب سے سنا، ناامید ہوکر پھر آئی۔ ابو موسیٰ تیمیؒ کہتے ہیں کہ فرزدق کی بی بی نے وفات پائی اس کے جنازے کے ساتھ بصرہ کے رؤسا نکلے ان میں حضرت حسنؒ بھی تھے آپ نے فرزدق سے فرمایا کہ تو نے اس دن کے واسطے کیا سامان کر رکھا ہے؟ اس نے کہا کہ لا الٰہ الا اللہ کی گواہی ساٹھ برس کے عرصہ سے اسی دن کے لیے ہے جب وہ عورت مدفون ہوئی تو فرزدق نے اس کی قبر پر کہا ؎

عفو تیرا جو نہ ہو مجھ پہ تو پھر قبر کے بعد　　　ہے ڈر تنگی سوزش نہ ہو اس سے بڑھ کر
جس گھڑی آوے قیامت میں کڑا سا پیادہ　　　لے چلے باندھ فرزدق کو سوئے رب بشر
طوق گردن میں ہو اور آنکھیں ہو نیلی جس کی　　　جاوے دوزخ کو تو کب پاوے وہ مطلب پہ ظفر

اور اہل قبور کے باب میں لوگوں نے یہ بھی کہا ہے ؎

ت ۱ اے رب مجھ کو پھر بھیج شاید میں کچھ بھلا کام کروں اس میں جو پیچھے چھوڑا ۱۲

ہو کھڑا قبروں پہ مردوں کو تو اس طرح پکار
کون تم میں ہے گرفتار عذاب و آلام
کون مامون ہوا قبر کے ڈر سے تم میں
کس کو تم میں سے ہوا قبر میں جا کر اکرام
مہر خاموشی ہے سب مردوں کے منہ پر یکساں
کس طرح فضل کا ان کے کوئی جانے انجام
لیک دیتے ہیں جواب ایسی زباں سے تجھ کو
جس سے معلوم حقائق کے ہوں حالات تمام
یعنی ہم میں سے کسی نے جو اطاعت کی ہے
باغ جنت میں جہاں چاہے پھرے با آرام
دامن آلودہ اگر جرم سے رکھتا ہے تو وہ
لوٹے ہے قعر جہنم میں بہت ہو ناکام
سانپ بچھو جو تھے دوزخ کے وہ اس پر دوڑے
روح پہ نیش کے صدمے یہ گذرتے ہیں مدام

اور حضرت داؤد طائی ایک عورت پر گذرے کہ وہ ایک قبر پہ کہہ رہی تھی ؎

جان تیری گئی اور پھر نہ ملی ہائے دریغ
لوگوں نے تیری جگہ لحد میں کی ہائے دریغ
میری آنکھوں میں بھلا کیسے گذرہ خواب کا ہو
جبکہ تکیہ تیرا یہ مٹی بنی ہائے دریغ

پھر اس نے کہا بیٹا معلوم نہیں کہ کیڑوں نے تیرے دونوں رخساروں میں سے اول کونسا کھانا شروع کیا۔ حضرت داؤدؒ طائی یہ پچھاڑ کر بیہوش ہو پڑے۔ اور حضرت مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ میں گورستان میں گیا اور یہ قطعہ بنا کر پڑھا

قطعہ

مقابر میں آیا تو میں نے کہا
کہاں ہیں رئیس اور کدھر ہیں فقیر
کہاں ہیں جنہیں سلطنت پہ تھا ناز
کدھر ہیں جو تھے کبر والے امیر

میں نے ان کے درمیان آواز سنی کہ کہنے والا تو نہ سوجھتا تھا اور آواز آتی تھی ؎

خبر اور مخبر دونوں نہ رہے
ہوئے پنجۂ موت میں سب اسیر
ہے کیڑوں کی آمد سحر اور شام
وہ کرتے ہیں ان صورتوں کو حقیر
جو تو پوچھتا ہے گذشتوں کا حال
تجھے ان سے عبرت نہیں ہے خبیر

قبروں کے کتبے

ایک قبر پر اس مضمون کا قطعہ لکھا تھا ؎

قبریں چپکی ہیں ولے تجھ کو سناتی ہیں راز
ان کے باشندے ہیں مٹی کے تلے گو خاموش
آخرت کے لیے گو جمع نہیں کرتا تو
تجھ کو مرنا ہے پھر کس کے لیے ہے یہ خروش

اور ایک قبر پر یہ قطعہ کندہ تھا۔

قطعہ

خانۂ تو اگرچہ ہست فراخ
قبرت آباد وہ جائش محکم
از چنیں قبر گو چہ سود ترا
منہدم گر تنت بود ہر دم

اور ابن سماکؒ کہتے ہیں کہ میں قبرستان میں گیا تو دیکھا کہ ایک قبر پر یہ لکھا تھا ؎

بگور من گذرے مے کنند اقاریب من　　مگر چنانکہ تعارف بمن نمے دارند
نمودہ اند بخود ہا متاعِ من تقسیم　　ولے اداتے دیونم ثقیل پندارند
گرفت ہر یکے سہم خود خویش ست ولیک　　نیاورند بیادم تو گوئی اغیارند

اور ایک قبر پر یہ لکھا پایا ؎

دوست کو یاروں کے اندر سے اچانک لیتی ہے وہ　　موت کا مانع نہیں دربان کوئی پاسبان
کس طرح ہوتا ہے خوش دنیا کی تو لذات سے　　لکھتے ہیں تجھ پر کراماً کاتبین سب داستان
دمبدم تیرے دموں میں ہوتی جاتی ہے کمی　　عمر کرتا ہے تو غافل لذتوں میں رائگان
موت جاہل پر جہالت سے نہیں کرتی ہے رحم　　علم پر عالم کے بھی اس کو نہیں ترس اے نوجوان
موت نے قبروں میں گونگا کر دیا کیا دیں جواب　　جن میں گو نگے پن کا کچھ گاہے نہ تھا ہرگز نشان
کنگرے تیرے مکان میں بھی لگے آباد تھا　　آج قبروں میں پرانی قبر ہے تیری نہاں

اور ایک قبر پر یہ لکھا دیکھا ؎

یاروں پہ گذر میں نے کیا جب بنیں ان کی　　گھوڑ دوڑ کے گھوڑوں کی طرح قبریں برابر!
آنکھوں سے مرے آنسو گرے خوب سا رویا　　پھر دیکھا تو ان میں ہی لگا اپنا تھا بستر

اور ایک طبیب کی قبر پر لکھا دیکھا گیا۔

مثنوی

جب کسی نے پاس میرے آ دیا مجھ کو سُنا　　قبر میں لقمان گیا تب میں نے اس سے یہ کہا
وہ تو تھا مشہور طب میں اب کہاں وہ طب گئی　　اس کی نباضی و قارورہ شناسی کیا ہوئی
دوسروں کو کیسے وہ امراض سے دیتا چھڑا　　بن نہ آیا ہو علاج اس سے جو اپنی موت کا

اور دوسری قبروں پر لکھا ملا ؎

لوگو میرے دل میں تھی ایک آرزو　　جس سے مانع ہو گئی میری اجل
اب خدا کا خوف ہے اس کو ضرور　　کر سکے دنیا میں جو کوئی عمل
میں نہیں آیا ہوں تنہا گور میں　　ایسے ہی سب آویں گے یاں آج کل

تو یہ بیتیں قبروں پر اس لیے لکھی گئی ہیں کہ ان کے باشندے موت سے پہلے عبرت کم پکڑتے تھے اور ہوشیار وہ ہے جو دوسروں کی قبر کو دیکھ کر اپنے آپ کو انہیں میں تصور کرے۔ ان میں ملنے کی تیاری کرے اور جانے کہ یہ لوگ جب تک میں ان میں نہ ملوں گا اپنی جگہ سے نہ ٹلیں گے اور ٹھان لے کہ جن دِنوں کو میں ضائع کر رہا ہوں ان میں سے اگر ایک دن بھی ان قبر والوں کو مل جاوے تو ان کے نزدیک تمام دنیا سے محبوب تر ہو۔ کیونکہ

ان کو اعمال کی قدر اب معلوم ہوئی اور حقیقت امور کی اب جانی اور ان کو جو زندگی کے ایک روز پر افسوس ہے تو اس لیے ہے کہ تقصیر والا اپنی کمی کا تدارک کر لے اور عذاب سے چھٹی پاوے اور توفیق والا اپنا رتبہ پورا کرلے اور ثواب زیادہ پاوے اور انہوں نے عمر کی قدر بعد منقطع ہونے کے جانی اب ایک ساعت کے لیے بھی حسرت پر حسرت کرتے ہیں اور تم کو وہ ساعت میسر ہے بلکہ کیا عجب ہے کہ بہت سی ساعتوں پر قادر ہو مگر ان کو ضائع کر رہے ہو تو یہ بات خوب دل میں ٹھان لو کہ جب کام ہاتھ سے نکل جائے گا تب ان ساعتوں کے ضائع کرنے پر افسوس کرو گے کہ ہائے ہم نے اپنی گھڑی سے جلد اپنا حصہ کیوں نہ لے لیا۔ ایک نیک بخت کہتے ہیں کہ میں نے اپنے ایک بھائی کو خواب میں دیکھا اور کہا تو جی گیا الحمد للہ رب العالمین، اس نے کہا کہ اگر میں اس کلمہ کے کہنے پر یعنی الحمد للہ رب العالمین پر قادر ہوں تو دنیا ومافیہا سے مجھے اچھا معلوم ہوتا ہے پھر کہا کہ تو نے جب نہ دیکھا کہ لوگ مجھے دفن کر رہے تھے اور ایک شخص نے اٹھ کر دو رکعتیں پڑھیں۔ اگر میں ان کے پڑھنے پر قادر ہو جاؤں تو دنیا ومافیہا سے مجھے محبوب تر ہیں۔

اپنی اولاد کی وفات پر کہے جانے والے اقوال

جس شخص کا لڑکا یا اور کوئی قریبی مر گیا ہو تو اس کے پیشتر مر جانے کو یوں سمجھے کہ میں اور وہ دونوں سفر میں تھے اور قصد دونوں کا وہ شہر تھا جو رہنے کی جگہ اور وطن اصلی ہے۔ اب لڑکا اس مکان میں پہلے چلا گیا اور میں بھی اس سے جلد ملوں گا تو اس سوچنے سے تاسف زیادہ نہ ہوگا۔ اس لیے کہ جان لے گا کہ میں بھی قریب اس سے ملتا ہوں، صرف موت میں چند روز کی تقدیم و تاخیر ہے اور موت کا حال بھی یہی ہے کہ اس کے معنی وطن میں چلے جانے کے ہیں جب تک کہ پچھلا شخص آملے جب اس بات کو اعتقاد کرے گا تو اس کا اضطراب اور اندوہ کم ہوگا خصوصاً اس صورت میں کہ لڑکے کے مر جانے پر وہ ثواب ملنے کا وعدہ ہے جس کے سامنے کسی مصیبت کی کچھ اصل نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر میں پیٹ سے گرا ہوا بچہ آگے بھیجوں تو مجھ کو اس بات سے بہتر ہے کہ اپنے پیچھے سو سوار چھوڑوں اور ہر ایک ان میں سے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرے۔ اور آپ نے گرے ہوئے حمل کا اس لیے ذکر فرمایا کہ ادنیٰ سے اعلیٰ پر تنبیہ ہو جاوے ورنہ ثواب اسی قدر ہوتا ہے جس قدر کہ لڑکے کی جگہ دل میں ہو۔ اور زید بن اسلمؓ فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا ایک لڑکا مر گیا تھا آپ نے اس پر بہت رنج کیا آپ سے پوچھا گیا کہ اس کی قدر آپ کے نزدیک کتنی تھی آپ نے فرمایا کہ زمین کے برابر اور سونے کے مانند تو ان سے کہا گیا کہ آپ کو آخرت میں ثواب بھی اتنا ہی ہوگا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کسی مسلمان کے اگر تین بچے مر جاویں اور وہ ان پر صبر کر کے ثواب کا طالب ہو تو وہ اس شخص کے لیے دوزخ سے سپر ہوں گے

ح ابن ماجہ بروایت ابوہریرہؓ اور اس میں سو کا شمار نہیں ۱۲ ح مسلم بروایت بریدہ ۱۲

ایک عورت نے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھی عرض کیا کہ خواہ دو بچے مرجاویں آپ نے فرمایا کہ خواہ دو ہوں۔ اور والد کو چاہیے کہ اپنے لڑکے کے حق میں موت کے وقت دعا کرے اس لیے کہ اس کی دعا زیادہ توقع والی اور قریب تر قبول کے ہوتی ہے۔ محمد بن سلیمان اپنے لڑکے کی قبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ الٰہی آج میں تجھ سے اس کے لیے توقع رکھتا ہوں اور اس کے باب میں تجھ سے ڈرتا ہوں تو میری امید کو ثابت کر اور میرے خوف کو دور فرما۔ اور ابو سنانؒ اپنے بیٹے کی قبر پر کھڑے ہوئے اور کہا کہ الٰہی جو میرا حق اس کے ذمہ واجب تھا وہ میں نے اس کو بخش دیا تو جو تیرا حق اس کے ذمہ واجب ہو وہ بخش دے کہ تو زیادہ جواد اور کریم ہے۔ اور ایک اعرابی اپنے بیٹے کی قبر پر کھڑا ہوا اور کہا کہ الٰہی جو کچھ اس نے میرے ساتھ سلوک کرنے میں قصور کیا وہ میں نے اس کو معاف کیا پس جو کچھ تیری طاعت میں اس نے قصور کیا ہو وہ تو معاف فرما۔ اور جب ذر بن عمرؓ کی وفات ہوئی تو اس کے باپ عمر اس کی لحد میں رکھے جانے کے بعد کھڑے ہوئے اور کہا کہ اے ذر مجھ کو تیرے باب میں اتنا خوف ہے کہ اس سے ہم تجھ پر غم کرنا بھول گئے ہم کو معلوم نہیں کہ تجھ سے کیا سوال ہوا اور تو نے کیا جواب دیا پھر کہا کہ الٰہی یہ ذر ہے کہ جب تک تو نے چاہا اس سے مجھ کو نفع دیا اور اب اس کی مدت اور روزی تو نے پوری کی اور اس پر ظلم نہیں کیا۔ الٰہی تو نے اس پر اپنی اطاعت اور میری فرمانبرداری لازم کی تھی۔ الٰہی جو کچھ تو نے اس مصیبت پر صبر کرنے کا ثواب مجھ کو دینا کیا ہے وہ میں نے اس کو بخش دیا پس تو اس کا عذاب مجھ کو دے ڈال اور اس کو عذاب مت کر اس تقریر سے سب آدمی رو پڑے۔ پھر پھرنے کے وقت یوں کہا کہ اے تیرے بعد مجھ کو کسی اور کی حاجت نہیں نہ اللہ کے ہوتے ہوئے کسی انسان کی ضرورت اب ہم جاتے ہیں اور تجھ کو تنہا چھوڑتے ہیں اور اگر ٹھہرے بھی رہیں تو تجھ کو کچھ فائدہ نہ دیں گے۔ اور ایک شخص نے بصرہ میں ایک عورت کو دیکھ کر کہا کہ اس جیسی تازگی میں نے کبھی نہیں دیکھی۔ اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ اس کو رنج کم ہے۔ اس عورت نے کہا اے بندۂ خدا میں تو ایسے غم میں ہوں کہ اس میں میرا شریک کوئی نہیں اس نے پوچھا کہ کس طرح، عورت نے کہا کہ حال یہ ہے کہ میرے شوہر نے عیدالضحیٰ کے روز ایک بکری ذبح کی تھی اور میرے دو لڑکے خوبصورت کھیل رہے تھے۔ بڑے نے چھوٹے سے کہا کہ تو دیکھا چاہتا ہے کہ ہمارے باپ نے بکری کیسے ذبح کی اس نے کہا اچھا بس اس نے چھوٹے کو پکڑ کر ذبح کر ڈالا اور ہم کو جب خبر ہوئی کہ جب وہ پڑا خون میں لوٹ رہا تھا جب چیخ اور رونا بہت ہوا تو بڑا لڑکا بھاگ کر ایک پہاڑ کی طرف چھپنے چلا گیا وہاں کہیں بھیڑیا موجود تھا اس نے لڑکے کو کھا لیا اس کا باپ جو اس کو ڈھونڈنے لگا تو گرمی کی شدت کے باعث پیاس کے مارے مر گیا تو اب گردش دوراں نے مجھ کو ہی تنہا چھوڑ دیا۔ غرضکہ اس طرح کے مصائب کو لڑکوں کے مرنے کے وقت یاد کرنا چاہیے تاکہ شدت واویلا سے تسلی ہو۔ اس لیے کہ کوئی مصیبت ایسی نہیں کہ اس سے بڑی خیال میں نہ آسکتی ہو اور خدائے تعالیٰ اس کو ہر حال میں دور نہ فرماتا ہو، تو معلوم ہوا کہ بہت سے مصائب وہی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ دفع کرتا ہے پس آدمی کو جزع کرنے کا مقام کسی صورت میں نہیں ہے۔

زیارت قبور

قبروں کی زیارت خواہ کسی کی ہوں موت کی یاد اور عبرت حاصل کرنے کے لیے مستحب ہے اور صلحا کی قبروں کی زیارت عبرت کے علاوہ تبرک کے لیے بھی مستحب ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اول زیارت قبور سے منع فرمایا تھا پھر اس کی اجازت دی[ح۱] حضرت علی کرم اللہ وجہہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں[ح۲] کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے تم کو قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا مگر آگاہ ہو کہ قبروں کی زیارت کیا کرو کہ وہ تم کو آخرت یاد دلاویں گی لیکن کوئی کلمہ بیجا مت کہو۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ماں کی قبر کی زیارت ہزار مسلح آدمیوں کے ساتھ کی اور جتنے آدمی کہ اس روز روتے معلوم ہوتے اس سے زیادہ کبھی نہیں معلوم ہوئے اور اسی روز میں آپ نے ارشاد فرمایا[ح۳] کہ مجھ کو اجازت زیارت کی ملی نہ بخشش کی درخواست کرنے کی جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں اور ابن ابی ملیکہ رضؓ[ح۳] فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا صدیقہ قبرستان سے تشریف لائیں، میں نے عرض کیا کہ آپ کہاں سے تشریف لائیں انہوں نے فرمایا کہ اپنے بھائی عبدالرحمٰن کی قبر سے۔ میں نے عرض کیا کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارت قبور سے منع نہیں فرمایا تھا۔ انہوں نے فرمایا ہاں اول منع فرمایا تھا پھر اجازت دیدی تھی۔ اور اس سے تمسک کر کے عورتوں کو قبرستان میں جانے کی اجازت نہ دینی چاہیے اسلیے کہ وہ قبرستان میں جا کر کلمات ناشائستہ بہت کہتی ہیں تو زیارت قبر سے جو ان کو بہتری ہوئی وہ بدی سے کمتر ہے علاوہ ازیں آشنائے راہ میں پردے کا کھولنا اور زینت کا غیروں پر ظاہر کرنا بھی ان سے سرزد ہوتا ہے اور یہ دونوں بڑے گناہ ہیں اور زیارت صرف مسنون ہے تو ادائے سنت کے لیے ایسے بڑے گناہ کا مرتکب ہونا کیسے جائز ہوگا۔ ہاں اگر عورت پھٹے پرانے کپڑے پہن کر نکلے کہ کوئی مرد اس کی طرف توجہ نہ کرے اور قبر پر جا کر صرف دعا کرے اور کوئی بات نہ کرے تو کچھ مضائقہ نہیں اور حضرت ابوذر رضؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[ح۴] کہ قبروں کی زیارت کر اور ان سے آخرت کو یاد کر اور مردوں کو نہلا۔ اس واسطے کہ بدن خالی از روح کی تدبیر کرنی ایک بڑی بچی نصیحت ہے اور جنازوں کی نماز پڑھ شاید اس سے تجھ کو غم ہو اس لیے کہ غمگین خدائے تعالیٰ کے سایہ میں ہوگا اور ابن ابی ملیکہ رح فرماتے ہیں[ح۵] کہ زیارت کرو اپنے مردوں کی اور ان پر سلام کرو اور ان کے لیے دعا کرو اس لیے کہ تم کو ان سے عبرت ہوگی۔ اور حضرت نافع رضؓ سے مروی ہے کہ حضرت ابن عمر رضؓ جس قبر پر گذرتے اس پر

ح ۱ مسلم بروایت بریدہ رضؓ ح ۲ ابن ابی الدنیا در کتاب القبور ۱۲

ح ۳ ابن ابی الدنیا بروایت یزید اور اس کا شیخ احمد ابن عمران متروک ہے اور اس روایت کو ابن ابی الدنیا نے اور مسند نے بھی نقل کیا ہے

ح ۴ مسلم بروایت ابوہریرہ رضؓ

ح ۵ ابن ابی الدنیا ۱۲

ح ۶ ابن ابی الدنیا و حاکم ۱۲

کھڑے ہو کر سلام کرتے۔ اور حضرت امام جعفر علیہ السلام اپنے باپ امام محمد باقر علیہ السلام سے راوی ہیں کہ حضرت فاطمہ رض
زہرا اپنے چچا حضرت حمزہ رض کی قبر کی زیارت کو چند روز بعد جایا کرتیں اور اس کے پاس نماز پڑھتیں اور رویا کرتیں
اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں [۱] کہ جو شخص ہر جمعہ کو اپنے ماں باپ کی خواہ ایک کی قبر کی زیارت کرے تو اس
کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اور نیک لکھا جاتا ہے۔ اور حضرت ابن سیرین فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا [۲] کہ اگر کسی شخص کے ماں باپ مر جاتے ہیں اور وہ ان کا نافرمان ہوتا ہے اور ان کے بعد ان کے حق میں دعا
کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو فرمانبرداروں میں لکھ دیتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں [۳] کہ من زار
قبری وجبت له شفاعتی اور ایک حدیث [۴] میں ارشاد فرمایا من زارنی بالمدینة محتسبا کنت له شفیعا یوم
القیمة اور حضرت کعب احبار رض فرماتے ہیں کہ جو فجر طلوع ہوتی ہے اس میں ستر ہزار فرشتے آسمان سے اتر کر قبر
شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھانپ لیتے ہیں اور اپنے بازو پھڑپھڑا کر آپ پر درود شریف بھیجتے یہاں تک
کہ جب شام ہو جاتی ہے تو وہ فرشتے آسمان کو چڑھ جاتے ہیں اور اتنے ہی اور اترتے ہیں اور جیسا پہلوں نے کیا تھا
ویسا ہی یہ بھی کرتے ہیں یہاں تک کہ زمین پھٹے گی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اٹھیں گے اور آپ کے ساتھ
ستر ہزار فرشتے آپ کی تعظیم کرتے ہوں گے۔ اور قبروں کی زیارت میں مستحب یہ ہے کہ قبلہ کی طرف پشت
دے کر میت کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو اور مردے پر سلام کرے اور قبر کو نہ پونچھے نہ ہاتھ لگائے نہ بوسہ دے
اس لیے کہ یہ افعال نصاریٰ کی عادت میں سے ہیں۔ حضرت نافع رح کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رض کو سو دفعہ دیکھا
بلکہ اس سے بھی زیادہ دیکھا ہے کہ آپ روضہ مطہرہ کے پاس تشریف لاتے اور فرماتے کہ سلام نبی علیہ السلام پر سلام
ابی بکر رض پر سلام میرے باپ پر اور لوٹ آتے تھے۔ اور ابو امامہ رح کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رض کو دیکھا کہ قبر شریف
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے اور کھڑے ہوئے اور دونوں ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ میں نے گمان کیا کہ آپ
نے نماز کے لیے اللہ اکبر کہا۔ پھر آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کہہ کر واپس آئے۔ اور حضرت عائشہ رض فرماتی
ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے بھائی کی قبر کی زیارت کرتا ہے اور اس کے پاس بیٹھتا ہے
تو وہ اس سے انس حاصل کرتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے جب تک کہ وہ وہاں سے اٹھے۔ اور سلیمان
بن سحیم رض کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ لوگ جو آپ کے

ح[۱] ابن ابی الدنیا نے اسی طرح مرسلاً نقل کیا ہے ۱۲ ح[۲] طبرانی اور صغیر و اوسط بروایت ابوہریرہ رض ح[۳] ابن ابی الدنیا مرسلاً ح[۴] جس شخص نے زیارت
کی میری قبر کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوتی ۱۲ جلد اول باب الحج میں گزری ۱۲ ح[۵] جس شخص نے میری زیارت مدینے میں کی ثواب
کے لیے میں اس کا سفارشی اور گواہ ہوں گا قیامت کے دن، یہ بھی باب الحج میں گزری ۱۲ فی الاصل فتقلی و تبکی عنده یعنی ان کے واسطے
دعاء استغفار کر کے روتیں ۱۲ ح[۶] ابن ابی الدنیا اور اس کی سند میں عبداللہ بن سمعان اس کا حال مجھے معلوم نہیں اگر یہ عبداللہ بن سمعان ہے
تو وہ معتبر ہے اور ظاہر یہی ہے کہ وہ بھی اپنے دادا کی طرف منسوب ہے ۱۲

پاس حاضر ہوتے ہیں اور آپ پر سلام کرتے ہیں تو آپ ان کے سلام کو سمجھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں سمجھتا ہوں اور ان کا جواب دیتا ہوں ؎

بہر سلام مکن رنجہ در جواب آں لب — کہ صد سلام مرا بس یکے جواب از تو

اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جب آدمی کسی جان پہچان کی قبر پر گذرتا ہے اور سلام کرتا ہے تو مردہ جواب دیتا ہے اور پہچان لیتا ہے۔ اور جب نا آشنا کی قبر پر گذر کر سلام کرتا ہے تو وہ سلام کا جواب دیتا ہے اور ایک شخص عاصم جحدری کی اولاد میں سے کہتا ہے کہ میں نے عاصم کو مرنے کے دو برس بعد خواب میں دیکھا اور پوچھا تم مر گئے تھے انہوں نے کہا ہاں۔ میں نے کہا تم کہاں رہتے ہو۔ انہوں نے کہا ہم جنت کے باغوں میں سے ایک باغ میں رہتے ہیں۔ ہم اور چند ہمارے یار ہر جمعہ کی رات اور اس کی صبح کو ابوبکر بن عبداللہ مزنیؒ کے پاس اکٹھے ہوتے ہیں اور تم لوگوں کی خبریں سنتے ہیں۔ میں نے پوچھا تمہارے جسم ملتے ہیں یا روحیں انہوں نے فرمایا کہ جسم تو پڑے سوتے ہیں[عہ] ان کا ملنا کہاں مگر روحوں میں ملاقات ہوتی ہے۔ میں نے پوچھا کہ تم ہماری زیارت سے بھی مطلع ہوتے ہو انہوں نے فرمایا کہ ہاں جمعہ کی رات کو اور ہفتے کے دن آفتاب نکلنے تک تمہاری زیارت کی خبر ہوتی ہے۔ اور میں نے کہا اور دنوں میں کیوں نہیں خبر ہوتی، انہوں نے فرمایا کہ جمعہ کی بزرگی اور فضل کے باعث اس میں اطلاع ہوتی ہے۔ اور محمد بن واسعؒ جمعہ کے روز قبروں کی زیارت کیا کرتے۔ ان سے کہا گیا کہ آپ دوشنبے کے روز تک کی تاخیر فرمایا کیجیے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ مردے اپنے زیارت کرنے والوں کو جمعہ کے روز اور ایک دن اس سے پیشتر اور ایک دن اس کے بعد پہچانا کرتے ہیں۔ اور ضحاکؒ کہتے ہیں کہ جو شخص ہفتے کے روز آفتاب نکلنے سے پیشتر کسی قبر کی زیارت کرتا ہے تو میت کو اس کی زیارت کا حال معلوم ہو جاتا ہے۔ لوگوں نے کہا اس کی کیا وجہ ہے انہوں نے فرمایا کہ جمعہ کی عظمت کے باعث اس وقت تک یہ اثر رہتا ہے اور بشر بن منصور کہتے ہیں کہ طاعون یعنی وبا کے دنوں میں ایک شخص قبرستان میں آیا کرتا اور جنازوں کی نماز پڑھا کرتا۔ جب شام ہوتی تو قبرستان کے دروازے پر کھڑے ہو کر یوں کہا کرتا کہ خدائے تعالیٰ تمہاری وحشت کو انس سے بدلے اور تمہاری غریبی پر رحم فرماوے اور خطاؤں سے درگذر کرے اور حسنات تمہارے قبول کرے ان کلمات سے کچھ زاید نہیں کہتا تھا۔ وہ شخص کہتا ہے کہ ایک شام کو اتفاقاً میں قبرستان کو نہ گیا اور حسب دستور دعا نہ کی اپنے گھر چلا آیا جب میں سو رہا تو خواب میں دیکھا کہ بہت سے لوگ میرے پاس آتے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو اور میرے پاس کیوں آتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم قبرستان کے لوگ ہیں۔ میں نے پوچھا پھر کیا مطلب ہے انہوں نے کہا کہ جب تم گھر کو پھرا کرتے تھے تو تم نے عادت کر لی تھی کہ کچھ تحفہ ہم کو دیا کرتے تھے۔ میں نے پوچھا کہ کیا تحفہ تھا۔ انہوں نے کہا کچھ دعا مانگا کرتے تھے آج تم نے اس سے ہم کو محروم رکھا اس لیے

عہ اصل میں ہے کہ جسم تو خاک ہو گئے ۱۲

بایں مراد ہم آتے ہیں شعر:

بروئے خود در طماع باز نتواں کرد　　　　چو باز شد بدرشتی فراز نتوں کرد

میں نے کہا کہ اچھا اب میں پھر ہدیہ تمہارا پہنچاتا رہوں گا۔ چنانچہ میں نے کبھی ناغہ نہ کیا۔ اور بشار بن غالب نجرانی کہتے ہیں کہ میں رابعہ عدویہؒ کے حق میں بہت دعا کرتا تھا۔ ایک رات میں نے ان کو خواب میں دیکھا کہ فرماتی ہیں کہ اے بشار تیرے تحفے ہمارے پاس پے در پے نور کے طباقوں، حریر کے رومالوں میں لپٹے ہوئے آتے ہیں۔ میں نے کہا کہ ان کی یہ کیفیت کیوں ہوتی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ جو مسلمان زندہ اپنے مردہ دوستوں کے حق میں دعا کیا کرتا ہے اور وہ دُعا قبول ہو جاتی ہے تو وہ دعا اسی طرح نور کے طباقوں میں رکھ کر حریر کے رومالوں میں لپیٹی جاتی ہے۔ پھر مردے کو دی جاتی ہے اور اس سے کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ فلاں شخص کا ہدیہ تیرے لیے ہے۔ اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ مردہ مثل ڈوبے ہوئے فریاد خواہ کے ہے۔ دعا کا منتظر رہتا ہے۔ کہ باپ یا بھائی یا دوست کی طرف سے پہنچے۔ اور جب دُعا اس کو کسی جانب سے پہنچتی ہے تو اس کے نزدیک دنیا و مافیہا سے محبوب تر ہوتی ہے اور زندوں کے تحفے مردوں کے لیے دعا اور مغفرت کی درخواست ہیں۔ اور بعض اکابر فرماتے ہیں کہ میرا ایک بھائی مر گیا تھا میں نے اس کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ جب تجھے قبر میں رکھا تیرا کیا حال ہوا اس نے کہا کہ ایک شخص میرے پاس آگ کی شہاب لایا۔ اگر ایک دعا کرنے والا میرے حق میں دعا نہ کرتا تو مجھے یقین تھا کہ وہ آگ کی شہاب سے مجھے مارتا۔ اور یہاں سے مستحب ہے دفن کے بعد مردے کو تلقین کرنا اور اس کے لیے دعا مانگنی۔ سعید بن عبداللہ ازدیؒ کہتے ہیں کہ میں ابو امامہ باہلیؓ کی نزع کے وقت ان کی خدمت میں گیا انہوں نے فرمایا کہ اے ابو سعید جب میں مر جاؤں تو میرے ساتھ وہ معاملہ کیجیو جس کا امر ہم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ یعنی آپؐ نے یوں ارشاد فرمایا[ح] ہے کہ جب تم میں سے کوئی مر جاوے اور اس کو تم مٹی دے چکو تو چاہیے کہ ایک شخص تم میں سے اس کی قبر کے سرہانے کھڑا ہو اور کہے کہ اے فلاں شخص فلانی عورت کے بیٹے وہ سنے گا تو مگر جواب نہیں دے گا پھر اسے دوبارہ اسی طرح پکارے وہ سیدھا بیٹھ جاوے گا۔ پھر تیسری دفعہ اسی طرح کہے وہ کہے گا کہ ارشاد کر خدائے تعالیٰ تجھ پر رحم کرے مگر تم اس کے اس جواب کو نہ سنو گے۔ پھر اس سے کہے کہ یاد کر اس چیز کو جس پر تو دنیا سے اُٹھا ہے یعنی گواہی لا الٰہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کی اور یہ کہ تو اس بات پر راضی ہوا کہ تیرا پروردگار اللہ ہے اور دین اسلام ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیؐ ہیں اور قرآن امام ہے اس لیے کہ اگر یہ اس کو سنا دو گے تو منکر اور نکیر اس کے پاس سے ہٹ جاویں گے اور یوں کہیں گے کہ یہاں سے چل دو۔ اس شخص کے پاس ہم کیوں بیٹھیں اس کو تو حجت سکھلا دی گئی اور اللہ اس شخص کی طرف سے منکر نکیر کو جواب دے گا۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ح[۱] طبرانی نے اسی طرح بروایت سعید بن عبداللہ بسند ضعیف نقل کیا ہے ۱۲

اگر اس کی ماں کا نام معلوم نہ ہو، آپ نے فرمایا کہ اس کو حوّا کا لڑکا کہہ کر پکارے۔ انتہیٰ۔ اور قبروں پر کلام مجید پڑھنے کا کچھ مضائقہ نہیں۔ علی بن موسیٰ آہنگر کہتے ہیں کہ میں امام احمد بن حنبلؒ کے ساتھ ایک جنازے میں شریک تھا۔ اور محمد بن قدامہ نے امام احمد سے پوچھا کہ آپ کے نزدیک مبشر بن اسمٰعیل حلبی کیسا شخص ہے آپ نے فرمایا کہ معتبر ہے اور ان سے پوچھا کہ تم نے ان سے کچھ یاد کیا ہے انہوں نے کہا ہاں مجھ کو خبر دی مبشر بن اسماعیل نے عبدالرحمٰن بن العلا بن لجلاج سے کہ عبدالرحمٰن کے باپ علاء بن لجلاج نے وصیت کی کہ جب میں دفن ہو چکوں تو میری قبر پر سر کی طرف شروع سورہ بقرہ کا اور اس کا آخر پڑھا جاوے اور علاءؒ نے فرمایا کہ میں نے سُنا ہے حضرت ابن عمرؓ سے انہوں نے بھی اس کی وصیت کی تھی۔ تب امام احمدؒ نے محمد بن قدامہؒ سے کہا کہ تو جا اور اس شخص سے کہدو کہ قرآن پڑھے اور محمد بن احمد مروزی کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے سُنا ہے کہ فرماتے تھے کہ جب تم قبرستان میں جاؤ تو سورۃ الحمد للہ اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس اور قل ھو اللہ احد پڑھ کر اس کا ثواب قبرستان والوں کو بخش دیا کرو کہ ان کو پہنچے گا۔ اور ابو قلابہؒ کہتے ہیں کہ میں شام سے بصرہ میں آیا اور خندق پر اُتر کر وضو کر کے رات کو دو رکعتیں پڑھیں اور ایک قبر پر سر رکھ کر سو گیا۔ خواب میں دیکھا کہ قبر والا مجھ سے شکایت کرتا ہے کہ تم نے رات بھر مجھ کو ایذا دی۔ پھر کہا کہ تم نہیں جانتے مگر ہم جانتے ہیں اور ہم عمل پر قادر نہیں۔ یہ دو رکعتیں جو تم نے پڑھیں ہمارے نزدیک دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں۔ پھر کہا کہ دنیا والوں کو خدائے تعالیٰ ہماری طرف سے جزائے خیر دیوے ان کو ہماری طرف سے سلام کہنا اس لیے کہ کبھی ان کی دعا سے ہمارے پاس ایک نور پہاڑ کے برابر آجایا کرتا ہے۔ غرضکہ قبر کی زیارت سے زندہ کو تو یہ فائدہ ہے کہ عبرت ہو اور مردے کو یہ فائدہ ہے کہ دعا پہنچے۔ اسی لیے زیارت کرنے والے کو اپنے حق میں اور میت کے حق میں دعا کرنے سے غافل نہ ہونا چاہیئے نہ عبرت حاصل کرنے سے غفلت کرنی چاہیئے اور عبرت حاصل کرنا اس طرح ہوتا ہے کہ اپنے دل میں مردے کی صورت جمالے کہ اس کے اعضا کیسے علیحدہ ہو گئے اور وہ قبر سے کیسے اُٹھے گا اور یہ بھی تصور کرے کہ میں بھی عنقریب ایسا ہی ہو جاؤں گا۔ جیسا کہ مطرف بن ابی بکر ہذلی کہتے ہیں کہ عبد قیس کی اولاد میں سے ایک بڑھیا عابدہ تھی جب رات ہوتی تو وہ کمر باندھتی اور نماز پڑھنے کے لیے اُٹھ کھڑی ہوتی اور جب دن ہوتا تو قبروں میں چلی جاتی۔ میں نے سُنا ہے کہ لوگوں نے اس کو کہا کہ تم کثرت سے قبرستان میں کیوں جاتی ہو۔ اس نے جواب دیا کہ دل سخت جب جفا کرتا ہے تو اس کو پرانے کھنڈر ملائم کرتے ہیں اور میں جو قبروں میں آتی ہوں تو یہ دیکھتی ہوں کہ گویا لوگ قبروں کی تہوں میں سے نکلے ہیں۔ منہ ان کے خاک آلودہ اور رنگ متغیر اور کفن میلے ہیں تو ایسی نظر کا کیا کہنا ہے۔ اگر اسی طرح کی نظر بندوں کے دلوں میں جم جاوے تو نفسوں پر اس کی تلخی کیا کچھ نہ ہو اور بدون اس کے باعث کیا کچھ تلف نہ ہوں۔ بلکہ چاہیئے کہ صورت مردے کی وہ دل میں یاد کرے جس کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بیان کیا تھا۔ یعنی ایک فقیہ نے اگر آپ کی صورت کے بدل جانے سے نہایت تعجب کیا کہ کثرت عبادت اور مشقت سے آپ کا کچھ اور ہی طور ہو گیا تھا آپ نے فرمایا کہ میاں صاحب قبر میں دفن ہوتے

کے بعد اگر مجھے تین دن پیچھے دیکھو گے تو اور بھی تعجب کرو گے کہ آنکھیں نکل کر رخساروں پر بہی ہوں گی اور ہونٹ دانتوں سے چمٹے ہوں گے منہ کھلا ہوا ہوگا اس میں سے پیپ نکلتی ہو گی، پیٹ پھول کر سینے سے اونچا ہوگا۔ بیٹھ پاخانے کے راستے سے نکلی ہو گی اور بخارات اور ریم نتھنوں سے نکلتے ہوں گے۔ جب یہ صورت دیکھو گے تو زیادہ تر تعجب کرو گے اور نیز مستحب ہے کہ میت کی تعریف کرے اور جب اس کا ذکر آوے تو اچھا ہی کہے ....

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں[ح۱] کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی تم میں سے مر جاوے تو اس کو چھوڑ دو اس کی برائی مت کرو۔ اور ایک حدیث شریف[ح۲] میں ہے کہ مردوں کو گالی مت دو کہ وہ اپنے کیے کو پہنچ گئے ہیں اور ایک حدیث شریف[ح۳] میں ارشاد ہے کہ اپنے مردوں کا ذکر بہتری سے کیا کرو اس لیے کہ اگر وہ جنتی ہیں تو برا کہنے کا گناہ تم پر ہوگا اور اگر وہ دوزخی ہیں تو ان کو انہیں کی مصیبت کافی ہے۔ اور حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں[ح۴] کہ ایک جنازہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا تو لوگوں نے اس کی برائی بہت سی بیان کی آپؐ نے فرمایا کہ واجب ہو گئی۔ پھر اور جنازہ آیا تو لوگوں نے اس کی بھلائی ذکر کی آپؐ نے فرمایا کہ واجب ہو گئی۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کیا واجب ہو گئی۔ آپؐ نے فرمایا اس جنازے کی تم بھلائی بیان کی اس کے لیے جنت واجب ہو گئی اور پہلے جنازے کی برائی کی تو اس پر دوزخ واجب ہو گئی، اور تم خدائے تعالےٰ کے گواہ ہو زمین میں یعنی جس چیز کی گواہی دو گے ویسا ہی حکم ہوگا اور حضرت ابوہریرہؓ اس حدیث کو روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ بندہ جب مر جاتا ہے اور لوگ اس کا وہ حال بیان کرتے ہیں جو علم الٰہی میں ویسا نہیں ہوتا تو اللہ تعالےٰ فرشتوں سے فرماتا ہے کہ تم گواہ رہو میں نے اپنے بندوں کی گواہی اس بندے کے باب میں قبول کی اور اس کے جو گناہ جانتا ہوں ان کو معاف کیا۔

فصل ۷ : موت سے صور تک کا بیان

(۱) موت کی حقیقت

واضح ہو کہ لوگ موت کی حقیقت کے بیان میں جھوٹے بیان اور خیالات کرتے ہیں اور غلطی پر ہیں۔ مثلاً بعض گمان کرتے ہیں کہ موت نیست ہو جانا ہے نہ حشر ہوگا نہ نشر، نہ خیر اور شر کا کچھ انجام ہے۔ انسان کی موت ایسی ہے جیسے اور حیوانات کی یا سوکھی گھاس کی۔ یہ رائے ملحدین اور ان لوگوں کی ہے جو اللہ اور روز قیامت پر ایمان نہیں لاتے۔ اور بعض یہ گمان کرتے

ح۱ بروایت ابوداؤد ۱۲ ح۲ بخاری بروایت عائشہؓ ۱۲ ح۳ نسائی بروایت عائشہؓ و طبرانی ۱۲ ح۴ بخاری و مسلم ۱۲ ح۵ احمد بروایت شیخ از اہل بصرہ عن ابی ہریرۃؓ ۱۲

ہیں کہ موت سے آدمی نیست ہو جاتا ہے مگر قبر سے لے کر حشر تک نہ کسی عذاب سے درد پاتا ہے نہ ثواب سے راحت[1]، اور بعض یہ کہتے ہیں کہ روح باقی رہتی ہے موت سے نیست نہیں ہوتی اور ثواب اور عذاب روحوں ہی کو ہے جسموں کو نہیں اور جسم ہرگز نہ اٹھائے جاویں گے، نہ پھر سے زندہ ہوں گے اور یہ سب اقوال گمان خراب اور حق سے پھرے ہوئے ہیں اور جو بات کہ اعتبار کے لائق اور آیات اور حدیث سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ موت صرف حال کے بدلنے کا نام ہے اور روح جسم سے جدا ہونے کے بعد یا عذاب میں مبتلا یا آسائش میں چین کرتی باقی رہتی ہے۔ اور روح کے جسم سے جدا ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اس کا تصرف جسم پر سے جاتا رہتا ہے جسم اس کی اطاعت سے باہر ہو جاتا ہے۔ یعنی اعضاء سب کے سب روح کے آلات ہیں کہ ان سے وہ کام لیا کرتی ہے مثلاً ہاتھ سے پکڑا کرتی ہے، کان سے سنا کرتی ہے آنکھ سے دیکھا کرتی ہے اور دل سے اشیاء کی حقیقت جانا کرتی ہے اور دل سے غرض یہاں روح ہے۔ تو یہ غرض ہوئی کہ روح اشیاء کی حقیقت خود معلوم کرتی ہے کسی آلہ کی ضرورت نہیں اسی طرح کبھی اپنے آپ اقسام غم سے دکھ پایا کرتی ہے اور انواع خوشی سے سکھ، اور یہ امور متعلق اعضائے جسمی سے نہیں جو جتنی باتیں ایسی ہیں کہ ان سے خود روح موصوف ہوتی ہے وہ تو بعد جسم کے جدا ہونے کے بھی روح کے ساتھ ہی ہیں اور جو باتیں روح کو بواسطہ اعضاء کے ہوا کرتی ہیں وہ جسم کے مرنے سے جاتی رہتی ہیں یہاں تک کہ دوبارہ پھر جسم میں روح اور روح کا جسم میں دوبارہ آنا نہ قبر میں کچھ دشوار ہے نہ قیامت کے روز تک کی دیر ہونی کچھ بعید ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جیسا کہ بندے کے واسطے حکم کر دیا ہے وہی اس کو خوب جانتا ہے اور موت کے باعث جسم کا بے کار ہونا ایسا ہے جیسے اپاہج آدمی کے اعضاء مزاج کے بگڑنے سے یا پٹھوں میں سدہ واقع ہونے کے باعث نکمے ہو جاتے ہیں اور ان میں روح نہیں اثر کر سکتی تو اس صورت میں روح کا عالم ہونا اور عاقل اور مدرک ہونا باقی رہتا ہے اور بعض اعضاء سے کام لیتی ہے اور بعض اس سے نافرمان ہو جاتے ہیں اور موت کے معنی سب اعضاء کے روح سے نافرمان ہونے کے ہیں۔ اور اعضاء تو روح کے آلات تھے جن سے وہ کام لیتی تھی اور روح سے غرض وہ چیز ہے جو انسان کے اندر علوم اور غموں کی تکلیف اور خوشیوں کی لذت معلوم کرتی ہے جب روح کا تصرف اعضاء میں باطل ہو گیا تو اس کے علوم اور ادراکات اور خوشیوں اور غم اور لذت اور درد کا قبول کرنا تو نہیں جاتا رہا۔ اور انسان واقع میں وہی چیز ہے جو علوم کو ادراک کرتی ہے اور رنج و راحت کو پاتی ہے اور یہ صفت نہیں مرتی بلکہ موت کے باعث سے بدن پر سے اس کا تصرف اٹھ جاتا ہے اور بدن اس کا آلہ نہیں ہوتا۔ جیسے لنجے پن کے یہ معنی ہیں کہ روح کے آلہ ہونے سے ہاتھ نکل گیا اور اس کے کام کا نہ رہا۔ اسی طرح موت گویا سارے اعضاء کا اپاہج ہو جانا ہے کہ کوئی اس کا آلہ نہ رہا۔ اور انسان کی حقیقت جو اس کا نفس اور روح ہے وہ بدستور موجود ہے

---

[1] اصل میں اس قدر اور زیادہ ہے، وہ یہ ہے کہ یہ حالت اس وقت تک رہے گی جب تک قبر میں ہے پھر جب حشر میں اٹھائے جائیں گے تب سے حشر کے ہولناک حالات شروع ہوں گے ۱۲ محمد مرتضیٰ عفا اللہ عنہ ۱۲

ہاں اس کے حال کا بدلنا دو طرح سے ہے۔ اول تو یہ کہ اس سے اس کی آنکھ اور کان اور ہاتھ اور پاؤں اور جملہ اعضاء چھن گئے اور اہل و اقارب اور زن و فرزند اور تمام اشیاء اور گھوڑے اور سواریاں اور غلام اور گھر اور تمام جائیداد چھن گئی اور اس میں کچھ فرق نہیں کہ آدمی سے یہ چیزیں چھن جاویں یا خود اس کو ان چیزوں سے چھین لیا جاوے اس واسطے کہ ایذا دینے والی چیز تو جدائی ہے اور جدائی کا دونوں صورتوں میں درد یکساں ہوتا ہے کہ کبھی تو آدمی کا مال لوٹ لیا جاتا ہے اور کبھی مال وغیرہ بدستور رہتا ہے اس مالک ہی کو قید کر لیا جاتا ہے دونوں صورتوں میں درد یکساں ہوتا ہے اور موت بھی یہی ہے کہ انسان کو اس کے جمیع اموال اور لواحق سے لے کر ایک اور عالم میں بھیج دیا جاوے جو اس عالم کے مشابہ نہ ہو پس اگر دنیا میں اس کی کوئی ایسی چیز ہو گی کہ اس کا دل جس سے اس کو انس و راحت تھی تو بعد موت کے اس چیز کی اس پر جدائی بڑی ہو گی اور اس کی جدائی میں اس شخص کو نہایت تکلیف ہو گی بلکہ اس کا دل ہر ایک چیز کی طرف التفات کرے گا، مال کی طرف جدا اور جاہ کی طرف جدا ، اور جائیداد غیر منقول کی طرف جدا، یہاں تک کہ اگر کوئی کرتا پہن کر خوش ہوا کرتا ہو گا تو اس کے چھوٹنے کا بھی رنج ہو گا اور اگر بجز خدائے تعالیٰ کے ذکر کے اور چیز سے خوش نہ تھا اور نہ اس کے سوا دوسرے سے الفت رکھتا تھا تو مرنے سے بڑی آسائش ملے گی اس لیے کہ موانع برطرف ہوں گے اور محبوب میں اور اپنے آپ میں تخلیہ ہو جائے گا تمام اسباب دنیاوی خدائے تعالیٰ کے ذکر سے شاغل ہی ہیں وہ سب برطرف ہوں گے پس ایک وجہ زندگی اور موت کے حال میں اختلاف کی تو یہ تھی جو بیان ہوئی۔ دوسری وجہ حال کے بدلنے کی یہ ہے کہ موت کے باعث انسان کو وہ باتیں کھل جاتی ہیں جو زندگی میں نہیں کھلتی تھیں۔ جیسے جاگتے آدمی کو ایسے حالات منکشف نہیں ہوتے ہیں جو خواب میں ... ہوتے اور آدمی سب مردہ ہیں جب مریں گے تو جاگیں گے۔ سب سے پہلے جو آدمی پر حال کھلے گا وہ اس کی نیکیوں کا نفع یا برائیوں کا ضرر ہو گا۔ حالانکہ یہ حال اس کے دل کے اندر کی بیاض میں لکھا تھا۔ مگر دنیا کے کاموں کی جہت سے اس کو خبر نہ تھی۔ جب دنیا کے کام برطرف ہو گئے تو سارے اعمال اس پر کھل گئے۔ اب جو برائی دیکھتا ہے اس پر ایسی حسرت کرتا ہے کہ اس حسرت سے بچنے کے لیے آگ میں گھس جانے کو اختیار کر سکتا ہے اور ایسے حال میں اس سے کہا جاتا ہے کفیٰ بنفسك الیوم علیك حسیباً[1] اور یہ بات اس وقت کھلتی ہے کہ جب سانس ٹوٹ جاتی ہے اور دفن نہیں ہوتا اور جدائی کی آگ بھڑکی ہوتی ہے یعنی اس دنیائے ناپائیدار سے جس چیز پر اطمینان تھا اور مقدار زاد اور پہنچانے کی قدر اس سے مراد نہ تھی اس کے جدا ہونے کی آگ لگی ہوئی ہے۔ اور جو شخص کہ دنیا میں سے زاد ہی کے موافق کا طالب ہوتا ہے تو اس کو مرنے کے بعد کچھ رنج جدائی کا نہیں ہوتا بلکہ وہ منزل پر پہنچ کر خوش ہوتا ہے کہ زاد کا تردد جاتا رہا اور وجہ اس کی خوشی کی یہ ہے کہ اس کو غرض منزل مقصود تھی نہ خود زاد سے اور یہ حال ایسے شخصوں کا ہوتا ہے جو دنیا میں سے بقدر ضرورت

---

[1] تو ہی بس ہے آج کے دن اپنا حساب لینے والا ۱۲

ہی لیتے ہیں اور وہ چاہتے رہتے ہیں کہ کسی طرح اتنی ضرورت بھی نہ رہے پس ان کی آرزو مرنے سے پوری ہوجاتی ہے کہ اس قدر سے بھی مستغنی ہوجاتے ہیں۔ اور یہ عذاب کے اقسام اور رنج بہت بڑے ہیں کہ پہلے دفن کے آدمی پر ٹوٹ پڑتے ہیں پھر دفن کے وقت کبھی اور قسم کے عذاب کے لیے اس کی روح جسم میں دوبارہ لائی جاتی ہے اور کبھی معاف کر دیا جاتا ہے۔ اور جو شخص دنیا سے لذت یاب اور اس پر مطمئن ہوتا ہے اس کا حال ایسا سمجھو جیسے کوئی شخص کسی بادشاہ کی غیبت میں اس کے محل اور سلطنت اور پایۂ تخت میں خوب مزے اڑائے اور اعتماد کرتا ہو کہ بادشاہ میرے معاملہ میں کچھ سہولت برتے گا یا یہ کہ جو کچھ میں بُرے کام کر رہا ہوں ان کا علم بادشاہ کو نہ ہوگا اور بادشاہ اس کو اچانک پکڑ لے اور اس پر ایک فرد پیش کرے جس میں اس کی خطائیں اور بداقعالیاں ذرا ذرا سی لکھی ہوئی ہیں اور بادشاہ بھی بڑا زبردست اور غیرت ناک ہو اور جو لوگ اس کے محل میں یا سلطنت میں مرتکب افعال ناشائستہ ہوں ان سے عوض لینے والا ہو اور کسی کی سفارش نافرمانوں کے باب میں نہ سنتا ہو، تو ایسی صورت میں اس گرفتار کا حال سوچنا چاہیئے کہ پہلے سزا وغیرہ ہونے سے اس کو کس قدر خوف اور شرم اور حسرت وندامت ہوگی یہی حال بدکار میت کا ہے جو دنیا پر مغرور اور مطمئن ہوتا ہے کہ پہلے قبر کے عذاب بلکہ عین مرنے کے وقت خوف وشرم وحسرت وندامت ٹوٹ پڑتی ہے اور جسم کے مارنے و کاٹنے کی نسبت کر رسوائی اور فضیحت اور پردہ کے فاش ہونے کا عذاب اسکو زیادہ ہوتا ہے معاذ اللہ منہا، غرضکہ موت کے وقت مردہ کا حال ایسا ہوتا ہے اہل بصیرت نے اس کو باطن کے مشاہدے سے دیکھا ہے جو ظاہر کے دیکھنے سے بھی قوی تر ہے اور اس پر قرآن وحدیث کے دلائل بھی موجود ہیں۔ ہاں کنہ حقیقت موت کا حال معلوم ہونا ممکن نہیں اسلیے کہ موت کی معرفت بدون زندگی کی معرفت کے ممکن نہیں اور زندگی کی معرفت، روح کی حقیقت جاننے اور اس کی ذات کے پہچاننے پر موقوف ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے باب میں گفتگو کرنے کی اجازت نہیں دی اور[ع] الروح من امر ربی ط کہنے کے سوا اور کچھ زیادہ کہنے سے منع فرمایا ہے[ح]۔ تو کسی کو علمائے دین میں سے نہیں پہنچ سکتا کہ روح کے راز کھولے گو اس پر مطلع ہو صرف اسباب میں اسی قدر اجازت ہے کہ روح کا بعد موت کے ذکر کریں اور اس بات پر بہت سی آیتیں اور حدیثیں دلالت کرتی ہیں کہ موت سے روح نیست نہیں ہوتی نہ اس کا ادراک فنا ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ شہداء کے باب میں ارشاد فرماتا ہے ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون فرحین[ت] ط اور جبکہ جنگ بدر میں شرفائے قریش مارے گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک ایک کو پکارا اے فلاں اور اے فلاں مجھ

ح[ا] بخاری ومسلم بروایت ابن مسعودؓ ۱۲ ت[۲] اور تو نہ سمجھ جو لوگ مارے گئے اللہ کی راہ میں مردے بلکہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس روزی پاتے ہیں خوشی کرتے ہیں ۱۲ ح[۲] مسلم بروایت عمر فاروقؓ ۱۲

ع روح حکم ہے میرے رب کا ۱۲

سے جو میرے رب نے وعدہ کیا تھا اس کو میں نے سچا پایا تم سے جو تمہارے پروردگار نے جو وعدہ کیا تھا تم نے بھی سچا پایا کہ نہیں۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ ان کو پکارتے ہیں جو مردہ ہیں آپ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے وہ اس کلام کو تم سے زیادہ سنتے ہیں مگر وہ جواب پر قادر نہیں، تو یہ حدیث نص ہے شقی کی روح کے باقی رہنے سے اور اس کے ادراک و معرفت بحال رہنے کے باب میں اور آیت نص تھی شہداء کی ارواح میں، اور میت کی دو ہی قسمیں ہیں یا سعید ہوتا ہے یا شقی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[1] کہ قبر ایک گڑھا ہے آگ کے گڑھوں میں سے یا ایک باغ ہے جنت کے باغوں میں سے یہ حدیث صریح نص ہے اس بات میں کہ موت کے معنی صرف حال کے بدلنے کے ہیں۔ اور اس میں کہ میت کے واسطے جو کچھ سعادت اور شقاوت ہونے کو ہوتی ہے وہ مرتے ہی بلا تاخیر ہو جایا کرتی ہے۔ صرف بعض اقسام کے عذاب اور ثواب البتہ پیچھے پڑ رہتے ہیں مگر ان کی اصل اسی وقت ہو جاتی ہے۔ اور حضرت انسؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا[2] الموت قیامۃ فمن مات فقد قامت قیامتہ۔ اور ایک حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[3] کہ جب کوئی تم میں سے مر جاتا ہے تو اس کا ٹھکانا صبح و شام اس پر پیش کیا جاتا ہے اگر وہ جنتی ہوتا ہے تو جنت میں اور اگر دوزخی ہوتا ہے تو دوزخ میں سے ٹھکانا دکھلایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ تیرا ٹھکانا ہے یہاں تک کہ خدائے تعالیٰ تجھ کو اس میں قیامت کے دن پہنچاوے اور جو کچھ ان ٹھکانوں کے دیکھنے سے لذت یا عذاب اس وقت ہوتا ہوگا وہ مخفی نہیں۔ اور ابو قیسؓ کہتے ہیں کہ ہم علقمہؓ کے ساتھ ایک جنازے میں شریک تھے آپ نے فرمایا کہ اس کی قیامت تو قائم ہو گئی۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ نفس کو دنیا سے نکلنا حرام ہے جب تک کہ یہ نہ جان لے کہ جنت والوں میں سے ہوں یا دوزخ والوں میں سے۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[4] من مات غریبا مات شہیدا ووقی فتان القبر وغدی وریح علیہ برزقہ من الجنۃ۔ حضرت مسروقؒ فرماتے ہیں کہ مجھے اتنی غبطہ اور کسی پر نہیں آتی جتنی اس ایماندار پر آتی ہے کہ لحد میں جا کر دنیا کی تکالیف سے آرام پایا ہو اور خدائے تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ رہا ہو۔ اور یعلیٰ بن ولید کہتے ہیں کہ میں ایک روز حضرت ابو درداء کے ساتھ چلا جاتا تھا میں نے آپ سے پوچھا کہ جس شخص سے آپ محبت رکھتے ہیں اس کے لیے آپ کونسا حال پسند کرتے ہیں آپ نے فرمایا موت اس کے لیے پسند کرتا ہوں میں نے پوچھا کہ اگر وہ نہ مرے آپ نے فرمایا تو یہ پسند کرتا ہوں کہ اس کا مال اور اولاد کم ہو۔ اور موت کو اس لیے پسند کرتا ہوں کہ یہ چیزیں آزمائش کی ہیں اور دنیا کے ساتھ انس کی باعث ہیں اور ایسی چیز سے انس کرنا جس کا چھوڑنا ضروری ہے ... نہایت بدبختی ہے اور جو چیز خدائے تعالیٰ کے اور اس کے

---

[1] ترمذی بروایت ابو سعید ۱۲ [2] موت قیامت ہے پس جو مرا اس کی قیامت قائم ہو گئی ۱۲ ابن ابی الدنیا بسند ضعیف ۱۲ [3] بخاری و مسلم بروایت ابن عمرؓ ۱۲ [4] جو شخص حالت سفر میں مرتا ہے وہ شہید مرتا ہے اور قبر کے دو فتنہ ڈالنے والوں سے بچایا جاتا ہے اور اس کو صبح اور شام اس کی روزی جنت سے دی جاتی ہے ۱۲ ابن ماجہ بسند ضعیف ۱۲

ذکر اور انس کے سوا ہے ان سب کو مرنے پر چھوڑ دینا ضروری ہے اور اس سے حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ نے فرمایا کہ مومن کی مثال اس کے دم یا روح نکلنے کے وقت ایسی ہے جیسے کوئی شخص قید خانے میں ہو اور اس میں سے چھوڑ دیا جاوے اور زمین میں سیر کرتا کودتا پھرے۔ اور یہ جو آپ نے ذکر فرمایا یہ اسی شخص کا حال ہے جو دنیا سے علیحدہ اور کنارہ کش ہو اور بجز ذکر اللہ تعالیٰ کے اور کسی چیز سے انس نہ رکھتا ہو اور دنیا کے علائق اس کو محبوب حقیقی سے روکتے ہوں اور شہوتوں کی سختی بھگتنی اس کو ایذا دیتی ہو تو ایسے شخص کی موت میں سب موذیوں سے چھٹی ہو جاتی ہے اور جس محبوب سے اس کو انس تھا بے روک ٹوک اس سے تخلیہ نصیب ہوتا ہے۔ اور بہت زیبا ہے کہ یہ امر منتہائے آسائش اور کامل لذت ان شہیدوں کے لیے ہو جو خدا کی راہ میں مقتول ہیں اس لیے وہ جو مرنے پر جرأت کرتے ہیں تو جبھی کرتے ہیں جب اپنی توجہ دنیا کے علاقوں سے قطع کر لیتے ہیں اور مشتاق دیدار الٰہی کے ہو کر اس کی رضا جوئی میں قتل پر راضی ہوتے ہیں۔ پس اگر دنیا کی طرف نظر کرے گا تو اپنی خوشی سے اس کو آخرت کے بدلے میں بیچ ڈالے گا اور بیچنے والے کا دل مبیع کی طرف التفات نہیں کیا کرتا اور آخرت کی طرف نظر کرے گا تو اس کو خریدا ہی ہے اور اسی کا شائق تھا تو جس چیز کو مول لیا ہے اس کو جب دیکھے گا تو کیسی کچھ خوشی ہوگی اور جس چیز کو بیچ دیا ہے اس کے جدا ہونے پر کتنا کم التفات ہوگا۔ اور دل کا خالص ہونا محبت الٰہی میں کبھی اتفاقاً ہو جایا کرتا ہے۔ یہ نہیں کہ موت بھی اسی پر ہو اسی لیے بدل جاتا ہے اور خدا کی راہ میں لڑنا موت کا سبب ہے تو اسی حالت پر موت آنے کا سبب ہوگا اور یہیں وجہ اس کی لذت زیادہ ہوتی ہے کیونکہ معنی لذت کے یہ ہیں کہ آدمی اپنی مراد کو پہنچ جاوے اور جی چاہتی بات میسر ہو،[1] ولهم فيها ما يشتهون ط اس آیت میں سب لذتیں جنت کی آگئیں۔ اور بڑے سے بڑا عذاب یہ ہے کہ آدمی اپنی مراد سے روک دیا جاوے چنانچہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے[2] وحيل بينهم و بين ما يشتهون ط یہ آیت اہل دوزخ کے تمام عذابوں کو جامع ہے اور آسائش مذکورہ بالا شہید کو فوراً دم نکلتے ہی ملتی ہے اور یہ امر ارباب قلوب کو نور یقین سے منکشف ہوتا ہے اور اگر تم کو اس پر شہادت نقلی منظور ہو تو شہداء کے باب میں جتنی احادیث ہیں وہ سب اسی پر دال ہیں۔ ہر ایک حدیث میں شہداء کی انتہائے لذت کو اور ہی لفظوں سے تعبیر فرمایا ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابرؓ کو فرمایا[3] اور ان کا باپ جنگ احد میں شہید ہو گیا تھا کہ میں تم کو خبر خوش سناؤں۔ انہوں نے عرض کیا کہ بہت بہتر آپ کو خدائے تعالیٰ بشارت خیر دے۔ آپ نے فرمایا کہ خدائے عزوجل نے تیرے باپ کو زندہ کیا اور اپنے سامنے بٹھلا کر کہ میرے بندے جو چاہے مجھ سے تمنا کر میں تجھ کو دوں گا تیرے باپ نے عرض کیا کہ الٰہی میں نے تیری عبادت جیسی چاہیے ویسی نہیں کی میں تجھ سے یہ تمنا کرتا ہوں کہ تو مجھ کو پھر دنیا میں بھیجدے تاکہ میں تیرے رسول کے ساتھ ہو کر لڑوں اور دوسری دفعہ

ت۱ ان کو وہاں ہے جو چاہیں ۱۲ ت۲ اور اٹکاؤ پڑ گیا ان میں اور جو ان کا دل چاہے ان میں ح۳ ترمذی و ابن ماجہ بروایت جابرؓ و ابن ابی الدنیا بروایت عائشہؓ اور اس کی سند میں ضعف ہے ۱۲

تیری راہ میں مارا جاؤں، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ یہ میری طرف سے پہلے ہو چکا ہے کہ تو دنیا میں لوٹ کر نہ جاوے گا اور حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ جنت میں ایک شخص روتا ہوا پایا جاوے گا۔ اس سے کہا جاوے گا کہ تو جنت میں ہو کر کیوں روتا ہے وہ کہے گا کہ میں اس لیے روتا ہوں کہ خدا کی راہ میں صرف ایک ہی بار مارا گیا۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ پھر جاکر لڑوں اور کئی بار مارا جاؤں، اور جاننا چاہیئے کہ ایمان کو مرنے کے بعد خدائے تعالیٰ کا جلال اتنا وسیع معلوم ہوتا ہے جس کے سامنے دنیا تنگ اور مثل قید خانے کے معلوم ہوتی ہے اور اس کا حال ایسا ہوتا ہے جیسے کوئی اندھیرے قید خانے میں محبوس ہو اور اس پر ایک دروازہ ایک ایسے وسیع باغ کی طرف کھول دیا جاتا ہے کہ اس کی وسعت پر آنکھ کام نہ کرتی ہو اور اس میں طرح طرح کے درخت اور پھول اور پھل اور جانور ہوں تو ظاہر ہے کہ وہ شخص اس باغ میں پہنچکر اندھیرے قید خانے میں پھر آنا نہ چاہے گا۔ اور ایک مثال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بیان فرمائی ہے[۱] یعنی ایک شخص مر گیا تھا اس کو آپ نے فرمایا کہ یہ دنیا سے کوچ کر گیا اور دنیا کو دنیا داروں کے لیے چھوڑ گیا اگر یہ راضی ہے تو اسے دنیا میں پھر کر آنا اچھا نہ معلوم ہوگا۔ جیسے تم میں سے کوئی اچھا نہیں جانتا کہ وہ دوبارہ اپنی ماں کے پیٹ میں جاوے اس حدیث میں بتلادیا کہ آخرت کی وسعت کو دنیا سے وہ نسبت ہے جو دنیا کی وسعت کو رحم کی تاریکی کی طرف ہے اور ایک حدیث شریف میں ارشاد ہے[۱] کہ مومن کی مثال ایسی ہے جیسے بچہ اپنی ماں کے پیٹ میں کہ جب پیٹ سے نکلتا ہے تو اپنے نکلنے پر روتا ہے مگر جب روشنی دیکھتا ہے تو پھر اپنی جگہ جانا پسند نہیں کرتا۔ یہی حال مومن کا ہے کہ موت سے گھبراتا ہے مگر جب اپنے پروردگار کے پاس جاتا ہے تو پھر دنیا میں آنا پسند نہیں کرتا جیسے بچہ ماں کے پیٹ میں جانا نہیں چاہتا۔ اور کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ فلاں شخص مر گیا آپؐ نے فرمایا[۲] کہ مستریح او مستراح منہ یعنی یا اس کو راحت ملی یا اس سے دوسروں کو راحت ہو گئی اس میں مستریح سے اشارہ مومن کی طرف ہے کہ بلائے دنیوی سے راحت پائی اور مستراح منہ سے فاجر کی طرف اشارہ ہے کہ دنیا والے اس سے راحت میں ہو جاتے ہیں۔ اور ابو عمرؓ پانی پلانے والے کہتے ہیں کہ ہم لڑکے سے تھے ہمارے پاس کو حضرت ابن عمرؓ گذرے اور ایک قبر کی طرف نگاہ کی دیکھا تو ایک کھوپری کھلی ہوئی تھی۔ ایک شخص کو آپ نے ارشاد فرمایا اس نے اس پر مٹی ڈال دی پھر فرمایا کہ یہ خاک ان بدنوں کو کچھ ضرر نہیں کرتی اور جن پر کہ ثواب اور عذاب قیامت ہوتا ہے وہ ارواح ہیں۔ اور عمرو بن دینار فرماتے ہیں کہ جو میت مرتی ہے وہ جو کچھ اس کے گھر اس کے بعد ہوتا ہے جانتی ہے یہاں تک کہ لوگ مردے کو غسل اور کفن دیتے ہیں اور وہ ان کو دیکھتا ہے۔ اور مالک بن انسؒ فرماتے ہیں کہ میں نے سنا ہے کہ مومنوں کی روحیں چھوٹی رہتی ہیں جہاں چاہتی ہیں وہاں رہتی ہیں اور نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں[۳]

ح۱ ابن ابی الدنیا بروایت سلیم بن عامر جباری مرسلا ۱۲ ح۲ ان لفظوں سے ابن ابی الدنیا نے نقل کیا ہے اور بخاری و مسلم نے بروایت ابو قتادہ روایت کیا ہے کہ یہ لفظ آپ نے اس وقت فرمائے کہ آپ کے سامنے ایک جنازہ گذرا ۱۲ ع۵ فی الاصل صاحب السقیا الخ سقیا مدینے سے دو میل پر ایک مقام ہے وہاں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے میٹھا پانی لایا جاتا تھا۔ شاید یہی اس مقام میں مراد ہے ۱۲ امیر علی عفی عنہ۔ ح۳ ابن ابی الدنیا و ابوبکر بن بلال بروایت مالک بن اذا عن نعمان اور مالک بن اذا مختلف فیہ ہے ۱۲

کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر فرماتے سُنا کہ آگاہ رہو دنیا میں صرف اس قدر رہا ہے جیسے مکھی اس میں جو میں ملتی ہے پس اللہ سے خوف کرو اپنے مردہ بھائیوں کے باب میں اس لیے کہ تمہارے اعمال ان پر پیش ہوتے ہیں اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[ح] کہ اپنے مردوں کو اپنے بُرے اعمال سے فضیحت مت کرو کیونکہ تمہارے اعمال بد تمہارے مردہ دوستوں پر پیش ہوا کرتے ہیں۔ اور اسی واسطے حضرت ابو درداءؓ نے دعا میں فرمایا کہ الٰہی میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ ایسا کام کروں جس سے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے سامنے فضیحت ہوں۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ حضرت ابو درداء کے ماموں تھے اور پہلے مر چکے تھے اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے کسی نے پوچھا کہ مرنے کے بعد مومنین کی روحیں کہاں رہتی ہیں آپ نے فرمایا کہ سفید جانوروں کی صورت میں عرش کے سایے میں رہتی ہیں اور کافروں کی روحیں ساتویں زمین میں رہتی ہیں۔ اور حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سُنا ہے کہ فرماتے تھے کہ مردہ اپنے غسل دینے والے اور اُٹھانے والے اور قبر میں اتارنے والے کو پہچانتا ہے اور صالح مری فرماتے ہیں کہ میں نے سُنا ہے کہ روحیں موت کے وقت ملا کرتی ہیں۔ پہلے مردوں کی روحیں اس حال کے مردے کی روح سے کہتی ہیں کہ تیرا ٹھکانا کہاں ہوا اور تو پاک جسم میں رہا یا ناپاک میں۔ اور عبید بن عمیر کہتے ہیں کہ اہل قبور اخبار کے منتظر رہتے ہیں۔ جب کوئی مردہ ان کے پاس جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص کا کیا حال ہے وہ کہتا ہے کہ دنیا سے تو وہ آلیا کیا تمہارے پاس نہیں آیا۔ وہ کہتے ہیں کہ نہیں پھر کہتے ہیں کہ انا للہ وانا الیہ راجعون ط اس کو کسی اور راستے سے لے گئے ہمارے پاس نہیں لائے۔ اور جعفر بن سعید سے مروی ہے کہ جب کوئی مر جاتا تو اس کا لڑکا اس کے استقبال کو آتا ہے۔ جیسے کسی مسافر کا استقبال کیا کرتے ہیں۔ اور مجاہدؒ فرماتے ہیں جس کا لڑکا نیک بخت ہوتا ہے تو اس کی نیک بختی کی بشارت اس کو قبر میں دی جاتی ہے۔ اور ابو ایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[ح] کہ جب مومن کی جان نکلتی ہے تو اس سے خدائے تعالیٰ کے پاس سے رحمت والے مردے ایسے ملتے ہیں جیسے دنیا میں خوشخبری سُنانے والا کسی کے پاس آتا ہے اور کہتے ہیں کہ اس اپنے بھائی کو دیکھو[ع] تاکہ اس کو تسکین ہو جاوے کہ یہ شخص بڑی سختی میں تھا۔ پھر اس سے پوچھتے ہیں کہ فلاں شخص کا کیا حال ہے اور فلانی عورت کیسی ہے اور فلانی عورت نے نکاح کیا کہ نہیں۔ پس جب اس سے کسی ایسے شخص کا حال پوچھتے ہیں کہ وہ اس سے پہلے مر گیا ہوتا ہے اور وہ جواب دیتا ہے کہ وہ تو مجھ سے پہلے مر چکا ہے کہتے ہیں کہ انا للہ وانا الیہ راجعون اس کو اس کے اعمال دوزخ میں لے گئے۔

ح[۱] ابن ابی الدنیا واماثلی بسند ضعیف ۱۲ ح[۲] احمد بروایت شخصے معاویکہ نام عن ابی سعید ۱۲ ت[۳] ہم اللہ کا مال ہیں اور ہم کو اسی کی طرف پھر جانا ہے ۱۲ ح[۴] ابن مبارک در زہد موقوفاً علی ابی ایوب بسند جید ونسائی وابن حبان بروایت ابو ہریرہؓ ۱۲ ح[۵] طبرانی وحاکم بروایت ابو الحجاج ثمانی بسند ضعیف ۱۲ ع اصل میں ہے انظروا اخاکم الخ یعنی بھائی کو مہلت دو یہاں تک کہ اسکو تسکین وراحت ہو جاتے ۱۲ محمد مرتضیٰ عفا اللہ عنہ

۲۔ قبر کے احوال

اور زبان حال مردوں کے سمجھانے کے لیے فصیح تر ہے۔ بہ نسبت زبان مقال کے زندوں کے سمجھانے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب مردہ قبر میں رکھا جاتا ہے تو قبر اس سے کہتی ہے کہ اے خانہ خراب آدمی تجھ کو کس چیز نے مجھ سے مغالطے میں رکھا تو نے نہ جانا کہ میں آزمائش کا گھر ہوں اور تاریکی کا مکان اور تنہائی کی جگہ اور کیڑوں کا خانہ ہوں، میرے باب میں تجھے کس چیز نے دھوکا دیا کہ تو میرے اوپر اکڑ کر چلتا تھا۔ پس اگر نیک بخت ہوتا ہے تو اس کی طرف سے کوئی جواب دینے والا جواب دیتا ہے کہ تو دیکھتی نہیں کہ یہ شخص اچھی بات کا امر کیا کرتا تھا اور بری بات سے منع کرتا تھا۔ قبر کہتی ہے تو اب اس پر سبز ہو جاتی ہوں اور اس کا جسم نور بن جاویگا اور روح خدائے تعالیٰ کے پاس چلی جائے گی انتہیٰ۔ اور عبید بن عمیر لیثیؒ کہتے ہیں کہ جو مردہ مرتا ہے اس کا گڑھا جس میں وہ دفن ہوگا اس سے کہتا ہے کہ میں تنہائی اور تاریکی اور اکیلے رہنے کا مقام ہوں۔ اگر تو اپنی زندگی میں خدا تعالیٰ کا مطیع رہا ہوگا تو میں آج تم پر رحمت بنوں گا اور اگر تو نافرمان رہا ہوگا تو عذاب بنوں گا میں وہ ہوں کہ جو مجھ میں مطیع ہو کر گھسے گا وہ خوش ہو کر نکلے گا اور جو عاصی ہو کر آئے گا وہ تباہ ہو کر نکلے گا۔ اور محمد بن صبیح کہتے ہیں کہ جب آدمی قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کو عذاب یا بری بات پہنچتی ہے تو اس کے پڑوس کے مردے اس سے کہتے ہیں کہ اے اپنے قریبیوں اور پڑوسیوں سے دنیا میں پیچھے رہنے والے کیا تجھ کو ہم سے عبرت نہ ہوتی۔ کیا اپنے آپ سے آگے آنے والوں کا حال تو نے نہ سوچا تو نے نہ دیکھا کہ ہمارے اعمال مرنے سے تمام ہو گئے تھے تجھ کو تو مہلت تھی تو نے تدارک اس چیز کا کیوں نہ کر لیا۔ جو تیرے اقارب سے رہ گئی تھی اور زمین کے حصے اس سے کہتے ہیں کہ اے ظاہر دنیا پر دھوکا کھانے والے جو لوگ تیرے گھر والوں میں سے زمین کے شکم میں چلے گئے تھے ان سے تو نے عبرت کیوں نہ پکڑی ان کو دنیا نے تجھ سے پہلے دھوکا دیا۔ پھر ان کی موت ان کو قبروں میں لے گئی تو ان کو دیکھتا تھا کہ دوسروں کے کاندھوں پر اس منزل میں چلے جاتے ہیں جو ان کے لیے ضرور تھی۔ اور یزید رقاشی کہتے ہیں کہ میں نے سنا ہے کہ جب مردہ قبر میں رکھا جاتا ہے تو اس کے اعمال اس کو آگھیرتے ہیں۔ پھر ان کو خدائے تعالےٰ گویا کرتا ہے وہ کہتے ہیں کہ اے اکیلے بندے گڑھے میں پڑے ہوئے تیرے دوست اور گھر والے تیرے پاس سے چلے گئے۔ تو ہمارے پاس آج تیرا کوئی انیس نہیں۔ اور حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ جب نیک بندہ قبر میں رکھا جاتا ہے تو اس کے اعمال نیک نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد اس کو گھیر لیتے ہیں پھر عذاب کے فرشتے اس کے پاؤں کی طرف سے آتے ہیں تو نماز کہتی ہے کہ اس سے الگ رہو یہ شخص اللہ کے واسطے ان پر کھڑا رہا تھا۔ پھر فرشتے سر کی طرف سے آتے ہیں تو روزہ کہتا ہے کہ ادھر کو تم کو راہ نہیں دنیا میں یہ شخص بہت پیاسا رہا کرتا تھا۔ فرشتے بدن کی طرف سے آتے ہیں تو حج اور جہاد کہتے ہیں کہ یہاں سے الگ رہو کہ اس نے اس بدن سے حج کے لیے بہت محنت و مشقت اٹھائی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا تم کو راہ نہ ملے گی۔ فرشتے ہاتھوں کی طرف آتے ہیں تو صدقہ کہتا ہے کہ اس شخص نیک کو جانے دو بہت سا صدقہ اس نے ان ہاتھوں سے دیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو مقبول ہوا اور اسی کی

رضا جوئی کو دیا تھا تو تم کو یہاں راہ نہ ملے گی تب اس سے کہا جاتا ہے کہ مبارک باد تم کو تو پاک ہی زندہ رہا اور پاک ہی مرا۔ پھر اس کے پاس رحمت کے فرشتے آتے ہیں اور اس کے لیے جنت کا بستر بچھاتے ہیں اور حلہ بہشتی لاتے ہیں اور اس کی قبر کو جہاں تک نظر کام کرے وہاں تک کشادہ کرتے ہیں اور جنت میں سے ایک قندیل آجاتا ہے کہ اس کی روشنی میں قبر میں سے اُٹھنے تک رہتا ہے اور عبداللہ بن عبید بن عمیر نے ایک جنازے کے ساتھ میں فرمایا کہ میں نے سُنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[1] ہے کہ مردہ قبر میں بٹھلایا جاتا ہے اور وہ آواز اپنے ساتھیوں کے پاؤں کی سنتا ہے اور اس سے بجز اس کی قبر کے اور کوئی چیز کلام نہیں کرتی۔ قبر کہتی ہے کہ اے خانہ خراب تجھ کو مجھ سے کسی نے نہیں ڈرایا۔ تجھے یہ خوف نہیں دلایا گیا تھا کہ میں تنگ اور بدبودار ہولناک اور کیڑوں سے پُر ہوں پس تو نے میرے لیے کیا سامان کیا۔

۳۔ عذاب قبر اور منکر نکیر کا سوال

حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک شخص انصار[2] کے جنازے پر نکلے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر مبارک نیچے کو ڈال کر اس کی قبر پر بیٹھے پھر تین بار ارشاد فرمایا کہ الٰہی میں تجھ سے عذاب قبر سے پناہ مانگتا ہوں۔ پھر فرمایا کہ جب ایماندار آخرت کی پیشی میں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے فرشتوں کو بھیجتا ہے کہ گویا ان کے منہ آفتاب ہوتے ہیں ان کے ساتھ اس کی خوشبو اور کفن ہوتا ہے وہ اس کی آنکھوں کے سامنے بیٹھتے ہیں جب اس کی روح نکلتی ہے تو ہر فرشتہ آسمان و زمین کے درمیان کا اور ہر ایک فرشتہ آسمان کا اس پر رحمت بھیجتے ہیں اور آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ کوئی دروازہ ایسا نہیں ہوتا کہ اس کی روح اپنے اندر ہو کر جانا نہ چاہتا ہو۔ جب اس کی روح اوپر چڑھتی ہے تو فرشتے عرض کرتے ہیں کہ الٰہی یہ تیرا فلاں بندہ ہے حکم ہوتا ہے کہ اس کو لے جاؤ اور جو کچھ ہم نے اس کے لیے سامان کرامت مہیا کیا ہے دکھلاؤ اس لیے کہ ہم وعدہ کر چکے ہیں[3] منھا خلقنکم فیھا نعیدکم ومنھا نخرجکم تارۃ اخریٰ اور وہ شخص پھرتے لوگوں کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے۔ یہاں تک کہ اس سے کہا جاتا ہے کہ تیرا رب کون ہے اور دین کیا اور نبی کون ہے وہ جواب دیتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور دین اسلام ہے اور میرے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور سوال میں اس سے نہایت سختی کے ساتھ پوچھتے ہیں۔ اور یہ آخر جانچ ہے جو مردے پر ہوتی ہے پس جب وہ جواب مذکور دیتا ہے تو پکارنے والا پکارتا ہے کہ تو سچ کہتا ہے یہی معنی ہیں اس آیت کے[4] یثبت اللہ الذین اٰمنوا بالقول الثابت فی الحیوۃ الدنیا وفی الاٰخرۃ ط پھر اس کے پاس ایک آنے والا خوبصورت خوش لباس خوشبودار آکر کہتا ہے کہ تجھ کو رحمت پروردگار کی

---

[1] ابن ابی الدنیا نے اسی طرح مرسلاً نقل کیا ہے ۱۲ [2] ابوداؤد و حاکم نے پوری نقل کی ہے اور نسائی و ابن ماجہ نے مختصراً ۱۲

[3] اسی زمین سے ہم نے تم کو بنایا اور اسی میں پھر تم کو ڈالتے ہیں اور اسی سے نکالیں گے تم کو دوسری بار ۱۲ [4] مضبوط کرتا ہے اللہ ایمان والوں کو مضبوط بات سے دنیا کی زندگی اور آخرت میں ۱۲

بشارت ہو اور ان جنتوں کا مژدہ ہو جن میں لذت دائمی ہے وہ کہتا ہے کہ تجھ کو بھی بشارت خیر کی خدا تعالیٰ دے
تو کون ہے وہ کہتا ہے کہ میں تیرا عمل نیک ہوں بخدا کہ میں نے تیرا حال بھی جانا کہ تو خدائے تعالیٰ کی طاعت میں جلد باز
اور معصیت میں دیر کرنے والا تھا۔ خدائے تعالیٰ تجھ کو جزائے خیر دے۔ پھر ایک منادی پکارتا ہے کہ اس کے لیے
جنت کے بستروں میں سے بستر کرو اور ایک دروازہ جنت کا اس طرف کو کھول دو، پس بستر جنت میں سے بچھا دیا
جاتا ہے اور دروازہ جنت کی طرف کھول دیا جاتا ہے وہ اس وقت کہتا ہے کہ الٰہی قیامت کو جلد برپا کر تاکہ میں اپنے
اہل اور مال کی طرف رجوع کروں۔ اور کافروں کا حال یہ ہوتا ہے کہ جب آخرت کے سامنے ہوتا ہے اور دنیا سے علیحدہ
ہوا چاہتا ہے تو اس پر دو فرشتے تند خو کڑے اترتے ہیں اور ان کے ساتھ آگ کے کپڑے اور گندھک کا کرتہ
ہوتا ہے وہ اس کے گرد ہو جاتے ہیں اور جب جان نکلتی ہے تو اس پر تمام فرشتے ادھر کے اور تمام فرشتے آسمان
کے لعنت کرتے ہیں اور دروازے آسمانوں کے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ کوئی دروازہ ایسا نہیں ہوتا کہ اپنے اندر اس
کی روح جانے دینا بُرا نہ جانتا ہو جب اس کی روح چڑھتی ہے تو پھینک دی جاتی ہے اور عرض کیا جاتا ہے کہ الٰہی
تیرے فلاں بندے کو نہ آسمان نے قبول کیا اور نہ زمین نے اللہ عزوجل فرماتا ہے اس کو ہٹا لے جاؤ اور سامان بُرائی
کا اس کے لیے ہم نے مہیا کیا ہے اس کو دکھلاؤ کہ ہم نے اس سے وعدہ کر لیا ہے منها خلقناکم آخر آیت تک۔
اور وہ جوتیوں کی آواز لوگوں کے پھرنے کے وقت سنتا ہے۔ یہاں تک کہ اس سے کہا جاتا ہے کہ تیرا رب کون ہے
اور نبی کون اور دین کیا وہ جواب دیتا ہے کہ میں تو نہیں جانتا اس سے کہا جاتا ہے کہ تو نہ جانیو۔ پھر اس کے پاس ایک
آنے والا بدصورت بدبودار بدلباس آتا ہے اور کہتا ہے کہ تجھ کو مژدہ ہو غضب الٰہی اور عذاب دردناک دیرپا کا، وہ
کہتا ہے کہ خدا تعالیٰ تجھ کو بدی کی خبر سناوے تو کون ہے وہ کہے گا کہ میں تیرا عمل بد ہوں، بخدا تو خدا تعالیٰ کی نافرمانی
میں جلد باز اور طاعت الٰہی میں تاخیر کرنے والا تھا۔ خدائے تعالیٰ تجھ کو جزائے بد دیوے وہ کہتا ہے کہ تجھے بھی خدا تعالیٰ
جزائے بد دیوے۔ پھر اس پر ایک بہرا گونگا معین کیا جاتا ہے جس کے پاس لوہے کا گرز ہوتا ہے کہ اگر جن و انسان
اس کے اٹھانے پر متفق ہوں تو نہ اٹھ سکے۔ اگر اس کو پہاڑ پر مارے تو مٹی ہو جاوے وہ اس سے اس کافر کو مارتا ہے
تو وہ مٹی ہو جاتا ہے پھر اس میں جان آتی ہے پھر اس کی آنکھوں کے بیچ میں ایک چوٹ لگاتا ہے کہ اس کی آواز
سوائے جن و انسان کے سب زمین پر کے رہنے والے سنتے ہیں پھر ایک پکارنے والا پکارتا ہے کہ اس کے لیے دو
تختیاں آگ کی بچھا دو اور ایک دروازہ دوزخ کی طرف کھول دو، اس کے لیے دو تختیاں بچھا دی جاتی ہیں اور
ایک دروازہ دوزخ کی طرف کو کھول دیا جاتا ہے۔ اور محمد بن علیؒ کہتے ہیں کہ جو مردہ مرتا ہے موت کے وقت اس
کے اعمال نیک و بد اس کے سامنے صورت بن کر آتے ہیں تو اپنی نیکیوں کو دیکھتا ہے اور بدیوں سے آنکھ بند
کر لیتا ہے۔ اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب[ح۱] مومن مرنے لگتا ہے تو

ح۱ بزار نے اسی طرح نقل کیا ہے اور نسائی و ابن حبان نے بالفاظ مختلف ۱۲

اس کے پاس فرشتے ایک حریر کے کپڑے میں مشک اور ریحان کی مٹی لے کر آتے ہیں پس اس کی روح ایسے نکال لیتے ہیں جیسے آٹے میں سے بال نکال لیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اے نفس مطمئنہ خدا تعالیٰ کی کرامت اور راحت کی طرف نکل تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے خوش اور جب اس کی جان نکلتی ہے تو اسے مشک و ریحان میں رکھ کر اوپر سے حریر لپیٹ دیا جاتا ہے اور اس کو علیین یعنی اوپر والوں میں بھیج دیا جاتا ہے اور کافر کو جب موت آتی ہے تو اس کے پاس فرشتے ٹاٹ میں چنگاریاں لے کر آتے ہیں اور بڑی سختی سے جان نکالتے ہیں اور کہا جاتا ہے اے نفس پلید خدا تعالےٰ کے عذاب اور خواری کی طرف نکل تو اس سے خفا اور وہ تجھ سے خفا۔ پھر جب اسکی جان نکلتی ہے تو اسی چنگاریوں میں رکھ دی جاتی ہے اور روح ان میں چھنچھناتی رہتی ہے اور اوپر سے ٹاٹ لپیٹ کر سجین یعنی زندان میں بھیج دی جاتی ہے۔ اور محمد بن کعب قرظیؒ نے اس آیت کو پڑھ کر فرمایا[1] اذا جاء احدھم الموت قال رب ارجعون لعلی اعمل صالحا۔ کلا انھا کلمۃ ھو قائلھا کہ مراد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ پوچھتا ہے کہ تو کیا چاہتا ہے کون سی چیز کی رغبت کرتا ہے کیا یہ چاہتا ہے کہ پھر کر مال جمع کرے اور باغ لگاتے اور عمارت بناوے اور نہریں کھدواوے۔ وہ کہتا ہے کہ نہیں بلکہ جو کچھ چھوڑ آیا ہوں اس میں اچھا کام کروں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کلا انھا کلمۃ ھو قائلھا یعنی موت کے وقت یہ کلام کرتا ہے۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے[2] کہ مومن اپنی قبر میں ایک سبز باغ میں رہتا ہے اور اس کی قبر ستر گز وسیع ہو جاتی ہے اور نورانی ہوتی ہے جیسے چودھویں رات کا چاند اور تم کو معلوم ہے کہ یہ آیت کس باب میں اتری ہے[3] فان له معيشة ضنكا لوگوں نے عرض کیا کہ خدا تعالیٰ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں آپ نے فرمایا یہ عذاب کافر کو قبر میں ہوگا کہ اس پر ننانوے تنین مسلط کر دی جائیں گی اور جانتے ہو کہ تنین کیا چیز ہے اژدہا کہ ہر ایک کے سات سات پھن ہوں گے اور وہ اس کے جسم میں قیامت تک نوچتے کھسوٹتے اور پھنکاریں مارتے رہیں گے۔ انتہیٰ اور اس خاص شمار سے جو حدیث میں مذکور ہوئیں تعجب نہیں کرنا چاہیے اس لیے شمار ان سانپوں اور بچھوؤں کی موافق شمار برے اخلاق یعنی کبر اور ریا اور حسد اور کینہ اور بغض وغیرہ کے ہوگی اس لیے کہ ان صفات کے اصول چند گنتی کے ہیں۔ پھر ان میں سے چند فروع نکلی ہیں۔ پھر ان فروع کی چند قسمیں ہیں اور یہ صفات سب کے سب اپنی ذات سے مہلک ہیں اور یہی خود بچھو اور سانپ بن جاویں گے تو جو صفت ان میں سے زبردست ہو گی وہ اژدہا کی طرح ڈسے گی اور کمزور بچھو کی طرح کاٹے گی اور متوسط سانپ کی طرح ایذا دے گی اور اہل دل اور بصیرت ان مہلکات کو اور ان کے منقسم ہونے کو فروعات میں نور بصیرت سے دیکھتے ہیں مگر یہ کہ ان کی شمار پر بجز نور نبوت اور کسی چیز سے اطلاع نہیں ہوتی غرضکہ ان جیسے اخبار کے ظاہر صحیح ہیں اور ان میں

---

[1] یہاں تک کہ جب پہنچی ان میں کسی کو موت کہے گا اے رب مجھ کو پھر بھیجو شاید کچھ میں بھلا کام کروں اس میں جو پیچھے چھوڑ آیا ۱۲ ہرگز نہیں یہ بات ہے کہ وہ کہتا ہے ۱۲ [2] ابن حبان نے نقل کی ہے ۱۲ [3] تو ان کو ملنی ہے گزران تنگی کی ۱۲

پوشیدہ اسرار ہیں جو ارباب بصیرت کے نزدیک ظاہر ہیں پس جس شخص پر ان کی حقیقت منکشف نہ ہو اس کو ان کے ظاہر معنوں کا انکار نہ کرنا چاہیئے، بلکہ کمتر درجہ ایمان کا یقین کرنا اور مان لینا ہے۔ اب اگر یہ کہو کہ ہم کافر کو قبر میں مدت تک دیکھتے ہیں اور تاکتے رہتے ہیں مگر ان باتوں میں سے کچھ نہیں دیکھتے تو تجربہ کے خلاف پر یقین کرنے کی صورت کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان جیسے امور کی تصدیق کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔ اول جو ظاہر تر اور صحیح تر اور اعتراض سے سالم تر ہے یہ ہے کہ یوں تصدیق کرو کہ یہ چیزیں یعنی سانپ بچھو وغیرہ موجود ہیں مردے کو کاٹتے ہیں مگر ہم کو اس جہت سے نہیں معلوم ہوتے کہ اس آنکھ میں لیاقت ان امور کے دیکھنے کی نہیں، اس لیے کہ یہ باتیں اور دوسری جو آخرت سے متعلق ہیں وہ سب عالم ملکوت کی چیزیں ہیں جو چشم ظاہری سے نظر نہیں آتیں۔ دیکھو صحابہ رضہ حضرت جبریل علیہ السلام کے اترنے پر کیسے ایمان لاتے تھے حالانکہ ان کو دیکھتے نہ تھے اور اس پر بھی ان کا ایمان تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھتے ہیں۔ اگر تم کو اس پر ایمان نہ ہو تو اوّل اصل ایمان فرشتوں اور وحی پر درست کرنا ضروری ہے اور اگر اس پر ایمان رکھتے ہو اور جائز جانتے ہو کہ نبی ایک چیز کو دیکھ سکتا ہے جس کو اس کی امت نہیں دیکھ سکتی تو یہ باتیں مردے کے حق میں کیوں نہیں جائز ہیں جس طرح فرشتہ آدمیوں اور حیوانوں کے مشابہ نہیں اسی طرح سانپ بچھو مردے کی قبر میں کے دنیا کے سانپ بچھو جیسے نہیں ان کی جنس اور ہی ہے اور وہ حاسہ اور ہے جس سے معلوم ہوا کرتے ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ تم سونے والے کا حال دیکھو کہ کبھی خواب میں دیکھتا ہے کہ مجھے بچھو یا سانپ کاٹتا ہے اور اس سے اس کا درد بھی اتنا ہوتا ہے کہ بعض اوقات نیند ہی میں چیخ پڑتا ہے اور پیشانی پر پسینہ آجاتا ہے اور کبھی اپنی جگہ سے اچھل پڑتا ہے تو سونے والے کو یہ سب کچھ معلوم ہوتا ہے اور درد ایسا ہی پاتا ہے جیسے جاگتا آدمی حالانکہ وہ ہلتا جلتا نہیں معلوم ہوتا نہ اس کے گرد کوئی سانپ بچھو سوجھتا ہے اور اس کے حق میں سانپ بھی موجود ہے اور تکلیف بھی ہے مگر تمہارے مشاہدے سے خارج ہے اور جبکہ عذاب کی تکلیف کاٹنے سے حاصل ہے تو سانپوں کا خیالی ہونا یا آنکھ سے سوجھنا یکساں ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ تم کو معلوم ہے کہ سانپ خود تکلیف نہیں پہنچاتا بلکہ ایذا اس کے زہر سے ہوتی ہے پھر زہر بھی درد نہیں بلکہ زہر کا اثر جو تم میں ہو جاتا ہے تکلیف اس سے ہوتی ہے پس اگر بدون زہر کے ویسا ہی اثر بدن میں پایا جاوے تو ظاہر ہے کہ تکلیف تو بہت ہوتی ہے مگر اس تکلیف کو اور طرح پر نہیں تبلا سکتے بجز اس کے کہ جس سبب سے ایسی تکلیف عادت میں ہوا کرتی ہو اسی سبب کی طرف منسوب کر دیا جاوے، مثلاً اگر انسان میں لذت صحبت کی پیدا ہو جاوے بدون اس کے کہ ظاہر میں ہم بستری عورت سے ہو تو اس لذت کو کیسے تباؤ گے یہی کہو گے کہ صحبت کی لذت ہے اس اضافت سے سبب کی شناخت ہو جاوے گی اور اس کا ثمرہ معلوم ہو جاوے گا گو صورت سبب کی موجود نہ ہو سبب کو ثمرے ہی کے لیے چاہتے ہیں اس کی ذات سے غرض نہیں ہوتی۔ اور یہ صفات مہلکہ نفس کے اندر موت کے وقت ایذا دینے والے بن جاتے ہیں تو ان کی ایذا سانپ اور بچھو کی سی ایذا کی طرح ہو جاتی ہے

بدون اس کے کہ سانپ بچھو کا وجود ہو۔ اور صفت کا موذی ہو جانا ایسا ہے جیسے عشق معشوق کے مرنے پر موذی ہو جاتا ہے یعنی پہلے سے تو مزہ دار تھا اب اس پر ایسی حالت آگئی کہ وہی لذیذ موذی بن گیا یہاں تک کہ دل پر وہ عذاب ہوتا ہے کہ عاشق تمنا کرتا ہے کہ کاش عشق اور وصال کا مزہ چکھا نہ ہوتا بلکہ یہی حال بعینہٖ میت کے عذاب کا ہے کہ اس پر دنیا میں عشق مسلط کر دیا گیا تو مال اور متاع اور جاہ اور اولاد اور اقارب اور آشناؤں سے عشق کرنے لگا اور اگر ان چیزوں کو اس کے پاس سے زندگی میں کوئی ایسا شخص لے لیتا جس سے واپس لینے کی امید نہ ہوتی تو تم دیکھتے کہ اس کا کیا برا حال ہوتا اور کیسا عذاب ہوتا اور تمنا کرتا کہ کاش میرے پاس کبھی کچھ نہ ہوا ہوتا کہ آج اس روز سیاہ کا منہ نہ دیکھتا اور ان کی جدائی کا درد نہ سہتا۔ اور موت کے معنی بھی یہی ہیں کہ دنیاوی محبوبات یکبارگی جدا ہو جاویں۔ تو جو شخص صرف دنیا ہی سے خوش ہوتا ہو اور وہ اس سے چھین کر اس کے دشمنوں کو دے جاوے اس کا کیا حال ہوگا ؎

جس کا اکلوتا ہی غائب ہو جاوے اس کا کیا جانئے کیسا ہو حال

پھر اس عذاب پر یہ اضافہ ہوگا کہ دولتِ آخرت کے نہ ملنے کی حسرت ہوگی اور خدائے عز وجل سے محجوب رہنا پڑے گا اس واسطے کہ غیر اللہ کی محبت خدائے تعالیٰ سے بھی روک دیتی ہے اور دولتِ اخروی سے بہرہ مند ہونے سے باز رکھتی ہے۔ حاصل یہ کہ رنج فراق تمام محبوب چیزوں کا اور دولت اخروی نہ ملنے کی حسرت اور درگاہِ الٰہی سے مردود اور محجوب رہنے کی ذلت اس کو ابدالآباد تک ایک دوسرے کے بعد ہوگی اور ایسی تکلیف سے عذاب دیا جاوے گا اس لیے بار فراق کے بعد کوئی آگ بجز جہنم کے نہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کلا انہم عن ربہم یومئذٍ لمحجوبون ثم انہم لصالوا الجحیم[1] مگر جو شخص دنیا کا انس نہ رکھتا ہو اور خدائے تعالیٰ کے سوا اور کسی سے محبت نہ کی ہو اور دیدار الٰہی کا مشتاق ہو تو وہ دنیا کی قید سے چھوٹ جاوے گا اور دنیا میں شہوات کے شدائد بھگتنے سے رہائی پاوے گا اور اپنے محبوب کے پاس سب علاقوں اور موانع سے یکسو ہو کر آوے گا اور ابدالآباد تک زوال کے کھٹکے سے بے خوف ہو کر خوب چین اڑائے گا تو جس کو عمل کرنا ہو وہ ایسے ہی مزے کے لیے کرے۔ اب اصل مقصود کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ آدمی کبھی اپنے گھوڑے کو اتنا چاہتا ہے کہ اگر اس کو اختیار دیا جاوے کہ دو باتوں میں سے ایک پسند کرے یا گھوڑا دے ڈال یا بچھو سے کٹوائے تو وہ بچھو کے نیش پر صبر کرنا اختیار کرتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ گھوڑے کی جدائی کی تکلیف اس کے نزدیک بچھو کے کاٹے سے زیادہ ہے اور جب گھوڑا جدا ہو جاتا ہے تو اس کی محبت اس کو کاٹا کرتی ہے تو چاہیئے کہ انہیں نیشوں کیلئے تیار ہو رہے اس واسطے کہ موت تو اس کا گھوڑا اور سواری اور گھر اور زمین اور زن و فرزند اور دوست آشنا، اور جاہ و حشمت سب چھین لے گی بلکہ کان اور آنکھ اور اعضا بھی لے لے گی اور پھر اس کے ہٹا کر دینے سے ناامیدی ہے اس صورت میں اگر ان چیزوں کے سوا اور کسی چیز سے محبت نہ ہوگی اور یہ سب کے سب اس سے لے لیے جاویں گے تو ان کی تکلیف بچھوؤں اور سانپوں سے بڑھ کر ہوگی جیسے کہ زندگی میں اگر کوئی ساری چیزیں چھین لیتا

[1] کوئی نہیں وہ اپنے رب سے اس دن روکے جاویں گے پھر مقرر وہ بیٹھنے والے ہیں دوزخ میں ۱۲

تو سخت عذاب ہوتا۔ اسی طرح موت کے بعد ہوگا اس لیے کہ یہ تو ہم لکھ ہی چکے ہیں کہ انسان میں جو چیز مدرک رنج و راحت کی ہے وہ نہیں مرتی بلکہ عذاب ان اشیاء کا مرنے کے بعد سخت تر ہوگا اسلیے کہ زندگی میں تو چند اسباب ہو سکتے ہیں جن سے دل بہل جاوے۔ مثلاً لوگوں کے پاس بیٹھنے اور ان سے گفتگو کرنے اور تسکین دینے اور پھر آنے کی توقع کرتی اور بدلہ لینے کی امید رکھتی وغیرہ سے تسلی ہو سکتی ہے۔ مرنے کے بعد تو تسلی کے سب راستے بند ہو گئے اور ناامیدی موجود ہوئی۔ اب تسلی کہاں اس سے معلوم ہوا کہ اگر آدمی کرتے یا رومال سے ایسی محبت رکھتا ہوگا کہ اگر چھین لیا جاتا تو اس کو ناگوار ہوتا تو وہ اس پر افسوس کرے گا اور تکلیف اٹھاوے گا۔ لیکن اگر دنیا میں ہلکا رہے گا تو اس عذاب سے بچا رہے گا اور یہی مراد ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی نجا المخفّفون[1] اور اگر دنیا میں گرانبار ہوگا تو بڑا عذاب ہوگا اور جس طرح کہ دنیا میں اگر کسی کا ایک روپیہ چوری جاوے اور دوسرے کے دس چوری جاویں تو اول کا حال بہ نسبت دوسرے کے ہلکا ہوگا۔ اسی طرح حال ایک درم والے کا ہلکا ہوگا بہ نسبت دو[2] درم والے کے اور جو چیز دنیا میں سے مرنے کے وقت تیرے بعد رہتی ہے وہ مرنے کے بعد تجھ پر حسرت ہوگی۔ اب چاہے تو اپنا مال زیادہ کر چاہے کم کر۔ اگر زیادہ کرے گا تو اپنی حسرت ہی بڑھاوے گا اور اگر کم کرے گا تو اپنی پیٹھ پر بوجھ ہلکا کرے گا۔ اور سانپ اور بچھو تو انگروں کی قبروں میں ہوتے ہیں جو دنیا کی زندگی کو آخرت سے محبوب رکھتے ہیں اور اس پر راضی اور مطمئن ہیں۔ غرضکہ ایمان کی صورتیں قبر کے سانپ اور بچھوؤں اور تمام اقسام کے عذاب میں یہ تین ہیں جو اوپر مذکور ہوئیں۔ حضرت ابو سعید خدریؓ نے اپنے ایک بیٹے کو مرنے کے بعد خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ بیٹا مجھ کو نصیحت کر اس نے کہا کہ جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہو اس میں اس کا خلاف مت کرو۔ آپ نے پوچھا کہ اور کچھ کہو اس نے کہا کہ تم کو تاب اس پر عمل کرنے کی نہ ہوگی آپ نے فرمایا کہ تم کہہ دو اس نے کہا کہ اپنے اور خدائے تعالیٰ کے درمیان میں کرتہ مت کرو یعنی کرتہ مت پہنو ورنہ موجب حجاب ہوگا پس آپ نے تیس برس تک کرتہ نہ پہنا۔ اب اگر کہو کہ ان تینوں صورتوں میں سے درست کونسی ہے تو معلوم کرنا چاہیئے کہ بعض لوگ تو اول ہی صورت کے قائل ہیں اور صورتوں کے منکر ہیں اور بعضے اول کے منکر اور دوسری کے مقر ہیں اور بعضے صرف تیسری کے مقر ہیں اور واقع میں حق یہ ہے کہ یہ تینوں صورتیں ممکن ہیں۔ ہم کو چشم بصیرت سے ایسا ہی کچھ معلوم ہوا ہے اور جو شخص بعض صورتوں کا منکر ہے تو وہ اپنی تنگی حوصلہ کے باعث سے ہے۔ اور قدرت الٰہی کی وسعت اور اس کی عجائب تدبیر کے نہ جاننے سے۔ اسی لیے افعال الٰہی میں سے جس بات کا مانوس اور عادی نہیں اس کو انکار کر بیٹھتا ہے اور یہ نادانی اور کوتاہی فہم ہے۔ بلکہ اصل یہی ہے کہ تینوں صورتیں عذاب دینے کی ممکن ہیں اور ان کو سچ جاننا واجب ہے کسی بندے کو کسی طرح عذاب دینا ہے اور کسی کو کسی طرح اور بعض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان پر تینوں صورتوں سے عذاب دیا جاتا ہے۔ خدائے تعالیٰ ہم کو اپنے تھوڑے اور بہت عذاب سے پناہ میں رکھے تو یہی ٹھیک بات اس کو بے دلیل

ح[1] نجات پاتی ہلکے پھلکوں نے ۱۲ ح[2] اس کی سند مجھے نہیں ملی ۱۲

ہی تقلید کے طور پر سچ جان لو ورنہ روئے زمین پر کوئی ایسا نہیں جو اسباب کو تحقیق طور پر جانتا ہو اور میں تم کو یہ وصیت کرتا ہوں کہ اپنی نظر اس امر کی تفصیل میں بہت نہ کیا کرو اور نہ اس کی معرفت میں مشغول ہو بلکہ شغل صرف عذاب کے دور کرنے کی تدبیر میں کرو خواہ کسی طور کا ہو۔ پس اگر تم عمل اور عبادت کو چھوڑ کر عذاب کی کیفیت کے جاننے میں مشغول ہو گئے تو تمہاری مثال ایسی ہو گی جیسے کسی شخص کو بادشاہ پکڑ کر ہاتھ اور ناک کاٹنے کے لیے قید کر دے اور وہ رات بھر سوچتا رہے کہ بادشاہ چھری سے کاٹے گا یا تلوار سے یا استرے سے اور یہ نہ سوچے کہ اس عذاب سے بچنے کا حیلہ کیا ہے تو یہ نہایت جہالت ہے۔ پس جب یقیناً معلوم ہو چکا ہو کہ بندے پر مرنے کے بعد سخت عذاب یا آسائش جاودانی ہو گی تو چاہیے کہ اسی کی تدبیر کرے اور کیفیت عذاب و ثواب میں گفتگو کرنی اور ان کی تفصیل معلوم کرنی محض فضول اور تضییع اوقات ہے۔

تتمہ

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[ح۱] کہ جب بندہ مرتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے سیاہ رنگ نیلی آنکھوں والے آتے ہیں ایک کو منکر کہتے ہیں دوسرے کو نکیر وہ اس سے پوچھتے ہیں کہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے باب میں کیا کہا کرتا تھا۔ پس اگر بندہ مومن ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ میں ان کو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہا کرتا تھا[ح۲] اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمدا رسول اللہ۔ دونوں فرشتے کہتے ہیں کہ ہم پیشتر سے جانتے تھے کہ تو یہی کہے گا۔ پھر اس کی قبر ستر گز در ستر گز پھیلا دی جاتی ہے اور اس کی قبر میں روشنی کر دی جاتی ہے پھر کہا جاتا ہے سو رہ وہ کہتا ہے کہ مجھے چھوڑ دے کہ میں اپنے گھر والوں میں جا کر ان سے حال کہہ آؤں اس سے کہا جاتا ہے کہ سو جا وہ دلہن کی طرح سو جاتا ہے کہ اس کو وہی جگاتا ہے جو گھر بھر میں اس کا زیادہ محبوب ہو۔ یہاں تک کہ اس خوابگاہ سے اس کو خدا تعالیٰ ہی اٹھاوے گا۔ اور اگر بندہ منافق ہوتا ہے تو کہتا ہے میں نہیں جانتا جو لوگوں کو کہتے سنا کرتا تھا وہ میں بھی کہا کرتا تھا۔ وہ دونوں فرشتے کہیں گے کہ ہم کو پہلے سے معلوم تھا کہ تو یوں کہے گا۔ پھر زمین کو حکم ہوتا ہے کہ اس پر مل جا، زمین اس طرح اس کو کچل دیتی ہے کہ اس کی پسلیاں ادھر کی ادھر ہو جاتی ہیں۔ پس ہمیشہ اسی طرح عذاب دیا جاتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس لوٹنے کی جگہ سے اٹھاوے۔ اور عطاء بن یسارؒ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ بن خطاب سے فرمایا[ح۳] کہ اے عمر تیرا کیا حال ہو گا جب تو مر جاوے گا اور تیری قوم تجھ کو لیجاوے گی اور تیرے لیے تین ہاتھ طول اور ڈیڑھ ہاتھ عرض کا گڑھا تجویز کریں گے اور تیرے پاس آ کر غسل اور کفن دے کر

ح۱ ترمذی و ابن ماجہ و ابن حبان مع اختلاف ۱۲

ح۲ میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی معبود نہیں سوائے خدا کے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ رسول ہیں اللہ کے ۱۲ ح۳ ابن ابی الدنیا نے اسی طرح مرسلاً نقل کی ہے اور احمد اور ابن حبان نے بروایت عبداللہ ابن عمروؓ مرفوعاً روایت کی ہے ۱۲

اور خوشبو لگا کر تجھ کو اٹھاویں گے یہاں تک کہ تجھ کو اس گڑھے میں رکھ کر تیرے اوپر مٹی ڈالیں گے اور دفن کریں گے اور جب تیرے پاس سے پھریں گے تو تیرے پاس قبر کے دو جانچنے والے منکر اور نکیر جن کی آواز سخت رعد کی سی اور آنکھیں اچکنے والی بجلی کی سی ہوں گی بال ان کے گھسٹتے ہوں گے اور قبر کو اپنی کچلیوں سے ادھیڑ کر تجھے جھڑ جھڑا اور ہلا ڈالیں گے۔ اس وقت اے عمر تیرا کیا حال ہو گا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ میری عقل بھی اس وقت میرے ساتھ ہو گی جیسے اب ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ ہاں حضرت عمرؓ نے عرض کیا تو کچھ فکر نہ فرمایئے میں ان کو کافی ہوں گا انتہیٰ۔ یہ حدیث نص صریح ہے اس بات میں کہ موت کے بعد عقل نہیں بدلتی صرف اعضا بدل جاتے ہیں اور مردہ عاقل اور مدرک درد و راحت کا رہتا ہے جیسا اپنی زندگی میں تھا اس کی عقل میں کچھ خلل نہیں آتا اور عقل مدرک ان اعضاء کا نام نہیں وہ ایک باطنی چیز ہے جس کے طول اور عرض کچھ نہیں بلکہ جو خود منقسم نہیں ہوتی، وہی اشیاء کا ادراک کرتی ہے۔ اور اگر بالفرض انسان کے تمام اعضا بکھر جاویں اور صرف وہ جزء مدرک جو حصے نہیں ہو سکتے وہی رہ جاوے تو انسان عاقل پورے کا پورا باقی رہے گا۔ اور یہی حال اس کا بعد موت کے ہوتا ہے اس لیے کہ اس جزو پر موت اور نیستی نہیں آتی۔ اور محمد بن منکدرؒ فرماتے ہیں کہ میں نے سنا ہے کہ کافر پر اس کی قبر میں ایک چوپایہ بہرہ اندھا متعین ہوتا ہے جس کے ہاتھ میں لوہے کا تازیانہ ہوتا ہے اس کا سر مثل کوہان شتر کے ہوتا ہے وہ اس تازیانے سے کافر کو قیامت تک مارتا رہتا ہے نہ اس کو دیکھتا ہے کہ بچا کر مارے نہ آواز سنتا ہے کہ رحم کرے۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا ہے کہ جب وہ مردہ اپنی قبر میں رکھا جاتا ہے تو اس کے اعمال نیک اس کو آگھیرتے ہیں پس اگر عذاب سر کی طرف سے آتا ہے تو قرآن مجید کی قرأت روکتی ہے اور اگر دونوں پاؤں کی طرف سے آتا ہے تو کھڑا ہونا روکتا ہے اور اگر ہاتھوں کی طرف سے آتا ہے تو ہاتھ کہتے ہیں کہ بخدا یہ شخص ہم کو صدقہ اور دعا کے واسطے پھیلایا کرتا تھا تم کو اس پر راہ نہ ملے گی اور اگر منہ کی طرف سے آتا ہے تو ذکر اور روزہ آڑ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ایک طرف کو نماز اور صبر کھڑے ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر کچھ کسر رہے گی تو ہم اس کے ساتھ ہوں گے حضرت سفیان فرماتے ہیں کہ آدمی کے اعمال نیک اس کی طرف سے ایسے جھگڑتے ہیں اور عذاب کو روکتے ہیں جیسے کوئی اپنے بھائی یا زن و فرزند کی طرف سے لڑا کرتا ہے پھر اس کو کہا جاتا ہے کہ خدا تعالےٰ تیری خواب گاہ میں برکت دے تیرے دوست اور رفیق بہت خوب ہیں۔ اور حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے[ح۱] کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازے میں شریک تھے آپؐ قبر کے سرہانے بیٹھ کر اس کے اندر دیکھنے لگے پھر فرمایا کہ مومن اس میں ایسا دبایا جاتا ہے کہ اس کا سینہ اور پسلیاں اور ہڈیاں چور ہو جاتی ہیں۔ اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں[ح۲] کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قبر دبایا کرتی ہے اگر اس کے داب سے کوئی بچتا تو سعد بن معاذؓ بچتے اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں[ح۳] کہ جب حضرت زینب دختر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

ح۱ احمد بسند ضعیف ۱۲ ح۲ احمد بروایت عائشہ صدیقہؓ ح۳ ابن ابی الدنیا بروایت سلیمان اعمش بن انس اور سلیمان کا سننا حضرت انسؓ سے ثابت نہیں ۱۲

وفات پائی اور وہ اکثر بیمار رہا کرتی تھیں۔ آپ ان کے جنازے کے ساتھ ہوئے اور کچھ تغیر آپ کے چہرہ مبارک پر ہم کو معلوم ہوا جب ہم قبر پر پہنچے تو آپ قبر کے اندر اترے اور آپ کا چہرہ گونہ تاباں ہوا جب باہر نکلے تو خوب صاف روشن ہو گیا۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم نے جو حال آپ کا دیکھا یہ کس واسطے تھا آپ نے فرمایا کہ مجھ کو اپنی بیٹی کا بھینچنا یاد آتا تھا اور سختی عذاب قبر دل میں گذری تھی۔ جب میں قبر میں نیچے اترا مجھے خبر دی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر عذاب قبر کو ہلکا کر دیا اور وہ آتنا دبائی گئی کہ اس کی آواز پورب پچھم کے درمیان کے لوگوں نے سُنی یعنی سوائے انسان اور جنات کے۔

فصل ۸ مکاشفہ کے ذریعہ قبروں کے معلوم ہونے والے حالات

جاننا چاہیئے کہ نور عقل جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہوتا ہے اور عبرت کی راہوں میں سے ہے اس سے مردوں کا حال مجملاً معلوم ہوتا ہے کہ وہ سعید ہیں یا شقی مگر کسی شخص خاص کا حال نورِ بصیرت سے معلوم نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ اگر ہم زید و عمر کے ایمان پر مثلاً اعتماد کریں تو یہ نہیں جانتے کہ ان کی موت کس حال پر ہوئی اور خاتمہ کیسا ہوا۔ اور اگرچہ ظاہر کی نیک بختی پر ان کے اعتماد کر سکتے ہیں۔ مگر چونکہ تقویٰ کا مقام دل ہے اور وہ ایسی باریک چیز ہے کہ خود تقویٰ والے کو نہیں معلوم ہوتی تو دوسرے کو کیسے معلوم ہو گا کہ وہ متقی ہے کیونکہ حکم ظاہر کی نیک بختی پر بدون باطن کے تقویٰ کے نہیں کیا جا سکتا اور اللہ تعالےٰ فرماتا ہے[ت ۱] انما یتقبل اللہ من المتقین ط اس سے معلوم ہوا کہ زید و عمر و کے حکم کی معرفت بدون ان کے حال دیکھنے کے نہیں ہو سکتی اور جب آدمی مر جاتا ہے تو عالمِ ظاہری سے عالم غیب اور ملکوت میں چلا جاتا ہے۔ پس چشم ظاہری سے نہیں معلوم ہوتا بلکہ دوسری آنکھ سے سوجھتا ہے جو ہر ایک انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہے مگر انسان نے اس آنکھ پر اپنی شہوات اور کاموں کا گاڑھا پردہ ڈال رکھا ہے اس لیے اس آنکھ سے کچھ نہیں دیکھتا اور نہ توقع ہے کہ عالم ملکوت کی کوئی چیز اس کو نظر آوے جب تک کہ وہ پردہ دل کی آنکھ سے دور نہ ہو جاوے اور چونکہ انبیاء علیہم السلام کی آنکھ پر سے وہ پردہ ہٹا ہوا تھا اس لیے انہوں نے ملکوت کی طرف نظر کی اور اس کے عجائب کو ملاحظ فرمایا۔ اور چونکہ مردے بھی عالم ملکوت میں ہیں، اس لیے انبیاء علیہم السلام نے ان کو بھی دیکھ کر ان کا حال بتایا، اور بہمیں وجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کا دبانا حضرت سعد بن معاذ رضہ کے حق میں اور اپنی بیٹی حضرت زینب کے حق میں ملاحظ فرمایا، اسی طرح حضرت جابر رضہ کو ان کے باپ کا حال سنایا جو شہید ہو گئے تھے کہ خدا تعالیٰ نے ان کو اپنے سامنے بے حجاب بٹھلایا اور اس طرح کا مشاہدہ تو انبیاء کے سوا اور ان اولیاء کے سوا جو انبیاء کے درجے

ت ۱ اللہ قبول کرتا ہے پرہیزگاروں سے ۱۲ ع ۸ اصل میں ضغطہ ہے جس کے معنی زور سے دبو چا جانا ہیں ۱۲

سے قریب ہیں اور... لوگوں کو نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ہم جیسوں کو ایک اور مشاہدہ ضعیف ہوا کرتا ہے مگر وہ بھی مشاہدہ نبوی ہے۔ اور وہ مشاہدہ خواب کا ہے جو نبوت کے انوار میں سے ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[ح1] الرؤیا الصالحۃ جزءٌ من ستۃ واربعین جزءًا من النبوۃ [ط] اور خواب میں بھی ایک انکشاف ہی ہے اور جبھی ہوا کرتا ہے جب دل پر سے پردہ ہٹ جاوے۔ اسی جہت سے بجز آدمی نیک بخت راست باز کے اور کے خواب کا اعتبار نہیں ہوتا۔ اور جو شخص جھوٹ بہت بکتا ہو اس کا خواب سچ نہ ہوگا۔ اور جو شخص فساد گناہ بہت کرتا ہو اس کا دل تاریک ہو جاتا ہے تو جو کچھ وہ دیکھے گا وہ خواب پریشان ہوگا۔ اور اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سوتے وقت وضو کے لیے حکم فرمایا تاکہ آدمی پاک ہو کر سوئے۔ اور اس میں اشارہ طہارت باطن کی طرف بھی ہے جو اصل ہے اور طہارت ظاہر بمنزلہ اس کے تتمہ کے ہے۔ اور جب باطن صاف ہوتا ہے تو دل کی آنکھ میں وہ چیز منکشف ہوتی ہے جو آگے کو ہوگی جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں تشریف لے جانا خواب میں معلوم ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ پھر اس کی تصدیق کے لیے یہ آیت اتری لقد صدق اللہ رسولہ الرؤیا بالحق اور آدمی ایسے خوابوں سے کم خالی ہوتا ہے جن میں کچھ سچی باتیں نظر آویں اور خواب کا سچ ہونا اور اس میں غیب کا حال معلوم ہو جانا خدائے تعالیٰ کی عجیب صنعتوں اور سرشت آدم کی نادر باتوں میں سے ہے اور بڑی واضح دلیلوں سے عالم ملکوت پر اور لوگ اس سے غافل ہیں جیسے دل کے تمامی عجائب اور عالم کے غرائب سے غافل ہیں اور خواب کی حقیقت کو بیان کرنا علوم مکاشفہ کی باریک باتوں میں سے ہے۔ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ علم معاملہ کے ساتھ اس کا ذکر ہو سکتا ہے۔ وہ ایک مثال ہے جس سے تم کو مقصود سمجھ میں آجاوے گا۔ وہ یہ ہے کہ یوں جانو کہ دل کی مثال مانند آئینہ ہے جس میں صورتیں اور امور کی حقیقتیں منعکس ہوتی ہیں اور جو کچھ کہ اللہ تعالیٰ نے شروع پیدائش عالم سے آخر تک تجویز فرمایا ہے وہ ایک جا لکھا ہوا ہے جس کا نام کبھی لوح محفوظ اور کبھی کتاب مبین اور کبھی امام مبین بولتے ہیں۔ چنانچہ یہ تینوں نام قرآن مجید میں بھی خدائے تعالیٰ نے فرمائے ہیں — غرضکہ جو کچھ عالم میں ہو چکا ہے اور ہووے گا وہ سب اس میں منقش اور لکھا ہوا ہے۔ مگر وہ نقش ایسا نہیں جو اس آنکھ سے سوجھے۔ اور یہ گمان مت کرو کہ یہ لوح لکڑی ہے یا لوہے یا ہڈی کی ہے اور کتاب کاغذ یا پتے کی ہے بلکہ یوں سمجھ لینا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کی تختی خلق کی تختی کے مشابہ نہیں اور نہ اس کی کتاب مخلوق کی کتاب جیسی، جس طرح کہ اس کی ذات اور صفات خلق کی ذات وصفات سے نہیں ملتی بلکہ اگر تم اس کی مثال چاہو جس سے یہ مطلب تمہاری سمجھ میں آوے تو یوں سمجھو کہ لوح محفوظ میں تمام چیزوں کا ثابت ہونا ایسا ہے جیسے قرآن کے الفاظ اور حروف حافظ قرآن کے دل ودماغ میں ہوتے ہیں وہ بھی ایسی ہی طرح لکھے رہتے ہیں کہ جب حافظ پڑھتا

ح[1] سچا خواب ایک حصہ ہے نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ۱۲

ح[2] بخاری ومسلم بروایت معاذ بن عازب ۱۲

تو گویا دیکھا جاتا ہے حالانکہ اگر اس کے دماغ کو ذرا ذرا سا ڈھونڈ کر دیکھو تو اس خط میں سے کوئی حرف نہ ملے نہ دل میں نشان پایا جاوے گا۔ تو اسی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ تمام تجویزات الٰہی اور احکامات خداوندی لوح محفوظ میں منقوش ہیں اور لوح محفوظ مثل آئینہ کے ہے کہ اس میں تمام اشیاء کی صورت منعکس اور بنی ہوئی ہے۔ پس اگر ایک آئینہ کے مقابل میں دوسرا آئینہ رکھا جاوے تو ظاہر ہے کہ ایک کی صورت دوسرے میں ظاہر ہو جاوے گی بشرطیکہ دونوں میں کوئی پردہ نہ ہو اور چونکہ دل ایک آئینہ ہے جس میں آثار علوم کے پیدا ہوتے ہیں۔ اور لوح محفوظ وہ آئینہ ہے جس میں تمام علوم کے آثار موجود رہتے ہیں اور مشغول ہونا دل کا اپنی شہوات اور حواس کی خواہشوں میں ان دونوں آئینوں میں حجاب ہے۔ اسی وجہ سے لوح محفوظ کا مطالعہ نہیں کر سکتا جو عالم ملکوت سے ہے پس اگر کوئی ہوا چلے جس سے یہ بیچ کا پردہ ہلے اور سامنے سے علیحدہ ہو جاوے تو آئینہ دل میں کچھ چیز عالم ملکوت میں سے بجلی کی طرح چمک جاوے گی اور کبھی وہ چمک ثابت اور پائیدار ہو جاتی ہے۔ کبھی جلد چلی جاتی ہے اور اکثر یوں ہی ہوتا ہے کہ جلد جاتی رہے اور دل آدمی کا جب تک جاگتا رہتا ہے جب تک جو کچھ حواس کے ذریعہ سے عالم ظاہری میں سے اس پر پہنچتا ہے اس میں لگا رہتا ہے اور اسی وجہ سے عالم ملکوت سے آڑ میں رہتا ہے۔ اور سونے کے معنی یہ ہیں کہ حواس سب ساکن ہو جاویں اور کوئی چیز دل پر نہ پہنچاویں پس جب دل حواس کی طرف سے اور خیال سے فارغ ہوتا ہے اور اس کا جوہر بھی صاف ہوتا ہے تو اس کے اور لوح محفوظ کے بیچ میں سے پردہ اُٹھ جاتا ہے اور کوئی چیز لوح محفوظ کی دل میں پڑ جاتی ہے جیسے ایک آئینہ کی صورت دوسرے میں بن جاتی ہے بشرطیکہ دونوں میں حجاب نہ ہو مگر چونکہ سونا سارے حواس کو کام سے روک دیتا ہے لیکن خیال کو اس کے کام سے نہیں روکتا اور اس کی حرکت کو موقوف نہیں کرتا اسی وجہ سے جو بات دل میں پڑتی ہے خیال اس کی طرف دوڑ جاتا ہے اور اس بات کی مشابہت ایسی ایسی چیز سے دے لیتا ہے جو اس کے قریب ہو اور ازانجا کہ خیالات دوسری چیزوں کی نسبت کر حافظہ میں باقی رہ جاتا ہے۔ پس جب آدمی جاگتا ہے جو خیال کے سوا کچھ یاد نہیں رکھتا۔ اب تعبیر دینے والے کو یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ یہ خیال کونسی بات کے مشابہ ہے اور مناسبت ہی سے اس بات کا پتہ پا لیتا ہے اور جو شخص علم تعبیر میں نظر رکھتا ہے اس کے نزدیک اس کی مثالیں ظاہر ہیں۔ یہاں ایک مثال لکھ دینی کافی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں انگوٹھی ہے اس سے مردوں کے منہ پر اور عورتوں کی شرمگاہوں پر مہر کرتا ہے۔ اس نے یہ خواب ابن سیرینؒ سے بیان کیا آپ نے فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تو مؤذن ہے رمضان میں صبح ہونے سے پہلے اذان کہا کرتا ہے۔ اس شخص نے کہا کہ آپ درست فرماتے ہیں۔ تو دیکھنا چاہیئے کہ مہر کرنے سے غرض روکنا ہے اور اسی کے لیے مہر کیا کرتے ہیں۔ اور دل پر لوح محفوظ سے حال آدمی کا جوں کا توں کھلا کرتا ہے۔ مثلاً اس مثال میں آدمیوں کو کھانے پینے اور ہم بستری سے روکنا ظاہر ہوا ہوگا۔ مگر خیال اس بات کا عادی ہے کہ انگوٹھی سے مہر لگانے کو منع کیا کرتے ہیں۔ اسی لیے اس روکنے کی ایک صورت خیالی بنائی جس میں اصل معنی باقی رہیں اور وہی یاد بھی رہے کہ حافظہ میں صورت خیالی ہی رہا کرتی ہے پس یہ علم خواب سے

ایک تھوڑا سا بیان ہے اور اس علم کے عجائب منحصر نہیں اور کیوں نہ ہو خواب تو موت کے مانند ہے اور موت خود ایک عجیب امر ہے اور خواب اور موت کی مشابہت اس وجہ سے ہے کہ خواب میں بھی کچھ تھوڑا سا حال غیب کا معلوم ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ سوتا جان لیتا ہے کہ آئندہ کو کیا ہوگا۔ یہی ایک ذرا سی وجہ مشابہت کی ہے اور موت سے تو بالکل پردہ دور ہو جاتا ہے اور حال معلوم ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ انسان دم ٹوٹتے ہی بدون تاخیر کے اپنے نفس کو یا تو گھرا ہوا مصیبت اور رسوائی اور فضیحت میں پاوے گا۔ نعوذ باللہ منہا یا دولت پائیدار اور بڑی سلطنت بے انتہا پر حاوی پاوے گا اور بدبختوں کو جب حال نظر آوے گا تو ان سے یوں کہے گا تو ان سے یوں کہے گا[1] لقد کنت فی غفلة من هذا فکشفنا عنك غطاءك فبصرك الیوم حدید اور کہا جاویگا[2] افسحر هذا ام انتم لا تبصرون اصلوها فاصبروا او لا تصبروا سواء علیکم الآیة اور انہیں کی طرف اشارہ ہے اس آیت میں[3] وبدا لهم من الله ما لم یکونوا یحتسبون غرضکہ جو سب سے بڑھ کر عالم اور سب سے زیادہ حکیم ہے اس کو مرنے کے بعد عجائب اور آیات میں سے وہ معلوم ہوں گے کہ کبھی اس کے دل میں ان کا وہم اور خطرہ نہ گذرا ہوگا۔ پس اگر عاقل کو کوئی رنج اور غم نہ ہوگا بجز اس کے کہ اس وقت کا حال سوچا کرے کہ حجاب کس چیز پر سے اٹھے گا اور کیا معلوم ہوگا۔ بدبختی لازمی یا سعادت دائمی میں سے کون سی نظر آوے گی تو یہی فکر تمام عمر کے لیے کافی ہے اور بڑا تعجب ہے کہ یہ مصیبتیں ہمارے سامنے ہیں اور ہم غفلت میں ہیں اور سب سے زیادہ تعجب یہ ہے کہ ہم اپنے مالوں اور گھر والوں اور اسباب اور اولاد سے بلکہ اپنے اعضاء کان ناک وغیرہ سے خوش ہوتے ہیں۔ حالانکہ ہم یقیناً جانتے ہیں کہ ان سب کو چھوڑ جاویں گے لیکن وہ شخص کہاں ہے کہ جس کے دل میں روح القدس ڈال دے اور وہ وہ بات کہے جو سید المرسلین کو ارشاد فرمائی ہے[4] احبب ما احببت فانك مفارقه وعش ما شئت فانك میت واعمل ما شئت فانك مجزی به اور اذا نجا کر یہ عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں میں دیدہ یقین سے محسوس تھا تو دنیا میں اسی لیے مسافروں کی طرح رہے نہ اینٹ پر اینٹ رکھی نہ نے پر نے اور نہ پیچھے دینار چھوڑا نہ درم نہ کسی کو حبیب بنایا نہ خلیل ہاں یوں ارشاد فرمایا[5] لو کنت متخذا خلیلا لاتخذت ابا بکر خلیلا ولکن صاحبکم خلیل الرحمٰن اسی ارشاد میں بیان فرمایا کہ خدائے تعالیٰ کی خلت دل کے اندر وطن کر گئی ہے اور اس کی محبت سویدائے دل پر چھا گئی ہے اسی واسطے

---

[1] تو بیخبر رہا اس دن سے اب کھولدی ہم نے تجھ سے اندھیری تیری اور تیری نگاہ آج تیز ہے ۱۲ [2] اب بھلا یہ جادو ہے یا تم کو نہیں سوجھتا بیٹھو اس میں پھر صبر کرو یا نہ کرو تم کو برابر ہے وہی بدلہ پاؤ گے جو کرتے تھے ۱۲ [3] اور نظر آیا ان کو اللہ کی طرف سے جو نہ خیال رکھتے تھے ۱۲

[4] جس کو چاہے محبوب کرے تجھ کو اس سے جدا ہونا ضرور ہے چاہے زندہ رہے تجھ کو مرنا ضرور ہے اور جو چاہے عمل کرے تجھ کو اس کا بدلہ ضرور ملے گا ۱۲

[5] میں اگر کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکرؓ کو خلیل بناتا مگر تمہارا یار تو خدا کا خلیل ہے ۱۲ پیشتر گذری ۱۲

کسی اور خلیل اور حبیب کے لیے گنجائش نہیں چھوڑی اور اپنی امت کو یہ ارشاد فرمایا۔ ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ[1] اور امت آپ کی وہی ہے جو آپ کی پیرو ہو اور آپ کی پیروی وہی کرتا ہے جو دنیا سے روگردان ہو کر آخرت پر متوجہ ہو۔ اس واسطے کہ آپ نے بجز خدائے تعالیٰ اور روز آخرت کے اور چیز کی طرف نہیں بلایا نہ اور چیزوں سے بجز دنیا اور سردست کی لذتوں سے باز رکھا پس جس قدر تم دنیا سے روگردان ہو گے اور آخرت پر توجہ کرو گے اتنا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ چلو گے اور جس قدر آپ کا طریق اختیار کرو گے اسی قدر پیرو ہو گے اور جتنی آپ کی پیروی کرو گے اتنے ہی آپ کی امت میں سے ہو گے۔ اور جس قدر دنیا کی طرف میل کرو گے اسی قدر آپ کے راستہ سے انحراف کرو گے اور آپ کی متابعت سے روگردانی کرو گے اور ان لوگوں میں ہو جاؤ گے جن کی شان میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فاما من طغیٰ و اٰثر الحیٰوۃ الدنیا فان الجحیم ھی الماویٰ[2] پس اگر تم فریب کی گھات سے قدم باہر نکالو اور اپنے دل میں انصاف کرو اور تم کیا ہم سب ایسے ہیں۔ اگر گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں تو جانیں کہ صبح سے شام تک صرف حال کی لذتوں کے لیے دوڑ دھوپ کرتے ہیں۔ اور تمام ہمارا حرکت اور سکون صرف اسی دنیائے ناپائیدار کے لیے ہے۔ پھر یہ طمع رکھتے ہیں کہ کل کو آپ کی امت اور تابعین میں سے ہوں گے۔ واہ کیا دور کا وہم ہے اور کتنی سرد طمع ہے نہیں دیکھتے کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے افنجعل المسلمین کالمجرمین ما لکم کیف تحکمون[3] اب بات کہیں کی کہیں جا پڑی اس لیے اس کو چھوڑ کر وہ خوابیں ذکر کرتے ہیں جن کے معلوم ہونے سے بہت فائدہ ہو اس لیے کہ نبوت تو جاتی رہی صرف بشارت دینے والی چیزیں خوابیں ہی رہ گئی ہیں۔

بیان ان خوابوں کا جو مُردوں کے حالات اور ان اعمال پر متضمن ہیں جو آخرت میں کام آویں ان میں ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہے اگر کسی کو نصیب ہو جاوے۔ آپ فرماتے ہیں[4] من رانی فی المنام فقد رانی حقا فان الشیطان لا یتمثل بی اور حضرت عمرؓ بن خطاب فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور دیکھا کہ آپ میری طرف التفات نہیں فرماتے میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے کیا قصور کیا ہے آپؐ نے میری طرف التفات فرمایا اور ارشاد کیا کہ کیا تم روزہ کی حالت میں بوسہ نہیں لیا کرتے ہو میں نے عرض کیا کہ مجھ کو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے میں روزہ کی حالت میں کبھی عورت کا بوسہ نہ لوں گا۔ اور حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ مجھ کو حضرت عمرؓ سے دوستی تھی مجھے یہ تمنا ہوئی کہ آپ کو خواب

ت ۱ اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ کی تو میری راہ چلو کہ اللہ تم کو چاہے ح ۲ سو جس نے سرکشی کی اور بہتر سمجھا دنیا کا جینا تو دوزخ ہی ہے ٹھکانا ۱۲
ت ۳ کیا ہم کریں گے حکم برداروں کو برابر گنہگاروں کے کیا ہوا تم کو کیسی بات ٹھہراتے ہو ۱۲ ح
ح ۴ جو شخص مجھ کو خواب میں دیکھے اس نے مجھ کو دیکھا ٹھیک اس لیے کہ شیطان میری صورت نہیں بنتا ۱۲ بخاری و مسلم بروایت ابوہریرہؓ ۱۲
ح ۵ یہ حدیث مسلم نے اسی طرح نقل کی ہے ۱۲

میں دیکھوں پس برس روز کے بعد آپ کو خواب میں دیکھا کہ وہ اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اب مجھ کو فراغت ہوئی۔ میرا تختہ ٹوٹ ہی چکا تھا اگر میں رؤف ورحیم سے نہ ملا ہوتا۔ اور حضرت امام حسنؓ فرماتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد حضرت علیؓ نے فرمایا کہ آج رات میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا کہ آپ کی امت سے مجھے کچھ بھلائی نہ پہنچی۔ آپ نے فرمایا کہ ان کے حق میں بد دعا کر۔ میں نے کہا کہ الٰہی مجھ کو ان کے عوض میں وہ لوگ عنایت فرما جو ان سے بہتر ہوں اور میرے بدلے میں ان کو وہ شخص دے جو مجھ سے برا ہو۔ یہ خواب کہکر حضرت علی کرم اللہ وجہہ باہر نکلے پس ابن ملجم خبیث نے آپ کو زخمی کیا۔ اور بعض محدثین سے مروی ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا کہ آپ میرے لیے دعائے مغفرت فرمادیں آپ نے میری طرف سے منہ پھیر لیا۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ سفیان بن عیینہ نے ہم سے حدیث بیان کی اور انہوں نے محمد بن المنکدر سے اور انہوں نے جابر بن عبداللہؓ سے کہ آپ سے کوئی چیز کبھی ایسی نہیں مانگی گئی جس پر آپ نے نہیں فرمایا ہو۔ یہ سنکر آپ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ خدائے تعالیٰ تیری مغفرت فرمادے۔ اور حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ فرماتے ہیں کہ مجھ سے اور ابو لہب سے بھائی چارہ تھا اور وہ میرا یار تھا جب وہ مر گیا اور اللہ نے اس کے حال کی خبر سنائی جیسا کچھ کہ قرآن میں ہے میں نے اس پر بہت غم کیا اور اس کے معاملہ کا مجھے تردد ہوا میں نے خدا تعالےٰ سے برس روز کامل دعا مانگی کہ اس کو خواب میں مجھے دکھلا دے۔ پس ایک روز میں نے دیکھا کہ آگ میں دہک رہا ہے۔ میں نے اس کا حال پوچھا اس نے کہا کہ میں دوزخ کے عذاب میں گرفتار ہوا کبھی وہ عذاب مجھ سے ہلکا نہیں ہوتا نہ راحت ملتی ہے مگر دوشنبہ کی رات کو تمام دنوں اور راتوں سے تخفیف ہو جاتی ہے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کس طرح ہے کہا کہ اس رات محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تھے۔ ایک لونڈی نے آکر مجھے خوشی سنائی کہ آمنہ کے لڑکا ہوا ہے میں نے خوش ہو کر اپنی لونڈی کو آزاد کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے میں مجھ کو یہ ثواب دیا کہ مجھ سے ہر دوشنبہ کی رات کو عذاب اٹھا لیا۔ اور عبدالواحد بن زید کہتے ہیں کہ میں حج کے ارادے سے نکلا۔ ایک شخص میرے ساتھ ہوا کہ ہر نشست و برخاست اور حرکت و سکون میں درود شریف پڑھتا تھا میں نے اس سے اس کی وجہ پوچھی اس نے کہا کہ میں اول دفعہ مکہ معظمہ کی طرف کو چلا اور میرے ساتھ میرا باپ بھی تھا جب ہم مکہ معظمہ سے پھرے تو ایک منزل میں سوئے میں سوتا ہی تھا کہ خواب میں ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ اٹھ تیرے باپ کو خدا نے موت دی اور اس کا منہ کالا کر دیا۔ میں ڈرتا ہوا اٹھا اور والد کے چہرے سے کپڑا اٹھا کر دیکھا تو مردہ اور منہ سیاہ پایا مجھ کو اس حال سے نہایت خوف ہوا اس حال میں ڈوبا ہوا تھا کہ پھر مجھ کو نیند آگئی خواب میں دیکھا کہ میرے باپ کے سر پر چار حبشی لوہے کے سونٹے لیے کھڑے ہیں اتنے میں ایک شخص بزرگ نہایت حسین سبز جوڑا پہنے ہوئے آئے اور ان سے کہا کہ الگ ہو اور اپنا دست مبارک میرے باپ کے منہ پر پھیر کر میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ اٹھ تیرے باپ کا منہ اللہ تعالےٰ نے سفید کر دیا میں نے ان کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ کے اوپر میرے ماں باپ قربان ہوں آپ کون ہیں انہوں نے فرمایا کہ میں محمد ہوں (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے اٹھ کر

جو باپ کا منہ کھولا تو واقع میں نورانی براق پایا۔ اس روز سے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا موقوف نہیں کیا۔ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز سے مروی ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور حضرت ابو بکر رضؓ اور حضرت عمر رضؓ کو پایا آپ کی خدمت میں میں سلام کر کے ان دونوں کے بیچ میں بیٹھ گیا۔ اتنے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت معاویہ حاضر خدمت ہوتے ان دونوں کو ایک کوٹھری میں میرے سامنے کر کے دروازہ بند کر دیا گیا، تھوڑی دیر نہ ہوئی تھی کہ حضرت علی رضؓ یہ کہتے ہوتے باہر نکلے کہ قسم ہے خدائے کعبہ کی کہ میرے لیے حکم ہوا ان کے بعد ہی بہت جلد امیر معاویہ رضؓ یہ کہتے ہوتے نکلے کہ قسم ہے خدائے کعبہ کی کہ میری خطا بخش دی گئی۔ اور ایک بار حضرت ابن عباس رضؓ سوتے تھے نیند سے بیدار ہوتے تو انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور فرمایا کہ بخدا امام حسین علیہ السلام شہید ہوئے۔ اور یہ معاملہ آپ نے قبل خبر شہادت پہنچنے کے دیکھا تھا۔ آپ کے یاروں نے اس کو نہ مانا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ ایک شیشے میں خون لیے ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تجھے معلوم نہیں کہ میری امت نے میرے بعد کیا کیا میرے لڑکے حسین کو شہید کیا اور یہ اس کا اور اس کے ساتھیوں کا خون ہے اس کو اللہ تعالیٰ کے پاس لے جاؤں گا۔ چوبیس روز بعد آپ کی شہادت کی خبر آئی کہ جس روز حضرت ابن عباس رضؓ نے دیکھا تھا اسی روز شہید ہوئے۔ اور حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کو کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ آپ اپنی زبان مبارک کے باب میں ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ اس نے مجھ کو تباہی کی جگہوں میں پہنچایا ہے پس اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا آپ نے فرمایا کہ میں نے اس زبان سے لا الہ الا اللہ کہا تھا اس لیے مجھ کو جنت میں وارد کیا۔ اب مشائخ کرام کے خوابوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ کسی شیخ سے نقل ہے کہ انھوں نے متمم دورقی کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ خدائے تعالیٰ نے آپ سے کیا کیا انھوں نے فرمایا کہ مجھ کو جنتوں میں پھروایا اور پوچھا کہ کوئی چیز جنتوں میں تجھ کو اچھی معلوم ہوئی میں نے عرض کیا کہ نہیں، ارشاد ہوا کہ اگر تو کسی چیز کو اچھی جانتا تو میں تجھ کو اسی کے حوالے کرتا اور اپنے حضور میں نہ پہنچاتا۔ اور کسی نے یوسف بن حسین کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ کیا معاملہ تجھ سے خدا نے فرمایا انھوں نے کہا کہ مجھ کو بخش دیا۔ اس شخص نے پوچھا کہ آمرزش کی وجہ کیا ہوئی کہا کہ میں نے ٹھیک بات کو ہزل میں نہیں ملایا تھا اور منصور بن اسماعیل سے روایت ہے کہ میں نے عبداللہ بزاز کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ کہو کیا معاملہ گزرا انھوں نے کہا کہ خدائے تعالیٰ نے مجھ کو اپنے سامنے کھڑا کیا اور جتنے گناہوں کا میں نے اقرار کیا ان سب کو بخش دیا مگر ایک گناہ کو اس سے کہتے ہوئے مجھے شرم آئی اس لیے مجھ کو پسینے میں کھڑا کیا یہاں تک کہ میرے چہرے کا گوشت گر گیا۔ میں نے پوچھا کہ وہ گناہ کیا تھا انھوں نے کہا کہ میں نے ایک امرد کو دیکھا اور اس کو پسند کیا اس لیے مجھے حیا آئی کہ اس کا کیا ذکر کروں اور ابو جعفر صیدلانی کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ ایک جماعت درویشوں کی آپ کے گرد ہے۔ اسی اثنا میں آسمان پھٹا اور اس سے دو فرشتے کہ ایک کے ہاتھ میں طشت دوسرے کے ہاتھ میں آفتابہ تھا اترے

؎ اصل میں سلمت وجلست بینہما اما جالس الخ ہے یعنی میں سلام کر کے بیٹھ گیا اور میں ہنوز بیٹھا ہی تھا کہ ۱ھ

طشت والے نے اپنا طشت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ دیا آپ نے ہاتھ مبارک دھوتے پھر طشت میرے سامنے رکھا تو ایک فرشتے نے کہا کہ اس کے ہاتھ پر پانی مت ڈال یہ ان میں سے نہیں ہے میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ سے کیا یہ روایت نہیں ہے کہ آپ نے فرمایا ہے[ح] المرء مع من احب آپ نے فرمایا کہ بیشک ایسا ہی ہے میں نے عرض کیا کہ تو میں آپ سے اور ان درویشوں سے محبت رکھتا ہوں۔ آپ نے اس فرشتے کو ارشاد فرمایا کہ اس کے ہاتھ پر بھی پانی ڈال کہ یہ بھی انہیں میں سے ہے۔ اور حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ لوگوں کو وعظ سناتا ہوں، اتنے میں ایک فرشتے نے میرے پاس آکر پوچھا کہ جن چیزوں سے خدا تعالیٰ کے تقرب کے طالب تقرب کیا کرتے ہیں ان میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک تر کیا چیز ہے میں نے جواب دیا کہ پوشیدہ عمل ترازو میں پورا ہے وہ فرشتہ یہ کہتا چلا گیا کہ بخدا کلام توفیق یافتہ شخص کا ہے۔ اور مجمع کو کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ تم نے معاملہ کیسے پایا آپ نے فرمایا کہ جو لوگ دنیا میں زاہد تھے ان کو دیکھا کہ دنیا و آخرت کی خیر لے گئے۔ اور ایک شام کے آدمی نے علاء بن زیاد سے کہا کہ میں نے خواب میں تم کو جنت میں دیکھا ہے وہ اپنی بیٹھک سے اترے اور اس شخص کے پاس آکر کہا کہ اس کی تعبیر یہ ہے کہ شیطان نے کوئی بات چاہی تھی اس سے میں بچ گیا ہوں اس نے اب کسی شخص کو میرے قتل کے واسطے معین کیا ہے۔ اور محمد بن واسعؒ فرماتے ہیں کہ خواب مومن کو خوش کیا کرتی ہے مغالطے میں نہیں ڈالتی۔ اور صالح بن بشیرؒ کہتے ہیں کہ میں نے عطائے سلمی کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ خدائے تعالیٰ تم پر رحم کرے دنیا میں تو بہت غم کیا کرتے تھے انہوں نے فرمایا کہ لو پھر اب تو اس کے بعد مجھ کو بڑی خوشی اور فرحت دائمی ہوئی۔ میں نے پوچھا کہ آپ کونسے درجے میں ہیں فرمایا کہ ان لوگوں کے ساتھ جن پر خدائے تعالیٰ نے انعام کیا ہے یعنی نبیوں اور صدیقوں اور شہداء اور صالحوں کے ساتھ۔ اور کسی نے حضرت زرارہ بن ابی اوفی[ع]ؓ سے خواب میں پوچھا کہ اعمال میں سے تمہارے نزدیک کونسا افضل ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ راضی رہنا خدائے تعالیٰ کے حکم پر اور کوتاہ کرنا امل کا۔ اور یزید بن مدعور کہتے ہیں کہ میں نے اوزاعیؒ کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ مجھ کو کوئی ایسا عمل بتاؤ جس سے میں خدا تعالیٰ کا تقرب حاصل کروں آپ نے فرمایا کہ میں نے یہاں عالموں کے رتبے سے بڑھ کر اور کسی کا رتبہ نہیں پایا۔ ان کے بعد درجہ غمگین لوگوں کا ہے۔ راوی کہتا ہے کہ یزید بن مدعور بہت بوڑھے تھے اس خواب کے بعد ہمیشہ رویا کیے یہاں تک کہ آنکھیں جاتی رہیں۔ اور ابن عیینہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے بھائی کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ بھائی تم سے خدا تعالیٰ نے کیا معاملہ فرمایا انہوں نے کہا کہ جس گناہ پر میں نے استغفار پڑھا تھا اور آمرزش کی درخواست کی تھی وہ تو خدائے تعالیٰ نے بخش دیا اور جس گناہ سے استغفار نہیں کیا تھا وہ نہ بخشا۔ اور علی طلحیؒ کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں ایک عورت کو دیکھا کہ وہ دنیا کی عورتوں کے مشابہ نہ تھی۔ میں نے پوچھا کہ تو کون ہے اس نے کہا کہ میں حور ہوں میں نے کہا کہ تو مجھ سے بیاہ کر لے اس نے کہا کہ میرے مالک سے میری نسبت کی درخواست

ح[۱] آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے دوستی رکھے ۱۲ یہ حدیث بخاری و مسلم کی ہے پیشتر گذری ۱۲ ع[۲] اصل میں بھی یہی ہے لیکن صحیح ابن اوفی ہے ۱۲

کر اور میرا مہر دے دے میں نے پوچھا کہ تیرا مہر کیا ہے اس نے کہا کہ اپنے نفس کو اس کی تمام آفتوں سے بچائے رکھ اور ابراہیم بن اسحاق حربیؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت زبیدہؒ کو خواب میں پوچھا کہ خدا تعالیٰ نے تم سے کیا کیا انہوں نے فرمایا کہ مجھ کو بخشش دیا۔ میں نے کہا کہ انہیں خیراتوں کے عوض میں جو تم نے مکہ کی راہ میں دی تھیں۔ انہوں نے کہا کہ میں نے جو خیراتیں دی تھیں ان کا ثواب تو مالکوں کے پاس چلا گیا مجھے تو صرف نیت کے باعث بخش دیا۔ اور حضرت سفیان ثوریؒ نے جب وفات پائی تو خواب میں کسی نے ان کو دیکھا اور پوچھا کہ خدا تعالیٰ نے آپ سے کیا کیا انہوں نے فرمایا کہ ایک قدم تو میں نے پلصراط پر رکھا دوسرا جنت میں رکھا۔ اور احمد بن ابی الحواری کہتے ہیں کہ میں نے خواب کی حالت میں ایک لونڈی کو دیکھا جس سے خوبصورت زیادہ میں نے نہیں دیکھی تھی، اس کا منہ نور سے چمک رہا تھا میں نے پوچھا کہ تیرے منہ کی چمک کس باعث سے ہے اس نے کہا کہ تمہیں یاد ہے کہ ایک رات میں تم روئے تھے میں نے کہا کہ ہاں مجھے یاد ہے اس نے کہا کہ میں نے تمہارے آنسو لے کر اپنے منہ کو لگا لیے تھے اس سے میرا منہ ایسا چمکنے لگا۔ اور کتانیؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جنیدؒ کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ خدائے تعالیٰ نے آپ سے کیا معاملہ کیا انہوں نے فرمایا کہ وہ اشارات تباہ ہوگئے اور نہ وہ عبادتیں کام آئیں صرف دو رکعتیں جو ہم رات کو پڑھا کرتے تھے وہی ہم کو ملیں۔ اور زبیدہؒ کو کسی نے خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ تم پر کیا حال گذرا انہوں نے کہا کہ ان چار جملوں کی بدولت خدائے تعالےٰ نے مغفرت فرمائی لا الٰہ الا اللہ افنی بھا عمری لا الٰہ الا اللہ ادخل بھا قبری لا الٰہ الا اللہ اخلو بھا وحدی لا الٰہ الا اللہ القی بھا ربی[1] اور بشرؒ کو کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ خدائے تعالیٰ نے تم سے کیا معاملہ کیا انہوں نے فرمایا کہ مجھ پر رحم کیا اور خبردار کہ تم لوگوں کے اشاروں سے یعنی شہرت اور انگشت نما ہونے سے ہوا اتنا اور کسی چیز سے نہیں ہوا۔ اور ابوبکر کتانیؒ کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں ایک جوان کو دیکھا کہ اس سے بہتر کبھی نہیں دیکھا تھا میں نے پوچھا کہ تو کون ہے اس نے کہا کہ تقویٰ ہوں۔ میں نے کہا کہ تو کہاں رہتا ہے اس نے کہا میں دل غمگین میں رہتا ہوں پھر جو میں نے دیکھا تو ایک کالی عورت بھتنی سی نظر آئی میں نے پوچھا کہ تو کون ہے اس نے کہا کہ میں دل کی بیماری ہوں، میں نے کہا کہ تو کہاں رہتی ہے اس نے کہا کہ جو دل خوش اور اکڑباز ہو اس میں رہتی ہوں پھر میں جاگ پڑا اور عہد کیا کہ بدون مجبوری کبھی نہ ہنسوں گا اور ابوسعید خرازؒ کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا شیطان میرے اوپر چڑھ آیا میں نے لاٹھی کو پکڑ کے چاہا کہ اس کو ماروں وہ لاٹھی سے نہ ڈرا اس وقت غیب سے آواز آئی کہ یہ اس سے نہیں ڈرا کرتا بلکہ ایک نور سے ڈرتا ہے جو دل کے اندر ہے۔ اور مسوحی کہتے ہیں کہ میں نے شیطان کو برہنہ دیکھا کہ چلا جاتا ہے میں نے کہا کہ تو آدمیوں سے شرم نہیں کرتا اس نے کہا سبحان اللہ یہ لوگ آدمی ہیں اگر یہ آدمی ہوتے تو میں ان کو صبح و شام کیوں کھلونا بناتا جیسے لڑکے گیند سے کھیلا کرتے ہیں بلکہ آدمی اور ہی لوگ ہیں جنہوں نے میرے جسم

---

[1] کوئی معبود نہیں سوائے خدا کے اسی پر فنا کروں میں اپنی عمر اور اسی پر داخل ہوں اپنی قبر میں اور اسی پر تنہا خلوت کروں اور اسی پر اپنے رب سے ملوں ۱۲

کو بیمار کر دیا ہے اور اپنے ہاتھ سے اشارہ ہمارے صوفی یاروں کی طرف کیا۔ اور حضرت ابو سعید خرازؒ کہتے ہیں کہ میں دمشق میں تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ پر تکیہ کیے ہوئے میرے پاس تشریف لائے اور کھڑے ہوتے اس وقت میں کچھ الفاظ کہہ کر اپنے سینے پر ضرب لگاتا تھا آپ نے فرمایا کہ اس کی برائی بہتری کی نسبت کر زیادہ ہے اور ابن عیینہؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سفیان ثوریؒ کو خواب میں دیکھا کہ جنت میں ایک درخت پر سے دوسرے پر اڑ رہے ہیں اور کہتے ہیں لمثل ھذا فلیعمل العاملون ط میں نے ان سے کہا کہ مجھے وصیت کیجیے فرمایا کہ لوگوں کی شناسائی کم کرو۔ اور ابو حاتم رازی قبیصہ بن عقبہؒ سے راوی ہیں کہ انہوں نے سفیان ثوریؒ کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ خدائے تعالیٰ نے آپ سے کیا معاملہ کیا انہوں نے اس مضمون کا قطعہ پڑھا۔

قطعہ

جو دیکھا سامنے سے میں نے رب کو تو یہ فرمایا	مبارک ہو تجھے ابن سعید اس دم رضا میری
تہجد تو پڑھا کرتا تھا راتوں کو اندھیرے میں	بہاتا شوق کے آنسو دکھاتا دل کی مشتاقی
پسند اب کرلے جنت کا مکان تو جونسا چاہے	ملا کر روز ہم سے کیونکہ اب جاتی رہی دوری

اور شبلیؒ کو مرنے کے تین دن بعد کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ خدائے تعالیٰ نے تم سے کیا معاملہ کیا فرمایا کہ مجھ سے ایسا مطالبہ کیا کہ میں ناامید ہو گیا جب میری ناامیدی ملاحظہ فرمائی تو مجھ کو اپنی رحمت میں ڈھانپ لیا۔ اور مجنون بنی عامر کو مرنے کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ خدا تعالیٰ نے تم سے کیا معاملہ کیا فرمایا کہ مجھ کو بخشدیا اور محبین کے لیے مجھ کو حجت ٹھہرایا۔ اور حضرت ثوریؒ کو کسی نے خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ تم سے خدا تعالیٰ نے کیا کیا فرمایا کہ مجھ پر رحم کیا اس شخص نے پوچھا کہ حضرت عبداللہ ابن مبارک کا کیا حال ہے فرمایا کہ وہ اپنے رب کے پاس ہر روز دو دفعہ جایا کرتے ہیں۔ اور بعض اکابر کو کسی نے خواب میں دیکھ کر جو حال پوچھا تو کہا کہ ہم سے جو حساب کیا تو نہایت دقت کی پھر احسان کر کے آزاد کر دیا۔ اور حضرت مالک بن انسؓ کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ کیا معاملہ آپ سے ہوا فرمایا کہ میری مغفرت کی ایک کلمے سے جو حضرت عثمان بن عفانؓ کے جنازے کے دیکھنے پر فرمایا کرتے تھے وہ یہ ہے کہ سبحان الذی لا یموت ط اور جس رات حسن بصریؒ کا وصال ہوا تو کسی نے خواب میں دیکھا کہ گویا دروازے آسمان کے کھلے ہیں اور ایک منادی فرماتا ہے کہ حسن بصریؒ اللہ کے پاس آئے اس حال میں کہ خدا ان سے راضی ہے اور جاحظ کو کسی نے خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ تم پر کیا کیفیت گذری تو اس نے اس مضمون کا شعر پڑھا۔ شعر:

لکھو اپنے قلم سے کچھ تو ایسی چیز کو لکھو	کہ گر دیکھو قیامت میں تو ہووے خوش تمہارا دل

فائدہ: مترجم کہتا ہے کہ شاید اس شخص کی نجات کا باعث یہ ہوا ہو گا کہ اپنی تصانیف میں کچھ عمدہ الفاظ آخرت کے کار آمد لکھے ہوں گے۔ اس شعر میں اسی طرف اشارہ کیا کہ لکھنے کے لیے حسنات اختیار کرنی چاہییں، اور

ت ایسی چیزوں کے واسطے محنت کریں محنت کرنے والے ۱۲ ت ۲ پاک ہے وہ زندہ جو نہیں مرے گا ۱۲

حضرت جنیدؒ نے ابلیس لعین کو خواب میں برہنہ دیکھ کر فرمایا کہ تو آدمیوں . . . سے شرم نہیں کرتا اس نے کہا کہ یہ لوگ آدمی نہیں بلکہ وہ لوگ آدمی ہیں جو مسجد شونیزی واقع بغداد میں ہیں۔ انہوں نے میرے جسم کو لاغر اور جگر کو کباب کیا ہے۔ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ جب میں جاگا تو مسجد مذکور میں گیا۔ دیکھا تو لوگ اپنے زانو پر سر رکھے فکر میں لگے ہیں جب انہوں نے مجھے دیکھا تو فرمایا کہ اس خبیث کے کہنے سے تم فریب میں مت آنا۔ اور نصیر آبادی کو بعد وفات کے مکہ معظمہ میں کسی نے خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ کیا حال گذرا۔ فرمایا اول تو مجھ پر اشراف کا سا عتاب ہوا پھر مجھ کو فرمایا گیا کہ اے ابو القاسم ملنے کے بعد کیا جدائی ہوا کرتی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ نہیں اے عظمت والے پس مجھ کو لحد ہی میں رکھنے پائے تھے کہ میں اپنے رب سے جا ملا۔ اور عتبہ غلام نے ایک حور کو خواب میں دیکھا کہ بہت حسین ہے اور کہتی ہے کہ اے عتبہ میں تیرے اوپر عاشق ہوں تو خبردار ایسی بات نہ کرنا جو مجھ میں اور تجھ میں حجاب ہو جاوے۔ عتبہ نے جواب دیا کہ میں نے دنیا کو تین طلاق دے دیئے جب تک تجھ سے نہ ملوں گا اس کی طرف رجوع نہ کروں گا اور منقول ہے کہ ایوب سختیانیؒ کسی گنہگار کا جنازہ دیکھ کر اپنے دروازے میں گھس گئے تاکہ اس کی نماز نہ پڑھنی پڑھے بعض شخصوں نے اس مردے کو خواب میں دیکھ کر پوچھا کہو کیا معاملہ ہوا اس نے کہا کہ خدا تعالیٰ نے مجھ کو بخش دیا اور ایوب سے کہہ دینا کہ رحمت الٰہی کے خزانے تمہارے قابو میں ہوتے تو بند جانے کے ڈر سے تم ان کو روک رکھتے اور بعض اکابر سے مروی ہے کہ جس رات حضرت داؤد طائیؒ کا انتقال ہوا میں نے خواب میں دیکھا اور کہا اے شیخ انہوں نے فرمایا اب شیخ کہنا چھوڑ دو میں نے پوچھا کہ وہ حالات جو میں نے تمہارے دیکھے تھے اس سبب سے کہتا ہوں انہوں نے فرمایا کہ وہ کام نہ آئے میں نے پوچھا کہ پھر آخر خدائے تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ فرمایا کہا کہ مجھ کو ان مسائل کے ثواب میں بخش دیا جو فلاں بڑھیا پوچھا کرتی تھی۔ ابوبکر رشیدیؒ کہتے ہیں کہ میں نے محمد طوسی معلم کو خواب میں دیکھا تو انہوں نے مجھ سے یہ کہا کہ ابو سعید زرگر کو ادب سے یہ کہہ دینا ؎

ماز یاران چشم یاری داشتیم خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم

جب میں جاگا تو ابو سعید سے جا کر مضمون بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہر جمعہ کو ان کی قبر پر جایا کرتا تھا اس جمعہ کو نہیں گیا ہوں اس کی شکایت ہے۔ ابن راشد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن مبارکؒ کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ تم کیا مر نہیں گئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہاں میں نے پوچھا تو خدا تعالیٰ نے تم سے کیا کیا انہوں نے کہا کہ مجھ کو بخش دیا ایسی مغفرت سے کہ ہر گناہ کو گھیر لیا۔ میں نے پوچھا کہ پھر سفیان ثوریؒ کا کیا حال ہے انہوں نے کہا کہ ان کا کیا کہنا۔ وہ تو اس آیت کے مصداق ہیں مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین اور ربیع بن سلیمان کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام شافعیؒ کو مرنے کے بعد خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ خدائے تعالیٰ نے آپ سے کیا کیا آپ نے فرمایا کہ مجھ کو ایک سونے کی کرسی پر بٹھایا اور میرے اوپر در شاداب بکھیرے۔ اور ایک شخص نے حضرت حسن بصریؒ کے مریدوں میں سے جس رات ان کی وفات ہوئی تھی خواب میں دیکھا کہ کوئی منادی یہ پکارتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ اور نوحؑ اور آل ابراہیمؑ اور آل عمران کو خلق سے برگزیدہ فرمایا اور حسن بصریؒ کو ان کے وقت کے لوگوں سے اچھا اور برگزیدہ کیا

اور ابو یعقوب قاری کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں ایک شخص گندم گوں کشیدہ قامت کو دیکھا کہ لوگ اس کے پیچھے جاتے ہیں میں نے پوچھا یہ کون ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ حضرت اویس قرنی رحہ ہیں میں بھی آپ کے پیچھے چلا اور عرض کیا کہ مجھے وصیت فرمایئے۔ آپ نے مجھ سے ناک چڑھائی۔ میں نے عرض کیا کہ میں راہ نہیں جانتا آپ سے راہنمائی چاہتا ہوں اگر آپ مجھے راہ دکھا دیں گے خدا تعالیٰ آپ کو جزا دے گا۔ آپ میری طرف متوجہ ہوتے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو اس کی محبت کے واسطے طلب کرو اور اس کے بدلہ لینے سے نافرمانی کے وقت خوف کرو، اس اثنا میں اس سے امید مت منقطع کرو پھر آپ منہ پھیر کر چل دیئے اور مجھ کو چھوڑ گئے۔ اور ابو بکر بن ابن مریمؒ کہتے ہیں کہ میں نے ورقاء بن بشیرؒ حضرمی کو خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ تمہارا کیا حال ہے۔ انہوں نے کہا کہ بڑی جانکاہی کے بعد چھٹی ملی۔ میں نے پوچھا کہ تم نے کونسے عمل کو افضل پایا انہوں نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ کے خوف سے رونے کو۔ اور یزید بن نعامہ کہتے ہیں کہ جارف یعنی وبائے عام میں ایک عورت مر گئی اس کے باپ نے اس کو خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ بیٹی مجھ سے آخرت کا حال کہہ اس نے کہا کہ بابا ہم ایک بھاری کام پر پہنچے ہیں۔ ہم جانتے ہیں اور عمل نہیں کرتے اور تم عمل کرتے ہو اور جانتے نہیں بخدا کہ ایک بار یا دو بار سبحان اللہ کہنا یا ایک خواہ دو رکعت نماز کا میرے نامۂ اعمال میں ہونا مجھ کو دنیا و مافیہا سے محبوب تر ہے۔ اور بعض مرید عتبہ غلامؒ کے کہتے ہیں کہ میں نے عتبہؒ کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ خدائے تعالیٰ نے تم سے کیا معاملہ کیا انہوں نے فرمایا کہ میں برکت سے اس دعا کی جنت میں داخل ہوا جو تیرے گھر میں لکھی ہوئی ہے جب میں اٹھا تو اپنے گھر کے اندر گیا۔ دیکھا تو عتبہؒ غلام کے خط سے دیوار پر لکھا پایا[1] یاهادی المضلین و یاارحم المذنبین یامقیل عثرات العاثرین ارحم عبدك ذا الخطر العظیم والمسلمین کلهم اجمعین واجعلنا مع الاحیاء المرزوقین الذین انعمت علیهم من النبیین والشهداء والصالحین امین یارب العالمین ط اور موسیٰ بن حمادؒ کہتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوریؒ کو جنت میں دیکھا کہ ایک پیڑ سے دوسرے پیڑ پر اڑتے پھرتے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ اے ابو عبداللہ تم کو یہ مرتبہ کس بات سے ملا فرمایا کہ ورع سے۔ میں نے پوچھا کہ علی بن عاصم کا حال تو بتاؤ۔ فرمایا کہ وہ ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے ستارے۔ اور کسی تابعیؒ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھ کو نصیحت فرمایئے۔ فرمایا بہتر، جو شخص نقصان کا جویا نہیں رہتا وہ نقصان میں رہتا ہے اور جو نقصان میں رہے اس کے لیے موت بہتر ہے۔ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مجھ کو ان دنوں میں ایک امر مشکل ایسا پیش آیا تھا جس نے مجھ کو درد و رنج دیا اور خدائے تعالیٰ کے سوا اور کسی کو اس پر واقفیت نہ تھی کل رات میرے پاس ایک آنے والا آیا اور خواب میں مجھ سے کہا کہ اے محمد بن ادریس یوں دعا مانگو اللهم انی لا املك نفسی نفعا ولا ضرا ولا موتا ولا حیاتا ولا

---

[1] اے راہ دکھانے والے گمراہوں کے اے رحم کرنے والے گنہگاروں کے اور اے معاف کرنے والے خطا سے لغزش کرنے والوں کے تو اپنے بندے بڑے اندیشہ کرنے والے پر رحم کر اور سب مسلمانوں پر اور ہم کو ان زندوں کے ساتھ کر جو روزی دیئے جاتے ہیں جن پر تو نے انعام کیا یعنی نبی اور صدیق اور شہید اور نیک بندے۔ قبول کر اے رب العالمین ۱۲ [2] ترجمہ اگلے صفحہ پر ہے

نشورًا ولا استطیع ان اخذ الا ما اعطیتنی ولا اتقی الا ما وقیتنی اللھم وفقنی لما تحب وترضٰی من القول والعمل فی عافیۃ جب میں صبح کو اُٹھا تو اس دُعا کو مقرر پڑھا جب دن چڑھا اللہ تعالٰے نے میرا مطلب مجھ کو عنایت فرمایا اور جس مصیبت میں میں تھا اس سے نجات آسان فرمائی۔ تو تم کو چاہیے کہ ان دعاؤں کو ہمیشہ پڑھتے رہو اور ان سے غافل نہ رہو۔ یہ تجھے کچھ مکاشفات جن سے مردوں کا احوال معلوم ہوتا ہے اور ان اعمال پر دلالت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے قریب کردیں۔ اب ان کے بعد ہم وہ حالات لکھتے ہیں جو صور کے پھنکنے سے آخرت تک یعنی جنت خواہ دوزخ میں ٹھہر جانے تک مردوں کو پیش ہوتے ہیں۔

دوسرا حصہ

صور سے آخری فیصلہ تک کا بیان

نفخ صور کا بیان پہلے بیانوں سے تم کو اتنے حالات معلوم ہوچکے ہیں میت کے حال کی شدت موت کے سکرات ہیں اور خطرہ خاتمے کے خوف کا پھر قبر کی تاریکی کو بھگتنا اور اس کے کیڑوں کی ایذا سہنی پھر منکر نکیر اور ان کا سوال پھر عذاب قبر کو بھگتنا بشرطیکہ ان لوگوں میں سے ہو جن پر غصہ ہوا ہے اور یہ جتنے احوال گذرے ہیں ان سب سے بڑھ کر وہ خطرات ہیں کہ مردے کے سامنے ہیں یعنی صور کا پھنکنا اور قیامت کے دن اٹھنا اور خدائے تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا اور تھوڑے بہت کی پوچھ ہونی اور اعمال کے مقدار کی شناخت کے لیے ترازو کا کھڑا ہونا پھر باوجود باریکی اور تیزی کے پلصراط پر سے اترنا پھر مقدمے کے فیصل ہونے کے لیے یعنی سعادت یا شقاوت کا حکم لگنے کے لیے پکار کا منتظر رہنا تو یہ احوال اور خطرات ایسے ہیں کہ تم کو ان کا پہچاننا ضروری ہے پھر ان پر خوب یقین اور تصدیق کے طور پر ایمان لانا پھر ان میں بہت سا فکر و تامل کرنا کہ تمہارے دل میں سے ان کی تیاری کے لوازم پیدا ہوں اور اکثر لوگوں کا یہ حال ہے کہ قیامت کے دن پر ایمان ان کے خاص دلوں میں نہیں بیٹھا اور سویدائے ضمیر میں جگہ نہیں پکڑی اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ موسم گرما کی گرمی اور جاڑے کی سردی کے لیے کتنے سامان کرتے ہیں اور دوزخ کی گرمی اور زمہریر کی سردی کے لیے باوجودیکہ ان میں نہایت سختی اور خطرات ہوں گے۔ ڈھیل دیتے ہیں ہاں اتنا ہے کہ جب آخرت کا حال ان سے پوچھے تو زبان سے اس کا اقرار کرتے ہیں مگر دل ان کے اس سے غافل رہتے ہیں اور جو شخص دوسرے سے کہے کہ تیرے سامنے کے کھانے میں زہر ہے اور وہ دوسرا اس کی تصدیق کرے کہ ہاں سچ

ے الٰہی میں نہیں اختیار رکھتا ہوں اپنے نفس کے لیے نفع کا نہ ضرر کا نہ موت کا نہ زندگی کا نہ مر کر جینے کا اور نہ مجھ سے ہوسکتا ہے کہ جسقدر تو دے اس کے سوا لے لوں اور نہ یہ کہ بچا رہوں بجز اس چیز کے کہ تو اس سے مجھ کو بچادے الٰہی پس تو مجھ کو توفیق دے ان باتوں کی جن کو تو محبوب اور اچھی جانتا ہے خواہ وہ قول ہوں یا عمل آرام کے ساتھ۔ ۱۲

کہتے ہو پھر کھانا کھاوے تو زبان سے اس کو سچا کہا اور عمل سے اس کو جھٹلایا۔ اور عمل کی رو سے جھٹلانا زبان کے جھٹلانے کی نسبت کہیں زیادہ ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[ح] کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھ کو آدمی نے گالی دی اور اس نے مجھ کو جھٹلایا اور اس کو شایان نہ تھا کہ جھٹلاوے اس کا گالی دینا تو یہ ہے کہ کہتا ہے کہ خدا کا کوئی لڑکا ہے اور جھٹلانا اس طرح ہے کہ کہتا ہے کہ مجھے جیسے اوّل پیدا کیا ہے اس طرح کبھی نہ اُٹھاوے گا۔ اور دلوں میں جو پھر سے اٹھنے کی تصدیق اور یقین مستحکم نہیں تو اس کی وجہ یہی ہے کہ لوگ اس جہان میں اس طرح کی باتیں کم سمجھتے ہیں۔ اور اگر بالفرض آدمی حیوانات کا پیدا ہونا نہ دیکھتا اور اس سے کہا جاتا کہ تیرا بنانے والا ہے کہ وُہ نطفۂ ناپاک سے ایسا آدمی بناتا ہے جو عاقل اور متکلم اور تصرف کرنے والا ہو تو اس کے باطن کو اس کی تصدیق نہایت سخت ہوتی اور اسی جہت سے خدائے تعالیٰ فرماتا ہے[۱] اولم یرالانسان انا خلقناہ من نطفۃ فاذا ھو خصیم مبین اور فرمایا[۳] ایحسب الانسان ان یترک سُدًی الم یک نطفۃ من منی یمنٰی ثم کان علقۃ فخلق فسوّٰی فجعل منہ الزوجین الذکر والانثٰی[۴] غرضکہ آدمی کی پیدائش میں باوجود کثرت عجائب اور اختلاف اعضاء کی ترکیب کے عجیب تر عجیب باتیں اس کے اُٹھنے اور دوبارہ زندہ ہونے میں ہیں تو جو شخص اس کی صنعت اور قدرت میں عجائب کو معائنہ کرتا ہے وہ خدائے تعالیٰ کی قدرت و حکمت سے اس کا انکار کیسے کرتا ہے پس اگر تمہارے ایمان ہی میں ضعف ہو تو پہلے پیدائش کو غور کر کے ایمان کو پکا کر لو اس لیے کہ دوسری بار کی پیدائش اول ہی کی طرح بلکہ اس سے سہل تر ہے۔ اور اگر تمہارا ایمان دوبارہ اُٹھنے پر قوی ہے تو دل میں ان خوفوں کو بھی ٹھان لو۔ اور اس باب میں اتنا فکر اور عبرت کیا کرو کہ دل سے راحت اور آرام جاتا رہے اور خداوند تعالیٰ کے سامنے جانے کی تیاری میں لگ جاؤ۔ اول اس آواز کا فکر کرو کہ قبر کے باشندوں کے کان میں پڑے گی۔ یعنی صور کا زور سے پھونکنا کہ ایک ہی چیخ ایسی ہوگی کہ جس سے قبروں میں سے مردے نکل پڑیں گے۔ پس اپنے آپ کو فرض کرو کہ تم بھی قبر سے چہرہ متغیر اور بدن سر سے پاؤں تک غبار آلود قبر کی مٹی میں سنا ہوا نکلے ہو اور چیخ کی شدت سے حیران اور آواز کی طرف کو نگران ہو اور تمام خلق اپنی اپنی قبروں سے یکبارگی نکل پڑی ہے کہ مدتوں تک ان میں پڑے سڑتے ہیں اور ایک مصیبت تو ان کو رنج و غم اور انتظار کی سختی کی کہ انجام کب کو معلوم ہوگا۔ پہلے سے تھی اب یک نہ شد دو شد یہ خوف اور رعب اور ہوا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[۴] ونفخ فی الصور فصعق من فی السمٰوٰت ومن فی الارض الا من شاء اللہ ثم نفخ فیہ اخری فاذا ھم قیام ینظرون اور فرمایا[۵] فاذا نقر فی الناقور فذٰلک یومئذ یوم عسیر علی الکٰفرین غیر یسیر اور فرمایا یقولون متی ھٰذا الوعد ان

ح بخاری بروایت ابوہریرہؓ ۱۲ ۔ [۲] کیا دیکھتا نہیں آدمی کہ ہم نے اس کو بنایا ایک بوند سے پھر تبھی وہ ہو گیا جھگڑتا بولتا ۱۲ ۔ [۳] کیا خیال رکھتا ہے آدمی کہ چھوٹا رہے گا بے قید بھلا نہ تھا ایک بوند منی کی ٹپکی پھر تھا لہو کی پھٹکی پھر اسی نے بنایا اور ٹھیک کر اٹھایا پھر کیا اس میں جوڑا نر اور مادہ ۱۲ ۔ [۴] اور پھونکا گیا نرسنگا پھر بیہوش ہو گرا جو کوئی ہے آسمانوں اور زمین میں مگر جس کو اللہ نے چاہا پھر پھونکا گیا دوسری بار پھر تب ہی وہ کھڑے ہو گئے دیکھتے۔ [۵] پھر جب کھڑکھڑاوے وہ کھڑکھڑا پھر وہ اس دن مشکل دن ہے منکروں پر نہیں آسان ۱۲

کنتم صدقین ط ما ینظرون الا صیحۃ واحدۃ تاخذھم وھم یخصمون فلا یستطیعون توصیۃ ولا الیٰ اھلھم یرجعون ط ونفخ فی الصور فاذا ھم من الاجداث الیٰ ربھم ینسلون قالوا یا ویلنا من بعثنا من مرقدنا ھٰذا ما وعد الرحمن وصدق المرسلون ط[1] پس اگر مردوں کے سامنے اس آواز کی دہشت کے سوا اور کچھ ہول نہ ہوتا تب بھی اس سے ڈرنا اور بچنا لائق تھا اس لیے کہ وہ ایسی پھونک اور چیخ ہوگی کہ اس سے جو لوگ آسمان و زمین کے ہیں سب مر جاویں گے صرف جن کو اللہ تعالیٰ چاہے گا یعنی چند فرشتے باقی رہ جاویں گے اور اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[2] کیف انعم وصاحب الصور قد التقم القرن وحنی الجبھۃ واصغیٰ بالاذن ینظر متی یومر بنفخ۔ مقاتل فرماتے ہیں کہ صور کے معنی شاخ یعنی نرسنگھے کے ہیں اور اس کی کیفیت یوں ہی ہے کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام نفیری کی شکل کے نرسنگھے پر اپنا منہ رکھے ہوتے ہیں۔ اس نرسنگھے کے منہ کا دائرہ اتنا چوڑا ہے جتنا پھیلاؤ آسمان اور زمین کا ہے اور حضرت اسرافیلؑ اپنی آنکھ عرش کی طرف کو اٹھاتے منتظر ہیں کہ کب حکم اول پھونک کا ہو۔ جب وہ اول پھونک ماریں گے تو آسمان و زمین کے لوگ جتنے جاندار ہوں گے سب شدت خوف سے مر جاویں گے، صرف چار فرشتے حضرت جبرائیلؑ اور میکائیلؑ اور اسرافیلؑ اور عزرائیلؑ علیہم السلام رہ جاویں گے پھر حکم الٰہی ملک الموت کو ہوگا کہ اول حضرت جبرائیلؑ کی روح نکالیں، پھر حضرت میکائیل کی طرف پھر حضرت اسرافیلؑ کی پھر ملک الموت کو حکم ہوگا وہ خود مر جاویں گے اور چالیس برس تک خلق اوّل صور کے پھونکنے کے بعد عالم برزخ میں رہے گی پھر اللہ تعالیٰ حضرت اسرافیل علیہ السلام کو زندہ کرکے حکم فرماوے گا کہ دوسری دفعہ پھونک نرسنگھے میں مارو اسی کو اللہ تعالیٰ کلام مجید میں ارشاد فرماتا ہے[3] ثم نفخ فیہ اخریٰ فاذا ھم قیام ینظرون ط یعنی پاؤں پر کھڑے ہو کر جی اٹھنے کو دیکھیں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[4] کہ جب مجھ کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا تو صاحب صور اسرافیلؑ کو کہلا بھیجا انہوں نے صور کو اپنے منہ سے لگا لیا اور پاؤں کو آگے اور دوسرے کو پیچھے کرکے منتظر ہیں کہ کب حکم پھونکنے کا ہو۔ تو سن لو کہ پھونک سے ڈرو انتہیٰ، پس ایسے حال میں خلق کی کیفیت اور ان کی ذلت اور شکستہ حالی اور بیچارگی

ت[1] اور کہتے ہیں کب ہے یہ وعدہ اگر تم سچے ہو یہی راہ دیکھتے ہیں ایک چنگھاڑ کی جوان کو پکڑے گی جب آپس میں جھگڑ رہے ہوں گے پھر نہ سکیں گے کہ کچھ کہہ مریں اور نہ اپنے گھر کو پھر جاویں گے اور پھونکا جاوے گا نرسنگا پھر قبروں سے اپنے رب کی طرف پھیل پڑیں گے کہیں گے ہائے خرابی ہماری کس نے اٹھا دیا ہم کو ہماری قید کی جگہ سے یہ وہ ہے جو وعدہ دیا تھا رحمٰن نے اور سچ کہا تھا بھیجے ہوؤں نے ۱۲ ح[2] میں کس طرح آرام کروں صور والے تو نرسنگھا منہ میں رکھ لیا اور ماتھا جھکا کر کان لگا دیتے کہ کب حکم ملے گا کہ پھونک دوں ۱۲ ترمذی بروایت ابو سعید ۱۲ ت[3] پھر پھونکا گیا دوسری بار پھر تب ہی وہ کھڑے ہوگئے دیکھتے ۱۲

ت[4] اس طرح پر مجھے نہیں ملی، ابن حبان نے بروایت ابوہریرہؓ یوں بیان کیا ہے کہ اسرافیلؑ کو جب سے یہ خدمت سپرد ہوئی ہے سر نہیں ٹالا۔ تیار عرش کو تاکتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ نگاہ کے اپنے طرف پھرنے سے پہلے ہی حکم نہ ہو جائے ان کی دونوں آنکھیں گویا دو چمکتے ستارے ہیں ۱۲

اور اس چیز کا خوف اور حکم سعادت اور شقاوت کا انتظار ہو سوچو اور اپنے آپ کو بھی ان کے درمیان فرض کر کہ
جیسے وہ لوٹے حال سے ہوں گے ویسے ہی تم بھی ہوگے۔ جیسے وہ حیرت زدہ ہوں گے تم بھی ہوگے بلکہ دنیا میں
جو لوگ امیر اور تونگر اور ناز پروردہ اور بادشاہ ہوں گے وہ اس روز سب زمین کے باشندوں سے ذلیل اور
چھوٹے اور حقیر اور پامال ذرّہ کے مثال ہوں گے اس وقت وحشی جنگلوں سے اور پہاڑوں سے آکر اپنے سر جھکا
کر باوجود وحشت کے لوگوں میں رل مل جاویں گے اور گو انہوں نے کچھ خطا نہ کی ہوگی مگر اس روز کے اٹھنے اور
شدت چیخ اور ہول سے پھونک کے ڈر کر سب وحشت بھول جاویں گے اور چوکڑی بھول کر لوگوں میں آملیں گے
چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[1] واذا الوحوش حشرت پھر شیطان سرکش کہ پہلے متمرد اور منحرف تھے آویں گے اور
خدا کے سامنے پیش ہونے کی ہیبت کے مارے گردن جھکا دیں گے اور مضمون اس آیت کا صادق ہوگا[2] فوربک
لنحشرنہم والشیاطین ثم لنحضرنہم حول جہنم جثیا پس اپنے حال میں اور اپنے دل کی کیفیت میں اس
مقام پر فکر کرو کہ کیسی گذرے گی۔

زمین محشر اور لوگوں کا ذکر

پھر غور کرو کہ جی اٹھنے کے بعد ننگے پاؤں ننگے بدن بے ختنہ کیسے کیسے زمین محشر میں ہنکائے جاویں گے وہ ایک زمین نرم ہموار
سفید رنگ ہے کہ جس میں کچھ اونچ نیچ نہیں نہ کوئی ٹیلہ ہے کہ اس کے پیچھے چھپ جاوے نہ گڑھا ہے کہ اس کے
اندر آنکھ سے اوجھل ہو بلکہ ساری زمین ایک سی پھیلی ہوئی ہے کچھ اس میں فرق نہیں اس کی طرف لوگ گروہ کے
گروہ پہنچائے جاویں پس پاک ہے وہ ذات جو لوگوں کو باوجودیکہ اقسام مختلف ہونے کے اطراف زمین سے
پہلے اور دوسری پھونک سے ایک جگہ لاکر جمع فرماوے گا اور ان دلوں کو زیبا ہے کہ اس روز تڑپتے ہوں اور
آنکھوں کو شایاں ہے کہ نیچے کو ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[3] کہ قیامت کے روز لوگوں کا حشر ایک
زمین سفید خاکی پر ہوگا جو مانند گردہ صاف کے ہوگی اور اس میں کوئی عمارت کسی قسم کی نہ ہوگی کہ جس کے باعث
آدمی چھپ سکے یا نظر کام نہ کرے اور یہ گمان نہ کرنا چاہیے کہ وہ زمین دنیا کی سی ہوگی بلکہ دنیا کی زمین سے صرف
نام میں شریک ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[4] یوم تبدل الارض غیر الارض والسموٰت حضرت ابن عباس رضی
فرماتے ہیں کہ زمین میں کچھ کمی بیشی کی جاوے گی اور اس کے درخت اور پہاڑ اور جنگل اور دوسری چیزیں جاتی رہیں گی
اور عکاظ[5] کے چمڑے کی طرح پھیلائی جاوے گی۔ زمین سفید مثل چاندی کے ہوگی جس پر کوئی خون یا گناہ نہ ہوا ہو گا
اور آسمانوں کے چاند سورج ستارے جاتے رہیں گے۔ پس اے مسکین اس روز کے ہول اور شدت کو غور کر کہ

---

[1] اور جب جنگل کے جانوروں میں رول پڑے ۱۲ [2] سو قسم ہے تیرے رب کی ہم کھڑے بلاویں گے ان کو اور شیطانوں کو پھر
سامنے لاویں گے دوزخ کے گرد گھٹنوں پر کھڑے ۱۲ [3] بخاری و مسلم بروایت سہل بن سعد ۱۲ [4] جس دن بدلی جاوے اس زمین
سے اور زمین اور آسمان ۱۲ [5] عکاظ ایک بازار کا نام ہے ۱۲

جب خلق اس زمین پر اکٹھی ہو جاوے گی تو ان کے اوپر سے ستارے بکھر پڑیں گے آفتاب بے نور اور چاند بے روشنی ہو جاویں گے۔ زمین کا چراغ گل ہونے سے بالکل اندھیرا ہو جاوے گی لوگ اسی حال میں ہوں گے کہ دفعۃً سروں کے اوپر سے آسمان چکرا کر باوجود سختی اور پانچسو برس کے موٹاپے کے پھٹ جاویں گے اور فرشتے اس کے کناروں اور اطراف پر کھڑے ہوں گے تو نہ معلوم اس کے پھٹنے کی آواز سے تیرے کان میں کیسی ہول پیدا ہو گی اور اس دن کی ہیبت کیسی ہو گی جس میں آسمان اتنے موٹے اور سخت ہو کر پھٹ جاویں گے اور گلی ہوئی چاندی زردی آمیز کی طرح بہنے لگیں گے۔ پھر گلابی رنگ سرخ چمڑے کی طرح اور گلے ہوئے تانبے کی طرح ہو جاویں گے اور پہاڑ دھنی اون کی طرح اور آدمی مثل بکھرے ہوئے پتنگوں کے ہوں گے اور برہنہ پا ننگے بدن چلتے ہوں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[1] کہ آدمی ننگے پاؤں ننگے بدن بے ختنہ کیے ہوئے اُٹھیں گے۔ پسینہ ان کے منہ تک مثل لگام کے کانوں کی لَو تک پہنچ گیا ہو گا۔ ام المؤمنین سودہؓ راوی اس حدیث کی فرماتی ہیں کہ میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ بڑی خرابی ہو گی کہ ہم ایک دوسرے کی طرف ننگے دیکھیں گے آپ نے فرمایا اس دن آدمیوں کو اور ہی فکر ہو گا دیکھنے کی فرصت نہ ہو گی[2] کل امرء منھم یومئذٍ شان یغنیہ ؕ پس وہ دن کیسا سخت ہو گا کہ برہنگیاں اس میں عیاں ہوں گی اور باوجود اس کے دیکھنے اور التفات کرنے سے مامون رہیں گے اور کیوں نہ ہو کہ بعضے تو پیٹ کے بل اور سر کے بل چلیں گے تو ان کو دوسروں کی طرف التفات کی قدرت کہاں ہو گی۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز لوگ تین قسم ہو کر اُٹھیں گے۔ سوار اور پیادہ پا اور سر کے بل، ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ سر کے بل لوگ کیسے چلیں گے۔ آپ[3] نے فرمایا کہ جس شخص نے ان کو پاؤں کے بل چلایا ہے وہ قادر ہے کہ سر کے بل بھی چلاوے اور یہ آدمی کی طبعی بات ہے کہ جس چیز سے مانوس نہیں ہوتا اس کا انکار کیا کرتا ہے مثلاً اگر آدمی سانپ کو پیٹ کے بل نہایت تیزی سے چلتا نہ دیکھے تو یہی کہے کہ بدون پاؤں کے رفتار نہیں ہو سکتی اور جس نے پاؤں چلتے کسی کو نہ دیکھا ہو وہ پاؤں سے چلنے کو بھی دشوار جانے گا۔ اس نظر سے آدمی کو چاہیے کہ قیامت کے عجائب سے جو بات دنیا کی قیاس کے مخالف ہو اس کا انکار نہ کرے۔ اس لیے اگر بالفرض دنیا کے عجائب اس کے مشاہدے میں نہ گذرے ہوں اور پھر دفعۃً اس کے دیکھنے میں آتے ہیں تو ان کا بھی انکار کرنے لگتا ہے حالانکہ واقعی بات ہوتی ہے۔ اسی طرح قیامت کے عجائب کو جاننا چاہیے اور دل میں تصور باندھ لینا چاہیے کہ ہم بھی ننگے منگے راندے ذلیل حیرت زدہ ہکے بکے اس بات کے منتظر کھڑے ہوں گے کہ ہم کو سعادت اور شقاوت میں سے کس چیز کا حکم ہو گا اور اس حالت کو بہت بڑی جاننی چاہیے کہ نہایت سخت ہے۔

پسینے کا ذکرہ | پھر خلق کے ازدحام کو سوچو کہ اس کھڑے ہونے کی جگہ میں ساتوں آسمان اور ساتوں زمین

---

[1] ثعلبی و بغوی بروایت سودہ رضی اللہ عنہا اور صحیحین میں بروایت عائشہ صدیقہ رضؓ منقول ہے ۱۲
[2] ہر مرد کو اس دن ایک فکر لگا ہے جو اس کو بس ہے ۱۲
[3] ترمذی اور صحیحین میں بروایت انسؓ اسی کے قریب منقول ہے ۱۲

کے لوگ یعنی فرشتے اور جن اور انسان اور شیطان اور وحش، درندے اور پرند جمع ہوں گے۔ پھر ان پر آفتاب نہایت تیزی سے چمکے گا اور جیسا اب کچھ اس کا ہلکا معاملہ ہے اس سے بدل دیا جاوے گا۔ پھر خلق کے سروں سے مقدار دو کمانوں کے بیچ کے ہوگا اور زمین پر کوئی سایہ سوائے سایۂ تخت رحمٰن کے نہ ہوگا اور بدون مقربوں کے اس کے سایہ میں اور کوئی نہ رہنے پاوے گا اس وقت کچھ لوگ تو عرش کے سایہ میں ہوں گے اور کچھ آفتاب کی تپش میں سسکتے ہوں گے کہ مارے گرمی اور دھوپ کے کلیجہ منہ کو آتا ہوگا اور اس پر یہ کہ خلق کی دھکا پیل شدت انبوہ کے باعث اتنی ہوگی کہ کندھے سے کندھا چھلتا ہوگا اور علاوہ اس کے فضیحت اور رسوائی جو خدائے تعالیٰ کے سامنے جانے سے ہوگی اس کے خوف سے جدا شرم وحیا آوے گی۔ تو اتنی حرارتیں جمع ہوں گی ایک آفتاب کی گرمی دوسری سانسوں کی حرارت تیسری دلوں کی سوزش حیا وخوف کی آگ سے اسی جہت سے ہر بال کی جڑ میں سے پسینہ نکلنا شروع ہوگا یہاں تک کہ قیامت کی زمین پر بہنے لگے گا اور پھر بدنوں کی طرف کو ابھرنا شروع ہوگا۔ جس کا جتنا مرتبہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک ہوگا اسی کے مقدار اس کا پسینہ ابھرے گا۔ پس بعضوں کا پسینہ زانو تک اور بعضوں کا تہیگاہ تک اور بعضوں کا کانوں تک اور بعضوں کا قریب سر کے گذر جانے تک۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[ح۱] کہ جس روز آدمی رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے تو بعضوں کا پسینہ اتنا ہوگا کہ نصف کان تک اس میں ڈوب جاوے گا۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[ح۲] کہ قیامت کے روز لوگوں کو پسینہ آوے گا یہاں تک کہ ان کا پسینہ زمین میں ستر باغ[ع۱] جاوے گا اور لوگوں کے منہ تک پہنچ جاوے گا اور ان کے کانوں تک پہنچے گا۔ اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے صحیحین میں اس طرح روایت کیا ہے۔ اور ایک دوسری حدیث شریف[ح۳] میں ہے کہ لوگ کھڑے ہوئے چالیس برس تک آسمان کی طرف ٹکٹکی لگائے ہوں گے اور شدت کرب کے باعث پسینہ ان کے منہ کا لگام ہو جاوے گا۔ اور عقبہ بن عامرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[ح۴] کہ قیامت کے روز آفتاب زمین سے قریب ہو جاوے گا اور آدمیوں کو پسینہ آوے گا پس بعضوں کے ٹخنے تک اور بعضوں کے نصف ساق تک اور بعضوں کے زانو تک اور بعضوں کے رانوں تک اور بعضوں کے تہیگاہ تک اور بعضوں کے منہ تک پہنچے گا اور آپ نے ہاتھ مبارک کو منہ پر بشکل لگام رکھ کر اشارہ منہ تک پہنچنے کا فرمایا اور بعض ایسے ہوں گے کہ ان کو پسینہ ڈھانپ لے گا۔ اور آپ نے سر مبارک پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ ایسے ان کے سر پر ہو کر پھر جاوے گا۔ پھر اے مسکین اہل محشر کے پسینے اور ان کی سختی کو سوچ اور یہ دھیان کر کہ اس تکلیف میں بعض لوگ یوں عرض کریں گے کہ الٰہی ہم کو اس کرب اور انتظار سے نجات دے گو دوزخ ہی میں ڈالے جاویں اور یہ تکالیف وہ ہیں کہ ابھی نوبت حساب اور عذاب کی نہیں آئی اور تو بھی انہیں میں سے ایک ہوگا تجھے

ح۱ بخاری ومسلم ۱۲ ع۱ دونوں ہاتھ دائیں بائیں پھیلاؤ تو اس قدر فاصلہ باغ کہلاتا ہے جو دو گز رائج حال کے برابر ہے ۱۲ ح۲ بخاری ومسلم ۱۲
ح۳ ابن عدی بروایت ابن مسعود اور اس سند میں عیسیٰ بن سلمان جرجانی ہے جس کو بعضوں نے ضعیف کہا ہے ۱۲ ح۴ احمد اور اس کی سند میں ابن لہیعہ ہے ۱۲

نہیں کہ تیرا پسینہ کہاں تک پہنچے گا اور جان لے کہ اگر دنیا میں کسی کا پسینہ خدا کی راہ میں یعنی حج اور جہاد اور روزہ اور نماز اور کسی مسلمان کی کارروائی کرنے اور امر معروف اور نہی منکر کی مشقت اٹھانے میں نہ نکلا ہوگا تو اس کا پسینہ اس روز حیا و خوف کے باعث قیامت کے میدان میں نکلے گا اور اس کی تکلیف بہت دنوں تک رہے گی۔ اور اگر آدمی جہالت اور مغالطہ سے علیحدہ ہو تو یقیناً جان لے کہ طاعات الٰہی میں سختیوں کا اٹھانا اور پسینے کا آنا آسان بات اور تھوڑی دیر کو ہے اور کرب و انتظار قیامت میں پسینہ آنا بہت زیادہ اور دیرپا ہے اس لیے کہ وہ دن ہی ایسا ہے کہ جس میں مدت اور شدت دونوں زیادہ ہیں۔

قیامت کے دن کی بڑائی

جس روز میں کہ خلق اوپر کو تاک لگاتے کھڑے ہوں گے اور ان کے دل چرے ہوتے ہوں گے نہ ان سے کوئی کلام کرتا ہوگا نہ ان کے معاملے میں نظر کی جاتی ہوگی تو تین سو برس تک کھڑے رہیں گے نہ کھانے کا کوئی لقمہ کھاویں گے نہ پانی کا کوئی گھونٹ پیویں گے نہ ہوا کا جھونکا ان پر چلے گا۔ حضرت کعبؓ اور حضرت قتادہ رضؓ اس آیت کی تفسیر میں[ت۱] یوم یقوم الناس لرب العالمین ؕ فرماتے ہیں کہ تین سو برس تک کھڑے رہیں گے بلکہ حضرت ابن عمر رضؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو پڑھا پھر فرمایا[ح۲] کہ تم لوگوں کا کیا حال ہوگا جب خدائے تعالیٰ تم کو اس طرح جمع کرے گا جیسے ترکش میں تیر کھچا کھچ بھرے جاتے ہیں۔ پچاس ہزار برس تک تمہاری طرف نظر نہیں کرے گا۔ اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ تم اس دن کو کیا خیال کرتے ہو جس روز کہ لوگ اپنی ٹانگوں پر بقدر پچاس ہزار برس کے کھڑے ہوں گے نہ کوئی لقمہ کھاویں گے نہ کوئی گھونٹ پانی پیویں گے یہاں تک کہ جب پیاس کے مارے گردنیں جدا ہو جاویں گی تو ان کو دوزخ میں لے جا کر چشمۂ حمیم سے پانی پلایا جاوے گا جس کی حرارت اور لپٹ انتہا کو ہوگی۔ جب ان پر مشقت اتنی ہوگی جس کی تاب ان کو نہ ہوگی تو ایک دوسرے سے کہیں گے کہ چلو جس شخص کی خدائے تعالیٰ کے نزدیک عزت اور پاس ہو اس کو ڈھونڈیں تاکہ ہمارے حق میں شفاعت کرے پس جس پیغمبر کے دامن کو پکڑیں گے وہی ان کو ہٹا دے گا اور نفسی نفسی کہہ کر کہے گا کہ مجھے اپنے معاملے سے دوسروں کے معاملوں کی فرصت نہیں اور عذر کرے گا کہ آج اللہ تعالیٰ کا غصہ اتنا زور پر ہے کہ کبھی ایسا نہیں ہوا تھا نہ آگے ہوگا۔ یہاں تک کہ ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم جس شخص کے لیے حکم پاویں گے شفاعت فرماویں گے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[ت۳] لا تنفع الشفاعۃ الا لمن اذن لہ الرحمٰن ورضی لہ قولا ؕ اب اس دن کے طول کو سوچ اور اس کے انتظار کی سختی کو غور کرتا کہ تجھ کو اپنی چھوٹی سی عمر میں گناہوں پر صبر کرنے کا انتظار کم کرنا پڑے گا۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ جب آپ سے اس دن کا طول پوچھا گیا تو فرمایا[ح۴] کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے وہ وقت مومن پر اتنا ہلکا اور تھوڑا

ت ۱ جس دن کھڑے رہیں لوگ راہ دیکھنے جہان کے صاحب کی ۱۲ ح ۲ طبرانی در کبیر بروایت عبد اللہ بن عمرو اور اس سند میں عبد الرحمٰن ابن میسر ہے ۱۲
ت ۳ کام نہ آوے گی سفارش مگر جس کو اذن دیا رحمٰن نے اور اپنی پسند کی اس کی بات ح ۴ ابو یعلی و ابن وہب بروایت ابو سعید خدری ۱۲

معلوم ہو گا کہ جتنے میں نماز فرض دنیا میں پڑھا کرتا تھا اس سے بھی آسان تر معلوم ہو گا پس تو کوشش کر کہ انہی ایمانداروں میں سے ہو اس لیے کہ جب تک تجھ میں دم ہے اور زندگی میں سانس باقی ہے تب تک معاملہ تیرے اختیار میں ہے اور عنان استعداد تیرے ہاتھ میں، ان چھوٹے دنوں میں ان بڑے دنوں کے لیے کچھ کر لے کہ تجھ کو اتنا فائدہ ملے گا جس کی خوشی کی کچھ حد نہیں اور اپنی عمر بلکہ تمام دنیا کی عمر جو سات ہزار برس کی ہے حقیر جان اس لیے کہ اگر بالفرض تو سات ہزار برس صبر کر لے اس وجہ سے کہ اس دن سے رہائی پاوے جس کی مقدار پچاس ہزار برس کی ہے تب بھی ظاہر ہے کہ تجھ کو بہت سا فائدہ ملے اور مشقت کم اٹھانی پڑے چہ جائیکہ پچاس ساٹھ برس ہی محنت کر کے پچاس ہزار برس کی تکلیف سے بچاؤ ہوتا ہو۔

قیامت کے مصائب

اے مسکین اس دن کی تیاری کر جس کی شان بڑی اور اس کا زمانہ دراز اور حاکم زبردست اور وعدہ قریب ہے اس دن کے واقعات ایک سے ایک بڑھ کر ہوں گے آسمانوں کو دیکھے گا کہ چرچرائیں گے اور ستارے اس کی دہشت سے جھڑ پڑیں گے اور ان کے نور میلے ہو جاویں گے اور آفتاب کی دھوپ تہ ہو جاوے گی اور پہاڑ چلائے جاویں گے اور بیاہی اونٹنیاں چھوٹی پھریں گی اور جنگل کے وحشیوں میں رول پڑے گی اور دریا ابلنے لگیں گے اور نفس بدنوں سے آملیں گے اور دوزخ دھکائی جاوے گی اور جنت قریب لائی جاوے گی اور پہاڑ اڑائے جاویں گے اور زمین پھیلائی جاوے گی، زمین کو تو دیکھے گا کہ اس کی بھونچال سی ہلائی جاوے گی اور اپنے بوجھ سونے چاندی وغیرہ کے نکال پھینکے گی اس دن آدمی بھانت بھانت کے ہو جاویں گے کہ اپنے کیے کو دیکھیں اس دن پہاڑ اور زمین اٹھائے جاویں پھر ایک ٹپکی دیئے جاویں اور ہونے والی چیز ہو پڑے اور آسمان پھٹ کر اس روز سست بنیاد ہو جاوے اور فرشتے اس کے کناروں پر ہوں اور تیرے رب کے تخت کو بجائے چار فرشتوں کے آٹھ اٹھاویں اس روز تمہارا سامنا ہو گا تمہارا کوئی بھید چھپا نہ رہے گا۔ اس دن پہاڑ چلائے جاویں اور زمین کو تو کھلی دیکھے اس روز زمین لرزے گی کپکپا کر اور پہاڑ ٹکڑے ہوں ٹوٹ کر اور اڑتے گرد ہو جاویں۔ اس روز آدمی بکھرے ہوتے پتنگوں کی طرح ہوویں اور پہاڑ رنگین اون دھنی ہوئی کی طرح، اس روز بھول جاویگی ہر دودھ پلاتی اپنے بچے کو اور ڈال دے گی پیٹ والی اپنا پیٹ اور تو لوگوں کو نشے میں دیکھے گا حالانکہ ان پر نشہ نہ ہو گا بلکہ خدائے تعالیٰ کا عذاب سخت ہو گا اس روز بدل جاوے گی اس زمین سے اور زمین اور آسمان اور لوگ نکل کھڑے ہوں گے سامنے اللہ یکتا زبردست کے اس روز پہاڑ اڑا کر بکھیر دیئے جاویں گے اور زمین پسپٹ میدان کر دی جاوے گی کہ اس میں موڑ اور ٹیلا کچھ نہ نظر آوے۔ اس روز تو جن پہاڑوں کو دیکھ کر جانتا ہے کہ جم رہے ہیں وہ بادل کی طرح چلتے ہوں گے اور آسمان پھٹ کر گلابی لال چمڑے کی طرح ہو جاویں اور اس روز پوچھ نہ ہو اس کے گناہ کی کسی آدمی نہ کسی جن سے۔ اس روز گنہگار کو حکم نہ ہو بولنے کا اور نہ گناہوں کی پرسش ہو بلکہ ماتھے کے بالوں اور پاؤں سے پکڑا جاوے اس روز ہر شخص اپنی کی ہوئی نیکی اور بدی سامنے پاوے گا۔ آرزو

کرے گا کہ مجھ میں اور اس میں فرق بہت سا پڑ جاوے۔ اس روز معلوم کرے نفس جو لے کر آیا اور حاضر ہو جو آگے بھیجا اور پیچھے چھوڑا۔ اس روز زبانیں گونگی ہو جاویں اور ہاتھ پاؤں بولنے لگیں۔ وہ دن ایسا ہے کہ اس کی یاد نے سید المرسلین (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بوڑھا کر دیا۔ یعنی جب حضرت ابوبکر صدیق رضی نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں دیکھتا ہوں کہ آپ بوڑھے ہو گئے آپ نے فرمایا[ع] کہ مجھ کو سورۂ ہود اور اس کی بہنوں (یعنی سورۂ واقعہ اور مرسلات اور نباء اور کوّرت) نے بوڑھا کر دیا۔ پس اے قاری عاجز تجھ کو کلام مجید کی قرآت سے اتنا ہی بہرہ ہے کہ اس کے الفاظ زبان پر پھراتے اور جیب سے ان کو حرکت دے لے وگرنہ تو جو کچھ پڑھتا ہے اس کو سوچتا تو شایاں تھا کہ تیرا پتا پھٹ جاتا۔ احوال سے کہ سید المرسلین (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بال سفید ہوئے تھے۔ اور جب تو نے زبان کی حرکت ہی پر اکتفا کی تو تو قرآن کے ثمرے سے محروم رہا۔ دیکھ جن امور کا ذکر قرآن مجید میں ہے ان میں سے ایک قیامت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعض مصائب کا ذکر فرمایا ہے اور اس کے نام بہت سے ارشاد کیے ہیں تاکہ تو کثرت الفاظ سے بہت سے معنی سمجھے۔ ناموں کی کثرت سے یہ مقصود نہیں کہ ایک چیز کے بہت سے نام و القاب معلوم ہوں بلکہ ان سے عقل والوں کو تنبیہ منظور ہے اس لیے کہ قیامت کے ہر نام کے تلے ایک بھید ہے اور اس کی ہر ایک صفت میں ایک معنی ہیں تو تجھ کو چاہیئے کہ ان کے معنی کی پہچان کا حریص ہو نام اس کے سب ہم تجھے بتا دیتے ہیں وہ یہ ہیں۔ روزِ قیامت، روزِ حسرت، روزِ ندامت، روزِ حساب، روزِ محاسبہ، روزِ سوال، روزِ سبقت جوئی، جھگڑے کا دن، رعب کا دن، زلزلے کا دن، الٹ دینے کا دن، کڑک کا دن، روزِ واقعہ، روزِ قارعہ، روزِ راجفہ، روزِ رادفہ، روزِ غاشیہ، روزِ مصیبت، روزِ حاقہ، روزِ طامہ (ملانیوالا) روزِ صاخہ، روزِ تلاق، روزِ فراق، روزِ مساق، روزِ قصاص روزِ تناد، روزِ مآب (لانیوالا)، روزِ عذاب، روزِ گریز روزِ قرار، روزِ لقا روزِ لقا، روزِ قضا، روزِ جزا، روزِ بلا، روزِ گریہ، روزِ حشر، روزِ نشر، روزِ وعید روزِ پیشی، روزِ وزن، روزِ حق، روزِ حکم روزِ فصل، روزِ جمع، روزِ بعث، روزِ فتح، روزِ رسوائی، روزِ عظیم، روزِ عقیم، روزِ عسیر روزِ دین، روزِ یقین، روزِ نشور، روزِ مصیر، روزِ نفخہ روزِ صیحہ، روزِ رجفہ، روزِ جنبش، روزِ توبیخ، روزِ خوف روزِ اضطراب روزِ منتہیٰ، روزِ ماویٰ، روزِ میقات، روزِ میعاد روزِ مرصاد، روزِ قلق روزِ عرق روزِ افتقار، روزِ انکدار، روزِ انتشار، روزِ انشقاق، روزِ وقوف روزِ خروج روزِ خلود، روزِ تغابن، روزِ عبوس روزِ معلوم، روزِ موعود روزِ مشہود وہ روز جس میں شک نہیں، وہ روز جس میں امتحان دل کے بھیدوں کا ہو۔ وہ روز جس میں نفس کسی نفس کے کچھ کام نہ آوے۔ وہ روز جس میں آنکھیں اوپر کو تکیں، وہ روز کہ اس میں کوئی رفیق کسی کے کچھ کام نہ آوے۔ وہ روز جس میں بھلا نہ کر سکے کوئی کسی کا کچھ۔ وہ روز جس میں دوزخ کی طرف کو دھکیلے جاویں۔ جس روز کہ آگ میں منہ کے بل گھسیٹے جاویں گے، جس روز کہ آگ میں ان کے منہ اوندھے ڈالے جاویں، جس روز کہ باپ اپنے بیٹے کے کچھ کام نہ آوے گا جس روز کہ آدمی اپنے بھائی اور ماں اور باپ سے بھاگے گا

ع ترمذی و حاکم کی حدیث ہے پہلے گذر چکی ۱۲

جس روز کہ نہ بولیں گے اور ان کو اجازت نہ ہوگی کہ عذر کریں۔ اور وہ دن کہ جس میں کوئی شخص عذاب الٰہی سے روکنے والا نہ ہوگا جس روز لوگ نکل کھڑے ہوں گے۔ جس روز کہ لوگ آگ میں عذاب دیئے جاویں گے جس روز کہ مال اور اولاد فائدہ نہ دے۔ جس روز کہ ظالموں کا عذر ان کے کام نہ آوے اور ان کو لعنت اور خراب ٹھکانہ ملے گا جس روز کہ عذر نامنظور ہوں اور بھیدوں کی جانچ ہو اور دل کی پوشیدہ باتیں ظاہر ہو جاویں اور پردے کھل جاویں جس روز کہ آنکھیں دبی ہوں اور آوازیں ساکن اور ایک دوسرے کی طرف دیکھنا کم ہو اور چھپی باتیں علانیہ اور خطائیں واضح ہوں جس روز بندے ہنکاتے جاویں اور ان کے ساتھ گواہ ہوں اور لڑکے بوڑھے ہو جاویں اور بڑے نشے میں تو ایسے دن میں ترازو قائم ہوگی اور دفتر اعمال کھولے جاویں گے اور دوزخ ظاہر کی جاوے گی اور پانی گرم جوش دیا جاوے گا اور آگ دھڑ دھڑ جلے گی اور کافر ناامید ہوں گے اور آتشیں بھڑکائی جاویں گی اور رنگ متغیر اور زبانیں گونگی اور ہاتھ پاؤں دہلتے ہوں گے۔ پس اے انسان تجھ کو کس چیز نے خدائے تعالیٰ کریم پر مغالطہ دیا کہ تو نے در بند کر کے اور پردے چھوڑ کر اور خلق سے چھپ کر گناہ کیے اب تو کیا کرے گا کہ تیرے ہی اعضاء تجھ پر گواہی دیں گے پس نہایت خرابی ہے ہم سب غافلوں کی کہ خدائے تعالیٰ تو ہمارے پاس سید المرسلینؐ کو بھیجے اور اس پر کتاب مبین اتارے اور ہم کو قیامت کے دن کی یہ سب صفات بتا دے۔ پھر ہماری غفلت کو بھی جتا دے اور یوں فرما دے[1] اقترب للناس حسابہم وھم فی غفلۃ معرضون ما یاتیہم من ذکر من ربہم محدث الا استمعوہ وھم یلعبون لاھیۃ قلوبھم۔ پھر قرب قیامت کو یوں ارشاد فرما دے[2] اقتربت الساعۃ وانشق القمر۔ اور فرما دے[3] انہم یرونہ بعیداً ونراہ قریباً اور[4] ما یدریک لعل الساعۃ تکون قریباً۔ ہم کو چاہیے تھا کہ اپنا عمدہ احوال قرآن مجید کی تلاوت سے جان کر اس پر عمل کرتے نہ یہ کہ اس کے معنی میں تامل نہ کریں اور نہ قیامت کے دن کے بہت سے ناموں اور اوصاف کو لحاظ کریں اور نہ اس کی مصیبتوں سے چھوٹنے کی فکر کریں۔ پس ایسی غفلت سے خدائے تعالیٰ ہم کو بچا دے اور اپنی رحمت واسعہ سے اس کا تدارک کرے

سوال کا تذکرہ

پھر اے مسکین بعد ان احوال کے جو سوال تجھ سے روبرو بلا ذریعہ ہوگا اس کو سوچ کہ تھوڑے اور بہت اور تنکے تنکے کا سوال تجھ سے ہوگا۔ درمیان میں کہ تو قیامت کی سختی اور پسینے کی بلا اور بڑی آفات میں ہوگا یکایک آسمان کے کناروں سے بڑے ڈیل ڈول اور نہایت موٹے اور تند خو کڑے فرشتے اتریں گے ان کو حکم ہوگا کہ گنہگاروں کے ماتھے کے بال پکڑ کے جبار کے سامنے پیش ہونے کی جگہ لاؤ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ خدائے عزوجل کے یہاں ایک فرشتہ ہے کہ اس کی دونوں آنکھوں کی پلکوں کا فاصلہ ایک برس

---

[1] نزدیک آ گیا لوگوں کو ان کے حساب کا وقت اور وہ بے خبر منہ پھیرتے ہیں ۱۲ [2] پاس آ لگی وہ گھڑی اور پھٹ گیا چاند ۱۲ [3] وہ دیکھتے ہیں اس کو دور اور ہم دیکھتے ہیں اس کو نزدیک ۱۲ [4] اور تو کیا جانے شاید وہ گھڑی پاس ہی ہو ۱۲ [5] یہ روایت اس طرح میری نظر سے نہیں گذری مگر ابوداؤد نے بروایت جابرؓ نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا مجھے حکم ہے عرش کے اٹھانے والے فرشتوں میں سے ایک کا حال کہوں کہ اس کے کان کی لو سے مونڈھے تک سات سو برس کا راستہ ہے ۱۲

روز کے سفر کی راہ ہے۔اب کہہ کہ جب ایسے فرشتے تیرے پاس بھیجے جاویں گے کہ تجھے پکڑ کے پیشی کے مقام میں لے جاویں تو اپنے نفس پر تو کیا گمان کرتا ہے۔ان فرشتوں کو تو دیکھے گا کہ باوجود اتنے بڑے ڈیل ہونے کے اس روز کی شدت سے شکستہ حال، اور غضب جبار جو ان پر عیاں ہوگا بندوں کے لیے اپنا شعار بناتے ہوں گے ان کے اترنے کے وقت جتنے نبی اور صدیق اور نیک بندے ہوں گے سجدے میں گر پڑیں گے اور خوف سے کہیں ہم بھی نہ پکڑے جاویں جب یہ حال مقربوں کا ہوگا تو گنہگاروں نافرمانوں پر کیا گذرے گی۔اس وقت میں بعضے لوگ شدت خوف سے فرشتوں سے پوچھ بیٹھیں گے کہ ہمارا پروردگار تمہیں میں ہے کیونکہ ان کا رعب اور ہیبت نہایت درجے کی ہوگی۔فرشتے ان کے سوال سے ڈر جائیں گے کہ خدا تعالیٰ کی شان کو دیکھو اور ہم میں ہونا دیکھو اور پکار کر کہیں گے کہ ہمارا رب پاک ہے اور وہ ہم میں نہیں مگر آگے آتا ہے تاکہ زمین والوں کا وہم دور ہو جاوے۔اب فرشتے خلق کو چہار طرف سے گھیر کر پرا باندھ کر کھڑے ہوں گے اور ہر ایک پر لباس ذلت اور عاجزی اور صورت خوف و ہیبت کی اس روز کی شدت سے ہوگی اور اس وقت اللہ تعالیٰ اپنے اس قول کو سچا فرماوے گا[1] فلنسئلن الذین ارسل الیہم ولنسئلن المرسلین فلنقصن علیہم بعلم وما کنا غائبین اور اس قول کو[2] فوربک لنسئلنہم اجمعین عما کانوا یعملون ط اور شروع پوچھ انبیاء سے ہوگی جیسا کہ ارشاد ہے[3] یوم یجمع اللہ الرسل فیقول ماذا اجبتم قالوا لا علم لنا انک انت علام الغیوب ط تو اس روز کی شدت کیسی ہوگی جس میں انبیاء کی عقلیں جاتی رہیں گی اور علم شدت ہیبت کی جہت سے محو ہو جاویں گے اس لیے کہ ان سے جب یہ سوال ہوگا کہ تم کو جو خلق کی طرف بھیجا تھا انہوں نے کیا جواب دیا انبیاء کو اس سوال کا جواب معلوم تھا مگر عقل زائل ہو جاوے گی اور شدت ہیبت سے نہ جانیں گے کہ کیا کہیں، یہی بولیں گے لا علم لنا انک انت علام الغیوب ط اور واقع میں اس وقت ان کا یہ جواب درست اور سچا ہوگا کیونکہ عقلیں پرواز کر گئیں اور علم مٹ گئے اور بجز لاعلمی کے اور کچھ نہیں رہا۔یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو قوت عطا کرے۔پھر حضرت نوح علیہ السلام کو بلایا جاوے گا کہ تم نے رسالت کو پہنچایا وہ عرض کریں گے کہ ہاں پھر ان کی امت سے پوچھا جاوے گا کہ تم میں کوئی پیغام پہنچایا عرض کریں گے کہ ہمارے پاس تو کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بلوا کر خطاب احدیت ہوگا کہ کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو دو خدا سوائے معبود برحق کے بناؤ۔اس سوال کے جواب میں وہ برسوں مضطرب رہیں گے پس ایسے روز کی بڑائی قابل غور ہے جس میں انبیاء علیہم السلام پر ایسے سوال کی سیاست قائم کی جاوے گی۔پھر فرشتے آویں گے اور ایک ایک کو پکاریں گے کہ لے

---

[1] سو ہم کو پوچھنا ہے ان سے جن پاس رسول بھیجے تھے اور ہم کو پوچھنا ہے رسولوں سے پھر ہم احوال سنا دیں گے ان کو اپنے علم سے اور ہم کہیں غائب نہ تھے ۱۲ [2] سو قسم ہے تیرے رب کی ہم کو پوچھنا ہے ان سب سے جو کام کرتے ہیں ۱۲ [3] جس دن اللہ جمع کرے گا رسول پھر کہے گا تم کو کیا جواب دیا گیا بولیں گے ہم کو خبر نہیں تو ہی چھپی بات جانتا ہے ۱۲

فلاں شخص اے فلاں عورت کے لڑکے پیشی کے لیے مقام پر حاضر ہو اس آواز سے شانے تھرا دیں گے اور ہاتھ پاؤں میں کھلبلی پڑے گی اور عقلیں حیران ہوں گی اور بعض لوگ تمنا کریں گے کہ ہم کو دوزخ میں ڈال دیا جاوے۔ ہمارے اعمال بد حساب کے لیے پیش نہ ہوں اور نہ ان کا پردہ خلق کے سامنے فاش ہو۔ اور سوال سے پہلے عرش کا نور ظاہر ہو گا اور میدان محشر اس نور سے چمکنے لگے گا۔ ہر بندے کو اس وقت یہی گمان ہو گا کہ خدائے تعالیٰ بندوں کی باز پرس کے لیے متوجہ ہے اور ہر ایک یہی سمجھے گا کہ میرے سوا اور کوئی اس کو نہیں دیکھتا۔ اور پکڑ اور باز پرس صرف مجھ ہی سے ہو گی اور کسی دوسرے سے نہ ہو گی۔ اور اب حضرت جبرائیل علیہ السلام کو حکم جبار جل شانہ کا پہنچے گا کہ میرے پاس دوزخ کو لے آ حضرت جبرائیل علیہ السلام دوزخ کے پاس آویں گے اور اس سے فرماویں گے کہ اپنے مالک اور خالق کے حکم کی تعمیل کر اور حاضر حضور ہو وہ اس وقت غیظ و غضب میں ہو گی آواز سنتے ہی ہیجان میں آوے گی اور جوش کھاوے گی اور خلائق کی طرف چیخے گی چلاوے گی غلغلت اس کا زور شور اور جوش سُنے گی اور اس کے محافظ مخلوق کی طرف کو غضب میں بھرے ان لوگوں پر جنھوں نے خدائے تعالیٰ کی نافرمانی کی اور اس کا حکم نہ مانا اُٹھیں گے پس اپنے دل میں دھیان کر اور تصور کر کہ لوگوں کے دلوں کا اس وقت کیا حال ہو گا خوف اور رعب سے پھٹے جاتے ہوں گے اور لوگ زانو کے بل گر پڑیں گے اور پشت پھیر کر بھاگیں گے۔ ہر ایک قوم گھٹنے کے بل گری نظر آوے گی اور بعضے منہ کے بل اوندھے گریں گے۔ اور نافرمان اور ظالم تباہی اور خرابی پکاریں گے کہ ہائے تباہ ہوئے ہائے مرے اور صدیق نفسی نفسی کہتے ہوں گے وہ اس حال میں ہوں گے کہ دوزخ دوسری چیخ اور مارے گی اس وقت لوگوں کا خوف دونا ہو جاوے گا اور قویٰ سُست ہو جاویں گے اور جانیں گے کہ ہم گرفتار ہوں گے پھر تیسری چنگھاڑ مارے گی تو لوگ منہ کے بل گر پڑیں گے اور آنکھیں اوپر کو کھولیں گے اور دبی چھپی نگاہ سے دیکھتے ہوں گے اس وقت ظالموں کے دل غم کے مارے گلے میں آجاویں گے اور عقلیں سعیدوں اور بدبختوں کی سب کی جاتی رہیں گی بعد اس کے اللہ تعالیٰ رسولوں کی طرف متوجہ ہو کر سوال فرماوے گا کہ ماذا اجبتم[1] جب سب لوگ یہ سیاست اور ڈانٹ انبیاء علیہم السلام پر دیکھیں گے تو گنہگاروں پر خوف بے انتہا ہو گا اور باپ بیٹے سے اور بھائی بھائی سے اور شوہر منکوحہ سے بھاگیں گے اور ہر کسی کو اپنی فکر ہو گی کہ دیکھیے کیا ہو۔ پھر ایک ایک کو پکڑ کر اللہ تعالےٰ کے روبرو کھڑے اور بہت ظاہر اور چھپے ہوئے اعمال سے پوچھے گا اور اس کے ہاتھ پاؤں اور تمامی اعضاء سے باز پرس فرماوے گا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں[2] کہ لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ آیا قیامت کے روز ہم اپنے پروردگار کو دیکھیں گے آپ نے فرمایا کہ بھلا جب دوپہر کو آفتاب کے درمیان کوئی بادل نہ ہو تم اس کے دیکھنے میں کچھ خلاف کرتے ہو۔ لوگوں نے عرض کیا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر چودھویں رات کے چاند میں کوئی بادل حائل نہ ہو تو تم اس کے دیکھنے میں کچھ شک کرتے ہو لوگوں نے عرض کیا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا

ف ۱ تم کو کیا جواب دیا ۱۲ ف ۲ مسلم میں اس طرح منقول ہے ۱۲

ف ۳ اس کو بھی مسلم نے روایت کیا ہے ۱۲

کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے خدا تعالیٰ کے دیکھنے میں بھی کچھ شک اور تامل نہ کرو گے۔ پھر بندے سے مل کر اس سے ارشاد فرماوے گا کہ میں نے تیرے اوپر اکرام نہیں کیا تھا تجھے سردار نہیں بنایا تھا تیرا جوڑا نہیں دیا تھا۔ گھوڑے اونٹ تیرے تابع نہیں کیے تھے۔ تجھ کو رئیس نہیں بنایا تھا کہ چوتھ لیا کرے۔ بندہ کہے گا کہ یہ سب نعمتیں دی تھیں۔ پھر فرماوے گا کہ بھلا تجھے گمان تھا کہ مجھ سے ملنا ہے۔ وہ عرض کرے گا نہیں۔ فرماوے گا کہ اچھا ہم بھی تجھے بھول جاتے ہیں جیسا تو ہم کو بھول گیا۔ پس اے مسکین خیال کر کہ جب فرشتے تیرے دونوں بازو پکڑیں گے اور تو خدائے تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہو گا اور وہ تجھ سے بالمشافہ سوال فرماوے گا کہ میں نے تجھ کو جوانی کی نعمت نہیں دی تھی بتا کس چیز میں اس کو کھویا اور تجھ کو زندگی سے مہلت نہیں دی تھی اس کو کونسی چیز میں ڈبویا۔ مال جو میں نے تجھ کو دیا اس کو تو نے کہاں سے حاصل کیا اور کس چیز میں خرچ کیا۔ علم کی دولت جو تجھ کو دی تو اپنے علم سے تو نے کیا عمل کیا تو تامل کر کہ جب اللہ تعالیٰ اس طرح اپنے انعام اور احسان اور تیری نافرمانیاں اور برائیاں ایک ایک شمار فرماوے گا تو تجھ کو کیسی شرم و حیا آوے گی اور اگر تو انکار بھی کرے تو بن نہ پڑے گا کہ تیرے اعضاء خود اعمال بد پر گواہی دینگے حضرت انس رضہ فرماتے ہیں[۱] کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ آپ ہنسے پھر فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ میں کس چیز سے ہنستا ہوں، ہم نے عرض کیا کہ خدائے تعالیٰ اور اس کا رسول[ص] زیادہ جانتے ہیں آپ نے فرمایا کہ مجھے بندے کا خطاب اپنے پروردگار کے ساتھ یاد آیا کہ یوں عرض کرے گا کہ الٰہی تو نے ظلم سے مجھے پناہ دی ہے حکم ہو گا کہ ہاں ظلم نہ ہو گا۔ وہ عرض کرے گا کہ میں جب قائل ہوں گا جب کوئی گواہ مجھی میں سے ہو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماوے گا کہ[۱] کفیٰ بنفسك الیوم علیك حسیباً اور کراماً کاتبین گواہی کو بس ہیں۔ پھر بندے کے منہ پر مہر لگادی جاوے گی اور اس کے اعضا کو بولنے کا حکم ہو گا۔ اعضا اس کے اعمال سب کہہ سنادیں گے پھر جب اس کے منہ پر روک اٹھالی جاوے گی تو اپنے اعضاء سے کہے گا کہ تم پر تباہی اور بربادی ہو میں تو تمہاری ہی طرف سے لڑتا تھا۔ پس ہم خدائے تعالیٰ سے پناہ مانگتے ہیں اس بات سے کہ ہم سب کو خلق کے سامنے ہمارے اعضاء کی گواہی سے فضیحت کرے۔ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مومن سے وعدہ فرمایا ہے کہ اس کی پردہ پوشی فرمائے گا اور اپنے سوا کسی کو اس کے حال سے مطلع نہیں کرے گا۔ حضرت ابن عمر رضہ سے کسی شخص نے پوچھا کہ آپ نے[۲] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سرگوشی کی گفتگو کرتے کیسے سنا ہے حضرت ابن عمر رضہ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم میں ایک شخص اپنے پروردگار سے اتنا قریب ہو گا کہ وہ اپنا شانہ اس پر رکھے گا اور پوچھے گا کہ تو نے فلاں فلاں قصور کیا وہ عرض کرے گا کہ ہاں میں نے کیا۔ پھر پوچھے گا کہ تو نے فلاں فلاں خطا کی وہ عرض کرے گا کہ کی۔ پھر اللہ جل شانہ فرماوے گا کہ میں نے ان خطاؤں کو دنیا میں پوشیدہ رکھا اور کسی پر ظاہر نہ ہونے دیا آج ان کو تیری خاطر بخشے دیتا ہوں اور حدیث شریف[۳] میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[۱] تو ہے بس آج کے دن اپنا حساب لینے والا ۱۲ ع [۲] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سرگوشی کے بارہ میں کیونکر فرماتے تھے۔ ۱۲
ح [۳] مسلم نے نقل کیا ہے ۱۲ ح [۲] یہ حدیث پیشتر گذری ہے ۱۲

فرمایا جو شخص کسی مومن کا عیب چھپا دے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کے عیب چھپا دے گا۔ اس حدیث کا مصداق ایسا شخص ہوگا جو لوگوں کے عیب چھپا دے اور اگر وہ اس کے حق میں کچھ کمی کریں تو اس تقصیر کی برداشت کرے اور اپنی زبان کو ان کی برائیوں کے ذکر میں نہ ہلاوے۔ نہ ان کے پیٹھ پیچھے ایسی بات کہے کہ وہ سنیں تو برا مانیں تو اس طرح کا شخص اس بات کے شایان ہے کہ قیامت کے روز اسی طرح کا بدلہ پاوے۔ اور اگر فرض کیا جاوے کہ اس نے کسی دوسرے کی پردہ پوشی بھی کی ہو تو تیرے کان میں تو پکار پیشی کے لیے حاضری کی پڑ چکی ہے۔ تجھ کو تو وہی خوف گناہوں کی سزا میں کافی ہے۔ اس لیے کہ تیرے ماتھے کے بال پکڑ کے آگے کو کھینچیں گے اس وقت تیرا دل دھڑکتا ہوگا عقل اُڑی ہوئی ہوگی شانے تھراتے ہوں گے ہاتھ پاؤں میں ہل چل ہوگی۔ رنگ بدلا ہوا ہوگا اور شدتِ خوف سے عالم سیاہ معلوم ہوگا اور تو لوگوں کی گردنیں پھاندتا اور صفیں چیرتا چلا جاتا ہوگا اور کوتل گھوڑے کی طرح تجھے لیتے جاتے ہوں گے۔ ساری خلقت تیری طرف دیکھتی ہوگی۔ پس اپنے نفس کو اس صورت و ہیبت میں فرض کرلے اور خیال کر کہ فرشتوں کے قبضے میں اسی حال گرفتار چلا جاتا ہوگا یہاں تک کہ خدائے تعالیٰ کے عرش کے سامنے لے جاکر تجھ کو اپنے ہاتھوں سے ڈال دیں گے اور اللہ جل شانہ تجھ کو اپنے کلام عظمت والے سے پکارے گا کہ اے آدم کے بیٹے مجھ سے قریب ہو، تو دل مضطر اور غمگین اور خائف اور شکستہ سے اور نگاہ نیچی اور ذلیل سے قریب جاوے گا اور تیرے ہاتھ میں تیرا نامۂ اعمال جس میں ادنیٰ سے اعلیٰ تک سب خطائیں لکھی ہوں گی دیا جاوے گا۔ تو بہت سی برائیاں بھول گیا ہوگا اس کو دیکھ کر یاد کرے گا اور بہت سی طاعتوں کی آفتوں سے تو غافل ہوگا ان کی برائیاں تجھ پر کھل جائیں گی اس وقت کتنی خجالت اور بزدلی تجھ کو عارض ہوگی اور کتنی عاجزی اور زبان کی بندش پیش ہوگی پھر نہ معلوم تو کون سے پاؤں سے خدائے تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوگا اور کون سی زبان سے جواب دے گا اور کون سے دل سے جو کہے گا اس کو سمجھے گا۔ پھر یہ سوچ کر جب خدائے تعالیٰ اپنے روبرو سب گناہوں کو یاد دلاوے گا تو کتنی بڑی خجالت تجھ کو ہوگی یعنی جب فرماوے گا کہ اے میرے بندے تو نے مجھ سے حیا نہ کی اور برائی سے میرا سامنا کیا اور میری مخلوق سے حیا کی ان کے واسطے اچھا کام کھلا کھلی کیا بھلا میں تیرے نزدیک اپنے بندوں کی نسبت کر بھی ذلیل تر تھا کہ تو نے میرے دیکھنے کو اپنی طرف ہلکا جانا اور کچھ پروا نہ کی اور میرے سوا دوسرے کی نظر کو بڑا سمجھا کیا۔ میں نے تجھ کو انعام نہیں کیا تھا پس کس چیز سے تجھ کو میرے باب میں مغالطہ ہوا کیا تو نے یہ جانا کہ میں تجھے نہیں دیکھتا تھا یا تو مجھ سے نہ ملے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم میں سے ہر کسی سے خدائے تعالیٰ اس طرح سوال کرے گا کہ اس کے تمہارے درمیان نہ کوئی حجاب ہوگا نہ کوئی بیچ میں بیان کرنے والا۔ اور ایک حدیث میں آپ نے فرمایا[ع] کہ تم میں سے ہر کوئی خدائے تعالیٰ کے سامنے ایسی طرح کھڑا ہوگا کہ اس کے اور خدائے تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ نہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس سے ارشاد فرماوے گا کہ کیا میں نے تیرے اوپر انعام نہیں کیا تھا کیا تجھ کو میں نے

ح[۳] بخاری بروایت عدی بن حاتم ۱۲ ع[۷] اصل میں لفظ کنفہ بالنون جس کے معنی پردہ رحمت میں ڈھانپ لے گا ہے ۱۲

مال نہیں دیا تھا۔ وہ عرض کرے گا کہ کیوں نہیں۔ پھر پوچھے گا کہ کیا میں نے تیرے پاس رسولؐ نہیں بھیجا تھا۔ وہ عرض کرے گا کہ بھیجا تھا وہ شخص اپنی داہنی طرف دیکھے گا تو آگ کے سوا کچھ نظر نہ آوے گا اور بائیں طرف دیکھے گا تو آگ ہی نظر پڑے گی پس چاہیئے کہ ہر کوئی تم میں سے اس آگ سے گو نصف خرما ہی صدقہ دے کر ہو اور اگر یہ بھی نہ پاوے تو کلمہ طیبہ سے بچے۔ اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ تم میں سے ہر ایک خدائے تعالیٰ کے سامنے ایسی طرح اکیلا ہوگا جیسے چودھویں رات کے چاند کے سامنے علیحدہ ہوتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماوے گا کہ اے ابن آدم مجھ پر تجھ کو کس چیز نے فریب دیا اے ابن آدم تو نے جو کچھ جانا اس پر کیا عمل کیا اے ابن آدم تو نے پیغمبروں کو کیا جواب دیا اے ابن آدم کیا میں تیری آنکھ کو نہیں دیکھتا تھا جب تو اسی سے وہ چیز دیکھتا ہے کہ تجھ کو جائز نہ تھا کیا میں تیرے کانوں کو نہیں دیکھتا تھا جب تو ان سے ناجائز باتیں سنتا تھا اسی طرح فرماتا جاوے گا یہاں تک کہ تمام اعضاء کو شمار کرے گا۔ اور حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ بندے کے پاؤں خدائے تعالیٰ کے سامنے نہ ہلیں گے جب تک کہ اس سے چار باتوں کی پوچھ نہ ہووے گی ایک تو عمر کا حال کہ جس چیز میں گذاری، دوسرے علم کا حال کہ اس سے کیا عمل کیا تیسرے جسم کا حال کہ کس چیز میں اس کو مبتلا رکھا۔ چوتھے مال کا حال کہ کہاں سے اس کو پیدا کیا اور کس چیز میں خرچ کیا۔ پس اے مسکین تجھ کو اس وقت کتنی بڑی حیا ہوگی اور کتنا بڑا اندیشہ ہوگا اس لیے دو حال سے خالی نہیں یا تو تجھ سے یہ کہا جاوے گا کہ ہم نے تیری خطا پر دنیا میں پردہ پوشی کی تو آج بھی بخش دیتے ہیں اس صورت میں تو تو نہایت خوش و خرم ہوگا اور اگلے پچھلے سب تیرا رشک کریں گے۔ یا یہ فرشتوں کو حکم کیا جاوے گا کہ اس بندے کو پکڑو اور گلے میں طوق ڈالو پھر دوزخ میں داخل کرو اس صورت میں اگر سب آسمان و زمین تیرے حال پر روویں تو زیبا ہے کہ تیری مصیبت بڑی اور حسرت نہایت سخت ہوگی اس امر پر کہ خدائے تعالیٰ کی اطاعت میں تو نے قصور کیا اور دنیائے دنی کی بدولت جو ساتھ بھی نہ رہی آخرت میں یہ گل کھلا۔

میزان اعمال کا ذکر

پھر میزان کے باب میں فکر کرنے میں غفلت نہ کرنی چاہیئے اور نہ نامہ ہائے اعمال کے داہنے بائیں اڑنے میں تامل سے بے خبر رہنا چاہیئے اس لیے کہ سوال کے بعد آدمی تین گروہ میں ہوجاویں گے ایک تو وہ لوگ ہوں گے کہ ان کے پاس کوئی نیکی نہ ہوگی ان کے لیے ایک سیاہ گردن دوزخ سے نکلے گی اور جیسے پرند دانہ چن لیتا ہے اس طرح وہ ان کو اٹھا کر دوزخ میں ڈال دے گی اور دوزخ ان کو نگل جاوے گی اور ان پر بدبختی کی ندا ہوجاوے گی جس کے بعد کبھی سعادت نہ ہوگی۔ دوسرے وہ لوگ ہوں گے کہ ان کے پاس کوئی بدی نہ ہوگی پس ایک پکارنے والا پکارے گا کہ جو لوگ ہر حال میں خدائے تعالیٰ کی حمد کیا کرتے تھے وہ کھڑے ہوں اس آواز کو سن کر حمد والے کھڑے ہوں گے اور جنت کو چلے جاویں گے۔ پھر یہی معاملہ تہجد گزاروں کے ساتھ کیا جاوے گا۔ پھر ان لوگوں کے ساتھ جن کو خدائے تعالیٰ کی یاد سے دنیا کی تجارت نے روکا ہوگا نہ بیع نے اور ان پر حکم سعادت کا پکار دیا جاوے گا جس کے بعد بدبختی نہ ہوگی باقی رہ گئی تیسری قسم اس طرح کے لوگ ہوں گے کہ جنہوں نے نیک عمل اور بد کو ملایا اور ان پر تو خفیہ ہوگا مگر خدائے تعالیٰ سے پوشیدہ نہ ہوگا کہ ان کی نیکیاں زیادہ ہیں یا برائیاں مگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا

کہ ان لوگوں کو بھی حال بتا دے تاکہ معاف کرنے کے وقت اس کا فضل اور سزا کرنے کے وقت اس کا عدل ظاہر ہو اسی لیے وہ نامۂ اعمال جن میں نیکیاں اور بدیاں ہوں گی اڑاتے جاویں گے اور ترازو کھڑی کی جاوے گی اور آنکھیں لوگوں کی نامۂ اعمال کو تکتی ہوں گی کہ دیکھیے داہنے ہاتھ میں پڑتا ہے یا بائیں میں پھر ترازو کے کانٹے کی جانب کو دیکھیں گے کہ نیکیوں کی طرف کو جھکتا ہے یا بدیوں کی طرف کو اور یہ وقت نہایت خوف کا ہے جس سے خلق کی عقل اُڑے گی اور حضرت حسنؒ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک حضرت عائشہؓ کی گود میں تھا کہ آپ سو گئے اسی اثنا میں حضرت عائشہؓ نے آخرت کو یاد کیا اور روئیں یہاں تک کہ ان کے آنسو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار مبارک پر گرے آپ جاگ پڑے اور پوچھا کہ اے عائشہؓ کیوں روتی ہو انہوں نے عرض کیا کہ آخرت کی یاد سے روتی ہوں بھلا قیامت کو مرد اپنے گھر والوں کو بھی یاد کریں گے۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے مگر تین جگہ ہیں کہ وہاں آدمی صرف اپنے نفس ہی کو یاد کرے گا ایک تو جب ترازوئیں برپا ہوں اور عمل تلنے لگیں یہاں تک کہ آدمی دیکھ لے کہ میری ترازو ہلکی ہوتی یا بھاری اور ایک نامۂ اعمال کے اڑنے کے وقت حتیٰ کہ دیکھے کہ میرا نامہ داہنے ہاتھ میں آتا ہے یا بائیں میں اور ایک پلصراط پر۔ اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آدمی کو قیامت کے روز لا کر میزان کے دونوں پلوں کے بیچ میں کھڑا کر دیں گے اور اس پر ایک فرشتہ مقرر رہے گا اگر اس کا پلہ بھاری ہوا تو فرشتہ مذکور ایسی آواز سے پکارے گا کہ تمام خلق سنے گی کہ فلاں شخص سعید ہوا اور ایسی سعادت پائی کہ جس کے بعد کبھی شقاوت نہیں اور اگر پلہ ہلکا ہوا تو لوگوں کو سنا کر پکارے گا کہ فلاں شخص ایسا بدبخت ہوا کہ کبھی سعید نہ ہوگا اور نیکی کے پلے کے ہلکے ہونے کی صورت میں دوزخ کے فرشتے لوہے کے گرز ہاتھ میں لیے اور آگ کے کپڑے پہنے ہوتے دوزخ کے حصے کے لوگوں کو پکڑ کر دوزخ میں لے جاویں گے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے روز خدا تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کو پکارے گا اور فرماوے گا کہ اے آدم کھڑا ہو اور جتنے لوگ دوزخ میں جانے کے ہیں ان کو دوزخ میں بھیج وہ پوچھیں گے کہ الٰہی وہ کتنے لوگ ہیں اللہ تعالیٰ فرماوے گا کہ ہزار پیچھے نو سو ننانوے جب صحابہؓ نے یہ سنا تو نہایت غمگین ہوتے یہاں تک کہ کبھی ہنسی نہ ظاہر کی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کا یہ حال دیکھا آپ نے فرمایاؐ کہ تم عمل کرو اور خوش ہو اس لیے کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمدؐ کی جان ہے تمہارے ساتھ میں دو مخلوق ایسے ہیں کہ کبھی کسی کے مقابل ہوتے ہیں تو ان سے بڑھ کر ہی رہے ہیں۔ اور جو لوگ آدم کی اولاد اور شیطان کی اولاد سے مر گئے ہیں وہ بھی اس میں آ گئے (یعنی ان سے بڑھ کر ہیں) صحابہؓ نے عرض کیا کہ وہ کونسی قومیں ہیں آپ نے فرمایا کہ وہ یاجوج و ماجوج ہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ اس کو سن کر صحابہ خوش ہوتے پھر آپ نے فرمایا کہ تم عمل کرو اور خوش ہو کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے تم لوگ قیامت میں ایسے ہوگے جیسے اونٹ کے پہلو میں سیاہ داغ ہوتا ہے یا گھوڑے وغیرہ کی آنکھوں میں گھٹا ہوتا ہے۔

حقوق دلانے کے ذکر

ترازو کے ہول تو تو معلوم کر چکا۔ اور ہر ایک کو یہ اندیشہ اور تاکنا کہ اس کا میل کس طرف ہوتا ہے اور اگر وزن بھاری ہو گیا تو چین جان میں

ہوا اور اگر ہلکا ہوا تو جلتی آگ میں گیا۔ اب معلوم کرنا چاہیئے کہ حساب کے اور ترازو کے اندیشے سے اسی شخص کو نجات ہو گی جو دنیا میں اپنے نفس کا حساب کرے اور میزان شریعت میں اس کے اعمال اور اقوال اور خطرے التفات کو تولے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اپنے نفس کا حساب لو پہلے اس سے کہ تم سے حساب لیا جاوے اور اس کو تولو پہلے اس سے کہ تم تولے جاؤ۔ اور آدمی کا نفس سے حساب لینا یہ ہے کہ موت سے پیشتر توبہ خالص ہر ایک گناہ سے کرے اور جو کچھ قصور اوروں کی اللہ تعالیٰ کے فرائض میں ہوئی ہو اس کا تدارک کرے اور حقوق والوں کے دام دام کوڑی کوڑی دیدے اور جس کی ہتک اپنی زبان اور ہاتھ سے کی ہو یا دل سے بدگمان ہوا ہو اس سے معاف کرا دے اور لوگوں کے دل خوش رکھے یہاں تک کہ مرے تو ایسی طرح کہ کوئی حق اور کوئی فرض اس کے ذمے نہ رہے تو ایسا شخص بے حساب جنت میں داخل ہو گا اور اگر حقوق کے ادا کرنے سے پہلے مرے گا تو حقدار قیامت میں اس کو آگھیریں گے کوئی ہاتھ پکڑے گا کوئی ماتھے کے بال کوئی گریبان کو کہے گا تو نے مجھ پر ظلم کیا، کوئی کہے گا تو نے مجھے گالی دی۔ کوئی کہے گا تو نے میرے ساتھ تمسخر کیا کوئی کہے گا تو نے میری غیبت کی کوئی کہے گا تو میرا ہمسایہ تھا مجھے ایذا دی کوئی کہے گا تو نے مجھ سے معاملے میں دغا کی کوئی کہے گا تو نے خرید و فروخت میں مجھے لوٹ لیا اور اپنی چیز کا عیب چھپائے رکھا کوئی کہے گا تو نے اپنے اسباب کا مول بتلانے میں جھوٹ بولا۔ کوئی کہے گا تو نے مجھ کو حاجت مند دیکھا اور باوجودیکہ تو غنی تھا مگر مجھ کو کھانا نہ کھلایا کوئی کہے گا تو نے مجھ کو مظلوم پایا اور گو تو ظلم کو دور کرنے پر قادر تھا لیکن تو نے ظلم سے درگذر کی اور میری مدد نہ کی پس جس گھڑی تیرا حال یہ ہو گا کہ حق دار تیرے بدن میں ناخن گڑوتے ہوتے ہوں گے اور نیز اگر بیان ہاتھ سے مضبوط پکڑے ہوں گے اور تو ان کی کثرت سے حیران پریشان ہو گا یہاں تک کہ اپنی عمر بھر میں جس سے تو نے ایک درہم کا معاملہ کیا ہو گا یا ایک مجلس میں کسی کے پاس بیٹھا ہو گا اور اس کا حق تیرے اوپر رہا ہو گا خواہ غیبت کے باعث یا خیانت کے سبب یا اس کو کمتر نگاہ سے دیکھنے کے لیے وہ سب تیرے گرد ہوں گے اور تو ان کے معاملے میں ضعیف ہو گا اور اپنی گردن اپنے آقا اور مالک کی طرف اس توقع سے اٹھاتے ہو گا کہ وہی ان کے ہاتھ سے چھڑا دے تو اسی حال میں تیرے کان میں آواز جبار جل جلالہ کی آوے گی یہ فرماتا ہے[ت۱] الیوم تجزیٰ کل نفس بما کسبت لاظلم الیوم اس وقت تیرا دل مارے ہیبت کے نکل پڑے گا اور تجھ کو اپنی تباہی کا یقین ہو جاوے گا اور وہ قول یاد کرے گا جس سے کہ خدائے تعالیٰ نے اپنے رسول کی زبانی تجھ کو ڈرایا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا[ت۲] ولا تحسبن اللہ غافلاً عما یعمل الظلمون انما یؤخرھم لیوم تشخص فیہ الابصار مھطعین مقنعی رؤسھم لا یرتد الیھم طرفھم و افئدتھم ھواء پس دنیا میں لوگوں کی ہتک اور ان کے مال لینے سے کتنا خوش ہوتا ہے اس روز تجھ کو اس کی کیسی حسرت زیادہ ہو گی کہ جب تجھ کو فرش عدل پہ کھڑا کر کے خطاب سیاست روبرو ہو گا

ت۱ آج بدلا پاوے گا ہر جی جیسا کمایا ظلم نہیں آج ۱۲ ت۲ اور مت خیال کر کہ اللہ بے خبر ہے ان کاموں سے جو کرتے ہیں بے انصاف ان کو تو چھوڑ رکھتا ہے اس دن پر جس دن میں اوپر لگ جاویں گی آنکھیں دوڑتی ہوں گی اوپر اٹھاتے اپنے سر پھرتی نہیں اپنی طرف ان کی آنکھ اور دل ان کے اڑ گئے ہیں ۱۲

اور تو اس وقت مفلس اور عاجز اور محتاج اور ذلیل ہوگا۔ نہ کوئی حق ادا کر سکتا ہوگا نہ کوئی عذر رکھتا ہوگا۔ پھر تیری نیکیاں جن کے لیے تو نے مشقتیں عمر بھر اٹھائی ہوں گی لے کر حقداروں کے حقوق کے عوض ان کو دے دی جاویں گی۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے لوگوں نے عرض کیا کہ مفلس ہم میں وہ ہے جس کے پاس روپیہ پیسہ اسباب نہ ہو آپ نے فرمایا کہ مفلس میری امت میں سے وہ ہے جو قیامت میں نماز روزہ، زکوٰۃ لے کر آوے گا اور کسی کو گالی دی ہوگی اور کسی کو تہمت زنا لگائی ہوگی اور کسی کا مال لیا ہوگا اور کسی کا خون کیا ہوگا اور کسی کو مارا ہوگا تو اس کے سب حسنات ان سب حقداروں کو جدا جدا دیئے جاویں گے۔ اگر اس کے پاس نیکیاں نہ رہیں گی اور اس پر حکم اخیر نہ ہوا ہوگا تو حقداروں کی خطائیں لے کر اس پر رکھ دی جاویں گی پھر دوزخ میں ڈال دیا جاوے گا تو اب اس روز اپنی مصیبت میں تامل کر کہ اول تو دنیا میں کوئی نیکی ریا اور شیطان کے مکروں کی آفت سے ثابت نہیں رہتی اور اگر بہت دنوں کے بعد ایک آدھ بچی رہے گی تو اس پر حقدار دوڑیں گے اور لے لیں گے۔ اور اگر تو دن کو روزہ رکھے اور رات کو جاگا کرے اور پھر اپنے نفس کا حساب کرے تو غالباً یہی پاوے گا کہ کوئی دن ایسا نہیں گذرتا ہوگا جس میں مسلمانوں کی غیبت تیری زبان پر اتنی جاری ہوتی ہو کہ تمام تیری نیکیوں کو حاوی ہو جاوے باقی برائیاں علیحدہ ہیں کہ کہیں حرام کھاتا ہے اور کہیں شبہ کا مال چکھتا ہے اور طاعتوں میں کوتاہی کرتا ہے تو ایسی صورت میں بھلا حقوق سے خلاص کی کیا توقع ہے اس روز کہ جس میں بے سینگ کے یعنی منڈے چوپائے کا حق شاخدار سے لیا جاوے گا۔ چنانچہ حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں[2] کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بکریوں کو لڑتے دیکھا اور مجھ سے پوچھا کہ تمہیں معلوم ہے کہ یہ کیوں ٹکریں مارتی ہیں میں نے عرض کیا کہ نہیں آپ نے فرمایا کہ تمہارے پروردگار کو معلوم ہے اور وہی عنقریب ان کے درمیان میں قیامت کے روز حکم کرے گا اور حضرت ابوہریرہؓ نے اس آیت کی تفسیر میں وما من دآبۃ فی الارض ولا طائر یطیر بجناحیہ الا امم امثالکم۔ فرمایا ہے کہ قیامت کے روز تمام مخلوق اٹھے گی چوپائے اور چرند پرند اور سب چیزیں پس اللہ تعالیٰ کا عدل اس نوبت کو پہنچے گا کہ منڈے جانور کا حق سینگ والے سے لے گا۔ پھر فرماوے گا کہ مٹی ہو جا تو اسی وقت کافر کہے گا کہ کاش میں مٹی ہوتا۔ پس اے مسکین تیرے اوپر کیا گزرے گا جس روز کہ تو اپنا نامۂ اعمال نیکیوں سے خالی پاوے گا اور بہت سی مشقتیں اٹھائی ہوں گی اور کہے گا کہ میری نیکیاں کہاں گئیں تجھ سے کہا جائے گا کہ تیرے حقداروں کے دفتر میں چلی گئیں اور دیکھے گا کہ نامۂ اعمال بدیوں سے پُر ہے حالانکہ دنیا میں ان سے بچنے میں بہت تکلیفیں سہی تھیں۔ پھر پوچھے گا کہ الٰہی ان خطاؤں کا تو میں کبھی مرتکب نہیں ہوا۔ حکم ہوگا کہ یہ برائیاں ان لوگوں کی ہیں جن کی تو نے غیبت کی اور ان کو گالیاں دی اور برائی پہنچائی اور خرید و فروخت اور پاس رہنے اور کلام کرنے

ح ۱ اس کی سند پہلے گذری ۱۲ ح ۲ احمد از اساتذہ خود کہ ان کے نام نہیں لیے بروایت ابو درداءؓ

ت ۲ اور کوئی چلتا نہیں زمین میں نہ جانور ہے جو اڑتا ہے دو پر سے مگر ایک ایک امت ہے تمہاری طرح ۱۲

اور بحث اور نصیحت اور درس اور تمام قسم کے معاملوں میں زیادتی کی۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ[ح۱] شیطان زمین عرب میں بتوں کی پرستش سے تو ناامید ہوا مگر وہ تم سے ایسی چیز پر راضی ہوگا کہ بت پرستی کی نسبت کم ہوگی اور باتیں حقیر ہیں مگر سب مہلک ہیں پس ظلم سے بچو جتنا تم سے ہو سکے اس لیے کہ بندہ قیامت کے روز پہاڑ کے برابر طاعتیں لاوے گا اور جانے گا کہ یہ مجھے بچاویں گی مگر ایک دوسرا بندہ آکر کہے گا کہ الٰہی فلاں شخص نے مجھ پر ظلم کیا اور میرا حق زبردستی لے لیا اللہ تعالیٰ حکم فرماوے گا کہ اس کی نیکیوں میں کمی کردے اسی طرح حقدار آتے جاویں گے اور نیکیاں لیتے جاویں گے یہاں تک کہ اس کے پاس نیکیوں میں کچھ نہ رہے گا اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے مسافر جنگل میں اتریں اور ان کے پاس ایندھن نہ ہو اس لیے سب ادھر ادھر ہو جاویں اور لکڑیاں جمع کر لاویں اور فوراً آگ جلا کر جو منظور ہو وہ کرلیں۔ اسی طرح گناہ بھی ہیں (یعنی ساری کمائی کو ایک دم خاک سیاہ کر دیتے ہیں) اور جب یہ آیت اتری[ح۲] انك میت و انهم میتون ثم انكم یوم القیامة عند ربكم تختصمون حضرت زبیرؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ گناہوں کے ساتھ کیا وہ معاملے بھی ہمراہ اضافہ کیے جاویں گے جو دنیا میں ہمارے آپس میں ہوتے ہیں آپ نے فرمایا کہ ہاں بیشک یہ معاملات بھی بھگتنے پڑیں گے یہاں تک کہ سب حقداروں کو ان کا حق دے دو۔ حضرت زبیرؓ نے عرض کیا کہ بخدا تب تو بڑا سخت معاملہ ہے پس ایسے دن کی سختی کتنی بڑی ہے جس میں ایک قدم سے بھی درگذر نہ ہوگی نہ طمانچہ اور لقمہ اور کلمہ سے چشم پوشی کی جاوے گی یہاں تک کہ ظالم سے مظلوم کا بدلہ لیا جاوے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ فرماتے تھے[ح۳] یحشر اللہ العباد عراة غرلا بهما ہم نے عرض کیا کہ بہما سے کیا غرض ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ان کے پاس کچھ نہ ہوگا پھر ان کو ان کا پروردگار ایسی آواز سے پکارے گا کہ دور اور نزدیک والے سب یکساں سنیں گے اور یہ فرماوے گا کہ میں بادشاہ بدلہ لینے والا ہوں نہیں ہو سکتا کہ کوئی اہل جنت میں سے جنت میں جاوے اور اس پر کوئی حق اہل دوزخ کا ہو جب تک میں اس جنتی سے عوض اس کا نہ لے چکوں اور نہ کوئی اہل دوزخ آگ میں داخل ہو سکتا ہے اس حال میں کہ کسی اہل جنت کا اس پر حق ہو یہاں تک کہ اس دوزخی سے اس جنتی کا عوض نہ لے لوں حتیٰ کہ طمانچے کا بھی، ہم نے عرض کیا کہ یہ عوض کس طرح ہوگا ہم تو اللہ تعالیٰ کے پاس ننگے بے ختنہ کیے مفلس جاویں گے آپ نے فرمایا کہ عوض نیکیوں اور بدیوں سے دلایا جاوے گا انتہیٰ۔ پس بندگان خدا تعالیٰ خدا تعالیٰ سے خوف کرو اور بندوں کے حقوق یعنی ان کے مال لینے اور ہتک عزت کرنے اور ان کے دل تنگ کرنے اور معاملے میں بدخلقی کرنے سے احتراز کرو اس لیے کہ جو قصور بندے کے اور خاص خدا تعالیٰ کے درمیان ہوں گے تو ان کی طرف مغفرت

ح۱ اول حدیث کو مسلم نے بروایت جابرؓ نقل کیا ہے اور آخر حدیث یعنی ظلم سے بچو الخ کو احمد و بیہقی نے روایت کیا ہے ۱۲ ح۲ احمد و ترمذی بروایت زبیر ۱۲ ح۳ بے شک تو بھی مرتا ہے اور وہ بھی مرتے ہیں پھر مقرر تم قیامت کے دن اپنے رب کے آگے جھگڑو گے۔ ۱۲

ح۴ اللہ تعالیٰ بندوں کو ننگے اور بے ختنہ کیے اور مفلس یا بے روگ حشر کرے گا ۱۲ احمد نے بروایت عبداللہ بن انسؓ نقل کیا ہے اور یہی صحیح ہے ۱۲ ح۵ ابن ابی الدنیا و حاکم در مستدرک ۱۲

جلد آوے گی اور بندوں کے حقوق جلد معاف نہ ہوں گے اور جس شخص کے ذمہ حقوق بہت سے ہوں اور زبردستی سے لوگوں سے چھین لیے ہوں اور پھر ان سے توبہ کی ہو اور حقداروں سے ان کا معاف کرانا مشکل ہو تو چاہیے کہ نیکیاں بہت سی کرے کہ قصاص کے روز کام آویں اور بعض نیکیاں خاص اپنے اور خدائے تعالیٰ کے درمیان میں چھپا کر کمال اخلاص کے ساتھ کرے اس طرح کہ سوائے خدائے تعالیٰ کے اور کسی کو اس پر واقفیت نہ ہو اس لیے کہ شاید یہی صورت اس کی نزدیکی کی خدائے تعالیٰ سے ہو جاوے اور اس کے باعث مستحق اس لطف کا ہو جاوے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن محبوں کے لیے دو بارہ دور کرنے حقوق عباد کے ان کے ذمہ سے رکھ چھوڑا ہے۔ چنانچہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے کہ یکایک آپ ہنسے یہاں تک کہ آپ کے دانت ظاہر ہوئے حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ آپ کے اوپر میرے ماں باپ فدا ہوں یا رسول اللہ آپ کو کس بات پر ہنسی آئی آپؐ نے فرمایا کہ دو شخص میری امت میں سے خدائے تعالیٰ کے سامنے دو زانو ہوئے اور ایک نے جناب الٰہی میں عرض کی کہ میرا حق اس میرے ساتھی سے دلا دے خدائے تعالیٰ نے دوسرے سے ارشاد فرمایا کہ اس کا حق دے دے اس نے عرض کیا کہ بار خدایا میرے پاس تو کوئی نیکی نہیں رہی اللہ تعالیٰ نے طالب سے ارشاد فرمایا کہ اب تو کیسی کرے گا کہ اس کے پاس تو کوئی نیکی نہیں رہی اس نے عرض کیا کہ یہ شخص میرے گناہوں میں سے اپنے اوپر لے لے۔ راوی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور رونے لگے پھر فرمایا کہ یہ دن بہت بڑا ہے اس دن میں اس بات کے محتاج ہوں گے کہ کوئی ان کی طرف سے ان کے گناہ اپنے اوپر لے لے پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے طالب سے ارشاد فرمایا کہ اپنا سر اٹھا کر جنت میں دیکھ اس نے سر اٹھایا اور عرض کیا کہ الٰہی مجھے چاندی کے شہر بلند اور سونے کے محل موتیوں سے جڑے معلوم ہوتے ہیں یہ کون سے نبی کے ہیں یا کون سے صدیق کے یا کس شہید کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ اس کے ہیں جو ان کا مول ادا کرے اس نے عرض کیا کہ ان کے مول کا مالک کون ہے کس سے دیا جا سکتا ہے فرمایا کہ ان کا مول تیرے پاس ہے عرض کیا کہ وہ کیا ہے فرمایا کہ اپنے بھائی کو حق معاف کرنا۔ اس نے عرض کیا کہ الٰہی میں نے اس کو معاف کیا حکم ہوا کہ اپنے اس بھائی کا ہاتھ پکڑ اور جنت میں داخل کر۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگو اللہ سے ڈرو اور آپس میں صلح رکھو کہ اللہ تعالیٰ ایمان داروں میں خود میل کراتا ہے انتہیٰ۔ اس حدیث میں تنبیہ ہے اس بات پر کہ یہ مرتبہ خدا تعالیٰ کے اخلاق کو اختیار کرنے سے حاصل ہوتا ہے یعنی آپس میں میل کرانے اور دوسرے اخلاق اختیار کرنے سے۔ پس اب تو اپنے نفس کے باب میں فکر کر کہ اگر تیرا نامہ اعمال حقوق سے خالی ہو گا یا خدائے تعالیٰ تیرے لیے لطف فرما کر معاف فرماوے گا اور تجھ کو یقین سعادت ابدی کا ہو گا تو فیصلہ کی جگہ سے پھرنے کے وقت کیسا خوش ہو گا کہ تجھ کو خلعت رضا ہو گی اور ایسی سعادت پر رجوع کرے گا جس کے بعد شقاوت نہ ہو اور وہ دولت پاوے گا جس کے گرد فنا نہ پھٹکے

۱؎ احمد نے بروایت عبداللہ بن انسؓ نقل کیا ہے اور یہی صحیح ہے ۱۲

۲؎ ابن ابی الدنیا و حاکم در مستدرک ۱۲

اور اس وقت خوشی اور سرور کے مارے تیرا دل اڑے گا اور چہرہ سفید اور نورانی اور ایسا چمکنے لگے گا جیسے چاند چودھویں رات کو چمکتا ہے تو اب خیال کر کہ خلق کے درمیان تو کیسے سر اٹھاوے ناز سے چلتا ہوگا کہ پیٹھ گناہوں سے خالی ہوگی اور تازگی نسیم راحت اور رضا کی ٹھنڈک تیرے دونوں پہلو سے دمک رہی ہوگی اور تمام خلق اگلی پچھلی تجھ کو دیکھتی ہوگی اور تیرے حسن وجمال میں غبطہ کرتی ہوگی اور فرشتے تیرے آگے اور پیچھے چلتے ہوں گے اور پکار کر مجمع میں کہتے ہوں گے کہ یہ فلاں شخص کا بیٹا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوا اور اس کو راضی کر دیا اور ایسی سعادت کو پہنچا کہ جس کے بعد کبھی بدبختی نہ ہوگی۔ بھلا تیرے نزدیک کیا یہ رتبہ اس امر سے بڑا نہیں جس کو تو دنیا میں لوگوں کے دلوں میں حاصل کرتا ہے اور اس کے لیے ریا اور تکلف اور دین میں سستی اور بناوٹ کرتا ہے۔ پس اگر تو جانتا ہے کہ یہ رتبہ دنیا کے رتبے سے بہتر ہے بلکہ دنیا کے رتبے کو اس مرتبے سے کچھ نسبت ہی نہیں تو پھر اس رتبے کے حاصل کرنے کے واسطے اخلاص صاف اور خدا کے ساتھ معاملہ کرنے میں نیت درست کو وسیلہ بنا کہ یہ رتبہ بدوں اخلاص اور سچی نیت کے تجھ کو نہ ملے گا اور اگر معاملہ دگرگوں ہوا یعنی معاذ اللہ تیرے نامۂ اعمال میں کوئی گناہ نکلا جس کو تو ہلکا جانتا تھا اور خدا تعالیٰ کے نزدیک وہ بڑا ٹھہرا اور اس کے باعث تجھ کو غصہ ہو کر کہہ دیا اے میرے بندے تجھ پر میری لعنت ہے میں تجھ سے تیری عبادت قبول نہیں کرتا تو اس آرزو کے سنتے ہی تیرا منہ سیاہ ہو جاوے گا اور اللہ تعالیٰ کے غضب کے باعث فرشتے بھی تجھ پر غضبناک ہو کر کہیں گے کہ تجھ پر ہماری لعنت اور تمام خلائق کی لعنت ہو اور اس وقت دوزخ کے فرشتے اپنے خالق کے غصے کے باعث خفا ہو کر تجھ پر جھک پڑیں گے اور تجھ کو منہ کے بل مجمع میں گھسیٹیں گے اور تمام لوگ تیرے منہ کی سیاہی اور غم کے ظاہر ہونے کو تاک رہے ہوں گے اور تو تباہی اور خرابی پکارتا ہوگا اور وہ کہتے ہوں گے کہ آج مت پکار ایک ہلاکی کو بلکہ پکار بہت سی ہلاکیوں کو اور فرشتے پکارتے ہوں گے کہ یہ فلاں شخص کا بیٹا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کی فضیحتوں اور رسوائیوں کو کھول دیا اور اس کے برے عیبوں کے باعث اس کو لعنت کیا پس ایسا بدبخت ہوا کہ کبھی نیک بخت نہ ہوگا۔ اور کیا عجب ہے کہ یہ تمام خرابی کسی ایسے گناہ کے باعث سے ہو جس کو تو نے بندوں کے خوف سے کیا ہو یا ان کے دلوں میں جگہ ڈھونڈنے کے لیے یا ان کے سامنے رسوائی کے خوف سے۔ تو دیکھ کہ تو کتنا بڑا جاہل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے چند بندوں کے سامنے رسوا ہونے سے دنیائے فانی میں احتراز کرتا ہے مگر اس بڑی رسوائی سے ایسے بڑے مجمع میں نہیں ڈرتا جہاں خدائے تعالیٰ کے غصے کا سامنا جدا ہوگا اور اس کا عذاب جدا تکلیف دے گا اور دوزخ کے فرشتوں کے پنجوں میں گرفتار ہو کر آگ کو چلا جاتا ہوگا پس یہ حال اور اہوال تیرے ہیں اور تجھ کو ابھی بڑے اندیشے کی خبر نہیں وہ اندیشہ پلصراط کا ہے جو آگے مذکور ہوتا ہے۔

شفاعت کا ذکر

پھر ان ہولوں کے بعد اس آیت میں تامل کر [ت] وَيَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا وَنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ وِرْدًا اس آیت میں فَاهْدُوهُمْ إِلَىٰ صِرَاطِ

ت جس دن ہم اکٹھا کر لاویں گے پرہیزگاروں کو رحمٰن کے پاس مہمان بلاتے اور ہانک لے جاویں گے گنہگاروں کو طرف دوزخ کے پیاسے ۱۲

الجحیم وقفوھم انھم مسئولون[1] یعنی لوگ بعد احوال مذکورۂ بالا کے صراط کی طرف ہنکاتے جاویں گے وہ ایک پل ہے کہ دوزخ کے اوپر بنا ہوا ہے تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ پتلا پس جو شخص دنیا میں راہ راست پر سیدھا رہے گا وہ آخرت کے پلصراط پر ہلکا ہوگا اور نجات پاوے گا۔ اور جو دنیا میں سیدھا رہنے سے عدول کرے گا اور گناہوں سے اس کی پشت بھاری ہوگی وہ پلصراط کے اول ہی قدم میں لغزش کرے گا اور ہلاک ہو جاوے گا۔ پس اب سوچ کہ جب پلصراط کو دیکھے گا اور اس کی تیزی اور باریکی پر نگاہ کرے گا پھر اس کے نیچے دوزخ کی سیاہی نظر پڑے گی اور آگ کی چیخ اور جھنجلاہٹ سنے گا تو تیرے دل میں کیسا خوف بھرے گا اور تجھ سے بزور کہا جائے گا کہ اس پر کو چلے باوجودیکہ تیرا حال ضعیف ہوگا اور دل مضطرب اور پاؤں ڈگمگاتے اور گناہوں کے باعث پیٹھ ایسی وزنی ہوگی کہ تجھ سے زمین پر نہ چلا جاوے پلصراط تو علیحدہ رہا پھر تیرا حال کیا ہوگا جب تو اپنا ایک پاؤں اس پر رکھے گا اور اس کی تیزی پاؤں کو معلوم ہوگی اور دوسرا پاؤں اُٹھانے کے لیے مجبور ہوگا اور سامنے سے لوگ پھسل پھسل کر گرتے ہوں گے اور دوزخ کے فرشتے ان کو کانٹوں اور انکڑوں سے اُٹھاتے ہوں گے اور تو دیکھتا ہوگا کہ وہ سر کے نیچے اور پاؤں اوپر آگ میں چلے جاتے ہوں گے تو کیا کچھ خوف اس حال سے تجھ کو ہوگا اور کیسے سخت مقام پر چڑھائی ہوگی اور کیسے راستہ میں جانا ہوگا۔ پس اپنے حال کو دیکھ کر جب اس پر چلے گا اور چڑھے گا تیری پیٹھ گناہوں سے وزنی ہوگی اور داہنے بائیں خلق آگ میں گرتی دیکھے گا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوتے کہتے ہوں گے کہ الٰہی بچاوے اور فریاد تباہی اور خرابی کی دوزخ کے گڑھے میں سے تجھ تک پہنچتی ہوگی اس لیے کہ اکثر لوگ جو پل سے پھسل کر گریں گے واویلا مچاویں گے تو تیرا کیا حال ہوگا اگر تیرا پاؤں لغزش کر گیا اور پشیمانی کام نہ آئی اور تو بھی فریاد اور واویلا کرنے لگا اور کہنے لگا کہ میں اسی روز سیاہ سے ڈرا کرتا تھا کاش زندگی میں اس روز کے واسطے کچھ کیا ہوتا کاش رسولؐ کے ساتھ میں نے راستہ اختیار کیا ہوتا۔ کاش فلاں کو یار نہ بنایا ہوتا کاش میں مٹی ہوتا کاش میں معدوم ہوتا کاش میری ماں مجھ کو نہ جنتی اور اس وقت شعلے آگ کے تجھ کو معاذ اللہ اچک لیں اور پکارنے والا پکارے اخسئوا فیھا ولا تکلمون[2] پس کوئی سبیل بجز چیخنے اور آہ کرنے اور سانس بھرنے اور فریاد چاہنے کے نہیں رہے گی۔ پس اپنی عقل کو تو کیسے دیکھتا ہے حالانکہ یہ اندیشے تیرے سامنے ہیں اگر تجھ کو ان باتوں پر ایمان نہیں تو معلوم ہوا کہ طبقات جہنم میں تو بہت دنوں رہنا چاہتا ہے اور اگر ایمان ہے اور ان سے غافل ہو کر تیاری میں سستی کرتا ہے تو بڑا ہی ٹوٹے اور سرکشی والا ہے اور ایسے ایمان سے تجھے کیا فائدہ جو خدائے تعالیٰ کی اطاعت میں رضا جوئی پر آمادہ نہ کرے اور نہ اس کی نافرمانی چھوڑا دے اگر بالفرض تیرے سامنے سوائے ہول پلصراط اور اس کے اوپر سے گذرنے کے خوف سے دل کی دہشت کے اور کوئی اندیشہ نہ ہوتا گو تو سلامت ہی گذر جاوے تب بھی ہول اور دہشت اور ڈر کو اتنا ہی کافی تھا آنحضرت

ت۱ پھر چلاؤ ان کو راہ پر دوزخ کی اور کھڑا رکھو ان کو ان سے پوچھنا ہے ۱۲

ت۲ پڑے رہو پھٹکار ہے اس میں اور مجھ سے نہ بولو ۱۲

صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[ح۱] کہ پلصراط دوزخ کے بیچ میں رکھا جاوے گا اور جو شخص کہ رسولوں میں سے اپنی امت کو لے کر اُترے گا وہ میں ہونگا اور اس روز سوائے رسولوں کے اور کوئی نہیں بولے گا اور سب پیغمبر یہی کہتے ہوں گے اللّٰھم سلّم اللّٰھم سلّم[عہ] اور دوزخ میں کانٹے سعدان[عہ] کے کانٹے کی شکل کے ہوں گے بھلا تم نے سعدان کا کانٹا دیکھا ہے لوگوں نے عرض کیا کہ ہاں آپ نے فرمایا کہ تو اسی شکل کے ہوں گے مگر ان کی بڑائی کی مقدار کو سوائے خدائے تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا اور وہ آدمیوں کو موافق ان کے اعمال کے آچھیں گے پس بعضے تو اپنے عمل کے باعث ہلاک ہی ہو جاویں گے اور بعض بچ بچ کر رائی جیسے ہو جاویں گے۔ پھر بچ جاویں گے اور حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں[ح۲] کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی دوزخ کے پل پر گذریں گے اور اس پر کوکھرو اور کانٹے اور آنکڑے ہونگے کہ لوگوں کو داہنے اور بائیں سے پیٹیں گے اور اس کے دونوں طرف فرشتے کہتے ہوں گے کہ الٰہی بچا الٰہی بچا۔ پس بعضے لوگ تو مثل بجلی کے گزریں گے اور بعضے ہوا کی طرح اور بعضے دوڑتے گھوڑے اور بعضے بھاگتے ہوئے جائیں گے اور بعضے چال چلتے اور بعضے گھٹنوں چلیں گے اور بعضے چوتڑیوں گھسیٹیں گے اور دوزخ کے لوگ جو اس میں رہیں گے وہ تو نہ مریں گے نہ جیویں گے مگر جو لوگ کہ گناہوں اور خطاؤں میں پکڑے جاویں گے اور جل کر کوئلے سیاہ ہو جاویں گے پھر شفاعت کی اجازت ہو گی آخر حدیث تک۔ اور حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[ح۳] کہ اللہ تعالیٰ اگلوں پچھلوں سب کو قیامت کے روز جمع کرے گا۔ چالیس برس آسمان کی طرف کو آنکھیں لیے کھڑے رہیں گے اور منتظر حکم فیصل کے ہوں گے اس حدیث کو حضرت ابن مسعودؓ نے ایمانداروں کے سجدے کے وقت تک بیان کیا اور فرمایا کہ پھر اللہ تعالیٰ مومنین کو حکم کرے گا کہ اپنے سر اٹھاؤ وہ سر اُٹھاویں گے پس ان کو ان کے اعمال کے موافق نور عنایت ہو گا تو بعضوں کو تو بڑے پہاڑ کے برابر نور ملے گا کہ ان کے سامنے چلے گا اور بعضوں کو اس سے کچھ کم ملے گا اور بعضوں کو اس سے کم یہاں تک کہ آخر کو ایک شخص کو نور اس کے پاؤں کے انگوٹھے پر عنایت ہو گا وہ کبھی تو چمکنے لگے گا اور کبھی گل ہو جاوے گا جب چمکے گا تو وہ پاؤں بڑھاوے گا اور جب گل ہو گا تب کھڑا رہ جاوے گا پھر پلصراط کے گذرنے کو ذکر فرمایا کہ اپنے نور کے موافق اس پر سے گذریں گے بعضے تو پلک مارنے کی طرح اور بعضے بجلی کی طرح اور بعضے بادل کی طرح اور بعضے ستاروں کے ٹوٹنے کی طرح اور بعضے ہوا کے مانند اور بعضے گھوڑے کی دوڑ کے مانند اور بعضے آدمی کے بھاگنے کی مانند یہاں تک کہ جس شخص کے پاؤں کے انگوٹھے کو نور ملا ہو گا وہ اپنے منہ اور دونوں ہاتھ پاؤں پر گھسیٹتا چلے گا۔ ایک ہاتھ بڑھاوے گا تو دوسرا اٹکا رہ جاوے گا اور ایک پاؤں آگے کو کرے گا تو دوسرا اُکھڑا رہے گا اور اس کے پہلوؤں

ح ۱ بخاری و مسلم بروایت ابو ہریرہؓ ۱۲ عہ الٰہی بچا الٰہی بچا ۱۲ عہ سعدان ایک گھاس ہے جسکو اونٹ بہت چاب کر کھاتا ہے اس کا کانٹا سر پستان کی کی شکل کا ہوتا ہے ۱۲ ح ۲ بخاری و مسلم باختلاف الفاظ ۱۲ ح ۳ اس حدیث کو پوری ابن عدی اور حاکم نے نقل کیا ہے ۱۲

کو آگ لگتی ہو گی اسی طرح سے جاتے جاتے پار ہو جاوے گا جب خلاص ہو گا تو کھڑا ہو کر کہے گا کہ خدا کا شکر ہے کہ مجھ کو ایسی طرح نجات دی کہ کسی کو نہ دی اس لیے کہ مجھ کو جب بچایا جب میں اس کا مزہ دیکھ چکا۔ پھر اس شخص کو جنت کے دروازے کے پاس ایک چشمہ پر لے جاویں گے وہاں وہ نہاوے گا۔ اور حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں[ح] کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ پلصراط تلوار کی تیزی کی طرح یا چھری کی دھار کی تیزی کی مثال ہے اور فرشتے مومن مردوں اور عورتوں کو بچاتے ہوں گے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام میری کمر پکڑے ہوں گے اور میں کہتا ہوں گا کہ الٰہی بچا دے الٰہی بچا دے مگر لغزش کرنے والے مرد اور عورتیں اس روز بہت ہوں گے۔ تو پلصراط کے اہوال اور مصائب یہ ہیں ان میں بہت فکر کر اس لیے کہ قیامت کے اہوال سے زیادہ تر وہی شخص بچے گا جو دنیا میں اس کا فکر زیادہ کرے گا کیونکہ خدائے تعالیٰ ایک بندے پر دو خوف جمع نہیں کرے گا تو جو کوئی ان احوال سے دنیا میں ڈرے گا وہ آخرت میں ان سے مامون رہے گا اور ہماری غرض خوف سے یہ نہیں کہ عورتوں کی طرح سننے کے وقت دل پر رقت ہوئی اور آنکھوں سے رو لیے اور پھر جلدی سے بھول بھال لہو و لعب میں مصروف ہو گئے۔ یہ بات خوف میں ہرگز داخل نہیں بلکہ جو شخص کسی چیز سے ڈرا کرتا ہے اس سے بھاگا کرتا ہے اور جس چیز کی امید کیا کرتا ہے اس کو طلب کیا کرتا ہے اس صورت میں وہی خوف اس روز نجات دے گا جس کے باعث آدمی خدائے تعالیٰ کی نافرمانی سے باز رہے اور اس کی اطاعت پر آمادہ ہو اور عورتوں کے رونے کی نسبت کر بھی زیادہ تر بڑا خوف بیوقوفوں احمقوں کا ہے کہ جب اہوال کو سنتے ہیں تو فوراً زبان سے استعاذہ نکلتا ہے کوئی کہتا ہے استعنت استعیذ باللہ کوئی کہتا ہے نعوذ باللہ خدا کی پناہ الٰہی بچائیو اور باوجود اس کے ان گناہوں پر اصرار رکھتے ہیں جو سبب ان کے ہلاک ہونے کا ہے تو ایسے شخصوں کے پناہ مانگنے سے شیطان ہنستا ہے جیسے اس شخص پر ہنسا کرتے ہیں جس پر جنگل میں کوئی درندہ حملہ کرے اور اس کے پیچھے ایک قلعہ ہو یا گڑھی مضبوط ہو تو جب وہ اس درندے کی ڈانٹ اور حملے کو دور سے دیکھے تو زبان سے کہنے لگے کہ پناہ[۴] ہے اس گڑھی کی دوہائی ہے اس کی سخت عمارت اور مضبوط دیواروں کی اور یہ قول زبان سے ہی کہے اور اپنی جگہ سے نہ ہلے تو ان باتوں سے درندہ تھوڑا ہی ہٹایا جاتا ہے۔ اسی طرح آخرت کے احوال کی گڑھی بجز لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے اور کوئی نہیں مگر اس کا صرف زبانی کہنا کارآمد نہیں بلکہ اس کا سچ جاننا بھی ضرور ہے اور سچ جاننا اس طرح ہے کہ آدمی کا مقصود سوائے خدائے تعالیٰ کے نہ ہو اور نہ کوئی معبود اس کے سوا اور جو شخص کہ اپنی خواہش کو اپنا معبود بنائے ہوتے ہو تو وہ راستۂ توحید سے ابھی دور ہے اور اس کا معاملہ خود خطرناک ہے پس اگر آدمی سے یہ بھی نہ ہو سکے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کرے اور ان کی سنت کی بزرگی بجا لاوے اور آپ کی امت کے نیک بختوں کی دلداری کرے اور ان کی دعاؤں سے برکت حاصل کرے۔ شاید اسی محبت سے آپ کی شفاعت نصیب ہو اور اگر اپنے پاس کچھ مایہ نہ ہو تو شفاعت سے ہی نجات مل جاوے۔

ح ابیہقی در شعب بسند ضعیف اور بروایت زیاد نمیری عن انس بھی مروی ہے اور احمد نے بروایت عائشہ نقل کیا ہے اس میں ابن لہیعہ ہے ۱۲ ع ۵ اصل میں م

۴ اعوذ بہذا الحصن الحصین یعنی میں اس مضبوط قلعہ اور محکم عمارت میں پناہ لے لوں گا ۱۲ محمد مرتضیٰ عفا اللہ عنہ ۵

بیان شفاعت کا ذکر

واضح ہو کہ جب کچھ جماعتوں پر ایمانداروں کے عذاب کا ثبوت ہوگا تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کے باب میں شفاعت انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کی اور ایسے لوگوں کی جن کا خدائے تعالیٰ کے نزدیک مرتبہ اور حسن معاملہ ہے قبول فرمائے گا پس یہ لوگ اپنے رشتہ اور قرابت والوں اور دوستوں اور آشناؤں کے باب میں شفاعت کریں گے تو آدمی کو چاہیئے کہ اس بات کا حریص ہو کہ ان لوگوں کے نزدیک رتبۂ شفاعت حاصل کرے اس کی صورت یہ ہے کہ کسی آدمی کو ہرگز حقیر نہ جانے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ولایت کو اپنے بندوں میں پوشیدہ رکھا ہے تو شاید جس شخص کو تیری آنکھ حقیر جانتی ہے وہ اللہ کا ولی ہو۔ شعر:

خاکساران جہاں را بحقارت منگر توچہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

اور کسی معصیت کو ہرگز چھوٹا نہ جانے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا غضب اپنی نافرمانیوں میں چھپا رکھا ہے تو شاید جس معصیت کو تو حقیر جانتا ہے اس میں خدائے تعالیٰ کا غضب ہو اور کسی طاعت کو حقیر مت جان کہ اللہ نے اپنی رضا اپنی طاعت میں پوشیدہ رکھی ہے تو شاید اسی طاعت میں اس کی رضا ہو گو وہ طاعت کلمہ طیبہ ہی ہو یا ایک لقمہ ہو یا نیت درست یا کوئی اور اسی کے قائم مقام ہو اور شفاعت کی دلیلیں قرآن شریف اور حدیث میں بہت ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی[1] حضرت عمروؓ بن العاص سے روایت ہے[2] کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قول حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پڑھا رَبِّ اِنَّھُنَّ اَضْلَلْنَ کَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّہٗ مِنِّیْ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّکَ غَفُوْرٌ الرَّحِیْمٌ[3] اور قول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا[4] اِنْ تُعَذِّبْھُمْ فَاِنَّھُمْ عِبَادُکَ پھر ہاتھ اٹھا کر فرمایا اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ آپ روئے اللہ عزوجل نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ارشاد فرمایا کہ میرے حبیب کے پاس جاؤ اور پوچھو کہ کیوں روتے ہو چنانچہ حضرت جبرئیل نے خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا کہ خدا تعالیٰ سبب گریہ پوچھتا ہے آپ نے فرمایا کہ غم امت کے باعث روتا ہوں حالانکہ یہ سبب خدا تعالیٰ کو معلوم تھا۔ جب حضرت جبرئیلؑ نے جناب احدیت میں عرض کیا تو حکم ہوا جاؤ میرے حبیب سے کہہ دو کہ میں تجھ کو تیری امت میں راضی کر دوں گا۔ ناخوش نہیں کروں گا۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[5] کہ پانچ باتیں ہیں کہ مجھ کو عنایت ہوئیں مجھ سے پہلے کسی کو عنایت نہیں ہوتی تھیں۔ اول تو رعب ایک مہینے کے فاصلے سے[6]۔ دوم مجھ کو غنیمتیں حلال کی گئیں مجھ سے پہلے کسی کو حلال نہیں ہوئیں۔ تیسرے میرے لیے زمین مسجد کر دی گئی اور اس کی خاک پاک کرنے کی چیز۔ تو جس شخص کو میری امت میں سے

ت۱ اور عنقریب دے گا تجھ کو تیرا رب پھر تو راضی ہوگا ۱۲ ح۲ یہ حدیث مسلم کی ہے بروایت عبداللہ بن عمروؓ مروی ہے شاید عبداللہ بن کا لفظ کاتب سے احیاء میں چھوٹ گیا ہے ۱۲ ت۳ اے رب انہوں نے بہکایا بہت سے لوگوں کو سو جو کوئی میری راہ چلا سو وہ تو میرا ہے اور جس نے میرا کہا نہ مانا سو تو بخشنے والا مہربان ہے ۱۲ ت۴ اگر تو ان کو عذاب کرے تو وہ بندے تیرے ہیں ۱۲ ح۵ بخاری و مسلم بروایت جابر ۱۲ ح۶ طبرانی در اوسط اور اسکی اسناد میں محمد بن ثابت بنانی ضعیف ہے ۱۲ ع۵ فی الاصل نصرت بالرعب الخ یعنی بذریعہ رعب ایک ماہ کی راہ تک مجھ کو فتح دی گئی ۱۲

نماز کا وقت آجاوے تو چاہیے کہ پڑھے یعنی پانی کے نہ ملنے سے حرج نہیں اس لیے کہ مٹی ہر جگہ تیمم کے لیے موجود ہے نہ خاص جگہ نماز کی شرط ہے کہ زمین ساری سجدہ گاہ ہے چوتھے مجھ کو شفاعت ملی۔ پانچویں یہ کہ ہر ایک نبی خاص اپنی قوم کے لیے بھیجا گیا ہے اور میں سب کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا[ع] کہ جب قیامت کا دن ہو گا تو میں نبیوں کا امام ہوں گا اور ان کی طرف سے بولنے والا اور ان کی سفارش[عه] کرنے والا ہوں گا اور اس میں کچھ فخر نہیں کرتا ہوں اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا[عه] کہ میں اولاد آدم کا سردار ہوں اور کچھ فخر نہیں اور میں اول ہوں ان لوگوں کا جو زمین پھٹ کر نکلیں گے اور میں اول سفارش کروں گا اور سب سے پہلے میری سفارش مقبول ہوگی۔ میرے ہاتھ میں حمد کا علم ہوگا۔ آدمؑ اور ان کے سوا اس کے نیچے ہوں گے۔ اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا[ع] کہ ہر ایک نبی کی ایک دُعا قبول ہوتی ہے تو میں چاہتا ہوں کہ اپنی دُعا کو اپنی امت کی شفاعت کے لیے قیامت کے دن کے واسطے دبا رکھوں۔ اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[عه] کہ انبیا علیہم السلام کے لیے سونے کے منبر بچھائے جاویں گے اور وہ ان پر بیٹھ جاویں گے مگر میرا منبر خالی رہے گا میں اس پر نہیں بیٹھنے کا اور اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا رہوں گا اس خوف سے کہ مبادا میں جنت میں بھیج دیا جاؤں اور میری امت پیچھے رہ جاوے پس میں عرض کروں گا یا رب امتی اللہ تعالیٰ ارشاد فرماوے گا کہ اے محمدؐ تو کیا چاہتا ہے جو تیری امت کے ساتھ کروں، میں عرض کروں گا کہ الٰہی ان کا حساب جلد ہو جاوے پس میں سفارش کیے جاؤں گا یہاں تک کہ جن لوگوں کو دوزخ میں بھیج دیا گیا ہوگا ان کے لیے براءت نامہ مجھ کو ملے گا اور مالک دوزخ کا داروغہ مجھ سے کہے گا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم نے اپنی امت میں خدا تعالیٰ کے غضب کے واسطے آگ کا کچھ حق نہ چھوڑا اور ایک حدیث شریف میں ہے کہ آپ نے فرمایا[ع۳] کہ میں قیامت کے دن روئے زمین کے پتھروں اور ڈھیلوں سے بھی زیادہ کے لیے سفارش کروں گا اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں[عه] کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گوشت آیا اور ہاتھ آپ کے سامنے کیا گیا آپ کو ہاتھ اچھا معلوم ہوا کرتا تھا آپ نے اس میں سے دانت سے کاٹا پھر فرمایا کہ قیامت کے دن میں آدمیوں کا سردار ہوں گا اور تم کو معلوم ہے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اگلوں اور پچھلوں کو ایک میدان میں جمع کرے گا اور پکارنے والے کی آواز ان کو سناوے گا اور نظر کے سامنے رکھے گا اور آفتاب قریب ہوگا اور آدمیوں پر غم اور کرب اتنا ہوگا کہ اس کی برداشت نہ کر سکیں گے۔ تب آدمی ایک دوسرے سے کہیں گے کہ دیکھتے نہیں کہ ہماری کیا نوبت ہوئی ہے کسی ایسے کو کیوں نہیں کرتے جو پروردگار سے سفارش کرے تب آپس میں کہیں گے کہ چلو حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جائیں چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جا کر کہیں گے کہ تم ابوالبشر ہو خدائے تعالیٰ نے تم کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور تم میں اپنی روح پھونکی اور تمہارے لیے فرشتوں کو سجدہ کا حکم کیا اپنے پروردگار سے ہماری سفارش کرو دیکھو ہمارا کیسا حال ہے اور ہماری کیا نوبت پہنچی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام ان کو جواب دیں گے کہ آج میرا پروردگار ایسا

عه وفی الاصل وصاحب شفاعتہم یعنی میرے ذریعہ سے دوسرے انبیا کو بھی شفاعت کا مرتبہ ملے گا ۱۲ ح طبرانی بروایت بریدہ ۱۲ ح یہ ساری حدیث بخاری و مسلم نے نقل کی ہے ۱۲

خفا ہوا ہے کہ نہ کبھی پہلے ہوا تھا نہ آگے کو ہو اور اس نے مجھ کو ایک درخت جنت سے منع کیا تھا میں نے اس کا کہنا نہ مانا مجھے اپنی ہی جان کی پڑی ہے۔ تم کسی اور کے پاس جاؤ۔ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جاویں گے اور عرض کریں گے کہ زمین کے باشندوں کے پاس اوّل رسول ہو کر آئے اور اللہ تعالیٰ نے تم کو شکر گذار بندہ فرمایا ہمارے باب میں اپنے پروردگار سے سفارش کرو دیکھو کہ ہمارا کیا حال ہے وہ جواب دیں گے آج خدا تعالیٰ ایسا غصہ ہو رہا ہے کہ پہلے کبھی نہ ایسا ہوا نہ آگے کو کبھی ایسا ہو۔ اور میں اپنی قوم پر ایک بد دعا کر چکا ہوں، میں اپنی ہی جان کے بچاؤ میں ہوں تم میرے سوا کسی دوسرے کے پاس جاؤ۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور عرض کریں گے کہ تم اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اور زمین کے لوگوں میں سے اس کے خلیل ہوا اپنے پروردگار سے ہماری شفاعت کرو دیکھتے ہو کہ ہم کس حال میں ہیں۔ حضرت ابراہیم جواب دیں گے کہ میرا پروردگار آج ایسا غصہ ہوا ہے کہ پہلے کبھی نہ ہوا تھا اور نہ آئندہ کو ہوگا۔ اور میں نے تین بار جھوٹ بولا تھا اور ان کا آپ ذکر کر دیں گے کہ مجھے اپنی ہی پڑی ہے تم کسی اور کے پاس جاؤ تم موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آکر کہیں گے کہ آپ رسولِ خدا ہیں آپ کو خدا نے اپنی رسالت اور کلام سے لوگوں پر زیادتی دی ہے، اپنے پروردگار سے ہماری سفارش کیجئے دیکھیے ہمارا کیا حال ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام جواب دیں گے کہ میرا پروردگار آج ایسا غضبناک ہے کہ نہ پہلے ہوا تھا نہ پیچھے ایسا ہوگا اور میں نے ایک شخص کو مار ڈالا تھا جس کے مار ڈالنے کا مجھ کو حکم نہ تھا مجھے اپنی ہی فکر ہے تم دوسرے کے پاس جاؤ، تم عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ، لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آکر کہیں گے کہ آپ اللہ کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں کہ مریم کی طرف ڈال دیا اور اللہ تعالیٰ کی روح ہیں اور آپ نے لوگوں سے گود میں کلام کیا اپنے پروردگار سے ہماری سفارش کیجئے اور دیکھیے کہ ہماری کیا نوبت ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جواب دینگے کہ میرا پروردگار آج ایسے غصہ میں ہے کہ نہ پہلے ایسا ہوا نہ آگے کو ایسا ہوگا اور کوئی خطا اپنی ذکر نہیں فرمائی، میں اپنے ہی نفس کی فکر میں ہوں تم کسی اور کے پاس جاؤ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ پس لوگ میرے پاس آویں گے اور کہیں گے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء کے ختم کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے گناہ سب معاف فرمائے اپنے رب سے آپ ہماری سفارش فرمائیے اور ہمارے حالِ زار کو ملاحظہ فرمائیے ؎

لب بجنباں پئے شفاعت ما منگر بر گناہ و طاعت ما

میں روانہ ہو کر عرش کے نیچے آؤں گا اور اپنے رب کے لیے سجدہ میں جاؤں گا، پھر اللہ تعالیٰ میرے اوپر اپنے محامد اور ثنا کی خوبی سے وہ چیز کھول دے گا کہ پہلے کسی کے اوپر نہیں کھولی۔ پھر کہا جاوے گا کہ اے محمدؐ اپنا سر اٹھا مانگ تجھ کو ملے گا اور شفاعت کر تیری شفاعت منظور ہوگی۔ پس اپنا سر اٹھاؤں گا اور کہوں گا امتی امتی یارب یعنی الٰہی میری امت کو بخش دے مجھ کو حکم ہوگا کہ اے محمدؐ اپنی امت میں سے جن لوگوں پر حساب نہیں ان کو جنت کے دروازوں میں سے داہنے دروازے سے اندر پہنچا دے اور باقی دروازوں میں تیری امت کے لوگ اور لوگوں کے شریک ہیں۔ پھر فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ فاصلہ دو کواڑوں کا جنت کے اتنا ہے جتنا درمیان

مکہ اور حمیر یا جتنا درمیان مکہ اور بصرہ کے ہے۔ اور ایک دوسری حدیث میں یہی مضمون جوں کا توں ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خطائیں بھی مذکور ہیں[۱] یعنی اول کواکب کے باب میں فرمایا کہ ھٰذا ربی یہ میرا پروردگار ہے دوسرے کفار کے معبودوں کو فرمایا بل فعلہ کبیرھم ھٰذا یہ کام ان میں اس بڑے بت نے کیا ہے۔ تیسرے آپ کا فرمانا کہ انی سقیم میں بیمار ہوں۔ غرض کہ یہ حال ہے شفاعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ اور آپ کی امت کے لوگ عالم اور نیک بخت بھی سفارش کریں گے یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے ایک شخص کی شفاعت سے جنت میں ربیعہ اور مضر کی قوم سے زیادہ لوگ داخل ہوں گے۔ اور ایک حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا[۲] کہ آدمی کو حکم ہوگا کہ اے شخص اٹھ اور سفارش کر وہ اٹھ کر اپنے خاندان اور گھر والوں اور ایک دو شخص کے لیے موافق اپنے عمل کے سفارش کرے گا اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[۳] کہ ایک شخص جنت میں کا قیامت کے روز دوزخ والوں میں جھانکے گا اس کو ایک دوزخی پکارے گا کہ اے فلاں تو مجھے پہچانتا ہے وہ کہے گا کہ میں تو نہیں پہچانتا تو بتا کون ہے وہ کہے گا کہ دنیا میں فلاں روز تو میرے پاس کو گذرا اور ایک گھونٹ پانی پینے کو مجھ سے مانگا میں نے تجھے پانی پلایا جنتی کہے گا کہ ہاں میں نے تجھ کو پہچانا وہ کہے گا کہ تو اسی گھونٹ کے عوض اپنے رب سے میرے باب میں سفارش کر وہ اللہ تعالےٰ سے اس کے حال کہنے کی اجازت لے کر کہے گا کہ الٰہی میں دوزخ والوں پر جھانکا تو ایک شخص نے دوزخیوں میں سے مجھے پکارا اور کہا کہ مجھے تو پہچانتا ہے میں نے کہا کہ نہیں، تو کون ہے اس نے کہا کہ میں وہ ہوں کہ تو نے مجھ سے دنیا میں پانی پینے کو مانگا تھا میں نے تجھے پانی پلا دیا تھا اس کے عوض میں تو میری سفارش اپنے پروردگار سے کر پس الٰہی تو اس کے باب میں سفارش قبول فرما اللہ تعالیٰ اس کی سفارش قبول فرماوے گا اور حکم صادر ہوگا تو دوزخ سے باہر نکل آوے گا اور حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[۵] کہ جب آدمی قبروں سے اٹھیں گے تو سب سے اول میں نکلوں گا اور جب وہ میرے پاس آویں گے تو میں ان کا خطیب یعنی ان کی طرف سے بولنے والا اور معذرت کرنے والا جناب الٰہی میں ہوں گا اور جب وہ ناامید ہوں گے تو میں ان کو بشارت دوں گا۔ حمد کا علم اس روز میرے ہاتھ میں ہوگا اور میں سب اولادِ آدم سے اپنے رب کے نزدیک گرامی تر ہوں گا اور کچھ فخر نہیں۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[۶] کہ میں اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونگا اور ایک لباس بہشت کے حلوں میں سے پہنوں گا۔ پھر عرش کے داہنے طرف کھڑا ہوں گا جس مقام پر کہ خلق میں سے میرے سوا کوئی کھڑا نہ ہوگا۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا[۷] کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب بیٹھے ہوئے

ح۱ اس کو مسلم نے نقل کیا ہے ۱۲ ح۲ ابو عمر بن سماک کی کتاب میں بروایت ابوامامہ یہ حدیث ہم کو پہنچی ہے باندک اختلاف اور مشائخ کہتے ہیں کہ وہ شخص عثمان بن عفان ہیں جن کی شفاعت کا ذکر حدیث میں ہے ۱۲ ح۳ ترمذی بروایت ابوسعید و بزار بروایت انسؓ ۱۲ ح۴ ابویعلیٰ و بیہقی در بعث و نشور ۱۲ ح۵ ترمذی اور کہا ہے کہ حسن اور غریب ہے ۱۲ ح۶ ترمذی بروایت ابوہریرہؓ اور کہا ہے کہ حسن غریب ہے ۱۲ ح۷ ترمذی اور کہا ہے کہ غریب ہے ۱۲

آپؐ کا انتظار کرتے تھے آپ باہر نکلے یہاں تک کہ جب ان سے قریب پہنچے تو سُنا کہ وہ باتیں کر رہے ہیں۔ آپؐ نے ان کی باتیں سُنیں کسی نے کہا کہ تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خلیل بنایا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا، دوسرے نے کہا کہ یہ امر کچھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کلام سے عجب تر نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے کلام فرمایا۔ ایک اور شخص نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھو کہ وہ کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں۔ اور شخص بولا کہ آدم علیہ السلام کو خدائے تعالیٰ نے برگزیدہ فرمایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سامنے ہوئے اور سلام کیا اور فرمایا کہ میں نے تمہاری گفتگو سُنی اور تمہارا تعجب کہ ابراہیم علیہ السلام اللہ کے خلیل ہیں اور وہ ایسے ہی ہیں اور آدم علیہ السلام کو خدائے تعالیٰ نے برگزیدہ کیا اور وہ ایسے ہیں۔ اب سن لو کہ میں اللہ کا حبیب ہوں اور کچھ فخر نہیں۔ اور میں اُٹھانے والا لوائے حمد کا قیامت کے دن ہوں اور کچھ فخر نہیں۔ اور میں سب سے پہلے سفارش کرنے والا ہوں اور سفارش میری سب سے اول قبول ہونے والی ہے اور کچھ فخر نہیں اور میں لوگوں میں سب سے پہلے جنت کے دروازوں کے کڑے ہلاؤں گا اور میرے لیے دروازہ خدا تعالیٰ کھول دے گا اور میں اندر جاؤں گا اور فقرائے مومنین میرے ساتھ ہوں گے اور کچھ فخر نہیں اور میں سب اگلوں اور پچھلوں سے بزرگ تر ہوں اور کچھ فخر نہیں۔

حوض کوثر

واضح ہو کہ حوض ایک بڑی عطا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص فرمایا ہے اور اخبار اس کے وصف کے مشتمل ہیں۔ ہم اللہ سے توقع رکھتے ہیں کہ دنیا میں وہ ہم کو اس کا علم اور آخرت میں اس کا ذائقہ نصیب فرما دے اس لیے کہ اس کی تاثیر یہ ہے کہ جو کوئی اس میں سے پیوے تو پھر کبھی پیاسا نہ ہو، حضرت انس رضؓ فرماتے ہیں[ح] کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہلکی نیند سوئے پھر جو سر اُٹھایا تو تبسم کرتے تھے لوگوں نے عرض کیا یا رسولَ اللہ آپ کیوں ہنسے آپ نے فرمایا کہ ایک آیت مجھ پر اسی وقت اتری ہے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم[ت] انا اعطینٰک الکوثر یہاں تک کہ تمام کیا سورۃ کو پھر فرمایا کہ تم جانتے ہو کوثر کیا چیز ہے لوگوں نے عرض کیا کہ اللہ اور رسول اس کا زیادہ جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ ایک نہر ہے جس کا وعدہ مجھ سے میرے پروردگار نے جنت میں کیا ہے اس پر برکت بہت ہے اس پر ایک حوض ہے کہ جس پر میری امت قیامت کے دن آوے گی اس کے برتن اتنے ہیں جتنے آسمان کے ستارے۔ اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[ح۲] اس حال میں کہ میں جنت میں سیر کرتا تھا یکایک میں ایک نہر پر پہنچا کہ جس کے دو طرف قبے موتیوں کے بیچ میں سے خالی تھے میں نے پوچھا کہ جبریلؑ یہ کیا ہے انہوں نے کہا یہ کوثر ہے جو آپ کے رب نے آپ کو مرحمت کی ہے۔ پھر فرشتے نے اس پر ہاتھ مارا تو دیکھا کہ اس کی مٹی مشک اذفر

ح مسلم نے نقل کی ہے ۱۲ ت ۲ شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے، ہم نے دی تجھ کو کوثر ۱۲

ح ۲ ترمذی اور بخاری نے اس کو قول انسؓ کا بیان کیا ہے مگر واقع میں مرفوع ہے ۱۲

ہے اور وہی راوی فرماتے ہیں[۲] کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ میرے حوض کے دونوں طرف کی پتھریلی زمین میں اتنا فاصلہ ہے جتنا مدینہ منورہ اور صنعائے یمن میں ہے یا جتنا مدینہ مکرمہ اور عمان شام کے شہر میں ہے۔ اور حضرت ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ جب سورۂ انا اعطینا اتری تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوثر ایک نہر ہے جنت میں جس کے کنارے سونے کے ہیں اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا اور مشک سے بڑھ کر خوشبودار ہے۔ موتی اور مونگے کی پتھریلوں پر بہتا ہے اور ثوبان مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرماتے ہیں[۳] کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری حوض عدن سے لے کر عمان بلقائے شام کے شہر تک ہے اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا اور اس کے کوزے آسمان کے ستاروں کی گنتی کے برابر ہیں۔ جو شخص اس میں سے ایک گھونٹ پیوے گا کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ لوگوں میں سے اس پر سب سے پہلے فقرائے مہاجرین آویں گے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ وہ کون لوگ ہیں آپ نے فرمایا کہ جن کے سر کے بال الجھے ہوئے اور کپڑے میلے ہیں اور جو چین کرنے والیوں سے نکاح کرتے نہیں اور ان کے لیے ڈیوڑھیوں کے دروازے نہیں کھولے جاتے۔ اس حدیث کو سن کر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ میں نے تو فاطمہ بنت عبدالملک دولت والی ناز پروردہ سے نکاح کیا ہے اور میرے دروازے ڈیوڑھیوں کے بھی مفتوح ہیں مگر یہ کہ خدائے تعالیٰ مجھ پر رحم کرے۔ ضرور ہوا کہ میں سر میں تیل نہ ڈالوں گا تاکہ بال الجھ جاویں اور نہ کپڑے دھلاؤں گا تاکہ میلے رہیں۔ اور حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ حوض کے برتن کیسے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے کہ اس کے برتن آسمان کے ستاروں کے شمار سے زیادہ ہیں جبکہ رات اندھیری اور آسمان گرد و غبار سے صاف ہو جو کوئی اس میں سے پیوے گا آخر تک پیاسا نہ ہوگا اور اس میں دو پرنالے جنت میں سے گرتے ہیں اور اس کا عرض طول کے برابر ہے اور وہ اتنا ہے جتنا فاصلہ عمان اور ایلہ کے درمیان ہے اور اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہے اور حضرت سمرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر ایک نبی کے واسطے ایک حوض ہے اور انبیاء آپس میں فخر کریں گے کہ کس کے حوض پر زیادہ آدمی آتے ہیں اور میں توقع کرتا ہوں کہ ان سب سے زیادہ میری حوض پر لوگ وارد ہوں گے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ توقع ہے اس لیے ہر ایک بندے کو چاہیئے کہ توقع کرے کہ حوض پر آنے والوں میں سے ہو اور اس بات سے احتراز کرے کہ برائے مغالطہ تمنا کرے اور جانے کہ میں توقع کرتا ہوں، اس لیے کہ توقع خرمن کی اس شخص کو ہوتی ہے جو زمین میں بیج ڈالے اور اس کو صاف کرے اور پانی دے پھر بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کے فضل سے توقع کرے کہ وہ اگاوے گا اور کاٹنے کے وقت تک آفات سے

ح۲ مسلم نے روایت کی ہے ۱۲ ح۳ ترمذی نے کچھ اختلاف کے ساتھ اور دارمی نے اسی کے قریب روایت کیا ہے ۱۲ ح۴ ترمذی و ابن ماجہ ۱۲ ح۵ مسلم نے روایت کی ہے ۱۲ ح۶ ترمذی نے کہا کہ غریب ہے ۱۲

محفوظ رکھے گا، مگر جو شخص نہ زمین جوتے نہ بووے نہ اس کو صاف کرے نہ پانی سینچے اور امید رکھے کہ خدائے تعالے اپنے فضل سے دانہ جمادے گا اور میوہ لگادے گا تو یہ شخص توقع والا نہیں بلکہ مغالطہ والا اور چاؤ کرنے والا ہے۔ اور اب اکثر لوگوں کی توقع کا یہی حال ہے وہ احمقوں کے سے مغالطہ میں پڑے ہیں۔ ہم پناہ مانگتے ہیں خدائے تعالیٰ سے اس غفلت اور مغالطہ سے اس لیے کہ خدائے تعالیٰ پر مغالطہ ہوجانا دنیا کے باب میں مغالطہ کھانے کی نسبت کہ بہت زیادہ ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ[1]

دوزخ اور اس کے احوال

اے لوگو! تم جو دنیائے فانی قریب الزوال کے دھندوں پر مغالطہ کھا کر اپنے نفس سے غافل ہو تو ایسی چیز میں فکر کرنا چھوڑو جس میں سے کوچ کر جاؤ گے اور اس چیز میں فکر کرو کہ جس میں وارد ہوگے یعنی تم کو اطلاع مل چکی کہ آتش جہنم سب کے اترنے کی جگہ ہے چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا[2] اس آیت سے اترنا تو یقیناً ثابت ہے اور نجات میں شک ہے پس اب اپنے دل میں اس اترنے کی جگہ کا ہول سوچو کہ شاید اس سے بچنے کے لیے مستعد ہوجاؤ اور لوگوں کے حال میں تامل کرو کہ قیامت کے مصائب سے ان پر گذر ہوگا وہ تو گذر ہی چکا ہوگا ابھی اس کی سختی اور اہوال میں گرفتار ہوئے منتظر ہوں گے کہ اس کی حقیقت حال اور سفارش کرنے والے کی سفارش کی منظوری معلوم ہو کہ اتنے میں مجرموں کو اندھیریاں شاخ در شاخ آگھیریں گی اور اُن پر آتش شعلہ انگیز چھاجاوے گی آواز اور جھنجھناہٹ ان کے کان میں پڑے گی اور شدت غضب پر دال ہوگی اس وقت میں مجرموں کو اپنی ہلاکی کا یقین ہوجاوے گا اور سب لوگ گھٹنے کے بل گر جاویں گے اور جو لوگ بری بھی ہوں گے ان کو اپنے بُرے انجام سے خوف لگے گا اور دوزخ کے فرشتوں میں سے ایک پکارنے والا یوں کہتا ہوا نکلے گا کہ کہاں ہے فلاں بیٹا فلاں کا جس کا نفس دنیا میں طویل امل کے باعث لیت ولعل کیا کرتا تھا اور بُرے کام میں اپنی عمر تلف کیا کرتا تھا پس اس پر لوہے کے گرزلے کر جھپٹیں گے اور بڑی بڑی دھمکیاں دیں گے اور سخت عذاب میں کھینچیں گے اور اوندھے منہ دوزخ کے قعر میں ڈال دیں گے اور کہیں گے کہ لے مزا چکھ تو تو عزت والا اور بزرگی والا ہے اس گھر میں رہ جس کے کنارے تنگ اور راہ تاریک اور مبہم اور مہلک ہیں، اسیر اس میں ہمیشہ رہتا ہے اور یہ ہمیشہ آتش خانہ بنا رہتا ہے اس کے قیدیوں کے پینے کی چیز کھولتا پانی ہے اور ان کا ٹھکانا دوزخ۔ آگ کے فرشتے ان کو جا بجا گرز مارتے ہیں اور آگ ان کو جا بجا سمیٹتی ہے۔ ان کی تمنا اس میں مرجانے کی ہے مگر اس سے رستگاری کہاں ان کے پاؤں ماتھے کے بالوں سے بندھے ہوں گے اور گناہوں کی تاریکی سے منہ سیاہ ہوں گے ہر طرف ہر گوشے میں پکاریں گے اور چلاویں گے۔ اے مالک ہم سے جو وعدہ عذاب تھا سو پورا ہوچکا ہم پر بیڑیاں بھاری پڑگئیں ہمارے

---

[1] سو تم کو نہ بہکاوے دنیا کا جینا اور نہ دھوکا دے تم کو اللہ کے نام سے وہ دغاباز ۱۲ [2] اور کوئی نہیں تم میں جو نہ پہنچے گا اس پر ہوچکا مقرر تیرے رب پر مقرر پھر بچاویں گے ہم ان کو جو ڈرتے رہے اور چھوڑ دیں گے گنہگاروں کو اسی میں اوندھے گرے ۱۲

چمڑے جل گئے یہاں سے نکال دے کہ اب ایسا نہ کریں گے۔ دوزخ کا داروغہ جواب دے گا بس اب امن کے دن دور ہو گئے تم کو اس ذلت کے گھر سے نکلنا نصیب نہ ہو گا اس میں پھٹکارے پڑے رہو مجھ سے گفتگو نہ کرو اگر تم بالفرض نکال بھی دیئے جاؤ گے تو تم اپنے کردار سے باز نہ آؤ گے جس چیز سے تم کو روکا گیا ہے وہی عمل میں لاؤ گے۔ اس کے سننے سے نا امید ہوں گے اور خدائے تعالیٰ کے مقابل میں جو باتیں کی ہوں گی ان پر افسوس کریں گے مگر اب کیا ہوتا ہے اب تو نہ عذر سے کام چلے نہ پشیمانی بچاوے نہ حسرت سود مند ہو بلکہ منہ کے بل گلوں میں طوق پڑے ہوئے دوزخ میں قید ہوں گے کہ آگ ہی اوپر آگ ہی نیچے آگ ہی داہنے آگ ہی بائیں ہو گی۔ غرضکہ آگ میں ڈوبے رہیں گے کہ کھانا ہو گا تو آگ اور پینا ہو گا تو آگ اور کپڑا ہو گا تو آگ کا اور بچھونا ہو گا تو آگ کا یعنی وہ لوگ آگ کے کپڑے اور گندھک کے کرتے پہنے گرز کھاتے ہوں گے اور بھاری بیڑیاں پڑی ہوں گی اور دوزخ کی تنگ راہوں میں آوازہ کرتے اور اس کے طبقات میں شکستہ پھرتے ہوں گے اور اطراف و جوانب میں اضطراب کرتے ہوں گے۔ آگ ان کو ہانڈی کے ابال کی طرح ابالے گی اور وہ خرابی اور تباہی اور فریاد اور واویلا کا غل کرتے ہوں گے۔ جب ہی ہلاک کا لفظ منہ سے نکالیں گے تو ان کے سر کے اوپر سے کھولتا پانی ڈالا جاوے گا جس سے ان کی آنتیں اور چمڑے پگھل جاویں گے اور اوپر سے گرزوں کی مار ہو گی جس سے ان کے ماتھے چور ہو کر منہ سے پیپ نکلے گی اور پیاس کے مارے جگر ٹکڑے ہونگے آنکھوں کے ڈھیلے رخساروں پر بہ نکلیں گے۔ رخساروں کے اوپر سے گوشت اور ہاتھ پاؤں پر سے گوشت اور پوست اور بال سب جھڑ پڑیں گے اور جب چمڑے پک جاویں گے تو اور چمڑے بدل دیئے جاویں گے اور گوشت سے ہڈیاں خالی ہوں گی اور جان صرف رگوں اور پٹھوں میں لگی رہ جاوے گی اور ان آگ کی لپیٹوں میں شور کر رہی ہو گی اور وہ لوگ اس حال میں موت کی تمنا کرینگے مگر نہ مریں گے۔ پس جب تم ان لوگوں کا حال دیکھو کہ منہ تو کوئلے سے بھی زیادہ سیاہ ہو رہے ہیں اور آنکھوں سے اندھے اور زبانوں سے گونگے ہڈیاں اور پٹھے ٹوٹی ہوئیں۔ ناک کان کٹے ہوئے، چمڑے پھٹے ہوئے ہاتھوں کے طوق گردنوں میں پڑے ہوئے اور پیشانی کے بالوں سے پاؤں بندھے ہوئے ہیں اور آگ پر اپنے چہروں سے چلتے ہیں اور لوہے کے گوکھرو اپنی آنکھ کے ڈھیلوں سے کچلتے ہیں تو تمہارا کیا حال ہو گا۔ تم کو نظر آوے کہ آگ کا شعلہ ان کے اجزاء میں دوڑ رہا ہے اور ظاہر کے اجزاء پر سانپ بچھو لپٹے ہیں۔ یہ تو حالات مجمل ہوں گے۔ اب ان کی تفصیل کو دیکھو یعنی اوّل دوزخ کے جنگلوں اور اس کی گھاٹیوں میں فکر کرو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[1] کہ جہنم میں ستر ہزار جنگل ہیں اور ہر جنگل میں ستر ہزار شعبے اور شعبے میں ستر ہزار سانپ اور ستر ہزار بچھو ہیں۔ کافر اور منافق جب تک ان سب سے نہیں ملتا تب تک اپنے انجام کو نہیں پہنچتا۔ اور حضرت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[2] کہ وادی حزن یا جاہ حزن سے پناہ مانگو لوگوں نے عرض کیا کہ وہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جہنم کا ایک جنگل ہے جس سے جہنم ہر روز ستر بار پناہ مانگتی ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے ریا والے قاریوں کے لیے بنایا ہے۔ یہ حال تو جہنم کی وسعت اور اس

ح[1] یہ حدیث بہیئت مجموعی مجھے نہیں ملی ۱۲ ح[2] ترمذی و ابن ماجہ بروایت ابو ہریرہؓ اور ترمذی نے کہا کہ غریب ہے ۱۲

کے جنگلوں کے شاخ در شاخ ہونے کا ہے اور اس کے جنگلوں کی شمار اتنی ہی ہے جتنے دنیا کے جنگل اور اس کی خواہشیں ہیں اور جہنم کے دروازوں کی شمار موافق تعداد سات اعضاء کے ہے جن سے آدمی گناہ کرتا ہے اور ایک دوسرے کے اوپر ہیں، سب سے اوپر والا جہنم ہے پھر سقر پھر لظی پھر حطمہ پھر سعیر پھر جحیم اور سب سے نیچے ہاویہ ہے پھر اب ہاویہ کے عمق کو تامل کرو کہ اس کے عمق کی کچھ حد نہیں جیسے کہ دنیا کے شہوات کی کچھ حد نہیں یعنی جس طرح دنیا کی ایک حاجت پوری نہیں ہوتی کہ دوسری اس سے بڑی پیش آجاتی ہے اسی طرح دوزخ کا ایک گڑھا تمام نہیں ہوتا کہ دوسرا اس سے گہرا آتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ دفعتاً ایک دھماکہ سُنا فرمایا کہ تم جانتے ہو یہ کیا ہے ہم نے کہا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسولؐ زیادہ جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ ایک پتھر ہے کہ جہنم میں ستر برس ہوئے جب چھوڑا گیا اس وقت اس کی تہ پر پہنچا۔ پھر دوزخ کے طبقوں کے فرق کو تامل کرو کہ آخرت کے معاملات میں بڑے بڑے درجے اور بُرائیاں ہیں پس جس طرح لوگوں کا دنیا پر گرنا مختلف ہے یعنی بعضے تو خوب اس میں ڈوبے ہوئے کی طرح مصروف رہتے ہیں اور بعضے ایک حد معین تک اس میں گھستے ہیں اسی طرح آگ کا لگنا بھی ان پر متفاوت ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ ذرہ بھر بھی ظلم نہ کرے گا تو اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص دوزخ میں جاوے گا یہ ضرور نہیں کہ اس پر ہر قسم کا عذاب پے در پے ہو، وہ دوزخ میں کسی طرح سے جاوے بلکہ ہر شخص پر عذاب ایک حد خاص پر ہوگا جو اس کی نافرمانی کے موافق ہو اس پر بھی جس کو کم سے کم عذاب ہوگا اس کا یہ حال ہوگا اگر بالفرض اس کے پاس تمام دنیا ہو تو وہ اپنی تکلیف کی شدت کے عوض میں دے ڈالے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[۲] کہ قیامت کے روز آدمی پر کمتر عذاب دوزخ کا یہ ہوگا کہ اس کو دو جوتیاں آگ کی پہنائی جاویں گی جس سے اس کا مغز اُبلنے لگے گا، تو دیکھو جس پر ہلکا عذاب ہوگا اس کی تو یہ کیفیت ہے جس پر سخت ہوگا اس کی کیا صورت ہوگی۔ اور اگر تم کو عذاب آتش میں کچھ شک ہو تو اپنی انگلی ذرا آگ کے پاس لے جاؤ اور اس سے قیاس اس آگ کا کر لو۔ پھر یہ یاد رہے کہ یہ تمہارا قیاس درست نہ ہوگا اس واسطے کہ دوزخ کی آگ دنیا کی آگ کے مشابہ نہیں مگر چونکہ دنیا میں کوئی عذاب سخت اور تیز آگ کی نسبت کہ نہیں، تو عذاب جہنم کو بتلانے کے لیے دنیا کی آگ سے تشبیہ دی، ورنہ اگر دوزخیوں کو بجائے آتش دوزخ کے دنیا کی آگ دی جاوے تو بیشک دوڑ کر اپنی خوشی سے اس میں کود پڑیں اس لیے کہ دوزخ کی تکلیف بہت زیادہ ہے اور دنیا کی آگ اس کی نسبت کہ گویا راحت ہے اور اسی لیے بعض احادیث میں آیا ہے[۳] کہ دنیا کی آگ آب رحمت سے ستر بار دھوئی گئی یہاں تک کہ دنیا کے لوگوں کے کام کی ہوئی۔ بلکہ ایک جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہنم کی آگ کی تصریح بھی کر دی کہ اللہ کے حکم سے وہ آگ ہزار برس جھونکی گئی یہاں تک کہ سیاہ ہو گئی اب وہ سیاہ اندھیری ہے اور ایک حدیث میں آیا ہے[۴] کہ دوزخ نے اپنے پروردگار سے شکایت کی اور عرض کیا کہ الٰہی میرے حصے نے بعض کو کھا لیا۔ اس کو اجازت ملی کہ دو سانس لے لیا کر ایک جاڑے میں ایک گرمی میں، پس موسم گرما میں جو

ح[۱] مسلم نے نقل کیا ہے ۱۲ ح[۲] بخاری و مسلم بروایت نعمان بن بشیر ۱۲ ح[۳] ابن عبد البر نے بروایت ابن عباس سات روز دریا کے پانی سے بجھایا جانا نقل کیا ۱۲
ح[۴] بخاری و مسلم بروایت ابوہریرہؓ ۱۲

تم کو سخت گرمی معلوم ہوتی ہے یہ اسی کی سانس کی حرارت ہے اور جاڑے میں جو شدت کا جاڑا معلوم ہوتا ہے تو اسی کی سانس کی تاثیر ہے۔ اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن کافروں میں سے سب سے زیادہ ناز پرورده دولت والے شخص کو لاویں گے اور اس کو حکم ہوگا کہ اس کو آگ میں غوطہ دے دو۔ غوطے کے بعد اس سے پوچھا جاوے گا کہ بھلا کبھی تو نے آرام دنیا میں پایا تھا وہ کہے گا نہیں۔ اور مسلمانوں میں سے جس کو دنیا میں سب سے زیادہ تکلیف ہوگی اس کو لاویں گے اور حکم ہوگا کہ اس کو جنت میں غوطہ دیدو پھر اس سے پوچھا جاوے گا کہ کبھی تو نے تکلیف اٹھائی وہ کہے گا کہ نہیں۔ اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اگر مسجد میں لاکھ آدمی یا زیادہ ہوں پھر ایک آدمی دوزخیوں میں سے سانس لے تو یہ سب مر جاویں اور بعض علماء نے اس آیت کی تفسیر میں[ت۱] تلفح وجوھھم النار[ط] کہا ہے کہ آگ ان کو ایک لپٹ دے گی جس سے کسی ہڈی پر گوشت نہ چھوڑے گی بلکہ ایڑی پر گرا دے گی پھر اس پیپ کی ہڈیوں میں بدبو میں نامل کرو جو دوزخیوں کے بدن میں سے بہے گی یہاں تک کہ اس میں ڈوب جاویں گے اور اس کا نام غساق ہے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے[ح۲] فرمایا کہ اگر ایک ڈول جہنم کے غساق کا دنیا میں ڈال دیا جاوے تو تمام باشندے بدبو کر جاویں اور یہی ان کو پینے کو ملے گا، جب پیاس سے فریاد کریں گے چنانچہ قرآن مجید میں ہے[ت۳] یسقیٰ من ماء صدید یتجرعه ولا یکاد یسیغه ویاتیه الموت من کل مکان وما هو بمیت اور دوسری جگہ[ت۴] وان یستغیثوا یغاثوا بماء کالمھل یشوی الوجوه بئس الشراب وساءت مرتفقا پھر ان کے کھانے کو دیکھو کہ سینہڑ ہوگا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[ت۵] ثم انکم ایھا الضالون المکذبون لاٰکلون من شجر من زقوم فمالئون منھا البطون فشاربون علیه من الحمیم فشاربون شرب الھیم اور فرمایا[ت۶] انھا شجرة تخرج فی اصل الجحیم طلعھا کانه رءوس الشیاطین فانھم لاٰکلون منھا فمالئون منھا البطون ثم ان لھم علیھا لشوبا من حمیم ثم ان مرجعھم لالی الجحیم اور فرمایا[ت۷] تصلیٰ نارا حامیة تسقیٰ من عین اٰنیة اور فرمایا[ت۸] ان لدینا انکالا وجحیما وطعاما ذا غصة وعذابا الیما اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ[ح۹] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ایک قطرہ زقوم کا دنیا کے سمندروں میں گر پڑے

ت۱ مارتی ہے ان کے منہ پر آگ ۱۲ ح۲ ترمذی اور اس حدیث میں رشید ابن سعد ضعیف ہے ۱۲ ت۳ اور پلاویں گے اس کو پانی پیپ کا گھونٹ گھونٹ کر پیتا ہے اس کو اور گلے سے نہیں اتار سکتا اور چلی آتی ہے اس پر موت ہر جگہ سے اور وہ نہیں مرتا ۱۲ ت۴ اور اگر فریاد کریں گے تو ملے گا پانی جیسا پیپ بھون ڈالے گا منہ کو کیا برا پینا ہے اور کیا برا آرام ۱۲ ت۵ پھر تم جو ہو رہے بہکے جھٹلانے والو البتہ کھاؤ گے ایک درخت سینہڑ کے پتے پھر بھرو گے اس سے پیٹ پھر پیو گے اس پر ایک جلتا پانی پھر پیو گے جیسے پیویں اونٹ تونسے ۱۲ ت۶ وہ ایک درخت ہے کہ نکلتا ہے دوزخ کی جڑ میں اس کا سر جیسے سر شیطانوں کے سو وہ کھاویں گے اس میں سے پھر بھریں گے اس سے پیٹ پھر ان کو اس سے اوپر ملونی جلتے پانی کی پھر ان کو لے جانا آگ کے ڈھیر میں ۱۲ ت۷ پیٹھیں گے دہکتی آگ میں پانی ملے گا ایک چشمے کھولتے کا ۱۲ ت۸ البتہ ہمارے پاس بیڑیاں ہیں اور آگ کا ڈھیر اور کھانا گلے میں اٹکتا اور دکھ کی مار ۱۲ ح۹ ترمذی و ابن ماجہ ۱۲

تو دنیا کے لوگوں پر ان کی زندگی خراب ہو جاوے پس کیا حال ہو گا جن کی یہ غذا ہو گی۔ اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[ح۱] کہ جس چیز کی رغبت خدا تعالیٰ نے دلائی ہے اس میں تو رغبت کرو اور جس چیز سے خوف دلایا اور ڈرایا ہے اس سے ڈرو یعنی اس کے عذاب اور سزا سے خوف کرو اور جہنم سے ڈرو کہ اگر ایک قطرہ جنت کا تمہاری دنیا میں جس میں کہ تم موجود ہو تمہارے پاس ہو تو دنیا کو تمہارے لیے اچھا کر دے اور اگر دوزخ کا قطرہ تمہارے ساتھ اس دنیا میں کہ تم موجود ہو تمہارے اوپر اس کو میلا اور بُرا کر دے اور حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخ والوں پر بھوک[ت۲] ڈال دی جاوے گی تاکہ ان پر عذاب کی تکلیف[عہ۱] ٹھیک ٹھیک ہو۔ پس کھانے کے لیے فریاد کریں گے تو غذا کانٹوں کی دی جاوے گی جو نہ موٹا کرے نہ بھوک دُور کرے اور پختہ کھانے کے لیے جو فریاد کریں گے تو کھولتا پانی لوہے کے آنکڑوں سے اُٹھا کر ان کے قریب کیا جاوے گا جبھی ان کے منہ کے پاس کیا جاوے گا تو منہ بھُن جاویں گے اور جب وہ پانی پیٹ میں جاوے گا تو پیٹ کے اندر کے اعضاء کے ٹکڑے کر دے گا۔ پھر کہیں گے کہ جہنم کے داروغوں کو بلاؤ، ان کو بلا کر کہیں گے کہ اپنے رب سے دعا مانگو کہ ہم کو کسی روز عذاب میں تخفیف کر دے۔ وہ کہیں گے کہ تمہارے پاس پیغمبر معجزے نہیں لائے تھے وہ کہیں گے کہ لائے تو تھے۔ داروغہ کہیں گے تو پکارو کافروں کا پکار کرنا محض گمراہی کا ہے۔ پھر وہ لوگ مالک کو پکار کر کہیں گے کہ تیرا رب ہم پر جو کچھ حکم کرنا ہو کر چکے، مالک جواب دے گا کہ تم دوزخ ہی میں رہو گے۔ اعمش کہتے ہیں کہ مالک سے کہنے اور اس کے جواب دینے میں میں نے یہ سُنا ہے کہ ہزار برس کا فاصلہ ہو گا پھر کہیں گے کہ اپنے رب کو پکارو اس سے بہتر اور کوئی نہیں۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ سے التجا کریں گے کہ الٰہی ہم پر بدبختی غالب ہوئی اور ہم گمراہ تھے۔ الٰہی ہم کو اس بلا سے نکال اگر پھر ہم ایسا کریں تو ہم ظالم ہوں گے۔ جناب الٰہی سے ان کو جواب ملے گا کہ اخسئوا فیھا ولا تکلمون یعنی دوزخ ہی میں پھٹکارے پڑے رہو اور مجھ سے نہ بولو۔ جواب سن کر ہر ایک خیر سے ناامید ہوں گے اور چیخنا چلّانا اور حسرت اور ہلاکی کے الفاظ بولنے شروع کریں گے۔ اور حضرت ابوامامہؓ فرماتے ہیں[ح۳] کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں ویسقیٰ من ماءٍ صدید یتجرعہ ولا یکاد یسیغہ[ط] فرمایا کہ پانی اس کے پاس کیا جاوے گا تو اس سے ناک چڑھاوے گا مگر جب اس کے منہ لگایا جائے گا تو منہ کو جھلس دے گا اور سر کی کھال گر پڑے گی اور جب پیوے گا تو آنتیں کٹ کر پاخانے کے مقام سے نکل پڑیں گی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[ت۳] وَسقوا ماءً حمیمًا فقطع امعاءھم اور فرمایا وان یستغیثوا یغاثوا بماءٍ کالمھل یشوی الوجوہ[ط] پس بھوک اور پیاس کے وقت یہ غذا اور پانی ہو گا۔ اب دیکھو کہ جہنم کے سانپ اور بچھو بڑے قد کے نہایت زہریلے

ح۱ اس کی سند مجھے نہیں ملی ۱۲ ح۲ ترمذی بروایت شمر بن عطیہ عن شہر بن حوشب عن ام الدرداء عن ابی الدرداءؓ ۱۲ عہ۱ اصل میں ہے لیعدل ماھم فیہ من العذاب ۱۲ الخ یعنی تاکہ بھوک کی تکلیف آگ سے جلنے کے برابر ہو جاوے ۱۲ محمد مرتضیٰ عفی عنہ ح۳ ترمذی نے کہا ہے غریب ہے ۱۲ ت۲ اور پلایا جاتا ہے ان کو کھولتا پانی تو کاٹ نکلا ہے ان کی آنتیں ۱۲ ت۳ اور اگر فریاد کریں گے تو ملے گا پانی جیسا پیپ بھون ڈالے گا منہ کو ۱۲

بُری صورت کے دوزخیوں پر معین ہوں گے اور ان پر برانگیختہ کیے جاویں گے تو ایک دم بھر کے لیے بھی نوچنے
اور کاٹنے سے مہلت نہ دیں گے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں ح۱ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو
خدائے تعالیٰ نے مال دیا اور اس نے اس کی زکوٰۃ نہ دی تو اس کا مال قیامت کے روز گنجے سانپ کی صورت بنا دیا
جاوے گا جس کی آنکھوں پر دو نقطے سیاہ ہوں گے اور اس شخص کے گلے میں پڑ کر اس کی دونوں باچھیں پکڑ کر کہے گا کہ میں
تیرا مال ہوں میں تیرا خزانہ ہوں پھر یہ آیت پڑھی ت۲ ولا تحسبن الذین یبخلون بما آتاھم اللہ من فضلہ ح۳
ھو خیرا لھم بل ھو شر لھم سیطوقون ما بخلوا بہ یوم القیامۃ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
دوزخ میں سانپ بختی اونٹوں کی گردنوں جیسے ہوں گے وہ اگر ایک دفعہ کاٹیں گے تو اس کی زہر چالیس برس تک معلوم
ہو گی اور اس میں بچھو اتنے بڑے ہوں گے جیسے پالان کھنچے خچر ان کے نیش کی لہر چالیس برس تک رہے گی اور یہ سانپ
اور بچھو اس شخص پر مسلط کیے جاویں گے جس پر دنیا میں بخل اور بد خلقی اور لوگوں کی ایذا مسلط ہے اور جو ان باتوں سے
دنیا میں محفوظ ہے وہ ان سانپوں سے محفوظ رہے گا اس کے لیے سانپ مجسم نہ کیے جاویں گے پھر ان سب کے بعد
دوزخیوں کے جسم کی بڑائی میں فکر کرو کہ اللہ تعالیٰ ان کا جسم طول اور عرض دونوں میں بڑھا دے گا تاکہ اس کے باعث ان کو
زیادہ عذاب اور آگ کی لپیٹ اور سانپ بچھوؤں کا کاٹنا بہت جگہ ہو سکے اور سب کی تکلیف ایکبارگی برابر ہوتی
رہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ح۴ روایت کرتے ہیں کہ کافر کی داڑھ دوزخ میں مثل اُحد پہاڑ
کے ہو گی اور اس کے چمڑے کی موٹائی تین دن کے فاصلے کے برابر ہو گی اور ایک حدیث ح۵ میں ہے کہ کافر کا نیچے کا ہونٹ
سینے پر آپڑے گا اور اوپر کا اتنا اونچا ہو گا کہ اس کے چہرے کو ڈھانپ لے گا اور ایک حدیث ح۶ میں ہے کہ قیامت
کے روز اپنی زبان کافر دوزخ کے بندی خانہ میں گھسیٹیں گے اور لوگ اس کو اپنے پاؤں تلے ملیں گے اور باوجود جسم
کے بڑا ہونے کے آگ ان کو بار بار پھونکتی رہے گی نئے نئے گوشت پوست ان پر آتے رہیں گے۔ حضرت حسنؒ اس
آیت کی تفسیر میں کلما نضجت جلودھم بدلناھم جلودا غیرھا ت۷ فرماتے ہیں کہ آگ دوزخیوں کو ایک دن میں
ستر ہزار بار کھا لیا کرے گی جب کھالے گی جب ہی کہہ دیا جاوے گا کہ پھر ویسے ہی ہو جاوہ فوراً جوں کے توں ہو جاویں گے
پھر اب دوزخیوں کے رونے میں فکر کرو اور ان کی چنگھاڑ اور تباہی اور خرابی پکارنے کو خیال کر کہ یہ باتیں ان میں آگ میں
ڈالتے وقت مسلط کی جاویں گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ح۸ کہ جہنم کو اس روز اس طرح لاویں گے کہ اس کی ستر ہزار

ح۱ بخاری بروایت ابو ہریرہؓ و مسلم بروایت جابر رضی اللہ عنہ ۱۲ ت۲ اور نہ سمجھیں جو لوگ بخل کرتے ہیں ایک چیز پر کہ اللہ نے ان کو دی ہے اپنے فضل سے کہ یہ
بہتر ہے ان کے حق میں بلکہ یہ برا ہے ان کے واسطے آگے طوق پڑے گا ان کے جس پر بخل کیا دن قیامت کے ۱۲
ح۳ احمد بروایت ابن لہیعہ عن دراج عن عبد اللہ بن الحارث ۱۲ ح۴ مسلم نے روایت کی ہے ۱۲ ح۵ ترمذی بروایت ابو سعید ۱۲ ح۶ ترمذی
بروایت ابو المخارق عن ابن عمر اور ابو مخارق مجہول ہے ۱۲ ت۷ جس وقت پک جاوے گی کھال ان کی بدل کر دیویں گے ان کو اور کھال ۱۲
ح۸ مسلم بروایت ابن مسعودؓ ۱۲

باگیں ہوں گی اور ہر باگ پر ستر ہزار فرشتے لگے ہوں گے اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخیوں پر رونا بھیجا جاوے گا تو اتنا روویں گے کہ آنسو نہ رہیں گے پھر خون روویں گے یہاں تک کہ چہروں میں دراڑیں سو جھنے لگیں گی ایسی کہ اگر ان میں کشتیاں چھوڑ دی جاویں تو بہنے لگیں اور جب[1] کہ ان کو رونے اور چیخنے اور واویلا اور تباہی پکارنے کی اجازت رہے گی تب تک ان کو کچھ راحت ملتی رہے پھر ان باتوں سے روک دیئے جاویں گے اور محمد بن کعب فرماتے ہیں کہ دوزخ والے پانچ بار دعا مانگیں گے چار کا تو خدائے تعالیٰ ان کو جواب دے گا. جب پانچویں بار ہو گی تو پھر کبھی بولنا نصیب نہ ہو گا اول بار یہ کہیں گے ربنا امتنا اثنتین و احییتنا اثنتین فاعترفنا بذنوبنا فھل الی خروج من سبیل[2] اللہ تعالیٰ ان کو یوں ارشاد فرماوے گا ذلکم بانہ اذا دعی اللہ وحدہ کفرتم وان یشرک بہ تؤمنوا فالحکم للہ العلی الکبیر[3] دوسری بار یہ عرض کریں گے ربنا ابصرنا وسمعنا فارجعنا نعمل صالحا[4] اللہ جل شانہ جواب دے گا لم تکونوا اقسمتم من قبل مالکم من زوال[5] تیسری بار کہیں گے ربنا اخرجنا نعمل صالحا غیر الذی کنا نعمل[6] اللہ تعالیٰ جواب دے گا اولم نعمرکم ما یتذکر فیہ من تذکر وجاءکم النذیر فذوقوا فما للظالمین من نصیر[7] چوتھی بار التجا کریں گے ربنا غلبت علینا شقوتنا وکنا قوما ضالین ربنا اخرجنا منھا فان عدنا فانا ظلمون[8] اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں ارشاد کرے گا اخسئوا فیھا ولا تکلمون[9] اس کے بعد پھر نہ بولیں گے اور یہ نہایت درجہ کا سخت عذاب ہے مثل مشہور ہے کہ زبردست مارے اور رونے نہ دے۔ حضرت مالک بن انسؒ فرماتے ہیں کہ حضرت زید بن اسلمؓ اس آیت کی تفسیر میں.... سواء علینا اجزعنا ام صبرنا ما لنا من محیص[10] ارشاد فرمایا کہ سو برس صبر کیا اور سو برس بیقراری کی اور پھر کہا سواء علینا الخ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[11] کہ قیامت کے روز موت کو حاضر کریں گے ایسی صورت میں کہ گویا سفید[12] بینڈھا ہے، پھر وہ جنت اور دوزخ کے درمیان میں ذبح کی جاوے گی اور اہل جنت سے کہدیا جاوے گا کہ اب ہمیشہ رہنا ہے بلا موت کے اور دوزخ والوں کو سنا دیا جاوے گا کہ سدا رہنا ہے بے مرنے کے اور حضرت حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ ایک شخص ہزار برس بعد دوزخ سے نکلے گا اور وہ شخص میں ہی ہوں تو کیا اچھا ہو۔ اور ایک بار کسی نے آپ کو ایک گوشے

---

[1] ابن ماجہ بروایت یزید رقاشی عن انس اور رقاشی ضعیف ہے ۱۲ [2] اے رب ہمارے تو موت دے چکا ہم کو دوبارہ اور زندگی دے چکا دوبارہ اب قائل ہوئے اپنے گناہوں کے پھر اب ہے کوئی نکلنے کی راہ ۱۲ [3] یہ تم پر اس واسطے کہ جب کسی نے پکارا اللہ کو اکیلا تو تم منکر ہوئے اور جب اس کے ساتھ شریک پکارتے تو تم یقین لانے لگے اب حکم وہی ہے جو کرے اللہ سب سے اوپر بڑا ۱۲ [4] اے رب ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا اب ہم کو پھر بھیج ہم کریں بھلائی [5] تم آگے قسم کھاتے تھے کہ تم کو نہیں کسی طرح ہلنا ۱۲ [6] اے رب ہم کو نکال کہ ہم کچھ بھلا کام کریں وہ نہیں جو کرتے تھے ۱۲ [7] کیا ہم نے عمر نہ دی تھی تم کو جتنی میں سوچ لے جس کو سوچنا ہو اور بھیجا تم کو ڈر سنانے والا اب چکھو کہ کوئی نہیں گنہگاروں کا مددگار ۱۲ [8] اے رب زور کیا ہم پر ہماری کم بختی نے اور رہے ہم لوگ بہکے اے رب نکال لے ہم کو اس میں سے اگر ہم پھر کریں تو ہم گنہگار ۱۲ [9] پڑے رہو پھٹکارے اس میں اور مجھ سے نہ بولو ۱۲ [10] اب برابر ہے ہمارے حق میں ہم بیقراری کریں یا صبر کریں ہم کو نہیں خلاصی ۱۲ [11] بخاری بروایت ابن عمرؓ و مسلم بروایت ابو سعیدؓ ۱۲ [12] یہ حدیث ابو ہدبہ کی اربعین میں بروایت انسؓ منقول ہے اور ابو ہدبہ کا ابراہیم بن ہدبہ نام ہے اور یہ ساقط ہے ۱۲ [13] فی الاصل الخ سیاہ و سفید ۱۲

میں بیٹھے ہوئے روتے دیکھا اور پوچھا کہ آپ کیوں روتے ہیں آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ خوف ہے کہ کہیں مجھے دوزخ میں ڈال دے اور کچھ پرواہ نہ کرے۔ غرضکہ مجملاً عذاب اہل جہنم کی قسمیں یہ ہیں اور اس کے غموں اور محنتوں اور حسرتوں کی تفصیل کی کچھ انتہا نہیں۔ شدت عذاب کے ساتھ جو بڑی مصیبت دوزخیوں پر ہوگی یہ ہے کہ راحت جنت کے نہ ملنے کی حسرت اور اس کی خوشنودی کے کھو بیٹھنے کی حسرت ہوگی۔ اور جانتے ہوں گے کہ یہ سب نعمتیں ہم نے چند کھوٹے داموں کے عوض میں دے ڈالیں یعنی ان نعمتوں کو جو کھویا تو صرف دنیا کے چند چھوٹے دنوں کی شہوات کے بدلے میں ضائع کیا اور وہ بھی صاف از کدورت نہ تھیں بلکہ کدورت آمیز تھیں۔ اسی لیے کہیں گے کہ ہائے افسوس ہم نے اپنے نفسوں کو اپنے پروردگار کی نافرمانی کر کے کیسے ہلاک کیا اور چند چھوٹے دنوں کے صبر کی تکلیف نہ اٹھائی اگر ہم صبر کرتے تو وہ دن ہی گذر جاتے اور اب ہم راضی اور خوش اور چین چان سے خدائے تعالیٰ کے ساتے میں رہتے پس جب ان سے لذات آخرت تو جاتے رہے اور یہاں مکروہات میں مبتلا ہوئے اور ان کے پاس دنیا کی آسائش اور لذات سے کچھ نہ رہا تو اس حسرت کا کیا ٹھکانا ہے۔ پھر اگر وہ جنت کی آسائش کو مشاہدہ نہ کرتے تب بھی ان کو زیادہ حسرت نہ ہوتی۔ مگر جنت کی بہار بھی ان کے سامنے کی جاوے گی۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[ع] کہ قیامت کے روز کچھ لوگوں کو حکم ہوگا کہ جنت کی طرف لے جاؤ جب وہ اس کے پاس جاویں گے اور اس کی خوشبو سونگھیں گے اور اس کے محلوں کو دیکھیں گے اور جو چیزیں کہ اللہ تعالیٰ نے جنت والوں کے واسطے تیار کیں ان پر ان کی نگاہ پڑے گی تو آواز ہوگی کہ ان کو وہاں سے ہٹا لو جنت میں ان کو کچھ بہرہ نہیں، پس وہاں سے ایسی حسرت لے کر پھریں گے کہ ایسی اگلوں پچھلوں میں کسی کو نہ ہوئی ہوگی اور عرض کریں گے کہ الٰہی اگر تو ہم کو پہلے ہی دوزخ میں ڈالتا اور یہ بہاریں اپنے دوستوں کے لیے جو کچھ تو نے تیار کی ہیں ہم کو نہ دکھاتا تو دوزخ میں جانا آسان معلوم ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماوے گا کہ میں نے قصداً ایسا کیا ہے اس لیے کہ تم دنیا میں جب علیحدہ ہوتے تھے تو بڑی نافرمانیوں سے میرے سامنے ہوا کرتے تھے اور جب لوگوں سے ملتے تھے تو ان سے فروتنی سے ملتے ان کے دکھلاوے کو وہ باتیں کرتے جو دل سے میرے واسطے نہ کرتے لوگوں سے ڈرتے اور مجھ سے نہ ڈرتے ان کی تعظیم کرتے اور میری نہ کرتے ان کی خاطر کوئی چیز چھوڑ دیتے اور میری خاطر سے نہ چھوڑتے تو آج میں تم کو عذاب دردناک چکھاؤں گا اور ثواب پائیدار سے جدا محروم کر دیا ہے۔ احمد بن حرب[رح] کہتے ہیں کہ عجیب بات ہے کہ ہم لوگ دھوپ کے اوپر تو سائے کو ترجیح دیتے ہیں مگر دوزخ پر جنت کو ترجیح نہیں دیتے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ بہت سے جسم صحیح اور صورتیں ملیح اور زبانیں فصیح قیامت کے روز دوزخ کی تہوں میں فریاد کریں گی۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ الٰہی مجھ کو تیرے آفتاب کی گرمی پر تو صبر ہی نہیں پھر دوزخ کی گرمی پر کیسے صبر کروں گا اور تیری مہربانی کی آواز پر تو مجھ کو صبر نہیں پھر تیرے عذاب کی آواز پر مجھے کیسے صبر ہوگا۔ پس اے مسکین ان ہولوں کو دیکھ اور جان کہ خدائے تعالیٰ نے دوزخ کو مع اس کے ہولوں کے پیدا کیا ہے اور اس کے واسطے اہل بنائے ہیں کہ وہ زیادہ ہوں نہ کم ہوں اور یہ بات پہلے سے ہو چکی ہے اور اس سے فراغت ہو گئی اور اللہ تعالیٰ جو فرماتا ہے[ت] وانذرھم یوم الحسرۃ اذ قضی الامر وھم فی غفلۃ وھم

ت؎ ترجمہ اگلے صفحہ پر

لا یُؤمنون اس میں گو اشارہ ہے روز قیامت کی طرف مگر حکم قیامت کے دن نہیں ہوگا بلکہ وہ تو ازلی ازل میں ہو چکا ہے اس کا ظہور قیامت کے روز ہوگا۔ تجھ سے نہایت تعجب ہے کہ تو ہنسی اور کھیل اور دنیا کی حقیر چیزوں میں مصروف ہوتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ حکم قضا تیرے حق میں ازل میں کیا ہو چکا ہے۔ اب اگر یہ پوچھو کہ ہم کو کیا ہے کہ ہمارا اتارا کہاں ہوگا اور ٹھکانا اور مآل کس چیز کی طرف ہے اور حکم قضا ہمارے باب میں کیا ہو چکا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس امر کی ایک پہچان ہے جس سے کہ ہم کو اپنے رجا کا حال ٹھیک ٹھیک معلوم ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ تم اپنے احوال اور اعمال پر نظر کرو اس لیے کہ ہر ایک شخص کو وہی کام میسر ہوتا ہے جس کے لیے وہ پیدا ہوا ہو پس اگر تیرا یہ حال ہو کہ سبیل خیر تیرے لیے میسر ہو تب تو تجھ کو مژدہ ہو کہ تو دوزخ سے دور رہے گا اور اگر یہ حال ہو کہ جہاں خیر کا قصد کیا بہت سے موانع پیش آ گئے اور ان کو دور کرتا رہا اور جہاں شر کا قصد کیا تو فوراً اس کے لوازم تجھ کو میسر ہو گئے تو جان لے کہ تیرے اوپر حکم دگر گوں ہو چکا ہے۔ اس لیے کہ ان باتوں کی دلالت انجام پر ایسی ہے جیسے مینہ کی دلالت روئیدگی پر اور دھوئیں کی دلالت آگ پر اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے[2] اِنَّ الاَبرارَ لَفِی نَعِیمٍ وَاِنَّ الفُجَّارَ لَفِی جَحِیمٍ تو اپنے نفس کو دونوں آیتوں پر پیش کر دونوں گھروں میں سے تجھے اپنا ٹھکانا تو معلوم ہو جاوے گا۔

ع ۱۳ جنت کی کیفیت اور اسکی راحت کے اقسام

واضح ہو کہ جس گھر کے غموں اور مصائب کا حال اوپر گذرا اس کے مقابل ایک اور گھر ہے اب اسکی راحت اور خوشی میں تامل کرنا چاہیئے اس لیے کہ جو شخص ان دونوں میں ایک سے دور ہوگا وہ بالضرور دوسرے میں جا ٹھہرے گا پس تجھ کو چاہیئے کہ دوزخ کے اہوال کو فکر کر کے تو اپنے دل میں خوف پیدا کرے اور جنت والوں کے لیے جو راحت دائمی کا وعدہ ہے اس میں بہت سا فکر کر کے رجا پیدا کرے اور اپنے نفس کو خوف کے تازیانے لگا اور رجا کی باگ سے راہ راست کی طرف کھینچ اس کے باعث تجھ کو بڑی سلطنت ملے گی اور عذاب دردناک سے محفوظ رہے گا۔ پس جنت والوں کے حال میں فکر کر کہ ان کے چہروں پر آرام کی تازگی ہو گی اور شراب سربمہر پلائی جاتی ہو گی اور یاقوت سبز کے منبروں پر دُر شاداب اور سفید کے خیموں میں بیٹھے ہوں گے جن میں بچھونے سبز چھاپ کے بچھے ہوئے اور تختوں پر تکیے لگے ہوئے ہوں گے اور وہ خیمے شراب اور شہد کی نہروں کے کناروں پر کھڑے ہوئے اور غلاموں اور بچوں سے بھرے ہوئے اور گوری گوری عورتوں بڑی آنکھ والیوں سے آراستہ خوش خلق اور خوبصورتوں سے مزین ہوں گے اور وہ حوریں ایسی ہوں گی گویا یاقوت اور مونگا ہوں گی اور ان کو ان جنتیوں سے پیشتر کسی نے پہلے نہیں دیکھا ہوگا جنت کے درجوں میں خرام نازنہ کریں گی اور جب ان میں سے کوئی حور تبختر کرے گی تو اس کے دامنوں کو ستر ہزار لڑکے اٹھاویں گے اور ان پر سفید حریر کی چادریں ایسی ہوں گی کہ جن کو دیکھ کر آنکھیں دنگ ہوں۔ موتی اور مونگے سے جڑے ہوئے تاج ان کے سر پر ہونگے

(ترجمہ صفحہ ہٰذا)
ت ۱ اور ڈر سناوے ان کو اس پچھتاوے کے دن کا جب فیصل ہو چکے کام اور وہ بھول رہے ہیں اور وہ یقین نہیں لاتے ۱۲ ت ۲ بیشک نیک لوگ آرام میں ہیں اور بے شک گنہگار لوگ دوزخ میں ہیں ۱۲

آنکھوں میں سُرخ ڈورے ناز کی پتلیاں عطر بیز بڑھاپے اور مفلسی سے مامون لعل کے محلوں میں پردہ نشین نیچی نگاہ والیاں ہوں گی۔ ان کے مکانات جنت کے باغوں کے بیچ بنے ہوں گے پھر ان مردوں اور عورتوں پر آبخوروں اور بند جنبوں کا دَور ہوگا اور شراب خالص اور سفید پینے والوں کو جس سے لذت ہو اس کے پیالے ان میں چلیں گے اور ان پیالوں کو ان میں لڑکے خالص موتی جیسے لیے پھریں گے یہ ان کی کمائی کا بدلہ ہوگا کہ چین کے مقام میں باغوں اور چشموں کے درمیان بستانوں اور نہروں کے بیچ میں سچی بیٹھک میں اپنے بادشاہ ذی اقتدار کے پاس بیٹھے اس کی صورت کریم کو تاکتے ہونگے اور اس لذت کی شادابی ان کے چہرے سے چمکتی ہوگی نہ ان پر گرد ہوگی نہ ذلت بلکہ بندہ ہائے معزز ہوں گے اور طرح طرح کے تحفوں سے پروردگار کی طرف سے ان کی خبر گیری ہوتی ہوگی غرضکہ اپنی خاطر خواہ آرزؤں میں سدا رہیں گے نہ کسی کا خوف ہوگا نہ غم کریں گے اور موت کے تشیہے سے محفوظ رہ کر جنت میں چین کریں گے اور اس کی غذاؤں میں سے کھائیں گے اور نہروں میں سے دودھ اور شراب اور شہد پیویں گے ان نہروں کی زمین چاندی کی ہوگی اور کنکریں مونگے کی اور مٹی مشک اوراذفر کی اور سبزہ زعفران کا اور بادل جو اس میں سے برسے گا اس میں پانی شیریں کافور کے ٹیلوں پر پڑے گا اور آبخورے جو ملیں گے تو موتیوں اور لعل اور مونگے سے جڑے ہوں گے اور ان میں شراب سربمہر جس میں سلسبیل شیریں کی ملونی ہوگی دی جاوے گی پیالے ایسے ہوں گے کہ ان کے جوہر کی صفائی کے باعث شراب کی سرخی اور لطافت ان میں سے صاف عیاں ہوں گی ان کو کسی آدمی نے نہیں بنایا جس کی بناوٹ میں کسی طرح کا قصور اور فتور رہا ہو اور ایسے خادم کے ہاتھ میں ہوں گے جس کے چہرے کی جوت سورج کی جوت کے مشابہ ہو مگر سورج میں وہ صورت کی ملائمت اور زلفوں کی خوبی اور آنکھوں کی ملاحت کہاں پس تعجب ہے اس شخص سے کہ ایسے گھر پر ایمان رکھتا ہو اور یقین رکھتا ہو کہ اس کے باشندے نہیں مریں گے اور جو اس میں جاوے گا اس پر در دادر مصیبت نہ آوے گی اور نہ کوئی حادثہ نگاہ تغیر و تبدل اس کے باشندوں کی طرف دیکھے گا تو وہ شخص ایسے دار فانی میں کیسے دل لگاتا ہے جس کے خراب کرنے کا حکم خدا تعالیٰ نے دیا ہے اور اس کو زندگی یہاں کی کیسے خوشگوار معلوم ہوتی ہے بخدا کہ اگر بالفرض جنت میں بجز تندرستی اجسام کے اور موت اور بھوک اور پیاس وغیرہ حوادث سے محفوظ رہنے کے اور کچھ نہ ہوتا تب بھی لائق تھا کہ دنیا کو اس کے سبب سے چھوڑ دیا جائے اور ایسی چیز کو جس کا منقطع ہو جانا اور مکدر رہنا ضروری ہے جنت پر ترجیح نہ دی جاوے اور جس صورت میں کہ جنت والے بادشاہ سب باتوں سے مامون اور ہر ایک طرح کی خوشی سے بہرہ ور ہوں اور سب دل چاہتی باتیں ان کو میسر ہوں اور ہر روز صحن عرش میں حاضر ہو کر دیدار الٰہی کی وہ لذت پاتے ہوں جو تمام لذاتِ جنت سے اعلیٰ اور اشرف بلکہ اس کے سامنے ان کی کچھ اصل ہی نہیں اور ہمیشہ اسی آسائش اور انتظام آرام میں گذارتے ہوں اور زوال سے بے خوف ہوں، تب تو دنیا میں دل لگانا کمال ہی حماقت ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[ح] کہ ایک پکارنے والا پکارے گا کہ اے جنت والو تم کو وہ تندرستی ہے کہ کبھی بیمار نہ ہو گے اور تم کو

ح مسلم بروایت ابو ہریرہؓ وابو سعیدؓ

وہ زندگی ہے کہ کبھی نہ مروگے اور تم کو وہ جوانی ہے کہ کبھی بوڑھے نہ ہوگے اور تم کو وہ تونگری ہے کہ کبھی محتاج نہ ہوگے تو یہی اللہ کا فرمانا ہے[1] ونودوا ان تلکم الجنۃ اورثتموھا بما کنتم تعملون اور جب تم کو جنت کی کیفیت دریافت کرنی منظور ہو تو قرآن مجید کو پڑھو کہ اس سے زیادہ اور کوئی بیان نہیں اور اس آیت[2] ولمن خاف مقام ربہ جنتٰن سے آخر سورۃ رحمٰن تک تلاوت کرو اور سورہ واقعہ وغیرہ کو پڑھو اور اگر یہ منظور ہو کہ احادیث سے جنت کی صفات کی تفصیل معلوم کرو تو حدیث کی رو سے کئی امور جنت کے تامل طلب ہیں اول جنتوں کے شمار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آیت مذکورہ بالا کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں[3] کہ وہ دونوں جنتیں چاندی کی ہوں گی ان کے برتن اور ان میں کی چیزیں سب چاندی کی ہوں گی اور دو جنتیں مع برتنوں اور اپنے اندر کی چیزوں کے سونے کی ہوں گی اور لوگوں میں اپنے پروردگار کے دیکھنے میں بجز چادر کبریا کے اور کوئی چیز حائل نہیں ہوگی۔ وہ چادر اس کی وجہ کریم پر جنت عدن میں ہے۔ دوم جنت کے دروازوں کو تامل کرو کہ وہ موافق اصول طاعات کے بہت ہیں جس طرح کہ دوزخ کے دروازے موافق اصول معاصی کے کئی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[4] کہ جو شخص کہ اپنے مال میں خدائے تعالیٰ کی راہ میں دو جوڑے خرچ کرے گا وہ جنت کے دروازوں میں سے بلایا جاوے گا اور جنت کے آٹھ دروازے ہیں پس جو کوئی نمازی ہوگا وہ باب صلوٰۃ سے پکارا جاوے گا اور جو شخص روزہ دار ہوگا وہ باب ریان سے پکارا جاوے گا اور جو شخص صدقہ دینے والا ہوگا وہ باب الصدقہ سے بلایا جاوے گا اور جو اہل جہاد ہوگا وہ باب الجہاد سے بلایا جاوے گا، الا کوئی ایسا بھی ہے کہ ان سب دروازوں سے بلایا جاوے، آپ نے فرمایا کہ ہاں ایسے لوگ بھی ہوں گے کہ جنت کے سب دروازوں سے بلائے جائیں اور مجھ کو توقع ہے کہ تو ان میں سے ہو اور عاصم بن ضمرہ حضرت علی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے دوزخ کا ذکر فرمایا اور اس کے باب میں ایسی طویل تقریر کی کہ مجھ کو یاد نہیں بعد اس کے یہ آیت پڑھی[5] وسیق الذین اتقوا ربھم الی الجنۃ زمرًا اور فرمایا کہ جب یہ لوگ اس کے کسی دروازے پر پہنچیں گے تو اس کے پاس درخت دیکھیں گے جس کی جڑ کے پاس دو چشمے بہتے ہوں گے وہ بموجب حکم کے ان دونوں میں سے ایک کا قصد کریں گے اور اس کا پانی پیویں گے اس کے پیتے ہی پیٹ میں جو ایذا یا حاجت ہوگی وہ جاتی رہے گی۔ پھر دوسرے چشمے کی طرف قصد کریں گے اور اس سے نہاویں گے ان پر راحت کی شادابی عیاں ہوگی، پھر کبھی اس کے بالوں میں فرق نہ پاوے گا اور الجھنے اور میلے ہونے نہ پاویں گے ہر وقت ایسے معلوم ہوں گے جیسے تیل پڑا ہوا ہے پھر جنت تک پہنچیں گے تو جنت کے داروغہ اس سے کہیں گے[6] سلام علیکم طبتم فادخلوھا خالدین ۵ پھر ان سے لڑکے ملیں گے اور ان کا گرد ایسا لیں گے جیسے کوئی رشتہ دار دنیا میں دور سے

---

[1] آواز ہوئی کہ یہ جنت ہے وارث ہوئے تم اس کے بدلے اپنے کاموں کے [2] اور جو کوئی ڈرا کھڑا ہونے سے اپنے رب کے آگے اسکو ہیں دو باغ ۱۲ [3] بخاری و مسلم بروایت ابو موسیٰ ۱۲ [4] بخاری و مسلم نے لکھی ہے ۱۲ [5] اور ہانکے گئے جو ڈرتے رہے تھے اپنے رب سے بہشت کو جتھے جتھے ۱۲ [6] سلام پہنچے تم پر، تم لوگ پاکیزہ ہو سو داخل ہو اس میں سدا رہنے کو ۱۲

آیا کرتا ہے اور اس کے گرد ہوا کرتے ہیں۔ وہ لڑکے ان سے کہیں گے کہ تجھ کو بشارت ہو اس کرامت کی کہ خدائے تعالیٰ
نے تمہارے لیے تیار کی ہے پھر ایک لڑکا ان لڑکوں میں سے جا کر اس جنتی کی کسی حور سے کہے گا کہ فلاں شخص آیا ہے
اور وہی نام لے گا جو دنیا میں اس کا تھا وہ کہے گی کہ تو نے اس کو دیکھا ہے لڑکا کہے گا کہ ہاں دیکھا ہے اور وہ میرے
پیچھے آتا ہے وہ حور خوشی کے مارے اُٹھے گی اور اپنے دروازے کی دہلیز پر پیشوائی کو آ کھڑی ہو گی جب جنتی اپنے
گھر میں داخل ہو گا تو دیکھے گا کہ پتھروں کی جگہ موتی ہیں اور ان پر ایک عمارت عالیشان سرخ زرد سبز ہر ایک
رنگ کی بنی ہے پھر اپنا سر اُٹھاوے گا تو چھت بجلی سی چمکتی نظر آوے گی اور خدائے تعالیٰ نظر کو قدرت نہ دیتا
تو کیا عجب تھا کہ اس کی چمک سے نظر جاتی رہتی۔ پھر اپنی نظر کو نیچی کرے گا تو دیکھے گا کہ اس کی بیبیاں ہیں اور
پیالے رکھے ہوئے اور فرش بچھے ہوئے اور تکیے لگے ہوئے ہیں پھر تکیہ لگا کر کہے گا کہ خدائے تعالیٰ کا شکر ہے
جس نے ہم کو اس پر ہدایت کی۔ اگر خدائے تعالیٰ ہدایت نہ فرماتا تو ہم اس قابل نہ تھے کہ راہ پاتے پھر ایک منادی
پکارے گا کہ تم زندہ رہو گے کبھی نہ مرو گے اور ٹھہرو گے کہ کبھی سفر نہ کرو گے اور تندرست رہو گے اس طرح
کہ کبھی بیمار نہ ہو گے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[ح] کہ قیامت کے روز میں جنت کے دروازے پر
آ کر اس کو کھلواؤں گا، داروغہ کہے گا کہ تم کون ہو۔ میں کہوں گا کہ محمد ہوں وہ کہے گا کہ مجھ کو بھی حکم ہے کہ
آپ سے پیشتر کسی کے لیے دروازہ نہ کھولوں۔ تیسرے جنت کی کھڑکیوں[ع۱] میں تامل کرو اور ان کے درجوں کی
بلندی مختلف ہونے کو دیکھو کہ آخرت میں بڑے بڑے درجے اور فضیلتیں ہیں اور جس طرح کہ آدمیوں میں ظاہر
کی طاعتوں اور باطن کی عمدہ طاعتوں میں فرق بین ہوتا ہے اسی طرح جو ان کو ثواب ملے گا اس میں تفاوت ہو گا پس
اگر یہ کسی کو منظور ہو کہ مجھے سب سے اعلیٰ درجہ ملے تو چاہیے کہ اس باب میں کوشش کرے کہ کوئی شخص اس
سے خدائے تعالیٰ کی طاعت میں بڑھنے نہ پاوے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود آگے بڑھنے اور ایک دوسرے کی
اسباب میں حرص کرنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے[ت۲] سابقوا الی مغفرۃ من ربکم اور فرمایا وفی ذلک
فلیتنافس المتنافسون اور تعجب یہ ہے کہ اگر آدمی اس پر اس کے ہمسر یا ہمسائے روپیہ میں خواہ اونچا مکان
بنانے میں بڑھ جاویں تو یہ امر اس پر شاق ہو اور اس سے نہایت دل تنگ ہو اور حسد کے مارے زندگی تلخ
ہو جاوے۔ اور جنت میں عمدہ حال یہ ہو گا کہ بہت سے اس طرح کے ہوں گے کہ اس سے ایسی لطیف باتوں میں
بڑھے ہوں گے کہ جن کے سامنے تمام دنیا کی کچھ اصل نہیں۔ چنانچہ ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا[ح] کہ جنت والے کھڑکیوں والوں کو اپنے اوپر ایسا دیکھیں گے جیسے تم ستاروں کو مشرق اور مغرب کے
کنارے میں جاتا دیکھتے ہو اور وہ اس واسطے ایسے نظر آویں گے کہ جنت والوں میں اور ان میں رتبے کی رو سے

ح مسلم بروایت انس رضہ ۱۲ ۱ع اصل میں غرفات ہے جس کے معنی خانہائے بلند کے ہیں ۱۲ ت ۲ دوڑو اپنے رب کی طرف معافی کو ۱۲ ت ۳ اور اس
پر چاہیے ڈھکیں ڈھکنے والے ۱۲ ح ۱۲ بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے ۱۲

بہت فرق ہوگا لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ مراتب انبیاء ہی کے ہوں گے ان کے سوا اوروں کو نہ ملیں گے آپ نے فرمایا کہ کیوں نہیں ملیں گے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس رتبے والے وہ لوگ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور رسولوں کی تصدیق کی۔ اور ایک حدیث میں یوں[ع] ارشاد فرمایا کہ بلند درجے والوں کو ان کے نیچے کے لوگ ایسے دیکھیں گے جیسے تم آسمان کے کنارے ستاروں کو نکلتے دیکھتے ہو۔ اور ابو بکرؓ اور عمرؓ انہیں بلند درجے والوں میں سے ہیں اور فضل میں بڑھ کر ہیں۔ اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے[ت] ہم سے فرمایا کہ تم سے میں جنت کی کھڑکیوں کا بیان کروں میں نے عرض کیا کہ بہت بہتر آپ پر ہمارے ماں باپ فدا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ جنت میں کھڑکیاں ہیں جواہر کی قسم سے جن میں سے اندر کی چیز باہر اور باہر کی چیز اندر معلوم ہوتی ہے اور ان میں راحت اور لذت اتنی ہے کہ نہ آنکھوں دیکھی نہ کانوں نے سُنی نہ کسی آدمی کے دل پر گذری۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ کھڑکیاں کن لوگوں کو ملیں گی آپ نے فرمایا ان لوگوں کو جو سلام کو پھیلاویں اور کھانا کھلاویں اور ہمیشہ روزہ رکھیں اور رات کو لوگوں کے سوتے وقت نماز پڑھیں۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا کہ ان باتوں کی طاقت کس کو ہے آپ نے فرمایا کہ میری امت اس کی طاقت رکھتی ہے۔ اور اب میں تم کو اس کا حال بتاتا ہوں، جو شخص اپنے بھائی مسلمان سے ملے اور اس کو سلام کرے خواہ سلام کا جواب دے تو اس نے سلام کو پھیلایا اور جس نے اپنے گھروں اور کنبے کو اتنا کھانا کھلایا کہ ان کا پیٹ بھر دیا تو اس نے کھانا کھلایا اور جس نے رمضان کے روزے رکھے اور ہر مہینہ میں تین روزے رکھ لیے اس نے ہمیشہ روزے رکھے اور نماز عشا اور نماز فجر جماعت سے پڑھی اس نے رات کو نماز پڑھی کہ لوگ سوتے ہیں۔ یعنی یہود اور نصاریٰ اور مجوس۔ اور کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے معنی پوچھے[ت۳] ومساکن طیبۃ فی جنات عدن آپ نے فرمایا[ح] کہ مساکن سے مراد موتی کے محل ہیں ہر محل میں ستر گھر لعل سُرخ کے ہیں اور ہر گھر میں ستر کوٹھڑیاں ہیں، ستر تخت ہیں ہر تخت پر ستر فرش ہر رنگ کے ہیں۔ ہر فرش پر ایک بی بی حوروں میں سے ہے ہر کوٹھڑی میں ستر دستر خوان ہیں۔ ہر دستر خوان پر ستر رنگ کا کھانا ہے۔ ہر کوٹھڑی میں ستر لونڈیاں ہیں اور ایماندار کو ہر روز اتنی طاقت عنایت ہوگی کہ ان سب سے ہمبستر ہو جاوے **چوتھی**۔ جنت کی دیوار اور زمین اور درخت اور نہروں میں تامل کرنا چاہیے اور سوچنا چاہیے کہ جو اس میں رہیں گے وہ کیسے اس کی صورت دیکھ کر خوش ہوں گے اور جو لوگ اس سے محروم رہیں گے ان کو کیسی کچھ حسرت ہوگی اس کے بدلے دنیا پر قناعت کی حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[ح۵] کہ جنت کی دیوار کی ایک اینٹ چاندی کی اور ایک سونے کی اور اس کی مٹی زعفران ہے اور گارا مشک اور کسی نے آنحضرت

ع ترمذی وابن ماجہ بروایت ابو سعید رضہ ۱۲ ت ۲ ابو نعیم بروایت حسن عن جابر رضہ ۱۲ ت ۳ اور ستھرے گھر لینے کو باغوں میں ۱۲ ح ۴ ابن حبان در کتاب العظمت بروایت حسن عن ابی ہریرہؓ اور حسن بصریؒ کا سماع حضرت ابو ہریرہؓ سے ثابت نہیں ہے ۱۲ ح ۵ ترمذی باختلاف لبند ضعیف وبزار موقوفاً علی ابی سعید ۱۲

صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت کی مٹی کا حال پوچھا تو آپ نے فرمایا[ح۱] سفید میدا مشک خالص ہے۔ اور حضرت ابوہریرہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا[ح۲] کہ جس کو یہ منظور ہو کہ آخرت میں خدائے تعالیٰ شراب پلاوے تو چاہیے کہ دنیا میں شراب نہ پیوے اور جس کو یہ منظور ہو کہ خدائے تعالیٰ اس کو آخرت میں حریر پہناوے تو چاہیے کہ دنیا میں حریر پہننا ترک کرے[ح۳] جنت کی نہریں مشک کے ٹیلوں یا مشک کے پہاڑوں کے نیچے سے نکلتی ہیں۔ اور اگر جنت[ح۴] کے لوگوں میں سے کسی کے پاس سب سے کمتر زیور ہو اور تمام دنیا کے زیور سے مقابلہ کیا جاوے تو جو زیور کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں دے گا وہ تمام دنیا کے زیور سے اچھا ہوگا اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[ح۵] کہ جنت میں ایک درخت ایسا ہے کہ اگر سوار اس کے سائے میں سو برس چلے تب بھی اس کو تمام نہ کر پاوے اگر چاہو تو قرآن مجید میں سے[ت۶] وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ پڑھ لو۔ اور حضرت ابوامامہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب[ح۷] فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اعراب اور ان کے مسائل سے نفع دیتا ہے۔ ایک بار ایک اعرابی آیا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں درخت ایذا دہندہ کو ذکر فرمایا ہے اور مجھے معلوم نہ تھا کہ جنت میں کوئی درخت جو جنتی کو ایذا دے آپ نے فرمایا کہ وہ کونسا درخت ہے اس نے عرض کیا کہ بیری ہے جس میں کانٹے ہوتے ہیں آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فِیْ سِدْرٍ[ت۸] مَّخْضُوْدٍ اللہ تعالیٰ اس کے کانٹے کاٹ دے گا اور ہر کانٹے کی جگہ ایک پھل لگا دے گا کہ ہر پھل میں بہتر طرح کا مزہ ہوگا اور ایک دوسرے سے ملتا نہ ہوگا۔ اور جریر بن عبداللہ کہتے کہ ہم صفاح میں ٹھہرے دیکھا تو ایک شخص درخت کے نیچے سوتا ہے اور دھوپ اس پر آنے کو تھی۔ میں نے غلام سے کہا کہ یہ چمڑے کا بچھونا لے جا اور ان پر سایہ کرے اس نے جا کر سایہ کر لیا۔ جب وہ جاگے تو معلوم ہوا کہ حضرت سلمان فارسیؓ ہیں میں نے اُنکی خدمت میں جا کر سلام کیا آپ نے فرمایا کہ اے جریر اللہ کے واسطے تواضع کر جو شخص دنیا میں خدائے تعالیٰ کے واسطے تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو قیامت میں بزرگی دیتا ہے تجھ کو معلوم ہے کہ قیامت میں تاریکیاں کیا ہوں گی میں نے عرض کیا کہ نہیں آپ نے فرمایا کہ لوگوں کا آپس میں ایک دوسرے پر ظلم کرنا، پھر ایک چھوٹی سی لکڑی اُٹھائی کہ چھوٹے ہونے کی جہت سے گویا مجھے معلوم نہ ہوتی تھی۔ پھر فرمایا کہ اے جریر اگر تو اس کے موافق جنت میں ڈھونڈے گا تو نہ لکڑی پاوے گا۔ میں نے عرض کیا کہ پھر خرما کے درخت اور دوسرے پیڑ کہاں جاویں گے فرمایا کہ وہ لکڑی کے نہ ہوں گے ان کی جڑیں موتی اور سونے کی ہوں گی اور ان کے اوپر پھل ہوں گے۔

ح[۱] مسلم بروایت ابوسعید اور سائل کا نام ابن صیاد ہے ۱۲ ح[۲] طبرانی در اوسط و نسائی ۱۲ اور صحیحین میں بروایت انسؓ ہے ۱۲ ح[۳] عقیلی در ضعفا بروایت ابوہریرہؓ ۱۲

ح[۴] طبرانی در اوسط بروایت ابوہریرہؓ ۱۲ ح[۵] بخاری و مسلم نے لکھا ہے ۱۲ ت[۶] اور سایہ لمبا ۱۲ ت[۷] ابن مبارک در زہد عن صفوان ابن عمر عن مسلم بن عامر مرسلاً اور اس میں ذکر ابوامامہ کا نہیں ۱۲ ت[۸] بیری کے درختوں میں لدے ہوئے ۱۲

پانچویں اہل جنت کے لباس اور فرش اور تخت اور مسند اور خیموں کو تامل کرو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[ت۱] یحلون فیھا من اساور من ذھب و لؤلؤا ولباسھم فیھا حریر اسی طرح آیتوں میں اس کی تفصیل بہت ہے اور حدیثوں میں بھی تفصیل آئی ہے۔ چنانچہ ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[ح] کہ جو جنت میں داخل ہو گا وہ نعمت دیا جاوے گا کہ نہ محتاج ہو گا نہ کپڑے پرانے ہوں گے نہ جوانی گھٹے گی اور جنت میں وہ نعمتیں ہوں گی جو نہ آنکھوں نے دیکھی نہ کانوں نے سنی نہ کسی آدمی کے دل میں گزریں اور ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ[ح] ہم سے جنتیوں کے کپڑوں کا حال بیان فرمائیے کہ وہ مخلوق ہوں گے یا کہ پیدا کر دیئے جاویں گے یا بناوٹ ہو گی کہ بنے جاویں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا اور بعض لوگ ہنسنے لگے آپ نے فرمایا کہ تم کیوں ہنستے ہو۔ کیا اس سے ہنستے ہو کہ جو شخص نہیں جانتا وہ جاننے والے سے پوچھتا ہے۔ پھر فرمایا کہ جنت کے میووں میں سے نکلا کرینگے دو بار اس کو ارشاد فرمایا اور حضرت ابوہریرہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں[ح] کہ آپ نے فرمایا کہ اول گروہ جو جنت میں داخل ہو گا ان کی صورتیں چودھویں رات کے چاند کی سی ہوں گی وہ نہ جنت میں تھوکیں گے نہ چھینکیں گے نہ پاخانہ پھریں گے ان کے برتن اور کنگھیاں سونے کی ہوں گی اور ان کا پسینہ مشک کا ہر ایک کے لیے ان میں سے دو بیبیاں ہوں گی جن کی پنڈلیوں کا مغز گوشت میں سے حسن اور لطافت کے باعث معلوم ہوتا ہو گا نہ آپس میں اختلاف رہے گا نہ دلوں میں بغض بلکہ یک دل ہو کر صبح و شام خدائے تعالیٰ کی تسبیح کریں گے اور ایک روایت میں آیا ہے کہ ہر ایک بی بی پر ستر ہزار لباس ہوں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں یحلون فیھا من اساور من ذھب[ح] فرمایا کہ ان لوگوں کے تاج ایسے ہوں گے کہ ان میں کے ادنیٰ موتی کی چمک پورب سے لے کر پچھم تک روشن کر دے اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا[ح] کہ خیمہ جنتیوں کا موتی بیچ میں سے خالی ہو گا جس کی اونچائی ساٹھ میل کی ہو گی، اس کے ہر ایک گوشے میں مومن کی گھر والی ہو گی جس کو دوسری نہ دیکھیں گی۔ یہ روایت بخاری نے اپنی کتاب میں لکھی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ خیمہ موتی مجوف ہے اس کا طول و عرض ایک فرسخ کا اور چار ہزار دروازے سونے کے ہوں گے۔ اور حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قول خداوندی میں و فرش مرفوعۃ ارشاد فرمایا ہے کہ فاصلہ درمیان دو فرشوں کے اتنا ہو گا جتنا آسمان اور زمین میں ہے۔

چھٹی جنت والوں کے کھانے میں تامل کرو۔ کھانے کا حال قرآن مجید میں مذکور ہے کہ میوے اور موٹے پرند

ت۱ گہنا پہناویں گے ان کو وہاں کنگن سونے کے اور موتی ان کی پوشاک ہے وہاں ریشم کی ۱۲ ح مسلم نے نقل کیا ہے اور اس میں آخر کا جملہ اور جنت میں وہ نعمتیں ہوں اسے آخر تک نہیں ہے اس کو بخاری و مسلم نے بروایت ابوہریرہ دوسری حدیث میں روایت کیا ہے ۱۲ ح بخاری و مسلم ۱۲ ح ترمذی بروایت ابوسعید اور اس میں آیت کا مذکور نہیں ہے ۱۲ اور اسکی سند میں رشید بن سعد ہے ۱۲ ح بخاری و مسلم دونوں نے بروایت ابوموسیٰ اشعری ت۲ اور بچھونے اونچے ۱۲ ح ترمذی نے اسکو اور الفاظ سے روایت کیا ہے اور غریب کہا ہے اور رشید بن سعد کی سند میں سونے سے ۱۲

اور من اور سلوٰی اور شہد اور دودھ اور بہت سے اقسام بے شمار ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کلما رزقوا منھا من ثمرۃ رزقا قالوا ھذا الذی رزقنا من قبل واتوا بہ متشابھا[1] اور اہل جنت کے پینے کی چیز کا حال بھی خدائے تعالیٰ نے بہت سی جگہوں میں ذکر فرمایا ہے اور ثوبان مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کہتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کھڑا تھا کہ ایک عالم علمائے یہود میں سے آیا، اس نے چند سوال پوچھے یہاں تک کہ پوچھا کہ پل صراط پر لوگوں میں سے اوّل کون اترے گا آپ نے فرمایا کہ فقرائے مہاجرین یہودی نے پوچھا کہ جب وہ جنت میں جائیں گے ان کو تحفہ کیا ملے گا آپ نے فرمایا کہ مچھلی کے جگر کے کباب اس نے عرض کیا کہ اس کے بعد ان کی کیا غذا ہوگی، آپ نے فرمایا کہ جنت کا بیل جو اس کے کناروں میں کھاتا پیتا ہے وہ ان کے لیے ذبح ہوگا اس نے پوچھا کہ اس پر پانی کیا ہوگا آپ نے فرمایا کہ جس چشمے کا نام سلسبیل ہے اس میں سے پانی پیویں گے اس نے کہا کہ آپ سچ فرماتے ہیں۔[2] اور زید بن ارقم فرماتے ہیں کہ ایک شخص یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اے ابوالقاسم آپ فرماتے ہیں کہ نہیں کہ جنت کے لوگ اس میں کھاویں پیویں گے اور اپنے یاروں سے کہا کہ اگر آپ اس امر کا مجھ سے اقرار کریں گے تو میں اعتراض کروں گا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ جنتیوں میں سے ایک ایک کو طاقت سو مردوں کے کھانے اور پینے اور صحبت کی عنایت ہوگی۔ یہودی نے کہا کہ جو شخص کھاوے پیوے گا اس کو پاخانے کی احتیاج ہوگی آپ نے فرمایا کہ پاخانے کے عوض میں یہ ہوگا کہ ان کے پوست سے پسینہ مشک کے مانند بہے گا اور پیٹ صاف ہو جاوے گا اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو جنت میں پرند کو دیکھ کر اس کی خواہش کرے گا تو وہ تیرے سامنے ذبح ہو کر بھن جاوے گا۔ اور حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں کچھ پرند مثل بختی اونٹ کے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ وہ خوب ہیں یارسول اللہ آپ نے فرمایا کہ ان سے خوب زیادہ وہ ہے جو ان کو کھاوے گا۔ اور تو اے ابوبکرؓ ان لوگوں میں سے ہے جو ان کو کھاویں گے۔ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس آیت کی تفسیر میں[3] یطاف علیھم بصحاف ارشاد فرماتے ہیں کہ جنت والوں پر ستر پیالوں کا سونے کے دور ہوگا کہ ہر ایک میں ان میں سے نئی قسم کا کھانا ہوگا جو دوسرے میں نہ ہوگا اور حضرت ابن مسعودؓ ومزاجہ من تسنیم[5] میں فرماتے ہیں کہ ملونی اصحاب یمین کے لیے ملائی جاوے گی اور مقرب لوگ اس کو خالص بے ملونی کے پیویں گے اور حضرت ابوالدرداءؓ ختامہ مسک[6] کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ وہ ایک سفید شراب چاندی کی مانند ہے جس سے جنت والوں کی

---

[1] جس بار ملے ان کو وہاں کا کوئی میوہ کھانے کو کہیں یہ وہی ہے جو ملا تھا ہم کو آگے اور ان کے پاس وہ آوے گا ایک طرح کا ۱۲ [2] مسلم نے اول و آخر میں کچھ زیادہ کر کے بیان کیا ہے ۱۲ [3] نسائی در کبری ۱۲ [4] لیے پھرتے ہیں ان پاس رکابیاں ۱۲ [5] اور اس کی ملونی اوپر سے پڑے ۱۲
[6] جس کی مہر جمتی ہے مشک پر ۱۲

آخر شراب پر مہر کریں گے۔ اگر کوئی شخص دنیا والوں میں اس میں اپنا ہاتھ ڈالے پھر باہر نکال لے تو کوئی جاندار باقی نہ رہے کہ اس کو خوشبو اس کی نہ پہنچے۔

ساتویں حور اور لڑکوں کی کیفیت کی، سو جو قرآن مجید نے ان کے اوصاف جابجا بیان کیے اور احادیث میں کچھ زیادہ شرح سے وارد ہے۔ چنانچہ حضرت انسؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ خدا کی راہ میں ایک بار صبح کو جانا یا شام کو جانا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور تم میں سے کسی کی مقدار قوس یا پاؤں رکھنے کی جگہ جنت میں دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور اگر کوئی عورت جنت والی عورتوں میں سے زمین کی طرف آجاوے تو آسمان و زمین کے درمیان اجالا ہو جاوے اور خوشبو سے بھر جاوے اور اس کے سر کی اوڑھنی دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ اور حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قول خداوندی کا کَأَنَّهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ[1] کی تفسیر میں ارشاد فرمایا ہے کہ ان کی صورتیں پردے میں سے آئینہ سے بھی صاف نظر آویں گی۔ اور ان کے زیور میں سے ادنیٰ موتی مشرق سے لے کر مغرب تک روشن کر دے گا اور ان پر ستر کپڑے ایسے ہوں گے جن میں سے آدمی کی نظر پار ہو جاوے گی یہاں تک کہ ان کی پنڈلیوں کا مغز ان کے اندر سے معلوم ہوگا اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شب معراج کو جنت کے اندر میں ایک جگہ میں گیا جس کو بیذخ کہتے ہیں۔ اس پر موتی اور سبز زبرجد اور لعل سرخ کے خیمے تھے ان کی عورتوں نے مجھ سے کہا کہ السلام علیک یا رسول اللہ! میں نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ آواز کن عورتوں کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ عورتیں خیموں میں پردہ نشین ہیں انہوں نے اپنے پروردگار سے آپ کو سلام کرنے کی اجازت مانگی تھی چنانچہ ان کو اجازت مرحمت فرمائی پس وہ کہنے لگیں کہ ہم راضی ہیں، کبھی ناراض نہ ہوں گے اور ہم ہمیشہ رہنے والیاں ہیں کبھی سفر نہ کریں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی[2] حُورٌ مَّقْصُورَاتٌ فِي الْخِيَامِ[2] اور حضرت مجاہدؒ وَأَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ[3] کی تفسیر بیان فرماتے ہیں کہ پاک سے غرض حیض اور بول براز اور تھوک اور رینٹ اور منی اور جننے سے ہے کہ ان سب سے پاک ہوں گی۔ اور اوزاعیؒ فِي شُغُلٍ فَاكِهُونَ[4] کے ذکر میں فرماتے ہیں کہ ان کا کام باکرہ عورتوں کی بکارت دور کرنے کا ہوگا۔ اور ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا جنت والے جماع بھی کریں گے۔ آپ نے فرمایا کہ ایک شخص کو ان میں سے ایک دن میں اتنی قوت ملے گی کہ تم میں سے ستر مردوں سے زیادہ ہو۔ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ اہل جنت میں سے ادنیٰ مرتبہ وہ شخص ہوگا کہ اس کے ہاتھ ہزار خادم ہوں گے اور ہر خادم کو وہ کام ہوگا جو دوسرے کو نہ ہوگا اور آنحضرت

ت[1] وہ کیسی جیسے لعل اور مونگا ۱۲، ع[5] اصل میں الطعت ہے جس کے معنی جبان کے ہیں ۱۲

ت[2] گوریاں رکی رہتیاں خیموں میں ہیں ت[3] اور بیبیاں ستھری ۱۲

ت[4] ایک دھندے میں ہیں باتیں کرتی ۱۲

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل جنت میں سے ایک شخص پانچسو حوروں اور چار ہزار باکرہ عورتوں اور آٹھ ہزار مرد رسیدہ عورتوں سے نکاح کرے گا اور ان میں سے ہر ایک سے اتنا معانقہ کرے گا جتنا دنیا میں جیا ہوگا اور ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ[۱] جنت میں ایک بازار ہے کہ اس میں خرید و فروخت کچھ نہیں۔ بجز مردوں اور عورتوں کی صورتوں کے پس جب کوئی شخص کسی صورت کی خواہش کرے گا تو اس بازار میں جاوے گا۔ اور اس میں حوروں بڑی آنکھ والیوں کے جمع ہونے کی جگہ ہے وہ ایسی بلند آواز سے کہتی ہے کہ لوگوں نے ایسی نہیں سنی۔ ہم ہمیشہ رہیں گی کہ فنا نہ ہونگی اور ہم نعمت والی ہیں کہ محتاج نہ ہوں گی اور ہم خوش ہیں کہ کبھی خفا نہ ہوں گی۔ پس اچھا ہے وہ شخص جو ہمارا ہو اور ہم اس کی ہوں۔ اور حضرت انس رضؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حوریں جنت میں گاتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ہم خوبصورت لونڈیاں ہیں اور کریم مردوں کے لیے ہم کو چھپا رکھا ہے اور یحیٰی بن کثیر فِی رَوْضَۃٍ یُحْبَرُوْنَ[۲] میں فرماتے ہیں کہ جنت میں راگ ہوگا۔ اور ابو امامہ باہلیؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ[۳] جو بندہ جنت میں داخل ہوتا ہے اس کے سر اور پاؤں کے پاس دو حوریں بہشتی بیٹھ کر نہایت خوش آواز سے گیت سناتی ہیں جس کو انسان اور جن سنتے ہیں اور وہ گیت مزمار شیطان یعنی شعر نہیں ہوتا بلکہ خدائے تعالیٰ کی حمد و تقدس کا حال ہوتا ہے۔

جنت اور اس کی کیفیات

حضرت اسامہ بن زید روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضؓ سے فرمایا کہ سنو کوئی ہے کہ جنت کی تیاری کرے جنت کو کچھ خطرہ نہیں وہ بخدائے کعبہ ایک نور ہے تاباں اور ایک گلدستہ ریحان اور محل مضبوط اور نہر جاری اور میوے پکے ہوئے کثرت سے اور زوجہ خوبصورت صاحب جمال خوشی اور نعمت میں مقام ابد میں یا مقام نضرت میں مکان عالی شان محفوظ میں، لوگوں نے عرض کیا کہ ہم ہیں اس کی تیاری کرنیوالے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا کہ کہو انشاء اللہ پھر آپ نے جہاد فرمایا اور اس کی رغبت دلائی۔ اور ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ جنت میں گھوڑا بھی ہوگا کہ وہ مجھے اچھا معلوم ہوتا ہے آپ نے فرمایا کہ اگر تجھ کو گھوڑا پسند ہے تو یاقوت سرخ کا گھوڑا تجھے ملے گا کہ جنت میں جہاں تو چاہے تجھ کو لیے ہوئے اڑتا پھرے گا۔ اور ایک اور شخص نے آپ سے پوچھا کہ بھلا جنت میں اونٹ بھی ہوگا آپ نے فرمایا[۴] اے بندۂ خدا جب تو جنت میں داخل ہوگا تو جو تیرا نفس چاہے گا اور جس سے تیری آنکھوں کو لذت ہوگی وہ سب کچھ ملے گا اور حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ[۵] جب جنتی کا دل چاہے

ح[۱] ترمذی بروایت علی مرتضیٰ رضؓ اور اس میں ذکر بازار کا نہیں ۱۲ ت[۲] باغ میں ہیں ان کی آؤ بھگت ہوتی ہے ۱۲ ح[۳] ترمذی نے کچھ اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے بروایت ابو ایوب اور کہا ہے کہ اسکی سند قوی نہیں ۱۲ ح[۴] ترمذی نے بروایت بریدہؓ ایک حدیث کے اثنا میں نقل کیا ہے ۱۲ ح[۵] ابن ماجہ بروایت ابو سعیدؓ ۱۲

گا تو اس کے اولاد ہو گی اور اس کا حمل اور وضع حمل اور جوانی ایک ساعت میں ہو جاوے گی اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ اہل جنت جنت میں ٹھہر جاویں گے تو بھائی بھائیوں کے مشتاق ہوں گے پس ایک کا تخت دوسرے کے پاس جاوے گا اور ملاقات کریں گے اور وہ باتیں کریں گے جو دنیا میں دونوں میں ہوتی تھیں ایک کہے گا کہ بھائی تجھے یاد ہے کہ فلاں روز فلاں مجلس میں ہم نے خدائے تعالیٰ سے دعا مانگی تھی تو اللہ تعالیٰ نے ہم کو بخش دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان اهل الجنة جرد مرد بيض جعاد مكحولون ابناء ثلث وثلثين على خلق آدم طولهم ستون ذراعا في عرض سبعة اذرع اور ایک حدیث میں ارشاد[۲۴] فرمایا کہ اہل جنت میں سے ادنیٰ وہ ہو گا جس کے پاس اسی ہزار خادم اور بہتر بیبیاں ہوں گی اور اس کے لیے ایک خیمہ موتی اور زبرجد اور یاقوت کا اتنا کھڑا کیا جاوے گا جتنا فاصلہ جابیہ اور صنعا کے درمیان ہے اور ان کے سروں پر تاج ہوں گے اور ان میں کا ادنیٰ موتی پورب سے پچھم تک کو روشن کر دے گا اور فرمایا کہ میں نے جنت کو دیکھا تو اس کے اناروں میں کا انار مثل پشت اونٹ پالان کسے ہوتے کے تھا اور اس میں کا پرند مثل بختی اونٹ کے اور اسی ایک لونڈی کو دیکھا اور اس سے میں نے پوچھا کہ تو کس کی ہے اس نے کہا کہ زید بن حارثہ کی ہوں اور جنت میں جو چیز نظر پڑی وہ ایسی ہی تھی کہ نہ آنکھوں دیکھی نہ کانوں نے سنی اور نہ کسی بشر کے دل میں گذری اور حضرت کعب رضی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور توریت کو اپنے ہاتھ سے لکھا اور جنت کے درخت اپنے ہاتھ سے لگاتے پھر اس کو کہا کہ بول جنت نے کہا قد[۳۱] افلح المؤمنون یعنی ایمان داروں کی بن پڑی پس جنت کی یہ صفتیں ہیں جن کو ہم نے اول مجملاً بیان کیا، پھر مفصل نقل کیا۔ اور حضرت حسن بصریؒ نے ان سب کو ذکر کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ اس کے انار ڈول جیسے ہیں اور ان کی نہریں ایسے پانی کی ہیں جو نہیں سڑتا اور دو نہریں دودھ کی ہیں جس کا مزہ نہیں بدلتا اور نہریں شہد صاف کی جس کو آدمیوں نے صاف نہیں کیا اور نہریں ایسی شراب کی ہیں جو پینے والوں کو مزہ دے نہ نیند سے اس کا سرور بھولے نہ اس سے سر ول میں درد ہو اور جنت میں وہ بہار ہے کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھی نہ کسی کان نے سنی نہ کسی بشر کے دل میں گذری، اس کے لوگ نعمت والے تینتیس برس کے ایک ہی سن میں ہوں گے ان کا قد ساٹھ ہاتھ کا سرمہ لگائے بالوں سے صاف چہرہ سبزے سے خالی ہوگا، عذاب سے مامون گھر کو ان سے اطمینان اور اس کی نہریں یاقوت اور زبرجد کے کنگروں سے پھرتی ہیں اور اس کے درخت اور رگیں اور انگور موتی ہیں اور پھلوں کا احوال سوائے خدائے تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا اور اس کی خوشبو پانسو برس کی راہ سے پائی جاتی ہے اور جنت والوں کو جنت میں گھوڑے اور اونٹ تیز قدم اور سبک رفتار ملیں گے جن کی کاٹھیاں اور باگیں اور زین یاقوت کے ہوں گے جنت میں سیر کرینگے

ح جنت والے بالوں سے صاف بے ریش چاق سرمہ لگائے تینتیس برس کی عمر کے حضرت آدمؑ کی پیدائش پر ہوں گے ان کا قد ساٹھ ہاتھ کا اور عرض سات ہاتھ کا ہو گا۔ ح ترمذی بروایت ابو سعید اور کہا ہے کہ غریب ہے

اور ان کی بیبیاں حوریں ہوں گی جیسے موتی لپٹا ہوا یعنی نظر اور دست مالی کے آسیب سے محفوظ اور وہ عورت اپنی دونوں انگلیوں میں ستر لباس پکڑ کر پہنے گی اور اس کی پنڈلی کا مغز ان سب لباسوں کے اندر سے معلوم ہو گا اللہ تعالیٰ نے اخلاق کو برائی سے پاک فرمایا اور جسموں کو موت سے۔ نہ جنت میں ناک صاف کریں گے نہ بول و براز کریں گے بلکہ ان کے عوض میں ڈکار اور پسینہ مثل مشک کے ہو گا ان کا رزق صبح و شام اس میں ملے گا مگر یہ کہ رات نہ ہو گی جو صبح شام اور شام صبح پر نوبت بہ نوبت آتی رہے اور سب سے آخر میں جو شخص جنت میں داخل ہو گا اور مرتبے میں سب سے کم ہو گا، اس کا یہ حال ہو گا کہ آنکھ اٹھا کر سو برس کی راہ تک دیکھنے لگے گا اور اس کی سلطنت چاندی سونے کے محلوں اور موتیوں کے خیمے میں اسی قدر فاصلے تک ہو گی اور اس کی آنکھ کو قدرت دی جاوے گی کہ دور اور نزدیک کی چیزیں یکساں دیکھے۔ صبح کو بھی جنت والوں کے پاس ستر ہزار سونے کے پیالے لائے جاویں گے اور شام کو بھی اتنے ہی موجود ہوں گے اور ہر پیالے میں جدا ہی کھانا ہو گا اور وہ اوّل سے لے کر آخر تک کا مزہ چکھیں گے اور جنت میں ایک یاقوت ہے جس میں ستر ہزار گھر ہیں اور ہر گھر میں ستر ہزار کوٹھیاں ہیں جن میں کہیں نہ شگاف ہے نہ سوراخ ہے اور حضرت مجاہدؒ نے فرمایا ہے کہ جنت میں ادنیٰ مرتبہ کا شخص وہ ہو گا کہ اپنی سلطنت میں ہزار برس سفر کرے گا اور وہ دور و نزدیک کی اشیاء کو برابر دیکھے گا اور سب میں اعلیٰ درجہ وہ ہو گا جو صبح و شام اپنے پروردگار کے دیدار سے مشرف ہو گا۔ اور حضرت سعید بن المسیبؓ فرماتے ہیں کہ اہل جنت میں ایسا کوئی نہ ہو گا جس کے ہاتھ میں تین کنگن نہ ہوں ایک سونے کا ہو گا، ایک موتی کا ایک چاندی کا۔ اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جنت میں ایک حور ہے جس کا نام عیناء ہے جب وہ چلتی ہے تو اس کی داہنی اور بائیں طرف سے ہزار لونڈیاں ساتھ چلتی ہیں اور وہ کہتی ہے کہ کہاں ہیں وہ لوگ جو اچھی بات کا حکم کرنے والے ہیں اور بری بات سے منع کرنے والے۔ اور یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں کہ دنیا کا ترک کرنا سخت کام ہے مگر جنت کا ہاتھ سے نکلنا سب سے زیادہ سخت ہے اور دنیا کا چھوڑنا آخرت کا مہر ہے اور یہ بھی انہی کا قول ہے کہ دنیا کی طلب میں نفس کی ذلت ہے اور آخرت کی طلب میں اس کی عزت تو تعجب ہے اس شخص سے کہ فانی چیز کی طلب میں عزت کو ترک کرے۔

اہل جنت کے اوصاف از روئے حدیث

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے للذین احسنوا الحسنیٰ و زیادۃ اس زیادتی سے مراد دیدار الٰہی اور شرف رویت ہے جو ایسی بڑی لذت ہے کہ اس میں جنت کی آسائش بھول جاتی ہے اور ہم نے رویت کی حقیقت باب المحبت میں بیان کی ہے اور اس کا ثبوت کتاب اللہ اور حدیث سے ہے بخلاف اس عقیدے کے جو اہل بدعت رکھتے ہیں۔ حضرت جریر بن عبداللہ بجلی روایت کرتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ آپ نے چودھویں رات کے چاند کو دیکھ کر فرمایا کہ تم اپنے پروردگار کا دیدار ایسا دیکھو گے جیسا اس چاند کو دیکھتے ہو کہ اس کے دیکھنے میں تم ایک دوسرے پر نہیں گرتے یعنی سب بے تکلف

ت ا جنہوں نے بھلائی کی ان کو ہے بھلائی اور بڑھتی ۱۲

اور بے مشقت دیکھتے ہو، پس اگر تم سے ہو سکے کہ طلوع اور غروب آفتاب سے پیشتر کی نماز سے نہ تھکو تو اس کو ادا کیا کرو، پھر یہ آیت پڑھی ت ا وسبح بحمد ربك قبل طلوع الشمس وقبل غروبها ہ یہ روایت بخاری اور مسلم نے نقل کی ہے اور مسلم نے اپنی کتاب میں حضرت صہیب رضؓ سے روایت کی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی للذین احسنوا الحسنیٰ وزیادۃ ط اور فرمایا کہ جب جنت والے جنت میں اور دوزخ والے دوزخ میں چلے جاویں گے تو ایک منادی پکارے گا کہ اے اہل جنت تم سے خدا تعالیٰ کا ایک وعدہ ہے وہ چاہتا ہے کہ اس کو تم سے پورا کرے وہ عرض کریں گے وہ کونسا وعدہ ہے کیا ہمارے وزن بھاری نہیں کر چکا اور منہ سفید نہیں کیے اور جنت میں نہیں داخل کیا اور دوزخ سے نہیں بچایا پھر فرمایا کہ اس کے بعد وہ پردہ اُٹھا لیا جاوے گا اور لوگ خدا تعالیٰ کی صورت کی طرف دیکھیں گے پس یہ حال ہوگا کہ کوئی چیز ان کو خدا تعالیٰ کے دیدار سے زیادہ محبوب نہ ملی ہو گی اور حدیث رویت کو چند صحابہؓ نے بھی روایت کیا ہے۔ غرضکہ شرف دیدار غایت خوبی اور نہایت درجہ کی نعمت ہے اور جتنی لذتوں کی شرح ہم نے اوپر کی ہے وہ اس نعمت کے آگے بھول جاتی ہیں اور اہلِ جنت جو اس نعمتِ دیدار کے وقت سرور ہوگا اس کی کچھ انتہا نہیں بلکہ لذاتِ جنت کو لذتِ دیدار کی طرف کچھ نسبت ہی نہیں اور چونکہ ہم اس کی تفصیل باب محبت اور شوق و رضا میں خوب لکھ چکے ہیں اسی لیے اس باب میں مختصر طور پر کچھ کہدیا پس آدمی کو چاہیئے کہ جنت میں سے اس کی ہمت سوائے دیدار الٰہی کے اور کسی طرف نہ ہو اور دوسری لذتوں میں جنت کے تو بہائم بھی شریک ہیں جو چراگاہوں میں چھوٹے پھرتے ہیں۔

رویت باری تعالےٰ

ازانجا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فال کو محبوب جانتے تھے اور ہمارے اعمال ایسے نہیں جن سے ہم توقع مغفرت کی کریں اسی لئے ہم فال نیک لینے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرتے ہیں اور توقع رکھتے ہیں کہ وہ ہمارا انجام دنیا و آخرت میں خیر کے ساتھ کرے جیسے ہم نے اس کتاب کو اس کی رحمت کے ذکر پر تمام کیا اور وہ خود فرماتا ہے ت ا ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذلك لمن یشاء اور فرمایا ت ۲ قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسہم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا انہ ہو الغفور الرحیم اور فرمایا ومن یعمل سوءا او یظلم نفسہ ثم یستغفر اللہ یجد اللہ غفورا رحیما اور ہم خدائے تعالیٰ سے بخشش چاہتے ہیں جہاں کہیں اس کتاب میں یا اور تمام ہماری کتابوں میں ہمارا قدم پھسلا ہو یا قلم بہکا ہو اور ان اپنے قولوں سے بھی آمرزش چاہتے ہیں جن کے موافق ہمارے اعمال نہ ہوں اور اس علم اور بصیرت سے جس کا وعدہ ہم سے خدا تعالیٰ کے دین میں کیا ہو اور اس میں قصور کیا ہو اور اس عمل و علم سے جس سے ہم نے خاص اسی کی ذات پاک کا قصد کیا ہو پھر اس میں کوئی دوسرا مل گیا ہو اور اس دعا سے جو ہم نے اپنے جی سے اس سے کیا ہو اور پھر اس

ت اور پڑھتا رہ خوبیاں اپنے رب کی سورج نکلنے سے اور اس کے ڈوبنے سے پہلے ۱۲ ت ۲۔ اللہ یہ نہیں بخشتا کہ اس کا شریک ٹھہرائے اور ان سے پیچھے بخشتا ہے جس کو چاہے ۱۲

ت ۳ کہو اے بندو میرے جنہوں نے زیادتی کی اپنی جانوں پر نہ آس توڑ و اللہ کی مہر سے بیشک اللہ بخشتا ہے سب گناہ وہ جو ہے وہی ہے معاف کرنے والا مہربان ۱۲ ت ۴ اور جو کوئی کرے گناہ یا اپنا برا کرے پھر اللہ سے بخشوا وے پاوے اللہ کو بخشتا مہربان ۱۲

کے پورا کرنے میں ہم نے کوتاہی کی ہو اور اس نعمت سے جس کو اس نے ہم کو دیا اور ہم نے اس کو اس کی نافرمانی میں برتا اور اس عیب سے جس کے ساتھ ہم متصف تھے اور ہم نے اس پر اس کو صریح لفظ یا اشارہ سے لگایا اور ان کو ناقص اور قصور وار ٹھہرایا اور اس خطرے سے جو ہم کو موجب تکلف اور بناوٹ اور لوگوں کے دکھانے کا کسی کتاب لکھنے یا کلام کرنے یا علم کے پڑھنے پڑھانے میں ہوا ہو ان سب باتوں سے بخشش چاہنے کے بعد ہم اپنے لیے اور ان لوگوں کے لیے جو ہماری اس کتاب کو پڑھیں یا لکھیں یا سنیں یہ توقع کرتے ہیں کہ وہ سب کو مغفرت اور رحمت سے عزت بخشیں اور ہماری سب ظاہری اور باطنی خطاؤں سے درگذر فرماویں اس لیے کہ اس کا کرم اور رحمت وسیع اور بخشش عام اقسام خلق پر جاری ہے اور ہم بھی ایک مخلوق اللہ تعالیٰ کے ہیں۔ ہمارا وسیلہ اس کی طرف بجز اس کے فضل و کرم کے اور کوئی نہیں۔ چنانچہ اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی سو رحمتیں ہیں اور ان میں سے ایک رحمت کو جن اور انسان اور پرند اور بہائم اور حشرات زمین کے درمیان اتارا ہے اسی سے ہر چیز آپس میں رحم اور مہر کرتی ہے اور ننانوے رحمت کو پیچھے رکھا ہے۔ ان سے اپنے بندوں پر قیامت کے روز رحم فرماوے گا اور روایت ہے کہ جب قیامت کا دن ہو گا تو اللہ تعالیٰ ایک نوشتہ عرش کے نیچے سے نکالے گا جس میں یہ لکھا ہو گا میری رحمت بڑھ گئی ہے میرے غضب سے اور میں سب مہربانوں سے زیادہ تر مہربان ہوں، پس دوزخ میں سے جنت والوں کے دونے آدمی باہر ہو جاویں گے۔ اور ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خدائے تعالیٰ قیامت کے روز ہمارے لیے ہنستا ہوا تجلی فرماوے گا اور ارشاد کرے گا کہ مژدہ ہو اے گروہ مسلمانوں کے کہ تم میں سے کوئی ایسا نہیں جس کے عوض میں نے یہودی و نصرانی کو دوزخ میں نہ ڈالا ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کی سفارش ان کی تمام اولاد میں سے ایک اور ایک کروڑ کے باب میں منظور فرماوے گا۔ اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ایمانداروں سے پوچھے گا کہ تم کو میرا ملنا محبوب تھا۔ وہ عرض کریں گے خدایا ہاں، اللہ تعالیٰ فرماوے گا کہ کیوں، وہ عرض کریں گے کہ ہم نے تیری مغفرت اور عفو کی توقع کر لی تھی پس فرماوے گا کہ میں نے تمہارے لیے اپنی مغفرت واجب کر دی۔ اور ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز حکم فرماوے گا کہ دوزخ میں سے ان لوگوں کو نکال لو جنہوں نے مجھے ایک روز یاد کیا ہو یا ایک مقام پر مجھ سے ڈرے ہوں، اور ایک حدیث میں فرمایا کہ جب دوزخ والے دوزخ میں اکٹھے ہوں گے اور ان کے ساتھ جس قدر خدا تعالیٰ کو منظور ہو گا اس قدر اہل قبلہ ہوں گے تو کافر مسلمانوں سے سوال کریں گے کہ کیا تم مسلمان نہ تھے وہ کہیں گے کہ تھے کیوں نہیں، کافر کہیں گے کہ تمہارا اسلام تمہارے کام نہ آیا اس لیے کہ تم بھی دوزخ میں ہمارے ساتھ ہو وہ جواب دیں گے کہ ہمارے پاس گناہ بہت تھے ان کے باعث ہم ماخوذ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی تقریر سنے گا اور حکم فرماوے گا کہ جو اشخاص اہل قبلہ سے دوزخ میں ہیں سب نکال لیے جاویں وہ بموجب حکم کے نکالے جاویں گے۔ جب کافر یہ معاملہ دیکھیں گے تو کہیں گے کہ کاش ہم بھی مسلمان ہوتے تو ایسے ہی نکالے جاتے جیسے یہ لوگ دوزخ سے نکالے گئے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی ربما یودّ الذین کفروا لو کانوا مسلمین اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ مومن پر زیادہ تر رحم کرتا ہے بہ نسبت

مادر مشفقہ کے اپنی اولاد پر اور جابرؓ بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے روز جس کی نیکیاں برائیوں سے بڑھ کر ہوں گی تو وہ بے حساب جنت میں داخل ہوگا اور جس کی نیکیاں اور بدیاں قیامت کو برابر ہوں گی اس سے کچھ تھوڑا سا حساب لیا جائے گا پھر جنت میں داخل ہوگا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش اس کے لیے ہے. جس نے اپنے نفس کو ہلاک کیا ہو اور اس کی پیٹھ گناہوں کے بوجھ سے بھاری ہو، اور روایت ہے کہ خدائے تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ارشاد فرمایا کہ اے موسیٰ قارون نے تجھ سے فریاد کی تو نے اس کی فریاد رسی نہ کی قسم ہے اپنی عزت جلال کی اگر وہ مجھ سے فریاد کرتا تو میں اس کی فریاد کو پہنچتا اور اس کا قصور معاف کر دیتا اور سعید بن بلال کہتے ہیں کہ قیامت کے روز دو آدمیوں کو دوزخ میں سے نکالنے کا حکم ہوگا اللہ تعالیٰ ان کو فرماوے گا کہ یہ تمہارا بدلہ اعمال ہے اور میں بندوں پر ظلم کا روادار نہیں یہ فرما کر حکم دے گا کہ ان کو دوزخ میں ہٹا لے جاؤ۔ پس ایک تو اپنی بیڑیوں میں دوڑے گا یہاں تک کہ دوزخ میں گھس جاوے گا اور دوسرا توقف سے اور پاؤں ملتا جاوے گا پھر ان کے واپس لانے کا حکم ہوگا اور ان سے ان کی حرکت کا سوال ہوگا کہ ایک کیوں دوڑ کر گیا اور دوسرا کیوں دیر لگاتا ہے تو جو دوڑ کر گیا تھا وہ عرض کرے گا کہ الٰہی نافرمانی کے وبال سے ڈرا ہوا تھا اب خوف کیا کہ مبادا کہیں دوبارہ تیرے غضب میں نہ پڑ جاؤں، اور جس نے دیر لگائی وہ عرض کرے گا کہ الٰہی تجھ سے تیرے ساتھ حسن ظن تھا جس سے میں یہ سمجھا کہ جب تو دوزخ میں سے نکال چکا ہے دوبارہ اس میں نہ بھیجے گا۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو جنت میں جانے کا حکم فرما دے گا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز عرش کے نیچے سے ایک پکارنے والا پکارے گا، اے امت محمدؐ جو حقوق میرے تمہارے ذمہ پر تھے وہ میں نے تم کو معاف کیے۔ اب تمہارے آپس کے حقوق رہے ان کو آپس میں ایک دوسرے کو بخش دو اور میری رحمت سے جنت میں داخل ہو جاؤ۔ اور روایت ہے کہ ایک اعرابی نے حضرت ابن عباسؓ کو یہ آیت پڑھتے سنا[ے] وکنتم علی شفا حفرۃ من النار فانقذکم منہا ۔ اعرابی نے کہا کہ بخدا[ع] اس سے بچایا تو نہیں وہ تو یہ چاہتا ہے کہ اس میں ڈال دے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ آیتوں کو بے سمجھ والوں سے نہ پڑھا کرو۔ اور صنابحی کہتے ہیں کہ میں حضرت عبادہ بن الصامت کے مرض موت میں ان کی خدمت میں گیا اور رو دیا انہوں نے فرمایا کہ ٹھہرو تم کیوں روتے ہو بخدا کہ جو حدیث کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی اور اس میں تمہاری بہتری ہوئی اور میں نے تم سے بیان کر دی ہے مگر ایک حدیث ہے وہ بھی آج کہے دیتا ہوں کہ میری جان اب رک گئی ہے۔ میں نے سنا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ فرماتے تھے کہ جو شخص گواہی دے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ حرام فرما دیتا ہے۔ اور عبداللہ بن عمرو بن العاص فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ایک شخص کو میری امت کے سب مجمع کے سامنے چھوڑے گا اس پر ننانوے طومار پھیلاتے جاویں گے اور ہر طومار آنکھ کے پہنچنے تک کا لمبا ہوگا پھر اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا کہ ان دفتروں میں

ے کسی وقت آرزو کریں گے لوگ جو منکر ہیں کسی طرح ہوتے مسلمان ۱۲ ے اور تم تھے کنارے پر ایک آگ کے گڑھے کے پھر تم کو اس سے کیا خلاص ع الاعرابی واللہ ما انقذہم الخ یعنی اعرابی نے کہا کہ بخدا ان کو نہیں نکالا درحالیکہ ان کو وہاں ڈالنا چاہتا ہو یعنی ارادہ الٰہی ازل ہی سے ان کو جہنم میں ڈالنے کا نہ ہوا تھا، تب ہی ان کو نکال دیا ہے۔ ابن عباسؓ نے اعرابی کا یہ نکتہ پسند فرمایا اور کہا کہ گو یہ فقیہ نہیں ہے مگر یہ نقطہ اس سے لو ۱۲ محمد امیر علی عفی عنہ

تجھ کو کسی کا انکار تو نہیں، تیرے اوپر میرے کاتبوں محافظوں نے زبردستی تو نہیں کی، لکھ لیے۔ وہ عرض کرے گا کہ خدایا نہیں، پھر ارشاد فرماوے گا تجھے کچھ عذر کرنا ہے، عرض کرے گا کہ نہیں پھر خدائے تعالیٰ فرماوے گا کہ ہاں ہمارے یہاں تیری ایک نیکی ہے اور تجھ پر آج ظلم نہ ہوگا۔ پس ایک چھوٹا سا پرچہ نکالے گا جس میں ہوگا اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمدا رسول اللہ ؎ وہ عرض کرے گا کہ الٰہی یہ پرچہ بھلا ان طوماروں کے سامنے کیا کرے گا اللہ تعالیٰ فرماوے گا کہ تجھ پر ظلم نہیں ہوگا پس وہ طومار ایک پلہ میں رکھے جاویں گے اور وہ پرچہ دوسرے پلے میں پس طومار ہلکے ہو جاویں گے اور وہ پرچہ بھاری اترے گا۔ کیونکہ خدائے تعالیٰ کے ساتھ کوئی چیز ہم پلہ نہیں ہو سکتی اور ایک طویل حدیث میں جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وصف قیامت اور پلصراط کا فرمایا ہے آخر کو ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماوے گا کہ جس کے دل میں دینار کے برابر خیر پاؤ اس کو دوزخ سے نکال لو۔ پھر بہت سی خلقت کو نکالیں گے۔ پھر عرض کریں گے کہ خدایا جن لوگوں کے لیے تو نے حکم دیا تھا ان میں سے ہم نے کسی کو نہیں چھوڑا، اللہ تعالیٰ فرماوے گا کہ پھر جاؤ اور جس کے دل میں ذرہ کے برابر خیر پاؤ اس کو نکال لو پس بہت سے لوگوں کو نکالیں گے۔ پھر عرض کریں گے کہ خدایا جن میں سے تو نے ہم کو امر فرمایا تھا ان میں سے ہم نے کوئی نہیں چھوڑا۔ پس حضرت ابو سعید فرمایا کرتے کہ اگر تم اس حدیث میں مجھ کو سچا نہ جانو تو چاہو تو قرآن میں پڑھ لو ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ وان تک حسنۃ یضاعفھا ویؤت من لدنہ اجرا عظیما ؎ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعد اس کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ فرشتوں نے سفارش کی اور نبیوں نے سفارش کی اور مومنین نے سفارش کی اور کوئی باقی نہیں رہا بجز ارحم الراحمین کے پس ایک مٹھی بھرے گا اور دوزخ میں سے ایسے لوگوں کو نکالے گا جنہوں نے کبھی خیر نہ کی ہوگی اور کوئلے کوئلے ہو گئے ہوں گے پس ان کو اس نہر میں ڈالے گا جو جنت کے دروازوں میں ہے اور نہر الحیات کہلاتی ہے پھر اس میں سے ایسے نکلیں گے جیسے رو کے پانی سے سبزہ نکل آتا ہے۔ تم دیکھتے نہیں کہ سبزہ چونکہ پتھر اور درخت سب کے متصل ہوتا ہے تو جو مقابل آفتاب کے ہوتا ہے وہ زرد اور سفید ہوتا ہے اور جو اس میں سے سینہ میں ہوتا ہے وہ سفید ہوتا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! گویا آپ نے جنگل میں چرایا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ وہ لوگ پھر ایسے نکلیں گے جیسے موتی اور ان کی گردنوں میں مہریں ہوں گی جن سے اہل جنت ان کو پہچانیں گے اور کہیں گے کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ کے آزاد کردہ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو جنت میں داخل کیا بدون اس کے کہ انہوں نے کوئی عمل کیا یا کوئی خیر آگے بھیجی ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کو ارشاد فرماوے گا کہ تم جنت میں داخل ہو اور جو کچھ دیکھو وہ تمہارے ہی لیے ہے وہ عرض کریں گے کہ الٰہی تو نے ہم کو وہ چیز دی جو کسی کو نہ دی۔ اللہ تعالیٰ فرماوے گا کہ تمہارے لیے میرے پاس وہ چیز ہے جو اس سے بھی افضل ہے۔ وہ عرض کریں گے کہ الٰہی اس سے افضل کون چیز ہے وہ ارشاد فرماوے گا کہ وہ میرا تم سے راضی ہونا ہے کہ میں تم سے کبھی ناراض نہ ہوں گا۔ اس حدیث کو بخاری و مسلم نے صحیحین میں روایت کیا ہے۔ اور نیز بخاری نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے

۱؎ میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی معبود نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور محمد اس کے رسول ہیں ۱۲ ۲؎ اللہ حق نہیں رکھتا کسی کا ایک ذرہ برابر اور اگر نیکی ہو تو اس کو دونا کرے دیوے اپنے پاس سے بڑا ثواب ۱۲

پاس گھر میں تشریف لائے اور فرمایا کہ میرے سامنے امتیں لائی گئیں۔ ایک نبی جاتا تھا کہ اس کے ساتھ ایک شخص اور ایک نبی کے ساتھ دو اور کسی نبی کے ساتھ کوئی بھی نہ تھا اور کسی پیغمبر کے ساتھ دس پانچ تھے پھر میں نے بہت سا انبوہ دیکھا اور توقع کی کہ یہ میری امت ہوگی، پس مجھ سے کہا گیا کہ یہ موسیٰ اور ان کی قوم ہیں۔ پھر مجھ سے کہا گیا کہ دیکھ میں نے ایک ایسا انبوہ کثیر دیکھا کہ اس نے کناروں کو آسمان کے روک دیا۔ پھر مجھ سے کہا گیا کہ ایسے ہی ایسے دیکھ پس میں نے بڑی بھاری جماعت کو دیکھا پھر مجھ سے کہا گیا کہ یہ لوگ تیری امت ہیں اور ان لوگوں کے ساتھ ستر ہزار جنت میں بے حساب داخل ہوں گے اس کے بعد لوگ جدا ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے تصریح نہ فرمائی کہ بے حساب کون لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔ اس کا چرچا صحابہؓ نے آپس میں کیا اور کہا کہ ہم تو شرک میں پیدا ہوئے لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے تو وہ لوگ ہمارے بیٹے ہوں گے جو بے حساب جنت میں جاویں گے۔ یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سُنی تو فرمایا کہ وہ وہ لوگ ہیں جو نہ داغ کھاویں نہ منتر پڑھیں نہ بدفالی کریں اور اپنے رب پر بھروسہ کریں۔ پس عکاشہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ دعا کیجیے کہ خدا تعالیٰ مجھ کو ان لوگوں میں سے کرے آپ نے فرمایا کہ تو ان میں سے ہے پھر ایک اور شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا جیسا عکاشہ نے عرض کیا آپ نے فرمایا اب تو عکاشہ کے حق میں تجھ سے پیشتر وہ دعا ہو چکی۔ اور عمرو بن حزم انصاری سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے تین روز غائب رہے کہ صرف نماز فرض کے لیے نکلتے تھے پھر چلے جاتے تھے جب چوتھا روز ہوا تو آپ ہمارے پاس تشریف لائے۔ ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ ہم سے رُک رہے یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ کوئی نئی بات پیدا ہو گئی، آپؐ نے فرمایا کہ خیر کے سوا نئی بات کوئی نہیں ہوئی، میرے پروردگار نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ میری امت میں سے جنت میں ستر ہزار بے حساب داخل کرے۔ میں نے ان تین دنوں میں اپنے رب سے درخواست کی کہ اور زیادہ لوگ بے حساب داخل ہوں پس میں نے اپنے رب کو بڑائی والا ہر چیز موجود رکھتا اور کریم پایا کہ اس نے ستر ہزار میں سے ہر شخص کے ساتھ میں ستر ہزار مجھ کو عطا فرمائے۔ میں نے عرض کیا کہ الٰہی میری امت اس تعداد کو پہنچے گی ارشاد ہوا کہ ہم تیرے لیے شمار اعراب میں سے پورے کر دیں گے۔ اور حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[ح] کہ جبرئیل علیہ السلام پتھریلی زمین کی طرف یعنی مدینۂ مطہرہ کے متصل ظاہر ہوئے اور مجھ سے کہا کہ اپنی امت کو خوشخبری دے کہ جو مرے گا اس طرح کہ نہ شریک کرے اللہ کے ساتھ کسی چیز کو تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ پس میں نے کہا کہ اے جبرئیل گو زنا کرے اور چوری کرے جبرئیل نے کہا ہاں گو زنا کرے اور چوری کرے۔ میں نے کہا کہ گو زنا کرے اور چوری کرے جبرئیل نے کہا اگرچہ زنا کرے اور چوری کرے، میں نے کہا کہ گو زنا کرے اور چوری کرے جبرئیل نے کہا اگرچہ زنا کرے اور چوری کرے اور شراب پیوے۔ اور حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی[ح۲] ولمن خاف مقام ربہ جنتٰن ؕ پس میں نے عرض کیا کہ گو زنا اور چوری کرے یا رسول اللہ! آپؐ نے فرمایا ولمن خاف مقام ربہ جنتٰن ؕ پھر میں نے عرض کیا کہ گو زنا اور چوری کرے یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا ولمن

ح بخاری و مسلم ۱۲ ح۲ احمد نے نقل کی ہے

خاف مقام ربہ جنتن[1] پس میں نے عرض کیا کہ گو زنا اور چوری کرے پھر آپؐ نے فرمایا کہ ہاں گو ابو درداء کو بُرا معلوم ہو۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[2] کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو ہر مومن کو ایک دوسری ملت کا آدمی حوالہ کیا جائے گا اور اس سے کہہ دیا جائے گا کہ تیرا یہ بدلہ ہے دوزخ سے اور مسلم نے اپنی کتاب میں ابو بردہؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے سامنے حدیث بیان کی کہ مجھ سے میرے باپ ابو موسیٰ اشعریؓ نے روایت کیا ہے اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جو شخص مسلمان مرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عوض دوزخ میں کوئی یہودی یا نصرانی داخل کر دیتا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ابو بردہؓ کو تین بار قسم دلائی کہ تم کو قسم ہے اس معبود کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں تمہارے باپ نے تم سے حدیث نقل کی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے قسم کھائی کہ ہاں مجھ سے بیان کی ہے اور روایت ہے کہ ایک لڑکا کسی معرکۂ جہاد میں کھڑا تھا اور اس پر بولی ہو رہی تھی کہ جو زیادہ دے سو لے اور وہ دن گرمی کا نہایت حرارت کا تھا اس کو ایک عورت نے لوگوں کے خیمے کے اندر سے دیکھا اور وہاں سے دوڑتی آئی اور اس کے ساتھی اس کے پیچھے آتے تھے یہاں تک کہ اس نے لڑکے کو اٹھا کر چھاتی سے لگا لیا۔ پھر اپنے آپ اس پتھریلی گرم زمین پر لیٹ کر گرمی سے بچانے کے لیے لڑکے کو اپنے اوپر لے لیا اور کہنے لگی میرے بچے میرے لڑکے پس آدمی روئے اور جس حال میں تھی اس کو چھوڑ دیا۔ اتنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور کھڑے ہوئے لوگوں نے ماجرا آپ کی خدمت میں عرض کیا آپؐ ان کے ترس کھانے سے خوش ہوئے۔ پھر ان کو خوشخبری سنائی اور فرمایا کہ کیا اس عورت کے اپنے بچے کے اوپر رحم کرنے سے تم کو تعجب ہے لوگوں نے عرض کیا کہ ہاں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل شانہٗ تم سب پر اس عورت کے رحم کی نسبت کر اپنے بندے پر زیادہ تر رحیم ہے۔ پس مسلمان وہاں سے نہایت سرور اور عمدہ بشارت کے ساتھ علیحدہ ہوئے۔ تو یہ حدیثیں اور جو کچھ ہم باب الرجا میں لکھ آئے ہیں ہم کو بشارت خدائے تعالیٰ کی وسعت کی دیتی ہیں۔ اس لیے ہم اس سے توقع رکھتے ہیں کہ ہمارے ساتھ وہ معاملہ نہ کرے جس کے ہم سزاوار ہیں اور ہم سے اپنے فضل و کرم سے وہ انعام و احسان کرے جس کے لائق اس کی جود و رحمت ہے۔ فقط والحمد للہ اولاً و آخراً و ظاہراً و باطناً۔

رحمت باری تعالیٰ

مزہ احباب جب اس سے اُٹھائیں گے تو بولیں گے	نہ تھا آسان کچھ کوزے میں لانا بحر قلزم کا
لکھا جب ترجمہ عمدہ تو احسنؔ یہ لکھو تاریخ	عجائب ہے یہ اردو ترجمہ جلد چہارم کا ۱۲۸۳ھ

-: تمت بالخیر :-

ف[1] اور جو کوئی ڈرا کھڑا ہونے سے اپنے رب کے آگے اسکو ہیں دو باغ ۱۲ ح[2] مسلم بروایت ابو موسیٰ ۱۲

ح[5] بخاری و مسلم نے بروایت عمرؓ بن خطاب اس قصہ کو اور طرح پر نقل کیا ہے ۱۲